بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فہرس

المواھب اللدنیہ (جلداوّل)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مصنف کا تعارف

نام ونسب

آپ کا نام احمد بن محمد ہے اور امام قسطلانی کے نام سے مشہور ہیں' کنیت ابو العباس' لقب شہاب الدین ہے خاندانی نسبت سے قتیبی' جائے پیدائش کے لحاظ سے مصری اور بعد میں قاہرہ میں سکونت کی وجہ سے قاہری کہلاتے ہیں علامہ قسطلانی اپنے دور کے بہت بڑے امام' فن قرأت کے ماہر' چودہ روایتوں کے مشاق جید قاری' علم وفن میں حجت باخبر اور روشن دماغ فقیہ اور سند المحدثین' صاحب تصانیف کثیرہ اور بڑے باکمال آدمی تھے' شیخ ابو بکر بن احمد بن حمیرہ نحاس رحمہ اللہ تعالیٰ کی دختر نیک اختر حضرت حلیمہ آپ کی والدہ محترمہ ہوتی ہیں۔

ولادت اور ابتدائی تعلیم

امام قسطلانی بارہ (۱۲) ذی القعدہ ۸۵۱ھ کو مصر میں پیدا ہوئے اور وہیں پرورش پائی' مصر ہی میں قرآن مجید حفظ کیا اور تجوید وقرأت اور صرف ونحو کی تعلیم حاصل کی' تجوید میں آپ نے شاطبیہ اور جزریہ پڑھیں اور نحو میں الوردیہ یاد کی۔

مشائخ اور اساتذہ

آپ نے اپنے وقت کے بے بدل شیخ علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ سے کسب فیض کے علاوہ اور بھی متعدد جلیل القدر اساتذہ کرام اور مشائخ عظام سے استفادہ کیا جن میں سے بعض شیوخ کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

(۱) امام عمر بن قاسم انصاری نشار رحمہ اللہ تعالیٰ (۲) علامہ عبد الغنی ہیثمی رحمہ اللہ تعالیٰ
(۳) علامہ شہاب بن اسد رحمہ اللہ تعالیٰ (۴) علامہ خالد الازہری نحوی رحمہ اللہ تعالیٰ
(۵) علامہ فخر مقسمی رحمہ اللہ تعالیٰ (۶) حضرت امام سخاوی رحمہ اللہ تعالیٰ
(۷) حضرت شیخ برہان عجلونی رحمہ اللہ تعالیٰ (۸) حضرت شیخ الاسلام شیخ زکریا انصاری رحمہ اللہ تعالیٰ
(۹) صحیح البخاری آپ نے حضرت شیخ علوی شاوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے پاس پڑھی جو پانچ مجالس میں مکمل ہوئی' نیز آپ نے مکہ معظمہ میں بھی متعدد علماء سے تحصیل علم کی' علماء مکہ مکرمہ میں سے حضرت شیخ النجم ابن فہد رحمہ اللہ تعالیٰ اور جلیل القدر محدثہ اور شیخۃ الحدیث' زینب بنت امام شوبکی رحمہ اللہ تعالیٰ کے اسماء گرامی سرفہرست ہیں۔

[1] الضوء اللامع ج ۲ ص ۱۰۳' شذرات الذہب ج ۸ ص ۱۲۱' الکواکب السائرہ ج ۱ ص ۱۲۶' معجم المؤلفین ج ۲ ص ۸۵' النور السافر ص ۱۱۳' خطط مبارک ج ۶ ص ۱۱' الاعلام ج ۱ ص ۲۳۲' معجم المطبوعات ص ۱۵۱۱

شخصی صفات

امام قسطلانی رحمہ اللہ تعالیٰ زاہد' قانع' پاکباز و پارسا اور کثیر الأسقام یعنی سینہ او داغ داغ از درد بود شخص تھے۔ حضور نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد مبارک ہے کہ:

اشد الناس بلاء الانبیاء ثم الامثل فالامثل. سب سے زیادہ تکالیف انبیاء علیہم السلام کو پہنچتی ہیں پھر جو ان کے قریب ہو اور جو اس قریب کے قریب ہو۔

یہ تکالیف آدمی کے دین میں اس کے تصلب اور خفت کی مقدار سے کم و بیش ہوتی ہیں۔ بہر کیف

دلوں کو بخش گئے ہیں قرار کی دولت
تمام عمر تڑپ کر گزارنے والے

اگر آپ سے تقریر یا تحریر میں کوئی سہو یا غلطی ہوئی اور کسی نے اس کا رد کیا تو دلائل سامنے آ جانے اور حق واضح ہو جانے پر آپ فوراً حق کی طرف رجوع کر لیتے تھے۔ قرآن مجید اور حدیث پاک بہت عمدہ لہجے میں پڑھتے تھے' آواز میں سوز تھا' اللہ تعالیٰ نے آپ کو جامع کمالات شخصیت بنایا تھا' آپ نرم خو' ملنسار' محبت کرنے اور تواضع سے پیش آنے والے آدمی تھے۔

امام العلائی آپ کی شخصیت کے بارے میں لکھتے ہیں:

انہ کان فاضلا محصلا دینا عفیفا متقللا من عشرۃ الناس ء الا فی المطالعۃ والتالیف والاقراء و العبادۃ. آپ فاضل' صاحب رائے' دیانت دار اور پاک دامن ہونے کی وجہ سے دلآویز شخصیت کے مالک تھے مگر اپنی افتادِ طبع کی وجہ سے خلوت پسند' مردم گریز اور کم آمیز تھے۔

بقول شاعر

کہتے ہیں فرشتے دل آویز ہے مؤمن حوروں کو شکایت ہے کم آمیز ہے مؤمن

خود کو مطالعہ' تصنیف و تالیف' درس و تدریس اور عبادت میں مشغول رکھتے تھے۔ اور بس! گویا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان رحمہ اللہ تعالیٰ کا وہ قطعہ ان کی مکمل سوانح حیات کا احاطہ کرتا ہے' جو آپ نے اپنے متعلق فرمایا تھا کہ:

نہ مرا نوش ز تحسین نہ مرا نیش ز طعن نہ مرا گوش بمدحی نہ مرا ہوش ذمے
منم و کنج خمولی کہ نگنجد درو ے جز من و چند کتابی و دوات و قلمے

کیونکہ ہمارے بزرگ علماء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک دنیا و آخرت کا تصور یہ رہا ہے کہ

اسے ہم آخرت کہتے ہیں جو مشغول حق رکھے خدا سے جو کرے غافل' اسے دنیا سمجھتے ہیں

''جامع غمری'' میں وعظ کے لیے مجلس منعقد کرتے تو لوگوں کا جم غفیر جمع ہو جاتا وعظ کہنے میں آپ کی نظیر کوئی نہ تھا۔ صوفیت کے مکمل قائل تھے' یعنی صوفیت اور صوفیاء کرام کے ساتھ کامل عقیدت رکھتے تھے' چنانچہ اس کی بدولت آپ کو قرافہ صغریٰ (قرافہ خورد) میں شیخ احمد بن ابی عباس حرار کا جانشین مقرر کیا گیا تھا اور اس دور میں آپ نے طلبہ کو

پڑھانے اور لکھنے لکھانے کا زیادہ شغل رکھا۔

آپ نے حج فرض کے علاوہ متعدد نفلی حج بھی ادا کیے اور تین مرتبہ آپ نے حرمین شریفین میں مجاورت کی سعادت بھی حاصل کی' ایک مرتبہ جب آپ کم سن تھے اور آپ کی عمر ۹ برس تھی یعنی ۸۶۰ھ اور دوسری مرتبہ ۸۸۴ھ میں اور تیسری مرتبہ ۸۹۴ھ میں آپ مجاور اور معتکف ہوئے۔

بالجملہ آپ جلیل القدر امام' ثقہ عالم اور حافظ القرآن اور حافظ الحدیث تھے حسن تقریر اور حسن تحریر دونوں پر قادر تھے بہترین ''لکھارو'' اور اچھے ''بلارو'' تھے' تقریر نہایت فصیح و بلیغ اور لطیف اشارات پر مشتمل ہوتی تھی اسی طرح آپ کا تصنیف و تألیف کا انداز اور اسلوب بھی بہت عمدہ ہے' مضمون کی ترتیب اور ترصیف ایسے لطیف پیرائے میں کرتے ہیں کہ عبارت میں کوئی ابہام اور الجھاؤ نہیں ہوتا' اپنے ہم عصروں کے لیے باعث زینت اور ان میں ایک صاف ستھرے اور کھرے آدمی کی حیثیت سے پہچانے جاتے تھے آپ کی کوئی ایک بھی عیب گیری کرنے والا نہیں تھا آپ کے معاصرین نے آپ کو قبول اور تسلیم کیا اور اکابر کا ہر عصر میں ہمیشہ سے یہ طریقہ بھی رہا ہے۔

امام شعراوی آپ کے متعلق لکھتے ہیں:

امام قسطلانی کا قد دراز تھا اور آپ بہت خوبصورت تھے' تھوڑے سے بال سفید ہو گئے تھے جو سیاہ بالوں میں بڑے اچھے لگتے تھے۔

آپ چودہ روایتوں میں قرأت کرتے تھے آواز میں کمال کا سوز تھا جب قرآن مجید پڑھتے تو پتھر سے پتھر دل آدمی بھی رو پڑتا تھا' نماز کی امامت میں جب قرآن مجید پڑھتے تو لوگ جھوم جاتے اور روتے روتے گر جاتے تھے۔

امام شعراوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

جب آپ حضور اکرم ﷺ کے روضۂ مبارکہ کے پاس مقیم ہوئے اور اس مجاورت اور قرب کی وجہ سے آپ کو جذب کی کیفیت حاصل ہو گئی تھی اور ''مواہب اللدنیہ'' آپ نے مجذوبیت سے صحو کی حالت میں آنے کے بعد تصنیف فرمائی ہے' مواہب اللدنیہ کے شارح مأمون بن محی الدین الجنان لکھتے ہیں:

مواہب اللدنیہ میں آپ نے ''سید وفا'' کے کلام سے بہت زیادہ استشہاد کیا ہے اور آپ نبی کریم ﷺ کی رفعت قدر کے بیان میں غلو کی طرف مائل تھے حتیٰ کہ آپ نے مدینہ منورہ کو مکہ مکرمہ سے افضل قرار دینے میں امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کے مذہب کو اختیار کیا ہے کیونکہ وہ بھی مدینۂ رسول ﷺ کے مکہ معظمہ سے افضل ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں۔ (الکواکب السائرہ ج ا ص ۱۲۷)

وفات

امام احمد بن محمد قسطلانی کی وفات آٹھ محرم الحرام ۹۲۳ھ کو ہوئی انا للہ وانا الیہ راجعون' آپ پر فالج کا حملہ ہوا تھا واقعہ یہ ہوا کہ آپ کو خبر ملی کہ سلطان غوری کے کسی مصاحب نے شیخ ابراہیم بن عطاء اللہ مکی رحمہ اللہ تعالیٰ کا سر قلم کرا دیا ہے آپ کو جب یہ خبر پہنچی تو آپ اس وقت سواری پر تھے اس خبر کا صدمہ برداشت نہ کر سکے' متاثر ہو کر گر گئے اور آپ پر بے ہوشی طاری ہو گئی' لوگ آپ کو اٹھا کر گھر لائے اور اس کے کچھ دنوں کے بعد آپ کا انتقال ہو گیا' جمعہ کی نماز کے بعد جامع الأزہر میں آپ کی نماز جنازہ پڑھی گئی اور جامع الأزہر کے قریب قاضی القضاۃ علامہ بدر الدین عینی رحمہ اللہ

تعالیٰ کے مدرسہ میں ''قبّہ'' میں آپ کو دفن کیا گیا' آپ کی متواضع طبیعت اور حُسن معاشرت کی وجہ سے لوگ آپ کی وفات سے بہت متاثر ہوئے اور جامع ازھر کے علاوہ دمشق میں بھی لوگوں کی ایک جماعت نے آپ کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھی' جن میں شیخ برہان ابن ابی شریف بھی شریک تھے۔ ابن ایاس نے بیان کیا کہ آپ کی وفات کے دن اتفاق سے یہ واقعہ بھی پیش آیا کہ اسی دن سلطان سلیم نے مصر پر چڑھائی کر کے اس مملکت کا اقتدار سنبھال لیا تھا۔

مصنفات

النور السافر میں آپ کے بارے میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے قلم اور زبان دونوں میں بڑی سعادت اور برکت رکھی تھی آپ نے بہت ساری کتابیں لکھیں جن کی مقبولیت کا یہ عالم تھا کہ آپ کی زندگی میں آپ کی تصانیف کے اونٹوں لَد کر بیرون ملک جاتے تھے اور ان تصانیف میں آپ کے اخلاص عمل اور حُسن نیت کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ آپ کی مقبول عام و خاص تصنیف المواھب اللدنیہ کو لوگوں کے نزدیک وہ مقبولیت اور پذیرائی نصیب ہوئی کہ لوگ انتہائی مہنگے دام دے کر بھی اس کتاب کو خوش دلی کے ساتھ خرید لیتے تھے' آپ نے مواھب اللدنیہ کے علاوہ بھی متعدد کتابیں تصنیف فرمائی ہیں جو حسب ذیل ہیں:

(۱) ارشاد الساری شرح صحیح البخاری (یہ شرح دس جلدوں میں ہے) (کشف الظنون ج ۱ ص ۵۵۲ و معجم المطبوعات ص ۱۵۱۱)

(۲) الاسعاد فی تلخیص الارشاد (کشف الظنون ج ۱ ص ۶۹)

(۳) امتاع الاسماع والابصار (مصدر السابق ج ۱ ص ۱۶۶)

(۴) الانوار المضیۃ فی شرح البردۃ (مصدر السابق ج ۱ ص ۱۳۳۵)

(۵) تحفۃ السامع والقاری بختم صحیح البخاری (مصدر السابق ج ۱ ص ۳۶۶)

(۶) رسالۃ فی الربع المجیب (کشف الظنون ج ۱ ص ۸۶۷)

(۷) الروض الزاہر فی مناقب الشیخ عبد القادر رحمہ اللہ تعالیٰ (مصدر السابق ج ۱ ص ۹۱۹)

(۸) زہر الریاض (مصدر السابق ج ۲ ص ۹۷۰)

(۹) العقود السنیۃ فی شرح المقدمۃ الجزریہ (یہ علم قرأت میں ہے) (مصدر السابق ج ۲ ص ۱۷۹۹)

(۱۰) فتح الدانی فی شرح حرز الامانی (یہ شاطبیہ کی شرح ہے اس میں آپ نے ابن جزری کی زیادات کو ملا دیا اور ساتھ وہ فوائد عجیبہ بیان کیے ہیں کہ دوسری جگہ نہیں ملتے) (مصدر السابق ج ۱ ص ۶۴۷۔ ج ۲ ص ۱۳۳۲)

(۱۱) فتح المواہبی فی مناقب الشاطبی (مصدر السابق ج ۲ ص ۱۲۳۵)

(۱۲) الکنز فی حمزۃ وہشام علی الھمز (مصدر السابق ج ۲ ص ۱۵۱۹)

(۱۳) اللآلی السنیۃ (کشف الظنون ج ۲ ص ۱۵۳۴)

(۱۴) لطائف الاشارات لفنون القرأت (مصدر السابق ج ۲ ص ۱۵۵۱)

(۱۵) لوامع الانوار فی الادعیۃ والاذکار (ج ۲ ص ۱۵۶۲)

(۱۶) مدارک المرام فی مسالک الصیام (مصدر السابق ج ۲ ص ۱۶۴۱)

(۱۷) مراصد الصلات فی مقاصد الصلوٰۃ (مصدر السابق ج ۲ ص ۱۶۵۲)

(۱۸) مسالک الحنفاء الی مشارع الصلوٰۃ علی النبی المصطفےٰ (مصدر السابق ج۲ص۱۶۶۴)
(۱۹) مشارق الأنوار المضیئۃ فی شرح الکواکب الدریۃ (مصدر السابق ج۲ص۱۳۳۵'۱۶۸۸)
(۲۰) منھاج الابتھاج فی شرح الجامع الصحیح لمسلم بن الحجاج (یہ صحیح مسلم شریف کے نصف تک کی شرح ہے اور آٹھ جلدوں پر مشتمل ہے) (مصدر السابق ج۲ص۵۵۸)
(۲۱) منھاج الھدایۃ (کشف الظنون ج۲ص۱۸۴۷)
(۲۲) المواھب اللدنیہ بالمنح المحمدیہ (یہ کتاب سیرت نبویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے موضوع پر ہے) (مصدر السابق ج۲ص۱۸۹۶'معجم المطبوعات ص۱۵۱۲)
(۲۳) نزھۃ الأبرار فی مناقب الشیخ أبي العباس أحمد الحرار (مصدر السابق ج۲ص۱۹۳۸)
(۲۴) نفائس الأنفاس فی الصحبۃ واللباس (مصدر السابق ج۲ص۱۹۶۵)
(۲۵) النور الساطع فی مختصر الضوء اللامع فی أعیان القرن التاسع للسخاوی (مصدر السابق ج۲ص۱۰۹۰)
(۲۶) یقظۃ ذوی الاعتبار فی موعظۃ أھل الاغترار (مصدر السابق ج۲ص۲۰۵۰)

کتاب کا تعارف

''مواھب اللدنیہ بالمنح المحمدیہ'' حضور نبی اکرم ﷺ کی سیرت مطہرہ پر ایک جامع کتاب ہے' اس کی ایک خوبی یہ ہے کہ اس میں حضور خاتم الأنبیاء علیہ التحیۃ والثناء کے ابتداء ولادت پاک سے انتہاءِ وصال شریف تک تسلسل زمانی کے ساتھ سیرت طیبہ کے احوال وواقعات کو بیان کیا گیا ہے اور حضور نبی اکرم ﷺ کی صفات حمیدہ' خصائل کریمہ' جمال خلق اور حسن خلق' آپ کے خدام وموالی' ازواجِ مطہرات' سواری کے جانوروں' اسلحہ کے اقسام واسماء' لباس مبارک' آپ کے معجزات' غزوات وسرایا' وفود اور بعوث کا بیان ہے۔ مصنف نے اپنی کتاب کو دس مقاصد پر تقسیم کیا اور ہر مقصد کے تحت کئی کئی عنوان آتے ہیں۔

کتاب کی فہرست پر نظر ڈالنے سے ہی آپ کو اندازہ ہو جائے گا کہ یہ کتاب سیرت مصطفیٰ ﷺ کے موضوع پر کتنی جامع کتاب ہے۔

''مواھب اللدنیہ'' کے متعلق علماء کرام رحمھم اللہ تعالیٰ کے تأثرات

شیخ ابن عماد حنبلی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:
''مواھب اللدنیہ'' جلیل القدر' عظیم الاثر' کثیر النفع کتاب ہے اور اس باب (سیرت نبویہ) میں اس کی نظیر کوئی نہیں ہے (یعنی سیرت مصطفیٰ ﷺ کے موضوع پر یہ ایک منفرد جامع کتاب ہے)۔ (شذرات الذھب ج۸ص۱۲۲)

علامہ زرقانی شارح مواھب اللدنیہ میں لکھتے ہیں:
امام قسطلانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے یوں تو کئی کتابیں لکھی ہیں لیکن ان میں سے یہ ''مواھب اللدنیہ'' بہت عظیم کتاب ہے اس کتاب کی سطور سے اللہ عزوجل کے جلال اور بزرگی کے انوار پھوٹتے ہوئے نظر آتے ہیں اور اس کے صفحات پر الفاظ نبوت ورسالت کو اس طرح جوڑ دیا گیا ہے جیسے گلاب کی پتیوں پر شبنم کے قطرات اٹکتے ہوئے ہوں' مصنف نے

اس میں (عبارت و الفاظ کی) ترتیب بھی بڑی خوبصورت رکھی ہے اور دلائل و براہین سے اس کی ترصیع و تزئین کا کام بھی محکم اور مضبوط بنیادوں پر کیا ہے' گویا

برنگ اصحاب صورت را بہ بُو ارباب معنیٰ را ― بہار عالم حسنش دل و جان تازہ می دارد

اور اللہ تعالیٰ نے اس کتاب کو قبولیت کی پوشاک پہنائی ہے یہی وجہ ہے کہ ارباب عقول کے نزدیک مواہب اللدنیہ سیرت نبویہ کے موضوع پر لکھی گئی اکثر دوسری کتابوں پر فضیلت رکھتی ہے۔

اعتراف

مصنف نے مواہب اللدنیہ میں ایک بڑی حد تک قاضی عیاض رحمہ اللہ تعالیٰ کی کتاب "الشفاء" پر اعتماد کیا اور اس سے استفادہ کیا ہے اور اس بات کا اعتراف کرتے ہوئے انہوں نے اپنی اس کتاب مواہب اللدنیہ میں صاف طور پر لکھا ہے کہ:

ولم اکن والله اهلا لذلک ولم ار نفسی فیما هنالک ' لصعوبة هذا المسلک ومشقة السیر فی طریق لم یکن لمثلی یسلک وانما هو نکتة سرقراء تی کتاب الشفاء بحضرة التخصیص و الأصطفا فی مکتب التادیب و التعلیم.

علامہ زرقانی جو اس کتاب کے شارح ہیں لکھتے ہیں کہ:

مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ نے بالکل سچ کہا ہے کیونکہ انہوں نے واقعی کتاب الشفاء کے انوار سے بھی اقتباس کیا اور فائدہ اٹھایا ہے جس طرح کہ انہوں نے علامہ عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ کی "فتح الباری" سے خوب خوب خوشہ چینی کی ہے اور علامہ قسطلانی نے اس بات کا اپنی شرح کے مقدمہ اور خاتمہ دونوں جگہ برملا اعتراف فرمایا ہے وہ مقدمہ میں لکھتے ہیں:

"مستمدا من فتح الباری فیض فضله الساری" اور کتاب کے خاتمہ میں لکھتے ہیں: "واستفتحت مغالیق المعانی بمغاشیح فتح الباری"۔

نیز لکھتے ہیں:

وقد انتهت کتابة النسخة المنقولة منها النسخة المبارکة النافعة ان شاء الله تعالی فی خامس عشر شعبان المکرم سنة تسع و تسعین ثمانمائة و کان الأبتداء فی المسودة المذکورة ثانی یوم قدومی من مکة المشرفة صحبة الحاج فی شهر محرم سنة ثمان و تسعین و ثما نمائة.

مواہب اللدنیہ کی شروحات

صاحب کشف الظنون لکھتے ہیں:

کہ خاتم المحدثین علامہ محمد بن عبد الباقی الزرقانی مالکی رحمہ اللہ تعالیٰ المتوفی ۱۱۲۲ھ نے مواہب اللدنیہ کی چار جلدوں میں ایک جامع شرح لکھی ہے' شارح نے اپنی شرح میں حضور اکرم ﷺ کے شمائل مبارک' سیرت پاک اور صفات کریمہ سے متعلق احادیثِ مبارک کا خاصا ذخیرہ جمع کر دیا ہے۔ (کشف الظنون ج ۲ ص ۱۸۹۷)

اس طرح شیخ ابو الضیاء علی بن علی شبراملسی المتوفی ۱۰۸۷ھ نے بھی المواہب اللدنیہ کی موٹی موٹی پانچ جلدوں میں شرح لکھی ہے' شیخ لأمنی رحمہ اللہ تعالیٰ نے خلاصۃ السیر میں اس کو نقل کیا ہے اور علامہ یوسف نبہانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کی تلخیص کر کے اس کا نام "الأنوار المحمدیہ من المواہب اللدنیہ" رکھا ہے جو ۱۳۱۰ھ میں بیروت سے طبع ہوئی ہے۔

غلام نصیر الدین نصیر گولڑوی (معلم' جامعہ نعیمیہ لاہور)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں' جونہایت مہربان رحم والا ہے' اسی پر میرا اعتماد ہے اور ہم اسی سے مدد کے طلب گار ہیں۔ اے ہمارے رب! ہمیں اپنی طرف سے رحمت عطا فرما اور ہمارے معاملے میں ہمیں رشد و ہدایت مہیا فرما۔ اور اللہ تعالیٰ کی رحمت اور سلام ہمارے سردار حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی آل پر نازل ہو۔

تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں' جس نے آسمانِ ازل میں معارف نبوتِ محمدیہ کے انوار کا سورج طلوع کیا اور اسرار رسالت کے اُفق سے صفاتِ احمدیہ کی تجلی کے مظاہر کو روشن کیا۔ میں اس (ذات والاصفات) کی تعریف کرتا ہوں کہ اس نے اپنی ازلیت کے سوابق [1] پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی بنیاد رکھی اور اپنی ابدیت کے لواحق [2] پر آپ کی رسالت کے ستونوں کو بلند کیا۔

اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں' وہ ایک ہے' اس کا کوئی شریک نہیں' وہ اپنی یکتائی میں عظمت و جلال کے ساتھ ایک ہے' منفرد ہے' اور استحقاق کمال کے ساتھ اپنی وحدانیت میں واحد ہے اور میں گواہی دیتا ہوں کہ ہمارے سردار اور محبوب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے بندے اور رسول ہیں۔ نوع انسانی میں سے اشرف اور خاص لوگوں کی آنکھوں کی پتلی ہیں۔ عدنان کی اولاد کے خالص خلاصہ میں سے چنے

[1] ازلیت کے سوابق سے مراد وہ امور ہیں کہ ازل میں ان کا اعتبار کیا گیا اور وہ دوسرے امور سے پہلے ہیں' ان کو سوابق اس لیے کہا کہ یہ نبوت کی بنیاد کو ظاہر کرنے والے ہیں اور یہ وجود عالم سے پہلے معتبر ہیں۔

[2] ابدیت سے وہ زمانہ مراد ہے جو کبھی ختم نہ ہوگا اور اس کی کوئی انتہا نہیں اور لواحق اس لیے کہا کہ معجزات کا محل ہے اور یہ عالم کے وجود میں آنے کے بعد ہے۔ یہ وہ معجزات ہیں جو بعد میں ظہور پذیر ہوئے۔

ہوئے ہیں۔ عجائب پر مشتمل آیات کا عطیہ پانے والے اور عمومِ رسالت نیز عجائباتِ معجزات کے ساتھ مخصوص ہیں۔ (حق و باطل کے درمیان) فرق کرنے والے جامع راز ہیں اور نوعِ انسانی میں سے سب سے زیادہ قُرب کے ساتھ مخصوص' ازلی حقائق کا منبع و مرکز اور ان حقائق کے مفردات کے جامع اور منیر ہیں' اور جنت میں تشریف لے جائیں گے تو ان حقائق کے ساتھ خطبہ دینے والے ہوں گے۔ وہ اللہ تعالیٰ کا بیت المعمور ہیں جو اس نے اپنی ذات کے لیے خاص کیا اور اپنے انس کے حقائق کو جمع کرنے والا بنایا۔ کائنات کا مرکزی نقطہ اور حکمت و عرفان کا منبع ہیں۔ اہلِ معارف اور منتخب افراد میں سے جو آپ کی ذاتِ اقدس کو اچھے عطیات کے لیے آواز دیتا ہے تو آپ مدد و وفا کے سمندر سے فیضان جاری کرتے ہیں۔ شاعر نے کہا۔

فانت رسول اللہ اعظم کائن وانت لکل الخلق بالحق مرسل

''پس آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور کائنات میں سب سے بڑے اور آپ تمام مخلوق کے لیے حق کے ساتھ بھیجے گئے''۔

علیک مدارا الخلق اذ انت قطبہ وانت منار الحق تعدو و تعدل

''تمام مخلوق آپ کے گرد گھومتی ہیں کیونکہ آپ اس کا قطب ہیں اور آپ منارۂ حق ہیں بلندی کی طرح جاتے اور عدل کرنے والے ہیں''۔

فوادک بیت اللہ دار علومہ وباب علیہ منہ للحق یدخل

''آپ کا قلب اقدس اللہ تعالیٰ کے گھر اور اس کے علوم کا مرکز ہے اور ایسا دروازہ ہے جس سے حق داخل ہوتا ہے''۔

ینابیع علم اللہ منہ تفجرت ففی کل حی منہ للہ منھل

''علم الٰہی کے چشمے اسی سے پھوٹتے ہیں اور ہر زندہ میں اسی سے اللہ تعالیٰ کے علم کا چشمہ جاری ہے''۔

منحت بفیض الفضل کل مفضل فکل لہ فضل بہ منک یفضل

''آپ کو ہر فضیلت عطا ہوئی اور جس کو بھی فضیلت ملتی ہے وہ آپ ہی سے حاصل کرتا ہے''۔

نظمت نثار الانبیاء فتاجھم لدیک بانواع الکمال مکلل

''آپ نے انبیاء کرام کی بکھری ہوئی شریعتوں کو جمع کیا پس ان کا تاج آپ کے پاس ہے جو ہر قسم کے کمال کے ساتھ مکمل ہے''۔

فیا مدۃ الامداد نقطۃ خطہ و یاذروۃ الاطلاق اذ یتسلسل

''اے امداد کے محور و مرکز اور اے سخاوت کے کوہِ عظیم''۔

محال یحول القلب عنک وانتی وحقک لا اسلو ولا اتحول

''یہ بات محال ہے کہ دل آپ سے پھر جائے اور آپ کے حق کی قسم میں نہ تو صبر کرسکتا ہوں نہ آپ کی محبت سے پھر سکتا ہوں''۔

علیک صلاۃ اللہ منہ تواصلت صلاۃ اتصال عنک لا تنصل

''آپ پر اللہ تعالیٰ کی مسلسل ایسی رحمتیں ہوں جو آپ سے کبھی زائل نہ ہوں''۔

سدرۃ المنتہیٰ کے باسیوں کی نگاہیں آپ کے حسن کی عظمت سے حیران رہ گئیں اور اکابر انبیاء کی ارواح مقدسہ آپ کے مشاہدۂ کمال کی طرف مشتاق ہوئیں اور ملاء اعلیٰ (بلند مرتبہ فرشتوں) کی ارواح اور ذاتوں کی توجہ آپ کی عمدہ خوشبو کی طرف مبذول ہے اور عقل والوں کی گردنیں آپ کی روشن آنکھوں اور آپ کے دیدار کی طرف دراز ہوئیں۔

پس آپ کو بلند مقدس مقامات کی طرف معراج کرایا اور نہایت عمدہ راز پر مطلع فرمایا جو اس کے علم میں ہے اور اپنے قرب خاص سے نوازا' چنانچہ انبیاء کرام علیہم السلام کی ذوات مقدسہ حرم تعظیم میں خدمت کے لیے کھڑی ہوئیں اور فرشتے بلند مقامات پر تعظیم کے لیے کھڑے ہوئے اور عشاق کی ارواح مقامات شوق میں فریفتگی کا اظہار کرتی تھیں ۔

کل الیک بکلہ مشتاق
وعلیہ من رقبائہ احداق
یھواک ما ناح الحمام بایکۃ
اولاح برق فی الدجی خفاق
شوق الیہ لا یزال یدیرہ
فجمیعہ لجمیعہ عشاق

''سب کے سب مکمل طور پر آپ کے مشتاق ہیں اور ان پر ان کے رقیبوں کی نظر ہے''۔
''جب تک کبوتر درخت پر بولتا ہے یا اندھیری رات میں بجلی چمکتی ہے' آپ کی طرف شوق مائل ہوتا ہے''۔
''وہ اسے ہمیشہ گردش میں رکھتا ہے' پس وہ سب آپ کے عشاق ہیں''۔

چاند آپ کے مشاہدہ کا مشتاق ہوا' تو پھٹ گیا' پس اس سے بدبخت (کفار) کے دل پھٹ گئے اور آپ کی جدائی میں کھجور کا خشک تنا رویا اور پھٹ گیا تو اس سے جاہل منافقوں کے دل پھٹ گئے۔ کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے ۔

وکان انشقاق البدر اکبر ایۃ
تشق قلوب الحاسدین وتفرث

''چاند کا پھٹ جانا بہت بڑی علامت ہے' پس حاسدین کے دل اور جگر پھٹ گئے''۔

آپ کی بعثت کی قندیل سے اولین حقائق کی بجلیاں چمک اٹھیں اور آپ کے دعوت عامہ کے سامنے خلاصہ مخلوق کے خاص افراد بھی جھک گئے۔ آپ سچے عزائم کے ساتھ ہمیشہ راہ خداوندی میں جہاد کرتے رہے اور آپ نے متفرقات اسلام کو ان کی جماعت کے متفرق ہونے کے بعد جمع کیا حتیٰ کہ آپ کے دین کے تمام کمالات اور حجت بالغہ درجہ کمال کو پہنچ گئے اور آپ کی تمام امی امت پر اللہ تعالیٰ کی کثیر نعمت مکمل ہو گئی، پھر آپ کو اختیار دیا گیا تو آپ نے اعلیٰ علیین میں انبیاء کرام علیہم السلام کی رفاقت (یا اللہ تعالیٰ کے قرب) کو اختیار فرمایا اور آخرت کو دنیا پر ترجیح دی تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو سلامتی کے قدموں میں قائم رکھتے ہوئے سلامتی کے گھر اور عزت والے جنت الفردوس کی طرف منتقل فرمایا اور دائمی گھر میں عزت و تکریم کے اعلیٰ مقام میں ٹھکانہ دیا اور قیامت کے دن آپ کو عطیات شرف عطا فرمائے گا۔ پس آپ شاہد بھی ہیں اور مشہود بھی۔

آپ حامد ہیں کہ ان محامد (تعریفی کلمات) کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی حمد کرتے ہیں جو آپ کو اس نے الہام کئے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو جنت اور عالم ارواح میں بہت بڑا مقام اور بلند درجہ عطا کیا۔ عمدہ صلوات، اعلیٰ سلام اور روز افزوں برکات آپ کی پاکیزہ آل اور نیک و صالح صحابہ کرام پر ہوں جو کبھی ختم نہ ہوں اور نہ ہی کبھی شمار میں آ سکیں۔

حمد و صلوۃ کے بعد!

یہ کتاب، رحمانی مہربانیوں کی خوشبوؤں کے لطائف میں سے ایک لطیفہ اور ربانی عطیات میں سے ایک عطیہ ہے جو ہمارے نبی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے کمال شرف سے کچھ کمالات کی خبر دیتی ہے۔ آپ پر افضل صلوات اور زیادہ سے زیادہ سلام ہو، آپ کو نبوت سب سے پہلے عطا ہوئی اور غایات احدیت میں[1] آپ کی نبوت ثابت ہوئی۔ گزشتہ زمانوں میں آپ کی احمدیت کی خوشخبری دی گئی اور گزشتہ امتوں میں آپ کی محمدیت ظاہر ہوئی۔ آپ کی ولادت مبارکہ جس کی فجر کی روشنی تمام مخلوق تک پہنچی، اس کی نشانیوں کے انوار کی چمک عام ہے اور ان نشانیوں کی فجر کے چاند نے اطراف عالم کا دورہ کیا، یہ لطیفہ ان سب باتوں کی خبر دیتا ہے۔

نیز یہ لطیفہ آپ کی رضاعت اور پرورش کے لطائف اور آپ کے معراج، بعثت اور ہجرت کے اسرار کے چشموں اور آپ کی عبودیت (بندہ ہونا) کے معارف کی خوشبو اہل ولایت کے دلوں کے کناروں میں جاری ہے۔ آپ کے پاکیزہ احوال کے عمدہ سانسوں اور آپ کی بلند سیرت کے حقائق کی باریکیوں کی اس لطیفہ نے خبر دی حتیٰ کہ آپ روضہ قدس احدیت (جنت) میں منتقل ہوئے۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کو عز و شرف والی آیات اور عمدہ و اعلیٰ معجزات کے ساتھ جو شرف بخشا اور آیات قرآنیہ میں آپ کا ذکر کر کے آپ کو رفعت عطا فرمائی، آپ کے عمدہ اخلاق اور خصلتوں، عموم رسالت کے ساتھ آپ کی تخصیص، آپ سے محبت کو واجب کرنے اور آپ کی سنت پر چلنے، رسل عظام کے مقام حضور میں آپ کو جامع

---

[1] وہ غایات (انتہائیں) جو احد (ذات) کی طرف منسوب ہیں اور غایات سے مراد وہ امور ہیں جن سے کمال کا ظہور مکمل ہوتا ہے وہ کمال جو ہر چیز کے ساتھ مختص ہے۔ (زرقانی جلد اول ص ۱۳)

سیادت و قیادت عطا کرنے، شفاعت عظمیٰ کی فضیلت سے نوازنے جو اولین و آخرین کو شامل ہوگی اور اس کے علاوہ جو کچھ آپ کو عطا کیا اور نبوت و دلائل کی عجیب خبریں عطا کیں، ان سب باتوں سے آپ کو عظمت عطا کرنے کی خبر بھی اسی لطیفہ سے حاصل ہوتی ہے۔

میں ان تمام باتوں کو بے دینوں کے خلاف دلائل قاہرہ اور موحدین کے لیے نفع بخش ذکر کے طور پر لایا ہوں، نیز یہ ہدایت یافتہ لوگوں کے مصمم ارادوں کو بیدار کرنے والی کتاب ہے۔

اللہ کی قسم! میں اس (تصنیف) کا اہل نہ تھا اور راستہ مشکل ہونے اور اس کی مشقت کے باعث میں سمجھتا تھا کہ میرے جیسا آدمی اس جگہ چل نہیں سکتا۔

لیکن اس کا نکتہ یہ ہے کہ میں روضہ مطہرہ اور منبر شریف کے درمیان "ریاض الجنہ" میں کتاب الشفاء (حضرت قاضی عیاض رحمتہ اللہ علیہ کی تصنیف لطیف) لوگوں کے سامنے پڑھا کرتا تھا اور انوار تجلیات احمد کی جلوہ گاہوں میں آپ کی صفات خلقت کے محاسن اور عظمت اخلاق عالیہ کی تجلیات سے منور ہو رہا تھا اور آپ کی سیرت طیبہ کے سر (راز) کے ذریعے آپ کے طریقہ مبارکہ کے ارفع آسمان تک سیر کرتا تھا، نیز آپ کی سنت مطہرہ کے باغ سے لطف اندوز ہوتا تھا اور عطیہ خداوندی کے لیے دست سوال دراز کیے ہوئے تھا کہ اس کا جاری فیض حاصل ہو۔

تو اس عطیہ والے نے مجھے اپنے محفوظ حقائق سے عطیہ عطا فرمایا اور باریک اُمور جو پوشیدہ تھے، ان میں سے کچھ میرے لیے ظاہر کیے، تو فتح محمدی کے سبب بصیرتِ استبصار کی آنکھ کھل گئی اور دیکھنے والے نے اسرار و رموز کے باغ کی سیر کی، پس سنت نبویہ کے وہ اُمور جن کو کسی نے چھوا تک نہیں، میں نے ان کی ہر صورت کو معنی کی شکل میں ظاہر کیا اور میں نے معارف کے چراغ دان میں روشن چراغ سے ہر قسم کی روشنی حاصل کی اور ہر نکتہ صوفیہ کی خوشبو سونگھی، نیز کتاب عزیز قرآن پاک کی آیات کی عمدہ تاویل کی مختلف ٹہنیوں سے پھل چنے۔ میں صبح و شام اس عطیہ کے باغات میں رہا اور صبح و شام شراب طہور سے لطف اندوز ہوتا رہا، حتیٰ کہ معانی کے بادل ریاض مبانی (اصول) کی زمین پر اس زور سے برسے کہ اس کی کلیاں کھل اُٹھیں اور جواہر علوم کی نفاستوں سے اس کے اوراق مرصع ہوگئے اور اسرار حقائق کے پھل چننے کے لیے وہ عمدہ ہوگئے۔ عجائبات الفاظ کے حوض جامع کلمات کی مٹھاس کے ساتھ ابل پڑے، ابنائے عشق کے دلوں کے خطباء نے عشق کے مقدس منبر پر خطبہ دیا۔ وہ خطیب اس حبیب کے محاسن سے آواز دے رہا ہے جو شریف القدر ہے۔ تو شراب راحت کے جوہر سے نفیس ارواح جھومنے لگیں اور عشاق کے بزرگ لوگ طرب انگیز آواز سے محبوب کے جمال کی طرف مائل ہوئے اور خالص آواز والوں اہل وفا کے خلاصہ و منتخب لوگوں کی موجودگی میں یہ اشعار بار بار پڑھتے ہوئے آئے ۔

حضر الحبیب وغاب عنه رقیبه
حسبی نعیم زال عنه حسیبه
داوی فؤادی الوصل من ادوائه

طوبی لقلبی والحبیب طبیبه
صدق المحب حبیبه فی حبه
فحباه صدق الحب منه حبیبه
لباه لب فؤاده فاجابه
لما دعاه الی الغرام وجیبه
ولجامع الاھواء حیعل حبه
ولحسنه خطب القلوب خطیبه

"حبیب آگیا اور اس سے رقیب غائب ہو گیا۔ مجھے وہ نعمت کافی ہے، جس کا حساب لینے والا چلا گیا"۔
"میرے دل کی بیماری کا علاج وصل سے کیا میرے دل کی خوشخبری ہو کہ حبیب اس کا طبیب ہے"۔
"محب نے محبوب کو محبت میں صادق پایا تو حبیب نے اسے اپنی سچی محبت عطا کی"۔
"محب کو اس کے دل نے بلایا تو اس نے کہا حاضر ہوں جبکہ اس نے عشق کی طرف بلایا"۔
خواہشات کے جامع کے لیے اس کی محبت کو دعوت دی گئی اور اس حسن کے خطیب نے دلوں کو نکاح کا پیغام دیا (یعنی اس حبیب کا حسن دلوں کے وصال کے لیے خود خطیب بن گیا)۔

جب عقلمند لوگوں کے دل کے کانوں نے ان عطیات کے بارے میں سنا تو ان میں سے خاص لوگوں کی آنکھیں ایسی کتاب میں اس خطاب کے خلاصہ جوہر کی تلخیص کی طرف متوجہ ہوئیں جو عطائے نبویہ کے چہرے سے رکاوٹ کے نقاب کو دور کر دے، پس میں نے ان کے مقاصد کے حصول اور ان کے مطالب لکھنے کے لیے قلم کی لگام کو ڈھیلا چھوڑ دیا۔ میں در تنگی کی طرف مائل تھا اور جو کچھ مجھے غیب کی پوشیدگیوں سے عطا ہوا، میں اسے اس کتاب میں بطور امانت رکھنے لگا۔ میں نے اس سلسلے میں قوت والے اور عطا کرنے والے (اللہ) سے مدد طلب کی حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے میرے لیے آسانی پیدا کر دی اور جو کچھ وہاں تھا، مکمل کر دیا، پس میں نے پوشیدہ دلیل کو واضح کیا اور راستے کی سختی کو آسان کر دیا۔

میں نے اس کتاب کا نام "المواهب اللدنیہ بالمنح المحمدیہ" رکھا، نیز سالک و قاصد کے لیے آسان کرنے کی خاطر اسے ان مقاصد پر مرتب کیا:

پہلا مقصد

اللہ تعالیٰ کا ازل میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے پہلے نبوت[1] کا شرف عطا فرمانا، اپنی مجلس انس

---

[1] حضرت امام غزالی رحمہ اللہ نے فرمایا: نبوت ایک ایسی صفت ہے جس سے نبی دوسرے لوگوں سے ممتاز ہوتا ہے اور نبی کے لیے چند امور خاص ہیں:
(ا) نبی کو اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کے حقائق کا علم ہوتا ہے۔

(اگلے صفحہ پر جاری ہے......)

میں آپ کے منشور رسالت کو ظاہر کرنا، اپنی کرامت کو حظائر قدس (مقامات شرف) میں عنایت کی مہر ثبت کرنا، نسب شریف کی طہارت، حمل مبارک کے وقت ظاہر ہونے والی نشانیاں، ولادت، رضاعت، پرورش، حقائق بعثت وہجرت کی باریکیاں اور آپ کے غزوات و سرایا، وفود کا بھیجنا اور سیرت مبارکہ، یہ تمام باتیں پروان چڑھنے سے وصال مبارک تک، یہاں تک کہ آپ روضہ مطہرہ میں منتقل ہوئے، سالوں کی ترتیب سے ذکر کی گئی ہیں۔

دوسرا مقصد

اس مقصد میں آپ کے اسمائے شریفہ کا ذکر ہے جو آپ کے اخلاق عالیہ کی خبر دیتے ہیں، نیز آپ کی پاکیزہ اور قابل احترام اولاد، امہات المومنین یعنی ازواج مطہرات، چچاؤں، پھوپھیوں، رضاعی بھائیوں، دادیوں، نانیوں، خدام، غلاموں، دربانوں کا ذکر اور وہ خطوط جو احکام و شرائع کے بارے میں اہل اسلام کو لکھے گئے، اور حکمرانوں کو لکھے گئے خطوط، آپ کے موذنین، خطباء، حدی خوانوں، شعراء، آلات جنگ، سواریوں اور حاضر خدمت ہونے والے وفود کا ذکر ہے اور اس میں دس فصلیں ہیں۔

تیسرا مقصد

اس مقصد میں آپ کے کمال خلقت، جمال صورت، عمدہ اخلاق اور پسندیدہ اوصاف جو بارگاہ خداوندی سے عطا ہوئے اور جس چیز کی طرف آپ کی حیاتِ طیبہ کو ضرورت ہے، کا بیان ہے اور اس مقصد کے تحت تین فصلیں ہیں۔

چوتھا مقصد

اس مقصد میں معجزات کا بیان ہے جو آپ کی نبوت کے ثبوت اور صدق رسالت پر دلالت کرتے ہیں، نیز جو نشانیاں اور کرامات آپ کے ساتھ خاص ہیں، ان کا بیان ہے اور اس میں دو فصلیں ہیں۔

پانچواں مقصد

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے جو خصوصیات عطا فرمائی ہیں مثلاً معراج شریف اور اسراء اور

(۲) نبی کے لیے نبوت ایک ایسی صفت ہے جس سے عادت کے خلاف کام پورے ہو جاتے ہیں جس طرح عام انسانوں کے لیے ان کے ارادے سے کوئی کام ہوتا ہے۔

(۳) نبی اور عام انسانوں میں اس طرح فرق ہے جس طرح دیکھنے والے اور اندھے میں فرق ہوتا ہے۔ نبی فرشتوں کو دیکھتا اور ان کا مشاہدہ کرتا ہے۔

(۴) نبی کو آئندہ پیش آنے والے (اور پوشیدہ) امور کا ادراک ہوتا ہے۔

جو آپ پر لطف عمیم ہوا کہ آپ قرب الٰہی میں مکالمے، مشاہدے اور آیاتِ کبریٰ (بڑی نشانیوں) کے ساتھ مشرف ہوئے، ان کا ذکر ہے۔

چھٹا مقصد

آیات قرآنیہ میں آپ کی قدر و منزلت کی عظمت، رفعت ذکر، صدق نبوت اور ثبوت بعثت پر اللہ تعالیٰ کی شہادت، اللہ تعالیٰ کا آپ کی رسالت کے ثبوت پر قسم کھانا، منصب جلیل کی بلندی، آپ کی اطاعت اور اتباع سنت کا وجوب، اللہ تعالیٰ کا اپنے فضل و کرم اور احسان سے انبیاء کرام سے عہد لینا کہ اگر وہ آپ کو پائیں تو آپ پر ضرور ایمان لائیں اور آپ کی مدد کریں، پہلی کتب یعنی تورات و انجیل میں اس بات کی شہادت کہ آپ صاحب رسالت اور بزرگی والے ہیں، ان تمام اُمور کو اس مقصد کے تحت بیان کیا گیا ہے اور اس میں دس فصلیں ہیں۔

ساتواں مقصد

اس مقصد کے تحت بیان کیا گیا کہ آپ سے محبت کرنا اور آپ کی سنت کی اتباع نیز آپ کی سیرت طیبہ اور طریقہ مبارکہ سے ہدایت حاصل کرنا واجب ہے۔ علاوہ ازیں آپ کے آل و اصحاب، رشتہ داروں اور اولاد سے محبت کرنا فرض ہے، نیز آپ پر درود شریف اور سلام بھیجنے کا حکم دے کر اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاں آپ کے شرف و فضل کو بڑھایا، اس مقصد میں تین فصول ہیں۔

آٹھواں مقصد

مریضوں اور آفت زدہ لوگوں کے لیے (آپ کا بیان کردہ) علاج معالجہ، خوابوں کی تعبیر، آپ کا غیب کی خبریں دینا اس مقصد کے تحت بیان ہوا اور اس میں تین فصلیں ہیں۔

نواں مقصد

اس مقصد میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حقائق عبادات کی باریکیوں کا بیان ہوا اور اس کے تحت سات فصول ہیں۔

دسواں مقصد

اس مقصد میں اس بات کا بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے وصال اور آپ کو اپنی طرف منتقل کرنے کے ذریعے آپ پر اپنی نعمت کو مکمل کردیا۔ آپ کی قبر شریف اور عالیشان مسجد کی زیارت، نیز آپ کو آخرت میں ایسے

فضائل سے فضیلت بخشناجن میں اولیت، جامعیت اور زیادہ تکریم ہے نیز بلند درجات عطا فرمانا۔ علاوہ ازیں انبیاء و مرسلین کی حاضری کے مقام میں آپ کو خصوصی قرب کے خصائص سے مشرف فرمانے، مقام محمود اور شفاعت کے ساتھ آپ کی تعریف، اولین و آخرین کے اجتماع میں آپ کی انفرادی قیادت، جنت عدن میں سعادت کے درجات کے ساتھ ترقی اور مزید عطا کے دن نیکی اور زائد انعام کے ساتھ آپ کو اعلیٰ سے اعلیٰ بلندیوں کی عطا کا ذکر ہے اور اس میں تین فصول ہیں۔

اور عزت و بزرگی والے اللہ تعالیٰ سے اس کی بزرگی اور اشرف نبی کے طفیل سوال ہے کہ وہ اس کتاب کی قبولیت اور اس کی طرف (لوگوں کی) توجہ کے ذریعے میری مدد فرمائے اور مجھے، اس کے لکھنے والے، پڑھنے اور سننے والے اور تمام مسلمانوں کو نبوی مہربانیوں میں سے باعث مسرت سوالوں کو پورا کرے اور انتہائی مراد عطا فرمائے۔ صراط مستقیم اسی کے ذمہ کرم پر ہے اور وہ ہمیں کافی ہے اور بہترین کارساز ہے۔



بسم اللہ الرحمن الرحیم

مشمولات مقصد اوّل

(۱) اللہ تعالیٰ کا آپ کو ازل میں اولیت نبوت سے سرفراز فرمانا اور اپنی مجلس موانست میں آپ کے منشور رسالت کو ظاہر کرنا اور حظائر قدس (مقاماتِ شرف) میں آپ کی کرامت پر مہر عنایت ثبت کرنا۔

(۲) آپ کے نسب پاک کی طہارت۔

(۳) حمل شریف اور ولادت مبارکہ کی عظیم نشانیوں کے دلائل۔

(۴) رضاعت اور پرورش۔

(۵) بعثت نبوی کے حقائق کی باریکیاں۔

(۶) ہجرت مبارکہ۔

(۷) معارف غزوات، سرایا (جن جنگوں میں سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم خود شریک نہیں ہوئے) اور وفود بھیجنے کے لطائف۔

(۸) سیرت نبوی

یہ سب باتیں سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے آغاز زندگی سے وصال شریف اور روضہ مطہرہ میں منتقلی تک سالوں کے حساب سے بالترتیب بیان ہوں گی۔

تمہیدی کلمات

اے عقل سلیم کے مالک اور کمال و تمام کے اوصاف سے متصف! اللہ تعالیٰ مجھے اور تجھے (بھی) صراط مستقیم کی طرف راہنمائی کی توفیق مرحمت فرمائے۔ جب حق تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کرنے اور ان کا رزق مقرر کرنے کا ارادہ فرمایا تو انوار صمدیہ سے حقیقت محمدیہ کو بارگاہ احدیت میں ظاہر فرمایا، پھر اس (حقیقت محمدیہ) سے تمام عالموں کو وہ بلند تھے، یا پست، اپنے ازلی ارادے اور علم کے مطابق جیسے فیصلہ فرمایا، وجود میں لایا پھر آپ کو آپ کی نبوت کی خبر دی اور رسالت کی خوشخبری عطا فرمائی۔ یہ اس وقت ہوا جب حضرت آدم علیہ السلام آپ کے ارشاد کے مطابق روح اور جسم کے درمیان تھے۔

پھر اس سے ارواح کے چشمے پھوٹے تو ملاء اعلیٰ (بلند مرتبہ فرشتوں) میں آپ کی حقیقت کا ظہور ہوا۔ یہ نہایت روشن منظر اور شیریں مقام ہے۔

تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تمام جنسوں سے بلند جنس اور تمام موجودات اور انسانوں کے سب سے بڑے باپ ہیں۔

اور جب آپ کے حق میں اسم باطن کے ساتھ زمانہ آپ کے جسمانی وجود اور اس کے ساتھ روح کے تعلق تک پہنچا تو زمانے کا حکم اسم ظاہر کی طرف منتقل ہوا اور اب حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم مکمل طور پر جسم اور روح کے ساتھ ظہور پذیر ہوئے۔ اگرچہ آپ کا خمیر مبارک بعد میں بنا (جسمانی خمیر) لیکن آپ کی قدر و قیمت واضح ہوگئی، پس آپ خزانہ سرالٰہی ہیں اور نفاذ امر کا مقام ہیں یعنی ایسا مقام جہاں سے کمالات ظاہر ہوتے ہیں۔ ہر امر آپ سے نافذ ہوتا ہے اور ہر بھلائی آپ سے ہی منتقل ہوتی ہے۔ کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے ۔

الا بابی من کان ملکا وسیدا
وآدم بین الماء والطین واقف

"سنو! میرا باپ اس ذات پر قربان ہو جو اس وقت بھی بادشاہ اور سردار تھا جب حضرت آدم علیہ السلام پانی اور گارے کے درمیان ٹھہرے ہوئے تھے"۔

فذاک الرسول الابطحی محمد
له فی العلا مجد تلید و طارف

"اور یہ ابطحی رسول[1] حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جو بلندی میں بزرگی کو پانے والے ہیں، وہ اول بھی ہیں اور آخر بھی۔ (لفظی معنی قدیم و حادث ہے)"۔

اتی بزمان السعد فی آخر المدی
وکان له فی کل عصر مواقف

"آپ سب سے آخری نبی بن کر تشریف لائے اور آپ کو ہر زمانے میں جانا جاتا تھا اور آپ کے

[1]: بطحاء مکہ مکرمہ کی طرف نسبت ہے۔

ہر زمانے میں احوال تھے''۔

اتی لانکسار الدھر یجبر صدعه
فاثنت علیه السن و عوارف

''آپ زمانے کی خرابی کو دور کرنے کے لیے تشریف لائے اور تمام زبانوں اور تمام اُمور معروفہ نے آپ کی تعریف کی''۔

اذا رام امرا لا یکون خلافه
ولیس لذالک الامر فی الکون صارف

''آپ کے حکم کی خلاف ورزی نہیں ہوسکتی تھی اور زمانے میں اس امر کو رد کرنے والا کوئی نہیں''۔

نبوت میں سبقت

حضرت امام مسلم نے اپنی صحیح (صحیح مسلم) میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاصی (اور عاص بھی ہے لیکن اہل عرب کے نزدیک عاصی صحیح ہے) رضی اللہ عنہما سے وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں' آپ نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ نے مخلوق کی تقدیر آسمانوں اور زمین کی تخلیق سے پچاس ہزار سال پہلے لکھی اور (اس وقت) اس کا عرش پانی پر تھا۔ (صحیح مسلم ج۲ص۳۳۵' باب حجاج آدم وموسیٰ' حدیث: ۲۶۵۳)

اور جو کچھ لوح محفوظ میں لکھا گیا اس میں یہ بھی لکھا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں۔

حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں' آپ نے فرمایا:

انی عند اللہ لخاتم النبیین وان آدم لمنجدل فی طینته. بے شک میں اللہ تعالیٰ کے ہاں (اس وقت بھی) آخری نبی تھا جب آدم علیہ السلام کا خمیر تیار ہو رہا تھا۔

(مسند امام احمد بن حنبل ج۴ص۱۲۷' مرویات عرباض بن ساریہ' شعب الایمان للبیہقی ج۲ص۱۳۴' فصل فی شرب اصلہٗ المستدرک للحاکم ج۲ص۴۱۸' کتاب التفسیر)

اس حدیث کو (حضرت امام احمد بن حنبل کے علاوہ) حضرت امام بیہقی اور امام حاکم رحمہم اللہ نے بھی روایت کیا اور (امام حاکم نے) فرمایا کہ اس کی سند صحیح ہے۔

لفظ (منجدل) کا معنی یہ ہے کہ روح پھونکنے سے پہلے آپ کا جسم اقدس زمین پر ڈالا گیا تھا۔

حضرت میسرہ ضبی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ کب سے نبی ہیں؟ آپ نے فرمایا: (اس وقت سے) جب حضرت آدم علیہ السلام روح اور جسم کے درمیان تھے۔

(مسند امام احمد بن حنبل ج۵ص۵۹' مرویات میسرۃ الفجر)

یہ مسند امام احمد بن حنبل کی روایت ہے' امام بخاری نے اسے اپنی تاریخ میں اور ابونعیم نے حلیۃ الاولیاء میں بھی اسے روایت کیا اور امام حاکم نے اسے صحیح قرار دیا۔

(تاریخ کبیر للبخاری ج۷ص۳۷۴' حلیۃ الاولیاء ج۹ص۵۳' مستدرک حاکم ج۲ص۶۰۹)

عام لوگوں کی زبان پر جو الفاظ مشہور ہیں یعنی:

کنت نبیا وادم بین الماء والطین. میں اس وقت بھی نبی تھا جب حضرت آدم علیہ السلام

پانی اور گارے کے درمیان تھے۔

تو اس روایت کے بارے میں ہمارے شیخ علامہ حافظ ابوالخیر سخاوی رحمہ اللہ، اللہ تعالیٰ ان کے علوم سے نفع عطا فرمائے، نے اپنی کتاب "المقاصد الحسنہ" میں فرمایا کہ ہمیں اس عبارت کے ساتھ یہ حدیث معلوم نہیں۔

(المقاصد الحسنہ ص ۳۲۷، حدیث: ۸۴۸)

حافظ ابن رجب نے "لطائف" میں فرمایا کہ بعض محدثین نے اس حدیث (حدیث میسرہ رضی اللہ عنہ) کو "کنت" کی بجائے "کتبت" کے الفاظ سے روایت کیا (یعنی آپ کب نبی لکھے گئے)۔

(مسند امام احمد بن حنبل جلد ۵ ص ۵۹)

میں (امام قسطلانی) کہتا ہوں کہ ہم نے ابو عمرو اسماعیل ابن نجید کی حدیث سے جزء میں اسی طرح روایت کیا۔ اس کے الفاظ اس طرح ہیں "متی کتبت نبیا" آپ کب سے نبی لکھے گئے؟ فرمایا:

کتبت نبیا وادم بین الروح والجسد۔

میں اس وقت نبی لکھا گیا جب حضرت آدم علیہ السلام روح اور جسم کے درمیان تھے۔

اس روایت کو حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ کی روایت کے ساتھ ملا کر ہم آپ کی نبوت کا خارج میں وجوب یا ثبوت اور ظہور مراد لیتے ہیں کیونکہ کتب کا لفظ اس بات کے لیے استعمال ہوتا ہے جو واجب ہو۔

ارشاد خداوندی ہے:

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ (البقرہ: ۱۸۳)

تم پر روزے فرض کیے گئے۔

اور ارشاد خداوندی ہے:

كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِيْ۔ (المجادلہ: ۲۱)

میں نے لازم کر دیا کہ میں اور میرے رسول ضرور غالب رہیں گے۔ (لطائف المعارف، ص ۶۰)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ کے لیے نبوت کب واجب ہوئی؟ آپ نے فرمایا: جب حضرت آدم علیہ السلام روح اور جسم کے درمیان تھے۔ اس حدیث کو حضرت امام ترمذی رحمہ اللہ نے روایت کیا اور فرمایا: یہ حدیث حسن ہے۔

(جامع ترمذی جلد ۲ ص ۲۰۱، باب المناقب حدیث: ۳۶۸۸)

اور ہم نے ابو سہل قطان کے امالی کی ایک جزء سے نقل کیا۔ حضرت سہل بن صالح ہمدانی سے مروی ہے، فرماتے ہیں: میں نے حضرت ابو جعفر محمد بن علی رضی اللہ عنہ سے سوال کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب آخر میں مبعوث ہوئے تو تمام انبیاء کرام علیہم السلام سے مقدم کیسے ہوگئے؟ انہوں نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے جب اولاد آدم کی پیٹھوں سے ان کی اولاد کو نکالا اور ان کو ان کے نفسوں پر گواہ بنایا تو پوچھا: کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ تو سب سے پہلے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا: ہاں، کیوں نہیں! اسی لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء کرام علیہم السلام سے مقدم ہوئے جبکہ آپ کی بعثت آخر میں ہوئی۔

وجود سے پہلے نبوت سے موصوف

سوال: نبوت ایک وصف ہے اور وصف کے لیے موصوف کا موجود ہونا ضروری ہے۔ نیز یہ وصف نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ کے چالیس سال پورے ہونے کے بعد حاصل ہونا چاہیے تھا تو وجود مسعود اور رسالت سے پہلے آپ کیسے نبوت سے موصوف ہوئے؟

جواب: حضرت امام غزالی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "النفخ والتسویہ" میں اس اعتراض کا جواب دیا ہے، نیز سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد گرامی پر وارد ہونے والے (اسی قسم کے) اعتراض کا جواب بھی دیا ہے، آپ نے فرمایا:

کنت اول الانبیاء خلقا واخرھم بعثا۔ — میں تخلیق کے اعتبار سے سب سے پہلا اور بعثت کے اعتبار سے سب سے آخری نبی ہوں۔

(حضرت امام غزالی نے فرمایا:) یہاں خلق سے تقدیر مراد ہے ایجاد (وجود میں لانا) نہیں کیونکہ آپ والدہ ماجدہ کے بطن اطہر سے پیدا ہونے سے پہلے بطور مخلوق (بشر کی حیثیت سے) موجود نہ تھے، (اگرچہ آپ کا نور سب سے پہلے تخلیق ہوا، ۱۲ ہزاروی) لیکن غایات (انتہائیں) و کمالات، تقدیر میں پہلے اور وجود میں بعد میں آتے ہیں۔

انہوں نے فرمایا کہ ان (اہل عرب) کے اس قول کا یہی مطلب ہے، وہ کہتے ہیں:

اول الفکرۃ آخر العمل وآخر العمل اول الفکرۃ۔ — آغاز میں فکر آخر میں عمل کی شکل اختیار کرتا ہے اور عمل کی آخری صورت پہلے فکر کا نتیجہ ہوتی ہے۔

اس کی وضاحت یوں ہے کہ انجینئر جو کسی مکان کا نقشہ بناتا ہے تو سب سے پہلے اس کے ذہن میں مکان کی صورت آتی ہے لہٰذا وہ ایک مکمل مکان کا اندازہ لگالیتا ہے اور اس کا سب سے آخری عمل مکمل مکان ہوتا ہے تو مکمل مکان پہلے بطور تقدیر اور آخر میں وجود کے اعتبار سے اس کے سامنے آتا ہے کیونکہ اس سے پہلے اینٹیں تیار کرنا، دیواریں بنانا اور شہتیر رکھنا ایک انتہا اور کمال کا وسیلہ ہے۔ اور یہی انتہا و کمال مکان ہے۔

پس یہی مکان انتہائے مقصود ہے اور اسی کے لیے آلات و اعمال کا قیام عمل میں لایا جاتا ہے۔

اس کے بعد فرمایا: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد گرامی "کنت نبیا" میں اسی مذکورہ بات کی طرف اشارہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق مکمل ہونے سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم تقدیراً نبی تھے کیونکہ حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کا مقصد یہی تھا کہ آپ کی اولاد سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو منظر عام پر لایا جائے اور آپ کو تدریجاً پاک بنایا جائے حتیٰ کہ آپ صفات کاملہ تک پہنچ جائیں۔

انہوں نے فرمایا: اس حقیقت کو سمجھنے کے لیے یہ بات جاننا ضروری ہے کہ گھر کے دو وجود ہوتے ہیں: ایک وجود انجینئر کے ذہن اور دماغ میں ہوتا ہے اور دوسرا وجود وہ ہے جو ذہن سے باہر گھر کی صورت میں نظر آتا ہے۔ وجود ذہنی، خارجی وجود کا سبب ہوتا ہے اور وہ لامحالہ پہلے ہوتا ہے۔ اسی طرح تمہیں جان لینا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ اس بات پر قادر ہے کہ پہلے تقدیر میں لائے اور پھر اس تقدیر کے مطابق اسے وجود عطا فرمائے۔ امام غزالی کا یہ قول

شیخ تقی الدین کے اس قول سے رد کیا گیا۔ انہوں نے فرمایا کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ارواح کو جسموں سے پہلے پیدا فرمایا تو آپ کے ارشاد گرامی "کنت نبیا" میں اسی روح شریف یا حقائق میں سے ایک حقیقت کی طرف اشارہ ہوگا اور ہماری عقلیں حقائق کی معرفت سے قاصر ہیں۔ ان حقائق کو ان کا خالق جانتا ہے اور وہ لوگ جن کو اللہ تعالیٰ اپنے نور کے ذریعے مدد دیتا ہے' پھر اللہ تعالیٰ ان حقائق کو جس وقت چاہے جو چاہے عطا فرماتا ہے۔

تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقت کو اللہ تعالیٰ نے تخلیق آدم علیہ السلام کے وقت ہی یہ وصف (وصف نبوت) عطا فرمایا کہ اس نے اس حقیقت محمدیہ کو قبول نبوت کے لیے تیار کیا اور اسی وقت آپ کو عطا فرمایا' پس آپ نبی ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کا اسم گرامی عرش پر لکھا اور آپ کی رسالت کی خبر دی تاکہ فرشتوں اور ان کے علاوہ سب کو معلوم ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا کتنا بڑا اعزاز ہے۔

تو اس وقت بھی حقیقت محمدیہ (علی صاحبہا الصلوۃ والسلام) موجود تھی' اگرچہ آپ کا جسم اقدس جو وصف نبوت سے موصوف ہے بعد میں وجود میں آیا۔ اور حقیقت محمدیہ اس وقت بھی ان اوصاف شریفہ سے موصوف تھی جو بارگاہ خداوندی سے آپ کو مرحمت ہوئے' البتہ بعثت و تبلیغ بعد میں وقوع پذیر ہوئی اور جو کچھ اللہ تعالیٰ کی جانب سے اور آپ کی ذات اور حقیقت مبارکہ کی اہلیت کی وجہ سے ہے' وہ فوری طور پر حاصل ہوا' اس میں کوئی تاخیر نہیں۔ آپ کو نبی بنانے اور کتاب' حکم اور نبوت عطا کرنے کا معاملہ بھی اسی طرح مقدم ہے اور جو چیز بعد میں حاصل ہوئی۔ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا (جسمانی طور پر) ظہور ہے۔

غلط فہمی کا ازالہ

اس گفتگو سے معلوم ہوا کہ جو لوگ اس بات کی وضاحت یوں کرتے ہیں کہ اس سے مراد اللہ تعالیٰ کا علم ہے کہ عنقریب آپ نبی ہوں گے' وہ اس مفہوم تک نہیں پہنچ سکے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا علم تو ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے اور اس وقت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نبوت سے موصوف ہونے سے یہ بات سمجھنا مناسب ہے کہ یہ بات آپ کے لیے اس وقت ثابت تھی اور اگر اس سے محض اس کے مستقبل میں ہونے کا علم مراد ہو تو آپ کی یہ خصوصیت نہ ہوگی کہ آپ اس وقت بھی نبی تھے جب حضرت آدم علیہ السلام روح اور جسم کے درمیان تھے کیونکہ اللہ تعالیٰ کو ہر نبی کی نبوت کا اس وقت بھی علم تھا اور اس سے پہلے بھی۔ پس نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اس خصوصیت کا ہونا ضروری ہے اسی لیے آپ نے یہ خبر دی تاکہ امت کو علم ہو جائے اور انہیں معلوم ہو سکے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں آپ کی قدر و منزلت کس قدر ہے۔

حضرت شعبی (ابو عمرو عامر بن شراحیل کوفی رحمہ اللہ) سے مروی ہے' ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کو نبوت کب ملی؟ آپ نے فرمایا اس وقت جب حضرت آدم علیہ السلام روح اور جسم کے درمیان تھے (اور) جب مجھ سے عہد لیا گیا۔ اس کو حضرت (ابو عبداللہ محمد) ابن سعد رحمہ اللہ نے جابر جعفی (جابر بن

یزید بن حارث رحمہ اللہ) سے روایت کیا۔ ابن رجب نے اسی طرح ذکر کیا ہے۔ (طبقات ابن سعد جلد اول، ص ۱۴۸)

یہ اس بات کی دلیل ہے کہ جب حضرت آدم علیہ السلام کا خمیر مبارک تیار کیا گیا تو اس سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو نکال کر نبوت عطا کی گئی اور آپ سے عہد لیا گیا۔ پھر آپ کو حضرت آدم علیہ السلام کی پشت مبارک کی طرف لوٹایا گیا۔ حتیٰ کہ آپ اس وقت باہر تشریف لائیں جو اللہ تعالیٰ نے آپ کے تشریف لانے کے لیے مقدر فرمایا تھا۔ لہٰذا تخلیق کے اعتبار سے آپ سب سے اول ہیں۔

سوال: اس سے لازم آتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق پہلے ہوئی ہے۔

جواب: یہ بات لازم نہیں آتی کیونکہ اس وقت حضرت آدم علیہ السلام کا جسم اقدس روح کے بغیر تھا (زندگی کی حالت نہ تھی) اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت زندہ تھے جب آپ کو نکالا گیا اور آپ سے وعدہ لیا گیا لہٰذا آپ تخلیق میں تمام انبیاء سے پہلے اور بعثت کے اعتبار سے سب سے آخر ہیں۔

سوال: حضرت آدم علیہ السلام کی پشت سے ان کی اولاد کو اس وقت نکالا گیا جب ان میں روح پھونکی جا چکی تھی۔ اکثر احادیث اس بات پر دلالت کرتی ہیں جب کہ یہاں بتایا گیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت آدم علیہ السلام کی پشت مبارک سے اس وقت نکالا گیا اور نبوت عطا کی گئی جب حضرت آدم علیہ السلام کے جسم اقدس میں روح پھونکی نہیں گئی تھی۔

جواب: بعض علماء کرام نے اس کا جواب یوں دیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ آپ کو حضرت آدم علیہ السلام میں روح پھونکنے سے پہلے ہی باہر لایا گیا کیونکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات والا صفات تخلیق نوع انسانی کا مقصود ہے۔ یہی خلاصہ مخلوق اور عین نوعِ انسانی ہیں بلکہ نوع انسانی کے ہار کا وہ گراں موتی ہیں جو ہار کے درمیان ہوتا ہے اور سب سے زیادہ قیمتی ہوتا ہے، اور گزشتہ احادیث اس بات کی صراحتاً دلالت کرتی ہیں۔

انبیاء کرام سے عہد لیا گیا

امیر المومنین حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام اور ان کے بعد بھیجے گئے تمام انبیاء کرام سے عہد لیا کہ اگر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث کیا جائے اور وہ (انبیاء کرام) زندہ ہوں تو ان پر لازم ہوگا کہ آپ کی مدد کریں اور ہر نبی نے اپنی قوم (امت) یہ وعدہ لیا۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی یہ بات مروی ہے، عماد بن کثیر (اسماعیل بن عمر بن کثیر قیسی المعروف حافظ ابن کثیر) نے اپنی تفسیر میں یہ روایت نقل کی ہے۔[1]

کہا گیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے نور کی تخلیق فرمائی تو آپ کے نور کو حکم دیا کہ انبیاء کرام علیہم السلام کے انوار کی طرف دیکھے تو آپ کے نور میں سے نور نے ان کو یوں

[1] تفسیر ابن کثیر جلد اول ص ۳۷۳ تحت آیت واذ اخذ اللہ میثاق النبیین (آخر تک) (کچھ الفاظ کی تبدیلی کے ساتھ)

ڈھانپ لیا کہ اس کے سبب وہ بول پڑے: اے ہمارے رب! ہمارے نور کو کس نے ڈھانپ لیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہ (حضرت) محمد بن عبداللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا نور ہے، اگر تم ان پر ایمان لاؤ گے تو میں تمہیں نبی بناؤں گا۔ انہوں نے عرض کیا: ہم آپ پر اور آپ کی نبوت پر ایمان لائے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں تم پر گواہ رہوں؟ انہوں نے عرض کیا: جی ہاں! تو اسی سلسلے میں ارشاد خداوندی ہے:

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ۔ (آل عمران: ۸۱)

اور جب اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام سے پکا وعدہ لیا کہ جب میں تمہیں کتاب و حکمت دوں پھر تمہارے پاس وہ رسول تشریف لائیں جو اس چیز کی تصدیق کرنے والے ہیں جو تمہارے پاس ہے تو ان پر ضرور ایمان لانا اور ضرور بالضرور ان کی مدد کرنا۔

حضرت شیخ تقی الدین سبکی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اس آیت شریفہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کی بلندی اور آپ کے بلند مرتبہ کی تعظیم کو جس انداز میں بیان کیا گیا وہ پوشیدہ نہیں ہے اور اس میں یہ بات بھی ہے کہ اگر فرض کریں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان انبیاء کرام علیہم السلام میں سے کسی کے زمانے میں تشریف لاتے تو آپ ان کی طرف بھیجے ہوئے ہوتے، پس آپ کی رسالت و نبوت حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر قیامت تک سب کے لیے عام ہے اور تمام انبیاء کرام اور ان کی امتیں آپ کی امت میں شامل ہیں۔ اور سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی:

بعثت الی الناس کافۃ۔

مجھے تمام لوگوں کے لیے کفایت کرنے والا نبی بنا کر بھیجا گیا۔

(مجمع الزوائد جلد ۸ ص ۲۵۹، صحیح بخاری جلد اول ص ۴۸، کتاب التیمم)

صرف ان لوگوں سے خاص نہیں جو آپ کے زمانہ مبارکہ سے قیامت تک ہوں گے بلکہ پہلے والوں کو بھی شامل ہے اور اس سے اس حدیث کا مفہوم واضح ہو جاتا ہے کہ آپ نے فرمایا:

کنت نبیا وآدم بین الروح والجسد۔

میں نبی تھا اور ابھی حضرت آدم علیہ السلام روح اور جسم کے درمیان تھے۔

اس کے بعد حضرت شیخ تقی الدین سبکی رحمہ اللہ نے فرمایا:

جب یہ بات معلوم ہو گئی کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تمام نبیوں کے نبی ہیں، یہی وجہ ہے کہ قیامت کے دن تمام انبیاء کرام علیہم السلام آپ کے جھنڈے کے نیچے ہوں گے، اسی طرح دنیا میں شب معراج آپ نے سب کی امامت فرمائی اور اگر ایسا ہو جاتا کہ آپ حضرت آدم، حضرت نوح، حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام میں سے کسی کے دور میں تشریف لاتے تو ان پر اور ان کی امتوں پر لازم ہوتا کہ آپ پر ایمان لائیں اور آپ کی مدد کریں، اللہ تعالیٰ نے ان سے اسی بات کا وعدہ لیا ہے۔

اس سلسلے میں مزید گفتگو چھٹے مقصد کے تحت آئے گی۔

آپ کا خمیر مبارک

عارف ربانی حضرت عبداللہ بن ابی جمرہ رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "بہجۃ النفوس" میں اور ان سے پہلے ابن سبع رحمہ اللہ نے "شفاء الصدور" میں حضرت کعب احبار رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تخلیق کا ارادہ فرمایا تو حضرت جبریل علیہ السلام کو حکم دیا کہ وہ زمین کے دل اور اس کی رونق و نور سے مٹی لائیں۔ (الوفاء باحوال المصطفیٰ جزء اول ص ۳۴) حضرت جبریل علیہ السلام جنت الفردوس اور ساتویں آسمان کے فرشتوں کے ہمراہ زمین پر اترے اور آپ کی قبر انور کے مقام سے ایک مٹھی مٹی لی اور وہ نہایت سفید روشن تھی ــــــ اسے جنت کی نہروں میں سے تسنیم کے پاک و صاف پانی میں گوندھا گیا حتیٰ کہ وہ سفید موتی کی طرح ہوگئی جس کی بہت بڑی شعاع تھی۔ پھر فرشتے اسے لے کر عرش اور کرسی کے گرد نیز آسمانوں، زمین، پہاڑوں اور سمندروں میں لے کر گھومے، پس فرشتوں اور تمام مخلوق نے حضرت آدم علیہ السلام کی پہچان سے پہلے ہمارے سردار حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچان لیا۔

کہا گیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے آسمان و زمین کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

ائْتِيَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا قَالَتَآ اَتَيْنَا طَآئِعِيْنَ۔ (فصلت: ۱۱)

تم دونوں آؤ، خوشی سے یا ناخوشی سے تو انہوں نے کہا: ہم اطاعت کرتے ہوئے حاضر ہوئے۔

تو کعبہ شریف کے مقام اور جو اس کے برابر آسمان میں ہے، نے جواب دیا (یعنی قبول کیا) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خمیر مبارک کا اصل زمین کی ناف (مرکز) سے ہے جو مکہ مکرمہ میں ہے۔ بعض علماء فرماتے ہیں: یہ اس بات کی خبر ہے کہ زمین سے صرف اسی جگہ نے جواب دیا جو حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا خمیر (موتی) ہے اور مقام کعبہ سے ہی زمین کو پھیلایا گیا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہی اصل کائنات ہیں اور کائنات آپ کے تابع ہے۔ اور کہا گیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی وجہ سے امی کہتے ہیں کیونکہ مکہ مکرمہ ام القریٰ (تمام بستیوں کی اصل) ہے اور اس (مکہ مکرمہ) کا درہ (موتی یعنی محمد علیہ السلام) تمام مخلوق کی اصل ہے۔

سوال: انسان کی مٹی اسی جگہ کی ہوتی ہے جہاں اس کا مدفن ہوتا ہے تو اس کا تقاضا یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مدفن بھی مکہ مکرمہ میں ہونا چاہیے کیونکہ آپ کا خمیر مبارک وہاں سے ہے۔

جواب: عوارف المعارف کے مصنف (علامہ عمر شہاب الدین بن محمد بن عمر سہروردی رحمہ اللہ) اللہ تعالیٰ ان کے عوارف سے ہمیں بھی فیض یاب فرمائے اور ان کی شفقت بھری توجہ کو ہماری طرف متوجہ فرمائے، اس سوال کے جواب میں فرماتے ہیں:

کہا گیا ہے کہ پانی جب موج میں آیا تو جھاگ کناروں کی طرف پھینکی تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا جوہر پاک

مدینہ طیبہ کے اس مقام کے مقابل واقع ہوا جہاں آپ کی قبر انور ہے، پس آپ مکی بھی ہیں اور مدنی بھی۔ آپ کا خمیر مکی ہے اور قبر انور مدینہ طیبہ میں ہے۔ (عوارف المعارف شیخ شہاب الدین سہروردی رحمہ اللہ باب اول ص ۳۶)

ابن طغربک (امام محدث سیف الدین ابی جعفر رحمہ اللہ) کی کتاب المولد الشریف (جس کا نام الدر النظیم فی مولد النبی الکریم) میں ہے:

مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا تو ان کو الہام فرمایا کہ وہ یوں کہیں: یا اللہ! تو نے میری کنیت ابو محمد کیوں رکھی ہے؟ اللہ تعالیٰ نے جواب دیا کہ اے آدم! اپنا سر اٹھاؤ، انہوں نے سر اٹھایا تو عرش میں اور اس کے ارد گرد نور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا، پوچھا یہ نور کیسا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہ اس نبی کا نور ہے جو تیری اولاد میں سے ہوگا اور اس کا نام آسمان میں احمد اور زمین میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہوگا، اگر وہ نہ ہوتا تو نہ میں تجھے پیدا کرتا اور نہ آسمان و زمین کو پیدا کرتا۔

اس قول کی تائید اس روایت سے بھی ہوتی ہے جو حضرت امام حاکم نے اپنی صحیح میں نقل کی ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے عرش پر اسم محمد صلی اللہ علیہ وسلم لکھا ہوا دیکھا اور اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام سے فرمایا: اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم نہ ہوتے تو میں آپ کو پیدا نہ کرتا۔ (مستدرک حاکم جلد ۲ ص ۶۱۵)

شاعر (صالح بن حسین) نے کیا خوب کہا۔

وکان لدی الفردوس فی زمن الرضی
واثواب شمل الانس محکمة السدی

"حضرت آدم علیہ السلام اپنے ابتدائی دور میں فردوس کے قریب تھے، اُنس کی جمعیت کے کپڑے تانے میں مضبوط تھے"۔

یشاھد فی عدن ضیاء مشعشعا
یزید علی الانوار فی الضوء والھدی

"آپ جنت عدن میں ایسے نور کا مشاہدہ کر رہے تھے جو پھیلا ہوا تھا اور انوار متعارفہ سے زیادہ روشن اور ہدایت میں زائد تھا"۔

فقال الھی ما الضیاء الذی اری
جنود السماء تعشوا الیه ترددا

"پوچھا یا اللہ! یہ میں کیا روشنی دیکھ رہا ہوں کہ آسمان کے لشکر حیرانگی کے ساتھ اس کی طرف متوجہ ہیں"۔

فقال نبی خیر وطئ الثری
وافضل من فی الخیر راح او اغتدی

"فرمایا: یہ وہ نبی ہیں جو نرم مٹی کو روندنے والوں میں سے بہتر ہیں اور صبح و شام نیکی میں گزارنے

والوں سے بھی افضل ہیں"۔

تخیرته من قبل خلقك سیدا
والبسته قبل النبیین سؤددا

"میں نے آپ کو پیدا کرنے سے پہلے ان کو سرداری کے لیے منتخب کیا اور انبیاء کرام سے پہلے ان کو سرداری کا لباس پہنایا"۔

سوال: اشاعرہ (اہلسنت وجماعت کا وہ طبقہ وہ حضرت امام ابوالحسن اشعری رحمہ اللہ کے اقوال پر عمل پیرا ہے) کا مذہب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کاموں کی کوئی غرض نہیں ہوتی تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تخلیق حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کا باعث کیسے بنی؟

جواب: دلائل سے ظاہر ہوتا ہے کہ بعض افعال کی علت حکمتوں اور مصالح کو قرار دیا گیا جو اللہ تعالیٰ کے افعال کی غایت اور منافع ہیں تو ان کے اقدام کا ایسا باعث اور علتیں نہیں ہیں جو ان کو عمل میں لانے کی مقتضی ہوں کیونکہ اللہ تعالیٰ کے حق میں یہ بات محال ہے اس لیے کہ اس طرح یہ افعال اس کے غیر کے ذریعے پایہ تکمیل کو پہنچتے ہیں۔ اس بات پر نصوص قرآنی شاہد ہیں ارشاد خداوندی ہے:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ۔ (الذاریات: ۵۶)

اور میں نے جنوں اور انسانوں کو صرف اپنی عبادت (معرفت) کے لیے پیدا کیا۔

ان کی تخلیق کو عبادت کے ساتھ ملایا گیا۔ مطلب یہ ہے کہ ان کو پیدا کیا اور ان پر عبادت فرض کی۔ پس تعلیل لفظی ہے، حقیقی نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ منافع سے بے نیاز ہے، پس اس کا فعل کسی منفعت کی خاطر نہیں ہوتا جو اس کی طرف یا کسی اور کی طرف لوٹے، کیونکہ وہ اس بات پر قادر ہے کہ عمل کے واسطے کے بغیر دوسروں تک منفعت پہنچائے۔

سب سے پہلی مخلوق

حضرت عبدالرزاق (بن ہمام بن نافع حمیری رحمہ اللہ) نے اپنی سند سے حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، مجھے بتائیے اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے کس چیز کو پیدا فرمایا؟ آپ نے ارشاد فرمایا: اے جابر! اللہ تعالیٰ نے تمام چیزوں سے پہلے تیرے نبی کے نور کو اپنے نور سے پیدا فرمایا، پھر قدرت (خداوندی) سے وہ نور چکر کاٹنے لگا جہاں اللہ تعالیٰ نے چاہا اور اس وقت لوح و قلم، جنت و دوزخ، فرشتے، آسمان، زمین، سورج، چاند، جن اور انسان کچھ بھی نہ تھا۔

پھر جب اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کرنے کا ارادہ فرمایا تو اس نور کو چار حصوں میں تقسیم فرمایا: پہلے جز سے قلم کو، دوسرے حصے سے لوح کو اور تیسرے سے عرش کو پیدا فرمایا۔ پھر چوتھے حصے کو چار اجزاء کو تقسیم فرمایا: پہلے جز سے عرش کو اٹھانے والے فرشتوں کو پیدا فرمایا، دوسرے سے کرسی اور تیسرے سے باقی فرشتوں کو پیدا فرمایا، پھر

چوتھے جز کو چار حصوں میں تقسیم فرمایا: تو پہلے جز سے آسمانوں کو، دوسرے سے زمینوں کو اور تیسرے سے جنت اور دوزخ کو پیدا فرمایا، اور چوتھے جز کو پھر چار حصوں میں تقسیم فرمایا: پہلے جز سے مومنوں کی آنکھوں کا نور پیدا فرمایا، دوسرے سے ان کے دلوں کا نور پیدا کیا جو اللہ تعالیٰ کی معرفت ہے اور تیسرے سے ان کے مانوس ہونے کا نور پیدا کیا اور وہ توحید ہے۔ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔

(مصنف عبدالرزاق بحوالہ الدر النظیم فی بیان حکم مولد النبی الکریم، ص ۱۸)

اس سلسلے میں اختلاف ہے کہ کیا نور محمدی (علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) کے بعد سب سے پہلے قلم کو پیدا کیا گیا؟

حضرت ابو یعلی ہمدانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ عرش قلم سے پہلے ہے کیونکہ صحیح حدیث سے ثابت ہے حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

قدر اللہ مقادیر الخلائق قبل ان یخلق السموات والارض بخمسین الف سنۃ وکان عرشہ علی الماء۔

اللہ تعالیٰ نے مخلوق کی تقدیر آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کرنے سے پچاس ہزار سال پہلے مقرر فرمائی اور اس وقت اس کا عرش پانی پر تھا۔

(صحیح مسلم، جلد ۲ ص ۲۳، کتاب القدر باب حجاج آدم و موسیٰ علیہ السلام، مسند امام احمد جلد ۲ ص ۱۶۹)

اس حدیث میں اس بات کی صراحت ہے کہ تقدیر، عرش کو پیدا کرنے کے بعد واقع ہوئی اور تقدیر اس وقت مقرر ہوئی جب قلم کو پیدا کیا کیونکہ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اول ما خلق اللہ القلم قال اکتب قال رب وما اکتب قال اکتب مقادیر کل شئی۔ (سنن ابی داؤد جلد ۲ ص ۲۹۰، کتاب السنۃ)

اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے قلم کو پیدا کیا تو فرمایا: لکھ۔ اس نے پوچھا: اے میرے رب! میں کیا لکھوں؟ فرمایا: ہر چیز کی تقدیر لکھ دے۔

اس حدیث کو حضرت امام احمد اور امام ترمذی رحمہما اللہ نے روایت کیا اور امام ترمذی نے اسے صحیح قرار دیا۔

(مسند امام احمد جلد ۵ ص ۳۱۷، مرویات)

ان دونوں نے ابو رزین عقیلی کی روایت سے بھی مرفوعاً نقل کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ان الماء خلق قبل العرش۔

بے شک پانی عرش سے پہلے پیدا کیا گیا۔

(مسند امام احمد ج ۴ ص ۱۱-۱۲، جامع ترمذی جلد ۳ ص ۱۳۸، ابواب التفسیر، تفسیر سورہ ہود)

اور امام سدی (اسماعیل بن عبدالرحمٰن سدی الکبیر رحمہ اللہ) نے متعدد اسانید کے ساتھ روایت کیا کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق میں سے کسی چیز کو پانی سے پہلے پیدا نہیں کیا۔

روایات میں تطبیق

اس روایت اور پہلی روایات میں اس طرح تطبیق دی جاسکتی ہے کہ قلم کی اولیت نور نبوی محمدی، پانی اور عرش کے علاوہ (مخلوقات) کی نسبت سے ہے۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ ہر ایک کی اوّلیت اس کی جنس کی طرف اضافت کے اعتبار سے ہے یعنی انوار میں سے سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے میرے نور (نور محمدی) کو پیدا فرمایا، اسی طرح دوسری اشیاء بھی اپنی اپنی ہم جنس کے حوالے سے پہلے مخلوق ہوئیں۔ "احکام ابن قطان" میں ابن مرزوق کی روایت سے ہے وہ حضرت علی بن حسین (حضرت امام زین العابدین) رضی اللہ عنہ سے وہ اپنے والد حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ سے اور وہ ان کے دادا (اپنے والد حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ) سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

کنت نورا بین یدی ربی قبل خلق آدم باربعة عشر الف عام۔

میں حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق سے چودہ ہزار سال پہلے اللہ تعالیٰ کے قرب خاص میں نور کی حالت میں تھا۔

ایک روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا تو یہ نور آپ کی پشت میں رکھ دیا۔ وہ آپ کی پیشانی میں چمکتا تھا، چنانچہ وہ تمام انوار پر غالب آگیا، پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو اپنے تخت مملکت پر بلندی عطا فرمائی اور فرشتوں کو حکم دیا کہ وہ اسے اپنے پروں پر اٹھا کر تمام آسمانوں میں پھرائیں تاکہ حضرت آدم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی عظیم بادشاہی کے عجائب دیکھیں۔

تخلیق آدم اور ان کو سجدہ

حضرت جعفر بن محمد رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: روح، حضرت آدم علیہ السلام کے سرانور میں (دنیوی سالوں کے حساب سے) ایک سو سال رہی۔ آپ کے سینے میں ایک سو سال اور پنڈلیوں اور پاؤں میں ایک سو سال رہی، پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو تمام مخلوقات کے نام سکھائے اور اس کے بعد فرشتوں کو حکم دیا کہ ان کو سجدہ کریں، پس انھوں نے سجدہ کیا لیکن شیطان نے سجدہ نہ کیا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے اپنی رحمت سے دور کر دیا اور ذلیل و رسوا کیا۔

حضرت آدم علیہ السلام کو تعظیمی سجدہ کرایا گیا تھا۔ یہ عبادت کا سجدہ نہ تھا جس طرح حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے ان کو تعظیمی سجدہ کیا تھا[1]۔

پس حقیقت میں مسجود اللہ تعالیٰ کی ذات والاصفات تھی اور حضرت آدم علیہ السلام قبلہ کی طرح تھے۔

حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں: حضرت آدم علیہ السلام کو سب سے پہلے حضرت جبریل علیہ السلام نے سجدہ کیا، پھر حضرت میکائیل علیہ السلام، ان کے بعد حضرت اسرافیل علیہ السلام،

[1] ہماری شریعت (شریعت محمدیہ) میں مخلوق کے لیے کسی قسم کا سجدہ جائز نہیں البتہ اتنا فرق ہے کہ کسی کو عبادت کا سجدہ کرنا شرک ہے اور اس کی تعظیم کے لیے سجدہ کرنا گمراہی ہے، ۱۲ ہزاروی۔

پھر حضرت عزرائیل علیہ السلام اور ان کے بعد تمام مقرب فرشتوں نے سجدہ کیا۔
حضرت ابوالحسن نقاش رحمہ اللہ فرماتے ہیں: سب سے پہلے حضرت اسرافیل علیہ السلام نے سجدہ کیا۔ فرماتے ہیں: اسی لیے ان کو لوح محفوظ کی تولیت کی صورت میں اجر ملا۔ (کہ آپ لوح محفوظ سے آگاہ ہیں اور اس میں تصرف کا اختیار رکھتے ہیں، وہاں کی باتیں فرشتوں کی طرف منتقل کرتے ہیں..... زرقانی شرح المواہب)
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ یہ سجدہ جمعہ کے دن زوال سے عصر کے درمیان ہوا۔

حضرت حوا علیہا السلام کی تخلیق

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت حوا علیہا السلام کو حضرت آدم علیہ السلام کی زوجہ کے طور پر ان کی بائیں پسلی سے پیدا کیا۔ اس وقت آپ سو رہے تھے، ان کا نام حوا اس لیے رکھا گیا کہ وہ ایک زندہ انسان سے پیدا کی گئیں۔ حضرت آدم علیہ السلام بیدار ہوئے تو حضرت حوا علیہا السلام کو دیکھ کر ان سے اطمینان حاصل کرنا اور ان کی طرف مائل ہونا چاہا تو فرشتوں نے کہا: اے آدم! ٹھہر جائیے۔ حضرت آدم علیہ السلام نے فرمایا: کیوں؟ اللہ تعالیٰ نے اسے میرے لیے ہی پیدا کیا ہے۔ انہوں نے کہا: مہر ادا کرنے سے پہلے آپ ان کے قریب نہیں جاسکتے۔ پوچھا: ان کا مہر کیا ہے؟ فرشتوں نے جواب دیا: تین مرتبہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف بھیجیں۔
ابن جوزی نے اپنی کتاب "سلوۃ الاحزان" میں لکھا ہے کہ جب حضرت آدم علیہ السلام نے ان کے قرب کا ارادہ کیا تو حضرت حوا علیہا السلام نے ان سے مہر طلب کیا، (کیونکہ وہ فرشتوں سے مہر کا ذکر سن چکی تھیں) حضرت آدم علیہ السلام نے عرض کیا: اے میرے رب! میں اسے کیا دوں؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے آدم! میرے محبوب محمد بن عبداللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بیس مرتبہ درود بھیجیں، چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔

درخت سے کھانا

پھر اللہ تعالیٰ نے ان دونوں (حضرت آدم و حضرت حوا علیہما السلام) کے لیے جنت کی نعمتوں کو مباح اور جائز قرار دیا لیکن گندم کے درخت کے قریب جانے سے منع فرمادیا۔ کہا گیا ہے کہ یہ انگور کا درخت تھا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ انجیر کا درخت تھا۔ ابلیس نے ان دونوں سے حسد کیا تو سب سے پہلے حسد اور تکبر کرنے والا ابلیس ہے۔ وہ جنت کے دروازے تک آیا اور کسی حیلے سے جنت کے اندر داخل ہوگیا، پھر وہ حضرت آدم و حوا علیہما السلام کے پاس آیا[1] وہاں کھڑا ہو کر اس طرح رویا پیٹا کہ ان دونوں کو بھی غمگین کر گیا تو سب سے پہلے نوحہ کرنے والا شیطان تھا۔ انہوں نے پوچھا: تم کیوں رو رہے ہو؟ اس نے کہا: تم دونوں کی وجہ سے رو رہا ہوں، تم مر جاؤ گے اور

[1] امام زرقانی فرماتے ہیں: شیطان سانپ کے منہ میں تھا اور باجوں کے ساتھ گا رہا تھا۔ حضرت آدم و حوا علیہما السلام نے سنا تو خیال کیا کہ سانپ ہی گا رہا ہے۔ ابلیس نے کہا: آگے آؤ۔ انہوں نے جواب دیا: ہمیں ہمارے رب نے اس درخت کے قریب جانے سے روک دیا۔ اس پر وہ رویا۔ (زرقانی شرح المواہب اللدنیہ ص ۶۴)

ان نعمتوں سے محروم ہو جاؤ گے۔ کیا میں تمہیں ایسا درخت نہ بتاؤں جو دائمی زندگی کا باعث ہے، تم دونوں اس سے کھاؤ۔ اس نے ان کے سامنے قسم بھی کھائی کہ وہ ان کا خیر خواہ ہے تو سب سے پہلے جھوٹ بولنے والا بھی وہی ہے اور اسی نے سب سے پہلے دھوکہ بازی کی۔

حضرت حوا علیہا السلام نے اس درخت سے کھایا اور حضرت آدم علیہ السلام کے سامنے اس کی تعریف کی حتیٰ کہ انہوں نے بھی کھایا۔ ان کا خیال تھا کہ کوئی بھی جھوٹی قسم کے ساتھ اللہ تعالیٰ پر جرأت نہیں کر سکتا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے آدم! جنت کی جو نعمتیں میں نے آپ لوگوں کے لیے مباح کی تھیں، کیا اس درخت کے مقابلے میں وہ آپ کو کافی نہیں تھیں؟ انہوں نے عرض کیا: ہاں، میرے رب! تیری عزت کی قسم! کافی تھیں لیکن میں نے خیال کیا کہ کوئی بھی تیرے نام کی جھوٹی قسم نہیں کھاتا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میری عزت و جلال کی قسم! میں آپ کو زمین کی طرف اتاروں گا اور آپ کی زندگی مشقت بھری ہوگی، پس آپ کو جنت سے اتارا گیا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے آدم! آپ نے یہ کام کیوں کیا؟ حضرت آدم علیہ السلام نے جواب دیا: حوا نے میرے سامنے اس کی تحسین کی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں اسے اس کی یہ سزا دوں گا کہ اس (عورت) کا حمل بھی مشقت سے ہوگا اور بچے کی ولادت بھی مشقت سے ہوگی اور میں اس (عورت) کو مہینے میں دو مرتبہ خون (حیض) میں مبتلا کروں گا۔ (یہ مطلب نہیں کہ اسے مہینے میں دو مرتبہ حیض آئے بلکہ مطلب یہ ہے کہ ایسا ہو سکتا ہے یا وہ اس کی مستحق ہے، ۱۲ زرقانی شرح مواہب)[1]

حضرت وہب بن منبہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں جب حضرت آدم علیہ السلام کو زمین کی طرف اتارا گیا تو آپ تین سو سال تک روتے رہے اور آپ کے آنسو خشک نہیں ہوتے تھے۔ مسعودی (عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن عتبہ بن مسعود) کہتے ہیں: اگر تمام زمین والوں کے آنسو جمع کیے جائیں تو حضرت آدم علیہ السلام کے وہ آنسو زیادہ ہوں گے جو جنت سے باہر تشریف لاتے وقت آپ کی آنکھوں سے جاری ہوئے۔

حضرت مجاہد (بن جبیر مخزومی) رحمہ اللہ فرماتے ہیں: حضرت آدم علیہ السلام ایک سو سال تک روتے رہے۔ آپ نے آسمان کی طرف سر نہ اٹھایا، حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے آنسوؤں کے ذریعے تر لکڑی، زنجبیل (سونٹھ) صندل اور طرح طرح کی خوشبوئیں پیدا فرمائیں اور حضرت حوا علیہا السلام بھی روتی رہیں حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے آنسوؤں سے لونگ اور خوشبو پیدا فرمائی۔

---

[1] حاکم اور ابن منذر نے صحیح سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ حیض کی ابتدا حضرت حوا سے ہوئی جب وہ زمین پر اتاری گئیں۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: بنی اسرائیل کے مرد و عورتیں اکٹھے نماز پڑھتے تھے تو عورتیں بن سنور کر جاتیں تو اللہ تعالیٰ نے ان کو حیض میں مبتلا کر کے مسجد میں جانے سے روک دیا جب کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ ایک ایسا معاملہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے آدم کی بیٹیوں پر مقرر کیا۔ احادیث کو یوں جمع کیا جا سکتا ہے کہ حیض تو پہلے سے تھا لیکن بنی اسرائیل کی عورتوں کو سزا کے طور پر اس میں زیادہ مبتلا کیا۔ (زرقانی جلد اول ص ۶۶)

وعظ و نصیحت

اے انسان! دیکھو تمہارے باپ حضرت آدم علیہ السلام ایک عمل پر کس طرح تین سو سال تک روتے رہے تو اے کبیرہ گناہوں کے مرتکب لوگو! تمہارا کیا حال ہے؟ اے عقلمندو! عبرت حاصل کرو۔ حضرت آدم علیہ السلام جب بھی فرشتوں کو اوپر جاتے اور اترتے ہوئے دیکھتے تو اپنے وطن اصلی کا شوق بڑھ جاتا اور وہ مقام اور پڑوسی (فرشتے) یاد آ جاتے۔ اے گناہ گارو! اس لغزش سے بچو جب محبوب اپنے محب سے کہے کہ یہ میرے اور تمہارے درمیان فراق ہے۔ اے سلیم العقل انسان! دیکھو تمہارے باپ آدم علیہ السلام کس طرح تخت مملکت پر بیٹھے پھر انھوں نے ایک لقمہ کی طرف ہاتھ بڑھایا جس سے ان کو روکا گیا تھا تو ان کو جنت سے باہر آنا پڑا، تو اے ان کی اولاد! گناہوں کے انجام سے بچو کیونکہ اسی کے باعث ان کے مقام میں فرق پڑا اور وہ اپنے مرتبہ سے نیچے آئے۔

حضرت آدم علیہ السلام کی لغزش گناہ کبیرہ تھی یا صغیرہ؟

سوال: جس عمل کی وجہ سے حضرت آدم علیہ السلام کو جنت سے اترنا پڑا۔ اگر وہ گناہ کبیرہ تھا تو انبیاء کرام علیہم السلام سے گناہ کبیرہ کا ارتکاب صحیح نہیں اور اگر وہ صغیرہ تھا تو اس کے سبب یہ سارا عمل کیوں ہوا کہ لباس اتر گیا اور آپ کو جنت سے اترنے کا حکم دیا، وغیرہ وغیرہ؟

جواب: علامہ جار اللہ زمخشری (صاحب کشاف) نے جواب دیا کہ یہ صغیرہ گناہ تھا جو آپ کے قلبی اعمال یعنی اخلاق اور اذکار و افکار سے ڈھانپا ہوا تھا اور یہ قلبی اعمال بہت بڑی عبادات اور عظیم تر عمل ہیں (اور جب صغیرہ گناہ عبادات کے پردے میں ہو تو اس پر گرفت نہیں ہوتی) اور آپ کو جو کچھ حکم ہوا، اس کی وجہ یہ تھی کہ اس سے گناہ کی خرابی کو ظاہر کیا جائے اور خوف دلایا جائے اور یہ بات آپ اور آپ کی اولاد پر لطف و کرم کا باعث تھی، تاکہ وہ گناہوں سے اجتناب کریں۔[1] (تفسیر کشاف جلد اول ص ۲۷۵)

نزول آدم علیہ السلام کی حکمت

اے مخاطب! دیکھو حضرت آدم علیہ السلام کے جنت سے زمین پر آنے میں کس قدر لطف و کرم اور حکمت خداوندی ہے۔ اگر آپ کا نزول نہ ہوتا تو مجاہدین کا جہاد اور مجتہدین کا اجتہاد ظاہر نہ ہوتا، توبہ کرنے والوں کی سانسوں کی آوازیں اوپر نہ جاتیں اور گناہ گاروں کے آنسوؤں کے قطرے نہ اترتے۔ اے آدم علیہ السلام! اگرچہ

[1] امام قرطبی فرماتے ہیں: انبیاء کرام سے گناہ صغیرہ کا ارتکاب ہو سکتا ہے لیکن بھول کر ہوتا ہے۔ ہاں جو گناہ صغیرہ ہلکے پن کو ظاہر کرے جیسے ایک لقمہ چوری کرنا تو یہ ان سے صادر نہیں ہوتا لیکن جمہور فقہاء مالکی، حنفی، شافعی کے نزدیک انبیاء کرام علیہم السلام تمام صغیرہ گناہوں سے معصوم ہوتے ہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام سے جو لغزش ہوئی، وہ بے شمار فوائد کا باعث بنی جو آپ کو اور آپ کی اولاد کو حاصل ہوئے۔ (زرقانی جلد اول ص ۶۸)

آپ کو دارِ قرب سے اتارا گیا لیکن میں (خداوند تعالیٰ) قریب ہوں دعا کرنے والے کی دعا کو قبول کرتا ہوں۔ اگر جنت سے باہر تشریف لانے کی وجہ سے آپ کا دل ٹوٹا ہے تو میں ان لوگوں کے قریب ہوں جن کے دل میرے لیے ٹوٹتے ہیں۔ اگر آپ سے آسمانی تسبیح کرنے والوں کی آوازیں منقطع ہوگئی ہیں تو میں نے اس کے عوض زمین میں گناہ گاروں کا رونا عطا کیا ہے، گناہ گاروں کا رونا مجھے ان کی تسبیح سے زیادہ پسند ہے۔ تسبیح کرنے والوں کی آوازوں میں بعض اوقات فخر اور تکبر آجاتا ہے، لیکن گنہگاروں کے رونے کو انکساری اور عاجزی زینت بخشتی ہے۔ (حدیث شریف میں ہے)۔

لولم تذنبوا لذھب اللہ بکم ولجاء بقوم یذنبون ثم یستغفرون فیغفرلھم[1]

اگر تم سے گناہ سرزد نہ ہو تو اللہ تعالیٰ تمہیں لے جائے گا اور ایسی قوم کو لائے گا جن سے گناہوں کا ارتکاب ہوگا پھر وہ بخشش طلب کریں گے اور ان کو بخش دیا جائے گا۔

(صحیح مسلم جلد ۲ ص ۳۵۵، کتاب التوبہ، مسند امام احمد بن حنبل جلد ۲ ص ۳۰۹، مرویات)

وہ ذات پاک ہے کہ جب وہ بندے پر لطف و کرم کرے تو اس کی آزمائشوں کو عطیات میں بدل دیتا ہے۔ اور جب وہ کسی بندے کو ذلیل کرنا چاہے تو اس کی بہت محنت بھی اسے فائدہ نہیں دیتی اور یہ اس کے لیے وبال بن جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو ان کی دلیل سکھائی[2] اور ان کو وہ بات القاء کی جو ان کی قبولیت توبہ کا باعث بنی۔

اور شیطان لعین کو ایک طویل عرصہ تک عبادت کرنے کے باوجود اپنی رحمت سے دور کردیا اور اس کا عمل بکھری ہوئی گرد و غبار بن گیا۔ ارشاد فرمایا: یہاں سے نکل جا (کیونکہ)

فَاِنَّکَ رَجِیْمٌ ○ وَّاِنَّ عَلَیْکَ اللَّعْنَةَ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ۔ (الحجر: ۳۴-۳۵)

یہاں سے (جنت سے) نکل جا، پس بیشک تو مردود ہے اور قیامت کے دن تک تجھ پر لعنت ہوگی۔

اللہ تعالیٰ جب کسی بندے سے عدل فرماتا ہے تو اس کی کوئی نیکی باقی نہیں رہتی اور جب اس کے لیے اپنے فضل کو بچھا دیتا ہے تو اس کا کوئی گناہ باقی نہیں رہتا۔

---

[1] اس حدیث شریف میں گناہ کی ترغیب نہیں بلکہ طلب مغفرت کی ترغیب دی گئی اور یہ بات واضح ہے کہ انسان سے گناہ سرزد ہو جاتا ہے لیکن اس کے بعد اسے بخشش طلب کرنا چاہیے۔ یہ مطلب ہرگز نہیں کہ وہ طلب مغفرت کے لیے قصداً گناہ کا مرتکب ہوا۔ ۱۲ ہزاروی۔

[2] دلیل یہ سکھائی کہ انہوں نے عرض کیا: میرا خیال نہیں تھا کہ کوئی شخص اللہ تعالیٰ پر جھوٹی قسم بھی کھا سکتا ہے اور قبولیت توبہ کے لیے ان کو "ربنا ظلمنا انفسنا وان لم تغفرلنا وترحمنا لنکونن من الخاسرین۔" پڑھنا سکھایا یعنی اے ہمارے رب! ہم نے اپنے نفسوں پر زیادتی کی، اگر تو ہمیں نہ بخشے اور ہم پر رحم نہ فرمائے تو ہم نقصان اٹھانے والوں میں سے ہوجائیں گے۔ (زرقانی جلد اول ص ۷۰)

دیکھو جب مخلوق پر حضرت آدم علیہ السلام کے وہ فضائل ظاہر ہوئے جو علم کی وجہ سے ان کو ملے اور علم، عمل کے بغیر مکمل نہیں ہوتا اور جنت عمل اور مجاہدہ کی جگہ نہیں ہے، وہ تو نعمتوں اور مشاہدہ کی جگہ ہے تو ان سے کہا گیا: اے آدم علیہ السلام! مجاہدے کی زمین پر اتریں اور خواہشات کے لشکروں کے مقابلے میں خوب کوشش کے ساتھ صبر کریں تو گویا آپ گزشتہ زندگی (جنت والی زندگی) میں ہوں گے اور پہلے سے زیادہ کامل نعمتوں کی طرف لوٹیں گے۔

جب ابلیس لعنتی نے حسد کیا تو آپ کو اذیت پہنچانے کی کوشش کی حتیٰ کہ حضرت آدم علیہ السلام کے زمین پر تشریف لانے کا سبب بنا اور اس بیوقوف کو سمجھ نہ آئی کہ حضرت آدم علیہ السلام جب جنت سے تشریف لے جائیں گے تو ان کے فضائل بڑھ جائیں گے اور پھر آپ پہلی حالت سے زیادہ کامل حالت میں واپس تشریف لائیں گے۔

صوفیاء کرام فرماتے ہیں: اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ گویا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر میں جنت میں ہی بخش دیتا تو میرا کرم ظاہر نہ ہوتا کیونکہ اس طرح میں ایک شخص کو بخشتا بلکہ میں ان کو دنیا کی طرف لے جاؤں گا اور وہ (قیامت کے دن) ہزاروں لوگوں کو لے کر آئیں حتیٰ کہ میں ان (حضرت آدم علیہ السلام) کو بھی بخش دوں گا اور ان لوگوں کو بھی تاکہ میرا جود و کرم ظاہر ہو، نیز اللہ تعالیٰ جانتا تھا کہ ان کی پشت میں اولاد ہے اور جنت پیدائش کی جگہ نہیں ہے اور یہ بھی مقصد تھا کہ جن لوگوں کا جنت میں کوئی حصہ نہیں، ان کو دنیا میں ہی ان کی پیٹھ سے نکال دے۔

اے مخاطب! انشاء اللہ جنت ہمیں دی جائے گی اور اس عطیہ کی خبر حضرت جبرائیل علیہ السلام کے ذریعے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچ چکی ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ۔ (البقرۃ: ۲۵)	اور آپ ان لوگوں کو خوشخبری دیجئے جو ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام کئے کہ بے شک ان کے لیے باغات (جنت) ہیں جن کے نیچے سے نہریں جاری ہیں۔

حضرت آدم علیہ السلام کس جنت میں تھے؟

اس بات میں اختلاف ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کس جنت میں ٹھہرے تھے۔ کہا گیا ہے کہ آپ "جنت الخلد" میں ٹھہرے اور بعض نے کہا ہے کہ اس کے علاوہ کسی جنت میں ٹھہرے جسے اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے امتحان گاہ بنایا تھا کیونکہ جنت خلد میں داخلہ قیامت کے دن ہوگا نیز یہ جزا اور ثواب کا گھر ہے۔ تکلیف امر اور نہی کا گھر نہیں ہے، سلامتی کا گھر ہے ابتلاء و امتحان کا گھر نہیں ہے۔ ٹھہرنے کا گھر ہے، منتقلی کا گھر نہیں ہے۔

جو حضرات جنت الخلد کا قول کرتے ہیں ان کی دلیل یہ ہے کہ یہ عارضی داخلہ تھا جو قیامت سے پہلے واقع ہوا۔ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی معراج کی رات جنت الخلد میں تشریف لے گئے۔ جہاں تک ان

مذکورہ باتوں کا تعلق ہے کہ جو کچھ حضرت آدم علیہ السلام کو پہنچا وہ جنت الخلد میں نہیں ہوتا تو یہ اس وقت کی بات ہے جب قیامت کے دن مومن وہاں جائیں گے جس طرح تمام آیات کا سیاق و سباق اس بات پر دلالت کرتا ہے تو ان باتوں کی نفی مومنوں کے وہاں داخل ہونے سے متعلق ہے اور اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔[1]

حضرت آدم علیہ السلام نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو وسیلہ بنایا

روایات میں ہے کہ جب حضرت آدم علیہ السلام جنت سے باہر تشریف لائے تو آپ نے عرش کے پایوں اور جنت کے ہر مقام پر اسم محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ ملا ہوا دیکھا۔ عرض کیا: اے میرے رب! یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کون ہیں؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہ آپ کا وہ بیٹا ہے کہ اگر اسے پیدا کرنا مقصود نہ ہوتا تو میں آپ کو بھی پیدا نہ کرتا۔ انہوں نے عرض کیا: یا اللہ! اس بیٹے کے صدقے اس باپ پر رحم فرما۔ پس آواز دی گئی:

اے آدم! اگر آپ تمام آسمانوں اور زمین والوں کے حق میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو وسیلہ بناتے تو ہم آپ کے اس توسل کو قبول کرتے۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب حضرت آدم علیہ السلام سے خطا سرزد ہوئی تو انہوں نے عرض کیا: اے میرے رب! میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے سے سوال کرتا ہوں کہ مجھے بخش دے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے آدم! آپ نے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو کیسے پہچان لیا، ابھی تو میں نے ان کو پیدا بھی نہیں کیا؟ عرض کیا: اے میرے رب! جب تو نے مجھے پیدا کیا اور مجھ میں اپنی روح پھونکی تو میں نے سر اٹھا کر دیکھا کہ عرش کے پایوں پر لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ لکھا ہوا ہے تو میں نے جان لیا کہ جس ذات کو تو نے اپنے نام کے ساتھ ملایا ہے، وہ تجھے مخلوق میں سے سب سے زیادہ محبوب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے آدم! تو نے سچ کہا، بے شک وہ مجھے مخلوق میں سب سے زیادہ محبوب ہے۔ جب تو نے اس کے توسل اور واسطے سے سوال کیا ہے تو میں نے تجھے بخش دیا اور اگر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نہ ہوتے تو میں تمہیں بھی پیدا نہ کرتا ——— اس حدیث کو امام بیہقی نے "دلائل النبوۃ" میں حضرت عبدالرحمن بن زید بن اسلم رضی اللہ عنہم کی روایت سے نقل کیا ہے اور اس میں حضرت عبدالرحمن متفرد (اکیلے) ہیں۔ امام حاکم نے بھی اسے روایت کرتے ہوئے صحیح قرار دیا ہے۔ امام طبرانی نے بھی اس کو ذکر کیا اور اس میں یہ اضافہ ہے کہ "وہ آپ کی اولاد میں سے آخری نبی ہیں"۔

(مجمع الزوائد جلد ۸ ص ۲۵۳، دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ا ص ۴۸۹، مستدرک حاکم جلد ۲ ص ۶۱۵، تاریخ دمشق ابن عساکر جلد ۲ ص ۳۶۰)

---

[1] ابن بطال نے بعض مشائخ سے نقل کیا ہے کہ اہلسنت و جماعت کا اس بات پر اجماع ہے کہ آپ جنت الخلد میں ہی سکونت پذیر رہے، کیونکہ "یادم اسکن انت وزوجک الجنۃ" میں الجنت پر الف لام عہد کا ہے اور جنت الخلد ہی معروف و مشہور ہے" اور یہ جو فرمایا کہ آپ وہاں بھوکے ننگے نہ ہوں گے تو یہ اسی جنت کی صفت ہے۔

اللہ تعالیٰ کے محبوب

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی روایت جو ابن عساکر (حافظ ابوالقاسم علی بن حسین بن ہبتہ اللہ دمشقی شافعی) نے نقل کی ہے۔ اس میں وہ فرماتے ہیں کہ حضرت جبریل علیہ السلام نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ آپ کا رب فرماتا ہے اگر میں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنا خلیل بنایا ہے تو آپ کو اپنا حبیب بنایا ہے۔ میری مخلوق میں کوئی بھی میرے نزدیک آپ سے زیادہ عزت والا نہیں۔ میں نے دنیا اور دنیا والوں کو اس لیے پیدا کیا کہ ان کو آپ کے مقام و مرتبہ کی پہچان کراؤں اور بتاؤں کہ میرے نزدیک آپ کا کیا مقام ہے اور اگر آپ نہ ہوتے تو میں دنیا کو پیدا نہ کرتا۔ (تاریخ دمشق لابن عساکر جلد ۲ ص ۱۳۶)

عارف کبیر ابوالحسن علی شاذلی رحمہ اللہ نے کیا خوب کہا ہے، وہ اپنے قصیدے کے شروع میں لکھتے ہیں:

سکن الفواد فعش هنیئا یا جسد — هذا النعیم هو المقیم الی الابد
روح الوجود حیاة من هو واجد — لولاه ما تم الوجود لمن وجد
عیسی و آدم والصدور جمیعهم — هم اعین هو نورها لما ورد
لو ابصر الشیطان طلعة نوره — فی وجه آدم کان اول من سجد
او لو رای النمرود نور جماله — عبد الجلیل مع الخلیل ولا عند
لکن جمال الله جل فلا یری — الا بتخصیص من الله الصمد

"دل ٹھہر گیا پس اے جسم تو زندہ رہ، تجھے مبارک ہو یہ نعمت ہی دائمی باقی رہنے والی ہے"۔

"وجود کی روح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس کی حیات ہیں جو ان کو پائے، اگر آپ نہ ہوتے تو کسی صاحب وجود کا وجود مکمل نہ ہوتا"۔

"حضرت عیسیٰ اور حضرت آدم علیہما السلام اور تمام بڑی بڑی شخصیات آنکھیں ہیں اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کا نور ہیں جیسا کہ آیا ہے"۔

"اگر شیطان حضرت آدم علیہ السلام کے چہرے میں آپ کے نور کو دیکھ لیتا تو وہی سب سے پہلے سجدہ کرتا"۔

"اور اگر نمرود آپ کے نور جمال کو دیکھتا تو خلیل اللہ علیہ السلام کے ساتھ مل کر رب جلیل کی عبادت کرتا اور دشمنی نہ کرتا"۔

"لیکن اللہ تعالیٰ کا جمال تو بلند و بالا ہے، اسے وہی دیکھتا ہے جسے اللہ بے نیاز اس مقصد کے لیے خاص کرتا ہے"۔

نسب شریف

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب کا دورِ جاہلیت کی خرابیوں سے پاک ہونا

اللہ تعالیٰ نے جب حضرت حوا علیہا السلام کو پیدا فرمایا کہ حضرت آدم علیہ السلام ان سے سکون حاصل کریں جب آپ ان سے یکجا ہوئے تو ان کی برکات حضرت حوا علیہا السلام کو حاصل ہو گئیں تو ان بہترین سالوں میں (جو تقریباً نو سو یا آٹھ سو اسی سال تھے... زرقانی) حضرت حوا کے ہاں بیس مرتبہ کے حمل نے چالیس بچے پیدا ہوئے۔ حضرت شیث علیہ السلام تنہا پیدا ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ مقام اس ذات کی وجہ سے عطا فرمایا جن کے سعد کو نبوت کی اطلاع دی۔ (اور وہ سعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں)

جب حضرت آدم علیہ السلام کا وصال ہوا تو انہوں نے حضرت شیث علیہ السلام کو اپنی اولاد پر وصی مقرر فرمایا، پھر حضرت شیث علیہ السلام نے اپنے بیٹے (انوش) کو وہی وصیت کی جو حضرت آدم علیہ السلام نے ان سے فرمائی تھی کہ اس نور (نور محمدی) کو پاکیزہ عورتوں کی طرف منتقل کریں اور یہ وصیت مسلسل جاری رہی، ایک سے دوسرے تک منتقل ہوتی رہی، حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے یہ نور حضرت عبدالمطلب اور (ان کے بعد) ان کے صاحبزادے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ تک پہنچایا اور اللہ تعالیٰ نے اس نسب شریف کو جاہلیت کی خرابیوں (اور زناکاریوں) سے محفوظ رکھا جیسا کہ صحیح اور حسن روایات میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے۔

سنن بیہقی میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

وما ولدنی من سفاح الجاھلیۃ شیٔ ما ولدنی الا نکاح الاسلام۔

میری ولادت میں دورِ جاہلیت کی زناکاری کا کوئی دخل نہیں، میری ولادت اسلام کے طریقہ نکاح کی مطابق ہوئی۔

(السنن الکبریٰ للبیہقی جلد ۷ ص ۱۹۰، مجمع الزوائد جلد ۸ ص ۲۱۴، الدر المنثور جلد ۳ ص ۲۹۴)

السفاح (سین کے کسرہ یعنی زیر سے) زنا کو کہتے ہیں اور یہاں مراد یہ ہے کہ ایک عورت کسی شخص سے ایک مدت تک ناجائز تعلقات قائم رکھتی پھر اس کے بعد اس سے نکاح کر لیتی۔

ابن سعد اور ابن عساکر نے حضرت ہشام بن محمد بن سائب کلبی سے اور انہوں نے اپنے باپ سے روایت کی، وہ فرماتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پانچ سو مائیں (دادیاں نانیاں وغیرہ سب مراد ہیں) لکھی گئی ہیں، ان میں سے کسی میں دورِ جاہلیت کا زنا یا کوئی دوسرا طریقہ نہیں پایا گیا۔ (طبقات ابن سعد جلد اول ص ۶۰)

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

خرجت من نکاح ولم اخرج من سفاح من لدن ادم الی ان ولدنی ابی وامی لم یصبنی من نکاح الجاھلیۃ شئی۔ (دلائل النبوۃ للبیہقی جلد اول ص ۱۷۴)

میں نکاح کی صورت میں آیا ہوں۔ حضرت آدم علیہ السلام سے میرے ماں باپ تک کہیں زنا نہیں اور نہ ہی جاہلیت کے نکاح کا مجھ سے کوئی تعلق ہے۔

امام طبرانی نے اسے معجم اوسط میں ذکر کیا۔ (طبرانی اوسط جلد ۵ ص ۳۶۶) ابو نعیم اور ابن عساکر نے بھی اسے روایت کیا ہے۔ (السنن الکبریٰ للبیہقی جلد ۷ ص ۱۹۰)

ابو نعیم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً روایت کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے ماں باپ کبھی بھی جاہلیت کے طریقے پر ایک دوسرے سے نہیں ملے (اور) اللہ تعالیٰ نے مجھے ہمیشہ پاک پشتوں سے پاک رحموں میں منتقل فرمایا جو صاف ستھرے اور مہذب تھے۔ جب بھی دو شاخیں بنیں، میں ان میں سے سب سے بہتر شاخ میں ہوا۔ (دلائل النبوۃ جز اول ص ۱۱)

انہی سے مروی ہے، ارشاد خداوندی ہے:

وَتَقَلُّبَكَ فِي السّٰجِدِيْنَ۔ (الشعراء: ۲۱۹)

اور آپ کا سجدہ کرنے والوں میں منتقل ہونا۔

اس آیت کے سلسلے میں فرماتے ہیں یعنی نبی سے نبی کی طرف منتقل کیا حتیٰ کہ آپ کو نبی کی صورت میں لایا گیا...

(اسے امام بزار نے مسند بزار میں روایت کیا)۔ (کشف الاستار عن زوائد البزار جلد ۳ ص ۱۱۰)

انہی سے اس آیت کی تفسیر میں یہ بھی مروی ہے، فرمایا:

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ انبیاء کرام علیہم السلام کی پشتوں سے منتقل ہوتے رہے حتیٰ کہ آپ کی والدہ مطہرہ نے آپ کو جنم دیا۔ اسے ابو نعیم نے روایت کیا۔ (دلائل النبوۃ لابی نعیم ص ۱۲) آیت کریمہ:

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ۔ (التوبہ: ۱۲۸)

بے شک تمہارے پاس رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) تم ہی میں سے تشریف لائے۔

اس آیت کی تفسیر میں حضرت جعفر بن محمد اپنے والد سے روایت کرتے ہیں، فرماتے ہیں: جاہلیت کی ولادت آپ تک نہیں پہنچی نیز فرمایا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: میں نکاح سے پیدا ہوا، سفاح (جاہلیت کے طریقہ زنا) سے نہیں۔ (دلائل النبوۃ لابی نعیم ص ۱۲)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ (مندرجہ بالا) آیت تلاوت فرمائی اور اس "انفسکم" میں فاء پر فتحہ (زبر) پڑھی اور فرمایا:

انا انفسکم نسبا وصھرا وحسبا لیس فی ابائی من لدن آدم سفاح کلھا نکاح۔

میں، نسبی طور پر سسرالی رشتہ سے اور حسب کے اعتبار سے تم سب سے زیادہ نفیس ہوں۔ میرے آباء و اجداد میں حضرت آدم علیہ السلام سے (اب تک) کہیں

بھی زنا نہیں، سب نکاح سے پیدا ہوئے۔
اس حدیث کو ابن مردویہ (حافظ ابوبکر احمد بن موسیٰ مردویہ اصبہانی) نے ذکر کیا ہے۔ ابونعیم کی دلائل النبوۃ میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے، وہ حضرت جبرئیل علیہ السلام سے نقل کرتی ہیں، وہ فرماتے ہیں: میں نے زمین کے مشرقوں اور مغربوں کو چھان مارا، پس مجھے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل کوئی بھی دکھائی نہیں دیا اور نہ ہی بنو ہاشم سے افضل کسی کی اولاد کو دیکھا۔ امام طبرانی نے اسے اوسط میں اسی طرح نقل کیا ہے۔ شیخ الاسلام امام ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اس متن کے صفحات پر صحت کی چمک ظاہر ہے۔
(یعنی یہ حدیث صحیح ہے)

بہترین زمانہ اور بہترین گھرانہ

صحیح بخاری میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

بعثت من خير قرون بني آدم قرنا فقرنا حتى كنت من القرن الذي كنت منه۔

میں اولاد آدم کے سب سے بہترین زمانے میں مبعوث ہوتا رہا حتیٰ کہ میرا یہ زمانہ آیا۔

(صحیح بخاری جلد اول ص ۵۰۳ کتاب المناقب)

صحیح مسلم میں حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ان الله اصطفى كنانة من ولد اسماعيل واصطفى قريشا من كنانة واصطفى من قريش بني هاشم واصطفاني من بني هاشم۔

بیشک اللہ تعالیٰ نے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد سے کنانہ کو منتخب فرمایا، کنانہ سے قریش کو منتخب کیا، قریش سے بنوہاشم اور بنوہاشم میں سے مجھے منتخب فرمایا۔

(صحیح مسلم جلد ۲ ص ۲۴۵ کتاب الفضائل، جامع ترمذی جلد ۲ ص ۲۰۱، ابواب المناقب)

اس حدیث کو امام ترمذی رحمہ اللہ نے بھی روایت کیا ہے اور فرمایا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ان الله خلق الخلق فجعلني في خير فرقهم وخير الفريقين ثم تخير القبائل فجعلني في خير القبيلة ثم تخير البيوت فجعلني في خير بيوتهم فانا خيرهم نفسا وخيرهم بيتا۔

بے شک اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کیا تو مجھے ان کے بہترین گروہ میں رکھا اور دو گروہوں میں سے بہتر قبیلے میں رکھا پھر گھروں کو شرافت میں منتخب کیا تو مجھے سب سے بہتر گھر میں رکھا پس میں ذات اور گھر کے اعتبار سے سب بہتر ہوں۔ (جامع ترمذی جلد ۲ ص ۲۰۱، ابواب المناقب، دلائل النبوۃ للبیہقی جلد اول ص ۱۷۰)

امام ترمذی فرماتے ہیں، یہ حدیث حسن ہے۔

امام طبرانی نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ان اللہ اختار خلقہ فاختار منھم بنی ادم ثم اختار بنی آدم فاختار منھم العرب ثم اختیارنی من العرب فلم ازل خیارا من خیار الا من احب العرب فبحبی احبھم ومن ابغض العرب فببغضی ابغضھم۔

(مستدرک حاکم جلد اول ص ۷۳)

بے شک اللہ تعالیٰ نے مخلوق میں انتخاب فرمایا تو ان میں سے انسانوں کو چنا پھر انسانوں میں سے انتخاب فرمایا تو ان میں سے اہل عرب کو مختار بنایا پھر اہل عرب میں سے مجھے منتخب کیا۔ پس میں ہمیشہ لوگوں میں سے بھی بہتر رہا۔ سنو! جو شخص اہل عرب سے محبت کرتا ہے تو وہ میری محبت میں ایسا کرتا ہے اور جو اہل عرب سے نفرت کرتا ہے تو اس کا باعث مجھ سے بغض رکھنا ہے۔

اکلوتے صاحبزادے (صلی اللہ علیہ وسلم)

جان لو کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ولادت میں کسی بھائی اور بہن کو شریک نہیں کیا گیا تاکہ آپ کے والدین کریمین کا انتخاب آپ پر مکمل ہو اور ان کا نسب بھی آپ کے ساتھ خاص ہو اور تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایسے نسب کے ساتھ مختص ہو جائیں جو نبوت کی انتہا اور شرف و بزرگی کی تکمیل ہے۔

اب جب تمہیں آپ کے نسب شریف کا حال معلوم ہو جائے گا اور تم آپ کی ولادت مبارکہ کی طہارت کو جان لو گے تو تمہیں یقین ہو جائے گا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے معزز آباء واجداد کا خلاصہ ہیں۔

آپ عربی، امی (تمام مخلوق کی اصل) ابطحی (وادی بطحاء مکہ سے تعلق رکھنے والے) حرمی (حرم والے) ہاشمی اور قریشی ہیں۔ بنو ہاشم کا انتخاب ہیں۔ عرب کے بہترین قبیلوں میں سے منتخب و مختار اور سب سے اعلیٰ نسب والے ہیں اور آپ کا حسب مضبوط ہے۔ آپ عمدہ خوشبو والے ہیں اور آپ کی اصل نہایت پاک اور معزز ہے۔ زبان میں حد درجہ فصاحت، بیان نہایت واضح، میزان اعمال جھکا ہوا (وزنی) ایمان سب سے زیادہ صحیح، مددگاروں کے اعتبار سے بہت غالب، ماں باپ کی طرف سے سب اچھے گروہ والے اور اپنے شہر مقدس (مکہ مکرمہ) کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اور بندوں کے ہاں سب سے معزز ہیں۔

سلسلۂ نسب شریف

آپ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، آپ کے والد ماجد حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ ہیں جو ذبیح کہلاتے ہیں۔ (آپ کے بدلے میں سو اونٹ ذبح کئے گئے تھے)۔

حضرت عبداللہ، حضرت عبدالمطلب (رضی اللہ عنہما) کے صاحبزادے ہیں۔ حضرت عبدالمطلب کا نام شیبہ الحمد تھا یہ ابن اسحٰق کا قول ہے اور یہی صحیح ہے۔ کہا گیا ہے کہ آپ کا نام اس لیے رکھا گیا ہے کہ آپ کے سر

مبارک میں پیدائشی طور پر سفید بال تھے۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ حضرت عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کا اسم گرامی عامر تھا۔ یہ ابن قتیبہ کا قول ہے۔ (سیرت ابن ہشام جلد اول ص۵) مجد شیرازی نے بھی ان کی اتباع میں یہ بات کہی ہے۔ حضرت عبدالمطلب کی کنیت ابوالحارث تھی کیونکہ حارث آپ کے سب سے بڑے بیٹے کا نام تھا۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ آپ کا نام عبدالمطلب اس لیے ہے کہ آپ کے والد ہاشم مکہ مکرمہ میں تھے، جب ان کی وفات کا وقت ہوا تو انہوں نے اپنے بھائی سے کہا: اپنے غلام کو یثرب (مدینہ طیبہ) سے لاؤ۔ اس لیے آپ کا نام عبدالمطلب (مطلب کا غلام) پڑ گیا۔

کہا گیا ہے کہ آپ کے چچا مطلب آپ کو اپنے پیچھے بٹھا کر مکہ مکرمہ لائے، آپ کا لباس اچھا نہ تھا چنانچہ ان سے پوچھا جاتا تو وہ کہتے یہ میرا غلام ہے کیونکہ بھتیجا کہتے ہوئے وہ شرم محسوس کرتے تھے۔ جب ان کو شہر میں لے آئے اور ان کی (ظاہری) حالت درست کر دی تو ظاہر کیا کہ یہ میرا بھتیجا ہے۔ اسی لیے آپ کو عبدالمطلب کہا جاتا ہے۔

اہل عرب میں سب سے پہلے آپ ہی نے خضاب لگایا تھا، آپ کی عمر ایک سو چالیس سال ہوئی ہے۔

حضرت عبدالمطلب، حضرت ہاشم کے بیٹے تھے۔ ہاشم کا نام عمرو تھا، ان کو ہاشم اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ قحط سالی کے دوران لوگوں کو چوری کھلاتے تھے۔ (ہاشم توڑنے والے کو کہتے ہیں) ہاشم کے والد عبد مناف تھے اور ان کا نام مغیرہ تھا... اور وہ (عبد مناف) قصی کے بیٹے تھے۔ (صاد پر زبر ہے اسم تصغیر ہے قصی) یعنی دور کیونکہ آپ اپنے قبیلے سے دور قضاعہ کے علاقے میں تھے جب آپ اپنی والدہ فاطمہ کے پیٹ میں تھے۔ قصی کا نام مجمع تھا۔ شاعر کہتا ہے ؎

ابو کم قصی کان یدعی مجمعا

بہ جمع اللہ قبائل من فھر

"تمہارے باپ قصی کا نام مجمع تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے ذریعے بنو فہر کے قبائل کو جمع کیا"۔

کہا گیا ہے کہ ان کا نام زید تھا۔ حاکم ابو احمد کے مطابق حضرت امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ان کا نام یزید تھا۔

قصی، کلاب کے بیٹے تھے، یہ لفظ یا تو مصدر سے منقول ہے جو مکالبہ کے معنی میں ہے جیسے کہتے ہیں: "کالبت العدو مکالبۃ" میں نے دشمن سے کھلم کھلا دشمنی کی (اسے تنگ کیا) یا کلاب، کلب کی جمع ہے کیونکہ وہ کثرت مراد لیتے تھے جیسے درندے کو سباع (جمع کا صیغہ) کہتے ہیں۔

ایک اعرابی سے پوچھا گیا کہ تم اپنے بیٹوں کے بُرے نام کیوں رکھتے ہو جیسے کلب (کتا) ذئب (بھیڑیا) جب کہ تمہارے غلاموں کے نام اچھے ہوتے ہیں جیسے مرزوق (رزق دیا گیا) رباح (نفع) اس نے کہا: ہم اپنے بیٹوں کے نام دشمنوں کے لیے رکھتے ہیں اور غلاموں کے نام اپنے حوالے سے رکھتے ہیں۔ یعنی ہمارے بیٹے دشمنوں کے لیے تیار

کئے جاتے ہیں اور وہ ان کے بیٹے ہیں (پیوست ہونے والے) تیر ہیں تو ان لوگوں نے اس قسم کے نام پسند کیے۔

کلاب کا نام حکیم تھا اور کہا گیا ہے کہ عروہ تھا...

کلاب، مرہ کے بیٹے تھے اور وہ کعب کے بیٹے تھے۔ انہوں (مرہ) نے سب سے پہلے عروبہ (جمعہ) کے دن لوگوں کو جمع کیا (اس کو یوم عروبہ کہتے تھے) اس دن قریش ان کے پاس جمع ہوتے اور وہ ان کو خطبہ دیتے ہوئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی خبر دیتے اور بتاتے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کی اولاد میں سے ہوں گے۔ اور وہ قریش کو حکم دیتے کہ ان کی اتباع کرنا اور ان پر ایمان لانا اور اس سلسلے میں یہ شعر پڑھتے:

یالیتنی شاھد فحواء دعوته
حین العشیرة تبغی الحق خذلانا

"کاش! میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کے وقت موجود ہوں۔ جب قبیلہ، حق کو ذلیل کرنے کے لیے سرکشی کرے گا"۔

وہ (کعب) لوی کے بیٹے ہیں (لُوَیٌّ) اللای کی تصغیر ہے جو العصا کے وزن پر ہے اور یہ لفظ بیل کے لیے بولا جاتا ہے۔

لؤی، غالب کے بیٹے ہیں، غالب، فہر کے بیٹے ہیں اور فہر کا نام قریش ہے۔ قریش قبیلہ انہی کی طرف منسوب ہے۔ ان سے اوپر والے کنعانی کہلاتے ہیں، قریشی نہیں کہلاتے۔ صحیح قول یہی ہے۔

فہر، مالک کے اور مالک، نضر کے بیٹے ہیں (نضر کا نام قیس ہے)۔ قیس، کنانہ کے اور کنانہ، خزیمہ کے بیٹے ہیں (خزیمہ، خزمہ کی تصغیر ہے)، خزیمہ، مدرکہ کے اور وہ (مدرکہ) الیاس کے بیٹے ہیں۔

ابن انباری (حافظ ابو بکر محمد بن قاسم بن انباری) کے قول کے مطابق الیاس ہمزہ کے کسرہ (زیر) کے ساتھ ہے اور قاسم بن ثابت کے قول کے مطابق فتحہ (زبر) کے ساتھ ہے جو امید کی ضد (مایوسی) ہے۔ اس میں لام تعریف کے لیے اور ہمزہ وصل کے لیے ہے۔

(امام علامہ ابو القاسم عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن احمد بن اصبغ) سہیلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ زیادہ صحیح ہے۔ الیاس وہ پہلے شخص ہیں جو قربانی کے لیے بیت الحرام کی طرف اونٹ لے گئے۔ کہا جاتا ہے کہ وہ اپنی پیٹھ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حج کے لیے تلبیہ (لبیک اللھم لبیک آخر تک) سنا کرتے تھے۔

(السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد اول ص ۸)

الیاس مضر کے بیٹے ہیں۔ اونٹوں کے لیے حدی (اونٹوں کے ساتھ جو کچھ گایا جاتا ہے) کی ابتدا انہوں نے ہی کی تھی اور وہ بہت خوش آواز تھے۔

مضر کے بیٹے نزار ہیں (نون کے نیچے کسرہ (زیر) ہے) اور یہ لفظ، نزر سے بنا ہے جس کا معنی قلت ہے۔ کہتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ جب ان کی ولادت ہوئی اور ان کے باپ نے ان کی آنکھوں کے درمیان نور محمدی چمکتا ہوا دیکھا تو وہ بہت خوش ہوئے اور انہوں نے کھانا کھلایا اور فرمایا کہ اس بچے کے حق کے مقابلے میں یہ بہت کم ہے،

اس کے لیے ان کا نام نزار ہو گیا۔ نزار، معدّ کے اور معد، عدنان کے بیٹے ہیں۔
(دلائل النبوۃ للبیہقی جلد اول ص ۱۷۹، الطبری تاریخ الامم والملوک جلد ۲ ص ۱۹۱، السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد اول ص ۵ تا ۸)

نسب میں عدنان پر رک جانا

ابن دحیہ (امام حافظ ابو الخطاب عمر بن حسن بن علی بن محمد) فرماتے ہیں: اس بات پر علماء کا اجماع ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عدنان کی طرف منسوب ہوتے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نسب اس سے آگے متجاوز نہیں ہوتا۔ کسی شاعر نے خوب کہا ؎

ونسبه عز هاشم من اصولها
ومحتدها المرضى اكرم محتد
سمت رتبة علياء اعظم بقدرها
ولم تسم الا بالنبى محمد

"اور ہاشم کی عزت کی نسبت اس کے اصول سے ہے اور ان کی پسندیدہ اصل سب اصلوں سے زیادہ معزز ہے"۔

"ان کا بلند مرتبہ مزید بلند ہو وہ اپنی قدر میں کس قدر اعظم ہے اور یہ بلند مرتبہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے ہے"۔

اللہ تعالیٰ اس شاعر پر رحم کرے جس نے یوں کہا ؎

قد علا بابن ذرى شرف
كما علت برسول الله عدنان

"بہت سے باپ ہیں جنہوں نے بیٹے کے سبب سے شرف کی بلندیوں کو حاصل کیا جیسے عدنان نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے بلندی پائی"۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب نسب بیان فرماتے تو معد بن عدنان سے تجاوز نہ فرماتے پھر رک جاتے اور دو یا تین بار ارشاد فرماتے: نسب بیان کرنے والوں نے جھوٹ بولا۔ اس حدیث کو (امام عماد الاسلام ابو الشجاع دیلمی رحمہ اللہ نے) مسند الفردوس میں نقل کیا ہے لیکن امام سہیلی نے فرمایا کہ اس حدیث کے سلسلے میں زیادہ صحیح ثابت یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔
(الروض الانف مع سیرت ابن ہشام جلد اول ص ۸، البدایہ والنہایہ جلد ۳ ص ۱۹۴، کنز العمال جلد ۷ ص ۱۴۹، طبقات ابن سعد جلد اول ص ۵۶)

امام سہیلی کے علاوہ لوگوں نے فرمایا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ یہ آیت کریمہ تلاوت فرماتے:

اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَبَؤُا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ قَوْمِ نُوْحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُوْدَ وَالَّذِيْنَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ لَا يَعْلَمُهُمْ اِلَّا اللّٰهُ۔ (ابراہیم: ۹)

کیا تمہارے پاس ان لوگوں کی خبر نہیں آئی جو تم سے پہلے گزر چکے ہیں (اور وہ) نوح (علیہ السلام) کی قوم ہے۔ اور قوم عاد و ثمود ہے اور وہ لوگ جو ان کے بعد ہیں' ان کو صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔

اور پھر ارشاد فرماتے کہ نسب بیان کرنے والوں نے جھوٹ بولا یعنی وہ علم انساب کا دعویٰ کرتے ہیں' حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ان سے اس علم کی نفی کی ہے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' فرماتے ہیں: عدنان تک نسب معلوم ہے اور اس کے اوپر کے بارے میں ہمیں علم نہیں کہ وہ کیا ہے؟ (الروض الانف مع سیرت ابن ہشام جلد اول ص۸)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ عدنان اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کے درمیان تیس باپ ہیں جن کی پہچان نہیں۔ (الروض الانف مع سیرت ابن ہشام جلد اول ص۸)

حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ہم معد بن عدنان سے اوپر کسی معروف شخصیت کو نہیں پاتے۔ (الروض الانف مع سیرت ابن ہشام جلد اول ص۸)

حضرت امام مالک رحمہ اللہ سے اس شخص کے بارے میں پوچھا گیا جو سلسلہ نسب کو حضرت آدم علیہ السلام تک لے جاتا ہے تو انہوں نے اس بات کو ناپسند کیا اور فرمایا: اسے اس بات کی خبر کس نے دی ہے؟

دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کے نسب کو حضرت آدم علیہ السلام تک لے جانے کے سلسلے میں بھی اسی طرح کی بات مروی ہے۔ (الروض الانف مع سیرت ابن ہشام جلد اول ص۸)

تو ہمارے لیے مناسب بات یہی ہے کہ ہم عدنان سے اوپر (والے نسب) سے اعراض کریں کیونکہ الفاظ کا تغیر و تبدل اور ملاوٹ زیادہ ہے اور ان ناموں میں دشواری ہے جبکہ فائدہ بہت کم ہے۔

حافظ ابو سعد (عبدالرحمن بن حسن نیشاپوری جو اصلاً اصفہانی ہیں) نے حضرت ابوبکر بن ابی مریم سے' انہوں نے سعید بن عمرو انصاری سے' انہوں نے اپنے باپ سے اور انہوں نے کعب احبار سے روایت کیا ہے کہ جب حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا نور حضرت عبدالمطلب کی طرف منتقل ہوا اور وہ بالغ ہو چکے تھے۔ تو ایک دن آپ حطیم میں آرام فرما ہوئے۔ جب بیدار ہوئے تو سرمہ اور تیل لگا ہوا تھا اور آپ نے نہایت عمدہ اور خوبصورت جبہ زیب تن فرمایا ہوا تھا۔ آپ حیران ہو گئے اور آپ کو معلوم نہ ہو سکا کہ یہ کام کس نے کیا ہے۔ آپ کے والد نے آپ کا ہاتھ پکڑا اور قریش کے کاہنوں کے پاس لے گئے اور اُن کو پورا واقعہ بتایا۔ انہوں نے کہا جان لو کہ آسمان کے معبود نے اس غلام کی شادی کی اجازت دی ہے۔ چنانچہ حضرت عبدالمطلب کے والد نے قیلہ نامی خاتون سے اُن کی شادی کرا دی جن سے حارث نامی بیٹا ہوا اور پھر فوت ہو گیا۔ اس کے بعد ہند بنت عمرو سے نکاح کیا۔ حضرت عبدالمطلب سے کستوری کی خوشبو آتی تھی اور ان کی پیشانی میں نور مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم چمکتا تھا۔ جب قریش کو قحط پہنچتا تو وہ حضرت عبدالمطلب کا ہاتھ پکڑ کر ثبیر پہاڑ کی طرف لے جاتے اور ان کے توسل سے

اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرتے۔ نیز بارش کے لیے دعا کرتے تو نور محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے اللہ تعالیٰ ان کو بہت زیادہ بارش عطا کرتا تھا۔

ہاتھی والے

جب اصحمہ نجاشی کی طرف سے مقرر کردہ یمن کا بادشاہ "ابرہہ" بیت اللہ شریف کو گرانے کے لیے آیا اور حضرت عبدالمطلب کو اس بات کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے فرمایا: اے قریش کے لوگو! وہ اس گھر کو گرا نہیں سکے گا کیونکہ اس گھر کا ایک رب ہے جو اس کی حفاظت کرے گا۔

پھر ابرہہ آیا اور قریش کے اونٹ اور بکریاں لے گیا' ان میں حضرت عبدالمطلب کے چار سو اونٹ بھی شامل تھے۔

حضرت عبدالمطلب سوار ہو کر قریش کے ہمراہ ثبیر پہاڑ پر تشریف لے گئے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نور مبارک نے ان کی پیشانی پر چاند کی طرح ایک دائرہ بنایا اور اس کی شعاعیں بیت اللہ شریف پر پڑنے لگیں جیسے چراغ کی شعاعیں ہوتی ہیں۔ جب حضرت عبدالمطلب نے یہ بات دیکھی تو فرمایا: اے قریش کی جماعت! واپس لوٹ جاؤ۔ اس معاملہ میں تمہاری مدد کی گئی۔ اللہ کی قسم! جب بھی یہ نور دائرے کی شکل اختیار کرتا ہے تو ہمیں کامیابی حاصل ہوتی ہے' چنانچہ وہ الگ الگ واپس ہو گئے۔

پھر ابرہہ نے اپنی قوم کے ایک شخص کو بھیجا تاکہ وہ (قریش) لشکر کو شکست دے۔ جب وہ مکہ مکرمہ میں داخل ہوا اور حضرت عبدالمطلب کے چہرے کو دیکھا تو وہ جھک گیا اور اس کی زبان لڑکھڑانے لگی اور وہ بے ہوش ہو کر گر پڑا' نیز اس کے منہ سے ایسی آواز آ رہی تھی جیسی آواز بیل کے منہ سے ذبح کے وقت نکلتی ہے۔ جب اسے افاقہ ہوا تو وہ عبدالمطلب کے سامنے سجدے میں گر گیا اور کہنے لگا۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ قریش کے سچے راہنما ہیں۔

ایک روایت میں ہے کہ جب حضرت عبدالمطلب' ابرہہ کے پاس تشریف لائے تو اس نے اپنے عظیم سفید ہاتھی کے مہاوت (فیل بان) کو حکم دیا کہ اس ہاتھی کو حاضر کیا جائے۔ یہ ہاتھی دوسرے ہاتھیوں کی طرح ابرہہ کو سجدہ نہیں کرتا تھا۔ جب ہاتھی نے حضرت عبدالمطلب کے چہرے کو دیکھا تو اونٹ کی طرح بیٹھ گیا اور سجدے میں گر گیا۔ اللہ تعالیٰ نے ہاتھی کو بولنے کی طاقت دی تو اس نے کہا: اے عبدالمطلب! اس نور پر سلام ہو جو آپ کی پشت میں ہے۔ کتاب "النطق المفهوم" میں اسی طرح ہے۔[1] (یہ ابن طغربک کی کتاب ہے۔)

---

[1] یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت تھی اور آپ کی آمد کا اعلان تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اس قوم قریش کو نبوت کی نعمتوں سے مالا مال کرنا ہے اور یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی تصدیق تھی ورنہ اہل مکہ مشرک تھے اور ابرہہ وغیرہ اہل کتاب ہونے کی وجہ سے اہل مکہ سے افضل تھے...... ۱۲ ہزاروی۔

ابرہہ کا کعبۃ اللہ کے گرانے کے لیے آنا

جب ابرہہ کا لشکر کعبہ شریف کو گرانے کے لیے (مکہ مکرمہ کی حدود میں) داخل ہوا تو ہاتھی بیٹھ گیا جو ان کے ساتھ تھا چنانچہ انہوں نے اس کے سر پر بہت بھاری ضرب لگائی تاکہ وہ اٹھ کھڑا ہو لیکن اس نے انکار کر دیا، جب انہوں نے اسے یمن کی طرف پھیرا تو وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

پھر اللہ تعالیٰ نے سمندر سے ابابیل پرندے بھیجے، ہر پرندے کے پاس تین پتھر تھے، ایک پتھر چونچ میں اور دو پتھر پاؤں میں تھے، یہ کنکریاں مسور کی دال کے برابر تھیں۔ وہ جس پر پڑتیں، اسے ہلاک کر دیتیں، چنانچہ وہ بھاگتے ہوئے اور مختلف راستوں میں گرتے پڑتے نکل کھڑے ہوئے، ابرہہ بیمار ہو گیا، اس کی انگلیوں کے پورے ایک ایک کر کے گر گئے اور اس سے پیپ اور خون جاری ہو گیا حتیٰ کہ وہ دل پھٹ جانے سے مر گیا۔

قرآن میں ہاتھی والوں کا تذکرہ

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب کرتے ہوئے اس واقعہ کی طرف اشارہ فرمایا، ارشاد خداوندی ہے:

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصْحٰبِ الْفِيْلِ ۝ اَلَمْ يَجْعَلْ كَيْدَهُمْ فِيْ تَضْلِيْلٍ ۝ وَّاَرْسَلَ عَلَيْهِمْ طَيْرًا اَبَابِيْلَ ۝ تَرْمِيْهِمْ بِحِجَارَةٍ مِّنْ سِجِّيْلٍ ۝ فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّاْكُوْلٍ ۔ (الفیل: ۵-۱)

اے محبوب کیا تم نے نہ دیکھا تمہارے رب نے ہاتھی والوں کا کیا حال کیا، کیا ان کا داؤں تباہی میں نہ ڈالا اور ان پر پرندوں کی ٹکڑیاں (فوجیں) بھیجیں کہ انہیں کنکر کے پتھروں سے مارتے تو انہیں کر ڈالا جیسے کھیتی کی پتی بھوسہ؟

سوال: اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیسے فرمایا کہ کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیا سلوک کیا؟ حالانکہ یہ واقعہ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے واقع ہوا؟

جواب: یہاں "دیکھنے" سے مراد علم اور یاد کرنا ہے اور یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اس واقعہ کی خبر متواتر ہے اور اس سے حاصل ہونے والا علم ضروری ہے جو قوت میں دیکھنے کے برابر ہے۔

یہ واقعہ نبوت کی تقویت کا باعث تھا

یہ واقعہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے شرف پر دلالت کرتا ہے اور آپ کی نبوت کی بنیاد اور اس کے لیے تقویت کا باعث ہے، نیز یہ آپ کی قوم (قریش) کا اعزاز ہے کہ ان کی شان یوں ظاہر ہوئی کہ باقی عرب ان کے قریب ہوئے اور انہوں نے دوسرے لوگوں پر ان کے فضل و شرف کو تسلیم کیا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی مدد کی اور ان

سے ابرہہ کے مکرو فریب کو دور کیا حالانکہ تمام عرب مل کر بھی اس سے لڑنے کی طاقت نہیں رکھتے تھے۔ اور یہ سب کچھ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا ارہاص تھا۔ (نبوت کے اعلان سے پہلے جو خلاف عقل واقعہ ظاہر ہوا اس کو ارہاص کہتے ہیں)۔

حضرت امام رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ہمارا مذہب یہ ہے کہ بعثت سے پہلے معجزات کا ظہور جائز ہے اور یہ نبوت کے آغاز کی علامت ہوتی ہے۔ فرماتے ہیں: اسی لیے علماء کرام نے فرمایا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے آپ پر بادل سایہ کرتے تھے۔ (التفسیر الکبیر للامام فخرالدین الرازی ج۳۲، ص۹۷)

لیکن علامہ سید علی جرجانی نے شرح مواقف میں دوسروں (یعنی جمہور) کی اتباع میں اس بات کی مخالفت کی ہے۔ انہوں نے معجزے کے لیے یہ شرط رکھی ہے کہ وہ دعویٰ سے مقدم نہ ہو، بلکہ اس سے ملا ہوا ہو، جس طرح مقصد رابع میں انشاء اللہ بیان ہوگا۔

حجاج کا کعبہ شریف کو گرانا

سوال: حجاج (بن یوسف ثقفی) نے خانہ کعبہ کو گرایا لیکن اس قسم کا کوئی واقعہ پیش نہ آیا (کیوں)؟

جواب: ابرہہ کا واقعہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارہاص کے طور پر واقع ہوا (یعنی نبوت کی بنیاد تھی) اور ارہاص کی ضرورت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے پہلے تھی۔ جب آپ کی نبوت کا ظہور اور تاکید ہوگئی اور اس پر قطعی دلائل قائم ہوگئے تو اب اس قسم کے واقعہ کی ضرورت نہ رہی۔ واللہ اعلم بالصواب

زمزم کو کھودنا اور واقعۂ ذبح

حضرت عبدالمطلب کا خواب

جب اللہ تعالیٰ نے حضرت عبدالمطلب کی یہ پریشانی دور کی اور ابرہہ ناکام واپس ہوا تو ایک دن آپ حطیم میں سوئے ہوئے تھے کہ آپ نے ایک عظیم خواب دیکھا چنانچہ آپ خوفزدہ حالت میں بیدار ہوئے اور قریش کے کاہنوں (نجومیوں) کے پاس تشریف لے جا کر انہیں اپنا خواب سنایا۔ کاہنوں نے کہا: اگر آپ اس خواب کے بیان میں سچے ہیں تو آپ کی پشت سے وہ شخصیت ظاہر ہوگی جس پر آسمانوں اور زمین والے ایمان لائیں گے اور وہ لوگوں میں ایک واضح نشان ہوں گے۔ چنانچہ حضرت عبدالمطلب نے فاطمہ (بنت عمرو بن عائذ) سے شادی کی اور وہ حضرت عبداللہ کے ساتھ حاملہ ہو گئیں جو ذبیح کہلاتے ہیں۔ ذبح کے سلسلے میں ان کا واقعہ مشہور ہے جسے راویوں نے اس طرح نقل کیا ہے۔

واقعۂ ذبح کا سبب

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے قصۂ ذبح کا سبب ان کے والد حضرت عبدالمطلب کا زمزم کا کنواں کھودنا تھا کیونکہ عمرو بن حارث جرہمی کی قوم نے جب حرم کعبہ میں (قتل و غارت کی) حرکات شروع کیں اور اللہ تعالیٰ نے ان پر ایسے لوگ مسلط کیے جو ان کو وہاں سے نکالیں تو عمرو بن حارث نے عمدہ مال (جو خانہ کعبہ کے لیے بطور ہدیہ آئے تھے) زمزم کے کنوئیں میں ڈال دیئے اور اس کو اچھی طرح بند کر دیا اور خود اپنی قوم کے ساتھ یمن کی طرف بھاگ گیا۔ اس وقت سے زمزم کا کسی کو علم نہ تھا حتیٰ کہ حضرت عبدالمطلب کے خواب میں اس سے پردہ اٹھایا گیا۔ اور آپ نے اسے دیکھا چنانچہ آپ نے کچھ نشانیوں کے ذریعے اسے کھودنے کی طرف راہنمائی کی۔

قریش نے عبدالمطلب کو اس کام سے منع کیا پھر کچھ بے وقوفوں نے آپ کو اذیت پہنچائی اور یوں آپ سخت آزمائش میں پڑ گئے۔ اس وقت آپ کا ایک ہی بیٹا (یعنی حارث) تھا۔ چنانچہ حضرت عبدالمطلب نے نذر مانی کہ اگر ان کے ہاں دس بیٹے پیدا ہوئے اور وہ ان کے دست و بازو بنے تو وہ ان میں سے ایک بیٹے کو قربانی کے طور پر ذبح کر دیں گے، پھر حضرت عبدالمطلب نے زمزم کا کنواں کھودا اور یہ آپ کے لیے اعزاز و افتخار کا باعث بنا۔

نذر کو پورا کرنا

جب حضرت عبدالمطلب کے ہاں دس بیٹے مکمل ہوگئے جن کے نام اس طرح ہیں: حارث، زبیر، حجل، ضرار، مقوم، ابولہب، حمزہ، ابوطالب، عبداللہ، عباس اور ان بیٹوں کے ذریعے ان کی آنکھوں کو ٹھنڈک حاصل ہوئی تو ایک رات حضرت عبدالمطلب کعبہ مطہرہ کے پاس آرام فرماتے تھے، آپ نے خواب میں دیکھا کہ کوئی شخص کہہ رہا ہے: اے عبدالمطلب! اس گھر کے رب کے لیے اپنی نذر کو پورا کیجئے۔ آپ گھبرائے ہوئے بیدار ہوئے اور ایک مینڈھا ذبح کرنے کا حکم دیا جو فقراء اور مساکین کو کھلا دیا۔ پھر سو گئے اور خواب میں دیکھا کہ اس سے بڑی چیز قربان کر رہے ہیں۔ جب آپ بیدار ہوئے تو ایک بیل کی قربانی دی۔ پھر سو گئے تو دیکھا کہ اس سے بڑی چیز کی قربانی دے رہے ہیں۔ چنانچہ بیدار ہونے کے بعد آپ نے اونٹ کی قربانی دی اور (اس کا گوشت) مساکین کو کھلا دیا۔ پھر جب آرام فرما ہوئے تو آواز آئی: اس سے بھی بڑی چیز قربان کیجئے۔ پوچھا: اس سے بڑی چیز کیا ہے؟ (آواز دینے والے نے کہا) کہ اپنے بیٹے کی قربانی دیجئے جس کی نذر مانی تھی۔

حضرت عبدالمطلب بہت زیادہ غمگین ہوگئے اور اپنی اولاد کو جمع کر کے ان کو نذر ماننے کی خبر دی اور اسے پورا کرنے کی ترغیب دی۔ انھوں نے کہا: ہم آپ کی اطاعت کریں گے، آپ ہم میں سے کس کو ذبح کرنا چاہتے ہیں؟ حضرت عبدالمطلب نے فرمایا: تم میں سے ہر ایک، ایسا تیر لے جس کی نوک نہ ہو اور اس پر اپنا نام لکھ کر میرے پاس لائے، چنانچہ انھوں نے ایسا ہی کیا۔ آپ نے ان سے وہ تیر لیے اور ہبل (بت) کے پاس چلے گئے جو کعبہ شریف کے درمیان تھا اور وہ لوگ اس کی تعظیم کرتے اور اس کے پاس قرعہ اندازی کرتے تھے اور جس کے نام قرعہ نکلتا وہ اس پر راضی ہو جاتا، وہاں جو شخص مقرر تھا وہ قرعہ اندازی کرتا تھا۔

حضرت عبدالمطلب نے یہ تیر اس قیم (مقرر شخص) کو دیئے اور خود کھڑے ہو کر اللہ تعالیٰ سے دعا مانگنے لگے، چنانچہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے نام قرعہ نکلا اور وہ آپ کو اپنی اولاد میں سے سب سے زیادہ محبوب تھے۔

حضرت عبدالمطلب نے اپنے بیٹے حضرت عبداللہ کا ہاتھ پکڑا اور چھری لے کر اساف اور نائلہ (بتوں) کی طرف تشریف لے گئے۔ اساف اور نائلہ دو ایسے بت تھے جن کے پاس قربانی کے جانور ذبح کیے جاتے تھے۔ قریش کے سردار ان کے سامنے کھڑے ہوگئے اور کہنے لگے کہ آپ کیا کرنا چاہتے ہیں؟ حضرت عبدالمطلب نے جواب دیا کہ میں اپنی نذر کو پورا کرنا چاہتا ہوں۔ انھوں نے کہا: ہم آپ کو اس ذبح کی اجازت نہیں دیتے جب تک آپ اپنے رب سے معذرت نہ کرلیں۔ اگر آپ نے ایسا کیا تو یہ رسم جاری ہو جائے گی اور ہر شخص اپنے بیٹے کو لا کر ذبح کرے گا۔

انھوں نے کہا: فلاں کاہنہ عورت کے پاس جائیں۔ (امام قسطلانی فرماتے ہیں) میں کہتا ہوں اس عورت کا نام قطبہ تھا جیسا کہ حافظ عبدالغنی نے "کتاب المبہمات" میں ذکر کیا ہے اور ابن اسحٰق نے کہا ہے کہ اس کا نام سجاح تھا۔

(السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد اول ص ۱۰۳)

(قریش کے سرداروں نے کہا:) شاید وہ آپ کو کوئی ایسی بات بتائے جس میں آپ کے لیے کشادگی ہو۔

چنانچہ وہ خیبر میں (اس عورت کے پاس) گئے اور حضرت عبدالمطلب نے اس کو تمام واقعہ سنایا۔ اس نے پوچھا: تمہارے ہاں دیت (خون بہا) کی مقدار کیا ہے۔ انہوں نے کہا: دس اونٹ۔ عورت نے کہا: واپس اپنے شہر جاؤ اور اپنے صاحب (حضرت عبداللہ) کو بھی اور دس اونٹوں کو بھی تیروں سے فال نکالنے کی جگہ لاؤ، پھر حضرت عبداللہ اور اونٹوں کے درمیان قرعہ ڈالو اگر قرعہ تمہارے ساتھی کے نام نکلے تو دس اونٹوں کا اضافہ کرو، پھر اسی طرح قرعہ اندازی کرو، اسی طرح کرتے جاؤ حتیٰ کہ تمہارا رب راضی ہو جائے، پھر جب اونٹوں کے نام پر قرعہ نکلے تو ان کو قربان کردو، اس طرح تمہارا رب بھی راضی ہو جائے گا اور تمہارے ساتھی کی جان بھی چھوٹ جائے گی۔ چنانچہ وہ لوگ مکہ مکرمہ کی طرف واپس آئے اور حضرت عبداللہ اور دس اونٹوں کو لائے اور حضرت عبدالمطلب کھڑے ہو کر دعا مانگنے لگے، چنانچہ آپ کے بیٹے کے نام قرعہ نکلا۔ وہ دس دس اونٹ زیادہ کرتے رہے حتیٰ کہ یہ تعداد سو اونٹوں تک پہنچ گئی تو اب اونٹوں کے نام قرعہ نکلا، چنانچہ اونٹوں کو ذبح کر کے چھوڑ دیا گیا۔ ان سے کسی بھی انسان، پرندے اور درندے کو (کھانے سے) نہ روکا گیا۔

دو ذبیحوں کے بیٹے

اسی لیے روایت میں ہے جیسا کہ زمخشری نے کشاف میں لکھا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں دو ذبیحوں کا بیٹا ہوں۔ (تفسیر کشاف جلد ۳ ص ۳۵۰، سورۃ صافات)

امام حاکم نے مستدرک میں حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھے کہ ایک اعرابی آیا اور اس نے عرض کیا: یا رسول اللہ! شہر خشک ہو گئے اور پانی بھی خشک ہو گیا نیز مال اور عیال ضائع ہو گئے پس مجھے اس چیز سے عطا کیجئے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمایا اے "ابن الذبیحین" (اے دو ذبیحوں کے بیٹے) فرماتے ہیں: (یہ سن کر) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مسکرائے اور آپ نے اس بات پر کوئی اعتراض نہ کیا۔ مکمل حدیث انشاء اللہ عنقریب بیان ہوگی۔ (مستدرک حاکم جلد ۲ ص ۵۵۴)

ذبیحین سے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام مراد ہیں۔

ذبیح کون؟ حضرت اسمٰعیل یا حضرت اسحٰق علیہما السلام

اگرچہ بعض علماء اس بات کی طرف گئے ہیں کہ ذبیح حضرت اسحٰق علیہ السلام تھے پس اگر یہ بات صحیح ہو تو اہل عرب چچا کو اب (باپ) کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیٹوں کے بارے میں خبر دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ حَضَرَ يَعْقُوْبَ الْمَوْتُ اِذْ قَالَ لِبَنِيْهِ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْۢ بَعْدِيْ قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَآئِكَ

کیا تم موجود تھے جب یعقوب کی وفات کا وقت ہوا؟ انہوں نے اپنے بیٹوں سے فرمایا: میرے بعد کس کی عبادت کرو گے؟ انہوں نے کہا: ہم تیرے معبود اور تیرے

اِبْرَاهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ - (البقرہ: ۱۳۳) آباء و اجداد حضرت ابراہیم، حضرت اسمٰعیل اور حضرت اسحٰق (علیہم السلام) کے معبود کی عبادت کریں گے۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی روایت جس کا کچھ حصہ پہلے گزر چکا ہے اس میں ہے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جب حضرت عبدالمطلب نے زمزم کا کنواں کھودنے کا حکم دیا تو اللہ تعالیٰ کے لیے نذر مانی کہ اگر وہ ان کے لیے یہ معاملہ آسان کر دے تو وہ اپنے کسی ایک بیٹے کی قربانی دیں گے، پس ان کو باہر لائے اور ان کے درمیان قرعہ اندازی کی تو حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے نام قرعہ نکلا۔ انہوں نے ان کو ذبح کرنا چاہا تو بنو مخزوم سے تعلق رکھنے والے حضرت عبداللہ کے ماموں آڑے آئے اور انہوں نے کہا: اپنے رب کو راضی کریں اور بیٹے کا فدیہ دیں، چنانچہ انہوں نے سو اونٹنیاں فدیہ میں دیں، پس ایک ذبیح حضرت عبداللہ ہیں اور دوسرے ذبیح حضرت اسمٰعیل علیہ السلام ہیں۔

ابن قیم نے کہا ہے کہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے ذبیح ہونے پر ایک دلیل یہ ہے کہ ذبح کا واقعہ مکہ مکرمہ میں ہوا اسی لیے یوم نحر (قربانی کے دن) اسی مقام پر قربانیاں رکھی گئی ہیں جس طرح صفا مروہ کے درمیان سعی اور جمرات (ستونوں) کو کنکریاں مارنا اسی مقام پر رکھا گیا تاکہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام اور ان کی والدہ کا واقعہ یادگار رہے اور اللہ تعالیٰ کا ذکر قائم ہو اور یہ بات معلوم ہے کہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام اور ان کی والدہ مکہ مکرمہ میں تھیں، حضرت اسحٰق علیہ السلام اور ان کی والدہ وہاں نہ تھیں۔ (زاد المعاد لابن قیم جلد اول ص ۳۰)

(ابن قیم نے) مزید کہا کہ اگر ذبح کا واقعہ شام میں ہوتا جس طرح اہل کتاب کا خیال ہے یا جو لوگ ان سے یہ بات لیتے ہیں تو قربانیاں شام میں ہوتیں مکہ مکرمہ میں نہ ہوتیں۔ (زاد المعاد لابن قیم جلد اول ص ۳۰)

نیز اللہ تعالیٰ نے ذبیح کو حلیم قرار دیا ہے، کیونکہ جو شخص اپنے آپ کو اپنے رب کے حکم کے مطابق ذبح کے لیے تیار کرتا ہے تو اس سے بڑھ کر حلیم کون ہو سکتا ہے جبکہ حضرت اسحٰق علیہ السلام کو (حلیم کی بجائے) علیم فرمایا۔
(زاد المعاد لابن قیم جلد اول ص ۳۰)

نیز اللہ تعالیٰ نے انسانی عادت میں یہ بات جاری فرمائی ہے کہ سب سے پہلی اولاد، بعد والی اولاد کے مقابلے میں زیادہ محبوب ہوتی ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب اپنے رب سے اولاد کا سوال کیا اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو بیٹا عطا کیا تو آپ کے دل میں اس کی محبت پیدا ہو گئی اور اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنا خلیل بنایا اور "خلت" ایک ایسا منصب ہے جس کا یہ تقاضا ہے کہ صرف محبوب سے محبت کی جائے اور اس میں کسی دوسرے کی شرکت نہ ہو تو جب بچے نے باپ کے دل کا ایک کونہ حاصل کر لیا تو خلت کی غیرت نے آکر اس کو خلیل کے دل سے نکال دیا چنانچہ اس کے ذبح کرنے کا حکم دیا، پس جب وہ ذبح کرنے کے لیے تیار ہوئے اور ان کے دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت بیٹے کی محبت سے زیادہ تھی تو اس وقت خلت شرکت کے عیب سے پاک ہو گئی اور اب ذبح کی کوئی مصلحت باقی نہ رہی کیونکہ مصلحت تو یہی تھی کہ ان کو ذبح کرنے کا ارادہ کیا جائے اور مقصود عزم اور اطمینان قلبی تھا جو حاصل ہو گیا چنانچہ حکم منسوخ ہو گیا اور ذبیح کا فدیہ دے دیا گیا اور خلیل نے اپنا خواب سچ کر

دکھایا۔ (زاد المعاد لابن قیم جلد اول ص ۳۰)
کسی شاعر نے کہا ہے:

ان الذبیح هدیت اسماعیل
نطق الکتاب بذاك والتنزیل
شرف به خص الاله نبینا
وابانه التفسیر والتاویل

"اے مخاطب جو ہدایت حاصل ہو بے شک وہ ذبیح حضرت اسمٰعیل علیہ السلام ہیں۔ کتاب اللہ گواہ ہے یہ وہ شرف ہے جس کے ساتھ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم خاص ہیں' اس بات کو تفسیر و تاویل نے ظاہر کیا ہے"۔

معافی بن زکریا نے ایک روایت نقل کی ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ نے یہودیوں کے علماء میں سے مسلمان ہونے والے ایک شخص سے پوچھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے کس بیٹے کو ذبح کرنے کا حکم دیا گیا تھا؟ اس نے کہا: امیر المومنین! اللہ کی قسم! بے شک یہودی جانتے ہیں کہ وہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام ہیں لیکن اے عرب والو! وہ (یہودی) تم سے حسد کرتے ہیں کہ وہ (ذبیح) تمہارے باپ قرار نہ پائیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کی فضیلت ذکر کی ہے اس لیے وہ اس بات کا انکار کرتے ہیں اور ان کے خیال میں ذبیح حضرت اسحٰق علیہ السلام ہیں کیونکہ وہ ان کے باپ (جد امجد) ہیں۔

صبر کی وصیت

اے خلیل! دیکھو اس واقعہ میں کتنا بڑا راز ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ٹوٹ پھوٹ کے بعد ان کے نقصان کی تکمیل اور شدت کے بعد لطف و کرم کی راہ دکھاتا ہے۔ حضرت ہاجرہ اور ان کے صاحبزادے کی دوری' تنہائی' غربت اور بیٹے کے ذبح کے لیے سر تسلیم خم کرنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان قدموں کے آثار اور نشانات کو اپنے مومن بندوں کے لیے حج کے مناسک قرار دیا اور قیامت تک وہ مقامات جائے عبادت قرار پائے۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جن لوگوں کو ان کو کمزوری' ذلت' انکساری اور صبر نیز اللہ تعالیٰ کے فضل سے اس کی قضا پر راضی ہونے کے بعد بلندی عطا کرنا چاہتا ہے ان کے ساتھ یہی طریقہ اختیار کرتا ہے۔

ارشاد خداوندی ہے:

وَنُرِيْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَى الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا فِى الْاَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ اَئِمَّةً وَّنَجْعَلَهُمُ الْوٰرِثِيْنَ ۝ وَنُمَكِّنَ لَهُمْ فِى الْاَرْضِ (القصص: ۶'۵)

اور ہم چاہتے تھے کہ ان کمزوروں پر احسان فرمائیں اور ان کو پیشوا بنائیں اور ان کے ملک و مال کا انہیں کو وارث بنائیں اور انہیں زمین میں قبضہ دیں۔ (کنز الایمان)

اور ارشاد خداوندی ہے:

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے

(الجمعہ: ۴)

حضرت عبدالمطلب کے صاحبزادوں کے بارے میں تحقیق

بعض لوگوں نے یہ اعتراض کیا ہے کہ عبدالمطلب نے نذر مانی تھی کہ جب ان کے بیٹے دس کی تعداد کو پہنچ جائیں گے تو ان میں سے کسی ایک کی قربانی دیں گے جبکہ انہوں نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی والدہ ہالہ سے اس نذر کو پورا کرنے کے بعد نکاح کیا، پس حضرت عبدالمطلب کے دو بیٹے حضرت حمزہ اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما نذر کو پورا کرنے کے بعد پیدا ہوئے جبکہ ان دو کو ملا کر آپ کے بیٹوں کی تعداد دس بنتی ہے۔

امام سہیلی نے (روض الانف میں) فرمایا کہ اس میں کوئی اشکال نہیں کیونکہ علماء کی ایک جماعت نے کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا بارہ تھے۔ اگر یہ بات صحیح ہو تو حدیث پر کوئی اعتراض نہیں اور اگر ان لوگوں کا قول صحیح ہو جو صرف دس کا قول کرتے ہیں زیادہ کا نہیں تو ولد کا لفظ بیٹوں اور پوتوں دونوں پر حقیقتاً بولا جاتا ہے بطور مجاز نہیں اور حضرت عبدالمطلب نے جب اپنی نذر پوری کی تو اس وقت آپ کے بیٹے اور پوتے کل دس تھے۔

(السیرہ النبویہ لابن ہشام مع الروض الانف جلد اول ص ۱۰۴)

حضرت عبداللہ سب سے چھوٹے بیٹے نہ تھے

سیرت کی بعض کتب میں لکھا ہے کہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ اپنے باپ کے سب سے چھوٹے بیٹے تھے اور یہ غیر معروف بات ہے۔ شاید اس کا مطلب یہ ہو کہ آپ کی والدہ سے جنم لینے والوں میں سے آپ سب سے چھوٹے تھے ورنہ حضرت حمزہ حضرت عبداللہ سے اور حضرت عباس، حضرت حمزہ (رضی اللہ عنہم) سے چھوٹے تھے۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں: مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت با سعادت یاد ہے، میں اس وقت تین سال یا اس کے لگ بھگ تھا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو لایا گیا تو میں نے آپ کو دیکھا۔ عورتیں مجھ سے کہنے لگیں: اپنے بھائی (بھتیجے) کا بوسہ لو تو میں نے آپ کو چوما۔ تو حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کس طرح سب سے چھوٹے ہو سکتے ہیں۔ (السیرۃ النبویہ لابن ہشام مع الروض الانف جلد اول ص ۱۰۳)

لیکن بکائی (زیاد بن عبداللہ بن طفیل عامری) نے یہ بات ذکر کی ہے البتہ اس روایت کی ایک وجہ ہے، وہ یہ کہ جب حضرت عبدالمطلب نے ان کو قربان کرنے کا ارادہ کیا تو وہ اس وقت (موجودہ اولاد میں سے) سب سے چھوٹے تھے۔ پھر ان کے بعد حمزہ اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما کی ولادت ہوئی۔

(السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد اول ص ۱۰۳)

حضرت عبداللہ کا حضرت آمنہ سے نکاح---ایک عورت کی پیشکش

جب حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ اپنے والد ماجد کے ساتھ اونٹوں کی قربانی سے واپس تشریف لائے تو بنو اسد بن عبدالعزیٰ کی ایک خاتون کے پاس سے گزرے، وہ کعبۃ اللہ کے پاس تھی اور اس کا نام قتیلہ تھا لیکن اسے رقیقہ بنت نوفل کہا جاتا تھا۔ اس نے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے چہرہ مبارکہ کو دیکھا اور آپ قریش میں سب سے زیادہ خوبصورت تھے تو اس نے کہا: جتنے اونٹ اس وقت آپ کی طرف سے ذبح کیے گئے ہیں وہ آپ کو دیتی ہوں اسی وقت مجھ سے ہم بستری کریں (یعنی نکاح کے بعد) کیونکہ اس نے آپ کے چہرہ انور میں نبوت کا نور دیکھا اور اسے یہ امید تھی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کے شکم میں تشریف لائیں گے۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے اس سے فرمایا: میں اپنے والد ماجد کے ہمراہ ہوں، ان کی مخالفت اور ان سے جدائی اختیار نہیں کر سکتا۔ کہا گیا ہے کہ آپ نے اس کو یہ جواب دیا:

اما الحرام فالممات دونہ
والحل لاحل فاستبینہ
فکیف بالامر الذی یتغینہ
یحمی الکریم عرضہ و دینہ

"جہاں تک حرام کام کا تعلق ہے تو موت اس سے کم بات ہے اور حلال کا تو وجود نہیں ہے پس تو اسے ظاہر کر (طلب کر)"۔

"وہ کام کیسے ہو سکتا ہے جو تو چاہتی ہے۔ عزت والا شخص اپنی عزت اور دین کی حفاظت کرتا ہے"۔

(السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد اول ص ۱۰۴)

ابو نعیم، خرائطی اور ابن عساکر نے حضرت عطا (بن رباح بن اسلم جمحی) کے طریقے سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ جب حضرت عبدالمطلب اپنے بیٹے عبداللہ رضی اللہ عنہ کو لے کر نکلے کہ ان کا نکاح کریں تو مقام تبالہ کی ایک کاہنہ کے پاس سے گزرے اور وہ یہودی مذہب سے تعلق رکھتی تھی، اس نے (آسمانی) کتب پڑھ رکھی تھیں اور اس کو فاطمہ بنت مر شعمیہ کہا جاتا تھا اس نے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے چہرہ مبارکہ میں نور نبوت دیکھا تو وہی بات کہی۔ (جو پہلے گزر چکی ہے) (دلائل النبوۃ لابی نعیم جز اول ص ۳۹)

حضرت عبداللہ اور حضرت آمنہ کا نکاح

پھر حضرت عبدالمطلب ان کو لے کر تشریف لے گئے حتیٰ کہ وہب بن عبد مناف بن زہرہ کے پاس آئے اور وہ ان دنوں نسب و شرف کے اعتبار سے بنو زہرہ قبیلے کے سردار تھے چنانچہ انہوں نے اپنی صاحبزادی حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت عبداللہ سے کیا اور حضرت آمنہ اس وقت اپنے نسب اور مقام کے اعتبار سے قریش

میں افضل خاتون تھیں۔ (باپ اور ماں دونوں کی طرف سے)۔

تذکرہ نگاروں کا خیال ہے کہ جب حضرت آمنہ آپ کے نکاح میں آئیں تو وہیں آپ ان کے قریب تشریف لے گئے۔ منیٰ کے دنوں میں سوموار کے دن جمرہ کے پاس شعب ابو طالب میں ان سے قربت کی اور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے بطن اطہر میں جلوہ گر ہوئے، پھر وہاں سے باہر آئے اور اس عورت کے پاس سے گزرے جس نے گزشتہ روز اپنے آپ کو پیش کیا تھا۔ آپ نے اس سے پوچھا کہ کل تو مجھ سے مطالبہ کر رہی تھی اور آج نہیں کرتی، کیا وجہ ہے؟ اس نے کہا: تم سے وہ نور جدا ہو گیا جو کل تمہارے پاس تھا لہٰذا آج مجھے تم سے کوئی حاجت نہیں، میرا ارادہ تو اس نور کو حاصل کرنا تھا لیکن اللہ تعالیٰ کو ایسا کرنا منظور نہ تھا اس نے جہاں چاہا رکھ دیا۔

حمل مبارک

اور جب حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو شکم اطہر میں اٹھانے کا شرف حاصل کیا تو اس وقت بے شمار عجائبات ظاہر ہوئے اور آپ کی ولادت کے سلسلے میں عجیب و غریب باتیں پائی گئیں۔

چنانچہ تذکرہ نگاروں نے ذکر کیا کہ جب حضرت عبداللہ کا پاکیزہ نطفہ اور محمدی موتی، آمنہ قرشیہ کے صدف مبارک (شکم اطہر) میں ٹھہر گیا تو عالم ملکوت و جبروت میں آواز دی گئی کہ پاک و مشرف مقامات کو معطر کرو نیز (آسمانوں اور ان کے اردگرد) علامات تعظیم ظاہر کرو اور ملائکہ مقربین میں سے منتخب فرشتوں کے لیے پاک صاف صفوں میں عبادات کے سجادے بچھاؤ۔ یہ وہ فرشتے ہیں جو صدق و صفا سے موصوف ہیں۔ آج پوشیدہ نور (محمدی) حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کے بطن مبارک میں منتقل ہو چکا ہے، وہ آمنہ جو بہت بڑی اور غالب عقل کی مالک اور حسب و نسب کے اعتبار سے فخر والی اور عیبوں سے پاک ہیں۔ اللہ تعالیٰ جو قریب اور دعاؤں کو سننے اور قبول کرنے والا ہے، اس نے حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کو اس سردار، مصطفےٰ اور حبیب کے ساتھ مخصوص کیا ہے کیونکہ حضرت آمنہ نسب کے اعتبار سے اپنی قوم میں سے افضل اور عمدہ ہیں اور اپنی اصل اور فرع کے اعتبار سے سب سے پاکیزہ اور طیب ہیں۔

حضرت سہل بن عبداللہ تستری رحمہ اللہ، خطیب بغدادی (حافظ ابوبکر احمد بن علی بن ثابت) کی روایت سے نقل کرتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کے بطن اطہر میں حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی تخلیق کا ارادہ فرمایا اور یہ ماہ رجب المرجب میں جمعۃ المبارک کی رات تھی تو اللہ تعالیٰ نے خازن جنت رضوان فرشتے کو حکم دیا کہ جنت الفردوس کو کھول دیں اور ایک منادی آسمانوں اور زمین میں اعلان کرے کہ سنو! وہ نور جو پوشیدہ خزانہ ہے اور اس سے ہادی نبی صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوں گے، اس رات اپنی والدہ کے بطن اطہر میں جاگزیں ہو گیا ہے، وہاں اس کی تخلیق کی تکمیل ہوگی اور وہ لوگوں کی طرف بشیر و نذیر بن کر تشریف لائیں گے۔

اور حضرت کعب احبار کی روایت میں ہے کہ اس رات آسمانوں اور ان کے کناروں نیز زمینوں اور اس کے اجزاء میں اعلان کیا جائے کہ وہ نور مکنون جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تخلیق ہوگی آج رات حضرت

آمنہ رضی اللہ عنہا کے بطن اطہر میں قرار پکڑ چکا ہے۔ مبارک ہو حضرت آمنہ کو' ان کو مبارک ہو یا طوبٰی لھا ثم یا طوبٰی۔ فرمایا اس دن دنیا بھر کے بت اوندھے ہو گئے اور قریش جو سخت قحط سالی اور تنگی کا شکار تھے ان کے لیے زمین سرسبز اور درخت پھل دار ہو گئے اور ان کے پاس ہر طرف سے بھلائی ہی بھلائی آنے لگی' چنانچہ اس سال کو جس میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا نور مبارک اپنی والدہ کے بطن اطہر میں منتقل ہوا اور حمل ٹھہرا' فتح اور سرور کا سال کہا جانے لگا۔

طوبٰی... قاموس کے مطابق یہ لفظ پاک' اچھا اور بھلائی کے معنی میں آتا ہے... دوسرے اہل لغات کے نزدیک اس کا معنی خوشی اور آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔ ضحاک کہتے ہیں: طوبی کا معنی عطیہ ہے۔ حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اس کا معنی نعمتیں ہے' اور حدیث شریف میں ہے:

طوبی للشام فان الملائکۃ باسطۃ اجنحتھا علیھا
شام کے لیے مبارک ہو کیونکہ فرشتے اس پر اپنے پروں کو پھیلائے کھڑے ہیں۔

(جامع ترمذی جلد ۲ ص ۲۳۴ ابواب المناقب)

تو یہاں یہ لفظ طیب سے فعلی کے وزن پر (طوبی) ہے اس سے جنت اور طوبٰی کا درخت مراد نہیں ہے۔

حمل کا ہلکا اور بوجھ دار نہ ہونا

ابن اسحٰق کی روایت کردہ حدیث شریف میں ہے: حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حاملہ ہوئیں تو ان کے پاس کوئی آیا اور کہا گیا کہ اس امت کے سردار آپ کے شکم اطہر میں تشریف فرما ہیں۔ (السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد اول ص ۱۰۵ دلائل النبوۃ للبیہقی جلد اول ص ۸۲) آپ فرماتی ہیں: مجھے حمل کا احساس تک نہ ہوا نہ میں نے اس کا بوجھ محسوس کیا اور نہ مجھے کسی چیز کی خواہش ہوئی جیسا کہ عورتیں پاتی ہیں' البتہ یہ کہ مجھے حیض (کا خون) آنا بند ہو گیا۔ میں نیند اور بیداری کے درمیان (والی حالت میں) تھی کہ ایک آنے والا آیا اور اس نے کہا: کیا آپ کو معلوم ہے کہ آپ کے شکم مبارک میں تمام مخلوق کا سردار ہے' پھر اس نے مجھے مہلت دی حتیٰ کہ جب ولادت کا وقت قریب آیا تو وہ میرے پاس آیا اور کہا کہ یوں کہو:

اعیذہ بالواحد من شر کل حاسد۔
میں اس بچے کو ہر شر سے واحد ذات (اللہ تعالیٰ) کی پناہ میں دیتی ہوں۔

(طبقات ابن سعد جلد اول ص ۹۸' تاریخ دمشق لابن عساکر جلد ۲ ص ۳۶)

پھر اس کا نام "محمد صلی اللہ علیہ وسلم" رکھنا۔

ابن اسحٰق کے علاوہ دوسروں کی روایت میں ہے کہ اسے یہ تعویذ ڈالنا۔ آپ فرماتی ہیں: جب میں بیدار ہوئی تو میرے سرہانے سونے کا ایک صحیفہ تھا جس میں یہ اشعار لکھے ہوئے تھے۔

اعیذہ	بالواحد	من	شر	کل	حاسد
وکل	خلق	رائد	من	قائم و	قاعد
عن	السبیل	حائد	علی	الفساد	جاھد
من	نافث او	عاقد	وکل	خلق	مارد
یاخذ	بالمراصد	فی	طرق		الموارد

"میں اس بچے کو ذات واحد کی پناہ میں دیتی ہوں ہر حاسد کے شر سے..."

"ہر طالب برائی سے وہ کھڑا ہے یا بیٹھا ہے"

"جو سیدھے راستے سے بھٹکا ہوا ہے اور فساد کے لیے کوشاں ہے..."

"ہر جادوگر اور گرہیں باندھنے والے نیز ہر سرکش مخلوق سے"

"جو پانی کے راستوں میں گھات لگائے بیٹھے ہیں"۔

حافظ عبدالرحیم عراقی نے کہا ہے کہ بعض سیرت نگاروں نے یہ اشعار اسی طرح ذکر کیے ہیں اور ان کو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث سے قرار دیا ہے، لیکن اس کی کوئی اصل نہیں۔

حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بنو عامر کے ایک شخص نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: آپ کے معاملہ کی حقیقت کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: میری شان کا ظہور اس طرح ہے کہ میں اپنے باپ (جد اعلیٰ) حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا اور اپنے بھائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت ہوں۔ میں اپنے ماں باپ کی سب سے پہلی (اور سب سے آخری) اولاد ہوں اور میری والدہ نے حمل کا بوجھ محسوس کیا جس طرح دیگر عورتیں محسوس کرتی ہیں اور وہ اپنی سہیلیوں سے اس بوجھ کی شکایت کرنے لگیں، پھر میری ماں نے خواب میں دیکھا کہ ان کے بطن اطہر میں جو کچھ ہے وہ نور ہے۔

اس حدیث میں ہے کہ آپ کی والدہ ماجدہ نے حمل کے دوران بوجھ محسوس کیا جب کہ دیگر احادیث میں ہے کہ انہیں بوجھ محسوس نہیں ہوا؟

ابو نعیم حافظ نے ان دونوں قسم کی احادیث کو یوں جمع کیا ہے کہ ابتدائی حالت میں بوجھ تھا اور جب حمل ٹھہر گیا تو ہلکا پھلکا محسوس ہوتا تھا۔ تو دونوں صورتیں عام عادت کے خلاف اور اس کے برعکس تھیں۔

ابو نعیم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی روایت نقل کی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کے حاملہ ہونے کی دلیل یہ ہے کہ اس رات قریش کے تمام جانور بول پڑے کہ رب کعبہ کی قسم! حضرت آمنہ کے شکم اطہر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں اور آپ دنیا والوں کے امام اور چراغ ہیں۔ تمام دنیوی بادشاہوں کے تخت اوندھے پڑ گئے اور مشرق کے جنگلی جانور خوشخبری دینے کے لیے مغرب کے جنگلی درندوں کی طرف بھاگ کھڑے ہوئے، اسی طرح سمندری مخلوق بھی ایک دوسرے کو خوشخبری دینے لگی اور حمل کے تمام مہینوں میں انہیں ایک آواز زمین سے اور ایک ندا آسمان سے آنے لگی کہ تمہیں خوشخبری ہو، وہ

وقت آچکا ہے کہ ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم برکتوں کے ساتھ جلوہ گر ہو رہے ہیں... یہ حدیث بہت ضعیف ہے۔
دوسروں سے منقول ہے کہ اس دن کوئی ایسا مکان نہ تھا جو روشن نہ ہوا ہو اور اس دن ہر جگہ نور ہی نور تھا اور جانور بولنے لگے تھے۔

مدت حمل

ابوزکریا یحییٰ بن عائذ فرماتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی والدہ ماجدہ کے بطن اطہر میں پورے نو مہینے تشریف فرما رہے۔ اس دوران حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کے سر یا پیٹ میں کوئی درد اور کسی قسم کی تکلیف نہیں ہوئی اور حاملہ عورتوں کو جو تکالیف ہوتی ہیں، آپ ان سے محفوظ رہیں۔ آپ فرماتی تھیں: اللہ کی قسم! میں نے اس سے بڑھ کر ہلکا اور زیادہ بابرکت حمل نہیں دیکھا۔

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کا وصال

جب حمل مبارک کو دو ماہ گزر گئے تو حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کا انتقال ہو گیا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ اس وقت فوت ہوئے جب آپ پنگھوڑے میں تھے (حافظ ابو بشر محمد بن احمد بن حماد بن سعید انصاری) دولابی نے یہ بات کہی ہے جب کہ حضرت احمد بن ابی خیثمہ فرماتے ہیں: اس وقت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دو ماہ کے تھے، کسی نے سات مہینے کا ذکر کیا اور کسی نے کہا کہ آپ اٹھائیس ماہ کے تھے لیکن پہلے قول کو ترجیح ہے۔

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ جب قریش کے ساتھ تجارت سے واپس تشریف لائے تو کمزور تھے۔ وہ لوگ مدینہ طیبہ کے پاس سے گزرے[1] (جو اس وقت یثرب کہلاتا تھا) تو آپ بنوعدی بن نجار کے پاس ٹھہر گئے جو آپ کے ماموں تھے۔ آپ وہاں ایک مہینے تک بیماری کی حالت میں رہے، جب دوسرے ساتھی مکہ مکرمہ پہنچے تو حضرت عبدالمطلب نے ان کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ ہم انہیں بیماری کی حالت میں چھوڑ کر آئے ہیں۔ حضرت عبدالمطلب نے ان کے بھائی حارث کو بھیجا تو معلوم ہوا کہ وہ انتقال کر گئے ہیں اور ان کو دار النابعہ میں دفن کر دیا گیا ہے۔

یہ بھی کہا گیا کہ آپ کو مقام ابواء میں دفن کیا گیا۔

حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا نے ان کی وفات پر یہ اشعار کہے۔

---

[1] مدینہ طیبہ کا پہلا نام یثرب تھا۔ یثرب بن قائل حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے سام کے پوتے قائل کا بیٹا تھا۔ جو سب سے پہلے وہاں اترا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا نام طیبہ (پاک) رکھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص مدینہ طیبہ کو یثرب کہے، وہ اللہ تعالیٰ سے بخشش مانگے۔ یہ طابہ (طیبہ) ہے۔ یہ طابہ ہے۔ یہ حدیث مسند امام احمد میں حضرت براء بن عازب کی روایت سے منقول ہے۔ (شرح زرقانی جلد اول ص ۱۳۰) ۱۲ ہزاروی۔

عفا جانب البطحاء من آل هاشم
وجاور لحدا خارجا فى الغمائم
دعته المنايا دعوة فاجابها
وما تركت فى الناس مثل ابن هاشم
عشية راحوا يحملون سريره
تعاوره اصحابه فى التزاحم
فان تكث غالته المنايا وريبها
فقد كان معطاء كثير التراحم

"بنوہاشم سے وادی بطحاء کا کنارہ خالی ہوگیا؛ وہ ایسی قبر میں چلے گئے جو انکے گھر والوں سے دور ہے"۔
"موتوں نے ان کو بلایا تو انہوں نے قبول کیا اور موت نے اس ہاشمی نوجوان جیسا کوئی نہیں چھوڑا"۔
"جس رات وہ ان کی چارپائی اٹھائے جا رہے تھے تو بھیڑ کی وجہ سے وہ ایک دوسرے کو مشکل سے پکڑاتے تھے"۔
"اگرچہ موت اور اس کے حادثات نے ان کو غفلت میں آلیا لیکن وہ بہت زیادہ عطیات دینے والے اور بہت زیادہ رحم کرنے والے تھے"۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے جب حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا تو فرشتوں نے کہا: اے ہمارے معبود اور اے ہمارے سردار! تیرا نبی یتیم رہ گیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں اس کا محافظ اور مددگار ہوں۔

حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو والدین سے کیوں یتیم بنایا گیا؟ انہوں نے فرمایا: اس لیے کہ آپ پر مخلوق کا کوئی حق نہ ہو۔ ابوحیان (محمد بن یوسف اندلسی) نے "البحر" میں یہ بات نقل کی ہے۔

ولادت سے متعلق بعض منکر احادیث

ابونعیم نے حضرت عمر بن قتیبہ سے نقل کیا وہ فرماتے ہیں: میں نے اپنے والد سے سنا اور وہ علم کا برتن تھے، وہ فرماتے ہیں: جب حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کے ہاں ولادت کا وقت آیا تو اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے فرمایا: تمام آسمانوں اور جنتوں کے دروازے کھول دو اور اس دن سورج کو بہت بڑا نور پہنایا گیا اور اس سال اللہ تعالیٰ نے تمام دنیا کی عورتوں کو اجازت دی کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے حاملہ ہوں —— اس حدیث پر طعن کیا گیا ہے۔

ابوسعید عبدالملک نیشاپوری نے اپنی کتاب "الکبیر" میں ذکر کیا جیسا کہ ان سے "کتاب السعادۃ والبشریٰ" کے

مصنف نے نقل کیا، وہ حضرت کعب سے ایک طویل حدیث میں نقل کرتے ہیں اور ابو نعیم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت سے نقل کیا، وہ فرماتے ہیں کہ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی تھیں کہ جب حمل کو چھ ماہ گزر گئے تو خواب میں میرے پاس کوئی آنے والا آیا اور اس نے کہا: اے آمنہ! تو تمام جہانوں میں سے بہتر انسان کے ساتھ حاملہ ہوئی ہے۔ جب وہ پیدا ہوں تو اُن کا نام محمد رکھنا اور اپنے معاملے کو چھپا کر رکھنا۔ فرماتی ہیں: پھر جب میرے ساتھ وہ معاملہ ہوا جو دوسری عورتوں کے ساتھ ہوتا ہے (ولادت کا وقت ہوا) اور کسی مرد عورت کو میرے بارے میں معلوم نہ تھا، میں گھر میں تنہا تھی۔ حضرت عبدالمطلب اس وقت طواف میں مشغول تھے، میں نے کسی چیز کے گرنے کی زبردست آواز سنی اور ایک خوفناک سا معاملہ ہوا، پھر میں نے دیکھا کہ گویا ایک سفید پرندے کا پر میرے دل (سینے) کو چھو رہا ہے۔ اس سے میرا ڈر اور جو خوف مجھے لاحق ہوا تھا سب زائل ہو گیا۔ پھر میں نے دیکھا تو ایک سفید مشروب تھا، میں نے اسے لیا تو مجھے بلند پایہ نور حاصل ہوا، پھر میں نے کچھ عورتوں کو دیکھا جو (لمبائی میں) کھجور کے درخت کی طرح تھیں گویا عبد مناف کی بیٹیوں میں سے ہوں۔ انہوں نے مجھے گھیر رکھا تھا، میں متعجب تھی اور کہہ رہی تھی کوئی میری مدد کرے، ان کو کیسے علم ہو گیا۔

دوسری روایت میں ہے کہ انہوں نے مجھ سے کہا کہ ہم فرعون کی بیوی آسیہ اور عمران کی بیٹی مریم (علیہما السلام) ہیں اور یہ جنتی حوریں ہیں۔ میں سخت مشکل میں مبتلا تھی اور مجھے پہلے سے بھی زیادہ کھڑاک کی آواز آ رہی تھی اور میں بہت زیادہ خوفزدہ تھی۔

میں اسی حالت میں تھی کہ سفید دیباج (ریشمی کپڑا) آسمان و زمین کے درمیان لٹکایا گیا اور کوئی کہنے والا کہہ رہا ہے کہ اسے لوگوں سے چھپاؤ (یعنی جب ان کی ولادت ہو) حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: میں نے کچھ لوگوں کو دیکھا کہ وہ فضا میں کھڑے ہیں، ان کے ہاتھوں میں چاندی کے لوٹے ہیں۔ پھر میں نے دیکھا کہ پرندوں کا ایک غول ہے جو آگے بڑھ رہا ہے۔ اس نے میرے حجرے کو گھیر لیا ہے، ان کی چونچیں زمرد کی اور پر یاقوت کے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے میری آنکھوں سے پردہ ہٹایا تو میں نے زمین کے مشرقوں اور مغربوں کو دیکھ لیا اور میں نے تین جھنڈے گاڑے ہوئے دیکھے: ایک جھنڈا مشرق میں، دوسرا مغرب میں اور تیسرا خانہ کعبہ کی چھت پر گاڑا گیا تھا۔ اب بچے کی پیدائش کا وقت ہوا اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم جلوہ گر ہوئے۔ میں نے دیکھا کہ آپ سجدہ ریز ہیں اور اپنی دو انگلیوں کو آسمان کی طرف اس طرح اٹھایا ہوا ہے جس طرح عجز و انکساری کرنے والا شخص کرتا ہے۔

پھر میں نے سفید بادل دیکھا جو آسمان کی طرف سے آیا ہے اور اس نے آپ کو ڈھانپ لیا حتیٰ کہ آپ مجھ سے غائب ہو گئے۔ میں نے کسی ندا دینے والے سے سنا کہ اس (بچے) کو زمین کے مشرقوں اور مغربوں میں پھراؤ اور سمندروں میں داخل کرو تاکہ وہ (سب) ان کو ان کے نام، صفت اور صورت کے ساتھ پہچان لیں اور انہیں معلوم ہو جائے کہ ان کا اسم گرامی ماحی (مٹانے والا) ہے، ان کے زمانے میں شرک کو مکمل طور پر مٹا دیا جائے گا، پھر جلد یہ بادل چھٹ گئے (اور آپ نظر آنے لگے) ---- اس حدیث میں بھی کلام کیا گیا ہے۔ (امام زرقانی فرماتے ہیں:

مصنف نے اسے اس لیے ذکر کیا کہ میلاد شریف کے ضمن میں یہ روایت معروف و مشہور ہے ـــــ ۱۲ ہزاروی)

خطیب بغدادی نے بھی اپنی سند سے اسی طرح ذکر کیا ہے جس طرح "السعادۃ والبشریٰ" کے مصنف نے ذکر کیا ہے کہ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: میں نے ایک بہت بڑا بادل دیکھا جس میں روشنی تھی، میں اس میں گھوڑوں کی آواز اور پروں کی حرکت نیز لوگوں کی گفتگو سنتی تھی حتی کہ اس نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو گھیر لیا اور آپ مجھ سے غائب ہوگئے، چنانچہ میں نے ایک منادی سے سنا جو اعلان کر رہا تھا کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام زمین کا چکر لگواؤ اور آپ کو ہر ذی روح پر پیش کرو، وہ جن ہوں یا انسان، فرشتے ہوں یا پرندے یا وحشی جانور، اور آپ کو حضرت آدم علیہ السلام کا خلق، حضرت شیث علیہ السلام کی معرفت، حضرت نوح علیہ السلام کی شجاعت، حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خلت، حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی زبان، حضرت اسحٰق علیہ السلام کی رضا، حضرت صالح علیہ السلام کی فصاحت، حضرت لوط علیہ السلام کی حکمت، حضرت یعقوب علیہ السلام کی خوشخبری، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شدت، حضرت ایوب علیہ السلام کا صبر، حضرت یونس علیہ السلام کی اطاعت، حضرت یوشع علیہ السلام کا جہاد، حضرت داؤد علیہ السلام کی آواز، حضرت دانیال علیہ السلام کی محبت، حضرت الیاس علیہ السلام کا وقار، حضرت یحییٰ علیہ السلام کی عصمت اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا زہد عطا کرو اور آپ کو اخلاق انبیاء کرام علیہم السلام (کے سمندر) میں غوطہ دو۔

حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔ پھر میرے سامنے سے اندھیرا چھٹ گیا تو کیا دیکھتی ہوں کہ ایک سفید اور سبز ریشمی کپڑا جسے خوب لپیٹا گیا ہے، آپ کی مٹھی میں ہے اور اس سے پانی نکل رہا ہے۔ اسی دوران ایک کہنے والا کہتا ہے، بس کرو بس کرو، تمام دنیا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے قبضے میں ہے، زمین کی تمام مخلوق خوشی خوشی آپ کے قبضے میں آچکی ہے۔ آپ فرماتی ہیں: پھر میں نے آپ کو دیکھا کہ آپ چودھویں شب کے چاند کی طرح نظر آرہے ہیں اور آپ کی خوشبو خالص کستوری کی طرح پھیلتی ہے اور تین شخص ہیں: ان میں سے ایک کے ہاتھ میں چاندی کا لوٹا ہے، دوسرے کے ہاتھ میں سبز زمرد کا تھال ہے اور تیسرے کے ہاتھ میں سفید ریشم ہے، اس نے اسے کھول کر اس میں سے ایک انگوٹھی نکالی جس سے دیکھنے والوں کو حیرانگی ہوتی تھی۔ اس نے اسے اس لوٹے سے سات مرتبہ دھویا پھر آپ کے دونوں کاندھوں کے درمیان مہر لگائی گئی، اس کے بعد آپ کو ریشمی کپڑے میں لپیٹ کر اٹھایا اور ایک ساعت کے لیے اپنے پروں کے درمیان داخل کردیا اور اس کے بعد میری طرف لوٹا دیا۔

اس حدیث کو ابو نعیم نے بھی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے اور یہ حدیث منکر ہے۔[۱]

میلاد شریف کے بارے میں دیگر روایات

حافظ ابو بکر بن عائذ نے اپنی کتاب "المولد" میں روایت کیا ہے جیسا کہ ان سے شیخ بدر الدین زرکشی نے شرح بردۃ المدیح میں نقل کیا، وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ جب نبی اکرم صلی اللہ

[۱] حدیث منکر وہ حدیث ہوتی ہے جس میں زیادہ ضعیف راوی کم ضعیف راوی کی مخالفت کرے۔

علیہ وسلم کی ولادت ہوئی تو جنت کے خازن فرشتے رضوان نے آپ کے کان مبارک میں کہا: اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کو مبارک ہو، آپ کو تمام انبیاء کرام علیہم السلام کا علم دیا گیا، پس آپ ان سب سے زیادہ علم والے ہیں اور آپ کا قلب اقدس ان سے زیادہ شجاعت سے بھرپور ہے۔

حضرت محمد بن سعد ایک جماعت سے حدیث نقل کرتے ہیں جن میں حضرت عطا اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم بھی ہیں کہ حضرت آمنہ بنت وہب رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ جب آپ مجھ سے جدا ہوئے تو آپ کے ساتھ ایک ایسا نور برآمد ہوا جس سے آپ کے لئے مشرق و مغرب کے درمیان روشنی ہی روشنی ہو گئی پھر آپ ہاتھوں پر ٹیک لگائے ہوئے زمین پر تشریف لائے پھر آپ نے مٹی کی ایک مٹھی لی اور اپنا سر مبارک آسمان کی طرف اٹھایا۔ (طبقات ابن سعد، جلد اول، ص ۱۰۰)

امام طبرانی نے روایت کیا کہ جب آپ زمین پر تشریف لائے تو آپ کی مٹھی بند تھی اور آپ شہادت کی انگلی سے اشارہ کر رہے تھے جس طرح کوئی شخص اس انگلی کے ذریعے تسبیح بیان کر رہا ہو۔

حضرت عثمان بن ابوالعاص رضی اللہ عنہ اپنی والدہ حضرت ام عثمان ثقفیہ (فاطمہ بنت عبداللہ) رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتی ہیں جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت ہوئی تو میں نے دیکھا کہ تمام گھر نور سے بھر گیا ہے اور میں نے ستاروں کو دیکھا کہ وہ قریب آ رہے ہیں حتیٰ کہ میں نے خیال کیا کہ عنقریب وہ مجھ پر گر پڑیں گے۔ اس حدیث کو امام بیہقی رحمتہ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔

حضرت امام احمد بن حنبل، بزار، طبرانی، حاکم اور بیہقی رحمہم اللہ حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

میں (اس وقت بھی) اللہ تعالیٰ کا بندہ اور آخری نبی تھا جب حضرت آدم علیہ السلام اپنے خمیر میں تھے؛ (دلائل النبوۃ جز اول ص ۹) اور عنقریب میں تمہیں اس کے بارے میں بتاؤں گا میں اپنے باپ (جد امجد) حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت اور اپنی ماں کا خواب ہوں جو انہوں نے دیکھا تھا۔ تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی مائیں اسی طرح خوابیں دیکھتی رہیں اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ نے آپ کی ولادت کے وقت ایک نور دیکھا جس سے شام کے محلات آپ کے لئے روشن ہو گئے۔

(مسند امام احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۷ ۱۲۸، ۱۲۷ شعب الایمان للبیہقی جلد ۲ ص ۱۳۴ کشف الاستار عن زوائد البزار جلد ۳ ص ۱۱۳)

امام حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس حدیث کو ابن حبان اور حاکم نے صحیح قرار دیا ہے۔

ابو نعیم نے حضرت عطا بن یسار رضی اللہ عنہ سے روایت کیا وہ حضرت ام سلمہ سے اور انہوں نے حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا آپ فرماتی ہیں: جس رات نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت ہوئی تو آپ کے لئے شام کے محلات روشن ہو گئے حتیٰ کہ میں نے ان (محلات) کو دیکھا۔ (دلائل النبوۃ لابی نعیم جز اول ص ۴۶)

ابو نعیم نے ہی حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ بنو سعد کی اس خاتون سے روایت کرتے

ہیں جس نے آپ کو دودھ پلایا کہ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: میں نے دیکھا کہ گویا مجھ سے ایک شہاب (ستارہ) برآمد ہوا جس سے زمین روشن ہو گئی اور میں نے شام کے محلات دیکھے۔

حضرت ہمام بن یحییٰ حضرت اسحٰق بن عبداللہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ نے فرمایا کہ جب میں نے ان کو جنا تو مجھ سے ایک نور برآمد ہوا جس سے شام کے محلات روشن ہو گئے تو مجھ سے آپ کی ولادت اس پاکیزگی کے ساتھ ہوئی کہ آپ کے ساتھ کوئی گندگی نہ تھی۔ ابن سعد نے اسے روایت کیا ہے۔ (طبقات ابن سعد جلد اول ص ۱۰۲)

حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ اپنے اشعار میں اس بات کی طرف اشارہ کرتے ہیں، آپ فرماتے ہیں:

انت لما ولدت اشرقت الارض وضاءت بنورك الافق

فنحن في ذاك الضياء وفي النور وسبل الرشاد نخترق

"جب آپ کی ولادت ہوئی تو زمین روشن ہو گئی اور آپ کے نور سے افق منور ہو گیا"۔

"پس ہم اس روشنی اور نور اور ہدایت کے راستے میں چل رہے ہیں"۔

لطائف (لطائف المعارف) میں (صاحب کتاب حافظ عبدالرحمٰن بن رجب نے) فرمایا کہ آپ کی ولادت کے وقت نور کے نکلنے میں اس نور کی طرف اشارہ تھا جو آپ لے کر آئے اور اس کے ذریعے تمام اہل زمین کو ہدایت ملی، نیز اس کی وجہ سے شرک کا اندھیرا دور ہوا۔ ارشاد خداوندی ہے: ۹

قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّ كِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ۝ يَّهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ وَ يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِهٖ۔ (المائدہ: ۱۶،۱۵)

بے شک تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک نور (سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم) اور روشن کتاب آئی جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو سلامتی کے راستے کی ہدایت دیتا ہے جو اس کی رضا پر چلتے ہیں اور ان کو اپنے حکم سے اندھیروں سے روشنیوں کی طرف نکالتا ہے۔

آپ کے ساتھ نکلنے والے نور کے ساتھ بصریٰ کے محلات کا روشن ہونا اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ملک شام آپ کے نور نبوت سے خاص کیا گیا کیونکہ وہ آپ کی حکومت میں شامل ہوا جس طرح حضرت کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ذکر کیا کہ پہلی کتابوں میں یوں مرقوم ہے:

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں، آپ کی جائے ولادت مکہ مکرمہ، آپ کا مقام ہجرت یثرب (مدینہ طیبہ) اور آپ کی حکومت شام میں ہے۔

تو ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا آغاز مکہ مکرمہ سے ہوا اور آپ کی سلطنت شام پر مکمل ہوئی، اسی لئے شب معراج آپ کو شام یعنی بیت المقدس کی طرف لے جایا گیا جس طرح آپ سے پہلے حضرت ابراہیم نے شام کی طرف ہجرت فرمائی، اسی مقام پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اتریں گے اور اسی سرزمین پر میدان حشر ہو گا۔

امام احمد، ابو داؤد، ابن حبان اور حاکم نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کیا کہ آپ نے فرمایا:

علیکم بالشام فانھا خیرۃ اللہ من ارضہ یجتبی الیھا خیرتہ من عبادہ۔

تم پر شام (میں ٹھہرنا) لازم ہے، یہ اللہ تعالیٰ کی بہترین زمین ہے اور وہ اپنے اچھے بندوں کو اس کی طرف جمع کرتا ہے۔

(مسند امام احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۱۱۰، سنن ابی داؤد، ج ۱، ص ۳۳۶، مستدرک حاکم، ج ۴، ص ۵۱)

ابو نعیم نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف سے اور انہوں نے اپنی والدہ الشفاء (رضی اللہ عنہما) سے روایت کیا وہ فرماتی ہیں: جب حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کے ہاں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت ہوئی تو آپ میرے ہاتھ میں تشریف لائے اور آپ نے آواز نکالی (یعنی چیخ ماری) تو میں نے کسی کہنے والے سے سنا جو کہہ رہا تھا: "یرحمک اللہ" (اللہ تعالیٰ آپ پر رحم فرمائے) حضرت شفاء فرماتی ہیں: میرے لئے مشرق و مغرب کے درمیان جگہ روشن ہو گئی حتیٰ کہ میں نے روم کے بعض محلات دیکھے۔ فرماتی ہیں: پھر میں نے آپ کو لباس پہنایا (بعض نسخوں کے مطابق البنتہ، یعنی میں نے آپ کو دودھ پلایا بھی آیا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کو آپ کی والدہ ماجدہ کے قریب کیا تاکہ دودھ نوش فرمائیں) اور آپ کو لٹا دیا۔ زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ اندھیرے، رعب اور لرزے نے مجھے گھیر لیا پھر آپ کو مجھ سے غائب کر دیا گیا تو میں نے کسی کہنے والے سے سنا وہ کہہ رہا تھا کہ تم ان کو کہاں لے گئے تھے؟ اس نے کہا: "مشرق کی طرف۔" حضرت شفاء فرماتی ہیں: یہ بات میرے دل میں ہمیشہ اسی طرح رہی حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو مبعوث فرمایا، پس میں سب سے پہلے اسلام لانے والوں میں تھی۔

ولادت نبوی کے عجائبات

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت مبارکہ کے عجائب میں وہ بات بھی ہے جسے امام بیہقی اور ابو نعیم نے حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: میں سات یا آٹھ سال کا بچہ تھا اور جو کچھ دیکھتا یا سنتا تھا اسے سمجھتا تھا کہ ایک صبح ایک یہودی چلانے لگا: اے یہودیوں کے گروہ! اے یہودیوں کی جماعت! چنانچہ وہ سب اس کے پاس جمع ہو گئے۔ میں سن رہا تھا وہ کہنے لگے: تیرے لئے ہلاکت ہو کیا بات ہے؟ اس نے کہا: حضرت احمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ستارہ طلوع ہو چکا ہے جس کے باعث آج رات آپ کی ولادت ہوئی ہے۔

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ایک یہودی مکہ مکرمہ میں رہتا تھا جس رات رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت ہوئی اس نے کہا: اے جماعت قریش! کیا آج رات تم لوگوں کے ہاں کوئی بچہ پیدا ہوا ہے؟ انہوں نے کہا: ہمیں معلوم نہیں۔ اس نے کہا: دیکھو آج اس امت کا نبی پیدا ہوا ہے۔ اس کے دونوں کاندھوں کے درمیان علامت ہے۔ وہ واپس گئے اور معلوم کیا تو کہا گیا کہ حضرت عبداللہ بن عبدالمطلب کے ہاں بچہ پیدا ہوا ہے۔ وہ یہودی ان قریش کے ہمراہ آپ کی والدہ ماجدہ کے پاس گیا چنانچہ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو باہر ان لوگوں کے پاس بھیجا۔ جب یہودی نے علامت دیکھی تو

بے ہوش ہو کر گر پڑا اور کہنے لگا: اے قریش! بنی اسرائیل سے نبوت چلی گئی۔ اے گروہ قریش سنو! اللہ کی قسم! اس نبی کو تمہارے ذریعے ایسی شوکت حاصل ہوگی کہ اس کی خبر مشرق و مغرب میں پھیلے گی، اس روایت کو یعقوب بن سفیان نے سند حسن کے ساتھ روایت کیا ہے جیسا کہ فتح الباری میں ہے۔

(مستدرک حاکم جلد ۲ ص ۶۰۱، تاریخ دمشق لابن عساکر جلد ۲ ص ۴۸)

آپ کی ولادت کے عجائب میں سے وہ بات بھی ہے جو ایوان کسریٰ میں زلزلہ بپا ہونے کے سلسلے میں مروی ہے کہ اس کے چودہ کنگرے گر گئے، بحیرہ طبریہ کا پانی خشک ہو گیا، نیز ایران کے آتش کدے کی آگ بجھ گئی جو ایک ہزار سال سے (جل رہی تھی اور) کبھی نہ بجھی تھی... جیسا کہ امام بیہقی اور ابو نعیم نے نیز خرائطی نے الھواتف میں ذکر کیا اور ابن عساکر سے بھی منقول ہے۔ (دلائل النبوۃ لابی نعیم جز اول ص ۱۴۱، دلائل النبوۃ للبیہقی جلد اول ص ۱۲۶)

چودہ کنگرے گرنے میں اس بات کی طرف اشارہ تھا کہ ان کنگروں کی تعداد کے مطابق حکمران (مرد و عورتیں) یہاں حکمرانی کریں گے۔ چنانچہ ابن ظفر کے بیان کے مطابق (ایران میں) چار سالوں میں دس حکمرانوں نے حکومت کی۔ ابن سید الناس (ابو الفتح محمد بن محمد الیعمری الاندلسی) نے یہ اضافہ کیا ہے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی خلافت تک باقی حکمرانوں نے حکومت کی۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۲ ص ۲۶۹)

ولادت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے عجائب میں سے یہ بات بھی ہے کہ شہاب (ستاروں) کے ذریعے آسمان کی مزید حفاظت کی گئی اور وہاں تک شیطان کی رسائی ختم ہو گئی۔ نیز ان (شیاطین) کو وہاں کان لگا کر فرشتوں کی باتیں سننے سے منع کر دیا گیا۔ (ابو محمد عبداللہ بن ابو زکریا یحییٰ بن علی) شقراطیسی نے کیا اچھا کہا ہے، وہ کہتے ہیں ؎

ضاءت لمولده الافاق والصلت
بشرى الهواتف في الاشراق والطفل
وصرح كسرى تداعى من قواعده
وانقض منكسر الارجاء ذامیل
ونار فارس لم توقد وما خمدت
مذ الف عام ونهر القوم لم يسل
خرت لمولده الاوثان وانبعثت
ثواقب الشهب ترمي الجن بالشعل

"رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے وقت تمام آفاق روشن ہو گئے اور صبح و شام ہمیں غیبی ہاتفوں سے خوشخبری ملنے لگی"۔

"کسریٰ کا محل اپنی بنیادوں سمیت گر گیا اور اس کے کنارے بہت جلدی گرنے لگے اور ایران کا آتش کدہ نہ جل سکا حالانکہ ایک ہزار سال سے یہ آگ کبھی نہ بجھی تھی اور قوم کا دریا (بحیرہ ساوہ) جاری نہ ہو سکا نیز آپ کی ولادت کے وقت بت سرنگوں ہو گئے اور شہاب (ستارے) اپنے شعلوں سے شیطانوں

کو مارنے لگے"۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ختنہ

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ختنہ شدہ اور ناف بریدہ پیدا ہوئے جیسا کہ ابن عساکر نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حدیث روایت کی۔ (لطائف المعارف ص ۱۸۴)

طبرانی نے اوسط میں اور ابو نعیم، خطیب (بغدادی) اور ابن عساکر نے متعدد طرق سے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھے جو اعزاز و کرامت عطا کی ہے اس کی ایک صورت یہ ہے کہ میں ختنہ شدہ پیدا ہوا اور میری شرمگاہ کو کسی نے نہیں دیکھا۔ ضیاء (ضیاء الدین ابو عبداللہ) نے المختارہ (المختارہ فی الحدیث) میں اسے صحیح قرار دیا ہے۔[1]

(تاریخ دمشق لابن عساکر جلد ۲ ص ۱۳۲، المعجم الاوسط للطبرانی جلد ۷ ص ۸۸، مجمع الزوائد جلد ۸ ص ۲۲۴، کنز العمال جلد ۱۱ ص ۴۱۱)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے فرماتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ختنہ شدہ پیدا ہوئے، اسے ابن عساکر نے روایت کیا ہے۔

امام حاکم نے مستدرک میں فرمایا: تواتر کے ساتھ احادیث مروی ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ختنہ شدہ پیدا ہوئے۔ (مستدرک حاکم جلد ۲ ص ۶۰۳)

حافظ ذہبی نے ان کا تعاقب کرتے ہوئے کہا کہ مجھے اس کی صحت کا علم نہیں تو، تواتر کیسے ہو گا؟ لیکن ان کو یوں جواب دیا گیا کہ احادیث کے تواتر سے اس حدیث کی شہرت اور کتب سیرت میں کثرت سے منقول ہونا مراد ہو سکتا ہے۔ وہ تواتر جو محدثین کی اصطلاح ہے اور اس میں سند کا اعتبار ہوتا ہے، مراد نہیں ہے۔

ختنہ کے بارے میں دوسرا قول بھی ہے، حافظ زین الدین العراقی سے منقول ہے کہ کمال بن عدیم نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ختنہ شدہ پیدا ہونے سے متعلق احادیث کو ضعیف قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ اس سلسلے میں کوئی بات ثابت نہیں ہے، وہ اسی بات پر ڈٹ گئے۔ ابن قیم نے بھی اس بات کی تصریح کی ہے اور پھر کہا کہ یہ بات نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص میں سے نہیں ہے، بہت سے لوگ ختنہ شدہ پیدا ہوئے۔

(زاد المعاد لابن قیم جلد اول ص ۳۲)

حافظ ابن حجر نے نقل کیا ہے کہ عربوں کا خیال تھا کہ جب کوئی بچہ چاند (کے جوبن) میں پیدا ہوتا ہے (جیسا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بارہ ربیع الاول کو پیدا ہوئے) تو اس کا قلفہ (پیشاب گاہ کا سوراخ) کھل جاتا ہے۔ پس وہ ختنہ شدہ کی طرح ہوتا ہے۔ ابن درید (محمد بن حسن لغوی) کی تصنیف "الوشاح" میں ہے کہ ابن کلبی کہتے ہیں:

[1] امام زرکشی وغیرہ فرماتے ہیں کہ ان کی تصحیح، حاکم کی تصحیح سے زیادہ درجہ رکھتی ہے۔ مغلطائی نے بھی اسے صحیح قرار دیا نیز ابو نعیم نے اسے جید سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا۔ (زرقانی علی المواہب جلد اول ص ۱۳۶)

مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام اور آپ کے بعد بارہ انبیاء کرام ختنہ شدہ پیدا ہوئے جن میں سے آخری نبی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ وہ انبیاء کرام حضرت شیث، حضرت ادریس، حضرت نوح، حضرت سام، حضرت لوط، حضرت یوسف، حضرت موسیٰ، حضرت سلیمان، حضرت شعیب، حضرت یحییٰ، حضرت ہود اور حضرت صالح علیہم السلام ہیں۔ (حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر بھی کیا گیا۔)

اس عبارت میں مجاز کا طریقہ اختیار کیا گیا ہے کیونکہ ختنہ کاٹنے کا نام ہے اور یہ بات یہاں ظاہر نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کاٹنے کے بغیر اس صورت میں پیدا فرماتا ہے۔ لہٰذا اس کلام کا مطلب یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ اس صورت پر پیدا فرماتا ہے کہ عضو کٹا ہوا ہوتا ہے۔

ختنہ کے بارے میں تین قول

اس اختلاف کی روشنی میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ختنہ کے بارے میں تین قول حاصل ہوئے:

(۱) آپ ختنہ شدہ پیدا ہوئے جیسا کہ گزر چکا ہے۔

(۲) آپ کے دادا حضرت عبدالمطلب نے پیدائش کے ساتویں دن آپ کا ختنہ کیا، دعوت کا اہتمام کیا اور آپ کا نام محمد رکھا۔ (زاد المعاد لابن قیم جلد اول ص ۳۲)

یہ بات ولید بن مسلم نے اپنی سند سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کی اور ابن عبدالبر نے تمہید میں بھی اس کو نقل کیا ہے۔

(۳) آپ کا ختنہ حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کے ہاں ہوا جیسا کہ ابن قیم اور دمیاطی (حافظ امام شیخ المحدثین شرف الدین ابو محمد عبدالمومن بن خلف الشافعی المتوفی سنۃ خمس و سبعمائۃ) نے ذکر کیا۔

نیز مغلطائی (امام حافظ علاء الدین بن قلیج بن عبداللہ الحنفی المتوفی ۷۶۲ھ) نے بھی ذکر کیا، ان دونوں حضرات نے فرمایا کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے آپ کا ختنہ کیا جب کہ آپ کے دل کو دھویا گیا۔

(المعجم الاوسط للطبرانی جلد ۶ ص ۳۸۵، دلائل النبوۃ لابی نعیم جزء اول ص ۴۶)

طبرانی نے اوسط میں اور ابو نعیم نے بھی ابو بکرہ کی حدیث سے ذکر کیا لیکن امام ذہبی نے فرمایا کہ یہ حدیث منکر ہے (یعنی یہ ایسی حدیث ہے جو قابل اعتماد راویوں کی روایت کے مقابلے میں ایسے راویوں نے روایت کی ہے جو قابل اعتماد نہیں ہیں)[1]

---

[1] جن لوگوں کے نزدیک آپ صلی اللہ علیہ وسلم ختنہ شدہ پیدا نہیں ہوئے، ان کا استدلال یہی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کے لائق یہی بات تھی کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی جن آزمائشوں کا ذکر ہے ان میں ایک آزمائش ختنہ بھی ہے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت آزمایا گیا لہٰذا ختنہ کے ساتھ بھی آپ کی آزمائش ہونی چاہئے۔ اس کا جواب یوں دیا جاتا ہے کہ ختنہ شدہ پیدا ہونے کا فلسفہ یہ تھا کہ کوئی شخص آپ کی شرمگاہ نہ دیکھ سکے جیسا کہ حدیث شریف میں صراحتاً مروی ہے۔

(زرقانی علی المواھب جلد اول ص ۱۵۰) ۱۲ ہزاروی۔

ختنہ کا شرعی حکم

ختنہ بچے کے قلفے کو کاٹنا جو اس کے عضو تناسل کے سرے کو ڈھانپتا ہے اور بچی کی شرمگاہ کے اوپر والے حصے سے کچھ چمڑا کاٹنا ہے۔ مرد کے ختنہ کو "اعذار" اور عورت کے ختنہ کو "خفاض" کہتے ہیں۔ علماء کرام کا اس کے وجوب کے بارے میں اختلاف ہے۔

اکثر علماء کے نزدیک ختنہ سنت ہے واجب نہیں، حضرت امام مالک، حضرت امام ابو حنیفہ اور بعض شافعیہ کا یہی قول ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ اسے واجب کہتے ہیں، مالکیوں میں سے سحنون (عبدالسلام بن سعید تنوخی قیروانی المتوفی ۲۴۰ھ) کے قول کا تقاضا بھی یہی ہے، بعض اصحاب شافعی کے نزدیک مردوں کے حق میں ختنہ واجب ہے جبکہ عورتوں کے حق میں سنت ہے۔

سنت کا قول کرنے والوں کی دلیل ابو الملیح بن اسامہ کی روایت ہے۔ (ان کا نام عامر یا زید یا زیادہ ہے اور وہ تابعی ہیں) وہ اپنے باپ سے اور وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا:

الختان سنة للرجال مكرمة للنساء۔ (مسند امام احمد بن حنبل جلد ۵ ص ۷۵)

ختنہ مردوں کے لئے سنت اور عورتوں کے لئے محض عزت کا باعث ہے (مردوں کے مقابلے میں کم درجہ میں ہے)۔

اس حدیث کو حضرت امام احمد نے اپنی مسند میں اور امام بیہقی نے بھی روایت کیا ہے۔

جو حضرات اسے واجب قرار دیتے ہیں ان کا جواب یہ ہے کہ یہاں سنت سے مراد خلاف واجب نہیں بلکہ اس سے طریقہ مراد ہے اور انہوں نے اس کے واجب ہونے پر اس آیت سے استدلال کیا ہے، ارشاد خداوندی ہے:

اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِیْمَ حَنِیْفًا۔ (النحل: ۱۲۳)

یہ کہ آپ ملت ابراہیمی کی پیروی کریں جو ہر باطل سے جدا ہے۔

صحیح مسلم اور صحیح بخاری میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اختتن ابراهيم النبي عليه السلام وهو ابن ثمانين سنة بالقدوم۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام جب اسی (۸۰) سال کے تھے تو تیشے کے ساتھ آپ نے اپنی ختنہ کی۔

(صحیح بخاری جلد اول ص ۴۷۳، صحیح مسلم جلد ۲ ص ۲۶۵، مسند امام احمد جلد ۲ ص ۴۱۵)

امام ابو داؤد نے نقل کیا کہ ایک نئے مسلمان ہونے والے شخص سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

الق عنك شعر الكفر واختتن۔

اپنے آپ سے کفر کے بال دور کرو اور اپنی ختنہ کرو۔

(سنن ابی داؤد جلد اول ص ۹۸، مسند امام احمد جلد ۳ ص ۴۱۵)

قفال نے اس کے وجوب پر یوں استدلال کیا ہے کہ قلفہ کا باقی رہنا نجاست کو روکتا ہے اور نماز کی صحت میں رکاوٹ بنتا ہے، لہٰذا اسے دور کرنا واجب ہے۔[1]

ختنہ کی حکمت

حضرت امام فخرالدین رازی فرماتے ہیں: ختنہ کی حکمت یہ ہے کہ حشفہ میں قوی رکاوٹ ہوتی ہے پس جب تک وہ قلفہ کے ساتھ چھپا رہتا ہے مباشرت (جماع) کے وقت لذت زیادہ ہوتی ہے اور جب قلفہ کاٹ دیا جاتا ہے تو لذت کمزور پڑ جاتی ہے اور یہی بات ہماری شریعت کے زیادہ لائق ہے لذت کو ختم کرنا نہیں جس طرح مانوی کرتے ہیں۔[2] یہ افراط (حد سے بڑھنا) ہے اور قلفہ کو باقی رکھنا تفریط (کمی کرنا) ہے لہٰذا درمیانی راہ ختنہ کرنا ہے۔

اور جب ہم (شافعی مسلک کے لوگ) ختنہ کو واجب سمجھتے ہیں تو ہمارے مذہب کے مطابق صحیح بات یہ ہے کہ اس کا وقت بلوغت کے بعد ہے جس طرح امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ ان سے پوچھا گیا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے وقت آپ کس کی طرح تھے؟ (کتنی عمر کے تھے) فرمایا: میں اس وقت ختنہ شدہ تھا اور وہ لوگ بالغ ہونے سے پہلے ختنہ نہیں کرتے تھے۔ (صحیح بخاری جلد ۲ ص ۹۳۲ کتاب الاستیذان) اور ہمارے بعض اصحاب شافعی فرماتے ہیں: بچے کے ولی پر واجب ہے کہ بالغ ہونے سے پہلے اس کی ختنہ کرے... اور اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔



---

[1] حضرت امام زرقانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ بات تسلیم نہیں کی جاسکتی اور پھر یہ کہ اس طرح عورتوں کی ختنہ بھی واجب ہونی چاہئے مردوں کی تخصیص کیوں ہے (لہٰذا یہ سنت ہے واجب نہیں) (زرقانی جلد اول ص ۱۳۹)

[2] مانی بن فاتک زندیق کے ماننے والے مانوی کہلاتے ہیں۔ یہ شخص حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد سابور کے زمانے میں منظر عام پر آیا اور اس نے نبوت کا دعویٰ کیا اور اس نے کہا کہ عالم کی دو اصل ہیں: خیر کا خالق نور ہے اور شر کا خالق اندھیرا ہے اور یہ دونوں قدیم ہیں۔

ولادت مبارکہ کا زمانہ اور وقت

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا سال ولادت

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سال ولادت میں اختلاف ہے۔ اکثر (مورخین) کے نزدیک عام الفیل سال ولادت ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہی قول ہے۔ بعض علماء نے اس قول کو متفق علیہ قرار دیا ہے اور فرمایا: اس کے خلاف جتنے اقوال ہیں وہ وہم ہیں۔

اور مشہور یہ ہے کہ آپ واقعۂ فیل (ہاتھی والا واقعہ جو پہلے ذکر ہوا) کے پچاس دن بعد پیدا ہوئے۔ ایک جماعت کے ساتھ امام سہیلی کا بھی یہی موقف ہے۔ (السیرۃ النبوۃ لابن ہشام جلد اول ص ۱۰۷)

ایک قول یہ ہے کہ آپ کی ولادت باسعادت واقعۂ فیل کے پچپن دن بعد ہوئی ہے۔ دوسروں کے علاوہ دمیاطی کا بھی یہی نظریہ ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ واقعۂ فیل کے ایک مہینہ یا چالیس دن بعد آپ کی ولادت ہوئی۔ کسی نے کہا کہ اس واقعہ کے دس سال بعد آپ پیدا ہوئے۔ (مغلطائی کہتے ہیں یہ قول صحیح نہیں ہے) یہ بھی کہا گیا کہ ولادت مبارکہ واقعۂ فیل سے پندرہ سال پہلے ہوئی۔ اس کے علاوہ بھی اقوال ہیں۔

مشہور یہ ہے کہ آپ واقعۂ فیل کے بعد پیدا ہوئے کیونکہ ہاتھی کا واقعہ آپ کی نبوت کا مقدمہ اور آغاز تھا ورنہ اصحاب فیل ابن قیم کے قول کے مطابق اہل کتاب (نصاریٰ) تھے اور اس وقت اہل مکہ کے دین کے مقابلے میں ان کا دین بہتر تھا کیونکہ اہل مکہ بتوں کی پوجا کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے ان (اہل مکہ) کو اہل کتاب پر مدد دی۔ اس میں کسی بندے کا دخل نہ تھا بلکہ یہ اس عظمت والے نبی کی آمد کی خبر تھی جو مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئے نیز عزت والے شہر (مکہ مکرمہ) کی تعظیم کی وجہ سے ایسا ہوا۔ (زاد المعاد لابن قیم جلد اول ص ۳۱)

ولادت نبوی کا مہینہ

اس مہینے میں بھی اختلاف ہے جس میں سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت ہوئی۔ مشہور یہ ہے کہ یہ ربیع الاول شریف کا مہینہ ہے۔ جمہور علماء کا یہی قول ہے اور ابن جوزی نے اس پر اتفاق نقل کیا ہے۔

(الوفا لامام ابن جوزی جلد اول ص ۹۰)

لیکن یہ (اتفاق) محل نظر ہے کیونکہ ماہ صفر کا قول بھی کیا گیا ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ آپ ربیع الثانی میں

پیدا ہوئے۔ کسی نے کہا کہ آپ کی ولادت رجب میں ہوئی ہے لیکن یہ صحیح نہیں۔ ماہ رمضان المبارک کا قول بھی کیا گیا ہے۔ یہ بات حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ایسی سند کے ساتھ مروی ہے جو صحیح نہیں لیکن ان لوگوں کے قول کے موافق ہے جو کہتے ہیں کہ آپ کی والدہ ماجدہ ایام تشریق میں حاملہ ہوئی تھیں۔ سب سے زیادہ تعجب خیز قول یہ ہے کہ آپ کی ولادت عاشوراء (دس محرم) کو ہوئی۔

ولادت کا دن

مہینے کے کس دن آپ کی ولادت باسعادت ہوئی ہے، اس سلسلے میں بھی اختلاف ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ کوئی متعین دن نہیں ہے، آپ ربیع الاول شریف کے کسی سوموار کو پیدا ہوئے لیکن جمہور کے نزدیک یہ دن متعین ہے۔

پس کہا گیا ہے کہ ربیع الاول کی دو راتیں گزرنے پر آپ کی ولادت ہوئی۔ ایک قول کے مطابق آٹھ ربیع الاول کا دن تھا۔ شیخ قطب الدین عسقلانی (شافعی رحمہ اللہ) فرماتے ہیں کہ اکثر علماء حدیث نے اسی قول کو اختیار کیا ہے۔ حضرت ابن عباس اور حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہم سے بھی یہی بات منقول ہے۔ اس معاملے کی معرفت رکھنے والے اکثر حضرات کا مختار قول یہی ہے۔ حمیدی اور ان کے شیخ ابن حزم نے یہی قول اختیار کیا۔ قضاعی (ابو عبداللہ محمد بن سلامہ فقیہ شافعی) نے "عیون المعارف" میں اس پر اہل میقات کا اجماع نقل کیا ہے۔ امام زہری نے یہ بات حضرت محمد بن جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہما سے نقل کی اور وہ اہل عرب کے نسب اور تاریخ کو زیادہ جاننے والے تھے، انہیں یہ بات اپنے والد حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے معلوم ہوئی۔

کہا گیا کہ آپ کی ولادت دس ربیع الاول شریف کو ہوئی اور کہا گیا کہ ولادت نبوی بارہ ربیع الاول شریف کو ہوئی اور اہل مکہ کا اسی پر عمل ہے۔ وہ اسی دن آپ کے مولد شریف (جائے ولادت) کی زیارت کرتے ہیں۔[1]

کسی نے کہا: سترہ ربیع الاول، کسی نے اٹھارہ ربیع الاول، اور کسی کا قول ہے کہ ابھی ربیع الاول کے آٹھ دن باقی تھے کہ آپ کی ولادت باسعادت ہوئی، کہا گیا ہے کہ یہ دونوں قول جن لوگوں سے منسوب ہیں ان سے صحیح ثابت ہی نہیں ہیں۔

مشہور یہ ہے کہ آپ کی ولادت باسعادت بارہ ربیع الاول شریف کو سوموار کے دن ہوئی، ابن اسحٰق وغیرہ کا یہی قول ہے۔ (السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد اول ص ۱۰۷ حاشیہ)

نیز یہ کہ ولادت باسعادت کا مہینہ ربیع الاول ہی تھا۔ محرم، رجب، رمضان یا کوئی دوسرا معزز و محترم مہینہ نہیں تھا کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عزو شرف کا تعلق کسی مہینے سے نہیں، بلکہ مقامات کی طرح زمانے

---

[1] معلوم ہوا کہ اہل عرب میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بڑی دھوم دھام سے مناتے تھے حتیٰ کہ آپ کے مولد شریف کی زیارت بھی کرتے تھے اور اسے بدعت نہیں سمجھتے تھے۔ میلاد شریف کے خلاف بدعت کے فتووں کا رواج نجدیوں کی اختراع ہے۔ ...۱۲ ہزاروی۔

کو بھی آپ سے نسبت کی وجہ سے شرف حاصل ہوا۔
اگر آپ کی ولادت ان مہینوں میں سے کسی مہینے میں ہوتی تو یہ وہم کیا جاتا کہ آپ کو فلاں مہینے کی وجہ سے شرف اور مرتبہ ملا ہے' اس لئے اللہ تعالیٰ نے آپ کی ولادت ان مہینوں کے علاوہ مہینے میں رکھی تاکہ اس مہینے پر آپ کی عنایت اور آپ کے ذریعے اس کی کرامت کا اظہار ہو۔

جب جمعۃ المبارک کا یہ عالم ہے کہ اس دن حضرت آدم علیہ السلام کی ولادت مبارکہ ہوئی اور اس میں ایک ایسی ساعت ہے جس میں کوئی مسلمان بندہ بھلائی طلب کرے تو اللہ تعالیٰ اسے عطا کرتا ہے تو اس وقت کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے جس میں تمام مرسلین کے سردار حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت ہوئی۔ اور اللہ تعالیٰ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت کے دن یعنی سوموار کو وہ عبادات نہیں رکھیں جو جمعہ کے دن رکھیں جس میں حضرت آدم علیہ السلام پیدا ہوئے یعنی جمعہ کی نماز اور خطبہ وغیرہ' تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے احترام واکرام کے طور پر آپ کے وجود مسعود کی وجہ سے سوموار کے دن آپ کی امت پر تخفیف رکھی' ارشاد ربانی ہے:

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ۔ اور ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔ (الانبیاء: ۱۰۷)

اور اس رحمت میں سے ایک بات یہ ہے کہ آپ کی ولادت کے دن کسی خاص عبادت کا مکلف نہیں بنایا۔

وقت ولادت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے وقت میں بھی اختلاف ہے اور مشہور یہ ہے کہ سوموار کا دن ہے۔ حضرت ابو قتادہ انصاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوموار کے دن کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ذاک یوم ولدت فیہ وانزلت علی فیہ النبوۃ۔ یہ وہ دن ہے جس میں میری ولادت ہوئی اور اسی دن میں مبعوث ہوا۔

(صحیح مسلم جلد اول ص ۳۶۸ کتاب الصیام)

یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ آپ دن کے وقت پیدا ہوئے۔

مسند امام احمد میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سوموار کے دن پیدا ہوئے۔ سوموار کے دن آپ کو نبوت دی گئی (اعلان نبوت فرمایا) سوموار ہی کے دن آپ نے مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت فرمائی۔ مدینہ طیبہ میں سوموار کے دن داخل ہوئے اور حجر اسود کو بھی سوموار کے دن نصب فرمایا۔ (مسند امام احمد بن حنبل جلد ۲ ص ۲۷۷' تاریخ دمشق لابن عساکر جلد ۲ ص ۳۳) اسی طرح فتح مکہ کا واقعہ اور سورہ المائدہ کا نزول بھی سوموار کے دن ہوا۔

یہ بھی مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت مبارکہ سوموار کے دن فجر کے وقت ہوئی۔
حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: مرالظہران کے مقام پر ایک شامی راہب تھا جس کو عیصی کہا جاتا تھا۔ وہ کہتا تھا: اے اہل مکہ! عنقریب تم میں ایک بچہ پیدا ہوگا۔ اہل عرب اس کے دین کو اختیار کریں گے اور وہ عجم کا بھی مالک ہوگا۔ یہ اس (بچے) کا زمانہ ہے چنانچہ جب بھی مکہ مکرمہ میں کوئی بچہ پیدا ہوتا اس کے بارے میں پوچھا جاتا۔ جب وہ صبح ہوئی جس میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت ہوئی تو حضرت عبدالمطلب، عیصی راہب کے پاس تشریف لائے۔ آپ نے اسے آواز دی تو وہ متوجہ ہوا اور کہا (اے عبدالمطلب!) اس بچے کے باپ ہو جاؤ۔ تحقیق وہ بچہ جس کے بارے میں، میں تم سے بیان کرتا تھا وہ سوموار کے دن پیدا ہوگا سوموار کے دن اعلان نبوت کرے گا اور اس کا وصال بھی سوموار کے دن ہوگا۔ حضرت عبدالمطلب نے کہا: اس رات کی صبح ہمارے ہاں بچہ پیدا ہوا ہے۔ اس نے پوچھا: آپ نے اس کا کیا نام رکھا ہے؟ فرمایا: محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) عیصی راہب نے کہا: اللہ کی قسم! میں چاہتا تھا کہ وہ بچہ آپ کے گھرانے میں ہی پیدا ہو۔ اس بچے میں تین امتیازی خصوصیات ہیں اور وہ پائی گئی ہیں: ایک یہ کہ اس کا ستارہ گزشتہ رات طلوع ہوا، دوسری یہ کہ وہ آج کے دن پیدا ہوا اور تیسری یہ کہ اس بچے کا نام محمد ہے۔

اس روایت کو ابو جعفر بن ابی شیبہ رحمہ اللہ نے روایت کیا اور ابو نعیم نے دلائل (دلائل النبوۃ) میں اسے ضعیف سند کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۲ ص ۲۷۲)

کہا گیا ہے کہ آپ کی ولادت "غفر" کے طلوع ہونے کے وقت ہوئی اور یہ چھوٹے چھوٹے تین ستارے ہیں جن کے پاس چاند اترتا ہے اور یہ انبیاء کرام کی ولادت کا وقت ہے اور شمسی مہینوں میں سے یہ نیسان کے موافق ہے اور یہ برج حمل ہے اور اس مہینے کے بیس دن گزر چکے تھے۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ آپ کی ولادت باسعادت رات کے وقت ہوئی ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ مکہ مکرمہ میں ایک یہودی تھا جو تجارت کرتا تھا۔ جس رات نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت ہوئی اس نے کہا: اے گروہ قریش! کیا آج رات تم لوگوں کے ہاں کوئی بچہ پیدا ہوا ہے؟ انہوں نے کہا: ہمیں معلوم نہیں۔ اس نے کہا: آج رات اس آخری امت کا نبی پیدا ہوا ہے۔ اس کے دونوں کاندھوں کے درمیان ایک علامت ہے۔ جس میں چند بال ہیں جو اکٹھے ہیں گویا وہ گھوڑے کی کلغی ہے۔

چنانچہ وہ یہودی کے ساتھ گئے اور اسے آپ کی والدہ کے ہاں لے گئے اور کہنے لگے: اپنا بچہ لائیے۔ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا آپ کو باہر لائیں تو انہوں نے پیٹھ مبارک سے کپڑا ہٹا کر وہ علامت دیکھی اور یہودی بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ جب اسے ہوش آیا تو انہوں نے پوچھا: تجھے کیا ہوا؟ اس نے کہا: اللہ کی قسم! نبی اسرائیل سے نبوت چلی گئی۔ اسے حاکم نے روایت کیا ہے۔ (مستدرک حاکم جلد ۲ ص ۶۰۱)

شیخ بدر الدین زرکشی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: صحیح بات یہ ہے کہ آپ کی ولادت باسعادت دن کے وقت ہوئی اور جو کچھ ستاروں کے اترنے کے بارے میں مروی ہے اسے ابن دحیہ نے ضعیف قرار دیا ہے کیونکہ اس سے آپ

کی ولادت رات کے وقت ثابت ہو رہی ہے اور فرمایا کہ اس بات کو دلیل نہیں بنایا جا سکتا کیونکہ زمانہ نبوت خلاف عادت باتوں کی صلاحیت رکھتا ہے اور جائز ہے کہ دن کو بھی ستارے اتریں۔

لیلۃ القدر اور شب میلاد

اگر تم کہو کہ جب ہم کہتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت مبارکہ رات کے وقت ہوئی ہے تو لیلۃ القدر افضل ہے یا میلاد شریف کی رات؟

اس کا جواب یوں دیا گیا ہے کہ آپ کی ولادت باسعادت کی رات افضل ہے اور اس کی تین وجوہ ہیں:

(۱) میلاد شریف کی رات نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور کی رات ہے اور لیلۃ القدر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا کی گئی اور جس چیز کو مشرف ذات کی وجہ سے شرف حاصل ہوا وہ اس ذات سے زیادہ شرف والی نہیں ہو سکتی کیونکہ وہ اس ذات کو عطا کی گئی اور اس بات میں کوئی اختلاف نہیں، پس اس اعتبار سے میلاد شریف کی رات افضل ہے۔

(۲) لیلۃ القدر کو شرف اس لئے حاصل ہے کہ اس میں فرشتے اترتے ہیں اور میلاد شریف کی رات اس لئے افضل ہے کہ اس میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جلوہ گر ہوئے اور جس ذات کی وجہ سے میلاد شریف کی رات مشرف ہوئی وہ ذات ان (فرشتوں) سے افضل ہے جن کے ذریعے لیلۃ القدر کو شرف حاصل ہوا۔ یہی زیادہ صحیح پسندیدہ قول ہے۔

(۳) شب قدر میں صرف امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوۃ والسلام پر فضل خداوندی ہوتا ہے جب کہ میلاد شریف کی رات میں تمام موجودات پر فضل فرمایا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا پس اس طرح تمام مخلوق کو نعمت حاصل ہوئی۔ لہٰذا اس رات کا نفع عام ہوا اور یہ رات افضل قرار پائی۔

تو اے مہینے! تو کس قدر شرف کا حامل ہے اور تیری راتیں کس قدر قابل احترام ہیں گویا ہاروں کے موتی ہیں اور اے چہرہ مبارکہ! یہ مولود کس قدر شرف و عزت والا ہے، پس وہ ذات پاک ہے جس نے اس کی ولادت باسعادت کو دلوں کے لئے بہار اور اس کے حسن کو بے مثال بنایا۔

يقول لنا لسان الحال منه
وقول الحق يعذب للسميع
فوجهي والزمان وشهر وصفي
ربيع في ربيع في ربيع

"اور آپ زبان سے ہمیں فرماتے ہیں اور سچی بات سننے والے کو میٹھی لگتی ہے، کہ میرا چہرہ، زمانہ اور ولادت کا مہینہ بہار میں بہار میں بہار ہے"۔

مدت حمل اور جائے ولادت

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کتنی مدت والدہ ماجدہ کے بطن اطہر میں رہے، اس سلسلے میں بھی اختلاف ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ نو مہینے، کسی نے کہا آٹھ مہینے، کسی نے کہا سات ماہ اور کسی کا قول ہے کہ چھ مہینے مدت حمل ہے۔

اور آپ کی ولادت اس مکان محترم میں ہوئی جو (بعد میں) حجاج بن یوسف کے بھائی محمد بن یوسف کے پاس رہا اور اسے "شعب" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ (اس سے پہلے یہ مکان عقیل بن ابی طالب کے پاس تھا۔ ان کے بیٹے نے محمد بن یوسف پر بیچا۔ (آج کل وہاں ایک لائبریری قائم ہے اور اس کے قریب سے سرنگ نکلتی ہے جو منیٰ کی طرف جاتی ہے۔... ۱۲ ہزاروی)

کہا گیا ہے کہ اس مکان کو ردم کہا جاتا ہے، کسی نے کہا عسفان کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

ولادت کے وقت دودھ پلانا

آپ کو ابولہب کی آزاد کردہ لونڈی ثویبہ نے دودھ پلایا۔ جب اس نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت کی خوشخبری دی تو ابولہب نے اسے آزاد کر دیا تھا...

(ابولہب کے مرنے کے بعد) اسے خواب میں دیکھا گیا تو پوچھا گیا: کیا حال ہے؟ اس نے کہا: آگ میں ہوں البتہ ہر سوموار کی رات میرے عذاب میں تخفیف ہو جاتی ہے اور میں ان دو انگلیوں کے درمیان سے پانی چوستا ہوں، اس نے انگلی کی طرف اشارہ کیا اور یہ (سہولت) اس وجہ سے ہے کہ میں نے اپنی لونڈی ثویبہ کو اس وقت آزاد کیا جب اس نے مجھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کی خبر دی، نیز اس نے آپ کو دودھ پلایا۔

(صحیح بخاری جلد ۲ ص ۷۶۴، کتاب النکاح)

(محدث) ابن جوزی نے کہا کہ جب ابولہب کافر کا یہ حال ہے جس کی مذمت میں قرآن نازل ہوا (قرآن میں فرمایا: تبت یدا ابی لھب وتب۔ ابولہب کے دونوں ہاتھ ہلاک ہوں اور وہ ہلاک ہو۔) اسے ولادت نبوی کی خوشی میں جہنم کے اندر بھی اچھا بدلہ دیا گیا تو وہ مسلمان جو عقیدہ توحید پر قائم ہے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا امتی ہے اور میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم پر خوشی مناتا ہے اور جس قدر ممکن ہو محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں خرچ کرتا ہے، مجھے اپنی زندگی کی قسم! اللہ کریم کی طرف سے اسے یہ جزا ملے گی کہ وہ اس کو اپنے عام فضل و کرم سے نعمتوں والے باغات میں داخل کرے گا۔

محفل میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا انعقاد

مسلمان ہمیشہ سے ولادت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے مہینے میں محافل کا انعقاد کرتے چلے آئے ہیں، وہ

دعوتوں کا اہتمام کرتے ہیں اور اس مہینے کی راتوں میں طرح طرح کے صدقات کرتے اور خوشی کا اظہار کرتے ہیں، (یوں وہ اپنی) نیکیوں میں اضافہ کرتے ہیں اور مولود شریف پڑھنے کا اہتمام کرتے ہیں (یعنی ولادت مبارکہ کے وقت جو عجائبات ظاہر ہوئے ان کو بیان کرتے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل کے بیان کا اہتمام کرتے ہیں) اور ان مسلمانوں پر ہر قسم کا فضل اور برکات ظاہر ہوتی ہیں۔

میلاد شریف کی محافل کے سلسلے میں اس بات کا تجربہ ہوا ہے کہ اس سال امن قائم رہتا ہے اور مقاصد کے حصول کے لئے فوری خوشخبری ملتی ہے۔ پس اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحم کرے جو میلاد شریف کے مہینے کی راتوں کو عیدیں بناتا ہے تاکہ یہ (عید) ان لوگوں کے لئے سخت تکلیف کا باعث بنے جن کے دلوں میں بیماری ہے۔ (اور اس بیماری کا سبب وہ غصہ ہے جو ان کو میلاد شریف سے ہوتا ہے۔... ۱۲ علامہ زرقانی)

میلاد شریف کی محافل کو لغویات سے پاک رکھا جائے

ابن حاج (ابو عبداللہ محمد بن محمد عبدری فارسی رحمہ اللہ) نے "المدخل" میں ان لوگوں کا سخت رد کیا ہے جو میلاد شریف کی محافل میں خواہشات کی تکمیل کے لئے بدعات[1] لہو ولعب اور مزامیر کے ساتھ گاتے ہیں۔[2] پس اللہ تعالیٰ اچھے ارادے کا ثواب عطا فرمائے اور ہمیں سنت کے مطابق راستہ اختیار کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔[3] بے شک وہی ہمیں کافی ہے اور بہترین کارساز ہے۔

ذکر رضاعت

(صوفیاء میں سے اہل اشارہ نے) ذکر کیا کہ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت ہوئی تو کہا گیا کہ اس در یتیم کی پرورش کون کرے گا جس کی مثل کسی کا مقام نہیں۔ پرندوں نے کہا: ہم اس بچے کی ذمہ داری اٹھاتے ہیں اور اس کی خدمت عظیمہ کو غنیمت جانتے ہیں۔ جنگلی جانوروں نے کہا: ہمیں اس کا زیادہ حق ہے کہ یہ

---

[1] اس میں کوئی شک نہیں کہ میلاد شریف کی پاکیزہ محفل ہر قسم کی خرابیوں سے پاک ہونی چاہئے جیسے ابن حاج رحمہ اللہ نے خود وضاحت فرمائی کہ کھیل کود اور گانا بجانے سے اس محفل کو پاک رکھا جائے۔ بزرگان دین کا یہی عقیدہ ہے اور محفل میلاد کو ہی بدعت قرار دینا بزرگوں کا عقیدہ نہیں بلکہ بعض لوگوں کی خواہشات کا نتیجہ ہے۔... ۱۲ ہزاروی

[2] المدخل لابن الحاج جلد ۲ ص ۳ فصل المولد۔

[3] امام ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے ایک سوال کے جواب میں فرمایا کہ صحیح بخاری و مسلم میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ تشریف لائے تو یہود کو عاشورہ کا روزہ رکھتے ہوئے پایا۔ ان سے وجہ پوچھی تو انہوں نے کہا: اس دن اللہ تعالیٰ نے فرعون کو غرق کیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نجات دی، ہم شکر کے طور پر روزہ رکھتے ہیں۔ (فرماتے ہیں:) اس سے معلوم ہوا کہ جس دن کوئی احسان ہوا ہو اس دن شکر ادا کرنا چاہئے اور حضور علیہ السلام کی ولادت سے بڑی نعمت کونسی ہو سکتی ہے اور شکر کی کئی صورتیں ہیں جیسے سجدہ، روزہ، صدقہ اور تلاوت وغیرہ۔ (فتح الباری جلد ۴ ص ۲۱۴)

شرف و عظمت ہم حاصل کریں۔ چنانچہ زبان قدرت سے اعلان ہوا کہ اے تمام مخلوق! بے شک اللہ تعالیٰ نے اپنی سابق حکمت قدیمہ میں لکھ دیا ہے کہ اس کے نبی کریم کو دودھ پلانے کا شرف حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کو حاصل ہوگا۔

حدیث حلیمہ رضی اللہ عنہا

ابن اسحٰق، ابن راہویہ، ابویعلیٰ، طبرانی، بیہقی اور ابو نعیم رحمہم اللہ کی روایت کے مطابق حضرت حلیمہ[1] بنت ابو ذویب عبداللہ بن حارث سعدیہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: میں بنو سعد بن بکر کی کچھ خواتین کے ہمراہ مکہ مکرمہ آئی، یہ قحط کا سال تھا اور ہم دودھ پینے والے بچے تلاش کر رہے تھے۔ (دلائل النبوۃ لابی نعیم جلد اول ص ۴۶)

میں اپنی ایک دراز گوش پر آئی اور میرے ساتھ ہمارا ایک بچہ (عبداللہ بن حارث) اور بوڑھی اونٹنی تھی۔ اللہ کی قسم وہ ایک قطرہ دودھ نہیں دیتی تھی اور ہم (بھوک کی شدت کی وجہ سے) بچے سمیت رات بھر نہ سوئے۔ میرے پستانوں میں اس قدر دودھ نہ تھا کہ بچے کو کافی ہوتا اور اونٹنی کا دودھ بھی نہ تھا کہ غذا کا کام دیتا۔

(السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد اول ص ۱۰۸ ودلائل النبوۃ للبیہقی جلد اول ص ۱۳۳)

ہم مکہ مکرمہ پہنچے، اللہ کی قسم! ہم میں سے جس عورت کو معلوم ہوا اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیش کیا گیا لیکن ہر عورت نے انکار کر دیا۔ قسم بخدا! میری تمام ساتھی عورتوں نے کوئی نہ کوئی بچہ لے لیا اور میرے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کوئی دوسرا بچہ نہ تھا۔ میں نے اپنے خاوند سے کہا: اللہ کی قسم! مجھے یہ بات پسند نہیں کہ میں اپنی ان ساتھی عورتوں کے ساتھ یوں واپس جاؤں کہ میرے پاس کوئی بچہ نہ ہو، میں جا کر اس یتیم بچے کو لے لیتی ہوں، میں گئی تو دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک اونی کپڑے میں لپٹے ہوئے تھے جو دودھ سے زیادہ سفید تھا اور اس سے کستوری کی خوشبو آ رہی تھی۔ اس کے نیچے ایک سبز ریشمی کپڑا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پیٹھ کے بل لیٹے ہوئے سانس لے رہے تھے۔ میں نے آپ کے حسن و جمال کو دیکھا تو مجھے ڈر ہوا کہ کہیں آپ جاگ نہ جائیں۔ میں کچھ قریب ہوئی اور اپنا ہاتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ مبارکہ پر رکھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تبسم فرمایا اور مجھے دیکھنے کے لئے آنکھیں کھولیں۔ آپ کی مبارک آنکھوں سے نور نکلا جو آسمان کے اندر چلا گیا اور میں دیکھ رہی تھی۔ میں نے آپ کی آنکھوں کے درمیان بوسہ دیا اور اپنا دایاں پستان آپ کے دہن مبارک میں دے دیا۔ آپ نے جس قدر چاہا دودھ نوش فرمایا پھر میں نے آپ کو بائیں جانب پھیرا تو آپ نے دودھ نہ پیا، بعد میں بھی آپ کی یہی حالت رہی...

اہل علم فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس بات سے باخبر کر دیا تھا کہ اس دودھ میں آپ کے ساتھ کوئی

---

[1] حضرت حلیمہ سعدیہ کے بارے میں ہے کہ آپ غزوۂ حنین کے دن حاضر ہوئیں تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لئے چادر بچھائی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے۔ انہوں نے حضور علیہ السلام اور ان سے عبداللہ بن جعفر نے احادیث روایت کی ہیں۔ (زرقانی جلد اول ص ۱۴۱ بحوالہ الاستیعاب)

اور بھی شریک ہے۔ لہٰذا آپ کے دل میں عدل کا الہام فرمایا۔ حضرت حلیمہ فرماتی ہیں کہ آپ نے بھی سیر ہو کر دودھ پیا اور آپ کے (رضاعی) بھائی نے بھی سیر ہو کر پیا۔

پھر میں نے آپ کو لے لیا اور سیدھی اپنی منزل پر لے آئی۔ میں نے آپ کو دودھ پلایا تو آپ نے بھی اور آپ کے (رضاعی) بھائی نے بھی سیر ہو کر پیا۔ میرا خاوند اونٹنی کی طرف گیا تو دیکھا کہ اس کے تھن دودھ سے بھرے ہوئے ہیں۔ اس نے اس کا اس قدر دودھ دوہا کہ میں نے اور میرے خاوند دونوں نے سیر ہو کر پیا اور ہم نے ایک اچھی رات گزاری۔ میرے خاوند نے کہا: اے حلیمہ! خدا کی قسم! میرا خیال ہے کہ تم نے مبارک شخصیت کو حاصل کیا ہے، کیا تو نہیں دیکھتی کہ جب سے ہم نے اس بچے کو لیا ہے ہم نے خیر و برکت کے ساتھ رات گزاری ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ہمیشہ خیر و برکت عطا فرمائے گا۔

ایک روایت، جسے ابن طغربک نے "النطق المفهوم" میں ذکر کیا ہے، کے مطابق حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: جب میرے خاوند نے یہ بات دیکھی تو کہا کہ خاموش رہنا اور یہ بات چھپائے رکھنا، جس رات یہ بچہ پیدا ہوا اس وقت سے یہود کے علماء کو نہ دن کی زندگی اچھی لگتی ہے اور نہ ہی رات کو نیند آتی ہے۔

حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: عورتوں نے ایک دوسری کو الوداع کہا اور میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ سے رخصت ہوئی، پھر میں اپنی دراز گوش پر سوار ہو گئی۔ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے سامنے رکھا۔ فرماتی ہیں: میں نے دراز گوش کو دیکھا کہ اس نے کعبہ شریف کی طرف تین سجدے کئے اور اپنا سر آسمان کی طرف اٹھایا پھر چل پڑی حتیٰ کہ ان دوسرے لوگوں کے جانوروں سے آگے نکل گئی جو میرے ساتھ تھے۔ وہ سب مجھ پر تعجب کرنے لگے اور عورتیں جو میرے پیچھے تھیں مجھ سے کہنے لگیں: اے ابوذویب کی بیٹی! تیری یہ دراز گوش وہی ہے جس پر تو آئی تھی حالانکہ اس وقت تو ہمارے ساتھ بھوکی تھی، یہ سواری کبھی تجھے جھکا دیتی اور کبھی بلند کر دیتی تھی؟

تو میں جواب میں کہتی: اللہ کی قسم! یہ وہی دراز گوش ہے، چنانچہ انہیں اس بات پر تعجب ہوا اور وہ کہنے لگیں: اس کی بڑی شان ہے۔

حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: میں اس دراز گوش سے سنتی تھی، وہ کہہ رہی تھی: اللہ کی قسم! میری ایک شان ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے موت کے بعد زندگی دی اور کمزوری کے بعد میرا موٹاپا مجھے لوٹا دیا۔ اے بنو سعد کی عورتو! اللہ تم پر رحم کرے، تم غفلت میں ہو۔ کیا تم جانتی ہو کہ میری پیٹھ پر کون ہے؟ میری پیٹھ پر تمام نبیوں میں سے بہتر انسان، تمام رسولوں کے سردار اور تمام جہانوں کے رب کا محبوب ہے۔

ابن اسحٰق وغیرہ کی روایت کے مطابق حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: پھر ہم بنو سعد کے ٹھکانوں پر آئے اور میرے علم کے مطابق اس زمین سے بڑھ کر کوئی زمین غیر آباد (اور خشک) نہ تھی۔ لیکن جب ہم وہاں پہنچے تو میری بکریاں سیر ہو کر چرتیں اور خوب دودھ والی ہو گئیں۔ ہم ان کا دودھ دوہتے اور پیتے لیکن دوسرے لوگ ایک قطرہ دودھ نہ دوہتے اور نہ ان کی بکریوں کے تھنوں میں دودھ ہوتا۔ حتیٰ کہ ہماری قوم کے وہ لوگ جو وہاں اترے

تھے، اپنے چرواہوں سے کہتے کہ وہاں چرایا کرو جہاں ابو ذویب کی بیٹی کے چرواہے چراتے ہیں۔ پس ان کی بکریاں شام کو بھوکی واپس آتیں اور دودھ کا ایک قطرہ تک نہ دیتیں جبکہ میری بکریاں سیر ہو کر اور دودھ سے بھرپور واپس آتیں۔ (السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد اول ص ۱۰۹)

تو اللہ تعالیٰ نے ان کو کس قدر برکت عطا فرمائی جس کے باعث حضرت حلیمہ کے جانور زیادہ ہو گئے، ان کی قدر و منزلت بڑھ گئی اور موٹے تازے ہو گئے۔ حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا ہمیشہ اس خیر اور سعادت کو پہچانتیں اور اس سے بھلائی اور اضافہ کے ساتھ کامیابی حاصل کرتیں۔

لقد بلغت بالهاشمي حليمة
مقاما علا في ذروة العز والمجد
وزادت مواشيها و اخصب ربعها
وقد عم هذا السعد كل بني سعد

"ہاشمی (دریتیم) کے ذریعے حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا عزت و بزرگی کی بلند چوٹی تک پہنچ گئیں۔ ان کے جانور زیادہ اور ان کے مکان میں (یا قوم میں) ترو تازگی آ گئی اور یہ سعادت تمام بنو سعد کو حاصل ہوئی"۔

ابن طراح کہتے ہیں: میں نے ابو عبداللہ محمد بن معلی ازدی کی کتاب الرقیص میں دیکھا کہ حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا جن اشعار کے ساتھ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بہلاتی تھیں۔ (لاڈ پیار کرتیں) ان میں یہ اشعار بھی ہیں۔

يا رب اذا اعطيته فابقه
واعله الى العلا وارقه
وادحض اباطيل العدا بحقه

"اے میرے رب! تو نے ہمیں یہ بچہ دیا ہے تو اسے باقی رکھنا اور ان کو بلند مقام تک پہنچانا۔ آپ کے بارے میں دشمن جو باطل خیال کریں اسے دور کر دے"۔

دوسرے حضرات کے نزدیک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاعی بہن حضرت شیماء آپ کی پرورش کرتیں اور بہلاتیں اور یوں کہتیں

هذا اخ لم تلد امي وليس من نسل ابي و عمي
فديته من مخول معمي فانمه اللهم فيما تلمني

"یہ میرے بھائی ہیں (لیکن) ان کو میری ماں نے نہیں جنا اور نہ ہی یہ میرے باپ اور چچا کی نسل سے ہیں، میں اس پر اچھے ننھیال اور اچھے ددھیال کو فدا کر دوں۔ یا اللہ! جن کو تو بڑھاتا ہے ان میں ان کو بھی بڑھا"۔

امام بیہقی نے نیز امام صابونی (شیخ الاسلام ابو عثمان اسماعیل بن عبدالرحمٰن الصابونی) رحمہم اللہ نے "المائتین" میں اور خطیب بغدادی اور ابن عساکر (دونوں) نے اپنی اپنی تاریخ میں اور ابن طغربک سیاف نے

"المنطق المفھوم" میں حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! مجھے آپ کے دین میں داخل ہونے کی دعوت آپ کی نبوت کی اس علامت نے دی ہے کہ میں نے آپ کو دیکھا آپ پنگھوڑے میں چاند سے باتیں کر رہے ہیں اور اپنی انگلی سے اس کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ آپ جس طرف اشارہ کرتے وہ ادھر جھک جاتا۔[1]

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میں اس سے گفتگو کرتا تھا اور وہ مجھ سے باتیں کرتا تھا اور وہ مجھے رونے سے روکتا تھا، نیز جب وہ عرش کے نیچے سجدہ کرتا تو میں اس کے گرنے کی آواز سنتا تھا...

امام بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ روایت صرف احمد بن ابراہیم جیلی نے روایت کی ہے اور وہ مجہول ہے اور امام صابونی فرماتے ہیں: اس حدیث کی سند اور متن غریب ہے لیکن معجزات کے سلسلے میں اس کا ذکر اچھا ہے۔[2]

(الصابونی فی الماتین والخطیب وابن عساکر بحوالہ کنزالعمال جلد ۱۱ ص ۳۸۳، البدایہ والنہایہ جلد ۲ ص ۲۶۶)

پنگھوڑے میں گفتگو اور بعض دیگر خصوصیات

(شرح بخاری) فتح الباری میں سیرت واقدی سے نقل کیا گیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ولادت کے وقت کلام کیا اور ابن سبع نے خصائص میں لکھا ہے کہ آپ کا پنگھوڑا مبارک فرشتوں کے حرکت دینے سے حرکت کرتا تھا۔ (فتح الباری شرح بخاری جلد ۴ ص ۳۴۴)

امام بیہقی اور ابن عساکر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی تھیں کہ میں نے آپ کا دودھ چھڑایا اور آپ نے پہلا کلام کرتے ہوئے فرمایا: "اللہ اکبر کبیرا والحمدللہ کثیرا وسبحان اللہ بکرۃ واصیلا" اللہ تعالیٰ سب سے بڑا ہے اور اللہ تعالیٰ کے لئے بے شمار حمد ہے اور صبح و شام اللہ تعالیٰ کے لئے پاکیزگی بیان کرتا ہوں۔ جب آپ باہر جانے کی عمر کو پہنچے تو آپ باہر تشریف لے جاتے اور بچوں کو کھیلتا ہوا دیکھتے لیکن الگ رہتے۔[3]

(الخصائص الکبریٰ جلد اول ص ۱۳۴، ۱۳۷)

---

[1] فقیہ اعظم قافلہ سالار عشق رسالت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ؎

چاند جھک جاتا جدھر انگلی اٹھاتے مہد میں کیا ہی چلتا تھا اشاروں پر کھلونا نور کا

[2] محدثین کی عادت ہے کہ وہ عقائد اور احکام کے علاوہ احادیث کی قبول میں نرمی سے کام لیتے ہیں بشرطیکہ موضوع (من گھڑت) حدیث نہ ہو نیز حضرت عباس رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے وقت تین سال کے تھے۔

(شرح زرقانی جلد اول ص ۱۷۲، ۱۷۳) ۱۲ ہزاروی۔

[3] ایک روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رضاعی بھائی کے ہمراہ باہر تشریف لے جاتے۔ آپ کا بھائی بچوں کے ساتھ کھیلتا تو آپ الگ رہتے، پھر اس کا ہاتھ پکڑتے اور فرماتے: ہم اس مقصد کے لئے پیدا نہیں ہوئے۔ (شرح زرقانی جلد اول ص ۱۷۳) ۱۲ ہزاروی۔

ابن سعد، ابو نعیم اور ابن عساکر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں، آپ فرماتے ہیں: حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا آپ کو دور نہیں جانے دیتی تھیں، ان کی بے خبری میں آپ اپنی بہن شیماء کے ساتھ دوپہر کے وقت بکریوں کی طرف تشریف لے گئے۔ حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا آپ کی تلاش میں نکلیں حتیٰ کہ آپ کو آپ کی بہن (حضرت شیماء) ک ساتھ پایا تو پوچھا: اس گرمی میں (باہر کیوں آئے؟) آپ کی ہمشیرہ نے جواب دیا: اماں جان! میرے بھائی کو گرمی نہیں لگتی، میں نے دیکھا کہ بادل آپ پر سایہ کئے ہوئے ہیں۔ آپ کھڑے ہوتے تو بادل بھی ٹھہر جاتا اور جب آپ چلنے لگتے تو بادل بھی چل پڑتا حتیٰ کہ اس جگہ تشریف لائے۔

(طبقات ابن سعد جلد اول ص ۱۵۲)

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جتنی جلدی پروان چڑھتے اتنی جلدی دوسرے بچوں کی نشوونما نہیں ہوتی تھی۔

شق صدر کا واقعہ

حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: جب میں نے آپ کو دودھ پلانا بند کیا تو ہم آپ کو آپ کی والدہ ماجدہ کے پاس لے آئے حالانکہ ہم شدید خواہش رکھتے تھے کہ آپ ہمارے پاس مزید ٹھہریں کیونکہ ہم نے آپ کے وجود مسعود کے ذریعے برکات حاصل کیں، چنانچہ ہم نے آپ کی والدہ ماجدہ سے گفتگو کرتے ہوئے عرض کیا کہ اگر آپ مناسب سمجھیں تو ان کو (مزید وقت) ہمارے پاس چھوڑیں حتیٰ کہ آپ کو مزید قوت و طاقت حاصل ہو جائے۔ ہمیں ان پر مکہ مکرمہ کی وبا کا خوف ہے، ہم مسلسل مطالبہ کرتے رہے حتیٰ کہ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمارے ساتھ بھیج دیا اور ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو لے کر واپس لوٹ آئے۔

اللہ کی قسم! ہماری واپسی کے دو یا تین مہینے بعد آپ اپنے رضاعی بھائی کے ہمراہ ہمارے گھروں کے پیچھے بکریوں کے ساتھ تھے کہ آپ کا بھائی دوڑتا ہوا آیا اور اس نے کہا کہ میرے اس قریشی بھائی کے پاس دو آدمی آئے جنہوں نے سفید کپڑے پہنے ہوئے تھے۔ انہوں نے آپ کو لٹایا اور آپ کا پیٹ مبارک چاک کیا۔ حضرت حلیمہ فرماتی ہیں: میں اور آپ کے (رضاعی) باپ باہر نکل کر آپ کی طرف دوڑ پڑے۔ ہم نے دیکھا کہ آپ کھڑے ہیں اور آپ کا رنگ بدل چکا ہے۔ آپ کے (رضاعی) باپ نے آپ کو گلے لگایا اور پوچھا: بیٹا! کیا بات ہے؟ آپ نے فرمایا: میرے پاس دو شخص آئے جن کا لباس سفید تھا، انہوں نے مجھے لٹایا اور میرا پیٹ چاک کیا، پھر اس سے کوئی چیز نکال کر پھینک دی، پھر پہلی حالت پر لوٹا دیا۔ پھر ہم آپ کو اپنے ساتھ لے آئے۔ آپ کے (رضاعی) باپ نے کہا: اے حلیمہ! مجھے ڈر ہے کہ ہمارے اس بیٹے کو کوئی گزند نہ پہنچے، ہمارے ساتھ چلو ہم اسے اس کے گھر والوں کو لوٹا دیں اس سے پہلے کہ وہ بات آپہنچے جس کا ہمیں خوف ہے۔

حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ہم نے آپ کو لیا حتیٰ کہ مکہ مکرمہ میں آپ کی والدہ کے پاس پہنچا دیا۔ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا: بچے کو واپس کیوں لے آئے؟ تم دونوں اس کی بہت زیادہ حرص رکھتے تھے۔

ہم نے کہا: ہمیں ان کے ضائع ہونے اور تکلیف پہنچنے کا ڈر تھا۔ حضرت آمنہ نے فرمایا: تمہیں کیا ہوا سچ سچ بتاؤ؟ انہوں نے ہمیں نہ چھوڑا حتی کہ ہم نے ان کو پورا واقعہ بتادیا۔

حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: تمہیں اس بچے پر شیطان کا خوف ہوا۔ قسم بخدا! ہرگز نہیں، شیطان اس بچے تک نہیں پہنچ سکتا۔ میرے اس بچے کی بہت بڑی شان ہے تم اسے چھوڑ جاؤ۔

حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے، وہ بنو عامر کے ایک شخص سے روایت کرتے ہیں: اس حدیث کو ابو یعلیٰ، ابو نعیم اور ابن عساکر نے نقل کیا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں بنو سعد بن بکر قبیلے میں دودھ پیتا تھا کہ ایک دن میں وادی کے وسط میں اپنے کچھ ہم عمر بچوں کے ساتھ تھا کہ تین اشخاص پر مشتمل ایک جماعت آئی۔ ان کے پاس سونے کا ایک تھال تھا جو برف سے بھرا ہوا تھا۔ انہوں نے میرے ساتھیوں کے درمیان سے مجھے پکڑا اور دوسرے بچے خوف زدہ ہو کر قبیلے کی طرف بھاگ کھڑے ہوئے۔ ان (آنے والوں) میں سے ایک نے میرا قصد کیا اور نہایت آرام سے مجھے زمین پر لٹادیا اور سینے کی ہڈی کے مقام سے ناف کے نیچے تک چاک کیا۔ میں دیکھ رہا تھا اور مجھے اس کا کوئی اثر محسوس نہ ہوا پھر انہوں نے میرے پیٹ سے آنتیں نکال کر ان کو برف سے نہایت اچھی طرح دھو کر ان کو واپس اپنی جگہ پر رکھ دیا۔ پھر دوسرا اٹھا اور اس نے اپنے ساتھی سے کہا کہ تم ہٹ جاؤ اور اس نے اپنا ہاتھ میرے پیٹ کے اندر ڈالا اور میرا دل نکالا۔ میں دیکھ رہا تھا اس نے اسے چاک کیا اور اس سے گوشت کا سیاہ لوتھڑا نکال کر پھینک دیا، پھر اپنے ہاتھ سے دائیں اور بائیں جانب اشارہ کیا جیسے کسی چیز کو پکڑ رہا ہو۔ میں نے دیکھا کہ اس کے ہاتھ میں ایک نورانی انگوٹھی ہے جو آنکھوں کو حیرت میں ڈال رہی ہے، اس نے اس کے ساتھ میرے دل پر مہر لگائی تو وہ بھر گیا اور یہ نبوت اور حکمت کا نور تھا پھر اس دل کو بھی اپنی جگہ پر رکھ دیا۔ میں اس انگوٹھی کی ٹھنڈک ہمیشہ اپنے دل میں محسوس کرتا ہوں۔

پھر تیسرے نے کہا: تم ہٹو اور اس نے سینے سے ناف تک اپنا ہاتھ پھیرا تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے وہ تمام جگہ مل گئی جو چیری گئی تھی، پھر میرا ہاتھ پکڑ کر نہایت آرام سے مجھے اٹھایا اور پہلے (فرشتے) سے کہا: ان کی امت کے دس آدمیوں کے ساتھ ان کا وزن کرو۔ انہوں نے میرا وزن کیا تو میں ان سے بھاری نکلا، پھر کہا کہ ایک سو امتیوں کے ساتھ ان کا وزن کرو۔ پھر بھی میرا وزن زیادہ نکلا، پھر کہا کہ ایک ہزار کے ساتھ تولو۔ چنانچہ میں ان سے بھی زیادہ وزنی تھا۔ اس نے کہا: ان کو چھوڑ دو، اگر تم تمام امت کے ساتھ ان کا وزن کرو گے تو یہ سب پر بھاری ہوں گے، پھر انہوں نے مجھے اپنے سینوں سے لگایا اور میرے سر پر اور آنکھوں کے درمیان بوسہ دیا پھر کہنے لگے: اے محبوب! مت گھبرائیں، اگر آپ کو معلوم ہو جائے کہ آپ کے ساتھ بھلائی کا کیا ارادہ کیا گیا ہے تو آپ کی آنکھیں ٹھنڈی ہو جائیں۔ (تاریخ دمشق الکبیر لابن عساکر جلد اول ص ۳۷۳)

امام بیہقی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت نقل کی ہے، حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں اپنے بیٹے ضمرہ (عبداللہ) کے ہمراہ تھی جو خوفزدہ حالت میں دوڑتا ہوا آیا، اس کی پیشانی پر پسینہ تھا اور وہ روتے ہوئے آواز دے رہا تھا۔ اے باپ! اے ماں! حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جائیں، تم ان کو زندہ

حالت میں نہیں پاؤ گے۔ ان کے پاس ایک شخص آیا اور وہ آپ کو ہمارے درمیان سے اچک کر پہاڑ کی چوٹی پر لے گیا حتیٰ کہ ناف کے نیچے تک ان کی چھاتی کو چاک کیا۔ اس حدیث میں یہ بھی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے پاس تین شخص (فرشتے) آئے، ایک کے ہاتھ میں چاندی کا لوٹا تھا' دوسرے کے ہاتھ میں سبز زمرد کا تھال تھا۔ (دلائل النبوۃ للبیہقی جلد اول ص ۱۴۰) (آگے مکمل حدیث ہے)

سوال: کیا قلب اقدس کو (خاص) تھال میں دھونا سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص ہے یا کسی دوسرے نبی کے ساتھ بھی یہ معاملہ ہوا؟

جواب: تابوت اور سکینہ[1] سے متعلق خبر میں آیا ہے کہ اس میں ایک تھال تھا جس میں انبیاء کرام علیہم السلام کے دلوں کو دھویا گیا تھا۔ یہ بات طبری نے ذکر کی ہے' عماد بن کثیر نے اپنی تفسیر میں اسے سدی کی روایت سے منسوب کیا جو بواسطہ ابو مالک' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔

سوال: قلب مقدس کو مہر لگانے کا کیا مقصد تھا؟

جواب: اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر رسالت کے اختتام کی طرف اشارہ تھا۔ یہ مسلمہ بات ہے اگر یہ مہر آپ کے ساتھ مخصوص ہو' لیکن جب یہ بات ثابت ہو کہ یہ (مہر) آپ کے ساتھ خاص نہیں بلکہ ہر نبی کے ساتھ اسی طرح ہوا تو اب حکمت یہ ہوگی کہ یہ ایک علامت ہے جس سے نبی کو دوسرے لوگوں سے ممتاز کیا جاتا ہے۔ مہر نبوت سے متعلق تفصیل عنقریب بیان ہوگی اور وزن کرنے سے مراد (حقیقی وزن نہیں) بلکہ محض اعتبار ہے پس اس سے مراد فضیلت میں ترجیح دینا ہے اور فرشتوں کا اس کام کو انجام دینا اس مقصد کے تحت تھا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات کا علم ہو جائے تاکہ آپ دوسروں کو خبر دیں اور وہ اس بات کا اعتقاد رکھیں کیونکہ یہ امور اعتقادیہ میں سے ہے۔

شق صدر متعدد بار ہوا

دوسری مرتبہ آپ کا سینہ مبارک اس وقت چاک ہوا اور قلب مبارک نکالا گیا جب حضرت جبریل علیہ السلام غار حرا میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس وحی لے کر آئے۔

پھر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سیر کرائی گئی تو شق صدر ہوا۔ اپنے اپنے مقام پر اس کا بیان ہوگا' ان شاء اللہ تعالیٰ...

ابو نعیم نے "الدلائل" میں روایت کیا ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم دس برس کے یا اس کے

---

[1] تابوت وہ صندوق تھا جس میں انبیاء کرام علیہم السلام کی صورتیں تھیں۔ یہ صندوق حضرت آدم علیہ السلام پر اترا۔ امام بیضاوی فرماتے ہیں: اس میں تورات تھی اور اس صندوق سے (جس میں انبیاء کرام کے تبرکات بھی تھے) جو سکون حاصل ہوتا تھا اسے سکینہ کہا گیا۔ (زرقانی جلد اول ص ۱۵۲)

لگ بھگ تھے تو اس وقت بھی یہ واقعہ پیش آیا- حضرت عبدالمطلب کے ہمراہ واقعہ میں ایسا ہوا۔[1]

پانچویں مرتبہ شق صدر کا واقعہ بھی مروی ہے لیکن یہ ثابت نہیں ہے- بچپن میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے شق صدر اور اس سے لوتھڑا نکالنے میں حکمت یہ تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بچپن کے خیالات سے پاک کر دیا جائے حتیٰ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بچپن میں ہی مردانگی کے اوصاف سے موصوف ہو جائیں- یہی وجہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پرورش نہایت کامل احوال عصمت وغیرہ پر ہوئی-

مہر نبوت

مروی ہے کہ آپ ﷺ کے دونوں مبارک کاندھوں کے درمیان مہر نبوت تھی- (مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۱۱ ص ۵۱۳) اور اس سے کستوری کی خوشبو آتی تھی اور وہ دلہن کے لیے تیار کی گئی مسہری کی گھنڈی کی طرح تھی- اسے امام بخاری نے روایت کیا ہے- (صحیح بخاری جلد اول ص ۳۱، کتاب الوضوء)

صحیح مسلم میں ہے کہ آپ کے بائیں کاندھے کی چپنی ہڈی کے پاس مسوں کے تل کی طرح تھی- (صحیح مسلم جلد ۲ ص ۲۶۰، باب اثبات خاتم النبوۃ) یہ بھی مروی ہے کہ بائیں کاندھے کی پچھلی جانب تھی-

(مسند امام احمد بن حنبل جلد ۵ ص ۸۲)

ابو نعیم کی کتاب میں دائیں کاندھے کا ذکر ہے، مسلم شریف میں یہ بھی ہے کہ مہر نبوت کبوتری کے انڈے کی طرح تھی- (صحیح مسلم جلد ۲ ص ۲۶۱، باب اثبات خاتم النبوۃ، مسند امام احمد جلد ۵ ص ۹۰)

صحیح حاکم میں ہے کہ یہ بالوں کا مجموعہ تھی- (مستدرک حاکم جلد ۲ ص ۶۰۶) بیہقی کی دلائل میں ہے کہ وہ جسم میں ایک زخم کی طرح تھی- (دلائل النبوۃ للبیہقی جلد اول ص ۲۶۵، مسند امام احمد جلد ۵ ص ۳۵، طبقات ابن سعد جلد اول ص ۴۲۵) شمائل ترمذی میں ہے کہ یہ ایک اُبھرا ہوا گوشت تھا- (شمائل ترمذی ص ۳، ما جاء فی خاتم النبوۃ) عمرو بن اخطب کی حدیث میں ہے کہ مہر نبوت ایسی چیز کی طرح تھی جس سے مہر لگائی جاتی ہے- ابن عساکر کی تاریخ میں ہے کہ مہر نبوت بندقہ (گولی) کی طرح تھی-

ترمذی شریف اور امام بیہقی کی دلائل النبوۃ میں ہے کہ مہر نبوت سیب کی طرح تھی- (دلائل النبوۃ للبیہقی جلد اول ص ۲۶۵) روض الانف میں ہے: مہر نبوت پچھنے کے اس نشان کی مثل تھی جو گوشت لیے ہوئے ہو- (الروض الانف مع السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد اول ص ۱۱۹) ابن ابی خیثمہ کی تاریخ میں ہے کہ یہ ایک ایسا سبز تل تھا جو گوشت میں گڑا تھا اور اس کے اوپر چمڑا تھا، اور اس میں یہ بھی ہے کہ وہ زردی مائل سیاہ تل تھا جس کے گرد کچھ بال جمع تھے جو ایک دوسرے پر چڑھے ہوئے تھے جس طرح گھوڑے کی گردن پر بال ہوتے ہیں- تاریخ قضاعی میں ہے کہ تین بال تھے جو اکٹھے تھے---

---

[1] یہ واقعہ اس وقت ہوا جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر دس سال تھی- دو فرشتے آئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سینہ مبارک چاک کیا- یہ روایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے- (زرقانی جلد اول ص ۱۵۳)

امام محمد بن علی حکیم ترمذی کی کتاب (نوادر الوصول) میں ہے کہ مہر نبوت کبوتری کے انڈے کی طرح تھی جس کے اندر "اللہ وحدہ لا شریک لہ" لکھا ہوا تھا اور اس کے ظاہر پر تحریر تھا: "توجہ حیث کنت فانک المنصور" جس طرف چاہیں متوجہ ہوں آپ کی مدد کی جائے گی۔

ابن عائذ کی "کتاب المولد" میں ہے کہ وہ نُور تھا جو چمکتا تھا۔ (دلائل النبوۃ للبیہقی جلد اوّل ص ۲۶۰)

ابن ابی عاصم کی روایت میں ہے کہ یہ کبوتری کے بالوں کے گچھے کی طرح بالوں کا ایک گچھا تھا۔ ابوایوب فرماتے ہیں کہ یہ کبوتری کی چونچ پر موجود نشان کی طرح تھی۔ (دلائل النبوۃ للبیہقی جلد اوّل ص ۲۶۰)

(ابوعبداللہ حاکم) نیشاپوری کی تاریخ میں ہے کہ یہ گوشت کی گولی کی مثل تھا جس میں گوشت سے "محمد رسول اللہ" لکھا ہوا تھا۔ (دلائل النبوۃ للبیہقی جلد اوّل ص ۲۶۰)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ مہر نبوت چھوٹے انجیر کی طرح سیاہی مائل تھی اور پیٹھ کی ہڈیوں سے ملی ہوئی تھی۔ آپ فرماتی ہیں: آپ ﷺ کے وصال کے وقت میں نے اسے ہاتھ لگایا تو مہر نبوت اٹھالی گئی تھی۔ (دلائل النبوۃ للبیہقی جلد اوّل ص ۲۶۰) یہ تمام اقوال حافظ مغلطائی نے (الزہر الباسم میں) نقل کیے ہیں۔

بعض روایات پر جرح

(شیخ الاسلام حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے) فتح الباری میں فرمایا: یہ جو کہا گیا ہے کہ مہر نبوت پچھنہ لگانے کے اثر (نشان) کی طرح تھی یا وہ سیاہ تل یا سبز تل کی طرح تھی جس پر "محمد رسول اللہ" لکھا ہوا تھا یا یہ کہ (یہ لکھا ہوا تھا کہ) "آپ جہاں چاہیں جائیں آپ کی مدد کی جائے گی" ان باتوں میں سے کوئی بھی ثابت نہیں ہے۔ صحیح ابن حبان میں جو کچھ آیا ہے کہ اسے صحیح قرار دیا تو یہ غفلت کا نتیجہ ہے۔ (فتح الباری شرح بخاری جلد ۶ ص ۴۱)

(نورالدین ابوالحسن علی بن ابی بکر بن سلیمان) ہیثمی رحمہ اللہ نے موارد الظمآن میں حدیث نقل کرنے کے بعد فرمایا کہ یہ لفظ کہ وہ گوشت کی گولی کی طرح تھی جس پر "محمد رسول اللہ" لکھا ہوا تھا تو اس میں بعض راویوں نے مہر نبوت اور وہ مہر جس سے آپ مہر لگاتے تھے، میں خلط ملط کر دیا۔ (موارد الظمآن لابن حبان ص ۵۱۴) حاشیہ پر (ان کے شاگرد) حافظ ابن حجر کی تحریر ہے کہ جس بعض کا ذکر ہے وہ اسحٰق بن ابراہیم سمرقند کے قاضی ہیں اور وہ ضعیف ہیں۔

روایات میں مطابقت

بعض علماء نے فرمایا کہ مہر نبوت کے بارے میں راویوں کے اقوال میں اختلاف ہے لیکن (حقیقت میں) یہ اختلاف نہیں بلکہ جسے جو بات سمجھ آئی بیان کر دی۔ تمام الفاظ کا مقصود ایک ہے اور وہ گوشت کا ایک ٹکڑا ہے جس نے اسے بالوں سے تعبیر کیا تو اس لیے کہ اس کے اردگرد بال تھے جو اس کے اوپر چڑھے ہوئے تھے جس طرح دوسری روایات میں ہے۔

امام قرطبی (ابوالعباس احمد بن عمر بن ابراہیم انصاری قرطبی مالکی فقیہ محدث رحمہ اللہ) فرماتے ہیں: جو احادیث ثابت ہیں وہ اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ مہر نبوت آپ کے بائیں کاندھے کے پاس سُرخ اُبھری ہوئی چیز تھی، جب وہ چھوٹی ہوتی تو کبوتری کے انڈے جتنی ہوتی اور جب بڑی ہوتی تو ہاتھ کی مٹھی جتنی ہوتی۔
(المفہم للقرطبی جلد ۶ ص ۱۳۶)

حضرت قاضی عیاض (ابوالفضل عیاض بن موسیٰ السبتی الاندلسی رحمہ اللہ) فرماتے ہیں کہ ان روایات کا مفہوم تقریباً ایک جیسا ہے کیونکہ ان میں اس بات پر اتفاق ہے کہ آپ کے جسم مبارک میں کبوتری کے انڈے اور حجلہ (عروسی) کی گھنڈی کے برابر ابھرا ہوا گوشت تھا۔ مٹھی کے برابر ہونے سے متعلق قول ظاہر میں اس کے خلاف ہے لیکن زیادہ روایات کے مطابق اس کی تاویل یوں ہوگی کہ بند مٹھی کی طرح تھی لیکن حجم میں چھوٹی تھی یعنی کبوتری کے انڈے جتنی تھی۔ وہ فرماتے ہیں کہ مہر اس چیز کا نشان تھا جو دو فرشتوں نے آپ کے کاندھوں کے درمیان لگایا تھا۔ (شرح صحیح مسلم للقاضی عیاض جلد ۷ ص ۳۱۳)

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ قول ضعیف بلکہ باطل ہے کیونکہ فرشتوں نے آپ کے سینہ مبارکہ اور پیٹ مبارک کو چاک کیا تھا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کا قول جو صحیح مسلم میں ہے اس بات پر گواہ ہے اور وہ آپ کے قلب اقدس کے ذکر میں مقصد ثالث میں بیان ہوگا کہ انہوں نے فرمایا: میں نے آپ کے سینۂ اقدس میں سلائی کا نشان دیکھا ہے۔ (صحیح مسلم جلد اوّل ص ۹۲، مسند امام احمد جلد ۳ ص ۱۲۱)

لیکن اس کا جواب یوں دیا گیا ہے کہ حضرت عتبہ بن عبد السلمی کی حدیث جو امام احمد اور امام طبرانی نے نقل کی ہے اس میں ہے کہ جب دو فرشتوں نے آپ کا سینہ مبارکہ چاک کیا تو ان میں سے ایک نے دوسرے سے کہا کہ اس کی سلائی کرو، پس اس نے سلائی کی اور اس پر مہر نبوت ثبت کی۔ (مسند امام احمد جلد ۴ ص ۱۸۴) پس جب یہ بات ثابت ہے کہ مہر نبوت آپ کے دونوں کاندھوں کے درمیان تھی تو حضرت قاضی عیاض رحمہ اللہ نے اسے اس بات پر محمول کیا کہ جب سینہ مبارکہ چاک کیا گیا پھر سلائی کی گئی حتیٰ کہ پہلے کی طرح جڑ گیا اور مہر نبوت دونوں کاندھوں کے درمیان واقع ہوئی تو یہ اس مہر کا نشان تھا۔ جب کہ امام نووی وغیرہ رحمہم اللہ یہ سمجھے کہ دونوں کاندھوں کے درمیان ہونے کا قول چیر پھاڑ سے متعلق ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے بلکہ وہ مہر کے نشان سے متعلق ہے۔ اس صورت میں حضرت قاضی عیاض رحمہ اللہ کا قول باطل نہیں ہوتا۔

امام سہیلی فرماتے ہیں: صحیح یہ ہے کہ مہر نبوت بائیں کاندھے کے اوپر والے حصے میں تھی۔

کیا مہر نبوت ولادت کے وقت تھی؟

اس سلسلے میں اختلاف ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم مہر نبوت کے ساتھ پیدا ہوئے یا وہ ولادت کے بعد رکھی گئی۔ اس میں دو قول ہیں: امام بزار وغیرہ نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہے جس میں واضح طور پر مہر نبوت کا وقت اور اس کی کیفیت ذکر کی گئی ہے۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے عرض

کیا: یارسول اللہ! آپ کو اپنی نبوت کا علم کیسے اور کس چیز سے ہوا؟ حتیٰ کہ آپ نے یقین کرلیا؟ آپ نے فرمایا: میرے پاس دو آنے والے آئے اور ایک روایت میں ہے کہ دو فرشتے آئے' اس وقت میں مکہ مکرمہ کی وادی بطحاء میں تھا۔ ایک زمین پر آیا اور دوسرا آسمان اور زمین کے درمیان تھا۔ ان میں سے ایک نے دوسرے ساتھی سے کہا: کیا وہ شخص یہی ہے؟ اس نے کہا: ہاں یہی ہے۔ اس نے کہا: ایک آدمی کے ساتھ اس کا وزن کریں۔ (آخر تک حدیث گزر چکی ہے) (سنن دارمی جلد اوّل ص ۱۷)

اس حدیث میں یہ بھی ہے کہ پھر ان میں سے ایک نے دوسرے ساتھی سے کہا کہ ان کا پیٹ چاک کریں پس اس نے میرا پیٹ چاک کیا اور میرا دل نکالا' پھر اس سے وہ حصہ نکالا جو شیطان کے طمع کی جگہ ہے اور جما ہوا خون بھی نکالا اور ان دونوں کو پھینک دیا۔ ان میں سے ایک نے کہا کہ ان کے پیٹ کو اس طرح دھو دو جس طرح برتن کو دھوتے ہیں اور دل کو کپڑے کی طرح دھو دو' اس کے بعد ان میں سے ایک نے دوسرے سے کہا کہ ان کے پیٹ مبارک کو سی دو' چنانچہ اس نے میرے پیٹ کو سی دیا اور مہر نبوت میرے دونوں کاندھوں کے درمیان رکھی جس طرح اب ہے' پھر وہ دونوں مجھ سے ہٹ گئے۔ گویا میں سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں۔

(کشف الاستار عن زوائد البزار)

ابو نعیم نے "الدلائل" میں نقل کیا کہ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت ہوئی تو آپ ﷺ کی والدہ فرماتی ہیں کہ فرشتے نے آپ کو اس پانی میں تین بار غوطہ دیا جو وہ (چاندی کے لوٹے میں) لایا تھا' پھر سفید ریشم کا ایک ٹکڑا نکالا تو اس میں ایک انگوٹھی تھی جس سے آپ کے کاندھے پر مہر لگائی جو چھپائے گئے انڈے کی طرح تھی اور وہ زہرہ ستارے کی طرح چمکتی تھی۔ بعض نے کہا کہ ولادت کے وقت مہر نبوت موجود تھی۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

نبوتِ انبیاء کی علامات

امام حاکم نے مستدرک میں حضرت وہب بن منبہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے' آپ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے جتنے انبیاء کرام علیہم السلام مبعوث فرمائے ان کے دائیں ہاتھ میں نبوت کی علامات تھیں لیکن ہمارے نبی حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی علامتِ نبوت آپ کے کاندھوں کے درمیان تھی۔

(مستدرک حاکم جلد ۲ ص ۵۷۷)

پس اس بنیاد پر مہر نبوت کے دونوں کاندھوں کے درمیان دل کے مقابل رکھنے کی وجہ سے آپ کو دوسرے انبیاء کرام سے خاص کیا گیا۔

حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کا وصال

جب سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم چار سال کے ہوئے' کسی نے کہا: پانچ سال' کسی کا قول ہے کہ چھ سال'

کسی نے سات سال کا قول کیا اور نو سال بھی کہا گیا ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ جب آپ کی عمر بارہ سال ایک مہینہ اور دس دن ہوئی تو آپ کی والدہ ماجدہ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کا مقام ابواء میں انتقال ہو گیا۔

ایک قول یہ ہے کہ مقام حجون میں شعب ابی ذئب کے پاس آپ کا وصال ہوا۔ قاموس میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا مکہ مکرمہ کے دار رائغہ میں مدفون ہیں۔

(القاموس المحیط جلد ۳ ص ۲۱۳)

ابن سعد نے حضرت ابن عباس اور امام زہری رضی اللہ عنہم سے نیز عاصم بن عمرو بن قتادہ رحمہ اللہ سے نقل کیا اور ان تمام روایات کا مفہوم ایک ہے۔

انہوں نے کہا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چھ سال کی عمر کو پہنچے تو آپ کی والدہ آپ کو لے کر مدینہ طیبہ میں بنو عدی بن نجار قبیلے میں آپ کے (آپ کے جد امجد حضرت عبدالمطلب کے) ماموؤں سے ملنے تشریف لے گئیں۔ آپ کے ساتھ حضرت ام ایمن بھی تھیں۔ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا نے آپ کو دار النابغہ میں اتارا اور وہاں ایک مہینہ قیام فرمایا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم (بعد میں) ان باتوں کو یاد کیا کرتے تھے جو اس وقت پیش آئیں۔ آپ نے اس مقام کو دیکھ کر فرمایا کہ میری والدہ مجھے یہاں لائی تھیں اور میں بنو عدی بن نجار کے کنوئیں (تالاب) میں بہت اچھی طرح تیرتا تھا اور یہودیوں کی ایک جماعت مجھے دیکھا کرتی تھی۔ حضرت ام ایمن فرماتی ہیں: میں نے ان (یہودیوں) میں سے ایک سے سنا وہ کہہ رہا تھا کہ یہ اس امت کا نبی ہے اور یہ (مدینہ طیبہ) ان کی ہجرت کا مقام ہے۔ میں نے ان کی یہ تمام باتیں یاد رکھیں پھر آپ کی والدہ آپ کو لے کر مکہ مکرمہ واپس تشریف لائیں۔ جب مقام ابواء میں پہنچے تو حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہو گیا۔ (طبقات ابن سعد جلد اول ص ۱۱۶)

ابو نعیم نے امام زہری کے طریقے سے نقل کیا وہ حضرت اسماء بنت رہم سے اور وہ اپنی والدہ سے روایت کرتے ہیں، وہ فرماتی ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا نے جس بیماری میں انتقال فرمایا میں اس میں موجود تھی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پانچ سال کی عمر کے تھے اور پروان چڑھ رہے تھے، اس وقت آپ اپنی والدہ کے سرہانے تشریف فرما تھے۔ آپ کی والدہ نے آپ کے چہرۂ انور کی طرف دیکھ کر یہ اشعار کہے۔

بارک اللہ فیک من غلام	یا ابن الذی من حومۃ الحمام
نجا بعون الملک المنعام	فودی غداۃ الضرب بالسھام
بمائۃ من ابل سوام	ان صح ما ابصرت فی المنام
فانت مبعوث الی الانام	من عند ذی الجلال والاکرام
تبعث فی الحل و فی الحرام	تبعث فی التحقیق والاسلام
دین ابیک البر ابراھام	فاللہ انھاک عن الاصنام
ان لا توالیھا مع الاقوام	

"اے بچے! اللہ تعالیٰ تجھے بابرکت فرمائے، اے اس شخصیت کے بیٹے!
جو شدت موت سے انعام کرنے والے بادشاہ کی مدد سے محفوظ رہا، جب قرعہ اندازی میں اس کا نام نکلا
تو ایک سو قیمتی اونٹ اس کے فدیہ کے طور پر دیئے گئے، اگر وہ بات سچی ہے جو میں نے خواب میں دیکھی ہے
تو تُو جلال و اکرام والی ذات (اللہ تعالیٰ) کی طرف سے مخلوق کی طرف مبعوث ہو گا،
تُو حلال و حرام کے بیان کے لیے (یا حرم شریف اور اس سے باہر والوں کی طرف) نیز احقاقِ حق اور اسلام کے بیان کے لیے مبعوث ہو گا
جو تیرے مطیع و محسن باپ (جدامجد) حضرت ابراہیم علیہ السلام کا دین ہے،
پس اللہ تعالیٰ نے تجھے دوسرے لوگوں کے ساتھ مل کر بتوں کی تعظیم کرنے سے منع کیا ہے"۔۔۔

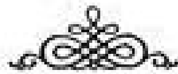
پھر حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: ہر زندہ شخص نے مرنا ہے، ہر جدید چیز پرانی ہو جاتی ہے اور بڑی عمر کو پہنچنے والے کے لیے فنا ہے۔ میں فوت ہونے والی ہوں اور میرا ذکر باقی رہے گا۔ میں نے بھلائی (یعنی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ مبارکہ) چھوڑی، میں نے ایک پاک بچے کو جنم دیا۔ اس کے بعد آپ کا وصال ہو گیا، پس ہم آپ پر جنوں کا نوحہ سنتے تھے اور اس سے ہمیں یہ اشعار یاد ہیں ۔

نبکی الفتاة البرة الامینة ذات الجمال العفة الرزینة
زوجة عبد الله والقرینة ام نبی الله ذی السکینة
و صاحب المنبر بالمدینة صارت لدی حفرتها رهینة

"ہم اس نوجوان خاتون پر روتے ہیں جو نیکوکار اور امانت دار تھیں، حُسن و جمال، پاک دامنی اور وقار والی تھیں"۔

"حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی زوجہ مبارکہ اور ساتھی نیز باوقار نبی (حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کی والدہ ماجدہ تھیں"۔

"وہ نبی جو مدینہ طیبہ میں صاحبِ منبر ہوں گے، آپ (حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا) اپنی قبر مبارک میں بطور رہن جاگزیں ہو گئیں"۔



نبی اکرم ﷺ کے والدین کی نجات

آپ ﷺ کی والدہ ماجدہ کا ایمان

مروی ہے کہ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا اپنے وصال کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائیں۔
(محدث حافظ محب الدین احمد بن عبداللہ ابوالعباس مکی) طبری نے اپنی سند سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم غم اور افسردگی کے عالم میں مقام حجون میں تشریف لائے اور جس قدر اللہ تعالیٰ نے چاہا وہاں ٹھہرے پھر خوش خوش واپس تشریف لائے اور فرمایا: میں نے اپنے رب سے عرض کیا تو اس نے میری ماں کو زندہ کر دیا اور وہ مجھ پر ایمان لائیں، پھر ان کو واپس لوٹا دیا۔

(اللآلی المصنوعہ فی الاحادیث الموضوعہ جلد اول ص ۲۶۴، الناسخ والمنسوخ من الحدیث ص ۲۸۴)

ابو حفص بن شاہین نے اپنی کتاب "الناسخ والمنسوخ" میں اس طرح روایت کیا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے ہمراہ حجۃ الوداع فرمایا تو آپ حجون کی گھاٹی سے اس طرح گزرے کہ آپ رو رہے تھے اور غمزدہ تھے۔ آپ کے رونے کی وجہ سے میں بھی رو پڑی، پھر آپ اُترے تو فرمایا: اے حمیرا! (حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو بطور محبت فرمایا یعنی اے گوری!) کسی چیز کو پکڑ لو (تاکہ گر نہ جاؤ) چنانچہ میں نے اونٹ کے ایک پہلو کا سہارا لے لیا۔ کافی دیر تک میں اسی طرح رہی پھر آپ ﷺ میری طرف واپس تشریف لائے تو آپ خوش تھے اور تبسم فرما رہے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: میں اپنی ماں کی قبر کے پاس گیا اور اپنی ماں کے بارے میں سوال کیا کہ یا اللہ! ان کو زندہ کر دے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کو زندہ کیا اور وہ مجھ پر ایمان لائیں۔[1] اللآلی المصنوعہ فی الاحادیث الموضوعہ جلد اول ص ۲۶۵ الناسخ والمنسوخ من الحدیث ص ۲۸۴ السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد اول ص ۱۱۳)

والدین کریمین کے ایمان کی خبر

اسی طرح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہ بھی مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین کو زندہ کیا گیا اور وہ دونوں آپ ﷺ پر ایمان لائے۔۔۔ امام سہیلی نے (روض الانف میں) ذکر کیا، اسی

---

[1] معلوم ہوا کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین مومن تھے، ان کو ایمان سے بے بہرہ سمجھنے والے خود ایمان سے خالی ہیں۔ اللہ تعالیٰ سب کو ہدایت عطا فرمائے۔۔۔ ۱۲ ہزاروی۔

طرح الخطیب نے "السابق واللاحق" میں ذکر کیا۔ (السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد اول ص ۱۱۳)
امام سہیلی نے فرمایا کہ اس کی سند میں کچھ مجہول لوگ ہیں۔ ابن کثیر نے کہا کہ یہ حدیث منکر ہے اور اس کی سند مجہول ہے۔ ابن دحیہ نے کہا کہ یہ حدیث موضوع ہے، اسے قرآن پاک اور اجماع رد کرتا ہے۔[1]

والدین کریمین کی نجات

بعض علماء نے اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے اس بات کو یقین کے ساتھ بیان کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین نجات پانے والے ہیں اور وہ جہنم میں نہیں جائیں گے۔
ایک دوسرے عالم نے اس (پہلے عالم) کا رد کرتے ہوئے کہا کہ اس نے کسی شخص کو نہیں دیکھا جس نے واضح الفاظ میں کہا ہو کہ موت کی وجہ سے عمل کے منقطع ہونے کے بعد ایمان فائدہ دیتا ہو، اگر کوئی خصوصیت کا دعویٰ کرے تو اس کے ذمہ دلیل ہے۔
اور اس شخص (منکر) کے لیے ابو الخطاب بن دحیہ کی عبارت دلیل ہے کہ جو شخص کفر کی حالت میں مر جائے اسے واپسی کے بعد ایمان فائدہ نہیں دیتا بلکہ اگر وہ (اسبابِ عذاب کو) دیکھتے ہوئے ایمان لائے تو بھی فائدہ نہیں تو واپس لوٹنے کی صورت میں کس طرح فائدہ ہوگا۔
(مفسر امام محمد بن احمد بن ابی بکر بن فرح) قرطبی رحمہ اللہ نے "التذکرہ" میں اس کا تعاقب کرتے ہوئے فرمایا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل و خصائص آپ کے وصال تک مسلسل بڑھتے رہے تو یہ بات ان فضائل اور اعزازات میں سے ہے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمائے۔ انہوں نے فرمایا کہ آپ کے والدین کریمین کو زندہ کرنا اور ان کا ایمان لانا عقلی اور شرعی طور پر ممتنع نہیں ہے۔ قرآن مجید میں مذکور ہے کہ بنی اسرائیل کا جو شخص قتل کیا گیا اسے اللہ تعالیٰ نے زندہ کیا اور اس نے اپنے قاتل کے بارے میں بتایا۔ (گائے والے واقعہ کی طرف اشارہ ہے جو سورۂ بقرہ میں مذکور ہے) حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے مُردوں کو (اللہ تعالیٰ کے حکم سے) زندہ کیا، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ سے مُردوں کی ایک جماعت کو زندہ کیا۔[2]

---

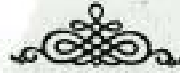
[1] امام زرقانی فرماتے ہیں: اس سے صرف حدیث کا ضعف لازم آتا ہے موضوع ہونا لازم نہیں آتا کیونکہ حدیث منکر، ضعیف کی ایک قسم ہے موضوع نہیں۔ جہاں تک ابن دحیہ کے قول کا تعلق ہے تو امام سیوطی نے فرمایا کہ ان کا اسے قرآن کے خلاف قرار دینا محدثین کا طریقہ نہیں۔ محدثین سند سے کلام کرتے ہیں اسی لیے شامی نے کہا کہ اگر ابو الخطاب (ابن دحیہ) اس کو صرف موضوع قرار دیتے اور قرآن کی مخالفت کے قول سے خاموش رہتے تو یہ اچھی بات ہوتی اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ کا ادب ہوتا۔ (زرقانی جلد اول ص ۱۶۸)

[2] ایک شخص نے کہا کہ جب تک آپ میری بیٹی کو زندہ نہ کریں میں آپ پر ایمان نہیں لاؤں گا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (اللہ تعالیٰ کے حکم سے) اس کی بیٹی کو زندہ کیا۔ آپ اس کی قبر پر تشریف لائے اور اسے آواز دی تو اس نے لبیک کہا۔ اسی طرح انصار کا ایک نوجوان فوت ہو گیا۔ اسکی ماں بوڑھی اور نابینا تھی تو اسکا بیٹا زندہ ہوا۔ اس طرح دیگر کئی واقعات ہیں۔ (زرقانی جلد اول ص ۱۷۲)

جب یہ بات ثابت ہوگئی تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کو زندہ کرنے کے بعد ان کا ایمان لانا ممنوع نہیں ہے اور یہ آپ کی کرامت وفضیلت میں اضافہ کا باعث ہے۔

اس کے بعد انہوں نے (امام قرطبی نے) فرمایا کہ ابن دحیہ نے جو کہا ہے کہ جو شخص کفر پر مرجائے (آخر تک عبارت چند سطور پہلے گزر چکی ہے) تو یہ بات مردود ہے کیونکہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سورج کے غروب ہونے کے بعد اسے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے لوٹایا، اسے امام طحاوی (ابو جعفر احمد بن محمد بن سالم الازدی طحاوی مصری حنفی رحمہ اللہ) نے ذکر کیا اور فرمایا کہ یہ حدیث ثابت ہے۔ اگر سورج کا لوٹنا نفع بخش نہ ہوتا اور اس کے ذریعے وہ وقت دوبارہ نہ آتا تو اللہ تعالیٰ اسے واپس نہ لوٹاتا، اسی طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین کو زندہ کرنا ان دونوں کے ایمان اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کے سلسلے میں نفع بخش ہے۔

بعض حضرات نے سورج کے لوٹانے کے بارے میں وارد حدیث پر اعتراض کیا ہے جیسا کہ معجزات کے بیان میں آئے گا۔ ان شاء اللہ۔[1]



[1] امام زرقانی فرماتے ہیں: جن لوگوں نے اس حدیث پر طعن کیا ہے مثلاً امام احمد وغیرہ، انہوں نے بعض جھوٹے لوگوں کی روایت کی وجہ سے کیا ہوگا ورنہ جن طرق سے یہ حدیث مروی ہے ان کی بنیاد پر اسے ضعیف قرار نہیں دیا جاسکتا۔
(زرقانی جلد اول ص ۱۷۲)

والدین کریمین کی نجات پر دلائل

(۱) زمانہ فترت میں انتقال کر جانا

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین کی نجات کے قائلین نے یوں بھی استدلال کیا ہے کہ یہ دونوں حضرات بعثت سے پہلے زمانہ فترت میں انتقال فرما گئے تھے اور اس سے پہلے (بعثت سے پہلے) عذاب نہیں۔

ارشادِ خداوندی ہے:

وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا۔ (الاسراء: ۱۵)

اور ہم اس وقت تک عذاب نہیں دیتے جب تک رسول کو نہ بھیجیں۔

وہ فرماتے ہیں: اہلِ کلام و اصول میں سے ائمہ اشاعرہ اور فقہاء کرام میں سے شافعیہ اس بات پر متفق ہیں کہ جو شخص انتقال کر جائے اور اس تک دعوتِ اسلام نہ پہنچی ہو وہ دنیا سے یوں رخصت ہوتا ہے کہ اسے نجات حاصل ہوتی ہے۔

(۲) انبیاء کرام کے آباء و اجداد مومن تھے

حضرت امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "اسرار التنزیل" میں فرمایا:

کہا گیا ہے کہ آزر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا والد نہیں بلکہ چچا تھا اور اس پر چند وجوہ سے استدلال کیا گیا: ایک یہ کہ انبیاء کرام کے آباء و اجداد کافر نہیں تھے، اس بات پر بھی کئی دلائل ہیں، ان میں سے ایک اللہ تعالیٰ کا یہ ارشادِ گرامی ہے:

اَلَّذِيْ يَرٰىكَ حِيْنَ تَقُوْمُ ۝ وَتَقَلُّبَكَ فِي السّٰجِدِيْنَ۔ (الشعراء: ۲۱۸-۲۱۹)

وہ اللہ جو آپ کو دیکھتا ہے جب آپ کھڑے ہوتے ہیں اور جب سجدہ کرنے والوں میں منتقل ہوتے تھے۔

کہا گیا ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ آپ کا نور مبارک ایک سجدہ کرنے والے سے دوسرے سجدہ کرنے والے کی طرف منتقل ہوتا رہا تو اس میں اس بات پر دلالت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام آباء و اجداد مسلمان تھے۔ (التفسیر الکبیر للامام الرازی، سورۂ شعراء آیت ۲۱۹، جلد ۱۴ ص ۱۷۴)

پھر فرمایا: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی اس بات پر دلالت ہے کہ آپ کے آباء واجداد مشرک نہیں تھے۔ (آپ ﷺ نے فرمایا:)

لم ازل انقل من اصلاب الطاھرین الی ارحام الطاھرات۔ میں (میرا نُور) ہمیشہ پاک پشتوں سے پاک رحموں کی طرف منتقل ہوتا رہا۔

(تفسیر البحر المحیط جلد ۷ ص ۴۹)

اور ارشادِ خداوندی ہے:

اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ۔ (التوبہ: ۲۸) بے شک مشرک ناپاک ہیں۔

پس ضروری ہوا کہ آپ ﷺ کے آباء واجداد میں سے کوئی مشرک نہ ہو۔

سابقہ دلائل پر اعتراضات

ان دلائل پر اعتراض کیا گیا کہ ارشادِ خداوندی:

وَتَقَلُّبَكَ فِي السّٰجِدِيْنَ۔ (الشعراء: ۲۱۹) اور جب آپ سجدے کرنے والوں میں منتقل ہوتے تھے۔

(اس آیت میں) اس دعویٰ پر دلالت نہیں ہے۔ امام بیضاوی رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں اور ان کے علاوہ دوسروں نے بھی ذکر کیا کہ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ آپ تہجد پڑھنے والوں کے احوال معلوم کرنے کے لیے ادھر ادھر تشریف لے جاتے جیسا کہ مروی ہے کہ جب رات کی نماز کی فرضیت منسوخ ہوگئی تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس رات صحابہ کرام کے گھروں کے چکر لگائے تاکہ دیکھیں کہ وہ کیا کرتے ہیں اور اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ ان کی عبادت کی زیادہ حرص رکھتے تھے۔ چنانچہ آپ نے جب اللہ تعالیٰ کے ذکر کے ساتھ ان کی آواز سنی (جو مکھی کی بھنبھناہٹ کی طرح تھی) توان کے گھروں کو بھڑوں کے چھتے کی طرح پایا۔

(تفسیر البیضاوی، الشعراء: ۲۱۹، جلد ۳ ص ۱۱۷)

اور اس بات پر نص وارد ہوئی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا باپ کفر پر مرا جس طرح بیضاوی وغیرہ نے تصریح کی ہے۔ ارشادِ خداوندی ہے:

فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗۤ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنْهُ۔ (التوبہ: ۱۱۴) جب ان کے لیے ظاہر ہوا کہ وہ اللہ کا دشمن ہے، تو آپ نے اس سے برأت کا اظہار کر دیا۔

اور یہ کہنا کہ وہ آپ کا چچا تھا یہ کسی دلیل کے بغیر ظاہر سے پھر جانا ہے۔

(تفسیر البیضاوی جلد اول ص ۲۲، التوبہ: ۱۱۴)

امام ابوحیان نے "البحر" میں "وتقلبک فی الساجدین" کی تفسیر کے قریب نقل کیا کہ شیعہ اس بات کے قائل ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے آباء واجداد مومن تھے اور انہوں نے اس (مذکورہ بالا) آیت

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشادِ گرامی سے استدلال کیا ہے کہ آپ نے فرمایا:

لم ازل انقل من اصلاب الطاھرین۔ میں ہمیشہ پاک لوگوں کی پشتوں سے منتقل ہوتا رہا۔

(تفسیر البحر المحیط جلد ۷ ص ۴۹)

عدم نجات کے قائلین کے دلائل اور ان پر اعتراضات

ابن جریر نے علقمہ بن مرثد سے، انہوں نے سلیمان بن بریدہ سے اور انہوں نے اپنے والد سے روایت کیا کہ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ تشریف لائے تو ایک قبر کے نشانات کے پاس تشریف لائے، آپ وہاں تشریف فرما ہوئے اور خطاب فرمانے لگے پھر کھڑے ہوگئے اور آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ ہم نے عرض کیا: یارسول اللہ! ہم دیکھ رہے تھے آپ نے کیا عمل کیا؟ فرمایا: میں نے اپنے رب سے اپنی ماں کی قبر کی زیارت کے لیے اجازت طلب کی تو اللہ تعالیٰ نے اجازت دے دی اور میں نے ان کے لیے طلبِ بخشش کی اجازت چاہی تو اللہ تعالیٰ نے اجازت نہ دی، تو آپ ﷺ کو اس دن سے زیادہ روتے ہوئے کبھی نہ دیکھا گیا۔

(تفسیر ابن جریر جلد ۱۱ ص ۷ ۲، طبقات ابن سعد جلد اوّل ص ۱۱۶)

ابن ابی حاتم نے اپنی تفسیر میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے چند قبروں کی طرف اشارہ فرمایا تو ہم آپ کے پیچھے چلے، چنانچہ آپ تشریف لائے اور ان میں سے ایک قبر کے پاس بیٹھ گئے اور بہت دیر تک گفتگو کرتے رہے، پھر آپ روئے اور آپ کے رونے کی وجہ سے ہم بھی روئے۔ پھر آپ کھڑے ہوئے تو حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور آپ نے ان کو بلایا، پھر ہمیں بھی بلایا اور پوچھا کہ تم لوگ کیوں روتے ہو؟ ہم نے عرض کیا: آپ کے رونے کی وجہ سے ہم بھی روئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: میں جس قبر کے پاس بیٹھا تھا وہ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کی قبر ہے، میں نے اپنے رب سے ان کی زیارت کی اجازت مانگی تو اللہ تعالیٰ نے مجھے اجازت دے دی اور میں نے ان کے لیے دُعا مانگنے کی اجازت طلب کی تو اللہ تعالیٰ نے مجھے اجازت نہ دی اور اللہ تعالیٰ نے مجھ پر یہ آیت نازل فرمائی[1]

مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ كَانُوْٓا اُولِيْ قُرْبٰى۔ (التوبہ: ۱۱۳)

نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) اور مسلمانوں کے لیے جائز نہیں کہ وہ مشرکین کے لیے طلبِ مغفرت کریں اگرچہ وہ قریبی رشتہ دار ہوں۔

تو مجھ پر وہی کیفیت طاری ہوئی جو والد کے لیے اولاد پر طاری ہوتی ہے۔ اس حدیث کو امام طبرانی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت سے نقل کیا۔ (تفسیر ابن ابی حاتم جلد ۶ ص ۱۸۹۷، سورۃ توبہ آیت ۱۱۳)

[1] امام حاکم نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا لیکن امام ذہبی نے اس کا رد کیا کیونکہ اس میں ایک راوی ایوب بن ہانی ضعیف ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ بخاری شریف کے مطابق یہ آیت مکہ مکرمہ میں ابوطالب کی وفات کے بعد نازل ہوئی اس لیے اس کا حضرت آمنہ کے واقعہ سے کوئی تعلق نہیں۔ (زرقانی جلد اوّل ص ۱۷۸)

اور صحیح مسلم میں ہے کہ میں نے اپنے رب سے اجازت مانگی کہ میں اپنی ماں کے لیے مغفرت طلب کروں تو اس نے مجھے اجازت نہ دی اور میں نے ان کی قبر کی زیارت کی اجازت مانگی تو اللہ تعالیٰ نے اجازت دے دی، پس تم قبروں کی زیارت کر سکتے ہو کیونکہ یہ آخرت کی یاد دلاتی ہیں۔ (صحیح مسلم جلد اوّل ص ۳۱۴، کتاب الجنائز)

امام قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا رونا اس بات پر تھا کہ انہوں نے آپ کا زمانہ نہ پایا اور آپ پر ایمان نہ لا سکیں۔ (شرح صحیح مسلم للقاضی عیاض جلد ۳ ص ۴۵۲، کتاب الجنائز)

صحیح مسلم میں یہ بھی ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا: یارسول اللہ! میرا باپ کہاں ہے؟ فرمایا: جہنم میں۔ جب وہ واپس پلٹا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرا اور تیرا دونوں کے باپ[1] جہنم میں ہیں۔

(صحیح مسلم جلد اوّل ص ۱۱۴، کتاب الایمان)

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو شخص کفر پر مرجائے وہ جہنم میں جائے گا اور مقربین کی قرابت اسے نفع نہیں دے گی اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جو شخص فترت کے زمانے میں اہل عرب کے طریقے یعنی بت پرستی پر مرے وہ بھی جہنم میں جائے گا اور اس پر یہ اعتراض نہیں ہو سکتا کہ دعوت (اسلام کی دعوت) پہنچنے سے پہلے مواخذہ ہوا کیونکہ ان لوگوں کو حضرت ابراہیم علیہ السلام اور دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کی دعوت پہنچی تھی۔ (صحیح مسلم جلد اوّل ص ۱۱۴، کتاب الایمان برحاشیہ)

حضرت امام فخرالدین رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جو شخص حالت شرک میں فوت ہو جائے وہ جہنم میں جائے گا اگرچہ وہ بعثت سے پہلے انتقال کرے کیونکہ مشرکین نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے خالص دین کو بدل دیا اور اسے شرک میں تبدیل کر کے شرک کے مرتکب ہوئے اور اس پر ان کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی دلیل نہیں ہے اور تمام رسولوں علیہم السلام کے ادیان سے اوّل سے آخر تک یہ بات معلوم ہے کہ شرک قبیح عمل ہے اور اس کی سزا جہنم بیان کی گئی ہے، اور مشرکین کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملنے والی سزاؤں کے بارے میں احادیث مبارکہ امت میں ہر صدی میں معروف رہی ہیں تو مشرکین کے خلاف اللہ تعالیٰ کے ہاں حجت بالغہ ہے اور یہ ہر وقت اور ہر زمانے میں ہے اور اگر صرف وہ فطرت ہی ہوتی کہ اللہ تعالیٰ نے تمام بندوں کو اپنی ربوبیت کی توحید پر پیدا کیا اور فطرت و عقل کے مطابق اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کا ہونا محال ہے اگرچہ اللہ تعالیٰ محض اس فطرت کے تقاضے کے مطابق عذاب نہیں دے گا بلکہ رسل عظام کی دعوت توحید زمین میں ہمیشہ سے معلوم ہے تو مشرک جہنم میں عذاب کا مستحق ہے کیونکہ اس نے رسل عظام کی دعوت کی مخالفت کی ہے، پس وہ ہمیشہ جہنم میں رہے گا جس طرح جنتی لوگ ہمیشہ جنت میں رہیں گے۔

---

[1] اس سے مراد ابوطالب ہیں حضور علیہ السلام کے والد حضرت عبداللہ مراد نہیں ہیں اور اہل عرب چچا کو باپ کہتے ہیں۔
(شرح صحیح مسلم از علامہ غلام رسول سعیدی جلد اوّل ص ۳۶۵)

ابو عبداللہ ابی کا امام نووی کے کلام کا تعاقب

مالکی فقہ سے تعلق رکھنے والے علامہ ابو عبداللہ الابی رحمہ اللہ نے اپنی شرح مسلم (اکمال الاکمال) میں امام نووی رحمہ اللہ کے مذکورہ بالا کلام پر اعتراض کیا۔ امام نووی نے فرمایا تھا کہ جو شخص زمانہ فترت میں عربوں کے طریقے یعنی بت پرستی پر مرجائے وہ جہنم میں جائے گا۔ (آخر تک) (صحیح مسلم جلد اول ص ۱۱۴ کتاب الایمان)

تو امام ابو عبداللہ ابی فرماتے ہیں: امام نووی کے کلام میں غور کرو کہ یہ خود اپنے بعض حصے کی نفی کر رہا ہے کیونکہ جس تک دعوت پہنچی ہو وہ اہلِ فترت نہیں کیونکہ اہلِ فترت وہ لوگ ہیں جو رسل عظام کے زمانوں کے درمیان ہوتے ہیں یعنی پہلا رسول ان کی طرف مبعوث نہیں ہوا اور دوسرے رسول کا زمانہ انہوں نے نہیں پایا جیسے وہ اہلِ عرب جن کی طرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام مبعوث نہیں ہوئے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ انہوں نے نہیں پایا۔ اس وضاحت کے مطابق دو رسولوں کے درمیان کا زمانہ، زمانہ فترت ہے جس طرح حضرت نوح اور حضرت ھود علیہما السلام کے درمیان کا زمانہ، لیکن فقہاء کرام جب زمانہ فترت کی بات کرتے ہیں تو اس سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان کا زمانہ مراد ہوتا ہے۔۔۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت سلمان سے روایت کیا کہ یہ چھ سو سال کا زمانہ ہے۔۔۔

اور جب قطعی دلائل اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ جب تک حجت نہ پائی جائے عذاب نہیں ہوگا تو معلوم ہوا کہ ان لوگوں کو (زمانہ فترت والوں کو) عذاب نہیں ہوگا۔۔۔

سوال: اگر تم کہو کہ صحیح احادیث میں آیا ہے کہ زمانہ فترت والوں کو عذاب ہوگا جیسے حدیث میں ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے عمرو بن لحی کو دیکھا کہ وہ جہنم میں اپنی آنتیں کھینچ رہا ہے۔ (صحیح مسلم جلد ۲ ص ۳۸۳، صحیح بخاری جلد اول ص ۴۹۹، کتاب المناقب) اور میں نے ڈھال والے کو جہنم میں دیکھا اور یہ شخص اپنی ڈھال کے ساتھ چوری کرتا تھا، جب لوگوں کو علم ہو جاتا تو کہتا کہ یہ چیز میری ڈھال کے ساتھ اٹک گئی تھی۔

(مسند امام احمد بن حنبل جلد ۲ ص ۱۵۹، صحیح مسلم جلد اول ص ۲۹۸، کتاب الکسوف)

جواب: اس کے کئی جواب ہیں:

(۱) یہ احادیث خبر واحد ہیں جو قطعی دلائل کے مقابل نہیں آسکتیں۔

(۲) ان لوگوں کے عذاب کا ذکر ہوا اور اس کا سبب اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔

(۳) ان احادیث میں عذاب کا ذکر ان لوگوں کے بارے میں ہے جو اہلِ فترت ہونے کے باوجود معذور نہیں سمجھے جاسکتے کیونکہ انہوں نے گمراہی کا راستہ اختیار کیا جیسے بت پرستی کرنے والے اور شریعتوں کو بدلنے والے۔۔۔

تو اہلِ فترت تین قسم کے لوگ ہیں:

(۱) جس نے اپنی بصیرت سے توحید کا ادراک کیا پھر ان میں سے بعض وہ ہیں جو شریعت میں داخل نہیں ہوئے جس طرح قس بن ساعدہ اور زید بن عمرو بن نفیل اور ان میں سے بعض شریعت حق میں داخل ہوئے اس کا جو اثر باقی تھا جیسے تبع اور اس کی قوم جن کا حمیر سے تعلق تھا اہلِ نجران، ورقہ بن نوفل اور ان کے چچا عثمان بن حویرث۔

(۲) اہلِ فترت میں سے دوسری قوم کے لوگ وہ ہیں جنہوں نے دین کو بدل دیا اور شرک کیا، توحید پر قائم نہ ہوئے نیز انہوں نے اپنے لیے خود شریعت گھڑلی۔ کسی چیز کو حلال کیا اور کسی کو حرام قرار دیا اور ایسے لوگ زیادہ ہیں جیسے عمرو بن لحی نے سب سے پہلے عربوں کے لیے بت پرستی کا طریقہ جاری کیا اور احکام گھڑے۔ بحیرہ، سائبہ، وصیلہ اور حام (ایسے جانور تھے جو بتوں کے نام پر چھوڑے جاتے تھے) کا طریقہ اسی نے شروع کیا اور باقی عربوں نے اس کی اتباع کی۔

(۳) تیسری قسم کے اہلِ فترت وہ ہیں جنہوں نے نہ تو شرک کیا اور نہ ہی عقیدۂ توحید اپنایا، نہ کسی نبی کی شریعت کو اپنایا اور نہ اپنے لیے کوئی شریعت اور دین گھڑا بلکہ وہ زندگی بھر ان باتوں سے بے خبر رہے۔ جاہلیت میں بعض لوگوں کی یہی حالت تھی۔

جب اہلِ فترت کی تین اقسام ہیں تو جن لوگوں کے عذاب سے متعلق صحیح روایات آئی ہیں وہ دوسری قسم کے اہلِ فترت ہیں کیونکہ وہ خبیث امور کے ذریعے حد سے تجاوز کر کے کافر ہو چکے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے اس قسم کے تمام اہلِ فترت کو کفار اور مشرکین قرار دیا۔ قرآنِ پاک میں جب ان میں سے کسی ایک کی حالت بیان کی جاتی ہے تو ان کو کافر و مشرک کہا جاتا ہے، جیسے ارشادِ خداوندی ہے:

مَا جَعَلَ اللّٰہُ مِنۢ بَحِيْرَةٍ وَّلَا سَآئِبَةٍ وَّلَا وَصِيْلَةٍ وَّلَا حَامٍ[1] (المائدہ: ۱۰۳)

اللہ تعالیٰ نے بحیرہ، سائبہ، وصیلہ اور حام مقرر نہیں کیے۔

پھر فرمایا:

وَّلٰكِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا۔

لیکن انہوں نے کفر کیا۔ (انہوں نے یہ نام رکھے۔)

اور تیسری قسم کے لوگ ہی حقیقت میں اہلِ فترت ہیں[2] اور ان کو عذاب نہیں ہوگا۔۔۔ جہاں تک پہلی قسم والوں کا تعلق ہے جیسے قس بن ساعدہ اور زید بن عمرو تو حضور علیہ السلام نے ان میں سے ہر ایک کے بارے میں فرمایا کہ وہ ایک جماعت کے طور پر اٹھائے جائیں گے۔

جہاں تک عثمان بن حویرث، تبع اور اس کی قوم نیز اہلِ نجران کا تعلق ہے تو ان کا حکم اہلِ دین والا حکم ہے جو دین میں داخل ہوئے جب تک وہ اسلام نہ قبول کریں جو تمام دینوں کو منسوخ کرنے والا ہے۔ ابو عبداللہ ابی کے کلام کا خلاصہ مکمل ہوا اور ورقہ بن نوفل کے بارے میں جو کچھ کہا گیا ہے وہ بعثت سے متعلق حدیث میں آئے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

---

[1] مشرکین کچھ جانوروں کو بتوں کے ناموں پر چھوڑتے تھے، ان پر سواری کرنا یا ان کو کھانا جائز نہ سمجھتے، یہ ان کے نام ہیں۔ ۱۲ ہزاروی۔

[2] سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین بھی ان ہی میں شامل ہیں کیونکہ ان تک دعوتِ اسلام نہیں پہنچی۔ (زرقانی جلد اوّل ص ۱۸۴)

اس مسئلہ میں مصنف علیہ الرحمہ کی رائے

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین رضی اللہ عنہما کے بارے میں یہ (معلومات ہمیں) حاصل ہوئیں، زیادہ بہتر بات یہی ہے کہ اس مسئلہ میں بحث مباحثہ نہ کیا جائے، چونکہ اس دور کے علماء کے درمیان اس مسئلہ میں بحث ہو رہی ہے اس لیے اس تفصیل کو ذکر کرنے پر مجبور ہوئے۔

حافظ شمس الدین بن ناصر الدین دمشقی رحمہ اللہ نے کیا اچھا کہا ہے۔

حبا اللہ النبی مزید فضل علی فضل وکان بہ رؤوفا
فاحیا امہ وکذا اباہ لایمان بہ فضلا لطیفا
فسلم فالقدیم بذا قدیر وان کان الحدیث بہ ضعیفا

"اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو فضل پر مزید فضل عطا فرمایا اور وہ آپ پر مہربان ہے"۔
"کہ اس نے آپ کے والدین کو زندہ کیا تاکہ وہ ایمان لائیں اور یہ آپ پر فضل لطیف ہے"۔
"پس اس کو تسلیم کرو کیونکہ وہ قدیم ذات اس بات پر قادر ہے اگرچہ اس سلسلے میں وارد حدیث ضعیف ہی کیوں نہ ہو"۔

ایسی بات کے ساتھ ان کا ذکر کرنے سے بچو جس میں نقص ہو کیونکہ اس سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت پہنچتی ہے، اس لیے کہ عام طور پر معاشرے میں یہی طریقہ جاری ہے کہ جب کسی شخص کے باپ کا کسی عیب کے ساتھ ذکر کیا جائے یا اس کا کوئی ایسا وصف بیان کیا جائے جس میں نقص ہو تو اس کے ذکر سے اس کے بیٹے کو اذیت پہنچتی ہے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لا تؤذوا الاحیاء بسب الاموات۔ فوت شدہ لوگوں کو گالی دے کر زندوں کو اذیت نہ پہنچاؤ۔

(مسند امام احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۲۵۲)

اس حدیث کو امام طبرانی نے "الصغیر" میں روایت کیا ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت پہنچانا کفر ہے۔ ہمارے نزدیک (یعنی شافعی مسلک کے مطابق) ایسے شخص کو قتل کیا جائے اگر توبہ نہ کرے۔[1]

اس سلسلے میں ان شاء اللہ معجزات کے بیان میں آپ ﷺ کے خصائص میں بحث آئے گی۔ بعض علماء کرام نے والدین کریمین کے ایمان پر بہت تفصیل سے گفتگو کی ہے، اللہ تعالیٰ ان کو اس نیک ارادے پر اچھا ثواب عطا کرے۔[2]

---

[1] نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت پہنچانے والا کافر ہے اور فقہ مالکی کے مطابق تو ایسا شخص توبہ کرے تب بھی قتل کیا جائے۔

[2] حضرت امام سیوطی رحمہ اللہ کی طرف اشارہ ہے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اپنی ایک کتاب میں فرمایا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان کے جو لوگ بعثت سے پہلے انتقال کر گئے ان کے بارے میں یہ گمان کرنا چاہیے کہ وہ (قیامت کے دن) امتحان کے وقت اطاعت کریں گے اور یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے احترام واکرام کی وجہ سے ہوگا تاکہ آپ کی آنکھوں کو ٹھنڈک حاصل ہو۔

"الاحکام" میں فرمایا: "ہم امید رکھتے ہیں کہ حضرت عبدالمطلب ان تمام لوگوں کے ساتھ جنت میں داخل ہوں گے جو خوشی خوشی وہاں جائیں گے اور نجات پائیں گے البتہ ابوطالب نے بعثت کا زمانہ پایا لیکن ایمان نہیں لائے۔[1] (الاصابہ فی تمییز الصحابہ جلد ۴ ص ۱۱۸)



[1] مالکی فقیہ وامام قاضی ابوبکر سے پوچھا گیا کہ ایک شخص کہتا ہے کہ حضور علیہ السلام کے والدین (معاذ اللہ) جہنم میں ہوں گے تو انہوں نے فرمایا: وہ شخص ملعون ہے۔ (زرقانی جلد اوّل ص ۱۸۶)

حیاتِ مبارکہ (بعثت سے پہلے)

چچا اور دادا کی کفالت میں

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ کے انتقال کے بعد اُمِ ایمن نے آپ کی پرورش کی (اسی لیے) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان سے فرماتے تھے:

انت امی بعد امی۔ میری (سگی) ماں کے بعد تم میری ماں ہو۔

جب آپ آٹھ سال کی عمر کو پہنچے تو آپ کے دادا حضرت عبدالمطلب جو آپ کی کفالت کرتے تھے انتقال فرما گئے۔ (اس سلسلے میں مختلف اقوال ہیں) بعض نے کہا کہ اس وقت آپ کی عمر آٹھ سال ایک مہینہ اور دس دن تھی، کسی نے نو سال، کسی نے دس سال، کسی نے چھ سال اور کسی نے تین سال کہا ہے اور یہ بات محلِ نظر ہے۔ اور اس وقت حضرت عبدالمطلب کی عمر ایک سو دس سال تھی۔ ایک قول کے مطابق ایک سو چالیس سال تھی۔

پھر (ان کے بعد) حضرت ابو طالب نے آپ کی کفالت کی اور ان کا نام عبد مناف تھا۔ حضرت عبدالمطلب نے ان کو اس بات کی وصیت کی تھی کیونکہ وہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے سگے بھائی تھے۔

آپ کے توسل سے بارش کا برسنا

ابن عساکر نے جلہمہ بن عرفطہ سے نقل کیا وہ کہتے ہیں: میں مکہ مکرمہ میں آیا تو وہ لوگ قحط میں مبتلا تھے۔ قریش نے کہا: اے ابو طالب! وادی میں قحط پڑ گیا اور اہل و عیال بھوک کا شکار ہیں، آئیے بارش کی دعا مانگیں۔ چنانچہ ابو طالب چلے اور ان کے ساتھ ایک بچہ تھا گویا وہ بادلوں والے دن کا سورج ہے اور اس سے سخت کالے بادل روشن ہو رہے ہیں، اس کے گرد اور چھوٹے چھوٹے بچے تھے۔

حضرت ابو طالب نے اس بچے کا ہاتھ پکڑ کر اس کی پیٹھ کو کعبہ شریف سے لگا دیا اور بچے نے اپنی انگلی سے اشارہ کیا۔ آسمان میں بادل کا ایک ٹکڑا بھی نہ تھا پس ادھر ادھر سے بادل اُمڈنے لگے اور اتنی زیادہ بارش ہوئی کہ وادی سے پانی بہنے لگا اور دیہات اور شہر والے سیراب ہو گئے۔ اسی سلسلے میں ابو طالب نے کہا ؎

وابیض یستسقی الغمام بوجهه ثمال الیتامی عصمة للارامل
یلوذ به الهلاك من آل هاشم فهم عنده فی نعمة وفواضل

"وہ روشن چہرہ کہ اس کے وسیلہ سے بارش طلب کی جاتی ہے آپ یتیموں کے فریاد رس اور مساکین

(مردوں اور عورتوں) کے محافظ ہیں"۔

"آل ہاشم میں ہلاکت کے قریب پہنچنے والے آپ سے التجا کرتے ہیں تو وہ آپ کے ہاں نعمتیں اور فضل پاتے ہیں"۔

الشمال شاء پر کسرہ کے ساتھ پناہ گاہ اور مددگار اور کہا گیا ہے کہ تختی کے وقت کھانا کھلانے والا "عصمة للارامل" ان کو ضائع ہونے اور حاجت سے بچانے والا "الارامل" مساکین مراد ہیں مرد ہوں یا عورتیں، مرد وعورت دونوں کے لیے الگ الگ بولا جاتا ہے لیکن عورتوں کے ساتھ خاص ہے اور ان کے لیے ہی زیادہ مستعمل ہے۔ اس کا واحد "ارمل" اور "ارملہ" ہے۔

یہ بیت، حضرت ابوطالب کے قصیدہ سے ہیں۔ ابن اسحٰق نے اسے مکمل ذکر کیا ہے اور اس میں اسی (۸۰) سے زیادہ اشعار ہیں۔ جب قریش نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذاء پہنچانے کا ارادہ کیا اور جو لوگ اسلام لانے کا ارادہ کرتے تھے ان کو آپ سے بھگانا چاہا تو ابوطالب نے یہ اشعار کہے۔ قصیدے کے آغاز میں یوں ہے۔

لما رایت القوم لا ود عندهم	وقد قطعوا كل العرى والوسائل
وقد جاهرونا بالعداوة والاذى	وقد طاوعوا امر العدو المزايل
اعبد مناف انتم خير قومكم	فلا تشركوا فى امركم كل واغل
فقد خفت ان لم يصلح الله امركم	تكونوا كما كانت احاديث وائل
اعوذ برب الناس من كل طاعن	علينا بسوء او ملح بباطل
و ثور من ارسى ثبيرا مكانه	و راق لبر فى حراء و نازل
وبالبيت حق البيت فى بطن مكه	و تالله ان الله ليس بغافل
كذبتم وبيت الله نبزى محمدا	ولما نطاعن دونه و نناضل
و نسلمه حتى نصرع حوله	و نذهل عن ابنائنا والحلائل

(فتح الباری شرح صحیح بخاری جلد ۲ ص ۳۱۲)

"جب میں نے قوم (قریش) کو دیکھا کہ ان کے ہاں (ہماری) محبت نہیں ہے اور انہوں نے تمام تعلق اور وسائل منقطع کر دیے ہیں"۔

"انہوں نے کھلم کھلا ہم سے دشمنی کی اور اذیت پہنچائی اور انہوں نے جدائی ڈالنے والے دشمن کی اطاعت کی"۔

"اے عبد مناف! تم قوم کے بہترین لوگ ہو، اپنے معاملے میں ہر کمینے حقیر کو شریک نہ کرو"۔

"اگر اللہ تعالیٰ تمہارے معاملے کو بہتر نہ کرے تو مجھے ڈر ہے کہ تم وائل کی باتوں کی طرح ہو جاؤ گے"۔

"میں ہر اس شخص سے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتا ہوں جو برائی کے ساتھ ہم پر طعنہ کرتا ہے، ہمیشہ باطل پر

رہتا ہے"۔

"مجھے کوہ ثور کی قسم! کوہ ثبیر کو اپنی جگہ ثابت رکھنے والے کی قسم! اور اس شخص کی قسم جو نیکی کے ساتھ کوہ حرا پر چڑھے اور اُترے"۔

"اور سچے گھر کی قسم جو مکہ مکرمہ کی وادی میں ہے اور اللہ کی قسم! وہ اللہ بے خبر نہیں ہے"۔

"بیت اللہ کی قسم! تم نے جھوٹ کہا کہ تم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر غالب آگئے ہو حالانکہ ہم ان کی طرف سے نیزوں اور تیروں سے لڑیں گے"۔

"ہم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو تمہارے سپرد نہیں کریں گے یہاں تک کہ ہم آپ کے گرد قتل ہو جائیں اور ہم اپنے بیٹوں اور بیویوں سے غافل ہو جائیں"۔

ابن التین نے کہا کہ ابو طالب کے ان اشعار میں اس بات پر دلیل پائی جاتی ہے کہ وہ آپ کی بعثت سے پہلے آپ کی نبوت کی معرفت رکھتے تھے کیونکہ بحیریٰ (راہب) وغیرہ نے اس بات کی خبر دی تھی۔

حافظ ابو الفضل ابن حجر نے ابن تین کا تعاقب کرتے ہوئے فرمایا کہ ابن اسحٰق نے کہا ہے کہ ابو طالب نے یہ اشعار بعثت نبوی کے بعد کہے ہیں اور ابو طالب کا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے واقف ہونا کئی روایات میں آیا ہے۔ شیعہ حضرات نے اس سے ابو طالب کے مسلمان ہونے پر استدلال کیا ہے۔ ابن حجر فرماتے ہیں: میں نے علی بن حمزہ بصری کی ایک جزء (کتاب) دیکھی ہے جس میں اس نے ابو طالب کے اشعار جمع کیے ہیں اور گمان کیا کہ وہ مسلمان تھے اور اسلام پر دنیا سے رخصت ہوئے اور حشویہ گروہ کا خیال ہے کہ وہ کفر کی حالت پر مرے اور اپنے موقف پر ایسا استدلال کیا جس میں کوئی دلالت نہیں۔ حافظ ابن حجر کا کلام (جو کتاب الاستسقاء میں ہے) مکمل ہوا۔ (فتح الباری شرح صحیح بخاری ج ۲ ص ۴۱۳)

شام کی طرف سفر اور بحیریٰ کا واقعہ

جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک بارہ سال ہو گئی تو آپ اپنے چچا ابو طالب کے ہمراہ شام کی طرف تشریف لے گئے۔ جب بصریٰ پہنچے تو بحیریٰ راہب نے آپ کو دیکھا۔ اس راہب کا نام جرجیس تھا اس نے آپ کو آپ کے وصف سے پہچان لیا اور آپ کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا کہ یہ (بچہ) تمام جہانوں کا سردار ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔ اس سے پوچھا گیا کہ تمہیں اس بات کا علم کیسے ہوا؟ اس نے کہا: جب تم لوگ گھاٹی سے اُترے تو تمام درخت اور پتھر ان کے سامنے سجدہ ریز ہو گئے اور یہ نبی کے علاوہ کسی کو سجدہ نہیں کرتے، نیز میں ان کو مہر نبوت کے ذریعے پہچانتا ہوں جو آپ کے کاندھے مبارک کی تختی کے نیچے سیب کی طرح ہے اور ہم نے اپنی کتب میں ان کا تذکرہ پایا ہے۔ بحیریٰ نے ابو طالب سے کہا کہ آپ اس بچے کو واپس لے جائیں کیونکہ یہودیوں کی طرف سے اس کو خطرہ ہے۔

(مستدرک حاکم جلد ۲ ص ۱۵۴، جامع ترمذی جلد ۲ ص ۲۰۲)

اس حدیث کو ابن ابی شیبہ رحمہ اللہ نے نقل کیا اور اس میں یہ بھی ہے کہ جب آپ تشریف لا رہے تھے تو بادل آپ پر سایہ کر رہا تھا۔

بحیریٰ (باء پر فتحہ (زبر) حاء کے نیچے کسرہ (زیر) یاء ساکن اور راء پر کھڑی زبر کے ساتھ ہے) امام ذہبی رحمہ اللہ "تجرید الصحابہ" میں فرماتے ہیں کہ بحیریٰ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بعثت سے پہلے دیکھا اور آپ پر ایمان لایا۔ ابن مندہ اور ابو نعیم نے اسے صحابہ کرام میں شمار کیا۔ (معرفۃ الصحابہ جلد ۳ ص ۱۸۷) اور یہ قول اس بات پر مبنی ہے جب صحابی کی تعریف یوں کی جائے کہ جس نے آپ کو دیکھا ہو لیکن کیا نبوت کی حالت میں دیکھا ہو یا عام دیکھنا مراد ہے حتیٰ کہ وہ بھی (صحابی قرار پائے) جس نے نبوت سے پہلے آپ کو دیکھا اور اس (اعلانِ نبوت) سے پہلے ہی دینِ ابراہیمی پر انتقال کر گیا؛ یہ بات محلِ نظر ہے اور اس کے بارے میں بحث ان شاء اللہ ساتویں مقصد میں آئے گی۔

امام ترمذی نے یہ حدیث نقل کی اور اسے حسن قرار دیا۔ امام حاکم نے بھی اسے نقل کر کے صحیح قرار دیا۔۔۔

(امام حاکم نے کہا:) اس سفر میں سات رومی آپ کو قتل کرنے کے ارادے سے آئے تو بحیریٰ ان کے سامنے آیا اور ان سے پوچھا کہ تم کیوں آئے ہو؟ انہوں نے کہا: اس مہینے میں اس نبی نے نکلنا تھا؛ ہر راستے پر لوگ بھیجے گئے ہیں۔ بحیریٰ نے کہا: تمہارا کیا خیال ہے جس کام کو اللہ تعالیٰ کرنا چاہے اسے کوئی روک سکتا ہے؟ انہوں نے کہا: نہیں۔ راوی کہتے ہیں پھر انہوں نے بحیریٰ کے ہاتھ پر بیعت کی اور وہاں ہی ٹھہر گئے، نیز ابو طالب نے آپ کو واپس کر دیا اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے آپ کے ساتھ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو بھیجا۔

(مستدرک حاکم جلد ۲ ص ۶۱۶)

امام بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: سیرت نگاروں کے ہاں مشہور ہے۔ (دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۲ ص ۲۶) اور حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا کیونکہ اس کے آخر میں ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے آپ کے ہمراہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو بھیجا کیونکہ اس وقت حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ متاہل (بالغ اور شادی شدہ) نہیں تھے اور نہ آپ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو خریدا تھا۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے "الاصابہ فی معرفۃ الصحابہ" میں فرمایا کہ اس حدیث کے راوی ثقہ (قابلِ اعتماد) ہیں اور اس عبارت (حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو بھیجا) کے سوا کوئی بات منکر (غیر معروف) نہیں لہٰذا اسے اس بات پر محمول کیا جائے گا کہ یہ الفاظ کسی دوسری روایت سے اس میں داخل کیے گئے ہیں اور کسی راوی کو وہم ہو گیا۔ (الخصائص الکبریٰ جلد اوّل ص ۲۰۷)

امام بیہقی اور ابو نعیم رحمہما اللہ کی روایت میں ہے کہ بحیریٰ اپنی عبادت گاہ میں تھا کہ اس نے آپ کو سواروں کے درمیان آتے ہوئے یوں دیکھا کہ بادل صرف آپ پر سایہ کیے ہوئے ہیں، پھر وہ لوگ آئے حتیٰ کہ اس کے قریب ایک درخت کے سائے میں اُترے۔ اس نے بادل کی طرف دیکھا کہ اس نے درخت پر سایہ کیا اور درخت کی شاخیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف جھک گئیں حتیٰ کہ درخت آپ پر سایہ فگن ہو گیا۔

(دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۲ ص ۲۶)

اس حدیث میں یہ بھی ہے کہ بحیرئی اٹھااور اس نے آپ کو بغل میں لیااور آپ کے احوال معلوم کرنے لگا جو آپ کی نیند' ہیئت اور دیگر امور کے بارے میں تھے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے بتایا تو جو کچھ آپ کی صفت سے متعلق بحیرئی کو معلوم تھا آپ کا بیان اس کے موافق تھا پھر اس نے آپ کے دونوں کاندھوں کے درمیان مہرِ نبوت کو اسی طریقے پر دیکھا جو اس کے پاس محفوظ و معلوم تھا۔

اس سے پہلے یہ بات گزر چکی ہے کہ آپ کی (رضاعی) بہن شیماء بنت حلیمہ نے دوپہر کے وقت دیکھا کہ بادل آپ پر سایہ فگن ہے' جب آپ رکتے ہیں تو وہ بھی رُک جاتا ہے اور جب آپ چلتے ہیں تو وہ بھی چل پڑتا ہے---اسے ابو نعیم اور ابنِ عساکر نے نقل کیا ہے اور کسی شاعر نے کیا خوب کہا۔

ان قال یوما ظللته غمامة هی فی الحقیقة تحت ظل القائل

"اگر آپ کسی دن دوپہر کے وقت چل رہے ہوتے تو بادل آپ پر سایہ کرتا لیکن حقیقت میں بادل بھی آپ کے زیرِ سایہ ہے"۔

شیخ بدرالدین زرکشی رحمہ اللہ نے بعض اہلِ معرفت سے نقل کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مزاج مبارک معتدل تھا' آپ گرمی اور سردی محسوس نہیں کرتے تھے اور وہ بادل جو آپ پر سایہ فگن تھا وہ آپ کے اعتدال سے ہی پیدا ہوا۔[1]

ابنِ مندہ نے ضعیف سند کے ساتھ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تشریف لے گئے تو اس وقت آپ رضی اللہ عنہ کی عمر اٹھارہ سال اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک بیس سال تھی۔ آپ دونوں تجارت کی غرض سے شام کی طرف تشریف لے گئے حتیٰ کہ ایک جگہ اُترے جہاں بیری کے درخت تھے۔ آپ وہاں سائے میں تشریف فرما ہوئے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ راہب کی طرف تشریف لے گئے جس کا نام بحیرئی تھا۔ آپ اس سے کچھ پوچھ رہے تھے۔ اس نے کہا: درخت کے سائے میں کون شخص ہے؟ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ حضرت محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اس نے کہا: اللہ کی قسم! یہ نبی ہیں' حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد یہ درخت صرف حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر سایہ کرے گا۔ یہ بات حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دل میں بیٹھ گئی' چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلانِ نبوت فرمایا تو انہوں نے آپ کی اتباع کی۔

حافظ ابوالفضل ابنِ حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے "الاصابہ" میں فرمایا: اگر یہ واقعہ صحیح ہے تو یہ ابو طالب کے سفر کے علاوہ کوئی دوسرا سفر ہے۔

---

[1] امام زرقانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ بات احادیث مبارکہ کے خلاف ہے کیونکہ احادیث مبارکہ کے مطابق نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم گرمی سردی محسوس فرماتے تھے۔ صحیح بخاری میں ہے: ہجرت کے موقع پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر چادر سے سایہ کیا جب آپ دھوپ میں تھے۔ (اس کے علاوہ بھی روایات ہیں)

(شرح زرقانی علی المواہب جلد اوّل ص ۲۳۹)...۱۲ ہزاروی۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی تجارت کے لیے آپ ﷺ کا سفر

پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت خدیجہ بنت خویلد بن اسد رضی اللہ عنہا کے لیے تجارت کی خاطر ان کے غلام میسرہ کو ساتھ لے کر بصریٰ کے بازار میں تشریف لے گئے۔ کہا گیا ہے کہ یہ تہامہ میں سوق حباشہ تھا۔ اس وقت آپ کی عمر مبارک پچیس سال تھی اور ذوالحجہ کی چودہ راتیں باقی تھیں۔ آپ درخت کے سائے میں اُترے تو نسطورا راہب نے کہا: اس درخت کے نیچے نبی کے علاوہ کوئی نہیں اُترا اور ایک روایت میں ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد کوئی نہیں اُترا۔

میسرہ نے دوپہر کے وقت مشاہدہ کیا کہ دو فرشتے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر سایہ کر رہے ہیں۔ جب یہ قافلہ دوپہر کے وقت مکہ مکرمہ پہنچا اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا بالاخانے میں تھیں تو انہوں نے دیکھا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اونٹ پر ہیں اور دو فرشتے آپ کو سجدہ کر رہے ہیں۔ یہ بات ابونعیم نے روایت کی ہے۔

(دلائل النبوۃ لابی نعیم جلد اول ص ۵۴، طبقات ابن سعد جلد اول ص ۱۳۰)

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے نکاح

اس واقعہ کے دو مہینے اور پچیس دن بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا سے نکاح کر لیا۔ کہا گیا ہے کہ اس وقت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر اکیس سال تھی اور ایک قول یہ ہے کہ تیس سال تھی۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو دورِ جاہلیت میں طاہرہ کے نام سے پکارا جاتا تھا اور آپ ابوہالہ بن زرارہ تمیمی کے نکاح میں تھیں۔ ابوہالہ سے آپ کے ہاں (دو بیٹے) ہند اور ہالہ (رضی اللہ عنہما) پیدا ہوئے، پھر عتیق بن عابد مخزومی سے نکاح ہوا تو ہند پیدا ہوئیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح کے وقت حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی عمر مبارک چالیس سال اور چند ماہ تھی۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو نکاح کا پیغام دیا (السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد اول ص ۱۲۲) تو آپ نے اپنے چچوں سے اس بات کا ذکر کیا۔ ان میں سے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ آپ کے ساتھ گئے، حتی کہ آپ خویلد کے پاس گئے اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا رشتہ طلب کیا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ام المومنین سے نکاح کیا اور بیس جوان اونٹ مہر مقرر ہوا۔ (السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد اول ص ۱۲۲) اس نکاح میں ابوطالب اور مضر قبیلہ کے سردار بھی موجود تھے تو ابوطالب نے (درج ذیل) خطبہ دیا:

الحمد لله الذی جعلنا من ذریة ابراهیم، وزرع اسماعیل، وضئضئ معد، وعنصر مضر، وجعلنا حضنة بیته، وسواس حرمه، وجعل لنا بیتا محجوجا، وحرما آمنا، وجعلنا

تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جس نے ہمیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد سے، اسمٰعیل علیہ السلام کی کھیتی سے، معد کی اصل سے اور مضر کے عنصر سے پیدا کیا۔ ہمیں اپنے گھر (بیت اللہ شریف) کا نگران اور حرم کا متولی بنایا۔ ہمارے لیے ایسا گھر بنایا جس کا حج کیا جاتا ہے اور

الحکام علی الناس، ثم ان ابن اخی ھذا، محمد بن عبداللہ، لا یوزن برجل الا رجح بہ، فان کان فی المال قل، فان المال ظل زائل، وامر حائل، ومحمد ممن قد عرفتم قرابتہ، وقد خطب خدیجۃ بنت خویلد وبذل لھا من الصداق ما آجلہ وعاجلہ من مالی کذا وھو واللہ بعد ھذا لہ نبا عظیم وخطر جلیل۔

وہ عزت اور امن والا گھر ہے نیز ہمیں لوگوں کا حاکم بنایا، پھر میرا یہ بھتیجا محمد بن عبداللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہے جس سے بھی اس کا وزن (مقابلہ) کیا جائے۔ اسے ترجیح حاصل ہوتی ہے اگرچہ اس کے پاس مال کم ہے لیکن مال تو زائل ہونے والی چیز ہے اور فانی ہے اور یہ ان لوگوں میں سے ہے جن کی قرابت تم لوگ جانتے ہو۔ انہوں نے (میرے اس بھتیجے نے) خدیجہ بنت خویلد کو نکاح کا پیغام دیا اور میرے مال سے ایک مقدار بطور مہر دیا جس میں نقد بھی ہے اور ادھار بھی۔ اللہ تعالیٰ کی قسم! اس کے بعد میرے اس بھتیجے کے لیے بہت بڑی خبر اور عظیم معاملہ ہے۔

چنانچہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا نکاح آپ سے کر دیا گیا۔

ابن اسحٰق کے قول کے مطابق خویلد نے آپ کا نکاح کیا اور دولابی وغیرہ نے ذکر کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو بارہ اوقیہ اور نش سونا دیا اور اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ ایک اوقیہ چالیس درہم کا اور نش نصف اوقیہ ہوتا ہے (یعنی کل پانچ سو درہم ہوئے۔)

کعبۃ اللہ کی تعمیر

جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک پینتیس سال ہو گئی (السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد اول ص ۱۲۷) تو (اس وقت) قریش کو کعبہ شریف کے سیلاب کی وجہ سے گرنے کا خوف ہوا تو انہوں نے باقوم جو قبطی بڑھئی تھا اور سعید بن عاصی کا (آزاد کردہ) غلام تھا اور اس نے منبر شریف بھی بنایا تھا، کو کعبہ شریف کی تعمیر کے لیے بلایا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس میں شریک ہوئے اور پتھر اٹھا اٹھا کر لاتے تھے۔ وہ لوگ اپنے کاندھوں پر تہبند رکھتے تھے، جب آپ ﷺ نے ایسا کرنا چاہا تو کھڑے کھڑے گر پڑے اور آواز دی گئی کہ اپنے ستر کا خیال رکھیں اور یہ پہلی آواز تھی جو آپ کو دی گئی۔ ابو طالب یا حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کہا: بھتیجے! اپنا تہبند سر پر رکھیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: مجھے جو کچھ پہنچا (گرنا مراد ہے) وہ اسی برہنگی کی وجہ سے پہنچا۔[1]

[1] تعمیر کعبہ کے موقع پر جب حجر اسود کو دیوار میں نصب کرنے کا وقت آیا تو اختلاف پیدا ہو گیا، چنانچہ فیصلہ ہوا کہ کل صبح جو شخص سب سے پہلے باب بنو شیبہ سے داخل ہو گا وہ فیصلہ کرے گا۔ چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سب سے پہلے تشریف لائے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ فرمایا کہ ایک چادر بچھا کر اس پر حجر اسود رکھا جائے اور پھر ہر قبیلے کا ایک ایک آدمی چادر کے کنارے کو پکڑے۔ جب چادر کو سب نے مل کر اٹھایا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجر اسود کو اس کے مقام پر رکھ دیا اور یوں لڑائی کا امکان ختم ہو گیا۔ ۱۲ ہزاروی۔

بعثت نبوی

بعثت کا وقت

جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک چالیس سال ہوگئی، بعض نے کہا چالیس سال چار مہینے، کسی نے دس دن زائد اور کسی نے دو مہینے زائد کا قول کیا ہے، رمضان شریف کے سترہ دن گزر چکے تھے، بعض نے کہا سات دن اور ایک قول کے مطابق چوبیس راتیں گزر چکی تھیں اور سوموار کا دن تھا۔ ابن عبدالبر نے کہا کہ عام الفیل کے اکتالیس سال بعد سوموار کے دن جب کہ ربیع الاول کے آٹھ دن گزر چکے تھے اور یہ بھی کہا گیا کہ ربیع الاول شریف کا آغاز تھا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو تمام جہانوں کے لیے رحمت اور دونوں جہانوں کے لیے کفالت کرنے والا رسول بنا کر مبعوث فرمایا۔

سوموار کے دن بعثت پر حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ کی یہ روایت گواہ ہے جو امام مسلم رحمہ اللہ نے (صحیح مسلم میں) نقل کی ہے، وہ یہ کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوموار کے دن کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا: اس دن میری ولادت ہوئی اور اسی دن مجھ پر وحی نازل ہوئی۔

(صحیح مسلم جلد اوّل ص ۳۶۸، لطائف المعارف ص ۱۸۹، السنن الکبریٰ للبیہقی جلد ۴ ص ۲۹۳)

ابن قیم نے "الھدی النبوی" میں کہا کہ ماہ رمضان المبارک میں بعثت کا قول کرنے والوں کی دلیل یہ ارشادِ خداوندی ہے:

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ۔ رمضان المبارک کا وہ مہینہ ہے جس میں قرآن پاک نازل ہوا۔ (البقرۃ: ۱۸۵)

ان حضرات نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت کا سب سے پہلا اعزاز نزولِ قرآن کی صورت میں دیا۔ (زاد المعاد لابن قیم جلد اوّل ص ۳۱)

دوسرے حضرات نے کہا: بے شک مکمل قرآنِ پاک لیلۃ القدر میں بیت العزۃ کی طرف نازل کیا گیا پھر تیئس سال کے عرصہ میں حسبِ واقعات تھوڑا تھوڑا نازل ہوتا رہا۔۔۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ بعثت کی ابتداء ماہ رجب میں ہوئی۔

ابتدائے وحی کی حدیث

امام بخاری رحمہ اللہ نے تعبیر کے بیان میں (اور تفسیر کے بیان میں بھی) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نقل کیا وہ فرماتی ہیں:

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کا آغاز نیند کی حالت میں سچے خوابوں کے ذریعے ہوا۔ آپ جو خواب دیکھتے وہ صبح کے نُور کی طرح ظہور پذیر ہوتا اور آپ غارِ حرا میں تشریف لے جاتے اور کئی کئی راتیں وہاں عبادت کرتے اور اس کے لیے کھانے پینے کا سامان ساتھ لے جاتے پھر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لاتے اور مزید سامان لے جاتے، حتیٰ کہ اچانک ایک دن حق آیا اور آپ غارِ حرا میں تھے۔

ایک فرشتہ وہاں آپ کے پاس آیا اور اس نے کہا "اقرء" (پڑھیے) (آپ فرماتے ہیں) میں نے کہا: میں پڑھنے والا نہیں ہوں۔ اس نے مجھے پکڑ کر بھینچا حتیٰ کہ مجھے تکلیف ہوئی، پھر مجھے چھوڑ دیا اور کہا: پڑھیے۔ میں نے کہا: میں پڑھنے والا نہیں ہوں۔ اس نے پھر مجھے پکڑ کر دوسری بار بھینچا جس سے مجھے تکلیف محسوس ہوئی۔ پھر چھوڑا اور کہا: پڑھیے۔ میں نے کہا: میں پڑھنے والا نہیں ہوں۔ اس نے مجھے پکڑا اور تیسری بار بھینچا حتیٰ کہ مجھے تکلیف محسوس ہوئی، پھر چھوڑا اور کہا:

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ۝ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝ اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۝ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ۝ (العلق: 5-1)

پڑھو اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا آدمی کو خُون کی پھٹک سے بنایا، پڑھو اور تمہارا رب ہی سب سے بڑا کریم ہے جس نے قلم سے لکھنا سکھایا، آدمی کو سکھایا جو نہ جانتا تھا۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس وحی کے ساتھ واپس تشریف لائے تو آپ کا قلبِ اقدس دھڑک رہا تھا حتیٰ کہ آپ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لائے اور فرمایا: "مجھے چادر اوڑھاؤ، مجھے چادر اوڑھاؤ۔" گھر والوں نے چادر اوڑھائی حتیٰ کہ آپ کا خوف زائل ہو گیا تو فرمایا: اے خدیجہ! مجھے کیا ہو گیا تھا؟ پھر فرمایا: مجھے اپنی جان کا خوف پیدا ہو گیا تھا۔[1] (صحیح بخاری جلد ۲ ص ۱۰۳۳)

حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا: ہرگز نہیں! آپ کو خوشخبری ہو، اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ آپ کو کبھی بھی رُسوا نہیں کرے گا کیونکہ آپ صلہ رحمی کرتے ہیں، سچی بات کہتے ہیں، ناداروں کا بوجھ اٹھاتے ہیں، مہمان نوازی کرتے ہیں اور امورِ حق پر ان کی مدد کرتے ہیں۔

اس کے بعد حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا آپ کو ورقہ بن نوفل بن اسد بن عبدالعزیٰ بن قصی کے پاس لے گئیں جو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے باپ کے بھائی یعنی آپ کے چچا کے بیٹے تھے۔ یہ وہ شخص تھے جو دورِ جاہلیت میں عیسائی رہے اور وہ کتاب کو عبرانی زبان میں لکھتے تھے اس لیے انجیل میں سے جس قدر اللہ تعالیٰ چاہتا وہ اسے عبرانی زبان میں لکھتے۔ وہ بہت بوڑھے ہو چکے تھے اور بینائی بھی زائل ہو گئی تھی۔

---

[1] خوف کی وجہ آگے حدیث شریف کی تشریح کے ضمن میں بیان ہو رہی ہے وہاں ملاحظہ فرمائیں۔ ۱۲ ہزاروی۔

حضرت ام المومنین خدیجہ رضی اللہ عنہا نے ان سے فرمایا: اے میرے چچا زاد بھائی! اپنے بھتیجے سے سنو! ورقہ بن نوفل نے پوچھا: آپ نے کیا دیکھا ہے؟ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ دیکھا تھا بتا دیا۔ ورقہ نے کہا: یہ وہی فرشتہ ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اترا، کاش! میں اس وقت جوان ہوتا، کاش! میں اس وقت زندہ ہوتا جب آپ کی قوم آپ کو (شہر سے) نکال دے گی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: کیا وہ مجھے نکالیں گے؟ ورقہ نے کہا: ہاں! جو شخص بھی یہ چیز (نبوت) لے کر آیا جو تم لے کر آئے ہو اس سے لوگوں نے دشمنی کی، اگر مجھے وہ دن حاصل ہوا تو میں آپ کی نہایت مضبوط مدد کروں گا۔

لیکن زیادہ وقت نہ گزرا کہ ورقہ بن نوفل کا انتقال ہو گیا اور وحی (بھی) رُک گئی، حتیٰ کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم غمگین ہو گئے۔ (امام زہری فرماتے ہیں:) جیسا کہ ہمیں خبر پہنچی ہے کہ اس غم کی وجہ سے کئی بار آپ بلند پہاڑوں کی چوٹیوں سے چھلانگ لگانے کے لیے تشریف لے گئے۔ آپ جب بھی کسی پہاڑی کی چوٹی پر جاتے کہ اپنے آپ کو گرا دیں تو حضرت جبرئیل علیہ السلام سامنے آ جاتے اور عرض کرتے: اے محمد! (صلی اللہ علیک وسلم) بے شک آپ اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں۔ اس سے آپ کے دل کو سکون مل جاتا اور اس کا اضطراب ختم ہو جاتا اور آپ واپس لوٹ آتے۔ پھر جب وحی نہ آتی تو آپ دوبارہ اسی ارادے سے چل پڑتے۔ جب پہاڑ کی چوٹی پر پہنچتے تو حضرت جبرئیل علیہ السلام ظاہر ہوتے اور وہی بات کہتے۔ (صحیح بخاری جلد ۲ ص ۱۰۳۴ کتاب التفسیر)

اس حدیث کے معانی کا بیان

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ مجھے اپنے نفس کا ڈر ہے تو اس سلسلے میں علماء کرام نے گفتگو کی ہے۔ (حافظ ابوبکر احمد بن ابراہیم بن اسمٰعیل بن عباس) اسماعیلی رحمہ اللہ اس بات کی طرف گئے ہیں کہ یہ خوف اس بات کا ضروری علم حاصل ہونے سے پہلے تھا کہ آپ کے پاس جو آیا وہ فرشتہ تھا، آپ پر یہ بات گراں تھی کہ کہیں آپ کو مجنون نہ کہا جائے۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ آپ کو قوم کا خوف تھا کہ وہ آپ کو قتل نہ کر دیں اور اس میں کوئی تعجب نہیں کیونکہ آپ بشر تھے (اگرچہ بے مثل بشر تھے) اس لیے دوسرے انسانوں کی طرح آپ کو بھی قتل اور اذیت کا خوف تھا (کیونکہ یہ بشری تقاضا ہے)۔

آپ کا یہ فرمانا کہ میں "پڑھنے والا نہیں ہوں" (ما انا بقارئ) اس کا مطلب یہ ہے کہ میں نے کسی سے نہیں پڑھا، پس میں کتاب نہیں پڑھتا۔

حضرت قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں (وحی کی) ابتدا خواب سے اس لیے کی گئی کہ اچانک فرشتے کے آنے اور واضح طور پر اچانک نبوت کے آنے سے بشری قوت کے لیے برداشت ممکن نہ ہوتی لہٰذا نبوت کے خصائل اور کرامت کی خوشخبریوں سے آغاز کیا گیا۔ (شرح صحیح مسلم للقاضی عیاض جلد اول ص ۴۷۹)

سوال: تین بار ما انا بقارئ کیوں فرمایا؟

جواب: ابوشامہ (ابوالقاسم عبدالرحمٰن بن اسماعیل بن ابراہیم مقدسی دمشقی شافعی رحمہ اللہ) نے اس کا جواب دیا ہے جو فتح الباری میں اس طرح ہے کہ پہلی بار "ما انا بقارئ" کہنا رک جانے پر محمول کیا جائے، دوسری بار محض نفی پر اور تیسری بار استفہام پر محمول کیا جائے۔ (فتح الباری جلد اوّل ص ۲۴)

تین بار آپ کو دبانے میں حکمت یہ تھی کہ آپ کی توجہ کسی دوسری طرف نہ رہے اور اس بات کو ظاہر کیا گیا کہ یہ معاملہ بہت سخت ہے، اس میں آپ کو خبردار کیا گیا کہ عنقریب آپ کو بھاری قول سے واسطہ پڑے گا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کا مقصد خیال اور وسوسے کا دُور کرنا تھا کیونکہ یہ جسم کی صفات سے نہیں پس جب یہ بات جسم پر واقع ہوئی تو معلوم ہوا کہ یہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہے۔

سوال: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو کیسے معلوم ہوا کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے فرشتے ہیں جنوں میں سے نہیں ہیں؟

جواب: اس کا جواب دو طریقوں پر ہے: ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کے ہاتھ پر معجزات ظاہر کیے جن کے ذریعے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی پہچان حاصل ہوئی، جس طرح اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو معجزات عطا فرمائے جن کے ذریعے ہم نے آپ کو پہچانا۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم (کی ذات والا صفات) میں ایک علم ضروری پیدا فرمایا کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی طرف سے (بھیجے ہوئے) فرشتہ ہیں جن اور شیطان نہیں، جس طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو اس بات کا علم عطا کیا کہ ان سے کلام کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے کوئی دوسرا نہیں اور ان کو بھیجنے والا بھی ان کا رب ہے کوئی دوسرا نہیں۔

اور ورقہ بن نوفل کا یہ کہنا کہ کاش میں اس وقت جوان ہوتا تو اس سے مراد اعلانِ نبوت ہے یعنی کاش میں ظہورِ نبوت کے وقت جوان ہوتا حتیٰ کہ آپ کی خوب مدد کرتا (لفظ جذع، جوانی استعمال کیا) لفظ جذع جانوروں کے دانتوں کے لیے استعمال ہوتا ہے اور اس سے مراد وہ جانور ہیں جو جوان ہوں۔

درختوں اور پتھروں کا آپ کو سلام کرنا

امام بیہقی رحمہ اللہ نے علاء بن جاریہ ثقفی کے طریقے سے بعض اہلِ علم سے نقل کیا کہ جب اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت افزائی فرمانے کا ارادہ کیا اور اس کی ابتدا نبوت سے فرمائی تو آپ جس پتھر اور درخت کے پاس سے گزرتے وہ آپ کو سلام کہتا اور آپ اسے سنتے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پیچھے مڑکر اور دائیں بائیں دیکھتے تو درخت اور اس کے گرد پتھروں کے سوا کچھ نظر نہ آتا اور وہ سلام، نبوت کے اعتبار سے یوں ہوتا:

السلام علیک یارسول اللہ۔ اے اللہ کے رسول! آپ پر سلام ہو۔

(السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد اوّل ص ۱۵۲، دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۳ ص ۱۴۶)

ابتداءوحی کے بارے میں دوسری حدیث

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں ایک مہینے تک غارِ حرا میں رہا جب وہاں ٹھہرنے کا وقت پورا ہوا تو میں اُتر آیا پس مجھے آواز دی گئی۔ میں نے اپنی دائیں جانب دیکھا تو کچھ بھی نظر نہ آیا، بائیں طرف دیکھا تو کچھ بھی دکھائی نہ دیا، پیچھے دیکھا تو بھی کچھ نظر نہ آیا، میں نے سر اٹھا کر اوپر کی طرف دیکھا تو میں نے کچھ دیکھا (حضرت جبرئیل علیہ السلام کو دیکھا) تو میں اپنی حالت پر قائم نہ رہ سکا چنانچہ میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس آگیا اور میں نے کہا:

دثرونی دثرونی۔ مجھے کمبل اوڑھاؤ، مجھے کمبل اوڑھاؤ۔

اور مجھ پر ٹھنڈا پانی ڈالو، پھر یہ آیات نازل ہوئیں:

یٰۤاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ○ قُمْ فَاَنْذِرْ○ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ۔ (المدثر: ۳-۱)

اے کمبل اوڑھنے والے! اٹھئے، پس لوگوں کو ڈرایئے اور اپنے رب کی بڑائی بیان کیجئے۔

اور یہ نماز فرض ہونے سے پہلے کی بات ہے۔

(صحیح بخاری جلد ۲ ص ۷۳۲، صحیح مسلم جلد اوّل ص ۹۰، کتاب الایمان، مسند امام احمد جلد ۳ ص ۳۰۶)

نبوت کسبی چیز نہیں

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا غارِ حرا میں ٹھہرنا طلب نبوت کے لیے نہ تھا کیونکہ نبوت کا مقام طلب یا اکتساب سے بلند ہے بلکہ یہ تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک عطیہ ہے اور ایک خصوصیت ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جسے چاہے اس کے ساتھ خاص کر دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ وہ منصب رسالت کو کہاں رکھے۔[1]

آپ کا قلبی اضطراب خوشی کی وجہ سے تھا

جس قلبی اضطراب کا ذکر کیا گیا وہ حضرت جبریل علیہ السلام سے خوف کی وجہ سے نہ تھا کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اس بات سے بلند و بالا ہے اور آپ نہایت مضبوط دل والے تھے بلکہ آپ اپنے حال پر خوش ہوئے اور یہ اضطراب اللہ تعالیٰ کی طرف سے متوجہ ہونے کی وجہ سے تھا آپ کو ڈر ہوا کہ کہیں اللہ تعالیٰ سے ہٹ کر کسی اور کی طرف متوجہ نہ ہو جاؤں، یہ بھی کہا گیا ہے کہ نبوت کے بوجھ کی وجہ سے آپ کو خوف ہوا۔

---

[1] نبوت کا منصب عظیم الشان شخصیات کو عطا ہوا اور وہ بشر ہونے کے باوجود دوسرے لوگوں سے ممتاز تھے اس لیے وہ بے مثل بشر تھے... ۱۲ہزاروی۔

نزولِ قرآن کا آغاز

امام بیہقی رحمہ اللہ نے دلائل النبوۃ میں نقل کیا کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اے عتیق! ان کو ورقہ بن نوفل کے پاس لے جائیں چنانچہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کو ورقہ کے پاس لے گئے اور آپ نے تمام واقعہ بیان کیا۔ آپ نے فرمایا: جب میں تنہا ہوتا ہوں تو آواز آتی ہے اے محمد! اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) تو میں بھاگ جاتا ہوں۔ ورقہ بن نوفل نے کہا: جب یہ ندا آئے تو نہ بھاگیں بلکہ ٹھہرے رہیں اور جو کچھ سنیں وہ مجھے بتائیں۔ جب آپ تنہا ہوئے تو آواز آئی اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ ٹھہرے رہے تو آواز دینے والے نے کہا: پڑھیں "الحمدللہ رب العالمین" (پوری سورۂ فاتحہ) پھر کہا: پڑھئے "لا الٰہ الا اللہ"... الحدیث... (دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۲ ص ۱۵۸)

جن لوگوں نے کہا ہے کہ سب سے پہلے سورۂ فاتحہ نازل ہوئی انہوں نے اس واقعہ سے استدلال کیا ہے اور صحیح بات یہ ہے کہ قرآن پاک میں سے سب سے پہلے "اقرء باسم ربک الذی خلق" (سورہ العلق) نازل ہوئی جیسا کہ صحیح حدیث میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ثابت ہے۔ (الدر المنثور جلد ۶ ص ۳۶۸) اور یہی بات حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اور عبید بن عمیر رحمہ اللہ (تابعی) سے بھی مروی ہے۔

حضرت امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہی صحیح بات ہے اور سلف و خلف جمہور کا یہی مسلک ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ اور دیگر حضرات سے جو مروی ہے کہ سب سے پہلے "یایھا المدثر" نازل ہوئی تو امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ ضعیف بلکہ باطل ہے، یہ آیات وحی کے رُک جانے کے بعد نازل ہوئی ہیں۔ (صحیح مسلم جلد اول ص ۹۰ کتاب الایمان، حاشیہ)

حضرت امام بیہقی رحمہ اللہ والی روایت جس میں سورۂ فاتحہ کو پہلی وحی قرار دیا گیا جیسا کہ بعض مفسرین کا قول ہے تو امام بیہقی نے فرمایا: یہ حدیث منقطع ہے۔[1] اور اگر یہ حدیث محفوظ ہو تو اس بات کا احتمال ہے کہ "اقرء باسم ربک" اور "یایھا المدثر" کے نزول کے بعد اس کے اُترنے کی خبر دی گئی ہو۔

(دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۲ ص ۱۵۹)

حضرت امام نووی رحمہ اللہ اس قول کو ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں: اس کا بطلان ذکر کا محتاج نہیں، اس سے بھی زیادہ ظاہر ہے۔

مروی ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام جب پہلی مرتبہ قرآن پاک (کی آیات) لے کر آئے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو پناہ مانگنے کے بارے میں کہا جیسا کہ امام ابو جعفر بن جریر رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا، وہ فرماتے ہیں: حضرت جبریل علیہ السلام جب پہلی بار نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے تو عرض کیا: اے محمد! (صلی اللہ علیک وسلم) پناہ مانگئے۔ آپ نے فرمایا: "استعیذ بالسمیع العلیم من الشیطن الرجیم" میں شیطان مردود سے سننے جاننے والے (اللہ تعالیٰ) کی پناہ چاہتا ہوں۔

---

[1] حدیث منقطع وہ حدیث ہے جس کا کوئی راوی ساقط ہو۔ (مذکور نہ ہو)

پھر کہا: "بسم اللہ الرحمن الرحیم" پڑھیں، اس کے بعد کہا: پڑھئے "اقرء باسم ربک الذی خلق" حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہونے والی سب سے پہلی سورت یہی ہے۔

حافظ عماد الدین بن کثیر رحمہ اللہ نے یہ روایت ذکر کرنے کے بعد فرمایا کہ یہ اثر (حدیث) غریب[1] ہے، ہم نے اس لیے اسے ذکر کیا تاکہ اس کا علم ہو جائے کیونکہ اس کی سند میں ضعف اور انقطاع ہے۔

غارِ حرا کیوں اختیار فرمایا؟

ابن ابی جمرہ نے ایک سوال کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے غارِ حراء کا انتخاب کیوں فرمایا کہ آپ وہاں جا کر علیحدگی میں عبادت فرماتے تھے، دوسرے مقامات کو کیوں اختیار نہیں فرمایا؟

اس کا جواب یوں دیا کہ اس غار کو دوسرے غاروں پر فضیلت حاصل ہے کیونکہ اس میں لوگوں سے دُوری، دلجمعی کے ساتھ عبادت اور بیت اللہ کی زیارت کا فائدہ حاصل ہوتا ہے گویا اس میں آپ کے لیے تین عبادتیں جمع ہوگئیں: (۱) تنہائی (۲) عبادت اور (۳) بیت اللہ شریف کی زیارت۔ جبکہ دوسرے غاروں میں یہ تین باتیں جمع نہیں ہو سکتیں۔ (غارِ حراء سے کعبہ شریف بالکل سامنے ہے)

(امام مفسر عبداللہ بن محمد قرشی) مرجانی رحمہ اللہ کو اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے، انہوں نے غارِ حراء کے فضائل اور اس کی خصوصیات کے بارے میں کہا۔

تامل حراء فی جمال محیاه — فکم من اناس من حلاحسنه تاهوا
فمما حوی من جا لعلیاه زائرا — یفرج عنه الهم فی حال مرقاه
به خلوة الهادی الشفیع محمد — وفیه له غار له کان یرقاه
وقبلته للقدس کانت بغاره — وفیه اتاه الوحی فی حال مبداه
وفیه تجلی الروح بالموقف الذی — به الله فی وقت البداءة سواه
وتحت تخوم الارض فی السبع اصله — ومن بعد هذا اهتز بالسفل اعلاه
ولما تجلی الله قدس ذکره — لطور تشظی فهو احدی شظایاه
ومنها ثبیر ثم ثور بمکه — کذا قد اتی فی نقل تاریخ مبداه
و فی طیبة ایضا ثلاث فعدها — فعیرا و ورقانا واحدا روبناه
ویقبل فی ساعة الظهر من دعا — به ینادی من دعانا اجبناه
و فی احد الاقوال فی عقبة حرا — اتی ثم قابیل لهابیل غشاه
ومما حوی سرا حوته صخوره — من التبر اکسیرا یقام سمعناه

[1] حدیث غریب وہ حدیث صحیح جس کا راوی ایک ہو، وہ غریب کہلاتی ہے۔

سمعت به تسبيحها غير مرة واسمعته جمعا فقالوا سمعناه
به مركز النور الالهي مثبتا فلله ما احلى مقاما باعلاه

"حراء کے چہرے میں غور کرو کتنے ہی لوگ ہیں جو اس کے حُسن کے زیور سے سرگشتہ ہیں"۔

"یہ اپنی فضیلت کے باعث آنے والے کے غم کو دُور کر دیتا ہے جب وہ اس پر چڑھتا ہے"۔

"یہ ہادی دو جہاں شفیع امم صلی اللہ علیہ وسلم کی گوشہ نشینی کا مقام ہے اور اس میں ایک غار ہے جس پر آپ ﷺ تشریف لے جاتے تھے"۔

"آپ ﷺ کا قبلہ بیت المقدس سے غار میں تھا اور شروع شروع میں وہیں آپ کے پاس وحی آتی تھی"۔

"اور حرا میں جبریل امین نے اس موقف میں تجلی کی جس کے سبب اللہ تعالیٰ نے ابتدا میں اسے درست و ہموار کیا"۔

"اس کی اصل ساتوں زمینوں کے نیچے ہے اور پھر اس اصل کے سبب اوپر والے حصے نے جنبش کی"۔

"اور جب پاک ذکر والے اللہ نے طور پر تجلی فرمائی تو وہ ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا اور ان ٹکڑوں میں سے ایک ٹکڑا حرا ہے"۔

"اور ان ہی ٹکڑوں میں سے کوہ ثبیر اور پھر کوہ ثور ہے جو مکہ مکرمہ میں ہے۔ نقل تاریخ میں حرا کی ابتدا اسی طرح ہوئی"۔

"اور مدینہ طیبہ میں تین ہیں، تم ان کی گنتی کرو: جبل عیر، جبل ورقان اور جبل احد، یہ تینوں بھی کوہ طور کے ٹکڑے ہیں"۔

"اور اس میں ظہر کے وقت دُعا کرنے والے کی دُعا قبول ہوتی ہے اور آواز دی جاتی ہے کہ جو شخص ہم سے دُعا کرتا ہے ہم اس کی دُعا قبول کرتے ہیں"۔

"ایک قول یہ بھی ہے کہ حرا کی پچھلی جانب قابیل آیا اور اس نے ہابیل کو قتل کیا"۔

"غارِ حرا میں جو سونے اور چاندی کے ٹکڑے ہیں وہ اس کی چٹانوں میں بھی ہیں، وہ اکسیر ہیں۔ یہی بات ہم نے سنی ہے"۔

"میں نے کئی بار وہاں تسبیح سنی اور دوسروں کو بھی سنائی تو انہوں نے کہا: ہم نے بھی سنی ہے"۔

"حرا میں نُورِ الٰہی کا مرکز قائم ہے اور اللہ کی قسم اس کے اوپر ٹھہرنا کتنا میٹھا (پسندیدہ) ہے"۔

وحی کے آغاز پر شقِ صدر

ابو نعیم نے روایت کیا کہ حضرت جبریل اور حضرت میکائیل علیہما السلام نے آپ کے سینہ مبارکہ کو چاک کر

کے اسے دھویا پھر فرمایا: "اقرء باسم ربک" (آخر تک)

اور اس حدیث میں یہ بھی ہے کہ ورقہ بن نوفل نے کہا: آپ کو خوشخبری ہو اور میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ وہی ہیں جن کی خوشخبری حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دی ہے اور آپ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی صفت پر ہیں (کہ ان کی طرح آپ پر بھی وحی نازل ہوئی) اور آپ نبی مرسل ہیں۔ (دلائل النبوۃ لابی نعیم جز اوّل ص ٦٩)

(ابوداؤد سلیمان بن جارود بصری) طیالسی اور حارث (بن محمد بن ابی اسامہ) رحمہما اللہ نے بھی اپنی اپنی مسندوں میں اس موقع پر شقِ صدر کے بارے میں روایت کیا ہے۔۔۔ اور اس میں حکمت یہ تھی کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف جو وحی ہو آپ اسے مضبوط دل کے ساتھ طہارت کے نہایت کامل احوال میں حاصل کریں۔

مراتبِ وحی

ابن قیم وغیرہ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے وحی کو متعدد مراتب پر مکمل کیا۔ (جو درج ذیل ہیں)

(۱) سچا خواب: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جو خواب دیکھتے اس کی تعبیر روشن صبح کی طرح سامنے آتی۔

(۲) جو کچھ فرشتہ آپ کے دل اور نفس میں ڈالتا تھا اس حال میں کہ وہ نظر نہیں آتا تھا جیسا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ان روح القدس نفث فی روعی لن تموت نفس حتی تستکمل رزقھا فاتقوا اللہ واجملوا الطلب۔

بیشک روح القدس (حضرت جبرئیل علیہ السلام) نے میرے دل (نفس) میں یہ بات ڈالی کہ کوئی نفس ہرگز دُنیا سے نہیں جائے گا یہاں تک کہ وہ اپنا رزق حاصل کرلے، پس اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور اچھی طلب رکھو۔

(زاد المعاد لابن قیم جلد اوّل ص ٣٢، مستدرک حاکم جلد ٢ ص ٤، التمہید جلد اوّل ص ٢٨٤)

اس حدیث کو ابن ابی الدنیا (عبداللہ بن محمد بن عبید اموی) نے "کتاب القناعۃ" میں نقل کیا اور حاکم نے اسے صحیح قرار دیا۔

(۳) فرشتہ انسانی صورت میں آتا اور آپ سے مخاطب ہوتا حتی کہ آپ اس سے سن کر یاد کرلیتے۔ فرشتہ آپ کے پاس حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کی صورت میں آتا تھا۔ یہ بات امام نسائی نے صحیح سند کے ساتھ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت سے نقل کی ہے۔

(مصنف فرماتے ہیں:) میں کہتا ہوں حضرت دحیہ رضی اللہ عنہ خوبصورت اور جمیل تھے، جب آپ تجارت کے لیے تشریف لے جاتے تو کجاووں سے (پردہ نشین) عورتیں آپ کو دیکھنے کے لیے باہر نکل آتی تھیں۔

سوال: جب حضرت جبریل علیہ السلام حضرت دحیہ رضی اللہ عنہ کی صورت میں ملتے تو ان کی روح کہاں ہوتی تھی، اگر وہ جسم میں ہوتی جس کے چھ سو پر تھے تو جو آپ کے پاس آتا وہ نہ تو جبریل علیہ السلام کی روح ہوتی

اور نہ ان کا جسم اور اگر اس جسم میں ہوتی جو حضرت دحیہ رضی اللہ عنہ کی صورت میں تھا تو وہ بہت بڑا جسم مرجاتا تھا یا روح سے خالی ہو جاتا تھا اور وہ روح اس جسم سے منتقل ہو کر اس جسم میں آجاتی تھی جو حضرت دحیہ رضی اللہ عنہ کے جسم کے مشابہ تھا۔ (عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری جلد اول ص ۴۶)

جواب: اس کا جواب اس طرح دیا گیا جیسے (علامہ بدرالدین محمود بن احمد بن موسیٰ حنفی) عینی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ یہ بات بعید نہیں ہے کہ روح کا انتقال موت کا باعث نہ ہو، پس جسم زندہ رہے اس کے معارف سے کچھ بھی کم نہ ہو اور اس کی روح کا دوسرے جسم کی طرف منتقل ہونا اسی طرح ہو جس طرح شہداء کی روحیں سبز پرندوں کے پیٹوں میں چلی جاتی ہیں اور ارواح کے جدا ہونے سے جسموں کا مرجانا عقلاً واجب نہیں ہے بلکہ یہ تو اللہ تعالیٰ نے انسانوں میں ایک طریقہ جاری فرمایا جو ان کے علاوہ مخلوق میں ضروری نہیں۔

(عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری جلد اول ص ۴۶)

(۴) بعض اوقات وحی گھنٹی کی آواز کی طرح آتی تھی اور یہ آپ پر بہت سخت ہوتی تھی حتیٰ کہ سخت سردی کے دن آپ کی پیشانی سے پسینہ بہتا تھا اور بوجھ کی وجہ سے آپ کا اونٹ زمین پر بیٹھ جاتا تھا۔ ایک مرتبہ اسی حالت میں وحی آئی اور آپ کی ران حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی ران پر تھی تو اس پر بوجھ پڑا حتیٰ کہ قریب تھا کہ وہ ٹوٹ جاتی۔ (زادالمعاد لابن قیم جلد اول ص ۳۲)

(مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:) میں کہتا ہوں امام طبرانی نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں: میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے وحی لکھا کرتا تھا اور جب آپ پر وحی نازل ہوتی تو آپ سخت بخار میں مبتلا ہو جاتے اور چھوٹے چھوٹے موتیوں کی طرح کا بہت زیادہ پسینہ آتا تھا پھر وحی موقوف ہو جاتی اور آپ مجھ پر بولتے جاتے اور میں لکھتا تھا۔ ابھی میں فارغ نہیں ہوتا تھا کہ وحی کے بوجھ کی وجہ سے میرا پاؤں ٹوٹنے کے قریب ہو جاتا تھا۔ حتیٰ کہ میں کہتا: میں اپنے پاؤں سے کبھی چل نہیں سکوں گا۔

جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر سورۃ المائدہ نازل ہوئی تو قریب تھا کہ سورت کے بوجھ سے آپ کی اونٹنی کا بازو (اگلی ٹانگ) ٹوٹ جائے، اسے امام احمد رحمہ اللہ نے (اپنی مسند میں) (مسند امام احمد بن حنبل جلد ۶ ص ۴۵۵) اور امام بیہقی رحمہ اللہ نے شعب الایمان میں ذکر کیا۔

(۵) آپ فرشتے کو اصلی صورت میں دیکھتے تھے اور اس کے (حضرت جبریل علیہ السلام کے) چھ سو پر تھے، وہ جو چاہتے آپ کی طرف وحی کرتے اور دو مرتبہ ایسا ہوا کہ جیسا کہ سورۃ النجم میں ہے۔[1]

(۶) جب آپ آسمانوں سے اوپر تشریف لے گئے تو اللہ تعالیٰ نے جو کچھ چاہا آپ کی طرف وحی فرمائی، جیسے نمازوں کی فرضیت وغیرہ۔

(۷) اللہ تعالیٰ کا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے فرشتے کے واسطے کے بغیر کلام کرنا جیسے حضرت موسیٰ علیہ

---

[1] ابتدائے بعثت کے وقت جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم غار حراء میں تھے تو آپ نے حضرت جبریل علیہ السلام کو افق میں دیکھا اور دوسری بار سدرۃ المنتہیٰ پر دیکھا۔ سورۂ نجم میں ہے: اور آپ نے ان کو دوسری مرتبہ سدرۃ المنتہیٰ کے پاس دیکھا۔

السلام سے کلام فرمایا۔

ابن قیم نے کہا کہ بعض علماء نے وحی کا آٹھواں مرتبہ بھی ذکر کیا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کا آپ سے کسی حجاب کے بغیر کلام کرنا۔ (زاد المعاد لابن قیم جلد اول ص ۳۲)

کلام ابن قیم کے بارے میں عراقی کی رائے

شیخ الاسلام الولی ابن عراقی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ابن قیم نے یہ بیان امام سہیلی رحمہ اللہ کی "الروض" سے بیان کیا لیکن انہوں نے یہ بات ذکر نہیں کی کہ جبریل علیہ السلام سے پہلے حضرت اسرافیل علیہ السلام وحی کے کچھ کلمات لے کر آتے تھے۔ (کتب) صحاح کے طریقے سے ثابت ہے حضرت شعبی رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر حضرت اسرافیل علیہ السلام مقرر ہوئے۔ تین سال تک وہ آپ کے سامنے ظاہر ہوتے اور وحی کے کلمات اور دیگر آداب لاتے رہے، پھر حضرت جبریل علیہ السلام متعین ہوئے تو وہ قرآن پاک لے کر آئے۔

اور جہاں تک ابن القیم کی چھٹی بات کا تعلق ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں سے اوپر یعنی معراج کی رات نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی فرمائی اور ساتویں صورت جو بلاواسطہ کلام ہے اگر اس سے مراد حضرت جبریل علیہ السلام کی وحی ہی ہے تو وہ پہلی صورتوں میں داخل ہے کیونکہ اس حالت میں حضرت جبریل علیہ السلام اپنی اصل صورت پر تھے یا انسانی شکل میں اور دونوں صورتیں پہلے بیان ہو چکی ہیں اور اگر اللہ تعالیٰ کا بلاواسطہ وحی بھیجنا مراد ہے اور یہی ظاہر ہے تو یہ بعد والی صورت ہے۔

اور ان کا یہ کہنا کہ بعض نے وحی کا آٹھواں مرتبہ بھی بیان کیا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کا حجاب کے بغیر گفتگو کرنا ہے تو یہ ان لوگوں کے مذہب پر (صحیح) ہے جو رویت باری تعالیٰ کے قائل ہیں اور یہ اختلافی مسئلہ ہے، اس پر گفتگو ان شاء اللہ بعد میں آئے گی۔

اور یہ بھی احتمال ہے کہ چھٹے مرتبے سے ابن قیم نے حضرت جبریل علیہ السلام کی وحی مراد لی ہو اور اس میں اور اس سے پہلے والی صورت میں مقام وحی کے اعتبار سے مغایرت ہے یعنی جو آسمانوں کے اوپر ہوئی بخلاف پہلی صورتوں کے کیونکہ وہ زمین پر واقع ہوئی ہیں۔

اور یہ نہ کہا جائے کہ اقسام وحی کا متعدد ہونا اس زمینی ٹکڑے کے اعتبار سے ہے جس میں حضرت جبریل علیہ السلام آتے تھے اور یہ ناممکن بات ہے کیونکہ ہم کہتے ہیں کہ وہ وحی جو آسمان میں ہوئی اور وہ مشاہدۂ غیب کے اعتبار سے ہے وہ وحی زمین پر ہونے والی وحی کا غیر ہے کیونکہ مقامات مختلف ہیں۔

مراتب وحی کا تتمہ

(مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں) میں کہتا ہوں اس سے بھی زائد مراتب ہیں:

○ اللہ تعالیٰ کا آپ کے خواب میں گفتگو کرنا جس طرح امام زہری رحمہ اللہ کی روایت میں ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرا رب میرے پاس نہایت اچھی صورت میں آیا (جیسے اس کے شایانِ شان ہے) اور فرمایا: اے محمد! ملاء اعلیٰ (بلند مرتبہ فرشتے) کس بات میں اختلاف کرتے ہیں۔

(مسند امام احمد بن حنبل جلد اول ص ۳۶۸، المعجم الکبیر للطبرانی جلد ۸ ص ۳۴۹، العلل المتناہیہ لابن جوزی جلد ۲ ص ۲۰)

○ ایک اور مرتبہ ہے اور وہ علم ہے جو اللہ تعالیٰ آپ کے دل میں اور زبان پر اس وقت جاری فرماتا جب آپ احکام کے سلسلے میں اجتہاد فرماتے کیونکہ یہ بات متفق علیہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب بھی اجتہاد فرماتے آپ کا اجتہاد صحیح ہوتا اور آپ خطا سے معصوم تھے۔ اور یہ بات آپ کے حق میں عادت کی خلاف ہے، امت کے کسی فرد کو یہ بات حاصل نہیں اور دل میں جو بات ڈالی جاتی تھی یہ اس سے الگ بات ہے کیونکہ یہ اجتہاد سے حاصل ہے اور دل میں ڈالنا دوسری بات ہے۔

○ ایک اور مرتبہ ہے یعنی حضرت جبریل علیہ السلام کا حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کے علاوہ کسی دوسرے آدمی کی صورت میں آنا کیونکہ حضرت دحیہ رضی اللہ عنہ ان لوگوں کے ہاں معروف تھے، اس بات کو ابن منیر نے ذکر کیا ہے۔ اگرچہ یہ تیسرے مرتبہ میں داخل ہے جو ابن قیم نے ذکر کیا ہے۔ (زاد المعاد لابن قیم جلد اول ص ۳۲)

(قاضی ابو عبداللہ الحسین بن حسین بن حلیم شافعی فقیہ) حلیمی رحمہ اللہ نے ذکر کیا کہ وحی چھیالیس اقسام پر آئی ہے۔ انہوں نے اس کی غالب صورتیں ذکر کی ہیں جیسا کہ فتح الباری میں ذکر کیا ہے کہ یہ حامل وحی کی صفات ہیں اور ان کا مجموعہ ماقبل مذکورہ اقسام میں داخل ہے اور اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

(فتح الباری شرح بخاری جلد اول ص ۱۸)

ابن منیر نے ذکر کیا ہے کہ وحی کے تقاضوں کے مطابق وحی کی حالت مختلف ہوتی تھی، اگر کسی وعدے یا خوشخبری سے متعلق وحی ہوتی تو فرشتہ آدمی کی صورت میں اترتا اور کسی مشقت کے بغیر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مخاطب ہوتا اور اگر عذاب کے وعدہ (یعنی وعید) اور ڈر سنانے سے متعلق وحی ہوتی تو وہ گھنٹی کی آواز کی طرح ہوتی۔

حضرت جبریل علیہ السلام کتنی بار اترے

ابن عادل نے اپنی تفسیر میں ذکر کیا ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر چوبیس ہزار مرتبہ، حضرت آدم علیہ السلام پر بارہ مرتبہ، حضرت ادریس علیہ السلام پر چار مرتبہ، حضرت نوح علیہ السلام پر پچاس مرتبہ، حضرت ابراہیم علیہ السلام پر بیالیس مرتبہ، حضرت موسیٰ علیہ السلام پر چار سو مرتبہ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر دس مرتبہ اترے، یہ ابن عادل کا قول ہے۔

نماز کا پہلی بار حکم

مروی ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے نہایت اچھی صورت اور

بہترین خوشبو کے ساتھ حاضر ہوئے اور عرض کیا: اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! اللہ تعالیٰ آپ کو سلام کہتا ہے اور فرماتا ہے: آپ میری طرف سے جنوں اور انسانوں کے لیے رسول ہیں، پس ان کو "لا الہ الا اللہ" کی طرف بلاؤ۔ پھر انہوں نے اپنا پاؤں زمین پر مارا تو پانی کا ایک چشمہ پھوٹ نکلا، اس سے حضرت جبریل علیہ السلام نے وضو کیا پھر آپ سے عرض کیا کہ وضو فرمائیں۔ حضرت جبریل علیہ السلام نماز پڑھنے کھڑے ہوئے تو آپ سے بھی کہا کہ آپ ان کے ساتھ نماز پڑھیں تو اس طرح حضرت جبریل علیہ السلام نے آپ کو وضو اور نماز کا طریقہ بتایا۔ اس کے بعد وہ آسمان پر تشریف لے گئے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم واپس تشریف لائے تو آپ جس پتھر، ڈھیلے اور درخت سے گزرتے وہ کہتا "السلام علیک یا رسول اللہ" حتیٰ کہ آپ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لائے اور ان کو اس واقعہ کی خبر دی تو وہ خوشی سے بے ہوش ہوگئیں، پھر آپ نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو حکم دیا تو انہوں نے وضو کر کے آپ کے ہمراہ اسی طرح نماز پڑھی جس طرح جبریل علیہ السلام نے آپ کو پڑھائی تھی۔ شروع میں نماز دو رکعتیں فرض تھی، اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے سفر میں اسی کو برقرار رکھا اور سفر کے علاوہ کی نماز کو مکمل کیا۔

حضرت مقاتل (بن سلیمان بلخی مفسر رحمہ اللہ) فرماتے ہیں: شروع شروع میں دو رکعتیں صبح اور دو رکعتیں شام کے وقت فرض تھیں، ارشاد خداوندی ہے:

وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ بِالْعَشِيِّ وَالْإِبْكَارِ۔ (غافر: ۵۵)

اور اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح شام اور صبح کے وقت بیان کیجئے۔

فتح الباری میں ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم واقعہ معراج سے پہلے یقیناً نماز پڑھتے تھے، اسی طرح صحابہ کرام بھی نماز ادا کرتے تھے لیکن اس میں اختلاف ہے کہ کیا پانچ نمازوں سے پہلے کوئی نماز فرض تھی یا نہیں؟ کہا گیا ہے کہ طلوع آفتاب اور غروب آفتاب سے پہلے نماز فرض تھی، اس کی دلیل یہ ہے، ارشاد خداوندی ہے:

وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوْبِهَا۔ (طٰہٰ: ۱۳۰)

اور سورج کے طلوع ہونے سے پہلے اور اس کے غروب ہونے سے پہلے اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح بیان کریں۔

حضرت امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: سب سے پہلے ڈرانا اور توحید کی طرف بلانا واجب ہوا، پھر اللہ تعالیٰ نے رات کا قیام فرض کیا جس طرح سورۂ مزمل کے شروع میں مذکور ہے، پھر اس حکم کو منسوخ کردیا گیا جس طرح اسی سورت کے آخر میں ہے۔ اس کے بعد مکہ مکرمہ سے آپ کو معراج کرایا اور اس رات پانچ نمازیں فرض کر کے اسے منسوخ کیا۔ اور جو کچھ اس روایت میں ذکر کیا گیا کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے آپ کو وضو سکھایا اور اس کا حکم دیا، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ وضو کی فرضیت معراج سے پہلے ہوئی۔[1] (شرح مسلم للقاضی عیاض جلد ۲ ص ۱۱)

[1] حضرت جبریل علیہ السلام کے سکھانے کا یہ مطلب نہیں کہ وہ حضور علیہ السلام کے استاذ اور معلم قرار پائے کیونکہ وہ تو ایک واسطہ تھے، سکھانے والا اور احکام بھیجنے والا تو اللہ تعالیٰ ہے۔

وحی کا رک جانا

پھر کچھ عرصہ وحی رک گئی جس سے آپ بہت پریشان اور غمگین ہوئے۔ کچھ عرصہ وحی کا رک جانا فترت کہلاتا ہے اور اس کا مقصد یہ تھا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جو خوف لاحق ہوا وہ چلا جائے اور وحی کے دوبارہ آنے کا شوق پیدا ہو۔ اور وحی کے رکنے کا زمانہ تین سال تھا جیسا کہ ابن اسحق نے یقین کے ساتھ یہ بات کہی۔ (لیکن اس مدت میں اختلاف ہے)۔ (فتح الباری شرح صحیح بخاری جلد اول ص ۳۶)

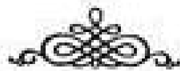
امام احمد رحمہ اللہ کی تاریخ میں ہے نیز یعقوب بن سفیان نے حضرت شعبی سے روایت کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر اس وقت نبوت (وحی) نازل ہوئی جب آپ چالیس سال کے تھے۔ تین سال تک حضرت اسرافیل علیہ السلام یہ ذمہ داری نبھاتے رہے، وہ آپ کو کچھ سکھاتے تھے لیکن قرآن پاک ان کی زبان پر نازل نہیں ہوا۔ جب تین سال مکمل ہوئے تو یہ ذمہ داری حضرت جبریل علیہ السلام کے سپرد ہوئی اور بیس سال تک ان کی زبان کے واسطہ سے قرآن پاک نازل ہوا۔ ابن سعد اور امام بیہقی رحمہما اللہ نے اسی طرح ذکر کیا ہے۔

(دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۲ ص ۱۳۲، طبقات ابن سعد جلد اول ص ۱۹۱، فتح الباری شرح صحیح بخاری جلد اول ص ۳۶)

نبوت و رسالت

یہ بات واضح ہوگئی کہ آپ کی نبوت، رسالت سے مقدم ہے جس طرح ابو عمرو غیرہ نے کہا ہے۔ ابو امامہ بن نقاش نے اسی طرح نقل کیا ہے۔ سورۃ "اقرء" کے نزول میں نبوت ہے اور سورۃ "المدثر" کے نزول کے ذریعے آپ کی رسالت کا اعلان ہے کیونکہ اس سورت میں آپ کو ڈر سنانے، خوشخبری دینے اور شرعی احکام کی تبلیغ کا حکم دیا گیا۔

اور یہ بات پہلی بات کے بعد ہے کیونکہ جب سورۂ اقرء انسانی طور طریقوں یعنی پیدائش، تعلیم اور افہام (سمجھانا) پر مشتمل ہے تو مناسب تھا کہ سب سے پہلے یہی سورت نازل ہو، یہ طبعی اور فطری ترتیب ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے علم، فہم، حکمت اور نبوت وغیرہ جو کچھ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچایا اس کا ذکر کیا جائے اور بندوں کی تعریف کے مقام پر اس بات کے ذریعے احسان فرمائے جو ان کو فہمی، نطقی اور خطی بیان کے ذریعے نعمت عطا فرمائی پھر اللہ تعالیٰ آپ کو حکم دے کہ آپ اٹھ کھڑے ہوں اور اس کے بندوں کو ڈرائیں۔



سب سے پہلے کون ایمان لایا؟

حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کا ایمان لانا

آپ پر سب سے پہلے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا جو عورتوں میں سے نہایت سچی تھیں ایمان لائیں اور وہ صدیقیت کے حقوق اور مشقتیں برداشت کرنے کے لیے کمربستہ ہو گئیں، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ مجھے اپنے بارے میں ڈر لگتا ہے تو انہوں نے عرض کیا: آپ کو خوشخبری ہو اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ آپ کو کبھی بھی رسوا نہیں فرمائے گا۔ (صحیح بخاری جلد ۲ ص ۱۰۳۴) پھر انہوں نے آپ کی صفات، اخلاق اور اچھی خصلتوں سے استدلال کیا کہ جو شخص ان صفات کا مالک ہوتا ہے وہ کبھی بھی رسوا نہیں ہوتا۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا اسلام لانا

حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے بعد امت کے صدیق اور اسلام میں سبقت کرنے والے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔ انہوں نے راہ خداوندی میں آپ کو قوت فراہم کی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ لوگوں میں سے سب سے پہلے ایمان لائے۔ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے یہ اشعار اس بات کی گواہی دیتے ہیں، وہ فرماتے ہیں ؎

اذا تذکرت شجوی من اخی ثقۃ فاذکر اخاک ابابکر بما فعلا
خیر البریۃ اتقاھا واعدلھا بعد النبی واوفاھا بما حملا
والثانی التالی المحمود مشھدہ واول الناس قدما صدق الرسلا

(الاصابہ فی تمیز الصحابہ جلد ۲ ص ۲۴۴، السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد اول ص ۱۶۵، دیوان حسان ص ۸۳)

"جب تم کسی شخص کو یاد کرو کہ وہ اپنے بھائی کے لیے مشقتیں برداشت کرتا ہے تو تم اپنے بھائی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ان کے اچھے کاموں کے ذریعے یاد کرو"۔

"نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ مخلوق میں سے سب سے بہتر، سب سے بڑے متقی اور زیادہ عدل کرنے والے اور اپنی ذمہ داری کو زیادہ پورا کرنے والے ہیں"۔

"آپ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ثانی اور تابع ہیں۔ آپ کی قبر تعریف کے قابل ہے، آپ سب سے پہلے انسان ہیں جنہوں نے رسولوں کی تصدیق کی"۔

ابو عمر (ابن عبدالبر) نے اسے روایت کیا۔ حضرت ابن عباس اور حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہم کا یہ قول ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سب سے پہلے ایمان لائے۔ حضرت اسماء بنت ابی بکر صدیق، امام نخعی (ابراہیم بن یزید بن قیس نخعی) ابن ماجشون، محمد بن منکدر اور اخنس نے بھی ان کی موافقت کی ہے۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا اسلام قبول کرنا

کہا گیا ہے کہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے بعد حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اسلام لائے اور آپ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پرورش میں تھے تو اس بنیاد پر یوں کہا جائے گا کہ مردوں میں سے حضرت ابو بکر صدیق اور بچوں میں سے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے سب سے پہلے اسلام قبول کیا کیونکہ اس وقت آپ بچے تھے، بالغ نہیں ہوئے تھے۔ اسی لیے آپ نے فرمایا۔

سبقتکم الی الاسلام طرا صغیرا ما بلغت اوان حلمی

(السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد اول ص ۱۶۳)

"میں تم سب سے اسلام میں سبقت لے گیا کیونکہ میں بچہ تھا بلوغت کی عمر کو نہیں پہنچا تھا"۔

اس وقت حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی عمر دس سال تھی۔ طبری نے اسی طرح بیان کیا۔

ابن عبدالبر نے کہا کہ حضرت سلمان، حضرت ابوذر، حضرت مقداد، حضرت خباب، حضرت جابر، حضرت ابو سعید خدری اور حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہم ان لوگوں میں شامل ہیں جو کہتے ہیں کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سب سے پہلے ایمان لائے۔ ابن شہاب اور قتادہ وغیرہ کا یہی قول ہے۔

(الاصابہ فی تمیز الصحابہ جلد ۲ ص ۲۷)

پہلے اسلام لانے والے کے بارے میں اقوال

ابن عبدالبر نے کہا اس بات پر اتفاق ہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا مطلقاً سب سے پہلے ایمان لائیں۔ (الاصابہ فی تمیز الصحابہ جلد ۳ ص ۲۹) یہ بھی کہا گیا ہے کہ سب سے پہلے ورقہ بن نوفل نے اسلام قبول کیا اور جو لوگ اس بات کو تسلیم نہیں کرتے ان کا دعویٰ یہ ہے کہ ورقہ بن نوفل نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کو پایا، رسالت کو نہیں پایا لیکن سیرت کی کتابوں میں آیا اور ابو نعیم کی گزشتہ روایت میں بھی اسی طرح ہے کہ انہوں نے کہا: آپ کو خوشخبری ہو، میں بھی اسی بات کی گواہی دیتا ہوں جس کی خوشخبری حضرت (عیسیٰ) ابن مریم علیہ السلام نے دی اور آپ موسیٰ علیہ السلام کے دین کی مثل پر ہیں اور آپ نبی مرسل ہیں۔ عنقریب آپ کو جہاد کا حکم دیا جائے گا اگر میں نے آپ کا زمانہ پایا تو آپ کے ساتھ مل کر جہاد کروں گا۔

تو یہ قول اس بات میں واضح ہے کہ ورقہ بن نوفل نے نبی اکرم ﷺ کی رسالت کی تصدیق کی ہے۔

(سراج الدین ابو حفص عمر بن رسلان) بلقینی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اس اعتبار سے مردوں میں سے سب سے

پہلے ورقہ بن نوفل ایمان لائے۔ عراقی نے (علوم حدیث کے سلسلے میں) ابن صلاح (کی کتاب) پر اپنے نکات میں یہی بات کہی ہے اور ابن مندہ نے ان کو صحابہ کرام میں شمار کیا ہے۔

عراقی نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے سب سے پہلے اسلام لانے پر اکثر علماء سے نقل کیا اور ابن عبدالبر نے اس بات پر اتفاق ذکر کیا ہے۔ (الاصابہ فی تمییز الصحابہ جلد ۲ ص ۲۷)

ثعلبی (احمد بن محمد بن ابراہیم نیشاپوری) رحمہ اللہ نے اس بات پر علماء کا اتفاق نقل کیا کہ سب سے پہلے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے اسلام قبول کیا' اختلاف اس میں ہے کہ ان کے بعد سب سے پہلے کون اسلام لایا۔

زیادہ مناسب قول

(شیخ الاسلام تقی الدین ابو عمرو عثمان) ابن صلاح رحمہ اللہ نے فرمایا: سب سے زیادہ مناسب بات یہ ہے کہ آزاد مردوں میں سے سب سے پہلے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا' بچوں یا نو عمر حضرات میں سے سب سے پہلے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اسلام لائے' عورتوں میں سے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا' آزاد کردہ غلاموں میں سے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ اور غلاموں میں سے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سب سے پہلے اسلام لائے۔

طبری نے کہا کہ تمام روایات میں تطبیق دی جائے اور ان کو صحیح سمجھتے ہوئے یوں کہا جائے کہ مطلق طور پر (عورت مرد وغیرہ کا لحاظ کیے بغیر) سب سے پہلے حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نے اسلام قبول کیا' حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ بھی شروع میں اسلام لائے لیکن آپ بچے تھے ابھی بالغ نہیں ہوئے تھے اور آپ اپنے اسلام کو چھپاتے تھے، جبکہ پہلے عربی بالغ مرد جنہوں نے اسلام قبول کیا اور ظاہر بھی کیا وہ ابوبکر بن ابی قحافہ رضی اللہ عنہما تھے۔ نیز آزاد کردہ غلاموں میں سے سب سے پہلے حضرت زید رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا۔

طبری نے کہا کہ یہ متفق علیہ بات ہے' اس میں کسی کا اختلاف نہیں اور جن لوگوں نے کہا کہ مردوں میں سے سب سے پہلے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اسلام لائے ان لوگوں کے قول کو بھی اسی بات پر محمول کیا جائے گا یعنی بالغ آزاد مردوں میں سے سب سے پہلے آپ نے اسلام قبول کیا۔

حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی یہ روایت بھی اس بات کی تصدیق کرتی ہے' انہوں نے فرمایا: حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مجھ سے چار باتوں میں سبقت لے گئے جو مجھے نہیں دی گئیں: اسلام کے پھیلانے میں انہوں نے مجھ سے سبقت کی' انہوں نے ہجرت مجھ سے پہلے کی' رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غار میں رہے اور اس وقت نماز قائم کی جب میں شعب بنی ہاشم میں تھا' وہ اپنا اسلام ظاہر کرتے تھے اور میں چھپاتا تھا۔

"فضائل ابوبکر" کے مصنف نے اس روایت کو ذکر کیا اور حضرت خیثمہ نے اس کو معنوی طور پر ذکر کیا۔
جہاں تک حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں رہنے کا تعلق ہے تو آپ

جب اٹھارہ سال کے تھے (اور) اس وقت اہل مکہ شام کی طرف تجارت کا ارادہ کرتے تھے (اور) بحیریٰ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں دریافت کیا تھا تو اس وقت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دل میں یقین پیدا ہوگیا تھا۔ میمون بن مہران کا قول ہے، فرماتے ہیں: اللہ کی قسم! حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بحیریٰ کے زمانے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے، اس ایمان سے مراد آپ کی صداقت پر یقین ہے یعنی وہ یقین جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دل میں ثابت ہوا اور وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کرنے اور شام کی طرف سفر بعثت سے پہلے ہوا۔

پہلا گروہ جو اسلام لایا

حضرت زید بن حارثہ کے بعد حضرت عثمان بن عفان، زبیر بن عوام، عبدالرحمٰن بن عوف، سعد بن ابی وقاص، طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہم حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی دعوت پر اسلام لائے، آپ ان حضرات کو لے کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے انہوں نے آپ کی دعوت کو قبول کیا، اسلام لائے اور نماز پڑھی۔

پھر ان نو شخصیات (حضرت ابوبکر صدیق، حضرت علی المرتضیٰ، حضرت خدیجۃ الکبریٰ حضرت زید بن حارثہ اور وہ پانچ صحابی جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی دعوت پر اسلام لائے) کے بعد حضرت ابوعبیدہ عامر بن عبداللہ بن جراح، ابوسلمہ عبداللہ بن عبدالاسد رضی اللہ عنہما اسلام لائے، اسی طرح حضرت ارقم بن ابی ارقم مخزومی، عثمان بن مظعون جمحی اور ان کے دونوں بھائی قدامہ اور عبداللہ نیز عبیدہ بن حارث بن عبدالمطلب بن عبد مناف، سعید بن زید بن عمرو بن نفیل اور ان کی زوجہ فاطمہ بنت خطاب رضی اللہ عنہم نے اسلام قبول کیا۔

(السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد اول ص ۱۶۵)

ابن سعد نے کہا کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بعد سب سے پہلے اسلام قبول کرنے والی خاتون حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی زوجہ ام الفضل، اسماء بنت ابی بکر اور ان کی بہن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہن ہیں۔

ابن اسحٰق وغیرہ نے اسی طرح کہا ہے لیکن یہ وہم ہے کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس وقت تک پیدا ہی نہیں ہوئی تھیں اسلام کیسے لائیں۔ آپ کی ولادت نبوت کے چوتھے سال ہوئی۔ مغلطائی وغیرہ نے اسی طرح کہا ہے، پھر مرد اور عورتیں گروہ در گروہ اسلام میں داخل ہوئے۔ (السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد اول ص ۲۸۰)

دعوت اسلام کے لیے جدوجہد

پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ جو کچھ آپ لائے ہیں اسے (مشرکین کے سامنے) ظاہر کریں۔

اس سلسلے میں ارشاد خداوندی ہے: فاصدع بما تؤمر (الحجر:۹۴) آپ کو جس بات کا حکم دیا جاتا ہے اس۔

کو ظاہر کریں۔

اس آیت کی تفسیر میں حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد نماز میں بلند آواز سے قرأت کرنا ہے۔

حضرت ابوعبیدہ بن عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم آہستہ قرأت فرماتے تھے حتی کہ آیت کریمہ فاصدع بما تؤمر نازل ہوئی تو آپ نے اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بلند آواز سے قرأت فرمائی۔

امام بیضاوی اس آیت کے ضمن میں فرماتے ہیں: اس کا معنی بلند آواز سے دلیل دینا یا حق و باطل کے درمیان فرق کرنا ہے، اس لفظ کا اصل معنی ظاہر کرنا اور ممتاز کرنا ہے۔ "ما" مصدریہ یا موصولہ ہے اور راجع محذوف ہے یعنی جن شرعی احکام کا آپ کو حکم دیا جاتا ہے (ان کو بیان کریں "فاصدع بما تؤمر بہ" یہاں بہ محذوف ہے) (تفسیر بیضاوی جلد ۲ ص ۳۰۸)

پوشیدہ دعوت کی مدت

سیرت نگار لکھتے ہیں کہ یہ آیت نبوت کے تین سال بعد نازل ہوئی اور اس مدت میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے معاملے کو پوشیدہ رکھا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اسے ظاہر کرنے کا حکم دیا۔

قریش کا موقف

چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی قوم کے سامنے اسلام کا کھلم کھلا اظہار فرمایا جس طرح اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا تھا (اس دوران) آپ کی قوم نہ تو آپ سے دور ہوئی اور نہ آپ کا رد کیا یہاں تک کہ آپ نے ان کے معبودوں کا ذکر کیا اور ان کی برائی بیان فرمائی اور یہ چوتھے سال کی بات ہے جیسا کہ عتقی نے بیان کیا۔

اب وہ لوگ آپ کے خلاف اور آپ کی عداوت میں اکٹھے ہوئے البتہ جن کو اللہ تعالیٰ نے اسلام لانے کی وجہ سے اس جرم سے بچایا (وہ بچ گئے) آپ کے چچا ابوطالب نے آپ پر شفقت کے باعث آپ کا دفاع کیا اور ان لوگوں کے راستے میں حائل ہوگئے۔

معاملہ بہت سخت ہوگیا اور لوگ ایک دوسرے کو مارنے لگے اور ایک دوسرے کے خلاف دشمنی ظاہر کی۔

ان میں سے جو مسلمان ہوگئے تھے ان پر قریش کو بڑا غصہ آیا۔ چنانچہ وہ ان کو عذاب دینے لگے اور وہ دین کے معاملے میں آزمائش میں پڑ گئے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے آپ کے چچا ابوطالب اور بنوہاشم کے سبب محفوظ رکھا البتہ ابولہب اور بنومطلب آپ کی مدد میں شریک نہ ہوئے۔

حضرت مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ابوطالب کے پاس تھے اور ان کو اسلام کی دعوت دے رہے تھے، اتنے میں قریش نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت پہنچانے ابوطالب کے پاس جا پہنچے۔

ابوطالب نے کہا: جب اونٹ چراگاہ سے واپس آتے ہیں اگر کوئی اونٹنی اپنے بچے کو چھوڑ کر کسی دوسرے بچے پر

مہربان ہوئی تو میں ان کو تمہارے حوالے کردوں گا۔[1] ابو طالب سے کہا۔

والله لن يصلوا اليك بجمعهم حتى اوسد فى التراب دفينا
فاصدع بامرك ما عليك غضاضة وابشر وقر بذاك منك عيونا
ودعوتنى وزعمت انك ناصحى ولقد صدقت وكنت ثم امينا
وعرضت دينا لا محاله انه من خير اديان البرية دينا
لولا الملامة او حذارى سبه لوجدتنى سمحا بذاك مبينا

"اللہ کی قسم! وہ سب کے سب بھی آپ تک نہیں پہنچ سکتے جب تک میں مٹی میں دفن نہ ہو جاؤں"۔
"آپ کو جو حکم دیا گیا اسے ظاہر کیجئے آپ کو کوئی نہیں روک سکتا۔ آپ کو خوشخبری ہو اور اس سے اپنی آنکھوں کو ٹھنڈا کیجئے"۔
"آپ نے مجھے دعوت دی بے شک آپ خیر خواہ ہیں، آپ نے سچ کہا اور آپ امانت دار ہیں"۔
"آپ نے میرے سامنے جو دین پیش کیا وہ لامحالہ تمام دینوں سے بہتر ہے"۔
"اگر ملامت و عار کا ڈر نہ ہوتا تو آپ ضرور مجھے اس دین کو ظاہر کرنے والا اور فیاض پاتے"۔

مذاق اڑانے والے

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مذاق اڑانے والوں سے محفوظ رکھا جیسے ارشاد فرمایا:

وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ۔ (الحجر: ۹۴) اور مشرکین سے منہ پھیرلیں۔

وہ جو کچھ کہتے ہیں اس کی طرف توجہ نہ کریں۔

اِنَّا كَفَيْنٰكَ الْمُسْتَهْزِءِيْنَ۔ (الحجر: ۹۵) بے شک ہم مذاق اڑانے والوں کے مقابلے میں آپ کو کفایت کرنے والے ہیں۔

یعنی ان کو ہلاک کرنے اور ان کا قلع قمع کرنے کے لیے ہم کافی ہیں۔ کہا گیا ہے کہ یہ قریش کے معزز افراد میں سے پانچ شخص تھے: ولید بن مغیرہ، عاصی بن وائل، حارث بن قیس، اسود بن عبد یغوث اور اسود بن مطلب۔

یہ لوگ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت پہنچانے اور مذاق اڑانے میں مبالغہ کرتے تھے۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ مجھے حکم دیا گیا کہ میں آپ کو ان سے کفایت کروں، پھر ولید کی پنڈلی کی طرف اشارہ کیا وہ تیر بنانے والے کی طرف گزرا، اس کے کپڑے سے ایک تیر لٹک گیا۔ وہ تیر کی تعظیم کی وجہ سے اسے لینے کے لیے نہ مڑا اور وہ اس کی ایڑی کی ایک رگ میں پیوست ہو گیا اور پھر وہ مر گیا۔ اور عاصی کے تلوے کی طرف اشارہ کیا تو اس میں کانٹا چبھا جس سے پاؤں پھول کر چکی کی طرح ہو گیا پس وہ

---

[1] ابو طالب نے یہ بات اس لیے کہی کہ وہ لوگ ان کے پاس عمارہ بن ولید کو لے کر آئے اور کہا کہ اسے اپنا بیٹا بنالیں اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمیں دے دیں تاکہ ہم ان کو قتل کردیں۔

بھی مرگیا۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے حارث کی ناک کی طرف اشارہ کیاتواس سے پیپ بہنے لگی اور وہ مرگیا۔ اسود بن یغوث درخت میں جڑ میں بیٹھا ہوا تھا۔ اس کی طرف اشارہ کیاتو وہ اپنا سر درخت سے ٹکرانے لگا اور اپنا چہرہ کانٹوں پر مارتا حتیٰ کہ وہ بھی مرگیا اور اسود بن عبدالمطلب کی آنکھوں کی طرف دیکھاتو وہ اندھا ہوگیا۔

آپ ﷺ نے قوم کی طرف سے جو اذیت برداشت کی

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے گھروں میں تشریف لے جاتے اور فرماتے: اے لوگو! اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ اسی کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ' اور ابولہب پیچھے پیچھے جاتا اور کہتا: اے لوگو! یہ شخص تمہیں حکم دیتا ہے کہ تم اپنے باپ دادا کا دین چھوڑ دو۔ (مسند امام احمد بن حنبل جلد ۳ ص ۴۹۲) ولید بن مغیرہ نے آپ کو جادوگر کہا اور اس کی قوم نے اس کی پیروی کی۔[1] قریش نے بھی آپ کو اذیت پہنچائی اور آپ کو شاعر، کاہن اور مجنون کہا۔ ان میں سے بعض آپ کے سرانور پر مٹی ڈالتے اور آپ کے دروازے پر خون پھینکتے۔

آپ ﷺ کعبہ شریف کے پاس بارگاہ خداوندی میں سجدہ ریز تھے کہ عقبہ بن ابی معیط (بدبخت) نے آپ کی مبارک گردن پر پاؤں رکھا۔ قریب تھا کہ آپ کی مبارک آنکھیں باہر نکل پڑیں اور اس نے آپ کا گلا بہت زور سے دبایا حتیٰ کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اس کی راہ میں حائل ہوئے۔ انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سرانور اور ڈاڑھی مبارک کو اس طرح کھینچا کہ اکثر بال گرگئے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آپ کے سامنے کھڑے ہوئے اور فرمایا: تم اس شخص کو شہید کرنا چاہتے ہو جو کہتا ہے میرا رب اللہ تعالیٰ ہے۔

ابن عمرو نے کہا صحیح بخاری شریف میں ہے: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ شریف کے صحن میں تشریف فرما تھے کہ عقبہ بن ابی معیط آیا اور اس نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو شانہ مبارک سے پکڑا اور اپنا کپڑا آپ کی گردن میں ڈال کر سخت گھونٹا' اتنے میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور اسے کاندھے سے پکڑ

---

[1] ابن اسحٰق، حاکم اور بیہقی رحمہم اللہ نے جید سند کے ساتھ ذکر کیا کہ قریش کے کچھ لوگ ولید کے پاس جمع ہوئے اور وہ ان میں عمر رسیدہ تھا۔ اس نے ان سے کہا: اے قریش کی جماعت! حج کا موسم آ رہا ہے اور عرب کے مختلف وفود تمہارے ہاں آئیں گے۔ انہوں نے تمہارے اس ساتھی کا معاملہ سن رکھا ہے لہٰذا ایک رائے اختیار کرو' اختلاف نہ کرنا کہ ایک دوسرے کو جھٹلانا شروع کردو۔ انہوں نے کہا: تم کوئی رائے بتاؤ۔ اس نے کہا: تم بتاؤ میں سنتا ہوں' انہوں نے کہا: ہم کہیں گے یہ کاہن ہے۔ اس نے کہا: اللہ کی قسم! یہ کاہن نہیں، ہم نے کاہن دیکھے ہیں نہ یہ کاہنوں کی آواز ہے اور نہ سجع۔ انہوں نے کہا: ہم کہیں گے یہ پاگل ہے۔ اس نے کہا: اللہ کی قسم! یہ پاگل بھی نہیں ہے، ہم نے پاگل دیکھے ہیں۔ انہوں نے کہا: شاعر ہیں۔ اس نے کہا: شاعر بھی نہیں۔ ہمیں شعر کی تمام اصناف کا علم ہے۔ انہوں نے کہا: جادوگر ہیں۔ اس نے کہا: جادوگر بھی نہیں، ہم نے جادوگر دیکھے ہیں۔ اس میں ایسی کوئی بات نہیں۔ انہوں نے کہا: تم کیا کہتے ہو؟ چنانچہ ان کا اتفاق اسی پر ہوا کہ یہ جادوگر ہیں کیونکہ یہ آدمی کو اس کے رشتہ داروں سے جدا کرتا ہے۔ وہ بکھر گئے اور حج کے موسم میں مختلف راستوں پر بیٹھ گئے۔ جب کوئی آتا تو اسے حضور علیہ السلام سے دور رہنے کی تلقین کرتے لیکن اس طرح حضور علیہ السلام کا ذکر مزید پھیل گیا۔

(شرح زرقانی علی المواہب جلد اول ص ۲۹۱) ۱۲ ہزاروی۔

کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دور ہٹایا۔ (صحیح بخاری جلد اول ص ۵۴۴، کتاب مناقب الانصار)

ایک روایت میں ہے آپ نے فرمایا:

اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ یَّقُوْلَ رَبِّیَ اللّٰهُ　کیا تم ایک شخص کو اس لیے شہید کرنا چاہتے ہو کہ وہ کہتا ہے میرا رب اللہ ہے۔ (غافر: ۲۸)

علماء کرام نے لکھا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آل فرعون کے مومن سے افضل ہیں (کیونکہ جب فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنا چاہا تو) اس نے صرف زبانی مدد کی جبکہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے زبان کے ساتھ ساتھ ہاتھ سے بھی مدد فرمائی، یوں آپ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد اپنے قول اور فعل (دونوں) سے کی۔

امام مسلم رحمہ اللہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے نقل کیا فرماتے ہیں: ابوجہل نے کہا: کیا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تمہارے سامنے اپنا چہرہ خاک آلود کرتے ہیں (سجدہ کرتے ہیں) انہوں نے کہا: ہاں! ابوجہل نے کہا: لات و عزیٰ کی قسم! اگر میں اسے اس طرح کرتے ہوئے دیکھوں تو اس کی گردن کچل ڈالوں گا اور اس کا چہرہ خاک آلود کر دوں گا، پھر وہ آیا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ رہے تھے، اس کا مقصد آپ کی گردن مبارک کو کچلنا تھا، قریش نے اچانک دیکھا کہ وہ پیچھے کی طرف ہٹ رہا ہے اور اپنے ہاتھوں کے ذریعے بچنا چاہتا ہے، پوچھا گیا تمہیں کیا ہوا؟ اس نے کہا: میرے اور اس کے درمیان آگ کی خندق ہے، پرندوں کے بازو ہیں اور خوفناک منظر ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر وہ میرے قریب آتا تو فرشتے اس کا ایک ایک عضو اچک لیتے اور اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں نازل فرمایا: (صحیح مسلم جلد ۲ ص ۳۷۲)

كَلَّآ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَيَطْغٰٓى۔ (العلق: ۶)　ہاں ہاں بے شک انسان سرکشی کرتا ہے۔

اور جب سورۃ "تبت یدا ابی لھب وتب" نازل ہوئی تو ابولہب کی بیوی آئی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ اس عورت سے دور رہیں تو بہتر ہے کیونکہ یہ بری عورت ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: میرے اور اس کے درمیان آڑ واقع ہو جائے گی۔ اس عورت نے کہا: اے ابوبکر! تمہارے ساتھی نے ہماری برائی کی، آپ نے فرمایا: اللہ کی قسم! آپ نہ تو شعر کہتے ہیں اور نہ ہی پڑھتے ہیں، تو وہ واپس چلی گئی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! اس نے آپ کو نہیں دیکھا، فرمایا: میرے اور اس کے درمیان ایک فرشتہ تھا جس نے اپنے پروں سے مجھے ڈھانپ لیا تھا حتیٰ کہ وہ چلی گئی۔۔۔ اس حدیث کو ابن ابی شیبہ اور ابو نعیم رحمہما اللہ نے روایت کیا اور امام بیہقی کی روایت میں ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس سے پوچھو کہ کیا تم میرے پاس کسی کو دیکھتی ہو؟ وہ ہرگز نہیں دیکھے گی۔ (مسند امام احمد بن حنبل جلد ۲ ص ۳۷۰)

سردارانِ کفار کے خلاف بددعا

ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ شریف کے پاس نماز پڑھ رہے تھے اور قریش

کی ایک جماعت اپنی مجالس میں تھی کہ اس دوران ان میں سے ایک نے کہا: اس ریاکار کو نہیں دیکھتے تم میں سے کون آل فلاں کے ذبح شدہ اونٹوں کے پاس جاتا ہے کہ وہاں سے ان کا گوبر، خون اور وہ جھلی جس میں بچہ ہوتا ہے لائے اور انتظار کرے، جب وہ سجدہ ریز ہوں تو یہ چیزیں ان کے دونوں کاندھوں کے درمیان رکھ دے۔ چنانچہ ان میں سے سب سے بڑا بدبخت اٹھا جب آپ نے سجدہ کیا تو اس نے وہ گندگی آپ ﷺ کے دونوں کاندھوں کے درمیان رکھ دی اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ میں قائم رہے۔ وہ لوگ ہنس پڑے حتیٰ کہ ہنستے ہنستے ایک دوسرے کی طرف جھک گئے۔ ایک شخص حضرت خاتون جنت رضی اللہ عنہا کے پاس گیا اور آپ اس وقت چھوٹی بچی تھیں۔ آپ دوڑتی ہوئی آئیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سجدے میں ہی تھے۔ حضرت خاتون جنت نے اس نجاست کو آپ سے دور پھینکا اور ان لوگوں کو برا بھلا کہنے لگیں---

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہوئے تو بارگاہ خداوندی میں عرض کیا: یا اللہ! قریش کو ہلاک کر، پھر نام لے کر فرمایا: یا اللہ! عمرو بن ہشام، عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ، ولید بن عتبہ، امیہ بن خلف، عقبہ بن ابی معیط اور عمارہ بن ولید کو ہلاک کر۔

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اللہ کی قسم! میں نے بدر کے دن دیکھا کہ وہ لوگ میدان میں پچھاڑے گئے تھے پھر ان کو قلیب بدر (بدر کے کنوئیں) میں ڈالا گیا پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قلیب بدر والوں پر لعنت بھیجی گئی۔ (صحیح بخاری جلد اول ص ۷۴، کتاب الصلوٰۃ)

عمارہ بن ولید کا مسئلہ

اس پر بعض حضرات نے اعتراض کیا ہے کہ عمارہ بن ولید کو بھی مذکورین میں شمار کیا گیا حالانکہ وہ بدر میں قتل نہیں ہوا بلکہ ارباب سیر نے ذکر کیا کہ وہ حبشہ کی زمین میں مرا اور اس کے لیے نجاشی کے ساتھ واقعہ پیش آیا، وہ یوں کہ عمارہ نجاشی کی بیوی سے ملاقات کے درپے تھا، نجاشی نے جادوگر عورتوں کو حکم دیا تو انہوں نے اس کے عضو مخصوص کے سوراخ میں پھونک ماری، اس سے وہ وحشی بن گیا اور جانوروں سے جا ملا، حتیٰ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت میں مر گیا۔ اس اعتراض کا یہ جواب دیا گیا کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا کلام کہ انہوں نے ان کو قلیب بدر میں پڑا ہوا دیکھا اس کا مطلب یہ ہے کہ ان میں سے اکثر کو دیکھا اور اس کی دلیل یہ ہے کہ عقبہ بن ابی معیط قلیب بدر میں نہیں ڈالا گیا، وہ قید میں قتل ہوا جب وہ لوگ بدر سے ایک مرحلہ آگے چلے گئے اور امیہ بن خلف قلیب بدر میں نہیں ڈالا گیا جیسا کہ آگے آئے گا ان شاء اللہ تعالیٰ۔

حدیث کے آخری حصے کی وضاحت

راوی کا یہ کہنا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قلیب بدر والوں پر لعنت بھیجی گئی، اس میں احتمال ہے کہ یہ گزشتہ دعا کی تکمیل ہو تو اس میں نبوت کی خبروں میں سے ایک عظیم علم ہے اور یہ بھی احتمال ہے کہ نبی اکرم

صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو کنوئیں میں ڈالنے کے بعد یہ بات فرمائی ہو۔

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا اسلام لانا

پھر حضرت حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ اسلام لائے اور آپ قریش کے معزز نوجوان اور عزت نفس میں بہت سخت تھے۔ عتقی کے قول کی مطابق آپ چھٹے سال اسلام لائے جس سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو غلبہ حاصل ہوا اور قریش آپ سے کچھ دور ہو گئے[1] حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اسلام لائے تو آپ نے یہ اشعار کہے۔

حمدت الله حين هدى فؤادى الى الاسلام والدين الحنيف
لدين جاء من رب عزيز خبير بالعباد بهم لطيف
اذا تليت رسائله علينا تحدر دمع ذى اللب الحصيف
رسائل جاء احمد من هداها بايات مبينة الحروف
واحمد مصطفى فينا مطاع فلا تغشوه بالقول العنيف
فلا والله نسلمه لقوم ولما نقض فيهم بالسيوف

"میں اللہ تعالیٰ کی تعریف کرتا ہوں کہ اس نے اسلام اور دین حنیف کی طرف میرے دل کی رہنمائی کی"۔

"وہ دین جو عزت والے رب کی طرف سے آیا جو رب اپنے بندوں کی خبر رکھنے والا مہربان ہے"۔

"جب اس کے پیغامات ہمارے سامنے پڑھے جاتے ہیں تو عقلمند کے آنسو بہہ پڑتے ہیں"۔

"وہ پیغامات جو حضرت احمد صلی اللہ علیہ وسلم لائے ہیں وہ ہدایت پر مبنی ہیں اور وہ ایسی آیات ہیں جن کے حروف واضح ہیں"۔

"ہمارے درمیان حضرت احمد مصطفیٰ ہیں جن کی اطاعت کی جاتی ہے لہٰذا باطل قول کے ساتھ ان کو نہ ڈھانپو"۔

"پس اللہ کی قسم! ہم ان کو قوم کے حوالے نہیں کریں گے اور ہم تلواروں کے ساتھ ان کا استیصال کریں گے"۔

مغلطائی کے مطابق ان لوگوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ اگر آپ ہمارے درمیان عزت و شرف چاہتے ہیں تو ہم آپ کو اپنا سردار تسلیم کرتے ہیں، اگر بادشاہی مانگتے ہیں تو ہم آپ کو اپنا بادشاہ مانتے ہیں اور اگر یہ جو آپ کے پاس آتا ہے کوئی جن ہے تو ہم اپنا مال خرچ کر کے آپ کا علاج کرواتے ہیں حتیٰ کہ آپ ٹھیک ہو

[1] حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ سید الشہداء، اسد اللہ اور اسد الرسول ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا اور رضاعی بھائی ہیں۔ ثویبہ نے دونوں کو دودھ پلایا۔ آپ بہادر تھے اور آپ کے اسلام قبول کرنے سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت مدد حاصل ہوئی اور قریش کی طرف سے پہنچنے والے مصائب میں کمی واقع ہوئی۔ (زرقانی جلد اول ص ۲۵۶)

جائیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو کچھ تم کہتے ہو وہ بات مجھ میں نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے مجھے رسول بنا کر بھیجا ہے، اس نے مجھ پر کتاب نازل کی اور مجھے حکم دیا کہ میں تمہارے لیے (جنت کی) خوشخبری دینے اور (جہنم سے) ڈرانے والا ہو جاؤں، پس میں نے تمہیں اپنے رب کا پیغام پہنچایا اور تمہاری خیر خواہی کی، اگر تم اس چیز کو قبول کر لو جو میں تمہارے پاس لایا ہوں تو یہ دنیا اور آخرت میں تمہارا حصہ ہے اور اگر تم میری طرف لوٹا دو تو میں حکم خداوندی کی وجہ سے صبر کروں گا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ میرے اور تمہارے درمیان فیصلہ فرما دے۔[1]

قریش کا یہودیوں سے مدد مانگنا

پھر نضر بن حارث اور عقبہ بن ابی معیط دونوں یہودیوں کے علماء کے پاس گئے اور ان سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں پوچھا۔ انہوں نے کہا کہ ان سے تین باتوں کے بارے میں پوچھو، اگر وہ تمہیں ان باتوں کے بارے میں بتا دیں تو وہ نبی مرسل ہیں اور اگر نہ بتائیں تو جھوٹے ہیں۔ ان سے ان نوجوانوں کے بارے میں پوچھو جو پہلے زمانے میں گزرے ہیں، نیز اس شخص کے بارے میں بھی سوال کرو جو دنیا میں خوب پھرنے والا ہے اور روح کے بارے میں سوال کرو۔

(ان کے پوچھنے پر) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں تمہیں کل بتاؤں گا اور آپ نے لفظ "ان شاء اللہ تعالیٰ" نہ فرمایا، چنانچہ کئی دن وحی رکی رہی، پھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی:

وَلَا تَقُولَنَّ لِشَيْءٍ إِنِّي فَاعِلٌ ذَٰلِكَ غَدًا إِلَّا أَن يَشَاءَ اللَّهُ ۔ (الکہف: ۲۳)	اور کسی بات کے بارے میں ہرگز یہ نہ کہیں کہ میں اسے کل کروں گا مگر اس کے ساتھ "ان شاء اللہ تعالیٰ" کہیں۔

اور اللہ تعالیٰ نے ان نوجوانوں کا ذکر بھی کیا جو پہلے گزر چکے تھے اور وہ اصحاب کہف ہیں اور بہت چکر کاٹنے والا شخص سکندر ذوالقرنین ہے[2] اور روح کے بارے میں سوال کا جواب یوں دیا، ارشاد خداوندی ہے:

وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي ۔ (الاسراء: ۸۵)	اور آپ سے روح کے بارے میں پوچھتے ہیں تو آپ فرما دیجئے: روح میرے رب کے حکم سے ہے۔

آیت روح مکی ہے یا مدنی؟

صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں: اس دوران کہ میں نبی

---

[1] جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات فرمائی تو کہنے لگے: آپ کو معلوم ہے کہ ہم بہت تنگ دست ہیں، آپ اللہ تعالیٰ سے سوال کریں کہ وہ ہم سے ان پہاڑوں کو دور کر دے، شام اور عراق کی طرح یہاں نہریں جاری ہوں، ہمارے فوت شدہ بزرگ جن میں قصی بھی ہیں زندہ ہو کر ہمیں بتائیں کہ آپ حق پر ہیں یا باطل پر اور فرشتہ آ کر آپ کی تصدیق کرے، اگر یہ سب کچھ نہیں ہو سکتا تو ہم پر آسمان گرا دیں ورنہ ہم آپ پر ایمان نہیں لائیں گے۔ یہ سن کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اٹھ کھڑے ہوئے۔ (زرقانی جلد اول ص ۲۵۸)

[2] اصحاب کہف اور سکندر ذوالقرنین کا واقعہ سورۂ کہف میں ملاحظہ فرمائیں۔

اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک کھیت میں کھجور کی ایک شاخ سے تکیہ لگائے ہوئے تھا کہ وہاں سے کچھ یہودیوں کا گزر ہوا' وہ ایک دوسرے سے کہنے لگے: ان سے روح کے بارے میں پوچھو۔ کچھ نے کہا: اس سلسلے میں تمہیں کیا شک ہے۔ بعض نے کہا: نہ پوچھو کہیں وہ ایسا جواب نہ دیں جو تمہیں پسند نہ ہو۔ پھر کہنے لگے: نہیں بلکہ پوچھو' چنانچہ انہوں نے روح کے بارے میں پوچھا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ توقف کیا اور ان کو کوئی جواب نہ دیا۔ میں جان گیا کہ آپ پر وحی نازل ہو رہی ہے تو میں اپنی جگہ کھڑا ہو گیا تو یہ آیت کریمہ (جو ابھی چند سطور پہلے مذکور ہوئی) نازل ہوئی۔ (صحیح بخاری جلد ۲ ص ۶۸۶ کتاب التفسیر)

حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں: جو کچھ ظاہر میں معلوم ہوتا ہے اس کا تقاضا یہ ہے کہ یہ آیت مدنی ہے اور مدینہ طیبہ میں جب یہودیوں نے سوال کیا تو یہ آیت نازل ہوئی جبکہ مکمل سورت (سورہ الاسراء) مکی ہے۔

اس کا جواب بعض اوقات یوں دیا جاتا ہے کہ یہ آیت مدینہ طیبہ میں دوبارہ نازل ہوئی جس طرح پہلے مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی تھی۔ مکہ مکرمہ میں اس کے نزول کی ایک دلیل حضرت امام احمد بن حنبل کی روایت ہے جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے' فرماتے ہیں: قریش نے یہودیوں سے کہا کہ ہمیں کوئی ایسی بات بتاؤ جو ہم اس شخص سے پوچھیں۔ انہوں نے کہا: ان سے روح کے بارے میں دریافت کرو چنانچہ ان کے سوال کرنے پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (مسند امام احمد بن حنبل جلد اول ص ۲۵۵' فتح الباری جلد ۸ ص ۳۰۳)

یہ حدیث امام ترمذی رحمہ اللہ نے بھی روایت کی ہے اور انہوں نے جن راویوں سے روایت کی وہی امام مسلم کے راوی بھی ہیں۔ (جامع ترمذی جلد ۲ ص ۱۴۲)

پس اسے کئی بار نزول پر محمول کیا جائے گا جس طرح ابن کثیر نے اس کی طرف اشارہ کیا ہے اور ہو سکتا ہے دوسری بار خاموشی مزید بیان کی توقع پر ہو۔ (فتح الباری جلد ۸ ص ۳۰۳)

روح کے بارے میں اختلاف

اس حدیث میں جس روح کے بارے میں سوال کیا گیا ہے اس کی مراد میں اختلاف ہے۔ کسی نے کہا: انسانی روح مراد ہے' کوئی کہتا ہے: حضرت جبرئیل علیہ السلام مراد ہیں۔ ایک قول کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام مراد ہیں۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے ایک فرشتہ مراد ہے جو قیامت کے دن تنہا صف کے طور پر کھڑا ہو گا۔ اس کے علاوہ بھی قول کیے گئے ہیں۔ (فتح الباری شرح صحیح بخاری جلد ۸ ص ۳۰۴)

امام قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: راجح بات یہ ہے کہ انہوں نے انسانی روح کے بارے میں سوال کیا کیونکہ وہ اس بات کا اعتراف نہیں کرتے تھے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام روح اللہ ہیں اور وہ اس بات سے بھی جاہل نہ تھے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام فرشتہ ہیں اور فرشتے ارواح نہیں ہوتے۔ (فتح الباری شرح صحیح بخاری جلد ۸ ص ۳۰۴)

حضرت امام فخرالدین رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: مختار بات یہ ہے کہ انہوں نے اس روح کے بارے میں سوال کیا جو زندگی کا سبب ہے اور اس کا جواب بہترین طریقے پر دیا گیا ہے۔ اس کا بیان یوں ہے: روح کے بارے

میں سوال میں اس بات کا احتمال ہے کہ حقیقت روح کے بارے میں پوچھا گیا ہو اور کیا یہ متحیز ہے یا نہیں اور کیا یہ کسی متحیز میں حلول کرنے والی ہے یا نہیں؟ کیا یہ قدیم ہے یا حادث؟ اور کیا جسم سے جدا ہونے کے بعد یہ باقی رہتی ہے یا فنا ہو جاتی ہے' اس کو عذاب یا انعام دینے کی حقیقت کیا ہے اور اس کے علاوہ دیگر امور ہیں جو اس سے متعلق ہیں۔(فتح الباری شرح صحیح بخاری جلد ۸ ص ۳۰۴)

امام فخرالدین رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہودیوں کے سوال میں کوئی ایسی بات نہیں جو کسی ایک معنی کی تخصیص کرے مگر زیادہ ظاہریات یہی ہے کہ انہوں نے ماہیئت کے بارے میں سوال کیا اور کیا یہ قدیم ہے یا حادث؟ اور اس کا جواب اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ یہ موجود ہے لیکن طبیعتوں اور ان کے اخلاط (اجزاء) اور ان کی ترکیب کے علاوہ کوئی چیز ہے۔ یہ جوہر بسیط مجرد ہے جو کسی پیدا کرنے والے کے پیدا کیے بغیر وجود میں نہیں آتا اور وہ اللہ تعالیٰ کا لفظ "کن" (ہو جا) فرمانا ہے' گویا انہوں نے فرمایا کہ یہ موجود ہے اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے وجود میں آئی ہے اور جسموں میں زندگی کا فائدہ دینے کے لیے موثر ہے اور اس کی مخصوص کیفیات کا علم نہ ہونے سے اس کی نفی لازم نہیں آتی۔(فتح الباری شرح صحیح بخاری جلد ۸ ص ۳۰۴)

امام رازی فرماتے ہیں: یہ بھی احتمال ہے کہ ("من امر ربی" میں) لفظ امر سے مراد فعل ہو جیسے ارشاد خداوندی ہے:

وَمَآ اَمْرُ فِرْعَوْنَ بِرَشِيْدٍ۔(ھود: ۹۷) اور فرعون کا عمل درست نہ تھا۔

یہاں امر سے فعل مراد ہے' پس اس سوال کا جواب یہ ہوگا کہ یہ حادث ہے۔

اس کے بعد امام رازی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اس قسم کی باتوں سے پہلے بزرگ خاموش ہیں اور نہ ہی وہ ایسی باتوں کی گہرائی میں جاتے ہیں۔(فتح الباری شرح صحیح بخاری جلد ۸ ص ۳۰۵)

اور فتح الباری میں ہے کہ ایک جماعت نے اس میں غور کیا تو ان کے مختلف اقوال ہیں۔(مثلاً) کہا گیا کہ اس سے آنے جانے والا سانس مراد ہے۔

کسی نے کہا: یہ لطیف جسم ہے جو پورے جسم میں موجود ہے' کسی کا قول ہے کہ یہ خون ہے' یہ بھی کہا گیا کہ اس سلسلے میں ایک سو کے قریب اقوال ہیں۔

ابن مندہ نے بعض متکلمین سے نقل کیا کہ ہر نبی کی پانچ' ہر مومن کی تین اور ہر زندہ کی ایک روح ہے۔

ابن عربی نے کہا کہ روح اور نفس کے بارے میں اختلاف ہے۔ کہا گیا کہ یہ دونوں ایک دوسرے کا غیر ہیں اور یہی حق ہے اور کہا گیا کہ دونوں ایک چیز ہیں اور روح کو نفس اور نفس کو روح سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

ابن بطال (ابوالحسن علی بن خلف بن بطال قرطبی شارح بخاری رحمہ اللہ) نے فرمایا کہ حقیقت روح کا علم اللہ تعالیٰ نے اپنی ساتھ خاص رکھا جیسا کہ اس نے خبر دی ہے۔(فتح الباری شرح صحیح بخاری جلد ۸ ص ۳۰۵)

وہ فرماتے ہیں: اس کو مبہم رکھنے میں حکمت یہ ہے کہ مخلوق کی آزمائش کی جائے اور ان کو بتایا جائے کہ وہ اس بات کے علم سے عاجز ہیں جس کا ادراک نہیں کر سکتے حتیٰ کہ وہ اس کا علم اللہ تعالیٰ کے سپرد کرنے پر مجبور ہو

جائیں۔ (فتح الباری جلد ۸ ص ۳۰۵)

امام قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس میں حکمت یہ ہے کہ انسان کے عجز کو ظاہر کیا جائے کیونکہ جب نفس کا وجود یقینی ہے اس کے باوجود وہ اس کی حقیقت کا علم نہیں رکھتا تو حقیقت حق کے ادراک سے وہ بدرجۂ اولیٰ عاجز ہو گا۔ (فتح الباری جلد ۸ ص ۳۰۵)

ان میں سے بعض حضرات نے فرمایا کہ اس آیت میں اس بات پر دلالت نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو روح کی حقیقت پر مطلع نہیں فرمایا بلکہ اس بات کا احتمال ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو مطلع فرمایا لیکن آگے لوگوں کو اطلاع دینے کا حکم نہ فرمایا ہو۔ قیامت کے بارے میں بھی بزرگان دین اسی قسم کی بات فرماتے ہیں اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے۔ (فتح الباری جلد ۸ ص ۳۰۶)

ظلم و ستم اور آزمائش

جب مسلمانوں کی تعداد زیادہ ہوگئی اور ایمان ظاہر ہوگیا تو کفار قریش اہل ایمان کو عذاب دینے اور اذیت پہنچانے لگے تاکہ ان کو ان کے دین (دین اسلام) سے پھیر دیں حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ کا دشمن ابوجہل حضرت عمار بن یاسر کی والدہ حضرت سمیہ (رضی اللہ عنہم) کے پاس سے گزرا اور ان کو اذیت پہنچائی جا رہی تھی۔ اس نے ایک نیزہ ان کی شرم گاہ میں مارا جس سے وہ شہید ہو گئیں۔[1]

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ جب بھی کسی ایسے غلام کے پاس سے گزرتے جسے سزا میں مبتلا کیا جاتا تھا تو آپ اسے خرید کر آزاد کر دیتے ان میں حضرت بلال اور عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہما بھی شامل ہیں۔

اظہارِ اسلام میں پہل کرنے والے

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: سب سے پہلے سات آدمیوں نے اسلام ظاہر کیا: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمار بن یاسر، ان کی والدہ حضرت سمیہ، حضرت صہیب، حضرت بلال اور حضرت مقداد رضی اللہ عنہم۔

اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا دفاع آپ کے چچا ابوطالب کے ذریعے کیا اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا دفاع ان کی قوم نے کیا اور باقی حضرات کو مشرکین نے پکڑ کر لوہے کا لباس پہنایا اور سخت دھوپ میں ڈال دیا۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے راہ خداوندی میں اپنے آپ کو معمولی سمجھا اور قوم نے بھی ان کو معمولی قرار دیتے ہوئے پکڑ کر بچوں کے حوالے کر دیا، وہ ان کو مکہ مکرمہ کی گلیوں میں پھراتے اور حضرت بلال

---

[1] حضرت عمار، ان کے بھائی عبد اللہ، ان کے والد یاسر بن عمار اور والدہ سمیہ رضی اللہ عنہم کو سخت اذیت دی گئی۔ حضور علیہ السلام وہاں سے گزرے تو فرمایا: اے آل یاسر! صبر کرو تمہارا وعدہ جنت ہے۔ حضرت عمار کے علاوہ تینوں اس سختی میں شہید ہوئے۔ حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ حضرت سمیہ اسلام میں سب سے پہلے شہادت کا مرتبہ پانے والی خاتون ہیں۔

احد احد (اللہ ایک ہے، اللہ ایک ہے) کی صدا بلند کرتے۔ اس واقعہ کو حضرت امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں ذکر کیا ہے۔ (مسند امام احمد جلد اول ص ۴۰۴)

حضرت مجاہد رحمہ اللہ سے بھی اسی طرح مروی ہے اور انہوں نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے واقعہ میں یہ اضافہ کیا کہ وہ لوگ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی گردن میں رسی ڈال کر آپ کو بچوں کے حوالے کرتے جو آپ سے کھیلتے حتیٰ کہ آپ کی گردن میں رسی کا نشان پڑ گیا۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ

تو دیکھئے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو کفر پر رکھنے کے لیے کس طرح مجبور کیا گیا اور زبردستی کی گئی لیکن وہ توحید خداوندی کا اقرار کرتے تو عذاب کی کڑواہٹ ایمان کی مٹھاس سے مل جاتی اور ان کے وصال کے وقت بھی اسی طرح ہوا۔ آپ کی زوجہ کہتیں: ہائے غم! اور حضرت بلال فرماتے ہیں: واہ خوشی! کل میں اپنے محبوبوں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام سے جاملوں گا تو موت کی کڑواہٹ کو ملاقات کی مٹھاس سے ملا دیا۔

حضرت ابو محمد شقراطی کو اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے، وہ فرماتے ہیں ۔

لاقی بلال بلاء من امیة قد ۔۔۔ احله الصبر فیه اکرم النزل
اذ اجهدوه بضنك الامر وهو علی ۔۔۔ شدائد الازل ثبت الازر لم یزل
القوه بطحا برمضاء البطاح وقد ۔۔۔ عالوا علیه صخور جمة الثقل
فوحد الله اخلاصا وقد ظهرت ۔۔۔ بظهره کندوب الطل فی الطلل
ان قد ظهر ولی الله من دبر ۔۔۔ قد قد قلب عدو الله من قبل

"حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے امیہ کی جانب سے مصیبت اٹھائی تو صبر نے ان کو بہترین عزت والے مقام میں اتارا"۔

"جب ان کو سخت تنگی میں مبتلا کیا تو آپ قید کی سختیوں کے باوجود ثابت قدم رہے"۔

"انہوں نے آپ کو سخت گرم ریت پر اوندھا لٹایا اور آپ کی پیٹھ پر بھاری پتھر رکھے"۔

"لیکن آپ اخلاص کے ساتھ توحید کا ذکر کرتے رہے اور آپ کی پیٹھ پر ایسے نشانات پڑ گئے جیسے ہلکے قطروں سے گڑھے بن جاتے ہیں"۔

"اگر دشمن نے اللہ کے دوست کو پیٹھ کے پیچھے سے شگاف دیا تو اس دشمن کے سینے کو سامنے سے چیرا گیا"۔

اگر اللہ کے دوست حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی پیٹھ میں اذیت پہنچائی گئی تو اللہ تعالیٰ کے دشمن امیہ کو یوں بدلہ دیا گیا کہ بدر کے دن اسے سزا دی گئی۔ اس دن حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے اس کو قیدی بنایا اور چونکہ ان دونوں کے درمیان زمانہ جاہلیت میں بھائی چارہ تھا اس لیے انہوں نے اسے زندہ چھوڑنے کا ارادہ کیا

لیکن جب حضرت بلال نے اسے حضرت عبدالرحمٰن کے ہمراہ دیکھا تو آپ نے باآواز بلند فرمایا: اے اللہ کے مددگارو! کفار کا سردار امیہ بن خلف وہ ہے، اگر اس نے نجات پائی تو مجھے نجات نہیں ملے گی، چنانچہ انہوں نے اپنی تلواروں سے اسے چر کے لگا لگا کر قتل کر دیا۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ افراد

امام بیہقی رحمہ اللہ نے حضرت عروہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان لوگوں میں سے جن کو اللہ تعالیٰ کے راستے میں اذیت دی جارہی تھی، سات افراد کو آزاد کیا، ان میں حضرت زنیرہ بھی ہیں جن کی بینائی چلی گئی تھی اور یہ ان لوگوں میں سے تھیں جن کو اللہ تعالیٰ کے راستے میں عذاب دیا جاتا تھا لیکن انہوں نے اسلام کے سوا کوئی بات ماننے سے انکار کر دیا۔ مشرکین نے کہا کہ لات و عزیٰ (بتوں) نے ان کی آنکھوں کو نقصان پہنچایا ہے تو انہوں نے فرمایا: اللہ کی قسم! ہرگز نہیں، ایسا نہیں ہوا، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کی بینائی لوٹا دی۔ (دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۲ ص ۲۸۲) زنیرہ کا لفظ سکینہ کی طرح ہے، زاء کے نیچے زیر اور نون مشدد نیچے زیر ہے۔

حبشہ کی طرف پہلی ہجرت

پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حبشہ کی طرف ہجرت کی اجازت مرحمت فرمائی اور یہ نبوت کے پانچویں سال ماہ رجب کا واقعہ ہے۔[1] حبشہ کی طرف کئی افراد نے ہجرت کی، ان میں سے بعض کے ہمراہ ان کے گھر والے بھی تھے اور بعض نے صرف تنہا ہجرت کی، یہ لوگ گیارہ یا بارہ مردوں اور چار خواتین پر مشتمل تھے،[2] یہ بھی کہا گیا کہ پانچ خواتین تھیں اور دو عورتوں کا قول بھی کیا گیا ہے۔

ان کے امیر حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ تھے لیکن امام زہری رحمہ اللہ نے اس بات کا انکار کرتے ہوئے فرمایا کہ ان کا امیر کوئی بھی نہیں تھا، یہ لوگ پیدل سمندر کی طرف نکلے اور نصف دینار کے بدلے کشتی

[1] جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ مشرکین آپ کے صحابہ کرام کو اذیت پہنچا رہے ہیں اور ان کا دفاع کرنا مشکل ہے تو آپ نے فرمایا: اگر حبشہ چلے جاؤ تو اچھا ہے، وہاں کے حکمران کے پاس کسی پر ظلم نہیں ہوتا اور وہ سچائی کی زمین ہے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ تمہیں اس حالت سے کشادگی میں بدل دے، چنانچہ فتنہ کے خوف اور اپنے دین کی حفاظت کے لیے کچھ صحابہ کرام اور صحابیات نے ہجرت کی اور یہ اسلام میں پہلی ہجرت تھی۔ (زرقانی جلد اول ص ۳۱۴) ۱۲ ہزاروی۔

[2] حبشہ کی طرف ہجرت کرنے والے مرد صحابہ کرام کے اسماء گرامی یہ ہیں: حضرت عثمان بن عفان، حضرت عبدالرحمٰن، حضرت زبیر بن عوام، حضرت ابوحذیفہ بن عتبہ، حضرت مصعب، حضرت ابوسلمہ بن عبدالاسد، حضرت عثمان بن مظعون، حضرت عامر بن ربیعہ، حضرت سہیل بن بیضاء، حضرت ابوسبرہ بن ابی رہم اور حضرت حاطب بن عمرو رضی اللہ عنہم اور خواتین میں: حضرت رقیہ زوجہ حضرت عثمان، حضرت سہلہ بنت سہیل زوجہ ابوحذیفہ، حضرت ام سلمہ زوجہ ابوسلمہ اور لیلیٰ عدویہ زوجہ عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہم، ان کے خاوند بھی ہمراہ تھے۔۔۔ ۱۲ ہزاروی۔

کرائے پر حاصل کی۔ سب سے پہلے حضرت عثمان غنی اپنی زوجہ حضرت رقیہ (رضی اللہ عنہا) کے ساتھ باہر تشریف لائے۔ (حضرت رقیہ حضور علیہ السلام کی صاحبزادی ہیں۔)

یعقوب بن سفیان نے ایسی سند کے ساتھ ذکر کیا جو حضرت انس رضی اللہ عنہ سے جاملتی ہے، وہ فرماتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیر تک ان دونوں کی خبر نہ ملی تو ایک عورت حاضر ہوئی اور اس نے کہا میں نے ان دونوں کو دیکھا، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اپنی زوجہ کو دراز گوش پر سوار کیا ہوا تھا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حضرت لوط علیہ السلام کے بعد حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے اپنے اہل خانہ کے ہمراہ ہجرت کی۔

جب قریش نے دیکھا کہ یہ لوگ حبشہ میں ٹھہر گئے اور ان کو امن مل گیا تو انہوں نے عمرو بن عاص اور عبداللہ بن ابی ربیعہ کو تحائف دے کر (حبشہ کے بادشاہ) نجاشی کی طرف بھیجا اور اس کا نام اصحمہ تھا۔ ان دونوں کے ساتھ عمارہ بن ولید بھی تھا۔ انہوں نے صحابہ کرام کی واپسی کا مطالبہ کیا تو بادشاہ نے انکار کرتے ہوئے ان کے تحائف سمیت ان کو نامراد واپس لوٹا دیا۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا اسلام قبول کرنا

ابو نعیم کے مطابق حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کے تین دن بعد حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا اور یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کا نتیجہ تھا، آپ نے یوں دعا فرمائی:

اللھم اعز الاسلام بابی جھل اوبعمر بن الخطاب۔[1] اے اللہ! اسلام کو ابو جہل یا عمر بن خطاب کے ذریعے غلبہ عطا فرما۔

اس وقت چالیس سے کچھ اوپر مرد اور گیارہ عورتیں مسلمان ہوئی تھیں۔

آپ ﷺ کے اسلام کا سبب

اسامہ بن زید نے اپنے والد (زید بن اسلم) سے، انہوں نے ان کے دادا (اسامہ کے دادا اسلم) سے، انہوں نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے روایت کیا، آپ نے فرمایا: مجھے اپنی بہن کے اسلام لانے کی اطلاع ہوئی تو میں اس کے پاس گیا۔ میں نے کہا: اے اپنی جان کی دشمن! مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم بے دین ہو گئی ہو؟ پھر ان کو مارا تو خون جاری ہو گیا۔ خون دیکھ کر وہ رو پڑیں اور کہنے لگیں: اے ابن خطاب! تم جو چاہو کرو میں اسلام قبول کر چکی ہوں۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں غصے کی حالت میں داخل ہوا تو دیکھا کہ گھر کے کونے میں

[1] جامع ترمذی جلد ۲ ص ۳۰۹، دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۲ ص ۲۱۶۔ اسی مضمون کی حدیث طبقات ابن سعد جلد ۳ ص ۲۶۷، صحیح ابن حبان جلد ۱۰ ص ۶۷، البدایہ والنہایہ جلد ۳ ص ۸۰ پر بھی ملاحظہ کی جا سکتی ہے۔ ... ۱۲ ہزاروی۔

ایک کتاب (رکھی ہوئی) ہے جس میں "بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ" لکھا ہوا ہے، جب میں "اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ" پر پہنچا تو میں ڈر گیا اور میں نے اس صحیفے کو اپنے ہاتھ سے پھینک دیا۔ فرماتے ہیں: پھر میں نے اس کی طرف رجوع کیا تو اس میں (لکھا ہوا) تھا:

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَافِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ (الحدید: ۱) اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کی ہر اس چیز نے جو آسمانوں اور زمین میں ہے۔

حتیٰ کہ جب میں آمنوا باللہ ورسولہ (الحدید) (اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاؤ) پر پہنچا۔ میں نے پڑھا:

اشھد ان لا الہ الا اللہ واشھد ان محمدا عبدہ ورسولہ۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ (دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۲ ص ۲۱۷)

اب لوگ باہر نکلے اور نعرۂ تکبیر بلند کرنے میں جلدی کرنے لگے کیونکہ انہوں نے مجھ سے جو کچھ سنا اس پر وہ خوش ہوئے، میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس صفا کے دامن میں ایک مکان میں آیا۔ میں (اندر) داخل ہوا تو دو آدمیوں نے مجھے بازوؤں سے پکڑ لیا حتیٰ کہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب ہو گیا۔ آپ نے فرمایا: ان کو چھوڑ دو۔ انہوں نے مجھے چھوڑا تو میں آپ کے سامنے بیٹھ گیا۔ آپ نے مجھے کپڑوں سے پکڑ کر اپنی طرف کھینچا اور فرمایا: اے ابن خطاب! اسلام لاؤ، یا اللہ! اس کے دل کو ہدایت دے۔ میں نے کہا: "اشھد ان لا الہ الا اللہ وانک رسول اللہ" (یہ سن کر) مسلمانوں نے (اس قدر بلند آواز سے) تکبیر کہی کہ مکہ مکرمہ کے راستوں میں سنی گئی۔

اس وقت جو شخص بھی اسلام قبول کرتا اسے چھپاتا تھا پھر میں ایک شخص کے پاس گیا جو کسی راز کو چھپاتا نہیں تھا[۱] میں نے کہا: میں نے اپنا دین چھوڑ دیا۔ فرماتے ہیں اس نے بلند آواز سے پکارا: سنو! ابن خطاب نے اپنا آبائی دین چھوڑ دیا، چنانچہ لوگ مجھے مارنے لگے اور میں ان کو مارتا۔ میرے ماموں[۲] نے کہا: یہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا: یہ ابن خطاب ہیں۔ وہ پتھر پر کھڑا ہوا اور اپنی آستین سے اشارہ کرتے ہوئے کہا: سنو! میں نے اپنے بھانجے کو پناہ

---

۱ وہ جمیل بن معمر بن حبیب ہیں جو فتح مکہ کے دن مسلمان ہوئے۔ غزوۂ حنین میں شریک ہوئے اور انہوں نے مصر کی فتح میں حصہ لیا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خلافت میں ان کا انتقال ہوا۔

۲ ابو جہل یا اس کا بھائی حارث بن ہشام مراد ہے۔ یہ دونوں آپ کی والدہ کے چچازاد تھے۔ آپ کے نانا ہاشم اور ابو جہل کا باپ ہشام بھائی تھے اس لیے ابو جہل آپ کا ماموں ہوا۔

نوٹ: آسمان والوں کا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے پر خوش ہونا اس وجہ سے تھا کہ آپ کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے اسلام کی مدد کی اور کمزور مسلمانوں کو سہارا ملا۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا اسلام قبول کرنا عزت کا باعث تھا۔ آپ کی ہجرت مدد اور آپ کی حکومت رحمت تھی۔ اللہ کی قسم! ہم خانہ کعبہ کے پاس ظاہر اور کھلم کھلا نماز نہ پڑھ سکتے تھے حتیٰ کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اسلام لائے۔ (زرقانی جلد اول ص ۲۷۷)

دے دی ہے، چنانچہ لوگ مجھ سے ہٹ گئے۔ فرماتے ہیں: مسلسل یہ عمل جاری رہا لوگ مجھے مارتے اور میں ان کو مارتا حتی کہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کو غالب کردیا۔
(دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۲ ص ۲۱۶، دلائل النبوۃ لابی نعیم جز اول ص ۹۷، کشف الاستار عن زوائد البزار جلد ۳ ص ۱۶۹)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا تو حضرت جبریل علیہ السلام نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا: اے محمد! صلی اللہ علیک وسلم آسمان والے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے پر خوش ہوئے ہیں۔
(سنن ابن ماجہ ص ۱۱ باب فضائل صحابہ)

شعب بنی ہاشم میں داخلہ اور صحیفہ کی خبر

جب قریش نے دیکھا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کے ساتھیوں اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے سے غلبہ حاصل ہوگیا اور حبشہ میں آپ کے صحابہ کرام کی عزت افزائی ہوئی نیز قبائل میں اسلام پھیل گیا تو انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید کرنے پر اتفاق کیا۔ یہ خبر حضرت ابوطالب کو پہنچی تو انہوں نے بنو ہاشم اور بنو مطلب کو جمع کیا، چنانچہ وہ لوگ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی گھاٹی میں لے گئے اور قتل کا ارادہ کرنے والوں سے آپ کو بچایا، چنانچہ جاہلیت کے طریقے کے مطابق قبائلی غیرت کے تحت اس میں کفار بھی شریک ہوئے۔

جب قریش نے یہ بات دیکھی تو وہ اکٹھے ہوئے اور انہوں نے باہم مشورہ کیا کہ وہ ایک تحریر کے ذریعے بنو ہاشم اور بنو مطلب کا بائیکاٹ کریں کہ نہ تو ہم ان کے ہاں شادی کریں اور نہ ہی ان کو رشتہ دیں گے اور اسی طرح ان سے خرید و فروخت بھی نہیں کریں گے اور جب تک وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کے لیے ہمارے حوالے نہ کریں ہم ان سے صلح نہیں کریں گے۔ (السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد اول ص ۳۱۹)

یہ معاہدہ منصور بن عکرمہ کے خط سے تحریر ہوا اور یہ بھی کہا گیا کہ بغیض بن عامر نے لکھا تو اس کا ہاتھ شل ہوگیا۔ انہوں نے یہ تحریر کعبہ شریف کے اندر لٹکادی اور یہ نبوت کے ساتویں سال محرم الحرام کا واقعہ ہے۔

بنو ہاشم اور بنو مطلب، ابوطالب کے ہاں چلے گئے اور ان کے ساتھ شعب ابی طالب میں داخل ہوگئے۔ البتہ ابولہب داخل نہ ہوا۔ دو یا تین سال یہی صورت حال رہی۔ ابن سعد کہتے ہیں: دو سال ٹھہرے حتی کہ سخت مشقت اٹھائی اور ان تک ہر چیز پوشیدہ طور پر پہنچتی تھی۔ (طبقات ابن سعد جلد اول ص ۲۰۸)

غرانیق کا واقعہ

مہاجرین حبشہ میں کچھ لوگ اس وقت آئے جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۂ نجم پڑھی۔ "والنجم اذا ھوی" جب آپ "افرء یتم اللات والعزی ومناۃ الثالثۃ الاخری" پر پہنچے تو شیطان

نے آپ کی تلاوت میں یہ الفاظ ڈال دیئے: "تلک الغرانیق العلی وان شفاعتھن لترتجی"۔
جب آپ نے سورہ ختم کی تو سجدہ کیا اور مشرکین نے بھی آپ کے ساتھ سجدہ کیا۔ انہوں نے خیال کیا کہ آپ نے ان کے معبودوں کا اچھے انداز میں ذکر کیا ہے۔ اور یہ بات لوگوں میں پھیل گئی۔ شیطان نے بھی اسے پھیلایا حتیٰ کہ سرزمین حبشہ تک پہنچ گئی، وہاں موجود حضرت عثمان بن مظعون اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تک بھی یہ بات پہنچی اور ان لوگوں نے آپس میں باتیں کیں کہ تمام اہل مکہ مسلمان ہوگئے ہیں اور انہوں نے حضور علیہ السلام کے ہمراہ نماز پڑھی ہے اور اب مسلمان مکہ مکرمہ میں پرامن ہوگئے ہیں، چنانچہ وہ یہ بات سن کر حبشہ سے جلدی واپس آگئے۔

غرانیق کا معنی

غرانیق اصل میں پانی کے نر پرندوں کو کہتے ہیں۔ اس کا واحد غرنوق یا غرنیق ہے، اس کی سفیدی کی وجہ سے اسے یہ نام دیا گیا۔ یہ بھی کہا گیا کہ یہ کرکی (سارس) ہے۔ سفید رنگ کے نرم و نازک آدمی کو بھی غرنوق کہا جاتا ہے۔
اور ان لوگوں کا خیال تھا کہ ان کے بت ان کو اللہ تعالیٰ کے قریب کرتے اور ان کی سفارش کرتے ہیں تو ان بتوں کو اس پرندے سے تشبیہ دی گئی جو اوپر کو جاتا اور بلند ہوتا ہے۔ اور جب مشرکین پر واضح ہوگیا کہ یہ بات نہیں ہے تو ان کو پہلے سے زیادہ غصہ آیا۔

اس واقعہ کو جھوٹا قرار دینے والے

حضرت قاضی عیاض رحمہ اللہ نے "الشفاء" میں اس واقعہ پر گفتگو کی اور اس کی اصل کو کمزور قرار دیا جو کافی و شافی ہے لیکن آپ کے بعض کلام کا تعاقب کیا گیا جیسا کہ آگے آئے گا، ان شاء اللہ تعالیٰ۔
حضرت امام فخرالدین رازی کی تفسیر میں جو کچھ لکھا گیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ قصہ باطل من گھڑت ہے، اس کی بات کرنا جائز نہیں۔
ارشاد خداوندی ہے:

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى۔ (النجم: ۳-۴)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی خواہش سے بات نہیں کرتے بلکہ آپ جو کچھ کہتے ہیں وہ آپ کی طرف وحی کی جاتی ہے۔

اور ارشاد خداوندی ہے:

سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰى۔ (الاعلیٰ: ۶)

عنقریب ہم آپ کو پڑھائیں گے پس آپ نہیں بھولیں گے۔ (التفسیر الکبیر للرازی جزء الثالث والعشرون ص ۵۰)

حضرت امام بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: بطور نقل یہ واقعہ ثابت نہیں ہے، پھر انہوں نے اس کے راویوں

کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ مطعون ہیں۔

نیز امام بخاری رحمہ اللہ نے صحیح بخاری میں روایت نقل کی کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۂ نجم پڑھی اور سجدہ کیا۔ آپ کے ساتھ مسلمانوں یا مشرکین' انسانوں اور جنوں سب نے سجدہ کیا لیکن اس میں غرانیق کا ذکر نہیں ہے۔ (صحیح بخاری جلد ۲ ص ۷۲۱، کتاب التفسیر)

بلکہ یہ حدیث کئی طرق سے مروی ہے لیکن اس میں غرانیق کی بات نہیں ہے۔

(التفسیر الکبیر للرازی جزء الثالث والعشرون ص ۵۰)

اور اس میں کوئی شک نہیں کہ جن لوگوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بتوں کی تعظیم کو جائز قرار دیا وہ کافر ہو گئے کیونکہ یہ بات معلوم ہے کہ آپ کی مساعی جلیلہ کا سب سے بڑا مقصد بتوں کی نفی کرنا تھا۔ اگر ہم اس بات کو جائز قرار دیں تو آپ کی شریعت سے امان (اور اعتماد) اٹھ جائے گا اور ہم شریعت کے تمام احکام میں اس قسم کی باتوں کو جائز قرار دینا شروع کر دیں گے۔ اور اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد گرامی باطل قرار پائے گا:

يَٰٓأَيُّهَا ٱلرَّسُولُ بَلِّغْ مَآ أُنزِلَ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ ۖ وَإِن لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُۥ۔ (المائدہ: ۶۷)

اے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم!) آپ کی طرف آپ کے رب کی جانب سے جو کچھ اتارا گیا ہے بیان کیجئے' اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو (گویا) آپ نے اپنا پیغام نہیں پہنچایا۔

وحی میں کمی اور زیادتی کرنے میں کوئی فرق نہیں (دونوں طرح ناجائز ہے) تو ان وجوہ کی بنیاد پر ہمیں اجمالی طور پر معلوم ہوا کہ یہ واقعہ من گھڑت ہے اور کہا گیا کہ یہ واقعہ زندیقوں نے گھڑا ہے جس کی کوئی اصل نہیں۔ (امام بیہقی کا کلام مکمل ہوا۔)

لیکن یہ بات اس طرح نہیں جیسا کہ امام بیہقی نے فرمایا' اسے ابن ابی حاتم (حافظ ابو محمد عبدالرحمٰن بن محمد تمیمی رازی رحمہ اللہ)' طبری اور ابن منذر (محمد بن ابراہیم بن منذر نیشاپوری رحمہ اللہ) نے حضرت شعبہ کے طریق سے' انہوں نے حضرت ابن بشر سے اور انہوں نے حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔

اسی طرح ابن مردویہ' بزار اور ابن اسحٰق نے سیرت میں موسیٰ بن عقبہ نے مغازی میں اور ابو معشر نے سیرت میں ذکر کیا۔

اور حافظ عماد الدین بن کثیر وغیرہ نے بھی اس پر آگاہ کیا لیکن فرمایا کہ اس کے تمام طرق مرسل ہیں (درمیان میں راوی چھوٹے ہوئے ہیں) اور انہوں نے صحیح وجہ کے ساتھ بطور مسند اسے نہیں پایا۔ حافظ عماد الدین کے اس قول کا تعاقب کیا گیا جیسا کہ آگے آئے گا۔

اسی طرح اس کی اصل کے ثابت ہونے پر شیخ الاسلام حافظ ابوالفضل عسقلانی رحمہ اللہ نے بھی خبردار کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ ابن ابی حاتم' طبری اور ابن منذر نے متعدد طرق سے حضرت شعبہ سے روایت کیا' انہوں نے حضرت ابوبشر سے اور انہوں نے حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا' وہ فرماتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ میں سورۂ النجم کی تلاوت فرمائی' جب "افرء یتم اللات والعزی ومناۃ

الثالثۃ الاخری" پر پہنچے تو شیطان نے آپ کی زبان پر "تلک الغرانیق العلی وان شفاعتھن لترتجی" ڈال دیا۔ مشرکین نے کہا: انہوں نے آج سے پہلے کبھی بھی ہمارے معبودوں کا ذکر اچھے الفاظ میں نہیں کیا چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدہ کیا تو انہوں نے بھی سجدہ کیا۔

اس پر یہ آیت نازل ہوئی:

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِيٍّ اِلَّآ اِذَا تَمَنّٰٓى اَلْقَى الشَّيْطٰنُ فِيْٓ اُمْنِيَّتِهٖ فَيَنْسَخُ اللّٰهُ مَا يُلْقِى الشَّيْطٰنُ۔ (الحج: ۵۲)

اور ہم نے تم سے پہلے جتنے رسول یا نبی بھیجے سب پر کبھی یہ واقعہ گزرا ہے کہ جب انہوں نے پڑھا تو شیطان نے ان کے پڑھنے میں لوگوں پر کچھ اپنی طرف سے ملا دیا تو مٹا دیتا ہے اللہ تعالیٰ اس شیطان کے ڈالے ہوئے کو۔

امام بزار اور ابن مردویہ نے امیہ بن خالد کے طریق سے روایت کیا وہ حضرت شعبہ سے روایت کرتے ہیں وہ اپنی سند سے حضرت سعید بن جبیر سے اور وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں جیسا کہ میرا خیال ہے پھر حدیث کو چلایا۔ حضرت بزار نے فرمایا یہ حدیث متصل طریقے پر اسی سند سے مروی ہے اور اس کے توصل (متصل ہونے) میں امیہ بن خالد تنہا ہیں اور وہ ثقہ (قابل اعتماد) مشہور ہیں۔ انہوں نے یہ بھی فرمایا کہ یہ کلبی کے طریق سے بھی مروی ہے۔ وہ ابو صالح سے اور وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں اور کلبی متروک ہیں، ان پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔ اسی طرح نحاس (ابو العباس احمد بن محمد بن عیسیٰ مصری حافظ صدوق (نہایت سچے)) ایک اور سند سے روایت کرتے ہیں جس میں واقدی ہیں۔

(فتح الباری شرح صحیح بخاری جلد ۸ ص ۳۳۳)

ابن اسحٰق نے سیرت میں اس کو تفصیل سے ذکر کیا ہے اور اس کی اسناد محمد بن کعب قرظی سے کی ہے، اسی طرح موسیٰ بن عقبہ نے اپنی مغازی میں ابن شہاب زہری رحمہ اللہ سے نقل کیا۔

ابو معشر نے سیرت سے متعلق اپنی کتاب میں محمد بن کعب قرظی اور محمد بن قیس سے روایت کیا اور اسے طبری کے طریقے پر لائے۔

ابن مردویہ نے عباد بن صہیب کے طریقے سے نقل کیا وہ یحییٰ بن کثیر سے وہ کلبی سے وہ ابو صالح اور ابو بکر ہذلی سے اور ایوب نے عکرمہ سے اور سلیمان تیمی سے اور انہوں نے اس سے جس سے انہوں نے حدیث روایت کی اور ان تینوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا۔

طبری بھی اسے عوفی (عطیہ بن سعد بن جنادہ) کے طریق سے لائے ہیں اور وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں، ان سب کا معنی ایک ہی ہے۔ (فتح الباری شرح صحیح بخاری جلد ۸ ص ۳۳۳)

ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ کی رائے

حضرت سعید بن جبیر کے طریقے کے علاوہ تمام طرق یا تو ضعیف ہیں یا منقطع لیکن طرق کی کثرت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اس واقعہ کی کوئی اصل ضرور ہے۔

اس کے علاوہ اس کے دو مرسل طریقے اور بھی ہیں اور ان کے راوی صحیح بخاری کی شرط پر ہیں۔

ان میں سے ایک وہ جسے طبری نے یونس بن یزید کے طریقے سے ذکر کیا۔ وہ ابن شہاب سے روایت کرتے ہیں، ابن شہاب فرماتے ہیں: مجھ سے ابوبکر بن عبدالرحمٰن بن حارث بن ہشام نے بیان کیا پھر انہوں نے اسی طرح ذکر کیا۔ (فتح الباری شرح صحیح بخاری جلد ۸ ص ۳۳۳)

اور دوسرا وہ جسے معتمر بن سلیمان اور حماد بن سلمہ کے طریق سے روایت کیا۔ یہ دونوں داؤد بن ابی ہند سے اور وہ ابوالعالیہ سے روایت کرتے ہیں۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ابن عربی نے اپنی عادت کے مطابق تحقیق کی جرأت کی ہے، پس فرمایا کہ طبری نے اس سلسلے میں بہت سی روایات ذکر کی ہیں جن کی کوئی اصل نہیں۔ ابن عربی کا یہ مطلق قول ان پر رد کر دیا گیا اسی طرح قاضی عیاض رحمہ اللہ کا قول بھی رد کیا گیا۔

قاضی عیاض نے فرمایا کہ اس حدیث کو اہل صحت نے روایت نہیں کیا اور نہ ہی ثقہ راویوں نے متصل سلیم سند سے نقل کیا پھر یہ کہ اس کے نقل میں کمزوری ہے، روایات میں اضطراب اور سند میں انقطاع ہے۔

اسی طرح قاضی عیاض رحمہ اللہ کا یہ قول بھی رد کیا گیا انہوں نے فرمایا کہ تابعین اور مفسرین میں سے جس نے بھی یہ واقعہ نقل کیا ان میں سے کسی نے بھی اسے مسند بیان نہیں کیا اور اس کے بیان کرنے والے تک نہیں پہنچایا اور اس سلسلے میں اکثر طرق ضعیف اور نکمے ہیں۔ (فتح الباری شرح صحیح بخاری جلد ۸ ص ۳۳۳)

وہ فرماتے ہیں: حضرت بزار نے بیان کیا کہ یہ حدیث کسی ایک طریقے سے معروف نہیں ہے جس کا ذکر جائز ہو البتہ ابوبشر کا طریق کہ وہ حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں لیکن اس کے اتصال میں بھی شک ہے، جہاں تک کلبی کا تعلق ہے تو اس کے زیادہ ضعیف ہونے کی وجہ سے اس سے روایت کرنا جائز نہیں ہے۔

پھر قاضی عیاض رحمہ اللہ نے درایت کے طور پر اس کو رد کیا کہ اگر یہ بات ہوتی (یعنی حضور علیہ السلام کی قرأت میں شیطان نے دخل اندازی کی ہوتی) تو مسلمان ہونے والوں میں سے اکثر لوگ مرتد ہو چکے ہوتے لیکن اس قسم کا کوئی واقعہ منقول نہیں ہوا--- قاضی عیاض رحمہ اللہ کا قول مکمل ہوا۔

(حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:) یہ تمام اقوال قواعد کے مطابق نہیں ہیں کیونکہ جب طرق زیادہ ہوں اور ان کے خروج کے مقامات مختلف ہوں تو یہ اس بات کی دلیل ہوتی ہے کہ اس کی کوئی نہ کوئی اصل ہے اور ہم نے ذکر کیا کہ ان میں سے تین سندیں صحیح بخاری کی شرط پر ہیں اور یہ ایسی مرسل روایات ہیں کہ مرسل روایت سے استدلال کرنے والے حضرات ان سے استدلال کرتے ہیں، اسی طرح جو مرسل روایات سے استدلال نہیں

کرتے، وہ بھی ان احادیث کے باہم ایک دوسرے کو مضبوط کرنے کی وجہ سے ان سے استدلال کرتے ہیں۔

جب یہ بات پکی ہوگئی اور جو کچھ اس واقعہ میں ذکر کیا گیا وہ منکر معلوم ہوتا ہے اور وہ شیطان کا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پر یہ کلمات جاری کرنا ہے "تلك الغرانيق العلى وان شفاعتهن لترتجى"... لیکن اسے ظاہر پر محمول نہیں کیا جاسکتا کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ بات محال ہے کہ آپ قرآن پاک میں جان بوجھ کر اس بات کا اضافہ کریں جو اس میں نہیں ہے، اسی طرح وہ بات جو توحید کے خلاف ہے اسے بھول کر بھی اضافہ نہیں کرسکتے کیونکہ (آپ معصوم ہیں اور) یہ بات آپ کی عصمت کے خلاف ہے۔

(فتح الباری جلد ۸ ص ۳۳۳)

واقعہ کی تاویل

علماء کرام نے اس سلسلے میں مختلف مسلک اختیار کیے ہیں:

(۱) کہا گیا کہ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اونگھ آئی تو یہ کلمات آپ کی زبان پر جاری ہوئے اور آپ کو اس کی خبر نہ ہوئی، جب اس بات کا علم ہوگیا تو اللہ تعالیٰ نے اپنی آیات کو محکم کردیا۔ یہ بات طبری نے حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے نقل کی ہے۔

لیکن حضرت قاضی عیاض رحمہ اللہ نے اسے رد کرتے ہوئے غیر صحیح قرار دیا کیونکہ یہ بات نبی کے لیے جائز نہیں اور شیطان نیند کی حالت میں بھی آپ پر غلبہ نہیں پاسکتا۔

(۲) شیطان نے آپ کو مجبور کردیا حتیٰ کہ آپ نے کسی اختیار کے بغیر یہ کلمات کہے۔ اس بات کو ابن عربی نے رد کیا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے شیطان کا قول نقل کرتے ہوئے فرمایا:

وَمَا كَانَ لِيَ عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطَانٍ۔ (شیطان نے کہا) مجھے تم پر طاقت نہیں تھی۔

(ابراہیم: ۲۲)

فرماتے ہیں: اگر شیطان کو اس بات پر قوت ہوتی تو کوئی شخص عبادت نہ کرسکتا۔

(۳) مشرکین جب اپنے معبودوں کا ذکر کرتے تو ان الفاظ کے ساتھ بیان کرتے، پس نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حفظ کے ساتھ معلق ہونے کی وجہ سے یہ کلمات آپ ﷺ کی زبان پر بھول کر جاری ہوئے جب آپ نے ان سے سنا۔

حضرت قاضی عیاض رحمہ اللہ عنہ نے اس بات کو عمدہ طریقے سے رد کیا۔

(۴) ہوسکتا ہے آپ نے کفار کو جھڑکتے ہوئے یہ کلمات کہے ہوں۔

حضرت قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ بات اس وقت جائز ہوتی جب وہاں کوئی قرینہ موجود ہوتا جو آپ کی مراد پر دلالت کرتا خصوصاً جبکہ اس دور میں نماز کے دوران کلام کرنا جائز تھا۔

قاضی ابوبکر محمد بن الطیب باقلانی بغدادی رحمہ اللہ نے اسی بات کی طرف میلان کیا ہے۔

(فتح الباری شرح صحیح بخاری جلد ۸ ص ۳۳۴)

(۵) یہ بھی کہا گیا کہ جب آپ "ومناۃ الثالثۃ الاخری" پر پہنچے تو مشرکین کو ڈر پیدا ہو گیا کہ اس کے بعد کوئی ایسی بات آئے جو ان کے خداؤں کی مذمت میں ہو تو انہوں نے اس کلام کی طرف جلدی کی اور انہوں نے اسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاوت میں خلط ملط کر دیا جس طرح ان کی عادت تھی کہ وہ کہتے تھے اس قرآن کو نہ سنو اور اس میں لغو باتوں کو ملا دو لیکن اسے شیطان کی طرف اس لیے منسوب کیا کہ اس نے ان کو اس بات کی ترغیب دی یا شیطان سے انسانی شیطان مراد ہے۔

(۶) کہا گیا ہے کہ "الغرانیق العلی" سے فرشتے مراد ہیں اور کفار، فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں کہا کرتے اور ان کی پوجا کرتے تھے تو ان سب کا ذکر اس ترتیب سے کیا کہ اپنے اس ارشاد گرامی سے سب کا رد کر دیں، ارشاد خداوندی ہے:

اَلَكُمُ الذَّكَرُ وَلَهُ الْاُنْثٰى۔ (النجم: ۲۱) کیا تمہارے لیے بیٹے اور اس (اللہ تعالیٰ) کے لیے بیٹیاں ہیں۔

جب مشرکین نے سنا تو انہوں نے اسے سب پر محمول کیا اور کہنے لگے کہ انہوں نے (حضور علیہ السلام نے) ہمارے معبودوں کی تعظیم کی ہے اور وہ اس بات پر راضی ہوئے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان دو کلموں کو منسوخ کر کے اپنی آیات کو محکم بنا دیا۔

(۷) یہ بھی کہا گیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قرآن پاک ٹھہر ٹھہر کر پڑھتے تھے تو شیطان نے ایک سکتے کا انتظار کر کے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز کی حکایت کے طور پر یہ کلمات کہے، چنانچہ جو لوگ قریب تھے انہوں نے سن کر اسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا قول خیال کیا اور پھیلا دیا۔

حضرت قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں: تمام تاویلات میں سے یہ تاویل زیادہ بہتر ہے اور اس کی تائید حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی اس تفسیر سے ہوتی ہے کہ آپ نے لفظ تمنی کا معنی تلا (تلاوت کی) بیان کیا ہے (یعنی القی الشیطان فی امنیتہ میں امنیتہ سے آپ کی تلاوت مراد ہے)۔

اس طرح ابن عزل نے بھی اس تاویل کو اچھا قرار دیا اور فرمایا: "فی امنیتہ" کا معنی "فی تلاوتہ" ہے تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں خبر دی کہ رسولوں کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ کا طریقہ یہ ہے کہ جب وہ کوئی بات کہتے ہیں تو شیطان اپنی طرف سے کچھ اضافہ کر دیتا ہے، پس یہ اس بات پر نص ہے کہ شیطان نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول میں اضافہ کیا یہ آپ کا قول نہیں ہے۔

طبری نے اپنی جلالت قدر اور وسعت علم اور دقت نظر کے ساتھ اس بات میں سبقت کی اور اس معنی کو صحیح قرار دیا۔ (فتح الباری شرح صحیح بخاری جلد ۸ ص ۳۳۴)

حبشہ کی طرف دوسری ہجرت

پھر مسلمانوں نے حبشہ کی طرف دوسری ہجرت کی اور ان حضرات کی تعداد تراسی (۸۳) ہے اگر حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ ان میں شامل ہوں، اور خواتین اٹھارہ (۱۸) تھیں۔

ان کے ہمراہ عبیداللہ بن جحش اور اس کی زوجہ ام حبیبہ بنت ابی سفیان بھی تھیں۔ عبیداللہ بن جحش وہاں نصرانی ہوگیا اور اسی دین (عیسائیت) پر مرگیا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے ساتویں سال حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے اس حالت میں نکاح کیا کہ وہ حبشہ میں تھیں۔ مقصد ثانی میں ازواج مطہرات کے ضمن میں یہ بات بیان ہوگی۔[1]

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ہجرت

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حبشہ کی طرف ہجرت کی غرض سے (مکہ مکرمہ سے) باہر تشریف لے گئے حتیٰ کہ جب آپ برک الغماد[2] میں پہنچے تو علاقے کے سردار مالک بن دَغِنَہ (یا دُغُنَّہ) کی پناہ میں واپس تشریف لائے اور اپنے گھر میں عبادت خداوندی میں مشغول ہوئے۔ آپ گھر میں نماز ادا کرتے اور قرآن مجید پڑھتے تو مشرکین کی عورتیں اور بچے وہاں جمع ہو جاتے اور آپ کی قرأت کو پسند کرتے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بہت رونے والے تھے، جب آپ قرآن پاک پڑھتے تو اپنی آنکھوں پر قابو نہ پاسکتے۔

اس بات سے مشرکین کے سردار گھبرا گئے اور انہوں نے ابن الدغنہ سے کہا کہ ہمیں ڈر ہے کہیں ہماری

---

[1] قریش نے عمرو بن عاصی اور عمارہ بن ولید کو تحائف دے کر نجاشی کے پاس بھیجا، وہ دونوں وہاں پہنچے تو انہوں نے سجدہ کیا اور جلدی جلدی ایک اس (بادشاہ) کی دائیں طرف اور دوسرا بائیں طرف بیٹھ گیا، وہ دونوں کہنے لگے: ہمارے کچھ چچازاد بھائی تمہاری زمین میں آئے ہیں اور انہوں نے ہم سے اور ہمارے دین سے اعراض کیا ہے۔ اس نے کہا: وہ کہاں ہیں؟ انہوں نے کہا: وہ آپ کی زمین میں ہیں، نجاشی نے ان کو بلا بھیجا۔ حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ نے فرمایا: آج میں تم سب کی طرف سے گفتگو کروں گا، پس باقی حضرات ان کے پیچھے گئے اور سلام کہا۔ درباریوں نے کہا: تم بادشاہ کو سجدہ کیوں نہیں کرتے؟ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہم صرف اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرتے ہیں۔ انہوں نے پوچھا: کیوں؟ فرمایا: اللہ تعالیٰ نے ہماری طرف ایک رسول بھیجا اور ہمیں حکم دیا کہ ہم صرف اللہ تعالیٰ کو سجدہ کریں اور ہمیں نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیا۔ عمرو بن عاصی نے کہا: یہ لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ کے بارے میں تمہارے مخالف ہیں۔ اس نے کہا: تم لوگ ان دونوں (ماں بیٹے) کے بارے میں کیا کہتے ہو؟ حضرت جعفر نے فرمایا: ہم یہ کہتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی روح اور کلمہ ہیں جو حضرت مریم کنواری پاک دامن خاتون کی طرف ڈالا، چنانچہ بادشاہ نے ایک تنکا اٹھا کر کہا: تمہارے اور ہمارے دین میں اتنا فرق بھی نہیں، ان کو خوش آمدید کہا اور قریش کے نمائندوں کو تحائف سمیت واپس بھیج دیا۔ (مسند امام احمد بن حنبل جلد اول ص ۴۶۱، ۱۲ ہزاروی)

[2] برک الغماد مکہ مکرمہ سے یمن کے راستے میں پانچ راتوں کی مسافت پر ہے۔... ۱۲ ہزاروی

عورتیں اور بچے فتنے میں مبتلا نہ ہو جائیں لہٰذا ان کو روکو اگر وہ اپنے گھر کے اندر عبادت کرنا چاہتے ہیں تو کرلیں اور اگر وہ علانیہ طور پر کرنا چاہتے ہیں تو ان سے پوچھو کہ تمہارا ذمہ (عہد) واپس کر دیا جائے کیونکہ ہم تمہارے عہد کو توڑنا اچھا نہیں سمجھتے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ابن دغنہ سے فرمایا: میں تمہاری پناہ اور عہد واپس کرتا ہوں اور اللہ کی پناہ پر راضی ہوں۔ (صحیح بخاری جلد ۲ ص ۳۰۷ کتاب الکفالہ)

عہد نامہ کو ختم کرنا

پھر کچھ لوگوں نے اس عہد نامہ کو توڑنے کا ارادہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مطلع کر دیا کہ اس عہد نامہ میں قطع تعلق اور ظلم کے متعلق جو کچھ لکھا تھا اسے زمین (دیمک) کھا گئی ہے، اب صرف اللہ تعالیٰ کا نام باقی رہ گیا ہے، چنانچہ جب اسے پھاڑنے کے لئے (کعبہ شریف سے) اتارا گیا تو جس طرح حضور علیہ السلام نے فرمایا تھا اسی حالت میں پایا گیا یہ نبوت کے دسویں سال کی بات ہے۔

(نوٹ) ہشام بن عمرو بن حارث عامری، زہیر بن ابی امیہ، مطعم بن عدی، ابوالبختری بن ہشام اور زمعہ بن اسود نے باہم مشورہ کیا کہ ہم لوگ کھانا کھاتے، لباس پہنتے اور عورتوں سے نکاح کرتے ہیں اور ہمارے بھائی بنو ہاشم اور بنو مطلب کس حالت میں ہیں، چنانچہ جب معاہدہ ختم کرنے کے لئے انہوں نے عہد نامہ کو اتارا تو وہ خود بخود ہی ختم ہو چکا تھا۔ (السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد اول ص ۲۳۱)



غم کا سال

ابو طالب کی وفات

جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک انچاس برس آٹھ مہینے اور گیارہ دن ہوگئی تو آپ کے چچا ابو طالب کا ستاسی سال کی عمر میں انتقال ہوگیا۔ کہا گیا کہ یہ واقعہ نبوت کے دسویں سال شوال کے مہینے میں پیش آیا، ابن جزار نے کہا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت سے تین سال پہلے ابو طالب کی وفات ہوئی۔

ابو طالب کو دعوت اسلام

مروی ہے کہ ابو طالب کی وفات کے وقت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مسلسل فرماتے رہے: اے چچا "لا الٰہ الا اللہ" پڑھو، اس کلمے کے باعث قیامت کے دن تمہارے لئے شفاعت جائز ہو جائے گی۔

جب ابو طالب نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حرص کو دیکھا تو کہا: اے بھتیجے اللہ کی قسم! اگر قریش کی اس بات کا خوف نہ ہوتا کہ وہ کہیں گے میں نے موت کے خوف سے کلمہ پڑھا ہے تو میں ضرور کلمہ پڑھتا میں تو آپ کو خوش کرنے کے لیے کلمہ پڑھوں گا۔ جب ابو طالب کی موت قریب آگئی تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے ان کے ہونٹوں کو حرکت کرتے ہوئے دیکھا جب کان لگا کر سنا تو کہا! اے بھتیجے اللہ کی قسم! میرے بھائی نے وہ کلمہ کہا ہے جس کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے حکم دیا تھا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے نہیں سنا۔ ابن اسحٰق کی روایت اسی طرح ہے کہ ابو طالب نے مرتے وقت اسلام قبول کیا تھا۔

(دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۲ ص ۳۴۶، السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد ۲ ص ۵۹)

امام بیہقی رحمہ اللہ نے دلائل النبوۃ میں یونس بن بکیر کے طریق سے روایت کیا وہ ابن اسحٰق سے اس حدیث کو اس طرح روایت کرتے ہیں کہ اسحٰق نے کہا! ہم سے عباس نے، انہوں نے عبداللہ بن معبد بن عباس سے، انہوں نے اپنے گھر والوں میں سے کسی کے واسطے سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہوئے یہی بات ذکر کی۔ امام بیہقی فرماتے ہیں: یہ حدیث منقطع ہے۔

اس کا جواب یوں دیا گیا کہ ابو طالب کے لیے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی شہادت اگر ان (حضرت عباس) کے ایمان لانے کے بعد ہوتی تو مقبول ہوتی اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول سے کہ میں نے نہیں سنا،

رد نہ کی جاتی کیونکہ جب عادل شاہد کہتا ہے کہ میں نے سنا اور جو اس سے زیادہ عدل والا ہے وہ کہتا ہے میں نے نہیں سنا تو جو سننے کو ثابت کرتا ہے اس کا قول اختیار کیا جاتا ہے لیکن حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی شہادت ان کے ایمان لانے سے پہلے کی ہے۔

ابوطالب کی کفر پر موت

علاوہ ازیں صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ ابوطالب کی وفات کفر و شرک پر ہوئی ہے جس طرح ہم نے صحیح بخاری کے حوالے سے حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ کی حدیث سے روایت نقل کی ہے۔

حتیٰ کہ ابوطالب نے ان لوگوں (ابوجہل اور عبداللہ بن امیہ وغیرہ) سے آخری بات یہ کہی تھی کہ وہ عبدالمطلب کی ملت پر ہیں اور "لا الٰہ الا اللہ" پڑھنے سے انکار کر دیا تھا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کی قسم! میں تمہارے لیے بخشش کی دعا مانگتا رہوں گا جب تک مجھے اس سے روکا نہ جائے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری:

مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوا أُولِي قُرْبَىٰ۔ (التوبہ: ۱۱۳)

نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ایمان والوں کے لیے جائز نہیں کہ وہ مشرکین کے لیے طلب مغفرت کریں اگرچہ وہ ان کے قریبی رشتہ دار ہوں۔

اور ابوطالب کے بارے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے یوں فرمایا:

إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ۔ (القصص: ۵۶)

بے شک آپ جسے چاہیں ہدایت نہیں دے سکتے لیکن اللہ تعالیٰ جسے چاہے ہدایت دیتا ہے۔

(صحیح بخاری جلد ۲ ص ۷۰۳ کتاب التفسیر)

(نوٹ: ہدایت کی دو صورتیں ہیں: ایک راستہ دکھانا، دوسرا منزل تک پہنچانا۔ یہاں دوسری صورت یعنی منزل تک پہنچانے کی نفی ہے۔۔۔ ۱۲ ہزاروی)

اور یہ جواب بھی دیا گیا کہ اگر ابوطالب کلمۂ توحید کہتے تو اللہ تعالیٰ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے لیے طلب مغفرت سے نہ منع کرتا۔

صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ ابوطالب آپ کی حفاظت کرتے، مدد کرتے اور آپ کے لیے غصہ کھاتے تھے تو کیا یہ امور ان کو فائدہ دیں گے؟ آپ نے فرمایا: ہاں (نفع دیں گے) میں نے ان کو دوزخ کی سختیوں میں پایا تو ان کو خفیف آگ کی طرف نکال دیا۔

(صحیح مسلم جلد اول ص ۱۱۵، باب شفاعۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم لابی طالب، صحیح بخاری جلد اول ص ۵۴۸ کتاب مناقب الانصار)

صحیحین میں یہ بھی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: شاید قیامت کے دن ان کو میری شفاعت نفع

دے اور ان کو ہلکی آگ میں رکھا جائے جو ان کے ٹخنوں تک پہنچے جس سے دماغ کھولے گا۔
(صحیح مسلم جلد اول ص ۱۱۵، باب شفاعۃ النبی ﷺ لابی طالب، صحیح بخاری جلد اول ص ۵۴۸، کتاب مناقب الانصار)
یونس کی ابن اسحٰق سے روایت میں یہ اضافہ ہے کہ اس سے ان کا دماغ کھولے گا حتیٰ کہ قدموں سے بہنے لگے گا۔

امام سہیلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ کی حکمت اور عمل کی جزاء کی مشابہت میں غور و فکر سے یہ بات ہے کہ ابو طالب مکمل طور پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حمایت کرتے تھے لیکن وہ عبدالمطلب کی ملت پر ثابت قدم تھے حتیٰ کہ انہوں نے فوت ہوتے وقت کہا کہ میں عبدالمطلب کی ملت پر ہوں، پس ان کے قدموں پر خاص طور پر عذاب مسلط کیا گیا کیونکہ وہ ان قدموں کے ذریعے اپنے آباء و اجداد کی ملت پر تھے۔۔۔ اللہ تعالیٰ ہمیں صراط مستقیم پر ثابت قدم رکھے۔ (السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد اول ص ۳۵۸)

(علامہ شہاب الدین ابو العباس احمد بن ادریس الصنہاجی) قرافی رحمہ اللہ کی شرح تنقیح فی الاصول میں لکھا ہے کہ کفار کی چار قسمیں ہیں۔[1] ان میں سے ایک یہ کہ آدمی ظاہر و باطن سے ایمان لائے لیکن فروع پر ایمان نہ لانے کی وجہ سے کافر ہو جس طرح ابو طالب کے بارے میں منقول ہے کہ وہ کہتے تھے: مجھے معلوم ہے کہ جو کچھ میرا بھتیجا کہتا ہے وہ سچ ہے، اگر مجھے قریش کی عورتوں کی طرف سے عار دلانے کا خوف نہ ہوتا تو میں ان کی اتباع کرتا۔ وہ اپنے شعر میں کہتے ہیں۔

لقد علموا ان ابننا لا مکذب　　یقینا ولا یغری لقول الاباطیل

"قریش کو یقین کے ساتھ علم ہے کہ ہمارا فرزند جھوٹ نہیں کہتا اور نہ جھوٹی باتوں کی طرف اس کی نسبت ہوتی ہے"۔

تو یہ بات زبان اور دل سے ایمان پر صریح ہے لیکن انہوں نے اذعان (اقرار) نہیں کیا۔

ابو طالب کی قریش کو وصیت

ہشام بن سائب کلبی یا ان کے باپ سے حکایت کی گئی ہے، وہ فرماتے ہیں: حضرت ابو طالب کی وفات کا وقت آیا تو انہوں نے قریش کے معزز لوگوں کو جمع کر کے وصیت کی اور کہا:

---

[1] ابن اثیر نے النہایہ میں اور اسی طرح امام بغوی نے بھی ان چار اقسام کا ذکر کیا ہے جو اس طرح ہیں:
(الف) کفر انکار۔۔۔ اللہ تعالیٰ کو دل سے بھی نہ ماننا اور زبان سے بھی اعتراف نہ کرنا۔
(ب) کفر جحود۔۔۔ دل سے مانتا ہو لیکن زبان سے اقرار نہ کرے، جس طرح شیطان اور یہودی۔
(ج) کفر نفاق۔۔۔ زبان سے اقرار ہو دل سے نہ ہو۔
(د) کفر عناد۔۔۔ دل سے پہچان اور زبان سے اعتراف ہو لیکن دین اسلام کو اختیار نہ کرے۔
امام بغوی فرماتے ہیں: اس بارے میں چاروں صورتیں برابر ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کو نہیں بخشے گا جب اسی حالت پر مر جائیں۔

(ابن عقبہ اور ابن اسحاق وغیرہ نے لکھا ہے کہ آپ اکیلے ہی تشریف لے گئے تھے)

آپ وہاں ایک مہینہ ٹھہرے اور قبیلہ ثقیف کے سرداروں (عبد یالیل، مسعود اور حبیب) کو اسلام کی دعوت دینے لگے لیکن انہوں نے یہ دعوت قبول نہ کی (بلکہ حضور علیہ السلام کا تمسخر اڑایا) اور ناسمجھ قسم کے لوگوں اور غلاموں کو آپ کے پیچھے لگا دیا جو آپ کو گالی گلوچ کرتے تھے۔ (طبقات ابن سعد جلد اول ص ۲۱۱)

حضرت موسیٰ بن عقبہ فرماتے ہیں: انہوں نے آپ کی مبارک ایڑیوں پر پتھر مارے حتیٰ کہ آپ کے نعلین مبارک خون آلود ہو گئے۔ دوسرے حضرات نے یہ اضافہ کیا کہ جب آپ کو پتھروں سے تکلیف ہوتی تو آپ زمین پر بیٹھ جاتے اور وہ آپ کو بازوؤں سے پکڑ کر کھڑا کرتے، پھر جب آپ چلنے لگتے تو وہ پتھر مارتے اور ہنستے تھے۔ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ اپنے آپ کو آگے کر کے آپ کی حفاظت کرتے حتیٰ کہ ان کا سر زخمی ہو گیا۔

(السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد اول ص ۲۶۰)

صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے، آپ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: کیا غزوۂ احد والے دن سے زیادہ سخت دن بھی آپ پر آیا ہے؟ آپ نے فرمایا: میں نے تمہاری قوم (قریش) سے جو پایا وہ پایا لیکن سب سے سخت وہ ہے جو عقبہ کے دن (بنو ثقیف سے) پہنچا۔ میں نے ابن عبد یالیل بن عبد کلال کے سامنے اپنے آپ کو پیش کیا لیکن اس نے وہ جواب نہ دیا جو میں چاہتا تھا تو میں غم کی حالت میں جدھر منہ آیا چلا گیا۔ مجھے اس حالت سے اس وقت افاقہ ہوا جب میں (مقام) قرن الثعالب میں پہنچا۔ میں نے سر اٹھا کر دیکھا تو ایک بادل نے مجھ پر سایہ کیا ہوا ہے، میں نے اس میں حضرت جبرئیل علیہ السلام کو دیکھا۔ انہوں نے مجھے آواز دیتے ہوئے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی قوم کی بات سن لی ہے اور ان کا جواب بھی سن لیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے پاس پہاڑوں کے فرشتے کو بھیجا ہے کہ جو چاہیں اسے حکم دیں، پس پہاڑوں کے فرشتے نے مجھے آواز دی اور سلام پیش کرنے کے بعد کہا: اے محمد (صلی اللہ علیک وسلم) آپ کی قوم نے آپ کو جواب دیا وہ اللہ تعالیٰ نے سن لیا ہے اور میں پہاڑوں کا فرشتہ ہوں، مجھے آپ کے رب نے اس لیے بھیجا ہے کہ مجھے کوئی حکم دیں، اگر آپ چاہیں تو میں اخشبین پہاڑوں (ابو قبیس اور قعیقعان دو پہاڑ جو مکہ مکرمہ میں ہیں) کو ان پر الٹ دوں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (نہیں) بلکہ مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی پشتوں سے ایسے لوگوں کو پیدا کرے گا جو صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں گے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے۔

(صحیح بخاری جلد اول ص ۴۵۸، کتاب بدء الخلق، صحیح مسلم جلد ۲ ص ۱۰۹، کتاب الجہاد)

عبد یالیل، عبد کلال کا بیٹا ہے اور عبد یالیل طائف میں قبیلہ ثقیف کے سرداروں میں سے تھا۔

قرن الثعالب، اہل نجد کا میقات ہے (وہاں سے حج اور عمرہ کرنے والے احرام کے بغیر آگے نہیں جا سکتے) اس کو قرن المنازل بھی کہتے ہیں۔

ابن سعد کہتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طائف میں ٹھہرنے کی مدت دس دن تھی۔

(فتح الباری شرح صحیح بخاری جلد ۶ ص ۲۲۴)

عداس کا اسلام قبول کرنا

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب اہل طائف سے واپس تشریف لائے تو راستے میں ربیعہ کے بیٹوں عتبہ اور شیبہ کے پاس سے گزرے۔ وہ دونوں اپنے ایک باغ میں تھے، جب انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اہل طائف کی بدسلوکی دیکھی تو ان کا جذبہ رحم حرکت میں آگیا چنانچہ انہوں نے اپنی عیسائی غلام عداس کے ہاتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے انگور کا خوشہ بھیجا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خوشہ ہاتھ میں لیا تو بسم اللہ پڑھ کر اسے کھایا۔ عداس نے آپ کے چہرۂ انور کی طرف دیکھا پھر کہا: اللہ کی قسم! اس شہر والے یہ کلام (بسم اللہ) نہیں پڑھتے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: تم کس شہر سے تعلق رکھتے ہو؟ اور تمہارا دین کیا ہے؟ اس نے کہا: میں نینوئی کا رہنے والا ہوں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم نیک شخص حضرت یونس بن متی علیہ السلام کے شہر کے رہنے والے ہو؟ اس نے پوچھا کہ آپ کو کیسے پتا چلا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ میرے بھائی ہیں اور میری طرح نبی ہیں۔ (یہ سن کر عداس آپ کے ہاتھوں اور سر مبارک اور پاؤں پر جھک گیا اور بوسہ دینے لگا بلکہ مسلمان ہو گیا۔[1]

جنوں کا واقعہ

جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مقام نخلہ میں پہنچے اور یہ مکہ مکرمہ سے ایک رات کی مسافت پر ہے تو اللہ تعالیٰ نے شام کے ایک شہر نصیبین کے سات جن آپ کی طرف پھیر دیئے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم آدھی رات کے وقت نماز کے لیے کھڑے ہوئے تو انہوں نے آپ سے سورۂ جن کی قرأت سنی۔

صحیح مسلم میں ہے کہ جنوں والی رات میں آپ کو جنوں کے بارے میں ایک درخت نے بتایا تھا۔ انہوں نے آپ سے کھانے کی استدعا کی تو آپ نے فرمایا: جس ہڈی پر اللہ کا نام لیا جائے اور وہ تم میں سے کسی کے ہاتھ لگے تو تم اس پر پہلے سے زیادہ گوشت پاؤ گے اور ہر مینگنی تمہارے جانوروں کی خوراک ہے۔

(صحیح مسلم جلد ۱ ص ۱۸۴، کتاب الصلوٰۃ)

اس حدیث میں ان لوگوں کا رد ہے جو کہتے ہیں کہ جن کھاتے پیتے نہیں۔

(السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد اول ص ۲۶۳)

---

[1] یہ واقعہ سیرت ابن اسحٰق وغیرہ میں مروی ہے اور ابن اسحٰق نے یہ بھی لکھا ہے کہ ربیعہ کے بیٹوں میں سے ایک نے دوسرے سے کہا: تمہارے غلام نے تمہیں خراب کیا۔ جب عداس ان کے پاس آئے تو انہوں نے کہا: تمہارے لیے بربادی ہو اے عداس! تم اس شخص کے ہاتھ پاؤں کیوں چومتے تھے؟ اس نے کہا: اے میرے سردار! زمین میں اس سے بہتر انسان نہیں ہے۔ انہوں نے مجھے ایسی بات بتائی ہے جسے صرف نبی جانتا ہے۔ انہوں نے کہا: اے عداس! تجھے کیا ہو گیا ہے، کہیں یہ شخص تجھے تیرے دین سے پھیر نہ دے، تمہارا دین اس کے دین سے بہتر ہے۔ (سیرت ابن ہشام جلد اول ص ۲۶۲)

صاحب الروض الانف (امام سہیلی) نے ابن درید سے نقل کرتے ہوئے ان سات جنوں میں سے بعض کے نام ذکر کیے ہیں جو حضور علیہ السلام کے پاس آئے تھے اور وہ نام یہ ہیں: منشی، ناشی، شاصر، ماضر اور احقب۔ امام سہیلی فرماتے ہیں: ابن درید نے ان پانچ ناموں پر اضافہ نہیں کیا۔ (السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد اول ص ۳۶۳)

حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں: ابن اسحق نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل طائف کی طرف جانے اور ان کو دعوت اسلام دینے کا ذکر کیا ہے۔ نیز جب آپ ان سے واپس لوٹے تو نخلہ مقام پر رات گزاری۔ اس رات آپ نے قرآن مجید پڑھا تو نصیبین کے جنوں نے سنا۔ (السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد اول ص ۳۶۳)

ابن کثیر نے کہا: یہ صحیح ہے لیکن ابن اسحق کا یہ کہنا کہ اس رات جنوں کا قرآن پاک سننا محل نظر ہے کیونکہ جنوں کا قرآن پاک سننا وحی کی ابتدا میں تھا اور اس پر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت دلالت کرتی ہے جو امام احمد رحمہ اللہ نے نقل کی۔ وہ فرماتے ہیں: جن وحی سنتے تھے تو وہ ایک کلمہ سن کر اس کے ساتھ دس کا اضافہ کرتے پس جو کچھ وہ سنتے وہ حق ہوتا اور جو کچھ اضافہ کرتے وہ باطل ہوتا۔

اس سے پہلے ستاروں سے جنوں کو مارا نہیں جاتا تھا' جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تو جو بھی جن (آسمان پر) اپنے بیٹھنے کی جگہ آتا اسے شہاب کے ذریعے مارا جاتا تو وہ جہاں پہنچتا اسے جلا دیتا۔ انہوں نے ابلیس سے شکایت کی تو اس نے کہا: کوئی نئی بات پیدا ہوئی ہے' پس اس نے اپنا لشکر بھیجا جس نے دیکھا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نخلہ کے دو پہاڑوں کے درمیان نماز پڑھ رہے ہیں' چنانچہ ابلیس نے کہا: یہی نئی بات پیدا ہوئی ہے۔

(مسند امام احمد بن حنبل جلد اول ص ۲۷۴)

اس حدیث کو امام نسائی نے بھی روایت کیا اور امام ترمذی نے اسے صحیح قرار دیا۔

(جامع ترمذی جلد ۲ ص ۱۶۷، مستدرک حاکم جلد ۲ ص ۴۵۶)

ابن کثیر فرماتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا طائف کی طرف جانا آپ کے چچا (ابو طالب) کی وفات کے بعد ہوا۔

ابن ابی شیبہ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا' وہ فرماتے ہیں: جن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس وقت آئے جب آپ وادیٔ نخلہ میں قرآن مجید پڑھ رہے تھے' جب انہوں نے سنا تو کہنے لگے: خاموش رہو' تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

وَاِذْ صَرَفْنَآ اِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ يَسْتَمِعُوْنَ الْقُرْاٰنَ۔ (الاحقاف: ۲۹)

اور جب ہم نے جنوں کے ایک گروہ کو آپ کی طرف پھیرا جو قرآن مجید غور سے سنتے تھے۔

یہ روایت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کے ساتھ اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس مرتبہ ان کے آنے کی خبر نہ ہوئی اور وہ آپ کی قرأت سن کر واپس چلے گئے' پھر اس کے بعد بطور وفد ایک قوم کے بعد دوسری قوم اور ایک فوج کے بعد دوسری فوج آئی۔

اس راستے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا مانگی جو مشہور ہے:

اللھم الیک اشکو ضعف قوتی، وقلۃ حیلتی، وھوانی علی الناس، یا ارحم الراحمین، انت ارحم الراحمین، وانت رب المستضعفین، الی من تکلنی الی عدو بعید یتجھمنی ام الی صدیق قریب ملکتہ امری، ان لم تکن غضبان علی فلا ابالی، غیر ان عافیتک اوسع لی، اعوذ بنور وجھک الذی اشرقت لہ الظلمات وصلح علیہ امر الدنیا والاخرۃ، ان ینزل بی غضبک، او یحل بی سخطک، لک العتبی حتی ترضی، ولا حول ولا قوۃ الا بک۔

یا اللہ! میں تیری بارگاہ میں اپنی طاقت کی کمزوری، اسباب کی کمی اور لوگوں کے سامنے بے وقعت ہونے کے سلسلے میں گزارش کرتا ہوں، اے سب رحم کرنے والوں سے بڑھ کر رحم کرنے والے! تو سب سے زیادہ رحم فرمانے والا ہے، تو کمزور لوگوں کا (بھی) رب ہے، تو مجھے کس کے حوالے کرتا ہے، دشمن بعید کی طرف جو ترش روئی سے پیش آئے یا کسی قریبی دوست کے حوالے کرتا ہے جسے تو میرے معاملات کا مالک بنائے۔ اگر تو مجھ پر ناراض نہیں تو مجھے کوئی پرواہ نہیں لیکن تیری طرف سے عافیت بہت وسیع ہے، میں تیرے نور ذاتی کی پناہ چاہتا ہوں جس سے اندھیرے چھٹ گئے اور دنیا اور آخرت کے معاملات درست ہوگئے کہ مجھ پر اپنا غضب نازل نہ کرنا اور نہ ہی ناراض ہونا، میں تیری رضا چاہتا ہوں حتیٰ کہ تو راضی ہو جائے، نیکی کرنے اور برائی سے بچنے کی طاقت تو ہی عطا کرتا ہے۔

ابن اسحٰق نے اس دعا کو ذکر کیا اور امام طبرانی نے کتاب الدعاء میں حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا، وہ فرماتے ہیں: جب ابوطالب کا انتقال ہوا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم طائف کی طرف پیدل تشریف لے گئے اور ان لوگوں کو اسلام کی دعوت دی لیکن انہوں نے قبول نہ کی، چنانچہ آپ ﷺ ایک درخت کے نیچے تشریف لائے، دو رکعت نماز پڑھی، پھر یہ دعا مانگی۔ (السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد اول ص ۳۶۱)

مکہ مکرمہ کی طرف واپسی

اس کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مطعم بن عدی کی پناہ میں مکہ مکرمہ کی طرف واپس آئے۔[1]

[1] ابن اسحٰق اور فاکہی نے ذکر کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن اریقط کو اخنس بن شریک کی طرف بھیجا کہ وہ آپ کو پناہ دے۔ اس نے کہا: میں حلیف ہوں اور حلیف پناہ نہیں دیتا، پھر آپ ﷺ نے سہیل بن عمرو کے پاس بھیجا تو اس نے کہا کہ بنو عامر، بنو کعب پر پناہ نہیں دیتے، اس کے بعد آپ نے مطعم بن عدی کے پاس پیغام بھیجا تو اس نے قبول کیا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں داخل ہوئے اور رات گزاری۔ صبح ہوئی تو مطعم اور اس کے بیٹوں نے جو چھ یا سات تھے، مسلح ہوئے اور کہا کہ آپ طواف کریں اور انہوں نے اپنی تلواروں کے ذریعے مطاف کو گھیر لیا۔ ابوسفیان نے مطعم سے کہا: تم نے پناہ دی یا اتباع کی؟ کہا: پناہ دی ہے، ابوسفیان نے کہا: پھر اسے نہ توڑنا، جس کو تم نے پناہ دی اسے ہم نے بھی پناہ دی، اس طرح حضور علیہ السلام نے طواف مکمل کیا اور وہ آپ ﷺ کو آپ کے گھر لے گئے۔

معراج کا وقت

(معراج کا تفصیلی واقعہ آگے آئے گا، یہاں اس کا وقت بتانا مقصود ہے اس لیے اس کا خلاصہ بیان کیا گیا)۔

جب ربیع الاول شریف کا مہینہ ہوا[1] تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو روح اور جسم کے ساتھ مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک سیر کرائی گئی۔ پھر مسجد اقصیٰ سے لے کر ساتوں آسمانوں سے اوپر تک معراج کرایا گیا، آپ ﷺ نے اپنے رب کی زیارت سر کی آنکھوں سے کی اور اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف وحی بھیجی جو بھیجی اور پانچ نمازیں فرض کیں، پھر اسی رات آپ ﷺ مکہ مکرمہ کی طرف لوٹ آئے۔

آپ نے اس واقعہ کی خبر دی تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور جو لوگ بھی آپ پر ایمان لائے تھے سب نے تصدیق کی لیکن کفار نے اس بات کو جھٹلایا اور آپ ﷺ سے مسجد اقصیٰ کی علامات کے بارے میں سوال کیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ مسجد آپ ﷺ کے سامنے مثالی صورت میں رکھ دی، چنانچہ آپ دیکھ دیکھ کر بیان فرماتے۔

امام زہری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ واقعہ بعثت کے پانچ سال بعد ہوا۔ فتح الباری میں امام زہری سے نقل کیا گیا کہ ہجرت سے پانچ سال پہلے یہ واقعہ رونما ہوا۔ (فتح الباری جلد ۷ ص ۲۰۳)

امام زہری نے یہ بات (کہ نبوت کے پانچ سال بعد یہ واقعہ ہوا) حضرت قاضی عیاض رحمہ اللہ سے نقل کی ہے اور امام قرطبی اور امام نووی نے بھی اسے ترجیح دی ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ اس بات میں کوئی اختلاف نہیں کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے نماز فرض ہونے کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ نماز پڑھی اور اس بات میں کوئی اختلاف نہیں کہ نماز شب معراج میں فرض ہوئی۔

اس بات پر یوں اعتراض کیا گیا کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے اعلان نبوت کے دس سال کے بعد رمضان شریف میں انتقال فرمایا۔ یہ صحیح قول ہے اور ابھی نماز فرض نہیں ہوئی تھی اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہ حدیث بھی اس بات کی تائید کرتی ہے کہ انہوں نے فرمایا: حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا انتقال پانچ نمازیں فرض ہونے سے پہلے ہوا، اور اس سے یہ بات لازم آتی ہے کہ آپ کا وصال واقعہ معراج سے پہلے ہوا اور یہی بات قابل اعتماد ہے، جہاں تک وفات کے سال میں تردد کا تعلق ہے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ قول کہ ان کا وصال ہجرت سے تین سال پہلے ہوا، اس تردد کو دور کرتا ہے۔ یہ بات حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمائی۔

(فتح الباری شرح صحیح بخاری جلد ۷ ص ۱۵۵)

یہ بھی کہا گیا کہ ہجرت سے ایک سال پہلے معراج کا واقعہ پیش آیا، یہ بات ابن حزم فرماتے اور اس پر اجماع کا دعویٰ کرتے ہیں۔

کسی نے کہا کہ ہجرت سے ایک سال اور پانچ مہینے پہلے کی بات ہے، یہ بات امام سدی نے فرمائی اور اسے امام طبری اور امام بیہقی (رحمہم اللہ) نے ان کے طریق سے نقل کیا، اس قول کے مطابق یہ شوال میں ہوا۔

---

[1] معراج شریف کے بارے میں پانچ قول ہیں: ربیع الاول کے شروع میں، اس کے آخر میں، رجب میں، رمضان المبارک میں، شوال میں۔۔۔ لیکن زیادہ معروف قول رجب شریف کے بارے میں ہے۔۔۔ ۱۲ ہزاروی۔

کہا گیا کہ رجب کا واقعہ ہے۔ ابن عبدالبر نے یہ بات کہی اور ان سے پہلے ابن قتیبہ نے کہا امام نووی نے "الروضہ" میں اس پر اعتماد ذکر کیا ہے۔ ہجرت سے ایک سال اور تین مہینے پہلے کا قول بھی کیا گیا۔ اس بنیاد پر یہ واقعہ ذوالحجہ میں ہوا۔ ابن فارس (احمد بن فارس ابوالحسن الرازی اللغوی رحمہ اللہ) نے اسی پر اعتماد کیا۔۔۔ ہجرت سے تین سال پہلے کا قول بھی کیا گیا۔ ابن اثیر نے یہ بات لکھی ہے (ابراہیم بن اسحٰق) حربی فرماتے ہیں کہ ربیع الثانی کی ستره تاریخ کو معراج ہوا۔ امام نووی رحمہ اللہ نے اپنے فتاویٰ میں اسی طرح ذکر کیا لیکن شرح مسلم میں انہوں نے ربیع الاول کا ذکر کیا۔

کہا گیا کہ رجب کی ستائیس تاریخ کو یہ (محیرالعقول) واقعہ پیش آیا۔ حافظ عبدالغنی بن سرور مقدسی رحمہ اللہ نے اسے اختیار کیا(اور امت مسلمہ کا یہی معمول ہے)

شب معراج کے بعد کا دن

جس دن کی رات کو معراج شریف کا سفر ہوا اس کے بارے میں کہا گیا کہ جمعہ کا دن تھا اور یہ بھی کہا گیا کہ ہفتے کا دن تھا۔ ابن دحیہ کا قول ہے کہ ان شاء اللہ سوموار کا دن ہوگا تاکہ میلاد النبی، بعثت نبوی، ہجرت اور وصال کے موافق ہو کیونکہ آپ کے وجود مسعود (ولادت مبارکہ) نبوت، معراج اور ہجرت اور وفات کے سلسلے میں ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف انتقال کے اطوار یہی ہیں (یہ سارے امور سوموار کے دن ہوئے)۔

دیگر باتیں ان شاء اللہ معراج شریف کے ذکر میں آگے بیان ہوں گی۔

قبائل سے ملاقاتیں

پہلی ملاقات انصار سے

جب اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کے اظہار، اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اعزاز اور اپنے وعدہ کو پورا کرنے کا ارادہ فرمایا تو آپ موسم (اور یہ رجب کا مہینہ تھا جیسا کہ امام زرقانی نے فرمایا ہے) میں تشریف لے گئے اور انصار کے دو قبیلوں اوس اور خزرج سے ملاقات کی۔[1]

آپ نے اپنے آپ کو قبائل عرب پر پیش کیا جیسا کہ آپ ہر موسم میں کرتے تھے۔ (السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد اول ص ۴۶۶) (آپ فرماتے: تم میں کوئی ایسا ہے جو مجھے اپنی قوم کی طرف لے جائے کیونکہ قریش نے مجھے اپنے رب کا کلام پہنچانے سے روک دیا ہے) آپ عقبہ کے پاس تھے کہ قبیلہ خزرج کی ایک جماعت سے ملاقات ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے ان سے بھلائی کا ارادہ فرمایا تھا۔ آپ نے پوچھا: تم کون ہو؟ انہوں نے کہا: خزرج کا ایک گروہ ہے۔ آپ نے فرمایا: کیا تم بیٹھتے نہیں کہ میں تم سے کچھ گفتگو کروں۔ انہوں نے کہا: کیوں نہیں؟ چنانچہ وہ آپ کے ساتھ بیٹھ گئے، آپ نے ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف بلایا، ان پر اسلام پیش کیا اور ان کے سامنے قرآن مجید پڑھا۔

اور اللہ تعالیٰ کی حکمت یہ تھی کہ ان لوگوں کے شہر میں ان کے ساتھ یہودی بھی رہتے تھے اور وہ (یہودی) اہل کتاب تھے۔ اوس اور خزرج ان سے تعداد میں زیادہ تھے، جب ان کے درمیان کچھ بات ہوتی تو وہ (یہودی) کہتے: عنقریب ایک نبی مبعوث ہوں گے، ان کا زمانہ آچکا ہے، ہم ان کی پیروی کریں گے اور ان کے ساتھ مل کر تمہیں قتل کریں گے۔ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے گفتگو کی تو وہ آپ کا وصف پہچان گئے، چنانچہ وہ ایک دوسرے سے کہنے لگے: اس مقصد کے لیے یہودی ہم سے سبقت نہ لے جائیں، اس لیے انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کو قبول کیا اور اسلام کے حوالے سے آپ ﷺ نے جو کچھ ان کے سامنے پیش کیا انہوں نے اسے قبول کیا اور ان میں سے چھ افراد مسلمان ہوگئے اور ان سب کا تعلق قبیلہ خزرج سے تھا۔ ان کے اسماء گرامی یہ ہیں:

---

[1] انصار، ناصر کی جمع ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اوس اور خزرج کو انصار کا لقب دیا کیونکہ انہوں نے آپ کی مدد کی اور مدینہ طیبہ میں ٹھکانہ دیا۔ حضرت موسیٰ بن عقبہ، حضرت زہری سے نقل کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت سے پہلے قبائل سے ملاقاتیں کرکے ان کے سرداروں سے صرف یہ مطالبہ کرتے تھے کہ وہ آپ کا دفاع کریں اور پناہ دیں اور فرماتے: میں تمہیں کسی بات پر مجبور نہیں کرتا۔ ۔ ۔ ۱۲ ہزاروی۔

حضرت ابوامامہ اسعد بن زرارہ، حضرت عوف بن حارث بن رفاعہ جو حضرت عفراء کے بیٹے تھے، رافع بن مالک بن عجلان، قطبہ بن عامر بن حدیدہ، عقبہ بن عامر بن نابی اور جابر بن عبداللہ بن رئاب رضی اللہ عنہم۔ حضرت جابر بن عبداللہ بن عمرو بن حرام رضی اللہ عنہ (مشہور صحابی) یہ جابر نہیں ہیں بلکہ دوسرے ہیں۔

(السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد اول ص ۲۶۶)

سیرت کا علم رکھنے والے بعض حضرات ان میں حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کو شامل کرتے ہیں اور جابر بن عبداللہ بن رئاب کو ان میں شمار نہیں کرتے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم نے میری مدد کرنا ہے حتیٰ کہ میں اپنے رب کا پیغام پہنچا دوں۔ انہوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! ہمارے درمیان پہلے سال ایک یوم بعاث ہے (اوس اور خزرج کے درمیان ایک لڑائی ہوئی تھی) اگر اسی قسم کی صورت پیش آئی تو ہم آپ کے پاس اکٹھے نہیں ہو سکیں گے (اس کے لیے ہم معذرت خواہ ہیں) ہمیں اجازت دیجئے کہ ہم اپنے قبائل کی طرف لوٹ جائیں، ہو سکتا ہے اللہ تعالیٰ ہمارے درمیان صلح کی صورت پیدا کردے اور ہم ان کو اس بات کی دعوت دیں جس کی طرف آپ نے ہمیں بلایا ہے۔ قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سب کو آپ کے پاس جمع کردے، اگر ان کا کلمہ آپ کے ساتھ متفق ہو جائے اور وہ آپ کی اتباع کریں تو آپ سے زیادہ غالب کوئی نہیں ہوگا، ہم آپ سے آئندہ سال حج کے موقع پر آنے کا وعدہ کرتے ہیں، چنانچہ وہ لوگ مدینہ طیبہ واپس چلے گئے اور انصار کا کوئی گھر ایسا نہ تھا جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ نہ ہوتا ہو۔ (طبقات ابن سعد جلد اول ص ۲۱۸)

پہلی بیعت عقبہ

جب دوسرا سال آیا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بارہ افراد کی ملاقات ہوئی اور "الاکلیل" (کتاب کا نام ہے) میں ہے کہ وہ گیارہ تھے (السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد اول ص ۲۶۷) اور یہ دوسری عقبہ ہے (بیعت کے حوالے سے پہلی اور ملاقات کے اعتبار سے دوسری ہے) پہلے جن چھ حضرات کا ذکر کیا گیا ان میں سے بھی پانچ تشریف لائے یعنی حضرت جابر بن عبداللہ بن رئاب کے علاوہ باقی پانچ (جن کے اسماء گرامی پہلے مذکور ہوئے) تشریف لائے۔ بارہ میں سے باقی سات یہ حضرات تھے:

معاذ بن حارث بن رفاعہ، یہ عفراء کے بیٹے اور پہلے مذکور عوف بن حارث کے بھائی تھے، ذکوان بن عبد قیس زرقی، کہا گیا ہے کہ یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مکہ مکرمہ چلے آئے اور وہیں آپ کے ساتھ رہے۔ یہ انصار میں سے ہجرت کرنے والوں میں سے ہیں اور غزوۂ احد کے دن شہید ہوئے۔ تیسرے عبادہ بن صامت بن قیس، چوتھے ابو عبدالرحمٰن یزید بن ثعلبہ البلوی اور پانچویں عباس بن عبادہ بن نضلہ تھے، یہ سب قبیلہ خزرج سے تعلق رکھتے تھے اور دو آدمی اوس قبیلے سے تھے۔ ایک ابوالہیثم بن تیہان جو بنی عبدالاشہل سے تعلق رکھتے تھے اور دوسرے عویم بن ساعدہ تھے۔

یہ لوگ اسلام لائے اور عورتوں کی بیعت کے مطابق بیعت کی یعنی ان کی بیعت اس بیعت کے موافق تھی جو فتح مکہ کے بعد ہوئی۔ وہ یہ کہ ہم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے، چوری نہیں کریں گے، زنا کے مرتکب نہیں ہوں گے، اپنی اولاد کو قتل نہیں کریں گے، ہم ایسا بہتان نہیں باندھیں گے جسے ہم اپنی طرف سے گھڑیں۔ اچھے کاموں میں نافرمانی نہیں کریں گے، تنگی اور آسانی دونوں حالتوں میں آپ کا حکم سنیں گے اور اس پر عمل کریں گے چاہے اس سے ہمارے نفس خوش ہوں یا اسے ناپسند کریں۔ ہم آپ کو اپنے اوپر ترجیح دیں گے جس کے پاس حکومت ہوگی ہم اس سے اس معاملے میں نہیں الجھیں گے، ہم جہاں بھی ہوں گے سچ کہیں گے اور اللہ تعالیٰ کے معاملے میں کسی ملامت گر کی ملامت سے نہیں ڈریں گے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر تم اس وعدہ کو پورا کرو گے تو تمہارے لیے جنت ہے اور جو شخص ان میں سے کسی بات کے خلاف کرے گا اس کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے، اگر چاہے تو اسے عذاب دے اور چاہے تو معاف کردے اور ابھی تک مسلمانوں پر جہاد فرض نہیں ہوا تھا۔

(صحیح بخاری جلد ۲ ص ۲۲،۷ فتح الباری جلد اول ص ۶۲)

اس کے بعد وہ لوگ مدینہ طیبہ واپس چلے گئے اور اسلام کو ظاہر کیا۔ حضرت سعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ مدینہ طیبہ میں مسلمانوں کو جمعۃ المبارک کی نماز پڑھاتے تھے۔ (اور حضرت مصعب رضی اللہ عنہ ان کے معاون تھے) (طبقات ابن سعد جلد اول ص ۲۲۰)

حضرت مصعب رضی اللہ عنہ مدینہ طیبہ میں

اوس اور خزرج (دونوں قبیلوں) نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو لکھا کہ ہمارے پاس کوئی ایسا شخص بھیجیں جو ہمیں قرآن پڑھائے تو آپ نے حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو بھیجا۔ (طبقات ابن سعد جلد اول ص ۲۲۰)
امام دار قطنی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ آپ ان کو جمعہ کی نماز پڑھائیں (حضرت اسعد بن زرارہ کی معاونت میں) اور یہ (مسلمان) چالیس افراد تھے۔

حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بے شمار انصار نے اسلام قبول کیا۔ ان لوگوں میں حضرت سعد بن معاذ اور اسید بن حضیر رضی اللہ عنہما بھی تھے۔[1] اور ان دونوں کے اسلام لانے سے بنو عبدالاشہل کے تمام

[1] حضرت سعد بن معاذ اور حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہما کا واقعہ یوں نقل کیا گیا ہے کہ حضرت اسعد بن زرارہ اور حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہما دار بنی عبدالاشہل کی طرف تشریف لے گئے اور بنو ظفر کے ایک باغ میں بیٹھ گئے جہاں کئی مسلمان بھی اکٹھے ہو گئے۔ حضرت سعد بن معاذ و اسید بن حضیر بنو عبدالاشہل کے سردار تھے۔ حضرت سعد نے حضرت اسید سے کہا کہ یہ دو نوجوان ہمارے لوگوں کو بے وقوف بنانے آتے ہیں، ان کے پاس چل کر ان کو ڈانٹ ڈپٹ کرتے ہیں، جب اسید ان کی

(حاشیہ اگلے صفحے پر جاری ہے۔۔۔۔۔۔)

مرد اور عورتیں ایک ہی دن اسلام لائے اور ان میں سے اصیرم (عمرو بن ثابت بن وقش) کے علاوہ کوئی بھی اسلام کے بغیر نہ رہا۔

اصیرم نے غزوۂ احد کے دن اسلام قبول کیا اور مرتبۂ شہادت پایا، وہ اللہ تعالیٰ کے لیے ایک سجدہ بھی نہ کر سکے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی کہ وہ اہل جنت سے ہیں اور بنو عبدالاشہل میں کوئی مرد اور عورت منافق نہیں بلکہ سب کے سب مخلص مومن ہیں۔ (رضی اللہ عنہم)

دوسری بیعت عقبہ

پھر آئندہ سال ذوالحجہ کے مہینے میں ایام تشریق کے دوران عقبہ ثانیہ میں ان لوگوں میں سے ستر افراد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے۔ ابن سعد کہتے ہیں کہ ستر سے ایک یا دو مرد اور دو عورتیں زائد تھیں۔

(طبقات ابن سعد جلد اول ص ۲۲۱)

ابن اسحٰق نے کہا کہ تہتر مرد اور دو عورتیں تھیں۔ (السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد اول ص ۲۷۵) اور حاکم فرماتے ہیں پچھتر افراد تھے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر سب سے پہلے حضرت براء بن معرور رضی اللہ عنہ نے بیعت کی۔ کہا جاتا ہے کہ ابوالہیثم تھے۔ یہ بھی کہا گیا کہ حضرت اسعد بن زرارہ تھے (رضی اللہ عنہم) انہوں نے اس بات پر بیعت کی کہ وہ لوگ ہر اس چیز سے آپ کی حفاظت کریں گے جس سے اپنی عورتوں اور بیٹوں کی حفاظت کرتے ہیں اور سرخ و سیاہ سے جنگ کریں گے۔[1]

جہاد کے سلسلے میں سب سے پہلے یہ آیت نازل ہوئی:

أُذِنَ لِلَّذِينَ يُقَاتَلُونَ بِأَنَّهُمْ ظُلِمُوا وَإِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ نَصْرِهِمْ لَقَدِيرٌ ۔ (الحج: ۳۹)

ان لوگوں کو جن سے لڑائی لڑی جاتی ہے (جہاد کی) اجازت دی جاتی ہے کیونکہ ان پر ظلم کیا گیا اور بے شک اللہ تعالیٰ ان کی مدد پر قادر ہے۔

(گزشتہ صفحے سے...) طرف گئے تو حضرت اسعد نے ان کو دیکھ کر حضرت مصعب سے فرمایا: یہ اپنی قوم کا سردار ہے، اس کے حق میں اللہ تعالیٰ کا حکم سچا کر دیجئے۔ انہوں نے فرمایا: اگر وہ بیٹھا تو میں اس سے گفتگو کروں گا۔ اسید ان دونوں کو برا بھلا کہتے ہوئے وہاں کھڑے ہوئے اور کہا: اگر اپنی جان کی ضرورت ہے تو ہم سے دور ہو جاؤ۔ حضرت مصعب نے فرمایا: تم بیٹھ کر ہماری گفتگو سنو، پسند آئے تو قبول کرو نہ پسند آئے تو رک جاؤ۔ حضرت اسید نے کہا: تم نے انصاف کیا، چنانچہ ان کو قرآن سنایا تو وہ اسلام لائے اور کہا: میرے پیچھے ایک شخص ہے اگر اس نے اسلام قبول کیا تو اس کی قوم کے تمام لوگ مسلمان ہو جائیں گے، میں عنقریب اسے بھیجوں گا اور وہ حضرت معاذ تھے۔ انہوں نے بھی کلام الٰہی سن کر اسلام قبول کیا، پھر ان کی دعوت پر بنو عبدالاشہل کے تمام مرد و زن مسلمان ہو گئے۔ (تلخیص از سیرت ابن ہشام جلد اول ص ۲۷۲)

[1] اس بیعت میں جہاد کا ذکر نہیں تھا اور ابھی تک جہاد کی آیات بھی نازل نہیں ہوئی تھیں۔ آپ سے یہ معاہدہ ہوا کہ وہ آپ کا دفاع کریں گے۔ سرخ و سیاہ سے عرب و عجم یا جن و انس مراد ہیں.... ۱۲ ہزاروی۔ (مسند امام احمد جلد ۳ ص ۳۲۲)

اور اکلیل میں ہے کہ یہ آیت جہاد کے حق میں سب سے پہلے نازل ہوئی۔

اِنَّ اللّٰہَ اشۡتَرٰی مِنَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ اَنۡفُسَہُمۡ وَ اَمۡوَالَہُمۡ بِاَنَّ لَہُمُ الۡجَنَّۃَ۔

بے شک اللہ تعالیٰ نے مومنوں سے ان کی جان اور مال خرید لیے کہ (ان کے بدلے) ان کے لیے جنت ہے۔

(التوبہ: ۱۱۱)

اور ان پر بارہ نقیب (نگران) مقرر فرمائے۔[1]

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کی روایت جو امام احمد نے حسن سند کے ساتھ روایت کی اور امام حاکم اور ابن حبان نے اسے صحیح قرار دیا، اس میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دس سال تک ٹھہرے رہے۔ حج کے موقع پر لوگوں کو ان کے مقامات پر منیٰ وغیرہ میں تلاش کرتے اور فرماتے: کون مجھے ٹھکانہ دے گا، کون میری مدد کرے گا تاکہ میں اپنے رب کا پیغام پہنچا دوں اور اس شخص کے لیے جنت ہوگی حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے ہم لوگوں کو یثرب (مدینہ طیبہ) سے آپ کے پاس بھیجا۔ مکمل حدیث ذکر کی اور اس میں یہ بھی ہے کہ جب میں تمہارے پاس یثرب آؤں، تو میری مدد کرنا اور ان سے میرا دفاع کرنا جن سے اپنا، اپنی عورتوں اور بچوں کا دفاع کرتے ہو اور تمہارے لیے جنت ہوگی۔ (مسند امام احمد بن حنبل جلد ۳ ص ۳۲۲)

اس رات حضرت عباس رضی اللہ عنہ بھی عقبہ میں موجود تھے اور وہ اہل یثرب (مدینہ طیبہ والوں) سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے پکا وعدہ لے رہے تھے اور تاکید کر رہے تھے (کہ اگر تم ان کی حفاظت کر سکو تو لے جاؤ ورنہ یہاں ان کی اپنی قوم ان کی حفاظت کرتی ہے) ان دنوں حضرت عباس اپنی قوم کے دین پر تھے۔



[1] ان بارہ نقیبوں میں سے نو قبیلہ خزرج سے تھے اور وہ حضرت اسعد بن زرارہ، عبداللہ بن رواحہ، سعد بن ربیع، رافع بن مالک، ابو جابر عبداللہ بن عمرو، براء بن معرور، سعد بن عبادہ، منذر بن عمرو اور عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہم تھے اور تین قبیلہ اوس سے تعلق رکھتے تھے یعنی حضرت اسید بن حضیر، سعد بن خیثمہ اور رفاعہ بن عبدالمنذر رضی اللہ عنہم۔۔۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: تم اپنی قوم کے اسی طرح کفیل ہو جس طرح حضرت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کے حواری کفیل تھے۔۔۔ (السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد اول ص ۴۷۷)

مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت

صحابہ کرام کو ہجرت کی اجازت

ابن اسحٰق کہتے ہیں: جب اس رات عقبہ میں ان لوگوں کی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت مکمل ہو گئی اور یہ کفار سے پوشیدہ تھی تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ساتھیوں کو مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کی اجازت دے دی۔ وہ لوگ گروہوں کی صورت میں (اور تنہا بھی) نکلے۔ (السیرۃ النبویہ فی عیون الاثر جلد اول ص ۲۲۷) اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ میں ٹھہرتے ہوئے جانے کے لیے اجازت کے منتظر رہے۔ (السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد اول ص ۲۳۱) سب سے پہلے حضرت ابو سلمہ بن عبدالاسد رضی اللہ عنہ نے مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت فرمائی اور یہ بیعت عقبہ سے ایک سال پہلے کی بات ہے۔ آپ حبشہ سے مکہ مکرمہ آئے تو ان کے گھر والوں نے ان کو اذیت پہنچائی۔[1] ان کو انصار کے مسلمان ہونے کی خبر مل چکی تھی، لہٰذا وہ ان کی طرف چلے گئے (جن بارہ انصار نے حضور علیہ السلام کے دست مبارک پر بیعت کی تھی) پھر عامر بن ربیعہ اور ان کی بیوی لیلیٰ نے، پھر عبداللہ بن جحش (رضی اللہ عنہم) نے ہجرت کی، (الطبری جلد ۲ ص ۲۳۲) اور پھر لوگ گروہوں کی صورت میں نکلے، ان کے بعد حضرت عمر بن خطاب اور ان کے بھائی زید نیز عیاش بن ابی ربیعہ بیس سواروں میں شامل ہو کر تشریف لے گئے اور عوالی میں اترے (جو مسجد نبوی سے قبا کی طرف ایک میل کے فاصلے سے شروع ہو کر چھ سات میل کے فاصلے تک ہے)۔ (السیرۃ النبویہ فی عیون الاثر جلد اول ص ۲۲۹)

ان کے بعد حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ تشریف لے گئے حتیٰ کہ حضرت علی ابن ابی طالب اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہما کے علاوہ کوئی بھی باقی نہ رہا، یہ بات ابن اسحٰق نے کہی ہے۔ مغلطائی کہتے ہیں: یہ بات محل نظر ہے جیسا کہ آگے آئے گا (ان کا مقصد یہ ہے کہ جو لوگ جا سکتے تھے ان میں سے کوئی باقی نہ رہا)۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اکثر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہجرت کی اجازت مانگتے لیکن آپ

---

[1] حضرت براء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہمارے پاس سب سے پہلے حضرت مصعب بن عمیر اور ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہما تشریف لائے تو اس میں تضاد نہیں کیونکہ ابو سلمہ وہاں ٹھہرنے کے لیے نہیں گئے تھے بلکہ مشرکین کے خوف سے تشریف لے گئے جبکہ حضرت مصعب وہاں ٹھہرنے کے لیے گئے تھے۔ یہ بھی کہا گیا کہ حضرت مصعب تو تعلیم دینے گئے تھے کفار کی اذیت کی وجہ سے ہجرت کر کے نہیں گئے جبکہ ابو سلمہ ہجرت کر کے گئے لہٰذا کوئی تضاد نہیں کہ پہلے کون گیا تھا۔

(زرقانی جلد اول ص ۳۰۷)

ﷺ فرماتے: جلدی نہ کرو شاید اللہ تعالیٰ تمہارا کوئی ساتھی بنا دے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو امید تھی کہ وہ حضور علیہ السلام کے ساتھی ہوں گے۔ (السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد اول ص ۲۹۰، الطبری جلد ۲ ص ۲۴۲)

قریش کی شوریٰ

پھر قریش دارالندوہ میں اکٹھے ہوئے اور ان کے ساتھ شیطان بھی شیخ نجدی کی صورت میں تھا۔ دارالندوہ قصی بن کلاب کی حویلی تھی اور قریش ہر کام کا فیصلہ وہیں کرتے تھے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے معاملے میں کیا کرنا ہے؟ اس سلسلے میں انہوں نے باہم مشورہ کیا تو ان سب کی رائے یہ ٹھہری کہ آپ ﷺ کو شہید کر دیا جائے اور اس فیصلے کے بعد وہ جدا جدا ہو گئے۔ (السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد اول ص ۲۹۰)

سوال: شیطان شیخ نجدی کی صورت میں کیوں آیا؟

جواب: اس لیے کہ انہوں نے کہا کہ تہامہ کے علاقے سے کوئی شخص تمہارے ساتھ شریک مشورہ نہ ہو کیونکہ وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہیں، اس لیے وہ شیخ نجدی کی صورت میں آیا، بعض سیرت نگاروں نے اسی طرح کہا ہے۔[1] (السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد اول ص ۲۹۱)

حضرت علی رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے بستر پر

پھر حضرت جبرئیل علیہ السلام حاضر ہوئے اور انہوں نے کہا: آپ آج اس بستر پر نہ سوئیں جس پر روزانہ آرام فرماتے ہیں، جب رات ہوئی تو وہ لوگ آپ کے دروازے پر جمع ہو کر انتظار کرنے لگے کہ آپ آرام فرما ہوں تو ہم حملہ کر دیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو اپنی جگہ سونے کا حکم دیا اور آپ وہاں سو گئے (السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد اول ص ۲۹۱) اور آپ کو سبز چادر سے ڈھانپ دیا۔ پس حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے راہ خداوندی میں اپنے نفس کا سودا کیا اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جان بچائی۔ حضرت علی المرتضیٰ اسی سلسلے میں فرماتے ہیں ۔

وقیت بنفسی خیر من وطی الثری ومن طاف بالبیت العتیق وبالحجر
رسول الہ خاف ان یمکروا بہ فنجاہ ذوالطول الالہ من المکر

"میں نے اپنی جان کے ذریعے اس ذات کو بچایا جو زمین پر چلنے والوں میں سے سب سے بہتر ہیں اور ان لوگوں سے جو بیت اللہ شریف اور حجر اسود کا طواف کرتے ہیں"۔

"وہ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ آپ کو اس بات کا ڈر ہوا کہ وہ لوگ آپ سے مکر و فریب کریں گے تو قدرت والے معبود نے ان کے مکر سے آپ کو بچا لیا"۔

[1] نوٹ: محمد بن عبدالوہاب نجدی گستاخ رسول بھی نجد میں پیدا ہوا، جس نے مسلمانوں کو مشرک قرار دے کر امت میں انتشار پھیلایا... ۱۲ ہزاروی)

مشرکین آپ ﷺ کے خانۂ اقدس کے گرد

پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے اور اللہ تعالیٰ نے ان کی آنکھوں پر قبضہ کر لیا، پس ان میں سے کسی نے آپ کو نہ دیکھا۔ آپ ﷺ نے وہ مٹی جو آپ کے ہاتھ میں تھی ان سب کے سروں پر ڈالی اور سورۂ یٰسین کی ابتدائی آیات پڑھتے رہے جن کے آخر میں ہے:

فَاَغْشَیْنٰهُمْ فَهُمْ لَا یُبْصِرُوْنَ۔ (یٰسین: ۹)

پس ہم نے انہیں ڈھانک دیا تو وہ دیکھتے نہیں تھے۔

پھر آپ ادھر تشریف لے گئے جدھر کا آپ نے ارادہ فرمایا تھا۔ (الطبری جلد ۲ ص ۴۴۴)

اس کے بعد قریش کے پاس ایک آنے والا آیا جو ان میں سے نہیں تھا اس نے پوچھا: تم کس کے منتظر ہو؟ انہوں نے کہا: (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے۔ اس نے کہا: اللہ تعالیٰ نے تمہیں نامراد کر دیا، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے گئے اور وہ تم میں سے ہر شخص کے سر پر مٹی ڈال کر اپنے مقصد کی طرف چلے گئے، تم نہیں دیکھتے تمہارے ساتھ کیا ہوا؟ ان میں سے ہر ایک نے اپنے سر پر ہاتھ رکھا تو اس پر مٹی تھی۔

(السیرۃ النبویہ فی عیون الاثر جلد اول ص ۲۳۵)

ابن ابی حاتم کی روایت میں ہے جسے امام حاکم نے صحیح قرار دیا، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ (اس رات) جس کو بھی کنکری لگی وہ غزوۂ بدر کے موقع پر حالت کفر میں مر گیا۔

اسی سلسلے میں قرآن پاک کی یہ آیت نازل ہوئی۔ (السیرۃ النبویہ فی عیون الاثر جلد اول ص ۲۳۶)

وَاِذْ یَمْکُرُ بِکَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لِیُثْبِتُوْکَ اَوْ یَقْتُلُوْکَ اَوْ یُخْرِجُوْکَ۔ (الانفال: ۳۰)

اور جب آپ کے بارے میں کفار مکر و فریب (پر مبنی تدبیر) کر رہے تھے کہ آپ کو قید کر دیں یا شہید کر دیں یا باہر نکال دیں۔

آپ ﷺ کی ہجرت میں حکمت

پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ہجرت کی اجازت دی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے قرآن مجید کی اس آیت کی روشنی میں یہ بات فرمائی ہے:

وَقُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّاجْعَلْ لِّیْ مِنْ لَّدُنْکَ سُلْطٰنًا نَّصِیْرًا۔ (الاسراء: ۸۰)

اور یوں عرض کرو کہ اے میرے رب! مجھے سچی طرح داخل کر اور سچی طرح باہر لے جا اور مجھے اپنی طرف سے مددگار غلبہ دے۔

اس حدیث کو امام ترمذی نے نقل کیا اور امام حاکم نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔

(فتح الباری شرح صحیح بخاری جلد ۷ ص ۱۷۷، جامع ترمذی ابواب تفسیر القرآن)

اگر تم کہو کہ مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت اور وصال تک وہاں رہنے میں کیا حکمت ہے؟

تو میں اس کا یوں جواب دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کی حکمت کا تقاضا تھا کہ اشیاء آپ کے ذریعے مشرف ہوں نہ یہ کہ آپ ان کے ذریعے شرف حاصل کریں۔ اگر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ ہی میں رہتے اور وہاں ہی آپ کا وصال ہوتا تو یہ وہم ہو سکتا تھا کہ مکہ مکرمہ کی وجہ سے آپ کو شرف حاصل ہوا کیونکہ مکہ مکرمہ کو حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل علیہما السلام کے ذریعہ شرف حاصل ہو چکا تھا تو اللہ تعالیٰ نے ارادہ فرمایا کہ آپ کا شرف ظاہر ہو تو آپ کو مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کا حکم دیا، جب آپ نے اس کی طرف ہجرت فرمائی تو وہ (مدینہ طیبہ) آپ کے ذریعے مشرف ہو گیا حتیٰ کہ اس بات پر اجماع واقع ہوا کہ تمام مقامات سے افضل وہ جگہ ہے جس کے ساتھ آپ کے اعضاء مبارکہ لگے ہوئے ہیں--- آپ پر اللہ تعالیٰ کی رحمتیں اور سلام ہو۔

ہجرت کا دن کون سا ہے؟

امام حاکم نے ذکر کیا کہ بیعت عقبہ کے تین مہینے بعد یا اس کے قریب قریب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت فرمائی۔

ابن اسحٰق نے قطعی طور پر بیان کیا کہ آپ ربیع الاول شریف کی پہلی تاریخ کو تشریف لے گئے۔ اس بنیاد پر بیعت کے دو مہینے اور دس دن سے کچھ زائد دن بعد ہجرت ہوئی (یحییٰ بن سعید بن ابان بن سعید) اموی نے مغازی میں ابن اسحٰق سے یہی بات قطعی طور پر بیان کی اور کہا کہ مکہ مکرمہ سے آپ کی روانگی عقبہ کے دو مہینے اور چند راتوں کے بعد ہوئی اور یہ بھی کہا گیا کہ آپ ربیع الاول کے شروع میں تشریف لے گئے اور ربیع الاول کی بارہ راتیں گزرنے کے بعد مدینہ طیبہ پہنچے۔

فتح الباری میں فرمایا کہ اس بنیاد پر آپ جمعرات کے دن نکلے (فتح الباری شرح صحیح بخاری جلد ۷ ص ۱۷۷) اور امام حاکم نے فرمایا کہ متواتر روایات کے مطابق آپ سوموار کے دن تشریف لے گئے اور مدینہ طیبہ میں داخل بھی سوموار کے دن ہوئے لیکن محمد بن موسیٰ خوارزمی نے کہا کہ آپ مکہ مکرمہ سے جمعرات کے دن تشریف لے گئے۔ دونوں قسم کی روایات کو یوں جمع کیا جا سکتا ہے کہ آپ کا مکہ مکرمہ سے تشریف لے جانا جمعرات کے دن ہوا اور غار سے روانگی سوموار کی رات ہوئی کیونکہ آپ وہاں تین راتیں ٹھہرے: جمعہ، ہفتہ اور اتوار کی رات اور سوموار کی رات وہاں سے چل پڑے۔ (فتح الباری شرح صحیح بخاری جلد ۷ ص ۱۸۴)

آپ اعلان نبوت سے اس وقت تک مکہ مکرمہ میں دس سال سے زیادہ (تیرہ سال) رہے، اس پر صرمہ (بن انس انصاری نجاری) رضی اللہ عنہ کا قول بھی دلالت کرتا ہے، وہ فرماتے ہیں ؎

ثوی فی قریش بضع عشرة حجة
یذکر لو یلقی صدیقا مواتیا

(مستدرک حاکم جلد ۲ ص ۶۲۷)

"آپ نے قریش میں دس سال سے زیادہ عرصہ گزارا (اور) اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے، کاش! آپ کو کوئی موافق دوست مل جاتا"۔

اس کے علاوہ بھی اقوال ہیں۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے گھر میں

حضرت جبریل علیہ السلام نے آپ ﷺ سے عرض کیا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ساتھ لے لیں اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو اپنے جانے کی خبر دی اور حکم دیا کہ آپ کے بعد وہاں ٹھہریں اور لوگوں کی امانتیں جو آپ کے پاس تھیں وہ ان کو لوٹا دیں۔

حضرت ابن شہاب کہتے ہیں، حضرت عروہ نے فرمایا: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ہم ایک دن دوپہر کے وقت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے گھر بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک کہنے والے نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کہا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم چادر سے چہرۂ انور چھپائے ہوئے تشریف لا رہے ہیں حالانکہ آپ اس وقت ہمارے ہاں تشریف نہیں لایا کرتے تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: آپ پر میرے ماں باپ فدا ہوں اللہ کی قسم! اس وقت ضرور کسی خاص وجہ سے تشریف لائے ہوں گے۔ اُم المومنین فرماتی ہیں: رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو آپ نے اجازت طلب کی، اجازت دی گئی تو آپ اندر داخل ہوئے۔ آپ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے فرمایا: جو لوگ تمہارے پاس ہیں ان کو باہر بھیجو۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں یہ لوگ آپ کے اپنے گھر والے ہیں۔ (الدر المنثور جلد ۳ ص ۲۴۴)

امام سہیلی فرماتے ہیں: (حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے) یہ بات اس لیے فرمائی کہ انہوں نے اس سے پہلے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا نکاح حضور علیہ السلام سے کر دیا تھا۔

(الروض الانف مع سیرت ابن ہشام جلد ۲ ص ۲)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے ہجرت کی اجازت مل گئی ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے پوچھا: میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، میں بھی آپ کے ساتھ ہوں گا؟ آپ نے فرمایا: ہاں۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میری ان دو سواریوں میں سے ایک آپ لے لیں۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیمت ادا کر کے لوں گا۔ (الدر المنثور جلد ۳ ص ۲۴۴)

سوال: اگر تم کہو کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قیمت کے بغیر سواری قبول کیوں نہ فرمائی حالانکہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس سے زیادہ مال خرچ کیا اور آپ نے قبول فرمایا۔

جواب: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ طریقہ اس لیے اختیار فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف آپ کی ہجرت اپنی جان اور مال کے ساتھ ہو اور آپ اس بات کی رغبت رکھتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف ہجرت کی فضیلت مکمل

طور پر حاصل ہو اور تمام احوال کے اعتبار سے اس کی تکمیل ہو۔(السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد ۲ ص ۳)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ہم نے ان دونوں کے لیے اچھی طرح تیاری کی اور ایک تھیلی میں سامان سفر تیار کیا۔ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے اپنے کمربند کو پھاڑ کر اس کے ایک حصے سے تھیلی کا منہ باندھا اسی لیے ان کو "ذات النطاقین" (دو کمربندوں والی) کہا جاتا ہے۔

الوداع اے مکہ مکرمہ!

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ غار ثور پہنچے جو مکہ مکرمہ کے زیریں حصے میں ایک پہاڑ میں ہے۔(الدر المنثور جلد ۳ ص ۲۴۴)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب مکہ مکرمہ سے باہر نکل کر (مکہ مکرمہ کے بازار) الحزورۃ کے پاس ٹھہرے اور بیت اللہ شریف کی طرف دیکھا تو فرمایا: اللہ کی قسم! تو مجھے اللہ تعالیٰ کی زمین میں سے سب سے زیادہ پسند ہے اور اللہ تعالیٰ کے ہاں بھی تو سب سے زیادہ پسندیدہ زمین ہے، اگر تیرے باشندے مجھے نکلنے پر مجبور نہ کرتے تو میں یہاں سے نہ جاتا۔(مسند امام احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۳۰۵)

مکہ مکرمہ کو مدینہ طیبہ پر فضیلت دینے کے سلسلے میں سب سے زیادہ صحیح دلیل یہی ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لے جانے کا علم صرف حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے گھر والوں کو ہوا۔ یہ بھی مروی ہے کہ آپ دونوں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے مکان کی عقبی سمت میں واقع ایک کھڑکی سے نکل کر غار کی طرف تشریف لے گئے۔

جب قریش نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ پایا تو مکہ مکرمہ کے بالائی اور زیریں علاقہ میں تلاش کیا اور ہر طرف آپ کے پیچھے کھوجیوں (قدموں کے نشان سے پہچاننے والوں) کو بھیجا۔ جو شخص غار ثور کی طرف گیا اس نے آپ کے قدموں کے نشان دیکھ لیے، چنانچہ وہ تلاش کرتے کرتے غار ثور تک پہنچ گیا۔ قریش آپ کے تشریف لے جانے سے بہت پریشان ہوئے اور یہ بات ان پر گراں گزری چنانچہ انہوں نے اس شخص کے لیے جو آپ کو واپس لائے ایک سو اونٹ بطور انعام مقرر کیے۔

اللہ تعالیٰ حضرت امام شرف الدین بوصیری رحمہ اللہ کو جزائے خیر عطا فرمائے، انہوں نے فرمایا ؎

ویح قوم جفوا نبیا بارض الفتہ ضبابھا والظباء
وسلوہ وحن جذع الیہ وقلوہ ودہ الغرباء
اخرجوہ منھا وآواہ غار وحمتہ حمامۃ ورقاء
وکفتہ بنسجھا عنکبوت ماکفتہ الحمامۃ الحصداء

"افسوس ہے اس قوم پر جس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر اس زمین میں ظلم کیا جہاں گوہ اور ہرنیاں بھی آپ سے مانوس ہوئیں"۔

"انھوں نے آپ سے نفرت کی حالانکہ آپ کے لیے کھجور کا خشک تنا بھی رویا، اور انھوں نے آپ کو چھوڑ دیا حالانکہ اجنبی لوگوں نے بھی آپ سے محبت کی"۔

"انھوں نے آپ کو وہاں سے نکلنے پر مجبور کیا اور غار نے آپ کو ٹھکانا دیا اور خاکستری رنگ والی کبوتری نے آپ کی حفاظت کی"۔

"مکڑی نے جالا بن کر اور زیادہ پروں والی کبوتری نے آپ کی حفاظت کی"۔

کہا جاتا ہے کہ حصداء وہ درخت ہے جس کے پتے زیادہ ہوں، گویا یہ لفظ کبوتر کے لیے مجاز کے طور پر استعمال کیا گیا کیونکہ اس کے پر زیادہ ہوتے ہیں۔

ایک حدیث جو ہجرت کے سلسلے میں مروی ہے، اس میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو کوہ ثیر نے آواز دی کہ میرے اوپر سے اتر جائیں، مجھے ڈر ہے کہ اگر آپ میری پیٹھ پر شہید کر دیئے گئے تو مجھے عذاب دیا جائے گا پس غار حراء نے آواز دی یارسول اللہ! میرے ہاں تشریف لائیں۔ (صحیح حدیث کے مطابق آپ نے غار ثور کا ہی ارادہ فرمایا تھا)۔

غار کے دروازے پر

قاسم بن ثابت نے اپنی کتاب الدلائل (فی شرح ما اغفل ابو عبید وابن قتیبہ من غریب الحدیث) میں ذکر کیا کہ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ہمراہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ غار میں داخل ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے غار کے دروازے پر "الراۃ" اگا دیا۔ قاسم فرماتے ہیں: یہ معروف درخت ہے یعنی ام غیلان نامی درخت ہے۔

ابو حنیفہ دینوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: یہ درخت انسانی قد کے برابر ہوتا ہے، اس کے ڈورے ہوتے ہیں اور سفید کلیاں ہوتی ہیں، اس کے ڈوروں اور کلیوں کو تکیوں میں بھرتے ہیں تو وہ نرم اور ہلکا ہونے کی وجہ سے پروں کی طرح ہوتے ہیں کیونکہ وہ روئی کی طرح ہوتے ہیں اس درخت نے آپ کو کفار کی آنکھوں سے پردے میں کر دیا۔

اور مسند بزار میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عنکبوت (مکڑی) کو حکم دیا تو اس نے غار کے دروازے پر جالا تن دیا۔ (مسند امام احمد بن حنبل، جلد اول، ص ۳۴۸) اور دو جنگلی کبوتر بھیجے وہ غار کے دروازے پر ٹھہر گئے اور گھونسلا بنا دیا تاکہ مشرکین آپ سے رک جائیں۔ حرم شریف کے کبوتر انہی دو کبوتروں کی نسل سے ہیں۔

(کشف الاستار عن زوائد البزار جلد ۲ ص ۲۹۹ باب الہجرۃ الی المدینہ)

پھر قریش کے نوجوان ہر بطن (قبیلے) سے لاٹھیاں، ڈنڈے اور تلواریں لے کر آئے اور ان میں سے کسی نے غار میں دیکھا لیکن اس کو سوائے دو جنگلی کبوتروں کے جو غار کے منہ پر تھے کچھ نظر نہ آیا چنانچہ وہ اپنے ساتھیوں کی طرف لوٹ گیا۔ اس کے ساتھیوں نے پوچھا: تمہیں کیا ہوا؟ کہا: میں نے دو وحشی کبوتر دیکھے تو میں سمجھ گیا کہ یہاں

کوئی نہیں۔ دوسرے نے کہا: غار میں داخل ہو جاؤ۔ امیہ بن خلف نے کہا: غار میں تمہیں کیا کام، وہاں تو مکڑی کا جالا ہے جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے بھی پہلے کا ہے۔ (دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۲ ص ۴۸۲)

یہ بھی مروی ہے کہ کبوتریوں نے پہاڑ کے سوراخ کے نچلے حصے میں انڈے دیئے تھے اور مکڑی نے جالا بنا تھا تو وہ کہنے لگے: اگر وہ اندر داخل ہوئے ہوتے تو انڈے ٹوٹ جاتے اور مکڑی کا جالا بھی ٹوٹ جاتا۔ پس لشکر کے ذریعے قوم کا مقابلہ کرنے کی نسبت یہ زیادہ اعجاز ہے۔

غور کا مقام

غور کیجئے کس طرح درخت نے مطلوب پر سایہ کیا اور تلاش کرنے والے بھٹکتے رہے۔ مکڑی نے آکر طلب کا دروازہ بند کر دیا اور وہ مکان کے چہرے پر بیٹھ گئی اور اس نے اس کپڑے کی ایجاد کی جس کو اس نے بنا تھا حتیٰ کہ کھوج لگانے والے پر طلب پوشیدہ ہو گئی۔ شاعر کو اللہ تعالیٰ جزا دے کیا اچھا کہا ہے ۔

والعنكبوت اجادت حوك حلتها فما تخال خلال النسج من خلل

”مکڑی نے اپنا حلہ لباس کتنا اچھا بنا کہ بننے میں کوئی خلل نہیں دیکھوگے، مکڑی کو اس جالے کے بننے سے شرف حاصل ہوا“۔

ابن نقیب (محمد بن حسن کنانی) نے کیا خوب کہا ہے ۔

ودود القز ان نسجت حريرا يجمل لبسه فی کل شئی
فان العنكوب اجل منها بما نسجت علی راس النبی

”ریشم کا کیڑا اگر ریشم بنے تو ہر چیز میں اس کا پہننا زینت کا باعث ہے“۔

”لیکن مکڑی زیادہ شرف والی ہے کہ اس نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک پر (جالا) بنا“۔

ایک روایت میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا مانگی یا اللہ! ان کی آنکھوں کو اندھا کر دے پس وہ غار میں داخل نہ ہو سکے اور غار کے دائیں بائیں تلاش کرتے رہے۔ قصیدہ بردہ شریف کے مصنف نے اسی طرف اشارہ کیا ہے ۔

اقسمت بالقمر المنشق انه له من قلبه نسبة مبرورة القسم
وما حوى الغار من خير ومن كرم وكل طرف من الكفار عنه عم
فالصدق فی الغار والصديق لم يرما وهم يقولون ما بالغار من ارم
ظنوا الحمام وظنوا العنكبوت علی خير البرية لم تنسج ولم تحم
وقاية الله اغنت عن مضاعفة من الدروع وعن عال من الاطم

”میں نے شق ہونے والے چاند کی قسم کھائی کہ بے شک اسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب

مبارک سے ایک نسبت ہے، میری یہ قسم پوری ہونے والی ہے"۔

"اور وہ جو غار نے خیر و کرم کو جمع کیا اور کفار کی ہر آنکھ اندھی ہوگئی"۔

"صدق اور صدیق دونوں غار میں تھے اپنی جگہ سے نہ ہٹے اور کفار کہتے تھے غار میں کوئی نہیں"۔

"انہوں نے کبوتری اور مکڑی کے بارے میں گمان کیا کہ ان دونوں نے تمام مخلوق سے بہتر شخصیت پر نہ جالا بنا اور نہ انڈا دیا"۔

"اللہ تعالیٰ کی پناہ نے آپ ﷺ کو دوہری زرہوں اور بلند قلعوں کی حفاظت سے بے نیاز کر دیا"۔

غار میں جو کچھ تھا اس کو دیکھنے سے وہ اندھے ہوگئے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ان میں بینائی رکھی تھی کیونکہ ان کے خیال میں کبوتری نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد انڈے نہیں دے سکتی اور نہ مکڑی ان پر جالا بن سکتی ہے اس لیے کہ عادتاً یہ دونوں حیوان وحشی ہیں، جہاں آبادی ہو وہاں یہ مانوس نہیں ہوتے، جہاں وہ انسان کو محسوس کرتے ہیں وہاں سے بھاگ جاتے ہیں لیکن ان کفار کو معلوم نہیں تھا کہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں سے جس کو چاہے اپنے خاص بندوں کے لیے مسخر کر دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا اپنے بندے کی حفاظت کرنا بندے کو دوہری زرہوں اور بلند و بالا قلعوں کے ذریعے محفوظ رہنے سے بے نیاز کر دیتا ہے۔ حضرت امام بوصیری رحمہ اللہ نے قصیدہ لامیہ میں کیا ہی اچھا کہا ہے ۔

واغیرتا حین اضحی الغار وھو بہ	کمثل قلبی معمور وما ھول
کانما المصطفی فیہ وصاحبہ ال	صدیق لیثان قد آواھما غیل
وجلل الغار نسج العنکبوت علی	وھن فیا حبذا نسج وتجلیل
عنایۃ ضل کید المشرکین بھا	وما مکائدھم الا الاضالیل
اذ ینظرون وھم لا یبصرونھما	کان ابصارھم من زیغھا حول

"ہائے اس قوم کی غیرت کو کیا ہوا جب آپ غار میں تشریف لے گئے اور وہ غار آپ کے ساتھ میرے دل کی طرح تھا جو محبت سے بھرپور ہے اور آپ (کے خیال) کو اہلاً و سہلاً کہتا ہے"۔

"گویا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھی حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ دو شیر تھے جن کو شیر کی کچھار نے جگہ دی"۔

"مکڑی کے جالے نے غار کو ڈھانپ لیا حالانکہ وہ کمزور ہے تو وہ بننا اور ڈھانپنا کیا ہی خوب ہے"۔

"وہ ایسی عنایت تھی جس نے مشرکین کے مکر کو ضائع کر دیا اور ان کے مکر و فریب بھٹکنے والے تھے"۔

"کیونکہ وہ دیکھتے تھے لیکن وہ دیکھ نہیں سکتے تھے گویا ان کی آنکھیں اپنی کجی کی وجہ سے اندھی تھیں"۔

غار میں

صحیح بخاری و مسلم میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں: حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! اگر ان میں سے کوئی ایک اپنے پاؤں کی طرف دیکھے تو وہ ہمیں دیکھ لے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: تمہارا ان دو کے بارے میں کیا خیال ہے جن کا تیسرا اللہ تعالیٰ ہے۔

(صحیح مسلم جلد ۲ ص ۲۷۲، فضائل صحابہ، صحیح بخاری جلد اول ص ۵۱۶، جامع ترمذی جلد ۲ ص ۱۳۶، مسند امام احمد بن حنبل جلد اول ص ۴)

ایک روایت میں ہے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے غار میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاؤں مبارک کو دیکھا تو ان سے خون بہہ رہا تھا، میں رونے لگا اور مجھے معلوم ہو گیا کہ آپ کو ننگے پاؤں چلنے اور کسی سے بدسلوکی کی عادت نہیں تھی۔

یہ بھی مروی ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ غار میں حضور علیہ السلام سے پہلے داخل ہوئے تاکہ اپنی جان کے ذریعے آپ کی حفاظت کریں۔ انہوں نے اس میں ایک سوراخ دیکھا تو اس میں اپنی ایڑی رکھ دی تاکہ وہاں سے کوئی ایسی چیز نہ نکلے جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت پہنچائے، چنانچہ زہریلے سانپ ان کو کاٹنے لگے اور آپ کے آنسو بہہ رہے تھے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم داخل ہوئے تو اپنا سر مبارک حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی گود میں رکھ کر آرام فرما ہو گئے۔ سانپ نے آپ کے پاؤں کو ڈسا لیکن آپ نے حرکت نہ کی۔ آپ کے آنسو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ انور پر گرے تو آپ نے فرمایا: اے ابوبکر! تمہیں کیا ہوا؟ عرض کیا: میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں مجھے کاٹا گیا ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے لعاب مبارک لگایا تو تکلیف زائل ہو گئی۔ اسے رزین رحمہ اللہ (بن معاویہ ابوالحسن العبدری اندلسی مالکی مؤلف تجرید الصحاح) نے روایت کیا ہے۔

یہ بھی مروی ہے کہ جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کھوج لگانے والے کو دیکھا تو آپ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں بہت غمگین ہوئے اور فرمایا: اگر میں قتل ہوا تو ایک شخص کا قتل ہو گا اور آپ ﷺ کو قتل کر دیا گیا تو پوری امت ہلاک ہو گی۔

اس وقت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: غمگین نہ ہوں بے شک اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے یعنی اس کی مدد و اعانت ہمارے ساتھ ہے، پس اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پر سکینہ اتارا اور یہ امن ہے جس کی وجہ سے دلوں کو سکون حاصل ہوتا ہے کیونکہ آپ بے قرار تھے (اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بے قرار نہیں تھے) اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایسے لشکر کے ساتھ مدد فرمائی جس کو (اے لوگو!) تم نہیں دیکھتے تھے اور وہ فرشتے تھے تاکہ وہ غار میں آپ کی حفاظت کریں یا آپ کو دیکھنے سے کفار کے چہروں اور آنکھوں کو پھیر دیں۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی عظمت

دیکھئے جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا غم بہت زیادہ ہے لیکن ان کو اپنا خوف نہیں تو ان کے دل کو اس بشارت کے ساتھ مضبوط کر دیا کہ غم نہ کھاؤ اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے اور یہ تحفہ صرف آپ کے لیے رکھا گیا سب لوگوں کے لیے نہیں کہ آپ دو میں سے دوسرے ہیں' اسلام میں آپ ہی ثانی ہیں' اپنی ذات اور زندگی کو خرچ کرنے اور موت کے سبب میں آپ ہی دوسرے ہیں۔ جب آپ نے اپنے مال اور جان کے ذریعے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کی تو روضہ انور میں آپ کو اپنے ساتھ رکھنے کی جزا دی اور بزرگی کا اظہار کرنے والا شہروں کے منبروں پر کھڑا ہو کر آواز دیتا ہے:

ثَانِیَ اثْنَیْنِ اِذْ هُمَا فِی الْغَارِ۔ وہ دو میں سے دوسرے ہیں جب وہ دونوں غار میں تھے۔

حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے کیا خوب کہا ہے ؎

وثانی اثنین فی الغار المنیف وقد طاف العدو به اذ صاعد الجبلا
وکان حب رسول الله قد علموا من الخلائق لم یعدل به بدلا

(دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۲ ص ۴۷۹)

"آپ اس غار میں جو زیادہ شرف والا ہے دو میں سے دوسرے تھے جب دشمن پہاڑ پر چڑھا تو وہ اس غار کے گرد چکر کاٹنے لگا"۔

"مخلوق کو معلوم ہو گیا کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ محبوب ہیں جن کے برابر کا کوئی نہیں"۔

غور کیجئے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل سے فرمایا:

كَلَّا اِنَّ مَعِیَ رَبِّیْ سَیَهْدِیْنِ۔ (الشعراء: ۶۲) یقیناً میرا رب میرے ساتھ ہے' وہ میری رہنمائی فرمائے گا۔

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: "بے شک اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے" تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے معیت خداوندی کو اپنے لیے خاص کیا اور اپنے ماننے والوں کی طرف متعدی نہ فرمایا لیکن ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کی طرف متعدی فرمایا اور صرف معی (میرے ساتھ) نہ فرمایا کیونکہ آپ نے اپنے نور سے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی مدد فرمائی تو وہ سرمعیت میں موجود ہوئے' اسی وجہ سے سر سکینہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی طرف گیا ورنہ وہ اس تجلی اور شہود کے بوجھوں کے نیچے نہیں رہ سکتے تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ میں معیتِ ربوبیت ہے اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے واقعہ میں معیت الہیت ہے' دونوں میں فرق ہے۔[1]

[1] حضور علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کا ذکر پہلے اور اپنا بعد میں کیا اور حضرت موسیٰ نے اپنا ذکر پہلے کیا نیز یہاں اللہ تعالیٰ کا ذاتی نام ہے (ان اللہ معنا) اور وہاں (ان معی ربی میں) ربوبیت یعنی صفت خداوندی کا ذکر ہے۔

یہ بات عارف باللہ شمس الدین بن لبان رحمہ اللہ نے بیان فرمائی ہے۔

مکڑی کا جالا

ابو نعیم نے حلیہ میں حضرت عطا بن میسرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا وہ فرماتے ہیں: مکڑی نے دو بار جالا بنا، ایک دفعہ حضرت داؤد علیہ السلام پر جب طالوت آپ کی تلاش میں تھا[1] اور دوسری بار غار میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر۔ (الدر المنثور جلد ۳ ص ۲۴۰) (طالوت حضرت بنیامین علیہ السلام کی اولاد سے تھا۔)

اسی طرح حضرت عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ پر بھی غار میں جالا بنا جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو خالد بن نبیح ہذلی کو عرنہ میں قتل کرنے بھیجا۔ انہوں نے اسے قتل کیا اور غار میں داخل ہو گئے جس پر مکڑی نے جالا بن دیا۔ تلاش کرنے والے آئے لیکن انہیں کچھ نہ ملا تو وہ واپس لوٹ گئے۔

غار میں ٹھہرنے کی مدت اور وہاں کیا حاصل ہوا؟

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ غار میں تین راتیں ٹھہرے، (البدایہ والنہایہ جلد ۳ ص ۱۸۱) یہ بھی کہا گیا ہے کہ دس دن سے زائد ٹھہرے لیکن پہلی بات مشہور ہے۔

آپ دونوں کے پاس حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ ٹھہرتے تھے اور وہ نوجوان تھے اور ضروری امور کی معرفت رکھنے والے نیز بات کو جلدی سمجھنے والے تھے۔ آپ سحری کے وقت اندھیرے میں وہاں سے چل پڑتے اور صبح قریش کے ساتھ مکہ مکرمہ میں ہوتے گویا آپ نے رات ان کے ساتھ گزاری ہو۔ آپ ہر وہ بات جو حضور علیہ السلام اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بارے میں مکر و فریب کے حوالے سے سنتے اسے یاد رکھتے اور جب اندھیرا ہوتا تو ان تک پہنچا دیتے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے غلام عامر بن فہیرہ دودھ دینے والی بکری چراتے اور جب شام ہو جاتی تو وہ بکری ان کے پاس لے جاتے جس کے دودھ پر آپ دونوں رات گزارتے۔ تین راتوں میں سے ہر رات میں اسی طرح ہوا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن اریقط کو راستے کی راہنمائی کے لیے اجرت پر حاصل کیا تھا اور وہ کفار قریش کے دین پر تھا۔ اس کے اسلام لانے کا علم نہیں ہو سکا۔ اس سے تین راتوں کے بعد غار ثور میں آنے کا وعدہ لیا گیا اور اپنی سواری کے اونٹ اس کے حوالے کیے۔

---

[1] اللہ تعالیٰ نے جس نبی کو بھی معجزہ عطا فرمایا وہ معجزہ حضور علیہ السلام کو بھی عطا فرمایا، تو جب حضرت داؤد علیہ السلام کو یہ معجزہ دیا تو آپ کو بھی عطا فرمایا۔ (زرقانی جلد اول ص ۳۳۸)

ام معبد کے خیمے میں

عبداللہ بن اریقط تیسری رات کی صبح آپ کے پاس پہنچ گیا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہمراہ عامر بن فہیرہ اور عبداللہ (راہبر) دونوں چلے، وہ آپ کو ساحل کے راستے پر لے گیا اور یہ سب مقام قدید میں ام معبد عاتکہ بنت خالد خزاعیہ کے پاس سے گزرے اور وہ عفیفہ عمر رسیدہ خاتون تھیں جو اپنے خیمے کے صحن میں بیٹھی رہتی تھیں اور (آنے جانے والوں کو) پانی پلاتیں اور کھانا کھلاتی تھیں۔

اور آپ لوگوں کا زادِ راہ ختم ہو چکا تھا اور وہ قحط کا شکار تھے لہٰذا اس سے دودھ اور گوشت طلب کیا تاکہ خریدیں تو انہوں نے اس کے پاس کچھ نہ پایا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خیمہ میں ایک طرف بکری دیکھی جو کمزوری کے باعث دوسری بکریوں سے پیچھے رہ گئی تھی۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے دودھ کا سوال کیا تو اس نے کہا: یہ کمزور بکری ہے دودھ نہیں دے سکتی۔ آپ نے فرمایا: کیا تم مجھے اجازت دیتی ہو کہ میں اسے دوہ لوں۔ اس نے کہا: میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں اگر آپ اس میں دودھ دیکھتے ہیں تو دوہ لیں، آپ نے بکری کو منگوایا اور اس کی ٹانگوں کو اپنی پنڈلیوں اور رانوں کے درمیان رکھتے ہوئے اس کے تھنوں پر ہاتھ پھیرا اور بسم اللہ پڑھی، اس نے اپنی ٹانگیں پھیلائیں اور دودھ اتر آیا، آپ نے ایک برتن طلب فرمایا جو ایک جماعت کو سیر کر دیتا تھا۔ اس میں بہت زیادہ دودھ دوہا اور ان سب لوگوں نے سیر ہو کر پیا، سب سے آخر میں آپ نے نوش فرمایا، دوبارہ دوہا تو پھر پیا، پھر اس کو چھوڑ کر چلے گئے۔

تھوڑی دیر بعد ام معبد کا خاوند ابو معبد آگیا، امام سہیلی فرماتے ہیں اس کا نام معلوم نہیں اور عسکری کہتے ہیں اس کا نام اکثم بن ابی الجون تھا یا ابن الجون تھا۔ وہ ایسی کمزور بکریوں کو ہانک کر لایا تھا جو کمزوری کی وجہ سے گرتی پڑتی تھیں اور ان کی ہڈیوں میں مغز بہت کم تھا۔

جب ابو معبد نے دودھ دیکھا تو حیران رہ گیا۔ اس نے پوچھا: اے ام معبد! یہ کیا ہے؟ یہ کہاں سے آیا جبکہ بکریاں چراگاہ سے دور ہیں اور ان میں کوئی حاملہ نہیں اور نہ ہی گھر میں کوئی دودھ والی بکری ہے۔ ام معبد نے کہا: اللہ کی قسم! ہمارے ہاں سے ایک برکت والی شخصیت گزری ہے، اس کا حال اس اس طرح تھا۔ ابو معبد نے کہا: اے ام معبد! اس شخص کا وصف مجھ سے بیان کر، (السیرۃ النبویہ لابن ہشام مع الروض الانف جلد ۲ ص ۸) تو ام معبد نے یوں کہا: میں نے ایک شخص کو دیکھا جس کا حسن ظاہر تھا، چہرہ تروتازہ اور خوبصورت تھا، نہ تو وہ بڑے پیٹ والا تھا اور نہ ہی چھوٹے سر والا کہ معیوب ہو۔ وہ نہایت خوبصورت تھا۔ اس کی آنکھوں میں سیاہی تھی (پتلیاں سیاہ تھیں) اور پلکیں لمبی اور بالوں سے بھرپور تھیں، آواز میں تیزی نہیں تھی، آنکھوں کی سفیدی اور سیاہی زیادہ اور پلکیں سیاہ تھیں، ابرو باریک اور دراز تھے، بال بہت زیادہ سیاہ، گردن لمبی اور ڈاڑھی گھنی تھی۔ خاموشی میں وقار اور گفتگو میں دوسروں پر برتری، ان کی گفتگو جڑے ہوئے موتی ہیں جو مسلسل اترتے ہیں۔ شیریں گفتار حق و باطل میں فرق کرنے والی گفتگو جو نہ زیادہ اور نہ ہی کم۔ دور سے وہ لوگوں میں سے سب سے زیادہ خوبصورت اور واضح اور قریب سے دیکھیں تو سب سے زیادہ حسین، قد درمیانہ تھا نہ زیادہ لمبا کہ اچھا نہ لگے اور نہ چھوٹا کہ آنکھ اس قد سے تجاوز

کر کے دوسرے کو دیکھے۔ نازک اندام کہ دو شاخوں کے درمیان ایک شاخ۔ وہ تین میں سے اچھے منظر والے اور قدر کے اعتبار سے سب سے اچھے، آپ کے رفقاء آپ کو چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ہیں۔ جب وہ گفتگو کریں تو سب غور سے سنتے ہیں اور جب حکم دیں تو تعمیل میں جلدی کرتے ہیں۔ مخدوم ہیں اور لوگ ان کے پاس جمع رہتے ہیں، نہ تو کسی کا منہ چڑاتے ہیں اور نہ ملامت کرتے ہیں۔[1] (ام معبد کا یہ قول عربی ادب کا شاہکار ہے اس لیے اصل عبارت حاشیے میں دے دی گئی)۔

اس نے کہا: اللہ کی قسم! وہ تو قریش کے صاحب ہیں، اگر میں ان کو دیکھتا تو ضرور ان کی اتباع کرتا۔

(طبقات ابن سعد جلد اول ص ۲۳۰)

ابو جہل، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دروازے پر

حضرت اسماء بنت ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہما فرماتی ہیں: جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا معاملہ ہم پر مخفی ہو گیا تو ہمارے پاس قریش کے کچھ لوگ آئے جن میں ابو جہل بھی تھا۔ میں ان کی طرف نکلی تو انہوں نے پوچھا: تمہارے والد کہاں ہیں؟ میں نے کہا: اللہ کی قسم! مجھے معلوم نہیں کہ میرے والد کہاں ہیں۔ فرماتی ہیں: ابو جہل نے ہاتھ اٹھایا اور وہ بے حیا خبیث تھا اس نے مجھے ایسا تھپڑ مارا کہ میرے کان کی بالی باہر نکل آئی، پھر وہ چلا گیا (البدایہ والنہایہ جلد ۳ ص ۱۷۹) اور ہمیں معلوم نہ تھا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کہاں تشریف لے گئے کہ جنوں میں سے ایک مکہ مکرمہ کی نچلی جانب سے آیا، لوگ اس کی آواز سنتے تھے لیکن اسے دیکھ نہیں سکتے تھے اور وہ یہ اشعار پڑھ رہا تھا ۔

جزى الله رب الناس خير جزائه رفيقين حلا خيمتي ام معبد
هما نزلا بالبر ثم ترحلا فافلح من امسى رفيق محمد
فيا لقصي ما زوى الله عنكم به من فعال لا تجارى وسؤدد
ليهن بني كعب مكان فتاتهم ومقعدها للمؤمنين بمرصد

---

[1] ظاهر الوضاءة، مليح الوجه حسن الخلق، لم تعبه ثجلة ولم تزر به صعلة، وسيم قسيم، في عينيه دعج، وفي اشفاره وطف، وفي صوته صحل، احور اكحل، ازج اقرن، شديد سواد الشعر، في عنقه سطع، وفي لحيته كثاثة، اذا صمت فعليه الوقار، واذا تكلم سما وعلاه البهاء، وكان منطقه خرزات نظم يتحدرن، حلو المنطق، فصل لا نزر ولا هذر، اجهر الناس واجمله من بعيد، واحلاه واحسنه من قريب، ربعة لا تشنؤه من طول، ولا تقتحمه عين من قصر، غصن بين غصنين، فهو انضر الثلاثة واحسنهم قدرا، له رفقاء يحفون به، اذا قال استمعوا لقوله، واذا امر تبادروا الى امره، محفود محشود، لا عابس ولا مفند۔

سلوا اختكم عن شاتها وانائها فانكم ان تسالوا الشاة تشهد
دعاها بشاة حائل فتحلبت له بصريح ضرة الشاة مزبد
فغادرها رهنا لديها لحالب يرددها فی مصدر ثم مورد

"اللہ تعالیٰ جو لوگوں کا رب ہے ان دو دوستوں کو بہترین جزا دے جو ام معبد کے دو خیموں میں اترے"۔

"وہ دونوں نیکی کے ساتھ اترے پھر چلے گئے، پس جو شخص حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا رفیق ہوا اس نے فلاح پائی"۔

"اے قصی کی آل! تم کتنے اچھے ہو اللہ تعالیٰ تم سے وہ کرم اور سرداری نہ لے جس میں تمہارا ہم پلہ کوئی نہیں ہے"۔

"بنو کعب کی جوان عورت کی جگہ ان بنو کعب کو مبارک ہو اور اس کا ٹھکانہ مومنوں کی انتظار گاہ ہے"۔

"اے بنو کعب! تم اپنی بہن سے اس کی بکری اور دودھ کے برتن کا حال پوچھو اور اگر بکری سے پوچھو گے تو وہ بھی گواہی دے گی"۔

"آپ نے غیر حاملہ بکری کو بلایا تو اس نے خالص دودھ دیا"۔

"پس آپ نے اسے اس کے پاس بطور رہن چھوڑ دیا کہ دودھ دوہنے والا اس سے بار بار دودھ دوہے"۔

حضرت اسماء فرماتی ہیں: یہ اشعار سن کر ہمیں معلوم ہوگیا کہ حضور علیہ السلام کس طرف تشریف لے گئے ہیں۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۲ ص ۱۸۹، السیرۃ النبویہ فی عیون الاثر جلد اول ص ۲۳۹، الطبری جلد ۲ ص ۲۴۷)

(نوٹ: اس کے بعد مصنف علیہ الرحمہ نے کچھ مشکل الفاظ کا حل لکھا ہے لیکن وہ سب کچھ ترجمہ میں آچکا ہے... ۱۲ ہزاروی)

ام معبد کی بکری

ابن سعد اور ابو نعیم نے واقدی کے طریق سے نقل کیا۔ وہ فرماتے ہیں: مجھ سے حزام ابن ہشام نے بیان کیا انہوں نے اپنے والد کے واسطے سے ام معبد سے روایت کیا۔ وہ فرماتی ہیں: وہ بکری جس کے تھنوں کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ مبارک لگے تھے زمان رمادہ (۱۸ھ) حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور تک ہمارے پاس رہی اور ہم صبح و شام اس سے دودھ حاصل کرتے تھے حالانکہ زمین میں کم یا زیادہ کچھ بھی (چارہ) نہ تھا۔

سراقہ کا واقعہ

پھر مقام قدید میں سُراقہ بن مالک بن جعشم مدلجی آپ دونوں کے سامنے آیا۔[1] حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ رو پڑے اور عرض کیا یا رسول اللہ! وہ ہم تک پہنچ گیا۔ آپ نے فرمایا ہرگز نہیں اور آپ نے چند دعائیں مانگیں تو اس کے گھوڑے کے پاؤں زمین میں دھنس گئے اور اس نے امان طلب کی۔ کہنے لگا مجھے معلوم ہے آپ دونوں نے میرے خلاف بد دعا کی ہے۔ آپ میرے حق میں دعا کریں۔ میں آپ دونوں سے لوگوں کو روکوں گا اور آپ کو کوئی نقصان نہیں پہنچاؤں گا۔ سراقہ کا قول ہے کہ آپ دونوں میرے لیے کھڑے رہے حتیٰ کہ میں گھوڑے پر سوار ہو کر ان کے پاس پہنچ گیا اور یہ ساری صورت حال دیکھ کر میرے دل میں خیال آیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معاملہ غالب رہے گا۔ چنانچہ میں نے وہ سب کچھ بتا دیا جو لوگوں نے آپ کے بارے میں ارادہ کیا تھا اور میں نے زاد راہ اور سامان پیش کیا لیکن انہوں نے اسے کم نہ کیا۔ (نہ لیا)

چرواہے غلام کا واقعہ

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جس راستے سے گزر رہے تھے، اس میں ایک غلام بکریاں چرا رہا تھا۔ اس غلام کا واقعہ جو ہم نے امام بیہقی کے طریق سے ان کی سند سے قیس بن نعمان سے روایت کیا وہ یوں ہے کہ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ دونوں چھپتے چھپاتے تشریف لے گئے تو ایک غلام کے پاس سے گزرے جو بکریاں چرا رہا تھا۔ اس سے دودھ طلب کیا تو اس نے کہا میرے پاس دودھ دینے والی بکری نہیں ہے۔ ہاں وہ بکری ہے جو سال کے شروع میں حاملہ ہوئی ہے، وہ کچھ نہ کچھ دودھ دیتی ہے، آپ نے فرمایا: اس کو لاؤ، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے قابو کر کے اس کے تھنوں پر ہاتھ پھیرا اور دعا مانگی، حتیٰ کہ دودھ اتر آیا، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ڈھال لائے، پس اس کو دوہا گیا اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے دودھ پیا، پھر دوہا تو غلام نے پیا، پھر دوہ کر آپ نے خود نوش فرمایا۔

چرواہا کہنے لگا: تمہیں قسم ہے بتاؤ تم کون ہو؟ اللہ کی قسم میں نے آپ جیسا شخص نہیں دیکھا۔ آپ نے فرمایا: وعدہ کرو کسی کو بتاؤ گے نہیں۔ اس نے کہا! جی ہاں۔ آپ نے فرمایا: میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں۔ اس نے کہا: آپ کے بارے میں قریش کہتے ہیں کہ آپ اپنا دین چھوڑ گئے ہیں؟ آپ نے فرمایا: ہاں۔ وہ لوگ یہی بات کہتے ہیں۔ چرواہے نے کہا: میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ نبی ہیں اور آپ جو کچھ لائے ہیں، وہ حق ہے اور آپ نے جو کچھ کیا

---

[1] صحیح بخاری میں ہے سراقہ کہتے ہیں: قریش نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو پکڑنے یا قتل کے لیے انعام مقرر کر رکھا تھا۔ میں اپنی قوم بنو مدلج میں بیٹھا ہوا تھا کہ ایک شخص آیا اور اس نے کہا اے سراقہ! میں نے ساحل کے ساتھ کچھ لوگوں کو جاتے دیکھا ہے۔ میرا خیال ہے کہ وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھی ہیں۔ سراقہ کہتے ہیں، میں نے کہا: وہ نہیں بلکہ وہ فلاں فلاں لوگ ہیں اور خود میں گھر آیا اور گھوڑا اور نیزہ لے کر مکان کی پچھلی طرف سے نکل گیا۔ (ملخص از صحیح بخاری، حدیث ۳۹۰۶، مسند امام احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۱۷۶)

وہ صرف نبی ہی کر سکتا ہے۔ میں آپ کے ساتھ جاتا ہوں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آج نہیں، جب تمہیں خبر مل جائے کہ میں غالب آگیا ہوں تو تم ہمارے پاس آنا۔ (دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۲ ص ۳۰۶)

حافظ مغلطائی ام معبد کا واقعہ لکھنے کے بعد کہتے ہیں کہ الاکلیل میں ایک اور واقعہ بھی ہے جو ام معبد کے واقعہ جیسا ہے۔ حاکم فرماتے ہیں: مجھے معلوم نہیں کہ یہ وہی ہے یا کوئی دوسرا واقعہ ہے۔

قبا تک پہنچنا

جب مدینہ طیبہ کے مسلمانوں نے سنا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ سے تشریف لے آئے ہیں تو وہ ہر صبح مقام حرہ میں آتے اور دوپہر تک آپ کا انتظار کرتے، ایک دن طویل انتظار کے بعد وہ واپس لوٹے، جب وہ اپنے گھروں میں چلے گئے تو ایک یہودی جو کسی کام سے اپنے قلعے کے اوپر چڑھ رہا تھا اس نے حضور علیہ السلام اور آپ کے ساتھیوں کو دیکھا ان پر سفید لباس تھا اور راستے کا سراب ان کو ظاہر کر رہا تھا یہودی اپنے آپ کو قابو میں نہ رکھ سکا اور اس نے بلند آواز سے پکارا: اے بنو قیلہ! (اوس و خزرج کی جدہ کبریٰ کا نام قیلہ تھا) تمہارا مطلوب و مقصود آگیا۔ چنانچہ بنو قیلہ (یعنی اوس و خزرج) اپنے ہتھیار لے کر جلدی جلدی آپ کے استقبال کے لیے نکلے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قباء میں بنو عمرو بن عوف کے پاس اترے۔

اس واقعہ میں یہ بھی ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ لوگوں کے لیے کھڑے ہوئے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خاموش بیٹھے رہے تو انصار میں سے جس نے آپ کو پہلے نہ دیکھا تھا وہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو سلام کہتا حتیٰ کہ جب حضور علیہ السلام پر دھوپ آئی تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے آگے بڑھ کر آپ پر اپنی چادر سے سایہ کیا تو اس وقت لوگوں کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پہچان ہوئی۔ (صحیح بخاری جلد اول ص ۵۵۴، مناقب انصار) اس حدیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کو دھوپ محسوس ہوتی تھی، نیز پہلے گزر چکا ہے کہ بعثت سے پہلے بادل اور فرشتہ آپ پر سایہ کرتا تھا جیسا کہ اپنے مقام پر صراحتاً مذکور ہے۔

قبا میں پہنچنے کی تاریخ

حضرت موسیٰ بن عقبہ، حضرت ابن شہاب سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری ربیع الاول شریف کے چاند میں یعنی ربیع الاول کے پہلے دن ہوئی۔

جریر بن حازم کی روایت میں ہے، وہ ابن اسحاق سے روایت کرتے ہیں، وہ فرماتے ہیں: اس ربیع الاول کی دو راتیں گزر چکی تھیں۔ ابو معشر کے نزدیک بھی اسی طرح ہے لیکن وہ فرماتے ہیں کہ آپ سوموار کی رات تشریف لائے۔ ابن سعد کے نزدیک آپ کی تشریف آوری کے وقت ربیع الاول شریف کی بارہ راتیں گزر چکی تھیں۔ (ابو سعد نیشاپوری کی تصنیف) "شرف المصطفیٰ" میں ابو بکر بن حزم کے طریق سے ہے کہ آپ ربیع الاول شریف کی تیرہ تاریخ کو تشریف لائے۔ اس روایت اور پہلی روایت (بارہ تاریخ والی روایت) کو یوں جمع کیا جا سکتا ہے کہ

چاند کے دیکھنے میں اختلاف ہوا ہوگا۔ اور کہا گیا ہے کہ ربیع الاول کی بارہ راتیں گزر چکی تھیں اور سوموار کا دن تھا اور جب گرمی انتہا کو پہنچ چکی تھی تو آپ تشریف لائے۔ امام نووی رحمہ اللہ نے "الروضۃ" کی کتاب السیر میں اس کو قطعی قرار دیا۔

ابن کلبی نے کہا کہ آپ ربیع الاول کی پہلی تاریخ سوموار کے دن غار سے نکلے اور بارہ ربیع الاول جمعۃ المبارک کے دن مدینہ طیبہ میں داخل ہوئے۔ یہ بھی کہا گیا کہ ربیع الاول کی دو راتیں گزر چکی تھیں۔

امام بیہقی کے نزدیک بائیس راتیں گزر چکی تھیں۔ ابن حزم کہتے ہیں: کہ آپ مکہ مکرمہ سے نکلے تو اس وقت صفر المظفر کی تین راتیں باقی تھیں۔ (فتح الباری شرح صحیح بخاری جلد ۷ ص ۱۹۱)

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا قبا پہنچنا

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لے جانے کے بعد حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ مکہ مکرمہ میں تین دن ٹھہرے، پھر سترہ یا اٹھارہ ربیع الاول کو قبا میں آپ سے جا ملے اور قبا میں ایک یا دو راتیں حضور علیہ السلام کے ساتھ رہے۔

ہجری تاریخ

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تاریخ لکھنے کا حکم فرمایا: تو ہجرت کے وقت سے لکھی گئی اور کہا گیا کہ سب سے پہلے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے تاریخ مقرر کی اور اس کو محرم سے جاری کیا۔[1]

قبا میں اقامت

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قبا میں بنو عمرو بن عوف کے ہاں بائیس راتیں ٹھہرے اور صحیح مسلم میں ہے کہ آپ ان میں چودہ راتیں ٹھہرے۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ آپ سوموار، منگل، بدھ اور جمعرات کے دن ٹھہرے۔ (السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد ۲ ص ۱۱۱)
اور آپ نے مسجد قبا بنائی جس کی بنیاد تقویٰ پر رکھی گئی، صحیح قول یہی ہے۔ یہ اسلام میں بنائی جانے والی پہلی مسجد ہے اور سب سے پہلے جس مسجد میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو کھلم کھلا نماز پڑھائی وہ یہی مسجد

[1] ابو نعیم نے نقل کیا کہ حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی طرف لکھا کہ ہمارے پاس آپ کے خطوط آتے ہیں۔ ان پر تاریخ نہیں ہوتی تو آپ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جمع کیا، بعض نے مشورہ دیا کہ بعثت سے تاریخ لکھیں، بعض نے کہا: ہجرت سے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہجرت نے حق و باطل میں فرق کیا لہٰذا اسی سے تاریخ جاری کرو اور محرم سے شروع کرو کیونکہ اس وقت لوگ حج سے واپس آتے ہیں اور یہ سترہ ہجری کی بات ہے۔
(طبقات ابن سعد جلد اول ص ۲۴۳)

ہے، عامتہ المسلمین کی جماعت کے لیے سب سے پہلے بنائی جانے والی مسجد بھی یہی ہے۔ اگرچہ اس سے پہلے بھی مساجد بنائی گئیں، (جس طرح حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے گھر میں مسجد بنائی) لیکن وہ خصوصی مساجد تھیں۔

نوٹ: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قباء شریف تشریف لے جاتے۔ کبھی سواری پر اور کبھی پیدل اور آپ نے فرمایا: جو شخص اس مسجد میں نماز پڑھے تو یہ ایک عمرہ کے برابر ہے' (صحیح مسلم جلد اول ص ۴۴۸) اور یہ بھی فرمایا کہ جو شخص گھر میں وضو کرے، مسجد قبا میں آئے اور وہاں نماز پڑھے تو اس کا ثواب عمرے کے برابر ہے۔

(سنن ابن ماجہ ص ۱۰۳ باب ماجاء فی الصلوۃ فی مسجد قباء)

قبا سے مدینہ طیبہ کی طرف

پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جمعتہ المبارک کے دن جب سورج بلند ہوا تو قبا سے روانہ ہوئے۔ جمعہ کا وقت بنو سالم بن عوف کے ہاں ہوا تو آپ نے وہاں مسلمانوں کو جمعہ کی نماز پڑھائی اور یہ ایک سو کی تعداد میں تھے۔ یہ وادی رانوناء کا بطن ہے۔ (لفظ رانوناء عاشوراء کی طرح ہے۔) مسجد کا نام الغبیب تھا۔ اسم تصغیر ہے جیسے "المغانم المطابہ" کے مصنف نے لکھا ہے اور یہ وادی ذی صلب تھی اس مسجد کو اسی لیے مسجد جمعہ کہا گیا کہ یہ چھوٹی سی مسجد تھی جو پتھروں سے انسان کے نصف قد کے برابر بنائی گئی تھی اور یہ مسجد قبا کی طرف جاتے ہوئے جانے والے کی دائیں جانب آتی ہے۔ (آج کل وہاں نہایت خوبصورت مسجد تعمیر کی گئی ہے... ۱۲ ہزاروی)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جمعتہ المبارک کے بعد اپنی سواری پر سوار ہو کر مدینہ طیبہ کی طرف متوجہ ہوئے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ جب آپ مدینہ طیبہ کی طرف متوجہ ہوئے تو آپ کے پیچھے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سوار تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق بوڑھے معلوم ہونے کی وجہ سے پہچانے جاتے تھے اور حضور علیہ السلام جوان تھے۔ (جلدی بڑھاپا نہ آیا) پہچانے نہ جاتے تھے۔ حضرت انس فرماتے ہیں کوئی شخص ملتا تو پوچھتا اے ابوبکر! تمہارے آگے یہ کون شخص ہیں؟ وہ فرماتے یہ ایک شخص ہے جو مجھے راستہ دکھاتا ہے۔ حضرت انس فرماتے ہیں سوال کرنے والا سمجھتا کہ اس سے راستہ دکھانا مراد ہے اور آپ کا مقصد تھا کہ بھلائی کی راہ دکھانے والے ہیں۔ (صحیح بخاری جلد اول ص ۵۵۶ کتاب مناقب الانصار)

ابن سعد نے روایت کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے فرمایا: لوگوں کو مجھ سے مشغول رکھو، چنانچہ جب پوچھا جاتا کہ آپ کون ہیں تو فرماتے ضرورت مند ہوں۔ جب کہا جاتا آپ کے ساتھ یہ کون ہے؟ تو فرماتے یہ مجھے رستہ دکھانے والے ہیں۔ (طبقات ابن سعد جلد اول ص ۲۳۴)

طبرانی کی حدیث میں حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کی روایت سے ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ لوگوں میں معروف تھے۔ جب آپ سے کوئی شخص ملتا تو آپ سے کہتا یہ آپ کے ساتھ کون ہے تو آپ فرماتے یہ شخص مجھے راستہ دکھاتا ہے۔ آپ کی مراد دین میں ہدایت تھی اور پوچھنے والا سمجھتا کہ ظاہری راستہ دکھانے والا مراد

ہے۔ (المعجم الکبیر للطبرانی جلد ۴ ص ۱۰۷)

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مدینہ طیبہ والوں میں معروف تھے۔ کیونکہ آپ تجارتی سفر میں ان کے پاس سے گزرتے تھے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر بڑھاپا نہیں آیا تھا حالانکہ آپ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے عمر میں بڑے تھے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ ہجرت کرنے والوں میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے علاوہ کسی کے سیاہ بالوں میں سفیدی نہ تھی۔

(صحیح بخاری جلد اول ص ۵۵۶ کتاب مناقب الانصار)

نوٹ: حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا یہ کہنا کہ آپ مجھے راستہ دکھانے والے ہیں، غالباً یہ مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ جاتے ہوئے راستے میں ایسا ہوا۔ ۱۲ ہزاروی۔)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب بھی انصار کی کسی دار (حویلی) سے گزرتے تو وہ آپ کو اپنے ہاں ٹھہرنے کی دعوت دیتے ہوئے کہتے، یارسول اللہ! طاقت اور دفاع کرنے والوں کی طرف آیئے۔ آپ فرماتے میری اونٹنی کا راستہ چھوڑ دو، کیونکہ اسے حکم دیا گیا ہے۔ آپ نے بھی اس کی لگام کو ڈھیلا چھوڑا اور اسے حرکت نہ دی۔ وہ دائیں بائیں دیکھتی تھی، حتیٰ کہ جب مالک ابن نجار کے مکان کے پاس آئی تو مسجد کے دروازے پر بیٹھ گئی اور وہ جگہ ان دنوں رافع بن عمرو کے بیٹوں سہل اور سہیل کے اونٹوں کو بٹھانے کی جگہ تھی اور یہ دونوں معاذ بن عفراء کی پرورش میں تھے اور یتیم تھے اور کہا جاتا ہے کہ اسعد بن زرارہ کی پرورش میں تھے۔ پھر اونٹنی وہاں سے اٹھی اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس پر سوار تھے، حتیٰ کہ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے دروازے پر بیٹھ گئی۔ پھر وہاں سے اٹھ کر پہلی جگہ جا بیٹھی اور گردن کا نچلا حصہ زمین پر ڈال دیا یا ذبح والی جگہ زمین پر ڈالی اور منہ کھولے بغیر آواز نکالی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس سے اترے اور فرمایا: ان شاء اللہ یہی منزل ہے۔

حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ کے گھر میں

حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ نے آپ کا سامان اٹھایا اور اپنے گھر لے گئے اور آپ کے ساتھ حضرت زید بن حارثہ تھے اور بنو نجار کا مکان انصار کے مکانات میں سے اچھا اور افضل تھا اور وہ لوگ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جد امجد حضرت عبدالمطلب کے ماموں لگتے تھے۔ (ان کا ننھیال تھا)

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ والی حدیث میں امام ابویوسف یعقوب بن ابراہیم انصاری رحمہ اللہ کے ہاں "کتاب الذکر والدعاء" میں یہ بھی ہے کہ حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ طیبہ تشریف لائے تو میرے ہاں اترے۔ میں اوپر والی منزل میں تھا۔ میں نے علیحدگی میں ام ایوب رضی اللہ عنہا سے کہا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اوپر والی منزل میں ٹھہرنے کا ہم سے زیادہ حق رکھتے ہیں۔

آپ پر فرشتے اترتے ہیں اور وحی نازل ہوتی ہے۔ چنانچہ اس رات میں اور ام ایوب دونوں نہ سوئے۔ جب صبح ہوئی تو میں نے کہا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آج رات میں نے اور ام ایوب نے آرام سے نہیں گزاری۔ آپ نے پوچھا ابو ایوب! کیوں؟ میں نے کہا: آپ اوپر والی منزل میں ٹھہرنے کا حق ہم سے زیادہ رکھتے ہیں۔ آپ پر فرشتے اترتے ہیں اور وحی نازل ہوتی ہے۔ جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے، اس کی قسم! میں اس چھت کے اوپر کبھی نہیں رہوں گا جس کے نیچے آپ ہوں۔[1]

یہ بھی ذکر کیا گیا ہے کہ یہ گھر جو حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہ کے پاس تھا اسے تبع اول (تبع حمیری) نے اس وقت بنایا جب وہ مدینہ طیبہ سے گزرا۔[2] اور اس میں چار سو علماء کو چھوڑا اور ایک خط نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لکھا جو ان میں سے سب سے بڑے عالم کو دے دیا اور اس سے کہا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دے دیں۔ یہ مکان مختلف مالکوں کے پاس منتقل ہوتا رہا۔ یہاں تک کہ حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کو ملا اور آپ اس عالم کی اولاد سے تھے اور اہل مدینہ جنہوں نے آپ کی مدد کی ان علماء کی اولاد سے تھے۔ اس بنیاد پر آپ اپنے ہی مکان میں اترے، کسی دوسرے مکان میں نہیں۔ تحقیق النصرہ فی تاریخ دار الہجرۃ (شیخ زین الدین بن حسین مراغی کی تصنیف) میں اسی طرح نقل کیا گیا ہے۔

تمام اہل مدینہ خوش تھے

اہل مدینہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری پر بہت خوش ہوئے اور آپ کے آنے سے مدینہ طیبہ کی ہر چیز روشن ہوگئی اور دل مسرور ہوگئے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جس دن رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ میں داخل ہوئے اس دن ہر چیز روشن ہوگئی اور آپ کے آنے پر پردہ نشین عورتیں اپنے مکانوں کی چھتوں پر چڑھ کر یوں کہنے لگیں:

طلع البدر علینا	ہم پر چودھویں کا چاند
من ثنیات الوداع	ثنیات الوداع سے طلوع ہوا
وجب الشکر علینا	ہم پر شکر واجب ہے جب تک
ما دعا للہ داع	اللہ تعالیٰ کی طرف بلانے والا بلائے

---

[1] ابن اسحاق کے نزدیک اس طرح ہے کہ آپ نے فرمایا اے ابو ایوب ہمارے اور ہمارے ملنے والوں کے لیے نیچے رہنا مناسب ہے۔ (السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد ۲ ص ۱۴۳)

[2] تبع بن حسان حمیری بادشاہ تھا۔ وہ مکہ مکرمہ گیا۔ خانہ کعبہ پر غلاف چڑھایا اور واپسی پر مدینہ طیبہ آیا۔ اس کے ساتھ بہت بڑا لشکر تھا۔ اس نے چار سو علماء اور حکماء کو جمع کر کے بیعت لی کہ یہاں سے نہ جائیں اور ان کو بتایا کہ بیت اللہ شریف اور اس شہر کا شرف ایک ایسے شخص کی وجہ سے ہے جو تشریف لائیں گے اور ان کا اسم گرامی محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہوگا۔ اس نے چار سو مکانات بنائے اور ان علماء اور حکماء کو وہاں ٹھہرایا۔ (شرح زرقانی جلد اول ص ۳۱۵)

یہ اشعار کب کہے گئے؟

میں (امام قسطلانی رحمہ اللہ) کہتا ہوں کہ یہ شعر اس وقت کہے گئے جب حضور علیہ السلام مدینہ طیبہ تشریف لائے۔ اسے امام بیہقی رحمہ اللہ نے دلائل النبوت میں اور ابوالحسن بن مقری نے کتاب الشمائل میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے نقل کیا اور طبری سے "الریاض" میں ابوالفضل بن جمی سے نقل کیا۔ وہ فرماتے ہیں، میں نے ابن عائشہ سے سنا فرماتے ہیں میرا خیال ہے انہوں نے اپنے باپ سے نقل کیا۔ پھر آگے ذکر کیا اور کہا کہ حلوانی نے اسے شیخین (امام بخاری و امام مسلم رحمہما اللہ) کی شرط پر ذکر کیا۔

ثنیۃ الوداع کو اس لیے ثنیۃ الوداع کہتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بعض غزوں میں مدینہ طیبہ کے بعض مقیم افراد کو یہاں سے رخصت کیا۔ یہ (سفر تبوک مراد ہے) یہ بھی کہا گیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض لشکروں کو وہاں سے رخصت کیا اور وہاں تک آپ ان کے ساتھ تشریف لے گئے۔ یہ قول بھی ہے کہ پہلے دور میں جو لوگ مدینہ طیبہ سے سفر کرتے تھے ان کو رخصت کرنے کے لیے وہاں تک لوگ آتے اور الوداع کہتے۔

حضرت قاضی عیاض رحمہ اللہ نے اس آخری قول کو صحیح قرار دیا ہے اور اس پر انصار کی خواتین کے قول سے استدلال کیا کہ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو انہوں نے کہا:

طلع البدر علینا من ثنیات الوداع

ابن بطال کا قول ہے کہ: اسے ثنیۃ الوداع اس لیے کہا گیا کہ وہ اس جگہ تک حاجیوں اور غازیوں کے پیچھے آتے تھے، یہاں سے ان کو رخصت کرتے اور کسی آنے والے کے استقبال کے لیے یہاں تک آتے تھے۔

شیخ الاسلام الولی العراقی نے کہا کہ یہ تمام تاویلات مردود ہیں۔ کیونکہ صحیح بخاری، سنن ابی داؤد اور جامع ترمذی میں حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ فرماتے ہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تبوک سے واپس تشریف لائے تو صحابہ کرام آپ کے استقبال کے لیے ثنیۃ الوداع پر گئے۔

(دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۵ ص ۲۶۵، سنن ابی داؤد جلد ۲ ص ۳۸، صحیح بخاری جلد ۲ ص ۶۳۷، صحیح مسلم جلد اول ص ۲۰۵)

وہ فرماتے ہیں اس سے واضح ہوتا ہے کہ ثنیۃ الوداع شام کی جہت میں ہیں، اس لیے جب میرے والد (عراقی کے والد رحمہ اللہ) نے شرح ترمذی میں ابن بطال کا قول نقل کیا تو فرمایا یہ وہم ہے اور فرمایا: کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا کلام معضل ہے، (اگر حدیث کی سند میں دو راویوں کا اکٹھے ذکر نہ ہو تو وہ حدیث معضل ہے) اس لیے اس کو دلیل نہیں بنایا جا سکتا۔

ابن قیم نے "الھدی النبوی" میں اس بات کی طرف سبقت کرتے ہوئے کہا کہ یہ بعض راویوں کی طرف سے وہم ہے، کیونکہ ثنیۃ الوداع شام کی جانب ہیں۔ مکہ مکرمہ سے آنے والے کو نہ تو وہ نظر آتی ہیں اور نہ ہی وہ وہاں سے گزرتا ہے مگر یہ کہ وہ شام کی طرف جا رہا ہو اور یہ اشعار اس وقت پڑھے گئے، جب آپ تبوک سے واپس تشریف لائے۔ (زاد المعاد فی ھدی خیر العباد جلد ۳ ص ۱۳)

لیکن ابن عراقی نے یہ بھی کہا کہ یہ ہو سکتا ہے کہ ہر طرف ایک (ثنیہ) گھاٹی ہو جہاں رخصت ہونے والے جاتے ہوں تو ان سب کے مجموعہ کو ثنیات الوداع کہا گیا۔

بچیوں اور بچوں کی خوشی

کتاب "شرف المصطفیٰ" میں ہے امام بیہقی رحمہ اللہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔ وہ فرماتے ہیں جب اونٹنی حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے دروازے پر بیٹھ گئی تو بنو نجار کی بچیاں دف لے کر باہر نکلیں، وہ کہہ رہی تھیں:

نحن جوار بنی النجار   یا حبذا محمد من جار

"ہم بنو نجار کی بیٹیاں ہیں۔ کیا ہی اچھے پڑوسی ہیں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم"۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم مجھ سے محبت کرتی ہو؟ انہوں نے عرض کیا: جی ہاں یا رسول اللہ! امام طبرانی نے "الصغیر" میں روایت نقل کی ہے کہ آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ میرا دل بھی تم سے محبت کرتا ہے (دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۲ ص ۵۰۸)

طبری کہتے ہیں کہ بچے اور بچیاں راستوں میں پھیل گئے۔ وہ کہتے تھے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آ گئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آ گئے۔

مدینہ طیبہ کی وبا

حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت بلال رضی اللہ عنہما کو بخار ہو گیا اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو جب بخار آتا تو آپ یہ شعر پڑھتے تھے:

کل امری مصبح فی اھلہ   والموت ادنی من شراک نعلہ

"ہر شخص اپنے گھر والوں میں صبح کرنے والا ہے اور موت اس کے جوتے کے تسمے سے بھی زیادہ قریب ہوتی ہے"۔

اور جب حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا بخار ختم ہوتا تو وہ اپنی آواز بلند کر کے کہتے:

الا لیت شعری ھل ابیتن لیلۃ   بواد وحولی اذخر وجلیل
وھل اردن یوما میاہ مجنۃ   وھل یبدون لی شامۃ وطفیل

"کاش مجھے معلوم ہوتا کہ میں کسی رات وادی مکہ میں یوں رہا ہوں کہ میرے ارد گرد اذخر اور جلیل خوشبو دار گھاس اور نازک پودے ہوں"۔

"کیا میں کسی دن مجنہ کے پانیوں پر جاؤں گا اور کیا اور میرے لیے شامہ اور طفیل ظاہر ہوں گے (شامہ اور طفیل مکہ مکرمہ کے قریب دو کنوئیں ہیں)"۔

اے اللہ! شیبہ بن ربیعہ، عتبہ بن ربیعہ اور امیہ بن خلف پر لعنت بھیج جیسا کہ انہوں نے ہمیں ہماری زمین سے وبا والی زمین کی طرف نکلنے پر مجبور کیا۔ پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا مانگی:

یااللہ! ہمیں مدینہ طیبہ کی محبت عطا فرما۔ مکہ مکرمہ کی محبت کی طرح یا اس سے بھی زیادہ۔ یااللہ! ہمارے صاع اور مد (دو پیمانے) میں برکت عطا فرما اور ان کو ہمارے لیے درست کردے اور یہاں کے بخار کو جحفہ (مقام) کی طرف منتقل کردے۔ (صحیح بخاری جلد ۲ ص ۸۴۴ کتاب المرضیٰ، صحیح مسلم جلد ۲ ص ۴۴۶ کتاب الحج)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ہم مدینہ طیبہ میں آئے تو وہ اللہ تعالیٰ کی زمین میں سے سب سے زیادہ وبا والی زمین تھی اور وادی بطحان سے ایسا پانی جاری رہتا جس کا رنگ بدلا ہوا تھا۔
(صحیح بخاری جلد اول ص ۲۵۳ کتاب الصوم)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ دعا مانگی:

اللھم ارزقنی شھادۃ فی سبیلک واجعل موتی فی بلد رسولک۔

یااللہ مجھے اپنے راستے میں شہادت عطا فرما اور میری وفات اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے شہر میں کرنا۔
(صحیح بخاری جلد اول ص ۲۵۳، کتاب الصوم)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے ہاں سات ماہ ٹھہرے اور کہا گیا ہے کہ دوسرے سال کے ماہ صفر المظفر تک ٹھہرے۔ دولابی کہتے ہیں کہ ایک مہینہ ٹھہرے۔
(طبقات ابن سعد جلد اول ص ۲۳۷)

مسجد نبوی کی تعمیر

جب نماز کا وقت ہوتا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نماز ادا فرماتے اور جب آپ نے مسجد شریف بنانے کا ارادہ فرمایا تو فرمایا! اے بنو نجار! اپنے باغ کی قیمت مجھے بتاؤ۔ انہوں نے عرض کیا ہم اس کی قیمت صرف اللہ تعالیٰ سے وصول کریں گے (ثواب مقصود ہے) آپ نے انکار فرمایا اور مسجد کی زمین دس دینار کے بدلے خریدی جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے مال سے ادا کی گئی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مکہ مکرمہ سے اپنا تمام مال ساتھ لائے تھے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: مسجد کی جگہ پر کھجور کے درخت، بنجر زمین اور مشرکین کی قبریں تھیں۔ آپ کے حکم سے قبروں کو اکھاڑا گیا ویران جگہ کو برابر کیا گیا اور درخت کاٹ دیئے گئے، پھر آپ نے اینٹیں بنانے کا حکم دیا تو وہ بنائی گئیں اور مسجد تعمیر کر کے کھجور کی شاخوں سے چھت ڈالی گئی، جبکہ ستون کھجور کی لکڑی سے بنائے گئے، اس مسجد میں مسلمانوں نے کام کیا، حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ دو دو اینٹیں اٹھا کر لاتے تھے، ایک اینٹ اپنی طرف سے اور دوسری اینٹ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: لوگوں کے لیے ایک اجر ہے، تمہارے لیے دو اجر ہیں اور تمہاری آخری خوراک دودھ کا ایک

گھونٹ ہے اور تمہیں ایک باغی جماعت قتل کرے گی۔[1]

(صحیح مسلم جلد اول ص ۲۰۰، کتاب المساجد، صحیح بخاری جلد اول ص ۵۶۰، کتاب مناقب الانصار)

اور ہم تک یہ روایت پہنچی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ہمراہ اینٹیں اٹھاتے تھے اور اس دوران آپ یوں فرماتے:

هذا الحمال لا حمال خيبر هذا ابر ربنا واطهر
اللهم ان الاجر اجر الاخرة فارحم الانصار والمهاجرة

"یہ بوجھ خیبر کا بوجھ نہیں (کھجوروں کا بوجھ نہیں) اے ہمارے رب! یہ بوجھ زیادہ عمدہ اور زیادہ پاکیزہ ہے"۔

"یا اللہ! بے شک اصل اجر تو آخرت کا اجر ہے۔ پس تو انصار اور مہاجرین پر رحم فرما"۔

ابن شہاب کہتے ہیں: ہمیں یہ بات نہیں پہنچی کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دو شعروں کے علاوہ کوئی شعر مکمل طور پر فرمایا ہو۔ (صحیح بخاری جلد اول ص ۵۵۵، کتاب مناقب الانصار)

یہ بھی کہا گیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر شعر کہنا منع تھا۔ پڑھنا منع نہیں تھا اور آپ کے لیے اشعار پڑھنے کی ممانعت پر کوئی دلیل نہیں۔ هذا الحمال میں الحمال حاء کے کسرہ اور میم کی تخفیف کے ساتھ ہے (شد نہیں ہے) جو اینٹیں اٹھائی جا رہی ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں خیبر کے بوجھوں سے بہتر ہیں یعنی جو بوجھ خیبر سے لایا جاتا ہے اور وہ کھجور اور انگور ہوتے تھے۔ مستملی کی روایت میں (حاء کی بجائے) جیم کے ساتھ ہے۔ کتاب "تحقیق النصرۃ" میں ہے۔ کہا گیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی چادر رکھ دی تو صحابہ کرام نے بھی اپنی چادریں رکھ دیں اور وہ کہہ رہے تھے۔

لئن قعدنا والنبی یعمل ذاك اذا للعمل المضلل

"اگر ہم بیٹھ جائیں اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کام کر رہے ہوں تو اس وقت ہمارا بیٹھ جانا گمراہ کرنے والا عمل ہے"۔

اور دوسرے کہتے۔

لا يستوى من يعمر المساجد يداب فيها قائما وقاعدا
ومن يرى عن التراب حائدا

"جو شخص مسجدوں کی تعمیر کرتا ہے، اس طرح کہ وہ کھڑا ہوتا ہے یا بیٹھتا ہے اور وہ جو مٹی سے بچتا ہے، دونوں برابر نہیں ہو سکتے"۔

[1] نوٹ: حضرت عمار بن یاسر جنگ صفین میں حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے اور شامیوں نے جو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھی تھے، آپ کو شہید کیا چونکہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ امام حق تھے اس لیے ان کی مخالفت کی وجہ سے دوسروں کو باغی قرار دیا گیا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خطا اجتہادی تھی۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مستقبل کی خبروں سے آگاہ فرمایا... ۱۲ ہزاروی۔

مسجد کی کیفیت

مسجد نبوی کا قبلہ بیت المقدس کی طرف رکھا گیا اور اس کے تین دروازے بنائے گئے۔ ایک دروازہ مسجد کے آخر میں بنایا گیا ایک دروازے کو باب رحمت کہا گیا اور ایک دروازہ جس سے داخل ہوتے تھے۔

مسجد کی لمبائی قبلہ سے آخر تک ایک سو ہاتھ اور دونوں طرف اس کی مثل یا اس سے کم تھی اور مسجد کی بنیاد تین تین ہاتھ رکھی گئی اور اس کے پہلو میں اینٹوں سے دو مکان بنائے گئے اور ان کی چھت کھجور کی شاخوں اور تنے سے بنائی گئی۔ جب مسجد کی تعمیر سے فارغ ہوئے تو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حجرہ مبارکہ میں جو مسجد سے ملا ہوا تھا' مسجد کی طرف ایک راستہ بنایا گیا اور حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا دوسرے مکان میں تھیں جو اس دروازے سے ملا ہوا تھا جو آل عثمان کے دروازے سے متصل تھا۔

اس کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے مکان سے اپنے ان مکانات میں منتقل ہوگئے جو آپ نے بنائے تھے اور آپ حضرت زید بن حارثہ اور ابو رافع جو آپ کے غلام تھے رضی اللہ عنہما کو مکہ مکرمہ بھیج چکے تھے۔ پس وہ دونوں حضرت خاتون جنت فاطمہ الزہراء، حضرت ام کلثوم، حضرت سودہ بنت زمعہ، حضرت اسامہ بن زید اور ام ایمن رضی اللہ عنہم کو ساتھ لے آئے اور حضرت عبداللہ بن ابی بکر رضی اللہ عنہما بھی ان کے ساتھ اپنے گھر کے دیگر افراد کو لے کر مدینہ طیبہ تشریف لائے۔

صفہ مبارکہ

مسجد شریف میں ایک سایہ دار جگہ تھی' جہاں مساکین پناہ لیتے تھے۔ اسے صفہ کہا جاتا تھا اور وہاں رہنے والے اہل صفہ (اصحاب صفہ) کہلاتے تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کو رات کے وقت بلاتے اور صحابہ کرام پر تقسیم کردیتے اور ایک جماعت حضور علیہ السلام کے ساتھ عشاء کا کھانا کھاتی تھی۔

صحیح بخاری شریف میں ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے ستر اصحاب صفہ کو دیکھا جن کے پاس بڑی چادر نہ ہوتی تھی تہبند ہوتا یا کمبل جسے انہوں نے اپنی گردنوں سے باندھا ہوتا تھا۔ ان میں سے بعض کی نصف پنڈلی تک ہوتا اور بعض کے ٹخنوں تک پہنچتا تو وہ جسم کے ننگا ہونے کے خوف سے اس کو ہاتھ سے پکڑے رکھتے تھے۔ (صحیح بخاری جلد اول ص ۶۳' کتاب الصلوٰۃ)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی تعداد ستر سے زیادہ تھی اور یہ حضرات وہ ہیں جن کو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دیکھا اور جن کو غزوہ بئر معونہ کی طرف بھیجا گیا تھا' وہ ان کے علاوہ تھے۔ وہ بھی اصحاب صفہ میں سے تھے لیکن یہ لوگ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے سے پہلے شہید کردیے گئے۔

ابن الاعرابی (ابو سعید احمد بن محمد بن زیاد بصری) سلمی (ابو عبدالرحمٰن بن موسیٰ نیشاپوری) امام حاکم اور ابو نعیم رحمہم اللہ نے اصحاب صفہ (کے اسماء گرامی) کو جمع کرنے کا اہتمام کیا لیکن ان میں سے ہر ایک کے پاس وہ چیز ہے' جو

دوسرے کے پاس نہیں اور جو کچھ انہوں نے ذکر کیا، اس پر اعتراض اور مناقشہ ہے۔ (فتح الباری جلد اول ص ۷۴۴)

منبر شریف

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے دن مسجد میں موجود کھجور کے ایک تنے کے ساتھ کھڑے ہو کر خطبہ ارشاد فرماتے، پھر آپ نے فرمایا، کہ میرے لیے کھڑا ہونا مشکل ہو گیا ہے تو آپ کے لیے منبر بنایا گیا۔ (طبقات ابن سعد جلد اول ص ۲۵۰) منبر کا بنانا اور تنے کا رونا ہجرت کے آٹھویں سال واقع ہوا۔ ابن النجار (ابو عبداللہ محمد بن محمود بن حسن بغدادی) نے اس بات کو قطعی قرار دیا لیکن اس پر حدیث افک کے ذریعے اعتراض کیا گیا۔ یہ حدیث صحیحین کی ہے:

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ دونوں قبیلوں (اوس اور خزرج) کے لوگ ایک دوسرے کے خلاف اٹھے، حتیٰ کہ قریب تھا کہ وہ ایک دوسرے کو قتل کر دیں اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر تشریف فرما تھے، چنانچہ آپ اترے اور ان کو ٹھنڈا کیا حتیٰ کہ وہ خاموش ہو گئے۔

ابن سعد نے قطعی طور کہا ہے کہ منبر بنانے کا کام ہجرت کے ساتویں سال ہوا لیکن اس قول پر حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور تمیم داری رضی اللہ عنہ کے ذکر کے ساتھ معارضہ کیا گیا کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ، فتح مکہ کے بعد ہجرت کے آٹھویں سال کے آخر میں تشریف لائے اور حضرت تمیم داری نویں سال تشریف لائے۔

بعض سیرت نگاروں سے منقول ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مٹی سے بنے ہوئے منبر پر خطبہ دیتے تھے اور لکڑی کا منبر بعد میں بنا لیکن اس پر اعتراض کیا گیا کہ صحیح احادیث کے مطابق نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دیتے وقت کھجور کے تنے کا سہارا لیتے تھے۔

تنے کے رونے کا واقعہ انشاء اللہ معجزات کے بیان میں آئے گا۔

مہاجرین اور انصار کے درمیان مواخات

مدینہ طیبہ پہنچنے کے پانچ ماہ بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین اور انصار کے درمیان مواخات قائم فرمائی (دو دو کو ایک دوسرے کا بھائی قرار دیا)۔[۱]

---

[۱] اس مواخات کا مقصد یہ تھا کہ مہاجرین سے اجنبیت اور گھر والوں سے جدائی کی پریشانی دور کی جائے اور ایک دوسرے کی مدد بھی ہو۔ اس سے پہلے مکہ مکرمہ میں آپ نے مہاجرین کو ایک دوسرے کا بھائی بنایا تھا تاکہ ایک دوسرے کی خیر خواہی کریں اور حق پر ایک دوسرے کی مدد کریں۔ حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھائی بھائی بنایا۔ حضرت طلحہ اور حضرت زبیر کے درمیان، حضرت عثمان غنی اور حضرت عبدالرحمٰن کے درمیان مواخات قائم فرمائی، حتیٰ کہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ تنہا رہ گئے تو انہوں نے عرض کیا: آپ نے سب کے درمیان مواخات قائم فرمائی، میرا بھائی کون ہے؟ نبی

(حاشیہ اگلے صفحے پر جاری ہے......)

اور یہ نوے (۹۰) افراد تھے۔ دونوں جماعتوں سے پینتالیس پینتالیس افراد تھے، ان کی مواخات حق بات، غم خواری اور ایک دوسرے کا وارث بننے پر تھی۔[1]

یہ سلسلہ اسی طرح جاری رہا، حتیٰ کہ غزوہ بدر کے بعد یہ آیت نازل ہوئی:

وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ۔ اور رشتہ داروں میں سے بعض دوسرے بعض کے زیادہ قریب ہیں۔ (الانفال: ۷۵)

(اب اسلامی محبت باقی رہ گئی، لیکن وراثت کا سلسلہ رشتہ داروں میں جاری ہوا۔)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی رخصتی

ہجرت کے نویں مہینے کے شروع میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی رخصتی ہوئی۔ کسی نے کہا: آٹھویں مہینے میں اور بعض نے کہا: ہجرت کے اٹھارہ مہینے بعد شوال میں شادی ہوئی۔

نوٹ: امام زرقانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: صحیح مسلم میں اسی طرح ہے: اسی لیے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اپنے خاندان اور دوسرے اہل محبت کے لیے اس بات کو پسند فرماتی تھی کہ ان کے ہاں بچیوں کی رخصتی شوال کے مہینے میں ہو۔ (شرح زرقانی جلد اول ص ۳۴۴)

اذان کی ابتدا اور نماز کی رکعتوں میں اضافہ

کتب سیرت وغیرہ میں ہے کہ جب نماز کا وقت ہوتا تو صحابہ کرام خود بخود جمع ہو جاتے اور ان کو بلایا نہ جاتا۔

(....گزشتہ صفحے سے) اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارا بھائی میں ہوں۔

ابن تیمیہ نے اس مواخات کا انکار کیا کہ مہاجرین کے درمیان اس مواخات کا کوئی مقصد نہیں کیونکہ یہ تو باہمی انس کے لیے ہے۔ محدثین نے ابن تیمیہ کا رد کرتے ہوئے کہا کہ یہ تو قیاس کے ذریعے نص کو رد کرنا ہے اور اس کی حکمت سے غفلت ہے۔ چونکہ بعض صحابہ کرام مالدار تھے بعض کمزور، اس لیے ایک دوسرے کی مدد کے لیے مواخات قائم فرمائی اور چونکہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ بچپن سے حضور علیہ السلام کی پرورش میں تھے، اس لیے ان کو اپنا بھائی قرار دیا۔ حضرت حمزہ اور حضرت زید کے درمیان مواخات تھی، اس لیے حضرت زید نے فرمایا تھا کہ حضرت حمزہ کی صاحبزادی میری بھتیجی ہے۔ (صحیح بخاری جلد ۲ ص ۶۱ کتاب المغازی، شرح زرقانی جلد اول ص ۴۳۲، ۴۳۳)

[1] اس کی ایک مثال وہ ہے جو صحیح بخاری میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ فرماتے ہیں: حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہمارے ہاں تشریف لائے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اور حضرت سعد بن ربیع رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے درمیان مواخات قائم فرمائی۔ حضرت سعد بہت مالدار تھے، انہوں نے فرمایا: انصار کو معلوم ہے کہ میں ان میں زیادہ مالدار ہوں، میں اپنے مال کو اپنے اور آپ کے درمیان دو حصوں میں تقسیم کر دیتا ہوں اور میری دو بیویاں ہیں۔ آپ کو جو پسند آئے، میں اسے طلاق دے دیتا ہوں، آپ اس سے نکاح کر لیں، حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ آپ کو آپ کے گھر والوں میں برکت عطا فرمائے۔ (صحیح بخاری جلد اول، ص ۵۳۳)

ابن سعد طبقات میں سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ کی مراسیل سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نماز کے لیے یوں بلاتے تھے: "الصلوۃ جامعۃ" نماز کھڑی ہونے والی ہے۔[1]

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنھم سے مشورہ کیا کہ لوگوں کو نماز کے لیے کیسے جمع کیا جائے اور جیسا کہ کہا گیا یہ دوسرے سال کی بات ہے۔ (کہا گیا ہے کہ راجح قول کے مطابق ہجرت کے پہلے سال کی بات ہے) کسی نے کہا: ناقوس اختیار کریں جیسا کہ عیسائیوں نے اختیار کر رکھا ہے۔ دوسرے حضرات نے کہا: یہودیوں کی طرح سینگ استعمال کریں۔ بعض کہنے لگے: نہیں بلکہ آگ جلائی جائے اور اسے بلند کیا جائے تاکہ لوگ دیکھ کر نماز کے لیے آئیں۔

حضرت عبداللہ بن زید کا خواب

پس حضرت عبداللہ بن زید بن ثعلبہ بن عبد ربہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خواب میں ایک شخص کو دیکھا جس نے ان کو اذان اور اقامت سکھائی۔ صبح ہوئی تو وہ بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئے اور اپنا خواب بتایا۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی روایت جسے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے نقل کیا، میں ہے کہ انہوں نے (حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے) عرض کیا: یارسول اللہ! میں نے وہ کچھ دیکھا جو سونے والا دیکھتا ہے اور اگر میں کہوں کہ میں سویا ہوا نہیں تھا، تو میں سچ کہنے والا ہوں گا۔ میں نے ایک شخص کو دیکھا جس پر دو سبز کپڑے تھے۔ وہ قبلہ رخ ہوا اور اس نے کہا "اللہ اکبر، اللہ اکبر" دو، دو بار حتیٰ کہ وہ اذان سے فارغ ہو گیا۔ (انہوں نے مکمل حدیث ذکر کی) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ سچا خواب ہے انشاء اللہ تعالیٰ۔

حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ اٹھو اور جو کچھ تم نے دیکھا ہے، حضرت بلال پر بولتے جاؤ اور وہ ان کلمات کے ساتھ اذان کہیں کیونکہ تمہاری نسبت ان کی آواز بلند ہے۔

حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: پس میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے ساتھ اٹھا۔ میں کلمات بولتا جاتا تھا اور وہ اذان کہتے جاتے تھے۔

فرماتے ہیں: جب عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اذان سنی اور آپ اپنے گھر میں تھے تو آپ اپنی چادر کو گھسیٹتے ہوئے آئے اور فرمانے لگے: اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا یارسول اللہ! میں نے بھی اسی طرح دیکھا جیسے انہوں نے دیکھا ہے۔

---

[1] صحیح بخاری اور مسلم میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنھما سے مروی ہے کہ مسلمان جب مدینہ طیبہ تشریف لائے تو وہ خود بخود نماز کے وقت جمع ہوتے، ان کو بلایا نہ جاتا۔ ایک دن انہوں نے اس سلسلے میں مشورہ کیا تو بعض نے کہا: عیسائیوں کے بگل کی طرح بگل لے لیں۔ کسی نے کہا: یہودیوں نے جس طرح سینگ اختیار کیا ہوا ہے، ہم بھی اسی طرح کریں، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کیا تم کسی شخص کو نہیں بھیجتے جو نماز کے لیے آواز دے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا: اے بلال! اٹھو اور نماز کے لیے آواز دو۔ (صحیح مسلم جلد اول ص ۱۶۳، کتاب الصلوۃ، صحیح بخاری جلد اول ص ۸۵، کتاب الاذان)

امام طبرانی کی "اوسط" میں ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بھی اذان دیکھی، امام غزالی کی "الوسیط" میں ہے کہ دس سے زائد افراد نے دیکھی اور "شرح التنبیہ" میں جیلی کی عبارت یہ ہے کہ چودہ حضرات نے اذان کو خواب میں دیکھا لیکن ابن صلاح اور پھر امام نووی رحمہ اللہ نے اس بات کا انکار کیا اور مغلطائی کی سیرت میں ہے کہ سات انصار نے خواب میں اذان کو دیکھا (سنا) ہے۔

حافظ ابوالفضل ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس سلسلے میں کوئی بات حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ کے علاوہ کسی کے لیے ثابت نہیں اور بعض روایات میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا ذکر آیا ہے۔

(فتح الباری شرح صحیح بخاری جلد اول ص ۶۳)

اذان سے متعلق خواب میں حکمت

امام سہیلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اگر تم کہو کہ اذان کو اس بات سے مخصوص کرنے میں کیا حکمت تھی کہ ایک مسلمان اسے خواب میں دیکھے اور یہ وحی کے ذریعے نہ آئے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے باقی تمام عبادات اور احکام شرعیہ کے سلسلے میں اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی فرمائی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا کہ یہ سچا خواب ہے، پھر اس کو اذان کے حکم کی بنیاد بنایا اور کیا یہ اللہ تعالیٰ کی طرف وحی تھی یا نہیں؟

(السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد ۲، ص ۱۹)

اس کا جواب انہوں نے یوں دیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اذان شب معراج میں دکھائی گئی تھی۔ امام بزار رحمہ اللہ، حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اذان سکھانے کا ارادہ فرمایا تو حضرت جبریل علیہ السلام ایک جانور لے کر آئے، جس کو براق کہا جاتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس پر سوار ہوئے، حتیٰ کہ اس حجاب کے پاس تشریف لائے جو رحمٰن کے عرش سے ملا ہوا ہے۔ آپ اس حالت میں تھے کہ حجاب کے اندر سے ایک فرشتہ نکلا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: اے جبریل! یہ کون ہے؟ انہوں نے عرض کیا: اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا، میں مخلوق میں سے سب سے زیادہ قرب رکھتا ہوں اور جب سے میں پیدا ہوا ہوں، میں نے اس وقت کے علاوہ اس فرشتے کو کبھی نہیں دیکھا۔ اس فرشتے نے "اللہ اکبر، اللہ اکبر" کہا تو اسے حجاب کے پیچھے سے کہا گیا، میرے بندے نے سچ کہا ہے، میں سب سے بڑا ہوں، میں سب سے بڑا ہوں اور باقی اذان بھی ذکر کی۔

(کشف الاستار عن زوائد البزار جلد اول ص ۱۷۸)

امام سہیلی فرماتے ہیں: یہ صورت وحی سے زیادہ مضبوط ہے۔ پس جب فرضیت اذان مدینہ طیبہ جانے تک موخر ہوگئی اور لوگوں کو اوقات نماز کے بارے میں خبر دینے کا ارادہ فرمایا تو وحی میں تاخیر ہوگئی، یہاں تک کہ حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ نے خواب میں دیکھا۔

پس یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مشاہدے کے موافق ہوگیا اسی لیے آپ نے فرمایا: یہ سچا خواب ہے

انشاء اللہ تعالیٰ- اس وقت آپ کو معلوم ہوا اللہ تعالیٰ نے ارادہ فرمایا کہ آپ نے جو کچھ آسمان میں دیکھا تھا وہ زمین میں سنت بن جائے اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا خواب حضرت عبداللہ انصاری کے خواب کے موافق ہو کر یہ بات قوی ہو جائے۔ (فتح الباری شرح بخاری جلد ۲ ص ۶۴)

امام سہیلی کے اس کلام کا تعاقب کیا گیا کہ امام بزار کی روایت کی سند میں زیاد بن منذر ابو الجارود ہے اور وہ متروک الحدیث ہے۔ (فتح الباری شرح صحیح بخاری جلد ۲ ص ۶۳)

اور فتح الباری میں فرمایا کہ حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ کے خواب سے اذان کو ثابت کرنے پر اعتراض کیا گیا ہے کیونکہ غیر انبیاء کے خواب کو کسی شرعی حکم کی بنیاد قرار نہیں دیا جا سکتا۔

اس کا جواب یوں دیا گیا ہے کہ اس میں وحی کے مل جانے کا احتمال ہے اور اس کی تائید امام عبدالرزاق کی روایت اور ابو داؤد کی براہین میں مروی حدیث سے ہوتی ہے جو حضرت عبید اللہ بن عمیر لیثی کے طریق سے ہے اور وہ بہت عظیم تابعی ہیں۔ وہ فرماتے ہیں: جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اذان دیکھی (سنی) اور حضور علیہ السلام کو بتانے کے لیے حاضر ہوئے تو ان کو معلوم ہوا کہ وحی آچکی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس بات سے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی اذان سے آگاہی ہوئی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ اس اذان کے حوالے سے وحی آپ پر سبقت کر گئی۔

یہ روایت داؤدی کی اس روایت سے صحیح ہے جو انہوں نے (احمد بن نصر ایشکری داؤدی نے) ابن اسحاق سے نقل کی ہے کہ حضرت عبداللہ بن زید اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کے خبر دینے سے آٹھ دن پہلے حضرت جبریل علیہ السلام اذان (کے کلمات) لے کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

(فتح الباری جلد ۲ ص ۶۷)

اور یہ بات آپ کو معلوم ہے کہ حضرت عبداللہ بن زید کا خواب ابن اسحاق وغیرہ کی روایت سے منقول ہے اور وہ یوں ہے۔ حضرت عبداللہ فرماتے ہیں:

میں سویا ہوا تھا کہ ایک شخص میرے گرد پھر رہا تھا۔ اس کے ہاتھ میں ناقوس تھا (بگل تھا) میں نے کہا: اے بندۂ خدا! اسے بیچتا ہے؟ اس نے کہا: تم اسے کیا کرو گے؟ میں نے کہا: ہم اس کے ذریعے نماز کی طرف بلائیں گے۔ اس نے کہا: کیا میں تمہیں اس سے بہتر چیز نہ بتاؤں؟ میں نے کہا: ہاں، کیوں نہیں (بتاؤ) اس نے کہا، یوں کہو: "اللہ اکبر، اللہ اکبر" اور اذان کے باقی کلمات بھی ذکر کیے۔ پھر وہ مجھ سے تھوڑا دور چلا گیا۔ پھر کہا: جب نماز کے لیے کھڑے ہو تو یوں کہو "اللہ اکبر، اللہ اکبر" اقامت کے تمام کلمات بتائے۔

(سنن ابی داؤد جلد اول ص ۷۲، سنن ابن ماجہ ص ۶۱، جامع ترمذی جلد اول ص ۳۶، عیون الاثر جلد اول ص ۲۷۰)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے خواب کی کیفیت معلوم نہیں۔ انہوں نے یہی فرمایا کہ جو کچھ انہوں نے (حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے) دیکھا ہے، میں نے بھی یہی دیکھا ہے۔ (جامع ترمذی جلد اول ص ۳۶)

دیگر احادیث

مسند حارث میں ہے کہ سب سے پہلے حضرت جبریل علیہ السلام نے اذان دی۔ انہوں نے آسمان دنیا (پہلے آسمان) پر اذان دی جسے حضرت عمر فاروق اور حضرت بلال رضی اللہ عنہما نے سنا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ، حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے پہلے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچے اور اس بات کی خبر دی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ (حضرت) عمر (رضی اللہ عنہ) اس سلسلے میں آپ سے سبقت لے گئے اور اس کا ظاہر یہی ہے کہ حضرت عمر اور حضرت بلال رضی اللہ عنہما دونوں نے اسے بیداری کی حالت میں سنا۔

کئی احادیث وارد ہوئی ہیں جو اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ اذان ہجرت سے پہلے مکہ مکرمہ میں مشروع ہوئی۔

ان احادیث میں سے ایک طبرانی شریف کی روایت ہے جو حضرت سالم بن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں: جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو سیر کرائی گئی (معراج کرایا گیا) تو اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف اذان کی وحی فرمائی۔ آپ وہ (کلمات) لے کر تشریف لائے اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو سکھائے۔ اس حدیث کی سند میں طلحہ بن زید ہیں جو متروک ہیں۔ ایک اور حدیث جو امام دار قطنی نے "الافراد" میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت سے نقل کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں: حضرت جبریل علیہ السلام نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اذان کے لیے کہا: جب نماز فرض ہوئی، اس حدیث کی سند ضعیف ہے۔ (فتح الباری شرح بخاری جلد ۲ ص ۶۳)

ایک حدیث امام بزار نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے نقل کی ہے جو پہلے گزر چکی ہے۔ فتح الباری میں ہے امام ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: حق یہ ہے کہ ان احادیث میں کوئی حدیث بھی صحیح نہیں۔

ابن منذر نے قطعی طور پر بیان کیا کہ جب مکہ مکرمہ میں نماز فرض ہوئی تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اذان کے بغیر نماز پڑھتے تھے یہاں تک کہ آپ نے مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت فرمائی اور اس سلسلے میں مشاورت ہوئی اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے۔ (فتح الباری شرح صحیح بخاری جلد ۲ ص ۶۳)

کیا حضور علیہ السلام نے خود اذان دی ہے؟

اگر تم کہو کہ کیا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی کبھی اذان دی ہے؟

تو امام سہیلی رحمہ اللہ نے اس کا جواب دیا ہے کہ امام ترمذی رحمہ اللہ نے ایسے طریق سے روایت کیا جو بلخ کے قاضی عمر بن رباح کے گرد گردش کرتا ہے اور وہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سفر میں اذان دی اور نماز پڑھائی۔ جب صحابہ کرام اپنی سواریوں پر تھے، فرماتے ہیں اس

حدیث سے بعض لوگوں نے استدلال کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی اذان دی ہے۔
(السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد ۲ ص ۳۰)

لیکن یہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے نہیں ہے، یہ یعلیٰ بن مرۃ رضی اللہ عنہ کی روایت سے ہے۔

اس کو امام نووی رحمہ اللہ نے بھی قطعی طور پر بیان کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ سفر میں اذان دی اور اسے امام ترمذی رحمہ اللہ کی طرف منسوب کرتے ہوئے قوی قرار دیا۔

لیکن امام دار قطنی نے ایک حدیث روایت کرتے ہوئے اس میں فرمایا کہ آپ نے اذان کا حکم دیا تھا۔ (سنن دار قطنی جلد اول، ص ۲۷۲) انہوں نے یہ نہیں فرمایا کہ آپ نے خود اذان کہی۔ امام سہیلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مجمل کلام جس میں کئی احتمال ہوں، تفصیلی کلام اس کا فیصلہ کرتا ہے۔ (السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد ۲، ص ۳۱)

مسند امام احمد میں اس طریق پر جس پر امام ترمذی رحمہ اللہ نے تخریج کی ہے، منقول ہے کہ آپ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا تو انہوں نے اذان دی۔ (مسند امام احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۱۷۴)

فتح الباری میں ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ امام ترمذی کی روایت میں اختصار ہے اور ان کا یہ کہنا کہ اذان دی اس کا مطلب یہ ہے کہ حکم دیا۔ جیسے کہا جاتا ہے خلیفہ نے فلاں کو ایک ہزار (روپے) دیئے حالانکہ وہ ایک دوسرے آدمی کے ہاتھوں سے دیئے گئے لیکن یہ بات خلیفہ کی طرف منسوب ہوتی ہے کہ اس نے حکم دیا۔
(فتح الباری شرح صحیح بخاری جلد ۲، ص ۶۵)

کیا حضور علیہ السلام نے کسی صحابی کی اقتدا میں نماز پڑھی؟

اگر تم کہو کہ کیا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے کسی صحابی کے پیچھے نماز پڑھی ہے؟ تو میں کہتا ہوں، ہاں یہ بات صحیح مسلم وغیرہ میں ثابت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز پڑھی۔ اس حدیث کے الفاظ اس طرح ہیں: حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں: کہ انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوہ تبوک میں شرکت کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قضائے حاجت کے لیے تشریف لے گئے تو انہوں نے آپ کے ساتھ (پانی کا برتن اٹھایا) یہ فجر کی نماز سے پہلے کی بات ہے۔ وہ ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں) میں آپ کے ساتھ آیا تو ہم نے صحابہ کرام کو اس حالت میں پایا کہ انہوں نے حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کو آگے کر دیا تھا اور وہ ان کو نماز پڑھا رہے تھے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک رکعت ملی تو آپ نے صحابہ کرام کے ہمراہ دوسری رکعت پڑھی۔ پس جب حضرت عبدالرحمن بن عوف نے سلام پھیرا تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر نماز مکمل کی۔ مسلمان اس بات سے خوف زدہ ہو گئے تو انہوں نے کثرت سے تسبیح پڑھنا شروع کر دی۔[1]

[1] صحابہ کرام پریشان ہو گئے کہ ہم نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سبقت کی اور یہ اچھا نہ ہوا لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے عمل کو سراہا کہ انہوں نے وقت پر نماز پڑھی کیونکہ آپ کو وضو کرتے کرتے دیر ہو گئی تھی۔ ۱۲ ہزاروی۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہوئے تو ان کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا: تم نے اچھا کیا یا فرمایا: تم نے درست کیا۔ آپ ان کو وقت پر نماز پڑھنے کی ترغیب دے رہے تھے۔

(صحیح مسلم جلد اول ص ۱۳۳، کتاب الطہارۃ، مسند امام احمد جلد ۴ ص ۲۴۹)

امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے اپنی سنن میں اس کی مثل روایت کیا۔ ان کے الفاظ یہ ہیں کہ ہم نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کو یوں پایا کہ وہ صبح کی ایک رکعت پڑھ چکے تھے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام کی صف میں کھڑے تھے اور آپ نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے پیچھے دوسری رکعت پڑھی، پھر حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے سلام پھیرا تو آپ نے کھڑے ہو کر نماز مکمل کی۔

(سنن ابی داؤد جلد اول، ص ۲۰)

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس حدیث سے ثابت ہوا کہ مفضول کے پیچھے فاضل کی نماز درست ہے اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا کسی امتی کے پیچھے نماز پڑھنا بھی جائز ہے۔ (صحیح مسلم جلد اول ص ۱۳۴ حاشیہ)

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کا اپنی نماز میں کھڑا رہنا اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا پیچھے ہٹ جانا تاکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم آگے تشریف لے جائیں (دونوں میں)، فرق اس لیے تھا کہ حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ ایک رکعت ادا کر چکے تھے تو حضور علیہ السلام آگے نہ بڑھے تاکہ قوم کی نماز کی ترتیب میں خلل نہ آئے جبکہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی نماز کی یہ حالت نہ تھی۔ (صحیح مسلم جلد اول ص ۱۳۵ حاشیہ)

ہاں سیرت ہشامیہ میں ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ امام تھے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی اقتدا کی لیکن جیسا کہ امام سہیلی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا ہے: سیرت میں یہ حدیث مرسل ہے اور صحیح احادیث کی کتب (کتب صحاح) میں معروف حدیث اس طرح ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم علیہ السلام کی اقتدا میں اور صحابہ کرام حضرت ابوبکر صدیق (رضی اللہ عنہم) کی اقتدا میں نماز پڑھ رہے تھے۔

لیکن حضرت انس رضی اللہ عنہ سے متصل طریق سے مروی ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اس دن امام تھے اور اس سلسلے میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خبر میں اختلاف ہے۔

(السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد ۲، ص ۳۶۹)

جامع ترمذی میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث کو صحیح قرار دیتے ہوئے فرمایا کہ نبی اکرم نے جو آخری نماز پڑھی اس میں آپ نے ایک کپڑے کو حمائل کے طور پر باندھ رکھا تھا اور آپ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پیچھے تھے۔ (جامع ترمذی جلد اول ص ۱۴۵ ابواب الصلوۃ)

ابن ملقن (عمر بن علی بن ابی احمد انصاری) رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اس قول کو متعدد حفاظ حدیث نے مدد دی جن میں ضیا اور ابن ناصر (محمد بن ناصر سلامی محدث عراق) بھی شامل ہیں اور فرمایا کہ صحیح ثابت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس علالت میں جس میں آپ کا انتقال ہوا، تین بار حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پیچھے

نماز پڑھی ہے اور اس کا انکار وہی کر سکتا ہے جسے روایت کا علم نہ ہو اور وہ اس سے جاہل ہو۔

اور کہا گیا ہے کہ دو مرتبہ ایسا ہوا۔ احادیث کو اسی طرح جمع کیا جا سکتا ہے۔ ابن حبان نے اسی پر جزم کیا۔

اور امام دار قطنی نے حضرت مغیرہ بن شعبہ کے طریق سے روایت کیا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس وقت تک کسی نبی کا انتقال نہیں ہوا جب تک اس کا کوئی ایک امتی اس نبی کی امامت نہ کرائے۔

(السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد ۲، ص ۳۶۹)

حالت اقامت کی نماز میں اضافہ

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ طیبہ تشریف لانے کے ایک مہینہ بعد ربیع الآخر کی بارہ راتیں گزر چکی تھیں۔ دولابی فرماتے ہیں منگل کا دن تھا اور امام سہیلی فرماتے ہیں: ہجرت کے بعد ایک سال یا اس کے قریب وقت گزر چکا تھا کہ حالت اقامت کی نماز میں دو دو رکعتوں کا اضافہ ہوا اور صبح کی نماز کو طویل قرأت کی وجہ سے اور مغرب کی نماز کو دن کی وتر نماز (طاق رکعتوں والی نماز) ہونے کی وجہ سے اسی حالت پر چھوڑا گیا اور سفر کی نماز بھی برقرار رہی۔

صحیح بخاری میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نماز دو (دو) رکعتیں فرض ہوئیں پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے (مدینہ منورہ کی طرف) ہجرت کی تو چار رکعتیں فرض ہوئیں اور فجر کی نماز کو قرأت کے طویل ہونے اور مغرب کی نماز کو وتر نماز ہونے کی وجہ سے اسی حالت پر چھوڑا گیا اور سفر کی حالت بھی برقرار رہی۔

صحیح بخاری میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نماز دو (دو) رکعتیں فرض ہوئیں پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے (مدینہ طیبہ کی طرف) ہجرت کی تو چار رکعتیں فرض ہوئیں اور سفر کی نماز کو پہلے فریضہ پر چھوڑ دیا گیا)۔ (صحیح بخاری جلد اول ص ۵۶۰، کتاب مناقب الانصار)

اور کہا گیا کہ پہلے چار چار رکعتیں فرض ہوئیں، پھر مسافر کے لیے تخفیف کر دی گئی اور اس پر یہ حدیث دلالت کرتی ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے مسافر سے نماز کا کچھ حصہ اٹھا لیا۔

(سنن ابی داؤد جلد اول ص ۳۶۷، مسند امام احمد جلد ۴ ص ۳۴۷)

اور یہ بھی کہا گیا کہ حالت اقامت میں چار رکعتیں فرض ہوئیں اور سفر میں دو رکعتیں۔ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ آپ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک پر حضر (حالت اقامت) میں چار اور سفر میں دو رکعتیں فرض فرمائیں۔ (صحیح مسلم جلد اول ص ۲۴۱)

انشاء اللہ تعالیٰ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادات کے سلسلے میں نماز کے ضمن میں اس پر مزید گفتگو ہو گی۔

یہودیوں اور منافقین کی دشمنی کا ظہور

ابن اسحاق وغیرہ نے کہا ہے کہ یہود کی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دشمنی کی وجہ ان کی سرکشی اور حسد

تھا، چنانچہ لبید بن اعصم نے آپ پر جادو کیا اور یہ شخص بنو زریق کے یہودیوں میں سے تھا اور اس جادو کی صورت یہ تھی کہ آپ خیال فرماتے کہ کوئی کام کر رہے ہیں، حالانکہ آپ وہ کام نہیں کرتے تھے۔ وہ کنگھی اور اس کے ذریعے نکلنے والے بالوں میں جادو کرتا تھا اور ان کو ذی اروان نامی کنوئیں میں (اکثر محدثین فرماتے ہیں کہ یہ لفظ ذروان ہے) پتھر کے نیچے دفن کر دیتا تھا جیسا کہ صحیح حدیث سے ثابت ہے۔

(صحیح بخاری جلد اول ص ۴۶۲، کتاب بدء الخلق، صحیح مسلم جلد ۲، ص ۲۲۱)

اور یہ بات (آپ پر جادو کا اثر) نبوت میں کسی قسم کے عیب کا باعث نہیں کیونکہ انبیاء کرام علیہم السلام کی آزمائش جسموں میں زخموں، زہر اور قتل وغیرہ کے ذریعے ہوتی رہی اور علماء کرام ان پر اس بات کو جائز قرار دیتے ہیں۔

یہودیوں کے ساتھ اوس اور خزرج کی ایک جماعت بھی مل گئی وہ منافق تھے۔ شرک اور انبیاء کرام علیہم السلام کی تکذیب کے سلسلے میں وہ اپنے آبائی دین پر تھے، لیکن ظہور اسلام کی وجہ سے وہ مغلوب ہوگئے۔ پس انہوں نے ظاہر میں اسلام کا دعویٰ کر کے اسے قتل سے بچنے کے لیے ڈھال بنایا لیکن اندر سے وہ منافق تھے۔ ان میں عبداللہ بن ابی ابن سلول بھی تھا جو منافقوں کا سردار تھا اور اسی نے کہا تھا: (جسے قرآن مجید نے نقل کیا)

لَئِنْ رَّجَعْنَآ اِلَى الْمَدِيْنَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ۔ (المنافقون: ۸)

اگر ہم مدینہ طیبہ واپس گئے تو زیادہ عزت والے، زیادہ ذلیل لوگوں کو اس سے نکال دیں گے۔

جیسا کہ غزوہ بنو مصطلق کے ذکر میں آئے گا۔ (انشاء اللہ تعالیٰ)

غزوات

جہاد کی اجازت

اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو جہاد کی اجازت عطا فرمائی۔ امام زہری فرماتے ہیں: جہاد کی اجازت کے سلسلے میں سب سے پہلے یہ آیت نازل ہوئی:

اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرُ ۔(الحج: ۳۹)

ان لوگوں کو جن سے لڑائی لڑی جاتی ہے (جہاد کی) اجازت دی جاتی ہے کیونکہ ان پر ظلم کیا گیا اور بے شک اللہ تعالیٰ ان کی مدد پر قادر ہے۔

اسے امام نسائی نے صحیح سند کے ساتھ نقل کیا۔(فتح الباری شرح بخاری جلد ۸ ص ۲۱۸)

ابو حیان نے اپنی تفسیر "بحر" میں فرمایا کہ جس چیز کی اجازت دی گئی وہ محذوف ہے یعنی جہاد کیونکہ لفظ "یقاتلون" اس پر دلالت کرتا ہے اور اجازت کی وجہ یوں بیان فرمائی کہ ان (مسلمانوں) پر ظلم کیا گیا۔ وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے کوئی مضروب ہوتا تو کوئی زخمی۔ آپ ان سے فرماتے: صبر کرو کیونکہ مجھے لڑنے کا حکم نہیں دیا گیا حتیٰ کہ آپ نے ہجرت فرمائی تو جہاد کا حکم دیا گیا اور یہ (حکم) ستر سے زائد آیات میں ہے' جب کہ پہلے منع کیا گیا تھا۔(تفسیر البحر المحیط جلد ۶ ص ۳۷۴)

ابن حیان کے علاوہ حضرات نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے اس وقت جہاد کو جائز قرار دیا جو اس کے لیے مناسب وقت تھا کیونکہ مکہ مکرمہ میں مشرکین تعداد میں زیادہ تھے۔ اگر مسلمانوں کو حکم دیا جاتا جبکہ وہ تعداد میں تھوڑے تھے کہ باغیوں سے لڑو تو ان کے لیے باعث مشقت ہوتا جب مشرکین نے بغاوت کی راہ اختیار کی اور ان (مسلمانوں) کو اپنے درمیان سے نکلنے پر مجبور کیا اور ان کو قتل کرنے کا ارادہ کیا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ میں ٹھہر گئے اور صحابہ کرام بھی وہاں اکٹھے ہوئے اور آپ کی مدد کے لیے کھڑے ہوئے۔ مدینہ طیبہ دار الاسلام اور ان لوگوں کی پناہ گاہ بن گیا تو اللہ تعالیٰ نے دشمن کے خلاف جہاد کی اجازت دی' چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے لشکر بھیجے اور غزوات اور سرایا وقوع پذیر ہوئے۔

(غزوات وہ لڑائیاں جن میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم خود شریک ہوئے اور سریہ (جس کی جمع سرایا ہے) وہ لڑائیاں جن میں آپ خود شریک نہیں ہوئے) آپ خود بھی اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی کفار سے جہاد کیا حتیٰ کہ لوگ اللہ کے دین میں فوج در فوج داخل ہونے لگے۔

غزوات اور سرایا کی تعداد

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوات جن میں آپ خود تشریف لے گئے، ستائیس ہیں۔ ان میں سے نو میں آپ نے بہ نفس نفیس قتال فرمایا اور وہ بدر، احد، مریسیع، خندق، قریظہ، خیبر، فتح مکہ، حنین اور طائف ہیں۔ (طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۶) اور یہ ان لوگوں کے قول کے مطابق ہے جو کہتے ہیں کہ مکہ مکرمہ بزور طاقت فتح ہوا (دشمن نے مزاحمت کی)۔

اور آپ کے سرایا (سریہ کی جمع) جن میں آپ نے لشکر بھیجا (اور خود تشریف نہیں لے گئے) سینتالیس ہیں۔ یہ بھی کہا گیا کہ بنو نضیر کے ساتھ لڑائی میں آپ بھی لڑے تھے۔ (طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۶)

سریہ کا معنی اور دوسری اصطلاحات

فتح الباری میں بتایا کہ (سین پر زبر راء کے نیچے زیر اور یاء مشدد ہے) "سریہ" رات کے وقت جانے اور "ساریہ" دن کے وقت نکلنے کے لیے بولا جاتا ہے۔

وہ فرماتے ہیں سریہ کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اس میں (لشکر کا) جانا پوشیدہ ہوتا ہے اور اس معنی کا تقاضا یہ ہے کہ یہ لفظ "سر" سے مشتق ہو اور یہ بات صحیح نہیں کیونکہ اس کے مادہ میں اختلاف ہے۔

اور یہ "سریہ" لشکر کا ایک حصہ ہوتا ہے جو اس (لشکر) سے نکلتا ہے اور اسی میں واپس آتا ہے۔ ان کی تعداد ایک سو سے پانچ سو تک ہوتی ہے اور پانچ سو سے زیادہ کو منسر کہا جاتا ہے۔ اگر آٹھ سو سے بڑھ جائے تو اسے جیش کہتے ہیں۔ چار ہزار سے زیادہ ہو تو اسے جحفل کہا جاتا ہے اور خمیس بہت بڑے لشکر کو کہتے ہیں۔ سریہ سے جو جدا ہو، اسے بعث کہا جاتا ہے اور کتیبہ وہ ہے، جو جمع رہے، منتشر نہ ہو۔ (فتح الباری شرح صحیح بخاری جلد ۸ ص ۴۵)

سریۂ حمزہ (رضی اللہ عنہ)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے (ہجرت کے) سات ماہ بعد ماہ رمضان المبارک میں جو لشکر (بعث) بھیجا وہ سریہ حمزہ ہے۔ بعض کہتے ہیں دوسرے سال ربیع الاول شریف میں بھیجا۔ اس میں آپ نے اپنے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو تیس مہاجرین کا امیر بنا کر بھیجا تھا۔ کہا گیا ہے کہ وہ انصار میں سے تھے لیکن یہ بات محل نظر ہے کیونکہ آپ نے غزوہ بدر سے پہلے انصار میں سے کسی کو نہیں بھیجا کیونکہ انہوں نے یہ شرط رکھی تھی کہ ہم مدینہ طیبہ میں رہتے ہوئے آپ کا دفاع کریں گے۔

وہ قریش کے قافلے کو روکنے کے لیے نکلے تھے جس میں ابو جہل لعین بھی تھا۔ اس سے مقام عیص میں سمندر کے کنارے تین سو سواروں سمیت ملاقات ہوئی۔ جب دونوں لشکر آمنے سامنے ہوئے تو مجدی ابن عمرو جہنی درمیان میں حائل ہو گیا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے لیے سفید جھنڈا مقرر فرمایا تھا۔ (طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۶)

لواء اور رایہ

لواء وہ جھنڈا ہے جو لڑائی کے وقت اٹھایا جاتا ہے۔ اس سے جھنڈے والے کی جگہ کا پتا چلتا ہے، چنانچہ اسے بعض اوقات امیر لشکر خود اٹھاتا ہے اور کبھی مقدمۃ الجیش (آگے جانے والوں) کو دیتا ہے۔ اہل لغت نے واضح طور پر کہا کہ لواء اور رایہ دونوں کا ایک ہی معنی ہے، لیکن امام احمد اور امام ترمذی رحمہما اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا: کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا رایہ (جھنڈا) سیاہ تھا اور آپ کا لواء (جھنڈا) سفید تھا۔ طبرانی رحمہ اللہ نے اس کی مثل؛ حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا: ابن عدی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح نقل کیا لیکن اس میں یہ اضافہ ہے کہ اس میں "لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ" لکھا ہوا تھا۔

اس سے واضح ہوتا ہے کہ دونوں قسموں کے جھنڈوں میں فرق ہے۔ ہو سکتا ہے، ان میں عرف کے اعتبار سے فرق ہو۔

ابن اسحاق اور اسی طرح ابو الاسود نے حضرت عروہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہوئے ذکر کیا وہ فرماتے ہیں: کہ سب سے پہلے جھنڈوں (رایات) کا رواج خیبر کے دن ہوا۔ اس سے پہلے لوگ لواء کو ہی جانتے تھے۔

(فتح الباری شرح صحیح بخاری جلد ۷ ص ۳۶۵)

سریہ عبیدہ بن حارث رضی اللہ عنہ

پھر عبیدہ بن حارث رضی اللہ عنہ کا سریہ ہے جو شوال کے مہینے میں بطن رابغ کی طرف گیا۔ اس وقت ہجرت کے بعد آٹھ مہینے گزر چکے تھے، یہ ساٹھ افراد تھے، ان کے لیے سفید لواء (جھنڈا) مقرر کیا گیا جسے حضرت مسطح بن اثاثہ نے اٹھا رکھا تھا، ان کا سامنا ابو سفیان بن حرب سے ہوا جو مشرکین کے سالار تھے۔ کہا گیا کہ مکرز بن حفص اور کسی نے کہا ابو جہل کی سربراہی تھی اور ان کے لشکر کی تعداد دو سو تھی۔ (طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۷) ان دونوں لشکروں کے درمیان لڑائی نہیں ہوئی، البتہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے تیر پھینکا اور یہ اسلام میں پہلا تیر تھا جو پھینکا گیا۔ (السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد ۲ ص ۵۵)

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ جس طرح ہمیں خبر پہنچی ہے، عبیدہ کا جھنڈا اسلام میں پہلا جھنڈا تھا جو مقرر ہوا۔ بعض کہتے ہیں کہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا جھنڈا پہلا جھنڈا تھا۔ وہ فرماتے ہیں ان کا معاملہ مشتبہ ہو گیا کیونکہ حضور علیہ السلام نے دونوں کو اکٹھا روانہ کیا تھا اس لیے لوگوں پر بات مشتبہ ہو گئی۔ (السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد ۲ ص ۵۶)

لیکن اس پر اعتراض ہوتا ہے کہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو سات ماہ کے بعد بھیجا گیا تھا، البتہ یہ احتمال ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کے جھنڈے اکٹھے قائم فرمائے ہوں، پھر حضرت عبیدہ کا جانا آٹھویں مہینے تک کسی وجہ سے موخر ہو گیا۔ واللہ اعلم

سریہ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ

پھر حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا سریہ ہے جو خرار کی طرف بھیجا گیا۔ خرار، حجاز میں ایک وادی ہے جو جحفہ میں جا گرتی ہے اور یہ ہجرت کے نو مہینے بعد ذی قعدہ میں روانہ ہوا اور اس کے لیے سفید جھنڈا قائم ہوا جسے حضرت مقداد بن عمرو رضی اللہ عنہ نے اٹھا رکھا تھا اور یہ بیس مجاہدین تھے۔ یہ سریہ قریش کے (تجارتی) قافلہ کو روکنے کی غرض سے گیا تھا۔ وہ ان کے پیچھے گئے اور پانچ تاریخ کی صبح کو مطلوبہ مقام پر پہنچے لیکن قافلہ ایک روز قبل وہاں سے گزر چکا تھا۔

پہلا غزوہ (ودان)

پھر غزوۂ ودان واقع ہوا اور یہ غزوۂ ابواء ہے۔ یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا پہلا غزوہ تھا جس طرح ابن اسحاق وغیرہ نے ذکر کیا ہے اور صحیح بخاری میں ہے کہ پہلا غزوہ (غزوہ) ابواء ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ تشریف آوری کے بارہ مہینے گزرنے پر صفر کے مہینے میں تشریف لے گئے۔ آپ کے ساتھ ساٹھ افراد تھے اور آپ قریش کا ارادہ رکھتے تھے۔ جھنڈا حضرت حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کے پاس تھا۔

پس اس بات پر صلح ہوگئی کہ بنو ضمرہ حضور علیہ السلام کے خلاف نہ تو جنگ کریں گے اور نہ زیادہ لوگوں کو جمع کریں گے اور نہ ہی آپ کے خلاف دشمنوں کی مدد کریں گے۔ (فتح الباری شرح صحیح بخاری جلد ۸ ص ۲۱۷)

(اس دوران) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کو مدینہ طیبہ کا عامل مقرر فرمایا۔

ابن اسحاق اور امام بخاری دونوں کے نقل کرنے میں کوئی اختلاف نہیں کیونکہ ابواء اور ودان دو مقام ہیں جو ایک دوسرے کے قریب ہیں۔ ان کے درمیان چھ یا آٹھ میل کا فاصلہ ہے۔

(فتح الباری شرح صحیح بخاری جلد ۸ ص ۲۱۷)

غزوۂ بواط

اس کے بعد غزوۂ بواط ہے۔ باء پر زبر ہے بعض اوقات پیش بھی آتی ہے (بواط) واؤ پر تشدید نہیں اور آخر میں طاء ہے، (نقطے کے بغیر) یہ دوسرا غزوہ ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کے تیرہ مہینے بعد ربیع الاول شریف میں اس کے لیے تشریف لے گئے حتیٰ کہ آپ رضوئی کے مقام پر پہنچے۔ آپ کے ساتھ دو سو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تھے اور قریش کے قافلے کو روکنا مقصود تھا جس میں امیہ بن خلف جمحی بھی تھا۔ (اس دوران) آپ نے حضرت سائب بن عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کو مدینہ طیبہ کا عامل بنایا۔ (فتح الباری شرح بخاری جلد ۸ ص ۲۱۸)

آپ یوں واپس تشریف لائے کہ دشمن کا کید (مکر) نہیں پایا یعنی لڑائی نہیں ہوئی۔ ابن اثیر (حافظ عزالدین

ابوالحسن علی بن ابی الکریم) فرماتے ہیں: کید کا معنی حیلہ اور کوشش ہے۔ اسی وجہ سے لڑائی کو کید (مکر) کہا گیا۔
(السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد ۳ ص ۵۷)

غزوہ عُشَیرَہ

اس کے بعد غزوہ عشیرہ ہے، یہ لفظ عُشَیْرُہ ہے (اسم تصغیر کا صیغہ) اس سلسلے میں غزوات کا ذکر کرنے والے مورخین کے درمیان کوئی اختلاف نہیں۔ صحیح بخاری میں العشیراء یا العسیرہ ہے۔ پہلا شین کے ساتھ ہاء کے بغیر ہے اور دوسرا سین اور ہاء کے ساتھ ہے۔ جہاں تک غزوہ عسرہ کا تعلق ہے تو وہ غزوہ تبوک ہے۔ انشاء اللہ اس کا بیان آگے آئے گا۔

یہ غزوہ (غزوہ عشیرہ) ایک جگہ سے منسوب ہے جہاں صحابہ کرام رضی اللہ عنھم پہنچے اور یہ جگہ ینبع میں بنومدلج کا ٹھکانہ ہے۔ (فتح الباری شرح بخاری جلد ۸ ص ۲۱۹)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم یکم جمادی الاولیٰ کو تشریف لے گئے تھے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ جمادی الاخریٰ میں تشریف لے گئے۔ اس وقت ہجرت کے بعد سولہ مہینے گزر چکے تھے اور لشکر کی تعداد ایک سو پچاس تھی۔ بعض نے کہا دو سو افراد تھے اور ان کے ساتھ تیس اونٹ تھے۔ وہ ان پر باری باری سوار ہوتے تھے، سفید جھنڈا تھا جو حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اٹھا رکھا تھا۔ اس غزوہ کا مقصد بھی قریش کے قافلے کو روکنا تھا جو تجارت کی غرض سے مکہ مکرمہ سے شام کی طرف جا رہا تھا۔ آپ اس لئے تشریف لے گئے کہ غنیمت حاصل کریں لیکن وہ قافلہ گزر گیا تھا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کنانہ کے قبیلہ بنومدلج سے مصالحت کی، ابن اسحاق کے علاوہ حضرات نے اس معاہدہ مصالحت کو یوں ذکر کیا ہے:

بسم اللہ الرحمن الرحیم ھذا کتاب من محمد رسول اللہ لبنی ضمرۃ فانھم امنون علی اموالھم وانفسھم وان لھم النصر علی من رامھم ان لایحاربوا فی دین اللہ مابل بحر صوفہ وان النبی اذا دعاھم لنصر اجابوہ علیھم بذلک ذمۃ اللہ ورسولہ۔ (سیرت ابن ہشام ج ۲ ص ۵۸)

یہ تحریر ہے محمد رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے بنوضمرہ کے لئے کہ بے شک ان کو ان کے مالوں اور جانوں کے اعتبار سے امن ملے گا اور جو شخص برائی کے ساتھ ان کا قصد کرے گا اس کے خلاف ان کی مدد کی جائے گی۔ اس شرط پر کہ وہ اللہ تعالیٰ کے دین کی مخالفت نہیں کریں گے جب تک بحر صوفہ کا پانی تر رہے گا اور جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کو مدد کے لئے بلائیں گے تو وہ حاضر ہوں گے۔ اس پر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کا ذمہ ہے۔

ابن ہشام کہتے ہیں: (اس موقع پر) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو سلمہ بن عبدالاسد کو مدینہ طیبہ کا عامل مقرر فرمایا۔ (السیرۃ النبویہ ابن ہشام جلد ۲ ص ۵۷)

پہلا غزوۂ بدر

اس کے بعد پہلا غزوۂ بدر ہے۔ ابن اسحاق کہتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب غزوہ عشیرہ سے واپس تشریف لائے تو صرف چند راتیں ٹھہرے۔ ابن حزم کہتے ہیں: عشیرہ کے بعد دس دن ٹھہرے، حتی کہ کرز بن جابر فہری نے مدینہ طیبہ کے ان جانوروں کو لوٹ لیا، جو چرنے کے لئے چھوڑے گئے تھے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس کے تعاقب میں تشریف لے گئے، حتی کہ سفوان تک جا پہنچے (یہ جگہ جو بدر کے قریب ہے) لیکن کرز بن جابر نکل چکا تھا۔ اس غزوہ کو پہلے غزوۂ بدر نام دیا گیا ہے۔ (السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد ۲ ص ۵۸) ابن ہشام کہتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے (اس موقع پر) مدینہ طیبہ کا عامل حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو مقرر فرمایا تھا اور جھنڈا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اٹھا رکھا تھا۔ (طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۹)

سریہ عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ

پھر امیر المومنین[1] حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کا سریہ ہے جو ہجرت کے سترہ مہینے بعد رجب کے مہینے میں ہوا اور ان کے ساتھ آٹھ یا بارہ مہاجرین تھے۔ یہ نخلہ کی طرف تشریف لے گئے جو کہ مکہ مکرمہ سے ایک رات کے فاصلے پر ہے اور قریش کا انتظار کرنے لگے، چنانچہ ان کا قافلہ ان کے قریب سے گزرا جن کے پاس میوہ اور چمڑا تھا جو طائف سے لائے تھے، ان میں عمرو بن حضرمی تھا۔ مسلمانوں نے باہم مشورہ کرتے ہوئے کہا کہ رجب کا آخری دن ہے، اگر ہم ان کو قتل کرتے ہیں تو اس مہینے کی حرمت کو توڑنے والے ہوں گے اور اگر آج رات چھوڑ دیتے ہیں تو یہ مکہ مکرمہ میں داخل ہو جائیں گے، چنانچہ انھوں نے ان کے قتل پر اتفاق کیا۔

پس عمرو کو قتل کر ڈالا اور عثمان بن عبداللہ اور حکم بن کیسان کو قیدی بنا لیا اور جو بھاگ گیا وہ بھاگ گیا۔ یہ لوگ ان کے اونٹوں کو ہانک لائے اور یہ اسلام میں پہلی غنیمت تھی۔ ابن جحش رضی اللہ عنہ نے اسے تقسیم کیا اور پانچواں حصہ (خمس) الگ کیا حالانکہ ابھی وہ فرض نہیں ہوا تھا، یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وہ پوری غنیمت مدینہ طیبہ لائے تھے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے تمہیں عزت والے مہینے میں لڑنے کا حکم نہیں دیا تھا۔ چنانچہ آپ نے دونوں قیدیوں اور مال غنیمت میں توقف فرمایا، حتی کہ آپ بدر سے واپس لوٹے تو اس کی غنیمتوں کے ساتھ اس کو بھی تقسیم کیا۔ (السیرۃ النبویہ عیون الاثر جلد اول ص ۳۰۳) قریش آپس میں کہنے لگے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے حرمت والے مہینے (رجب المرجب) میں خون بہایا اور مال لیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی:

---

[1] معمری کہتے ہیں اس سریہ میں حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کو امیر المومنین کہا گیا اور دوسرے حضرات فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو امیر المومنین قرار دیا تو اسلام میں سب سے پہلے ان کو امیر المومنین کہا گیا۔

يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيْهِ قُلْ قِتَالٌ فِيْهِ كَبِيْرٌ وَصَدٌّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَكُفْرٌ بِهٖ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَاِخْرَاجُ اَهْلِهٖ مِنْهُ اَكْبَرُ عِنْدَ اللّٰهِ۔

(البقرۃ: ۲۱۷)

اور آپ سے عزت والے مہینے میں لڑنے کے بارے میں پوچھتے ہیں۔ آپ فرمادیں اس میں لڑنا بڑا گناہ ہے اور اللہ کی راہ سے روکنا اور اس پر ایمان نہ لانا اور مسجد حرام سے روکنا اور اس کے بسنے والوں کو نکال دینا اللہ کے نزدیک یہ گناہ اس سے بھی بڑے ہیں۔

اور اسی سلسلے میں حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔

تعدون قتلا فی الحرام عظیمة — واعظم منه لویری ذاک راشد
صدودکم عما یقول محمد — وکفر به والله راء وشاهد
سقینا من ابن الحضرمی رماحنا — بنخلة لما اوقد الحرب واقد

"تم لوگ عزت والے مہینے میں قتل کو بڑی بات سمجھتے ہو اور تمہارا فعل اس سے بڑا ہے اگر کوئی صاحب رشد وہدایت اسے دیکھے"۔

"تمہارا اس کام سے رک جانا جس کا حکم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم دیتے ہیں اور ان کا انکار کرنا اور اللہ تعالیٰ دیکھنے والا اور شاہد ہے"۔

"ہم نے ابن حضرمی کے خون سے اپنے نیزوں کو سیراب کیا جب مقام نخلہ میں آگ بھڑکانے والے نے جنگ کی آگ بھڑکائی"۔

اور قریش نے اپنے دو قیدیوں عثمان بن عبداللہ اور حکم بن کیسان کو چھڑانے کے لئے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں فدیہ بھیجا تو آپ نے ان کا فدیہ لے کر چھوڑ دیا۔ حکم بن کیسان نے اسلام قبول کرلیا اور حضور علیہ السلام کی خدمت میں رہے حتیٰ کہ بیر معونہ والے دن شہید کردیئے گئے اور عثمان مکہ مکرمہ چلا گیا اور وہیں حالت کفر میں مرگیا۔ (السیرۃ النبویہ (عیون الاثر) جلد اول ص ۳۰۲)

قبلہ کی تبدیلی

اس کے بعد کعبہ شریف کو قبلہ بنایا گیا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ میں سولہ مہینے تک بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے رہے۔ (صحیح مسلم جلد اول ص ۲۰۰ کتاب المساجد، سنن نسائی جلد اول ص ۸۶) بعض نے کہا سترہ ماہ۔ (کشف الاستار عن زوائد البزار جلد اول ص ۲۱۰) (جیسا کہ امام بزار اور طبرانی نے ذکر کیا) اور ایک قول اٹھارہ مہینے کا ہے، (جیسا کہ ابن ماجہ نے ذکر کیا) (سنن ابن ماجہ ص ۷۲) حربی فرماتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ربیع الاول شریف میں مدینہ طیبہ تشریف لائے تو آپ نے ایک سال مکمل اور دوسرے سال کے چھ ماہ بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھی پھر قبلہ تبدیل کردیا گیا۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ تحویل قبلہ کا واقعہ جمادی میں ہوا، یہ بھی کہا گیا کہ یہ واقعہ نصف شعبان کو منگل کے دن

ہوا اور بعض نے کہا نصف رجب کو سوموار کے دن ہوا۔

صحیح بخاری میں حضرت براء رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ عصر کی نماز تھی۔ (صحیح بخاری جلد اول ص ۵۷ کتاب الصلوۃ) جبکہ سعید بن معلّی کی روایت جو امام نسائی نے نقل کی ہے اس کے مطابق ظہر کا وقت تھا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو سلمہ میں بشر بن براء بن معرور کی وفات کے موقع پر ظہر کی نماز پڑھی اور مسجد نبوی میں عصر کی نماز ادا فرمائی اس لئے دونوں قول پائے جاتے ہیں۔ زرقانی جلد اول ص ۴۰۰) لیکن اہل قباء کو دوسرے دن صبح کی نماز تک پتہ نہ چلا جیسا کہ صحیحین میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے فرماتے ہیں قباء میں لوگ صبح کی نماز میں تھے کہ ایک آنے والا آیا اس نے کہا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے کہ کعبہ شریف کی طرف رخ کیا جائے۔ لہٰذا ادھر منہ پھیر لو۔ اس وقت ان کا رخ شام کی طرف تھا تو وہ کعبہ شریف کی طرف پھر گئے۔ (صحیح بخاری جلد اول ص ۵۸ کتاب الصلوۃ صحیح مسلم جلد اول ص ۲۰۰ کتاب المساجد) اس میں اس بات پر دلیل موجود ہے کہ ناسخ کا حکم اس وقت لازم ہوتا ہے جب اس کا علم ہو جائے اگرچہ اس کا نزول پہلے ہو چکا ہو کیونکہ ان کو عصر، مغرب اور عشاء کی نمازیں لوٹانے کا حکم نہیں دیا گیا اور اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

طبری نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت فرمائی اور وہاں کی اکثر آبادی جو یہودیوں پر مشتمل تھی وہ لوگ بیت المقدس کی طرف رخ کرتے تھے اس لیے اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس کی طرف منہ پھیرنے کا حکم دیا۔ پس یہودی خوش ہو گئے چنانچہ سترہ مہینے تک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ادھر ہی رخ کرتے تھے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم چاہتے تھے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قبلہ کی طرف منہ کریں چنانچہ آپ دعا مانگتے اور آسمان کی طرف دیکھتے۔ پس آیت نازل ہوئی:

قَدۡ نَرٰی تَقَلُّبَ وَجۡهِكَ فِی السَّمَآءِ ۚ فَلَنُوَلِّیَنَّكَ قِبۡلَةً تَرۡضٰىهَا ۪ فَوَلِّ وَجۡهَكَ شَطۡرَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ ؕ

ہم دیکھ رہے ہیں بار بار تمہارا آسمان کی طرف منہ کرنا تو ضرور ہم تمہیں پھیر دیں گے اس قبلہ کی طرف جس میں تمہاری خوشی ہے ابھی اپنا منہ پھیر دو مسجد حرام کی طرف۔ (البقرۃ: ۱۴۴)

فتح الباری میں ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ بیت المقدس کی طرف رخ کرنا ہجرت مدینہ کے بعد ہوا۔ لیکن امام احمد رحمہ اللہ نے ایک اور طریق سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ میں بیت المقدس کی طرف رخ کرتے تھے اور کعبہ شریف آپ کے سامنے ہوتا تھا۔ ان دونوں حدیثوں کو جمع کرنا ممکن ہے۔ وہ اس طرح کہ جب آپ نے ہجرت فرمائی تو آپ کو بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنے پر برقرار رکھا گیا۔

طبری نے ابن جریج رحمہ اللہ کے طریق سے یہ بھی روایت کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم شروع میں کعبہ شریف کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے تھے پھر مکہ مکرمہ میں ہی آپ کو بیت المقدس کی طرف پھیرا گیا۔ چنانچہ تین سال تک آپ نے اسی طرح نماز پڑھی پھر ہجرت فرمائی اور مدینہ طیبہ آنے کے بعد بھی سولہ مہینے تک ادھر ہی

رخ کر کے نماز پڑھتے رہے پھر کعبہ شریف کی طرف رخ پھیرنے کا حکم دیا گیا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پہلے قول میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا تو یہ الفاظ اس شخص کے قول کو رد کرتے ہیں جو کہتا ہے کہ آپ نے اجتہاد کرتے ہوئے بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھی۔
(فتح الباری شرح صحیح بخاری جلد اول ص ۴۲۱)

حضرت ابو العالیہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل کتاب کے دلوں کو نرم کرنے کے لئے بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھی اور یہ اس بات کی نفی نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو آگاہ کیا۔ (یعنی وحی کی نفی نہیں) (فتح الباری شرح صحیح بخاری جلد اول ص ۴۲۱)

مسجد قبلتین

تبدیلی قبلہ کے وقت آپ جس مسجد میں نماز پڑھ رہے تھے اس میں اختلاف ہے۔ طبقات ابن سعد میں ہے کہ آپ نے ظہر کی دو رکعتیں صحابہ کرام کو اپنی مسجد (مسجد نبوی) میں پڑھائیں پھر حکم ہوا کہ مسجد حرام کی طرف متوجہ ہو جائیں تو آپ اس طرف پھر گئے اور مسلمان (نمازی) بھی آپ کے ساتھ پھر گئے۔

اور کہا جاتا ہے کہ آپ بشر بن براء بن معرور رضی اللہ عنہ کی والدہ سے ملاقات کے لئے بنو سلمہ کے ہاں تشریف لے گئے تھے۔ انہوں نے آپ کے لئے کھانا تیار کیا اور ظہر کا وقت ہوا تو آپ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو دو رکعتیں پڑھائیں۔ پھر حکم دیا گیا تو آپ قبلہ شریف کی طرف پھر گئے اور میزاب (پرنالہ جو خانہ کعبہ کی چھت پر لگا ہوا ہے) کی طرف رخ کیا تو اسے مسجد قبلتین کہا گیا۔ ابن سعد کہتے ہیں واقدی نے کہا کہ: ہمارے نزدیک یہ بات زیادہ مضبوط (اور ثابت) ہے۔ (فتح الباری شرح صحیح بخاری جلد اول ص ۴۲۲، طبقات ابن سعد جلد اول ص ۲۴۱)

یہودیوں اور منافقوں کا موقف

اللہ تعالیٰ نے جب قبلہ بدل دیا تو بعض منافق، کفار اور یہودی شک کا شکار ہوئے اور راہ ہدایت سے بھٹکتے ہوئے انہوں نے کہا کہ آپ جس قبلہ پر تھے اس سے آپ کو کس نے پھیرا یعنی ان لوگوں کو کیا ہوا کہ کبھی اس طرف منہ کرتے ہیں اور کبھی اس طرف۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان کے جواب میں یہ آیت نازل فرمائی:

قُلْ لِّلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ۔ آپ فرما دیجئے مشرق اور مغرب اللہ ہی کے ہیں۔

اسی کا حکم اور تصرف ہے اور تمام کام اسی کے اختیار میں ہیں پس ہم جس طرف رخ کریں اطاعت تو اس کے حکم کو ماننے کا نام ہے اگر ہم روزانہ متعدد سمتوں کی طرف رخ کریں تو ہم اس کے بندے ہیں، لہٰذا وہ ہمیں جدھر پھیرے اس کے حکم کی تعمیل میں ہم ادھر ہی پھریں گے۔

اور اللہ تعالیٰ کا ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت پر بہت بڑا احسان ہے کہ ان کی اپنے خلیل علیہ السلام کے قبلہ کی طرف رہنمائی فرمائی۔

امام احمد نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہودی جس طرح تین باتوں پر ہم سے حسد کرتے ہیں اس طرح کسی دوسری بات پر حسد نہیں کرتے۔

ایک جمعہ المبارک کا دن کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی طرف ہماری رہنمائی فرمائی اور وہ اس سے بھٹک گئے اور دوسری بات قبلہ کہ اللہ تعالیٰ نے اس سلسلے ہماری رہنمائی فرمائی اور وہ اس سے بھٹک گئے اور تیسری بات امام کے پیچھے ہمارا آمین کہنا ہے۔[ا] (مسند امام احمد جلد ۶ ص ۱۳۵)

قرآنی جواب

بعض مومنوں نے کہا کہ جو نمازیں ہم بیت المقدس کی طرف رخ کر کے پڑھ چکے ہیں اور اسی طرح ہمارے وہ بھائی جو بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے تھے ان کی ان نمازوں کا کیا ہوگا؟ تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيعَ إِيمَانَكُمْ۔ (البقرہ: ۱۴۳)

اور اللہ تعالیٰ تمہارے ایمان (نمازوں) کو ضائع نہیں کرے گا۔

(چونکہ اس وقت تمہارے لئے بیت المقدس ہی قبلہ تھا لہٰذا وہ نمازیں درست ہیں)

کہا گیا ہے کہ یہودیوں نے کہا، محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اپنے باپ کے شہر کا شوق پیدا ہوا اور وہ اپنی قوم کو راضی کرنا چاہتے ہیں۔ اگر وہ ہمارے قبلہ پر قائم رہتے تو ہم امید کرتے کہ یہ وہی نبی ہیں جن کے ہم منتظر تھے کہ وہ تشریف لائیں گے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

إِنَّ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ لَيَعْلَمُونَ أَنَّهُ الْحَقُّ مِن رَّبِّهِمْ۔ (البقرہ: ۱۴۴)

بے شک وہ لوگ جن کو کتاب دی گئی، البتہ وہ جانتے ہیں کہ یہی حق ہے ان کے رب کی طرف سے۔

یہودی جو کعبہ کی طرف تمہارے پھر جانے اور بیت المقدس کی طرف رخ نہ کرنے پر اعتراض کرتے ہیں وہ جانتے ہیں کہ عنقریب اللہ تعالیٰ ان کو اس طرف پھیرے گا کیونکہ ان کی کتابوں میں ان کے انبیاء کرام سے یہ بات منقول ہے۔

رمضان المبارک کے روزوں کی فرضیت اور صدقۂ فطر کا وجوب

کعبہ شریف کو قبلہ قرار دینے کے ایک ماہ بعد اللہ تعالیٰ نے ماہ رمضان کے روزے فرض کئے۔ یہ شعبان المعظم کی بات ہے، جب کہ ہجرت مدینہ کو اٹھارہ ماہ گزر چکے تھے اور عید الفطر سے دو دن پہلے صدقۂ فطر واجب فرمایا

[ا] نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہم (دنیا میں وجود کے اعتبار سے) سب سے آخری اور قیامت کے دن سب سے پہلے (جنت میں داخل) ہوں گے۔ البتہ ان کو کتاب پہلے دی گئی اور ہمیں بعد میں دی گئی پھر یہ دن (جمعہ) ہم پر فرض کیا گیا تو انہوں نے اس سے اختلاف کیا اور اللہ تعالیٰ نے اس کی طرف ہماری رہنمائی فرمائی۔ (مشکوۃ شریف ص ۱۱۹) ۱۲ ہزاروی۔

کہ چھوٹے بڑے آزاد غلام مذکر اور مونث سب کی طرف سے ایک صاع کھجور یا ایک صاع منقیٰ یا ایک صاع جو یا نصف صاع گندم (فی کس کے حساب سے) دی جائے[1] اور ابھی مالوں کی زکوٰۃ فرض نہ ہوئی تھی، یہ بھی کہا گیا ہے کہ مالوں پر زکوٰۃ فرض ہو چکی تھی یہ بھی قول ہے کہ زکوٰۃ ہجرت سے پہلے فرض ہو چکی تھی۔

(طبقات ابن سعد جلد اول ص ۲۴۸)

غزوۂ بدر کبریٰ

اس کے بعد غزوۂ بدر کبریٰ واقع ہوا اسے غزوہ عظمیٰ، غزوہ بدر ثانیہ اور بدر القتال بھی کہتے ہیں۔
بدر ایک مشہور بستی ہے جو بدر بن یخلد بن نضر بن کنانہ سے منسوب ہے جو وہاں اترا تھا۔ کہا گیا ہے کہ یہ بدر بن حارث تھا جس نے بدر کا کنواں کھودا تھا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ بدر کنویں کا نام ہے جسے گول ہونے کی وجہ سے بدر کہا گیا ہے یا اس کا پانی اس قدر صاف تھا کہ اس میں چاند نظر آتا تھا (اور بدر پورے چاند کو کہتے ہیں)۔

غزوۂ بدر کی فضیلت

ابن کثیر کہتے ہیں کہ یہ یوم الفرقان ہے، جس دن اللہ تعالیٰ نے اسلام اور مسلمانوں کو غلبہ اور اعزاز عطا فرمایا اور اس میں شرک و کفر کے دماغ کی ہڈی توڑ دی اور اس کا محل ویران ہو گیا حالانکہ مسلمانوں کی تعداد کم اور دشمن زیادہ تھے اور اس کے ساتھ ساتھ ان کی زرہیں بڑی بڑی تھیں، تیاریاں مکمل، نشان زدہ (عمدہ) گھوڑے اور زائد لشکر تھے تو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو غلبہ عطا فرما کر ان پر نازل ہونے والی وحی کو ظاہر و واضح فرمایا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے قبیلہ کا چہرہ روشن کیا جب کہ شیطان اور اس کے لشکر کو ذلیل و رسوا کیا اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں اور متقی لوگوں کی جماعت پر احسان جتاتے ہوئے فرمایا:

وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ۔ اور تحقیق اللہ تعالیٰ نے (میدان) بدر میں تمہاری مدد فرمائی حالانکہ تم بے سرو سامان تھے۔ (آل عمران: ۱۲۳)

تمہاری تعداد کم تھی تاکہ تم جان لو کہ مدد تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے۔ کثرت تعداد کی وجہ سے نہیں۔ (تفسیر ابن کثیر جلد اول ص ۴۰۰) یہ غزوہ اسلامی غزوات میں سے سب سے بڑا غزوہ ہے کیونکہ اس سے اسلام کا ظہور ہوا اور اس کے وقوع کے بعد نور اسلام آفاق میں چمکا اور اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے کفار کو ذلیل کیا اور جو مسلمان وہاں حاضر تھے ان کو عزت بخشی اور وہ مسلمان اللہ تعالیٰ کے ہاں ابرار (مقربین) میں شمار ہوتے ہیں۔[2]

---

[1] صدقہ فطر جو، کھجوروں اور منقیٰ وغیرہ سے چار کلو اور گندم سے دو کلو دیا جائے کیونکہ ایک صاع چار کلو کے برابر ہے۔ ۱۲ ہزاروی۔

[2] صحیح بخاری میں ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے اہل بدر کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا جو عمل چاہو کرو تمہارے لئے جنت واجب ہو گئی ہے یا (فرمایا) میں نے تمہیں بخش دیا ہے۔ (صحیح بخاری جلد اول، کتاب المغازی)

معلومات عامہ

مسلمان ہجرت کے انیس ماہ بعد ہفتہ کے دن جب کہ رمضان المبارک کے بارہ دن گزر چکے تھے، روانہ ہوئے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ رمضان المبارک کے آٹھ دن گزرے تھے، یہ ابن ہشام کا قول ہے۔ اس دوران نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابولبابہ انصاری رضی اللہ عنہ کو اپنا خلیفہ بنایا۔ (آپ کو مقام روحاء سے واپس کیا تھا)

اس غزوہ میں انصار بھی آپ کے ساتھ نکلے جبکہ اس سے پہلے وہ آپ کے ساتھ نہیں گئے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جانے والوں کی تعداد تین سو پانچ تھی اور آٹھ حضرات شریک نہیں ہوئے۔ البتہ ان کے لئے مال غنیمت سے حصہ مقرر کیا گیا اور ثواب بھی۔ گویا وہ بھی حاضر ہونے والوں کی طرح تھے۔[1]

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تین گھوڑے تھے۔ "مرجہ" یہ حضرت مقداد رضی اللہ عنہ کا گھوڑا تھا، "یعسوب" یہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کا گھوڑا تھا اور ایک گھوڑا حضرت مرثد غنوی رضی اللہ عنہ کا تھا۔ اس روز ان تینوں کے علاوہ کوئی گھوڑا نہ تھا جب کہ اونٹوں کی تعداد ستر تھی۔[2]

اور مشرکین ایک ہزار تھے۔ (صحیح مسلم جلد ۲ ص ۹۳) کہا جاتا ہے کہ وہ نو سو پچاس مرد تھے، جن کے ساتھ ایک سو گھوڑے اور سات سو اونٹ تھے۔ (فتح الباری شرح بخاری جلد ۷ ص ۲۲) اور لڑائی سترہ رمضان المبارک کو جمعہ کے دن ہوئی۔ یہ بھی کہا گیا کہ سوموار کا دن تھا اور اس کے علاوہ اقوال بھی ہیں۔

غزوۂ بدر کا سبب

اس غزوہ کا مسلمانوں نے نہ تو ارادہ کیا تھا اور نہ اسکے لیے کوئی وقت مقرر ہوا تھا۔ جیسے ارشاد خداوندی ہے:

---

[1] یہ آٹھ افراد درج ذیل تھے:
حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ اپنی زوجہ بنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کی بیماری کی وجہ سے رک گئے۔ حضرت طلحہ بن عبید اللہ اور سعید بن زید رضی اللہ عنہما دونوں قافلہ قریش کی اطلاع حاصل کرنے گئے تھے۔ حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کو مدینہ طیبہ میں نیابت سونپی گئی تھی۔ حضرت عاصم بن عدی رضی اللہ عنہ عالیہ والوں پر مقرر تھے۔ حارث بن حاطب رضی اللہ عنہ بنو عمرو بن عوف پر مقرر تھے۔ حارث بن صمہ رضی اللہ عنہ راستے میں گر گئے تھے تو ان کو واپس کر دیا۔ حضرت خوات بن جبیر رضی اللہ عنہ کی پنڈلی پر پتھر لگا تو صفراء سے ان کو واپس کر دیا گیا۔ (طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۱۲) ۱۲ ہزاروی۔

[2] ابن سعد نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں بدر کے دن ہم تین تین آدمی اونٹ پر باری باری سوار ہوتے تھے۔ حضرت ابولبابہ واپسی سے پہلے اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ، حضور علیہ السلام کے ساتھ شریک تھے۔ حضور علیہ السلام کی (اترنے کی) باری ہوتی تو یہ دونوں عرض کرتے آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف رکھیں، ہم پیدل چلیں گے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے نہ تو تم مجھ سے زیادہ چلنے پر قادر ہو اور نہ میں تمہارے مقابلے میں ثواب سے زیادہ بے نیاز ہوں۔ (طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۲۱) ۱۲ ہزاروی۔

وَلَوْ تَوَاعَدْتُّمْ لَا خْتَلَفْتُمْ فِی الْمِیْعَادِ وَلٰکِنْ لِّیَقْضِیَ اللّٰهُ اَمْرًا کَانَ مَفْعُوْلًا۔ (الانفال: ۴۲)

اور اگر تم آپس میں معاہدہ کرتے تو اس کے وقت میں اختلاف کرتے لیکن یہ کہ اللہ تعالیٰ فیصلہ فرمادے اس کام کا جس نے ہو کر رہنا ہے۔

مسلمانوں کا ارادہ تو قریش کے قافلے کو روکنا تھا کیونکہ ابو سفیان تیس سواروں کے ساتھ شام میں تھے، جن میں عمرو بن عاصی بھی تھا۔ وہ ایک بہت بڑے قافلہ میں آئے جس میں قریش کے اموال تھے، جب بدر کے قریب پہنچے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر ہوئی۔ آپ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بلا کر بتایا کہ دشمن کے پاس مال زیادہ ہے، تعداد کم ہے اور فرمایا یہ قریش کا قافلہ ہے جس کے پاس مال ہے۔ لہٰذا ان کی طرف نکلو شاید اللہ تعالیٰ وہ مال تمہیں بطور غنیمت عطا فرمائے۔

جب ابو سفیان نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے روانہ ہونے کی خبر سنی تو ضمضم بن عمرو غفاری کو اجرت دے کر مکہ مکرمہ بھیجا کہ وہ قریش کے پاس جا کر ان کو کوچ کرنے کے لئے کہے اور ان کو خبر دے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ان کے قافلہ کے درپے ہیں اور ان کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی ساتھ ہیں۔

چنانچہ ایک ہزار کے قریب قریش اٹھے اور اشراف قریش میں سے کوئی بھی پیچھے نہ رہا سوائے ابو لہب کے۔ اس نے اپنی جگہ عاصی بن ہشام بن مغیرہ کو بھیجا۔ (یہ ابو جہل کا بھائی تھا اور یہ ابو لہب کا چار ہزار درہم کا مقروض تھا اور ادائیگی سے عاجز تھا اس لئے اس نے اسے اجرت پر بھیجا)

مشاورت

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ساتھ لے کر تشریف لے گئے تھے، جب مقام روحا میں پہنچے تو خبر ملی کہ قریش (مکہ مکرمہ سے) اپنے قافلے کی مدد کے لئے چل پڑے ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام سے مشورہ کیا کہ قافلے کو تلاش کرنا ہے یا لشکر (کفار) سے لڑنا ہے اور فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ نے تم سے وعدہ فرمایا کہ دو گروہوں میں سے ایک تمہارے ہاتھ لگے گا۔ قافلہ یا قریش، انہیں قافلہ کا تعاقب زیادہ پسند تھا۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے تو نہایت اچھی گفتگو فرمائی، پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے تو انہوں نے بھی عمدہ تقریر فرمائی، (فتح الباری شرح بخاری جلد ۷ ص ۲۲۳) پھر حضرت مقداد رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے تو انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے آپ کو جو حکم دیا اسے کر گزریئے، ہم آپ کے ساتھ ہیں، اللہ کی قسم! ہم آپ کو وہ جواب نہیں دیں گے، جو بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیا تھا کہ آپ اور اس کا رب جا کر لڑیں بے شک ہم یہاں بیٹھے ہیں لیکن (یا رسول اللہ!) آپ اور آپ کا رب جائیں اور لڑیں اور ہم بھی آپ کے ساتھ لڑنے والے ہیں۔ پس اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے اگر آپ ہمیں (حبشہ کے شہر) برک الغماد میں لے جائیں گے تو ہم آپ کے ساتھ مل کر لڑیں گے حتیٰ کہ آپ وہاں

(حبشہ) پہنچ جائیں۔
نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت مقداد رضی اللہ عنہ کی تحسین فرمائی اور ان کے لئے بھلائی کی دعا فرمائی، پھر فرمایا: اے لوگو! مجھے مشورہ دو آپ انصار کا ارادہ فرما رہے تھے کیونکہ جب انہوں نے عقبہ میں آپ کے دست اقدس پر بیعت کی تھی تو عرض کیا تھا کہ ہم آپ سے بری الذمہ ہیں، حتیٰ کہ آپ ہمارے شہر میں پہنچ جائیں۔ جب آپ ہمارے پاس پہنچ جائیں گے تو آپ ہماری ذمہ داری میں ہوں گے اور ہم ہر اس شخص سے آپ کا دفاع کریں گے جس سے اپنا، اپنے بیٹوں اور اپنی عورتوں کا دفاع کرتے ہیں اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات کا اندیشہ تھا کہ کہیں انصار نے یہ خیال نہ کرلیا ہو کہ جو دشمن مدینہ طیبہ پر حملہ آور ہوگا اس کے مقابلے میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کرنا ہماری ذمہ داری ہے لیکن ہم پر یہ بات لازم نہیں کہ حضور علیہ السلام ہمیں کسی دوسرے شہر کی طرف لے جائیں اور ہم آپ کے ساتھ جائیں اب جب حضور علیہ السلام نے فرمایا (کہ مجھے مشورہ دو) تو حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا اللہ کی قسم یا رسول اللہ! ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ ہمارا ارادہ فرما رہے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ہاں! (تم انصار سے مشورہ مانگ رہا ہوں)
(السیرۃ النبویہ المسمی عیون الاثر جلد اول ص ۳۲۷)

حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: ہم آپ پر ایمان لائے، آپ کی تصدیق کی نیز اس بات کی گواہی دی کہ آپ جو کچھ لائے ہیں وہ حق ہے اور اس پر ہم نے آپ کو پکا عہد دیا کہ ہم آپ کی بات سنیں گے اور مانیں گے، یارسول اللہ! آپ جو کچھ چاہتے ہیں کیجئے پس اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے اگر آپ ہمارے ساتھ اس سمندر کو پار کرنا چاہیں اور اس میں کود پڑیں تو ہم بھی آپ کے ساتھ کود پڑیں گے ہم میں سے کوئی شخص بھی پیچھے نہیں رہے گا ہم دشمن کے ساتھ مقابلے کو ناپسند نہیں کرتے۔ ہم لڑائی کے وقت صبر کرنے والے اور ملاقات کے وقت سچے ہیں۔ شاید اللہ تعالیٰ آپ کو ہم سے وہ کام دکھائے جس سے آپ کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں۔ اللہ تعالیٰ کی برکت پر ہمیں لے چلیں۔

(السیرۃ النبویہ المسمی عیون الاثر جلد اول ص ۳۲۸)

حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بات سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خوش ہوئے اور اس بات نے آپ کی ہمت بڑھائی، پھر فرمایا: اللہ تعالیٰ کی برکت پر چلو اور خوش ہو جاؤ۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے مجھ سے دو جماعتوں میں سے ایک کا وعدہ فرمایا ہے۔ اللہ کی قسم گویا میں اس وقت قوم کی قتل گاہوں کو دیکھ رہا ہوں۔ (السیرۃ النبویہ المسمی عیون الاثر جلد اول ص ۳۲۸) حضرت ثابت، حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ فلاں کے گرنے کی جگہ ہے اور آپ نے زمین پر ہاتھ رکھ کر فرمایا کہ یہاں، یہاں حضرت انس فرماتے ہیں جس جگہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دست مبارک رکھا تھا وہاں سے وہ نہیں ہٹا یعنی اسی جگہ مرا۔[1]

---
[1] معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی انبیاء کرام اور اپنے دیگر خاص بندوں کو غیب کی باتوں سے آگاہ فرماتا ہے۔ ۱۲ ہزاروی

تنبیہ

ابن سید الناس نے "عیون الاثر" میں فرمایا کہ ہم نے مسلم کے طریق سے روایت کیا کہ یہ گفتگو خزرج قبیلہ کے سردار حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمائی لیکن یہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے معروف ہے جیسا کہ ابن اسحاق وغیرہ نے روایت کیا۔

حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بدر میں شرکت کے سلسلے میں اختلاف ہے ابن عقبہ اور ابن اسحاق نے ان کو بدری صحابہ کرام میں شمار نہیں کیا جبکہ واقدی، مدائنی (علی بن محمد ابوالحسن) اور ابن کلبی نے انہیں اہل بدر میں شمار کیا ہے۔ (السیرۃ النبویہ المسمی عیون الاثر جلد اول ص ۳۲۸)

میدان جنگ میں

پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کوچ کر کے بدر کے قریب اترے اور قریش وادی کی دوسری (دور کی) جانب اترے، مسلمان ریت کے سفید ٹیلے پر اترے، جس میں انسانی قدم اور جانوروں کے سم اتر جاتے تھے۔ مشرکین بدر کے کنویں پر پہلے پہنچ چکے تھے۔ انہوں نے اسے محفوظ کر کے اپنے اپنے پانی کے کنویں کھودے۔

مسلمانوں میں سے بعض بے وضو تھے کچھ جنابت کی حالت میں تھے نیز وہ پیاسے بھی تھے وہ پانی تک پہنچ نہیں سکتے تھے، چنانچہ شیطان نے ان میں سے بعض کے دلوں میں وسوسہ ڈالتے ہوئے کہا کہ تم اپنے آپ کو حق پر سمجھتے ہو اور یہ کہ تم میں اللہ کے نبی ہیں اور تم اللہ تعالیٰ کے دوست ہو حالانکہ مشرکین نے پانی کے اعتبار سے تم پر غلبہ حاصل کیا تم پیاسے اور بے وضو ہو، نیز ناپاکی کی حالت میں نماز پڑھتے ہو اور تمہارے دشمن اس انتظار میں ہیں کہ پیاس تمہاری گردن کاٹ دے اور تمہاری طاقت ختم ہو جائے اور پھر وہ تمہارے بارے میں جو چاہیں فیصلہ کریں، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے بارش نازل فرمائی، جس سے وادی میں پانی بہنے لگا۔ مسلمانوں نے پانی پیا، غسل کیا، وضو کیا، جانوروں کو پلایا، برتن بھرے، غبار کو ختم کیا اور زمین کو یوں برابر کیا کہ اس پر قدم ٹھہر سکیں۔ نیز ان سے شیطانی وسوسہ زائل ہو گیا اور ان کو خوشی حاصل ہوئی۔ اسی سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُم مِّنَ السَّمَاءِ مَاءً لِّيُطَهِّرَكُم بِهِ (الانفال: ۱۱)

اور وہ تم پر آسمانوں سے پانی اتارتا ہے کہ اس کے ذریعے تم طہارت حاصل کرو۔

یعنی ناپاکی اور جنابت سے (طہارت حاصل کرو)۔

وَيُذْهِبَ عَنكُمْ رِجْزَ الشَّيْطَانِ (الانفال: ۱۱)

اور تم سے شیطان کی ناپاکی کو لے جائے۔

اس کے وسوسے کو دور کرے۔

وَلِيَرْبِطَ عَلَىٰ قُلُوبِكُمْ (الانفال: ۱۱)

اور تمہارے دلوں کی ڈھارس بندھائے (صبر کے ساتھ)۔

وَيُثَبِّتَ بِهِ الْأَقْدَامَ (الانفال: ۱۱) اور اس کے ذریعے ثابت قدمی عطا کرے۔

حتیٰ کہ زمین کے ہموار ہونے کی وجہ سے ریت میں پاؤں نہ دھنسیں۔[۱] اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ایک سائبان (چھپر) بنایا گیا۔[۲]

معرکہ سے پہلے مبارزت کی دعوت

پھر عتبہ بن ربیعہ اپنے بھائی شیبہ بن ربیعہ اور اپنے بیٹے ولید بن عتبہ کے درمیان نکلا' ادھر سے انصار کے نوجوان حضرت عوف اور حضرت معاذ نکلے' جو حضرت حارث کے بیٹے تھے اور ان کی ماں حضرت عفراء تھیں' نیز حضرت عبداللہ بن رواحہ میدان میں آئے۔ (رضی اللہ عنہم) عتبہ وغیرہ نے پوچھا تم کون ہو؟ انہوں نے کہا انصار کی جماعت ہیں' انہوں نے کہا: ہمیں تم سے کوئی حاجت نہیں' (السیرۃ النبویہ المسمی عیون الاثر جلد اول ص ۳۳۵) پھر ان کے ایک منادی نے آواز دی اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہماری قوم کے ہم پلہ لوگوں کو ہمارے مقابلے میں بھیجیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عبیدہ بن حارث اٹھیں۔ اے حمزہ! آپ بھی اٹھیں اور اے علی المرتضیٰ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) آپ بھی اٹھئے' جب وہ کھڑے ہوئے اور ان (کفار) کے قریب پہنچے تو انہوں نے پوچھا تم کون ہو؟ انہوں نے اپنے نام بتائے' انہوں نے کہا ہاں معزز برابر کے لوگ ہیں۔ حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ نے عتبہ بن ربیعہ کو حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے شیبہ بن ربیعہ کو اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے ولید بن عتبہ کو مبارزت کی دعوت دی۔ حضرت عبیدہ ان میں سے بڑے تھے۔ (السیرۃ النبویہ المسمی عیون الاثر ج ا ص ۳۳۶)

چنانچہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے ولید کو واصل جہنم کیا۔ ابن اسحاق نے اسی طرح ذکر کیا ہے۔ موسیٰ بن عقبہ کے نزدیک حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے عتبہ کو حضرت عبیدہ نے شیبہ کو اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے ولید کو مبارزت کا چیلنج کیا۔ فتح الباری میں اسی طرح نقل کیا گیا۔

---

[۱] ابن اسحاق کہتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جلدی جلدی ایک پانی پر تشریف لائے اور وہاں اتر گئے حضرت حباب بن منذر رضی اللہ عنہ نے پوچھا یا رسول اللہ! کیا وحی کے ذریعے آپ یہاں اترے ہیں اور اس سے آگے پیچھے نہیں ہو سکتے۔ یا یہ آپ کی رائے اور لڑائی کا تقاضا ہے۔ فرمایا یہ رائے ہے انہوں نے عرض کیا پھر یہ جگہ صحیح نہیں یہاں سے لوگوں کو لے چلیں حتیٰ کہ ہم قوم کے قریب والے پانی پر اتریں وہاں سے ہم پی سکیں گے اور وہ نہیں پی سکیں گے حضور علیہ السلام نے ان کی رائے پر عمل کیا۔ (سیرت ابن ہشام جلد اول ص ۶۲۰)

[۲] حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے مشورے سے عریش بنایا گیا تھا۔ انہوں نے عرض کیا کہ ہم آپ کے لئے عریش بنا دیں اور وہاں سواریاں تیار رہیں اگر ہمیں فتح ہو تو یہ پسندیدہ بات ہے ورنہ آپ سوار ہو کر ہمارے پچھلے لوگوں کے ساتھ مل جائیں گے بعض لوگ ہم سے پیچھے رہ گئے ہم ان سے زیادہ آپ سے محبت کرنے والے نہیں ہیں اگر ان کو معلوم ہو تا کہ آپ لڑائی کے لئے تشریف لے جا رہے ہیں تو وہ پیچھے نہ رہتے حضور علیہ السلام نے ان کے لئے بھلائی کی دعا فرمائی۔

(سیرت ابن ہشام ج ا ص ۶۲۰)

پھر دونوں (ابن اسحاق اور موسیٰ بن عقبہ) اس بات پر متفق ہیں کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے ولید کو قتل کیا۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے اپنے مدمقابل کو قتل کیا اور حضرت عبیدہ اور ان کے مقابل میں دو ضربوں کا تبادلہ ہوا ایک ضرب حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ کے گھٹنے میں لگی چنانچہ حضرت علی المرتضیٰ اور حضرت حمزہ نے آگے بڑھ کر حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ کی مدد کی اور انہوں نے اپنے مدمقابل کو قتل کیا' امام حاکم نے عبد خیر کے طریق سے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے اسی طرح نقل کیا جس طرح موسیٰ بن عقبہ کا قول ہے۔ ابو الاسود نے حضرت عروہ رضی اللہ عنہ سے اسی کی مثل روایت کیا ہے۔

ابن سعد نے عبیدہ سلمانی کے طریق سے روایت کیا کہ شیبہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے مقابل تھا جب کہ حضرت عبیدہ کا مقابلہ عتبہ سے اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا مقابلہ ولید سے ہوا پھر فرمایا زیادہ مضبوط بات یہ ہے کہ حضرت حمزہ کے مقابلے میں عتبہ اور حضرت عبیدہ کے مقابلے میں شیبہ تھا۔

امام ابوداؤد نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہوئے نقل کیا آپ فرماتے ہیں عتبہ آگے بڑھا اور اس کے پیچھے اس کا بیٹا اور بھائی تھا اس نے آواز دی کون مقابلے کے لئے نکلے گا؟ انصار کے چند نوجوانوں نے اس کا چیلنج قبول کیا۔ تو اس نے کہا تم کون ہو؟ انہوں نے بتایا تو وہ کہنے لگا ہمیں تم سے کوئی غرض نہیں' ہم اپنے چچازاد بھائیوں کا ارادہ رکھتے ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے حمزہ! اٹھو' اے علی! اٹھو اور اے عبیدہ اٹھئے (رضی اللہ عنہم) پس حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ عتبہ کی طرف بڑھے۔ میں شیبہ کی طرف متوجہ ہوا اور حضرت عبیدہ اور ولید کے درمیان دو ضربوں کا تبادلہ ہوا ان میں سے ہر ایک نے دوسرے کا خون بہایا پھر ہم ولید پر حملہ آور ہوئے اور اسے قتل کر کے حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ کو اٹھالائے۔

(سنن ابی داؤد جلد ۲ ص ۵' فتح الباری جلد ۷ ص ۲۳۳)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ سب سے زیادہ صحیح روایت ہے لیکن جو کچھ سیرت کی کتب میں ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا جس سے مقابلہ ہوا وہ ولید ہے' یہی بات مشہور ہے اور اس مقام کے لائق ہے' کیونکہ حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ اور شیبہ دونوں بڑی عمر کے تھے جس طرح عتبہ اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ جب کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور ولید دونوں نوجوان تھے۔

امام طبرانی نے سند حسن کے ساتھ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں میں نے اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے ولید کے خلاف حضرت عبیدہ بن حارث رضی اللہ عنہ کی مدد کی لیکن حضور علیہ السلام نے اس پر ہمیں کوئی عیب نہ لگایا' اور یہ ابوداؤد کی روایت کے موافق ہے اور اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

(فتح الباری جلد ۷ ص ۲۳۴)

استغاثہ اور دعا

ابن اسحاق کہتے ہیں پھر لوگوں میں گھمسان کی جنگ شروع ہو گئی اور وہ ایک دوسرے کے قریب ہو گئے۔ نبی

اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عریش میں تھے اور آپ کے ہمراہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے کوئی دوسرا نہ تھا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بارگاہ خداوندی میں اسی مدد کا واسطہ دے رہے تھے جس کا اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا تھا۔ آپ کے الفاظ یہ تھے:

اللھم ان تھلک ھذہ العصابۃ من اھل الایمان الیوم فلا تعبد فی الارض ابدا

یا اللہ! اگر آج مومنوں کی یہ جماعت ہلاک ہوگئی تو زمین میں کبھی بھی تیری عبادت نہیں ہوگی۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ عرض کرتے تھے یا رسول اللہ! اپنے رب کو قسم دینا چھوڑ دیجئے بے شک اللہ تعالیٰ آپ سے کیا ہوا وعدہ پورا فرمائے گا۔ (السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد ۲ ص ۶۸)

سعید بن منصور، عبید اللہ بن عبداللہ بن عتبہ سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ جب بدر کا دن ہوا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکین اور ان کی کثرت کو دیکھا اور مسلمانوں کو دیکھا تو ان کو قلیل سمجھا۔ چنانچہ آپ نے دو رکعتیں پڑھیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آپ کی دائیں جانب تھے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں یوں دعا مانگ رہے تھے یا اللہ! مجھے رسوا نہ کرنا یا اللہ! میں تجھے اس وعدہ کی قسم دیتا ہوں جو تو نے مجھ سے فرمایا ہے۔

امام نسائی اور حاکم نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں میں بدر کے دن کچھ دیر لڑا پھر حاضر ہوا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سجدے کی حالت میں یوں کہہ رہے تھے یا حی یا قیوم (اے زندہ! اے قائم رکھنے والے) میں واپس چلا گیا اور لڑنے لگا پھر آیا تو آپ کو اسی حالت میں پایا۔ (فتح الباری ج ۲ ص ۲۳۵)

صحیح بخاری میں ہے بدر کے دن جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہمراہ عریش میں تھے تو آپ کو اونگھ آگئی پھر تبسم فرماتے بیدار ہوئے تو فرمایا' اے ابوبکر! خوشخبری ہو یہ جبرئیل ہیں جن کے سامنے کے دانتوں پر غبار ہے پھر آپ عریش سے باہر نکل گئے اور آپ پڑھ رہے تھے۔

سَیُهْزَمُ الْجَمْعُ وَیُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ (القمر: ۴۵)

اب بھگائی جاتی ہے یہ جماعت اور پیٹھیں پھیر دیں گے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور دعا

اگر تم کہو کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کس طرح حضور علیہ السلام کو دعا میں کوشش کرنے سے روکا اور آپ کی امید کو مضبوط کیا اور آپ کو ثابت قدم کیا حالانکہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام زیادہ قابل تعریف اور آپ کا یقین ہر ایک کے یقین سے بلند ہے۔

امام سہیلی نے اپنے شیخ (قاضی ابوبکر بن عربی) سے نقل کرتے ہوئے اس کا جواب یوں دیا ہے کہ اس وقت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ امید کے مقام پر اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خوف کے مقام پر تھے کیونکہ اللہ

تعالیٰ جو چاہے کر سکتا ہے، تو آپ کو اس بات کا خوف تھا کہ کہیں زمین عبادت خداوندی سے خالی نہ ہو جائے تو آپ کا یہ خوف بھی عبادت ہے۔ (السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد ۲ ص ۶۸)

خطابی فرماتے ہیں کوئی شخص یہ وہم نہ کرے کہ اس حالت میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلے میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اپنے رب پر زیادہ یقین تھا۔ بلکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ عمل اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر شفقت اور ان کے دلوں کو مضبوط کرنے کے لئے تھا، تو آپ نے دعا اور گڑگڑانے میں خوب مبالغہ کیا تاکہ ان کے دل قرار پکڑیں کیونکہ وہ جانتے تھے کہ آپ کی دعا قبول ہوتی ہے، جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے وہ بات کہی تو آپ اس سے رک گئے اور جان لیا کہ آپ کی دعا قبول ہو گئی، جبھی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے دل میں قوت اور اطمینان پایا ہے اسی لئے اس کے بعد آپ نے پڑھا: "سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّونَ الدُّبُرَ"۔

دوسرے لوگوں نے کہا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت خوف کی حالت میں تھے اور یہ نماز کی سب سے مکمل حالت ہے اور آپ اس بات کو جائز سمجھتے تھے کہ (شاید) اس دن مدد حاصل نہ ہو کیونکہ مدد کا وعدہ اس واقعہ کے لئے متعین نہ تھا، وہ تو مجمل تھا بظاہر یہی بات نظر آتی ہے۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۲۳۵)[1]

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو یہ فرمایا کہ اگر مسلمانوں کا یہ گروہ ہلاک ہو گیا تو آج کے بعد تیری عبادت نہیں ہو سکے گی تو اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ کو معلوم تھا کہ آپ آخری نبی ہیں اگر آپ اور آپ کے ساتھی شہید ہو جاتے ہیں تو ایمان کی دعوت دینے کے لئے کوئی دوسرا مبعوث نہیں ہوگا۔

جہاں تک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کے لئے بہت زیادہ کوشش کرنے کا تعلق ہے تو آپ نے دیکھا کہ فرشتے جہاد کے لئے کھڑے ہیں اور حضرت جبریل علیہ السلام کے سامنے کے دانتوں پر غبار ہے اور انصار موت کی سختیوں میں ہیں اور جہاد کی دو صورتیں ہیں۔ تلوار کے ساتھ جہاد اور دعا کے ذریعے جہاد اور امام (راہنما) کا طریقہ یہی ہے کہ وہ لشکر سے پیچھے رہے، ان کے ساتھ مل کر لڑائی نہ کرے، پس سب کے سب اپنی اپنی کوشش میں مشغول تھے۔ آپ کا یہ ارادہ نہیں تھا کہ آپ اپنے نفس کو دو کوششوں میں سے ایک سے راحت دیں۔ (جہاد اور دعا) جب کہ انصار اور ملائکہ کوشش کر رہے تھے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم راحت کو ترجیح نہیں دیتے تھے۔ جب اللہ تعالیٰ کی جماعت دشمنوں کے مقابلے میں صبر و استقلال کا مظاہرہ کر رہی تھی۔

(السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد ۲ ص ۶۹)

---

[1] ممکن ہے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے موقف کی تفسیر یوں کی جائے کہ جب انہوں نے دعا میں آپ کا انہماک دیکھا حتیٰ کہ چادر مبارک کاندھوں سے گر پڑی تو آپ پر شفقت کے طور پر یہ بات کہی ہو صحابہ کرام کا موقف یہی تھا اسی لئے وہ کہتے تھے کاش آپ خاموش ہو جائیں۔ (صحیح مسلم جلد ۲ ص ۹۳)

غزوۂ بدر میں فرشتوں کی حاضری

صحیح مسلم میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے فرماتے ہیں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا جب بدر کا دن ہوا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ مشرک ایک ہزار ہیں اور آپ کے ساتھی تین سو انیس مرد ہیں تو آپ عریش میں داخل ہوئے اور قبلہ رخ ہو کر اپنے ہاتھ پھیلائے اور اپنے رب کو بلند آواز سے پکارنے لگے:

اللھم انجزلی ماوعدتنی۔　یا اللہ! تو نے مجھ سے جو وعدہ کیا ہے اسے پورا فرما۔

آپ مسلسل ہاتھ پھیلائے اپنے رب کو پکارتے رہے۔ حتیٰ کہ آپ کی چادر مبارک کاندھوں سے گر گئی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے چادر اٹھائی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کاندھوں پر ڈال کر آپ کو پیچھے سے پکڑا اور عرض کیا اے اللہ کے نبی! عنقریب اللہ تعالیٰ آپ سے کئے گئے وعدے کو پورا فرمائے گا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

اِذْ تَسْتَغِیْثُوْنَ رَبَّکُمْ فَاسْتَجَابَ لَکُمْ اَنِّیْ مُمِدُّکُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِکَۃِ مُرْدِفِیْنَ۔ (الانفال: ۹)

جب تم اپنے رب سے فریاد کر رہے تھے تو اس نے تمہاری دعا کو قبول کیا کہ بے شک میں ایک ہزار فرشتوں کے ساتھ مدد کرنے والا ہوں جو ایک دوسرے کے پیچھے آئیں گے۔ (قطار در قطار)

یعنی تمہاری مدد کے لئے فرشتے بھیجوں گا جو ایک دوسرے کے پیچھے (لگاتار) آئیں گے۔ (صحیح مسلم جلد ۲ ص ۹۳ کتاب الجہاد) اور اگر دال پر فتح (زبر) پڑھیں (مردفین پڑھیں) تو معنی یہ ہو گا کہ اللہ تعالیٰ ان کو مسلمانوں کے پیچھے ان کی مدد کے لئے لایا۔

اور دوسری آیت میں فرمایا:

بِثَلٰثَۃِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِکَۃِ مُنْزَلِیْنَ۔ (آل عمران: ۱۲۴)　تین ہزار فرشتے اتار کر۔

کہا گیا ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کے پیچھے تین ہزار فرشتے لایا تو اکثر کم کے لئے مدد کے طور پر آئے اور ہزار کے پیچھے ان کے علاوہ کو لایا گیا اور ایک ہزار وہی تھے جو مومنوں کے ساتھ مل کر لڑے اور یہ وہی ہیں، جن سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فَثَبِّتُوا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا۔ (الانفال: ۱۲)　پس ایمان والوں کو ثابت (و قائم) رکھو۔

یہ انسانوں (میں سے مردوں) کی صورت میں تھے اور مومنوں سے کہتے تھے ثابت قدم رہو، بے شک تمہارے دشمن تھوڑے ہیں اور بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ ہے۔ (السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد ۲ ص ۸۸)

حضرت ربیع بن انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے ایک ہزار فرشتوں کے ساتھ مسلمانوں کی مدد فرمائی، پھر وہ تین ہزار ہو گئے، پھر پانچ ہزار ہو گئے۔ (تفسیر ابن کثیر جلد اول ص ۴۰۱)

حضرت سعید بن ابی عروبہ، حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے بدر کے دن پانچ ہزار فرشتوں کے ذریعے مسلمانوں کی مدد فرمائی۔ (تفسیر ابن کثیر جلد اول ص ۴۰۱)

حضرت عامر شعبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں، بدر کے دن مسلمانوں کو خبر ملی کہ کرز بن جابر[1] مشرکین کی مدد کر رہا ہے تو ان کو یہ بات ناگوار گزری تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

اَلَنْ یَّكْفِیَكُمْ اَنْ یُّمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلٰثَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓىٕكَةِ مُنْزَلِیْنَ۔ — کیا تمہیں کافی نہیں کہ تمہارا رب تمہاری مدد کرے تین ہزار اتارے ہوئے فرشتوں کے ساتھ۔

(آل عمران ۱۲۴)

فرماتے ہیں کرز کو قریش کی شکست کی خبر پہنچی تو اس نے مشرکین کی مدد نہیں کی اور مسلمانوں کی مدد پانچ ہزار کے ساتھ نہیں کی گئی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، فرماتے ہیں: بدر کے دن ابلیس شیطانوں کے ایک لشکر کے ساتھ آیا، اس کے ساتھ ایک جھنڈا تھا اور وہ سراقہ بن مالک بن جعشم کی صورت میں تھا۔ شیطان نے مشرکین سے کہا آج کوئی انسان تم پر غالب نہیں آسکتا اور تم میری پناہ میں ہو۔ پھر جب حضرت جبریل علیہ السلام اور دیگر فرشتے آئے تو اس کا ہاتھ ایک مشرک کے ہاتھ میں تھا چنانچہ اس نے اپنا ہاتھ چھڑایا پھر الٹے پاؤں بھاگ گیا۔ اس شخص نے کہا اے سراقہ! تم تو کہہ رہے تھے کہ تم پناہ دینے والے ہو۔ اس نے کہا، جو کچھ میں دیکھتا ہوں وہ تم نہیں دیکھتے (یعنی فرشتے) بے شک میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہوں اور وہ سخت عذاب والا ہے۔

(دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۳ ص ۷۹، الدر المنثور جلد ۳ ص ۱۶۹)

یہ بھی مروی ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام پانچ سو فرشتوں میں اور حضرت میکائیل علیہ السلام بھی پانچ سو فرشتوں میں اترے جو انسانی شکل میں سیاہ و سفید رنگ والے (چت کبرے) گھوڑے پر تھے، ان پر سفید لباس تھا اور دونوں سروں پر سفید عمامے تھے۔ انہوں نے ان کے کناروں کو اپنے کاندھوں کے درمیان چھوڑا ہوا تھا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں بدر کے دن فرشتوں کی علامت سفید دستاریں اور حنین کے دن سبز عمامے تھے۔ (تفسیر ابن کثیر جلد اول ص ۴۰۱ و ۴۰۲) حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں بدر کے دن فرشتوں کی علامت سفید اونی لباس تھا اور ان کے گھوڑوں کی پیشانیوں میں بھی یہی علامت تھیں، اسے ابن ابی حاتم نے روایت کیا۔ (تفسیر ابن کثیر جلد اول ص ۴۰۱ و ۴۰۲)

(نوٹ: فرشتے نوری مخلوق ہیں، ان کو انسانی لباس کی ضرورت نہیں لیکن اللہ تعالیٰ چاہے تو ان کو انسانی شکل اور لباس میں ظاہر کر سکتا ہے۔ اور بارہا ایسا ہوا۔ ۱۲ ہزاروی)

ابن مردویہ نے قرآن مجید کے اس لفظ "مسومین" (نشان زدہ) کی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً نقل کیا کہ ان پر علامات تھیں اور بدر کے دن فرشتوں کی علامت سیاہ عمامے اور حنین کے دن سبز عمامے

---

[1] کرز بن جابر فہری نے بعد میں اسلام قبول کیا اور فتح مکہ کے موقع پر شہادت پائی۔ (زرقانی جلد اول ص ۴۲۳)

تھے (تفسیر ابن کثیر جلد اول ص ۴۰۱ و ۴۰۲) اور ابن ابی حاتم نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ فرشتے اترے تو ان کے سروں پر زرد عمامے تھے۔[1] (تفسیر ابن کثیر جلد اول ص ۴۰۱ و ۴۰۲)

لڑائی میں فرشتوں کا شرکت

کہا گیا ہے کہ بدر کے علاوہ فرشتے کبھی لڑائی میں شریک نہیں ہوئے اس کے علاوہ وہ تعداد کو بڑھانے اور مدد کے لئے آتے تھے۔ عماد بن کثیر نے اپنی تفسیر میں واضح طور پر یہ بات ذکر کی اور فرمایا کہ فرشتوں کا قتال صرف بدر میں معروف ہے، پھر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا آپ فرماتے ہیں فرشتے صرف بدر کے دن لڑے ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر ج ا ص ۴۰۲، دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۳ ص ۵۸) ابن مرزوق فرماتے ہیں: بدر کے علاوہ فرشتے لڑے نہیں بلکہ وہ خاص طور پر حاضر ہوتے تھے تمام اقوال میں سے یہ قول مختار ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

وَيَوْمَ حُنَيْنٍ إِذْ أَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ (التوبہ: ۲۵)

اور (غزوہ) حنین کے دن جب تمہاری کثرت نے تمہیں خود پسندی میں ڈالا۔

"نہایۃ البیان فی تفسیر القرآن" میں اس آیت کی تفسیر کے ضمن میں فرمایا گیا کہ کیا اس دن فرشتوں نے بھی لڑائی کی یا نہیں؟ تو اس میں دو قول ہیں ایک جمہور کا قول ہے کہ لڑائی نہیں لڑی، لیکن اس بات کو صحیح مسلم میں مروی روایت رد کرتی ہے، حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے احد کے دن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دائیں اور بائیں دو مردوں کو دیکھا ان پر سفید کپڑے تھے (فرماتے ہیں) میں نے نہ تو اس سے پہلے ان کو دیکھا اور نہ اس کے بعد یعنی وہ حضرت جبریل اور حضرت میکائیل علیہما السلام تھے۔ وہ بہت سخت لڑائی لڑ رہے تھے۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس حدیث میں اس بات کا بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اعزاز بھی بخشا کہ فرشتے اتارے، جو آپ کے ساتھ مل کر لڑتے تھے اور اس بات کا بیان بھی ہے کہ فرشتوں کا لڑنا بدر کے دن سے خاص نہیں ہے اور فرمایا کہ یہی بات صحیح ہے اور یہ ان لوگوں کے خلاف ہے جو اس بات کو غزوہ بدر سے خاص کرتے ہیں۔ یہ حدیث ان لوگوں کا واضح رد ہے اور اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ فرشتوں کو دیکھنا انبیاء کرام کے ساتھ خاص نہیں بلکہ صحابہ کرام اور اولیاء عظام بھی ان کو دیکھتے ہیں۔
(حاشیہ صحیح مسلم جلد ۲ ص ۲۵۲)

---

[1] امام سیوطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں صحیح روایات کے مطابق زرد رنگ کے عمامے تھے اور سفید و سیاہ رنگ سے متعلق روایات ضعیف ہیں۔ امام زرقانی فرماتے ہیں زرد رنگ میں فرحت و سرور ہے اسی لئے کہا جاتا ہے کہ زرد رنگ کے جوتے پہننے والا خوش رہتا ہے۔ (زرقانی جلد ۲ ص ۴۲۴)

فرشتوں کے مقتولین

ابن انباری رحمہ اللہ فرماتے ہیں فرشتوں کو علم نہ تھا کہ آدمیوں کو کیسے قتل کیا جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو اس ارشاد گرامی کے ذریعے سکھایا۔ فرمایا:

فَاضْرِبُوْا فَوْقَ الْاَعْنَاقِ (الانفال: ۱۲) پس گردنوں کے اوپر مارو۔ (سروں پر مارو)

اور فرمایا:

وَاضْرِبُوْا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ۔ (الانفال: ۱۲) اور ان میں سے ہر ایک کے پوروں پر مارو۔

ابن عطیہ کہتے ہیں: اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر جوڑ پر مارو۔

امام سہیلی فرماتے ہیں: تفسیر میں آیا ہے کہ بدر کے دن جو ضرب بھی لگی، وہ سر اور جوڑوں پر لگی اور صحابہ کرام فرشتوں کے قتل کئے ہوئے، لوگوں اور اپنے مقتولوں کے درمیان امتیاز اس طرح کرتے تھے کہ ان کی گردنوں اور پوروں پر سیاہ نشانات تھے۔ (السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد ۲ ص ۸۸)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، فرماتے ہیں: کہ مجھ سے بنو غفار (قبیلے) کے ایک شخص نے بیان کیا اس نے کہا: میں اور میرا چچا زاد بھائی آگے بڑھے، حتیٰ کہ ہم ایک ایسے پہاڑ پر چڑھے جس سے بدر نظر آتا تھا اور ہم (دونوں) مشرک تھے ہم اس جنگ کو دیکھ رہے تھے کہ کس کو شکست ہوتی ہے تاکہ جو لوگ مال لوٹیں ہم بھی ان کے ساتھ مل کر مال لوٹیں اس دوران کہ ہم پہاڑ پر تھے کہ ایک بادل ہمارے قریب آیا جس میں گھوڑوں کے ہنہنانے کی آواز آرہی تھی۔ میں نے ان میں سے ایک کہنے والے سے سنا جو کہہ رہا تھا۔ اے حیزوم! آگے بڑھو (حیزوم حضرت جبرائیل علیہ السلام کے گھوڑے کا نام ہے)۔ میرے چچا زاد بھائی کے دل کا پردہ پھٹ گیا تو وہ اسی وقت اسی جگہ مرگیا اور میں بھی مرنے کے قریب تھا پھر میں نے اس حالت سے افاقہ پایا۔ یہ واقعہ امام بیہقی اور ابو نعیم نے روایت کیا ہے۔

(دلائل النبوۃ ابو نعیم جلد ۲ ص ۴۰۷، دلائل النبوۃ بیہقی ج ۳ ص ۵۲، السیرۃ النبویہ لابن ہشام ج ۲ ص ۷۱)

ابو امامہ بن سہل بن حنیف رضی اللہ عنہما اپنے والد سے روایت کرتے ہیں، وہ فرماتے ہیں: میں نے دیکھا کہ بدر میں ہم میں سے کوئی اپنی تلوار سے مشرک کی طرف اشارہ کرتا تو اس کا سر اس کے جسم سے الگ ہو کر گر جاتا۔ اس سے پہلے کہ اس تک تلوار پہنچے اسے امام حاکم نے روایت کیا اور صحیح قرار دیا۔ امام بیہقی اور ابو نعیم نے بھی اسے روایت کیا۔ (دلائل النبوۃ لابی نعیم الجزء الثانی ص ۴۰۷ دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۳ ص ۵۶)

فرشتوں کے لڑنے میں حکمت

حضرت شیخ تقی الدین سبکی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: مجھ سے پوچھا گیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ فرشتوں کے لڑنے کی کیا حکمت تھی، حالانکہ حضرت جبریل علیہ السلام اس بات کی طاقت رکھتے ہیں کہ اپنے بازو کے

ایک پر سے کفار کو دور کر دیں۔

تو میں نے جواب میں کہا: اس کی حکمت یہ تھی کہ یہ فعل نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ہو اور فرشتے آپ کے مددگار ہوں، جس طرح لشکروں کی عادت ہے، تاکہ ان اسباب کی صورتوں اور ان کے طریقوں کی رعایت کی جائے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں میں جاری کیا حالانکہ اللہ تعالیٰ سب کاموں کا فاعل ہے۔

وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى

جب دونوں جماعتیں ایک دوسرے کے مقابل ہوئیں تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کنکریوں سے ہتھیلی بھر کر ان کے چہروں پر ماری اور فرمایا: "شاھت الوجوہ۔ چہرے خراب ہو گئے"۔ (یا اللہ! ان کے چہرں کو بگاڑ دے) تو ہر مشرک کی آنکھوں اور نتھنوں میں کچھ نہ کچھ کنکریاں پڑیں اور وہ بھاگ کھڑے ہوئے اور قریش کے سرداروں میں سے جو ہلاک ہوا، اسے اللہ تعالیٰ نے ہلاک کیا اور ان کے سرداروں میں سے کچھ لوگ قیدی بنائے گئے۔

حضرت عبدالرحمن بن زید بن اسلم رضی اللہ عنہ آیت کریمہ:

وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى۔ (الانفال: ۱۷)

اور آپ نے کنکریاں نہیں پھینکیں جب آپ نے پھینکیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے پھینکیں۔

کی تفسیر میں فرماتے ہیں، یہ بدر کے دن ہوا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تین کنکریاں لے کر ان میں سے ایک کنکری قوم (مشرکین) کے میمنہ (دائیں طرف والوں) پر پھینکی اور ایک کنکری قوم کے میسرہ (بائیں طرف والوں) پر اور ایک کنکری ان کے درمیان میں پھینکی اور فرمایا: چہرے خراب ہو گئے تو وہ لوگ بھاگ گئے۔

متعدد افراد سے مروی ہے کہ یہ آیت بدر کے دن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کنکریاں پھینکنے کے بارے میں نازل ہوئی، اگرچہ غزوہ حنین میں بھی اسی طرح ہوا جیسا کہ آگے آئے گا انشاء اللہ تعالیٰ۔

ایک جماعت کا اعتقاد یہ ہے کہ اس آیت کا مقصد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے فعل کو سلب کرنا اور آپ کے رب کی طرف اضافت کرنا ہے اور اس آیت کو انہوں نے عقیدۂ جبر (کہ بندہ مجبور محض ہے، اسے کوئی اختیار نہیں) کی بنیاد بنایا اور بندوں کی طرف فعل کی نسبت کو باطل قرار دے کر اس کی نسبت کو صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ثابت کیا۔

لیکن ان کا یہ عقیدہ غلط ہے، وہ قرآن پاک کو سمجھ نہیں سکے، اگر ان کا یہ عقیدہ صحیح ہو تو ہر کام کو اللہ تعالیٰ کی طرف پھیرنا ہو گا اور یوں کہا جائے گا کہ جب تم نے نماز پڑھی تو وہ تم نے نہیں پڑھی اور جب تم نے روزہ رکھا تو وہ تم نے نہیں رکھا اسی طرح تم جو بھی کام کرو وہ تم نے نہیں کیا بلکہ اللہ تعالیٰ نے کیا۔

اور اگر وہ لوگ ہر عمل کو اللہ تعالیٰ کی طرف پھیر دیں تو ان پر لازم ہو گا کہ وہ بندوں کے کاموں میں ان کی اطاعت کریں یا ان کی نافرمانی کریں اس وقت کوئی فرق نہ ہو گا۔ (کیونکہ ان کے نزدیک یہ بندوں کے افعال نہ ہوں

گے، بلکہ ان کے قول کے مطابق اللہ تعالیٰ کے افعال قرار پائیں گے) اور اگر وہ اس بات کو صرف نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص کریں اور آپ کے تمام افعال یا صرف کنکریاں مارنے کے ساتھ خاص کرتے ہیں تو ان کے کلام میں تناقض ہو گا۔ پس ان لوگوں کو اس آیت کی مراد سمجھنے کی توفیق نہیں دی گئی۔

اور یہ بات معلوم ہے کہ انسان کا اس حد تک پھینکنا ممکن نہیں تو ابتدا یعنی پھینکنا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ہوا اور اس کی انتہا یعنی پہنچانا اللہ تعالیٰ کی طرف سے تھا تو اس کا پھینکنا جو آغاز ہے، اس کی نسبت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف فرمائی اور پہنچانا جو انتہا ہے، آپ سے اس کی نفی کر دی۔

اس کی مثال اسی آیت میں ہے کہ فرمایا:

فَلَمْ تَقْتُلُوهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ۔ (الانفال:۱۷)

پس انہوں نے ان کو قتل نہیں کیا، بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو قتل کیا۔

پھر فرمایا:

وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى۔ (الانفال: ۱۷)

اور آپ نے کنکریاں نہیں ماریں، جب آپ نے کنکریاں ماریں، بلکہ اللہ تعالیٰ نے کنکریاں ماریں۔

تو اس بات کی خبر دی کہ صرف اللہ تعالیٰ نے ان کی آنکھوں تک کنکریوں کو پہنچایا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ السلام نے نہیں، لیکن آیت میں اشارہ کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسباب پیدا فرمائے ہیں، جو لوگوں کے لیے ظاہر ہوتے ہیں، پس شکست، جنگ اور مدد وغیرہ۔ سب کچھ حضور علیہ السلام کی طرف مضاف ہے اس (اللہ تعالیٰ) کے ساتھ قائم ہے اور اللہ تعالیٰ بہترین مددگار ہے۔

دو معجزے

ابن اسحاق فرماتے ہیں: حضرت عکاشہ بن محصن اسدی بدر کے دن اپنی تلوار کے ساتھ لڑ رہے تھے حتیٰ کہ وہ ان کے ہاتھ میں ٹوٹ گئی۔ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے انہیں لکڑی کی ایک خشک شاخ عطا فرمائی اور فرمایا: اس کے ساتھ لڑو۔ انہوں نے اسے حرکت دی تو وہ ان کے ہاتھ میں لوہے کی طویل، مضبوط اور سفید تلوار بن گئی، پھر وہ اس کے ساتھ لڑائی لڑتے رہے، حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح عطا فرمائی۔ اس تلوار کا نام "عون" تھا، پھر وہ حضرت عکاشہ کے پاس رہی اور وہ کئی معرکوں میں حضور علیہ السلام کے ساتھ شریک ہوئے اور جب وہ شہید ہوئے تو وہ تلوار انہی کے پاس تھی۔ (السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد ۲، ص ۷۳)

کٹا ہوا ہاتھ جڑ گیا

حضرت عکاشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بدر کے دن بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئے، انہوں نے اپنا (کٹا ہوا) ہاتھ اٹھا رکھا تھا جس پر عکرمہ بن ابو جہل نے تلوار ماری تھی۔ وہ ہاتھ چمڑے کے ذریعے لٹک رہا تھا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ

وسلم نے اس پر لعاب مبارک لگایا تو وہ جڑ گیا۔

یہ بات قاضی عیاض رحمتہ اللہ علیہ نے عبداللہ (بن وہب) کے طریق سے معاذ بن عمرو سے نقل کرتے ہوئے ذکر کی ہے۔

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ اس کے بعد آپ زندہ رہے حتی کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا زمانہ آیا۔
(السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد ۲، ص ۷۳)

قلیب (کنوئیں) کے سامنے

حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہما حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قتل ہونے والوں (کفار) کو کنوئیں میں ڈالنے کا حکم دیا تو وہ اس میں ڈالے گئے، مگر امیہ بن خلف اپنی زرہ میں پھول گیا اور اس نے اس (زرہ) کو بھر دیا تو اس پر مٹی اور پتھر ڈال کر اسے چھپا دیا گیا۔

ان کو قلیب (کنوئیں) میں ڈالا گیا (السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد ۲ ص ۷۴) اور دفن نہ کیا گیا اس کی وجہ یہ تھی کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کو ناپسند فرمایا کہ اگر صحابہ کرام کو ان مردار کفار کے دفن کا حکم دیا جائے تو ان کی کثرت کی وجہ سے صحابہ کرام پریشان ہوں گے۔ پس ان کو کنوئیں کی طرف کھینچنا آسان تھا۔

طبرانی شریف میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہم سے اہل بدر کے بارے میں بیان کرنا شروع کیا تو فرمایا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں ان کفار کی قتل گاہیں دکھاتے تھے، جنہوں نے دوسرے دن مرنا تھا۔ آپ فرماتے کل انشاء اللہ! یہ فلاں کی قتل گاہ ہوگی۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: پس اس ذات کی قسم! جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا۔ ان حدود سے ان لوگوں نے تجاوز نہیں کیا جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بتائی تھیں، حتی کہ آپ ان تک پہنچے اور فرمایا: اے فلاں بن فلاں! اے فلاں بن فلاں! اے فلاں بن فلاں! کیا تم نے اپنے رب کا وعدہ سچا پایا جو اس نے تم سے کیا تھا؟ بے شک میں نے اپنے رب کا وعدہ سچا پایا جو اس نے مجھ سے فرمایا تھا۔

ایک روایت میں ہے کہ آپ نے پکارا: اے عتبہ بن ربیعہ! اے شیبہ بن ربیعہ! اے امیہ بن خلف! اے ابوجہل بن ہشام! (السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد ۲ ص ۷۴) بعض ناموں کا ذکر محل نظر ہے کیونکہ امیہ بن خلف کنوئیں میں نہیں تھا جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے وہ بھاری تھا اور پھول چکا تھا لہٰذا اس پر انہوں نے پتھر اور مٹی ڈال کر اسے غائب کر دیا تھا، لیکن ان دو روایتوں کو یوں جمع کیا جا سکتا ہے کہ وہ قلیب (کنوئیں) کے قریب تھا۔ پس دوسروں کے ساتھ اسے بھی پکارا گیا کیونکہ وہ ان کے سرداروں میں سے تھا۔

ابن اسحاق کہتے ہیں: مجھ سے بعض اہل علم نے بیان کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے اہل قلیب! تم بہت برا قبیلہ تھے، تم نے مجھے جھٹلایا اور دوسرے لوگوں نے میری تصدیق کی۔
(السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد ۲ ص ۷۴)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ ان جسموں سے کس طرح گفتگو فرماتے ہیں جن میں روح نہیں۔ آپ نے فرمایا: میں جو کچھ کہتا ہوں اسے تم ان سے زیادہ سننے والے نہیں ہو، البتہ وہ کسی بات کا جواب نہیں دے سکتے۔ (صحیح بخاری جلد ۲ ص ۵۶۷)

اہل قلیب کی سماعت کے بارے میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی رائے

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس کی تاویل کرتے ہوئے فرمایا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد یہ تھی کہ اس وقت وہ جانتے ہیں کہ میں ان سے جو کچھ کہہ رہا ہوں وہ حق ہے، پھر ام المومنین نے یہ آیت پڑھی۔ (صحیح بخاری جلد ۲ ص ۵۶۷)

اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى۔ (النمل: ۸۰) بے شک آپ مردوں کو نہیں سنا سکتے۔

تو ام المومنین کا قول اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ وہ اس بات کا مطلقاً انکار کرتی ہیں کیونکہ وہ فرماتی ہیں کہ وہ اس وقت جانتے ہیں۔

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے ان کو زندہ کیا تاکہ ان کو جھڑک، حقارت، عذاب اور حسرت ہو۔

اس میں ان لوگوں کا رد ہے جو ان کی سماعت کا انکار کرتے ہیں جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے۔ (صحیح بخاری جلد ۲ ص ۵۶۷)

اور حدیث غریب (وہ صحیح حدیث جس کا راوی ایک ہو غریب کہلاتی ہے) میں ابن اسحاق کے مغازی میں یونس بن بکیر کی روایت سے جید سند کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ایک حدیث مروی ہے اور اس میں ہے کہ جو کچھ میں کہتا ہوں، اسے ان کے مقابلے میں تم زیادہ نہیں سنتے۔ اسے امام احمد نے حسن سند کے ساتھ کیا۔ (مسند احمد)

اگر یہ حدیث محفوظ ہے تو گویا ام المومنین نے انکار سے رجوع کر لیا۔ جب ان کے ہاں ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی روایت سے ثابت ہو گیا کیونکہ اس واقعہ میں آپ خود موجود نہ تھیں۔

اسماعیلی فرماتے ہیں: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نہایت سمجھدار، ذہین اور کثرت روایات اور علم کے سمندر میں خوب غوطہ لگانے والی تھیں کہ جس پر اضافہ نہیں ہو سکتا لیکن ثقہ (قابل اعتماد) لوگوں کی روایت کو ان کی مثل روایت کے ذریعے ہی رد کیا جا سکتا ہے، جو اس کے منسوخ ہونے یا تخصیص یا محال ہونے پر دلالت کرے اور یہ کیسے ہو سکتا ہے جب کہ ان کی روایت انکار اور دوسروں کی روایت اثبات کو جمع کرنا ممکن ہے، کیونکہ ارشاد خداوندی "انک لا تسمع الموتی" نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کے منافی نہیں ہے کہ وہ اب سن رہے ہیں، کیونکہ سنانے کا مطلب سنانے والے کا سننے والے کے کان میں آواز پہنچانا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے ہی ان کو سنایا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز کو ان تک پہنچایا۔

اور ان کی اس بات کا جواب کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ جانتے ہیں۔ پس اگر ام المومنین رضی اللہ عنہا نے یہ بات سنی تو یہ اس روایت کے خلاف نہیں جس میں فرمایا "یسمعون" (وہ سنتے ہیں) بلکہ یہ اس روایت کی تائید ہے۔

امام سہیلی نے جو کچھ فرمایا اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اس حدیث میں ایسی بات ہے جو عادت کے خلاف امور پر دلالت کرتی ہے (یعنی معجزہ پر) کیونکہ یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہے۔ اس لیے کہ صحابہ کرام نے آپ سے عرض کیا کہ آپ ان لوگوں سے کلام کرتے ہیں جو مردار ہو گئے تو آپ نے ان کو وہ جواب دیا جو دیا۔

امام سہیلی فرماتے ہیں: جب یہ بات جائز ہے کہ وہ اس حالت میں جاننے والے تھے تو ان کا سننے والا ہونا بھی جائز ہے یا تو وہ سروں کے کانوں ساتھ تھا جب ہم کہیں کہ روح جسم کی طرف لوٹائی جاتی ہے یا بعض سوال کے وقت جسم کے بعض حصے کی طرف۔ اور یہ اکثر اہل سنت کا قول ہے۔ یا دل کے کانوں یا روح کے زور سے سننا مراد ہے اور یہ ان لوگوں کے مذہب پر ہے، جو کہتے ہیں کہ یہ سوال روح کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ پورے جسم یا اس کے بعض حصے کی طرف نہیں۔

امام سہیلی فرماتے ہیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ انہوں نے اس آیت کریمہ سے استدلال کیا:

وَمَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِی الْقُبُوْرِ ○ اِنْ اَنْتَ اِلَّا نَذِیْرٌ۔ (الفاطر: ۲۲)
اور آپ ان لوگوں کو سنانے والے نہیں جو قبروں میں ہیں، آپ تو صرف ڈر سنانے والے ہیں۔

اور اس آیت کریمہ سے استدلال کیا:

اَفَاَنْتَ تُسْمِعُ الصُّمَّ اَوْ تَهْدِی الْعُمْیَ۔ (الزخرف: ۴۰)
کیا آپ بہروں کو سنائیں گے یا اندھوں کو راستہ دکھائیں گے۔

یعنی اللہ تعالیٰ ہی ہدایت دیتا اور توفیق عطا فرماتا ہے۔ نیز وہ دلوں کے کانوں تک نصیحت کو پہنچاتا ہے، آپ نہیں پہنچاتے۔ کافروں کو مردہ اور بہرہ قرار دیا یعنی ان کو مردوں اور بہروں سے تشبیہ دی تو حقیقت میں اللہ تعالیٰ حق ان کو سناتا ہے جب چاہے نہ اس کا نبی اور نہ کوئی دوسرا۔ پس اس وقت آیت کے ساتھ دو وجہوں سے کوئی تعلق نہیں۔ ایک یہ کہ یہ آیت کافروں کو ایمان کی دعوت دینے سے متعلق ہے اور دوسری بات یہ کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بات کی نفی کی ہے کہ آپ ان کو سنانے والے ہوں اور اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی سنانے والا ہے جب چاہے، وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ (السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد ۲ ص ۴۷)

علامہ ابن جابر (محمد بن احمد بن علی بن جابر اندلسی صاحب الشرح الفیہ) نے کیا خوب فرمایا:

بدا یوم بدر وھو کالبدر حولہ   کواکب فی افق الکواکب تنجلی
وجبریل فی جند الملائک دونہ   فلم تغن اعداد العدو المخذل
رمی بالحصی فی اوجہ القوم رمیۃ   فشردھم مثل النعام المجفل

وجاد لهم بالمشرفی فسلموا فجادله بالنفس کل مجندل
عبیدة سل عنهم وحمزة واستمع حدیثهم فی ذلک الیوم من علی
فهم عتبوا بالسیف عتبة اذ غدا فذاق الولید الموت لیس له ولی
وشیبة لما شاب خوفا تبادرت الیه العوالی بالخضاب المعجل
وجال ابوجهل فحقق جهله غداه تردی بالردی عن تذلل
فاضحی قلیبا فی القلیب وقومه یومونه فیها الی شر منهل
وجاء لهم خیر الانام موبخا ففتح من اسماعهم کل مقفل
واخبر ما انتم باسمع منهم ولکنهم لا یهتدون لمقول
سلا عنهم یوم السلا اذ تضاحکوا فعاد بکاء عاجلا لم یؤجل
الم یعلموا علم الیقین بصدقه ولکنهم لا یرجعون لمعقل
فیا خیر خلق الله جاهک ملجی وحبک ذخری فی الحساب وموئلی
علیک صلاه یشمل الال عرفها واصحابک الاخیار اهل التفضل

”نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بدر کے دن بدر (چودھویں کے چاند) کی طرح ظاہر ہوئے۔ آپ کے گرد جو لوگ تھے، وہ ستاروں کی طرح روشن و ظاہر تھے“۔

”اور حضرت جبریل علیہ السلام فرشتوں کے لشکر میں ان کے قریب تھے۔ پس ذلیل دشمن کی تعداد اس کے کام نہ آئی“۔

”آپ نے (دشمن) قوم کے چہروں پر کنکریاں مار کران کو اس، شترمرغ کی طرح بھگا دیا جس کو کوئی ٹھکانہ نہیں ملتا“۔

”آپ نے مشرفی تلوار کے ذریعے ان سے لڑائی کی (یا ان سے سخاوت کی) تو ہر پچھڑے ہوئے نے آپ کے لیے اپنے نفس کے ساتھ سخاوت ی اور ا٘سوں نے اپنے آپ کو سونپ دیا“۔

”ان کے بارے میں حضرت عبیدہ اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہما سے پوچھو اور ان کی اس دن کی بابت حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے سنو“۔

”انہوں نے عتبہ کو تلوار سے مارا جب وہ لڑائی کے لیے آیا اور ولید نے موت کو چکھا اور اس کا کوئی مددگار نہ تھا“۔

”اور جب شیبہ کے بال خوف سے سفید ہوگئے تو نیزوں کے بھالوں نے (سرخ) خضاب (یعنی خون) کی طرف جلدی کی“۔

”اور ابوجہل نے میدان میں چکر لگایا تو اس کی جہالت ثابت ہوگئی۔ اس دن جس دن اس نے ذلت کی چادر اوڑھ لی“۔

"وہ قلیب بدر میں ڈالا گیا اور اس کی قوم برے چشمے کا قصد کر رہی تھی (لے جا رہی تھی)"۔

"اور مخلوق میں سب سے بہتر (نبی اکرم) علیہ السلام ان کے پاس ان کو جھڑکتے ہوئے تشریف لائے تو ان کے کانوں کے تمام تالے کھول دیئے"۔

"اور آپ نے بتایا کہ اے صحابہ کرام! تم ان سے زیادہ سننے والے نہیں ہو لیکن وہ بول نہیں سکتے"۔

"ان سے یوم سلا کے بارے میں پوچھو[1] جب وہ ہنستے تھے تو ان کی ہنسی فوراً رونے میں بدل گئی"۔

"کیا انہیں آپ کی صداقت کا علم یقینی حاصل نہیں ہوا لیکن وہ اپنی جائے پناہ کی طرف لوٹ نہیں سکتے"۔

"اے مخلوق میں سے بہترین ذات! آپ کا جاہ و مرتبہ میری پناہ گاہ ہے اور روز حساب آپ کی محبت میرا ذخیرہ اور بھروسہ ہے"۔

"آپ پر رحمت ہو جس کی عمدہ خوشبو آپ کے آل واصحاب کو شامل ہو جو بہترین اور فضیلت والے ہیں"۔

خبر اور واقعہ

علامہ ابن مرزوق سے منقول ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما ایک مرتبہ بدر کے مقام سے گزرے تو آپ نے دیکھا کہ ایک شخص کو عذاب دیا جا رہا ہے اور وہ رو رہا ہے، جب آپ گزر گئے تو اس نے آواز دی: اے عبداللہ! حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: مجھے معلوم نہیں کہ وہ میرے نام سے واقف ہے یا جیسے کہا جاتا ہے کہ کسی کا نام معلوم نہ ہو تو عبداللہ کہا جائے۔ میں اس کی طرف متوجہ ہوا تو اس نے کہا: مجھے پانی پلائیں۔ میں نے پانی پلانے کا ارادہ کیا تو وہ حبشی جو اس کو سزا دینے پر مقرر تھا، کہنے لگا: اے عبداللہ! ایسا نہ کرنا یہ ان مشرکین میں سے ہے۔ جن کو نبی اکرم نے بدر میں قتل کیا۔[2] (طبرانی فی الاوسط بحوالہ مجمع الزوائد جلد ۶ ص ۸۰)

ابن مرزوق فرماتے ہیں کہ بدر کی باقی نشانیوں میں سے یہ نشانی بھی ہے کہ میں کئی حاجیوں سے سنا کرتا تھا کہ جب وہ اس مقام سے گزرتے تو شاہان وقت کے طبل کی آواز کی مثل سنتے تھے اور ان کا خیال تھا کہ یہ ایمان والوں کی

---

[1] جانور کے ہاں جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو اس کے ساتھ جو گندگی ہوتی ہے اس کو سلا کہتے ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب خانہ کعبہ میں نماز پڑھ رہے تھے تو انہوں نے آپ کے کاندھوں کے درمیان یہ گندگی ڈالی اور ہنسنے لگے تو اس کی طرف اشارہ ہے۔ (زرقانی جلد اول ص ۵۰۷-۵۰۶)... ۱۲ ہزاروی۔

[2] ابن ابی الدنیا اور ابن مندہ وغیرہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے نقل کیا اور اس میں یہ بھی ہے کہ وہ فرماتے ہیں: میں جلدی جلدی حضور علیہ السلام کے پاس آیا اور اس بات کی خبر دی۔ آپ نے فرمایا: تم نے اسے دیکھا ہے؟ میں نے عرض کیا: جی ہاں۔ آپ نے فرمایا: یہ اللہ تعالیٰ کا دشمن ابو جہل ہے اور اسے قیامت تک یہ عذاب دیا جائے گا۔

(زرقانی جلد اول ص ۵۰۷)... ۱۲ ہزاروی

مدد کے لیے ہے وہ فرماتے ہیں کبھی میں اس کا انکار کرتا اور کبھی اس کی تاویل یوں کرتا کہ شاید وہ جگہ سخت ہو اور اس میں جانوروں کے کھروں کی آواز آتی ہو تو مجھے کہا جاتا کہ یہ جگہ نرم ریتلی ہے سخت نہیں ہے۔

اور عام طور پر وہاں اونٹ چلتے ہیں اور ان کے سموں سے سخت زمین میں بھی آواز پیدا نہیں ہوتی تو ریت میں کیسے پیدا ہو گی؟

فرماتے ہیں: پھر اللہ تعالیٰ نے جب مجھ پر احسان کیا کہ میں اس قابل عزو شرف مقام پر پہنچا تو میں اپنی سواری سے اتر کر پیدل چلنے لگا اور میرے ہاتھ میں سعدان کے درخت کی ایک لمبی لکڑی تھی جسے ام غیلان کہا جاتا ہے اور وہ بات جو میں سنا کرتا تھا' بھول گیا تھا۔ میں گرمی میں چل رہا تھا تو مجھے جنگل میں رہنے والے اونٹوں والوں کے ایک غلام نے ڈرا دیا۔ اس نے کہا: طبل کی آواز سنتے ہو۔ میں نے اس کی بات سنی تو مجھ پر لرزہ طاری ہو گیا اور مجھے وہ بات یاد آگئی۔

اس وقت فضا میں ہوا چل رہی تھی، میں نے طبل کی آواز سنی تو میں خوشی یا خوف یا جو کچھ اللہ تعالیٰ جانتا ہے کی وجہ سے حیرت زدہ تھا' مجھے شک ہوا اور میں نے دل میں کہا کہ شاید اس لکڑی میں ہوا ٹھہر گئی ہے' جو میرے ہاتھ میں ہے اور اس قسم کی آواز پیدا ہو گئی ہے۔ میں اس بہت بڑی نشانی کی تحقیق کی حرص رکھتا تھا' چنانچہ میں نے اپنے ہاتھ سے لکڑی کو پھینک دیا اور زمین پر بیٹھ گیا یا کھڑا رہا یا پھر سب کچھ کیا تو میں نے طبل کی آواز واضح سنی یا ایسی آواز جس میں کوئی شک نہ تھا کہ یہ طبل کی آواز ہے۔ یہ آواز دائیں جانب سے آرہی تھی اور ہم مکہ مکرمہ کی طرف جارہے تھے، پھر ہم بدر میں اترے تو میں سارا دن یہ آواز بار بار سنتا رہا۔

ابن مرزوق فرماتے ہیں مجھے بتایا گیا ہے کہ یہ آواز سب لوگ نہیں سنتے۔

قیدیوں کا معاملہ

امام طبرانی نے ابوالیسر (کعب بن عمرو انصاری سلمی) رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہا! انہوں نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو قید کیا اور آپ جسیم تھے۔ آپ سے پوچھا گیا کہ ابوالیسر نے آپ کو کیسے قید کر لیا حالانکہ وہ پست قد ہیں اگر آپ چاہتے تو ان کو اپنی ہتھیلی میں رکھ لیتے تو انہوں نے فرمایا یہ بات نہیں بلکہ جب ان کے ساتھ میرا مقابلہ ہوا تو وہ میری آنکھوں میں خندمہ کی طرح تھے اور خندمہ مکہ مکرمہ کا ایک پہاڑ ہے قاموس میں اسی طرح ہے۔ (السیرۃ النبویہ المسمی عیون الاثر جلد اول ص ۳۷۴)

جب حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو قیدیوں کے باندھنے کا اختیار دیا گیا تو آپ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو نہایت سخت باندھا[1] نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے رونے کی آواز سنی تو آپ کو نیند نہ آئی۔ انصار کو اس بات کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کھول دیا، گویا انصار سمجھ گئے تھے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کو کھولنے پر راضی ہیں۔ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مکمل رضا

[1] حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا خیال تھا کہ اس طرح وہ ایمان لائیں گے۔ (زرقانی جلد اول ص ۵۰۹)

حاصل کرنے کی خاطر سوال کیا کہ ان سے فدیہ لیے بغیر ان کو چھوڑ دیں تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو کوئی جواب نہ دیا۔

امام احمد بن حنبل نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کے دن قیدیوں کے بارے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا اور فرمایا: اللہ تعالیٰ نے ان کو تمہارے قابو میں دیا ہے۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور عرض کیا: یارسول اللہ! ان کی گردنیں مار دیں۔ آپ نے ان سے اعراض فرمایا۔ پھر مشورہ لیتے ہوئے فرمایا: اے لوگو! بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہیں ان پر طاقت بخشی ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ ان کی گردنیں مار دیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی بات پر توجہ نہ دی۔ تین مرتبہ ایسا ہوا تو حضرت ابوبکر صدیق کھڑے ہوئے اور عرض کیا: یارسول اللہ! میرا خیال ہے کہ آپ ان کو معاف کر دیں اور ان سے فدیہ وصول کریں۔ (یہ سن کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ انور سے غم کے آثار زائل ہوگئے چنانچہ آپ نے معاف کر دیا اور ان سے فدیہ قبول کیا۔

راوی کہتے ہیں اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: (البدایہ والنہایہ جلد ۳ ص [illegible])

لَوْلَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيْمَآ اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ○ فَكُلُوْا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلٰلًا طَيِّبًا۔ (الانفال: ۶۹-۶۸)

اگر اللہ پہلے ایک بات لکھ نہ چکا ہوتا تو اے مسلمانو! تم نے جو کافروں سے بدلے کا مال لے لیا اس میں تم پر بڑا عذاب آتا۔ تو کھاؤ جو غنیمت تمہیں ملی حلال پاکیزہ۔

اس پر مزید کلام چھٹے مقصد کی دسویں نوع میں آیات مشکلات سے شبہات کے ازالہ کے ضمن میں کیا جائے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ

ابن اسحاق نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث سے نقل کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عباس! اپنا فدیہ اور اپنے دو بھتیجوں عقیل بن ابی طالب اور نوفل بن حارث نیز اپنے حلیف عقبہ بن عمرو کا فدیہ ادا کریں۔ انہوں نے فرمایا: میں مسلمان تھا لیکن میری قوم نے مجھے مجبور کیا۔ آپ نے فرمایا: جو کچھ آپ کہتے ہیں، اللہ تعالیٰ اسے زیادہ جانتا ہے۔ اگر آپ کا قول سچا ہوا تو اللہ تعالیٰ آپ کو اس کی جزا دے گا لیکن آپ بظاہر ہمارے خلاف تھے۔ (دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۳ ص ۱۴۲)

موسیٰ بن عقبہ کہتے ہیں، ان کا فدیہ چالیس اوقیہ سونا تھا۔ (ایک اوقیہ چالیس درہم کے برابر ہوتا ہے)
(دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۳ ص ۱۴۲)

ابو نعیم کے ہاں دلائل میں حسن سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ پر ایک سو اوقیہ اور عقیل پر اسی اوقیہ سونا مقرر کیا۔ حضرت عباس نے پوچھا: کیا قرابت کی وجہ سے آپ نے یہ فدیہ مقرر کیا ہے؟ اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت نازل فرمائی:

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّمَنْ فِيْۤ اَيْدِيْكُمْ مِّنَ الْاَسْرٰۤى اِنْ يَّعْلَمِ اللّٰهُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ

اے نبی! جو قیدی آپ کے ہاتھ ہیں آپ ان سے فرما دیں کہ اگر اللہ نے تمہارے دل میں بھلائی جانی تو تمہیں

خَيۡرًا يُّؤۡتِكُمۡ خَيۡرًا مِّمَّاۤ اُخِذَ مِنۡكُمۡ۔ (الانفال: ۷۰) اس سے بہتر عطا فرمائے گا جو تم سے لیا گیا۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے اس آیت کی بنیاد پر فرمایا: کاش مجھ سے اس سے دوگنا لے لیا جاتا۔

مسلمان شہداء

بدر کے دن مسلمانوں کے چودہ افراد شہید ہوئے، چھ مہاجرین میں سے اور آٹھ انصار سے جن میں سے چھ کا تعلق قبیلہ خزرج سے تھا اور دو اوس قبیلے سے تعلق رکھتے تھے۔[1]

صحیح بخاری میں ہے: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کے قیدیوں کے بارے میں فرمایا کہ اگر آج مطعم بن عدی زندہ ہوتا اور مجھ سے ان بدبوداروں کے بارے میں کلام کرتا تو میں اس کی وجہ سے ان کو چھوڑ دیتا۔ (صحیح بخاری جلد اول ص ۴۴۳) (مطعم بن عدی نے طائف سے آپ کی واپسی پر آپ کو پناہ دی تھی اور آپ اسی احسان کا بدلہ چکانا چاہتے تھے... ۱۲ ہزاروی۔)

تنبیہہ

ان صحابہ کرام کی شہادت سے اللہ تعالیٰ کے وعدے پر کوئی عیب نہیں لگتا۔ یہ وعدہ اللہ تعالیٰ کے اس قول کی طرح ہے:

قَاتِلُوا الَّذِيۡنَ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوۡنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوۡلُهٗ وَلَا يَدِيۡنُوۡنَ دِيۡنَ الۡحَقِّ مِنَ الَّذِيۡنَ اُوۡتُوا الۡكِتٰبَ حَتّٰى يُعۡطُوا الۡجِزۡيَةَ عَنۡ يَّدٍ وَّهُمۡ صٰغِرُوۡنَ (التوبہ: ۲۹)

لڑو ان سے جو ایمان نہیں لائے اللہ پر اور قیامت پر اور حرام نہیں مانتے اس چیز کو جس کو حرام کیا اللہ اور اس کے رسول نے اور سچے دین کے تابع نہیں ہوئے یعنی وہ جو کتاب دیئے گئے جب تک اپنے ہاتھ سے جزیہ نہ دیں ذلیل ہو کر۔

تو اللہ تعالیٰ نے اپنا وعدہ پورا کر دیا اور مسلمان غالب ہوئے جیسا کہ ان سے وعدہ کیا گیا تھا۔ پس اللہ تعالیٰ کا

---

[1] حضرت عبیدہ بن حارث، حضرت مہجع جو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے غلام تھے، حضرت عمیر بن ابی وقاص (حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے بھائی) حضرت عاقل بن بکیر لیثی، حضرت صفوان بن بیضاء فہری، ذوالشمالین حضرت عمیر بن عبد عمرو بن نضلہ خزاعی رضی اللہ عنہم مہاجرین میں سے تھے۔

حضرت عوف بن عفراء ان کے بھائی معوذ بن عفراء، حارثہ بن سراقہ، یزید بن حارث، رافع بن معلیٰ اور عمیر بن حمام رضی اللہ عنہم انصار میں سے تھے اور قبیلہ خزرج سے تعلق رکھتے تھے۔ جبکہ حضرت سعد بن خیثمہ اور مبشر بن عبد المنذر کا تعلق انصار کے قبیلہ اوس سے تھا۔

وعدہ پورا ہونے والا تھا اور مسلمانوں کو مدد ملنے والی تھی۔ (والحمدللہ)

مشرکین کے مقتولین اور قیدی

مشرکین کے ستر افراد قتل ہوئے اور ستر قیدی بنا لیے گئے اور ان میں سے افضل حضرت عباس بن عبدالمطلب، عقیل بن ابی طالب اور نوفل بن حارث بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہم تھے اور بعد میں یہ تینوں مسلمان ہو گئے تھے۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا اسلام

علمائے تاریخ کے مطابق حضرت عباس رضی اللہ عنہ پہلے ہی اسلام قبول کر چکے تھے لیکن اپنے اسلام کو **چھپاتے تھے اور بدر کے دن مشرکین کے ہمراہ نکلے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (حضرت) عباس (رضی اللہ عنہ)** جس کے مقابل آئیں وہ آپ کو قتل نہ کرے کیونکہ آپ مجبوراً (بادل نخواستہ) نکلے ہیں، چنانچہ آپ نے اپنا فدیہ دیا اور مکہ مکرمہ واپس تشریف لے گئے۔

اور کہا گیا ہے کہ آپ بدر کے دن مسلمان ہوئے اور فتح (مکہ) کے دن آپ نے مقام ابواء میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا استقبال کیا اور فتح مکہ کے وقت آپ کے ہمراہ تھے اور اس فتح سے مکہ مکرمہ سے ہجرت ختم ہوئی۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ آپ فتح خیبر کے دن مسلمان ہوئے۔

یہ بھی کہا گیا کہ آپ اپنے اسلام کو چھپاتے تھے اور فتح مکہ کے دن اظہار فرمایا اور آپ بدر سے پہلے مسلمان ہو چکے تھے اور آپ مشرکین کی خبریں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لکھا کرتے تھے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آنا چاہتے تھے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی طرف لکھا: مکہ مکرمہ میں آپ کا ٹھہرنا آپ کے لیے بہتر ہے۔

اور کہا گیا ہے کہ آپ کے اسلام لانے کا سبب یہ تھا کہ آپ نے بیس اوقیہ (آٹھ سو درہم) سونا بدر میں مشرکین کو کھانا دینے کے لیے الگ کیا اور لڑائی کے دوران وہ (بطور مال غنیمت) لے لیا گیا۔ انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو کی کہ یہ بیس اوقیہ سونا ان کے فدیہ میں شمار کیا جائے لیکن آپ نے انکار کرتے ہوئے فرمایا: جو چیز آپ نے ہمارے خلاف مدد کے لیے نکالی ہے، ہم اسے آپ کے لیے نہیں چھوڑ سکتے۔

حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا: آپ نے مجھے اس حالت میں چھوڑ دیا کہ میں قریش کے ذریعہ کفایت (مدد) حاصل کروں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ سونا کہاں ہے جو آپ نے حضرت ام الفضل رضی اللہ عنہا کو دیا تھا جب آپ مکہ مکرمہ سے تشریف لائے تھے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے پوچھا: آپ کو کیسے معلوم ہوا؟ آپ نے فرمایا: مجھے میرے رب نے خبر دی ہے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ سچے ہیں کیونکہ اس بات پر اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی مطلع نہ تھا اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ

تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور بے شک آپ اس کے بندے اور رسول ہیں۔[1]

فتح کی خوشخبری اور حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کی تدفین

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب رمضان شریف کے آخر میں بدر (کے غزوہ) سے فارغ ہوئے وہ شوال کا پہلا دن تھا تو آپ نے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو خوشخبری کے ساتھ بھیجا۔ وہ چاشت کے وقت مدینہ طیبہ پہنچے تو لوگ حضرت رقیہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبرانور پر مٹی ڈالنے کے بعد ہاتھ جھاڑ رہے تھے۔ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بارے میں یہی صحیح بات ہے۔

یہ بھی مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی صاحبزادی حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کی تدفین کے وقت موجود تھے۔ آپ ان کی قبر کے پاس تشریف فرما ہوئے اور آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ آپ نے فرمایا: کون ہے جس نے آج رات عورت کا قرب حاصل نہ کیا ہو۔ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: میں ہوں۔ تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو میت کو قبر میں اتارنے کا حکم دیا۔

امام بخاری نے اس روایت کا انکار کرتے ہوئے صحیح بخاری میں ایک حدیث حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت سے نقل کی، وہ فرماتے ہیں: ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی کی تدفین کے وقت حاضر ہوئے۔ پھر مکمل حدیث ذکر کی لیکن حضرت رقیہ یا کسی دوسری صاحبزادی کا نام نہیں لیا۔

امام طبرانی نے ذکر کیا کہ وہ حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا تھیں تو طبرانی کی حدیث میں بیان ہے اور جس نے حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کا ذکر کیا اسے وہم ہوا۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ اپنی زوجہ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کی وجہ سے (غزوہ سے) پیچھے رہ گئے تھے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے (مال غنیمت سے) حصہ بھی مقرر فرمایا اور اجر بھی۔

مدینہ طیبہ کے راستے میں

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے واپسی پر حضرت عاصم بن ثابت رضی اللہ عنہ کو عقبہ بن ابی معیط کے قتل کا حکم دیا تو انہوں نے اسے باندھ کر قتل کیا اور عاصم بن ثابت، حضرت عاصم بن عمر فاروق رضی اللہ عنہما کے نانا تھے۔[2]

---

[1] حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی اس گفتگو سے معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں کے نزدیک بھی یہ بات مسلمہ تھی کہ نبی غیب کی باتیں بتاتا ہے۔ اسی لیے اس خبر کے بعد انہوں نے توحید و رسالت کی شہادت دی، تو ایسے لوگوں پر افسوس ہے جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول بھی مانتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کو عطا کئے گئے علم غیب کا بھی انکار کرتے ہیں۔ ... ۱۲ ہزاروی

[2] امام زرقانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں فتح الباری میں فرمایا کہ یہ بعض راویوں کا وہم ہے حضرت عاصم بن ثابت، حضرت عاصم بن عمر رضی اللہ عنہ کے نانا نہیں بلکہ ماموں تھے کیونکہ ان کی والدہ جمیلہ، عاصم بن ثابت کی بہن تھیں۔

(زرقانی جلد اول ص ۴۳۸)

پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ کی طرف روانہ ہوئے اور آپ کے ساتھ مشرکین قیدی بھی تھے اور وہ مال غنیمت جو حاصل ہوا تھا وہ بھی ساتھ لیا اور اس پر عبداللہ بن کعب کو مقرر کیا جن کا تعلق بنو مازن قبیلے سے تھا۔ جب مضیق الصفراء سے آگے نکلے تو مال غنیمت مسلمانوں پر برابر تقسیم فرمایا۔

اور مقام صفراء میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو نضر بن حارث کے قتل کا حکم دیا، پھر آپ مدینہ طیبہ کی طرف چلے حتیٰ کہ قیدیوں سے ایک دن پہلے پہنچ گئے۔ جب قیدی وہاں پہنچے تو آپ نے ان کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان تقسیم فرمایا اور ان کو ان کے ساتھ بھلائی کا حکم دیا۔

قیدیوں کے بارے میں فقہی حکم

جمہور علماء کے نزدیک قیدیوں کا حکم یہ ہے کہ اس سلسلے میں حکمران کو اختیار ہے، اگر چاہے تو ان کو قتل کرے جیسا کہ بنو قریظہ کے ساتھ کیا گیا اور اگر چاہے تو مالی فدیہ لے جیسا کہ بدر کے قیدیوں کے ساتھ کیا گیا اور اگر چاہے تو انہیں غلام بنالے۔ یہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور کچھ علماء کا مذہب ہے اور اس مسئلہ میں اختلاف ہے جو کتب فقہ میں مذکور ہے۔[1]

فتح کی خبر مکہ مکرمہ میں

جب ابوسفیان بن حارث بدر سے مکہ مکرمہ پہنچے تو ابولہب نے ان سے قریش کے بارے میں پوچھا۔ انہوں نے کہا: اللہ کی قسم! ہم قوم سے ملے تو ہم نے ان کو اپنے کاندھے (گردنیں) پیش کردیے کہ وہ جس طرح چاہیں، ہمیں قتل کریں اور جیسے چاہیں، قیدی بنائیں اور اللہ کی قسم! اس کے باوجود میں لوگوں کو ملامت نہیں کرتا۔ ہم نے سفید رنگ کے مردوں کو دیکھا وہ چت کبرے (سفید و سیاہ رنگ والے) گھوڑوں پر آسمان و زمین کے درمیان تھے۔ اللہ کی قسم! ان کے سامنے کوئی چیز نہیں ٹھہرتی تھی۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ جو (پہلے) حضرت عباس بن عبدالمطلب کے غلام تھے، فرماتے ہیں: اسلام ہمارے اندر داخل ہو چکا تھا۔[2] میں نے کہا اللہ تعالیٰ کی قسم! وہ فرشتے تھے۔ (یہ سن کر) ابولہب نے ہاتھ اٹھا کر میرے چہرے پر تھپڑ مارا تو حضرت ام الفضل رضی اللہ عنہا اٹھیں اور ایک لکڑی لے کر ابولہب کے سر پر ماری اور فرمایا کہ جب اس کا مالک غائب ہے تو تو نے اس کو کمزور سمجھ لیا۔ فرماتے ہیں: اللہ کی قسم! وہ صرف سات راتیں زندہ رہا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے اسے عدسہ (پھنسی) میں مبتلا کر

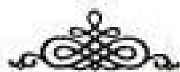
---

[1] فقہ حنفی کے مطابق قیدیوں کے بارے میں مسلمانوں کے حکمران کو اختیار ہے (تفصیل کے لیے دیکھئے ہدایہ ثانی ص ۵۴۶ باب الغنائم و قسمتہا)

[2] حضرت عباس، حضرت ام الفضل اور ابو رافع تینوں اسلام لائے۔ ابو رافع بدر سے پہلے اسلام لائے اور غزوہ احد اور بعد کے غزوات میں شریک ہوئے۔

دیا جسے عرب نحوست کی علامت سمجھتے تھے۔ کہا گیا کہ یہ سخت متعدی بیماری ہے۔ پس اس کے بیٹے بھی اس سے دور ہو گئے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اسے ہلاک کر دیا۔ وہ مرنے کے بعد تین دن تک یوں ہی پڑا رہا کہ کوئی شخص اس کے جنازے کے قریب نہ جاتا اور نہ اسے دفن کرنے کے لیے تیار ہوا۔ جب انہوں نے اسے ایسی حالت میں چھوڑنے میں طعنوں کا خوف محسوس کیا تو ایک گڑھا کھود کر ایک لکڑی کے ذریعے اس میں ڈال دیا اور دور دور سے پتھر پھینک کر اسے چھپا دیا۔

ابن عقبہ فرماتے ہیں: قریش کے مقتولوں پر ایک مہینے تک رونا پیٹنا جاری رہا۔



بدر اور اُحد کے درمیان کے واقعات

عمیر عصماء کا قتل

اس کے بعد عمیر بن عدی خطمی کا سریہ ہے اور یہ اس وقت ہوا جب رمضان المبارک کی پانچ راتیں رہتی تھیں اور ہجرت کے بعد انیس ماہ گزر چکے تھے۔ یہ دستہ عصماء بنت مروان (یہودی عورت) کی طرف گیا۔ یہ خاتون یزید بن زید خطمی کی بیوی تھی اور اسلام پر عیب لگاتی اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت پہنچاتی تھی۔ حضرت عمیر بن عدی جو نابینا تھے (اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کو بصیر (دیکھنے والا) کہتے تھے) رات کے وقت اس کے پاس آئے اور اس کے گھر میں داخل ہوئے۔ اس کے گرد اس کی اولاد سوئی ہوئی تھی جن میں دودھ پیتا بچہ بھی تھا۔ انہوں نے اسے ہاتھ سے ٹٹولا اور بچے کو اس سے الگ کر کے تلوار اس عورت کے سینے پر رکھی حتی کہ اس کی پیٹھ سے پار ہو گئی پھر صبح کی نماز مدینہ طیبہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پڑھی اور آپ کو اس بات کی خبر دی۔ آپ نے فرمایا: تم سے کوئی معارضہ نہیں کرے گا اور نہ اس کے بارے میں پوچھے گا کیونکہ اس کا خون رائیگاں ہے۔ (طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۲۸)

علماء کرام فرماتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ کلام "لاینتطح فیھا عنزان" (تمہیں کوئی نہیں پوچھے گا) یہ ایسا بلیغ اور مختصر کلام ہے کہ آپ سے پہلے کسی کو یہ اعزاز حاصل نہیں ہوا اور اس کی کئی مثالیں آگے آئیں گی۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

عید الفطر کی نماز

شوال کے شروع میں آپ نے عید کی نماز پڑھی (آپ عید گاہ کی طرف تشریف لے گئے اور سامنے نیزہ گاڑ کر نماز پڑھی۔ امام زرقانی فرماتے ہیں یہ نماز آپ نے بدر میں ادا کی تھی۔ (واللہ اعلم بالصواب)

کدر کے مقام پر غزوہ بنو سلیم

شوال کے شروع میں ہی اور بعض کے نزدیک بدر کے سات دن بعد اور کسی کے نزدیک تیسرے سال نصف محرم الحرام میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بنو سلیم کے ارادے سے تشریف لے گئے اور ایک پانی پر پہنچے جس

کو کدر کہا جاتا ہے اور یہ غزوہ، غزوہ قرقرہ کے نام سے مشہور ہے اور یہ زمین نرم ہے۔
کدر ایک پرندہ ہے جس کا رنگ مٹیالا ہے جو اس جگہ معروف ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم وہاں تین دن ٹھہرے۔ کہا گیا ہے کہ دس دن ٹھہرے لیکن آپ کا کسی سے مقابلہ نہ ہوا۔
اس دوران آپ (مدینہ طیبہ سے) پندرہ دن باہر رہے اور آپ نے مدینہ طیبہ میں سباع بن عرفطہ رضی اللہ عنہ کو نائب مقرر کیا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو مقرر فرمایا اور جھنڈا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اٹھایا تھا۔
ابن سعد نے غزوہ سویق کے بعد اس کا ذکر کیا۔ (طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۳۱)

ابو عفک یہودی کا قتل

پھر سالم بن عمیر کا سریہ ہے جو ابو عفک یہودی کی طرف تشریف لے گئے تھے۔ یہ یہودی بہت بوڑھا تھا اور اس کی عمر ایک سو بیس سال تھی۔ وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف لوگوں کو ابھارتا تھا اور اس سلسلے میں شعر کہتا تھا۔ حضرت سالم رضی اللہ عنہ اس یہودی کی طرف متوجہ ہوئے اور اپنی تلوار اس کے جگر پر رکھی پھر اس پر دباؤ ڈالا، حتیٰ کہ وہ بستر میں گھس گئی۔ اللہ تعالیٰ کا دشمن ابو عفک چیخا تو وہ لوگ جو اس کی بات پر اعتماد کرتے تھے، ان میں سے کچھ اس کی طرف کود گئے اور اسے گھر کے اندر لے گئے، حتیٰ کہ وہ مر گیا۔[1]
یہ سریہ ہجرت کے بیس مہینے بعد شوال میں ہوا۔

غزوہ بنو قینقاع

پھر غزوہ بنو قینقاع واقع ہوا "قینقاع" کے نون پر زبر، زیر اور پیش تینوں پڑھی جاتی ہیں لیکن پیش پڑھنا زیادہ مشہور ہے یہ یہود مدینہ کا ایک بطن (قبیلہ) تھا جو بہادر اور صابر لوگ تھے۔
یہ واقعہ ہجرت کے بیس ماہ بعد جب نصف شوال گزر چکا تھا، ہفتہ کے دن پیش آیا۔
(السیرۃ النبویہ المسمیٰ عیون الاثر جلد اول ص ۳۸۵)
ہجرت کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کفار کی تین قسمیں تھیں:
۱۔ ایک قسم ان کفار کی تھی جنہوں نے حضور علیہ السلام سے وعدہ کیا کہ وہ آپ سے نہ تو لڑیں گے اور نہ آپ کے خلاف دشمن کو ترغیب دیں گے اور یہ یہودیوں کے تینوں گروہ، قریظہ، نضیر اور بنو قینقاع تھے۔
۲۔ دوسری قسم کے کفار وہ تھے جنہوں نے آپ سے لڑائی کی اور دشمنی کا اظہار کیا جیسے قریش۔
۳۔ تیسری قسم میں وہ کفار شامل ہیں جنہوں نے آپ کو چھوڑ دیا اور آپ کے دین کے نتیجہ انتظار کرنے لگے۔

[1] یہ یہودی حضور علیہ السلام کی توہین کرتا تھا تو آپ نے فرمایا کون اس خبیث سے میرا بدلہ لے گا؟ حضرت سالم رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ مجھے قسم ہے میں ابو عفک کو قتل کروں گا یا خود مر جاؤں گا۔ (زرقانی جلد اول ص ۵۲۷)...۱۲ ہزاروی۔

جس طرح عرب کے کئی گروہ تھے' ان میں سے بعض اندر اندر سے آپ کے غلبہ کے خواہش مند تھے۔ جیسے بنو خزاعہ اور کچھ کا نظریہ اس کے برعکس تھا جیسے بنو بکر اور ان میں سے بعض وہ تھے جو ظاہری طور پر آپ کے ساتھ تھے اور اندرونی طور پر آپ کے دشمن کے ساتھ تھے اور یہ منافق تھے۔

یہودیوں میں سب سے پہلے جس نے وعدہ کی خلاف ورزی کی وہ بنو قینقاع تھے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ بدر کے بعد شوال میں ان سے لڑائی لڑی۔ واقدی لکھتے ہیں۔ ایک مہینے کے بعد (یہ واقعہ ہوا)

امام حاکم نے عجیب بات کی ان کا گمان ہے کہ بنو قینقاع اور بنو نضیر کی جلاوطنی ایک ہی وقت میں ہوئی لیکن یہ بات پہلے قول کے موافق نہیں کیونکہ بنو نضیر کی جلاوطنی بدر کے چھ مہینے بعد ہوئی جس طرح حضرت عروہ رضی اللہ عنہ کا قول ہے یا اس کے ایک طویل عرصہ گزرنے کے بعد ہوئی۔ یہ ابن اسحاق کا قول ہے۔

بنو قینقاع کا معاملہ یوں ہوا کہ ایک عربی عورت ایک یہودی سنار کے پاس بیٹھی تھی تو اس نے اس عورت کو چہرہ ننگا کرنے کے لیے پھسلایا (مجبور کیا)۔ اس نے انکار کیا۔ اس نے اس کے کپڑے کا ارادہ کیا۔ اور اس کے کپڑے کو عورت کی کمر سے باندھ دیا۔ جب وہ اٹھیں تو ان کی شرم گاہ کھل گئی۔ اس پر یہودی ہنس پڑے۔ عورت چلائی تو مسلمانوں میں سے ایک شخص زرگر پر کود پڑا اور اسے قتل کر دیا۔ یہودیوں نے مسلمان پر حملہ کیا اور اسے شہید کر دیا۔ اس طرح مسلمانوں اور بنو قینقاع کے درمیان جھگڑا پیدا ہو گیا۔ (السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد ۲ ص ۱۲۱)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابولبابہ بن عبدالمنذر کو اپنا نائب بنایا اور ان لوگوں کی طرف تشریف لے گئے۔ آپ نے پندرہ روز (ذی قعدہ کا چاند طلوع ہونے) تک ان کا سخت محاصرہ کیا۔ جھنڈا حضرت حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کے پاس تھا اور اس کا رنگ سفید تھا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے دلوں میں رعب ڈالا اور وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے پر اس شرط پر اترے کہ ان کے مال رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہوں اور ان کی عورتیں اور بچے ان لوگوں کے لیے ہوں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت منذر بن قدامہ سلمی رضی اللہ عنہ کو ان کی مشکیں کسنے کا حکم دیا۔

عبداللہ بن ابی سلول نے ان کے بارے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو کی اور ان کے لیے منت سماجت کی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو کھولنے کا حکم دیا اور قتل نہ کیا' لیکن ان کو مدینہ طیبہ سے نکل جانے کا حکم دیا' چنانچہ وہ (شام کے ایک شہر) اذرعات کی طرف چلے گئے۔ وہاں وہ بہت تھوڑا عرصہ رہے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے قلعے سے ہتھیار اور بہت سا سامان حاصل کیا۔ (طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۲۹)

بنو قینقاع عبداللہ بن ابی اور حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حلیف تھے۔ پس حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ نے ان سے برأت کا اعلان فرمایا اور عرض کیا: یا رسول اللہ! میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ان کے حلف سے برأت اختیار کرتا ہوں اور کفار کے حلف اور دوستی سے بیزاری کا اعلان کرتا ہوں' چنانچہ ان کے اور عبداللہ بن ابی کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی:

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُودَ اے ایمان والو! یہودی اور عیسائیوں کو دوست نہ بناؤ'

وَالنَّصَارٰى اَوْلِيَآءَ ۘ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ۔ (المائدہ: ۵۱) وہ ایک دوسرے کے دوست ہیں۔

پھر ارشاد فرمایا:

فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ۔ (المائدہ: ۵۶) پس بے شک اللہ تعالیٰ کی جماعت ہی غالب ہے۔

(سیرت النبویہ لابن ہشام ج ۲ ص ۱۲۱)

غزوہ سویق

پھر ہجرت کے بائیسویں مہینے میں جب کہ ذوالحجہ کی پانچ راتیں گزر چکی تھیں۔ اتوار کے دن غزوۂ سویق ہوا۔ (السیرۃ النبویہ المسمّی عیون الاثر جلد اول ص ۳۸۹) ابن اسحاق کہتے ہیں: یہ صفر میں ہوا اور اس کو غزوۂ سویق اس لیے کہتے ہیں کہ مشرکین کا زیادہ توشہ ستو تھے۔ (سویق کا معنی ہے ستو) اور وہ مسلمانوں کو مال غنیمت کے طور پر ملے۔ اس میں آپ نے حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کو اپنا نائب بنا کر مدینہ طیبہ میں چھوڑا تھا۔

اس غزوہ کا سبب یہ ہوا کہ جب ابوسفیان اپنے قافلہ کو لے کر بدر سے مکہ مکرمہ کی طرف واپس ہوئے تو انہوں نے نذر مانی کہ جب تک حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے لڑائی نہ لڑیں، وہ عورت اور تیل کو ہاتھ نہ لگائیں گے، چنانچہ وہ اپنی قسم کو پورا کرنے کے لیے قریش کے دو سو سواروں کو لے کر نکلے۔ حتیٰ کہ عریض کے مقام پر آئے جو مدینہ طیبہ سے تین میل کے فاصلے پر ہے، چنانچہ ان لوگوں نے کھجوروں کے درخت جلائے اور انصار میں سے ایک شخص کو قتل کر دیا۔

ابوسفیان نے سمجھا کہ اس کی قسم پوری ہو گئی ہے تو وہ اپنی قوم کو لے کر واپس چلا گیا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دو سو مہاجرین و انصار کو لے کر ان کی تلاش میں نکلے۔ ابوسفیان اور ان کے ساتھی ستو کی بوریاں پھینکتے جاتے تھے اور یہی ان کی عام خوراک تھی۔

وہ بھاگنے کے لیے اپنے آپ کو ہلکا کر رہے تھے۔ پس مسلمانوں نے وہ بوریاں اٹھا لیں اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان تک نہ پہنچ سکے اور مدینہ طیبہ واپس آ گئے۔

دوسرے سال کے واقعات

ذوالحجہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عید کی نماز پڑھائی اور قربانیوں کا حکم دیا۔

اسی سال حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا۔

اور شوال میں حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی ولادت ہوئی۔

حضرت علی المرتضیٰ کا خاتون جنت سے نکاح

اسی سال حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمایا۔ حافظ مغلطائی نے اسی طرح کہا ہے۔

طبری نے اپنی کتاب "ذخائر العقبیٰ فی مناقب ذوی القربیٰ" میں کہا ہے کہ انہوں نے ہجرت کے دوسرے سال صفر کے مہینے میں حضرت خاتون جنت سے نکاح کیا اور ہجرت کے بائیس ماہ بعد ذوالحجہ میں رخصتی ہوئی۔ ابو عمر کہتے ہیں۔ غزوہ احد کے بعد رخصتی ہوئی۔ ان کے غیر نے کہا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی رخصتی کے ساڑھے چار ماہ بعد حضرت خاتون جنت کے ساتھ نکاح ہوا اور اس کے ساڑھے سات ماہ بعد رخصتی ہوئی۔

نکاح کے وقت حضرت خاتون جنت رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عمر پندرہ سال اور پانچ ماہ یا ساڑھے چھ ماہ تھی اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی عمر شریف اس وقت اکیس سال اور پانچ ماہ تھی اور آپ نے حضرت خاتون جنت کی موجودگی میں کسی اور خاتون سے شادی نہیں کی حتیٰ کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا انتقال ہوگیا۔[1]

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: حضرت ابوبکر صدیق پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کا پیغام لے کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے لیکن آپ خاموش رہے اور ان کو کوئی جواب نہ دیا پھر وہ دونوں حضرت علی کے پاس تشریف لے گئے اور ان کو مشورہ دیا کہ وہ یہ رشتہ طلب کریں۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ان دونوں حضرات نے مجھے ایک بات سے آگاہ اور خبردار کیا تو میں اپنی چادر کھینچتے ہوئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے میرا نکاح کردیں۔ آپ نے فرمایا: تمہارے پاس کچھ ہے؟ فرماتے ہیں: میں نے عرض کیا کہ میرا گھوڑا اور میری زرہ ہے۔

نبی اکرم نے فرمایا: جہاں تک گھوڑے کا تعلق ہے تو وہ تمہارے لیے ضروری ہے اور زرہ کو بیچ دو۔ فرماتے ہیں: میں نے چار سو اسی درہم کے بدلے زرہ بیچی (حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے یہ زرہ خرید کر پھر تحفے کے طور پر دے دی اور یہ ان حضرات کے درمیان باہمی محبت کی دلیل ہے.... ۱۲ ہزاروی)

فرماتے ہیں: میں یہ رقم لے کر حاضر ہوا اور آپ کے دامن میں ڈال دی۔ آپ نے اس سے ایک مٹھی بھری اور فرمایا اے بلال! ہمارے لیے اس سے خوشبو خرید لاؤ اور آپ نے حکم دیا کہ حضرت خاتون جنت کے لیے جہیز تیار کریں، چنانچہ آپ کے لیے ایک چارپائی بنائی گئی جو کھجور کے پتوں سے تیار کی گئی تھی اور ایک تکیہ تھا جس میں کھجور کی چھال بھری گئی تھی۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے فرمایا: جب حضرت خاتون جنت تمہارے پاس

---

[1] حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ابوجہل کی بیٹی جویریہ کو نکاح کا پیغام بھیجا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر تشریف لائے اور تین بار فرمایا: میں اجازت نہیں دیتا۔ آپ نے فرمایا: اللہ کی قسم! رسول اللہ کی بیٹی اور اللہ کے دشمن کی بیٹی اکٹھی نہیں ہوسکتیں تو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے یہ ارادہ ترک کردیا۔ حضرت خاتون جنت کے وصال کے بعد انہوں نے حضرت خاتون جنت کی وصیت کے مطابق ان کی بھانجی امامہ بنت زینب رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا۔ (زرقانی جلد ۲ ص ۳)

آئیں تو ان سے کچھ نہ کہنا جب تک میں تمہارے پاس نہ آجاؤں۔

حضرت علی فرماتے ہیں حضرت ام ایمن ساتھ آئی تھیں وہ گھر کے ایک کونے میں بیٹھ گئیں اور میں دوسرے کونے میں تھا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو فرمایا: یہاں میرا بھائی ہے۔ ام ایمن نے کہا: آپ کے بھائی پاس ہیں۔ اور آپ نے اپنی صاحبزادی کا نکاح ان سے کردیا ہے؟ آپ نے فرمایا: ہاں۔ پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اندر تشریف لائے اور حضرت خاتون جنت سے فرمایا: پانی لاؤ۔ گھر میں ایک پیالہ تھا، آپ اس میں پانی لائیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ پانی لیا اور کلی کرکے پانی اس میں ڈال دیا، پھر فرمایا: آگے بڑھو، وہ آگے بڑھیں تو آپ نے ان کے سینے اور سر پر وہ پانی چھڑکا اور فرمایا:

اللھم انی اعیذھا بک وذریتھا من الشیطان الرجیم۔

یا اللہ! میں اسے اور اس کی اولاد کو شیطان مردود سے تیری پناہ میں دیتا ہوں۔

پھر فرمایا: پیٹھ پھیرو، انہوں نے پیٹھ پھیری تو آپ نے ان کے دونوں کاندھوں کے درمیان پانی چھڑکا، پھر حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ بھی اسی طرح کیا۔ پھر فرمایا اللہ تعالیٰ کے نام اور برکت سے اپنی زوجہ کے پاس جاؤ۔

ابوالخیر قزوینی حاکمی کی حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت میں ہے کہ حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ نے حضرت خاتون جنت کا رشتہ حضرت ابوبکر اور پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے طلب کرنے کے بعد طلب کیا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے رب نے مجھے اس طرح حکم دیا ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: پھر چند دن بعد مجھے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بلایا اور فرمایا: اے انس! حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت عبدالرحمٰن اور چند دیگر انصار کو بلا لاؤ۔ جب وہ جمع ہوئے اور اپنی اپنی جگہوں پر بیٹھ گئے اور حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ موجود نہ تھے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خطبہ پڑھا:

الحمد للہ المحمود بنعمتہ، المعبود بقدرتہ، المطاع بسلطانہ، المرھوب من عذابہ وسطوتہ، النافذ امرہ فی سمائہ وارضہ، الذی خلق الخلق بقدرتہ، ومیزھم باحکامہ، واعزھم بدینہ، واکرمھم بنبیہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ تبارک اسمہ وتعالت عظمتہ جعل المصاھرۃ سببا لاحقہ وامرا

تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جو اپنی نعمتوں کے سبب تعریف کیا گیا، اپنی قدرت کے سبب معبود ہے، اس کے عذاب اور سطوت کے باعث اس سے خوف کھایا جاتا ہے، اس کا حکم اس کے آسمان اور زمین میں نافذ ہے، اس نے اپنی قدرت سے مخلوق کو پیدا کیا اور اپنے احکام کے ذریعے ان کو ممتاز کیا، اپنے دین کے ساتھ ان کو عزت بخشی نیز اپنے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے سبب ان کو مکرم و محترم بنایا، بے شک اللہ تعالیٰ کا نام برکت والا اور اس کی عظمت بلند ہے۔ اس نے مصاہرت

مفترضا، او شج به الارحام، والزم به الانام، فقال عز من قائل "وهو الذی خلق من الماء بشرا فجعله نسبا وصهرا وکان ربک قدیرا" (الفرقان: ۵۴) فامر الله تعالی یجری الی قضائه، وقضاؤه یجری الی قدره ولکل قضاء قدر، ولکل قدر اجل، ولکل اجل کتاب، یمحو الله ما یشاء ویثبت وعنده ام الکتاب، ثم ان الله عزوجل امرنی ان ازوج فاطمة من علی بن ابی طالب، فاشهدوا انی قد زوجته علی اربعمائة مثقال فضة ان رضی بذلک علی۔

(سسرالی رشتہ) کو لاحق ہونے والا بنایا (کہ اس کے ذریعے ایک نسب دوسرے نسب سے مل جاتا ہے) اور اسے لازم قرار دیا جس کے ذریعے رحموں کو ملایا اور اسے مخلوق پر لازم کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: "اور وہی ذات ہے جس نے پانی (مادہ منویہ) سے انسان کو پیدا کیا' پس اسے نسب اور سسرالی رشتہ میں منسلک کیا اور تمہارا رب قادر [illegible] کی قضا [illegible] اس کی قدر کی طرف جاری ہے اور ہر قضا کے لیے ایک قدر ہے اور ہر قدر (تقدیر) کے لیے ایک وقت مقرر ہے اور ہر وقت مقرر لکھا ہوا' اللہ تعالیٰ مٹا دیتا ہے جو وہ چاہتا اور ثابت رکھتا ہے اور اس کے پاس ام الکتاب (لوح محفوظ) ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا کہ' میں (حضرت خاتون جنت) فاطمہ کا نکاح (حضرت) علی المرتضیٰ (رضی اللہ عنہ) سے کر دوں۔ پس تم لوگ گواہ رہو۔ میں نے چالیس مثقال چاندی پر ان کا نکاح کیا۔ اگر اس پر (حضرت) علی (مرتضیٰ رضی اللہ عنہ) راضی ہوں۔

پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کھجوروں کا ایک تھال منگوایا اور فرمایا: اسے لوٹو! تو ہم نے اسے لوٹا (ایک دوسرے سے چھینا جھپٹی کی)۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ داخل ہوئے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دیکھا اور مسکرائے۔ پھر فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا کہ میں چار سو مثقال چاندی پر (حضرت خاتون جنت) فاطمہ کا نکاح تم سے کروں' کیا تم اس پر راضی ہو؟ انہوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! میں اس پر راضی ہوں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

جمع الله شملکما واعز جدکما وبارک علیکما واخرج منکما کثیرا طیبا۔

اللہ تعالیٰ تمہارے متفرق امور کو جمع کرے اور تمہاری کوشش کو معزز فرمائے۔ تم دونوں کو برکت دے اور تم سے بہت سی نیک اولاد پیدا فرمائے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو بہت سی پاک اولاد عطا فرمائی۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عدم موجودگی میں عقد نکاح کو اس بات پر محمول کیا جائے گا کہ آپ کے وکیل (نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم) موجود تھے یا آپ کا ارادہ عقد نکاح کا نہ تھا بلکہ محض اس کا اظہار تھا' پھر ان کی موجودگی میں عقد ہوا یا یہ آپ کے ساتھ خاص ہے (کہ جس کا نکاح جس سے چاہیں کر دیں)۔

اس طرح اس نکاح کے واقعہ اور اس حدیث کو جمع کیا جاسکتا ہے جو فوری قبولیت کی شرط پر دلالت کرتی ہے۔[1]

دولابی نے حضرت اسماء رضی اللہ عنہا سے روایت کیا کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا (سے نکاح) پر ولیمہ کیا تو اس زمانے میں آپ کے ولیمہ سے افضل کوئی ولیمہ نہ تھا۔ آپ نے اپنی زرہ کچھ جو کے بدلے یہودی کے پاس رہن رکھی تھی آپ کا ولیمہ چند صاع جو اور کھجوریں اور حیس سے تھا۔ حیس (ایک قسم کا حلوہ ہے جو) کھجور اور پنیر سے بنتا ہے۔

امام احمد رحمہ اللہ نے مناقب میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ حضرت خاتون جنت رضی اللہ عنہا کا جہیز ایک چادر، ایک مشکیزہ اور ایک تکیہ تھا جس میں کھجور کی چھال بھری گئی تھی۔

کعب بن اشرف یہودی کا قتل

پھر محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کا سریہ ہے۔ جن کے ساتھ مزید چار افراد تھے جو کعب بن اشرف یہودی کی طرف تشریف لے گئے۔ ہجرت کے پچیس ماہ بعد جب کہ ربیع الاول کی چار راتیں گزر چکی تھیں۔ (یہ واقعہ ہوا)

(طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۳۱)

امام ابوداؤد اور امام ترمذی رحمہما اللہ نے امام زہری کے طریق سے روایت کیا وہ حضرت عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ کعب بن اشرف (یہودی) شاعر تھا اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو کرتا تھا (اپنے اشعار میں آپ کو برا بھلا کہتا تھا) اور کفار قریش کو آپ کے خلاف برانگیختہ کرتا تھا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ تشریف لائے تو وہاں کے رہنے والے ملے جلے رہتے تھے۔ آپ نے ان کی اصلاح کا ارادہ فرمایا جب کہ یہودی اور مشرکین مسلمانوں کو سخت اذیت پہنچاتے تھے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صبر کا حکم دیا۔ جب کعب بن اشرف آپ کو ایذا رسانی سے باز نہ آیا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ ایک گروہ بھیجیں تاکہ وہ کعب بن اشرف کو قتل کردے۔

(سنن ابی داؤد ج ۲ ص ۶۶، کتاب الخراج)

ایک روایت میں ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: کون کعب بن اشرف کے قتل کی ذمہ داری لیتا ہے۔ اس نے ہماری دشمنی اور برائی بیان کرنے کا اعلان کیا۔ وہ قریش کی طرف گیا اور ان کو ہمارے خلاف لڑنے پر جمع کیا اور اللہ تعالیٰ نے مجھے اسکی اطلاع کردی ہے پھر آپ نے مسلمانوں کو یہ آیت پڑھ کر سنائی۔[2] (صحیح بخاری جلد ۲ ص ۵۷۶ کتاب المغازی)

---

[1] مطلب یہ ہے کہ مجلس نکاح میں ایجاب قبول ہونا چاہیے، تو جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اختیار تھا تو آپ نے خود ان کی طرف سے قبول کیا لہٰذا قبولیت مجلس میں ہوئی... ۱۲ ہزاروی۔

[2] گستاخ رسول کی توبہ بھی قبول نہیں اس کی سزا موت ہے اس لیے کعب بن اشرف کو قتل کیا گیا۔ اس وقت (مئی ۲۰۰۰ء) پاکستان میں یہی قانون نافذ ہے لیکن موجودہ حکومت اس کو غیر موثر بنانے کی کوشش کررہی ہے۔ جس پر تمام مکاتب فکر کے علماء سراپا احتجاج بنے ہوئے ہیں — ۱۲ ہزاروی۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوْتِ وَيَقُوْلُوْنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا هٰٓؤُلَآءِ اَهْدٰى مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سَبِيْلًا ۝ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ۔ (النساء: ۵۱-۵۲)

کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا، جن کو کتاب کا ایک حصہ دیا گیا۔ وہ بتوں اور شیطان کی تصدیق کرتے ہیں اور کفار (مشرکین) کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ ایمان والوں کے مقابلے میں زیادہ ہدایت رکھتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے لعنت بھیجی ہے۔

"الاکلیل" میں ہے، آپ نے فرمایا کہ اس نے اپنے شعروں کے ذریعے ہمیں تکلیف پہنچائی اور مشرکین کو قوت دی ہے۔

ابن اسحاق کی روایت میں ہے، بنو عبدالاشہل کے بھائی محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ کے لیے میں اس کی ذمہ داری اٹھاتا ہوں، میں اسے قتل کروں گا۔ آپ نے فرمایا: اگر تم کر سکتے ہو تو کرو۔ انہوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! ہمیں کوئی نہ کوئی بات کہنا پڑے گی (کوئی بہانا بنانا پڑے گا) آپ نے فرمایا جو کہنا چاہتے ہو تمہارے لیے جائز ہے۔

چنانچہ اس کے قتل پر محمد بن مسلمہ اور ابو نائلہ سلکان بن سلامہ جو کعب کے رضاعی بھائی بھی تھے نیز حارث بن اوس بن معاذ اور ابو عبس بن جبر رضی اللہ عنہم اکٹھے ہوئے۔ ان پانچوں کا تعلق قبیلہ اوس سے تھا۔

(السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد ۲ ص ۱۲۳)

ابن سعد کی روایت میں ہے کہ جب انہوں نے اسے قتل کر دیا اور بقیع الغرقد (جنت البقیع) میں پہنچے تو نعرۂ تکبیر بلند کیا۔ اس رات نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے نماز پڑھ رہے تھے۔ آپ نے ان کی تکبیر سنی تو خود بھی تکبیر کہی اور جان گئے کہ انہوں نے اس کو قتل کر دیا ہے۔ پھر وہ آپ کے پاس پہنچے تو آپ نے فرمایا: ان چہروں نے فلاح پائی۔ انہوں نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کامیاب ہوئے اور انہوں نے اس کا سر آپ کے سامنے ڈال دیا۔ پس آپ نے اس کے قتل پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔ (طبقات ابن سعد جلد ۳ ص ۳۳)

"شرف المصطفیٰ" میں ہے کہ جن لوگوں نے کعب کو قتل کیا انہوں نے اس کا سر اٹھایا اور ایک ٹوکرے میں ڈال کر مدینہ طیبہ لائے اور کہا گیا ہے کہ اسلام میں یہ پہلا سر ہے جو اٹھایا گیا (اس دوران) حارث بن اوس کو تلوار کی دھار لگی تو خون بہنے لگا، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے زخم پر لعاب مبارک لگایا تو تکلیف باقی نہ رہی۔

غزوۂ غطفان

غزوہ غطفان کا دوسرا نام غزوہ ذی امر ہے۔ امام حاکم نے اسے غزوہ انمار کہا ہے۔ اور یہ نجد کے نواح میں ہے۔ ہجرت کے پچیسویں مہینے کے آغاز میں جب ربیع الاول شریف کی بارہ راتیں گزر چکی تھیں یہ غزوہ ہوا۔

(طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۳۴)

اس کا سبب یہ تھا کہ بنو ثعلبہ اور بنو محارب کی ایک جماعت جمع ہوئی اور وہ لوٹ مار کا ارادہ رکھتے تھے ان کو

دعثور بن حارث محاربی نے جمع کیا تھا۔ خطیب بغدادی نے اس کا نام غورث بتایا جبکہ ان کے غیر نے غورک کہا ہے اور یہ بہادر آدمی تھا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو بلایا اور آپ چار سو پچاس سواروں کو لے کر تشریف لے گئے، (اس دوران) آپ نے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو مدینہ طیبہ میں اپنا نائب مقرر کیا جب ان لوگوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں سنا کہ آپ وہاں اترے ہیں تو بھاگ کر پہاڑوں کی چوٹیوں پر چلے گئے۔ مسلمانوں نے ان میں سے ایک شخص کو پکڑ لیا، جس کا نام حبان تھا اور وہ بنو ثعلبہ قبیلہ سے تعلق رکھتا تھا۔ وہ بارگاہ نبوی میں حاضر ہوا تو آپ نے اسے اسلام کی دعوت دی اور وہ مسلمان ہو گیا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے سپرد کیا (کہ آپ اسے اسلام کی تعلیم دیں)۔ (طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۳۴)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر بارش برسی تو آپ نے اپنے کپڑے اتار کر ایک درخت پر ڈالے تاکہ خشک ہو جائیں اور آپ اس کے نیچے آرام فرما ہوئے۔ وہ لوگ آپ کو دیکھ رہے تھے۔ انہوں نے دعثور سے کہا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تنہا ہیں لہٰذا تم پر لازم ہے کہ ان پر حملہ کرو وہ آیا اور اس کے پاس تلوار تھی۔ وہ آپ کے سر کے پاس کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا آپ کو آج مجھ سے کون بچائے گا؟ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ۔ چنانچہ حضرت جبریل علیہ السلام نے اس کے سینے میں ضرب لگائی تو تلوار اس کے ہاتھ سے گر گئی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تلوار اٹھائی اور فرمایا: تمہیں مجھ سے کون بچائے گا؟ اس نے کہا: کوئی بھی نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور بے شک آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔

پھر وہ اپنی قوم کے پاس آیا اور اس نے ان کو اسلام کی دعوت دی اور اللہ تعالیٰ نے آپ پر یہ آیت نازل فرمائی:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ هَمَّ قَوْمٌ أَنْ يَبْسُطُوا إِلَيْكُمْ أَيْدِيَهُمْ۔ (المائدہ: ۱۱)

اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کی نعمت کو یاد کرو جو تم پر فرمائی۔ جب ایک قوم نے تمہاری طرف دست درازی کا ارادہ کیا تھا۔

اور کہا گیا کہ یہ واقعہ غزوۂ ذات الرقاع میں ہوا۔[1]

پھر نبی اکرم علیہ السلام جنگ کیے بغیر واپس تشریف لائے اور آپ گیارہ راتیں (مدینہ طیبہ سے) باہر رہے۔

غزوۂ بحران

اس غزوہ کو غزوہ بنو سلیم بھی کہا جاتا ہے، جو فرع کے کنارے کی جانب ہے اور فاء اور راء دونوں پر فتح ہے جیسا کہ ام سہیلی نے یہ قید لگائی ہے (السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد ۲ ص ۱۳۰) اور قاموس میں کہا ہے کہ بحران فرع کے

---

[1] علامہ نور بخش توکلی رحمہ اللہ نے "الاصابہ بحوالہ واقدی" کے حوالے سے دعثور بن حارث غطفانی کے حالات سے یہ واقعہ نقل کیا اور بتایا کہ یہ غزوہ انمار میں ہوا۔ (سیرت رسول عربی ص ۷۹، ۲)... ۱۲ ہزاروی۔

کنارے ایک جگہ ہے۔ میں نے اس کی تحریر سے اسی طرح فاء پر ضمہ کے ساتھ دیکھا ہے یعنی فُراع ہے، اس کے علاوہ نہیں۔

اس کا سبب یہ ہوا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ملی کہ وہاں بنو سلیم کی ایک جماعت ہے چنانچہ آپ اپنے صحابہ کرام میں سے تین سو صحابہ کرام کو لے کر تشریف لے گئے۔ آپ نے ان کو یوں پایا کہ وہ اپنے چشموں پر متفرق ہو گئے تھے۔ پس آپ کسی لڑائی کے بغیر واپس تشریف لے آئے۔

اس دوران آپ نے حضرت عبداللہ ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو مدینہ طیبہ کا عامل مقرر فرمایا جیسا کہ ابن ہشام نے کہا ہے (السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد ۲ ص ۱۲۰) اور آپ دس راتیں مدینہ سے باہر رہے۔

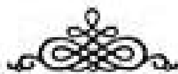
سریہ زید بن حارث قردہ کی طرف

لفظ قردہ قاف پر زبر اور راء ساکن ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ (قاف کی بجائے) فاء ہے اور راء کے نیچے زیر ہے (فردہ) جس طرح ابن فرات (محمد بن عباس بن محمد بن فرات) نے ضبط کیا اور یہ نجد کے ایک چشمے کا نام ہے۔

اس کا سبب جیسا کہ ابن اسحاق نے کہا کہ قریش جن راستوں سے شام کی طرف جاتے تھے، غزوہ بدر کے بعد وہ ان راستوں میں ڈر محسوس کرنے لگے۔ اب وہ عراق کے راستے سے جاتے۔ اب ایک تجارتی قافلہ نکلا جس میں ابو سفیان بن حرب بھی تھے اور ان کے پاس بہت زیادہ چاندی تھی۔ (السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد ۲ ص ۱۲۱)

ابن سعد کے نزدیک ہجرت کے بعد اٹھائیسویں مہینے کے آغاز میں جمادی الاخری کے شروع میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو ایک سو سواروں کے ساتھ بھیجا کہ وہ قریش کے قافلے کو روکیں اس قافلے میں صفوان میں امیہ اور حویطب بن عبدالعزیٰ بھی تھا اور ان کے پاس بہت زیادہ مال اور چاندی کے برتن تھے۔ انہوں نے اس قافلے کو پکڑا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے آئے۔ آپ نے اس مال کے پانچ حصے کئے تو ایک حصہ کی قیمت بیس ہزار درہم نکلی۔ (طبقات ابن سعد جلد ۲، ص ۳۶)

مغلطائی کے نزدیک پچیس ہزار درہم کی مالیت تھی۔ ابن اسحاق نے اسے کعب بن اشرف کے قتل سے پہلے ذکر کیا ہے۔



غزوۂ اُحد

احد

احد مدینہ طیبہ میں ایک مشہور پہاڑ ہے جو ایک فرسخ سے بھی کم فاصلہ پر واقع ہے۔(آج کل شہر سے متصل ہے)اس کو احد کہنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ وہاں کے دوسرے پہاڑوں سے الگ تھلگ ہے۔ نیز اس کو ذو عینین بھی کہا جاتا ہے۔ قاموس میں ہے کہ یہ لفظ عین کی زیر اور زبر کے ساتھ دونوں طرح تثنیہ کا صیغہ ہے اور یہ احد میں ایک پہاڑ ہے۔

اس پہاڑ کے بارے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

احد جبل یحبنا ونحبہ۔ احد پہاڑ ہے جو ہم سے محبت کرتا ہے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں۔

(صحیح بخاری جلد اول ص ۴۵، کتاب المغازی)

اور کہا گیا ہے کہ اس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کی قبر شریف ہے۔

غزوۂ احد کی تاریخ

احد پہاڑ کے نزدیک مشہور واقعہ (غزوہ) ہجرت کے تیسرے سال شوال کے مہینے میں جب کہ گیارہ راتیں گزر چکی تھیں، ہفتہ کے دن واقع ہوا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ سات راتیں گزر چکی تھیں۔ ایک قول یہ ہے کہ نصف مہینہ گزر چکا تھا۔

حضرت امام مالک رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں: غزوہ بدر کے ایک سال بعد یہ غزوہ ہوا اور انہیں سے منقول ہے کہ ہجرت کے اکتیس ماہ بعد (دو سال اور سات ماہ بعد) ہوا۔

اس کا سبب

اس غزوہ کا سبب جیسا کہ ابن اسحاق نے اپنے شیوخ سے، موسیٰ بن عقبہ نے ابن شہاب سے، ابوالاسود نے عروہ سے اور ابن سعد نے نقل کیا۔ یہ سب کہتے ہیں یا ان میں سے بعض نے کہا جس کا خلاصہ اس طرح ہے کہ قریش جب بدر سے واپس مکہ مکرمہ پہنچے اور کنویں میں ڈالے گئے لوگوں کو سزا ملی۔ جب ابوسفیان اپنے قافلے کے

ساتھ واپس پہنچ گئے تو عبداللہ بن ابی ربیعہ اور عکرمہ بن ابو جہل نے کچھ دوسرے لوگوں کے ساتھ مل کر جن کے باپ، بھائی اور بیٹے بدر کے دن کام آئے تھے، کہا کہ اے قریش کی جماعت! حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہیں تکلیف پہنچائی اور تمہارے عمدہ لوگوں کو قتل کر دیا۔ پس تم اس مال سے لڑائی پر ہماری مدد کرو۔ ان کی مراد ابوسفیان کا قافلہ اور وہ لوگ تھے جن کا اس تجارت میں حصہ تھا، شاید ہم اپنا انتقام لے سکیں۔ انہوں نے یہ بات قبول کی اور اس مال کو بیچا اور وہ ایک ہزار اونٹ تھے اور مال پچاس ہزار دینار تھا۔ (طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۳۷)

ابن اسحاق وغیرہ کہتے ہیں کہ انہی لوگوں کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی:

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ لِيَصُدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ فَسَيُنْفِقُوْنَهَا ثُمَّ تَكُوْنُ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً ثُمَّ يُغْلَبُوْنَ ۔ (الانفال: ۳۶)

بے شک وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا، وہ اپنے مال خرچ کرتے ہیں تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کے راستے سے روکیں۔ تو اب وہ انہیں خرچ کریں گے پھر وہ ان کے لیے باعث حسرت ہوگا، پھر وہ مغلوب ہوں گے۔

قریش کی روانگی

قریش، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے لڑنے کے لیے جمع ہوئے اور حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ نے ایک خط لکھ کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے بارے میں اطلاع کر دی۔ ابو سفیان ان لوگوں کو لے کر چلے حتیٰ کہ مدینہ طیبہ کے مقابل احد کی جانب وادی کے دامن میں اترے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا خواب

کئی مسلمانوں کو غزوہ بدر میں حاضر نہ ہونے کا افسوس تھا، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعۃ المبارک کی رات خواب دیکھا۔ جب صبح ہوئی تو فرمایا: اللہ کی قسم! میں نے ایک اچھی بات دیکھی ہے۔ میں نے دیکھا کہ ایک گائے ذبح کی جا رہی ہے اور میں نے اپنی تلوار کی دھار کو ٹوٹا ہوا دیکھا اور میں نے یہ بھی دیکھا کہ میں نے ایک مضبوط زرہ میں ہاتھ داخل کیا۔ گائے کی تعبیر یہ ہے کہ میرے صحابہ کرام میں سے کچھ شہید ہوں گے اور میں نے اپنی تلوار میں جو رخنہ دیکھا وہ میرے اہل بیت میں سے ایک شخص کی شہادت ہے۔

(السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد ۲ ص ۱۲)

ابن عقبہ فرماتے ہیں کہ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ آپ کی تلوار میں جو رخنہ دیکھا گیا، اس سے وہ زخم مراد ہے جو آپ کے چہرۂ انور کو پہنچا کیونکہ اس دن دشمن نے آپ کے چہرہ مبارکہ کو زخمی کیا۔ آپ کے سامنے والے دو اوپر کے اور دو نیچے کی دانت مبارک شہید ہوئے اور نچلا ہونٹ مبارک زخمی کیا۔

ایک روایت میں ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مضبوط زرہ کی تاویل میں مدینہ طیبہ سے کرتا ہوں۔ پس یہیں ٹھہرو اگر قوم گلی کوچوں میں داخل ہوئی تو ہم

ان سے لڑیں گے اور گھروں کے اوپر سے تیراندازی کریں گے۔

بعض صحابہ کرام کی باہر نکلنے میں رغبت

بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یارسول اللہ! ہم اس دن کی تمنا کرتے تھے پس آپ ہمیں ہمارے دشمنوں کی طرف لے کر نکلیں کہیں ہمارے دشمن خیال نہ کریں کہ ہم نے بزدلی دکھائی۔

(السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد ۲ ص ۱۲۷)

چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعۃ المبارک کی نماز پڑھائی پھر ان کو وعظ فرمایا اور کوشش اور محنت کا حکم دیا اور ان کو بتایا کہ جب تک وہ صبر کرتے رہیں گے، ان کو مدد حاصل ہوگی۔ نیز دشمن کے مقابلے کے لیے تیاری کا حکم دیا، چنانچہ صحابہ کرام اس پر خوش ہوگئے۔

پھر آپ نے عصر کی نماز پڑھائی اور صحابہ کرام جمع ہو چکے تھے بلکہ اطراف کے لوگ بھی حاضر ہو چکے تھے۔ پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خانہ اقدس میں داخل ہوئے۔ آپ کے ساتھ آپ کے دونوں ساتھی حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی تھے۔ ان دونوں حضرات نے آپ کے سر مبارک پر عمامہ باندھا اور لباس پہنایا۔ (زرہ پہنائی)

اس دوران لوگ صف بستہ ہو کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے باہر تشریف لانے کے منتظر تھے۔ حضرت سعد بن معاذ اور اسید بن حضیر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ تم لوگوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو باہر نکلنے پر مجبور کیا لہٰذا یہ کام آپ کے سپرد ہی کر دو۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے اور آپ نے زرہ پہنی ہوئی تھی اور تلوار لٹکا رکھی تھی، چنانچہ وہ سب اپنے کیے پر نادم ہوئے اور کہنے لگے: ہمیں آپ کی مخالفت نہیں کرنی چاہیے تھی۔ پس آپ جو چاہیں کریں۔ آپ نے فرمایا: کسی نبی کے لیے مناسب نہیں کہ جب زرہ پہن لے تو اسے اتارے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ اس کے اور اس کے دشمن کے درمیان فیصلہ فرما دے۔

(السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد ۲ ص ۱۲۸، مجمع الزوائد جلد ۶ ص ۱۰۷)

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت میں جسے امام احمد، امام نسائی اور امام طبرانی رحمہم اللہ نے نقل کیا اور امام حاکم نے اسے صحیح قرار دیا، ابن اسحاق کی روایت کردہ حدیث کی مثل ہے۔ اس میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو مدینہ طیبہ نہ چھوڑنے کا مشورہ دیا لیکن انہوں نے شہادت کی طلب میں باہر نکلنے کو ترجیح دی۔ آپ کے زرہ پہننے اور صحابہ کرام کی اس بات پر ندامت اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کا ذکر بھی ہے کہ کسی نبی کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ زرہ پہننے کے بعد اسے اتار دے، حتیٰ کہ لڑائی لڑے (الدر المنثور جلد ۲ ص ۵۸) اور اس میں یہ بھی ہے کہ آپ نے فرمایا: میں نے دیکھا کہ میں مضبوط زرہ میں ہوں۔ (السنن الکبریٰ جلد ۷ ص ۴۱)

جھنڈے باندھنا اور احد کی طرف روانگی

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تین جھنڈے قائم فرمائے۔ ایک جھنڈا حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ کے پاس تھا (اور یہ قبیلہ اوس کا جھنڈا تھا) دوسرا مہاجرین کا جھنڈا تھا جو حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے پاس تھا اور کہا گیا ہے کہ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کے پاس تھا۔[1]

قبیلہ خزرج کا جھنڈا حضرت حباب بن منذر رضی اللہ عنہ کے پاس تھا اور کہا گیا ہے کہ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے پاس تھا۔

مسلمانوں میں ایک سو زرہ پوش تھے۔ حضرت سعد بن معاذ اور حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہما زرہ پہنے ہوئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے آگے تھے اور اس موقع پر آپ نے حضرت عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو مدینہ طیبہ پر عامل مقرر کیا (نماز پڑھانے کے لیے)، اور حفاظت کے لیے حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کو مقرر فرمایا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سحر کے وقت روانہ ہوئے (السیرۃ النبویہ المسمی عیون الاثر جلد اول ص ۳۱۲) اور مسلمانوں میں سے ایک جماعت کو واپس کیا کیونکہ وہ چھوٹے تھے۔ ان میں حضرت اسامہ، حضرت ابن عمر، زید بن ثابت، ابو سعید خدری اور نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہم شامل ہیں۔ مغلطائی کہتے ہیں: یہ بات محل نظر ہے۔[2]

مسلمان ایک ہزار مرد تھے اور کہا گیا ہے کہ نو سو تھے۔ اور مشرکین کی تعداد تین ہزار تھی جن میں سات سو زرہ پوش تھے، دو سو گھوڑے اور تین ہزار اونٹ تھے۔ عورتیں پندرہ تھیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم احد میں اترے اور عبداللہ بن ابی اپنی قوم کے تین سو منافقین کے ساتھ وہاں سے واپس لوٹ گیا اور کہا جاتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے کفر کی وجہ سے اسے مقام شوط سے اور کہا گیا ہے کہ احد سے لوٹنے کا حکم دیا۔

لشکروں کی کیفیت

پھر احد کے دامن میں مسلمانوں نے صف بندی کی اور مشرکین نے شوریدہ زمین میں، ابن عقبہ کہتے ہیں مشرکین کے لشکر کے میمنہ دائیں بازو پر حضرت خالد بن ولید تھے (جو ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے) اور میسرہ بائیں

---

[1] پہلے یہ جھنڈا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے پاس تھا پھر حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا: مشرکین کا جھنڈا کس کے پاس ہے؟ کہا گیا کہ طلحہ بن ابی طلحہ کے پاس۔ آپ نے فرمایا: ان کے مقابلے میں ہم اس کا زیادہ حق رکھتے ہیں تو آپ نے اسے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے لے کر حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو دیا، کیونکہ وہ بنو عبدالدار سے تھے۔

[2] حضرت نعمان بن بشیر کے حوالے سے یہ بات محل نظر ہے کیونکہ وہ احد کے واقعہ سے ایک سال پہلے پیدا ہوئے گویا اس وقت ان کی عمر ایک سال تھی لہٰذا وہ کیسے شامل ہونے کے لیے گئے تھے۔

بازو پر حضرت عکرمہ بن ابی جہل تھے (حضرت عکرمہ بھی بعد میں مسلمان ہوگئے تھے)۔
نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پچاس تیراندازوں پر مقرر فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ اگر تم دیکھو کہ ہمیں پرندے اچک رہے ہیں تب بھی اپنی اس جگہ کو مت چھوڑنا۔ حتیٰ کہ میں تمہاری طرف پیغام بھیجوں اور اگر تم دیکھو کہ ہم نے قوم کو شکست دے دی اور ان کو زوند ڈالا ہے، پھر بھی یہ جگہ نہ چھوڑنا یہاں تک کہ میں تمہاری طرف پیغام بھیجوں۔ امام بخاری رحمتہ اللہ علیہ نے حضرت براء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت سے اسی طرح نقل کیا ہے (صحیح بخاری جلد اول ص ۴۲۶ کتاب الجہاد) اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت جسے امام احمد اور امام طبرانی اور امام حاکم رحمہم اللہ نے نقل کیا میں اس طرح ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ایک جگہ کھڑا کیا۔ پھر فرمایا: ہماری پیٹھوں کی حفاظت کرو۔ اگر دیکھو کہ ہم قتل کئے جاتے ہیں تو بھی ہماری مدد نہ کرنا اور اگر دیکھو کہ ہم مال غنیمت حاصل کر رہے ہیں تو بھی ہمارے ساتھ شریک نہ ہونا۔

(مسند امام احمد جلد اول، ص ۲۸۷)

ابو دجانہ رضی اللہ عنہ

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کون شخص اس تلوار کو اس کے حق کے ساتھ لیتا ہے؟ تو کئی حضرات اس کی طرف اٹھے لیکن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے ان سے روک لیا حتیٰ کہ حضرت ابو دجانہ سماک رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور عرض کیا: یارسول اللہ! اس کا کیا حق ہے؟ آپ نے فرمایا: اسے تم دشمن کے منہ پر مارو حتیٰ کہ ٹیڑھی ہو جائے۔ انہوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! میں اسے اس کے حق کے ساتھ لیتا ہوں، چنانچہ آپ نے یہ تلوار ان کو دے دی اور وہ بہادر مرد تھے جو لڑائی کے وقت متکبرانہ انداز اختیار کرتے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ان کو اکڑ کر چلتے ہوئے دیکھا تو فرمایا: اس طریقے سے چلنے کو اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتا لیکن اس جگہ (جنگ کی حالت میں کوئی حرج نہیں)۔ (السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد ۲ ص ۱۲۹)

ابن ہشام کے مطابق حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے عرض کیا: اللہ کی قسم! میں دیکھوں گا کہ ابو دجانہ کیا کرتے ہیں؟ پس میں ان کے پیچھے چلا۔ انہوں نے ایک سرخ پٹی لے کر سر پر باندھی۔ انصار نے کہا انہوں نے موت کی پٹی نکالی ہے۔ پھر وہ یہ کہتے ہوئے نکلے: (السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد ۲ ص ۱۳)

انا الذی عاهدنی خلیلی　ونحن بالسفح لدی النخیل
الا اقوم الدهر فی الکیول　اضرب بسیف الله والرسول

"میں وہ ہوں کہ مجھ سے میرے خلیل نے وعدہ کیا اور ہم پہاڑ کے دامن میں نخیل کے پاس تھے"۔
"کہ میں کبھی بھی پچھلی صفوں میں کھڑا نہیں ہوں گا اور اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تلوار کے ساتھ ماروں گا"۔

لفظ "کیول" میں کاف پر زبر اور یاء پر تشدید ہے۔ صفوں کا پچھلا حصہ یہ "فیعول" کا وزن ہے اور یہ

"کال الزند یکیل کیلا" سے بنا ہے جب چقماق کو رگڑے لیکن آگ نہ نکلے۔ اسے صفوں کے آخر سے تشبیہ دی گئی ہے کیونکہ جو لوگ اس جگہ ہوتے ہیں وہ لڑتے نہیں۔ ابو عبیدہ فرماتے ہیں: یہ لفظ صرف اس حدیث میں سنا گیا ہے۔ (السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد ۲ ص ۱۳۰)

حضرت ابو دجانہ رضی اللہ عنہ جس مشرک تک پہنچتے اسے قتل کر دیتے۔

مسلمانوں کی مدد

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ لڑتے رہے حتیٰ کہ انہوں نے ارطاۃ بن شرحبیل بن ہاشم بن عبد مناف کو قتل کیا۔ (السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد ۲ ص ۱۳۰) حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ (غسیل الملائکہ) اور ابو سفیان کا مقابلہ ہوا تو حضرت حنظلہ کو شداد بن اوس نے شہید کر دیا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حضرت حنظلہ کو فرشتے غسل دے رہے ہیں چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان کی زوجہ جمیلہ سے جو عبداللہ بن ابی کی بہن تھیں، اس سلسلے میں پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ وہ جنابت (ناپاکی) کی حالت میں گھر سے نکلے تھے۔

بعض علماء نے اس سے استدلال کیا ہے کہ اگر شہید جنبی ہو تو اسے غسل دیا جائے۔

اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے طلحہ بن ابی طلحہ کو قتل کیا جس کے پاس مشرکین کا جھنڈا تھا، پھر ان کا جھنڈا عثمان بن ابی طلحہ کے پاس آیا۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے اس پر حملہ کر کے اس کا بازو اور کاندھا کاٹ ڈالا۔

پھر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر مدد نازل فرمائی تو انہوں نے کفار کو یوں قتل کیا کہ جڑ سے اکھاڑ دیا اور ان کو لشکر سے بھگا دیا اور شکست دی۔ کفار اس طرح بھاگے کہ پیچھے مڑ کر نہیں دیکھتے تھے اور ان کی عورتیں ہائے خرابی! ہائے خرابی! پکار رہی تھیں۔ مسلمان ان کے پیچھے تھے حتیٰ کہ ان کا کام تمام کر دیتے۔ اور لشکر سے ان کا مال نے کر مال غنیمت میں ڈال دیتے۔ (السیرۃ النبویہ المسمی عیون الاثر جلد اول ص ۴۱۵)

تیر اندازوں کا اترنا اور جنگ کا نقشہ بدل جانا

صحیح بخاری میں ہے، حضرت براء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں نے کہا: اے لوگو! مال غنیمت حاصل کرو، تمہارے ساتھی غالب آ گئے تم کس بات کے منتظر ہو۔ حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کیا تم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی بھول چکے ہو؟ انہوں نے کہا: اللہ کی قسم! ہم ضرور لوگوں کے پاس جائیں گے اور مال غنیمت سے اپنا حصہ وصول کریں گے۔ جب وہ وہاں پہنچے تو کفار کے حملہ کے باعث ان کے چہرے پھر گئے اور وہ بھاگنے لگے۔ (السیرۃ النبویہ المسمی عیون الاثر جلد اول ص ۴۱۵)

امام بخاری رحمہ اللہ نے بھی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے نقل کیا ہے کہ جب احد کا دن ہوا تو مشرکین کو واضح شکست ہوئی (اس پر) شیطان چیخا اے اللہ کے بندو! اپنے پچھلوں کی طرف جاؤ تو ان مسلمانوں میں

سے اگلے واپس لوٹے تو پچھلوں کے ساتھ جنگ شروع کردی۔

(صحیح بخاری جلد اول ص ۴۲۶ کتاب الجہاد، صحیح بخاری جلد اول ص ۴۶۴ کتاب المغازی)

امام احمد اور امام حاکم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت نقل کی ہے کہ جب وہ واپس لوٹے تو مشرکین میں مل جل گئے اور دونوں لشکر آپس میں اس طرح مخلوط ہوئے کہ امتیاز نہ ہو سکا، چنانچہ مسلمان ایک دوسرے کو قتل کرنے لگے۔

اور ان کے غیر کی روایت میں ہے کہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے پہاڑ کو خالی اور وہاں موجود صحابہ کرام کی قلت کو دیکھا تو سواروں کے ساتھ پلٹ کر حملہ کیا۔ عکرمہ بن ابو جہل نے ان کا ساتھ دیا اور جو تیرانداز وہاں باقی رہ گئے تھے، ان پر حملہ کرکے ان کو اور ان کے امیر حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہم کو شہید کردیا۔

(طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۴۱)

صحیح بخاری میں ہے کہ جب مشرکین نے صف بندی کی تو سباع ابن عبدالعزی خزاعی نکلا اور اس نے کہا کہ کوئی مقابل ہے؟ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اس کی طرف نکلے اور اس پر خوب حملہ کیا حتیٰ کہ وہ ڈھیر ہوگیا۔ وحشی چٹان کے نیچے چھپا ہوا تھا۔ جب حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اس کے قریب پہنچے تو اس نے اپنا نیزہ مارا جو آپ کے پچھلے حصے سے نکل گیا اور یہ آپ کا آخری وقت تھا۔ (صحیح بخاری جلد ۲ ص ۵۸۳ کتاب المغازی)

حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لڑتے رہے حتیٰ کہ شہید ہوگئے۔ آپ کو ابن قمئہ نے شہید کیا۔ وہ آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گمان کرتا تھا (کیونکہ آپ زرہ پہنتے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہ معلوم ہوتے تھے) ابن قمئہ چلایا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم قتل ہوگئے اور کہا جاتا ہے کہ ازب العقبہ (عامر عقبہ) نے یہ آواز دی تھی۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ابلیس لعنتی نے یہ آواز دی اور وہ جعال کی صورت میں آیا تھا۔ (جعیل بن سراقہ ضمری کی صورت میں آیا)

اور کسی کہنے والے نے کہا اللہ کے بندو! اپنے پچھلوں کی طرف سے بچو تو مسلمان پیچھے کی طرف ہٹے اور ایک دوسرے کو قتل کرنے لگے حالانکہ ان کو اس بات کی سمجھ نہیں آئی اور ایک گروہ مدینہ طیبہ کی طرف بھاگ کھڑا ہوا اور باقی بکھر گئے اور ان میں قتل واقع ہوا۔

حضرت موسیٰ بن عقبہ فرماتے ہیں: جب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا پتانہ چلا تو ان میں سے ایک شخص نے کہا: حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہوگئے ہیں۔ پس اپنی قوم کی طرف لوٹ جاؤ تاکہ وہ تمہیں امن دیں اس سے پہلے کہ وہ (کفار) آکر تمہیں قتل کردیں۔ بے شک وہ گھروں میں داخل ہونے والے ہیں اور ان میں سے کچھ لوگوں نے کہا: اگر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہوگئے ہیں تو کیا تم اپنے دین پر ڈٹے ہوئے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے راستے پر چلتے ہوئے لڑائی نہیں کروگے تاکہ تم اللہ تعالیٰ سے شہید ہونے کی حالت میں ملاقات کرو۔ ان لوگوں میں حضرت انس بن مالک بن نضر رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ان کی اس گفتگو کی شہادت دی۔

"عیون الاثر" میں کہا کہ اس حدیث میں انس بن مالک کا نام آیا ہے حالانکہ وہ حضرت انس بن نضر ہیں جو حضرت انس بن مالک بن نضر کے چچا تھے۔[1]

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی جگہ ٹھہرے رہے حتیٰ کہ وہ لوگ آپ سے ہٹ گئے اور آپ کے ساتھ چودہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی ثابت قدم رہے۔ سات مہاجرین میں سے تھے جن میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے اور سات کا تعلق انصار سے تھا۔

اور صحیح بخاری میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صرف بارہ حضرات ٹھہرے رہے۔ مسلمانوں کے ستر افراد شہید ہوئے اور بدر میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام کے ہمراہ ایک سو چالیس کفار کو حاصل کیا۔ ستر قید کئے۔ (السیرۃ النبویہ المسمی عیون الاثر جلد اول ص ۴۱۶) اور ستر قتل ہوئے۔
(صحیح بخاری جلد ۲ ص ۵۶۸)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا زخمی ہونا

ابوسفیان نے تین بار کہا: کیا لوگوں میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دینے سے منع فرمایا: پھر کہا: کیا قوم میں ابن ابی قحافہ (حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ) ہیں۔ یہ بات بھی تین بار پوچھی۔ پھر تین بار پوچھا: کیا قوم میں (حضرت) عمر بن خطاب (رضی اللہ عنہ) ہیں (جب جواب نہ ملا) تو اپنے ساتھیوں کی طرف رجوع کرتے ہوئے کہا کہ یہ سب لوگ قتل ہو چکے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے آپ کو قابو میں نہ رکھ سکے۔ اس لیے فرمایا: اے اللہ تعالیٰ کے دشمن! تو نے جھوٹ کہا: تم نے جن لوگوں کا شمار کیا وہ سب کے سب زندہ ہیں اور تیرے لیے بری خبر باقی ہے۔ ابوسفیان نے کہا: آج کا دن اس دن (بدر کے دن) کے بدلے میں ہے اور لڑائی تو ایک ڈول ہے (کبھی ایک کے پاس اور کبھی دوسرے کے پاس)۔[2] (صحیح بخاری جلد ۲ ص ۵۷۹)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام کو تلاش کرنے لگے کہ سامنے سے مشرکین آئے اور انہوں نے آپ کے چہرہ انور پر تیر پھینکے اور خون جاری ہوگیا نیز آپ کے سامنے کے (چار) دانت شہید کر دیئے، آپ کو زخمی کرنے والا قمئہ تھا اور آپ کے دانتوں کو شہید کرنے والا شخص عتبہ بن ابی وقاص تھا جو حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ

---

[1] حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کمسن تھے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ تشریف لائے تو اس وقت ان کی عمر دس سال تھی لہٰذا غزوہ احد کے وقت آپ تیرہ سال کے تھے۔ اگر آپ نے شرکت کی ہو تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کے لیے شریک ہوئے ہوں گے یا اپنے چچا کے ساتھ گئے ہوں گے۔ (زرقانی جلد ۲ ص ۳۴)

[2] حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کو بارگاہ نبوی میں کس قدر خصوصی مقام حاصل تھا کہ دشمن ان دونوں کے علاوہ کسی کو نہ جانتے تھے اور ان تین شخصیات کے بارے میں سوال کئے کیونکہ ابوسفیان اور اس کی قوم کو معلوم تھا کہ ان تینوں سے اسلام قائم ہے۔
(فتح الباری جلد ۷ ص ۲۷۲)

عنہ کا بھائی تھا۔ اس کے بعد اس کی نسل سے جو بھی بچہ پیدا ہوا جب وہ بالغ ہوتا تو اس کے منہ سے بو آتی یا اس کے سامنے کے چار دانت جڑ سے ہی نہ ہوتے۔ یہ بات اس نسل میں معروف تھی۔

(السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد ۲، ص ۱۳۵)

ابن ہشام نے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت میں کہا ہے کہ عتبہ بن ابی وقاص نے اس دن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو پتھر مار کر آپ کے دائیں جانب کا نچلا سامنے والا دانت توڑ دیا اور آپ کے نچلے ہونٹ کو بھی زخمی کر دیا اور عبداللہ بن ہشام زہری نے آپ کی پیشانی مبارک کو زخمی کیا جبکہ ابن قمئہ نے آپ کے رخسار مبارک زخمی کیے۔ آپ کے خود (لوہے کی ٹوپی) کے دو حلقے آپ کے مبارک رخساروں میں گھس گئے اور آپ ان گڑھوں میں سے ایک گڑھے میں جا گرے جو ابو عامر فاسق نے مسلمانوں کے ساتھ دھوکہ اور مکر کرنے کے لیے کھودے تھے۔ (السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد ۲ ص ۱۳۵)

ایک روایت میں ہے کہ انہوں نے آپ کے سر مبارک پر ہی خود کو توڑ دیا اور آپ کو پتھر مارے حتیٰ کہ آپ پہلو کے بل ان گڑھوں میں سے ایک گڑھے میں گرے جو ابو عامر نے کھودے تھے۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے آپ کا ہاتھ مبارک پکڑا اور حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ نے آپ کو اپنی آغوش میں لے لیا حتیٰ کہ آپ کھڑے ہو گئے اور خود کے دو حلقے آپ کے چہرہ انور میں گہرے گھس گئے۔ حضرت ابو عبیدہ عامر بن عبداللہ ابن جراح رضی اللہ عنہ نے ان کو آپ کے رخسار مبارک سے کھینچ کر نکالا۔ اور ان دو حلقوں کو اپنے دانتوں سے اس قدر زور سے پکڑا کہ ان کے دو دانت گر پڑے کیونکہ وہ حلقے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ انور میں گھس گئے تھے۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کے والد مالک بن سنان رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے رخساروں سے خون چوس کر پی لیا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص کے خون کے ساتھ میرا خون مل جائے اسے (جہنم کی) آگ نہیں پہنچے گی۔ (السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد ۲ ص ۱۳۵)

انشاء اللہ تعالیٰ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خون مبارک کا حکم آگے بیان ہو گا۔

طبرانی میں حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے مروی ہے کہ عبداللہ بن قمئہ نے احد کے دن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ انور پر تیر مارا تو آپ کا چہرہ زخمی ہو گیا اور سامنے کے اوپر نیچے کے چار دانت ٹوٹ گئے۔ اس نے کہا: اے لو میں ابن قمئہ ہوں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چہرے سے خون پونچھتے ہوئے فرمانے لگے: اللہ تعالیٰ تجھے ذلیل کرے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس پر پہاڑی نر ہرن مسلط کر دیا۔ وہ اسے مسلسل سینگ مارتا حتیٰ کہ اسے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ (السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد ۲ ص ۱۳۵)

ابن اسحاق نے حضرت حمید الطویل رحمہ اللہ سے روایت کیا۔ وہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں: احد کے دن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ انور زخمی ہو گیا اور آپ کے چہرے پر خون بہنے لگا۔ آپ اپنے چہرہ انور سے خون پونچھتے اور فرماتے وہ قوم کیسے کامیاب ہو گی جنہوں نے اپنے نبی کے چہرے کو

خون آلود کردیا حالانکہ وہ ان کو ان کے رب کی طرف بلاتا ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

(مسند امام احمد، جلد ۳ ص ۲۰۱، جامع ترمذی جلد ۲ ص ۱۲۵)

لَیْسَ لَکَ مِنَ الْاَمْرِ شَیْءٌ اَوْ یَتُوْبَ عَلَیْهِمْ اَوْ یُعَذِّبَهُمْ فَاِنَّهُمْ ظٰلِمُوْنَ۔ — یہ بات آپ کے اختیار میں نہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی توبہ قبول کرے یا ان کو عذاب دے۔ بے شک وہ ظالم ہیں۔

(آل عمران: ۱۲۸)

امام ابن عائذ کے نزدیک امام اوزاعی کے طریق سے مروی ہے فرماتے ہیں: ہمیں یہ خبر پہنچی ہے کہ احد کے دن جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم زخمی ہوئے تو آپ کوئی چیز لے کر خون خشک فرمار ہے تھے اور آپ نے فرمایا: اگر اس میں سے کچھ زمین پر گر جاتا تو ان لوگوں پر آسمان سے عذاب نازل ہوتا۔ پھر دعا فرمائی:

اللهم اغفر لقومی فانهم لا یعلمون۔ — یااللہ! میری قوم کو بخش دے، یہ جانتے نہیں۔

عبدالرزاق نے معمر (بن راشد ازدی) سے اور انہوں نے حضرت امام زہری رحمہ اللہ سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ انور پر اس دن ستر ضربیں لگیں اور اللہ تعالیٰ نے ان تمام کے شر سے آپ کو محفوظ رکھا۔ فتح الباری میں ہے کہ یہ حدیث مرسل[1] قوی ہے۔

اور اس بات کا احتمال ہے کہ ستر سے حقیقی ضربیں مراد ہوں یا مبالغہ ہو (کہ بہت سی ضربیں لگیں)۔

(فتح الباری شرح صحیح بخاری جلد ۷ ص ۲۸۶)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بچاؤ کے لیے لڑائی

ابن ہشام کے مطابق حضرت ام عمارہ نسیبہ بنت کعب مازنیہ نے احد کے دن لڑائی میں حصہ لیا۔ وہ فرماتی ہیں: میں دن کے شروع میں نکلی حتیٰ کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچ گئی اور لڑنے لگی، حتیٰ کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے (کفار کو) تلوار کے ذریعے اور کمان سے تیر پھینکتے ہوئے دور کرتی تھی یہاں تک کہ میں زخمی ہوگئی۔ یہ زخم ابن قمئہ نے مجھے لگایا تھا اللہ تعالیٰ اسے ذلیل کرے۔ جب لوگ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پھرے تو ابن قمئہ سامنے سے آیا اور کہنے لگا: مجھے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بارے میں بتاؤ اگر وہ بچ گئے تو میں نجات نہیں پاؤں گا۔ ام عمارہ فرماتی ہیں: میں اس کے سامنے آئی تو اس نے مجھے یہ ضرب لگائی میں نے اسے کئی ضربیں لگائیں لیکن اللہ تعالیٰ کے دشمن پر دو زرہیں تھیں۔

ام سعد بن ربیع (جو اس حدیث کو روایت کرتی ہیں) فرماتی ہیں: میں نے ام عمارہ کے کاندھے پر زخم کا ایک گہرا گھاؤ دیکھا۔ (السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد ۲ ص ۱۳۶)

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ ابودجانہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ڈھال بن گئے وہ آپ پر

[1] حدیث مرسل وہ حدیث جس میں صحابی کا ذکر نہ ہو اور تابعی براہ راست حضور علیہ السلام سے روایت کرے۔

جھکے ہوئے تھے اور تیر ان کی پشت میں ترازو ہو رہے تھے یہاں تک کہ وہ تیروں کی کثرت کی وجہ سے حرکت نہیں کر رہے تھے (کہ مبادا میرے ہٹنے سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی تیر نہ لگ جائے) حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کھڑے ہو کر تیر پھینکتے تھے۔ آپ فرماتے ہیں، میں نے دیکھا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مجھے تیر دیتے ہیں اور فرماتے ہیں: تیر پھینکو تم پر میرے ماں باپ فدا ہوں حتیٰ کہ مجھے آپ نے ایسے تیر دیئے جن کا پھل نہ ہوتا اور آپ فرماتے، تیر پھینکو۔ (السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد ۲ ص ۱۳۶)

معجزات کا ظہور

اس دن حضرت قتادہ بن نعمان رضی اللہ عنہ کو تیر لگا، جس کی وجہ سے آپ کی آنکھ نکل کر رخسار پر آگئی۔ وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، تو آپ نے اس کی آنکھ کو ہاتھ سے پکڑ کر اپنی جگہ پر رکھ دیا اور دعا مانگی: یا اللہ! اسے جمال عطا فرما، تو ان کی دونوں آنکھوں میں سے یہ آنکھ زیادہ خوبصورت تھی اور اس کی نظر بھی زیادہ تیز تھی۔ امام دار قطنی نے اسے اسی طرح بیان کیا۔ انشاء اللہ معجزات کے بیان میں ان کے الفاظ ذکر کئے جائیں گے۔

ابو رھم نے کلثوم بن حصین کو تیر مارا تو وہ ان کے سینے پر جا لگا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے لعاب مبارک لگایا جس سے وہ ٹھیک ہو گیا۔

حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کی تلوار ٹوٹ گئی تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو لکڑی کی ایک شاخ دی تو وہ ان کے ہاتھ میں تلوار بن گئی جس سے وہ لڑتے رہے۔ اس تلوار کو عرجون (شاخ) کہا جاتا تھا اور وہ ان کے خاندان میں وراثتاً چلتی رہی، حتیٰ کہ وہ معتصم باللہ کے امراء میں سے ایک امیر بغا الترکی پر بغداد میں دو سو دینار کے بدلے بیچی گئی۔

یہ حضرت عکاشہ رضی اللہ عنہ والے واقعہ کی طرح ہے، جو بدر میں پیش آیا لیکن حضرت عکاشہ کی تلوار کا نام عون اور اس کا نام عرجون تھا۔

گھاٹی کی طرف چڑھنا اور ابی بن خلف کا قتل

مشرکین، مسلمانوں کو شہید کرنے لگے ان کو مثلہ کرتے (شکلیں بگاڑتے) ان کے کان، ناک اور شرم گاہیں کاٹتے اور پیٹ پھاڑتے تھے اور ان کا خیال تھا کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے جلیل القدر صحابہ کرام کو شہید کر دیا ہے۔

سب سے پہلے حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچانا۔ وہ فرماتے ہیں: میں نے آپ کی آنکھوں کو پہچانا جو خود کے نیچے چمک رہی تھیں۔ میں نے بلند آواز سے کہا: اے مسلمانوں کی جماعت! رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ادھر ہیں۔ جب انہوں نے آپ کو پہچانا تو وہ اور آپ سب گھاٹی کی طرف

چڑھے۔ آپ کے ساتھ حضرت ابوبکر، حضرت عمر فاروق، حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہم اور مسلمانوں کی ایک جماعت تھی جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم گھاٹی پر چڑھ گئے تو ابی بن خلف نے آپ کو دیکھا۔ وہ کہہ رہا تھا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کہاں ہیں؟ اگر وہ بچ گئے تو مجھے نجات نہ ملی۔ صحابہ کرام نے عرض کیا: یارسول اللہ! کیا ہم میں سے کوئی ایک اس کی طرف جائے؟ آپ نے فرمایا: اسے چھوڑ دو۔ جب وہ قریب آیا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حارث بن صمہ سے نیزہ لیا تو آپ نے اتنی تیزی سے جنبش فرمائی کہ ہم آپ سے اس طرح دور ہو گئے جس طرح اونٹ کی پیٹھ سے چھوٹی مکھیاں اڑ جاتی ہیں جب وہ اپنی پیٹھ کو جنبش دیتا ہے۔ پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس کے سامنے آئے اور اس طرح اسے برچھا مارا کہ وہ گھوڑے سے گر پڑا اور اس سے خون نہ نکلا لیکن اس کی پسلی ٹوٹ گئی۔

جب وہ قریش کی طرف لوٹا تو اس نے کہا: اللہ کی قسم! محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے قتل کر دیا۔ کیا انہوں نے مکہ مکرمہ میں یہ نہیں فرمایا تھا کہ میں تجھے قتل کروں گا۔ اللہ کی قسم! اگر آپ مجھ پر تھوک دیتے تو بھی میں ہلاک ہو جاتا اور ... دشمن خدا مقام سرف میں مرگیا۔ اور وہ اسے مکہ مکرمہ لے جا رہے تھے۔[1] اسے امام بیہقی نے اور ابو نعیم نے روایت کیا لیکن انہوں نے اس کی پسلیوں کے ٹوٹنے کا ذکر نہیں کیا۔

واقدی کہتے ہیں: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرمایا کرتے تھے کہ ابی بن خلف بطن رابغ میں مرگیا۔ فرماتے ہیں: (کچھ عرصہ بعد) میں بطن رابغ سے گزر رہا تھا کہ میں نے دیکھا آگ کی لپٹ بھڑکی۔ میں خوف زدہ ہو گیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ ایک شخص اس سے نکل رہا ہے۔ وہ زنجیروں میں جکڑا ہوا ہے اور انہیں کھینچ رہا ہے اور "پیاس پیاس" کہہ کر پکارتا ہے اور ایک دوسرا شخص کہتا ہے: اسے پانی نہ پلانا۔ اسے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قتل کیا اور یہ ابی بن خلف ہے۔ (دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۳ ص ۲۵۹، کتاب المغازی للواقدی جلد ۱ ص ۲۵۲)

معرکہ کے بعد

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب گھاٹی کے منہ تک پہنچے تو حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے اپنی ڈھال اس کے چشمے (مہراس) کے پانی سے بھری۔ "مہراس" سوراخ والی چٹان ہوتی ہیں جس سے بہت زیادہ پانی ہوتا ہے۔ بعض نے کہا: احد کے ایک پانی (چشمے) کا نام مہراس ہے۔ حضرت علی وہ پانی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائے اور آپ کے چہرہ انور سے خون کو دھویا نیز آپ کے سر انور پر ڈالا۔ آپ فرما رہے تھے: اس شخص پر اللہ تعالیٰ کا غضب زیادہ ہوا جس نے اپنے نبی کے چہرے کو تیر کا نشانہ بنایا۔

اس دن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے زخم کی وجہ سے ظہر کی نماز بیٹھ کر پڑھی اور مسلمانوں نے آپ کے پیچھے بیٹھ کر نماز پڑھی۔

---

[1] مقام سرف مکہ مکرمہ کے راستے میں ہے جہاں ام المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کا مزار مبارک ہے۔ راقم کو ۱۹۹۳ء میں زیارت کی سعادت حاصل ہوئی۔ ... ۱۲ ہزاروی۔

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ ہند بنت عتبہ اور ان کے ساتھ کچھ دوسری عورتیں شہید صحابہ کرام کا مثلہ کرنے لگیں (شکلیں بگاڑنا مثلہ کہلاتا ہے)' وہ کان اور ناک کاٹتی تھیں۔ ہند (ہندہ) نے حضرت حمزہ کا کلیجہ چاک کیا اور چبایا لیکن اسے نگل نہ سکیں تو تھوک دیا۔ (السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد ۲ ص ۱۳۹)

جب ابوسفیان نے واپسی کا ارادہ کیا تو پہاڑی پر چڑھ کر بلند آواز سے کہا: معاملہ ٹھیک ہو گیا۔ بے شک لڑائی تو پانی کے ڈول کی طرح ہے۔ آج بدر کا بدلہ لے لیا ہے۔ اے ہبل (بت کا نام) تو بلند ہوا۔ (یا تو نے اپنی بلندی کو ظاہر کر دیا) (السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد ۲ ص ۱۴۰)

ابوسفیان نے احد کی طرف جاتے وقت ایک تیر پر نعم (ہاں) لکھا اور دوسرے پر لا (نہیں) لکھا اور ان تیروں کو ہبل کے گرد چکر لگوایا تو نعم (ہاں) والا تیر نکلا۔ چنانچہ وہ احد کی طرف روانہ ہوئے' چنانچہ جب انہوں نے کہا: اے ہبل! تیری بلندی زیادہ ہو تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا: ان کو یوں جواب دو کہ اللہ تعالیٰ بلند اور بزرگی والا ہے۔ ابوسفیان نے کہا: ہبل کا ذکر چھوڑ دے یہ اپنے فتوئی میں سچا ہوا کہ اس نے "نعم" کے ساتھ جواب دیا۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: برابر نہیں ہیں: بلکہ ہمارے شہداء جنت میں جائیں گے اور تمہارے مقتول جہنم میں۔ ابوسفیان نے کہا: ہمارے لیے عزیٰ (بت) ہے اور تمہارے لیے کوئی عزیٰ نہیں ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم کہو کہ اللہ تعالیٰ ہمارا مولا ہے تمہارا کوئی مولا نہیں۔

جب ابوسفیان اور ان کے ساتھی واپس جانے لگے تو ابوسفیان نے کہا تمہارا وعدہ آئندہ سال میدان بدر ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایک صحابی سے فرمایا: تم کہو ہاں یہ ہمارے اور تمہارے درمیان وعدے کا مقام ہے۔ (السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد ۲ ص ۱۴۰)

امام طبرانی نے ذکر کیا کہ جب مشرکین واپس لوٹے تو عورتیں صحابہ کرام کی طرف مدد کے لیے آئیں۔ ان میں سے حضرت خاتون جنت فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا بھی شامل تھیں جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی ملاقات ہوئی تو وہ آپ سے چمٹ گئیں اور وہ آپ کے زخموں کو پانی سے دھونے لگیں لیکن خون میں اضافہ ہوا۔ جب انہوں نے یہ حالت دیکھی تو چٹائی کا ایک ٹکڑا لے کر اسے آگ میں جلا کر زخموں پر چپکا دیا۔ حتیٰ کہ وہ زخم سے مل گیا اور خون رک گیا۔

جب کہ واقدی نے ذکر کیا پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کو بھیجا۔ انہوں نے شہداء میں جا کر آواز دی: اے سعد بن ربیع! دوبارہ آواز دی تو جواب نہ آیا حتیٰ کہ انہوں نے کہا: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے آپ کے پاس بھیجا ہے۔ انہوں نے کمزور آواز سے جواب دیا۔ انہوں نے دیکھا کہ وہ شہداء کے درمیان کافی زخمی حالت میں ہیں اور ابھی زندگی کی کچھ رمق باقی ہے۔ انہوں نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو میری طرف سے سلام عرض کرنا اور کہنا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو ہماری طرف سے بہتر جزا دے جو جزا وہ کسی امت کی طرف سے اس کے نبی کو دیتا ہے اور اپنی قوم کو میری طرف سے سلام کہنا اور یہ بھی کہنا کہ اللہ تعالیٰ

کے ہاں تمہارا کوئی عذر قبول نہ ہوگا اگر تمہارے نبی کے پاس کوئی دشمن پہنچے اور تم زندہ رہو، پھر ان کا انتقال ہوگیا۔
(کتاب المغازی للواقدی جلد اول ص ۲۹۲، السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد ۲ ص ۱۳۱)

"وان عاقبتم" الآیہ کا نزول

حضرت ابو جابر رضی اللہ عنہ شہید ہوئے تو وہ اپنی انگلیوں (کے پوروں) سے پہچانے گئے اور کہا گیا کہ ہاتھ پاؤں سے پہچانے گئے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو تلاش کرنے کے لیے نکلے تو آپ کو وادی کے دامن میں پایا۔ آپ کا پیٹ کلیجے کے مقام سے چیرا گیا تھا اور آپ کا مثلہ کیا گیا۔ ناک اور کان کاٹ دیئے گئے تھے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایسا معاملہ دیکھا کہ اس سے زیادہ دل دکھانے والی بات کبھی نہ دیکھی ہوگی۔ آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ آپ پر رحم فرمائے۔ آپ خوب نیکی کرنے والے تھے۔ بہت زیادہ صلہ رحمی کرتے تھے۔ سنو! اللہ کی قسم! میں آپ کی جگہ ان کے ستر افراد کو مثلہ کروں گا۔ (السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد ۲ ص ۱۴۱) راوی فرماتے ہیں اس پر سورہ نحل کی آخری آیات نازل ہوئیں۔ ارشاد خداوندی ہے:

وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصّٰبِرِيْنَ۔ (النحل: ۱۲۶)

اور اگر تم سزا دو تو اس کی مثل سزا دو جو تمہیں تکلیف دی گئی اور اگر تم صبر کرو تو یہ صبر کرنے والوں کے لیے بہتر ہے۔

پس نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صبر فرمایا اور قسم کا کفارہ ادا کرتے ہوئے اپنے ارادے کو ترک کر دیا۔

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی طرح ان کے بھانجے حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کا بھی مثلہ کیا گیا۔ اس لیے وہ "مجدع فی اللہ" (اللہ کے راستے میں جس کے اعضاء کاٹے گئے) کے ساتھ معروف ہیں۔ شہادت کے وقت ان کی عمر چالیس سال سے کچھ اوپر تھی اور ان کو حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ایک ہی قبر میں دفن کیا گیا۔

آیت کریمہ "ولا تحسبن الذین قتلوا" کا نزول

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بلندی پر تشریف لے جا کر شہداء کو دیکھا تو فرمایا: میں ان لوگوں پر گواہ ہوں اور جو شخص بھی راہ خداوندی میں زخمی ہوتا ہے، قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اسے اس طرح اٹھائے گا کہ اس کے زخم سے خون نکل رہا ہوگا۔ اس کا رنگ خون کی طرح اور بو کستوری جیسی ہوگی۔
(السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد ۲ ص ۱۴۱، سنن ابن ماجہ ص ۲۰۶)

حضرت عبداللہ بن ثعلبہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے شہدائے احد کے بارے میں فرمایا کہ ان کے زخموں سمیت ان پر کپڑا ڈال دو۔

ابوبکر بن مردویہ نے روایت کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے جابر کیا میں تجھے نہ بتاؤں کہ اللہ

تعالیٰ نے کسی سے بھی حجاب کے بغیر کلام نہیں کیا اور تمہارے والد سے بلا حجاب گفتگو فرمائی اور فرمایا: مجھ سے کچھ مانگو، میں تمہیں عطا کروں۔ انہوں نے عرض کیا: میں دنیا میں واپس جانا چاہتا ہوں تاکہ تیرے راستے میں دوبارہ شہید کیا جاؤں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں نے پہلے سے یہ فیصلہ کر رکھا ہے کہ یہ لوگ دنیا کی طرف دوبارہ نہیں جائیں گے۔ عرض کیا یا اللہ! میرے پچھلوں کو (میری اس اچھی حالت کی) خبر دے دے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ۭ بَلْ اَحْيَاۗءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ۔ (آل عمران: ۱۶۹)

اور ان لوگوں کو جو اللہ تعالیٰ کے راستے میں شہید ہو جائیں، مردہ گمان نہ کرو بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے رب کے ہاں رزق پاتے ہیں۔

(جامع ترمذی جلد ۲ ص ۱۲۵، سنن ابن ماجہ ص ۲۰۶)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے (فرماتے ہیں) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تمہارے بھائی احد میں شہید ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی ارواح کو سبز پرندوں کے پیٹوں میں رکھ دیا۔ وہ جنت کی نہروں پر جاتے اور وہاں کے پھلوں سے کھاتے ہیں اور عرش کے سائے میں سونے کی قندیلوں میں ٹھکانہ پکڑتے ہیں۔ جب ان شہداء نے عمدہ کھانے اور مشروب اور اچھی جگہ پائی تو کہنے لگے: کاش ہمارے (پچھلے) بھائیوں کو معلوم ہو تاکہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے ساتھ کیا (اچھا) سلوک کیا ہے تاکہ وہ جہاد سے منہ نہ پھیرتے اور لڑائی سے پیچھے نہ رہتے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں تمہاری طرف سے ان تک یہ پہنچا دوں گا چنانچہ اللہ تعالیٰ نے یہ (مندرجہ بالا) آیات نازل فرمائیں۔ (مسند امام احمد جلد اول ص ۲۶۶، سنن ابی داؤد جلد اول ص ۳۴۱)

اس حدیث پر گفتگو کرنے والے بعض حضرات (امام سہیلی رحمہ اللہ صاحب الروض الانف) نے فرمایا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی کہ (پھر) وہ قندیلوں میں چلے جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد گرامی اس کی تائید کرتا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

وَالشُّهَدَاۗءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۭ لَهُمْ اَجْرُهُمْ وَنُوْرُهُمْ۔ (الحدید: ۱۹)

اور شہداء کے لیے ان کے رب کے پاس ان کا اجر اور نور ہے۔

وہ رات کے وقت قندیلوں میں جاتے ہیں اور دن کے وقت (جنت سے) متمتع ہوتے ہیں اور آخرت میں جنت میں جانے کے بعد ان قندیلوں میں نہیں جائیں گے۔ صرف عالم برزخ میں ایسا ہوتا ہے۔

حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وہ جنت کے میوے کھاتے ہیں اور خود جنت میں نہیں ہیں۔

حضرت مجاہد کے اس قول کو رد کیا گیا (لیکن) اس (قول) کی گواہی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث میں پائی جاتی ہے جو مسند ابن ابی شیبہ وغیرہ میں مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شہداء اس نہر میں ہیں یا فرمایا نہر پر ہیں جس کو بارق کہا جاتا ہے اور وہ جنت کے دروازے پر ہے۔ وہ سبز قبوں میں ہیں اور صبح و شام جنت سے ان کا رزق آتا ہے۔ (صحیح ابن حبان جلد ۸ ص ۸۳، مسند امام احمد جلد اول ص ۲۶۶)

حافظ ابن عماد الدین بن کثیر نے فرمایا کہ شہداء کی کئی اقسام ہیں: ان میں سے بعض جنت (کے باغات) سے

کھاتے ہیں اور ان میں سے بعض جنت کے دروازے پر نہر پر ہوتے ہیں اور یہ بھی احتمال ہے کہ ان کی سیر کی انتہا اس نہر تک ہوتی ہے پس وہ جمع ہوتے ہیں اور وہاں ان کو صبح و شام رزق دیا جاتا ہے۔

وہ فرماتے ہیں ہم نے مسند امام احمد میں ایک حدیث روایت کی ہے جس میں ہر مومن کے لیے خوشخبری ہے کہ اس کی روح بھی جنت میں ہوتی ہے اور جہاں سے چاہے لطف اندوز ہوتی ہے۔ اس کا پھل کھاتی ہے اور اس میں ترو تازگی اور سرور دیکھتی ہے نیز اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے جو اعزاز رکھا ہے' اس کا مشاہدہ کرتی ہے۔

وہ فرماتے ہیں: اس حدیث کی سند صحیح عزیز عظیم ہے۔ اس میں ان چار اماموں میں سے تین جمع ہیں جن کی اتباع کی جاتی ہے' کیونکہ اسے امام احمد نے امام شافعی سے انہوں نے امام مالک بن انس سے انہوں نے امام زہری (رحمہم اللہ) سے' انہوں نے عبدالرحمن بن کعب بن مالک سے اور انہوں نے اپنے باپ سے روایت کیا اور وہ اسے مرفوعاً یعنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا:

مومن کی روح ایک پرندہ ہے جو جنت کے درختوں سے لٹکا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اسے اس کے جسم میں لوٹا کر (قیامت کے دن) اٹھائے گا۔ (مسند امام احمد جلد ۳' ص ۴۵۵)

لٹکنے سے مراد کھانا ہے اور اسی حدیث میں ہے کہ مومن کی روح جنت میں پرندے کی شکل میں ہوتی ہے اور شہداء کی ارواح سبز پرندوں کے پوٹوں میں ہوتی ہیں' پس عام مومنوں کی ارواح کے مقابلے میں یہ سوار کی طرح ہیں کیونکہ عام مومنوں کی روح خود بخود اڑتی ہیں۔ ہم اللہ کریم اور بہت احسان کرنے والے سے سوال کرتے ہیں کہ وہ ہمارا خاتمہ ایمان پر فرمائے۔ (تفسیر ابن کثیر جلد اول ص ۴۲۷)

شہداء اور مقتولین کی تعداد

مغلطائی وغیرہ نے کہا کہ غزوہ احد میں ستر مسلمان شہید ہوئے یہ بھی کہا گیا کہ پینسٹھ صحابہ کرام شہید ہوئے جن میں سے چار مہاجرین تھے۔

ابن مندہ نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی حدیث سے نقل کیا وہ فرماتے ہیں۔ احد کے دن چونسٹھ انصار اور چھ مہاجرین شہید ہوئے۔ ابن حبان نے اسے اس طریق پر صحیح قرار دیا۔

اور مشرکین میں سے تئیس افراد قتل ہوئے۔ ابی بن خلف کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنے ہاتھوں سے واصل جہنم کیا۔

فرشتوں کی آمد

اس دن فرشتے بھی حاضر ہوئے۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی روایت صحیح مسلم میں ہے وہ فرماتے ہیں کہ انہوں نے احد کے دن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دائیں اور بائیں جانب دو آدمی دیکھے جن پر سفید لباس تھا۔ فرماتے ہیں: میں نے اس سے پہلے اور بعد ان کو نہیں دیکھا یعنی وہ حضرت جبریل اور حضرت

میکائیل علیہما السلام تھے جو بہت سخت لڑ رہے تھے۔
جیسا کہ ہم نے غزوہ بدر کے ذکر میں نقل کیا۔ اس میں یہ بھی ہے کہ فرشتوں کا حضور علیہ السلام کے ہمراہ لڑنا یوم بدر کے ساتھ خاص نہیں ہے لیکن بعض لوگوں کا خیال اس کے خلاف ہے جیسا کہ امام نووی رحمتہ اللہ علیہ نے شرح مسلم میں ذکر کیا۔ ہم اسے پہلے بیان کر چکے ہیں۔ (صحیح مسلم جلد ۲ ص ۲۵۲)

منافقین اور یہودی

جب مسلمان اپنے شہداء پر روتے تو منافق خوش ہوتے اور یہودیوں کا (چھپا ہوا) کینہ ظاہر ہو گیا۔ (انہوں نے کہا کہ اگر آپ نبی ہوتے تو زخمی نہ ہوتے حالانکہ زخمی ہونا نبوت کے خلاف نہیں۔ پہلے انبیاء کرام کو شہید کیا گیا اور طرح طرح کے مصائب میں مبتلا ہوئے۔ تو کیا ان کی نبوت کا انکار کر دیا جائے گا... ۱۲ ہزاروی)۔

تنبیہ

حضرت قاضی عیاض رحمہ اللہ نے شفاء شریف میں قاضی ابو عبداللہ بن مرابط مالکی رحمہ اللہ سے نقل کیا کہ جو شخص یوں کہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو شکست ہوئی، اس سے توبہ کا مطالبہ کیا جائے۔ اگر توبہ کر لے تو ٹھیک ہے ورنہ اسے قتل کر دیا جائے۔ کیونکہ اس نے آپ کی توہین کی ہے اور یہ بات خاص آپ کی ذات کے حوالے سے جائز نہیں۔ کیونکہ آپ کو اپنے معاملے کی بصیرت اور اپنی عصمت پر یقین تھا۔ (الشفاء جلد ۲ ص ۲۱۰)
اور یہ ہمارے مذہب (شافعی مذہب) کے موافق ہے۔ (کہ حضور علیہ السلام کی توہین کرنے والا مرتد ہے) لیکن علامہ بساطی مالکی[1] فرماتے ہیں کہ یہ قائل اگر اصل مسئلہ میں (مالکیوں کی) مخالفت کرتا ہے یعنی توہین کرنے والے کے حکم کے بارے میں تو اس کی ایک وجہ ہے (کہ اس نے مذہب بدل لیا) اور اگر اس بات پر موافق ہو گیا کہ اس کی توبہ قبول نہ کی جائے تو یہ مشکل ہے۔[2]

احد کے واقعات میں حکمت

واقعہ احد اور اس میں جو تکلیف مسلمانوں کو پہنچی، اس میں بے شمار فوائد اور اللہ تعالیٰ کی حکمتیں ہیں۔
ان میں سے ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کا انجام برا ہے اور ان کے

---

1. علامہ بساطی مالکی رحمہ اللہ شمس الدین محمد بن احمد بن عثمان ہیں آپ شیخ الاسلام ہیں۔ مصر میں فقہ مالکی کے قاضی القضاۃ رہے۔ ۷۶۰ھ میں ولادت ہوئی اور علوم و فنون و تصانیف میں ایک بہت بڑا مقام حاصل کرنے کے بعد ۸۴۲ھ میں وفات پائی۔
2. مطلب یہ ہے کہ اگر وہ مالکی مذہب کو چھوڑ کر شافعی مسلک اختیار کر لیتا ہے اور کہتا ہے کہ اس کی توبہ قبول کی جائے تو یہ شافعی مذہب کے مطابق کہہ رہا ہے لیکن اگر وہ کہتا ہے کہ اس کی توبہ قبول ہو گی تو یہ بات فقہ مالکی کے خلاف ہے۔ (زرقانی جلد ۲ ص ۵۷) بلکہ اس بات پر اجماع ہے کہ گستاخ رسول کی توبہ دنیوی احکام میں قبول نہ ہو گی اور وہ واجب القتل ہے... ۱۲ ہزاروی۔

منع کردہ کام کے ارتکاب کی نحوست واقع ہوتی ہے کہ جب تیراندازوں کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی جگہ ٹھہرنے کا حکم دیا لیکن انہوں نے چھوڑ دیا۔ (تو حالت بدل گئی)

دوسری بات یہ ہے کہ رسل عظام کے سلسلے میں سنت الٰہیہ یہ ہے کہ ان کی آزمائش کی جاتی ہے۔ پھر انجام کار کے طور پر ان کے لیے عافیت ہوتی ہے اور اس میں حکمت یہ ہے کہ اگر ان کی مدد ہمیشہ کی جائے تو غیر مسلم بھی مسلمانوں میں داخل ہو جائیں اور سچے لوگوں کو دوسروں سے ممتاز نہیں کیا جا سکے گا اور اگر ہمیشہ شکست ہو تو بعثت کا مقصد حاصل نہ ہو گا۔ پس حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ دونوں باتوں کو اکٹھا کیا جائے تاکہ سچے اور جھوٹے میں تمیز ہو سکے۔

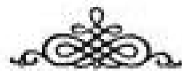
اس لیے کہ منافقوں کا نفاق چھپا ہوا تھا۔ جب یہ واقعہ ہوا اور انہوں نے اپنے قول و فعل سے اپنی منافقت کو ظاہر کیا حتیٰ کہ پوشیدہ بات ظاہر ہو گئی اور مسلمانوں نے جان لیا کہ ان کے شہر میں ان کے دشمن موجود ہیں تو وہ مستعد ہو گئے اور انہوں نے ان سے بچاؤ اختیار کیا۔

تیسری حکمت یہ ہے کہ بعض مقامات پر مدد میں تاخیر نفس کی شکست اور اس کے تکبر کو توڑنا ہے۔ پس جب مسلمان مبتلا ہوئے تو انہوں نے صبر کیا اور منافق رونے پیٹنے لگے۔

چوتھی حکمت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کرامت والے گھر میں مومن بندوں کے لیے منازل تیار کی ہیں جن تک اعمال کے ذریعے رسائی نہیں ہوتی تو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے آزمائش اور امتحان رکھا تاکہ ان منازل تک پہنچ سکیں۔

پانچویں حکمت یہ ہے کہ شہادت اللہ تعالیٰ کا اعلیٰ مرتبہ ہے، تو اللہ تعالیٰ نے ان کو شہادت کی طرف گامزن فرمایا۔

چھٹی حکمت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے دشمنوں کو ہلاک کرنے کا ارادہ فرمایا تو ان کے لیے ایسے اسباب پیدا کیے جن کے وہ سزاوار تھے کہ انہوں نے کفر اور سرکشی اختیار کی اور اللہ تعالیٰ کے دوستوں کو ایذا پہنچانے میں بغاوت کی راہ اختیار کی۔ پس اس طرح اللہ تعالیٰ نے مومنوں کے گناہ مٹا دیئے اور کفار کو ہلاک کیا۔



اُحد کے بعد

غزوۂ حمراء الاسد

یہ مقام مدینہ طیبہ سے ذوالحلیفہ کی طرف جاتے ہوئے مدینہ طیبہ سے آٹھ میل کے فاصلہ پر راستے کی بائیں جانب آتا ہے۔

ہجرت کے بتیسویں مہینے کے آغاز میں اتوار کے دن جبکہ شوال کی سولہ یا آٹھ راتیں گزر چکی تھیں، یہ واقعہ ان لوگوں کی تلاش میں ہوا جو کل دشمنی کر چکے تھے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے منادی نے اعلان کیا کہ ہمارے ساتھ صرف وہی لوگ جائیں گے جو کل (غزوۂ احد میں) شریک ہوئے تھے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دشمن کو خوف زدہ کرنے کے لیے تشریف لے گئے تھے۔ تاکہ ان کو یہ خبر پہنچائیں کہ آپ ان کی طلب میں نکلے ہیں تاکہ ان کو آپ کی قوت کا احساس ہو اور مسلمانوں کو دشمن کی طرف سے جو تکلیف پہنچی ہے اس نے ان کو کمزور نہیں کیا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم وہاں سوموار، منگل اور بدھ کا دن ٹھہرے۔ پھر جمعہ کے دن مدینہ طیبہ واپس تشریف لائے۔ آپ پانچ دن مدینہ طیبہ سے باہر رہے۔ (دلائل البیہقی جلد ۳ ص ۳۱۶' طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۴۸) اس دوران آپ نے معاویہ بن مغیرہ بن ابی العاص پر کامیابی پائی اور آپ نے حکم دیا کہ اسے قید کر کے اس کی گردن ماری جائے۔

شراب کا حرام ہونا

حافظ مغلطائی نے کہا ہے کہ شوال میں شراب حرام کی گئی۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ (ہجرت کے) چوتھے سال حرام ہوئی۔

امام احمد کی روایت ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں شراب تین مرحلوں میں حرام ہوئی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ تشریف لائے تو وہاں کے لوگ شراب پیتے اور جوئے کا مال کھاتے تھے۔ ان دونوں چیزوں کے بارے میں صحابہ کرام نے آپ سے پوچھا تو اللہ تعالیٰ نے آیت نازل فرمائی:

يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ قُلْ فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَاِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا۔ (البقرۃ: ۲۱۹)

آپ سے شراب اور جوئے کے بارے میں پوچھتے ہیں آپ فرما دیجئے ان دونوں کا گناہ بہت بڑا ہے اور لوگوں کے لیے منافع بھی ہیں اور ان کا گناہ ان کے نفع سے زیادہ ہے۔

تو صحابہ کرام نے سوچا کہ یہ ہم پر حرام نہیں کی گئی۔ صرف اتنا فرمایا کہ ان میں گناہ زیادہ ہے۔

اور وہ شراب پیتے رہے۔ حتیٰ کہ ایک دن ایسا آیا کہ مہاجرین میں سے ایک شخص نے اپنے ساتھیوں کو مغرب کی نماز پڑھائی تو ان کی قرأت خلط ملط ہو گئی تو اللہ تعالیٰ نے اس سے بھی سخت (حکم والی) آیت نازل فرمائی۔ ارشاد فرمایا:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ۔ (النساء: ۴۳)

اے ایمان والو! نماز کے قریب نہ جاؤ جب تم نشے کی حالت میں ہو حتیٰ کہ تم جان لو کہ تم کیا کہتے ہو۔

اس کے بعد بھی لوگ شراب پیتے رہے تو اس سے بھی سخت (حکم والی) آیت نازل ہوئی۔ ارشاد فرمایا:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ۔ (المائدہ: ۹۰)

اے ایمان والو! بے شک شراب اور جوا اور بت اور تیروں سے فال نکالنا ناپاکی ہے۔ شیطان کے عمل سے ہے پس تم اس سے بچو تاکہ تم فلاح پاؤ۔

(مسند امام احمد جلد ۲ ص ۳۵۱)

صحابہ کرام نے کہا اے ہمارے رب! ہم باز آ گئے۔ (مسند امام احمد جلد ۲ ص ۳۵۱)

میسر سے مراد جوا ہے اور اس کے علاوہ کا قول بھی کیا گیا ہے۔

اسی سال حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما کی ولادت ہوئی۔

سریہ ابی سلمہ

اس کے بعد سریہ ابی سلمہ ہوا جو ہجرت کے پینتیس ویں مہینے کے شروع میں محرم الحرام کے آغاز میں قطن مقام کی طرف ہوا یہ فیہ کے نواح میں ایک پہاڑ ہے۔ حضرت ابو سلمہ کے ساتھ ایک سو پچاس صحابہ کرام تھے جو مہاجرین و انصار دونوں پر مشتمل تھے۔ یہ سریہ خویلد کے دو بیٹوں طلیحہ اور سلمہ کی تلاش میں گیا لیکن ان دونوں کو نہ پایا، البتہ اونٹ اور بکریاں پائیں۔ چنانچہ ان کو لوٹا اور جنگ کی نوبت نہ آئی۔ (طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۵۰)

سریہ عبداللہ بن انیس

اس کے بعد عبداللہ بن انیس کا سریہ ہوا اور ہجرت کے پینتیس ویں مہینے کے شروع میں محرم الحرام کی پانچ راتیں گزرنے پر سوموار کے دن سفیان بن خالد ہذلی کی تلاش میں تنہا عرفات کی وادی عرنہ کی طرف تشریف لے

گئے۔ کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ملی تھی کہ اس نے لڑائی کے لیے لوگوں کو جمع کیا ہے۔

حضرت عبداللہ بن انیس جب وہاں پہنچے تو اس نے پوچھا تم کس قبیلے سے ہو؟ فرمایا بنو خزاعہ سے تعلق ہے۔ میں نے سنا ہے کہ تم نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف لوگوں کو جمع کیا ہے تو میں تمہارے ساتھ شامل ہونے کے لیے آیا ہوں۔

اس نے کہا ٹھیک ہے۔ آپ کچھ وقت اس کے ساتھ چلے پھر اسے غفلت میں قتل کر دیا اور اس کا سر اٹھا لائے۔ آپ رات کو چلتے اور دن کو چھپ جاتے، حتیٰ کہ مدینہ طیبہ تشریف لائے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس چہرے نے فلاح پائی۔ انہوں نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے چہرہ انور نے فلاح پائی اور اس (سفیان) کا سر آپ کے سامنے رکھ دیا۔ حضرت عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ اٹھارہ راتیں غائب رہے اور ہفتہ کے دن جبکہ محرم کی سات راتیں باقی تھیں واپس تشریف لائے۔ (طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۵۰)

یوم رجیع

پھر ہجرت کے چھتیسویں مہینے کے شروع میں صفر کے مہینے میں عاصم بن ثابت کا سریہ ہے جو رجیع کی طرف گیا۔ (طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۵۰) رجیع قبیلہ ہذیل کے ایک چشمے کا نام ہے جو مکہ مکرمہ اور عسفان کے درمیان حجاز کے نواح میں واقع ہے۔ یہ واقعہ چونکہ اس چشمے کے قریب ہوا اس لیے اس نام سے موسوم ہے۔

اور عضل اور قارہ کی حدیث یہ ہے کہ عضل بنو ہون بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر کا ایک بطن ہے جو عضل بن الدیش کی طرف منسوب ہے اور قارہ (قاف اور راء غیر مشددہ کے ساتھ) بھی ہون کا ایک بطن ہے۔ جو اسی دیش سے منسوب ہے۔ ابن درید نے کہا کہ قارہ سیاہ ٹیلہ ہے جس میں پتھر ہیں۔ گویا وہ وہاں اترے تھے اس لیے ان کا یہ نام پڑ گیا۔ (فتح الباری شرح بخاری جلد ۷ ص ۲۹۰)

رجیع اور بئر معونہ میں فرق

عضل اور قارہ کا واقعہ رجیع کی جماعت میں تھا سریہ بئر معونہ میں نہیں۔ ابن اسحاق نے ان دونوں کے درمیان تفریق کی ہے۔ پس رجیع کا ذکر تیسرے سال کے آخر میں کیا اور بئر معونہ کا ذکر چوتھے سال کے آغاز میں۔ (فتح الباری جلد ۷ ص ۲۹۰)

اور واقدی نے ذکر کیا ہے کہ بئر معونہ کی خبر اور اصحاب رجیع کی خبر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک ہی رات پہنچی تھی۔

بخاری کے عنوان کے سیاق سے وہم پیدا ہوا کہ رجیع کا لشکر اور بئر معونہ ایک ہی چیز ہے۔ حالانکہ یہ بات نہیں ہے، کیونکہ رجیع کی جماعت حضرت عاصم، حضرت خبیب اور ان کے ساتھیوں (رضی اللہ عنہم) کی جماعت ہے اور یہ عضل اور قارہ کی طرف سے تبلیغ کے لیے گئے تھے پھر ان کے ساتھ ٹکراؤ ہوا اور بئر معونہ قراء

کا گروہ تھا جو رعل اور ذکوان کی طرف سے تبلیغ کے لیے گیا تھا اور پھر ان سے ٹکراؤ ہوا تھا۔ امام بخاری نے اسے اس کے ساتھ اس کے قریب ہونے کی وجہ سے شامل کیا۔

اور اس کے قرب پر حضرت انس رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث دلالت کرتی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا میں بنولحیان، بنوعصیہ اور ان کے غیر کو شریک کیا۔ (فتح الباری شرح بخاری جلد ۷ ص ۲۹۱)

امام بخاری نے ان کو ایک واقعہ قرار دینے کا ارادہ نہیں کیا اور عضل اور قارہ کا ذکر صراحتاً نہیں کیا۔

حادثۂ رجیع کے واقعات

ابن اسحاق نے اس واقعہ کا ذکر غزوۂ احد کو مکمل طور پر ذکر کرنے کے بعد کیا اور کہا یوم رجیع کا ذکر اس طرح ہے کہ مجھ سے عاصم بن عمر بن قتادہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ احد کے بعد عضل اور قارہ کا ایک گروہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور انہوں نے کہا یا رسول اللہ! ہم اسلام لاتے ہیں۔ پس اپنے کچھ صحابہ کرام کو بھیجیں جو ہمیں دین سکھائیں۔ آپ نے ان کے ساتھ چھ صحابہ کرام کو بھیجا اور مرثد بن ابی مرثد غنوی کو ان کا امیر بنایا۔ ابن سحاق کی سیرت میں اسی طرح ہے اور صحیح (بخاری) میں ہے کہ آپ نے عاصم بن ثابت کو ان پر امیر مقرر کیا جیسا کہ آگے آئے گا۔ یہی زیادہ صحیح بات ہے۔ وہ صحابہ کرام ان لوگوں کے ساتھ تشریف لے گئے، حتیٰ کہ رجیع کے پاس پہنچے جو ہذیل قبیلے کا پانی ہے تو ان لوگوں نے دھوکہ دیتے ہوئے ہذیل کو ان کے خلاف بلایا۔

صحابہ کرام کجاووں میں تھے اور وہ خوفزدہ نہ ہوئے ان لوگوں نے تلواریں اٹھا رکھی تھیں [illegible] انہوں نے ان صحابہ کرام کو گھیر لیا تھا۔ صحابہ کرام نے بھی تلواریں لے لیں تاکہ ان سے لڑیں۔ تو وہ کہنے لگے اللہ کی قسم ہم تمہیں قتل کرنا نہیں چاہتے بلکہ ہم چاہتے ہیں تمہارے عوض اہل مکہ سے کچھ حاصل کریں (یعنی ہم تمہیں ان کے حوالے کر [illegible] اور ہمارے درمیان اللہ تعالیٰ کا عہد و میثاق ہے کہ ہم [illegible] قتل نہیں کریں گے، لیکن صحابہ کرام نے اس عہد سے انکار کر دیا اور حضرت مرثد، خالد اور عاصم رضی اللہ عنہم نے فرمایا کہ ہم کسی مشرک کا عہد قبول نہیں کرتے۔ چنانچہ انہوں نے لڑائی کی اور شہید ہو گئے۔

(السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد ۲ ص ۱۶۸)

اور صحیح بخاری میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر حضرت عاصم بن ثابت رضی اللہ عنہ کو امیر مقرر فرمایا۔ حتیٰ کہ جب وہ عسفان اور مکہ مکرمہ کے درمیان ھداۃ کے مقام پر پہنچے تو انہوں نے ہذیل کے ایک قبیلے بنولحیان کو بلا لیا تو انہوں نے ان کے لیے دو سو مردوں کو جمع کیا اور بعض راویوں کے نزدیک اس طرح ہے کہ ایک سو تیر اندازوں کے ساتھ ان کے پیچھے چلے۔

دونوں روایتوں کو یوں جمع کیا جا سکتا ہے کہ دوسرے ایک سو تیر انداز نہ تھے۔ (کل دو سو تھے، ایک سو تیر انداز اور ایک سو غیر تیر انداز)۔ (صحیح بخاری جلد ۲ ص ۵۸۵ کتاب المغازی)

ابو معشر نے اپنے مغازی سے اس طرح روایت کیا کہ وہ سحری کے وقت رجیع کے پاس اترے اور عجوہ

کھجوریں (ایک عمدہ قسم کی کھجور) کھائیں اور ان کی گٹھلیاں اس جگہ پھینک دیں، وہ رات کو چلتے اور دن کو چھپ جاتے۔ ہذیل قبیلے کی ایک عورت بکریاں چراتے ہوئے آئی تو کھجوروں کو دیکھ کر ان کے چھوٹا ہونے کو اجنبی جانتے ہوئے کہا کہ یہ یثرب (مدینہ طیبہ) کی کھجوریں ہیں۔ اس نے اپنی قوم کو آواز دی کہ دشمن تم پر پہنچ گئے ہیں، چنانچہ وہ ان کی تلاش میں آئے۔ وہ پہاڑ میں چھپے ہوئے تھے۔ وہ ان کے نشانات پر ان کے پاس جا پہنچے۔

ابن سعد کی روایت میں ہے کہ قوم کے ان لوگوں نے ان کو ڈرایا جن کے ہاتھوں میں تلواریں تھیں اور انہوں نے ان کو گھیر رکھا تھا۔ (طبقات ابن سعد جلد ۴ ص ۵۵، فتح الباری جلد ۷ ص ۲۹۴)

جب حضرت عاصم اور آپ کے ساتھیوں نے ان کی موجودگی کو محسوس کیا تو انہوں نے فدفد میں (بلند ٹیلے پر) پناہ لی۔ قوم نے ان کو گھیر لیا اور کہنے لگے اگر تم ہماری طرف اترو تو تمہارے لیے عہد اور پکا وعدہ ہے کہ ہم تم میں سے کسی ایک شخص کو بھی قتل نہیں کریں گے۔ حضرت عاصم بن ثابت رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں کسی کافر کے ذمہ پر نہیں اترتا۔ پھر (بارگاہ خداوندی میں) عرض کیا یا اللہ! ہماری طرف سے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر پہنچا دے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا کو قبول فرمایا اور [illegible] ان کو شہید کیا گیا نبی [illegible] اللہ علیہ وسلم کو خبر دی گئی۔ (فتح الباری شرح بخاری جلد ۷ ص ۲۹۴)

انہوں نے تیر پھینک پھینک کر حضرت عاصم رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا اور حضرت خبیب بن عدی اور زید بن دثنہ اور عبداللہ بن طارق رضی اللہ عنہم ان کے عہد و پیمان پر اتر آئے۔

وہ لوگ حضرت خبیب اور حضرت زید بن دثنہ رضی اللہ عنہما کو لے کر چلے گئے، حتیٰ کہ انہیں مکہ مکرمہ میں فروخت کر دیا۔ بنو حارث بن عامر نے حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کو خریدا اور آپ ان کے پاس قیدی کے طور پر رہے، یہاں تک کہ جب وہ لوگ آپ کو شہید کرنے پر متفق ہوئے تو آپ نے بنو حارث کی ایک لڑکی سے استرا ادھار لیا کہ اس سے بال صاف کریں۔ وہ اپنے ایک چھوٹے بچے سے غافل ہو گئی اور وہ بچہ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کی طرف متوجہ ہوا اور آپ نے اسے اپنے پاس بٹھا لیا۔ عورت کو ڈر پیدا ہوا کہ کہیں آپ اسے قتل نہ کر دیں، اس لیے وہ پریشان ہو گئی۔ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں دھوکہ نہیں دوں گا۔

راوی فرماتے ہیں، اس عورت نے کہا: میں نے حضرت خبیب رضی اللہ عنہ سے اچھا قیدی نہیں دیکھا۔ اللہ کی قسم میں نے دیکھا وہ آدمی کے سر کے برابر انگور کے خوشہ سے کھا رہے تھے، حالانکہ آپ زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے اور مکہ مکرمہ میں کوئی پھل نہ تھا۔ یہ وہ رزق تھا جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمایا تھا۔

(صحیح بخاری جلد ۲ ص ۵۶۸)

کرامت

یہ وہ کرامت ہے جو اللہ تعالیٰ نے حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کو عطا فرمائی۔ یہ کفار کے لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے صحیح ہونے پر دلیل اور نشانی تھی۔ (فتح الباری جلد ۷ ص ۲۹۴)

اور اہل سنت کے نزدیک اولیاء کرام کے لیے کرامت مطلقاً ثابت ہے لیکن بعض محققین نے جیسا کہ علامہ الربانی ابوالقاسم قشیری رحمتہ اللہ علیہ ہیں، اس چیز کو مستثنیٰ کیا جس کے ذریعے بعض انبیاء کرام علیہم السلام نے دشمن کا مقابلہ کیا تو انہوں نے کہا اولیاء کرام باپ کے بغیر اولاد پیدا کرنے اور اس طرح کے دوسرے کاموں تک نہیں پہنچ سکتے۔ اس سلسلے میں یہ مذہب نہایت اعتدال پر مبنی ہے۔

لیکن فوری طور پر دعا کی قبولیت، کھانے کا زیادہ ہو جانا، آنکھوں سے غائب چیز کو دیکھ لینا اور مستقبل میں ظہور پذیر ہونے والے کاموں کی خبر دینا اور اس قسم کی بے شمار کرامات ہیں وہ لوگ جو صلاح کی طرف منسوب ہیں (یعنی نیک لوگ ہیں) ان سے ان چیزوں کا وقوع عام عادت کی طرح (یقینی) ہوتا ہے۔

تو اس وقت عادت کے خلاف بات کا ظاہر ہونا اس صورت میں منحصر ہے جو امام قشیری رحمتہ اللہ علیہ نے فرمائی ہے اور جس شخص نے مطلق کا قول کیا کہ جو کام نبی سے بطور معجزہ ظاہر ہوتا ہے وہ بطور کرامت ولی سے ظاہر ہو سکتا ہے۔ اس کو اس مندرجہ بالا صورت کے ساتھ مقید کرنا ہو گا (یعنی پہلی صورت جو اوپر بیان ہوئی مثلاً باپ کے بغیر بیٹے کا پیدا ہونا یہ انبیاء کرام کے ساتھ خاص ہے اور وہ معجزات جو دوسری قسم کے مطابق ہیں۔ مثلاً کھانے کا زیادہ ہونا وغیرہ۔ وہ کرامت بھی بن سکتے ہیں۔... ۱۲ ہزاروی)۔

اور اس کے علاوہ جو بات عام لوگوں کے نزدیک ٹھہر چکی ہے کہ عادت کے خلاف عمل جس آدمی سے ظاہر ہو، وہ ولی ہے تو یہ بات غلط ہے۔ کیونکہ بعض اوقات اہل باطل مثلاً جادوگر، کاہن اور راہب سے بھی خلاف عادت کام ظاہر ہوتے ہیں۔ پس جو شخص اس کے ذریعے اولیاء کرام کی ولایت پر استدلال کرتا ہے، وہ اس بات کا محتاج ہے کہ اولیاء کرام اور دوسروں کے اس عمل کے درمیان فرق بیان کرے۔ اس سلسلے میں علماء کرام نے سب سے بہتر بات جو ذکر کی ہے، وہ یہ ہے کہ جس آدمی سے خلاف عادت کام ظاہر ہو، اس کی آزمائش کی جائے۔ اگر وہ شرعی اوامر و نواہی پر عمل پیرا ہوتا ہے تو یہ کام اس کی ولایت کی دلیل بنے گا ورنہ نہیں۔ اور اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ فتح الباری سے بطور خلاصہ یہ عبارت تحریر کی گئی۔ (فتح الباری جلد ۷ ص ۲۹۴)

روایات سابقہ کا تتمہ

جب وہ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کو حرم سے باہر لے گئے کہ آپ کو شہید کر دیں تو آپ نے فرمایا: مجھے دو رکعت نماز پڑھنے دو (صحیح بخاری جلد ۲ ص ۵۸۵ کتاب المغازی) اور موسیٰ بن عقبہ کے نزدیک یہ ہے کہ انہوں نے دو رکعتیں وہاں پڑھیں جہاں آج مسجد تنعیم ہے۔ (مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ جاتے ہوئے کچھ فاصلے پر حدود حرم سے باہر مسجد تنعیم ہے) اور یوں دعا مانگی:

اللھم احصھم عددا ولا تبق منھم احدا واقتلھم بددا۔

(صحیح بخاری جلد ۲ ص ۵۸۵ کتاب المغازی)

اے میرے اللہ! انہیں چن چن کر ہلاک کر دے اور ان میں سے کسی کو باقی نہ چھوڑنا اور ان کو جدا جدا ہلاک کر دے۔

توسال کے اندر اندر وہ سب ہلاک ہوگئے۔

حضرت بریدہ بن سفیان کی روایت میں ہے کہ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یااللہ! مجھے کوئی ایسا شخص نہیں ملتا تو تیرے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو میرا اسلام پہنچادے، یااللہ تو ان تک میرا اسلام پہنچادے۔
(فتح الباری شرح بخاری جلد ۷ ص ۲۹۵)

ابوالاسود کی حضرت عروہ رضی اللہ عنہ سے روایت میں ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اس واقعہ کی خبر دی۔ پھر حضرت خبیب رضی اللہ عنہ نے یہ دو شعر پڑھے:

فلست ابالی حین اقتل مسلما علی ای شق کان للہ مصرعی
وذلک فی ذات الالہ وان یشا یبارک علی اوصال شلو ممزع

"جب میں حالت اسلام میں قتل کیا جاؤں تو مجھے اس بات کی پروا نہیں کہ میں کس پہلو پر اللہ تعالیٰ کے لیے گرتا ہوں"۔

"اور میرا یہ قتل اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ہے۔ اللہ تعالیٰ چاہے تو میرے کٹے ہوئے جسم کے ہر جوڑ میں برکت دے"۔

اوصال وصل کی جمع یعنی عضو، الشلو جسم کو کہتے ہیں اور عضو پر بھی بولا جاتا ہے، یہاں جسم ہی مراد ہے۔ ممزع کٹا ہوا اور معنی یہ ہے کہ کٹے ہوئے جسم کے اعضاء۔

ابوالاسود کی حضرت عروہ رضی اللہ عنہ سے روایت میں اس شعر کا اضافہ ہے:

لقد اجمع الاحزاب فی ولبوا قبائلھم واستجمعوا کل مجمع

"میرے بارے میں گروہ متفق ہوگئے اور انہوں نے اپنے قبیلوں کو ترغیب دی اور ہر مجمع کو جمع کیا"۔

یہ شعر بھی ہے:

الی اللہ اشکو غربتی بعد کربتی وما ارصد الاحزاب لی عند مصرعی

"سختیاں اٹھانے کے بعد جو مسافرت ہے تو اس کی شکایت میں اللہ تعالیٰ سے ہی کرتا ہوں اور اس چیز کی شکایت جو گروہوں نے مجھے پچھاڑنے کے وقت ارادہ کیا"۔

ابن اسحاق نے تیرہ اشعار نقل کیے ہیں۔ ابن ہشام کہتے ہیں کہ بعض لوگوں نے ان اشعار کا حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کے حوالے سے انکار کیا ہے۔ (فتح الباری شرح بخاری جلد ۷ ص ۲۹۵)

شہادت سے پہلے دو رکعتیں

حضرت خبیب رضی اللہ عنہ وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے شہید ہونے سے پہلے ہر اس مسلمان کے لیے دو رکعتیں پڑھنے کا طریقہ جاری کیا جو قید کر کے قتل کیا جائے۔ ابن اسحاق نے اسی طرح کہا ہے۔ ابن اسحاق کا یہ قول اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ یہ سنت جاریہ ہے۔ (السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد ۲ ص ۱۷۱)

حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کا یہ عمل سنت قرار پایا۔ حالانکہ سنت تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال، افعال اور تقریر (آپ کے سامنے کوئی کام ہوا اور آپ نے منع نہ فرمایا تو یہ تقریر ہے) کا نام ہے۔ لیکن چونکہ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کا یہ عمل نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں ہوا اور آپ نے اس فعل کو اچھا قرار دیا اور مسلمانوں نے بھی اسے اچھا سمجھا۔ اس لیے یہ سنت قرار پایا اور نماز وہ بہترین عمل ہے جو بندے کا آخری عمل ہونا چاہیے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے بھی یہ دو رکعتیں ادا کی تھیں اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت (ظاہری زندگی کے ساتھ) زندہ تھے۔ جس طرح ہم نے حضرت امام سہیلی رحمہ اللہ سے ان کی سند کے ساتھ جو حضرت لیث بن سعد رضی اللہ عنہ تک پہنچی ہے، ذکر کیا۔ وہ فرماتے ہیں مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے طائف میں ایک شخص سے خچر کرائے پر حاصل کی۔ خچر کے مالک نے کہا کہ وہ جہاں چاہے گا ان کو اتار دے گا۔ راوی فرماتے ہیں وہ ایک ویران جگہ کی طرف مڑا اور حضرت زید رضی اللہ عنہ سے کہا آپ اتر جائیں۔ چنانچہ آپ اتر گئے۔ اس ویرانے میں بہت سے مقتول تھے۔

حضرت زید رضی اللہ عنہ نے جب دیکھا کہ وہ آپ کو بھی قتل کرنا چاہتا ہے تو آپ نے فرمایا: مجھے چھوڑو میں دو رکعتیں نماز پڑھ لوں۔ اس نے کہا پڑھئے۔ تم سے پہلے ان لوگوں نے نماز پڑھی لیکن ان کی نماز نے ان کو کوئی فائدہ نہ دیا۔ حضرت زید فرماتے ہیں جب میں نے نماز پڑھ لی تو وہ میرے پاس مجھے قتل کرنے کے لئے آیا۔ میں نے کہا: اے سب سے زیادہ رحم فرمانے والے! فرماتے ہیں اس نے ایک آواز سنی کہ ان کو قتل نہ کرنا۔ چنانچہ وہ ڈر گیا۔ وہ آواز دینے والے کی تلاش میں نکلا لیکن کچھ بھی دکھائی نہ دیا۔ پھر میری طرف لوٹا تو میں نے پھر پکارا اے سب سے زیادہ رحم کرنے والے! تین مرتبہ ایسا کیا تو اتنے میں ایک شخص جو گھوڑے پر سوار تھا آیا۔ اس کے ہاتھ میں لوہے کا ایک آلہ تھا جس کے سرے سے آگ کے شعلے نکلتے تھے۔ اس نے اسے اس شخص کے پیٹ میں اس طرح داخل کیا کہ پیٹھ کی طرف سے نکل گیا اور وہ مر کر گر گیا۔ پھر اس سوار نے حضرت زید سے کہا کہ جب آپ نے پہلی بار پکارا "اے ارحم الراحمین" تو میں ساتویں آسمان میں تھا۔ جب دوسری بار پکارا تو میں دنیا کے آسمان (پہلے آسمان) پر تھا۔ تیسری بار پکارا تو میں تمہارے پاس آگیا۔ (السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد ۲ ص ۱۷۱)

خبر رجیع کی تکمیل

حضرت ابوالاسود کی حضرت عروہ رضی اللہ عنہ سے روایت میں ہے حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کو سولی پر چڑھاتے ہوئے جب انہوں نے آپ کے جسم پر نیزوں سے کچوکے لگانے شروع کئے تو انہوں نے آپ کو پکارا اور قسم دے کر پوچھا کہ کیا آپ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی جگہ دیکھنا پسند کرتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: اللہ کی قسم! نہیں میں اس بات کو بھی پسند نہیں کرتا کہ میری جگہ آپ کے پیر میں ایک کانٹا بھی چبھے۔

اور کہا جاتا ہے کہ یہ بات زید بن دشنہ رضی اللہ عنہ نے کہی تھی۔ ابوسفیان نے پوچھا اے زید! میں تجھے قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ تم پسند کرتے ہو کہ اس وقت تمہاری جگہ ہمارے پاس حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہوں اور ان کی گردن ماری جائے اور تم اپنے گھر والوں کے پاس ہو؟ انہوں نے فرمایا: اللہ کی قسم! میں تو یہ بھی نہیں چاہتا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت جہاں ہیں وہاں آپ کو کوئی کانٹا چبھے جو آپ کو اذیت پہنچائے اور میں اپنے گھر والوں کے پاس بیٹھا رہوں۔ ابوسفیان نے کہا میں نے کسی محبوب کے ایسے محب نہیں دیکھے جیسے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرنے والے ہیں، پھر نسطاس نے حضرت زید رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا۔

(السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد ۲ ص ۱۶۸)

قریش نے حضرت عاصم رضی اللہ عنہ کے جسم کا ایک حصہ طلب کیا تاکہ ان کو پہچانیں۔ حضرت عاصم رضی اللہ عنہ نے بدر کے دن قریش کے بڑے بڑے لوگوں میں سے ایک سردار کو قتل کیا تھا اور شاید یہ سردار عقبہ بن ابی معیط تھا۔ حضرت عاصم نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے اسے باندھ کر قتل کیا۔ جب وہ لوگ بدر سے جا رہے تھے۔

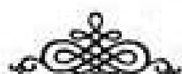
ابن اسحاق کے نزدیک اور اسی طرح بریدہ بن سفیان کی روایت میں ہے کہ حضرت عاصم رضی اللہ عنہ نے جب عقبہ کو قتل کیا تو قبیلہ ہذیل نے ارادہ کیا تھا کہ ان کا سر مبارک حاصل کر کے سلافہ بنت سعد پر بیچیں گے اور سلافہ، مسافع اور جلاس کی ماں تھی اور یہ دونوں ابو طلحہ عبدری کے بیٹے تھے۔

حضرت عاصم رضی اللہ عنہ نے ان دونوں کو احد کے دن قتل کیا تھا اور اس عورت نے اس وقت نذر مانی تھی کہ اگر وہ حضرت عاصم رضی اللہ عنہ کا سر مبارک حاصل کرنے پر قادر ہوئی تو وہ اس کھوپڑی میں شراب پئے گی۔

طبری نے کہا ہے کہ اس نے آپ کا سر لانے والے کے لئے ایک سو اونٹنیاں (بطور انعام) مقرر کی تھیں لیکن بھڑوں نے ان لوگوں کو آپ کے قریب نہ آنے دیا اور وہ آپ کے جسم کا کوئی حصہ لینے میں کامیاب نہ ہو سکے۔

حضرت عاصم رضی اللہ عنہ نے اللہ تعالیٰ سے عہد لیا تھا کہ کوئی مشرک ان کے جسم کو ہاتھ نہ لگا سکے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو جب یہ خبر پہنچی تو فرمایا: اللہ تعالیٰ جس طرح مومن بندے کی دنیا میں حفاظت فرماتا ہے اسی طرح اس کے وصال کے بعد بھی اسے محفوظ رکھتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کے گوشت مبارک کو مشرکین سے محفوظ رکھنے کے سلسلے میں آپ کی دعا قبول فرمائی لیکن چونکہ ان کو شہادت کا درجہ دینا تھا اس لئے قتل سے نہ روکا اور آپ کی کرامت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے جسم اقدس کو ٹکڑے ٹکڑے ہونے کے ذریعے بے حرمتی سے محفوظ فرمایا۔ (فتح الباری شرح صحیح بخاری جلد ۷ ص ۲۹۶)



بئر معونہ

جگہ اور تاریخ

سریہ منذر بن عمرو بئر معونہ کی طرف گیا۔ معونہ، مکہ مکرمہ اور عسفان کے درمیان ہذیل کے علاقوں میں سے ایک جگہ ہے۔ یہ سریہ ہجرت کے چھتیسویں مہینے کے شروع میں صفر کے مہینے میں ہوا اور اس وقت غزوہ احد کے بعد چوتھا مہینہ شروع ہوا تھا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ساتھ حطاب سلمی کو بھیجا تاکہ وہ راستے کی راہنمائی کریں اور یہ سریہ رعل کے مقابل گیا جو بنو سلیم کا ایک بطن ہے اور وہ رعل بن عوف بن مالک کی طرف منسوب ہیں۔ ذکوان بھی بنو سلیم کا ایک بطن (ذیلی قبیلہ) ہے جو ذکوان بن ثعلبہ کی طرف منسوب ہے۔ تو یہ غزوہ (یعنی سریہ) معونہ کی طرف منسوب ہے۔ (کیونکہ یہ لوگ وہاں اترے تھے۔)

واقعہ کی تفصیل

یہ واقعہ سریہ قراء کے نام سے مشہور ہے۔ ابن اسحاق کے بیان کے مطابق ابو براء عامر بن مالک بن جعفر جو "ملاعب اسنہ" (اور ملاعب الرماح بھی کہتے ہیں) کے نام سے مشہور تھا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ نے اس پر اسلام پیش کیا لیکن اس نے نہ تو اسلام قبول کیا اور نہ ہی اسلام سے دور رہا۔ بلکہ کہا کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اگر آپ اپنے صحابہ کرام میں سے کچھ حضرات کو اہل نجد کی طرف بھیجیں تو میں ان لوگوں کو آپ کے دین کی دعوت دوں گا۔ مجھے امید ہے کہ وہ آپ کی دعوت قبول کریں گے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے اہل نجد سے ڈر لگتا ہے کہ وہ صحابہ کرام کو نقصان پہنچائیں۔ ابو براء نے کہا میں ان کو پناہ دیتا ہوں لہٰذا آپ ان کو بھیجیں۔ (السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد ۲ ص ۱۷۴)

چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت منذر بن عمرو رضی اللہ عنہ اور آپ کے ساتھ ستر قراء کرام کو بھیجا۔ (صحیح بخاری جلد ۲ ص ۵۸۶، کتاب المغازی)

کہا گیا ہے کہ وہ چالیس تھے۔ (السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد ۲ ص ۱۷۴) اور تیس کا قول بھی کیا گیا ہے۔

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے اپنی روایت میں بیان فرمایا کہ وہ دن کو لکڑیاں چنتے اور رات کو نماز پڑھتے

تھے۔ (صحیح بخاری جلد ۲ ص ۵۸۶ کتاب المغازی)

اور حضرت ثابت رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ وہ ان لکڑیوں (کو بیچ کر ان کی رقم) کے ذریعے اہل صفہ[1] کے لیے کھانا خریدتے اور رات کے وقت قرآن پڑھتے پڑھاتے تھے۔ (صحیح مسلم جلد ۲ ص ۳۹ کتاب الامارات)

وہ لوگ چلے گئے حتیٰ کہ بئر معونہ پر اترے اور حضرت حرام بن ملحان رضی اللہ عنہ کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مکتوب گرامی دے کر اللہ تعالیٰ کے دشمن عامر بن طفیل عامری کے پاس بھیجا اور یہ عامر حالت کفر میں مرا تھا۔ (فتح الباری جلد ۷ ص ۲۹۸)

عامر بن طفیل اسلمی صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ الگ شخصیت تھے۔ جب حضرت حرام اس کے پاس تشریف لائے تو اس نے آپ کے مکتوب گرامی کی طرف نہ دیکھا حتیٰ کہ ظلم کرتے ہوئے ان کو شہید کر دیا' پھر بنو عامر سے ان قراء کے خلاف مدد طلب کی تو انہوں نے مدد نہ کی اور کہا کہ ہم ابو براء کا عہد نہیں توڑیں گے۔ ابو براء نے ان قراء کو پناہ دی تھی اور عہد کیا تھا پھر اس نے بنو سلیم کے قبائل سے ان کے خلاف مدد مانگی' یعنی بنو عصیہ اور بنو رعل سے مدد کا طالب ہوا تو انہوں نے اس کی بات کو مان لیا پھر وہ باہر نکلے اور ان قراء کو جہاں وہ اترے تھے وہاں ہی گھیر لیا۔ انہوں نے جب یہ حالت دیکھی تو تلواریں لے کر لڑنا شروع کر دیا' حتیٰ کہ سب شہید ہو گئے۔ البتہ حضرت کعب رضی اللہ عنہ کو انہوں نے اس حال میں چھوڑا کہ ان میں زندگی کی رمق موجود تھی۔ آپ اس کے بعد بھی زندہ رہے' حتیٰ کہ غزوۂ خندق کے دن شہید ہوئے۔

اور عمرو بن امیہ ضمری قید ہوئے۔ جب انہوں نے ان کو بتایا کہ ان کا قبیلہ مضر سے تعلق ہے تو عامر بن طفیل نے انہیں یہ کہہ کر آزاد کر دیا کہ اس کی ماں کے ذمہ ایک غلام آزاد کرنا تھا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی اطلاع ملی تو فرمایا: یہ ابو براء کا کام ہے' مجھے اس کا خوف تھا اور میں اس بات کو ناخوشگوار جانتا تھا۔ ابو براء تک یہ بات پہنچی تو وہ عامر بن طفیل کے اس عمل پر افسوس کرتے ہوئے انتقال کر گیا۔

اس دن حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی شہید کیے گئے لیکن ان کا جسم نہ ملا' ان کو فرشتوں نے دفن کیا تھا۔[2]

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا غمگین ہونا

ابن سعد نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہوئے نقل کیا وہ فرماتے ہیں: میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی دوسرے پر اس قدر غمگین نہیں دیکھا جس قدر غمگین بئر معونہ والوں پر

[1] صفہ مسجد نبوی میں ایک چبوترہ ہے' جہاں اسلام کی پہلی درسگاہ قائم ہوئی۔ اصحاب صفہ دن رات وہاں بیٹھ کر تعلیم حاصل کرتے تھے... ۱۲ ہزاروی)۔

[2] حضرت ابن مبارک رحمہ اللہ نے حضرت عروہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے عامر بن طفیل نے حضرت عامر بن فہیرہ کے بارے میں پوچھنے کے بعد کہا کہ میں نے دیکھا شہادت کے بعد اسے آسمان کی طرف اٹھایا گیا۔ (زرقانی جلد ۲ ص ۷۷)

دیکھا۔ (طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۵۴)

صحیح مسلم میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ہی مروی ہے کہ جن لوگوں نے بئر معونہ والوں کو شہید کیا تھا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تیس دن تک صبح کے وقت ان کے خلاف بددعا کی۔ آپ نے رعل، لحیان اور عصیہ کے خلاف بددعا فرمائی۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کی تھی۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جو لوگ بئر معونہ کے دن شہید ہوئے ان کے بارے میں قرآن پاک کی آیت نازل ہوئی جسے ہم پڑھتے تھے پھر اس کے بعد وہ منسوخ ہو گئی یعنی اس کی تلاوت منسوخ ہو گئی، وہ یہ تھی:

بلغوا قومنا انا قد لقینا ربنا فرضی عنا ورضینا عنہ۔

ہماری قوم تک یہ بات پہنچاؤ کہ ہم نے اپنے رب سے ملاقات کی تو وہ ہم سے راضی ہوا اور ہم اس سے راضی ہوئے۔

(صحیح مسلم جلد اول ص ۲۳۷، کتاب المساجد)

اس روایت (مندرجہ بالا) میں اسی طرح واقع ہوا ہے اور اس سے یہ وہم ہوتا ہے کہ بئر معونہ کے دن بنو لحیان نے ان قراء کرام کو شہید کیا حالانکہ ایسا نہیں بلکہ ان کو رعل، ذکوان، عصیہ اور بنو سلیم کے جو لوگ ان کے ہمراہ تھے انہوں نے شہید کیا۔ بنو لحیان نے رجیع والے وفد کو شہید کیا تھا۔ چونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان سب کی خبر ایک ہی وقت میں ملی اس لیے آپ نے ان سب کے لیے بددعا کی جنہوں نے دو جگہ پر صحابہ کرام کو شہید کیا اور اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔



رضی اللہ عنہ نے پوچھا تم کون ہو؟ انہوں نے بتایا کہ وہ بنو عامر سے تعلق رکھتے ہیں۔ انہوں نے ان کو رہنے دیا حتیٰ کہ وہ دونوں سو گئے تو حضرت عمرو نے ان کو قتل کر دیا اور خیال کیا کہ انہوں نے اپنے بعض ساتھیوں کا بدلہ لے لیا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات کی خبر دی تو آپ نے فرمایا: تم نے ایسے دو آدمیوں کو قتل کیا ہے کہ ان کی دیت میں ادا کروں گا۔

ابن اسحٰق وغیرہ نے کہا ہے کہ پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بنو نضیر کی طرف تشریف لے گئے تاکہ ان سے ان دو مقتولوں کی دیت کے سلسلے میں مدد چاہیں جن کو حضرت عمرو بن امیہ نے قتل کیا تھا کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ان سے عہد و پیمان تھا اور بنو نضیر اور بنو عامر کے درمیان بھی معاہدہ تھا اور وہ ایک دوسرے کے حلیف تھے۔

جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بنو نضیر کے پاس ان دونوں کی دیت کے سلسلے میں طلب مدد کے لیے تشریف لائے تو انہوں نے کہا: اے ابوالقاسم! آپ جس طرح چاہیں ہم آپ کو مدد دیں گے، پھر وہ علیحدگی میں ایک دوسرے سے گفتگو کرنے لگے اور انہوں نے کہا کہ اس حالت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آئندہ کبھی نہ پاؤ گے اور آپ اس وقت ان کے مکانات کی ایک دیوار کے پہلو میں تشریف فرما تھے۔

انہوں نے باہم مشورہ کیا کہ کون شخص اس گھر کی چھت پر چڑھ کر یہ پتھر آپ ﷺ پر پھینکے اور آپ کو قتل کردے اور ہمیں ان سے نجات دے؟ چنانچہ عمرو بن جحاش بن کعب اس کام کے لیے تیار ہوا اور آپ پر پتھر پھینکنے کے لیے اوپر چڑھا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ چند صحابہ تھے جن میں حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہم بھی تھے۔

ابن سعد کہتے ہیں کہ سلام بن مشکم نے کہا: ایسا نہ کرو اللہ تعالیٰ ان کو تمہارے اس ارادے کی خبر دے گا اور ہمارے اور ان کے درمیان جو معاہدہ ہے یہ اس کی خلاف ورزی ہے۔ (طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۵۷)

ابن اسحٰق کہتے ہیں: ان لوگوں نے جو ارادہ کیا تھا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آسمان سے اس کی خبر آ گئی اور آپ ﷺ قضائے حاجت کا ارادہ ظاہر کرتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے اور صحابہ کرام کو وہیں چھوڑتے ہوئے جلدی جلدی مدینہ طیبہ تشریف لے گئے۔

صحابہ کرام آپ ﷺ کی واپسی میں تاخیر کے باعث آپ کی تلاش میں اٹھ کھڑے ہوئے حتیٰ کہ آپ کے پاس پہنچ گئے اور آپ نے ان کو یہودیوں کے دھوکے پر مبنی ارادے کی خبر دی۔

ابن عقبہ کہتے ہیں اسی سلسلے میں یہ آیت نازل ہوئی۔ (السیرۃ النبویہ المسمی عیون الاثر جلد ۲ ص ۳۳)

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ هَمَّ قَوْمٌ اَنْ يَّبْسُطُوْۤا اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ۔ (المائدہ: ۱۱)

اے ایمان والو! یاد کرو اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کو جو اس نے تم پر کی جب ایک قوم نے تمہاری طرف ہاتھ بڑھانے کا ارادہ کیا۔

غزوۂ بنو نضیر

تاریخ غزوہ

اس کے بعد غزوۂ بنو نضیر واقع ہوا۔ (نون پر زبر اور ضاد کے نیچے زیر ہے) اور یہ یہودیوں کا ایک بہت بڑا قبیلہ ہے، یہ غزوہ ہجرت کے چوتھے سال ربیع الاول شریف میں واقع ہوا۔ ابن اسحٰق نے اسے یہاں ذکر کیا۔

(السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد ۲ ص ۱۷۰)

امام سہیلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: مناسب [illegible] تو [illegible] سے غزوۂ [illegible] کے بعد ذ[illegible] کیا [illegible] عقیل بن خالد وغیرہ نے امام زہری رحمہ اللہ سے روایت کیا، وہ فرماتے ہیں: غزوۂ بنو نضیر واقعہ بدر کے بعد چھٹے مہینے کے شروع میں احد سے پہلے ہوا۔

داؤدی نے ابن اسحٰق کے قول کو ترجیح دی ہے یعنی غزوہ بنو نضیر بئر معونہ کے بعد واقع ہوا۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد گرامی سے استدلال کیا، ارشاد خداوندی ہے:

وَاَنْزَلَ الَّذِيْنَ ظَاهَرُوْهُمْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ صَيَاصِيْهِمْ۔ (الاحزاب: ۲۶)

اور جن اہل کتاب نے ان کی مدد کی تھی انہیں ان کے قلعوں سے اتارا۔

حافظ ابوالفضل ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا: یہ کمزور استدلال ہے کیونکہ یہ آیت بنو قریظہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے، کیونکہ انہوں نے ہی لشکروں کو مدد دی تھی جبکہ بنو نضیر کے بارے میں لشکروں کا ذکر نہیں ہے بلکہ لشکروں کو جمع کرنے کا سب سے بڑا سبب ان کی (بنو نضیر کی) جلاوطنی تھی۔ ان کے سرداروں میں حیی بن اخطب تھا اور اسی نے بنو قریظہ کے لیے غدر اور لشکروں کی موافقت کو اچھا جانا تھا، حتیٰ کہ ان کی ہلاکت واقع ہوئی تو جو چیز سابق ہے وہ لاحق کیسے ہو سکتی ہے۔ (پہلے والی کیسے بعد والی ہو سکتی ہے۔) (فتح الباری جلد ۷ ص ۲۵۴)

غزوہ کا سبب

کچھ پہلے گزر چکا ہے کہ عامر بن طفیل نے حضرت عمرو بن امیہ کو اپنی والدہ کی طرف سے آزاد کیا تھا جب اس نے بئر معونہ والوں کو شہید کیا۔ حضرت عمرو رضی اللہ عنہ مدینہ طیبہ کی طرف چلے تو ان کی بنو عامر کے دو آدمیوں کے ساتھ مڈبھیڑ ہو گئی جن کا حضور علیہ السلام سے معاہدہ تھا لیکن حضرت عمرو کو اس بات کا علم نہ تھا۔ حضرت عمرو

بنو نضیر کا محاصرہ

ابن اسحاق کہتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان (یہودیوں) سے لڑنے اور ان کی طرف جانے کا حکم دیا۔
ابن ہشام نے کہا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ ابن ام مکتوم کو مدینہ طیبہ میں (نماز پڑھانے کے لیے) عامل مقرر فرمایا (السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد ۲ ص ۱۷۶)، پھر صحابہ کرام کو لے کر چلے، حتیٰ کہ وہاں پہنچ کر چھ راتیں ان کا محاصرہ کیا۔ ابن اسحاق کہتے ہیں: وہ لوگ قلعوں میں بند ہو گئے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے درخت کاٹ کر جلانے اور مکان ڈھانے کا حکم دیا تو انہوں نے آواز دی: اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! آپ تو فساد سے منع کرتے اور ایسا کرنے والے پر اعتراض کرتے تھے تو یہ درخت کاٹ کر کیوں جلائے گئے۔

(السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد ۲ ص ۱۷۸)

حضرت سہیلی فرماتے ہیں: اہل تاویل نے کہا کہ بعض مسلمانوں کے دلوں میں اس کلام سے کچھ شبہ پیدا ہوا تو اللہ تعالیٰ نے آیت کریمہ نازل فرمائی:

مَا قَطَعْتُمْ مِّنْ لِّيْنَةٍ اَوْ تَرَكْتُمُوْهَا قَآئِمَةً عَلٰٓى اُصُوْلِهَا فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَلِيُخْزِيَ الْفٰسِقِيْنَ۔ (الحشر: ۵)

جو درخت تم نے کاٹے یا ان کی جڑوں پر قائم چھوڑ دیئے یہ سب اللہ کی اجازت سے تھا اور اس لیے کہ (وہ) فاسقوں کو رسوا کرے۔

لینہ عجوہ اور برنی کھجوروں کے علاوہ کھجوروں کی اقسام ہیں پس اس آیت میں بتایا کہ آپ نے ان کی صرف وہ کھجوریں جلائیں جن میں انسان کی روزی نہیں ہے اور یہودی عجوہ کھجور سے روزی حاصل کرتے تھے۔ حدیث شریف میں ہے:

العجوۃ من الجنۃ وتمرھا یغذو احسن غذاء۔

عجوہ (کھجور) جنت سے ہے اور اس کا پھل بہترین غذا مہیا کرتا ہے۔

(جامع ترمذی جلد ۲ ص ۲۸، مسند امام احمد جلد ۲ ص ۱۹)

برنی کھجور میں بھی اسی طرح ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں لینہ کا ذکر فرمایا۔ کھجور کے درختوں کا عمومی ذکر نہیں کیا۔ یہ اس بات پر تنبیہ ہے کہ دشمن کے وہ درخت جن سے غذا حاصل ہوتی ہے، ان کو کاٹنا مکروہ ہے۔ جب اس بات کی امید ہو کہ وہ مسلمانوں تک پہنچیں گے۔ (السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد ۲ ص ۱۷۷)

ابن اسحاق نے کہا ہے کہ بنو عوف بن خزرج کی ایک جماعت جن میں عبداللہ بن ابی بن سلول بھی تھا۔ انہوں نے بنو نضیر کی طرف پیغام بھیجا کہ ثابت قدم رہو اور مقابلہ کرو، ہم تمہیں ہرگز ان کے حوالے نہیں کریں گے۔ اگر تم سے لڑائی کی گئی تو ہم تمہارے ساتھ مل کر لڑیں گے اور اگر تمہیں نکالا گیا تو ہم بھی تمہارے ساتھ نکلیں گے۔ پس انہوں نے انتظار کیا لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا اور انہوں نے بنو نضیر کی مدد نہ کی، چنانچہ انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مطالبہ کیا کہ آپ ہمیں جلاوطن کر دیں، لیکن ہمارے خون بہانے سے باز رہیں۔ (السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد ۲ ص ۱۷۷)

ابن سعد کے نزدیک اس طرح ہے کہ جب ان لوگوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دھوکہ کرنا چاہا اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس بات کی خبر دے دی تو آپ نے ان کی طرف حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کو اس پیغام کے ساتھ بھیجا کہ تم میرے شہر سے نکل جاؤ اور میرے ساتھ یہاں نہ رہو۔ تم نے دھوکہ بازی کا جو ارادہ کیا وہ کیا۔ میں تمہیں دس دن کی مہلت دیتا ہوں۔ اس کے بعد تم میں سے جو بھی دکھائی دیا، میں اس کی گردن مار دوں گا۔ (طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۵۷)

چنانچہ وہ چند دن ٹھہرے اور تیاری کرنے لگے اور لوگوں سے طاقتور اونٹ کرایہ پر لے رہے تھے کہ عبداللہ بن ابی بن سلول نے ان کو پیغام بھیجا کہ اپنے گھروں سے نہ نکلنا اور اپنے قلعوں میں ڈٹے رہنا۔ میری قوم کے دو ہزار عرب تمہارے قلعوں میں داخل ہوں گے اور قریظہ اور تمہارے حلیف لوگ تمہیں مدد دیں گے جن کا غطفان قبیلے سے تعلق ہے۔ حیی بن اخطب نے عبداللہ بن ابی کی بات پر امید باندھ لی اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف پیغام بھیجا کہ ہم اپنے گھروں سے نہیں نکلیں گے، آپ جو چاہیں کریں۔ (طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۵۷)

یہ سن کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نعرہ تکبیر بلند کیا اور صحابہ کرام نے بھی تکبیر کہی۔ پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام کو لے کر ان کی طرف چل پڑے اور آپ نے عصر کی نماز بنو نضیر میں پڑھی، جھنڈا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اٹھا رکھا تھا۔ جب انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو اپنے قلعوں پر کھڑے ہوگئے تیر اور پتھر ان کے ہاتھوں میں تھے۔ عبداللہ بن ابی ان سے الگ ہو گیا اور اس نے ان کی مدد نہ کی۔ اسی طرح ان کے حلیف بنو غطفان بھی الگ رہے اور وہ ان کی مدد سے مایوس ہوگئے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا محاصرہ کیا اور ان کے درخت کاٹے اور آپ نے ان سے فرمایا: مدینہ طیبہ سے چلے جاؤ تمہاری جانیں اور وہ مال جو اونٹ اٹھا کر لے جائیں معاف ہیں، لیکن زرہیں اور ہتھیار نہیں لے جاسکتے یہودیوں نے اس بات کو مان لیا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پندرہ دن ان کا محاصرہ فرمایا اور وہ خود اپنے ہاتھوں سے اپنے مکان تباہ کر رہے تھے۔

پھر آپ نے ان کو مدینہ طیبہ سے جلاوطن کر دیا اور حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کو ان کے نکالنے پر مقرر فرمایا۔ وہ اپنی عورتوں، بچوں اور چھ سو اونٹوں پر سامان لے کر خیبر چلے گئے اور اس سے منافقوں کو سخت صدمہ پہنچا۔ (طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۵۸)

مال غنیمت

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے مال پر قبضہ فرمایا اور اسلحہ میں سے پچاس زرہیں، پچاس خود (لوہے کی ٹوپیاں) اور تین سو چالیس تلواریں پائیں۔

بنو نضیر کا یہ مال خالص رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تھا کہ ضرورتوں کے لیے روک کر رکھیں اور آپ نے اس میں سے کسی کو بھی حصہ نہیں دیا کیونکہ مسلمانوں نے اس پر گھوڑے اور سوار نہیں دوڑائے (جہاد نہیں کیا) بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا تھا اور ان کو ان کے گھروں سے خیبر کی طرف نکال دیا

گیا۔ وہ مسلمانوں سے لڑنے کی وجہ سے وہاں سے نہیں نکلے۔

چنانچہ یہ مال نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین میں تقسیم کر دیا تاکہ انصار ان کی مدد کی وجہ سے جو مشقت اٹھا رہے ہیں، وہ دور ہو جائے کیونکہ انہوں نے ان کو اپنے مالوں اور مکانوں میں حصہ دار بنا دیا تھا البتہ حضرت ابو دجانہ اور سہیل بن حنیف رضی اللہ عنہما کو ان کی حاجت کی وجہ سے عطا فرمایا۔

الاکلیل میں ہے کہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو سیف بن ابی الحقیق کی تلوار دی اور یہ تلوار ان لوگوں کے ہاں مشہور تھی۔



غزوۂ ذات الرقاع

تاریخ میں اختلاف

اس غزوہ کی تاریخ میں اختلاف ہے کہ یہ کب ہوا؟ ابن اسحاق کے نزدیک بنونضیر والے واقعہ کے بعد چوتھے سال ربیع آلاخر اور جمادی (جمادی الاولیٰ) کے کچھ دنوں میں ہوا۔ (السیرۃ لابن ہشام جلد ۲ ص۱۸۱) ابن سعد اور ابن حبان کے نزدیک پانچویں سال محرم الحرام میں ہوا۔ (طبقات ابن سعد جلد ۲ ص۶۱) ابو معشر نے قطعی طور پر کہا ہے کہ بنو قریظہ کے بعد پانچویں سال ذی قعدہ میں ہوا۔ پس ذات الرقاع کا وقوع پانچویں سال کے آخر اور چھٹے سال کے شروع میں ہوا۔

فتح الباری میں فرمایا کہ امام بخاری رحمہ اللہ کا جھکاؤ اس طرف ہے کہ یہ غزوہ خیبر کے بعد ہوا اور انہوں نے اس سلسلے میں چند باتوں سے استدلال کیا ہے لیکن اس کے باوجود انہوں نے اس کو خیبر سے پہلے ذکر کیا۔ پس مجھے معلوم نہیں انہوں نے اصحاب مغازی (غزوات کا تذکرہ لکھنے والے) کی بات تسلیم کرتے ہوئے قصداً ایسا کہا کیونکہ وہ (اصحاب مغازی) اس کو غزوہ خیبر سے پہلے مانتے ہیں یا آپ سے روایت کرنے والوں نے ایسا کر دیا یا اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ذات الرقاع دو مختلف غزووں کا نام ہے جس طرح امام بیہقی نے اس بات کی طرف اشارہ کیا۔ کیونکہ اصحاب مغازی نے اگرچہ اس کے خیبر سے پہلے ہونے کو قطعی قرار دیا، پھر بھی اس کے وقت میں انہوں نے اختلاف کیا۔ (فتح الباری شرح بخاری جلد ۷ ص۳۲۱)

عقبہ نے اس کے مقدم ہونے پر جزم کیا لیکن اس کے وقت میں تردد کرتے ہوئے فرمایا: ہمیں معلوم نہیں یہ بدر سے پہلے ہوا یا بعد میں، احد سے پہلے ہوا یا بعد میں؟

حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں۔ اس تردد کا کچھ حاصل نہیں بلکہ جس بات کو قطعی قرار دینا چاہئے وہ اس غزوہ کا غزوہ بنو قریظہ کے بعد ہونا ہے کیونکہ غزوہ خندق میں نماز خوف پڑھنے کا حکم نہیں ہوا تھا اور غزوہ ذات الرقاع میں نماز خوف ثابت ہے تو یہ امر اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ یہ غزوہ، غزوہ خندق کے بعد ہوا۔

پھر امام بخاری کے قول کہ "یہ خیبر کے بعد ہے" کے بعد فرمایا: اس لیے کہ حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ خیبر کے بعد تشریف لائے اور جب بات اس طرح ہے اور یہ بات ثابت ہے کہ حضرت ابو موسیٰ غزوہ ذات الرقاع میں شریک ہوئے تو لازم آیا کہ یہ خیبر کے بعد ہوا۔

ابن حجر رحمہ اللہ مزید فرماتے ہیں: مجھے ابن سید الناس[1] کی بات پر تعجب ہے کہ انہوں نے یہ کیسے کہہ دیا کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے ابو موسیٰ کی حدیث کو اس بات کی دلیل بنایا کہ غزوہ ذات الرقاع خیبر کے بعد ہوا۔ وہ فرماتے ہیں حضرت ابو موسیٰ کی روایت میں ایسی کوئی بات نہیں جو اس پر دلالت کرے۔ ابن سید الناس کا کلام ختم ہوا۔(فتح الباری شرح بخاری جلد ۷ ص ۳۲۲)

ابن حجر فرماتے ہیں (ابن سید الناس کی) یہ نفی مردود ہے اور اس پر دلالت واضح ہے جیسا کہ میں نے تقریر کی ہے۔

ابن حجر فرماتے ہیں: دمیاطی نے صحیح حدیث کے غلط ہونے کا دعویٰ کیا اور کہا کہ تمام سیرت نگار اس کے خلاف ہیں حالانکہ یہ بات گزر چکی ہے کہ سیرت نگار اس کے وقت میں ایک دوسرے سے اختلاف رکھتے ہیں تو زیادہ بہتر بات یہی ہے کہ جو کچھ صحیح حدیث سے ثابت ہے اس پر اعتماد کرنا چاہئے۔(فتح الباری جلد ۷ ص ۳۲۲)

امام غزالی رحمہ اللہ کا یہ کہنا کہ یہ آخری غزوہ ہے' واضح طور پر غلط ہے اور ابن صلاح نے اس قول کا اچھی طرح انکار کیا ہے۔ بعض حضرات جنہوں نے امام غزالی کا ساتھ دیا۔ انہوں نے فرمایا کہ شاید امام غزالی رحمہ اللہ کا مقصد یہ ہو کہ آخری غزوہ جس میں نماز خوف پڑھی گئی' غزوہ ذات الرقاع ہے۔

لیکن ان کی یہ حمایت مردود ہے۔ امام ابوداؤد اور امام نسائی نے جو حدیث نقل کی' اور ابن حبان نے اس کو صحیح قرار دیا' وہ اس کا رد کرتی ہے۔ حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز خوف پڑھی ہے' حالانکہ حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ غزوہ طائف کے بعد ایمان لائے اور اس پر اتفاق ہے۔(فتح الباری جلد ۷ ص ۳۲۲' سنن نسائی جلد اول ص ۲۳۱' سنن ابی داؤد جلد اول ص ۱۷۵)

وجہ تسمیہ

اس غزوہ کو ذات الرقاع کہنے کی وجہ یہ ہے کہ اس میں صحابہ کرام نے اپنے جھنڈوں میں پیوند لگائے تھے۔ یہ بات ابن ہشام نے کہی ہے۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس جگہ ایک درخت تھا جس کو ذات الرقاع کہا جاتا تھا۔ ایک قول یہ ہے کہ جس جگہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اترے' وہاں زمین کا ایک ٹکڑا سیاہ اور ایک حصہ سفید تھا۔ گویا اس زمین میں مختلف پیوند لگے ہوئے تھے اس لیے اسے ذات الرقاع کہا گیا۔(السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد ۲ ص ۱۸۱)

یہ بھی کہا گیا کہ مسلمانوں کے گھوڑوں میں سیاہی اور سفیدی تھی۔ یہ بات ابن حبان نے کہی ہے۔

واقدی نے کہا ہے کہ وہاں ایک پہاڑ ہے جس میں مختلف ٹکڑے ہیں۔ اس لیے اس پہاڑ کے نام پر اس غزوہ کا نام رکھا گیا۔

حافظ ابن حجر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ہو سکتا ہے ابن حبان نے اس کو سند بنایا ہو اور ان کو خیل اور جبل

---

[1] ابن سید الناس کو علامہ زرقانی نے اپنے شیوخ کا شیخ بتایا ہے۔

میں مغالطہ ہوگیا۔

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں: داؤدی نے عجیب بات کی ہے۔ وہ کہتے ہیں اس کو ذات الرقاع اس لیے کہتے ہیں کہ اس میں نماز خوف واقع ہوئی تو نماز کے تقسیم ہونے کی وجہ سے اس کو ذات الرقاع کہا گیا۔

(فتح الباری جلد ۷ ص ۳۲۳)

امام سہیلی فرماتے ہیں: سب سے زیادہ صحیح قول وہ ہے جو امام بخاری رحمتہ اللہ علیہ نے حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔ وہ فرماتے ہیں: ہم ایک غزوہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ نکلے۔ ہم چھ آدمی تھے۔ ہمارے درمیان ایک اونٹ تھا جس پر ہم باری باری سوار ہو رہے تھے۔ ہمارے قدم گھس گئے اور میرے قدم بھی گھس گئے اور ناخن گر پڑے۔ ہم اپنے پاؤں پر پٹیاں باندھتے تھے۔ اس لیے اسے غزوہ ذات الرقاع کہا گیا کیونکہ ہم نے کپڑوں کے ٹکڑے پٹیوں کے طور پر اپنے پاؤں پر باندھے تھے۔

(صحیح بخاری جلد ۲ ص ۵۹۲، کتاب المغازی)

غزوہ کا وقوع

ابن اسحاق کے قول کے مطابق غزوہ ذات الرقاع کا بیان یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نجد کا قصد فرمایا۔ آپ بنو محارب اور بنو ثعلبہ جن کا غطفان سے تعلق ہے، کا ارادہ فرما رہے تھے کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی تھی کہ ان لوگوں نے فوج جمع کی ہوئی ہے، چنانچہ آپ چار سو صحابہ کرام کو ساتھ لے کر تشریف لے گئے۔ بعض نے سات سو کہا ہے (اس دوران) آپ نے مدینہ طیبہ پر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو عامل مقرر فرمایا۔ یہ بھی کہا گیا کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کو مقرر فرمایا۔ حتیٰ کہ نجد میں غطفان کی زمین کے ایک مقام "نخل" میں اترے۔

ابن سعد کہتے ہیں: ان لوگوں کی منازل میں صرف عورتوں کو پایا تو ان کو پکڑ لیا۔ (طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۶۱)

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ ان کی ایک جماعت سے مڈبھیڑ ہوئی اور لوگ ایک دوسرے کے قریب ہوئے، لیکن ان کے درمیان جنگ نہیں ہوئی۔ البتہ انہوں نے ایک دوسرے کو خوف زدہ کیا یہاں تک کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو نماز خوف پڑھائی، پھر لوگ واپس ہوگئے۔ (السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد ۲ ص ۱۸۳)

ابن سعد کہتے ہیں یہ پہلی نماز خوف تھی۔ (طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۶۱)

نماز خوف کئی طریقوں سے مروی ہے اور عنقریب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کے بیان میں اس کے آسان طریق کا ذکر ہوگا انشاء اللہ تعالیٰ۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس غزوہ میں پندرہ راتیں مدینہ طیبہ سے باہر رہے۔

آپ کو مجھ سے کون بچائے گا؟

صحیح بخاری میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: ہم غزوہ ذات الرقاع میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے۔ جب ہم ایک سایہ دار درخت کے پاس آئے تو ہم نے اسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے چھوڑ دیا۔ مشرکین میں سے ایک شخص آیا اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تلوار درخت کے ساتھ لٹک رہی تھی۔ اس نے اس تلوار کو میان سے نکالا اور کہنے لگا: آپ مجھ سے ڈرتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: نہیں۔ اس نے کہا: آپ کو مجھ سے کون بچائے گا؟ آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ۔ (صحیح بخاری جلد ۲ ص ۵۹۳)

ابو عوانہ کے نزدیک یوں ہے کہ اس کے ہاتھ سے تلوار گر پڑی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اٹھایا اور فرمایا تجھے، مجھ سے کون بچائے گا؟ اس نے کہا: آپ اچھے لینے والے ہو جائیں۔ آپ نے پوچھا: کیا تم گواہی دیتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور بے شک میں (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کا رسول ہوں (یعنی کلمہ شہادت پڑھو)۔ اس اعرابی نے کہا: میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ آپ سے نہیں لڑوں گا اور نہ آپ سے لڑنے والوں کا ساتھ دوں گا۔ راوی فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکا راستہ چھوڑ دیا۔ وہ اپنی قوم کے پاس آیا تو کہنے لگا میں تمہارے پاس سب سے بہتر انسان کے پاس سے آیا ہوں۔ (دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۳ ص ۳۷۶)

امام بخاری رحمہ اللہ کے نزدیک ایک روایت میں ہے کہ آپ نے اسے سزا نہیں دی۔
(صحیح بخاری جلد ۲ ص ۵۹۳، کتاب الجہاد)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی ذات پر مواخذہ نہ فرمایا اور اسے معاف کر دیا کیونکہ آپ کفار سے زیادہ الفت فرماتے تھے تاکہ وہ اسلام میں داخل ہوں۔

امام بخاری نے ابوالیمان کی روایت سے جہاد کے ضمن میں نقل کیا کہ اس شخص نے تین بار کہا کہ آپ کو مجھ سے کون بچائے گا؟ (صحیح بخاری جلد ۲ ص ۴۰۸، کتاب الجہاد)

یہ استفہام انکاری ہے۔ یعنی کوئی بھی آپ کو مجھ سے بچا نہیں سکتا۔

وہ اعرابی آپ کے سر پر کھڑا تھا اور تلوار اس کے ہاتھ میں تھی۔ جب کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے اور آپ کے پاس تلوار نہیں تھی۔

اعرابی کا بار بار یہ کہنا کہ آپ کو مجھ سے کون بچائے گا۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بچایا ورنہ اسے کیا ضرورت پیش آئی تھی کہ اس نے بار بار پوچھا جبکہ وہ آپ کو قتل کر کے اپنی قوم سے حصہ پاتا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ جواب کہ "اللہ تعالیٰ" یعنی وہ مجھے تم سے بچائے گا" اس میں بھی اسی بات کی طرف اشارہ ہے۔

اس لیے جب اعرابی نے دوبارہ سوال کیا تو آپ نے جواب میں اضافہ نہیں فرمایا اور اس میں اسے معمولی سمجھنا اور عدم توجہ پائی جاتی ہے۔

اور واقدی نے اس واقعہ کے ضمن میں لکھا ہے کہ وہ شخص مسلمان ہو گیا اور اپنی قوم کی طرف واپس گیا۔

چنانچہ اس کے ذریعے بہت سے لوگوں نے ہدایت پائی۔

واقدی نے یہ بھی کہا کہ جب اس نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کا ارادہ کیا تو اس کی کمر میں درد اٹھا اس کے ہاتھ سے تلوار گر گئی اور وہ زمین پر گر گیا۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے فرمایا: مسدد نے ابو عوانہ اور انہوں نے ابو بشر سے روایت کیا کہ اس شخص کا نام غورث بن حارث تھا (غورث بروزن جعفر)

خطابی نے کہا کہ غویرث تصغیر کے ساتھ ہے اور غزوہ غطفان میں گزر چکا ہے اور وہ غزوہ ذی امر ہے جو نجد کے نواح میں ہوا۔ اس قسم کا ایک واقعہ ذکر کیا گیا اور اس شخص کا نام دعثور تھا۔ وہ تلوار لے کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سر پر کھڑا ہوا اور کہا آپ کو مجھ سے کون بچائے گا؟ آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ۔ "حضرت جبریل علیہ السلام نے اس کے سینے میں مکا مارا تو اس کے ہاتھ سے تلوار گر گئی اور اس نے اسلام قبول کر لیا۔

(السیرۃ النبویہ عیون الاثر جلد ۲ ص ۳۰)

عیون الاثر میں ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ دو خبریں ایک ہی واقعہ سے متعلق ہیں۔

دوسرے محققین نے کہا کہ صحیح بات یہ ہے کہ یہ دو واقعات دو غزووں میں ہوئے ہیں۔

اس واقعہ سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت بڑے بہادر ہونے، آپ کی قوت یقین، اذیتوں پر صبر اور جاہلوں سے بردباری کا پتا چلتا ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے اونٹ کا واقعہ

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس غزوہ سے واپس ہوئے تو حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کے اونٹ نے چلنے میں سستی کی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے سر پر عصا کی کیل چبھوئی تو وہ تمام سواریوں سے آگے چلنے لگا۔ پھر فرمایا: کیا اسے مجھ پر بیچتے ہو؟ چنانچہ آپ نے اسے خرید لیا اور فرمایا: مدینہ طیبہ تک تم اس پر سواری کر سکتے ہو۔ جب وہاں پہنچے تو اس کی قیمت ادا کی بلکہ زیادہ عطا فرمائی اور اونٹ بھی ان کو ہبہ کر دیا۔ اس حدیث کی اصل صحیح بخاری میں ہے۔[1] (صحیح بخاری جلد اول ص ۲۸۱)

اس حدیث میں بیع اور اس کی شرط کو جمع کرنے کے جواز پر[2] دلیل نہیں۔ کیونکہ اس حدیث میں اضطراب ہے۔ اور اس کے علاوہ بھی کہا گیا جس کا ذکر طویل ہے۔ واللہ اعلم۔

---

[1] صحیح بخاری میں بیس مقامات پر اس کا ذکر ہے، لیکن یہ بات مذکور نہیں ہے کہ یہ واقعہ غزوۂ ذات الرقاع میں ہوا اسی لیے انہوں نے اسے غزوات میں ذکر نہیں کیا بعض روایات کے مطابق غزوہ تبوک کے موقع پر یہ واقعہ پیش کیا۔ (زرقانی جلد ۲ ص ۹۳)

[2] ممکن ہے یہ شرط مشورے کے وقت نہ ہو بلکہ بعد میں طے ہوئی ہو اور یہ جائز ہے عقد میں ایسی شرط ہو تو بیع فاسد ہو جاتی ہے۔

2

دوسرا غزوۂ بدر

یہ غزوہ بدر صغریٰ ہے اور اسے بدر موعد بھی کہتے ہیں- یہ غزوہ، غزوہ ذات الرقاع کے بعد شعبان کے مہینے میں ہوا- ابن اسحاق کہتے ہیں جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ ذات الرقاع سے واپس مدینہ طیبہ تشریف لائے تو جمادی الاولیٰ سے رجب کے آخر تک گزارا پھر شعبان میں ابوسفیان سے وعدہ کی وجہ سے بدر کی طرف تشریف لے گئے- یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ذی قعدہ کے شروع میں یہ واقعہ ہوا-

ابوسفیان کا وعدہ جس کا پہلے ذکر ہو چکا ہے، یہ تھا کہ ابوسفیان نے احد کے دن کہا کہ ہمارے اور تمہارے درمیان معاہدہ رہا کہ آئندہ سال بدر میں اکٹھے ہوں گے- نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایک صحابی سے فرمایا، کہو ہاں ہمارے اور تمہارے درمیان یہ جگہ مقرر ہے-

چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے گئے اور آپ کے ہمراہ پندرہ سو صحابہ کرام تھے اور دس گھوڑے تھے (اس دوران) آپ نے حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کو مدینہ پر عامل مقرر فرمایا- آپ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ بدر میں ابوسفیان کا انتظار کرتے رہے-

ابوسفیان (مکہ مکرمہ سے) نکلے اور مرالظہران کے نواح مجنہ میں، اور کہا جاتا ہے کہ یہ عسفان کا گرد و نواح ہے، اترے پھر واپسی مناسب خیال کی اور کہا: اے قریش کی جماعت تمہارے لیے مناسب وہ سال ہے جس میں سبزہ زیادہ ہو اور زرخیزی ہو کہ تم اس میں (جانوروں کو) درختوں کے پتے کھلاؤ اور دودھ پیو اور اس وقت خشک سالی ہے- میں واپس جا رہا ہوں تم بھی واپس لوٹ جاؤ- چنانچہ وہ لوگ واپس لوٹ گئے- اہل مکہ نے اسے ستوؤں کا لشکر (جیش السویق) قرار دیا- وہ کہتے تھے تم صرف ستو پینے کے لیے گئے تھے-

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بدر میں آٹھ دن ٹھہرے اور جو سامان صحابہ کرام کے پاس تھا انہوں نے اسے بیچ دیا اور ایک درہم کے دو درہم نفع پایا (اس موقع پر) مومنوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

اَلَّذِیْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ مِنْۢ بَعْدِ مَاۤ اَصَابَهُمُ الْقَرْحُ لِلَّذِیْنَ اَحْسَنُوْا مِنْهُمْ وَاتَّقَوْا اَجْرٌ عَظِیْمٌ- (آل عمران: ۱۷۲)

وہ جو اللہ و رسول کے بلانے پر حاضر ہوئے، بعد اس کے کہ انہیں زخم پہنچ چکا تھا- ان کے نیکوکاروں اور پرہیزگاروں کے لیے بڑا ثواب ہے-

صحیح یہ ہے کہ یہ آیت حمراء الاسد کے بارے میں نازل ہوئی جیسا کہ عماد بن کثیر نے واضح طور پر کہا ہے-

(البدایہ والنہایہ جلد ۴ ص ۸۵، طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۶۲، کتاب المغازی للواقدی جلد اول ص ۳۰۲))

غزوۂ دومتہ الجندل

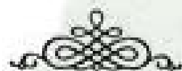
دال پر پیش ہے اور یہ ایک شہر ہے- اس کے اور دمشق کے درمیان پانچ راتوں کی مسافت پر ہے- مدینہ طیبہ سے یہ پندرہ یا سولہ راتوں کی مسافت پر ہے- ابو عبید البکری نے کہا کہ دومی بن اسماعیل جو وہاں اترا تھا- اس کے نام

پر اس شہر کا یہ نام رکھا گیا۔

یہ غزوہ ربیع الاول شریف میں ہوا اور یہ ہجرت کا انچاسواں مہینہ تھا۔ اس کا سبب یہ ہوا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی کہ وہاں بہت سے لوگ جمع ہیں جو وہاں سے گزرنے والوں پر ظلم کرتے ہیں۔ ربیع الاول شریف کی پانچ راتیں باقی تھیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہزار صحابہ کرام کو ساتھ لے کر چلے۔ آپ رات کو چلتے اور دن کو چھپ جاتے۔

(اس دوران) آپ نے حضرت سباع بن عرفطہ رضی اللہ عنہ کو مدینہ طیبہ کا عامل مقرر کیا۔ جب آپ ان کے قریب پہنچے تو وہاں صرف بکریاں اور اونٹ تھے، چنانچہ ان کے جانوروں اور چرواہوں پر اچانک حملہ کیا تو کچھ کو پالیا اور کچھ جانور بھاگ نکلے۔ جب اہل دومہ کو اس بات کی خبر ہوئی تو وہ منتشر ہو گئے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے میدان میں اترے لیکن وہاں کسی کو نہ پایا۔ آپ چند دن وہاں ٹھہرے اور چھوٹے چھوٹے لشکر پھیلا دیے۔ وہ اس حال میں واپس آئے کہ کوئی بھی قتل نہ ہوا۔ آپ بیس ربیع الآخر کو مدینہ طیبہ میں داخل ہوئے۔

(البدایہ والنہایہ جلد ۴ ص ۹۲)



غزوۂ بنو مصطلق

وقت اور جگہ

غزوہ مریسیع (میم پر پیش، را پر زبر دونوں یاء ساکن سین کے نیچے زیر اور آخر میں عین ہے) یہ بنو خزاعہ کے ایک چشمے کا نام ہے۔ اس کے اور فرع کے درمیان دو دن کی مسافت ہے۔

اسے غزوہ بنو مصطلق کہتے ہیں، مصطلق (میم پر پیش صاد ساکن طاء پر زبر اور لام کے نیچے زیر ہے) یہ لقب ہے اور نام جذیمہ بن سعد بن عمرو ہے۔ بنو مصطلق خزاعہ کا بطن (ذیلی قبیلہ) ہے۔ (فتح الباری جلد ۷ ص ۳۳۲)

ہجرت کے پانچویں سال جب شعبان کی دو راتیں گزر چکی تھیں، یہ غزوہ ہوا۔ صحیح بخاری میں ہے کہ ابن اسحاق نے کہا ہجرت کا چھٹا سال تھا اور موسیٰ بن عقبہ نے کہا چوتھا سال تھا۔ (صحیح بخاری جلد ۲ ص ۵۹۳ کتاب المغازی)

علماء فرماتے ہیں گویا امام بخاری رحمہ اللہ کا قلم سبقت کر گیا۔ انہوں نے پانچواں سال لکھنا چاہا تو چوتھا لکھ دیا اور موسیٰ بن عقبہ کے مغازی میں جو کچھ ہے، وہ متعدد طرق سے منقول ہے۔ جیسے امام حاکم، ابو سعید نیشاپوری اور امام بیہقی نے دلائل النبوۃ میں اور دیگر حضرات نے پانچواں سال ذکر کیا ہے۔

(دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۴ ص ۴۴، فتح الباری جلد ۷ ص ۳۳۲)

غزوہ کا سبب اور اس میں کیا رونما ہوا

اس غزوہ کا سبب یہ ہوا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا کہ بنو مصطلق کا رئیس حارث بن ابی ضرار اپنی قوم اور جن عربوں کے پاس جا سکتا تھا گیا اور ان کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف لڑنے کی دعوت دی۔ انہوں نے اس کی بات مان لی اور اس کے ساتھ لڑائی کے لیے جانے پر تیار ہو گئے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بریدہ بن حصیب اسلمی رضی اللہ عنہ کو اس بات کی خبر لانے کے لیے بھیجا۔ آپ وہاں تشریف لے گئے اور حارث بن ابی ضرار سے ملاقات کر کے اس سے گفتگو کی اور پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف واپس لوٹ آئے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بہت سے منافقین کے ساتھ تشریف لے گئے اور اس قدر منافقین کسی غزوہ میں نہیں شامل ہوئے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو مدینہ طیبہ پر عامل مقرر

فرمایا اور کل تیں گھوڑے تھے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بھی ساتھ تھیں۔
حارث اور اس کے ساتھیوں کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کا پتا چلا تو ان کو یہ خبر بری معلوم ہوئی اور وہ لوگ بہت زیادہ خوفزدہ ہوئے حتیٰ کہ ان کے ساتھ جو باقی عرب تھے، وہ منتشر ہو گئے۔
نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مریسیع میں پہنچ گئے۔ آپ نے صحابہ کرام کی صف بندی کی اور مہاجرین کا جھنڈا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو دیا جبکہ انصار کا جھنڈا حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کو مرحمت فرمایا۔
کچھ دیر باہم تیراندازی ہوتی رہی۔ پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو حکم دیا کہ متفق ہو کر حملہ کر دیں۔ چنانچہ انہوں نے دس آدمیوں کو قتل کیا اور باقی تمام کو قیدی بنا لیا۔ عورتیں، مرد، بچے اور اونٹ، گائے، بکریاں سب کو لے آئے اور مسلمانوں میں سے صرف ایک شخص شہید ہوا۔ (سیرت ابن اسحاق)
صحیح بخاری میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث سے جو کچھ مروی ہے وہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ ان لوگوں پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت چھاپہ مارا جب وہ غفلت میں تھے۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں کہ آپ نے بنو مصطلق پر چھاپہ مارا جب وہ بے خبر تھے اور چشمے پر جانوروں کو پانی پلا رہے تھے۔ ان میں لڑنے والوں کو قتل کیا اور ان کی اولاد کو قیدی بنا لیا جب کہ وہ وہاں چشمے پر ہی تھے۔
(صحیح بخاری جلد اول ص ۳۴۵ کتاب العتق)
تو اس بات کا احتمال ہے کہ جب ان پر حملہ کیا تو تھوڑے لوگ ثابت قدم رہے۔ جب قتل زیادہ ہوا تو وہ بھاگ کھڑے ہوئے اس طرح کہ جب ان پر اچانک حملہ کیا تو وہ پانی پر تھے انہوں نے صف بندی کی اور دونوں گروہوں کے درمیان لڑائی واقع ہوئی۔ اس کے بعد مسلمان ان پر غالب آ گئے۔ (فتح الباری جلد ۷ ص ۳۳۳)

آیت تیمم کا نزول

کہا گیا ہے کہ اسی غزوہ میں آیت تیمم نازل ہوئی۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے ہے کہ ہم ایک سفر میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ نکلے، پھر انہوں نے حدیث تیمم ذکر کی۔
(صحیح بخاری جلد اول ص ۴۸ کتاب التیمم)
فتح الباری میں ہے "فی بعض اسفارہ" (کسی ایک سفر میں) کے سلسلے میں ابن عبدالبر نے التمہید میں فرمایا۔ کہا جاتا ہے کہ یہ غزوہ بنو مصطلق تھا اور "الاستذکار" میں اسے قطعی قرار دیا۔ ابن سعد اور ابن حبان نے اس کی طرف سبقت کی ہے اور غزوہ بنو مصطلق ہی غزوہ مریسیع ہے اور اس میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا واقعہ افک ہے۔[1] اور اس کا آغاز ہار کے گرنے کی وجہ سے ہوا۔

---

[1] صحیح بخاری میں ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔ میں ایک سفر میں حضور علیہ السلام کے ساتھ گئی۔ اس وقت پردے کا حکم نازل ہو چکا تھا۔ مجھے کجاوہ میں لے جایا جاتا اور اس میں اتارا جاتا۔ حضور علیہ السلام اس غزوہ سے واپس ہوئے اور
(حاشیہ اگلے صفحے پر جاری ہے......)

اگر وہ بات ثابت ہو جو انہوں نے قطعی طور پر بیان کی ہے تو اسے اس بات پر محمول کیا جائے گا کہ ہار اس سفر میں دو بار گرا کیونکہ دونوں واقعات مختلف ہیں جس طرح ان واقعات کے سیاق و سباق سے واضح ہوتا ہے۔

یہ قطعیت جو بعض سیرت نگاروں نے ذکر کی ہے' اسے ہمارے بعض مشائخ نے بعید قرار دیا ہے کیونکہ مریسیع، قدید اور ساحل کے درمیان مکہ مکرمہ کے نواح میں سے ہے اور تیمم کا واقعہ خیبر کے نواح میں ہوا جس طرح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ حدیث ذکر کرتے ہوئے فرمایا "یہاں تک کہ ہم مقام بیداء یا ذات الجیش میں تھے اور یہ دونوں مقامات مکہ مکرمہ اور خیبر کے درمیان ہیں۔ جس طرح امام نووی رحمتہ اللہ علیہ نے اس بات پر جزم فرمایا۔ بعض بزرگوں نے کہا کہ امام نووی نے جس بات کو قطعی قرار دیا۔ وہ ابن التین کے جزم کے خلاف ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ بیداء ذوالحلیفہ ہے جو مکہ مکرمہ کے راستے میں مدینہ طیبہ کے قریب ہے اور ذات الجیش ذوالحلیفہ کے پیچھے ہے۔

ابو عبید البکری نے اپنی معجم میں کہا ہے کہ ذوالحلیفہ کے مقابلے میں مقام بیداء مکہ مکرمہ کے زیادہ قریب ہے۔ پھر انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس حدیث کو چلایا۔ پھر فرمایا ذات الجیش مدینہ طیبہ سے ایک برید (تقریباً بارہ میل) کے فاصلے پر ہے۔ نیز فرمایا کہ بیداء اور عقیق کے درمیان سات میل کا فاصلہ ہے اور عقیق مکہ مکرمہ کے راستے پر ہے۔ خیبر کے راستے پر نہیں۔ پس جو کچھ ابن التین نے فرمایا وہ درست قرار پایا۔

(فتح الباری جلد اول ص ۳۶۵)

بعض حضرات نے فرمایا کہ ہار متعدد مرتبہ گم ہوا۔ ان لوگوں میں محمد بن حبیب اخباری بھی ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کا ہار غزوہ ذات الرقاع میں گرا اور غزوہ بنو مصطلق میں بھی۔

اس بارے میں میں اہل مغازی کا اختلاف ہے کہ ان دو غزووں میں سے پہلے کس غزوہ میں ہار گرا۔ داؤدی کہتے ہیں: تیمم کا واقعہ غزوہ فتح میں ہوا۔ پھر انہوں نے اس میں تردد کیا۔

ابن ابی شیبہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث نقل کرتے ہوئے فرمایا کہ جب آیت تیمم نازل ہوئی تو مجھے پتہ نہ چلا کہ میں کس طرح کروں۔ (مصنف ابن ابی شیبہ جلد اول ص ۱۵۹) تو یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ یہ واقعہ غزوہ بنو مصطلق کے بعد ہوا کیونکہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے ہجرت کے بعد ساتویں سال اسلام قبول کیا اور یہ واقعہ اس کے بعد ہوا۔ اس میں کوئی اختلاف نہیں۔

امام بخاری کا خیال ہے کہ غزوہ ذات الرقاع حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کے آنے کے بعد ہوا اور ان کی آمد حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کے وقت ہوئی۔

(.... گزشتہ صفحے سے) مدینہ طیبہ کے قریب پہنچے۔ میں قضائے حاجت کے لیے گئی تو ادھر کوچ کا اعلان ہو گیا۔ میں واپس کجاوے میں آئی تو دیکھا کہ میرا ہار نہیں ہے۔ واپس تلاش کرنے گئی۔ اتنے میں لوگ آئے وہ میرے کجاوے کو اٹھا کر لے آئے اور ان دنوں عورتیں ہلکی پھلکی ہوتی تھیں۔ اس سلسلے میں آپ پر من گھڑت الزام لگایا گیا تو اللہ تعالیٰ نے سورۂ نور میں برأت نازل فرمائی۔ تفصیلی واقعہ تفاسیر میں دیکھیں.... ۱۲ ہزاروی۔

یہ بات کہ تیمم کا واقعہ، واقعہ افک کے بعد ہوا۔ اس پر امام طبرانی کی یہ روایت بھی دلالت کرتی ہے۔ یحییٰ بن عباد بن عبداللہ بن زبیر اپنے والد سے۔ وہ اپنے والد حضرت عبداللہ بن زبیر سے اور وہ حضرت عائشہ (رضی اللہ عنہا) سے روایت کرتے ہیں۔ آپ فرماتی ہیں: جب میرا ہار والا معاملہ ہوا جو بھی ہوا، اور جھوٹ باندھنے والوں نے کہا جو کچھ کہا، تو میں ایک اور غزوہ کے لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ گئی تو اب بھی میرا ہار گم ہوا حتی کہ لوگ اس کی تلاش کی وجہ سے رک گئے تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مجھ سے فرمایا: اے بیٹی! تو جس سفر میں ہوتی ہے، اس میں صحابہ کرام کے لیے مشقت اور آزمائش ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ نے تیمم کی اجازت پر مشتمل حکم نازل فرمایا۔ اس پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا (اے بیٹی!) بے شک تو مبارک ہے۔[1]

اس حدیث کی سند میں محمد بن رازی ہیں جن (کی ثقاہت) کے بارے میں کلام کیا گیا ہے۔

اس حدیث کے ضمن میں ایک فائدہ یہ ہے کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے جو عتاب کیا وہ صحیح بخاری میں مبہم ہے (اور یہاں اس کی تفصیل ہے) اس بات کی تصریح ہے کہ ہار دو بار دو غزووں میں گم ہوا۔

(فتح الباری جلد اول ص ۳۶۷)

وہ جس نے اللہ کے حکم سے اس کے لیے عہد کو پورا کیا

اس غزوہ میں عبداللہ بن ابی نے کہا تھا کہ اگر ہم مدینہ طیبہ کی طرف واپس گئے تو ہم میں سے عزت والے، ذلت والوں کو ضرور ضرور باہر نکال دیں گے۔ حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ جو نہایت ضبط کرنے والے اور یاد رکھنے والے تھے انہوں نے یہ بات سنی اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان فرمائی۔ آپ نے عبداللہ بن ابی اور ان کے ساتھیوں کے پاس کسی کو بھیجا تو انہوں نے قسم کھائی کہ انہوں نے یہ بات نہیں کی۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

إِذَا جَآءَكَ الْمُنَافِقُونَ قَالُوا نَشْهَدُ إِنَّكَ لَرَسُولُ اللّٰهِ ۘ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ إِنَّكَ لَرَسُولُهُ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ إِنَّ الْمُنَافِقِينَ لَكَاذِبُونَ۔ (المنافقون: ۱)

جب منافق آپ کے پاس حاضر ہوتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ بے شک آپ اللہ کے رسول ہیں اور اللہ جانتا ہے کہ آپ اس کے رسول ہیں اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ منافق جھوٹے ہیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے زید اللہ تعالیٰ نے آپ کی تصدیق کر دی ہے۔ اس حدیث کو امام بخاری رحمہ اللہ نے روایت کیا۔ (صحیح بخاری جلد ۲ ص ۷۲۸، کتاب التفسیر)

(ابن اسحاق اور دیگر اہل مغازی کے نزدیک یہ واقعہ غزوہ تبوک میں ہوا)

اس غزوہ کے دوران نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اٹھائیس دن مدینہ طیبہ سے باہر رہے۔

(طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۲۵)

---

[1] چونکہ تیمم کی اجازت کے سلسلے میں آیت کریمہ کا سبب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہار کی تلاش میں وہاں ٹھہرنا تھا تو گویا مسلمانوں کو یہ برکت ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی وجہ سے حاصل ہوئی۔ ... ۱۲ ہزاروی۔

غزوۂ خندق

وجہ تسمیہ

یہ غزوۂ احزاب ہے۔ یعنی اس میں کئی گروہ شریک ہوئے۔ (احزاب، حزب کی جمع ہے یعنی گروہ) اور اسے غزوہ خندق کہنے کی وجہ یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے مدینہ طیبہ کے گرد خندق کھودی گئی تھی۔ اہل عرب کے ہاں خندق کا طریقہ مروج نہیں تھا بلکہ اہل فارس یہ طریقہ اختیار کرتے تھے۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے اس کا مشورہ دیا تھا۔ انہوں نے عرض کیا یارسول اللہ فارس میں جب ہمارا محاصرہ ہو جاتا تو ہم خندق کھود دیتے تھے، چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خندق کھودنے کا حکم دیا اور مسلمانوں کی ترغیب کے لیے خود بھی اس میں کام کیا۔

اس غزوہ کو غزوہ احزاب کہنے کی وجہ یہ تھی کہ اس میں مشرکین کے کئی گروہ مسلمانوں کے خلاف لڑنے کے لیے جمع ہوئے اور وہ قریش، غطفان اور اسی طرح یہودی اور ان کے ساتھی تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اس واقعہ کے بارے میں سورہ احزاب کی ابتدائی آیات نازل فرمائیں۔ (فتح الباری جلد ۷ ص ۳۰۱)

غزوۂ خندق کی تاریخ

اس غزوہ کی تاریخ میں اختلاف ہے۔ موسیٰ بن عقبہ کہتے ہیں: ہجرت کے چوتھے سال شوال میں ہوا، ابن اسحاق کے نزدیک پانچویں سال شوال میں ہوا۔ دوسرے اہل مغازی (غزوات کے تذکرہ نگار حضرات) نے بھی اسے قطعی قرار دیا۔ (السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد ۳ ص ۱۸۷، دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۳ ص ۳۹۵)

جب کہ امام بخاری رحمہ اللہ موسیٰ بن عقبہ کے قول کی طرف مائل ہیں اور انہوں نے اس بات کو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے قول سے مضبوط کیا۔ وہ فرماتے ہیں: غزوہ احد کے موقع پر وہ چودہ سال کے تھے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اجازت نہ دی اور خندق کے دن وہ پندرہ سال کے تھے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو شرکت کی اجازت دے دی۔

تو ان دونوں کے درمیان ایک سال ہوا چونکہ غزوہ احد ہجرت کے تیسرے سال واقع ہوا، اس لیے غزوہ خندق چوتھے سال ہوا۔ (صحیح بخاری جلد ۲ ص ۵۸۸، کتاب المغازی)

لیکن جب یہ بات ثابت ہو جائے کہ یہ غزوہ پانچ ہجری میں ہوا تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت میں کوئی حجت باقی نہیں رہتی کیونکہ ہو سکتا ہے، غزوہ احد کے وقت انہوں نے چودھویں سال میں قدم رکھا ہو اور غزوہ احزاب میں ان کی عمر پندرہ سال مکمل ہو گئی ہو۔ امام بیہقی نے یہی جواب دیا ہے۔
(دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۳ ص ۳۹۶)

شیخ ولی الدین عراقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ مشہور یہ ہے کہ یہ واقعہ ہجرت کے چوتھے سال ہوا۔

یہودیوں کا مختلف گروہوں کو جمع کرنا

اس غزوہ کی تفصیل اس طرح ہے کہ کچھ یہودی مکہ مکرمہ میں قریش کے پاس آئے اور کہنے لگے عنقریب ہم آپ کا ساتھ دیں گے تاکہ اس شخص (نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کہا) کی بیخ کنی کریں۔ چنانچہ یہ سب لوگ اس بات پر متفق ہوئے اور ایک دوسرے سے معاہدہ کیا۔

پھر وہ یہودی وہاں سے نکل کر غطفان کے پاس آئے جو قیس غیلان سے ہیں اور ان کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے لڑنے کی دعوت دی نیز ان کو بتایا کہ ہم بھی تمہارے ساتھ شریک ہوں گے اور قریش نے بھی ان سے معاہدہ کیا اور اس بات پر متفق ہو گئے ہیں۔

اب قریش ابوسفیان بن حرب کی قیادت میں اور غطفان عیینہ بن حصن کی قیادت میں جس کا قبیلہ فزارہ سے تعلق تھا، نکلے جب کہ مرہ کا امیر حارث بن عوف مری تھا۔

دونوں جماعتوں کی تعداد

ابن اسحاق کے مطابق ان لوگوں کی تعداد دس ہزار تھی اور مسلمان تین ہزار تھے۔ اس کے علاوہ بھی قول کیا گیا۔ (السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد ۲ ص ۱۸۸)

ابن سعد نے کہا ہے کہ مسلمانوں کے پاس چھتیس گھوڑے تھے۔ (طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۶۶)

خندق کھودنا

جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان جماعتوں کی اور جس بات پر وہ متفق ہوئے، اس کی خبر ہوئی تو آپ نے مسلمانوں کی حفاظت کے لیے خندق کھودنے کا حکم دیا اور خود بھی اس میں حصہ لیا۔

تاکہ مسلمانوں کو ثواب میں رغبت دلائیں چنانچہ مسلمانوں نے آپ کے ساتھ شرکت کی۔ آپ نے ایک طریقہ اختیار کیا اور انہوں نے اسے اپنایا۔

لیکن منافق لوگ اس پر عمل میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے ساتھ شریک نہ ہوئے اور وہ بہانہ بناتے تھے کہ وہ کمزوری کی وجہ سے یہ کام نہیں کر سکتے۔

صحیح بخاری میں حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں: ہم غزوہ خندق میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے۔ صحابہ کرام خندق کھودتے اور ہم اپنے کاندھوں پر مٹی اٹھا کر لے جاتے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اللھم لا عیش الا عیش الاخرۃ — اے اللہ! حقیقی زندگی تو صرف آخرت کی زندگی ہے۔
فاغفر للمھاجرین والانصار۔ — پس تو مہاجرین و انصار کو بخش دے۔

(صحیح بخاری جلد ۲ ص ۵۸۸، کتاب المغازی)

بعض روایات میں لفظ "اکتاد" کے بجائے "اکبادنا" ہے یعنی اپنے پہلوؤں پر مٹی اٹھاتے۔
(فتح الباری جلد ۷ ص ۳۰۳)

صحیح بخاری میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: مہاجرین و انصار ٹھنڈی صبح میں خندق کھودتے اور ان کے پاس غلام نہیں تھے جو یہ کام کرتے۔ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تھکاوٹ اور بھوک کو دیکھا تو فرمایا:

اللھم ان العیش عیش الاخرۃ — اے اللہ! بے شک زندگی تو آخرت کی زندگی ہے
فاغفر للانصار والمھاجرۃ۔ — پس تو انصار اور مہاجرین کو بخش دے۔

صحابہ کرام جواب میں یوں کہتے:

نحن الذین بایعوا محمدا — ہم وہ ہیں جنہوں نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم
علی الجھاد ما بقینا ابدا۔ — کے دست مبارک پر جہاد کے لیے بیعت کی، جب تک ہم زندہ رہیں گے۔

(صحیح بخاری جلد ۲ ص ۵۸۸، کتاب المغازی)

ابن بطال کہتے ہیں "اللھم لا عیش الا عیش الاخرہ۔" حضرت ابن رواحہ کا قول ہے جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھا اور حارث بن ابی اسامہ طاؤس کی مرسل روایت سے نقل کرتے ہیں کہ اس رجز کے آخر میں یہ اضافہ ہے:

والعن عضلا والقارۃ — یا اللہ! عضل اور قارہ پر لعنت بھیج۔ انہوں نے ہمیں
ھم کلفونا نقل الحجارۃ۔ — پتھر اٹھانے پر مجبور کیا۔

(فتح الباری جلد ۷ ص ۳۰۳)

صحیح بخاری میں حضرت براء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب احزاب اور خندق کا دن تھا تو میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا۔ آپ خندق سے مٹی اٹھا رہے تھے حتیٰ کہ غبار کی وجہ سے مجھے آپ کے شکم مبارک کا چمڑا نظر نہیں آتا تھا اور آپ کے شکم مبارک پر بہت بال تھے۔[1]

---

[1] علامہ زرقانی فرماتے ہیں: یہ بات نہیں بلکہ سینے سے شکم مبارک تک بالوں کی ایک لکیر تھی۔ دونوں روایتوں کو جمع کیا جا سکتا ہے کہ وہ لکیر اگرچہ پتلی ہو لیکن اس میں بال زیادہ ہوں۔ (زرقانی جلد ۲ ص ۱۰۷)

میں نے سنا آپ حضرت ابن رواحہ کے اشعار پڑھ رہے تھے۔ آپ یوں کہتے تھے۔

(صحیح بخاری جلد ۲ ص ۵۸۸، کتاب المغازی)

اللھم لولا انت ما اھتدینا ولا تصدقنا ولا صلینا
فانزلن سکینۃ علینا وثبت الاقدام ان لاقینا
ان الالی قد رغبوا علینا وان ارادوا فتنۃ ابینا

"اے اللہ! اگر تو نہ ہوتو ہم ہدایت نہ پاتے، نہ صدقہ کرتے اور نہ نماز پڑھتے"۔
"پس ہم پر سکون اتار دے اور اگر ہمارا ان سے مقابلہ ہو تو ہمیں ثابت قدم رکھنا"۔
"بے شک ان لوگوں نے ہم سے لڑائی میں رغبت کی۔ اور وہ فرار چاہتے ہیں تو ہم نے انکار کیا"۔

راوی فرماتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بلند آواز سے پڑھتے تھے۔
انہی کی ایک دوسری روایت میں ہے:

ان الالی قد بغوا علینا اذا ارادوا فتنۃ ابینا

(صحیح بخاری جلد ۲ ص ۵۸۸، کتاب المغازی)

"ان لوگوں نے ہمارے خلاف بغاوت کی، جب وہ بھاگنے کا ارادہ کریں تو ہم نہیں مانیں گے"۔

حارث بن ابی اسامہ کی سلیمان بن طرخان تیمی کی حدیث، جو ابو عثمان النہدی نے روایت کی ہے، میں یوں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب خندق میں ضرب لگائی تو فرمایا:

بسم الالہ وبہ بدینا ولو عبدنا غیرہ شقینا
فحبذا ربا وحب دینا

(فتح الباری جلد ۷ ص ۳۰۴، البدایہ والنہایہ جلد ۴ ص ۹۶)

"اللہ تعالیٰ کے نام سے ہم آغاز کرتے ہیں اور اگر ہم اس کے غیر کی پوجا کریں تو ہم سخت بدبخت ہوں۔ پس وہ کتنا اچھا رب ہے اور ہمارا دین کتنا اچھا ہے"۔

نہایہ میں ہے بدیت بالشئی دال کے نیچے زیر ہے یعنی میں نے اسے شروع کیا یعنی "بدءات" تھا جب ہمزہ میں تخفیف کر کے اسے یاء سے بدلا تو دال کو زیر دے دی۔ اس میں یاء اصلی نہیں ہے۔

معجزات

خندق کھودنے کے موقع پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی کئی نشانیاں ظاہر ہوئیں۔ ان میں سے ایک وہ ہے جو صحیح بخاری میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں، ہم خندق والے دن (خندق) کھود رہے تھے کہ سخت پتھریلی زمین آگئی۔ صحابہ کرام نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ خندق میں سخت پتھریلی جگہ آگئی ہے۔ آپ کھڑے ہوئے اور آپ نے شکم اطہر پر ایک پتھر باندھ رکھا

تھا۔ ہم نے تین دن سے کوئی چیز چکھی نہیں تھی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کدال لے کر ماری تو وہ پتھر ریت کی طرح ہوگیا۔ (صحیح بخاری جلد ۲ ص ۵۸۸، کتاب المغازی)

ایک روایت میں لفظ "اھْیَل" ہے اور دوسری روایت میں "اھیم" ہے یعنی ایسی ریت جسے پانی سیراب نہیں کر سکتا۔ راوی نے اسی طرح شک کے ساتھ بیان کیا اور اسماعیلی کی روایت میں صرف لام کے ساتھ اھیل ہے (شک نہیں) معنی یہ ہیں کہ ایسی ریت جو چلتی ہے، ٹھہرتی نہیں۔ اھیل اور اھیم دونوں کا ایک ہی معنی ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

فَشٰرِبُوْنَ شُرْبَ الْهِيْمِ۔ (الواقعہ: ۵۵) پھر ایسا پیو گے جیسے سخت پیاسے اونٹ پئیں۔

اس سے وہ ریت مراد ہے جسے پانی سیراب نہیں کرتا۔[1]

اس واقعہ میں امام احمد اور امام نسائی کے نزدیک کچھ اضافہ ہے۔ حضرت براء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ہمیں خندق کھودنے کا حکم دیا تو خندق کے ایک حصے میں ہمارے سامنے ایک چٹان آئی جس میں کدال اثر نہیں کرتی تھی۔ ہم نے یہ بات نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کی تو آپ تشریف لائے اور کدال پکڑ کر بسم اللہ پڑھی۔ ایک ایسی ضرب لگائی کہ اس کا تیسرا حصہ بکھر گیا۔ آپ نے "اللہ اکبر" کہتے ہوئے فرمایا: مجھے شام کی چابیاں دے دی گئیں۔ اللہ کی قسم میں اس وقت شام کے سرخ محلات دیکھ رہا ہوں۔ پھر دوسری مرتبہ کدال ماری تو دوسری تہائی کو بھی توڑ دیا۔ آپ نے نعرہ تکبیر بلند کرتے ہوئے فرمایا: مجھے فارس کی چابیاں دے دی گئیں اور اللہ تعالیٰ کی قسم میں اب مدائن کا سفید محل دیکھ رہا ہوں۔ پھر تیسری ضرب لگائی تو بسم اللہ پڑھی اور پتھر کا باقی حصہ بھی توڑ دیا۔ آپ نے فرمایا "اللہ اکبر" مجھے یمن کی چابیاں دے دی گئیں۔ اللہ کی قسم! میں اس وقت یہاں سے صنعاء کے دروازے دیکھ رہا ہوں۔[2]

(مسند امام احمد جلد ۴ ص ۳۰۳ مرویات براء رضی اللہ عنہ سنن نسائی، جلد ۲ ص ۶۲)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی علامات نبوت میں سے وہ بات بھی ہے جسے امام بخاری رضی اللہ عنہ نے صحیح بخاری میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت سے نقل کیا کہ خندق کے دن تھوڑا کھانا زیادہ ہوگیا۔ (صحیح بخاری جلد ۲ ص ۵۸۸، کتاب المغازی) اس کی تفصیل انشاء اللہ معجزات کے باب میں بیان ہوگی۔ (حضرت جابر رضی اللہ عنہ

---

[1] حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی منگوایا۔ اس میں لعاب مبارک ڈالا، پھر دعا مانگی اور وہ پانی اس سخت پتھر پر ڈال دیا تو حاضرین کہتے ہیں۔ اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا وہ ریت بن گیا۔

(زرقانی جلد ۲ ص ۱۰۹)

[2] امام زرقانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ حدیث حسن ہے۔ اس کے طرق متعدد ہیں۔ امام بیہقی نے بھی اسے کثیر بن عبداللہ کے طریق سے روایت کیا۔ حضرت عمر فاروق اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہما کے زمانے میں جب یہ علاقے فتح ہوئے تو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے تھے: فتح کرو جو تمہارے لیے ظاہر ہو، تم قیامت تک جو شہر فتح کرو گے، حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی چابیاں پہلے ہی دے دی گئی ہیں۔ (زرقانی جلد ۲ ص ۱۱۰)... ۱۲ ہزاروی

کے گھر میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ظاہر ہوا کہ تھوڑا سا کھانا سب اہل خندق کو کفایت کر گیا تھا۔۔۱۲ ہزاروی)

خندق کھودنے کی مدت

حضرت موسیٰ بن عقبہ کے نزدیک صحابہ کرام خندق کھودنے میں تقریباً بیں راتیں مصروف رہے۔ واقدی کے نزدیک چوبیس راتیں اور امام نووی کے "الروضہ" دس پندرہ دن اور ابن قیم کی "الھدی النبوی" میں ایک مہینہ مصروف رہنے کا ذکر ہے۔

دونوں لشکروں کی تفصیل

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خندق کے معاملے سے فارغ ہوئے تو قریش پہنچ گئے اور وہاں اُترے جہاں سیلاب کا پانی جمع ہوتا ہے۔ وہ اپنے دس ہزار حلیف ساتھیوں کے ہمراہ تھے اور دوسرے لوگ جو اُن کے تابع تھے یعنی بنو کنانہ اور تہامہ میں سے۔ عیینہ بن حصن غطفان اور ان کے متبعین جو اہل نجد سے تھے وہ اُحد کی طرف اترے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کے ہمراہ باہر تشریف لائے حتیٰ کہ ان کی پشت سلع پہاڑ کی طرف کر دی۔ اُن کی تعداد تین ہزار تھی۔ آپ نے وہاں لشکر کو ٹھہرایا۔ خندق آپ کے اور قوم کے درمیان تھی۔ (فتح الباری جلد ۷ ص ۳۰۲، السیرۃ النبویہ ابن ہشام جلد ۲ ص ۱۸۹) مہاجرین کا جھنڈا حضرت زید بن حارثہ کے پاس اور انصار کا جھنڈا حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے پاس تھا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ کی طرف حفاظت کرنے والوں کو بھیجتے تھے کیونکہ بچوں وغیرہ پر بنو قریظہ (یہودیوں) کا خوف تھا۔ (اس دوران مدینہ طیبہ میں نمازوں کے لیے حضرت عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو مقرر فرمایا)

بنو قریظہ کی عہد شکنی

ابن اسحاق کہتے ہیں اللہ کا دشمن حیی بن اخطب نکلا اور کعب بن اسد قرظی کے پاس آیا جو بنو قریظہ کی طرف سے عہد و پیمان کرنے والا تھا۔ اس نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی قوم کے لیے مصالحت اور معاہدہ کیا تھا۔ کعب نے اس پر اپنے قلعے کا دروازہ بند کر دیا اور کھولنے سے انکار کیا۔ اس نے کہا اے حیی واپس جا تو منحوس شخص ہے۔ میں نے (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے معاہدہ کیا ہے لہٰذا جو کچھ ہمارے درمیان ہے میں اسے نہیں توڑوں گا۔ میں نے ان سے وفا اور سچائی ہی دیکھی ہے۔ حیی نے کہا تجھ پر ہلاکت ہو دروازہ کھول۔ وہ مسلسل مطالبہ کرتا رہا حتیٰ کہ اس نے کھول دیا۔ اس نے کہا تجھے ہلاکت ہو۔ اے کعب! میں تیرے پاس زمانے کی عزت کو لایا ہوں یعنی میں قریش کو لایا ہوں حتیٰ کہ میں نے ان کو سیلابوں کو جمع ہونے کی جگہ اتارا اور ان کے علاوہ غطفان ہیں

ان سب نے مجھ سے وعدہ کیا ہے کہ جب تک ہم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھیوں کو (معاذ اللہ) مکمل طور پر ختم نہ کر دیں یہاں سے نہیں ہلیں گے۔ وہ مسلسل زور ڈالتا رہا حتیٰ کہ کعب نے اپنا عہد نامہ توڑ دیا اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور اس کے درمیان جو معاہدہ تھا اس سے براءت کا اظہار کیا۔

(السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد ۲ ص ۱۸۹)

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں احزاب کے دن میں اور عمرو بن سلمہ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے پتھروں سے بنے ہوئے قلعے میں عورتوں کے پاس تھے۔[1]

میں نے دیکھا تو حضرت زبیر رضی اللہ عنہ دو یا تین مرتبہ اپنے گھوڑے پر بنو قریظہ کی طرف تشریف لے گئے۔ میں قلعے سے واپس آیا تو میں نے کہا اباجان! میں نے آپ کو آتے جاتے دیکھا ہے۔ فرمایا: بیٹا! تم نے مجھے دیکھا ہے؟ میں نے کہا جی ہاں! انہوں نے فرمایا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کون شخص بنو قریظہ کے پاس جائے گا تاکہ وہ ان کی خبر میرے پاس لائے۔ تو میں وہاں گیا جب میں واپس آیا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے لیے اپنے ماں باپ کو جمع کیا یعنی فرمایا: "فداک ابی وامی" (اے زبیر) تم پر میرے ماں باپ فدا ہوں۔ اس حدیث کو امام بخاری، امام مسلم اور امام ترمذی نے روایت کیا اور امام ترمذی نے فرمایا یہ حدیث حسن ہے۔ (صحیح بخاری جلد اول ص ۵۲۷، صحیح مسلم جلد ۲ ص ۹۹۰، جامع ترمذی جلد ۲ ص ۲۱۵)[2] اصحاب، مغازی کی روایت میں ہے کہ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہودیوں کے بارے میں معلوم ہوا تو آپ نے حضرت سعد بن معاذ اور حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہما کو بھیجا ان کے ساتھ حضرت ابن رواحہ اور خوات بن جبیر رضی اللہ عنہما کو بھی بھیجا تاکہ ان کی خبر معلوم کریں تو انہوں نے ان (یہودیوں) کو پہلی خبر سے بھی زیادہ بری حالت پر پایا۔ ان لوگوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پہچان سے ہی انکار کر دیا اور اپنے عہد و پیمان سے براءت ظاہر کی پھر یہ چاروں حضرات نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ ان لوگوں کے عضل اور قارہ والا طریقہ کیا یعنی انہوں نے جس طرح اصحاب رجیع کے ساتھ دھوکہ کیا ان لوگوں نے بھی اسی طرح کیا۔ (السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد ۲ ص ۱۹۰) (اصحاب رجیع کا واقعہ پہلے گزر چکا ہے)

---

[1] نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب خندق کی طرف تشریف لے گئے تو ازواج مطہرات اور اپنی پھوپھی صفیہ رضی اللہ عنہا کو قلعہ میں چھوڑا۔ حضرت حسان رضی اللہ عنہ بھی ان کے ساتھ تھے۔ دس یہودی آئے اور قلعے پر تیر پھینکنے لگے۔ ان میں سے ایک دروازے کی طرف آیا اور چکر لگانے لگا تو حضرت صفیہ رضی اللہ عنہ نے خیمہ کا ایک بانس لے کر اسے مارا اور قتل کر کے یہودیوں کی طرف پھینک دیا۔ (زرقانی جلد ۲ ص ۱۱۲، ۱۲ ہزاروی)

[2] حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی ولادت سے متعلق مختلف روایات کی بنیاد پر اس وقت آپ کی عمر دو یا تین سال اور کچھ ماہ یا چار سال تھی اس سے معلوم ہوا کہ چار سال سے کم عمر کے بچے کا حدیث سننا صحیح ہے (زرقانی جلد ۲ ص ۱۱۳) نیز اس عمر کے بچے کا وہاں موجود ہونا اور والد سے گفتگو تعجب خیز نہیں ہے۔ ۱۲ ہزاروی۔

قریظہ کے دھوکے کے بعد مسلمانوں کا لشکر

اس وقت بہت بڑی آزمائش اور مصیبت کا سامنا ہوا اور خوف بڑھ گیا۔ مسلمانوں کے دشمن اوپر کی جانب سے اور نیچے کی طرف سے آئے حتیٰ کہ مسلمان مختلف قسم کے گمان (مدد یا مایوسی) کا شکار ہو گئے۔

اور بعض منافقین کا نفاق بھی ظاہر ہوا۔ (السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد ۲ ص ۱۹۰) اللہ تعالیٰ نے اس وقت یہ آیت اتاری:

وَاِذْ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ مَّا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اِلَّا غُرُوْرًا۔ (الاحزاب: ۱۲)

اور جب منافق اور وہ لوگ جن کے دلوں میں بیماری ہے کہنے لگے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے دھوکے کا وعدہ کیا ہے۔

اور کچھ لوگ جو اس منافق (عبداللہ بن ابی) کے ہمراہ تھے، کہنے لگے اے اہل مدینہ! تم ٹھہر نہیں سکتے، واپس چلے جاؤ اور اوس بن قیظی نے کہا یا رسول اللہ! بے شک ہمارے گھر دشمن سے غیر محفوظ ہیں۔ ہمیں اجازت دیں کہ ہم واپس چلے جائیں کیونکہ ہمارے گھر مدینہ طیبہ سے باہر ہیں۔[1]

نوفل بن عبداللہ بن مغیرہ مخزومی گھوڑے پر آیا تاکہ خندق عبور کرے (اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرے) تو وہ خندق میں گر گیا اور اللہ تعالیٰ نے اسے ہلاک کر دیا۔ مشرکین پر یہ بات گراں گزری انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف پیغام بھیجا کہ ہم آپ کو دیت دیتے ہیں۔ آپ اسے ہمارے حوالے کریں تاکہ ہم اسے دفن کر دیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو جواب بھیجا کہ یہ خبیث ہے اور اس کی دیت بھی خبیث ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس پر اور اس کی دیت پر لعنت بھیجی۔ ہم تمہیں اس کی تدفین سے نہیں روکتے اور ہمیں اس کی دیت کی کوئی غرض نہیں۔[2]

ابن اسحاق کہتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمان اس حال میں وہاں ٹھہرے رہے کہ دشمنوں نے ان کا محاصرہ کر رکھا تھا اور جنگ کی صرف یہی صورت تھی کہ تیر اندازی کا تبادلہ ہوتا تھا لیکن عمرو بن عبدود عامری (نوے سالہ بوڑھا) اور اس کے کچھ ساتھی اپنے گھوڑوں پر خندق کے تنگ حصے کی طرف سے گھس آئے حتیٰ کہ (خندق اور سلع پہاڑ کے درمیان) شوریدہ زمین میں آگئے۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اس کا مقابلہ کر کے

---

[1] علامہ زرقانی فرماتے ہیں بعض لوگوں نے اوس بن قیظی کے اس قول سے استدلال کرتے ہوئے اسے منافق قرار دیا لیکن الاصابہ فی معرفۃ الصحابہ میں ہے کہ اوس اور اس کے دو بیٹے عرابہ اور عبداللہ غزوہ احد میں شریک ہوئے۔ واللہ اعلم۔

(زرقانی جلد ۲ ص ۱۱۳) ۱۲ ہزاروی۔

[2] ابن ہشام کے مطابق انہوں نے دس ہزار درہم کی پیشکش کی تھی لیکن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول نہ فرمائے۔ ۱۲ ہزاروی۔

اسے واصل جہنم کیا۔[1]

نوفل بن عبداللہ بن مغیرہ سامنے آیا تو حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے اسے قتل کیا اور یہ بھی کہا گیا کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اسے قتل کیا اور باقی سوار شکست کھاتے ہوئے واپس لوٹ گئے۔

(السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد ۲ ص ۱۹۱)

حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو ایک تیر لگا جس سے آپ کی رگ اکحل کٹ گئی۔ یہ رگ بازو کے درمیان ہوتی ہے۔ خلیل بن احمد ازدی نحوی کہتے ہیں کہ یہ رگ حیات ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اس کا ایک حصہ ہر عضو میں ہوتا ہے پس ہاتھ میں وہ اکحل کہلاتی ہے۔ پیٹھ میں ابہر اور ران میں اسے نسا کہتے ہیں۔ جب وہ کٹتی ہے تو خون نہیں رکتا۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو ابن عرقہ نے تیر مارا تھا اس کا تعلق بنو عامر بن لوئی سے تھا اس نے کہا تھا یہ تیر مجھ سے لو اور میں ابن عرقہ ہوں۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے فرمایا اللہ تعالیٰ تیرے چہرے کو جہنم میں ڈالے۔ (کہا گیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات فرمائی تھی) اس کے بعد حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے (بارگاہ خداوندی میں) عرض کیا یا اللہ! اگر تو نے قریش کی جنگ میں سے کچھ باقی رکھا ہے تو اسے میرے لیے بھی باقی رکھ۔ مجھے کسی قوم سے جہاد کرنا اتنا پسند نہیں جتنا اس قوم سے پسند ہے جس قوم نے تیرے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت دی اور ان کو جھٹلایا۔[2]

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ انیس راتیں وہاں ٹھہرے۔ نعیم بن مسعود اشجعی رضی اللہ عنہ نے جو اپنے اسلام کو چھپاتے تھے، انہوں نے ایک قوم (بنو قریظہ) کو دوسری قوم (قریش) سے روک دیا اور ان کے درمیان شر ڈال دیا کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "الحرب خدعۃ" (لڑائی ایک چال ہے) پس وہ کسی بات پر متفق نہ ہوئے۔

---

[1] عمرو بن عبدود نے تین مرتبہ دعوت مبارزت دی حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اسے قبول کیا لیکن حضور علیہ السلام نے اجازت نہ دی۔ آپ فرماتے یہ عمرو ہے تیسری مرتبہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا اگرچہ عمرو ہو چنانچہ حضور علیہ السلام نے ان کو اجازت دی۔ عمامہ پہنایا، اپنی تلوار عطا فرمائی اور ان کے لیے دعا فرمائی۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اسے اسلام کی دعوت اور جنگ سے باز رہنے کے لیے کہا۔ وہ ہنسا اور کہنے لگا میرا خیال نہیں تھا کوئی مجھے یوں کہے گا تم کون ہو؟ فرمایا میں علی بن ابی طالب ہوں۔ اس نے کہا بھتیجے اپنے کسی بڑی عمر والے چچا کو بھیجو میں تمہارا خون بہانا نہیں چاہتا۔ آپ نے فرمایا میں تمہارا خون بہانا چاہتا ہوں۔ اسے غصہ آگیا دونوں کے درمیان لڑائی ہوئی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اسے قتل کر دیا۔ (زرقانی جلد ۲ ص ۱۱۴)

[2] حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی عظمت یہ ہے کہ ان کے وصال پر عرش بھی خوشی سے جھوم اٹھا کہ یہ پاکیزہ روح اس کی طرف جائے گی۔

جنگ کی رات

امام حاکم نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا- وہ فرماتے ہیں: میں دیکھتا ہوں احزاب کی رات ابوسفیان اور اس کے ساتھی ہم سے اوپر اور قریظہ ہم سے نچلی جانب تھے- ہمیں اپنی اولاد کا ڈر تھا اور اس رات سے بڑھ کر تاریک اور سخت آندھی والی رات ہم پر کبھی نہیں آئی- منافق اجازت لے رہے تھے اور کہتے تھے ہمارے گھر غیر محفوظ ہیں- نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس سے گزرے اور میں اپنے گھٹنوں پر جھکا ہوا تھا- میرے ساتھ صرف تین سو افراد رہ گئے تھے- آپ نے فرمایا جاؤ اور قوم کی خبر لاؤ اور میرے لیے دعا فرمائی تو اللہ تعالیٰ نے مجھ سے ٹھنڈک اور خوف دونوں چیزیں دور کر دیں- میں ان کے لشکر میں داخل ہوا تو ہوا ان کے لشکر سے ایک بالشت بھی تجاوز نہیں کرتی تھی- میں واپس لوٹا تو میں نے اپنے راستے میں کچھ سوار دیکھے- انہوں نے کہا اپنے صاحب (آقا) سے کہو کہ اللہ تعالیٰ نے اس قوم سے ان کی کفایت کی-

ایک روایت میں ہے کہ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو خبر لانے کے لیے بھیجا تو انہوں نے ابوسفیان کو یہ کہتے ہوئے سنا- اے قریش کے گروہ! اللہ کی قسم! تمہارے لیے یہ مقام ٹھہرنے کی جگہ نہیں- اونٹ اور گھوڑے ہلاک ہو گئے- ہمارے اور بنو قریظہ کے درمیان اختلاف پیدا ہو گیا ہے اور اس ہوا سے جو تکلیف پہنچ رہی ہے وہ تم دیکھ رہے ہو- لہٰذا یہاں سے کوچ کرو- میں بھی تمہارے ساتھ کوچ کرتا ہوں- ابھی اونٹ کی رسی بندھی ہوئی تھی کہ ابوسفیان چھلانگ لگا کر اونٹ پر چڑھ گئے-

(السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد ۲ ص ۱۹۳)

حضرت زبیر اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہما کی مہم

صحیح بخاری میں ہے کہ احزاب کے دن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قوم (قریش وغیرہ) کی خبر کون لائے گا؟ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا میں لاؤں گا' آپ نے پھر فرمایا: قوم کی خبر کون لائے گا؟ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا میں' فرمایا: قوم کی خبر کون لائے گا' تین مرتبہ یہی بات فرمائی-

(صحیح بخاری جلد ۲ ص ۵۹۰' کتاب المغازی)

اس جگہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے ذکر پر اعتراض کیا جاتا ہے- ابن ملقن کہتے ہیں کہ یہاں حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے بارے میں ہے کہ آپ تشریف لے گئے لیکن مشہور یہ ہے کہ حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ تشریف لے گئے تھے-

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ واقعہ کسی ایک سے مختص کرنا مردود ہے کیونکہ جس واقعہ میں حضرت زبیر رضی اللہ عنہ حالات معلوم کرنے گئے تھے وہ اس واقعہ سے مختلف ہے جس میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ معلومات حاصل کرنے تشریف لے گئے تھے- حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اس لیے تشریف لے گئے کہ بنو

2

قریظہ کے بارے میں خبر حاصل کریں کہ کیا انہوں نے اس معاہدے کو توڑ دیا ہے جو ان کے اور مسلمانوں کے درمیان ہوا تھا اور مسلمانوں سے لڑنے کے لیے قریش کے ساتھ ہو گئے ہیں اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کا واقعہ یوں ہے جب خندق کی وجہ سے مسلمانوں کا محاصرہ سخت ہو گیا اور ان جماعتوں نے مسلمانوں کے خلاف ایک دوسرے کی مدد کی پھر ان کی جماعتوں میں اختلاف پیدا ہو گیا اور ہر گروہ دوسرے گروہ سے بچنے لگا۔ نیز اللہ تعالیٰ نے ان پر آندھی بھیج دی اور اس رات سردی بھی سخت ہو گئی تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قریش کی خبر کون لائے گا؟ تو کئی بار کی طلب کے بعد حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا میں لاؤں گا۔ ان کا واقعہ مشہور ہے کہ جب وہ قریش کے درمیان داخل ہوئے اور ان کا قصہ معلوم کیا۔ (فتح الباری جلد ۷ ص ۳۱۲)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا

صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ فرماتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے احزاب کے خلاف دعا فرمائی۔ آپ کے کلمات دعا یہ ہیں:

اللھم منزل الکتاب سریع الحساب اھزم الاحزاب اللھم اھزمھم وزلزلھم۔ (صحیح بخاری جلد ۲ ص ۵۹۰)

اے اللہ! کتاب نازل کرنے والے اور جلد حساب لینے والے احزاب (گروہوں) کو شکست دے۔ یا اللہ! ان کو شکست دے اور جھنجوڑ دے[1]

امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔ وہ فرماتے ہیں خندق کے دن ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! دل حلق تک پہنچ گئے، کیا کوئی کلمات ایسے ہیں جو ہم کہیں؟ آپ نے فرمایا ہاں! (یوں کہو)

اللھم استر عوراتنا وامن روعاتنا۔

یا اللہ! ہمارے عیبوں کو چھپا دے اور ہمیں خوف سے محفوظ رکھ۔

تو اللہ تعالیٰ نے ہوا کے ذریعے ان کے چہروں کو پھیر دیا۔

(کشف الخفاء للعجلونی جلد اول ص ۲۰۸، مسند امام احمد بن حنبل جلد ۳ ص ۳)

ابن ظفر کی ۔ینبوع الحیاۃ (تفسیر قرآن کے سلسلے میں ایک کتاب ہے) میں ہے کہا گیا ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں دعا مانگی:

---

[1] حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ احزاب کے موقع پر سوموار، منگل اور بدھ کے دن ظہر اور عصر کے درمیان مسجد میں تشریف لائے اور چادر مبارک نیچے رکھ کر دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے اور ان کے خلاف بددعا کرنے لگے تو ہم نے آپ کے چہرے پر خوشی کے اثرات دیکھے۔ ابو نعیم کی روایت میں ہے کہ آپ سورج کے زوال کے منتظر رہے۔ پھر فرمایا اے لوگو! دشمن سے مقابلے کی تمنا نہ کرو اور اگر دشمن سے مقابلہ ہو تو صبر کرو اور جان لو کہ جنت تلواروں کے سائے میں ہے۔ پھر مذکورہ بالا دعا مانگی۔ (زرقانی جلد ۲ ص ۱۳۱) ۱۲ ہزاروی

یا صریخ المکروبین یامجیب المضطرین اکشف ھمی و غمی وکربی فانک تری مانزل بی وباصحابی۔

اے پریشان حال لوگوں کے فریاد رس! اے مجبور لوگوں کی دعا قبول کرنے والے! میرے غم، پریشانی اور مصیبت کو دور کر دے تو دیکھتا ہے کہ میں اور میرے صحابہ کن حالات کا شکار ہوئے ہیں۔

تو حضرت جبریل علیہ السلام حاضر ہوئے اور انہوں نے خوشخبری دی کہ اللہ تعالیٰ ان پر آندھی اور لشکر بھیجے گا۔ آپ نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس بات کی اطلاع دی اور یہ کہتے ہوئے ہاتھ اٹھائے "شکراً شکراً" (یااللہ! تیرا شکر ہے) اور رات کو بادصبا چلی جس نے میخیں اکھاڑ دیں اور خیمے ان پر ڈال دیئے، ہانڈیاں الٹ گئیں اور ان پر مٹی اڑائی اور کنکریاں ماریں۔ مشرکین نے اپنے لشکر کے اطراف میں نعرہ تکبیر اور اسلحہ کی جھنکار سنی تو اسی رات بھاگ گئے اور جو بھاری سامان لائے تھے وہ چھوڑ گئے۔[1]

راوی فرماتے ہیں اسی سلسلے میں یہ ارشاد خداوندی ہے:

فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا وَّجُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا۔ (الاحزاب: ۹)

پس ہم نے ان پر تیز ہوا اور لشکر بھیجے جسے وہ نہیں دیکھتے تھے۔

مسلمانوں کی نماز کا قضا ہو جانا

صحیح بخاری میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ خندق کے دن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ان گھروں اور قبروں کو آگ سے بھر دے، جس طرح انہوں نے ہمیں درمیان والی نماز (عصر کی نماز) سے مصروف کر دیا، حتیٰ کہ سورج غائب ہو گیا (صحیح بخاری [illegible] ص [illegible])

اس کا مطلب یہ ہے کہ مشرکین کے ساتھ لڑائی مسلسل جاری رہی، حتیٰ کہ سورج [illegible] ہو گیا۔

صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی یہ حدیث ا[illegible] (گذشتہ حدیث) کے [illegible] مشرکین نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز عصر سے روکے رکھا حتیٰ کہ سورج سرخ یا زرد ہو گیا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان لوگوں نے ہمیں درمیان والی نماز سے روکے رکھا۔
(صحیح مسلم جلد اول ص ۲۲۷ کتاب المساجد)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ وقت مکمل طور پر ختم نہیں ہوا تھا۔

شیخ تقی الدین بن دقیق العید فرماتے ہیں رکاوٹ اس وقت یعنی سرخی یا زردی تک پہنچ گئی اور نماز، مغرب

---

[1] وہ سب مال مسلمانوں کو غنیمت کے طور پر ملا اس کے علاوہ بیس اونٹ جو ابوسفیان نے حیی بن اخطب کے لیے بھیجے تھے اس میں جو، کھجوریں اور انجیر تھے، مسلمانوں کی ایک جماعت نے قابو کر کے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیے۔ آپ نے اسے استعمال کیا اور اونٹ کی قربانی دی پھر بھی مال بچ گیا۔ ابوسفیان کو پتہ چلا تو کہا حیی منحوس ہے۔ اس نے ہماری سواریاں بھی ہم سے دور کر دیں۔ (زرقانی جلد ۲ ص ۱۳۲) ۱۲ ہزاروی)

کے بعد ادا کی گئی۔ (لہٰذا دونوں حدیثوں میں کوئی تضاد نہیں)

اور صحیح بخاری میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ تشریف لائے اور کفار قریش کو برا بھلا کہنے لگے اور عرض کیا یا رسول اللہ! قریب نہ تھا کہ میں عصر کی نماز پڑھوں حتیٰ کہ سورج غروب ہونے کے قریب ہوگیا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کی قسم میں نے نماز نہیں پڑھی۔ ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ بطحان میں اترے۔ آپ نے نماز کے لیے وضو کیا اور ہم نے بھی وضو کیا پھر آپ نے غروب آفتاب کے بعد عصر کی نماز پڑھی اور اس کے بعد مغرب کی نماز ادا فرمائی۔ (صحیح بخاری جلد اول ص ۸۳، کتاب مواقیت الصلوٰۃ)

اور یہ تاخیر نماز کے اسباب میں مشغولیت کی وجہ سے ہوئی یا کسی اور وجہ سے (یعنی دشمن کے خوف سے) لیکن اس روایت کا تقاضا یہ ہے کہ عصر کے علاوہ کوئی نماز فوت نہیں ہوئی تھی۔ مؤطا میں ظہر اور عصر دونوں نمازوں کا ذکر ہے۔ (موطا امام مالک ص ۵۰)

ترمذی شریف میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ مشرکین نے خندق کے دن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو چار نمازوں سے مشغول رکھا اور امام ترمذی نے فرمایا اس حدیث کی سند میں کوئی حرج نہیں۔ مگر یہ کہ ابوعبیدہ کو حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے سماعت حاصل نہیں۔ (جامع ترمذی جلد اول ص ۲۵۱) ابن عربی نے ترجیح کی طرف مائل ہوتے ہوئے فرمایا۔ صحیح یہ ہے کہ آپ سے صرف ایک نماز رہ گئی تھی اور وہ عصر کی نماز ہے۔

امام نووی فرماتے ہیں ان روایات کو جمع کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ خندق کا واقعہ کئی دن باقی رہا تو کوئی نماز کسی دن رہ گئی اور کچھ نمازیں کسی اور دن قضا ہوئیں۔ وہ فرماتے ہیں جہاں تک نماز عصر میں تاخیر کا تعلق ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سورج غروب ہونے تک ادا نہ فرمائی تو یہ نماز خوف کا حکم نازل ہونے سے پہلے کی بات ہے۔ یعنی آپ کو خوف تھا کہ دشمن حملہ کر دے گا اور نماز خوف کا حکم نہیں ملا تھا کہ بعض مجاہد دشمن کے مقابلے میں ہوتے۔

علماء کرام فرماتے ہیں یہ بھی احتمال ہے کہ آپ نے عصر کی نماز بھول کر موخر کی ہو۔ جان بوجھ کر نہیں اور بھولنے کی وجہ دشمن کے معاملے میں مشغولیت تھی اور یہ بھی احتمال ہے کہ آپ نے جان بوجھ کر موخر کی ہو۔ کیونکہ آپ دشمن کے معاملے میں مشغول تھے اور نماز خوف کا حکم ابھی نازل نہ ہوا تھا۔ لیکن اب دشمن اور لڑائی کی وجہ سے نماز کو وقت سے موخر کرنا جائز نہیں بلکہ نماز خوف اس کے طریقے پر پڑھے۔

درمیان والی نمازوں کے بارے میں اختلاف ہے۔ حافظ دمیاطی نے صرف اس مسئلہ میں ایک کتاب لکھی ہے (جس میں صلاۃ وسطیٰ کے بارے میں انیس قول جمع کیے ہیں) جس کا نام "کشف المغطّی عن الصلاۃ الوسطیٰ" رکھا ہے۔ اس میں انیس قول ہیں یعنی صبح یا ظہر یا عصر یا مغرب کی نماز ہے یا سب نمازیں ہیں اور یہ فرض اور نفل سب کو شامل ہے۔ ابن عبدالبر نے اس قول کو اختیار کیا ہے۔ یا جمعہ کی نماز قاضی حسین نے اپنی تعلیقات میں صلوٰۃ الخوف میں ذکر کیا یا باقی ایام میں ظہر کی نماز اور جمعہ کے دن جمعہ کی نماز ہے یا عشاء کی نماز مراد ہے کیونکہ وہ ایسی دو

نمازوں کے درمیان ہیں جن میں (حالت سفر میں) قصر نہیں ہوتی یا صبح اور عشاء دونوں یا صبح اور عصر مراد ہیں۔ کیونکہ ان کے لیے دلائل قوی ہیں۔ قرآن پاک کے ظاہر سے پتہ چلتا ہے کہ صبح کی نماز ہے، سنت کے مطابق عصر کی نماز ہے یا نماز جمعہ یا وتر یا خوف کی نماز یا عید الاضحیٰ یا عید الفطر یا چاشت کی نماز مراد ہے یا ان پانچ میں سے کوئی ایک غیر معین ہے یا صبح یا عصر یا پھر دونوں میں سے ایک ہے۔ یہ قول پہلے گزر چکا ہے یا توقف کیا جائے۔[1]

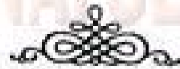
غزوۂ خندق کی انتہا

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ خندق سے بدھ کے دن جب کہ ذی قعدہ کی چار راتیں باقی تھیں واپس تشریف لے گئے آپ خندق کے مقام پر پندرہ دن ٹھہرے تھے بعض نے کہا چوبیس دن تشریف فرما رہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس سال کے بعد قریش تم سے کبھی لڑائی نہیں لڑیں گے۔
(صحیح بخاری جلد ۲ ص ۵۹۰ کتاب المغازی)

اس ارشاد گرامی میں علامات نبوت میں سے ایک علامت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرہ کا ارادہ فرمایا تو قریش نے آپ کو بیت اللہ شریف سے روکا یہ حدیبیہ (کے معاہدے) والا سال تھا اور قریش کے ساتھ معاہدہ ہوا جسے انہوں نے توڑا تو یہ فتح مکہ کا سبب بنا۔ لہٰذا جس طرح آپ نے فرمایا تھا اسی طرح ہوا، ان شاء اللہ اس کا بیان آگے آئے گا۔ (فتح الباری جلد ۷ ص ۳۱۱)

امام بزار نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث سے حسن سند کے ساتھ روایت نقل کی جو اس بات کی شاہد ہے اس کے الفاظ یہ ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے احزاب کے دن فرمایا ان لوگوں نے بہت بڑا لشکر جمع کیا لیکن اس کے بعد کبھی لڑنے کے لیے نہیں آئیں گے بلکہ تم ان سے جہاد کرو گے۔
(کشف الاستار عن زوائد البزار جلد ۲ ص ۳۳۶)



---

[1] ان تمام احتمالات سے متعلق مختلف صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کے اقوال موجود ہیں جو احادیث کی مختلف کتب میں درج ہیں۔ علامہ زرقانی نے مواہب اللدنیہ کی شرح میں وہ اقوال نقل کیے ہیں لیکن انہوں نے صحیح مسلم کے حوالے سے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہے کہ ان (مشرکین) نے ہمیں صلوٰۃ وسطیٰ یعنی عصر کی نماز سے مشغول رکھا گویا عصر کی نماز مراد ہے۔ ۱۲ ہزاروی۔

غزوۂ بنو قریظہ

بنو قریظہ کی طرف نکلنا

جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام بدھ کے دن مدینہ طیبہ میں داخل ہوئے اور ہتھیار رکھ دیئے تو حضرت جبریل علیہ السلام تشریف لائے۔ انہوں نے ریشمی عمامہ باندھا ہوا تھا اور خچر پر سوار تھے جس پر ریشمی کپڑے کا ٹکڑا ڈالا گیا تھا۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۴ ص ۱۱۶ فتح الباری جلد ۷ ص ۳۱۸)

صحیح بخاری میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے ہے کہ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم واپس تشریف لائے اور آپ نے ہتھیار اتار کر غسل فرمایا تو حضرت جبریل علیہ السلام نے حاضر ہو کر عرض کیا: آپ نے ہتھیار اتار دیئے لیکن اللہ کی قسم ہم نے نہیں اتارے۔ آپ ان کی طرف نکلیں انہوں نے بنو قریظہ کی طرف اشارہ کیا۔ (صحیح بخاری جلد ۲ ص ۵۹۰ کتاب المغازی)

ابن اسحاق کے نزدیک اس طرح ہے کہ (انہوں نے عرض کیا) اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم بے شک آپ کا رب آپ کو بنو قریظہ کی طرف جانے کا حکم دیتا ہے۔ میں ان کا قصد کرنے والا ہوں اور ان (کے قلعوں) کو جھنجھوڑنے والا ہوں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے منادی کو حکم دیا تو اس نے اعلان کیا کہ جو شخص سننے اور ماننے والا ہے تو وہ عصر کی نماز بنو قریظہ میں ہی جا کر پڑھے۔ (السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد ۲ ص ۱۹۵)

ابن عائذ کے نزدیک یوں ہے کہ انہوں نے عرض کیا مجھے اللہ کی قسم! میں ان کو اس طرح کچل ڈالوں گا جس طرح صاف پتھر پر انڈا کچلا جاتا ہے۔ اس دن آپ نے ایک منادی بھیجا جو پکار رہا تھا اے اللہ کے سوارو! (گھوڑوں پر) سوار ہو جاؤ۔[1]

امام حاکم اور امام بیہقی کے نزدیک اس طرح ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو مقدمۃ الجیش کا امیر بنا کر بھیجا اور خود ان کے بعد تشریف لے گئے۔ (دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۴ ص ۱۴)

ابن سعد کے نزدیک اس طرح ہے کہ پھر آپ مسلمانوں کو لے کر ان (بنو قریظہ) کی طرف چلے اور صحابہ کرام تین ہزار تھے اور چھتیس گھوڑے تھے۔ اور بدھ کا دن تھا جبکہ ذی القعدہ کی سات راتیں باقی تھیں۔ (طبقات ابن سعد

[1] حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم احزاب سے واپس تشریف لائے تو اپنے سر انور کو دھونے لگے کہ حضرت جبریل علیہ السلام حاضر ہوئے اور کہا آپ نے جلدی ہتھیار اتار دیئے۔ اللہ تعالیٰ کی قسم جب سے دشمن میدان میں آیا ہے ہم نے کچھ بھی نہیں اتارا۔ (زرقانی جلد ۲ ص ۱۲۸) ۱۲ ہزاروی۔

جلد ۲ ص ۴۷) ابن ہشام کے قول کے مطابق اس دوران نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو مدینہ شریف میں اپنا نائب مقرر فرمایا۔ (السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد ۲ ص ۱۹۵)

نمازِ عصر بنو قریظہ میں

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم (نے زرہ اور خود پہنی اور تشریف لے گئے اور) بنو قریظہ کے کنوؤں میں سے ایک کنوئیں پر اترے۔ یہاں صحابہ کرام رضی اللہ عنہ بھی آپ کے ساتھ مل گئے۔ کچھ لوگ عشاء کے بعد آئے تھے اور انہوں نے نماز عصر نہیں پڑھی تھی کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عصر کی نماز بنو قریظہ میں جاکر پڑھیں۔ چنانچہ انہوں نے عشاء کے بعد عصر کی نماز پڑھی۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں ان پر کوئی عیب نہ لگایا اور نہ ہی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی عتاب فرمایا۔ (السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد ۲ ص ۱۹۵)

صحیح بخاری میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت سے ہے کہ بعض کے لیے نماز عصر کا وقت راستے میں ہو گیا اور بعض نے کہا کہ ہم جب تک وہاں نہ پہنچیں نماز نہیں پڑھیں گے لیکن کچھ نے کہا ہم تو نماز پڑھیں گے کیونکہ آپ کی مراد یہ نہ تھی (بلکہ بنو قریظہ میں جلدی جلدی پہنچنا مقصود تھا) تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو بھی ملامت نہ فرمایا۔ (صحیح بخاری جلد ۲ ص ۵۹۱، کتاب المغازی)

صحیح بخاری کے تمام نسخوں میں اسی طرح آیا ہے کہ یہ عصر کی نماز تھی اور تمام اہل مغازی (غزوات کے تذکرہ نگار) بھی اس پر متفق ہیں۔

صحیح مسلم میں ہے کہ یہ ظہر کی نماز تھی حالانکہ امام بخاری اور امام مسلم اسے ایک شیخ سے اور ایک سند کے ساتھ روایت کرنے پر متفق ہیں اور ابو یعلیٰ اور دوسرے حضرات نے امام مسلم کی موافقت کی ہے۔

دونوں قسم کی روایتوں کو یوں جمع کیا جا سکتا ہے کہ ہو سکتا ہے بعض نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس حکم سے پہلے ظہر کی نماز پڑھ لی ہو اور بعض نے نہ پڑھی ہو، پس جنہوں نے ظہر کی نماز ادا نہیں کی تھی ان سے کہا گیا کہ کوئی شخص ظہر کی نماز نہ پڑھے اور جنہوں نے پڑھ لی تھی ان سے کہا گیا کہ کوئی شخص عصر کی نماز ہرگز نہ پڑھے۔

بعض حضرات نے اس احتمال کے ساتھ جمع کیا کہ ایک گروہ کے بعد دوسرا گروہ گیا ہو تو پہلے گروہ کو ظہر کے بارے میں کہا گیا ہو اور دوسرے کو عصر کے بارے میں کہا گیا ہو۔ واللہ اعلم (فتح الباری جلد ۷ ص ۳۱۳)

محاصرہ

ابن اسحاق کہتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پچیس راتیں ان کا محاصرہ کیا حتیٰ کہ وہ محاصرے کی وجہ سے سخت مشقت میں مبتلا ہو گئے۔

ابن سعد کے نزدیک پندرہ راتیں اور ابن عقبہ کے نزدیک دس سے کچھ زائد راتیں محاصرہ فرمایا (طبقات ابن

سعد جلد ۲ ص ۷۴) اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا تو ان کے سردار کعب بن اسد نے کہا کہ وہ ایمان لے آئیں۔ (فتح الباری جلد ۷ ص ۳۱۸) اس نے کہا اے جماعت یہود! تم دیکھ رہے ہو کہ تم کس پریشانی میں مبتلا ہو؟ میں تمہارے سامنے تین باتیں پیش کرتا ہوں ان میں سے جو بات چاہو قبول کرو۔ انہوں نے پوچھا وہ کیا ہے؟ اس نے کہا ہم اس شخص (نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم) کی اتباع اور اس کی تصدیق کریں۔ اللہ کی قسم یہ بات واضح ہو گئی ہے کہ وہ نبی مرسل ہیں اور تم اپنی کتابوں میں انہی کا ذکر پاتے ہو۔ اس طرح تمہاری جانیں، مال، اولاد اور عورتیں محفوظ ہو جائیں گی لیکن انہوں نے انکار کر دیا۔

اس نے کہا اگر تم یہ بات نہیں مانتے تو آؤ ہم اپنے بیٹوں اور عورتوں کو قتل کر کے مرد حضرات (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کے صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) کی طرف تلواریں میان سے نکالے ہوئے جائیں۔ ہم اپنے پیچھے کوئی بوجھ نہ چھوڑیں، حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ ہمارے اور (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے درمیان فیصلہ فرما دے اگر ہم ہلاک ہوئے تو ایسی حالت میں ہلاک ہوں گے کہ ہمارے پیچھے کوئی نہ ہو گا جس کا ہمیں ڈر ہو۔ انہوں نے کہا اولاد اور عورتوں کے بعد ہماری کیا زندگی ہو گی؟

کعب بن اسد نے کہا اگر تم یہ بات بھی نہیں مانتے تو یہ ہفتہ کی رات ہے ہو سکتا ہے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے ساتھی ہم سے بے خوف ہوں (کیونکہ یہ ہماری عبادت کی رات ہے)، (قلعوں سے) اترو شاید ہم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھیوں کو غفلت میں پالیں۔

انہوں نے کہا اگر ہم نے ایسا کیا تو گویا ہم نے اپنے ہفتے کے دن کو خراب کر دیا اور وہ کام کیا جو ہم سے پہلے کسی نے نہیں کیا۔ البتہ جنہوں نے ایسا کیا تو تمہیں معلوم ہے کہ ان کے چہرے مسخ ہو گئے، یہ بات تجھ پر پوشیدہ نہیں ہے۔ (دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۴ ص ۱۵)

حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ سے مشورہ

چنانچہ یہودیوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پیغام بھیجا کہ (حضرت) ابولبابہ (رضی اللہ عنہ رفاعہ بن عبدالمنذر) کو ہمارے پاس بھیجیں تاکہ ہم ان سے اپنے معاملہ میں مشورہ کریں۔[1]

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو یہودیوں کی طرف بھیجا جب انہوں نے آپ کو دیکھا تو ان کے مرد کھڑے ہو گئے جبکہ عورتیں اور بچے ان کی طرف دوڑ پڑے اور ان کے سامنے رونے لگے۔ انہیں ان پر ترس آ گیا۔ ان لوگوں نے کہا اے ابولبابہ! آپ کا کیا خیال ہے؟ ہم لوگ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر (قلعوں سے) اتر آئیں؟ انہوں نے فرمایا ہاں اور ساتھ ہی اپنے حلق کی طرف بھی اشارہ کیا یعنی تمہیں ذبح کیا جائے گا۔

حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اللہ کی قسم! ابھی میں نے وہاں سے اپنے قدم ہٹائے نہیں تھے کہ

[1] چونکہ حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کے اہل و اولاد اور مال ان لوگوں کے درمیان تھا اس لیے انہوں نے مشورہ کے لیے آپ کی تخصیص کی۔ (زرقانی جلد ۲ ص ۱۳۱) ۱۲ ہزاروی۔

میں جان گیا کہ میں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے خیانت کی ہے۔

اس کے بعد حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ سیدھے چلے گئے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر نہ ہوئے،[1] حتیٰ کہ مسجد (نبوی) میں ایک ستون کے ساتھ اپنے آپ کو باندھ دیا اور (اپنے دل میں) کہا میں اس جگہ سے نہیں ہٹوں گا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ میرے اس گناہ پر میری توبہ قبول فرمائے اور اللہ تعالیٰ سے وعدہ کیا کہ بنو قریظہ کے پاس کبھی نہیں جاؤں گا اور نہ اس شہر کو کبھی دیکھوں گا جس میں میں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے خیانت کی ہے۔

جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر ملی اور حضرت ابولبابہ نے آنے میں دیر کی تو آپ نے فرمایا اگر وہ میرے پاس آجاتے تو میں ان کے لیے بخشش طلب کرتا لیکن اب انہوں نے جو کچھ کیا ہے تو میں ان کو اس جگہ سے نہیں کھولوں گا جب تک اللہ تعالیٰ ان کی توبہ قبول نہ فرمائے۔ راوی فرماتے ہیں: حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ چھ راتیں ستون کے ساتھ بندھے رہے، ان کی زوجہ ہر نماز کے وقت آکر ان کو کھولتیں پھر ان کو ستون کے ساتھ باندھ دیتی تھیں۔[2]

حضرت ابو عمر (ابن عبدالبر الحافظ) فرماتے ہیں حضرت وہب نے حضرت مالک سے انہوں نے حضرت عبداللہ بن ابی بکر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہما نے دس سے کچھ زائد راتیں نہایت وزنی زنجیر سے اپنے آپ کو باندھے رکھا۔ حتیٰ کہ ان کی سماعت چلی گئی۔ قریب تھا کہ وہ نہ سنیں اور قریب تھا کہ بینائی چلی جائے ان کی بیٹی نماز کے وقت ان کو کھولتی تھیں یا جب وہ قضائے حاجت کا ارادہ کرتے جب فارغ ہوتے تو دوبارہ باندھ دیتی۔

یزید بن عبداللہ بن قسیط (ابن اسامہ لیثی) رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کی توبہ کا حکم نازل ہوا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ مبارکہ میں تھے۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں میں نے سحری کے وقت سنا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہنس رہے ہیں۔ میں نے پوچھا آپ کیوں ہنسے ہیں؟ اللہ تعالیٰ آپ کو ہمیشہ خوش و خرم رکھے۔ آپ نے فرمایا: (حضرت) ابولبابہ (رضی اللہ عنہ) کی

---

[1] ایک روایت میں یہ اضافہ ہے۔ فرماتے ہیں میں اپنے قول پر نادم ہوا میں نے "انا للہ وانا الیہ راجعون" پڑھا اور اسی حالت میں اترا کہ آنسوؤں سے میری داڑھی تر ہو گئی۔ صحابہ کرام میری واپسی کے منتظر تھے لیکن میں نے قلعے سے دوسرا اختیار کیا اور سیدھا مسجد (نبوی) میں آگیا۔ (زرقانی جلد ۲ ص ۱۳۱) ۱۲ ہزاروی۔

[2] حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں سخت معاملے میں پھنسا ہوا تھا سخت گرمی تھی، کئی راتیں گزر گئیں، میں کچھ کھاتا پیتا نہیں تھا۔ میں کہتا تھا میں دنیا سے رخصت ہونے تک اسی طرح رہوں گا۔ یا اللہ تعالیٰ میری توبہ قبول فرمائے میں نے خواب میں دیکھا تھا کہ ہم نے بنو قریظہ کا محاصرہ کر رکھا ہے اور میں سیاہ کیچڑ میں ہوں اور وہاں سے نکل نہیں سکتا حتیٰ کہ مرنے کے قریب ہو جاتا ہوں تو پھر ایک جاری نہر دیکھتا ہوں اور اس میں غسل کر کے ٹھیک ہو جاتا ہوں اور اچھی خوشبو آتی ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مجھے اس کی تعبیر بتائی کہ تم کسی بات میں غمگین ہو گے پھر اللہ تعالیٰ اس غم کو دور کر دے گا۔ میں اس خواب کو یاد کر کے امید کرتا کہ اللہ تعالیٰ میری توبہ کا حکم نازل کرے گا۔ (زرقانی جلد ۲ ص ۱۳۲) ۱۲ ہزاروی۔

توبہ قبول ہو گئی ہے۔ ام المومنین فرماتی ہیں میں نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا میں ان کو خوشخبری نہ دوں؟ آپ نے فرمایا ہاں اگر تم چاہو (تو ٹھیک ہے) راوی فرماتے ہیں آپ اپنے حجرۂ مبارکہ کے دروازے پر کھڑی ہوئیں اور اس وقت تک پردے کا حکم نازل نہیں ہوا تھا۔ انہوں نے فرمایا: اے ابولبابہ! تمہیں خوشخبری ہو' اللہ تعالیٰ نے تمہاری توبہ قبول فرمائی ہے۔ ام المومنین فرماتی ہیں صحابہ کرام ان کو کھولنے کے لئے آگے بڑھے تو انہوں نے فرمایا نہیں اللہ کی قسم! (میں نہیں کھلواؤں گا) یہاں تک کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خود اپنے ہاتھوں سے مجھے کھولیں۔ جب صبح کی نماز کے وقت آپ وہاں سے گزرے تو ان کو کھول دیا۔ (دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۴ ص ۱۷) امام بیہقی رحمہ اللہ نے "دلائل النبوت" میں اپنی سند سے حضرت مجاہد رحمہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد گرامی:

وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ ۔(التوبہ: ۱۰۲) اور کچھ دوسرے ہیں جنہوں نے اپنے گناہوں کا اعتراف کیا۔

کے بارے میں روایت کیا کہ یہ حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ ہیں۔ جب آپ نے بنو قریظہ سے وہ بات فرمائی (جو پہلے گزر چکی ہے) اور اپنی گردن کی طرف اشارہ کیا کہ اگر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر اترو گے تو وہ تمہیں قتل کر دیں گے۔ امام بیہقی فرماتے ہیں کہ محمد بن اسحاق بن یسار کہتے ہیں کہ انہوں نے اسی وقت اپنے آپ کو باندھا تھا۔ یعنی جس جگہ اور جہاں اشارہ کیا۔

حالانکہ ہم حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کر چکے ہیں کہ حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ نے اپنے آپ کو مسجد کے ستون کے ساتھ باندھا تھا۔ جب وہ غزوہ تبوک سے پیچھے رہ گئے تھے جیسا کہ حضرت عبداللہ ابن مسیب رضی اللہ عنہ نے فرمایا اور اسی سلسلے میں یہ (مذکورہ بالا) آیت نازل ہوئی۔ (دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۴ ص ۱۶)

دونوں روایتوں کو اسی طرح جمع کیا جا سکتا ہے کہ انہوں نے مختلف واقعات میں اپنے آپ کو باندھا ہو گا۔

(زرقانی شرح مواہب)

حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کا فیصلہ

جب بنو قریظہ کا محاصرہ سخت ہو گیا تو ان کو یقین ہو گیا کہ انہیں نبی اکرم کے حکم پر اترنا پڑے گا تو آپ نے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو ان میں فیصلہ کرنے کے لیے حکم مقرر فرمایا اور سعد رضی اللہ عنہ کو مسجد شریف (کے صحن) میں اسلم قبیلہ کی ایک عورت کے خیمہ میں رکھا تھا۔ وہ خاتون زخمیوں کا علاج کرتی تھیں اور ان کا نام رفیدہ تھا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد کو حکم مقرر کیا تو ان کی قوم (اوس قبیلہ) آئی اور ان کو ایک دراز گوش پر سوار کیا اور اس پر چمڑے کی ایک گدی بچھائی گئی تھی اور آپ بھاری جسم والے تھے۔ پھر وہ ان کے ساتھ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے۔

جب حضرت سعد اور دیگر مسلمان نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچے تو آپ نے فرمایا اپنے

سردار کے لئے کھڑے ہو جاؤ[1] قریش مہاجرین کہنے لگے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف انصار کا ارادہ فرمایا ہے اور انصار کہتے تھے آپ کا حکم سب کو شامل ہے۔

انہوں نے کہا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو آپ کے پرانے مددگار لوگوں کے معاملے کا اختیار دیا کہ آپ ان کے درمیان فیصلہ کریں۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں ان کے بارے میں یہ فیصلہ کرتا ہوں کہ ان کے مرد قتل کیے جائیں، مال تقسیم کر دیے جائیں جب کہ بچوں اور عورتوں کو قیدی بنایا جائے۔

(السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد ۲ ص ۱۹۷)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آپ نے ان کے بارے میں وہ فیصلہ فرمایا جو اللہ تعالیٰ نے سات آسمانوں سے اوپر فیصلہ فرمایا ہے۔ آسمان کو رقیع کہا گیا کیونکہ اس میں ستارے ہوتے ہیں تو پیوند لگا ہوا معلوم ہوتا ہے۔

(البدایہ والنہایہ جلد ۴ ص ۱۰۸)

اور صحیح بخاری میں ہے کہ انہوں نے فرمایا میں ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق فیصلہ کروں گا کہیں یہ فرمایا کہ جیسے بادشاہ حکم فرمائے گا۔ (صحیح بخاری جلد ۲ ص ۵۹۱، کتاب المغازی)

محمد بن صالح کی روایت میں ہے کہ آج میں ان کے درمیان فیصلہ کروں گا جو اللہ تعالیٰ کا حکم ہے اور اس نے سات آسمانوں سے اوپر اس کے ساتھ فیصلہ فرمایا۔ (المستدرک للحاکم جلد ۲ ص ۱۲۴)

ابن عائذ کے نزدیک حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے سعد! ان میں فیصلہ کریں تو انہوں نے عرض کیا: اللہ اور اس کا رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) فیصلہ کرنے کا زیادہ حق رکھتا ہے۔ آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا ہے کہ آپ ان کے درمیان فیصلہ کریں۔ (فتح الباری جلد ۷ ص ۳۱۷)

اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اجتہاد جائز تھا۔ اس مسئلے میں اصول فقہ والوں کا اختلاف ہے لیکن مختار بات یہ ہے کہ یہ جائز ہے، چاہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ہو یا اس کے علاوہ۔ جن لوگوں نے انکار کیا ہے انہوں نے اسے اس لیے بعید جانا کہ یہ ظن پر اعتماد ہے حالانکہ قطعی فیصلہ (اس دور میں وحی کے ذریعے) ممکن تھا لیکن اس بات سے کوئی نقصان نہیں ہوتا کیونکہ جب حضور علیہ السلام کے سامنے اجتہاد ہوا اور آپ نے اس کو رد نہ کیا تو وہ قطعی ہو گیا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں یہ اجتہاد ثابت ہے جیسا کہ اس واقعہ میں ہے۔[2] (فتح الباری جلد ۷ ص ۳۲۱)

---

[1] اس سے معلوم ہوا کہ قابل احترام اور معزز لوگوں کے استقبال کے لیے کھڑا ہونا چاہئے البتہ کسی آدمی کی خواہش نہیں ہونی چاہیے کہ لوگ اس کے لیے کھڑے ہوں.....۱۲ ہزاروی۔

[2] اس طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عدم موجودگی میں بھی اجتہاد کی اجازت تھی کیونکہ جب قرآن وسنت سے مسئلہ حل نہ کیا جا سکے تو اجتہاد ہوتا ہے۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن کی طرف بھیجا تو پوچھا کیسے فیصلے کرو گے؟ انہوں نے قرآن پاک اور پھر سنت کا ذکر کیا۔ تو آپ نے فرمایا کہ اگر ان میں نہ پاؤ تو؟ انہوں نے عرض کیا: اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا اس پر حضور علیہ السلام خوش ہوئے.....۱۲ ہزاروی۔

حکم کا نفاذ

دمیاطی کے مطابق نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ذوالحجہ کی سات راتوں کے بعد واپس تشریف لائے۔(طبقات ابن سعد جلد ۷ ص ۷۵) جب کہ مغلطائی کہتے ہیں: ذوالحجہ کی پانچ راتیں گزر چکی تھیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے بنو قریظہ کو مدینہ طیبہ میں لایا گیا اور ان کے لیے بازار میں لمبی کھائیاں کھودی گئیں۔ آپ اپنے صحابہ کرام کے ساتھ وہاں تشریف فرما ہوئے اور ان کو وہاں سے نکال کر ان کی گردنیں ماری گئیں۔ یہ لوگ چھ سو سے سات سو تک تھے۔(طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۷۵)

امام سہیلی فرماتے ہیں: جو شخص ان کی کثرت بیان کرتا ہے وہ کہتا ہے کہ وہ آٹھ سو اور نو سو کے درمیان تھے۔

جبکہ امام ترمذی، امام نسائی اور ابن حبان نے صحیح سند کے ساتھ بیان کیا کہ وہ چار سو لڑائی لڑنے والے مرد تھے۔

روایات کو یوں جمع کیا جا سکتا ہے کہ باقی لوگ (چار سو کے) تابع تھے۔(فتح الباری جلد ۷ ص ۳۱۹)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ریحانہ بنت شمعون بن زید کو اپنے لیے منتخب فرمایا۔ آپ نے اس سے نکاح کیا اور یہ بھی کہا گیا کہ بطور لونڈی اس کا قرب اختیار کرتے تھے۔[1]

آپ نے غنیمتیں جمع کرنے کا حکم دیا اور سامان اور قیدیوں کا پانچواں حصہ نکالا گیا پھر باقی کے بارے میں حکم دیا جس کے بارے میں آپ نے چاہا اسے فروخت کر کے قیمت مسلمانوں میں تقسیم کر دی گئی تو یہ تین ہزار بہتر (۳۰۷۲) حصے تھے۔ گھوڑے کے لیے دو حصے، سوار کے لیے ایک حصہ مقرر فرمایا اور خمس محمیہ بن جزء الزبیدی (جو خمس کے لیے حضور علیہ السلام کے عامل تھے) کے حوالے کیا گیا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جس غلام کو چاہتے آزاد کرتے، جسے چاہتے عطا فرماتے اور جس سے چاہتے خدمت لیتے۔ اسی طرح ان کا جو سامان رہ گیا تھا اس کے ساتھ بھی یہی معاملہ کیا۔(طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۷۵)

حضرت سعد رضی اللہ عنہ کا وصال

صحیح بخاری میں ہے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے زخم سے خون جاری ہوا تو آپ نے شہادت کی موت پائی۔ حضرت سعد نے دعا کی تھی کہ یا اللہ! تو جانتا ہے کہ میرے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ بات یہ ہے کہ میں تیرے راستے میں ان لوگوں سے لڑوں جنہوں نے تیرے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو جھٹلایا (اور ان کو نکلنے پر مجبور کیا) یا اللہ! میرا خیال ہے کہ تو نے جنگ کو روک دیا۔ پس تو میرے زخم کو جاری کر دے اور اس کے ذریعے مجھے موت دے چنانچہ (آپ کی دعا سے) آپ کی ہنسلی سے خون جاری ہو گیا اور اس سے وہ لوگ خوفزدہ نہ ہوئے اور مسجد میں بنو غفار قبیلے کی ایک عورت کا خیمہ تھا۔ مگر جب وہ خون وہاں سے صحابہ کرام کی طرف جاری ہوا تو

[1] صحیح بات یہی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے نکاح کیا اور ان کو پردے کا حکم دیا۔ اس سے پہلے وہ اسلام قبول کر چکی تھیں۔ آپ نے محرم ۶ھ میں حضرت سلمیٰ بنت قیس کے گھر میں ان سے نکاح کیا۔

انہوں نے کہا اے خیمہ والو! تمہاری طرف سے ہماری جانب یہ کیا آرہا ہے؟ تو معلوم ہوا کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے زخم سے خون جاری ہو گیا' چنانچہ آپ نے اس سے شہادت پائی۔ (صحیح بخاری جلد ۲ ص ۵۹۱' کتاب المغازی)

حضرت سعد رضی اللہ عنہ کا گمان درست تھا اور اس واقعہ میں ان کی دعا قبول ہوئی۔ اس لیے کہ غزوہ خندق کے بعد مسلمانوں اور قریش کے درمیان کوئی ایسی لڑائی نہیں ہوئی جس میں ابتدائی ارادہ مشرکین کا ہو۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرہ کا ارادہ فرمایا تو انہوں نے آپ کو مکہ مکرمہ میں داخل ہونے سے روک دیا اور لڑائی ہونے لگی تھی لیکن نہ ہوئی جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے:

وَهُوَ الَّذِيْ كَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ عَنْهُمْ بِبَطْنِ مَكَّةَ مِنْۢ بَعْدِ اَنْ اَظْفَرَكُمْ عَلَيْهِمْ۔ (الفتح: ۲۴)

اور وہی ذات ہے جس نے وادی مکہ میں ان کے ہاتھوں کو تم سے اور تمہارے ہاتھوں کو ان سے روکا۔ اس کے بعد کہ تمہیں ان پر کامیابی عطا فرمائی۔

پھر مصالحت ہو گئی اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسرے سال عمرہ فرمایا اور یہ صلح برقرار رہی حتیٰ کہ ان مشرکین نے عہد توڑا تو آپ جہاد کی غرض سے ان کی طرف متوجہ ہوئے اور مکہ مکرمہ فتح ہوا۔ تو حضرت سعد کے قول کہ میں گمان کرتا ہوں کہ لڑائی اٹھالی گئی۔ اس سے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی مراد یہ تھی کہ وہ ہمارے خلاف لڑائی کا قصد نہیں کریں گے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی پہلے گزر چکا ہے کہ ہم ان سے لڑیں گے اور وہ ہم سے نہیں لڑیں گے۔

حمید بن بلال کی مرسل روایت میں حضرت سعد رضی اللہ عنہ کا زخم کھلنے کا سبب ذکر کیا گیا جو ابن سعد کے نزدیک اس طرح ہے کہ آپ کے پاس بکری گزری اور آپ لیٹے ہوئے تھے اس کا کھر آپ کے سینے کے بالائی حصہ پر لگا تو خون جاری ہو گیا اور آپ اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ (طبقات ابن سعد جلد ۳ ص ۷۸)

رحمٰن کا عرش جھوم اٹھا

حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے جنازے میں ستر ہزار فرشتے شریک ہوئے اور آپ کے وصال پر اللہ تعالیٰ کا عرش حرکت میں آیا۔

(صحیح بخاری جلد اول ص ۵۳۶' کتاب مناقب الانصار' صحیح مسلم جلد ۲ ص ۲۹۴' فضائل صحابہ)

امام نووی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ اس کی تاویل میں علماء کا اختلاف ہے' ایک جماعت کہتی ہے کہ یہ حدیث اپنے ظاہر پر ہے اور عرش کا حرکت میں آنا' حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے اس کی طرف جانے کی خوشی کی وجہ سے تھا اور اللہ تعالیٰ نے عرش کو سمجھ عطا فرمائی' جس کی وجہ سے ایسا ہوا اور اس میں کوئی مانع نہیں ہے' جیسے ارشاد خداوندی ہے:

وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ۔ (البقرہ: ۷۴)

اور بے شک ان پتھروں میں سے بعض وہ ہیں' جو اللہ تعالیٰ کے خوف سے گر پڑتے ہیں۔

یہ قول ظاہر حدیث کے مطابق ہے اور یہی مختار ہے۔ مازری کہتے ہیں: بعض علماء نے فرمایا کہ یہ بات حقیقی معنی پر مبنی ہے اور حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے وصال پر عرش حرکت میں آیا اور عقل کی جہت سے اس بات کا انکار نہیں کیا جا سکتا کیونکہ عرش بھی ایک جسم ہے، جو حرکت اور سکون کو قبول کرتا ہے۔ وہ فرماتے ہیں لیکن حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے لیے یہ بات اسی صورت میں فضیلت کا باعث بن سکتی ہے جب یوں کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے عرش کی حرکت کو فرشتوں کے لیے حضرت سعد کی موت کی ایک علامت قرار دیا۔

دوسرے حضرات فرماتے ہیں: کہ عرش کی حرکت سے بشارت اور قبولیت مراد ہے، جیسے عرب کہتے ہیں: "فلان یھتز للمکارم۔" فلاں شخص اچھے اخلاق سے خوش ہوتا ہے اور وہ اس سے جسم کا اضطراب اور حرکت مراد نہیں لیتے بلکہ وہ اس کا خوش ہونا اور اچھے اخلاق کی طرف متوجہ ہونا مراد لیتے ہیں۔

اور حربی (حافظ بغدادی) فرماتے ہیں: اس سے ان کی وفات کی عظمت شان مراد ہے اور اہل عرب جب کسی عظیم چیز کو سب سے عظیم چیز کی طرف منسوب کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں: "اظلمت لموت فلان الارض" (فلاں کی موت سے زمین میں اندھیرا چھا گیا) "وقامت له القیامة" (اور اس کے لیے قیامت قائم ہو گئی)۔

ایک اور جماعت کہتی ہے کہ ان کے جنازے کی چارپائی کی حرکت مراد ہے۔ لیکن صحیح مسلم کی صریح روایات اس قول کو باطل قرار دیتی ہیں۔ امام مسلم رضی اللہ عنہ نے ذکر فرمایا کہ "ان کے لیے رحمان کا عرش حرکت میں آیا۔" ان لوگوں نے یہ تاویل اس لیے کی کہ ان تک وہ روایات پہنچ نہ سکیں جو امام مسلم نے ذکر کی ہیں۔

(صحیح مسلم جلد ۲ ص ۲۹۴)

یہ بھی کہا گیا ہے کہ عرش کی حرکت سے اس کے اٹھانے والوں کا حرکت کرنا مراد ہے۔ امام ترمذی رحمہ اللہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی اس روایت کو صحیح قرار دیا: وہ فرماتے ہیں: جب حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کا جنازہ اٹھایا گیا تو منافقین نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ کتنا ہلکا پھلکا جنازہ ہے۔ آپ نے فرمایا: اسے فرشتوں نے اٹھا رکھا ہے۔ (جامع ترمذی جلد ۲ ص ۵۴۸)

حضرت براء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک ریشمی حلہ بطور ہدیہ پیش کیا گیا۔ آپ کے صحابہ کرام اسے ہاتھ لگاتے اور اس کے ملائم ہونے پر تعجب کرنے لگے۔ آپ نے فرمایا: تم اس کے ملائم ہونے پر تعجب کر رہے ہو؟ (حضرت) سعد بن معاذ (رضی اللہ عنہ) کے جنتی رومال اس سے بہتر اور زیادہ ملائم ہیں۔ یہ ابو نعیم کی روایت کے الفاظ ہیں جو امام مسلم سے روایت کی گئی۔

(صحیح بخاری جلد اول ص ۵۳۶ باب مناقب الانصار، صحیح مسلم جلد ۲ ص ۲۹۴ کتاب فضائل صحابہ)

علماء کرام فرماتے ہیں یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کا جنت میں بہت بڑا مقام ہے۔ جنت میں ان کا ادنیٰ کپڑا ایسا کے کپڑے سے بہت بہتر ہے کیونکہ رومال تمام کپڑوں میں سے چھوٹا اور معمولی ہوتا ہے کیونکہ اسے میل صاف کرنے اور عام استعمال کے لیے تیار کیا جاتا ہے۔

(صحیح مسلم جلد ۲ ص ۳۱۲، حاشیہ)

ابن سعد اور ابو نعیم نے حضرت محمد بن منکدر کے طریق سے روایت کیا۔ وہ حضرت محمد بن شرحبیل بن حسنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی قبر سے ایک مٹھی مٹی اٹھائی، پھر اسے لے گئے اس کے بعد اسے دیکھا تو وہ کستوری بن چکی تھی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سبحان اللہ! سبحان اللہ! حتیٰ کہ یہ (مسرت) آپ کے چہرہ انور پر نمایاں ہوگئی۔

پھر آپ نے فرمایا: الحمد للہ! اگر کوئی شخص قبر کے دبانے سے نجات پانے والا ہوتا تو (حضرت) سعد (رضی اللہ عنہ) ہوتے لیکن قبر نے ان کو دبایا، پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے کشادگی پیدا کر دی۔[1]

(طبقات ابن سعد جلد ۳ ص ۴۳۱)

ابن سعد نے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا: وہ فرماتے ہیں میں حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی قبر کھودنے والوں میں شامل تھا جب بھی ہم کھودتے، اس سے کستوری کی خوشبو آتی تھی۔

(طبقات ابن سعد جلد ۳ ص ۴۳۱)

فرضیت حج

حافظ مغلطائی وغیرہ کہتے ہیں کہ اسی سال حج فرض ہوا اور کہا گیا ہے کہ سنہ ۶ھ میں فرض ہوا۔ اس بات کو کئی علماء نے صحیح قرار دیا اور جمہور کا یہی قول ہے۔

ایک قول ۷ھ کا ہے اور دوسرا قول ہے کہ ۸ھ میں فرض ہوا، علماء کی ایک جماعت نے اس قول کو ترجیح دی ہے۔ اس سلسلے میں تفصیل وفد عبد القیس کے ذکر میں مقصد ثانی میں آئے گی۔ نیز نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادات کے ضمن میں آپ کے حج کے بیان میں بھی اس کی وضاحت ہوگی۔

---

[1] علامہ زرقانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: انبیاء علیہم السلام کے علاوہ ہر شخص کو قبر دباتی ہے۔ چاہے وہ نیک ہو یا بد، البتہ کسی خصوصیت کی وجہ سے استثناء ہوتا ہے جیسے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی والدہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو قبر نے نہیں دبایا کیونکہ اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیٹنے سے اسے برکت حاصل ہوگئی تھی۔ (زرقانی جلد ۲ ص ۱۴۲)

قریظہ اور حدیبیہ کے درمیان کے واقعات

سریہ محمد بن مسلمہ

پھر حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کا سریہ ہے جو قرطاء کی طرف گیا اور یہ بنو بکر بن کلاب کا ذیلی قبیلہ ہے اور یہ (بنو قرطاء) ضریہ کے نواحی میں اترے تھے۔ ضریہ اور مدینہ طیبہ کے درمیان سات راتوں کی مسافت ہے۔ ہجرت کے انسٹھ ویں مہینے کے آغاز پر جب کہ محرم کی دس راتیں گزر چکی تھیں یہ سریہ گیا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت محمد بن مسلمہ کو تیس سواروں کے ساتھ بھیجا۔ جب انہوں نے ان لوگوں پر حملہ کیا تو وہ سب بھاگ نکلے۔

ومیاطی کے نزدیک کچھ لوگوں کو قتل کیا باقی بھاگ گئے اور وہ اونٹ اور بکریاں ہانک لائے۔ مدینہ طیبہ میں اس وقت پہنچے جب محرم کی ایک رات باقی تھی (طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۷۸) اور وہ ثمامہ بن اثال کو قیدی بنا کر لائے تھے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے اسے مسجد کے ایک ستون سے باندھ دیا گیا پھر آپ کے حکم سے اسے کھولا گیا تو اس نے غسل کر کے اسلام قبول کر لیا۔

اور کہا اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! اللہ کی قسم! (پہلے) زمین پر کوئی چہرہ مجھے آپ کے چہرے سے زیادہ ناپسند نہ تھا لیکن اب آپ کا چہرہ مجھے سب چہروں سے زیادہ پسند ہے اور اللہ کی قسم! میرے نزدیک آپ کا دین سب سے زیادہ ناپسندیدہ دین تھا لیکن اب آپ کا دین میرے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ دین ہے۔ اللہ کی قسم! آپ کے شہر سے بڑھ کر مجھے کوئی شہر ناپسند نہ تھا لیکن اب آپ کا شہر میرے نزدیک سب شہروں سے زیادہ پسندیدہ ہو گیا ہے۔ آپ کے سواروں نے مجھے پکڑا تو اس وقت میں عمرہ کرنے کا ارادہ کر رہا تھا۔ اب آپ کی کیا رائے ہے؟ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو خوشخبری دی اور فرمایا: عمرہ کرو۔[1]

جب وہ مکہ مکرمہ تشریف لائے تو کسی کہنے والے نے کہا: تم بے دین ہو گئے ہو۔ فرمایا نہیں، بلکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اسلام قبول کیا اور اللہ کی قسم جب تک رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

[1] انہوں نے پوچھا کہ اب میں عمرہ کروں واپس چلا جاؤں یا آپ کے پاس ٹھہروں تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو خوشخبری دی یعنی دنیا و آخرت میں سلامتی نیز گناہوں کے مٹنے اور جنت کی خوشخبری دی نیز یہ کہ ان کو اہل مکہ کی طرف سے کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ (زرقانی جلد ۲ ص ۱۳۶-۱۳۵)

2

غزوہ غابہ

یہ غزوہ، غزوہ ذی قرد کے نام سے مشہور ہے (قاف اور راء پر زبر ہے) یہ مدینہ طیبہ سے ایک برید (بارہ کوس) کے فاصلے پر ایک پانی ہے، یہ غزوہ صلح حدیبیہ سے پہلے سنہ ۶ھ میں ہوا۔ (فتح الباری جلد ۷ ص ۳۰۳)

امام بخاری کے مطابق یہ واقعہ غزوہ خیبر سے تین دن پہلے ہوا۔ صحیح مسلم میں بھی اسی طرح ہے۔
(صحیح بخاری جلد ۲ ص ۶۰۳)

مغلطائی فرماتے ہیں: یہ بات محل نظر ہے کیونکہ اہل سیر کا ان دونوں (کی بات) کے خلاف اجماع ہے۔

شارح مسلم امام قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس بات میں سیرت نگاروں کا اختلاف نہیں ہے کہ غزوہ ذی قرد، حدیبیہ سے پہلے ہوا۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: صحیح بخاری میں ذی قرد کی جو تاریخ دی گئی ہے، وہ سیرت نگاروں کی بیان کردہ تاریخ سے زیادہ صحیح ہے۔ (فتح الباری جلد ۷ ص ۳۵۳)

اس غزوہ کا سبب یہ ہوا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیس اونٹنیاں جو دودھ دیتی تھیں، ان کے ہاں تھوڑا عرصہ پہلے بچے پیدا ہوئے تھے، غابہ میں چرتی تھیں۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ وہاں موجود تھے کہ عیینہ بن حصن فزاری نے بدھ کی رات چالیس سواروں کے ہمراہ چھاپہ مارا اور ان اونٹنیوں کو ہانک کر لے گیا اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کے بیٹے کو شہید کر دیا۔ (طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۸۰)

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ وہاں بنو غفار قبیلے کا ایک مرد اور ایک خاتون تھیں، (حضرت ابوذر کے بیٹے اور ان کی ماں یعنی حضرت ابوذر کی رضی اللہ عنہ کی زوجہ)، انہوں نے مرد کو شہید کر دیا اور خاتون کو قید کر لیا۔ جب وہ لوگ رات کے وقت غافل ہوئے تو وہ خاتون نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی پر سوار ہو کر نکل آئیں اور انہوں نے نذر مانی کہ اگر وہ نجات پا گئیں تو وہ اس کو ذبح کر دیں گی۔ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر سارا واقعہ بتایا تو آپ نے فرمایا نہ تو گناہ کے کام کی نذر ہوتی ہے اور نہ دوسرے کی ملکیت کی نذر صحیح ہے۔ (السیرۃ النبویہ المسمی عیون الاثر جلد ۲ ص ۱)

پھر منادی کی گئی کہ اے اللہ کے سوارو! سوار ہو جاؤ۔ سب سے پہلے اسی موقع پر یہ آواز دی گئی۔
(طبقات ابن سعد جلد ۷ ص ۸۰)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پانچ سو صحابہ کرام کو ساتھ لے کر سوار ہوئے۔ یہ بھی کہا گیا کہ وہ سات سو تھے۔ مدینہ طیبہ میں آپ نے حضرت عبداللہ ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو اپنا نائب مقرر فرمایا (نمازوں کے لیے) اور حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کو تین سو صحابہ کرام کے ساتھ مدینہ طیبہ کی حفاظت کے لیے مقرر فرمایا۔

آپ نے حضرت مقداد بن عمرو رضی اللہ عنہ کے لیے ان کے نیزے کا جھنڈا مقرر فرمایا اور ان سے فرمایا: چلو یہاں تک کہ سوار تم سے ملیں۔ میں تمہارے پیچھے آتا ہوں۔ انہوں نے دشمن کے پچھلے لوگوں کو پالیا اور حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ نے مسعدہ کو قتل کیا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا گھوڑا اور اسلحہ ان کو عطا فرمایا۔

حضرت عکاشہ بن محصن رضی اللہ عنہ نے ابان بن عمرو کو قتل کیا اور مسلمانوں میں سے حضرت محرز بن نضلہ رضی اللہ عنہ شہید ہوئے۔ ان کو مسعدہ نے شہید کیا تھا۔

حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ پیدل تھے۔ انہوں نے دشمن قوم کو پالیا۔ وہ ان پر تیر پھینکتے اور فرماتے۔

خذها وانا ابن الاكوع واليوم يوم الرضع

(طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۸۰)

"اس تیر کو لو اور میں ابن اکوع ہوں اور آج کا دن کمینوں کی ہلاکت کا دن ہے"۔

عرب کہتے ہیں "لئیم راضع" یعنی ملامت کا دودھ پینے والا" اپنی ماں کے پیٹ میں ہے۔ کہا گیا ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ آج اس کی پہچان ہوگی، جسے بچپن سے لڑائی کا دودھ پلایا گیا (عادی بنایا گیا) اس کے اور اس کے غیر کے درمیان امتیاز ہوگا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سواروں اور دیگر لوگوں سے عشاء کے وقت جا ملے۔ حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! لوگ پیاسے ہیں اگر آپ مجھے ایک سو آدمیوں کے ساتھ بھیجیں تو جو چرنے والے جانور ان لوگوں کے پاس ہیں، چھڑا لاؤں اور ان لوگوں کو گرفتار کرلوں۔ آپ نے فرمایا: تم ان کے مالک ہو گئے، ان سے نرمی برتو۔ (طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۸۱) یعنی سختی سے نہ پکڑنا بلکہ نرمی اختیار کرنا۔

دشمن پر غلبہ حاصل ہوگیا۔ اللہ تعالیٰ کا شکر اور اس کی تعریف ہے پھر فرمایا: وہ لوگ غطفان میں ٹھہریں گے۔ ایک طالب مدد بنو عمرو بن عوف کے پاس گیا تو انہوں نے ان کی مدد کی، چنانچہ سوار اور پیدل مسلسل آتے رہے، اونٹوں پر سوار بھی تھے حتی کہ وہ لوگ ذی قرد میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچے اور دس اونٹنیاں مسلمانوں نے ان سے چھین لیں اور باقی اونٹنیاں لے کر بھاگ گئے جن کی تعداد دس تھی۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ذی قرد میں نماز خوف پڑھی اور وہاں ایک رات دن ٹھہرنے کے بعد واپس تشریف لے آئے۔ اس دوران آپ پانچ راتیں مدینہ طیبہ سے غائب رہے اور آپ نے سو سو صحابہ کرام میں ایک ایک اونٹ تقسیم کیا۔ جسے وہ ذبح کرتے تھے۔ (طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۸۵)

سریۂ غمر

حضرت عکاشہ بن محصن الاسدی رضی اللہ عنہ کا سریہ غمر مرزوق کی طرف تھا۔ غین پر زبر ہے اور یہ بنو سعد کا چشمہ ہے۔ فید سے دو راتوں کی مسافت پر بنو اسد ایک کنواں غمر مرزوق کہلاتا ہے، یہ سریہ ربیع الاول ۶ھ میں ہوا۔ حضرت عکاشہ رضی اللہ عنہ چالیس افراد کو لے کر تشریف لے گئے، آپ بہت تیزی سے گئے تو وہ لوگ ڈر کر بھاگ گئے۔ مسلمان ان کے علاقوں کے بالائی حصے میں اترے اور ان کے دو سو اونٹ ہانک کر لے آئے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کئے اور لڑائی کی نوبت نہ آئی۔ (طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۸۱)

زوجہ اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے ان کو پناہ دی اور جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح کی نماز پڑھائی تو حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے صحابہ کرام میں اعلان کیا میں نے ابوالعاص کو پناہ دے دی ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے اس کے بارے میں کچھ معلوم نہیں (بلکہ جو کچھ تم نے سنا میں نے بھی وہی سنا) (اے زینب!) جس کو تم نے پناہ دی' اسے ہم نے بھی پناہ دی اور جو کچھ ان سے لیا تھا واپس کر دیا۔[1] (طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۸۷)

ابن عقبہ نے ذکر کیا کہ ان کی گرفتاری حدیبیہ کے بعد ابوالبصیر کے ہاتھوں ہوئی اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے ان سے پہلے ہجرت کی اور ان کو حالت شرک پر چھوڑا تھا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو پہلے نکاح کے ساتھ واپس کیا' کہا گیا ہے کہ یہ واپسی دو سال بعد ہوئی' کسی نے کہا چھ سال بعد اور کسی نے کہا عدت سے پہلے ہوئی۔ حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ ان کے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ سات ہجری میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو نئے نکاح کے ساتھ واپس کیا۔

سریہ حضرت زید' مقامِ طرف کی جانب

اس کے بعد حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کا دستہ مقام طرف کی جانب گیا اور یہ ایک چشمہ ہے جو مدینہ طیبہ سے چھتیس میل کے فاصلے پر ہے اور یہ واقعہ ہجرت کے چھٹے سال جمادی الاخری میں ہوا۔

حضرت زید رضی اللہ عنہ پندرہ افراد کے ساتھ بنو ثعلبہ کی طرف تشریف لے گئے۔ اونٹ اور بکریاں ان کے ہاتھ آئیں جبکہ وہ دیہاتی بھاگ گئے اور حضرت زید جانوروں کو لے کر صبح کے وقت مدینہ طیبہ پہنچ گئے اور یہ بیس اونٹ تھے۔ اس موقع پر لڑائی نہیں ہوئی اور حضرت زید چار راتیں (مدینہ طیبہ سے) باہر رہے۔

(طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۸۷)

سریہ زید حسمی کی طرف

پھر حضرت زید رضی اللہ عنہ کا دستہ حسمی کے مقام کی طرف گیا۔ یہ جگہ وادی قریٰ سے پیچھے ہے اور یہ واقعہ جمادی الاخری سنہ ۶ ھ میں ہوا۔ اس کا سبب یہ ہوا کہ حضرت دحیہ بن خلیفہ کلبی (روم کے بادشاہ) قیصر کی طرف سے اس طرح آئے کہ اس نے ان کو صلہ اور خلعت دیا۔ حسمی مقام پر جذام قبیلہ کے چند لوگوں کے ہمراہ ھنید نامی شخص ان سے ملا اور ان لوگوں نے ان پر ڈاکہ ڈالا۔ بنو ضبیب کے کچھ لوگوں نے سنا تو وہ ان کی طرف گئے اور حضرت دحیہ رضی اللہ عنہ کا سامان ان سے بچا لیا۔

---

[1] واقدی کہتے ہیں پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خانہ اقدس میں تشریف لے گئے اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا بھی آپ کے پیچھے گئیں اور عرض کیا کہ جو کچھ ابوالعاص سے لیا گیا ہے' واپس کیا جائے تو حضور علیہ السلام نے قبول فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ ان کو اچھا ٹھکانہ دو۔ (زرقانی جلد ۲ ص ۸۵۶)

سریہ محمد بن مسلمہ، ذی قصہ کی طرف

پھر حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کا دستہ ذی قصہ کی طرف گیا۔ یہ جگہ مدینہ طیبہ سے چوبیس میل دور ہے۔ ۶ھ میں ربیع الاول کے مہینے میں یہ دستہ جو دس افراد پر مشتمل تھا، بنو ثعلبہ کی طرف گیا۔
یہ لوگ رات کے وقت وہاں پہنچے، وہ لوگ گھات میں تھے اور ان کی تعداد ایک سو تھی، رات کا کچھ حصہ باہم تیراندازی ہوتی رہی، پھر ان دیہاتیوں نے ان پر نیزوں کے ساتھ حملہ کیا جس سے حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کے علاوہ سب شہید ہو گئے، آپ زخمی ہوئے، ان لوگوں نے مسلمانوں کے کپڑے اتار لیے، ایک مسلمان حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرا تو آپ کو اٹھا کر مدینہ طیبہ لے آیا۔
ربیع الثانی میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کو اس جگہ بھیجا جہاں وہ لوگ شہید ہوئے تھے تو انہوں نے ان پر حملہ کر کے ان کو پہاڑوں میں بھاگ جانے پر مجبور کر دیا۔ ایک شخص کو پایا جو مسلمان ہو گیا تو آپ نے اسے چھوڑ دیا۔ حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے ان کے اونٹوں میں سے ایک اونٹ پایا اور ان کے سامان میں سے کچھ پرانا سامان ملا۔ اسے بھی مدینہ طیبہ میں لا کر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دیا۔ آپ نے اس کا پانچواں حصہ نکال کر باقی ان پر تقسیم کر دیا۔ (طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۸۶)

سریہ زید، جموم کی طرف

پھر حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کا دستہ جموم میں بنو سلیم کی طرف گیا۔ (جموم کی جگہ) جموع بھی کہا گیا ہے۔ یہ مدینہ طیبہ سے چار میل کے فاصلے پر وادی نخل کا نواحی علاقہ ہے۔ یہ دستہ ربیع الثانی سنہ ۶ھ میں گیا۔ انہوں نے مزینہ قبیلہ کی کی عورت کو پایا جس کا نام حلیمہ تھا۔ اس نے بنو سلیم کے اترنے کی جگہوں میں سے ایک جگہ بتائی، چنانچہ اونٹ، بکریاں اور قیدی مسلمانوں کے ہاتھ آئے۔ ان قیدیوں میں حلیمہ مزنیہ کا خاوند بھی تھا۔ جب حضرت زید رضی اللہ عنہ ان چیزوں کے ساتھ مدینہ طیبہ پہنچے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مزنیہ اور اس کے خاوند کو چھوڑ دیا۔ (طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۸۶)

سریہ زید، عیص کی طرف

اس کے بعد حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ ہی عیص کی طرف تشریف لے گئے۔ یہ جگہ مدینہ طیبہ سے چار راتوں کے فاصلے پر ہے۔ یہ دستہ جمادی الاولیٰ سنہ ۶ھ میں گیا۔ آپ کے ساتھ ستر سوار تھے۔ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا کہ شام سے قریش کا ایک قافلہ آیا ہے تو آپ نے ان لوگوں کو روکنے کے لیے حضرت زید کو بھیجا۔ آپ نے قافلہ اور اس کا سارا سامان پکڑ لیا۔ صفوان بن امیہ کی بہت سی چاندی پکڑی اور کچھ لوگوں کو قیدی بنا لیا۔ ان میں ابو العاص بن ربیع بھی تھے۔ حضرت زید ان لوگوں کو لے کر مدینہ طیبہ آئے۔ ابو العاص کی

حضرت دحیہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور تمام واقعہ بتایا تو آپ نے حضرت زید بن حارثہ اور پانچ سو دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھیجا' نیز حضرت دحیہ رضی اللہ عنہ کو بھی ان کے ہمراہ واپس کیا۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ رات کو سفر کرتے اور دن کو چھپ جاتے تھے کہ ایک دن صبح کے وقت ان لوگوں پر حملہ کر دیا۔ ان کے بہت سے لوگوں کو قتل کیا' ہنید اور اس کے بیٹے کو بھی قتل کر دیا۔ ان کے جانوروں اور عورتوں کو بھی پکڑ لیا اور ان کی ایک ہزار بکریاں اور ایک سو عورتوں اور بچوں کو ساتھ لے لیا۔

جذام قبیلے کا زید بن رفاعہ جذامی اپنی قوم کے کچھ لوگوں کے ہمراہ آیا اور وہ خط پیش کیا جو حضور علیہ السلام نے اس وقت دیا تھا جب وہ آپ کے پاس آ کر مسلمان ہوا تھا' چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو زید بن حارثہ کی طرف بھیجا اور حکم دیا کہ ان لوگوں کی عورتیں اور مال چھوڑ دیں' چنانچہ انہوں نے وہ سب کچھ واپس کر دیا۔ (طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۸۸)

سریۂ زید' وادی قریٰ کی طرف

پھر وادی قریٰ کی طرف بھی حضرت زید رضی اللہ عنہ ایک دستہ لے کر گئے اور یہ رجب المرجب سنہ ۶ھ کا واقعہ ہے۔ (طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۸۸) اس میں کئی مسلمان شہید ہوئے اور حضرت زید رضی اللہ عنہ کو شدید زخمی حالت میں اٹھا کر لایا گیا۔

دومتہ الجندل کی طرف حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کا سریہ

اس واقعہ کے بعد شعبان سنہ ۶ھ میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ دومتہ الجندل کی طرف تشریف لے گئے۔

سیرت نگار کہتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کو بلا کر اپنے سامنے بٹھایا اور اپنے دست مبارک سے (ان کے سر پر) عمامہ باندھا اور فرمایا: اللہ کے نام سے اللہ کے راستے میں جہاد کرو۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کا انکار کرتا ہے' اس سے لڑو۔ وعدہ خلافی نہ کرنا اور نہ کسی بچے کو قتل کرنا۔ آپ نے انہیں دومتہ الجندل میں بنو کلب کی طرف بھیجا اور فرمایا اگر وہ تمہاری بات مان لیں تو ان کے سردار کی بیٹی سے نکاح کر لینا' چنانچہ حضرت عبدالرحمٰن چلے اور دومتہ الجندل میں پہنچ گئے۔ آپ وہاں تین دن رہے اور ان کو اسلام کی دعوت دی۔ اصبغ بن عمرو کلبی مسلمان ہوئے۔ پہلے وہ عیسائی تھے اور یہ ان لوگوں کے رئیس تھے' نیز ان کے ساتھ قوم کے بہت سے افراد مسلمان ہوئے اور بعض لوگوں نے جزیہ دینا قبول کیا۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے اصبغ کی بیٹی تماضر سے نکاح کیا اور اسے مدینہ طیبہ لے آئے' ان سے حضرت ابو سلمہ پیدا ہوئے۔[1]

[1] حضرت تماضر رضی اللہ عنہا نے شرف صحابیت حاصل کیا اور یہ پہلی کلبی خاتون تھیں جو کسی قریشی کے نکاح میں آئیں۔ حضرت ابو سلمہ جلیل القدر تابعی تھے' امام العلماء کہلاتے تھے۔ (زرقانی جلد ۲ ص ۱۶۳)(طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۸۹)

بنو سعد کی طرف حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا سریہ

پھر ہجرت کے چھٹے سال شعبان کے مہینے میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ ایک سو افراد کے ہمراہ بنو سعد بن بکر کی طرف تشریف لے گئے کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو پتا چلا تھا کہ وہ لوگ اکٹھے ہو کر خیبر کے یہودیوں کی مدد کرنا چاہتے ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فدک اور خیبر کے درمیان عمج کے مقام پر ان پر حملہ کیا اور پانچ سو اونٹ اور دو ہزار بکریاں لے کر مدینہ شریف واپس آئے اور لڑائی کی نوبت نہیں آئی۔

(طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۸۹)

اُم قرفہ کی طرف حضرت زید رضی اللہ عنہ کا سریہ

اس کے بعد حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کا دستہ ام قرفہ فاطمہ بنت ربیعہ بن بدر فزاریہ کی طرف وادی قریٰ کے نواح میں گیا۔ یہ جگہ مدینہ طیبہ سے سات راتوں کے فاصلے پر ہے۔ یہ واقعہ رمضان المبارک ۶ھ میں ہوا۔ اس کا سبب یہ تھا کہ حضرت زید بن حارث رضی اللہ عنہ تجارت کی خاطر شام کی طرف تشریف لے گئے۔ آپ کے ساتھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا سامان بھی تھا۔ جب وادی قریٰ میں پہنچے تو بنو بدر کے ذیلی قبیلہ فزارہ کے کچھ لوگ ملے تو انہوں نے حضرت زید کو اور آپ کے دیگر ساتھیوں کو مار پیٹ کر سامان چھین لیا۔

حضرت زید رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کو اس بات کی اطلاع دی تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ان لوگوں کی طرف بھیجا۔ آپ اور آپ کے ساتھی رات کو چلتے اور دن کو چھپ جاتے پھر صبح کے وقت حضرت زید اور ان کے ساتھی ان لوگوں کے پاس جا پہنچے اور نعرہ تکبیر بلند کرتے ہوئے وہاں موجود لوگوں کو گھیرا اور ام قرفہ کو پکڑ لیا۔ وہ ان کی ملکہ اور سردار تھی نیز اس کی بیٹی جاریہ بنت مالک بن حذیفہ بن بدر کو بھی پکڑ لیا۔

قیس بن محسر نے ام قرفہ کا ارادہ کیا وہ بوڑھی عورت تھی۔ قیس نے ان کو بڑی سختی سے قتل کیا۔ اس کے دونوں پاؤں ایک ایک رسی سے باندھے پھر ان رسیوں کو دو اونٹوں کے درمیان باندھ دیا اور ان اونٹوں کو خوب ڈانٹ پلائی۔ جس سے وہ چل پڑے اور اس عورت کو چیر ڈالا۔[1] (طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۹۰)

[1] امام زرقانی لکھتے ہیں تو اس قتل کا سبب یہ تھا کہ اس عورت نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دیں اور اپنی اولاد اور پوتوں وغیرہ پر مشتمل تیس افراد کا ایک دستہ تیار کیا اور کہا کہ مدینہ طیبہ پر حملہ کر کے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو قتل کر دو، لیکن بعض حضرات نے فرمایا: یہ حدیث منکر ہے اور سریہ کا سبب مشتبہ ہو گیا کہ جو قافلہ تجارت کے لیے گیا وہی سریہ سمجھ لیا گیا۔

(زرقانی جلد ۲ ص ۱۶۳)

اس روایت کی صداقت اس لیے بھی مشکوک ہے کہ اس میں جو عمل بتایا گیا وہ صحابہ کرام کی تربیت کے خلاف ہے۔ صحیح مسلم کی حدیث ۴۵۷۷ میں ایک خاتون اور اس کی بیٹی کی قید کا ذکر ہے۔ زرقانی میں بتایا کہ وہ ام قرفہ اور اس کی بیٹی ہی تھیں۔ لیکن ان کے قتل کا ذکر نہیں کی ہے۔ (زرقانی جلد ۲ ص ۱۶۳)... ۱۲ ہزاروی

حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ اس حالت میں سیدھے واپس آئے اور انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا دروازہ کھٹکھٹایا تو آپ برہنہ (قمیص کے بغیر) اپنی تہبند کھینچتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے، حتیٰ کہ ان کو گلے لگایا اور چوما اور واقعہ معلوم کیا تو انہوں نے بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو کامیابی عطا کی ہے۔ (طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۱۹۰)

ابو رافع کا قتل

اس کے بعد حضرت عبداللہ بن عتیک رضی اللہ عنہ کا سریہ ابو رافع کو قتل کرنے گیا۔ ابو رافع عبداللہ یا سلام ابوالحقیق یہودی کا بیٹا تھا جس نے خندق کے دن مختلف جماعتوں کو (مسلمانوں کے خلاف) اکٹھا کیا تھا
یہ سریہ رمضان المبارک سنہ ۶ھ میں ہوا، ابن سعد نے اس مقام پر اسی طرح ذکر کیا اور عبداللہ بن عتیک رضی اللہ عنہ کے تعارف میں فرمایا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ذوالحجہ سنہ ۵ھ میں قریظہ کے واقعہ کے بعد ابو رافع کو قتل کرنے بھیجا۔ یہ بھی کہا گیا، جمادی الاخریٰ سنہ ۳ھ میں یہ واقعہ ہوا۔
صحیح بخاری میں ہے، حضرت امام زہری فرماتے ہیں: کعب بن اشرف کو قتل کرنے کے بعد یہ واقعہ ہوا۔
(صحیح بخاری جلد ۲ ص ۵۷۶، کتاب المغازی)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن عتیک کے ساتھ دیگر چار افراد عبداللہ بن انیس، ابو قتادہ، اسود بن خزاعی اور مسعود بن سنان رضی اللہ عنہم کو بھیجا اور ان کو حکم دیا کہ ابو رافع کو قتل کریں۔ یہ لوگ خیبر میں تشریف لے گئے اور چھپ گئے۔ جب لوگوں کا چلنا پھرنا رک گیا تو یہ اس کے گھر کی طرف چلے اور اس کے بالا خانے کی سیڑھی چڑھے۔ حضرت عبداللہ بن عتیک کو انہوں نے آگے کیا۔ کیونکہ وہ یہودیوں کی زبان میں گفتگو کر لیتے تھے۔ انہوں نے دروازے پر دستک دی اور فرمایا: میں ابو رافع کے لیے تحفہ لے کر آیا ہوں۔ اس کی بیوی نے دروازہ کھولا اور جب ہتھیار دیکھا تو چلانا چاہا لیکن انہوں نے تلوار سے اشارہ کیا تو وہ خاموش ہو گئی۔ آپ ابو رافع کے پاس پہنچے تو انہوں نے اسے صرف اس کی سفیدی سے پہچانا تو انہوں نے اپنی تلواروں سے اس پر چڑھائی کر دی۔ (طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۹۱)

صحیح بخاری میں ہے کہ ابو رافع، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت پہنچاتا اور آپ کے خلاف مدد دیتا تھا اور وہ اپنے قلعے میں تھا، جب یہ لوگ اس کے قریب گئے، اس وقت سورج غروب ہو گیا تھا اور لوگ اپنے جانور چرا کے واپس لائے۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا: تم اپنی جگہ بیٹھے رہو، میں جاتا ہوں اور دربان سے نرم گفتگو کرتا ہوں۔ ہو سکتا ہے کہ میں اندر داخل ہو جاؤں، چنانچہ وہ دروازے کے قریب ہوئے تو اپنے کپڑے کو اس طرح اوپر کیا گویا قضائے حاجت کے لیے بیٹھے ہوں۔ لوگ اندر جا چکے تھے۔ دربان نے ان کو آواز دی اے عبداللہ! (اجنبی کو عبداللہ کے نام سے پکارتے ہیں یعنی اے بندہ خدا!) اگر تم داخل ہونا چاہتے ہو تو داخل ہو، میں دروازہ بند کرنے لگا ہوں (فرماتے ہیں) میں اندر داخل ہو کر چھپ گیا۔ جب لوگ داخل ہو چکے تو اس نے دروازہ بند کر کے چابیاں ایک کیل پر لٹکا دیں۔ میں چابیوں کی طرف گیا اور دروازہ کھول دیا۔

(صحیح بخاری جلد ۲ ص ۵۷۷، کتاب المغازی)

ابو رافع اپنے بالاخانوں میں ہوتا تھا اور رات کے وقت اس کے پاس کہانیاں بیان کی جاتی تھیں۔ جب قصہ گو اس کے پاس سے چلے گئے تو میں اس کی طرف چڑھا۔ میں جس دروازے کو کھولتا' اسے آنے والے پر بند کر دیتا۔ جب میں اس کے پاس پہنچ گیا تو دیکھا کہ وہ ایک اندھیرے کمرے میں اپنے گھر والوں کے درمیان ہے۔ مجھے پتا نہ چلا کہ وہ کس جگہ پر ہے۔ میں نے کہا اے ابو رافع! اس نے کہا یہ کون ہے۔ میں آواز کی طرف گیا اور تلوار کی ایک ضرب لگائی اور میں خوفزدہ تھا۔

پس مجھے بے نیازی نہ ہوئی (یعنی وہ قتل نہ ہوا) وہ چیخا تو میں کمرے سے باہر نکل گیا۔ تھوڑی دیر بعد پھر داخل ہوا۔ میں نے کہا ابو رافع! یہ کیا آواز تھی۔ اس نے کہا تمہاری ماں کے لیے ہلاکت ہو، گھر میں کسی شخص نے تھوڑی دیر پہلے مجھ پر تلوار سے حملہ کیا۔ فرماتے ہیں میں نے دوسری ضرب لگائی جو گھائل کرنے والی ضرب تھی لیکن وہ قتل نہ ہوا۔ پھر میں نے تلوار کی دھار اس کے پیٹ میں ماری حتیٰ کہ وہ اس کی پیٹھ میں پہنچ گئی تو مجھے معلوم ہو گیا کہ میں نے اس کو قتل کر دیا ہے۔ (صحیح بخاری جلد ۲ ص ۵۷۷، کتاب المغازی)

امام بخاری کی ہی ایک دوسری روایت ہے فرماتے ہیں: پھر میں آیا گویا میں اس کی مدد کر رہا ہوں۔ میں نے کہا (آواز بدل کر) ابو رافع! تجھے کیا ہوا؟ اس نے کہا تمہاری ماں کے لیے خرابی ہو۔ کوئی شخص میرے پاس آیا اور اس نے مجھ پر ایک ضرب لگائی تو میں نے اس کا قصد کرتے ہوئے ایک اور ضرب کاری لگائی لیکن کام نہ بنا۔ وہ چیخا اور اس کے گھر والے اٹھ کھڑے ہوئے۔ فرماتے ہیں: میں دوبارہ آیا۔ میں نے اپنی آواز بدل لی اور ظاہر کیا کہ گویا مدد کر رہا ہوں۔ وہ پیٹھ کے بل لیٹا ہوا تھا۔ میں نے تلوار اس کے پیٹ میں رکھی اور جھک گیا۔ یہاں تک کہ میں نے ہڈی (ٹوٹنے) کی آواز سن لی۔ (صحیح بخاری جلد ۲ ص ۵۷۷، کتاب المغازی)

پھر میں دروازوں کو کھولتا ہوا سیڑھیوں تک آ گیا۔ میں نے پاؤں رکھا اور میرا خیال تھا کہ میں زمین تک پہنچ گیا ہوں۔ چاندنی رات تھی، میں گر پڑا اور میری پنڈلی ٹوٹ گئی۔ میں نے اپنے عمامہ سے اس پر پٹی باندھی۔ جب مرغ بانگ دینے لگا تو موت کی خبر دینے والے نے قلعے کی دیوار پر کھڑے ہو کر اس کی موت کا اعلان کیا۔ میں اپنے ساتھیوں کے پاس گیا اور کہا جلد چلو، اللہ تعالیٰ نے ابو رافع کو ہلاک کر دیا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر میں نے واقعہ بتایا تو آپ نے فرمایا: ٹانگ آگے کرو۔ آپ نے اس پر دست مبارک پھیرا تو ایسا معلوم ہوا کہ گویا کبھی تکلیف ہوئی ہی نہیں تھی۔ یہ صحیح بخاری کے الفاظ ہیں۔ (صحیح بخاری جلد ۲ ص ۵۷۷، کتاب المغازی)

محمد بن سعد کی روایت میں ہے کہ ابو رافع کو عبداللہ بن انیس نے قتل کیا تھا لیکن صحیح بات یہ ہے کہ جو صحابی اس کے پاس گئے اور انہوں نے اسے قتل کیا' وہ صرف عبداللہ بن عتیک رضی اللہ عنہ تھے جیسا کہ صحیح بخاری میں آیا ہے۔

ابن رزام کی طرف، حضرت عبداللہ بن رواحہ کا سریہ

اس کا سبب یہ تھا کہ جب ابو رافع سلام بن ابی الحقیق قتل ہوا تو یہودیوں نے اسیر (نامی شخص) کو اپنا امیر بنالیا۔ وہ شخص غطفان وغیرہ کے پاس گیا تاکہ ان کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے لڑائی کے لیے جمع کرے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات کی خبر پہنچی تو آپ نے رازداری سے رمضان المبارک کے مہینے میں حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ اور آپ کے ساتھ دیگر تین افراد کو بھیجا۔ انہوں نے اسیر اور اس کی مکاری کے بارے میں معلوم کیا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو معلومات فراہم کیں۔ (طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۹۲)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو بلایا اور تیس حضرات آپ کے بلانے پر حاضر ہوگئے۔ آپ نے حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کو ان کا امیر بنایا۔ وہ اسیر کے پاس گئے اور کہا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں تمہارے پاس اس لیے بھیجا کہ تو حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو، آپ تجھے خیبر کا عامل بنانا چاہتے اور تجھ سے حسن سلوک کرنا چاہتے ہیں۔ اس نے لالچ کی اور وہاں سے نکلا۔ اس کے ساتھ دیگر تیس یہودی بھی آئے۔ ان میں سے ہر ایک کے پیچھے ایک مسلمان سوار ہوا (کیونکہ مسلمان پیدل گئے تھے)، حتیٰ کہ جب مقام قرقرہ میں پہنچے تو حضرت عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ نے جو اس سریہ میں تھے، اسے تلوار ماری اور وہ اونٹ سے گر گیا۔ دیگر صحابہ کرام اس کے ساتھیوں پر حملہ آور ہوئے اور ان میں سے ایک شخص کے علاوہ سب کو قتل کردیا۔ مسلمانوں میں سے کوئی بھی شہید نہ ہوا۔ پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے تمہیں ظالموں کی قوم سے نجات دی۔[1] (طبقات ابن سعد، جلد ۲ ص ۹۲)

عکل اور عرینہ کا قصہ (سریۂ کرز)

کرز ابن جابر الفہری کا سریہ عرنیین کی طرف گیا۔ یہ قضاء کا ایک قبیلہ ہے اور دوسرا بجیلہ کا قبیلہ، یہاں دوسرا (بجیلہ کا قبیلہ) مراد ہے۔ ابن عقبہ نے مغازی میں اس طرح ذکر کیا ہے۔

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ یہ لوگ غزوہ ذی قرد کے بعد آئے اور یہ جمادی الاخری سنہ ۶ھ کی بات ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے اسے حدیبیہ کے بعد کا ذکر کیا اور وہ اسی سال ذی قعدہ میں ہوا۔ (صحیح بخاری جلد ۲ ص ۶۰۲) واقدی کے نزدیک شوال میں ہوا۔ ابن سعد اور ابن حبان نے واقدی کی اتباع کی ہے۔ (کتاب المغازی للواقدی

لہ امن دینے کے باوجود قتل کرنے کی وجہ یہ تھی کہ جب وہ لوگ قرقرہ پہنچے تو حضرت عبداللہ بن انیس نے دیکھا کہ اسیر تلوار اٹھا رہا ہے تو انہوں نے قتل کیا۔ گویا وہ لوگ دھوکہ کر رہے تھے۔ ابن اسحاق وغیرہ کی روایت میں اس کا سبب یوں بیان ہوا کہ جب وہ لوگ قرقرہ پہنچے تو اسیر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف جانے کے سلسلے میں نادم ہوا، حضرت عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ سمجھ گئے اور وہ تلوار اٹھانے کا ارادہ کر رہا تھا تو آپ اسے تاریکی میں لے گئے پھر تلوار سے قتل کردیا۔ ابن سعد نے یوں نقل کیا کہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اسیر میری تلوار کی طرف جھکا ہاتھ بڑھایا تو میں سمجھ گیا میں نے اپنے اونٹ کو دوڑایا اور کہا اے اللہ کے دشمن دھوکہ کر رہے ہو دو مرتبہ کہا (زرقانی جلد ۲ ص ۱۷۱)

جلد ۲ ص ۵۶۸) صحیح بخاری کی کتاب المغازی میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ عکل اور عرینہ کے کچھ لوگ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ سے اسلام کے بارے میں گفتگو کی اور کہنے لگے اے اللہ کے نبی! ہم لوگ دودھ والے جانور رکھتے تھے لیکن کھیتی باڑی والے نہیں تھے اور انہوں نے مدینہ طیبہ کی آب و ہوا کے ناموافق ہونے کی وجہ سے وہاں ٹھہرنا ناپسند کیا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے کچھ اونٹوں اور چرواہے کا حکم دیا اور ان کو حکم دیا کہ وہ اونٹوں میں چلے جائیں اور ان کا دودھ اور پیشاب پئیں۔

وہ چلے گئے یہاں تک کہ جب مقام حرہ کے قریب پہنچے تو مرتد ہو گئے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چرواہے کو قتل کیا اور اونٹوں کو لے گئے۔ آپ کو اطلاع ہوئی تو آپ نے ان کو ڈھونڈنے والے بھیجے (جب ان کو پکڑ کر لایا گیا تو) آپ کے حکم پر ان کی آنکھوں میں گرم سلائیں پھیر کر اور ان کے ہاتھ کاٹ کر ان کو پتھریلی زمین میں چھوڑ دیا گیا حتیٰ کہ وہ اسی حالت پر مرگئے۔[1] (صحیح بخاری جلد ۲ ص ۶۰۲ کتاب المغازی)

ایک روایت میں ہے کہ ان کی آنکھوں میں گرم سلائیں پھیری گئیں، پھر ان کو دھوپ میں پھینک دیا گیا حتیٰ کہ وہ مرگئے اور دوسری روایت میں ہے کہ ہاتھ کاٹنے کی جگہ کو داغا نہیں گیا کہ خون بند ہو جاتا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ان کی آنکھوں میں گرم سلائیں اس لیے پھیری گئیں کہ انہوں نے بھی چرواہوں کی آنکھوں میں گرم سلائیں پھیری تھیں۔ یہ بات امام مسلم نے روایت کی ہے۔ لہٰذا قصاص کے طور پر ان سے یہ سلوک کیا گیا۔ ایک روایت میں ہے کہ وہ آٹھ آدمی تھے۔

امام بخاری نے محاربین کے ذکر میں لکھا کہ اونٹوں کی طرف جانے سے پہلے وہ لوگ اہل صفہ میں سے تھے۔

ایک اور روایت میں حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے ان میں سے ایک کو دیکھا کہ وہ اپنے منہ سے زمین کو کاٹتا تھا حتیٰ کہ وہ مرگیا۔ (فتح الباری جلد اول ص ۲۹۳)

دمیاطی نے ابن سعد کی طرح نقل کیا کہ دودھ والی اونٹنیاں پندرہ تھیں۔ (طبقات ابن سعد جلد ۳ ص ۹۳) اور صحیح مسلم میں ہے کہ یہ سریہ انصار میں سے تقریباً بیس سواروں پر مشتمل تھا۔ (فتح الباری جلد اول ص ۲۹۲)

ابن مردویہ نے حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک غلام تھا جس کا نام یسار تھا۔ آپ نے دیکھا کہ وہ بہت اچھی طرح نماز پڑھتا ہے تو آپ نے اسے آزاد کر کے اپنی اونٹنیوں کے ساتھ حرہ مقام کی طرف بھیج دیا، وہ وہاں رہا۔ (فتح الباری جلد اول ص ۲۹۲) پھر عرینہ قبیلہ کے کچھ لوگوں نے اسلام ظاہر کیا اور اس حال میں آئے کہ بیمار تھے۔ وہ بخار میں مبتلا تھے اور ان کے پیٹ بڑھے ہوئے تھے۔ (رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اونٹنیوں کے پاس بھیجا کہ وہ ان کا دودھ اور پیشاب پئیں، ٹھیک ہو جائیں گے) انہوں نے حضرت یسار رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا اور ان کی آنکھوں میں کانٹے چبھوئے پھر اونٹوں کو

[1] انہوں نے جو حرکت کی، یہ اس کا بدلہ تھا اس کے بعد حضور علیہ السلام نے مثلہ کرنے یعنی شکلیں بگاڑنے سے منع فرما دیا... ۱۲ ہزاروی

لے گئے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے پیچھے مسلمانوں کے کچھ سوار بھیجے' ان کا امیر کرز بن جابر فہری تھا' وہ سوار ان تک پہنچ گئے اور ان کو آپ کے پاس لے آئے۔ آپ نے ان کے ہاتھ اور پاؤں کاٹنے اور آنکھوں میں گرم سلاخیں پھیرنے کا حکم دیا۔ ابن کثیر کہتے ہیں کہ یہ روایت نہایت غریب ہے۔ (مشہور نہیں)

ابن جریر نے حضرت محمد بن ابراہیم سے اور انہوں نے جریر بن عبداللہ البجلی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس عرینہ قبیلہ کے کچھ لوگ آئے۔ اس کے بعد انہوں نے مکمل حدیث ذکر کی اور اس میں ہے' وہ فرماتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اور کچھ دیگر صحابہ کرام کو بھیجا' حتیٰ کہ ہم نے ان کو پالیا اور پھر ان کے ہاتھ اور پاؤں الٹ (دایاں ہاتھ بایاں پاؤں) کاٹنے لگے اور ان کی آنکھوں میں گرم سلاخیں پھیری گئیں۔ چنانچہ وہ پانی مانگتے اور حضور علیہ السلام فرماتے: تمہارے لیے جہنم ہے۔ وہ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے گرم سلاخیں پھیرنے کو ناپسند فرمایا اور یہ آیت نازل فرمائی:

اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَسْعَوْنَ فِى الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ يُّقَتَّلُوْٓا اَوْ يُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ۔ (المائدہ: ۳۳)

وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے لڑتے اور ملک میں فساد کرتے پھرتے ہیں' ان کا بدلہ یہی ہے کہ گن گن کر قتل کیے جائیں یا سولی دیئے جائیں یا ان کے ایک طرف کے ہاتھ اور دوسری طرف کے پاؤں کاٹ دیئے جائیں۔

یہ حدیث غریب ضعیف ہے اور اس میں یہ بھی ہے کہ سریہ کے امیر حضرت جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ تھے۔ مغلطائی نے کہا یہ بات محل نظر ہے کیونکہ حضرت جریر اس واقعہ کے تقریباً چار سال بعد مسلمان ہوئے۔

ابن عقبہ کے مغازی میں ہے کہ اس سریہ کے امیر حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ تھے۔ دوسرے حضرات نے (سعید کی بجائے) سعد کہا ہے' یعنی سعد بن زید اشہلی اور یہ انصاری ہیں۔ پس اس بات کا احتمال ہے کہ سعید بن زید انصار کے سردار ہوں اور کرز جماعت کے امیر ہوں۔ (فتح الباری جلد ۲ ص ۲۹۳)

ابن جریر کا یہ قول کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی آنکھوں میں سلائیاں پھیرنے کو ناپسند فرمایا' یہ منکر روایت ہے صحیح مسلم کے حوالے سے پہلے گزر چکا ہے کہ ان لوگوں نے چرواہوں کی آنکھوں میں سلائیاں پھیری تھیں' لہٰذا ان کے ساتھ جو کچھ کیا گیا وہ بطور قصاص تھا۔ واللہ اعلم

تنبیہہ

فتح الباری میں فرمایا کہ ابن التین نے داؤدی کی اتباع میں گمان کیا کہ عرینہ ہی عکل ہیں اور یہ غلط ہے کہ بلکہ یہ دو الگ الگ قبیلے ہیں۔ عکل' عدنان سے ہے اور عرینہ قحطان سے ہے۔ (فتح الباری جلد ۲ ص ۲۹۰)

ابوسفیان کے قتل کے لیے عمرو بن امیہ کو بھیجنا

پھر عمرو بن امیہ ضمری کا سریہ ہے جو ابوسفیان بن حرب کی طرف مکہ مکرمہ گیا کیونکہ ابوسفیان نے ایک شخص کو بھیجا تھا کہ وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دھوکہ دے کر قتل کرے وہ شخص آیا اور اس کے پاس خنجر تھا۔ اور وہ آپ کو دھوکہ دے کر قتل کرنا چاہتا تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے دیکھا تو فرمایا: یہ شخص دھوکہ کرنا چاہتا ہے۔ حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ نے اس کی تہبند کے اندر سے پکڑ کر اسے کھینچا تو وہاں خنجر تھا جو ان کے ہاتھ میں آگیا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے سچ سچ بتا کہ تیرا کیا معاملہ ہے؟ اس نے کہا مجھے امن مل جائے گا؟ فرمایا: ہاں۔ چنانچہ اس نے اپنا واقعہ بتا دیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے چھوڑ دیا۔

اور حضرت عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھ سلمہ بن اسلم کو یا کہا جاتا ہے کہ جبار بن صخر کو ابوسفیان کی طرف بھیجا تھا اور فرمایا اگر تم اسے غافل پاؤ تو قتل کر دو۔

حضرت عمرو بن امیہ رات کے وقت بیت اللہ شریف کا طواف کرنے لگے، حضرت معاویہ بن ابوسفیان نے ان کو دیکھا تو قریش کو اطلاع کر دی، اور ان کو تلاش کیا۔ حضرت عمرو بن امیہ دور جاہلیت میں آدمی کو اچانک مار ڈالتے تھے تو اہل مکہ ان کے لیے جمع ہوئے۔

حضرت عمرو اور سلمہ رضی اللہ عنہما دونوں بھاگ کھڑے ہوئے۔ حضرت عمرو کا عبید اللہ بن مالک تیمی سے ٹکراؤ ہو گیا تو انہوں نے اسے قتل کر دیا اور ایک دوسرے آدمی کو بھی قتل کیا۔ نیز قریش کے دو قاصدوں کو پالیا جو مسلمانوں کی جاسوسی کرنے نکلے تھے تو ان میں سے ایک کو قتل کر دیا اور دوسرے کو قیدی بنایا اور اسے مدینہ طیبہ لے آئے۔ حضرت عمرو رضی اللہ عنہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی خبر سناتے رہے اور آپ ہنستے رہے۔

(طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۹۴)

صلح حدیبیہ

اس کے بعد حدیبیہ کا واقعہ ہوا۔ یاء پر شد بھی پڑھ سکتے ہیں (حدیبیّہ) اور شد کے بغیر (حدیبیہ) بھی پڑھتے ہیں۔ یہ ایک کنواں ہے ایک قول کے مطابق درخت ہے اور اس کی مناسبت سے اس جگہ کا نام حدیبیہ رکھا گیا۔ محب طبری نے کہا کہ یہ ایک بستی ہے جو مکہ مکرمہ کے قریب ہے اور اس کا زیادہ حصہ حرم میں داخل ہے۔ (فتح الباری جلد ۵ ص ۲۴۱) یہ مکہ مکرمہ سے نو میل کے فاصلے پر ہے۔

اصحاب حدیبیہ کی تعداد

ذی قعدہ سنہ ۶ھ بروز سوموار نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عمرہ کے لیے روانہ ہوئے۔ آپ کے ساتھ چودہ سو صحابہ کرام تھے۔ (صحیح بخاری جلد ۲ ص ۵۹۸، کتاب المغازی) اُم المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بھی ساتھ تھیں۔

کسی نے پندرہ سو کہا ہے اور ایک قول یہ ہے کہ تیرہ سو تھے۔ (صحیح مسلم جلد ۲ ص ۱۲۹، طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۹۵)

اس اختلاف کو یوں جمع کیا جاسکتا ہے کہ وہ چودہ سو سے زیادہ تھے۔ پس جس نے پندرہ سو کہا اس نے کسر کو پورا کیا (ایک سو سے کم کو ایک سو کہا) اور جس نے چودہ سو کہا اس نے کسر کو گرا دیا۔ حضرت براء رضی اللہ عنہ کی روایت بھی اس کی تائید کرتی ہے، وہ فرماتے ہیں: چودہ سو یا زیادہ تھے۔

امام نووی رحمہ اللہ نے روایات کی اس تطبیق پر اعتماد کیا۔ جہاں تک تیرہ سو والی روایت کا تعلق ہے تو ممکن ہے راوی (حضرت ابن ابی اوفی) کو اس بات کی اطلاع ہوئی ہو اور دوسروں کو مزید دو سو کی اطلاع ملی ہو اور ثقہ کا اضافہ مقبول ہوتا ہے۔ (صحیح مسلم جلد ۲ ص ۱۲۹)

ابن اسحاق نے جو سات سو کا قول کیا ہے تو اس پر کسی نے بھی اس کی موافقت نہیں کی، کیونکہ انہوں نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے اس قول سے استنباط کیا ہے کہ ہم نے دس آدمیوں کی طرف سے ایک اونٹ کی قربانی کی اور انہوں نے ستر اونٹ ذبح کئے تھے۔ (السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد ۲ ص ۲۲۹) لیکن یہ اس بات پر دلالت نہیں ہے کہ انہوں نے اونٹوں کے علاوہ کچھ ذبح نہیں کیا جبکہ بعض حضرات نے بالکل احرام نہیں باندھا تھا۔
(دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۴ ص ۹۴)

موسیٰ بن عقبہ نے قطعی طور پر کہا ہے کہ وہ ایک ہزار چھ سو تھے۔ ابن ابی شیبہ نے سلمہ بن اکوع سے حدیث روایت کی ہے کہ وہ ایک ہزار سات سو تھے۔ دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۴ ص ۹۵)

ابن سعد نے ایک ہزار پانچ سو پچیس کا قول کیا ہے۔ (طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۹۵)

مکہ مکرمہ کے راستے میں

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو مدینہ طیبہ میں اپنا نائب مقرر فرمایا اور آپ اپنے ساتھ ہتھیار نہیں لے گئے، مگر مسافروں والے ہتھیار، تلواریں نیام میں تھیں۔
(طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۹۵)

صحیح بخاری میں مغازی کے بیان میں حضرت مسور بن مخرمہ اور مروان بن حکم رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، فرماتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حدیبیہ والے سال کچھ کم دو ہزار صحابہ کرام کے ساتھ تشریف لے گئے، جب ذوالحلیفہ میں پہنچے تو قربانی کے جانوروں کے گلے میں پٹہ ڈالا اور قربانی کی علامت کے لیے اس کی کوہان میں نشان لگایا اور وہاں سے احرام باندھا۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے عمرہ کا احرام باندھا اور قبیلہ خزاعہ کا ایک شخص جاسوسی کے لیے بھیجا، پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم چلے یہاں تک کہ آپ غدیر اشطاط میں تھے کہ جاسوس نے آکر بتایا قریش نے آپ کے خلاف لوگوں کو جمع کر رکھا ہے اور انہوں نے آپ کے خلاف مختلف قبائل کے گروہ جمع کئے ہیں اور وہ آپ سے لڑیں گے اور بیت اللہ شریف سے روک دیں گے۔

آپ نے فرمایا: اے لوگو! مجھے مشورہ دو۔ تمہارا کیا خیال ہے کہ میں ان لوگوں کے اہل و عیال پر حملہ کر دوں جو ہمیں بیت اللہ شریف سے روکنا چاہتے ہیں؟

اس حدیث میں ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ اس پاک گھر کا ارادہ کر کے نکلے ہیں، کسی کو قتل کرنے کے لیے نہیں اور نہ کسی سے لڑنے کے لیے۔ پس جو شخص ہمیں اس سے روکے گا، ہم اس سے لڑیں گے۔ آپ نے فرمایا: پھر اللہ کا نام لے کر چلو۔ (صحیح بخاری جلد ۲ ص ۶۰۰، کتاب المغازی)

امام احمد نے یہ اضافہ کیا کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر اپنے ساتھیوں سے مشورہ کرنے والا کسی کو نہیں پایا۔ (دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۴ ص ۱۰۱)

صحیح بخاری کی ایک روایت میں ہے کہ لوگ ابھی راستے میں تھے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: خالد بن ولید مقام غمیم میں لشکر قریش کا مقدمۃ الجیش ہے۔ پس تم دائیں طرف کو ہو جاؤ اللہ کی قسم! خالد بن ولید کو مسلمانوں کی جماعت کا پتا نہ چل سکا، حتیٰ کہ یہ لشکر کے غبار میں تھے، چنانچہ اس نے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور قریش کو اطلاع کرنے چلے گئے۔

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم چلے حتیٰ کہ جب اس ثنیہ (ٹیلے) پر پہنچے جہاں سے قریش پر اترا جاتا ہے تو آپ کی اونٹنی بیٹھ گئی۔ صحابہ کرام نے اسے اٹھانے کی کوشش کی تو اس نے اٹھنے میں دیر کر دی۔ وہ کہنے لگے قصواء (اونٹنی) نے سرکشی کی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قصواء سرکشی نہیں کرتی اور نہ اس کی یہ عادت ہے، لیکن اسے اسی ذات نے روکا ہے، جس نے (ابرہہ کے) ہاتھی کو روکا تھا۔ (دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۴ ص ۱۰۰)

اللہ تعالیٰ نے جس طرح ہاتھی کو مکہ مکرمہ میں داخل ہونے سے روکا تھا، اسی طرح اسے بھی دخول مکہ سے روک دیا ہے اور اس کی مناسبت یہ ہے کہ اگر صحابہ کرام اسی حالت میں مکہ مکرمہ داخل ہوتے اور قریش ان کو روکتے تو ان کے درمیان لڑائی ہو جاتی، جس سے خون ریزی ہوتی اور مال لوٹے جاتے، جس طرح ہاتھی داخل ہونے پر قادر ہوتا تو یہی صورت ہوتی لیکن اللہ تعالیٰ کے علم میں یہ بات تھی کہ ان لوگوں میں سے بہت سے لوگ اسلام میں داخل ہوں گے اور ان کی پشتوں سے کچھ لوگ نکلیں گے جو اسلام لائیں گے اور جہاد کریں گے۔
(فتح الباری جلد ۵ ص ۲۴۴)

پھر فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے۔ اگر وہ (قریش) مجھ سے کسی ایسی چیز کا مطالبہ کریں جس سے وہ اللہ تعالیٰ کے حرمات کی تعظیم کریں تو میں اسے قبول کروں گا۔

اس کے بعد آپ نے قصواء اونٹنی کو ڈانٹا تو وہ اچھل کر کھڑی ہو گئی: راوی بیان کرتے ہیں کہ آپ قریش سے بچ کر حدیبیہ کے دوسرے کنارے پر ایک ایسی جگہ اترے جہاں پانی تھوڑا تھا اور لوگ تھوڑا تھوڑا (چلو چلو) کر کے لیتے۔ تھوڑی دیر میں وہ پانی کا گڑھا خالی ہو گیا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیاس کی شکایت کی گئی۔ آپ نے اپنے ترکش سے ایک تیر کھینچا اور فرمایا کہ اسے اس گڑھے میں گاڑ دیں تو اللہ کی قسم وہ پانی سیرابی سے جوش مارتا تھا حتیٰ کہ وہ خوب سیر ہو کر اس سے ہٹ گئے۔ (صحیح بخاری جلد اول ص ۳۷۸، کتاب الشروط)

بدیل بن ورقاء کی آمد

مسلمان اسی حالت پر تھے کہ بدیل بن ورقاء اپنی قوم خزاعہ کے چند آدمیوں کے ساتھ آیا: یہ لوگ اہل تہامہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے رازدان اور حلیف تھے۔

بدیل بن ورقاء نے کہا: میں نے کعب بن لوئی اور عامر بن لوئی کو دیکھا ہے کہ وہ حدیبیہ کے چشموں پر اترے، ان کے ساتھ دودھ دینے والی اور بچوں والی اونٹنیاں ہیں اور وہ لوگ آپ سے لڑیں گے اور آپ کو بیت اللہ سے روکیں گے۔ (صحیح بخاری جلد اول ص ۳۷۸ کتاب الشروط)

ان کا مطلب یہ تھا کہ وہ لوگ دودھ والی اونٹنیوں کو ساتھ لائے ہیں تاکہ ان کے دودھ سے توشہ حاصل کریں اور وہ جب تک آپ کو نہ روکیں، واپس نہیں جائیں گے۔ اس بات کے ذریعے اس بات کو کنایتاً کہا کہ ان کے ساتھ عورتیں اور بچے ہیں۔ مراد یہ ہے کہ وہ اپنی عورتوں اور بچوں کے ساتھ نکلے ہیں، کیونکہ وہ یہاں زیادہ رہنا چاہتے ہیں تاکہ یہ بات عدم فرار کے لیے زیادہ داعی ہو۔ (فتح الباری جلد ۵ ص ۲۴۶)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہم کسی سے لڑنے نہیں آئے، بلکہ ہم عمرہ کرنے آئے ہیں اور قریش کو لڑائی نے کمزور کیا اور نقصان پہنچایا ہے۔ اگر وہ چاہیں تو میں ان کے لیے ایک مدت مقرر کرتا ہوں (اگر وہ چاہیں تو) میرے اور میرے آدمیوں کے درمیان راستہ خالی کر دیں اور اگر یہ دین غالب آگیا تو اگر وہ اس چیز میں داخل ہونا چاہیں جس میں لوگ داخل ہونا چاہتے ہیں (یعنی دین اسلام میں) تو ایسا کریں اور اگر یہ دین غالب نہ آیا تو ان کو آرام مل جائے گا اور اگر وہ انکار کریں تو اس ذات کی قسم! جس کے قبضہ و قدرت میں میری جان ہے، میں اپنے اس معاملے پر ان سے ضرور لڑوں گا حتیٰ کہ میں قتل ہو جاؤں یا اللہ تعالیٰ اپنے امر کو نافذ کر دے۔

(صحیح بخاری جلد اول ص ۳۷۸، کتاب الشروط)

بدیل نے کہا: آپ جو کچھ کہتے ہیں، میں عنقریب ان لوگوں تک پہنچا دوں گا، چنانچہ وہ چلا گیا حتیٰ کہ قریش کے پاس جا کر کہا کہ ہم اس شخص کی طرف سے آیا ہوں۔ ہم نے اس کی ایک بات سنی ہے اگر تم چاہو کہ ہم وہ بات تمہارے سامنے پیش کریں تو ہم پیش کرتے ہیں۔

ان میں سے بے وقوف لوگ کہنے لگے: ہمیں اس بات کی ضرورت نہیں کہ تم ہمیں ان کی طرف سے کسی بات کی خبر دو لیکن ان میں سے اہل رائے کہنے لگے: تم نے ان کو جو کچھ کہتے ہوئے سنا ہے، ہمیں بتاؤ۔ اس نے کہا: میں نے ان کو فلاں فلاں بات کہتے ہوئے سنا ہے، چنانچہ جو کچھ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا تھا ان کو بتا دیا۔

(صحیح بخاری جلد اول ص ۳۷۸، کتاب الشروط)

عروہ بن مسعود سے گفتگو

عروہ بن مسعود نے کھڑے ہو کر کہا: اے قوم کیا تم والد (کی جگہ) نہیں ہو؟ انہوں نے کہا: ہاں کیوں نہیں؟ اس نے کہا کیا میں بیٹا نہیں ہوں؟ (بیٹے کی طرح شفقت کا محتاج نہیں ہوں) انہوں نے کہا: ہاں کیوں نہیں۔ اس نے

کہا کیا تم مجھ پر کوئی تہمت لگاتے ہو؟ انہوں نے کہا: نہیں۔ اس نے کہا: کیا تمہیں معلوم نہیں کہ میں نے تمہاری مدد کے لیے اہل عکاظ کو بلایا، لیکن انہوں نے میری بات ماننے سے انکار کیا تو میں اپنے گھر والوں، اپنی اولاد اور اپنے اطاعت گزار لوگوں کو لے کر تمہارے پاس آگیا؟ انہوں نے کہا: ہاں اسی طرح ہے۔ اس نے کہا تمہارے پاس ایک اچھی بات آئی ہے۔ اس کو قبول کرو اور مجھے اجازت دو کہ میں ان (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس جاؤں، انہوں نے کہا جاؤ۔

عروہ بن مسعود نے بارگاہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہو کر آپ سے گفتگو کی تو آپ نے وہی بات فرمائی جو بدیل سے فرمائی تھی۔ اس وقت عروہ نے کہا: اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے بتائیے اگر آپ اپنی قوم کو بالکل ہلاک کر دیں تو کیا آپ نے اہل عرب میں سے کسی کے بارے میں سنا ہے کہ آپ سے پہلے کسی نے اپنے لوگوں کو قتل کیا ہو؟

اور اگر دوسری بات ہوئی تو اللہ کی قسم! میں تو آپ کے لیے بااعتماد لوگ نہیں دیکھتا۔ میں کچھ ملے جلے لوگوں کو دیکھتا ہوں کہ وہ اس لائق ہیں کہ جنگ کے وقت آپ کو چھوڑ کر بھاگ جائیں۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس سے فرمایا تو لات (بت) کی شرم گاہ کو چوس، کیا ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر بھاگ جائیں گے؟ (صحیح بخاری جلد اول ص ۳۷۸، کتاب الشروط)

علماء کرام فرماتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عروہ کی مذمت میں اس طرح مبالغہ سے کام لیا کہ انہوں نے اس کے معبود یعنی بت کو اس کی ماں کی جگہ قرار دیا اور آپ نے یہ بات اس لیے فرمائی کہ اس نے صحابہ کرام کی طرف بھاگنے کی نسبت کر کے آپ کو غصہ دلایا۔ اہل عرب مذمت کے طور پر یہ لفظ استعمال کرتے تھے۔ (فتح الباری جلد ۵ ص ۲۴۸)

اس (عروہ) نے کہا: یہ کون ہے؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بتایا کہ یہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔ اس نے کہا: سنو! اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری ذات ہے۔ اگر آپ کا مجھ پر احسان نہ ہوتا جس کا میں نے ابھی تک بدلہ نہیں دیا تو میں آپ کو جواب دیتا۔

راوی کہتے ہیں: وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو کرتا رہا۔ وہ جب بھی بات کرتا آپ کی داڑھی مبارک پکڑ لیتا۔ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کھڑے تھے۔ ان کے ہاتھ میں تلوار اور سر پر خود (لوہے کی ٹوپی) تھی۔ عروہ جب بھی اپنا ہاتھ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی داڑھی کی طرف لے جاتا تو وہ تلوار کی میان کا سرا اس کے ہاتھ پر مارتے اور فرماتے اپنے ہاتھ کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی داڑھی مبارک سے پیچھے ہٹا۔ (صحیح بخاری جلد اول ص ۳۷۸، کتاب الشروط)

علماء کرام فرماتے ہیں: اہل عرب کی عادت تھی کہ وہ جس سے بات کرتے اس کی داڑھی پکڑ لیتے خصوصاً جب چاپلوسی وغیرہ کی حالت میں ایسا کرتے اور عام طور پر ہم مرتبہ لوگوں میں یہ طریقہ تھا لیکن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عروہ سے نرمی اور اس کے دل کو قائل کرنے کے لیے چشم پوشی سے کام لیتے رہے اور حضرت مغیرہ رضی اللہ

عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بزرگی کے اظہار اور تعظیم کے طور پر ایسا کرتے تھے۔ (فتح الباری جلد ۵ ص ۳۴۹)

راوی نے کہا: عروہ نے سر اٹھا کر دیکھا پوچھا یہ کون ہے؟ صحابہ کرام نے بتایا کہ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ ہیں۔ اس نے کہا بے وفائی کرنے والے! کیا میں دور جہالت میں تمہاری جنایت کے شر کو دور کرنے کے لیے تمہارے لیے کوشش نہیں کرتا تھا؟ دور جہالت میں حضرت مغیرہ ایک قوم کے ساتھی بنے اور پھر انہوں نے ان کو قتل کر کے مال حاصل کر لیا پھر آئے اور اسلام قبول کر لیا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں تمہارا اسلام لانا قبول کرتا ہوں لیکن مال سے میرا کوئی تعلق نہیں ہے۔ (یہ جائز نہیں۔)

پھر عروہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کو کنکھیوں سے دیکھتا رہا۔ کہ اللہ کی قسم! نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب تھوکتے تو وہ لوگ اسے ہاتھوں ہاتھ لے لیتے اور اس کو اپنے چہرے پر مل لیتے اور آپ ان کو جب بھی کوئی حکم دیتے' وہ فوراً اس کی تعمیل کرتے اور جب آپ وضو کرتے تو وہ آپ کے وضو کے بچے ہوئے پانی پر لڑنے کے قریب ہو جاتے اور جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم گفتگو فرماتے تو وہ اپنی آوازوں کو آپ کے سامنے پست کر دیتے اور وہ آپ کی تعظیم کی وجہ سے آپ کی طرف نظر اٹھا کر نہ دیکھتے۔ (صحیح بخاری جلد اول ص ۳۷۹، کتاب الشروط)

فتح الباری میں فرمایا: اس میں اس بات کے رد کی طرف اشارہ تھا کہ عروہ کا یہ خوف کہ صحابہ کرام حضور علیہ السلام کو چھوڑ کر بھاگ جائیں گے' غلط ہے گویا انہوں نے زبان حال سے کہا کہ جو لوگ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس طرح محبت کرتے ہیں اور یوں آپ کی تعظیم کرتے ہیں' ان کے بارے میں یہ گمان کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ آپ کو دشمن کے حوالے کرتے ہوئے خود بھاگ جائیں بلکہ صحابہ کرام نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اور آپ کے دین سے کامل وابستگی اور مدد میں ان قبائل سے زیادہ سخت ہیں جو محض رشتہ داری کی بنیاد پر ایک دوسرے کی رعایت اور خیال کرتے ہیں۔ واللہ اعلم (فتح الباری جلد ۵ ص ۳۵۰)

راوی کہتے ہیں: عروہ اپنی قوم کی طرف آیا اور کہنے لگا: اے قوم! اللہ کی قسم میں بادشاہوں کے پاس بھی گیا ہوں' قیصر و کسریٰ اور نجاشی کے پاس گیا ہوں۔ اللہ کی قسم! میں نے ان میں سے کسی بادشاہ کو اس طرح نہیں دیکھا کہ اس کے درباری اس کی یوں تعظیم کرتے ہوں جس طرح حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام آپ کی تعظیم کرتے ہیں۔ اللہ کی قسم! آپ کے ناک کی رینٹھ بھی کسی نہ کسی صحابی کے ہاتھ پر گرتی ہے اور وہ اسے اپنے چہرے پر ملتا ہے اور جب آپ ان کو کسی کام کا حکم دیتے ہیں تو وہ اس کی تعمیل میں جلدی کرتے ہیں اور جب آپ وضو فرماتے ہیں تو لوگ آپ کے وضو کا بچا ہوا پانی لینے کے لیے لڑنے مرنے پر تیار ہو جاتے ہیں۔ اور جب آپ گفتگو فرماتے ہیں تو آپ کے پاس ان لوگوں کی آوازیں پست ہو جاتی ہیں اور وہ تعظیم کے طور پر آپ کی طرف نظر بھر کر نہیں دیکھتے۔ انہوں نے تم لوگوں کے سامنے بہترین تجویز رکھی ہے' اسے قبول کر لو۔

(صحیح بخاری جلد اول ص ۳۷۹، کتاب الشروط)

بنو کنانہ کے ایک شخص نے کہا: مجھے ان کے پاس جانے کی اجازت دو۔ انہوں نے کہا جاؤ۔ جب وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نزدیک آیا تو آپ نے فرمایا: یہ فلاں شخص ہے۔ یہ ایسی قوم سے

تعلق رکھتا ہے جو قربانی کے اونٹ کی تعظیم کرتے ہیں اس کے پاس قربانی کے اونٹ بھیج دو تو اس کے لیے اونٹ بھیج دیئے گئے[1] اور صحابہ کرام لبیک لبیک کہتے ہوئے اس کا استقبال کرنے لگے۔ جب اس نے یہ بات دیکھی تو کہنے لگا: سبحان اللہ ان لوگوں کو بیت اللہ شریف سے روکنا مناسب نہیں ہے۔ جب وہ اپنے ساتھیوں کے پاس لوٹا تو اس نے کہا: میں نے قربانی کے اونٹوں کو دیکھا کہ ان کی گردنوں میں قلادے ڈالے گئے اور ان کے کان (بطور نشانی) چیرے گئے ہیں۔ میرے خیال میں ان کو بیت اللہ شریف سے روکنا نہیں چاہئے۔

(صحیح بخاری جلد اول ص ۳۷۹، کتاب الشروط)

سہیل اور عقد صلح

تب ان میں سے ایک شخص جس کا نام مکرز بن حفص تھا' اٹھا اور کہا مجھے وہاں جانے دو۔ جب وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچا تو آپ نے فرمایا: یہ مکرز ہے اور فاسق و فاجر شخص ہے' پھر وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو کرنے لگا۔

اس دوران کہ وہ آپ سے گفتگو کر رہا تھا سہیل بن عمرو آیا' حضرت معمر فرماتے ہیں: حضرت ایوب نے حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہوئے بتایا کہ جب سہیل آیا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارے لئے تمہارا معاملہ آسان ہوگیا۔ (سہل آسانی کو کہتے ہیں) (صحیح بخاری جلد اول ص ۳۷۹ کتاب الشروط)

ابن اسحاق کی روایت میں ہے کہ قریش نے سہیل بن عمرو کو بلا کر کہا تھا کہ اس شخص کے پاس جا کر صلح کی بات کرو۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قریش نے اس شخص کو بھیجا ہے تو وہ صلح کرنا چاہتے ہیں' جب وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو دونوں کے درمیان گفتگو ہوئی' حتیٰ کہ اس بات پر مصالحت ہوگئی کہ دس سال تک لڑائی موقوف رکھی جائے اور وہ ایک دوسرے کو امن دیں گے اور اس سال مسلمان (عمرہ کئے بغیر) واپس چلے جائیں۔

حضرت معمر فرماتے ہیں: امام زہری رضی اللہ عنہ نے اپنی حدیث میں فرمایا کہ: سہیل بن عمرو نے آکر کہا' لاؤ میں اپنے اور تمہارے درمیان ایک تحریر لکھ دیتا ہوں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کاتب کو بلایا اور فرمایا لکھو۔ "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" سہیل نے کہا اللہ کی قسم میں رحمٰن و رحیم کو نہیں جانتا تم یوں لکھو: "**باسمک اللھم**" (اے اللہ تیرے نام سے) جس طرح آپ لکھا کرتے تھے۔ مسلمانوں نے کہا: اللہ کی قسم ہم تو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم (مکمل) لکھیں گے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "**باسمک اللھم**" ہی لکھو' پھر فرمایا (لکھو) "**ھذا ما قاضی علیہ محمد رسول اللہ**" (یہ وہ فیصلہ ہے جو اللہ کے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] مقصد یہ تھا کہ وہ ان اونٹوں کو دیکھ کر یقین کرلے کہ یہ لوگ لڑائی کے لیے نہیں آئے' لہٰذا وہ مکہ مکرمہ میں داخل ہونے پر ان کی مدد کرے کہ یہ محض عمرہ کرنے والے ہیں۔ (زرقانی جلد ۲ ص ۱۹۳)... ۱۲ ہزاروی)

نے کیا) حضرت عبداللہ بن مغفل کی روایت میں ہے جو حاکم نے روایت کی ہے کہ یہ الفاظ تھے۔ "ھذا ما صالح محمد رسول اللہ اھل مکۃ" اللہ کے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل مکہ سے یہ مصالحت کی۔

سہیل نے کہا: اگر ہم آپ کو اللہ تعالیٰ کا رسول مانتے تو بیت اللہ شریف سے نہ روکتے اور آپ سے لڑائی نہ لڑتے۔ یوں لکھیں "محمد بن عبداللہ" نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کی قسم میں اللہ کا رسول ہوں اگرچہ تم لوگوں نے مجھے جھٹلایا۔ (صحیح بخاری جلد اول ص ۳۷۹ کتاب الشروط)

صحیح بخاری اور مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے فرمایا اسے مٹا دو۔ انہوں نے عرض کیا میں نہیں مٹاؤں گا۔ (صحیح بخاری جلد اول ص ۳۷۱ کتاب الصلح)

علماء کرام فرماتے ہیں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے ادب مستحب پر عمل کیا کیونکہ وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اس بات کو نہ سمجھے کہ یہ لفظ رسول اللہ کا مٹانا مجھ پر واجب ہے۔ اسی لئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر اعتراض بھی نہیں فرمایا۔ اگر حضرت علی المرتضیٰ سمجھ لیتے کہ اس کا مٹانا مجھ پر لازم ہے تو ان کے لئے یہ عمل چھوڑنا جائز نہ ہوتا۔

اس کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بتاؤ کہاں لکھا ہے؟ انہوں نے وہ جگہ بتائی تو آپ نے اسے مٹا کر (محمد) ابن عبداللہ لکھا۔

صحیح بخاری میں مغازی کے بیان میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ تحریر لی اور آپ اچھی طرح لکھ نہیں سکتے تھے تو آپ نے لکھا: "ھذا ما قاضی علیہ محمد بن عبداللہ"۔ (یہ فیصلہ (حضرت) محمد بن عبداللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے کیا ہے) (صحیح بخاری جلد ۲ ص ۶۱۰ کتاب المغازی)

امام نسائی اور امام احمد رحمہما اللہ نے بھی نقل کیا ہے۔ ان کے الفاظ اس طرح ہیں کہ آپ اچھی طرح نہیں لکھ سکتے تھے پھر آپ نے لفظ "رسول اللہ" کی جگہ لکھا: "ھذا ما قاضی علیہ محمد بن عبداللہ"۔ (فتح الباری جلد ۷ ص ۳۸۶)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اُمّی ہونا

فتح الباری میں فرمایا کہ اس روایت کے ظاہر سے ابو الولید الباجی (سلیمان بن خلف بن سعد متوفی ۴۷۴ھ اندلس کے شہر باجہ کی طرف منسوب ہیں اور علامہ، حافظ اور کئی فنون کے عالم تھے) نے استدلال کرتے ہوئے دعویٰ کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنے ہاتھ سے لکھا بعد اس کے کہ آپ اچھی طرح نہیں لکھ سکتے تھے۔

اس زمانے کے علمائے اندلس نے ان کی اس بات کی مذمت کی اور ان کو زندیق قرار دیا اور کہا کہ اس بات کا قائل قرآن مجید کا مخالف ہے حتیٰ کہ کسی قائل نے یوں کہا:

برئت ممن شری دنیا باخرة وقال ان رسول الله قد کتبا

"میں اس شخص سے بری الذمہ ہوں جس نے آخرت کے بدلے دنیا کو خریدا اور کہا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے لکھا ہے"۔

ان علماء کو امیر اندلس نے بلایا اور ابوالولید باجی نے اپنی معلومات کے مطابق علماء کے اعتراض کا جواب دیا اور امیر سے کہا کہ یہ بات قرآن پاک کے خلاف نہیں ہے بلکہ یہ مفہوم قرآن سے اخذ کیا گیا ہے کیونکہ نفی کی قید قرآن مجید کے نزول سے پہلے کے ساتھ ہے' ارشاد خداوندی ہے:

وَمَا كُنتَ تَتْلُوا مِن قَبْلِهِ مِن كِتَابٍ وَلَا تَخُطُّهُ بِيَمِينِكَ۔ (العنکبوت: ۴۸)

اور آپ اس سے پہلے کوئی کتاب نہیں پڑھتے تھے اور نہ دائیں ہاتھ سے لکھتے تھے۔ (یعنی بالکل نہیں لکھتے تھے)

اور جب آپ کا امی ہونا (کسی سے نہ پڑھنے والا ہونا) متحقق ہو گیا اور آپ کا معجزہ ثابت ہو گیا اور اس سلسلہ میں شک کا خوف نہ رہا تو اب آپ کا کسی کے سکھائے بغیر کتابت جاننے میں کوئی بات مانع نہیں ہے پس یہ دوسرا معجزہ ہوگا۔

اور ابن دحیہ نے ذکر کیا کہ علماء کی ایک جماعت نے اس بات میں امام باجی کی موافقت کی ہے۔ ان میں شیخ ابوذر ھروی (عبد بن احمد بن محمد انصاری مالکی شیخ الحرم متوفی ۴۳۴ھ) اور ابوالفتح نیشاپوری اور دیگر کئی افریقی علماء بھی شامل ہیں۔

اس موقف پر بعض علماء کرام نے اس حدیث سے بھی استدلال کیا جو ابن ابی شبہ رحمتہ اللہ علیہ (عمرو بن شبہ بن عبیدہ نمیری متوفی ۲۶۲ھ) نے حضرت مجالد کے طریق سے روایت کی ہے۔ وہ حضرت عون بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال اس وقت تک نہ ہوا' حتی کہ آپ نے لکھا اور پڑھا۔

حضرت مجالد فرماتے ہیں میں نے یہ بات حضرت شعبی رحمہ اللہ علیہ سے ذکر کی تو انہوں نے فرمایا کہ انہوں نے سچ کہا ہے۔ میں نے ان لوگوں سے سنا جو اس کا ذکر کرتے تھے۔ (فتح الباری جلد ۷ ص ۳۸۶)

حضرت امام قاضی عیاض رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں ایسے آثار وارد ہوئے ہیں' جو اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حروف اور ان کی خوش خطی کی معرفت حاصل تھی جیسے آپ نے کاتب سے فرمایا کہ اپنے کان پر قلم رکھو کہ اس سے (بات) زیادہ یاد ہوتی ہے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

الق الدوات و حرف القلم و فرق السین ولا تعور المیم۔

دوات (کی سیاہی) کو درست کرو' قلم کو ٹیڑھا کرو' سین کو پھیلاؤ اور میم کے دائرے کو اندھا نہ کرو۔ (کھلا رکھو)

اور اس کے علاوہ بھی فرمایا:

قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں اگرچہ یہ بات ثابت نہ ہو کہ آپ نے لکھا لیکن ان آثار کی بنیاد پر بعید

نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو کتابت کا طریقہ بتایا ہو کیونکہ آپ کو ہر چیز کا علم دیا گیا۔ (فتح الباری جلد ۷ ص ۳۸۷)

جمہور نے اس کا جواب یوں دیا ہے کہ یہ احادیث ضعیف ہیں اور حدیبیہ والے واقعہ کے بارے میں کہا کہ یہ ایک واقعہ ہے اور اس میں لکھنے والے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔ حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ کی روایت اس سلسلے میں واضح ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے ہی لکھا تھا' لہٰذا یہ بات کہ آپ نے تحریر کی اور آپ اچھی طرح لکھ نہیں سکتے تھے' کو اس بات پر محمول کیا جائے گا کہ آپ کا یہ فرمانا کہ یہ مجھے دکھاؤ' اس کی ضرورت اس لئے پڑی کہ ان کو اس کلمہ کی جگہ دکھائیں جس کے مٹانے سے حضرت علی المرتضیٰ نے انکار کیا اور یہ ضرورت اس لئے پڑی کہ آپ اچھی طرح لکھ نہیں سکتے تھے۔

اور اس کے بعد راوی کا یہ قول کہ آپ نے لکھا اس میں عبارت محذوف ہے۔ اس کی تقدیر یہ ہے کہ آپ نے اس لکھے ہوئے کو مٹایا' یا پھر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو دیا تو انہوں نے لکھا۔

یا اس معنیٰ پر اطلاق کیا گیا کہ آپ نے لکھنے کا حکم دیا اور یہ اس معنیٰ میں اکثر مستعمل ہوتا ہے جیسے یہ کہ آپ نے کسریٰ اور قیصر کی طرف لکھا' یعنی آپ کے حکم سے لکھا گیا۔

اور اگر اسے ظاہر پر محمول کیا جائے تو اس دن آپ کا اپنا اسم شریف لکھنا جب کہ آپ اچھی طرح لکھ نہیں سکتے تھے' اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ آپ کتابت کے عالم تھے اور امی نہ رہے۔ بے شمار لوگ ایسے ہیں جو اچھی طرح لکھ نہیں سکتے لیکن بعض کلمات کی صورتوں سے واقف ہوتے ہیں اور اپنے ہاتھ سے ان کلمات کی وضع بنا سکتے ہیں۔ بالخصوص نام لکھ لیتے ہیں' اس سے ان کا امی ہونے سے خارج ہونا لازم نہیں آتا' جس طرح کئی بادشاہوں کا معاملہ ہے۔

اور یہ بھی احتمال ہے کہ اس وقت آپ کا ہاتھ لکھنے سے رواں ہو گیا ہو' لیکن آپ اچھی طرح لکھ نہیں سکتے تھے' پس جو لکھا وہ آپ کی مراد کے موافق ہو گیا' پس یہ اس وقت خصوصی طور پر دوسرا معجزہ ہو گیا اور اس سے آپ کا امی ہونا ختم نہیں ہوتا۔ ابو جعفر سمنانی (محمد بن احمد بن محمد فقیہ حنفی رحمہ اللہ) جو اشاعرہ (اہل سنت و جماعت کا ایک گروہ) کے ائمہ اصول میں سے ایک تھے' نے یہی جواب دیا اور ابن جوزی نے ان کی اتباع کی ہے۔

جبکہ امام سہیلی وغیرہ نے ان کا تعاقب کرتے ہوئے کہا۔ (فتح الباری جلد ۷ ص ۳۸۷) کہ اگرچہ یہ ممکن ہے اور دوسرا معجزہ بن جاتا ہے لیکن یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے امی ہونے کے خلاف ہے' یعنی آپ نہیں لکھتے تھے اور یہ آیت ہے جس کے ساتھ حجت قائم ہو گئی' اس نے منکر کی بات کو منقطع کر دیا اور شبہ دور ہو گیا اور اگر اس کے بعد آپ کا لکھنا جائز ہوتا تو شبہ لوٹ آتا اور عناد کرنے والا (کافر) کہتا کہ آپ اچھی طرح لکھ سکتے تھے لیکن آپ اس وصف کو چھپاتے تھے۔

امام سہیلی فرماتے ہیں کہ: بعض معجزات کا دوسرے بعض کو دور کرنا محال ہے اور حق یہ ہے کہ راوی کا یہ قول کہ آپ نے (اس دن) لکھا اس کا معنیٰ یہ ہے کہ آپ نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو لکھنے کا حکم دیا۔

صاحب فتح الباری فرماتے ہیں: اس دعویٰ میں کہ آپ نے صرف اس صورت پر اپنا اسم گرامی لکھا' اس سے

معجزے کے خلاف بات لازم آتی ہے اور آپ کا غیر امی ہونا ثابت ہوتا ہے۔ یہ بات نہایت درجہ محل نظر ہے۔[1]
(فتح الباری جلد ۷ ص ۳۸۷)

سہیل کی موافقت میں حکمت

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھو اور سہیل کا یہ کہنا کہ اللہ کی قسم میں نہیں جانتا کہ وہ کون ہے لیکن آپ صرف "باسمک اللھم" لکھیں (آخر تک)۔

علماء کرام فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی موافقت کرتے ہوئے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھنا ترک کیا اور صرف "بسمک اللھم" لکھا۔ اسی طرح محمد بن عبداللہ لکھا اور محمد رسول اللہ چھوڑ دیا اور اس کی بات مان لی تو اس میں بہت بڑی حکمت تھی جو صلح کی وجہ سے حاصل ہوئی۔

پھر یہ کہ ان باتوں میں خرابی بھی کوئی نہیں کیونکہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اور "باسمک اللھم" (دونوں) کا ایک ہی مفہوم ہے اسی طرح محمد بن عبداللہ وہی ہیں جو اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ اور اس جگہ اللہ تعالیٰ کے وصف "رحمٰن و رحیم" کو ترک کرنے سے اس وصف کی نفی نہیں ہو جاتی اور نہ ہی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصف رسالت کو ذکر نہ کرنے سے اس کی نفی ہوتی ہے۔ لہٰذا ان کے مطالبہ پر عمل کرنے سے کوئی خرابی لازم نہیں آتی، ہاں اس وقت خرابی ہوتی جب وہ ایسی بات لکھنے کا مطالبہ کرتے جو جائز نہیں، مثلاً ان کے معبودوں کو تعظیم وغیرہ۔

شرائط کی تحریر

صحیح بخاری میں فرمایا کہ آپ نے لکھا: "ھذا ما قاضی علیہ محمد بن عبداللہ۔" یہ وہ فیصلہ ہے جو حضرت محمد بن عبداللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا۔ پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم ہمارے طواف کرنے کی راہ میں رکاوٹ نہیں بنو گے۔

سہیل نے کہا ایسا نہیں ہو سکتا، ورنہ عرب لوگ کہیں گے کہ ہم آپ کے ہاتھوں مجبور ہو گئے، ہاں آئندہ سال آپ طواف کریں پس یہ بات لکھی۔

سہیل نے کہا: ہمارا جو شخص آپ کے پاس آئے اگرچہ وہ آپ کے دین پر ہو اسے واپس کرنا ہوگا۔

مسلمانوں نے کہا: سبحان اللہ ایک شخص کو جو مسلمان ہو کس طرح مشرکین کے حوالے کیا جا سکتا ہے۔

---

[1] بعض بدبخت جاہل امی کا معنی ان پڑھ کرتے ہیں حالانکہ امی کا مطلب یہ ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم مخلوق میں سے کسی سے نہیں پڑھے اور آپ کا اس کے باوجود معلم کائنات ہونا آپ کی نبوت کی دلیل ہے اور یہ آپ کا معجزہ ہے۔ جب یہ بات ثابت ہو گئی کہ آپ مخلوق میں سے کسی کے شاگرد نہیں ہیں تو آپ کا لکھنا پڑھنا آپ کے امی ہونے کے خلاف نہیں ہے، ۱۲، ہزاروی۔

(صحیح بخاری جلد اول ص ۳۷۹، کتاب الشروط)

شرائط ماننے میں حکمت

اگر آپ کہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب سہیل کی یہ بات مان لی کہ ان کا جو شخص مسلمانوں کے پاس آئے گا وہ اسے مشرکین کی طرف واپس بھیجیں گے، اگرچہ وہ مسلمان ہو تو اس شرط کو ماننے میں کیا حکمت تھی؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اس صلح کی تکمیل پر جو مصلحت مرتب ہوئی، اس کے نتائج اور فوائد ظاہر اور واضح ہیں کہ اس کے نتیجے میں مکہ مکرمہ فتح ہوا اور وہاں کے تمام لوگوں نے اسلام قبول کیا۔ نیز لوگ اللہ کے دین میں فوج در فوج داخل ہوئے۔

اس لئے کہ اس سے پہلے وہ مسلمانوں کے ساتھ مل جل کر نہیں رہتے تھے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے معاملات اپنی اصل شکل میں ان کے سامنے ظاہر نہ تھے، اور انہیں کوئی ایسا شخص نہیں ملتا تھا جو ان کو دین کی تفصیلی تعلیم دے جب صلح حدیبیہ ہوئی تو مسلمانوں کے ساتھ ان کا میل جول ہوا۔ وہ مدینہ طیبہ آتے اور مسلمان مکہ مکرمہ جاتے۔ وہاں اپنے اہل خانہ اور دوستوں سے علیحدگی میں ملاقات ہوتی وہ ان سے خیر خواہی اور نصیحت طلب کرتے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے احوال اور واضح معجزات، نیز نبوت کی روشن نشانیوں کے بارے میں سنتے، آپ کی حسن سیرت اور اچھے طریقے کے بارے میں معلومات حاصل کرتے اور خود کئی باتوں کا معائنہ کرتے، پس ان کے دل ایمان کی طرف مائل ہو گئے۔ حتیٰ کہ ان میں سے بے شمار لوگوں نے اسلام کی طرف جلدی کی حالانکہ ابھی مکہ مکرمہ فتح نہیں ہوا تھا۔ پس وہ لوگ صلح حدیبیہ اور فتح مکہ کے درمیان والی مدت میں مسلمان ہو گئے، علاوہ ازیں دوسرے لوگوں کا اسلام کی طرف میلان بڑھا۔

پھر جب فتح مکہ کا دن ہوا تو ان سب نے اسلام قبول کیا کیونکہ اسلام کی طرف ان کے میلان کی تمہید ہو چکی تھی، اور قریش کے علاوہ بدوی عرب جو قریش کے مسلمان ہونے کے منتظر تھے جب قریش نے اسلام قبول کیا تو بدوی عرب بھی مسلمان ہو گئے۔

ارشاد خداوندی ہے:

إِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ ۝ وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا۔
(النصر: ۲،۱)

جب اللہ کی مدد اور فتح آجائے اور لوگوں کو تم دیکھو کہ اللہ کے دین میں فوج در فوج داخل ہوتے ہیں۔

ابوجندل کا واقعہ

صحیح بخاری کی روایت میں ہے کہ اسی دوران جب وہ (نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور اہل مکہ) باہم شرائط

طے کر رہے تھے کہ ابو جندل بن سہیل بن عمرو اپنی بیڑیوں میں آہستہ آہستہ چلتے ہوئے آئے۔ وہ مکہ مکرمہ کے زیریں حصے سے نکلے تھے۔ انہوں نے اپنے آپ کو مسلمانوں کے سامنے ڈال دیا۔ (صحیح بخاری جلد اول ص ۳۸۰، کتاب الشروط)
سہیل نے کہا اے محمد! صلی اللہ علیہ وسلم یہ سب سے پہلی شرط ہے جس کا میں آپ سے یوں فیصلہ چاہتا ہوں کہ اسے میری طرف لوٹا دیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابھی تک معاہدہ کی تحریر سے فراغت نہیں ہوئی۔ اس نے کہا اللہ کی قسم! (اگر یہ بات ہے) تو میں آپ سے کسی بات پر مصالحت کبھی بھی نہیں کروں گا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسے میرے حوالے کر دو۔ اس نے کہا میں اس کی اجازت نہیں دوں گا۔ آپ نے فرمایا ہاں اجازت دے اس نے کہا میں ایسا نہیں کروں گا۔ مکرز نے کہا بلکہ ہم نے آپ کو اس کی اجازت دی۔

ابو جندل نے کہا اے مسلمانوں کی جماعت! مجھے مشرکین کی طرف لوٹایا جا رہا ہے حالانکہ میں مسلمان ہو کر آیا ہوں کیا تم نہیں دیکھتے میں نے کس قدر تکلیف برداشت کی ہے اور ان کو راہ خداوندی میں سخت عذاب دیا گیا تھا۔ (صحیح بخاری جلد اول ص ۳۸۰، کتاب الشروط)

ابن اسحاق نے اضافہ کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ابو جندل! صبر کرو اور ثواب طلب کرو ہم عہد شکنی نہیں کرتے، اللہ تعالیٰ تیرے لئے کشادگی اور رہائی کی سبیل بنانے والا ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ یکدم ابو جندل کے پہلو میں کھڑے ہو کر فرمانے لگے صبر کرو یہ مشرک ہیں اور ان میں سے ہر ایک کا خون کتے کے خون جیسا ہے۔ السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد ۲ ص ۲۳۱)

ابو جندل کے واقعہ میں فقہ

خطابی نے کہا حضرت ابو جندل کے قصہ میں جو کچھ واقع ہوا ہے، اس میں علماء کرام نے دو طرح تاویل کی ہے۔ ایک یہ کہ جب کسی مسلمان کو ہلاکت کا خطرہ ہو تو اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے جائز قرار دیا کہ دل میں ایمان برقرار رکھتے ہوئے زبان پر کلمہ کفر جاری کرے۔ بشرطیکہ وہ توریہ نہ کر سکتا ہو۔ (ایسا لفظ بولے جس سے اس کی مراد کچھ ہو اور مخالف اپنے مطلب کی بات سمجھے) (فتح الباری جلد ۵ ص ۲۵۴)

پس حضرت ابو جندل کو ان لوگوں کی طرف لوٹانے کا مقصد ان کی ہلاکت نہیں تھی، کیونکہ وہ اپنا ایمان چھپا کر موت سے نجات حاصل کر سکتے تھے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ ان کو ان کے باپ کی طرف لوٹایا اور غالب گمان یہ تھا کہ باپ انہیں ہلاک نہیں کرے گا، اگرچہ ان کو عذاب دے یا قید میں ڈالے، پس وہ اپنے ایمان کو چھپا کر بھی جان بچا سکتے تھے اور حضرت ابو جندل پر جو فتنہ کا خوف کیا جاتا تھا تو یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے امتحان تھا، جس میں مومن بندوں کو آزمایا جاتا ہے۔

اس بارے میں علماء کا اختلاف ہے کہ کیا مشرکین سے اس طرح مصالحت جائز ہے کہ ان کی طرف سے جو شخص مسلمان ہو کر آئے تو مسلمان اس کو واپس لوٹا دیں یا نہیں؟
تو کہا گیا کہ ایسا کرنا جائز ہے جیسا کہ اس پر حضرت ابو جندل اور ابو بصیر رضی اللہ عنہما کا واقعہ دلالت کرتا ہے۔

یہ بھی کہا گیا کہ جائز نہیں ہے، جو کچھ اس واقعہ میں ہے وہ منسوخ ہے اور اس کی ناسخ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث ہے۔ آپ نے فرمایا:

انا بریءٌ من مسلم بین مشرکین۔ میں اس مسلمان سے بری الذمہ ہوں جو مشرکین کے درمیان رہتا ہے۔

(جامع ترمذی جلد اول ص ۱۹۳)

احناف کا یہی قول ہے۔ جبکہ شوافع عاقل، مجنون اور بچے میں امتیاز کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک مجنون اور بچے کو واپس نہیں کیا جائے گا۔ شافعی مسلک کے بعض حضرات کے نزدیک واپس کرنے کا جواز اس صورت میں ہوگا کہ اس مسلمان پر دارالحرب سے ہجرت واجب نہ ہو۔ واللہ اعلم (فتح الباری جلد ۵ ص ۲۵۴)

حدیبیہ کے دن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا موقف

صحیح بخاری کی روایت میں ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو میں نے کہا: کیا آپ اللہ کے سچے نبی نہیں ہیں؟ آپ نے فرمایا: ہاں کیوں نہیں؟ میں نے کہا: کیا ہم حق پر اور ہمارے دشمن باطل پر نہیں ہیں؟ فرمایا: کیوں نہیں، میں نے کہا: پھر ہم اپنے دین کے بارے میں ذلت والی حالت کیوں اختیار کرتے ہیں؟

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں اور میں اس کی نافرمانی نہیں کرتا اور وہ میرا مددگار ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے عرض کیا: کیا آپ نہیں فرماتے تھے کہ ہم عنقریب بیت اللہ شریف کے پاس جا کر اس کا طواف کریں گے؟ آپ نے فرمایا: ہاں میں کہتا تھا لیکن کیا میں نے یہ کہا تھا کہ ہم اسی سال جائیں گے؟ (فرماتے ہیں) میں نے کہا نہیں آپ نے فرمایا: تم وہاں جاؤ گے اور طواف کرو گے۔

(صحیح بخاری جلد اول ص ۳۸۰، کتاب الشروط، دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۴ ص ۱۰۶)

فرماتے ہیں: پھر میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور کہا اے ابوبکر صدیق! کیا حضور علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے سچے نبی نہیں ہیں؟ انہوں نے فرمایا: ہاں ہیں۔ میں نے کہا کیا ہم حق پر اور ہمارا دشمن باطل پر نہیں؟ فرمایا کیوں نہیں۔ میں نے کہا تو کیوں ہم دین کے حوالے سے ذلت و رسوائی اختیار کریں؟ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے شخص! نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں، آپ اپنے رب کی نافرمانی نہیں کرتے اور وہی آپ کا مددگار ہے۔ آپ کے فیصلے اور حکم کو مضبوطی سے تھامے رکھو، پس اللہ کی قسم آپ حق پر ہیں۔ میں نے کہا: کیا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہم سے یہ بات بیان نہیں فرماتے تھے کہ عنقریب ہم بیت اللہ شریف جا کر اس کا طواف کریں گے؟ انہوں نے فرمایا: ہاں لیکن آپ نے تمہیں یہ بتایا کہ اسی سال جائیں گے؟ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: نہیں فرمایا بے شک تم وہاں جاؤ گے اور خانہ کعبہ کا طواف کرو گے۔

(صحیح بخاری جلد اول ص ۳۸۰، کتاب الشروط، دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۴ ص ۱۰۶)

علماء کرام فرماتے ہیں: حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا سوال اور کلام شک کی بنیاد پر نہیں تھا بلکہ جو بات

ان سے مخفی تھی، اس کی وضاحت مطلوب تھی اور کفار کو ذلیل کرنے اور اسلام کے غلبہ کے لئے برانگیختہ کرنا تھا۔
جس طرح دین کی مدد اور اہل باطل کو ذلیل کرنے کے حوالے سے ان کی عادت اور قوت معروف ہے۔ اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو وہی جواب دینا جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا تھا تو یہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بہت بڑی فضیلت، علمی انفرادیت، عرفان اور مضبوطی نیز دوسروں سے بڑھ کر مقام کی واضح دلیل ہے۔[1]

مدت صلح اور شرائط

جس طرح سیرت کی کتب میں مذکور ہے اور حضرت امام ابوداؤد نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت سے نقل کیا، مسلمانوں اور مشرکین کے درمیان دس سال کے لئے صلح ہوئی۔ (سنن ابی داؤد جلد ۲ ص ۲۵)
عبید اللہ بن دینار کی مسند میں ابو نعیم کی روایت سے چار سال کا ذکر کیا گیا۔ حاکم کی مستدرک میں بیوع کے بیان میں بھی اسی طرح ہے، لیکن پہلا قول زیادہ مشہور ہے۔
صلح اس بات پر ہوئی کہ لڑائی موقوف رہے گی کہ اس دوران لوگ امن میں رہیں گے اور ایک دوسرے سے باز رہیں گے۔
مسلمان آئندہ سال بیت اللہ شریف میں داخل ہوں گے اور وہ بھی صرف تین دن، نیز اس طرح داخل ہوں گے کہ تلواریں میان میں ہوں گی، بعض روایات میں ہے کہ اس طرح داخل ہوں گے کہ تلواریں اور کمانیں اپنے تھیلوں میں رہیں گی، ننگی نہیں ہوں گی۔
انہوں نے یہ شرط اس لئے رکھی تھی کہ یہ بات امن اور سلامتی کی نشانی ہو، کیونکہ مسلمانوں کا داخلہ صلح کی بنیاد پر تھا۔

بیعت رضوان

مکی بن ابی طالب قیروانی (ابو محمد القیسی المالکی بہت بڑے فقیہ اور علوم قرآن وغیرہ میں صاحب تصانیف کثیرہ متوفی ۴۳۷ھ) اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو اہل مکہ کے پاس ایک خط دے کر بھیجا اور سہیل بن عمرو کو اپنے پاس روک لیا۔ چنانچہ مشرکین نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو روک لیا جس سے مسلمانوں کو غصہ آیا۔ مغلطائی کہتے ہیں کہ قریش نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو اپنے پاس روک لیا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا گیا تو آپ نے صحابہ کرام کو بیعت رضوان کے لیے درخت کے نیچے بلایا کہ آپ سے موت پر بیعت کریں اور یہ بھی کہا

---

[1] جو جواب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا وہی حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے دیا۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ آپ رازدار نبوت ہیں اور آپ کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خلافت کے لئے منتخب کیا گیا ۱۲ ہزاروی۔

گیا کہ نہ بھاگنے پر بیعت کریں۔[1]

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا بایاں ہاتھ اپنے دائیں ہاتھ میں رکھا اور فرمایا یہ (حضرت) عثمان غنی (رضی اللہ عنہ) کا ہاتھ ہے۔ صحیح بخاری میں ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دائیں سے اشارہ کرتے ہوئے فرمایا یہ عثمان غنی (رضی اللہ عنہ) کی بیعت ہے پھر اسے بائیں ہاتھ پر مارا۔ (صحیح بخاری جلد ۲ ص ۵۸۲، کتاب المغازی) جب مشرکین نے اس بیعت کے بارے میں سنا تو وہ ڈر گئے اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ اور مسلمانوں کی ایک جماعت کو ان کے ہمراہ بھیج دیا۔ اسی بیعت کے بارے میں یہ ارشاد خداوندی نازل ہوا:

اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَکَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰہَ یَدُ اللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیْہِمْ۔ (الفتح: ۱۰)

بے شک وہ لوگ جو آپ کے دست اقدس پر بیعت کرتے ہیں، بے شک وہ اللہ تعالیٰ سے بیعت کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے۔

اور ارشاد خداوندی ہے:

لَقَدْ رَضِیَ اللّٰہُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ۔ (الفتح: ۱۸)

بے شک اللہ تعالیٰ مومنوں سے راضی ہوا۔

احرام کھولنا اور واپسی

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حدیبیہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ سر منڈوائے اور اپنے جانوروں کی قربانی کی۔[2]

---

[1] حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو اس بات کی اطلاع کرنے بھیجا گیا تھا کہ ہم عمرہ کرنے آئے ہیں لڑنے کے لیے نہیں۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کی طرف ایک خط دیا اور یہ فرمایا کہ کمزور مسلمانوں کو خوشخبری دیں کہ عنقریب فتح حاصل ہوگی۔ آپ نے ایک ایک کو خط سنایا، لیکن انہوں نے کوئی جواب نہ دیا اور کہا کہ آپ چاہیں تو طواف کرلیں۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے فرمایا جب تک حضور علیہ السلام طواف نہ کریں میں نہیں کروں گا۔ یہ بات بھی یاد رہے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو سہیل کے بدلے میں نہیں روکا گیا تھا بلکہ جب عثمان غنی رضی اللہ عنہ مشرکین کے ہاں تھے، اس وقت انہوں نے سہیل اور مکرز کو بھیجا تھا۔ (تفسیر ابن کثیر جلد ۴ ص ۱۸۶)

[2] صحیح بخاری میں ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب معاہدے سے فارغ ہوئے تو صحابہ کرام سے فرمایا: اٹھو قربانی کرو اور سر منڈواؤ۔ آپ نے تین مرتبہ یہ ارشاد فرمایا لیکن (صحابہ کرام اس قدر غمگین تھے کہ) کوئی نہ اٹھا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لے گئے اور ان کو صورتحال بتائی انہوں نے عرض کیا اے اللہ کے نبی! اگر آپ چاہتے ہیں تو جا کر خود اپنا جانور ذبح کریں اور سر مونڈنے والے کو بلا کر حلق کروائیں چنانچہ آپ نے ایسا ہی کیا تو صحابہ کرام نے جانوروں کو ذبح کرنا اور حلق کروانا شروع کیا وہ ایک دوسرے کا سر مونڈتے تھے۔ راوی فرماتے ہیں وہ اس قدر غمگین تھے کہ قریب تھا ایک دوسرے کو قتل کردیں۔ (صحیح بخاری جلد اول ص ۳۸۰) ۱۲ ہزاروی۔

مغلطائی فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے ایک ہوا بھیجی جس نے ان کے بال حرم شریف میں ڈال دیے۔
(طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۱۰۴)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حدیبیہ میں دس دن سے زائد ٹھہرے یہ بھی کہا گیا ہے کہ بیس دن ٹھہرے پھر واپس تشریف لائے اور بعض حضرات کے دلوں میں کچھ ملال تھا تو اللہ تعالیٰ نے سورۃ فتح نازل فرما کر ان کو تسلی دی اور ان کو اپنی نعمتیں یاد دلائیں۔ ارشاد خداوندی ہے:

اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا۔ (الفتح:۱) بے شک ہم نے آپ کو روشن فتح عطا فرمائی۔

حضرت ابن عباس، حضرت انس اور حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں یہاں فتح سے حدیبیہ کی فتح مراد ہے کیونکہ منافقوں کا خیال تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مومن اپنے گھروں کو کبھی بھی واپس نہ جا سکیں گے اور سب کے سب قتل کر دیے جائیں گے لیکن صلح حدیبیہ کی صورت میں فتح حاصل ہوئی، اور ارشاد خداوندی:

وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا۔ (الفتح:۱۸) اور اللہ تعالیٰ نے ان کو جلد آنے والی فتح کا انعام دیا۔

تو صحیح قول کے مطابق اس سے صلح خیبر مراد ہے کیونکہ اس میں مسلمانوں کو بے شمار غنیمتیں ملی تھیں۔

امام احمد، ابوداؤد اور حاکم رحمہم اللہ نے مجمع بن جاریہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے نقل کیا، وہ فرماتے ہیں ہم حدیبیہ میں حاضر ہوئے، جب ہم واپس ہوئے تو ہم نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو کراع الغمیم کے پاس کھڑے دیکھا صحابہ کرام بھی جمع تھے، آپ نے "انا فتحنا لک فتحا مبینا" آیت پڑھی۔ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا یہ فتح ہے؟ آپ نے فرمایا: ہاں! اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے یہ فتح ہے۔
(مسند امام احمد جلد ۳ ص ۴۲۸، دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۴ ص ۱۰۶)

حضرت سعید بن منصور نے صحیح سند کے ساتھ حضرت شعبی سے روایت کیا کہ "انا فتحنا لک فتحا مبینا" سے صلح حدیبیہ مراد ہے۔ اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اول و آخر ہر گناہ سے معصوم رکھا۔ بیعت رضوان ہوئی مسلمانوں کو خیبر کی کھجوریں کھلائی گئیں اور رومیوں کو ایرانیوں پر غلبہ حاصل ہوا، جس سے مسلمان خوش ہوئے۔ (دلائل النبوہ للبیہقی جلد ۴ ص ۱۶۲)

اور ارشاد خداوندی:

اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ۔ (النصر:۱) جب اللہ تعالیٰ کی مدد اور فتح آجائے۔

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی:

لا هجرة بعد الفتح۔ فتح کے بعد ہجرت نہیں۔
(صحیح بخاری جلد ۲ ص ۶۱۷)

تو اس سے بالاتفاق فتح مکہ مراد ہے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس طرح اشکال ختم ہو گیا اور تمام اقوال جمع ہو گئے۔ واللہ اعلم
اس کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ کی طرف واپس تشریف لے گئے۔

۶ھ کے واقعات

اس سال سورج گرہن کا واقعہ پیش آیا، نیز حضرت اوس بن صامت رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی خولہ سے ظہار کیا (کوئی شخص اپنی بیوی سے کہے کہ تو مجھ پر میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہے تو اسے ظہار کہتے ہیں، جب تک اس کا کفارہ ادا نہ کیا جائے وہ عورت اس پر حرام رہتی ہے)۔ اسی سال ماہ رمضان میں بارش کے لئے دعا کی گئی تو بارش برسی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اصبح الناس مومنا باللہ وکافرا بالکواکب[1]

لوگ اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے والے اور (ستاروں کو بارش کے موثر حقیقی ماننے) سے انکار کرنے والے ہو گئے۔

---

[1] صحیح بخاری میں ہے۔ (حدیث قدسی میں ہے) اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میرے بندوں میں سے بعض مجھ پر ایمان لانے والے اور ستاروں کا انکار کرنے والے ہوئے جس نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت، اس کی عطا اور فضل نے ہمیں بارش حاصل ہوئی۔ وہ مجھ پر ایمان لانے والا اور ستاروں کا منکر ہے اور جس نے کہا کہ ہمیں فلاں ستارے کے ذریعے بارش ملی وہ ستاروں پر ایمان رکھتا ہے اور میرا انکار کرتا ہے۔ (صحیح بخاری جلد ۲ ص ۵۹)

شراب اور دیگر نشہ آور چیزوں کا حرام ہونا

شراب (خمر) کب حرام ہوئی

مغلطائی نے کہا: دمیاطی نے اپنی سیرت (کی کتاب) میں قطعی طور پر کہا ہے کہ حدیبیہ والے سال خمر (شراب) حرام قرار دی گئی اور ابن اسحاق نے کہا: کہ جب بنو نضیر والا واقعہ ہوا اس وقت حرام ہوئی اور یہ غزوہ احد کے بعد کی بات ہے۔ راجح قول کے مطابق یہ ۴ھ کا واقعہ ہے۔

لیکن یہ بات محل نظر ہے کیونکہ جس دن یہ حرام ہوئی اس دن حضرت انس رضی اللہ عنہ ساقی تھے۔ جب انہوں نے منادی سے اس کے حرام ہونے کے بارے میں سنا تو اس کو گرانے میں جلدی کی اگر یہ ۴ھ کا واقعہ ہوتا تو حضرت انس رضی اللہ عنہ اس وقت چھوٹی عمر کے ہوں گے۔[1] (فتح الباری جلد ۱۰ ص ۱۲۵) امام بیہقی اور امام نسائی نے صحیح سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ شراب کی حرمت انصار کے دو قبیلوں کے بارے میں نازل ہوئی۔ انہوں نے شراب پی جب حالت نشہ میں ہوئے تو ایک دوسرے سے کھیلنے والی کیفیت پیدا ہو گئی۔ جب افاقہ ہوا تو ہر ایک نے اپنے چہرے اور سر میں کوئی نشان دیکھا اور کہا میرے فلاں بھائی نے یہ کام کیا ہے اور وہ ایک دوسرے کے بھائی بھائی تھے۔ ان کے دلوں میں کینہ نہیں تھا۔ اب وہ کہتے اللہ کی قسم اگر وہ مجھ پر رحم کرتا تو میرے ساتھ یہ سلوک نہ کرتا حتیٰ کہ ان کے دلوں میں ایک دوسرے کے خلاف بغض پیدا ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ۔ (المائدہ: ۹۰)

اے ایمان والو! شراب اور جوا اور بت اور تیروں سے فال نکالنا ناپاک ہی ہیں، شیطانی کام تو ان سے بچتے رہنا کہ تم فلاح پاؤ۔

تو تکلف کرنے والوں نے کہا کہ یہ ناپاکی ہے اور فلاں فلاں کے پیٹ میں تھی اور وہ احد کے دن قتل ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

۱۔ علامہ زرقانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں مغلطائی کا اس بات کو محل نظر قرار دینا عجیب ہے کیونکہ یہ بات ثابت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ میں تشریف لائے تو حضرت انس رضی اللہ عنہ کی عمر دس سال تھی لہٰذا ۴ھ میں ان کا صغیر (بچہ) ہونا کیسے صحیح ہو گا۔ (زرقانی جلد ۲ ص ۲۱۳) ۱۲ ہزاروی۔

لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِيْمَا طَعِمُوْٓا اِذَا مَا اتَّقَوْا وَّ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاَحْسَنُوْا وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ۔ (المائدہ: ۹۳)

جو ایمان لائے اور نیک کام کئے ان پر کچھ گناہ نہیں جو کچھ انہوں نے چکھا جب کہ ڈریں اور ایمان رکھیں اور نیک رہیں پھر ڈریں اور ایمان رکھیں پھر ڈریں اور نیک رہیں اور اللہ نیکوں کو دوست رکھتا ہے۔

اور شراب (خمر) کو حرام کرنے سے متعلق آیت فتح والے سال فتح سے پہلے نازل ہوئی۔

(فتح الباری جلد ۱۰ص ۲۵)

خمر اصل میں خمرہ کا مصدر ہے جب ڈھانپ دے، انگور کے (کچے) رس کو کہتے ہیں جب وہ گاڑھا ہو جائے اور جھاگ چھوڑ دے، گویا وہ عقل کو ڈھانپ دیتا ہے، جس طرح (نشہ والی چیز کو) سکر کہتے ہیں کیونکہ وہ روکتی ہے اور خمر (انگور کی شراب جس کا ذکر ہوا) مطلقاً حرام ہے۔ اسی طرح ہر وہ چیز جو نشہ دے اکثر علماء کے نزدیک وہ بھی حرام ہے۔ حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں جب انگور اور کھجور کے رس کو پکایا جائے، حتیٰ کہ اس کا دو تہائی چلا جائے تو جب تک نشہ نہ دے اس سے کم مقدار پینا جائز ہے۔[1]

نشہ آور اشیاء اور اُن کا حکم

حشیش جسے تنب ہندی، حیدریہ اور قلندریہ کہتے ہیں، اس کے بارے میں چاروں ائمہ نے کلام نہیں کیا اور نہ علماء سلف میں سے کسی نے گفتگو کی ہے، کیونکہ یہ ان کے زمانے میں نہیں تھی۔ یہ چھٹی صدی کے آخر یا ساتویں صدی کے شروع میں ظاہر ہوئی ہے۔

اس سلسلے میں اختلاف ہے کہ اگر یہ نشہ آور ہوں تو ان میں حد واجب ہوگی اگر عقل کو زائل کرنے والی ہو تو تعزیر واجب ہوگی۔ اطباء کا اس بات پر اجماع ہے اور فقہاء نے بھی قطعی طور پر بیان کیا کہ یہ نشہ آور چیز ہے۔ ابو اسحاق شیرازی نے اپنی کتاب "التذکرہ فی الخلاف" میں اور امام نووی رحمہ اللہ نے "شرح المہذب" میں اس بات کی تصریح کی ہے کہ ہم اس سلسلے میں کوئی اختلاف نہیں پاتے۔

ابن تیمیہ سے منقول ہے اس نے کہا صحیح بات یہ ہے کہ شراب کی طرح یہ بھی نشہ دینے والی ہے۔ اس کے کھانے والے نشہ کے طور اس کو کھاتے ہیں، اسی لئے وہ ان کو حاصل کرتے ہیں جبکہ بھنگ وغیرہ نہ تو نشہ دیتی ہے اور نہ اس کی خواہش پیدا ہوتی ہے (لہٰذا بھنگ کا حکم اس سے ہلکا ہوگا)۔

امام زرکشی رحمہ اللہ نے کہا میں نے اس سلسلے میں کسی کو مخالفت کرتے نہیں دیکھا البتہ قرافی نے اپنے قواعد میں اختلاف کرتے ہوئے کہا کہ بعض علماء نے اپنی کتب میں ان نباتات کی تصریح کی ہے۔ یہ نشہ آور ہیں لیکن

---

[1] خمر سے انگور کا کچا رس مراد ہے۔ خمر تھوڑی ہو یا زیادہ نشہ دے یا نہ دے اس کا استعمال حرام ہے اور اس شخص کو بطور حد کوڑے لگائے جائیں گے جب کہ دوسری شرابوں کا حکم الگ ہے۔ تفصیل ہدایہ جزء چہارم میں ملاحظہ کریں ۱۳۰ ہزاروی۔

میرے لئے یہ بات واضح ہوئی ہے کہ کلام میں فساد ڈالنے والی ہیں۔ زرکشی نے قرافی کے کلام کا تعاقب کیا ہے، جس کا ذکر طویل ہے۔

ان چیزوں کی حرمت پر دلائل ایک دوسرے کے موئد ہیں۔ صحیح مسلم میں ہے۔

کل مسکر حرام۔ ہر نشہ دینے والی چیز حرام ہے۔

(صحیح مسلم جلد ۲ ص ۱۶۷، سنن نسائی جلد ۲ ص ۳۲۳، کتاب الاشربہ)

اور ارشاد خداوندی ہے:

وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ۔ اور وہ (آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم) ان پر خبیث چیزیں حرام کرے گا۔ (الاعراف: ۱۵۷)

اور عقل جس کی حفاظت پر تمام ملتیں اور شریعتیں متفق ہیں، اس کو خراب کرنے والی چیز سے بڑھ کر کونسی چیز خبیث ہو سکتی ہے اور یہ بات واضح ہے کہ جو شخص حشیش استعمال کرتا ہے، اس کے اس انتظام فعل و قول میں خلل واقع ہوتا ہے، جس کا کمال نور عقل سے حاصل کیا گیا ہے۔

امام ابوداؤد نے حسن سند کے ساتھ حضرت دیلم حمیری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں، میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ ہم ٹھنڈے علاقے میں رہتے ہیں۔ اس میں سخت کام کرتے ہیں اور گندم سے شراب بناتے ہیں، جس سے اپنے کام پر قوت حاصل کرتے ہیں اور سردی سے بچتے ہیں۔ آپ نے پوچھا کیا وہ نشہ دیتی ہے؟ (فرماتے ہیں) میں نے کہا: جی ہاں! فرمایا اس سے بچو میں نے کہا لوگ اسے چھوڑنے والے نہیں ہیں۔ فرمایا اگر وہ نہ چھوڑیں تو ان سے لڑو۔ (سنن ابی داؤد جلد ۲ ص ۱۶۳)

یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اس علت پر آگاہی ہے، جس کی وجہ سے جو اور جوار کی شراب حرام ہے، لہٰذا جو چیز بھی یہ عمل کرے (نشہ دے) اس کا حرام ہونا ضروری ہے اور اس میں شک نہیں کہ حشیش کا یہی عمل ہے بلکہ اس سے بڑھ کر ہے۔

امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں اور امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے اپنی سنن میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا وہ فرماتی ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر نشہ دینے والی اور جسم میں ٹوٹ پھوٹ پیدا کرنے والی چیز سے منع فرمایا۔ (مسند امام احمد جلد ۶ ص ۳۰۹، سنن ابی داؤد جلد ۲ ص ۱۶۳) علماء کرام فرماتے ہیں: وہ چیز جو جسم میں فتور اور ڈھیلا پن پیدا کرے وہ مفتر ہے۔ (اس سے حضور علیہ السلام نے منع فرمایا)۔

یہ حدیث حشیش اور ان تمام چیزوں کے حرام ہونے پر زبردست دلیل ہے جو اعضاء کو ڈھیلا کر دیتی ہیں، حشیش وغیرہ اگر نشہ نہ بھی دیں تو مفتر تو ہوتی ہیں، یہی وجہ ہے کہ اسے استعمال کرنے والوں کو نیند زیادہ آتی ہے اور اس کے بخارات دماغ میں چڑھنے کی وجہ سے ان لوگوں کا سر بھاری بھاری رہتا ہے۔

اس کے حرام ہونے پر متعدد حضرات نے اجماع نقل کیا ہے۔ ان میں قرافی اور ابن تیمیہ بھی شامل ہیں۔ ابن تیمیہ نے کہا ہے جو شخص اسے حلال سمجھے وہ کافر ہے۔

لیکن زرکشی نے ان کا تعاقب کرتے ہوئے کہا کہ اس کا حرام ہونا ضروریات دین سے معلوم نہیں ہے؛ اگرچہ ہم اس کے حرام ہونے کو تسلیم کرتے ہیں، (لیکن اس کے حرمت کے منکر کو کافر نہیں کہتے کیونکہ) اجماع کی دلیل دو وجہوں میں سے ایک پر قطعی ہونی چاہئے اور ہمارے اصحاب نے ذکر کیا کہ انگور کے رس کے علاوہ نشہ دینے والی چیز اگر حد کے نافذ ہونے (سزا ملنے) کے اعتبار سے انگور کے رس کی طرح ہے لیکن اس کو حلال سمجھنے والا کافر نہیں ہوتا کیونکہ اس میں علماء کرام کا اختلاف ہے۔

تھوڑی حشیش جو نشہ نہ دے اس کے استعمال میں اختلاف ہے۔

امام نووی رحمہ اللہ نے شرح المھذب میں فرمایا کہ تھوڑی حشیش جو نشہ نہ دے استعمال کرنا حرام نہیں۔ بخلاف خمر (انگور کی شراب) کے کہ وہ تھوڑی سی جو نشہ نہ دے اس کا استعمال بھی حرام ہے۔ ان میں فرق یہ ہے کہ حشیش پاک ہے اور خمر ناپاک ہے، لہٰذا اس کی نجاست کی وجہ سے تھوڑی سی پینا بھی جائز نہیں ہے۔

زرکشی نے ان کا تعاقب کرتے ہوئے کہا کہ صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ جس کا کثیر کا نشہ دے اس کا قلیل بھی حرام ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ حشیش کم ہو یا زیادہ اس کا استعمال جائز نہیں ہے، جہاں تک امام نووی رحمہ اللہ کے اس قول کا تعلق ہے کہ یہ طاہر ہے ناپاک نہیں ہے تو ابن دقیق العید نے اسے قطعی قرار دیا اور اس پر اجماع بیان کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں افیون جو خشخاص کا دودھ ہے اس کا عمل حشیش کے عمل سے زیادہ قوی ہے کیونکہ وہ تھوڑی بھی ہو تو نشہ دیتی ہے اس طرح سیکران (ایک بوٹی جو ہمیشہ ہری رہتی ہے اور اس کا دانہ کھایا جاتا ہے) اور جوز طیب کا حکم ہے حالانکہ یہ بالاجماع پاک ہیں۔

حشیش کا نقصان

بعض علماء نے حشیش کے ایک سو بیس دینی اور بدنی نقصان بیان کیے ہیں حتیٰ کہ ان میں سے بعض نے کہا کہ خمر میں جتنی قابل مذمت باتیں ہیں، وہ سب حشیش میں پائی جاتی ہیں بلکہ اس سے زائد بھی، خمر کا زیادہ نقصان دین کے حوالے سے ہے بدن کے اعتبار سے نہیں لیکن اس کا نقصان دینی بھی ہے اور بدنی بھی۔ (مصنف کی مراد یہ ہے کہ اس کے مقابلے میں خمر کا جسمانی نقصان کم ہے بالکل نفی نہیں ہو سکتی۔)

ان نقصانات میں چند نقصان یہ ہیں:

فساد عقل، بے مروتی، ستر کا ننگا ہونا، نمازوں کو چھوڑنا، حرام کاموں میں پڑنا (یہ دینی بیماریاں ہیں) نسل کا خاتمہ، برص، (سفید داغ کی بیماری) کوڑھ کا مرض، دیگر کئی بیماریاں، کپکپاہٹ، گفتگو کی خرابی، منہ سے بو آنا، پلکوں کے بالوں کا گر جانا، دانتوں میں گڑھے پڑنا اور ان کا سیاہ ہو جانا، سانس میں رکاوٹ، رنگ پیلا پڑ جانا، جگر کا ریزہ ریزہ ہو جانا اس کا استعمال شیر کو چھونے سے کیڑے (گبرو) کی طرح بنا دیتا ہے۔ سستی اور نامردی پیدا کرتا ہے، عزت والے کو ذلیل کر دیتا ہے، تندرست شخص بیمار پڑ جاتا ہے، فصیح اللسان آدمی گونگا بن جاتا ہے اور ذکی کو کلام سے بے بس کر دیتا ہے، خوش بختی چلی جاتی ہے اور شہادت بھول جاتی ہے۔ حشیش استعمال کرنے والا سنت سے دور اور جنت کا

مسترد ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے لعنت کا مستحق ہوتا ہے یہاں تک کہ ندامت سے اپنے دانتوں کو کھٹکھٹا لے اور اللہ تعالیٰ کے بارے میں اچھا گمان رکھے۔ کسی شاعر نے کیا اچھا کہا ہے:

قل لمن یاکل الحشیشة جهلا　　یا خسیسا قد عشت شر معیشه

دیة العقل بدرة فلماذا　　یا سفیها قد بعتها بحشیشه

"جو شخص جہالت کی وجہ سے حشیش استعمال کرتا ہے اسے کہو اے خسیس! تو نے بری زندگی گزاری"۔

"عقل کی دیت (قیمت) ایک بدرہ (دس ہزار درہم یا سات ہزار دینار) ہے۔ اے بے وقوف تو نے حشیش کے بدلے میں اسے بیچ دیا"۔[1]



[1] زواجر میں حشیش کے مزید نقصانات بھی لکھے ہیں مثلاً جسمانی رطوبت کا خشک ہو جانا، نسیان پیدا ہونا، سر میں درد رہنا، منی کا خشک ہو جانا، نگاہوں میں اندھیرا چھا جانا، اچانک موت، ٹی بی کی بیماری کا لگ جانا، استسقاء پیاس کا ختم نہ ہونا، فکر کی خرابی، یادداشت میں کمی، راز فاش کرنا، حیاء اور غیرت کا ختم ہو جانا، روپے پیسے کا ضیاع، شیطان کا ہم نشین ہونا، خون کا جل جانا، ذہانت کا ختم ہو جانا وغیرہ۔ (زرقانی جلد ۲ ص ۳۲۹) ۱۲ ہزاروی۔

غزوۂ خیبر

جگہ اور تاریخ

خیبر ایک بہت بڑا شہر ہے، جہاں بہت سے قلعے اور کھیت ہیں اور یہ مدینہ طیبہ سے شام کی جانب تقریباً چھیانوے میل کے فاصلے پر ہے۔

ابن اسحاق فرماتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم (حدیبیہ سے واپسی کے بعد کچھ دن ذوالحجہ کے اور کچھ دن محرم کے مدینہ طیبہ میں رہے اور پھر) محرم کے کچھ دن باقی تھے کہ خیبر کی طرف تشریف لے گئے اور یہ ۷ھ کا واقعہ ہے۔ (السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد ۲ ص ۳۳۵) آپ نے وہاں دس سے کچھ زائد راتیں محاصرہ فرمایا، یہاں تک کہ خیبر کو فتح کر لیا۔

کہا گیا کہ یہ واقعہ ۶ھ کے آخر میں ہوا حضرت امام مالک رحمہ اللہ سے یہی بات منقول ہے۔ ابن حزم نے بھی اس کو قطعی قرار دیا ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: راجح بات وہی ہے جو ابن اسحاق نے ذکر کی ہے اور (دونوں قسم کے قول میں) جمع کرنا ممکن ہے کہ جس نے سنہ ۶ھ کا ذکر کیا ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ سال کی ابتدا ہجرت کے حقیقی مہینے (ربیع الاول شریف) سے ہے۔ (لہٰذا محرم اور صفر چھٹے سال میں چلے جائیں گے۔)

ابن سعد اور ابن ابی شیبہ نے عجیب و غریب بات کی ہے انہوں نے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث سے روایت کیا۔ وہ فرماتے ہیں: ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ خیبر کی طرف رمضان شریف کی اٹھارہ تاریخ کو گئے تھے۔ (طبقات ابن سعد جلد ۴ ص ۱۰۸) اور اس کی سند حسن ہے لیکن اس میں خطا ہے، ہو سکتا ہے کہ حنین کی طرف تشریف لے گئے ہوں، لہٰذا (لکھنے یا پڑھنے میں) غلطی واقع ہو گئی۔ اس کی توجیہ اس طرح ہو گی کہ غزوہ حنین نے غزوہ فتح سے جنم لیا اور غزوہ فتح مکہ کے لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم رمضان شریف میں ہی تشریف لے گئے تھے، یہ قطعی بات ہے۔

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں: شیخ ابو حامد نے "التعلیقہ" میں ذکر کیا کہ یہ غزوہ پانچ ہجری میں تھا اور یہ وہم ہے شاید خندق سے خیبر کی طرف ذہن منتقل ہوا۔ (فتح الباری جلد ۷ ص ۳۵۶)

اس غزوہ میں صحابہ کرام کی تعداد

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چودہ سو پیدل اور دو سو سوار صحابہ کرام تھے اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بھی آپ کے ہمراہ تھیں۔

خیبر کے راستے میں حدی خوانی

صحیح بخاری میں حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کی حدیث سے مروی ہے فرماتے ہیں: ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ خیبر کی طرف نکلے تو رات کے وقت چلے۔ قوم میں سے ایک شخص نے حضرت عامر رضی اللہ عنہ سے کہا اے عامر! کیا اپنا شاعرانہ کلام نہیں سناؤ گے؟ اور حضرت عامر شاعر تھے تو وہ اونٹ سے اتر کر ساتھ حدی خوانی کرنے لگے۔ وہ کہتے تھے۔

اللھم لولا انت ما اھتدینا ولا تصدقنا ولا صلینا
فاغفر فداء لک ما اتقینا وثبت الاقدام ان لاقینا
وابقین سکینۃ علینا انا اذا صیح بنا اتینا
وبالصیاح عولوا علینا (صحیح بخاری جلد ۲ ص ۶۰۳، کتاب المغازی)

"یا اللہ! اگر تو نہ ہوتا تو ہم ہدایت نہ پاتے (تیرا کرم اور فضل نہ ہوتا) اور نہ صدقہ کرتے اور نہ ہی نماز پڑھتے"۔

"تجھ پر ہماری جان فدا تیرے جن احکام پر ہم نے عمل نہیں کیا تو ہمارے وہ گناہ بخش دے اور اگر ہمارا دشمن سے مقابلہ ہو تو ہمیں ثابت قدم رکھنا"۔

"یا اللہ! ہم پر سکون و اطمینان نازل فرما جب ہمیں لوگ (لڑائی کے لیے) پکارتے ہیں، تو ہم فوراً حاضر ہو جاتے ہیں اور وہ لوگ جو ہم سے مدد طلب کرتے ہیں (تو وہاں بھی ہم پہنچ جاتے ہیں)"۔

حضرت ایاس بن سلمہ رضی اللہ عنہ کی روایت جسے انہوں نے اپنے باپ سے نقل کیا۔ اس میں یہ اضافہ ہے:

ان الذین قد بغوا علینا اذا ارادوا فتنۃ ابینا
ونحن عن فضلک ما استغنینا

"بے شک لوگوں نے ہمارے خلاف بغاوت کی جب انہوں نے فتنے کا ارادہ کیا تو ہم نے انکار کیا اور ہم تیرے فضل سے بے نیاز نہیں ہیں"۔ (فتح الباری جلد ۷ ص ۳۵۷، مسند امام احمد)

صحیح بخاری کے مطابق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ اونٹوں کو چلانے والا کون ہے؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: حضرت عامر بن اکوع رضی اللہ عنہ ہیں۔ آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ان پر رحم فرمائے تو

صحابہ کرام میں سے ایک نے عرض کیا (صحیح مسلم کے مطابق یہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ تھے۔ آپ نے اپنے اونٹ سے بلند آواز میں فرمایا:) اے اللہ کے نبی ان کے لیے جنت واجب ہوگئی۔ آپ نے ان کو ہمارے لیے باقی رہنے کی دعا کیوں نہیں فرمائی۔[1]

حضرت امام احمد رحمہ اللہ کی روایت میں ہے کہ حضرت عامر اشعار رجزیہ پڑھتے اور سواریوں کو لے جارہے تھے اور اہل عرب کی یہی عادت تھی جب وہ اونٹوں کو اچھی طرح چلانا چاہتے تو ایک شخص اتر جاتا۔ حدی خوانی کرتے ہوئے ان کو چلاتا۔ (فتح الباری جلد ۷ ص ۳۵۷)

اور ان کا (اپنے اشعار میں یہ) کہنا کہ "اللھم لولا انت ما اھتدینا" اس طرح مروی ہے اور علماء کرام فرماتے ہیں: وزن میں بہتر اس طرح ہے "لاھم یا تاللہ" (یہ اللھم کی جگہ ہے) جیسا کہ دوسری حدیث میں ہے۔

اور ان کا قول فداء لک (تجھ پر فدا ہوں) تو مازری (محمد بن علی بن عمر التیمی الامام الفقیہ الاصولی متوفی ۵۳۶ھ) فرماتے ہیں یہ الفاظ مشکل ہیں (ان کا مفہوم حل طلب ہے) کیونکہ اللہ تعالیٰ کے لیے "فدیتک" کا لفظ استعمال نہیں ہوتا۔ یہ لفظ ایسی صورت میں استعمال ہوتا ہے، جب کسی شخص کے لیے مکروہ کام کا خطرہ ہو تو (کہا جاتا ہے، میں تم پر فدا ہو جاؤں یعنی) دوسرا شخص یہ بات پسند کرتا ہے کہ وہ مصیبت اس پر نازل ہو جائے اور وہ اس کے لیے اپنے آپ کو فدا کر دے۔

مازری فرماتے ہیں: شاید انہوں نے یہ لفظ اس کے حقیقی معنی کا قصد نہ کرتے ہوئے استعمال کیا ہو جیسے کہا جاتا ہے: اللہ تعالیٰ اسے ہلاک کرے حالانکہ بددعا کا قصد نہیں ہوتا۔ اسی طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارے ہاتھ خاک آلود ہو جائیں اور تمہارا دایاں ہاتھ خاک آلود ہو جائے۔ ان تمام صورتوں میں استعارہ ہے (مجازی معنی ہے)، کیونکہ فدا ہونے والا شخص جب کسی مکروہ کام میں اس شخص کی جگہ اپنے آپ کو رکھتا ہے، جس پر فدا ہوتا ہے تو وہ اس کی رضا طلب کرنے میں مبالغہ سے کام لیتا ہے۔ پس شاعر کی مراد یہ ہے کہ میں تیری رضا میں اپنے نفس کو فدا کرتا ہوں۔ بہر حال اگر معنی کو صحیح جہت کی طرف پھیرنا ممکن ہو تو بھی لفظ کا اطلاق اور اس کا استعارہ نیز مجاز کی طرف جانا اس بات کا محتاج ہے کہ شریعت اس کی اجازت دے۔[2]

یہ بھی کہا کہ "فداء لک" سے مراد وہ شخص ہوتا ہے جس سے خطاب کیا جاتا ہے۔ اور اس کے ذریعے کلام کے درمیان فصل کر کے پھر سے کلام کی طرف لوٹتے ہیں۔ پس انہوں نے فرمایا: "ما اتقینا" اور تاویل سے لفظ اور معنی دونوں صحیح ہوتے ہیں۔ اگر اس میں ایسا معنی نہ ہوتا جس کی دلالت واضح نہیں ہے تو ہم کلام کی تصحیح کی خاطر اس تاویل کی طرف مجبور ہوتے۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس شعر میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کیا گیا اور معنی یہ ہے کہ آپ کے حق

---

[1] یہاں لفظ "امتعتنا بہ" استعمال ہوا، یعنی آپ ان کے ذریعے ہمیں نفع دیتے۔ نفع دینے کی نسبت حضور علیہ السلام کی طرف مجازاً ہے اور یہ جائز ہے۔ ...۱۲ ہزاروی۔

[2] حضور علیہ السلام نے یہ کلام سن کر شاعر کو دعا دی تو گویا شریعت کی طرف سے اجازت مل گئی۔ ...۱۲ ہزاروی۔

اور مدد میں ہم سے جو کوتاہی ہوئی اس پر ہمارا مواخذہ نہ کرنا۔ اس بنیاد پر شاعر کا قول "اللھم" سے دعا کا قصد نہیں کیا گیا بلکہ اس سے کلام کا آغاز کیا گیا اور شاعر کے قول "لولا انت" (اگر آپ نہ ہوتے) کے مخاطب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں لیکن بعد والا شعر اس مراد کے خلاف ہے اور وہ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے۔ وہ شعر ہے:

فانزلن سکینۃ علینا وثبت الاقدام ان لاقینا

"پس تو ہم پر سکون نازل فرما اور اگر لڑائی ہو تو ہمیں ثابت قدم رکھنا"۔

اس معنی کا یہ بھی احتمال ہے کہ آپ اپنے رب سے سوال کریں کہ وہ (سکون) نازل کرے اور ثابت قدم رکھے۔ واللہ اعلم (فتح الباری جلد ۷ ص ۳۵۷)۔

شاعر کا قول "اذا صیح بنا اتینا" یعنی جب ہمیں لڑائی کے لیے پکارا جاتا ہے یا کسی دوسرے مشکل کام کے لیے بلایا جاتا ہے، ہم آجاتے ہیں اور اس سے پیچھے نہیں ہٹتے۔

ایک روایت میں تاء کی بجائے باء کے ساتھ "ابینا" ہے یعنی ہم نے بھاگنے سے انکار کیا اور ان کا قول "وبالصیاح عولوا علینا" یعنی انہوں نے لڑائی کے لیے ہم سے مدد مانگی اور ہمیں لڑائی کے لیے مجبور کیا کہا گیا ہے کہ یہ "التعویل علی الشئی" سے بنا ہے یعنی کسی پر اعتماد کرنا اور یہ بھی کہا کہ یہ عویل سے بنا ہے اور اس سے آواز مراد ہے۔

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا پوچھنا کہ یہ اونٹوں کو چلانے والا کون ہے؟ اور صحابہ کرام کا عرض کرنا: حضرت عامر رضی اللہ عنہ ہیں تو آپ کا فرمانا کہ اللہ تعالیٰ ان پر رحم کرے۔ پھر قوم میں سے ایک کا کہنا کہ واجب ہو گئی یعنی اس کے لیے شہادت واجب ہو گئی اور عنقریب وہ واقع ہو گی تو اس کا مطلب یہ ہے کہ صحابہ کرام کو معلوم تھا کہ اس مقام پر جس شخص کے لیے نبی اکرم علیہ السلام یہ دعا مانگیں، وہ شہادت کا درجہ پائے گا۔ تو انہوں نے عرض کیا۔ آپ نے ان سے ہمیں کیوں نفع نہ دلوایا یعنی ہم چاہتے تھے کہ آپ ان کے لیے اس دعا کو اس وقت سے موخر کرتے تاکہ ہم ایک مدت تک ان کی صحبت اور زیارت سے فائدہ حاصل کرتے۔

خیبر کے دروازوں پر

صحیح بخاری میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خیبر میں رات کے وقت تشریف لائے اور آپ کا طریقہ مبارک یہ تھا کہ جب بھی کسی قوم کے پاس رات کے وقت تشریف لے جاتے تو ان کے قریب نہ ہوتے (حملہ آور نہ ہوتے) یہاں تک کہ صبح ہو جاتی جب صبح ہوئی تو یہودی کدالیں اور ٹوکریاں لے کر نکلے۔ جب انہوں نے آپ کو دیکھا تو کہنے لگے: اللہ کی قسم! یہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور لشکر ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: خیبر ویران ہو گیا۔ بے شک ہم جب کسی قوم کے صحن میں اترتے ہیں، تو ڈرائے گئے لوگوں کی صبح بہت بری ہوتی ہے۔ (صحیح بخاری جلد ۲ ص ۶۰۳ کتاب المغازی)

ایک روایت میں ہے کہ آپ نے ہاتھ بلند کر کے فرمایا: "اللہ اکبر" خیبر ویران ہوگیا۔
(صحیح بخاری جلد اول ص ۴۲۰، کتاب الجہاد)

(یہودیوں نے کہا تھا یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور خمیس ہے تو خمیس لشکر کو کہتے ہیں اور اس نام کی وجہ یہ ہے کہ لشکر کو پانچ حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ مقدمہ (آگے جانے والا) ساقہ (پیچھے والا حصہ) میمنہ (دایاں بازو) میسرہ (بایاں بازو) اور قلب (فوج کا درمیان والا حصہ)

(اور انہوں نے کہا تھا "محمد") تو لفظ محمد مبتدا کی خبر ہے یعنی "ھذا محمد" (یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔)

امام سہیلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس حدیث سے یہ فال لی گئی کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب گرانے والے آلات (کدال وغیرہ) دیکھے تو آپ جان گئے کہ ان کا شہر عنقریب ویران اور تباہ ہو جائے گا۔
(السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد ۲ ص ۲۳۷)

یہ بھی احتمال ہے جیسا کہ فتح الباری میں فرمایا کہ آپ کا یہ قول کہ خیبر تباہ ہوگیا وحی کی بنیاد پر ہو اور اس کی تائید بعد والا ارشاد گرامی کرتا ہے کہ آپ نے فرمایا: بے شک ہم جب کسی قوم کے صحن میں اترتے ہیں تو ڈرائے گئے لوگوں کی صبح بری ہوتی ہے۔[1]

ایک روایت میں ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح کی نماز خیبر کے قریب (اول وقت) تاریکی میں پڑھی پھر فرمایا: "اللہ اکبر" خیبر ویران ہوگیا۔ جب ہم کسی قوم کے صحن میں (بستی میں) اترتے ہوتے ہیں تو ڈرائے ہوئے لوگوں کی صبح بہت بری ہوتی ہے۔ (صحیح بخاری جلد ۲ ص ۶۰۴، کتاب المغازی)

جھنڈے باندھنا

مغلطائی وغیرہ نے فرمایا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جھنڈے (رایات) تقسیم فرمائے اور رایہ (جھنڈے) صرف خیبر میں تھے اس کے علاوہ لواء تھے (جھنڈوں کی قسمیں ہیں: رایہ اور لواء)[2] دمیاطی فرماتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا جھنڈا سیاہ رنگ کا تھا جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی چادر سے بنایا گیا تھا۔

اور صحیح بخاری میں ہے: حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پیچھے رہ گئے تھے

---

[1] زرقانی فرماتے ہیں یہ حدیث مثال دینے اور قرآن مجید سے شہادت پیش کرنے اور اقتباس میں اصل ہے زرقانی شرح مواہب ۲۲۱-۲۲۲، ۱۲ ہزاروی
شاید امام زرقانی کا اشارہ اس آیۂ کی طرف ہے: "فاذا نزل بساحتھم فساء صباح المنذرین" (الصفت: ۱۷۷)

[2] نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا جھنڈا عقاب (رایہ) حضرت حباب بن منذر کو اور ایک جھنڈا (رایہ) حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہما کو دیا اور اپنا سفید (لواء) جھنڈا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو عطا فرمایا آپ کا رایہ (جھنڈا) سیاہ رنگ کا اور لواء (جھنڈا) سفید رنگ کا تھا مصباح میں ہے کہ لواء، رایہ سے چھوٹا ہوتا ہے ۱۲ ہزاروی۔

کیونکہ آپ کی آنکھیں دکھتی تھیں، پھر آپ سے جا ملے (راوی فرماتے ہیں) جب ہم نے وہ رات گزاری جس کی صبح خیبر فتح ہوا تو آپ نے فرمایا: میں صبح اس شخص کو جھنڈا دوں گا جس سے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو محبت ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے فتح عطا فرمائے گا۔ یا یہ فرمایا کہ کل وہ شخص جھنڈا لے گا۔ (وضاحت آگے آرہی ہے۔)

جب صبح ہوئی تو تمام صحابہ کرام نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے ہر ایک کو امید تھی کہ آپ اسے جھنڈا عطا فرمائیں گے۔ آپ نے فرمایا: علی بن ابی طالب کہاں ہیں؟ صحابہ کرام نے عرض کیا: یارسول اللہ! ان کی آنکھوں میں تکلیف ہے۔ آپ نے فرمایا: ان کو بلاؤ۔ جب وہ لائے گئے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی آنکھوں میں لعاب مبارک لگایا اور ان کے لیے دعا فرمائی، چنانچہ ان کی آنکھیں ٹھیک ہوگئیں گویا ان میں کوئی تکلیف نہ تھی۔

آپ نے ان کو جھنڈا عطا فرمایا۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! کیا میں ان سے لڑوں، حتیٰ کہ وہ ہماری طرح ہو جائیں۔ (ایمان لائیں) آپ نے فرمایا: وقار کے ساتھ جاؤ حتیٰ کہ تم ان کے میدان میں اترو، پھر ان کو اسلام کی دعوت دو اور انہیں بتاؤ کہ ان پر اللہ تعالیٰ کے حق سے کیا واجب ہے۔ پس اللہ کی قسم! تمہارے سبب اللہ تعالیٰ کسی ایک شخص کو ہدایت دے دے تو تمہارے لیے یہ سرخ اونٹوں سے زیادہ بہتر ہے۔

(صحیح بخاری جلد ۲ ص ۵–۶، کتاب المغازی)

حضرت عامر بن اکوع رضی اللہ عنہ کی شہادت

جب قوم نے صف بندی کی تو حضرت عامر رضی اللہ عنہ کی تلوار چھوٹی تھی۔ انہوں نے ایک یہودی کی پنڈلی پر تلوار مارنے کا ارادہ کیا تو ان کی تلوار کی دھار پلٹ گئی۔ اور ان کے گھٹنے میں لگی جس سے وہ شہید ہوگئے۔

جب مسلمان خیبر سے واپس لوٹے تو حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ پر میرے ماں باپ قربان ہوں، لوگوں کا خیال ہے کہ حضرت عامر رضی اللہ عنہ کے اعمال ضائع ہوگئے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے یہ بات کی ہے اس نے جھوٹ کہا ہے۔ ان کے لیے دو اجر ہیں اور حضور علیہ السلام نے اپنی دو انگلیوں کو جمع فرمایا۔ نیز فرمایا کہ وہ بہت بڑے مجاہد ہیں۔

اس حدیث کو امام بخاری رحمہ اللہ نے بھی روایت کیا ہے۔ (صحیح بخاری جلد ۲ ص ۹۰۸، کتاب الادب)

حضرت یزید بن ابی عبید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں: میں نے حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ کی پنڈلی میں زخم کا نشان دیکھ کر پوچھا: یہ کیسی ضرب ہے؟ انہوں نے فرمایا: یہ ضرب خیبر کے دن پہنچی تھی۔ (فرماتے ہیں) میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے تین بار پھونک ماری۔ اس کے بعد سے آج تک مجھے کوئی تکلیف نہیں ہوئی۔ (صحیح بخاری جلد ۲ ص ۶۰۵، کتاب المغازی)

جنت میں صرف مومن جائیں گے

حضرت امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں: ہم خیبر میں حاضر ہوئے تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کی طرف اشارہ کیا جو آپ کے ساتھیوں میں سے تھا۔ اور فرمایا: یہ جہنمیوں میں سے ہے۔ جب لڑائی کا وقت ہوا تو وہ شخص بہت زیادہ لڑا حتیٰ کہ اس کے زخم زیادہ ہو گئے۔ قریب تھا کہ بعض لوگ رشک کا شکار ہو جاتے تو اس نے زخم کی تکلیف محسوس کرتے ہوئے اپنا ہاتھ ترکش کی طرف بڑھایا اور ایک تیر نکال کر اس نے اپنے آپ کو ذبح کر ڈالا۔ صحابہ کرام میں سے کچھ لوگ فوراً حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یارسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے آپ کی بات کو سچ کر دیا۔ فلاں آدمی نے اپنے آپ کو ذبح کر کے مار ڈالا۔ آپ نے فرمایا: اے بلال اٹھو اور اعلان کرو کہ مومن کے علاوہ کوئی شخص جنت میں نہیں جائے گا۔ بے شک اللہ تعالیٰ اس دین کی مدد کسی فاجر سے بھی کروا دیتا ہے۔ (صحیح بخاری جلد ۲ ص ۶۰۳)

ایک روایت میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت فرمایا: ایک شخص جنتیوں والے عمل کرتا ہے، جو لوگوں کے سامنے ظاہر کرتا ہے لیکن وہ جہنمیوں میں سے ہوتا ہے اور ایک شخص ظاہری طور پر جہنمیوں والے کام کرتا ہے لیکن وہ جنتیوں میں سے ہوتا ہے۔ (صحیح بخاری جلد ۲ ص ۶۰۳)

فتح خیبر

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل خیبر سے جنگ کی اور انہوں نے بھی آپ سے شدید جنگ لڑی چنانچہ پندرہ مسلمان شہید ہوئے اور ترانوے یہودی قتل ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے ایک ایک قلعہ مسلمانوں کے لیے کھول دیا۔ ان قلعوں کے نام یہ ہیں: النطاۃ، حصن الصعب، حصن ناعم، حصن الزبیر، الشق، حصن ابی، حصن البرئی، القموص، الوطیح، السلالم اور یہ بنو ابی الحقیق کا قلعہ ہے۔

اور ابو الحقیق کا خزانہ جو گدھے کے چمڑے میں رکھا ہوا تھا مسلمانوں کے ہاتھ آیا، انہوں نے اسے ایک ویرانے میں چھپایا ہوا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی جگہ بتائی اور آپ نے اسے وہاں سے نکلوایا۔

کیا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے خیبر کا دروازہ اٹھایا؟

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے خیبر کا دروازہ اکھاڑ پھینکا اور اسے ستر آدمی بڑی مشقت کے بعد حرکت دیتے تھے۔

ابن اسحاق کی روایت میں سات آدمیوں کا ذکر ہے۔ (السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد ۲ ص ۳۴۹) ابن اسحاق نے امام بیہقی کے طریقے سے ذکر کیا۔ انہوں نے اسے دلائل النبوت میں بیان کیا۔ امام حاکم نے بھی اسے روایت کیا ہے اور

امام حاکم سے امام بیہقی رحمہ اللہ نے لیث بن ابی سلیم کے طریق پر روایت کیا۔ وہ ابو جعفر محمد بن علی بن حسین سے اور وہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے خیبر کے دن دروازہ اٹھایا۔ اس کے بعد اس کا تجربہ کیا گیا تو اسے چالیس آدمی نہ اٹھا سکے۔ لیث بن ابی سلیم ضعیف راوی ہے۔

(دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۴ ص ۲۱۲)

بیہقی کی روایت میں ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ جب قلعے تک پہنچے تو آپ نے اس کا ایک دروازہ کھینچا اور اسے زمین پر دے مارا۔ بعد میں وہاں ہمارے ستر افراد اکٹھے ہوئے اور انہوں نے کوشش کی کہ اسے اپنی جگہ پر رکھ دیں۔ (دلائل النبوۃ جلد ۴، ص ۲۱۲، البدایہ والنہایہ جلد ۴، ص ۱۹۰)

ہمارے شیخ (السخاوی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب المقاصد الحسنہ میں) نے فرمایا کہ یہ تمام روایات کمزور ہیں اس لیے بعض علماء نے ان روایات کو منکر قرار دیا ہے۔[1]

اُمّ المومنین حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا

صحیح بخاری میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صفیہ بنت حیی بن اخطب سے نکاح فرمایا۔ ان کا خاوند کنانہ بن ربیع بن ابی الحقیق قتل ہو گیا تھا اور ان کی نئی نئی شادی ہوئی تھی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ان کے حسن و جمال کا ذکر کیا گیا تو آپ نے ان کو اپنی ذات کے لیے منتخب فرمایا۔ آپ انہیں لے کر روانہ ہوئے حتیٰ کہ جب "سد صہباء" (مقام) تک پہنچیں تو آپ کے لیے حلال ہو گئیں۔ یعنی حیض سے پاک ہو گئیں۔ آپ ان کے پاس تشریف لے گئے اور ایک چھوٹے سے چمڑے کے دستر خوان میں حیس بنایا (کھجور اور پنیر کو ملا کر حلوہ تیار کیا) پھر حضرت انس رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اپنے ارد گرد والوں کو آگاہ کرو تو یہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کی شادی کا ولیمہ تھا۔ (راوی فرماتے ہیں) پھر ہم مدینہ شریف کی طرف روانہ ہوئے۔ تو میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے لیے اپنی عباء (جبہ مبارک) سے پردہ کرتے تھے۔ پھر اپنے اونٹ کے پاس بیٹھ جاتے اور اپنا گھٹنا رکھ دیتے اور حضرت صفیہ آپ کے گھٹنے پر پاؤں رکھ کر سوار ہو جاتیں۔

(صحیح بخاری جلد ۲ ص ۶۰۶، کتاب المغازی)

صحیح بخاری کی ایک روایت میں ہے کہ مسلمانوں نے کہا کہ یہ امہات المؤمنین میں سے ایک ہیں یا لونڈی ہیں؟ پھر کہنے لگے اگر حضور علیہ السلام نے ان کا پردہ کروایا تو وہ ازواج مطہرات میں سے ہوں گی، اگر پردہ نہ کرایا تو وہ لونڈیوں میں سے ہوں گی۔ پھر آپ نے کوچ کیا تو ان کے لیے بچھونا بچھایا اور پردہ تان لیا۔

(صحیح بخاری جلد ۲ ص ۶۰۶، کتاب المغازی)

ایک روایت میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم لڑنے والوں سے لڑے اور بچوں کو قیدی بنایا اور جن کو

---

[1] حدیث منکر، حدیث ضعیف کی ایک قسم ہے۔ گویا ان روایات کو ضعیف کہا جا سکتا ہے اور فضائل میں ضعیف حدیث معتبر ہے۔ یہ موضوع نہیں کہ رد کر دیا جائے۔ ۔۔۔ ۱۲ ہزاروی

قیدی بنایا ان میں حضرت صفیہ بھی تھیں۔ وہ حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کے حصے میں آئیں پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف آگئیں اور آپ نے ان کی آزادی کو ان کا مہر قرار دیا۔ (صحیح بخاری جلد ۲ ص ۶۰۴، کتاب المغازی)

ایک روایت میں ہے کہ آپ نے ان کو آزاد کر کے ان سے نکاح کر لیا۔ ایک اور روایت میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت دحیہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ ان کے بدلے قیدیوں میں سے کوئی اور لونڈی لے لیں۔

صحیح مسلم میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت دحیہ سے حضرت صفیہ کو سات غلاموں کے بدلے خریدا۔ (صحیح بخاری جلد ۲ ص ۶۰۴، کتاب المغازی) اور سات سروں کا ذکر صحیح بخاری کی اس روایت کے خلاف نہیں کہ ان کی جگہ قیدیوں میں سے کوئی اور لے لو، کیونکہ وہاں زیادہ پر دلالت کی نفی نہیں ہے۔ واللہ اعلم

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو خود رکھ لینا اس بنیاد پر تھا کہ وہ یہودیوں کے بادشاہوں میں سے ایک بادشاہ کی صاحبزادی تھیں اور ان خواتین میں سے نہیں تھیں، جو حضرت دحیہ رضی اللہ عنہ کو ہبہ کی جائیں کیونکہ بے شمار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضرت دحیہ کے برابر اور ان سے بلند مرتبہ حامل تھے، اور قیدیوں میں حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا جیسی معزز خواتین، بہت کم تھیں، اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت دحیہ کو ان کے ساتھ خاص کرتے تو ممکن ہے بعض صحابہ کرام کے دلوں میں کچھ احساس پیدا ہوتا لہٰذا مصلحت عامہ کا تقاضا تھا کہ حضرت صفیہ کو ان سے واپس لے کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے لیے خاص کر لیں۔ اس میں تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی رضامندی شامل تھی اور یہ ہبہ کی واپسی نہیں ہے۔ (کہ اس پر اعتراض ہو سکے)
(فتح الباری جلد ۷، ص ۳۶۰)

مغلطائی وغیرہ فرماتے ہیں: اس سے پہلے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے (خواب میں) دیکھا کہ ان کی گود میں چاند اترا ہے تو اس کی یہی تعبیر کی گئی ہے۔ حضرت امام حاکم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا نے بھی اسی قسم کا خواب دیکھا تھا۔[1]

گھریلو گدھوں کے گوشت کا حرام ہونا

اسی غزوہ میں گھریلو (پالتو) گدھوں کا گوشت حرام کیا گیا۔ جس طرح بخاری شریف میں ہے۔ جس کے الفاظ اس طرح ہیں: جب فتح کے دن لوگوں نے شام کی یعنی فتح خیبر کے دن، تو انہوں نے بہت سی آگ جلائی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: یہ کیسی آگ ہے؟ کس چیز کے لیے آگ جلا رہے ہو؟ تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے

[1] حضرت جویریہ بنت حارث ام المومنین ہیں اور بنو مصطلق سے تعلق رکھتی ہیں۔ فرماتی ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے تین دن پہلے میں نے خواب دیکھا کہ گویا چاند یثرب (مدینہ طیبہ) سے چل کر میری گود میں اترا۔ میں نے کسی کو بتانا مناسب نہ سمجھا۔ جب ہم لوگ قید ہوئے تو مجھے اس کی (خواب کی تعبیر کی) امید لگ گئی (زرقانی جلد ۲ ص ۲۳۳) ...۱۲
ہزاروی

عرض کیا: گوشت کے نیچے آگ جلا رہے ہیں: فرمایا: کون سا گوشت؟ انہوں نے عرض کی: گھریلو گدھوں کا گوشت، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسے انڈیل دو اور (ہانڈیاں) توڑ دو۔ ایک صحابی نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا اسے انڈیل کر (ہانڈیوں کو) دھو نہ لیں؟ فرمایا: یا اس طرح کر لو۔ (صحیح بخاری جلد ۲ ص ۶۰۳، کتاب المغازی)

(گھریلو گدھوں کے لیے "الحمر الانسیہ" کا لفظ استعمال ہوا۔ ہمزہ کے کسرہ کے ساتھ "الانسیہ" مشہور ہے جو انس یعنی انسان کی طرف منسوب ہے اور ہمزہ پر ضمہ (پیش) بھی منقول ہے، جو وحشت کی ضد ہے، اور ہمزہ اور نون پر فتح (زبر) بھی جائز ہے۔ یہ "انست بہ" (تو اس سے مانوس ہوا) سے ماخوذ ہے۔ انس انسا وانسۃ ہے۔ (فتح الباری جلد ۹ ص ۵۶۳)

ایک روایت میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح خیبر کے دن لہسن کھانے اور گھریلو گدھوں کا گوشت کھانے سے منع فرمایا۔ (صحیح بخاری جلد ۲ ص ۶۰۶، کتاب المغازی)

ایک اور روایت میں ہے کہ خیبر کے دن گھریلو گدھوں کا گوشت کھانے سے منع فرمایا اور گھوڑوں (کا گوشت کھانے) کی اجازت دی۔ (صحیح بخاری جلد ۲ ص ۶۰۴، کتاب المغازی)

حضرت ابن ابی اوفیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ہم (صحابہ کرام) آپس میں گفتگو کرتے تھے کہ گدھوں کا گوشت کھانے کی ممانعت اس لیے ہے کہ اس سے خمس نہیں لیا گیا اور بعض نے لکھا کہ اس سے قطعی طور پر منع فرمایا کیونکہ یہ نجاست کھاتا ہے۔

اور علماء کرام فرماتے ہیں: اس کا گوشت گرانے کا حکم اس لیے دیا گیا کہ یہ ناپاک حرام ہے اور کہا گیا کہ گدھوں کی ضرورت کی وجہ سے ان کا گوشت کھانے سے منع فرمایا۔ یہ بھی کہا گیا کہ وہ تقسیم سے پہلے لیے گئے تھے۔ آخری دو تاویلیں وہ لوگ کرتے ہیں جو ان کا گوشت کھانا جائز سمجھتے ہیں۔

لیکن صحیح بات وہی ہے جو ہم نے پہلے بیان کی (کہ یہ حرام اور نجس ہے) اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ ان برتنوں کو توڑ دو اور ایک صحابی کا یہ پوچھنا کہ ہم یہ گوشت گرا کر برتن دھو لیں اور آپ کا فرمانا کہ اس طرح بھی کر سکتے ہو، تو اس کو اس بات پر محمول کیا جائے گا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سلسلے میں اجتہاد فرمایا اور برتن توڑنا مناسب سمجھا پھر آپ کا اجتہاد تبدیل ہو گیا یا آپ کی طرف وحی آئی کہ ان برتنوں کو دھویا جائے۔

گھوڑوں کے گوشت کا حکم

گھوڑوں کے گوشت کے بارے میں علماء کرام کا اختلاف ہے:

امام شافعی، جمہور متقدمین و متاخرین کا مذہب یہ ہے کہ یہ مباح ہے اس میں کوئی کراہت نہیں۔ حضرت عبداللہ بن زبیر، حضرت انس بن مالک اور حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہم کا یہی قول ہے۔ صحیح مسلم میں حضرت اسماء رضی اللہ عنہا سے مروی ہے، فرماتی ہیں: ہم نے عہد رسالت میں ایک گھوڑا ذبح کیا اور اسے کھایا۔ اس وقت ہم مدینہ طیبہ میں تھے۔

اور دار قطنی کی روایت میں ہے: پس ہم نے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر والوں نے اسے کھایا۔
(سنن دار قطنی جلد ۴ ص ۲۹۰، صحیح بخاری جلد ۲ ص ۸۲۸)

فتح الباری میں ہے کہ ان الفاظ سے کہ "ہم مدینہ طیبہ میں تھے" معلوم ہوا کہ یہ جہاد فرض ہونے کے بعد کا واقعہ ہے لہٰذا ان لوگوں کی بات رد ہو جائے گی جو کہتے ہیں کہ گھوڑے کا کھانا لیے اس منع ہے کہ یہ جہاد کا آلہ ہے۔

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر والوں کے کھانے کا ذکر ان لوگوں کی بات کو رد کرتا ہے جو کہتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات کا علم نہیں تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی ہے کہ اگر اہل بیت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نہ بھی کھاتے تو بھی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے گھر والوں کے بارے میں یہ گمان نہیں کیا جا سکتا کہ وہ حضور علیہ السلام کے زمانے میں کوئی اقدام کریں مگر اسی صورت میں جب انہیں اس کے جواز کا علم ہو کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ان کا میل جول بہت زیادہ تھا اور وہ لوگ آپ سے جدا نہیں ہوتے تھے۔ اور پھر یہ کہ صحابہ کرام میں احکام سے متعلق نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کا جذبہ بہت زیادہ تھا۔

یہی وجہ ہے کہ راجح بات یہ ہے کہ جب کوئی صحابی کہے "ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں فلاں کام کرتے تھے تو یہ حدیث مرفوع کے حکم میں ہے، کیونکہ ظاہر یہی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس کام پر مطلع ہوتے تھے اور آپ اس کا رد نہ کرتے جب عام صحابہ کرام کے بارے میں یہ بات ہے تو آل ابی بکر رضی اللہ عنہم کے بارے میں کیسے یہ تصور نہ ہوگا۔ (فتح الباری جلد ۹ ص ۵۵۹)

امام طحاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک گھوڑے کا (گوشت) کھانا مکروہ ہے صاحبین امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہم اللہ اور دیگر حضرات نے ان کی مخالفت کی ہے اور انہوں نے ان متواترہ احادیث سے استدلال کیا جو اس کے حلال ہونے کے بارے میں وارد ہیں۔ (شرح معانی الآثار جلد ۲ ص ۳۶۸)

بعض تابعین نے صحابہ کرام سے مطلقاً حلت نقل کی ہے اور کسی کا استثناء نہیں کیا۔ ابن ابی شیبہ رضی اللہ عنہ نے صحیح سند کے ساتھ شیخین (امام بخاری اور امام مسلم) کی شرط پر حضرت عطاء رضی اللہ عنہ سے نقل کیا۔ وہ فرماتے ہیں: تمہارے اسلاف ہمیشہ اسے کھاتے رہے ہیں۔ ابن جریج فرماتے ہیں: میں نے ان سے پوچھا: صحابہ کرام مراد ہیں؟ تو انہوں نے جواب دیا: جی ہاں۔ (مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۸ ص ۷۰)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے جو کراہت منقول ہے، تو اسے ابن ابی شیبہ اور عبد الرزاق نے دو ضعیف سندوں کے ساتھ ذکر کیا۔ (فتح الباری جلد ۹ ص ۵۶)

حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے جامع صغیر میں فرمایا ہے کہ میں گھوڑوں کے گوشت کو مکروہ جانتا ہوں تو حضرت ابوبکر رازی نے اسے کراہت تنزیہی پر محمول کیا ہے اور فرمایا کہ امام صاحب نے اس میں تحریم کا ذکر نہیں کیا اور یہ ان کے نزدیک گھریلو گدھوں کی طرح نہیں ہے، لیکن محیط، ہدایہ اور ذخیرہ کے مصنفین نے آپ سے تحریم کو صحیح قرار دیا اور اکثر کا یہی قول ہے (کیونکہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ جب مطلق مکروہ فرمائیں تو کراہت تحریمی مراد ہوتی ہے) (فتح الباری جلد ۹ ص ۵۶۰)

امام قرطبی نے شرح مسلم میں فرمایا کہ امام مالک رحمہ اللہ کے مذہب میں بھی مکروہ ہے اور فاکہانی فرماتے ہیں مالکی مسلک والوں کے نزدیک کراہت مشہور ہے اور ان کے محققین کے نزدیک صحیح یہ ہے کہ حرام ہے۔
(المفہم شرح مسلم جلد ۵ ص ۲۲۴)

ابن ابی جمرہ فرماتے ہیں: مطلق جواز پر دلیل واضح ہے لیکن امام مالک رحمہ اللہ نے اس کا کھانا اس لیے مکروہ قرار دیا کہ گھوڑا عام طور پر جہاد میں استعمال ہوتا ہے اگر اس کی کراہت کی نفی کردی جائے تو اس کا استعمال زیادہ ہو جائے اور اگر استعمال زیادہ ہو تو یہ ختم ہو جائے گا تو نتیجہ یہ ہوگا کہ دشمن کو ڈرانا جس کا قرآن پاک میں حکم دیا گیا اس میں نقصان ہوگا۔ ارشاد خداوندی ہے:

وَمِنۡ رِّبَاطِ الۡخَيۡلِ تُرۡهِبُوۡنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمۡ۔(الانفال: ۶۰) (اور دشمن کے مقابلے میں تیاری کے سلسلے میں) گھوڑے باندھو، جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ کے دشمن اور اپنے دشمنوں کو ڈراؤ۔

اس بنیاد پر کراہت کا سبب کوئی خارجی بات نہیں اور نہ اس میں کوئی بحث ہے۔ جس حیوان کے مباح ہونے پر اتفاق ہو، اگر کوئی ایسی بات پیدا ہو جائے، جس کا تقاضا یہ ہو کہ اس کے ذبح کرنے سے ممنوع بات لازم آتی ہے تو وہ کام منع ہوگا، لیکن اس سے اس کا حرام ہونا لازم نہیں آئے گا۔[1] (فتح الباری جلد ۹ ص ۵۶۰)

اور ناجائز کہنے والوں میں سے بعض کا یہ قول کہ اگر یہ جائز ہوتا تو گھوڑوں کی قربانی جائز ہوتی تو یہ قاعدہ خشکی کے دیگر جانوروں کی وجہ سے ٹوٹ جاتا ہے کہ ان کا کھانا جائز ہے لیکن ان کی قربانی جائز نہیں ہے اور حضرت خالد بن سعید رضی اللہ عنہ والی حدیث جو امام ابوداؤد، امام نسائی نے نقل کی ہے کہ حضور علیہ السلام نے گھوڑوں، خچروں اور گدھوں کا گوشت کھانے سے منع فرمایا تو یہ حدیث ضعیف ہے۔ اگر اس کے ثبوت کو تسلیم بھی کیا جائے تو بھی یہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث کا مقابلہ نہیں کر سکتی جو جواز پر دلالت کرتی ہے اور حضرت اسماء رضی اللہ عنہا والی حدیث بھی اس کے موافق ہے۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی روایت کو امام احمد، امام بخاری، دار قطنی، خطابی، ابن عبد البر، عبد الحق اور دوسرے حضرات نے ضعیف قرار دیا ہے۔
(سنن دار قطنی جلد ۴ ص ۲۸۷، سنن ابی داؤد جلد ۲ ص ۱۷۵، سنن نسائی جلد ۲ ص ۵۳۱)

بعض حضرات کا خیال ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث حرام ہونے پر دلالت کرتی ہے کیونکہ اس میں ہے کہ آپ نے گھوڑوں کے گوشت کی اجازت دی اور اجازت دینے کا مطلب یہ ہے کہ اس کی ممانعت کا

---

[1] مطلب یہ ہے کہ گھوڑے کا گوشت کھانا مکروہ قرار نہ دیا جائے تو یہ خرابی لازم آتی ہے کہ جہاد کے لیے گھوڑے دستیاب نہ ہوں گے لہٰذا ان کا کھانا ممنوع ہوگا۔ اس سے معلوم ہوا کہ جب کسی جائز کام سے کوئی خرابی لازم آتی ہو تو اسے چھوڑ دینا چاہئے جیسے حضور علیہ السلام بشر ہیں لیکن اس کا زیادہ ذکر کرنا توہین کے مترادف ہے۔ جس طرح کفار کا طریقہ تھا کہ وہ انبیاء کرام کو اپنے جیسا بشر کہہ کر ان کی نبوت کا انکار کرتے تھے۔ اس لیے مسلمانوں کو یہ لفظ استعمال نہیں کرنا چاہئے حالانکہ ہمارا عقیدہ ہے کہ حضور علیہ السلام بے مثل بشر ہیں۔۔۔۱۲ ہزاروی

سبب موجود ہونے کے باوجود اجازت دی کیونکہ خیبر میں مسلمانوں کو بھوک کی شدت کا سامنا تھا لہٰذا یہ مطلقاً حلال ہونے پر دلالت نہیں ہے۔

اس کا جواب اس طرح دیا گیا کہ اکثر روایات میں رخصت کی بجائے اذن کا لفظ ہے جیسا کہ صحیح مسلم میں ہے۔ (صحیح مسلم جلد ۲ ص ۱۵۰)

اور انہی کی ایک روایت میں ہے کہ ہم نے خیبر کے زمانے میں گھوڑوں اور جنگلی گدھوں کا گوشت کھایا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں گھریلو گدھوں سے منع فرمایا۔ (صحیح مسلم جلد ۲ ص ۱۵۰)

امام دار قطنی کے نزدیک حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے فرماتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں گھریلو گدھوں (کے کھانے) سے منع فرمایا اور گھوڑوں کا گوشت کھانے کا حکم دیا۔

تو یہ اس بات پر دلالت ہے کہ جو رخصت کا لفظ آیا ہے وہ اذن (اجازت) کے معنی میں ہے اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ والی حدیث میں جس تحریم کا ذکر ہے' اس سے استدلال اس بات سے بھی ٹوٹ جاتا ہے کہ گھوڑے کھانے کی اجازت دی گئی۔ (سنن دار قطنی جلد ۴ ص ۲۹۰' صحیح بخاری جلد ۲ ص ۸۲۹) اگر بھوک کی شدت کی وجہ سے رخصت ہوتی تو اس بات کے زیادہ لائق گھریلو گدھے تھے کیونکہ اس وقت ان کی تعداد زیادہ اور گھوڑوں کی تعداد کم تھی پس یہ اس بات پر دلالت ہے کہ گھوڑے کھانے کی اجازت عام اباحت کے لیے تھی' خصوصی ضرورت کے تحت نہیں۔

امام مالک رحمہ اللہ وغیرہ جو اس کے حرام ہونے کے قائل ہیں' ان سے منقول ہے کہ انہوں نے ممانعت کے سلسلے میں اس آیت سے استدلال کیا:

وَالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيرَ لِتَرْكَبُوهَا وَزِينَةً۔ (النحل: ۸)

اور گھوڑے اور خچریں اور گدھے (پیدا کئے) تاکہ تم ان پر سوار ہو اور زینت (کا باعث) ہیں۔

اور انہوں نے اس کی تقریر کئی طریقوں سے کی۔

ایک یہ کہ لام تعلیل کے لیے ہے۔ پس یہ اس بات پر دلالت ہے کہ یہ کسی اور مقصد کے لیے پیدا نہیں کئے گئے کیونکہ قرآن مجید میں بیان کی گئی علت حصر کا فائدہ دیتی ہے (یعنی ان کا صرف یہی مقصد ہے)' پس ان کا کھانا ظاہر آیت کے خلاف ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ بغال اور حمیر کا عطف کیا گیا جو اس بات پر دلالت ہے کہ حرام ہونے کے حکم میں یہ سب شریک ہیں پس جو شخص معطوف علیہ کے لیے الگ حکم بیان کرتا ہے' وہ دلیل کا محتاج ہے۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ آیت احسان جتانے کے مقام پر ذکر کی گئی۔ پس اگر کھانے کے ذریعے نفع حاصل کیا جاتا تو اس کے ساتھ احسان جتانا زیادہ بڑی بات تھی اور حکمت والا اعلیٰ چیز کو چھوڑ کر ادنیٰ چیز کے ساتھ احسان نہیں جتاتا بالخصوص جب کہ اس سے پہلے مذکورہ اشیاء میں کھانے کے ساتھ احسان جتایا گیا (اگر ان کا کھانا جائز ہوتا تو یوں کہا جاتا کہ یہ جانور تمہارے کھانے کے لیے پیدا کئے)۔

چوتھی وجہ یہ ہے کہ اگر ان کا کھانا جائز ہوتا تو ان کا وہ نفع جس کے ذریعے احسان جتایا گیا یعنی سواری اور زینت وہ (نفع) فوت ہو جاتا۔

ان باتوں کا جواب یوں دیا گیا کہ سورہ نحل کی یہ آیت مکی ہے اور گھوڑوں کا گوشت کھانے کی اجازت مکہ مکرمہ سے ہجرت کے چھ سال سے بھی زیادہ عرصہ کے بعد دی گئی۔ اگر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس آیت سے ممانعت سمجھتے تو کھانے کی اجازت نہ دیتے۔

نیز سورہ نحل کی یہ آیت کھانے سے ممانعت کے لیے نص نہیں ہے جبکہ اسکے جواز کی حدیث صریح ہے۔

نیز اگر ہم تسلیم کرلیں کہ لام تعلیل کے لیے ہے تو بھی ہم یہ بات تسلیم نہیں کرتے کہ سواری اور زینت میں حصر کا فائدہ حاصل ہوا کیونکہ گھوڑوں سے ان دو کاموں کے علاوہ بھی نفع حاصل کیا جاتا ہے اور کھانے کے علاوہ بھی بے شمار فائدے ہیں جن پر سب کا اتفاق ہے۔ سواری اور زینت کا ذکر اس لیے کیا گیا کہ عام طور پر اس سے یہی فوائد حاصل کئے جاتے ہیں۔ اس کی مثال گائے سے متعلق صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی حدیث ہے۔ جب گائے نے اپنے سوار کو مخاطب کر کے کہا کہ مجھے اس مقصد کے لیے پیدا نہیں کیا گیا بلکہ مجھے کھیتی باڑی کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔[1]

یہ حدیث اگرچہ حصر میں نہایت واضح ہے لیکن اس سے اس بات کا قصد کیا گیا جو عام طور پر ہوتی ہے یعنی (کھیتی باڑی) ورنہ گائے کو کھایا بھی جاتا ہے اور دیگر کئی فوائد بھی حاصل کئے جاتے ہیں جو ہل چلانے کے علاوہ ہیں اور اس پر سب کا اتفاق ہے۔

امام بیضاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس آیت (آیت نحل) سے ان جانوروں کے گوشت کی حرمت پر استدلال کیا گیا ہے لیکن اس میں کوئی دلیل نہیں کیونکہ فعل کی تعلیل سے جس بات کا قصد کیا جاتا ہے عام طور پر اس سے یہ بات لازم نہیں آتی کہ دوسری بات کا قصد نہ کیا جائے۔ (تفسیر بیضاوی جلد اول ص ۳۱۰)

نیز اگر یہ استدلال تسلیم کرلیا جائے تو لازم آئے گا کہ گھوڑوں خچروں اور گدھوں پر کوئی بوجھ نہ لاد سکیں اور اس بات کا کوئی بھی قائل نہیں ہے۔ جہاں تک لفظ بغال اور حمیر کے عطف کا تعلق ہے تو یہ دلالت اقتران ہے (معطوف اور معطوف علیہ کو ملانا) اور یہ ضعیف ہے۔

اور یہ بات کہ احسان کے طور پر یہ ذکر کیا گیا تو عام طور پر احسان سے اس بات کا قصد کیا گیا جس کا عام طور پر گھوڑوں سے نفع حاصل کیا جاتا ہے تو اس چیز کے ساتھ ان کو خطاب کیا گیا جسے وہ جانتے تھے اور وہ معروف تھی اور

---

[1] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ایک شخص اپنی گائے لے کر جا رہا تھا اور اس گائے پر بوجھ لاد رکھا تھا۔ گائے اس شخص کی طرف متوجہ ہوئی اور اس نے کہا: مجھے اس مقصد کے لیے نہیں پیدا کیا گیا بلکہ مجھے ہل چلانے کے لیے (کھیتی کے لیے) پیدا کیا گیا ہے۔ صحابہ کرام نے تعجب اور خوف کے تحت سبحان اللہ کہتے ہوئے کہا: کیا گائے بھی باتیں کرتی ہے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں، ابو بکر صدیق، اور عمر (رضی اللہ عنہما) اس بات پر ایمان رکھتے ہیں۔ (صحیح مسلم جلد ۲ ص ۲۷۳)

چونکہ ان کے شہروں میں گھوڑے کمیاب تھے لہٰذا ان کے ہاں ان کا کھانا معروف نہ تھا بہ خلاف دوسرے جانوروں کے' اس کا اکثر نفع بوجھ اٹھانا اور کھانا تھا تو ہر چیز میں احسان کا اسی بات میں حصر کیا گیا جس سے عام طور پر نفع اٹھایا جاتا تھا۔ اگر اس سے صرف اس بات میں حصر لازم آتا تو نقصان ہوتا۔

جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ اگر گھوڑوں کا کھانا جائز ہوتا تو اس سے منفعت ختم ہو جاتی تو اس کا جواب یوں دیا گیا ہے کہ اگر اس کے کھانے کی اجازت سے اس کا فنا ہونا لازم آتا تو گائے وغیرہ جن کا کھانا جائز ہے اور ان کے ذریعے بھی احسان جتایا گیا' ان کا ختم ہو جانا بھی لازم آتا۔

(مصنف فرماتے ہیں) میں نے اس مسئلے کو تفصیل کے ساتھ ضرورت کے باعث بیان کیا ہے۔ واللہ اعلم

اسی غزوہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کچلیوں (دانتوں) سے پھاڑنے والے جانوروں کو کھانے سے بھی منع فرمایا اور مال غنیمت کو تقسیم ہونے سے پہلے بیچنے سے بھی روکا' نیز جب تک لونڈی کے پیٹ کی حالت معلوم نہ ہو جائے' اس سے وطی کرنے کو بھی منع کیا۔

زہر ملی ہوئی بکری

اسی غزوہ میں سلام بن مشکم کی بیوی زینب بنت حارث (یہودیہ) نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو زہر دیا تھا جیسا کہ بخاری شریف میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ فرماتے ہیں: جب خیبر فتح ہوا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک بکری کا تحفہ بھیجا گیا جس میں زہر تھا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہاں کے تمام یہودیوں کو میرے پاس جمع کرو۔ ان کو اکٹھا کیا گیا تو آپ نے ان سے فرمایا: میں تم سے ایک بات پوچھتا ہوں کیا تم اس کے بارے میں مجھ سے سچ کہو گے؟

انہوں نے کہا: ہاں' اے ابوالقاسم! نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا: تمہارا باپ کون ہے؟ کہنے لگے ہمارا باپ فلاں ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم نے جھوٹ کہا ہے۔ تمہارا باپ تو فلاں ہے۔ انہوں نے کہا: آپ نے ٹھیک کہا اور آپ نیکوکار ہیں۔ آپ نے فرمایا: اگر میں ایک بات کے بارے میں تم سے پوچھوں تو مجھے سچ سچ بتاؤ گے۔ انہوں نے کہا: اے ابوالقاسم! اگر ہم نے جھوٹ بولا تو آپ کو ہمارا جھوٹ معلوم ہو جائے گا جیسا کہ ہمارے باپ کے بارے میں آپ کو معلوم ہوا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جہنم والے کون ہیں؟ انہوں نے کہا: ہم تھوڑی مدت وہاں رہیں گے پھر آپ لوگ دوزخ میں ہمارے قائم مقام ہوں گے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم اس میں ذلت کے ساتھ رہو۔ اللہ کی قسم! ہم تمہاری جگہ کبھی نہیں جائیں گے۔ پھر فرمایا: اگر میں تم سے ایک بات کے بارے میں پوچھوں تو مجھے سچ سچ بتاؤ گے؟ انہوں نے کہا: جی ہاں۔ فرمایا: کیا تم نے اس بکری میں زہر ملایا ہے؟ انہوں نے کہا: جی ہاں۔ فرمایا: تم نے یہ کام کیوں کیا؟ انہوں نے کہا: ہم چاہتے تھے کہ اگر آپ جھوٹے ہیں تو ہم آپ سے نجات پائیں گے اور اگر آپ نبی ہیں تو یہ آپ کو نقصان نہیں دے گا۔

(صحیح بخاری جلد ۲ ص ۸۵۹' کتاب المغازی)

سنن ابی داؤد میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ خیبر والوں میں سے ایک یہودیہ نے بھنی ہوئی بکری میں زہر ملایا پھر حضور علیہ السلام کی خدمت میں وہ بکری بطور تحفہ ارسال کی۔ آپ نے اس میں سے کچھ لے کر کھایا۔ آپ کے ساتھ صحابہ کرام کی ایک جماعت نے بھی کھایا۔ پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنے ہاتھ اٹھالو اور یہودیہ کی طرف پیغام بھیجا کہ تم نے اس میں زہر ملایا ہے؟ اس نے پوچھا: آپ کو کس نے بتایا؟ فرمایا مجھے بکری کے اس شانے نے جو میرے ہاتھ میں ہے۔ اس نے کہا: ہاں (میں نے زہر ملایا ہے) میں نے سوچا اگر آپ نبی ہیں تو یہ آپ کو ہرگز نقصان نہیں دے گا اور اگر آپ نبی نہیں ہیں تو ہمیں آپ سے چھٹکارا مل جائے گا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے معاف کر دیا اور کوئی سزا نہ دی۔ جن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس سے کھایا تھا وہ سب انتقال کر گئے اور حضور علیہ السلام نے اس بکری کے کھانے کے سبب اپنے شانوں کے درمیان پچھنے لگوائے۔ (سنن ابی داؤد جلد ۲ ص ۲۶۴)

ابوداؤد کے علاوہ روایت میں ہے: ابن شکم کی بیوی زینب بنت حارث پوچھنے لگی کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بکری کا کون سا حصہ پسند ہے۔ لوگوں نے کہا: اس کی دستی۔ اس نے اپنی بکری کا قصد کیا اور اسے ذبح کر کے بھونا پھر ایسے زہر کا قصد کیا جو جلد اثر کرتا ہے اور فوری طور پر ہلاک کر دیتا ہے۔ اس نے یہودیوں سے زہروں کے بارے میں مشورہ کیا تو ان سب نے ایک خاص زہر پر اتفاق کیا۔ اس نے بکری میں زہر ملایا اور اس کے شانے اور دونوں دستیوں میں زیادہ زہر ملایا۔ پھر آپ کے اور آپ کے ساتھ حاضر صحابہ کرام کے سامنے رکھ دیا ان میں حضرت بشر بن براء رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا بازو تناول فرمایا اور دانتوں کے ساتھ اس کا گوشت لیا۔ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا لقمہ حلق سے نیچے اتار لیا تو حضرت بشر بن براء رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں جو کچھ تھا انہوں نے اسے نگل لیا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنے ہاتھ اٹھالو۔ اس دستی نے مجھے بتایا کہ اس میں زہر ملا ہوا ہے۔

اس حدیث میں یہ بھی ہے کہ حضرت بشر بن براء رضی اللہ عنہ انتقال فرما گئے تھے اور یہ بھی کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ عورت حضرت بشر بن براء رضی اللہ عنہ کے ورثا کے حوالے کی تو انہوں نے اسے (قصاص میں) قتل کر دیا۔ اسے دمیاطی نے روایت کیا ہے۔ (طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۲۰۲)

اس سلسلے میں اختلاف ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت کو سزا دی یا نہیں؟

امام بیہقی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے اعراض فرمایا اور حضرت ابو نضرہ کے طریق سے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے اس کی مثل مروی ہے۔ وہ فرماتے ہیں: آپ نے اسے سزا نہیں دی۔ امام زہری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اس نے اسلام قبول کیا اور آپ نے اسے چھوڑ دیا۔ (دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۴ ص ۲۶۱)

امام بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ہو سکتا ہے پہلے اسے چھوڑ دیا ہو لیکن جب حضرت بشر بن براء رضی اللہ عنہ اس کا لقمہ کھانے سے انتقال کر گئے تو آپ نے اسے قتل کر دیا۔ (قتل کرنے کا حکم دے دیا)

(دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۴ ص ۲۶۱)

امام سہیلی نے بھی یہی جواب دیا اور اس میں یہ اضافہ بھی کیا کہ آپ نے اسے چھوڑ دیا کیونکہ آپ اپنی ذات کے لیے کسی سے انتقام نہیں لیتے تھے پھر حضرت بشر رضی اللہ عنہ کے قصاص میں اسے قتل کرنے کا حکم دے دیا۔

(دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۴ ص ۲۶۱)

اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس کے اسلام لانے پر اس کو چھوڑ دیا ہو اور اس کا قتل موخر کر دیا، حتیٰ کہ حضرت بشر رضی اللہ عنہ کا انتقال ہو گیا کیونکہ ان کی موت سے قصاص کی شرط پائی گئی اور قصاص واجب ہو گیا۔

سلیمان تیمی کے مغازی میں ہے کہ اس عورت نے کہا (میں نے سوچا تھا کہ) اگر آپ جھوٹے ہیں تو میں آپ سے لوگوں کو راحت پہنچاؤں گی اور اب میرے لیے واضح ہو گیا کہ آپ سچے ہیں اور آپ کو اور باقی موجود لوگوں کو گواہ بناتی ہوں کہ میں آپ کے دین پر ہوں اور یہ کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور رسول ہیں۔ راوی کہتے ہیں: جب اس نے اسلام قبول کیا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے اعراض فرمایا۔ (فتح الباری جلد ۷ ص ۳۸۱) اس روایت میں حضرت زہری کی موافقت ہے کہ وہ اسلام لائی تھی۔ واللہ اعلم (دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۴ ص ۲۶۱)

فجر کی نماز سے سو جانا

اسی غزوہ میں یہ واقعہ پیش آیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فجر کی نماز سے سو گئے۔ آپ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو ذمہ داری سونپی تھی جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت صحیح مسلم میں ہے کہ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ خیبر سے واپس تشریف لا رہے تھے تو رات بھر چلتے رہے حتیٰ کہ جب آخر رات میں اترے تو اونگھ آ گئی۔ آپ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اے بلال! ہمارے لیے رات کی حفاظت کرنا۔ (جونہی رات گزرے ہمیں نماز کے لیے جگانا) حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے جس قدر مقدر تھا، نماز پڑھی اور نبی اکرم مع صحابہ کرام آرام فرما ہوئے۔ جب فجر قریب ہوئی تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے مشرق کی سمت میں رخ کر کے اپنے کجاوے کا سہارا لیا تو ان کی آنکھوں پر بھی نیند غالب آ گئی اور انہوں نے کجاوے سے ٹیک لگائی ہوئی تھی سو نہ تو حضور علیہ السلام بیدار ہوئے نہ حضرت بلال اور نہ ہی کسی دوسرے صحابی کی آنکھ کھلی۔ حتیٰ کہ ان پر دھوپ آ گئی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سب سے پہلے بیدار ہوئے۔ آپ نے فرمایا: اے بلال! (یہ کیا؟) حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے عرض کیا؟ یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں۔ میرے نفس پر بھی اسی چیز کا غلبہ ہوا جس کا آپ پر غلبہ ہوا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اونٹوں کو چلاؤ[1] چنانچہ انہوں نے اپنی سواریاں کچھ دور چلائیں، پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو فرمایا اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا

[1] نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں سے کوچ کا حکم اس لیے دیا تاکہ معلوم ہو کہ جہاں شیطانی اثرات ہوں، وہاں سے دور رہنا چاہئے...۱۲ہزاروی)

انہوں نے نماز کے لیے اقامت کہی تو آپ نے ان کو فجر کی نماز پڑھائی۔ جب نماز پڑھ چکے تو فرمایا جو شخص نماز (پڑھنا) بھول جائے تو جب یاد آئے اسے پڑھ لے۔ (صحیح مسلم جلد اول ص ۲۳۸) اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکْرِیْ۔ (طٰہٰ: ۱۴) اور میری یاد کے لیے نماز قائم رکھو۔

حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی آمد

اسی موقع پر حضرت جعفر رضی اللہ عنہ اور آپ کے دوسرے ساتھی حبشہ سے آئے تھے۔

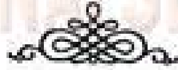
خیبر کی جنگ سے فتح ہوا یا صلح سے، اس بارے میں اختلاف ہے۔

حضرت عبدالعزیز بن صہیب، حضرت انس رضی اللہ عنہ سے جو حدیث روایت کرتے ہیں، اس میں یہ بات واضح طور پر مذکور ہے کہ یہ فتح غلبہ سے ہوئی۔ ابن عبدالبر نے بھی اسے قطعی قرار دیا اور ان لوگوں کا رد کیا جو کہتے ہیں کہ خیبر کی فتح صلح سے ہوئی۔ وہ فرماتے ہیں: جو لوگ کہتے ہیں کہ صلح کے ذریعے فتح ہوئی، انہیں ان دو قلعوں کی وجہ سے شبہ پیدا ہوا جن میں موجود لوگوں نے اپنی جانیں بچانے کے لیے وہ قلعے مسلمانوں کے سپرد کر دیئے تھے اور یہ ایک قسم کی صلح تھی لیکن یہ بھی محاصرہ اور جنگ کے بعد ہوئی۔[1]

وادیٔ قریٰ کی فتح

پھر جمادی الاخریٰ میں وادی قریٰ فتح ہوئی۔ آپ نے ان لوگوں کا محاصرہ کرتے ہوئے وہاں چار دن قیام فرمایا اور زیادہ کا قول بھی کیا گیا ہے۔[2]

آپ کے غلام مدعم کو تیر لگا تو آپ نے فرمایا کہ وہ چادر جو اس نے خیبر (کے مال) سے خیانت کے طور پر لی تھی اس پر ضرور جہنم کی آگ بھڑکے گی۔ اور اہل تیماء نے جزیہ دینا قبول کر کے صلح کی۔ یہ بات حافظ مغلطائی نے کہی ہے۔ (دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۴ ص ۲۷۰)



---

[1] مقصد یہ ہے کہ جب محاصرہ ہوا اور اس کے بعد صلح ہوئی تو یہ غلبہ ہی ہوگا۔ ۱۲ ہزاروی۔

[2] واقدی کہتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو لڑائی کے لیے تیار کیا اور ان کی صف بندی کی۔ اپنا علم حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کو دیا اور چھوٹے جھنڈے حضرت حباب بن منذر، حضرت سہیل بن حنیف اور حضرت عباد بن بشر رضی اللہ عنہم کو دیئے۔ پھر ان لوگوں کو دعوت اسلام دی لیکن انہوں نے ایک شخص کو مقابلے کے لیے بھیجا۔ اسے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے قتل کیا۔ پھر ایک اور کو بھی انہوں نے قتل کیا۔ ایک کو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے دو کو حضرت ابودجانہ رضی اللہ عنہ نے قتل کیا۔ ہر قتل کے بعد ان کو اسلام کی دعوت دی جاتی لیکن وہ اسلام نہ لائے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے فتح عطا فرمائی اور بہت سا مال غنیمت حاصل ہوا۔ (زرقانی جلد ۲ ص ۲۴۷)

خیبر کے بعد سرایا

سریۂ عمر فاروق رضی اللہ عنہ

پھر شعبان سات ہجری میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا سریہ ترت کی طرف گیا[1] آپ کے ہمراہ تیس افراد تھے اور ایک راہنما جو بنوبلال میں سے تھا آپ کے ساتھ نکلا۔ آپ رات کو چلتے اور دن کو چھپ جاتے۔ ہوازن قبیلے کو اطلاع ہوئی تو وہ بھاگ نکلے اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ان کے ٹھکانوں کی طرف آئے، لیکن ان میں سے کسی کو نہ دیکھا۔ پس مدینہ طیبہ واپس تشریف لے آئے۔ (طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۱۱۷)

سریۂ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا سریہ ہے جو (نجد میں) بنوکلاب کی طرف گیا جو ضریہ مقام کے نواح میں تھے۔[2] اور یہ سنہ ۷ھ کا واقعہ ہے۔ (طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۱۱۷) یہ بھی کہا گیا ہے کہ بنو فزارہ کی طرف گئے اور ان سے کچھ لوگوں کو قیدی بنایا جب کہ دوسروں کو قتل کر دیا۔ صحیح مسلم میں ہے کہ فزارہ کی طرف تشریف لے گئے اور یہی صحیح ہے۔ (صحیح مسلم جلد ۲ ص ۸۹، کتاب الجہاد)

سریۂ بشیر بن سعد رضی اللہ عنہ

پھر حضرت بشیر بن سعد انصاری رضی اللہ عنہ کا سریہ ہے جو شعبان سنہ ۷ھ میں فدک میں بنو مرہ کی طرف گیا تھا۔[3] ان کے ہمراہ تیس افراد تھے۔ ان لوگوں کے درمیان لڑائی ہوئی اور حضرت بشیر رضی اللہ عنہ لڑتے رہے، حتیٰ کہ زخمی ہوئے۔ ابھی زندگی کی رمق باقی تھی۔ آپ کے ٹخنے پر چوٹ لگائی گئی۔ (تاکہ معلوم ہو کہ زندہ ہیں یا فوت ہو چکے ہیں) اور کہا گیا کہ آپ انتقال فرما چکے ہیں۔

علبہ بن یزید حارثی رضی اللہ عنہ ان کی خبر لے کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے، پھر ان کے بعد حضرت بشیر بن سعد رضی اللہ عنہ تشریف لائے۔ (طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۱۱۸)

---

[1] ترت مکہ مکرمہ سے دو دن کے فاصلے پر ایک وادی کا نام ہے۔ ابن سعد کہتے ہیں کہ چار دن کے فاصلے پر مکہ مکرمہ سے صنعا اور نجران کے راستے پر ہے۔ (زرقانی جلد ۲ ص ۲۴۹)

[2] یہ مکہ مکرمہ کے قریب بصرہ کے راستے پر ایک بستی ہے۔ (زرقانی جلد ۲ ص ۲۴۹)

[3] فدک خیبر میں ایک مقام ہے جو مدینہ طیبہ سے دو یا تین منزل کے فاصلے پر ہے۔ (زرقانی)

سریۂ غالب لیثی رضی اللہ عنہ

پھر حضرت غالب بن عبداللہ لیثی رضی اللہ عنہ کا سریہ ہے جو میفعہ کی طرف گیا۔ یہ مقام مدینہ طیبہ سے نجد کی جانب آٹھ برید (ایک برید بارہ میل کا ہوتا ہے) کے فاصلے پر ہے۔ یہ سریہ رمضان المبارک سنہ ۷ھ میں گیا۔ یہ دو سو تیس افراد تھے۔ انہوں نے اہل میفعہ پر اچانک یلغار کر دی اور جو لوگ ان کے سامنے آئے، ان کو قتل کر دیا۔ نیز ان کے اونٹ اور بکریاں لے کر مدینہ طیبہ آ گئے۔ اہل مغازی کہتے ہیں: اس سریہ میں حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ نے نہیک بن مرداس کو قتل کر دیا حالانکہ اس نے کلمہ طیبہ پڑھا تھا تو حضور علیہ السلام نے فرمایا (اے اسامہ) تم نے اس کا دل پھاڑ کر کیوں نہ دیکھا تاکہ تم جان لیتے کہ وہ سچا ہے یا جھوٹا؟ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: آئندہ میں اس شخص سے نہیں لڑوں گا جو لاالہ الا اللہ کی شہادت دے گا۔

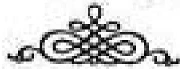
الاکلیل میں ہے کہ یہ واقعہ ہجرت کے آٹھویں سال اس سریہ میں ہوا، جس میں حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ امیر تھے۔

صحیح بخاری میں حضرت ابو ظبیان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں: میں نے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے سنا۔ وہ فرما رہے تھے: ہمیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حرقہ کی طرف بھیجا۔ ہم ان لوگوں کے پاس صبح کے وقت پہنچے اور ہم نے ان کو شکست دی۔ میں اور ایک انصاری نے ان میں سے ایک شخص کو پالیا۔ جب ہم اس کے قریب پہنچے تو اس نے لاالہ الا اللہ کہا۔ انصاری اس سے رک گئے لیکن میں نے اسے نیزہ مار کر قتل کر دیا۔ جب ہم واپس آئے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس واقعہ کی اطلاع ہو گئی۔ آپ نے فرمایا: اے اسامہ! اس شخص کے لاالہ الا اللہ کہنے کے بعد تو نے اسے قتل کر دیا؟ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! وہ پناہ حاصل کرنے کے لیے ایسا کرتا تھا۔ لیکن آپ مسلسل وہی بات دہراتے رہے حتی کہ میں نے تمنا کی کاش آج کے دن سے پہلے میں مسلمان نہ ہوا ہوتا۔ (صحیح بخاری جلد ۲ ص ۶۱۲، کتاب المغازی)

سریۂ بشیر بن سعد رضی اللہ عنہ

پھر حضرت بشیر بن سعد انصاری رضی اللہ عنہ کا سریہ یمن اور جبار کی طرف گیا اور یہ غطفان قبیلے کا علاقہ ہے۔ اسے فزارہ اور عذرہ کا علاقہ بھی کہا گیا ہے۔ یہ سریہ شوال سنہ ۷ھ میں گیا اور اس میں حضرت بشیر رضی اللہ عنہ کے ہمراہ تین سو افراد تھے۔ اس کا سبب یہ تھا کہ وہاں کچھ لوگ مدینہ طیبہ پر حملہ کرنے کی غرض سے جمع تھے۔ مسلمان رات کو چلتے اور دن کو چھپ جاتے جب ان لوگوں کو حضرت بشیر رضی اللہ عنہ کی آمد کا پتا چلا تو بھاگ کھڑے ہوئے۔

ان لوگوں کے بہت سے اونٹ مسلمانوں کے ہاتھ لگے جن کو مال غنیمت بنایا گیا۔ نیز ان کے دو آدمیوں کو قیدی بنا کر مدینہ طیبہ بارگاہ نبوی میں لایا گیا تو وہ دونوں مسلمان ہو گئے۔ (طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۱۲۰)



عمرۂ قضا

وجہ تسمیہ

پھر عمرہ قضیہ ہے جسے عمرۂ قضا کہا جاتا ہے کیونکہ اس کا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش سے معاہدہ کیا تھا۔ اس لیے نہیں کہ یہ اس عمرہ کی قضا تھی جس سے آپ کو روکا گیا تھا کیونکہ آپ نے اسے فاسد نہیں کیا تھا کہ اس کی قضا واجب ہوتی بلکہ وہ عمرہ تامہ (مکمل اصل) تھا۔ اس لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چار عمرے شمار ہوئے جیسا کہ آگے آئے گا انشاء اللہ۔[1]

دوسرے علماء فرماتے ہیں کہ یہ پہلے عمرہ کی قضا تھی اور انہوں نے حدیبیہ والے عمرہ کو اس لیے عمروں میں شمار کیا کہ اس کے لیے ثواب ثابت ہوا۔ اس لیے نہیں کہ وہ کامل تھا۔

اس اختلاف کی بنیاد اس مسئلے میں اختلاف پر ہے کہ جو شخص عمرے کا ارادہ کرے اور پھر اسے بیت اللہ شریف سے روک دیا جائے تو کیا اس پر قضا واجب ہے؟

جمہور کہتے ہیں اس پر قربانی واجب ہے لیکن قضا واجب نہیں ہے۔[2] لیکن امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ اس کے برعکس فرماتے ہیں، حضرت امام احمد رحمہ اللہ سے ایک روایت یہ ہے کہ اس پر ھدی اور قضا لازم نہیں اور دوسرا قول یہ ہے کہ قضا اور ہدی دونوں واجب ہیں۔

جمہور کی دلیل یہ ارشاد خداوندی ہے:

فَإِنْ أُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ۔ (البقرۃ: ۱۹۶)

پس اگر تم روک دیئے جاؤ تو جو قربانی کا جانور تمہیں میسر ہو۔ (ذبح کرو)

حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی دلیل یہ ہے کہ عمرہ شروع کرنے سے لازم ہو جاتا ہے۔ پس جب رکاوٹ ہو جائے تو اس میں تاخیر جائز ہے۔ جب رکاوٹ ختم ہو جائے تو اسے بجالائے اور دونوں احراموں کے درمیان احرام سے نکل جانے سے قضاء کا ساقط ہونا لازم نہیں آتا۔

---

[1] عمرہ حدیبیہ، عمرہ قضاء، عمرہ جو جعرانہ مقام سے کیا اور ایک عمرہ حج کے ساتھ۔

[2] حضرت امام ابو حنیفہ اور حضرت امام احمد رحمہما اللہ کے اختلاف کے بعد جمہور علماء کون سے رہ جاتے ہیں اگر ائمہ مراد ہوں، اور اگر مقلدین مراد ہوں تو حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے مقلدین اور حضرت امام احمد رحمہ اللہ کے مقلدین بھی تو جمہور ہیں۔۔۔ ۱۲ ہزاروی۔

اور جس نے دونوں (عمرہ اور قربانی) کو واجب قرار دیا، اس کے لیے صحابہ کرام کا عمل دلیل ہے کہ جب انہیں روکا گیا تو انہوں نے قربانی کے جانور ذبح کئے اور آئندہ سال عمرہ بھی کیا اور قربانی کے جانور بھی لائے۔

اور جن لوگوں کے نزدیک دونوں واجب نہیں ہیں، ان کی دلیل یہ ہے کہ صحابہ کرام کا رکاوٹ کی وجہ سے احرام کھولنا جانور کی قربانی پر موقوف نہیں تھا بلکہ جس کے پاس قربانی کا جانور تھا، اسے ذبح کرنے کا حکم دیا گیا اور جس کے ساتھ جانور نہیں تھا، اسے سر منڈانے کا حکم دیا گیا۔ (فتح الباری جلد ۷ ص ۳۸۳)

عمرہ کا واقعہ

حاکم نے الاکلیل میں فرمایا کہ اس سلسلے میں تواتر کے ساتھ احادیث مروی ہیں کہ جب ذی قعدہ سنہ ۷ھ کا چاند طلوع ہوا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو حکم دیا کہ وہ اپنے اس عمرہ کی قضاء کے طور پر عمرہ کریں۔ (فتح الباری جلد ۷ ص ۳۸۳) جس سے مشرکین نے ان کو حدیبیہ میں روک دیا تھا اور حدیبیہ میں جتنے لوگ حاضر تھے۔ ان میں سے کوئی بھی پیچھے نہ رہے۔ پس ان میں سے سوائے ان لوگوں کے جو خیبر میں شہید ہو گئے تھے یا جو انتقال کر گئے، کوئی بھی پیچھے نہ رہا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ دو ہزار مسلمان نکلے اور آپ نے مدینہ طیبہ میں ابو رہم غفاری رضی اللہ عنہ کو نائب مقرر کیا اور آپ قربانی کے ساٹھ اونٹ لے گئے۔ اسلحہ بھی اٹھایا خود، زرہ اور نیزے بھی ساتھ لیے اور ایک سو گھوڑے بھی لیے جب ذوالحلیفہ میں پہنچے تو حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کی نگرانی میں سواروں کو آگے بھیج دیا اور حضرت بشیر بن سعد رضی اللہ عنہ کی نگرانی میں اسلحہ بھی بھیج دیا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھ صحابہ کرام نے بھی احرام باندھا اور تلبیہ کہا۔ حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ سواروں کو لے کر مرالظہران میں پہنچے تو وہاں قریش کے کچھ لوگوں کو پایا۔ ان کے پوچھنے پر آپ نے بتایا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کل صبح یہاں پہنچنے والے ہیں انشاء اللہ تعالیٰ۔ انہوں نے جا کر قریش کو بتایا تو وہ خوفزدہ ہو گئے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مرالظہران میں پہنچے تو اسلحہ وادی یاجج (یاجج اور یاجج بھی پڑھا جاتا ہے) میں بھیج دیا یہ مکہ مکرمہ میں ایک مقام ہے جہاں سے حرم کی حدود نظر آتی ہیں اور حضرت اوس بن خولی انصاری رضی اللہ عنہ کو دو سو مردوں کے ساتھ اس کی حفاظت پر مامور کر دیا۔ (اس دوران) قریش مکہ مکرمہ سے پہاڑوں کی چوٹیوں پر چلے گئے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی کے جانور آگے بھیجے تو انہیں وادی ذی طویٰ میں چھوڑ دیا گیا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اونٹنی قصواء پر روانہ ہوئے اور مسلمان اپنی گردنوں میں تلواریں حمائل کئے ہوئے آپ کی حفاظت کر رہے تھے اور تلبیہ کہتے تھے۔ آپ اس گھاٹی سے داخل ہوئے جو مقام حجون پر نکلتی ہے۔ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے آپ کی اونٹنی کی مہار پکڑ رکھی تھی۔

شمائل ترمذی میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت سے ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ میں

عمرۂ قضا کے لیے داخل ہوئے اور ابن رواحہ رضی اللہ عنہ آپ (کی سواری) کے آگے آگے چلتے ہوئے کہہ رہے تھے۔

خلوا بنی الکفار عن سبیلہ اليوم نضربکم علی تنزیلہ
ضربا یزیل الھام عن مقیلہ ویذھل الخلیل عن خلیلہ

"اے کفار کے بیٹو! آپ کے راستے سے ہٹ جاؤ۔ آج کے دن ہم رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے یہاں اترنے پر (یا قرآن پاک کے حکم پر) تمہاری گردنیں ماریں گے"۔

"ایسی ضرب لگائیں گے کہ کھوپڑیاں گردنوں سے الگ ہوجائیں گی اور دوست، دوست کو بھول جائے گا"۔

(فتح الباری جلد ۷ ص ۳۸۳)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے ابن رواحہ! نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے شعر پڑھ رہے ہو؟ تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عمر! انہیں چھوڑ دو، یہ اشعار کفار کے دلوں میں تیر کی نوک سے زیادہ موثر ہیں۔

امام عبدالرزاق نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے دو طریقوں پر روایت کیا۔ (فتح الباری جلد ۷ ص ۵۸۴) جس کے الفاظ اس طرح ہیں:

خلوا بنی الکفار عن سبیلہ قد انزل الرحمن فی تنزیلہ
بان خیر القتل فی سبیلہ نحن قتلنا کم علی تاویلہ
کما قتلناکم عن تنزیلہ

"اے کفار کے بیٹو! رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا راستہ چھوڑ دو اور اللہ تعالیٰ نے اپنے نازل کردہ کلام میں فرمایا کہ بہترین قتل وہ ہے جو اس کے راستے میں ہو (یعنی جہاد) ہم اس کی تاویل پر تم سے لڑیں گے جیسا کہ ہم تم سے اس کے نازل کردہ قرآن (سے تمہارے انکار) پر لڑے"۔

امام طبرانی نے اور امام بیہقی نے دلائل النبوۃ میں اس طرح نقل کیا ہے:

اليوم نضربکم علی تنزیلہ ضربا یزیل الھام عن مقیلہ
ویذھل الخلیل عن خلیلہ یارب انی مومن بقیلہ

"آج ہم ان کے اترنے پر یا قرآن مجید کے حکم پر تمہیں ایسی مار ماریں گے جو کھوپڑیوں کو ان کے سروں سے الگ کردے گی اور دوست کو دوست سے غافل کردے گی۔ اے میرے رب! بے شک میں ان کے قول پر ایمان رکھتا ہوں"۔

ابن عقبہ نے مغازی میں حضرت ابن رواحہ کے قول کے بعد یہ شعر ذکر کیا ہے:

وقد انزل الرحمن فی تنزیلہ فی صحف تتلی علی رسولہ

"بے شک اللہ تعالیٰ نے اپنے اتارے جانے والے کلام میں نازل فرمایا۔ ایسے صحائف میں جو اس

کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر پڑھے جاتے ہیں"۔

لیکن انہوں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کا ذکر نہیں کیا اور ابن اسحاق نے ان کے قول کے بعد یہ اضافہ کیا:

یارب انی مؤمن بقیلہ   انی رایت الحق فی قبولہ

"اے میرے رب میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول پر ایمان لانے والا ہوں۔ میں نے آپ کا قول قبول کرنے میں حق کو دیکھ لیا"۔

ابن ہشام فرماتے ہیں کہ:

"نحن ضربناکم علی تاویلہ" آخر تک، حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ کا قول ہے جو انہوں نے جنگ صفین میں کہا تھا۔ (فتح الباری جلد ۷ ص ۳۸۴)

انہوں نے (ابن سعد وغیرہ نے) کہا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مسلسل تلبیہ کہتے رہے حتیٰ کہ آپ نے رکن (حجر اسود) کو اس عصا کے ذریعے بوسہ دیا جس کا سرا ٹیڑھا تھا۔ آپ نے اضطباع کیا ہوا تھا یعنی بازو مبارک ننگے تھے اور چادر کو دائیں بازو کے نیچے سے لا کر بائیں کاندھے پر ڈال رکھا تھا اور آپ نے سواری پر ہی طواف کیا۔ مسلمان آپ کے ساتھ طواف کر رہے تھے اور انہوں نے بھی اضطباع کیا ہوا تھا۔

طواف میں رمل

صحیح بخاری میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، فرماتے ہیں: مشرکین نے کہا کہ یہ لوگ (مسلمان) تمہارے پاس اس طرح آئے ہیں کہ ان کو یثرب (مدینہ طیبہ) کے بخار نے کمزور کر دیا ہے۔ تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ (طواف کے) تین چکروں میں رمل کریں اور دو رکنوں کے درمیان عام طریقے سے چلیں۔[1] اور ان کو تمام چکروں میں رمل سے اس لیے روکا کہ ان کی قوت برقرار رہے اور کمزور نہ پڑ جائیں۔ (صحیح بخاری جلد ۲ ص ۶۱۰ کتاب المغازی) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر شفقت فرماتے ہوئے حکم دیا۔ ایک روایت میں ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا رمل کرو تاکہ مشرک تمہاری قوت کو دیکھیں اور مشرکین قعیقعان (پہاڑ) کی جانب تھے۔ (صحیح بخاری جلد ۲ ص ۶۱۱ کتاب المغازی)

سعی اور احرام کھولنا

پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی سواری پر ہی صفا اور مروہ کے درمیان سعی کی، پھر جب ساتویں چکر سے فارغ ہوئے اور سواری کا جانور مروہ کے پاس تھا تو آپ نے فرمایا: یہ قربان گاہ ہے اور مکہ مکرمہ کی ہر گلی قربان گاہ ہے۔

---

[1] پہلوانوں کی طرح کاندھوں کو حرکت دیتے ہوئے چلنا رمل ہے۔

پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مروہ کے پاس قربانی کا جانور ذبح کیا اور اس جگہ سر منڈوایا۔ صحابہ کرام نے بھی اسی طرح کیا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ لوگوں کو حکم دیا کہ وہ وادی یابج میں جائیں اور اسلحہ کے پاس ٹھہریں تاکہ دوسرے حضرات آکر عمرہ کے افعال بجالائیں، چنانچہ انہوں نے اسی طرح کیا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ میں تین دن ٹھہرے۔

صحیح بخاری میں حضرت براء رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے اور پھر مدت پوری ہوگئی تو مشرکین حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور کہنے لگے: اپنے ساتھی سے کہیں کہ وہ یہاں سے چلے جائیں کیونکہ مدت پوری ہوگئی ہے۔ (صحیح بخاری جلد ۲ ص ۶۱۱ کتاب المغازی)

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی کا باہر آنا

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے تو حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی اے چچا! اے چچا! کہتی ہوئی آپ کے پیچھے آئی۔[1] حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اس کا ہاتھ پکڑ کر حضرت فاطمہ الزہرا رضی اللہ عنہا سے فرمایا: اپنے چچا کی بیٹی کو پکڑو تو انہوں نے اسے اٹھالیا۔

اب اس بچی کے بارے میں حضرت علی المرتضیٰ، حضرت زید بن حارثہ اور حضرت جعفر رضی اللہ عنہم کے درمیان اختلاف ہوا۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اسے میں لوں گا کیونکہ یہ میرے چچا کی بیٹی ہے۔ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ میری چچا زاد بھی ہے اور میرے گھر اس کی خالہ ہے۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ میری بھتیجی ہے۔[2] تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بچی کی خالہ کے حق میں فیصلہ دیا اور فرمایا: خالہ ماں کی طرح ہوتی ہے۔ (صحیح بخاری جلد ۲ ص ۶۱۰ کتاب المغازی)

مشرکین نے شرط رکھی تھی کہ آپ کے خاندان کا کوئی شخص آپ کے ساتھ نہیں جائے گا۔ اس کے باوجود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان حضرات کو بچی لے جانے کی اجازت اس لیے دی کہ قریش نے اس کی واپسی کا مطالبہ نہیں کیا تھا۔ آپ کا یہ ارشاد گرامی کہ خالہ ماں کی طرح ہے، یعنی اس خاص حکم میں کیونکہ بچے پر شفقت اور بچے کی بہتری کے لیے جو چیزیں ضروری ہیں، ان کی راہنمائی کے حوالے سے وہ زیادہ قریب تھیں۔ اس سے یہ مسئلہ بھی واضح ہوا کہ پرورش کے سلسلے میں خالہ، پھوپھی پر مقدم ہوتی ہے کیونکہ حضرت صفیہ بنت عبدالمطلب

---

[1] حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا بھی تھے اور رضاعی بھائی بھی۔ اس مناسبت سے بچی نے آپ کو چچا کہا۔

[2] جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے باہمی امداد کے لیے مہاجرین کو باہم بھائی بھائی بنایا تو حضرت حمزہ اور حضرت زید رضی اللہ عنہما کے درمیان مواخات (بھائی چارہ) قائم فرمائی تھی اس لیے انہوں نے فرمایا: یہ میری بھتیجی ہے۔

رضی اللہ عنہا بھی اس وقت موجود تھیں۔[1] تو جب خالہ پھوپھی پر مقدم ہے حالانکہ پھوپھی عصبات عورتوں (باپ کے خاندان کی عورتوں) میں سے سب سے زیادہ قریب ہے تو باقی عورتوں پر خالہ بدرجہ اولیٰ مقدم ہوگی[2]، اس سے یہ مسئلہ بھی اخذ کیا جاسکتا ہے کہ باپ کے رشتہ داروں کے مقابلہ میں ماں کے رشتہ دار مقدم ہیں۔

(فتح الباری جلد ۷ ص ۳۹۱)

اُم المؤمنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا۔ حالانکہ آپ حالت احرام میں تھے اور جب ان کا قرب حاصل کیا تو احرام کھول چکے تھے۔

(صحیح بخاری جلد ۲ ص ۶۱۱، کتاب المغازی)

یہ بات حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے وہم سے شمار کی گئی ہے۔ حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی خالہ تھیں لیکن ان سے غلطی ہوئی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے اس وقت نکاح کیا جب آپ احرام کھول چکے تھے۔ اسے امام بخاری نے ذکر کیا۔

حضرت یزید بن اصم، حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں: آپ فرماتی ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مقام سرف میں مجھ سے نکاح کیا تو ہم دونوں احرام سے نکل چکے تھے۔ (صحیح مسلم)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کے بیان میں آپ کے خصائص کے ضمن میں آئے گا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے حالت احرام میں بھی نکاح کرنا جائز تھا۔ شافعی مسلک والوں کے نزدیک دو قولوں میں سے زیادہ صحیح قول یہی ہے۔[3]



---

[1] اس بات کا جواب یوں دیا جاسکتا ہے کہ پھوپھی نے مطالبہ نہیں کیا تھا جبکہ خالہ کے خاوند نے مطالبہ کیا تھا۔

(زرقانی جلد ۲ ص ۲۶۱)

[2] قرابت ماں کو ترجیح ہوگی لہٰذا پھوپھی سے خالہ مقدم ہوگی۔ (ہدایہ جلد اول ص ۴۳۴ باب حضانۃ الولد)

[3] احناف کے نزدیک حالت احرام میں نکاح کرنا جائز ہے البتہ جماع نہیں ہو سکتا... ۱۲ ہزاروی۔

عمرہ اور غزوۂ موتہ کے درمیان کا عرصہ

سریۂ ابن ابی العوجاء

اس کے بعد ذوالحجہ سنہ ۷ھ میں حضرت ابن ابی العوجاء سلمی رضی اللہ عنہ کی سربراہی میں پچاس مسلمانوں پر مشتمل ایک دستہ بنوسلیم کی طرف گیا۔ کفار نے انہیں ہر طرف سے گھیر لیا اور سخت لڑائی ہوئی حتیٰ کہ ان میں سے اکثر شہید ہوگئے اور مقتولین کے ساتھ حضرت ابن ابی العوجاء رضی اللہ عنہ زخمی پائے گئے (اور ان لوگوں نے یہ سمجھ کر کہ آپ قتل ہوگئے ہیں، چھوڑ دیا) پھر بڑی مشقت اٹھانے کے بعد آپ صفرالمظفر سنہ ۸ھ کے شروع میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچے۔ (طبقات ابن سعد جلد ۷ ص ۱۲۳، کتاب المغازی للواقدی جلد ۲ ص ۷۴۱)

سریۂ غالب لیثی

پھر حضرت غالب بن عبداللہ لیثی رضی اللہ عنہ کا سریہ (دستہ) ہے جو بنوالملوح کی طرف گیا جو کدید میں تھے۔ قاموس میں ہے کہ کدید (کاف پر زبر کے ساتھ) حرمین شریفین کے درمیان ایک کنواں ہے اور نہایت کشادہ سخت زمین کو کدید کہتے ہیں جس طرح کدہ کا یہی معنی ہے اور یوم کدید معروف ہے۔ یہ سریہ صفر سنہ ۸ھ میں گیا اور مال غنیمت حاصل ہوا۔ (کتاب المغازی للواقدی جلد ۲ ص ۷۵)

حضرت خالد بن ولید اور اُن کے ساتھیوں کی آمد اور قبول اسلام

اسی مہینے صفر سنہ ۸ھ میں حضرت خالد بن ولید، حضرت عثمان بن ابی طلحہ اور حضرت عمرو بن عاصی رضی اللہ عنہم مدینہ طیبہ آئے اور اسلام قبول کیا۔ ابن ابی خیثمہ کہتے ہیں: یہ پانچ ہجری کی بات ہے اور امام حاکم اسے ۷ھ کا واقعہ بتاتے ہیں۔

حضرت غالب کا دوسرا سریہ

اس کے بعد پھر حضرت غالب بن عبداللہ لیثی رضی اللہ عنہ کا سریہ ہے، جو فدک میں اس جگہ کی طرف گیا جہاں حضرت بشیر بن سعد رضی اللہ عنہ کے ساتھی شہید ہوئے تھے۔ یہ سریہ صفر سنہ ۸ھ میں گیا اور حضرت غالب

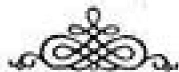
کے ساتھ دو سو افراد تھے۔ انہوں نے صبح ہوتے ہی ان پر حملہ کر دیا، ان میں سے کئی لوگوں کو قتل کیا اور ان کے اونٹ بھی حاصل کئے۔ (طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۱۳۶، کتاب المغازی للواقدی جلد ۲ ص ۷۵۳)

شجاع بن وہب کا سریہ

اس کے بعد حضرت شجاع بن وہب اسدی رضی اللہ عنہ کا دستہ مقام سِیّ میں بنو عامر کی طرف گیا۔ یہ ذات عرق سے وجرہ کی طرف ہے۔ مکہ سے بصرہ کی طرف تین منزل اور مدینہ طیبہ سے پانچ منزل (مراحل) کے فاصلے پر ہے۔ (مسافر جو مسافت ایک دن میں (پیدل) طے کرے اس مرحلہ کہتے ہیں جس کی جمع مراحل ہے)
یہ دستہ ربیع الاول سنہ ۸ھ میں گیا اور حضرت شجاع کے ہمراہ چوبیس افراد تھے جو ہوازن قبیلہ کے ایک اجتماع کی طرف گئے تھے۔ آپ نے ان کو حکم دیا کہ ان پر حملہ کر دیں۔ یہ لوگ رات کو چلتے اور دن کو چھپ جاتے حتیٰ کہ صبح کے وقت وہاں جا پہنچے اور بکریاں اور اونٹ ہاتھ لگے جنہیں ہانک کر مدینہ طیبہ لے آئے۔ یہ حضرات پندرہ راتیں مدینہ طیبہ سے باہر رہے۔ مال غنیمت تقسیم ہو کر ایک ایک کے حصے میں پندرہ پندرہ اونٹ آئے ایک اونٹ کو دس بکریوں کے برابر شمار کیا گیا۔ (طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۱۳۶، کتاب المغازی للواقدی جلد ۲ ص ۷۵۳)

کعب غفاری کا سریہ

پھر حضرت کعب بن عمیر غفاری رضی اللہ عنہ کا سریہ ہے جو ذات اطلاح کی طرف گیا اور یہ وادی قریٰ سے پیچھے ہے۔ ربیع الاول سنہ ۸ھ میں پندرہ افراد کے ساتھ روانہ ہوئے اور چلتے چلتے ذات اطلاح میں پہنچے۔ وہاں بہت سے لوگوں کو جمع پایا تو صحابہ کرام نے ان سے سخت لڑائی کی حتیٰ کہ شہید ہو گئے۔ ان شہیدوں کے درمیان ایک زخمی نے نجات پائی۔ مغلطائی کہتے ہیں: کہا گیا ہے کہ وہ ان کے امیر تھے۔ جب رات پر سکون ہوئی تو وہ مشقت برداشت کرتے کرتے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچے اور واقعہ بتایا۔ آپ کو سخت دکھ ہوا۔ اس لیے آپ نے ان کی طرف لشکر بھیجنے کا ارادہ فرمایا لیکن جب ان لوگوں کو اطلاع ہوئی تو وہ وہاں سے چلے گئے۔ بنابریں آپ نے ان کی طرف لشکر بھیجنے کا ارادہ ترک فرما دیا۔ (طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۱۳۶، کتاب المغازی للواقدی جلد ۲ ص ۷۵۳)



غزوۂ موتہ

جگہ اور تاریخ

اس کے بعد سریہ موتہ ہے۔ یہ لفظ میم پر پیش اور واؤ ساکن کے ساتھ ہے۔ اکثر راویوں کے نزدیک (واؤ ہے) ہمزہ نہیں ہے۔ مبرد (عربی شاعر) نے یہ بات قطعی طور پر کہی ہے۔ ثعلب، جوہری اور ابن فارس نے ہمزہ کے ساتھ لکھا ہے (یعنی مؤتہ)، دوسرے لوگوں نے دونوں طرح کہا ہے۔[1]

یہ جگہ دمشق کے نزدیک شام میں بلقاء شہر کی عمل داری میں ہے اور یہ غزوہ جمادی الاولیٰ سنہ ۸ھ میں ہوا۔
(السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد ۲ ص ۲۵۶)

غزوہ کا سبب

اس غزوہ کا سبب یہ ہوا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حارث بن عمیر الازدی کو اپنا مکتوب گرامی دے کر بصریٰ کے بادشاہ کی طرف بھیجا۔ جب وہ موتہ میں اترے تو شرحبیل بن عمرو غسانی سامنے آیا اور اس نے حضرت حارث کو شہید کر دیا اور ان کے علاوہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی قاصد کو شہید نہیں کیا گیا۔
(کتاب المغازی للواقدی جلد ۲ ص ۷۵۶)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی سربراہی میں تین ہزار کا لشکر بھیجا اور فرمایا: اگر حضرت زید شہید ہو جائیں تو حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور اگر وہ شہید ہو جائیں حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ سربراہ ہوں گے اور اگر وہ بھی شہید ہو جائیں تو مسلمان کسی ایک شخص پر راضی ہو کر اسے اپنا امیر بنا لیں۔ (طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۱۲۸)

حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ کی روایت جسے امام احمد و نسائی رحمہما اللہ نے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا۔ اس میں یہ ہے کہ اگر حضرت زید شہید ہو جائیں تو حضرت جعفر رضی اللہ عنہ تمہارے امیر ہوں گے۔
(فتح الباری جلد ۷ ص ۳۹۳)

---

[1] مبرد سے ابو العباس محمد بن یزید مراد ہیں، جو عربی زبان کے بہت بڑے امام ہیں۔ ثعلب علامہ ہیں محدث اور لغت اور عربیت کے امام ہیں۔ ان کا نام ابو العباس احمد بن یحییٰ بن یزید شیبانی ہے۔ جوہری، امام ابو نصر اسماعیل بن حماد ہیں اور ابن فارس سے مراد ابو الحسن رازی لغوی فقیہ مالکی ہیں۔ (فتح الباری جلد ۷ ص ۷۵۶)

سیرت نگار کہتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے سفید جھنڈا مقرر کیا اور وہ حضرت زید بن حارثہ کے حوالے کیا نیز ان کو حکم دیا کہ وہ حضرت حارث بن عمیر رضی اللہ عنہ کی شہادت گاہ پر جائیں اور وہاں کے لوگوں کو اسلام کی دعوت دیں۔ اگر وہ قبول کرلیں تو ٹھیک ہے، ورنہ ان کے خلاف اللہ تعالیٰ سے مدد مانگیں اور ان سے لڑیں۔ (طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۱۲۸)

مدینہ طیبہ سے کوچ

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کو رخصت کرنے کے لیے شہر سے باہر تشریف لائے یہاں تک کہ جب ثنیۃ الوداع پر پہنچے تو وہاں ٹھہر گئے اور ان کو رخصت کیا۔ وہ چلے تو مسلمانوں نے پکار کر کہا: اللہ تعالیٰ تم سے دشمن کو دور رکھے اور تمہیں سلامتی اور غنیمت کے ساتھ واپس لائے۔ حضرت ابن رواحہ رضی اللہ عنہ نے پڑھا:

لکننی اسال الرحمن مغفرۃ وضربۃ ذات فرغ تقذف الزبدا

"لیکن میں تو رحمٰن ذات سے مغفرت چاہتا ہوں اور ایسی ضرب کا طالب ہوں جو وسیع ہو اور خون سے جھاگ نکلے"۔

جب یہ لوگ مدینہ طیبہ سے روانہ ہوئے تو دشمن کو ان کی روانگی کی اطلاع مل گئی چنانچہ وہ ان کے انتظار میں جمع ہوئے اور شرحبیل بن عمرو نے ایک لاکھ سے زیادہ لوگ جمع کیے اور جاسوسوں کو اپنے آگے بھیجا۔

مسلمان شام کے ایک مقام معان میں اترے اور ان کو دشمن کی کثرت اور ان کے جمع ہونے کی خبر مل گئی اور ہرقل (بادشاہ) ایک لاکھ مشرکین کے ساتھ بلقاء کی زمین (یعنی روم) میں خیمہ زن تھا۔ مسلمانوں نے وہاں دو راتیں گزاریں تاکہ حالات کا جائزہ لیں اور مشورہ کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ساری صورت حال لکھ کر بھیجیں۔ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے ان کو آگے جانے کی جرات دلائی، چنانچہ وہ موتہ کی طرف چل پڑے۔

معرکہ

مشرکین اس کثرت سے آئے کہ کسی کو ان سے لڑنے کی طاقت نہ تھی۔ وہ اپنے ساتھ اسلحہ، گھوڑے، ریشم اور سونا لے کر آئے (تاکہ شان وشوکت دکھائیں)۔

مسلمانوں اور مشرکین کے درمیان مقابلہ ہوا تو اس دن مسلمانوں کے (تینوں) امیر پیدل لڑے اور ان کے ساتھ مسلمان بھی صف بستہ ہو کر دشمنوں سے لڑے۔ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے جھنڈا لیا اور لڑائی کی حتیٰ کہ آپ نیزے کے بھالے سے زخمی ہو کر شہید ہوگئے۔

پھر حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے جھنڈا لیا۔ وہ اپنے گھوڑے شقراء سے اتر کر لڑے حتیٰ کہ شہید ہوگئے۔ ان کو ایک رومی نے ضرب لگائی اور دو ٹکڑے کردیا۔ ان کے جسم کے ایک نصف حصے میں اسی (۸۰) سے زائد زخم پائے گئے اور ان کے جسم کے سامنے والے حصے میں تلوار اور نیزے کے بہتر (۷۲) زخم تھے۔

(طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۱۲۸)

صحیح بخاری کی ایک روایت میں ہے، راوی فرماتے ہیں: ہم نے حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے جسم میں تلوار اور نیزوں کے نوے سے زیادہ زخم پائے۔ (صحیح بخاری جلد ۲ ص ۶۱۱ کتاب المغازی)

ایک دوسری روایت میں ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اس دن حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے پاس کھڑے ہوئے جبکہ حضرت جعفر شہید ہو چکے تھے۔ آپ فرماتے ہیں: میں نے ان میں پچاس زخم گنے جو تلوار یا نیزے کے تھے لیکن ان میں سے کوئی بھی زخم پیٹھ کی طرف نہیں تھا۔ (صحیح بخاری جلد ۲ ص ۶۱۱ کتاب المغازی)

ابن اسحاق نے سند حسن کے ساتھ ذکر کیا اور یہ روایت سنن ابی داؤد میں امام ابوداؤد نے اپنے طریق سے مرہ قبیلہ کے ایک شخص کی روایت سے نقل کی ہے: وہ کہتا ہے اللہ کی قسم! گویا میں حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو دیکھ رہا ہوں جب آپ اپنے گھوڑے شقرا سے نیچے کودے اور اس کی کونچیں کاٹ ڈالیں۔ پھر آگے بڑھ کر لڑنے لگے حتیٰ کہ شہید ہو گئے۔ (فتح الباری جلد ۷ ص ۳۹۳، السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد ۱ ص ۲۵۸)

راوی بتاتے ہیں کہ پھر حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے جھنڈا لیا حتیٰ کہ وہ بھی شہید ہو گئے۔ اس کے بعد جھنڈا حضرت ابن اقرم عجلانی نے لیا حتیٰ کہ صحابہ کرام خالد بن ولید پر متفق ہوئے انہوں نے جھنڈا لیا تو رومی تتر بتر ہو گئے اور انہیں شکست سے دوچار ہونا پڑا اور رومیوں کے پیچھے مشرکین بھی بھاگ اٹھے اور مسلمانوں میں سے شہید ہوا جو شہید ہوا۔ (طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۱۲۹)

امام حاکم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے ان سے سخت لڑائی کی اور بے شمار لوگوں کو قتل کیا اور مال غنیمت حاصل کیا۔

ابن سعد نے کہا کہ مسلمانوں کو شکست ہو گئی۔ (طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۱۲۹)

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ ہر گروہ (مسلمان بھی اور کفار بھی) کسی شکست کے بغیر ایک دوسرے سے جدا ہو گئے۔

اس دوران نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سے زمین کا پردہ ہٹا دیا گیا حتیٰ کہ آپ نے قوم کی جنگ کی جگہ ملاحظہ فرمائی۔[1]

دو پروں والا

حضرت عباد بن عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں: مجھ سے میرے رضاعی باپ نے بیان کیا۔ ان کا تعلق بنو مرہ کے قبیلہ سے تھا کہ وہ غزوہ موتہ میں حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کے ہمراہ حاضر ہوئے، کہتے ہیں: میں نے دیکھا جب لڑائی سخت ہو گئی تو حضرت جعفر رضی اللہ عنہ اپنے گھوڑے شقراء

[1] یہ نبوت کی خصوصیت میں سے ہے کہ جہاں دوسروں کی نگاہ نہیں پہنچتی، وہاں اللہ تعالیٰ کے نبی کے لیے سب پردے ہٹا دیئے جاتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ انبیاء کرام علیہم السلام بے مثل بشر ہیں۔ ہماری طرح نہیں۔ ... ۱۲ ہزاروی۔

سے کود پڑے، پھر اس کے پاؤں کاٹ دیئے اور مخالف قوم سے لڑے حتیٰ کہ شہید ہو گئے۔ یہ روایت امام بغوی نے اپنی معجم میں نقل کی ہے۔ اس جنگ میں حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے دونوں ہاتھ کاٹے گئے، پھر ان کو شہید کر دیا گیا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے ان کو ان ہاتھوں کی جگہ دو پر عطا کئے ہیں وہ جنت میں جہاں چاہیں اڑتے پھریں، ابو عمر نے یہ روایت نقل کی ہے۔

صحیح بخاری میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے: فرماتی ہیں: جب حضرت عبداللہ ابن رواحہ، زید بن حارثہ اور جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہم شہید ہوئے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہوئے اور آپ کے چہرہ انور پر غم ظاہر تھا۔ (صحیح بخاری جلد ۲ ص ۶۱۱، کتاب المغازی)

امام طبرانی نے سند حسن کے ساتھ حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔ وہ فرماتے ہیں، مجھ سے رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: تمہیں مبارک ہو تمہارے والد آسمان میں فرشتوں کے ساتھ اڑ رہے ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے (حضرت) جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو فرشتوں کے ساتھ اڑتے ہوئے دیکھا ہے۔ اس حدیث کو امام ترمذی اور حاکم نے نقل کیا اور اس کی سند میں ضعف ہے لیکن حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی روایت جو ابن سعد نے نقل کی ہے، وہ اس کی شاہد ہے۔ (لہٰذا ضعف ختم ہو گیا۔) (جامع ترمذی، ابواب المناقب)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی مروی ہے وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: آج رات (حضرت) جعفر (رضی اللہ عنہ) فرشتوں کی ایک جماعت کے ساتھ میرے پاس سے گزرے تو ان کے دونوں پر خون سے رنگین تھے۔ اس حدیث کو امام ترمذی اور امام حاکم نے امام مسلم کی شرط پر نقل کیا۔
(فتح الباری جلد ۷ ص ۶۲)

امام حاکم اور امام طبرانی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً روایت کرتے ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: گزشتہ رات (خواب میں) جنت میں داخل ہوا تو میں نے اس میں (حضرت) جعفر بن ابی طالب (رضی اللہ عنہ) کو فرشتوں کے ہمراہ اڑتے ہوئے دیکھا۔ (فتح الباری جلد ۷ ص ۶۲)

انہی سے ایک دوسرے طریق سے مروی ہے کہ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ، حضرت جبریل اور حضرت میکائیل علیہما السلام کے ساتھ اڑ رہے تھے اور ان کے دو پر تھے، جو اللہ تعالیٰ نے ان کو ان کے ہاتھوں کے عوض عطا فرمائے تھے، اس کی سند جید ہے۔ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے اس غزوہ کے موقع پر جھنڈا اپنے دائیں ہاتھ میں لیا تو وہ کٹ گیا، پھر بائیں ہاتھ میں پکڑا تو وہ بھی کٹ گیا، پھر انہوں نے بغل میں لے لیا۔ اس کے بعد آپ کو شہید کر دیا گیا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں اس کا عوض عطا فرمایا۔

پروں سے مقصود

امام سہیلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ان کے دو پر تھے۔ اس کا یہ مطلب جس طرح گزشتہ احادیث سے وہم ہوتا

ہے کہ پرندوں کی طرح پر تھے کیونکہ آدمی کی صورت تمام صورتوں سے زیادہ اچھی اور کامل ہے تو پروں سے مراد فرشتوں کی صفت اور روحانی قوت کا پیدا ہونا ہے جو حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کو عطا کی گئی۔ قرآن پاک میں توسع کے طور پر پہلو (یا پسلی) کے لیے پر کا لفظ استعمال ہوا۔ ارشاد خداوندی ہے:

وَاضْمُمْ يَدَكَ إِلَى جَنَاحِكَ۔(طٰہٰ: ۲۲) اور اپنے بازوؤں کو اپنے پہلوؤں سے ملائیں۔

علماء کرام فرشتوں کے پروں کے بارے میں فرماتے ہیں کہ یہ فرشتوں والی صفات ہیں جو معائنہ کے بغیر سمجھ میں نہیں آتیں۔ یہ بات ثابت ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام کے چھ سو پر ہیں اور پرندے کے لیے تو تین پروں کا تصور بھی نہیں ہو سکتا چہ جائیکہ زیادہ کا تصور کیا جائے۔

پس جب ان کی کیفیت کے بیان میں کوئی حدیث نہیں آئی تو ہم اس کی حقیقت پر بحث کیے بغیر اس پر ایمان رکھتے ہیں۔ (السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد ۲ ص ۲۵۹)

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ منع کے مقام میں امام سہیلی نے یہ بات قطعیت کے ساتھ کہی ہے اور جو کچھ انہوں نے علماء کرام سے نقل کیا ہے، وہ ان کے دعویٰ پر صریح دلالت نہیں کرتا۔ اور ظاہر پر محمول کرنے میں بھی کوئی رکاوٹ نہیں، مگر جو حجت انہوں نے ذکر کی ہے اور وہ غائب کو شاہد پر قیاس کرنا ہے جو ضعیف ہے۔

اور صورت بشریہ کا سب سے اچھی صورت ہونا حدیث کو ظاہر پر محمول کرنے میں رکاوٹ نہیں ہے کیونکہ صورت تو باقی ہے (صرف پروں کا مسئلہ ہے)

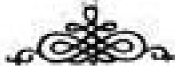
حضرت امام بیہقی رحمہ اللہ نے دلائل النبوۃ میں عاصم بن عمر بن قتادہ رحمہ اللہ کی مرسل روایت کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے پر یاقوت سے تھے اور حضرت جبریل علیہ السلام کے بارے میں آیا کہ ان کے دو پر موتیوں سے ہیں۔ اسے ابن مندہ نے ورقہ کے ذکر میں نقل کیا ہے۔

(فتح الباری جلد ۷ ص ۳۹۷)

مدینہ طیبہ میں ان کی خبر کا پہنچنا

موسیٰ بن عقبہ نے مغازی میں لکھا ہے حضرت یعلیٰ بن امیہ رضی اللہ عنہ اہل موتہ کی خبر لے کر آئے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: اگر تم چاہو تو مجھے خبر دو اور اگر چاہو تو میں تمہیں خبر دوں۔ انہوں نے عرض کیا: آپ مجھے خبر دیں تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو پوری خبر دے دی۔ اس پر حضرت یعلیٰ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے، آپ نے ان کے واقعہ سے کوئی بات بھی ذکر کیے بغیر نہیں چھوڑی۔

امام طبرانی کے نزدیک حضرت ابوالیسر انصاری کی روایت سے ہے کہ حضرت ابوعامر اشعری رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات کی خبر دی جو موتہ والوں کو پہنچی تھی۔ (فتح الباری جلد ۷ ص ۳۹۴)



ان کے پاس نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عطا کردہ کھجوروں کی تھیلی کے علاوہ بھی کھجوریں تھیں۔ اس پر صحیح بخاری کی وہ حدیث جو جہاد کے ضمن میں مذکور ہے، دلالت کرتی ہے۔ راوی فرماتے ہیں: ہم نکلے اور ہم تین سو افراد تھے، ہم نے اپنا زاد راہ اپنے کاندھوں پر اٹھا رکھا تھا پس ہمارا زاد راہ ختم ہوگیا حتیٰ کہ ہم میں سے ایک شخص (پورے دن میں) ایک کھجور کھاتا تھا۔ (صحیح بخاری جلد اول ص ۴۱۹، کتاب الجہاد)

حضرت قیس بن سعد رضی اللہ عنہما نے ایک اونٹ خریدا اور اس کو ان کے لیے ذبح کیا۔

(صحیح بخاری جلد ۲ ص ۶۲۶، کتاب المغازی)

اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے لیے سمندر سے ایک جانور بھی نکالا جسے عنبر کہا جاتا تھا۔ انہوں نے اس کو کھایا اور لڑائی کی نوبت نہیں آئی اور یہ حضرات واپس آگئے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث جسے حدیث کے چھ ائمہ (امام بخاری، امام مسلم، امام ترمذی، امام ابوداؤد، امام نسائی اور امام ابن ماجہ رحمھم اللہ) نے روایت کیا، اس میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں تین سو سواروں کی صورت میں بھیجا اور ہمارے امیر حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ تھے۔ ہم ساحل پر ٹھہرے حتیٰ کہ ہماری خوراک کا سامان ختم ہوگیا اور ہم نے درخت سلم کے پتے کھائے، پھر سمندر نے ایک جانور ہماری طرف پھینکا جس کو عنبر کہا جاتا ہے۔ پس ہم نے اس سے نصف مہینے تک کھایا حتیٰ کہ ہمارے جسم ٹھیک ہوگئے۔ حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے اس کی ایک پسلی لے کر کھڑی کی اور سب سے طویل اونٹ کو دیکھا کہ وہ اس کے نیچے سے گزر گیا۔ (صحیح بخاری جلد ۲ ص ۶۲۵، کتاب المغازی)

صحیحین کی روایت میں یہ بھی اضافہ ہے کہ جب ہم مدینہ طیبہ آئے تو بارگاہ نبوی میں حاضر ہو کر واقعہ عرض کیا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ رزق اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے نکالا۔ تمہارے پاس اس گوشت میں سے کچھ ہے تو ہمیں بھی کھلاؤ۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ہم نے اس میں سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے گوشت بھیجا تو آپ نے تناول فرمایا۔ (صحیح بخاری جلد ۲ ص ۶۲۶، کتاب المغازی، صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۴۷)

حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ کے سریے

پھر حضرت ابو قتادہ بن ربعی انصاری رضی اللہ عنہ کا شعبان سنہ ۸ھ میں مقام خضرہ کی طرف سریہ ہے۔ یہ جگہ نجد میں بنو محارب کی زمین ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ہمراہ پندرہ افراد بنو غطفان کی طرف بھیجے ان میں سے جو مسلمانوں کے مقابلے میں آئے ان کو قتل کیا گیا اور بہت سے لوگوں کو قیدی بنایا گیا۔ ان کے جانوروں کو ہانک کر لایا گیا جن میں سے اونٹوں کی تعداد دو سو اور بکریاں دو ہزار تھیں۔ اس دوران یہ لوگ پندرہ راتیں مدینہ طیبہ سے باہر رہے۔ (طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۱۳۲)

اس کے بعد پھر حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ کا سریہ ہے جو سنہ ۸ھ میں رمضان شریف کے آغاز میں بطن اضم (وادی اضم) کی طرف گیا۔ یہ جگہ مدینہ طیبہ سے تین برید (یعنی چھتیس میل) کے فاصلے پر ذی خشب اور ذی مروہ

کے درمیان واقع ہے۔ اس کا سبب یہ ہوا کہ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل مکہ سے جہاد کا قصد فرمایا تو حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ کو آٹھ افراد کے ساتھ سریہ کے طور پر وادی اضم کی طرف بھیجا تاکہ گمان کرنے والا یہ گمان کرے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرف کا ارادہ کیا ہے اور وہ لوگ یہ خبر (مکہ مکرمہ) لے جائیں۔

عامر بن اضبط سے مسلمانوں کی ملاقات ہوئی تو عامر نے ان کو اسلام کے طریقے پر سلام کیا لیکن محلم بن جثامہ نے اسے قتل کر دیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ أَلْقَىٰ إِلَيْكُمُ السَّلَامَ لَسْتَ مُؤْمِنًا۔ آخر تک (النساء: ۹۴)

اور جو شخص تمہیں سلام کرے، اسے یہ نہ کہو کہ تم مومن نہیں ہو۔

اسے امام احمد رحمہ اللہ نے روایت کیا۔[1]

ابن جریر کے نزدیک حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت سے اسی طرح مروی ہے البتہ یہ اضافہ ہے کہ محلم بن جثامہ دو چادروں میں آیا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بیٹھ گیا تاکہ آپ اس کے لیے مغفرت طلب کریں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ تمہیں نہ بخشے وہ کھڑا ہوا اور اپنی چادروں سے آنسو پونچھتا تھا۔ ساتواں دن نہیں گزرا تھا کہ اس کا انتقال ہو گیا۔ زمین نے اسے باہر پھینک دیا۔

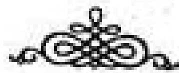
(تفسیر ابن جریر جلد ۵، ص ۱۳۰)

دوسرے حضرات کے نزدیک یوں ہے کہ انہوں نے اسے پھر زمین میں رکھا لیکن زمین نے اسے باہر پھینک دیا جب قوم عاجز آ گئی تو انہوں نے اسے دو پہاڑوں کے درمیان زمین پر رکھ دیا، پھر اس پر پتھر رکھ کر اسے چھپا دیا۔ (السیرۃ النبویہ المسمی عیون الاثر جلد ۲ ص ۱۷۸)

ابن جریر کی روایت میں ہے انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا تو آپ نے فرمایا: زمین تو تمہارے اس ساتھی سے برے لوگوں کو قبول کر لیتی ہے لیکن اللہ تعالیٰ تمہیں نصیحت کرنا (سمجھانا) چاہتا ہے۔

(تفسیر ابن جریر جلد ۵ ص ۱۳)

ابن اسحاق نے اس سریہ کو ابن ابی حدرد کی طرف منسوب کیا ہے۔ ان کے ساتھ دو مرد غابہ کی طرف گئے۔ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر پہنچی کہ رفاعہ بن قیس نے آپ سے لڑنے کے لیے وہاں لوگوں کو جمع کیا ہے۔ انہوں نے رفاعہ کو قتل کیا اور اس لشکر کو شکست دی، نیز بہت بڑی غنیمت حاصل کی۔ اسے مغلطائی نے بیان کیا۔ واللہ اعلم



[1] حضرت عبداللہ بن ابی حدرد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں مسلمانوں کی ایک جماعت کے ساتھ بھیجا ہم نکلے تو عامر بن اضبط سے ہماری ملاقات ہوئی۔ وہ اپنی سواری پر بیٹھا تھا۔ اس نے ہمیں اسلام کے طریقے پر سلام کیا تو ہم اس سے رک گئے لیکن محلم بن جثامہ نے اسے قتل کیا اور اس کا اونٹ لے لیا ان کے درمیان پہلے سے کوئی جھگڑا تھا۔

(مسند امام احمد جلد ۶ ص ۱۱)

فتح مکّہ

اس کے بعد مکہ مکرمہ فتح ہوا- اللہ تعالیٰ اس محترم شہر کی عزت اور شرف کو اور زیادہ کرے (آمین) جیسا کہ زادالمعاد میں کہا گیا ہے کہ یہ عظیم ترین فتح تھی جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے اپنے دین، اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم، ان کے لشکر اور اپنے حرم امین کو عزت بخشی- اس فتح کے ذریعے اپنے شہر (مکہ مکرمہ) اور اپنے گھر (خانہ کعبہ) کو جسے تمام عالمین کی ہدایت کا باعث بنایا، کفار اور مشرکین کے ہاتھوں سے محفوظ رکھا- اس فتح پر آسمان والے خوش ہوئے اور برج جوزاء پر عزت کے خیمے نصب کیے گئے-

نیز اس کی وجہ سے لوگ اللہ تعالیٰ کے دین میں فوج در فوج داخل ہوئے اور اس کے ذریعے زمین کا چہرہ روشنی اور سرور سے چمک اٹھا-

فتح کا سبب

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کے لشکر اور رحمٰن کے عساکر اس لیے نکالے کہ قریش نے حدیبیہ میں ہونے والے عہد کو توڑ دیا تھا- اس معاہدے میں یہ شرط بھی تھی کہ جو شخص نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد و پیمان میں داخل ہونا چاہے- وہ ایسا کر سکتا ہے اور جو آدمی قریش کے عہد و پیمان میں داخل ہونا چاہے، اسے بھی اس کی اجازت ہے- پس بنوبکر قریش کے عہد میں اور خزاعہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد و پیمان میں داخل ہوئے- (زادالمعاد لابن قیم جلد ۲ ص ۱۷۸)

بنوبکر اور خزاعہ کے درمیان دور جاہلیت میں لڑائی اور قتل کا سلسلہ جاری رہتا تھا- لیکن جب اسلام ظاہر ہوا تو وہ لوگ اس باہمی دشمنی سے غافل ہو گئے- جب صلح حدیبیہ ہوئی تو نوفل بن معاویہ دیلی جس کا تعلق بنودیل کے قبیلے بنوبکر سے تھا رات کے وقت خزاعہ کے ہاں پہنچا- خزاعہ اس وقت اپنے ایک پانی جسے وتیر کہا جاتا تھا پر تھے- نوفل نے ان کے ایک آدمی منبہ کو قتل کر ڈالا- اس سے خزاعہ خواب غفلت سے بیدار ہوئے اور لڑائی شروع ہو گئی حتیٰ کہ وہ حرم میں داخل ہوئے، پھر بھی لڑائی موقوف نہ کی- قریش نے اسلحہ کے ذریعہ بنوبکر کی مدد کی اور بعض قریش نے رات کو خفیہ طور پر ان کے ساتھ لڑائی میں بھی حصہ لیا- (فتح الباری جلد ۷ ص ۳۹۹)

ادھر عمرو بن سالم خزاعی نے جس کا تعلق خزاعہ سے تھا چالیس سوار لیے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تاکہ واقعہ کی خبر دیں اور مدد طلب کریں- نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم چادر مبارک گھسیٹتے

ہوئے کھڑے ہوئے اور آپ فرمارہے تھے۔ اگر میں تمہیں اس چیز کے ساتھ مدد نہ دوں جس کے ساتھ اپنے آپ کو مدد دیتا ہوں تو گویا میں نے تمہیں مدد ہی نہیں دی۔ (طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۱۳۴)

امام طبرانی کی معجم صغیر میں ہے، حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا جب آپ رات کے وقت وضو کی جگہ میں فرمارہے تھے "لبیک لبیک" (میں حاضر ہوں، میں حاضر ہوں) تین بار فرمایا، پھر تین بار فرمایا: میں نے مدد کی۔ جب آپ باہر تشریف لائے تو میں نے پوچھا: یارسول اللہ! میں نے سنا ہے کہ آپ اپنے مقام وضو میں فرمارہے تھے "لبیک لبیک" اور "نصرت نصرت" (تین بار) گویا آپ کسی آدمی سے گفتگو فرمارہے تھے۔ کیا آپ کے ساتھ کوئی تھا؟ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بنو کعب کا رجز کہنے والا (اشعار پڑھنے والا) مجھ سے مدد مانگ رہا تھا اور اس کا خیال ہے کہ قریش نے ان کے خلاف بنو بکر کی مدد کی ہے۔ (فتح الباری جلد ۷ ص ۴۰۰)

پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ سامان سفر تیار کریں اور کسی کو نہ بتانا۔ حضرت ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں، پھر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ داخل ہوئے تو انہوں نے فرمایا: بیٹی! یہ کیسی تیاری ہے؟ انہوں نے عرض کیا: اللہ کی قسم مجھے معلوم نہیں۔ انہوں نے فرمایا: اللہ کی قسم یہ بنو اصفر[1] سے جہاد کا زمانہ نہیں تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کدھر جانے کی تیاری کر رہے ہیں؟ انہوں نے عرض کیا: مجھے معلوم نہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ہم تین دن ٹھہرے پھر آپ نے صحابہ کرام کو صبح کی نماز پڑھائی تو میں نے رجز کرنے والے کو یہ اشعار پڑھتے سنا:

یارب انی ناشد محمدا حلف ابینا وابیه الاتلدا
ان قریشا اخلفوک الموعدا ونقضوا میثاقک المؤکدا
وزعموا ان لست تدعوا احدا فانصر ھداک الله نصرا ابدا
وادع عباد الله یاتوا مددا فیھم رسول الله قد تجردا
ان سیم خسفا وجھه تربدا

(زاد المعاد لابن قیم جلد ۲ ص ۱۷۸)

"اے میرے رب! میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے باپ اور ان کے باپ کی پرانی باہمی دوستی اور عہد یاد دلاتا ہوں"۔

"بے شک قریش نے وعدہ خلافی کی اور آپ کا مضبوط عہد توڑ دیا"۔

"ان کا خیال ہے کہ آپ (ہماری مدد کے لیے) کسی کو نہیں بلائیں گے۔ اللہ تعالیٰ آپ کی راہنمائی فرمائے ہماری دائمی مضبوط مدد فرمائیں"۔

---

[1] رومیوں کو بنو اصفر کہا گیا کیونکہ ان کے دادا روم بن عیص بن اسحاق بن ابراہیم علیہ السلام نے حبشہ کے بادشاہ کی بیٹی سے شادی کی تو اس کے ہاں بچہ پیدا ہوا جس کا رنگ سفید اور سیاہ تھا۔ (زرقانی جلد ۲ ص ۲۹۱)

"آپ اللہ تعالیٰ کے بندوں کو بلائیں کہ وہ مدد کے لیے آئیں۔ ان میں اللہ کے رسول بھی ہوں جو جنگ کے لیے پوری طرح تیار ہوں۔ (یا غضبناک ہوں)"

"جب ان کی توہین کی جاتی ہے تو ان کا چہرہ فرط غضب سے سرخ ہو جاتا ہے"۔

ابن اسحاق نے یہ اضافہ کیا:

هم بيتونا بالوتير هجدا وقتلونا ركعا وسجدا
وزعموا ان لست ادعوا احدا وهم اذل واقل عددا

"انہوں نے ہمارا قصد مقام وتیرہ میں کیا جب کہ ہم سوئے ہوئے تھے اور ہمیں رکوع و سجود کی حالت میں قتل کیا"۔

"ان کا خیال تھا کہ میں کسی فریادرس کو نہیں بلاؤں گا اور وہ نہایت ذلیل اور تعداد میں بھی کم ہیں"۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عمرو بن سالم تمہیں مدد دی گئی۔

تو فتح مکہ کا یہ سبب تھا۔ امام بزار رحمہ اللہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے ان مذکورہ اشعار میں سے بعض ذکر کیے ہیں۔ (فتح الباری جلد ۷ ص ۳۹۹)

ابوسفیان مدینہ طیبہ میں

ابوسفیان بن حرب مدینہ طیبہ میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تاکہ تجدید عہد کریں اور اس کی مدت میں اضافہ کیا جائے، لیکن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انکار کر دیا اور ابوسفیان واپس مکہ مکرمہ چلے گئے۔

حضرت حاطب کا قریش کی طرف خط

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تیاری فرمائی لیکن کسی کو اس کا علم نہ ہونے دیا۔ ادھر حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ نے ایک خط لکھ کر مکہ مکرمہ بھیجا جس میں اس واقعہ کی خبر دی لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے آگاہ فرمایا۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی بن ابی طالب، حضرت زبیر اور حضرت مقداد رضی اللہ عنہم سے فرمایا روضۂ خاخ (مقام) تک جاؤ وہاں ایک ہودج نشین عورت ہے جس کے پاس ایک خط ہے وہ اس سے لے لو۔ وہ فرماتے ہیں، ہم چلے حتیٰ کہ ہم روضۂ خاخ میں پہنچے تو ہم نے وہاں ایک ہودج نشین کو پایا۔ ہم نے کہا خط نکالو۔ اس نے کہا میرے پاس کوئی خط نہیں۔ ہم نے کہا: تمہیں خط نکالنا ہوگا ورنہ ہم تمہارے کپڑے اتار پھینکیں گے۔ فرماتے ہیں: اس نے اپنے بالوں کی مینڈھی سے خط نکالا جسے ہم رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے کر حاضر ہوئے۔

یہ خط حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے مشرکین مکہ کے کچھ لوگوں کی طرف تھا جس میں ان کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارادے کی خبر دی گئی تھی۔ آپ نے فرمایا: اے حاطب! یہ کیا ہے؟ حاطب نے کہا: یارسول اللہ! میرے بارے میں جلدی نہ کیجئے۔ میں ایسا آدمی ہوں کہ قریش سے اس اعتبار سے تعلق رکھتا ہوں کہ ان کا حلیف ہوں اور ان میں سے نہیں ہوں۔ جب کہ آپ کے ساتھ دیگر مہاجرین کے وہاں رشتہ دار ہیں۔ جو ان کے گھر والوں اور مالوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ تو میں نے چاہا کہ جب مجھے ان سے کوئی نسبی تعلق نہیں ہے تو میں ان پر کوئی احسان کروں جس کی وجہ سے وہ میرے قرابت داروں کی حفاظت کریں۔ میں نے اپنے دین سے پھرتے ہوئے اور اسلام کے بعد کفر پر راضی ہوتے ہوئے یہ کام نہیں کیا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس نے تم سے سچ سچ کہہ دیا ہے۔ حضرت عمر فاروق نے عرض کیا: یارسول اللہ مجھے اجازت دیں کہ میں اس منافق کی گردن مار دوں۔ آپ نے فرمایا: یہ شخص بدر میں موجود تھا اور تمہیں کیا معلوم کہ اللہ تعالیٰ نے بدر والوں پر خصوصی توجہ فرمائی اور فرمایا جو عمل تمہارا دل چاہے کرو، میں نے تمہیں بخش دیا۔[1]

اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ (صحیح بخاری جلد ۲ ص ۶۱۲، کتاب المغازی، کتاب التفسیر جلد ۲ ص ۷۲۶)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا عَدُوِّي وَعَدُوَّكُمْ أَوْلِيَاءَ تُلْقُونَ إِلَيْهِم بِالْمَوَدَّةِ وَقَدْ كَفَرُوا بِمَا جَاءَكُم مِّنَ الْحَقِّ يُخْرِجُونَ الرَّسُولَ وَإِيَّاكُمْ أَن تُؤْمِنُوا بِاللَّهِ رَبِّكُمْ إِن كُنتُمْ خَرَجْتُمْ جِهَادًا فِي سَبِيلِي وَابْتِغَاءَ مَرْضَاتِي تُسِرُّونَ إِلَيْهِم بِالْمَوَدَّةِ وَأَنَا أَعْلَمُ بِمَا أَخْفَيْتُمْ وَمَا أَعْلَنتُمْ وَمَن يَفْعَلْهُ مِنكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاءَ السَّبِيلِ۔ (الممتحنہ: ۱)

اے ایمان والو! میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ۔ تم انہیں خبریں پہنچاتے ہو دوستی سے حالانکہ وہ منکر ہیں اس حق کے جو تمہارے پاس آیا۔ گھر سے جدا کرتے ہیں رسول کو اور تمہیں اس پر کہ تم اپنے رب پر ایمان لائے۔ اگر تم نکلے ہو میری راہ میں جہاد کرنے اور میری رضا چاہنے ہو تو ان سے دوستی نہ کرو۔ تم انہیں خفیہ پیغام محبت کا بھیجتے ہو اور میں خوب جانتا ہوں، جو تم چھپاؤ اور جو ظاہر کرو اور تم سے جو ایسا کرے، بے شک وہ سیدھی راہ سے بھٹک گیا۔

فتح الباری میں فرمایا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے اجازت دیجئے کہ میں اس منافق کی گردن مار دوں حالانکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حاطب کے عذر کی تصدیق بھی فرما دی تھی، اس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ دین میں بہت مضبوط اور منافقین سے بہت نفرت کرنے والے تھے۔ اس لیے انہوں نے خیال کیا کہ جو شخص نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی مخالفت کرتا ہے، وہ قتل کا مستحق ہے لیکن انہیں اس بات کا یقین نہ تھا اس لیے آپ سے اس کے قتل کی اجازت مانگی اور

---

[1] اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہر قسم کے عمل کی اجازت دی بلکہ اصحاب بدر کے گناہوں سے محفوظ ہونے کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے کہ تمہارے تمام اعمال درست اور اچھے ہی ہوں گے.... ۱۲ ہزاروی۔

حاطب کو منافق کہا کیونکہ اس نے جو کچھ چھپایا تھا اس کے خلاف ظاہر کیا اور حاطب نے اپنا عذر پیش کیا کہ اس نے یہ سمجھ کر ایسا کیا کہ اس میں کوئی نقصان والی بات نہیں۔

طبری نے بھی حضرت عروہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہوئے "انی غافر لکم" کے الفاظ نقل کئے تو "غفرت" (ماضی کا صیغہ جو پہلے بخاری شریف میں آیا ہے) سے اغفر (مضارع کا صیغہ) مراد ہے۔ یعنی آنے والے کلام کے لیے ماضی کا صیغہ استعمال کر کے اس کی تحقیق میں مبالغہ کیا (کیونکہ ماضی کا صیغہ اس کے واقع ہو جانے کی طرف اشارہ ہے یعنی ان کی بخشش اس قدر یقینی ہے کہ گویا ان کو بخش دیا)۔

فتح الباری میں فرمایا کہ جو بات ظاہر ہو رہی ہے، وہ یہ ہے کہ یہ خطاب ان کی عزت و شرف کے اظہار کے طور پر ہے۔ اور یہ اس بات کو متضمن ہے کہ ان لوگوں کو ایسی حالت حاصل ہو گئی ہے جس کے ذریعے ان کے گزشتہ گناہ بخش دیئے گئے اور وہ اس بات کے اہل ہو گئے کہ آئندہ وہ جو گناہ بھی کریں، انہیں بخش دیا جائے گا، تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جس کے بارے میں جو خبر دی، اللہ تعالیٰ نے اس کے حق میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کر دی کہ وہ لوگ دنیا سے جدا ہونے تک ہمیشہ اچھے کام کرتے رہے۔ اگر بفرض محال ان میں سے کسی سے اس قسم کا کوئی عمل صادر بھی ہوا تو اس نے توبہ کرنے میں جلدی کی اور اچھا راستہ اپنایا، جو شخص اہل بدر کی سیرتوں پر مطلع ہے، وہ اس بات کو قطعی طور پر جانتا ہے، یہ بات قرطبی نے کہی ہے۔ (فتح الباری جلد ۸ ص ۴۸۶)

اور بعض اہل مغازی نے ذکر کیا ہے اور یحییٰ بن سلام کی تفسیر میں بھی اسی طرح ہے کہ حضرت حاطب رضی اللہ عنہ نے جو خط لکھا تھا اس کے الفاظ یوں تھے۔ امابعد! اے قریش کی جماعت بے شک رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے پاس ایک بہت بڑا لشکر لے کر آ رہے ہیں جو سیلاب کی طرح چلتا ہے۔ اللہ کی قسم! اگر وہ تمہارے پاس تنہا بھی آئیں تو اللہ تعالیٰ ان کی مدد کرے گا اور ان سے کئے گئے وعدے کو پورا کرے گا۔ پس تم اپنے بارے میں سوچو۔ والسلام ——— امام سہیلی نے اسی طرح ذکر کیا ہے۔

واقدی نے مرسل سند کے ساتھ روایت کیا کہ حاطب رضی اللہ عنہ نے سہیل بن عمرو، صفوان بن امیہ اور عکرمہ کو لکھا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں میں جہاد کا اعلان کر دیا ہے اور میرا خیال نہیں کہ انہوں نے تمہارے علاوہ کسی اور کا ارادہ کیا ہو اور میں چاہتا ہوں کہ میرا تم پر کوئی احسان رہے۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۳۰۱)

مدینہ طیبہ سے کوچ

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اردگرد کے اہل عرب کی طرف آدمی بھیجے اور ان کو طلب فرمایا: وہ قبیلہ اسلم، غفار، مزینہ، جہینہ اشجع اور سلیم کے لوگ تھے تو ان میں سے بعض آپ سے مدینہ طیبہ میں آملے اور بعض راستے میں آپ سے جا ملے۔ (کتاب المغازی للواقدی جلد ۲ ص ۷۹۹) اور اس غزوہ فتح میں مسلمان دس ہزار تھے۔

الاکلیل اور شرف المصطفیٰ میں بارہ ہزار کی تعداد لکھی ہے۔ دونوں قسم کی روایات کو یوں جمع کیا جا سکتا ہے کہ مدینہ طیبہ سے دس ہزار نکلے، پھر دو ہزار راستے میں مل گئے۔ (فتح الباری جلد ۸ ص ۳) اس دوران آپ نے مدینہ

طیبہ میں حضرت عبداللہ ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو اپنا نائب مقرر فرمایا اور یہ بھی کہا گیا کہ ابو رہم الغفاری کو مقرر فرمایا۔ (طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۱۳۵) واقدی کے مطابق رمضان المبارک سنہ ۸ھ کی دس راتیں گزر چکی تھیں کہ آپ بدھ کے دن عصر کے بعد روانہ ہوئے۔ (کتاب المغازی للواقدی جلد ۲ ص ۸۰۱)

امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک صحیح سند کے ساتھ حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ فرماتے ہیں: ہم فتح کے سال نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکلے جب کہ رمضان شریف کی دو راتیں گزر چکی تھیں۔ (فتح الباری جلد ۸، ص ۲)

واقدی کا قول قوی نہیں ہے کیونکہ یہ زیادہ صحیح قول کے خلاف ہے۔ اس تاریخ کی تعیین میں کچھ دوسرے اقوال بھی ہیں۔ امام مسلم رحمہ اللہ کے نزدیک سولہ، امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک اٹھارہ اور ایک دوسرے قول میں بارہ راتوں کے گزرنے کا ذکر ہے۔

اور کتب مغازی میں یہ ہے کہ انیس راتیں گزر چکی تھیں تو یہ مہینے کے آغاز میں اختلاف پر محمول ہے اور ایک دوسری روایت میں انیس یا سترہ راتوں کا بطور شک ذکر کیا گیا۔[1]

جب مقام کدید میں پہنچے اور یہ قدید اور عسفان کے درمیان ایک چشمہ ہے تو وہاں افطار فرمایا اور مہینے کے اختتام تک روزہ نہ رکھا۔ (کیونکہ آپ حالت جنگ میں ہونے کی وجہ سے مسافر تھے۔ اس لیے نمازوں میں قصر فرماتے تھے۔ لہٰذا صحابہ کرام کی آسانی کے لیے روزہ رکھنا چھوڑ دیا) اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے روایت کیا۔ (صحیح بخاری جلد ۲ ص ۶۱۳، کتاب المغازی) اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے روزہ چھوڑ دیا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی۔ (صحیح بخاری جلد ۲ ص ۶۱۳، کتاب المغازی)

راستے میں ملاقاتیں

حضرت عباس رضی اللہ عنہ پہلے ہی مسلمان ہو کر اپنے اہل و عیال کے ساتھ ہجرت کرتے ہوئے (مکہ مکرمہ سے) نکل آئے تھے چنانچہ مقام جحفہ میں وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے آ ملے۔ اس سے پہلے حضرت عباس رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رضامندی سے مکہ مکرمہ میں مقیم تھے (اور حاجیوں کو) پانی پلانے پر مامور تھے۔

راستے میں ملنے والوں میں ابو سفیان بن حارث بھی تھے جو آپ کے چچازاد بھائی تھے اور حضرت حلیمہ سعدیہ کے دودھ میں شرکت کی وجہ سے آپ کے رضاعی بھائی بھی تھے۔ ان کے ساتھ ان کے بیٹے جعفر بن ابو سفیان بھی تھے۔ ابو سفیان، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے الفت و محبت رکھتے تھے لیکن جب آپ نے اعلان نبوت فرمایا تو وہ

---

[1] امام احمد رحمہ اللہ کے بارہ اور اٹھارہ راتوں والے دو قولوں کو یوں جمع کیا گیا کہ ایک میں گزرنے والی اور دوسرے میں باقی رہ جانے والی راتوں کا ذکر ہے نیز یہ بعد والا اختلاف دخول مکہ کے سلسلے میں ہے۔ مدینہ طیبہ سے نکلنے کے بارے میں صرف دو قول ہے دس راتیں یا دو راتیں۔ (زرقانی جلد ۲ ص ۲۹۹)

آپ کے دشمن بن گئے اور آپ کی برائی کرنے لگے۔ ان دونوں باپ بیٹے کی حضور علیہ السلام سے ملاقات مقام ابواء میں ہوئی اور آپ کے دخول مکہ سے پہلے ہی وہ مسلمان ہو گئے۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ اور عبداللہ بن امیہ جو حضور علیہ السلام کی پھوپھی عاتکہ بنت عبدالمطلب کے صاحبزادے تھے۔ سقیا اور عرج کے درمیان آپ سے ملے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے اعراض فرمایا: کیونکہ آپ ان سے بہت زیادہ اذیت اور برائی اٹھا چکے تھے لیکن حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ آپ کے چچا زاد بھائی اور پھوپھی زاد بھائی لوگوں کی نسبت زیادہ بدبختی کا شکار نہ ہو جائیں اور (ابن عبدالبر) ابو عمر اور ذخائر العقبٰی کے مصنف (محب طبری) کے مطابق حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ نے ابوسفیان سے فرمایا: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کی طرف سے آؤ اور وہی بات کہو جو حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے ان سے کہی تھی: یعنی

تَاللّٰهِ لَقَدْ اٰثَرَكَ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَاِنْ كُنَّا لَخٰطِئِيْنَ۔ (یوسف: ۹۱)

اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہم پر ترجیح دی اور بے شک ہم خطاکار تھے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس بات پر راضی ہوتے تھے کہ آپ سب سے اچھی بات فرمانے والے ہوں۔ (آپ سب سے اچھی بات کرنا پسند فرماتے ہیں) چنانچہ ابوسفیان نے یہی طریقہ اختیار کیا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا:

لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ وَهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ۔ (یوسف: ۹۲)

آج تم پر کوئی ملامت نہیں۔ اللہ تعالیٰ تمہاری بخشش کرے اور وہ سب سے زیادہ رحم فرمانے والا ہے۔

اور کہا گیا کہ انہوں نے اسلام لانے کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے حیا کرتے ہوئے کبھی آپ کے سامنے سر نہ اٹھایا۔

مکہ مکرمہ میں داخلہ

علماء کرام فرماتے ہیں پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم چلے جب مقام قدید میں پہنچے تو چھوٹے بڑے جھنڈے مقرر فرمائے اور مختلف قبائل کے حوالے کیے۔ پھر عشاء کے وقت مر الظہران میں اترے اور صحابہ کرام کو حکم دیا تو انہوں نے دس ہزار جگہ آگ جلائی۔

قریش کو آپ کے آنے کا علم نہیں ہوا تھا اور وہ غمگین تھے کیونکہ ان کو خوف تھا کہ اب آپ صرف انہی سے جہاد فرمائیں گے چنانچہ انہوں نے ابوسفیان بن حرب کو بھیجا اور کہا کہ اگر تم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کرو تو ان سے ہمارے لیے امان حاصل کرو چنانچہ ابوسفیان بن حرب، حکیم بن حزام اور بدیل بن ورقا نکلے حتیٰ کہ مر الظہران میں پہنچے تو لشکر کو دیکھ کر گھبرا گئے۔

صحیح بخاری میں ہے کہ انہوں نے آگ دیکھی گویا کہ وہ عرفات کی آگ ہے (جو حج کے موقع پر جلائی جاتی

ہے) ابوسفیان نے کہا یہ کیا ہے؟ گویا یہ عرفات کی آگ ہے۔ بدیل بن ورقاء نے کہا: بنو عمرو کی آگ ہے۔ ابوسفیان نے کہا: بنو عمرو کی آگ اس سے کم ہوتی ہے، اچانک ان کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کچھ محافظوں نے دیکھ لیا تو ان کو پکڑ کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے آئے۔ چنانچہ حضرت ابوسفیان مسلمان ہو گئے۔

جب وہاں سے چلے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ابوسفیان کو خطم الجبل (پہاڑ کی چوٹی) کے پاس روک دو تاکہ وہ مسلمانوں کو دیکھیں، پس حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے ان کو روک لیا۔ اب قبائل حضور علیہ السلام کے ساتھ ایک ایک دستے کے طور پر ابوسفیان کے پاس سے گزرتے رہے۔ ایک دستہ گزرا تو ابوسفیان نے کہا: اے عباس! یہ کون لوگ ہیں؟ انہوں نے فرمایا: یہ قبیلہ غفار ہے۔ ابوسفیان نے کہا: مجھے غفار سے کیا واسطہ۔ پھر جہینہ قبیلہ گزرا تو یہی سوال کیا حتیٰ کہ ایک ایسا لشکر آیا جس کی مثل نہیں دیکھا گیا۔

ابوسفیان نے پوچھا یہ کون ہیں؟ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ انصار ہیں جن پر حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ مقرر ہیں اور ان کے پاس جھنڈا ہے۔

حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے ابوسفیان! آج گھمسان کی لڑائی کا دن ہے۔ آج حرم کعبہ میں خون حلال کر دیا جائے گا۔ ابوسفیان نے کہا اے عباس! ہلاکت کا دن کیا اچھا ہے۔

(صحیح بخاری جلد ۲ ص ۶۱۳، کتاب المغازی)

خطابی نے کہا کہ ابوسفیان نے تمنا کی کہ ان کو طاقت ہوتی تو وہ اپنی قوم کی حفاظت اور ان کا دفاع کرتے۔ اور کہا گیا ہے کہ یہ دن حرم اور اہل حرم کے لیے غضب (ہلاکت) اور ان کی مدد کا دن ہے یعنی جو اس پر قادر ہے، یہ بھی کہا گیا کہ ان کے قول کا مطلب یہ ہے کہ آج کے دن آپ پر میری حفاظت اور حمایت لازم ہے تاکہ مجھے کوئی تکلیف نہ پہنچے۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے جھنڈے کی واپسی

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ بعض اہل علم نے گمان کیا کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے فرمایا: آج لڑائی کا دن ہے۔ آج حرمت، حلت میں بدل جائے گی۔ مہاجرین میں سے ایک شخص نے سنا تو کہا: یا رسول اللہ! ہم حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے قریش پر حملہ سے بے خوف نہیں ہیں تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ان سے جھنڈا لے لیں اور آپ اس جھنڈے کے ساتھ مکہ مکرمہ میں داخل ہوں۔

اموی نے مغازی میں روایت کیا کہ ابوسفیان کا جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے آمنا سامنا ہوا تو انہوں نے کہا: آپ نے اپنی قوم کے قتل کا حکم دیا ہے؟ فرمایا: "نہیں" ابوسفیان نے حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی بات بتائی، پھر آپ کو اللہ تعالیٰ اور رشتہ داری کی قسم دی، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ابوسفیان! آج کا دن رحمت کا دن ہے۔ آج اللہ تعالیٰ قریش کو عزت بخشے گا اور آپ نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی طرف کسی کو بھیج کر ان سے جھنڈا واپس لے کر ان کے بیٹے قیس رضی اللہ عنہ کو دیا۔

ابن عساکر نے ابوالزبیر کے طریق سے روایت کیا وہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں: جب حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے یہ بات کہی تو قریش کی ایک خاتون رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آئیں اور یوں کہا:

یا نبی الھدی الیک لجا حی قریش ولات حین لجائی
حین ضاقت علیھم سعة الار ض وعاداھم اله السماء
ان سعدا یرید قاصمة الظھ رباھل الحجون والبطحاء

"اے نبی ہدایت! قبیلہ قریش نے اس وقت آپ سے پناہ حاصل کی۔ جب پناہ کا وقت نہیں"۔

"جب ان پر زمین کشادگی کے باوجود تنگ ہو گئی اور آسمان کا خدا بھی ان کا دوست نہیں (اس نے دشمنی کی)"۔

"بے شک حضرت سعد نے اہل حجون اور بطحا والوں کی کمر توڑنے کا ارادہ کیا ہے"۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اشعار سنے تو آپ کے دل میں قریش کے لیے رحمت و رافت پیدا ہوئی تو آپ کے حکم سے سعد سے جھنڈا لے کر آپ کے بیٹے حضرت قیس رضی اللہ عنہ کو دیا گیا۔ (فتح الباری جلد ۸ ص ۷)

ابویعلیٰ، حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی روایت سے نقل کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو جھنڈا دیا، تو وہ مکہ مکرمہ میں دو جھنڈوں کے ساتھ داخل ہوئے۔ اس روایت کی سند بہت ضعیف ہے۔ لیکن موسیٰ بن عقبہ نے مغازی میں حضرت زہری سے قطعیت کے ساتھ نقل کیا کہ آپ نے یہ جھنڈا حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کو عطا فرمایا۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے لے کر جھنڈا کس کو عطا فرمایا؟ اس سلسلے میں یہ تین قول ہیں اور ان اقوال کو جمع کرنے سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو بھیجا گیا کہ آپ ان سے جھنڈا لے لیں اور خود اسے لے کر مکہ مکرمہ میں داخل ہوں، پھر آپ کو حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے کبیدہ خاطر ہونے کا اندیشہ ہوا تو ان کے صاحبزادے حضرت قیس رضی اللہ عنہ کو جھنڈا دینے کا حکم دیا۔ اس کے بعد حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو یہ ڈر محسوس ہوا کہ ان کے صاحبزادے سے کوئی ایسی بات نہ ہو جائے، جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو پسند نہ ہو تو انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ قیس سے جھنڈا لے لیں، تو اس وقت یہ جھنڈا حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے لیا۔ (فتح الباری جلد ۸ ص ۷)

دخول مکہ کے بارے میں حدیث کا تتمہ

صحیح بخاری کی روایت میں ہے کہ پھر ایک لشکر آیا جس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام تھے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا جھنڈا حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے پاس تھا۔ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ابوسفیان کے پاس سے گزرے تو انہوں نے کہا: آپ کو معلوم ہے حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے کیا کہا ہے؟

فرمایا کیا کہا ہے؟ ابو سفیان نے کہا کہ انہوں نے فلاں فلاں بات کہی ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سعد نے غلط کہا ہے بلکہ یہ وہ دن ہے جس میں اللہ تعالیٰ کعبہ شریف کی عظمت ظاہر کرے گا اور اس میں کعبہ کو لباس پہنایا جائے گا۔ راوی فرماتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ آپ کا جھنڈا حجون میں گاڑا جائے۔[1]

راوی فرماتے ہیں حضرت عروہ نے فرمایا کہ مجھے حضرت نافع بن جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہما نے خبر دی کہ میں نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے سنا۔ وہ حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ سے فرما رہے تھے کہ اے ابو عبداللہ! کیا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو یہاں جھنڈا گاڑنے کا حکم دیا ہے؟ انہوں نے فرمایا: ہاں۔ (صحیح بخاری میں لفظ "نعم یعنی ہاں نہیں ہے"۔)

اس دن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ مکہ مکرمہ کی بالائی جانب یعنی کدا سے داخل ہوں اور خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کُدیٰ سے داخل ہوئے۔ پس حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے لشکر سے اس دن دو آدمی جیش بن اشعر اور کرز بن جابر الفہری رضی اللہ عنہما شہید کیے گئے۔
(صحیح بخاری جلد ۲ ص ۶۱۳ کتاب المغازی)

ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ بات (حضرت عروہ کی مرسل روایت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں) ان صحیح احادیث کے خلاف ہے جو صحیح بخاری کے حوالے سے آگے آرہی ہیں کہ حضرت خالد رضی اللہ عنہ مکہ مکرمہ کی زیریں جانب سے داخل ہوئے تھے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بالائی جانب سے داخل ہوئے۔
(فتح الباری جلد ۸ ص ۸)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے دن مکہ مکرمہ کی بالائی جانب سے تشریف لائے۔ آپ اپنی سواری پر سوار تھے اور آپ کے پیچھے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ تھے اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ہے کہ آپ فتح مکہ کے سال کداء سے داخل ہوئے جو مکہ مکرمہ کا بالائی حصہ ہے۔ (فتح الباری جلد ۸ ص ۸)

ابن عقبہ کے نزدیک مکہ میں داخلہ

موسیٰ بن عقبہ نے اس کا سیاق واضح کرتے ہوئے کہا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کو مہاجرین اور ان کے سواروں پر مقرر کیا اور ان کو حکم دیا کہ مکہ مکرمہ کے بالائی حصے کداء سے داخل ہوں اور ان کو یہ حکم بھی دیا کہ اپنا جھنڈا حجون میں گاڑیں اور جب تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف نہ لائیں، وہ وہاں سے نہ ہٹیں۔

اور حضرت خالد بن ولید کی سربراہی میں قضاعہ، سلیم اور دوسرے قبائل کو بھیجا اور ان کو حکم دیا کہ مکہ مکرمہ

---

[1] اب اس مقام پر مسجد رایہ ہے۔ حرم شریف سے پھتہ بازار کی طرف سے نکلتے ہوئے جنت المعلیٰ کی طرف جائیں تو راستے میں مسجد رایہ آتی ہے۔ یہ نام اسی مناسبت سے ہے۔ ... ۱۲ ہزاروی

کی زیریں جانب سے داخل ہوں اور اپنا جھنڈا گھروں کے قریب گاڑیں۔

اور حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کو انصار کے لشکر میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے بھیجا گیا اور ان کو حکم دیا کہ اپنے ہاتھوں کو روکیں اور صرف ان لوگوں سے لڑیں جو ان سے لڑیں۔ (فتح الباری جلد ۸ ص ۸)

حضرت خالد بن ولید روانہ ہوئے حتیٰ کہ مکہ مکرمہ کی نچلی جانب سے داخل ہوئے اور اس جگہ بنوبکر، بنو الحارث بن عبد مناف، ہذیل سے کچھ لوگ اور احابیش کے چند افراد تھے جن سے قریش نے مدد طلب کی تھی۔

انہوں نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سے لڑائی کی تو آپ بھی ان سے لڑے، چنانچہ وہ لوگ بھاگ گئے۔ بنوبکر سے بیس کے قریب اور ہذیل قبیلے سے تین یا چار افراد قتل ہوئے حتیٰ کہ ان کا قتل حزورہ تک مسجد کے دروازے تک پہنچ گیا اور وہ لوگ گھروں میں داخل ہوگئے۔ (حزورہ اب مسجد حرام میں شامل ہے) اور کچھ لوگ پہاڑوں پر چڑھ گئے۔

(اس دوران) ابوسفیان نے بلند آواز سے کہا جو شخص اپنا دروازہ بند کر لے گا اور اپنا ہاتھ روک لے گا اسے امن حاصل ہوگا۔

ابن عقبہ راوی نے کہا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اطمینان حاصل ہونے کے بعد حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ تم کیوں لڑے جبکہ میں نے تمہیں لڑنے سے منع کیا تھا۔ انہوں نے عرض کیا کہ کفار نے لڑائی کا آغاز کیا تھا اور مجھ سے جس قدر ممکن ہوا، میں نے اپنا ہاتھ روکا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کا فیصلہ بہتر ہے۔ (فتح الباری جلد ۸ ص ۹)

دخول مکہ اور ابن اسحاق کی روایت

ابن اسحاق کے نزدیک اس طرح ہے کہ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مرالظہران میں اترے تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے دل میں اہل مکہ کے لیے نرمی پیدا ہوئی۔ وہ رات کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خچر پر سوار ہو کر نکلے تاکہ کسی شخص کو دیکھیں جو مکہ مکرمہ والوں کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کی خبر دے اور وہ آپ سے امان حاصل کریں، چنانچہ انہوں نے سفیان بن حرب، حکیم بن حزام اور بدیل بن ورقاء کی آواز سنی تو ابوسفیان کو اپنے پیچھے بٹھا کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے آئے اور وہ مسلمان ہوگئے۔ باقی دونوں اہل مکہ کو خبر دینے واپس چلے گئے۔

دونوں قسم کے اقوال کو یوں جمع کیا جاسکتا ہے کہ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حفاظتی دستے نے ابوسفیان کو پکڑا تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے ان کو بچالیا۔

ایک روایت میں ہے کہ جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ابوسفیان کو حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے پیچھے بیٹھا ہوا دیکھا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس (خیمے میں) داخل ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ! یہ ابوسفیان ہے، مجھے اجازت دیجئے کہ میں اس کی گردن ماردوں۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یارسول

اللہ! میں نے اس کو پناہ دی ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے فرمایا: آپ انہیں اپنی منزل (خیمے وغیرہ) میں لے جائیں، جب صبح ہو تو انہیں میرے پاس لانا۔ وہ ان کو لے کر چلے گئے، صبح ہوئی تو بارگاہ نبوی میں حاضر ہوئے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ابوسفیان! تمہارا بھلا ہو، کیا تمہارے لیے وہ وقت نہیں آیا کہ تم جان لو کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ ابوسفیان نے کہا: میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، آپ کس قدر بردبار، معزز اور صلہ رحمی کرنے والے ہیں، میں گمان کرتا ہوں کہ اگر اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی دوسرا معبود بھی ہوتا تو وہ میرے کچھ کام نہ آسکتا۔[1] نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر فرمایا: اے ابوسفیان! تمہارا بھلا ہو، کیا وہ وقت نہیں آیا کہ تمہیں معلوم ہو جائے کہ میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں؟ انہوں نے عرض کیا: میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں۔ آپ کس قدر بردبار، کریم اور صلہ رحم کرنے والے ہیں۔ جہاں تک اس بات کا تعلق ہے (رسالت کو ماننے کا) تو میرے دل میں اس سلسلے میں کچھ شبہ ہے۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے (یہ بات سنی تو) فرمایا: تمہارا بھلا ہو اسلام قبول کرو اور اس بات کی گواہی دو کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور بے شک حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں (یہ گواہی دو) اس سے پہلے کہ تمہاری گردن ماری جائے، چنانچہ ابوسفیان نے اسلام قبول کیا اور حق بات کی شہادت دی۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! ابوسفیان ایک ایسے شخص ہیں جو فخر کرنے کو پسند کرتے ہیں، انہیں کوئی اعزاز بخشیں۔ آپ نے فرمایا: ہاں اور پھر حکم دیا تو آپ کے منادی نے اعلان کیا کہ جو شخص مسجد (الحرام) میں داخل ہوگا اسے امن حاصل ہوگا اور جو ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو جائے، اسے بھی امن ملے گا اور جو آدمی گھر میں رہتے ہوئے اپنا دروازہ بند کر دے گا وہ بھی محفوظ رہے گا۔ سوائے ان لوگوں کے جو اس سے مستثنیٰ ہوں گے۔ (ان کا ذکر آگے آرہا ہے)

ان لوگوں کے لیے امان نہیں

جن لوگوں کو امان نہ ملی، مغلطائی کے مطابق وہ عبداللہ بن سعد بن ابی سرح ہیں جو بعد میں مسلمان ہو گئے اور ابن خطل جسے ابوبرزہ رضی اللہ عنہ نے قتل کیا اور ابن خطل کی دو گانے والیاں تھیں، ایک کا نام فرتنی اور دوسری کا قریبہ تھا۔ ان میں سے ایک نے اسلام قبول کیا اور دوسری قتل کر دی گئی۔

ابن اسحاق کے غیر نے لکھا ہے کہ فرتنی نے اسلام قبول کیا تھا اور قریبہ کو قتل کیا گیا۔

نیز بنو مطلب کی لونڈی سارہ جو اسلام لے آئیں اور کہا جاتا ہے کہ یہ عمرو بن صیفی بن ہشام کی لونڈی تھی۔ ان لوگوں میں ارنب نامی عورت بھی تھی (فتح الباری میں ہے کہ یہ بھی ابن خطل کی لونڈی تھی اور اسے

---

[1] حضرت ابوسفیان کا مطلب یہ تھا کہ جب بھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مقابلہ ہوا تو انہوں نے اپنے معبودوں سے مدد مانگی اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب سے مدد طلب کی۔ لیکن آپ کی مدد کی گئی لیکن ابوسفیان کی مدد نہ ہوئی۔ جس سے واضح ہوا کہ وہ (معبودان باطلہ کچھ نہیں کر سکتے)۔۔۔۱۲ ہزاروی۔

قتل کر دیا گیا)۔
قریبہ قتل ہوئی، عکرمہ بن ابی جہل مسلمان ہو گئے۔ حویرث بن نقید جسے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے قتل کیا۔
مقیس بن صبابہ کو امان نہ ملی اسے نمیلہ لیثی نے قتل کیا۔
ھبار بن اسود نے اسلام قبول کیا۔ یہ وہ شخص ہے کہ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے ہجرت کا ارادہ کیا تو وہ سامنے آگیا اور اونٹ وحشت زدہ ہو کر حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو لے دوڑا اور آپ پتھر پر گر گئیں، جس سے آپ کا حمل ضائع ہو گیا۔
کعب بن زہیر، انہوں نے اسلام قبول کر لیا اور ہند بنت عتبہ نے بھی اسلام قبول کر لیا۔
وحشی بن حرب نے بھی اسلام قبول کر لیا[1]۔ **مغلطائی کا قول مکمل ہوا۔**
ابن خطل، خاء اور طاء دونوں پر فتح (زبر) ہے، ابن نقید نون پر پیش اور قاف پر زبر ہے (اسم تصغیر ہے) مقیس، میم کے نیچے زیر ہے۔ قاف ساکن اور یاء پر زبر ہے۔
واقدی نے اپنے شیوخ سے نقل کرتے ہوئے، ان لوگوں کے نام ذکر کیے ہیں جو فتح مکہ کے دن اسلام نہیں لائے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دس آدمیوں کے قتل کا حکم دیا۔ ان میں چھ مرد اور چار عورتیں شامل ہیں۔

مکہ صلح سے فتح ہوا یا جنگ سے

امام احمد، مسلم اور نسائی رحمھم اللہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں: جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور آپ نے ایک لشکر پر حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو اور دوسرے پر حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو مقرر فرما کر بھیجا اور حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کو اس دستے پر مقرر فرمایا جو اسلحہ کے بغیر تھا (اسے حسر کہا جاتا ہے) اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا: اے ابو ہریرہ! آواز دے کر انصار کو میرے پاس بلاؤ، چنانچہ میں نے انہیں آواز دی۔ وہ آئے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد کھڑے ہو گئے۔ آپ نے فرمایا: کیا تم قریش کے اوباش لوگوں اور ان کی اتباع کرنے والوں کو دیکھتے ہو، پھر آپ نے ایک ہاتھ کو دوسرے پر مارتے ہوئے اشارہ کیا کہ ان کو اچھی طرح کاٹ کر رکھ دینا حتیٰ کہ تم میرے پاس صفا پر آجاؤ۔
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ہم چلے تو ہم جس کو بھی قتل کرنا چاہتے، اسے قتل کر دیتے۔ ابو سفیان نے کہا: یا رسول اللہ! کیا قریش کا خون مباح کر دیا گیا تو (اس طرح) آج کے بعد قریش نہ رہیں گے۔ آپ

[1] ہند وہ خاتون ہیں جنہوں نے غزوہ احد کے موقع پر حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا کلیجہ چبایا تھا یہ ابو سفیان کی زوجہ تھیں۔ حضور علیہ السلام نے ان کو معاف کیا اور برکت کی دعا فرمائی۔... ۱۲ ہزاروی۔ وحشی بن حرب نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو شہید کیا۔ حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر کلمہ شہادت پڑھا۔ حضور علیہ السلام نے ان سے فرمایا کہ میرے سامنے کبھی نہ آنا۔... ۱۲ ہزاروی۔

نے فرمایا: جو شخص اپنا دروازہ بند کر لے گا اسے امن ملے گا۔

(مسند امام احمد بن حنبل جلد ۲ ص ۵۳۸، صحیح مسلم جلد ۲ ص ۱۰۴)

فتح الباری میں فرمایا کہ اس واقعہ سے ان لوگوں نے استدلال کیا ہے، جو کہتے ہیں کہ مکہ مکرمہ جنگ سے فتح ہوا اور یہی اکثر کا قول ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ سے منقول ہے اور امام احمد رحمہ اللہ سے ایک روایت یہی ہے کہ یہ فتح، صلح کے طریقے پر ہوئی کہ ان کو امن دیا گیا اور ان کے گھر انہی کو دیئے گئے اور تقسیم نہ ہوئے۔ غنیمت والے ان کے گھروں کے مالک نہ بنے ورنہ ان کو ان کے گھروں سے نکالنا جائز ہوتا۔

پہلے قول والوں کی دلیل یہ ہے کہ صراحتاً لڑائی کا حکم اور حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی طرف سے جنگ کا وقوع اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ آپ کے لیے ایک ساعت کے لیے مکہ مکرمہ میں لڑنا جائز ہوا اور آپ نے کسی دوسرے کو اجازت نہیں دی۔ (یہ اس بات کی دلیل ہے کہ مکہ بروز شمشیر فتح ہوا۔)

(فتح الباری جلد ۸ ص ۱۰)

مکانات وغیرہ کی تقسیم نہ ہونے کے بارے میں انہوں نے یوں جواب دیا کہ اس سے لازم نہیں آتا کہ مکہ مکرمہ غلبہ کے طور پر فتح نہیں ہوا۔ کئی شہر غلبہ کے ساتھ فتح ہوتے ہیں لیکن ان لوگوں پر احسان کرتے ہوئے ان کے گھر ان کے لیے چھوڑ دیے جاتے ہیں۔

امام نووی رحمہ اللہ کا یہ قول کہ امام شافعی رحمہ اللہ نے احادیث مشہورہ سے استدلال کیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ میں داخل ہونے سے پہلے مرالظہران میں ہی ان سے صلح کر لی تھی تو یہ بات محل نظر ہے کیونکہ جس بات کی طرف انہوں نے اشارہ کیا ہے، اگر اس سے وہ بات مراد ہو جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی کہ جو شخص ابوسفیان کے گھر داخل ہوگا وہ امن میں ہوگا اور جو مسجد حرام میں داخل ہوگا اسے بھی امن حاصل ہوگا، جیسا کہ ابن اسحاق نے کہا ہے تو اس بات کو صلح نہیں کہا جا سکتا، مگر اس وقت کہ جس کی طرف اشارہ کیا گیا کہ وہ لڑائی سے رکے تو اس نے اس (رکنے) کا التزام کیا ہو۔

اور جو کچھ صحیح احادیث میں آیا، وہ اس بات کا متقاضی ہے کہ قریش نے اس کا التزام نہیں کیا کیونکہ وہ لڑائی کے لیے تیار ہوئے۔

اور اگر صلح سے مراد یہ ہے کہ اس سلسلے میں کوئی معاہدہ ہوا تو یہ بات (احادیث میں) منقول نہیں ہے اور میرے خیال میں پہلی بات کا ہی احتمال ہے اور اس پر جو اعتراض ہوتا ہے، وہ میں نے ذکر کر دیا ہے۔

(فتح الباری جلد ۸ ص ۱۰)

روایت ابن اسحاق کا تتمہ

پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے بڑے لشکر کے ساتھ مکہ مکرمہ میں اس طرح داخل ہوئے کہ آپ اپنی

اونٹنی پر سوار تھے اور حضرت ابوبکر صدیق اور اسید بن حضیر رضی اللہ عنہما آپ کے دائیں بائیں تھے۔ ابوسفیان نے وہ لشکر دیکھا جس کے مقابلے کی انہیں طاقت نہ تھی، چنانچہ انہوں نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے کہا: اے ابوالفضل! آپ کے بھتیجے کی بادشاہت ایک عظیم بادشاہت بن چکی ہے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تمہارا بھلا ہو یہ بادشاہت نہیں، بلکہ نبوت ہے۔ ابوسفیان نے کہا: ہاں ٹھیک ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے اس فتح کے ذریعے آپ کو کس قدر عزت عطا فرمائی تو آپ نے تواضع کے طور پر اپنا سر سجدے میں رکھ دیا، حتیٰ کہ قریب تھا کہ آپ کا سر انور آپ کے کجاوے کو جا لگتا۔ آپ نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے اور اس کی عظمت کے سامنے جھکتے ہوئے ایسا کیا کہ اس نے آپ کے لیے اپنے شہر کو حلال کر دیا کہ آپ سے پہلے اور بعد میں کسی کے لیے حلال نہیں ہوا۔

کعبۃ اللہ کے پردوں سے چمٹے ہوئے کا قتل

صحیح بخاری میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت سے ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے دن اس طرح داخل ہوئے کہ آپ کے سر مبارک پر مغفر (خود) تھی۔

لفظ مغفر میں میم کے نیچے زیر ہے عین ساکن اور خاء پر زبر ہے۔ یہ ایک ٹوپی ہوتی ہے سر کے مطابق زرہ سے بنی جاتی ہے۔

محکم میں ہے کہ زرہ کا بچا ہوا لوہا ٹوپی کی طرح سر پر رکھا جاتا ہے۔ وہ مغفر (خود) ہے۔ جب آپ نے خود کو اتارا تو ایک شخص آیا اور اس نے کہا کہ ابن خطل کعبہ شریف کے پردوں سے چمٹا ہوا ہے۔ آپ نے فرمایا: اسے قتل کر دو۔[1] (صحیح بخاری جلد ۲ ص ۶۱۴، کتاب المغازی)

امام دار قطنی اور امام حاکم رحمہما اللہ نے حضرت سعید بن یربوع رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں چار آدمیوں کو حرم اور غیر حرم میں کہیں بھی امن نہیں دوں گا۔ حویرث، ہلال بن خطل، مقیس بن صبابہ اور عبداللہ بن ابی سرح —— چنانچہ ہلال بن خطل کو حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے قتل کیا۔

امام بزار، امام حاکم نے اور امام بیہقی رحمہم اللہ نے دلائل النبوۃ میں اس کی مثل روایت کیا لیکن انہوں نے فرمایا کہ چار مرد اور دو عورتیں تھیں اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان کو قتل کر دو، اگرچہ ان کو کعبۃ اللہ کے پردے پکڑے ہوئے پاؤ۔

راوی نے اسے ذکر کیا لیکن ہلال بن خطل کی بجائے عبداللہ بن خطل کہا ہے اور حویرث کی بجائے عکرمہ کا

---

[1] ابن خطل ان لوگوں میں شامل تھا جنہوں نے اسلام کے خلاف ہرزہ سرائی کی اور مسلمانوں کو سخت اذیت دی۔ اس لیے حضور علیہ السلام نے اس کو امن نہیں دیا۔ وہ مسلمانوں کے خوف سے کعبۃ اللہ کے پردوں کے پیچھے چھپ گیا تھا۔ (زرقانی جلد ۲ ص ۳۳۱) تفصیل آگے آرہی ہے۔ یہ گستاخ بھی تھا... ۱۲ہزاروی

نام ذکر کیا اور ان دو عورتوں کا نام نہیں بتایا اور یہ بھی کہا کہ عبداللہ بن خطل اس حالت میں پایا گیا کہ اس نے کعبہ شریف کے پردوں کو پکڑ رکھا تھا پس حضرت سعید بن حریث اور عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما نے اس کی طرف دوڑ لگائی تو حضرت سعید رضی اللہ عنہ حضرت عمار سے پہلے پہنچ گئے اور وہ ان سے جوان (کم عمر) تھے، چنانچہ انہوں نے اسے قتل کر دیا۔ (فتح الباری جلد ۴ ص ۵۲، کشف الاستار عن زوائد البزار جلد ۲ ص ۳۴۴)

ابن ابی شیبہ نے ابو عثمان نہدی کے طریق سے روایت کیا کہ حضرت ابو برزہ اسلمی رضی اللہ عنہ نے ابن خطل کو قتل کیا جب کہ اس نے کعبہ شریف کے پردوں کو پکڑ رکھا تھا۔ اس روایت کی سند صحیح ہے۔ اگرچہ یہ مرسل ہے۔

امام احمد رحمہ اللہ نے اسے ایک اور طریق سے روایت کیا ہے اور ابن خطل کے قاتل کے سلسلے میں یہ سب سے زیادہ صحیح روایت ہے اور بلاذری وغیرہ مورخین نے اس کو قطعی قرار دیا ہے۔ (فتح الباری جلد ۴ ص ۵۲، کشف الاستار عن زوائد البزار جلد ۲ ص ۳۴۴) اور باقی روایات کو اس بات پر محمول کیا کہ وہ حضرات اس کے قتل کی طرف بڑھے لیکن حضرت ابو برزہ رضی اللہ عنہ نے اسے قتل کیا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ دوسرے حضرات ان کے ساتھ شریک ہوئے ہوں۔ ابن ہشام نے سیرت کی کتاب (سیرت ابن ہشام) میں کہا ہے کہ حضرت سعید بن حریث اور ابو برزہ اسلمی رضی اللہ عنہما دونوں اس کو قتل کرنے میں شریک ہوئے۔ (فتح الباری جلد ۴ ص ۵۲)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن خطل کے قتل کا حکم اس لیے دیا کہ (پہلے) وہ مسلمان تھا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے زکوۃ کی وصولی کے لیے بھیجا اور اس کے ساتھ انصار کا ایک شخص بھی بھیجا۔ اس کے ساتھ ایک غلام تھا جو اس کی خدمت کرتا تھا اور وہ بھی مسلمان تھا۔ وہ ایک جگہ اترا اور غلام کو حکم دیا کہ ایک بکرا ذبح کر کے کھانا تیار کرے اور خود سو گیا۔ جب بیدار ہوا تو کھانا تیار نہیں ہوا تھا چنانچہ اس نے غلام پر حملہ کیا اور اس کو قتل کر دیا، پھر وہ مرتد ہو گیا۔ اس کی دو لونڈیاں بھی تھیں، جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو گاتی تھیں۔ (فتح الباری جلد ۲ ص ۵۲)

اس کے نام میں جو اختلاف ذکر کیا گیا ہے تو ان مختلف اقوال کو یوں جمع کیا جا سکتا ہے کہ اس کا اصل نام عبدالعزیٰ تھا۔ جب وہ مسلمان ہوا تو اس کا نام عبداللہ رکھا گیا اور جس نے ھلال کہا تو اسے اس کے بھائی ھلال کی وجہ سے شبہ پڑ گیا۔ (فتح الباری جلد ۲ ص ۵۲)

ابن ابی سرح کی نجات

سنن ابی داؤد میں حضرت مصعب رضی اللہ عنہ کی روایت سے ہے کہ جب فتح مکہ کا دن ہوا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سوائے چار آدمیوں کے باقی سب کو امان دے دی۔ انہوں نے ان کا ذکر کرنے کے بعد کہا کہ جہاں تک ابن ابی سرح کا تعلق ہے تو وہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے پاس چھپ گیا۔ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو بیعت کے لیے بلایا تو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ اسے لے کر آئے اور نبی اکرم صلی اللہ

علیہ وسلم کے پاس لا کھڑا کیا اور عرض کیا: اے اللہ کے نبی! عبداللہ سے بیعت لیں۔ آپ نے سرانور اٹھا کر تین مرتبہ اسے دیکھا اور ہر بار انکار فرمایا۔ اس کے بعد بیعت فرمالیا' پھر آپ صحابہ کرام کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: کیا تم میں کوئی سمجھ دار نہیں تھا جو اس کی طرف اٹھتا۔ جب اس نے مجھے دیکھا کہ میں نے اس سے بیعت لینے سے انکار کیا تو وہ اسے قتل کر دیتا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنھم نے عرض کیا: یارسول اللہ! ہمیں معلوم نہ تھا کہ آپ کیا چاہتے ہیں' آپ نے ہمیں اشارہ کیوں نہ کیا؟ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کسی نبی کے لیے جائز نہیں کہ وہ آنکھ کی خیانت کرے۔ (یعنی آنکھ سے اشارہ کرے) (سنن ابی داؤد جلد ۲ ص ۹)

کیا دخول مکہ کے لیے احرام باندھنا ضروری ہے؟

امام مالک نے کہا جیسا کہ صحیح بخاری کی روایت میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس دن حالت احرام میں نہ تھے۔ ہمارا خیال یہی ہے۔

امام مالک کا یہ قول عبدالرحمٰن بن مہدی نے قطعی طور پر روایت کیا ہے۔ اسے دار قطنی نے الغراب میں ذکر کیا۔

امام مسلم نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی جو روایت نقل کی ہے وہ بھی اس کی تائید کرتی ہے۔ اس میں یوں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے تو آپ کے سر مبارک پر سیاہ عمامہ تھا اور آپ احرام کے بغیر تھے۔ (صحیح مسلم جلد اول ص ۴۳۹، مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۸ ص ۲۳۶)

ابن ابی شیبہ نے صحیح سند کے ساتھ حضرت طاؤس سے روایت کیا۔ وہ فرماتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے دن کے علاوہ کبھی بھی مکہ مکرمہ میں احرام کے بغیر داخل نہیں ہوئے۔ (فتح الباری جلد ۴ ص ۵۳)

علماء کرام کا اس سلسلے میں اختلاف ہے کہ کیا مکہ مکرمہ میں داخل ہونے والے پر احرام واجب ہے یا نہیں؟

تو امام شافعی رحمہ اللہ کا مشہور مذہب یہ ہے کہ مطلقاً واجب نہیں ہے اور ایک قول میں وہ واجب قرار دیتے ہیں اور جو شخص بار بار داخل ہوتا ہے' اس کے بارے میں اختلاف ہے لیکن عدم وجوب اولیٰ ہے۔

باقی تین ائمہ (امام ابو حنیفہ' امام مالک اور امام احمد بن حنبل رحمھم اللہ) سے مشہور ہے کہ احرام واجب ہے اور ان میں سے ہر ایک سے عدم وجوب کی روایت بھی منقول ہے۔ حنبلی فقہ والوں نے ان لوگوں کو مستثنیٰ قرار دیا' جن کو ضرورت کے تحت بار بار مکہ مکرمہ میں داخل ہونا پڑتا ہے اور احناف نے ان لوگوں کو مستثنیٰ قرار دیا جو میقات کے اندر رہیں۔ واللہ اعلم۔ (فتح الباری جلد ۴ ص ۵۰)

حاکم نے الاکلیل میں قطعی طور پر کہا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت جس میں یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سر پر خود تھا اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت جس میں سیاہ عمامہ کا ذکر ہے' دونوں میں تعارض ہے۔

لیکن علماء کرام نے حاکم کی اس بات کا یوں جواب دیا ہے کہ ہو سکتا ہے' شروع میں جب داخل ہوئے تو آپ

کے سر پر مغفر (خود) ہو پھر اسے اتار کر آپ نے عمامہ باندھ لیا ہو۔ لہٰذا جس نے جو کچھ دیکھا وہی بیان کیا۔
اس بات کی تائید یوں ہوتی ہے کہ حضرت عمرو بن حریث کی روایت میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب خطبہ دیا تو آپ پر سیاہ عمامہ تھا۔ اسے امام مسلم نے بھی نقل کیا ہے اور خطبہ کعبہ شریف کے دروازے کے پاس اس وقت ارشاد فرمایا جب داخلہ مکمل ہوگیا۔ قاضی عیاض رحمہ اللہ نے مختلف اقوال کو اسی طرح جمع کیا۔
قاضی عیاض رحمہ اللہ کے علاوہ حضرات نے فرمایا کہ ان روایات کو اس طرح جمع کیا جا سکتا ہے کہ عمامہ مبارک جو سیاہ رنگ کا تھا' وہ مغفر کے اوپر لپٹا ہوا تھا یا مغفر کے نیچے تھا تاکہ لوہے کے زنگ سے سر کو محفوظ رکھا جا سکے تو حضرت انس رضی اللہ عنہ نے مغفر کا ذکر کر کے اس بات کا ارادہ کیا کہ آپ لڑائی کے لیے تیاری کے ساتھ داخل ہوئے اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے عمامہ کا ذکر کر کے یہ بتانا چاہا کہ آپ احرام کے بغیر داخل ہوئے۔
(فتح الباری جلد ۴ ص ۵۴)

مکہ مکرمہ میں آپ کی منزل

صحیح بخاری میں حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ انہوں نے فتح کے وقت پوچھا: یارسول اللہ! کل آپ کہاں ٹھہریں گے؟ تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا عقیل نے ہمارے اترنے کے لیے کوئی جگہ چھوڑی ہے؟ اور ایک روایت میں ہے' (فرمایا:) کیا عقیل نے ہمارے لیے کوئی مکان یا گھر چھوڑا ہے؟
(صحیح بخاری جلد ۲ ص ۶۱۴' کتاب المغازی)
عقیل اور طالب' ابوطالب کے وارث ہوئے اور حضرت جعفر اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہما ابوطالب کے وارث نہیں ہوئے تھے کیونکہ یہ دونوں مسلمان تھے جبکہ عقیل اور طالب کافر تھے۔ (فتح الباری جلد ۸ ص ۱۳) حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ کوئی کافر کسی مومن کا اور کوئی مومن کسی کافر کا وارث نہیں بن سکتا۔ (صحیح بخاری جلد ۲ ص ۶۱۴' کتاب المغازی)
صحیح بخاری کی ہی ایک دوسری روایت میں ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ ہمیں فتح عطا فرمائے گا تو انشاء اللہ ہمارے اترنے کی جگہ خیف ہے۔ اس جگہ کفار نے کفر پر باہم قسمیں کھائی تھیں۔ (صحیح بخاری جلد ۲ ص ۶۱۴) اور یہ وادی محصب ہے۔ یعنی قریش اور کنانہ نے بنوہاشم اور بنو مطلب کے خلاف متحد ہو کر باہم قسمیں کھائیں کہ نہ تو ان سے نکاح کریں گے اور نہ خرید و فروخت یہاں تک کہ وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے حوالے کردیں جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔ (فتح الباری جلد ۸ ص ۱۳)
صحیح بخاری کی ایک اور روایت میں ہے کہ فتح مکہ کے دن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا کے گھر غسل فرمایا پھر چاشت کی آٹھ رکعات پڑھیں۔ وہ فرماتی ہیں میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے مختصر نماز پڑھتے (کبھی) نہیں دیکھا۔ البتہ آپ رکوع اور سجدہ مکمل کرتے تھے۔
(صحیح بخاری جلد ۲ ص ۶۱۵' کتاب المغازی جلد اول ص ۱۳۹' کتاب تقصیر الصلوٰۃ)

جس کو تو نے پناہ دی، اسے ہم نے بھی پناہ دی

حضرت ام ہانی نے اپنے دو دیوروں کو پناہ دی تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ام ہانی! جس کو تم نے پناہ دی ہم نے بھی اسے پناہ دے دی۔ وہ دونوں مرد حارث بن ہشام اور زبیر بن امیہ بن مغیرہ تھے جیسا کہ ابن ہشام نے کہا ہے، حالانکہ حضرت ام ہانی کے بھائی حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے ان دونوں کو قتل کرنے کا ارادہ کیا تھا، لیکن ام ہانی نے ان پر دروازہ بند کر لیا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چلی گئیں۔

جاؤ تم آزاد ہو

جب فتح مکہ کا دوسرا دن ہوا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ لوگوں کو خطبہ دینے کھڑے ہوئے اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء اور بزرگی جو اس کے شایان شان ہے، بیان فرمانے کے بعد فرمایا:

ایها الناس، ان الله حرم مكة يوم خلق السموت والارض، فهي حرام بحرمة الله الى يوم القيامة، فلا يحل لامرئ يؤمن بالله واليوم الاخر ان يسفك بها دما او يعضد بها شجرة، فان احد ترخص فيها لقتال رسول الله صلى الله عليه وسلم فقولوا: ان الله اذن لرسوله ولم ياذن لكم، وانما احلت لي ساعة من نهار، وقد عادت حرمتها اليوم كحرمتها بالامس، فليبلغ الشاهد الغائب۔

اے لوگو! بے شک اللہ تعالیٰ نے جس دن آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا۔ اس دن سے مکہ مکرمہ کو حرمت عطا فرمائی اور یہ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ حرمت کے ساتھ قیامت تک محترم ہے۔ پس جو شخص اللہ تعالیٰ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہے اس کے لیے جائز نہیں کہ اس میں خون بہائے یا اس کا کوئی درخت کاٹے۔ اگر کوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس لڑائی سے استدلال کرے تو اسے کہو کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اجازت دی ہے تمہیں اجازت نہیں دی اور میرے لیے بھی دن کی ایک ساعت اس کو حلال کیا گیا اور اب اس کی حرمت آج بھی کل گزشتہ کی طرح ہے۔ پس ہر موجود کو چاہیے کہ غائب تک پہنچا دے۔

پھر فرمایا: اے قریش کی جماعت! تمہارا کیا خیال ہے۔ میں تم سے کیا سلوک کرنے والا ہوں؟ انہوں نے کہا: اچھا سلوک کریں گے کیونکہ آپ کریم بھائی اور کریم بھائی کے بیٹے ہیں۔ فرمایا: جاؤ تم سب آزاد ہو۔ (فتح الباری جلد ۸ ص ۱۵) یعنی ان لوگوں کو آزادی دی گئی۔ نہ انہیں غلام بنایا گیا اور نہ ہی قیدی بنائے گئے، جب کسی قیدی کو چھوڑا جائے تو اسے طلیق کہتے ہیں اور جس ساعت میں آپ کے لیے وہاں لڑائی جائز قرار دی گئی، وہ دن کے آغاز سے وقت عصر کے داخل ہونے تک ہے۔ فتح الباری میں اسی طرح ہے۔ (فتح الباری جلد ۸ ص ۱۵)

فتح مکہ کے بارے میں اشعار

علامہ ابو محمد شقراطسی نے اپنے مشہور قصیدہ میں بڑے عمدہ اشعار کہے ہی جو درج ذیل ہیں:

ویوم مکۃ اذا اشرفت فی امم تضیق عنھا فجاج الوعث والسھل
خوافق ضاق ذرع الخافقین بھا فی قاتم من عجاج الخیل والابل
وجحفل قذف الارجاء ذی لجب عرمرم کزھاء اللیل .منسحل
وانت صلی علیک اللہ تقدمھم فی بھو اشراق نور منک مکتمل
ینیر فوق اغر الوجہ منتجب متوج بعزیز النصر مقتبل
بسمو امام جنود اللہ مرتدیا ثوب الوقار لامر اللہ تمثل
خشعت تحت بھاء العزحین سمت بک المھابۃ فعل الخاضع الوجل
وقد تباشر املاک السماء بما ملکت اذ نلت منہ غایۃ الامل
والارض ترجف من زھو ومن فرق والجو یزھر اشراقا من الجذل
والخیل تختال زھوا فی اعنتھا والعیس تنثال رھوافی ثنی الجدل
لولا الذی خطت الاقلام من قدر وسابق من قضاء غیر ذی حول
اھل ثھلان بالتھلیل من طرب وذاب یذبل تھلیلا من الذبل
الملک للہ ھذا عز من عقدت لہ النبوہ فوق العرش فی الازل
شعبت صدع قریش بعدما قذفت بھم شعوب شعاب السھل والقلل
قالوا محمد قد زادت کتائبہ کالا سد تزار فی انیا بھا العصل
فویل مکہ من آثار وطاتہ وویل ام قریش من جوی الھبل
فجدت عفوا بفضل العفو منک ولم تلم ولا بالیم اللوم والعذل
اضربت بالصفح صفحا عن غوائلھم طولا اطال مقیل النوم فی المقل
رحمت واشج ارحام اتیح لھا تحت الوشیج تشیج الروع والوجل
عاذوا بظل کریم العفو ذی لطف مبارک الوجہ بالتوفیق مشتمل
ازکی الخلیقۃ اخلاقا واطھرھا واکرم الناس صفحا عن ذوی الزلل
وطفت بالبیت محبورا وطاف بہ من کان عنہ قبیل الفتح فی شغل

(۱) "یوم مکہ (فتح کا دن) کتنا عظیم دن تھا جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایسے گروہوں میں تشریف لائے جن کی وجہ سے دشوار گزار راستے اور آسانی سے گزرنے والے راستے بھی تنگ ہو چکے تھے"۔

(۲) "اس قدر حرکت کرنے والے کہ مشرق و مغرب کی وسعت تنگ ہو چکی تھی اور گھوڑوں اور اونٹوں کے غبار نے بھی مشرق و مغرب کو گھیر رکھا تھا"۔

(۳) "وہ اتنا بڑا لشکر تھا کہ اس کے کنارے دور دور تک پھیلے ہوئے تھے اور اس میں اس قدر آواز تھی کہ رات کی طرح (تمام افق کو گھیر رکھا تھا) اور وہ تیز رفتاری کے ساتھ گزر جاتے، کہیں نہ رکے"۔

(۴) "اے نبی! صلی اللہ علیہ وسلم آپ ان سے آگے تھے۔ (یعنی آپ کا حکم مقدم تھا) اور آپ اپنے نور کے اشراق کے ایوان میں کامل تھے"۔

(۵) "وہ نور آپ کے روشن اور شفاف چہرے پر چمکتا تھا۔ آپ کریم الاصل ہیں اور اس نصرت کا تاج آپ نے پہن رکھا ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے آپ سے وعدہ کیا تھا اور آپ خیر کا استقبال کرنے والے تھے"۔

(۶) "آپ اللہ تعالیٰ کے لشکر کے آگے سب سے بلند تھے آپ نے وقار کی چادر زیب تن فرما رکھی تھی اور حکم خداوندی کی تعمیل فرماتے تھے"۔

(۷) "آپ نے حسن عزت کے تحت اس وقت خشوع اور عاجزی کا مظاہرہ فرمایا جب آپ کی ہیبت بلندی پر تھی تو یہ خوف خدا رکھنے والے شخص کا خشوع تھا"۔

(۸) "آسمانی فرشتوں نے ایک دوسرے کو اس بات کی بشارت دی جس کے آپ مالک ہوئے کہ آپ نے نہایت مطلوب کو پایا"۔

(۹) "خوشی اور (لشکر کی ہیبت سے) خوف کی وجہ سے قریب تھا کہ زمین میں زلزلہ برپا ہوتا اور فضا خوشی کی وجہ سے روشن ہو گئی"۔

(۱۰) "گھوڑے خوشی کے باعث اپنی لگاموں سے اکڑ رہے تھے اور اونٹوں کی مہاریں ان کی گردنوں میں تھیں۔ (سکون سے چل رہے تھے۔)"

(۱۱) "اگر وہ بات نہ ہوتی جسے تقدیر کے قلموں نے لکھ دیا ہے اور اس سلسلے میں حکم الٰہی ہو چکا ہے کہ یہ تبدیل نہیں ہوگا"۔

(۱۲) "تو شہلاں پہاڑ طرب اور خوشی سے "لا الہ الا اللہ" پڑھتا اور ہذیل پہاڑ خوف کی وجہ سے پگھل جاتا"۔

(۱۳) "بادشاہی اللہ تعالیٰ کے لیے ہے اور یہ عزت اس کے لیے ہے جس کے لیے عرش کے اوپر ازل میں ہی نبوت ظاہر کی گئی"۔

(۱۴) "قریش جمع ہو گئے حالانکہ اس سے پہلے موت کے خوف نے ان کو نرم زمین اور پہاڑوں کے راستوں اور گھاٹیوں میں پھینک دیا اور منتشر کر دیا تھا"۔

(۱۵) "اہل مکہ نے کہا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لشکر کثیر ہو گئے اور وہ شیر کی طرح ہیں جو آواز دیتے ہیں اور ان کے دانت نہایت ٹیڑھے ہوتے ہیں"۔

(۱۶) "مکہ کی خرابی آپکے روندنے سے ہے اور رام قریش کی خرابی اپنے فرزند کو گم کرنے سے ہے"۔

(۱۷) "آپ نے اپنے فراواں عفو سے ان کو معاف کر دیا اور آپ نے ان کا مقابلہ بھی نہیں کیا اور دکھ دینے والی ملامت سے ان کا تدارک بھی نہیں فرمایا"۔

(۱۸) "آپ نے ان کی دشمنی سے منہ پھیر لیا اور ان سے درگزر فرمایا کہ ان کی آنکھوں میں استراحت کو دراز کر دیا (کہ وہ آرام سے سوئے)"۔

(۱۹) "آپ نے ان رشتہ داروں پر رحم فرمایا جن کے مقدر میں لکھا ہوا تھا کہ وہ نیزوں کے نیچے دھاڑیں مار کر روئیں"۔

(۲۰) "انہوں نے اس کریم العفو کے سائے میں پناہ لی جو مہربان ہے، مبارک ذات ہے اور ہر طرف سے توفیق عطا کیا گیا ہے"۔

(۲۱) "آپ اخلاق کے اعتبار سے پاک طینت اور نہایت پاکیزہ ہیں اور خطاکار سے درگزر کرنے میں سب سے زیادہ کریم ہیں"۔

(۲۲) "آپ نے مسرت کی حالت میں خانہ کعبہ کا طواف کیا اور ان لوگوں نے بھی طواف کیا جو فتح سے پہلے اس تک نہیں پہنچ سکتے تھے"۔

میری زندگی تو تمہاری زندگی ہے

جب اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو فتح مکہ عطا فرمائی تو انصار نے ایک دوسرے سے کہا: تمہارا کیا خیال ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے شہر اور زمین کی فتح عطا فرمائی تو وہاں ہی قیام فرمائیں گے۔ اس وقت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صفا پر ہاتھ اٹھائے دعا مانگ رہے تھے، جب دعا سے فراغت ہوئی تو فرمایا: تم نے کیا کہا؟ انہوں نے کہا: یارسول اللہ کچھ بھی نہیں، آپ مسلسل پوچھتے رہے حتیٰ کہ انہوں نے بات بتائی تو آپ نے فرمایا: معاذ اللہ! میری زندگی تمہاری زندگی اور میری وفات تمہاری وفات ہے۔
(صحیح مسلم جلد ۲ ص ۱۰۳)

فضالہ کے دل کی دنیا بدل گئی

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بیت اللہ شریف کا طواف کر رہے تھے تو فضالہ بن عمیر نے آپ کو قتل کرنے کا ارادہ کیا۔ جب وہ آپ کے قریب گیا تو آپ نے فرمایا: فضالہ ہو؟ اس نے کہا جی یارسول اللہ! فرمایا: تمہارے دل میں کیا بات تھی؟ اس نے کہا: کچھ نہیں، میں تو اللہ تعالیٰ کو یاد کر رہا تھا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مسکرائے اور پھر فرمایا: اللہ تعالیٰ سے بخشش طلب کرو۔ اس کے بعد اس کے سینے پر ہاتھ رکھا تو وہ پرسکون ہو گیا اور فضالہ کہا کرتے تھے، اللہ کی قسم! نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے سینے سے ہاتھ نہیں اٹھایا تھا (کہ میری حالت یوں ہو گئی) کہ اللہ تعالیٰ نے میرے لیے آپ سے زیادہ کسی کو محبوب نہیں بنایا۔

بتوں کو گرانا

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ کے دن جب رمضان شریف کے دس دن باقی تھے، بیت اللہ شریف کا طواف کیا اور بیت اللہ شریف کے گرد تین سو ساٹھ بت تھے۔ آپ جس وقت کسی بت کے پاس سے گزرتے تو لاٹھی سے اس کی طرف اشارہ فرماتے اور ارشاد فرماتے:

جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا۔ (القرآن) — حق آگیا اور باطل مٹ گیا بے شک باطل مٹنے کے لیے ہے۔

تو بت چہرے کے بل گر پڑتا۔ (دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۵ ص ۷۲)

ابو نعیم کی روایت میں ہے کہ شیطانوں نے ان بتوں کو تانبے اور سیسے سے جما دیا تھا۔

علامہ ابن النقیب المقدسی (محمد بن سلیمان بن حسن البلخی الامام المفسر رحمہ اللہ جو ۶۹۸ھ میں القدس میں فوت ہوئے) کی تفسیر میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات سے آگاہ فرمایا کہ اس نے آپ سے دشمن کے خلاف مدد کا جو وعدہ کیا تھا وہ پورا کر دیا ہے، مکہ مکرمہ کو فتح کر دیا اور آپ کے دین کا کلمہ بلند کر دیا تو آپ کو حکم دیا کہ "قل جاء الحق وزهق الباطل" کہتے ہوئے مکہ مکرمہ میں داخل ہوں۔ پس نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان بتوں کو جو کعبہ شریف کے گرد تھے۔ اپنا ڈنڈا چبھوتے جس کا سرا ٹیڑھا تھا اور فرماتے "جاء الحق وزهق الباطل" تو بت گر پڑتا حالانکہ ان کو سیسے اور لوہے کے ساتھ پکا کیا گیا تھا اور یہ بت سال کے دنوں کی تعداد کے مطابق تین سو ساٹھ تھے۔

حضرت علامہ ابن نقیب رحمہ اللہ فرماتے ہیں: حق اور باطل کے سلسلے میں علماء کرام کے مختلف اقوال ہیں۔

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اس کا مطلب ہے کہ قرآن مجید آیا اور شیطان چلا گیا۔ ابن جریج رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جہاد آیا اور شرک چلا گیا۔ حضرت مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ کی عبادت کا وقت آیا اور شیطان کی پوجا کا وقت چلا گیا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: فتح مکہ کے دن بیت اللہ شریف کے گرد تین سو ساٹھ بت پائے گئے جو مختلف قبائل عرب کے تھے۔ وہ ان کے لیے حج کرتے اور ان کے لیے سجدہ ریز ہوتے تھے۔ بیت اللہ شریف نے اللہ تعالیٰ سے شکایت کرتے ہوئے کہا: اے میرے رب! کب تک میرے گرد ان بتوں کی پوجا ہوتی رہے گی اور تیری عبادت نہیں ہوگی تو اللہ تعالیٰ نے اس کی طرف الہام فرمایا کہ میں ایک نئے گروہ کو پیدا کروں گا جو نسر پرندے (یعنی باز) کی طرح جلدی کریں گے اور جس طرح پرندے اپنے انڈوں کا اشتیاق رکھتے ہیں، وہ تمہارا شوق رکھیں گے۔ تیرے گرد تلبیہ کے ساتھ آوازیں بلند ہوں گی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں جب آیت فتح نازل ہوئی تو حضرت جبریل علیہ السلام نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا۔ آپ اپنا عصا مبارک لیجئے، پھر ان بتوں کو گرائیں، چنانچہ آپ ایک ایک بت کے پاس تشریف لاتے اور اپنا عصا مبارک اس کی آنکھ یا پیٹ میں چبھوتے اور فرماتے "حق آگیا اور

باطل مٹ گیا"۔ چنانچہ بت اوندھے منہ گر جاتا، حتیٰ کہ آپ نے ان سب کو گرا دیا، اور خزاعہ قبیلے کا بت کعبہ شریف کی چھت پر باقی رہ گیا اور وہ تانبے کے ٹکڑوں سے بنا ہوا تھا۔ آپ نے فرمایا: اے علی! اس بت کو پھینک دو۔ چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اٹھایا اور انہوں نے کعبہ شریف کی چھت پر چڑھ کر اسے نیچے پھینکا، جس سے وہ ٹوٹ گیا۔ اس پر اہل مکہ تعجب کرنے لگے۔ (ابن النقیب کا کلام مکمل ہوا)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو آپ نے اس وقت تک خانہ کعبہ میں داخل ہونے سے انکار فرمایا جب تک اس میں بت موجود ہیں۔ چنانچہ آپ کے حکم سے ان کو نکال دیا گیا۔ انہوں نے حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل کی تصویریں بھی نکالیں جن کے ہاتھوں میں وہ تیر تھے جن سے قریش فال نکالتے تھے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ان کو تباہ و برباد کرے۔ اللہ کی قسم! یہ جانتے ہیں کہ حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام نے کبھی ان تیروں کے ذریعے (امور کی) تقسیم نہیں کی۔ پس آپ بیت اللہ شریف میں داخل ہوئے اور اس کے کناروں میں اللہ اکبر کی صدا بلند کی لیکن نماز نہیں پڑھی۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۲۱۸ کتاب الحج)

کعبہ شریف کی چابی

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، فرماتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فتح کے سال اپنی اونٹنی قصواء پر تشریف لائے اور حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ آپ کے پیچھے تھے حتیٰ کہ آپ نے اونٹنی کو کعبہ شریف کے صحن میں بٹھا دیا۔ پھر حضرت عثمان بن طلحہ کو بلایا اور فرمایا: چابی میرے حوالے کرو۔ وہ اپنی ماں کے پاس آئے تو اس نے دینے سے انکار کر دیا۔ عثمان نے کہا: اللہ کی قسم تم ضرور چابی دو گی ورنہ یہ تلوار میری پیٹھ سے ضرور نکلے گی۔ (یعنی میں اپنے آپ کو قتل کر دوں گا)

چنانچہ ان کی ماں نے چابی دے دی۔ عثمان بن طلحہ نے یہ چابی لا کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کی اور آپ نے دروازہ کھولا۔ (صحیح مسلم جلد اول ص ۴۲۸)

فاکہی نے ایک ضعیف طریق سے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا۔ وہ فرماتے ہیں ابو طلحہ کی اولاد کا خیال تھا کہ ان کے علاوہ کوئی شخص بیت اللہ شریف کا دروازہ نہیں کھول سکتا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے چابی لے کر اسے اپنے ہاتھ سے کھولا۔ (فتح الباری جلد ۳ ص ۳۷۱)

یہ عثمان (مذکور) عثمان بن طلحہ بن ابی طلحہ بن عبدالعزیٰ ہیں۔ ان کو حجبی کہا جاتا تھا اور آج کل شیبین کے نام سے پہچانے جاتے ہیں یعنی شیبہ بن عثمان بن ابی طلحہ کی طرف منسوب ہیں اور یہ عثمان بن طلحہ کے چچا زاد بھائی ہیں۔ ان (عثمان بن طلحہ) کی اولاد نہیں تھی۔ ان کی صحابیت اور ان سے حدیث کی روایت معروف ہے اور عثمان رضی اللہ عنہ کی والدہ کا نام سلافہ ہے۔ (فتح الباری جلد ۳ ص ۳۷۱)

طبقات ابن سعد میں حضرت عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں: جاہلیت کے دور میں

ہم کعبہ شریف کا دروازہ سوموار اور جمعرات کے دن کھولتے تھے۔ ایک دن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور آپ دوسرے لوگوں کے ساتھ کعبہ شریف میں داخل ہونا چاہتے تھے۔ میں آپ سے سخت کلامی سے پیش آیا لیکن آپ نے بردباری اختیار کرتے ہوئے فرمایا: اے عثمان! عنقریب تم دیکھو گے کہ چابی میرے قبضے میں ہو گی اور میں جسے چاہوں گا دوں گا۔ میں نے کہا: اس دن قریش ہلاک اور ذلیل ہوں گے؟ آپ نے فرمایا: نہیں بلکہ اس دن ان کو زندگی اور عزت حاصل ہو گی۔ یہ فرمانے کے بعد آپ کعبہ شریف میں داخل ہوئے اور آپ کے اس ارشاد گرامی نے میرے دل پر اثر کیا۔ میں نے سوچا: ایک دن ایسا بھی ہو گا جیسا کہ آپ نے فرمایا ہے۔

پھر جب فتح مکہ کا دن ہوا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عثمان چابی مجھے دو۔ میں آپ کے پاس چابی لایا اور آپ نے مجھ سے لے کر دوبارہ مجھے عنایت فرمائی اور ارشاد فرمایا: یہ چابی ہمیشہ کے لیے اپنے پاس رکھو، کسی ظالم کے علاوہ کوئی بھی تم سے یہ چابی نہیں لے سکے گا۔

اے عثمان! اللہ تعالیٰ نے تم لوگوں کو اس گھر کا امین بنایا ہے، پس اس گھر سے تمہیں جو کچھ ملے، اچھے اور مناسب طریقے سے کھاؤ۔ حضرت عثمان فرماتے ہیں: جب میں واپس ہوا تو آپ نے مجھے آواز دی۔ میں آپ کی طرف لوٹا تو آپ نے فرمایا: کیا وہی بات نہیں ہوئی جو میں نے تم سے کہی تھی؟ فرماتے ہیں: مجھے وہ بات یاد آ گئی جو آپ نے ہجرت سے پہلے مکہ مکرمہ میں مجھ سے فرمائی تھی کہ عنقریب تم دیکھو گے یہ چابی میرے قبضے میں ہو گی اور میں جسے چاہوں گا دوں گا۔ میں نے کہا: ہاں کیوں نہیں، میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔

(ثعالبی کی) تفسیر میں ہے کہ یہ آیت:

اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُکُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓی اَھْلِھَا۔ (النساء: ۵۸)	بے شک اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں ان کے اہل لوگوں کو لوٹا دو۔

حضرت عثمان بن طلحہ حجبی کے بارے میں نازل ہوئی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو حکم دیا کہ وہ کعبہ شریف کی چابی لائیں تو انہوں نے انکار کیا اور بیت اللہ شریف کا دروازہ بند کر کے چھت پر چڑھ گئے اور کہا: اگر مجھے معلوم ہوتا کہ آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں تو میں آپ سے چابی نہ روکتا۔ اس پر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے ان کا ہاتھ پکڑ کر مروڑا، اور ان سے چابی لے کر دروازہ کھول دیا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے آپ سے سوال کیا کہ آپ چابی ان کو عطا فرما دیں اور حاجیوں کو پانی پلانا اور کعبہ شریف کی خدمت دونوں باتیں آپ کے لیے جمع کر دیں۔ تو اس پر یہ مندرجہ بالا آیت نازل ہوئی اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ چابی حضرت عثمان کو دے دیں اور ان سے معذرت بھی کریں، چنانچہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے آپ کے اس حکم پر عمل کیا۔ انہوں نے کہا: آپ نے مجھے مجبور کیا، اذیت پہنچائی اور اب نرمی کرنے تشریف لائے ہیں؟ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے تمہارے حق میں قرآن پاک نازل کیا ہے اور ان کو وہ آیت پڑھ کر سنائی، چنانچہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کلمہ شہادت پڑھ لیا۔ اتنے میں حضرت جبریل علیہ السلام حاضر

ہوئے اور فرمایا جب تک یہ گھریا اس کی اینٹوں میں سے کوئی اینٹ قائم رہے گی تو چابی اور خانہ کعبہ کی خدمت حضرت عثمان کی اولاد کے پاس رہے گی۔ لہٰذا وہ چابی ان کے پاس رہی اور جب ان کا وصال ہوا تو انہوں نے وہ چابی اپنے بھائی شیبہ کو دے دی۔ پس چابی اور کعبہ شریف کی خدمت کی ذمہ داری قیامت تک ان کی اولاد کے پاس رہے گی۔[1]

ابن ظفر نے ینبوع الحیاۃ میں لکھا کہ حضرت عثمان بن طلحہ کا یہ کہنا کہ اگر میں جانتا کہ آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں تو یہ راوی کا وہم ہے کیونکہ وہ تو اسلام لاچکے تھے۔ اب اگر وہ یہ بات کہتے تو مرتد ہو جاتے۔ (معاذاللہ)

اور کلبی سے روایت ہے کہ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے چابی مانگی اور ان کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ اس پر حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یارسول اللہ حاجیوں کو پانی پلانے کے ساتھ اس ذمہ داری کو بھی میرے سپرد کر دیں۔ اس پر حضرت عثمان نے چابی والا ہاتھ روک لیا۔ (یا مٹھی بند کر دی۔)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عثمان! تم اللہ تعالیٰ اور آخرت پر ایمان رکھتے ہو تو چابی دے دو تو انہوں نے آپ کو چابی دیتے ہوئے عرض کیا: امانت کے ساتھ لیجئے۔ آپ نے عنایت فرما دی اور آیت نازل ہوئی:

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰۤى اَهْلِهَا۔ امانتیں ان کے اہل لوگوں کے سپرد کر دو۔

ابن ظفر نے کہا کہ یہ روایت قبول کے زیادہ لائق ہے۔

کعبہ شریف میں نماز

مسلم شریف کی روایت میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت اسامہ بن زید، حضرت بلال اور عثمان بن طلحہ حجبی رضی اللہ عنہم (کعبہ شریف میں) داخل ہوئے اور دروازہ بند کر دیا۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: جب انہوں نے دروازہ کھولا تو سب سے پہلے میں داخل ہوا۔ میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے ملا تو ان سے پوچھا: کیا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے (کعبہ شریف میں) نماز پڑھی ہے؟ انہوں نے کہا: جی ہاں! دو یمانی ستونوں کے درمیان پڑھی ہے اور میں یہ بات پوچھنا بھول گیا کہ آپ نے کتنی رکعات پڑھی ہیں۔

(صحیح مسلم جلد اول ص ۴۲۸)

صحیح بخاری کی ایک روایت میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ستون اپنی بائیں جانب، دوسرا دائیں جانب اور تین ستونوں کو پیچھے رکھا (اور نماز پڑھی) (صحیح بخاری جلد اول ص ۷۲، کتاب الصلوٰۃ) اور ان دو روایتوں میں کوئی اختلاف نہیں، لیکن دوسری روایت میں یہ قول کہ ان دنوں بیت اللہ شریف کے چھ ستون تھے، اس میں اشکال ہے۔ کیونکہ حدیث شریف سے پتا چلتا ہے کہ جب ایک ستون دائیں طرف اور دوسرا بائیں طرف تھا

[1] امام زرقانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ حدیث کئی وجہ سے منکر ہے۔...۱۲ ہزاروی

(تفسیر خازن جلد اول ص ۵۴۸، تفسیر غرائب القرآن جلد ۵ ص ۶۵)

تو یہ دو ستون ہوئے۔ اس لیے امام بخاری رحمہ اللہ نے شیخ اسماعیل بن ابی اویس کی روایت کے باعث فرمایا کہ آپ کی دائیں جانب دو ستون تھے۔

ان دونوں روایتوں کو یوں جمع کیا جاسکتا ہے کہ جب دو ستونوں کا ذکر آیا تو بیت اللہ کی اس حالت کی طرف اشارہ کیا جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں تھی اور جب ایک ستون کا ذکر کیا تو بعد میں پیدا ہونے والی صورت کی طرف اشارہ کیا گیا۔ چنانچہ ان کا یہ قول کہ ان دنوں بیت اللہ شریف اس حالت پر تھا' سے بھی اس بات کا پتا چلتا ہے اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بیت اللہ شریف کی پہلی حالت بدل گئی۔

یہ بھی احتمال ہے کہ کہا جائے کہ تینوں ستون ایک سمت میں نہیں تھے بلکہ دو ایک طرف اور تیسرا دوسری سمت میں تھا اور بخاری شریف کی ایک روایت میں **متقدمین** کا لفظ (یعنی آگے والے دو) اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ (صحیح بخاری جلد اول ص ۷۲، کتاب الصلوٰۃ)

اور مسلم شریف کی روایت میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دو ستونوں کو اپنی بائیں جانب اور ایک ستون کو دائیں جانب رکھا اور یہ اسماعیل (بن ابی اویس) کی روایت کے برعکس ہے۔ اسی طرح امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا اور بشر بن عمر نے بھی ان دونوں سے دو روایتیں نقل کرتے ہوئے ایک روایت میں اسی طرح فرمایا۔

بعض متاخرین نے ان دو روایتوں کو یوں جمع کیا کہ ہو سکتا ہے، واقعات متعدد ہوں، لیکن یہ احتمال بعید ہے کیونکہ حدیث کا مخرج ایک ہی ہے۔

امام بیہقی رحمہ اللہ نے اسماعیل کی روایت کو قطعی طور پر ترجیح دی ہے اور ابن قاسم (عبدالرحمٰن بن قاسم مشہور فقیہ) قعنبی (عبداللہ بن مسلمہ قعنبی ثقہ عابد جن کے بارے میں آتا ہے کہ ابن معین اور ابن مدینی موطا میں ان پر کسی کو مقدم نہیں کرتے تھے۔ ان کی وفات ۲۲۱ھ میں ہوئی) ابو مصعب (احمد بن ابی بکر قاسم بن زرارہ بن مصعب بن عبدالرحمٰن بن عوف متوفی ۲۴۲ھ فقیہ حافظ اور نہایت صادق تھے) محمد بن حسن (شیبانی، حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے جلیل القدر شاگرد) اور ابو حذافہ (احمد بن اسماعیل سہمی متوفی ۲۵۹ھ) نے ان کی موافقت کی۔ اس طرح امام شافعی رحمہ اللہ اور ابن مہدی (عبدالرحمٰن بن مہدی بن حسان حافظ متوفی ۱۹۸ھ) رحمہم اللہ نے دو روایتوں میں سے ایک میں ان کی موافقت کی۔ (فتح الباری جلد اول ص ۴۷۸)

حضرت موسیٰ بن عقبہ نے حضرت نافع رضی اللہ عنہ سے اپنی روایت میں بیان کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کھڑے ہونے کی جگہ اور سامنے والی دیوار کے درمیان تین ہاتھ کا فاصلہ تھا اور اس زائد عبارت کو قطعی طور پر مرفوع درست قرار دیا۔ امام مالک نے حضرت نافع سے روایت کرتے ہوئے قطعیت اختیار کی جیسا کہ امام دار قطنی نے غرائب میں اس کی تخریج کی ہے اور اس کے الفاظ یہ ہیں کہ آپ نے نماز پڑھی تو آپ کے اور قبلہ کے درمیان تین ہاتھ تھے (یعنی تین ہاتھ کا فاصلہ تھا)

اور ازرقی کی کتاب "کتاب مکہ" اور فاکہی کی کتاب میں ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے پوچھا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کہاں پڑھی؟ تو انہوں نے فرمایا: اپنے اور دیوار

کے درمیان دو یا تین ہاتھ کا فاصلہ رکھ لو۔ اس بنیاد پر ہر وہ شخص جو اتباع کا ارادہ رکھتا ہو، اسے چاہئے کہ اپنے اور دیوار کے درمیان تین ہاتھ کا فاصلہ رکھے۔ اگر تین ہاتھ ہوئے تو اس کے قدم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں کی جگہ ہوں گے یا اس کے گھٹنے یا ہاتھ یا چہرہ اس مقام پر لگے۔ اگر تین ہاتھ سے کم فاصلہ ہو۔ واللہ اعلم

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ایک روایت میں ہے۔ فرماتے ہیں: مجھے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے خبر دی ہے کہ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بیت اللہ شریف میں داخل ہوئے تو آپ نے اس کے تمام کونوں میں دعا مانگی اور نماز نہیں پڑھی، حتیٰ کہ آپ باہر تشریف لائے اور جب باہر آگئے تو بیت اللہ شریف کی طرف رخ کر کے آپ نے دو رکعتیں پڑھیں اور فرمایا یہ قبلہ ہے۔ (صحیح مسلم جلد اول ص ۴۲۹)

اس روایت اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی اس روایت کو یوں جمع کیا جا سکتا ہے کہ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما نے بتایا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خانہ کعبہ میں نماز پڑھی جسے امام احمد اور طبرانی نے روایت کیا ہے۔ کہ جہاں حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ اس بات کو ثابت کرتے ہیں، وہاں وہ دوسرے (حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے قول) پر اعتماد کرتے ہیں اور جہاں نفی فرماتے ہیں وہاں اس بات کا ارادہ کرتے ہیں جو ان کے علم میں ہے کہ انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے پہلے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے سوال کیا، پھر نماز کی جگہ کے ثبوت کے لیے مزید علم کی خاطر حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ سے بھی سوال کیا۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: علمائے حدیث نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی روایت کو اختیار کرنے پر اجماع کیا ہے کیونکہ اس میں اثبات ہے اور ان کو زیادہ علم تھا، لہٰذا ان کے قول کی ترجیح واجب ہے اور جہاں تک حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کی نفی کا تعلق ہے، اس کا سبب یہ ہے کہ جب وہ حضرات کعبہ شریف میں داخل ہوئے تو انہوں نے دروازہ بند کر دیا اور دعا میں مشغول ہو گئے۔ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دعا میں مشغول دیکھا، پھر حضرت اسامہ کسی ایک کونے میں خود بھی مشغول ہو گئے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دوسرے کونے میں تھے۔ جب کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ آپ کے قریب تھے۔ اس کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے آپ کو (نماز پڑھتے ہوئے) دیکھا کیونکہ وہ آپ کے قریب تھے لیکن حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے دور ہونے اور (خود دعا میں) مشغول ہونے کی وجہ سے نہیں دیکھا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مختصر نماز پڑھی اور دروازہ بند تھا۔ نیز حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ دور بھی تھے اور دعا میں مشغول بھی۔ اس لیے وہ آپ کی نماز کو نہ دیکھ سکے۔ پس ان کے لیے اپنے گمان پر عمل کرتے ہوئے نفی کرنا جائز ہے، لیکن حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو اس کی تحقیق تھی، لہٰذا انہوں نے اس بات کی خبر دی۔

(صحیح مسلم جلد اول ص ۴۲۸، حاشیہ)

علمائے کرام نے اس سلسلے میں حضرت امام نووی رحمہ اللہ کا تعاقب کیا جس کا ذکر طویل ہے اور ان روایات کو جمع کرنے کے سلسلے میں سب سے پہلے زیادہ قریب بات جو کہی جا سکتی ہے، وہ یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ

وسلم نے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کو کسی کام کے لیے بھیجا (یعنی آپ کو پانی لینے بھیجا) تاکہ ان تصاویر کو دھو ڈالیں جو کعبہ شریف میں تھیں۔ اس دوران جب حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ غائب تھے تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے آپ کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا اس لیے انہوں نے اسے ثابت کیا اور حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے نہیں دیکھا لہٰذا انہوں نے نفی کر دی۔ اس کی تائید امام ابوداؤد طیالسی رضی اللہ عنہ کی حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ سے روایت کردہ اس حدیث سے بھی ہوتی ہے حضرت اسامہ فرماتے ہیں: میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کعبہ شریف میں داخل ہوا۔ آپ نے وہاں تصاویر دیکھیں تو پانی کا ایک ڈول منگوایا۔ میں لے کر آیا تو آپ ان تصاویر کو مٹانے لگے اور فرماتے: اللہ تعالیٰ اس قوم کو ہلاک کرے جو ان چیزوں کی تصاویر بناتے ہیں جن کو پیدا نہیں کر سکتے۔ اس روایت کے راوی ثقہ قابل اعتماد ہیں۔

ازرقی نے تاریخ مکہ میں کہا ہے کہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ خانہ کعبہ کے دروازے پر تھے اور لوگوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جانے سے روکتے تھے۔

مکہ مکرمہ میں اقامت کی مدت

صحیح بخاری میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم (مکہ مکرمہ میں) پندرہ دن ٹھہرے۔[1] ایک روایت میں انیس دن کا ذکر ہے (سنن ابی داؤد جلد اول ص ۱۷۳، صحیح بخاری جلد ۲ ص ۶۱۵) اور ابوداؤد کی روایت میں سترہ دن مذکور ہیں۔ (سنن ابی داؤد ج ا ص ۱۷۳)

امام ترمذی کے نزدیک اٹھارہ دن ہیں۔[2] (جامع ترمذی جلد اول ص ۷۲)

الاکلیل میں ہے کہ ان روایات میں سے صحیح یہ ہے کہ دس سے کچھ اوپر دن ہیں۔ آپ وہاں (نماز میں) قصر فرماتے تھے۔[3]

(تقی الدین محمد بن احمد بن علی المکی الشریف القاضی) الفاسی نے تاریخ مکہ (جس کا نام شفاء الغرام ہے) میں فرمایا: کہ مکہ مکرمہ اس وقت فتح ہوا جب رمضان شریف کی دس راتیں باقی تھیں۔

---

[1] امام زرقانی فرماتے ہیں: یہ صحیح نہیں، یہ ابوداؤد کی روایت ہے۔ امام بخاری کے نزدیک آپ وہاں انیس دن ٹھہرے۔ (زرقانی جلد ۲ ص ۳۴۶)

[2] امام بیہقی رحمہ اللہ نے اس اختلاف کو یوں حل کیا کہ جن حضرات نے انیس دن کا ذکر کیا ہے، انہوں نے آنے اور جانے کے دو دن بھی شمار کیے، سترہ دن کا قول کہنے والوں نے ان کو شمار نہیں کیا۔ اٹھارہ دن کا قول کرنے والوں نے ایک دن شمار کیا اور پندرہ دن والا قول ضعیف ہے۔ (زرقانی جلد ۲ ص ۳۴۶۔ ۳۴۷)

[3] اگر پندرہ دن کی نیت نہ ہو تو مسافر قصر نماز پڑھتا ہے تو ہو سکتا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پندرہ دن یا زائد کی نیت نہ کی ہو اور واپسی کا کوئی متعین دن نہ ہو، اس لیے دو رکعتیں پڑھتے تھے ۔۔۔ ۱۲ ہزاروی

فتح مکہ اور غزوۂ حنین کے درمیان سرایا

عزیٰ (بت) کو گرانا

فتح مکہ کے بعد حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ ایک لشکر لے کر نخلہ مقام میں عزیٰ کی طرف تشریف لے گئے۔ یہ بت قریش اور تمام بنو کنانہ کا بت تھا اور ان کا سب سے بڑا بت تھا۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ کا سریہ اس وقت گیا جب رمضان شریف کی پانچ راتیں باقی تھیں اور آپ کے ہمراہ تیس سوار تھے۔ ان کے جانے کا مقصد اس بت کو گرانا تھا' وہاں پہنچ کر اسے گرایا اور پھر واپس مکہ مکرمہ میں آ کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالد سے پوچھا کہ آپ نے کوئی چیز دیکھی ہے۔ عرض کیا: نہیں۔ فرمایا: تم نے عزیٰ کو نہیں گرایا دوبارہ جاؤ اور اسے گراؤ' چنانچہ وہ تشریف لے گئے اور اپنی تلوار نیام سے نکالی تو کیا دیکھا کہ ایک کالے رنگ کی عورت جس کے بال بکھرے ہوئے تھے اور جسم ننگا تھا' باہر نکلی اس کا پجاری اس عورت کی وجہ سے چیخ رہا تھا۔ حضرت خالد بن ولید نے تلوار مار کر اس کے دو ٹکڑے کر دیئے اور واپس آ کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع کی تو آپ نے فرمایا: ہاں یہ عزیٰ تھی اور وہ اس بات سے مایوس ہو گئی کہ اب تمہارے شہر میں کبھی اس کی پوجا ہو گی۔ (طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۱۴۵)

سواع (بت) کی بیخ کنی

پھر حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کا سریہ ہے جو ہذیل قبیلہ کے بت "سواع" کی طرف گیا جو مکہ مکرمہ سے تین میل کے فاصلے پر تھا۔ یہ سریہ بھی فتح مکہ کے سال رمضان المبارک سنہ ۸ھ میں گیا۔ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں وہاں پہنچا تو وہاں اس کا پجاری تھا۔ اس نے پوچھا: کیا ارادہ ہے؟ میں نے کہا: مجھے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بت کو گرانے کا حکم دیا ہے۔ اس نے کہا: تم ایسا نہیں کر سکتے۔ میں نے کہا: کیوں؟

اس نے کہا یہ بت منع کرے گا۔ میں نے کہا تجھ پر افسوس ہے' کیا یہ سنتا ہے؟ یا یہ دیکھتا ہے۔ آپ فرماتے ہیں: میں اس کے قریب ہوا اور اسے توڑنے کے بعد پجاری سے کہا: تم نے کیسا دیکھا؟ اس نے کہا: میں نے اللہ تعالیٰ کے لیے اسلام قبول کیا۔ (طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۱۴۶)

مناۃ (بت) کا انہدام

پھر حضرت سعد بن زید اشہلی رضی اللہ عنہ کا سریہ ہے جو اوس اور خزرج کے بت مناۃ کی طرف گیا یہ مشلل کے مقام پر تھا۔ یہ سریہ بھی فتح مکہ کے بعد رمضان المبارک میں ہی گیا۔ آپ بیس سواروں کو لے کر تشریف لے گئے، یہاں تک کہ وہاں پہنچے تو پجاری نے پوچھا: کیا ارادہ ہے؟ فرمایا: مناۃ کو منہدم کرنا ہے۔ اس نے کہا: آپ کو اختیار ہے۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ اس کی طرف گئے تو ایک سیاہ فام بکھرے ہوئے بالوں والی عورت آپ کی طرف آئی جو کہہ رہی تھی، ہائے خرابی اور سینہ کوبی کر رہی تھی۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے اسے ایک ضرب لگا کر ہلاک کر دیا اور پھر بت کی طرف متوجہ ہوئے۔ آپ کے ساتھی بھی ہمراہ تھے۔ انہوں نے اسے گرانے کے بعد بارگاہ نبوت میں حاضری دی اس وقت رمضان المبارک کی چھ راتیں باقی تھیں۔ (طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۱۴۶)

سریہ خالد بن ولید، بنو جذیمہ کی طرف

پھر شوال سنہ ۸ھ میں حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ ایک سریہ لے کر عبد القیس کے ایک قبیلہ بنو جذیمہ کی طرف گئے جو مکہ مکرمہ کی نچلی جانب یلملم کے کنارے ایک رات کی مسافت پر تھا اور یہ یوم غمیصاء کہلاتا ہے۔ (غمیصاء قبیلہ بنو جزیمہ کا ایک کنواں ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ ایک جگہ کا نام ہے۔)

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت بھیجا جب وہ عزیٰ کو گرانے کے بعد واپس آئے تھے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ میں ہی مقیم تھے۔ آپ نے ان کے ساتھ تین سو پچاس افراد دعوت اسلام کی خاطر بھیجے، لڑنے کے لیے نہیں۔ جب خالد بن ولید رضی اللہ عنہ ان لوگوں تک پہنچے تو فرمایا تم کون لوگ ہو؟ کہنے لگے: ہم مسلمان ہیں، ہم نے نماز پڑھی۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کی اور اپنے محلوں میں مسجدیں بنائیں ہیں۔ (طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۱۴۷)

صحیح بخاری میں ہے کہ وہ لوگ یہ الفاظ اچھی طرح نہ کہہ سکے، اس لیے انہوں نے کہا ہم صابی ہو گئے ہیں۔ (صحیح بخاری جلد ۲ ص ۶۲۲ کتاب المغازی) (یعنی ایک دین کو چھوڑ کر دوسرا دین اختیار کیا۔ صحیح بخاری میں ہے کہ "اسلمنا" ہم اسلام لائے۔ (زرقانی جلد ۳ ص ۳)

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا: ان کو قید کر لو، چنانچہ انہوں نے ان کو گرفتار کر لیا اور بعض ساتھیوں کو حکم دیا تو انہوں نے ان کے ہاتھ کاندھوں کے ساتھ باندھ دیئے اور ان کو مسلمانوں میں تقسیم کر دیا۔ جب سحری کا وقت ہوا تو حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے منادی نے آواز دی کہ جس کے پاس قیدی ہو، وہ اسے قتل کر دے، چنانچہ بنو سلیم کے پاس جو لوگ تھے، انہوں نے ان کو قتل کر دیا لیکن مہاجرین و انصار نے اپنے قیدیوں کو قتل نہ کیا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر پہنچی تو فرمایا: یااللہ! میں خالد کے فعل سے تیری بارگاہ میں براءت کا اظہار کرتا ہوں، چنانچہ آپ نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو بھیجا تو انہوں نے ان مقتولین کا خون بہا ادا کیا۔

(طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۱۴۸)

خطابی نے کہا ہے کہ اس بات کا احتمال ہے کہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو ان کا لفظ اسلام سے عدول (کر کے صبانا کہنا) اچھا نہ لگا ہو کیونکہ انہوں نے یہ سمجھا کہ وہ یہ بات اسلام سے نفرت کی بنیاد پر کہہ رہے ہیں اور یہ لوگ دین کی طرف مائل نہیں ہوئے، لہٰذا آپ نے ان کی بات کی تاویل کرتے ہوئے ان کو قتل کیا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی طرف سے جلدی کرنے اور ان کے قول "صبانا" کی مراد معلوم کرنے سے پہلے کارروائی کرنے کو اچھا نہ سمجھا۔ (فتح الباری جلد ۸ ص ۴۵)



غزوۂ حنین

پھر غزوۂ حنین ہے (یہ اسم تصغیر ہے) اور یہ ذوالمجاز کے کے قریب ایک وادی ہے اور کہا گیا ہے کہ ایک چشمہ ہے۔ اس کے اور مکہ مکرمہ کے درمیان تین راتوں کا فاصلہ ہے اور یہ طائف کے قریب ہے۔ اس غزوہ کو غزوہ ہوازن بھی کہا جاتا ہے۔ (طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۱۵۱)

اسباب و وجوہات

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب فتح مکہ اور اس کے معاملات کی درستگی سے فارغ ہوئے اور وہاں کے رہنے والوں میں سے اکثر نے اسلام قبول کر لیا، تو قبیلہ ہوازن اور ثقیف کے سرکردہ افراد ایک دوسرے سے ملے اور انہوں نے مسلمانوں سے لڑنے کا ارادہ کیا اور جمع ہوئے۔ ان کا رئیس مالک بن عوف نصری تھا۔
(فتح الباری جلد ۸ ص ۳۱)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم چھ شوال کو ہفتہ کے دن بارہ ہزار مسلمانوں کو لے کر روانہ ہوئے۔ ان میں سے دس ہزار تو اہل مدینہ میں سے تھے جب کہ دو ہزار اہل مکہ میں سے اسلام قبول کرنے والوں میں سے تھے۔ (طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۱۵۰) اور یہ آزاد شدہ لوگ تھے۔ یعنی فتح مکہ کے دن جن کو چھوڑ دیا گیا اور قیدی نہ بنایا گیا۔
(جب کسی قیدی کو چھوڑ دیا جائے تو اسے طلیق کہتے ہیں جس کی جمع طلقاء ہے۔)

(اس دوران) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ میں حضرت عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ کو اپنا قائم مقام مقرر فرمایا۔ (السیرۃ النبویہ (عیون الاثر) جلد ۲ ص ۲۱۵، البدایہ والنہایہ جلد ۴ ص ۳۲۵) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ اسی (۸۰) مشرک بھی نکلے، جن میں صفوان بن امیہ بھی تھا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے ایک سو زرہیں مع اس کے لوازمات ادھار لی تھیں۔ منگل کی رات جب کہ شوال کی دس راتیں گزر چکی تھیں، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حنین میں پہنچے۔

مالک بن عوف نے تین آدمی بھیجے تاکہ وہ صحابہ کرام کی خبر لائیں تو وہ اس حالت میں واپس گئے کہ (مسلمانوں کے) رعب سے ان کا بند بند ٹوٹ رہا تھا۔

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن ابی حدرد اسلمی رضی اللہ عنہ کو بھیجا جو ان لوگوں کے لشکر میں داخل ہوئے اور چکر لگا کر ان کی خبر لائے۔ (طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۱۵۰)

امام ابوداؤد نے حسن سند کے ساتھ حضرت سہل بن حنظلیہ رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہے، اس میں ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چلتے چلے تو تیز تیز چلنے لگے۔ اتنے میں ایک شخص آیا اور اس نے کہا کہ میں تمہارے آگے آگے گیا حتیٰ کہ فلاں فلاں پہاڑ پر چڑھا تو میں نے ہوازن کو ان کی زنانہ سواریوں اور بکریوں کے ساتھ نہایت کثرت میں دیکھا کہ وہ سب کے سب حنین میں جمع ہیں۔ اس پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مسکرائے اور فرمایا: انشاء اللہ کل یہ سب کچھ مسلمانوں کے لیے غنیمت ہوگا۔ (فتح الباری جلد ۸ ص ۲۱)

اس حدیث شریف میں لفظ "بکرۃ ابیھم" استعمال ہوا جو اہل عرب کثرت تعداد کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ یہاں بکرہ کا حقیقی معنیٰ مراد نہیں جس پر پانی پلایا جاتا ہے، بلکہ مجازی طور پر کثرت والا معنیٰ لیا گیا۔

اسی طرح یہ لفظ "بظعنھم" فرمایا یعنی ان کی عورتیں اس کا واحد ظعینہ ہے اور اصل میں ظعینہ سے مراد وہ سواری ہے جس پر سوار ہو کر جاتے ہیں اور عورت کو ظعینہ اس لیے کہتے ہیں کہ وہ اپنے خاوند کے ساتھ سوار ہو کر جاتی ہے اور کہا گیا ہے کہ ظعینہ اس عورت کو کہتے ہیں جو کجاوے میں ہو، پھر ہر عورت کو ظعینہ کہنے لگے چاہے وہ ہودج (کجاوے) میں ہو یا نہ ہو۔

معرکہ آرائی

حضرت یونس بن بکیر نے زیادۃ المغازی میں حضرت ربیع سے نقل کیا ہے وہ فرماتے ہیں: ایک شخص نے حنین کے دن کہا کہ آج ہم لشکر کی کمی کی وجہ سے مغلوب نہیں ہوں گے (یعنی ہماری تعداد زیادہ ہے، لہٰذا ہم غالب آئیں گے) تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ بات گراں گزری۔ (فتح الباری جلد ۸ ص ۲۱)

پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی سفید خچر "دلدل" پر سوار ہوئے اور دو زرہیں مغفر اور لوہے کی ٹوپی (بیضہ) زیب تن فرمائی تو مسلمانوں کے سامنے ہوازن اس کثرت کے ساتھ آئے کہ اس کی مثل کثرت نہیں دیکھی گئی اور یہ صبح کے اندھیرے کی بات ہے اور وادی کے تنگ راستوں سے لشکر نکلے جنہوں نے یکبارگی میں حملہ کر دیا، چنانچہ بنو سلیم کے گھوڑوں نے پیٹھ پھیر دی اور اہل مکہ اور دوسرے لوگ بھی ان کے پیچھے بھاگ کھڑے ہوئے۔

اس دن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضرت عباس بن عبدالمطلب، حضرت علی المرتضیٰ، حضرت فضل بن عباس، حضرت ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب، حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت اسامہ بن زید اور اہل بیت نیز صحابہ کرام میں سے کچھ دیگر افراد رضی اللہ عنہم ثابت قدم رہے۔

(طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۱۰۰)

حضرت عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خچر کی لگام پکڑ رکھی تھی۔ میں اسے روک رہا تھا کیونکہ مجھے خوف تھا کہ کہیں یہ دشمن تک نہ پہنچ جائے کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم برابر دشمن کی طرف پیش قدمی فرما رہے تھے اور ابوسفیان بن حرب رضی اللہ عنہ نے آپ کی رکاب تھام رکھی

تھی- نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ آواز دیں: اے انصار کے گروہ! اے اصحاب سمرہ یعنی بیعت رضوان والو! (درخت جس کے نیچے انہوں نے بیعت کی تھی کہ) حضور علیہ السلام کو چھوڑ کر نہ بھاگو- (صحیح مسلم جلد ۲ ص ۱۰۰، فتح الباری جلد ۸، ص ۲۵)

چنانچہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کبھی یوں آواز دیتے: اے اصحاب سمرہ! کبھی فرماتے: اے سورۂ بقرہ والو! حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی آواز بہت بلند تھی- جب مسلمانوں نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی آواز سنی تو وہ اس طرف اس طرح متوجہ ہوئے جس طرح اونٹ اپنے بچوں کا مشتاق ہو کر دوڑتا ہے-

مسلم شریف کی روایت میں ہے، حضرت عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اللہ کی قسم! جب انہوں نے میری آواز سنی تو وہ اس طرح متوجہ ہوئے جس طرح گائے اپنے بچوں کی طرف متوجہ ہوتی ہے- وہ کہہ رہے تھے "یالبیک، یالبیک" (ہم حاضر ہیں)- (فتح الباری جلد ۸ ص ۳۱)

چنانچہ وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف مڑے حتیٰ کہ ان میں سے ایسے لوگ بھی تھے کہ اگر ان کا اونٹ واپسی کے لیے آمادہ نہ ہوتا تو وہ اس سے کود کر اسے چھوڑ کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف دوڑ پڑے-

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو حکم دیا کہ ہمت سے حملہ کرو- سو وہ کفار پر ٹوٹ پڑے جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی لڑائی دیکھی تو فرمایا: "الان حمی الوطیس" "اب تنور گرم ہوا ہے" ("وطیس" تنور کو کہتے ہیں جس میں روٹی پکائی جاتی ہے) جب لڑائی میں شدت پیدا ہو تو اس کی گرمی اور تنور کی گرمی کی مشابہت کی وجہ سے یہ لفظ بولا جاتا ہے- یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کی فصاحت سے ہے- اس سے پہلے کسی سے یہ بات سنی نہیں گئی-

(پھر) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے چند کنکریاں لے کر فرمایا: چہرے بگڑ گئے اور کنکریاں کفار کے مونہوں پر دے ماریں تو اللہ تعالیٰ نے ان میں سے کسی انسان کو پیدا نہیں فرمایا تھا مگر اس کی آنکھ اس ایک مٹھی سے بھر گئی-

مسلم شریف کی روایت میں ہے کہ یہ مٹی کی ایک مٹھی تھی- (صحیح مسلم جلد ۲ ص ۱۰۱)

سو اس بات کا احتمال ہے کہ ایک بار کنکریوں کی مٹھی پھینکی ہو اور دوسری بار مٹی کی مٹھی ماری ہو اور یہ احتمال بھی کہ کنکریاں اور مٹی دونوں مخلوط ہوں اور ایک ہی بار پھینکی ہوں-

امام احمد، امام ابوداؤد اور امام دارمی رحمہم اللہ نے واقعہ حنین کے سلسلے میں حضرت ابوعبدالرحمٰن فہری رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہے جس میں وہ فرماتے ہیں: کہ مسلمان پیٹھ پھیر کر بھاگے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا[1]

---

[1] ارشاد خداوندی ہے:

ویوم حنین اذ اعجبتکم کثرتکم فلم تغن عنکم شیئا وضاقت علیکم الارض بما رحبت ثم ولیتم مدبرین- (التوبہ: ۲۵)

اور حنین کے دن جب تم اپنی کثرت پر اترا گئے تھے تو وہ تمہارے کچھ کام نہ آئی اور زمین اتنی وسیع ہو کر تم پر تنگ ہو گئی پھر تم پیٹھ دے کر پھر گئے-

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں اللہ تعالیٰ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں اور اس کے بعد آپ اپنے گھوڑے سے اترے اور مٹی کی ایک مٹھی لی۔ راوی فرماتے ہیں: مجھے اس شخص نے خبر دی جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مجھ سے زیادہ قریب تھا کہ آپ نے (وہ مٹی) ان کے مونہوں پر ماری اور فرمایا: چہرے بگڑ گئے اور خراب ہو گئے، پس اللہ تعالیٰ نے ان کو شکست دی۔

یعلیٰ بن عطاء ابو ہمام سے روایت کرتے ہیں اور وہ ابو عبدالرحمٰن فہری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، فرماتے ہیں کہ ان کفار کے بیٹوں نے اپنے آباء واجداد سے نقل کرتے ہوئے بتایا کہ ہم میں سے کوئی بھی باقی نہ رہا مگر اس کی آنکھ اور منہ مٹی سے بھر گئے اور ہم نے آسمان سے ایک جھنکار سنی جس طرح کسی نئے تھال پر لوہا پھیرنے سے آواز آتی ہے۔

(فتح الباری جلد ۸ ص ۳۵، البدایہ والنہایہ جلد ۴ ص ۳۳۲، مسند امام احمد جلد ۵ ص ۲۸۶، سنن دارمی جلد ۲ ص ۱۳۹)

امام احمد اور امام حاکم نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت سے نقل کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خچر آپ کے ساتھ ایک طرف کو جھک گئی تو اس کی زین بھی ایک طرف کو ہو گئی۔ پس میں نے کہا: اللہ تعالیٰ آپ کو بلندی عطا کرے، اوپر کو ہو جائیے۔ آپ نے فرمایا: مجھے ایک مٹھی مٹی دو، پھر آپ نے اسے ان کے مونہوں پر مارا تو ان کی آنکھیں مٹی سے بھر گئیں اور مہاجرین وانصار اپنی تلواریں دائیں ہاتھ میں لیے آئے، گویا وہ شہاب ثاقب ہیں (یعنی چمک رہی تھیں) پس مشرکین پیٹھ پھیر کر بھاگ گئے۔

(فتح الباری جلد ۸ ص ۲۵)

ابو جعفر بن جریر نے اپنی سند سے حضرت عبدالرحمٰن بن موٰلی سے اور انہوں نے ایک شخص سے نقل کیا جو حنین کے دن مشرکین میں شامل تھا۔ اس نے کہا: حنین کے دن جب ہماری اور اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی لڑائی ہوئی تو وہ بکری دوہنے کے برابر وقت بھی نہ ٹھہرے جب ان کے مقابل ہوئے تو ہم نے انہیں بھگایا کہ ہم ان کے قدموں کے نشانوں پر چل رہے تھے حتیٰ کہ ہم سفید خچر والے کے پاس پہنچے تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ وہ کہتا ہے: وہاں ہم ایسے لوگوں سے ملے جو خوبصورت سفید چہروں والے تھے۔ انہوں نے ہمیں کہا کہ چہرے بگڑ گئے، واپس لوٹ جاؤ وہ کہتا ہے بس ہم بھاگ گئے اور وہ (فرشتے) ہمارے کاندھوں پر سوار ہو گئے۔ (ہم پر غالب آئے۔)

"سیرت دمیاطی" میں ہے کہ حنین کے دن فرشتوں کی نشانی سرخ عمامے تھے جن کے شملوں کو انہوں نے اپنے کاندھوں کے درمیان ڈال رکھا تھا۔

حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے فرماتے ہیں: حنین کے دن لوگ لڑ رہے تھے تو میں نے ایک سیاہ کمبل کی طرح کوئی چیز آسمان سے اترتی ہوئی دیکھی (یعنی وہ فرشتے جن کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے ان کی مدد کی)۔

صحیح بخاری میں حضرت براء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ ان سے قیس کے ایک شخص نے پوچھا: کیا تم

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر بھاگ گئے تھے تو انہوں نے فرمایا: لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہیں بھاگے۔ ہوازن کے لوگ اچھے تیرانداز تھے جب ہم نے ان پر حملہ کیا تو وہ بھاگ گئے۔ ہم غنیمت کی طرف متوجہ ہوئے تو وہ تیروں کے ساتھ ہمارے سامنے آگئے اور میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا آپ سفید خچر پر سوار ہیں اور ابوسفیان بن حارث رضی اللہ عنہ نے اس کی لگام پکڑ رکھی ہے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں:

انا النبی لا کذب، انا ابن عبدالمطلب۔ میں نبی ہوں یہ جھوٹ نہیں، میں حضرت عبدالمطلب کا بیٹا (پوتا) ہوں۔ (صحیح بخاری جلد ۲ ص ۶۱۷، کتاب المغازی)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو شکست نہیں ہوئی

اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ صفت نبوت کے ساتھ جھوٹ کا ہونا محال ہے، گویا آپ نے یوں فرمایا کہ میں نبی ہوں اور نبی جھوٹ نہیں بولتے پس میں جو کچھ کہتا ہوں، میں اس میں جھوٹا نہیں ہوں کہ شکست کھاؤں، بلکہ مجھے یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے جس مدد کا وعدہ فرمایا ہے، وہ حق ہے، لہٰذا میرے لیے بھاگنا جائز نہیں ہے۔ (فتح الباری جلد ۸ ص ۲۵)

اور وہ جو صحیح مسلم میں حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے ہے کہ انہوں نے فرمایا: میں اس حال میں لوٹا کہ میں شکست خوردہ تھا۔ یہاں تک کہ انہوں نے فرمایا: میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے شکست خوردہ حالت میں گزرا۔ حضرت سلمہ اس وقت حالت خوف میں دیکھ رہے تھے۔ (صحیح مسلم جلد ۲ ص ۱۰۱) تو علماء کرام فرماتے ہیں: لفظ "منھزما" (شکست خوردہ) یہ ابن اکوع سے حال ہے، لفظ "رسول اللہ" سے نہیں جس طرح پہلے وہ اپنے شکست خوردہ ہونے کا ذکر واضح الفاظ میں کر چکے ہیں۔ انہوں نے حضور علیہ السلام کے شکست خوردہ ہونے کا ارادہ نہیں کیا۔ (گویا انہوں نے یوں فرمایا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے گزرا اس حال میں کہ میں شکست خوردہ تھا۔)

اور تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم یہی فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو شکست نہیں ہوئی اور اس بات پر انہوں نے مسلمانوں کا اجماع نقل کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا شکست خوردہ ہونا جائز بھی نہیں اور نہ آپ کے لیے اس کا قصد کرنا جائز ہے بلکہ حضرت عباس اور حضرت ابوسفیان بن حارث رضی اللہ عنہما نے آپ کی خچر کو پکڑ کر روک رکھا تھا کہ دشمن کی طرف دوڑ نہ جائے۔ (صحیح مسلم جلد ۲ ص ۱۰۱ حاشیہ)

اس سے پہلے غزوہ احد کے ذکر میں وہ بات بیان ہوئی ہے، جو ابن مرابط مالکی کی طرف منسوب ہے اور حضرت قاضی عیاض رحمہ اللہ نے اسے "الشفاء" میں نقل کیا کہ جو شخص یہ کہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو شکست ہوئی تو اس سے توبہ کا مطالبہ کیا جائے اگر توبہ کرے تو ٹھیک ہے ورنہ اسے قتل کر دیا جائے لیکن علامہ بساطی نے ان کا تعاقب کرتے ہوئے کہا ہے کہ اگر اس بات کا قائل اصل مسئلہ میں یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو

گالی دینے والے کے حکم میں مخالفت کرتا ہے۔ تو اس کی کوئی وجہ ہے اور اگر اس بات کی موافقت کرتا ہے کہ گالی دینے والے کی توبہ قبول نہ ہوگی تو یہ بات مشکل ہے۔[1]

لڑائی کے لیے عام طور پر خچر پر سوار نہیں ہوتے

بعض حضرات نے کہا کہ اس جگہ پر جو لڑائی کا نیزہ زنی اور (تلوار سے) ضرب کا موقع تھا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا خچر پر سوار ہونا آپ کی نبوت کو ثابت کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے ذریعے آپ کو مزید شجاعت اور تمام نبوت کے ساتھ خاص کیا ورنہ عام طور پر خچر حالت اطمینان کی سواری ہے اور جنگ کے موقع پر عام طور پر صرف گھوڑوں پر سوار ہوتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے (خچر پر سوار ہو کر) بتایا کہ آپ کے نزدیک لڑائی حالت صلح جیسی ہے۔ یہ آپ کی قلبی قوت، شجاعت نفس اور اللہ تعالیٰ پر اعتماد و توکل کی علامت ہے اور فرشتے آپ کے ساتھ گھوڑوں پر سوار ہوئے کسی دوسرے جانور پر نہیں، کیونکہ عرف و عادت میں یہی جانور اس مقصد کے لیے استعمال ہوتا ہے دوسری سواریاں نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ لڑائی میں صرف گھوڑے کو (غنیمت سے) حصہ ملتا ہے اور اس میں راز یہ ہے کہ گھوڑے کو حملہ کرنے اور بھاگنے کے لیے پیدا کیا گیا جبکہ خچر اور اونٹ کا یہ معاملہ نہیں ہے۔

غزوہ حنین میں ثابت قدم رہنے والے حضرات

ابن ابی شیبہ نے حکم بن عتیبہ کی مرسل روایت سے نقل کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صرف چار آدمی رہ گئے تھے، تین بنو ہاشم سے اور ایک ان کے غیر سے تھا۔ حضرت علی المرتضیٰ اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما آپ کے سامنے تھے اور ابوسفیان بن حارث رضی اللہ عنہ نے لگام پکڑ رکھی تھی اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ بائیں جانب تھے اور آپ کی طرف جو بھی آتا اسے قتل کر دیا جاتا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۱۴ ص ۵۳۶)

جامع ترمذی میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث سند حسن کے ساتھ نقل کی گئی ہے وہ فرماتے ہیں: میں اپنے آپ کو حنین کے دن اس طرح دیکھ رہا ہوں کہ بے شک لوگ پیٹھ پھیر رہے ہیں اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سو آدمی بھی نہیں ہیں۔ (جامع ترمذی جلد اول ص ۲۰۲)

امام نووی رحمہ اللہ کی شرح مسلم میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بارہ افراد ثابت قدم رہے۔ (فتح الباری جلد ۸ ص ۳۳) گویا امام نووی نے ابن اسحاق کا قول لیا ہے اور حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کے شعر میں یوں ہے کہ ثابت قدم رہنے والے دس حضرات تھے، وہ فرماتے ہیں:

---

[1] یہ بات حضرت امام مالک اور ان کے اصحاب کے مذہب پر مشکل ہے کیونکہ ان کے نزدیک اسے توبہ کا مطالبہ کیے بغیر قتل کیا جائے گا (زرقانی جلد ۳ ص ۱۸) حقیقت یہی ہے کہ گستاخ رسول کی توبہ قبول نہیں کی جائے گی اور اس کو سزائے موت دی جائے۔ پاکستان میں بھی یہی قانون ہے۔... ۱۲ ہزاروی

نصرنا رسول اللہ فی الحرب تسعۃ وقد فر من قد فر عنہ فاقشعوا
وعاشرنا لاقی الحمام بنفسہ لمامسہ فی اللہ لا یتوجع
(فتح الباری جلد ۸ ص ۲۳)

"لڑائی میں ہم نو مردوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مدد دی اور جنہوں نے بھاگنا تھا' وہ بھاگ گئے اور ہمارے دسویں نے موت کو قبول کیا جب وہ اسے راہ خداوندی میں پہنچی اور اس نے درد اور دکھ کا اظہار نہیں کیا"۔

طبرانی نے کہا کہ ممنوع پیچھے کو ہٹنا وہ ہے جس میں واپسی کی نیت نہ ہو لیکن کثرت کے حصول کے لیے پیچھے پلٹنا ایسے ہی ہے جیسے جماعت کی طرف جانا (اور اس غزوہ میں ایسا ہی ہوا)۔(فتح الباری جلد ۸ ص ۲۳)

انا النبی لا کذب

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول "انا النبی لا کذب انا ابن عبد المطلب" کے بارے میں علماء کرام فرماتے ہیں کہ یہ شعر نہیں ہے کیونکہ شاعر کو چند وجوہ سے شاعر کہا جاتا ہے۔ ان میں سے ایک بات یہ ہے کہ شاعر کو اس قول کا شعور ہو' اس کا قصد کیا ہو۔ اس کی طرف راہنمائی پائی اور عرب کے طریقے پر موزوں کلام لایا ہو جس میں کافیہ وغیرہ ہو۔ اگر اس کا تمام کلام یا اس کا بعض ان اوصاف سے خالی ہو تو وہ شعر نہیں کہلاتا اور نہ ہی اس کا قائل شاعر کہلاتا ہے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کلام سے شعر کا قصد و ارادہ نہیں فرمایا۔ اس لیے یہ کلام' شعر شمار نہیں ہوگا' اگرچہ اس میں وزن اور قافیہ وغیرہ پایا جاتا ہے۔(صحیح مسلم جلد ۲ ص ۱۰۱ حاشیہ)

اور آپ نے فرمایا: میں عبد المطلب کا بیٹا ہوں اور یہ نہیں فرمایا کہ میں عبداللہ کا بیٹا ہوں (رضی اللہ عنہ) تو اس کا جواب یوں دیا گیا کہ آپ کی شہرت اپنے جد امجد کے حوالے سے زیادہ تھی۔ والد ماجد کے حوالے سے زیادہ مشہور نہ تھے کیونکہ آپ کے والد گرامی آپ کی ولادت سے پہلے اپنے باپ حضرت عبد المطلب کی زندگی میں ہی فوت ہو چکے تھے حضرت عبد المطلب بہت زیادہ مشہور تھے اور آپ کی شہرت ظاہر و عام تھی آپ قریش کے سردار تھے اور بے شمار لوگ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو عبد المطلب کا بیٹا کہہ کر پکارتے تھے یعنی ان کی شہرت کی وجہ سے ان سے منسوب کرتے تھے اور اس سلسلے میں ضمام بن ثعلبہ کی حدیث ہے کہ انہوں نے پوچھا: تم میں سے عبد المطلب کا بیٹا کون ہے؟ اس کی دوسری توجیہات بھی کی گئی ہیں۔[1]

---

[1] لوگوں میں یہ بات مشہور تھی کہ حضرت عبد المطلب کی اولاد سے ایک شخص پیدا ہوگا' جو اللہ تعالیٰ کی طرف بلائے گا اور اللہ تعالیٰ اس کے ہاتھوں لوگوں کو ہدایت دے گا اور وہ آخری نبی ہوگا اس لیے حضرت عبد المطلب کے طرف نسبت تھی۔
(زرقانی جلد ۳ ص ۳۰)

ابو طلحہ رضی اللہ عنہ

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ جو مشرک بھی قابو میں آئے اسے قتل کر دیا جائے اور مسلمان ان کے بچوں کو بھی قتل کرنے لگے تو آپ نے اس سے منع فرمادیا۔ اور فرمایا جو شخص کسی کو قتل کرے گا اور اس کا کوئی گواہ ہو گا تو مقتول کا مال و متاع اسی کا ہو گا' تو اس دن تنہا حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ نے بیس آدمیوں کا سامان حاصل کیا۔ (یعنی ان کو قتل کر کے ان کا مال اور سامان حاصل کیا۔) (دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۵ ص ۱۴۸)

یوم حنین کی حکمتیں

ابن قیم نے "الھدی النبوی" میں کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے وعدہ فرمایا کہ جب مکہ مکرمہ فتح ہو جائے گا تو لوگ اللہ تعالیٰ کے دین میں فوج در فوج داخل ہوں گے اور تمام عرب آپ کے قریب ہو جائیں گے۔ پس جب فتح مبین مکمل ہو گئی تو اللہ تعالیٰ کی حکمت کا تقاضا ہوا کہ وہ ہوازن قبیلہ اور ان کے متبعین کے دلوں کو اسلام سے روک دے اور وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے لڑنے کے لیے جمع ہوں تاکہ اللہ تعالیٰ کا حکم ظاہر ہو۔ نیز اس نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو جو اعزاز عطا فرمایا اور آپ کے دین کی مدد فرمائی وہ بھی ظاہر ہو' اور اہل فتح کے لیے ان کی غنیمت شکر کا باعث ہو اور اللہ تعالیٰ اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اپنے مومن بندوں کو غالب کر دے اور اس عظیم شوکت کے باعث کہ اس سے قبل اہل اسلام کو کبھی ایسی عظمت حاصل نہیں ہوئی کفار پر غالب کر دے تاکہ اس کے بعد کوئی عرب ان کا مقابلہ کرنے کی جرات نہ کر سکے۔ پس اس کی حکمت کا تقاضا یہ ہوا کہ پہلے مسلمانوں کو شکست کی کڑواہٹ چکھائے حالانکہ ان کی تعداد زیادہ تھی اور ان کو قوت و شوکت بھی حاصل تھی تاکہ ان سروں کو جو فتح مکہ سے بلند ہوئے تھے' پست کرے اور وہ لوگ اللہ تعالیٰ کے شہر اور حرم پاک میں اس طرح داخل نہ ہوئے جس طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی سواری پر اپنے رب کے لیے تواضع کرتے ہوئے سر کو جھکا کر اور خود بھی جھک کر داخل ہوئے۔ آپ اپنے رب کے لیے عاجزی کا اظہار فرما رہے تھے کہ اس نے آپ کے لیے اپنے شہر کو حلال کر دیا حالانکہ آپ سے پہلے اور بعد کسی کے لیے حلال نہ کیا۔ اور اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے لیے جو کہتے تھے کہ آج ہم قلت کی وجہ سے مغلوب نہیں ہوں گے' واضح کیا کہ مدد تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے۔ وہ جس کی مدد فرماتا ہے اس پر کوئی غالب نہیں آتا اور جسے وہ ذلیل کرے' اس کا کوئی مددگار نہیں ہوتا۔ اور اللہ تعالیٰ نے ہی اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اپنے دین کی مدد فرمائی۔ تمہاری کثرت نے نہیں جس پر تم اتراتے تھے کیونکہ وہ تمہارے کام نہ آئی اور تم پیٹھ پھیر کر بھاگ گئے تھے۔

پس جب مسلمانوں کے دل ٹوٹ گئے تو اللہ تعالیٰ نے اپنے قاصد کے ہمراہ ان کے جوڑنے کا خلعت ارسال فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور مومنوں پر سکون اتارا' ایسا لشکر نازل فرمایا جس کو تم نہیں دیکھتے تھے۔

اللہ تعالیٰ کی حکمت کا تقاضا یہ بھی تھا کہ مدد کی خلعتیں اور انعامات انہی لوگوں تک پہنچائے جاتے ہیں جو انکساری سے کام لیتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: "اور ہم ارادہ کرتے ہیں کہ جو لوگ زمین میں کمزور کر دیئے گئے، ان پر احسان کریں"۔ (زاد المعاد لابن قیم جلد ۲ ص ۲۱۱)

ابن قیم نے (مزید) کہا کہ ان دو غزووں (حنین اور بدر) میں فرشتے بہ نفس نفیس مسلمانوں کے ساتھ مل کر لڑے اور ان دونوں میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکین کے چہروں پر کنکریاں ماریں اور ان دونوں غزوات کی وجہ سے عربوں کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے لڑنے کی ہمت نہ رہی۔ (زاد المعاد جلد ۲ ص ۲۱۲)

غزوۂ حنین کا اختتام

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دشمن کو تلاش کرنے کا حکم فرمایا تو ان میں سے بعض طائف تک پہنچ گئے اور بعض نخلہ کی طرف گئے اور ان میں سے ایک جماعت اوطاس کی طرف چلی گئی (اس غزوہ میں) مسلمانوں میں سے چار افراد شہید ہوئے جن میں ام ایمن کے بیٹے حضرت ایمن رضی اللہ عنہ بھی تھے اور مشرکین میں سے ستر سے زائد افراد قتل ہوئے۔

سریۂ اوطاس

پھر ابو عامر اشعری رضی اللہ عنہ کا سریہ ہے اور یہ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے چچا ہیں اور ابن اسحاق نے کہا کہ یہ ان کے چچازاد بھائی ہیں۔ پہلا قول زیادہ مشہور ہے۔ (فتح الباری جلد ۸ ص ۳۴)

یہ سریہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت بھیجا جب آپ حنین کے دن ہوازن کے اوطاس کی طرف بھاگنے والوں کے تعاقب سے فارغ ہوئے اور یہ (اوطاس) ہوازن کے علاقہ میں ایک وادی ہے، حضرت ابو عامر کے ساتھ سلمہ بن اکوع (رضی اللہ عنہما) بھی تھے، جب یہ صحابہ وہاں پہنچے تو وہ لوگ وہاں جمع تھے۔ حضرت ابو عامر رضی اللہ عنہ نے ان میں سے نو بھائیوں سے جنگ لڑتے ہوئے انہیں قتل کیا اور اس سے پہلے آپ نے ان سب کو اسلام کی دعوت دی۔ آپ فرماتے تھے: یا اللہ! تو اس (بات) پر گواہ رہ، پھر ان کا دسواں سامنے آیا تو آپ نے اسے بھی اسلام کی طرف بلایا اور فرمایا: یا اللہ! تو گواہ ہے۔ اس نے کہا: یا اللہ! تو مجھ پر گواہ نہ ہو۔ حضرت ابو عامر رضی اللہ عنہ اس سے رک گئے (کہ یہ مسلمان ہو گیا ہے) وہ بھاگ گیا لیکن اس کے بعد مسلمان ہو گیا اور نہایت اچھا اسلام لایا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب بھی اسے دیکھتے تو فرماتے: یہ ابو عامر کا بھگایا ہوا ہے۔

حضرت ابو عامر رضی اللہ عنہ کو حارث کے دو بیٹوں علاء اور اوفیٰ نے تیر مار کر شہید کر دیا۔ ان کے بعد حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ ان لوگوں سے لڑے، حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو فتح عطا فرمائی۔ (فتح الباری جلد ۸ ص ۳۴) قیدیوں میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاعی بہن شیماء بھی تھیں۔

حضرت ابو عامر رضی اللہ عنہ کے قاتل کو قتل کیا گیا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں دعا مانگی۔ یا اللہ! تو

ابو عامر کو بخش دے اور ان کو جنت میں میری امت کے اعلیٰ لوگوں میں کردے۔ (طبقات ابن سعد ج ۲ ص ۱۵۲)

صحیح بخاری کی روایت میں ہے کہ انہوں نے (حضرت ابو عامر رضی اللہ عنہ نے) حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے فرمایا: جب انہیں تیر کا نشانہ بنایا گیا کہ اے میرے بھتیجے! نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں میرا اسلام عرض کرنا اور کہنا کہ میرے لیے بخشش مانگیں، پھر وہ انتقال کر گئے۔ (حضرت ابو موسیٰ فرماتے ہیں) میں واپس آیا تو بارگاہ نبوی میں حاضر ہو کر اپنا تمام واقعہ اور حضرت ابو عامر رضی اللہ عنہ کی خبر سنائی اور ان کا پیغام گوش گذار کیا کہ حضور علیہ السلام سے عرض کرنا کہ میرے لیے بخشش مانگیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی منگوا کر وضو کیا پھر اپنے ہاتھوں کو اٹھا کر دعا مانگی۔ یا اللہ اپنے بندے ابو عامر کو بخش دے۔

راوی فرماتے ہیں: میں نے آپ کی بغلوں کی سفیدی کو دیکھا۔[1]

پھر یوں دعا مانگی یا اللہ! ان کو قیامت کے دن اپنی بے شمار مخلوق سے اوپر رکھنا۔ میں نے عرض کیا۔ میرے لیے بھی (دعا فرمائیں) تو آپ نے فرمایا: یا اللہ عبداللہ بن قیس (ابو موسیٰ اشعری) کے گناہ بخش دے اور قیامت کے دن ان کو اچھی جگہ داخل کرنا۔ حضرت ابو بردہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ان میں سے ایک دعا حضرت ابو عامر کے لیے اور دوسری حضرت ابو موسیٰ (رضی اللہ عنہما) کے لیے تھی۔ (صحیح بخاری جلد ۲ ص ۶۱۹ کتاب المغازی)

ذوالکفین کو جلانے والا سریہ

پھر شوال میں طفیل بن عمرو دوسی کا سریہ ہے، جو ذی کفین کی طرف گیا یہ لکڑی کا بنا ہوا بت تھا جو عمرو بن حممہ کا تھا۔ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے طائف کا ارادہ فرمایا تو حضرت طفیل سے فرمایا کہ وہ (حضرت طفیل) اسے گرا کر آپ سے طائف میں جا ملیں۔

حضرت طفیل تیزی سے روانہ ہوئے اور اس کو گرا دیا۔ وہ اس کے منہ میں آگ ڈال کر اس کو جلاتے اور یوں کہتے:

یا ذوالکفین لست عن عبادکا
میلادنا اقدم من میلادکا
انی حشوت النار فی فوادکا

"اے ذوالکفین میں تیرے پجاریوں میں سے نہیں ہوں اور ہماری پیدائش تیری بناوٹ سے پہلے ہے اور میں نے تیرے دل میں آگ بھر دی"۔

حضرت طفیل رضی اللہ عنہ کے ساتھ ان کی قوم کے چار سو افراد تیزی سے روانہ ہوئے اور طائف میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے جا ملے، آپ چار دن پہلے پہنچ گئے تھے۔ مغلطائی کے نزدیک یہ ہے کہ حضرت طفیل رضی اللہ عنہ کے ساتھ چار مسلمان آئے تھے۔ (طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۱۵۷)

---

[1] معلوم ہوا کہ دعا میں ہاتھ اٹھانا سنت ہے۔ اس لیے ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا اور پھر منہ پر پھیرنا چاہیے۔ ...۱۲ ہزاروی

غزوۂ طائف

اس کے بعد غزوہ طائف ہے، طائف ایک بہت بڑا شہر ہے جو مکہ مکرمہ سے مشرق کی جانب دو یا تین مراحل (ایک دن کا پیدل سفر ایک مرحلہ ہے) پر واقع ہے اور اس میں انگور اور دیگر پھل بکثرت پائے جاتے ہیں۔
کہا جاتا ہے کہ اس کی اصل یہ ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام وہ باغ جو اصحاب صریم کے لیے تھا[1] وہاں سے اکھاڑ کر اسے مکہ مکرمہ لے آئے اور اسے بیت اللہ شریف کے گرد طواف کر کے طائف والے مقام پر اتار دیا۔ اس لیے اس جگہ کو طائف (طواف کرنے والی جگہ) کہا گیا۔ پہلے یہ جگہ صنعاء کے نواحی میں تھی اور اس جگہ کو وج کہا جاتا تھا۔ (فتح الباری جلد ۸ ص ۳۵)

طائف کی طرف روانگی

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم شوال المکرم سنہ ۸ھ میں حنین سے طائف کی طرف روانہ ہوئے، (طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۱۵۸) اور غنیمتوں کو مقام جعرانہ میں چھوڑ دیا۔ آپ نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو مقدمتہ الجیش پر مقرر فرما کر آگے بھیج دیا اور بنو ثقیف نے جب اوطاس میں شکست کھائی تو طائف میں اپنے قلعوں میں داخل ہو گئے اور ایک سال کا ساز و سامان اندر داخل کر کے انہوں نے دروازے بند کر دیئے اور لڑائی کے لیے تیار ہو گئے۔
نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے راستے پر چلتے ہوئے ثقیف کے جد امجد ابو رغال کی قبر سے گزرے اور اس سے سونے کی ایک سلاخ نکلوائی، پھر آپ قلعے کے قریب اترے اور وہاں لشکر جمع کیا۔ ان لوگوں نے مسلمانوں پر تیروں کی شدید بارش کر دی، گویا وہ ٹڈی دل ہوں، حتیٰ کہ کئی مسلمان زخمی ہوئے اور بارہ مسلمان شہید ہو گئے جن میں حضرت عبداللہ بن ابی امیہ بھی تھے۔
اس دن حضرت عبداللہ بن ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہما بھی تیر لگنے سے زخمی ہوئے۔ پھر وہ زخم مندمل ہو گیا لیکن اس کے بعد پھر کھل گیا اور اسی کی وجہ سے آپ اپنے والد کے زمانہ خلافت میں وفات پا گئے۔

---

[1] وہ باغ جس کا پھل کاٹ لیا جائے، اسے صریم کہتے ہیں تو ان پر جب آزمائش آئی تو اس میں کوئی پھل نہ رہا۔ (زرقانی جلد ۳ ص ۲۸) ان کا ذکر سورۃ القلم میں آیا ہے۔

قلعے کا محاصرہ

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس جگہ کی طرف چڑھے جہاں آج کل طائف کی مسجد ہے اور آپ کے ساتھ آپ کی ازواج مطہرات حضرت ام سلمہ اور حضرت زینب رضی اللہ عنہما بھی تھیں۔ ان کے لیے دو خیمے لگائے گئے اور آپ محاصرہ کی تمام مدت میں ان دو خیموں کے درمیان نماز پڑھتے رہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اٹھارہ دن ان کا محاصرہ کیا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ پندرہ دن محاصرہ فرمایا اور ان پر منجنیق نصب فرمائی۔ (طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۱۵۸) اسلام میں یہ پہلی منجنیق تھی، جس کے ذریعے پتھر پھینکے گئے۔ (السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد ۲ ص ۳۳)

حضرت طفیل دوسی رضی اللہ عنہ جب سریہ ذوا لکفین سے واپس لوٹے تو یہ منجنیق ساتھ لائے تھے۔ ثقیف نے ان لوگوں پر تیراندازی کی جس سے کئی مسلمان شہید ہوگئے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے انگور کاٹنے اور ان کو جلانے کا حکم دیا چنانچہ مسلمانوں نے بہت تیزی سے انہیں کاٹنا شروع کیا تو ثقیف نے اللہ تعالیٰ اور رحم کا واسطہ دے کر ان درختوں کو چھوڑنے کا سوال کیا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں اللہ تعالیٰ اور رحم کی خاطر ان کو چھوڑتا ہوں۔

اللہ تعالیٰ کے لیے آزاد کیے گئے

پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے منادی نے اعلان کیا کہ جو غلام قلعے سے اتر کر ہماری طرف آئے گا وہ آزاد ہوگا۔ (السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد ۲ ص ۳۳)

دمیاطی کہتے ہیں ان میں سے دس سے کچھ زائد افراد اترے جن میں حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ بھی تھے جب کہ مغلطائی کے نزدیک تیئیس غلام تھے۔

صحیح بخاری میں حضرت ابو عثمان نہدی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں: میں نے حضرت سعد اور حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہما سے سنا وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ روایت کرتے ہیں کہ عاصم نے (ابو عثمان یا ابوالعالیہ سے) کہا کہ تمہارے پاس دو مرد حاضر ہوئے۔ ایک وہ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ کے راستے میں سب سے پہلے تیر لگا اور دوسرے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اترے وہ طائف کے تیئیس مردوں میں سے تیسرے ہیں۔
(صحیح بخاری جلد ۲ ص ۶۱۹، کتاب المغازی)

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان اترنے والوں کو آزاد کردیا اور ان میں[1] سے ہر ایک کو ایک مسلمان کے حوالے کیا کہ وہ اس کی دیکھ بھال کرے تو یہ بات اہل طائف پر بہت گراں گذری۔

---

[1] جب بنو ثقیف نے اسلام قبول کیا تو ان کے معززین نے حضور علیہ السلام سے مطالبہ کیا کہ ان غلاموں کو دوبارہ غلامی کی طرف لوٹا دیں تو آپ نے فرمایا: نہیں، یہ تو اللہ تعالیٰ کے لیے آزاد ہیں۔ (السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد ۲ ص ۳۰۴)

واپسی کا اعلان

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو طائف کی فتح کی اجازت نہ دی گئی اور آپ نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو حکم دیا تو انہوں نے لوگوں میں کوچ کرنے کا اعلان کیا۔ یہ بات سن کر مسلمان ناراض ہوئے اور انہوں نے کہا کہ ہم اس حالت میں واپس جائیں کہ ہمیں فتح حاصل نہیں ہوئی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کل صبح لڑو، چنانچہ اگلے دن جب وہ لڑے تو بہت سے مسلمانوں کو زخم آئے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: انشاء اللہ کل ہم واپس جانے والے ہیں۔ اس پر صحابہ کرام خوش ہوئے اور واپسی کا یقین کرلیا۔ اب وہ کوچ کرنے لگے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کو دیکھ کر ہنس رہے تھے۔ (طبقات ابن سعد ج ۲ ص ۱۵۹)

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر شفقت اور نرمی فرماتے ہوئے ان کو طائف سے واپسی کا حکم دیا کیونکہ وہاں معاملہ دشوار ہو گیا تھا اور جو کفار وہاں موجود تھے، ان کی طرف سے سختی کا سامنا تھا اور وہ اپنے قلعوں میں بند ہونے کی وجہ سے مضبوط تھے، حالانکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے شروع میں معلوم کر لیا یا آپ کو اس بات کی امید تھی کہ اس کے بعد آپ کسی مشقت کے بغیر اس کو فتح کرلیں گے۔ جب صحابہ کرام نے وہاں ٹھہرنے اور لڑنے کی حرص کی تو آپ بھی ٹھہر گئے اور جہاد میں کوشش فرمائی، حتیٰ کہ صحابہ کرام زخمی ہو گئے تو آپ نے شروع میں صحابہ کرام پر شفقت کا جو قصد فرمایا تھا اس کی طرف رجوع کیا، پس انہوں نے ظاہری مشقت کو دیکھ کر خوشی کا اظہار کیا اور واپسی کے سلسلے میں آپ کی موافقت کی، لہٰذا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کی رائے میں تبدیلی پر تعجب کرتے ہوئے مسکرانے لگے۔ (صحیح مسلم جلد ۲ ص ۱۰۲، حاشیہ)

ابوسفیان کی آنکھ

اس دن حضرت ابوسفیان صخر بن حرب رضی اللہ عنہ کی آنکھ پھوٹ گئی۔ ابن سعد نے ذکر کیا کہ جب وہ آنکھ ان کے ہاتھ میں تھی تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آپ کو کون سی بات پسند ہے۔ جنت میں آنکھ کا حصول یا میں اللہ تعالیٰ سے دعا کروں کہ وہ آپ کی آنکھ لوٹا دے۔ انہوں نے عرض کیا، مجھے جنت میں (ملنے والی) آنکھ زیادہ پسند ہے اور اس آنکھ کو انہوں نے پھینک دیا۔ پھر وہ یرموک میں شہید ہوئے اور اس دن ان کی دوسری آنکھ پھوٹی تھی۔ یہ بات حافظ زین الدین عراقی نے شرح التقریب میں لکھی ہے۔ ...

دعا اور توکل

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام سے فرمایا: کہ یوں کہو!

لا الہ الا اللہ وحدہ صدق وعدہ ونصر عبدہ وھزم الاحزاب وحدہ۔

اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ یکتا ہے۔ اس نے اپنا وعدہ سچ کر دکھایا اور اپنے بندے کی مدد کی اور گئی

لشکروں کو تنہا شکست دی۔

پھر انہوں نے کوچ کیا تو آپ نے فرمایا: یوں کہو!

آئبون تائبون عابدون لربنا حامدون۔ (طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۱۵۹)

ہم لوٹنے والے ہیں، توبہ کرنے والے، عبادت کرنے والے اور اپنے رب کی حمد کرنے والے ہیں۔

غور کریں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب جہاد کے لیے نکلتے تو کس طرح اس کے لیے تیاری فرماتے۔ صحابہ کرام کو جمع کرتے اور گھوڑے، اسلحہ اور تمام ضروری جہادی سامان ساتھ لیتے، نیز سامان سفر بھی ساتھ رکھتے اور پھر جب واپس لوٹتے تو خالی ہاتھ ہوتے اور تمام معاملہ اپنے مولیٰ عزوجل کے سپرد کر دیتے کسی اور کے حوالے نہ کرتے اور یوں کہتے:

آئبون تائبون عابدون لربنا حامدون صدق الله وعده ونصر عبده وهزم الاحزاب وحده۔

ہم لوٹنے والے، توبہ کرنے والے، عبادت کرنے والے اور اپنے رب کی تعریف کرنے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنا وعدہ سچا کر دیا، اپنے بندے کی مدد کی اور تنہا کئی لشکروں کو شکست دی۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ان کلمات کو دیکھئے کہ آپ فرماتے ہیں:

"وهزم الاحزاب وحده۔" یہ فرما کر آپ نے تمام مذکورہ اسباب جہاد کی نفی کر دی اور یہی حقیقت ہے کیونکہ انسان اور اس کا فعل اس کے رب عزوجل کی تخلیق ہے۔ پس یہ اللہ تعالیٰ کے لیے ہے جس نے پیدا فرمایا اور تدبیر فرمائی، مدد کی اور اپنی مخلوق میں سے جسے چاہا اور پسند کیا اس کے ہاتھ پر امور کو جاری فرمایا۔ پس سب کچھ اسی سے ہے اور اسی کی طرف ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو لڑائی کے بغیر کفار کو ہلاک کر دیتا۔ جیسا کہ اس نے ارشاد فرمایا:

ذٰلِكَ وَلَوْ يَشَآءُ اللّٰهُ لَانْتَصَرَ مِنْهُمْ وَلٰكِنْ لِّيَبْلُوَا بَعْضَكُمْ بِبَعْضٍ۔ (محمد: ۴)

بات یہ ہے اور اللہ تعالیٰ چاہتا تو آپ ہی ان سے بدلہ لیتا مگر اس لیے کہ تم میں ایک کو دوسرے سے جانچے۔

اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کو ثابت قدم رکھتا اور شکر کرنے والوں کو ثواب عطا کرتا ہے۔

ارشاد خداوندی ہے:

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتّٰى نَعْلَمَ الْمُجٰهِدِيْنَ مِنْكُمْ وَالصّٰبِرِيْنَ وَنَبْلُوَا اَخْبَارَكُمْ۔ (محمد: ۳۱)

اور ضرور ہم تمہیں جانچیں گے، یہاں تک کہ دیکھ لیں تمہارے جہاد کرنے والوں اور صابروں کو اور تمہاری خبریں آزمائیں۔

پس مکلف پر لازم ہے کہ دونوں حالتوں میں اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل کرے یعنی اسباب کو حاصل کرے اور اپنے مولیٰ کی طرف رجوع کر کے اس کے کرم کے صحن میں سکون حاصل کرے (اس کے حکم کی تعمیل کرے) جس طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم شروع میں ربوبیت کے ادب کو پیش نظر رکھتے ہوئے اور امت کے

لیے اسے شریعت بنانے کی خاطر اسباب حاصل کرتے پھر اللہ تعالیٰ اپنی پوشیدہ قدرت میں سے جسے اس نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے جمع کر رکھا ہے، جو کچھ چاہتا آپ کے ہاتھ پر ظاہر فرماتا۔

ابن حاج نے المدخل میں فرمایا کہ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثقیف کے خلاف بددعا کے لیے عرض کیا گیا تو آپ نے یوں دعا مانگی:

اللھم اھد ثقیفا وائت بھم۔ یا اللہ ثقیف کو ہدایت دے اور ان کو (میرے پاس) لا۔



حنین کے مال غنیمت کی تقسیم

مال غنیمت کی مقدار

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ اللہ تعالیٰ نے حنین کے دن اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو جو غنیمت عطا فرمائی، اسے اور قیدیوں کو اکٹھا کیا جائے۔ پس یہ سب کچھ جعرانہ میں جمع کیا گیا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طائف سے واپسی تک یہ سب کچھ وہاں رہا۔

حنین کے قیدیوں کی تعداد چھ ہزار تھی جبکہ اونٹ چوبیس ہزار اور بکریاں چالیس ہزار سے زائد تھیں اور چار ہزار اوقیہ چاندی تھی۔

تقسیم سے پہلے انتظار

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہوازن کا دس دن سے زائد انتظار فرمایا کہ وہ مسلمان ہو کر آپ کے پاس آ جائیں۔ (جب وہ نہ آئے تو) پھر آپ نے مال تقسیم کر دیا۔

صحیح بخاری میں ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کچھ افراد کو ایک ایک سو اونٹ دینے لگے تو انصار کے کچھ لوگوں نے کہا: اللہ تعالیٰ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مغفرت فرمائے، آپ قریش کو دیتے ہیں اور ہمیں چھوڑتے ہیں، حالانکہ ہماری تلواروں سے خون ٹپک رہا ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، ان کی گفتگو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بیان کی گئی تو آپ نے انصار کو بلا کر چمڑے کے ایک خیمے میں جمع کیا اور فرمایا: کیا تم راضی نہیں ہو کہ لوگ مال لے جائیں اور تم اپنے گھروں میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو لے جاؤ؟ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اللہ کی قسم! وہ جو کچھ لے کر لوٹتے تھے، اس سے بہتر چیز کے ساتھ واپس نہ لوٹے۔ انہوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! بے شک ہم راضی ہوئے۔ (صحیح بخاری جلد ۲ ص ۶۲۰ کتاب المغازی)

حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں: اس دوران کہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا اور کچھ دوسرے حضرات بھی آپ کے ساتھ تھے اور آپ حنین سے واپس آ رہے تھے تو کچھ دیہاتی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چمٹ گئے حتیٰ کہ انہوں نے آپ کو سمرہ نامی درخت کی طرف جانے

پر مجبور کر دیا اور آپ کی چادر اس کے کانٹوں سے اٹک گئی۔ آپ کھڑے ہوگئے اور فرمایا: میری چادر مجھے دو، اگر میرے پاس ان کانٹوں کے برابر بھی جانور ہوتے تو میں تمہارے درمیان تقسیم کر دیتا۔ پھر تم مجھے بخیل، جھوٹا اور بزدل نہ پاتے۔ (صحیح بخاری جلد اول ص۴۴۶ کتاب فرض الخمس، مسند امام احمد جلد ۴ ص ۸۲)

جعرانہ سے عمرہ

محمد ابن سعد کاتب واقدی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا انہوں نے فرمایا: جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم طائف سے تشریف لائے تو جعرانہ میں اترے اور وہاں مال غنیمت تقسیم فرمایا پھر وہاں سے عمرہ کیا۔ اس وقت شوال کی دو راتیں باقی رہ گئی تھیں۔ (طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۱۷۱)

ابن سید الناس نے کہا کہ یہ روایت ضعیف ہے۔ سیرت نگاروں کے ہاں معروف یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جمعرات کی رات جعرانہ میں پہنچے اور اس وقت ذی قعدہ کی پانچ راتیں گزر چکی تھیں آپ وہاں تیرہ راتیں قیام فرما رہے جب مدینہ شریف واپسی کا ارادہ کیا تو بدھ کی رات تھی اور ذی قعدہ کی بارہ راتیں باقی تھیں۔ آپ نے عمرہ کا احرام باندھا اور مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے۔

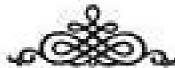
ازرقی کی تاریخ میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وادی کی پچھلی جانب سے جدھر پتھر نصب ہیں، احرام باندھا۔

واقدی کے نزدیک آپ نے اس مسجد سے احرام باندھا جو جعرانہ کی دوسری طرف وادی کی نچلی جانب ہے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب جعرانہ میں تھے تو وہیں نماز پڑھتے تھے۔ (کتاب المغازی للواقدی جلد ۳ ص ۹۵۸)

جعرانہ ایک مقام ہے جو مکہ مکرمہ سے ایک برید (بارہ میل) کے فاصلے پر ہے۔ جس طرح کہ فاکہی نے کہا ہے اور علامہ باجی نے کہا کہ اٹھارہ میل کے فاصلہ پر ہے، (اس کا نام ایک عورت کے نام پر رکھا گیا جو جعرانہ کہلاتی تھی۔ امام سہیلی نے اسی طرح ذکر کیا ہے۔ (فتح الباری جلد ۸ ص ۳۷)

مدینہ طیبہ کی طرف واپسی

سیرت نگار فرماتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ سے دو مہینے اور سولہ دن باہر رہنے کے بعد واپس (مدینہ طیبہ) تشریف لائے۔



حنین اور تبوک کے درمیان

حضرت قیس کو صداء کی طرف بھیجنا

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت قیس بن سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہما کو چار سو سواروں کے ساتھ یمن کی جانب بھیجا اور ان کو حکم دیا کہ راستے میں جب قبیلہ صداء کے پاس سے گزریں تو ان سے لڑیں۔
پھر زیاد بن حارث صدائی نے حاضر ہو کر اس لشکر کے بارے میں پوچھا تو ان کو بتایا گیا۔ انہوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! میں اپنی قوم کا سفیر ہوں، آپ لشکر کو واپس بلا لیں، میں آپ کے لیے اپنی قوم کا ذمہ دار ہوں۔ یعنی ان کو مسلمان کر کے لاؤں گا چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لشکر کو مقام قناۃ سے واپس بلا لیا اور قبیلہ صداء والے پندرہ دن کے بعد حاضر ہوئے اور اسلام قبول کیا۔ ان کے وفد کا واقعہ مقصد ثانی کی دسویں فصل میں بیان ہو گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

بنو تمیم کی طرف لشکر کشی

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عیینہ بن حصن فزاری رضی اللہ عنہ کو بنو تمیم کی طرف مقام سقیا میں بھیجا اور یہ بنو تمیم کی سرزمین ہے۔ آپ محرم الحرام سنہ ۹ھ میں پچاس عربی شہ سواروں کو لے کر تشریف لے گئے تھے، جن میں کوئی مہاجر اور انصاری نہ تھا۔
آپ رات کو چلتے اور دن کو چھپ جاتے، چنانچہ ان سواروں نے صحرا میں بنو تمیم کے لوگوں پر اچانک حملہ کیا۔ ان لوگوں نے اپنے جانوروں کو چرنے کے لیے چھوڑا اور خود (مویشی خانوں میں) داخل ہو گئے۔ جب انہوں نے مسلمانوں کی جماعت دیکھی تو پیٹھ پھیر کر بھاگ گئے۔ مسلمانوں نے ان کے گیارہ مردوں کو پکڑ لیا اور ان کے ٹھکانے سے گیارہ عورتیں اور تیس بچے ملے۔ (طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۱۶۰)
اب بنو تمیم کے دس سردار نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، ان میں عطارد، زبرقان، قیس بن عاصم اور اقرع بن حابس بھی تھے۔ یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے در اقدس پر حاضر ہوئے اور یوں آواز دی: اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) ہماری طرف باہر آئیے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے اور

حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے نماز کے لیے اقامت کہی۔ اب یہ لوگ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے لپٹ گئے اور (اپنی عورتوں، بچوں کے متعلق) گفتگو کرنے لگے۔ آپ ان کے ساتھ (کچھ دیر) ٹھہرے اور پھر نماز کے لیے تشریف لے گئے اور ظہر کی نماز پڑھائی، اس کے بعد آپ مسجد کے صحن میں تشریف فرما ہوئے۔

ان لوگوں نے عطارد بن حاجب کو آگے کیا۔ عطارد نے کلام کیا اور خطبہ پڑھا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ثابت بن قیس بن شماس رضی اللہ عنہ کو حکم دیا تو انہوں نے جواب دیا۔ ان لوگوں کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔ طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۱۶۱)

اِنَّ الَّذِیْنَ یُنَادُوْنَکَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ اَکْثَرُھُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ۔ (الحجرات: ۴)

بے شک وہ لوگ جو آپ کو حجرات کے پیچھے سے پکارتے ہیں، ان میں سے اکثر سمجھ نہیں رکھتے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے قیدی مردوں اور عورتوں کو واپس کر دیا۔

صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ بنو تمیم کی ایک جماعت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی (اور مسلمان ہو گئی) تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ حضرت قعقاع بن معبد بن زرارہ رضی اللہ عنہ کو ان کا امیر مقرر فرمائیں، جب کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: حضرت اقرع بن حابس رضی اللہ عنہ کو امیر مقرر کریں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے (حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے) فرمایا: آپ نے میری مخالفت کا ارادہ کیا ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: میں نے آپ کی مخالفت کا ارادہ نہیں کیا۔ دونوں میں اختلاف ہوا تو ان کی آوازیں بلند ہو گئیں، اس پر یہ آیت نازل ہوئی:

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیِ اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ۔ (الحجرات: ۱)

اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے آگے نہ بڑھو (یہاں تک کہ فیصلہ ہو جائے)۔

(صحیح بخاری جلد ۲ ص ۶۳۶)

مطلب یہ کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کوئی فیصلہ نہ کرو۔

اور جب یہ آیت نازل ہوئی:

لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَکُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ۔ (الحجرات: ۲)

اپنی آوازوں کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز سے بلند نہ کرو۔

تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے قسم کھائی کہ وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اس طرح گفتگو کریں گے، جس طرح کوئی شخص اپنے ساتھی سے سرگوشی کرتا ہے تو آپ کے اور آپ جیسے دوسرے حضرات کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی:

اِنَّ الَّذِیْنَ یَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰی۔ (الحجرات: ۳)

بے شک وہ جو اپنی آوازیں پست کرتے ہیں، رسول اللہ کے پاس وہ ہیں، جن کا دل اللہ نے پرہیزگاری کے لیے پرکھ لیا۔

ولید بن عقبہ کو بنو مصطلق کی طرف بھیجنا

پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ولید بن عقبہ بن ابی معیط رضی اللہ عنہ کو خزاعہ کے قبیلے بنو مصطلق کی طرف صدقہ وصول کرنے کے لیے بھیجا۔

حضرت ولید اور ان لوگوں کے درمیان دور جاہلیت میں دشمنی تھی۔ اب وہ مسلمان ہو گئے تھے اور انہوں نے مساجد بھی تعمیر کر دی تھیں، جب انہوں نے حضرت ولید کے قریب آنے کے بارے میں سنا تو ان میں سے بیس آدمی نکلے کہ اونٹوں اور بکریوں کے ساتھ ان کا استقبال کریں اور وہ خوشی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم کی وجہ سے ایسا کرنا چاہتے تھے لیکن شیطان نے حضرت ولید کے دل میں یہ بات ڈال دی کہ وہ آپ کو قتل کرنا چاہتے ہیں، لہٰذا وہ ان لوگوں کے ان تک پہنچنے سے پہلے ہی راستے سے واپس ہو گئے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی کہ وہ لوگ ان کی طرف اسلحہ لے کر نکلے اور ان کے صدقہ (کی وصولی) کے درمیان حائل ہوئے۔

چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارادہ فرمایا کہ ان کی طرف کسی کو بھیجیں جو ان سے لڑے۔ ادھر ان لوگوں کو اطلاع ہوئی تو وہ لوگ جو حضرت ولید سے ملے تھے، آئے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو صحیح صورت حال سے آگاہ کیا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی:

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَیَّنُوْٓا اَنْ تُصِیْبُوْا قَوْمًۢا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰی مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِیْنَ۔

اے ایمان والو! اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لائے تو تحقیق کر لو کہ کہیں کسی قوم کو بے جا اذیت نہ دے بیٹھو، پھر اپنے کیے پر پچھتاؤ۔

(الحجرات: ۶)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر قرآن پاک کی یہ آیت پڑھی اور ان کے ساتھ حضرت عباد بن بشر رضی اللہ عنہ کو بھیجا تاکہ وہ ان سے صدقات وصول کریں۔ ان کو شریعت کے احکام سکھائیں اور قرآن پاک پڑھائیں۔

(طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۱۶۱)

سریہ ابن عوسجہ رضی اللہ عنہ

نیشاپوری کی تصنیف "شرف المصطفیٰ" میں مغلطائی کے حوالے سے مذکور ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن عوسجہ رضی اللہ عنہ کو بنو عمرو بن حارثہ کی طرف بھیجا۔ ایک قول کے مطابق حارثہ بن عمر کی طرف بھیجا۔ راوی فرماتے ہیں یہ زیادہ صحیح ہے۔

یہ سریہ صفر المظفر کے آغاز میں گیا اور اس کا مقصد ان کو اسلام کی طرف دعوت دینا تھا۔ انہوں نے انکار کیا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے خلاف بددعا کی کہ ان کی عقل جاتی رہے، چنانچہ آج تک ان لوگوں کی حالت یہ ہے کہ ان کے جسموں پر کپکپی طاری رہتی ہے اور گفتگو میں تیزی کے ساتھ اختلاط ہوتا ہے۔ (کلام گڑبڑ ہوتا ہے۔)

قطبہ بن عامر کا سریہ، خثعم کی طرف

پھر حضرت قطبہ بن عامر حدیدہ رضی اللہ عنہ کا سریہ ہے جو قبیلہ خثعم کی طرف گیا۔ یہ لوگ تربہ مقام میں تھے جو مکہ مکرمہ کے مضافات میں سے ہے۔ یہ سریہ سنہ ۹ھ میں گیا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ساتھ بیس آدمیوں کو بھیجا اور ان کو حکم دیا کہ ان لوگوں پر ہر طرف سے حملہ کریں، چنانچہ ان لوگوں کے درمیان سخت لڑائی ہوئی اور دونوں طرف سے بہت سے لوگ زخمی ہوئے۔ حضرت قطبہ نے جن لوگوں کو قتل کیا ان کو قتل کیا اور اس کے ساتھ ہی یہ لوگ ان کے اونٹ، بکریاں اور عورتیں لے کر مدینہ طیبہ آئے، ان لوگوں میں سے ہر ایک کے حصے میں چار اونٹ آئے اور ایک اونٹ دس بکریوں کے برابر شمار کیا گیا اور خمس (پانچواں حصہ) پہلے الگ کر دیا گیا تھا۔ (طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۱۶۱)

ضحاک کا سریہ قرطاء کی طرف

پھر حضرت ضحاک بن سفیان کلابی رضی اللہ عنہ کا سریہ ہے جو ربیع الاول سنہ ۹ھ میں قرطاء کی طرف گیا۔ انہوں نے ان لوگوں کو اسلام کی دعوت دی تو انہوں نے انکار کر دیا، پس یہ ان سے لڑے اور ان کو شکست دے کر مال غنیمت حاصل کیا۔ (طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۱۶۱)

سریہ علقمہ حبشہ کی طرف

پھر حضرت علقمہ بن مجزز مدلجی رضی اللہ عنہ کا سریہ ہے جو ربیع الثانی میں حبشہ کے ایک گروہ کی طرف گیا۔ (طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۱۶۳) امام حاکم فرماتے ہیں: یہ سریہ صفر المظفر سنہ ۹ھ میں گیا تھا۔

ابن سعد نے اس کا سبب یہ بیان کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر پہنچی کہ حبشہ کا ایک گروہ اہل جدہ نے دیکھا ہے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی طرف علقمہ بن مجزز کو تین سو افراد کا سالار بنا کر بھیجا وہ سمندر میں ایک جزیرہ تک پہنچے۔ جب وہ ان لوگوں کی طرف سمندر میں داخل ہوئے تو وہ لوگ بھاگ کھڑے ہوئے۔

جب واپس لوٹے تو کچھ لوگوں نے اپنے گھروں کی طرف جانے کی جلدی کی۔ حضرت علقمہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ کو جلدی کرنے والوں پر مقرر کیا۔ حضرت عبداللہ کے مزاج میں مزاح کا عنصر تھا۔ یہ لوگ راستے میں ایک جگہ اترے اور آگ جلائی کہ اس سے حرارت حاصل کریں۔ انہوں نے فرمایا: میں

تمہیں حکم دیتا ہوں کہ اس آگ میں کود پڑو۔ جب ان میں سے بعض نے ارادہ کیا تو فرمایا: تم (اپنے آپ کو روکو اور بیٹھ جاؤ) میں تم سے مزاح کر رہا تھا۔

انہوں نے یہ بات نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کی تو آپ نے فرمایا: جو شخص تمہیں گناہ کا حکم دے، اس کی بات نہ مانو۔ (طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۱۶۳، سنن ابن ماجہ ص ۲۰۵)

اس حدیث کو حاکم اور ابن ماجہ نے روایت کیا اور ابن خزیمہ اور ابن حبان نے حضرت ابو سعید خدری کی روایت سے اسے صحیح قرار دیا۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے اس روایت کو ایک باب کی شکل دی اور فرمایا: "عبداللہ بن حذافہ سہمی اور علقمہ بن مجزز مدلجی کا سریہ"۔

کہا جاتا ہے کہ یہ "سریہ انصاری" ہے۔ پھر انہوں نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث روایت کی ہے۔ آپ فرماتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سریہ بھیجا۔ جس پر ایک انصاری کو عامل مقرر فرمایا اور ان لوگوں کو اپنے امیر کی اطاعت کا حکم دیا۔ (کسی وجہ سے) وہ امیر ان پر ناراض ہوئے اور کہا: کیا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تم لوگوں کو حکم نہیں دیا تھا کہ تم میری اطاعت کرو، انہوں نے کہا، حکم دیا تھا۔ کہا: پھر لکڑیاں جمع کرو، انہوں نے لکڑیاں جمع کیں، امیر نے حکم دیا کہ آگ جلاؤ، پس انہوں نے آگ جلائی۔ انہوں نے کہا: اس میں داخل ہو جاؤ۔ ان لوگوں نے (داخل ہونے کا) ارادہ کیا اور کچھ حضرات ایک دوسرے کو روکنے لگے اور کہنے لگے ہم آگ سے بھاگ کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے ہیں۔ (مسلمان ہوئے ہیں)۔ وہ اسی سوچ بچار میں تھے کہ آگ بجھ گئی۔ پس ان کا غصہ ٹھنڈا ہو گیا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک یہ بات پہنچی تو آپ نے فرمایا: اگر وہ اس میں داخل ہوتے تو اس سے نہ نکل سکتے۔ (صحیح بخاری جلد ۲ ص ۶۲۳، کتاب المغازی)

حافظ ابوالفضل بن حجر نے کہا کہ اس قول کہ "کہا جاتا ہے یہ سریہ انصاری ہے" میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اس میں متعدد واقعات کا احتمال ہے اور یہ ظاہر بات ہے کیونکہ اس کے سیاق اور امیر کے نام میں اختلاف ہے۔

یہ بھی احتمال ہے کہ کسی تاویل کے ذریعے دونوں روایتوں کو جمع کیا جائے لیکن حضرت عبداللہ بن حذافہ سہمی قریشی مہاجر کو انصاری قرار دینے کی وجہ سے یہ احتمال عقل سے بعید ہو جاتا ہے اور یہ بھی احتمال ہے کہ اسے عمومی معنی پر محمول کیا جائے یعنی انصاری اس اعتبار سے ہیں کہ انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کی (اور یہ عام مفہوم ہے، مہاجرین و انصار سب کو شامل ہے)۔

ابن القیم کا میلان واقعات کے تعدد کی طرف ہے جبکہ ابن جوزی نے کہا کہ "من الانصار" کا لفظ کسی راوی کی طرف سے اضافہ ہے حالانکہ وہ سہمی تھے۔

فتح الباری میں فرمایا کہ امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت نقل کی ہے وہ اس آیت کریمہ:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ۔ اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کا حکم مانو اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) اور اپنے ارباب اختیار کا حکم مانو۔

(النساء: ۵۹)

کے بارے میں فرماتے ہیں کہ یہ آیت حضرت عبداللہ بن حذافہ بن قیس بن عدی رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی۔ ان کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سریہ میں بھیجا تھا۔ (فتح الباری جلد ۸ ص ۴۷)

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس امیر نے جو یہ عمل کیا تو اس کے بارے میں کہا گیا ہے کہ انہوں نے ان لوگوں کی آزمائش کا ارادہ کیا، یہ بھی کہا گیا کہ وہ مزاح کرنے والے تھے اور کہا گیا ہے کہ یہ شخص حضرت عبداللہ بن حذافہ سہمی رضی اللہ عنہ تھے۔ امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ قول ضعیف ہے کیونکہ انہوں نے اس کے بعد والی روایت میں فرمایا کہ وہ حضرت عبداللہ بن حذافہ کے علاوہ کوئی شخصیت تھی۔ (صحیح مسلم جلد ۲ ص ۱۲۵ حاشیہ)

قبیلہ طے کے بت کا انہدام

پھر حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کا سریہ ہے۔ آپ ربیع الثانی سنہ ۹ھ میں فلس کی طرف تشریف لے گئے جو بنی طے کا بت تھا تاکہ اس کو گرا دیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ہمراہ ایک سو پچاس انصار صحابہ کرام کو بھیجا، جن کے پاس ایک سو اونٹ اور پچاس گھوڑے تھے۔

ابن سعد کہتے ہیں کہ دو سو مرد تھے۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے بت کو تباہ کر کے قیدی، اونٹ اور بکریاں مال غنیمت کے طور پر حاصل کیں۔

قیدیوں میں سفانہ بنت حاتم بھی تھیں، (طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۱۶۴) جو حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ کی بہن تھیں۔ آپ نے اس خاتون کو چھوڑ دیا، پس آپ کا یہی عمل حضرت عدی کے اسلام لانے کا سبب بنا۔

ابن سعد کے نزدیک بھی یہی ہے کہ جس نے حضرت عدی کی بہن کو قیدی بنایا تھا وہ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ تھے۔

سریۂ عکاشہ

پھر حضرت عکاشہ بن محصن رضی اللہ عنہ کا سریہ ہے جو جناب کی طرف گیا اور یہ سرزمین حجاز میں ایک جگہ ہے، جو بنو عذرہ اور بنو بلی قبیلوں کی زمین ہے۔ (طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۱۶۴) یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ بنو فزارہ اور بنو کلب کی زمین ہے، البتہ بنو عذرہ کی اس میں شرکت ہے۔

حضرت کعب بن زہیر کا اسلام

کعب بن زہیر کا واقعہ اس وقت پیش آیا، جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم طائف اور غزوہ تبوک سے واپس

لوٹے تھے۔

کعب اور ان کے بھائی بجیر کا واقعہ ابن اسحاق، عبدالملک ابن ہشام اور ابوبکر محمد بن قاسم بن یسار بن انباری نے نقل کیا اور ان روایات میں باہمی ربط و تعلق ہے۔ وہ واقعہ یوں ہے کہ بجیر نے کعب سے کہا کہ تم اپنی جگہ ٹھہرے رہو، حتیٰ کہ میں اس شخص یعنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاؤں اور ان کا کلام سنوں۔ نیز جو کچھ ان کے پاس ہے، اس کی پہچان حاصل کروں۔

پس کعب ٹھہر گئے اور بجیر نے بارگاہ نبوت میں حاضری دی اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام سننے کے بعد ایمان قبول کر لیا۔

اور اس کی وجہ راویوں کے خیال کے مطابق یہ تھی کہ زہیر اہل کتاب کے پاس بیٹھا کرتا تھا، چنانچہ اس نے ان سے سنا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا وقت آچکا ہے اور زہیر نے خواب میں دیکھا کہ آسمان سے ایک زنجیر کھینچی گئی اور اس نے اس رسی کی طرف ہاتھ بڑھایا تاکہ اسے پکڑ لے لیکن وہ پکڑ نہ سکا تو اس نے اس کی تاویل نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کی جو آخری زمانے میں مبعوث ہوں گے اور وہ آپ کا زمانہ نہیں پائے گا، چنانچہ زہیر نے اپنے بیٹوں کو یہ بات بتائی اور ان کو وصیت کی کہ اگر وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ پائیں تو (آپ پر) اسلام لائیں۔

ابن اسحاق نے کہا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب طائف سے واپس تشریف لائے تو بجیر بن زہیر نے اپنے بھائی کعب کو خط لکھا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ میں چند لوگوں کو قتل کر دیا ہے جو آپ کے خلاف اشعار کہتے تھے اور قریش کے شعراء میں سے جو باقی رہ گئے ہیں جیسے ابن زبعری اور ہبیرہ بن ابی وہب وغیرہ، وہ ہر طرف بھاگتے پھر رہے ہیں۔

اگر تمہارے دل میں کوئی حاجت ہے تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اڑ کر آجاؤ کیونکہ جو شخص توبہ کر کے آپ کے پاس آتا ہے، آپ اسے قتل نہیں کرتے اور اگر تم ایسا نہیں کرو گے تو اپنی نجات کے لیے کوئی جگہ تلاش کر لو اور کعب نے یہ اشعار کہے تھے:

الا بلغا عنی بجیرا رسالة — فهل لک فیما قلت ویحک هل لکا

فبین لنا ان کنت لست بفاعل — علی ای شئی غیر ذلک دلکا

علی خلق لم تلف اما ولا ابا — علیه ولا تلقی علیه اخالکا

فان انت لم تفعل فلست باسف — ولا قائل اما عثرت لعالکا

سقاک بها المامون کاسا رویة — فانهلک المامون منها وعلکا

(السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد ۲ ص ۳۱۱)

"سنو! بجیر کو یہ پیغام پہنچا دو کیا اس میں جو تم نے کہا تمہاری اپنی کوئی رائے ہے"۔

"اگر تم ہماری مراد پر عمل نہیں کرتے تو بتاؤ ہمارے مخالف نے کس بات پر تمہاری راہنمائی کی ہے"۔

"ایسی عادات جن پر تو نے اپنے ماں باپ کو نہیں پایا اور نہ اپنے بھائی کو پائے گا"۔

"اگر تو ایسا نہیں کرتا تو مجھے تم پر افسوس نہیں ہوگا اور نہ تمہاری واپسی کی دعا کروں گا"۔

"امین (حضور علیہ السلام) نے تمہیں سیراب کرنے والا پیالہ پلایا۔ انہوں نے تمہیں بار بار پلایا"۔

ابن اسحاق کہتے ہیں: کہ اس نے یہ اشعار بجیر کی طرف بھیجے۔ جب بجیر تک یہ اشعار پہنچے تو انہوں نے اس بات کو ناپسند کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے چھپائیں پس انہوں نے آپ کے سامنے یہ اشعار پڑھے تو آپ نے فرمایا: اس کا "سقاک بها المامون" کہنا سچ ہے۔ لیکن وہ خود جھوٹا ہے اور میں مامون ہوں اور جب آپ نے یہ الفاظ سنے "علی خلق لم تلف اما ولا ابا" تو فرمایا: ہاں اس نے اس دین پر اپنے ماں اور باپ کو نہیں پایا، پھر حضور علیہ السلام نے فرمایا: تم میں سے جو بھی کعب بن زہیر سے ملے، اسے قتل کردے۔ چنانچہ کعب کے بھائی بجیر نے یہ اشعار لکھ کر اس کی طرف بھیجے:

من مبلغ كعبا فهل لك في التي — تلوم عليها باطلا و هي احزم
الى الله لا العزى ولا اللات وحده — فتنجو اذا كانا النجاء و تسلم
لدى يوم لا ينجو وليس بمفلت — من الناس لا طاهر القلب مسلم
فدين زهير وهو لا شئى دينه — و دين ابى سلمى على محرم

(السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد ۲ ص ۳۱۲)

کوئی شخص کعب تک یہ بات پہنچائے کہ کیا تم اس دین میں داخل ہو گئے جس پر تم اپنے بھائی کو ناحق ملامت کرتے ہو اور یہ اللہ تعالیٰ کے ہاں زیادہ بہتر ہے نہ کہ لات اور عزیٰ پس تم نجات پاؤ جب لوگ نجات پائیں گے اور سلامتی حاصل کریں۔ جس دن لوگوں میں سے وہی نجات پائیں گے جن کے دل پاک ہوں گے۔ پس زہیر کا دین جو دراصل دین نہیں ہے۔ ابو سلمیٰ کا دین ہے۔

جب کعب کے پاس خط پہنچا تو اس پر زمین تنگ ہو گئی اور اسے اپنے نفس پر خوف ہوا اور وہاں موجود لوگوں نے اسے اس کے دشمن سے خوف دلایا اور انہوں نے کہا کعب مقتول ہے جب کعب نے کسی چیز سے چھٹکارا نہ دیکھا تو قصیدہ کہا جس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف کی اور اپنے خوف کا نیز لوگ جو اسے ڈراتے تھے، اس کا ذکر کیا۔

پھر وہ وہاں سے نکل کر مدینہ طیبہ آیا اور ایک ایسے شخص کے پاس اترا جس کے ساتھ اس کی جان پہچان تھی اور وہ قبیلہ جہینہ سے تعلق رکھتا تھا۔ وہ اسے دوسرے دن رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے گیا اور کہا یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اٹھو اور آپ سے امن طلب کرو۔ کعب کھڑا ہوا حتیٰ کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھ گیا اور اپنا ہاتھ آپ کے ہاتھ میں رکھ دیا۔ آپ اسے پہچانتے نہیں تھے۔

اس نے کہا: یا رسول اللہ! کعب بن زہیر آپ کے پاس امن حاصل کرنے آیا ہے۔ وہ توبہ کر کے مسلمان ہو چکا ہے۔ آپ اس کی توبہ قبول کرلیں گے اگر میں اسے آپ کے پاس لے آؤں؟ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں لے آؤ۔ کعب نے کہا: یا رسول اللہ! میں ہی کعب بن زہیر ہوں۔

ابن اسحاق کہتے ہیں مجھ سے عاصم بن عمر بن قتادہ نے بیان کیا کہ انصار میں سے ایک شخص کعب پر جھپٹا اور کہا یا رسول اللہ! مجھے اجازت دیجیے کہ میں اللہ کے دشمن کی گردن مار دوں۔ آپ نے فرمایا: اسے چھوڑ دو یہ توبہ کر کے شرک کا پٹہ اتار کر آیا ہے۔ راوی کہتے ہیں: کعب کو انصار کے اس قبیلہ پر غصہ آیا جس قبیلے کے ایک شخص نے یہ رویہ اختیار کیا اور مہاجرین نے کعب کے بارے میں اچھی گفتگو کی۔ پھر حضرت کعب نے قصیدہ لامیہ کہا جس کے شروع میں یوں ہے۔

بانت سعاد فقلبی الیوم متبول
متیم اثرھا لم یفد مکبول

(السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد ۲ ص ۳۱۲)

"سعاد دور ہو گئی پس میرا دل آج بیمار ہے (اور) اس کے پیچھے رسوا ہے، اس کا فدیہ نہیں دیا گیا وہ قید میں ہے"۔

اور ان اشعار میں یہ بھی ہیں:

انبئت ان رسول اللہ اوعدنی — والعفو عند رسول اللہ مامول
مھلا ھداک الذی اعطاک نافلہ ال — قرآن ولو کثرت فی الاقاویل
ان الرسول لنور یستضاء بہ — مھند من سیوف اللہ مسلول
فی عصبۃ من قریش قال قائلھم — ببطن مکۃ لما اسلموا زولوا
یمشون مشی الجمال الزھر یعصمھم — ضرب اذا عرد السود التنابیل

"مجھے بتایا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے تنبیہہ فرمائی ہے اور اللہ تعالیٰ کے رسول سے عفو و درگزر کی امید ہی کی جا سکتی ہے"۔

"رک جاؤ تجھے اس ذات نے ہدایت دی جس نے قرآن مجید کا عطیہ دیا۔ اگرچہ اس میں اقوال زیادہ ہیں"۔

"بے شک رسول صلی اللہ علیہ وسلم وہ نور ہیں جن سے روشنی حاصل کی جاتی ہے اور آپ اللہ تعالیٰ کی تلواروں میں سے ایک میان سے نکلی ہوئی تلوار ہیں"۔

"آپ قریش کے اس گروہ میں ہیں کہ جب وہ مسلمان ہوئے اور مدینہ طیبہ ہجرت کی تو وادی مکہ میں ان کے ایک قائل نے کہا:"

"کہ وہ سفید اونٹوں کی طرح چلتے ہیں جب سیاہ فام چھوٹے قد والے معرکہ سے بھاگتے ہیں"۔

ابوبکر بن انباری کی روایت میں ہے کہ جب وہ اس شعر "ان الرسول لنور" آخر تک پہنچے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ چادر جو آپ پر تھی' ان کی طرف ڈال دی اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس چادر پر دس ہزار درہم کی پیش کش کی۔

حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے کہا: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ چادر مجھے عنایت فرمائی ہے لہٰذا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک کپڑے کے ساتھ کسی کو ترجیح نہیں دوں گا۔ جب کعب کا انتقال ہوا تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کے ورثاء کی طرف بیس ہزار درہم بھیجے اور ان سے وہ چادر لے لی۔ ابوبکر بن انباری کہتے ہیں وہ چادر مبارک آج تک سلاطین کے پاس ہے۔[1]

ابن اسحاق کہتے ہیں' عاصم بن عمر بن قتادہ نے کہا کہ جب حضرت کعب نے "اذا عرد السود التنابیل" کہا اور اس سے انصار کے گروہ مراد لیے اور اس کی وجہ سے ان کے ایک آدمی کا حضرت کعب سے الجھا تھا۔ جب انہوں نے مہاجرین کو تعریف کے ساتھ خاص کیا تو ان پر انصار کو غصہ آیا۔ چنانچہ اسلام قبول کرنے کے بعد انہوں نے انصار کی تعریف میں یوں کہا:

من سره کرم الحیا فلا یزل	فی مقنب من صالحی الانصار
ورثوا المکارم کابرا عن کابر	ان الخیار هم بنو الاخیار
المکرهین السمهری بادرع	کسوالف الهندی غیر قصار
والناظرین باعین محمرة	کالجمر غیر کلیلة الابصار
والبائعین نفوسهم لنبیهم	للموت یوم تعانق وکرار
قوم اذا خوت النجوم فانهم	للطارقین النازلین مقاری

(السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد ۲ ص ۳۱۵)

"جس شخص کو اچھی زندگی پسند ہو' وہ ہمیشہ نیک انصار کے سواروں میں رہے"۔

"وہ اپنے باپ دادا سے اچھے اخلاق کے وارث ہوئے نیک لوگ ہی نیک لوگوں کی اولاد ہیں"۔

"وہ نیزوں کو اپنی زرہوں سے دور رکھتے ہیں جیسے ہندی تلواریں (دراز ہوتی ہیں) کوتاہ نہیں ہوتیں"۔

"وہ سرخ آنکھوں کے ساتھ (دشمن کو) دیکھتے ہیں جیسے سرخ انگارہ ہو اور وہ دکھتی آنکھوں کی طرح نہیں ہوتیں"۔

---

[1] ابن قانع حضرت ابن مسیب سے نقل کرتے ہیں کہ اسے خلفاء عیدوں کے موقع پر پہنتے تھے۔ علامہ شامی نے فرمایا: کہ اب اس کا وجود نہیں' وہ تاتاریوں کے واقعہ میں گم ہو گئی۔ (زرقانی جلد ۳ ص ۶۰)

"وہ اپنی جانوں کو اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر بیچنے والے ہیں اور دشمن سے اس طرح مقابلہ کرتے ہیں"۔

"کہ ایک دوسرے کے گلے میں ہاتھ ڈالتے ہیں۔ (یعنی جھپٹ کر لڑتے ہیں۔)"

"یہ وہ قوم ہے کہ جب ستارے غروب ہو جاتے ہیں تو وہ رات کو اترنے والے مہمانوں کے لیے وسیع دسترخوان بن جاتے ہیں (یعنی قحط سالی میں مہمان نوازی کے لیے تیار رہتے ہیں اور یہ کمال کی بات ہے)۔"

کعب اور ان کے باپ زہیر اور ان کا بیٹا عقبہ اور پوتا عوام ابن عقبہ بڑے باکمال شعراء میں سے تھے۔



غزوۂ تبوک

وقت اور مقام

تبوک ایک معروف جگہ ہے اور یہ دمشق کی طرف جاتے ہوئے مدینہ طیبہ سے نصف راستے میں ہے۔ اس غزوہ کو غزوۂ عسرت (تنگی والا غزوہ) کہتے ہیں۔ (فتح الباری جلد ۴ ص ۸۴) اور "فاضحہ" کے نام سے بھی معروف ہے کیونکہ اس میں منافقین کو ذلت و رسوائی کا سامنا کرنا پڑا۔ (فاضحہ کا معنی رسوا کرنے والی جنگ)[1]

اس بات میں کوئی اختلاف نہیں کہ یہ غزوہ رجب سنہ ۹ھ میں ہوا۔ (طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۱۶۵) البتہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اسے حجۃ الوداع کے بعد ذکر کیا ہے، شاید یہ نقل کرنے والوں کی خطا ہو۔

یہ سخت گرمی اور قحط سالی کا دور تھا۔ یہی وجہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسرے غزوات کی طرح یہاں "توریہ"[2] نہیں فرمایا۔

عبدالرزاق کی تفسیر میں حضرت معمر سے مروی ہے وہ ابن عقیل سے روایت کرتے ہیں، وہ فرماتے ہیں: کہ صحابہ کرام اس حالت میں نکلے کہ ان کے اونٹ کم تھے اور گرمی بھی سخت تھی، حتیٰ کہ (پیاس بجھانے کے لیے) اونٹ ذبح کر کے اس کی اوجھڑی (معدہ) میں موجود پانی پیتے تھے تو یہ پانی، سواریوں اور نفقہ کی تنگی تھی جس کی بنیاد پر اس غزوہ کو غزوۂ عسرت کہا گیا۔ (فتح الباری جلد ۸ ص ۸۲)

اسباب غزوہ

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان انباط (نبط کی طرف منسوب لوگ جو حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے سام

---

[1] منافقین کو ذلیل و رسوا کرنے والی آیات نازل ہوئیں جیسے "لاتنفروا فی الحر قل نار جھنم اشد حرا" انہوں نے کہا گرمی میں نہ نکلو تو آپ فرمادیں جہنم کی آگ زیادہ گرم ہے۔ (سورۃ التوبہ: آیت ۸۱)

[2] توریہ کا لفظی معنی چھپانا ہے۔ حضور علیہ السلام جب کسی طرف غزوہ کا ارادہ فرماتے تو اس طرف کا اظہار نہیں فرماتے تھے بلکہ کوئی دوسری جگہ بتاتے تاکہ دشمن آگاہ نہ ہو جائے لیکن یہاں واضح طور پر تبوک کا ذکر کیا تاکہ لوگ اس کے مطابق تیاری کریں اور پریشان نہ ہوں۔ جب کسی لفظ کے دو معنی ہوں تو ایسا لفظ بولا جاتا ہے سامع قریب والا معنی مراد لیتا ہے اور متکلم کی مراد دور والا معنی ہوتی ہے جس طرح حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضور علیہ السلام کے بارے میں فرمایا: یہ شخص مجھے راستہ دکھاتا ہے۔ آپ کی مراد دینی راہنمائی تھی اور لوگ ظاہری راستہ دکھانا سمجھتے تھے..... ۱۲ ہزاروی۔

کی اولاد سے تھا) کی طرف جو شام سے مدینہ طیبہ زیتون کا تیل لایا کرتے تھے، خبر پہنچی کہ رومی شام میں ہرقل (بادشاہ) کے پاس جمع ہیں، چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ نے صحابہ کرام کو اس طرف جانے کے لیے بلایا اور ان کو وہی جگہ بتائی جس طرف جانے کا ارادہ تھا تاکہ اس کے لیے تیاری کرلیں۔ (فتح الباری جلد ۸ ص ۸۵)

امام طبرانی نے حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کی روایت سے نقل کیا وہ فرماتے ہیں کہ عرب کے عیسائیوں نے ہرقل کو لکھا کہ جس شخص نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا وہ ہلاک ہوگیا اور وہ لوگ قحط زدہ ہوگئے، اور ان کے مال بھی ہلاک ہوگئے ہیں، چنانچہ ہرقل نے اپنے سرداروں میں سے ایک سردار کے ساتھ چالیس ہزار کا لشکر بھیجا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر پہنچی اور اس وقت لوگوں کو قوت حاصل نہ تھی۔

(المعجم الکبیر للطبرانی جلد ۱۸ ص ۲۳۲، فتح الباری جلد ۸ ص ۸۵)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی عظمت

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ایک قافلہ شام کی طرف بھیجنے کے لیے تیار کیا تھا۔ انہوں نے عرض کیا: یا رسول یہ دو سو اونٹ اپنے کجاؤوں اور پالانوں سمیت اور دو سو اوقیہ (سونا) حاضر ہے۔

راوی حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ اس کے بعد (حضرت) عثمان (غنی رضی اللہ عنہ) کو ان کا کوئی عمل نقصان نہیں دے گا۔ (المعجم الکبیر للطبرانی جلد ۱۸ ص ۲۳۲، مجمع الزوائد جلد ۹ ص ۱۹۱) (یہ ان کے مستقبل کے بارے میں خوشخبری تھی کہ ان سے کوئی غلط کام سرزد نہ ہوگا)

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے جیش العسرت میں ایک ہزار اونٹوں اور ستر گھوڑوں پر مجاہدین کو سوار کرایا۔ حضرت عبدالرحمن بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ فرماتے ہیں: جیش عسرت کی تیاری کے وقت حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ اپنی آستین میں ایک ہزار دینار لے کر آئے اور ان کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن میں ڈال دیا۔ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ اپنے دامن میں ان (دیناروں) کو الٹ پلٹ کرتے اور فرماتے: آج کے بعد عثمان جو عمل بھی کرے گا۔ وہ اسے نقصان نہیں دے گا۔ اس حدیث کو امام ترمذی نے نقل کیا اور فرمایا: یہ حدیث حسن غریب ہے۔

(دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۵ ص ۲۱۵، مسند امام احمد جلد ۵ ص ۶۳، جامع ترمذی جلد ۲ ص ۲۱۱)

فضائل اور (عمر موصلی) الملاء نے اپنی سیرت میں لکھا جس طرح طبرانی نے الریاض النضرہ میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے نقل کیا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے (جیش العسرۃ میں) دس ہزار دینار رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجے تو وہ آپ کے سامنے ڈالے گئے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کو اپنے ہاتھوں سے الٹ پلٹ کرتے اور فرماتے: اے عثمان! اللہ تعالیٰ تیری بخشش فرمائے تمہارا جو عمل پوشیدہ ہے یا ظاہر ہے اور جو عمل تم قیامت تک کرنے والے ہو، اس کے بعد وہ جو عمل کریں، اس کی کوئی پرواہ نہیں۔

منافقین کا رویہ

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب تشریف لے جانے کی تیاری کی تو منافقین کی ایک جماعت نے کہا کہ گرمی میں نہ نکلو' اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

وَقَالُوْا لَا تَنْفِرُوْا فِی الْحَرِّ قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّا لَوْ كَانُوْا يَفْقَهُوْنَ ۝ (التوبہ: ۸۱)

وہ کہتے ہیں: گرمی میں نہ نکلو' آپ فرما دیجیے جہنم کی آگ اس سے بھی زیادہ گرم ہے۔ اگر وہ سمجھتے۔ (تفسیر ابن جریر جلد ۱۰ ص ۱۳۹)

رونے والے

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ اور عرب کے دیگر قبائل کی طرف پیغام بھیجا کہ وہ آپ کے ساتھ نکلیں (طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۱۶۵) اور رونے والے آپ کے پاس حاضر ہو کر سواریاں طلب کرنے لگے۔ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: میرے پاس وہ چیز نہیں ہے جس پر میں تمہیں سوار کروں اور یہ مندرجہ ذیل افراد تھے۔

سالم بن عمیر' علبہ بن زید' ابولیلیٰ عبدالرحمٰن بن کعب مازنی' عرباض بن ساریہ' ہرم بن عبداللہ' عمرو بن عنمہ' عبداللہ بن مغفل' عبداللہ بن عمرو مزنی' عمرو بن حمام' معقل مزنی' حرمی بن مازن' نعمان' سوید' معقل' عقیل' سنان' عبدالرحمٰن اور ہند (یہ دونوں) مقرن کے بیٹے ہیں۔ ان لوگوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

تَوَلَّوْا وَّاَعْيُنُهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا اَلَّا يَجِدُوْا مَا يُنْفِقُوْنَ ؕ (التوبہ: ۹۲)

اور وہ اس حال میں واپس ہوئے کہ ان کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے' انہیں اس بات کا دکھ تھا کہ وہ خرچ کرنے کے لیے کچھ نہیں پاتے۔

یہ بات مغلطائی نے ذکر کی ہے۔ (دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۵ ص ۲۱۸' طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۱۶۵)

صحیح بخاری میں حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' فرماتے ہیں: میرے ساتھیوں نے مجھے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجا کہ میں آپ سے سواریوں کے بارے میں سوال کروں۔ میں نے عرض کیا: اے اللہ کے نبی! میرے ساتھیوں نے مجھے آپ کے پاس بھیجا ہے کہ آپ ان کو سواریاں عنایت فرمائیں۔ آپ نے فرمایا: اللہ کی قسم! میرے پاس تمہارے لیے کوئی سواری نہیں ہے' چنانچہ میں غمگین ہو کر واپس لوٹا ایک تو اس بات کا دکھ کہ آپ نے کوئی سواری عنایت نہ فرمائی اور دوسرا یہ خوف کہ کہیں آپ مجھ پر ناراض نہ ہوئے ہوں۔ میں اپنے دوستوں کے پاس واپس آیا اور ان کو ساری بات بتا دی جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی تھی۔ تھوڑی دیر گزری تھی کہ میں نے سنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ اعلان کر رہے ہیں: عبداللہ بن قیس کہاں ہیں؟ میں نے کہا: حاضر ہوں۔ انہوں نے فرمایا: بارگاہ رسالت میں حاضر ہو جاؤ' آپ صلی اللہ علیہ وسلم بلا رہے ہیں۔ جب میں حاضر ہوا تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ دو اونٹ جو ایک رسی سے بندھے ہوئے ہیں' اور یہ دو اونٹنیاں جو ایک جگہ بندھی ہوئی ہیں' ان چھ اونٹوں کے ساتھ جو ابھی میں نے سعد سے خریدے ہیں' اپنے ساتھیوں کے پاس

لے جاؤ اور کہو کہ اللہ تعالیٰ نے (یا فرمایا) اللہ تعالیٰ کے رسول نے تمہیں ان پر سوار کیا ہے۔ پس تم ان پر سوار ہو جاؤ۔ (صحیح بخاری جلد ۲ ص ۶۳۳، کتاب المغازی)

علبہ بن زید رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور رات کا کچھ حصہ نماز پڑھ کر روئے اور یوں دعا کی:

اے اللہ! تو نے جہاد کا حکم دیا اور اس کی رغبت بھی دی پھر تو نے مجھے وہ کچھ نہ دیا کہ میں اس کے ذریعے تیرے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ (جہاد پر) قوت پاتا اور تو نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں بھی وہ چیز نہ دی کہ آپ مجھے اس پر سوار کرتے اور میری حالت یہ ہے کہ مجھے ہر رات کسی مسلمان کی طرف سے جو اذیت مال و جان اور عزت کے حوالے سے پہنچتی ہے تو میں وہ مال صدقہ کر دیتا ہوں اور اسے معاف کر دیتا ہوں۔

پھر آپ صبح کے وقت دیگر افراد کے ہمراہ حاضر ہوئے۔ رسول اکرم صلی اللہ نے فرمایا: آج رات صدقہ کرنے والا کہاں ہے؟ پس کوئی نہ اٹھا۔ پھر فرمایا: آج رات صدقہ کرنے والا کہاں ہے؟ پھر بھی کوئی نہ اٹھا۔ پھر فرمایا: صدقہ کرنے والا کہاں ہے؟ اسے اٹھنا چاہیے، چنانچہ حضرت علبہ بن زید اٹھے اور آپ کو خبر دی۔ آپ نے فرمایا: تمہیں خوش خبری ہو اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری (محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی) جان ہے، تمہارا صدقہ مقبول زکوۃ میں لکھا گیا ہے۔ اس روایت کو یونس نے اور امام بیہقی نے "الدلائل" میں نقل کیا جس طرح امام سہیلی نے الروض الانف میں ذکر کیا ہے۔[1] (السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد ۲ ص ۳۲۱)

عذر پیش کرنے والے

عرب کے دیہاتیوں میں سے کچھ لوگ جو معذرت کرنے والے تھے، حاضر ہوئے تاکہ ان کو پیچھے رہنے کی اجازت دی جائے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اجازت دے دی اور وہ بیاسی آدمی تھے۔

(طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۱۶۵)

اور دوسرے منافقین کسی عذر اور بیماری کا اظہار کیے بغیر (گھروں میں) بیٹھ گئے اور یہ گویا کہ ان کی طرف سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف جراءت کا مظاہرہ تھا۔

ارشاد خداوندی ہے:

وَقَعَدَ الَّذِیْنَ کَذَبُوا اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ۔ (التوبہ: ۹۰)

اور وہ لوگ جنہوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) سے جھوٹ بولا، وہ بیٹھ گئے۔

مدینہ طیبہ میں نیابت

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کو مدینہ طیبہ میں بطور نائب چھوڑا۔

---

[1] اس روایت سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو پوشیدہ اور غیب کی باتوں پر بھی مطلع فرمایا۔ اسی لیے آپ نے یہ سوال فرمایا اور حضرت علبہ کو خوش خبری دی۔ مسلمانوں کا یہی عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں بالخصوص انبیاء کرام علیہم السلام کو غیب کی باتوں سے آگاہ فرماتا ہے۔ ....۱۲ ہزاروی۔

دمیاطی کہتے ہیں، ہمارے نزدیک یہ بات زیادہ ثابت ہے اس شخص کی بات سے جو کہتا ہے کہ کسی دوسرے کو نائب مقرر کیا۔ (طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۱۶۵)

حافظ زین الدین عراقی شرح التقریب میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ترجمہ (تعارف) میں فرماتے ہیں: کہ آپ غزوہ تبوک کے علاوہ کسی غزوہ میں پیچھے نہیں رہے۔ اس موقع پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو مدینہ طیبہ پر اور اپنے اہل و عیال پر نگرانی کے لیے متعین فرمایا اور اس دن آپ سے فرمایا:

انت منی بمنزلة هارون من موسى الا انه لا نبي بعدی۔

تم میرے لیے اس طرح ہو جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے حضرت ہارون علیہ السلام تھے لیکن (ایک فرق ہے اور یہ کہ) میرے بعد کوئی نبی نہیں۔

صحیحین (صحیح بخاری اور صحیح مسلم) میں یہ حدیث حضرت سعد ابن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے (صحیح بخاری جلد ۲ ص ۶۳۳، کتاب المغازی، صحیح مسلم جلد ۲ ص ۲۷۸، صحیح مسلم حدیث ۳۱ فضائل الصحابہ) اور ابن عبدالبر نے اسی کو ترجیح دی ہے۔

ایک قول یہ ہے کہ سباع بن عرفطہ رضی اللہ عنہ کو نائب مقرر کیا۔

پیچھے رہنے والے

بعض مسلمان (دین میں) کسی شک و شبہ کے بغیر پیچھے رہ گئے جن میں حضرت کعب ابن مالک، مرارہ بن ربیع اور ہلال بن امیہ بھی تھے۔ ان لوگوں کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی:

وَعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا حَتّٰۤى اِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ۔

اور ان تین کی توبہ قبول کی جو پیچھے رہ گئے تھے یہاں تک کہ ان پر زمین کشادہ ہونے کے باوجود تنگ ہوگئی۔

(التوبہ: ۱۱۸)

اور ان میں حضرت ابوذر اور ابو خیثمہ رضی اللہ عنہما بھی تھے لیکن یہ دونوں اس کے بعد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے جا ملے۔ (السیرۃ النبویہ (عیون الاثر) جلد ۲ ص ۲۵۴)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کو دیکھا اور اس وقت آپ راستے میں اترے تھے تو آپ نے فرمایا: یہ اکیلا چلتا ہے، اکیلا ہی نجات پائے گا اور تنہا ہی اٹھایا جائے گا۔ پس جس طرح آپ نے فرمایا تھا اسی طرح ہوا۔[1] (دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۵ ص ۲۲۲)

---

[1] حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جب عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے ان کو ربذہ کی طرف بھیجا تو آپ کے ہمراہ آپ کی بیوی اور غلام تھا۔ آپ نے فرمایا: جب میں فوت ہو جاؤں تو غسل دینے اور کفن پہنانے کے بعد مجھے راستے میں رکھ دینا اور جو گزرے، اسے کہنا: یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ابوذر ہیں، لہٰذا دفن کرنے میں ہماری مدد کرو۔ چنانچہ اسی طرح ہوا۔ (زرقانی جلد ۳ ص ۷۲)

مسلمانوں کی تعداد

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کے ہر بطن اور عرب کے ہر قبیلے کو حکم دیا کہ اپنا الگ جھنڈا (لواء اور رایہ) اٹھائیں۔ (طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۱۶۶)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تیس ہزار افراد تھے۔ ابوزرعہ کہتے ہیں، ستر ہزار تھے، انہی سے ایک روایت ہے کہ چالیس ہزار تھے اور لشکر میں دس ہزار گھوڑے تھے۔ (یعنی دس ہزار گھڑسوار تھے۔)

(السیرۃ النبویہ (عیون الاثر) جلد ۲ ص ۲۵۴)

مقام حجر سے گزرنا

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب مقام حجر سے گزرے[1] تو فرمایا: یہاں کا پانی بالکل نہ پینا اور تم میں سے جو بھی گزرے، اس کے ساتھ اس کا ساتھی ہونا چاہیے چنانچہ لوگوں نے اسی طرح کیا، البتہ بنو ساعدہ کے دو آدمیوں میں سے ایک (الگ) قضائے حاجت کے لیے اور دوسرا اپنے اونٹ کی تلاش میں نکلا۔ ان میں سے جو قضائے حاجت کے لیے گیا تھا، وہاں اسی جگہ (قضائے حاجت کی جگہ) اس کا گلا دبا دیا گیا اور جو اپنے اونٹ کی تلاش میں نکلا تھا، اسے آندھی نے اٹھا کر قبیلہ طے کے دو پہاڑوں کے درمیان پھینک دیا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ہوئی تو آپ نے فرمایا: کیا میں نے تم لوگوں کو منع نہیں کیا تھا؟ پھر اس کے لیے دعا مانگی (اور وہ ہوش میں آگیا) جس کا گلا گھونٹ دیا گیا تھا اور دوسرے کو قبیلہ طے کے لوگوں نے اس وقت آپ کی خدمت میں پیش کیا جب آپ مدینہ منورہ تشریف لائے۔ (السیرۃ النبویہ (عیون الاثر) جلد ۲ ص ۲۵۶)

صحیح مسلم میں حضرت ابوحمید رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے، فرماتے ہیں: جب ہم تبوک میں آئے تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عنقریب رات کے وقت تم پر سخت آندھی چلے گی، لہٰذا تم میں سے کوئی بھی نہ اٹھے اور جس کے پاس اونٹ ہو، اس کی رسی باندھ لے۔ پس سخت ہوا چلی اور ایک شخص اٹھا تو ہوا نے اسے اڑا کر طے کے دو پہاڑوں کے درمیان ڈال دیا۔ (صحیح مسلم جلد ۲ ص ۲۴۶)

امام زہری رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مقام حجر سے گزرے تو آپ نے اپنے چہرے پر کپڑا ڈال دیا اور اپنی سواری کو تیز چلایا۔ پھر فرمایا: ان لوگوں کے گھروں میں داخل نہ ہونا جنہوں نے اپنے نفسوں پر ظلم کیا مگر روتے ہوئے (داخل ہونا یعنی) اس بات سے ڈرنا کہ کہیں تمہیں بھی وہ عذاب نہ پہنچے جو ان کو پہنچا۔ (صحیح مسلم جلد ۲ ص ۴۰۸، کتاب الزہد، صحیح بخاری جلد ۲ ص ۶۳۷)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی کا گم ہونا

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب راستے میں ایک مقام پر پہنچے تو آپ کی اونٹنی گم ہوگئی۔ زید بن صلت جو

[1] حجر وہ مقام جہاں قوم ثمود پر عذاب نازل ہوا تھا یہ مدینہ طیبہ اور شام کے درمیان ایک وادی ہے۔

منافق تھا، کہنے لگا: کیا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم یہ گمان نہیں کرتے کہ وہ نبی ہیں اور تمہیں آسمان کی خبریں دیتے ہیں، حالانکہ ان کو معلوم نہیں کہ ان کی اونٹنی کہاں ہے؟ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک شخص یوں کہتا ہے پھر اس کی گفتگو ذکر کرنے کے بعد فرمایا: میں وہی بات جانتا ہوں جو اللہ تعالیٰ مجھے سکھاتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے مجھے بتایا کہ میری اونٹنی کہاں ہے اور وہ اونٹنی فلاں گھاٹی میں ہے۔ اس کی مہار کو ایک درخت نے روک رکھا ہے۔ جاؤ اور وہاں سے اونٹنی لے کر آؤ۔ چنانچہ صحابہ کرام گئے اور اونٹنی کو لے آئے۔ اسے امام بیہقی نے اور ابونعیم سے روایت کیا ہے۔[1] (دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۵ ص ۲۳۲، السیرۃ النبویہ عیون الاثر جلد ۲ ص ۲۵۶)

پانی میں اضافے کا معجزہ

صحیح مسلم میں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ لوگ تبوک کے چشمے پر اترے اور اس سے تھوڑا تھوڑا پانی نکلتا تھا۔ ان لوگوں نے تھوڑے تھوڑے پانی سے چلو بھر کر مشکیزہ میں جمع کیا پھر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے اپنا چہرہ اور ہاتھ دھوئے پھر اس پانی کو اس چشمے میں ڈال دیا تو بہت سا پانی جاری ہو گیا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پانی نوش فرمایا۔ (صحیح مسلم جلد ۲، ص ۲۴۶، کتاب الفضائل) انشاء اللہ معجزات کے باب میں اس کا بیان آئے گا۔

تبوک تک رسائی

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تبوک پہنچے تو آپ کے پاس صاحب ایلہ (ایلہ کا حکمران) آیا۔ اس نے آپ سے صلح کی اور جزیہ ادا کیا۔ اسی طرح جرباء اور اذرح کے لوگ آئے اور انہوں نے جزیہ ادا کیا تو آپ نے انہیں ایک تحریر دے دی۔ جرباء اور اذرح شام کے دو شہر ہیں جن کے درمیان تین میل کا فاصلہ ہے۔

ہرقل (روم کے بادشاہ) کے بارے میں آپ کو اطلاع ملی کہ وہ حمص میں ہے۔ پس آپ نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو اکیدر ابن عبدالملک نصرانی کی طرف بھیجا اور وہ دومۃ الجندل میں بہت بڑا بادشاہ تھا۔ یہ سریہ رجب کے مہینے میں بھیجا اور یہ چار سو بیس سواروں پر مشتمل تھا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ تم اسے رات کے وقت گائے کا شکار کرتے ہوئے پاؤ گے۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ وہاں پہنچے اور وہ ایک چاندنی رات میں اپنے قلعے سے نکل کر ایک گائے کی طرف گیا جس کو وہ اور اس کا بھائی حسان ہانک رہے تھے۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ کے سواروں نے حملہ کر کے اکیدر کو قیدی بنایا اور اس کے بھائی حسان کو قتل کر دیا اور جو شخص ان دونوں کے ساتھ تھا، وہ بھاگ کر قلعے میں داخل ہو گیا۔ پھر حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے اسے اس شرط پر امان دے دی کہ وہ اسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے جائیں گے اور وہ آپ کے لیے دومۃ الجندل کو

---

[1] معلوم ہوا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم تھا کہ اونٹنی کہاں ہے، نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم غیب پر اعتراض کرنا منافقوں کا کام ہے۔ ..... ۱۲ ہزاروی۔

فتح کرائے گا" چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا اور حضرت خالد نے اس سے دو ہزار اونٹوں، آٹھ سو گھوڑوں، چار سو زرہوں اور چار سو نیزوں پر صلح کر لی۔ (السیرۃ النبویہ (عیون الاثر) جلد ۲ ص ۲۵۹ طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۱۶۶)

ہرقل کی طرف خط

اس غزوہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تبوک میں ہرقل کو خط لکھ کر اسلام کی طرف بلایا، وہ اسلام کے قریب ہوا لیکن (قوم کے خوف سے) اس نے اسلام قبول نہ کیا۔ اس روایت کو ابن حبان نے اپنی صحیح میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث سے نقل کیا۔

مسند امام احمد میں ہے کہ تبوک میں ہرقل نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ایک خط لکھا کہ میں مسلمان ہو گیا ہوں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس نے جھوٹ بولا ہے، وہ نصرانیت پر قائم ہے۔
(مسند امام احمد جلد ۳ ص ۴۴۲)

ابو عبید کی کتاب "الاحوال" میں صحیح سند کے ساتھ بکر بن عبد اللہ کی مرسل (روایت) سے اسی طرح ہے اور اس کے الفاظ یوں ہیں کہ آپ نے فرمایا: یہ اللہ کے دشمن کا خط ہے جو مسلمان نہیں ہوا۔ (فتح الباری جلد ۳ ص ۴۴۲)

مدینہ طیبہ کی طرف واپسی

پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تبوک میں دس سے کچھ زائد راتیں ٹھہرنے کے بعد وہاں سے واپس مدینہ طیبہ تشریف لائے۔ دمیاطی نے اور اس سے پہلے ابن سعد نے بیس راتوں کا قول کیا اور کہا کہ آپ وہاں دو رکعتیں پڑھتے تھے۔ (قصر کرتے تھے) اور لڑائی نہیں ہوئی نیز آپ نے راستے میں کئی مساجد تعمیر کیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم واپسی میں مقام ذی اوان میں اترے۔ ذی اوان اور مدینہ طیبہ کے درمیان ایک موقع پر آپ کو آسمان سے (وحی کے ذریعے) مسجد ضرار کی خبر ملی۔

چنانچہ آپ نے مالک بن دخشم اور معن بن عدی عجلانی رضی اللہ عنہما کو بلا کر فرمایا اس مسجد کی طرف جاؤ جس کے اہل ظالم ہیں اور اس کو گرا کر آگ لگا دو، پس وہ دونوں گئے اور انہوں نے اسے جلایا اور گرا دیا۔ یہ واقعہ اس آیت کے نزول کے بعد ہوا۔ (دلائل النبوہ للبیہقی جلد ۵ ص ۲۶۰ السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد ۲ ص ۳۲۲) ارشاد خداوندی ہے:

وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّكُفْرًا وَّتَفْرِيْقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَاِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ مِنْ قَبْلُ ؕ وَلَيَحْلِفُنَّ اِنْ اَرَدْنَاۤ اِلَّا الْحُسْنٰى ؕ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ۔ (التوبہ: ۱۰۷)

اور وہ جنہوں نے مسجد بنائی، نقصان پہنچانے کو اور کفر کے سبب اور مسلمانوں میں تفرقہ ڈالنے کو اور اس کے انتظار میں جو پہلے سے اللہ اور اس کے رسول کا مخالف ہے اور وہ ضرور قسمیں کھائیں گے کہ ہم نے تو بھلائی چاہی اور اللہ گواہ ہے کہ وہ جھوٹے ہیں۔

واحدی کہتے ہیں حضرت ابن عباس، مجاہد، قتادہ اور عام اہل تفسیر رضی اللہ عنہ و رحمہم اللہ نے فرمایا کہ جن لوگوں نے مسجد ضرار بنائی تھی وہ بارہ آدمی تھے۔ وہ اس (مسجد) کے ذریعے مسجد قباء کو نقصان پہنچانا چاہتے تھے اور اس کی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے منافقین کے ایک گروہ کے درمیان کہا کہ ہم ایک مسجد بنا کر اس میں دوپہر کو قیلولہ (آرام) کیا کریں گے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے حاضر نہیں ہوں گے۔

مفسرین کرام فرماتے ہیں جب ان لوگوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تبوک جاتے وقت اپنی باطل اغراض کے تحت یہ مسجد بنائی تو انہوں نے کہا یا رسول اللہ! ہم نے بیماروں اور بارش والی رات کے لئے مسجد بنائی ہے اور ہم چاہتے ہیں کہ آپ اس میں نماز پڑھیں اور ہمارے لئے برکت کی دعا فرمائیں۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس وقت میں سفر پر روانہ ہو رہا ہوں جب ہم واپس آئیں گے تو انشاء اللہ اس میں نماز پڑھیں گے۔

جب آپ تبوک سے واپس ہوئے تو انہوں نے آپ سے مسجد میں تشریف لانے کی درخواست کی۔ اس پر (مندرجہ بالا) آیت کریمہ نازل ہوئی۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ طیبہ کے قریب ہوئے تو لوگ آپ کی ملاقات کے لئے نکلے اور عورتیں، بچے اور بچیاں بھی یہ کہتے ہوئے نکلیں:

طلع البدر علینا من ثنیات الوداع
و جب الشکر علینا ما دعا للہ داع

(البدایہ والنہایہ جلد ۵ ص ۲۳)

"ہم پر چودھویں کا چاند وداع کی گھاٹیوں سے طلوع ہوا (اور) ہم پر شکر واجب ہے جب تک اللہ تعالیٰ کی طرف بلانے والا بلاتا رہے گا"۔

جیسا کہ میں نے پہلے ذکر کیا بعض راویوں کو وہم ہوا اور انہوں نے کہا کہ یہ اشعار اس وقت پڑھے گئے جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم (ہجرت کے وقت) مدینہ طیبہ تشریف لائے اور یہ واضح وہم ہے کیونکہ "ثنیات الوداع" شام کی طرف ہیں جو شخص مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ آتا ہے وہ ان کو نہیں دیکھتا اور یہ اسی وقت دکھائی دیتی ہیں جب آدمی شام کی طرف متوجہ ہوتا ہے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔

صحیح بخاری میں ہے کہ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ تبوک سے واپس لوٹے اور مدینہ طیبہ کے قریب ہوئے تو فرمایا:

ان بالمدینۃ اقواما ما سرتم مسیرا ولا قطعتم وادیا الا کانوا معکم حبسھم العذر۔

بے شک مدینہ طیبہ میں کچھ لوگ ہیں تم کسی راستے پر نہیں چلے یا کسی وادی کو نہیں کیا مگر وہ تمہارے ساتھ (اجر وثواب میں شریک) تھے ان کو عذر نے روک رکھا ہے۔

(صحیح بخاری جلد ۲ ص ۶۳۷، کتاب المغازی، طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۱۶۸)

یہ حدیث اس حدیث کی معنوی طور پر تائید کرتی ہے، جس میں فرمایا:

نیۃ المومن خیر من عملہ۔ مومن کی نیت اس کے عمل سے بہتر ہے۔
(المعجم الکبیر للطبرانی جلد ۶ ص ۱۸۵)

کیونکہ ان لوگوں کی نیت ان کے اعمال کے مقابلے میں (مقصد تک) زیادہ پہنچانے والی ہے کیونکہ اس نیت نے ان کو ان لوگوں کے مقام تک پہنچا دیا، جو اپنے جسموں کے ساتھ عمل کرتے ہیں، حالانکہ یہ اپنے گھروں میں اپنے بچھونوں پر ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اور بلند درجات کی طرف باہم مقابلہ نیتوں اور ارادوں کے ساتھ ہوتا ہے، محض اعمال سے نہیں ہوتا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جب مدینہ طیبہ پر نظر پڑی تو فرمایا:

ھذہ طابۃ وھذا احد جبل یحبنا و نحبہ۔ (صحیح بخاری جلد ۲ ص ۶۳۷، کتاب المغازی) یہ (مدینہ) طیبہ ہے اور یہ احد ہے یہ ایسا پہاڑ ہے جو ہم سے محبت کرتا ہے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں۔

جب آپ مدینہ طیبہ میں داخل ہوئے تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! مجھے اجازت دیجئے کہ میں آپ کی تعریف کروں؟ آپ نے فرمایا کہو اللہ تعالیٰ آپ کے منہ کو محفوظ رکھے۔ انہوں نے کہا:

من قبلها طبت فی الظلال وفی مستودع حیث یخصف الورق
ثم هبطت البلاد لا بشر انت ولا مضغة ولا علق
بل نطفة ترکب السفین وقد الجم نسرا و اهله الغرق
تنقل من صالب الی رحم اذا مضی عالم بدا طبق
وردت نار الخلیل مکتتما فی صلبه انت کیف یحترق
حتی احتوی بیتک المهیمن من خندف علیاء تحتها النطق
وانت لما ولدت اشرقت الار ض وضاءت بنورک الافق
فنحن فی ذلک الضیاء وفی ال نور وسبل الرشاد نخترق

(دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۵ ص ۲۶۸، البدایہ والنہایہ جلد ۵ ص ۲۷)

"آپ اس (دنیا میں آنے) سے پہلے (جنت کے) سایوں میں بھی طیب تھے اور جہاں آپ کو ودیعت رکھا گیا تھا۔ (یعنی حضرت آدم علیہ السلام کی پشت میں) جب وہ (اپنے جسم پر) پتے چپکاتے تھے"۔

"پھر آپ زمین پر اترے۔ (یعنی حضرت آدم علیہ السلام کی پشت میں) اس وقت آپ نہ بشر تھے نہ گوشت کا لوتھڑا، اور نہ جما ہوا خون"۔

"بلکہ ایسا نطفہ (یعنی نور) جو کشتی نوح میں سوار تھا (سام بن نوح کی پشت میں) اور غرق ہونے نے نسر اور اس کے پجاریوں کو لگام ڈال دی تھی"۔

"وہ نطفہ (نور) ایک پشت سے رحم کی طرف منتقل ہوتا جب ایک عالم گزر جاتا اور دوسرا ظاہر ہوتا"۔

"آپ اس آگ میں داخل ہوئے جو نمرود نے حضرت خلیل اللہ ابراہیم علیہ السلام کے لئے جلائی تھی

اور اس وقت آپ ان کی پشت میں تھے تو وہ کیسے جلتے؟"

"حتیٰ کہ آپ کا محفوظ گھر خندف (الیاس بن مضر کی بیوی جو شرف نسب میں مشہور تھیں) کے نسب سے ہے اور سب گھرانے آپ کے گھرانے سے پست ہیں"۔

"جب آپ کی ولادت ہوئی تو زمین روشن ہوگئی اور آپ کے نور سے افق نورانی ہوگیا"۔

"اور ہم اس روشنی اور نور میں ہدایت کی راہ پاتے اور اس پر چلتے ہیں"۔

کلمات اشعار کی تشریح

"من قبلھا طبت فی الظلال" آپ زمین پر اترنے سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام کی پشت میں جنت میں طیب و طاہر تھے۔ اور "من قبلھا" یعنی زمین پر اترنے سے پہلے پس اس سے کنایہ کیا اور بیان معنیٰ کے لیے پہلے ذکر نہیں ہوا۔ "ثم ھبطت البلاد لا بشر" یعنی جب حضرت آدم علیہ السلام دنیا کی طرف اترے تو آپ ان کی پشت میں تھے اور بشریت وغیرہ تک نہیں پہنچے تھے (یعنی نور تھے)۔

"قد الجم نسرا واھلہ الغرق" اس سے وہ بت مراد ہے، جس کی پوجا حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کرتی تھی اور قرآن پاک کی اس آیت میں اس کا ذکر ہے۔

وَلَا يَغُوثَ وَيَعُوقَ وَنَسْرًا۔ (نوح: ۲۳) اور نہ یغوث، نہ یعوق اور نہ ہی نسر (بت)۔

اور آپ کا قول "حتی احتوی بیتک المھیمن" (آخر تک) النطق، نطاق کی جمع ہے، اس سے پہاڑوں کی ایک دوسرے پر چڑھی ہوئی تہہ مراد ہے، ان کو نطق سے تشبیہ دی اور نطق (نطاقہ) وہ کپڑے جن سے کمر کو باندھا جاتا ہے۔ (کمربند) اپنے خاندان میں آپ کی بلندی اور شرف اور ان لوگوں کا آپ سے نچلے درجہ میں ہونا جس طرح عمدہ پہاڑ ہیں۔ اس سے آپ کے شرف اور نعت کو بیان کرنے کا قصد کیا۔ یعنی آپ کا شرف جو آپ کے فضل پر شاہد ہے، وہ خندف کے نسب سے اعلیٰ مرتبہ والا ہے۔

پیچھے رہ جانے والوں کی حاضری

جو لوگ غزوۂ تبوک سے پیچھے رہ گئے تھے، وہ حاضر ہوئے اور آپ کے سامنے قسمیں کھائیں تو آپ نے ان کے عذر کو قبول کیا اور ان کے لئے مغفرت کی دعا فرمائی، جبکہ حضرت کعب اور ان کے دو ساتھیوں کے معاملے کو موخر کردیا، حتیٰ کہ ان کی توبہ کے بارے میں قرآن مجید کی آیات نازل ہوئیں:

لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَ الْاَنْصَارِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ فِيْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِنْۢ بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيْغُ قُلُوْبُ فَرِيْقٍ مِّنْهُمْ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ اِنَّهٗ

بے شک اللہ تعالیٰ کی رحمتیں متوجہ ہوئیں، ان غیب کی خبریں بتانے والے اور ان مہاجرین اور انصار پر جنہوں نے مشکل کی گھڑی میں ان کا ساتھ دیا بعد اس کے کہ قریب تھا کہ ان میں سے کچھ لوگوں کے دل پھر جائیں

بِهِمْ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ ۝ وَعَلَى الثَّلَاثَةِ الَّذِينَ خُلِّفُوا حَتَّىٰ إِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ أَنفُسُهُمْ وَظَنُّوا أَن لَّا مَلْجَأَ مِنَ اللَّهِ إِلَّا إِلَيْهِ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوبُوا إِنَّ اللَّهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ۔ (التوبہ: ۱۱۷،۱۱۸)

پھر ان پر رحمت سے متوجہ ہوا۔ بے شک وہ ان پر نہایت مہربان و رحم والا ہے۔ اور ان تین پر جو موقوف رکھے گئے تھے۔ یہاں تک کہ جب زمین اتنی وسیع ہو کر ان پر تنگ ہو گئی اور وہ اپنی جان سے تنگ آئے اور انہیں یقین ہوا کہ اللہ سے پناہ نہیں مگر اسی کے پاس، پھر ان کی توبہ قبول کی کہ تائب رہیں بے شک اللہ ہی توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔

اور یہ تین حضرت کعب بن مالک، ہلال بن امیہ اور مرارہ بن ربیع رضی اللہ عنہم تھے۔ امام بیہقی رحمہ اللہ نے دلائل النبوۃ میں حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ علیہ کی مرسل روایت سے نقل کیا کہ حضرت ابولبابہ بن عبدالمنذر رضی اللہ علیہ نے جب اپنے ہاتھ سے اپنے حلق کی طرف اشارہ کر کے بنو قریظہ کو بتایا کہ ان کو ذبح کر دیا جائے گا[1] اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے بارے میں یہ بات بتائی گئی تو آپ نے فرمایا تمہارا کیا خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ تیرے ہاتھ سے غافل تھا جب تم نے ان کے لئے ہاتھ کے ساتھ اپنے حلق کی طرف اشارہ کیا چنانچہ وہ کچھ عرصہ اس حال میں رہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان پر ناراض تھے پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ تبوک کے لئے تشریف لے گئے اور حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ پیچھے رہنے والوں میں پیچھے رہے۔ جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم واپس تشریف لائے تو حضرت ابولبابہ نے حاضر ہو کر سلام پیش کیا لیکن آپ نے منہ پھیر لیا۔ حضرت ابولبابہ گھبرا گئے اور انہوں نے اپنے آپ کو سات دن تک ساریہ توبہ (توبہ والے ستون) کے ساتھ باندھے رکھا اور فرمایا جب تک میں دنیا سے جدا نہ ہو جاؤں یا اللہ تعالیٰ میری توبہ قبول نہ کر لے اس وقت تک یہاں سے نہیں ہٹوں گا۔ (دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۵ ص ۲۷۰)

امام بیہقی نے ہی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کی تفسیر میں بیان فرمایا۔ ارشاد خداوندی ہے:

وَآخَرُونَ اعْتَرَفُوا بِذُنُوبِهِمْ خَلَطُوا عَمَلًا صَالِحًا۔ (التوبہ: ۱۰۲)

اور کچھ دوسرے جنہوں نے اپنے گناہوں کا اعتراف کیا ملایا ایک کام اچھا۔

آپ فرماتے ہیں وہ دس حضرات تھے جو غزوۂ تبوک کے موقعہ پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پیچھے رہے جب حضور علیہ السلام واپس تشریف لائے تو ان میں سے سات افراد نے اپنے آپ کو مسجد کے ستونوں سے باندھ دیا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف لائے اور آپ اسی طرف سے آتے تھے تو آپ نے پوچھا یہ کون لوگ ہیں؟ صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ! یہ حضرت ابولبابہ اور ان کے ساتھی ہیں جو تبوک سے پیچھے رہ گئے تھے۔ (انہوں نے اپنے آپ کو باندھا ہے) حتیٰ کہ آپ ان کو کھول دیں یا ان کا عذر قبول فرمائیں۔

[1] بنو قریظہ نے پوچھا تھا کہ ہم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے پر اتریں تو انہوں نے یہ اشارہ فرمایا۔ (زرقانی جلد ۳ ص ۸۷)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ کی قسم میں ان کو نہیں کھولوں گا اور نہ ان کا عذر قبول کروں گا حتی کہ اللہ تعالیٰ ان کو کھولنے کا حکم دے۔ انہوں نے مجھ سے اعراض کیا اور جہاد سے پیچھے رہے اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت نازل فرمائی۔ "واخرون اعترفوا بذنوبھم" جب یہ آیت نازل ہوئی تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی طرف کسی کو بھیجا اور ان کو کھولا نیز ان کا عذر قبول کیا۔ (دلائل النبوہ للبیہقی جلد ۵ ص ۲۷۲)

سیرت نگار کہتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب تبوک سے واپس تشریف لائے تو حضرت عویمر العجلانی نے اپنی بیوی کو حاملہ پایا تو حضور علیہ السلام نے ان دونوں کے درمیان لعان کا حکم دیا۔[1]

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی قیادت میں حج

پھر ذی قعدہ ۹ھ میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی قیادت میں صحابہ کرام حج کے لئے تشریف لے گئے جس طرح ابن سعد وغیرہ نے صحیح سند کے ساتھ حضرت مجاہد رحمتہ اللہ علیہ سے نقل کیا اور عکرمہ بن خالد رحمہ اللہ نے بھی ان کی موافقت کی ہے جیسا کہ حاکم نے الاکلیل میں ذکر کیا۔

بعض حضرات نے کہا کہ ذوالحجہ میں تشریف لے گئے۔ داوٗدی، ثعلبی اور ماوردی نے اسی طرح کہا ہے اور اس کی تائید یوں ہوتی ہے کہ ابن اسحاق نے واضح طور پر ذکر کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب تبوک سے واپس تشریف لائے تو آپ رمضان، شوال اور ذی قعدہ کا مہینہ ٹھہرے پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو امیر حج بنا کر بھیجا۔ یہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ماہ ذی قعدہ کے اختتام کے بعد بھیجا گیا۔ پس آپ نے ذوالحجہ میں حج فرمایا۔ واللہ اعلم![2]

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہمراہ مدینہ طیبہ سے تین سو افراد تشریف لے گئے اور ان کے ساتھ قربانی کے بیس اونٹ تھے۔ (فتح الباری جلد ۸ ص ۶۵)

صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو جس حج میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھیجا یہ حجتہ الوداع سے پہلے والا حج تھا۔ اس میں آپ کے ساتھ کچھ اور لوگ بھی تھے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو حکم دیا کہ وہ اعلان کریں کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک نہ تو حج کرے گا اور نہ ہی ننگا ہو کر بیت اللہ شریف کا طواف کرے گا۔

(صحیح بخاری جلد ۲ ص ۶۲۶، صحیح مسلم جلد اول ص ۴۳۵، کتاب الحج)

ان کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو بھیجا اور انہیں سورہ برأت

---

[1] جب کوئی مرد اپنی بیوی پر زنا کا الزام لگائے تو دونوں طرف سے قسمیں کھائی جاتی ہیں اور پھر ان میں تفریق کر دی جاتی ہے۔ تفصیل کتب فقہ میں دیکھیں۔ ...۱۲ ہزاروی۔

[2] جو لوگ کہتے تھے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ذی قعدہ میں حج کیا اس میں ان کا رد کیا گیا کہ آپ کو ذی قعد کے اختتام پر بھیجا گیا اور حج ذوالحجہ میں ہوا۔ (زرقانی جلد ۳ ص ۸۹)

3

کے ساتھ اعلان کا حکم دیا تو انہوں نے اس برأت کے ساتھ اہل منیٰ میں اعلان کیا کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہیں کر سکتا اور نہ ہی وہ ننگا ہو کر طواف کرے گا۔

راوی فرماتے ہیں اس سال حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے لوگوں میں اعلان کیا۔ پھر آئندہ سال جس میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع فرمایا کسی مشرک نے حج نہ کیا۔ پس اللہ تعالیٰ نے اس سال کے بارے میں جس میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مشرکین کا عہد ان کی طرف ڈال دیا۔ ارشاد فرمایا:

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا۔ (التوبہ: ۲۸)

اے ایمان والو! بے شک مشرکین ناپاک ہیں پس وہ اس سال کے بعد مسجد حرام کے قریب نہ آئیں۔

یہ آیت کریمہ مشرکین کے ناپاک ہونے پر دلالت کرتی ہے جیسا کہ صحیح حدیث میں ہے کہ "المومن لاینجس" (مومن ناپاک نہیں ہوتا۔)

جہاں تک بدنی نجاست کا تعلق ہے تو جمہور کا موقف یہ ہے کہ مشرکین بدن اور ذات کے اعتبار سے ناپاک نہیں، البتہ بعض ظاہری (ظاہر پر عقیدے کی بنیاد رکھنے والے) ان کی بدنی نجاست کا عقیدہ رکھتے ہیں اور یہ ضعیف بات ہے۔

کیونکہ اگر ان کے جسم کتے اور خنزیر کی طرح ناپاک ہوتے تو اسلام لانے سے وہ پاک نہ ہو سکتے اور ان کے لیے مسجد الحرام کی طرح اور دیگر مساجد میں بھی داخل ہونے کی کلی ممانعت ہوتی۔

سو اس سے خبث مراد ہے کیونکہ ان میں ظاہری خبث ہے، جو کفر کی وجہ سے ہے اور اسلام دشمنی کی وجہ سے خبث باطنی ہے یہ بات امام مقاتل نے فرمائی ہے۔

امام نسائی رحمہ اللہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب عمرہ جعرانہ سے واپس تشریف لائے تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو حج کا امیر بنا کر بھیجا۔ پس ہم آپ کے ساتھ آئے حتیٰ کہ جب ہم مقام عرج میں تھے تو صبح کی نماز کا اعلان ہوا۔ جب تکبیر کے لئے سیدھے کھڑے ہوئے انہوں نے اپنے پس پشت اونٹ کے بلبلانے کی آواز سنی تو آپ تکبیر سے رک گئے۔ فرمایا یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی "جدعاء" کی آواز ہے۔ شاید حج کے معاملے میں کوئی بات آپ کے لئے ظاہر ہوئی اور ہو سکتا ہے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہوں، پس ہم آپ کے ساتھ نماز پڑھیں گے اچانک دیکھا تو اس اونٹنی پر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ تھے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے پوچھا امیر بن کر آئے ہیں یا قاصد؟ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا قاصد بن کر آیا ہوں۔ مجھے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۃ برأت دے کر بھیجا ہے تاکہ میں اسے حج کے مواقف (میدان عرفات) میں لوگوں کے سامنے پڑھوں۔

پس ہم مکہ مکرمہ میں آئے جب ترویہ سے پہلا دن (سات ذوالحجہ کا دن) ہوا تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر لوگوں کو خطبہ دیا اور اس میں ان کو مناسک حج بتائے جب وہ فارغ ہوئے تو حضرت علی المرتضیٰ

1

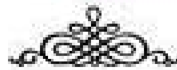
رضی اللہ تعالیٰ عنہ کھڑے ہوگئے اور لوگوں کو مکمل سورۃ برأت پڑھ کر سنائی پھر ہم ان کے ساتھ نکلے یہاں تک کہ جب نو ذوالحجہ کا دن آیا تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر لوگوں کو خطبہ دیا جس میں ان کو مناسک حج کی تعلیم دی۔ جب آپ فارغ ہوئے تو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر مکمل سورۃ برأت لوگوں کو سنائی پھر قربانی کا دن (دس ذوالحجہ کا دن) ہوا تو ہم واپس آئے، جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ واپس ہونے لگے تو آپ نے لوگوں کو خطبہ دیا جس میں ان کو واپسی کا طریقہ، قربانی اور حج کے دیگر احکام سکھائے جب فارغ ہوئے تو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر پوری سورہ برأت پڑھی۔

جب کوچ کا پہلا دن ہوا تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر خطبہ دیا اور ان کو بتایا کہ کیسے واپس ہونا ہے اور جمرات کو کنکریاں کیسے مارنا ہیں۔ نیز آپ نے ان کو دیگر مناسک بھی سکھائے، جب فارغ ہوئے تو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر پوری سورۃ برأت پڑھی۔

(سنن نسائی جلد ۲ ص ۳۶، کتاب الحج، دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۵ ص ۲۹۷)

سیاق حدیث میں اس اعتبار سے غرابت (حدیث کا مشہور حدیث کے خلاف ہونا) ہے کہ جعرانہ والے عمرہ کے سال (۸ھ) امیر حج حضرت عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ (۹ھ) میں امیر حج تھے۔ (اس حدیث کے ان الفاظ سے کہ حضور علیہ السلام جعرانہ سے واپس تشریف لائے تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو حج کا امیر مقرر فرمایا، معلوم ہوتا ہے کہ جعرانہ والے سال آپ کو امیر مقرر کیا حالانکہ اس سال حضرت عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ کو مقرر کیا تھا۔ -- ۱۲ ہزاروی۔)

اس واقعہ سے استدلال کیا گیا کہ حج کی فرضیت، حجۃ الوداع سے پہلے ہوئی ہے اور اس سلسلے میں بہت سی مشہور احادیث ہیں۔ ایک جماعت اس طرف گئی ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے حج کی وجہ سے ان سے فرض حج ساقط نہیں ہوا بلکہ یہ فرض حج سے پہلے نفلی حج تھا لیکن اس قول کی کمزوری پوشیدہ نہیں ہے۔[1]



[1] امام زرقانی فرماتے ہیں یہ قول اس لئے ضعیف ہے کہ اسکے خلاف متعدد احادیث دلالت کرتی ہیں۔ (زرقانی جلد ۳ ص ۹۳)

حج صدیق اکبر اور حجۃ الوداع کا درمیانی عرصہ

منافقین کے سردار کی ہلاکت

اسی سال عبداللہ بن ابی بن سلول (منافق) مرا، اس کا بیٹا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ آپ اپنی قمیص مبارک عطا فرمائیں تاکہ وہ اس میں اپنے باپ کو کفن پہنائے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قمیص عطا فرمادی، پھر اس نے عرض کیا کہ آپ اس کی نماز جنازہ پڑھائیں۔ آپ اس کی نماز جنازہ پڑھانے کھڑے ہوئے تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کھڑے ہوگئے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا کپڑا پکڑ کر عرض کیا یارسول اللہ! آپ اس کی نماز جنازہ پڑھاتے ہیں، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس کی نماز پڑھانے سے منع فرمایا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے مجھے اختیار دیا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْلَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ۔ (التوبہ: ۸۰)

آپ ان (منافقین) کے لئے بخشش مانگیں یا نہ مانگیں (آپ کو اختیار ہے) اگر آپ ان کے لئے ستر بار بھی بخشش مانگیں گے تو اللہ تعالیٰ ان کو ہرگز نہیں بخشے گا۔

اور میں ستر بار سے بھی زیادہ مغفرت مانگوں گا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا وہ منافق تھا۔

پس رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی نماز جنازہ پڑھائی تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

(صحیح بخاری جلد ۲ ص ۶۷۳، کتاب التفسیر، صحیح مسلم جلد ۲ ص ۳۶۸، دلائل النبوہ للبیہقی جلد ۵ ص ۲۸۸)

وَلَا تُصَلِّ عَلٰۤى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ ؕ اِنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَمَاتُوْا وَهُمْ فٰسِقُوْنَ۔ (التوبہ: ۸۴)

اور آپ ان میں سے کسی کی نماز جنازہ نہ پڑھیں جو مر جائے کبھی بھی اور نہ اس کی قبر پر کھڑے ہوں بے شک انہوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کا انکار کیا اور حالت فسق (کفر کی حالت) میں مر گئے۔[1]

---

[1] یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کریمانہ اور حکمت خداوندی کا تقاضا تھا کہ آپ نے اس کی نماز جنازہ پڑھائی اس واقعہ کو دیکھ کر بے شمار لوگوں نے اسلام قبول کیا اور ابھی آپ کو منافقوں کی نماز جنازہ پڑھانے سے منع نہیں کیا گیا تھا۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ازواج مطہرات سے ایلاء

اسی سال نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج مطہرات سے ایک ماہ کے لئے ایلاء فرمایا[1] اور آپ کا ایک پہلو چھل گیا۔[2] آپ ایک بالا خانے میں تشریف فرما ہو گئے اور آپ نے اسے کھجور کی شاخوں سے سایہ دار بنایا۔[3]

صحابہ کرام رضی اللہ عنہ آپ کی عیادت کے لئے حاضر ہوئے اور آپ نے ان کو بیٹھ کر نماز پڑھائی، جبکہ وہ کھڑے تھے۔ سلام پھیرنے کے بعد فرمایا امام اس لئے بنایا جاتا ہے کہ اس کی اقتدا کی جائے پس جب وہ کھڑا ہو کر نماز پڑھائے تو تم بھی کھڑے ہو کر نماز پڑھو اور جب وہ بیٹھ کر نماز پڑھائے تو تم بھی بیٹھ کر پڑھو اور جب تک وہ رکوع نہ کرے تم نہ کرو اور جب تک وہ سجدہ سے سر نہ اٹھائے تم بھی نہ اٹھاؤ۔[4]

حضرت ابو موسیٰ اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہما کو یمن کی طرف بھیجنا

پھر حجۃ الوداع سے پہلے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو موسیٰ اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہما کو یمن کے دو الگ الگ صوبوں کی طرف بھیجا۔ یمن میں دو صوبے ہیں اور فرمایا:

یسرا ولا تعسرا وبشرا ولا تنفرا۔ آسانی اختیار کرنا تنگی میں نہ ڈالنا اور خوشخبری دینا متنفر نہ کرنا۔

(صحیح بخاری جلد ۲ ص ۶۲۲، کتاب المغازی)

اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آپ اہل کتاب کے پاس جا رہے ہیں جب ان کے پاس جاؤ تو ان کو اس بات کی شہادت کی دعوت دو کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ پس اگر وہ تمہاری بات مان لیں تو ان کو بتاؤ کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر دن رات میں پانچ نمازیں فرض کی ہیں۔

---

[1] ایلاء کا معنی قسم کھانا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مہینے تک ازواج مطہرات کے پاس نہ جانے کی قسم کھائی تھی۔

[2] حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم گھوڑے سے گر گئے تھے، جس سے آپ کی پنڈلی یا کاندھا چھل گیا۔ (زرقانی جلد ۳ ص ۹۷)

[3] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ میں ایک بالا خانہ بنایا گیا اس دوران آپ مسجد میں نماز پڑھانے تشریف نہیں لے گئے وہیں موجود حضرات کو نماز پڑھاتے۔ لیکن یہ بات منقول نہیں کہ اپنی جگہ کسی کو مقرر فرمایا ہو اسی لیے قاضی عیاض رحمہ اللہ نے فرمایا ظاہر یہ ہے کہ جو لوگ وہاں حجرہ میں تھے، وہ بھی اور مسجد والے بھی آپ کی اقتداء میں نماز پڑھتے تھے اور ممکن ہے کسی کو مقرر کیا ہو۔ اگرچہ منقول ہیں۔ تفصیل زرقانی جلد ۳ ص ۹۸،۹۷ پر دیکھیں۔ ۱۲ ہزاروی۔

[4] مطلب یہ ہے کہ جب امام تشہد کے لئے بیٹھے تو تم بھی بیٹھو یہ مطلب نہیں کہ مکمل نماز بیٹھ کر پڑھو... ۱۲ ہزاروی۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم انتیس راتوں کے بعد (بالا خانے) سے اترے۔ صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم آپ نے ایک مہینے کے لئے قسم کھائی تھی آپ نے فرمایا مہینہ انتیس دن کا (بھی) ہوتا ہے۔

پس اگر وہ آپ کی اطاعت کریں تو ان کو خبر دو کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر زکوٰۃ فرض کی ہے، جو ان کے مالدار لوگوں سے لے کر ان کے فقراء کو دی جائے گی۔ اگر اس سلسلے میں وہ تمہاری بات مان لیں تو ان کے اچھے مالوں سے بچو اور مظلوم کی بد دعا سے ڈرو کیونکہ اس کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان کوئی حجاب (آڑ) نہیں ہے۔

(صحیح بخاری جلد ۲ ص ۶۲۳، کتاب المغازی)

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن کی بالائی جانب بھیجا گیا، جو عدن کی طرف ہے اور اس کا صدر مقام جند ہے اور وہاں حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے منسوب مسجد مشہور ہے اور حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کو یمن کے نشیبی علاقہ کی طرف بھیجا گیا۔

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو نجران کی طرف بھیجا

پھر آپ نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو حجۃ الوداع سے پہلے ربیع الاول ۱۰ھ میں نجران میں بنو عبدالمدان کی طرف بھیجا تو انہوں نے اسلام قبول کرلیا۔

الاکلیل میں ہے کہ ربیع الآخر میں بھیجا تھا۔ ایک قول کے مطابق جمادی الاولیٰ میں بھیجا۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو یمن کی طرف بھیجنا

پھر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو ماہ رمضان المبارک ۱۰ھ میں یمن کی طرف بھیجا اور ان کے لئے جھنڈا مقرر کیا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ سے ان کے سر پر عمامہ شریف باندھا۔ (طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۱۲۹) امام ابو داؤد، امام احمد اور امام ترمذی رحمہم اللہ نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی روایت سے نقل کیا۔ آپ فرماتے ہیں مجھے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن کی طرف بھیجا تو میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ مجھے ایسی قوم کی طرف بھیج رہے ہیں، جو عمر میں مجھ سے بڑے ہیں اور میں نوجوان ہوں، فیصلے کرنے کا تجربہ نہیں رکھتا۔ فرماتے ہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے سینے پر ہاتھ رکھ کر فرمایا:

اللھم ثبت لسانہ واھد قلبہ — اے اللہ! ان کی زبان کو ثابت رکھ اور ان کے دل کو ہدایت دے۔

اور فرمایا اے علی! (رضی اللہ عنہ) جب تمہارے سامنے دو باہم جھگڑنے والے آئیں تو جب تک دوسرے کی (یعنی مدعیٰ علیہ کی) بات نہ سن لو فیصلہ نہ کرنا۔

(مسند امام احمد جلد اول ص ۱۱۱، سنن ابن ماجہ ص ۱۶۷، جامع ترمذی جلد اول ص ۱۵۹، المستدرک للحاکم جلد ۳ ص ۱۳۵)

چنانچہ آپ تین سو افراد کو لے کر روانہ ہوئے اور اپنے ساتھیوں کو پھیلا دیا تو وہ مال غنیمت، عورتیں، بچے، اونٹ اور بکریاں وغیرہ لے کر آئے پھر ان کی ایک جماعت کو اسلام کی دعوت دی تو انہوں نے انکار کردیا اور تیر اندازی کی۔ اس کے بعد حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھیوں کے ہمراہ ان پر حملہ کر کے ان میں سے

بیس آدمیوں کو قتل کر دیا۔ چنانچہ وہ بکھر گئے اور بھاگ گئے۔ آپ ان کی تلاش میں نہ گئے۔ پھر ان کو اسلام کی دعوت دی تو انہوں نے جلدی کی اور آپ کی دعوت کو قبول کیا اور ان کے کچھ سرداروں نے اسلام کے لئے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی۔[1]

اس کے بعد حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ واپس تشریف لائے، اور مکہ مکرمہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے جا ملے۔ آپ ۱۰ھ میں وہاں حج کے لئے تشریف لائے تھے۔ (طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۱۶۹)

حجۃ الوداع

پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع والا حج کیا اور اس کو حجۃ الاسلام بھی کہتے ہیں اور حجۃ البلاغ بھی۔ (السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد ۲ ص ۳۵۲)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس کو حجۃ الوداع کہنا ناپسند کرتے تھے۔[2] (صحیح بخاری جلد ۲ ص ۶۳۱ کتاب المغازی)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ میں تشریف فرما رہے آپ نے ہر سال قربانی بھی کی اور جہاد بھی۔ جب ۱۰ھ کا ذی قعدہ ہوا تو حج کے لئے جانے کا ارادہ فرمایا۔ (طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۱۷۲) (تو اس کے لئے تیاری فرمائی اور صحابہ کرام کو بھی تیاری کا حکم دیا) ابن سعد نے کہا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان نبوت فرمایا تو اس کے بعد وفات تک صرف یہی حج کیا۔ (طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۱۷۲)

صحیح بخاری میں حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انیس غزوات میں شرکت کی اور ہجرت کے بعد صرف ایک حج کیا یعنی حجۃ الوداع اور اس کے بعد کوئی حج نہیں فرمایا۔
(صحیح بخاری جلد ۲ ص ۶۳۲، کتاب المغازی)

راوی کہتے ہیں ابن اسحاق نے کہا آپ نے مکہ مکرمہ سے دوسرا حج کیا اور کہا گیا کہ آپ نے اعلان نبوت کے بعد دو حج کئے اور اس سے پہلے کے بارے میں اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ (السیرۃ النبویہ (عیون الاثر) جلد ۲ ص ۳۰۲)

تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ سے ہفتہ کے دن روانہ ہوئے اس وقت ذی قعدہ کی پانچ راتیں باقی تھیں۔ (طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۱۷۳) ابن حزم نے قطعی طور پر بیان کیا کہ آپ جمعرات کے دن روانہ ہوئے اور یہ بات محل نظر ہے کیونکہ ذوالحجہ کی پہلی تاریخ کو جمعرات کا دن تھا، یہ قطعی بات ہے کیونکہ تواتر کے ساتھ ثابت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وقوف عرفات جمعۃ المبارک کے دن ہوا۔ پس مہینے کے آغاز کے لئے جمعرات

[1] ان سرداروں نے کہا کہ ہم اپنی قوم کے ان لوگوں کے ذمہ دار ہیں جو ہمارے پیچھے ہیں اور یہ ہمارے صدقات ہیں۔ پس آپ ان میں سے اللہ تعالیٰ کا حق وصول کریں۔ (زرقانی ۳ ص ۱۰۳)

[2] چونکہ اس میں حضور علیہ السلام کے وصال کی طرف اشارہ ہے اس لئے وہ پسند نہیں فرماتے تھے۔ دیگر صحابہ کرام حجۃ الوداع ہی کہتے تھے۔ (زرقانی جلد ۳ ص ۱۰۵)

کا دن متعین ہوا۔ لہٰذا یہ بات صحیح نہیں کہ آپ جمعرات کے دن تشریف لے گئے بلکہ ظاہر روایت کے مطابق یہ جمعہ کا دن تھا۔ لیکن صحیحین میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے فرماتے ہیں ہم نے مدینہ طیبہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ ظہر کی چار رکعات ادا کیں اور ذوالحلیفہ میں عصر کی دو رکعتیں پڑھیں۔ (صحیح بخاری جلد اول ص ۲۰۹، صحیح مسلم جلد اول ص ۲۴۲) یہ اس بات پر دلالت ہے کہ آپ جمعہ کے دن تشریف نہیں لے گئے۔

جن لوگوں نے کہا کہ ذی قعدہ کی پانچ راتیں باقی تھیں ان کے قول کو اس بات پر محمول کیا جائے گا کہ اگر مہینہ تیس دن کا ہوگا اور یہ اتفاق ہو گیا کہ مہینہ انتیس دن کا آگیا، پس چار راتیں گزرنے کے بعد ذوالحجہ کا آغاز جمعرات کو ہوا، پانچ راتیں گزرنے کے بعد نہیں، روایات اس بات پر متفق ہیں۔

حافظ عماد الدین ابن کثیر رحمہ اللہ نے روایات کو اسی طرح جمع کیا ہے اور اس جمع کو حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے قول سے تائید حاصل ہوتی ہے۔

وہ فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب تشریف لے گئے تو ذی قعدہ کی پانچ یا چار راتیں باقی تھیں۔

واقدی نے تصریح کی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہفتہ کے دن روانہ ہوئے، جب کہ ذی قعدہ کی پانچ راتیں باقی تھیں۔ (کتاب المغازی للواقدی جلد ۳ ص ۱۰۸۹) اور مدینہ طیبہ سے آپ ظہر اور عصر کے درمیان روانہ ہوئے اور مکہ مکرمہ میں آپ چار ذوالحجہ کی صبح داخل ہوئے اور یہ اتوار کا دن تھا اور یہ روایت اس بات کی تائید کرتی ہے کہ آپ مدینہ طیبہ سے ہفتہ کے دن نکلے پس راستے میں آپ آٹھ راتیں ٹھہرے اور یہ درمیانی قسم کی مسافت ہے۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۵ ص ۱۱۱)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ نوے ہزار صحابہ کرام تھے یہ بھی کہا گیا ہے کہ ایک لاکھ چودہ ہزار تھے، نیز اس سے زیادہ کا قول بھی کیا گیا ہے، جس طرح امام بیہقی رحمہ اللہ نے نقل کیا۔ حجۃ الوداع اور اس سے متعلق مباحث عبادت کے مقصد میں بیان ہوں گے۔ (انشاء اللہ تعالیٰ)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری لشکر

پھر حضرت اسامہ بن زید بن حارثہ رضی اللہ عنہما کا سریہ ہے جو اہل اُبنیٰ کی طرف مقام شراۃ میں بھیجا گیا اور یہ بلقاء کے نواح میں ہے۔ یہ سریہ سوموار کے دن جب کہ صفر کی چار راتیں باقی تھیں، روانہ ہوا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو سرایا بھیجے ان میں سے یہ آخری سریہ ہے جس کو آپ نے تیار کیا اور حضرت ابو بکر صدیق نے یہ پہلا سریہ رومیوں کے مقابلے میں اس جگہ بھیجا جہاں حضرت اسامہ کے والد حضرت زید رضی اللہ عنہ شہید کیے گئے تھے۔

جب بدھ کا دن ہوا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم علیل ہوئے آپ کو بخار آیا اور درد سر شروع ہوا۔ جمعرات کی صبح آپ نے اپنے ہاتھ سے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کے لئے جھنڈا تیار کیا وہ اپنا جھنڈا لے کر یوں نکلے کہ وہ بند تھا، انہوں نے یہ جھنڈا حضرت بریدہ اسلمی رضی اللہ عنہ کو دیا اور مقام جرف میں لشکر جمع کیا۔ مہاجرین وانصار

کے تمام معززین اس لشکر میں نکلے اور ان میں حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما بھی تھے۔

ایک قوم نے آپس میں گفتگو کی اور کہنے لگے کہ اس لڑکے کو مہاجرین پر امیر بنایا جارہا ہے۔[1]

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے۔ آپ نے سرانور پر پٹی باندھ رکھی تھی اور آپ کے اوپر ایک چادر تھی، آپ منبر پر تشریف فرما ہوئے اور اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کے بعد فرمایا:

امابعد! لوگو! اسامہ (رضی اللہ عنہ) کو امیر بنانے کے سلسلے میں تم میں سے بعض نے جو باتیں کی ہیں وہ مجھ تک پہنچی ہیں۔ اگر تم نے اسامہ کو امیر بنانے کے سلسلے میں میرے فیصلے پر طعن کیا تو اس سے پہلے ان کے باپ (حضرت) زید (رضی اللہ عنہ) کو امیر بنانے کے بارے میں میرے فیصلے پر بھی تم نے طعن کیا تھا۔ اللہ کی قسم! وہ قیادت کے لائق تھے اور ان کے بعد یہ (حضرت اسامہ) بھی اس امارت کے لائق ہیں اور بے شک یہ مجھے سب لوگوں سے زیادہ محبوب ہیں۔ ان کی خیر خواہی اختیار کرو کیونکہ وہ تمہارے بہترین لوگوں میں سے ہیں۔

اس کے بعد آپ منبر سے اترے اور خانہ اقدس میں تشریف لے گئے۔ یہ ہفتہ کے دن کا واقعہ ہے جبکہ ربیع الاول شریف ۱۱ھ کی دس راتیں گزر چکی تھیں۔

وہ مسلمان جو حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ جارہے تھے وہ حاضر ہو کر آپ سے رخصت ہوتے اور لشکر میں شمولیت کے لئے مقام جرف کی طرف جاتے۔

جب اتوار کا دن ہوا تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تکلیف سخت ہوگئی۔ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے اپنے لشکر سے آکر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ بے ہوش تھے۔ اسی دن گھر والوں نے آپ کے دہن مبارک میں دوائی ڈالی تھی۔ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے جھک کر آپ کو بوسہ دیا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم گفتگو نہیں فرماتے تھے آپ اپنے ہاتھ آسمان کی طرف بلند کرتے اور پھر ان کو حضرت اسامہ پر رکھ دیتے۔ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں سمجھ گیا کہ آپ میرے لئے دعا فرمارہے ہیں۔ اس کے بعد حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ لشکر گاہ کی طرف لوٹ گئے۔

اس کے بعد جب سوموار کا دن ہوا تو صبح کے وقت آپ کو افاقہ ہوا اور حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ آپ سے رخصت ہو کر لشکر کی طرف نکلے۔

حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام کو چلنے کے لئے فرمایا اور خود سوار ہونے کا ارادہ کر رہے تھے کہ ان کی ماں، ام ایمن کا قاصد پہنچا اور اس نے کہا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو رہا ہے۔ چنانچہ حضرت اسامہ، حضرت عمر فاروق اور حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ حاضر خدمت ہوئے۔ اس وقت جب سورج ڈھل گیا۔ آپ کا وصال ہوگیا جبکہ ربیع الاول شریف کی بارہ راتیں گزر چکی تھیں۔ (یعنی بارہ ربیع الاول کا دن تھا۔)

(طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۱۹۱)

---

[1] ابن اسحاق نے حضرت عروہ اور دوسرے حضرات رضی اللہ عنہم سے مرسلاً روایت کیا کہ ایک نوجوان کو بڑے بڑے مہاجرین و انصار پر امیر بنادیا گیا ہے اور یہ بات عیاش بن ابی ربیعہ مخزومی وغیرہ نے کہی تھی۔ (زرقانی جلد ۳ ص ۱۰۸)

امام سہیلی اور ان کی اتباع کرنے والوں نے اس پر یوں اعتراض کیا کہ یہ بات متفق علیہ ہے کہ ذوالحجہ کا آغاز جمعرات کے دن ہوا پس اگر تینوں مہینوں (ذوالحجہ، محرم اور صفر) کو کامل تصور کیا جائے۔ (یعنی تیس تیس دن کے ہوں) یا کم ہوں یا بعض کم اور بعض زیادہ تو یہ بات صحیح قرار نہیں پاتی۔ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں یہ بات اس شخص کے لئے ظاہر ہے جو غور و فکر کرتا ہے۔[1]

علامہ بارزی نے اور پھر ابن کثیر نے یوں جواب دیا کہ اگر تینوں مہینے کامل شمار کئے جائیں تو اس احتمال کی بنا پر یوں کہا جائے گا کہ ذوالحجہ کا چاند دیکھنے میں اہل مکہ اور اہل مدینہ کے درمیان اختلاف ہو۔ اہل مکہ نے جمعرات کی رات کو چاند دیکھا اور اہل مدینہ نے جمعہ کی رات کو، تو اہل مکہ کی رویت سے وقفہ حاصل ہوا پھر مدینہ طیبہ کی طرف لوٹے تو اہل مدینہ کی رویت سے تاریخ لکھی پس ذوالحجہ کا آغاز جمعہ سے اور اختتام ہفتہ کے دن ہوا۔ محرم کا آغاز اتوار سے اور اختتام سوموار کے دن ہوا۔ صفر کا آغاز منگل کو اور اختتام بدھ کو ہوا۔ پس ربیع الاول شریف کا آغاز جمعرات کو ہوا تو بارہ ربیع الاول سوموار کا دن ہوا۔ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ جواب بعید ہے کیونکہ اس طرح چار مہینوں کا تسلسل کے ساتھ کامل ہونا لازم آتا ہے۔ (ذی قعدہ، ذوالحجہ، محرم، اور صفر کا تیس تیس دن کا ہونا) اور سلیمان تیمی جو قابل اعتماد لوگوں میں سے ایک ہیں۔ انہوں نے قطعی سور پر کہا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی علالت کا آغاز صفر کی بائیس تاریخ ہفتہ کے دن ہوا اور آپ کا وصال سوموار کے دن ہوا جب ربیع الاول شریف کی دو راتیں گزر چکی تھیں۔ اس بنیاد پر صفر انتیس دن کا ہوگا اور صفر کا آغاز ہفتہ کے دن سے ہونا اسی صورت میں ممکن ہوگا۔ جب ذوالحجہ اور محرم دونوں ناقص (یعنی انتیس انتیس دن کے) ہوں۔ پس اس سے تین مہینوں کا مسلسل ناقص ہونا لازم آئے گا۔

ابن حجر فرماتے ہیں اس سلسلے میں ابو مخنف کا قول معتمد علیہ ہے کہ ربیع الاول شریف کی دو تاریخ کو آپ کا وصال ہوا اور دوسرے لوگوں کی غلطی کا سبب یہ ہے کہ انہوں نے "ثانی شہر ربیع الاول" (دو ربیع الاول) کو "ثانی عشر" (بارہ) کہہ دیا اور یہ وہم اسی طرح منتقل ہوتا رہا اور کسی نے غور نہ کیا۔

پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بارے میں اس بات پر اتفاق ہے کہ سوموار کو ہوا بلکہ قریب ہے کہ اس پر اجماع ہو لیکن حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث میں گیارہ رمضان کا ذکر ہے۔ اسے امام بزار نے ذکر کیا لیکن قابل اعتماد بات وہی ہے جو پہلے گزر چکی ہے واللہ اعلم! (فتح الباری جلد ۸ ص ۹۸) (یعنی آپ کا وصال ربیع الاول شریف میں ہوا)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال مبارک سے متعلق حدیث آخری مقصد (آخری بیان) میں آئے گی۔

جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا تو مسلمانوں کا لشکر جو مقام جرف میں تھا وہ سب مسلمان مدینہ طیبہ آگئے۔ حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ اس جھنڈے کے ساتھ جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت

[1] رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت و وصال کی تاریخوں میں اختلاف ہے تاہم امت مسلمہ میں بارہ ربیع الاول ہی معروف ہے۔ ...۱۲ ہزاروی۔)

اسامہ رضی اللہ عنہ کے لئے مقرر کیا تھا داخل ہوئے حتیٰ کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازے پر پہنچ کر اسے دروازے کے پاس گاڑ دیا۔

جب حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کی گئی تو انہوں نے حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ یہ جھنڈا حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کے گھر کی طرف لے جائیں تاکہ وہ روانہ ہوں، چنانچہ وہ لشکر کی پہلے والی جگہ پر تشریف لے گئے۔

حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ ربیع الآخر ۱۱ھ کی ابتدائی تاریخوں میں اہل اُبنی کی طرف روانہ ہوئے اور ان پر حملہ کیا پس جو سامنے آیا اسے قتل کیا اور جو قابو آیا اسے قیدی بنایا اور ان کے گھروں اور درختوں کو جلا دیا۔ اس حملہ میں آپ کے والد (حضرت زید) کا قاتل بھی مارا گیا۔

پھر مدینہ طیبہ کی طرف واپس ہوئے اور مسلمانوں میں سے کوئی بھی شہید نہیں ہوا۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ مہاجرین اور اہل مدینہ کے ہمراہ خوشی خوشی ان سے ملنے باہر نکلے۔ واللہ اعلم! (کتاب المغازی للواقدی جلد ۳ ص ۱۱۲۲، السیرۃ النبویہ عیون الاثر جلد ۲ ص ۲ (۱)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام [illegible] رایا اور ہمیں ساٹھ کے قریب ہیں اور غزوات تائیس کے قریب ہیں۔

الحمد للہ! آج ۳ شوال المکرم ۱۴۲۰ھ، مطابق ۱۱ جنوری ۲۰۰۰ء بروز منگل شام چار بج کر چوالیس منٹ پر المواھب اللدنیہ جلد اول کا ترجمہ مکمل ہوا۔ اللہ تعالیٰ اس ترجمہ کو شرف قبولیت عطا فرما کر امت مسلمہ کے لئے نافع اور راقم مترجم کے لئے نجات کا ذریعہ بنائے۔ (آمین ثم آمین) بجاہ نبیہ الکریم علیہ التحیۃ والتسلیم۔

محمد صدیق ہزاروی جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور

مشمولات مقصد ثانی

پہلی فصل

آپ ﷺ کے اسماء شریفہ
جو آپ کی صفات کمالیہ مبارکہ پر دلالت کرتے ہیں

اسم کی تعریف

اسماء، اسم کی جمع ہے اور یہ (اسم) ایک ایسا کلمہ ہے جسے اہل عرب نے مسمّٰی (کسی ذات یا چیز) کے مقابلے میں وضع کیا ہے کہ جب وہ اسم بولا جاتا ہے تو اس سے وہ مسمّٰی سمجھا جاتا ہے۔ پس اس بنیاد پر چار چیزوں کا خیال رکھنا ضروری ہے۔

(۱) اسم (۲) مسمّٰی (زبر کے ساتھ) (۳) مسمی (زیر کے ساتھ) اور (۴) تسمیہ۔

اسم: وہ لفظ ہے جو کسی ذات کے لیے اس طرح وضع کیا گیا کہ وہ اس کی پہچان کراتا ہے یا اسے اس کے غیر سے خاص (ممتاز) کر دیتا ہے۔ جیسے لفظ "زید"۔

مسمّٰی: وہ ذات ہے کہ اسم کے ذریعے اس کو ممتاز کرنا مقصود ہوتا ہے۔ جیسے زید کی شخصیت۔

مسمی: وہ شخص یا ذات جو اس لفظ کو وضع کرنے والا ہے۔ (یعنی نام رکھنے والا)

تسمیہ: اور تسمیہ کا مطلب اس لفظ کو اس ذات کے ساتھ خاص کر دینا ہے۔

اور وضع کا معنی یہ ہے کہ کسی لفظ کو کسی معنی (ذات) کے ساتھ اس طرح خاص کیا جائے کہ جب بھی وہ لفظ بولا جائے یا اس کا احساس ہو تو وہ معنی سمجھ میں آجائے۔

اسم اور مسمّٰی

اس سلسلے میں علماء کرام کے درمیان اختلاف ہے کہ کیا اسم، عین مسمّٰی ہوتا ہے یا اس کا غیر ہوتا ہے؟ یہ ایک طویل بحث ہے جس میں گزشتہ دور میں بھی اور اس دور میں بھی لوگوں نے گفتگو کی ہے۔

ایک جماعت اس بات کی طرف گئی ہے کہ اسم، عین مسمّٰی ہے اور اس پر انہوں نے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد

گرامی سے استدلال کیا ہے:

سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى -(الاعلیٰ: ۱) اپنے بلند و بالا رب کے نام کی تسبیح بیان کریں۔

اور تسبیح صرف ربِ کائنات جل و علا کے لیے ہے۔ پس یہ اس بات پر دلالت ہے کہ اس کا اسم (نام) بھی وہی ہے (اسم اور ذات الگ الگ نہیں ہیں)۔

اس کا جواب یوں دیا گیا کہ سبح کا معنی "اذکر" سمجھا گیا ہے۔ گویا کہا گیا کہ اپنے (اعلیٰ) رب کا نام ذکر کرو جس طرح ارشاد خداوندی ہے:

وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا۔ اور اپنے رب کا نام صبح و شام ذکر کرو۔

(الدھر: ۲۵)

اور بعض اوقات اذکر، سبح کے معنی میں لیا جاتا ہے۔ یعنی پہلی بات کے برعکس بھی مراد ہوتا ہے۔

ارشاد خداوندی ہے:

وَاذْكُرْ رَّبَّكَ -(آل عمران: ۴۱) اور اپنے رب کا ذکر کرو۔ (اس کی تسبیح بیان کرو۔)

اور اہل عرب کی لغت میں اشراب (ایک لفظ کا معنی دوسرے کی جگہ استعمال کرنا) جاری ہے۔ ایک فعل کا معنی دوسرے فعل کے لیے لیتے ہیں۔

اگر اسم کو ہی مسمیٰ قرار دیں تو اس کی مسمیٰ کی طرف اضافت کیسے صحیح ہوگی؟ اور اس طرح ایک چیز کی اپنی ذات کی طرف اضافت لازم آئے گی۔

اس بات کا جواب یوں دیا گیا ہے کہ یہاں اسم، تسمیہ کے معنی میں ہے اور تسمیہ، اسم کا غیر ہوتا ہے۔ کیونکہ اسم کا تلفظ تسمیہ ہے اور اسم وہ چیز ہے جو مسمیٰ کو لازم ہوتی ہے۔ لہٰذا دونوں ایک دوسرے کا غیر ہیں۔

جو لوگ اسم کو عین مسمیٰ قرار دیتے ہیں انہوں نے اس ارشاد خداوندی سے بھی استدلال کیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

بِغُلٰمِ ۨاسْمُهٗ يَحْيٰى -(مریم: ۷) ایک غلام (کی خوشخبری دیتے ہیں) جس کا نام یحییٰ ہوگا۔

پھر فرمایا:

يٰيَحْيٰى خُذِ الْكِتٰبَ بِقُوَّةٍ۔ (مریم: ۱۲) اے یحییٰ (علیہ السلام) کتاب کو مضبوطی سے پکڑیں۔

تو اسم کے ساتھ پکارا گیا۔ پس یہ اس بات پر دلالت ہے کہ یہی (اسم) مسمیٰ ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس کا معنی اس طرح ہوگا ایک غلام جس کا نام یحییٰ ہے۔ اگر اسم، عین مسمیٰ ہوتا تو جو آدمی لفظ "آگ" بولتا ہے اس کی زبان جل جانی چاہیے اور جو شخص لفظ "شہد" بولے اس کو اس کی مٹھاس محسوس ہونی چاہیے (حالانکہ ایسا نہیں ہے)۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے منصوص اسمائے مبارکہ

ناموں کی کثرت مسمّٰی (جس کے نام ہیں) کے شرف پر دلالت کرتی ہے اور ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید اور دیگر آسمانی کتب، نیز انبیاء کرام کی زبانوں (کے واسطے) سے بہت سے نام عطا فرمائے ہیں۔

(اسی طرح آپ کی صفات بھی کثیر ہیں۔ ابن عبدالبر کہتے ہیں کہ آپ کے اسماء اور صفات برابر ہیں)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے زیادہ مشہور نام "محمد" صلی اللہ علیہ وسلم ہے اور یہ نام آپ کے دادا حضرت عبدالمطلب نے رکھا تھا کیونکہ جب ان سے پوچھا گیا کہ آپ نے اپنے بیٹے (پوتے) کا کیا نام رکھا ہے؟ تو انہوں نے فرمایا "محمد" صلی اللہ علیہ وسلم۔ پوچھا گیا آپ نے یہ نام کیسے رکھا جبکہ یہ نام آپ کے آباء واجداد اور قوم میں سے کسی کا نہیں ہے؟

حضرت عبدالمطلب نے جواب دیا تحقیق مجھے امید ہے کہ زمین پر بسنے والے تمام لوگ اس بچے کی تعریف کریں گے اور یہ ایک خواب کی بنیاد پر فرمایا جو عبدالمطلب نے دیکھا تھا۔ جس طرح علی القیروانی نے اپنی کتاب "البستان" میں یہ روایت نقل کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ حضرت عبدالمطلب نے خواب میں دیکھا کہ چاندی کی ایک زنجیر آپ کی پیٹھ سے نکلی ہے۔ اس کا ایک کنارہ آسمان کی طرف ہے اور دوسرا کنارہ زمین کی طرف ہے۔ ایک کنارہ مشرق کی طرف اور دوسرا مغرب کی جانب ہے، پھر وہ لوٹ کر ایک درخت کی شکل اختیار کر لیتی ہے، جس کے ہر پتے پر نور ہے اور مشرق و مغرب والے اس سے چمٹے ہوئے ہیں۔

حضرت عبدالمطلب نے یہ خواب بیان کیا تو ان کو اس کی تعبیر یوں بتائی گئی کہ آپ کی پشت سے ایک بچہ (آپ کا پوتا) پیدا ہوگا، جس کی پیروی تمام مشرق و مغرب والے کریں گے۔ نیز آسمان و زمین والے ان کی تعریف کریں گے، اسی لیے انہوں نے آپ کا نام محمد صلی اللہ علیہ وسلم رکھا۔

اس کے ساتھ ساتھ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا نے بھی بیان فرمایا کہ ان سے کہا گیا آپ کے بطن مبارک میں اس امت کا سردار ہے۔ جب ان کی ولادت ہو تو ان کا نام محمد صلی اللہ علیہ وسلم رکھنا۔ (السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد اول ص ۱۰۵)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے جب نبی اکرم صلیٰ اللہ علیہ وسلم کی ولادت ہوئی تو حضرت عبدالمطلب نے آپ کی طرف سے عقیقہ کیا اور آپ کا نام محمد صلی اللہ علیہ وسلم رکھا۔ آپ سے پوچھا گیا اے ابوالحارث آپ نے اس بچے کا نام محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) رکھا اور اپنے آباء واجداد کے نام پر نام نہیں رکھا اس کی کیا وجہ ہے؟

انہوں نے جواب دیا میں نے ارادہ کیا کہ اللہ تعالیٰ آسمان میں اس کی تعریف کرے اور زمین میں لوگ اس بچے کی تعریف کریں۔

حضرت محمد بن جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

نے ارشاد فرمایا:

ان لی اسماء انا محمد وانا احمد وانا الماحی الذی یمحوالله بی الکفر وانا الحاشر الذی یحشر الناس علی قدمی وانا العاقب۔ (صحیح بخاری جلد اول ص ۱۰۵)

بے شک میرے کئی نام ہیں میں محمد ہوں، میں احمد ہوں، میں مٹانے والا ہوں کہ اللہ تعالیٰ میرے ذریعے کفر کو مٹائے گا اور میں جمع کرنے والا ہوں کہ میرے قدموں پر لوگوں کو جمع کیا جائے گا اور میں (سب نبیوں کے) بعد میں آنے والا ہوں۔

"علی قدمی" ایک روایت میں یاء کی تخفیف کے ساتھ قدمی ہے (یعنی میرا قدم) اور تشدید کے ساتھ تثنیہ کے طور پر بھی ہے یعنی قَدَمَیَّ (میرے دونوں قدم) امام نووی رحمہ اللہ شرح مسلم میں فرماتے ہیں:

دونوں روایتوں کا مفہوم یہ ہے کہ میرے نشان، زمانے اور رسالت پر تمام لوگ جمع ہوں گے۔

(صحیح مسلم جلد ۲ ص ۲۶۱ (حاشیہ)

حضرت نافع بن جبیر رحمہ اللہ کی روایت جسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی تاریخ صغیر اور تاریخ اوسط میں اور امام حاکم نے مستدرک میں روایت کرتے ہوئے اسے صحیح قرار دیا۔ ابو نعیم نے الدلائل میں نیز ابن سعد نے بھی (طبقات ابن سعد میں) ذکر کیا کہ وہ عبد الملک بن مروان کے پاس گئے تو عبد الملک نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسماء گرامی جن کو حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ شمار کیا کرتے تھے، آپ بیان کر سکتے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا ہاں یہ چھ نام ہیں۔ پس انہوں نے وہ پانچ نام بھی ذکر کیے جو حضرت محمد بن جبیر رضی اللہ عنہ نے بیان کیے اور "الخاتم" کا اضافہ بھی کیا۔ (فتح الباری شرح بخاری جلد ۶ ص ۴۰۴)

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں احمد، محمد، حاشر، مقفی اور نبی الرحمۃ کا ذکر ہے۔ (شمائل ترمذی ص ۲۶) (مقفی کا معنی تمام رسولوں کے بعد آنے والے)۔

ابو نعیم کی روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ یہ چھ نام ہیں۔ "محمد، احمد، خاتم، حاشر، عاقب، ماح"۔

حاشر کا معنی یہ ہے کہ آپ قیامت کے ساتھ ساتھ (قریب) مبعوث ہوئے جو تمہیں آنے والے عذاب سے ڈراتے ہیں۔

اور عاقب جو تمام انبیاء کرام کے بعد تشریف لائے (آپ کے بعد کوئی نبی نہیں) اور ماح (ماحی) کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ذریعے آپ کی اتباع کرنے والوں کے گناہ مٹا دیئے۔

(دلائل النبوۃ لابی نعیم جلد اول ص ۱۷)

بعض حضرات نے ذکر فرمایا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول میں عدد نہیں ہے، بلکہ یہ راوی کی روایت بالمعنی ہے۔

لیکن یہ بات محل نظر ہے کیونکہ حدیث شریف میں واضح طور پر مذکور ہے کہ:

ان لی خمسة اسماء۔ بے شک میرے پانچ اسماء ہیں۔

میرے خیال میں آپ کی مراد یہ ہے کہ یہ پانچ نام میرے ساتھ خاص ہیں۔ مجھ سے پہلے کوئی بھی ان کے ساتھ موسوم نہیں ہوا یا یہ کہ پہلی امتوں میں میرے یہ پانچ نام مشہور ہیں۔

یہ مطلب نہیں کہ آپ کے صرف یہی پانچ نام ہیں۔ (فتح الباری جلد ۶ ص ۴۰۴) اس سلسلے میں کیے جانے والے اعتراض کا یہی جواب ہے۔

اعتراض یہ ہے کہ علم معانی کا ضابطہ ہے کہ جار مجرور کو مقدم کرنا حصر کا فائدہ دیتا ہے (لہٰذا اسماء گرامی صرف یہی ہیں تو اس کا جواب یہ ہے)، لیکن زیادہ اسماء گرامی سے متعلق روایات اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ یہاں حصر مطلق نہیں ہے، پس اس کا طریقہ یہ ہے کہ اسے حصر مقید پر محمول کیا جائے۔ جیسا کہ ذکر کیا گیا۔ واللہ اعلم

نقاش (حافظ ابوبکر بن محمد بن حسن بغدادی مقری مفسر جلیل القدر مصنف نقاش متوفی ۳۵۱ھ مراد ہیں۔) نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا آپ نے فرمایا قرآن مجید میں میرے سات نام ہیں۔

محمد، احمد، یٰسین، طٰہٰ، المزمل، المدثر اور عبداللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ (کتاب الشفاء للقاضی عیاض جلد اول ص ۱۹۲)

اسمائے مبارکہ کی تعداد

قرآن مجید میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعدد القاب اور اسمائے مبارکہ آئے ہیں۔ (کتاب الشفاء للقاضی عیاض جلد اول ص ۱۹۳) ایک جماعت نے ان اسمائے مبارکہ کی تعداد بیان کی اور مخصوص تعداد تک پہنچے ہیں۔ ان میں سے بعض ننانوے اسمائے گرامی تک پہنچے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے (ننانوے) ناموں کے مطابق ہیں جو حدیث شریف میں وارد ہیں۔

قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خصوصیت عطا کی ہے کہ اس نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تقریباً تیس نام اپنے ناموں پر رکھے ہیں۔

(کتاب الشفاء للقاضی عیاض جلد اول ص ۱۹۶)

ابن دحیہ نے اپنی کتاب "المستوفیٰ" میں فرمایا کہ جب گزشتہ کتب اور قرآن و حدیث سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسمائے گرامی کی تحقیق کی جائے تو وہ تین سو تک پہنچتے ہیں۔ (فتح الباری میں فرمایا کہ ان میں سے اکثر حضور علیہ السلام کی صفات ہیں) (فتح الباری شرح بخاری جلد ۶ ص ۴۰۶)

(مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں) میں نے قاضی ابوبکر بن العربی کی کتاب احکام القرآن میں دیکھا کہ بعض صوفیاء کرام نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے ایک ہزار نام ہیں اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بھی ہزار نام ہیں۔

ان ناموں سے آپ کے اوصاف مراد ہیں۔ آپ کے یہ تمام نام بطور تعریف و وصف واقع ہوئے ہیں۔ جب صورت حال یہ ہے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر وصف آپ کا اسم مبارک ہے۔ پھر ان میں سے بعض اسماء آپ کے ساتھ خاص ہیں یا آپ کے لیے ان کا زیادہ استعمال ہے اور بعض اسمائے گرامی میں آپ کا اشتراک ہے یہ سب کچھ مشاہدہ کے ساتھ واضح ہے پوشیدہ نہیں ہے۔

پس جب آپ کے تمام اوصاف میں سے ہر وصف کو ہم نے ایک اسم قرار دیا تو آپ کے اوصاف، مذکورہ تعداد تک پہنچتے ہیں بلکہ اس سے بھی زیادہ ہیں اور جو کچھ میں نے اپنے شیخ (الامام حافظ سخاوی رحمہ اللہ) کے کلام میں دیکھا جو انہوں نے "القول البدیع" میں، قاضی عیاض رحمہ اللہ نے "الشفاء" میں اور ابن العربی نے القبس (القبس علی موطا مالک بن انس) میں ذکر کیا، نیز ان کی "الاحکام" میں اور ابن سید الناس وغیرہ نے ذکر کیا وہ چار سو سے زیادہ ہیں۔ میں نے ان کو حروف تہجی کے طریقے پر مرتب کیا ہے جو اس طرح ہیں:

اسمائے مبارکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

(الف) الابر باللہ، الابطحی، اتقی الناس، الاجود، اجودالناس، الاحد، الاحسن واحسن الناس، احمد، اُحید، (بضم اولہ وکسر المھملة ثم یاء تحتانیة) الاخذ بالحجزات، اُخذ الصدقات، الأخر، الاخشی للہ، اذن خیر، ارجح الناس عقلا، ارحم الناس بالعباد، الازھر: وھو النیر المشرق الوجہ، اشجع الناس، الاصدق فی اللہ، اطیب الناس ریحا، الاعز، الاعلیٰ، الاعلم باللہ، اکثر الناس تبعا، الاکرم، اکرم الناس، اکرم ولد آدم، المص، امام الخیر، امام الرسل، امام المتقین، امام النبیین، الامام، الأمر والناھی، الامن، امنة اصحابہ، الامین، الامی، انعم اللہ، الاول، اول شافع، اول المسلمین، اول المومنین، اول من تنشق عنہ الارض۔

اللہ تعالیٰ کے لیے بہت زیادہ نیکوکار، وادی بطحا والے، سب لوگوں سے زیادہ متقی، سب سے زیادہ سخی، سب لوگوں سے بڑھ کر سخی، یکتا، سب سے زیادہ حسین، تمام لوگوں سے بڑھ کر حسین، سب سے زیادہ تعریف والے، یکتا (اور ھمزہ پر فتح کے ساتھ "احید" لوگوں کو جہنم سے دور کرنے والے) لوگوں کو ان کی کمروں سے پکڑ کر جہنم سے دور کھینچنے والے، صدقات وصول کرنے والے، سب سے آخری نبی، اللہ تعالیٰ سے سب سے زیادہ ڈرنے والے، بھلائی سننے والے کان، لوگوں میں سے سب سے زیادہ ترجیح والی عقل کے مالک، بندگان خدا پر تمام لوگوں سے بڑھ کر رحم کرنے والے، روشن چہرے والے، تمام لوگوں سے بڑھ کر بہادر، اللہ تعالیٰ کے معاملے میں سب سے زیادہ سچے، لوگوں میں سے سب سے زیادہ خوشبو والے، سب سے زیادہ عزت والے سب سے بلند، اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ جاننے والے، سب سے زیادہ متبعین والے، سب سے زیادہ معزز، لوگوں میں سے سب سے بڑھ کر عزت والے، اولاد آدم (علیہ السلام) میں سے سب سے زیادہ معزز، المص (اس کا مطلب اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے) بھلائی کے پیشوا، رسولوں کے امام، متقی لوگوں کے پیشوا، نبیوں کے مقتدا، (نیکی کا) حکم دینے والے (برائی سے) روکنے والے، امن والے، اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے امن کا باعث، امانت دار، کسی سے نہ پڑھے ہوئے، اللہ تعالیٰ کی نعمتیں، سب سے پہلے، سب سے پہلے شفاعت کرنے والے، سب سے پہلے مسلمان، سب سے پہلے مومن، سب سے پہلے جن کی قبر شریف کھلے گی۔

(ب) البر، البارقلیط، الباطن، البرهان، بشر، بشری عیسی، البشیر، البصیر، البلیغ، بالغ البیان، البینه۔
نیکوکار، فار قلیط[1] پوشیدہ، دلیل، انسان، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دی ہوئی خوشخبری، خوشخبری دینے والے، دیکھنے والے، بلاغت والے، فصاحت و بلاغت پر مبنی بیان والے، روشن دلیل۔

(ت) التالی، التذکرہ، التقی، التنزیل، التهامی۔
سب سے پیچھے آنے والے (رسول)، یادگار (خداوندی)، متقی، اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے، وادی تہامہ والے۔

(ث) ثانی اثنین۔
(غار ثور میں) دو میں سے دوسرے۔

(ج) الجبار، الجد، الجواد، جامع۔
طاقت والے، قدر و منزلت والے، سخاوت کرنے والے، جمع کرنے والے (دین پر لوگوں کو اکٹھا کرنے والے)

(ح) حاتم، حزب الله، الحاشر، الحافظ، الحاکم بما اراه الله، الحامد، حامل لواء الحمد، الحائد لامته عن النار، الحبیب، حبیب الرحمن، حبیب الله، الحجازی، الحجة البالغة، حجة الله علی الخلائق، حرز الامیین، الحرمی، الحریص علی الایمان، الحسیب، الحفیظ، الحق، الحکیم، الحلیم، حماد، حمطایا اوقال حمیاطا، حمعسق، حفی، الحمد، الحنیف، الحی۔
سب نبیوں سے حسین (یا قاضی) اللہ تعالیٰ کی جماعت، جمع کرنے والے، حفاظت کرنے والے، اللہ تعالیٰ کی ہدایت (اور ارادے) کے مطابق فیصلہ کرنے والے، (اللہ تعالیٰ کی) تعریف کرنے والے، حمد کا جھنڈا اٹھانے والے، اپنی امت کو جہنم سے دور کرنے والے، محبوب، رحمٰن کے محبوب، اللہ تعالیٰ کے محبوب، حجاز مقدس سے تعلق رکھنے والے، پہنچنے والی دلیل، مخلوق پر اللہ تعالیٰ کی دلیل، ان پڑھ لوگوں کی پناہ گاہ، حرم شریف والے، ایمان کی حرص رکھنے والے، اچھے نسب والے (کریم) حفاظت والے، حق، حکمت والے، بردبار، بہت تعریف کرنے والے، حرم کے حامی (حمطایا ہو یا حمیاطا) حمعسق (یہ اللہ تعالیٰ کے نام سے ہے) لطیف، سراپا تعریف، ہر باطل سے جدا، زندہ۔

(خ) الخبیر، خاتم النبیین، خاتم المرسلین، الخاتم، الخازن لمال الله، الخاشع، الخاضع، الخالص، خطیب الانبیاء، خطیب الامم، خطیب الوافدین علی الله، الخلیل، خلیل الرحمن، خلیل الله، الخلیفة، خیر الانبیاء، خیر البریة، خیر خلق الله، خیر العالمین طرا، خیر الناس، خیر هذه الامة، خیرة الله۔

---

[1] (حضور علیہ السلام کے لیے انجیل یوحنا میں "المنحمنا" کا نام آیا ہے جس کا معنی سریانی زبان میں "محمد" "تعریف کیا گیا" اور رومی زبان میں "برقلیطس" ہے۔ جس کا معنی محمد یا مددگار ہے۔ (ضیاء النبی جلد اول ص ۵۰۳)

خبر رکھنے والے، آخری نبی، سب سے آخری رسول، مہر نبوت، اللہ تعالیٰ کے خزانوں والے، خشوع والے، خضوع والے، خالص، تمام انبیاء کرام کے خطیب، تمام امتوں کے خطیب، اللہ تعالیٰ کے ہاں جانے والوں کے خطیب، دوست، رحمٰن کے دوست، اللہ کے دوست، اللہ کے نائب، انبیاء میں سے بہتر، مخلوق میں سے بہترین، اللہ کی مخلوق میں سے بہتر، تمام عالمین میں سے بہتر، لوگوں میں سے بہتر، اس امت کے بہترین انسان، اللہ تعالیٰ کے منتخب بندے۔

(د) دارالحکمة، الداعی الی الله، دعوة ابراهیم، دعوة النبیین، دلیل الخیرات۔

حکمت کا گھر، اللہ تعالیٰ کی طرف بلانے والے، حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا، نبیوں کی دعا، نیکیوں کی طرف راہنمائی کرنے والے۔

(ذ) الذاکر، الذکر، ذکرالله، ذو الحوض المورود، ذوالخلق العظیم، ذوالصراط المستقیم، ذوالقوة، ذومکانة، ذوعزة، ذوفضل، ذوالمعجزات، ذوالمقام المحمود، ذوالوسیلة۔

(اللہ تعالیٰ کو) یاد کرنے والے، سراپا ذکر، اللہ کی یاد، اس حوض والے جس پر لوگ اتریں گے، بڑے اخلاق والے، صراط مستقیم والے، قوت والے، مرتبہ والے، عزت والے، فضیلت والے، معجزات والے، مقام محمود والے، وسیلہ والے۔

(ر) الراضع، الراضی، الراغب، الرافع، راکب البراق، راکب البعیر، راکب الجمل، راکب الناقة، راکب النجیب، الرحمة، رحمة الامة، رحمة للعالمین، رحمة مهداة، الرحیم، الرسول، رسول الراحة، رسول الرحمة، رسول الله، رسول الملاحم، الرشید، الرفیع الذکر، رافع الرتب، رفیع الدرجات، الرقیب، روح الحق، روح القدس، الرءوف، رکن المتواضعین۔

بے مثل رضاعت والے (رضائے خداوندی پر) راضی، (عبادات کی) رغبت رکھنے والے، (اذن الٰہی سے) بلندی عطا کرنے والے، (بلندی کی طرف جانے والے) براق کے سوار، اونٹ کے سوار، اونٹنی کے سوار، عمدہ اونٹنی کے سوار، (سراپا) رحمت، امت کے لیے رحمت، تمام جہانوں کے لیے رحمت، کسی معاوضہ کے بغیر رحمت (فرمانے والے) رحمت جو عطا کی گئی (مہربان) رسول، راحت والے رسول، رحمت والے رسول، اللہ تعالیٰ کے رسول، جہاد والے رسول، رشد و ہدایت والے، بلند ذکر والے، بلند مرتبوں والے، بلند درجات والے، نگہبان، حق کی روح، پاکیزہ روح، مہربان، تواضع کرنے والوں کے رکن (سہارا اور مددگار)

(ز) الزاهد، زعیم الانبیاء، الزکی، الزمزمی، زین من وافی القیامة۔

دنیا سے بے رغبت، انبیاء کرام کے کفیل، پاکیزہ، زمزم والے، قیامت کے دن آنے والوں کی زینت۔

(س) السابق، السابق بالخیرات، سابق العرب، الساجد، سبیل الله، السراج

المنیر، السراط المستقیم، السعید، سعداللہ، سعدالخلائق، السمیع، السلام، السید، سید ولد آدم، سید المرسلین، سیدالناس، سیدالکونین، سیدالثقلین، سیف اللہ المسلول۔

سبقت کرنے والے، نیکیوں میں سبقت کرنے والے، عربوں میں سبقت کرنے والے، سجدہ کرنے والے، اللہ تعالیٰ کی راہ، روشن چراغ، سیدھا راستہ، خوش بخت، اللہ تعالیٰ کے خوش بخت (بندے)، مخلوق کی سعادت، سننے والے، سلامتی، سردار، اولاد آدم کے سردار، تمام رسولوں کے سردار، لوگوں کے سردار، دونوں جہانوں کے سردار، دونوں مخلوقوں (انسانوں اور جنوں) کے سردار، اللہ تعالیٰ کی بے نیام تلوار۔

(ش) الشارع، الشافع، الشاکر، الشاہد، الشکور، الشکار، الشمس، الشہید۔

شریعت والے، شفاعت کرنے والے، شکر گزار، گواہ، بہت شکر گزار، بہت زیادہ شکر ادا کرنے والے، سورج، گواہ۔

(ص) الصابر، الصاحب، صاحب الآیات، صاحب المعجزات، صاحب البراہین، صاحب البیان، صاحب التاج، صاحب الجہاد، صاحب الحجۃ، صاحب الحطیم، صاحب الحوض المورود، صاحب الخاتم، صاحب الخیر، صاحب الدرجۃ العالیۃ الرفیعۃ، صاحب الرداء، صاحب الازواج الطاہرات، صاحب السجود للرب المحمود، صاحب السرایا، صاحب السلطان، صاحب السیف، صاحب الشرع، صاحب الشفاعۃ الکبریٰ، صاحب العطایا، صاحب العلامات الباہرات، صاحب العلو والدرجات، صاحب الفضیلۃ، صاحب الفرج، صاحب القضیب، صاحب القضیب الاصغر، صاحب قول لا الٰہ الا اللہ، صاحب القدم، صاحب الکوثر، صاحب اللواء، صاحب المحشر، صاحب المدینہ، صاحب المغفر، صاحب المغنم، صاحب المعراج، صاحب المظہر المشہود، صاحب المقام المحمود، صاحب المنبر، صاحب المئزر، صاحب النعلین، صاحب الہراوۃ، صاحب الوسیلہ، الصادع بما امر، الصادق، الصبور، الصدق، صراط اللہ، صراط الذین انعمت علیہم، الصراط المستقیم، الصفوح، الصفوح عن الزلات، الصفوۃ، الصفی، الصالح۔

صبر کرنے والے، ساتھی، آیات والے، معجزات والے، دلائل والے، بیان والے، تاج والے، جہاد والے، دلیل والے، حطیم والے (خانہ کعبہ کا وہ حصہ جو چھت کے بغیر ہے حطیم کہلاتا ہے) اس حوض والے جس پر لوگ اتریں گے، مہر نبوت والے، بھلائی والے، بلند رفیع درجہ والے، چادر والے، پاک بیویوں والے، تعریف والے رب کو سجدہ کرنے والے، لشکروں والے، بادشاہی (یا دلیل) والے، تلوار والے، صاحب شریعت، شفاعت کبریٰ

والے، عطیات والے، ظاہر علامات والے، بلندی اور درجات والے، فضیلت والے، کشادگی والے، شاخ والے، چھوٹی شاخ والے، لا الہ الا اللہ والے، قدم والے، حوض کوثر والے، جھنڈے والے، قیامت والے، مدینہ طیبہ والے، خود والے (لوہے کی ٹوپی والے) غنیمت والے، معراج والے، ظاہری منظر والے، مقام محمود والے، منبر والے، ازار والے، نعلین مبارک والے، عصا مبارک والے، وسیلہ والے، حکم خداوندی کا اعلان کرنے والے، سچ بولنے والے، بہت صبر کرنے والے، سراپا صداقت، اللہ تعالیٰ کا راستہ، ان لوگوں کا راستہ جن پر اے اللہ تو نے انعام کیا، سیدھا راستہ، درگزر کرنے والے، لغزشیں معاف کرنے والے، خالص النسب، منتخب (بندے) مقرب، صالح۔

(ض) الضارب بالحسام المثلوم، الضحاك، الضحوك۔

شگاف والی تلوار کے ساتھ مارنے والے، بہت زیادہ مسکرانے والے، بہت زیادہ خوش مزاج۔

(ط) طاب طاب، الطاھر، الطیب، طٰسٓمٓ، طٰسٓ، طٰہٰ، الطیب۔

پاکیزہ پاکیزہ، پاک، معالج، طسم، طس، طٰہٰ، پاکیزہ۔

(ظ) الظاھر، الظفور، من الظفر وھو الفوز۔

ظاہر اور غالب، بہت کامیاب (ظفور، ظفر سے بنا ہے کامیابی)

(ع) العابد، العادل، العظیم، العافی، العاقب، العالم، علم الایمان، علم الیقین، العالم بالحق، العامل، عبداللہ، العبد، العدل، العربی، العروۃ الوثقٰی، العزیز، العفو، العطوف، العلیم، العلی، العلامۃ، عین العز، عبدالکریم، عبدالجبار، عبدالحمید، عبدالمجید، عبدالوھاب، عبدالقھار، عبدالرحیم، عبدالخالق، عبدالقادر، عبدالمھیمن، عبدالقدوس، عبدالغیاث، عبدالرزاق، عبدالسلام، عبدالمومن، عبدالغفار۔

عبادت گزار، انصاف کرنے والے، عظمت والے، معاف کرنے والے، سب سے پیچھے آنے والے، علم والے، ایمان کی علامت، یقین کی علامت، حق کا علم رکھنے والے، عمل کرنے والے، اللہ تعالیٰ کے بندے، بندگی کرنے والے، سراپا عدل، عربی، مضبوط رسی، غالب، بہت معاف کرنے والے، بہت مہربان، جاننے والے، بہت بلند، (حق کی) علامت، عزت والی آنکھ، کریم کے بندے، جبار کے بندے، تعریف والے (اللہ) کے بندے، بزرگی والے کے بندے، بہت عطا کرنے والے بندے، غضب و قہر والے کے بندے، رحمت والے کے بندے، پیدا کرنے والے کے بندے، قدرت والے کے بندے، محافظ ذات کے بندے، نہایت پاک ذات کے بندے، مددگار کے بندے، بہت بڑے رازق کے بندے، سلامتی والے کے بندے، امن دینے والے کے بندے، بہت زیادہ بخشنے والے کے بندے۔

(غ) الغالب، الغفور، الغنی باللہ، الغوث، الغیث، الغیاث۔

غالب، بخشنے والے، مالدار، اللہ تعالیٰ کے ساتھ مالداری حاصل کرنے والے، مددگار، مدد کرنے والے، بہت

بڑے سخی۔

(ف) الفاتح، الفارقليط، الفارق، فاروق، الفتاح، الفجر، الفرط، الفصيح، فضل الله، فواتح النور۔

(شفاعت کا دروازہ) کھولنے والے، فار قلیط (باء کے ساتھ بار قلیط بھی ہے جیسا کہ پہلے گزر گیا) (حق و باطل میں) فرق کرنے والے، بہت زیادہ فرق کرنے والے، بہت زیادہ کھولنے والے، صبح صادق (کی طرح روشن) آگے جانے والے، فصاحت والے، اللہ تعالیٰ کا فضل، بہت زیادہ علم کو ظاہر کرنے والے۔

(ق) القاسم، القاضى، القانت، قائدالخير، قائد الغر المحجلين، القائل، القائم، القتال، القتول، قثم، القثوم، قدم صدق، القرشى، القريب، القمر، القيم ومعناه الجامع الكامل، وصوابه بالمثلثة بدل الياء، القوى۔

(اللہ تعالیٰ کی نعمتیں) تقسیم کرنے والے، فیصلہ کرنے والے، باادب، بھلائی کے راہنما، چمکتے چہرے والوں کے قائد، کہنے والے، (عبادت کے لیے) کھڑے ہونے والے، بہت زیادہ جہاد کرنے والے، بھلائی کے جامع، سچائی کا قدم، قریشی، قریب، چاند، جامع اور کامل، صحیح یہ ہے کہ یہ القیم کی بجائے القثم (یاء کے بجائے ثاء کے ساتھ ہے یعنی مضبوط)

(ک) كافة الناس، الكفيل، الكامل فى جميع اموره، الكريم، كٓهٰيٰعٓصٓ۔

لوگوں کے کافی، ذمہ دار، اپنے تمام امور میں کامل، کرم والے، کھیعص۔

(ل) اللسان، زبانِ (حق ترجمان)

(م) الماجد، ماذماذ، المومل، الماحى، المامون، المانح، الماء المعين، المبارك، المبتهل، المبراء، المبشر، مبشر اليائسين، المبعوث بالحق، المبعوث، المبلغ، المبيح، المبين، المتين، المتبتل، المتبسم، المتربص، المتضرع، المتقى، المتلو عليه، المتهجد، المتوسط، المتوكل، المتثبت، مجاب، مجيب، المجتبى، المجير، المحرض، المحرم، المحفوظ، المحلل، محمد، المحمود، المخبر، المختار، المخصوص بالشرف، المخصوص بالعز، المخصوص بالمجد، المخلص، المدثر، المدنى، مدينة العلم، المذكر، المذكور، المرتضى، المرتل، المرسل، المرتجى، المرحوم، المرتفع الدرجات، المرء، وهو الرجل الكامل المروة، المزكى، المزمل، المسبح، المستغفر، المستغنى، المستقيم، المسرى به، المسعود، المسلّم، المسلم، المشاور، المشفع، المشفوع، المشفح، المشهود، المشير، المصباح، المصارع، المصافح، مصحح الحسنات، المصدوق، المصطفى، المصلح، المصلى

علیہ، المطاع، المطہر، المظہر، المطلع، المطیع، المظفر، المعزز، المعطی المعصوم، المعقب، المعلِم، معلِم امتہ، المعلَم، المعلن، المغلی، المفضال، المفضل، المفتاح، مفتاح الجنۃ، المقتصد، المقتضی: یعنی قفا النبیین، المقدس، المقری، المقسط، المقسم، المقصوص علیہ، المقفی، وقیل بزیادۃ تاء بعد القاف کما تقدم، مقیل العثرات، مقیم السنۃ بعد الفترۃ، المکرم، المکتفی، المکین، المکی، الملاحمی، ملقی القرآن، الممنوح، المنادی، المنتظر، المنجی، المنذر، المنزل علیہ، المنحمنا، المنصف، المنصور، المنیب، المنیر، المهاجر، المهتدی، المهدی، المهداۃ، المهیمن، المؤتی جوامع الکلم، الموحی الیہ، الموصل، الموقر، المولی، المؤمن المؤید، المیتر۔

حسن اخلاق کے پیکر، پاک، بھلائی کی امید گاہ، (کفر کو) مٹانے والے، محفوظ، عطا کرنے والے، جاری پانی (کی طرح سخی) برکت والے، عاجزی کرنے والے، ہر عیب سے پاک، خوشخبری دینے والے، ناامیدوں کو خوشخبری دینے والے، حق کے ساتھ بھیجے گئے (رسول) بھیجے گئے، تبلیغ رسالت کرنے والے (پہلی امتوں پر جو کچھ حرام تھا اسے) حلال کرنے والے، بیان کرنے والے، مضبوط، صرف اللہ سے لو لگانے والے، تبسم فرمانے والے، منتظر، عاجزی والے، پرہیزگار، جن پر قرآن مجید پڑھا گیا، تہجد ادا کرنے والے، وسیلہ (شفاعت کے ذریعے) توکل کرنے والے، ثابت قدم، مقبول الدعا، (حکم خداوندی) قبول کرنے والے، منتخب، پناہ دینے والے، (جہاد کی) ترغیب دینے والے) حرام کرنے کے مختار، حفاظت کیے گئے، حلال کرنے والے، بار بار تعریف کیے گئے، تعریف کیے گئے، (غیب کی) خبر دینے والے، صاحب اختیار، شرف کے ساتھ مخصوص، عزت کے ساتھ خاص کیے گئے، بزرگی کے ساتھ خاص کیے گئے، عبادت میں سچے، کمبل اوڑھنے والے، مدینہ طیبہ والے، علم کا شہر، یاد دلانے والے، پہلی کتابوں میں جن کا ذکر ہے پسندیدہ، ٹھہر ٹھہر کر قرآن پڑھنے والے، بھیجے گئے، امید گاہ، رحم کیے گئے، بلند درجات والے، کامل انسانیت والے مرد، پاک کرنے والے، چادر اوڑھنے والے، تسبیح بیان کرنے والے، بخشش طلب کرنے والے، (مخلوق سے) بے نیاز، سیدھی راہ والے، معراج والے، سعادت مند، توکل کرنے والے، محفوظ، مشورہ کرنے والے، جن کی شفاعت قبول ہوتی ہے، ملائے ہوئے، قابل تعریف، جن کی شہادت دی گئی، خیر خواہ (اچھی بات کی طرف) اشارہ کرنے والے چراغ، پچھاڑنے والے، مصافحہ کرنے والے، نیکیوں کی درستگی کا باعث، جن کی تصدیق کی گئی، چنے ہوئے، اصلاح کرنے والے، جن پر درود شریف پڑھا جاتا ہے، قابل اطاعت، پاک کرنے والے، ظاہر کرنے والے، غیب کو جاننے والے اور اس پر مطلع، اللہ کا حکم ماننے والے، کامیاب، معزز، عطا کرنے والے، گناہوں سے پاک، آخری نبی، سکھانے والے، امت کے معلم، اللہ کی طرف سے سکھلائے ہوئے، اعلان کرنے والے، دوسروں پر بلندی والے، جود و کرم والے، فضیلت دیئے گئے، کنجی، جنت کی چابی، اعتدال والے،

سب سے آخر میں آنے والے نبی، پاکیزہ، قرآن مجید کی قرأت کرنے والے، عدل کرنے والے، قسم اٹھانے والے، جن پر پہلے واقعات پڑھے گئے، پیچھے آنے والے، تاء کے اضافہ کے ساتھ المقتفی بھی ہوتا ہے جیسا کہ گزر گیا، لغزشیں معاف کرنے والے، زمانہ فترت کے بعد سنت قائم کرنے والے، معزز، کفایت کرنے والے، ٹھکانے والے، مکہ مکرمہ والے، غزوات والے، مبلغ قرآن، عطا کیے گئے، پکارنے والے، مدد خداوندی کے انتظار والے، نجات دہندہ، ڈر سنانے والے، جن پر وحی نازل ہوئی، تعریف کیے گئے، انصاف والے، مدد کیے گئے، اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے والے، (مومنوں کے دلوں کو) روشن کرنے والے، ہجرت کرنے والے، ہدایت یافتہ، ہدایت دینے والے، باعث ہدایت، حفاظت کرنے والے، جن کو جامع کلمات کی خصوصیت عطا ہوئی، جن پر وحی ہوئی (اللہ تعالیٰ تک) پہنچانے والے، معزز و معظم (اور عزت بخشنے والے) سردار، مدد کیے گئے، آسانی کرنے والے۔

(ن) النابذ، الناجز، الناس لقوله تعالی: (ام یحسدون الناس) (نساء: ۵۴) المفسر به علیه السلام، الناسخ، الناشر، الناصح، الناضر، الناطق بالحق، الناهی، نبی الاحمر، نبی الاسود، نبی التوبة، نبی الحرمین، نبی الراحة، نبی الرحمة، النبی الصالح، نبی الله، نبی المرحمة، نبی الملحمة، نبی الملاحم، النبی، النجم، النجم الثاقب، نجی الله، النذیر، النسیب، نصیح، ناصح، النعمة، نعمة الله، النقیب، النقی، النور، نور الامم ای الهادی الذی اوصلها نور الله الذی لا یطفاء۔

(معاہدے کی خلاف ورزی کرنے والوں کی طرف معاہدہ) پھینکنے والے، وعدہ پورا کرنے والے، الناس (ارشاد خداوندی ہے کیا وہ لوگوں (الناس) یعنی حضور علیہ والسلام سے حسد کرتے ہیں، (پہلے ادیان کو) منسوخ کرنے والے، اسلام کو پھیلانے والے، خیر خواہ، حسن و جمال والے، سچ بولنے والے (برے کاموں سے) روکنے والے، انسانوں کے نبی، جنوں کے نبی (یا عرب و عجم کے نبی) اللہ کی طرف رجوع کرنے والے نبی، حرم مکہ و حرم مدینہ کے نبی، سکون والے نبی، رحمت والے نبی، صالح نبی، اللہ کے نبی، رحمت والے نبی، جہاد والے نبی، غزوات والے نبی، غیب کی خبر دینے والے، روشن ستارہ، چمکنے والا ستارہ، اللہ تعالیٰ سے راز و نیاز کی باتیں کرنے والے، برے انجام سے ڈرانے والے، عمدہ نسب والے، خیر خواہ، بھلائی چاہنے والے، نعمت، اللہ تعالیٰ کی نعمت، محافظ، خالص، نور، امتوں کا نور جو ان کا ہادی ہے جس نے ان کو اللہ تعالیٰ تک پہنچایا اللہ کا وہ نور جو کبھی نہیں بجھے گا۔

(ہ) الهادی، هدی، هدیة الله، الهاشمی۔

ہدایت دینے والے، سراپا ہدایت، اللہ تعالیٰ کا تحفہ، بنو ہاشم سے تعلق رکھنے والے۔

(و) الوجیه، الواسط، الواسع، الواصل، الواضع، الواعد، الواعظ، الورع، الوسیلة، الوفی، الوافی، ولی الفضل، الولی۔

مرتبے والے، ارفع نسب والے، بہت زیادہ سخی، شرف و عزت کو پہنچنے والے، امت سے بوجھ اتارنے والے، وعدہ فرمانے والے، وعظ فرمانے والے، شبہ والے امور سے بھی بچنے والے (پرہیزگار) وسیلہ، کامل و اکمل،

وعدہ پورا کرنے والے، فضل و کرم والے، مددگار۔
(ی) الیثربی: یثرب مدینہ طیبہ والے، سردار

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی کنیت

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مشہور کنیت ابوالقاسم ہے جیسا کہ متعدد صحیح احادیث میں آیا ہے۔ آپ کی کنیت ابو ابراہیم بھی ہے جیسا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے کہا:

السلام علیک یا ابا ابرھیم۔ اے ابو ابراہیم! آپ پر سلام ہو۔

(مجمع الزوائد جلد ۴ ص ۳۲۹، دلائل النبوۃ للبیہقی جلد اول ص ۱۶۴)

آپ کی کنیت ابوالارامل (فقراء کے باپ) بھی ہے۔ جیسا کہ ابن دحیہ نے ذکر کیا اور ابوالمومنین بھی آپ کی کنیت ہے، جیسا کہ دوسروں نے ذکر کیا ہے۔

اسم گرامی "محمد" اور "احمد" صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریح

یہ بات سمجھ لیں کہ ان تمام اسمائے مبارکہ کی تشریح کا احاطہ ہمارے بس میں نہیں ہے کیونکہ اس طرح کلام طویل ہو جائے گا اور ہماری غرض یعنی اختصار کو چھوڑنا پڑے گا۔ پس ہم اس سلسلے میں وہ کچھ ذکر کریں گے جو اللہ تعالیٰ ہم پر کھول دے گا اور وہ اس کے علاوہ پر دلالت ہوگی اور اللہ تعالیٰ سے ہی مدد مانگتا ہوں۔

تو سب سے پہلی بات یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسم گرامی میں جو لفظ حمد ہے اور وہ آپ کا نام ہے جو آپ کی ذات کی خبر دیتا ہے اور باقی تمام صفاتی نام اس کی طرف لوٹتے ہیں اور وہ معنی میں ایک ہے لیکن اشتقاق کے اعتبار سے دو صیغے ہیں۔

(ا) وہ اسم گرامی جو افعل کے وزن پر ہے ایک ایسی انتہاء کی خبر دیتا ہے، جس کے بعد کوئی انتہا نہیں اور وہ آپ کا اسم گرامی "احمد" ہے۔

(۲) دوسرا نام جو "مُفَعَّل" کے صیغے پر ہے، وہ کسی چیز کے دوگنا اور اس قدر کثیر ہونے کا پتہ دیتا ہے، جس کی گنتی شمار سے باہر ہو اور وہ آپ کا اسم گرامی "محمد" صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔

امام سہیلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ لفظ "محمد" صفت سے منقول ہے۔ پس محمد لغت میں اسے کہتے ہیں جس کی بار بار تعریف کی جائے اور مُفَعَّل کا صیغہ جیسے مُضَرَّب اور مُمَدَّح صرف اس کے لیے بولا جاتا ہے جس کے لیے فعل کا تکرار بار بار ہو۔

اور "احمد" نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ اسم گرامی ہے جو حضرت عیسیٰ اور حضرت موسیٰ علیہما السلام کی

زبان پر بولا گیا۔ یہ بھی صفت سے منقول ہے، جس میں تفضیل کا معنی ہے۔ پس احمد کا معنی اپنے رب کی تعریف کرنے والوں میں سے سب سے زیادہ تعریف کرنے والا ہے۔

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی یہی شان ہے۔ کیونکہ مقام محمود میں آپ پر وہ تعریفات منکشف کی جائیں گی جو آپ سے پہلے کسی پر منکشف نہیں کی گئیں۔ پس آپ ان کے ذریعے اپنے رب کی تعریف کریں گے یہی وجہ ہے کہ آپ کے لیے لواء الحمد (حمد کا جھنڈا) مقرر کیا جائے گا۔ (السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد اول ص ۱۰۶)

امام سہیلی فرماتے ہیں: جہاں تک آپ کے اسم گرامی "محمد" کا تعلق ہے تو وہ بھی صفت سے منقول ہے اور یہ محمود کے معنی میں ہے لیکن اس میں مبالغہ اور تکرار کا معنی پایا جاتا ہے۔ پس محمد وہ ذات ہے جس کی بار بار تعریف کی جائے۔ جیسے مکرم وہ شخص ہے کہ جس کی بار بار عزت کی جائے۔ اسی طرح ممدح وہ ذات ہے جس کی بار بار مدح کی جائے اور اس قسم کی دوسری مثالیں ہیں۔ تو اسم محمد بھی اپنے مسمیٰ کے مطابق ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کا یہ اسم گرامی اس وقت رکھا جب آپ کا یہ نام نہیں رکھا گیا تھا تو یہ آپ کی علامات نبوت میں سے ایک نشانی ہے کہ آپ کا اسم گرامی آپ پر صادق آتا ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس علم و حکمت کی وجہ سے قابل تعریف (محمود) ہیں جس کی طرف آپ نے ہدایت دی اور لوگوں کو نفع پہنچایا اور آخرت میں شفاعت کی وجہ سے آپ محمود ہوں گے تو لفظ کے تقاضا کے مطابق آپ کی ذات میں حمد کے معنی کا تکرار پایا گیا۔

پھر آپ اس وقت تک محمد نہیں ہو سکتے جب تک احمد نہ ہوتے۔ آپ نے اپنے رب کی تعریف کی تو اس نے آپ کو نبوت اور شرف سے نوازا۔ یہی وجہ ہے کہ اسم احمد، اسم محمد سے مقدم ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے آپ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

اِسْمُهٗٓ اَحْمَدُ۔ (الصف: ۶) (میں ایک ایسے رسول کی خوشخبری دینے والا ہوں)
جن کا اسم گرامی احمد ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی آپ کا ذکر کیا جب ان کے رب نے ان سے فرمایا کہ یہ احمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت ہے تو انہوں نے عرض کیا یا اللہ! مجھے بھی حضرت احمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں سے کر دے۔
(دلائل النبوۃ لابی نعیم ص ۱۴ مطبوعہ عالم الکتب بیروت)

تو آپ کے اسم گرامی محمد کے ذکر سے پہلے اسم گرامی احمد کے ساتھ آپ کا ذکر ہوا کیونکہ آپ نے اپنے رب کی حمد تمام لوگوں کی حمد خداوندی کرنے سے پہلے کی تو جب آپ پیدا ہوئے اور مبعوث ہوئے تو آپ عملاً محمد صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ اسی طرح شفاعت کا معاملہ ہے کہ آپ ایسے محامد کے ساتھ اپنے رب کی حمد کریں گے، جو اللہ تعالیٰ آپ پر کھول دے گا تو آپ اپنے رب کی سب سے زیادہ تعریف کرنے والے ہوں گے، پھر شفاعت کریں گے تو اس شفاعت پر آپ کی تعریف کی جائے گی۔

تو دیکھیں کہ ذکر اور وجود میں یہ نام کس طرح دوسرے نام سے پہلے مرتب ہوا۔ دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان دو ناموں کے ساتھ مخصوص فرمایا۔ پس اس سے آپ کے سامنے اللہ تعالیٰ کی حکمت

ظاہر ہو گئی۔ (السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد اول ص ۱۰۶)

حضرت قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم محمد ہونے سے پہلے احمد تھے۔ جس طرح وجود میں واقع ہوا کیونکہ اسم گرامی "احمد" پہلی کتابوں میں آیا ہے اور آپ کا اسم گرامی "محمد" قرآن مجید میں آیا ہے۔ اس لیے کہ پہلے آپ نے اپنے رب کی تعریف کی اور پھر لوگوں نے آپ کی تعریف کی۔

(کتاب الشفاء بحوالہ فتح الباری جلد ۶ ص ۴۰۴)

یہ بات امام سہیلی کے قول کے موافق ہے۔ فتح الباری میں بھی اسے ذکر کر کے اس کی تائید کی گئی ہے اور یہ اس بات کا تقاضا ہے کہ آپ کا اسم گرامی احمد پہلے ہو، جبکہ ابن قیم نے اس کے خلاف دعویٰ کیا ہے۔

ابن قیم نے آپ کے اسم گرامی "احمد" کے بارے میں کہا ہے کہ "کہا گیا ہے یہ مفعول کے معنی میں ہے اور اس کی عبارت یوں ہوگی "احمد الناس" جس کا مفہوم یہ ہے کہ آپ تمام لوگوں میں سے سب سے زیادہ حق رکھنے والے اور سب سے مقدم ہیں کہ آپ کی تعریف کی جائے۔ پس معنوی اعتبار سے احمد اور محمد ایک ہیں۔ لیکن دونوں میں اتنا فرق ہے کہ محمد وہ ذات ہوتی ہے کہ بے شمار خصائل کی مالک ہونے کی وجہ سے اس کی تعریف کی جاتی ہے اور احمد وہ ذات جو دوسروں کے مقابلے میں زیادہ تعریف کرے پس کثرت اور مقدار کے اعتبار سے محمد اور صفت و کیفیت کی بنیاد پر آپ احمد ہیں۔ لہٰذا آپ دوسروں کے مقابلے میں زیادہ تعریف کے مستحق ہیں۔ یعنی انسان جو تعریف کرتا ہے، آپ اس سے افضل تعریف کا استحقاق رکھتے ہیں۔ پس دونوں نام مفعول واقع ہوئے ہیں۔

ابن قیم نے کہا کہ یہ بات آپ کی تعریف میں زیادہ بلیغ اور معنی کے اعتبار سے زیادہ کامل ہے۔ اگر فاعل والا معنی مراد ہوتا تو آپ کا نام "حماد" رکھا جاتا یعنی زیادہ تعریف کرنے والا۔ کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی تعریف [illegible] ان کے مقابلے میں زیادہ کی۔ [illegible] آپ کا اسم [illegible] آپ نے اپنے رب کی حمد کی ہے تو حماد نام زیادہ مناسب تھا۔ جس طرح آپ کی امت کا نام "حمادون" رکھا گیا۔

نیز آپ کے یہ دونوں نام آپ کے اچھے اخلاق اور اوصاف کی وجہ سے رکھے گئے ہیں جن کی وجہ سے آپ محمد اور احمد بنے ہیں۔ (زاد المعاد جلد اول ص ۳۶)

حضرت قاضی عیاض رحمہ اللہ نے کتاب الشفاء میں ایک باب مقرر کیا باب تشریفہ تعالی لہ علیہ الصلوۃ والسلام بما سماہ بہ من اسمائہ الحسنی کہ (اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اچھے نام رکھ کر آپ کو شرف عطا کیا) اس باب میں انہوں نے لکھا ہے کہ احمد، تعریف کرنے والوں میں سے سب سے بڑے اور تعریف کیے ہوئے لوگوں میں سے سب سے زیادہ جلیل القدر۔

(کتاب الشفاء للقاضی عیاض جلد اول ص ۱۹۷)

اسم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے خصائص

پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسم گرامی "محمد" میں کئی خصوصیات ہیں۔

پہلی خصوصیت

اس میں چار حروف ہیں تاکہ اللہ تعالیٰ کے اسم مبارک اور آپ کے اسم گرامی "محمد" میں موافقت ہو کیونکہ اسم جلالت "اللہ" کے بھی چار حرف ہیں جس طرح اسم گرامی "محمد" کے چار حرف ہیں۔

دوسری خصوصیت

کہا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو یہ عزت و شرف بھی عطا فرمایا کہ اس کی صورت کو اس لفظ کی کتابت کی شکل میں رکھا پس پہلا میم انسان کا سر، حاء اس کے پہلو، دوسرا میم اس کی ناف اور دال پاؤں ہیں۔ یہ بھی کہا گیا کہ جو شخص دوزخ میں جانے کا مستحق ہوگا (اللہ تعالیٰ ہم سب کو بچائے) تو اس کی صورت بدل جائے گی تاکہ اس لفظ کی صورت کا اعزاز باقی رہے۔

یہ دونوں باتیں ابن مرزوق نے لکھی ہیں اور پہلی بات (چار حروف والی بات) ابن عماد نے کشف الاسرار میں لکھی ہے۔ (چار حروف والی بات تو معقول ہے لیکن دوسری بات مناسب معلوم نہیں ہوتی۔ واللہ اعلم بالصواب۔ ۱۲ ہزاروی)

تیسری خصوصیت

اللہ تعالیٰ نے آپ کے اسم گرامی کو اپنے نام "المحمود" سے مشتق فرمایا جس طرح حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

اغر علیہ للنبوۃ خاتم　　من اللہ من نور یلوح ویشھد
وضم الا لہ اسم النبی الی اسمہ　　اذا قال فی الخمس المؤذن اشھد
وشق لہ من اسمہ لیجلہ　　فذو العرش محمود وھذا محمد

"آپ خوبصورت (اور روشن) ہیں آپ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے نورانی مہر نبوت ہے جو چمکتی اور شہادت دیتی ہے"۔

"اور اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کو اپنے نام سے ملایا جب پانچ وقت مؤذن "اشھد ان محمد رسول اللہ" کہتا ہے"۔

"اور آپ کے نام کو اپنے نام سے مشتق کیا کہ وہ اسے عظمت بخشے پس عرش والا محمود ہے اور یہ محمد ہیں"۔

حضرت امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی تاریخ صغیر میں حضرت علی بن زید رضی اللہ عنہ کے طریق سے روایت نقل کی ہے کہ ابوطالب کہا کرتے تھے:

وشق لہ من اسمہ لیجلہ　　فذو العرش محمود وھذا محمد

"اللہ تعالیٰ نے اپنے نام سے آپ کا نام مشتق کیا کہ وہ اسے عظمت عطا کرے پس عرش والا محمود اور یہ محمد ہیں"۔(فتح الباری جلد ۶ ص ۴۰۴)

اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کرنے سے دو لاکھ سال پہلے آپ کا یہ نام رکھا۔(اس وقت سالوں کا حساب نہیں مقصد یہ ہے کہ اگر دنیا کی مدت سے حساب لگایا جائے تو اتنا بنے۔(زرقانی جلد ۳ ص ۱۵۶) جس طرح حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے جو ابو نعیم کے طریق سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مناجات میں مروی ہے۔

ابن عساکر نے حضرت کعب احبار سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام پر انبیاء کرام اور مرسلین عظام کی تعداد کے مطابق عصا نازل فرمائے۔ پھر وہ اپنے صاحبزادے حضرت شیث علیہ السلام کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا اے بیٹے! تو میرے بعد میرا خلیفہ ہے۔ پس اس (خلافت) کو تقویٰ کی عمارت اور مضبوط رسی کے ساتھ تھام لو اور جب بھی اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو اس کے ساتھ ہی اسم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کرنا۔ کیونکہ میں نے آپ کا اسم گرامی عرش کے پائے پر لکھا ہوا دیکھا جب کہ میں روح اور گارے کے درمیان تھا۔ پھر میں نے آسمانوں کا چکر لگایا تو آسمانوں میں کوئی ایسی جگہ نہیں دیکھی جہاں میں نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی لکھا ہوا نہ دیکھا ہو۔ میرے رب نے مجھے جنت میں ٹھہرایا تو میں نے جنت میں جو محل اور بالا خانہ دیکھا اس پر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی لکھا ہوا دیکھا۔ میں نے جنتی حوروں کے سینوں پر، جنت کے گنجان درختوں کے پتوں پر، طوبیٰ درخت کے پتوں پر، سدرۃ المنتہیٰ کے پتوں پر، (جنتی) پردوں کے کناروں پر اور فرشتوں کی آنکھوں کے درمیان حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی لکھا ہوا دیکھا۔ لہٰذا اے شیث! (علیہ السلام) تم ان کا ذکر کثرت سے کرنا۔ کیونکہ فرشتے تمام ساعتوں میں آپ کا ذکر کرتے ہیں۔

(ابن عساکر بحوالہ الخصائص الکبریٰ جلد اول ص ۷)

بدا مجده من قبل نشاة آدم فاسماءه في العرش من قبل تكتب

"آپ کی بزرگی حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش سے پہلے ظاہر ہوگئی، پس آپ کے اسماء گرامی عرش میں پہلے سے ہی لکھے گئے"۔

ہم نے حسن بن عرفہ رحمہ اللہ کی جزء (حسن بن عرفہ بن یزید عبدی ابو علی بغدادی ہی نہایت سچے ہیں، ایک سو سال سے زائد عمر پائی اور ۲۵۷ھ میں انتقال فرمایا۔ جزء سے مراد ان کی کتاب ہے) میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے روایت کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب مجھے آسمان کی طرف لے جایا گیا تو میں جس آسمان سے گزرا میں نے وہاں پایا (مجھے معلوم ہوا) کہ وہاں میرا نام محمد رسول اللہ لکھا ہوا ہے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ میرے جانشین ہیں۔(الدر المنثور جلد ۴ ص ۱۵۲)

چند دیگر شواہد

ایک قدیم پتھر پر لکھا ہوا پایا گیا:

نے اس کے پھل کو توڑا تو اس سے ایک سبز رنگ کا پتہ نکلا جو لپیٹا ہوا تھا اور اس پر سرخ رنگ سے کلمہ طیبہ لکھا ہوا تھا۔ ہندوستان والے اس سے برکت حاصل کرتے تھے اور جب بارش رک جاتی تو وہ اس کے ذریعے بارش طلب کرتے تھے۔ یہ بات قاضی ابو البقاء بن ضیاء نے اپنی منسک (کتاب) میں نقل کی ہے۔

امام یافعی رحمہ اللہ[1] کی کتاب روض الریاحین میں بعض حضرات سے نقل کیا گیا کہ انہوں نے ہندوستان کے شہروں میں ایک درخت دیکھا جس کا پھل بادام کی طرح تھا اور اس پر چھلکا تھا۔ جب اسے توڑا گیا تو اس سے ایک سبز رنگ کا تازہ پتہ نکلا جس پر سرخ رنگ کے ساتھ کلمہ طیبہ نہایت واضح خط میں لکھا ہوا تھا اور وہ لوگ اس سے برکت حاصل کرتے تھے۔

وہ فرماتے ہیں میں نے یہ بات ابو یعقوب الصیاد رحمہ اللہ سے ذکر کی تو انہوں نے فرمایا یہ اتنی بڑی بات نہیں ہے۔ میں ابلہ نہر کے کنارے شکار کر رہا تھا تو میں نے ایک مچھلی شکار کی جس کے دائیں پہلو پر "لا الہ الا اللہ" اور بائیں پہلو پر "محمد رسول اللہ" لکھا ہوا تھا۔ میں نے اسے دیکھا تو اس کا احترام کرتے ہوئے اس کو دریا میں ڈال دیا۔

بعض بزرگوں نے حضرت ابن مرزوق سے نقل کیا وہ حضرت امام بوصیری رحمہ اللہ کے قصیدہ بردہ شریف کی شرح میں لکھتے ہیں کہ ان کے پاس ایک مچھلی لائی گئی تو انہوں نے اس کے ایک کان کے نرم حصے پر لا الہ الا اللہ اور دوسرے پر محمد رسول اللہ لکھا ہوا دیکھا۔

ایک جماعت سے منقول ہے کہ انہوں نے ایک چھوٹی سی بطخ دیکھی جو زرد رنگ کی تھی اور اس میں پیدائشی طور پر سفید لکیریں تھیں۔ ان لکیروں میں عربی زبان میں ایک پہلو میں "اللہ" اور دوسرے میں "عز احمد" (حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم عزت والے ہوئے) لکھا ہوا تھا۔ یہ ایسے واضح خط میں تھا کہ کتابت کا علم رکھنے والے کسی شخص کو اس میں شک نہیں ہوتا تھا۔

اور انہوں نے ۸۰۷ھ یا ۸۰۹ھ میں انگور کا ایک دانہ دیکھا جس پر سیاہ رنگ سے واضح خط میں "محمد" لکھا ہوا تھا۔ ابن طغربک السیاف کی کتاب "النطق المفہوم" میں کسی بزرگ سے منقول ہے کہ انہوں نے ایک جزیرے میں بہت بڑا درخت دیکھا جس کے پتے بہت بڑے اور خوشبودار تھے اور ان پر پیدائشی طور پر سرخ اور سفید رنگ سے سبز رنگ پر واضح خط میں قدرت خداوندی سے تین سطروں میں یہ تحریر تھی پہلی سطر "لا الہ الا اللہ" دوسری سطر "محمد رسول اللہ" اور تیسری سطر میں "ان الدین عند اللہ الاسلام" (بے شک سچا دین اللہ تعالیٰ کے ہاں صرف اسلام ہے)۔

---

[1] حضرت عبد اللہ بن اسعد عفیف الدین یمنی مکی یافعی رحمہ اللہ بہت بڑے امام تھے۔ عدن میں پیدا ہوئے اور علم میں مہارت حاصل کی، پھر مکہ مکرمہ میں ۷۶۰ھ میں انتقال فرمایا۔

محمد تقی مصلح امین۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم متقی، اصلاح کرنے والے اور امانت دار ہیں۔

یہ بات (حضرت قاضی عیاض رحمہ اللہ نے) شفاء شریف میں ذکر کی ہے۔ ایک دوسرے پتھر پر عبرانی زبان میں لکھا ہوا تھا:

باسمک اللھم جاء الحق من ربک بلسان عربی مبین لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ یا اللہ (میں تیرے نام سے برکت حاصل کرتا ہوں) تیرے رب کی طرف سے عربی واضح زبان میں حق آگیا لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔

اور موسیٰ بن عمران نے اسے لکھا۔ (امام زرقانی نے علیہ السلام لکھا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ ہی مراد ہیں) یہ بات ابن ظفر نے "البشر" میں حضرت معمر سے اور انہوں نے حضرت زہری سے نقل کی ہے۔

شفاء شریف کے مطابق خراسان کے ایک شہر میں ایک نومولود بچہ دیکھا گیا جس کے ایک پہلو پر "لا الہ الا اللہ" اور دوسرے پر "محمد رسول اللہ" لکھا ہوا تھا۔

ہندوستان کے کسی علاقے میں گلاب کے سرخ پھول پر سفید رنگ سے "لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ" لکھا ہوا تھا۔

علامہ ابن مرزوق نے حضرت عبداللہ بن صوحان سے روایت کیا (وہ فرماتے ہیں) ہم پر تیز ہوا چلی اور ہم بحر ہند کی نہایت گہرائی میں تھے۔ پس ہم ایک جزیرے میں لنگر انداز ہوئے جہاں ہم نے ایک سرخ رنگ کا گلاب کا پھول دیکھا جس کی خوشبو بہت اچھی تھی اور اس میں سفید رنگ سے "لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ" لکھا ہوا تھا اور ایک سفید گلاب کا پھول دیکھا جس پر زرد رنگ سے لکھا ہوا تھا:

براءۃ من الرحمن الرحیم الی جنات النعیم لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ رحمٰن و رحیم ذات کی طرف سے نعمتوں والے باغات کی طرف اجازت لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ہے۔

تاریخ ابن عدیم میں حضرت علی بن عبداللہ ہاشمی الرقی رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ انہوں نے ہندوستان کی کسی بستی میں گلاب کا ایک بہت بڑا سیاہ رنگ کا پھول دیکھا جس کی خوشبو بہت اچھی تھی اور اس پر سفید خط سے لکھا ہوا تھا "لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ، ابوبکر الصدیق، عمر الفاروق"۔

فرماتے ہیں مجھے اس کے بارے میں شک ہوا اور میں نے کہا کہ شاید یہ کام (ہاتھ سے) کیا گیا ہے تو میں ایک اور گلاب کی طرف گیا جو کھلا نہیں تھا تو اس میں بھی اسی طرح لکھا ہوا تھا اور اس شہر میں اس طرح کے بہت سے پھول تھے اور اس بستی والے پتھروں کی پوجا کرتے تھے وہ اللہ تعالیٰ کی معرفت نہیں رکھتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں ہندوستان میں گیا تو میں ایک شہر جسے نمیلہ یا ثمیلہ کہا جاتا تھا کی طرف گیا۔ میں نے وہاں ایک بہت بڑا درخت دیکھا جس پر بادام جیسا پھل تھا اور اس پر چھلکا تھا۔ جب میں

دورِ جاہلیت میں اسم محمد ﷺ

ابن قتیبہ نے کہا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی علامات نبوت میں سے ایک بات یہ ہے کہ آپ سے پہلے کسی کا نام "محمد" نہیں رکھا گیا اور یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس نام کی حفاظت تھی۔ جیسا کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام کے ساتھ ہوا کہ اس سے پہلے کوئی بھی اس نام سے موسوم نہیں ہوا اور یہ اس لیے ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے پہلی کتب میں آپ کا یہ نام ذکر فرمایا اور انبیاء کرام علیہم السلام نے اس نام کے ساتھ خوشخبری دی۔ اگر آپ کے اس نام میں اشتراک ہوتا تو شبہ پیدا ہوتا۔ لیکن جب آپ کا زمانہ قریب ہوا اور اہل کتاب نے آپ کے قرب کی خبر دی تو کچھ لوگوں نے اس امید پر اپنی اولاد کا یہ نام رکھا کہ شاید ان کا بچہ ہی وہ نبی ہو اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جہاں اپنی رسالت کو رکھتا ہے۔ (جس کو رسول بناتا ہے۔)

ما کل من زار الحمی سمع الندا   من اهله اهلا بذاك الزائر

"ہر وہ شخص جو کسی محفوظ (اور خاص) مقام کی زیارت کرے اور وہاں کے رہنے والوں سے خوش آمدید سنے وہ خاص زیارت کرنے والا نہیں ہوتا"۔

یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے وہ جسے چاہتا ہے عطا فرماتا ہے۔

قاضی عیاض رحمہ اللہ نے چھ آدمیوں کا نام شمار کیا پھر فرمایا ان کا ساتواں نہیں ہے۔

حضرت ابو عبداللہ بن خالویہ[1] نے اپنی کتاب "دلیس" اور امام سہیلی نے الروض الانف میں ذکر کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے عرب میں "محمد" نام سے صرف تین آدمی معروف تھے۔

(السیرۃ النبویہ لابن ہشام، جلد اول ص ۱۰۵)

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ یہ حصر (یعنی صرف تین کا ہونا) مردود ہے اور تعجب ہے کہ سہیلی، حضرت قاضی عیاض رحمہ اللہ سے بعد والے طبقہ کے آدمی ہیں شاید وہ ان کے کلام پر مطلع نہ ہو سکے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں نے "جزء مفرد" میں ان لوگوں کے نام جمع کیے ہیں جن کا نام محمد رکھا گیا تو وہ بیس کی تعداد بنتی ہے۔ ان میں سے بعض میں تکرار اور بعض میں وہم ہے۔ پس ان میں سے پندرہ افراد خالص ہیں۔ (تکرار اور وہم سے محفوظ ہیں)

(۱) ان سب میں سے مشہور محمد بن عدی بن ربیعہ بن سواءۃ بن جشم بن سعد بن زید مناۃ بن تمیم تمیمی سعدی ہے۔

(۲) ان میں سے محمد بن احیحہ ابن جلاح اوسی ہے۔ احیحہ ہمزہ پر پیش اور حاء پر فتح ہے اور جلاح کی جیم پر پیش اور لام تشدید کے بغیر اور آخر میں حاء ہے۔

(۳) محمد بن اسامہ بن مالک بن حبیب بن عنبر۔

(۴) محمد بن البراء بن طریف بن عتوارہ بن عامر ابن لیث بن بکر بن عبد مناۃ بن کنانہ بکری عتواری۔ (البراء کی

[1] ابو عبداللہ بن خالویہ، حسین بن احمد بن خالویہ مشہور امام ہیں اور صاحب تصانیف ہیں، جبکہ ۳۷۰ھ میں ان کا انتقال ہوا۔

بجائے البر بھی کہا گیا ہے)

(۵) محمد بن حارث بن حدیج بن حویص۔

(۶) محمد بن حماز بن مالک ۔عمری

(۷) محمد بن حمران بن ابی حمران ربیعہ بن مالک جعفی جو شوعر مشہور ہے۔

(۸) محمد بن خزاعی بن علقمہ بن حرابہ سلمی (بنوذکوان سے تعلق ہے)

(۹) محمد بن خولی ہمدانی

(۱۰) محمد بن سفیان بن مجاشع (تمیمی)

(۱۱) محمد بن یحمد ازدی

(۱۲) محمد بن یزید بن عمرو بن ربیعہ

(۱۳) محمد بن اسیدی

(۱۴) محمد الفقیمی[1]

ان میں سے صرف پہلے شخص نے اسلام کا دور پایا۔ اس کی خبر کے سیاق و سباق سے اس بات کا پتا چلتا ہے اور چوتھے (محمد بن براء) قطعی طور پر صحابی ہیں۔ حضرت قاضی عیاض رحمہ اللہ نے جن لوگوں کا ذکر کیا ہے ان میں محمد بن مسلمہ انصاری کا ذکر بھی کیا ہے، لیکن ان کا ذکر صحیح نہیں کیونکہ وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بیس سال سے بھی زیادہ وقت گزرنے پر پیدا ہوئے۔ لیکن انہوں نے اپنے پہلے کلام میں محمد بن یحمد کا ذکر کیا جو پہلے گزر چکا ہے۔ پس ان کے نزدیک چھ ہوئے ساتواں نہیں ہے۔ (فتح الباری جلد ۶ ص ۴۰۳)

بعض اسماء کی تشریح

محمود: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی محمود بھی ہے، اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ایک نام "الحمید" ہے اور اس کا معنی بھی محمود ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے خود بھی اپنی تعریف فرمائی اور بندوں نے بھی اس کی تعریف کی اور اللہ تعالیٰ نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا نام بھی محمود رکھا حضرت داؤد علیہ السلام کی کتاب تورات میں اسی طرح آیا ہے۔

ماحی: آپ کے اسم گرامی الماحی کی تشریح حدیث شریف میں کفر کو مٹانے کے ساتھ آئی ہے اور جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کفر کو مٹایا ہے اس طرح کسی دوسرے نے نہیں مٹایا۔ کیونکہ جب آپ مبعوث ہوئے تو تمام اہل زمین کفار تھے، بت پرست تھے، یہودی اور عیسائی تھے جو گمراہ تھے، صابئی اور دہری تھے جو اپنے رب اور قیامت کی معرفت نہیں رکھتے تھے۔ ستارہ پرست اور آتش پرست بھی تھے، فلاسفہ تھے جو انبیاء کرام

[1] امام زرقانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں مصنف علیہ الرحمہ سے پندرھواں نام چھوٹ گیا اور وہ فتح الباری میں مذکور ہے۔ یعنی محمد بن عمرو بن معقل (زرقانی، جلد ۳ ص ۱۶۰)

علیہم السلام کی شریعتوں کو نہیں جانتے تھے اور نہ ان کو مانتے تھے۔ پس نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تمام کفریات کو مٹایا حتیٰ کہ آپ کا دین وہاں تک پہنچ گیا جہاں تک شب و روز کی گردش ہے اور آپ کا پیغام سورج کی کرنوں کی طرح اطراف عالم تک رسائی پا گیا۔ چونکہ سمندر ہی میل کچیل کو مٹانے والے ہوتے ہیں تو اس اعتبار سے آپ کا اسم گرامی ماحی (مٹانے والا) ہوا۔

حاشر: آپ کے اسم گرامی حاشر کی وضاحت بھی حدیث شریف میں ہوئی ہے کہ آپ وہ ذات ہیں کہ لوگ آپ کے قدموں پر اٹھیں گے۔ یعنی آپ (قیامت کے دن) سب سے آگے ہوں گے اور لوگ آپ کے پیچھے ہوں گے۔ کہا گیا کہ یہ آپ کے سب سے پہلے اٹھنے کی طرف اشارہ ہے اور یہ بھی کہا گیا کہ آپ کے آگے اور اردگرد لوگ ہوں گے یعنی قیامت کے دن آپ کے پاس جمع ہوں گے۔ اہل کتاب کے لیے آپ کا یہ وصف اس طرح ہے کہ آپ نے ان لوگوں کو ان کے قلعوں اور شہروں سے اپنے دار ہجرت (مدینہ طیبہ) سے نکال باہر کیا۔ اس طرح کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو جس قدر چاہا دنیا میں شدت حشر کا مزہ چکھایا اور یہ عالم برزخ تک ان کے لیے باقی رہا۔

سب سے پہلے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے لیے زمین کھلے گی اور لوگ آپ کے قدموں کے نشان پر جمع ہوں گے اور اپنے محشر میں آپ کی طرف ہی مجبور ہوں گے اور کہا گیا ہے کہ پہلے اٹھنے کی وجہ سے ان کے لیے سبب بنیں گے۔

عاقب: آپ تمام انبیاء کرام علیہم السلام کے بعد تشریف لائے اور آپ کے بعد کوئی نبی نہیں کیونکہ عاقب، آخری کو کہتے ہیں یعنی آپ تمام انبیاء کرام علیہم السلام کے بعد تشریف لائے اور کہا گیا ہے کہ آپ کا یہ اسم گرامی جہنم کے حوالے سے ہے جب آپ تشریف لائیں گے تو آپ کی شفاعت کی حرمت کی وجہ سے جہنم کی آگ بجھ جائے گی اور ٹھہر جائے گی۔

جس طرح حدیث شریف میں مروی ہے کہ قرآن مجید پڑھنے والوں کی ایک جماعت جہنم میں داخل ہوگی تو وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر بھول جائیں گے۔ چنانچہ حضرت جبریل علیہ السلام ان کو یاد دلائیں تو وہ آپ کا ذکر کریں گے جس سے آگ بجھ جائے گی اور ان سے دور ہو جائے گی۔

المقفی: اس اسم گرامی کا مفہوم بھی یہی ہے۔ یعنی جو رسل عظام آپ سے پہلے تشریف لائے آپ ان کے نشانات پر ان کے بعد تشریف لائے۔ یہ لفظ "القفو" سے مشتق ہے۔ کہا جاتا ہے "قفا یقفوہ" جب کوئی کسی کے بعد ہو اسی سے "قافیۃ الراس" سر کا پچھلا حصہ اور "قافیۃ البیت" (گھر کا پچھلا حصہ) ہے۔ سو مقفی وہ رسول ہیں جو اپنے سے پہلے رسولوں کے بعد تشریف لائے پس وہ ان کے خاتم اور آخری ہیں۔

الاول: آپ کا اسم گرامی "الاول" اس اعتبار سے ہے کہ آپ تخلیق کے اعتبار سے تمام نبیوں سے پہلے ہیں۔ جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔ پس جس طرح آغاز کے اعتبار سے آپ اول ہیں، لوٹنے کے حوالے سے بھی آپ اول ہیں کہ سب سے پہلے آپ کے لیے زمین کھلے گی۔ آپ ہی سب سے پہلے جنت میں داخل ہوں گے۔ سب سے پہلے شفاعت کرنے والے ہوں گے اور جن کی شفاعت سب سے پہلے قبول ہوگی وہ آپ ہی ہیں۔ جس طرح عالم ارواح

میں ابتداء میں آپ ہی جواب دینے والے تھے، جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد سے وعدہ لیا اور انہیں ان کے نفسوں پر گواہ بناتے ہوئے پوچھا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ تو آپ نے ہی سب سے پہلے لفظ "بلی" (ہاں کیوں نہیں) کے ساتھ جواب دیا۔ پس نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مطلقاً سب سے اول ہیں۔

(کتاب الشفاء للقاضی عیاض جلد اول ص ۲۰۰)

الآخر: آپ کا اسم گرامی آخر اس لیے ہے کہ آپ بعثت میں سب نبیوں کے بعد ہیں۔ جس طرح حدیث شریف میں آیا ہے۔[1]

الظاهر: آپ کا اسم گرامی "الظاہر" اس وجہ سے ہے کہ آپ کا ظہور تمام ظاہر چیزوں پر غالب ہوا اور آپ کا دین تمام ادیان پر غالب آگیا پس آپ بھی ظہور کی تمام صورت میں ظاہر ہیں۔

الباطن: اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کو وحی ہوتی ہے، جس کے ذریعے آپ باطنی (پوشیدہ) امور پر مطلع ہوتے ہیں۔

الفاتح الخاتم: معراج شریف سے متعلق حدیث میں، حضرت ربیع بن انس کے طریق سے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ سے فرمایا:

وجعلتک فاتحا وخاتما۔ — اور میں نے آپ کو فاتح اور خاتم بنایا۔

اسی طرح حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت اور حدیث اسراء میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول مروی ہے:

وجعلنی فاتحا وخاتما۔ — اور اللہ تعالیٰ نے مجھے فاتح اور خاتم بنایا۔

(کتاب الشفاء جلد اول ص ۲۰۰)

پس نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہی وہ ذات ہیں جن کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے ہدایت کا بند دروازہ کھولا، آپ کے ذریعے نابینا آنکھوں کو بینا کیا، بہرے کانوں کو اور غلاف چڑھے دلوں کو سننے اور سمجھنے کی صلاحیت بخشی۔ کفر کے شہروں کو فتح فرمایا اور آپ ہی کے واسطے سے جنت کے دروازے کھولے۔ علم نافع اور عمل صالح کے راستے بھی آپ کے ذریعے کشادہ ہوئے۔ دنیا و آخرت، دل، سماعتیں بصارتیں اور بصیرتیں سب کچھ آپ کے ذریعے کھولا گیا۔ اس سے بعض اوقات انبیاء کرام میں تقدیم اور ان کے لیے اختتام مراد ہوتا ہے جس طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

کنت اول النبیین فی الخلق وآخرھم فی البعث۔ — میں تخلیق میں سب نبیوں سے پہلے اور بعثت میں ان سب سے آخر میں ہوں۔

(کتاب الشفاء جلد اول ص ۱۹۹۔ الفاظ میں کچھ اختلاف ہے)

---

[1] حدیث شریف میں ہے "کنت اول الانبیاء خلقا وآخرھم بعثا" (میں تخلیق میں سب نبیوں سے پہلے اور بعثت میں سب سے آخر میں ہوں)۔ (کتاب الشفاء جلد اول ص ۱۹۹)

الرءوف الرحیم: قرآن مجید میں ارشاد خداوندی ہے:

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِیْزٌ عَلَیْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِیْصٌ عَلَیْكُمْ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ۔ (توبہ: ۱۲۸)

البتہ تحقیق تمہارے پاس تم ہی میں سے ایک (عظیم) رسول تشریف لائے کہ ان پر وہ بات گراں گزرتی ہے، جو تمہیں مشقت میں ڈالے، وہ تمہارے (ایمان کے لیے) بہت حرص رکھنے والے ہیں، مومنوں پر مہربان رحم فرمانے والے ہیں۔

لفظ رءوف "فعول" کے وزن پر رافۃ سے بنا ہے۔ اس میں رحمت کے مقابلے میں زیادہ رقت پائی جاتی ہے۔ ابوعبیدہ (لغوی) کہتے ہیں "الرحیم" کا وزن فعیل ہے اور رحمت سے بنا ہے۔ کہا گیا ہے اطاعت کرنے والوں پر رؤف اور گناہگاروں پر رحیم ہیں۔

الحق المبین: آپ کے اسم گرامی "الحق المبین" سے متعلق ارشاد خداوندی ہے:

حَتّٰى جَآءَهُمُ الْحَقُّ وَرَسُوْلٌ مُّبِیْنٌ۔ (الزخرف: ۲۹)

حتیٰ کہ ان کے پاس حق اور رسول مبین تشریف لائے۔

اور ارشاد خداوندی ہے:

وَقُلْ اِنِّیْۤ اَنَا النَّذِیْرُ الْمُبِیْنُ۔ (الحجر: ۸۹)

اور آپ فرمادیجئے کہ میں واضح ڈر سنانے والا ہوں۔

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے:

قَدْ جَآءَكُمُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ۔ (یونس: ۱۰۸)

بے شک تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے حق آگیا۔

اور اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

فَقَدْ كَذَّبُوْا بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ۔ (الانعام: ۵)

بے شک انہوں نے حق کو جھٹلایا، جب وہ ان کے پاس آیا۔

کہا گیا کہ اس (حق) سے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں اور یہ بھی کہا گیا کہ قرآن مجید مراد ہے اور یہاں اس کا معنی باطل کی ضد ہے اور آپ کی سچائی اور آپ کا دین ثابت حق ہے اور مبین سے مراد آپ کے دین اور رسالت کا واضح ہونا ہے یا یہ کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ آپ کو دے کر مبعوث فرمایا، آپ اس کو واضح کرنے والے ہیں۔ جیسے ارشاد خداوندی ہے:

لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیْهِمْ۔ (النحل: ۴۴)

تاکہ آپ لوگوں کو وہ چیز بیان کریں جو ان کی طرف اتاری گئی۔

المؤمن: آپ کے اسم گرامی مومن کے بارے میں ارشاد خداوندی ہے:

وَمِنْهُمُ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ النَّبِيَّ وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ اُذُنٌ قُلْ اُذُنُ خَيْرٍ لَّكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَيُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ۔ (التوبۃ: ٦١)

اور ان میں سے بعض وہ ہیں جو نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اذیت پہنچاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ تو کان ہیں۔ آپ فرما دیجئے تمہاری بھلائی کے لیے کان ہیں، وہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اور مومنوں کی تصدیق کرتے ہیں۔

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

انا امنۃ لاصحابی۔

میں اپنے صحابہ کرام کے لیے امن کا باعث ہوں۔

(مسند امام احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۳۹۹)

تو بایں معنیٰ آپ مومن ہیں۔

المھیمن: ارشاد خداوندی ہے:

وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتَابِ وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ۔ (المائدہ: ۴۸)

اور ہم نے آپ کی طرف سچی کتاب نازل کی، جو ان کتب کی تصدیق کرتی ہے، جو اس سے پہلے ہیں اور اس پر محافظ ہیں۔

ابن جوزی نے زاد المسیر میں کہا ہے کہ ابن نجیح نے حضرت مجاہد رحمہ اللہ سے "مھیمنا علیہ" کے بارے میں روایت کیا کہ انہوں نے کہا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم قرآن مجید کے محافظ ہیں۔ وہ کہتے ہیں اس قول کی بنیاد پر کلام میں محذوف عبارت ہوگی، گویا یہ ارشاد فرمایا: وجعلناک یا محمد مھیمنا علیہ اور اے محمد! صلی اللہ علیہ وسلم ہم نے آپ کو اس پر محافظ بنایا اور حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ نے اپنے شعر میں آپ کو مھیمن کے طور پر ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

حتی احتوی بیتک المھیمن من خندف علیاء تحتھا النطق

"حتیٰ کہ آپ کا محفوظ گھر خندف (الیاس بن مضر کی بیوی جو شرف میں مشہور تھیں) کے نسب سے ہے اور سب گھرانے آپ کے گھرانے سے پست ہیں"۔

ایک روایت میں ثم اغتدی بیتک المھیمن (پھر صبح کے وقت تیرے گھر میں مھیمن آیا) کہا گیا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے یاایھا المھیمن مراد لیا یہ بات القتبی (عبداللہ بن مسلم بن قتیبہ الدینوری) اور امام ابو القاسم القشیری نے کہی ہے۔

العزیز: اس اسم گرامی کا معنیٰ بہت بڑی قدر والا یا وہ ذات جس کی کوئی مثل نہ ہو یا دوسروں کو اعزاز بخشنے والے (یا ان کی تکالیف سے پریشان ہونے والے)۔

حضرت قاضی عیاض رحمہ اللہ نے آپکے اس اسم گرامی پر اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد گرامی سے استدلال کیا ہے:

وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ۔ (المنافقون: ۸)

اور اللہ تعالیٰ کے لیے ہی عزت ہے اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے لیے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا "العزیز" کے نام سے موسوم ہونا جائز ہے۔ اسی طرح آپ کو "معز" بھی کہا جا سکتا ہے کیونکہ آپ کو عزت حاصل ہے۔

اعتراض: کوئی شخص کہہ سکتا ہے کہ یہ لفظ مومنوں کو بھی شامل ہے کیونکہ آیت کریمہ میں ان کا بھی عطف کے ساتھ ذکر ہے۔ لہٰذا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے یہ وصف خاص نہ ہوگا جبکہ غرض آپ کا اختصاص ہے۔ (شفاء شریف کے محشی) یمنی نے فرمایا کہ مجھے حضرت قاضی عیاض رحمہ اللہ پر تعجب ہے' ان سے یہ بات کیسے پوشیدہ رہ گئی۔

جواب: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا عزت کے جس رتبے کے ساتھ اختصاص ہے' وہ مقام کسی دوسرے کو حاصل نہیں ہے۔ واللہ اعلم

عالم' علیم' علم اور معلم امت: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ان اسماء گرامی پر قرآن پاک کی یہ آیات دلالت کرتی ہیں۔ ارشاد خداوندی ہے:

وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ۔ (النساء: ۱۱۳)

اور ہم نے آپ کو وہ کچھ سکھایا جو آپ نہیں جانتے تھے۔

نوٹ: آپ کو جن امور کا علم اور معرفت پہلے حاصل نہ تھی' ان کی طرف راہنمائی فرمائی اور آپ کو نئے پیدا ہونے والے امور' دل کی پوشیدہ باتوں' غیبی باتوں' دین اور شریعت کے احکام کا علم دیا۔ (زرقانی جلد ۳ ص ۱۶۷)

اور ارشاد فرمایا:

وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ۔ (البقرۃ: ۱۵۱) (کتاب الشفاء جلد اول ص ۲۰۰)

اور وہ (نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم) تمہیں کتاب و حکمت سکھاتے ہیں اور ان باتوں کی تعلیم دیتے ہیں' جن کو تم نہیں جانتے تھے۔

الخبیر: خبیر کا معنی اشیاء کی حقیقت پر مطلع ہونا اور ان کی حقیقت کو جاننا ہے۔ آپ کو مخبر بھی کہا جاتا ہے۔ خبیر سے متعلق قرآن پاک میں یوں ارشاد ہے:

اَلرَّحْمٰنُ فَسْئَلْ بِهٖ خَبِيْرًا۔ (فرقان: ۵۹)

وہ بڑی مہربانی والا ہے تو کسی جاننے والے سے اس کی تعریف پوچھ۔

قاضی بکر بن علاء[1] رحمہ اللہ نے فرمایا اور یہ بات الشفاء میں مذکور ہے کہ سوال کرنے کا حکم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے غیر کو دیا گیا اور جن سے سوال کیا گیا اور وہ خبر رکھنے والے ہیں وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں لیکن دوسرے حضرات نے فرمایا کہ سائل نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور مسئول اللہ تعالیٰ کی ذات ہے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان دونوں مذکورہ وجوہ سے خبیر ہیں۔

---

[1] بکر بن محمد بن علاء قشیری کی کنیت ابوالفضل تھی اور آپ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے تھے۔ مالکی فقہ کے بہت بڑے عالم تھے۔ علماء حدیث میں سے تھے اور صاحب تصانیف تھے۔ ۳۴۴ھ میں مصر میں انتقال فرمایا۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے اپنے پوشیدہ علم اور عظیم معرفت سے انتہائی درجہ کا علم عطا فرمایا اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو جن باتوں کے بتانے کی اجازت دی آپ نے اپنی امت کو اس سے آگاہ کیا لہٰذا آپ مخبر ہیں۔ (کتاب الشفاء جلد اول ص ۱۹۹)

العظیم: آپ کے اس اسم گرامی سے متعلق ارشاد خداوندی ہے:

وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ (القلم: ۴) اور بے شک آپ خلق عظیم کے مالک ہیں۔

تورات کے پہلے سفر میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بارے میں مذکور ہے کہ عنقریب آپ کی نسل میں ایک عظیم شخصیت عظیم امت کے لیے پیدا ہوگی پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم عظیم ہیں اور عظیم خلق والے ہیں۔

(کتاب الشفاء جلد اول ص ۱۹۸)

الشاکر والشکور: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنے آپ کو اس وصف سے موصوف فرمایا۔ ارشاد فرمایا:

افلا اکون عبدا شکورا۔ کیا میں شکر گزار بندہ نہ بنوں۔

(صحیح بخاری جلد ۲ ص ۷۱۶، صحیح مسلم جلد ۲ ص ۳۷۷)

یعنی کیا میں تہجد چھوڑ دوں اس طرح تو میں شکر گزار بندہ نہیں بن سکوں گا۔ معنی یہ ہے کہ مغفرت تہجد کے شکر ہونے کا سبب ہے تو میں اس کو کیسے چھوڑ دوں۔ اس بنیاد پر "فاء" سببیت کے لیے ہوگی۔

قاضی عیاض رحمہ اللہ "شکورا" کے بارے میں فرماتے ہیں کہ میں اپنے رب کی نعمتوں کا اعتراف کرنے والا ہوں اور اس کی قدر کو جانتا ہوں۔ اس پر تعریف کرنے والا اور اس میں اضافے کے لیے نفس کو مشقت میں ڈالنے والا ہوں کیونکہ ارشاد خداوندی ہے:

لَئِنْ شَکَرْتُمْ لَاَزِیْدَنَّکُمْ۔ (ابراہیم: ۷) اگر تم شکر کرو تو میں تمہیں زیادہ دوں گا۔

(کتاب الشفاء جلد اول ص ۲۰۰)

الشکار: شاکر کے مقابلے میں اس میں زیادہ مبالغہ ہے۔ سنن ابن ماجہ کی حدیث میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا بھی فرماتے تھے:

رب اجعلنی لک شکارا۔ اے میرے رب! مجھے اپنا بہت زیادہ شکر گزار بنا دے۔

(سنن ابن ماجہ ص ۲۷۲)

الکریم: آپ کا اسم گرامی کریم، اکرم اور "اکرم ولد آدم" ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے اس اسم گرامی کو اپنے اس ارشاد گرامی میں ذکر فرمایا:

اِنَّہٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ کَرِیْمٍ۔ (الحاقہ: ۴۰) بے شک وہ رسول کریم کا قول ہے۔

اس سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں۔ حضرت جبریل علیہ السلام مراد نہیں ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جب یہ بات فرمائی تو اس کے بعد فرمایا کہ یہ کسی شاعر یا نجومی کا قول نہیں۔ اور قریش یہ الفاظ (شاعر وغیرہ)

حضرت جبریل علیہ السلام کے لیے استعمال نہیں کرتے تھے۔ اس لیے "رسول کریم" سے اس جگہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مراد ہونا متعین ہو گیا۔ جیسا کہ آگے قرآن پاک کی آیات کے مقصد میں بیان ہو گا۔ ان شاء اللہ۔

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

انا اکرم ولد آدم۔ (الدر المنثور جلد ۶ ص ۱۱۹) میں تمام اولاد آدم سے زیادہ عزت والا ہوں (تمام انبیاء سے زیادہ معزز ہوں)۔

الولی: آپ کے اسم گرامی "الولی" اور "المولیٰ" کے حوالے سے حدیث شریف میں ہے۔ آپ نے خود فرمایا:

انا ولی کل مؤمن۔ میں ہر مومن کا دوست (اور مددگار) ہوں۔

(کتاب الشفاء جلد اول ص ۱۰۲)

الامین: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اعلان نبوت سے پہلے اور بعد بھی اس لقب کے ساتھ مشہور تھے اور آپ اس نام کے تمام جہان والوں سے زیادہ مستحق ہیں۔ آپ اپنی وحی اور دین کے اعتبار سے امین ہیں اور آپ آسمان و زمین والوں کے امین ہیں۔

الصادق: آپ کا اسم گرامی الصادق اور المصدوق بھی ہے۔ حدیث شریف میں آپ کے ان دونوں ناموں کا ذکر ہے[1] اور ان کا معنی ظاہر ہے۔ اسی طرح آپ کا اسم گرامی "صدق" بھی ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کی قوم نے جھٹلایا تو آپ غمگین ہو گئے۔ اس پر حضرت جبریل علیہ السلام نے عرض کیا کہ وہ لوگ جانتے ہیں کہ آپ سچے ہیں۔

الطیب اور ماذ ماذ: آپ کا اسم گرامی الطیب اور ماذ ماذ بھی ہے۔ اس میں میم، پھر الف اس کے بعد ذال تنوین والی پھر میم، اس کے بعد الف اور پھر ذال ہے۔ (ماذ ماذ)

اسی طرح میں نے بعض علماء کے حوالے سے دیکھا ہے اور حجازی[2] نے شفاء شریف پر اپنے حاشیہ میں امام سہیلی سے نقل کرتے ہوئے میم کے ضمہ، ہمزہ کے اشمام اور واو اور الف ممدودہ کے درمیان ضمہ کے ساتھ نقل کیا اور کہا کہ میں نے ایک ایسے شخص سے نقل کیا جو علمائے بنی اسرائیل میں سے تھا اور مسلمان ہو گیا۔ اور کہا کہ اس کا معنی طیب (پاک) ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ سب پاک لوگوں سے زیادہ پاکیزہ ہیں۔

آپ کے لیے اتنی ہی بات کافی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پسینہ مبارک حاصل کیا جاتا تھا تاکہ اسے بطور خوشبو استعمال کیا جائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی وہ خوشبو ہیں جسے اس نے عالم وجود میں پھیلایا تو اس سے تمام کائنات معطر ہوئی۔ دلوں کو اس سے بلندی ملی اور انہوں نے آپ سے غذا حاصل کی تو وہ طیب

---

[1] حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ہم سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا اور آپ صادق و مصدوق ہیں۔ (صحیح بخاری جلد اول ص ۴۶۹)

[2] حجازی سے مراد احمد بن محمد بن علی حجازی انصاری ہیں جو ادیب، شاعر اور صاحب تصانیف ہیں۔ ۸۷۵ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔

ہو گئے اور روحوں نے اسے سانسوں میں بسایا تو انہیں ترقی حاصل ہوئی۔

الطاہر، المطہر، المقدس: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم گناہوں سے پاک ہیں۔ جیسے ارشاد خداوندی ہے:

لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ۔(الفتح: ۲)
تاکہ اللہ تعالیٰ تمہارے سبب سے گناہ بخشے تمہارے اگلوں اور تمہارے پچھلوں کے۔(کنز الایمان)

یا آپ کی ذات مبارک کے ذریعے گناہوں سے پاکیزگی حاصل ہوتی ہے اور آپ کی اتباع کر کے آدمی پاکیزہ ہوتا ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَيُزَكِّيهِمْ۔(البقرہ: ۱۲۹)
اور آپ ان کو پاک کرتے ہیں۔

اور ارشاد فرمایا:

وَيُخْرِجُهُمْ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ۔(المائدہ: ۱۶)
اور وہ (نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم) ان کو اندھیروں سے روشنی کی طرف نکالتے ہیں۔

یا مقدس بمعنی مطہر ہے۔ آپ برے اخلاق اور اوصاف بد سے پاک ہیں۔

العفو اور الصفوح: ان دونوں کا ایک ہی مفہوم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن مجید، تورات اور انجیل میں اس وصف سے موصوف ذکر فرمایا جس طرح صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاصی رضی اللہ عنہما سے مروی ہے:

ولا يجزى بالسيئة السيئة ولكن يعفو ويصفح۔(صحیح بخاری جلد ۲ ص ۷۱)
آپ برائی کا بدلہ برائی سے نہیں دیتے بلکہ معاف کرتے اور درگزر فرماتے ہیں۔

اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو معاف کرنے کا حکم دیا۔ ارشاد خداوندی ہے:

خُذِ الْعَفْوَ۔(الاعراف: ۱۹۹)
آپ معاف کرنے کا طریقہ اختیار فرمائیں۔

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ۔(المائدہ: ۱۳)
پس آپ ان کو معاف کریں اور درگزر سے کام لیں۔

(کتاب الشفاء جلد اول ص ۲۰۲)

العطوف: آپ کے اسم گرامی العطوف کا معنی بہت زیادہ شفقت فرمانے والے ہے۔ چونکہ آپ اپنی امت پر بہت زیادہ شفیق اور مہربان تھے اس لیے آپ کا یہ نام رکھا گیا۔

النور: اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

قَدْ جَاءَكُمْ مِنَ اللّٰهِ نُورٌ۔(المائدہ: ۱۵)
بے شک اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہارے پاس نور آیا۔

کہا گیا ہے کہ اس سے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں اور یہ بھی کہا گیا کہ اس سے قرآن مجید

مراد ہے۔[1] پس آپ اللہ تعالیٰ کے ایسے نور ہیں جس کو بجھایا نہیں جا سکتا۔ (کتاب الشفاء جلد اول ص ۱۹۸)

السراج: اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں آپ کو سراج کے نام سے ذکر فرمایا۔ ارشاد خداوندی ہے:

وَسِرَاجًا مُّنِيرًا۔ (الاحزاب: ۴۶) اور (ہم نے آپ کو) روشن چراغ (بنا کر بھیجا)۔

کیونکہ آپ کا دین اور ثبوت نہایت واضح ہے اور آپ جو کچھ لائے اس سے آپ نے مومنوں اور عارفین کے دلوں کو روشن کر دیا۔ پس آپ اپنی ذات میں روشن اور دوسروں کو روشن کرنے والے ہیں۔

لہٰذا آپ روشن کرنے میں کامل چراغ ہیں اور آپ کو سورج کی طرح تیز بھڑکنے والا چراغ قرار نہیں دیا کیونکہ منیر وہ ہوتا ہے جو جلانے کے بغیر روشن کرتا ہے بخلاف وہاج (بھڑکانے والا) کے (کہ وہ جلاتا ہے)۔

الھادی: اس کا معنی راہنمائی کرنے والا اور (دین کی طرف) بلانے والا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

وَاِنَّكَ لَتَهْدِيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ۔ (الشوریٰ: ۵۲) اور بے شک آپ سیدھے راستہ کی طرف راہنمائی فرماتے ہیں۔

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ۔ (الاحزاب: ۴۶) کتاب الشفاء جلد اول ص ۲۰۲) اور آپ اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس کی طرف بلانے والے ہیں۔

البرھان: ارشاد خداوندی ہے:

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ۔ (النساء: ۱۷۴) اے لوگو! تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے برہان (دلیل یا معجزہ) آگئی۔

کہا گیا ہے کہ اس سے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ آپ کے معجزات مراد ہیں اور کہا گیا ہے کہ قرآن مجید مراد ہے۔

النقیب: ایک روایت میں ہے کہ جب بنو نجار قبیلے کے نقیب ابو امامہ اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا بہت دکھ ہوا اور اس کے بعد آپ نے ان پر کوئی نقیب (نگران اور ذمہ دار) مقرر نہ فرمایا اور ارشاد فرمایا: میں تمہارا نقیب ہوں تو یہ بات ان لوگوں کے لیے فخر کا باعث تھی۔ نقیب وہ شخص ہوتا ہے جو کسی قوم کا نگران اور ذمہ دار ہو۔ (طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۶۱۱)

الجبار: حضرت داؤد علیہ السلام کے مزامیر میں آپ کا یہ نام مذکور ہے' انہوں نے مزمور نمبر ۴۴ میں فرمایا: اے جبار! اپنی تلوار لٹکائیں بے شک آپ کی ناموس اور شریعت آپ کے دائیں ہاتھ کی ہیبت سے ملی ہوئی ہے کیونکہ آپ وہ جبار ہیں جنہوں نے تلوار کے ذریعے مخلوق کو حق پر مجبور کیا اور ان کو زبردستی کفر سے پھیرا۔[2]

---

[1] امام زرقانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں پہلی بات (یعنی حضور علیہ السلام کا مراد ہونا) زیادہ صحیح ہے۔ (زرقانی جلد ۳ ص ۱۷۱)

[2] اسلام' تلوار سے نہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم و تربیت اور اخلاق عالیہ سے پھیلا۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو رعب اور دبدبہ عطا فرمایا۔ ۱۲ ہزاروی۔

قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے آپ سے تکبر کے جبر کو دور رکھا جو آپ کے لائق نہیں ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

وَمَآ اَنۡتَ عَلَیۡهِمۡ بِجَبَّارٍ۔(ق: ۴۵) اور آپ ان پر جبار نہیں ہیں۔

یہ اسم اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ہے اور اس سے بندے کا حصہ صرف اس قدر ہے کہ اسے دوسروں کو اپنے پیچھے لانے کا درجہ حاصل ہو جائے۔ وہ اتباع کے درجہ سے اوپر چلا جائے اور مخلوق اس کی ہیبت کے باعث اس کی سیرت و کردار میں اقتداء پر مجبور ہو اور وہ مخلوق کو فائدہ دے، خود اس سے فائدہ حاصل نہ کرے اور حقیقت میں اس صفت سے صرف نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حصہ ملا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لوکان موسی حیا ما وسعه الا اتباعی۔(الاسرار المرفوعہ ص ۱۹۲) اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام زندہ ہوتے تو انہیں بھی میری اتباع کے سوا کوئی چارہ کار نہ ہوتا۔

الشاهد اور الشهید: اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان دونوں ناموں سے موسوم فرمایا۔ ارشاد خداوندی ہے:

اِنَّآ اَرۡسَلۡنٰكَ شَاهِدًا۔(الاحزاب: ۴۵) بے شک ہم نے آپ کو شاہد بنا کر بھیجا۔

یعنی آپ کو ان کی طرف جس چیز کے ساتھ بھیجا گیا اس کی تصدیق و تکذیب نیز ان کی نجات و گمراہی پر آپ گواہ ہیں۔ اور ارشاد خداوندی ہے:

وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيۡكُمۡ شَهِيدًا۔ (البقرہ: ۱۴۳) اور رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) تم پر شہید (گواہ) ہیں۔

ایک روایت میں ہے کہ قیامت کے دن امتیں انبیاء کرام کی تبلیغ کا انکار کریں گی تو اللہ تعالیٰ ان سے تبلیغ پر گواہ طلب فرمائے گا حالانکہ وہ بہتر جانتا ہے۔ مقصد صرف منکرین پر حجت قائم کرنا ہوگا۔ چنانچہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کو لایا جائے گا اور وہ گواہی دیں گے۔ وہ امتیں کہیں گی کہ تم نے کیسے معلوم کیا؟ وہ کہیں گے اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب ناطق میں اپنے سچے نبی کی زبان پر اس کی خبر دی جس سے ہمیں معلوم ہوا۔ چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بلا کر آپ سے آپ کی امت کا حال پوچھا جائے گا تو آپ ان کے عادل ہونے کی گواہی دیں گے۔

تو یہ شہادت اگرچہ ان کے لیے ہوگی لیکن جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت پر نگرانی کرنے والے کی طرح ہیں تو لفظ علی کے ساتھ متعدی کرتے ہوئے صلہ کو مقدم کیا گیا۔ (یعنی "علیکم" فرمایا) تاکہ یہ اس بات پر دلالت ہو کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صرف ان پر گواہ ہیں۔ (تفسیر بیضاوی جلد اول ص ۷۸)

الناشر: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی ناشر اس لیے رکھا گیا کہ آپ نے اسلام پھیلایا اور احکام شریعت کو ظاہر کیا۔

المزمل: اس کی اصل المتزمل ہے۔ تاء کا زاء میں ادغام کیا گیا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے موسوم کیا گیا۔ کیونکہ روایت میں آتا ہے کہ پہلی وحی کے موقعہ پر آپ حضرت جبریل علیہ السلام سے خوفزدہ ہوئے

اور آپ نے کپڑا اوڑھ لیا۔ یہ بھی کہا گیا کہ جب حضرت جبریل علیہ السلام آئے تو آپ ایک کپڑے میں لپٹے ہوئے تھے۔ سدی کہتے ہیں اس کا معنی یہ ہے کہ اے سونے والے! وہ فرماتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آرام کرنے کا کپڑا لپیٹ رکھا تھا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں اس کا مطلب ہے "المتزمل بالقرآن" یعنی قرآن پاک آپ کا اوڑھنا بچھونا تھا اور حضرت عکرمہ اسے نبوت سے تعبیر کرتے ہیں۔

کہا گیا کہ یہ اسم، لفظ "الزمل" سے بنا ہے جس کا معنی اٹھانا ہے۔ اسی سے "الزاملہ" کا لفظ ہے، آپ نبوت کا بوجھ اٹھانے والے ہیں۔ اس اعتبار سے تزمل کا لفظ بطور مجاز استعمال ہوا۔

امام سہیلی فرماتے ہیں: المزمل نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے معروف ناموں میں سے نہیں ہے، بلکہ یہ آپ کی حالت سے مشتق ہے کہ آپ نے حالتِ خطاب میں یہ لباس اختیار کر رکھا تھا اور عربی لوگ جب مخاطب سے کوئی نرمی اختیار کرنا چاہتے ہیں اور اسے عتاب نہیں کرتے تو ایسے نام سے پکارتے ہیں جو اس کی حالت سے مشتق ہو۔ جس طرح حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ مٹی پر آرام فرما ہوئے اور مٹی آپ کے پہلو سے لگ گئی تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اے ابو تراب! اٹھو" یہ اس بات کی طرف اشارہ تھا کہ آپ ان سے لطف و کرم کا سلوک فرما رہے تھے۔ پس "یاایھا المزمل" میں آپ کو مانوس کرنا اور لطف و کرم کا اظہار ہے۔

اور جو کچھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے وہ فرماتی ہیں کہ آپ نے ایک چادر اوڑھ رکھی تھی جس کی لمبائی چودہ ہاتھ تھی۔ اس کا آدھا حصہ مجھ پر تھا اور میں سوئی ہوئی تھی اور آدھا حصہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر تھا۔ تو یہ روایت واضح جھوٹ ہے۔ کیونکہ یاایھا المزمل (سورۂ مزمل) کا نزول مکہ مکرمہ میں اس وقت ہوا جب آپ کی بعثت کا آغاز تھا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی رخصتی مدینہ طیبہ میں ہوئی۔

المدثر: اس کی اصل "المتدثر" ہے اور تاء کا دال میں ادغام کیا گیا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں غار حرا میں تھا کہ مجھے آواز دی گئی۔ میں نے اپنی دائیں اور بائیں طرف دیکھا تو کچھ بھی نظر نہ آیا۔ میں نے اپنے اوپر کی طرف دیکھا تو وہ آسمان اور زمین کے درمیان تخت پر تھا یعنی وہ فرشتہ جس نے آپ کو آواز دی تھی، (آپ فرماتے ہیں:) میں گھبرا کر (حضرت) خدیجہ (رضی اللہ عنہا) کی طرف لوٹا اور کہا مجھے کمبل اوڑھاؤ، مجھے کمبل اوڑھاؤ۔ اب حضرت جبریل علیہ السلام اترے اور انہوں نے کہا یاایھا المدثر (اے کمبل اوڑھنے والے)۔ (صحیح بخاری جلد ۲ ص ۷۳۲، صحیح مسلم جلد اول ص ۹۰)

حضرت عکرمہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں اے نبوت کا بوجھ اٹھانے والے آپ نے اس کام کی ذمہ داری اٹھائی ہے پس اٹھیے۔

کہا گیا ہے کہ آپ کو شروع شروع میں المزمل اور المدثر کہہ کر پکارا گیا۔ پس جب نبوت کا آغاز ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو نبوت اور رسالت سے پکارا۔ (یاایھا النبی اور یاایھا الرسول)

طٰہٰ: نقاش نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا۔ آپ نے فرمایا قرآن پاک میں میرے سات نام

مذکور) ہیں۔ پس آپ نے ان میں طٰہٰ کا بھی ذکر کیا اور کہا گیا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا نام ہے اور کہا گیا کہ اس کا معنی "اے مرد" ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ اے انسان اور یہ بھی کہا گیا کہ اے طاہر، اے ہادی! یعنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں۔ واسطی[1] سے یہ بات مروی ہے۔

کہا گیا ہے کہ اس کا معنی یہ ہے اے امت کی شفاعت کی طمع رکھنے والے اور اے مخلوق کو ملت کی طرف ہدایت دینے والے، یہ بھی کہا گیا ہے کہ طاء کے نو اور ہاء کے پانچ عدد ہیں اور یہ چودہ ہیں۔ گویا یوں کہا گیا اے چودھویں کے چاند! اور یہ نہایت عمدہ تاویل ہے لیکن اعتماد اسی بات پر ہے کہ یہ دونوں حروف کے نام ہیں۔

یٰس: ابو محمد مکی رحمہ اللہ نے نقل کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے۔ آپ نے فرمایا: میرے رب کے ہاں میرے دس نام ہیں جن میں سے ایک یٰسین ہے اور کہا گیا ہے کہ بنو طئی کی لغت میں اس کا معنی "اے انسان" ہے۔ کہا گیا کہ حبشی زبان میں اور ایک قول کے مطابق سریانی زبان میں یہ معنی ہے۔ امام بیضاوی اور ابن خطیب وغیرہ کے مطابق اس کی اصل یا انیسین ہے۔ اس کے ساتھ ندا کے زیادہ ہونے کی وجہ سے اس کو مختصر کر کے یاسین بنا دیا گیا۔ لیکن اس بات پر یہ اعتراض کیا گیا کہ عربوں سے اس کی تصغیر انیسین معلوم نہیں ہے۔ بلکہ ان سے ان کی تصغیر انیسیان منقول ہے۔

ان سے اس کی تصغیر کے سلسلے میں جو "انیسیان" کا لفظ منقول ہے یعنی یاء اور اس کے بعد الف "ہے اور تصغیر، تحقیر کے لیے آتی ہے تو نبوت کے حق میں یہ بات ممتنع ہے۔ کیونکہ علماء کرام نے واضح طور پر بیان کیا کہ عظمت والے ناموں میں شرعی طور پر تصغیر کا عمل دخل نہیں ہوتا۔

مزید تفصیل چھٹے مقصد کی پانچویں نوع کی چوتھی فصل میں آئے گی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

حضرت ابن حنفیہ رضی اللہ عنہ[2] سے منقول ہے کہ اس کا معنی یا محمد! ہے۔ حضرت ابو العالیہ رحمہ اللہ کہتے ہیں اس کا معنی یا رجل (اے مرد) ہے۔ حضرت ابو بکر وراق رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ "یا سید البشر" (اے انسانوں کے سردار) کے معنی میں ہے۔ حضرت جعفر صادق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کرتے ہوئے "یا سید" کہا گیا تو اس اعتبار سے اس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم ہے۔

الفجر: حضرت ابن عطاء رحمہ اللہ[3] فرماتے ہیں قرآن مجید کی اس آیت میں جس فجر کا ذکر ہے، اس سے

---

[1] واسطی، ابو بکر محمد بن موسیٰ واسطی ہیں، امام عارف ہیں۔ حضرت جنید رضی اللہ عنہ کے بڑے بڑے پیروکاروں میں سے ہیں۔ تصوف میں ان کا اچھا کلام ہے، ۳۲۰ھ کے بعد مقام مرو میں انتقال فرمایا۔

[2] حضرت ابن حنفیہ رضی اللہ عنہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے ہیں۔ ثقہ عالم اور مدنی ہیں۔ حدیث کی چھ کتب (صحاح ستہ) کے راویوں میں سے ہیں۔ ۸۰ھ کے بعد آپ کا انتقال ہوا اور آپ اپنی والدہ کی نسبت سے مشہور ہیں یعنی حنفیہ آپ کی والدہ ہیں۔

[3] احمد بن محمد بن سہل بن عطاء بغدادی۔ ان کی کنیت ابو العباس ہے۔ زاہد تھے حضرت جنید بغدادی رحمہ اللہ کی صحبت میں رہے۔ ۳۰۹ھ میں آپ کا وصال ہوا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں کیونکہ آپ سے ایمان پھوٹ کر نکلا۔ آیت کریمہ یہ ہے:

وَالْفَجْرِ وَلَيَالٍ عَشْرٍ۔(الفجر: ۱-۲) فجر اور دس راتوں کی قسم۔

یہ عجیب تاویل ہے کسی اور سے معلوم نہ ہو سکی اور صحیح بات یہ ہے کہ اس فجر سے صبح مراد ہے جس کے بارے میں ارشاد خداوندی ہے:

وَالصُّبْحِ إِذَا تَنَفَّسَ۔(التکویر: ۱۸) اور صبح کی قسم جب وہ سانس لے۔

القوی: ارشاد خداوندی ہے:

ذِي قُوَّةٍ عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ مَكِينٍ۔ (التکویر: ۲۰) جو قوت والا ہے، مالک عرش کے حضور عزت والا۔

کہا گیا کہ اس (ذی قوت) سے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں اور ایک قول کے مطابق حضرت جبرئیل علیہ السلام مراد ہیں۔ اس سلسلے میں مزید گفتگو چھٹے مقصد میں ہوگی۔

اور حضرت ابن عطاء نے ارشاد خداوندی:

قٓ وَالْقُرْآنِ الْمَجِيدِ(ق: ۱) ق اور قرآن مجید کی قسم ہے۔

کے بارے میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی قلبی قوت کی قسم کھائی جب آپ نے خطاب اور مشاہدہ کو برداشت کیا اور اس نے آپ کے دل پر اثر نہ کیا کیونکہ اس دل کا درجہ بلند ہے لیکن اس تاویل میں جو کچھ ہے وہ مخفی نہیں ہے۔

النجم: حضرت جعفر بن محمد بن حسین رضی اللہ عنہ ارشاد خداوندی:

وَالنَّجْمِ إِذَا هَوَىٰ۔(النجم: ۱) اور چمکتے ستارے (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کی قسم جب اترے۔

کے بارے میں فرماتے ہیں کہ اس سے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں۔ جب آپ معراج کی رات آسمان سے اترے تو اس سلسلے میں اذا ھوی فرمایا۔ اور حضرت سلمی[1] ارشاد خداوندی:

وَالسَّمَاءِ وَالطَّارِقِ ۝ وَمَا أَدْرَاكَ مَا الطَّارِقُ ۝ النَّجْمُ الثَّاقِبُ۔(الطارق: ۱-۳) آسمان کی قسم اور رات کو آنے والے کی اور کچھ تم نے جانا وہ رات کو آنے والا کیا ہے خوب چمکتا تارا۔

کے بارے میں فرماتے ہیں کہ یہاں نجم سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو النجم اس لیے کہا گیا کہ آپ سے ہدایت کے طریقوں میں راہنمائی حاصل ہوتی ہے جس طرح نجم (ستارے) کے ذریعے راستوں کی رہنمائی حاصل کی جاتی ہے۔

الشمس: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ نفع کے حصول آپ کے مرتبہ کی بلندی، آپ کی شریعت

---

[1] ابو عبدالرحمن محمد بن ازدی جو اپنے دادا سلیم نیشاپوری کی نسبت سے سلمی کہلاتے ہیں۔ حافظ محدث، صوفی اور صاحب تصانیف ہیں، صاحب کرامات ہیں۔ ۴۱۲ھ میں وصال ہوا۔ (زرقانی جلد ۳ ص ۱۷۸)

کے ظہور اور آپ کی قدر و منزلت کی عظمت و جلال کی وجہ سے آپ کو "الشمس" کہا گیا۔ اس لیے کہ آپ کے کمال کا احاطہ نہیں ہو سکتا۔ حتیٰ کہ آپ کو دیکھنے والا آپ کے جلال کی وجہ سے آپ کو نظر بھر کر نہیں دیکھ سکتا تھا۔
جس طرح سورج عام سیاروں سے بلند مرتبہ ہے کہ وہ چھٹے آسمان میں ہے اور دوسرے ستاروں کے مقابلے میں اس سے زیادہ نفع حاصل ہوتا ہے اور سورج کا جسم اتنا بڑا ہے کہ آنکھ اس کا ادراک نہیں کر سکتی، نیز جب تمام ستارے اس کی روشنی سے اکتساب فیض کرتے ہیں تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو الشمس کہنا بھی مناسب ہے، کیونکہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام نے آپ کے نور سے روشنی حاصل کی۔[1]
النبی اور الرسول: یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص سے ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو قرآن مجید میں ان دونوں ناموں سے پکارا۔ دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کو ان ناموں سے نہیں پکارا گیا۔
پھر لفظ نبوءۃ ھمزہ کے ساتھ النباء سے ماخوذ ہے۔ یعنی خبر اور تسہیل کے طور پر ھمزہ کے بغیر (نبوت) بھی پڑھتے ہیں۔ معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے غیب پر اطلاع دی اور آپ کو بتایا کہ آپ اللہ تعالیٰ کے نبی ہیں۔ پس خبر دیئے ہوئے نبی ہیں یا آپ ان باتوں کی خبر دیتے ہیں، جن کے ساتھ آپ کو اللہ تعالیٰ نے مبعوث فرمایا اور جن باتوں پر آپ کو مطلع فرمایا ان کی بھی خبر دیتے ہیں۔
اگر ھمزہ کے بغیر ہو تو نبوۃ سے مشتق ہے اور وہ زمین کا بلند حصہ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ آپ کا مرتبہ نہایت بلند ہے اور اللہ تعالیٰ کے ہاں آپ کا درجہ بہت بلند و بالا ہے۔
حضرت شیخ زرکشی رحمہ اللہ نے قصیدہ بردہ شریف کی شرح میں فرمایا کہ حضرت نافع[2] رضی اللہ عنہ پورے قرآن میں النبیء ھمزہ کے ساتھ پڑھتے تھے اور اس (ھمزہ) کا چھوڑنا بہتر ہے۔
نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی لغت بھی یہی ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ ایک شخص نے کہا یا نبیء اللہ یعنی ھمزہ کے ساتھ کہا تو آپ نے اس سے فرمایا میں نبیء اللہ نہیں ہوں بلکہ میں نبی اللہ ہوں۔ (المستدرک للحاکم جلد ۲ ص ۲۳۱) پس آپ نے ھمزہ کا انکار فرمایا کیونکہ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی لغت میں سے نہ تھا۔
(مشہور امام ابونصر اسماعیل بن حماد) جوہری اور الصاغانی[3] فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لیے انکار فرمایا کہ اعرابی کی اس سے یہ مراد تھی کہ اے وہ شخص جو مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ کی طرف نکلا۔ کہا جاتا ہے نبات من ارض الی ارض جب تو ایک جگہ سے دوسری جگہ جائے۔

---

[1] حضرت امام بوصیری رحمہ اللہ قصیدہ بردہ شریف میں فرماتے ہیں:

و کلهم من رسول الله ملتمس
غرفا من البحر او رشفا من الديم

"آپ کے دریا و باراں کے سبھی سائل ہوئے ۔۔۔ ایک چلو ہو عطا یا ایک ہی قطرہ ملے"۔

[2] حضرت نافع بن عبد الرحمن قاری مدنی ہیں، نہایت سچے اور قراءت میں مضبوط ہیں۔ ۱۶۹ھ میں آپ کا وصال ہوا۔

[3] حسن بن محمد صاغانی مشہور علامہ ہیں۔ ۵۷۷ھ میں پیدائش ہوئی اور ۶۵۰ھ میں وصال ہوا۔

قراء کی ایک جماعت نے اس حدیث میں کلام کیا ہے۔ امام حاکم رحمہ اللہ نے اسے المستدرک میں حضرت ابوالاسود کے واسطے سے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا اور فرمایا یہ شیخین (حضرت امام بخاری اور حضرت امام مسلم رحمہما اللہ) کی شرط پر صحیح ہے۔ لیکن ان کا یہ قول محل نظر ہے کیونکہ اس میں حسین جعفی ہے۔ ان میں سے بعض نے اسی طرح کہا یہ راوی شیخین کی شرط کے مطابق نہیں۔

حضرت ابو عبید رضی اللہ عنہ نے اسے روایت کرتے ہوئے کہا ہم سے محمد بن سعد نے بیان کیا۔ انہوں نے حمزہ زیات سے اور انہوں نے حمران بن اعین سے روایت کیا کہ ایک شخص نے کہا' (آخر تک مندرجہ بالا حدیث ذکر کی) اور یہ حدیث منقطع ہے۔ (جس حدیث میں کوئی راوی چھوٹ جائے وہ حدیث منقطع ہوتی ہے۔)

رسول وہ انسان ہے جسے اللہ تعالیٰ نے نئی شریعت کے ساتھ مخلوق کی طرف بھیجا (اور) وہ لوگوں کو اس (شریعت) کی طرف بلاتا ہے۔

نبی اور رسول میں فرق

اس بارے میں اختلاف ہے کہ کیا نبی اور رسول کا مفہوم ایک ہے یا ان کا الگ الگ معنی ہے؟

بعض لوگوں نے پہلے موقف اختیار کیا اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد گرامی سے استدلال کیا ہے:

وَمَآ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ قَبۡلِكَ مِنۡ رَّسُوۡلٍ وَّلَا نَبِىٍّ۔ (الحج: ۵۲)

اور ہم نے آپ سے پہلے کسی رسول اور نبی کو نہیں بھیجا۔ (مگر سب پر یہ واقعہ گزرا کہ جب انہوں نے پڑھا تو شیطان نے ان کے پڑھنے میں لوگوں پر کچھ اپنی طرف سے ملا دیا۔ تو مٹا دیتا ہے اللہ اس شیطان کے ڈالے ہوئے کو پھر اللہ تعالیٰ اپنی آیات پکی کر دیتا ہے' اللہ علم و حکمت والا ہے)

تو دونوں کے لیے ایک ہی لفظ ارسال ثابت فرمایا۔ اس بنیاد پر ہر نبی رسول اور ہر رسول' نبی ہوتا ہے۔

کچھ دوسرے لوگوں نے دوسرا موقف اختیار کیا اور وہ یہ کہ نبوت میں دونوں (نبی اور رسول) جمع ہوتے ہیں اور نبوت غیب پر اطلاع ہے اور نبوت کے خواص سے خبردار کرنا یا اس معرفت کے ذریعے بلندی کا حصول ہے۔ لیکن ارسال کے اضافے میں دونوں جدا جدا ہیں۔ ان لوگوں کی دلیل بھی یہی (مندرجہ بالا) آیت ہے۔ کیونکہ قرآن پاک میں دونوں کے لیے الگ الگ نام بیان ہوئے۔ اگر دونوں ایک ہی ہوتے تو کلام بلیغ میں ان کا تکرار اچھا نہ ہوتا اور معنی یوں ہوتا اور ہم نے کسی امت کی طرف کسی نبی کو نہیں بھیجا یا کوئی نبی کسی امت کی طرف نہیں بھیجا گیا۔

کچھ دوسرے لوگوں کا مذہب یہ ہے کہ رسول وہ ہوتا ہے جو نئی شریعت لے کر آتا ہے اور جو نئی شریعت نہ لائے وہ نبی ہوتا ہے رسول نہیں ہوتا۔ اگرچہ اسے تبلیغ اور ڈر سنانے کا حکم دیا جاتا ہے۔

اور صحیح بات یہ ہے کہ ہر رسول نبی ہوتا ہے لیکن ہر نبی' رسول نہیں ہوتا۔

ہاں ہم اس سلسلے میں یوں کہہ سکتے ہیں کہ یہ کلام وہ کرتا ہے جس کو تحقیق نہ ہو حضرت جبریل علیہ السلام رسول ہیں اور ان کے علاوہ فرشتے رسالت (پیغام) کی وجہ سے رسول ہیں لیکن نبی نہیں ہیں تو اس سے عمدہ برآ ہونے کا طریقہ یہ ہے کہ رسول اور نبی میں فرق کرنے کے لیے بشری رسول کی قید لگائی جائے۔

پھر نبوت اور رسالت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے اور نہ ذاتی وصف ہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس منصب کے لیے خاص کیا کرامیہ کا مذہب اس کے خلاف ہے۔[1]

قرافی کہتے ہیں جیسا کہ ان سے ابن مرزوق نے نقل کیا کہ بہت سے لوگوں کا عقیدہ یہ ہے کہ نبوت محض وحی کا نام ہے لیکن یہ بات باطل ہے کیونکہ وحی تو ان لوگوں کو بھی ہوتی ہے جو نبی نہیں ہیں جس طرح حضرت مریم علیہا السلام کو وحی ہوئی لیکن صحیح قول کے مطابق وہ نبی نہیں ہیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

فَاَرْسَلْنَآ اِلَيْهَا رُوْحَنَا۔ (مریم: ۱۷) پس ہم نے ان (حضرت مریم علیہا السلام) کی طرف اپنی روح (جبریل علیہ السلام) کو بھیجا۔

اور فرمایا:

اِنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكِ۔ (آل عمران: ۴۵) بے شک اللہ تعالیٰ آپ کو خوشخبری دیتا ہے۔

صحیح مسلم میں ہے اللہ تعالیٰ نے ایک فرشتے کو ایک شخص کی طرف اس کے راستے میں بھیجا اور وہ اپنے کسی دینی بھائی سے ملاقات کے لیے نکلا تھا۔ فرشتے نے اس سے کہا اللہ تعالیٰ تجھ سے محبت کرتا ہے کیونکہ تو اپنے بھائی سے اللہ تعالیٰ کے لیے محبت کرتا ہے--- لیکن یہ نبوت نہیں ہے۔ کیونکہ محققین کے نزدیک یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بعض کے لیے انسانی حکم کے تحت القاء ہوتا ہے جو اس کے ساتھ خاص ہوتا ہے جس طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا:

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ۔ (العلق: ۱) آپ اپنے رب کے نام سے پڑھئے۔

تو یہ مکلف بناتا ہے جو اس وقت آپ کی شخصیت سے خاص ہے تو یہ نبوت ہے رسالت نہیں ہے (کیونکہ تبلیغ کا حکم نہیں ہوا تھا) جب یہ آیت نازل ہوئی۔

قُمْ فَاَنْذِرْ۔ (المدثر: ۲) اٹھئے اور ڈرائیے۔

تو یہ رسالت تھی کیونکہ یہ تکلیف آپ کے غیر سے بھی متعلق ہے۔ پس نبی کو صرف اس کے اپنے عمل کے لیے مکلف بنایا جاتا ہے اور رسول کا بھی یہی حال ہے لیکن وہ دوسروں کو تبلیغ کا بھی مکلف ہوتا ہے پس رسول مطلق طور پر نبی کے مقابلے میں مطلقاً اخص ہے۔

کیا ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اب بھی رسول ہیں؟

تو حضرت ابوالحسن اشعری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم رسالت کے حکم میں ہیں اور

---

[1] کرامیہ ایک فرقہ ہے جو ابو عبداللہ بن کرام کی طرف منسوب ہے۔ ان کا مذہب زیادہ تر مشرق اور خراسان کے مضافات میں پایا جاتا ہے۔ (غنیۃ الطالبین اردو ص ۲۹۲)

کسی چیز کا حکم اصل چیز کے قائم مقام ہوتا ہے۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ (مطلقہ عورت کی) عدت احکام نکاح پر دلالت کرتی ہے' اس مسئلہ پر مزید گفتگو آگے آئے گی۔

بعض اسماء مبارکہ کی شرح کا تتمہ

المذکر: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسم گرامی "المذکر" کے حوالے سے ارشاد خداوندی ہے:

فَذَكِّرْ إِنَّمَا أَنْتَ مُذَكِّرٌ۔ (الغاشیہ: ۲۱) پس آپ یاد دلائیں بے شک آپ یاد دلانے والے ہیں۔

البشیر' المبشر' النذیر' المنذر: ارشاد خداوندی ہے:

إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا۔ بے شک ہم نے آپ کو شاہد' خوشخبری دینے والا اور ڈر سنانے والا بنا کر بھیجا۔ (الاحزاب: ۴۵)

جو آپ کی اطاعت کرتے ہیں ان کو ثواب کی خوشخبری دیتے ہیں اور یہ بھی کہا گیا کہ بخشش کی خوشخبری دیتے ہیں اور گناہ گاروں کو عذاب سے یا گمراہی کی باتوں سے ڈرانے والے ہیں۔

المبلغ: ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ۔ (المائدہ: ۶۷) اے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کے رب کی طرف سے آپ پر جو کچھ اتارا گیا اسے پہنچا دیجیے۔

الحنیف: ارشاد خداوندی ہے:

فَأَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ حَنِيفًا۔ پس آپ دین کے لیے یک سو ہو کر متوجہ ہو جائیں۔ (الروم: ۳۰)

بعض حضرات نے یہی بات کہی ہے۔

نبی التوبۃ: آپ کو نبی التوبہ اس لیے کہا جاتا ہے کہ تمام لوگوں نے آپ کی ہدایت سے صراط مستقیم کی طرف رجوع کیا' جبکہ وہ مختلف راستوں پر چل رہے تھے۔

رسول الرحمۃ' نبی الرحمۃ' اور نبی المرحمۃ: ارشاد خداوندی ہے:

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِلْعَالَمِينَ۔ اور ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا۔ (انبیاء: ۱۰۷)

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَبِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَحِيمٌ۔ اور (نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم) مومنوں پر مہربان' رحم فرمانے والے ہیں۔ (التوبہ: ۱۲۸)

تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو آپ کی امت کے لیے رحمت بنا کر بھیجا اور تمام جہانوں کے لیے رحمت بنایا۔ امام

بیہقی رحمہ اللہ نے مرفوعاً روایت کیا۔ یعنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

انما انا رحمۃ مھداۃ۔ بے شک میں رحمت ہوں جو تمہیں عطا کی گئی۔

(دلائل النبوۃ للبیہقی جلد اول ص ۱۵۷)

پس اللہ تعالیٰ نے آپ کے ذریعے مخلوق پر رحم فرمایا وہ مومن ہوں یا کافر، اور یہ اسم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خاص الخاص ناموں میں سے ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت سے حضرت آدم علیہ السلام کو حصہ یوں ملا کہ فرشتوں نے آپ کی تعظیم کرتے ہوئے ان کو سجدہ کیا کیونکہ اس وقت آپ ان کی پشت میں تھے۔ حضرت نوح علیہ السلام کے لیے آپ کی رحمت اس طرح ہوئی کہ وہ کشتی سے صحیح سالم باہر نکلے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ نے (نمرودی) آگ کو ٹھنڈا اور سلامتی بنا کر آپ کی رحمت سے ان کو بہرہ ور فرمایا، کیونکہ اس وقت آپ ان کی پشت میں تھے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت آغاز و اختتام میں بھی ہے اور یہ ہمیشہ باقی رہے گی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعائے شفاعت کو باقی رکھا تو جب آپ کی نبوت دائمی رحمت ہے جو مسلسل حاصل رہتی ہے تو آپ کے لیے رحمت سے اسم رحمت مشتق ہوا۔

نبی الملحمۃ والملاحم: ملاحم، لڑائیوں کو کہتے ہیں تو یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ آپ کو جہاد اور تلوار کے ساتھ مبعوث فرمایا گیا۔ جس قدر جہاد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی امت نے کیا ہے اس قدر جہاد کسی دوسرے نبی اور ان کی امت نے نہیں کیا۔

اور وہ لڑائیاں جو آپ کی امت اور کفار کے درمیان ہو چکی ہیں اور اس کے بعد ہوں گی ان کی مثل اس سے پہلے معروف نہیں۔ آپ کی امت دنیا کے کونے کونے میں ہر زمانے میں جہاد کرتی رہے گی۔ حتیٰ کہ کانے دجال سے بھی لڑیں گے۔[1]

صاحب القضیب: قضیب کا معنی تلوار ہے، جس طرح انجیل میں اس کی وضاحت ہوئی کہ ان کے پاس لوہے کی شاخ ہوگی جس کے ساتھ وہ جہاد کریں گے، اسی طرح آپ کی امت بھی جہاد کرے گی۔ یہ بھی احتمال ہے کہ اس سے وہ لمبی اور پتلی شاخ بھی مراد ہو جسے آپ ہاتھ میں رکھتے تھے۔

صاحب الھراوۃ: لغت میں ھراوہ عصا کو کہتے ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اکثر اپنے دست مبارک میں عصا رکھتے تھے۔ آپ کے آگے چلنے والوں کے پاس بھی لاٹھی ہوتی تھی اور وہ زمین میں گاڑ دی جاتی اور آپ (اسے سترہ بنا کر) اس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے تھے۔

حضرت قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں میرا خیال یہ ہے کہ اس سے وہ عصا مراد ہے جس کا حدیث حوض میں ذکر ہے کہ آپ نے فرمایا میں اپنے عصا کے ذریعے یمن والوں کی خاطر دوسرے لوگوں کو حوض سے دور کر دوں

[1] دجال کا معنی بہت مکر و فریب کرنے والا۔ یہ آخری زمانے میں آئے گا اور مسلمانوں کے لیے آزمائش کا وقت ہوگا۔ اللہ تعالیٰ سب کو اس کے فتنہ سے محفوظ فرمائے۔ (۱۲ ہزاروی)

گا۔(صحیح مسلم، جلد ۲ ص ۲۵۱ (مع حاشیہ) کتاب الشفاء جلد اول ص ۱۹۵)
یعنی اس لیے دور کردوں گا کہ اہل یمن آگے بڑھیں، پس جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مخلوق کے نگران اور ان کو ان کے گھاٹ کی طرف چلانے والے ہیں تو آپ عصا والے تھے، جس کے ذریعے عبادت گزار لوگوں کو چلاتے تھے اور صاحب تلوار تھے کہ اس کے ذریعے ان لوگوں سے بدلہ لیتے تھے، جن کی زندگی صرف ان کے شر کو زیادہ کرتی تھی۔

ضحاک: حاء نقطہ کے بغیر ہے۔ وہ ذات جو اپنی بہادری کی وجہ سے دشمن کے خون کو بہائے۔

صاحب التاج: اس سے آپ کی دستارِ مبارک مراد ہے اور اس وقت عمامہ صرف اہلِ عرب باندھتے تھے اور دستاریں ان لوگوں کے تاج تھے۔

صاحب المغفر: میم کے نیچے زیر ہے۔ غین ساکن ہے اور فاء پر زبر ہے۔ زرہ سے سر کے مطابق بنائی گئی ٹوپی جسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم لڑائیوں میں پہنتے تھے۔

قدم صدق: حضرت قتادہ، حضرت حسن اور حضرت زید بن اسلم کے مطابق ارشاد خداوندی

وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنَّ لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ۔ (یونس: ۲)
اور ایمان والوں کو خوشخبری دیں کہ ان کے لیے ان کے رب کے پاس سچ کا مقام ہے۔

سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں جو ان سب لوگوں کی سفارش کریں گے۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ فرماتے ہیں کہ یہ ان کے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سفارش ہے۔ پس آپ ان کے رب کے پاس سچے شفیع ہیں۔

حضرت سہل بن عبداللہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ سبقت کرنے والی رحمت ہے جو اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں ودیعت فرمائی۔

نعمۃ اللہ: ارشاد خداوندی ہے:

وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا۔ (النحل: ۱۸)
اگر تم اللہ تعالیٰ کی نعمت کو شمار کرنا چاہو تو شمار نہیں کر سکتے۔

حضرت سہل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے انعام فرمانا مراد ہے اور ارشاد فرمایا:

يَعْرِفُوْنَ نِعْمَتَ اللّٰهِ ثُمَّ يُنْكِرُوْنَهَا۔ (النحل: ۸۳)
وہ اللہ تعالیٰ کی نعمت کو پہچانتے ہیں، پھر اس کا انکار کرتے ہیں۔

یعنی وہ اس بات کو جانتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نبی ہیں۔ پھر آپ کو جھٹلاتے ہیں۔ یہ حضرت مجاہد اور امام سدی سے مروی ہے اور زجاج نے بھی یہی کہا ہے۔ (ابو اسحٰق ابراہیم بن السدی مشہور امام ہیں۔ ۳۱۱ھ میں وفات پائی)۔

الصراط المستقیم: حضرت ابوالعالیہ اور حضرت حسن بصری رحمہ اللہ علیہما نے سورۂ فاتحہ کی تفسیر میں فرمایا کہ اس (صراط مستقیم) سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اہل بیت اور صحابہ کرام میں سے برگزیدہ افراد مراد ہیں۔ ماوردی نے صراط الذین انعمت علیھم کی تفسیر میں حضرت عبدالرحمٰن بن زید سے یہ بات نقل کی ہے۔

العروۃ الوثقی: ابوعبدالرحمٰن سلمی، بعض اکابر سے ارشاد خداوندی:

فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى۔ پس تحقیق اس نے مضبوط رسی کو تھام لیا۔

(البقرہ: ۲۵۶)

کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ اس سے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں۔

رکن المتواضعین: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تواضع کرنے والوں کا ستون ہیں اور جس قدر تواضع آپ سے ظاہر ہوئی کسی دوسرے سے ظاہر نہیں ہوئی۔ آپ اپنی قمیص مبارک پر پیوند لگاتے، نعلین مبارک گانٹھتے اور گھر کی صفائی تک کرتے تھے۔

کتاب شعیاء کے ترجمہ کے سلسلے میں ایسی بات آئی ہے جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس انداز میں بشارت پر دلالت کرتی ہے۔

(اس میں کہا گیا کہ) آپ خواہش کی طرف مائل نہیں ہوں گے اور صالحین کو رسوا نہیں کریں گے۔ جو کمزور، کانے (بانس) کی طرح ہیں بلکہ سچے لوگوں کو قوت دیں گے۔ آپ تواضع کرنے والوں کا رکن (سہارا) ہوں گے اور آپ اللہ تعالیٰ کے وہ نور ہیں جسے بجھایا نہیں جا سکتا۔

قثم اور قثوم: قاف اور ثاء کے ساتھ ہے۔ حضرت قاضی عیاض رحمہ اللہ نے اس سے بھلائیوں کی جامع ذات مراد لی ہے۔ (کتاب الشفاء جلد اول ص ۱۹۳)

ابن جوزی نے کہا کہ یہ قثم سے مشتق ہے اور اس کا معنی عطا کرنا ہے۔ جب کوئی کسی کو عطا کرتا ہے تو کہا جاتا ہے "قثم لہ من العطاء یقثم" اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تمام مخلوق میں سے سب سے زیادہ سخاوت کرنے والے تھے۔

البارقلیط اور الفارقلیط: یہ باء کے ساتھ ہے اور اس کی جگہ فاء بھی آئی ہے۔ راء اور قاف پر زبر ہے لیکن راء ساکن اور قاف پر زبر کے ساتھ بھی جبکہ قاف کے سکون اور راء کے نیچے زیر کے ساتھ بھی ہے۔ یہ لفظ غیر منصرف ہے کیونکہ اس میں منع صرف کے دو سبب عجمہ اور علمیت پائے جاتے ہیں اور یہ اسم مبارک یوحنا کی انجیل میں آیا ہے۔ اس کا معنی حق کی روح ہے۔

(احمد بن یحییٰ بغدادی) ثعلب رحمہ اللہ نے فرمایا اس کا معنی یہ ہے کہ وہ ذات جو حق اور باطل میں فرق کرنے والی ہے۔

ابن اثیر کے نہایہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات میں مذکور ہے کہ پہلی کتب میں آپ کا اسم گرامی

"فارق لیطا" ہے، آپ حق و باطل میں فرق کرتے ہیں۔ (کتاب الشفاء جلد اول ص ۱۹۵)
حدیث شریف میں ہے:

محمد فرق بین الناس۔ — حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے درمیان فرق کرنے والے ہیں۔ (مشکوۃ المصابیح ص ۲۷ باب الاعتصام بالکتاب والسنہ)

یعنی آپ کی وجہ سے مومنوں اور کافروں میں تفریق ہو جاتی ہے کہ مومن آپ کی تصدیق کرتے ہیں اور کافر آپ کو جھٹلاتے ہیں۔

حمطایا: (حاء نقطہ کے بغیر ہے جس پر زبر ہے اور میم ساکن ہے) ہروی کہتے ہیں اس کا مطلب ہے حرم شریف کی حفاظت کرنے والے، ابن اثیر نے کہا حضرت کعب رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسماء مبارکہ بیان کرتے ہوئے بتایا کہ گزشتہ کتب میں آپ کے اسماء گرامی محمد، احمد، حمیاطا ہیں (یعنی حاء، پھر میم ساکن پھر یاء اس کے الف پھر طاء اور اس کے بعد الف ہے۔)

ابو عمرو کہتے ہیں میں نے یہودیوں میں سے اسلام لانے والے ایک شخص سے اس سلسلے میں پوچھا تو اس نے کہا اس کا معنی یہ ہے کہ آپ حرم شریف کو حرام کام سے بچاتے ہیں اور حلال کام کو آسان کرتے ہیں۔

احید: ہمزہ پر پیش، حاء کے نیچے زیر، یاء ساکن اور اس کے بعد دال ہے۔ میں نے شفاء شریف کے بعض قابل اعتماد نسخوں میں اسی طرح پایا ہے اور مشہور یہ ہے کہ ہمزہ پر زبر ہے، حاء ساکن ہے اور یاء پر بھی زبر ہے (اَحْیَد) ایک نسخے میں ہمزہ پر زبر، حاء کے نیچے زیر اور یاء ساکن ہے۔ (احید)

امام نووی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "تہذیب الاسماء واللغات" میں فرمایا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اسمی فی القرآن محمد و فی الانجیل احمد وفی التوراۃ احید وانما سمیت احید لانی احید عن امتی نار جھنم — قرآن مجید میں میرا نام محمد، انجیل میں احمد اور تورات میں احید ہے اور میرا نام احید اس لیے ہے کہ میں اپنی امت سے جہنم کو دور رکھوں گا۔

(تنزیہ الشریعۃ المرفوعۃ جلد اول ص ۳۳۸، تاریخ دمشق الکبیر جلد اول ص ۲۷۶)

المنحمنا: میم پر پیش، نون ساکن، حاء پر زبر، دوسری میم کے نیچے زیر اور دوسرا نون مشدد ہے اور اس پر زبر ہے اور الف مقصورہ ہے (ممدودہ نہیں) (المنحمنا ہو گیا) بعض حضرات نے دونوں میموں پر زبر پڑھی ہے۔ سریانی زبان میں اس کا معنی محمد ہے (تعریف کیا ہوا)

المشفح: میم پر پیش، اس کے بعد شین اور پھر فاء (ان دونوں پر زبر ہے) اس کے بعد حاء ہے فاء کی جگہ قاف بھی آیا ہے۔

کتاب شعیاء (یا کتاب شفاء) میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت کے سلسلے میں لکھا ہے کہ آپ نہ دیکھنے والی آنکھوں اور بہرے کانوں کو کھول دیں گے اور دلوں کو زندہ کریں گے۔ آپ کو جو کچھ عطا ہو گا وہ کسی

دوسرے کو عطا نہیں ہوگا۔ آپ مشفع ہیں جو نئے سرے سے اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کریں گے۔ ان کی سریانی زبان میں یہ حمد کے معنی میں ہے۔

مقیم السنۃ: کتاب الشفاء میں ہے حضرت داؤد علیہ السلام نے دعا مانگی:

الھم ابعث لنا محمد یقیم السنۃ بعد الفترۃ۔ (کتاب الشفاء جلد اول ص ۱۹۲)

یا اللہ! ہمارے لیے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیج تاکہ آپ زمانہ فترت (جس میں کوئی نبی نہ آئے) کے بعد سنت کو قائم کریں۔

المبارک: کائنات کا آغاز اور اس کی نشو و نما آپ کی برکت سے ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کی برکت سے مدد یافتہ ہے۔ آپ کی برکت کے کمال سے ہے کہ آپ کی مبارک انگلیوں کے درمیان سے پانی نکل آیا۔ آپ کی برکت سے تھوڑا سا کھانا زیادہ ہوگیا حتیٰ کہ بہت زیادہ لشکر نے سیر ہو کر کھایا۔ اس کے علاوہ آپ نے جس چیز کو ہاتھ لگایا یا جس کا آپ سے کوئی تعلق ہوا اس میں برکت آگئی۔ ان شاء اللہ معجزات کے بیان میں یہ تمام باتیں آئیں گی۔

المکین: آپ مکین ہیں یعنی آپ کا مرتبہ اللہ تعالیٰ کے ہاں بلند ہے۔ اسی سبب سے اللہ تعالیٰ نے آپ کے ذکر کو اپنے ذکر سے ملایا۔ (اور آپ کے نام کو اپنے نام کے ساتھ ملایا) پس آپ کے علاوہ کسی کے نام سے اذان نہیں دی جاتی اور آپ کے علاوہ کسی کا نام اللہ تعالیٰ کے نام سے ملا ہوا نہیں ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے پہلوں کے لیے عرش کے پائے پر آپ کا نام لکھ کر آپ کا اعلان کیا اور پچھلوں کے لیے ایمان کے میناروں پر آپ کے لیے اذان دی جاتی ہے۔

الامی: یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسماء گرامی میں سے سب سے خاص ناموں میں سے ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

مَا كُنْتَ تَدْرِیْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِیْمَانُ وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِیْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا۔ (الشوریٰ: ۵۲)

اس سے پہلے نہ تم کتاب جانتے تھے نہ احکام شرع کی تفصیل لیکن ہم نے اسے نور کیا جس سے ہم راہ دکھاتے ہیں اپنے بندوں سے جسے چاہتے ہیں۔

تو جو کچھ اللہ تعالیٰ نے اپنے دست قدرت سے لکھا وہ آپ کو پڑھایا اور جو کچھ اس کی علمی قلموں نے اس کی مقدس تختیوں پر لکھا وہ بھی سکھایا۔ پس اس طرح مخلوق کی لکھی ہوئی باتوں کو پڑھنے سے آپ کو بے نیاز کر دیا۔

المکی: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور کا آغاز سرزمین مکہ مکرمہ میں ہوا جو اللہ تعالیٰ کا حرم پاک ہے۔ پس یہ سرزمین برکت اور ہدایت کا مرکز ہے۔ اس لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اقامت اور ابتدائے نبوت کے اعتبار سے مکی ہیں اور لوٹنے کے اعتبار سے بھی مکی ہیں اور اس کی علامت یہ ہے کہ آپ جس طرف بھی متوجہ ہوئے آپ کا رخ مکہ مکرمہ کی طرف ہوتا۔ پس آپ مکی ہیں کہ آپ وجود اور قصد کے اعتبار سے وہاں سے نہیں ہٹے اور آدمی وہاں ہوتا ہے جہاں کا قصد کرتا ہے۔ وہاں نہیں جہاں اس کا جسم ہوتا ہے حتیٰ کہ آپ کی شریعت کے مطابق میت کا رخ بھی کعبہ شریف کی طرف ہوتا ہے اور جو آدمی کسی چیز کی طرف اشارہ کرتا ہے تو وہ اسی کے لیے

ہوتا ہے جس کی طرف اشارہ کرتا ہے۔اسی لیے اشارے سے نماز پڑھنا صحیح ہے۔

المدنی: چونکہ مدینہ طیبہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام ہجرت اور جائے اقامت ہے جہاں سے آپ نے کوچ نہیں فرمایا اور آپ کی قبرانور کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ آپ کے اعضاء مقدسہ سے ملی ہوئی ہے اس لیے آپ کا اسم گرامی مدنی ہے۔

عبدالکریم: حضرت حسین بن محمد دامغانی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "شوق العروس وانس النفوس" میں حضرت کعب احبار رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہوئے بیان کیا۔انہوں نے فرمایا: اہل جنت کے نزدیک آپ کا اسم گرامی عبدالکریم ہے اور اہل جہنم کے ہاں عبدالجبار۔اہل عرش کے نزدیک عبدالحمید، تمام فرشتوں کے نزدیک عبدالمجید، انبیاء کرام کے نزدیک عبدالوہاب، شیاطین کے نزدیک عبدالقہار، جنوں کے نزدیک عبدالرحیم، پہاڑوں میں عبدالخالق، خشکی میں عبدالقادر، سمندروں میں عبدالمہیمن، مچھلیوں کے نزدیک عبدالقدوس، حشرات الارض کے نزدیک عبدالغیاث، جنگلی جانوروں کے ہاں عبدالرزاق، درندوں کے نزدیک عبدالسلام، جانوروں کے ہاں عبدالمومن، پرندوں میں عبدالغفار، تورات میں موذ موذ، انجیل میں طاب طاب، صحف میں عاقب، زبور میں فاروق، اللہ تعالیٰ کے ہاں طٰہٰ، یٰسین اور مومنوں کے ہاں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور آپ کی کنیت ابوالقاسم ہے۔کیونکہ آپ اہل جنت میں جنت تقسیم فرمائیں گے۔[1]

عبداللہ: اللہ تعالیٰ نے اشرف مقامات پر آپ کا یہ نام ذکر کیا۔ارشاد فرمایا:

وَاِنْ كُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ۔(البقرہ: ۲۳)

اور اگر تمہیں اس (کتاب) میں شک ہو جو ہم نے اپنے (خاص) بندے پر نازل کی ہے تو اس کی مثل کوئی سورت لے آؤ۔

اور فرمایا:

تَبٰرَكَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِهٖ لِیَكُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرًا۔ (الفرقان: ۱)

وہ ذات پاک ہے جس نے اپنے بندۂ خاص پر قرآن نازل کیا تاکہ وہ تمام جہاں والوں کے لیے ڈرانے والا ہو۔

اور ارشاد فرمایا:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْۤ اَنْزَلَ عَلٰی عَبْدِهِ الْكِتٰبَ۔(الکہف: ۱)

تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں، جس نے اپنے خاص بندے پر کتاب نازل کی۔

تو اللہ تعالیٰ نے آپ پر کتاب نازل کرنے اور اس کی مثل لانے کا چیلنج کرتے ہوئے آپ کا ذکر عبودیت کے ساتھ کیا۔

---

[1] بلکہ آپ تو اللہ تعالیٰ کی تمام نعمتوں کے قاسم ہیں کیونکہ آپ نے جہاں یہ فرمایا انما انا قاسم وہاں قید نہیں لگائی کہ کون کون سی نعمتیں تقسیم فرماتے ہیں۔ ۱۲ ہزاروی۔

اور ارشاد خداوندی ہے:

وَاَنَّهٗ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللّٰهِ يَدْعُوْهُ۔ (الجن: ۱۹) اور بے شک شان یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کا بندہ کھڑا ہو کر اسے پکارنے لگا۔

اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کو "عبداللہ" کہا جب آپ اس کی طرف بلاتے تھے۔

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے:

سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ لَیْلًا۔ (الاسراء: ۱) وہ ذات پاک ہے جس نے اپنے خاص بندے کو راتوں رات سیر کرائی۔

اور ارشاد فرمایا:

فَاَوْحٰٓی اِلٰی عَبْدِهٖ۔ (النجم: ۱۰) پس اس نے اپنے بندے کی طرف وحی فرمائی۔

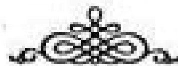
اگر آپ کے لیے اس سے زیادہ شرف والا نام ہوتا تو ان رفیع الشان حالات میں اللہ تعالیٰ اسی نام سے آپ کا ذکر کرتا۔ جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنی بارگاہ عالیہ میں شرف رفعت عطا فرمایا اور بلند سے بلند ترین مقام تک ترقی عطا فرمائی تو آپ کو اسم عبودیت سے مشرف فرمایا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کھانا کھانے کے لیے غلام کی طرح بیٹھتے تھے۔ نیز آپ اپنے تمام امور لباس، کھانے، سونے اور رہائش وغیرہ کے سلسلہ میں بڑائی کے اظہار سے دور رہتے تاکہ بندگی کا اظہار ہو اور آپ کے باطن میں اپنے رب کے لیے جو عبودیت ہے اس کو سچ کر دکھائیں اور یہ مفہوم ثابت ہو:

وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖ۔ (الزمر: ۳۳) اور وہ جو سچ لائے اور جس نے اس کی تصدیق کی۔

اور جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے اختیار دیا کہ آپ بادشاہ نبی ہوں یا عبد نبی ہوں تو آپ نے عبد نبی ہونے کو اختیار کیا پس آپ نے اس بات کو اختیار کیا جو نہایت مکمل ہے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے:

لا تطرونی کما اطرت النصاری عیسی ولکن قولوا عبداللہ ورسولہ۔ (صحیح بخاری جلد اول ص ۴۹۰) میری تعریف میں حد سے نہ بڑھو (وہ بات نہ کہو جو میرے لائق نہیں) جس طرح عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں حد سے تجاوز کیا بلکہ تم اللہ تعالیٰ کا بندہ اور اس کا رسول کہو۔

پس آپ نے اس بات کو ثابت کیا (یا اس پر قائم رہے) جو (پہلے سے) آپ کے لیے ثابت تھی اور اللہ تعالیٰ کے لیے اس بات کو تسلیم کیا جو اس کے لیے ہے۔ اس کے غیر کے لیے نہیں۔ اور بندے کے لیے لفظ عبد (بندہ) ہوتا ہے اسی لیے اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے زیادہ پسندیدہ نام عبداللہ ہے۔



یہ بھی کہا گیا کہ حضرت عبداللہ، طیب اور طاہر کے علاوہ ہیں۔ یہ بات امام دار قطنی وغیرہ نے فرمائی ہے۔ پس کل تعداد نو ہوئی جن میں سے پانچ صاحبزادے (اور چار صاحبزادیاں) ہیں۔

ایک قول یہ ہے کہ طیب اور مطیب جڑواں ہیں اور طاہر و مطہر جڑواں ہیں۔ الصفوۃ کے مصنف (ابن جوزی) نے یہ بات ذکر کی ہے، اس طرح کل گیارہ بنتے ہیں۔

یہ بھی کہا گیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صاحبزادے کی پیدائش بعثت سے پہلے ہوئی جسے عبد مناف کہا جاتا ہے۔ اس طرح کل بارہ ہوئے اور اس صاحبزادے کے علاوہ باقی تمام بعثت کے بعد پیدا ہوئے۔ ابن اسحٰق نے کہا ہے کہ حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کے علاوہ باقی سب اسلام سے پہلے پیدا ہوئے (السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد اوّل ص ۱۲۳) اور آپ کے تمام صاحبزادے دودھ پینے کی عمر میں اسلام سے پہلے انتقال کر گئے۔

ابن اسحٰق کے علاوہ حضرات کا قول گزر چکا ہے کہ حضرت عبداللہ نبوت کے بعد پیدا ہوئے اسی لیے ان کو طیب و طاہر کہا جاتا ہے۔ ان تمام اقوال کا نتیجہ یہ ہوا کہ آپ کے صاحبزادوں کی تعداد آٹھ ہے جن میں سے دو پر اتفاق ہے، وہ حضرت قاسم اور حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہما ہیں اور چھ کے بارے میں اختلاف ہے، وہ عبد مناف، عبداللہ، طیب، مطیب، طاہر اور مطہر ہیں اور سب سے زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ آپ کے تین صاحبزادے اور چار صاحبزادیاں ہیں جن پر اتفاق ہے۔ حضرت ابراہیم کے علاوہ باقی تمام صاحبزادے اور صاحبزادیاں حضرت خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ عنہا کے بطن اطہر سے ہیں۔

حضرت قاسم رضی اللہ عنہ

حضرت قاسم، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سب سے پہلے صاحبزادے ہیں جو نبوت (کے اعلان) سے پہلے پیدا ہوئے اور ان ہی کی وجہ سے آپ کی کنیت ابوالقاسم ہے۔ (طبقات ابن سعد جلد اوّل ص ۱۳۳) آپ چلنے پھرنے کی عمر تک زندہ رہے۔ یہ بھی کہا گیا کہ دو سال زندہ رہے۔ حضرت مجاہد فرماتے ہیں صرف سات راتیں زندہ رہے لیکن غلابی (مفضل بن غسان جو اپنے دادا کی طرف منسوب ہیں اور ابن ابی الدنیا کے شیخ ہیں) نے کہا کہ اس قول میں ان سے خطا ہوئی ہے، صحیح بات یہ ہے کہ حضرت ابراہیم سترہ ماہ زندہ رہے۔ ابن فارس نے کہا کہ آپ سواری پر سوار ہونے کی عمر کو پہنچے اور بعثت نبوی سے پہلے انتقال کر گئے۔ مستدرک فریابی[1] میں جو کچھ مذکور ہے وہ دورِ اسلام میں آپ کی وفات پر دلالت کرتا ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد میں سے سب سے پہلے ان ہی کا انتقال ہوا۔

(طبقات ابن سعد جلد اوّل ص ۱۳۳)

---

[1] یہ جعفر بن محمد فریابی ہیں، ان کی کنیت ابوبکر ہے، علامہ، حافظ، قابلِ اعتماد اور صاحبِ تصانیف ہیں۔ دینور کے قاضی تھے اور الخطیب کے مطابق بہت بڑے عالم و عارف تھے۔ ۲۰۷ھ میں ولادت ہوئی اور ۳۰۱ھ میں وفات پائی۔

دوسری فصل

نبی اکرم ﷺ کی اولاد کرام علیہ وعلیہم الصلوۃ والسلام

وہ اولاد جن پر سب کا اتفاق ہے

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد جس پر سب کا اتفاق ہے، ان کی تعداد چھ ہے:

(دو صاحبزادے) حضرت قاسم اور حضرت ابراہیم اور چار صاحبزادیاں حضرت زینب، حضرت رقیہ، حضرت اُمِ کلثوم اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہم۔

آپ کی تمام صاحبزادیاں اسلام سے مشرف ہوئیں اور آپ کے ہمراہ ہجرت کی۔

ان کے علاوہ میں اختلاف

ان چھ صاحبزادوں اور صاحبزادیوں کے علاوہ آپ کی دوسری اولاد میں اختلاف ہے۔ ابن اسحٰق کے نزدیک حضرت طاہر اور حضرت طیب بھی ہیں۔ اس طرح کل تعداد آٹھ بنتی ہے، چار صاحبزادے اور چار صاحبزادیاں۔

حضرت زبیر بن بکار[1] فرماتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادوں حضرت قاسم اور حضرت ابراہیم کے علاوہ حضرت عبداللہ بھی تھے جو چھوٹی عمر میں مکہ مکرمہ میں انتقال کر گئے تھے اور ان کو طیب اور طاہر بھی کہا جاتا ہے، گویا ان کے تین نام ہیں۔

نسب کا علم رکھنے والے اکثر حضرات کا یہی موقف ہے۔ یہ بات ابو عمر نے کہی ہے اور امام دار قطنی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ زیادہ مضبوط یہی قول ہے۔

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کو طیب اور طاہر بھی کہا جاتا ہے کیونکہ آپ اعلانِ نبوت کے بعد پیدا ہوئے۔ (السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد اول ص ۲۳) اس طرح کل تعداد سات ہے جن میں سے تین صاحبزادے ہیں۔

---

[1] زبیر بن بکار بن عبداللہ مصعب بن ثابت ابن عبداللہ بن زبیر اسدی مدنی مدینہ شریف کے قاضی تھے، ثقہ حافظ تھے۔ ۲۵۶ھ میں وصال ہوا۔ (زرقانی جلد ۳ ص ۲۹۳)

حضرت زینب رضی اللہ عنہا

حضرت زینب رضی اللہ عنہا؟ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادیوں میں سے سب سے بڑی صاحبزادی ہیں۔ اس میں کوئی اختلاف نہیں، البتہ کوئی غیر صحیح قول اس کے خلاف ہو سکتا ہے۔ ہاں! اس بات میں اختلاف ہے کہ حضرت قاسم پہلے پیدا ہوئے یا حضرت زینب رضی اللہ عنہا۔

ابن اسحٰق کے مطابق نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے تیسویں سال حضرت زینب کی ولادت ہوئی۔ انہوں نے اسلام کی دولت پائی اور ہجرت کی، پھر ہجرت کے آٹھویں سال اپنے خاوند اور خالہ زاد ابوالعاص لقیط (اور ایک قول کے مطابق ابوالعاص مشیم) بن ربیع بن عبدالعزیٰ بن عبد شمس کے ہاں ان کا انتقال ہوا۔

حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے اپنے خاوند سے پہلے ہجرت کی اور ان کو ان کے شرک کی وجہ سے چھوڑ دیا لیکن دو سال بعد نبی اکرم ﷺ نے آپ کو پہلے نکاح کے ساتھ ہی ان کی طرف لوٹا دیا۔ ایک قول کے مطابق چھ سال بعد لوٹایا۔ ایک اور قول کے مطابق عدت پوری ہونے سے پہلے لوٹایا۔ ابن عقبہ نے اسی طرح ذکر کیا۔ حضرت عمرو بن شعیب اپنے باپ سے اور وہ ان کے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے ۷ھ میں آپ کو نئے نکاح کے ساتھ لوٹایا۔

حضرت زینب کے ہاں ایک بچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ پیدا ہوا جو چھوٹی عمر میں انتقال کر گیا۔ یہ بچہ بلوغت کے قریب پہنچ چکا تھا[1] اور فتح مکہ کے دن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے سوار تھا۔ حضرت زینب کے ہاں حضرت امامہ بھی پیدا ہوئیں جن کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح کی نماز میں اپنے کاندھے پر اٹھایا تھا۔ آپ رکوع کرتے تو نیچے اتار دیتے، پھر جب سجدے سے سر اٹھاتے تو ان کو دوبارہ اٹھا لیتے۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے حضرت خاتونِ جنت کے انتقال کے بعد ان سے (حضرت امامہ سے) نکاح کیا۔

حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا

حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے تینتیسویں سال پیدا ہوئیں۔ زبیر بن بکار وغیرہ نے کہا ہے کہ آپ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے بڑی صاحبزادی تھیں۔ جرجانی جو ماہر نسب ہیں، نے اس بات کو صحیح قرار دیا لیکن صحیح بات جو اکثر کا قول ہے اور پہلے گزر چکا ہے، وہ یہ ہے کہ حضرت زینب سب سے بڑی صاحبزادی تھیں۔

حضرت رقیہ، عتبہ بن ابولہب کے نکاح میں اور ان کی بہن حضرت اُم کلثوم اس کے بھائی عتیبہ کے نکاح میں تھیں۔ جب سورۃ "تبت یدا ابی لھب" نازل ہوئی تو ان دونوں سے ان کے باپ ابولہب نے کہا: میرے سر کا قرب تم دونوں کے سروں سے حرام ہے (یعنی ممنوع ہے کیونکہ دو محبت کرنے والے ایک تکیے پر سر رکھتے ہیں لہٰذا تم میرا قرب حاصل نہیں کر سکتے) اگر تم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادیوں کو جدا نہ کرو۔ (طلاق

[1] مطلب یہ ہے کہ بالغ نہیں ہوئے، لیکن بلوغت تک پہنچ گئے تھے۔ انہوں نے بنو غاضرہ میں دودھ پیا تھا۔

نہ دے دو) چنانچہ انہوں نے رخصتی سے پہلے طلاق دے دی۔

بعد ازاں مکہ مکرمہ میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا نکاح حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا سے ہوا اور آپ نے ان کے ساتھ حبشہ کی طرف دو ہجرتیں کیں۔ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا بہت خوبصورت تھیں۔ دولابی نے ذکر کیا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا ان سے نکاح دورِ جاہلیت میں ہوا، جبکہ دوسرے لوگوں نے جو کچھ ذکر کیا وہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ ان کے اسلام لانے کے بعد ہوا۔

حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بدر میں تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت رقیہ کے وصال کی خبر پہنچی تو آپ نے فرمایا: الحمدللہ! بچیوں کو دفن کرنا اچھے کاموں سے ہے۔ یہ روایت دولابی نے نقل کی ہے۔[1]

حضرت اُمِ کلثوم رضی اللہ عنہا

حضرت اُمِ کلثوم رضی اللہ عنہا کا اسم گرامی معروف نہیں، آپ اپنی کنیت کے ساتھ مشہور ہیں۔ جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے آپ عتیبہ بن ابولہب کے نکاح میں تھیں اور رخصتی سے پہلے اس نے آپ کو طلاق دے دی۔

مروی ہے کہ جب عتیبہ اور حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کے درمیان تفریق ہوئی تو وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور کہنے لگا: میں آپ کے دین کا انکار کرتا ہوں اور آپ کی صاحبزادی کو طلاق دیتا ہوں۔ آپ کو میں پسند نہیں اور مجھے آپ سے محبت نہیں، پھر اس نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر حملہ کرکے آپ کی قمیص پھاڑی۔ اس وقت وہ شام کی طرف تجارت کے لیے جا رہا تھا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں اللہ تعالیٰ سے دُعا کرتا ہوں کہ وہ تم پر اپنے کتے کو مسلط کر دے۔ (مجمع الزوائد جلد ۶ ص ۱۸)

ایک روایت میں ہے آپ نے یُوں دعا مانگی کہ اے اللہ! اپنے کتوں میں سے ایک کتا اس پر مسلط کر دے۔ (دلائل النبوۃ لابی نعیم جلد ۲ ص ۱۶۳) ابو طالب وہاں موجود تھے، انہیں بہت دُکھ ہوا اور انہوں نے کہا: تمہیں میرے بھتیجے کی بددُعا سے کوئی نہیں بچا سکتا، چنانچہ عتیبہ قریش کے تاجروں کے ہمراہ گیا حتیٰ کہ وہ شام میں زرقاء مقام پر رات کے وقت اترے اور اس رات ان پر ایک شیر نے چکر لگایا۔ عتیبہ کہنے لگا: ہائے میری ماں کے لیے خرابی، اللہ کی قسم! یہ مجھے کھائے گا جس طرح (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے میرے لیے بددُعا کی ہے۔ کیا ابو کبشہ کا بیٹا میرا قاتل ہوگا جبکہ وہ مکہ مکرمہ میں ہے اور میں شام میں ہوں۔

چنانچہ شیر نے باقی سب کے درمیان میں سے صرف اسی پر حملہ کیا اور اس کو سر سے پکڑ کر اس کا سر توڑ دیا۔

(مجمع الزوائد جلد ۶ ص ۱۹)

---

[1] نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تسلی حاصل کرنے کی خاطر یہ بات ارشاد فرمائی۔ مطلب یہ ہے کہ بچیوں کا معاملہ نازک ہوتا ہے اور ماں باپ کے لیے آزمائشی مرحلہ ہوتا ہے تو ان کا دُنیا سے رُخصت ہونا بھی گویا ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونا ہے۔

(زرقانی جلد ۳ ص ۱۹۹، الکامل فی ضعفاء الرجال جلد ۵ ص ۱۸۱۸)

ایک روایت میں ہے کہ شیر آ کر ان لوگوں کے مُنہ سونگھنے لگا' پھر اپنی دُم کو دوہرا کیا اور اس پر کودتے ہوئے ایک ہی ضرب سے اسے چیر پھاڑ دیا۔ عتیبہ نے کہا: اس نے مجھے قتل کر دیا اور وہ مر گیا۔ ایک اور روایت میں ہے کہ شیر ان سب کو پھلانگتے ہوئے آیا' حتیٰ کہ اس نے عتیبہ کا سر پکڑ کر توڑ دیا۔ یہ بات دولابی نے ذکر کی ہے۔

(مجمع الزوائد جلد ۶ ص ۱۹)

جب حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کا وصال ہوا تو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے ان کی صاحبزادی حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کا رشتہ مانگا۔ انہوں نے انکار کر دیا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بات پہنچی تو آپ نے فرمایا: اے عمر! کیا میں تمہیں ایسی شخصیت کے بارے میں نہ بتاؤں' جو حضرت عثمان سے بہتر ہیں اور حضرت عثمان کو ایسی شخصیت کے بارے میں بتاؤں' جو تم سے بہتر ہے۔ انہوں نے عرض کیا: جی ہاں اے اللہ کے نبی! بتائیے۔ آپ نے فرمایا: تم اپنی صاحبزادی میرے نکاح میں دو اور میں اپنی صاحبزادی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے نکاح میں دیتا ہوں۔ خجندی نے اس روایت کی تخریج کی ہے۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا حضرت اُم کلثوم رضی اللہ عنہا سے نکاح ۳ھ میں ہوا۔ ایک روایت میں ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے' اگر میرے ہاں ایک سو صاحبزادیاں ہوتیں اور وہ یکے بعد دیگرے فوت ہوتی جاتیں تو میں یکے بعد دیگرے سب آپ کے نکاح میں دیتا۔ یہ حضرت جبریل علیہ السلام ہیں جنہوں نے مجھے خبر دی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اس بات کا حکم دیا ہے کہ میں حضرت اُم کلثوم کا نکاح آپ سے کروں۔ یہ بات فضائلی نے روایت کی ہے۔ (کنز العمال جلد ۱۳ ص ۴۴)

حضرت اُم کلثوم رضی اللہ عنہا کا وصال ۹ھ میں ہوا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی اور ان کی قبر میں (تدفین کے لیے) حضرت علی المرتضیٰ' حضرت فضل بن عباس اور حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہم اُترے۔

صحیح بخاری میں ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کی قبر کے پاس بیٹھے ہوئے تھے اور آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ آپ نے فرمایا: کیا تم میں کوئی ایسا شخص ہے جس نے آج رات (اپنی بیوی یا لونڈی کا) قرب حاصل نہ کیا ہو؟ حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! میں ہوں۔ آپ نے فرمایا: تم ان کی قبر میں اُترو۔ چنانچہ وہ اُترے۔ (صحیح بخاری جلد اول ص ۱۷۹)

حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں بھی اس قسم کی روایت ہے. لیکن یہ وہم ہے کیونکہ ان کی تدفین کے وقت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم وہاں موجود نہ تھے بلکہ آپ (اس وقت) بدر میں تھے جیسا کہ پہلے بیان ہوا ہے۔ حضرت اُم کلثوم رضی اللہ عنہا کو حضرت اسماء بن عمیس اور صفیہ بنت عبدالمطلب رضی اللہ عنہما نے غسل دیا اور حضرت اُم عطیہ رضی اللہ عنہا ان کے غسل کے وقت موجود تھیں۔ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول روایت کیا کہ ان کو تین یا پانچ یا سات یا اس سے زیادہ بار غسل دینا اگر تم ضرورت سمجھو۔ (یہ بھی فرمایا کہ) پانی اور بیری کے پتوں سے غسل دینا اور آخر میں کافور لگانا۔ جب فارغ ہو جاؤ تو مجھے اطلاع کرنا۔ (وہ فرماتی ہیں) جب ہم

فارغ ہوئے تو ہم نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی۔ آپ نے اپنی چادر مبارک ہماری طرف ڈالی اور فرمایا: اس کو ان کے جسم کے ساتھ ملاؤ۔[1] وہ فرماتی ہیں: ہم نے ان کی تین مینڈھیاں کر کے پیٹھ کی طرف ڈال دیں۔ (صحیح بخاری جلد اوّل ص ۱۶۷)

حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا

حضرت فاطمۃ الزہراء البتول رضی اللہ عنہا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت با سعادت کے اکتالیسویں سال پیدا ہوئیں۔ یہ بات ابو عمر نے کہی ہے لیکن یہ حضرت ابن اسحٰق کی روایت کے خلاف ہے۔ انہوں نے کہا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام اولاد ماسوائے حضرت ابراہیم کے (اعلان) نبوت سے پہلے پیدا ہوئی۔

ابن جوزی کا قول ہے کہ حضرت خاتون جنت نبوت سے پانچ سال پہلے جب کعبہ شریف کی تعمیر ہو رہی تھی، پیدا ہوئیں۔

مرفوعاً مروی ہے کہ آپ کا نام فاطمہ رضی اللہ عنہا رکھا گیا کیونکہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ آپ کو اور آپ کی اولاد کو جہنم سے دُور رکھے گا۔ یہ بات حافظ دمشقی (ابن عساکر) نے نقل کی ہے۔

غسانی اور خطیب نے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اور ان سے محبت کرنے والوں کو جہنم سے دُور رکھا ہے۔

حضرت خاتونِ جنت کو بتول کہنے کی وجہ یہ ہے کہ آپ فضیلت، دین اور خاندان کے اعتبار سے اپنے زمانے کی خواتین سے الگ تھلگ تھیں۔ یہ بھی کہا گیا کہ دنیا سے کنارہ کش ہونے کی وجہ سے یہ نام دیا گیا۔ یہ ابن اثیر کا قول ہے۔ (بتل کا معنیٰ الگ ہونا ہے) آپ کا نکاح حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے ہجرت کے دوسرے سال اور ایک روایت کے مطابق غزوۂ احد کے بعد ہوا اور اس وقت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے شادی کو ساڑھے چار ماہ گزر چکے تھے اور ساڑھے سات ماہ بعد رخصتی ہوئی۔

ایک قول کے مطابق ہجرت کے دوسرے سال صفر کے مہینے میں منگنی ہوئی اور بائیسویں مہینے کے آغاز میں ذوالحجہ کے مہینے میں رخصتی ہوئی۔

آپ کا نکاح بھی اللہ تعالیٰ کے حکم اور وحی سے ہوا۔ نکاح کے وقت حضرت خاتونِ جنت کی عمر پندرہ سال اور ساڑھے پانچ ماہ تھی۔[2] اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی عمر اکیس سال پانچ ماہ تھی۔ اس کے علاوہ بھی کہا گیا ہے۔ مزید گفتگو مقصد اوّل میں مغازی اور سیر کے ضمن میں ہو چکی ہے۔

---

[1] مسلمانوں میں رواج ہے کہ میت کی کفنی پر کلمہ شہادت یا آیت الکرسی وغیرہ لکھتے ہیں۔ مقصد یہی ہوتا ہے کہ اس کی برکت سے میت کو فائدہ پہنچے جس طرح حضور علیہ السلام نے برکت کے لیے اپنی چادر عطا فرمائی... ۱۲ ہزاروی۔

[2] یہ ابو عمر کے قول کے مطابق ہے کہ نبوت کے پہلے سال حضرت خاتون جنت کی ولادت ہوئی۔ اگر نبوت سے پانچ سال پہلے آپ کی ولادت کے قول کو مانا جائے تو نکاح کے وقت ساڑھے سترہ سال عمر ہو گی۔

ابو عمر کہتے ہیں کہ حضرت فاطمہ اور حضرت اُم کلثوم رضی اللہ عنہما نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادیوں میں سے سب سے افضل ہیں اور حضرت خاتونِ جنّت سے آپ کو سب گھر والوں سے زیادہ محبت تھی۔ آپ ان کے مُنہ مبارک کے اندر چُومتے اور ان کی زبان کو چُوستے تھے، جب آپ کسی سفر کا ارادہ فرماتے تو سب سے آخر میں ان سے رُخصت ہوتے اور جب واپس تشریف لاتے تو سب سے پہلے ان کے ہاں تشریف لے جاتے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حضرت فاطمہ میرے جسم کا ٹکڑا ہیں، جس نے ان کو غصہ دلایا اس نے مجھے غصہ دلایا۔ (صحیح بخاری جلد اوّل ص ۵۳۲، صحیح مسلم جلد ۲ ص ۲۹۰)

اور آپ نے ان سے فرمایا: کیا تم اس بات پر راضی نہیں ہو کہ تم تمام مومن عورتوں کی سردار ہو۔

(صحیح مسلم جلد اوّل ص ۲۹۱)

اور مسند احمد کی روایت میں ہے کہ آپ نے ان کو تمام جنتی عورتوں میں سے افضل قرار دیا۔

(مسند امام احمد بن حنبل جلد اوّل ص ۲۹۳)

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے چھ ماہ بعد منگل کی رات فوت ہوئیں۔ اس وقت رمضان المبارک ۱۱ھ کی تین راتیں گزر چکی تھیں اور اس وقت آپ کی عمر انتیس سال تھی۔[1] یہ بات المدینی نے کہی ہے (اور یہ حتمی فیصلہ نہیں ہے)۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے آٹھ ماہ بعد ان کا انتقال ہوا اور اس کے علاوہ بھی اقوال ہیں لیکن میرے خیال میں پہلا قول زیادہ صحیح ہے جیسا کہ محدثین نے کہا ہے اور یہ پہلے (بیان کیے گئے ولادت سے متعلق) قول کے مطابق نہیں ہے۔ (یعنی اعلان نبوت سے پہلے ولادت ہوئی۔)

ایک روایت میں ہے کہ حضرت خاتونِ جنّت رضی اللہ عنہا نے حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا[2] سے فرمایا: مجھے وہ طریقہ ناپسند ہے جو عورتوں کے ساتھ کیا جاتا ہے کہ عورت پر ایک کپڑا ڈالا جاتا ہے جو اس کے جسم کو واضح کرتا ہے۔ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے فرمایا: اے رسول اللہ کی بیٹی! کیا میں آپ کو وہ چیز نہ دکھاؤں جو میں نے حبشہ کی زمین میں دیکھی ہے، چنانچہ انہوں نے تر شاخیں منگوائیں، ان کو ٹیڑھا کر کے (چھپر کھٹ بنائی اور پھر) اس پر کپڑا ڈالا۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: یہ کتنی اچھی ہے، اس سے مرد و عورت میں تمیز ہو سکتی ہے۔ جب میرا انتقال ہو جائے تو تم اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ مجھے غسل دینا (یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ غسل کے انتظامات میں مدد دیں) اور کوئی دوسرا میرے پاس داخل نہ ہو۔

ابو عمرو نے اس حدیث کی تخریج کی ہے۔

---

[1] اگر نبوت سے پانچ سال قبل ولادت ہو تو وصال کے وقت آپ کی عمر تقریباً تیس سال ہو جاتی ہے۔ ۱۲ ہزاروی۔

[2] حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی زوجہ کا نام حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا ہے اور وہ حضرت خاتونِ جنّت رضی اللہ عنہا کی تیمارداری کرتی تھیں۔

حضرت ام رافع سلمٰی رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ جب حضرت خاتونِ جنت علیل ہوئیں تو انہوں نے غسل کر کے نئے کپڑے پہنے اور گھر کے درمیان لیٹ گئیں۔ انہوں نے اپنا دایاں ہاتھ اپنے رُخسار کے نیچے رکھا پھر قبلہ رُخ ہوگئیں اور فرمایا: اس وقت میری رُوح قبض ہو رہی ہے، پس کوئی بھی میرا چہرہ نہ کھولے اور نہ مجھے غسل دے، پھر اسی جگہ ان کا انتقال ہوگیا۔ حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ تشریف لائے تو ان کو حضرت خاتونِ جنت کی وہ بات بتائی گئی، جو انہوں نے فرمائی تھی تو انہوں نے ان کو اٹھایا اور اسی غسل کے ساتھ دفن کیا جو پہلے وہ کر چکی تھیں، نہ تو ان کا چہرہ ننگا کیا گیا اور نہ ہی کسی نے ان کو غسل دیا۔ امام احمد رحمہ اللہ نے یہ بات مناقب میں نقل کی، اسی طرح دولابی نے بھی ذکر کیا اور یہ دولابی کے الفاظ ہیں جو اختصار کے ساتھ ذکر کیے گئے۔ لیکن یہ روایت حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کی اس روایت کے خلاف ہے جو پہلے گزر چکی ہے۔

ابو عمر کہتے ہیں: حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا پہلی خاتون ہیں جن کی لاش کو اس طریقے پر ڈھانپا گیا جس طرح حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کی روایت میں گزرا ہے۔ پھر حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے لیے یہ طریقہ اختیار کیا گیا۔

آپ سے حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ کے ہاں حضرت حسن، حسین، محسن، اُمِ کلثوم اور زینب رضی اللہ عنہم پیدا ہوئے۔ حضرت محسن بچپن میں فوت ہوئے۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی اولاد

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نسل صرف آپ کی صاحبزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے چلی ہے آپ کی نسل شریف آپ کے دو نواسوں حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہما کے واسطے سے چلی۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے منسوب لوگ حسنی اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے منسوب لوگ حسینی کہلاتے ہیں۔

حضرت اسحٰق بن جعفر صادق بن محمد باقر بن زین العابدین علی بن حسین بن علی بن ابی طالب کی اولاد کو حسینی اسحاقی کہا جاتا ہے۔

یہ اسحاق حضرت سیدہ نفیسہ بنت حسن بن زید بن حسن بن علی رضی اللہ عنہ کے خاوند ہیں اور حضرت سیدہ نفیسہ سے ان کے صاحبزادے حضرت قاسم اور حضرت اُمِ کلثوم ہیں جن کی نسل نہیں چلی۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت خاتونِ جنت کی صاحبزادی حضرت ام کلثوم (رضی اللہ عنہا) سے نکاح کیا تو ان سے حضرت زید اور حضرت رقیہ کی ولادت ہوئی جن کی نسل آگے نہیں چلی۔ پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے وصال کے بعد حضرت ام کلثوم کا نکاح حضرت عون بن جعفر سے ہوا اور ان کے وصال کے بعد وہ ان کے بھائی محمد بن جعفر کے نکاح میں آئیں۔ پھر جب وہ فوت ہوئے تو حضرت ام کلثوم نے ان کے بھائی حضرت عبداللہ بن جعفر سے نکاح کیا اور وہ ان کے ہاں فوت ہوگئیں، ان تینوں کے ہاں حضرت ام کلثوم کی اولاد نہیں ہوئی

البتہ حضرت محمد بن جعفر کے ہاں ان کی ایک بیٹی پیدا ہوئی جو بچپن میں انتقال کر گئی' اس طرح حضرت ام کلثوم کی نسل نہیں چلی۔

حضرت عبداللہ بن جعفر نے حضرت ام کلثوم کے وصال کے بعد ان کی بہن حضرت زینب بنت فاطمہ سے نکاح کیا تو ان سے ان کی اولاد ہوئی جن میں حضرت علی اور حضرت ام کلثوم ہیں۔ ام کلثوم (حضرت عبداللہ بن جعفر کی صاحبزادی) کا ان کے چچازاد قاسم بن محمد بن جعفر بن ابی طالب سے نکاح ہوا تو ان کے ہاں کئی بچے پیدا ہوئے جن میں حضرت حمزہ بن عبداللہ بن زبیر کی زوجہ فاطمہ بھی ہیں اور ان سے آگے اولاد ہوئی ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن جعفر کی نسل حضرت علی اور ان کی بہن ام کلثوم سے چلی اور ان دونوں کی والدہ حضرت خاتونِ جنت کی صاحبزادی حضرت زینب ہیں۔ ان سے منسوب لوگوں کو جعفری کہا جاتا ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ ان لوگوں کو شرف حاصل ہے۔ حضرت عبداللہ بن جعفر سے منسوب جعفری لوگوں کے لیے بھی شرف ہے لیکن ان میں فرق ہے۔ ان کی وہ اولاد جو حضرت زینب بنت زہراء رضی اللہ عنہا سے ہے وہ دوسروں سے زیادہ شرف والے ہیں۔ اس کے باوجود وہ ان لوگوں کے شرف کا مقابلہ نہیں کر سکتے جو حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہما سے منسوب ہیں کیونکہ ان کو زیادہ شرف حاصل ہے۔ اسی طرح عباسیوں کو بنوہاشم ہونے کی وجہ سے شرف حاصل ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے "نزهة الاسباب فی معرفة الالقاب" میں فرمایا کہ ہر عباسی اس لقب سے ملقب ہے یعنی بغداد میں عباسی شریف اور مصر میں علوی کہلاتا ہے۔ ابن الرفعہ کے شیوخ میں ایک شخص ہے جسے شریف عباسی کہا جاتا ہے۔

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں کہا گیا ہے کہ وہ بچپن میں ہی مکہ مکرمہ میں انتقال کر گئے تھے۔ عاص بن وائل نے کہا کہ ان کی اولاد (نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد) ختم ہو گئی' پس وہ ابتر ہیں۔ (یعنی منقطع النسل ہیں) اس پر اللہ تعالیٰ نے (سورۂ کوثر میں) یہ آیت نازل فرمائی:

إِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْأَبْتَرُ۔ (الکوثر: ۳) بے شک آپ کا دشمن ہی مقطوع النسل ہے۔

(طبقات ابن سعد جلد اول ص ۱۳۳)

اس سلسلے میں اختلاف ہے کہ آیا آپ (حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ) نبوت سے پہلے پیدا ہوئے یا نبوت کے بعد؟ اور کیا طیب و طاہر ان ہی کو کہا جاتا ہے؟ صحیح بات یہ ہے کہ یہ دونوں آپ (حضرت عبداللہ) کے لقب ہیں جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔

حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ

حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ، حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کے بطن مبارک سے پیدا ہوئے۔ حضرت ماریہ کا ذکر عنقریب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی لونڈیوں کے بیان میں دوسری فصل میں امہات المومنین کے ذکر میں ہوگا۔

حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ ذوالحجہ ۸ھ میں پیدا ہوئے۔ کہا گیا ہے کہ آپ مقام عالیہ میں پیدا ہوئے۔ زبیر بن بکار نے یہ بات ذکر کی ہے۔ ابو رافع کی بیوی سلمیٰ جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی لونڈی تھیں، ان کی دایہ تھیں۔ ابو رافع نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی (ولادت کی) خوشخبری دی تو آپ نے ان کو ایک غلام بطور ہبہ عطا کیا اور ساتویں دن ان کی طرف سے دو بکرے عقیقہ کے طور پر ذبح کیے۔ ان کے سر کے بال ابو ہند نے مونڈے اور اسی دن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نام رکھا نیز ان کے بالوں کے برابر چاندی مساکین پر صدقہ کی اور ان کے بالوں کو زمین میں دفن کیا۔ (طبقات ابن سعد جلد اول ص ۱۳۵)

صحیح بخاری میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آج رات میرے ہاں ایک بچہ پیدا ہوا جس کا نام میں نے ابراہیم رکھا ہے، پھر آپ نے ان کو ام سیف کے حوالے کیا جو مدینہ طیبہ کے ایک لوہار ابو سیف کی بیوی تھیں۔

(مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۳ ص ۳۹۳، صحیح بخاری جلد اول ص ۱۷۴)

اس حدیث میں ہے کہ حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ وفات تک اس خاتون کے پاس رہے۔

دونوں روایتوں کو یوں جمع کیا جا سکتا ہے کہ ان کا نام ساتویں دن سے پہلے رکھا گیا تھا جیسا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے، پھر ساتویں دن اس کا ذکر فرمایا۔۔۔

امام ترمذی نے عمرو بن شعیب رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہے، وہ اپنے باپ سے اور وہ ان کے (عمرو بن شعیب کے) دادا یعنی اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا کہ ولادت کے ساتویں دن بچے کا نام رکھا جائے۔ (جامع ترمذی جلد اول ص ۱۸۳)

اس کا مطلب یہ ہے کہ ساتویں دن سے تاخیر نہ کی جائے۔ (یہ مطلب نہیں کہ ساتویں دن سے پہلے نام رکھنا جائز نہیں اور) یہ مطلب (بھی) نہیں کہ اسی دن نام رکھا جائے بلکہ پیدائش کے دن سے ساتویں دن تک (کسی بھی دن) نام رکھنا جائز ہے۔

زبیر بن بکار فرماتے ہیں کہ انصار حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کو دودھ پلانے کے لیے کسی خاتون کی تلاش میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کرتے تھے کیونکہ وہ حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے فارغ کرنا چاہتے تھے، پس آپ نے اسے ام بردہ بنت منذر بن زید انصاری زوجہ براء بن اوس کے حوالے کیا۔ انہوں نے بنو مازن بن نجار میں اپنے بیٹے کے ساتھ آپ کو دودھ پلایا اور پھر ان کی ماں کے حوالے کر دیا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو کھجوروں کے باغ کا ایک حصہ عطا فرمایا۔

(طبقات ابن سعد جلد اوّل ص ۱۳۶، ۱۴۴) (مختلف الفاظ کے ساتھ)

اور یہ بات پہلے بیان ہو چکی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ام سیف کے حوالے کیا تھا اور وہ وفات تک ان کے پاس رہے۔ تو ہو سکتا ہے پہلے حضرت ام بردہ کو دیا ہو پھر ام سیف کے سپرد کیا ہو اور آپ وفات تک ان کے پاس رہے، لیکن یہ بات بھی مروی ہے کہ ان کا انتقال امِ بردہ کے پاس ہوا، پس ترجیح کے لیے ہمیں صحیح حدیث کی طرف رجوع کرنا ہوگا۔

تو حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کسی کو اپنے اہل و عیال پر زیادہ رحم کرنے والا نہیں دیکھا۔ حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کو مدینہ طیبہ کے عوالی (بالائی علاقہ) میں دودھ پلانے کے لیے چھوڑ رکھا تھا، آپ وہاں تشریف لے جاتے اور ہم بھی آپ کے ساتھ اس گھر میں داخل ہوتے۔ حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کی پرورش ایک لوہار کے گھر ہوئی۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کو اٹھا کر چومتے، پھر واپس تشریف لاتے۔۔۔ یہ حدیث ابو حاتم نے روایت کی ہے۔

(صحیح مسلم جلد اوّل ص ۲۵۲)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑے ہوئے مقام نخل میں تشریف لائے تو آپ کے صاحبزادے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کی رُوح پرواز کر رہی تھی۔ آپ نے ان کو اپنی گود میں اٹھایا، پھر آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ اس کے بعد فرمایا: اے ابراہیم! ہم تمہاری وجہ سے غمگین ہیں آنکھ روتی ہے اور دل غمگین ہوتا ہے اور ہم وہ بات نہیں کہتے جس پر (ہمارا) رب ناراض ہو۔ (مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۳ ص ۲۹۳) اس سیاق میں اس حدیث کو ابو عمرو بن سماک نے نقل کیا ہے اور صحیح (بخاری و مسلم) میں اس کا مفہوم پایا جاتا ہے۔

حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا تو اس وقت وہ ستر دن کے تھے۔ جیسا کہ ابوداؤد میں مذکور ہے منگل کا دن تھا اور ربیع الاول شریف کے دس دن گزر چکے تھے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس وقت آپ کی عمر سولہ مہینے اور آٹھ دن تھی۔ ایک قول کے مطابق ایک سال دس مہینے اور چھ دن کی عمر تھی۔

حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کو ایک چھوٹی چارپائی پر اٹھایا گیا اور جنت البقیع میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی نمازِ جنازہ پڑھائی اور فرمایا: ہم ان کو (حضرت) عثمان بن مظعون (رضی اللہ عنہ) کے پاس دفن کریں گے جو ہم سے پہلے چلے گئے۔ (طبقات ابن سعد جلد اوّل ص ۱۴۴)

ایک روایت میں ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دفن کیا لیکن ان کی نمازِ جنازہ نہیں پڑھی۔

ہو سکتا ہے آپ نے خود نمازِ جنازہ نہ پڑھی ہو لیکن صحابہ کرام کو نمازِ جنازہ پڑھنے کا حکم دیا ہو یا باجماعت نماز نہ پڑھی ہو۔

ایک روایت میں ہے کہ ان کو حضرت ابو بردہ رضی اللہ عنہ نے غسل دیا اور ایک دوسری روایت کے مطابق

حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہما نے غسل دیا اور ہو سکتا ہے دونوں نے مل کر غسل دیا ہو۔

حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کی قبر میں حضرت فضل اور حضرت اسامہ رضی اللہ عنہما اترے جب کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قبر کے کنارے پر موجود رہے۔ قبر پر پانی چھڑکا گیا اور علامت رکھی گئی۔

حضرت زبیر فرماتے ہیں: یہ پہلی قبر تھی جس پر پانی کا چھڑکاؤ کیا گیا۔ (طبقات ابن سعد جلد اول ص ۱۴۳)

حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کے وصال کے دن سورج گرہن ہوا تو لوگوں نے کہا: حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کے وصال کی وجہ سے سورج کو گرہن لگا ہے۔ اس پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ان الشمس والقمر ایتان من ایات اللہ لاینکسفان لموت احد۔ (صحیح بخاری جلد اول ص ۱۴۳' صحیح مسلم جلد اول ص ۲۹۵)

بے شک سورج اور چاند اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں' ان کو کسی کی وفات کی وجہ سے گرہن نہیں لگتا۔

کہا گیا ہے کہ عام طور پر سورج گرہن اٹھائیس یا انتیس تاریخ کو ہوتا ہے۔ پس حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کی وفات کے موقع پر دس تاریخ کو ہوا' اس سے لوگوں نے کہا کہ ان کی وفات کی وجہ سے سورج گرہن ہوا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان کے لیے جنت میں دودھ پلانے والی ہے۔" یہ بات ابن ماجہ رحمہ اللہ نے نقل کی ہے۔ (سنن ابن ماجہ ص ۱۰۸)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ اگر وہ یعنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ زندہ ہوتے تو نبی ہوتے لیکن وہ زندہ نہ رہے کیونکہ تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں--- یہ حدیث ابو عمر نے نقل کی ہے۔

طبری نے کہا ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کا یہ قول توقیفی ہے' جو حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ سے خاص ہے' ورنہ یہ بات ضروری نہیں کہ نبی کا بیٹا نبی ہی ہو' جیسے حضرت نوح علیہ السلام کا بیٹا نبی نہیں تھا۔

حضرت امام نووی رحمہ اللہ نے "تہذیب الاسماء واللغات" میں فرمایا ہے کہ بعض متقدمین سے جو یہ بات مروی ہے کہ اگر حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ زندہ ہوتے تو نبی ہوتے تو یہ بات باطل ہے' غیبی باتوں پر جرأت کرنا' اندازے سے باتیں کرنا اور بہت بڑے گناہ کا ارتکاب کرنا ہے۔ (فتح الباری جلد ۱۰ ص ۷۷ ۴)

ہمارے شیخ نے المقاصد الحسنہ میں فرمایا کہ میں نہیں جانتا یہ کیا بات ہے' حضرت نوح علیہ السلام کا بیٹا نبی کے طور پر پیدا نہیں ہوا اور اگر ہر نبی کی اولاد نبی ہوتی تو ہر ایک نبی ہوتا کیونکہ سب لوگ حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد ہیں۔[1]

ابن عبدالبر نے "تمہید" میں اسی کی مثل کہا ہے۔

[1] اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کے زمانے میں جب طوفان آیا تو لوگ غرق ہو گئے' جو بچ گئے ان کی نسل نہیں چلی' صرف حضرت نوح علیہ السلام کے تین بیٹوں سے نسل چلی اسی لیے سب لوگ حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد ہیں...

۱۲ ہزاروی۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا کہ جو کچھ ابن عبدالبر نے کہا ہے وہ بات اس مذکورہ حدیث سے لازم نہیں آتی جیسا کہ مخفی نہیں[1] اور گویا وہ امام نووی کے اسلاف میں سے ہیں۔ انہوں نے امام نووی رحمہ اللہ کے کلام کے بعد یہ بھی کہا کہ یہ عجیب بات ہے، حالانکہ یہ تین صحابہ کرام سے مروی ہے۔ انہوں نے فرمایا: گویا کہ ان کے لیے تاویل کی وجہ ظاہر نہ ہوئی پس انہوں نے اس کے انکار میں کہا جو کچھ کہا۔

اور اس کا جواب یہ ہے کہ قضیہ شرطیہ کا واقع ہونا ضروری نہیں اور کسی صحابی کے بارے میں یہ گمان نہیں ہو سکتا کہ وہ محض گمان سے ایسی بات کہیں۔

ہمارے شیخ نے فرمایا کہ اس روایت کے تین طرق ہیں: (المقاصد الحسنہ ص ۳۴۳)

ایک وہ ہے جسے ابن ماجہ وغیرہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث سے نقل کیا کہ جب حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی اور فرمایا کہ جنت میں ان کو دودھ پلانے والی ہے اگر یہ زندہ رہتے تو سچے نبی ہوتے، اگر وہ زندہ رہتے تو ان کے قبطی ماموں آزاد ہو جاتے اور کوئی قبطی غلام نہ بنایا جاتا۔ (سنن ابن ماجہ ص ۱۰۸)

اس حدیث کی سند میں ابو شیبہ ابراہیم بن عثمان واسطی ہے، جو ضعیف ہے اور اسی کے طریق سے اسے ابن مندہ نے المعرفہ میں نقل کیا اور کہا کہ یہ حدیث غریب ہے۔

دوسری روایت وہ ہے جو اسماعیل سدی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ نے جھولے کو بھر دیا (یعنی خاصے صحت مند تھے) اگر وہ زندہ رہتے تو نبی ہوتے۔ (المقاصد الحسنہ ص ۳۴۴)

تیسری روایت وہ ہے جسے امام بخاری رحمہ اللہ نے محمد بن بشر کے طریق سے نقل کیا ہے، وہ اسماعیل ابن ابی خالد سے روایت کرتے ہیں، وہ فرماتے ہیں: میں نے حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ کیا آپ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کو دیکھا ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ وہ بچپن میں انتقال کر گئے تھے اور اگر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی نبی نے آنا ہوتا تو آپ کے صاحبزادے حضرت ابراہیم زندہ ہوتے لیکن آپ کے بعد کوئی نبی نہیں۔ (صحیح بخاری جلد ۲ ص ۹۱۴)

حضرت امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت وکیع سے اور انہوں نے اسمٰعیل سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: میں نے ابن ابی اوفی رضی اللہ عنہ کو فرماتے ہوئے سنا کہ اگر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی ہوتا تو آپ کے صاحبزادے انتقال نہ فرماتے۔ (مسند امام احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۳۵۳)



---

[1] کیونکہ یہ قضیہ شرطیہ ہے جس کا وقوع ضروری نہیں۔ زرقانی جلد ۳ ص ۲۱۵۔

تیسری فصل

رسول کریم ﷺ کی ازواج مطہرات اور آپ کی پاکیزہ لونڈیاں

مومنوں کی مائیں

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَاَزْوَاجُهٗۤ اُمَّهٰتُهُمْ۔ (الاحزاب: ۶)

نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) مومنوں کے ان کی جانوں سے بھی زیادہ قریب ہیں اور آپ کی ازواج ان (مومنوں) کی مائیں ہیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات، مومنوں کی مائیں ہیں۔ چاہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان میں سے کسی کو چھوڑ کر انتقال فرما گئے ہوں یا کسی زوجہ مطہرہ کا اس حال میں انتقال ہوا ہو کہ وہ آپ کی زوجیت میں ہوں اور یہ بات (کہ مومنوں کی مائیں ہونا) اس اعتبار سے کہ ان سے نکاح کرنا حرام ہے اور ان کا احترام واجب ہے، اس اعتبار سے نہیں کہ ان کو دیکھنا یا ان کے ساتھ تنہائی اختیار کرنا جائز ہو۔

اور یہ بھی نہیں کہا جائے گا کہ ان (ازواج مطہرات) کی بیٹیاں مومنوں کی بہنیں ہیں۔ اسی طرح ان کے باپ دادا اور مائیں مومنوں کے نانا اور نانیاں بھی نہیں ہیں اور نہ ہی ان کے بھائی اور بہنیں مسلمانوں کے ماموں اور خالائیں ہیں۔

امام بغوی[1] فرماتے ہیں کہ وہ مومن مردوں کی مائیں ہیں، مومنہ عورتوں کی نہیں۔ یہ بات حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے اور آپ کے الفاظ جیسا کہ بیضاوی میں مذکور ہے، اس طرح ہیں کہ ام المومنین نے فرمایا: ہم مومن عورتوں کی مائیں نہیں ہیں۔[2] (تفسیر بیضاوی جلد ۲ ص ۷۵)

---

[1] محمد بن حسین بن مسعود الحافظ الفقیہ امام محی السنہ صاحب تصانیف کثیرہ اور علماء ربانیین میں سے تھے۔ عبادت گزار اور تھوڑے رزق پر قناعت کرنے والے۔ شوال ۵۱۶ھ میں اسی (۸۰) سال کی عمر میں وفات پائی۔

[2] مطلب یہ ہے کہ مسلمان مردوں کی مائیں اس اعتبار سے ہیں کہ وہ امہات المومنین سے نکاح نہیں کر سکتے، یہ ان کا احترام ہے اور چونکہ عورتوں کے لیے یہ (نکاح) نہیں، لہٰذا انہوں نے فرمایا کہ مسلمان عورتوں کی مائیں نہیں ہیں۔

ہمارے اصحاب اور دیگر اہل اصول کے نزدیک صحیح بات یہی ہے کہ مردوں کے خطاب میں عورتیں داخل نہیں ہیں۔

انہوں نے (امام بغوی نے) فرمایا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مردوں اور عورتوں سب کے باپ ہیں اور آپ کو حرمت وعزت کے اعتبار سے ابوالمومنین (مومنوں کے باپ) کہنا جائز ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کو دوسری عورتوں پر فضیلت حاصل ہے اور ان کا ثواب اور عذاب دوگنا ہے اور ان سے پردے کے پیچھے سے سوال کرنا جائز ہے (اس کے علاوہ نہیں)۔

امہات المومنین میں سے سب سے افضل حضرت خدیجہ الکبریٰ اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہما ہیں اور ان دونوں میں سے کون افضل ہے اس سلسلے میں اختلاف ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ اس کی تحقیق عنقریب آئے گی۔

ازواج مطہرات کی تعداد اور ترتیب

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کی تعداد اور ترتیب میں اختلاف ہے۔ اسی طرح وہ ازواج مطہرات جو آپ کے وصال سے پہلے انتقال کر گئیں، جو آپ کے وصال کے وقت موجود تھیں، آپ نے ان میں سے کن کا قرب حاصل کیا اور کن کن کے قریب تشریف نہیں لے گئے اور وہ خواتین جن سے منگنی ہوئی لیکن آپ نے ان سے نکاح نہیں فرمایا۔ نیز کن کن خواتین نے اپنے آپ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا ان سب باتوں میں اختلاف ہے۔

اور اس بات پر اتفاق ہے کہ آپکی ازواج مطہرات کی تعداد گیارہ ہے، جن میں سے چھ کا تعلق قریش سے ہے۔

(۱) حضرت خدیجہ بنت خویلد بن اسد بن عبدالعزیٰ بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لؤی۔

(۲) حضرت عائشہ بنت ابی بکر بن ابی قحافہ بن عامر بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم بن مرہ بن کعب بن لؤی۔

(۳) حضرت حفصہ بنت عمر بن خطاب بن نفیل بن عبدالعزیٰ بن ریاح ابن عبداللہ بن قرط بن رزاح بن عدی بن کعب بن لؤی۔

(۴) حضرت ام حبیبہ بنت ابی سفیان بن حرب بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لؤی۔

(۵) حضرت ام سلمہ بنت ابی امیہ بن مغیرہ بن عبداللہ بن عمر بن مخزوم ابن یقظہ بن مرہ بن کعب بن لؤی۔

(۶) حضرت سودہ بنت زمعہ بن قیس بن عبد شمس بن عبدود بن نصر بن مالک بن حسل بن عامر بن لؤی۔

اور چار ازواج مطہرات عربی تھیں (قریش نہیں تھیں)۔

(۱) زینب بن جحش بن رباب بن یعمر بن صبرہ بن مرہ بن کبیر بن غنم بن دودان بن اسد بن خزیمہ۔

(۲) حضرت میمونہ بنت حارث الہلالیہ۔

(۳) حضرت زینب بنت خزیمہ الہلالیہ ام المساکین۔

(۴) حضرت جویریہ بنت حارث الخزاعیہ المصطلقیہ۔

ایک زوجہ مطہرہ (حضرت صفیہ بن حیی) جو بنو نضیر قبیلہ سے تعلق رکھتی تھیں۔ وہ بنی اسرائیل سے تھیں، عربی نہیں تھیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی (ظاہری) حیات طیبہ میں دو ازواج مطہرات حضرت خدیجہ اور ام المساکین (حضرت زینب بنت خزیمہ) رضی اللہ عنہما کا انتقال ہوا، اور آپ نے نو ازواج مطہرات کو چھوڑ کر انتقال فرمایا۔

حافظ ابوالحسن بن فضل مقدسی نے اس نظم میں ان کے اسماء مبارکہ ذکر کئے ہیں ۔

توفی رسول الله عن تسع نسوة
اليهن تعزى المكرمات وتنسب
فعائشة ميمونة وصفية
وحفصة تتلوهن هند و زينب
جويرية مع رملة ثم سودة
ثلاث وست ذكرهن مهذب

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نو ازواج مطہرات کو چھوڑ کر دنیا سے رخصت ہوئے جن کی طرف عزتوں کی نسبت کی جاتی ہے۔ پس حضرت عائشہ، میمونہ، صفیہ، حفصہ ان کے بعد حضرت ہند (ام سلمہ) زینب، جویریہ، رملہ (ام حبیبہ) پھر حضرت سودہ رضی اللہ عنہن یہ تین اور چھ ہیں جن کا ذکر مہذب ہے۔

اس بات میں کوئی اختلاف نہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں سے سب سے پہلے حضرت خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا اور ان کے وصال تک کسی دوسری خاتون سے شادی نہیں کی۔ اب ازواج مطہرات کا ترتیب سے ذکر کیا جاتا ہے۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا

اُم المومنین خدیجہ رضی اللہ عنہا کی والدہ فاطمہ بنت زائدہ بن اصم تھیں۔ آپ کو دور جاہلیت میں طاہرہ کے نام سے پکارا جاتا تھا اور آپ ابوہالہ نباش بن ابی زرارہ کے عقد نکاح میں تھیں۔ جس سے آپ کے دو بیٹے ہند اور ہالہ پیدا ہوئے۔

پھر عتیق بن عائذ (یا عابد) مخزومی نے آپ سے نکاح کیا تو ایک بیٹی پیدا ہوئی جس کا نام ہند تھا۔ بعض مورخین کے نزدیک عتیق سے نکاح ابوہالہ سے پہلے ہوا۔ (دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۷ ص ۲۸۳)

اس کے بعد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ سے نکاح کیا۔ اس وقت حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہ کی عمر چالیس سال تھی۔ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک اکیس سال تھی اور کہا گیا ہے کہ آپ کی عمر پچیس سال تھی۔ اکثر کا یہی موقف ہے اور ایک قول تیس سال کا ہے۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے اپنے آپ کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر پیش کیا، تو آپ نے اپنے چچاؤں سے یہ بات ذکر کی، چنانچہ آپ کے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ آپ کے ساتھ خویلد بن اسد کے پاس تشریف لے گئے اور ان کو منگنی کا پیغام دیا۔ چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے نکاح فرمایا اور ان کو بیس جوان اونٹنیاں بطور حق مہر عطا فرمائیں۔

ابن اسحاق نے ایک دوسرے طریق سے یہ اضافہ کیا ہے کہ ابوطالب اور قبیلہ مضر کے سردار حاضر ہوئے۔ پس ابوطالب نے خطبہ پڑھا، یہ خطبہ مقصد اول میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کے بیان میں گزر چکا ہے، دولابی وغیرہ نے ذکر کیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو بارہ اوقیہ (اوقیہ ڈیڑھ اونس ہوتا ہے) سونا بطور حق مہر عطا فرمایا تھا۔

جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا لوگوں میں سے سب سے پہلے ایمان لائیں۔
(دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۷ ص ۲۸۴)

صحیح بخاری و مسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا: اے محمد! صلی اللہ علیہ وسلم یہ حضرت خدیجہ ہیں جو آپ کے پاس ایک برتن لائی ہیں۔ جس میں کھانا ہے یا سالن یا مشروب ہے۔ جب وہ آپ کے پاس آجائیں تو ان کو ان کے رب اور میری طرف سے سلام کہیں اور ان کو جنتی گھر کی خوشخبری دیں جو اندر سے خالی گول موتیوں سے بنا ہوا ہے اور اس میں کوئی شور اور تھکاوٹ نہیں ہوگی۔ (صحیح بخاری جلد اول ص ۵۳۹)

ابن اسحاق نے کہا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب کوئی ایسی بات سنتے جو آپ کو ناپسند ہوتی یعنی آپ کے پیغام کو رد کیا جاتا یا آپ کو جھٹلایا جاتا، آپ اس پر غمگین ہوتے تو اللہ تعالیٰ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے ذریعے آپ سے اس غم کو دور کر دیتا جب آپ ان کی طرف لوٹتے تو وہ آپ کا حوصلہ بڑھاتیں، اور آپ کا بوجھ ہلکا کرتیں۔ ان کی تصدیق کرتیں اور یوں آپ پر لوگوں کے معاملے کو آسان کر دیتیں حتیٰ کہ ان کا انتقال ہو گیا۔

حضرت عبدالرحمٰن بن زید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں:
حضرت آدم علیہ السلام نے فرمایا: قیامت کے دن میں انسانوں کا سردار ہوں گا سوائے اولاد میں سے ایک نبی کے جن کا اسم گرامی احمد ہوگا۔ ان کو مجھ پر دو باتوں کی وجہ سے فضیلت دی گئی ہے۔ ان کی بیوی نے ان کی مدد کی اور وہ ان کی مددگار ہوں گی، جبکہ یہ میری بیوی میرے خلاف مددگار ہوئیں۔[1] دوسری بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ، شیطان کے خلاف ان کی مدد کرے گا تو وہ مسلمان ہو جائے گا۔ جب کہ میرے شیطان نے کفر کیا۔ یہ روایت دولابی نے نقل کی ہے جیسا کہ طبری نے ذکر کیا ہے۔[2]

---

[1] جب جنت میں درخت کا پھل کھانا اُن کے لیے عمدہ کر کے پیش کیا۔
[2] انسان کے ساتھ ایک موکل ساتھی ہوتا ہے، حضور علیہ السلام نے فرمایا میرا موکل مسلمان ہو گیا جب کہ ابلیس جو حضرت آدم علیہ السلام کے وقت کا شیطان تھا اس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی (زرقانی جلد ۳ ص ۲۲۳)

حضرت امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

جنتی عورتوں میں سے افضل خدیجہ بنت خویلد، فاطمہ بنت محمد، مریم بنت عمران اور فرعون کی بیوی آسیہ ہیں۔ (مسند امام احمد بن حنبل جلد اول ص ۳۱۶)

شیخ ولی الدین عراقی نے فرمایا کہ صحیح مختار کے قول کے مطابق حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا تمام امہات المومنین سے افضل ہیں اور کہا گیا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سب سے افضل ہیں۔

شیخ الاسلام زکریا انصاری رضی اللہ عنہ[1] نے شرح بہجۃ الحاوی میں ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ ان میں سے حضرت خدیجہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہما افضل ہیں اور ان دونوں میں سکوت افضل ہے تو اس سلسلے میں اختلاف ہے، ابن عماد نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت کو صحیح قرار دیا ہے کیونکہ صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان (حضرت خدیجہ) سے بہتر (بیویاں) عطا فرمائی ہیں تو آپ نے فرمایا: نہیں، اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ نے مجھے ان سے بہتر عطا نہیں فرمائی ہیں۔ وہ مجھ پر اس وقت ایمان لائیں جب لوگوں نے میرا انکار کیا۔ انہوں نے اس وقت میری تصدیق کی جب لوگوں نے مجھے جھٹلایا اور انہوں نے مجھے اس وقت مال دیا جب لوگوں نے مجھے اس سے محروم رکھا۔ (مسند امام احمد بن حنبل جلد ۶ ص ۱۱۸)

ابن داؤد (امام ابوبکر ابن امام مجتہد حافظ داؤد بن علی ظاہری) سے پوچھا گیا کہ ان دونوں میں سے کون افضل ہے؟ تو انہوں نے فرمایا: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جبریل علیہ السلام کی طرف سے سلام پہنچایا اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو حضرت جبریل علیہ السلام نے ان کے رب کی طرف سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے سلام پہنچایا، پس حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا افضل ہیں۔ پوچھا کیا حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا افضل ہیں یا حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا؟ انہوں نے فرمایا، بے شک رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "حضرت فاطمہ میرے جسم کا ایک ٹکڑا ہیں" (صحیح بخاری جلد اول ص ۵۳۲) میں اس میں کسی ایک کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جسمانی حصے کے برابر قرار نہیں دیتا۔

اس پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول شاہد ہے۔ آپ نے فرمایا کیا تم اس بات پر راضی نہیں ہو کہ تم حضرت مریم علیہا السلام کے علاوہ تمام جنتی عورتوں کی سردار ہو۔ (کنز العمال جلد ۱۲ ص ۱۰۹-۱۱۰)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت پر اس طرح بھی استدلال کیا گیا کہ وہ آخرت میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ ایک درجہ میں ہوں گی اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہوں گی۔

---

[1] زکریا بن احمد انصاری علامہ، محدث، فقیہ، صوفی اور صاحب تصانیف کثیرہ ہیں اور معروف شخصیت ہیں۔ ایک سو سال کے قریب عمر پانے کے بعد ۹۲۰ھ کے چند سال بعد انتقال فرمایا۔

اس سلسلے میں حضرت امام سبکی رحمہ اللہ سے پوچھا گیا تو اُنھوں نے فرمایا: ہم جس بات کو اختیار کرتے ہیں اور اس پر عقیدہ رکھتے ہیں۔ وہ یہ ہے کہ حضرت فاطمہ بنت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم، رضی اللہ عنہا) اپنی ماں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے افضل ہیں، پھر ان کی والدہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اور پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا افضل ہیں، اس کے بعد اُنھوں نے ان دلائل سے استدلال کیا ہے، جن کا کچھ حصہ گزر چکا ہے۔

(فتح الباری جلد ۷ ص ۱۰۵)

اور طبرانی نے جو کچھ کہا ہے کہ تمام جہان کی عورتوں میں سے حضرت مریم بنت عمران سب سے بہتر ہیں پھر حضرت خدیجہ بنت خویلد، پھر فاطمہ بنت محمد، پھر فرعون کی بیوی حضرت آسیہ ہیں۔ ابن عماد نے اس کا جواب اس طرح دیا ہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو ماں ہونے کی وجہ سے حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا پر فضیلت دی گئی ہے، سیادت کی وجہ سے نہیں۔

امام سبکی نے اس بات کو اختیار کیا کہ اس حدیث کی وجہ سے حضرت مریم حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے افضل ہیں، نیز اس وجہ سے بھی کہ ان کی نبوت میں اختلاف ہے۔

ابو امامہ بن نقاش نے کہا کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی سبقت اور ان کی ترجیح اس وجہ سے ہے کہ وہ سب سے پہلے اسلام لائیں اور اُنھوں نے اپنے مال اور جان سے دین کی مدد کی اور یہ سب کچھ رضائے الٰہی کی خاطر کیا۔ اس سلسلے میں ان کے ساتھ کوئی بھی شریک نہیں، نہ ہی حضرت عائشہ صدیقہ اور نہ ہی کوئی دوسری ام المومنین رضی اللہ عنہن۔ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اس لحاظ سے ترجیح حاصل ہے کہ آپ نے اسلام کے آخری دور کو پایا اور امت تک دین کو پہنچایا اور ان کو تبلیغ کی۔ نیز آپ کے پاس وہ احادیث تھیں جن میں حضرت خدیجہ اور دیگر ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن میں سے کوئی بھی ان کا شریک نہیں۔ اس وجہ سے وہ دوسروں سے ممتاز ہیں۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا وصال ہجرت سے تین سال پہلے مکہ مکرمہ میں ہوا۔ بعض نے چار سال کا قول کیا، پانچ سال کا قول بھی کیا گیا ہے۔ آپ کو مقام حجون (جنت المعلیٰ کے پاس) دفن کیا گیا اور اس وقت آپ کی عمر پینسٹھ سال تھی۔ ان دنوں نماز جنازہ نہیں پڑھائی جاتی تھی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آپ پچیس سال رہیں، بعض نے چوبیس سال کا قول کیا ہے۔

حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا

حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا کی والدہ شموس بنت قیس تھیں۔ حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا ابتدائی دور میں اسلام لائیں۔ آپ اپنے چچا زاد سکران بن عمرو کے نکاح میں تھیں جو سہیل بن عمرو کے بھائی تھے اور حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ ہی ابتدائے اسلام میں اسلام قبول کر چکے تھے۔ ان دونوں نے حبشہ کی طرف دوسری ہجرت میں شرکت کی۔ جب مکہ مکرمہ واپس آئے تو حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کے خاوند انتقال

کر گئے۔ (طبقات ابن سعد جلد ۸ ص ۵۲) یہ بھی کہا گیا کہ ان کا وصال حبشہ میں ہوا (طبقات ابن سعد جلد ۸ ص ۵۳)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے وصال کے بعد اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کرنے سے پہلے حضرت سودہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا۔ یہ حضرت قتادہ اور ابو عبیدہ کا قول ہے۔ ابن قتیبہ وغیرہ نے اس کا ذکر نہیں کیا۔

کہا گیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا (سے نکاح) کے بعد ان سے نکاح کیا۔

ان دونوں قولوں کو یوں جمع کیا جا سکتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نکاح، حضرت سودہ رضی اللہ عنہا سے پہلے کیا اور حضرت سودہ رضی اللہ عنہا سے قرب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پہلے ہوا اور تزویج کا لفظ دونوں باتوں (نکاح اور رخصتی) پر بولا جاتا ہے۔ اگرچہ ذہن عقد کی طرف جاتا ہے، رخصتی کی طرف نہیں، جب حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کی عمر زیادہ ہو گئی تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو طلاق دینے کا ارادہ فرمایا تو انہوں نے عرض کیا کہ ایسا نہ کریں اور انہوں نے اپنی باری حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو دے دی تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو روک لیا۔[1]

حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا کا انتقال شوال ۵۴ھ میں مدینہ طیبہ میں ہوا۔ (طبقات ابن سعد جلد ۸ ص ۵۷) امام بخاری نے اپنی تاریخ میں صحیح سند سے جو سعید بن ابی ہلال رضی اللہ عنہ تک پہنچتی ہے، روایت کیا کہ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کا انتقال حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خلافت میں ہوا۔ امام ذہبی نے تاریخ کبیر میں اس بات پر جزم کیا کہ ان کا انتقال حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خلافت کے آخر میں ہوا، ابن سید الناس نے فرمایا کہ یہی بات مشہور ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی والدہ ام رومان[2] بنت عامر ابن عویمر بن عبد شمس تھیں اور ان کا تعلق بنو مالک بن کنانہ سے تھا۔ حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے منسوب تھیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے منگنی کا پیغام دیا (کیونکہ آپ کو اس سے پہلے پیغام کا علم نہیں تھا، یا اس کی ممانعت نہ تھی) اور مہر بھی عطا فرمایا جیسا کہ ابن اسحاق نے کہا ہے۔ یہ مہر چار سو درہم تھا۔ آپ سے نکاح نبوت کے دسویں سال شوال کے مہینے میں ہجرت سے تین سال پہلے ہوا، اس وقت ان کی عمر چھ سال تھی اور آپ کی رخصتی مدینہ طیبہ میں شوال سنہ ۲ھ

---

[1] صحیح بخاری و مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا نے اپنی باری حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو دے دی۔ مسلم شریف میں ہے کہ جب آپ کی عمر زیادہ ہو گئی تو آپ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی باری حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے لیے کر دی۔ (صحیح بخاری جلد ۲ ص ۷۸۵، صحیح مسلم جلد اول ص ۴۷۳)
صحیح بخاری میں یہ بھی ہے کہ آپ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا جوئی کے لیے ایسا کیا۔ (صحیح بخاری جلد اول ص ۳۵۳)

میں ہوئی۔ اس وقت ہجرت کے اٹھارہویں مہینے کا آغاز تھا اور آپ کی عمر نو سال تھی۔ (طبقات ابن سعد جلد ۸ ص ۵۸) یہ بھی کہا گیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کے سات مہینے بعد رخصتی ہوئی۔

امام بخاری و مسلم رحمہما اللہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا وہ فرماتی ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے نکاح کیا تو میری عمر چھ سال تھی، پھر ہم مدینہ طیبہ آئے تو بنو حارث بن خزرج میں اترے۔ مجھے تیز بخار ہو گیا جس سے میرے بال ٹوٹنے لگے۔ میری ماں ام رومان میرے پاس آئیں اور میں اپنی سہیلیوں کے ہمراہ ایک کھلونا پنگھوڑے میں تھی۔ انہوں نے مجھے آواز دی تو میں ان کے پاس آئی۔ مجھے معلوم نہ تھا کہ وہ مجھ سے کیا چاہتی ہیں۔ انہوں نے میرا ہاتھ پکڑا حتیٰ کہ مجھے دروازے پر کھڑا کر دیا، میرا سانس پھولا ہوا تھا جب میں پرسکون ہوئی انہوں نے کچھ پانی لے کر میرے چہرے اور سر پر ڈالا، پھر گھر کے اندر لے آئیں تو گھر میں انصار کی کچھ خواتین تھیں۔ انہوں نے کہا خیر و برکت پر ہو۔

میری ماں نے مجھے ان کے حوالے کر دیا تو انہوں نے مجھے تیار کیا۔ مجھے کوئی خوف نہ تھا مگر چاشت کے وقت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔ میری والدہ نے مجھے آپ کے حوالے کر دیا اور اس وقت میری عمر نو سال تھی۔ (صحیح مسلم جلد اول ص ۴۵۶، صحیح بخاری جلد اول ص ۵۵۱)

اسے ابو حاتم نے الفاظ کی تبدیلی کے ساتھ نقل کیا ہے۔

حضرت ابو عمر فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نکاح بھی شوال میں کیا اور شب زفاف بھی شوال میں ہوئی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس بات کو پسند کرتی تھیں کہ ان کے خاندان اور دوسرے تعلق دار لوگوں کی خواتین اپنے خاوندوں کے پاس شوال کے مہینے میں جائیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی تمام ازواج مطہرات میں سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے زیادہ محبت تھی اور وہ جب بھی کسی چیز کی خواہش کرتیں، آپ اس کو پورا فرماتے۔ اور ایک سفر میں جب آپ نے ان کو نہ پایا تو فرمایا: ہائے میری دلہن! ۔ یہ روایت امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کی ہے۔

صحیح بخاری و مسلم میں ہے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا:

میں نے تین راتیں تمہیں خواب میں دیکھا ایک فرشتہ تجھے ریشمی کپڑے کے ایک ٹکڑے میں لایا اور کہا کہ یہ آپ کی بیوی ہیں، پس اس نے تمہارے چہرے سے پردہ ہٹایا تو میں نے کہا اگر یہ بات اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے تو وہ اسے پورا کرے گا۔ (صحیح بخاری جلد اول ص ۵۵۱، صحیح مسلم جلد ۲ ص ۲۸۵)

ترمذی شریف میں ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی صورت ایک سبز ریشمی کپڑے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائے اور عرض کیا کہ یہ دنیا اور آخرت میں آپ کی زوجہ ہیں۔ (جامع ترمذی جلد ۲ ص ۲۲۸)

لہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص حوروں میں سے کسی عورت کو دیکھنا چاہے، وہ حضرت ام رومان رضی اللہ عنہا کو دیکھ لے۔

اور انہی کی ایک دوسری روایت میں ہے حضرت جبریل علیہ السلام نے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیٹی سے آپ کا نکاح کیا اور ان کے پاس حضرت عائشہ کی تصویر تھی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس نو سال رہیں اور جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہوا تو ان کی عمر اٹھارہ سال تھی۔ (طبقات ابن سعد جلد ۸ ص ۶۰)

آپ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ کسی کنواری عورت سے شادی نہیں کی۔ آپ فقہ کی بہت بڑی عالمہ اور فصاحت کی دولت سے مالا مال تھیں۔ نیز آپ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بکثرت احادیث روایت کی ہیں۔ آپ عرب کی تاریخ اور اشعار کی بھی عالمہ تھیں۔ صحابہ کرام اور تابعین کی بہت بڑی جماعت نے آپ سے احادیث روایت کی ہیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے لیے دو راتیں مقرر کر رکھی تھیں۔ ایک ان کی اپنی اور دوسری حضرت سودہ رضی اللہ عنہا والی رات کیونکہ جب حضرت سودہ رضی اللہ عنہا بوڑھی ہو گئیں تو انہوں نے اپنی باری حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو دے دی جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔

باقی ازواج مطہرات کے لیے ایک ایک رات تھی اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ازواج مطہرات کے پاس تشریف لے جاتے تو سب سے آخر میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف فرما ہوتے۔ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ۵۷ھ میں ہوا۔ واقدی نے کہا ہے کہ ۵۸ھ کے ماہ رمضان المبارک کی سترہ راتیں گزر چکی تھیں۔

اس وقت آپ کی عمر چھیاسٹھ سال تھی۔ آپ نے وصیت فرمائی تھی کہ آپ کو رات کے وقت جنت البقیع میں دفن کیا جائے۔ نماز جنازہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہا نے پڑھائی تھی' اس وقت حضرت معاویہ بن ابو سفیان کی حکومت تھی اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ مدینہ طیبہ میں مروان کے نائب تھے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی کنیت ام عبداللہ تھی۔ (طبقات ابن سعد جلد ۸ ص ۸۶) ایک روایت میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کا ایک حمل ضائع ہوا۔ لیکن یہ بات ثابت نہیں' صحیح بات یہ ہے کہ آپ کی یہ کنیت حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی وجہ سے ہے اور وہ آپ کے بھانجے تھے۔ جب ان کی ولادت ہوئی تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے منہ میں اپنا لعاب مبارک لگایا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا یہ عبداللہ ہے اور تم ام عبداللہ ہو۔ آپ فرماتی ہیں' پس ہمیشہ میری یہی کنیت رہی اور میرے ہاں کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ یہ روایت ابو حاتم نے نقل کی ہے۔ (طبقات ابن سعد جلد ۸ ص ۶۶)

حضرت حفصہ بنت عمر رضی اللہ عنہما

ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی تھیں اور ان کی والدہ زینب بنت مظعون تھیں۔ وہ اسلام لائیں اور ہجرت کی۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عقد نکاح میں آنے سے پہلے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا حضرت خنیس بن حذافہ سہمی کے نکاح میں تھیں اور ان کے ساتھ ہجرت بھی کی۔ حضرت خنیس غزوہ بدر کے بعد انتقال کر گئے تھے۔
(طبقات ابن سعد جلد ۸ ص ۸۱)

جب حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا بیوہ ہو گئیں تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہما سے ان کا ذکر کیا لیکن ان میں سے ایک نے بھی ان سے نکاح کرنا قبول نہ کیا پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو نکاح کا پیغام بھیجا تو حضرت عمر فاروق نے سنہ ۳ھ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت حفصہ کا نکاح کر دیا۔ آپ نے ان کو ایک طلاق دی اور پھر رجوع کر لیا کیونکہ آپ پر وحی نازل ہوئی کہ آپ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے رجوع کریں۔ یہ زیادہ روزے رکھنے والی اور عبادت کے لیے قیام کرنے والی ہیں اور یہ جنت میں آپ کی بیوی ہوں گی۔ (طبقات ابن سعد جلد ۸ ص ۸۴)

حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے صحابہ کرام اور تابعین کی ایک جماعت نے احادیث روایت کی ہیں۔ آپ کا انتقال حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت میں شعبان ۴۵ھ میں ہوا۔ (طبقات ابن سعد جلد ۸ ص ۸۶) یہ بھی کہا گیا کہ ۴۱ھ میں ہوا۔ اس وقت آپ کی عمر ساٹھ سال تھی (طبقات ابن سعد جلد ۸ ص ۸۶) اور کہا گیا ہے کہ آپ کا وصال حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی خلافت میں ہوا۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نام ہند ہے۔ رملہ بھی کہا گیا لیکن پہلا قول زیادہ صحیح ہے۔ ان کی والدہ عاتکہ بنت عامر بن ربیعہ تھیں۔ یہ عاتکہ بنت عبدالمطلب نہیں ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکاح میں آنے سے پہلے وہ ابو سلمہ بن عبدالاسد رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں۔ حضرت ام سلمہ اور ان کے خاوند رضی اللہ عنہما سب سے پہلے حبشہ کی طرف ہجرت کرنے والے ہیں، وہاں ان کے ہاں زینب پیدا ہوئیں اور اس کے بعد ان سے سلمہ، عمر اور درہ کی پیدائش ہوئی۔ (طبقات ابن سعد جلد ۸ ص ۸۷)

کہا گیا کہ آپ پہلی مسافر خاتون ہیں جو مدینہ طیبہ میں بطور مہاجرہ داخل ہوئیں اور کہا گیا کہ وہ کوئی دوسری خاتون تھیں۔ حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ ۴ھ میں فوت ہوئے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ سنہ ۳ھ میں ان کا انتقال ہوا۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا۔ آپ نے فرمایا: جس شخص کو کوئی مصیبت پہنچے اور وہ کہے:

اللھم اجرنی فی مصیبتی واخلف لی خیرا منھا۔

یا اللہ! مجھے میری مصیبت میں اجر عطا فرما اور مجھے اس کا نعم البدل عطا فرما۔

تو اللہ تعالیٰ اس سے بہتر عطا فرماتا ہے۔ (سنن ابی داؤد جلد ۲ ص ۸۹)

(فرماتی ہیں) جب حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا تو میں نے کہا ابو سلمہ سے اچھا مسلمان کون ہوگا؟

پھر میں نے یہ کلمات (مذکورہ بالا) کہے تو اللہ تعالیٰ نے مجھے اُن کی جگہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عطا فرمائے۔ چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے پاس حاطب بن ابی بلتعہ کو بھیج کر نکاح کا پیغام دیا۔
(صحیح مسلم جلد اول ص ۳۰۰)

ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان کو نکاح کا پیغام دیا تو اُنہوں نے انکار کر دیا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے پیغام نکاح دیا تو بھی انکار کر دیا پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پیغام بھیجا تو آپ نے خوش آمدید کہتے ہوئے کہا کہ مجھ میں تین عادتیں ہیں۔ میں سخت غیرت مند عورت ہوں، میں بال بچے دار عورت ہوں اور یہاں میرا کوئی رشتہ دار نہیں جو میرا نکاح کر دے۔ اس پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے اتنا سخت غصہ آیا، جو اپنے پیغام نکاح کے رد ہونے پر بھی نہیں آیا تھا۔
چنانچہ نبی اکرم علیہ السلام ان کے پاس تشریف لائے اور فرمایا جو کچھ تم نے اپنی غیرت کے بارے میں ذکر کیا ہے تو میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں وہ اسے دور کر دے گا اور جو کچھ تم نے بچوں کے بارے میں کہا ہے تو اللہ تعالیٰ ان کے لیے کافی ہے، جو کچھ تم نے اپنے سرپرستوں کے بارے میں ذکر کیا ہے تو تمہارا کوئی ولی (سرپرست) مجھے ناپسند نہیں کرے گا چنانچہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے اپنے بیٹے سے فرمایا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے میرا نکاح کر دو تو اُنہوں نے آپ کا نکاح کر دیا۔
"السمط الثمین" کے مصنف (محب طبری) نے کہا کہ اس انداز میں یہ حدیث ہدبہ بن خالد نے روایت کی ہے اور صاحب "الصفوہ" نے بھی روایت کی ہے۔ امام احمد اور امام نسائی رحمہما اللہ نے اس کا کچھ حصہ نقل کیا اور صحیح بخاری میں یہ معنوی طور پر مروی ہے۔[1]
اس میں اس بات پر دلالت ہے کہ بیٹا (ماں کا) نکاح کر سکتا ہے اور ہمارے نزدیک (شافعی مسلک والوں کے نزدیک) اُنہوں نے عصبہ ہونے کی وجہ سے نکاح کر دیا کیونکہ وہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے چچازاد بھائی کا بیٹا تھا۔ اس لیے کہ ابوسلمہ عبداللہ بن عبدالاسد بن ہلال بن عبداللہ ہیں اور ام سلمہ ہند بنت سہیل بن مغیرہ بن عبداللہ ہیں اور اس (بھتیجے) کے علاوہ ان کا کوئی عصبہ موجود نہ تھا۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا حسین خواتین میں سے تھیں۔ جس سال حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا۔ اس سال نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا اور ابھی شوال کی کچھ راتیں باقی تھیں۔
حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہ کا انتقال ۵۹ھ میں ہوا۔ ایک قول کے مطابق ۶۲ھ میں ہوا لیکن پہلا قول زیادہ صحیح ہے۔ آپ کو جنت البقیع میں دفن کیا گیا اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی۔ (طبقات ابن سعد جلد ۸ ص ۹۶) کہا گیا ہے کہ حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی تھی۔ اس وقت آپ کی عمر چوراسی سال تھی۔

[1] حنفی فقہ کے مطابق ولی اقرب موجود نہ ہو تو ولی ابعد (دور کا ولی) نکاح کرا سکتا ہے۔ نیز بالغہ عورت خود بھی اپنا نکاح کر سکتی ہے۔ احناف کے نزدیک اس کے لیے ولی کا ہونا شرط نہیں۔ لیکن کفو میں نکاح کرنا ہوگا۔ ورنہ ولی اعتراض کر سکتا ہے۔ ۱۲ ہزاروی

حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا

ام المومنین حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کا اسم گرامی رملہ تھا- آپ ابو سفیان بن صخر بن حرب کی صاحبزادی تھیں- کہا گیا ہے کہ آپ کا نام ہند تھا لیکن پہلا قول زیادہ صحیح ہے- آپ کی والدہ صفیہ بنت ابو العاصی (بن امیہ) تھیں- (اور یہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی پھوپھی تھیں)

حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا عبیداللہ بن جحش کے نکاح میں تھیں اور اس نے آپ کے ساتھ حبشہ کی طرف دوسری ہجرت میں شرکت کی- پھر وہ نصرانی ہو کر اسلام سے مرتد ہو گیا اور وہیں اس کی موت واقع ہوئی- لیکن حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا اسلام پر قائم رہیں- (طبقات ابن سعد جلد ۸ ص ۹۶)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ان سے کب اور کہاں نکاح ہوا؟ اس بارے میں اختلاف ہے- اس سلسلے میں کہا گیا کہ حبشہ کی سرزمین میں سنہ ۶ ہجری میں آپ کا نکاح ہوا- ایک روایت میں ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرو بن امیہ ضمری کو نجاشی کی طرف بھیجا کہ وہ حضرت ام حبیبہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح کا پیغام دے- پس نجاشی (بادشاہ) نے ان کا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح کیا اور اپنی طرف سے چار سو دینار حق مہر ادا کر کے ان کو حضرت شرحبیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ کے ہمراہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیج دیا-

(طبقات ابن سعد جلد ۸ ص ۹۹)

ایک روایت میں ہے کہ نجاشی نے اپنی لونڈی ابرہہ کو حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے پاس بھیجا- اس لونڈی نے کہا کہ بادشاہ کہتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے لکھا ہے کہ میں آپ کا نکاح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کر دوں، چنانچہ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے حضرت خالد بن سعید بن عاصی کو بلا کر اپنا وکیل بنایا اور اس خوشی میں ابرہہ کی لونڈی کو چاندی کے دو کنگن اور کچھ انگوٹھیاں دیں-

جب شام کا وقت ہوا تو نجاشی نے حضرت جعفر بن ابی طالب اور دیگر مسلمانوں کو جو وہاں موجود تھے، حکم دیا کہ حاضر ہوں، وہ لوگ جمع ہوئے، تب نجاشی نے یوں خطبہ دیا:

الحمد لله الملك القدوس السلام المؤمن المهيمن العزيز الجبار، اشهد ان لا اله الا الله واشهد ان محمدا عبده ورسوله، ارسله بالهدى ودين الحق ليظهره على الدين كله ولو كره المشركون-

تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جو بادشاہ ہے، پاک، سلامتی، امن دینے والا، حفاظت کرنے والا، عزت والا اور عظمت والا میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں بے شک حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں- اس نے آپ کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا تاکہ اس (دین) کو تمام دینوں پر غالب کر دے، اگرچہ مشرک ناپسند کریں-

حمد و صلوۃ کے بعد! میں نے اس بات کو قبول کیا جس کی طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوت دی

اور میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے حضرت اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا کو چار سو دینار سونا بطور مہر دیا، پھر وہ دینار حاضرین کے سامنے رکھ دیئے۔

اس کے بعد (اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا کے وکیل) حضرت خالد بن سعید رضی اللہ عنہ نے یوں خطبہ پڑھا:

الحمد للہ احمدہ واستعینہ واستغفرہ، واشھدان لاالہ الااللہ وحدہ لاشریک لہ وان محمدعبدہ ورسولہ، ارسلہ بالھدی ودین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ ولوکرہ المشرکین۔

تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں۔ میں اس کی تعریف کرتا ہوں اور اس سے مدد مانگتا ہوں اور اس سے بخشش طلب کرتا ہوں۔ اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ ایک ہے، اس کا کوئی شریک نہیں اور بے شک حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور رسول ہیں۔ اس نے آپ کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا تاکہ وہ اس دین کو تمام دینوں پر غالب کردے۔ اگرچہ مشرک ناپسند کریں۔

"حمد و صلوۃ کے بعد! میں نے اس بات کو قبول کیا جس کی طرف نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوت دی ہے اور میں نے ام حبیبہ بنت ابوسفیان کے ساتھ آپ کا نکاح کیا، اللہ تعالیٰ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان میں برکت عطا فرمائے، پھر وہ دینار خالد بن سعید کو دے دیئے گئے اور انہوں نے ان کو اپنے قبضے میں لے لیا۔ پھر لوگوں سے اُٹھنے کا ارادہ کیا تو نجاشی بادشاہ نے کہا، بیٹھو! کیونکہ انبیاء کرام علیہم السلام کی سنت ہے کہ نکاح کے بعد کھانا کھایا جائے، چنانچہ اس نے کھانا منگوایا تو سب نے کھانا کھایا اور پھر چلے گئے۔ (طبقات ابن سعد جلد ۸ ص ۹۷)

یہ روایت صاحب صفوۃ نے نقل کی جیسا کہ طبری نے کہا ہے اور یہ واقعہ ہجرت کے ساتویں سال ہوا۔

(طبقات ابن سعد جلد ۸ ص ۹۹)

ابو عمر نے کہا ہے کہ اس بارے میں اختلاف ہے کہ حضرت اُم حبیبہ کا نکاح کس نے کیا۔ ایک روایت میں سعید بن عاص کا ذکر ہے، دوسری روایت میں حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کا ذکر ہے اور اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا ان کی پھوپھی زاد تھیں۔

امام بیہقی نے ذکر کیا کہ ان کا نکاح خالد بن سعید بن عاصی نے کیا اور وہ ان کے والد کے چچا زاد بھائی کے بیٹے تھے۔

اگر مذکورہ تاریخ کو صحیح قرار دیا جائے تو یہ بات صحیح قرار نہیں پاتی کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان کا نکاح کیا ہو کیونکہ آپ سنہ ۲ھ میں غزوہ بدر سے پہلے حبشہ سے واپس تشریف لائے تھے۔

حضرت اُم حبیبہ کے والد ابوسفیان ان کے نکاح کے وقت بحالت شرک مکہ مکرمہ میں تھے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی لڑائی چل رہی تھی۔

یہ بھی کہا گیا کہ ان کا نکاح حبشہ سے واپسی کے بعد مدینہ طیبہ میں ہوا، لیکن پہلی بات مشہور ہے۔

حضرت اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا کا وصال ۴۴ھ میں ہوا۔ (طبقات ابن سعد جلد ۸ ص ۱۰۰) ایک قول کے مطابق ۴۲ھ میں ہوا۔

حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا

اُم المومنین حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کی والدہ کا نام امیمہ تھا جو حضرت عبدالمطلب بن ہاشم کی بیٹی تھیں (نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی تھیں)۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینب کا نکاح حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ سے کیا اور وہ ان کے ہاں ایک عرصہ تک رہیں، پھر انہوں نے ان کو طلاق دے دی جیسا کہ خصائص کے ذکر میں آئے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

جب ان کی عدت ختم ہوگئی تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید بن حارثہ سے فرمایا جا کر ان کے سامنے میرا ذکر کرو۔ وہ فرماتے ہیں: میں ان کے پاس گیا اور میں نے اپنی پیٹھ دروازے کی طرف کرتے ہوئے کہا: اے زینب! مجھے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھیجا ہے وہ آپ کو یاد کرتے ہیں۔ (آپ کو حبالہ عقد میں لانا چاہتے ہیں) انہوں نے کہا: میں کوئی نئی بات اس وقت تک نہیں کروں گی، جب تک اپنے رب عزوجل سے اجازت نہ لے لوں۔ چنانچہ وہ اپنے مصلی کی طرف تشریف لے گئیں تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا۔ (الاحزاب: ۳۷)

پس جب (حضرت) زید کی غرض ان سے پوری ہوگئی تو ہم نے انکو (حضرت زینب کو) آپکے نکاح میں دے دیا۔

پس رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اجازت مانگے بغیر ان کے ہاں تشریف لائے۔
(صحیح مسلم جلد اول ص ۴۶۰، طبقات ابن سعد جلد ۸ ص ۱۰۴)

منافقین نے کہا: حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اولاد کی بیویوں سے نکاح کو حرام قرار دیا اور خود اپنے بیٹے کی بیوی سے نکاح کر لیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ۔ (الاحزاب: ۴۰)

(حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! تم میں سے کسی مرد کے باپ نہیں ہیں۔

حضرت زینب رضی اللہ عنہا دیگر ازواج مطہرات پر فخر کرتے ہوئے کہا کرتی تھیں کہ تمہارے نکاح تمہارے والدین نے کئے اور میرا نکاح اللہ تعالیٰ نے سات آسمانوں کے اوپر کیا ـــــ اس حدیث کو امام ترمذی نے روایت کیا اور صحیح قرار دیا۔ (طبقات ابن سعد جلد ۸ ص ۱۰۳ جامع ترمذی جلد ۲ ص ۱۵۳)

آپ کا نام برہ تھا تو حضور علیہ السلام نے آپ کا نام زینب رکھا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا تو صحابہ کرام کو دعوت دی وہ کھانا کھانے کے بعد بیٹھ کر باتیں کرنے لگے جبکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اُٹھنے کی تیاری کرنے لگے تو وہ نہ اُٹھے۔ یہ حالت دیکھ کر آپ کھڑے ہوگئے اور جس نے کھڑا ہونا

تھا وہ بھی آپ کے ساتھ کھڑا ہوگیا۔ اور تین افراد بیٹھے رہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اندر داخل ہونے کے لیے تشریف لائے تو وہ لوگ بیٹھے ہوئے تھے، پھر لوگ اُٹھ کھڑے ہوئے تو میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی کہ وہ چلے گئے ہیں۔ چنانچہ آپ تشریف لائے اور اندر داخل ہوئے، میں بھی اندر جانے لگا تو آپ نے میرے اور اپنے درمیان پردہ ڈال دیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ (صحیح مسلم جلد اول ص ۴۶۱)

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتَ النَّبِيِّ اِلَّآ اَنْ يُّؤْذَنَ لَكُمْ اِلٰى طَعَامٍ۔

اے ایمان والو! نبی کے گھروں میں نہ حاضر ہو، جب تک اجازت نہ ہو، (مثلاً) کھانے کے لیے بلائے جاؤ۔

(الاحزاب: ۵۳)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے ہجرت کے پانچویں سال نکاح کیا۔ ایک قول تیسرے سال کے بارے میں بھی ہے اور آپ کے وصال کے بعد ازواج مطہرات میں سب سے پہلے ان کا انتقال ہوا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان کی شان میں فرمایا کہ دین میں ان سے بہتر کوئی عورت نہ تھی۔ وہ اللہ تعالیٰ سے سب سے زیادہ ڈرنے والی، سب سے سچی، سب سے زیادہ صلہ رحمی کرنے والی، بہت زیادہ صدقہ دینے والی اور ایسے کاموں میں اپنے آپ کو زیادہ مصروف رکھتی تھیں جو صدقہ کرنے اور قرب خداوندی کے حصول کا ذریعہ ہوں۔ (صحیح مسلم جلد ۲ ص ۲۸۵)

حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا انتقال ۲۰ھ کو مدینہ طیبہ میں ہوا اور کہا گیا ہے کہ ۲۱ھ ہجری میں آپ نے وصال فرمایا۔ اس وقت آپ کی عمر ترپن (۵۳) سال تھی۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی۔ اور (ازواج مطہرات میں سے) آپ پہلی خاتون ہیں جن کی میت کو ڈھانپا گیا۔ (ا: ج مطہرات سے قطع نظر حضرت خاتون جنت رضی اللہ عنہا کی نعش کو سب سے پہلے ڈھانپا گیا)

حضرت زینب (اُم المساکین) رضی اللہ عنہا

حضرت زینب (اُم المساکین) رضی اللہ عنہا بنت خزیمہ بن حارث ہلالیہ تھیں۔ دور جاہلیت میں آپ کو ام المساکین کہا جاتا تھا کیونکہ آپ لوگوں کو کھانا کھلاتی تھیں۔

ابن شہاب کے قول کے مطابق آپ عبداللہ بن جحش کے نکاح میں تھیں جو غزوہ اُحد میں شہید ہوئے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سنہ ۳ھ میں آپ سے نکاح کیا۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا آپ کے ہاں دو یا تین مہینے رہیں اور پھر آپ کی حیات طیبہ میں ہی انتقال کر گئیں۔ ایک قول کے مطابق آپ حضور علیہ السلام کے ہاں آٹھ مہینے رہیں۔ یہ بات فضائلی نے ذکر کی ہے۔

ایک قول یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آنے سے پہلے حضرت زینب طفیل بن حارث کے نکاح میں تھیں، پھر اُن کے بھائی عبیداللہ بن حارث کے نکاح میں آئیں اور وہ غزوہ اُحد میں شہید ہوئے تو نبی

اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے نکاح کیا۔ پہلا قول زیادہ صحیح ہے۔

حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ربیع الثانی ۴ھ میں ہوا اور آپ کو جنت البقیع میں (راستے پر) دفن کیا گیا۔ یہ بات طبری نے کہی ہے اور فضائلی نے بھی اسی طرح ذکر کیا ہے۔

اور یہ قول اس روایت کے مطابق ہے جس میں کہا گیا کہ آپ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں آٹھ مہینے رہیں۔

اور جو کچھ ابو عمر نے کہا وہ صحیح نہیں کیونکہ آپ کا عقد سنہ ۳ھ میں ہوا۔ اگر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ٹھہرنے کی مدت دو یا تین مہینے ہو تو ربیع الثانی میں آپ کی وفات صحیح قرار نہیں پاتی۔

حضرت میمونہ بنت حارث رضی اللہ عنہا

اُم المومنین حضرت میمونہ بنت حارث ہلالیہ رضی اللہ عنہا کی والدہ ہند بنت عوف بن زہیر بن حارث بن حماطہ بن حمیر تھیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ خیبر کے بعد سنہ ۷ھ میں مکہ مکرمہ میں آپ سے نکاح کیا۔ جب کہ آپ عمرہ کرنے آئے تھے۔ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی بہن ام الفضل لبابہ کبریٰ، حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں اور دوسری ماں شریک بہن اسماء بنت عمیس حضرت جعفر (رضی اللہ عنہما) کے نکاح میں جب کہ سلمیٰ بنت عمیس حضرت حمزہ (رضی اللہ عنہ) کے نکاح میں تھیں۔

حضرت میمونہ رضی اللہ عنہ نے اپنے نکاح کا اختیار حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو دیا تو انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کا نکاح کیا اور آپ اس وقت حالت احرام میں تھے جب مکہ مکرمہ سے واپسی ہوئی تو مقام سرف میں ان کے پاس تشریف لے گئے اور اس وقت آپ نے احرام کھول دیا تھا۔ یہ بات ابو عمر نے ذکر کی ہے۔

صحیح حدیث میں مسلم کے راویوں سے مروی ہے وہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے نکاح کیا تو اس وقت آپ حالت احرام میں نہیں تھے۔

برقانی نے اس کے بعد یہ اضافہ کیا کہ شب زفاف اس حالت میں ہوئی کہ آپ احرام کو کھول چکے تھے حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کا انتقال بھی مقام سرف میں ہوا۔

یہ جملہ کہ بوقت نکاح آپ محرم تھے، اس کا مطلب یہ ہوگا کہ حرم شریف میں داخل تھے اور عقد نکاح عمرہ کرنے کے بعد ہوا۔ پھر آپ مقام سرف کی طرف تشریف لے گئے اور وہیں آپ ام المومنین کے پاس تشریف لے گئے۔

مقام سرف، بقول طبری مکہ مکرمہ سے دس میل کے فاصلے پر ہے۔ معجزات کے بیان میں خصائص کے ذکر میں مزید تفصیل آئے گی۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا پہلے ابورہم بن عبدالعزیٰ کے نکاح میں تھیں، ایک قول کے مطابق یہ عبداللہ بن ابی رہم تھے اور یہ بھی کہا گیا کہ حویطب بن عبدالعزیٰ کے نکاح میں تھیں ایک قول یہ ہے کہ وہ فروہ بن

عبدالعزیٰ کے نکاح میں تھیں۔
ابن اسحاق نے کہا کہ کہا جاتا ہے انہوں نے خود اپنے آپ کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے پیش کیا کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام نکاح ان تک پہنچا اور وہ اپنے اونٹ پر تھیں تو انہوں نے کہا اونٹ اور جو کچھ اس پر ہے' وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہے۔
کہا گیا ہے کہ اپنے آپ کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہبہ کرنے والی آپ نہیں کوئی دوسری خاتون ہیں۔
حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کا انتقال مقام سرف میں اسی جگہ ہوا جہاں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم شب زفاف میں ان کے پاس تشریف لے گئے تھے (طبقات ابن سعد جلد ۸ ص ۱۳۹) اور یہ سنہ ۵۱ھ کا ذکر ہے۔ سنہ ۵۶ھ اور سنہ ۶۰ھ کا قول بھی کیا گیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی اور ان کی قبر میں اترے۔[لـه] (طبقات ابن سعد جلد ۸ ص ۱۴۰)

حضرت جویریہ بنت حارث رضی اللہ عنہا

اُم المومنین حضرت جویریہ بنت حارث بن ابی ضرار رضی اللہ عنہا مسافع ابن صفوان مصطلقی کے نکاح میں تھیں۔ غزوہ مریسیع میں جسے غزوہ بنو مصطلق کہتے ہیں اور وہ سنہ ۵ھ یا سنہ ۶ھ میں ہوا۔ حضرت جویریہ بطور باندی حضرت ثابت بن قیس بن شماس انصاری رضی اللہ عنہ کے حصے میں آئی تھیں۔ انہوں نے مکاتبت کر لی (کوئی غلام یا لونڈی جب مال دے کر مالک سے جان چھڑائے تو اس کو مکاتبت اور اس غلام اور لونڈی کو مکاتب اور مکاتبہ کہتے ہیں)۔
پھر وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا: یارسول اللہ! میں جویریہ بنت حارث ہوں اور میرا معاملہ آپ سے پوشیدہ نہیں ہے۔ میں ثابت بن قیس بن شماس کے حصے میں آئی ہوں اور میں نے مکاتبت کر لی ہے۔ میں آپ سے اپنی مکاتبت (کتابت کی رقم میں مدد) کا سوال کرنے کی خاطر آئی ہوں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم اس سے اچھی بات چاہتی ہو؟ عرض کیا یارسول اللہ! وہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: میں تمہاری کتابت کا بدل ادا کر کے تم سے نکاح کر لوں؟ حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا۔ میں نے آپ کے حکم کی تعمیل کی۔

لـه مقام سرف کو آج کل نواریہ کہا جاتا ہے۔ ۱۹۹۳ھ میں راقم کو ام المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے مزار شریف پر حاضری کا شرف حاصل ہوا۔ پہاڑی کے دامن میں ایک چار دیواری کے اندر قبر شریف ہے۔ باہر سے تالہ لگا ہوتا ہے۔ حضرت غزالی زماں علامہ سید احمد سعید کاظمی رحمہ اللہ کے فرزند ارجمند علامہ سید ارشد سعید کاظمی مدظلہ کی معیت میں علامہ قاری خادم حسین سعیدی کی دعوت پر وہاں حاضری ہوئی۔ مغرب کی نماز بھی وہاں ادا کی اور حاضری کا شرف بھی حاصل ہوا۔ خدایا ایں کرم بار دگر کن۔ ۱۲ ہزاروی

جب صحابہ کرام رضی اللہ عنھم نے سنا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کرلیا ہے تو ان کے قبضے میں جو قیدی تھے، انہوں نے ان کو چھوڑ دیا اور آزاد کردیا۔ وہ کہنے لگے: یہ تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سسرال ہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں میں نے حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا سے بڑھ کر کسی خاتون کو اس کی قوم کے لیے زیادہ بابرکت نہیں دیکھا۔ ان کی وجہ سے بنو مصطلق کے ایک سو گھرانے آزاد ہوئے۔ اس حدیث کو امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت سے نقل کیا۔

(طبقات ابن سعد جلد ۸ ص ۱۱۶، سنن ابی داؤد جلد ۲ ص ۱۹۲)

ابن ہشام کہتے ہیں: کہا جاتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ سے خرید کر آزاد کیا، پھر ان سے نکاح کیا اور چار سو درہم حق مہر کے طور پر عطا فرمائے۔

ابن شہاب سے منقول ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جویریہ رضی اللہ عنہ کو مریسیع (غزوہ مریسیع) والے دن قیدی بنایا۔ پس (ان کو پردہ میں داخل کرکے اپنے حرم میں داخل کیا اور) ان کے لیے باری مقرر فرمائی۔ اس وقت ان کی عمر بیس سال تھی۔ ان کا نام برہ تھا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نام تبدیل کرکے ان کا نام جویریہ رکھا۔

اس قسم کی بات حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے بارے میں بھی گزر چکی ہے۔

(طبقات ابن سعد جلد ۸ ص ۱۱۸)

حضرت جویریہ رضی اللہ عنہ کا وصال ربیع الاول ۵۰ھ میں ہوا، اس وقت ان کی عمر پینسٹھ سال تھی۔ بعض نے کہا ہے کہ ۵۶ھ میں وصال ہوا۔ (طبقات ابن سعد جلد ۸ ص ۱۲۰)

حضرت صفیہ بنت حیی رضی اللہ عنہا

اُم المومنین حضرت صفیہ بنت حیی بن اخطب بن سعیہ ابن ثعلبہ بن عبید کا بنی اسرائیل سے تعلق تھا اور آپ حضرت ہارون بن عمران علیہ السلام کی اولاد میں سے تھیں۔

ان کی ماں کا نام ضرہ تھا۔ (ضاد پر زبر اور راء پر شد ہے) جو سموءل کی بیٹی تھیں (سموءل کے سین اور میم پر زبر، واو ساکن اور ہمزہ پر زبر ہے اور آخر میں لام ہے) حضرت صفیہ کنانہ بن ابوالحقیق (حاء پر پیش اور پہلے قاف پر زبر ہے یعنی الحقیق) کے نکاح میں تھیں۔ محرم ۷ھ میں کنانہ کا غزوۂ خیبر میں انتقال ہوا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جب خیبر فتح ہوا اور قیدیوں کو جمع کیا گیا تو حضرت دحیہ رضی اللہ عنہ نے حاضر خدمت ہوکر عرض کیا یارسول اللہ! مجھے قیدیوں میں سے ایک لونڈی عطا فرمائیں۔ آپ نے فرمایا جاؤ اور ایک لونڈی لے لو، وہ حضرت صفیہ بنت حیی کو لے آئے۔ ایک شخص نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کیا یارسول اللہ! آپ نے صفیہ بنت حیی حضرت دحیہ کو دے دی ہیں، حالانکہ وہ قریظہ اور نضیر

(قبیلوں) کی سردار ہیں۔ وہ آپ کے لیے مناسب ہیں۔
رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حضرت دحیہ کو حضرت صفیہ سمیت بلاؤ۔ وہ ان کو لے کر آئے۔ آپ نے ان کو دیکھا تو فرمایا ان کے علاوہ کوئی لونڈی لے لو۔ راوی فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو آزاد کر کے ان سے نکاح کر لیا۔ حضرت ثابت نے پوچھا اے ابو حمزہ! ان کا مہر کیا تھا؟ فرمایا ان کا نفس، چنانچہ آپ نے ان کو آزاد کر کے ان سے نکاح کر لیا۔ حتیٰ کہ راستے میں حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا نے ان کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تیار کر کے اسی رات آپ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بطور دولہا صبح کی، آپ نے فرمایا جس کے پاس جو کچھ ہے، وہ لے آئے۔ راوی فرماتے ہیں آپ نے چمڑے کا ایک بچھونا بچھایا تو کوئی شخص پنیر لا رہا تھا کوئی کھجور اور کوئی گھی۔ چنانچہ (حیس) حلوہ تیار کیا گیا اور یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ولیمہ تھا۔ (صحیح مسلم جلد اول ص ۴۵۹)

ایک روایت میں ہے صحابہ کرام نے کہا معلوم نہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے نکاح کیا ہے یا ان کو ام ولد (لونڈی) بنایا ہے۔ چنانچہ وہ کہنے لگے اگر آپ نے ان کو پردے میں رکھا تو وہ آپ کی زوجہ ہوں گی اور اگر پردہ نہ کروایا تو وہ ام ولد ہوں گی۔[1] چنانچہ جب آپ سوار ہونے لگے تو ان پر پردہ ڈال دیا۔
(صحیح مسلم جلد اول ص ۴۶۰)

ایک روایت میں ہے راوی فرماتے ہیں پس ہم چلے حتیٰ کہ جب ہم نے مدینہ طیبہ کی دیواروں کو دیکھا تو ہم ان کی طرف تیزی سے چلے اور اپنی سواریوں کو تیز کیا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنی سواری کو تیز کیا۔ فرماتے ہیں حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو آپ نے سواری پر اپنے پیچھے بٹھایا ہوا تھا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری پھسلی تو آپ بھی گر گئے اور حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا بھی گر گئیں۔ لوگوں میں سے کسی نے بھی ان کی طرف نہ دیکھا حتیٰ کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر ان کو پردے میں کیا۔
راوی فرماتے ہیں ہم مدینہ طیبہ میں داخل ہوئے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کی لونڈیاں حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو دیکھنے باہر نکلیں اور ان کے گرنے پر ہنسنے لگیں۔[2] (صحیح مسلم جلد اول ص ۴۰۰)
حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ خیبر کے دن حضرت صفیہ کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لایا گیا اور آپ نے ان کے باپ اور بھائی کو قتل کرنے کا حکم دیا تھا۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ انہیں مقتولوں کے درمیان سے لے کر آئے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صفیہ کو اختیار دیا تھا کہ یا تو آپ ان کو آزاد کر دیں اور وہ اپنے گھر والوں میں سے باقی بچنے والے لوگوں میں چلی جائیں یا اسلام قبول کریں تو آپ ان کو اپنے لیے اختیار فرمائیں تو انہوں نے عرض کیا میں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اختیار کیا۔ یہ حدیث "الصفوہ" میں ہے۔

۱؎ جس لونڈی سے مالک کی اولاد پیدا ہو اس لونڈی کو ام ولد کہتے ہیں۔ ۱۲ ہزاروی۔
۲؎ اس ہنسنے کا مقصد تمسخر اڑانا نہیں تھا بلکہ انسانی فطرت کے مطابق ان کو ہنسی آئی۔ ۱۲ ہزاروی۔

حضرت تمام (امام حافظ محمد بن عبداللہ بن جعفر مروزی دمشقی متوفی ۴۱۶ھ) نے (اپنی کتاب) فوائد میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث سے نقل کیا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: کیا تمہیں مجھ سے رغبت ہے؟ انہوں نے عرض کیا یارسول اللہ میں زمانہ شرک میں اس بات کی تمنا کرتی تھی تو جب اسلام میں اللہ تعالیٰ نے مجھے اس بات پر قادر کیا ہے تو کیسے پسند نہیں کروں گی۔

حضرت ابو حاتم نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث سے نقل کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کی آنکھ میں سبز رنگ دیکھا تو پوچھا یہ سبز رنگ کیسا ہے؟ انہوں نے کہا میرا سر ابن الحقیق کی گود میں تھا اور میں سوئی ہوئی تھی تو میں نے دیکھا کہ چاند میری گود میں اترا ہے۔ میں نے ابوالحقیق کو یہ بات بتائی تو اس نے مجھے ایک تھپٹر مارا اور کہا تو یثرب کے بادشاہ کی تمنا کرتی ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مقام صہبا میں آپ کے پاس تشریف لے گئے۔ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا وصال حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانے میں رمضان المبارک ۵۰ھ میں ہوا۔ (طبقات ابن سعد جلد ۸ ص ۱۲۸) اس کے علاوہ بھی کہا گیا ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان ازواج مطہرات کے قریب تشریف لے گئے (حقوق زوجیت ادا کیے) اور اس سلسلے میں سیرت نگاروں اور آثار و روایات کا علم رکھنے والوں کے درمیان کوئی اختلاف نہیں۔

وہ ازواج مطہرات جن کے پاس آپ تشریف نہیں لے گئے

(کتب سیرت میں) مذکور ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان ازواج مطہرات کے علاوہ دیگر خواتین سے بھی نکاح فرمایا اور وہ کل بارہ خواتین ہیں۔

(۱) وہ خاتون جس نے اپنے آپ کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بطور ہبہ پیش کیا لیکن اس میں اختلاف ہے کہ وہ کون ہیں؟ کہا گیا ہے کہ وہ ام شریک قرشیہ عامریہ ہیں اور ان کا نام غزیہ (غین پر پیش زاء پر زبر اور یاء پر شد ہے غُزَیَّہ) بنت جابر بن عوف ہے۔ ان کا تعلق بنو عامر بن لؤی سے ہے۔ کہا گیا کہ وہ دودان بن عوف کی بیٹی ہیں اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو طلاق دے دی تھی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو قرب عطا فرمایا یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے۔

ایک قول یہ ہے کہ وہ ام شریک غزیہ انصاریہ ہیں اور ان کا تعلق بنو نجار قبیلے سے ہے۔ "الصفوہ" میں ہے کہ یہ ام شریک غزیہ بنت جابر دوسیہ ہیں۔

(ابن جوزی نے) کہا کہ اکثر علماء کا یہی خیال ہے کہ انہوں نے ہی اپنے آپ کو بارگاہ نبوی میں پیش کیا لیکن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو قبول نہ کیا۔ اس خاتون نے شادی نہ کی حتیٰ کہ ان کا انتقال ہو گیا۔

ابن قتیبہ نے "المعارف" میں ابوالیقظان سے روایت کیا کہ اپنے آپ کو پیش کرنے والی خاتون خولہ بنت حکیم سلمی ہیں، ہو سکتا ہے کہ ان دونوں نے اپنے آپ کو پیش کیا ہو اور اس میں کوئی تضاد نہیں۔

حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضرت خولہ بنت حکیم رضی اللہ عنہا ان خواتین میں سے ہیں، جنہوں نے اپنے آپ کو بارگاہ نبوی میں پیش کیا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ کیا کسی عورت کو اس بات سے حیا نہیں آتی کہ وہ اپنے آپ کو کسی مرد پر پیش کرے۔

جب یہ آیت نازل ہوئی:

تُرْجِيْ مَنْ تَشَآءُ مِنْهُنَّ وَتُـْٔوِيْٓ اِلَيْكَ مَنْ تَشَآءُ (الاحزاب: ۵۱) پیچھے ہٹاؤ ان میں سے جسے چاہو اور اپنے پاس جگہ دو جسے چاہو۔

تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا یا رسول اللہ میں آپ کے رب کو دیکھتی ہوں کہ وہ آپ کی خواہش کو پورا کرنے میں جلدی کرتا ہے۔ (صحیح بخاری جلد ۲ ص ۷۰۶، صحیح مسلم جلد اول ص ۴۷۳)

یہ خولہ رضی اللہ عنہا حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کی زوجہ ہیں۔ ہو سکتا ہے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے نکاح میں آنے سے پہلے یہ واقعہ ہوا ہو۔

(۲) خولہ بنت ہذیل بن ہبیرہ سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کیا اور آپ کے ان کے قریب جانے سے پہلے ہی وہ انتقال کر گئیں۔

(۳) عمرہ بنت یزید بن جون کلابیہ اور کہا گیا کہ عمرہ بنت یزید بن عبید بن اوس بن کلاب کلابیہ ہیں۔ ابو عمر نے کہا یہ زیادہ صحیح ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے نکاح کیا اور جب ان کو آپ کے پاس بھیجا گیا تو انہوں نے آپ سے پناہ مانگی۔ آپ نے فرمایا تم نے پناہ طلب کی پس آپ نے طلاق دے دی اور حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ ان کو تین کپڑے دے دو۔ ابو عمر کہتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اسی طرح مروی ہے۔

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں یہ واقعہ بنو سلیم کی ایک خاتون سے متعلق ہے۔ ابو عبیدہ فرماتے ہیں یہ واقعہ اسماء بنت نعمان بن جون سے پیش آیا۔ ابن قتیبہ نے بھی اسی طرح ذکر کیا ہے اور عنقریب یہ بات مذکور ہوگی۔ ان عمرہ (خاتون) کے بارے میں فرمایا کہ ان کے باپ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ان کا وصف بیان کیا پھر کہا کہ مزید یہ بات ہے کہ وہ کبھی بیمار نہیں ہوئیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کے لیے اللہ کے ہاں کوئی بھلائی نہیں، پس آپ نے اسے طلاق دے دی۔

(۴) اسماء بنت نعمان بن جون ابن حارث کندیہ ہیں اور یہی جونیہ ہیں۔ ابو عمر نے کہا کہ اس بات پر اتفاق ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے نکاح کیا لیکن تفریق کے سبب میں اختلاف ہے۔ حضرت قتادہ اور ابو عبیدہ فرماتے ہیں کہ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بلایا تو اس خاتون نے کہا: آپ خود آئیں اور آپ کے پاس جانے سے انکار کر دیا اور بعض نے کہا کہ اس نے کہا: میں آپ سے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتی ہوں۔ آپ نے فرمایا: تم نے پناہ مانگی ہے تو اللہ تعالیٰ نے تجھے مجھ سے پناہ دے دی۔۔۔

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات نے اس خاتون کو یہ بات سکھائی تھی

کیونکہ وہ بہت خوبصورت تھیں اور ان کو خطرہ تھا کہ وہ حضور علیہ السلام کے معاملے میں ان پر غالب نہ ہو جائیں۔ پس انہوں نے ان سے کہا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس بات کو پسند کرتے ہیں کہ جب تم آپ کے قریب جاؤ تو کہو کہ میں آپ سے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتی ہوں۔ آپ نے فرمایا: تم نے پناہ مانگی اور اسے طلاق دے دی، پھر ان کو ان کے گھر والوں کی طرف جانے کی اجازت دے دی۔ وہ اپنے آپ کو شقیہ (بدبخت) کہا کرتی تھیں۔[1]

جرجانی کہتے ہیں کہ ازواجِ مطہرات نے ان سے کہا: اگر تم حضور علیہ السلام کے ہاں کوئی مرتبہ چاہتی ہو تو آپ سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگنا۔ اس خاتون نے یہ بات کہی تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے رُخِ انور پھیر لیا۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ پناہ مانگنے والی کوئی دوسری خاتون تھی۔ ابوعبیدہ کہتے ہیں: ہوسکتا ہے کہ دونوں نے پناہ مانگی ہو۔

دوسرے حضرات فرماتے ہیں کہ اسماء کے جسم پر سفید داغ تھے تو آپ نے فرمایا: اپنے گھر والوں کے پاس چلی جاؤ۔ ان کے نام کے بارے میں کہا گیا کہ امیمہ تھا اور یہ بھی کہا گیا کہ ان کا نام امامہ تھا۔

(۵) ملیکہ بنت کعب اللیثیہ ہیں، بعض نے کہا کہ انہوں نے حضور علیہ السلام سے پناہ مانگی تھی۔ یہ بھی کہا گیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنے قرب سے مشرف فرمایا تھا اور آپ کے ہاں ہی ان کا انتقال ہوا لیکن پہلی بات زیادہ صحیح ہے اور بعض حضرات نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ان سے نکاح کا بالکل انکار کیا ہے۔

(۶) فاطمہ بنت ضحاک بن سفیان کلابی ہیں جن سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے وصال کے بعد نکاح کیا اور جب آیت تخییر نازل ہوئی[2] تو آپ نے ان کو اختیار دیا چنانچہ انہوں نے دنیا کو اختیار کیا۔ پس نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو جُدا کر دیا۔ اس کے بعد وہ مینگنیاں اٹھاتی تھیں اور کہتی تھیں کہ وہ بدبخت ہیں کیونکہ انہوں نے دنیا کو اختیار کیا۔۔۔ ابن اسحٰق نے اسے اسی طرح روایت کیا ہے لیکن ابوعمرو نے کہا کہ ہمارے نزدیک یہ بات صحیح نہیں کیونکہ ابن شہاب نے بواسطہ حضرت عروہ رضی اللہ عنہ

۱۔ اگر یہ روایت صحیح ہو تو اس کی وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات آپ سے بہت زیادہ محبت کرتی تھیں اور یہ خاتون بہت خوبصورت تھیں اس لیے انہوں نے حضور علیہ السلام کی توجہ کو اپنی طرف مبذول رکھنے کے لیے یہ راستہ اختیار کیا یا بعض لونڈیوں نے یہ طریقہ اختیار کیا اور اپنی سیدات امہات المومنین کے لیے ایسا کیا ہو لہٰذا امہات المومنین کی طرف نسبت کی گئی۔ (زرقانی جلد ۳ ص ۲۶۳)

۲۔ آیت تخییر یہ ہے:

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُل لِّأَزْوَاجِكَ إِن كُنتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا وَزِينَتَهَا فَتَعَالَيْنَ أُمَتِّعْكُنَّ وَأُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيلًا ○ (الاحزاب: ۲۸)

اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنی ازواج سے کہہ دیں کہ اگر تم دُنیا کی زندگی اور اس کی زینت چاہتی ہو تو آؤ میں تمہیں مال دوں اور اچھی طرح چھوڑ دوں (اور اگر اللہ اور اس کے رسول اور آخرت کا گھر چاہتی ہو تو بے شک اللہ تعالیٰ نے تم میں سے نیکی کرنے والیوں کے لیے بہت بڑا اجر تیار کر رکھا ہے)

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا کہ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج مطہرات کو اختیار دیا تو ان سے آغاز کیا پس انہوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اختیار کیا اور باقی ازواج مطہرات نے بھی ان کی پیروی کی۔

حضرت قتادہ اور حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ آیت تخییر (کے نزول) کے وقت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں نو ازواجِ مطہرات تھیں اور یہ وہی ہیں جو آپ کے وصال کے وقت موجود تھیں۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فاطمہ بنت ضحاک سے ۸ھ میں نکاح فرمایا اور کہا گیا ہے کہ ان کے باپ نے کہا کہ ان کے سر میں کبھی درد نہیں ہوا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے اس کی حاجت نہیں۔

(۷) عالیہ بنت ظبیان بن عمرو بن عوف سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کیا اور جب تک اللہ تعالیٰ نے چاہا وہ آپ کے پاس رہیں، پھر ان کو طلاق دے دی۔ ان کا تذکرہ بہت کم ملتا ہے۔ ابو سعد نے کہا کہ جب ان کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا گیا تو آپ نے ان کو طلاق دے دی۔

(۸) یہ قتیلہ ہیں (قاف پر پیش تاء پر زیر اور یاء ساکن ہے) جو قیس کی بیٹی اور اشعث بن قیس کندی کی بہن ہیں۔ ان کے بھائی نے ۱۰ھ میں ان کا نکاح حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کر دیا پھر وہ حضرموت کی طرف چلے گئے اور اپنی بہن کو بھی ساتھ لے گئے اور ان کی واپسی سے پہلے ہی ۱۱ھ میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفات سے دو ماہ پہلے ان سے نکاح کیا۔۔۔ کچھ لوگوں نے کہا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وصیت فرمائی تھی کہ ان (قتیلہ) کو اختیار دیا جائے۔ اگر وہ چاہیں تو اپنے آپ کو پردے میں رکھیں، اور وہ امہات المومنین میں سے ہو جائیں گی، اور اگر جدائی چاہیں تو جس سے چاہیں نکاح کر لیں چنانچہ انہوں نے نکاح کرنا پسند کیا اور حضرت عکرمہ بن ابی جہل سے حضرموت میں ہی نکاح کر لیا۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو یہ خبر پہنچی تو آپ نے فرمایا: میں نے ارادہ کیا تھا کہ اسے اس کے گھر میں جلا دوں۔ تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا کہ وہ امہات المومنین میں نہیں (کہ اس سے نکاح حرام ہو) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لے گئے اور نہ ان کو پردے میں رکھا۔

کچھ حضرات کہتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی بات کی وصیت نہیں فرمائی تھی بلکہ وہ خاتون اپنے بھائی کے مرتد ہونے پر مرتد ہو گئی اور اس بات سے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے مقابلے میں استدلال کیا کہ وہ مرتد ہونے کی وجہ سے امہات المومنین میں سے نہیں ہے۔

(۹) یہ سنا بنت اسماء بن صلت سلمیہ ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے نکاح کیا اور شب زفاف سے پہلے آپ انتقال فرما گئے۔ ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ آپ نے ان کے پاس جانے سے پہلے ہی طلاق دے دی تھی۔

(۱۰) اس خاتون کا نام شرف (شین پر زبر ہے اور راء ساکن ہے) بنت خلیفہ کلبیہ ہے جو دحیہ بن خلیفہ کلبی کی بہن ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے نکاح کیا اور شب زفاف سے پہلے ہی ان کا انتقال ہو گیا۔

(۱۱) یہ لیلیٰ بنت الحطیم ہیں۔ (خطیم میں خاء پر زبر اور طاء کے نیچے زیر ہے) یہ قیس کی بہن ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے نکاح کیا اور وہ بہت غیرت مند تھیں۔ چنانچہ انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اقالہ کا مطالبہ کیا تو آپ نے اقالہ فرمایا[۱] تو ان کو بھیڑیئے نے کھا لیا اور کہا گیا ہے کہ انہوں نے اپنے آپ کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا تھا۔

(۱۲) قبیلہ غفار کی ایک خاتون تھیں۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے نکاح کیا تو ان کو کپڑے اُتارنے کا حکم دیا۔ آپ نے ان کے پہلو میں سفیدی دیکھی تو فرمایا: اپنے گھر والوں کے پاس چلی جاؤ اور آپ نے اسے جو کچھ دیا تھا واپس نہیں لیا۔ اس روایت کو امام احمد رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے۔

مذکورہ بالا ازواج وہ ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی میں ہی ان سے علیحدگی اختیار کر لی' بعض سے دخول سے پہلے اور بعض سے دخول کے بعد۔ جیسا کہ ہم نے ذکر کیا ہے تو ان تمام ازواج کی تعداد جن سے آپ کا عقد نکاح ہوا تیئیس ہے۔ بعض سے قُرب ہوا اور بعض سے نہیں۔ آپ کی حیاتِ طیبہ میں جن ازواج کا قُرب کے بعد انتقال ہوا وہ حضرت خدیجہ اور حضرت زینب بنت خزیمہ ہیں۔ (رضی اللہ عنہما)

اور قُرب سے پہلے دو کا انتقال ہوا' ایک حضرت دحیہ کی بہن اور دوسری ہذیل کی بیٹی --- اس پر اتفاق ہے۔ ملیکہ اور سنا کے بارے میں اختلاف ہے کہ کیا ان دونوں کا انتقال ہوا یا آپ نے ان کو طلاق دی لیکن اس بات پر اتفاق ہے کہ آپ ان دونوں کے قریب تشریف نہیں لے گئے۔

اس بات پر بھی اتفاق ہے کہ قرب کے بعد بنت ضحاک' بنت ظبیان کو اور قرب سے پہلے عمرہ' اسماء اور غفاریہ کو الگ کر دیا۔ ام شریک کے بارے میں اختلاف ہے کہ ان کا قُرب ہوا یا نہیں؟ لیکن جُدا کرنے پر اتفاق ہے اور جس خاتون نے جُدائی کا مطالبہ کیا اس کا حال مجہول ہے اس کے ساتھ قرب میں بھی اختلاف ہے۔

اور جن ازواج مطہرات کو جُدا کیا وہ بالاتفاق سات ہیں' دو میں اختلاف ہے۔ آپ کی زندگی میں چار ازواج کا انتقال ہوا' اس بات پر بھی اتفاق ہے اور جب آپ ﷺ کا وصال ہوا تو دس ازواج موجود تھیں' ان میں سے ایک کو قُرب نہیں عطا کیا تھا۔

جن خواتین سے منگنی ہوئی

مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی خواتین کو منگنی کا پیغام دیا ---

(۱) ان میں سے پہلی خاتون بنو مرہ بن عوف بن سعد کی ایک خاتون ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے باپ کو منگنی کا پیغام بھیجا تو اس نے کہا کہ وہ برص کی بیماری میں مبتلا ہے (سفید داغ والی ہے) حالانکہ اس نے جھوٹ بولا تھا۔ جب واپس گھر آیا تو واقعی وہ برص کی بیماری میں مبتلا ہو چکی تھی۔ کہا جاتا ہے کہ اس کا بیٹا شبیب بن

---

[۱] جب کوئی شخص کوئی چیز خریدنے کے بعد واپس کرنا چاہے تو اسے اقالہ کہتے ہیں۔ یعنی پہلی بات کو واپس کرنا مقصد یہ ہے کہ اس خاتون نے حضور علیہ السلام سے علیحدگی کا مطالبہ کیا... ۱۲ ہزاروی۔

برصاء بن حارث بن عوف تھا۔ یہ بات ابن قتیبہ نے ذکر کی ہے جیسا کہ طبری نے کہا ہے۔ ابن اثیر نے جامع الاصول میں کہا کہ جمرہ بنت حارث بن عوف کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پیغام نکاح دیا تو اس کے باپ نے کہا اس میں کچھ خرابی ہے حالانکہ اس میں کوئی خرابی نہ تھی۔ جب اس کا باپ اس کے پاس آیا تو وہ برص کی بیماری میں مبتلا ہو چکی تھی۔ ابن اثیر نے کہا کہ یہ شبیب بن برصاء شاعر کی ماں ہے۔

(۲) یہ قرشیہ خاتون ہیں جنہیں سودہ کہا جاتا تھا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو نکاح کا پیغام دیا اور وہ صاحبِ اولاد تھیں۔ انہوں نے کہا: مجھے ڈر ہے کہ میرے بچے آپ کے سرہانے روئیں گے اور چیخیں گے تو آپ نے ان کے لیے دُعا کی اور چھوڑ دیا۔

(۳) یہ صفیہ بنت بشامہ ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو قیدیوں میں پایا تو آپ نے اسے اپنی ذاتِ کریم اور خاوند کے درمیان اختیار دیا تو اس نے اپنے خاوند کو اختیار کر لیا۔

(۴) اس خاتون کا نام مذکور نہیں کیا گیا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے نکاح کا پیغام دیا تو اس نے کہا: میں اپنے باپ سے مشورہ کروں گی۔ اس نے باپ سے ملاقات کی تو اس نے اسے اجازت دے دی۔ وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس واپس آئیں تو آپ نے فرمایا: ہم نے تمہارے علاوہ کا لحاف لپیٹ لیا ہے (کسی اور سے نکاح کر لیا ہے)۔

(۵) اُم ہانی فاختہ بنت ابی طالب جو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی ہمشیرہ تھیں، آپ نے ان کو پیغام دیا تو انہوں نے کہا: میں اولاد والی ہوں اور عُذر پیش کر دیا۔ پس آپ نے ان کا عُذر قبول فرمایا۔

(۶) یہ ضباعہ بنت عامر بن قرط ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بیٹے سلمہ بن ہشام کو پیغام نکاح دیا تو اس نے کہا: میں ماں سے پوچھ لوں، پس نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا گیا کہ وہ بڑی عمر کی خاتون ہیں۔ جب ان کا بیٹا واپس آیا اور انہوں نے اجازت دے دی تھی تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے اور ان سے نکاح نہیں کیا۔

(۷) امامہ بنت حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہما کو بارگاہ نبوی میں پیش کیا گیا تو آپ نے فرمایا: وہ میری رضاعی بھتیجی ہیں۔

(۸) عزہ بنت ابی سفیان کو ان کی بہن ام المومنین حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا تو آپ نے فرمایا: ان سے نکاح کرنا جائز نہیں کیونکہ ان کی بہن حضرت امِ حبیبہ رضی اللہ عنہا آپ کے نکاح میں تھیں۔ (اور دو بہنوں کو ایک ہی وقت میں جمع نہیں کیا جا سکتا)

کہا گیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے الجندعیہ سے نکاح کیا۔ یہ جندع قبیلہ کی خاتون تھیں اور جندب بن ضمرہ کی بیٹی تھیں، لیکن آپ ان کے قریب تشریف نہیں لے گئے۔ بعض راویوں نے اس بات کا انکار کیا ہے۔

یہ وہ خواتین ہیں جن کا ذکر کیا گیا ہے کہ ان سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کیا یا نکاح کا پیغام دیا یا ان سے قرب ہوا یا نہیں ہوا یا وہ خواتین ہیں جنہوں نے اپنے آپ کو آپ کی خدمت میں پیش کیا۔

لونڈیاں

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی لونڈیوں کی تعداد چار بتائی جاتی ہے۔

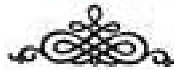
(۱) حضرت ماریہ قبطیہ بنت شمعون رضی اللہ عنہا کو مصر اور اسکندریہ کے حاکم مقوقس قبطی نے آپ کی خدمت میں بطور تحفہ بھیجا اور ان کے ساتھ ان کی بہن سیرین اور ایک خواجہ سرا کو بھی بھیجا[1] جسے مابور کہا جاتا تھا۔ ایک ہزار مثقال سونا اور مصر کے باریک بیں قبطی کپڑے اور شہباء خچر جسے دلدل کہا جاتا تھا اور مقام بنہا کا شہد بھی بھیجا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے شہد کو پسند فرمایا اور مقام بنہا کے شہد کے لیے برکت کی دعا کی۔ بنہا مصر کی ایک بستی ہے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں کے شہد کے لیے برکت کی دعا فرمائی، آج کل اسے (بنہا کی بجائے) بنہا پڑھا جاتا ہے۔

حضرت ماریہ قبطیہ کی بہن سیرین کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کو ہبہ کر دیا اور یہ عبدالرحمن بن حسان کی ماں ہیں اور حضرت ماریہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کی والدہ ہیں۔ حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا کا انتقال حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خلافت کے دوران ۱۶ھ میں ہوا اور آپ کو جنت البقیع میں دفن کیا گیا۔

(۲) ریحانہ بنت شمعون جن کا تعلق بنو قریظہ سے تھا اور کہا گیا ہے کہ بنو نضیر سے تعلق تھا پہلی بات زیادہ ظاہر ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال سے پہلے جب آپ ۱۰ھ میں حجۃ الوداع سے واپس تشریف لائے حضرت ریحانہ کا انتقال ہوا اور ان کو جنت البقیع میں دفن کر دیا گیا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے لونڈی کی حیثیت میں انہیں اپنے قرب سے شاد کام فرمایا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ آپ نے ان کو آزاد کر کے نکاح کر لیا تھا۔ ابن الاثیر نے اس کے علاوہ ذکر نہیں کیا۔

(۳) ایک اور لونڈی تھی جو حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا نے آپ کو پیش کی تھی۔

(۴) چوتھی لونڈی آپ کو بعض قیدیوں میں حاصل ہوئی تھی۔



[1] یہ سب کچھ حضرت حاطب بن ابی بلتعہ کے ہمراہ بھیجا۔ حضرت حاطب رضی اللہ عنہ نے حضرت ماریہ پر اسلام پیش کیا تو انہوں نے قبول کیا اور ان کی بہن بھی مسلمان ہو گئیں۔ (زرقانی جلد ۳ ص ۲۷۲)

چوتھی فصل

رسولِ اکرم ﷺ کے چچا، پھوپھیاں، رضاعی بہن بھائی اور دادیاں نانیاں

آپ ﷺ کے چچا

"ذخائر العقبیٰ فی مناقب ذوی القربیٰ" کے مصنف (حافظ محب الطبری) نے کہا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارہ چچا تھے، جو حضرت عبدالمطلب کے بیٹے تھے اور ان کے تیرہویں بیٹے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے والد حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ تھے۔

(۱) حارث
(۲) ابو طالب (ان کا نام عبد مناف ہے)
(۳) زبیر (ان کی کنیت ابو الحارث ہے)
(۴) حضرت حمزہ
(۵) ابولہب (اس کا نام عبدالعزیٰ تھا)
(۶) غیداق
(۷) مقوم
(۸) ضرار
(۹) حضرت عباس
(۱۰) قثم
(۱۱) عبدالکعبہ
(۱۲) جحل (جیم پہلے اور حاء بعد میں ہے اور جحل کا معنی بڑی مشک ہے)۔

امام دار قطنی نے کہا کہ حاء پہلے ہے (یعنی حجل ہے) اور اس کا معنی بیڑی اور پازیب ہے۔ حجل کو مغیرہ بھی کہا جاتا ہے۔ بعض نے مقوم کا ذکر نہیں کیا اور کہا کہ آپ کے چچا گیارہ تھے۔ انہوں نے کہا کہ عبدالکعبہ ہی مقوم ہیں۔ دس کا قول بھی کیا گیا یعنی غیداق اور حجل کو چھوڑا گیا۔ بعض نے قثم کو بھی چھوڑ دیا اور کل تعداد نو بتائی ہے۔

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی والدہ ہالہ بنت وہیب بن عبد مناف بن زہرہ تھیں اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے دو بیٹوں عمارہ اور یعلیٰ کی وجہ سے آپ کی کنیت ابو عمارہ اور ابو یعلیٰ تھی۔ آپ کو "اسد اللہ" اور "اسد الرسول" (اللہ تعالیٰ اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا شیر) کہا جاتا تھا۔ (المستدرک للحاکم جلد ۳ ص ۱۹۲)

معجم بغوی میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے اللہ تعالیٰ کے ہاں ساتویں آسمان میں لکھا ہوا ہے کہ (حضرت) حمزہ (رضی اللہ عنہ) اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے شیر ہیں۔ (کنز العمال جلد اول ص ۶۷۶)

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے بعثت کے دوسرے سال اسلام قبول کیا۔ ایک قول کے مطابق چھٹے سال جب کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دارِ ارقم میں داخل ہوئے (طبقات ابن سعد جلد ۸ ص ۹) اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے سے تین دن پہلے آپ حلقہ بگوشِ اسلام ہوئے۔

آپ غزوۂ بدر میں شریک ہوئے اور وہاں عتبہ بن ربیعہ کو قتل کیا۔ جس نے آپ کو چیلنج کیا تھا اور ایک قول یہ ہے کہ شیبہ بن ربیعہ جو آپ کے مقابل آیا تھا اسے قتل کیا۔ پہلا قول موسیٰ بن عقبہ نے نقل کیا جب کہ دوسرا قول ابن اسحٰق سے منقول ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کے لیے جو سب سے پہلا جھنڈا مقرر فرمایا وہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے لیے تھا اور سب سے پہلا دستہ بھی آپ کے ساتھ روانہ کیا اور فرمایا: میرے سب سے بہترین چچا (حضرت) حمزہ (رضی اللہ عنہ) ہیں۔ یہ روایت حافظ دمشقی نے نقل کی ہے۔

ابن السری نے مرفوعاً نقل کیا (یعنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی نقل کیا) کہ قیامت کے دن حضرت حمزہ بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ شہداء کے سردار ہوں گے۔ (المستدرک للحاکم جلد ۳ ص ۱۹۲)

سلفی (احمد بن محمد اصبہانی سلفی علامہ، حافظ، حدیث اور قوانینِ روایت کے ماہر تھے، ۵۷۶ھ میں انتقال ہوا) نے حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا کہ درج ذیل آیت میں نفسِ مطمئنہ سے حضرت حمزہ بن عبد المطلب مراد ہیں۔

يَاأَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ۔ (الفجر: ۲۷) اے مطمئن نفس!

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں، ارشادِ خداوندی:

فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ۔ (الاحزاب: ۲۳) پس ان میں سے بعض نے اپنی ذمہ داری کو پورا کر لیا۔

اس سے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ مراد ہیں۔

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ غزوۂ اُحد میں وحشی کے ہاتھوں شہید ہوئے۔ حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ مجھے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے قاتل پر تعجب ہوتا تھا کہ وہ کیسے نجات پائے گا حتیٰ کہ وہ شراب میں دُھت ہو کر مرگیا۔ اسے دار قطنی نے شیخین (امام بخاری و مسلم) کی شرط پر روایت کیا ہے۔

ابن ہشام نے کہا: مجھے خبر پہنچی ہے کہ وحشی کو مسلسل شراب نوشی کی حد لگتی رہی حتیٰ کہ دیوان سے اس کا نام نکال دیا گیا (دشمن سے لڑنے والے فوجیوں کے رجسٹر کو دیوان کہا جاتا ہے)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے کہ میں جانتا ہوں اللہ تعالیٰ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے قاتل کو نہیں چھوڑے گا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو حالتِ شہادت میں دیکھا تو آپ رو پڑے اور جب آپ کے جسم کو مثلہ کیا ہوا (جسم کو بگاڑا ہوا) دیکھا تو آپ ہچکیاں لے کر رونے لگے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو قتل کر کے آپ کے اعضاء کاٹے گئے تھے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم وہاں کھڑے ہوئے تو آپ نے کوئی ایسا منظر نہ دیکھا جو آپ کے دل کو اس سے زیادہ پریشان کرنے والا ہو۔ یہ بات ابو عمر، مخلص (محمد بن عبدالرحمن بن عباس ابوالطاہر الذہبی البغدادی) اور صاحبِ صفوۃ نے ذکر کی ہے۔

ابن ہشام کے نزدیک اس طرح ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آپ کی مثل کسی کو کبھی یہ اذیت نہیں پہنچے گی اور میں اس سے زیادہ غضب والی جگہ کھڑا نہیں ہوا۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۴ ص ۴۰)

ابن شاذان نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے وہ فرماتے ہیں: ہم نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جس قدر حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ پر روتے دیکھا ہے اس قدر زیادہ روتے ہوئے کبھی نہیں دیکھا۔ آپ نے ان کو قبلہ رُخ رکھا پھر ان کے جنازے کے پاس کھڑے ہو کر لمبے لمبے سانسوں کے ساتھ رونے لگے حتیٰ کہ قریب تھا آپ بے ہوش ہو جائیں۔ آپ فرما رہے تھے: اے حمزہ! اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا! اللہ تعالیٰ کے شیر، اس کے رسول کے شیر، اے حمزہ! اے نیک کام کرنے والے! اے حمزہ! اے تکالیف کو دُور کرنے والے، اے حمزہ! اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دفاع کرنے والے![1]

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی کی نمازِ جنازہ پڑھتے تو اس پر چار تکبیریں کہتے لیکن حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ پر ستر تکبیرات کہیں۔ اسے امام بغوی نے اپنی معجم میں ذکر کیا ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ شہداء احد کو غسل نہیں دیا گیا بلکہ ان کو ان کے خُونوں سمیت دفن کیا گیا اور ان پر نمازِ جنازہ بھی نہیں پڑھی گئی۔ اسے امام احمد اور ابو داؤد نے نقل کیا ہے۔
(صحیح بخاری جلد اوّل ص ۱۷۹، سنن ابی داؤد جلد ۲ ص ۹۱)

پس حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے معاملے کو تخصیص پر محمول کیا جائے گا اور ان کے علاوہ جن پر نمازِ جنازہ پڑھی گئی، ان کا معاملہ یوں ہوگا کہ وہ لڑائی کی حالت میں زخمی ہوئے اور لڑائی کے اختتام تک ان کی موت واقع

---

[1] یاد رہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا رونا آنکھوں کے آنسوؤں کے سوا کچھ نہ تھا اور آپ نے خود فرمایا کہ اللہ تعالیٰ آنکھوں کے آنسوؤں اور دل کے غم پر عذاب نہیں دیتا بلکہ اس کے ذریعے عذاب دیتا ہے، آپ نے زبان کی طرف اشارہ فرمایا۔ (صحیح بخاری جلد اوّل ص ۱۷۴) یعنی زبان سے غلط کلمات نکالنا اور سینہ کوبی کرنا، بال نوچنا وغیرہ منع ہے۔

نہیں ہوئی۔ شہادت کے وقت حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی عمر انسٹھ سال تھی۔ آپ کو اور آپ کے بھانجے حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کو ایک ہی قبر میں دفن کیا گیا۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ

حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی کنیت ابوالفضل تھی اور آپ کی والدہ کا نام نتیلہ (یا بعض کے مطابق نشلہ) تھا اور یہ بھی کہا گیا کہ وہ نتیلہ بنت جناب بن کلب بن نمر بن قاسط تھیں۔ کہا گیا ہے کہ وہ پہلی عربی خاتون ہیں جنہوں نے خانہ کعبہ پر ریشمی اور دیگر مختلف قسم کے غلاف ڈالے کیونکہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ بچپن میں گم ہو گئے تھے تو انہوں نے نذر مانی کہ اگر وہ مل گئے تو وہ خانہ کعبہ پر غلاف چڑھائیں گی۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ خوبصورت گورے رنگ کے تھے اور آپ کے بال دو مینڈھیوں کی شکل میں تھے اور آپ کا قد مبارک درمیانہ تھا۔ کہا گیا ہے آپ کا قد لمبا تھا اور آپ ہاتھی والے واقعہ سے تین سال پہلے پیدا ہوئے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کی عمر دو یا تین سال زیادہ تھی۔ آپ قریش کے سردار تھے اور مسجد حرام کی تعمیر و آبادی آپ کے سپرد تھی۔

جب عقبہ (وادی) میں انصار نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ اقدس پر بیعت کی تو آپ بھی وہاں موجود تھے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے تمام معاملات میں آپ پر اعتماد کرتے تھے۔

جب غزوۂ بدر کے موقع پر قیدیوں میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی مشکیں بھی کس دی گئیں تو اس رات نبی اکرم صلی اللہ علیہ بے خوابی میں مبتلا رہے۔ عرض کیا گیا یا رسول اللہ! آپ کو نیند کیوں نہیں آتی؟ فرمایا: (حضرت) عباس (رضی اللہ عنہ) کے رونے اور کراہنے کی وجہ سے۔ چنانچہ ایک شخص اٹھا اور اس نے آپ کی رسی ڈھیلی کر دی اور تمام قیدیوں کے ساتھ یہی سلوک کیا۔ یہ بات ابو عمرو اور صاحبِ صفوہ نے نقل کی ہے۔

(طبقات ابن سعد جلد ۴ ص ۱۳)

کہا گیا ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ اپنے اسلام کو چھپاتے تھے اور بدر کے دن آپ مشرکین کے ساتھ نکلے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص حضرت عباس کے مقابلے میں آئے وہ ان کو قتل نہ کرے کیونکہ آپ مجبوراً آئے ہیں۔ (طبقات ابن سعد جلد ۴ ص ۱۱) چنانچہ حضرت کعب بن عمرو رضی اللہ عنہ نے آپ کو قید کر لیا اور آپ فدیہ دے کر واپس مکہ مکرمہ آ گئے۔

کہا گیا ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے بدر کے دن اسلام قبول کیا[1] پھر ہجرت کر کے مدینہ طیبہ

---

[1] نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو فدیہ دینے کا حکم دیا تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: آپ مجھے باقی زندگی فقیرانہ زندگی میں چھوڑنا چاہتے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: وہ سونا جو آپ نے آتے وقت (اپنی زوجہ) حضرت ام الفضل کو دیا وہ کہاں ہے؟ انہوں نے پوچھا: آپ کو کس نے بتایا ہے؟ فرمایا: مجھے میرے رب نے بتایا تو یہ سن کر انہوں نے اسلام قبول کیا (کیونکہ وہ جانتے تھے کہ غیب کی خبر نبی ہی دے سکتا ہے اور اللہ تعالیٰ انبیاء و رسل کو غیب پر مطلع کرتا ہے۔ ...۱۲ ہزاروی)

(زرقانی جلد ۳ ص ۲۸)

تشریف لے گئے اور آپ پر ہجرت کا سلسلہ مکمل ہو گیا۔ ابو عمرو نے کہا کہ آپ نے فتح خیبر سے پہلے اسلام قبول کیا اور آپ اپنے اسلام کو چھپاتے تھے، لیکن مسلمانوں کی فتح پر خوش ہوتے تھے۔ فتح مکہ کے موقع پر آپ نے اپنا اسلام ظاہر کیا اور غزوۂ حنین، طائف اور تبوک میں شریک ہوئے۔

یہ بھی کہا گیا کہ آپ غزوۂ بدر سے پہلے اسلام قبول کر چکے تھے اور آپ مشرکین کی خبریں لکھ لکھ کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچاتے تھے اور مسلمانانِ مکہ کو آپ کے ذریعے مدد حاصل ہوتی تھی۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جانا چاہتے تھے، لیکن آپ نے ان کو لکھا کہ آپ کا مکہ مکرمہ میں ٹھہرنا آپ کے لیے بہتر ہے۔

ابو مصعب اسمٰعیل بن قیس بن سعد بن زید بن ثابت کہتے ہیں کہ ہم سے ابو حازم سلمہ بن دینار نے حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہوئے بیان کیا، وہ فرماتے ہیں: حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہجرت کی اجازت مانگی تو آپ نے ان کو لکھا کہ اے میرے چچا! آپ جہاں ہیں وہیں رہیں، اللہ تعالیٰ آپ پر ہجرت کو مکمل کرے گا جس طرح مجھ پر نبوت کا اختتام ہوا۔ یہ روایت ابو یعلیٰ اور ہیثم بن کلیب نے اپنی اپنی مسندوں میں اور امام طبرانی نے الکبیر میں نقل کی ہے۔ (المعجم الکبیر للطبرانی جلد ۶ ص ۱۵۴)

ابو مصعب متروک الحدیث ہیں لیکن حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے اس قول سے اس حدیث کو تقویت حاصل ہوتی ہے، وہ فرماتے ہیں: حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا اور آپ حاجیوں کو پانی پلانے پر مامور رہے اور آپ نے ہجرت نہ فرمائی۔ یہ حدیث ابن حاکم نے اپنی مستدرک میں نقل کی ہے۔

السھمی (الہیثمی بھی لکھا ہے) نے "الفضائل" میں ذکر کیا کہ جب حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے اسلام قبول کرنے کی خبر دی تو آپ نے انہیں گلے لگایا۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کی تعظیم و تکریم کرتے تھے اور آپ نے ان کی تعریف کے بارے میں فرمایا کہ وہ سب لوگوں سے زیادہ سخی اور سب سے زیادہ شفیق ہیں۔ (تاریخ دمشق الکبیر جلد ۷ ص ۲۳۶) اسے فضائلی نے روایت کیا اور معجم بغوی میں ہے کہ آپ نے فرمایا: (حضرت) عباس (رضی اللہ عنہ) میرے چچا اور میرے والد کے سگے بھائی ہیں، (تاریخ دمشق الکبیر جلد ۷ ص ۲۳۹) جس نے ان کو اذیت دی اس نے مجھے اذیت پہنچائی۔

جامع ترمذی میں اس کی مثل ہے اور امام ترمذی نے فرمایا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ (جامع ترمذی جلد ۲ ص ۲۱۷)

سہمی نے فضائل میں ذکر کیا کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، جب آپ نے ان کو دیکھا تو آپ کھڑے ہو گئے اور آپ کی آنکھوں کے درمیان بوسہ دیا، پھر اپنی دائیں جانب بٹھایا اور فرمایا: یہ میرے چچا ہیں، جو چاہے اپنے چچا کے ساتھ ان کے مقابلے میں فخر کرے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ نے اچھی بات کہی ہے۔ آپ نے فرمایا: میں یہ بات کیوں نہ کہوں آپ میرے چچا، میرے والد کے سگے بھائی، میرے آباء واجداد میں سے باقی رہنے والے، میرے وارث اور میرے

باقی رہنے والے اہل میں سے بہتر ہیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اے چچا! کل آپ اور آپ کے صاحبزادے گھر سے باہر نہ جائیں، حتی کہ میں تم لوگوں کے پاس آؤں، مجھے تم لوگوں سے ایک کام ہے۔ جب آپ تشریف لائے تو آپ نے ان کو ایک چادر میں لیا پھر بارگاہ خداوندی میں عرض کیا: اے میرے رب! یہ میرے چچا اور میرے والد کے سگے بھائی ہیں اور یہ لوگ میرے اہلِ بیت ہیں، ان کو (جہنم کی) آگ سے اس طرح پردے میں کر دے جس طرح میں نے ان کو اس چادر میں کیا ہے۔ فرماتے ہیں: دروازے کی چوکھٹ اور گھر کی دیواریں بھی آمین کہنے لگیں۔ انہوں نے کہا: آمین، آمین، آمین۔ (الاتحاف شرح احیاء العلوم جلد ۷ ص ۱۹۳) یہ روایت ابن غیلان نے نقل کی، ابوالقاسم حمزہ اور سہمی نے بھی اسے ذکر کیا اور ابن السری نے بھی اسے روایت کیا اور اس میں یہ ہے کہ گھر میں کوئی ڈھیلا اور دروازہ ایسا نہ تھا جس نے آمین نہ کہی ہو۔

امام ترمذی رحمہ اللہ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی روایت سے نقل کیا وہ فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ایک چادر میں لیا، پھر فرمایا اے اللہ! حضرت عباس اور ان کی اولاد کو بخش دے۔ ایسی بخشش جو ظاہری و باطنی ہو اور کسی گناہ کو باقی نہ رہنے دے۔ یا اللہ! ان کی اولاد میں ان کی حفاظت فرما۔۔۔ امام ترمذی رحمہ اللہ نے فرمایا: یہ حدیث حسن ہے۔ (جامع ترمذی جلد ۲ ص ۲۱۷)

ابن عبدالباقی (محمد بن احمد امام، حافظ، ادب میں علامہ، متوفی ۳۸۷ھ) نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے نقل کیا کہ آپ نے یوں دعا مانگی: یا اللہ! (حضرت) عباس، (حضرت) عباس کی اولاد (رضی اللہ عنہم) اور ان سے محبت کرنے والوں کو بخش دے۔ (کنز العمال جلد ۱۳ ص ۴۵۶)

تاریخ دمشق میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے موقع پر فرمایا: یا اللہ! (حضرت) عباس اور (حضرت) عباس کی اولاد کی مدد فرما۔ آپ نے تین بار یہ دُعا مانگی پھر فرمایا: اے چچا! کیا آپ نہیں جانتے کہ (امام) مہدی (رحمہ اللہ) آپ کی اولاد سے ہوں گے۔
(تاریخ دمشق الکبیر جلد ۷ ص ۲۳۶)

امام حاکم نے اپنی مستدرک میں اور امام بغوی نے اپنی معجم میں حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا انہوں نے فرمایا: حضرت عباس رضی اللہ عنہ اس امت کے بڑے عالم اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وارث اور چچا ہیں۔ (المستدرک للحاکم جلد ۳ ص ۳۳۳) امام ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس حدیث کی سند صحیح ہے اور انہوں نے یہ بھی کہا کہ اگر اسے لفظ خیر نقطے والی خاء اور یاء کے ساتھ پڑھیں تو تاویل کا تکلف کرنا ہوگا (مطلب یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب اور آپ کی شفقت اور مزید کرم کی وجہ سے آپ اس وقت کے بہترین انسان ہیں۔ (زرقانی جلد ۳ ص ۲۸۳)

امام دار قطنی رحمہ اللہ کی "الافراد" میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: میں نے

۱؎ حمزہ بن یوسف بن ابراہیم سہمی امام حافظ، صاحب تصنیف تھے۔ ۴۲۷ھ میں وفات پائی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ نے فرمایا: جو شخص (حضرت) عباس بن عبدالمطلب اور ان کے گھر والوں سے محبت نہیں کرتا، وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے دُور ہے۔

(تاریخ دمشق الکبیر جلد ۷ ص ۲۴۲)

اس حدیث کی سند میں عمر بن راشد حارثی راوی ہے، جو بہت زیادہ ضعیف ہے لیکن اس روایت کی شہادت محمد بن حسین اشنانی اور ابوبکر بن عبدالباقی کی روایات سے ملتی ہے۔ جو انہوں نے اسے اپنی "امالی"[1] میں نقل کیا اور ان دونوں کے طریق روایت میں منذری ہیں جو منصور کے طریق سے، وہ مسلم بن صبیح بن الضحیٰ سے، وہ حضرت مسروق سے اور وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص میرے اس چچا سے اللہ تعالیٰ کے لیے اور میری قرابت کی بنیاد پر محبت نہ کرے وہ مومن نہیں، اس کے ساتھ ہی آپ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑ کر اسے بلند کیا۔ (الضعفاء الکبیر جلد ۳ ص ۱۴۹)

امام ترمذی کی ایک روایت جسے انہوں نے حسن قرار دیا ہے۔ عبدالمطلب بن ربیعہ بن حارث بن عبدالمطلب سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے فرمایا۔

اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے، کسی شخص کے دل میں ایمان داخل نہیں ہو سکتا جب تک وہ تم لوگوں سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خاطر محبت نہ کرے۔ پھر فرمایا: اے لوگو! جس نے میرے چچا کو اذیت دی، اس نے مجھے اذیت پہنچائی کیونکہ آدمی کا چچا اس کے باپ کی جگہ ہوتا ہے۔

امام بغوی نے روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اے چچا! اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کے لیے خیر کثیر ہو، حتیٰ کہ آپ راضی ہو جائیں۔ (تاریخ دمشق الکبیر جلد ۷ ص ۲۴۳)

سہمی نے "الفضائل" میں روایت نقل کی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اللہ تعالیٰ آپ کو اور آپ کی اولاد میں سے کسی کو بھی عذاب نہیں دے گا۔ (مجمع الزوائد جلد ۹ ص ۲۰۲)

امام طبرانی کی "المعجم الکبیر" میں حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا مانگی: "یا اللہ! (حضرت) عباس (رضی اللہ عنہ) ان کے بیٹوں اور ان کے بیٹوں کو بخش دے۔" (المعجم الکبیر للطبرانی جلد ۶ ص ۲۰۵) اس روایت کی سند میں عبدالرحمٰن بن حاتم مرادی مصری ہے جو متروک الحدیث ہے۔

تاریخ دمشق میں نہایت کمزور روایت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً ہے آپ نے فرمایا: اے اللہ! حضرت عباس اور ان کی اولاد نیز ان کی اولاد سے محبت کرنے والوں اور ان کی جماعت کو بخش دے۔

(تاریخ دمشق الکبیر جلد ۷ ص ۲۳۹)

حضرت امام احمد رحمہ اللہ کی "المناقب" میں ایسی سند کے ساتھ مروی ہے جس میں کوئی حرج نہیں کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ایک رات میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھا، آپ نے فرمایا: دیکھو

---

[1] حدیث کی کتب میں سے ایک قسم کو امالی کہتے ہیں۔

آسمان میں کوئی ستارہ نظر آتا ہے؟ میں نے کہا: جی ہاں! فرمایا: کیا دیکھ رہے ہو؟ عرض کیا: ثریا ستارہ۔ فرمایا: سنو! آپ کی اولاد میں سے ان ستاروں (ثریا ستاروں) کی تعداد کے برابر لوگ اس امت پر حکومت کریں گے۔

(مسند امام احمد بن حنبل جلد اول ص ۲۰۹)

سہمی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث سے روایت کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اے چچا! کیا میں آپ کو خوشخبری نہ دوں؟ انہوں نے عرض کیا: جی ہاں میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آپ کی اولاد میں سے اصفیاء (اولیاء کرام) اور آپ کی اولاد میں سے خلفاء ہوں گے۔ (کنز العمال جلد ۱۱ ص ۷۰۴)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے آپ نے فرمایا: تم لوگوں میں نبوت اور مملکت ہے۔

(تاریخ دمشق الکبیر جلد ۷ ص ۲۴۶)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ میرے چچا ہیں جو خلفاء کے باپ، قریش میں سے سب سے زیادہ سخی اور سب سے زیادہ خوبصورت ہیں، ان کی اولاد سے سفاح، منصور اور مہدی (خلفاء) ہوں گے۔ (کتاب الموضوعات جلد ۲ ص ۳۷)

ابن حبان اور الملاء عمر موصلی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث سے نقل کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ابوبکر (رضی اللہ عنہ)! یہ عباس ہیں جو آ رہے ہیں اور ان پر سفید کپڑے ہیں، ان کے بعد ان کی اولاد سیاہ کپڑے پہنے گی۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ نے فرمایا: ان (یعنی حضرت عباس رضی اللہ عنہ) کی اولاد سے بادشاہ ہوں گے جو میری امت کے امراء ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ ان کے ذریعے دین کو غلبہ عطا فرمائے گا۔

حافظ ابوالحسن دار قطنی رحمہ اللہ نے فرمایا: عمرو بن دینار نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے جو حدیث روایت کی ہے، اس کے مقابلے میں یہ حدیث غریب ہے۔ اسے اصفہانی نے ذکر کیا۔ (کنز العمال جلد ۱۱ ص ۷۰۱)

حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی وفات حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی خلافت میں ان کی شہادت سے دو سال پہلے مدینہ طیبہ میں جمعہ کے دن بارہ یا چودہ رجب المرجب کو ہوئی۔ ایک قول یہ ہے کہ رمضان المبارک ۳۲ھ یا ۳۳ھ کو ہوئی، اس وقت آپ کی عمر اٹھاسی سال اور ایک قول کے مطابق ستاسی سال تھی۔ آپ نے اپنی زندگی کے بتیس سال اسلام میں گزارے۔ (طبقات ابن سعد جلد ۴ ص ۳۱) آپ کو جنت البقیع میں دفن کیا گیا اور آپ کے صاحبزادے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ قبر میں اترے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بہت بڑی شخصیت کے مالک تھے اور آپ کو ترجمان القرآن کہا جاتا ہے۔ عباسی خلفاء آپ ہی کی اولاد میں سے تھے۔

مروی ہے کہ جب ان کی ولادت ہوئی تو ان کی والدہ حضرت اُم الفضل رضی اللہ عنہا ان کو لے کر نبی اکرم

صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئیں تو آپ نے ان کے دائیں کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت کہی اور فرمایا: خلفاء کے باپ کو لے جاؤ۔

یہ روایت ابن حبان اور دوسروں نے بھی نقل کی ہے۔ (طبقات ابن سعد جلد ۴ ص ۱۳) آپ کی اولاد سے زمین بھر گئی، حتیٰ کہ کہا گیا کہ مامون کے زمانے میں وہ چھ لاکھ کو پہنچ گئے تھے، لیکن یہ بات عقل سے بعید ہے۔ واللہ اعلم

حضرت عباس رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سب سے چھوٹے چچا تھے، آپ کے چچاؤں میں سے صرف حضرت عباس اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہما نے اسلام قبول کیا اور سب سے بڑے چچا کا نام حارث تھا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھیاں

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھیاں حضرت عبدالمطلب بن ہاشم کی بیٹیاں تھیں۔ ان کی تعداد چھ ہے۔ عاتکہ، امیمہ، بیضاء (اور وہ ام حکیم ہیں) برہ، صفیہ اور اروی۔ ان میں سے صرف حضرت صفیہ حضرت زبیر (رضی اللہ عنہما) کی والدہ بالاتفاق ایمان لائی تھیں۔

اروی اور عاتکہ کے بارے میں اختلاف ہے۔ ابو جعفر عقیلی نے ان کے اسلام لانے کا قول کیا اور ان کو صحابیات میں شمار کیا۔ امام دار قطنی نے عاتکہ کو مسلمان بہن بھائیوں میں شمار کیا اور اروی کا ذکر نہیں کیا لیکن ابن اسحٰق نے ذکر کیا کہ ہے کہ بہنوں میں سے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ کسی نے اسلام قبول نہیں کیا۔

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے اسلام لانے پر اتفاق ہے، جیسا کہ میں نے ذکر کیا ہے آپ غزوۂ خندق کے موقع پر موجود تھیں اور آپ نے ایک یہودی کو قتل کیا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے (مالِ غنیمت سے) حصہ مقرر فرمایا۔

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کی والدہ ہالہ بنت وہیب بن عبد مناف بن زہرہ تھیں۔ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ، مقوم اور حجل کی سگی بہن تھیں اور دورِ جاہلیت میں آپ حارث بن حرب بن امیہ بن عبد شمس کے نکاح میں تھیں۔ حارث کی وفات پر آپ ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بھائی عوام بن خویلد کے نکاح میں آئیں اور آپ کے ہاں حضرت زبیر، سائب اور عبدالکعبہ پیدا ہوئے۔

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں ۲۰ھ میں انتقال کیا۔ اس وقت آپ کی عمر تہتر سال تھی۔ آپ کو جنت البقیع میں دفن کیا گیا۔

عاتکہ بنت عبدالمطلب

عاتکہ کے اسلام لانے میں اختلاف ہے۔ ان کی ماں فاطمہ بنت عمرو بن عائذ تھیں اور عاتکہ، نبی اکرم صلی

اللہ علیہ وسلم کے والد ماجد حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ، ابو طالب، زبیر اور عبدالکعبہ کی سگی بہن تھیں۔ بدر کے واقعہ میں انہی کا خواب مشہور ہے۔[1]

اروٰی بنت عبدالمطلب

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی اروٰی کے اسلام لانے میں بھی اختلاف ہے۔ ان کی ماں صفیہ بنت جندب تھیں۔ اروٰی کے سگے بھائی حارث بن عبدالمطلب تھے اور یہ عمیر بن وہب بن عبدالدار بن قصی کے نکاح میں تھیں۔ ان سے ان کے ہاں طلیب پیدا ہوئے، پھر یہ کلدہ بن عبد مناف بن عبدالدار بن قصی کے نکاح میں آئیں۔ طلیب نے اسلام قبول کیا اور ان کا اسلام ہی ان کی والدہ کے اسلام قبول کرنے کا سبب بنا۔ واقدی نے اسی طرح ذکر کیا ہے۔

اُمِ حکیم بنت عبدالمطلب

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی اُمِ حکیم البیضاء آپ کے والد حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی سگی بہن تھیں۔

برہ بنت عبدالمطلب

برہ کی والدہ بھی فاطمہ ہی تھیں، یہ ابورہم بن عبدالعزیٰ عامری کے نکاح میں تھیں، پھر عبدالاسد بن ہلال مخزومی کے نکاح میں آئیں اور ان سے ابوسلمہ بن عبدالاسد کی ولادت ہوئی، جو اُم المومنین حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا کے خاوند تھے (ان کے وصال پر حضرت اُمِ سلمہ رضی اللہ عنہا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آئی تھیں)۔

امیمہ بنت عبدالمطلب

ان کی ماں بھی فاطمہ تھیں اور یہ (امیمہ) جحش بن رئاب کے نکاح میں تھیں۔ ان سے عبداللہ، عبیداللہ، ابواحمد، زینب، اُمِ حبیبہ اور حمنہ پیدا ہوئے اور یہ سب جحش بن رئاب کی اولاد ہے۔

---

[1] یہ خواب اس طرح ہے کہ جبل ابو قبیس پر ایک سوار ظاہر ہوا، جس نے بلند آواز سے کہا: اے قوم! دھوکہ باز! اپنی قتل گاہوں کی طرف جاؤ۔ پھر اس نے ایک چٹان لے کر لڑھکا دی تو مکہ مکرمہ کے ہر گھر میں اس کا ایک ایک ٹکڑا گرا۔

(سیرت ابن ہشام جلد اوّل ص ۶۰۷)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دادیاں

- حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی والدہ فاطمہ بنت عمرو بن عائذ بن عمران بن مخزوم تھیں۔
- حضرت عبدالمطلب کی والدہ سلمیٰ بنت عمرو تھیں جن کا تعلق بنو نجار سے تھا (حضرت عبدالمطلب کے والد) ہاشم سے پہلے یہ احیحہ بن جلاح کے نکاح میں تھیں اور اس سے عمرو بن احیحہ پیدا ہوا، جو حضرت عبدالمطلب کا ماں کی طرف سے بھائی تھا۔
- حضرت ہاشم کی ماں عاتکہ بنت مرہ بن ہلال بن فالج (یا فاتج) بن ذکوان تھیں اور ان کا تعلق بنو سلیم سے تھا۔
- عبد مناف کی ماں عاتکہ بنت فالج (یا فاتج) بن ملیک بن ذکوان تھیں اور ان کا تعلق بنو سلیم سے تھا۔
- قصی کی ماں فاطمہ بنت سعد تھیں، جو ازد الشراۃ قبیلہ سے تعلق رکھتی تھیں۔
- کلاب کی ماں نعم بنت سریر بن ثعلبہ بن مالک بن کنانہ تھیں۔
- مرہ کی ماں وحشیہ بنت شیبان بن محارب تھیں، جن کا تعلق قبیلہ فہم سے تھا۔
- کعب کی ماں سلمیٰ بنت محارب تھیں اور وہ بھی قبیلہ فہم سے تعلق رکھتی تھیں۔
- لؤی کی ماں وحشیہ بنت مدلج بن مرہ بن عبد مناف تھیں اور ان کا تعلق کنانہ سے تھا۔
- غالب کی ماں سلمیٰ بنت سعد تھیں جو ہذیل قبیلے سے تعلق رکھتی تھیں۔
- فہر کی ماں جندلہ بنت حارث جرہم قبیلہ سے تعلق رکھتی تھیں۔
- مالک کی ماں ہند بنت عدوان بن عمرو بن قیس بن غیلان تھیں۔
- نضر کی ماں برہ بنت مرہ تھیں جو تمیم بن مرہ کی بہن تھیں۔

ابن قتیبہ نے "کتاب المعارف" میں ذکر کیا جیسا کہ ان سے طبری نے نقل کیا اور کہا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پہلی دادی قرشیہ، مخزومیہ تھیں، دوسری نجاریہ، تیسری اور چوتھی سلیمیہ تھیں اور کہا گیا ہے کہ موخر الذکر خزاعیہ تھیں، پانچویں ازدیہ، چھٹی کنانیہ، ساتویں فہمیہ، آٹھویں بھی فہمیہ یا فہریہ تھیں، نویں کنانیہ، دسویں ہذلیہ، گیارہویں جرہمیہ، بارہویں قیسیہ اور تیرہویں مریہ تھیں (یہ سب قبیلوں کی طرف نسبت ہے)۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نانیاں

حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا بنت وھب بن عبد مناف بن زہرہ بن کلاب کی والدہ برہ بنت عبدالعزیٰ بن عثمان بن عبدالدار بن قصی بن کلاب بن مرہ تھیں، حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کی دادی (وہب بن عبد مناف کی والدہ) عاتکہ بنت اوقص بن مرہ بن ھلال بن فالج (یا فاتج) بن ذکوان تھیں اور ان کا تعلق بنو سلیم سے تھا۔ یہ بات ابن قتیبہ نے ذکر کی ہے۔

ابو عمر کہتے ہیں حضرت عاتکہ کے والد ابو کبشہ کی کنیت سے مشہور تھے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان

کی نسبت سے ہی ابن ابی کبشہ کہا جاتا تھا۔ وہ کبشہ کی طرف اس لیے منسوب تھے کہ وہ "الشعریٰ" کی پوجا کرتے تھے اور اہلِ عرب میں سے کوئی دوسرا اس کی پوجا نہیں کرتا تھا[1] جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان لوگوں کے پاس وہ دین لائے، جو اہلِ عرب کے دین کے خلاف تھا تو انہوں نے کہا یہ ابن ابی کبشہ ہیں اور وہ اس نام سے آپ کی مذمت کا قصد نہیں کرتے تھے۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے ماموں وہب کی نسبت سے یوں کہا جاتا تھا کیونکہ ان کو ابو کبشہ کہہ کر پکارا جاتا تھا، یہ بھی کہا گیا کہ یہ لقب آپ کے رضاعی باپ حارث بن عبدالعزیٰ (حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کے شوہر) کے لیے بولا جاتا تھا، پس آپ ان کی طرف منسوب ہوئے۔

- (رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نانی) برہ کی ماں ام حبیب تھیں، یہ بات ابن قتیبہ نے کہی ہے۔ اور ابو سعد نے کہا کہ برہ کی ماں ام سفیان بنت اسد بن عبدالعزیٰ بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب تھیں۔
- اُم حبیب کی ماں برہ بنت عوف بن عبید بن عدی بن کعب بن لوی بن غالب تھیں۔
- برہ بنت عوف کی ماں قلابہ بنت حارث بن صعصعہ بن عائذ بن لحیان بن ہذیل تھیں۔
- قلابہ کی ماں ہند بنت یربوع تھیں جن کا قبیلہ ثقیف سے تعلق تھا۔ یہ بات ابن قتیبہ نے کہی ہے۔ ابن سعد نے کہا کہ ان کی ماں بنت مالک بن عثمان تھیں اور ان کا تعلق بنولحیان سے تھا۔

پس نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پہلی، دوسری اور تیسری نانی کا تعلق قریش سے ہے جبکہ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کی دادی سلمیہ تھیں۔ (بنو سلیم سے تعلق تھا) چوتھی نانی لحیانیہ ہذلیہ تھیں (بنولحیان اور بنوہذیل سے تعلق تھا) پانچویں ثقفیہ (ثقیف سے نسبت) تھیں، تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو عرب کے تمام قبائل سے نسبی تعلق تھا۔

آپ کے رضاعی بہن بھائی

حضرت حمزہ اور حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہما ابن عبدالاسد کو ثویبہ نے جو ابولہب کی لونڈی تھیں، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ (ان دونوں کو) دودھ پلایا تھا، اس وقت ثویبہ کا بیٹا مسروح بھی دودھ پیتا تھا۔

(طبقات ابن سعد جلد اوّل ص ۱۰۸)

ابو سفیان بن حارث بن عبدالمطلب اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت حلیمہ سعدیہ نے دودھ پلایا۔ نیز حضرت حلیمہ کے صاحبزادے عبداللہ اور صاحبزادیاں آسیہ اور جدامہ (جدامہ، شیما مشہور تھیں) بھی آپ کے رضاعی بہن بھائی ہیں۔

ایک روایت (جو ابن سعد نے نقل کی ہے) میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک لشکر نے ہوازن قبیلہ پر حملہ کیا تو حضرت شیماء کو بھی قیدیوں میں پکڑ لیا۔ انہوں نے کہا میں تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بہن

[1] سخت گرمی میں طلوع ہونے والے ایک ستارے کو الشعریٰ کہا جاتا ہے۔

ہوں۔ جب وہ حضور علیہ السلام کے پاس حاضر ہوئیں تو انہوں نے کہا اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں آپ کی بہن ہوں تو آپ نے انہیں خوش آمدید کہا۔ ان کے لیے چادر بچھائی اور ان کو بٹھایا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ آپ نے فرمایا' اگر تم پسند کرو تو میرے پاس رہو' تمہارا احترام کیا جائے گا اور اگر واپس اپنی قوم کے پاس جانا چاہو تو میں تمہیں وہاں بھیج دوں گا۔ انہوں نے عرض کیا مجھے میری قوم کے پاس بھیج دیں۔ چنانچہ انہوں نے اسلام قبول کیا اور آپ نے ان کو تین غلام اور ایک لونڈی اور کئی اونٹ اور بکریاں عطا فرمائیں --- یہ بات ابو عمر اور ابن قتیبہ نے ذکر کی ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاعی ماں حلیمہ بنت ابو ذویب تھیں جن کا قبیلہ ہوازن سے تعلق تھا۔ انہوں نے آپ کو دودھ پلایا حتیٰ کہ آپ کی مدت رضاعت مکمل ہو گئی۔

غزوۂ حنین کے دن وہ آپ کے پاس حاضر ہوئیں تو آپ کھڑے ہوئے اور ان کے لیے چادر بچھائی' جس پر وہ بیٹھ گئیں۔

اسی طرح ثویبہ جو ابولہب کی لونڈی تھیں' آپ کی رضاعی ماں تھیں۔ ثویبہ کے ایمان لانے میں اختلاف ہے۔ جس طرح حضرت حلیمہ اور ان کے خاوند کے ایمان لانے میں اختلاف ہے۔ واللہ اعلم۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کے بعد ثویبہ آپ کے پاس آتی تھیں تو حضرت ام المومنین خدیجہ رضی اللہ عنہا ان کی عزت کرتیں۔ ابولہب نے ثویبہ کو آزاد کر دیا تھا۔ (جب ثویبہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت کی خوشخبری دی تھی)

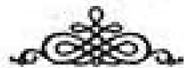
نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ سے ثویبہ کے لیے کپڑے اور دیگر سامان بھیجا کرتے تھے۔ حتیٰ کہ فتح خیبر کے بعد ان کا انتقال ہو گیا۔ یہ بات ابو عمر نے ذکر کی ہے۔

اُم ایمن برکہ بنت ثعلبہ بن حصن بن مالک نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پرورش کی۔ برکہ بنت ثعلبہ کی کنیت (اُم ایمن) نام پر غالب آ گئی اور یہ کنیت ان کے بیٹے ایمن حبشی کی نسبت سے ہے۔ اُم ایمن حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کی ماں ہیں۔ عبید کے بعد حضرت زید نے ان سے نکاح کیا تو حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے۔

کہا جاتا ہے کہ یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آزاد کردہ لونڈی تھیں۔ انہوں نے دو ہجرتیں کیں۔ ایک حبشہ کی طرف اور دوسری مدینہ طیبہ کی طرف اور یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے والد ماجد حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی لونڈی تھیں جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بطور وراثت ملی تھیں۔

ایک قول کے مطابق آپ کی والدہ کی لونڈی تھیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ میری ماں کے بعد ام ایمن میری ماں ہیں۔

حضرت حلیمہ سعدیہ کی صاحبزادی حضرت شیماء نے بھی اپنی ماں حلیمہ سعدیہ کے ہمراہ آپ کی پرورش فرمائی تھی۔



پانچویں فصل

نبی اکرم ﷺ کے خدام، پہرے دار، آزاد کردہ غلام، خازن، انگوٹھی، نعلین مبارک اور مسواک بردار، دربان اور جلاد

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خدام

ان میں سے ایک حضرت انس بن مالک بن نضر بن ضمضم بن زید انصاری خزرجی رضی اللہ عنہ ہیں جن کی کنیت ابو حمزہ ہے۔ انہوں نے نو یا دس سال نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کی اور آپ نے ان کے لیے یوں دعا فرمائی:

اللھم اکثر مالہ وولدہ وادخلہ الجنۃ[1]۔ یا اللہ! ان کے مال اور اولاد میں کثرت عطا فرما اور ان کو جنت میں داخل فرما۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر کسی کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح نماز پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا۔

آپ کا وصال ۹۳ھ اور ایک قول کے مطابق ۹۲ھ اور کہا گیا کہ ۹۱ ہجری میں ہوا اور آپ کی عمر ایک سو سال سے تجاوز کر گئی تھی۔

ان (خدام) میں ربیعہ بن کعب اسلمی رضی اللہ عنہ بھی ہیں،[2] جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو وضو کرایا کرتے تھے۔ ان کا وصال ۶۳ھ میں ہوا۔

---

[1] صحیح البخاری جلد ۲ ص ۹۳۹ میں وادخلہ الجنۃ کی جگہ وبارک لہ فیما اعطیتہ ہے۔

[2] حضرت ربیعہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازے پر رات گزارتا اور آپ کو وضو کے لیے پانی پیش کرتا اور آپ سمع اللہ لمن حمدہ کہتے تو میں سنتا۔ (زرقانی جلد ۳ ص ۲۹۷) حضرت ربیعہ رضی اللہ عنہ سے حضور علیہ السلام نے فرمایا تھا ربیعہ مانگو تو انہوں نے عرض کیا میں جنت میں آپ کی رفاقت چاہتا ہوں۔ آپ نے فرمایا کچھ اور بھی؟ ۱۲ ہزاروی۔

حضرت ایمن ابن اُم ایمن رضی اللہ عنہ بھی آپ کے خدام میں شامل ہیں، جو طہارت کے لیے پانی اٹھانے کا فریضہ انجام دیتے تھے۔ غزوۂ حنین میں انہوں نے شہادت پائی ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود بن غافل ابن حبیب الہذلی رضی اللہ عنہ بھی خدام میں شامل ہیں۔ آپ سابقین اولین میں شامل ہیں۔ غزوۂ بدر اور دیگر غزوات میں شریک ہوئے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا تکیہ، مسواک، نعلین اور وضو کا پانی آپ کے پاس ہوتا تھا۔ ان کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے یہ ذمہ داری سونپی گئی تھی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب کھڑے ہوتے تو وہ آپ کو نعلین پہناتے اور جب آپ تشریف فرما ہوتے تو وہ آپ کے نعلین مبارک اپنے بازوؤں میں لے لیتے، حتیٰ کہ آپ کھڑے ہوتے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا وصال مدینہ طیبہ میں ہوا۔ ایک قول کے مطابق کوفہ میں ہوا اور یہ ۳۲ھ یا ۳۳ھ کا واقعہ ہے۔

آپ کے خدام میں حضرت عقبہ بن عامر بن عبس بن عمرو الجہنی رضی اللہ عنہ بھی شامل ہیں اور آپ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خچر پر مامور تھے۔ سفر میں اس کی لگام تھاما کرتے۔

ان سے مروی ہے، فرماتے ہیں میں ان پہاڑی راستوں میں سے ایک راستے پر خچر کی لگام تھامے جا رہا تھا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا اے عقبہ! سوار ہو جاؤ۔ فرماتے ہیں میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری پر سوار ہونا آپ کی عظمت کے خلاف سمجھا۔ پھر مجھے خوف ہوا کہ کہیں آپ کی حکم عدولی گناہ نہ ہو۔ فرماتے ہیں میں تھوڑی دیر کے لیے سوار ہوا پھر اتر گیا۔ پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سوار ہوئے اور میں نے خچر کو پکڑ کر چلایا۔ آپ نے فرمایا اے عقبہ کیا میں تمہیں دو بہترین سورتیں نہ سکھاؤں جن کو لوگ پڑھیں۔ میں نے عرض کیا کیوں نہیں یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں۔ آپ نے فرمایا "**قل اعوذ برب الفلق**" اور "**قل اعوذ برب الناس**" یہ حدیث امام احمد، امام ابوداؤد اور امام نسائی رحمہم اللہ نے روایت کی ہے۔ (سنن ابی داؤد جلد اول ص ۲۱۳، مسند امام احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۱۴۴)

حضرت امام احمد رحمہ اللہ کی روایت میں ہے آپ نے فرمایا اے عقبہ! کیا میں تمہیں تین بہترین سورتیں نہ سکھاؤں جو تورات، انجیل، زبور اور قرآن مجید میں نازل ہوئی ہیں؟ فرماتے ہیں میں نے عرض کیا جی ہاں (سکھائیے) فرماتے ہیں پس نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے "**قل ھو اللہ احد**"، "**قل اعوذ برب الفلق**" اور "**قل اعوذ برب الناس**" سکھائی۔ (مسند امام احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۱۴۸)

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ قرآن مجید اور فرائض کے عالم تھے۔ فصیح و بلیغ اور شاعر تھے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے ۴۴ھ میں مصر کے والی مقرر ہوئے پھر ان کی جگہ مسلمہ بن مخلد رضی اللہ عنہ مقرر ہوئے۔

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کا وصال ۵۸ھ میں ہوا۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خدام میں اسلع بن شریک بھی شامل ہیں جو آپ کی سواری پر مامور تھے۔ طبرانی میں حضرت ربیع بن بدر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں مجھ سے میرے باپ نے بیان کیا، انہوں

نے اپنے والد سے اور انہوں نے ایک شخص سے روایت کیا، جس کا نام اسلع تھا وہ (اسلع رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کرتا اور آپ کے لیے سواری تیار کرتا تھا۔ ایک دن آپ نے مجھ سے فرمایا اے اسلع! سواری تیار کرو۔ میں نے عرض کیا یارسول اللہ! میں جنبی ہو گیا ہوں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے اور آپ کے پاس حضرت جبرئیل علیہ السلام حاضر ہوئے اور وہ تیمم کی آیت لے کر اترے۔ آپ نے فرمایا اے اسلع! اٹھو اور تیمم کرو۔ فرماتے ہیں میں اٹھا (تیمم کیا) پھر آپ کے لیے سواری تیار کی۔ آپ وہاں سے چلے حتی کہ ایک پانی پر سے گزرے تو مجھ سے فرمایا اے اسلع اسے (پانی کو) اپنے جسم پر لگاؤ (غسل کرو) حضرت اسلع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے تیمم کا طریقہ سکھاتے ہوئے بتایا کہ ایک ضرب چہرے کے لیے اور ایک دونوں ہاتھوں کے لیے کہنیوں سمیت ہے۔[1] (المعجم الکبیر للطبرانی جلد اول ص ۲۹۸)

آپ کے خدام میں سے حضرت سعد رضی اللہ عنہ بھی ہیں، جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام ہیں۔ کہا گیا ہے کہ ان کا نام سعید ہے لیکن یہ ثابت نہیں۔ ان سے حضرت امام ابن ماجہ رحمہ اللہ نے حدیث روایت کی ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خدام میں سے حضرت ابوذر جندب بن جنادہ غفاری رضی اللہ عنہ بھی شامل ہیں جو ابتدائی دور میں اسلام لائے اور ربذہ (مقام) میں ۳۱ھ میں ان کا وصال ہوا۔ ان کی نماز جنازہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے پڑھائی۔ اس کے بعد اسی دن حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا بھی انتقال ہو گیا۔ یہ بات ابن اثیر نے "معرفۃ الصحابہ" میں کہی ہے اور امام ابن حجر کی التقریب میں ۳۲ھ کا ذکر ہے۔
(التقریب للحافظ ابن حجر جلد ۲ ص ۳۹۵)

ان خدام میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے غلام حضرت مہاجر بھی شامل ہیں۔

ان خدام میں سے ایک حنین ہیں جو عبداللہ کے والد اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے غلام تھے۔ وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کیا کرتے تھے، پھر آپ نے اپنے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو ہبہ کر دیا۔

ان خدام میں سے ایک نعیم بن ربیعہ اسلمی ہیں۔

ان خدام میں ابوالحمراء بھی شامل ہیں جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام اور خادم تھے۔ ان کا نام ہلال بن حارث یا ابن ظفر ہے۔ وہ حمص میں تشریف لے گئے اور وہیں انتقال فرمایا۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خدام میں حضرت ابوالسمح بھی ہیں اور ان کا نام ایاد تھا۔

آپ کی خدمت گار خواتین

حضرت برکہ ام ایمن حبشیہ تھیں جو حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کی والدہ تھیں۔ حضرت عثمان غنی

[1] تیمم کا طریقہ یہ ہے کہ نیت کر کے پاک مٹی پر دونوں ہاتھوں کو مارا جائے، پھر ان سے زائد مٹی کو جھاڑتے ہوئے منہ کا مسح کیا جائے اور پھر دوسری بار دونوں ہاتھوں کو زمین پر مارتے ہوئے دونوں بازوؤں کا کہنیوں سمیت مسح کیا جائے۔ ...۱۲ہزاروی۔

رضی اللہ عنہ کی خلافت میں ان کا انتقال ہوا۔

حضرت خولہ تھیں جو حضرت حفص کی دادی ہیں۔

اُم رافع سلمیٰ تھیں جو حضرت ابو رافع کی بیوی ہیں۔

میمونہ بنت سعد بھی آپ کی خادمہ تھیں۔

اُم عیاش جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کی آزاد کردہ لونڈی تھیں۔

دیگر اُمور کے لیے

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سر قلم کرنے کے لیے حضرت علی بن ابی طالب، زبیر بن عوام، مقداد بن عمرو، محمد بن مسلمہ، عاصم بن ثابت بن ابی الاقلح اور ضحاک بن سفیان رضی اللہ عنہم مقرر تھے۔

حضرت قیس بن سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ آپ کے لیے پولیس والے کی طرح تھے۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ آپ کے خازن تھے۔

حضرت معیقیب بن ابی فاطمہ دوسی آپ کی مہر لگانے پر مامور تھے۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ آپ کی مسواک اور نعلین مبارک پر مامور تھے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔

حضرت ابو رافع جن کا نام اسلم ہے (کچھ دوسرے نام بھی بتائے گئے ہیں) اور وہ قبطی تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامان کے لیے مقرر تھے۔ بالاخانے پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضری کے لیے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو رباح اسود نے اجازت دی تھی۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دربان

ان میں حضرت سعد بن معاذ بن نعمان بن امرئ القیس شامل ہیں جو قبیلہ اوس کے سردار تھے۔ دو عقبوں کے درمیان حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر اسلام لائے۔ بدر، احد اور خندق میں شریک ہوئے۔ اس موقعہ پر آپ کو ایک تیر لگا۔ اس کے بعد ایک مہینے تک زندہ رہے پھر زخم کھل گیا تو آپ کا انتقال ہو گیا۔ غزوہ بدر کے موقعہ پر جب آپ اپنے عریش (خیمہ نما چھپر) میں آرام فرما رہے تھے تو انہوں نے آپ کی حفاظت کا فریضہ انجام دیا۔

ان میں حضرت محمد بن مسلمہ انصاری رضی اللہ عنہ بھی ہیں، جنہوں نے غزوۂ احد میں نگہبانی کی ذمہ داری سنبھالی۔

ان حضرات میں زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ بھی ہیں، جو خندق کے دن آپ کی نگہبانی کے فرائض انجام دیتے رہے۔

حضرت بلال موذن رضی اللہ عنہ بھی ان لوگوں میں شامل ہیں، جو شروع شروع میں اسلام لائے اور اللہ

تعالیٰ کے راستے میں ان کو سخت اذیت دی گئی۔ آخر میں آپ شام میں سکونت پذیر ہوئے اور ان کی کوئی اولاد نہیں، ان کی وفات کا ذکر بعد میں ہوگا۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ وادی قریٰ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نگران رہے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بدر کے دن عریش میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تلوار میان سے باہر نکال کر کھڑے رہے تاکہ کوئی مشرک آپ تک پہنچ نہ سکے۔ یہ بات ابن سمان نے "الموافقہ" میں ذکر کی ہے۔

صلح حدیبیہ کے موقع پر حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ تلوار لے کر آپ کے پاس کھڑے رہے۔

حضرت عباد بن بشر رضی اللہ عنہ بھی آپ کی حفاظت کی سعادت حاصل کرتے تھے۔ پس جب آیت کریمہ:

وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ۔ اور اللہ تعالیٰ آپ کو لوگوں سے بچائے گا۔

(المائدہ: ٦٧)

نازل ہوئی تو یہ کام ترک کر دیا گیا۔

آپ کے آزاد کردہ غلام

حضرت اسامہ اور ان کے والد حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہما دونوں سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو محبت تھی۔ آپ نے حضرت زید رضی اللہ عنہ کو آزاد کر کے اپنی لونڈی ام ایمن (جن کا نام برکہ ہے) سے ان کا نکاح کیا جن سے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے۔

حضرت زید رضی اللہ عنہ دورِ جاہلیت میں قیدی بنائے گئے تھے۔ حکیم بن حزام نے اپنی پھوپھی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے لیے ان کو خریدا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ام المومنین سے ان کو بطور ہبہ مانگ لیا۔

محمد بن اسحاق نے اپنی سیرت میں ان کا ذکر کیا ہے اور یہ کہ ان کے باپ اور چچا دونوں مکہ مکرمہ میں آئے اور ان کو پا لیا۔ انہوں نے فدیہ دینا چاہا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید رضی اللہ عنہ کو اختیار دیا کہ آپ انہیں ان دونوں کے حوالے کریں یا وہ آپ کے پاس رہنا چاہتے ہیں۔ ترمذی شریف کی روایت میں ہے کہ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں کبھی بھی کسی کو آپ کے مقابلے میں اختیار نہیں کروں گا۔ (جامع ترمذی جلد ۲ ص ۲۲۲)

حضرت زید رضی اللہ عنہ غزوۂ موتہ میں شہید ہوئے اور آپ کے صاحبزادے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ مدینہ طیبہ یا وادی قریٰ میں ۵۴ھ میں فوت ہوئے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خدام میں سے حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ بھی ہیں۔ انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت اختیار کی اور آپ کے وصال کے بعد شام کی طرف تشریف لے گئے اور ۵۴ھ میں مقام حمص میں وفات پائی۔

حضرت ابو کبشہ اوس رضی اللہ عنہ ہیں۔ ان کو سلیم بھی کہا جاتا ہے۔ مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئے اور غزوۂ بدر

میں شریک ہوئے۔

شقران جن کا نام صالح ہے آپ حبشی ہیں ان کو فارسی بھی کہا گیا ہے۔ بدر میں شریک ہوئے تو مملوک تھے، پھر آزاد کیے گئے۔ یہ بات حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے فرمائی اور فرمایا کہ میرا خیال ہے کہ وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کے دوران فوت ہوئے۔

آپ کے خادم رباح اسود جو کبھی کبھار آپ کی خدمت میں حاضر ہونے کے لیے اجازت مانگتے جب آپ تنہا ہوتے تھے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو حضور علیہ السلام کے پاس بالا خانے میں حاضر ہونے کی اجازت آپ کے ذریعے ملی۔

آپ کے ایک خادم یسار ہیں جو جانور چراتے تھے اور ان کو قبیلہ عرینہ کے کچھ لوگوں نے شہید کر دیا تھا۔

حضرت زید جن کو ابو یسار کہا جاتا ہے۔ یہ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کے والد حضرت زید نہیں ہیں۔ یہ بات ابن اثیر نے ذکر کی ہے۔

مدعم سیاہ فام غلام تھے جو رفاعہ بن زید الضبیبی کے غلام تھے۔ انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بطور تحفہ پیش کیے۔

ابو رافع جن کا نام اسلم القبطی ہے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے غلام تھے۔ انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بطور تحفہ پیش کیے۔ جب انہوں نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے اسلام کی خوشخبری دی تو آپ نے ان کو آزاد کر دیا۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت سے کچھ پہلے ان کا وصال ہوا۔

ایک خادم حضرت رفاعہ بن زید جذامی تھے۔

حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ بھی آپ کے غلام تھے۔ ان کے نام میں اختلاف ہے۔ طہمان بھی کہا گیا، کیسان، مہران اور اس کے علاوہ اور کئی نام بتائے گئے ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نام سفینہ رکھا کیونکہ صحابہ کرام نے ایک سفر میں ان پر بہت زیادہ سامان رکھ دیا تھا۔[1]

مابور القبطی ان غلاموں میں سے تھے جو مقوقس (بادشاہ) نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو تحفہ کے طور پر دیئے تھے۔

ایک خادم واقد یا ابو واقد نامی تھے۔

انجشہ حادی کا ذکر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حدی خوانوں میں آئے گا۔

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ، آپ کی کنیت ابو عبداللہ ہے اور آپ کو سلمان الخیر کہا جاتا ہے۔ آپ

---

[1] امام احمد رحمہ اللہ نے انہی سے روایت کیا۔ وہ فرماتے ہیں ہم سفر میں تھے جب کوئی تھک جاتا تو اپنے کپڑے، ڈھال اور تلوار مجھ پر رکھ دیتا حتیٰ کہ میں نے بہت سا سامان اٹھایا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اٹھاؤ تم سفینہ (کشتی) ہو۔ فرماتے ہیں آج اگر میں ایک یا دو یا تین یا چار یا پانچ بلکہ چھ یا سات اونٹوں کا بوجھ اٹھاؤں تو مجھ پر وزنی نہیں ہوگا۔ (مسند امام احمد جلد ۵ ص ۲۲۲)

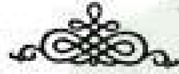
اصفہان سے تعلق رکھتے تھے اور کہا گیا ہے آپ کا تعلق رام ہرمز سے تھا۔ آپ سب سے پہلے غزوۂ خندق میں شریک ہوئے۔ ۳۴ھ میں آپ کا وصال ہوا۔ کہا جاتا ہے کہ آپ تین سو سال کی عمر کو پہنچے۔

شمعون بن زید ابو ریحانہ بھی آپ کے خدام میں شامل ہیں۔ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آپ انصار کے حلیف تھے۔ آپ کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مولیٰ (آزاد کردہ غلام) کہا جاتا ہے۔ فتح دمشق میں شریک ہوئے اور مصر آئے اور بیت المقدس میں سکونت اختیار کی۔

ابو بکرہ نفیع بن حارث بن کلدہ، مصر کے بہت بڑے قاضی بکار بن قتیبہ حنفی کے دادا تھے۔ آپ مصر میں مدفون ہیں۔

خواتین میں سے حضرت ام ایمن حبشیہ، سلمیٰ ام رافع جو ابو رافع کی زوجہ تھیں، حضرت ماریہ، ریحانہ اور ماریہ کی بہن قیسر کے علاوہ کئی خادمائیں تھیں۔

ابن جوزی نے کہا آپ کے غلام تینتالیس اور لونڈیاں گیارہ تھیں۔



چھٹی فصل

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے امراء، پیغام رساں، کاتبین، شرائع اور احکام سے متعلق اہلِ اسلام کی طرف خطوط، نیز بادشاہوں اور دوسرے لوگوں سے آپ کی خط و کتابت

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتبین

آپ کے کاتبین کی بہت بڑی تعداد ہے۔ بعض محدثین نے اپنی نہایت عمدہ تالیف میں ان حضرات کی کچھ خبریں اور سیرتوں سے متعلق چند باتیں ذکر کی ہیں۔ آغاز خلفاء راشدین سے کیا جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار کے خاص لوگ تھے۔

سب سے پہلے اور سب سے مقدم حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔ دورِ جاہلیت میں آپ کا نام عبدالکعبہ اور اسلام میں عبداللہ تھا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کی وجہ سے آپ کو صدیق کہا گیا۔ کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی تصدیق فرمائی۔ حُسن و جمال کی وجہ سے آپ کا لقب عتیق تھا یا اس لیے آپ کو عتیق کہا گیا کہ آپ کے نسب میں کوئی عیب نہیں لگایا گیا۔ یہ بھی کہا گیا کہ جہنم سے آزادی کی وجہ سے آپ کو عتیق کہا گیا۔

تقریباً اڑھائی سال آپ مسندِ خلافت پر فائز رہے اور آپ کی عمر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک کے برابر (تریسٹھ سال) تھی آپ کا وصال زہر کی وجہ سے ہوا۔[1]

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے والد ابو قحافہ رضی اللہ عنہ فتح مکہ کے دن مسلمان ہوئے اور اپنے

---

[1] ابن سعد نے لکھا ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق اور حارث بن کلدہ رضی اللہ عنہما دونوں نے ایک حلوہ کھایا۔ یہ حلوہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پاس بطور تحفہ بھیجا گیا تھا۔ حضرت حارث طبیب تھے، انہوں نے کہا ہاتھ اٹھالیجئے اللہ کی قسم اس میں ایک سال تک کے لیے موثر زہر ہے۔ وہ دونوں بیمار رہے حتیٰ کہ سال گزرنے پر دونوں ایک ہی دن فوت ہوئے۔ (طبقات ابن سعد جلد ۳ ص ۵۹۸) فتح الباری میں ہے کہ ایک یہودی عورت نے حلوہ میں یا کسی اور چیز میں زہر دیا تھا۔ (فتح الباری جلد ۷ ص ۳۷)

بیٹے کے وصال کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خلافت کے دوران انتقال فرمایا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی والدہ ام الخیر سلمیٰ بنت صخر نے شروع شروع میں دارِ ارقم میں اسلام قبول کیا۔

حضرت عمر بن خطاب (رضی اللہ عنہ) بن نفیل بن عبد العزیٰ کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے خلیفہ بنایا، پس آپ دس سال چھ ماہ اور چار راتیں اس خلافت پر قائم رہے اور ابو لؤلؤ فیروز نے، جو حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کا غلام تھا، آپ کو شہید کیا۔

حضرت عثمان بن عفان بن ابی العاص بن امیہ رضی اللہ عنہ کی خلافت گیارہ سال گیارہ مہینے اور تیرہ دن رہی۔ پھر محاصرہ کے دوران آپ کو شہید کر دیا گیا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے اور اس روایت کو طبری نے اپنی کتاب ''الریاض'' میں آپ کے فضائل میں ذکر کیا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی پیٹھ سے میرا سہارا لیا ہوا تھا اور حضرت جبرائیل علیہ السلام آپ کی طرف قرآن مجید کی وحی فرما رہے تھے تو آپ انہیں فرماتے تھے اے عثیم! لکھو (حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو پیار سے اے عثیم فرمایا)۔ (مسند امام احمد بن حنبل جلد ۶ ص ۲۵۰)

امام بیہقی رحمہ اللہ، حضرت جعفر بن محمد سے اور وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہوتے تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آپ کے دائیں جانب، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ آپ کی بائیں جانب اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ آپ کے سامنے بیٹھتے تھے اور آپ، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے رازدارانہ امور لکھنے پر مامور تھے۔ (کنز العمال جلد ۱۳ ص ۵۲۳) (یعنی جن باتوں کو آپ لوگوں سے مخفی رکھنا چاہتے تھے)۔

حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ بن ابو طالب بھی آپ کے کاتبین میں سے ہیں۔ آپ چار سال نو ماہ اور آٹھ دن خلافت کے منصب پر فائز رہے اور عبد الرحمٰن بن ملجم کے ہاتھوں شہید ہوئے۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو صلح حدیبیہ کا معاہدہ لکھنے کی خصوصیت حاصل ہے۔

حضرت طلحہ بن عبید اللہ التیمی رضی اللہ عنہ ان دس صحابہ کرام میں شامل ہیں جن کو جنت کی خوشخبری دی گئی۔ آپ ۳۶ھ میں یوم الجمل میں شہید ہوئے۔[1] اس وقت آپ کی عمر تریسٹھ برس تھی۔

حضرت زبیر بن عوام بن خویلد اسدی رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پھوپھی زاد بھائی اور آپ کے قریبی ساتھی تھے۔ آپ بھی ان دس صحابہ کرام میں شامل ہیں، جن کو جنت کی خوشخبری دی گئی تھی۔ آپ جمل والے دن ۳۶ھ میں شہید ہوئے۔ عمرو بن جرموز نے وادی سباء میں آپ کو دھوکے سے قتل کیا، اس وقت آپ سوئے ہوئے تھے۔

---

[1] حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے خون کا مطالبہ ہوا تو بصرہ کے قریب ایک جنگ ہوئی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی اس واقعہ میں اونٹ پر موجود تھیں جو حضرت یعلیٰ بن امیہ رضی اللہ عنہ نے آپ کے لیے خریدا تھا۔ جمل اونٹ کو کہتے ہیں، اسی مناسبت سے یہ جنگِ جمل کہلاتی ہے۔ (زرقانی جلد ۳ ص ۳۱۸)

حضرت سعید بن عاص رضی اللہ عنہ بھی کاتبین میں سے ہیں اور آپ خالد اور ابان کے بھائی ہیں۔
حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ۔
حضرت عامر بن فہیرہ جو حضرت ابوبکر صدیق (رضی اللہ عنہما) کے آزاد کردہ غلام تھے۔
حضرت عبداللہ بن ارقم قرشی زہری رضی اللہ عنہ، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے بادشاہوں وغیرہ کو خطوط لکھا کرتے تھے۔ آپ کے بعد وہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور ان کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی طرف سے بھی لکھا کرتے تھے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں ان کو بیت المال کا خازن مقرر کیا، پھر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے بھی انہیں بیت المال کا نگران مقرر فرمایا، حتیٰ کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے ان کو اس منصب سے فارغ کر دیا اور پھر وہ فارغ ہی رہے۔ امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ میں نے ان کے مقابلے میں کسی شخص کو اللہ تعالیٰ سے زیادہ ڈرنے والا نہیں دیکھا۔ خلافت عثمانی میں ان کا انتقال ہوا۔

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ انصار میں سے سبقت کرنے والے ہیں۔ آپ، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے وحی لکھا کرتے تھے، آپ ان چھ افراد میں سے ایک ہیں، جنہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں قرآن مجید حفظ کر لیا تھا[1] اور آپ ان فقہاء کرام میں سے ایک فقیہ ہیں، جو حضور علیہ السلام کے زمانے میں فتویٰ دیا کرتے تھے۔ آپ کا انتقال ۱۹ھ میں مدینہ طیبہ میں ہوا۔ ایک قول میں ۲۰ھ کا مذکور ہے اور اس کے علاوہ بھی اقوال ہیں۔ آپ نے عمان کے دو بادشاہوں "جیفر" اور "عبد" کی طرف خط لکھا اور وہ دونوں جلندی کے بیٹے تھے۔ تفصیل عنقریب انشاء اللہ آئے گی۔

حضرت ثابت بن قیس بن شماس رضی اللہ عنہ بھی کاتبین میں سے ہیں۔ آپ یمامہ میں شہید ہوئے۔ قطن بن حارثہ علیمی کی طرف آپ نے ہی خط لکھا تھا۔

حضرت حنظلہ بن ربیع اُسیدی رضی اللہ عنہ بھی کاتبین میں سے ہیں۔ (غزوۂ احد میں) شہادت کے بعد آپ کو فرشتوں نے غسل دیا۔[2]

ابوسفیان صخر بن حرب بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف قرشی اموی بھی آپ کے کاتبین میں شامل ہیں۔
ان کے بیٹے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ جو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی طرف سے شام کے امیر مقرر ہوئے اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے بھی ان کو اس عہدے پر برقرار رکھا۔
ابن اسحٰق نے کہا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بیس سال تک امیر (گورنر) رہے اور حضرت امام حسن

---

[1] باقی پانچ صحابہ کرام، جنہوں نے قرآن مجید حفظ کیا، کے اسمائے مبارکہ یہ ہیں: حضرت زید بن ثابت، حضرت ابوزید، حضرت معاذ، حضرت ابودرداء اور حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہم۔ (زرقانی جلد ۳ ص ۳۲۰، مجمع الزوائد جلد ۹ ص ۳۱۲)

[2] امام زرقانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: صحیح بات یہ ہے کہ غسیل الملائکہ حضرت حنظلہ بن ابوعامر ہیں۔
(زرقانی جلد ۳ ص ۳۲۲، صحیح مسلم جلد ۲ ص ۳۵۵)

بن علی رضی اللہ عنہما کے خلافت سے دست بردار ہونے کے بعد بیس سال تک خلیفہ اور امیر المومنین رہے۔

مسند امام احمد میں حضرت عرباض رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے وہ فرماتے ہیں میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ نے دعا فرمائی: یا اللہ! (حضرت) معاویہ (رضی اللہ عنہ) کو حساب و کتاب سکھا اور ان کو عذاب سے بچا۔ (مسند امام احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۱۲۷) آپ کتابت وحی کے ساتھ مشہور ہیں۔ آپ فتح مکہ کے دن مسلمان ہوئے اور رجب ۵۹ھ کے آخری عشرہ میں آپ کا وصال ہوا۔ ایک قول میں ۶۰ھ کا ذکر ہے اور اس وقت آپ کی عمر تقریباً اسی (۸۰) سال تھی۔ ابن عبدالبر نے بیاسی (۸۲) سال ذکر کی ہے۔ واللہ اعلم

ان کے بھائی یزید بن ابوسفیان بن حرب تھے، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ان کو دمشق کا امیر مقرر کیا، حتی کہ وہ ۱۹ھ میں اسی جگہ طاعون میں مبتلا ہو کر انتقال کر گئے۔ ان کے بعد ان کے بھائی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ امیر مقرر ہوئے، حتی کہ ترقی کرتے ہوئے خلافت تک پہنچ گئے۔

حضرت یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما صحابہ کرام کے سرداروں میں سے تھے۔ وہ بھی فتح مکہ کے دن مسلمان ہوئے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ حنین کی غنیمت سے ان کو ایک سو اونٹ اور چالیس اوقیہ سونا دیا جسے حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے ان کے لیے تولا تھا۔

حضرت زید بن ثابت بن ضحاک انصاری نجاری رضی اللہ عنہ وحی لکھنے کے حوالے سے مشہور ہیں، ۴۸ھ یا ۵۰ھ میں ان کا وصال ہوا، ایک قول یہ ہے کہ ۵۰ھ کے بعد ان کا انتقال ہوا۔ آپ فقہاء صحابہ کرام میں سے ایک ہیں اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت میں قرآن مجید جمع کرنے والوں میں بھی شامل ہیں۔ خلافت عثمانی میں قرآن پاک کو آپ نے ہی مصحف میں منتقل کیا۔

شرحبیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ بھی کاتبین میں شامل ہیں۔ حسنہ ان کی ماں ہیں اور یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلے کاتب ہیں۔

حضرت علاء بن حضرمی رضی اللہ عنہ۔

حضرت خالد بن ولید بن مغیرہ مخزومی جو سیف اللہ (اللہ کی تلوار) مشہور ہیں، آپ بھی کاتبین میں شامل ہیں۔ صلح حدیبیہ اور فتح مکہ کے درمیان آپ نے اسلام قبول کیا اور ۲۱ھ یا ۲۲ھ میں آپ کا وصال ہوا۔

حضرت عمرو بن عاص بن وائل سہمی رضی اللہ عنہ، آپ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں مصر فتح کیا۔ آپ حدیبیہ والے سال مسلمان ہوئے اور دو مرتبہ مصر کے امیر مقرر ہوئے اور آپ ہی نے مصر کو فتح کیا تھا۔ مصر ہی میں ۴۰ھ کے چند سال بعد فوت ہوئے اور کہا گیا کہ ۵۰ھ کے بعد آپ کا انتقال ہوا۔

حضرت مغیرہ بن شعبہ ثقفی رضی اللہ عنہ صلح حدیبیہ سے پہلے مسلمان ہوئے۔ آپ بصرہ اور پھر کوفہ کے امیر مقرر ہوئے اور صحیح قول کے مطابق ۵۰ھ میں آپ کا وصال ہوا۔

حضرت عبداللہ بن رواحہ خزرجی انصاری سابقین میں سے ایک ہیں۔ غزوۂ بدر میں شریک ہوئے اور موتہ میں شہادت پائی۔

حضرت معیقیب ابن ابی فاطمہ دوسی رضی اللہ عنہ بھی سابقین اولین میں سے ہیں۔ آپ کئی معرکوں میں شریک ہوئے اور حضرت عثمان غنی یا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہما کے زمانہ خلافت میں فوت ہوئے۔

حضرت خالد بن سعید بن عاص رضی اللہ عنہ نے ثقیف کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مکتوب گرامی لکھا جیسا کہ وفود کے ذکر میں عنقریب آئے گا۔

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ بھی سابقین میں سے ہیں۔ صحیح مسلم میں صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو جو کچھ ہو چکا اور جو کچھ قیامت تک ہونے والا ہے سب سکھا دیا تھا۔ آپ کے والد بھی صحابی تھے جو اُحد میں شہید ہوئے۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کا وصال حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خلافت کے آغاز میں ۳۶ھ میں ہوا۔

حضرت حویطب بن عبدالعزیٰ عامری رضی اللہ عنہ فتح مکہ کے دن مسلمان ہوئے اور ایک سو بیس سال زندگی گزارنے کے بعد ۵۴ھ میں فوت ہوئے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتبین ان مذکورہ بالا حضرات کے علاوہ بھی ہیں، جن کا ذکر گزشتہ کتاب میں ہو چکا ہے۔

حضرت معاویہ اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہما کی یہ زیادہ ذمہ داری تھی اور وہ اس کام کے لیے دوسرے حضرات کے مقابلے میں زیادہ مختص تھے جیسا کہ حافظ الشرف الدمیاطی وغیرہ نے کہا ہے اور میں نے بھی اس سے آگاہ کیا ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے پہلے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے لکھا کرتے تھے اور مدینہ طیبہ میں سب سے پہلے انہوں نے ہی لکھا ہے۔ مکہ مکرمہ میں آپ کے لیے سب سے پہلے قریش میں سے عبداللہ بن ابی سرح نے لکھا پھر وہ مرتد ہو گئے اور دوبارہ فتح مکہ کے دن اسلام قبول کیا۔

جن لوگوں نے آپ کے لیے زیادہ لکھا ان میں خلفائے اربعہ (خلفائے راشدین) اور سعید بن عاصی بن امیہ کے دو بیٹے ابان اور خالد رضی اللہ عنہم شامل ہیں۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مکتوباتِ شریفہ

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کی طرف شریعت کے احکام پر مشتمل خطوط تحریر فرمائے۔

حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس مکتوب گرامی

ان خطوط میں سے ایک خط صدقات کے بارے میں ہے جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس تھا اور حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے جب حضرت انس رضی اللہ عنہ کو بحرین کی طرف بھیجا تو اسے تحریر کیا۔ اس

کے الفاظ جیسا کہ صحیح بخاری، سنن ابی داؤد اور سنن نسائی میں ہیں اس طرح ہیں:

اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا ہے۔

یہ صدقہ کے سلسلے میں فریضہ ہے جسے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں پر لازم کیا اور یہ وہ بات ہے، جس کا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا۔ پس جس مسلمان سے یہ (صدقہ) اس کے حساب سے طلب کیا جائے، وہ ادا کرے اور جس سے زیادہ طلب کیا جائے وہ نہ دے۔

چوبیس یا اس سے کم اونٹوں میں بکریاں ہیں۔ ہر پانچ اونٹوں میں ایک بکری ہے۔

جب پچیس ہو جائیں تو پینتیس تک (اونٹوں) میں ایک بنت مخاض اونٹنی ہے۔[1]

جب چھتیس ہو جائیں تو پینتالیس تک میں ایک بنت لبون ہے۔

جب چھیالیس ہو جائیں تو ساٹھ تک ایک حقہ ہے جو اس قابل ہو کہ وہ نر اونٹ سے حاملہ ہو سکے۔

جب اکسٹھ کو پہنچ جائیں تو پچھتر تک ان میں ایک جذعہ ہے۔

جب چھہتر تک پہنچ جائیں تو نوے تک دو بنت لبون ہیں۔

جب اکیانوے ہو جائیں تو ایک سو بیس تک دو حقے ہیں۔ ایسی دو اونٹنیاں جو حاملہ ہو سکتی ہوں جب ایک سو بیس سے زائد ہو جائیں تو ہر چالیس میں ایک بنت لبون اور ہر پچاس میں ایک حقہ ہے۔

اور جس شخص کے پاس صرف چار اونٹ ہوں تو ان میں زکوٰۃ نہیں ہے مگر ان کا مالک چاہے (تو کچھ صدقہ دے دے) جب پانچ اونٹ ہوں گے تو ان میں ایک بکری ہوگی۔

اور جس شخص کے پاس اونٹوں کی تعداد اتنی ہو کہ ان میں جذعہ لازم ہوتا ہے اور اس کے پاس جذعہ نہ ہو بلکہ حقہ ہو تو اس سے حقہ قبول کیا جائے اور اس کے ساتھ دو بکریاں ملائی جائیں اگر اسے میسر ہوں یا بیس درہم دے۔

اور جس پر صدقہ میں حقہ لازم ہو اور اس کے پاس حقہ نہ ہو بلکہ جذعہ ہو تو اس سے جذعہ قبول کر کے صدقہ لینے والا اسے بیس درہم یا دو بکریاں دے اور جس کا صدقہ حقہ کی صورت میں لازم ہو اور اس کے پاس صرف بنت لبون ہو تو اس سے بنت لبون قبول کی جائے اور وہ اس کے ساتھ دو بکریاں یا بیس درہم بھی دے۔

اور جس کا صدقہ بنت لبون کو پہنچے اور اس کے پاس حقہ ہو تو اس سے حقہ قبول کیا جائے اور صدقہ وصول کرنے والا اسے بیس درہم یا دو بکریاں دے اور جس کا صدقہ بنت لبون کو پہنچے اور وہ اس کے پاس نہ ہو بلکہ اس کے

---

[1] اونٹنی کی وہ بچی جو ایک سال کی ہو کر دوسرے سال میں داخل ہو گئی ہو بنت مخاض ہے اگر نر ہو تو ابن مخاض، دو سال کی بنت لبون، تین سال کی اونٹنی کو حقہ اور جذعہ چار سال کی اونٹنی کو کہتے ہیں۔

[2] مطلب یہ کہ جو جانور زکوٰۃ میں دینا لازم ہے اگر وہ نہ ہو بلکہ ہلکا یا کم عمر جانور ہو تو اس جانور کے ساتھ اتنی رقم بھی دی جائے، جو فرض جانور کی قیمت کو پورا کر دے اور اگر زیادہ عمر کا یا بڑھیا جانور ہو تو زکوٰۃ وصول کرنے والا باقی رقم واپس دے، نیز یہ فقہی مسائل ہیں، انہیں فقہی کتب میں دیکھیں، یہاں حضور علیہ السلام کے مکتوب گرامی کے طور پر پڑھیں۔...۱۲ہزاروی۔

پاس بنت مخاض ہو تو اس سے بنت مخاض کو قبول کیا جائے اور وہ اس کے ساتھ ساتھ بیس درہم یا دو بکریاں بھی دے اور اگر اس کے پاس بنت مخاض نہ ہو بلکہ ابن لبون ہو تو وہ قبول کر لیا جائے اور اس کے ساتھ اس پر کچھ بھی لازم نہیں ہو گا۔ بکریاں اگر چرنے والی ہوں اور چالیس ہو جائیں تو ایک سو بیس تک ایک بکری ہے۔ ایک سو بیس سے زیادہ ہوں تو دو سو تک دو بکریاں ہیں۔ دو سو سے تین سو تک تین بکریاں اور جب تین سو سے زیادہ ہوں تو ہر سو میں ایک بکری ہو گی۔ اور اگر چراہ گاہ میں چرنے والی بکریاں چالیس سے ایک بھی کم ہوں تو اس میں زکوٰۃ نہیں ہے البتہ ان کا مالک چاہے۔ (تو کچھ دے دے)

متفرق کو جمع نہ کیا جائے اور نہ ہی صدقہ کے خوف سے جمع کو متفرق کیا جائے۔

اور جو بکریاں دو شریکوں کے درمیان ہوں تو وہ برابری کے طور پر ایک دوسرے سے رجوع کریں۔ صدقہ میں وہ بکری نہ لی جائے جس کے دانت گر چکے ہوں (بوڑھی) عیب والا جانور نہ لیا جائے اور مالک کی مرضی کے بغیر بکرا (نر) نہ لیا جائے۔

الرقہ یعنی درہم (روپیہ وغیرہ) میں چالیسواں حصہ ہے، اگر ایک سو ننانوے درہم ہوں (یعنی نصاب مکمل نہ ہو اور وہ دو سو درہم ہیں) تو ان میں زکوٰۃ نہیں مگر یہ کہ ان کا مالک چاہے۔ (صحیح بخاری جلد اول ص ۱۹۶ سنن ابی داؤد جلد اول ص ۲۲۵، سنن نسائی جلد اول ص ۳۳۵)

رقہ درہم کو کہتے ہیں جو چاندی سے بنایا گیا اور اس میں ہاء اس واو کے عوض ہے، جو حذف ہو گئی یعنی اصل میں "الورق" ہے (شروع سے واو کو حذف کر کے اس کے عوض آخر میں تاء لگا دی)

ابن الاثیر نے الجامع میں یہی بات کہی ہے اور فتح الباری میں ہے کہ راء کے کسرہ (زیر) اور قاف کی تخفیف سے (شد کے بغیر) ہے اور اس سے خالص چاندی مراد ہوتی ہے، اس سے درہم بنائیں یا نہ۔

(فتح الباری جلد ۳ ص ۲۵۴)

جو مکتوب گرامی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پاس تھا

ان مکتوبات میں سے ایک خط وہ ہے جو حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس تھا اور وہ زکوٰۃ کے نصابوں وغیرہ سے متعلق تھا جیسا کہ امام ابوداؤد اور امام ترمذی رحمہما اللہ نے حضرت سالم رضی اللہ عنہ سے روایت کیا اور وہ اپنے والد (حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما) سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقہ کے بارے میں ایک خط لکھا لیکن عاملین کو نہیں بھیجا بلکہ تلوار کے ساتھ (میان میں) رکھا حتیٰ کہ آپ کا وصال ہو گیا۔ اس پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عمل کیا، حتیٰ کہ آپ کا وصال ہو گیا، پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اس پر عمل کیا حتیٰ کہ آپ بھی دنیا سے رخصت ہو گئے۔ اس مکتوب گرامی کے مندرجات یوں ہیں:

پانچ اونٹوں میں ایک بکری ہے۔ دس اونٹوں میں دو بکریاں، پندرہ میں تین اور بیس میں چار بکریاں ہیں۔

پچیس اونٹوں میں بنت مخاض ہے (ایک سالہ اونٹنی ہے) اور یہ پینتیس تک ہے۔ اگر ان سے ایک اونٹ بھی زائد ہو جائے تو اس میں ایک بنت لبون ہے (دو سالہ اونٹنی ہے) یہ پینتالیس تک ہے، جب ایک بھی بڑھ جائے تو ساٹھ تک ایک حقہ ہے۔ (تین سالہ اونٹنی ہے) ساٹھ سے ایک بھی زائد ہو جائے تو پچھتر تک ایک جذعہ (چار سالہ اونٹنی) ہے۔ پچھتر سے ایک بھی زائد ہو تو نوے تک دو بنت لبون پھر اس سے زائد ایک سو بیس تک اونٹوں میں دو حقے ہیں۔ اونٹوں کی تعداد ایک سو بیس سے بڑھ جائے تو ہر پچاس میں ایک حقہ اور چالیس میں ایک بنت لبون ہے۔

اور بکریوں میں ہر چالیس بکریوں میں ایک بکری واجب ہے اور یہ ایک سو بیس تک ہے۔ جب ان سے ایک بکری بھی زائد ہو جائے تو دو سو تک دو بکریاں ہوں گی، پھر تین سو تک تین بکریاں ہوں گی۔ اگر بکریوں کی تعداد اس سے بڑھ جائے تو ہر ایک سو بکریوں میں ایک بکری ہوگی، پھر جب تک ایک سو نہ ہو جائیں مزید کچھ بھی نہ ہوگا۔ صدقہ کے خوف سے جمع کو متفرق اور متفرق کو جمع نہ کیا جائے، وہ بکریاں جو دو آدمیوں میں مشترک ہوں تو وہ ایک دوسرے سے برابری کی بنیاد پر رجوع کریں اور صدقہ میں بوڑھی اور عیب والی نہ لی جائے۔

امام زہری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جب زکوٰۃ وصول کرنے والا آئے تو وہ بکریوں کو تین قسموں میں تقسیم کرے: ایک تہائی میں عمدہ بکریاں شامل ہوں، دوسری تہائی میں درمیانی قسم کی اور تیسری قسم میں ادنیٰ قسم کی بکریاں ہوں اور وہ درمیانی قسم کی بکریوں میں سے زکوٰۃ وصول کرے۔ اس حدیث کو امام ابوداؤد اور امام ترمذی رحمہما اللہ نے روایت کیا اور امام ترمذی نے اسے حسن قرار دیا۔ یونس اور کئی دوسرے راویوں نے امام زہری سے اور انہوں نے حضرت سالم رضی اللہ عنہ سے روایت کیا اور اسے حضور علیہ السلام سے مرفوعاً نقل نہیں کیا۔

(جامع ترمذی جلد اوّل ص ۷۸، سنن ابی داؤد جلد اوّل ص ۲۲۶)

ابن اثیر نے النہایہ میں فرمایا کہ خلیط سے مراد مخالط یعنی شریک ہے جس کا مال دوسرے شریک کے مال میں مل جل گیا ہو اور آپس میں ایک دوسرے کی طرف رجوع کرنے کا مطلب یہ ہے کہ مثلاً ان میں سے ایک کے پاس چالیس گائے ہوں اور دوسرے کے پاس تیس اور ان کا مال باہم مل گیا ہو تو زکوٰۃ لینے والا چالیس گایوں میں سے ایک مسنہ اور تیس میں سے ایک تبیع[1] لے پس جس پر مسنہ لازم ہوا تھا وہ اپنے شریک سے مسنہ کے سات حصوں میں سے تین وصول کرے (یعنی ۷/۳ وصول کرے) اور جس پر تبیع لازم ہو وہ اپنے شریک سے تبیع کے سات میں سے چار حصے وصول کرے (۷/۴ وصول کرے) کیونکہ دو جانور غیر منقسم واجب ہوئے اور مال ایک کی ملک تھا۔ ابن اثیر کا قول ختم ہوا۔

فتح الباری میں ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک خلیط سے شریک مراد ہے۔ اعتراض کیا گیا کہ شریک کو اپنے مال کا معین طور پر پتا نہیں ہوتا حالانکہ کہا گیا کہ وہ دونوں برابری کی بنیاد پر ایک دوسرے سے رجوع کریں اور خلیط کے لیے ضروری نہیں کہ وہ شریک ہو، اس پر قرآن پاک کی یہ آیت دلیل ہے، ارشادِ خداوندی ہے:

[1] تبیع ایک سال کا اور مسن دو سال کا بچھڑا ہوتا ہے۔ اس طرح ۴۰ گایوں والا کم اور ۳۰ گایوں والا زیادہ نہیں دے گا۔

وَاِنَّ کَثِیۡرًا مِّنَ الۡخُلَطَآءِ۔(ص: ۲۴) اکثر ایک دوسرے کے شریک (ایک دوسرے پر زیادتی کرتے ہیں)۔

اور اس سے پہلے یوں بیان فرمایا:

اِنَّ هٰذَاۤ اَخِیۡ لَهٗ تِسۡعٌ وَّتِسۡعُوۡنَ نَعۡجَةً وَّلِیَ نَعۡجَةٌ وَّاحِدَةٌ۔(ص: ۲۳) بے شک میرے اس بھائی کی ننانوے بکریاں ہیں اور میرے پاس ایک بکری ہے۔

بعض علماء نے احناف کی طرف سے یوں جواب دیا کہ شاید ان کو یہ حدیث نہ پہنچی ہو یا انہوں نے خیال کیا کہ اصل حضور علیہ السلام کا یہ قول ہے:

لیس فیما دون خمس ذود صدقة۔ پانچ سے کم اونٹوں میں صدقہ نہیں ہے۔

(فتح الباری ج ۳ ص ۲۳۹)

اور خلیط کا حکم اس ضابطے کا غیر ہے، پس انہوں نے یہ قول نہیں کیا اور حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ان میں سے ہر ایک پر اس کی ملکیت میں اسی قدر واجب ہوگا جس قدر مال کے باہم نہ ملنے سے واجب ہوتا۔

حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس وقت تک زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی جب تک دونوں کے پاس چالیس چالیس بکریاں نہ ہوں۔

حضرت امام شافعی، امام احمد اور اصحابِ حدیث رحمہم اللہ فرماتے ہیں: جب ان کے جانور نصاب کو پہنچ جائیں تو دونوں کی زکوٰۃ ادا کریں اور ان حضرات کے نزدیک اختلاط یہ ہے کہ چراگاہ، رات گزارنے، حوض اور نر جانور کے حوالے سے وہ اکٹھے ہوں اور شرکت ان سے اخص ہے۔

اہلِ یمن کی طرف مکتوب گرامی

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مکتوباتِ گرامی میں سے ایک خط اہلِ یمن کی طرف ہے اور یہ عظیم مکتوب ہے جس میں زکوٰۃ، دیتوں اور دیگر احکام فقہ کا ذکر ہے۔ نیز کبیرہ گناہ، طلاق، آزاد کرنا، ایک کپڑے میں نماز پڑھنا، احتباء[1] اور قرآن پاک کو چھونے سے متعلق احکام بھی ہیں۔ اس مکتوبِ گرامی میں دیتوں کی جو مقدار ذکر کی گئی ہے تمام فقہاء نے اس سے استدلال کیا ہے، اس کو امام نسائی رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے اور انہوں نے فرمایا کہ اس حدیث کو یونس (راوی) نے حضرت زہری رحمہ اللہ سے مرسل روایت کیا۔ ابو حاتم نے اپنی صحیح میں اور ان کے علاوہ دیگر حضرات نے متصلاً بواسطہ ابوبکر بن محمد بن عمرو بن حزم روایت کیا، وہ اپنے باپ سے اور وہ ان کے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہلِ یمن کو ایک خط لکھا اور اس خط کا مضمون یہ ہے:

جو شخص کسی مومن کو ظلماً قتل کرے اور اس پر گواہ ہوں تو قصاص ہوگا مگر یہ کہ مقتول کے وارث (خون بہا

---

[1] ٹانگیں کھڑی کرکے اور چادر کو پیٹھ سے لا کر گھٹنوں سے باندھنا احتباء کہلاتا ہے۔ ۱۲ ہزاروی۔

لینے یا معاف کرنے پر) راضی ہو جائیں۔

اس مکتوبِ گرامی میں یہ بھی ہے کہ (مقتولہ) عورت کے بدلے میں (قاتل) مرد کو قتل کیا جائے۔

اور یہ بھی ہے کہ ایک جان کی دیت ایک سو اونٹ ہیں اور جن کے پاس سونا ہو ان پر ایک ہزار دینار واجب ہوں گے۔

اگر ناک مکمل طور پر کاٹ دی جائے تو ایک سو اونٹ بطور دیت لازم ہوں گے۔ دانتوں میں دیت ہے، ہونٹوں میں دیت ہے، خصیتین میں دیت ہے، آلۂ تناسل میں دیت ہے، پیٹھ میں دیت ہے، آنکھوں میں دیت ہے (مکمل دیت ہے)۔

ایک پاؤں میں نصف دیت ہے، دماغ تک پہنچنے والے زخم میں دیت کا تہائی حصہ ہے۔ پیٹ تک پہنچنے والے زخم میں بھی تہائی دیت ہے۔ جس زخم سے ہڈی ظاہر ہو جائے اس میں پندرہ اونٹ ہیں۔ ہاتھ اور پاؤں کی ہر انگلی میں دس اونٹ ہیں اور ایک دانت میں پانچ اونٹ ہیں۔ (سنن نسائی جلد ۲ ص ۲۵۱)

حضرت امام مالک رحمہ اللہ کی روایت میں ہے ایک آنکھ میں پچاس اور ایک ہاتھ کی دیت بھی پچاس اونٹ ہیں، اسی طرح ایک پاؤں کی دیت بھی پانچ اونٹ ہیں اور ہڈی کو ظاہر کرنے والے زخم میں پانچ اونٹ ہیں۔

ایک مکتوبِ گرامی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو زہیر کو بھی لکھا تھا۔

بادشاہوں وغیرہ سے خط و کتابت

ہرقل کی طرف خط

روایت میں ہے کہ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حدیبیہ سے واپس تشریف لائے تو روم کے بادشاہ کو خط لکھا۔ آپ کی خدمت میں عرض کیا گیا کہ وہ لوگ اسی خط کو پڑھتے ہیں جس پر مہر ہو تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے چاندی کی ایک انگوٹھی بنوائی جس میں تین سطریں تھیں ایک سطر میں "محمد" دوسری سطر میں "رسول" اور تیسری میں "اللہ" نقش تھا۔ اس کے ساتھ آپ نے خط پر مہر ثبت فرمائی۔

رومی حکمران مہر کے بغیر خط کو اس لیے نہیں پڑھتے تھے کہ انہیں اپنے راز کھلنے کا اندیشہ ہوتا تھا اور اس بات کی خبر دیتے ہوئے کہ ان پر پیش کردہ امور پر کسی دوسرے کا مطلع ہونا مناسب نہیں ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ بادشاہ اور قاضیوں کے خطوط پر مہر کا لگانا جاری طریقہ ہے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ یہ طریقہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل کی وجہ سے جاری ہوا۔

چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قیصر، جس کو ہرقل کہا جاتا تھا اور وہ ان دنوں روم کا بادشاہ تھا، کی طرف خط لکھا اور اسے مکمل کرنے کے بعد فرمایا: میرا یہ خط ہرقل بادشاہ کے پاس کون لے کر جائے گا اور اس کے لیے

جنت ہے۔ صحابہ کرام نے عرض کیا: یارسول اللہ! اگرچہ وہ وہاں نہ پہنچ پائے؟ فرمایا: اگر وہ نہ پہنچ سکے۔[1] پس حضرت دحیہ ابن خلیفہ کلبی رضی اللہ عنہ نے وہ مبارک خط لیا اور اس مقام کی طرف روانہ ہوئے جہاں ہرقل تھا۔

اس مکتوبِ گرامی کے الفاظ اس طرح ہیں:

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ من محمد رسول اللہ۔ وفی روایۃ البخاری: عبداللہ ورسولہ۔ الی ھرقل عظیم الروم۔ وفی روایۃ غیر البخاری: الی قیصر صاحب الروم: سلام علی من اتبع الھدی، امابعد، فانی ادعوک بدعایۃ الاسلام، اسلم تسلم، یؤتک اللہ اجرک مرتین، فان تولیت فان علیک اثم الاریسین، ویا اھل الکتاب تعالوا الی کلمۃ سواء بیننا وبینکم ان لا نعبد الا اللہ ولا نشرک بہ شیئا ولا یتخذ بعضنا بعضا اربابا من دون اللہ، فان تولوا فقولوا اشھدوا بانا مسلمون رواہ البخاری۔ (صحیح بخاری جلد ۲ ص ۶۵۳)

اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا ہے۔ محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف سے، صحیح بخاری کی ایک روایت میں ہے اللہ کے بندے اور رسول (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف سے روم کی عظیم شخصیت ہرقل کی طرف۔ صحیح بخاری کے علاوہ ایک روایت میں (عظیم الروم کی جگہ) قیصر صاحب الروم آیا ہے۔ ہدایت کی پیروی کرنے والے پر سلام ہو۔ اس کے بعد! میں تمہیں اسلام کی دعوت دیتا ہوں اسلام قبول کرو بچ جاؤ گے، اللہ تعالیٰ تمہیں دہرا اجر عطا فرمائے گا اور اگر تم منہ پھیرو گے تو تم پر تمہارے پیروکاروں کا گناہ بھی ہوگا۔۔۔ اور اے اہلِ کتاب! آؤ ایک کلمہ کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان برابر ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں، نہ اس کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرائیں اور نہ ہم اللہ تعالیٰ کے سوا ایک دوسرے کو رب مانیں۔ اگر تم پھر جاؤ تو کہو کہ گواہ رہو ہم مسلمان ہیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ مکتوبِ گرامی حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کے ذریعے ہرقل کی طرف ۶ھ کے آخر میں حدیبیہ سے واپسی پر بھیجا جیسا کہ واقدی نے کہا ہے اور تاریخ خلیفہ[2] میں ہے کہ آپ نے یہ خط ۵ھ میں ارسال فرمایا، لیکن پہلی بات زیادہ مضبوط ہے، بلکہ یہ (دوسری بات) غلط ہے، کیونکہ حضرت ابوسفیان نے واضح طور پر بتایا کہ یہ واقعہ صلح حدیبیہ کی مدت میں ہوا جیسا کہ بخاری شریف کی حدیث میں ہے اس مدت میں جس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوسفیان اور کفارِ قریش کے لیے صلح کی مدت مقرر فرمائی تھی۔ (صحیح بخاری جلد اول ص ۴) یعنی صلح حدیبیہ کے عرصہ کے دوران اور صلح حدیبیہ بالاتفاق ۶ھ میں ہوئی۔

---

[1] اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر موت آجائے یا اس قسم کی کوئی دوسری رکاوٹ پیدا ہو جائے اور وہ وہاں پہنچ نہ سکے۔

(زرقانی جلد ۳ ص ۳۳۵)

[2] خلیفہ بن خیاط بن خلیفہ العصفری البصری حافظ امام بخاری رحمہ اللہ کے شیوخ میں سے ہیں، نہایت سچے اور صحیح روایت کرنے والے تھے۔ راویوں کے طبقات پر انہوں نے کتاب لکھی اور ۲۴۰ھ میں وفات پائی۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں نہیں لکھا کہ "ہرقل بادشاہ روم کی طرف" کیونکہ وہ اسلام کے حکم کے مطابق معزول تھا اور اس کی تالیف قلب کی خاطر اس کے احترام کو نہیں چھوڑا۔

آپ کا ارشاد گرامی کہ تمہیں دو مرتبہ (دوگنا) اجر ملے گا (صحیح بخاری جلد اول ص۵) تو اس کی وجہ اپنے نبی پر اور پھر حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا ہے۔ اور یہ ارشاد گرامی کہ تمہارے پیروکاروں کا گناہ بھی تم پر ہوگا (صحیح بخاری جلد اول ص۵) یعنی تم اپنے گناہ کے ساتھ ان پیروکاروں (کے ایمان نہ لانے) کا گناہ بھی اپنے سر لو گے کیونکہ انہوں نے کفر پر باقی رہنے کے سلسلے میں تمہاری پیروی کی۔

کہا گیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت (جو اوپر خط میں گزر چکی ہے) اس کے نزول سے پہلے لکھی پس جب وہ نازل ہوئی تو اس کے الفاظ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ کے موافق تھے کیونکہ یہ آیت وفد نجران کے واقعہ میں نازل ہوئی اور ان کا واقعہ وفود کے سال ۹ھ میں ہوا اور ابوسفیان کا یہ واقعہ اس سے پہلے ۶ھ میں ہوا اور کہا گیا ہے کہ یہودیوں کے بارے میں نازل ہوئی۔ بعض حضرات نے اس کا نزول دو مرتبہ جائز قرار دیا اور یہ بات بعید از فہم ہے۔ واللہ اعلم۔

جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ مکتوبِ گرامی پڑھا گیا تو قیصر کا بھتیجا سخت غضب ناک ہو گیا اور اس نے کہا یہ خط مجھے دکھاؤ۔ قیصر نے کہا تم کیا کرو گے؟ اس نے کہا کہ انہوں نے اپنے نام کے ساتھ آغاز کیا اور تمہیں صاحب روم لکھا (بادشاہ نہیں لکھا) اس کے چچا (قیصر) نے کہا تمہاری رائے کمزور ہے، کیا تم چاہتے ہو کہ میں اس شخص کے خط کو پھینک دوں، جس کے پاس ناموسِ اکبر (بڑا فرشتہ) آتا ہے یا اس مفہوم کی کوئی بات کہی یا اس نے کہا کہ میں اس خط کو پھینک دوں حالانکہ مجھے معلوم نہیں کہ اس میں کیا ہے۔ اگر وہ اللہ کا رسول ہے تو اس کو اپنی ذات سے ابتدا کرنے کا حق ہے اور اس نے سچ کہا کہ میں صاحبِ روم ہوں۔ اللہ تعالیٰ میرا بھی مالک ہے اور اس کا بھی۔

اس کے بادشاہ قیصر نے حضرت دحیہ رضی اللہ عنہ کو ٹھہرانے اور عزت و احترام بجالانے کا حکم دیا، حتیٰ کہ پھر وہ معاملہ ہوا جو امام بخاری رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے۔[1]

کسریٰ کی طرف مکتوبِ گرامی

نبی اکرم ﷺ نے کسریٰ ابرویز (پرویز) بن ہرمز بن انوشروان کی طرف خط لکھا جو ایران کا بادشاہ تھا۔

[1] وہ یوں مذکور ہے کہ قیصر حمص کی طرف لوٹا اور درباریوں کو جمع کیا اور کہا: اے روم والو! کیا تم ہمیشہ کے لیے ہدایت اور فلاح چاہتے ہو اور یہ کہ تمہاری حکومت ہمیشہ تمہارے پاس رہے اور اگر ایسا چاہتے ہو تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر بیعت کرو۔ وہ دروازوں کی طرف اس طرح بھاگنے لگے جس طرح وحشی گدھے بھاگتے ہیں، لیکن دروازے بند تھے۔ اس نے کہا: ان کو میرے پاس لاؤ، پھر ان سے کہا کہ میں تمہیں آزمانا چاہتا تھا۔ میں نے تم سے وہی بات دیکھی جو مجھے پسند تھی، چنانچہ انہوں نے اسے سجدہ کیا اور اس پر راضی ہوئے۔ (زرقانی جلد ۳ ص ۳۳۹)

9

بسم اللہ الرحمن الرحیم، من محمد رسول اللہ الی کسری عظیم فارس، سلام علی من اتبع الھدی، وآمن باللہ ورسولہ، وشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ وان محمدا عبدہ ورسولہ۔ ادعوک بدعایۃ اللہ، فانی رسول اللہ الی الناس کلھم، لینذر من کان حیا ویحق القول علی الکافرین، اسلم تسلم، فان تولیت فعلیک اثم المجوس۔(زادالمعاد ج ۳ ص ۱۷)

اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا ہے۔ (حضرت) محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف سے کسریٰ کی طرف جو فارس (ایران) کی عظیم شخصیت ہے۔ اس پر سلام ہو جو ہدایت کی اتباع کرے اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) پر ایمان لائے اور گواہی دے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور بے شک حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس کے بندے اور رسول ہیں۔ میں تمہیں اللہ کی طرف بلاتا ہوں کیونکہ میں تمام لوگوں کی طرف رسول ہوں تاکہ وہ لوگ جو زندہ ہیں ان کو ڈرایا جائے اور کافروں پر بات ثابت ہو جائے۔ اسلام قبول کرو سلامتی میں رہو گے، اگر تم منہ پھیر لوگے تو (تمام) آتش پرستوں کا گناہ تم پر ہوگا۔

جب اس کے سامنے خط پڑھا گیا تو اس نے اسے پھاڑ دیا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات کی اطلاع ہوئی تو آپ نے فرمایا: اس کا ملک ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔

صحیح بخاری میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث سے ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن حذافہ سہمی کو خط دے کر کسریٰ کی طرف بھیجا اور حکم دیا کہ یہ خط بحرین کے حاکم کو دیں۔ پس بحرین کے حاکم نے اسے کسریٰ کی طرف روانہ کر دیا، جب اس نے دیکھا تو پھاڑ دیا۔ میرا خیال ہے کہ حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے خلاف بددعا فرمائی کہ وہ مکمل طور پر ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں۔ (صحیح بخاری جلد ۲ ص ۷۶۳) یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ خط حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے ہاتھ بھیجا لیکن جو کچھ صحیح بخاری میں ہے وہ صحیح ہے۔

ابو عبید کی کتاب "الاموال" میں عمیر بن اسحق کی مرسل روایت سے ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسریٰ اور قیصر کی طرف مکتوب گرامی لکھا۔ کسریٰ نے یہ مکتوب گرامی پڑھ کر پھاڑ دیا لیکن قیصر نے پڑھنے کے بعد اسے لپیٹا اور عزت و احترام کے ساتھ اٹھایا۔ پس نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ لوگ (کسریٰ) ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گے اور وہ (قیصر اور اس کی اولاد وغیرہ) باقی رہیں گے (کسریٰ کا دورِ حکومت ختم ہو جائے گا اور قیصر کی حکومت باقی رہے گی)۔ (صحیح بخاری جلد ۲ ص ۷۶۳)

ایک روایت میں ہے جب کسریٰ کا جواب آیا تو آپ نے فرمایا: اس کی حکومت ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی اور جب ہرقل (قیصر) کا جواب آیا تو فرمایا: اس کی حکومت باقی رہے گی۔

شیخ الاسلام ابوالفضل ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے فتح الباری میں سیف الدین قلج منصوری سے نقل کرتے

ہوئے لکھا (سیف الدین قلاوونیہ کے امراء میں سے ایک امیر تھے) کہ مغرب کے بادشاہ کے پاس منصور قلاوون کے بادشاہ کی طرف سے ایک تحفہ آیا تو مغرب کے بادشاہ نے وہ تحفہ فرنگ کے بادشاہ کی طرف کسی سفارش کے سلسلے میں بھیجا۔ اس نے قبول کیا اور اس کا اعزاز و احترام کیا اور کہا کہ عنقریب میں تمہیں ایک قیمتی تحفہ دوں گا۔ اس نے ایک صندوق نکالا جو سونے سے مزین تھا۔ اس نے اس میں سے سونے کا قلمدان نکالا پھر اس سے ایک خط نکالا جس کے زیادہ حروف مٹ چکے تھے اور اس کو ریشمی کپڑے میں لپیٹا گیا تھا۔ اس نے کہا: یہ تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا خط ہے جو میرے دادا قیصر کی طرف آیا تھا۔ جب تک یہ خط ہمارے پاس رہے گا اس وقت تک حکومت ہمارے پاس رہے گی، پس ہم اس کی بہت زیادہ حفاظت کرتے ہیں اور اس کی تعظیم کرتے ہیں، نیز اس کو عیسائیوں سے چھپاتے ہیں تاکہ بادشاہت ہمیشہ ہمارے پاس رہے۔

نجاشی بادشاہ کی طرف مکتوب گرامی

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نجاشی بادشاہ کی طرف اس مضمون کا خط لکھا:

بسم الله الرحمن الرحيم، من محمد رسول الله الى النجاشي ملك الحبشة، اما بعد: فاني احمد اليك الله الذي لا اله الا هو، الملك القدوس السلام المؤمن المهيمن، واشهد ان عيسى ابن مريم روح الله وكلمته القاها الى مريم البتول الطيبة الحصينة، فحملت بعيسى فخلقه من روحه، ونفخه كما خلق آدم بيده، واني ادعوك الى الله وحده لا شريك له، والموالاة على طاعته، وان تتبعني وتؤمن بالذي جاء ني، فاني رسول الله، واني ادعوك وجنودك الى الله تعالى، وقد بلغت ونصحت فاقبلوا نصيحتي، وقد بعثت اليكم ابن عمي جعفرا ومعه نفر من المسلمين، والسلام على

اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا ہے۔ اللہ کے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے حبشہ کے بادشاہ نجاشی کی طرف۔ اس کے بعد: میں اللہ تعالیٰ کی حمد کرتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ بادشاہ، پاک، سلامتی والا، امن دینے والا (اور) حفاظت کرنے والا ہے اور میں گواہی دیتا ہوں کہ حضرت عیسیٰ بن مریم (علیہ السلام) اللہ تعالیٰ کی رُوح اور اس کا کلمہ ہیں جو حضرت مریم علیہا السلام کی طرف ڈالا۔ حضرت مریم پاکباز، پاک دامن خاتون تھیں، انہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ حمل ٹھہرا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی رُوح سے پیدا کیا اور پھونک ماری جس طرح حضرت آدم علیہ السلام کو اپنے دست قدرت سے پیدا کیا۔ میں تمہیں اللہ تعالیٰ کی طرف بلاتا ہوں جو ایک ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، اسی کی اطاعت پر باہم دوستی ہوتی ہے۔ تم میری پیروی کرو اور میں جو دین لایا ہوں اس پر ایمان لاؤ بے شک میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں۔ میں تمہیں اور تمہارے لشکر کو اللہ تعالیٰ کی طرف بلاتا ہوں۔ میں نے پیغام پہنچا دیا اور تمہاری

من اتبع الھدی۔ (زاد المعاد ج ۳ ص ۸۱)

خیر خواہی کی، پس میری خیر خواہی کو قبول کرو۔ میں نے اپنے چچازاد بھائی (حضرت) جعفر اور ان کے ساتھ مسلمانوں کی ایک جماعت (رضی اللہ عنہم) کو بھیجا ہے اور ہدایت کی پیروی کرنے والوں پر سلام ہو۔

آپ نے یہ خط حضرت عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ کے ہاتھ بھیجا۔ جب انہوں نے خط پڑھ کر سنایا تو نجاشی نے کہا: میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ (حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ تعالیٰ کے وہ نبی امی ہیں کہ اہلِ کتاب ان کے منتظر تھے اور آپ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خوشخبری ہیں جو انہوں نے دراز گوش کے سوار کے بارے میں دی تھی جیسا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت ہیں جو اونٹ سوار کے بارے میں دی تھی اور ان کو دیکھنا خبر سے زیادہ یقینی نہیں ہے [1] لیکن حبشہ میں میرے معاون تھوڑے ہیں، تم میرا انتظار کرو حتیٰ کہ مددگار زیادہ ہو جائیں اور دل نرم ہو جائیں، پھر نجاشی نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جواب لکھا:

بسم اللہ الرحمن الرحیم، الی محمد رسول اللہ من النجاشی اصحمہ، سلام علیک یارسول اللہ ورحمۃ اللہ وبرکات اللہ الذی لا الہ الا ھو (الذی ھدانی للاسلام) اما بعد: فقد بلغنی کتابک یارسول اللہ، فما ذکرت من امر عیسی، فورب السماء والارض ان عیسی لا یزید علی ما ذکرت ثفروقا انہ کما ذکرت، وقد عرفنا ما بعثت بہ الینا، فاشھد انک رسول اللہ صادقا مصدقا، وقد بایعتک، وبایعت ابن عمک واسلمت علی یدیہ للہ رب العالمین، وقد بعثت الیک ابنی، وان شئت اتیتک بنفسی فعلت یارسول اللہ، فانی اشھد ان ما تقول حق، والسلام علیک ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ (زاد المعاد جلد ۳ ص ۷۱)

اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا ہے۔ اصحمہ نجاشی کی طرف سے اللہ کے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف۔ یارسول اللہ! آپ پر سلام اور اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو اور اس اللہ کی برکتیں ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں (وہ جس نے اسلام کی طرف میری راہنمائی کی) اس کے بعد: یارسول اللہ! مجھے آپ کا مکتوبِ گرامی ملا۔ آپ نے جو کچھ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں لکھا ہے پس آسمان و زمین کے رب کی قسم! حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس پر کھجور کے دھاگے سے بھی زیادہ نہیں۔ ان کا وہی مقام ہے جو آپ نے ذکر کیا، ہم نے اس چیز کو جان لیا جس کے ساتھ آپ کو بھیجا گیا پس میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں، سچے ہیں اور آپ کی سچائی مسلم ہے۔ میں نے آپ کی بیعت کی اور آپ کے چچازاد بھائی کی بیعت کی اور ان کے ہاتھ پر اللہ تعالیٰ کے لیے اسلام قبول کیا جو کہ تمام جہانوں کو پالنے والا ہے۔ میں آپ کی طرف اپنے بیٹے کو بھیج رہا ہوں، اگر آپ چاہیں کہ میں خود حاضر ہوں تو میں ایسا کروں گا۔

[1] مجھے ان کو دیکھے بغیر بھی بہت زیادہ یقین حاصل ہے۔

یارسول اللہ! میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ نے جو کچھ فرمایا وہ حق ہے، آپ پر سلام ہو اور اللہ تعالیٰ کی رحمت اور برکات ہوں۔

اس کے بعد ان لوگوں کے اور جن کو حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے ہمراہ بھیجا تھا اپنے بیٹے کو بھی بھیجا۔ جب وہ دریا کے درمیان پہنچے تو ڈوب گئے۔[1]

حضرت جعفر رضی اللہ عنہ اور آپ کے ساتھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچ گئے اور یہ ستر افراد تھے جن پر اونی کپڑے تھے۔ ان میں سے باسٹھ کا تعلق حبشہ سے تھا اور آٹھ شام سے تعلق رکھتے تھے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر آخر تک سورۂ یٰسین پڑھی، چنانچہ وہ قرآن پاک (کی تلاوت) سنتے ہی رونے لگے اور ایمان لے آئے۔ انہوں نے کہا: یہ اس کلام کے کس قدر مشابہ ہے، جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر اترا ہے۔ ان ہی لوگوں کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی:

وَلَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰى ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيْسِيْنَ وَرُهْبَانًا وَّاَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ۔ (المائدہ: ۸۲)

اور ضرور مسلمانوں کی دوستی میں سب سے زیادہ قریب ان کو پاؤ گے جو کہتے ہیں ہم نصاریٰ ہیں یہ اس لیے کہ ان میں عالم اور درویش ہیں اور یہ غرور نہیں کرتے۔

کیونکہ یہ لوگ عبادت خانوں والے تھے (یعنی عیسائی قوم کے عبادت گزار لوگ تھے)

یہ (شاہ حبشہ) وہی اصحمہ ہیں جن کی طرف مسلمانوں نے نبوت کے پانچویں سال ماہ رجب المرجب میں ہجرت کی تھی، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مکتوبِ گرامی لکھ کر ۶ھ میں حضرت عمرو ابن امیہ ضمری کے ہاتھ بھیجا اور اسلام کی دعوت دی، پس وہ ایمان لے آئے اور حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا۔ نجاشی بادشاہ (اصحمہ) کی وفات رجب ۹ھ میں ہوئی اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ طیبہ میں ان کی وفات کی خبر دی اور نماز جنازہ پڑھی۔

وہ نجاشی جو اس پہلے نجاشی (اصحمہ) کے بعد برسر اقتدار آیا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی طرف خط لکھ کر اسے اسلام کی دعوت دی وہ کافر تھا۔ نہ اس کا اسلام لانا معروف ہے اور نہ ہی اس کے نام کا علم ہے۔ بعض لوگوں نے دونوں کے درمیان تمیز نہیں کی اور خلط ملط کر دیا۔

صحیح مسلم میں حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسریٰ، قیصر، نجاشی اور تمام جابر حکمرانوں کو خطوط لکھ کر ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف بلایا اور یہ وہ نجاشی نہیں جس پر آپ نے نماز جنازہ پڑھی تھی۔ (صحیح مسلم جلد ۲ ص ۹۹)

---

[1] یعنی اس کا بیٹا اور اس کے ہمراہی ڈوب گئے۔ (زرقانی جلد ۳ ص ۳۴۵)

مقوقس کی طرف مکتوبِ گرامی

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مصر اور اسکندریہ کے بادشاہ مقوقس کی طرف خط لکھا۔ اس کا نام جریج ابن مینا تھا۔ اس خط کا مضمون یہ تھا:

بسم اللہ الرحمن الرحیم، من محمد عبداللہ ورسولہ، الی المقوقس عظیم القبط، سلام علی من اتبع الھدی، اما بعد: فانی ادعوک بدعایة الاسلام، اسلم تسلم، یؤتک اللہ اجرک مرتین، فان تولیت فعلیک اثم القبط، یا اھل الکتاب تعالوا الی کلمة سواء بیننا وبینکم الا نعبد الا اللہ ولا نشرک بہ شیئا ولا یتخذ بعضنا بعضا اربابا من دون اللہ فان تولوا فقولوا اشھدوا بانا مسلمون۔ (زاد المعاد ج ۳ ص ۸۲)

اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا ہے۔ حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف سے جو اللہ تعالیٰ کے بندے اور رسول ہیں مقوقس کی طرف جو قبطیوں کا سربراہ ہے۔ اس پر سلامتی ہو جو ہدایت کی راہ پر چلتا ہے۔ ابتدائیہ کلمات کے بعد: میں تمہیں اسلام کی طرف بلاتا ہوں اسلام قبول کرو سلامتی حاصل کرو گے۔ اللہ تعالیٰ تمہیں دوگنا اجر عطا کرے گا اور اگر منہ پھیرو گے تو تم پر قبطیوں (کے اسلام نہ لانے) کا گناہ بھی ہوگا۔ اے اہلِ کتاب! آؤ ایک ایسے کلمہ کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان برابر ہے۔ یہ کہ ہم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت نہیں کریں اور نہ اس کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرائیں اور نہ ہی ہم میں سے بعض دوسرے بعض کو رب مانیں گے، پس اگر وہ نہ مانیں تو کہہ دو کہ تم گواہ رہو ہم مسلمان ہیں۔

یہ خط نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حاطب بن ابی بلتعہ کو دے کر مصر کی طرف بھیجا تو انہوں نے اس (مقوقس) کو اسکندریہ میں پایا تو آپ وہاں گئے اور اس کو دریا کے کنارے ایک مجلس میں دیکھا چنانچہ آپ کشتی پر سوار ہوئے اور اس کی مجلس کے بالمقابل جا کر خط مبارک کے ساتھ اشارہ کیا۔

مقوقس نے دیکھا تو آپ کو اپنے سامنے حاضر کرنے کا حکم دیا۔ جب حضرت حاطب کو اس کے پاس لایا گیا اور آپ اس کے سامنے کھڑے ہوئے تو اس نے مکتوبِ گرامی دیکھا اس کی مہر توڑ کر پڑھا اور حضرت حاطب سے کہا: اگر وہ نبی ہیں تو ان کو کس چیز نے روکا کہ وہ میرے خلاف بددُعا کر کے مجھ پر مسلط ہو جائیں؟

حضرت حاطب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو کس بات نے منع کیا تھا کہ وہ اپنے مخالفین کے خلاف بددُعا کر کے ان پر مسلط ہو جاتے۔ دو تین مرتبہ ان سے سوال کا جواب طلب کیا پھر خاموش ہو گئے۔

حضرت حاطب نے اس سے فرمایا: تم سے پہلے ایک شخص تھا جو گمان کرتا تھا کہ وہ ربِ اعلیٰ ہے، پس اللہ تعالیٰ نے اسے پہلوں اور پچھلوں کے لیے عبرت بنا دیا۔ اس کے ذریعے انتقام لیا، پھر اس سے انتقام لیا، پس تم دوسروں سے عبرت حاصل کرو، ایسا نہ ہو کہ دوسرے تم سے عبرت حاصل کریں۔ اس نے کہا: ہمارا ایک دین ہے، ہم اسے

صرف اس دین کے لیے چھوڑ سکتے ہیں جو اس سے بہتر ہو۔

حضرت حاطب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہم تمہیں دینِ اسلام کی طرف بلاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ دوسرے ادیان کی جگہ بھی اس کے ساتھ کفایت عطا فرماتا ہے۔ اس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو بلایا تو قریش نے ان (نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم) پر سب سے زیادہ سختی کی، یہودیوں نے سب سے زیادہ دشمنی کی اور عیسائی ان کے زیادہ قریب ہوئے۔ مجھے اپنی عمر کی قسم! حضرت موسیٰ علیہ السلام کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت دینا اسی طرح ہے جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت دی اور ہمارا تمہیں قرآن کی طرف بلانا اسی طرح ہے جس طرح تم تورات والوں کو انجیل کی طرف بلاتے تھے۔ جس نبی نے جس قوم کو پایا وہ اسی نبی کی امت ہے، پس ان پر لازم ہے کہ وہ اس نبی کی اطاعت کریں اور تم نے اس نبی (حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کو پایا، پس ہم تمہیں حضرت مسیح علیہ السلام کے دین سے منع نہیں کرتے لیکن تمہیں اس دین کو اختیار کرنے کا مشورہ دیتے ہیں۔

مقوقس نے کہا: میں نے اس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے معاملے میں (دین میں) غور کیا تو میں نے اسے اس طرح پایا کہ جس چیز کی رغبت نہ ہو اس کا حکم نہیں دیتے اور جو چیز مرغوب ہو اس سے روکتے نہیں اور میں نے ان کو گمراہ جادوگر نہیں پایا اور نہ جھوٹا نجومی پایا اور میں نے ان کے ساتھ علاماتِ نبوت کو پایا کہ وہ غیب کی خبریں دیتے ہیں (کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے نبیوں کو غیب کی خبروں پر مطلع کرتا ہے)

چنانچہ اس نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مکتوبِ گرامی لے لیا اور اسے ہاتھی دانت کی ڈبیہ میں رکھ دیا جو اس کی لونڈی کے پاس تھی پھر اپنے عربی کاتب کو بلا کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف خط لکھا:

بسم الله الرحمن الرحيم، لمحمد بن عبدالله من المقوقس عظيم القبط، اما بعد: فقد قرات كتابك وفهمت ما ذكرت فيه وما تدعو اليه، وقد علمت ان نبيا قد بقي، وكنت اظن ان يخرج بالشام، وقد اكرمت رسولك وبعثت اليك بجاريتين لهما مكان من القبط عظيم، وبكسوة واهديت اليك بغلة لتركبها والسلام۔ (زاد المعاد ۳/ ۸۲)

اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا ہے۔ قبطیوں کے سربراہ مقوقس کی طرف سے محمد بن عبداللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف ان کلمات کے بعد: میں نے آپ کا مکتوبِ گرامی پڑھا اور آپ نے اس میں جو کچھ لکھا ہے اور جس بات کی دعوت دی ہے اس کو سمجھ گیا۔ میں جانتا ہوں کہ ایک نبی کی آمد باقی ہے اور میرا خیال تھا کہ وہ ملک شام سے ظاہر ہوگا۔ میں نے آپ کے پیغام رساں کی عزت کی اور آپ کی طرف دو ایسی لونڈیاں بھیجی ہیں جن کا قبطیوں کے ہاں بہت بڑا مقام ہے، لباس بھی بھیجا اور ایک خچر جس پر آپ سوار ہوں اور آپ پر سلامتی ہو۔۔۔

نہ تو ان الفاظ سے کچھ زیادہ کہا اور نہ ہی اس نے اسلام قبول کیا۔

منذر کی طرف مکتوبِ گرامی

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے منذر بن ساوی کی طرف بھی مکتوبِ گرامی ارسال کیا۔

واقدی نے اپنی سند سے حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا، وہ فرماتے ہیں: میں نے یہ مکتوب گرامی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی کتب میں ان کے وصال کے بعد پایا تو میں نے اسے نقل کیا۔ اس کے الفاظ یوں تھے:

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علاء بن حضرمی رضی اللہ عنہ کو منذر بن ساوی کی طرف بھیجا اور ایک خط لکھ کر اسے اسلام کی دعوت دی۔ منذر نے (جواباً) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لکھا۔ اما بعد: اے اللہ کے رسول! میں نے آپ کا مکتوبِ گرامی بحرین والوں کے سامنے پڑھا تو ان میں سے بعض نے اسلام کو پسند کیا اور اس میں داخل ہو گئے جب کہ ان میں سے کچھ نے ناپسند کیا اور میرے علاقہ میں یہودی اور مجوسی رہتے ہیں، ان کے بارے میں مجھے اپنا نقطۂ نظر لکھیں۔ پس نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی طرف یوں لکھا:

بسم اللہ الرحمن الرحیم، من محمد رسول اللہ الی المنذر بن ساوی، سلام علیک فانی احمد الیک اللہ الذی لا الہ الا ھو، واشھد ان لا الہ الا اللہ وان محمدا رسول اللہ، اما بعد: فانی اذکرک اللہ عزوجل، فانہ من ینصح فانما ینصح لنفسہ، وانہ من یطع رسلی ویتبع امرھم فقد اطاعنی، ومن نصح لھم فقد نصح لی، وان رسلی قد اثنوا علیک خیرا، وانی قد شفعتک فی قومک، فاترک للمسلمین ما اسلموا علیہ، وعفوت عن اھل الذنوب فاقبل منھم، وانک مھما تصلح فلن نعزلک عن عملک، ومن اقام علی یھودیتہ او مجوسیتہ فعلیہ الجزیۃ۔ (زاد المعاد ۳/ ۸۳)

اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا ہے۔ اللہ کے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے منذر بن ساوی کی طرف۔ تم پر سلام ہو، میں تمہارے سامنے اس اللہ کی تعریف کرتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور بے شک حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ اس شہادت کے بعد: میں تمہیں اللہ تعالیٰ کی یاد دلاتا ہوں جو شخص نصیحت پکڑتا ہے تو اپنے لیے ہی نصیحت حاصل کرتا ہے، پس جس نے میرے نمائندوں کی اطاعت کی اور ان کے معاملے کی پیروی کی بے شک اس نے میری بات مانی اور جس نے ان کی خیرخواہی کی اس نے میری خیرخواہی کی اور میرے نمائندوں نے تمہاری تعریف کی ہے اور میں نے تمہاری قوم کے بارے میں تمہاری سفارش کو منظور کیا، پس مسلمانوں کو اس بات پر چھوڑ دو جس پر وہ مسلمان ہوئے اور نافرمانی کرنے والوں کو میں نے معاف کیا، پس ان سے قبول کرو اور جب تم اصلاح کی راہ اختیار کرو گے تو ہم تمہیں تمہارے منصب سے معزول نہیں کریں گے اور جو

شخص یہودیت اور مجوسیت پر قائم رہے اس پر جزیہ لازم ہو گا۔

عمان کے دو حکمرانوں کی طرف مکتوب گرامی

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عمان کے دو بادشاہوں کی طرف مکتوب گرامی لکھا اور حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے ہاتھ بھیجا۔ اس کا مضمون یوں تھا:

بسم الله الرحمن الرحيم، من محمد عبدالله ورسوله الى جيفر۔ بفتح الجيم وسكون التحتية بعدها فاء۔ وعبد ابنى الجلندى: السلام على من اتبع الهدى، اما بعد: ادعو كما بدعاية الاسلام، اسلما تسلما، فانى رسول الله الى الناس كافه، لانذر من كان حيا ويحق القول على الكافرين، وانكما ان اقررتما بالاسلام وليتكما، وان ابيتما ان تقرا بالاسلام فان ملككما زائل عنكما، وخيلى تحل بساحتكما، وتظهر نبوتى على ملككما۔ (زادالمعاد ۳ / ۸۳)

اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا ہے۔ اللہ کے بندے اور اس کے رسول (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف سے جیفر (جیم پر زبر اور یاء ساکن اس کے بعد فاء ہے) اور عبد کی طرف جو جلندی کے بیٹے ہیں۔ (یعنی دونوں) ہدایت کی پیروی کرنے والے پر سلام ہو۔ اس کے بعد: میں تم دونوں کو اسلام کی طرف بلاتا ہوں اسلام قبول کرو سلامتی پاؤ گے، بے شک میں تمام لوگوں کی طرف رسول (بنا کر بھیجا گیا) ہوں تاکہ ان لوگوں کو ڈراؤں جو (اسلام کے ساتھ) زندہ رہنا چاہتے ہیں اور کافروں پر بات ثابت ہو جائے۔ اگر تم اسلام کا اقرار کرو تو میں تمہیں حکومت پر برقرار رکھوں گا اور اگر اسلام کا اقرار کرنے سے انکار کرو تو تمہاری حکومت تم سے چلی جائے گی اور میرا لشکر تمہاری سرزمین پر اترے گا اور تمہارے ملک میں میری نبوت ظاہر ہو جائے گی۔

یہ خط حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے لکھا اور آخر میں مہر ثبت کر دی۔

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں (مدینہ طیبہ سے) نکلا حتی کہ عمان پہنچ گیا۔ جب میں وہاں پہنچا تو میں نے عبد کے پاس جانے کا ارادہ کیا کیونکہ وہ دونوں بھائیوں میں سے زیادہ بُردبار اور نرم اخلاق کا مالک تھا۔ میں نے کہا میں اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا نمائندہ ہوں جو تمہارے اور تمہارے بھائی کے پاس آیا ہوں۔ اس نے کہا: میرا بھائی عمر اور بادشاہی کے اعتبار سے مجھ پر مقدم ہے، میں تمہیں اس تک پہنچاتا ہوں تاکہ تو اپنا (لایا ہوا) خط اس کے سامنے پڑھے۔

اس کے بعد اس نے پوچھا کہ تم کس بات کی دعوت دے رہے ہو؟ میں نے کہا: میں تمہیں اللہ تعالیٰ کی طرف بلاتا ہوں جو ایک ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں۔ اس کے سوا جس کی پُوجا کی جاتی ہے اسے چھوڑ دو اور

گواہی دو کہ بے شک حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور رسول ہیں۔ اس نے کہا: اے عمرو! تم اپنی قوم کے سردار کے بیٹے ہو تو تمہارے باپ نے کیسا راستہ اختیار کیا ہے؟ ہم اس کے پیچھے چلیں گے۔ میں نے کہا: میرا باپ فوت ہو گیا اور وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہیں لایا، میں تو اس بات کو پسند کرتا تھا کہ وہ اسلام لاتا اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کرتا۔ میں بھی اسی کی رائے کے مطابق چلتا تھا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کی طرف میری راہنمائی فرمائی۔ عبد نے کہا: تم نے کب اس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کی؟ میں نے کہا: تھوڑا عرصہ پہلے۔ اس نے کہا: تم نے کس جگہ اسلام قبول کیا؟ میں نے کہا: نجاشی بادشاہ کے ہاں۔ اس نے کہا: نجاشی کی قوم نے اس کی حکومت کے حوالے سے اس کے ساتھ کیا سلوک کیا؟ میں نے کہا: انہوں نے اسے اس پر برقرار رکھا اور اس کی پیروی کی ہے۔ اس نے کہا: کیا مذہبی راہنماؤں اور تارک دنیا قسم کے لوگوں نے بھی ان کی اتباع کی ہے؟ میں نے کہا: ہاں کی ہے۔ اس نے کہا: اے عمرو! دیکھو کیا کہہ رہے ہو، جھوٹے شخص سے زیادہ ذلیل کوئی نہیں ہوتا۔ میں نے کہا: میں نے جھوٹ نہیں بولا اور نہ ہی ہمارے دین میں جھوٹ بولنا جائز ہے۔ اس کے بعد اس نے کہا کہ مجھے بتائیے وہ نبی کن باتوں کا حکم دیتے اور کن باتوں سے روکتے ہیں؟ میں نے کہا: وہ اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کا حکم دیتے اور اس کی نافرمانی سے روکتے ہیں۔ نیکی اور صلہ رحمی کا حکم دیتے اور ظلم و زیادتی نیز زنا، شراب نوشی، پتھروں اور بتوں اور صلیب کی پُوجا سے روکتے ہیں۔ اس نے کہا: جن امور کی طرف وہ بلاتے ہیں وہ کیا ہی اچھی باتیں ہیں، اگر میرا بھائی میرے پیچھے چلے تو ہم سوار ہو کر جائیں، حتیٰ کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائیں اور ان کی تصدیق کریں، لیکن میرا بھائی اپنی حکومت کو چھوڑنے کے سلسلے میں بہت بخیل ہے اور وہ اسے گناہ سمجھتا ہے۔ میں نے کہا: اگر وہ اسلام قبول کر لے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اسے اس کی قوم پر بطور حکمران برقرار رکھیں گے، پس وہ اپنے مالداروں سے زکوٰۃ وصول کر کے ان کے فقراء پر خرچ کرے۔ اس نے کہا: یہ بہت اچھا وصف ہے اور صدقہ کیا ہے؟

(فرماتے ہیں) میں نے اسے بتایا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مالوں میں جو صدقات لازم کیے ہیں، وہ صدقہ ہے، حتیٰ کہ جب میں اونٹوں کے ذکر تک پہنچا تو اس نے کہا: اے عمرو! کیا ہمارے چرنے والے جانوروں سے زکوٰۃ لی جائے گی جو درختوں سے خوراک حاصل کرتے اور پانی پر جاتے ہیں؟ میں نے کہا: ہاں! اس نے کہا: اللہ کی قسم! میں اپنی قوم کو نہیں دیکھتا جن کے گھر دُور اور تعداد زیادہ ہے اس بات کو مانیں۔

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں کئی دن تک اس کے ہاں ٹھہرا رہا اور وہ میری ہر بات اپنے بھائی تک پہنچاتا، پھر ایک دن اس نے مجھے بلایا تو میں اس کے پاس گیا تو اس کے معاونین نے میرے دونوں بازوؤں کو پکڑا۔ اس نے کہا: ان کو چھوڑ دو، چنانچہ مجھے چھوڑ دیا گیا۔ میں بیٹھنے لگا تو انہوں نے مجھے بیٹھنے نہ دیا۔

اس نے کہا: اپنی حاجت بیان کرو۔ میں نے مہر زدہ مکتوبِ گرامی اسے دیا تو اس نے مہر توڑ کر پڑھا، حتیٰ کہ آخر تک پہنچا، پھر اپنے بھائی کو دیا تو اس نے بھی اسی کی طرح پڑھا، البتہ میں نے دیکھا کہ اس کا بھائی اس کے مقابلے میں نرم طبیعت ہے۔

اس نے کہا: کیا تم مجھے قریش کے بارے میں نہیں بتاؤ گے کہ انہوں نے کیا طریقہ اختیار کیا؟
میں نے کہا: انہوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کی یا تو دین میں رغبت رکھتے ہوئے یا تلوار سے مغلوب ہو کر۔۔۔

اس نے پوچھا: اس نبی کے ساتھ کون ہیں؟ میں نے کہا: لوگوں نے اسلام میں رغبت کی اور اس دین کو دوسرے ادیان پر ترجیح دی اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کی ہدایت اور اپنی عقلوں کے ذریعے اس کو پہچانا، جب کہ وہ گمراہی میں تھے، میں تمہارے علاوہ کسی کو نہیں جانتا، جو اس علاقے میں اسلام قبول کیے بغیر رہا ہو اور اگر تم اسلام قبول نہیں کرو گے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع نہیں کرو گے تو لشکر تمہیں روند ڈالیں گے، پس اسلام لاؤ سلامتی پاؤ گے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تمہیں تمہاری قوم پر تمہاری حکمرانی برقرار رکھیں گے اور سوار اور پیدل لشکر تم پر داخل نہیں ہوں گے۔
بادشاہ نے کہا: مجھے آج کے دن چھوڑ دو اور کل دوبارہ آنا۔

فرماتے ہیں: میں اس کے بھائی (عبد) کے پاس آیا تو اس نے کہا: اے عمرو! مجھے امید ہے کہ وہ اسلام کو قبول کر لے گا اگر اس نے اپنی بادشاہی پر بخل نہ کیا۔ حتیٰ کہ جب دوسرا دن ہوا تو میں اس کے پاس آیا لیکن اس نے مجھے اجازت دینے سے انکار کر دیا۔ میں اس کے بھائی کی طرف گیا اور اسے بتایا کہ میں اس (جیفر) تک نہیں پہنچ سکا۔ اس نے مجھے اس تک پہنچایا تو اس نے کہا: میں تمہاری دعوت پر غور و فکر کرتا رہا، پس اب میں تمام عرب کے مقابلے میں زیادہ کمزور ہوں، جو کچھ میرے پاس ہے اگر میں ایک شخص کے حوالے کر دوں تو اس کا لشکر یہاں تک نہیں پہنچے گا اور اگر اس کا لشکر یہاں پہنچ جائے تو مجھے لڑنا پسند ہو گا، وہ اس شخص کے لڑنے کی طرح نہیں ہو گا جس سے میرا مقابلہ ہو۔

میں نے کہا کہ میں کل جا رہا ہوں۔ جب اسے میرے جانے کا یقین ہو گیا تو اس کا بھائی اسے علیحدگی میں لے گیا اور صبح مجھے بلا بھیجا، پس وہ دونوں بھائی مسلمان ہو گئے اور انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کی اور میرے اور صدقہ کے درمیان (یعنی ان کا جو حکم تھا اس میں) حائل نہ ہوئے اور جن لوگوں نے میری مخالفت کی ان کے خلاف میرے مددگار بن گئے۔

یمامہ کے حکمران کے نام مکتوبِ گرامی

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یمامہ کے حکمران ہوذہ بن علی کی طرف خط لکھا اور یہ خط سلیط ابن عمرو عامری کے ہاتھ بھیجا۔ اس خط کا مضمون یوں تھا:

بسم اللہ الرحمن الرحیم، من محمد رسول اللہ الی ہوذۃ بن علی، سلام علی من اتبع الھدی، واعلم ان

اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا ہے۔ اللہ کے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ہوذہ بن علی کی طرف، اس پر سلام ہو جو ہدایت کی

دینی سیظھر الی منتھی الکف والحافر، فاسلم تسلم، واجعل لک ماتحت یدک۔ (زادالمعاد لابن قیم ۳/ ۸۴)

پیروی کرتا ہے، جان لو کہ عنقریب میرا دین وہاں تک پہنچے گا جہاں تک اونٹوں اور گھوڑوں کے قدم پہنچتے ہیں۔ پس تم اسلام لاؤ سلامتی پاؤ گے، جو کچھ تمہارے پاس ہے اسے تمہارے ہی حوالے کر دوں گا۔

جب حضرت سلیط ابن عمرو عامری رضی اللہ عنہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مہر لگا ہوا خط لے کر آئے تو اس نے ان کو اتارا اور عطیہ دیا۔ اور اس کے سامنے خط پڑھا گیا اس نے نرمی کے ساتھ رد کیا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لکھا: آپ جس بات کی طرف اور جس مقصد کے لیے بلا رہے ہیں وہ کیا ہی اچھا ہے اور عرب میری شدت کی وجہ سے میری تعظیم کرتے اور مجھ سے ڈرتے ہیں۔ آپ بعض کام میرے سپرد کر دیں میں آپ کی اتباع کروں گا۔ اس نے حضرت سلیط رضی اللہ عنہ کو انعام واکرام دیا اور مقام ہجر کے بنے ہوئے کپڑے پہنائے۔

حضرت سلیط نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے اور خبر دی، نیز نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا خط پڑھا اور فرمایا: اگر وہ مجھ سے زمین کا ایک ٹکڑا مانگتا تو میں ایسا نہ کرتا، وہ ہلاک ہوا اور جو کچھ اس کے پاس ہے وہ اس سے چلا گیا۔

جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ سے واپس تشریف لائے تو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے حاضر ہو کر بتایا کہ ہوذہ کا انتقال ہو گیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سنو! یمامہ میں عنقریب ایک بہت جھوٹا شخص ظاہر ہو گا جو نبوت کا دعویٰ کرے گا اور وہ میرے بعد قتل ہو گا پس اسی طرح ہوا۔[1]

ابن ابی شمر کی طرف گرامی نامہ

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حارث بن ابی شمر غسانی کی طرف خط لکھا اور وہ دمشق میں تھا۔

اس خط کا مضمون اس طرح ہے:

اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا ہے۔

اللہ کے رسول (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف سے حارث بن ابی شمر کی طرف، سلام ہو اس پر جو ہدایت کی پیروی کرے، اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اور اس کی تصدیق کرے۔ میں تمہیں دعوت دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لاؤ جو ایک ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، تمہارے لیے تمہاری بادشاہی باقی رہے گی۔

یہ خط آپ نے حضرت شجاع بن وہب رضی اللہ عنہ کے ہاتھ بھیجا۔

---

[1] معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو مستقبل کے واقعات پر مطلع فرمایا۔ نہ معلوم منکرین کو یہ روایات کیوں نظر نہیں آتیں، اللہ تعالیٰ ہدایت عطا فرمائے... ۱۲ ہزاروی۔

داریوں کی طرف مکتوبِ گرامی

"باعث النفوس" کے مصنف (شیخ الاسلام برہان الدین ابراہیم فزاری) نے فرمایا کہ ابو ہند داری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ہم چھ افراد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے (یہ چھ افراد) حضرت تمیم بن اوس داری اور ان کے بھائی نعیم (بن اوس داری)، یزید بن قیس، ابو عبداللہ بن عبداللہ جو اس حدیث کے راوی ہیں (اور اس طرح ان کی کنیت ابو ہند اور ابو عبداللہ بھی ہو گی) اور ان کے بھائی طیب بن عبداللہ جن کا نام نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عبدالرحمٰن رکھا تھا اور (چھٹے) فاکہ بن نعمان تھے (رضی اللہ عنہم) پس ہم سب نے اسلام قبول کیا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ آپ ہمیں شام کے علاقے سے کچھ زمین عطا فرمائیں؟ آپ نے فرمایا: جہاں سے چاہو مانگو۔

حضرت ابو ہند رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے ہٹ کر ایک طرف ہو گئے تاکہ باہم مشورہ کریں کہ کس جگہ کے بارے میں سوال کریں۔

حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میرا خیال ہے کہ بیت المقدس اور اس کے اردگرد کا علاقہ طلب کریں۔ اس پر حضرت ابو ہند رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جو اس وقت ہے کیا وہ بیت المقدس نہیں ہے۔ حضرت تمیم رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہاں ہے۔ اس پر ابو ہند نے فرمایا: اس طرح اس میں عرب کا ملک بھی ہو گا اور مجھے ڈر ہے کہ ہمیں یہ مکمل طور پر نہ دیا جائے۔ حضرت تمیم نے فرمایا: بیت جبرون اور اس کے گردونواح کا مطالبہ کرتے ہیں۔ حضرت ابو ہند نے فرمایا: یہ بہت بڑا ہے، بہت بڑا ہے (یعنی بیت المقدس سے بڑا ہے) حضرت تمیم رضی اللہ عنہ نے فرمایا: آپ کا کیا خیال ہے ہم کس جگہ کا سوال کریں؟ حضرت ابو ہند رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میرا خیال ہے کہ ان بستیوں کا سوال کریں جن میں ہم قلعے بنائیں اور اس کے ساتھ ساتھ وہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے آثار بھی ہیں۔

حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ نے فرمایا: آپ نے درست فیصلہ کیا اور آپ کو توفیق حاصل ہوئی۔

فرماتے ہیں: پس ہم وہاں سے اٹھ کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے فرمایا: اے تمیم! تم کونسی بات پسند کرتے ہو، تم اپنے فیصلے کی خبر دیتے ہو یا ہم تمہیں بتائیں؟ حضرت تمیم رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ ہمیں بتائیں، اس طرح ہمارا ایمان بڑھ جائے گا۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے تمیم! تم نے ایک ارادہ کیا اور ابو ہند کا ارادہ دوسرا تھا اور ابو ہند کی رائے بہتر ہے، چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے چمڑے کا ایک ٹکڑا طلب فرمایا اور ان دونوں کے لیے ایک تحریر رقم فرمائی[1] جس کا مضمون اس طرح ہے:

---

[1] غور کیجئے وہ آپس میں مشورہ کرتے ہیں اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر ہو جاتی ہے۔ یہ غیب کا علم نہیں تو اور کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو مطلع فرمایا، یہی اہلِ سنّت و جماعت کا مذہب ہے۔ اللہ تعالیٰ خارجیوں کو ہدایت دے کہ وہ حقائق کو تسلیم کریں.... ۱۲ ہزاروی۔

بسم الله الرحمن الرحیم، هذا کتاب ذکر فیه ما وهب رسول الله صلی الله علیه وسلم للداریین اذا اعطاه الله الارض، وهب لهم بیت عینون و حبرون والمرطوم وبیت ابراهیم ومن فیهم الی ابد الابد.

اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا ہے۔ یہ تحریر ہے جس میں اس چیز کا ذکر ہے جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم داریین (داری کی جمع) کو عطا فرمائیں گے جب اللہ تعالیٰ آپ کو زمین عطا فرمائے گا۔ آپ نے ان کو بیت عینون، حبرون، مرطوم، بیت ابراہیم اور جو لوگ وہاں رہتے ہیں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے عطا فرما دیے۔

حضرت عباس ابن عبدالمطلب، حضرت خزیمہ بن قیس اور حضرت شرحبیل بن حسنہ رضی اللہ عنہم اس پر گواہ ہوئے اور حضرت شرحبیل رضی اللہ عنہ نے اسے تحریر بھی فرمایا۔

حضرت ابو ہند فرماتے ہیں: پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم وہ تحریر لے کر اندر تشریف لے گئے اور رقعہ مبارکہ کے ایک کنارے پر کوئی چیز لگائی جس کی پہچان نہیں ہوتی تھی اور اس رقعہ مبارکہ کے باہر دو گرہیں لگائیں اور پھر اسے لے کر باہر ہمارے پاس تشریف لائے اور وہ مکتوبِ گرامی لپیٹا ہوا تھا اور آپ فرما رہے تھے:

اِنَّ اَوۡلَی النَّاسِ بِاِبۡرٰهِیۡمَ لَلَّذِیۡنَ اتَّبَعُوۡهُ وَهٰذَا النَّبِیُّ وَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَاللّٰهُ وَلِیُّ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ۔ (آل عمران: ۶۸)

بے شک لوگوں میں سے (حضرت) ابراہیم (علیہ السلام) کے زیادہ قریب وہ لوگ ہیں جنہوں نے ان کی پیروی کی اور یہ نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور اللہ تعالیٰ مومنوں کا مددگار ہے۔

پھر فرمایا: واپس جاؤ، حتیٰ کہ تم سنو کہ میں نے ہجرت کر لی ہے۔[1]

حضرت ابو ہند رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: پس ہم واپس چلے گئے، پھر جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت فرمائی تو ہم حاضر ہوئے اور ہم نے عرض کیا کہ ہمیں ایک نئی تحریر عنایت فرمائیں، تو آپ نے ایک دوسرا خط لکھا جس کی تحریر میں یوں تحریر تھا:

بسم الله الرحمٰن الرحیم: هذا ما انطی محمد رسول الله لتمیم الداری واصحابه، انی انطیتکم بیت عینون وحبرون والمرطوم وبیت ابراهیم برمتهم وجمیع ما فیهم نطیة بت ونفذت وسلمت ذلک لهم ولا عقابهم ابد الابد، فمن آذاهم فیه

اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا ہے۔ اللہ کے رسول (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف سے تمیم داری اور ان کے ساتھیوں کی طرف یہ عطیہ ہے۔ میں تمہیں بیت عینون، حبرون، مرطوم اور بیت ابراہیم اور جو کچھ اس میں ہے سب کچھ بطور عطیہ دیتا ہوں اور میں نے یہ ان کو اور ان کی اولاد کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے سونپ دیا، پس جس نے ان کو اس میں اذیت پہنچائی

[1] مدینہ طیبہ کی طرف واپسی مراد ہے اور اسے مجازاً ہجرت کہا گیا کیونکہ وہ لوگ آپ کے پاس اس وقت حاضر ہوئے جب آپ تبوک سے واپس تشریف لائے۔ (زرقانی جلد ۳ ص ۳۵۹)

آذاه اللہ۔ اس نے اللہ تعالیٰ کو اذیت دی۔

اس پر حضرت ابوبکر بن ابی قحافہ، حضرت عمر بن خطاب، حضرت عثمان بن عفان، حضرت علی بن ابی طالب اور حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہم گواہ قرار پائے اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اسے لکھا (ایک روایت میں ہے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے لکھا۔ یہ بھی آیا کہ ان دونوں کے علاوہ کسی نے لکھا)

جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو خلافت حاصل ہوئی اور لشکر شام کی طرف گئے تو آپ نے ایک خط لکھا جس کا مضمون یوں تھا:

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ من ابی بکر الصدیق الی ابی عبیدة بن الجراح، سلام علیک، فانی احمد الیک اللہ الذی لا الہ الا ھو۔ اما بعد: فامنع من کان یؤمن باللہ والیوم الاخر من الفساد فی قری الداریین، وان کان اھلھا قد جلوا عنھا واراد الداریون یزرعونھا فلیزرعوھا (بلا خراج) واذا رجع الیھا اھلھا فھی لھم واحق بھم والسلام علیک۔

اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا ہے۔ (حضرت) ابوبکر (صدیق رضی اللہ عنہ) کی طرف سے حضرت ابوعبیدہ بن جراح (رضی اللہ عنہ) کی طرف۔ آپ پر سلام ہو! میں آپ کے سامنے اللہ تعالیٰ کی حمد کرتا ہوں وہ اللہ جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ حمد و ثنا کے بعد: جو شخص اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے میں اسے داریوں کی بستیوں میں فساد کرنے سے روکتا ہوں۔ اگر وہاں کے رہنے والوں کو علاقہ بدر کر دیا گیا ہو اور داریوں نے وہاں کھیتی باڑی کا ارادہ کیا ہو تو وہ (خراج کے بغیر) کھیتی باڑی کر سکتے ہیں اور جب وہاں کے رہنے والے وہاں واپس آجائیں تو وہ زمین ان کی ہے اور وہی اس کے زیادہ حقدار ہیں، آپ پر سلام ہو۔

یہ خط کتاب "الاحصاء بفضائل المسجد الاقصیٰ" سے نقل کیا گیا۔

ابن رؤبہ کی طرف خط مبارک

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یوحنہ بن رؤبہ کے لیے ایک خط لکھا جو ایلہ کا حکمران تھا۔ جب وہ آپ کے پاس تبوک میں آیا اور اس نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مصالحت کرتے ہوئے جزیہ ادا کیا۔ خط کا مضمون یہ تھا:

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ ھذه امنة من اللہ ومحمد النبی رسول اللہ لیوحنه بن روبة واھل ایلة اساقفتھم وسائرھم فی البر والبحر،

اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ اور (حضرت) محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف سے یوحنہ بن رؤبہ اور اہلِ ایلہ یعنی ان کے بشب اور ان تمام لوگوں کے لیے جو خشکی یا سمندر میں

لهم ذمة الله وذمة النبی ومن كان معه من اهل الشام واهل اليمن واهل البحر، فمن احدث منهم حدثا فانه لا يحول ما له دون نفسه، وانه طيب لمن اخذه من الناس، وانه لا يحل ان يمنعوا ماء يردونه، ولا طريقا يريدونه من بر او بحر- هذا كتاب جهيم بن الصلت وشرحبيل ابن حسنة باذن رسول الله صلى الله عليه وسلم۔ (طبقات ابن سعد جلد اوّل ص ۲۸۹)

ہیں، امن کی تحریر ہے۔ ان کے لیے اللہ تعالیٰ کا ذمہ ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ذمہ ہے نیز اہلِ شام، اہلِ یمن اور اہلِ بحر میں سے جو اس کے ساتھ ہیں۔ ان میں سے کوئی شخص نئی بات جاری کرے تو اس کا مال اس کی جان کی حفاظت نہیں کر سکے گا اور لوگوں میں سے جو اس مال کو لے گا وہ اس کے لیے حلال ہوگا اور وہ جس پانی پر جائیں وہاں سے ان کو روکنا اور خشکی یا سمندر کے جس راستے کا ارادہ کریں اس سے ان کو روکنا جائز نہ ہوگا۔ جہیم بن صلت اور شرحبیل بن حسنہ (رضی اللہ عنہما) نے یہ تحریر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے رقم کی ہے۔

اہلِ اذرح کی طرف مکتوبِ گرامی

جب تبوک میں جربا اور اذرح والے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہوں نے جزیہ پیش کیا تو آپ نے ان کے لیے لکھا:

بسم الله الرحمن الرحيم- هذا كتاب من محمد النبی رسول الله لاهل اذرح (وجربا) انهم آمنون بامان الله وامان محمد- وان عليهم مائة دينار فی كل رجب وافية طيبة، والله كفيل عليهم بالنصح والاحسان الى المسلمين، ومن لجا اليهم من المسلمين من المخافة۔ (طبقات ابن سعد جلد اوّل ص ۲۹۰)

اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا ہے۔ یہ خط (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف سے جو اللہ تعالیٰ کے نبی اور رسول ہیں اہلِ اذرح اور اہلِ جربا کی طرف ہے ان کو اللہ تعالیٰ کی امان اور (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی امان کے ساتھ امن دیا جاتا ہے۔ اور وہ ہر رجب کے مہینے میں ایک سو دینار پورا پورا اور خوش دلی سے دیں گے اور مسلمانوں کی خیر خواہی اور ان کے ساتھ حسنِ سلوک کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ ان کا کفیل ہے نیز جو مسلمان خوف کی وجہ سے ان کے ہاں پناہ لے (اس سے بھی حسنِ سلوک سے پیش آئیں)

ابو ضمیرہ کی طرف مکتوبِ گرامی

حضرت حسین بن عبداللہ بن ضمیرہ اپنے والد سے اور وہ ان کے دادا (ضمیرہ) سے روایت کرتے ہیں کہ نبی

اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اُم ضمیرہ کے پاس سے گزرے تو وہ رو رہی تھی۔ آپ نے فرمایا: تم کیوں رو رہی ہو؟ بھوک نے ستایا ہے یا لباس سے عاری ہو؟ اس نے عرض کیا: یارسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم میرے اور میرے بیٹے کے درمیان تفریق کردی گئی ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ماں اور بچے کے درمیان تفریق نہیں کی جاتی۔ پھر آپ نے اس شخص کو بلایا جس کے پاس ضمیرہ تھے تو اس سے جوان اونٹ کے بدلے ان کو خرید کر ان کی ماں کے حوالے کردیا۔

ابن ذویب کہتے ہیں پھر حسین بن عبداللہ نے ایک خط پڑھ کر سنایا جو ان کے پاس تھا، اس میں لکھا تھا:

بسم الله الرحمن الرحيم- هذا كتاب من محمد رسول الله لابی ضميرة واهل بيته، ان رسول الله اعتقهم وانهم اهل بيت من العرب ان احبوا اقاموا عند رسول الله وان احبوا رجعوا الى قومهم فلا يعرض لهم الا بحق، ومن لقيهم من المسلمين فليستوص بهم خيرا۔

اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا ہے۔ یہ خط اللہ کے رسول (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف سے ابو ضمیرہ اور ان کے گھر والوں کے نام ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ان کو آزاد کردیا اور وہ اہلِ عرب میں سے ایک گھر والے ہیں۔ اگر وہ چاہیں تو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس رہیں اور چاہیں تو اپنی قوم کے پاس چلے جائیں، انہیں ناحق نہیں چھیڑا جائے گا اور جو بھی مسلمان ان سے ملے وہ ان سے اچھا سلوک کرے۔

یہ خط حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ نے تحریر کیا تھا۔

اہلِ وج کی طرف مکتوبِ گرامی

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہلِ وج کی طرف مکتوبِ گرامی لکھا۔ اسی مقصد کی دسویں فصل میں بنو ثقیف کے وفد کے بیان میں ان لوگوں کا ذکر ہوگا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

اسی طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مکتوبِ گرامی ہے جو بنو حنیفہ کے وفد میں مسیلمہ کذاب کو لکھا گیا۔

اکیدر دومہ کی طرف نامہ مبارکہ

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اکیدر اور دومۃ الجندل والوں کی طرف اس وقت خط لکھا جب اکیدر سے مصالحت ہوئی۔ اس خط کا مضمون یہ ہے:

بسم الله الرحمن الرحيم- هذا كتاب من محمد رسول الله لاكيدر ولاهل دومة، ان لنا الضاحية من

اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا ہے۔ یہ خط اللہ کے رسول (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف سے اکیدر اور اہلِ دومہ کے نام ہے۔ قلیل پانی میں

الضحل، والبور والمعامی واغفال الارض، والحلقة والسلاح والحافر والحصن ولکم الضامنة من النخل، والعین من المعمور، لا تعدل سارحتکم، ولا تعد فاردتکم، ولا یحصر علیکم النبات، تقیمون الصلاة لوقتها وتؤتون الزکاة بحقها، علیکم بذلك حق الله والمیثاق، ولکم به الصدق والوفاء۔ شهد الله ومن حضر من المسلمین۔

سے ظاہر خراجی زمین اور وہ زمین جس میں کوئی عمارت وغیرہ نہ ہو، زرہیں، اسلحہ، گھوڑے اور قلعہ ہمارے لیے ہو گا۔ قلعے کے درخت اور جاری پانی تمہارے لیے ہو گا۔ تمہارے چرواہے کو پھیرا نہیں جائے گا۔ ان جانوروں کا شمار نہیں ہو گا جن میں زکوۃ واجب نہیں ہوتی اور تم جہاں چاہو جانوروں کو چرا سکتے ہو، تمہیں روکا نہیں جائے گا وقت پر نماز قائم کرنا اور زکوۃ حق کے مطابق ادا کرنا۔ اس اعتبار سے تم پر اللہ تعالیٰ کا حق اور وعدہ ہے اور تم پر سچائی اور ایفائے عہد لازم ہے۔ اللہ تعالیٰ اور حاضر مسلمان گواہ ہیں۔

عقد بیع سے متعلق خط

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عداء بن خالد پر غلام بیچا تو یہ تحریر رقم فرمائی:

بسم الله الرحمن الرحیم، هذا ما اشتری العداء بن خالد بن هوذة من محمد رسول الله، اشتری عبدا او امه۔ شك الراوی۔ لا داء ولا غائلة ولا خبثة، بیع المسلم للمسلم۔

اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا ہے۔ یہ اس بات کی تحریر ہے کہ عداء بن خالد بن ہوذہ نے اللہ کے رسول (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے ایک غلام یا لونڈی خریدی۔ اس سلسلے میں راوی کو شک ہے۔ اس میں کوئی بیماری اور کسی قسم کی خرابی نہیں ہے اور غیر مسلم کی بیع نہیں، یہ مسلمان کی مسلمان سے بیع ہے۔

غائلہ کا معنی بھاگنا، چوری کرنا اور زناکاری ہے۔
الخبثہ کے بارے میں ابن ابی عروبہ نے کہا کہ اس سے مراد غیر مسلم سے سودا کرنا ہے۔
حضرت عداء فتح خیبر کے بعد مسلمان ہوئے اور حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ معاملات میں گواہ بنانا جائز ہے۔ ارشادِ خداوندی ہے:

وَاَشْهِدُوْٓا اِذَا تَبَايَعْتُمْ۔ (البقرہ: ۲۸۲) اور جب باہم سودا کرو تو گواہ بنا لیا کرو۔

اور یہ امر (کا صیغہ) اس جگہ وجوب کے لیے نہیں کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سودا کیا اور گواہ نہیں بنائے۔ اس طرح کوئی چیز خریدی اور یہودی کے پاس زرہ رہن رکھی لیکن گواہ نہیں بنائے۔ اگر گواہ بنانا ضروری بات ہوتی تو جھگڑے کے خوف سے رہن کی صورت میں گواہ بنانا واجب ہوتا۔ واللہ اعلم

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے امراء

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جن لوگوں کو امراء مقرر کیا ان میں سے:

(۱) حضرت باذان بن ساسان ہیں جو بہرام کی اولاد سے ہیں۔ آپ نے ان کو یمن کا امیر بنایا اور اسلام میں یمن کے یہ پہلے امیر اور عجمی بادشاہوں میں پہلے اسلام قبول کرنے والے ہیں۔

(۲) آپ نے صنعاء پر حضرت خالد بن سعید کو امیر مقرر کیا۔

(۳) حضرموت کا والی حضرت زیاد بن لبید انصاری کو مقرر کیا۔

(۴) حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو زبید اور عدن کا والی بنایا۔

(۵) حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو جبل جند کا امیر بنایا۔

(۶) حضرت ابوسفیان بن حرب رضی اللہ عنہ کو نجران کی ولایت عطا کی۔

(۷) اور ان کے بیٹے یزید (بن ابوسفیان) کو تیماء کا والی مقرر کیا۔

(۸) حضرت عتّاب بن اُسید رضی اللہ عنہ کو مکہ مکرمہ کا اور ۸ھ میں حج کے لیے مسلمانوں کا امیر مقرر کیا۔

(۹) حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو یمن کا قاضی مقرر فرمایا۔

(۱۰) حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو عمان اور اس کے مضافات کا والی مقرر کیا۔

(۱۱) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ۹ھ میں امیرِ حج مقرر فرمایا اور ان کے بعد حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو بھیجا؛ چنانچہ انہوں نے لوگوں کے سامنے سورۃ براءۃ پڑھی۔

اس کی یہ وجہ بیان کی جاتی ہے کہ اس سورت کا ابتدائی حصہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے حج کے لیے جانے کے بعد نازل ہوا۔

یہ بھی کہا گیا کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو ان کے بعد بطور مددگار بھیجا اس لیے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جب علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ آپ امیر بن کر تشریف لائے ہیں یا مامور بن کر؟ انہوں نے عرض کیا: بلکہ مامور بن کر آیا ہوں۔

جبکہ رافضی (شیعہ) کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو معزول کیا گیا تھا لیکن یہ ان کا بہتان اور افتراء ہے۔

اور صدقات (زکوٰۃ) کی وصولی کے لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بے شمار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مقرر فرمایا۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نمائندگان

جہاں تک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نمائندوں کا تعلق ہے تو آپ نے محرم ۷ھ میں چھ افراد کو ایک ہی

دن بھیجا۔

حضرت قاضی عیاض رحمہ اللہ نے "الشفاء" میں واقدی کی طرف نسبت کرتے ہوئے ذکر کیا کہ ان میں سے ہر ایک نے اسی قوم کی زبان میں گفتگو کی جس قوم کی طرف ان کو بھیجا گیا تھا[1]۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو سب سے پہلا نمائندہ بھیجا وہ حضرت عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ تھے جن کو حبشہ کے بادشاہ نجاشی کی طرف بھیجا گیا تھا اور آپ نے اس کی طرف دو خط لکھے' ان میں سے ایک خط میں اسلام کی دعوت دینے اور اس پر نجاشی کے قرآن پڑھنے کا ذکر تھا' نجاشی نے مکتوبِ گرامی لے کر اپنی آنکھوں سے لگایا اور اپنے تخت سے نیچے اتر کر زمین پر بیٹھ گیا' پھر اسلام قبول کیا اور حق کی شہادت دی اور کہا کہ اگر میں حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو سکتا تو حاضر ہوتا۔

اور دوسرے خط میں لکھا کہ حضرت ام حبیبہ بنت ابوسفیان (رضی اللہ عنہما) کا نکاح آپ سے کر دیں تو نجاشی بادشاہ نے ان کا نکاح حضور علیہ السلام سے کیا جیسا کہ ازواجِ مطہرات کے بیان میں ذکر کیا گیا۔

اور اس نے ہاتھی دانت کی بنی ہوئی ڈبیہ منگوا کر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں خط اس میں رکھ دیئے اور کہا کہ حبشہ والے اس وقت تک بھلائی کے ساتھ رہیں گے۔ جب تک یہ دونوں خط ان کے درمیان رہیں گے اور واقدی وغیرہ کے بقول نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی نمازِ جنازہ پڑھی حالانکہ وہ حبشہ میں تھا[2]۔

لیکن یہ بات نہیں کیونکہ جس نجاشی کی نمازِ جنازہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھی وہ یہ نجاشی نہیں تھا جس کی طرف خط لکھا جیسا کہ میں نے پہلے ذکر کیا ہے[3]۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت دحیہ بن خلیفہ کلبی رضی اللہ عنہ کو روم کے بادشاہ قیصر کی طرف بھیجا اور یہ (ان) چھ افراد میں سے ہیں (جن کے بارے میں پہلے ذکر ہوا) قیصر روم کا نام ہرقل تھا' انہوں نے اسے اسلام کی دعوت دی اس نے اسلام قبول کرنے کا ارادہ کیا لیکن رومیوں نے اس کا ساتھ نہ دیا تو وہ اپنی بادشاہی (کے جانے) کے خوف سے رُک گیا۔

حضرت عبداللہ سہمی رضی اللہ عنہ کو کسریٰ کی طرف بھیجا اور آپ تیسرے نمائندے ہیں۔

---

[1] اس سے معلوم ہوا کہ دوسری قوموں میں تبلیغ کے لیے جانے والے علماء کرام کو ان کی زبان سیکھنی چاہیے تاکہ وہ ان کو تبلیغ کر سکیں۔... ۱۲ ہزاروی۔

[2] فقہ حنفی کے مطابق غائبانہ نمازِ جنازہ جائز نہیں۔ نجاشی کی میت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے تھی۔ امام اہلِ سنت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان فاضل بریلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: واقعہ نجاشی' واقعہ معاویہ لیثی اور واقعہ امرائے موتہ رضی اللہ عنہم اجمعین' ان میں اوّل' دوم بلکہ سوم کا بھی جنازہ حضور علیہ السلام کے سامنے تھا۔ (تفصیل کے لیے فتاویٰ رضویہ مطبوعہ رضا فاؤنڈیشن جلد ۹ ص ۳۴۶ دیکھیں۔... ۱۲ ہزاروی)

[3] امام زرقانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ وہم ہے پہلے یہ بات گزر چکی ہے کہ دونوں کی طرف خط لکھا گیا اور یہ خط حضرت اصحمہ نے لکھا) اس نجاشی کی طرف بھی جس کی نمازِ جنازہ آپ نے پڑھائی اور اس کی طرف بھی جو بعد میں امیر مقرر ہوا جس کا اسلام قبول کرنا اور نام نامعلوم ہیں۔ (زرقانی جلد ۳ ص ۳۶۶)

چوتھے نمائندہ حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ ہیں جو مقوقس کی طرف تشریف لے گئے۔ اس نے ان کا احترام کیا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دو لونڈیاں، پوشاک اور ایک خچر بھیجی لیکن اسلام قبول نہ کیا۔

پانچویں نمائندے حضرت شجاع بن وہب اسدی رضی اللہ عنہ ہیں جو بلقاء کے بادشاہ حارث بن ابی شمر غسانی کی طرف تشریف لے گئے۔

اور چھٹے نمائندے جن کو آپ نے بھیجا وہ حضرت سلیط بن عمرو عامری رضی اللہ عنہ ہیں جو ہوذہ اور ثمامہ بن اثال حنفی کی طرف تشریف لے گئے تو ثمامہ نے اسلام قبول کیا۔

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ۸ھ میں جلندی کے دو بیٹوں جیفر اور عبد کی طرف عمان میں بھیجا تو وہ دونوں اسلام لائے اور آپ کی تصدیق کی۔

حضرت علاء بن حضرمی رضی اللہ عنہ کو منذر بن ساوی عبدی کی طرف بھیجا جو بحرین کا حکمران تھا اور یہ واقعہ جعرانہ سے واپسی سے پہلے کا ہے۔ یہ بھی کہا گیا کہ فتح مکہ سے پہلے بھیجا پس منذر بن ساوی نے اسلام قبول کیا اور آپ کی تصدیق کی۔

حضرت مہاجر بن ابی امیہ مخزومی کو حارث بن (عبد) کلال حمیری کی طرف یمن میں بھیجا تو اس نے کہا: میں اپنے معاملے میں غور کروں گا۔

حضرت ابو موسیٰ اشعری اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہما کو ربیع الاول ۱۰ھ میں اس وقت یمن کی طرف دعوتِ اسلام کی خاطر بھیجا جب آپ تبوک سے واپس تشریف لائے چنانچہ وہاں رہنے والوں کی اکثریت نے کسی جنگ کے بغیر اسلام قبول کر لیا، پھر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو ان لوگوں کی طرف بھیجا اور آپ حجۃ الوداع کے موقع پر مکہ مکرمہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے آملے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جریر بن عبد اللہ البجلی رضی اللہ عنہ کو ذی الکلاع اور ذی عمرو کی طرف بھیجا کہ ان کو اسلام کی دعوت دیں تو وہ دونوں اسلام لائے اور حضرت جریر رضی اللہ عنہ ابھی وہیں تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا۔

حضرت عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ کو مسیلمہ کذاب کی طرف خط دے کر بھیجا۔۔۔

فروہ بن عمرو الجذامی جو قیصر کی طرف سے (بعض عرب پر) عامل تھا اس کی طرف بھی دعوت اسلام کا پیغام بھیجا پس وہ اسلام لایا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اپنے اسلام لانے کے بارے میں خط لکھا اور حضرت مسعود بن سعد کے ہمراہ آپ کے لیے تحفہ بھیجا اور وہ سفید رنگ کی (سیاہی مائل) خچر تھی جسے فضہ کہا جاتا تھا اور ایک گھوڑا جسے الظرب کہا جاتا تھا نیز ایک دراز گوش جسے یعفور کہتے تھے اور کپڑے نیز سندس، سونا چڑھی ہوئی قبا بھی بھیجی۔ آپ نے اس کا تحفہ قبول فرمایا اور مسعود بن وہب کو بارہ اوقیہ چاندی عطا فرمائی۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے زکوٰۃ وصول کرنے والے عاملین محرم ۹ھ میں بھیجے۔

چنانچہ حضرت عیینہ بن حصن الفزاری رضی اللہ عنہ کو بنو تمیم کی طرف بھیجا۔

اور حضرت بریدہ یعنی کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کو قبیلہ اسلم اور غفار کی طرف بھیجا، حضرت عباد بن بشر کو قبیلہ سلیم اور مزینہ کی طرف بھیجا۔

اور حضرت رافع بن مکیث رضی اللہ عنہ کو قبیلہ جہینہ کی طرف بھیجا۔

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو فزارہ قبیلے کی طرف بھیجا۔

اور حضرت ضحاک بن سفیان رضی اللہ عنہ کو بنو کلاب کی طرف بھیجا۔

نیز حضرت بشر بن سفیان کعبی جن کو نحام عدوی کہا جاتا ہے، کو بنو کعب کی طرف بھیجا

اور حضرت عبداللہ بن اللبتیہ رضی اللہ عنہ کو ذبیان کی طرف بھیجا۔

اور سعد ہذیم قبیلے کے ایک فرد کو ان کی قوم کی طرف بھیجا۔



ساتویں فصل

رسول اکرم ﷺ کے مؤذنین، خطباء، حدی خوان اور شعراء

مؤذنین

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مؤذن چار تھے جن میں سے دو مدینہ طیبہ میں تھے۔

ایک حضرت بلال بن رباح رضی اللہ عنہ تھے اور ان کی والدہ حمامہ تھیں۔[1] حضرت ابوبکر صدیق نے انہیں آزاد کیا تھا، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے سب سے پہلے آپ نے ہی اذان دی اور آپ کے بعد کسی خلیفہ کے لیے اذان نہیں دی البتہ جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے شام کو فتح کیا اور آپ وہاں تشریف لے گئے تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اذان دی۔ تو لوگوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یاد آئی (جب حضرت بلال رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں اذان کہا کرتے تھے)۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے غلام حضرت اسلم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے اس دن سے زیادہ کبھی (لوگوں کو) روتے ہوئے نہیں دیکھا۔

حضرت بلال (حبشی) رضی اللہ عنہ کا انتقال ۱۷ھ یا ۱۸ھ یا ۲۰ھ میں (دمشق کے قریب) داریا مقام پر باب کیسان میں ہوا۔ اس وقت آپ کی عمر ساٹھ سال سے کچھ اوپر تھی۔ ایک قول کے مطابق آپ کو حلب میں اور دوسرے قول کے مطابق دمشق میں دفن کیا گیا۔

دوسرے مؤذن حضرت عمرو بن ام مکتوم قرشی رضی اللہ عنہ ہیں۔ آپ نابینا تھے اور آپ نے مدینہ طیبہ کی طرف نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے ہجرت کی۔

قباء میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے سعد بن عائذ یا ابن عبدالرحمٰن جو سعد قرظ مشہور ہیں نے اذان دی۔ ان (ابن عبدالرحمٰن) کو سعد قرظی بھی کہا جاتا ہے اور یہ حضرت عمار رضی اللہ عنہ کے مولیٰ ہیں۔ حضرت سعد بن عائذ رضی اللہ عنہ حجاز مقدس پر حجاج بن یوسف کی حکومت تک بہ قید حیات رہے اور یہ ۷۴ھ کا واقعہ

[1] حضرت حمامہ رضی اللہ عنہا صحابیہ تھیں، ان کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں عذاب دیا جاتا تھا تو حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے ان کو خرید کر آزاد کیا تھا۔

ہے۔[1] مکہ مکرمہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے موذن حضرت ابو محذورہ رضی اللہ عنہ تھے۔ ان کا نام اوس جمحی مکی اور ان کے والد کا نام معیر ہے۔

ان کا وصال مکہ مکرمہ میں ۵۹ھ میں ہوا۔ یہ بھی کہا گیا کہ اس کے بعد (۷۵ھ میں) ہوا۔

حضرت ابو محذورہ رضی اللہ عنہ ان لوگوں میں سے ہیں جو اذان میں ترجیع کرتے اور اقامت کے الفاظ دو دو بار کہتے تھے اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ ترجیع نہیں کرتے تھے اور اقامت کے الفاظ ایک ایک بار کہتے تھے۔

حضرت امام شافعی رحمہ اللہ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی اقامت کو اختیار کیا اور اہلِ مکہ اذان کے سلسلے میں حضرت ابو محذورہ رضی اللہ عنہ کے طریقے پر اور اقامت کے سلسلے میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے طریقے پر عمل کرتے ہیں جبکہ حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ، اہلِ عراق حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی اذان اور حضرت ابو محذورہ رضی اللہ عنہ کی اقامت پر عمل کرتے ہیں، امام احمد اور اہلِ مدینہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی اذان اور اقامت پر عمل کرتے ہیں، جبکہ امام مالک رحمہ اللہ نے دو جگہ ان کی مخالفت کی ہے۔ ایک تو اللہ اکبر کے الفاظ کو لوٹانا اور دوسرا لفظ اقامت دو بار پڑھنا۔[2]

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے شعراء

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے شعراء جو اسلام کا دفاع کرتے اور مشرکین کے اعتراضات کا جواب دیتے تھے وہ درج ذیل ہیں:

(۱) حضرت کعب بن مالک (انصاری سلمی) رضی اللہ عنہ۔

(۲) حضرت عبداللہ بن رواحہ خزرجی انصاری رضی اللہ عنہ۔

(۳) حضرت حسان بن ثابت بن منذر بن عمرو بن حرام انصاری رضی اللہ عنہ۔ حضرت حسان کے لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں دعا مانگی تھی:

اللھم ایدہ بروح القدس۔ یا اللہ! رُوح القدس (حضرت جبریل علیہ السلام) کے ذریعے ان کی مدد فرما۔

(صحیح مسلم جلد ۲ ص ۳۰۰، صحیح بخاری جلد ۲ ص ۹۰۰)

---

[1] ابو عمر (ابن عبد البر) نے فرمایا کہ حضرت عبداللہ ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ قباء سے مسجد نبوی میں لائے جہاں آپ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے بعد اذان دی اور پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں بھی اذان دی۔ ایک قول کے مطابق حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ان کو مسجد نبوی میں لائے۔ (زرقانی جلد ۳ ص ۳۷۱)

[2] ترجیع کا معنی یہ ہے کہ کلماتِ شہادت کو ایک بار آہستہ پڑھنا اور دوسری بار بلند آواز سے پڑھنا۔ احناف کے نزدیک یہ تعلیم کے لیے تھا کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ حضرت ابو محذورہ پر بولتے جاتے اور آپ بلند آواز سے کلمات کہتے اس لیے آہستہ کہنا اذان کا حصہ نہیں، احناف کے ہاں اقامت اور اذان دونوں کے کلمات تعداد میں برابر ہیں، البتہ اقامت میں قد قامت الصلوٰۃ ہے۔ تفصیل فقہ کی کتابوں میں دیکھیں۔ ...۱۲ ہزاروی۔

پس کہا جاتا ہے کہ ستر اشعار میں حضرت جبریل علیہ السلام نے ان کی مدد کی، اور ایک حدیث میں ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ان جبریل مع حسان ما نافح عنی۔ بے شک حضرت جبریل علیہ السلام حضرت حسان رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہوتے ہیں جب تک وہ میرا دفاع کرتے رہتے ہیں۔

یعنی مشرکین اپنے اشعار میں حضور علیہ السلام کے خلاف زبان درازی کرتے ہیں تو حضرت حسان رضی اللہ عنہ اپنے اشعار کے ذریعے ان کو جواب دیتے ہیں۔[1]

حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے ایک سو بیس سال زندگی پائی ہے۔ ساٹھ سال دورِ جاہلیت میں اور ساٹھ سال اسلام میں۔

اسی طرح ان کے باپ ثابت، دادا منذر اور پردادا حرام میں سے ہر ایک کی عمر بھی ایک سو بیس سال ہوئی۔

حضرت حسان رضی اللہ عنہ کا انتقال ۵۴ھ میں ہوا۔

جب بنو تمیم اور ان کا شاعر اقرع بن حابس نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تو انہوں نے آواز دی: اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! ہماری طرف آئیں۔ ہم ایک دوسرے کے مقابلے میں فخر کا اظہار کریں اور اشعار کا تبادلہ کریں۔ ہمارا مدح کرنا زینت کا باعث اور ہماری مذمت عیب کا باعث ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف اتنا جواب دیا کہ یہ تو اللہ تعالیٰ کی شان ہے کہ وہ کسی کی مدح کرے تو اسے زینت حاصل ہوتی ہے اور کسی کی مذمت کرے تو وہ عیب ناک ہو جاتا ہے۔

مجھے شاعر بنا کر نہیں بھیجا گیا اور نہ ہی مجھے فخر کرنے کے لیے بھیجا گیا لیکن تم آؤ۔ چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ ان کے خطیب (عطارد بن حاجب) کو جواب دو، چنانچہ انہوں نے خطاب فرمایا تو ان لوگوں پر غالب آ گئے۔ اب ان کے شاعر اقرع بن حابس نے اٹھ کر یہ اشعار پڑھے:

اتیناک کیما یعرف الناس فضلنا اذا خلفونا عند ذکر المکارم
وانا رءوس الناس فی کل معشر وان لیس فی ارض الحجاز کدارم

"ہم آپ کے پاس اس لیے آئے ہیں کہ لوگ ہماری فضیلت کو جان لیں جب وہ ہمارے خوبیوں کے ذکر کے وقت ہمارے پیچھے آئیں اور یہ کہ ہم ہر جماعت میں لوگوں کے سردار ہیں اور حجاز کی سرزمین میں دارم (بنو تمیم کا ایک ذیلی قبیلہ) کی طرح کوئی نہیں۔۔۔"

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ ان کو جواب دیں۔

---

[1] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ حضرت حسان رضی اللہ عنہ سے فرماتے تھے: بے شک رُوح القدس ہمیشہ آپ کی مدد کرتے رہیں گے جب تک آپ اللہ اور اس کے رسول کا دفاع کرتے رہیں گے۔
(صحیح مسلم جلد ۲ ص ۳۰۰)

بنی دارم لا تفخروا ان فخرکم یعود وبالا عند ذکر المکارم
هبلتم علینا تفخرون وانتم لنا خول ما بین قن و خادم

"اے بنو دارم! فخر نہ کرو، تمہارا فخر ذکر مکارم کے وقت وبال بن جائے گا"۔
"تم ہم پر بڑائی کا اظہار کرتے اور فخر کرتے ہو حالانکہ تم ہمارے لیے غلام ہو جو کبھی غلام اور کبھی خادم کی شکل میں ہوتے ہو"۔

تو سب سے پہلے ان کے شاعر (زبرقان بن بدر) نے اسلام قبول کیا۔ (حضرت اقرع بن حابس ان سے پہلے مسلمان ہو چکے تھے)۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے شعراء میں سے کفار پر سب سے زیادہ سخت حضرت حسان اور حضرت کعب رضی اللہ عنہما تھے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تبوک سے واپس تشریف لائے تو ہمدان کا وفد آپ کے پاس آیا۔ ان لوگوں پر یمنی چادروں سے کاٹے گئے، چھوٹے چھوٹے ٹکڑے اور عدن کی بنی ہوئی دستاریں تھیں۔ ملک بن نمط نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اشعار پڑھے۔

آپ کے خطیب

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خطیب حضرت ثابت بن قیس بن شماس خزرجی رضی اللہ عنہ تھے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو جنت کی خوشخبری دی۔[1] آپ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور انصار کے خطیب تھے اور جنگِ یمامہ میں ۱۲ھ میں شہید ہوئے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حدی خواں

(اونٹوں کے ساتھ چلتے ہوئے جو کچھ اشعار کی صورت میں پڑھایا گایا جاتا ہے اسے "الحداء" (حدی) کہتے ہیں اور پڑھنے والا حدی خوان کہلاتا ہے) دورانِ سفر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے آگے حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ حدی خوان ہوتے تھے۔ شمائل ترمذی میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عمرۂ قضاء سے واپس تشریف لاتے ہوئے مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے تو حضرت ابن رواحہ رضی اللہ عنہ آپ کے آگے آگے یوں پڑھ رہے تھے۔ (شمائل ترمذی (مع ترمذی) جلد ۲ ص ۱۷)

---

[1] حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ ہم ہر اس چیز کو آپ سے دور رکھیں گے جس کو اپنے آپ اور اپنی اولاد سے دور رکھتے ہیں، پس ہمارے لیے کیا ہوگا تو آپ نے فرمایا: جنت ہوگی۔ اس پر انہوں نے کہا: ہم راضی ہوئے۔ (زرقانی جلد ۳ ص ۷۶)

خلوا بنی الکفار عن سبیلہ　　الیوم نضر بکم علی تنزیلہ
ضربا یزیل الھام عن مقیلہ　　ویذھل الخلیل عن خلیلہ

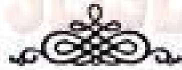
"اے کفار کی اولاد! رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے راستے سے دُور ہو جاؤ، آج آپ کے (مکہ مکرمہ) اُترنے پر (یا قرآن پاک کے اُترنے پر) ہم تمہیں ایسی ضرب لگائیں گے جو کھوپڑیوں کو ان کی آرام گاہ سے جُدا کر دے گی اور گہرا دوست اپنے دوست کو بھول جائے گا۔"

اس سے پہلے عمرۂ قضا کے بیان میں مزید اشعار ذکر کیے گئے ہیں۔ واللہ اعلم

حضرت عامر بن اکوع رضی اللہ عنہ بھی جو حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کے چچا تھے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے حدی خوانی کرتے تھے۔ آپ غزوۂ خیبر کے دن شہید ہوئے۔ اس غزوہ کے ذکر میں آپ کا واقعہ مذکور ہو چکا ہے۔

حضرت انجشہ جو سیاہ رنگ کے غلام تھے، بہت اچھے حدی خوان تھے---

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت براء بن مالک مردوں کے آگے اور حضرت انجشہ رضی اللہ عنہ عورتوں کے آگے حدی کرتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت انجشہ حدی خوانی کر رہے تھے تو حضرت براء بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت کے مطابق نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: اے غلام! نازک آبگینوں (عورتوں) کے ساتھ نرمی اختیار کرنا یعنی عورتیں شیشوں کی طرح نازک ہوتی ہیں جلد ٹوٹ جاتی ہیں، اس لیے عورتوں کو ان سے تشبیہ دی۔ چونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس بات سے بے خوف نہ تھے کہ ان کا کلام ان عورتوں کے دلوں میں اُتر جائے تو آپ نے ان کو اس سے منع فرمایا--- ایک ضرب المثل ہے کہ گانا زنا کا منتر ہے اور کہا گیا کہ اس سے اونٹ مراد لیے کہ وہ حدی سن کر چلنے میں تیزی کریں گے اور سوار کو بے قراری اور مشقت میں ڈال دیں گے، پس اس سے منع فرمایا کیونکہ عورتیں تیز رفتاری کی صعوبت کو برداشت کرنے میں کمزور ہوتی ہیں۔



آٹھویں فصل

رسول اکرم ﷺ کا جنگی ساز و سامان

(اس میں آپ کی زرہیں، کمانیں، کمربند اور ڈھالیں شامل ہیں)

تلواریں

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس نو تلواریں تھیں---

(۱) ماثور...... سب سے پہلے یہی تلوار آپ کی ملک میں آئی اور اسی کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ آپ اسے ہجرت کے موقع پر مدینہ طیبہ لے کر تشریف لائے۔

(۲) العضب...... جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بدر کی طرف تشریف لے گئے تو حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے یہ تلوار آپ کے پاس بھیجی۔

(۳) ذوالفقار...... اس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اس تلوار کی پشت پر کچھ دندانے (گڑھے سے) تھے (جن کو فقر کہا جاتا ہے فقر کی فاء پر زبر اور زیر دونوں آسکتے ہیں) اور آپ کو یہ تلوار بدر کے دن حاصل ہوئی یہ عاصی بن منبہ کی تلوار تھی (اور وہ بدر میں کفر پر قتل ہوا اور یہ تلوار بطور غنیمت حاصل ہوئی) یہ تلوار ہر لڑائی میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہوتی تھی۔ اس کا دستہ اور دستے کے اطراف، حلقہ (کونڈا) علاقہ (جس سے اسے لٹکاتے ہیں) وغیرہ سب چاندی کے تھے۔

(۴) القلعی...... یہ تلوار آپ کو مقام قلع سے حاصل ہوئی جو بادیہ (جنگل) میں قلعہ ہے۔ (اس بادیہ کو مرج کہا جاتا ہے اور یہ ہمدان کے راستے میں حلوان کے قریب ہے)

(۵) البتار...... یعنی کاٹنے والی۔

(۶) الحتف...... یعنی موت۔

(۷) المخدم...... یعنی کاٹنے والی تلوار۔

(۸) الرسوب...... یعنی خوب ضرب لگانے والی اور مضروب میں غائب ہونے والی۔ یہ فعول کے وزن پر ہے۔ رسب یرسب سے بنا یعنی جب کوئی چیز نیچے کی طرف جائے اور جب ثابت و قائم ہو جائے (تو اسے

رسوب کہتے ہیں) یہ دونوں تلواریں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو قبیلہ طے کے بت الفلس سے ملی تھیں۔

(۹) القضیب...... اس کا معنی بھی کاٹنے والی ہے۔

زرہیں

آپ کی زرہیں سات تھیں:

(۱) ذات الفضول ...... یہ زرہ لمبی تھی اس لیے اسے ذات الفضول کہا جاتا تھا(فضل زائد چیز کو کہتے ہیں) حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے یہ زرہ آپ کی طرف بھیجی تھی، جب آپ بدر کی طرف تشریف لے گئے۔ یہ لوہے کی تھی اور آپ نے یہی زرہ ابوالشحم یہودی کے پاس رہن رکھی تھی، جب آپ نے اس سے تیس صاع (ایک سو بیس کلو) جو ایک سال کے ادھار پر لیے تھے۔[1]

(۲) ذات الوشاح۔

(۳) ذات الحواشی۔

(۴) السعدیہ...... غین کے ساتھ بھی کہا جاتا ہے (السغدیہ) یہ مکبر قینقاعی کی زرہ تھی اور کہا گیا ہے کہ یہ حضرت داؤد علیہ السلام کی زرہ تھی جو آپ نے جالوت کو قتل کرتے وقت پہن رکھی تھی۔

(۵) فضہ...... یہ دونوں (السعدیہ اور فضہ) زرہیں آپ کو بنو قینقاع سے ملی تھیں۔

(۶) البتراء...... چھوٹی ہونے کی وجہ سے اس کو البتراء کہا جاتا ہے۔

(۷) الخرنق...... خرگوش کے بچے کے نام پر یہ نام رکھا گیا۔

غزوۂ احد کے دن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر دو زرہیں تھیں، یعنی ذات الفضول اور فضہ اور غزوۂ حنین کے دن بھی آپ پر دو زرہیں تھیں: ایک ذات الفضول اور دوسری السعدیہ۔

کمانیں

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی چھ کمانیں تھیں:

(۱) الزوراء۔

(۲) الروحاء۔

(۳) الصفراء۔

(۴) شوحط۔

(دوسری، تیسری اور چوتھی) تینوں کمانیں اس اسلحہ سے حاصل ہوئیں جو بنو قینقاع سے ملا تھا۔

[1] ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا تو آپ کی زرہ تیس صاع جو کے بدلے یہودی کے پاس رہن تھی۔ (زرقانی جلد ۳ ص ۳۷۹)

(۵) الکتوم...... یہ غزوۂ احد کے دن ٹوٹ گئی تھی تو حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے اسے لے لیا۔

(۶) السداد۔

اور آپ کے پاس ترکش تھا جسے کافور کہا جاتا تھا اور ایک کمربند تھا جو چمڑے کا تھا جس میں چاندی کے تین حلقے تھے۔ اس کو باندھنے والا کنڈا اور دوسری طرف جو اس میں داخل ہوتی تھی دونوں چاندی کی تھیں۔

ڈھالیں

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تین ڈھالیں تھیں:

(۱) الزلوق...... جس سے ہتھیار پھسل جاتا تھا۔

(۲) الفتق۔

(۳) ایک ڈھال جس میں عقاب یا مینڈھے کی تصویر تھی، آپ کو بطور تحفہ پیش کی گئی۔ آپ نے اس تصویر پر ہاتھ رکھا تو وہ غائب ہوگئی۔

نیزے

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چار نیزے تھے:

(۱) المثوی...... ابن کثیر نے کہا ہے کہ اس کی وجہ تسمیہ یہ تھی کہ یہ جہاں لگتا تھا ٹھہر جاتا تھا۔ الثوی ٹھہرنے کو کہتے ہیں۔

(۲) المثنی...... ٹیڑھا ہونے والا اور شاید اس کے نرم ہونے کی وجہ سے اس کا یہ نام رکھا گیا۔ اس کے علاوہ دو اور نیزے بھی تھے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک بڑا نیزہ بھی تھا جس کا نام البیضاء تھا اور ایک چھوٹا نیزہ بھی تھا جو الرمح (نیزے) سے چھوٹا اور العکاز کے برابر تھا جس کو العنزہ کہا جاتا تھا اور آپ اسے اپنے سامنے گاڑ کر (سترہ بنا کر) نماز پڑھتے تھے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لوہے کی خود (ٹوپی) تھی، جسے سبوغ اور ذوالسبوغ کہا جاتا تھا اور ایک دوسری لوہے کی ٹوپی (خود) تھی جس کو موشح کہا جاتا تھا۔

اسی طرح آپ کے پاس ایک خیمہ تھا جسے "کن" کہا جاتا تھا۔ آپ کے پاس ایک ٹیڑھے سر والا عصا مبارک بھی تھا (جسے کھونڈی کہا جاتا ہے) یہ ایک ہاتھ (دو فٹ) کے برابر یا کچھ زائد تھا۔ آپ اس کے سہارے چلتے اور سوار ہوتے اور اونٹنی پر اپنے سامنے لٹکا دیتے تھے۔

ایک دوسرا عصا مبارک تھا جس پر آپ ٹیک لگاتے۔ اس کا نام عرجون تھا اور ایک لاٹھی شوحط درخت کی تھی جس کو ممشوق کہا جاتا تھا۔

رسول اکرم ﷺ کا ایک پیالہ تھا جسے ریان کہا جاتا تھا۔ ایک دوسرے پیالے کا نام مغیث تھا۔ ایک اور پیالہ تھا جسے تین جگہ چاندی کی زنجیر سے مضبوط کیا گیا تھا۔ ایک پیالہ لکڑی کا بنا ہوا تھا ایک اور پیالہ کانچ کا تھا۔[1]

ایک چھوٹا سا برتن پتھر کا بنا ہوا تھا (جس سے آپ وضو فرماتے تھے) اس کو مخضب کہا جاتا تھا۔ ایک ڈونگہ (نما برتن) تھا جس کو صادرہ کہا جاتا تھا۔ ایک ٹب تھا جو تانبے کا بنا ہوا تھا اور ایک پیتل کا برتن غسل کے لیے تھا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تیل کی شیشی بھی ہوتی تھی اور چمڑے سے بنی ہوئی اسکندرانی تھیلی تھی جس میں شیشہ اور ہاتھی دانت کی کنگھی ہوتی تھی جو کچھوے کی پیٹھ کی ہڈی سے بنی ہوئی تھی۔

ایک سرمہ دانی تھی جس سے آپ روزانہ (رات کو) سوتے وقت تین، تین بار ہر آنکھ میں سرمہ لگاتے۔ آپ کی اس تھیلی میں قینچی اور مسواک بھی ہوتی تھی۔ یہ تھیلی آپ کو اسکندریہ کے حکمران مقوقس نے اس وقت بطور تحفہ پیش کی تھی، جب حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا آپ کی خدمت میں پیش کی گئیں اور وہ آپ کے صاحبزادے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کی والدہ ماجدہ تھیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک بہت بڑا پیالہ تھا جس کو غراء کہا جاتا تھا۔ اس کے چار کڑے تھے (اور اسے چار آدمی اٹھاتے تھے) آپ کے پاس ایک صاع (لکڑی کا پیمانہ جس میں چار کلو غلہ آتا ہے) اور مُدّ تھا (مُدّ، صاع کی چوتھائی کے برابر ہوتا ہے) ایک مخمل کی چادر تھی اور ایک چارپائی تھی جس کے پائے ساگوان کی لکڑی سے بنائے گئے تھے۔[2]

آپ کا ایک بچھونا تھا جو چمڑے سے بنا ہوا تھا اور اس میں کھجور کی چھال بھری گئی تھی۔۔۔

ایک لوہے کی انگوٹھی تھی جس میں چاندی بھری گئی تھی اور ایک چاندی کی انگوٹھی تھی جس کا نگینہ بھی چاندی ہی کا تھا۔ آپ اس کو دائیں ہاتھ میں پہنتے تھے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ پہلے دائیں ہاتھ میں پہنتے تھے پھر بائیں ہاتھ میں پہننا شروع کر دی۔ اس پر "محمد رسول اللہ" نقش تھا۔

نجاشی بادشاہ نے آپ کی خدمت میں دو سادے موزے ہدیہ کے طور پر بھیجے تو آپ نے ان کو پہنا۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تین جبے تھے جن کو آپ جنگ کے موقع پر پہنتے تھے۔ ایک سبز سندس کا جبہ تھا اور ایک طیالسی جبہ تھا۔ ایک عمامہ مبارکہ تھا جس کو سحاب کہا جاتا تھا اور ایک دوسرا عمامہ سیاہ رنگ کا تھا۔ اس کے علاوہ ایک بڑی چادر تھی۔۔۔ (صلی اللہ علیہ وسلم)

---

[1] یہ پیالہ آپ کے پاس نجاشی بادشاہ نے بھیجا تھا اور اس میں پانی نوش فرماتے تھے۔

[2] امام زرقانی نے ابن العماد اور الروض الانف کے حوالے سے لکھا ہے کہ یہ چارپائی آپ کو اسعد بن زرارہ نے بطور تحفہ پیش کی۔ آپ اس پر آرام فرماتے تھے، پھر وصال کے بعد آپ کو اس پر رکھا گیا پھر حضرت صدیق اکبر اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہما کے جسم مبارک بھی اسی پر رکھے گئے۔ اس کے بعد صحابہ کرام تبرک کے طور پر اس چارپائی پر اپنے فوت شدہ لوگوں کو اٹھاتے تھے۔ بنو امیہ کے زمانے میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی وراثت میں یہ چارپائی بیچ دی گئی اور عبداللہ بن اسحٰق نے اس کی تختیاں چار ہزار درہم میں خریدیں۔

نویں فصل

رسول اکرم ﷺ کے گھوڑے، دودھ والی اونٹنیاں اور دیگر جانور

السکب ...... نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک گھوڑا "السکب" تھا۔ کہا جاتا ہے "فرس سکب" بہت تیز دوڑنے والا، گویا وہ اپنی دوڑ کو انڈیلتا ہے۔ اس کی اصل ہے "سکب الماء یسکب" اس نے پانی انڈیلا اور وہ انڈیلتا ہے۔ آپ کی ملک میں آنے والا یہ پہلا گھوڑا تھا جسے آپ نے دس اوقیہ (چار سو درہم) میں خریدا تھا۔ اس گھوڑے کی پیشانی اور پاؤں سفید تھے (پنج کلیان تھا) مطیع و فرمانبردار تھا اور اس کے رنگ میں سیاہی اور سرخی کا امتزاج (کمیت) تھا۔۔۔ ابن اثیر نے سیاہ رنگ لکھا ہے۔

المرتجز...... دوسرا گھوڑا مُرتَجِزُ تھا اور مرتجز کا معنی رجز (شعر کی ایک قسم) پڑھنے والا، تو اس گھوڑے کی عمدہ ہنہناہٹ کی وجہ سے اس کو مرتجز کہا جاتا تھا۔ یہ سفید رنگ کا تھا اور اسی کے سلسلے میں حضرت خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ نے گواہی دی تھی تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی گواہی کو دو آدمیوں کی گواہی کے برابر قرار دیا۔

الظرب...... ایک گھوڑے کا نام الظرب تھا۔ اس کی جمع الظراب ہے (الظرب چھوٹے پہاڑ کو کہتے ہیں)، چونکہ یہ گھوڑا بڑا اور موٹا تھا اس لیے اسے الظرب کہا جاتا تھا۔ یہ بھی کہا گیا کہ اس کی قوت اور کھروں کے سخت ہونے کی وجہ سے اسے یہ نام دیا گیا۔ یہ گھوڑا آپ کو فروہ بن عمرو جذامی نے بطور تحفہ دیا تھا۔

اللحیف...... یہ گھوڑا ربیعہ بن براء نے آپ کی خدمت میں پیش کیا۔ اسے بھی موٹا اور بڑا ہونے کی وجہ سے لحیف کہا گیا۔ گویا وہ اپنی لمبی دُم کے ذریعے زمین کو ڈھانپ لیتا تھا۔ لحیف، فعیل کے وزن پر اسم فاعل کے

ؔ سنن ابی داؤد و نسائی میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سواء بن حارث سے ایک گھوڑا خریدا تو اس نے (بعد میں اس سودے کا) انکار کر دیا۔ اس پر حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ نے گواہی دی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آپ تو وہاں موجود نہ تھے پھر کس وجہ سے گواہی دی۔ انہوں نے عرض کیا: آپ جو کچھ لے کر تشریف لائے میں نے اس کی تصدیق کی اور آپ تو ہمیشہ سچ فرماتے ہیں۔ اس پر آپ نے فرمایا: جس کے حق میں (حضرت) خزیمہ (رضی اللہ عنہ) شہادت دیں یا جس کے خلاف شہادت دیں ان کی گواہی کافی ہے۔ (سنن ابی داؤد)

معنی میں ہے۔ کہا جاتا ہے میں نے فلاں شخص کو لحاف سے ڈھانپا یعنی اس پر لحاف ڈال دیا۔ جیم کے ساتھ اللجیف اور خاء کے ساتھ اللخیف بھی مروی ہے۔ اسے امام بخاری نے روایت کیا لیکن یہ تحقیق نہیں فرمائی (کہ کس حرف کے ساتھ ہے) مشہور حاء کے ساتھ ہے (یعنی حاء نقطے کے بغیر) یہ بات النہایہ میں کہی گئی ہے۔

اللزاز...... شدت کے ساتھ چمٹ جانے کی وجہ سے اسے اللزاز کہا گیا یا اس کے اعضاء کے جمع (قریب قریب) ہونے کی وجہ سے یہ نام دیا گیا۔ کہا جاتا ہے "ولزبہ الشئی" یعنی وہ چیز اس کے ساتھ مل گئی گویا یہ گھوڑا اپنی تیزی کی وجہ سے مطلوب سے جاملتا تھا اور یہ گھوڑا مقوقس بادشاہ نے آپ کے لیے بطور تحفہ بھیجا۔

الورد...... ابن سعد نے کہا ہے کہ یہ گھوڑا حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ نے آپ کی خدمت میں تحفے کے طور پر پیش کیا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ گھوڑا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو عطا کیا۔ پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اللہ کی راہ میں سواری کے لیے دے دیا، پھر معلوم ہوا کہ ارزاں نرخ پر بیچا جارہا ہے (تو انہوں نے خریدنے کا ارادہ کیا لیکن) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسے نہ خریدنا۔ (طبقات ابن سعد جلد اول ص ۴۹۰)

سبحہ...... کہتے ہیں "فرس سابح" اس وقت کہا جاتا ہے جب گھوڑا تیز دوڑنے کے لیے اپنے پاؤں کو آگے بڑھائے۔ ابن سیرین نے کہا: یہ سرخ رنگ کا گھوڑا تھا جو آپ نے جہینہ قبیلہ کے ایک اعرابی سے دس اونٹوں کے بدلے میں خریدا تھا۔ ان سات گھوڑوں پر سب کا اتفاق ہے۔

حافظ دمیاطی کے بقول ابن بنین (عبدالغنی بن سلیمان رحمہ اللہ مشہور محدث متوفی ۶۱۷ھ) نے حضور علیہ السلام کے گھوڑوں میں ایک گھوڑا البحر کے نام سے بھی ذکر کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں: یہ گھوڑا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن سے آنے والے تاجروں سے خریدا تھا، اس پر سوار ہو کر آپ کئی بار دوسرے گھوڑوں سے آگے نکل گئے تو گھٹنوں کے بل ہوتے ہوئے اس کے چہرے پر ہاتھ پھیرا اور فرمایا: تم تو دریا ہو (بحر ہو) پس اس کا نام بحر ہو گیا۔ ابن اثیر نے کہا کہ وہ سُرخ و سیاہ رنگ کا (کمیت) گھوڑا تھا اور اس کی زین کھجور کی چھال سے ڈبل بنائی گئی تھی۔

السجل...... علی بن محمد بن حسین بن عبدوس کوفی نے اس کا ذکر کیا اور ہو سکتا ہے کہ یہ اس قول سے ماخوذ ہو کہ "سجلت الماء فانسجل" میں نے اس پر پانی بہایا تو وہ بہہ گیا۔

ذواللمہ...... اس گھوڑے کا ذکر ابو جعفر محمد بن حبیب تاریخ دان نے کیا ہے۔

ذوالعقال...... عین پر پیش اور قاف کی تشدید کے ساتھ اور بعض نے شد کے بغیر کہا ہے۔

السرحان...... اس گھوڑے کا ذکر ابن خالویہ نے کیا ہے۔

---

۱ موطا اور صحیحین میں ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے ایک گھوڑے پر کسی کو راہ خداوندی میں سوار کیا، پس اس نے اسے ضائع کر دیا تو میں نے خریدنے کا ارادہ کیا اور میرا خیال تھا کہ وہ بیچ دے گا۔ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تو آپ نے فرمایا: اسے نہ خریدنا اگرچہ وہ تمہیں ایک درہم کے بدلے دے۔

الطرف...... ابن قتیب نے المعارف میں اس کا ذکر کیا اور ایک روایت میں مذکور ہے کہ یہ وہی گھوڑا ہے جسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اعرابی سے خرید ا اور حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ نے اس کی شہادت دی تھی۔

المرتجل...... اس کا ذکر ابن خالویہ نے کیا ہے۔ جب گھوڑا تیز دوڑے اور دُور دُور قدم رکھے تو کہا جاتا ہے "ارتجل الفرس ارتجالا۔" (گھوڑا خوب تیز دوڑا) جب قدم دور دور رکھنے اور قریب قریب رکھنے تیز دوڑنے کے درمیان والی حالت ہو۔

المرواح...... مبالغہ کا صیغہ ہے جس طرح مطعام مبالغہ ہے۔ یہ ریح (ہوا) سے مشتق ہے یا رواح سے مشتق ہے اور اس کی وجہ تسمیہ گھوڑے کا تیز دوڑنا ہے۔ یہ گھوڑا مذحج قبیلے کی ایک جماعت نے آپ کی خدمت میں پیش کیا۔ یہ بات ابن سعد نے ذکر کی ہے۔

ملاوح...... اس گھوڑے کا تذکرہ بھی ابن خالویہ نے کیا ہے۔

المندوب...... بعض حضرات نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھوڑوں میں اس کا ذکر کیا ہے۔

النجیب...... ابن قتیبہ نے (المعارف میں) اس کا تذکرہ کیا اور ایک روایت میں ہے کہ اسی گھوڑے کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اعرابی سے خرید ا تھا اور حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ نے اس کی شہادت دی تھی۔

الیعبوب اور الیعسوب...... قاسم بن ثابت نے "کتاب الدلائل" میں ان دونوں ناموں کا ذکر کیا اور اس گھوڑے کی زین کھجور کے چھال سے ڈبل بنائی گئی تھی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خچر

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کچھ خچر بھی تھے جو حسب ذیل ہیں:

دلدل...... یہ شہباء (سیاہی مائل سفید) خچر تھی جو مقوقس بادشاہ نے تحفے کے طور پر بھیجی تھی۔

فضہ...... یہ خچر فروہ بن عمرو الجذامی نے پیش کی۔

ایک اور خچر تھی جو ابن العلماء یعنی ایلہ کے حکمران نے ہدیہ کے طور پر بھیجی۔ ایک دومتہ الجندل کی طرف سے پیش کی گئی اور ایک دوسری خچر نجاشی کی طرف سے تحفہ کے طور پر ارسال کی گئی۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ کسریٰ بادشاہ نے ایک اور خچر بھی ارسال کی لیکن یہ بات محل نظر ہے کیونکہ اس نے آپ کے مکتوبِ گرامی کو پھاڑ دیا تھا۔

دراز گوش

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس دراز گوش بھی تھے۔ ان میں سے ایک کا نام عفیر تھا جو مقوقس نے آپ کی خدمت میں بھیجا تھا۔ ایک ۔عفور تھا جو فروہ بن عمرو نے پیش کیا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ دونوں ایک ہی تھے۔

ذکر کیا گیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے ایک دراز گوش پیش کیا تو آپ اس پر سوار ہوئے۔

اونٹنیاں

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایسی حاملہ اونٹنیاں بھی تھیں، جن کے ہاں بچے کی ولادت قریب ہو۔

القصواء..... یہ وہ اونٹنی ہے، جس پر آپ نے ہجرت فرمائی۔

العضباء اور الجدعاء..... اونٹنیاں تھیں اور ان کے کان ناک وغیرہ کٹے ہوئے نہ تھے۔ اس کے باوجود ان کا یہ نام ہوا[1] یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان کے کان کٹے ہوئے تھے۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ دونوں ایک ہی اونٹنی کے نام ہیں۔

العضباء وہی اونٹنی ہے جس سے کوئی اونٹ آگے نہیں نکل سکتا تھا۔ ایک اعرابی اپنے اونٹ پر آیا تو وہ اس سے آگے نکل گیا۔ یہ بات مسلمانوں پر گراں گزری تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ان حقا علی اللہ ان لا یرفع من الدنیا شیئا الا وضعہ۔[2]

بے شک اللہ تعالیٰ اس بات کا حق رکھتا ہے کہ وہ جس چیز کو بلندی عطا کرتا ہے اسے پست کردے۔

(صحیح بخاری جلد ۲ ص ۹۶۳)

غزوۂ بدر کے موقع پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ابوجہل کا ایک اونٹ بطور غنیمت حاصل ہوا جس کے ناک میں چاندی کا ایک حلقہ تھا۔ چنانچہ حدیبیہ کے موقع پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے قربانی کے طور پر ذبح کیا تاکہ اس کے ذریعے مشرکین کو غصہ دلایا جائے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پینتالیس اونٹنیاں تھیں جو حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے بھیجی تھیں۔ ان میں سے بعض کے نام اس طرح ہیں:

اطلال، اطراف، بردہ، برکہ، البغوم، الحناء، رمزہ، الریاء، السعدیہ، سقیا، السمراء، الشقراء، عجرہ، العریس، غوثہ، اور یہ بھی کہا گیا ہے: غیثہ، قمر، مروہ، مہرہ، ورشہ، العسیرہ۔

---

[1] چونکہ یہ نام کان اور ناک کٹے ہوئے جانوروں کے لیے استعمال ہوتے ہیں، اس لیے مغالطہ دُور کرنے کے لیے یہ بات فرمائی کہ ان کے یہ نام اس وجہ سے نہ تھے..... ۱۲ ہزاروی۔

[2] (نوٹ) اس واقعہ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ایمان کا پتا چلتا ہے کہ وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں کس قدر گُم تھے اور یہی محبت ایمان ہے۔ ان لوگوں کو سوچنا چاہیے جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی محبت کا دعویٰ کرتے ہیں اور پھر حضور علیہ السلام کی پاکیزہ ذات میں عیب تلاش کرتے ہیں۔ (اعاذنا اللہ منہم)..... ۱۲ ہزاروی۔

بکریاں

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک سو بکریاں تھیں۔ چھ بکریاں دودھ کے لیے عطیہ کے طور پر تھیں جن کی حضرت اُمِ ایمن دیکھ بھال کیا کرتی تھیں۔



دسویں فصل

حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہونے والے صاحب عزت و شرف وفود

حضرت امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: وفد اس جماعت کو کہتے ہیں جس کو عظیم شخصیات سے ملاقات کی خاطر بھیجنے کے لیے چنا جاتا ہے۔ ان میں سے ایک کو وافد کہا جاتا ہے۔

وفود کی ابتداء اس وقت ہوئی جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ۸ھ کے آخر میں جعرانہ سے واپس تشریف لائے اور اس کے بعد یہ سلسلہ جاری رہا۔

ابن اسحٰق کہتے ہیں: غزوۂ تبوک کے بعد وفود کی آمد شروع ہوئی اور ابن ہشام کے نزدیک ۹ھ کو وفود کا سال کہا جاتا ہے۔

ابن سعد نے طبقات میں وفود کا ترتیب سے ذکر کیا ہے۔ الدمیاطی نے اپنی سیرت (کی کتاب) میں اور ابن سید الناس نیز مغلطائی اور حافظ زین الدین عراقی نے بھی ابن سعد کی اتباع کی ہے اور ان حضرات نے جن وفود کا ذکر کیا ہے مجموعی طور پر وہ ساٹھ سے زیادہ ہیں۔

ہوازن کا وفد

جس طرح امام بخاری رحمہ اللہ وغیرہ نے ذکر کیا ہے، ہوازن کا وفد حاضر خدمت ہوا اور حضرت موسیٰ بن عقبہ نے المغازی میں ذکر کیا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب شوال کے مہینے میں طائف سے جعرانہ کی طرف تشریف لائے اور وہاں ہوازن قبیلے کے قیدی تھے تو ہوازن کے مسلمانوں کا وفد آپ کے پاس آیا۔ ان میں سے نو افراد ان کے معززین میں سے تھے، وہ اسلام لائے اور بیعت کی اور آپ سے اپنے قیدیوں کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے عرض کیا: کہا یا رسول اللہ! جو لوگ آپ کے پاس ہیں ان میں (آپ کی رضاعی) مائیں، بہنیں، پھوپھیاں اور خالائیں بھی ہیں۔ آپ نے فرمایا: عنقریب میں تمہارے لیے سوال کروں گا اور مال غنیمت کی تقسیم

ہو چکی ہے۔ تم دو باتوں میں سے کس بات کو پسند کرتے ہو؟ قیدی یا مال؟ انہوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ نے ہمیں حسب اور مال میں اختیار دیا ہے تو ہمیں حسب زیادہ پسند ہے، ہم بکریوں اور اونٹوں کے بارے میں گفتگو نہیں کرتے۔ (ہمیں اپنے قیدی مطلوب ہیں)

آپ نے فرمایا: جو کچھ بنوہاشم کے پاس ہے وہ تمہارا ہے اور عنقریب میں تمہارے لیے مسلمانوں سے گفتگو کروں گا۔ تم بھی ان سے گفتگو کرو اور اپنے اسلام کا اظہار کرو۔

جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر کی نماز پڑھائی تو ان کے خطباء نے نہایت بلیغ گفتگو کی اور قیدیوں کی واپسی کے سلسلے میں مسلمانوں کو ترغیب دی پھر ان کے خطیب کے فارغ ہونے پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے اور آپ نے ان کی سفارش فرمائی اور مسلمانوں کو ترغیب دی اور فرمایا: بنوہاشم کے پاس جو کچھ تھا وہ میں نے واپس کر دیا ہے۔۔۔

ابن اسحٰق نے حضرت عمرو بن شعیب سے روایت کیا انہوں نے اپنے باپ سے اور انہوں نے ان کے (حضرت عمرو کے) دادا سے روایت کیا کہ ہوازن کا وفد جعرانہ مقام پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوا اور وہ اسلام قبول کر چکے تھے۔ انہوں نے عرض کیا یارسول اللہ! ہم اہل و عیال اور قبیلے والے ہیں اور ہم جس آزمائش میں مبتلا ہیں وہ آپ پر مخفی نہیں ہے۔ آپ ہم پر احسان فرمائیں اللہ تعالیٰ آپ پر احسان فرمائے گا اور ان کے خطیب حضرت زہیر بن صرد رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر عرض کیا: یارسول اللہ! قیدیوں میں جو عورتیں قید ہیں وہ آپ کی خالائیں، پھوپھیاں اور آپ کی پرورش کرنے والیاں ہیں جنہوں نے آپ کی پرورش کی اور آپ کی بہترین کفالت کی گئی۔[1] پھر یہ شعر پڑھا:

امنن علینا رسول الله فی کرم فانک المرء نرجوه وندخر

"اے اللہ کے رسول! ہم پر احسان فرمائیں اور کرم کیجئے۔ آپ ایسی شخصیت ہیں جن سے ہم امید رکھتے ہیں اور (اپنے مصائب میں) آپ کو سرمایہ (ثروت) جانتے ہیں۔"

اعلیٰ حضرت علی الرحمہ فرماتے ہیں، ہم فقیروں کی ثروت پہ لاکھوں سلام۔

مشہور اشعار آگے آ رہے ہیں۔

امام طبرانی کی معجم صغیر میں ان کی ثلاثیات[2] سے ہے۔ حضرت زہیر بن صرد جشمی فرماتے ہیں: جب غزوۂ حنین کے دن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں قیدی بنایا اور قیدیوں اور بکریوں کو تقسیم کر دیا تو میں حاضر ہوا اور یہ اشعار پڑھے:

---

[1] قبیلہ ہوازن حضرت حلیمہ سعدیہ کا قبیلہ تھا اور حضور علیہ السلام نے ان کے ہاں دودھ پیا اور پرورش پائی تھی، اس لیے ان سے آپ کا رشتہ قائم ہوا۔۔۔ ۱۲ ہزاروی۔

[2] امام طبرانی اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان صرف تین افراد کا واسطہ ہے۔ ایسی روایات ثلاثیات کہلاتی ہیں۔۔۔ ۱۲ ہزاروی۔

امنن علینا رسول اللہ فی کرم فانک المرء نرجوہ. وندخر
امنن علی بیضۃ قد عاقھا قدر فشتت شملھا فی دھرھا غیر
ابقت لنا الدھر ھتافا علی حزن علی قلوبھم الغماء والغمر
ان لم تدارکھم نعماء تنشرھا یاارجح الناس حلما حین تختبر
امنن علی نسوۃ قد کنت ترضعھا اذفوک مملوۃ من محضھا الدرر
اذانت طفل صغیر کنت ترضعھا واذ یزینک ما تاتی وما تذر
لا تجعلنا کمن شالت نعامتہ واستبق منا فانا معشر زھر
انا لنشکر للنعماء اذ کفرت وعندنا بعد ھذا الیوم مدخر
فالبس العفو من قد کنت ترضعہ من امھاتک ان العفو مشتھر
یا خیر من مرحت کمت الجیاد بہ عند الھیاج اذا ما استوقد الشرر
انا نئومل عفوا منک تلبسہ ھادی البریہ اذ تعفو وتنتصر
فاعفو عفا اللہ عما انت راھبہ یوم القیامہ اذ یھدی لک الظفر

"یارسول اللہ! کرم فرماتے ہوئے ہم پر احسان کیجئے۔ آپ وہ شخصیت ہیں جن سے ہم امید کرتے اور (اپنے مصائب میں) آپ کو سرمایہ (ثروت) جانتے ہیں"۔

"اس قبیلے پر احسان کیجئے جسے تقدیر نے بے سروسامان کر دیا' اس کی جماعت اپنے زمانے میں بکھر گئی اور اس کی حالت بدل گئی"۔

"زمانے نے ہمارے لیے غم پر مبنی آواز چھوڑی ہے اور ان کے دلوں میں غم اور کینہ ہے"۔

"اگر آپ ان کے پُرسانِ حال نہ ہوں گے اور نعمت سے بہرہ ور نہیں فرمائیں گے تو وہ بکھر جائیں گے۔ اے وہ ذات کہ آزمائش کے وقت آپ بُردباری میں سب پر ترجیح رکھتے ہیں"۔

"ان خواتین پر احسان کیجئے جن کا دودھ آپ نے نوش فرمایا ہے۔ آپ کا دہن مبارک ان کے دودھ سے بھرا ہے"۔

"جب آپ چھوٹے بچے تھے تو ان کا دودھ پیتے تھے اور وہ چیزیں آپ کی زینت کا باعث بنتی تھیں جن کو آپ اختیار کرتے اور چھوڑتے"۔

"ہمیں اس شخص کی طرح نہ کر دیں جس کا شتر مرغ اُڑ چکا ہو (بے یارومددگار ہو) ہمیں رہنے دیں' ہم ایک عمدہ قبیلہ ہیں"۔

"ہم ان نعمتوں پر شکر ادا کرتے ہیں جن کی ناشکری کی جاتی ہے اور آج کے بعد ہمارے پاس ذخیرہ ہوگا"۔

"آپ ان لوگوں کو معافی کا لباس پہنائیں جن کی ماؤں کا دودھ آپ پیتے تھے۔ آپ کا عفو و درگزر

مشہور ہے"۔

"اے بہترین شخص! جس کے ساتھ گھسان کی جنگ میں تیز رو سُرخ گھوڑے اِتراتے اور ناز کرتے ہیں۔ ہم آپ سے عفو و درگزر کے امیدوار ہیں اے مخلوق کے ہادی! جب آپ معاف کریں اور مدد فرمائیں، آپ معاف کیجئے آپ کو اللہ تعالیٰ اس سے معاف کرے جس سے آپ خوفزدہ ہیں، قیامت کے دن جب آپ کامیاب ہوں گے"۔

جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اشعار سنے تو فرمایا کہ جو کچھ میرے پاس اور عبدالمطلب (بنوہاشم) کے پاس ہے وہ تمہارا ہے اور قریش نے کہا: جو کچھ ہمارے لیے ہے وہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہے اور انصار نے کہا: جو کچھ ہمارے پاس ہے وہ بھی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہے۔

امام طبرانی اور حضرت زہیر کے درمیان کا راوی معلوم نہیں لیکن ان کی حدیث اس مذکورہ متابعت سے قوی ہو جاتی ہے، پس یہ حدیث حسن ہے۔ جس نے اس کو منقطع کہا اس کو وہم ہوا اور ابن اسحٰق نے جو اشعار نقل کیے ہیں امام طبرانی نے ان پر پانچ اشعار کا اضافہ کیا ہے۔

واقدی نے ذکر کیا کہ ہوازن کا وفد چوبیس گھرانوں پر مشتمل تھا۔ ان میں ابوبرقان سعدی بھی تھے۔ انہوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! یہ آپ کی مائیں، خالائیں، آپ کی پرورش کرنے والیاں اور دودھ پلانے والیاں ہیں، پس ہم پر احسان کریں اللہ تعالیٰ آپ پر احسان فرمائے گا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے تمہارا انتظار کیا، حتیٰ کہ میں نے گمان کیا کہ تم نہیں آؤ گے اور میں نے قیدی تقسیم کر دیئے۔ (کتاب المغازی للواقدی جلد ۳ ص ۹۵۰)

ثقیف کا وفد

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تبوک سے واپس تشریف لائے تو ثقیف کا وفد آپ کے پاس آیا اور ان کا معاملہ یہ تھا کہ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم طائف سے واپس تشریف لائے تو آپ کی خدمت میں عرض کیا گیا: یارسول اللہ! ثقیف کے حق میں بددُعا فرمائیں۔ آپ نے یُوں دُعا فرمائی:

اللھم اھد ثقیفا وائت بھم۔ یا اللہ! ثقیف کو ہدایت دے اور ان کو (میرے پاس) لا۔ (کنزالعمال جلد ۱۲ ص ۶۳)

جب آپ وہاں سے واپس ہوئے تو حضرت عروہ بن مسعود رضی اللہ عنہ آپ کے پیچھے آئے حتیٰ کہ آپ کو مدینہ طیبہ میں داخل ہونے سے پہلے پالیا، پس وہ اسلام لائے اور آپ سے اجازت طلب کی کہ اسلام کی حالت میں اپنی قوم کی طرف لوٹ جائیں۔ جب انہوں نے اپنے بالاخانے سے جھانکا اور ان کو اسلام کی دعوت دی نیز ان کے لیے اپنے دین کو ظاہر کیا تو انہوں نے ہر طرف سے ان پر تیر برسانے شروع کر دیئے، ان کو ایک تیر لگا اور وہ شہید

ہو گئے۔

پھر بنو ثقیف ان کی شہادت کے بعد کئی ماہ تک خاموش رہے اور اس کے بعد انہوں نے باہم مشورہ کیا کہ وہ اردگرد کے عربوں سے لڑنے کی طاقت نہیں رکھتے، چنانچہ انہوں نے بیعت کی، اسلام لائے اور اس بات پر متفق ہوئے کہ کسی کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجیں۔

چنانچہ انہوں نے عبدیالیل بن عمرو ابن عمیر کو بھیجا اور اس کے ساتھ احلاف (حلیفوں) میں سے دو آدمی حکم بن عمرو بن وہب بن معتب بن مالک اور شرحبیل بن غیلان اور بنو مالک میں سے تین آدمی عثمان بن ابی العاص، اوس بن عوف اور نمیر ابن خرشہ کو بھیجا۔

جب یہ لوگ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے مسجد کے کنارے پر ان کے لیے ایک خیمہ لگا دیا اور خالد بن سعید بن عاص، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے درمیان سفارت کے فرائض سرانجام دیتے رہے حتیٰ کہ وہ لوگ مسلمان ہو گئے اور ایک تحریر کی درخواست کی۔ حضرت خالد بن سعید نے ہی وہ خط لکھا۔ انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مطالبہ کیا کہ وہ ان کے بت لات کو چھوڑ دیں اور تین سال تک اسے نہ گرائیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ مطالبہ تسلیم نہ کیا اور فرمایا کہ حضرت ابوسفیان بن حرب اور حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہما جا کر اسے گرائیں گے۔

انہوں نے اس کے ساتھ ساتھ یہ سوال بھی کیا کہ آپ ان سے نماز معاف کر دیں اور وہ اپنے بتوں کو اپنے ہاتھوں سے گرائیں گے۔ آپ نے فرمایا: تم خود اپنے بتوں کو توڑو، جہاں تک نماز کا تعلق ہے تو جس دین میں نماز نہیں اس میں کوئی بھلائی نہیں۔

جب انہوں نے اسلام قبول کیا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ایک مکتوبِ گرامی تحریر کر دیا تو حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ کو ان پر امیر مقرر فرمایا اور وہ ان میں سے سب سے چھوٹے تھے لیکن اسلام کی سمجھ حاصل کرنے اور قرآن مجید سیکھنے کی سب سے زیادہ حرص رکھتے تھے۔

وہ لوگ اپنے شہر کی طرف واپس ہوئے اور ان کے ساتھ حضرت ابوسفیان بن حرب اور حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہما بھی ان کے بت کو توڑنے کے لیے تشریف لے گئے۔

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ اس بت کے اوپر چڑھ گئے اور کدال سے اس پر ضرب لگائی تو ثقیف کی عورتیں افسوس کرتے ہوئے اور روتی ہوئی باہر نکل آئیں اور حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ نے اسے توڑنے کے بعد اس کا مال اور زیورات وغیرہ لے لیے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو جو تحریر عطا فرمائی، اس کا مضمون یہ تھا:

بسم اللہ الرحمن الرحیم، من محمد رسول اللہ الی المؤمنین: ان عضاہ وج وصیدہ حرام لا یعضد، من وجد یفعل شیئا من ذلک فانہ

اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا ہے۔ اللہ کے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے مومنوں کے نام۔ بے شک وادی وج کے کانٹے دار درخت اور شکار حرام ہے (ان درختوں کو) نہ کاٹا جائے اور

يجلد، وتنزع ثيابه، فان تعدى ذلك فانه يوخذ فيبلغ النبي محمدا وان هذا امر النبي محمد رسول الله، وكتب خالد بن سعيد بامر الرسول محمد بن عبدالله، فلا يتعداه احد فيظلم نفسه فيما امر به محمد رسول الله۔

جو شخص اس طرح کرتے ہوئے پایا گیا تو اسے کوڑے لگائے جائیں گے اور اس کا لباس اُتار دیا جائے گا۔ اگر وہ حد سے بڑھے تو اس کو پکڑ کر نبی اکرم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچا دیا جائے گا۔ یہ اللہ کے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے اور اللہ کے رسول حضرت محمد بن عبداللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اسے خالد بن سعید نے تحریر کیا، پس کوئی شخص اس سے تجاوز نہ کرے، اس طرح وہ محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے حکم کے بارے میں اپنے نفس پر ظلم کرنے والا ہوگا۔۔۔

وج، طائف میں ایک وادی ہے اور اس بارے میں اختلاف ہے کہ کیا وہ حرم کا حصہ ہے اور اس کا شکار کرنا یا درخت کاٹنا حرام ہے یا نہیں؟ تو جمہور کے نزدیک پوری دنیا میں صرف حرم مکہ اور حرم مدینہ حرم ہے۔

لیکن حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے حرم مدینہ کے سلسلے میں ان کی مخالفت کی ہے۔[1]

حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کا ایک قول یہ ہے کہ وج، حرم ہے اور اس کا شکار اور درخت کاٹنا حرام ہیں اور اس قول پر دو حدیثوں سے استدلال کیا ہے۔ ایک وہ حدیث جو ابھی گزر چکی ہے اور دوسری حدیث حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ انہوں نے اپنے والد سے روایت کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ان صيد وج وعضاهه حرم محرم لله۔

بے شک وج (وادی) کا شکار اور درخت حرم ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کے لیے حرام ہیں۔

(سنن ابی داؤد جلد اوّل ص ۲۸۵، مسند امام احمد بن حنبل جلد اوّل ص ۱۶۵)

لیکن حضرت عروہ رضی اللہ عنہ کا اپنے والد سے روایت کرنا محلِ نظر ہے، اگرچہ انہوں نے ان کو دیکھا ہے۔

معتمر بن سلیمان (التیمی) کے مغازی میں حضرت عبداللہ بن عبدالرحمٰن طائفی سے مروی ہے، وہ اپنے چچا حضرت عمرو بن اوس سے، وہ حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے امیر مقرر کیا اور میں ان لوگوں میں سے سب سے چھوٹا تھا جو ثقیف کے وفد کے طور پر آئے تھے اور اس کی وجہ یہ تھی کہ میں سورۂ بقرہ پڑھا کرتا تھا۔ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! مجھے قرآن بھول جاتا ہے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے سینے پر اپنا دستِ مبارک رکھا اور فرمایا: اے شیطان! عثمان

[1] حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے مدینہ طیبہ کا شکار کرنا، وہاں کے درخت کاٹنا جائز قرار دیا اور آپ نے صحیح بخاری وغیرہ کی صحیح احادیث سے استدلال کیا ہے۔ (زرقانی جلد ۳ ص ۱۰)

کے سینے سے نکل جا--- (فرماتے ہیں) اس کے بعد میں جس چیز کو یاد کرنا چاہتا اسے کبھی نہیں بھولتا تھا۔

اور صحیح مسلم میں حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں: میں نے عرض کیا یارسول اللہ! شیطان میرے اور میری نماز و قرأت کے درمیان حائل ہوگیا ہے۔ آپ نے فرمایا: یہ شیطان خنزب کہلاتا ہے۔ جب تم اسے محسوس کرو تو اس سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگو اور اپنی بائیں طرف تین بار تھوک دو--- فرماتے ہیں میں نے ایسا کیا تو اللہ تعالیٰ نے اسے مجھ سے دور کردیا۔ (صحیح مسلم جلد ۲ ص ۲۲۴)

بنو عامر کا وفد

بنو عامر کا وفد بھی بارگاہِ نبوی میں حاضر ہوا۔ ابن اسحٰق کہتے ہیں جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ تبوک سے فارغ ہوئے اور بنو ثقیف اسلام قبول کر کے بیعت کرچکے تو عرب کے وفود ہر طرف سے آنے لگے، پس وہ اللہ کے دین میں فوج در فوج داخل ہونے لگے۔ وہ ہر طرف سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ (زاد المعاد جلد ۳ ص ۳۴)

پس بنو عامر کا وفد بھی آپ کے پاس آیا۔ ان میں عامر بن طفیل، اربد بن قیس، خالد بن جعفر (صحیح اربد بن قیس بن جزء بن خالد بن جعفر ہے) اور حیان بن اسلم بن مالک بھی شامل تھے (ابن ہشام کے نزدیک جبار بن سلمی بن مالک بن جعفر تھے) یہ لوگ اپنی قوم کے سردار اور شیطان تھے۔

چنانچہ اللہ کا دشمن عامر بن طفیل، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بڑھا اور وہ آپ کو دھوکہ دینا چاہتا تھا، چنانچہ اس نے اربد سے کہا کہ جب ہم اس شخص (نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس جائیں تو میں ان کے چہرے کو تمہاری طرف سے دوسری طرف متوجہ رکھوں گا۔ جب میں ایسا کروں تو تم تلوار سے ان کو قتل کردینا، پس عامر نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو کی اور کہا کہ اللہ کی قسم! میں اس زمین کو آپ پر گھوڑوں اور آدمیوں سے بھردوں گا، پس جب وہ واپس ہوا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا مانگی: یا اللہ! عامر بن طفیل کے خلاف میری مدد فرما!

جب وہ دونوں باہر نکلے تو عامر نے اربد سے کہا: تجھ پر افسوس ہے میں نے تمہیں جس بات کا تجھے حکم دیا تھا تو نے اس پر عمل کیوں نہ کیا؟ اس نے کہا: اللہ کی قسم! میں نے جب بھی اس بات کا ارادہ کیا جو تم نے کہی تھی تو تو میرے اور ان کے درمیان حائل ہوگیا تو کیا میں تمہیں قتل کردیتا۔ اور جب وہ راستے میں تھے تو اللہ تعالیٰ نے عامر بن طفیل کی گردن پر طاعون کی بیماری پیدا کردی سو اللہ تعالیٰ نے اسے ہلاک کردیا۔

(السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد ۲ ص ۲۳۷، زاد المعاد جلد ۳ ص ۳۴)

صحیح بخاری میں ہے کہ عامر بن طفیل نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور اس نے کہا: میں آپ کو تین باتوں میں سے ایک کا اختیار دیتا ہوں۔ نرم زمین والے آپ کے لیے اور پتھریلے مکانوں والے میرے لیے ہوں یا میں آپ کے بعد آپ کا نائب ہوں گا ورنہ میں غطفان کے ہمراہ ایک ہزار سرخ گھوڑے اور ایک ہزار سرخ گھوڑیاں

لے کر مقابلہ کروں گا۔ پس وہ ایک عورت کے گھر میں طاعون کا شکار ہوا تو اس نے کہا: یہ جوان اونٹ کے طاعون کی طرح کا طاعون ہے جو بنو فلاں کی عورت کے گھر میں ہوا، میرا گھوڑا لاؤ۔ پس وہ سوار ہوا اور گھوڑے کی پیٹھ پر ہی مر گیا۔ (صحیح بخاری جلد ۲ ص ۵۸۶، الفاظ میں کچھ تبدیلی کے ساتھ)

عبدالقیس کا وفد

عبدالقیس کا وفد حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا تو اللہ تعالیٰ نے آپ کے ہاں ان کی عزت و شرف کو بڑھایا اور یہ بہت بڑا قبیلہ تھا جو بحرین میں رہتے تھے اور عبدالقیس بن افصیٰ کی طرف منسوب تھے۔ افصیٰ، دعمیٰ کا بیٹا تھا۔

صحیح بخاری و مسلم میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ عبدالقیس کا وفد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا تو آپ نے پوچھا: کس قوم سے ہو؟ انہوں نے کہا: ربیعہ سے ہیں۔ آپ نے فرمایا: اس وفد کا آنا مبارک ہو، انہیں ذلت ہوگی نہ ندامت۔۔۔

انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہمارے اور آپ کے درمیان یہ مضر کفار کا قبیلہ (حائل) ہے اور ہم آپ کے پاس صرف حرمت والے مہینوں میں پہنچ سکتے ہیں، پس آپ ہمیں ایک تفصیلی اور جامع حکم دیں جسے ہم اختیار کریں اور اپنے بعد والوں کو بھی بتائیں اور اس کے ذریعے ہم جنت میں داخل ہوں۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں تمہیں چار باتوں کا حکم دیتا ہوں: میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر ایمان رکھو، کیا تم جانتے ہو اللہ تعالیٰ پر ایمان کیا ہے؟ (پھر فرمایا) اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں، نماز قائم کرنا، زکوۃ ادا کرنا اور ماہ رمضان المبارک کے روزے رکھنا اور یہ کہ تم مالِ غنیمت میں سے پانچواں حصہ دو۔ اور میں تمہیں چار چیزوں سے منع کرتا ہوں: دباء، حنتم، نقیر اور مزفت سے روکتا ہوں[1] پس ان باتوں کو یاد رکھو اور اپنے پیچھے والوں کو بھی ان کی دعوت دو۔[2] (صحیح بخاری جلد اوّل ص ۱۳، صحیح مسلم جلد اوّل ص ۳۳)

ابن قیم نے اس واقعہ کے ضمن میں کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا ان قولی اور فعلی خصائل کے مجموعہ کا نام ہے، جس طرح اس پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام، تابعین اور ان کے متبعین نے عمل کیا۔ یہ بات امام شافعی رحمہ اللہ نے مبسوط میں ذکر کی ہے اور اس پر کتاب و سنت سے ایک سو کے قریب دلائل دیئے

---

[1] زمانہ جاہلیت میں کچھ برتن شراب بنانے کے لیے خاص تھے، ان میں شراب بنائی جاتی تھی۔ دباء کدو کو اندر سے کھرچ کر بناتے تھے، حنتم سبز گھڑا، نقیر بانس وغیرہ کے تنے کو کھرچ کر برتن بنایا جاتا تھا اور مزفت وہ برتن جس پر تارکول لگاتے تھے۔
(زرقانی جلد ۴ ص ۱۲)

[2] تمہارے وہ لوگ جو یہاں نہیں آئے، اسی طرح ان کے علاوہ جو لوگ تمہارے پاس آئیں ان کو بھی یہ باتیں بتاؤ۔
(زرقانی جلد ۴ ص ۱۳)

ہیں۔[1]

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان خصائل میں حج کو شمار نہیں کیا کیونکہ یہ لوگ ۹ھ میں آئے تھے اور حج ابھی تک فرض نہیں ہوا تھا بلکہ حج ۱۰ھ میں فرض ہوا۔ یہ ان لوگوں کی دلیل ہے۔ جن کے نزدیک ابھی (۹ھ میں) حج فرض نہیں ہوا تھا اگر حج فرض ہوا ہوتا تو اسے ایمان سے شمار فرماتے جس طرح روزے اور زکوۃ کو شمار کیا۔

(زاد المعاد جلد ۳ ص ۳۶)

عبد القیس کے دو وفد تھے: ایک فتح مکہ سے پہلے آیا اسی لیے انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ ہمارے اور آپ کے درمیان مضر کفار حائل ہیں اور یہ پہلے کی بات ہے یعنی ۵ھ یا اس سے پہلے کی، اور ان کی بستی بحرین میں تھی۔ پہلے وفد میں تیرہ مرد شامل تھے اور کہا گیا کہ چودہ سوار تھے اور اسی موقع پر انہوں نے ایمان اور مشروبات کے بارے میں سوال کیا اور ان میں اشج (منذر بن عائذ) بھی تھے جو ان کے سردار تھے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: آپ میں دو خصلتیں ہیں جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہیں: ایک بردباری اور دوسری اطمینان۔ یہ حدیث امام مسلم رحمہ اللہ نے حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ کی روایت سے نقل کی ہے۔
(صحیح مسلم جلد اول ص ۳۵)

امام بیہقی رحمہ اللہ نے نقل کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام سے بیان فرما رہے تھے کہ عنقریب تم پر اس جگہ سواروں کا ایک دستہ نمودار ہوگا' وہ اہلِ مشرق میں سے بہترین لوگ ہیں۔ پس حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ان کی طرف کھڑے ہوئے تو تیرہ سواروں سے ملاقات کی اور ان کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشادِ گرامی کی بشارت دی۔ پھر ان کے ساتھ چلے حتیٰ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے اور ان لوگوں نے اپنے آپ کو سواریوں سے جلدی جلدی گرایا اور آپ کے ہاتھ مبارک چومنے لگے۔

(دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۵ ص ۳۲۷)

حضرت امام بخاری رحمہ اللہ نے اسے الادب المفرد میں نقل کیا ہے۔ ممکن ہے ان مذکورہ افراد میں سے ایک پیدل ہوں یا دوسرے کے پیچھے بیٹھے ہوں۔

اور دوسرا وفد اس سال آیا جو وفود کا سال کہلاتا ہے اور اس وقت وہ چالیس مرد تھے، جس طرح ابو خیرہ (یا ابو خیوۃ) صباحی کی حدیث میں ہے۔ ابن مندہ کے ہاں اسی طرح ہے۔

اس وفد کے متعدد ہونے کی تائید دوسری حدیث سے بھی ہوتی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: کیا بات ہے میں تمہارے چہروں کے رنگ بدلے ہوئے دیکھتا ہوں؟ اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ آپ نے اس تبدیلی سے پہلے بھی ان کو دیکھا تھا۔ (فتح الباری جلد ۸ ص ۶۷) اور ان کا "یا رسول اللہ" کہنا اس بات

[1] اعمال، ایمان کے کمال کے لیے شرط ہیں ایمان کی تعریف میں داخل نہیں ہیں یعنی ایمان صرف تصدیقِ قلبی کا نام ہے اور اعمال کی وجہ سے ایمان کامل ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جو شخص ایمانیات کو دل سے مانتا ہے لیکن عمل میں کوتاہی کرتا ہے' وہ دائرۂ اسلام سے خارج نہیں ہوتا... ۱۲ ہزاروی۔

کی دلیل ہے کہ گفتگو کے وقت وہ مسلمان تھے، اسی طرح ان کا "کفار مضر" اور "اللہ ورسولہ اعلم" کہنا بھی ان کے مسلمان ہونے کی دلیل ہے۔

ان کے پہلے سے مسلمان ہونے پر صحیح بخاری کی یہ حدیث بھی دلیل ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد کے بعد سب سے پہلا جمعہ عبدالقیس کی مسجد میں قائم ہوا، جو بحرین کے علاقہ میں جواثی مقام پر ہے (صحیح بخاری جلد ۲ ص ۶۲۷) اور یہ ان لوگوں کی بستی ہے۔ انہوں نے اپنے وفد کی واپسی کے بعد جمعہ قائم کیا۔

فتح الباری میں فرمایا کہ یہ اس بات پر دلالت ہے کہ ان لوگوں نے اسلام کی طرف تمام بستیوں سے سبقت کی۔ (فتح الباری جلد اول ص ۱۳۴) اور جو کچھ ابن قیم نے کہا کہ حدیث میں حج کا ذکر نہ کرنے کی وجہ یہ تھی کہ اس وقت تک حج فرض نہیں ہوا تھا تو یہ بات قابل اعتماد ہے۔ ان لوگوں کے پہلے سے اسلام قبول کرنے کی دلیل گزر چکی ہے لیکن ابن قیم کا واقدی کی اتباع میں یہ کہنا کہ وہ لوگ فتح مکہ سے پہلے ۹ھ میں آئے تھے[1] عمدہ بات نہیں ہے کیونکہ سب سے زیادہ صحیح قول کے مطابق حج ۶ھ میں فرض ہوا لیکن انہوں نے دوسروں کی طرح فرضیت حج کے سلسلے میں ۱۰ھ والے قول کو پسند کیا حتیٰ کہ ان کے مذہب پر کہ حج فوری طور پر کیا جائے، کوئی چیز لازم نہیں آتی۔

حضرت امام شافعی رحمہ اللہ نے حج کی تاخیر کے سلسلے میں اس سے استدلال کیا کہ حج، ہجرت کے بعد فرض ہوا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ۸ھ اور ۹ھ میں حج کرنے پر قادر تھے لیکن آپ نے ۱۰ھ میں حج فرمایا۔ (فتح الباری جلد اول ص ۱۳۴) اس سلسلے میں عبادات کے ضمن میں مزید تفصیل آئے گی۔

اگر تم کہو کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کیسے فرمایا کہ میں تمہیں چار باتوں کا حکم دیتا ہوں، حالانکہ پانچ باتیں مذکور ہیں۔

جواب: قاضی عبدالوہاب (فتح الباری جلد اول ص ۱۳۴ میں قاضی عیاض ہے اور یہی زیادہ صحیح ہے) نے ابن بطال کی اتباع میں جواب دیا کہ چار باتیں خمس کی ادائیگی کے علاوہ ہیں۔

گویا آپ نے ان کو ایمان کے قواعد اور فرضِ عین امور سے آگاہ کرنے کا ارادہ فرمایا پھر ان کو بتایا کہ جب وہ جہاد کریں تو (مالِ غنیمت سے) کس قدر مال نکالنا ہوگا کیونکہ وہ مضر کے کفار سے لڑائی کی حالت میں تھے اور اس کو مستقل اعتبار سے ذکر نہیں کیا کیونکہ اس کا سبب جہاد ہے اور اس وقت تک جہاد فرض عین نہیں ہوا تھا اسی لیے حج کا ذکر نہیں کیا کیونکہ وہ اس وقت تک حج بھی فرض نہیں ہوا تھا۔

اور ان کے غیر (ابن صلاح) نے کہا کہ حضور علیہ السلام کا ارشاد گرامی "کہ تم دو" یہ آپ کے قول "باربع" (چار) پر معطوف ہے یعنی میں تمہیں چار باتوں کا حکم دیتا ہوں اور تم دو---

اس توجیہ پر یہ بات دلالت کرتی ہے کہ لفظ اربع (چار) اور لفظ اتیان (لانا) کے سیاق سے ہٹ کر لفظ ان اور فعل (تعطوا) لایا گیا اور ان کو مخاطب کیا گیا۔ (یعنی پہلے بطور مصدر لایا گیا شہادت دینا، نماز قائم کرنا وغیرہ اور پھر

---

[1] امام زرقانی فرماتے ہیں صحیح بات یہ ہے کہ فتح مکہ کے بعد آئے، کیونکہ مکہ فتح سنہ ۸ھ میں ہوا (زرقانی جلد ۳ ص ۱۷)۔ ۱۲ ہزاروی

خطاب کیا کہ تم دو)۔(فتح الباری جلد اوّل ص ۱۳۳)

قاضی ابوبکر بن عربی رحمہ اللہ نے فرمایا: یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ نماز اور زکوٰۃ کو ایک ہی شمار کیا کیونکہ اللہ کی کتاب میں دونوں کا اکٹھا ذکر ہے اچوتھی چیز خمس (مالِ غنیمت کا پانچواں حصہ) ادا کرنا ہے یا خمس کو شمار نہ کیا ہو کیونکہ وہ زکوٰۃ کے عموم میں داخل ہے اور دونوں کی قدرِ مشترک یہ ہے کہ دونوں میں مقرر مال نکالنا ہوتا ہے۔

حضرت امام بیضاوی رحمہ اللہ نے فرمایا: ظاہر یہ ہے کہ یہ پانچ امور یشان ایمان کی تفسیر ہیں اور یہ مجموعہ ان چار میں سے ایک ہے جن کا وعدہ کیا گیا (یعنی حکم دیا گیا) اور باقی تین کو راوی نے اختصار کے طور پر یا بھول کر حذف کر دیا۔(فتح الباری جلد اوّل ص ۱۳۴)

لیکن اس بات کا رد کیا گیا کہ صحیح بخاری میں یہ بھی مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں تمہیں چار باتوں کا حکم دیتا ہوں: "اللہ تعالیٰ کی توحید کی گواہی" اور اسے ایک شمار کیا۔(صحیح بخاری جلد ۲ ص ۶۲۷) تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ شہادت چار باتوں میں سے ایک ہے۔

امام قرطبی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ جن چار باتوں کا حکم دیا گیا ہے' ان میں سے پہلی بات نماز قائم کرنا ہے' کلمہ شہادت کا ذکر تبرک کے طور پر ہے۔

لیسی بھی اسی طرف مائل ہوئے ہیں' انہوں نے فرمایا: بلغاء کی عادت ہے کہ جب کوئی کلام کسی غرض کے تحت ہو تو وہ اسی کے سیاق میں ہوتا ہے اور باقی کو چھوڑ دیتے ہیں اور یہاں کلمہ شہادت مقصود نہیں ہے کیونکہ وہ لوگ مومن تھے اور کلمہ شہادت کا اقرار کرتے تھے لیکن جب ان کا خیال یہ تھا کہ ایمان صرف یہی ہے جس طرح کہ اسلام کے آغاز میں تھا تو آپ نے یہ بات فرمائی اور کلمہ شہادت کو ان چار باتوں میں شمار نہیں کیا۔

(فتح الباری جلد اوّل ص ۱۳۵)

بنو حنیفہ کا وفد

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بنو حنیفہ کا وفد بھی حاضر ہوا جن میں مسیلمہ کذاب بھی تھا۔ وہ لوگ انصار کی ایک خاتون کے گھر میں ٹھہرے جو بنو نجار سے تعلق رکھتی تھی۔

وہ لوگ مسیلمہ کو ایک کپڑے سے ڈھانپ کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائے۔ آپ' صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ہمراہ تشریف فرما تھے اور آپ کے دستِ مبارک میں کھجور کی ایک شاخ تھی۔ انہوں نے اس کو کپڑے سے لپیٹ رکھا تھا۔ اس نے آپ سے گفتگو کی اور سوال کیا تو آپ نے فرمایا: اگر تم مجھ سے یہ شاخ مانگو جو میرے ہاتھ میں ہے تو میں تمہیں نہ دوں۔(دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۵ ص ۳۳۰)

ابن اسحٰق نے یہ حدیث دوسری طرح ذکر کی ہے' انہوں نے فرمایا: مجھ سے اہلِ یمامہ کے ایک شیخ نے جو بنو حنیفہ سے تعلق رکھتا تھا بیان کیا کہ بنو حنیفہ کا وفد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور انہوں نے مسیلمہ کو اپنی منزل میں چھوڑ دیا۔ جب انہوں نے اسلام قبول کیا تو اس کی جگہ کا ذکر کیا اور عرض کیا: یا رسول اللہ! ہم نے

اپنے ایک ساتھی کو اپنے سامان اور سواریوں کے پاس حفاظت کے لیے چھوڑا ہے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لیے بھی وہی حکم دیا جو باقی لوگوں کو دیا[1] اور ان سے فرمایا کہ وہ تم میں سے بڑے مقام والا نہیں ہے کیونکہ وہ اپنے ساتھیوں کے مال کی حفاظت کر رہا تھا۔

پھر وہ واپس ہوئے اور یمامہ پہنچے تو وہ دشمنِ خدا مُرتد ہو گیا اور اس نے نبوت کا دعویٰ کیا اور کہا کہ میں اس معاملے (نبوت) میں ان کے ساتھ شریک ہوں، پھر وہ اشعار کہنے لگا اور قافیے ملانے لگا اور وہ ان سے جو کچھ کہتا قرآنِ پاک کے مشابہ کہتا۔ (دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۵ ص ۳۳۱) اس نے یوں کہا:

لقد انعم اللہ علی الحبلی، اخرج منھا نسمۃ تسعی من بین صفاق وحشی۔

اللہ تعالیٰ نے حاملہ عورت پر انعام فرمایا کہ اس سے رُوح نکالی جو نچلے چمڑے اور آنتوں کے درمیان دوڑتی ہے۔

اور اس لعنتی نے سورۃ "انا اعطیناک الکوثر" کے وزن پر مسجع یوں بنایا:

انا اعطیناک الجواھر فصل لربک وھاجر ان مبغضک رجل فاجر۔

ہم نے آپ کو جوہر عطا کیے آپ اپنے رب کے لیے نماز پڑھیں اور ہجرت کریں بے شک آپ سے دشمنی کرنے والا نافرمان شخص ہے۔

ایک روایت میں یُوں ہے:

انا اعطیناک الجماھر فخذ لنفسک وبادر واحذر ان تحرص او تکاثر۔

بے شک ہم نے آپ کو خزانے عطا کیے پس آپ اپنے لیے اختیار کریں اور جلدی کریں اور حرص کرنے یا کثرت کی خواہش سے بچیں۔

ایک دوسری روایت میں ہے:

انا اعطیناک الکوثر فصل لربک وبادر فی اللیالی الغوادر۔

ہم نے آپ کو بہت زیادہ عطا کیا پس اپنے رب کے لیے نماز پڑھیں اور اندھیری راتوں میں جلدی کریں۔

اور اس ذلیل کو معلوم نہ ہو کہ وہ مطلوب سے محروم رہے گا اور عنقریب معجزات کے بیان میں مسیلمہ کذاب کے رکیک مسجع کا ذکر ہو گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

کہا گیا ہے کہ اس نے بوتل میں انڈہ ڈال کر دعویٰ کیا کہ یہ اس کا معجزہ ہے، پس وہ اس قسم کی بات سے ذلیل ہوا جو کہی گئی ہے کہ جب شراب سے بنائے گئے سرکہ میں نوشادر ڈالی جائے اور اس میں انڈہ ڈالا جائے جو اسی دن حاصل ہوا اور اسے ایک دن رات رکھا جائے تو وہ دھاگے کی طرح لمبا ہو جاتا ہے، پھر اسے شیشی میں ڈال کر اس پر ٹھنڈا پانی ڈالا جائے تو وہ جم جاتا ہے۔۔۔

---

[1] ان میں سے ہر ایک کو پانچ اوقیہ چاندی عطا فرمائی۔

اور جب اس لعین نے سنا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بچے کے سر پر ہاتھ پھیرا جو بیمار تھا تو وہ صحیح ہو گیا اور کنوئیں میں لعاب مبارک ڈالا تو اس کا پانی زیادہ ہو گیا، حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی آنکھ دُکھتی تھی تو اس میں لعاب مبارک لگایا جس سے وہ ٹھیک ہو گئی۔ چنانچہ مسیلمہ کذاب لعنتی نے کنوئیں میں تھوکا تو اس کا پانی ختم ہو گیا، ایک بینا شخص کی آنکھ میں لعاب لگایا تو وہ اندھا ہو گیا، ایک دودھ دینے والی بکری کے تھن پر ہاتھ پھیرا تو اس کا دودھ ختم ہو گیا اور خشک ہو گیا۔ الشقراطیسی کو اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا کرے، انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کرتے ہوئے کیا خوب کہا:

اعجزت بالوحی ارباب البلاغۃ فی	عصر البیان فضلت اوجہ الحیل
سالتھم سورہ فی مثل حکمتہ	فتلھم عنہ حین العجز حین تلی
فرام رجس کذوب ان یعارضہ	بعی غی فلم یحسن ولم یطل،
مثبج برکیک الافک ملتبس	ملجلج بزری الزور والخطل
یمج اول حرف سمع سامعہ	ویعتریہ کلال العجز والملل
کانہ منطق الورھاء شذ بہ	لبس من الخبل اومس من الخبل
امرت البئر واغورت لمجتہ	فیھا واعمی بصیر العین بالتفل
وایبس الضرع منہ شئوم راحتہ	من بعد ارسال رسل منہ منھمل

''آپ نے وحی کے ذریعے اربابِ بلاغت کو اپنے زمانے میں بیان سے عاجز کر دیا، پس ان کے تمام حیلے بیکار ہو گئے''۔

''آپ نے ان سے اس جیسی پر حکمت سورت کا مطالبہ کیا لیکن جب قرآن کی سورت پڑھی گئی تو وہ عاجز ہو گئے''۔

''تو ناپاک جھوٹے (مسیلمہ کذاب) نے گمراہی پر مبنی کلام کے ساتھ مقابلے کا ارادہ کیا لیکن وہ اسے بھی اچھی طرح پیش نہ کر سکا اور اس کا کلام حُسن سے خالی تھا''۔

''جس کے معانی فاسد، کلام بیہودہ، جھوٹ، حقیر اور مردود فاحش تھا''۔

''اس کا پہلا حرف ہی سننے والے کو تھکا دیتا تھا۔ گویا وہ بیوقوف عورت کا مخلوط کلام ہے اور اس میں فساد ملا ہوا ہے۔ کنوئیں کو حکم دیا تو اس کی کلی سے اس کا پانی نیچے چلا گیا اور تھوک لگانے سے دیکھنے والے کی بینائی چلی گئی۔ اس کے منحوس ہاتھ کی وجہ سے بکری کا تھن خشک ہو گیا حالانکہ پہلے دودھ اُترتا تھا''۔

مسیلمہ کذاب کے کلام کو جس کے ذریعے اس نے معارضہ کیا ورہاء عورت کے کلام سے تشبیہ دی اور یہ بے وقوف عورت تھی، جو اپنی بیوقوفی کی وجہ سے ایسا کلام کرتی تھی، جو کسی کی سمجھ میں نہیں آتا تھا۔ وہ ایسا مخلوط اور بیہودہ کلام کرتی تھی، جس کا آپس میں کوئی تعلق نہیں ہوتا تھا اور نہ ہی اس کلام کا بعض، بعض کے مشابہ ہوتا اور یہ اس آدمی کے کلام کی طرح تھا جس کے دماغ میں فساد ہو یا وہ پاگل ہو۔

پھر اس لعین نے اپنی قوم سے نماز اٹھادی اور ان کے لیے شراب اور زنا حلال قرار دیا اور اس کے باوجود وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی گواہی دیتا تھا۔ (السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد ۲ ص ۱۴۰)

اس نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یوں خط لکھا:

من مسيلمة رسول الله الى محمد رسول الله، اما بعد: فانى قد اشركت معك فى الامر، وان لنا نصف الامر، ولقريش نصف الامر۔

اللہ کے رسول (معاذ اللہ) مسیلمہ کی طرف سے اللہ کے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اس کے بعد! میں آپ کے ساتھ اس معاملے میں شریک ہوں اور ہمارے لیے نصف معاملہ ہے اور دوسرا نصف قریش کے لیے ہے۔

اس کا قاصد خط لے کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے اس کی طرف لکھا:

بسم الله الرحمن الرحيم، من محمد رسول الله الى مسيلمة الكذاب، سلام على من اتبع الهدى، اما بعد: فان الارض لله يورثها من يشاء من عباده والعاقبة للمتقين۔

اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے رسول (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف سے مسیلمہ کذاب کی طرف، اس پر سلام ہو جو ہدایت کی پیروی کرتا ہے۔ اس کے بعد: بے شک زمین اللہ تعالیٰ کی ہے وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہے اس کا وارث بناتا ہے اور آخرت کا بہترین انجام پرہیزگاروں کے لیے ہے۔

صحیح بخاری و مسلم میں حضرت نافع بن جبیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے فرمایا کہ مسیلمہ کذاب، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہنے لگا اگر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے بعد یہ کام (خلافت) میرے سپرد کردیں تو میں ان کی اتباع کروں گا اور وہ مدینہ طیبہ میں اپنی قوم کے بہت سے لوگوں کے ساتھ آیا تھا۔ پس نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور آپ کے ساتھ حضرت ثابت بن قیس بن شماس رضی اللہ عنہ بھی تھے اور آپ کے ہاتھ میں کھجور کی ایک شاخ تھی، حتیٰ کہ آپ مسیلمہ کے پاس کھڑے ہوئے، جو اپنے ساتھیوں میں موجود تھا اور آپ نے فرمایا: اگر تم مجھ سے (لکڑی کا) یہ ٹکڑا بھی مانگو تو تمہیں نہیں دوں گا، تُو اللہ تعالیٰ کے حکم سے آگے نہیں بڑھ سکتا، جو تیرے بارے میں ہے اور اگر تو پیٹھ پھیرے گا تو اللہ تعالیٰ تجھے ہلاک کردے گا اور میں تیرے بارے میں وہی بات گمان کرتا ہوں جس کے بارے میں مجھے وہ کچھ دکھایا گیا جو دکھایا گیا۔ اور یہ ثابت بن قیس ہیں جو میری طرف سے تمہیں جواب دیں گے، پھر آپ واپس تشریف لے گئے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کے بارے میں پوچھا جس میں آپ نے فرمایا کہ تُو وہی ہے جس کے بارے میں مجھے دکھایا گیا جو میں نے دیکھا تو حضرت ابوہریرہ

رضی اللہ عنہ نے مجھے بتایا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس دوران کہ میں سو رہا تھا میں نے اپنے ہاتھ میں سونے کے دو کنگن دیکھے تو ان کے معاملے نے مجھے پریشان کر دیا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے خواب میں ہی مجھ پر وحی نازل فرمائی کہ ان کو پھونک دیں۔ میں نے پھونکا تو وہ اُڑ گئے تو میں نے اس کی تعبیر دو جھوٹے آدمیوں سے کی جو میرے بعد ظاہر ہوں گے تو وہ دو جھوٹے یہ ہیں: ایک عنسی صاحب صنعاء اور دوسرا مسیلمہ (کذاب)۔

(صحیح بخاری جلد ۲ ص ۲۲۸، صحیح مسلم جلد ۲ ص ۲۴۴)

سوال: ابن اسحٰق کی خبر اس حدیث صحیح کے ساتھ کس طرح مطابق ہوگی جس میں فرمایا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس کے پاس تشریف لے گئے اور اس سے مخاطب ہوئے اور اس کی قوم کے سامنے واضح الفاظ میں فرمایا کہ اگر وہ کھجور کی یہ شاخ بھی مانگے تو میں اسے نہیں دوں گا۔

جواب: صحیح بخاری میں جو کچھ مذکور ہے وہ زیادہ صحیح اور مناسب ہے۔

یہ بھی احتمال ہے کہ مسیلمہ دو مرتبہ آیا ہو، پہلی مرتبہ (کسی کے) تابع ہو کر آیا ہو اور بنو حنفیہ کا رئیس کوئی دوسرا شخص ہو اسی لیے اس نے اس کو سامان وغیرہ کی حفاظت کے لیے ٹھہرایا۔ اور دوسری مرتبہ متبوع بن کر آیا ہو اور اس مرتبہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے خطاب فرمایا ہو۔

یا واقعہ ایک ہی ہو اور وہ اپنے اختیار سے سامان کے پاس ٹھہرا ہو اور حضور علیہ السلام کی مجلس میں حاضری سے نفرت اور تکبر کی راہ اختیار کی ہو اور آپ نے اپنی عادت مبارکہ کے مطابق کرم فرماتے ہوئے اُلفت کی راہ اختیار کرتے ہوئے اس کی قوم سے فرمایا کہ وہ تم میں سے بُرا آدمی نہیں یعنی اس کا مقام بُرا نہیں کیونکہ وہ سامان کی حفاظت کر رہا تھا اور آپ نے قول و فعل کے ذریعے احسان کرتے ہوئے پیار و محبت کا سلوک کیا۔ پس جب مسیلمہ کے سلسلے میں یہ بات فائدہ مند نہ ہوئی تو آپ اس کی طرف متوجہ ہوئے تاکہ اس پر حجت مکمل کر دیں اور ڈر سنانے کے ذریعے اپنا عُذر پیش کر سکیں اور اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ (فتح الباری جلد ۷ ص ۷۰)

قبیلہ طے کا وفد

قبیلہ طے کا وفد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان میں ان کے سردار زید الخیل بھی تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر اسلام پیش کیا تو ان لوگوں نے اسلام قبول کیا اور بہت عمدہ طریقے پر اسلام لائے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے سامنے کسی عربی شخصیت کی فضیلت ذکر کی جاتی ہے تو میں اسے اس سے کم پاتا ہوں البتہ زید الخیل کی خوبیوں تک رسائی نہیں ہوتی پھر آپ نے ان کا نام زید الخیر رکھا۔ (طبقات ابن سعد جلد اول ص ۳۲۱)

حضرت زید الخیر رضی اللہ عنہ اپنی قوم کی طرف واپس ہوئے، جب نجد کے ایک چشمے پر پہنچے تو بخار میں مبتلا ہو کر انتقال فرما گئے۔

ابن عبدالبر نے کہا ہے کہ ایک قول کے مطابق آپ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خلافت کے آخر میں فوت ہوئے۔

ان کے دو بیٹے تھے: مکنف اور حریث۔ ان دونوں نے اسلام قبول کیا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کا شرف حاصل کیا اور حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے ہمراہ مرتدین سے لڑتے ہوئے شہید ہوئے۔

کندہ کا وفد

کندہ کا وفد اسی یا نوے افراد پر مشتمل تھا۔ یہ لوگ بارگاہ نبوی میں حاضر ہوئے اور مسجد میں داخل ہوئے۔ انہوں نے اپنی زلفوں میں کنگھی کر رکھی تھی، اسلحہ سے لیس تھے اور یمنی جبے پہن رکھے تھے جن پر ریشم چڑھا ہوا تھا۔ جب وہ داخل ہوئے تو آپ نے پوچھا کیا تم نے اسلام قبول نہیں کیا؟ انہوں نے عرض کیا: ہاں کیوں نہیں! فرمایا: تو تمہاری گردنوں میں یہ ریشم کیسا ہے؟ چنانچہ انہوں نے اسے پھاڑ کر اتار پھینکا۔

اشعریوں اور اہل یمن کا وفد

یہ وفد بھی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اللہ تعالیٰ نے آپ کے ہاں ان لوگوں کو زیادہ شرف و عزت عطا فرمائی۔

کہا گیا ہے کہ خاص کا عام پر عطف ہے۔ حافظ ابوالفضل شیخ الاسلام ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ان سے بعض اہل یمن مراد ہیں اور یہ حمیر کا وفد ہے۔ وہ فرماتے ہیں میں نے ابن شاہین کی کتاب "الصحابہ" میں حضرت ایاس بن عمرو الحمیدی کے طریق سے (منقول) پایا کہ وہ حمیر کے کچھ لوگوں میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ ہم آپ کے پاس دین کی سمجھ حاصل کرنے آئے ہیں۔

حاصل یہ ہے کہ عنوان دو طائفوں پر مشتمل ہے لیکن ایک ہی وفد میں ان کا جمع ہونا مراد نہیں ہے کیونکہ اشعری لوگ، حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ۷ھ میں فتح خیبر کے وقت حاضر ہوئے اور حمیر کا آنا ۹ھ میں ہوا اور یہ وفود کا سال ہے اسی لیے وہ بنو تمیم کے ساتھ جمع ہوئے۔ (فتح الباری جلد ۸ ص ۷۶)

حضرت یزید بن ہارون نے بواسطہ حمید، حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارے پاس ایک قوم آئے گی جن کے دل تمہارے دلوں سے زیادہ نرم ہیں، چنانچہ اشعری قبیلہ کے لوگ آئے اور انہوں نے یہ شعر پڑھا:

غدا نلقی الاحبہ محمد و حزبہ

"کل ہم اپنے محبوبوں سے ملیں گے اور وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی جماعت ہے۔"

(مسند امام احمد بن حنبل جلد ۳ ص ۱۵۵)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا

آپ نے فرمایا: اہلِ یمن آئے اور ان کے دل زیادہ نرم اور کمزور ہیں۔ ایمان یمنی ہے، حکمت بھی یمنی ہے اور سکون بکریوں والوں میں ہے اور فخر و تکبر ان لوگوں میں ہے، جو اپنے اونٹوں اور گھوڑوں میں آواز بلند کرتے ہیں۔ وہ سورج طلوع ہونے کی جانب (مشرق کی طرف) خیموں والے ہیں۔[1] (صحیح مسلم جلد اول ص ۵۳)

صحیح بخاری میں ہے کہ بنو تمیم کے کچھ لوگ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا: اے بنو تمیم! تمہیں خوشخبری ہو۔ انہوں نے عرض کیا: آپ نے ہمیں خوشخبری دی ہے پس ہمیں عطا کیجئے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ انور کا رنگ بدل گیا۔

اور کچھ لوگ یمن کی طرف سے آئے تو آپ نے فرمایا: خوشخبری قبول کرو جو بنو تمیم نے قبول نہیں کی۔ انہوں نے عرض کیا: ہم نے قبول کی۔ پھر انہوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! ہم آپ کے پاس دین سیکھنے اور اس کے بارے میں پوچھنے کے لیے حاضر ہوئے ہیں۔ آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اس وقت بھی تھا جب اس کے علاوہ کچھ بھی نہ تھا اور اس کا عرش پانی پر تھا اور اس نے لوحِ محفوظ میں سب کچھ لکھ دیا۔ (صحیح بخاری جلد اول ص ۴۵۳)

یمن کی طرف سے آنے والوں سے حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی قوم مراد ہے۔

صرد الازدی کا وفد

صرد بن عبداللہ ازدی نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ازد کے وفد میں حاضر ہو کر اسلام قبول کیا اور ان کا اسلام خوب ہوا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ان کی قوم میں سے مسلمان ہونے والوں پر امیر مقرر فرمایا اور ان کو حکم دیا کہ مسلمانوں کو ساتھ لے کر مشرک یمنی قبائل کے خلاف جہاد کریں۔

چنانچہ حضرت صرد بن عبداللہ ازدی رضی اللہ عنہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق نکلے، حتیٰ کہ جرش مقام پر اُترے اور وہاں کچھ عربی قبائل تھے، چنانچہ انہوں نے ایک مہینے تک ان کا محاصرہ کیا اور وہاں رُکے رہے، پھر وہاں سے واپس ہوئے حتیٰ کہ جب وہ ان کے ایک پہاڑ میں تھے تو ان لوگوں نے خیال کیا کہ آپ شکست خوردہ ہو کر واپس چلے گئے ہیں، وہ لوگ آپ کی تلاش میں نکلے حتیٰ کہ ان کو پایا تو آپ نے ان پر حملہ کر کے خوب قتل کیے۔

اہلِ جرش نے اپنے دو آدمی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجے تھے، وہ دونوں ایک شام کے وقت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھے تو آپ نے ان سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے اونٹ شکر کے پاس یعنی اس جگہ ذبح کیے جا رہے ہیں جہاں ان کی قوم کے لوگ قتل ہوئے۔ راوی فرماتے ہیں پھر وہ دونوں حضرات حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہما کے پاس بیٹھے تو انہوں نے فرمایا: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہیں تمہاری قوم کی ہلاکت کی خبر دی، پس وہ اپنی قوم کی طرف گئے تو انہیں معلوم ہوا کہ انہیں اسی دن اور اسی گھڑی قتل کیا گیا

[1] حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کہ بکریاں رکھو، ان میں برکت ہے (اور اہلِ یمن بھی بکریوں والے تھے) آواز بلند کرنے کا مطلب زیادہ اونٹ رکھنا ہے۔ (زرقانی جلد ۴ ص ۳۰)

تھا، جس دن اور جس وقت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا ذکر فرمایا تھا۔[1]

چنانچہ جرش کا وفد وہاں سے نکل کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور انہوں نے اسلام قبول کیا اور آپ نے ان کے لیے ان کی بستی کے قریب ایک چراگاہ مختص فرمائی۔ (زاد المعاد جلد ۳ ص ۴۱)

بنو حارث کا وفد

حضرت ابن اسحق نے فرمایا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو ربیع الاول یا جمادی الاولیٰ ۱۰ھ میں بنو حارث بن کعب کی طرف نجران میں بھیجا اور ان کو حکم دیا کہ ان لوگوں سے لڑائی کرنے سے پہلے ان کو تین بار اسلام کی دعوت دیں۔ اگر وہ مان جائیں تو ان کا اسلام لانا قبول کریں اور اگر وہ ایسا نہ کریں تو ان سے لڑیں۔

چنانچہ حضرت خالد رضی اللہ عنہ ان لوگوں کے پاس پہنچے تو ان کی طرف سواروں کو بھیجا جو ہر طرف پھیل گئے اور ان لوگوں کو اسلام کی دعوت دیتے ہوئے کہنے لگے کہ اسلام قبول کرو امن میں رہو گے۔ چنانچہ انہوں نے اسلام قبول کیا اور جس بات کی ان کو دعوت دی گئی تھی اس میں داخل ہوئے۔

حضرت خالد رضی اللہ عنہ وہاں ٹھہر گئے اور ان لوگوں کو اسلام کی تعلیم دینے لگے اور اس کے ساتھ ہی انہوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو صورت حال لکھ دی پھر بارگاہ نبوی میں حاضر ہوئے اور آپ کے ساتھ ان لوگوں کا وفد بھی تھا جن میں قیس بن حصین، یزید (زید) بن مجل اور شداد بن عبداللہ رضی اللہ عنہم بھی تھے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا کہ تم اپنے مقابل لڑنے والوں پر کس طرح غالب آتے ہو؟ انہوں نے عرض کیا: ہم جمع رہتے ہیں جدا جدا نہیں ہوتے اور نہ ہی کسی پر ابتداءً ظلم کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: تم نے سچ کہا۔

آپ نے حضرت قیس بن حصین رضی اللہ عنہ کو ان پر امیر مقرر فرمایا، پس وہ شوال کے آخر یا ذی قعدہ میں واپس اپنی قوم کے پاس چلے گئے اور چار ماہ بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا۔ (زاد المعاد جلد ۳ ص ۴۱)

ہمدان کا وفد

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہمدان کا وفد آیا جن میں مالک بن نمط، ضمام بن مالک اور عمرو بن مالک بھی شامل تھے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تبوک سے واپسی پر ان لوگوں نے آپ سے ملاقات کی اور ان پر یمنی چادریں اور عدن کی دستاریں تھیں اور یہ مہرہ قبیلہ اور ارحب قبیلہ سے منسوب سواریوں پر سوار تھے اور مالک بن نمط نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اشعار پڑھ رہے تھے۔ مورخین نے ان کے لیے بہت زیادہ عمدہ اور فصیح

[1] اس واقعہ اور اس طرح کے دیگر واقعات سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مستقبل میں رونما ہونے والے واقعات پر مطلع فرماتا ہے۔ اللہ تعالیٰ منکرین کو عناد اور فرقہ پرستی کے خول سے باہر نکلنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین ... ۱۲ ہزاروی۔

کلام ذکر کیا ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ایک تحریر دی اور جو قطعہ زمین انہوں نے طلب کیا آپ نے ان کے لیے مقرر فرمایا اور ان پر مالک ابن نمط کو امیر مقرر کیا۔ ان کو ان کی قوم کے مسلمانوں پر عامل مقرر کرتے ہوئے ان کو حکم دیا کہ وہ ثقیف سے لڑیں اور ثقیف کی عادت تھی کہ جو چرنے والا مال، مویشی ان کو ملتا اسے لُوٹ لیتے۔

(زاد المعاد جلد ۳ ص ۳۲)

حضرت امام بیہقی رحمہ اللہ نے صحیح سند کے ساتھ حضرت براء رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو اہلِ یمن کی طرف بھیجا کہ ان کو اسلام کی دعوت دیں۔ حضرت براء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں بھی ان لوگوں میں شامل تھا جو حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے ہمراہ گئے تھے۔ ہم وہاں چھ مہینے ٹھہرے اور ان لوگوں کو دعوت دی لیکن انہوں نے اسلام قبول نہ کیا۔ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو بھیجا اور ان کو حکم دیا کہ حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو واپس بھیج دیں اور ان کے ہمراہیوں میں سے کسی ایک کو ساتھ رکھیں۔ (فرماتے ہیں) جب ہم اس قوم کے قریب پہنچے تو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے ہمیں نماز پڑھائی پھر ہم ایک صف میں کھڑے ہوئے اور حضرت علی آگے بڑھے اور ان کے سامنے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا خط پڑھا پس تمام ہمدان نے اسلام قبول کیا۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے یہ تمام ماجرا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لکھ بھیجا۔ جب آپ نے یہ خط پڑھا تو آپ سجدہ ریز ہوئے اور پھر سر اٹھانے کے بعد فرمایا: ہمدان پر سلام ہو، ہمدان پر سلام ہو۔۔۔ اصل حدیث صحیح بخاری میں ہے۔

یہ حدیث، پہلی روایت کے مقابلے میں زیادہ صحیح ہے اور ہمدان کی ثقیف سے لڑائی نہیں ہوئی اور نہ ہی ان کے جانوروں کی لُوٹ مار کی کیونکہ ہمدان یمن میں اور ثقیف طائف میں تھے۔۔۔ یہ بات ابن قیم نے "الھدیٰ النبوی" میں کہی ہے۔ (زاد المعاد جلد ۳ ص ۳۲)

مزنیہ کا وفد

حضرت امام بیہقی رحمہ اللہ نے حضرت نعمان بن مقرن رضی اللہ عنہ سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں: ہم مزینہ قبیلہ کے چار سو آدمی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے۔ جب ہم واپس جانے لگے تو آپ نے فرمایا: اے عمر! اس قوم کو زادِ راہ دیجئے۔ انہوں نے عرض کیا: میرے پاس تو اتنی کھجوریں ہیں جو میرے خیال میں ان لوگوں کو کفایت نہیں کر سکتیں۔ آپ نے فرمایا: جائیے اور ان کو زادِ راہ دیجئے۔ راوی فرماتے ہیں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ان کو لے کر گئے اور ان کو گھر میں داخل کیا پھر انہیں بالاخانہ پر لے گئے، جب ہم وہاں داخل ہوئے تو وہاں خاکستری اونٹوں کی طرح کھجوروں کے ڈھیر تھے۔ ان لوگوں نے اپنی ضرورت کے مطابق کھجوریں لیں۔ حضرت نعمان فرماتے ہیں: میں آخری آدمی تھا جو وہاں سے نکلا میں نے دیکھا تو وہاں سے ایک کھجور بھی کم نہیں

ہوئی تھی۔ (مسند امام احمد بن حنبل جلد ۵ ص ۴۴۵)

وفد دوس

یہ وفد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس خیبر میں آیا تھا۔ ابن اسحٰق نے کہا کہ طفیل بن عمرو دوسی بیان کرتے تھے کہ وہ مکہ مکرمہ میں آئے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم وہاں تشریف فرما تھے (ابھی ہجرت نہیں فرمائی تھی)۔ قریش کے کچھ لوگ ان کی طرف گئے اور طفیل ایک شریف عقلمند شاعر تھے۔ انہوں نے کہا کہ تم ہمارے شہر میں آئے اور یہ شخص جو ہمارے درمیان ہے اس نے ہماری جماعت کو تقسیم کر دیا اور ہمارے معاملہ کو بکھیر دیا ہے اور اس کی بات جادو کی طرح ہے جو باپ بیٹے اور بھائیوں کو ایک دوسرے سے جدا کر دیتی ہے۔ اسی طرح میاں بیوی میں بھی تفریق ڈالتی ہے۔ ہمیں تجھ پر اور تمہاری قوم پر اس بات کا خوف ہے جو ہمارے درمیان داخل ہو گئی ہے، پس نہ تو ان سے کلام کرنا اور نہ ان کی بات سننا۔۔۔

طفیل بن عمرو دوسی کہتے ہیں: وہ مسلسل مجھے سمجھاتے رہے حتیٰ کہ میں نے ارادہ کیا کہ آپ کی کوئی بات نہیں سنوں گا اور نہ ہی آپ سے کلام کروں گا حتیٰ کہ جب صبح کے وقت میں مسجد میں گیا تو میں نے کانوں میں رُوئی ٹھونس دی کیونکہ مجھے اس بات کا خوف تھا کہ آپ کی کوئی بات میرے کانوں میں نہ پہنچ جائے۔

وہ فرماتے ہیں: میں مسجد میں گیا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ شریف کے پاس کھڑے نماز پڑھ رہے تھے۔ میں، آپ کے قریب کھڑا ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے مجھے آپ کا بعض کلام سنا دیا، پس میں نے نہایت عمدہ کلام سنا۔ میں نے کہا: میری ماں مجھے روئے اللہ تعالیٰ کی قسم! میں عقلمند شاعر ہوں اور میں اچھی، بُری بات میں تمیز کر سکتا ہوں، تو مجھے کونسی بات اس شخص کی گفتگو سننے سے روکتی ہے۔ اگر ان کی بات اچھی ہوئی تو قبول کروں گا اور اگر بُری ہوئی تو چھوڑ دوں گا۔

فرماتے ہیں: میں ٹھہرا رہا حتیٰ کہ آپ اپنے گھر کی طرف روانہ ہوئے۔ میں آپ کے پیچھے پیچھے آیا حتیٰ کہ جب آپ گھر میں داخل ہوئے تو میں نے کہا: اے محمد! صلی اللہ علیہ وسلم آپ کی قوم نے مجھے فلاں فلاں بات کہی ہے، اللہ تعالیٰ کی قسم! وہ مجھے مسلسل آپ سے ڈراتے رہے حتیٰ کہ میں نے اپنے کانوں میں رُوئی ٹھونس دی تاکہ آپ کا کلام نہ سنوں لیکن اللہ تعالیٰ نے مجھے آپ کا کلام سنا دیا، پس میں نے نہایت عمدہ کلام سنا، آپ مجھے اپنے پیغام کے متعلق بتائیں۔

چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ پر اسلام پیش کیا اور قرآن پاک کی تلاوت فرمائی تو اللہ کی قسم! میں نے اس سے اچھا کلام کبھی نہ سنا تھا اور نہ ہی اس سے زیادہ عدل والا کوئی دین دیکھا۔ میں نے اسلام قبول کیا اور سچی شہادت دی اور میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں ایسا شخص ہوں کہ میری قوم میری بات مانتی ہے، میں واپس جا کر ان کو اسلام کی دعوت دوں گا، پس آپ اللہ تعالیٰ سے دُعا فرمائیں کہ وہ میرے لیے کوئی نشانی بنا دے۔

فرماتے ہیں: میں اپنی قوم کی طرف نکلا حتیٰ کہ جب میں اس پہاڑی پر پہنچا جہاں موجود لوگ مجھے دیکھ سکتے تھے

تو میری دونوں آنکھوں کے درمیان چراغ جیسا نُور ظاہر ہوا۔

فرماتے ہیں: میں نے کہا یا اللہ! میرے چہرے کے علاوہ نشانی ظاہر فرما' مجھے ڈر ہے کہ وہ لوگ کہیں گے چونکہ میں نے ان کا دین چھوڑا ہے اس لیے شکل بگڑ گئی ہے۔ فرماتے ہیں: وہ نشانی بدل کر میری لاٹھی کے سرے پر لٹکتی ہوئی قندیل کی طرح ہوگئی اور میں پہاڑی سے ان لوگوں کی طرف اُتر رہا تھا حتیٰ کہ میں ان لوگوں کے پاس پہنچا اور میرا والد جو بہت بوڑھا تھا میرے پاس آیا تو میں نے کہا: اے میرے باپ! مجھ سے دُور رہیں' تیرا مجھ سے اور میرا تم سے کوئی تعلق نہیں۔ پوچھا: بیٹے! کیا وجہ ہے؟ میں نے کہا: میں نے اسلام قبول کر لیا ہے اور میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کے تابع ہوں۔ میرے باپ نے کہا: اے میرے بیٹے! تیرا دین میرا دین ہے۔ فرماتے ہیں میں نے کہا: آپ جائیں' غسل کریں اور اپنے کپڑے پاک کریں پھر تشریف لائیں تاکہ میں آپ کو وہ کچھ سکھاؤں' جو میں نے خود سیکھا ہے' چنانچہ میرے والد گئے' غسل کیا' اپنے کپڑے پاک کیے پھر آئے تو میں نے ان پر اسلام پیش کیا تو وہ اسلام کے دامن سے وابستہ ہوگئے۔

پھر میری بیوی میرے پاس آئی تو میں نے کہا: دُور ہو جاؤ' میرا تجھ سے اور تیرا مجھ سے کوئی تعلق نہیں۔ اس نے کہا: کیوں؟ میں نے کہا: اسلام نے تیرے اور میرے درمیان تفریق کر دی ہے۔ میں نے اسلام قبول کیا اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے تابع ہو گیا ہوں۔ اس نے کہا: میرا وہی دین ہے جو تمہارا دین ہے' چنانچہ وہ مسلمان ہوگئی۔

پھر میں نے قبیلہ دوس کو اسلام کی دعوت دی تو انہوں نے تاخیر کی۔ میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوا اور عرض کیا: اے اللہ کے نبی! دوس قبیلے پر زنا کا غلبہ ہے' ان کے خلاف بددُعا فرمائیں۔ آپ نے یُوں دُعا مانگی: "یا اللہ! قبیلہ دوس کو ہدایت دے۔" پھر فرمایا: اپنی قوم کی طرف جاؤ اور ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف بلاؤ لیکن ان سے نرم رویہ اختیار کرنا۔ فرماتے ہیں: میں ان کی طرف واپس آیا اور ان کو سرزمین دوس پر مسلسل اللہ تعالیٰ کی طرف بلاتا رہا' پھر بارگاہ نبوی میں خیبر میں حاضر ہوا۔ ادھر مدینہ طیبہ میں قبیلہ دوس کے ستر یا اسی گھرانے حاضر ہوئے پھر ہم خیبر میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے تو آپ نے باقی مسلمانوں کے ساتھ ساتھ ہمارے لیے بھی (غنیمت سے) حصہ مقرر فرمایا۔

یہ واقعہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ حضرت طفیل پہلے اسلام قبول کر چکے تھے۔ ابن ابی حاتم نے اس بات کو یقین اور قطعیت کے ساتھ بیان کیا کہ وہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے ہمراہ خیبر میں آئے' گویا یہ وفد دوبارہ آپ کے پاس آیا۔

نجران کے عیسائیوں کا وفد

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں نجران کے عیسائیوں کا وفد بھی آیا۔ جب وہ مسجد نبوی میں عصر کے بعد داخل ہوئے تو ان کی نماز کا وقت ہو گیا' چنانچہ وہ کھڑے ہو کر نماز پڑھنے لگے۔ جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

نے ان کو روکنے کا ارادہ کیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان کو چھوڑ دو، چنانچہ انہوں نے مشرق کی طرف منہ کر کے اپنی نماز پڑھی۔

یہ لوگ ساٹھ سوار تھے۔ ان میں سے چوبیس افراد ان کے معززین میں سے تھے اور ان چوبیس میں سے تین شخص ایسے تھے، جو ان کے معاملات کے ذمہ دار تھے۔ ایک "العاقب" تھا جو قوم کا امیر تھا، ان میں صاحب رائے اور مشورہ دینے والا تھا، اس کا نام "عبدالمسیح" تھا۔ دوسرا "السید" تھا جو ان کے آنے جانے اور جمع ہونے کا نگران تھا اور اس کا نام "الایہم" تھا اور اسے شرحبیل کہا جاتا تھا، اور ابوحارثہ بن علقمہ جو بکر بن وائل کا بھائی تھا (اس قبیلے سے تھا) ان میں رہ چکا تھا اور اس نے ان کی کتاب پڑھی تھی اور روم کے عیسائی بادشاہوں نے اس کا اعزاز و اکرام کیا اور مال دیا اور وہ پہلی کتب سے سیکھنے کی وجہ سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دین اور آپ کی شان و صفت سے آگاہ تھا لیکن اس کی جہالت نے اس کو نصرانیت پر برقرار رکھا کیونکہ وہ لوگ ان کی تعظیم کرتے تھے اور اس کو نصرانیوں کے ہاں ایک مقام و مرتبہ حاصل تھا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کو اسلام کی دعوت دی اور ان کے سامنے قرآن مجید پڑھا تو انہوں نے انکار کیا۔ آپ نے فرمایا: اگر تم میرے کلام کا انکار کرتے ہو تو آؤ مباہلہ کریں۔[1]

صحیح بخاری میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نجران کے دو آدمی جو السید اور العاقب کہلاتے تھے (جیسا کہ اوپر بیان ہوا) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مباہلہ کرنے آئے تو ان میں سے ایک نے کہا: ایسا نہ کرو۔ (صحیح بخاری جلد ۲ ص ۶۲۹)

ابونعیم کے نزدیک یوں ہے کہ یہ بات ان میں سے "السید" نے کہی تھی جبکہ دوسرے حضرات فرماتے ہیں اس بات کا قائل "العاقب" تھا کیونکہ وہ ان میں سے صاحب رائے تھا۔ مغازی میں یونس ابن بکیر کی زیادات میں ہے کہ یہ بات شرحبیل نے کہی تھی۔ (اس نے کہا) اللہ کی قسم! اگر یہ شخص نبی ہو اور ہم لعان (یعنی مباہلہ) کریں تو ہم بھی اور ہماری آنے والی اولاد کبھی بھی فلاح نہیں پا سکے گی۔۔۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت میں "ابدا" کا لفظ ہے (یعنی کبھی بھی) پھر ان دونوں نے کہا: آپ جو کچھ مانگتے ہیں ہم آپ کو دیتے ہیں، آپ ہمارے ساتھ کسی امانت دار کو بھیجیں لیکن وہ امانت دار ہی ہونا چاہیے۔ آپ نے فرمایا: میں تمہارے ساتھ ایسا شخص بھیجوں گا جو واقعی امین ہو گا۔

اس منصب کے لیے صحابہ کرام متوجہ ہوئے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ابوعبیدہ بن جراح! (رضی اللہ عنہ) آپ کھڑے ہوں۔ جب وہ کھڑے ہوئے تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ اس امت کے امین ہیں۔ (صحیح بخاری جلد ۲ ص ۶۲۹)

یونس بن بکیر کی روایت میں ہے انہوں نے دو ہزار حلوں (حلہ دو چادروں پر مشتمل ہوتا ہے) پر صلح کی کہ

---

[1] مباہلہ اس وقت ہوتا ہے جب دلائل سے بات نہ بنے اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ دونوں فریق اپنی سچائی کا دعویٰ کرتے ہیں اور جھوٹے پر لعنت بھیجتے ہیں، چنانچہ جو جھوٹا ہو وہ ایک سال کے اندر اندر مرجاتا ہے۔

ایک ہزار رجب میں اور دوسرا ہزار صفر کے مہینے میں دیں گے اور ہر حلے کے ساتھ ایک اوقیہ (ڈیڑھ اونس) چاندی بھی دیں گے۔ یونس نے ان کے درمیان جو طویل معاہدہ لکھا گیا اس کا ذکر کیا۔

ابن سعد نے ذکر کیا کہ "السید" اور "العاقب" دونوں اس کے بعد واپس آئے اور انہوں نے اسلام قبول کیا۔

اس واقعہ سے ثابت ہوا کہ مخالف سے مباہلہ کرنا جائز ہے، جب وہ دلیل کے ظاہر ہونے کے باوجود اپنی بات پر اصرار کرے اور سلف و خلف علماء مباہلہ کرتے رہے ہیں اور تجربہ سے ثابت ہے کہ جو شخص باطل پر ہو اور وہ مباہلہ کرے تو ایک سال کے اندر اندر وہ مرجاتا ہے۔ (فتح الباری جلد ۸ ص ۷۴)

فروہ بن عمرو الجذامی کے قاصد کی آمد

روم کے بادشاہ فروہ بن عمرو جذامی کا قاصد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوا (اس قاصد کا نام مسعود بن سعد تھا اس نے اسلام قبول کیا اور صحابیت کا شرف حاصل کیا) فروہ کی منزل (شام میں) معان نامی جگہ تھی فروہ اسلام قبول کر کے اپنے علاقے میں ٹھہرے ہوئے تھے، فروہ نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے سفید خچر بطور ہدیہ روانہ کیا۔ (اور بارہ اوقیہ سونا بھی دیا)

جب ان کے اسلام کی خبر روم میں پہنچی تو ان لوگوں نے ان کو تلاش کر کے قید کر لیا، پھر انہیں فلسطین کے ایک چشمے پر پھانسی چڑھا دیا اور اسی پانی پر ان کی گردن ماردی۔ (السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد ۲ ص ۴۶)

بنو سعد بن بکر کا وفد

ضمام بن ثعلبہ کو بنو سعد بن بکر نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجا۔۔۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت سے نقل کیا وہ فرماتے ہیں: ہم لوگ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک شخص اونٹ پر سوار مسجد میں داخل ہوا۔ اس نے اپنے اونٹ کو مسجد میں بٹھایا پھر اس کا گھٹنا باندھا پھر کہا تم میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کون ہیں؟ حضور علیہ السلام، صحابہ کرام کے درمیان تکیہ لگائے ہوئے تھے۔ ہم نے کہا: یہ تکیہ لگائے ہوئے سفید رنگ والے ہیں۔ اس نے کہا: اے عبدالمطلب کے بیٹے! آپ نے فرمایا: میں سن رہا ہوں۔ اس نے کہا: میں آپ سے کچھ پوچھنا چاہتا ہوں اور اس میں سختی کا انداز ہوگا لہٰذا آپ اسے محسوس نہ کریں۔ پھر یہ مکالمہ ہوا:

نبی اکرم ﷺ... جو سوال کرنا چاہو کرو۔

سائل... میں آپ سے آپ کے اور آپ سے پہلے لوگوں کے رب کے نام سے سوال کرتا ہوں کہ کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کو تمام لوگوں کی طرف بھیجا ہے؟

نبی اکرم ﷺ... ہاں! مجھے اللہ تعالیٰ نے بھیجا ہے۔

سائل... میں آپ کو اللہ تعالیٰ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا ہے کہ ہم رات

دن میں پانچ نمازیں پڑھیں؟

نبی اکرم ﷺ... ہاں! (مجھے اسی نے حکم دیا ہے)۔

سائل... میں آپ کو اللہ تعالیٰ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا ہے کہ ہم سال کے اس مہینے (ماہِ رمضان المبارک) میں روزے رکھیں؟

نبی اکرم ﷺ... ہاں! (اسی نے حکم دیا ہے)۔

سائل... میں آپ کو اللہ تعالیٰ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں، کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا ہے کہ ہم اپنے مالدار لوگوں سے زکوٰۃ لے کر اپنے فقراء پر تقسیم کریں؟

نبی اکرم ﷺ... ہاں! (اسی رب نے مجھے حکم دیا ہے)۔

سائل... میں اس چیز پر ایمان لایا، جو آپ لے کر آئے ہیں، میں اپنی قوم کے دیگر افراد کی طرف سے نمائندہ ہوں اور میں ضمام بن ثعلبہ ہوں۔ میرا تعلق بنو سعد بن بکر سے ہے۔ (صحیح بخاری جلد اوّل ص ۱۵)

ابن اسحٰق نے اپنے مغازی میں یہ اضافہ کیا ہے کہ اس شخص نے کہا کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا ہے کہ ہم اس کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں اور ہم ان معبودوں کو چھوڑ دیں، جن کی پوجا ہمارے باپ دادا کرتے تھے۔

تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں! (مجھے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے)۔

راوی کہتے ہیں کہ ضمام مضبوط جلد، سرخ و زرد رنگ اور بالوں کی دو چوٹیوں (مینڈھیوں) والے شخص تھے۔

پھر وہ اپنے اونٹ کے پاس آئے اور اس کی رسی کھول کر وہاں سے نکلے، حتیٰ کہ اپنی قوم کے پاس آئے تو وہ آپ کے پاس جمع ہوئے۔ انہوں نے سب سے پہلے یہ گفتگو فرمائی کہ لات اور عزیٰ بُرے ہیں۔ انہوں نے کہا: ضمام رُک جاؤ۔ برص، جنوں اور جذام کی بیماری سے بچو۔ حضرت ضمام نے فرمایا: تمہارے لیے خرابی ہو یہ کسی کو نقصان اور نفع نہیں پہنچا سکتے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجا ہے اور ان پر کتاب نازل کی ہے میں اسی کے ذریعے تمہیں بچاتا ہوں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور میں ان کی طرف سے تمہارے پاس وہ بات لے کر آیا ہوں جس کا انہوں نے حکم دیا ہے اور جس سے روکا ہے پس اللہ کی قسم! اس دن ان کے پاس جو مرد اور عورتیں تھیں وہ سب مسلمان تھے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: ہم نے حضرت ضمام بن ثعلبہ رضی اللہ عنہ کے وفد سے افضل وفد کے بارے میں نہیں سنا۔ (السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد ۲ ص ۳۳۹)

طارق بن عبداللہ اور ان کی قوم کا وفد

حضرت امام بیہقی رحمہ اللہ نے حضرت جامع بن شداد سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں: مجھ سے ایک شخص نے بیان کیا جس کا نام طارق بن عبداللہ ہے، اس نے کہا میں ذوالمجاز کے بازار میں کھڑا تھا کہ ایک شخص آیا اور وہ کہہ رہا

تھا: اے لوگو! لا الہ الا اللہ کہو فلاح پاؤ گے اور ایک شخص اس کو پیچھے سے پتھر مار رہا تھا--- اور کہتا تھا: اے لوگو! یہ جھوٹا ہے اس کی تصدیق نہ کرنا۔ میں نے کہا: یہ کون ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ یہ بنو ہاشم کا جوان ہے، جو دعویٰ کرتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا رسول ہے---

کہتے ہیں میں نے کہا یہ پتھر مارنے والا کون ہے؟ انہوں نے کہا: یہ اس کا چچا عبدالعزیٰ (یعنی ابولہب ہے)

طارق بن عبداللہ کہتے ہیں: جب لوگ اسلام قبول کر چکے اور انہوں نے ہجرت کی تو ہم ربذہ سے مدینہ طیبہ کا ارادہ کرتے ہوئے نکلے تاکہ وہاں کی کھجوریں حاصل کریں۔ جب ہم مدینہ طیبہ کے باغات کے پاس پہنچے تو ہم نے کہا: ہمیں اُتر کر لباس تبدیل کرنا چاہیے تو ہم نے ایک شخص کو دو پرانے کپڑوں میں دیکھا۔ اس نے سلام کیا اور پوچھا کہ یہ لوگ کہاں سے آئے ہیں؟ ہم نے کہا: ربذہ سے آئے ہیں۔ کہا: کدھر کا ارادہ ہے؟ ہم نے کہا: ہم مدینہ طیبہ جانا چاہتے ہیں۔ اس نے کہا: وہاں تمہارا کیا کام ہے؟ ہم نے کہا: ہم وہاں سے کھجوریں حاصل کرنا چاہتے ہیں۔

وہ کہتے ہیں ہمارے ساتھ ایک ہودج نشین خاتون تھی اور ایک سُرخ اونٹ تھا جس کو نکیل ڈالی گئی تھی---

اس شخص نے کہا: کیا تم اپنے اس اونٹ کو بیچنا چاہتے ہو؟ ہم نے کہا: ہاں اتنی کھجوروں کے بدلے بیچیں گے۔ وہ شخص اونٹ کی مہار پکڑ کر چل پڑا۔ جب وہ مدینہ طیبہ کے باغات اور کھجوروں کی اوٹ میں ہم سے غائب ہو گیا تو ہم نے کہا: ہم نے یہ کیا کیا؟ اللہ کی قسم! ہم نے ایسے آدمی پر اونٹ بیچا جس سے ہم واقف نہیں اور نہ ہی ہم نے رقم لی ہے۔

فرماتے ہیں ہمارے ساتھ جو عورت تھی اس نے کہا اللہ کی قسم! میں نے اس شخص کو دیکھا گویا اس کا چہرہ چودھویں کے چاند کا ایک ٹکڑا ہے، میں تمہارے اونٹ کی قیمت کے سلسلے میں اس کی ضامن ہوں۔ ابن اسحٰق کی روایت میں ہے اس عورت نے کہا: اس کو ملامت نہ کرو میں نے ایک ایسے شخص کا چہرہ دیکھا جو تم سے دھوکہ نہیں کرے گا۔ میں نے اس سے زیادہ کسی کا چہرہ چودھویں کے چاند کے مشابہ نہیں دیکھا---

اسی دوران اچانک ایک شخص آیا اور اس نے کہا کہ میں اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا نمائندہ ہوں، یہ تمہاری کھجوریں ہیں کھاؤ اور سیر ہو جاؤ اور وزن کر کے پوری کر لو۔ چنانچہ ہم نے کھجوریں کھائیں حتیٰ کہ ہم سیر ہو گئے اور پورا پورا ماپ تول کیا پھر ہم مدینہ طیبہ میں داخل ہوئے۔ جب ہم مسجد میں پہنچے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر کھڑے خطبہ دے رہے تھے اور ہم نے آپ کے خطبہ کے یہ الفاظ سنے، آپ نے فرمایا:

تصدقوا فان الصدقة خير لكم، — صدقہ کرو بے شک صدقہ تمہارے لیے بہتر ہے، اُوپر

اليدالعلياخيرمن اليدالسفلى۔ — والا ہاتھ نچلے ہاتھ سے بہتر ہے۔

(زاد المعاد جلد ۳ ص ۵۳)

وفد نجیب

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس نجیب کا وفد بھی آیا اور وہ لوگ کندہ قبیلے کی ذیلی شاخ "السکون" سے تعلق رکھتے تھے۔ یہ تیرہ افراد تھے اور یہ اپنے ساتھ اپنے مالوں کی زکوٰۃ بھی لائے تھے، جو اللہ تعالیٰ نے ان پر فرض

فرمائی۔۔۔ ان کی آمد پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خوش ہوئے اور ان کی عزت افزائی فرمائی۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ اچھے طریقے سے ان کی مہمان نوازی کریں۔ پھر وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تاکہ آپ سے رخصت ہوں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا تو انہوں نے ان کو دیگر وفود کو دیئے جانے والے عطیات سے زیادہ قیمتی عطیات دیئے۔

آپ نے فرمایا: تم میں سے کوئی باقی رہ گیا ہے؟ انہوں نے عرض کیا: ایک لڑکا ہے جو ہم نے اپنے کجاووں کے پاس چھوڑا ہے اور وہ ہم میں سے سب سے چھوٹا ہے۔ آپ نے فرمایا: اسے ہمارے پاس بھیجو۔ جب وہ لڑکا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور عرض کیا: یارسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم میری حاجت، میرے ساتھیوں کی حاجت جیسی نہیں ہے اگرچہ یہ اسلام میں رغبت رکھتے تھے۔ اللہ کی قسم! میں اپنے شہر سے صرف اس لیے آیا ہوں کہ آپ اللہ تعالیٰ سے سوال کریں کہ وہ مجھے بخش دے، مجھ پر رحم فرمائے اور میرے دل کو غنی کردے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دُعا مانگی:

اللھم اغفرلہ وارحمہ واجعل غناہ فی قلبہ۔ یااللہ! اسے بخش دے، اس پر رحم فرما اور اس کے دل کو غنی کردے۔

پھر اس کے ساتھیوں کی طرح اس کے لیے بھی عطیات کا حکم فرمایا (جس قدر ان میں سے ایک کو دیا اسی قدر اسے بھی عطا فرمایا) اور اس کے بعد وہ لوگ چلے گئے۔

اس کے بعد یہ لوگ ۱۰ھ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں منیٰ میں حاضر ہوئے تو آپ نے پوچھا: اس لڑکے کا کیا حال ہے؟ انہوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! ہم نے اس جیسا آدمی کبھی نہیں دیکھا اور ہم میں کوئی شخص بھی اس کی طرح رزقِ خداوندی پر قناعت کرنے والا پیدا نہیں ہوا۔ اگر لوگ دُنیا تقسیم کریں تو وہ اس کی طرف دیکھتا ہے نہ توجہ کرتا ہے۔ (زاد المعاد جلد ۳ ص ۵۴)

بنو سعد ہذیم کا وفد

قضاعہ قبیلے سے تعلق رکھنے والے بنو سعد ہذیم کا وفد بارگاہ نبوی میں حاضر ہوا۔

واقدی نے ابن النعمان سے اور انہوں نے اپنے باپ سے جو سعد ہذیم سے تعلق رکھتے تھے روایت کیا فرماتے ہیں: میں اپنی قوم کے کچھ افراد کے ہمراہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو ہم مدینہ طیبہ کے ایک طرف اُترے پھر ہم مسجد حرام کے ارادے سے نکلے[1] اور ایک طرف کھڑے ہوگئے۔ لوگوں کے ساتھ نماز میں شریک نہ ہوئے کہ پہلے حضور علیہ السلام سے ملاقات کرکے بیعت کریں گے، پھر ہم نے آپ کے دستِ مبارک پر اسلام کے لیے بیعت کی اور اس کے بعد اپنے ٹھکانوں پر واپس آگئے۔

---

[1] مسجد حرام سے مراد مسجد نبوی ہے کیونکہ حضور علیہ السلام نے مدینہ شریف کو حرم قرار دیا اور مسجد نبوی بھی حرم میں داخل ہے۔ (زرقانی جلد ۴ ص ۵۱)

ہم نے اپنے سب سے چھوٹے لڑکے کو پیچھے چھوڑا تھا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہماری طلب میں کسی کو بھیجا تو ہمیں آپ کی خدمت میں لایا گیا تو ہمارا وہ ساتھی آگے ہوا اور اسلام پر بیعت کی۔ ہم نے عرض کیا: یارسول اللہ! یہ ہم میں سے سب سے چھوٹا اور ہمارا خادم ہے۔ آپ نے فرمایا: قوم میں سے سب سے چھوٹا ان کا خادم ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ تمہیں برکت عطا فرمائے، تو اللہ کی قسم! رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دُعا سے وہ ہم سب سے بہتر ہوا اور بہترین قاری بنا۔ اس کے بعد رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے ہم پر امیر مقرر فرمایا۔ پس قوم کی طرف واپسی تک وہ ہمیں نماز پڑھاتا رہا تو اس طرح ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے اسلام کی دولت سے مالا مال فرمایا۔

(زادالمعاد جلد ۳ ص ۵۵)

بنو فزارہ کا وفد

ابوالربیع بن سالم نے کتاب "الاکتفاء"[1] میں فرمایا ہے کہ جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تبوک سے واپس تشریف لائے تو بنو فزارہ کا وفد جو دس سے کچھ زیادہ افراد پر مشتمل تھا آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ ان میں خارجہ بن حصن اور حر بن قیس بھی تھے۔ یہ حضرت عیینہ بن حصن کے بھتیجے تھے اور سب سے چھوٹے تھے۔ یہ سب لوگ اسلام کا اقرار کرتے تھے اور قحط زدہ تھے اور کمزور سواریوں پر تھے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے علاقے سے متعلق سوال کیا تو ان میں سے ایک نے کہا: یارسول اللہ! ہمارا علاقہ قحط زدہ ہو گیا ہے اور ہمارے جانور ہلاک ہو گئے ہیں۔ ہمارے ساتھی کمزور ہو گئے اور ہمارے بچے بھوکے ہیں۔ آپ اپنے رب سے دُعا کریں کہ وہ ہم پر بارش برسائے اور اپنے رب کے ہاں ہماری سفارش فرمائیں اور اللہ تعالیٰ ہمارے بارے میں آپ کی سفارش کو قبول فرمائے (ان کا مطلب یہ تھا کہ آپ کا رب آپ سے ہماری سفارش کرے، اس پر آپ نے فرمایا:) سبحان اللہ! تمہارے لیے ہلاکت ہو (کلمہ ترحم ہے بددُعا نہیں) میں اپنے رب کے ہاں سفارش کرتا ہوں کون ہے جس کے پاس ہمارا رب سفارش کرے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ بہت بلند عظمت والا ہے۔ اس کی قدرت میں تمام آسمان اور زمین سمائے ہوئے ہیں اور وہ اس کی عظمت و جلال سے چرچراتے ہیں (آواز نکالتے ہیں) جس طرح نیا کجاوہ چرچراتا ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ تمہارے خوف اور بارش کے تمہارے قریب ہونے پر خوشی کا اظہار فرما رہا ہے۔ ایک دیہاتی نے عرض کیا: یارسول اللہ! کیا ہمارا رب عزوجل خوشی کا اظہار فرماتا ہے؟ فرمایا: ہاں! دیہاتی نے کہا: یارسول اللہ! ہم آپ سے اس رب کی بھلائی کی نفی نہیں کرتے جو خوش ہوتا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس کی بات پر مسکرائے اور منبر پر تشریف لے گئے۔ آپ نے ہاتھ اٹھائے حتیٰ کہ آپ کی بغلوں کی

[1] "الاکتفاء" ابوالربیع کی تصنیف ہے جو مغازی کے سلسلے میں تصنیف کی گئی اور ابوالربیع بن سالم اندلس کے محدث اور بلیغ (خطیب) تھے۔ علم حدیث اور دیگر علوم میں ان کی بہت بڑی خدمات ہیں۔ وہ بلاغت اور انشاء میں معروف تھے اور شجاع تھے۔ جنگوں میں حصہ لیتے تھے۔ ۵۶۵ھ میں پیدا ہوئے اور ۶۳۴ھ میں شہادت پائی۔

سفیدی نظر آنے لگی۔ آپ کی دُعا سے جو کلمات محفوظ ہیں وہ اس طرح ہیں:

اللھم اسق بلدک المیت، اللھم اسقنا غیثا مغیثا مریعا طبقا واسعا عاجلا غیر آجل، نافعا غیر ضار، اللھم سقیا رحمۃ لا سقیا عذاب ولا ھدم ولا غرق ولا محق۔ اللھم اسقنا الغیث وانصرنا علی الاعداء۔

(طبقات ابن سعد جلد اوّل ص ۲۹۷)

یا اللہ! اپنے مُردہ (ویران) شہر کو سیراب کردے۔ ہمیں ایسی بارش عطا فرما جو موسلا دھار ہو، موسم بہار کا سماں پیدا کرنے والی ہو موافق اور وسیع ہو فوری ہو اس میں تاخیر نہ ہو، نفع بخش ہو نقصان دہ نہ ہو۔ یا اللہ! رحمت کی بارش ہو عذاب کی نہ ہو، نہ گرانے والی نہ غرق کرنے والی اور نہ مٹانے والی ہو۔ یا اللہ! ہمیں بارش عطا فرما اور دشمنوں کے خلاف ہماری مدد فرما۔

مکمل دُعا ان شاء اللہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادات کے سلسلے میں استسقاء (بارش طلب کرنے) کے بیان میں ذکر کی جائے گی۔

بنو اسد کا وفد

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بنو اسد کا وفد بھی آیا جو دس افراد پر مشتمل تھا اور ان میں حضرت وابصہ بن معبد اور حضرت طلحہ بن خویلد بھی شامل تھے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام کے ہمراہ تشریف فرما تھے تو ان کی طرف سے گفتگو کرنے والے نے کہا: یا رسول اللہ! ہم نے گواہی دی کہ بے شک اللہ تعالیٰ ایک ہے، اس کا کوئی شریک نہیں اور بے شک آپ اس کے بندے اور رسول ہیں۔ ہم آپ کے پاس حاضر ہوئے اور آپ نے ہماری طرف کسی کو نہ بھیجا۔ (زاد المعاد جلد ۳ ص ۵۶) اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

یَمُنُّوْنَ عَلَیْکَ اَنْ اَسْلَمُوْا قُلْ لَّا تَمُنُّوْا عَلَیَّ اِسْلَامَکُمْ بَلِ اللّٰهُ یَمُنُّ عَلَیْکُمْ اَنْ هَدٰىکُمْ لِلْاِیْمَانِ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ۔ (الحجرات: ۱۷)

وہ آپ پر احسان جتاتے ہیں کہ وہ اسلام لائے۔ آپ فرما دیجئے مجھ پر اپنے اسلام کا احسان نہ جتاؤ بلکہ اللہ تعالیٰ نے تم پر احسان کیا کہ تمہیں ایمان کی طرف ہدایت دی اگر تم سچے ہو۔

یمن سے وفد بہراء

یمن سے بہراء کا وفد جو تیرہ افراد پر مشتمل تھا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ جب وہ باب مقداد تک پہنچے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو خوش آمدید کہا اور حیس (ایک حلوہ جو گھی اور پنیر سے تیار کیا جاتا ہے) کا ایک بڑا پیالہ ان کے سامنے رکھا۔ انہوں نے خوب سیر ہو کر کھایا حتیٰ کہ وہ سیر ہو گئے اور پیالہ اس حالت میں واپس کیا کہ اس میں کچھ باقی تھا۔ وہ ایک چھوٹے پیالے میں ڈال کر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے حجرۂ مبارکہ میں بھیج دیا گیا تو آپ نے اور جو افراد گھر میں موجود تھے سب

نے سیر ہو کر کھایا اور پھر وہ مہمان جب تک وہاں رہے اس سے کھاتے رہے۔ وہ ان کے پاس بھیجا جاتا اور ختم نہ ہوا حتیٰ کہ وہ کہنے لگے: اے ابو معبد! آپ نے ہمیں اس قدر سیر کر کے کھلایا کہ ہم پانی پینے پر مجبور ہوئے۔ یہ ہمارا پسندیدہ کھانا ہے اور ہم اسے کبھی کبھی ہی کھا سکتے ہیں۔

ابو معبد نے ان کو بتایا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے تناول فرمایا اور واپس کیا اور یہ آپ کی مبارک انگلیوں کی برکت ہے، تو وہ لوگ کہنے لگے: ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں اور ان کا یقین بڑھ گیا۔ انہوں نے فرائض سیکھے اور کچھ دن وہاں ٹھہرے، پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے رخصت ہوئے تو آپ نے ان کے لیے عطیات کا حکم دیا اور وہ اپنے گھر والوں کی طرف واپس لوٹ گئے۔ (زاد المعاد جلد ۳ ص ۵۶)

وفدِ عذرہ

صفر المظفر ۹ھ میں عذرہ کا وفد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور یہ بارہ مرد تھے جن میں جمرہ بن نعمان بھی تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو خوش آمدید کہا۔ وہ اسلام لائے اور آپ نے ان کو شام کی فتح اور ہرقل کے وہاں سے اپنے ملک کی طرف بھاگ جانے کی خبر دی پھر یہ لوگ اس حالت میں واپس ہوئے کہ ان کو عطیات دیئے گئے۔ (زاد المعاد جلد ۳ ص ۵۶)

وفدِ بلی

وفد بلی نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کیا تو آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے لیے سب تعریفیں ہیں جس نے تمہیں اسلام کی ہدایت دی، پس جو شخص اسلام کے علاوہ دین پر مرا وہ جہنم میں جائے گا پھر وہ آپ سے رخصت ہوئے اور آپ نے ان کو عطیات سے نوازا۔ (زاد المعاد جلد ۳ ص ۵۶)

بنو مرہ کا وفد

بنو مرہ کا وفد جو تیرہ آدمیوں پر مشتمل تھا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان کے سردار حضرت حارث بن عوف رضی اللہ عنہ تھے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: تمہارے شہروں کا کیا حال ہے؟ تو انہوں نے عرض کیا: اللہ کی قسم! ہم قحط کا شکار ہیں، پس ہمارے لیے دُعا فرمائیے۔ چنانچہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دُعا مانگی۔ "یا اللہ! ان پر بارش نازل فرما"۔ (زاد المعاد جلد ۳ ص ۵۸)

وہ لوگ کچھ دن ٹھہرے اور عطیات کے ساتھ واپس ہوئے، پھر انہوں نے اپنے علاقے کو یوں پایا کہ اس میں اسی دن بارش ہوئی تھی جس دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے دُعا فرمائی تھی۔

وفدِ خولان

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے شرف کو اللہ تعالیٰ اپنے ہاں مزید بڑھائے، آپ کے پاس خولان کا وفد شعبان ۱۰ھ میں آیا[1] اور یہ دس افراد تھے۔ انہوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! ہم اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہیں اور اس کے رسولوں کی تصدیق کرتے ہیں۔ ہم نے آپ تک پہنچنے میں سخت مشقت اٹھائی اور سخت و نرم زمین سے گزر کر آئے ہیں۔ یہ ہم پر اللہ اور اس کے رسول کا احسان ہے ہم آپ سے ملاقات اور زیارت کی خاطر حاضر ہوئے ہیں۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم نے جو اپنے سفر کا ذکر کیا تو تمہارے اونٹوں نے جس قدر قدم اٹھائے ہیں تمہیں ان کے برابر نیکیاں ملیں گی اور جو کچھ تم نے میری ملاقات کے حوالے سے ذکر کیا تو جو شخص مدینہ طیبہ میں میری زیارت کرے گا قیامت کے دن اسے میری طرف سے امن اور عہد حاصل ہوگا۔

پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: خولان کے بت سے کیا سلوک کیا گیا۔ کیا لوگ اب بھی اس کی پوجا کرتے ہیں؟ انہوں نے عرض کیا: اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس سے اس چیز کی طرف بدل دیا جو آپ لے کر تشریف لائے البتہ ایک بوڑھی عورت اور بوڑھا مرد[2] اسی سے تعلق جوڑے ہوئے ہیں، اگر ہم وہاں واپس پہنچے تو اس کو گرا دیں گے، ان شاء اللہ تعالیٰ۔

پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دین کے فرائض سکھائے اور ایفائے عہد، ادائیگی امانت اور ان باتوں پر سختی سے کاربند ہونے کا حکم دیا اور یہ کہ وہ کسی پر ظلم نہ کریں۔

اس کے بعد آپ نے ان کو (بارہ اوقیہ اور کچھ زائد چاندی کا) عطیہ عنایت فرمایا اور وہ اپنی قوم کی طرف واپس چلے گئے اور انہوں نے بت کو توڑ دیا۔ (زاد المعاد جلد ۳ ص ۵۹)

وفدِ محارب

محارب (بن سعد بن قیس عیلان) کا وفد حجۃ الوداع کے سال بارگاہ نبوی میں حاضر ہوا اور یہ لوگ اس دور میں اہلِ عرب میں سے سب سے زیادہ سخت اور جفاشعار تھے، جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبائل پر اسلام پیش کیا اور ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف بلایا، چنانچہ ان میں سے بارہ افراد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور پھر اپنے گھروں کی طرف چلے گئے۔[3] (زاد المعاد جلد ۳ ص ۵۹)

---

[1] اس قبیلے کا بانی ابن عمر تھا اور یہ قبیلہ یمن میں تھا۔

[2] امام زرقانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس سے ایک مرد اور ایک عورت مراد نہیں بلکہ دوسری روایت کے مطابق کئی بوڑھی عورتیں اور کئی مرد مراد ہیں۔ (زرقانی جلد ۴ ص ۵۹)

[3] حضرت بلال رضی اللہ عنہ صبح و شام ان کے لیے کھانا لاتے تھے۔ ایک دن یہ لوگ ظہر کے وقت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے تو آپ نے ان میں سے ایک شخص کو پہچان لیا۔ آپ اسے دیکھنے لگے تو اس نے کہا: یارسول اللہ! آپ نے مجھے پہچان لیا۔ آپ نے فرمایا: میں تمہیں پہلے دیکھ چکا ہوں۔ اس نے کہا: یارسول اللہ! آپ عکاظ کے بازار میں تھے تو میں نے آپ سے سخت کلامی کی، ان دنوں میں آپ کا سب سے بڑا دشمن تھا اب اللہ تعالیٰ نے کرم فرمایا، آپ میری بخشش کی دعا فرمائیں۔ آپ نے فرمایا: اسلام کفر کے کسی گناہ کو باقی نہیں چھوڑتا۔ (زرقانی جلد ۴ ص ۵۹)

وفدِ صداء

(یہ یمن کا ایک قبیلہ ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ اور دوسروں نے کہا ہے کہ اس قبیلہ کا جد اعلیٰ صداء بن حرب بن علہ تھا)

صداء کا وفد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ۸ھ میں آیا۔ اس کا سبب یہ تھا کہ جب آپ جعرانہ سے واپس تشریف لائے تو حضرت قیس بن سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کو چار سو افراد کے ساتھ بھیجا اور ان کو حکم دیا کہ یمن میں اس طرف جائیں جہاں صداء قبیلہ ہے۔ تو ان میں سے ایک شخص (زیاد بن حرث) جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لشکر کی روانگی سے آگاہ ہو چکا تھا' آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: یارسول اللہ! لشکر کو واپس کھینچے میں آپ کے لیے اپنی قوم کا ذمہ دار ہوں۔ چنانچہ آپ نے حضرت قیس کو واپس بلالیا۔

اور وہ صدائی اپنی قوم کی طرف واپس گیا اور ان میں سے پندرہ افراد کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے کر حاضر ہوا۔ انہوں نے اسلام پر آپ کی بیعت کی اور اپنی قوم کی طرف واپس چلے گئے' چنانچہ ان میں اسلام پھیل گیا اور حجۃ الوداع کے موقع پر ان میں سے ایک سو افراد نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی۔ یہ بات واقدی نے ذکر کی ہے۔

زیاد بن حارث صدائی کی حدیث میں مذکور ہے کہ وہی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ لشکر کو واپس کر دیں۔ واقدی نے کہا کہ یہی زیاد بن حارث نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض سفروں میں آپ کے ساتھ رہے اور آپ نے فرمایا: اے صداء کے بھائی! کیا تمہارے پاس پانی ہے؟ (وہ فرماتے ہیں) میں نے عرض کیا: میرے برتن میں کچھ پانی ہے۔ آپ نے فرمایا: ڈالو! میں نے ایک بڑے پیالے میں ڈالا پھر آپ نے اس پر ہاتھ رکھا تو میں نے دیکھا کہ آپ کی مبارک انگلیوں سے پانی کا چشمہ ابل رہا تھا۔

(زاد المعاد جلد ۳ ص ۶۰)

غسان کا وفد

غسان[1] کا وفد رمضان المبارک ۱۰ھ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ یہ تین افراد تھے۔ انہوں نے اسلام قبول کیا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو عطیات عطا فرمائے اور پھر یہ اپنی قوم کی طرف لوٹ گئے۔ (زاد المعاد جلد ۳ ص ۶۲)

وفدِ سلامان

سلامان[2] کا وفد شوال ۱۰ھ میں بارگاہ نبوی میں حاضر ہوا۔ جس طرح واقدی نے ذکر کیا اور یہ سات افراد

---

[1] غسان ایک چشمے کا نام ہے جہاں ازد قبیلے کے لوگ اُترے تو وہ اس سے منسوب ہو کر غسانی کہلانے لگے۔

[2] یہ قبیلہ اپنے جد اعلیٰ سلامان ابن سعد بن زید بن لوث بن سود بن اسلم بن حاف قضاعہ کی طرف منسوب ہے اور یہ قضاعہ کا ذیلی قبیلہ ہے۔

تھے۔ ان میں حبیب بن عمرو بھی تھے۔ ان لوگوں نے اسلام قبول کیا اور اپنے علاقوں میں قحط سالی کی شکایت کی تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے دُعا فرمائی اور پھر عطیات سے نوازتے ہوئے رُخصت کیا۔ یہ لوگ اپنے علاقے میں پہنچے تو اسی دن اور اسی وقت بارش ہوئی تھی، جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے دُعا فرمائی تھی۔ (زاد المعاد جلد ۳ ص ۶۲)

بنو عبس کا وفد

بنو عبس[1] کا وفد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: یارسول اللہ! آپ کے قراء (علماء) ہمارے پاس آئے اور انہوں نے بتایا کہ جو شخص ہجرت نہ کرے اس کا اسلام (قبول) نہیں اور ہمارے پاس مال اور جانور ہیں اگر (واقعی) ہجرت کے بغیر اسلام نہیں تو ہم ان کو بیچ کر ہجرت کر لیتے ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم جہاں بھی اللہ تعالیٰ سے ڈرو تمہارے اعمال میں کوئی کمی نہیں ہوگی۔ (زاد المعاد جلد ۳ ص ۶۲)

وفدِ غامد

(یمن میں ازد قبیلے کی ایک شاخ غامد کہلاتی ہے) ان کا وفد ۱۰ھ میں حاضر ہوا اور یہ وفد دس افراد پر مشتمل تھا۔ انہوں نے اسلام کا اقرار کیا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ایک تحریر عطا فرمائی جس میں احکام شریعت کا ذکر تھا اور حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ کو حکم دیا تو انہوں نے ان کو قرآنِ پاک سکھایا پھر ان کو عطیات دے کر رُخصت کیا۔ (زاد المعاد جلد ۳ ص ۶۳)

ازد کا وفد

ازد قبیلے[2] کا وفد بھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ ابو نعیم نے کتاب "معرفہ الصحابہ" میں اور ابو موسیٰ مدینی[3] نے احمد بن ابی الحواری[4] کی روایت سے نقل کیا وہ فرماتے ہیں: میں نے

---

[1] ابن شاہین نے ہشام بن کلبی کے طریق سے نقل کیا کہ یہ نو افراد تھے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے دُعا فرمائی اور فرمایا: تم میرے لیے دسواں تلاش کرو میں تمہارے لیے جھنڈا مقرر کرتا ہوں۔ پس حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ شامل ہوئے تو ان کے لیے جھنڈا مقرر کیا اور ان کی علامت "یا عشرۃ" مقرر کی جو آج تک جاری ہے۔ (زرقانی جلد ۴ ص ۶۲)

[2] یہ قبیلہ اپنے جد اعلیٰ ازد بن غوث بن نبت بن مالک بن ادد بن زید بن کہلان بن سبا بن یشجب بن یعرب بن قحطان کی طرف منسوب ہے۔

[3] محمد بن ابی بکر اصفہانی مدینی حافظ شیخ الاسلام تھے۔ ۵۰۱ھ میں ولادت اور ۵۸۱ھ میں وفات ہوئی۔

[4] احمد بن عبد اللہ بن میمون تغلبی کنیت ابو الحسن بن ابی الحواری، ثقہ اور زاہد تھے۔ ۲۴۶ھ میں وفات ہوئی۔

ابو سلیمان دارانی سے[1] سنا وہ فرماتے ہیں: مجھ سے حضرت علقمہ بن یزید بن سوید ازدی نے بیان کیا وہ فرماتے ہیں: مجھ سے میرے والد نے میرے دادا سے روایت کرتے ہوئے بیان کیا' انہوں نے فرمایا: ہم سات آدمی جن میں' میں بھی شامل تھا اپنی قوم کے وفد کی صورت میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ جب ہم آپ کے پاس پہنچے اور آپ سے گفتگو کی تو آپ نے ہماری سکون اور وقار کے ساتھ گفتگو کو پسند فرمایا۔۔۔

آپ نے پوچھا: تم کون ہو؟ ہم نے کہا: مومن ہیں۔ اس پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تبسم فرمایا اور فرمایا: ہر قوم کی ایک حقیقت ہوتی ہے تمہارے قول اور تمہارے ایمان کی حقیقت کیا ہے؟ ہم نے عرض کیا: پندرہ خصلتیں ہیں' پانچ وہ ہیں جن کے بارے میں آپ کے نمائندوں نے ہمیں حکم دیا کہ ہم ان پر ایمان لائیں اور پانچ کے بارے میں آپ نے حکم دیا کہ ہم ان پر عمل کریں اور پانچ باتیں وہ ہیں جن کے ہم دورِ جاہلیت میں عادی تھے اور ہم ان پر قائم ہیں۔ اگر آپ ان میں سے کسی بات کو ناپسند کریں (تو ہم چھوڑ دیں گے) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: میرے نمائندوں نے تمہیں کن پانچ باتوں کا حکم دیا؟

ہم نے عرض کیا: یہ کہ ہم اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتوں' اس کی کتابوں' اس کے رسولوں اور موت کے بعد اٹھنے پر ایمان لائیں۔

آپ نے پوچھا: میں نے کن پانچ باتوں کا حکم دیا ہے؟

ہم نے کہا: یہ کہ ہم لا الہ الا اللہ (محمد رسول اللہ) پڑھیں' نماز قائم کریں' زکوٰۃ ادا کریں' رمضان شریف کے روزے رکھیں اور اگر استطاعت ہو تو حج بیت اللہ کریں۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: تم جاہلیت کی کن پانچ باتوں پر قائم ہو؟

انہوں نے کہا: کشادگی کے وقت شکر' آزمائش کے وقت صبر' قضاء پر رضا' دشمن سے مقابلے کے وقت ثابت قدمی اور دشمن کی مصیبت پر خوش نہ ہونا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے (حاضرین سے) فرمایا: یہ لوگ اہلِ حکمت و علم ہیں۔ یہ اپنی سمجھ داری سے نبوت کے لائق ہیں۔ پھر فرمایا: میں مزید پانچ باتوں کا اضافہ کرتا ہوں' پس بیس باتیں پوری ہو جائیں گی۔ اگر تم اسی طرح ہو جس طرح تم نے بتایا۔ (وہ پانچ یہ ہیں) جس چیز کو نہ کھاؤ جمع نہ کرو (کیونکہ اس کا نفع بعد والوں کو ہو گا اور حساب تمہیں دینا ہو گا)' اگر رہائش مقصود نہ ہو تو عمارت نہ بناؤ' اس چیز میں رغبت نہ رکھو جو کل تم سے زائل ہو جائے گی' اور اس اللہ سے ڈرو جس کی طرف لوٹ کر جاؤ گے اور اس کے سامنے پیش کیے جاؤ گے اور جس کی طرف جا رہے ہو اور اس میں ہمیشہ رہو گے اس میں رغبت رکھو (جنت مراد ہے)

پس وہ واپس ہوئے اور انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت کو یاد رکھا اور اس پر عمل کیا۔

(زاد المعاد جلد ۳ ص ۶۳)

---

[1] عبد الرحمٰن بن احمد بن عطیہ دارانی' داریا کی طرف منسوب ہیں جو دمشق کا ایک گاؤں ہے۔ زاہد' ثقہ' محدث تھے۔ ۲۱۲ھ میں وفات ہوئی۔

بنوالمنتفق کاوفد

بنوالمنتفق[1] کاوفد بھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کی مسند میں ان کے صاحبزادے حضرت عبداللہ رحمہ اللہ سے مروی ہے وہ دلہم بن اسود سے اور وہ عاصم بن لقیط سے روایت کرتے ہیں کہ لقیط بن عامر بن صبرہ بن عبداللہ بن المنتفق بن عامر بن عقیل بن کعب بن ربیعہ بن عامر بن صعصعہ ابورزین العقیلی جو اہلِ طائف میں شمار ہوتے ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ان کے ساتھ ان کے ایک ساتھی نہیک بن عاصم بن مالک بن المنتفق بھی تھے۔ وہ کہتے ہیں ہم صبح کے وقت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچے۔ جب آپ فجر کی نماز سے فارغ ہو کر خطبہ دینے کھڑے ہوئے تو آپ نے ارشاد فرمایا: اے لوگو! میں نے چار دن سے اپنی آواز تم سے پوشیدہ رکھی ہے تاکہ آج غور سے سنو۔ کیا کوئی شخص ہے جس کو اس کی قوم نے بھیجا ہو؟ تو ان کے ساتھیوں نے کہا: جو کچھ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے لیے ارشاد فرمائیں سنو! شاید سننے سے اپنے خیالات میں گم ہونا یا دوسروں سے گفتگو رکاوٹ بنے۔

سنو مجھ سے سوال ہوگا کہ کیا میں نے (دین کی) تبلیغ کر دی۔ سنو اچھی زندگی گزارو گے۔۔۔ آگے مکمل حدیث ہے اور اس میں آپ نے قیامت اور اس میں اٹھنے کا ذکر بھی فرمایا۔ جنت اور دوزخ کا ذکر بھی کیا اور اس میں یہ بھی ہے کہ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! میں کس بات پر آپ کی بیعت کروں؟ تو آپ نے اپنا دستِ مبارک آگے بڑھایا اور فرمایا: نماز قائم کرنے، زکوٰۃ ادا کرنے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرانے پر (بیعت کرو)۔ (زادالمعاد جلد ۳ ص ۶۴)

وفدالنخع

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں سب سے آخر میں حاضر ہونے والا وفد، النخع کاوفد تھا[2] اور یہ وفد محرم الحرام ۱۱ھ کے نصف میں آیا جو دوسو افراد پر مشتمل تھا۔ یہ لوگ دارالاضیاف (مہمان خانہ یا گیسٹ ہاؤس) میں اترا[3] پھر اسلام کے اقرار کے ساتھ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ لوگ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کر چکے تھے۔[4]

ان میں سے ایک شخص زرارہ بن عمرو نے کھڑے ہو کر عرض کیا: یارسول اللہ! میں نے سفر کے دوران عجیب بات دیکھی ہے۔ آپ نے پوچھا: تم نے کیا دیکھا ہے؟ عرض کیا: میں نے ایک گدھی دیکھی ہے جس نے ایک ایسا بچہ

---

[1] عامر بن صعصعہ قبیلے کی شاخ بنو عامر کے بانی کا نام المنتفق تھا۔

[2] مذحج قبیلے کا ایک بطن (شاخ) ہے جو یمن کا ایک قبیلہ ہے۔

[3] یہ مہمان خانہ رملہ بنت حارث نجاریہ صحابیہ کی حویلی تھی۔ حضرت رملہ حضرت معاذ بن عفراء کی زوجہ تھیں۔

[4] نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن کی طرف بھیجا تھا تو ان لوگوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی۔

جنا ہے جس کے رنگ میں سُرخی اور سیاہی کی آمیزش ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پوچھا: کیا تم اپنی بیوی (یا لونڈی) کو حاملہ چھوڑ کر آئے ہو؟ عرض کیا: (یا رسول اللہ) جی ہاں! آپ نے فرمایا: اس کے ہاں تمہارا بیٹا پیدا ہوا ہے۔ پوچھا: اس کے سُرخ و سیاہ ہونے کا کیا مطلب ہے؟ فرمایا: میرے قریب ہو جاؤ۔ وہ قریب ہوا تو فرمایا: کیا تم برص کی بیماری میں مبتلا ہو جسے تم چھپاتے ہو؟ اس نے عرض کیا: اس ذات کی قسم جس نے آپ کو سچا نبی بنا کر بھیجا ہے اس بات کا کسی کو علم نہ تھا اور آپ کے علاوہ کوئی اس پر مطلع نہیں ہوا۔ آپ نے فرمایا: یہ اسی کا اثر ہے۔[1]

اس نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں نے نعمان بن منذر کو دیکھا کہ ان کے کانوں میں دو بالیاں اور ہاتھوں میں سونے کے کنگن ہیں۔ آپ نے فرمایا: یہ عرب کی بادشاہی ہے جو اپنی اچھی حالت کی طرف لوٹ جائے گی۔[2]

عرض کیا: یا رسول اللہ! میں نے ایک بوڑھی عورت کو دیکھا جس کے سر کے بال سفید تھے اور وہ زمین سے نکلی۔ آپ نے فرمایا: یہ دُنیا کا باقی ماندہ وقت ہے۔

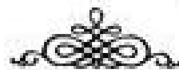
عرض کیا: یا رسول اللہ! میں نے ایک آگ دیکھی ہے جو زمین سے نکل کر میرے اور میرے بیٹے کے درمیان حائل ہو گئی اور میرے اس بیٹے کا نام عمرو ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ ایک فتنہ ہے جو آخری زمانے میں ہو گا۔ عرض کیا: یا رسول اللہ! وہ فتنہ کیا ہے؟ فرمایا: لوگ اپنے امام کو قتل کریں گے (پھر) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی انگلیوں کو دائیں، بائیں تبدیل کیا اور فرمایا: گناہ کرنے والا سمجھے گا کہ وہ نیکی کر رہا ہے اور ایک مومن کے نزدیک دوسرے مومن کا خون پانی پینے سے زیادہ میٹھا ہو گا۔ اگر تمہارا بیٹا مر گیا تو تُو اس فتنہ کو پائے گا اور تمہارا انتقال ہوا تو تمہارا بیٹا اس فتنے میں مبتلا ہو گا۔

عرض کیا: یا رسول اللہ! دُعا فرمائیں کہ میں اس فتنے کو نہ پاؤں تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دُعا مانگی: یا اللہ! یہ اس فتنے کو نہ پائے، چنانچہ اس شخص کا انتقال ہو گیا اور اس کا بیٹا زندہ رہا۔

پس وہ (اس شخص کا بیٹا) پہلا شخص تھا جس نے (کوفہ میں) حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی بیعت کو چھوڑا۔۔۔ (زاد المعاد جلد ۳ ص ۷۰)

انشاء اللہ تعالیٰ اس خواب کا ذکر آٹھویں مقصد کے تحت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خوابوں کی تعبیر میں آئے گا۔



---

[1] یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہے جو علمِ غیب کی صورت میں ظاہر ہوا۔

[2] نعمان بن منذر عرب کا بادشاہ تھا۔ تو مطلب یہ ہے کہ عرب والوں کو پہلے کی طرح عزت و شرف حاصل ہو گا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کی وجہ سے ایرانیوں اور عجمیوں کا غلبہ ختم ہو گا۔



فہرس

المواہب اللدنیہ (جلد ثانی)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تیسرے مقصد کے مشمولات

(۱) اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کو کمال خلقت اور جمال صورت کے ذریعے جو فضیلت عطا فرمائی۔
(۲) آپ پر عمدہ اخلاق اور پسندیدہ صفات کے ذریعے کرم فرمایا اور شرف عطا فرمایا۔
(۳) رسول اکرم ﷺ کی حیات طیبہ کی ضرورت۔
اور اس مقصد میں چار فصلیں ہیں۔

فصل نمبر ۱

نبی اکرم ﷺ کی تخلیقِ کامل اور حسنِ صورت [۱]

یہ بات جان لینا چاہیے کہ نبی اکرم ﷺ پر ایمان کی تکمیل اس وقت ہوتی ہے جب آپ پر یوں ایمان لایا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے بدن مبارک کو اس طرح بنایا کہ آپ سے پہلے اور بعد کسی انسان کو آپ کی مثل نہیں بنایا۔ آپ کے بدن مبارک میں اس بات کی علامات موجود ہیں کہ آپ کے نفسِ کریم کی تخلیق نہایت عظیم ہے اور آپ کے اخلاق مبارکہ میں آپ کے قلب پاک کی عظمت پر دلالت پائی جاتی ہے۔

حضرت امام بوصیری رحمۃ اللہ نے کیا خوب فرمایا: [۲]

فھو الذی تم معناہ و صورتہ　　ثم اصطفاہ حبیبا باری النسم
منزہ عن شریک فی محاسنہ　　فجوھر الحسن فیہ غیر منقسم

''یہی وہ ذات ہے جن کی صورت و معنیٰ کی تکمیل ہو گئی پھر خالق نے اپنا دوست منتخب کیا آپ اس بات

---

۱ (طبقات ابن سعد ج ۱ ص ۳۱۵، البدایہ النہایہ ج ۶ ص ۱۳، دلائل النبوۃ ج ۱ ص ۲۰۱)

۲ حضرت امام بوصیری رحمۃ اللہ کا اسم گرامی شرف الدین ابو عبداللہ بن سعید بن عماد بن محسن بن عبداللہ بن منہاج بن بلال اصنہاجی ہے آپ کا لقب بوصیری ہے۔ آپ فالج کا شکار ہو گئے تھے تو آپ نے بارگاہ نبوی میں قصیدہ لکھا قصیدہ مکمل ہوا تو اسی رات حضور ﷺ کی زیارت ہوئی آپ نے امام بوصیری کے جسم پر دست مبارک پھیرا صبح اٹھے تو بالکل صحیح تھے۔
(تفصیلی حالات شرح قصیدہ بردہ ابو البرکات مولانا عبدالمالک خان کے آغاز میں ملاحظہ کریں ۱۲ ہزاروی)

سے بالاتر ہیں کہ کوئی آپ کے محاسن میں شریک ہو پس آپ میں جو ہر حسن تقسیم نہیں ہو سکتا" یعنی حسن کامل کی حقیقت آپ میں پائی جاتی تھی پھر وہ آپ ہی کا حسن مکمل و تام تھا اور یہ حسن آپ کے اور دوسروں کے درمیان تقسیم نہیں ہوا ورنہ آپ کا حسن تام و مکمل نہ ہوتا اس لیے کہ تقسیم کی صورت میں آپ کو بعض حصہ ملتا اور مکمل نہ ہوتا"۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ ایک لشکر لے کر نکلے تو کسی قبیلے کے پاس ٹھہرے اس قبیلے کے سردار نے کہا کہ حضرت محمد ﷺ کا وصف بیان کیجئے آپ نے فرمایا میں تفصیل سے بیان نہیں کر سکتا اس نے کہا اجمالی طور پر بیان کر دیں آپ نے فرمایا جیسا بھیجنے والا ہے اسی کے اعتبار سے رسول بھی ہیں [1] ابن المنیر نے "اسرار الاسرار" میں یہ بات ذکر کی ہے۔ [2] تو کس کی مجال ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی قدر و منزلت بیان کرے یا آپ کے ان مذکورہ احوال پر مطلع ہو سکے جس سے امید کی جا سکے یا پوچھا جائے۔

امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ [3] نے "کتاب الصلوۃ میں" بعض بزرگوں سے نقل کیا وہ بزرگ فرماتے ہیں: ہمارے لئے نبی اکرم ﷺ کا تمام حسن ظاہر نہیں ہوا اگر آپ کا تمام حسن ہمارے سامنے ظاہر ہوتا تو ہماری آنکھیں آپ ﷺ کو نہ دیکھ سکتیں۔

حضرت امام بوصیری رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خوب فرمایا:

اعیی الوری فهم معناه فلیس یری ... للقرب والبعد فیه غیر منفحم
کالشمس تظهر للعینین من بعد ... صغیرة و تکل الطرف عن امم

"لوگ آپ کی حقیقت کو سمجھنے سے عاجز ہو گئے پس کوئی شخص چاہے وہ آپ کے قریب زمانہ کا ہو یا دور کا آپ کے کمالات کے بیان سے عجز کے بغیر نہیں دیکھا آپ کی مثال سورج کی طرح ہے جو دور سے آنکھوں کو چھوٹا دکھائی دیتا ہے اور قریب سے آنکھوں کو خیرہ کر دیتا ہے"۔

اور یہ ان کے اس شعر کی طرح ہے:

انما مثلوا صفاتک للناس ... کما مثل النجوم الماء

"انبیاء کرام نے آپ کی صفات لوگوں کے لئے اس طرح بیان کی ہیں جیسے پانی میں ستارے دکھائی دیتے ہیں [4] تظهر (ظاہر ہونا) فرما کر سورج سے تشبیہ کی وجہ بیان کی یعنی ظہور کے اعتبار سے تشبیہ ہے۔ مطلق تشبیہ مراد نہیں کیونکہ سورج میں عیب ہے آپ میں نہیں۔

---

[1] یعنی بھیجنے والی ذات بہت بلند و بالا ہے تو اس نے اپنے شایان شان رسول کو بھیجا۔

[2] اس کتاب کا نام المقتفی ہے اور یہ نہایت عمدہ کتاب ہے اس کی پہلی قسم معراج شریف کے بارے میں اور دوسری قسم سیرت سے متعلق ہے اور ابن منیر ناصر الدین احمد بن محمد جذامی اسکندرانی بہت بڑے عالم تھے۔

[3] امام قرطبی معروف مفسر ہیں اندلس کے ایک شہر قرطبہ سے تعلق تھا محمد بن احمد ابن ابی بکر بن فرح ابو عبداللہ انصاری اندلسی نام ہے۔

[4] یعنی پانی میں ستاروں کو دیکھنے سے ان کی چمک آنکھوں کے لیے قابل برداشت ہو سکتی ہے اور بلا واسطہ نہیں دیکھ سکتے اسی طرح اللہ تعالی نے نبی اکرم ﷺ کے حسن مبارک کو پوشیدہ رکھا تا کہ دیکھ سکیں پھر بھی صحابہ کرام آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھ سکتے تھے۔

مطلق تشبیہ کی خرابی کو ابوالنواس (حسن بن ہانی بن عبدالاول عباسی شاعر) نے یوں بیان کیا ہے۔ [1]

اذا قلنا کانهما الامیر تتیه الشمس والقمر المنیر
لان الشمس تغرب حین تمسی وان البدر ینقصه المسیر

''سورج اور روشن چاند فخر کرتے ہیں جب ہم کہتے ہیں گویا کہ وہ امیر ہیں کیونکہ سورج شام کے وقت غروب ہو جاتا ہے اور چاند چل چل کر چھوٹا ہو جاتا ہے آپ ﷺ کے حق میں یہ تشبیہات محض مثال دینے کے طور پر ہیں ورنہ آپ کی ذات والاصفات بہت بلند اور آپ کی بزرگی بہت گراں قدر ہے''۔

سرِ انور کی صفت

آپ کے سرانور مبارک کے سلسلے میں امام ترمذی رحمۃ اللہ نے اپنی جامع (جامع ترمذی) میں اپنی سند سے حضرت ہند بن ابی ہالہ سے روایت کرتے ہوئے جو کچھ نقل کیا ہے وہ کافی ہے وہ فرماتے ہیں۔

کان رسول اللہ ﷺ عظیم الهامة. آپ بڑے (معتدل) سر والے تھے۔

(دلائل النبوۃ ج ا ص ۲۱۶ طبقات ابن سعد ج ا ص ۳۱۵)

حضرت نافع بن جبیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ نے ہمارے لئے رسول اکرم ﷺ کا وصف بیان کرتے ہوئے بتایا۔

کان عظیم الهامة. آپ کا سرانور بڑا تھا۔

چہرۂ انور

آپ کے چہرۂ انور کے حوالے سے تمہارے لیے وہ حدیث کافی ہے جسے حضرت امام بخاری اور امام مسلم رحمۃ اللہ علیہما نے حضرت براء رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہوئے نقل کیا وہ فرماتے ہیں:

کان رسول اللہ احسن الناس وجها واحسنهم خلقا لیس بالطویل الذاهب ولا بالقصیر البائن. نبی اکرم ﷺ خوبصورت تھے اور سب سے اچھے اخلاق کے مالک تھے آپ نہ تو بہت لمبے قد والے تھے اور نہ ہی آپ کا قد بہت چھوٹا تھا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۵۴۹ البدایۃ والنہایۃ ج ۶ ص ۷ دلائل النبوۃ ج ا ص ۱۹۳ طبقات ابن سعد ج ا ص ۳۱۵)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: میں نے نبی اکرم ﷺ سے زیادہ حسن والا کسی کو نہیں دیکھا گویا آپ کے چہرۂ انور میں سورج چل رہا ہو۔ (مسند امام احمد ج ۲ ص ۳۸۰ دلائل النبوۃ ج ا ص ۲۰۹ جامع ترمذی رقم الحدیث: ۳۶۴۸)

طیبی فرماتے ہیں سورج کے اپنے فلک میں چلنے سے نبی اکرم ﷺ کے چہرے انور میں حسن مبارک کو تشبیہ دی ہے (کہ جس طرح سورج اپنے فلک میں چلتا ہے حسن کا فلک چہرۂ مصطفیٰ ﷺ ہے۔ ۱۲ ہزاروی)۔

---

[1] ان کا اصل نام حسن بن ہانی ہے۔ ۱۳۶ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۹۸ھ میں بغداد شہر میں فوت ہوئے۔ (الأعلام ج ۲ ص ۲۲۵ ابن عساکر ج ۴ ص ۲۵۴ خزانۃ الأدب ج ا ص ۱۶۸ وفیات الأعیان ج ا ص ۱۳۵ تاریخ بغداد ج ۷ ص ۴۳۶ الشعر والشعراء ص ۳۱۳)

نوٹ: سر کا بڑا ہونا دماغی قوت کے کمال کی طرف اشارہ ہے۔

اور یہ بھی ممکن ہے کہ انتہائی درجہ کی تشبیہ ہو کہ آپ کے چہرۂ انور کو سورج کا ٹھکانہ اور مکان قرار دیا۔
کسی شاعر نے خوب کہا ہے:

لم لا یضیء بک الوجود ولیله فیه صباح من جمالک مسفر
فبشمس حسنک کل یوم مشرق وببدر وجهک کل لیل مقمر

"آپ کی وجہ سے وجود میں چمک کیونکر نہیں ہوگی جب کہ اس کی رات میں آپ کے جمال کی وجہ سے صبح روشن ہے آپ کے حسن سے ہر دن سورج طلوع ہوتا ہے اور آپ کے چہرہ انور کے چاند سے ہر رات چاندنی ہوتی ہے"۔

"صحیح بخاری میں" حضرت براء رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ کیا نبی اکرم ﷺ کا چہرۂ انور تلوار کی طرح تھا؟ فرمایا نہیں بلکہ چاند کی طرح تھا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۵۵۲، جامع ترمذی رقم الحدیث: ۳۶۳۶، دلائل النبوۃ ج ۱ص ۱۹۵، مسند احمد ج ۴ص ۲۸۱۔ ج ۵ص ۱۰۴)

گویا پوچھنے والے کا مطلب یہ تھا کہ لمبائی میں تلوار کی طرح تھے تو حضرت براء رضی اللہ عنہ نے اس کی بات کو رد کیا اور فرمایا بلکہ چاند کی طرح تھا یعنی گول تھا اور ممکن ہے تلوار سے تشبیہ کا مطلب یہ ہو کہ چمکتا تھا تو آپ نے فرمایا بلکہ اس سے اوپر تھا اور آپ نے چاند کا ذکر فرمایا کیونکہ چاند میں دو وصف ہیں گول بھی ہے اور چمکتا بھی ہے۔

حافظ نسابہ ابو الخطاب بن دحیہ رحمۃ اللہ نے اپنی کتاب "التنویر فی مولد البشیر والنذیر میں" حضرت براء رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث نقل کرتے ہوئے فرمایا کہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو شخص صحیح تشبیہ نہ دے سکتا ہو اسے اس کا اقرار نہیں کرنا چاہیے کیونکہ سائل نے آپ کے چہرۂ انور کو تلوار سے تشبیہ دی ہے اگر وہ سورج سے تشبیہ دیتا تو زیادہ بہتر تھا۔ (کشف الظنون ج ۱ص ۵۰۲) تو حضرت براء رضی اللہ عنہ نے اس کے قول کو رد کر کے فرمایا بلکہ چودھویں کے چاند کی طرح ہیں اور آپ نے نہایت عمدہ تشبیہ دی ہے کیونکہ چاند اپنے نور سے زمین کو بھر دیتا ہے اور ہر دیکھنے والا اس سے مانوس ہوتا ہے اسی طرح اس کی روشنی میں پریشان کن گرمی نہیں ہوتی اور نہ آنکھوں پر بوجھ پڑتا ہے جبکہ سورج آنکھوں کو ڈھانک لیتا ہے اور دیکھنے والے کو نقصان ہوتا ہے۔

"صحیح مسلم کی" ایک روایت جو حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اس میں ہے کہ ان سے کسی نے پوچھا کیا رسول اللہ ﷺ کا چہرۂ انور تلوار کی طرح تھا؟ فرمایا نہیں بلکہ سورج اور چاند کی طرح تھا اور گول تھا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۵۵۲، جامع ترمذی رقم الحدیث: ۳۶۳۶، مسند امام احمد ج ۴ص ۲۸۱۔ ج ۵ص ۱۰۴، البدایہ والنہایہ ج ۶ص ۱۴، دلائل النبوۃ ج ۱ص ۱۹۵)

اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آپ کا چہرۂ انور گول تھا۔ یہ اس بات پر تنبیہ ہے کہ دونوں وصف جمع فرمائے کیونکہ تلوار کی طرح ہونے سے لمبائی بھی مراد ہو سکتی ہے اور چمک بھی جیسا کہ پہلے اشارہ ہو چکا ہے تو مسئول نے سائل کی بات کو اچھی طرح رد کیا۔

اور جب یہ بات معاشرے میں معروف ہے کہ سورج سے تشبیہ عام طور پر چمک کے حوالے سے ہوتی ہے اور چاند سے تشبیہ کا مقصد ملاحت (خوبصورتی) بیان کرنا ہوتا ہے کوئی دوسری بات مقصود نہیں ہوتی تو آپ نے "مستدیر" (گول)

کا لفظ فرما کر دونوں صفتوں میں تشبیہ کو بیک وقت بیان کیا یعنی حسن اور گولائی۔

حضرت محاربی' حضرت اشعث سے وہ ابو اسحاق سے وہ حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں: میں نے ایک مکمل روشن رات میں نبی اکرم ﷺ کو دیکھا اور آپ پر سرخ رنگ کا جوڑا تھا میں کبھی آپ کو دیکھتا اور کبھی چاند کو' تو آپ مجھے چاند سے زیادہ خوبصورت دکھائی دیتے۔

ایک روایت میں سرخ حلے کے ذکر کے بعد یوں ہے کہ میں آپ کے اور چاند کے درمیان مماثلت دیکھنے لگا (تو آپ زیادہ خوبصورت تھے)۔

حضرت امام ترمذی اور امام بیہقی رحمۃ اللہ' حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے نبی اکرم ﷺ کا وصف یوں نقل کرتے ہیں کہ آپ نہ تو بہت زیادہ بھاری جسم والے تھے (اور نہ زیادہ کمزور تھے) اور آپ کا چہرۂ مبارک مکمل طور پر گول نہ تھا (بلکہ اس میں قدرے گولائی تھی)۔ (جامع ترمذی رقم الحدیث: ۳۶۳۸)

ابو عبید نے ''الغرائب میں'' حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا آپ فرماتے ہیں: نبی اکرم ﷺ کے چہرۂ مبارک میں قدرے گولائی تھی حضرت ابو عبید نے اس کی شرح میں فرمایا: کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ بہت زیادہ گول نہ تھا بلکہ اس میں کچھ گوشت کم تھا (لہٰذا مکمل گول نہ تھا) اور یہ بات اہل عرب کے ہاں بہت پسندیدہ ہے۔ [1]

الذہلی (محمد بن یحییٰ بن عبد اللہ نیشاپوری امیر المؤمنین فی الحدیث اور ائمہ عارفین میں سے ایک تھے متوفی ۲۰۸ھ (الاعلام ج۷ص۱۳۵' تاریخ بغداد ج۳ص۴۱۵' تذکرۃ الحفاظ ج۲ص۵۳۰)) الزہریات [2] میں نبی اکرم ﷺ کی صفات بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ آپ کے رخسار مبارک نرم و نازک تھے۔ ابن اثیر نے کہا ہے کہ ''اسالۃ الخد'' کا مطلب رخساروں کا لمبا ہونا اور اٹھا ہوا نہ ہونا ہے۔

شیخ الاسلام ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں شاید اس شخص کے سوال کی وجہ یہی ہے جس نے پوچھا تھا کہ کیا آپ کا چہرۂ مبارک تلوار کی طرح ہے؟

حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ جب خوش ہوتے تو آپ کا چہرۂ مبارک روشن ہو جاتا گویا وہ چاند کا ایک ٹکڑا ہو اور ہمیں اسی جگہ سے پتہ چلتا تھا یعنی جس مقام سے سرور ظاہر ہوتا اور وہ آپ کی پیشانی تھی۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۵۵۶۔۴۴۱۸' البدایہ والنہایہ ج۶ص۱۴' دلائل النبوۃ ج۱ص۱۹۷)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک دن نبی اکرم ﷺ خوشی خوشی تشریف لائے تو آپ کے چہرۂ انور کی (پیشانی) لکیریں چمک رہی تھیں۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۷۷۰۔۳۵۵۵۔۳۷۳۱۔۶۷۷۱' دلائل النبوۃ ج۱ص۱۹۸)

اس لئے حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ گویا وہ چاند کا ٹکڑا ہو۔

امام طبرانی نے حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہے وہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ اپنے چہرۂ

---

[1] ابو عبید قاسم بن سلام بغدادی' امام حافظ' مشہور مصنف تھے ۲۲۴ھ میں وفات پائی' التقریب میں کہا کہ آپ نہایت ثقہ تھا۔ غریب حدیث کی وہ کتاب ہے جس کی تشریح و تفسیر کی ضرورت ہو اور ابو عبید قاسم کے اقوال' احادیث کی تشریح میں پائے جاتے ہیں۔ (زرقانی جلد۴ص۷۶)

[2] وہ کتاب جس میں امام ابن شہاب زہری رحمۃ اللہ کی روایات جمع ہیں۔

انور کے ذریعے ہماری طرف متوجہ ہوتے تو گویا وہ چاند کا ٹکڑا ہو۔ یہ اس بات پر محمول ہے کہ توجہ کے وقت یہ صورت ہوتی تھی۔

امام طبرانی نے حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت کئی طرق سے روایت کی ہے ان میں سے بعض طرق میں یوں ہے کہ گویا وہ چاند کا ہالہ ہو۔

حضرت کعب رضی اللہ عنہ کے اس قول کے حوالے سے پوچھا جاتا ہے کہ چاند کا ٹکڑا ہونے کی قید میں کیا راز ہے جب کہ بلیغ لوگوں کے کلام میں عام طور پر آپ کے چہرۂ انور کو چاند سے تشبیہ دی گئی ہے اور ٹکڑے کی قید نہیں ہے اور حضرت کعب رضی اللہ عنہ یہ بات شعراء صحابہ کرام کے اشعار سے کہتے تھے لہٰذا اس میں کوئی نہ کوئی حکمت ہے اور وہ جو کہا جاتا ہے کہ چاند میں پائی جانے والی سیاہی سے بچنے کی خاطر (مکمل چاند کی بجائے) چاند کا ٹکڑا کہا ہے' تو یہ تاویل مضبوط نہیں ہے کیونکہ آپ کو چاند سے تشبیہ روشنی اور چمک کی وجہ سے دی گئی اور وہ پورے چاند میں ہوتی ہے اس کے کسی ایک ٹکڑے میں نہیں گویا چہرے کے بعض حصے کو تشبیہ دی گئی پس مناسب یہی تھا کہ چاند کے بعض حصے سے تشبیہ دی جائے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا چہرۂ انور چاند کے ہالہ کی طرح تھا۔ اسے ابونعیم نے نقل کیا ہے۔ (کنز العمال رقم الحدیث: ۱۸۵۲۶' جامع الکبیر ج ۲ ص ۳۰۱)

امام بیہقی رحمۃ اللہ' حضرت ابواسحاق ہمدانی سے روایت کرتے ہیں کہ وہ ہمدان کی ایک عورت سے جس کا انہوں نے نام لیا تھا (لیکن راوی بھول گئے) روایت کرتے ہیں وہ کہتی ہیں میں نے نبی اکرم ﷺ کے ہمراہ کئی بار حج کیا[1] تو میں نے آپ کو آپ کے اونٹ پر دیکھا آپ خانہ کعبہ کا طواف کر رہے تھے اور آپ کے ہاتھ میں عصا مبارک تھا (جس کا کنارہ مڑا ہوا تھا) اور آپ پر دو سرخ چادریں تھیں آپ کے بال مبارک کاندھوں کو چھونے کے قریب تھے جب آپ حجر اسود کے پاس سے گزرتے تو عصا سے اسے چھوتے (یا اشارہ کرتے) پھر اسے اٹھا کر چومتے۔

ابواسحاق کہتے ہیں میں نے کہا نبی اکرم ﷺ کی تشبیہ بیان کرو تو اس نے کہا آپ چودھویں رات کے چاند کی طرح تھے میں نے آپ سے پہلے اور بعد کسی کو آپ کی مثل نہیں دیکھا۔ (دلائل النبوۃ ج ۱ ص ۱۹۹' البدایۃ والنہایہ ج ۶ ص ۱۷)

امام دارمی' بیہقی' ابونعیم اور طبرانی رحمۃ اللہ نے حضرت ابوعبیدہ بن محمد بن عمار بن یاسر رضی اللہ عنہم سے نقل کیا وہ فرماتے ہیں: کہ میں نے حضرت ربیع بنت معوذ رضی اللہ عنہا سے کہا کہ نبی اکرم ﷺ کا وصف بیان کریں تو انہوں نے فرمایا اگر تم آپ کو دیکھتے تو کہتے سورج طلوع ہو گیا ہے (سنن دارمی رقم الحدیث: ۶۰' مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۸۰' مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۵۷۹۳) ایک روایت میں ہے انہوں نے فرمایا بیٹا! اگر تم آپ کو دیکھتے تو طلوع ہونے والا سورج دیکھتے۔

حضرت امام مسلم رحمۃ اللہ نے حضرت ابوالطفیل رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ ان سے نبی اکرم ﷺ کا وصف بیان کرنے کے لئے کہا گیا تو انہوں نے فرمایا آپ سفید رنگ (سرخی مائل) تھے اور آپ کا چہرۂ انور نہایت خوبصورت تھا۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۹۸' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۸۶۴' مسند امام احمد ج ۵ ص ۴۵۴' دلائل النبوۃ ج ۱ ص ۲۰۵' البدایۃ والنہایہ ج ۶ ص ۱۶' طبقات ابن سعد ج ۱ ص ۳۲۱)

1 یعنی ہجرت سے پہلے کئی بار حج کیا اور نہ ہجرت کے بعد آپ نے صرف ایک بار حج فرمایا۔ (زرقانی ج ۴ ص ۷۷)

حضرت امام ترمذی رحمۃ اللہ نے حضرت ہند بن ابو ہالہ سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ بھرپور شخصیت کے مالک تھے (اور چہرۂ انور بھرا ہوا تھا) آپ کا چہرۂ مبارک چودھویں رات کے چاند کی طرح چمکتا تھا۔

(شرح السنہ ج ۳ص ۲۷۰ طبقات ابن سعد ج ۱ص ۳۲۴ مجمع الزوائد ج ۸ص ۲۷۳ شمائل ترمذی ص ۹۔۱۹۔۱۶۵ دلائل النبوۃ ج ۱ص ۲۸۶ البدایہ والنہایہ ج ۶ص ۳۲ کنز العمال رقم الحدیث: ۱۸۰۷۰ تاریخ دمشق ج ۱ص ۳۲۹ تاریخ اسلام ج ۲ص ۳۱۱ شمائل الرسول ص ۵۰ خصائص الکبریٰ ج ۱ص ۷۶ عیون الاثر ج ۲ص ۳۰۵)

حضرت ام معبد رضی اللہ عنہا (عاتکہ بنت خالد خزاعیہ سفر ہجرت میں جن کی بکری سے آپ ﷺ نے دودھ حاصل کیا) نے اپنے خاوند سے آپ کا وصف یوں بیان کیا کہ آپ کا چہرۂ انور روشن اور چمکتا تھا (جب صبح روشن ہو جائے تو کہتے ہیں تبلج الصبح) (عارف کبیر) سیدی علی بن وفا شاذلی رحمۃ اللہ کا قول کتنا عمدہ ہے فرماتے ہیں:

الا یا صاحب الوجه المليح سالتک لا تغیب عنی فانت روحی
متی ما غاب شخصک عن عیانی رجعت فلا تری الا ضریحی
بحقک جد لرقک یا حبیبی وداو لوعة القلب الجریح
ورق لمغرم فی الحب امسی واصبح بالهوی دنفا طریح
مجب ضاق بالأشواق ذرعا واوی منک للكرم الفسیح

''اے خوبصورت چہرے والے! میں آپ سے سوال کرتا ہوں کہ مجھ سے غائب نہ ہوں پس آپ میری روح ہیں جب آپ کی ذات والا صفات مجھ سے غائب ہوتی ہے تو میں واپس لوٹتا ہوں پس تو میری قبر ہی دیکھے گا۔ اے میرے حبیب اپنے غلام کو پایئے (میں آپ کے وسیلہ سے سوال کرتا ہوں) اور زخمی دل کی جلن کا علاج کیجئے آپ اپنے اس محب پر رحم فرمائیں جس کا دل محبت میں جل چکا ہے وہ لا علاج مرض میں مبتلا ہے اور پھینک دیا گیا ہے ایسا محب کہ شوق کی وجہ سے اس کا سینہ تنگ ہو چکا ہے اور وسیع کرم کے لیے آپ کے ہاں پناہ مانگتا ہے''۔

''النہایہ میں ہے کہ'' نبی اکرم ﷺ جب خوش ہوتے تو گویا آپ کا چہرہ آئینے کی طرح ہوتا اور دیواریں آپ کے چہرۂ انور میں نظر آتی تھیں۔

ابن ابی ہالہ کی روایت میں ہے کہ آپ کا چہرۂ انور اس طرح روشن ہوتا جس طرح چودھویں رات کا چاند چمکتا ہے۔ کیونکہ چاند اپنی روشنی سے زمین کو بھر دیتا ہے اور اسے دیکھنے والا ہر شخص اس سے مانوس ہوتا ہے اور اس کا نور اذیت پہنچائے بغیر دیکھا جاسکتا ہے اور اس پر نظر ٹھہر سکتی ہے جب کہ سورج کا یہ حال نہیں ہے بلکہ وہ آنکھوں کو ڈھانپ لیتا ہے لہٰذا اسے دیکھنا ممکن نہیں ہوتا اور قمر کی بجائے بدر سے تشبیہ زیادہ بلیغ ہے کیونکہ بدر (چودھویں کا چاند) اپنے وقت کمال پر ہوتا ہے۔

جیسا کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے آپ کو دیکھا تو کہا یا جب آپ کو دیکھتے تو کہتے:

لو کنت من شیء سوی بشر کنت المنور لیلة البدر

''اگر آپ بشر ہونے کے علاوہ کچھ ہوتے تو چودھویں کا چاند ہوتے اور یہ حقیقی تشبیہ ہے کیونکہ آپ کا

ایک اسم گرامی بدر ہے"۔

یہی وجہ ہے کہ جب آپ مدینہ طیبہ تشریف لائے تو ان لوگوں نے پڑھا

طلع البدر علینا من ثنیات الوداع

"وداع کی گھاٹیوں سے چودھویں کا چاند ہم پر طلوع ہوا"۔

اور کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

کالبدر والکاف ان انصفت زائدۃ　　فیہ فلا تظننها کافا لتشبیہ

"اگر تم انصاف سے کام لو تو کالبدر میں کاف زائدہ ہے پس اسے تشبیہ کا کاف نہ کہو"۔

ابن الحلاوی کا قول کتنا عمدہ ہے:

یقولون یحکی البدر فی الحسن وجهه　　وبدر الدجی عن ذلک الحسن ینحط

کما شبهوا غصن النقا بقوامه　　لقد بالغوا فی المدح للغصن واشتطوا

"لوگ کہتے ہیں کہ چودھویں کا چاند حسن میں آپ کے چہرۂ انور کی ترجمانی کرتا ہے حالانکہ اندھیری رات کا چاند آپ کے چہرۂ مبارک کے حسن سے کم ہے۔ جس طرح انہوں نے نقا (ایک بوٹی یا درخت) کی ٹہنی کو آپ کے قد سے تشبیہ دی لیکن انہوں نے ٹہنی کی تعریف میں مبالغہ کیا اور ظلم کیا"۔

چاند اور ٹہنی کو اس تشبیہ سے بہت زیادہ فخر حاصل ہوا علاوہ ازیں نبی اکرم ﷺ کی صفات میں یہ تشبیہات شعراء اور اہل عرب کی عادت کے مطابق ہیں ورنہ ان میں سے کوئی بھی تشبیہ نبی اکرم ﷺ کی خلقی اور خلقی صفات کے برابر نہیں ہو سکتی۔

امام العارفین سید محمد وفا شاذلی مالکی (ان کا اصل نام محمد بن محمد بن محمد اسکندری ہے ابوالفضل اور ابوالفتح القاب ہیں۔ مالکی مذہب ہیں ۷۰۲ھ میں پیدا ہوئے اور ۷۶۵ھ میں قاہرہ میں وفات پائی) رحمۃ اللہ کو اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے انہوں نے کیا خوب فرمایا:

کم فیہ للأبصار حسن مدهش　　کم فیہ للأرواح راح مسکر

سبحان من أنشاہ من سبحانه　　بشرا بأسرار الغیوب یبشر

قاسوہ جهلا بالغزال تغزلا　　هیهات یشبهه الغزال الأحور

هذا و حقک ماله من مشبه　　وأری المشبه بالغزالة یکفر

یأتی عظیم الذنب فی تشبیهه　　لولا لرب جماله یستغفر

فخر الملاح بحسنهم وجمالهم　　و بحسنه کل المحاسن تفخر

فجماله مجلی لکل جمیلة　　وله منار کل وجه نیر

جنات عدن فی جنی و جناته　　ودلیله ان المراشف کوثر

هیهات ألهو عن هواہ بغیرہ　　والغیر فی حشر الأجانب یحشر

کتب الغرام علی فی أسفارہ　　کتبا تؤول بالهوی و تفسر

فدع الدعی وما ادعاہ فی الھوی — فدعیہ بالھجر فیہ یھجر
وعلیک بالعلم العلیم فانہ — لخطیبہ فی کل خطب منبر

(الاعلام ج ۷ص ۳۷'شذرات الذہب ج ۶ص ۲۰۶'الدررالکامنہ ج ۳ص ۲۷۹)

''آپ کے حسن مبارک نے کتنی ہی آنکھوں کو مدہوش کیا اور آپ میں ارواح کے لئے نشہ دینے والی راحت ہے۔ پاک ہے وہ ذات جس نے اپنے انوار سے آپ کو بشر پیدا کیا اور آپ غیبی خبروں کی بشارت دیتے ہیں۔ لوگوں نے غزل گوئی کے دوران آپ کو ہرن سے تشبیہ دی' عقل سے بڑی بعید بات ہے کہ ہرن کا دودھ پیتا بچہ آپ سے مشابہ ہو تمہارے رب کی قسم کوئی ان کی مثال نہیں' اور میرا خیال ہے کہ آپ کو ہرنی سے تشبیہ دینے والا حقیقتِ محمدی کا منکر ہے۔

آپ کو کسی سے تشبیہ دینا بہت بڑے گناہ کا سبب ہے' اگر شاعر آپ کا جمال پیدا کرنے والے سے مغفرت طلب نہ کرے۔ حسینوں کو اپنے حسن و جمال پر فخر ہے جبکہ خوبیاں آپ کے حسن و جمال پر نازاں ہیں۔ آپ کا جمال ہر حسین کے لیے ظاہر ہے' اور ہر چہرے کی خوبصورتی کا منبع آپ ہی ہیں۔

آپ کے رخساروں کی خوبصورتی میں جنات عدن کی جھلک ہے' اور اس بات کی دلیل یہ ہے کہ کوثر آپ سے استفادہ کرنے والا ہے ناممکن بات ہے کہ میں غیر کی محبت کے سبب آپ کی محبت کو بھول جاؤں اور یہ غیر بروز قیامت اجنبیوں میں اٹھایا جائے گا۔

محبت کی بڑی کتابوں میں آپ کی محبت مجھ پر لازم کر دی گئی جس کی تفسیر اور تاویل محبت کے ساتھ ہی کی جاتی ہے۔ محبت کے دعویدار کو اور محبت میں اس کے دعویٰ کو چھوڑ دے' اسے فرقت میں ہی رہنے دو وہ اسی قابل ہے۔

اور تو بہت علم والے عالم سے مدد مانگ کیونکہ وہ آپ کے مدح خواں کے لیے ہر مشکل میں مددگار ہے''۔

آنکھ مبارک [1]

آپ کی بصارت مبارکہ کا وصف اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں یوں بیان فرمایا:

مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی۔ — آنکھ نہ کسی طرف پھری نہ حد سے بڑھی۔

(النجم:۱۷)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ رات کے وقت بھی اسی طرح دیکھتے تھے جس طرح دن کی روشنی میں دیکھتے تھے۔ (دلائل النبوۃ ج ۶ص ۷۵)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے فرماتی ہیں: کہ رسول اللہ ﷺ اندھیرے میں اسی طرح دیکھتے تھے جس طرح روشنی میں دیکھتے تھے۔ (دلائل النبوۃ ج ۶ص ۷۵)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کیا تم میری توجہ (اور قبلہ) اس طرف کو سمجھتے

[1] (دلائل النبوۃ ج ۱ص ۳۱۰'البدایہ والنہایہ ج ۶ص ۱۷)

ہو پس اللہ کی قسم مجھ پر تمہارا رکوع اور سجدہ بھی پوشیدہ نہیں ہے میں تمہیں اپنی پیٹھ کے پیچھے سے بھی دیکھتا ہوں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۱۸-۷۴۱' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۰۹' مسند احمد ج ۲ ص ۳۰۳-۳۶۵-۳۷۵' مسند ابوعوانہ رقم الحدیث: ۱۳۸' دلائل النبوۃ ج ۶ ص ۷۳' الدر المنثور ج ۵ ص ۹۸' شرح السنۃ ج ۱۳ ص ۲۸۹' کنز العمال رقم الحدیث: ۲۰۲۸۱-۳۱۶۹۲' مسند الحمیدی رقم الحدیث: ۹۶۱)

"صحیح مسلم میں" حضرت انس رضی اللہ عنہ کی ایک روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

ایھا الناس' انّی امامکم فلا تسبقونی بالرکوع ولا بالسجود فانی اراکم من امامی ومن خلفی.

اے لوگو! میں تمہارا امام ہوں پس رکوع اور سجدہ میں مجھ سے سبقت نہ کرو بے شک میں تمہیں اپنے آگے اور پیچھے کی طرف سے بھی دیکھتا ہوں۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۱۲' السنن الکبریٰ ج ۲ ص ۹۲' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۳۲۸' مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۱۱۳۷' صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث: ۱۵۸۷' دلائل النبوۃ ج ۶ ص ۷۴' کنز العمال رقم الحدیث: ۲۰۴۹۵)

ارشاد خداوندی ہے:

الَّذِیْ یَرَاکَ حِیْنَ تَقُوْمُ ○ وَتَقَلُّبَکَ فِی السّٰجِدِیْنَ ○ (الشعراء: ۲۱۸-۲۱۹)

جو تمہیں دیکھتا ہے جب تم کھڑے ہوتے ہو اور نمازیوں میں تمہارے دورے کو۔

اس آیت کی تفسیر میں حضرت مجاہد رحمۃ اللہ فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ اپنے پیچھے صفوں کو بھی اسی طرح دیکھتے تھے جس طرح سامنے دیکھتے تھے اسے حمیدی نے اپنی مسند میں اور ابن منذر نے اپنی تفسیر میں ذکر کیا ہے۔

(تفسیر البغوی ج ۳ ص ۳۴۳' مسند الحمیدی رقم الحدیث: ۹۶۳' الدر المنثور ج ۵ ص ۹۸)

اور یہ دیکھنا ادراک کا دیکھنا تھا (یعنی معلوم ہو جانا) اور یہ آلہ یعنی آنکھ پر موقوف نہیں ہے یہ اہل حق کا مذہب ہے نہ اس میں شعاع کی ضرورت ہے اور نہ اس چیز کے سامنے ہونے کی حاجت ہے۔

یہ جو قدیم بلند ذات کی نسبت سے ہے جہاں تک مخلوق کا تعلق ہے تو اس کے حق میں دیکھنے کے لئے آنکھ' شعاع اور (اس چیز کا جس کو دیکھا جا رہا ہے) بالمقابل ہونا ضروری ہے اور اس پر اتفاق ہے اسی لئے یہ دیکھنا نبی اکرم ﷺ کا معجزہ تھا اور آنکھ میں دیکھنے کی قدرت پیدا کرنے والا اس بات پر قادر ہے کہ آنکھ کے غیر میں یہ قوت پیدا کر دے۔

الحرالی رحمۃ اللہ (علی بن احمد بن حسن جو قبیلہ بربر کی طرف منسوب ہیں اور بے شمار تصانیف کے مصنف ہیں) فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو حقیقت امر پر دلیل بنایا یعنی آپ کو عملی وسعت کے اعتبار سے باطنی اطلاع اور معرفت حاصل تھی جب آپ نے لوگوں کو اپنے رب کی پہچان کرائی اپنی ذاتی کمالات کی پہچان نہیں کرائی تو اللہ تعالیٰ نے پہلے اور پچھلے تمام امور پر آپ کو مطلع فرما دیا اور جب یہ سب کچھ دلوں کے ادراک پر مشتمل تھا تو اللہ تعالیٰ نے اس کی مثل آنکھوں کا ادراک بھی بنا دیا پس آپ محسوسات کو اپنی پیٹھ کے پیچھے اسی طرح دیکھتے تھے جس طرح اپنے سامنے دیکھتے تھے۔ (حرالی کا کلام مکمل ہوا)۔ (الاعلام ج ۴ ص ۲۵۶' نفح الطیب ج ۱ ص ۳۱۷' میزان الاعتدال ج ۲ ص ۲۱۸' لسان المیزان ج ۴ ص ۲۰۴' طبقات المفسرین ج ۱ ص ۳۹۲)

زاہدی' بختیار مختار بن محمود (یعنی ابوالرجاء الغزمینی ملقب نجم الدین متوفی ۶۵۸ ھ) شارح مختصر القدوری نے اپنے

رسالہ ''الناصریہ'' میں لکھا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے دونوں کاندھوں کے درمیان سوئی کے سوراخ جیسی دو آنکھیں تھیں جن سے آپ دیکھتے تھے اور لباس ان کے راستے میں حائل نہ ہوتا۔ (یہ روایت غریب ہے معروف نہیں)

(فتح الباری ج ۱ ص ۶۷۷' الاعلام ج ۷ ص ۱۹۳' الفوائد البہیہ ص ۲۱۲' کشف الظنون ج ۱ ص ۶۲۸)

یہ بھی کہا گیا ہے کہ قبلہ کی جانب دیوار پر صورتیں منقش ہو جاتی تھیں جس طرح شیشے میں ہوتا ہے تو آپ ان کے افعال کا مشاہدہ فرماتے تھے۔ یہ بات اگر نبی اکرم ﷺ سے صحیح طریقے پر منقول ہو تو مقبول ہے ورنہ یہ رائے کا مقام نہیں ہے علاوہ ازیں یہ بات زیادہ مناسب ہے کہ یہ آپ کا معجزہ تھا اور آپ کو کسی آلہ کے بغیر ادراک ہو جاتا تھا۔ واللہ اعلم۔

بعض حضرات نے کہا ہے کہ یہ دل سے دیکھنا تھا بعض کہتے ہیں کہ اس سے مراد علم ہے وہ وحی کے ذریعے ہو کہ ان کے افعال کی کیفیت بتائی گئی یا الہام کیا گیا لیکن پہلی بات (کہ کسی آلہ کے بغیر ادراک ہوتا تھا) صحیح اور بہتر ہے۔ جو لوگ کہتے ہیں کہ اس سے محض علم مراد ہے ان پر اعتراض کیا گیا جو ابن جوزی نے اپنی بعض کتب میں کسی سند کے بغیر لکھا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا مجھے دیوار کے پیچھے کا بھی علم نہیں ہے۔ اگر یہ حدیث صحیح ہو تو اس سے علم غیب کی نفی ہوگی اور یہ دونوں باتیں کس طرح جمع ہوں گی؟

اس کا جواب یوں دیا گیا کہ اس پہلی حدیث کا ظاہر بتا رہا ہے کہ یہ نماز کی حالت سے خاص ہے اور مطلق کو مقید پر محمول کیا جائے گا اور جب ہم آنکھوں سے دیکھنے کی طرف جائیں اور یہی بہتر ہے تو کوئی اعتراض نہیں کیونکہ یہ غیب کے ذریعے علم کی نفی ہے اور وہ مشاہدہ سے ہوتا ہے۔

حافظ شمس الدین سخاوی رحمۃ اللہ کی کتاب ''المقاصد الحسنہ'' میں ہے اس حدیث کے بارے میں فرمایا کہ ہمارے شیخ، شیخ الاسلام ابن حجر رحمۃ اللہ فرماتے ہیں: اس حدیث کی کوئی اصل نہیں لیکن میں کہتا ہوں ''تخریج احادیث الرافعی'' میں ذکر خصائص کے ساتھ ہی لکھا ہے کہ نبی اکرم ﷺ پیٹھ کے پیچھے بھی اسی طرح دیکھتے تھے جس طرح آگے دیکھتے تھے۔ صحیحین وغیرہ میں حضرت انس رضی اللہ کی روایت سے اس کا معنی مراد ہے۔

(تذکرۃ الموضوعات ص ۸۷' کشف الخفاء ج ۲ ص ۲۵۰' الاسرار المرفوعہ رقم الحدیث: ۳۰۰)

اس سلسلے میں جو احادیث آئی ہیں ان میں حالت نماز کی قید ہے اسی طرح اس حدیث کو اور اس حدیث کو کہ میں اس دیوار کے پیچھے نہیں جانتا' جمع کیا جا سکتا ہے۔

ہمارے شیخ امام سخاوی رحمۃ اللہ نے فرمایا: یہ اس بات کی خبر ہے کہ یہ (دیوار کے پیچھے علم نہ ہونے والی) حدیث آئی ہے اور اگر یہ ہے تو ان دونوں کے درمیان کوئی تضاد نہیں کیونکہ دونوں کا محل الگ الگ ہے۔

اگر کہا جائے کہ اس حدیث پر ان بے شمار احادیث کی وجہ سے اعتراض ہوتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے اپنے زمانے کے غیبی امور اور بعد کے بارے میں بھی خبر دی ہے اور وہ امور اسی طرح واقع ہوئے جس طرح آپ نے خبر دی تھی تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس جگہ علم کی نفی اصل وضع کے اعتبار سے ہے یعنی غیب کا علم اللہ تعالیٰ کی ذات سے خاص ہے اور جو کچھ نبی اکرم ﷺ کی زبان مبارک سے بیان ہوا وہ وحی یا الہام کے ذریعے ہوا۔

اور اس پر یہ حدیث دلالت کرتی ہے کہ جب نبی اکرم ﷺ کی اونٹنی گم ہو گئی تو بعض منافقین نے گفتگو کی اور کہا کہ حضرت محمد ﷺ آسمانی خبروں کے بارے میں دعویٰ کرتے ہیں لیکن آپ کو معلوم نہیں کہ آپ کی اونٹنی کہاں ہے؟ جب

آپ کو یہ بات معلوم ہوئی تو فرمایا اللہ کی قسم میں وہی بات جانتا ہوں جو مجھے میرے رب نے بتائی اور میرے رب نے مجھے بتایا ہے کہ میری اونٹنی فلاں فلاں جگہ ہے اس کی لگام ایک درخت کے ساتھ اٹک گئی ہے۔ چنانچہ صحابہ کرام تشریف لے گئے اور جس طرح آپ نے فرمایا تھا اسی طرح پایا۔ لے

تو صحیح بات یہ ہے کہ دیوار کے پیچھے یا اس کے علاوہ کو نبی اکرم ﷺ اسی صورت میں جانتے ہیں جب آپ کا رب آپ کو آگاہ فرمائے۔

حضرت قاضی عیاض رحمۃ اللہ نے ''شفاء شریف میں'' فرمایا کہ نبی اکرم ﷺ ثریا میں گیارہ ستارے دیکھا کرتے تھے اور امام سہیل رحمۃ اللہ نے بارہ ستاروں کا ذکر کیا ہے۔

حضرت ابن ابی ہالہ کی حدیث میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ جب توجہ فرماتے تو پوری طرح توجہ فرماتے اور آپ کی نگاہ جھکی ہوتی' آسمان کے مقابلے میں زمین کی طرف طویل نظر فرماتے اور آپ کا زیادہ تر دیکھنا آنکھ کے کنارے سے ہوتا تھا۔ (جامع ترمذی رقم الحدیث: ۳۶۴۵' مسند احمد ج ۵ ص ۹۷۔۱۰۵' المستدرک ج ۲ ص ۲۰۶' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۹ ص ۱۱۴' الشمائل رقم الحدیث: ۱۱۴' تہذیب ابن عساکر ج ۱ ص ۳۲۲)

اس حدیث میں ''ملاحظہ'' کا لفظ ہے جو ''اللحظ'' سے ''مفاعلہ'' ہے اور یہ آنکھ کے کنارے سے دیکھنا ہے جو کنپٹی سے ملی ہوتی ہے اور وہ جو ناک سے ملی ہوتی ہے وہ ''موق'' اور ''ماق'' کہلاتی ہے۔

اور یہ بات کہ آپ بھرپور نظر فرماتے تھے اس کا مطلب یہ ہے کہ نظر چراتے نہیں تھے اور یہ بھی کہا گیا کہ کسی چیز کو دیکھنے کے لیے اپنی نظر کو دائیں بائیں نہیں پھیرتے تھے کیونکہ اس طرح وہ شخص کرتا ہے جو عقل کا کمزور اور ہلکا ہو۔

بلکہ پوری طرح متوجہ ہوتے اور پوری طرح پیٹھ پھیرتے یہ بات ابن اثیر نے کہی ہے۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کی آنکھیں بڑی تھیں' پلکیں طویل اور آنکھوں میں سرخ ڈورا تھا۔ (دلائل النبوۃ ج ۱ ص ۲۱۲)

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کا دہن مبارک کشادہ تھا' آنکھیں فراخ اور سرخی مائل اور ایڑیاں مبارک دبلی پتلی تھیں۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۹۷' جامع ترمذی رقم الحدیث: ۳۶۴۷' مسند احمد ج ۵ ص ۱۰۳۔۹۷)

آنکھوں کی سفیدی میں سرخی نہایت پسندیدہ ہوتی ہے اس کو ''الشکلہ'' کہا جاتا ہے اور ''الشھلہ'' کا مطلب یہ ہے کہ سیاہی میں سرخی ہو' یہی مفہوم زیادہ صحیح ہے بعض حضرات نے آنکھوں کی لمبائی مراد لی ہے وہ صحیح نہیں۔

امام ترمذی رحمۃ اللہ نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا انہوں نے نبی اکرم ﷺ کا وصف بیان کرتے

لے اس گفتگو سے واضح ہوا کہ دیوار کے پیچھے علم نہ ہونے والی حدیث ثابت نہیں ہے اور اگر ثابت بھی ہو تو اس سے آپ کے علم پر کوئی اعتراض نہیں اگر پہاڑوں کے پیچھے کی خبریں دے سکتے ہیں تو دیوار کے پیچھے کی خبر دینا آپ کے لیے مشکل نہیں لیکن اس بات کی تعلیم دی کہ علم اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کا علم ذاتی ہے اور مخلوق کو وہ جتنا چاہے عطا فرمائے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ''ما کان و ما یکون'' جو ہو گیا اور جو ہوگا سب کا علم عطا فرمایا ۱۲ ہزاروی۔

ہوئے فرمایا چہرہ انور میں کسی قدر گولائی تھی اور وہ سرخی مائل سفید تھا آنکھیں سرگیں اور پلکیں گھنی اور لمبی تھیں۔

(جامع ترمذی رقم الحدیث: ۳۶۳۸' دلائل النبوۃ ج ۱ ص ۲۱۳)

انہوں نے ہی حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ آنکھ کی پتلی سیاہ اور پلکیں لمبی تھیں۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے مجھے یمن کی طرف بھیجا تو ایک دن میں خطبہ دینے کھڑا ہوا یہودیوں کا ایک عالم کھڑا تھا اور اس کے ہاتھ میں تورات کی ایک جز تھی جسے وہ دیکھ رہا تھا اس نے جب مجھے دیکھا تو مجھ سے کہا ابوالقاسم ﷺ کا وصف بیان کیجئے میں نے کہا۔

آپ ﷺ کا قد مبارک نہ تو زیادہ لمبا تھا اور نہ ہی بہت چھوٹا پوری حدیث بیان کی۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں پھر میں خاموش ہوگیا تو اس عالم نے پوچھا کیا ہوا؟ میں نے کہا مجھے یہی یاد ہے اس عالم نے کہا کہ آپ کی آنکھوں میں سرخی تھی' داڑھی بہت اچھی تھی آپ فرماتے ہیں: میں نے کہا اللہ کی قسم آپ کی صفت یہی ہے یہودیوں کے عالم نے کہا میں نے یہ صفات اپنے آباؤ اجداد کی کتاب میں پائی ہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ ﷺ نبی ہیں اور آپ تمام مخلوق کی طرف رسول ہیں۔

سماعت مبارکہ

نبی اکرم ﷺ کی سماعت مبارکہ کے بارے میں اتنی بات کافی ہے آپ نے فرمایا:

انی اری ما لا ترون واسمع ما لا تسمعون' اطت السماء وحق لها ان تنط' ليس فيها موضع اربع اصابع الا وملک واضع جبهته ساجد لله تعالى.

بے شک میں وہ کچھ دیکھتا ہوں جو تم نہیں دیکھتے اور جو کچھ میں سنتا ہوں تم نہیں سنتے آسمان نے آواز نکالی اور اس کا حق ہے کہ وہ چرچرائے اس میں چار انگلیوں کی جگہ بھی ایسی نہیں ہے جہاں کوئی فرشتہ اللہ تعالیٰ کے حضور سجدہ ریزی کے لیے اپنی جبین رکھے ہوئے نہ ہو۔

(جامع ترمذی رقم الحدیث: ۲۳۱۲' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۱۹۰' مسند احمد ج ۵ ص ۱۷۳' المستدرک ج ۲ ص ۵۱۰۔ ج ۴ ص ۵۴۴۔ ۵۷۹' حلیۃ الاولیاء ج ۲ ص ۲۳۶' شرح السنۃ ج ۱۴ ص ۳۷۰' مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۵۳۴۷' ج ۳ ص ۲۶۵۔ ج ۵ ص ۲۹۳' ج ۶ ص ۲۹۷' دلائل النبوۃ رقم الحدیث ۱۵۸' کنز العمال رقم الحدیث: ۲۹۸۲۹۔ ۲۹۸۳۸' القاموس المحیط ج ۲ ص ۳۰۶)

ابونعیم نے حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان تشریف فرما تھے کہ آپ نے ان سے فرمایا کیا تم وہ بات سنتے ہو جو میں سنتا ہوں؟ انہوں نے عرض کیا ہم تو کچھ بھی نہیں سن رہے آپ نے فرمایا: میں آسمان کے چرچرانے کی آواز سن رہا ہوں اور اس چرچرانے کی وجہ سے اس پر کوئی ملامت نہیں کیونکہ اس میں ایک بالشت جگہ بھی ایسی نہیں جس پر کوئی فرشتہ سجدہ نہ کر رہا ہو یا کھڑا نہ ہو۔

پیشانی مبارک اور جسم کے بعض اعضاء [1]

رسول اللہ ﷺ کی پیشانی مبارک واضح تھی اور ابرؤوں کے بال ملے ہوئے تھے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اسی طرح آپ کا وصف بیان فرمایا ابن سعد اور ابن عساکر کے نزدیک اسی طرح ہے انہوں نے فرمایا آپ کے ابرؤوں کے بال باہم ملے ہوئے تھے اور پیشانی واضح تھی۔ (طبقات ابن سعد ج ۱ ص ۳۱۶)

حضرت امام بیہقی رحمۃ اللہ ایک صحابی سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں: کہ میں نے نبی اکرم ﷺ کو دیکھا تو آپ ایک ایسے شخص تھے جس کا جسم خوبصورت' پیشانی بڑی اور ابرو پتلے ہوں۔

کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

جبینہ مشرق من فوق طرتہ ۔۔۔ یتلو الضحی لیلہ واللیل کافرہ
بالمسک خطت علی کافور جبھتہ ۔۔۔ من فوق نوناتھا سینا ضفائرہ
مکحل الخلق ما تحصی خصائصہ ۔۔۔ منظر الحسن قد قلت نظائرہ

''آپ کی مبارک پیشانی چمکتی تھی اور دستار مبارک کے کناروں سے چمک تجاوز کر جاتی اور آپ کا نور بالوں کی سیاہی پر غالب آ جاتا اور بالوں کی سیاہی اس روشنی کو چھپانے والی تھی (تاکہ لوگ آپ کی طرف دیکھ سکیں) آپ کی مبارک پیشانی کے کافور پر مینڈھیوں نے پیشانی کے نونوں پر سین لکھ دیا تھا۔ آپ کی تخلیق مکمل تھی اور خصائص بے شمار ہیں حسن اس قدر زیادہ کہ اس کی نظیر قلیل (یعنی معدوم) ہے''۔

ابن ابی ہالہ نے کہا کہ آپ ''ازج الحواجب'' تھے اور اس کی وضاحت یوں کی کہ آپ کی پلکیں لمبی کمان کی طرح تھیں اور بال کانوں تک تھے پھر فرمایا: آپ کی پلکیں دراز تھیں اور ملی ہوئی نہ تھیں ان کے درمیان ایک رگ تھی جو غصے کے وقت خوب سرخ ہو جاتی اور بھری ہوئی ہوتی جس طرح دودھ آنے کی صورت میں تھن بھر جاتے ہیں۔

حضرت مقاتل بن حیان فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی فرمائی کہ اے پاک اور لوگوں سے دور رہنے والی خاتون کے بیٹے! سنیں اور مانیں میں نے آپ کو باپ کے بغیر پیدا کر کے تمام جہان والوں کے لیے نشانی بنایا ہے پس میری ہی عبادت کریں اور مجھ ہی پر بھروسہ کریں اور اہل سوران کی طرف جائیں (اور کہیں) کہ میں اللہ ہوں جو زندہ قائم رکھنے والا ہے' جس کے لیے زوال نہیں ہے۔ اس نبی امی کی تصدیق کرو جو اونٹوں' زرہ' عمامہ' نعلین اور عصا مبارک والے ہوں گے اور ان کے بال زیادہ گھنگھریالے نہیں ہوں گے' پیشانی واضح ہوگی' پلکوں کے بال گھنے ہوں گے' جوڑوں اور کندھوں کے درمیان جگہ مضبوط ہوگی' آنکھیں سرگین' ناک مبارک پتلی اور لمبی ہوگی' رخسار واضح اور داڑھی گھنی ہوگی اور آپ کے چہرے پر پسینہ موتیوں کی طرح ہوگا اور اس سے کستوری کی خوشبو آئے گی اور گردن مبارک چاندی کی طرح سفید ہوگی۔ (الکاشف ج ۳ ص ۱۵۱' تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۱۷۴' التھذیب ج ۱۰ ص ۲۷۷' میزان الاعتدال ج ۴ ص ۱۷۱' طبقات المفسرین ج ۲ ص ۳۲۹)

[1] (دلائل النبوۃ ج ۱ ص ۲۱۴' البدایۃ النھایۃ ج ۶ ص ۱۷)

جو کچھ ابن ابی ہالہ نے بیان کیا ہے وہ حضرت مقاتل بن حیان کی حدیث اور حضرت ام معبد کی روایت کے خلاف ہے انہوں نے فرمایا کہ آپ کے ابرو ملے ہوئے تھے۔

ابن اثیر نے کہا پہلی بات زیادہ صحیح ہے یعنی آپ کے دونوں ابرو ملے ہوئے نہ تھے۔

کئی لوگوں نے نبی اکرم ﷺ کا وصف یوں بیان کیا کہ آپ عظیم الہامۃ تھے یعنی آپ کا سر انور (مناسب حد تک) بڑا تھا' ابن ابی ہالہ کی مشہور حدیث میں اسی طرح ہے۔

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''ضخم الراس'' یعنی سر انور بڑا تھا اس حدیث کو امام ترمذی نے روایت کر کے صحیح قرار دیا اور امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی روایت کیا اور صحیح بخاری کے مطابق حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بھی اسی طرح فرمایا ہے۔

اور نبی اکرم ﷺ کی ہڈیوں کے کنارے بڑے تھے جس طرح امام ترمذی نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی روایت سے نقل کیا ہے۔ امام ترمذی ہی کی روایت ہے کہ آپ کے گھٹنے' کہنیاں اور کاندھے بھی بڑے بڑے تھے (کاندھوں کے ملنے کی جگہ مراد ہے)۔ (جامع ترمذی رقم الحدیث: ۳۶۳۷۔۳۶۳۸)

اور ناک کے اوپر والا حصہ پتلا تھا حضرت ابن سعد اور ابن عساکر نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں ہے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے آپ کا وصف یوں نقل کیا کہ ناک مبارک کا درمیان والا حصہ بلند تھا ابن ابی ہالہ نے فرمایا: کہ آپ کی ناک مبارک پتلی' لمبی اور نورانی تھی جو شخص اس میں غور نہ کرتا وہ ناک مبارک کے بانسے کو لمبا سمجھتا تھا۔

دہن مبارک [1]

آپ کے دہن مبارک کے حوالے سے ''صحیح مسلم میں'' حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے آپ فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ کا دہن مبارک کشادہ تھا ابن ابی ہالہ نے اسی طرح بیان کیا ہے آپ کلام شروع کر کے کناروں پر ختم کرتے اور اس کی وجہ دہن مبارک کی کشادگی تھی۔

اور اہل عرب کے ہاں منہ کا کشادہ ہونا قابل تعریف ہے اور منہ کا چھوٹا ہونا قابل مذمت ہے۔

شمر بن عطیہ اسدی الکاہلی الکوفی نے کہا کہ آپ کے دانت مبارک بڑے تھے۔ (الکاشف ج ۲ ص ۱۴)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت جسے بزار اور بیہقی نے نقل کیا ہے اس میں آپ فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ کے رخسار مبارک سفید اور دہن مبارک کشادہ تھا۔

ابن ابی ہالہ نے آپ کے وصف بیان کرتے ہوئے فرمایا: آپ کے دانتوں کے درمیان قدرے کشادگی تھی اور وہ چمکتے تھے۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کہ آپ کے سامنے کے دانت چمکتے تھے۔ ابن سعد نے اسے حضرت

---

[1] (دلائل النبوۃ ج ۱ ص ۲۱۴)

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے نقل کیا ہے۔

ابن عساکر حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ کے سامنے والے دانت چمکتے تھے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت سے ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے دانتوں کے درمیان (قدرے) وقفہ تھا۔ جب آپ گفتگو کرتے تو یوں معلوم ہوتا کہ سامنے والے دانتوں سے نور نکل آیا ہے یہ بات امام ترمذی نے شمائل میں ذکر کی ہے نیز امام دارمی نے بھی اور امام طبرانی نے ''الاوسط میں'' اسے نقل کیا۔

(مجمع الزوائد ج ۸ص ۲۷۹' دلائل النبوۃ ج ۱ص ۲۱۵)

رسول اللہ ﷺ کے ہونٹ مبارک تمام لوگوں کے ہونٹوں سے زیادہ خوبصورت تھے اور دہن مبارک سب سے زیادہ لطیف تھا۔

بحر من الشهد فی فیه مراشفه　　　یاقوته صدف فیه جواهره

''آپ کے دہن مبارک میں شہد کا سمندر ہے اور آپ کی زبان مبارک یاقوت ہے اور ایسا صدف ہے جس میں اس کے موتی ہیں''۔

حضرت ابوقر صافہ (معروف صحابی) رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: میں' میری ماں اور میری خالہ نے نبی اکرم ﷺ کے دست مبارک پر بیعت کی جب ہم واپس ہوئے تو میری ماں اور خالہ نے مجھ سے کہا بیٹا! ہم نے ان کی طرح خوبصورت چہرے' صاف کپڑوں اور نرم گفتگو والا کوئی شخص نہیں دیکھا اور ہم نے دیکھا کہ گویا آپ کے دہن مبارک سے نور نکل رہا ہے۔ (الاصابہ ج ۱ص ۲۶۳)

لعاب مبارک [1]

نبی اکرم ﷺ کے لعاب مبارک سے متعلق ''صحیح بخاری و مسلم میں'' حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: کہ خیبر کے دن نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: کل میں اس شخص کو جھنڈا دوں گا جس کے ہاتھ پر اللہ تعالیٰ فتح عطا فرمائے گا وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ اس سے محبت کرتے ہیں جب دوسرے دن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم' رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو ہر ایک کو امید تھی کہ آپ ان کو جھنڈا عطا فرمائیں گے۔

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: حضرت علی بن ابی طالب (رضی اللہ عنہ) کہاں ہیں؟ صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ ان کی آنکھوں میں تکلیف ہے' آپ نے فرمایا: ان کو بلاؤ جب ان کو لایا گیا تو نبی کریم ﷺ نے ان کی آنکھوں میں لعاب مبارک لگایا جس سے وہ ٹھیک ہو گئے گویا انہیں کوئی تکلیف نہ تھی۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۹۴۲۔ ۲۹۷۵۔ ۳۷۰۱۔ ۴۲۱۰' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۴۰۶' جامع ترمذی رقم الحدیث: ۳۷۲۴' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۲۱' مسند احمد ج ۳ص ۵۲' السنن الکبریٰ ج ۹ص ۱۳۱' دلائل النبوۃ ج ۴ص ۲۰۸۔ ۲۱۳' مجمع الزوائد ج ۹ص ۱۲۳' المعجم الکبیر طبرانی ج ۱۸ص ۲۳۷' التمہید ج ۲ص ۲۱۸' اتحاف السادۃ

[1] (دلائل النبوۃ ج ۶ص ۲۲۶)

المستدرک ج اص ۱۰۶۔ ج ۷ ص ۱۸۸ حلیۃ الاولیاء ج ۴ ص ۳۵۶ المستدرک ج ۳ ص ۳۳۷)

اور پانی کا ایک ڈول لایا گیا آپ نے اس سے نوش فرمایا پھر کنویں میں ڈال دیا راوی فرماتے ہیں یا کنویں میں کلی کر کے پانی ڈالا تو اس سے کستوری کی خوشبو آنے لگی اس حدیث کو امام احمد اور ابن ماجہ نے حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی روایت سے نقل کیا ہے۔ (سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۶۵۹۔ ۶۶۰ مسند احمد ج ۴ ص ۳۱۵)

نبی اکرم ﷺ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کے گھر میں کنویں میں لعاب مبارک ڈالا تو مدینہ طیبہ میں اس سے میٹھا پانی نہ تھا۔

نبی اکرم ﷺ عاشورہ کے دن ان بچوں کو جو آپ سے خصوصی تعلق رکھتے تھے اور اپنی صاحبزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے بچوں کو بلاتے اور ان کے مونہوں میں لعاب مبارک ڈالتے اور ان کی ماؤں سے فرماتے ان کو رات تک دودھ نہ پلانا چنانچہ ان کو آپ کا لعاب مبارک ہی کافی ہوتا۔

(دلائل النبوۃ ج ۶ ص ۲۲۶ مجمع الزوائد ج ۳ ص ۱۸۶ المطالب العالیہ رقم الحدیث: ۱۰۰۸ الاصابہ فی تمیز الصحابہ ج ۸ ص ۸۱)

حضرت عمیرہ بنت مسعود اور ان کی بہنیں رضی اللہ عنھن نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں بیعت ہونے کے لیے حاضر ہوئیں اور یہ پانچ تھیں انہوں نے نبی اکرم ﷺ کو دیکھا کہ آپ خشک گوشت کے ٹکڑے تناول فرما رہے ہیں آپ نے ان (خواتین) کے لیے گوشت چبایا اور پھر ان میں سے ہر ایک نے ایک ایک ٹکڑا چبایا تو دنیا سے رخصت ہونے تک ان کے مونہوں سے بدبو نہیں آئی۔

نبی اکرم ﷺ نے حضرت عتبہ بن فرقد رضی اللہ عنہ کی پیٹھ اور پیٹ پر لعاب ڈال کر ہاتھ پھیرا اور انہیں پھنسیاں تھیں تو انہوں نے اس سے اچھی خوشبو کبھی نہیں سونگھی۔

حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کو سخت پیاس لگی ہوتی تھی نبی اکرم ﷺ نے ان کی زبان کو چوسا تو ان کی پیاس ختم ہو گئی۔

امام العارفین حضرت سیدی محمد وفا شاذلی رحمۃ اللہ کو اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے انہوں نے کیا خوب فرمایا:

جنی النحل فی فیہ و فیہ حیاتنا ولکنہ من لی بلثم لثامہ
رحیق الثنایا والمثانی تنفست اذا قال فی فیح بطیب ختامہ

"آپ کے دہن مبارک میں شہد ہے میٹھا کلام ہے اور اس میں ہماری زندگی ہے لیکن کون میرے لیے اس کو ظاہر کرنے کی ضمانت دے گا (تاکہ میں عالم بیداری میں زیارت کروں) وہ صاف ستھری شراب اور خوبصورت آواز ہے جب کلام کرتے ہیں تو خوشبو پھیلتی ہے جو کستوری سے مہر شدہ ہے"۔

رسول اکرم ﷺ کی فصاحت

جہاں تک نبی اکرم ﷺ کی زبان کی فصاحت کلمات کے جامع ہونے اور عمدہ فی البدیع بیان کا تعلق ہے تو آپ تمام مخلوق خداوندی سے زیادہ فصیح تھے آپ کا کلام سب سے میٹھا اور ادائیگی میں سب سے جلد ادا ہونے والا تھا اور گفتگو

نہایت شیریں تھی حتی کہ آپ کا کلام مبارک دلوں کے ریشہ ریشہ میں پیوست ہو جاتا اور ارواح کو نکال لیتا تھا۔

(طبقات ابن سعد ج ا ص ۳۸۳' دلائل النبوۃ ج ا ص ۲۷۹' البدایۃ النہایہ ج ۶ ص ۳۰' الشفاء ج ا ص ۷۰)

ینظم در الثغر نثر مقولہ فیا حسنہ فی نثرہ و نظامہ

یناجی فینجی من یناجی من الجوی فکل کلیم برؤہ فی کلامہ

''آپ نثر میں کلام کرتے' سامنے کے دانت مبارک موتیوں کی طرح چمکتے' پس آپ کی نثر و نظم کا حسن تعجب خیز ہے۔ آپ کلام فرماتے تو مخاطب کو عشق کی تکلیف سے نجات مل جاتی آپ کے کلام میں ہر زخمی کے لیے شفاء تھی''۔

نبی اکرم ﷺ کی زبان اقدس کی فصاحت ایک ایسی انتہا ہے' جس تک رسائی نہیں ہو سکتی اور ایک ایسی منزل ہے جس کی انتہا کا قرب حاصل نہیں ہو سکتا اور ایسا کیوں نہ ہوتا جب کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی زبان مبارک کو اپنی تلواروں میں سے ایک تلوار قرار دیا جو اس کی مراد کو بیان کرتی تھی اور اس کے ذریعے آپ اللہ تعالیٰ کے بندوں کو اس کی طرف بلاتے تھے نبی اکرم ﷺ اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس کی حکمتوں کو بیان فرماتے اور اس کے ذکر کی حقیقت سے اس کی مراد کو واضح فرماتے۔

آپ بولتے تو تمام مخلوق سے زیادہ فصیح ہوتے اور جب وعظ فرماتے تو سب سے زیادہ خیر خواہی کرنے والے ہوتے تھے آپ نامناسب اور غیر شائستہ بات نہ فرماتے آپ کی مکمل گفتگو کا نتیجہ علم ہوتا تھا اور وہ شریعت اور حکمتوں کی تعمیل پر مبنی ہوتا کسی شخص کی گفتگو نبی اکرم ﷺ کی گفتگو سے زیادہ مضبوط اور اس سے زیادہ شیریں نہیں ہوتی تھی۔

آپ اللہ تعالیٰ کی مراد کو اپنی زبان مبارک سے بیان فرماتے تھے اور آپ اپنے بیان سے اللہ تعالیٰ کے بندوں پر حجت قائم فرماتے اس کے فرائض' اوامر اور نواہی کو واضح فرماتے اس کے وعدہ وعید اور سزاؤں اور ہدایت کے سلسلے میں آپ وضاحت فرماتے تھے آپ کا قلب پاک تمام مخلوق سے زیادہ مضبوط' آپ کی زبان سب سے زیادہ فصیح اور بیان سب سے زیادہ واضح ہوتا تھا۔

رسول اللہ ﷺ کلام فرماتے تو آپ کا کلام نہایت واضح اور مفصل ہوتا جس کو لوٹانے والا لوٹا سکتا تھا' اس قدر جلدی نہ ہوتا کہ کوئی یاد نہ رکھ سکے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ تم لوگوں کی طرح تیزی سے نہیں بولتے تھے آپ اس طرح گفتگو فرماتے کہ کوئی شخص اس کو لوٹانا چاہے تو لوٹا سکے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۵۶۸' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۶۰' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۶۵۵' جامع ترمذی رقم الحدیث: ۳۶۳۹' مسند احمد ج ۶ ص ۱۱۸۔ ۱۳۸۔ ۱۵۷۔ ۲۵۷)

اور آپ ایک کلمہ تین بار لوٹاتے تا کہ سمجھا جا سکے۔ (جامع ترمذی رقم الحدیث: ۳۶۴۰)

آپ فرماتے تھے: کہ میں تمام عرب والوں سے زیادہ فصیح ہوں۔ (کشف الخفاء ج ا ص ۲۳۲۔ ج ۲ ص ۸۵۰' المغنی عن حمل الاسفار ج ۲ ص ۳۶۳' الاسرار المرفوعہ ص ۱۱۷' الشفاء ج ا ص ۸۰) حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے پوچھا یا رسول اللہ! کیا وجہ ہے

کہ آپ ہم سب سے زیادہ فصیح ہیں جب کہ ہمارے درمیان سے تشریف نہیں لے گئے؟ آپ نے فرمایا: میں نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی لغت پڑھی ہے حضرت جبریل علیہ السلام میرے پاس آئے اور انہوں نے مجھے یہ یاد کرائی۔

(المغنی ج ۲ص ۳۶۴ کنز العمال رقم الحدیث: ۳۵۴۶۳)

عسکری نے ''الامثال میں'' ایک ضعیف سند سے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی حدیث نقل کی ہے وہ فرماتے ہیں بنو ہند' نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے (مکمل حدیث ذکر کی) اور اس میں ان کے خطبہ اور نبی اکرم ﷺ کی طرف سے جواب کا ذکر بھی فرمایا وہ فرماتے ہیں: ہم نے عرض کیا اے اللہ کے نبی! ہم اور آپ ایک ہی باپ (دادا) کی اولاد ہیں اور ایک ہی شہر میں پیدا ہوئے اور آپ اہل عرب سے ایسی زبان میں کلام کرتے ہیں کہ اس میں سے اکثر کو ہم نہیں سمجھ پاتے آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے مجھے ادب سکھایا اور خوب سکھایا اور میری پرورش بنو سعد بن بکر میں ہوئی ہے (اور ان کی فصاحت مشہور ہے)۔ (کنز العمال رقم الحدیث: ۱۸۶۷۳)

حضرت محمد بن عبد الرحمٰن زہری اپنے والد سے اور وہ ان کے دادا سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں: کہ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا کوئی شخص اپنی عورت کو ٹال سکتا ہے؟ آپ نے فرمایا: جب کہ مفلس ہو (اس شخص نے ''یدالک'' کا لفظ استعمال کیا تھا اور آپ نے مُفلج کا لفظ استعمال فرمایا) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے پوچھا یا رسول اللہ! اس شخص نے آپ سے کیا کہا تھا اور آپ نے کیا جواب دیا؟ آپ نے فرمایا: اس نے پوچھا تھا کیا کوئی شخص اپنی عورت کو ٹال سکتا ہے؟ تو میں نے کہا ہاں جب مفلس ہو۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں تمام عرب میں گھوما پھرا ہوں اور میں نے ان کے فصحاء کو بھی سنا ہے لیکن میں نے آپ سے زیادہ فصیح کسی کو نہیں سنا۔ آپ نے فرمایا مجھے میرے رب نے ادب سکھایا اور میری پرورش بنو سعد میں ہوئی ہے۔

قاموس (لغت کی کتاب) میں ہے (دالکہ یعنی ماطلہ ٹال مٹول کرنا) اور مُفلج میم پر پیش اور فاء پر زبر ہے یہ الفج سے اسم فاعل ہے ''الفج الرجل وھو مفلج'' اس وقت کہا جاتا ہے جب کوئی شخص فقیر ہو اور یہ غیر قیاسی ہے جیسے احصن سے محصن (صاد پر زبر کے ساتھ) اسھب سے مسھب بھی عین کلمہ کے فتح کے ساتھ ہے یہ الفاظ شاذ (غیر قیاسی ہیں) قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ ان پر کسرہ (زیر) ہو لیکن ابن اثیر نے کہا ہے کہ صرف تین حروف یعنی اسھب' احصن' اور الفج میں یہ صورت ہے۔ دوسرے حضرات نے فرمایا کہ ''ایدالک'' کا معنی یہ ہے' کیا کوئی شخص اپنی بیوی سے جماع سے پہلے کھیل کود کر سکتا ہے اور اس کو مطل قرار دیا کیونکہ اس کی سب سے بڑی غرض جماع ہے آپ نے فرمایا ہاں جب عاجز ہو' تا کہ یہ بات شہوت کو حرکت دے اور اس کے عاجز ہونے کی وجہ سے اسے مفلس قرار دیا۔

(القاموس المحیط للفیروز آبادی ج ۳ص ۳۱۲)

ابن اثیر نے کہا اس کا مطلب یہ ہے کہ مہر کی ادائیگی میں ڈھیل کرے اگر فقیر ہو۔ اور وہ جو مروی ہے کہ میں ''ضاد'' کی ادائیگی کرنے والوں میں سے سب سے زیادہ فصیح ہوں تو ابن کثیر نے کہا اس کی کوئی اصل نہیں۔ (امام قسطلانی

فرماتے ہیں) لیکن اس کا مفہوم صحیح ہے۔ واللہ اعلم

(الدرر المنتثرۃ ص۲۳' کشف الخفاء ج۱ص۲۳۲' تذکرۃ الموضوعات ص۸۷' الاسرار المرفوعہ ص۱۱۶' الفوائد المجموعہ ص۳۲۱)

فصاحت کی تعریف

فصاحت کی تعریف یہ ہے کہ کلمہ تنافر' غرابت اور مخالفت قیاس سے خالی ہو۔

تنافر سے مراد یہ ہے کہ حروف کے مخارج قریب قریب ہوں جیسے "غدائرہ مستشزرات الی العلاء" اس میں سین' شین' تاء اور زاء کے مخارج قریب قریب ہیں اور غرابت یہ ہے کہ کلمہ میں کسی دوسرے معنیٰ کا احتمال ہونے کی وجہ سے وہ پہلے مرحلہ میں مراد پر دلالت نہ کرے۔

اور مخالفت قیاس یہ ہے کہ کلمہ خلاف قیاس استعمال ہو جس طرح ایک کلمہ میں ایک جیسے دو حرفوں کو ادغام کے بغیر چھوڑ دینا جیسے الحمد للہ العلی الاجلل۔ الاجلل میں لام کا دوسرے لام میں ادغام نہیں کیا گیا اور فصاحت' کلام' کلمہ اور متکلم تینوں میں ہوتی ہے۔

اور بلاغت کا مطلب یہ ہے کہ فصاحت کے ساتھ ساتھ کلام حال کے تقاضے کے مطابق ہو' عمدہ کلام ہو' رکیک (گھٹیا) کلام نہ ہو۔

آپ ﷺ کی بلاغت اور اقوال کے کچھ نمونے

رسول اکرم ﷺ کی فصاحت معجزہ کی حد تک پہنچی ہوئی تھی اور اس کی انتہا یہ تھی کہ وہ ذہنوں سے پہلے دلوں کو چھاڑتی تھی اور کانوں کو کھٹکھٹانے سے پہلے پسلیوں کو کھٹکھٹاتی تھی جو نہایت صاف اور فوقیت رکھنے والی تھی آپ کے لیے تمام انسانوں پر حقوق ثابت ہیں جو نافرمانی کے مقابل نہیں ہیں۔

رسول اکرم ﷺ جامع کلمات اور بدیع حکمتوں کے مالک تھے کھٹکھٹانے والی' جھڑک' اور ایسے اوامر و اوصاف کے مالک تھے جو آپ پر ختم اور جاری ہیں پھیلے ہوئے موتی اور روشن چمکتے ہوئے ستارے' مضبوط فیصلے اور وصیتیں اور وہ مواعظ جو دلوں کے لیے فیصلہ کن اور ایسے دلائل جو سخت جھگڑالو مخالف کو بھی لگام ڈال دے' کے مالک تھے۔

نبی اکرم ﷺ کے حق میں یہ وصف بھی کم ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاں آپ کے فضل و شرف کو زیادہ کیا ہے۔

امام حاکم نے اپنی "مستدرک میں" حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث سے روایت کرتے ہوئے اس بات کو صحیح قرار دیا کہ جنتی حضرت محمد ﷺ کی لغت (زبان) میں کلام کریں گے۔

خلاصہ یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی فصاحت کا علم کسی دلیل کا محتاج نہیں اور کوئی موافق و مخالف اس کا انکار نہیں کر سکتا۔

علماء کرام (جیسے ابن سنی' قضاعی' اور ابن صلاح وغیرہ) نے نبی اکرم ﷺ کے یکتا' مختصر اور بدیع کلام کو جمع کیا ہے۔ جس کے لیے پہلی کتب نے سبقت نہیں کی اور حضرت قاضی عیاض رحمۃ اللہ کی کتاب "الشفاء میں" اس قدر ہے کہ اس سے علیل آدمی شفاء پالے جیسا کہ آپ نے فرمایا:

المرء مع من احب
انسان اس کے ساتھ ہوگا جس سے محبت کرتا ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۱۶۸' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۰۳۴' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۵۱۲۷' الضعفاء ج ۲ ص ۵۹۰' جامع ترمذی رقم الحدیث: ۲۳۸۶' مسند احمد ج ۱ ص ۳۹۲' الشفاء ج ۱ ص ۸۷)

نیز فرمایا:

اسلم تسلم یوتک اللہ اجرک مرتین.
اسلام قبول کرو محفوظ ہو جاؤ گے (اور) اللہ تعالیٰ تمہیں دوگنا اجر دے گا۔

اور فرمایا:

السعید من وعظ بغیرہ
نیک بخت وہ ہے جو دوسروں کو دیکھ کر نصیحت حاصل کرے۔

(الدرر المنتثرۃ رقم الحدیث: ۹۳' اتحاف السادۃ المتقین ج ۱۰ ص ۲۳۵' الدر المنثور ج ۲ ص ۲۲۵' سنن ابن ابی عاصم ج ۱ ص ۸۷' الاسرار المرفوعۃ ص ۲۱۶' الفوائد المجموعۃ رقم الحدیث ۲۵۶' تذکرۃ الموضوعات رقم الحدیث ۲۰۰' الشفاء ج ۱ ص ۸۰' مناہل الصفاء ص ۵۲ رقم الحدیث: ۱۴۰)

اور جو کچھ ''الشفاء میں'' ذکر نہیں کیا گیا ان کلمات میں سے یہ ہیں:

انما الاعمال بالنیات.
بے شک اعمال (کے ثواب) کا دارومدار نیتوں پر ہے۔

اور فرمایا:

لیس للعامل من عملہ الا ما نواہ
عمل کرنے والے کے لیے اس کے عمل سے وہی کچھ ہے جس کی اس نے نیت کی۔

ان دو حدیثوں کے تحت علم کے خزانے جمع ہیں اسی لئے حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ حدیث ''انما الاعمال بالنیات'' نصف علم میں داخل ہے اس لئے کہ دین کا ظاہر بھی ہے اور باطن بھی اور نیت باطن' سے متعلق ہے اور عمل کا ظاہر سے تعلق ہے نیز نیت دل کی عبادت ہے اور عمل اعضاء کی عبادت ہے۔

بعض ائمہ (جیسے امام احمد' ابن حدینی اور ابوداؤد رحمہم اللہ) نے فرمایا کہ یہ حدیث دین کا تہائی حصہ ہے کیونکہ دین قول' عمل اور نیت کا نام ہے۔

اس کے علاوہ آپ نے یہ بھی فرمایا:

نیۃ المرء خیر من عملہ.
آدمی کی نیت اس کے عمل سے بہتر ہے۔

(المعجم الکبیر ج ۶ ص ۲۲۸' اتحاف السادۃ المتقین ج ۱۰ ص ۱۵' حلیۃ الاولیاء ج ۳ ص ۲۵۵' الدرر المنتثرۃ رقم الحدیث: ۱۶۶' کشف الخفاء ج ۲ ص ۳۳۸' المغنی عن حمل الاسفار ج ۴ ص ۳۵۵)

بعض محدثین نے فرمایا کہ اس حدیث کا مرفوع ہونا صحیح ثابت نہیں (یعنی یہ حضور ﷺ کا قول نہیں) قضاعی (ابوعبد اللہ محمد بن سلامہ مصری) نے اسماعیل بن عبدالرحمٰن الصفاء سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں: ہمیں حضرت علی بن عبداللہ الفضل نے خبر دی ہے وہ فرماتے ہیں ہم سے حضرت محمد بن حنیفہ واسطی نے بیان کیا وہ فرماتے ہیں ہم سے حضرت محمد بن عبداللہ حلبی نے بیان کیا وہ فرماتے ہیں ہم سے یوسف بن عطیہ نے بیان کیا وہ بواسطہ حضرت ثابت' حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

نیۃ المؤمن ابلغ من عملہ. مؤمن کی نیت اس کے عمل کے مقابلے میں ابلغ (زیادہ پہنچنے والی) ہے۔

(اتحاف السادۃ المتقین ج ۱۰ ص ۱۵)

اور انہوں نے فرمایا کہ اس سند میں کوئی روشی نہیں (یعنی ضعیف ہے) اور یوسف بن عطیہ متروک الحدیث ہے۔

حضرت عثمان بن عبداللہ شامی نے حضرت نواس بن سمعان رضی اللہ عنہ کی روایت سے نقل کیا کہ آپ نے فرمایا:

نیۃ المومن خیر من عملہ مؤمن کی نیت اس کے عمل سے بہتر ہے اور فاجر
ونیۃ الفاجر شر من عملہ (کافر) کی نیت اس کے عمل سے زیادہ بری ہے۔

(اتحاف السادۃ المتقین ج ۱۰ ص ۱۵' مجمع الزوائد ج ۱ ص ۶۱۔ ۱۰۹' تاریخ بغداد ج ۹ ص ۲۳۷)

ابن عدی نے کہا کہ عثمان بن عبداللہ شامی کی بہت سی موضوع روایات ہیں جن میں سے ایک یہ ہے اور ابن جوزی نے کہا اس کا مرفوع ہونا صحیح نہیں اور کہا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ نیت پوشیدہ چیز ہے اور عمل ظاہر ہے اور پوشیدہ عمل افضل ہوتا ہے اور اس کا تقاضا یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے ذکر وفکر کی نیت کرے تو اس کی یہ نیت ذکر وفکر سے بہتر ہوگی حالانکہ یہ بات صحیح نہیں۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ محض نیت اس عمل سے بہتر ہے جو نیت کے بغیر ہو اور یہ بات بھی عقل سے دور ہے کیونکہ جب عمل نیت سے خالی ہو تو اس میں بھلائی بالکل نہیں ہوگی۔

یہ بھی کہا گیا کہ نیت دل کا عمل ہے اور فعل' اعضاء کا عمل ہے اور دل کا عمل' اعضاء کے عمل سے بہتر ہے کیونکہ دل' اعضاء کا سردار ہے اور اس کے اور اعضاء کے درمیان ایک تعلق ہے جب دل کو تکلیف ہوتی ہے تو جسم مضطرب ہو جاتا ہے اور رنگ بدل جاتا ہے بے شک دل بادشاہ نگران ہے اور اعضاء اس کا لشکر اور رعایا ہیں اور بادشاہ کا عمل' رعایا کے عمل سے ابلغ ہوتا ہے۔

یہ بھی کہا گیا کہ جب نیت تمام اعمال کی اصل' روح اور مغز ہے اور اعمال اس کے تابع ہیں تو اس کی صحت سے اعمال صحیح ہوں گے اور اس کے فساد سے اعمال میں فساد پیدا ہوگا۔ اور یہ نیت ہی اچھے عمل کو فاسد عمل میں بدلتی ہے اور غیر صالح عمل کو صالح بنا دیتی ہے جس پر ثواب ملتا ہے اور اس پر جو ثواب ملتا ہے وہ عمل کے ثواب سے دوگنا ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے مؤمن کی نیت اس کے عمل سے بہتر ہوتی ہے۔

ابوبکر بن درید[1] نے اپنی کتاب ''مجتبیٰ'' میں فرمایا: (اور اللہ بہتر جانتا ہے) کہ مؤمن اچھے کاموں میں سے بعض کی نیت کرتا ہے جیسے صدقہ اور روزہ وغیرہ تو ہوسکتا ہے وہ عمل سے عاجز ہو جائے لیکن اس نے نیت کر رکھی تھی تو اس کی یہ نیت اس کے عمل سے بہتر ہے۔ (فتح الباری ج ۱۱ ص ۳۹۳' راجع البخاری رقم الحدیث: ۶۴۹۱' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۔۳۔۴۔۲۵۹' سنن دارمی رقم الحدیث: ۲۰۷' مسند احمد ج ۱ ص ۲۷۹)

نبی اکرم ﷺ کا ایک ارشاد گرامی یوں ہے۔

یا خیل اللہ ارکبی۔ اے اللہ کے لشکر! سوار ہو جاؤ۔

(کشف الخفاء ج ۲ ص ۳۹۰' الکاف الشاف ص ۹۷' تفسیر الطبری ج ۲ ص ۱۳۳' کنز العمال رقم الحدیث: ۴۳۶۳)

اسے ابوالشیخ[2] نے ''الناسخ والمنسوخ میں'' حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے اور عسکری نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے' ابن عائذ نے مغازی میں حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔

ابن عائذ کے نزدیک اس کے الفاظ یوں ہیں فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ اس دن یعنی غزوہ احزاب کے دن ایک منادی بھیجا کہ وہ یوں ندا کرے ''یا خیل اللہ ارکبی'' عسکری نے اور ابن درید نے ''اپنی مجتبیٰ میں'' کہا کہ یہ مجاز کے طور پر ہے آپ کا ارادہ یہ تھا کہ اے اللہ کے گھوڑوں پر سوار لوگو! سوار ہو جاؤ تو آپ نے مختصر طور پر فرمایا۔[3]

اور آپ نے ارشاد فرمایا:

الولد للفراش وللعاہر الحجر۔ بچہ بستر والے (باپ) کے لیے ہے اور زانی کے لئے پتھر ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۰۵۳۔۲۲۱۸۔۲۷۴۵۔۴۳۰۳۔۶۸۱۷' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۲۷۳' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۰۰۶' جامع ترمذی رقم الحدیث: ۱۱۵۷' مسند احمد ج ۱ ص ۵۹' موطا امام مالک رقم الحدیث: ۷۳۹' سنن دارمی ج ۲ ص ۱۵۲' مسند الحمیدی رقم الحدیث: ۱۰۸۵' الدر المنثور ج ۲ ص ۳۳۵' مجمع الزوائد ج ۵ ص ۱۳۔ ج ۷ ص ۱۵۱' السنن الکبریٰ ج ۶ ص ۸۶' دلائل النبوۃ ج ۵ ص ۸۹)

اس حدیث کو امام بخاری' امام مسلم اور دیگر محدثین نے روایت کیا ہے اس کا معنیٰ یہ ہے (اور اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے) کہ زانی کا حصہ پتھر ہے بچے کے ساتھ اس کا کوئی تعلق نہیں اور کہا گیا ہے کہ اس کا حصہ سختی ہے یعنی اس پر حد نافذ کی جائے جس کی انتہا پتھر سے مارنا ہے اور یہ بھی کہا کہ پتھر سے یہاں کنایہ مراد ہے کہ جب وہ عورت اس کی بیوی نہیں ہے تو بچے کی طرف اس کا رجوع ذلت و رسوائی کے ساتھ ہوگا۔ (واللہ اعلم)

اور آپ نے ارشاد فرمایا:

---

[1] ابوبکر محمد بن حسن بن درید ازدی بصری تھے لغت بصری کا علم ان پر ختم تھا باقی تمام لوگوں سے ان کا حفظ اور علم بڑھا ہوا تھا اور وہ اشعار پر بہت قدرت رکھتے تھے۔ ساٹھ سال تک علم کی خدمت کی وہ ۲۲۳ھ میں پیدا ہوئے اور رمضان ۳۲۱ھ میں عمان میں انتقال فرمایا۔ (زرقانی جلد ۳ ص ۱۰۸)

[2] ابوالشیخ سے مراد عبداللہ بن محمد بن جعفر بن حیان اصبہانی ہیں' حافظ' امام' مصنف' ثقہ تھے محرم الحرام ۳۶۹ھ میں آپ کا وصال ہوا۔

[3] حدیث کے الفاظ یوں ہیں کہ اے اللہ کے گھوڑو! سوار ہو جاؤ اور مراد سوار ہیں۔ ۱۲ ہزاروی

کل الصید فی جوف الفرا. ہر شکار جنگلی گدھے کے پیٹ میں ہے۔

فرا میں فاء پر زبر ہے اور جنگلی گدھے کو فرا کہا جاتا ہے اور اسے رامھرمزی [1] نے "الامثال میں" نقل کیا ہے اس کی سند جید (عمدہ) ہے لیکن مرسل ہے (یعنی صحابی کا ذکر نہیں ہے) عسکری کے نزدیک بھی اسی طرح ہے اور وہ فرماتے ہیں: "جوف" فرمایا یا جنب (پہلو)۔ (الاعلام ج ۲ ص ۱۹۴ تذکرۃ الحفاظ ج ۳ ص ۹۰۵ یتیمۃ الدہر ج ۳ ص ۳۹۰)

ان الفاظ کے ساتھ نبی اکرم ﷺ نے ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کو مخاطب کیا۔

پہلے پہل وہ آپ سے دشمنی رکھتے تھے اور آپ کے خلاف اشعار کہتے تھے جب وہ اسلام قبول کر کے حاضر ہوئے تو آپ نے یہ الفاظ فرمائے۔

گویا آپ نے فرمایا: کہ جنگلی گدھے کا شکار سب سے بڑے جانور کا شکار ہے اور باقی تمام شکار اس سے نچلے درجہ میں ہیں جس طرح آپ (سفیان بن حارث) میرے خاندان کے بڑے لوگوں میں سے ہیں میرے ساتھ آپ کا سب سے زیادہ قرب ہے اور جو لوگ میرے پاس آئے ہیں آپ ان میں سے زیادہ معزز و مکرم ہیں دوسرے اس سے نچلے درجہ میں ہیں۔

اور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

الحرب خدعۃ. لڑائی ایک چال ہے۔

اس حدیث کو امام بخاری اور امام مسلم رحمۃ اللہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے آپ فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ نے لڑائی کو خدعہ کا نام دیا امام مسلم کے نزدیک "نام رکھا" کے الفاظ نہیں ہیں اور "خدعۃ" کی خاء پر زبر، زیر، پیش تینوں آتے ہیں لیکن زبر مشہور ہے اور دال ساکن ہے۔

ثعلب وغیرہ نے کہا کہ یہ نبی اکرم ﷺ کی لغت ہے (یعنی خاء پر زبر) اور دوسری لغت خاء پر پیش دال ساکن اور تیسری لغت میں خاء پر پیش اور دال پر زبر ہے۔

یہ بات آپ نے غزوۂ احزاب کے دن فرمائی جب آپ نے نعیم بن مسعود رضی اللہ عنہ کو بھیجا اور فرمایا کہ قریش، غطفان اور یہودیوں کے درمیان لڑائی پیدا کریں (ایک دوسرے سے متنفر کریں) اور اس سے اس بات کی طرف اشارہ فرمایا کہ کثرت کی بجائے حسن تدبیر زیادہ نفع بخش ہوتی ہے۔

حضرت امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: کہ لڑائی کے دوران کفار کے مقابلے میں کوئی چال اختیار کرنا جائز ہے جیسے بھی ممکن ہو لیکن نہ تو عہد توڑے اور نہ امن دینے کے بعد اس کی خلاف ورزی کرے۔

اور آپ نے یہ بھی ارشاد فرمایا:

ایاکم و خضراء الدمن. مینگنی کے ڈھیر پر اُگنے والی سبزی سے بچو۔

یہ حدیث الرامھرمزی نے اور العسکری نے "الامثال میں" ذکر کی ہے ابن عدی نے اسے الکامل میں ابوبکر بن درید

---

[1] رامھرمزی، حافظ، متقی تھے ان کا نام ابو محمد حسن بن عبدالرحمٰن فارسی تھا اور بڑے بڑے ائمہ میں سے تھے۔ ۳۶۰ھ میں آپ کا وصال ہوا۔

نے "المجتبیٰ میں" قضاعی نے "مسند شہاب میں" اور دیلمی نے واقدی سے نقل کیا وہ فرماتے ہیں:

ہم سے محمد بن سعید بن دینار نے بیان کیا انہوں نے ابو حمزہ بن یزید بن عبید سے انہوں نے عطاء بن یزید لیثی سے اور انہوں نے حضرت ابو سعید رحمۃ اللہ سے مرفوعا روایت کیا عرض کیا گیا یا رسول اللہ! اس سے کیا مراد ہے؟ فرمایا وہ خوبصورت عورت جو برے خاندان سے تعلق رکھتی ہو۔ (الاعلام ج ٦ ص ٨٠' المعجم الادباء ج ٥ ص ٢٩٦' فیات الاعیان ج ١ ص ٣٩٧' طبقات الشافعیہ ج ٢ ص ١٣٥' نزہۃ الالباء رقم الحدیث: ٣٢٢' المعجم الشعراء رقم الحدیث: ٣٦١' تاریخ بغداد ج ٢ ص ١٩٥' خزانۃ الادب ج ١ ص ٣٩٠' اتحاف السادۃ المتقین ج ٩ ص ٨٩' الاحکام النبوۃ ج ٢ ص ٢٢' تذکرۃ الموضوعات رقم الحدیث: ١٢٧)۔

ابن عدی نے کہا کہ اس میں واقدی متفرد ہیں۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ خراب عورتوں سے نکاح کو آپ نے ناپسند فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ بری رگیں اس کی اولاد کو کھینچتی ہیں۔

اس حقیقت کی وضاحت یوں ہے کہ ہوا مینگنیوں کو زمین کے ایک ٹکڑے میں جمع کرتی ہے پھر اس پر مٹی جمع ہوتی ہے جب بارش ہوتی ہے تو اس سے تازہ عمدہ سبزی اگتی ہے جو ادھر ادھر جھکتی ہے لیکن اس کے نیچے اصل خبیث ہے پس اس کا ظاہر اچھا اور باطن قبیح فاسد ہوتا ہے الدمن ' دمنۃ کی جمع ہے۔

زفر بن حارث کا شعر ہے:

وقد ینبت المرعی علی دمن الثری وتبقی حزازات النفوس کما ھیا

"بعض اوقات نمناک گوبر پر سبزی اگتی ہے اور دلوں کا کینہ پہلے کی طرح باقی رہتا ہے"۔

اس شعر کا معنی یہ ہے کہ دو آدمی بعض اوقات صلح اور محبت کا اظہار کرتے ہیں حالانکہ ان کے اندر بغض وعداوت ہوتی ہے جس طرح چارہ (سبزی) مینگنیوں کے ڈھیر پر اگتا ہے یہ قاعدہ عام طور پر پایا جاتا ہے یا ہمارے زمانے میں ہر کلی قاعدہ ہے (سب کی یہی حالت ہے) ہمارے شیخ (امام سخاوی نے المقاصد الحسنہ میں) اسی بات کی طرف اشارہ کیا۔

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

الانصار کرشی وعیبتی. انصار میری اوجھ (معدہ) اور میرا صندوق ہیں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ٣٨٠١' جامع ترمذی رقم الحدیث: ٣٩٠٧' مسند احمد ج ٣ ص ١٥٦-١٨٨-٢٠١' مسند الحمیدی رقم الحدیث: ١٢٠١' مجمع الزوائد ج ١٠ ص ٣٧' شرح السنہ ج ١٤ ص ١٦٧' الدر المنثور ج ٣ ص ٢٧٠)

اس حدیث کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے نقل فرمایا ہے یعنی یہ میری پوشیدہ باتوں کی جگہ اور راز دان ہیں دونوں لفظوں کا یہی مطلب ہے کیونکہ جگالی کرنے والا اونٹ اپنے گھاس کو اپنی اوجھ میں جمع کرتا ہے اور آدمی اپنے کپڑے کو اپنے صندوق میں رکھتا ہے۔

اور کہا گیا ہے کہ یہی وہ لوگ ہیں جن پر میں اعتماد کرتا ہوں میں نے ان کے ہاں پناہ لی اور ان کے ذریعے مجھے قوت حاصل ہوتی ہے۔

یہ بھی کہا گیا کہ کرش سے جماعت مراد ہے یعنی یہ میری جماعت ہے اور میرے صحابہ کرام ہیں اور کہا جاتا ہے "علیہ کرش من الناس" یعنی اس پر لوگوں کی ایک جماعت ہے۔

ترمذی شریف کی روایت میں ہے آپ نے فرمایا:

الا ان عیبتی التی اوی الیھا اھل بیتی وان کرشی الانصار. (جامع ترمذی رقم الحدیث:۳۹۰۴) سنو! میرا صندوق جس سے میں ٹھکانہ پکڑتا ہوں وہ میرے اہل بیت ہیں اور میری اوجھ انصار ہیں۔

اور آپ نے ارشاد فرمایا:

ولا یجنی علی المرء الا یدہ انسان اپنے جرم کا نقصان خود اٹھاتا ہے۔

اس حدیث کو امام بخاری و مسلم نے روایت کیا امام احمد اور امام ابن ماجہ (رحمہم اللہ) نے حضرت عمرو بن احوص رضی اللہ عنہ سے یوں روایت کیا ہے:

لا یجنی جان الا علی نفسہ جو شخص جرم کرتا ہے وہ اپنا ہی نقصان کرتا ہے۔

(مسند احمد ج ۳ ص ۴۹۹ المعجم الکبیر ج ۷ اص ۳۲ کنز العمال رقم الحدیث:۴۰۱۰۶)

اور اس سے نبی اکرم ﷺ کی مراد یہ ہے کہ آدمی دوسروں کے کرنے میں پکڑا نہیں جاتا۔ اگر چہ کوئی قتل کرے زخمی کرے یا زنا کرے۔

بلکہ ہاتھ سے کیے ہوئے جرم میں پکڑا جاتا ہے تو اس کے ہاتھ نے ہی اسے یہاں تک پہنچایا ہے۔

اور ارشاد نبوی ہے:

لیس الشدید من غلب الناس انما الشدید من غلب نفسہ. وہ شخص پہلوان نہیں جو لوگوں پر غالب آئے بلکہ پہلوان وہ ہے جو اپنے آپ کو قابو میں رکھے۔

(موارد الظمان رقم الحدیث:۲۵۱۸ مشکل الاثار ج ۲ ص ۳۵۴ شرح السنہ ج ۱۳ ص ۱۶۰ الترغیب والترہیب ج ۳ ص ۴۷۷ کشف الخفاء ج ۲ ص ۲۳۸)

اس حدیث کو ابن حبان نے اپنی صحیح میں ذکر کیا اور امام بخاری و مسلم رحمۃ اللہ علیہما نے ان الفاظ سے نقل کیا ہے۔

لیس الشدید بالصرعۃ انما الشدید الذی یملک نفسہ عند الغضب. پچھاڑنے والا پہلوان نہیں بے شک پہلوان وہ ہے جو غصے کے وقت اپنے آپ کو قابو میں رکھتا ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۶۱۱۴ صحیح مسلم رقم الحدیث:۱۰۷-۱۰۸ مسند احمد ج ۲ ص ۲۳۶-۲۶۸-۵۱۷ السنن الکبریٰ ج ۱۰ ص ۲۳۵ مشکل الاثار ج ۲ ص ۳۵۴ موطا امام مالک رقم الحدیث:۹۰۶ مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث ۵۱۰۵ اتحاف السادۃ المتقین ج ۴ ص ۱۶۸ تاریخ جرجان ص ۴۵۱ تفسیر قرطبی ج ۴ ص ۲۰۸)

یعنی وہ اپنے سب سے مضبوط دشمن اور سب سے بڑے مخالف کو قابو میں رکھتا ہے اسی لیے کہا گیا:

اعدی عدولک نفسک التی بین تمہارا سب سے بڑا دشمن تمہارا نفس ہے جو تمہارے

جنبیک. دو پہلوؤں کے درمیان ہے۔

(المغنی ج ۳ص ۴ اتحاف السادۃ المتقین ج ۷ص ۲۰۶۔ ج ۹ص ۳۳)

یہ مجاز کے باب سے اور فصیح کلام سے ہے اس لئے کہ جب انسان کو سخت غصہ آتا ہے اور اس کے آثار ظاہر ہوتے ہیں تو وہ اپنی بردباری سے اس پر قابو پالیتا ہے اور ثابت قدمی سے اس کو یوں پچھاڑتا ہے جس طرح پہلوان لوگوں کو پچھاڑتا ہے اور لوگ اسے پچھاڑ نہیں سکتے۔

اور آپ نے ارشاد فرمایا:

لیس الخبر کالمعاینۃ. خبر دیکھنے کی طرح نہیں ہے۔

(مسند احمد ج ۱ص ۲۷۱ موارد الظمان رقم الحدیث ۲۰۸۷ مجمع الزوائد ج ۱ص ۱۵۳ مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث:۵۷۳۸ اتحاف السادۃ المتقین ج ۶ص ۳۶۳ التمہید ابن عبدالبر ج ۳ص ۳۳۳ تاریخ جرجان ص ۷۳۔۵۰۵ تاریخ بغداد ج ۳ص ۲۰۰۔ ج ۶ص ۵۶۔ ج ۸ص ۱۶ تفسیر قرطبی ج ۳ص ۲۹۸۔ ج ۲۰ص ۱۷۱ الضعفاء ابن عدی ج ۱ص ۳۰۳۔ ج ۳ص ۱۵۸۰۔ ج ۷ص ۲۳۹۳ الدرر المنتثرۃ ص ۱۳۳ تذکرۃ الموضوعات ص ۲۰۴ کشف الخفاء ج ۲ص ۲۳۶ کنز العمال رقم الحدیث:۳۳۱۱۰۔۳۳۱۲۶)

اس حدیث کو امام احمد ابن منیع طبرانی اور عسکری نے روایت کیا ہے۔

اور آپ نے فرمایا:

المجالس بالامانۃ. مجلسیں امانت کے ساتھ ہیں۔

(مسند احمد ج ۳ص ۳۴۲ سنن ابو داؤد رقم الحدیث:۴۸۶۹ السنن الکبریٰ ج ۱۰ص ۲۴۷ اتحاف السادۃ المتقین ج ۶ص ۲۱۶۔ ج ۸ص ۳۴۳ مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث:۵۰۹۳ فتح الباری ج ۱۱ص ۹۷ المغنی عن حمل الاسفار ج ۲ص ۷۶ کشف الخفاء ج ۲ص ۲۷۷ کنز العمال رقم الحدیث:۲۵۳۷۹۔۲۵۳۷۷۔۲۵۴۳۴)

اس حدیث کو امام عقیلی نے حسین بن عبداللہ بن ضمرہ کے ترجمہ میں (تعارف میں) نقل کیا ہے وہ اپنے باپ سے وہ ان کے دادا سے اور وہ **حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً نقل کرتے ہیں اور حضرت جابر بن عتیک رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔**

اذا حدث الرجل ثم التفت فھی امانۃ. جب کوئی شخص بات کرکے ادھر ادھر دیکھے تو وہ امانت ہے۔

(جامع ترمذی رقم الحدیث:۱۹۵۹ السنن ابو داؤد رقم الحدیث:۴۸۶۸ مسند احمد ج ۳ص ۳۰۸ مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث:۵۰۶۱ کشف الخفاء ج ۱ص ۹۰ الدر المنثور ج ۵ص ۲۲۶ اتحاف السادۃ المتقین ج ۶ص ۲۱۶ السنن الکبریٰ ج ۱۰ص ۲۴۷ المغنی ج ۳ص ۱۷۲ مجمع الزوائد ج ۸ص ۹۸ المطالب العالیہ رقم الحدیث:۲۶۳۷ مشکل الآثار ج ۳ص ۳۳۶ شرح السنہ ج ۱۳ص ۱۹۱ کنز العمال رقم الحدیث:۵۳۷۸)

امام ابو داؤد نے اسے اپنی سنن میں امام ترمذی نے اپنی جامع میں اور ابن ابی الدنیا نے "الصمت میں" اور اس کے

علاوہ لوگوں نے بھی روایت کیا ہے۔

ان دو حدیثوں میں آداب معاشرہ اور آداب صحبت نیز راز کو چھپانے کی ترغیب دی گئی نیز اچھی دوستی' عہد کو پورا کرنے' باہم اصلاح کی راہ اختیار کرنے مسلمان' بھائیوں کے درمیان چغل خوری سے بچنے کی تعلیم دی گئی کیونکہ چغلی اس قدر دشمنی پیدا کرتی ہے جو معمولی سمجھ رکھنے والے پر بھی مخفی نہیں ہے۔

اور آپ نے ارشاد فرمایا:

البلاء موکل بالمنطق. گفتگو کے وقت امتحان ہوتا ہے۔

(الکشاف رقم الحدیث: ۱۵۷' الدرر المنتثرۃ رقم الحدیث: ۵۸' الموضوعات ج ۳ ص ۸۳' الفوائد المجموعہ رقم الحدیث: ۳۲۰' تنزیہ الشریعہ ج ۲ ص ۲۹۶' کشف الخفاء ج ۱ ص ۳۳۳-۳۳۴' تذکرۃ الموضوعات رقم الحدیث: ۱۷۰' تاریخ بغداد ج ۱۳ ص ۲۷۹' اللآلی المصنوعہ ج ۲ ص ۱۵۸' جمع الجوامع رقم الحدیث: ۱۰۳۱۶' کنز العمال رقم الحدیث: ۳۶۴۰۰)

اس حدیث کو ابن ابی شیبہ نے اور امام بخاری نے ''الادب المفرد میں'' حضرت ابراہیم سے اور انہوں نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا اور امام دیلمی نے حضرت داؤد رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً نقل کیا ہے۔

ابن جوزی نے ''الموضوعات میں'' حضرت ابودرداء اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت سے نقل کیا ہے۔

ہمارے شیخ (امام سخاوی) نے ''المقاصد الحسنہ میں'' فرمایا: کہ جو کچھ ہم نے ذکر کیا ان تمام باتوں کے باوجود اسے موضوع قرار دینا اچھی بات نہیں اور اس حدیث کے معنیٰ پر نبی اکرم ﷺ کا یہ ارشاد گرامی بھی گواہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ ایک اعرابی کی عیادت کے لئے اس کے پاس تشریف لے گئے تو فرمایا ''لا باس طھور'' کوئی حرج نہیں یہ پاکیزگی کا باعث ہے اعرابی نے کہا بلکہ یہ بخار ہے جو بوڑھے شخص پر جوش مار رہا ہے جو اسے قبر تک پہنچائے گا نبی اکرم ﷺ نے فرمایا تو پھر اسی طرح سہی۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۶۱۶-۵۶۵۶-۵۶۶۲-۷۴۷۰' مسند احمد ج ۶ ص ۳۲۳' الادب المفرد رقم الحدیث: ۵۱۴' السنن الکبریٰ ج ۳ ص ۳۸۳' مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۱۵۲۹' شرح السنہ ج ۵ ص ۲۲۳' المعجم الکبیر ج ۱۱ ص ۳۳۲' الاذکار النوویہ رقم الحدیث: ۱۲۵' زاد المسیر ج ۹ ص ۲۱۸' تہذیب خصائص علیٰ نسائی رقم الحدیث: ۷۰)

اسی مفہوم کو اس شعر میں بیان کیا گیا ہے:

لا تنطقن بما کرھت فربما نطق اللسان بحادث فیکون

''زبان سے ناپسندیدہ بات نہ کہو کیونکہ بعض اوقات زبان پر کسی آنے والی بات کا ذکر ہوتا ہے تو وہ ہو جاتی ہے''۔

اور سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا:

ترک الشر صدقۃ. (کشف الخفاء ج ۱ ص ۳۶۰) برائی کو چھوڑنا صدقہ ہے۔

بعض حضرات نے اس کو روایت کیا اور اس کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص برائی سے اور لوگوں کو اذیت پہنچانے سے باز

رہا گویا اس نے ان پر صدقہ کیا۔

اس سے معلوم ہوا کہ برائی کو ترک کرنے کی فضیلت صدقہ کرنے کی فضیلت کی طرح ہے۔

اور ارشاد نبوی ہے:

وای داء ادوا من البخل. بخل (کنجوسی) سے بڑھ کر کونسی بیماری ہو سکتی ہے؟

(المغنی ج ۳ ص ۲۳۹' تاریخ بغداد ج ۴ ص ۲۱۷' مکارم الاخلاق ص ۵۹' کنز العمال رقم الحدیث: ۳۶۸۵۸-۳۶۸۵۹)

اس حدیث کو امام بخاری رحمۃ اللہ نے نقل کیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے بخل کو بیماری قرار دیا حالانکہ یہ بخیل آدمی کو تکلیف نہیں پہنچاتا۔ اور اسے بیماری کے مشابہ قرار دیا کیونکہ یہ انسان کو خراب کر دیتا ہے اور اس کے لیے برے تذکرے کی راہ کھولتا ہے جس طرح بیماری کمزور کر دیتی اور تھکا دیتی ہے۔

اس حدیث کا مقصود بخل سے روکنا ہے اللہ تعالیٰ ہمیں اس سے بچائے۔

اور آپ ﷺ نے فرمایا:

لا ینتطح فیہا عنزان. اس میں دو بکریاں نہیں ٹکراتے۔

(کشف الخفاء ج ۲ ص ۵۲۳' تاریخ بغداد ج ۱۳ ص ۹۹' العلل المتناہیہ ج ۱ ص ۱۷۵' کنز العمال رقم الحدیث: ۴۴۱۳۱)

یعنی ان میں دو باتیں وعدہ خلافی اور جھگڑا جاری نہیں ہوتا۔[1]

اور ارشاد گرامی ہے:

الحیاء خیر کلہ. حیاء پورے کا پورا بھلائی ہے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۶۱' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۷۹۶' مسند احمد ج ۴ ص ۴۲۶' مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۶' المعجم الکبیر ج ۱۸ ص ۱۷۱' اتحاف السادۃ المتقین ج ۸ ص ۳۰۷' حلیۃ الاولیاء ج ۲ ص ۲۵۱-ج ۶ ص ۲۶۲' کنز العمال رقم الحدیث: ۵۷۶۳-۵۷۸۵)

اور ارشاد فرمایا:

الیمین الفاجرۃ تدع الدیار بلاقع جھوٹی قسم زمین کو ویران اور بنجر بنا کر رکھ دیتی ہے۔

(السنن الکبریٰ ج ۱۰ ص ۳۵' الترغیب والترہیب ج ۲ ص ۶۲۲' الدر المنثور ج ۲ ص ۴۵' جامع مسانید ج ۱ ص ۱۱۳-۲۵۹' کنز العمال رقم الحدیث: ۴۶۳۸۸)

اس حدیث کو "مسند فردوس میں" حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے نقل کیا گیا ہے۔

اور ارشاد فرمایا:

سید القوم خادمہم. قوم کا سردار ان کا خادم ہوتا ہے۔

---

[1] حضرت عمیر بن عدی رضی اللہ عنہ نے جب یہودی عورت عصماء بنت مروان کو قتل کیا تو نبی اکرم ﷺ نے ان کی شان میں یہ بات فرمائی۔ (کشف الخفاء ج ۱ ص ۵۶۱-۵۶۲' تاریخ بغداد ج ۱۰ ص ۱۸۷' الدرر المنتثرۃ ص ۹۵' الحاوی للفتاوی ج ۲ ص ۱۰۱' مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۳۹۲۵' کنز العمال رقم الحدیث: ۱۷۵۱۶-۴۴۸۳۴-۴۴۸۳۵)

اس حدیث کا ابوعبدالرحمٰن سلمی نے اپنی کتاب ''آداب الصحبۃ میں'' حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے اور اس کی سند میں ضعف اور انقطاع ہے ان کے علاوہ لوگوں نے بھی اسے روایت کیا ہے۔

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

فضل العلم خیر من فضل العبادۃ. علم کی فضیلت (محض) عبادت کی فضیلت سے زیادہ ہے۔

(المستدرک ج ۱ ص ۹۲' حلیۃ الاولیاء ج ۲ ص ۲۱۲' کشف الخفاء ج ۲ ص ۱۱۱' مجمع الزوائد ج ۱ ص ۱۲۰' الدر المنثور ج ۱ ص ۳۵۰' المعجم الکبیر طبرانی ج ۱۱ ص ۳۸' العلل المتناہیہ ج ۱ ص ۶۷' الکامل فی الضعفاء ج ۳ ص ۱۵۱۴' الترغیب والترہیب ج ۱ ص ۹۳ ۔ ج ۲ ص ۵۲۰)

اس حدیث کو امام طبرانی اور امام بزار نے روایت کیا۔

ایک دوسری حدیث میں ارشاد فرمایا:

الخیل فی نواصیھا الخیر گھوڑوں کی پیشانیوں میں بھلائی ہے۔

حضرت امام بخاری اور حضرت امام مسلم رحمۃ اللہ علیہما نے اس حدیث کو حضرت امام مالک سے انہوں نے حضرت نافع سے اور انہوں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ان الفاظ کے ساتھ ذکر کیا۔

الخیل فی نواصیھا الخیر الی یوم القیامۃ. قیامت تک گھوڑوں کی پیشانیوں میں بھلائی رہے گی۔

دوسرے محدثین کے نزدیک یوں ہے 'معقود بنو اصیھا الخیر '' ان کی پیشانیوں میں بھلائی باندھ دی گئی ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۸۴۹ ۔ ۳۶۴۴' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۷۸۷ ۔ ۲۷۸۸' مسلم الامارۃ رقم الحدیث: ۹۶' مسند احمد ج ۲ ص ۲۸' موطا امام مالک رقم الحدیث: ۳۶۷' السنن الکبریٰ ج ۳ ص ۸۱' ج ۶ ص ۳۲۹ ۔ المعجم الکبیر ج ۸ ص ۳۰۶' تفسیر قرطبی ج ۱ ص ۸۰' مجمع الزوائد ج ۵ ص ۲۵۹ ۔ ۲۶۱' حلیۃ الاولیاء ج ۹ ص ۴۳' کنز العمال رقم الحدیث: ۳۵۲۵۸)

اور ارشاد نبوی ہے:

اعجل الاشیاء عقوبۃ البغی. حد سے تجاوز کرنے والے کی سزا تمام سزاؤں سے جلدی ملتی ہے۔

کیونکہ باقی سزائیں مؤخر ہو جاتی ہیں لیکن کسی پر زیادتی کرنے والے کو فوری طور پر دنیا میں بھی سزا ملتی ہے اگر اللہ تعالیٰ معاف نہ کرے (زرقانی ج ۴ ص ۱۴۰)

اور ارشاد فرمایا:

ان من الشعر لحکما. بے شک بعض اشعار حکمت پر مبنی ہوتے ہیں۔

اس حدیث کو حضرت امام ابوداؤد رحمۃ اللہ نے حضرت صخر بن عبداللہ بن بریدہ سے روایت کیا وہ اپنے والد سے اور وہ ان کے دادا سے روایت کرتے ہیں وہ (حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں: میں نے نبی اکرم ﷺ سے سنا آپ

نے فرمایا:

ان من البیان لسحرا وان من العلم جھلا وان من الشعر حکما۔ بے شک بعض بیان جادو' بعض علم' جہالت اور بعض اشعار حکمت ہوتے ہیں۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۵۰۱۰-۵۰۱۱-۵۰۱۲' صحیح بخاری رقم الحدیث: ۶۱۴۵' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۷۵۵-۳۷۵۶' مسند دارمی رقم الحدیث: ۶۸' جامع الترمذی رقم الحدیث: ۶۹' مسند احمد ج ۳ ص ۴۵۶- ج ۵ ص ۱۲۵' تاریخ بغداد ج ۳ ص ۹۸' تاریخ ابن عساکر ج ۶ ص ۴۲۵' الضعفاء للعقیلی ج ۱ ص ۳۰۰' علل الحدیث رقم الحدیث: ۲۲۱-۲۲۵۹' حلیۃ الاولیاء ج ۸ ص ۳۰۹)

(بہت بڑے تابعی) حضرت صعصعہ بن صوحان رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ نبی اکرم ﷺ نے سچ فرمایا آپ کا یہ فرمانا کہ بعض بیان جادو ہوتے ہیں۔

تو ایک شخص جس کے ذمہ کچھ حق ہوتا ہے اور وہ صاحب حق کے مقابلے میں دلائل کے ذریعے زیادہ گفتگو کر لیتا ہے تو اپنے بیان سے قوم پر جادو کر کے وہ حق لے جاتا ہے۔

اور آپ کا ارشاد گرامی کہ بعض علم' جہالت ہوتے ہیں تو کسی عالم کا ایسی بات کے لیے تکلف کرنا جسے وہ نہیں جانتا' اس کو جاہل بنا دیتا ہے اور آپ کا ارشاد گرامی کہ بعض شعر حکمت ہوتے ہیں اس میں مواعظ اور مثالیں بھی شامل ہیں جن کے ذریعے لوگ نصیحت حاصل کرتے ہیں' اور اس کا مفہوم یہ ہے کہ بعض اشعار ایسے نہیں ہوتے کیونکہ لفظ ''من'' تبعیضیہ ہے (کسی چیز کے بعض ہونے کو بیان کرتا ہے) اور صحیح بخاری میں ہے:

ان من الشعر حکمۃ۔ بعض اشعار حکمت پر مبنی ہوتے ہیں۔

یعنی وہ سچا قول ہوتا ہے جو حق کے مطابق ہوتا ہے۔

طبری نے کہا ہے کہ اس حدیث میں ان لوگوں کا رد ہے جو اشعار کو مطلقاً ناپسند کرتے ہیں اور وہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے اس قول سے استدلال کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا:

الشعر مزامیر الشیطان۔ شعر' شیطان کے گانے بجانے کا آلہ ہے۔

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ مرفوعاً روایت کرتے ہیں کہ جب شیطان کو زمین پر اتارا گیا تو اس نے کہا اے میرے رب! میرے لئے قرآن بنا دے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا تیرا قرآن شعر ہے۔

پھر اس کا جواب دیا کہ یہ احادیث کمزور ہیں اور بات یہی ہے۔ حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ والی روایت میں علی بن زید الہانی ہے جو ضعیف ہے۔

اور اگر ان کو قوی احادیث تسلیم کیا جائے تو زیادہ شعر گوئی مراد ہوگی اور اشعار کے جواز پر بے شمار احادیث دلالت کرتی ہیں ان میں سے ایک وہ ہے جسے امام بخاری رحمۃ اللہ نے ''الادب المفرد میں'' حضرت عمرو بن الشرید سے روایت کیا وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے مجھے امیہ بن ابی الصلت کے اشعار پڑھنے کا حکم دیا تو میں نے ایک سو قافیہ پڑھا۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۷۵۸' مسند احمد ج ۴ ص ۳۸۸-۳۹۰'

الادب المفرد رقم الحدیث ۲۹۱ـ۸۷۲)

رسول اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

الصحة والفراغ نعمتان. صحت اور فراغت دو نعمتیں ہیں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۴۱۲، مسند احمد ج ۱ ص ۳۷۲، المعجم الکبیر ج ۱۰ ص ۳۹۲، الاحکام النبویہ فی الصناعۃ الطبیہ ص ۱۲۷، تہذیب ج ۱ ص ۲۳۵، فتح الباری ج ۱۱ ص ۲۷۶)

نوٹ: صحیح بخاری میں ہے دو نعمتیں ایسی ہیں جن میں لوگ خسارے میں ہیں ایک صحت دوسری فراغت۔

اور ارشاد فرمایا:

استعینوا علی الحاجات بالکتمان حاجات کو پورا کرنے پر چھپانے کے ذریعے مدد مانگو

فان کل ذی نعمة محسود. کیونکہ ہر نعمت والے سے حسد کیا جاتا ہے۔

(کشف الخفاء ج ۱ ص ۱۳۵، اتحاف السادۃ المتقین ج ۸ ص ۵۳، مجمع الزوائد ج ۸ ص ۱۹۵، الموضوعات ج ۲ ص ۱۶۵، حلیۃ الاولیاء ج ۶ ص ۹۶، التمہید ج ۱۰ ص ۱۵۲، الدرر المنتثرۃ ص ۱۴، الکامل فی الضعفاء ج ۳ ص ۱۲۳۰، تذکرۃ الموضوعات ص ۲۰۵، اللآلی المصنوعۃ ج ۲ ص ۳۳، المغنی ج ۳ ص ۱۸۲، علل الحدیث رقم الحدیث: ۲۲۵۸، تنزیہ الشریعۃ ج ۲ ص ۱۳۵، کنز العمال رقم الحدیث: ۱۶۸۰۰ـ۱۶۸۰۹)

اس حدیث کو امام طبرانی رحمۃ اللہ نے اپنی تینوں "معاجم" (المعجم الکبیر، المعجم الصغیر اور المعجم الاوسط میں) حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے نقل کیا وہ اسے مرفوعاً روایت کرتے ہیں۔

الخلعی (ابوالحسن علی بن حسن بن حسین) نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً یوں روایت کیا:

استعینوا علی قضاء الحوائج بالکتمان لها. حاجات کو پورا کرنے پر چھپانے کے ذریعے مدد حاصل کرو (یعنی صدقہ وغیرہ چھپا کر دو)۔

اور آپ نے ارشاد فرمایا:

المکر والخدیعة فی النار. مکر وفریب اور دھوکہ آگ میں ہوں گے (یعنی مکار اور دھوکہ باز)۔

(المستدرک ج ۴ ص ۶۰۷، مجمع الزوائد ج ۱ ص ۱۰۲، الدر المنثور ج ۱ ص ۳۰، تغلیق التعلیق رقم الحدیث: ۵۳، البدایۃ والنہایۃ ج ۸ ص ۱۰۵، الکامل فی الضعفاء ج ۲ ص ۵۸۲ـ ج ۶ ص ۲۰۹۲، المعجم الکبیر ج ۱۰ ص ۱۶۹، اتحاف السادۃ المتقین ج ۵ ص ۲۸۶، الترغیب والترہیب ج ۲ ص ۵۷۲، موارد الظمآن ص ۱۱۰۷، کنز العمال رقم الحدیث: ۷۲۲۵، مراسیل ابوداؤد ص ۲۰)

اس حدیث کو امام دیلمی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا اور اس کا معنی یہ ہے کہ مکر وفریب کرنے والا نہ متقی ہوتا ہے اور نہ ہی اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے کیونکہ جب وہ مکر کرے گا تو وعدہ خلافی کرے گا اور جب وعدہ خلافی کرے گا تو دھوکہ دے گا اور جب یہ دونوں کام کرے گا تو اپنے آپ کو ہلاک کرے گا اور یہ بات متقی آدمی میں نہیں ہوتی اور جو عادت تقویٰ سے دور رکھے وہ جہنم میں لے جاتی ہے۔

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

من غشنا فلیس منا. جس نے ہمیں دھوکہ دیا وہ ہم میں سے نہیں۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث:۱۶۴ مسند احمد ج ۳ ص ۴۹۸ سنن دارمی ج ۲ ص ۲۴۸ السنن الکبریٰ ج ۵ ص ۲۵۵ المستدرک ج ۲ ص ۹ المعجم الکبیر ج ۱۰ ص ۱۶۹ الترغیب والترہیب ج ۲ ص ۵۷۱ مجمع الزوائد ج ۴ ص ۷۸۔۷۹ تفسیر قرطبی ج ۳ ص ۲۵۲۔ ج ۷ ص ۱۵۰ حلیۃ الاولیاء ج ۴ ص ۱۸۹ کشف الخفاء ج ۲ ص ۳۱۱ اتحاف السادۃ المتقین ج ۶ ص ۲۳۰)

اس حدیث کو حضرت امام مسلم رحمۃ اللہ نے روایت کیا ہے۔

اور ارشاد فرمایا:

المستشار مؤتمن. جس سے مشورہ لیا جاتا ہے وہ امانت دار ہوتا ہے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۵۱۲۸ جامع ترمذی رقم الحدیث:۲۸۲۲۔۲۸۲۳ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۳۷۴۵۔۳۷۴۶ مسند احمد ج ۵ ص ۲۷۴ سنن دارمی ج ۲ ص ۲۱۹ السنن الکبریٰ ج ۱۰ ص ۱۱۲ المستدرک ج ۴ ص ۱۳۱ المعجم الکبیر ج ۱۲ ص ۳۰۹ مجمع الزوائد ج ۸ ص ۹۶۔۹۷ حلیۃ الاولیاء ج ۶ ص ۱۹۰ کشف الخفاء ج ۲ ص ۲۸۷ العلل المتناھیۃ ج ۲ ص ۲۶۰ الدرر المنتثرۃ ص ۱۴۲ کنز العمال رقم الحدیث:۲۰۹۳۵)

اس حدیث کو حضرت امام احمد اور دوسرے محدثین رحمۃ اللہ نے روایت کیا ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ جو شخص تجھے اپنا راز بتائے اور تجھے اپنی ذات کا امین قرار دے تو اس نے تجھے اپنی جگہ سمجھا پس تجھ پر واجب ہے کہ تو اسے اسی بات کا مشورہ دے جسے تو اچھا سمجھتا ہے کیونکہ یہ امانت کی طرح ہے کہ آدمی اسی کے پاس امانت رکھتا ہے جس پر اس کو یقین ہوتا ہے اور وہ راز جس کے افشاء ہونے سے بعض اوقات جان جانے کا خطرہ ہوتا ہے وہ نہایت قابل اعتماد آدمی کو ہی بتایا جائے۔

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

الندم توبة. ندامت توبہ ہے۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۴۲۵۲ مسند احمد ج ۱ ص ۳۷۶۔۴۲۳ السنن الکبریٰ ج ۱۰ ص ۱۵۴ المستدرک ج ۴ ص ۲۴۳ مسند الحمیدی ج ۱ ص ۵۹ رقم الحدیث:۱۰۵ شرح السنۃ ج ۵ ص ۹۱ کشف الخفاء ج ۱ ص ۳۵ علل الحدیث رقم الحدیث:۱۸۱۶۔۱۸۴۱۔۱۸۸۹۔۱۹۱۸ مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۱۹۹ حلیۃ الاولیاء ج ۸ ص ۲۵۱۔ ج ۱۰ ص ۳۹۸ الکامل ج ۱ ص ۲۰۴۔ ج ۳ ص ۱۳۲۹ تنزیہ الشریعۃ ج ۲ ص ۴۳۶)

اسے امام طبرانی نے ”الکبیر میں“ روایت کیا ہے۔

اور ارشاد فرمایا:

الدال علی الخیر کفاعلہ. نیکی کی طرف رہنمائی کرنے والا نیکی کرنے والے کی طرح ہے۔

(المعجم الکبیر ج ۶ ص ۲۳۰۔ ج ۱۷ ص ۲۲۷ مجمع الزوائد ج ۱ ص ۱۶۶۔ ج ۳ ص ۱۷۳ تفسیر قرطبی ج ۶ ص ۴۶ اتحاف السادۃ المتقین ج ۱ ص ۱۱۵۔ ج ۳ ص ۵۰۱ حلیۃ الاولیاء ج ۶ ص ۲۶۶ کشف الخفاء ج ۱ ص ۴۸۰ الدرر المنتثرۃ رقم الحدیث:۸۳ الکامل ج ۲ ص ۵۷۳۔ ج ۳ ص ۱۱۳۵۔ ج ۵ ص ۱۷۴۴ المغنی ج ۱ ص ۱۲ الترغیب والترہیب ج ۱ ص ۱۲۰ کنز العمال رقم الحدیث:۱۶۰۵۲۔

(۱۶۰۵۵۔ ۱۶۳۱۹)

اس حدیث کو العسکری اور ابن جمیع نے روایت کیا اور اس کے طریق سے حضرت منذری ہیں جنہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک مرفوع حدیث یوں نقل کی ہے:

وکل معروف صدقة والدال علی الخیر کفاعله والله یحب إغاثة اللهفان.

ہر نیکی صدقہ ہے اور نیکی پر رہنمائی کرنے والا نیکی کرنے والے کی طرح ہے اور اللہ تعالیٰ پریشان حال کی مدد کو پسند کرتا ہے۔

معنی یہ ہے کہ جو شخص نیکی پر تمہاری رہنمائی کرے اور تجھے اس کی طرف راستہ دکھائے پس تو اس کی ہدایت کے مطابق اس بھلائی کو پالے تو گویا اس نے یہ نیکی کی۔

اور ارشاد نبوی ہے:

حبک الشیء یعمی و یصم.

کسی چیز سے تمہاری محبت (اس کے عیب دیکھنے اور سننے سے) تجھے اندھا اور بہرہ کر دیتی ہے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۵۱۳۰' مسند احمد ج ۵ ص ۱۹۴۔ ج ۶ ص ۴۵۰' اتحاف السادۃ المتقین ج ۷ ص ۲۷۶۔ ج ۹ ص ۶۷۴' مشکوٰۃ المصابیح ج ۹ ص ۶۸۴۔ رقم الحدیث: ۴۹۰۸' کشف الخفاء ج ۱ ص ۳۱۰' تذکرۃ الموضوعات ص ۱۹۹' تنزیہ الشریعہ ج ۱ ص ۴۰۳' الاسرار المرفوعہ ص ۱۷۷' کنز العمال رقم الحدیث: ۴۴۱۰۳' الدرر المنتشرہ ص ۱۷۱' الکامل ج ۲ ص ۴۷۲)

اس حدیث کو امام ابوداؤد اور عسکری نے بقیہ بن ولید کی حدیث سے نقل کیا وہ حضرت ابوبکر بن عبداللہ بن ابی مریم سے وہ خالد بن محمد ثقفی سے وہ حضرت بلال بن ابی الدرداء سے اور وہ اپنے والد سے مرفوعاً روایت کرتے ہیں اور اس میں حضرت بقیہ اکیلے نہیں بلکہ ان کی اتباع کی گئی اور ابن ابی مریم ضعیف ہیں۔

صغانی نے اس حدیث کو موضوع قرار دیا لیکن عراقی نے تعاقب کرتے ہوئے فرمایا کہ کسی نے بھی ابن ابی مریم پر جھوٹ کی تہمت نہیں لگائی اور اس پر ابوداؤد کی خاموشی ہمارے لیے کافی ہے پس یہ حدیث موضوع تو کیا زیادہ ضعیف بھی نہیں بلکہ حسن ہے۔

عسکری نے کہا کہ نبی اکرم ﷺ کی مراد یہ ہے کہ تمہاری بعض محبتیں وہ بھی ہیں جو تمہیں راہ ہدایت سے اندھا اور حق سننے سے بہرہ کر دیتی ہیں اور جب آدمی کے دل پر محبت غالب آ جاتی ہے اور عقل یا دین وغیرہ اسے روک نہیں سکتے تو اس کی محبت اسے چھوڑنے سے بہرہ اور ہدایت سے اندھا کر دیتی ہے۔

اسی لئے کسی شاعر نے کہا:

وعین الرضی عن کل عیب کلیلة ولکن عین السخط تبدی المساویا

''رضامندی کی آنکھ ہر عیب سے رات کی طرح ہوتی اور ناراضگی کی نگاہ برائیوں کو ظاہر کرتی ہے''۔[1]

---

[1] یعنی جب آدمی کسی سے راضی ہوتا ہے تو اس کے عیب نظر نہیں آتے اور جب اس سے ناراض ہوتا ہے تو اس کی (بقیہ اگلے صفحہ پر)

ہمارے شیخ (السخاوی رحمۃ اللہ) نے "المقاصد الحسنہ میں" اسی بات کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

اور رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

العاریۃ مؤداۃ والمنحۃ مردودۃ والدین مقضی والزعیم غارم. — ادھار لی ہوئی چیز واپس کی جائے (عارضی) عطیہ لوٹایا جائے قرض کی ادائیگی ہونا ضروری ہے اور کفیل ذمہ دار ہوتا ہے۔

(سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۳۵۶۵، جامع ترمذی رقم الحدیث ۱۲۶۵، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۳۹۸۔۲۳۹۹، مسند احمد ج ۵ ص ۲۶۷، السنن الکبریٰ ج ۶ ص ۸۹، المعجم الکبیر ج ۸ ص ۱۶۰، مجمع الزوائد ج ۴ ص ۱۴۵، شرح السنہ ج ۸ ص ۲۲۵، مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۲۹۵۶، سنن دارقطنی رقم الحدیث: ۱۶۵، حلیۃ الاولیاء ج ۹ ص ۱۶۳، کشف الخفاء ج ۲ ص ۶۷، الاسرار المرفوعہ ص ۲۴۳، کنز العمال رقم الحدیث: ۱۴۵۷۴۔۲۹۸۱۳۔۲۹۸۱۶)

اور آپ نے ارشاد فرمایا:

سبقک بھا عکاشۃ.[1] — حضرت عکاشہ تم سے سبقت کر گئے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۵۴۱۔۶۵۴۲، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۳۶۷۔۳۷۱۔۳۷۴، جامع ترمذی رقم الحدیث: ۲۴۴۶، مسند احمد ج ۱ ص ۲۷۱۔۴۰۱۔ ج ۲ ص ۳۰۲۔ ج ۳ ص ۳۳۶، سنن دارمی ج ۲ ص ۳۲۸، المستدرک ج ۴ ص ۵۷۷، المعجم الکبیر ج ۱۰ ص ۶۔ ج ۱۸ ص ۱۷۰، مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۱۲، اتحاف السادۃ المتقین ج ۴ ص ۲۲۴، شرح السنہ ج ۱۴ ص ۳۰۰، الدر المنثور ج ۶ ص ۱۵۹، الدرر المنتثرہ ص ۹۵)

سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا:

عجب ربک. — تمہارا رب اس پر خوش ہوا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۷۹۸۔۳۰۱۰، اتحاف السادۃ المتقین ج ۹ ص ۶۲، مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۳۹۶۰، شرح السنہ ج ۱۱ ص ۷۶، تفسیر قرطبی ج ۵ ص ۱۷، کنز العمال رقم الحدیث: ۱۰۶۶۷)

یہ حدیث حضرت امام بخاری وغیرہ سے متعدد روایات میں مروی ہے اور اس کا معنی جس طرح ابن اثیر نے بیان کیا یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں عظیم وکبیر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ انسان جب کسی چیز کے مقام کو عظمت والا دیکھتا ہے تو تعجب کرتا ہے اور اس پر اس کا سبب پوشیدہ ہوتا ہے تو اس نے ان کو اس بات کی خبر دی جس کو وہ پہچانتے ہیں تاکہ انہیں معلوم ہو کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ان چیزوں کا کیا مقام ہے۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ راضی ہوا اور اس نے ثواب عطا فرمایا تو اسے مجاز العجب قرار دیا حقیقت میں تعجب نہیں ہے لیکن پہلی بات زیادہ مناسب ہے۔

(سابقہ حاشیہ) برائیوں کو ظاہر کرتا ہے۔ ۱۲ ہزاروی

[1] نبی اکرم ﷺ نے ان ستر ہزار افراد کا ذکر کیا جو حساب وکتاب کے بغیر میں جنت میں جائیں گے تو حضرت عکاشہ نے عرض کیا یارسول اللہ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ مجھے بھی ان میں سے کر دے آپ نے فرمایا تو ان میں سے ہے پھر دوسرا کھڑا ہوا تو آپ نے پھر فرمایا عکاشہ تم سے سبقت کر گئے۔ (صحیح بخاری)

اور آپ نے ارشاد فرمایا:

قتل صبرا. وہ شخص باندھ کر قتل کیا گیا۔

اس حدیث کو متعدد محدثین نے روایت کیا ہے۔

اور آپ نے ارشاد فرمایا:

لیس المسئول باعلم من السائل. جس سے پوچھا گیا وہ پوچھنے والے سے زیادہ جاننے والا نہیں۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث:۱' سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۴۶۹۵' مسند احمد ج۱ص۵۱' صحیح البخاری رقم الحدیث:۵۰۔۴۷۷۷' السنن الکبریٰ ج۴ص۳۲۵' التمھید ج۹ص۲۴۸' مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث:۲' الترغیب والترھیب ج۱ص۱۳۹' اتحاف السادۃ المتقین ج۱۰ ص۹۵' الدر المنثور ج۱ص۲۱۰۔ ج۳ص۶۹' صحیح ابن خزیمہ ج۱ص۳۰۶۵' موارد الظمآن ص۱۶' کنز العمال رقم الحدیث:۳۸۔۳۰۔ ۱۳۵۸)

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

ولا ترفع عصاک عن اھلک ادبا. اور اپنے گھر والوں سے ادب سکھانے (کے لئے استعمال ہونے) والا ڈنڈا نہ اٹھاؤ۔

(مسند احمد ج۵ص۲۳۸' مجمع الزوائد ج۱ص۱۰۵۔ ج۸ص۱۰۶' حلیۃ الاولیاء ج۷ص۳۲۲' المستدرک ج۴ص۴۱' اتحاف السادۃ المتقین ج۶ص۳۹۲' علل الحدیث رقم الحدیث:۱۲۵۴' کنز العمال رقم الحدیث:۴۳۹۹۶)

اس حدیث کو امام احمد رحمۃ اللہ نے روایت کیا اور اس کا مطلب یہ ہے کہ گھر والوں کی تربیت اور ان کو اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری پر رکھنے کا عمل ترک نہ کرے اور ان کو اطاعت خداوندی پر جمع رکھے۔

کہا جاتا ہے شق العصا (فلاں نے لاٹھی توڑ دی) یعنی وہ جماعت سے الگ ہو گیا لاٹھی سے مارنا مراد نہیں لیکن آپ نے اس کو ایک مثال قرار دیا یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان کی تربیت اور فساد سے منع کرنے سے غافل نہ ہو۔ یہ بات ابن اثیر نے کہی ہے۔

سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا:

ان مما ینبت الربیع ما یقتل حبطا او یلم. بے شک جو کچھ ربیع (نہر) اُگاتی ہے وہ پیٹ بھرنے کی وجہ سے ہلاک کر دیتا ہے یا ہلاکت کے قریب کرتا ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۱۴۶۵' مسند احمد ج۳ص۹۱' السنن الکبریٰ ج۳ص۱۹۸' الدر المنثور ج۶ص۸)

اس حدیث کو حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ نے روایت کیا ہے اس کو ابن درید نے ذکر کیا اور کہا کہ یہ یکتا مختصر کلام ہے اس کے مفہوم کی طرف نبی اکرم ﷺ سے کسی نے سبقت نہیں کی۔

یعنی جو کچھ چھوٹی نہر اُگاتی ہے (ربیع سے موسم بہار مراد نہیں) اور اگانے کی نسبت ربیع کی طرف مجازی ہے کیونکہ حقیقتاً اُگانے والا اللہ تعالیٰ ہے اور ''من تبعیضیہ'' نہیں (یعنی بعض اگنے والی چیز مراد نہیں)۔

"حبط" میں حاء اور باء دونوں پر زبر ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ زیادہ کھانے کی وجہ سے پیٹ پھول جائے اور وہ مر جائے "یلم" میں یاء پر پیش ہے یعنی ہلاکت کے قریب ہو اور یہ ان لوگوں کی مثال ہے جو دنیا جمع کرنے میں لگے رہتے ہیں اور جہاں خرچ کرنا چاہیے وہاں خرچ نہیں کرتے۔

اور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

خیر المال عین ساهرة لعین نائمة.
بہترین مال سونے والی آنکھ کے لیے جاگنے والا (جاری) چشمہ ہے۔

اس کا معنی یہ ہے کہ پانی کا چشمہ ہے جو دن رات جاری رہتا ہے اور اس کا مالک سویا ہوا ہے تو اس کے ہمیشہ جاری رہنے کو بیداری قرار دیا (یعنی اس کا مالک اس کے حصول کے لیے تھکاوٹ اور محنت برداشت نہیں کرتا)۔

اور ارشاد فرمایا:

خیر مال المرء مهرة مامورة او سكة مابورة.
انسان کا بہترین مال زیادہ بچے جننے والی اونٹنی اور کھجوروں کے پھل دار درخت ہیں۔

(مسند احمد ج ۳ ص ۴۶۸ مجمع الزوائد ج ۵ ص ۲۵۸ فتح الباری ج ۸ ص ۵۰۳)

اس حدیث کو امام احمد اور طبرانی رحمۃ اللہ نے حضرت سوید بن ہبیرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔

"ماموره" کا معنی زیادہ بچے جننے والی اور "سكه مابورة" ایسا راستہ جو کھجوروں سے ڈھانکا گیا ہو۔ التابیر کھجور کو پیوند لگانا۔ (زیادہ پھل دینے والا درخت)۔

اور ارشاد فرمایا:

من ابطاء به عمله لم يسرع به نسبه.
جس کا عمل تاخیر کرے اس کا نسب اس کے لیے جلدی نہیں کرتا۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۶۴۳ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۲۵ مسند احمد ج ۲ ص ۲۵۲ موارد الظمآن ص ۸۷ تفسیر قرطبی ج ۱ ص ۸)

اس حدیث کو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے۔

اور ارشاد نبوی ہے:

زرغبا تزدد حبا.
کبھی کبھی ملاقات کرو محبت بڑھتی ہے۔

(المستدرک ج ۳ ص ۳۴۷۔ ج ۴ ص ۳۳۰ مجمع الزوائد ج ۸ ص ۷۵ الترغیب والترہیب ج ۳ ص ۳۶۶ المعجم الکبیر ج ۴ ص ۲۶ اتحاف السادۃ المتقین ج ۱۰ ص ۱۶۲۔ ۱۶۳ کشف الخفاء ج ۱ ص ۵۲۸ فتح الباری ج ۱۰ ص ۶۱۱ حلیۃ الاولیاء ج ۳ ص ۳۲۲ الدر المنثور رقم الحدیث: ۹۱ علل الحدیث رقم الحدیث: ۲۱۷۳۔ ۲۴۳۱ العلل المتناہیہ ج ۲ ص ۲۵۳ المطالب العالیہ رقم الحدیث: ۲۵۹۶ تاریخ ابن عساکر ج ۷ ص ۲۸۸ کنز العمال رقم الحدیث: ۲۴۷۷۸)

اس حدیث کو امام بزار رحمۃ اللہ نے نقل کیا ہے اور حارث بن ابی اسامہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے اس باب کی بعض احادیث میں ہے کہا گیا اے ابو ہریرہ! آپ کل کہاں تھے؟ فرمایا: میں اپنے بعض گھر

والوں کو دیکھنے گیا تھا فرمایا اے ابوہریرہ! کبھی کبھی جایا کرو (اس سے) محبت بڑھتی ہے۔

اور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

انکم لن تسعوا الناس باموالکم فسعوھم باخلاقکم.

تم سب لوگوں کو مال کے ذریعے بدلہ دینے کی طاقت نہیں رکھتے پس ان سے اخلاق کے ساتھ پیش آؤ۔

(مجمع الزوائد ج۸ص۲۲' فتح الباری ج۱۰ص۵۶۲' المطالب العالیہ رقم الحدیث:۲۵۳۹' اتحاف السادۃ المتقین ج۶ص۲۲۰۔ ج۷ص۳۲۰۔۳۲۷' المغنی ج۳ص۴۹)

اسے ابویعلی اور بزار نے متعدد طرق سے روایت کیا ان میں سے ایک ان الفاظ کے ساتھ حسن ہے:

انکم لن تسعوا الناس باموالکم ولکن یسعھم منکم بسط الوجہ و حسن الخلق.

بے شک تم اپنے مالوں کے ذریعے لوگوں سے حسن سلوک کی طاقت نہیں رکھتے البتہ تم کشادہ روئی اور اچھے اخلاق کے ذریعے ان کے احسانات کا بدلہ دو۔

اور ارشاد فرمایا:

الخلق الحسن یذیب الخطایا کما یذیب الماء الجلید والخلق السیٔ یفسد العمل کما یفسد الخل العسل.

اچھے اخلاق گناہوں کو اس طرح مٹا دیتے ہیں جس طرح پانی مضبوط چیز کو پگھلا دیتا ہے اور برے اخلاق عمل کو اس طرح خراب کرتے ہیں جس طرح سرکہ شہد کو خراب کر دیتا ہے۔

(المعجم الکبیر ج۱۰ص۳۸۸' مجمع الزوائد ج۸ص۲۴' الترغیب والترھیب ج۳ص۴۱۱' کنز العمال رقم الحدیث:۵۱۳۲۔۵۱۳۳)

اور ارشاد فرمایا:

ان ھذا الدین متین فاوغل فیہ برفق' ولا تبغض الی نفسک عبادۃ اللہ فان المنبت لا ارضا قطع ولا ظھرا ابقی.

بے شک یہ دین مضبوط ہے پس اس میں (تکلف کے بغیر) نرمی کے ساتھ چلو اور اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی عبادت سے متنفر نہ کرو کیونکہ جو شخص سفر میں اپنے ساتھیوں سے بچھڑ جاتا ہے نہ وہ منزل مقصود تک پہنچتا ہے نہ اس کے پاس سواری باقی رہتی ہے۔

(مجمع الزوائد ج۱ص۶۲' فتح الباری ج۱۱ص۳۵۹' السنن الکبریٰ ج۳ص۱۸۔۱۹' الزھد رقم الحدیث:۲۱۵' اتحاف السادۃ المتقین ج۳ص۲۶۴۔ ج۶ص۳۶۸' الدر المنثور ج۱ص۹۲' التمھید ج۱ص۱۹۵' المغنی ج۴ص۷۷' کنز العمال رقم الحدیث:۵۳۵۰۔۵۳۵۱)

اس حدیث میں ابن سوقہ پر اختلاف کیا گیا کہ بعض نے ان کے واسطے سے حضرت ابن منکدر سے مرفوعاً روایت کی (اور یہ مرسل ہے کیونکہ صحابی کو چھوڑ دیا گیا) اور بعض نے ابن سوقہ سے انہوں نے ابن منکدر سے اور انہوں نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی (اور یہ حدیث متصل ہے مرسل نہیں)۔

پھر یہ بھی اختلاف ہے کہ کس صحابی سے روایت کی ہے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے یا حضرت عائشہ یا حضرت عمر

فاروق رضی اللہ عنہم سے؟ حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ نے اپنی تاریخ میں اس بات کو ترجیح دی ہے کہ حضرت ابن منکدر رحمۃ اللہ سے مرسل روایت ہے (کسی صحابی کا ذکر نہیں ہے) اور اس کا معنیٰ یہ ہے کہ وہ شخص راستے میں عاجز ہو کر رہ گیا مقصد تک نہ پہنچ سکا اپنا کام بھی پورا نہ کر سکا اور اس کی سواری بھی تھک گئی۔

''الـوغـول'' کا معنیٰ داخل ہونا ہے گویا فرمایا کہ یہ دین باوجود آسان ہونے کے شدید (سخت) ہے پس خوب عبادت کرو لیکن اس میں نرمی کا پہلو بھی اختیار کرو کیونکہ جو شخص اپنے آپ کو آسانی میں ڈالے بغیر زیادہ سے زیادہ عبادت کرتا ہے اور طاقت سے زیادہ کا تکلف کرتا ہے قریب ہے کہ وہ تھک جائے حتیٰ کہ واجبات کو ہی چھوڑ دے اب اس کی مثال اس شخص جیسی ہوگی جو اپنی سواری پر سختی کرتا ہے اور اس کو جلدی چلنے پر مجبور کرتا ہے تاکہ جلدی پہنچے پس وہ سواری سے محروم رہتا ہے اور اب نہ تو وہ منزل تک پہنچ سکتا ہے اور نہ سواری صحیح سالم رہتی ہے کہ اس کے بعد اس سے نفع اٹھائے۔

نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

من شاد هذا الدين غلبه.

جو شخص اس دین پر غالب آنے کی کوشش کرتا ہے اس پر یہ غالب آجاتا ہے۔

اس حدیث کو عسکری نے حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا امام بخاری کے نزدیک یہ حضرت معن بن محمد غفاری سے مروی ہے اور وہ حضرت ابوسعید مقبری سے اور وہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً نقل کرتے ہیں۔

کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

ان الدين يسر ولن يشاد الدين احد الا غلبه فسددوا و قاربوا وبشروا واستعينوا بالغدوة والروحة و شيء من الدلجة.

بے شک یہ دین آسان ہے اور کوئی شخص اس پر غلبہ حاصل کرنا چاہے تو یہ اس پر غالب آجاتا ہے پس سیدھے رہو (اعتدال پر رہو) قریب قریب رہو خوشخبری حاصل کرو اور صبح و شام اور رات کے آخری حصے (میں عبادت) کے ذریعے مدد حاصل کرو۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۹ـ۵۶۷۳ـ۶۴۶۳ـ۷۲۳۵، اتحاف السادۃ المتقین ج۶ ص۳۶۸، مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۱۲۴۶، جمع الجوامع رقم الحدیث: ۵۲۸۳۰، التمہید ج۵ ص۱۲۱، کنز العمال رقم الحدیث: ۵۳۴۳)

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

الكيس من دان نفسه و عمل لما بعد الموت والعاجز من اتبع نفسه هواها و تمنى على الله الاماني.

سمجھدار آدمی وہ ہے جو اپنے نفس کو عبادت میں لگائے رکھتا ہے اور موت کے بعد کے لیے عمل کرتا ہے اور عاجز وہ ہے جو اپنے نفس کی خواہش کی اتباع کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے امیدیں وابستہ کیے ہوئے ہے (اور آرزوئیں رکھتا ہے)۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۲۶۰، جامع ترمذی رقم الحدیث: ۲۴۵۹، مسند احمد ج۴ ص۱۲۴، فتح الباری ج۹ ص۳۲۸، السنن الکبریٰ ج۳ ص۳۶۹، المستدرک ج۱ ص۵۷ـ ج۴ ص۲۵۱، المعجم الکبیر ج۷ ص۳۲۸ـ۳۴۱، اتحاف السادۃ المتقین ج۷ ص۲۴۴ـ ج۸ ص۳۲۸،

شرح السنہ ج۱۴ص۳۰۸' المعجم الصغیر ج۲ص۳۶' مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث:۵۲۸۹' الترغیب والترہیب ج۴ص۲۵۲' حلیۃ الاولیاء ج ۱ص۲۶۷۔ ج۸ص۱۷۳' کشف الخفاء ج۲ص۱۹۶' المغنی ج۲ص ۳۲۶۔ ج۳ص۳۶۸' الدرر المنتثرۃ رقم الحدیث:۱۲۷)

اس حدیث کو حاکم نے شداد بن اوس سے نقل کیا اور فرمایا امام بخاری کی شرط پر صحیح ہے لیکن امام ذہبی نے ان کا تعاقب کیا کہ اس میں ابن ابی مریم ہے اور وہ ضعیف ہے عسکری' قضاعی' ترمذی اور ابن ماجہ نے بھی اسی طرح روایت کیا ہے۔

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

ما حاک فی نفسک فدعہ. جو کچھ تمہارے دل میں کھٹکے اسے چھوڑ دو۔

(الدر المنثور ج۲ص۲۵۵' المعجم الکبیر ج۸ص۱۳۸' مجمع الزوائد ج۷ص۲۹۸' اتحاف السادۃ المتقین ج۷ص۲۹۸۔ مصنف عبد الرزاق رقم الحدیث:۲۰۱۰۴)

اس حدیث کو امام طبرانی نے ''الکبیر میں'' حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے روایت کیا ہے۔

اور آپ نے فرمایا:

تنکح المراۃ لجمالھا ومالھا ودینھا وحسبھا فعلیک بذات الدین تربت یداک. عورت سے اس کے حسن' مال' دین اور ذات (خاندان) کی بنیاد پر نکاح کیا جاتا ہے پس تجھ پر دین والی (کو اختیار کرنا) لازم ہے تیرے ہاتھ خاک آلود ہوں۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۱۸۵۸' صحیح البخاری رقم الحدیث:۵۰۹۰' سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۲۰۴۷' سنن نسائی رقم الحدیث ۱۳' صحیح مسلم رقم الحدیث:۵۳' مسند احمد ج۲ص۴۲۸' السنن الکبریٰ ج۷ص۷۹' اتحاف السادۃ المتقین ج۵ص۳۳۰' مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث:۳۰۸۲' حلیۃ الاولیاء ج۸ص۳۸۳' الترغیب والترہیب ج۳ص۴۵' سنن دار قطنی ج۳ص۳۰۲۔ رقم الحدیث:۲۱۳' المطالب العالیہ رقم الحدیث:۱۵۷۰' شرح السنہ ج۹ص۸' المغنی ج۲ص۳۹' الدر المنثور ج۱ص۲۵۷' سنن سعید ابن منصور رقم الحدیث:۵۰۶' کنز العمال رقم الحدیث:۴۴۵۵۳)

امام بخاری رحمۃ اللہ نے اسے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے روایت کیا ہے۔

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

الشتاء ربیع المومن قصر نھارہ فصامہ و طال لیلہ فقامہ. سردیوں کا موسم' مؤمن کی بہار ہے اس کے دن چھوٹے ہوتے ہیں پس وہ دن کو روزہ رکھتا ہے اور رات لمبی ہوتی ہے تو (عبادت کے لیے) قیام کرتا ہے۔

(مسند احمد ج۳ص۷۵' السنن الکبریٰ ج۴ص۲۹۷' مجمع الزوائد ج۳ص۲۰۰' حلیۃ الاولیاء ج۵ص۲۲۴' العلل المتناہیہ ج۱ص۳۱۳' کشف الخفاء ج۲ص۶۔۱۴۰' الدرر المنتثرۃ رقم الحدیث:۹۷' الکامل ج۳ص۹۸۱' تاریخ ابن عساکر ج۵ص۲۲۴' کنز العمال رقم الحدیث:۳۵۲۰۸۔۳۵۲۰۹)

اس حدیث کو امام بیہقی' امام احمد اور ابونعیم نے اختصار کے ساتھ روایت کیا ہے عسکری نے مکمل روایت کی ان تمام کی روایت دراج کی حدیث سے ہے وہ حضرت ابوالھیثم سے اور وہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں اور اس کے کئی شواہد ہیں (دیگر کئی احادیث اس کی تائید کرتی ہیں)۔

موسم سرما مؤمن کی بہار اس لئے ہے کہ وہ اس میں عبادات کی چراگاہوں سے (روحانی) خوراک حاصل کرتا ہے' عبادات کے میدانوں میں سیر کرتا ہے اور جو عبادات اس کے لئے آسان کی گئی ہیں ان کے حوالے سے اعمال کے باغ میں اپنے دل کو خوش رکھتا ہے مؤمن (اس موسم میں) دن کے وقت کسی مشقت کے بغیر روزہ رکھنے پر قادر ہوتا ہے اور اسے بھوک لگتی ہے نہ پیاس کیونکہ اس کے دن چھوٹے اور ٹھنڈے ہوتے ہیں لہٰذا ان میں روزے کی مشقت نہیں ہوتی۔

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

القناعة مال لا ينفد و كنز لا يفنى. قناعت ایسا مال ہے جو ختم نہیں ہوتا اور ایسا خزانہ ہے جو فنا نہیں ہوتا۔

(کشف الخفاء ج ۲ ص ۱۵۱' الدر المنثور ج ۳ ص ۱۳۰' امالی ج ۲ ص ۱۹۸' الکامل ج ۳ ص ۱۵۰۷' علل الحدیث رقم الحدیث: ۱۸۱۳' المغنی ج ۲ ص ۴۹' الترغیب والترہیب ج ۱ ص ۵۹۰)

اس حدیث کو امام طبرانی نے ''الاوسط میں'' حضرت منکدر بن محمد منکدر سے انہوں نے اپنے باپ سے اور انہوں نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا اور قضاعی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا لیکن اس میں ''و كنز لا يفنى ''نہیں ہے۔

قناعت کے بارے میں بہت سی احادیث مروی ہیں اور اگر قناعت کا صرف یہی فائدہ ہوتا کہ اس میں عزت نفس برقرار رہتی ہے تو یہ بھی کافی تھا۔ نبی اکرم ﷺ یوں دعا مانگا کرتے تھے:

اَللّٰهُمَّ قَنِّعْنِيْ بِمَا رَزَقْتَنِيْ. یا اللہ! مجھے اس پر قناعت کی توفیق عطا فرما جو کچھ تو نے مجھے عطا کیا ہے۔

(المستدرک ج ۱ ص ۵۱۰۔ ج ۲ ص ۳۵۶۔ ۳۵۷' الدر المنثور ج ۳ ص ۱۳۰' تاریخ جرجان رقم الحدیث: ۹۱' کشف الخفاء ج ۲ ص ۱۵۱' علل الحدیث رقم الحدیث: ۲۰۵۲' تلخیص الحبیر ج ۲ ص ۲۴۸' جمع الجوامع رقم الحدیث: ۱۰۰۳۰)

کسی شاعر نے کہا ہے:

ما ذاق طعم الغنى من لا قنوع له ولن ترى قانعا ما عاش مفتقرا

''جو شخص قناعت (صبر) نہیں کرتا اس نے مالداری کا ذائقہ نہیں چکھا اور تم ہرگز نہیں دیکھو گے کہ کوئی قناعت کرنے والا زندگی بھر محتاج رہا ہو''۔

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

ما خاب من استخار ولا ندم من استشار ولا عال من اقتصد. جس نے اللہ تعالیٰ سے بھلائی طلب کی وہ نامراد نہیں ہوتا جو مشورہ کرتا ہے وہ پشیمان نہیں ہوتا اور جو میانہ روی اختیار کرتا ہے وہ محتاج نہیں ہوتا۔

(المعجم الصغیر ج ۲ ص ۷۸' کشف الخفاء ج ۲ ص ۲۶۰' فتح الباری ج ۱۱ ص ۲۲۰' تاریخ بغداد ج ۳ ص ۵۳' مجمع الزوائد ج ۲ ص ۲۸۰۔ ج ۸ ص ۹۶' اتحاف السادۃ المتقین ج ۸ ص ۱۶۴' الاسرار المرفوعہ رقم الحدیث: ۱۹۵' الدر المنثور رقم الحدیث: ۹۰' لسان المیزان ج ۳ ص ۱۳۴)

اس حدیث کو امام طبرانی نے ''الاوسط میں'' حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت سے نقل کیا ہے۔

اور آپ نے ارشاد فرمایا:

الاقتصاد فی النفقة نصف المعیشة والتودد الی الناس نصف العقل وحسن السوال نصف العلم.

اخراجات میں اعتدال نصف معیشت ہے، لوگوں سے محبت کرنا نصف عقل ہے اور اچھی طرح سوال کرنا نصف علم ہے۔

(مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۵۰۶۷، اتحاف السادۃ المتقین ج ۷ ص ۶۱، مجمع الزوائد ج ۱ ص ۱۶۰، الدر المنثور ج ۳ ص ۱۷۸، کشف الخفاء ج ۱ ص ۱۷۹، علل الحدیث رقم الحدیث: ۲۲۵۳، میزان الاعتدال رقم الحدیث: ۸۳۹۹، لسان المیزان ج ۳ ص ۱۳۲۔ ج ۶ ص ۳۵، کنز العمال رقم الحدیث: ۵۴۳۳)

اس حدیث کو امام بیہقی رحمۃ اللہ نے ''شعب الایمان میں'' عسکری نے ''الامثال میں'' نیز ابن السنی (ابوبکر احمد بن محمد بن اسحاق محدث، متوفی ۳۶۴ھ) نے، دیلمی نے اپنے طریق سے اور قضاعی نے بھی روایت کیا۔

(الاعلام ج ۱ ص ۲۰۹، طبقات الشافعیہ ج ۲ ص ۹۶، شذرات الذھب ج ۳ ص ۴۷)

ان سب نے بواسطہ حضرت نافع، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً روایت کیا امام بیہقی نے اسے ضعیف قرار دیا لیکن اس کے کئی شواہد ہیں عسکری نے اس کو بواسطہ خلاد بن عیسیٰ، حضرت ثابت سے اور انہوں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

الاقتصاد نصف العیش وحسن الخلق نصف الدین.

میانہ روی نصف معیشت ہے اور اچھا اخلاق آدھا دین ہے۔

اسے طبرانی اور ابن لال (احمد بن علی) نے اسی طرح ذکر کیا ہے اور اس کے شواہد میں سے ہے جو عسکری نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ:

السوال نصف العلم والرفق نصف المعیشة وما عال امرؤ فی اقتصاد.

سوال نصف علم ہے اور نرمی نصف معیشت ہے اور آدمی اعتدال کی صورت میں محتاج نہیں ہوتا۔

دیلمی نے حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت نقل کی ہے:

السوال نصف العلم والرفق نصف المعیشة.

سوال نصف علم ہے اور نرمی (اخراجات میں اعتدال) نصف معیشت ہے۔

صحیح ابن حبان میں ایک طویل حدیث حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ان سے فرمایا:

یا ابا ذر لا عقل کالتدبیر ولا ورع کالکف ولا حسب کحسن الخلق.

اے ابوذر! تدبیر کی طرف کوئی عقل نہیں (گناہوں سے) پرہیز کی طرح کوئی تقویٰ نہیں اور اچھے اخلاق کی طرح کوئی حسب نہیں۔

امام بیہقی نے ''شعب الایمان میں'' انہی الفاظ کے ساتھ نقل کیا ہے امام بیہقی اور عسکری دونوں نے حضرت علی

المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

التودد نصف الدين وما عال امرؤ قط علی اقتصاد.

باہم محبت نصف دین ہے اور اعتدال کی راہ اختیار کرنے والا محتاج نہیں ہوتا۔

(الدر المنثور ج۶ ص۳۴۳' کشف الخفاء ج۱ ص۱۸۰' اتحاف السادۃ المتقین ج۸ ص۱۶۴۔۱۶۸)

یعنی جو شخص خرچ کرنے میں میانہ روی اختیار کرتا ہے اور فضول خرچی نہیں کرتا وہ محتاج نہیں ہوتا۔

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

المؤمن من امنه الناس.

(کامل) مؤمن وہ ہے جس سے لوگ بے خوف ہوں۔

(جامع ترمذی رقم الحدیث:۲۶۲۷' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۳۹۳۴' سنن نسائی باب ۸' مسند احمد ج۲ ص۳۷۹۔ ج۳ ص۱۵۴۔ ج۶ ص۲۲' المستدرک ج۱ ص۱۱' اتحاف السادۃ المتقین ج۶ ص۲۵۴' مجمع الزوائد ج۱ ص۵۴۔ ج۳ ص۲۶۸' کشف الخفاء ج۲ ص۳۰۸' الترغیب والترہیب ج۳ ص۳۵۳' المغنی ج۳ ص۱۹۴' موارد الظمآن رقم الحدیث:۲۶' التمہید ج۹ ص۲۴۳' کنز العمال رقم الحدیث:۷۳۸)

اور ارشاد فرمایا:

المسلم من سلم المسلمون من لسانه و يده والمهاجر من هجر ما حرم الله.

(کامل) مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان محفوظ رہیں اور (حقیقی) مہاجر وہ ہے جو اس کام کو چھوڑ دے جسے اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۶۴۸۳' جامع ترمذی رقم الحدیث:۲۶۲۸' سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۲۴۸۱' صحیح مسلم رقم الحدیث:۶۵۔۶۹' مسند احمد ج۲ ص۱۶۳۔۱۹۵۔۲۰۵۔۲۱۲۔ ج۳ ص۱۵۴' سنن داری ج۲ ص۳۰۰' السنن الکبریٰ ج۱۰ ص۱۸۷' مسند الحمیدی ج۲ ص۲۷۱۔ رقم الحدیث:۵۹۵' المستدرک ج۱ ص۱۰۔ ج۳ ص۶۱۷' المعجم الکبیر ج۱ ص۳۵۶۔ ج۱۸ ص۳۰۹' اتحاف السادۃ المتقین ج۶ ص۲۵۳' مجمع الزوائد ج۱ ص۵۴۔۵۶' حلیۃ الاولیاء ج۳ ص۳۳۲' التمہید ج۹ ص۲۴۴' مشکوٰۃ المصابیح ج۶ ص۳۳' تاریخ ابن عساکر ج۲ ص۳۶۱' تغلیق التعلیق رقم الحدیث:۲۳' تاریخ بغداد ج۵ ص۱۳۹' موارد الظمآن رقم الحدیث:۲۵۔۲۶' کنز العمال رقم الحدیث:۷۳۸۔۷۳۹۔۷۴۰)

اور ارشاد نبوی ہے:

قلة العيال احد اليسارين.

زیر کفالت لوگوں کا کم ہونا دو آسانیوں میں سے ایک ہے۔

(الدر المنثور ج۳ ص۱۷۹' اتحاف السادۃ المتقین ج۸ ص۱۶۵۔ ج۵ ص۲۹۱' کشف الخفاء ج۲ ص۱۲۸' تذکرۃ الموضوعات رقم الحدیث:۱۳۳' المغنی ج۱ ص۲۳' کنز العمال رقم الحدیث:۴۴۵۰۶)

اسے مسند الفردوس کے مصنف نے اس طرح نقل کیا ہے:

التدبير نصف المعيشة والتودد نصف العقل والهم نصف الهرم وقلة العيال احد

تدبیر نصف معیشت ہے لوگوں سے محبت نصف عقل ہے' غم نصف بڑھاپا ہے اور اولاد کا کم ہونا دو آسانیوں

الیسارین. میں سے ایک ہے۔

(نوٹ):- انسان کے لیے ایک آسانی یہ ہے کہ اسے مال حاصل ہوگا اور دوسری یہ کہ خرچ کم ہوا گر اس کے زیر کفالت لوگ کم ہوں گے تو زیادہ محنت کی ضرورت نہ ہوگی۔

اور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

اد الامانة الی من ائتمنک ولا تخن من خانک.

جس نے تمہارے پاس امانت رکھی ہے اس کو واپس کرو اور جو تم سے خیانت کرتا ہے تم اس سے خیانت نہ کرو۔

(جامع ترمذی رقم الحدیث:۱۲۶۴' سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۳۵۳۴_۳۵۳۵' مسند احمد ج ۳ ص ۴۱۴' سنن دار قطنی ج ۳ ص ۳۵' المعجم الکبیر ج ا ص ۲۳۴۔ ج ۸ ص ۱۵۰' المعجم الصغیر ج ا ص ۱۷۱' السنن الکبریٰ ج ۱۰ ص ۲۷۱' المستدرک ج ۲ ص ۴۶' مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث:۲۹۳۴' مجمع الزوائد ج ۴ ص ۱۴۵' لسان المیزان ج ۴ ص ۱۳۳۷' میزان الاعتدال رقم الحدیث:۴۰۲۶' کشف الخفاء ج ا ص ۷۵' حلیۃ الاولیاء ج ۶ ص ۱۳۲' شرح السنہ ج ۸ ص ۲۰۶' الدر المنثور ج ۲ ص ۱۷۵' التاریخ الکبیر ج ۳ ص ۳۶۰' العلل المتناھیہ ج ۲ ص ۱۰۲_۱۰۳' کنز العمال رقم الحدیث:۵۴۹۴)

اس حدیث کو امام ابوداؤد اور امام ترمذی رحمۃ اللہ نے حضرت شریک اور حضرت قیس بن ربیع کی روایت سے نقل کیا ہے وہ دونوں حضرت ابو صالح کی روایت سے اور حارث حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ کی روایت سے نقل کرتے ہیں اور وہ دونوں (حضرت حارث اور حضرت حسن بصری) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔

حضرت امام ترمذی رحمۃ اللہ نے فرمایا یہ حدیث حسن غریب ہے اور اسے امام دارمی نے اپنی مسند میں اور امام دار قطنی اور امام حاکم نے بھی روایت کیا امام حاکم نے کہا کہ یہ امام مسلم کی شرط پر صحیح ہے لیکن ابن حزم اور اسی طرح ابن قطان اور امام بیہقی نے اسے معلول قرار دیا (یعنی اس میں کوئی خرابی ہے ابو حاتم نے کہا یہ حدیث منکر ہے (ضعیف ہے) اور امام شافعی رحمۃ اللہ نے فرمایا یہ حدیث اصحاب حدیث کے ہاں ثابت نہیں امام احمد نے فرمایا یہ حدیث باطل ہے میں اسے صحیح طریق کے ساتھ نبی اکرم ﷺ سے نہیں جانتا۔

اور ہمارے شیخ (امام سخاوی رحمۃ اللہ) نے فرمایا کہ اس کا دوسری سند کے ساتھ مل جانا اس کو قوی بنا دیتا ہے۔

اور آپ نے ارشاد فرمایا:

الرضاع یغیر الطباع.[1] دودھ پلانا طبیعتوں کو بدل دیتا ہے۔

(کشف الخفاء ج ا ص ۵۱۹' مسند شہاب رقم الحدیث:۳۵' الاحکام النبویہ ج ۲ ص ۲۲' کنز العمال رقم الحدیث:۱۵۶۵۴)

اسے ابو الشیخ نے اسے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت سے نقل کیا۔

اور ارشاد فرمایا:

لا ایمان لمن لا امانة له ولا دین لمن لا عهد له.

اس کا ایمان (کامل) نہیں جو امانت کی پاسداری نہیں کرتا اور جو ایفائے عہد نہیں کرتا اس کا دین (کامل) نہیں۔

---

[1] مطلب یہ ہے کہ بچہ جن لوگوں کے ہاں دودھ پیتا ہے ان کے اخلاق اس پر اثر انداز ہوتے ہیں لہٰذا اگر بچے کو کسی سے دودھ پلایا جائے تو نیک اور اچھے اخلاق والے لوگوں کا انتخاب کیا جائے۔ ۱۲ ہزاروی

(مسند احمد ج۳ص۱۳۵۔۱۵۴۔۲۱۰۔۲۵۱'المعجم الکبیر ج۸ص۲۳۰' مجمع الزوائد ج۱ص۹۶' الدر المنثور ج۱ص۴۲۔ج۲ص۱۷۵' کشف الخفاء ج۲ص۴۸۵' التمہید ج۹ص۲۵۵' شرح السنہ ج۱ص۷۵' مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث:۳۵' تاریخ جرجان رقم الحدیث:۱۰۵' حلیۃ الاولیاء ج۳ص۲۲۰' الترغیب والترہیب رقم الحدیث:۲۲۱' موارد الظمآن رقم الحدیث:۲۷' کنز العمال رقم الحدیث:۵۵۰۳)

اس حدیث کو امام احمد اور امام ابویعلیٰ نے اپنی مسندوں میں اور امام بیہقی نے ''شعب الایمان میں'' حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت سے نقل کیا۔

اور آپ نے فرمایا:

النساء حبائل الشیطان. عورتیں شیطان کی رسیاں ہیں۔

(کشف الخفاء ج۲ص۴۳۶' الدر المنثور ج۲ص۲۵' اتحاف السادۃ المتقین ج۷ص۲۸۰' الترغیب والترہیب ج۳ص۲۵۷' المغنی ج۳ص۹۶) نوٹ: یعنی شیطان عورتوں کے ذریعے انسان کو گمراہ کرتا ہے اسی لئے عورتوں کو غیر محرموں سے پردے کا حکم ہے۔۱۲ہزاروی

اس حدیث کو ''مسند الفردوس میں'' حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا گیا ہے۔

اور ارشاد فرمایا:

حسن العهد من الایمان. اچھی طرح وعدہ پورا کرنا ایمان سے ہے۔

(الدر المنثور ج۱ص۴۲' التاریخ الکبیر ج۱ص۳۱۵' الدرر المنتثرۃ رقم الحدیث:۴۷' کشف الخفاء ج۱ص۳۱۴۔ص۴۳۱' الاسرار المرفوعہ رقم الحدیث:۱۸۳' کنز العمال رقم الحدیث:۱۰۹۳۷)

اس حدیث کو امام حاکم نے ''المستدرک میں'' نقل کیا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: کہ ایک بوڑھی خاتون نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور آپ میرے پاس تشریف فرما تھے آپ نے پوچھا تم کون ہو؟ اس نے کہا جثامہ مزنیہ ہوں آپ نے فرمایا: تم حسانہ ہو (یعنی یہ نام مناسب ہے) تم لوگ کیسے ہو تمہارا کیا حال ہے ہمارے بعد تم کیسے رہے؟ اس نے عرض کیا میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں ہم خیریت سے ہیں جب وہ چلی گئی تو میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ نے اس بوڑھی عورت کی طرف اس طرح توجہ فرمائی؟ آپ نے فرمایا: یہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے زمانے میں ہمارے پاس آتی تھی اور اچھا وعدہ ایمان سے ہے۔ امام حاکم نے فرمایا: یہ حدیث امام بخاری و مسلم رحمہما اللہ کی شرط پر صحیح ہے اور اس میں کوئی علت (خرابی) نہیں۔ (اتحاف السادۃ المتقین ج۶ص۲۳۵' امالی الشجری ج۲ص۱۵۲' الجامع الکبیر ج۲ص۳۱۷' مسند شہاب رقم الحدیث:۹۲۰' کنز العمال رقم الحدیث:۳۴۳۴۴)

اور آپ نے ارشاد فرمایا:

الخمر جماع الاثم. شراب تمام گناہوں کی جامع ہے۔

(یعنی تمام گناہوں کی بنیاد ہے)۔ (الدر المنثور ج۲ص۲۲۵' کشف الخفاء ج۱ص۳۶۰' اتحاف السادۃ المتقین ج۸ص۵۳۱' مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث:۲۱۳' الترغیب والترہیب ج۳ص۲۵۷)

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

جمال الرجل فصاحة لسانه. انسان کا حسن اس کی زبان کی فصاحت ہے۔

(کشف الخفاء ج۱ص۳۹۹' تذکرۃ الموضوعات رقم الحدیث:۲۰۳' کنز العمال رقم الحدیث:۲۸۷۷۵)

اس حدیث کو قضاعی نے حضرت اوزاعی کی روایت سے اور عسکری نے حضرت منکدر بن محمد بن منکدر رحمۃ اللہ کی روایت سے نقل کیا اور وہ دونوں حضرت محمد بن منکدر سے اور وہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کرتے ہیں۔

نیز الخطیب اور ابن طاہر نے بھی اسے نقل کیا ہے اور اس کی سند میں احمد بن عبدالرحمٰن بن جارود الرقی ہیں اور امام دیلمی نے اسے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً نقل کیا کہ:

الجمال صواب المقال والکمال حسن الفعال بالصدق. جمال درست گفتگو ہے اور کمال سچائی کے ساتھ اچھے عمل کا نام ہے۔

عسکری کے نزدیک حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی روایت سے ہے فرماتے ہیں: میں نے عرض کیا اے اللہ کے نبی! انسان میں جمال (حسن) کیا ہے؟ تو فرمایا اس کی زبان کی فصاحت۔

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

منھومان لا یشبعان طالب علم و طالب دنیا. دو حریص سیر نہیں ہوتے ایک علم کا طالب اور دوسرا طالبِ دنیا۔

(المستدرک ج۱ص۹۲' المعجم الکبیر ج۱۰ص۲۲۳' کشف الخفاء ج۲ص۳۹۸' اتحاف السادۃ المتقین ج۸ص۱۵۸۔ص۲۴۲' تذکرۃ الموضوعات رقم الحدیث:۲۱۔۱۷۷' الاسرار المرفوعہ رقم الحدیث:۹۵' العلل المتناہیہ ج۱ص۸۶۔ص۸۷' درالمنتثرۃ رقم الحدیث:۱۶۳' تفسیر ابن کثیر ج۸ص۴۵۹' المغنی ج۳ص۲۳۲۔ص۲۷۴' مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث:۲۶۰' مجمع الزوائد ج۱ص۱۳۵' کنز العمال رقم الحدیث:۲۸۹۳۲۔۲۸۹۳۳۔۳۳۱۱۳۔۲۸۹۳۴)

اس حدیث کو امام طبرانی نے "الکبیر میں" روایت کیا اور قضاعی نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے نقل کیا جبکہ امام بیہقی کے نزدیک "المدخل میں" حضرت قاسم سے مروی ہے فرماتے ہیں: حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: دو حریص سیر نہیں ہوتے ایک طالب علم اور دوسرا طالب دنیا اور یہ دونوں برابر نہیں دنیادار سرکشی میں بڑھتا ہے اور علم والا رحمٰن کی رضا زیادہ کرتا ہے۔

انہوں نے فرمایا: یہ موقوف منقطع ہے[1] بزار اور عسکری وغیرہ نے بھی اس کو اسی طرح روایت کیا اور اس اجتماع کی وجہ سے یہ قوی ہوگئی اگرچہ الگ الگ طریق سے ضعیف ہے۔ واللہ اعلم

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

لا فقر اشد من الجھل ولا مال اکثر من العقل ولا وحشۃ اشد من العجب. جہالت سے بڑھ کر کوئی فقر نہیں عقل سے بڑھ کر کوئی مال نہیں اور خود پسندی (تکبر) سے بڑھ کر کوئی تنہائی نہیں۔

(المعجم الکبیر ج۳ص۶۸' کشف الخفاء ج۲ص۳۹۹' مجمع الزوائد ج۱۰ص۲۸۳' حلیۃ الاولیاء ج۲ص۳۶' البدایۃ النھایۃ ج۸ص۲۱' تاریخ ابن عساکر ج۴ص۲۲۱' کنز العمال رقم الحدیث:۴۳۱۳۵۔۴۳۲۳۷۔۴۳۳۸۹)

[1] جس حدیث میں ایک راوی یا ایک سے زیادہ مختلف مقامات سے چھوٹے ہوئے ہوں وہ منقطع ہوتی ہے اور موقوف وہ حدیث جس میں صحابی کا قول ہو۔۱۲ ہزاروی

اور ارشادِ نبوی ہے:

الذنب لا ینسی والبر لا یبلی والدیان لا یموت فکن کما شئت.

گناہ بھولتا نہیں (نامۂ اعمال میں لکھا جاتا ہے) نیکی کا ثواب منقطع نہیں ہوتا اللہ تعالیٰ کے لئے موت نہیں بس جس طرح چاہے ہو جا۔

(کشف الخفاء ج ۲ ص ۱۸۳)

اس کو ''مسند الفردوس میں'' حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت سے نقل کیا گیا اور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

ما جمع شیء الی شیء احسن من حلم الی علم.

کسی چیز کا دوسری چیز کے ساتھ جمع ہونا بردباری اور علم کے جمع ہونے سے زیادہ بہتر نہیں۔

(کشف الخفاء ج ۲ ص ۲۱۶ ۔ ص ۲۱۷ ۔ ۲۵۹' مجمع الزوائد ج ۱ ص ۱۲۱)

اس روایت کو عسکری نے حضرت جعفر بن محمد سے نقل کیا انہوں نے اپنے والد سے انہوں نے حضرت علی بن حسین سے انہوں نے اپنے والد سے اور انہوں نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہم سے کچھ اضافے کے ساتھ مرفوعاً روایت کیا ہے (اضافہ یہ ہے):

وافضل الایمان التحبب الی الناس ثلاث من لم تکن فیہ فلیس منی ولا من اللہ حلم یرد بہ جھل الجاھل وحسن الخلق یعیش بہ فی الناس وورع یحجزہ عن معاصی اللہ.

بہترین ایمان یہ ہے کہ لوگوں سے محبت ہو اور تین باتیں ایسی ہیں کہ جس شخص میں نہ ہوں اس کا مجھ سے اور اللہ تعالیٰ سے کوئی تعلق نہیں ایسی بردباری جس کے ذریعے جاہل کی جہالت کو رد کیا جائے' اچھے اخلاق جس کے ساتھ لوگوں کے درمیان زندگی گزارے اور تقویٰ جو اسے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے روکے۔

ان (عسکری) کے نزدیک حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے اس طرح بھی مرفوعاً مروی ہے:

ما اوی شیء الی شیء احسن من حلم الی علم و صاحب العلم غرثان الی حلم.

کوئی چیز دوسری چیز کو ٹھکانہ نہ دے (اس سے مل جائے) تو بردباری اور علم کے باہم مل جانے سے بہتر ملنا نہیں ہے اور عالم بردباری کا محتاج ہوتا ہے۔

اور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

التمسوا الرزق فی خبایا الارض.

زمین کے پوشیدہ مقام سے رزق تلاش کرو۔

(کشف الخفاء ج ۱ ص ۲۰۳' کنز العمال رقم الحدیث: ۹۳۰۳)

اس کو بنت عبد الصمد بن علی بن محمد الھرثمیہ کی جزء میں حضرت ابن ابی شریح سے روایت کیا اور اس سے مراد کھیتی باڑی کرنا ہے۔

اور انہوں نے یہ شعر پڑھا:

تتبع خبایا الارض وادع ملیکھا لعلک یوما ان تجاب فترزقا

''زمین کی پوشیدہ جگہوں کے پیچھے جاؤ اور اس کے مالک سے دعا کرو یقیناً کسی دن تمہاری دعا قبول ہو

گی پس تمہیں رزق ملے گا''۔

اورارشادنبوی ہے:

کن فی الدنیا کانک غریب او عابر سبیل وعد نفسک فی اھل القبور.

دنیا میں اجنبی کی طرح یا مسافر کی طرح رہواور اپنے آپ کو قبرستان والوں میں شمار کرو۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:٦٤١٦' جامع ترمذی رقم الحدیث:٢٣٣٣' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:٤١١٤' شرح السنہ ج١٤ص٢٣١' اتحاف السادۃ المتقین ج١٠ص٢٣٦' المعجم الکبیر ج١٢ص٣٩٩' مشکوۃ المصابیح رقم الحدیث:٥٢٧٤' التاریخ الصغیر ج١ص٣٠' کشف الخفاء ج٢ص١٩٤' حلیۃ الاولیاء ج١ص٣١٣۔ ج٣ص٣٠١' الزہد لابن المبارک رقم الحدیث:٥' امالی ج٢ص١٩٣' تاریخ ابن عساکر ج٥ص٤٧' تاریخ بغداد ج٣ص٩٦۔ ج١٣ص٣٤٧' درالمنثور ج٣ص٣١٩)

اس حدیث کوامام بیہقی نے ''شعب الایمان میں'' نیز عسکری نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مرفوعا نقل کیا ہے اورامام بخاری وامام ترمذی وغیرہ رحمہم اللہ نے اس کو ذکر کیا ہے۔

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

صنائع المعروف تقی مصارع السوء و صدقة السر تطفیء غضب الرب و صلة الرحم تزید فی العمر.

نیک کام بری موت سے بچاتے ہیں اور پوشیدہ طور پرصدقہ دینا اللہ تعالیٰ کے غضب کو ٹھنڈا کرتا ہے اور صلہ رحمی عمر کو بڑھاتی ہے۔

(المعجم الکبیر ج٨ص٣١٢' درالمنثور ج١ص٣٥٤۔ ج٣ص٢٥٦' مجمع الزوائد ج٣ص١١٥' کشف الخفاء ج٢ص٢٩۔ص٣٢' الترغیب والترہیب ج٢ص٣٠' مسند شہاب رقم الحدیث:١٠١۔١٠٢' کنزالعمال رقم الحدیث:١٥٩٦٥۔١٥٩٦٦۔١٥٩٧٣)

اورارشادنبوی ہے:

العفو لا یزید العبد الا عزا والتواضع لا یزیده الا رفعة وما نقص مال من صدقة. (اتحاف السادۃ المتقین ج٨ص٣٩۔ص٣٥٣)

معاف کرنا بندے کی عزت میں اضافہ کرتا ہے اور تواضع اس کو بلندی عطا کرتی ہے اور صدقہ دینے سے مال کم نہیں ہوتا۔

امام مسلم رحمۃ اللہ نے یوں روایت کیا ہے:

ما نقصت صدقة من مال وما زاد الله بعفو الا عزا وما تواضع احد لله الا رفعه الله.

صدقہ مال میں کمی نہیں کرتا اور عفو ودرگزر سے اللہ تعالیٰ عزت کو بڑھاتا ہے اور کوئی شخص تواضع اختیار کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو سربلندی عطا کرتا ہے۔

(جامع ترمذی رقم الحدیث:٢٠٢٩' صحیح مسلم رقم الحدیث:٦٩' مسند احمد ج٢ص٢٣٥۔٣٨٦' سنن داری رقم الحدیث:١٦٧٣' المعجم الکبیر ج١١ص٢٠٥' شرح السنہ ج٦ص١٣٣' السنن الکبریٰ ج١٠ص٢٣٥۔ ج٤ص١٨٧' مجمع الزوائد ج٣ص١١٠' الترغیب والترہیب ج٢ص٥۔ ج٣ص٤٠٧' کنزالعمال رقم الحدیث:١٥٧٦٧)

اور قضاعی نے حضرت ابوسلمہ (عبدالرحمٰن بن عوف زہری رحمۃ اللہ) سے انہوں نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مرفوعا روایت کیا:

ما نقص مال من صدقة ولا عفا رجل عن مظلمة الا زاده الله تعالى بها عزا.

صدقہ دینے سے مال میں کمی واقع نہیں ہوتی اور جب کوئی شخص کسی کی زیادتی معاف کردے تو اللہ تعالیٰ اس وجہ سے اس کی عزت کو بڑھاتا ہے۔

امام دیلمی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا آپ نے فرمایا:

والذی نفس محمد بیده لاینقص مال من صدقة.

اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں حضرت محمد ﷺ کی جان ہے صدقہ دینے سے مال کم نہیں ہوتا۔

اس حدیث کو امام ترمذی رحمۃ اللہ نے نقل کیا اور فرمایا یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِکَ مِنْ شَرِّ سَمْعِیْ وَمِنْ شَرِّ بَصَرِیْ وَمِنْ شَرِّ لِسَانِیْ وَمِنْ شَرِّ قَلْبِیْ وَمِنْ شَرِّ مَنِیِّیْ.

یا اللہ! میں اپنے کانوں کے شر اپنی آنکھوں کے شر اپنی زبان کے شر اپنے دل کے شر اور اپنے مادۂ منویہ کے شر سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔

اس حدیث کو امام ابوداؤد نے اپنی جامع (سنن) میں اور امام حاکم نے اپنی مستدرک میں حضرت شکل (بن حمید العبسی صحابی رضی اللہ عنہ جو کوفہ میں اترے) سے روایت کیا۔ (جامع ترمذی رقم الحدیث:۳۴۹۲' سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۱۵۵۱' مسند امام احمد ج ۳ ص ۴۲۹' المستدرک ج ۱ ص ۵۳۲' اتحاف السادۃ المتقین ج ۵ ص ۸۵۔ ص ۳۰۲' جمع الجوامع رقم الحدیث:۹۹۱۳' المغنی ج ۱ ص ۳۲۵' مکارم الاخلاق رقم الحدیث:۹۳' مصنف ابن شیبہ ج ۱۰ ص ۱۹۳۔ ج ۱۵ ص ۱۳۰' کنز العمال رقم الحدیث:۳۶۳۱۔۳۷۱۱)

اور نبی اکرم ﷺ نے یوں دعا مانگی:

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِکَ مِنْ شَرِّ فِتْنَةِ الْغِنٰی.

یا اللہ! میں مالداری کے فتنہ سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔

اس حدیث کو امام ترمذی' امام نسائی' امام ابوداؤد اور امام ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہم نے روایت کیا ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث:۶۳۶۸' صحیح مسلم رقم الحدیث:۴۹' جامع ترمذی رقم الحدیث:۳۴۹۵' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۳۸۳۸' امالی ج ۲ ص ۲۱۱)

اور رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

ان الدنیا عرض حاضر یاکل منها البر والفاجر وان الاخرة وعد صادق یحکم فیها ملک عادل قادر یحق فیها الحق و یبطل الباطل فکونوا ابناء الاخرة ولا تکونوا ابناء الدنیا فان کل ام یتبعها ولدها.

بے شک دنیا حاضر سامان ہے اس سے ہر نیک و بد کھاتا ہے اور بے شک آخرت سچا وعدہ ہے اس میں عادل و قادر بادشاہ فیصلہ کرے گا اس میں حق ثابت ہوگا اور باطل مٹ جائے گا پس تم آخرت کے بیٹے بنو کیونکہ ہر بچہ اپنی ماں کے پیچھے جاتا ہے۔

اس حدیث کو ابونعیم نے "الحلیہ میں" حضرت شداد کی حدیث سے نقل کیا ہے۔

(السنن الکبریٰ ج ۳ ص ۲۱۶' مسند الشافعی رقم الحدیث:۶۷' میزان الاعتدال رقم الحدیث:۳۲۰۸)

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

اخسر الناس صفقة من اذهب اخرته بدنیا غیره. (جمع الجوامع رقم الحدیث:۸۳۱)

تجارت کے لحاظ سے سب سے زیادہ خسارے میں وہ شخص ہے جو دوسروں کی دنیا کے لئے اپنی آخرت سے ہاتھ دھو بیٹھے۔

ابن نجار نے حضرت عبد اللہ بن عامر بن ربیعہ سے اور انہوں نے اپنے والد سے روایت کیا کہ سب سے زیادہ گھاٹے کا سوداگر وہ شخص ہے جس نے اپنی امیدوں میں اپنے ہاتھوں کو پرانا کر دیا اور زمانے نے اس کی خواہشات میں اس کی مدد نہ کی پس وہ دنیا سے کسی سامان کے بغیر گیا اور اللہ تعالیٰ کے سامنے کسی دلیل کے بغیر پہنچا۔

ارشاد نبوی ہے:

ان من کنوز البر کتمان المصائب.

مصائب کو چھپانا نیکی کے خزانوں میں سے ہے۔

اور فرمایا:

الیمین حنث او ندم.

قسم کو یا توڑا جاتا ہے یا اس پر ندامت ہوتی ہے۔

اسے ابو یعلیٰ اور ابن ماجہ نے روایت کیا البتہ ابن ماجہ نے (الیمین کی جگہ) الحلف (قسم) فرمایا۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۱۰۳' کشف الخفاء ج۱ص ۴۳۷۔ ج۲ص ۵۵۸' مسند شہاب رقم الحدیث:۱۱۶۹' موارد الظمان رقم الحدیث:۱۱۷۵' الترغیب والترہیب ج۲ص ۱۸۷' المعجم الصغیر ج۲ص ۱۱۲' میزان الاعتدال رقم الحدیث:۱۱۷۹' کنز العمال رقم الحدیث: ۴۶۳۹۷)

اور سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا:

لا تظهر الشماتة باخیک فیعافیه الله و یبتلیک.

اپنے بھائی کی پریشانی پر خوشی کا اظہار نہ کرو پس اللہ تعالیٰ اسے عافیت دے کر تمہیں مبتلا کر دے گا۔

(جامع ترمذی رقم الحدیث:۲۵۰۶' شرح السنہ ج۱۳ص۱۴۱' اللآلی المصنوعہ ج۲ص ۲۲۸' در المنتثرہ رقم الحدیث:۱۷۸' اتحاف السادۃ المتقین ج۸ص۵۳' تذکرۃ الموضوعات رقم الحدیث:۹۵۴' کشف الخفاء ج۲ص ۴۹۸' الفوائد المجموعہ رقم الحدیث:۲۶۵' تنزیہ الشریعہ ج۲ص ۳۶۹' مشکوۃ المصابیح رقم الحدیث:۳۱۱' حاوی الفتاوی ج۱ص ۵۵۶' حلیۃ الاولیاء ج۵ص ۱۸۶' تذکرۃ الموضوعات ص ۲۱۷' المغنی ج۳ص ۱۸۴)

اس حدیث کو امام ترمذی رحمۃ اللہ نے بواسطہ حضرت مکحول' حضرت واثلہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا اور فرمایا: یہ حسن غریب ہے اور امام طبرانی نے بھی اسے نقل کیا اور ابن ابی الدنیا کی روایت میں "فیعافیہ اللہ" کی جگہ "فیرحمہ اللہ" ہے کہ اللہ تعالیٰ اس پر رحم فرمائے گا۔

امام ترمذی رحمۃ اللہ سے ہی مرفوعاً مروی ہے:

من عیر اخاه بذنب لم یمت حتی یعمله.

جو شخص اپنے (مسلمان) بھائی کو کسی گناہ کی عار دلائے تو وہ مرنے سے پہلے اس عمل کو کرے گا۔

(جامع ترمذی رقم الحدیث:۲۵۰۵' مشکوۃ المصابیح رقم الحدیث: ۴۸۵۵' کشف الخفاء ج۲ص ۳۶۵' شرح السنہ ج۱۳ص ۱۴۰' تذکرۃ الموضوعات رقم الحدیث:۱۷۱' تنزیہ الشریعہ ج۲ص ۲۹۵' الترغیب والترہیب ج۳ص ۳۱۰' اللآلی المصنوعہ ج۲ص ۱۵۷' الموضوعات

نوٹ: اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اگر آدمی ایسے کام سے رکنے یا کرنے کی قسم کھائے جو گناہ ہے تو اسے یا تو قسم توڑ کر کفارہ دینا ہوگا یا وہ کام کرے گا جو پسندیدہ نہیں پھر اس پر ندامت ہوگی لہٰذا قسم کھانے سے بچنا چاہیے۔ ۱۲ ہزاروی

ج ۳ص ۸۲'المغنی ج ۳ص ۱۲۸'اتحاف السادۃ المتقین ج ۷ص ۵۰۴'الکامل ج ۶ص ۲۱۸۱)

رسول اکرم ﷺ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

جف القلم بما انت لاق. اس بات کے ساتھ قلم خشک ہو گیا جو تجھے حاصل ہونے والی ہے۔

(صحیح بخاری رقم الحدیث:۶۵۹۶_۷۵۵۱'فتح الباری ج ۱۱ص ۶۰۱'تاریخ دمشق ج ۱ص ۳۹۳)

"فتح المنة بشرح الاخبار لمحی السنه کے" مصنف نے فرمایا: یہ اس بات سے کنایہ ہے کہ تقدیر کے ساتھ قلم چلا اور اس سے فراغت ہو گئی کیونکہ کسی کام کو شروع کرنے کے بعد اس سے فراغت سیاہی سے قلم کے خشک ہونے کو لازم ہوتی ہے تو یہ لازم کا ملزوم پر اطلاق ہے۔

اور یہ لفظ کلام عرب میں نہیں پایا گیا بلکہ یہ ان الفاظ میں سے ہے جن تک ارباب بلاغت کی رسائی نہیں ہوئی صرف فصاحتِ نبوی اس کا تقاضا کرتی ہے۔

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

الیوم الرھان و غدا السباق والغایة الجنة والھالک من دخل النار. آج کا دن (دنیوی زندگی) اعمال کے لیے بطور ادھاری گئی اور کل اس کا بدلہ ملے گا اور انتہا جنت ہے اور جو شخص جہنم میں گیا وہ ہلاک ہوا۔

(المعجم الکبیر ج ۱۲ص ۱۱۹)

اور آپ نے ارشاد فرمایا:

من ضمن لی ما بین لحییه وما بین رجلیه ضمنت له علی الله الجنة. جو شخص مجھے اپنے دو جبڑوں کے درمیان (زبان) اور دو ٹانگوں کے درمیان (شرمگاہ) کی ضمانت دے میں اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے جنت کی ضمانت دیتا ہوں۔

اس حدیث کا ایک جماعت نے بواسطہ عسکری حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔

(مجمع الزوائد ج ۱۰ص ۳۰۰'کنز العمال رقم الحدیث:۴۳۲۰۵)

صحیح بخاری و ترمذی میں حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے ان الفاظ کے ساتھ مروی ہے:

من یضمن لی ما بین لحییه وما بین رجلیه اضمن له الجنة. جو شخص مجھے دو جبڑوں کے درمیان (زبان) کی اور دو پاؤں کے درمیان (شرمگاہ) کی ضمانت دے میں اسے جنت کی ضمانت دوں گا۔

دو جبڑوں کے درمیان سے مراد زبان اور گفتگو ہے اور دو پاؤں کے درمیان سے شرمگاہ مراد ہے۔

داؤدی کہتے ہیں دو جبڑوں کے درمیان سے منہ مراد ہے پس یہ حدیث گفتگو کھانے اور پینے اور ہر اس عمل کو شامل ہے جس کا تعلق منہ سے ہے۔

ایک حدیث میں یہ الفاظ ہیں:

من توکل لی ما بین فقمیه و رجلیه جو شخص مجھے دو جبڑوں کے درمیان اور دو پاؤں کے

اتوکل له بالجنة. درمیان کی ضمانت دے میں اسے جنت کی ضمانت دوں گا۔

الفقم فاء پر پیش اور زبر دونوں طرح ہے اور اس سے جبڑا مراد ہے۔

ایک دوسری حدیث میں ہے:

من تکفل لی تکفلت له. جو مجھے (ان باتوں کی) ضمانت دے میں اسے (جنت کی) ضمانت دوں گا۔

الفاظ مختلف ہیں مفہوم ایک ہی ہے۔

دیلمی نے ضعیف سند کے ساتھ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

من وقی شر قبقبه و ذبذبه و لقلقه وجبت له الجنة. جو شخص پیٹ اور زبان کے شر سے محفوظ رہا اس کے لئے جنت واجب ہوگئی۔

اور الاحیاء کے الفاظ اس طرح ہیں کہ جس نے اپنے پیٹ کو قبقبہ سے بچایا اور یہ وہ آواز ہے جو پیٹ سے سنی جاتی ہے گویا یہ اس آواز کی حکایت ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ حرام اور مشتبہ چیزیں کھانے نیز شرمگاہ اور زبان سے کنایہ ہو۔

تو اس قسم کی بے شمار احادیث ہیں جن کا شمار مشکل ہے یہ احادیث اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کو فصاحت اور جامع کلمات کے ساتھ گفتگو میں اس قدر ترقی عطا کی گئی کہ کسی دوسرے درجہ کو اس پر قیاس نہیں کیا جاسکتا۔

اور آپ نے ایسا مقام پایا کہ اس میں آپ کی قدر و منزلت کا اندازہ لگانا مشکل ہے۔

بلاغت کی جامع وجہ

نبی اکرم ﷺ کے کلام میں بلاغت کی جو وجوہ شمار کی گئی ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ آپ نے شریعت اور اسلام کے قواعد سے متعلق متفرق امور کو چار احادیث میں جمع فرمایا وہ یہ ہیں:

انما الاعمال بالنیات. اعمال (کے ثواب) کا دار و مدار نیتوں پر ہے۔

الحلال بین والحرام بین. حلال بھی واضح ہے اور حرام بھی ظاہر ہے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث:۱۰۸' جامع ترمذی رقم الحدیث:۱۲۰۵' مشکل الآثار ج۱ص ۳۲۳' اتحاف السادۃ المتقین ج۶ص ۵' مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث:۲۷۶۲' الترغیب والترہیب ج۲ص ۳۵۳' مسند ابی حنیفہ رقم الحدیث:۱۲۰' التمہید ج۹ص ۲۰۱' الکامل ج۴ص ۱۶۲۹)

البینة علی المدعی والیمین علی من انکر. گواہ پیش کرنا مدعی کے ذمہ ہے اور قسم منکر پر ہے۔

(جامع ترمذی رقم الحدیث:۱۳۴۱' سنن الکبریٰ ج۸ص ۲۷۹' شرح السنہ ج۱۰ص ۱۰۱' المطالب العالیہ رقم الحدیث:۱۲۳۰' تلخیص الحبیر ج۴ص ۳۹۔ص ۲۰۸' مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث:۳۷۶۹' نصب الرایہ ج۴ص ۹۵' سنن دارقطنی ج۴ص ۱۵۷' کشف الخفاء ج۱ص ۳۳۴' جمع الجوامع رقم الحدیث:۱۰۳۷' کنز العمال رقم الحدیث:۱۵۲۸۲۔۱۵۲۸۳)

لا یکمل ایمان المرء حتی یحب لاخیه ما یحب لنفسه. انسان کا ایمان اس وقت تک مکمل نہیں ہوتا جب تک اپنے (مسلمان) بھائی کے لیے وہ بات پسند نہ کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہو۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۱۳' صحیح مسلم رقم الحدیث:۷۱' جامع ترمذی رقم الحدیث:۲۵۱۵' سنن نسائی ج۸ص ۱۱۵۔ص ۱۲۵' مسند امام

احمد ج ۳ص ۱۷۶ سنن دارمی ج ۲ص ۳۰۷ اتحاف السادۃ المتقین ج ۶ص ۲۹۱۔ ج ۷ص ۳۵۸۔ ص ۵۳۰ شرح السنہ ج ۳ص ۶۰ مسند ابی عوانہ ج اص ۳۳ الترغیب والترہیب ج ۳ص ۵۷۸ کنز العمال رقم الحدیث: ۹۶۹۳ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۶۶)

پہلی حدیث عبادات کی چوتھائی پر مشتمل ہے۔

دوسری حدیث معاملات کے چوتھے حصے پر مشتمل ہے۔

تیسری حدیث میں فیصلوں کی چوتھائی کا بیان ہے۔

اور چوتھی حدیث میں آداب اور انصاف کے چوتھے حصے کا بیان ہے اور اس کے تحت جرائم سے بچنے کی تلقین ہے۔

یہ بات ابن منیر نے کہی ہے۔

لغت قریش کے علاوہ بلاغت کے کچھ نمونے

نبی اکرم ﷺ کی بلاغت سے وہ کلام بھی شمار کیا گیا جو آپ ہر بلیغ لغت والے سے فرماتے تھے اور یہ فصاحت میں وسعت کی دلیل ہے اور الفت پیدا کرتا ہے۔

چنانچہ آپ شہریوں سے تیل سے زیادہ نرم اور سفید بادلوں سے زیادہ باریک کلام کے ساتھ گفتگو فرماتے اور دیہاتیوں سے ایسا کلام فرماتے جو پہاڑ سے زیادہ مضبوط اور کاٹنے والی تلوار سے زیادہ تیز ہوتا ہے۔

مدینہ طیبہ والوں نے جب آپ سے دعا کے لئے گذارش کی تو دیکھئے آپ نے کس قسم کی دعا فرمائی:

اَللّٰھُمَّ بَارِکْ لَھُمْ فِیْ مِکْیَالِھِمْ وَبَارِکْ لَھُمْ فِیْ صَاعِھِمْ وَمُدِّھِمْ۔ یا اللہ! ان کے لئے ان کے ماپ میں برکت عطا فرما اور ان کے صاع اور مد میں برکت عطا فرما۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۱۳۰۔ ۶۷۱۴۔ ۷۳۳۱ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۳۶۳۔ ۳۶۵ مسند احمد ج ۳ص ۱۵۹ سنن دارمی ج ۲ ص ۲۵۷ موطا امام مالک رقم الحدیث: ۸۸۵ السنن الکبریٰ ج ۶ص ۳۰۳ جمع الجوامع رقم الحدیث: ۹۶۹۹ التمہید ج اص ۲۷۸ مشکل الآثار ج ۲ص ۹۷ کنز العمال رقم الحدیث: ۳۴۸۷۶)

اور ایک دوسری حدیث میں ہے:

اَللّٰھُمَّ بَارِکْ لَنَا فِیْ تَمْرِنَا وَبَارِکْ لَنَا فِیْ مَدِیْنَتِنَا وَبَارِکْ لَنَا فِیْ صَاعِنَا وَبَارِکْ لَنَا فِیْ مُدِّنَا اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَدْعُوْکَ لِلْمَدِیْنَۃِ بِمِثْلِ مَا دَعَاکَ اِبْرَاھِیْمُ لِمَکَّۃَ وَمِثْلَہٗ مَعَہٗ۔ یا اللہ! ہمارے لئے ہماری کھجوروں میں برکت عطا فرما ہمارے لیے ہمارے شہر میں برکت دے ہمارے لئے ہمارے صاع میں برکت عطا فرما اور ہمارے لئے ہمارے مد میں برکت عطا کر دے۔ یا اللہ! میں تجھ سے مدینہ طیبہ کے لئے اسی قسم کی دعا کرتا ہوں جو دعا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مکہ مکرمہ کے لئے کی تھی اور اس کے ساتھ اس کی مثل بھی۔

بنونہد ایک وفد کی صورت میں بارگاہ نبوی میں حاضر ہوئے تو طہفہ بن رہم النہدی نے کھڑے ہو کر خشک سالی کی شکایت کی اور یوں کہا:

اتیناک یا رسول اللہ من غوری تھامۃ باکوار المیس ترتمی بنا العیس نستحلب یا رسول اللہ! ہم آپ کے پاس تہامہ کی مغربی پست جانب سے حاضر ہوئے ہیں المیس (درخت) کے کجاووں

الصبير و نستخلب الخبير و نستعضد البرير و نستخيل الرهام و نستجيل الجهام من ارض غائلة النطا غليظة الوطا قد نشف المدهن و يبس الجعثن وسقط الاملوج و مات العسلوج و هلک الهدی و مات الودی برئنا اليک يا رسول الله من الوثن والعنن وما يحدث الزمن لنا دعوة السلام و شريعة الاسلام ما طمی البحر و قام تعار ولنا نعم همل اغفال ما تبل ببلال و وقير كثير الرسل قليل الرسل اصابتها سنية حمراء مؤزلة وليس لها علل ولا نهل.

کے ساتھ اونٹ ہمارا قصد کرتے ہیں ہم بادلوں سے بارش کے طلبگار ہیں ہم سبزی اور گھاس کاٹنا چاہتے ہیں اور ہم پیلو کا پھل چننا چاہتے ہیں ہم تھوڑے بادلوں میں پانی خیال کرتے ہیں ہمارے خیال میں ان بادلوں کو ہوا اِدھر سے اُدھر اور اُدھر سے اِدھر لے جاتی ہے اور ان میں پانی نہیں ہے زمین دوری کی وجہ سے اور اس لئے کہ اس پر چلنا مشکل ہے ہلاکت خیز ہے پہاڑ کے گڑھے خشک ہو گئے اور سبزیوں کی جڑیں بھی خشکی کا شکار ہوگئی ہیں۔ درختوں کے پتے گر گئے اور ٹہنیاں خشک ہو کر ٹوٹ گئیں اونٹ ہلاک ہو گئے اور کھجوروں کے درخت خشک ہو گئے ہم شرک اور ظلم سے بری الذمہ ہو کر حاضر خدمت ہیں نیز اس عمل سے جسے زمانوں نے ظاہر یا ہمارے لئے سلامتی کی دعوت اور شریعت اسلام ہے جب تک سمندر کی موجیں بلند اور تعار پہاڑ قائم رہے گا ہمارے پاس جانور کسی چرواہے کے بغیر ہیں اور ایسی اونٹنیاں ہیں جو دودھ نہیں دیتیں ایسے ریوڑ ہیں جو چارے کی تلاش میں دور دور بکھر گئے اور ان کا دودھ کم ہے انہیں سرخ شدید قحط پہنچا ہے نہ ان کے لیے پہلے پینا ہے اور نہ دوبارہ۔

نبی اکرم ﷺ نے دعا فرمائی:

اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَهُمْ فِيْ مَحْضِهَا وَ مَخْضِهَا وَ مُذْقِهَا وَابْعَثْ رَاعِيَهَا فِي الدَّثْرِ بِيَانِعِ الثَّمَرِ وَافْجُرْ لَهُ الثَّمَدَ وَ بَارِكْ لَهُ فِي الْمَالِ وَالْوَلَدِ مَنْ اَقَامَ الصَّلٰوةَ كَانَ مُسْلِمًا وَ مَنْ اٰتَى الزَّكٰوةَ كَانَ مُحْسِنًا وَ مَنْ شَهِدَ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ كَانَ مُخْلِصًا لَكُمْ يَا بَنِيْ نَهْدٍ وَدَائِعُ الشِّرْكِ وَوَضَائِعُ الْمِلْكِ لَا تُلْطِطْ فِي الزَّكٰوةِ وَلَا تُلْحِدْ فِي الْحَيَاةِ وَ لَا تَتَثَاقَلْ عَنِ الصَّلٰوةِ.

یا اللہ! ان کے خالص اور مکھن دینے والے دودھ میں برکت عطا فرما' ان کے چرواہے کو ایسی جگہ بھیج جہاں پانی زیادہ ہو اور تھوڑے پانی کو زیادہ کر دے اس کے مال اور اولاد میں برکت عطا فرما جو نماز ادا کرے وہ مسلمان جو زکوۃ دے وہ نیکوکار ہے اور جو اس بات کی گواہی دے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ مخلص ہے اے بنو نہد! تمہارے لیے زمانہ شرک کے وعدوں کی پابندی اور وہ وظائف ہوں گے جو مسلمانوں کے لئے ہیں زکوۃ سے انکار نہ کیا جائے اور جب تک زندگی ہو حق سے ملال نہ ہو اور نہ نماز میں سستی ہو۔

(العلل المتناہیہ ج۱ص۱۷۹' جمع الجوامع رقم الحدیث: ۹۹۲۷' الشفاء ج۱ص۴۲' کنز العمال رقم الحدیث: ۳۱۶۰۷-۳۰۳۱۷-۳۰۳۲۵' المستدرک ج۳ص۳۲۷)

اس کے بعد نبی اکرم ﷺ نے بنونہد کو ایک تحریر دی جو اس طرح ہے:

بسم الله الرحمن الرحيم

من محمد رسول الله الى بني نهد بن زيد السلام على من امن بالله عزوجل و رسوله لكم يا بني نهد في الوظيفة الفريضة ولكم الفارض والفريش و ذوالعنان الركوب والفلوا الضبيس لا يمنع سر حكم لا يعضد طلحكم ولا يحبس دركم مالم تضمروا الاماق و تاكلوا الرباق من اقربما في هذا الكتاب فله من رسول الله الوفاء بالعهد والذمة ومن ابى فعليه الربوة.

اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم کرنے والا ہے

(یہ تحریر) اللہ کے رسول حضرت محمد ﷺ کی طرف سے بنونہد بن زید کی طرف ہے اس شخص پر سلام ہو جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لایا۔ اے بنونہد! زکوٰۃ کے سلسلے میں بوڑھا جانور تمہارے لئے ہوگا (ہم نہیں لیں گے جس طرح ہم زیادہ عمدہ مال نہیں لیتے) بیمار جانور بھی اور بچہ جننے والی اونٹنی بھی تمہارے لئے ہوگی جس گھوڑے پر آسانی سے سواری ہو سکے اور جس پر سوار ہونا مشکل ہو وہ بھی نہیں لیں گے کوئی شخص تمہاری چراگاہ میں داخل نہیں ہوگا اور نہ تمہارے درخت کاٹے گا۔ تمہارے دودھ والے جانوروں کو چراگاہ سے روکا نہیں جائے گا جب تک تمہارے دل حق سے تنگ نہ ہو جائیں یہاں تک کہ معاہدہ توڑ دو۔ جس نے اس بات کا اقرار کیا جو اس تحریر میں ہے اس کے لیے رسول اکرم ﷺ کی طرف سے عہد و پیمان کو پورا کرنا ہے اور جو انکار کرے اس پر (بطور سزا زکوٰۃ میں) اضافہ ہوگا۔

بنونہد کی گفتگو، رسول اکرم ﷺ کا جواب اور پھر آپ کی تحریر میں جو الفاظ استعمال ہوئے وہ بلاغت کا مرقع ہیں ان میں کچھ مشکل الفاظ کی وضاحت اس طرح ہے۔

الميس: ایک سخت قسم کا درخت جس سے اونٹوں کے کجاوے وغیرہ بنتے ہیں۔ الصبير: گہرے سفید بادل۔ الخبير اونٹ وغیرہ کے بالوں اور کھیتی وغیرہ کو کہا جاتا ہے۔ البرير: پیلو کا پھل جو قحط سالی میں کھاتے تھے۔ الرهام: کمزور بارش (واحد رھمہ ہے)۔ الجهام: ایسے بادل جن میں پانی نہ ہو۔ النطاء: دوری کی وجہ سے مہلک۔ الملهن: پہاڑ میں سوراخ۔ الجعثن: سبزی کی جڑ۔ العسلوج: خشک ٹہنی اس کی جمع (عساليج ہے)۔ الاملوج: درختوں کے پتے' الهدى: وہ اونٹ جو حرم شریف کی طرف لے جائے جاتے ہیں۔ الودى: کھجور کے درخت۔ الوثن: بت۔ العنن: ایک طرف کو ہو جانا۔ طمى البحر: سمندر کی موجیں بلند ہوئیں۔ نعم همل: وہ جانور جن کے لیے چارہ نہیں۔ الابل الاغفال: وہ جانور جن کا دودھ نہیں۔ محصنها: خالص دودھ والا۔ مخضها: مکھن والا دودھ۔ مذقها: پانی ملا ہوا۔ الدثر: کثیر مال۔ الثمد: تھوڑا پانی۔ ودائع الشرك: زمانہ شرک کے معاہدے۔ وضائع الملك: بادشاہ کی طرف سے مقررہ وظائف۔ لا تلطط: نہ منع کرے۔ لا تلحد: بے دینی اختیار نہ کرے۔ الوظيفة: واجب حق۔ الفريضة: بوڑھا جانور۔ الفارض: مریض جانور۔ الفريش: بچہ جننے والی اونٹنی۔ ذوالعنان: مطیع جانور۔ الركوب: جس جانور پر سواری آسان ہو۔ الضبيس: مشکل سخت۔ سرح: چراگاہ۔

درکم: تمہارے دودھ دینے والے جانور۔ الاماق: غصہ رونا۔ الرباق: جانور کی رسی عہد مراد ہے۔ الربوۃ: زیادہ۔
تو نبی اکرم ﷺ کی اس دعا اور خط کو دیکھئے کس طرح ان کی لغت کے مطابق ہے بلکہ حسن نظم اور ظہور میں اس سے زیادہ عمدہ ہے۔

اور یہ نبی اکرم ﷺ کی اس تحریر کے مقابلے میں کہاں؟ جو آپ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کو زکوۃ کے بارے میں عطا فرمائی اور وہ تحریر جو قریش اور انصار کو ایک جماعت قرار دینے کی خاطر معرض وجود میں آئی:

انهم امة واحدة دون الناس من قريش على رباعتهم ' يتعاقلون بينهم معاقلهم الاولى ' و يفكون عانيهم بالمعروف والقسط بين المومنين ' وان المومنين المتقين ايديهم على من بغى عليهم ' او ابتغى دسيعة ظلم ' وان سلم المؤمنين واحد على سواء و عدل بينهم ' وان كل غازية غزت يعقب بعضهم بعضا ' ومن اعتبط مومنا قتلا فهو قود الا ان يرضى ولى المقتول ' ومن ظلم واثم فانه لا يوتغ الا نفسه ' واولاهم بهذه الصحيفة البر المحسن.

(السیرۃ لابن ہشام ج۲ ص۱۴۶ البدایہ النہایہ ج۳ ص۲۲۴ المنتظم ج۳ ص۷۰ طبقات ابن سعد ج۱ ص۱۸۳)

کہ وہ ایک ہی جماعت ہیں قریش کے ان لوگوں کو چھوڑ کر جو اپنے پرانے طریقے پر ہیں یہ لوگ دیت وغیرہ اسی طرح ادا کرتے ہیں جس طرح پہلے ادا کرتے تھے وہ اپنے قیدیوں کو دستور شریعت کے مطابق چھڑانے کی کوشش کرتے ہیں مؤمنوں کے درمیان انصاف سے کام لیتے ہیں اور متقی مؤمن سرکشی کرنے والوں اور ظلم کے طور پر عطیات وصول کرنے والوں کے خلاف ان کے دست و بازو ہیں اور مسلمان ایک ہی حالت پر ہیں اور وہ عدل و استقامت ہے اور وہ باری باری جہاد کے لئے جاتے ہیں اور جو شخص کسی مؤمن کو قتل کرے تو اس کا قصاص ہے مگر یہ کہ مقتول کا ولی راضی ہو جائے اور جو شخص ظلم یا گناہ کا مرتکب ہوتا ہے تو وہ اپنے آپ کو ہی ہلاک کرتا ہے اور اس تحریر کا زیادہ مستحق وہی شخص ہے جو نیکی اور احسان کرنے والا ہے۔

دسیعہ ظلم: بڑا ظلم۔ **رباعتھم**: ان کا پرانا معاملہ جس پر وہ تھے۔ **یتعاقلون بینھم معاقلھم الاولی**: یعنی ان کا جو طریقہ چل رہا تھا کہ وہ دیت لیتے دیتے تھے یہ عقل سے باب تفاعل ہے اور معاقل دیتوں کو کہتے ہیں جو معقلۃ کی جمع ہے کہا جاتا۔ **بنو فلان على معاقلهم التي كانوا عليهم**: یعنی اپنے پہلے والے مراتب اور حالتوں پر ہیں۔ **ولا یوتغ**: ہلاک نہیں ہوگا۔ **و یعقب بعضھم بعضا**: یعنی ان کے درمیان باری باری جنگ ہوتی ہے جب ایک گروہ نکلتا ہے پھر لوٹتا ہے تو اسے دوبارہ آنے کی تکلیف نہیں دی جاتی حتیٰ کہ اس کے بعد دوسرا آئے۔
یہ تحریر اسی طرح اختصار کے ساتھ ابن شطب نے روایت کی ہے۔

کلام میں نرمی اور شہریوں کے انداز اور جمہور کے عرف کے مطابق نبی اکرم ﷺ کا وہ مکتوب گرامی کہاں ہے (یعنی تمہارے پیش نظر رہے) جو مشعار ہمدانی (ابوثور مالک بن نمط) کے لئے لکھا جب آپ تبوک سے واپس تشریف لائے تو ہمدان کا وفد آپ سے ملا اور مالک بن نمط نے کہا یا رسول اللہ! یہ تمام ہمدان شہروں اور دیہاتوں کے اشراف میں آپ کی خدمت میں تیز چلنے والی اونٹنی پر آئے ہیں اسلام سے وابستہ ہیں اللہ تعالیٰ کے بارے میں کسی ملامت کا خوف نہیں رکھتے خارف اور یام قبیلے کی اولاد ہے وہ کسی کی چغلی اور فساد پھیلانے کی وجہ سے عہد نہیں توڑتے اور نہ ہی کسی سخت مصیبت کی

وجہ سے عہد شکنی کرتے ہیں جب تک لعلع پہاڑ قائم ہے اور جب تک غیر آباد زمین پر گائے کے بچے موجود ہیں۔

تو نبی اکرم ﷺ نے ان کی طرف لکھا:

هذا كتاب من محمد رسول الله لمخلاف خارف واهل جناب الهضب و حفاف الرمل' مع وافدها ذى المشعار مالک بن نمط ومن اسلم من قومه على ان لهم فراعها و وهاطها وعزازها ' ما اقاموا الصلاة واتوا الزكاة' يا كلون علافها' و يرعون عفاها' لنا من دفئهم و صرامهم ما سلموا بالميثاق والامانة' ولهم من الصدقة الثلب والناب والفصيل والفارض والداجن والكبش الحورى' و عليهم فيها الصالغ والقارح.

(السیرۃ لابن ہشام ج ۲ ص ۲۲۵)

یہ خط اللہ کے رسول حضرت محمد ﷺ کی طرف سے مخلاف خارف جناب الھضب اور حفاف الرمل (جگہوں کے نام) والوں کی طرف اور ان کے ساتھ ساتھ ان کے راہنمائے وفد ذی المشعار مالک بن نمط اور ان کی قوم میں سے جو لوگ ایمان لائے کی طرف ہے کہ پہاڑ کی بلند جگہ نیز نرم اور سخت زمین ان کے لئے ہے جب تک وہ نماز قائم کریں اور زکوۃ ادا کریں وہ وہاں کی سبزی کھائیں اور مباح جگہ پر جانوروں کو چرائیں ہمارے لئے ان کے اونٹوں کے بچے اور ان کی کھجوریں ہیں جو عہد و پیمان کے مطابق وہ ادا کریں اور ان کے لئے صدقہ میں بوڑھے اونٹ اور اونٹنیاں ہیں' اس کے علاوہ اونٹوں کے چھوٹے بچے اور بڑے اونٹ نیز جو گھروں میں مانوس ہیں اور وہ مینڈھا جس کی اون میں سرخی ہے اور زکوۃ کے سلسلے میں ان پر لازم ہے کہ پوری عمر والی بکری اور وہ گھوڑا جو چار سال کا ہو کر پانچویں سال میں داخل ہو۔ (یعنی زکوۃ میں نہ تو بہت عمدہ مال لیا جائے اور نہ ہی کمزور اور ناقص' بلکہ متوسط درجہ کا مال لیا جائے)۔

الجناب الهضب: جگہ کا نام۔ فراعها: پہاڑ یا زمین کا بلند حصہ۔ وهاط: ہموار زمین۔ عزاز: سخت زمین۔ علاف: (علف کی جمع) گھاس۔ دف: اونٹوں کے بچے اور جو نفع اٹھایا جائے۔ الثلب: بوڑھے اونٹ۔ الناب: بوڑھی اونٹنی۔ الفصيل: وہ بچہ جو ماں سے جدا ہوا۔ الفارض: جوان اونٹ۔ الداجن: وہ جانور جو گھروں سے مانوس ہو۔ الكبش الحورى: وہ مینڈھا جس کی اون میں سرخی ہو۔ الصالغ: جس بکری کے دانت پورے ہوں۔ القارح: وہ گھوڑا جو پانچویں سال میں داخل ہو۔

نبی اکرم ﷺ کا یہ مکتوب گرامی بھی اسی جنس سے ہے جو آپ نے قطن بن حارثہ علیمی کلبی کو لکھا۔ یہ خط آپ کے حکم سے حضرت ثابت بن قیس بن شماس رضی اللہ عنہ نے تحریر کیا جس کا مضمون اس طرح ہے:

هذا كتاب من محمد لعمائر كلب واحلافها ' ومن ظاره الاسلام من غيرهم مع قطن ابن حارثة العليمى' باقام الصلاة لوقتها' وايتاء الزكاة بحقها فى شدة عقدها

یہ خط حضرت محمد ﷺ کی طرف سے کلب قبیلہ کی ذیلی شاخوں' ان کے حلیفوں اور ان کے علاوہ جن پر اسلام کی شفقت و توجہ ہے' کی طرف ہے جو قطن ابن حارثہ علیمی کے ذریعے بھیجا گیا ہے اس میں وقت پر نماز قائم کرنے'

وفاء عهدها ' بمحضر من شهود المسلمين ' وسمى جماعة منهم دحية بن خليفة الكلبي 'عليهم من الهمولة الراعية البساط الظار في كل خمسين ناقة غير ذات عوار ' والحمولة المائرة لهم لاغية ' و في الشوى الورى مسنة حامل او حائل ' وفيما سقى الجدول من العين المعين العشر ' وفي العشرى شطره بقيمة الامين لا يزاد عليهم وظيفة ولا يفرق. شهد على ذلك الله و رسوله.

زکوٰۃ اس کے حق کے ساتھ ادا کرنے کا حکم ہے کہ اللہ تعالیٰ کے عہد و پیمان کو سخت پابندی کے ساتھ ادا کیا جائے' یہ مسلمانوں کی موجودگی میں لکھا گیا آپ نے ان کا نام جماعت رکھا ان میں حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ (حضرت سعد بن عبادہ اور حضرت عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہما) بھی تھے۔ ان پر چرنے والے جانوروں میں جن کے ساتھ ان کے بچے بھی ہوں دودھ پلانے والی اونٹنیوں میں ایک اونٹنی لازم ہوگی جو بے عیب ہو اور جس اونٹ پر [illegible] لادا جاتا ہے اس میں زکوٰۃ نہیں ہوگی اور موٹی تازی [illegible] جو ایک سال کی عمر کو پہنچ جائیں حاملہ ہوں یا ایک سا[illegible] ہوں ان میں زکوٰۃ ہوگی اور جو زمین جاری چشمے سے نکلنے والی چھوٹی نہر سے سیراب ہو اس میں عشر ہوگا اور بارانی زمین میں اس کا نصف کسی تجربہ کار کے قیمت لگانے سے ہوگا نہ ان پر کسی وظیفہ میں زیادتی کی جائے اور نہ تفریق کی جائے اس پر اللہ اور اس کا رسول گواہ ہیں۔

یہ خط ثابت بن قیس بن شماس نے لکھا[1] حضرت وائل بن حجر کو جو مکتوب گرامی تحریر فرمایا وہ اسی انداز کا ہے یہ خط ان سرداروں کی طرف لکھا گیا جن کو ان کی مملکتوں پر قائم رکھا گیا اور وہ سردار جو حسن و جمال کا پیکر تھے۔ آپ نے اس خط میں فرائض کا ذکر فرمایا۔ یہ مکتوب گرامی اس طرح ہے:

في التيعة شاة لا مقورة الألياط ولا ضناك ' وانطوا الثبجة وفي السيوب الخمس ' ومن زنى مم بكر فاصقعوه مائة واستوفضوه عاما ' ومن زنى مم ثيب فضرجوه بالاضاميم ' ولا توصيم في الدين ' ولا غمة في فرائض الله ' وكل مسكر حرام ' ووائل بن حجر يترفل على

چالیس بکریوں میں ایک بکری ہوگی جو کمزوری کی وجہ سے ڈھیلے چمڑے والی نہ ہو اور نہ زیادہ گوشت والی ہو اور درمیانے قسم کا مال (زکوٰۃ میں) دو مدفون مال میں خمس (پانچواں حصہ) ہوگا اور جو شخص کنواری عورت سے زنا کرے اسے ایک سو کوڑے مارو اور ایک سال کے لئے جلاوطن کر دو (ابو العزیز) اور جو شخص شادی ہو کر زنا کرے اسے رجم کرو

[1] فائدہ الاسلام: ظاء اور پھر ہمزہ اور آخر میں وہ ہے ان پر مہربانی کی۔ فی الہمولۃ: ہاء پر زبر وہ جو خود چرے فعولۃ کا وزن مفعولۃ کے معنی میں استعمال نہیں ہوتا۔ البساط: جس کے ساتھ بچے ہوں الظئار: اونٹنی اپنے بچے کے علاوہ کی طرف متوجہ ہو۔ الحمولۃ المائرۃ لہم لاغیۃ: جس اونٹ پر کھانا یا تجارت کا سامان لادا گیا اس کی زکوٰۃ نہ لی جائے کیونکہ وہ عمل کے لئے ہیں۔ الشوی: شین پر زبر واؤ کے نیچے زیر اور یاء پر شد ہے یہ شاۃ کی جمع ہے۔ الوری: موٹی۔

الاقیال. [1] شرعی سزاؤں کے نفاذ میں سستی نہ کرو اور اللہ تعالیٰ کے فرائض کو چھپایا نہ جائے اور ہر نشہ دینے والی چیز حرام ہے حضرت وائل بن حجر ان سرداروں کی قیادت فرمارہے تھے۔

اسی کے قریب وہ خطوط ہیں جو اکیدر اور اہل درمہ کو تحریر فرمائے جس طرح آپ کے خطوط میں گزر چکا ہے۔ حضرت عطیہ سعدی کی حدیث میں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

الید العلیاء ھی المنطیۃ والسفلی ھی المنطاۃ. اوپر والا ہاتھ دینے والا ہے اور نچلا ہاتھ لینے والا ہے۔

(المعجم الکبیر ج ۱۷ص ۱۶۷۔ص ۱۶۹' الدر المنثور ج ۱ص ۳۵۹' المستدرک ج ۴ص ۳۲۷' السنن الکبریٰ ج ۴ص ۱۹۸' مجمع الزوائد ج ۳ ص ۹۸' جمع الجوامع رقم احادیث: ۶۰۱۰' مناہل الصفا ص ۳۸۔رقم الحدیث: ۳۷' تاریخ ابن عساکر ج ۷ص ۱۲۷' کنز العمال رقم الحدیث: ۱۷۱۲۹۔۱۶۷۰۷۔۱۷۰۰۶)

وہ فرماتے ہیں: حضور علیہ السلام نے ہم سے ہماری زبان میں گفتگو فرمائی۔ یہ بات نبی اکرم ﷺ کی خصوصیت سے ہے کہ آپ بلیغ لغت والے کے ساتھ اسی کی لغت میں گفتگو فرماتے تھے حالانکہ لغت میں الفاظ کی ترکیب اور کلمات کے اسلوب کے حوالے سے اختلاف ہے اور وہ لوگ اپنی لغت سے آگے نہیں بڑھ سکتے تھے اگر وہ کوئی دوسری لغت سنیں تو یوں محسوس ہوتا تھا کہ کوئی عربی' عجمی زبان سن رہا ہے۔

نبی اکرم ﷺ کو یہ قوت بارگاہ خداوندی سے ودیعت ہوئی تھی کیونکہ آپ کو تمام لوگوں کی طرف بھیجا گیا تھا اور آپ سیاہ و سرخ سب کی طرف مبعوث ہوئے تھے۔

زبان سے گفتگو بیان کی غایت ہوتی ہے اور کوئی متکلم اپنی لغت کے بغیر گفتگو نہیں کر سکتا ہاں کوئی ترجمانی کرنے والا ہو تو وہ ترجمانی میں کوتاہی کرنے والا اور اصل کے مقابلے میں نچلے درجہ میں ہوتا ہے جب کہ ہمارے آقا ﷺ کا معاملہ اس سے الگ ہے جیسا کہ گزر گیا آپ پر اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہوا کہ آپ جس لغت میں گفتگو فرماتے اس لغت والوں سے زیادہ فصیح اللسان ہوتے اور یہ بات آپ کے لائق بھی ہے کیونکہ آپ کو تمام اچھی بشری قوتیں دوسرے لوگوں کے مقابلے میں زیادہ دی گئیں حالانکہ وہ مختلف جنسوں سے تعلق رکھتے تھے۔ یہ بات نہ تو قیاس میں آسکتی ہے اور نہ اس کی تحقیق مشتبہ ہو سکتی ہے۔

رسول اکرم ﷺ کی آواز مبارک

آپ کی آواز مبارک کے بارے میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء کرام کو خوبصورت اور اچھی آواز والا بنا کر بھیجا حتیٰ کہ ہمارے نبی کو بھیجا تو آپ کا چہرۂ مبارک بھی حسین اور آواز بھی اچھی

---

[1] الاقیال: سردار جو بادشاہوں سے نچلے درجہ میں ہوں۔ العباھلۃ: جو اپنی حکومت پر برقرار رکھے گئے۔ الاوداع: (رائع کی جمع) اچھی شکل و صورت والے۔ المشابیب: سردار خوبصورت۔ التیعۃ: چالیس بکریاں یا جانوروں کی کم از کم تعداد جس پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے۔ مقورۃ الالیاط: کمزور جانور۔ ضناک: موٹا تازہ۔ انطوا: دو۔ الثبجۃ: درمیانہ مال۔ السیوب: پوشیدہ خزانہ۔ فاصقعوہ: اسے مارو۔ استوفظوہ: ملک بدر کرو۔ الاضامیم: پتھر۔ توصیم: سستی۔ غمۃ: پوشیدگی۔ یترفل: سردار ہونا

تھی۔ (طبقات ابن سعد ج ۱ ص ۲۸۳)

اسی قسم کی حدیث حضرت علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ سے بھی مروی ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ جب آپ کلام فرماتے تو آپ کے سامنے کے دانتوں سے نور نکلتا ہوا دکھائی دیتا۔

آپ کی آواز مبارک وہاں تک پہنچتی تھی جہاں تک دوسروں کی آواز نہیں پہنچتی تھی۔

حضرت براء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ نے ہمیں خطبہ ارشاد فرمایا تو پردہ نشین کنواری لڑکیوں نے اپنے پردے میں سن لیا۔

نوٹ: چونکہ کنواری لڑکیوں کو بالکل اندر پردے میں رکھا جاتا تھا تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ آپ کی آواز بہت دور تک جاتی تھی۔ ۱۲ ہزاروی (مسند امام احمد ج ۴ ص ۲۲۴' دلائل النبوۃ ج ۶ ص ۲۵۶)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ جمعۃ المبارک کے دن منبر پر تشریف فرما ہوئے تو فرمایا اے لوگو! بیٹھ جاؤ' حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ بنو غنم قبیلے میں تھے تو وہ وہاں ہی بیٹھ گئے۔

(دلائل النبوۃ ج ۶ ص ۲۵۶' مجمع الزوائد ج ۹ ص ۳۱۶)

حضرت عبدالرحمٰن بن معاذ التیمی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: کہ رسول اللہ ﷺ نے منٰی میں ہمیں خطبہ ارشاد فرمایا تو ہمارے کانوں کو کھول دیا ایک روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے کان کھول دیئے حتیٰ کہ ہم اپنے خیموں میں آپ کا کلام سنتے تھے۔ (الکاشف ج ۲ ص ۱۶۴)

حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ہم آدھی رات کے وقت خانہ کعبہ کے پاس حضور ﷺ کی قرأت سنتے حالانکہ میں اپنی چارپائی پر ہوتی تھی۔ (سنن نسائی ج ۲ ص ۱۷۹' دلائل النبوۃ ج ۶ ص ۲۵۷' کنز العمال رقم الحدیث: ۲۲۱۷۳)

رسول اکرم ﷺ کا ہنسنا اور رونا

آپ کی مبارک ہنسی کے بارے میں صحیح بخاری میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے فرماتی ہیں: کہ میں نے نبی اکرم ﷺ کو کبھی بھی کھل کر ہنستے ہوئے نہیں دیکھا کہ آپ کے حلق کا گوشت [1] نظر آئے بلکہ آپ تبسم فرماتے تھے۔ مطلب یہ ہے کہ آپ اس طرح نہیں ہنستے تھے کہ مکمل طور پر اسی طرف متوجہ ہوں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۸۲۸۔ ۶۰۹۲' المستدرک ج ۳ ص ۴۵۶' اتحاف السادۃ المتقین ج ۷ ص ۱۰۵)

اور یہ حدیث اس کے منافی نہیں جو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے اس واقعہ میں ہے کہ جب ایک شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے رمضان المبارک میں (دن کے وقت) اپنی بیوی سے جماع کیا تھا [2] تو

---

[1] منہ کے بالکل آخر میں حلق کے اوپر ایک گوشت کا ٹکڑا لہاۃ کہلاتا ہے۔

[2] ایک شخص بارگاہِ نبوی میں حاضر ہوا اور اس نے کہا میں ہلاک ہو گیا فرمایا کیا ہوا؟ عرض کیا میں نے روزے کی حالت میں بیوی سے جماع کر لیا ہے فرمایا مسلسل دو ماہ کے روزے رکھ سکتے ہو؟ کہا نہیں آپ نے فرمایا ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلا سکتے ہو؟ اس نے کہا نہیں اتنے میں کھجوروں کا ایک ٹوکرا آیا آپ نے فرمایا اسے لے جاؤ اور صدقہ کر دو اس نے عرض کیا یا رسول اللہ اپنے آپ سے زیادہ محتاج پر صدقہ کروں اللہ تعالیٰ کی قسم مدینہ طیبہ میں مجھ سے زیادہ محتاج کوئی نہیں تو آپ ہنس پڑے (زرقانی ج ۴ ص ۱۸۰)

نبی اکرم ﷺ ہنس پڑے حتی کہ آپ کی داڑھیں مبارک نظر آنے لگیں اسے امام بخاری رحمۃ اللہ نے روایت کیا ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۰۸۷ ' مجمع الزوائد ج ۵ ص ۲۰۱ ' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۱ ص ۳۷۹ ' الضعفاء ج ۱ ص ۱۲۳)

اور داڑھیں اسی صورت میں ظاہر ہوتی ہیں جب زیادہ ہنسا جائے تو دونوں احادیث ایک دوسرے کے منافی اس لئے نہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے دیکھنے کی نفی کی ہے اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے مشاہدہ بیان کیا ہے اور ثابت کرنے والی بات نفی والی بات پر مقدم ہوتی ہے۔

اہل لغت نے کہا کہ تبسم 'ہنسنے کا آغاز ہے اور ہنسا سرور کی وجہ سے چہرے کا اس قدر کھلکھلانا ہے کہ دانت ظاہر ہو جائیں اگر وہ آواز سے ہو اور دور والا سن لے تو یہ قہقہہ ہے ورنہ اسے ضحک (ہنسا) کہتے ہیں اور اگر آواز بھی نہ ہو تو یہ تبسم ہے۔

ابن ابی ہالہ نے کہا:

جل ضحکہ التبسم و یفتر عن مثل حب الغمام. کہ آپ اکثر تبسم فرماتے تھے اور جب بھی ہنستے تو دانت مبارک ظاہر ہو جاتے۔

''حب الغمام'' اولوں کو کہتے ہیں (دانتوں کو تشبیہ دی ہے)۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں۔

احادیث کو جمع کرنے سے جو بات ظاہر ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ آپ عام طور پر تبسم سے زیادہ نہیں ہنستے تھے اور کبھی زیادہ ہو جاتا تو وہ ہنسی ہوتی (قہقہہ نہ ہوتا) اور فرمایا مکروہ زیادہ ہنسنا ہے (اور قہقہہ لگانا ہے) کیونکہ اس سے وقار چلا جاتا ہے۔

ابن بطال نے کہا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے ان افعال کی پیروی کرنی چاہیے جن کو آپ نے ہمیشہ اختیار فرمایا۔

حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ نے ''الادب المفرد میں'' اور حضرت امام ماجہ رحمۃ اللہ نے (سنن ابن ماجہ میں) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

لا تکثر الضحک فان کثرۃ الضحک تمیت القلب. زیادہ نہ ہنسو کیونکہ زیادہ ہنسنا دل کو مردہ کر دیتا ہے۔

(جامع ترمذی رقم الحدیث: ۲۳۰۵ ' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۱۹۳ ' مسند احمد ج ۲ ص ۳۱۰ ' المعجم الکبیر ج ۲ ص ۱۶۸ ' کشف الخفاء ج ۲ ص ۱۵۷ ' مجمع الزوائد ج ۳ ص ۲۱۶ ' اتحاف السادۃ المتقین ص ۳۹۴ ' الادب المفرد رقم الحدیث: ۲۵۲ ۔ ۲۵۳)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

اذا ضحک یتلألأ فی الجدار. (نبی اکرم ﷺ) جب ہنستے تو دیوار چمک اٹھتی۔

یعنی دیوار پر اس طرح نور چمکتا جس طرح سورج چمکتا ہے جب نبی اکرم ﷺ کی حضرت جبریل علیہ السلام سے تازہ تازہ ملاقات ہوتی تو آپ ہنستے نہیں تھے حتی کہ وہ چلے جاتے بلکہ آپ جب خطبہ دیتے یا قیامت کا ذکر کرتے تو سخت غصہ آتا اور آپ کی آواز بلند ہو جاتی [1] گویا کسی لشکر سے ڈرانے والے ہیں۔ آپ فرماتے وہ صبح کے وقت آیا یا شام

[1] حضرت امام زرقانی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں اس حدیث کے مطابق خطیب کے لئے سنت ہے کہ سامعین کی حالت کے مطابق خطاب کرے اس میں رغبت بھی ہو اور ڈرایا بھی جائے اپنی آواز کو بلند کرے اور کلام میں حرکت پیدا کرے (زرقانی جلد ۴ ص ۱۸)

کے وقت آیا۔ (سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۴۲۵ صحیح مسلم رقم الحدیث:۴۳ السنن الکبریٰ ج ۳ ص ۲۰۶ شرح السنہ ج ۴ ص ۲۵۴ اتحاف السادۃ المتقین ج ۳ ص ۲۳۰۔ ج ۷ ص ۱۱۴۔ ص ۱۱۵۔ ج ۱۰ ص ۲۵۴ المغنی ج ۲ ص ۳۶۵۔ ۴/۳۴۴ مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۱۴۰۷ الاسماء والصفات رقم الحدیث: ۱۸۸ المنتقی ص ۸۳۔ رقم الحدیث: ۲۹۷ کنز العمال رقم الحدیث: ۱۷۹۷۴)

نبی اکرم ﷺ کا رونا بھی آپ کی ہنسی کی طرح ہوتا تھا اس میں نہ تو ہچکی ہوتی اور نہ آواز بلند ہوتی جس طرح آپ کی ہنسی قہقہہ کی شکل میں نہیں ہوتی تھی لیکن آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوتے اور آپ کے سینے سے آواز آتی تھی آپ اپنی امت پر خوف اور ڈر کی وجہ سے کسی میت پر بطور رحمت روتے تھے نیز خوف خدا سے روتے قرآن پاک سن کر اور کبھی کبھی رات کی نماز میں روتے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کو جمائی سے محفوظ فرمایا تھا۔

''تاریخ بخاری اور مصنف ابن ابی شیبہ میں'' حضرت یزید بن اصم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ کو جمائی کبھی نہیں آئی۔ ابن ابی شیبہ کی ایک روایت میں ہے کہ کسی نبی کو کبھی بھی جمائی نہیں آئی۔ (فتح الباری ج ۱۰ ص ۲۷۰)

دست مبارک کا وصف

نبی اکرم ﷺ کے دست مبارک کے بارے میں متعدد حضرات نے فرمایا کہ آپ کے ہاتھ مضبوط تھے یعنی انگلیاں سخت تھیں آپ کے بازو مضبوط اور ہتھیلیاں کشادہ تھیں۔ جیسا کہ آگے آئے گا۔

(دلائل النبوۃ ج ۱ ص ۲۴۴ البدایہ والنہایہ ج ۶ ص ۲۴)

نبی اکرم ﷺ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے رخسار پر دست مبارک پھیرا تو انہوں نے آپ کے دستِ مبارک میں ٹھنڈک اور خوشبو پائی گویا وہ عطار کی صندوقچی سے نکالا گیا ہو۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۸۰)

امام طبرانی اور بیہقی رحمۃ اللہ نے حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا وہ فرماتے ہیں:

میں نبی اکرم ﷺ سے مصافحہ کرتا یا میرا جسم آپ کے جسم سے لگتا تو میں بعد میں اپنے ہاتھ سے اس بات کو پہچانتا اور وہ کستوری سے زیادہ خوشبودار ہوتا تھا۔

حضرت یزید بن اسود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے مجھے اپنا ہاتھ پکڑوایا تو وہ برف سے زیادہ ٹھنڈا اور کستوری سے زیادہ خوشبودار تھا۔ (دلائل النبوۃ ج ۱ ص ۲۵۶)

حضرت مستورد بن شداد اپنے والد (رضی اللہ عنہما) سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں: کہ میں نے نبی اکرم ﷺ کا دست مبارک پکڑا تو وہ ریشم سے زیادہ نرم اور برف سے زیادہ ٹھنڈا تھا۔

نبی اکرم ﷺ مکہ مکرمہ میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی بیمار پرسی کے لئے ان کے پاس تشریف لے گئے وہ فرماتے ہیں آپ نے اپنا دستِ مبارک میری پیشانی پر رکھا اور میرے چہرے، سینے اور پیٹ کو چھوا تو مجھے مسلسل یہی خیال رہتا کہ میں قیامت تک آپ کے ہاتھ کی ٹھنڈک اپنے جگر میں محسوس کرتا رہوں گا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۶۵۹ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۲۵۳ مسند امام احمد ج ۱ ص ۱۶۸۔ ۱۷۱ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۱۰۴ المستدرک ج ۱ ص ۳۴۲ الادب المفرد رقم الحدیث: ۴۹۹ سنن الکبریٰ ج ۳ ص ۳۸۱۔ ج ۹ ص ۱۸ تاریخ ابن عساکر ج ۶ ص ۱۰۳ البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۷۸)

صحیح بخاری میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت سے ہے آپ فرماتے ہیں: کہ میں نے نبی اکرم ﷺ کے دست مبارک سے زیادہ نرم کوئی ریشم اور دیباج نہیں چھوا۔ (دیباج ریشم کی ایک قسم ہے)۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۳۵۶۱ صحیح مسلم رقم الحدیث:۸۱ مسند امام احمد ج ۳ ص ۱۰۷)

کہا گیا کہ نبی اکرم ﷺ (کے دست مبارک) کا یہ وصف اس حدیث کے خلاف ہے جو ابن ابی ہالہ سے مروی ہے اور امام ترمذی رحمۃ اللہ نے اسے آپ ﷺ کی صفت میں ذکر کیا ہے جیسا کہ پہلے گزر گیا کہ اس میں آتا ہے کہ آپ کے ہاتھ اور آپ کے پاؤں سخت تھے "شثن الکفین و القدمین" کے الفاظ ہیں۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اسی طرح بیان کیا جو متعدد طرق سے امام ترمذی' امام حاکم اور دوسرے محدثین نے ذکر کیا۔ ابن ابی خیثمہ کے نزدیک حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی اسی طرح مروی ہے۔

ان دونوں قسم کی روایتوں کو یوں جمع کیا جا سکتا ہے کہ نرمی سے جلد کی نرمی مراد ہے اور جب کہ ہڈیاں مضبوط تھیں تو گویا آپ میں بدن کی نرمی اور قوت دونوں جمع تھیں۔

ابن بطال نے کہا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی ہتھیلی گوشت سے پر تھی لیکن اس ضخامت (بھر پور ہونے) کے باوجود نرم تھی جیسا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے۔

وہ فرماتے ہیں: اصمعی [1] کا یہ قول کہ "الشثن" کا معنیٰ ہتھیلی کا سخت ہونا ہے تو یہ اس حدیث کے موافق نہیں ہے لیکن جو کچھ خلیل نے وضاحت کی ہے (کہ اس سے آپ کی انگلیوں کا سخت ہونا مراد ہے اور یہ بات مردوں میں کمال ہے) یہ تفسیر زیادہ مناسب ہے۔

ابن بطال فرماتے ہیں اگر اصمعی کی بات کو تسلیم بھی کر لیا جائے کہ شثن سے مراد ہتھیلی کا سخت ہونا ہے تو اس بات کا احتمال ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم ﷺ کی ہتھیلی کے دو وصف بیان کئے ہوں یعنی جب آپ جہاد میں اپنی ہتھیلی استعمال فرماتے تھے یا گھر میں کام کاج کرتے تھے تو آپ کی ہتھیلی ان مقاصد کے تحت سخت ہوتی اور جب یہ کام چھوڑ دیتے تو اپنی اصل اور فطرت کی طرف لوٹ جاتی یعنی نرم ہو جاتی تھی۔

حضرت قاضی عیاض رحمۃ اللہ فرماتے ہیں: کہ ابو عبیدہ نے الشثن کا مفہوم اس طرح بیان کیا ہے کہ آپ کا دست مبارک سخت اور چھوٹا تھا۔ اس پر ان کا تعاقب کیا گیا کہ نبی اکرم ﷺ کے وصف میں یہ بات ثابت ہے کہ آپ کی مبارک انگلیاں (مناسب حد تک) لمبی تھیں۔ (الشفاء شریف ج ۱ ص ۱۶۳)

نبی اکرم ﷺ کے دستِ مبارک کے نرم ہونے کی تائید نعمان کی روایت سے ہوتی ہے وہ فرماتے ہیں کہ آپ کی ہتھیلیاں قدرے لمبی تھیں۔

تو یہ نرم ہونے والے وصف کے موافق ہیں۔

اور الشثن میں تحقیق یہ ہے کہ آپ کی ہتھیلیاں گوشت سے بھر پور تھیں نہ سخت تھیں اور نہ چھوٹی۔

ابن خالویہ نے نقل کیا کہ اصمعی نے جب الشثن کی وہ وضاحت کی جو پہلے گزر چکی ہے تو ان سے کہا گیا کہ نبی اکرم ﷺ

---

[1] الاصمعی۔ ابو سعید عبد الملک بن قریب بن عبد الملک بن علی بن اصمع اپنے دادا اصمع کی طرف منسوب ہیں بنو باہلہ قبیلے سے تعلق تھا بصری کہلاتے تھے آپ نہایت ثقہ اور سچے ہیں امام ابوداؤد اور امام ترمذی نے ان سے روایت کی ہے بصرہ میں انتقال ہوا۔

کی صفت میں یوں مذکور ہے کہ آپ کی ہتھیلیاں نرم تھیں تو انہوں نے قسم کھائی کہ آئندہ بھی کسی حدیث کی وضاحت نہیں کریں گے۔

امام طبرانی اور امام بزار رحمہما اللہ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا وہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے ایک سفر میں مجھے اپنے پیچھے بٹھایا تو میں نے آپ کے جسم مبارک سے زیادہ کسی چیز کو نرم نہ پایا۔

غزوۂ حنین کے دن حضرت عائذ بن عمرو رضی اللہ عنہ [1] کے چہرۂ انور کو زخم پہنچا تو ان کے چہرے اور سینے پر خون جاری ہو گیا نبی اکرم ﷺ نے اپنے دست مبارک سے ان کے چہرے اور سینے سے خون دور کیا پھر ان کے لیے دعا فرمائی تو آپ کے دستِ مبارک کا یہ اثر ہوا کہ جہاں تک آپ نے ہاتھ پھیرا گھوڑے کی سفیدی کی طرح وہ سب جگہ سفید چمکدار ہو گئی۔

امام بخاری رحمۃ اللہ نے اپنی تاریخ میں نیز امام بغوی اور ابن مندہ دونوں نے معرفۃ الصحابہ کے سلسلے میں حضرت صاعد بن علاء بن بشر کے طریق سے روایت کیا وہ اپنے باپ سے اور وہ اپنے دادا بشر بن معاویہ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ اپنے باپ معاویہ بن ثور کے ہمراہ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے ان کے سر پر ہاتھ پھیرا اور ان کے لئے برکت کی دعا فرمائی۔ تو ان کے چہرے پر نبی اکرم ﷺ کے ہاتھ پھیرنے کی وجہ سے چمک تھی اور وہ جس بیمار کو ہاتھ لگاتے وہ ٹھیک ہو جاتا۔

نبی اکرم ﷺ نے مدلوک ابو سفیان (مدلوک نام ہے اور ابو سفیان کنیت ہے' صحابی ہیں' شام میں رہے) کے سر پر ہاتھ پھیرا تو جہاں جہاں آپ کا ہاتھ پھرا وہ جگہ سیاہ تھی جب کہ باقی حصہ سفید ہو گیا تھا اسے امام بخاری نے اپنی تاریخ میں نیز امام بیہقی نے بھی اسے نقل کیا ہے۔ (دلائل النبوۃ ج ۶ ص ۲۱۵' التاریخ الکبیر ج ۴ ص ۲' رقم الحدیث: ۵۵)

حضرت سائب رضی اللہ عنہ کے سر کے بارے میں بھی اسی طرح منقول ہے اسے امام بغوی' امام بیہقی اور ابن مندہ نے ذکر کیا۔

امام بیہقی نے صحیح قرار دیتے ہوئے اور امام ترمذی نے حسن قرار دیتے ہوئے حضرت ابو زید انصاری رضی اللہ عنہ سے نقل کیا (وہ فرماتے ہیں) کہ نبی اکرم ﷺ نے اپنا ہاتھ میرے سر اور داڑھی پر پھیرا پھر فرمایا یا اللہ اس کو خوبصورت رکھنا فرماتے ہیں وہ ایک سو سال سے اوپر عمر کے ہو گئے لیکن ان کی داڑھی میں کوئی سفید بال نہیں تھا اور وہ کشادہ رو تھے' انتقال فرمانے تک ان کے چہرے پر ناراضگی کا ظہور نہیں ہوا۔ (مسند احمد ج ۵ ص ۷۷۔ ص ۳۴۰' المستدرک ج ۴ ص ۱۳۹' مجمع الزوائد ج ۹ ص ۸۔ ۳۷۷' دلائل النبوۃ ج ۶ ص ۲۱۰۔ ص ۲۱۲' المعجم الکبیر ج ۷ ص ۲۸)

نبی اکرم ﷺ نے حضرت حنظلہ بن حذیم رضی اللہ عنہ کے سر پر اپنا دستِ مبارک پھیرا اور فرمایا تجھے برکت حاصل ہو۔ تو ان کے پاس کوئی بکری لائی جاتی جس کے تھنوں میں ورم ہوتا یا کسی اونٹ یا انسان کو ورم ہوتا تو وہ اپنے ہاتھ پر لعاب ڈالتے اور اسے پیشانی کے بالوں کی جگہ پر ملتے اور فرماتے "اللہ کے نام سے رسول اکرم ﷺ کے دستِ مبارک کے اثر پر" پھر اسے ورم کی جگہ پر ملتے تو ورم چلا جاتا۔ (مسند امام احمد ج ۵ ص ۶۸' دلائل النبوۃ ج ۶ ص ۲۱۴' تاریخ بخاری ج ۲ ص ۱' رقم الحدیث: ۳۷)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: کہ میں نے رسول اکرم ﷺ کو دیکھا آپ دعا میں ہاتھ بلند

---

[1] حضرت عائذ بن عمرو بن ہلال بن عبید بن یزید المزنی صحابی ہیں انہوں نے (حدیبیہ میں) درخت کے نیچے حضور ﷺ کے دست مبارک پر بیعت کی' صحابی کے صاحبزادے ہیں' بصرہ میں رہے اور وہیں ۶۱ ھ میں وصال ہوا۔

کرتے حتیٰ کہ میں نے آپ کی بغلوں کی سفیدی دیکھی۔

متعدد احادیث میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت سے مروی ہے کہ آپ کی بغلیں سفید تھیں۔

طبری نے کہا کہ نبی اکرم ﷺ کی خصوصیات میں سے یہ بات بھی ہے کہ دوسرے لوگوں کی بغلوں کا رنگ بدلتا رہتا ہے لیکن آپ کے لئے یہ بات نہیں ہے۔

امام قرطبی نے اس کی مثل ذکر کیا البتہ انہوں نے یہ اضافہ بھی کیا کہ آپ کی بغلوں میں بال نہیں تھے۔

لیکن "شرح تقریب الاسانید کے" مصنف نے کہا کہ یہ بات کسی طریقے سے بھی ثابت نہیں ہے اور انہوں نے فرمایا کہ خصائص احتمالات سے ثابت نہیں ہوتے اور حضرت انس رضی اللہ عنہ اور دیگر حضرات کا اس بیان سے کہ آپ کی بغلیں سفید تھیں یہ بات لازم نہیں آتی کہ وہاں بال نہ ہوں۔

حضرت عبداللہ بن اقرم خزاعی نے نبی اکرم ﷺ کے ہمراہ نماز پڑھی وہ فرماتے ہیں کہ میں نبی اکرم ﷺ کی بغلوں کی سفیدی کو دیکھتا تھا انہوں نے "عفرۃ" کا لفظ استعمال کیا ہے جس کا معنیٰ ایسی سفیدی ہے (جو خاکستری رنگ کی ہو) خالص نہ ہو۔ ہروی وغیرہ نے اسی طرح کہا ہے مزید تفصیل خصائص کے بیان میں آئے گی ان شاء اللہ تعالیٰ۔

بنو حریش کے ایک شخص بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے مجھ سے معانقہ فرمایا تو آپ کی بغلوں کا پسینہ مجھ پر گرا جو کستوری کی خوشبو کی مثل تھا۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے آپ کا وصف بیان کرتے ہوئے فرمایا: کہ آپ "ذو مسربۃ" تھے یعنی آپ کے سینے اور ناف کے درمیان بالوں کی (باریک) لکیر تھی۔

ابن ابی ہالہ نے فرمایا: کہ وہ لکیر باریک تھی اور ابن سعد حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ یہ لکیر لمبی تھی۔

امام بیہقی رحمۃ اللہ کے نزدیک اس طرح ہے کہ آپ کے سینہ مبارک سے ناف تک کچھ بال تھے جو ایک شاخ کی طرح تھے اس کے علاوہ آپ کے سینے یا پیٹ پر کوئی بال نہیں تھا۔

حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ کے پیٹ مبارک کا وصف بیان کرتے ہوئے فرمایا:

ما رأيت بطن رسول الله ﷺ الا ذكرت القراطيس المثنى بعضها على بعضها.

میں نے نبی ﷺ کے پیٹ مبارک کو یوں دیکھا جس طرح کاغذ ایک دوسرے پر لپٹے ہوئے ہوتے ہیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

كان صلى ﷺ ابيض كانما صيغ من فضة رجل الشعر مفاض البطن عظيم مشاش المنكبين.

نبی اکرم ﷺ سفید رنگ کے تھے گویا چاندی سے ڈھالے گئے ہوں بالوں میں کنگھی کی ہوئی پیٹ کشادہ سینہ کے برابر تھا اور کاندھوں کے جوڑ بڑے تھے۔

حضرت امام احمد رحمۃ اللہ حضرت محرش کعبی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے رات کے وقت جعرانہ سے عمرہ کیا تو میں نے آپ کی پشت کو دیکھا گویا وہ ڈھلی ہوئی چاندی ہے۔

(سنن نسائی رقم الحدیث: ۲۸۶۳ ج ۵ ص ۲۰۰ مسند احمد ج ۳ ص ۴۲۶ ۔ ج ۴ ص ۶۹ ۔ ج ۵ ص ۳۸۰)

امام بخاری رحمۃ اللہ نے روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ کے کاندھوں کے درمیان دوری تھی۔

یعنی آپ کا سینہ مبارک چوڑا تھا اور ابن سعد نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ''رحب الصدر'' کے الفاظ نقل کئے ہیں اس کا معنیٰ بھی کشادگی ہے یعنی سینہ مبارک کشادہ تھا۔

رسول اکرم ﷺ کا قلبِ اقدس [1]

قلب (دل) فواد کے اندر گوشت کا ایک لوتھڑا ہوتا ہے جو ایک رگ کے ساتھ لٹکا ہوتا ہے پس یہ فواد کے مقابلے میں خاص ہے اور قلب کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ دل مختلف خیالات اور ارادوں کے ساتھ بدلتا ہے اور قلب کا معنیٰ بھی الٹ پلٹ ہونا ہے شاعر کہتا ہے:

وما سمی الانسان الا لنسیہ ولا القلب الا انہ یتقلب

''انسان کو انسان اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ بھولتا ہے اور دل کو قلب کہنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ بدلتا رہتا ہے''۔

زمخشری نے کہا کہ یہ ''تقلب'' سے مشتق ہے اور یہ مصدر ہے اور یہ بہت زیادہ بدلتا ہے (اس لئے مصدر کے ساتھ تعبیر کیا گیا) کیا تم نہیں دیکھتے کہ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم ﷺ سے روایت کیا آپ نے فرمایا:

هذا القلب کمثل ریشة ملقاة بفلاة یقلبها الریح بطنا لظهر.

یہ دل ایک پر کی طرح ہے جو کسی صحرا میں پڑا ہوا ہو اسے ہوائیں پلٹ دیتی ہے کہ اوپر کا نیچے (اور نیچے کا اوپر) ہو جاتا ہے۔

(زمخشری نے) کہا کہ قلب اور فواد میں فرق یہ ہے کہ فواد قلب کا وسط (درمیان) ہوتا ہے اور اسے فواد اس لئے کہتے ہیں کہ وہ اس کو روشن کرتا ہے۔

جوہری نے قلب اور فواد کی ایک دوسرے سے وضاحت کی ہے زرکشی نے کہا کہ ان کے غیر کا قول زیادہ اچھا ہے یعنی فواد قلب کا پردہ ہے اور قلب اس کے اندر ایک دانہ اور سویداء ہے۔ [2]

اس فرق کی تائید نبی اکرم ﷺ کے اس ارشاد گرامی سے ہوتی ہے:

الین قلوبا وارق افئدة. [3] ان کے قلوب (دل) نرم اور افئدہ (دل) نازک ہیں۔

اور یہ بعض لوگوں کے اس قول سے زیادہ ہے کہ آپ لفظی اختلاف کی وجہ سے تکرار کے ساتھ لائے۔

(مطلب یہ ہے کہ یہ محض لفظی اختلاف نہیں بلکہ دونوں میں معنوی طور پر بھی فرق ہے)۔

امام راغب نے فرمایا کہ قلب سے وہ معانی مراد ہیں جو آپ کے ساتھ ہیں جیسے علم اور شجاعت۔

یہ بھی کہا گیا کہ جب اللہ تعالیٰ ''قلب'' کا ذکر فرماتا ہے تو اس سے عقل اور علم کی طرف اشارہ ہوتا ہے جیسے ارشاد خداوندی ہے:

---

1. (الشفاء شریف ج اص ۶۷)
2. حبہ (دانہ) اور سویداء کا مطلب یہ ہے کہ قلب کے درمیان میں ایک سیاہ لوتھڑا ہے کہا جاتا ہے ''اجعل ذلک فی سویداء قلبک'' یعنی قلب کے اندر رکھو۔ (زرقانی ج ۴ ص ۱۸۹)
3. اہل یمن کے بارے میں فرمایا کہ وہ تمہارے پاس اس طرح آئے کہ ان کے دل (قلوب) نرم اور دل (افئدہ) رقیق ہیں۔

إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَذِكْرَىٰ لِمَن كَانَ لَهُ قَلْبٌ. (ق: ۳۷)

بے شک اس میں اس شخص کے لئے نصیحت ہے جس کے پاس قلب (علم وعقل) ہو۔

اور جب لفظ صدر ذکر کیا جائے تو اس سے علم وعقل کے علاوہ دیگر قوتیں جیسے شہوت اور غضب وغیرہ بھی مراد ہوتی ہیں۔

بعض علماء نے فرمایا: کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کر کے اس کے لئے دل بنایا جس سے سمجھتا ہے اور وہ اس کے وجود کی اصل ہے جب اس کا دل درست ہوتا ہے تو اس کا تمام جسم درست ہوتا ہے اور جب اس کا دل خراب ہوتا ہے تو تمام جسم خراب ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے دل کو راز اور اخلاص کا مقام بنایا یعنی اللہ تعالیٰ اپنا راز جس بندے کے دل میں چاہتا ہے امانت کے طور پر رکھتا ہے۔

تو سب سے پہلا دل جس میں اللہ تعالیٰ نے اپنی امانت کو رکھا وہ نبی اکرم ﷺ کا قلب اقدس ہے کیونکہ آپ مخلوق میں سے سب سے افضل ہیں اور آپ کی صورت مبارکہ انبیاء کرام کی صورتوں میں سے سب سے آخر میں ظاہر کی گئی پس آپ ان (انبیاء کرام علیہم السلام) کے اول بھی ہیں اور آخر بھی۔

اور اللہ تعالیٰ نے دلوں کے اخلاق کو ان نفوس کے لئے اسرار قلوب پر علامات بنایا ہے پس جس کا دل اسرار الٰہیہ کا امین ہوگا اس کے اخلاق تمام مخلوق کے لیے عام ہوں گے۔[1]

اسی لئے اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ کے لئے ایک مخصوص جسم بنایا جو آپ کو تمام عالمین سے خاص کرتا ہے۔ پس آپ کے جسم اقدس کی خصوصی علامات ایسی نشانیاں ہیں جو آپ کے نفس شریف اور اخلاق عظیم پر دلالت کرتی ہیں۔

اور آپ کے اخلاق عظیم کی علامات آپ کے قلب مقدس کے راز کی دلیل ہیں۔ اور جب آپ کا قلب اقدس سب سے وسیع دل ہے تو اللہ تعالیٰ اس پر مطلع ہوا جیسا کہ حدیث میں ہے[2] تو زیادہ مناسب بات یہ ہے کہ یہی اس بندے کا دل ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

ما وسعنی ارضی ولا سمائی ووسعنی قلب عبدی المومن.

میں (یعنی مجھ پر ایمان اور میری محبت ومعرفت) میری زمین اور میرے آسمان کی وسعتوں میں نہیں آسکتا میں اپنے بندہ مومن کے دل میں سماتا ہوں۔

اور جب معراج سے پہلے نبی اکرم ﷺ کا کمال دیگر انبیاء کرام کی طرح تھا تو آپ کا سینہ مبارکہ تنگ تھا پس جب سینہ مبارکہ کھل گیا تو دل میں وسعت پیدا ہوگئی اور اللہ تعالیٰ نے آپ کے بوجھ اتار دیئے اور آپ کے ذکر کو بلند کیا۔

اور حدیث صحیح میں ثابت ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے آپ کے سینہ مبارکہ کو چاک کیا اور اس سے ایک لوتھڑا نکالا اور فرمایا یہ آپ کے پاس شیطان کا حصہ تھا پھر ایک سونے کے تھال میں زمزم کے پانی کے ساتھ دھویا پھر اسے بند کر

---

[1] اور وہ سب قوموں کو نہایت نرمی کے ساتھ سمجھائے گا اور سخت مزاج نہیں ہوگا جس طرح حضور ﷺ سے فرمایا کہ اگر آپ سخت مزاج تنگ دل ہوتے تو یہ لوگ آپ کو چھوڑ دیتے۔ (زرقانی ج ۴ ص ۱۸۹)

[2] اس حدیث کی سند معروف نہیں اور اسے اسرائیلی روایات سے قرار دیا گیا اور معنی یہ ہے کہ ایمان اور اللہ تعالیٰ کی محبت ومعرفت کے لئے دل کو وسیع کر دیا گیا ورنہ اللہ تعالیٰ جسم سے پاک ہے وہ دلوں میں نہیں اترتا۔ (زرقانی ج ۴ ص ۱۹۰)

کے اپنے مقام پر رکھ دیا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں آپ کے سینہ مبارکہ میں سلائی کا نشان دیکھا کرتا تھا۔
(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۶۱ مسند احمد ج ۳ ص ۱۲۱۔۱۳۹۔۲۸۸)

نبی اکرم ﷺ کی ذات کریمہ میں اس لوتھڑے کو پیدا کر کے پھر نکالا گیا کیونکہ اس کا تعلق اجزائے جسمانیہ سے ہے لہٰذا تخلیق انسانی کی تکمیل کے لئے اسے پیدا کیا گیا اور یہ ضروری تھا پھر اللہ تعالیٰ کے حکم سے اسے نکالا گیا یہ بات امام سبکی نے فرمائی ہے۔

امام احمد رحمۃ اللہ اور امام حاکم نے بیان کیا اور مؤخر الذکر نے اسے صحیح قرار دیا کہ آپ نے فرمایا پھر ان فرشتوں نے میرا قلب (دل) نکالا اور اس سے دو سیاہ لوتھڑے نکالے پھر ان میں سے ایک نے دوسرے سے کہا میرے پاس پانی اور برف لاؤ چنانچہ انہوں نے اس سے میرے اندر کو دھویا پھر کہا ٹھنڈا پانی لاؤ پس اس کے ساتھ میرے دل کو دھویا پھر کہا میرے پاس سکون لاؤ اور اسے میرے دل میں پھیلا دیا پھر ان میں سے ایک نے دوسرے سے کہا اس کی سلائی کر دو چنانچہ اس نے سی دیا اور اس پر مہر نبوت لگا دی۔ (مسند امام احمد ج ۴ ص ۱۸۴)

امام بیہقی کی روایت میں ہے کہ میرے پاس دو فرشتے آئے جو دو سارس (پرندوں) کی صورت میں تھے ان کے پاس برف اولے اور ٹھنڈا پانی تھا پس ان میں سے ایک نے میرا سینہ چاک کیا اور دوسرے نے اپنی چونچ سے اس میں ڈالا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! کس بات کے ساتھ آپ کی نبوت کا آغاز ہوا؟ آپ نے فرمایا: میں صحرا میں چل رہا تھا اور اس وقت میں دس سال کا تھا اچانک میں نے دو آدمیوں کو (انسانی صورت میں دو فرشتوں کو) اپنے قریب دیکھا ان میں سے ایک کہہ رہا تھا کیا یہ وہی ہے؟ دوسرے نے کہا ہاں وہی ہے پھر ان دونوں نے مجھے پکڑا اور مجھے پیٹھ کے بل لٹا کر میرے پیٹ کو چیرا ان میں سے ایک سونے کے تھال میں سے پانی ڈالتا تھا اور دوسرا میرے پیٹ کے اندر کو دھوتا تھا ان میں سے ایک نے دوسرے سے کہا ان کا سینہ پھاڑو تو میں نے دیکھا میرا سینہ پھاڑا گیا لیکن مجھے کوئی درد محسوس نہ ہوا پھر کہا ان کا دل پھاڑیں چنانچہ اس نے میرا دل (قلب) چیرا پھر کہا اس سے کینہ اور حسد نکال دیں۔ چنانچہ اس نے گوشت کے لوتھڑے جیسی چیز نکال کر پھینک دی پھر کہا ان کے دل میں مہربانی اور رحمت ڈالیں چنانچہ اس نے چاندی جیسی کوئی چیز داخل کی پھر خوشبو نکالی جو اس کے پاس تھی اور اسے اس پر چھڑکا اور میرے انگوٹھے پر مارا پس میں یوں واپس ہوا کہ میں چھوٹوں پر رحمت اور بڑوں پر مہربانی کے جذبہ سے سرشار تھا۔

اس حدیث کو حضرت عبد اللہ بن امام احمد رحمۃ اللہ نے "زوائد مسند میں" نیز ابو نعیم نے بھی روایت کیا اور کہا کہ اس میں معاذ راوی اپنے والد سے روایت کرنے میں اکیلے ہیں اور عمر مبارک کا ذکر بھی صرف انہوں نے کیا ہے۔ [1]

ابو نعیم کے نزدیک یہ حضرت یونس بن میسرہ کی روایت ہے اس میں اس طرح ہے کہ میرے اندر سے زائد چیزوں کو نکالا پھر اسے دھویا اور اس پر خوشبو چھڑکی پھر کہا مضبوط دل ہے اس میں جو کچھ واقع ہوگا وہ اسے یاد رکھے گا نیز اس میں دو آنکھیں اور دو کان ہیں جو سنتے ہیں اور آپ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ [2]

---

1. کیونکہ یہ ثقہ راوی ہیں لہٰذا ان کا تنہا ہونا نقصان دہ نہیں نیز اس حدیث کو ابن حبان اور حاکم نے صحیح قرار دیا۔
2. اگرچہ آپ نے اعلانِ نبوت چالیس سال کے بعد فرمایا لیکن جب آپ نے بچپن میں یہ عجیب حالت دیکھی تو معلوم ہو گیا کہ آپ کی ایک شان ہے چنانچہ وحی نازل ہونے پر آپ نے جان لیا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے شیطان کی طرف سے نہیں۔ (زرقانی ج ۴ ص ۱۹۲)

جو سب سے بعد میں آنے والے ہیں (قیامت کے دن) سب لوگ آپ کے قدموں میں اکٹھے ہوں گے آپ کامل حلیم زبان بھی نفس مطمئن اور جسم اعتدال پر ہے اور آپ تقی ہیں آپ کے شکم اطہر اور قلب مبارک کا شق کیا جانا آپ کے بچپن میں کئی بار ہوا اور یہ ارہاص کے طور پر تھا اور بعثت سے پہلے معجزہ کا ارہاص کے طور پر واقع ہونا جائز ہے اور رسول اکرم ﷺ کے لئے ایسے واقعات بے شمار ہیں۔

اور اس اعتراض کا جواب بھی یہی ہے کہ کہا جاتا ہے یہ کام آپ کے بچپن میں واقع ہوئے اور یہ معجزات ہیں جبکہ معجزات نبوت (اعلانِ نبوت) سے پہلے نہیں ہوئے۔ (تو یہی جواب ہے کہ یہ ارہاصات ہیں جو جائز ہیں)۔

اکثر اہلِ اصول نے فرمایا کہ معجزہ تب ہوتا ہے جب اس کے ساتھ نبوت کا دعویٰ پایا جائے جس طرح کتاب کے آغاز میں کہا گیا اور اس کی تحقیق ان شاء اللہ چوتھے مقصد میں آئے گی۔ ارشاد خداوندی ہے:

اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ ○ (الم نشرح:۱) کیا ہم نے آپ کا سینہ نہیں کھولا۔

سے یہی مراد ہے اور یہ بھی کہا گیا کہ آپ کے لیے جس کھولنے کا ذکر ہے اس سے معرفت و اطاعت مراد ہے پھر انہوں نے اس سلسلے میں کئی وجوہ ذکر کی ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ جب نبی اکرم ﷺ کو سرخ و سیاہ اور جنوں انسانوں کی طرف بھیجا گیا تو آپ کے قلب مبارک سے پریشانیوں کو دور کر دیا گیا اور آپ کا سینہ کشادہ کر دیا گیا تاکہ تمام امور کے لئے وسیع ہو اور اس میں کسی قسم کی پریشانی نہ ہو بلکہ پریشانی اور خوشی دونوں حالتوں میں سینہ مبارک کشادہ رہے اور آپ کو جن امور کا مکلف بنایا گیا وہ ان کی ادائیگی میں مشغول رہے۔

سوال: الم نشرح صدرک کیوں فرمایا (صدرک کی بجائے) قلبک کیوں نہیں فرمایا؟

جواب: وسوسوں کا مقام سینہ ہوتا ہے جیسے ارشاد خداوندی ہے:

يُوَسْوِسُ فِيْ صُدُوْرِ النَّاسِ ○ (الناس:۵) وہ جو لوگوں کے سینوں میں وسوسے ڈالتا ہے۔

تو ان وسوسوں کو زائل کرنا اور ان کو خیر کی طرف بلانے والے امور سے بدلنا ہی "شرح صدر" ہے اس لئے اس شرح کا تعلق صدر سے ہے قلب سے نہیں ہے۔

حضرت محمد بن علی ترمذی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں۔

دل عقل و معرفت کا محل ہے اور شیطان اسی کا قصد کرتا ہے وہ سینے کی طرف آتا ہے جو دل کا قلعہ ہے جب وہ کسی راستے میں داخل ہوتا ہے تو اس میں لوٹ مار کرتا ہے اور اس میں اپنا لشکر اتارتا ہے چنانچہ اس میں غموں، پریشانیوں اور حرص وغیرہ کو پھیلا دیتا ہے لہٰذا اس وقت دل تنگ ہو جاتا ہے اور عبادت میں لذت حاصل نہیں ہوتی اور نہ اسلام میں کوئی مٹھاس محسوس ہوتی ہے۔ اور جب شروع سے ہی دشمن کو پھینک دیا جائے تو امن حاصل ہو جاتا ہے، تنگی دور ہو جاتی ہے، سینہ کھل جاتا ہے اور عبادت کی ادائیگی آسان ہو جاتی ہے۔

ایک نکتہ

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی یہ دعا یوں نقل کی ہے:

رَبِّ اشْرَحْ لِيْ صَدْرِيْ. (طٰہٰ:۲۵) اے میرے رب میرے سینے کو کھول دے۔

اور ہمارے نبی کریم ﷺ کے بارے میں فرمایا:

اَلَمۡ نَشۡرَحۡ لَکَ صَدۡرَکَ ۝ (نشرح:۱) کیا ہم نے آپ کے لیے آپ کے سینے کو کھول نہیں دیا۔

تو نبی اکرم ﷺ کو سوال کے بغیر یہ اعزاز عطا ہوا پھر حضور علیہ السلام کا وصف یوں بیان فرمایا:

وَ سِرَاجًا مُّنِیۡرًا ۝ (الاحزاب:۴۶) اور آپ روشن چراغ ہیں۔

تو فرق ملاحظہ کیجئے سینے کی کشادگی یہ ہے کہ وہ نور کے قابل ہو جائے اور سراج منیر وہ ہے جس سے نور کا فیض حاصل کیا جائے اور یہ واضح فرق ہے۔

ابو علی دقاق رحمۃ اللہ فرماتے ہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام مرید تھے کہ عرض کیا:

رَبِّ اشۡرَحۡ لِیۡ صَدۡرِیۡ. (طٰہٰ:۲۵) اے میرے رب! میرے لئے میرے سینے کو کھول دے۔

اور ہمارے نبی اکرم ﷺ مراد ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اَلَمۡ نَشۡرَحۡ لَکَ صَدۡرَکَ ۝ کیا ہم نے آپ کے لیے آپ کا سینہ نہیں کھولا۔

نبی ﷺ کا ہم بستری کرنا[1]

آپ کے جماع کی حالت یہ تھی کہ آپ رات اور دن کی ایک ساعت میں اپنی ازواج مطہرات کے ہاں تشریف لے جاتے اور وہ گیارہ تھیں۔

راوی حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا کیا آپ کو اس کی طاقت تھی؟ انہوں نے فرمایا: ہم باہم گفتگو کرتے تھے کہ آپ کو تیس آدمیوں کی قوت عطا ہوئی ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۶۸_۲۸۴_۵۰۶۸_۵۲۱۵)

اسماعیلی نے اپنے مستخرج میں حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے چالیس افراد کی قوت کا ذکر کیا ہے' ابونعیم نے حضرت مجاہد سے روایت کیا کہ ان میں سے ہر شخص جنتی افراد میں سے ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے کہ آپ نے فرمایا: مؤمن کو جنت میں اتنی اتنی قوت عطا کی جائے گی۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا اسے اس کی طاقت ہوگی؟ آپ نے فرمایا: اسے ایک سو آدمیوں کے برابر طاقت دی جائے گی۔ (جامع ترمذی رقم الحدیث: ۲۵۳۶' اتحاف السادۃ المتقین ج ۱۰ص ۵۳۵' مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۵۶۳۶' تفسیر ابن کثیر ج ۸ ص ۱۱' کنز العمال رقم الحدیث: ۳۹۳۶۱)

امام ترمذی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں: یہ حدیث صحیح غریب ہے ہم اسے حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے صرف عمران القطان کی روایت سے جانتے ہیں۔

پس جب ہم چالیس کو ایک سو سے ضرب دیتے ہیں تو یہ چار ہزار کی تعداد بنتی ہے اس سے وہ اعتراض بھی دور ہو گیا

[1] (الشفاء شریف ج ۱ص ۷۸' طبقات ابن سعد ج ۱ص ۲۸۲)

کہ نبی اکرم ﷺ کو چالیس آدمیوں کے برابر قوت دی گئی جب کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو ایک سو یا ایک ہزار مردوں کے برابر قوت دی گئی (کیونکہ حضور ﷺ کو چار ہزار افراد کے برابر قوت حاصل ہوئی)۔

ابن عربی فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ کو جماع کے سلسلے میں مخلوق پر ظاہری قوت حاصل تھی جب کہ کھانے میں قناعت تھی تاکہ عام امور میں آپ کے لیے دو فضیلتیں جمع ہو جائیں جس طرح شرعی امور میں آپ کو دو قوتیں حاصل تھیں تاکہ دونوں جہانوں میں آپ کی حالت کامل ہو۔ اور نبی اکرم ﷺ رات کے وقت اپنی نو ازواج مطہرات کے پاس تشریف لے جاتے تھے۔

ایک روایت میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: حضرت جبریل علیہ السلام میرے پاس ایک ہنڈیا لے کر آئے تو میں نے اس سے کھایا چنانچہ مجھے چالیس مردوں کے برابر قوت جماع عطا کی گئی۔

(طبقات ابن سعد ج ا ص ۳۸۲' جمع الجوامع ص ۲۲۶' کشف الخفاء ج ا ص ۲۰۰' حلیۃ الاولیاء ج ۸ ص ۳۷۶' کنز العمال رقم الحدیث: ۳۳۸۵۱_۳۱۷۹۷_۳۱۸۹۶_۳۱۸۹۷_۳۲۳۲۸)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے حضرت جبریل علیہ السلام سے قلت جماع کی شکایت کی تو وہ مسکرائے حتی کہ جبریل علیہ السلام کے سامنے والے دانتوں کی چمک سے رسول اللہ ﷺ کی مجلس روشن ہو گئی انہوں نے عرض کیا آپ ہریسہ کیوں نہیں کھاتے اس میں چالیس آدمیوں کے برابر قوت ہے۔ [1]

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے مجھے ہریسہ کھلایا جس سے میری پشت مضبوط ہو گئی اور مجھے نماز پر قوت حاصل ہو گئی۔

حضرت جابر بن سمرہ' ابن عباس اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بھی اسی طرح مروی ہے۔

یہ تمام روایات کمزور ہیں بلکہ ابن ناصر الدین نے اپنی جزء (کتب حدیث کی ایک قسم) جس کا نام "رفع الدسیسہ بوضع حدیث الھریسہ" رکھا ہے' میں اس حدیث کو موضوع قرار دیا ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ کو چالیس سے زائد افراد (وہ بھی جنتی) کی قوت عطا کی گئی۔ اس حدیث کو حارث بن ابی اسامہ نے روایت کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کو احتلام سے محفوظ فرمایا تھا' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے فرمایا:

ما احتلم نبی قط و انما الاحتلام من الشیطان.

کسی نبی کو کبھی بھی احتلام نہیں ہوا احتلام تو شیطان کی طرف سے ہوتا ہے۔

قدم مبارک

نبی اکرم ﷺ کے قدم مبارک کا وصف اکثر محدثین نے یوں بیان کیا ہے کہ آپ "شثن القدمین" تھے یعنی آپ کی مبارک انگلیاں موٹی تھیں۔ (دلائل النبوۃ ج ا ص ۲۴۲' البدایۃ والنہایۃ ج ۶ ص ۲۴)

حضرت میمونہ بنت کردم رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا پس میں آپ کے مبارک

[1] گندم اور گوشت کو ملا کر ایک کھانا تیار کیا جاتا ہے اسے ہریسہ کہتے ہیں۔

پاؤں کی انگلیوں کو نہیں بھولی کہ انگوٹھے کے ساتھ والی انگلی باقی انگلیوں سے بڑی تھی۔

(مسند احمد ج ۶ ص ۳۶۶٬ مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۸۰٬ دلائل النبوۃ ج ۱ ص ۲۳۶)

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے پاؤں مبارک کی سب سے چھوٹی انگلی ظاہر میں بڑی نظر آتی تھی۔

لوگوں کی زبانوں پر یہ مشہور ہے کہ شہادت والی انگلی٬ درمیانی انگلی سے زیادہ لمبی تھی۔ حافظ ابن حجر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: کہنے والے سے غلطی ہوئی یہ بات آپ کے پاؤں مبارک کی انگلیوں کے بارے میں ہے۔

ہمارے شیخ (امام سخاوی رحمۃ اللہ) نے "المقاصد الحسنۃ میں" فرمایا جن لوگوں نے آپ کی ہاتھ کی انگشت شہادت کے لمبا ہونے کا قول کیا ہے ان کے امام کمال دمیری (محمد بن موسیٰ بن عیسیٰ بن علی الدمیری) ہیں لیکن یہ خطاء ہے جو مطلق روایت پر اعتماد کی وجہ سے پیدا ہوئی۔

(الاعلام ج ۷ ص ۱۱۸٬ مفتاح السعادۃ ج ۱ ص ۱۸۶٬ الضوء اللامع ج ۱۰ ص ۵۹٬ حسن المحاضرۃ ج ۱ ص ۲۰۷٬ روضات الجنات ج ۳ ص ۲۰۸٬ معجم المطبوعات رقم الحدیث: ۸۸۷)

دمیری کی عبارت اس طرح ہے۔

اسی طرح ابن ہارون نے عبداللہ بن مقسم سے انہوں نے مقسم کی صاحبزادی سارہ سے روایت کیا کہ انہوں نے میمونہ بنت کردم سے سنا انہوں نے خبر دی کہ انہوں نے نبی اکرم ﷺ کی انگلیوں کو اس طرح دیکھا۔

تو اس میں مطلق انگلیوں کا ذکر تھا جس سے انہوں نے درمیانی انگلی کو انگشتِ شہادت سے لمبا قرار دیا اور آپ کے ہاتھ مبارک کا تعین کیا کیونکہ مقصود اس وصف کا ذکر تھا جو حضور علیہ السلام کو دوسروں سے خاص کرتا ہے۔

لیکن مسند امام احمد میں یزید بن ہارون کی مذکورہ روایت پاؤں کے ساتھ مقید ہے اور اس کے الفاظ جیسا کہ پہلے بیان ہوئے٬ اس طرح ہیں کہ میں نے آپ کے پاؤں کی انگلیوں میں سے شہادت والی انگلی کا دوسری انگلیوں سے لمبا ہونا نہیں بھلایا۔

امام بیہقی رحمۃ اللہ نے "الدلائل میں" یزید بن ہارون کے طریق سے اسی طرح نقل کیا اس کے الفاظ اس طرح ہیں۔

میں نے رسول اللہ ﷺ کو مکہ مکرمہ میں دیکھا آپ اپنی اونٹنی پر تھے اور میں اپنے والد کے ہمراہ تھی میرے والد آپ کے قریب ہوئے اور انہوں نے آپ کا پاؤں مبارک پکڑا آپ نے اپنا پاؤں ٹھہرائے رکھا (تاکہ وہ دیکھ سکیں) وہ فرماتی ہیں پس میں آپ کے مبارک قدم سے شہادت والی انگلی کی دوسری انگلیوں پر لمبائی نہیں بھولی۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ جب قدم رکھتے تو پورا قدم رکھتے درمیان والا حصہ جھکا ہوا نہ ہوتا۔ (دلائل النبوۃ ج ۱ ص ۲۴۵)

حضرت ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ کے پاؤں کا درمیان والا حصہ جھکا ہوا نہ تھا ہوتا آپ پورے قدم پر زور ڈالتے۔

حضرت ابن ابی ہالہ فرماتے ہیں: "خمصان الاخمصین" یعنی پاؤں کا درمیان والا حصہ اٹھا ہوا تھا۔

ابن اثیر کہتے ہیں "الاخمص" قدم کا وہ (نچلا) حصہ جو چلتے وقت زمین پر نہیں لگتا اور "الخمصان" اس میں مبالغہ ہے یعنی آپ کے قدم مبارک کی وہ جگہ زمین سے زیادہ دور رہتی تھی۔

ابن اعرابی سے اس سلسلے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ اگر وہ جگہ جو زمین سے نہیں ملتی اس قدر ہو کہ بالکل نہ اٹھی ہو تو قدم کا نچلا حصہ برابر نہیں ہوگا اور یہ زیادہ اچھا ہے اور جب برابر ہو یا بہت اٹھا ہوا ہو تو یہ قابل مذمت ہوتا ہے تو معنی یہ ہوگا کہ آپ کے پاؤں کا نچلا حصہ اعتدال کے ساتھ تھا نہ تو بالکل زمین سے لگتا اور نہ زیادہ اٹھا ہوتا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ جب آپ قدم مبارک رکھتے تو پورے کا پورا پاؤں رکھتے درمیان میں خلا نہ ہوتا۔

"مسیح القدمین" کا مطلب یہ ہے کہ آپ کے پاؤں نرم تھے ان میں ٹوٹ پھوٹ یا شگاف نہ تھا جب ان پر پانی لگتا تو فوراً الگ ہو جاتا جس طرح ابن ابی ہالہ نے کہا ہے کہ اس سے پانی دور ہو جاتا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کا بھی یہی مفہوم ہے۔

حضرت عبداللہ بن بریدہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ سب سے زیادہ خوبصورت قدم والے تھے۔

رسول اکرم ﷺ کا قد مبارک [1]

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کا قد مبارک نہ تو چھوٹا تھا اور نہ زیادہ لمبا بلکہ لمبائی کے زیادہ قریب تھا۔ (دلائل النبوۃ ج ۱ ص ۲۵۰، البدایہ والنہایہ ج ۶ ص ۲۵)

امام بیہقی نے روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ زیادہ لمبے نہ تھے اور آپ درمیانے قد سے قدرے اوپر تھے جب قوم کے ساتھ ہوتے تو ان کو ڈھانپ لیتے (نمایاں ہوتے) اس حدیث کو حضرت عبداللہ بن امام احمد رحمۃ اللہ نے روایت کیا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ ربعہ تھے اور لمبائی کے زیادہ قریب تھے۔

مطلب یہ ہے کہ عام حالات میں درمیانہ قد تھا اور جب دوسروں میں موجود ہوتے تو طوالت کے قریب ہوتے اور سب میں نمایاں نظر آتے۔ ۱۲ ہزاروی

"ربعۃ" کا معنی "مربوع" ہے اور تانیث نفس کے اعتبار سے ہے (نفس مؤنث ہے) اور آنے والی حدیث میں وضاحت کی گئی ہے کہ آپ نہ تو زیادہ لمبے تھے اور نہ چھوٹے قد کے تھے اور زیادہ لمبے (الطویل البائن) سے مراد یہ کہ لمبائی حد سے بڑھی ہوئی ہو اور قد ادھر ادھر ڈھلکتا ہو۔

ابن ابی ہالہ نے کہا کہ آپ کا قد مبارک "مربوع" سے لمبا اور "مشذب" سے چھوٹا تھا یعنی آپ دبلے پتلے بہت زیادہ لمبے قد کے نہ تھے جس طرح دوسری حدیث میں کہ آپ "الطویل الممغط" نہیں تھے۔

"ممغط" انتہائی لمبے قد والے کو کہتے ہیں جب دن لمبا ہو جائے تو کہا جاتا ہے "امغط النہار" اسی طرح جب تم رسی کو

---

[1] (دلائل النبوۃ ج ۱ ص ۲۵۰، البدایہ والنہایہ ج ۶ ص ۲۵)

کھینچو تو کہتے ہو"مغلطت الحبل" میں نے رسی کو کھینچا اصل میں یہ "منغط" تھا نون کو میم سے بدل کر ادغام کیا "مغط" ہو گیا (غین کی بجائے) عین کے ساتھ بھی ہے دونوں کا ایک ہی معنیٰ ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نہ تو حد سے زیادہ لمبے تھے اور نہ حد سے زیادہ چھوٹا قد تھے جب آپ اکیلے چلتے تو "الربعۃ" کی طرف منسوب ہوتے (یعنی درمیانہ قد) اور جب دوسرے لوگوں کے ساتھ چلتے تو ان میں سے جو لمبا ہوتا آپ اس سے لمبے قد والے ہوتے بعض اوقات دو لمبے قد والوں کے ساتھ چلتے تو آپ ان دونوں سے زیادہ لمبے معلوم ہوتے اور جب آپ الگ ہوتے تو درمیانے قد والے ہوتے۔

ابن سبع نے "الخصائص میں" یہ اضافہ کیا کہ جب آپ تشریف فرما ہوتے تو آپ کے کاندھے مبارک تمام اہل مجلس سے بلند ہوتے۔

ابن ابی ہالہ نے آپ کے وصف میں لکھا کہ آپ "بادن متماسک" تھے یعنی آپ کے اعضاء مبارک اعتدال پر تھے گویا بعض اعضاء دوسرے بعض کو روکے ہوئے ہیں۔

بال مبارک

آپ کے مبارک بالوں کے بارے میں حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: کہ میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے حضور علیہ السلام کے بالوں کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا: آپ کے بال دو قسم کے بالوں کے درمیان تھے نہ تو بالکل سیدھے تھے اور نہ ہی بالکل گھنگریالے تھے' آپ کے بال کانوں اور کاندھوں کے درمیان رہتے تھے۔ [1] (البدایۃ والنہایۃ ج۶ ص۲۱' طبقات ابن سعد ج۱ ص۳۲۹' دلائل النبوۃ ج۱ ص۲۱۹' صحیح البخاری رقم الحدیث:۵۹۰۵_۵۹۰۶' صحیح مسلم رقم الحدیث:۹۳_۱۱۳' موطا رقم الحدیث:۱' جامع ترمذی رقم الحدیث:۱۷۵۴' مسند احمد ج۳ ص۱۳۵_۲۰۳_۲۳۰)

امام بخاری اور امام مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ آپ کے بال قدرے گھنگریالے تھے نہ بالکل سیدھے اور نہ بالکل گھنگریالے۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ کانوں کے نصف تک تھے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث:۹۶' سنن ابی داؤد رقم الحدیث:۴۱۸۶' صحیح البخاری رقم الحدیث:۵۹۰۱' سنن نسائی ج۸ ص۱۳۳' مسند احمد ج۳ ص۱۱۳_۱۶۵)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: میں اور نبی اکرم ﷺ ایک ہی برتن سے غسل کرتے تھے اور آپ کے بال کانوں کی لو سے ذرا اوپر تک تھے۔ (جمہ سے اوپر اور وفرہ سے نیچے) وفرہ وہ بال جو کانوں کی نرم جگہ (لو) تک پہنچتے ہوں (اور جمہ جو اس سے ذرا کم ہوں)۔ (جامع ترمذی رقم الحدیث:۱۷۵۵' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۳۶۳۵' سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۴۱۸۷)

ابن ابی الدنیا نے بھی کہا کہ آپ کے بال تھوڑے تھوڑے گھنگریالے تھے بالکل سیدھے اور بالکل گھنگریالے نہ تھے اگر خود بخود مانگ نکل جاتی تو آپ مانگ نکالتے ورنہ چھوڑ دیتے آپ کے بال کاندھوں کی لو سے تجاوز کرتے تو وہ ایک ہی مینڈھی کی شکل میں ہوتے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ اپنے بال کھلے لٹکے ہوئے چھوڑتے تھے' مشرکین

---

[1] جب کنگھی کرتے تو کاندھوں تک آجاتے اور کنگھی کے بغیر کاندھوں سے اوپر رہتے تھے۔

سروں میں مانگ نکالتے تھے جب کہ اہل کتاب کھلے چھوڑتے تھے اور آپ ان باتوں میں اہل کتاب کی موافقت پسند فرماتے تھے جن میں آپ کو کوئی حکم نہ دیا گیا پھر آپ نے سر انور میں مانگ نکالنا شروع کر دی۔
(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۹۱۷)

بالوں کو کھلا چھوڑنے سے مراد یہ ہے کہ ان کو پیشانی پر کھلا چھوڑنا اور گوندھے ہوئے بالوں کی طرح رکھنا۔

اور فرق کا معنی بالوں کو ایک دوسرے سے جدا کرنا یعنی مانگ نکالنا ہے۔علماء کرام فرماتے ہیں بالوں میں مانگ نکالنا سنت ہے کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے اسی طریقے کی طرف رجوع فرمایا اور صحیح بات یہ ہے کہ مانگ نکالنا اور کھلے چھوڑنا دونوں طرح جائز ہے لیکن مانگ نکالنا سنت ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے بال کانوں کی لو سے کچھ اوپر تھے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ کانوں تک تھے۔

حضرت براء رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ کاندھوں کو چھوتے تھے۔

حضرت ابو رمثہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ کاندھوں تک پہنچتے تھے

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۷ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۹۵ سنن نسائی رقم الحدیث: ۶۰ ج ۸ ص ۱۸۳ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۱۸۳)
(کتفیہ یا منکبیہ فرمایا مفہوم ایک ہی ہے)۔

ایک روایت میں ہے کہ کاندھوں تک بالوں والوں میں سے کسی کو آپ سے زیادہ حسین نہیں دیکھا۔
(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۹۳ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۱۸۳ جامع ترمذی رقم الحدیث: ۱۷۲۴ سنن نسائی رقم الحدیث: ۶۰ ج ۸ ص ۱۸۳)

جمہ وہ بال جو کاندھوں کی طرف اتریں اور وفرہ جو کانوں کی لو تک اتریں اور اللمۃ وہ جو کاندھوں تک ہوں۔

حضرت قاضی عیاض رحمۃ اللہ فرماتے ہیں: ان روایات کو یوں جمع کیا جا سکتا ہے کہ جو کانوں سے ملے ہوتے تھے وہ کانوں کی لو تک پہنچتے تھے اور جو اس کے پیچھے ہوتے وہ کاندھوں تک پہنچتے۔

وہ فرماتے ہیں: یہ بھی کہا گیا کہ یہ مختلف اوقات کی بات ہے جب آپ ان کو چھوٹے نہ کراتے تو کاندھے تک پہنچتے۔اور جب چھوٹے کرواتے تو کانوں کے نصف تک پہنچتے تو اس طرح کبھی لمبے اور کبھی چھوٹے ہوتے تھے۔

حضرت ام ہانی بنت ابی طالب رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ مکہ مکرمہ میں ہمارے ہاں تشریف لائے تو آپ کے بال چار مینڈھیوں کی صورت میں تھے۔(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۱۹۱)

صحیح مسلم میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی داڑھی مبارک میں چند بال سفید تھے۔

امام مسلم کی ہی ایک اور روایت میں ہے کہ (آپ کے بالوں میں) سفیدی کم دیکھی گئی۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اگر میں چاہوں تو حضور ﷺ کے سر مبارک میں سفید بالوں کو گن سکتا ہوں جن پر آپ نے خضاب نہیں لگایا تھا انہی سے ہے کہ آپ نے خضاب نہیں لگایا آپ کی داڑھی مبارک، کنپٹیوں اور سر میں چند متفرق بال سفید تھے۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ ان سفید بالوں نے آپ کے حسن میں فرق نہیں ڈالا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۸۹۴۔۵۸۹۵، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۰۱۔۱۰۲۔۱۰۳۔۱۰۴۔۱۰۵، مسند احمد ج ۳ ص ۱۹۸۔ ۲۱۶۔ ۲۲۳۔۲۲۷۔۲۶۴۔۲۶۶۔ ج ۳ ص ۱۹۰۔ ج ۵ ص ۹۰۔۹۲۔۱۰۰۔۱۰۳)

شیخ عبدالجلیل نے ''شعب الایمان میں'' فرمایا: اوران سے فاکہانی نے نقل کیا کہ اس کی وجہ یہ تھی کہ عورتیں عام طور پر سفید بالوں کو پسند نہیں کرتیں اور جو آدمی حضور ﷺ سے کسی بات کو ناپسند کرے وہ کافر ہے۔

''نہایہ میں'' فرمایا: کہ یہاں حدیث میں سفیدی کو عیب قرار دیا گیا حالانکہ یہ عیب نہیں کیونکہ حدیث شریف میں ہے کہ یہ وقار اور نور ہے اور سفید بالوں کی تعریف کی گئی تو حضرت انس رضی اللہ عنہ کی طرف سے اسے عیب قرار دینا بالخصوص حضور ﷺ کے حق میں 'عجیب بات ہے۔

دونوں قسم کی احادیث کو یوں جمع کرنا ممکن ہے کہ جب نبی اکرم ﷺ نے (حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے والد) حضرت ابوقحافہ کو دیکھا کہ ان کے سر میں سفید بال ہیں (جو ثغامہ بوٹی کی طرح ہیں) تو ان کو بدلنے کا حکم دیا اور ناپسند فرمایا اسی لئے فرمایا سفیدی کو بدل دو۔ (جامع ترمذی رقم الحدیث: ۱۷۵۲، سنن نسائی ج ۸ ص ۱۳۷، مسند احمد ج ۱ ص ۱۶۵۔ ج ۲ ص ۲۶۱۔ ج ۳ ص ۲۴۷، المستدرک ج ۳ ص ۲۴۵، السنن الکبریٰ ج ۷ ص ۳۱۱، اتحاف السادۃ المتقین ج ۲ ص ۴۲۰، الدر المنثور ج ۱ ص ۱۱۵، المعجم الصغیر ج ۱ ص ۱۷۲، کنز العمال رقم الحدیث: ۱۷۳۱۷۔۱۷۳۲۹)

پس جب حضرت انس رضی اللہ عنہ کو آپ کی اس عادت کا علم تھا تو انہوں نے اس قول کی بنیاد پر فرمایا کہ سفید بالوں کی وجہ سے آپ کے حسن میں فرق نہیں پڑا اور انہوں نے اس بات کو آپ کی رائے پر محمول کیا اور دوسری حدیث منسوخ ہو سکتا ہے ان میں سے ایک حدیث دوسری حدیث کے لئے ناسخ ہو۔

''صحیح مسلم میں'' حضرت ابوجحیفہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: کہ میں نے نبی اکرم ﷺ کو دیکھا اور آپ کے یہ بال سفید تھے راوی نے اپنی انگلی داڑھی کی بچی پر رکھی۔

امام بیہقی رحمۃ اللہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ اللہ تعالیٰ نے سفید بالوں کی وجہ سے آپ کے حسن کو نہیں بدلا۔ آپ کے سر انور اور داڑھی مبارک میں صرف سترہ یا اٹھارہ بال سفید تھے۔

حضرت ابوجحیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ کے سفید بال سیاہ بالوں میں ملے ہوئے تھے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۵۴۴)

''صحیح بخاری و مسلم میں'' حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ہے کہ انہوں نے نبی اکرم ﷺ کو زرد رنگ کا خضاب لگائے ہوئے دیکھا۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث ۲۵، صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۵۱۴۔۱۶۶۔۱۵۵۲۔۱۶۰۹۔۲۸۶۵۔۵۸۵۱، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۷۷۲)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے سفید بال تقریباً بیس تھے۔

امام ترمذی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ تو بوڑھے ہو گئے ہیں۔ آپ نے فرمایا مجھے سورہ ہود، سورہ واقعہ، سورہ المرسلات، سورہ عم یتساءلون اور ''اذا الشمس

کورت'' نے بوڑھا کر دیا ہے۔[1]

(جامع ترمذی رقم الحدیث:۳۲۹۷،المستدرک ج۲ص۳۴۳،دلائل النبوۃ ج۱ص۳۵۸،مجمع الزوائد ج۷ص۳۷،اتحاف السادۃ المتقین ج۶ص۵۵۰۔ج۱۰ص۲۶۱،مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث:۵۳۵۴،الدر المنثور ج۳ص۳۱۹،کنز العمال رقم الحدیث:۲۵۸۸)

امام ترمذی رحمۃ اللہ نے ہی حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا کہ نبی اکرم ﷺ کے سر انور میں چند بال چوٹی پر سفید تھے جب تیل لگاتے وہ چھپ جاتے۔

امام بیہقی رحمۃ اللہ کی روایت میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی داڑھی مبارک سیاہ اور بال خوبصورت تھے۔

اس سلسلے میں علماء کرام کا اختلاف ہے کہ کیا حضور علیہ السلام نے خضاب لگایا یا نہیں؟

حضرت قاضی عیاض رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ اکثر علماء نے منع کیا ہے اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی مذہب ہے۔

امام نووی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں مختار یہ ہے کہ آپ نے کبھی کبھی لگایا لیکن زیادہ وقت چھوڑے رکھا لہٰذا جس نے جو حالت دیکھی اسے بیان کیا اور وہ سچا ہے فرماتے ہیں یہ تاویل متعین کی طرح ہے۔

پس حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما جو صحیح بخاری و مسلم میں ہے اسے چھوڑنا اور اس کی تاویل ممکن نہیں۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۴۰۶۳-۴۲۱۰،سنن نسائی رقم الحدیث:۶۵)

آپ کے بالوں میں کس قدر سفیدی تھی اس سلسلے میں روایات مختلف ہیں پس ان کو جمع کرنے کی صورت یہی ہے کہ سفیدی کم تھی لہٰذا جس نے سفیدی کو ثابت کیا اس نے تھوڑے بالوں کو دیکھا اور جس نے نفی کی اس کی مراد یہ ہے کہ زیادہ بال سفید نہ تھے جس طرح دوسری روایت میں فرمایا: کہ سفیدی بہت کم دیکھی گئی۔

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کے سر انور کے اگلے حصے اور داڑھی مبارک میں سفید اور سیاہ بالوں کی آمیزش تھی جب آپ تیل لگاتے تو سفیدی نظر نہ آتی۔ اور جب بال بکھرتے تو سفیدی نظر آتی اور آپ کی داڑھی مبارک کے بال زیادہ تھے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ سر انور میں اکثر تیل لگاتے اور داڑھی میں کنگھی کرتے۔

ابن ابی ہالہ نے آپ کا وصف بیان کیا کہ آپ کی گردن کے نیچے سے ناف تک بالوں کی لکیر تھی اس کے علاوہ بال نہیں تھے۔ اور آپ کے بازوؤں' کاندھوں اور سینے کے اوپر والے حصوں پر بال زیادہ تھے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: کہ میں نے رسول اکرم ﷺ کو دیکھا کہ حجام آپ کے بال مونڈ رہا تھا اور صحابہ کرام آپ کے گرد تھے اور آپ کا ہر بال کسی نہ کسی صحابی کے ہاتھ میں گرتا تھا۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث:۷۵)

ان شاء اللہ حجۃ الوداع کے بیان میں آپ کے سر انور کے بال مونڈوانے کا ذکر ہوگا۔

اور میرے علم کے مطابق یہ بات مروی نہیں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے حج اور عمرہ کی ادائیگی کے علاوہ سر منڈوایا ہو۔ پس بالوں کو سر پر باقی رکھنا سنت ہے اور اس بات کا علم ہونے کے باوجود اس کے منکر کو ادب سکھانا ضروری ہے اور جو شخص

[1] چونکہ ان سورتوں میں سعادت مندوں' بدبختوں اور احوال قیامت کا ذکر ہے اس لئے آپ امت کے بارے میں سوچتے رہتے تھے جب ان سورتوں کی تلاوت فرماتے۔ ۱۲ ہزاروی

بال نہ رکھ سکتا ہو اس کے لئے ان کو دور کرنا جائز ہے۔ [1]

اور میں نے ذی قعدہ ۸۹۷ھ میں شیخ ابو حامد المرشدی کے پاس ایک بال دیکھا جس کے بارے میں مشہور تھا کہ وہ نبی اکرم ﷺ کا بال مبارک ہے میں نے مقام ابراہیم کے پاس کھڑے ہونے والے امام مقری خلیل العباسی کے ہمراہ اس کی زیارت کی ہے اور اللہ تعالیٰ ہی ان کے احسان کا بدلہ عطا فرمائے۔

حضرت محمد بن سیرین رحمۃ اللہ فرماتے ہیں: کہ میں نے حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ سے کہا کہ ہمارے پاس نبی اکرم ﷺ کا بال مبارک ہے جو ہمیں حضرت انس رضی اللہ عنہ یا (فرمایا) ان کے گھر والوں سے حاصل ہوا ہے تو انہوں نے فرمایا اگر میرے پاس نبی اکرم ﷺ کا بال مبارک ہو تو مجھے یہ بات دنیا اور اس کی تمام دولت سے بڑھ کر پسند ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۷۰۔۱۷۱)

حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ ان کے دادا (رضی اللہ عنہم) سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ اپنی داڑھی مبارک کی چوڑائی اور لمبائی سے بال کاٹتے تھے۔ اس حدیث کو امام ترمذی رحمۃ اللہ نے روایت کیا اور فرمایا یہ حدیث غریب ہے۔ [2] (جامع ترمذی رقم الحدیث: ۲۷۶۲، اخلاق النبوۃ رقم الحدیث: ۲۸۲)

امام ترمذی رحمۃ اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا اور اسے حسن قرار دیا کہ نبی اکرم ﷺ مونچھوں کو کاٹتے تھے۔

(جامع ترمذی رقم الحدیث: ۲۷۶۰، الدر المنثور ج ۱ ص ۱۱۲، تفسیر قرطبی ج ۲ ص ۱۰۵، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۸ ص ۳۷۹)

امام ترمذی رحمۃ اللہ نے ہی حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا جو شخص اپنی مونچھیں نہیں کاٹتا وہ ہم میں سے نہیں۔ (جامع ترمذی رقم الحدیث: ۲۷۶۱، سنن نسائی ج ۸ ص ۱۲۹، مسند احمد ج ۴ ص ۳۶۶۔۳۶۸، المعجم الکبیر ج ۵ ص ۲۰۸، اتحاف السادۃ المتقین ج ۲ ص ۴۱۱۔۴۱۳، المعجم الصغیر ج ۱ ص ۱۰۰، مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۴۴۳۸، کشف الخفاء ج ۲ ص ۳۳۰، الدر المنثور ج ۱ ص ۱۱۲، شرح السنۃ ج ۱۲ ص ۱۰۸، کنز العمال رقم الحدیث: ۱۷۲۳۲)

"صحیح بخاری و مسلم میں" ہے کہ (نبی اکرم ﷺ نے فرمایا):

خالفوا المشرکین و فروا اللحی و احفوا الشوارب.
مشرکین کی مخالفت کرو (یعنی) داڑھیاں بڑھاؤ اور مونچھوں کو پست کرو۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۵۴، جامع ترمذی رقم الحدیث: ۲۷۶۳، صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۸۹۳۔۵۸۹۳، سنن نسائی ج ۱ ص ۱۶، مسند احمد ج ۲ ص ۱۶۔۵۲۔۲۲۹۔۳۶۹، المعجم الصغیر ج ۲ ص ۱۷، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۸۳، مسند ابی عوانہ ج ۱ ص ۱۸۸، کنز العمال رقم الحدیث: ۱۷۲۱۷)

---

[1] مطلب یہ ہے کہ کسی مجبوری کے تحت بال نہ رکھ سکتا ہو لیکن سنت کا منکر نہ ہو تو کوئی حرج نہیں لیکن بال رکھنے کو سنت نہ سمجھتا ہو تو وہ گناہ گار ہے۔ ۱۲ہزاروی

[2] نبی اکرم ﷺ نے ہر کام میں اعتدال کو پسند فرمایا اس لئے داڑھی میں بھی اعتدال ہے لہٰذا ایک قبضہ (مٹھی) بھر داڑھی سنت ہے اور علماء کرام نے ایسے لوگوں کو بیوقوف قرار دیا جو حد سے زیادہ لمبی داڑھی رکھتے ہیں کیونکہ ہر کام میں درمیانی راہ اختیار کرنا بہتر ہے امام زرقانی نے اس پر تفصیلاً گفتگو کی ہے ملاحظہ کیجئے۔ (زرقانی ج ۴ ص ۲۱۱)

مونچھوں کو کاٹنے اور مونڈنے میں اختلاف ہے کہ ان میں سے کونسا طریقہ افضل ہے؟

موطأ میں ہے کہ مونچھوں کے بال اس قدر کاٹے جائیں کہ ہونٹ کا کنارہ ظاہر ہو جائے۔

ابن عبدالحکم نے حضرت امام مالک رحمۃ اللہ سے نقل کیا وہ فرماتے ہیں مونچھوں کو پست کیا جائے اور داڑھی کو بڑھایا جائے اور مونچھوں کا مونڈنا مراد نہیں اور میں نے دیکھا کہ مونچھیں مونڈنے والے کو جھڑکا جاتا تھا۔[1]

حضرت اشہب فرماتے ہیں: کہ مونچھیں منڈوانا بدعت ہے انہوں نے فرمایا میرا خیال یہ ہے کہ ایسا کرنے والے کو سزا دی جائے۔

حضرت امام نووی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں: مختار بات یہ ہے کہ مونچھوں کو کاٹے حتی کہ ہونٹ کا کنارہ ظاہر ہو جائے جڑ سے ہی نہ مونڈے۔

حضرت امام طحاوی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں: ہم نے حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ سے اس سلسلے میں کوئی واضح بات نہیں پائی۔

حضرت امام ابوحنیفہ اور ان کے صاحبین (حضرت امام ابویوسف اور حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہما) کے نزدیک سر کے بال اور مونچھیں کاٹنے کی بجائے ہلکی کرنا افضل ہے۔

حضرت امام احمد رحمۃ اللہ کے بارے میں "الاثرم" فرماتے ہیں: میں نے دیکھا کہ وہ بڑی شدت کے ساتھ مونچھوں کو پست کرتے تھے۔

مونچھوں کو کاٹنے کی کیفیت کے بارے میں اختلاف ہے کہ آیا ان کے دونوں کناروں کو بھی کاٹا جائے یا ان کو چھوڑا جائے جیسا کہ بہت سے لوگ کرتے ہیں۔

تو حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ نے "احیاء العلوم میں" فرمایا: کہ مونچھوں کے کناروں کو باقی رکھنے میں کوئی حرج نہیں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور دیگر حضرات نے یہ طریقہ اختیار کیا تھا۔

کیونکہ اس سے منہ ڈھانپا نہیں جاتا اور نہ اس میں کھانے کی چربی وغیرہ باقی رہتی ہے کیونکہ وہ وہاں تک نہیں پہنچتا۔

حضرت امام ابوداؤد رحمۃ اللہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ ہم مونچھوں کے کناروں کو حج اور عمرہ کے علاوہ کاٹ دیتے تھے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث ۴۲۰۱)

بعض علماء نے ان کو باقی رکھنا مکروہ قرار دیا ہے کیونکہ اس میں عجمیوں بلکہ مجوسیوں اور اہل کتاب سے مشابہت ہے اور یہ بات درستگی کے زیادہ لائق ہے کیونکہ ابن حبان نے اپنی صحیح میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ کے سامنے مجوسیوں کا ذکر کیا گیا تو آپ نے فرمایا: وہ مونچھوں کے کناروں کو بڑھاتے اور داڑھی منڈواتے ہیں پس ان کی مخالفت کرو۔ پس آپ مونچھوں کے کناروں کو اس طرح کاٹتے تھے جس طرح بکری یا اونٹ کے بال کاٹے جاتے ہیں۔ (السنن الکبریٰ ج ۱ص ۱۵۱ اتحاف السادۃ المتقین ج ۲ص ۴۰۹ حلیۃ الاولیاء ج ۴ص ۹۴ فتح الباری ج ۱۰ص ۳۳۶)

حضرت امام احمد رحمۃ اللہ نے اپنی مسند میں حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کے ضمن میں نقل کیا (کہ وہ فرماتے ہیں) ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! اہل کتاب اپنی عثانین (داڑھیاں) کاٹتے اور مونچھوں کے کنارے

[1] امام زرقانی نے فرمایا اس جھڑکنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ طریقہ اختیار کرنا مجوسیوں سے مشابہت ہے۔ (زرقانی ج ۴ص ۲۱۲)

بڑھ جاتے ہیں تو آپ نے فرمایا مونچھوں کے کنارے کاٹو اور اپنی داڑھیاں بڑھاؤ اور (یوں) اہل کتاب کی مخالفت کرو۔

(مسند احمد ج ۵ ص ۲۶۵ ' الدر المنثور ج ۳ ص ۹۷ ' مجمع الزوائد ج ۵ ص ۱۳۱ ' المغنی ج ۱ ص ۱۴۰ ' کنز العمال رقم الحدیث: ۱۷۲۵۷)

"شرح تقریب الاسانید" میں ہے کہ عثانین عثنون کی جمع ہے اور یہ لفظ داڑھی کے لئے بولا جاتا ہے۔

زیرناف بال

زیرناف بالوں کے بارے میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ چونے سے اکھیڑتے نہیں تھے بلکہ جب یہ بال زیادہ ہو جاتے تو آپ ان کو مونڈتے تھے۔ لیکن اس کی سند ضعیف ہے۔

(السنن الکبریٰ ج ۱ ص ۱۵۲ ' حاوی الفتاوی ج ۱ ص ۵۲۵۔۵۲۹ ' شرح السنہ ج ۱۲ ص ۱۱۳ ' فتح الباری ج ۱۰ ص ۳۴۴ ' الدر المنثور ج ۱ ص ۱۱۴ ' تفسیر قرطبی ج ۲ ص ۱۰۱ ' اخلاق النبوۃ رقم الحدیث: ۵۷ ' تاریخ اصبہان ج ۱ ص ۳۳۱)

امام ابن ماجہ اور امام بیہقی رحمۃ اللہ نے جو حدیث نقل کی ہے اس کے راوی ثقہ ہیں لیکن اس میں ارسال (راوی چھوٹنے) کی علت ہے۔

امام احمد رحمۃ اللہ نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی اس حدیث کو صحیح تسلیم نہیں کیا (جس میں انہوں نے فرمایا) کہ نبی اکرم ﷺ (زائد) بالوں کو صاف کرنا چاہتے تو زیرناف بالوں سے ابتدا کرتے اور ان کو چونے سے صاف کرتے اور جسم کے باقی حصے سے آپ کی زوجہ بالوں کو صاف کرتی تھیں۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۷۵۱۔۳۷۵۲ ' حاوی الفتاوی ج ۱ ص ۵۲۴۔ص ۵۲۵ ' کنز العمال رقم الحدیث: ۱۸۳۱۴)

وہ حدیث جس میں مذکور ہے کہ نبی اکرم ﷺ جحفہ کے حمام میں داخل ہوئے تو یہ حدیث ان تمام لوگوں کے نزدیک موضوع ہے جو حدیث کی معرفت رکھتے ہیں جیسا کہ حافظ ابن کثیر نے فرمایا بلکہ عرب کے لوگوں کو اپنے ملک میں حمام کی پہچان نبی اکرم ﷺ کے وصال کے بعد ہوئی۔

حضرت امام بیہقی رحمۃ اللہ نے حضرت ابو جعفر باقر رحمۃ اللہ کی مرسل روایت سے نقل کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ اپنے ناخنوں اور مونچھوں کو جمعۃ المبارک کے دن کاٹنا اچھا سمجھتے تھے۔

(اتحاف السادۃ المتقین ج ۲ ص ۴۰۹ ' اخلاق النبوۃ ص ۲۵۷)

اس حدیث کی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے متصل سند کے ساتھ مروی حدیث شاہد ہے لیکن اس کی سند ضعیف ہے اسے بھی حضرت امام بیہقی رحمۃ اللہ نے "شعب الایمان میں" نقل کیا ہے۔

اس سلسلے میں حضرت امام احمد رحمۃ اللہ سے پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا: جمعہ کے دن زوال سے پہلے سنت ہے ان سے ایک روایت میں جمعرات کا ذکر ہے اور ایک روایت میں وہ فرماتے ہیں: کہ (انسان کو) اختیار ہے۔

حافظ ابو الفضل ابن حجر رحمۃ اللہ نے فرمایا: کہ ایسی ہر بات پر اعتماد ہے وہ جس طرح بھی ضرورت محسوس کرے وہی مستحب ہے۔

انہوں نے فرمایا: کہ جمعرات کے دن ناخن کاٹنے کے استحباب کے سلسلے میں کوئی حدیث نہیں اسی طرح اس کی کیفیت کے بارے میں بھی کوئی بات ثابت نہیں اور نہ ہی نبی اکرم ﷺ سے کسی دن کی تعیین ثابت ہے۔

اور جو عبارت حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور پھر حضرت شیخ ابن حجر رحمۃ اللہ کی طرف منسوب ہے اس کے بارے میں ہمارے شیخ (علامہ سخاوی رحمۃ اللہ) نے فرمایا کہ وہ باطل ہے۔

ناخن کاٹنے سے مراد ناخنوں کے اس حصے کو زائل کرنا ہے جو انگلیوں کے سروں سے ملا ہوتا ہے کیونکہ اس کے نیچے میل جمع ہوتی ہے پس اس سے گھن آتی ہے اور بعض اوقات اس حد تک پہنچ جاتی ہے کہ اس کے نیچے تک پانی نہیں پہنچتا جب کہ اس کا دھونا فرض ہوتا ہے۔

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ کے اصحاب سے اس سلسلے میں دو وجہ منقول ہیں۔

حضرت المتولی (میم پر پیش تاء اور واو پر زبر اور لام کے نیچے زیر ہے حضرت امام شافعی کے مقلد ہیں) نے قطعی طور پر فرمایا کہ اس صورت میں وضو صحیح نہیں ہوتا اور حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ نے قطعی طور پر فرمایا کہ اس قسم کی صورت معاف ہوتی ہے۔

حضرت امام طبرانی رحمۃ اللہ نے "الاوسط میں" حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ اپنی مسواک اور کنگھی جدا نہیں کرتے تھے (ہمیشہ اپنے پاس رکھتے تھے) اور جب داڑھی مبارک کو کنگھی کرتے تو آئینے میں دیکھتے۔ (مجمع الزوائد ج ۹ ص ۲۲۔ فتح الباری ج ۱۰ ص ۴۳۹)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے پاس ایک سرمہ دانی تھی جس میں سے ہر رات تین سلائیاں ایک آنکھ میں اور تین سلائیاں دوسری آنکھ میں لگاتے تھے۔ اس حدیث کو امام ابن ماجہ امام ترمذی اور امام احمد رحمۃ اللہ نے روایت کیا ہے۔

(جامع ترمذی رقم الحدیث: ۱۷۵۷۔ ۲۰۴۸ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۴۹۹ مسند احمد ج ۱ ص ۳۵۴ اخلاق النبوۃ رقم الحدیث: ۷۰)

امام احمد رحمۃ اللہ کے الفاظ اس طرح ہیں:

کان یکتحل بالاثمد کل لیلۃ قبل ان ینام و کان یکتحل فی کل عین ثلاثۃ امیال.

نبی اکرم ﷺ ہر رات سونے سے پہلے "اثمد" سرمہ لگاتے تھے اور ہر آنکھ میں تین سلائیاں لگاتے۔

حضرت امام نسائی نے اور حضرت امام بخاری (رحمۃ اللہ) نے اپنی تاریخ میں حضرت محمد بن علی رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے وہ فرماتے ہیں: کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ کیا نبی اکرم ﷺ خوشبو لگاتے تھے؟ انہوں نے فرمایا ہاں آپ کستوری اور عنبر لگاتے جو مردوں کے مناسب ہے۔ (مردوں کے مناسب وہ خوشبو ہے جو نظر نہ آئے لیکن اس کی مہک پھیلے اور عورتوں کے مناسب خوشبو وہ ہے جس کی مہک نہ پھیلے البتہ وہ نظر آئے ۱۲ ہزاروی)۔

(سنن نسائی ج ۸ ص ۱۵۱)

رسول اکرم ﷺ کی رفتار [1]

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ جب چلتے تو آگے کی طرف اچھی طرح جھکاؤ رکھتے گویا بلندی سے اتر رہے ہوں۔ (مسند احمد ج ۳ ص ۲۷۰ المستدرک ج ۲ ص ۶۰۶)

---

[1] (طبقات ابن سعد ج ۱ ص ۲۸۶)

اس حدیث کوامام ترمذی رحمۃ اللہ نے روایت کیا اور حضرت امام بیہقی رحمۃ اللہ نے اسے صحیح قرار دیا۔

امام بزار رحمۃ اللہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے نقل کیا ہے کہ جب آپ قدم مبارک رکھتے تو مکمل طور پر رکھتے تھے۔

امام ترمذی رحمۃ اللہ نے ''الشمائل میں'' حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہے وہ فرماتے ہیں: کہ میں نے کسی شخص کو نبی اکرم ﷺ کے مقابلے میں زیادہ تیز چلتے ہوئے نہیں دیکھا گویا زمین آپ کے لیے لپیٹ دی جاتی تھی ہم اپنے آپ کو مشقت میں ڈالتے (اور تیز چلتے) لیکن آپ کسی مشقت میں پڑے بغیر تیز چلتے تھے۔

(البدایہ والنہایہ ج ۶ ص ۱۷)

حضرت یزید بن مرثد رحمۃ اللہ فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ جب چلتے تو تیز تیز چلتے حتی کہ کوئی شخص آپ کے پیچھے تیز چل کر بھی آپ تک نہ پہنچتا۔ اسے ابن سعد نے نقل کیا ہے۔

یہ بات بھی مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ جب چلتے تو اعضاء کی قوت کے ساتھ چلنے میں ڈھیل نہیں ہوتی تھی۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ جب چلتے تو پاؤں اچھی طرح اٹھاتے تھے۔

(جامع ترمذی الشمائل رقم الحدیث: ۶۰' دلائل النبوۃ ج ۱ ص ۲۵۲' مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۷۲' مسند احمد ج ۲ ص ۳۲۳)

ابن ابی ہالہ نے کہا:

اذا زال زال تقلعا یخطو تکفیا و یمشی ھو نا ذریع المشیۃ اذا مشی کانما ینحط من صبب.

جب آپ چلتے تو قدم اٹھا کر اور نرم رفتار سے چلتے لیکن قدموں کے درمیان کشادگی ہوتی جب آپ چلتے تو یوں محسوس ہوتا کہ ڈھلوان میں اتر رہے ہوں۔

اور ایک دوسری روایت میں ہے:

اذا زال زال قلعا

جب چلتے تو قدم اٹھا کر چلتے۔

لفظ (قلعا) کے قاف پر زبر اور پیش دونوں طرح پڑھا گیا ہے اور یہ مصدر ہے جو (اسم) فاعل کے معنیٰ میں ہے یعنی آپ ہمیشہ اپنے پاؤں کو زمین سے اٹھا کر چلتے تھے اور پیش کے ساتھ مصدر ہے یا اسم ہے اور یہ کھولنے کے معنیٰ میں ہے۔

ہروی نے کہا میں نے یہ حرف کتاب غریب الحدیث میں پڑھا ہے یہ کتاب ابن انباری کی تصنیف ہے اس میں قلعا قاف پر زبر اور لام کی زیر کے ساتھ ہے' میں نے ازہری کے خط سے بھی اسی طرح پڑھا ہے اور جس طرح دوسری حدیث میں آیا ہے:

کانما ینحط من صبب.

گویا آپ بلندی سے اترتے ہوں۔

اس (قلع) کا مفہوم بھی یہی ہے اوپر سے نیچے کی طرف اترنا اور زمین سے پاؤں اٹھا کر چلنا ایک دوسرے کے قریب قریب ہیں۔

مقصد یہ ہے کہ آپ ثابت قدمی کے ساتھ چلتے اور اس حالت میں آپ سے زیادہ جلدی اور آگے بڑھنا نہ پایا جاتا۔

''ذریع المشیۃ'' کا معنیٰ کھلے کھلے قدم اٹھانا ہے یہ بات ابن اثیر نے کہی ہے۔

ابن قیم نے کہا کہ تقلع کا معنی زمین سے مکمل طور پر اٹھ جانا ہے جس طرح بلندی سے اترنے والا ہوتا ہے اور یہ انداز رفتار عزم و ہمت اور بہادر لوگوں کا اندازہ ہے۔ رفتار کے مختلف طریقوں میں سے یہ طریقہ زیادہ معتدل اور اعضاء کو زیادہ راحت پہنچانے والا ہے کئی لوگ ایک ٹکڑے کی طرح چلتے ہیں۔ گویا لکڑی ہے جو اٹھائی ہوئی ہے اور یہ طریقہ مذموم ہے۔

یا وہ تھکا دینے والی رفتار سے چلتے ہیں جیسے غصے والا اونٹ چلتا ہے اور یہ طریقہ بھی مذموم ہے (تیز چلنا مراد ہے)۔

یا اس بات کی علامت ہے کہ اس شخص کی عقل کمزور ہے خصوصاً جب وہ چلتے ہوئے دائیں یا بائیں متوجہ ہو۔

بعض مسند روایات میں ہے کہ چلنے والوں نے حجۃ الوداع کے موقعہ پر چلنے کے بارے میں شکایت کی تو آپ نے فرمایا تھوڑے تھوڑے تیز چلو لیکن اس طرح کہ چلنے والا تھک نہ جائے۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ہمراہ نبی اکرم ﷺ اس طرح چلتے کہ وہ آپ کے آگے چلتے اور آپ انکے پیچھے ہوتے اور فرماتے میری پیٹھ کو فرشتوں کے لئے چھوڑ دو اور کسی کہنے والے کے اس قول کا یہی مفہوم ہے کہ آپ اپنے صحابہ کرام کو چلاتے اور ان کو اکیلے اکیلے اور جماعت کی صورت میں آگے چلاتے تھے۔

(مسند احمد ج ۳ ص ۳۹۸ مشکل الآثار ج ۳ ص ۱۰)

ایک غزوہ کے موقع پر نبی اکرم ﷺ اس طرح چلے کہ آپ کی مبارک انگلی زخمی ہوگئی اور اس سے خون جاری ہو گیا آپ نے فرمایا:

هل انت الا اصبع دميت وفى سبيل الله ما لقيت

"تو ایک انگلی ہی تو ہے جس سے خون جاری ہوا اور جو کچھ تجھے پہنچا اللہ تعالیٰ کے راستے میں پہنچا"۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۱۴۶' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۱۲' جامع ترمذی رقم الحدیث: ۳۳۴۵' مسند احمد ج ۴ ص ۳۱۲' المعجم الکبیر ج ۲ ص ۱۸۵' مسند الحمیدی رقم الحدیث: ۷۷۶' السنن الکبریٰ ج ۷ ص ۴۴' الشمائل ترمذی رقم الحدیث: ۲۴۳' التمہید ج ۶ ص ۲۸۹' الدر المنثور ج ۲ ص ۳۶۰' مشکل الآثار ج ۳ ص ۲۹۹)

سورج اور چاند کی روشنی میں نبی اکرم ﷺ کا سایہ نہ ہوتا تھا یہ بات امام ترمذی حکیم نے حضرت ذکوان رضی اللہ عنہ سے نقل کی ہے ابن سبع نے کہا کہ نبی اکرم ﷺ نور تھے پس جب آپ سورج یا چاند کی روشنی میں چلتے تو آپ کا سایہ ظاہر نہ ہوتا۔

ان کے علاوہ حضرات نے کہا کہ اس بات پر نبی اکرم ﷺ کی دعا کا یہ حصہ گواہی دیتا ہے آپ نے یوں دعا مانگی:

وَاجْعَلْنِيْ نُوْرًا اور مجھے نور بنا دے۔

آپ کا رنگ مبارک [1]

نبی اکرم ﷺ کے رنگ مبارک کا وصف جمہور صحابہ کرام نے سفیدی کے ساتھ بیان کیا ہے ان میں حضرت ابوبکر صدیق' حضرت عمر فاروق' حضرت ابو جحیفہ' حضرت ابن عمر' حضرت ابن عباس' حضرت ابن ابی ہالہ' حضرت حسن بن علی' حضرت ابو الطفیل' حضرت محرش کعبی' حضرت عبد اللہ بن مسعود' حضرت براء' رضی اللہ عنہم شامل ہیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی دو روایتوں میں سے ایک روایت اسی طرح ہے۔

[1] (البدایۃ والنہایۃ ج ۶ ص ۱۵' دلائل النبوۃ ج ۱ ص ۲۰۱)

حضرت ابوجحیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آپ کا رنگ سفید تھا۔
حضرت ابوالطفیل رضی اللہ عنہ نے فرمایا سفید گندمی رنگ تھا۔
مسلم کی ایک روایت میں یوں ہے:
ابیض ملیح الوجه. آپ کے چہرہ انور کا رنگ سفید گندمی تھا۔
حضرت ابوالطفیل رضی اللہ عنہ کی ایک روایت امام طبرانی نے نقل کی ہے اس میں فرماتے ہیں:
ما انسی شدة بیاض وجهه مع شدة سواد شعره. میں آپ کے چہرہ کا بہت زیادہ سفید اور بالوں کا بہت زیادہ سیاہ ہونا نہیں بھولا۔
حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کا یہ شعر آپ کے چہرے کی سفیدی کو بیان کرتا ہے:
وابیض یستسقی الغمام بوجهه ثمال الیتامی عصمة للارامل
''آپ سفید (گندمی رنگ) والے تھے آپ کے چہرہ انور کی برکت و وسیلہ سے بادل بارش برساتے آپ یتیموں کے ماویٰ اور بیواؤں کے محافظ تھے۔
اور حضرت علی المرتضیٰ نے فرمایا آپ **ابیض مشوب** تھے اور مشرب وہ ہوتا ہے جس کے سفید رنگ میں سرخی ہو۔ جس طرح دوسری روایت میں:
ابیض مشرب بحمرة.
حضرت انس رضی اللہ عنہ کا جو قول صحیح مسلم میں ہے کہ انہوں نے فرمایا آپ:
ازهر اللون تھے تو اس کا یہی مطلب ہے۔
''سنن نسائی میں'' حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے (فرماتے ہیں:) کہ نبی اکرم ﷺ اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان تشریف فرما تھے ایک شخص نے حاضر ہو کر کہا تم میں سے عبدالمطلب کا بیٹا (پوتا) کون ہے؟
انہوں نے کہا:
هذه الامغر المرتفق. یہ ایسے سفید رنگ والے جس میں سرخی ملی ہوئی ہے اور کہنی پر ٹیک لگا رکھی ہے۔

الامغر۔ جس رنگ میں سرخی کی آمیزش ہو۔
المرتفق۔ کہنی کا سہارا لئے ہوئے۔
صحیح بخاری میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ہے کہ:
لیس بابیض امهق. آپ خالص سفید رنگ والے نہ تھے۔
حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں: داؤدی نے مروزی کی اتباع میں یوں نقل کیا:
امهق لیس بابیض. آپ سفید رنگ والے تھے لیکن زیادہ سفید نہیں تھا۔
(اصل میں ''ابیض لیس بامهق'' ہے)۔

ابو حاتم وغیرہ کی روایت میں "اسمر" کا لفظ ہے یعنی گندمی رنگ والے۔

بعض حضرات نے اس بات کو مشکل قرار دیا اور کہا کہ ان میں سے اکثر روایات ایک دوسرے کی نفی کرتی ہیں اور بعض میں تطبیق دینا اور ان کو جمع کرنا ممکن ہے، جس طرح سفید رنگ اور سرخ والی روایات لیکن بعض روایات کو جمع کرنا ممکن نہیں جیسے وہ روایات جس میں شدید سفیدی کا ذکر ہے، گندمی رنگ والی روایات کے ساتھ جمع نہیں ہوسکتیں۔

داؤدی نے مروزی کی اتباع میں جو روایت نقل کی ہے کہ "امهق ليس بابيض" اس پر اعتراض کیا گیا ہے۔

قاضی عیاض رحمۃ اللہ نے فرمایا: یہ وہم ہے اسی طرح وہ روایت جس میں کہا گیا کہ "آپ نہ سفید رنگ والے تھے اور نہ گندمی رنگ والے" تو یہ روایت صحیح نہیں۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ نے فرمایا: یہ بات عمدہ نہیں کیونکہ جہاں سفید رنگ کی نفی کی گئی ہے تو اس سے مراد زیادہ سفیدی ہے اور جہاں گندمی رنگ کی نفی ہے تو اس سے بھی سخت گندمی رنگ کی نفی ہے بلکہ آپ کے سفید رنگ میں سرخی تھی۔

اور اہل عرب اس قسم کے سب لوگوں پر "اسمر" (گندمی رنگ والے) بولتے ہیں۔

اسی لئے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں آیا ہے جیسے امام احمد، امام بزار اور ابن مندہ نے صحیح سند کے ساتھ ذکر کیا کہ نبی اکرم ﷺ:

كان اسمر. گندمی رنگ والے تھے۔

امام بیہقی رحمۃ اللہ نے دوسری سند کے ساتھ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا انہوں نے حضرت محمد ﷺ کا وصف بیان کرتے ہوئے فرمایا:

كان ابيض بياضه الى السمرة. آپ سفید رنگ والے تھے اور سفیدی میں گندمی رنگ تھا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث میں نبی اکرم ﷺ کا وصف یوں بیان کیا گیا ہے کہ جسم مبارک اور گوشت کے اعتبار سے دو آدمیوں کے برابر تھے (یعنی اعتدال پر تھے) سرخ رنگ سفیدی مائل تھا۔

ان تمام روایات کے مجموعہ سے معلوم ہوا کہ سمرہ سے مراد وہ سرخی ہے جو سفیدی سے ملی ہو اور جہاں سفید رنگ کا ذکر ہے تو اس سے بھی سرخی ملا ہوا رنگ مراد ہے اور جہاں سفید رنگ کی نفی ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ خالص سفید رنگ جس میں سرخی نہ ملی ہو اس کی نفی ہے کیونکہ ایسے رنگ کو اہل عرب ناپسند کرتے تھے اور وہ "امهق" کہتے تھے۔

اس سے ظاہر ہوا کہ مروزی کا یہ قول کہ "امهق ليس بابيض" میں قلب ہے (یعنی الٹ ہے اصل یوں ہے "ابيض ليس بامهق")۔

یہ بھی ممکن ہے کہ اس کی توجیہ کرتے ہوئے کہا جائے کہ امہق سے مراد سبز رنگ جو سفیدی میں انتہا کو نہ پہنچا ہو اور نہ ہی سرخی زیادہ ہو۔

رؤبہ (بن عجاج) سے منقول ہے کہ پانی کی سبزی کو "امهق" کہا جاتا ہے اور یہ تاویل، روایت کے ثابت ہونے پر مکمل ہوگی۔

اور حضرت ابوجحیفہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں گزر چکا ہے کہ آپ سفید رنگ والے تھے اسی طرح حضرت ابوالطفیل رضی اللہ عنہ کی روایت میں بھی ہے جسے امام مسلم اور امام ترمذی رحمۃ اللہ نے نقل کیا۔

حضرت سراقہ رضی اللہ عنہ کی حدیث جو ابن اسحاق نے نقل کی ہے اس میں اس طرح ہے فرماتے ہیں: کہ میں نے نبی اکرم ﷺ کی مبارک پنڈلی کو دیکھا تو گویا وہ کھجور کی گوند کی طرح ہے۔

حضرت امام احمد رحمۃ اللہ نے عمرۂ جعرانہ کے ضمن میں حضرت محرش کعبی کی روایت نقل کی ہے وہ فرماتے ہیں: کہ میں نے آپ کی پشت مبارک کو دیکھا تو گویا وہ چاندی کی ڈلی جیسی تھی۔

حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے انہوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو آپ ﷺ کا وصف بیان کرتے ہوئے سنا وہ فرماتے تھے کہ آپ نہایت درجہ سفید تھے اسے یعقوب بن سفیان اور امام بزار نے مضبوط سند کے ساتھ بیان کیا ہے ان دونوں روایتوں کو جمع کیا جا سکتا ہے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔

حضرت امام بیہقی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ جسم کے اس حصے میں سفید رنگ میں سرخی ملی ہوئی تھی جو سورج اور ہوا میں روشن ہوتا ہے جیسے چہرہ اور گردن مبارک لیکن جو حصہ کپڑوں کے نیچے تھا وہ سفید روشن تھا یہ بات ابن ابی خیثمہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث جو حضور علیہ السلام کے وصف کے بارے میں ہے اس کے بعد نہایت تفصیل سے ذکر کیا اور اس میں اضافہ کیا کہ آپ کا مبارک رنگ جس میں کوئی شک نہیں کیا جاتا تھا سفید روشن تھا۔

اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ بعض حضرات نے ان لوگوں کے قول کو ضعیف قرار دیا ہے جنہوں نے کہا کہ گندمی رنگ سے جسم کا وہ حصہ موصوف تھا جس تک دھوپ نہیں پہنچتی تھی۔ کیونکہ حضرت انس رضی اللہ عنہ پر آپ کا کوئی معاملہ پوشیدہ نہ تھا کہ آپ حضرت محمد ﷺ کی صفت لازمہ کے علاوہ کوئی وصف بیان کرتے کیونکہ ان کو آپ ﷺ کا قرب حاصل تھا۔

ہاں بعض آنے والے جنہوں نے اس وقت حضرت محمد ﷺ سے ملاقات کی ہو جب سورج کی وجہ سے آپ کے رنگ میں تبدیلی آئی ہو وہ یہ بات بیان کریں تو صحیح قرار پاتی ہے پس حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں جس ''سمرۃ'' (رنگ) کا ذکر ہے اسے اس سرخی پر محمول کیا جائے گا جو سفیدی سے ملی ہوئی ہو۔

تنبیہ

''شفاء شریف میں'' حضرت احمد بن سلیمان جو سحنون کے شاگرد اور راوی ہیں' سے منقول ہے کہ جو شخص کہے کہ نبی اکرم ﷺ سیاہ رنگ والے تھے اسے قتل کر دیا جائے۔

اس سے ثابت ہوا کہ نبی اکرم ﷺ کی صفات عالیہ کے سلسلے میں جھوٹ کفر ہے جو موجب قتل ہے لیکن یہ بات (مطلقاً) نہیں بلکہ ضروری یہ ہے کہ اس کے ساتھ کوئی قرینہ پایا جاتا ہو جس سے معلوم ہو کہ وہ شخص آپ کی توہین کرتا ہے جس طرح اس مذکور مسئلہ میں ہے کیونکہ سیاہ رنگ کو فضیلت حاصل نہیں ہے۔

سرکار دو عالم ﷺ کے پسینہ اور خون مبارک کی خوشبو

نبی اکرم ﷺ کی ریح' پسینہ اور فضلات خوشبودار تھے اور اچھی خوشبو آپ کی صفت تھی اگرچہ آپ نے خوشبو نہ لگائی ہو۔ (الشفاء ج ۱ص ۶۱' دلائل النبوۃ ج ۱ص ۲۵۴' البدایۃ والنہایۃ ج ۶ص ۲۵)

ہم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا وہ فرماتے ہیں:

ما شممت ریحا قط ولا مسکا ولا عنبرا الطیب من ریح رسول اللہ ﷺ.

میں نے کبھی بھی کوئی خوشبو کستوری اور عنبر نہیں سونگھا جو حضور ﷺ کی خوشبو سے زیادہ خوشبودار ہو۔

صحیح بخاری میں ہے:

ولا شممت مسکۃ ولا عنبرۃ اطیب من رائحۃ النبی ﷺ.

اور میں نے کوئی کستوری اور عنبر حضور ﷺ کی خوشبو سے زیادہ خوشبودار نہیں سونگھی۔

جامع ترمذی میں ہے فرماتے ہیں:

ولا شممت مسکا قط ولا عطرا کان اطیب من عرق رسول اللہ ﷺ.

میں نے ایسی کستوری اور عطر کبھی نہیں سونگھا جو سرکار دو عالم ﷺ کے پسینہ سے زیادہ عمدہ ہو۔

حضرت عتبہ بن فرقد سلمی رضی اللہ عنہ کی زوجہ ام عاصم فرماتی ہیں: حضرت عتبہ کے ہاں ہم چار عورتیں تھیں ہم میں سے ہر ایک خوشبو لگانے میں بہت زیادہ کوشش کرتی تھی تا کہ وہ سب سے زیادہ خوشبودار ہو جب کہ حضرت عتبہ رضی اللہ عنہ صرف تیل لگاتے کوئی خوشبو نہ لگاتے لیکن جب حضرت عتبہ رضی اللہ عنہ باہر لوگوں کے پاس جاتے تو وہ کہتے ہم نے حضرت عتبہ کی خوشبو سے بڑھ کر کسی کی خوشبو نہیں سنی۔

میں نے ایک دن کہا کہ ہم خوشبو لگانے کی بہت زیادہ کوشش کرتی ہیں لیکن آپ ہم سب سے زیادہ خوشبودار ہوتے ہیں ایسا کیوں ہے؟ انہوں نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں مجھے سرخ پھنسیاں نکل گئی تھیں تو میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور شکایت کی آپ نے مجھے کپڑے اتارنے کا حکم دیا میں نے اپنا ستر ڈھانپتے ہوئے باقی کپڑے اتار دیئے نبی اکرم ﷺ نے اپنے ہاتھ پر لعاب ڈالنے کے بعد اسے میری پیٹھ اور پیٹ پر پھیرا تو اس دن سے یہ خوشبو میرے جسم سے ملی ہوئی ہے اسے طبرانی نے اپنی معجم صغیر میں روایت کیا۔

ابویعلی اور طبرانی نے اس شخص کا قصہ نقل کیا جس مین اس نے حضور علیہ السلام سے اپنی صاحبزادی کی (بطور دلہن) تیاری کے لئے مدد طلب کی پس آپ کے پاس کچھ نہ تھا تو آپ نے ایک شخص سے شیشی منگوائی اور اس میں اپنا پسینہ ڈالا اور فرمایا اسے کہو اس سے خوشبو لگائے چنانچہ وہ جب بھی اس سے خوشبو لگاتی تو تمام اہل مدینہ اس خوشبو کی مہک سے مستفید ہوتے چنانچہ انہوں نے اس گھر کو خوشبو والوں کا گھر قرار دیا۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: کہ رسول اکرم ﷺ میں کچھ خصائل تھے آپ کسی راستے پر جاتے تو آپ کے پیچھے جانے والے کو آپ کے پسینہ مبارکہ کی خوشبو سے پتہ چل جاتا اور معلوم ہو جاتا کہ آپ کدھر تشریف لے گئے ہیں اور آپ جس پتھر کے پاس سے گزرتے وہ آپ کو سجدہ کرتا اسے دارمی' بیہقی اور ابونعیم نے روایت کیا۔ (تاریخ الکبیر ج ۳ ص ۱۵۴' الشفاء ج ۱ ص ۶۳' منازل الصفاص ۳۱۔ رقم الحدیث: ۶۶' سنن دارمی ج ۱ ص ۳۲' مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۸۲' کشف الاستار ج ۳ ص ۱۶۱' مسند ابی یعلی ج ۵ ص ۳۳۳)

کسی شاعر نے کیا اچھا کہا ہے:

فلو ان رکبا یمموک لقادھم نسیمک حتی یستدل بہ الرکب

''اگر کوئی سوار آپ کا ارادہ کریں تو آپ کے مبارک بدن کی خوشبوان کی رہنمائی کرتی ہے حتی کہ اس کے ذریعے ان سواروں کی رہنمائی ہو جاتی ہے''۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب مدینہ طیبہ کے کسی راستے سے گزرتے تو صحابہ کرام اس سے عمدہ خوشبو پاتے اور فرماتے کہ نبی اکرم ﷺ اس راستے سے گزرے ہیں۔

اس حدیث کو ابو یعلیٰ اور بزار نے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا۔

کسی شاعر کا یہ قول کتنا عمدہ ہے:

یروح علی غیر الطریق التی غدا علیھا فلا ینھی علاہ نھاتہ

تنفسہ فی الوقت انفاس عطرہ فمن طیبہ طابت لہ طرقاتہ

تروح لہ الارواح حیث تنسمت لھا سحرا من جہ نسماتہ

''شام کو اس راہ پر چلتے ہیں جس پر صبح نہیں چلے انہیں روکنے والے ان کی بلندیوں کو نہیں روک سکے' ان کا سانس لینا' خوشبوؤں کا منبع ہے' ان سانسوں کی خوشبو سے ان کے راستے مہک اٹھے''۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے فرماتی ہیں: کہ رسول اکرم ﷺ کا چہرہ سب سے زیادہ خوبصورت اور آپ کا رنگ سب سے زیادہ نورانی تھا۔ جس وصف بیان کرنے والے نے ان کا وصف بیان کیا اس نے اسے چودھویں رات کے چاند سے تشبیہ دی اور آپ کے چہرۂ انور پر پسینہ موتیوں کی طرح ہوتا اور کستوری سے زیادہ خوشبودار ہوتا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: کہ رسول اکرم ﷺ ہمارے ہاں تشریف لائے اور آپ نے دوپہر کے وقت کچھ آرام فرمایا (قیلولہ کیا) آپ کو پسینہ آیا تو میری ماں ایک شیشی لے آئیں اور اس میں آپ کا پسینہ مبارکہ ڈالنے لگیں' رسول اکرم ﷺ بیدار ہوئے تو فرمایا: اے ام سلیم! کیا کر رہی ہو؟ عرض کیا آپ کا پسینہ مبارکہ خوشبو کے لئے حاصل کر رہی ہوں یہ سب سے عمدہ خوشبو ہے۔

صحیح مسلم کی ہی ایک روایت میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لاتے اور ان کے بچھونے پر آرام فرماتے اور اس میں کوئی حرج نہیں (کیونکہ وہ جانتی تھیں اور اس پر خوش ہوتی تھیں) فرماتے ہیں: ایک دن آپ تشریف لائے اور ان کے بستر پر آرام فرما ہوئے کسی نے آ کر ان کو بتایا کہ نبی اکرم ﷺ تمہارے گھر میں تمہارے بستر پر سوئے ہوئے ہیں حضرت انس فرماتے ہیں: حضرت ام سلیم آئیں اور اس وقت نبی اکرم ﷺ کو پسینہ آیا ہوا تھا اور وہ چمڑے کے ایک ٹکڑے پر جمع ہونے لگا حضرت ام سلیم نے اپنی صندوقچی کھول کر اس پسینہ مبارکہ کو اپنی شیشیوں میں نچوڑ لیا۔

رسول اکرم ﷺ گھبرا کر اٹھے اور فرمایا: اے ام سلیم! کیا کر رہی ہو؟ عرض کیا یا رسول اللہ! ہم اپنے بچوں کے لئے اس کی برکت کی امید رکھتے ہیں آپ نے فرمایا تم نے صحیح کیا۔

وہ جو کہا جاتا ہے کہ گلاب آپ کے پسینے یا آپ کے براق کے پسینے سے پیدا ہوا تو ہمارے شیخ نے فرمایا: کہ یہ مشہور احادیث ہیں (لوگوں کی زبانوں پر مشہور ہیں) لیکن حضرت امام نووی رحمۃ اللہ نے فرمایا یہ صحیح نہیں اور شیخ الاسلام حضرت

امام ابن حجر رحمۃ اللہ نے فرمایا یہ موضوع ہے اس بات میں ابن عساکر نے سبقت کی ہے انہوں نے مسند الفردوس میں ان الفاظ کے ساتھ نقل کیا۔

سفید گلاب معراج کی رات میرے پسینے سے پیدا ہوا سرخ گلاب حضرت جبریل علیہ السلام کے پسینے سے پیدا کیا گیا اور زرد گلاب براق کے پسینے سے پیدا کیا گیا۔ (تنزیہ الشریعہ ج ۲ ص ۲۷۰ کشف الخفاء ج ۱ ص ۳۰۲۔ ج ۲ ص ۳۵۲۔ ۲۶۵ اللآلی المصنوعہ ج ۲ ص ۱۴۸ الاسرار المرفوعہ ص ۱۳۵۔ ۲۷۷۔ ۳۲۷ الموضوعات ج ۳ ص ۶۲)

یہ حدیث انہوں نے مکی بن بندار زنجانی کے طریق سے روایت کی ہے۔

ہم سے حسن بن علی بن عبد الواحد قرشی نے بیان کیا وہ فرماتے ہیں ہم سے ہشام بن عمار زہری نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کرتے ہوئے بیان کیا پھر فرمایا حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا ابو عبید حاکم نے ایک شخص کے واسطے سے حضرت مکی سے روایت کرتے ہوئے بیان کیا اور حضرت مکی اس میں تنہا ہیں۔

ابو الحسین بن فارس لغوی (احمد بن فارس بن زکریا القزوینی الرازی) نے اپنی تصنیف "الریحان والراح میں" حضرت مکی سے اسے روایت کیا اور مکی ان لوگوں میں سے ہیں جن پر امام دار قطنی نے وضع حدیث کی تہمت لگائی۔

(الاعلام ج ۱ ص ۱۹۳ وفیات الاعیان ج ۱ ص ۳۵ یتیمۃ الدھر ج ۳ ص ۴۶۳)

اس روایت کا ایک اور طریق ہے جیسے ابو الفرج نہروانی نے "الجلیس الصالح کے" پچانوے باب میں نقل کیا وہ یہ کہ محمد بن عنبہ ابن حماد فرماتے ہیں: ہم سے ہمارے والد نے بیان کیا انہوں نے واسطہ جعفر بن سلیمان حضرت مالک بن دینار سے اور انہوں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا۔

جب مجھے معراج کرایا گیا تو میرے بعد زمین روئی تو اس کی سبزی میں ایک خاردار جھاڑی پیدا ہوئی جب میرے پسینہ کا قطرہ زمین پر لوٹا تو سرخ گلاب اُگا سنو! جو شخص میری خوشبو سونگھنا چاہے وہ سرخ گلاب سونگھے۔

پھر ابو الفرج نے کہا اس حدیث میں جو کچھ بیان کیا گیا وہ ان باتوں میں سے زیادہ آسان ہے جن کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو عزت بخشی اور آپ کی فضیلت اور بلندئی مرتبہ پر دلالت ہے۔ امام سخاوی کا قول مکمل ہوا (مصنف فرماتے ہیں:) میں نے یہ روایت (موضوع ہونے کے باوجود) اس لئے ذکر کی ہے تاکہ اس کا علم حاصل ہو جائے۔

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ان کے رخسار پر ہاتھ مبارک پھیرا فرماتے ہیں: میں نے آپ کے ہاتھ مبارک کی ٹھنڈک اور خوشبو اس طرح پائی کہ گویا اس کو عطار کی صندوقچی سے نکالا گیا ہو۔ دوسرے حضرات نے یوں بیان کیا کہ آپ خوشبو لگاتے یا نہ آپ سے مصافحہ کرنے والا دن بھر آپ کے دست مبارک کی خوشبو پاتا اور آپ کسی بچے کے سر پر ہاتھ رکھتے تو بچوں کے درمیان اس خوشبو کو پہچانا جاتا۔

قاضی عیاض رحمۃ اللہ نے جن خبر دینے والوں کی طرف نسبت کی ہے ان سے اور نبی اکرم ﷺ کے شمائل جمع کرنے والوں سے منقول ہے کہ نبی اکرم ﷺ جب قضائے حاجت کا ارادہ فرماتے تو زمین پھٹ جاتی اور وہ آپ کے پاخانہ اور پیشاب کو نگل لیتی اور اس جگہ سے خوشبو آتی دوسرے حضرات نے فرمایا کہ نبی اکرم ﷺ کے پاخانہ اور پیشاب پر کوئی شخص کبھی بھی مطلع نہ ہو سکا۔

واقدی کے کاتب محمد بن سعد نے مسند میں بیان کیا کہ جس طرح شفاء کے بعض نسخوں میں ہے کہ محدثین فرماتے ہیں: نہ یہ روایت ہے اور نہ ابن جبیر کے اصل کے حواشی میں سے ہے بلکہ ان کے غیر کے حواشی ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ انہوں نے نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ آپ بیت الخلاء میں تشریف لے جاتے ہیں لیکن ہمیں وہاں کچھ بھی دکھائی نہیں دیتا آپ نے فرمایا: اے عائشہ! کیا تو نہیں جانتی کہ زمین انبیاء کرام علیہم السلام سے نکلنے والی چیز کو نگل لیتی ہے پس ان سے کوئی چیز دکھائی نہیں دیتی۔ (الشفاء ج اص ۶۳)

ابن سبع کی الشفاء میں کسی صحابی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں: کہ میں ایک سفر میں نبی اکرم ﷺ کے ہمراہ تھا جب آپ نے قضائے حاجت کا ارادہ کیا تو میں رک گیا آپ مکان میں داخل ہوئے اور قضائے حاجت فرمائی پھر میں اس جگہ داخل ہوا جہاں سے آپ باہر تشریف لائے تھے تو وہاں پیشاب اور پاخانہ کا کوئی اثر نہ تھا میں نے وہاں تین پتھر دیکھے میں نے ان کو اٹھایا تو ان سے عطر کی خوشبو آ رہی تھی۔ (مصنف رحمۃ اللہ فرماتے ہیں) حافظ عبدالغنی مقدسی سے پوچھا گیا کہ کیا یہ بات مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے پاخانہ وغیرہ کو زمین نگل لیتی تھی؟ انہوں نے فرمایا یہ غریب طریق سے مروی ہے لیکن ظاہر اس کی تائید کرتا ہے کیونکہ کسی صحابی سے یہ بات مروی نہیں کہ اس نے آپ کے پاخانہ کو دیکھا ہو یا اس کا ذکر کیا ہو لیکن آپ کے پیشاب کو کئی حضرات نے دیکھا ہے اور حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا نے اسے پیا بھی ہے۔ واللہ اعلم

لیکن امام بیہقی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں: کہ وہ حدیث جس کی خبر ہمیں ابوالحسین بن بشر نے دی وہ فرماتے ہیں: کہ ہمیں اسماعیل بن محمد صفار نے خبر دی وہ فرماتے ہیں: ہم سے زید بن اسماعیل صائغ نے بیان کیا وہ فرماتے ہیں: ہم سے حسین بن علوان نے بواسطہ ہشام بن عروہ حضرت عروہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہوئے بیان کیا۔

اور انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا آپ فرماتی ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ جب بیت الخلاء میں داخل ہوتے تو میں آپ کے پیچھے جاتی (یعنی آپ کے باہر آنے کے بعد) تو مجھے کچھ بھی نظر نہ آتا البتہ مجھے عطر کی خوشبو آتی میں نے یہ بات آپ کی خدمت میں عرض کی تو آپ نے فرمایا: اے عائشہ! کیا تمہیں معلوم نہیں کہ ہمارے (انبیاء کرام) کے جسم اہل جنت کی ارواح پر پیدا ہوتے ہیں اور جو کچھ ان سے نکلتا ہے اسے زمین نگل لیتی ہے۔

تو یہ حسین بن علوان کی موضوع روایات میں سے ہے اسے ذکر کرنا مناسب نہیں البتہ اس مقصد کے لئے ذکر کیا جاتا ہے کہ اس کا موضوع ہونا معلوم ہو پس صحیح مشہور احادیث جو آپ کے معجزات کے سلسلے میں مروی ہیں وہ ابن علوان کے اس جھوٹ کے مقابلے میں کافی ہیں لیکن یہ حدیث ابن علوان کے طریق کے بغیر بھی مروی ہے۔

امام دار قطنی نے "الافراد میں" ذکر کیا کہ ہم سے محمد بن سلیمان باہلی نے بیان کیا وہ فرماتے ہیں ہم سے محمد بن حسان اموی نے بیان کیا' وہ فرماتے ہیں عبدہ بن سلیمان نے بواسطہ ہشام بن عروہ' حضرت عروہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہوئے ہمیں خبر دی انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ام المومنین نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں دیکھتی ہوں آپ بیت الخلاء میں داخل ہوتے ہیں پھر آپ کے بعد جو شخص جاتا ہے وہ آپ کے پاخانے کا کوئی نشان نہیں پاتا۔ آپ نے فرمایا: اے عائشہ! کیا تو نہیں جانتی کہ اللہ تعالیٰ نے زمین کو حکم دیا ہے کہ وہ انبیاء کرام کے جسم سے نکلنے والی چیز (پاخانے) کو نگل لے۔

اور محمد بن حسان بغدادی (اموی) ثقہ (قابل اعتماد) راوی ہیں اور عبدہ بن سلیمان صحیح کے راویوں میں سے ہیں۔
ابن سعد نے اس حدیث کا ایک اور طریق بھی ذکر کیا ہے اسی طرح امام حاکم نے مستدرک میں بھی ایک دوسرا طریق نقل کیا۔
یہ بھی مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ کا پیشاب اور خون برکت کے لئے استعمال کیا جاتا تھا۔

پس ابن حبان نے ''الضعفاء میں'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ قریش کے ایک غلام نے نبی اکرم ﷺ کو سینگی لگائی جب وہ سینگی لگانے سے فارغ ہوا تو اس نے آپ کا خون لیا اور اسے دیوار کے پیچھے لے گیا پھر دائیں بائیں دیکھا تو کوئی بھی نظر نہ آیا تو اس نے آپ کے خون کی چسکی بھر لی حتی کہ فارغ ہو گیا تو حاضر خدمت ہوا آپ نے اس کے چہرے کی طرف دیکھا تو پوچھا تجھ پر افسوس تم نے خون کدھر کیا؟ (غلام کہتا ہے) میں نے کہا میں نے دیوار کے پیچھے غائب کر دیا ہے فرمایا: کہاں غائب کیا ہے؟ میں نے کہا یا رسول اللہ! میں نے اس کو زمین پر بہانے میں بخل سے کام لیا تو وہ میرے پیٹ میں ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: جاؤ تم نے اپنے آپ کو جہنم سے محفوظ کر لیا۔
(التلخیص ج ۱ ص ۳۰، العلل المتناہیہ ج ۱ ص ۱۸۱، السنن الکبریٰ ج ۵ ص ۱۸۶)

سنن سعید (ابو سعید) بن منصور بن عمرو بن سائب کے طریق سے ہے وہ فرماتے ہیں: کہ انہیں یہ خبر پہنچی ہے کہ احد کے دن جب نبی اکرم ﷺ کا چہرۂ انور زخمی ہو گیا تو حضرت ابو سعید انصاری رضی اللہ عنہ کے والد نے آپ کے چہرۂ انور سے زخم کا خون چوس لیا حتی کہ وہ صاف شفاف ہو گیا اور چمکنے لگا آپ نے فرمایا: اس کو کلی کر دو انہوں نے عرض کیا اللہ کی قسم میں کبھی بھی اسے نہیں تھوکوں گا پھر وہ اسے نگل گئے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: جو شخص کسی جنتی آدمی کو دیکھنا چاہتا ہے وہ ان کو دیکھے تو وہ (اسی وقت احد میں) شہید ہو گئے۔ ۱ (السنن الکبریٰ ج ۷ ص ۶۷، ۸۳ دلائل النبوۃ ج ۳ ص ۲۶۶، تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۱۲۳)

امام بزار، امام طبرانی، حاکم اور بیہقی نے نیز ابو نعیم نے ''الحلیہ میں'' حضرت عامر بن عبد اللہ بن زبیر سے روایت کیا انہوں نے اپنے والد سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ نے سینگی لگوائی تو وہ خون مجھے عطا فرمایا اور ارشاد فرمایا: جاؤ اسے غائب کر دو (فرماتے ہیں) میں گیا اور اسے پی گیا پھر حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا: تم نے کیا کیا؟ میں نے عرض کیا کہ میں نے اس کو غائب کر دیا ہے آپ نے فرمایا شاید تم نے اسے پی لیا ہے؟ میں نے عرض کیا (جی ہاں) میں نے پی لیا ہے۔

ایک اور روایت میں ہے میں نے کہا کہ میں نے اسے نہایت پوشیدہ جگہ میں رکھ دیا ہے میرا خیال تھا کہ یہ لوگوں سے پوشیدہ ہے آپ نے فرمایا: شاید تم نے اسے پی لیا ہے؟ میں نے عرض کیا جی ہاں! میں نے پیا ہے آپ نے فرمایا: تمہارے لئے لوگوں سے خرابی ہو اور لوگوں کے لئے تجھ سے خرابی ہو۔ ۲

ایک اور روایت میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: تم نے ایسا کیوں کیا ہے؟ میں نے کہا مجھے معلوم تھا کہ آپ کے خون کو جہنم (کی آگ) نہیں پہنچ سکتی پس میں نے اس وجہ سے اسے پی لیا آپ نے فرمایا: تمہارے لئے لوگوں سے خرابی

---

۱ نبی اکرم ﷺ کا قول سچا ہوا اور وہ شہادت پاکر جنت کے مستحق ہو گئے اس واقعہ سے صحابہ کرام کی نبی اکرم ﷺ سے محبت کا پتہ چلتا ہے اللہ تعالیٰ ہمیں بھی محبت رسول ﷺ کی دولت سے مالا مال فرمائے۔

۲ حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کا محاصرہ کیا گیا اور شہید کر کے سولی چڑھایا گیا یہ آپ کے لئے حجاج وغیرہ کی طرف سے اذیت ہے اور آپ کے قاتلوں نے آپ کو قتل کرنے اور کعبہ شریف کی بے حرمتی کا جو بہت بڑا گناہ اپنے سر لیا وہ ان کے لئے خرابی ہے (زرقانی ج ۳ ص ۲۳۰) نبی اکرم ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے بتانے سے غیب کی خبر دی اور جیسا آپ نے فرمایا اسی طرح ہوا۔ ۱۲ ہزاروی

ہو۔ (المستدرک ج ۳ ص ۵۵۴ مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۷۰ کنز العمال رقم الحدیث: ۳۷۲۲۶)

دار قطنی میں حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما کی روایت سے اس کی مثل ہے اور اس میں یہ بھی ہے کہ تجھے آگ نہیں چھوئے گی" الجوہر المکنون فی ذکر القبائل والبطون نامی" کتاب میں ہے کہ جب انہوں نے یعنی حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے آپ کا خون پیا تو ان کے منہ سے کستوری کی خوشبو آنے لگی اور آپ کے منہ میں وہ خوشبو آپ کے سولی چڑھائے جانے تک باقی رہی۔

حضرت حسن بن سفیان نے اپنی مسند میں نیز امام حاکم، دار قطنی، طبرانی اور ابو نعیم نے بھی حضرت ابو مالک نخعی کی روایت سے نقل کیا وہ حضرت اسود بن قیس سے وہ حضرت نبیح سے اور وہ حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں آپ فرماتی ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ رات کے وقت گھر کی ایک جانب گھڑے کی طرف تشریف لے گئے اور اس میں پیشاب فرمایا میں رات کو اٹھی اور مجھے پیاس لگی ہوئی تھی چنانچہ میں اسے پی گئی اور مجھے کچھ پتہ نہ چلا صبح ہوئی تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ام ایمن اٹھو اور گھڑے میں جو کچھ ہے اسے بہا دو میں نے عرض کیا اللہ تعالیٰ کی قسم اس میں جو کچھ تھا وہ میں نے پی لیا ہے آپ فرماتی ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ ہنس پڑے حتی کہ آپ کی مبارک داڑھیں ظاہر ہو گئیں پھر فرمایا سنو! اللہ کی قسم! تیرے پیٹ میں کبھی درد نہیں ہوگا۔

حضرت ابن جریج فرماتے ہیں: مجھے خبر دی گئی ہے کہ نبی اکرم ﷺ لکڑی کے ایک پیالے میں پیشاب فرماتے پھر اسے چارپائی کے نیچے رکھا جاتا آپ تشریف لاتے تو پیالے میں کچھ بھی نہ ہوتا تو آپ نے "برکہ" نامی خاتون سے جو حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کی خدمت کرتی تھیں اور حبشہ سے ان کے ساتھ آئی تھیں، پوچھا کہ پیالے میں جو پیشاب تھا وہ کہاں گیا؟ اس نے عرض کیا کہ وہ میں نے پی لیا ہے آپ نے فرمایا: اے ام یوسف! یہ صحت (کا باعث) ہے۔ اس کے بعد وہ کبھی بیمار نہ ہوئیں البتہ آخر میں بیمار ہوئیں جس میں ان کا انتقال ہوا۔

اس حدیث کو امام ابوداؤد نے حضرت ابن جریج سے نقل کیا انہوں نے حکیمہ سے اور انہوں نے اپنی ماں امیمہ بنت رقیقہ سے روایت کیا ابن دحیہ نے اس بات کو صحیح قرار دیا کہ دو واقعہ ہیں جو دو عورتوں کو پیش آئے اور یہ بات واضح ہے کہ برکہ جو ام یوسف ہیں وہ برکہ ام ایمن سے الگ ہیں۔ شیخ الاسلام بلقینی رحمۃ اللہ نے بھی یہی بات فرمائی ہے۔

ان (مذکورہ بالا) احادیث میں اس بات پر دلالت پائی جاتی ہے کہ نبی اکرم ﷺ کا پیشاب اور خون پاک تھا۔

امام نووی رحمۃ اللہ نے "شرح المہذب میں" فرمایا: کہ جن لوگوں نے آپ کے پیشاب اور خون کے پاک ہونے کا قول کیا ہے انہوں نے دو معروف حدیثوں سے استدلال کیا ہے ایک یہ کہ ابوطیبہ حجام نے آپ کو سینگی لگائی اور آپ کا خون پیا اور آپ نے ان پر اعتراض نہیں کیا اور ایک خاتون نے آپ کا پیشاب پیا تو آپ نے ان پر بھی اعتراض نہ کیا۔ ابوطیبہ والی حدیث ضعیف ہے لیکن پیشاب پینے والی حدیث صحیح ہے۔ اسے امام دار قطنی نے روایت کیا اور فرمایا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ اور یہ آپ کے تمام فضلات کے لئے بطور قیاس استدلال میں کافی ہے پھر قاضی حسین نے کہا کہ زیادہ صحیح اور قطعی بات یہ ہے کہ یہ تمام فضلات پاک ہیں۔

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ بھی یہی فرماتے ہیں: جس طرح امام بدر الدین عینی نے فرمایا۔

ابوطیبہ (طاء پر زبر اور یاء ساکن کے ساتھ ہے) یہ نافع ہیں جو سینگی لگاتے تھے اور محیصہ (میم پر پیش، حاء پر زبر اور یاء

مشدد کے نیچے زیر ہے) ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ ہیں۔
شیخ الاسلام ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ کے فضلات کی طہارت پر بے شمار دلائل ہیں اور ائمہ حدیث نے اس بات کو آپ کے خصائص میں شمار کیا ہے۔
بعض حضرات نے یہ بھی فرمایا: کہ اس کی وجہ وہ واقعہ ہے جس میں دو فرشتوں نے آپ کے بطن مبارک کو دھویا تھا۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

قضائے حاجت کے سلسلے میں آپ کی سیرت طیبہ

قضائے حاجت کے سلسلے میں نبی اکرم ﷺ کے طریقۂ مبارکہ کے بارے میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب سے قرآن مجید نازل ہوا آپ نے کبھی کھڑے ہو کر پیشاب نہیں فرمایا۔
یہ حدیث ابو عوانہ نے اپنی صحیح میں نیز امام حاکم نے روایت کی ہے۔
امام نسائی اور امام ابن ماجہ نے حضرت عبد الرحمٰن بن حسنہ سے روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے بیٹھ کر پیشاب فرمایا تو (کفار) کہنے لگے اس کی طرف دیکھو عورتوں کی طرح پیشاب کرتا ہے۔
(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۰۹۔۳۳۶، سنن نسائی ج ۱ ص ۲۷، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۲، مسند احمد ج ۴ ص ۱۹۶)
ابن ماجہ نے اپنے بعض مشائخ سے نقل کیا وہ کہتے ہیں عرب کا طریقہ تھا کہ وہ کھڑے ہو کر پیشاب کرتے تھے عبد الرحمٰن بن حسنہ کی (مندرجہ بالا) روایت اس بات کی تائید کرتی ہے اور اس میں اس بات پر بھی دلالت پائی جاتی ہے کہ آپ ان کی مخالفت کرتے ہوئے بیٹھ کر پیشاب کرتے تھے کیونکہ اس میں پردہ بھی زیادہ ہے اور پیشاب کے (کپڑوں اور جسم کو) پہنچنے سے حفاظت بھی زیادہ ہوتی ہے۔
حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ قوم کے کوڑا کرکٹ کے ایک ڈھیر پر تشریف لائے اور کھڑے ہو کر پیشاب کیا پھر پانی طلب فرمایا تو میں پانی لایا جس سے آپ نے وضو فرمایا۔ اسے امام بخاری رحمۃ اللہ نے روایت کیا اور ان کے غیر کی روایت میں ہے کہ آپ نے کھڑے ہو کر پیشاب کیا اور دونوں پاؤں کے درمیان زیادہ فاصلہ رکھا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۲۴۔۲۲۵۔۲۲۶۔۲۴۷۱، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۷۳۔۲۷۴۔۱۸۷، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۳، جامع ترمذی رقم الحدیث: ۱۳، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۰۵۔۳۰۶، سنن نسائی ج ۱ ص ۱۹، سنن داری رقم الحدیث: ۹، مسند احمد ج ۱ ص ۳۸۴۔ ج ۴ ص ۲۴۶۔ ج ۵ ص ۳۸۲)
(کوڑے کرکٹ کے ڈھیر کے لئے) سباطۃ کا لفظ استعمال ہوا اور عام طور پر وہ نرم ہوتا ہے جس سے پیشاب واپس نہیں آتا اور قوم کی طرف اضافت اختصاص کی اضافت ہے اضافت ملک نہیں ہے کیونکہ وہ نجاست سے خالی نہیں ہوتا اس سے یہ اعتراض بھی دور ہو گیا کہ پیشاب سے دیوار خراب ہو جاتی ہے تو یہ نقصان پہنچاتا ہے یا ہم کہتے ہیں کہ ڈھیر کے اوپر پیشاب کیا دیوار کے نیچے نہیں اور یہ بات حضرت ابو عوانہ کی صحیح میں صراحتاً بیان ہوئی ہے کہا گیا ہے کہ اس بات کا بھی احتمال ہے کہ ان (دیوار والوں) کی طرف سے یا کسی اور کی طرف سے واضح اجازت معلوم ہو یا اس سلسلے میں لوگ چشم پوشی سے کام لیتے ہوں۔

یہ بھی ہوسکتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کو اس بات کا علم تھا کہ وہ لوگ آپ کو ترجیح دیتے تھے یا یہ کہ نبی اکرم ﷺ کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ آپ امت کے مال میں تصرف کرسکتے ہیں کیونکہ آپ مؤمنوں کی جانوں اور مالوں کے مقابلے میں ان سے زیادہ قریب ہیں۔

یہ بات اگرچہ معنی کے اعتبار سے صحیح ہے لیکن آپ کی سیرت طیبہ سے یہ معروف نہیں اور نہ ہی آپ کے اخلاق عالیہ کے مطابق ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ کی عادت مبارکہ تھی کہ آپ قضائے حاجت کے لئے عام راستے اور لوگوں کی نگاہوں سے دور جاتے تھے تو اس صورت میں اس واقعہ کا جواب یہ ہوگا کہ آپ مسلمانوں کے کاموں میں مشغول رہتے تھے اور شاید آپ کی مجلس طویل ہوگئی ہو حتیٰ کہ آپ نے پیشاب کی ضرورت محسوس کی اور اگر دور تشریف لے جاتے تو ضرر پہنچتا۔

آپ نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو قریب کیا تا کہ ان کے ذریعے پردہ ہو اور کوئی دیکھ نہ سکے یا بیان جواز کے لئے ایسا کیا پھر قضائے حاجت کے مقابلے میں پیشاب کے لئے زیادہ ستر نہیں کھلتا اور دور جانے کا مقصد بھی ستر ہوتا تھا۔

اور یہ مقصد قمیص کا دامن لٹکانے یا پردہ کرنے والے کو قریب کرنے سے حاصل ہو جاتا ہے۔ (فتح الباری ج ۱ ص ۴۳۷)

امام طبرانی نے حضرت عصمہ بن مالک کی روایت سے نقل کیا وہ فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ مدینہ طیبہ کی ایک گلی میں ہمارے پاس تشریف لائے اور فرمایا: اے حذیفہ! میرے لئے پردہ کرو اس کے بعد مکمل حدیث ذکر کی۔

اس سے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو اسی حالت میں قریب کرنے کی حکمت ظاہر ہوگئی۔

کھڑے ہو کر پیشاب کرنے کی ایک حکمت یوں بیان کی گئی ہے کہ اس صورت میں ہوا کے نکلنے کا خوف نہیں ہوتا چنانچہ آپ نے دیوار کے قریب ہونے کی وجہ سے یہ طریقہ اختیار کیا۔

حضرت عبدالرزاق کی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے روایت اس بات کی تائید کرتی ہے وہ فرماتے ہیں:

البول قائما احصن للدبر۔ کھڑے ہو کر پیشاب کرنے میں دبر (سرین) کی زیادہ حفاظت ہوتی ہے۔

کہا گیا ہے کہ اس کا سبب وہ بات ہے جو حضرت امام شافعی اور امام احمد رحمۃ اللہ سے منقول ہے کہ اہل عرب پیٹھ کے درد سے اس عمل کے ذریعے شفا حاصل کرتے تھے تو شاید آپ نے اس مقصد کے تحت ایسا کیا ہو۔

امام حاکم اور امام بیہقی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں کہ آپ نے زخم کی وجہ سے کھڑے ہو کر پیشاب کیا جو آپ کے گھٹنے کے اندر تھا گویا اس وجہ سے بیٹھنے پر قادر نہ تھے۔

اگر یہ حدیث صحیح ہو تو مذکورہ بالا تمام تاویلات کی ضرورت نہیں رہے گی لیکن اسے امام دار قطنی اور امام بیہقی نے ضعیف قرار دیا ہے۔

زیادہ ظاہر بات یہ ہے کہ آپ نے جواز بتانے کے لئے ایسا کیا ورنہ عام طور پر آپ بیٹھ کر پیشاب کرتے تھے۔

یہ بھی کہا گیا کہ کھڑے ہو کر پیشاب کرنے کا حکم منسوخ ہوگیا اور اس پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی سابقہ حدیث دلالت کرتی ہے لیکن صحیح بات یہ ہے کہ یہ حکم منسوخ نہیں ہوا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کا جواب یہ ہے کہ یہ بات آپ کے علم سے تعلق رکھتی ہے لہٰذا اسے گھر میں پائے جانے والے عمل پر محمول کیا جائے گا جب گھر سے باہر ام المؤمنین' نبی اکرم ﷺ کے عمل پر مطلع نہ تھیں جب کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو یہ عمل یاد تھا اور آپ جلیل القدر صحابہ کرام میں سے تھے اور یہ بلا کراہت جائز ہے جب کہ چھینٹے پڑنے کا خطرہ نہ ہو۔

نبی اکرم ﷺ جب بیت الخلاء میں داخل ہوتے تو یہ کلمات کہتے:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنَ الْخُبُثِ وَ الْخَبَآئِثِ. یا اللہ! میں نر اور مادہ شیطانوں سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۱۴۲، ۶۳۲۲' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۲۹۶' صحیح مسلم رقم الحدیث:۸۳ ۲' جامع ترمذی رقم الحدیث:۵۔۶' سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۴' مسند احمد ج ۳ص ۹۹۔ ج ۴ ص ۳۶۹' السنن الکبریٰ ج ۱ص ۹۵' سنن دارمی ج ۱ص ۱۷۱' اتحاف السادۃ المتقین ج ۲ص ۳۳۹' تفسیر قرطبی ج ۴ص ۳۹' شرح السنہ ج ۱ص ۳۷۶' مسند ابوعوانہ ج ۱ص ۲۱۶' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ص ۱' کنز العمال رقم الحدیث:۱۷۸۷۳)

نبی اکرم ﷺ بندگی کے اظہار کے لئے پناہ مانگتے تھے اور تعلیم کے لئے بلند آواز سے کہتے تھے۔

کیا یہ کلمات صرف گھروں میں بنے ہوئے بیت الخلاؤں میں جاتے وقت کے ساتھ مختص ہیں کیونکہ وہاں شیطان حاضر ہوتے ہیں یا یہ حکم عام ہے؟ تو دوسری بات صحیح ہے۔

اور آپ یہ کلمات بیت الخلاء میں داخل ہونے سے پہلے کہتے تھے لیکن دوسرے مقامات پر شروع میں یعنی کپڑے اٹھاتے وقت یہ کلمات کہتے تھے اور یہی جمہور کا مذہب ہے اگر آدمی بھول جائے تو دل سے کہے زبان سے نہ کہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ جب قضائے حاجت کا ارادہ فرماتے تو جب تک زمین کے قریب نہ ہو جاتے' کپڑا نہ اٹھاتے۔ (جامع ترمذی رقم الحدیث:۱۴' سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۱۴' سنن دارمی رقم الحدیث:۷' مجمع الزوائد ج ۱ص ۲۰۶' مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث:۳۴۶' شرح السنہ ج ۱ص ۳۷۴' کنز العمال رقم الحدیث:۱۷۸۶۷)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے فرماتی ہیں کہ رسول اکرم ﷺ جب بیت الخلاء سے نکلتے تو فرماتے۔ ''غفرانک'' یا اللہ! تیری بخشش کا طالب ہوں۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۳۰' جامع ترمذی رقم الحدیث:۷' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۳۰۰' تاریخ الکبیر ج ۸ص ۳۸۶' السنن الکبریٰ ج ۱ص ۹۷' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ص ۲' العلل المتناہیہ ج ۱ص ۳۳۰' کنز العمال رقم الحدیث:۱۷۸۶۹۔۱۷۸۷۱۔۳۷۲۱۱)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ جب بیت الخلاء سے باہر تشریف لاتے تو یہ کلمات کہتے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَذْهَبَ عَنِّی الْاَذٰی وَ عَافَانِیْ. تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں (اللہ تعالیٰ کا شکر ہے) جو مجھ سے اذیت کو لے گیا اور مجھے عافیت عطا کی۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۳۰۱' کنز العمال رقم الحدیث:۱۷۸۷۰)

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

جب تم میں سے کوئی ایک قضائے حاجت کے لئے آئے تو قبلہ کی طرف منہ اور پیٹھ نہ کرے بلکہ مشرق یا مغرب کی

طرف منہ کرو۔ یہ حدیث امام بخاری نے حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی روایت سے نقل کی ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۴۴-۳۹۴، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۸، سنن نسائی ج ۱ ص ۲۳، مسند احمد ج ۵ ص ۴۱۶، المعجم الکبیر ج ۴ ص ۱۰۷، التفسیر ابن کثیر رقم الحدیث: ۳۸۴۱۶، علل الحدیث رقم الحدیث: ۵۷، تاریخ ابن عساکر ج ۳ ص ۳۷۸)

نوٹ: چونکہ مدینہ طیبہ سے خانہ کعبہ جنوب کی جانب ہے اس لئے مغرب کا ذکر فرمایا ہمارے ہاں کعبہ شریف مغرب کی جانب ہے لہٰذا ہم شمالاً یا جنوباً رخ کریں گے۔ ۱۲ ہزاروی

یہ صحرا کے بارے میں ہے جہاں تک بستیوں کا تعلق ہے تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ میں کسی کام کے لئے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے مکان پر چڑھا تو میں نے نبی اکرم ﷺ کو دیکھا کہ قبلہ کی طرف پیٹھ اور شام کی طرف رخ کیے ہوئے قضائے حاجت فرما رہے تھے۔ ۱

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۴۸، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۶۲، جامع ترمذی رقم الحدیث: ۱۱، مسند احمد ج ۲ ص ۱۲-۱۳)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت جو حضرت ابوداؤد اور ابن خزیمہ نے نقل کی ہے اور امام احمد کے نزدیک اس کے الفاظ یوں ہیں کہ نبی اکرم ﷺ ہمیں قبلہ کی طرف پیٹھ کرنے یا اس طرف شرمگاہ کرنے سے منع فرماتے جب ہم پانی بہاتے (استنجاء کرتے) فرماتے ہیں: کہ پھر میں نے نبی اکرم ﷺ کو وصال سے ایک سال پہلے دیکھا کہ آپ قبلہ رخ تھے۔ (مسند احمد ج ۳ ص ۳۶۰، فتح الباری ج ۱ ص ۳۲۶)

اس حدیث کے سلسلے میں امام ابن حجر رحمۃ اللہ فتح الباری میں فرماتے ہیں: حق بات یہ ہے کہ یہ حکم (قبلہ کی طرف رخ نہ کرنا) منسوخ نہیں کیونکہ حضور ﷺ کی طرف سے ممانعت آئی ہے بخلاف اس کے جو منسوخ سمجھتا ہے۔ ۲ بلکہ یہ اس بات پر محمول ہے کہ انہوں نے آپ کو عمارت وغیرہ میں دیکھا ہو کیونکہ نبی اکرم ﷺ کی حالت معروفہ یہی تھی کہ آپ پردہ کرنے میں مبالغہ کرتے تھے۔ اور یہ دعویٰ کہ یہ بات نبی اکرم ﷺ کی خصوصیت سے ہے اس پر کوئی دلیل نہیں کیونکہ خصائص، احتمال سے ثابت نہیں ہوتے اور جمہور یعنی امام مالک، امام شافعی اور اسحاق کا مذہب یہ ہے کہ بستیوں اور صحرا کے حوالے سے حکم میں فرق ہے اور یہ تمام اقوال میں سے زیادہ عدل پر مبنی ہے کیونکہ اس میں تمام دلائل پر عمل ہوتا ہے۔

ایک قوم نے مطلق حرام قرار دیا ہے۔ حضرت امام ابوحنیفہ امام احمد رحمۃ اللہ سے بھی یہی بات مشہور ہے مالکی فقہ سے تعلق رکھنے والوں میں سے ابن عربی نے بھی اسے ہی ترجیح دی اور ان کی دلیل یہ ہے کہ نہی، اباحت پر مقدم ہے اور انہوں نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی مذکورہ بالا روایت کو صحیح قرار نہیں دیا۔

ایک قوم نے مطلقاً جواز کا قول کیا ہے حضرت عائشہ، حضرت عروہ اور حضرت ربیعہ رضی اللہ عنہم کا یہی قول ہے ان کا

---

۱ فقہ حنفی کے مطابق قضائے حاجت کے وقت قبلہ کی طرف منہ یا پیٹھ کرنا دونوں جائز نہیں چاہے گھر میں ہو یا جنگل میں کیونکہ حضور ﷺ نے مطلقاً منع فرمایا اوپر مذکور مسلک امام شافعی رحمۃ اللہ کا ہے اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا حضور علیہ السلام کو دیکھنا یقیناً کھڑے ہونے کی حالت میں تھا کیونکہ قضائے حاجت کے وقت دیکھنا جائز نہیں۔ ۱۲ ہزاروی

۲ کیونکہ نسخ پر کوئی دلیل نہیں اور نبی کے خلاف عمل کو صرف دیکھ لینے سے نسخ ثابت نہیں ہوتی۔ (زرقانی ج ۴ ص ۲۳۹)

استدلال یوں ہے کہ احادیث کے باہم متعارض ہونے کی وجہ سے ہم اصل اباحت کی طرف رجوع کریں گے۔

''صحیح بخاری میں'' حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب نبی اکرم ﷺ قضائے حاجت کے لئے تشریف لے جاتے تو میں اور ایک غلام بھی ساتھ ہوتے اور ہمارے پاس پانی کا ایک برتن ہوتا تا کہ آپ اس سے استنجاء فرمائیں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۱۵۲ صحیح مسلم رقم الحدیث:۷۰ سنن نسائی رقم الحدیث:۴۰ ج ا ص ۴۲ مسند احمد ج ۳ ص ۱۱۲،۱۷۱ سنن دارمی رقم الحدیث:۱۵)

''صحیح مسلم میں'' انہی سے مروی ہے کہ آپ ہمارے پاس تشریف لائے اور پانی سے استنجاء فرمایا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ قضائے حاجت کے لئے تشریف لے گئے تو میں آپ کے پیچھے گیا آپ نے فرمایا: میرے لئے پتھر تلاش کرو تا کہ میں ان کے ساتھ طہارت حاصل کروں لیکن ہڈی اور لید نہ لانا[1] پس میں اپنے کپڑے کے کنارے میں پتھر لایا اور آپ کے پاس رکھ دیئے آپ نے فراغت پر ان سے استنجاء کیا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث:۱۵۵۔۳۸۶۰)

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ قضائے حاجت کے لئے تشریف لائے تو مجھے حکم دیا کہ میں آپ کے پاس تین پتھر لاؤں میں نے دو پتھر پائے اور تیسرا پتھر تلاش کرنے لگا لیکن نہ پایا چنانچہ میں لید لے کر حاضر ہوا تو آپ نے پتھر لے لئے اور لید پھینک دی۔ (جامع ترمذی رقم الحدیث:۱۷، صحیح البخاری رقم الحدیث:۱۵۶، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۳۱۴، سنن نسائی رقم الحدیث:۴۷، مسند احمد ج ا ص ۳۸۸۔۴۱۸)

امام مسلم نے حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

لا یستنج احدکم باقل من ثلاثة احجار. تم میں سے کوئی شخص تین پتھروں سے کم کے ساتھ استنجا نہ کرے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث:۵۷، سنن دار قطنی ج ا ص ۵۴، سنن نسائی ج ا ص ۴۴، السنن الکبریٰ ج ا ص ۱۰۳۔۱۱۲)

حضرت امام شافعی، امام احمد اور اصحاب حدیث نے اسی کو اپنایا اس لئے ان کے نزدیک شرط یہ ہے کہ تین سے کم پتھر نہ ہوں اور پاک کرنے کی رعایت بھی ملحوظ رہے یعنی تین پتھروں سے طہارت حاصل نہ ہو تو زیادہ کر دیئے جائیں لیکن سنت یہ ہے کہ طاق پتھر ہوں۔

کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

من استجمر فلیوتر. جو شخص پتھر استعمال کرے تو طاق استعمال کرے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث:۲۲، سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۳۵، سنن نسائی رقم الحدیث:۱۷، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۳۳۷۔۴۰۹، مسند احمد ج ۲ ص ۲۳۶۔۲۷۸، السنن الکبریٰ ج ا ص ۴۹، صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث:۷۵، مسند ابو عوانہ ج ا ص ۲۴۷، التلخیص ج ا ص ۱۱۰، اتحاف السادۃ المتقین ج ۲ ص ۳۴۴، نصب الرایہ ج ا ص ۲۱۷، المغنی ج ا ص ۱۳۱، فتح الباری ج ا ص ۳۳۱)

لیکن یہ واجب نہیں کیونکہ سنن ابی داؤد میں سند حسن کے ساتھ یہ اضافہ بھی ہے:

من لا فلا حرج جو ایسا نہ کرے تو بھی کوئی حرج نہیں۔

---

[1] لید خود ناپاک ہے اس سے طہارت حاصل نہیں ہو سکتی اور ہڈی جنوں کی خوراک ہے اس لئے اس سے استنجاء کرنا صحیح نہیں نیز جسم کے زخمی ہونے کا بھی خطرہ ہوتا ہے۔ ۱۲ ہزاروی

خطابی فرماتے ہیں اگر صرف پاکیزگی حاصل کرنے کا ارادہ ہو تو تعداد کی شرط بے فائدہ ہوگی۔

توجب عدد کی شرط لفظوں میں ہے اور پاکیزگی کا حصول معنوی طور پر معلوم ہو تو یہ اس بات کی دلالت ہے کہ دونوں باتیں واجب ہیں۔

اس کی مثال اقراء کی تعداد ہے کہ تعداد شرط ہے اگرچہ رحم کی برأت ایک حیض سے معلوم ہو جاتی ہے (عدت کے لئے تین حیض گزارنا)۔

امام طحاوی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں: اگر تین کی تعداد شرط ہوتی تو نبی اکرم ﷺ تیسرا پتھر بھی طلب فرماتے۔

لیکن امام طحاوی رحمۃ اللہ اس حدیث سے غافل رہے حضرت امام احمد نے اپنی مسند میں حضرت معمر کے طریق سے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ آپ نے لید کو پھینک دیا اور فرمایا: یہ ناپاک ہے ایک پتھر لے آؤ۔

اس حدیث کے راوی ثقہ ثابت ہیں۔

جبکہ حضرت امام طحاوی رحمۃ اللہ کا استدلال محل نظر ہے کیونکہ ہوسکتا ہے آپ نے ان پتھروں میں سے کسی ایک کے دوسرے کنارے کے ساتھ اکتفا کر لیا ہو کیونکہ تین کی تعداد کا تصور تین بار ملتا ہے اور یہ بات حاصل ہو جاتی ہے اگرچہ ایک پتھر سے ہو۔

فصل نمبر۲

رسول اکرم ﷺ کے پاکیزہ اخلاق اور پسندیدہ اوصاف [1]

خلق کا لغوی معنیٰ

اخلاق خلق کی جمع ہے (خلق خاء اور لام دونوں پر پیش ہے اور لام ساکن بھی پڑھی جاتی ہے)۔

حضرت امام راغب فرماتے ہیں: اَلْخَلْق اور اَلْخُلُق اصل میں ایک ہی ہیں جس طرح اَلشَّرب اور اَلشُّرب، لیکن خلق (زبر کے ساتھ) شکل وصورت کے ساتھ مختص ہے جو آنکھوں سے دیکھی جاتی ہے اور خلق (پیش کے ساتھ) ان قوتوں اور عادات کو کہتے ہیں جن کا تعلق بصیرت سے ہے۔

اخلاق وہبی ہیں یا کسبی؟

اس سلسلے میں اختلاف ہے کہ آیا حسن خلق وہبی ہیں یا کسبی ہیں؟

جن لوگوں نے وہبی کہا ہے انہوں نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت سے استدلال کیا آپ نے فرمایا:

---

[1] (دلائل النبوۃ ج ا ص ۳۰۸، البدایہ والنہایہ ج ۶ ص ۳۶، طبقات ابن سعد ج ا ص ۳۷۳ ـ ۳۸۵ ـ ۳۸۹ ـ ۳۱۴، الشفاء ج ا ص ۱۳۶)

ان اللہ قسم بینکم اخلاقکم کما قسم ارزاقکم.
بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہارے درمیان تمہارے اخلاق اسی طرح تقسیم فرمائے جس طرح تمہارے رزق تقسیم فرمائے۔

(مسند احمد ج ۱ص ۳۸۷' المستدرک ج ۱ص ۳۳۔ ج ۲ص ۴۴۷۔ ج ۴ص ۱۶۵' مجمع الزوائد ج ۱۰ص ۹۰۔ ۲۸۸' جمع الجوامع رقم الحدیث: ۲۰۳۲۔ ۴۳۳۳۱' الدرالمنثور ج ۲ص ۱۵۹۔ ج ۶ص ۱۷' شرح السنہ ج ۸ص ۱۰' العلل المتناہیہ ج ۲ص ۳۵۲' الکامل ج ۳ص ۱۱۵۸' مشکوۃ المصابیح رقم الحدیث: ۴۹۹۳' حلیۃ الاولیاء ج ۴ص ۱۶۶۔ ج ۵ص ۳۵' کنزالعمال رقم الحدیث: ۲۰۳۲۔ ۴۳۳۳۱)

امام قرطبی فرماتے ہیں: خلق انسانی فطرت کا نام ہے اور اس سلسلے میں لوگوں میں فرق ہے اگر کسی پر ان اچھے اخلاق میں سے کسی بات کا غلبہ ہو تو وہ محمود ہے ورنہ اسے حکم دیا گیا کہ وہ اس قدر مجاہدہ کرے کہ قابل تعریف بن جائے اسی طرح کمزور ہو تو مشق اور ریاضت کے ذریعے قوت حاصل کرے۔ حضرت اشج رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: بے شک آپ میں دو خصلتیں ہیں جن کو اللہ تعالیٰ پسند فرماتا ہے ایک بردباری اور دوسری ٹھہراؤ (جلد بازی نہ کرنا) انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! یہ قدیم ہیں یا جدید؟ آپ نے فرمایا: پہلے سے ہیں' انہوں نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے لئے حمد (اور شکر) ہے جس نے مجھے ایسی دو خصلتوں پر پیدا فرمایا جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہیں۔[1]

ان کا سوال اور نبی اکرم ﷺ کا اس بات کو پکا کرنا اس بات کی خبر دیتا ہے کہ خلق فطری بھی ہوتا ہے اور کسبی بھی۔
اور نبی اکرم ﷺ یوں دعا مانگا کرتے تھے:

اَللّٰهُمَّ كَمَا حَسَّنْتَ خَلْقِيْ فَحَسِّنْ خُلُقِيْ.
یا اللہ! جس طرح تو نے میری صورت کو اچھا بنایا ہے میرے خلق کو بھی اچھا کر دے۔

(الدرالمنثور ج ۲ص ۳' کشف الخفاء رقم الحدیث: ۲۱۷' اتحاف السادۃ المتقین ج ۵ص ۱۱۳' اخلاق النبوۃ رقم الحدیث: ۱۷' المغنی ج ۳ص ۴۹' کنزالعمال رقم الحدیث: ۵۱۹۷)

''صحیح مسلم میں'' دعائے افتتاح اس طرح ہے:

وَاهْدِنِيْ لِاَحْسَنِ الْاَخْلَاقِ لَا يَهْدِيْ لِاَحْسَنِهَا اِلَّا اَنْتَ.
اور نہایت اچھے اخلاق کی طرف میری رہنمائی فرما یا اچھے اخلاق کی طرف رہنمائی صرف تو ہی فرماتا ہے۔

خلق عظیم

جب نبی اکرم ﷺ میں کمال کی اس قدر خصلتیں جمع تھیں کہ کوئی حد ان کا احاطہ نہیں کر سکتی اور نہ وہ کسی شمار میں آ سکتی ہیں تو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں آپ کی تعریف یوں فرمائی:

وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ.
اور بے شک آپ خلق عظیم کے مالک ہیں۔

[1] عبدالقیس کا وفد آیا تو وہ جلدی جلدی نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہوں نے وہی سفر والا لباس پہن رکھا تھا لیکن اشج نے سامان رکھا اونٹنی باندھی اور اچھے کپڑے پہن کر بارگاہ نبوی میں حاضر ہوئے اس پر آپ نے ان کی تعریف فرمائی اور یہ کلمات ارشاد فرمائے۔
(زرقانی ج ۴ص ۲۴۴)

کلمہ "علیٰ" استعلاء (بلندی) کے لئے آتا ہے پس یہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ آپ ان اخلاق سے بلند اور ان پر ولایت رکھتے ہیں۔

خلق ایک نفسانی قوت (ملکہ) ہے جس کی وجہ سے اس سے موصوف شخص کے لئے اچھے کاموں کا کرنا آسان ہو جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کی قوت علمیہ کی تعریف یوں فرمائی:

وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا۔ ۱ (النساء:۱۱۳) اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو وہ کچھ سکھایا جو آپ نہیں جانتے تھے اور یہ آپ پر بہت بڑا فضل ہے۔

اور قوت علمیہ کے وصف کو لفظ عظیم کے ساتھ بیان فرمایا پھر ارشاد فرمایا:

وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ۔ (القلم:۴) اور بے شک آپ خلق عظیم کے مالک ہیں۔

پس ان دونوں آیتوں کا مجموعہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ تمام ارواح بشریہ کے درمیان آپ کی روح مبارک بلند درجہ رکھتی ہے گویا یہ اپنی قوت اور شدتِ کمال کی وجہ سے ارواح ملائکہ کی جنس سے ہے۔

حلیمی کہتے ہیں آپ کے وصف کو عظیم کہا گیا حالانکہ خلق کو عظمت کی بجائے کرم کے ساتھ موصوف کیا جاتا ہے۔

کیونکہ خلق کے کریم ہونے سے مراد نرمی اور آسانی ہے اور آپ کا خلق مبارک صرف اسی وصف میں بند نہ تھا بلکہ آپ مؤمنوں پر رحیم اور رفیق تھے اور کفار پر سخت تھے اور دشمنوں کے سینوں میں آپ کا رعب پایا جاتا تھا ایک مہینے کی مسافت سے رعب کے ساتھ آپ کی مدد کی گئی تھی لہٰذا آپ کے خلق کو عظیم قرار دینا زیادہ بہتر ہے تاکہ انعام اور انتقام دونوں کو شامل ہو۔

حضرت جنید (ابو القاسم بن محمد نہاوندی) ۲ فرماتے ہیں: آپ کا خلق اس اعتبار سے عظیم ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کا ارادہ نہیں فرماتے تھے۔ (الاعلام ج ۲ ص ۱۴۱، وفیات الاعیان ج ۱ ص ۱۷۱، حلیۃ الاولیاء ج ۱۰ ص ۲۵۵، طبقات الشافعیہ ج ۲ ص ۲۸، تاریخ بغداد ج ۷ ص ۲۴۱، طبقات الحنابلہ رقم الحدیث: ۸۹)

یہ بھی کہا گیا کہ آپ ﷺ مخلوق کے ساتھ اپنے خلق سے معاشرتی زندگی گزارتے لیکن اپنے دل کے ساتھ ان سے جدا رہتے (یعنی دل اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ رہتا تھا)۔

ایک قول یہ ہے کہ آپ میں تمام اچھے اخلاق جمع تھے اس لئے آپ کے خلق کو خلق عظیم قرار دیا گیا۔

امام طبرانی نے اوسط میں اسی سند کے ساتھ ذکر کیا جس میں عمر بن ابراہیم مقدسی ہیں اور وہ ضعیف ہیں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

---

۱ امام زرقانی فرماتے ہیں: اس کا معنی یہ ہے کہ آپ کو کمال عظیم سے موصوف فرمایا جو قوت علمیہ کی طرف لوٹتا ہے اور آپ کو احکام اور غیب کی باتیں جو (پہلے) نہیں جانتے تھے سکھا دیں۔ (زرقانی ج ۳ ص ۲۴۵)

۲ ابو القاسم بن محمد نہاوندی اصل میں بغدادی تھے حضرت ابو ثور سے فقہ حاصل کی اور ان کی موجودگی میں فتویٰ دیتے جو درست اور مقبول ہوتا لوگ آپ کی مجلس میں حاضر ہوتے اور الفاظ یاد رکھتے فقہاء آپ کی تقریر کے لئے فلاسفہ آپ کی دقت نظر کے لئے متکلمین آپ کی تحقیق اور صوفیا آپ کے اشارات کے لئے حاضر ہوتے تھے۔ آپ کا وصال ۲۹۷ یا ۲۹۸ھ میں بغداد شریف میں ہوا۔

ان اللہ بعثنی بتمام مکارم الاخلاق و کمال محاسن الافعال. اللہ تعالیٰ نے مجھے مکارم اخلاق اور اچھے افعال کے کمال کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے۔

(مجمع الزوائد ج ۸ص ۱۸۸' جمع الجوامع رقم الحدیث: ۴۷۳۶' کشف الخفاء ج اص ۲۳۵' تاریخ ابن عساکر ج ۵ص ۴۳۸' کنز العمال رقم الحدیث: ۳۱۹۴۷)

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ نے ''موطأ میں'' روایت نقل کی کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

بعثت لاتمم مکارم الاخلاق. مجھے اچھے اخلاق کی تکمیل کے لئے بھیجا گیا ہے۔

(السنن الکبریٰ ج ۱۰ص ۱۹۲' اتحاف السادۃ المتقین ج ۶ص ۱۷۱' شرح السنہ ج ۱۳ص ۲۰۲' المستدرک ج ۲ص ۶۱۳' تفسیر قرطبی ج ۷ص ۳۴۵۔ ج ۱۳ص ۱۹۷' المغنی ج ۲ص ۱۵۵۔ ۳۵۲۔ ج ۳ص ۲۸' الشفاء ج اص ۹۶' موطا امام مالک رقم الحدیث: ۹۰۴' مسند احمد ج ۲ ص ۳۸۱)

پس تمام اچھے اخلاق آپ میں موجود تھے کیونکہ یہ ادب قرآن ہے۔

جس طرح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

کان خلقه القرآن. آپ کا خلق مبارک قرآن تھا۔

(مسند احمد ج ۶ص ۹۱۔ ۱۶۳' السنن الکبریٰ ج ۲ص ۴۹۹' دلائل ج اص ۳۰۹' الدر المنثور ج ۵ص ۲۔ ج ۶ص ۲۵۰' الادب المفرد رقم الحدیث: ۳۰۹' الشفاء ج اص ۹۶' المغنی ج ۲ص ۳۵۲' کنز العمال رقم الحدیث: ۱۸۳۷۸۔ ۱۸۷۱۸)

بعض عارفین نے فرمایا: کہ یہ بات معلوم ہے کہ قرآن مجید میں متشابہات بھی ہیں جن کی تاویل کو صرف اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور جو لوگ علم میں مضبوط ہیں وہ کہتے ہیں ہم اس پر ایمان لائے یعنی جو کچھ ہمارے سامنے ہے اس کا بھی اقرار کیا اور جو کچھ اس کے پردے کے پیچھے ہے اس کا بھی اقرار کیا اور اس کے ذریعے ہم نے جحت کی تلوار لٹکائی لیکن وہ اپنی میان میں ہے۔

وما کونه مما تحصل مقلة ولا حده مما تحس الانامل

''اور یہ اس قدر مخفی ہے کہ اس کا حصول ممکن نہیں اور نہ ہی اس کی حد کو انگلیوں کے پوروں سے چھوا جا سکتا ہے (یعنی اس کے معنی کا ادراک نہیں ہو سکتا)''۔

''عوارف المعارف میں'' حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ نے فرمایا:

یہ بات بعید نہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے قول ''کان خلقہ القرآن'' میں نہایت گہری رمز ہے اور اخلاق ربانیہ کی طرف پوشیدہ اشارہ ہو اور ام المومنین نے بارگاہ خداوندی سے حیاء کرتے ہوئے یہ نہ فرمایا کہ آپ اللہ تعالیٰ کے اخلاق سے متصف تھے۔

بلکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس قول کے ذریعے اس کا مفہوم بیان فرمایا: کہ ''کان خلقہ القرآن'' آپ کا خلق قرآن مجید تھا۔

گویا آپ نے جلال خداوندی کے انوار سے حیاء فرمایا اور اچھے کلام کے ذریعے حال کو پوشیدہ رکھا اور یہ حضرت ام المومنین کے کمال عقل وادب کی وجہ سے ہے۔

تو جس طرح قرآن مجید کے معانی کی کوئی انتہا نہیں اسی طرح نبی اکرم ﷺ کے اوصاف بشمولہ جو آپ کے خلق پر دلالت کرتے ہیں بے حد و حساب ہیں کیونکہ آپ کے احوال میں سے ہر حالت میں اچھے اخلاق اچھی خصلتوں اور اللہ تعالیٰ کے معارف و علوم جن کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا نبی اکرم ﷺ پر فیضان ہوتا ہے پس آپ کے اخلاق حمیدہ کی جزئیات کو کسی حد میں بند کرنا انسانی طاقت سے باہر ہے اور اس کی عادات کے ممکنات میں سے نہیں ہے۔ حرالی (لام پر شد ہے اور قبیلہ بربر کی طرف نسبت ہے) علی بن احمد بن حسین مشہور تصانیف والے فرماتے ہیں: جب نبی اکرم ﷺ کا عرفان قلبی اللہ تعالیٰ کے ذریعے ہے جیسا کہ آپ نے فرمایا:

بربی عرفت کل شیء. میں نے ہر چیز کو اپنے رب کے ذریعے ہی پہچانا۔

تو آپ کے اخلاق سب سے بڑا خلق قرار پائے اسی لئے اللہ تعالیٰ نے آپ کو تمام لوگوں کی طرف مبعوث فرمایا اور آپ کی رسالت کو انسانوں تک محدود نہ رکھا بلکہ وہ جنوں کو بھی شامل ہوئی اور ان دو بھاری مخلوق (انسانوں اور جنوں) کو آپ کی رسالت محدود نہ رہی بلکہ تمام جہانوں کو شامل ہوئی پس جس کا رب اللہ ہے حضرت محمد ﷺ اس کے رسول ہیں اور جس طرح ربوبیت تمام جہانوں کو شامل ہے اسی طرح نبی اکرم ﷺ کا خلق تمام جہانوں کو شامل ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ کو فرشتوں کی طرف بھی بھیجا گیا اس ضمن میں مکمل کلام بعد میں آئے گا ان شاء اللہ تعالیٰ اور اسی (اللہ) سے مدد مانگی جاتی ہے۔

نبی اکرم ﷺ کے اخلاق کریمہ آپ کی فطرت اور پاکیزہ تخلیق میں شامل تھے یہ اخلاق نفس کی ریاضت سے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے جود و کرم سے حاصل ہوئے اسی طرح انوار معارف ہمیشہ آپ کے دل میں چمکتے رہے حتیٰ کہ آپ نے بلند مقام تک رسائی حاصل کی۔

تمام فضائل کی اصل، عقل ہے

ان خصائل حمیدہ اور عطیات مجیدہ کی اصل کمال عقل ہے کیونکہ عقل کے ذریعے فضائل حاصل کئے جاتے ہیں اور بری خصلتوں سے بچاؤ ہوتا ہے پس عقل، روح کی زبان اور بصیرت کی ترجمان ہے اور بصیرت، روح کے لئے دل کے قائم مقام ہے جب کہ عقل زبان کی جگہ پر ہے۔

بعض حضرات نے فرمایا: کہ ہر شے کا ایک جوہر (اصل ہے) اور انسان کا جوہر عقل ہے اور عقل کا جوہر صبر ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب عقل کو پیدا فرمایا تو فرمایا: آگے بڑھ وہ آگے بڑھی، پھر فرمایا: پیچھے ہٹ جا تو وہ پیچھے ہٹ گئی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

مجھے اپنی عزت و جلال کی قسم ہے میں نے تجھ سے زیادہ معزز چیز پیدا نہیں کی تیری وجہ سے پکڑتا ہوں اور تیرے سبب سے عطا کرتا ہوں۔

ابن تیمیہ اور کچھ دوسرے لوگوں نے اس کی اتباع میں کہا کہ یہ روایت بالاتفاق موضوع ہے (امام زرقانی فرماتے ہیں: ابن تیمیہ وغیرہ کی یہ بات محل نظر ہے کیونکہ اس کے لئے اصل صالح موجود ہے زرقانی ج ۴ ص ۲۷۸)۔

عبداللہ بن امام احمد رحمہما اللہ نے اپنے والد کی کتاب "الزہد کے" زوائد میں حضرت علی بن مسلم سے اور انہوں نے

حضرت یسار بن حاکم سے نقل کیا اور یہ ان لوگوں میں سے ہیں جن کو متعدد حضرات نے ضعیف قرار دیا اور یہ شخص کمزور روایات کو بہت زیادہ جمع کرتا تھا (وہ صحیح ہوں یا غیر صحیح) تو اریری نے کہا کہ یہ بے عقل شخص تھا۔

وہ کہتے ہیں ہم سے جعفر بن سلیمان الضبعی نے بیان کیا وہ فرماتے ہیں: ہم سے مالک بن دینار نے بیان کیا اور وہ فرماتے ہیں: ہم سے حسن بصری رحمۃ اللہ نے مرسلاً بیان کیا کہ اللہ تعالیٰ نے جب مخلوق کو پیدا کیا تو اس (عقل) سے فرمایا: آگے بڑھ وہ آگے بڑھی' پھر فرمایا: پیچھے ہٹ جا وہ پیچھے ہٹ گئی' فرمایا: میں نے تجھ سے زیادہ محبوب چیز پیدا نہیں کی تیرے ذریعے پکڑوں گا اور تیری وجہ سے عطا کروں گا۔

داؤد بن محبر نے اسے اپنی ''العقل میں'' ذکر کیا اور ابن محبر جھوٹا شخص ہے۔

حضرت حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ فرماتے ہیں: کہ سب سے پہلی مخلوق کے بارے میں یہ حدیث آئی ہے:

اول ما خلق الله القلم. اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے قلم کو پیدا کیا۔

اور یہ حدیث' عقل والی حدیث سے زیادہ مضبوط اور ثابت ہے۔

ابوالشیخ نے حضرت قرہ بن ایاس مزنی سے مرفوع حدیث نقل کی کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

الناس یعملون الخیر وانما یعطون اجورهم علی قدر عقولهم. لوگ نیک کام کرتے ہیں اور ان کو ان کا ثواب ان کی عقلوں کے مطابق دیا جائے گا۔

(کشف الخفاء ج ۲ ص ۳۵۲' اللآلی المصنوعہ ج ا ص ۶۵)

عقل کی ماہیت میں بہت زیادہ اختلاف کیا گیا ہے۔

''القاموس میں'' اس کتاب کے مؤلف نے نقل کیا کہ عقل' علم کا دوسرا نام ہے یا اشیاء کی صفات یعنی ان کا حسن' قبح' کمال اور نقصان عقل ہیں یا دو اچھی باتوں میں سے زیادہ اچھی اور دوسری باتوں میں سے زیادہ بری بات کا علم' عقل ہے یا ایسی قوت کا نام ہے جو قبیح اور حسن کے درمیان تمیز کر سکے۔

یا ان معانی کو عقل کہتے ہیں جو ذہن میں جمع ہوتے ہیں اور ان سے پہلے کچھ مقدمات ہوتے ہیں جن کے ذریعے اغراض اور مصالح ثابت ہوتے ہیں اسی طرح انسان کی حرکات اور کلمات میں قابل تعریف شکل عقل کہلاتی ہے۔

لیکن حق یہ ہے کہ یہ روحانی چیز ہے جس کے ذریعے علوم ضروریہ اور نظریہ کا ادراک ہوتا ہے اور اس کے وجود کا آغاز اسی وقت ہو جاتا ہے جب بچہ ماں کے پیٹ میں ہوتا ہے پھر یہ مسلسل بڑھتا ہے حتی کہ جب بچہ بالغ ہو جاتا ہے تو یہ کامل ہو جاتی ہے۔

رسول اکرم ﷺ کا کمالِ عقل

نبی اکرم ﷺ کمال عقل کے اعتبار سے اس انتہا کو پہنچے ہوئے تھے جہاں تک آپ کے علاوہ کسی انسان کی رسائی نہیں اسی لئے آپ کے معارف' بہت عظیم اور خصائص بھی نہایت عظمت والے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے آپ پر اپنے غیب کا جو فیضان فرمایا اس سے عقلیں حیران رہ گئیں اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو جن امور پر مطلع فرمایا ان کی معرفت میں افکار تھک گئے اور یہ عطیات آپ کو کس طرح عطا نہ ہوتے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو جو

اسرار الٰہی، معرفت ربوبیت اور بندگی کے تحقق کے سلسلے میں آپ کو عطا کیا اور آپ کے مکرم جسم پر فیض فرمایا اس سے آپ کا قلب و باطن بھر گیا۔

حضرت وہب بن منبہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے اکہتر کتب میں پڑھا اور ان سب میں یہ بات پائی کہ اللہ تعالیٰ نے آغاز دنیا سے اس کے اختتام تک تمام لوگوں کو جو عقل عطا فرمائی ہے وہ سرکار دو عالم ﷺ کی مبارک عقل کے پہلو میں دنیا بھر کی ریت میں ریت کے ایک دانے کی طرح ہے اور نبی اکرم ﷺ کو عقل کے اعتبار سے سب لوگوں پر ترجیح دی گئی اور آپ کی رائے کو سب سے افضل رائے قرار دیا گیا۔

اسے ابونعیم نے ''الحلیہ میں'' اور ابن عساکر نے بھی روایت کیا ہے۔

''عوارف المعارف میں'' بعض سے منقول ہے کہ عقل اور سمجھداری کے کل ایک سو حصے ہیں جن میں ننانوے نبی اکرم ﷺ کی ذات اقدس میں اور باقی ایک حصہ تمام مؤمنوں میں پایا جاتا ہے۔

جو شخص اس بات میں غور کرے کہ آپ نے اہل عرب کے ساتھ کس قدر حسن تدبیر اختیار کی جب کہ وہ بھاگنے والے وحشیوں اور نفرت کرنے والی، دور رہنے والی طبیعتوں کے مالک تھے آپ نے ان کی رہنمائی کس طرح فرمائی ان کے ظلم کو برداشت کیا، ان کی اذیتوں پر صبر کیا حتیٰ کہ وہ سب آپ کے مطیع ہو گئے اور آپ کے پاس جمع ہو گئے، آپ کے ساتھ مل کر اپنے خاندان والوں باپ دادا اور اولاد کے ساتھ لڑے اور انہوں نے آپ کو اپنی جانوں پر ترجیح دی، آپ کی مرضی کی خاطر اپنے وطن اور دوست احباب کو چھوڑا جب کہ آپ کو پہلے سے کوئی تجربہ نہ تھا نہ کتابوں کا مطالعہ کر کے پہلے لوگوں کی سیرتوں کو معلوم کیا تو اس کے باوجود آپ نے جو انقلاب بپا کیا اس سے ثابت ہو گیا کہ آپ تمام جہاں والوں سے زیادہ عقلمند ہیں۔

اور جب آپ کی عقل تمام عقلوں سے زیادہ وسیع ہے تو یقیناً آپ کے اخلاق کریمہ بھی ایسی وسعت رکھتے ہیں کہ ان میں کسی بات سے تنگی نہیں ہے۔

بردباری، معاف کرنا اور صبر کرنا

اسی سے ہے کہ آپ (بدلہ لینے کی) طاقت کے باوجود بردباری اور معاف کرنے کی راہ اختیار کرتے یہ آپ کے خلق عظیم کی وسعت ہے اسی طرح آپ کو تکلیف پہنچتی تو صبر کرتے۔ غزوۂ احد میں کفار نے آپ سے لڑتے ہوئے آپ کو زخمی کیا اور آپ کے دانت مبارک شہید کر دیئے، چہرۂ انور زخمی کیا حتیٰ کہ آپ کے چہرۂ مبارکہ پر خون بہنے لگا اور صحابہ کرام کو یہ بات ناگوار گزری اور انہوں نے عرض کیا کہ آپ ان لوگوں کے لئے بددعا فرمائیں تو آپ نے فرمایا: میں لعنت کرنے والا بنا کر نہیں بھیجا گیا بلکہ مجھے اسلام کی طرف بلانے والا اور رحمت بنا کر بھیجا گیا ہے (پھر آپ نے یوں دعا مانگی):

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِقَوْمِيْ (یا فرمایا:) اَللّٰهُمَّ اهْدِ قَوْمِيْ فَاِنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ. یا اللہ! میری قوم کو بخش دے، یا اللہ! میری قوم کو ہدایت دے بے شک یہ جانتے نہیں۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۷۸۷، المعجم الکبیر ج ۱۹ ص ۱۸۹، الادب المفرد ص ۱۱۹ رقم الحدیث: ۳۲۴، شرح السنہ ج ۱۳ ص ۲۴۰، اتحاف السادۃ المتقین ج ۷ ص ۱۰۸، الدر المنثور ج ۳ ص ۳۴۲، مجمع الزوائد رقم الحدیث: ۲۱۸، الشفاء ج ۱ ص ۱۰۵)

ابن حبان نے یہ الفاظ نقل کیے ہیں کہ یا اللہ انہوں نے میرے چہرے کو زخمی کرنے کے سلسلے میں جو گناہ کیا ہے اسے بخش دے۔ آپ نے مطلقاً ان کی مغفرت کی دعا نہیں فرمائی کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو آپ کی دعا قبول ہوتی اور جب دعا قبول ہوتی تو وہ سب مسلمان ہو جاتے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے انہوں نے اپنے بعض کلام میں فرمایا: یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کے خلاف یوں دعا کی:

رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْأَرْضِ مِنَ الْكَافِرِيْنَ دَيَّارًا ○ اے میرے رب! زمین پر کافروں میں سے کوئی بسنے والا نہ چھوڑ۔

اگر آپ ہمارے خلاف اس قسم کی دعا مانگتے تو ہم سب آخر تک ہلاک ہو جاتے آپ کی پشت مبارک کو روندا گیا" چہرۂ مبارکہ خون آلود کیا گیا اور آپ کے مبارک دانتوں کو شہید کیا گیا لیکن آپ نے اچھے کلمات کے علاوہ کچھ کہنے سے انکار فرمایا آپ نے صرف یہی فرمایا:

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِقَوْمِيْ فَإِنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ. یا اللہ! میری قوم کو بخش یہ لوگ جانتے نہیں۔

عمدہ نکتہ

جب نبی اکرم ﷺ کا چہرۂ انور زخمی کیا گیا تو آپ نے معاف فرما دیا اور بارگاہ خداوندی میں عرض کیا یا اللہ! میری قوم کو ہدایت دے اور جب غزوۂ خندق کے دن انہوں نے آپ کو نماز سے (دوسری طرف) مشغول رکھا تو آپ نے عرض کیا:

اَللّٰهُمَّ امْلَأْ بُطُوْنَهُمْ نَارًا. [1] یا اللہ ان کے پیٹوں کو آگ سے بھر دے۔

تو جو زخم آپ کے جسم اقدس کے چہرۂ انور کو پہنچا آپ نے اسے برداشت فرمایا اور جو زخم آپ کے دین مبارک کے چہرۂ مبارکہ کو پہنچا اسے آپ نے برداشت نہ فرمایا کیونکہ دین کا چہرہ نماز ہے پس آپ نے اپنے حق پر اپنے خالق کے حق کو ترجیح دی۔

اذیت پر صبر کرنا نفس کا جہاد ہے اور اللہ تعالیٰ نے نفس کی فطرت میں یہ بات رکھی ہے کہ اسے جو اذیت پہنچتی ہے اس پر وہ تکلیف محسوس کرتا ہے اسی لئے جب ان لوگوں نے مال غنیمت کی تقسیم میں آپ کی طرف ناانصافی کی نسبت کی تو آپ پر یہ بات گراں گزری۔

لیکن نبی اکرم ﷺ نے اس کہنے والے سے بردباری کا سلوک کیا اور صبر فرمایا کیونکہ آپ جانتے تھے کہ اس پر بہت زیادہ ثواب ملتا ہے اور اللہ تعالیٰ آپ کو بے حساب اجر عطا فرمائے گا۔

لیکن نبی اکرم ﷺ اپنی ذات کو پہنچنے والی اذیت پر صبر کرتے تھے اور اگر اللہ تعالیٰ کا معاملہ ہوتا تو آپ حکم خداوندی کی تعمیل کرتے ہوئے سختی سے نوٹس لیتے جیسے ارشاد خداوندی ہے:

---

[1] "صحیح بخاری و مسلم میں یوں ہے" اللہ تعالیٰ ان کے گھروں اور قبروں کو آگ سے بھر دے جس طرح انہوں نے ہمیں درمیانی نماز سے مشغول رکھا حتیٰ کہ سورج غروب ہو گیا۔

يَآ اَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِينَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ. اے نبی ﷺ کفار اور منافقین سے جہاد کریں اور ان پر سختی کیجیے۔

یہ بات ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے مختلف اسباب کی وجہ سے غصہ فرمایا لیکن ان تمام کی بنیاد اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل تھی آپ نے غصہ اس لئے ظاہر فرمایا کہ زیادہ تاکید کے ساتھ جھڑک ہو پس آپ کا صبر کرنا اور معاف کرنا صرف آپ کے ذاتی معاملات میں تھا۔

امام طبرانی' ابن حبان' حاکم اور بیہقی نے حضرت زید بن سعنہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا[1] فرماتے ہیں:

میں نے حضرت محمد (نبی اکرم ﷺ) کے چہرۂ انور کو دیکھا تو نبوت کی علامات میں سے کوئی ایسی بات باقی نہ رہی جسے میں نے پہچانا نہ ہو لیکن دو باتیں ایسی تھیں جن کے بارے میں مجھے بتایا نہ گیا ایک یہ کہ آپ کی بردباری' جہالت پر سبقت کرتی ہے اور بہت زیادہ جہالت کا سلوک بھی آپ کی بردباری ہی کو بڑھاتا ہے پس میں آپ کے ساتھ مانوس ہونے کی کوشش کرتا تاکہ آپ سے میل جول ہو اور میں آپ کی بردباری اور عدم برداشت کو پہچان سکوں پس میں نے آپ سے ایک خاص مدت کی مہلت تک کھجوریں خریدیں اور قیمت ادا کر دی جب مقرر وقت میں دو یا تین دن رہ گئے تو میں آپ کے پاس حاضر ہوا تو میں نے آپ کو اس جگہ سے پکڑا جہاں قمیص اور تہبند اکٹھے ہوتے ہیں اور سخت نگاہ کے ساتھ آپ کی طرف دیکھا پھر کہا اے محمد! کیا آپ میرا حق ادا نہیں کرتے اللہ کی قسم! اے بنو عبد المطلب! تم لوگ وقت پر حق ادا نہیں کیا کرتے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے اللہ کے دشمن! کیا تو رسول اللہ ﷺ سے یہ بات کہتا ہے جو میں سن رہا ہوں اللہ کی قسم اگر وہ بات نہ ہوتی جس کے فوت ہونے کا مجھے ڈر ہے (یعنی مسلمانوں اور اس کے قوم کے درمیان صلح) تو میں اپنی تلوار سے تمہارا سر اڑا دیتا نبی اکرم ﷺ نہایت سکون اور اطمینان سے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو دیکھ کر مسکرا رہے تھے پھر آپ نے فرمایا اے عمر! میں اور یہ شخص تیری طرف سے کسی اور بات کے زیادہ محتاج تھے۔

یعنی تم مجھے اچھی ادائیگی اور اس کو اچھے مطالبہ کا کہتے اے عمر!

اسے لے جاؤ اس کا حق ادا کرو اور تم نے جو اسے خوف زدہ کیا ہے اس کی جگہ بیس صاع زیادہ کھجوریں دو چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔

میں نے کہا اے عمر! میں نے نبوت کی تمام علامات نبی اکرم ﷺ کے چہرۂ انور پر دیکھیں جب آپ کو دیکھا لیکن دو علامتوں کی مجھے خبر نہ ملی ایک یہ کہ آپ کی بردباری' جہالت پر سبقت لے جاتی ہے اور آپ سے جتنا زیادہ جہالت کا سلوک کیا جائے اسی قدر آپ کی بردباری میں اضافہ ہوتا ہے تو میں نے ان دونوں باتوں کو آزمایا ہے میں آپ کو گواہ بناتا ہوں کہ میں اللہ تعالیٰ کے رب ہونے اسلام کے دین ہونے اور حضرت محمد ﷺ کی نبوت پر راضی ہوں۔

(المستدرک ج ۳ ص ۳۲' اتحاف السادۃ المتقین ج ۷ ص ۹۶' دلائل النبوۃ ص ۲۳' البدایہ والنہایہ ج ۲ ص ۲۸۸' الشفاء ج ۱ ص ۱۰۹' مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۳۲' الدلائل ج ۶ ص ۲۷۸)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ایک دن نبی اکرم ﷺ نے ہم سے گفتگو فرمائی پھر کھڑے ہو گئے آپ کے ساتھ ہم بھی کھڑے ہو گئے اچانک ہم نے دیکھا کہ ایک دیہاتی نے آپ کو پکڑا اور اپنی چادر سے کھینچنے لگا آپ کی

[1] سعنہ' سین اور نون پر زبر ہے عین ساکن ہے امام نووی فرماتے ہیں سین پر زبر ہے بعض حضرات نے کہا پیش ہے۔

گردن مبارک سرخ ہوگئی اور وہ چادر کھردری (سخت) چادر تھی میں نے ادھر دیکھا تو وہ دیہاتی آپ سے کہہ رہا تھا مجھے یہ دو اونٹ غلہ عطا کریں آپ مجھے اپنے مال اور اپنے باپ کے مال سے نہیں دے رہے آپ نے اس سے فرمایا نہیں' اور میں اللہ تعالیٰ سے بخشش کا سوال کرتا ہوں (تین بار فرمایا) میں تجھے یہ اونٹ نہیں دوں گا حتیٰ کہ تم مجھے اس کھینچنے کے ذریعے بدلہ لینے دو۔ ہر بار دیہاتی جواب دیتا کہ میں بدلہ نہیں لینے دوں گا۔ ؎

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے مکمل حدیث ذکر کی اس میں ہے کہ پھر آپ نے ایک شخص کو بلا کر فرمایا کہ اس شخص کو دو اونٹ کا بوجھ غلہ دو ایک اونٹ پر کھجوریں اور دوسرے پر جو لا دو۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۷۷۵' سنن نسائی ج ۸ ص ۳۳' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۴۲۳' مسند احمد ج ۲ ص ۲۸۸' مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۳۴۲۳' کنز العمال رقم الحدیث: ۱۸۷۰۹)

حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ان الفاظ کے ساتھ نقل کیا فرماتے ہیں: کہ میں نبی اکرم ﷺ کے ہمراہ جارہا تھا اور آپ پر ایک سخت کنارے والی نجرانی چادر تھی' ایک دیہاتی نے آپ کو پایا تو آپ کی چادر کے ساتھ آپ کو بہت زیادہ کھینچا حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے آپ کی گردن کو دیکھا تو اس پر سخت کھینچنے کی وجہ سے چادر کے کنارے کے نشانات تھے پھر اس نے کہا اے محمد! (ﷺ) میرے لئے اس مال میں سے حکم دیں جو آپ کے پاس ہے آپ اس کی طرف متوجہ ہو کر مسکرائے پھر اس کو عطا کرنے کا حکم دیا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۱۴۹۔ ۵۸۰۹۔ ۶۰۸۸)

ان احادیث میں نبی اکرم ﷺ کی بردباری اور نفس و مال کے حوالے سے پہنچنے والی اذیت پر صبر نیز اس شخص کے ظلم کو برداشت کرنے کا بیان ہے' جس کو آپ اسلام سے مانوس کرنا چاہتے تھے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ فطرتاً اور تکلف کے طور پر کسی صورت میں بھی فحش گو نہ تھے اور برائی کا بدلہ برائی سے نہ دیتے بلکہ معاف کر دیتے اور درگزر کرتے۔ (جامع ترمذی رقم الحدیث: ۲۰۱۶' شمائل رقم الحدیث: ۱۸۵)

حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت سے نقل کیا کہ آپ فحش گو نہ تھے نہ فطرتاً نہ تکلفاً۔

انہی کی ایک روایت میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ گالی دینے والے' بدکلامی کرنے والے اور لعنت بھیجنے والے نہیں تھے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۰۳۱۔ ۶۰۴۶)

ہر وہ کلام فعل اور صفت جو اپنی حد سے نکل جائے حتیٰ کہ قبیح قرار پائے اسے فحش کہتے ہیں لیکن عام طور پر اس کا استعمال گفتگو میں ہوتا ہے اور متفحش وہ شخص جو بدکلامی کا سہارا لیتا کثرت سے بدکلامی کرتا اور اس میں تکلف کی راہ اختیار کرتا ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ایک شخص نے نبی اکرم ﷺ سے (اندر آنے کی) اجازت مانگی آپ نے جب اسے دیکھا تو فرمایا: یہ (اپنے) قبیلے کا برا بھائی ہے یا فرمایا قبیلے کا برا بیٹا ہے جب وہ بیٹھ گیا تو آپ نہایت خندہ

؎ نبی اکرم ﷺ بدلہ لینا نہیں چاہتے تھے محض اس کا جائزہ لے رہے تھے اس لئے آپ اس کے جواب پر مسکرا پڑے جیسا کہ شرح زرقانی میں ہے۔ ۱۲ ہزاروی

پیشانی اور کشادہ روئی کے ساتھ پیش آئے جب وہ شخص چلا گیا تو ام المؤمنین نے عرض کیا یا رسول اللہ! جب آپ نے اس شخص کو دیکھا تو فلاں فلاں کلمات فرمائے پھر آپ نے نہایت خندہ پیشانی اور کشادہ روئی کے ساتھ اس سے ملاقات کی آپ نے فرمایا اے عائشہ! تم نے مجھے کب بد اخلاق پایا؟ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے ہاں اس شخص کا مقام و مرتبہ سب سے برا ہوگا جس کو لوگ اس کے شر سے بچتے ہوئے چھوڑ دیں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۰۳۲-۶۰۵۴-۶۱۳۱ فتح الباری ج ۱۰ ص ۵۵۸)

ابن بطال کہتے ہیں یہ شخص عیینہ بن حصن بن حذیفہ بن بدر فزاری تھا اور اس کو "احمق مطاع" (ایسا بیوقوف جس کی بات مانی جائے) کہا جاتا تھا حضرت قاضی عیاض' امام قرطبی اور امام نووی رحمۃ اللہ نے اسی طرح وضاحت کی ہے۔

عبدالغنی نے ابو عامر خزاعی کے طریق سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا آپ فرماتی ہیں کہ مخرمہ بن نوفل نے حاضر ہو کر اجازت طلب کی' نبی اکرم ﷺ نے اس کی آواز سنی تو فرمایا یہ قوم کا برا بھائی ہے۔

نبی اکرم ﷺ کا اس کے ساتھ خندہ پیشانی سے پیش آنا اس وجہ سے تھا کہ وہ اپنی قوم کا رئیس تھا اور آپ اس کے دل کو نرم کرنا چاہتے تھے تاکہ اس کی قوم اسلام قبول کرے۔

جس طرح خطابی نے کہا یہ حدیث علم و ادب کی جامع حدیث ہے نبی اکرم ﷺ کا اپنی امت کے بارے کچھ کہنا یا ان کی طرف کسی ناپسندیدہ بات کی اضافت کرنا غیبت نہیں ہے لوگ ایک دوسرے کے بارے میں جو کچھ کہتے ہیں وہ غیبت ہے بلکہ نبی اکرم ﷺ پر لازم تھا کہ وہ ان باتوں کو واضح کرتے اور لوگوں کو ان کے معاملے میں آگاہ فرماتے کیونکہ یہ امت کے لئے خیر خواہی اور ان پر شفقت ہے لیکن جب نبی اکرم ﷺ کی فطرت میں کرم اور حسن اخلاق رکھا گیا ہے تو آپ نے اس کے سامنے خوشی کا اظہار فرمایا اور ناپسندیدہ بات کے ساتھ جواب نہیں دیا تاکہ آپ کی امت اس قسم کے لوگوں کے شر سے محفوظ رہے اور خاطر مدارات کی وجہ یہ تھی کہ اس کے شر سے محفوظ رہیں۔

امام قرطبی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ جو شخص علانیہ فاسق اور فحش گو ہے اس کی غیبت جائز ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس سے حسن سلوک بھی کرنا جائز ہے تاکہ اس کے شر سے محفوظ رہیں لیکن اس بات کا خیال رہے کہ اللہ تعالیٰ کے دین کے سلسلے میں مداہنت پیدا نہ ہو۔

پھر امام قرطبی نے قاضی حسین کی اتباع میں کہا کہ مدارات اور مداہنت میں فرق یہ ہے کہ مدارات کا ہر مطلب دنیا یا آخرت یا دونوں کو حاصل کرنے کے لئے دنیا خرچ کرنا ہے اور یہ جائز ہے بلکہ بعض اوقات مستحب ہوتی ہے۔

جب کہ مداہنت' دنیا کی اصلاح کے لئے دین دے بیٹھنا ہے۔

نبی اکرم ﷺ نے اس سے گفتگو کرتے ہوئے اچھے سلوک اور نرم گفتگو کا راستہ اختیار کیا اور یہ آپ کی دنیا تھی اس کے باوجود زبان سے اس کی تعریف نہیں کی کہ آپ کے قول و فعل میں تضاد پایا جاتا کیونکہ اس کے بارے میں آپ نے حق بات فرمائی اور اس کے ساتھ جو رویہ اختیار کیا وہ حسن معاشرت ہے اس تقریر سے وہ اعتراض دور ہو گیا جو اس حدیث سے پیدا ہو سکتا تھا (یعنی آپ کے قول و فعل میں تضاد کا اعتراض)۔

حضرت قاضی عیاض رحمۃ اللہ فرماتے ہیں: اس وقت تک عیینہ نے اسلام قبول نہیں کیا تھا لہٰذا اس کے بارے میں

آپ کا قول غیبت نہیں ہے یا اسلام قبول کیا لیکن خیر خواہی والا اسلام نہ تھا تو نبی اکرم ﷺ نے اس لئے اس کے بارے میں یہ بات فرمائی کہ جو شخص اس کے باطن سے واقف نہیں وہ دھوکے میں نہ آئے۔

نبی اکرم ﷺ کی (ظاہری) حیات طیبہ میں اور اس کے بعد بھی عیینہ سے کچھ ایسے کام ظاہر ہوئے جو اس کے ایمان کی کمزوری پر دلالت کرتے ہیں تو نبی اکرم ﷺ نے اس کے بارے میں جو کچھ بتایا وہ آپ کی علامات نبوت سے ہے۔ لیکن گھر میں اس کے داخل ہونے کے بعد آپ کا نرمی سے گفتگو کرنا تالیف قلب کے لئے تھا۔

"فتح الباری میں ہے کہ" عیینہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ارتداد کی راہ اختیار کی اور مسلمانوں سے لڑائی کی اس کے بعد رجوع کرتے ہوئے دوبارہ اسلام قبول کیا اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں بعض فتوحات میں حصہ لیا۔

اپنی ذات کے لئے انتقام نہ لینا

صحیح بخاری میں ہے:

وما انتقم لنفسه.

نبی اکرم ﷺ نے اپنی ذات کے لئے کبھی انتقام نہیں لیا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۵۶۰۔ ۶۱۲۶۔ ۶۷۸۶۔ ۶۸۵۳' التمہید ج ۸ ص ۱۳۶۔ ۱۳۹)

سوال: صحیح روایت میں ہے کہ آپ نے عقبہ بن ابی معیط' عبداللہ بن خطل اور کچھ دوسرے لوگوں کو قتل کرنے کا حکم دیا اور یہ لوگ آپ کو اذیت پہنچاتے تھے تو یہ عمل اس بات کا خلاف ہے کہ آپ نے اپنی ذات کے لئے انتقام نہیں لیا؟

جواب: وہ لوگ آپ کو اذیت پہنچانے کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے حرمات کی توہین بھی کرتے تھے۔ یہ بھی کہا گیا کہ اس سے مراد یہ ہے کہ آپ اس صورت میں انتقام نہیں لیتے تھے جب تک کوئی ایسا سبب نہ ہو جو کفر تک پہنچاتا ہے جس طرح آپ نے اس دیہاتی کو معاف کر دیا جس نے آپ کے سامنے آواز بلند کر کے آپ کو تکلیف پہنچائی اور اس اعرابی کو بھی جس نے چادر کے ذریعے آپ کو کھینچا حتیٰ کہ آپ کی مبارک گردن پر نشان پڑ گیا۔

داؤدی نے کہا ہے کہ انتقام اس صورت میں نہیں لیتے تھے جب مالی معاملہ ہوتا لیکن عزت کے معاملہ میں آپ نے انتقام لیا ہے۔

امام حاکم نے یہ حدیث حضرت معمر کے طریق سے روایت کی وہ حضرت زہری سے تفصیلاً روایت کرتے ہیں اس کے شروع میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ذکر کر کے (یعنی نام لے کر) کسی مسلمان پر لعنت نہیں بھیجی اور نہ کسی کو کبھی اپنے ہاتھ سے مارا البتہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں مارا ہو اور اگر آپ سے کوئی چیز مانگی تو آپ نے انکار نہیں فرمایا البتہ یہ کہ وہ گناہ کا کام ہو اور کسی سے اپنی ذات کے لئے انتقام بھی نہ لیا البتہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کی حرمات کی توہین کی جائے تو آپ اللہ تعالیٰ کے لئے انتقام لیتے۔ (المستدرک ج ۲ ص ۶۱۳)

آپ کی بردباری کا نتیجہ

نبی اکرم ﷺ کے خلق اور بردباری کی وسعت کے بارے میں جو کچھ روایت میں کہا گیا ہے اس کا نتیجہ یہ ہے کہ آپ ان منافقین سے بھی اخلاق سے پیش آتے جو آپ سے غائب ہونے کی صورت میں آپ کو اذیت پہنچاتے اور جب آپ کے سامنے ہوتے تو چاپلوسی کی راہ اختیار کرتے اور یہ وہ طریقہ ہے جس سے انسان نفرت کرتے ہیں حتی کہ اللہ تعالیٰ ان کی مدد کرے اور نبی اکرم ﷺ کو جب بھی ان پر سختی کی اجازت دی جاتی آپ ان کے لیے رحمت کا دروازہ کھول دیتے پس ان کے لئے بخشش طلب کرتے اور دعا مانگتے حتی کہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی:

اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْلَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ. (التوبہ:۸۰)
آپ ان کے لئے بخشش مانگیں یا نہ مانگیں۔

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا مجھے میرے رب نے اختیار دیا ہے پس میں نے طلب مغفرت کو اختیار کر لیا اور جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ. (التوبہ:۸۰)
اگر آپ ان کے لئے ستر بار بھی بخشش طلب کریں اللہ تعالیٰ ان کو ہرگز نہیں بخشے گا۔

تو آپ نے فرمایا: میں ستر سے زیادہ بار بخشش مانگوں گا اور وہ شخص جوان (منافقین) میں سے بہت بڑا منافق تھا اور آپ کو اذیت پہنچاتا تھا اس کے بیٹے کو اس کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا۔ [1] اور جب وہ مرگیا تو آپ نے اپنے جسم سے کپڑا اتار کر اسے کفن دیا اور اس کی نماز جنازہ پڑھی۔

(الدر المنثور ج ۳ ص ۲۶۴۔ ج ۶ ص ۲۲۳' تفسیر طبری ج ۱۰ ص ۱۳۸' تفسیر ابن کثیر ج ۷ ص ۱۲۸)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ آپ کو آپ کے کپڑے سے پکڑ کر کھینچ رہے تھے اور عرض کرتے یا رسول اللہ! آپ منافقوں کے سردار کی نماز جنازہ پڑھیں گے آپ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے کپڑا چھڑایا اور فرمایا: عمر! مجھے چھوڑ۔ تو گویا آپ نے ایک منافق دشمن کے حق میں مؤمن ولی (حضرت عمر رضی اللہ عنہ) کی مخالفت کی۔

(الدر المنثور ج ۳ ص ۲۶۴' سیرۃ النبویہ ج ۴ ص ۱۹۷)

آپ کا یہ عمل امت پر رحمت کا عملی مظاہرہ تھا حرانی نے اسی بات کی طرف اشارہ کیا ہے۔

امام نووی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں: کہا گیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے اس کے بیٹے (حضرت عبداللہ) کی دلجوئی کی خاطر اسے اپنی قمیص عطا فرمائی جو اس کے کفن کے طور پر استعمال ہوئی کیونکہ اس کے صاحبزادے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ صحابی صالح تھے اور انہوں نے آپ کی خدمت میں عرض کیا تو آپ نے قبول فرمایا۔ (الاصابہ ج ۴ ص ۹۵)

یہ بھی کہا گیا کہ آپ نے عبداللہ بن ابی کے احسان کا بدلہ دیا تھا کیونکہ جب حضرت عباس رضی اللہ عنہ بدر کے دن قیدی بن کر آئے تو اس نے آپ کو قمیص دی تھی۔

---

[1] جب عبداللہ بن ابی (منافقوں کے سردار) نے حضور ﷺ کی شان میں نازیبا کلمات کہے تو اس کے بیٹے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے اسے قتل کرنے کا ارادہ کیا لیکن حضور ﷺ نے منع فرمایا اور حسن سلوک کا حکم دیا۔ (زرقانی ج ۴ ص ۳۰۹)

ان تمام باتوں سے نبی اکرم ﷺ کے اخلاق حسنہ کا پتہ چلتا ہے یہ بات معلوم ہے کہ وہ منافق آپ کو کس قدر اذیتیں دیتا تھا لیکن آپ نے اس کے مقابلے میں حسن سلوک کیا اور اپنی قمیص اس کے لئے بطور کفن عطا فرمائی' اس کی نماز جنازہ پڑھی اور اس کے لیے بخشش کی دعا کی۔[1] ارشاد خداوندی ہے:

اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیۡمٍ O (القلم:۴) بے شک آپ بہت بڑے اخلاق کے مالک ہیں۔

اسی طرح جب لبید بن اعصم نے آپ پر جادو کیا تو آپ نے اس کا بدلہ نہیں لیا۔ نیز اس یہودیہ کو بھی معاف کر دیا جس نے آپ کو زہر دیا تھا صحیح روایت میں اسی طرح ہے۔

اللہ تعالیٰ شاعر پر رحمت فرمائے جس نے یوں کہا:

وما الفضل الا خاتم انت فصه و عفوک نقش الفص فاختم به عذری

''اور درجات میں اضافہ ایک مہر ہے اور آپ اس کا نگینہ ہیں اور آپ کا درگزر کرنا اس نگینے کا نقش ہے پس میرے عذر پر بھی مہر لگا دیجئے''۔

گناہ گاروں پر شفقت

نبی اکرم ﷺ کی شفقت میں سے یہ بھی ہے کہ آپ اپنی امت کے ان لوگوں پر بھی شفقت فرماتے جو کبیرہ گناہوں کے مرتکب ہوتے تھے آپ ان کو پردہ ڈالنے کا حکم دیتے چنانچہ آپ نے فرمایا جو شخص ان برے کاموں (حرام کاموں) کا مرتکب ہو اسے چاہیے کہ اسے چھپائے (لوگوں کے سامنے ظاہر نہ کرے)۔ (موطا امام مالک رقم الحدیث:۱۲' نصب الرایہ ج ۳ ص ۳۲۳' تفسیر قرطبی ج ۶ ص ۱۵۷۔ ج ۱۹ ص ۱۰۴' التمہید ج ۵ ص ۳۲۱' السنن الکبری ج ۸ ص ۳۳۰)

اور آپ نے اپنی امت کو حکم دیا کہ جن لوگوں کو حد لگائی جائے ان کے لئے بخشش اور رحمت کی دعا مانگو یہ بات اس وقت فرمائی جب دیکھا کہ صحابہ کرام کو ان پر غصہ آیا اور انہوں نے ان کو لعن طعن کیا۔

آپ نے فرمایا: یوں کہو:

اَللّٰھُمَّ اغۡفِرۡ لَہٗ اَللّٰھُمَّ ارۡحَمۡہُ۔ یا اللہ! اسے بخش دے یا اللہ! اس پر رحم فرما۔

(سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۴۴۷۷' السنن الکبری ج ۸ ص ۳۱۲)

جب شراب حرام ہو گئی اور ایک شخص جو شراب کے نشے میں بار بار آپ کے پاس لایا جاتا تو ایک مرتبہ صحابہ کرام نے اس پر لعنت بھیجی۔ آپ نے فرمایا:

---

[1] ایک سوال جو ذہنوں میں پیدا ہوتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے جب اس منافق کی نماز جنازہ پڑھی' طلب مغفرت کی اپنی قمیص پہنائی تو اس کی بخشش ہو گئی۔ اس کا جواب حضرت غزالی زماں علامہ سید احمد سعید کاظمی رحمۃ اللہ نے ارشاد فرمایا کہ ہر چیز کی تاثیر کا کنٹرول اللہ تعالیٰ کے قبضہ میں ہے وہ مؤثر حقیقی ہے جہاں چاہے اس تاثیر کو جاری کرے اور جہاں چاہے روک دے جس طرح آگ جلاتی ہے۔ لیکن حضرت ابراہیم پر اس اثر کو روک دیا اسی طرح حضور ﷺ کی دعا اور آپ کے جسم سے چھونے والا کپڑا نفع بخش ہے لیکن عبداللہ بن ابی آپ کا دشمن تھا اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس سے اس تاثیر کو روک دیا یہ بات حضرت غزالی زمان رحمۃ اللہ نے درس بخاری میں فرمائی اور اس درس میں جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور کے طلباء درجہ حدیث ۱۹۷۰ء جن میں راقم بھی تھا حاضر تھے۔ ۱۲ ہزاروی

لا تلعنوہ فانہ یحب اللہ و رسولہ. اس پر لعنت نہ بھیجو یہ اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۷۸۰' اتحاف السادۃ المتقین ج ۷ص ۴۸۷۔۵۰۲' شرح السنہ ج ۱۰ص ۳۳۷' مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۳۶۲۵' المغنی ج ۳ص ۱۲۱)

توجب صحابہ کرام نے اس کے ظاہری عمل کی وجہ سے اسے چھوڑ دیا تو آپ نے اس کے دل کے عمل کو ظاہر کر دیا[1] اور اللہ تعالیٰ دلوں کو دیکھتا ہے اللہ تعالیٰ ہمارے دلوں کو پاک کر دے اور ہمارے بڑے بڑے گناہوں کو بخش دے۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۱۴۳' مسند احمد ج ۲ص ۲۸۵۔۵۳۹' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۹۸۷' جمع الجوامع رقم الحدیث: ۵۱۳۳۔ ۵۱۳۵' اتحاف السادۃ المتقین ج ۱ص ۱۵۶۔ ج ۳ص ۱۲۵۔ ج ۱۰ص ۶' شرح السنہ ج ۱۴ص ۳۴۱' مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۵۳۱۴' الدر المنثور ج ۵ص ۲۲۸۔ ج ۶ص ۲۳۱' حلیۃ الاولیاء ج ۴ص ۹۸۔ ج ۷ص ۱۲۴' المغنی ج ۳ص ۲۶۹۔ ج ۴ص ۳۵۱' تفسیر قرطبی ج ۱۶ص ۳۲۶' الکامل ج ۴ص ۱۶۳۳' زاد المسیر ج ۶ص ۲۶۰۔ ج ۷ص ۴۷۲' تاریخ ابن عساکر ج ۵ص ۳۳۰)

اس سلسلے میں امام دار قطنی کی روایت ہے جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے نقل کی ہے کہ نبی اکرم ﷺ بلی کے لئے برتن ٹیڑھا کرتے حتیٰ کہ اس سے پانی پیتی پھر آپ اس بچے ہوئے سے وضو فرماتے۔

نبی اکرم ﷺ کی تواضع اور حسن معاشرت

نبی اکرم ﷺ کے اخلاق عالیہ میں سے آپ کی تواضع' آداب' گھر والوں' خدام اور صحابہ کرام سے حسن معاشرت بھی ہے۔

بعض بزرگوں نے فرمایا: کہ بندہ حقیقتِ تواضع تک اسی وقت رسائی حاصل کر سکتا ہے جب نور مشاہدہ کی چمک اس کے دل میں پائی جائے اس وقت نفس پگھلتا ہے اور اسی پگھلنے میں اس کا دل تکبر اور خود پسندی کے کھوٹ سے صاف ہو جاتا ہے اور ان خرابیوں کے آثار مٹ جانے اور ان کے گرد و غبار کے ٹھہر جانے سے نفس حق اور مخلوق کیلئے نرم اور متواضع ہو جاتا ہے۔

ہمارے نبی کریم ﷺ کو مقاماتِ قرب میں تواضع کا بہت زیادہ حصہ ملا اور آپ کی تواضع کے سلسلے میں یہی بات کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اختیار دیا کہ آپ نبوت کے ساتھ بادشاہی رکھیں یا بندگی تو آپ نے نبوت کے ساتھ بندگی کو اختیار فرمایا۔

تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس تواضع کی وجہ سے یہ مقام عطا فرمایا کہ قیامت کے دن سب سے پہلے آپ کے لئے زمین کھلے گی' سب سے پہلے آپ شفاعت فرمائیں گے اور آپ ہی کی شفاعت سب سے پہلے قبول ہوگی۔ اس کے بعد آپ نے آخر دم تک تکیہ لگا کر کھانا نہیں کھایا۔

اور سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا: میری تعریف میں حد سے نہ بڑھو جیسا کہ عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں حد سے تجاوز کیا میں صرف اللہ تعالیٰ کا بندہ ہوں پس (مجھے) اللہ تعالیٰ کا بندہ اور اس کا رسول کہو۔

---

[1] ان کا نام عبداللہ اور لقب حمار تھا اور یہ نبی اکرم ﷺ کو اکثر ہنسایا کرتے تھے۔ (زرقانی ج ۴ص ۲۶۱)

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۴۳۵۔ ۶۸۳۰، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۳۴، مسند احمد ج اص ۲۳۔ ۲۴، دلائل النبوۃ ج اص ۲۹۷۔ ج ۵ص ۲۹۸، شمائل ترمذی رقم الحدیث: ۳۰۷، مسند الحمیدی رقم الحدیث: ۲۷، مشکوۃ المصابیح رقم الحدیث: ۵۸۹۸، الشفاء ج اص ۱۳۱)

یہ آپ کی تواضع ہی تھی کہ آپ خادم کو جھڑکتے نہیں تھے۔ ہم نے ترمذی شریف میں روایت کیا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: کہ میں نے دس سال تک نبی اکرم ﷺ کی خدمت کی پس آپ نے مجھے کبھی بھی لفظ اُف نہ کہا اور اگر میں نے کوئی کام کیا تو اس کے بارے میں یہ نہیں فرمایا: کہ تم نے کیوں کیا اور اگر کسی کام کو چھوڑا تو یہ نہیں فرمایا: کہ کیوں چھوڑا؟ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۷۷۴، مجمع الزوائد ج ۹ص ۱۶)

نبی اکرم ﷺ اپنے غلاموں اور لونڈیوں کے ساتھ اسی قسم کا سلوک کرتے تھے آپ نے ان میں سے کسی کو بھی نہیں مارا اور یہ ایسا کام ہے جسے بشری طبیعتیں اس وقت تک اپنا نہیں سکتیں جب تک ربانی تائیدات حاصل نہ ہوں۔

''صحیح مسلم میں'' مروی ہے حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

ما رایت احدا ارحم بالعیال من رسول اللہ ﷺ. (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۶۳)

میں نے کسی شخص کو نبی اکرم ﷺ سے بڑھ کر اپنے اہل وعیال کیلئے رحم کرنے والا نہیں پایا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

نبی اکرم ﷺ نے کبھی کسی کو اپنے ہاتھ سے نہیں مارا نہ کسی عورت کو اور نہ خادم کو مگر یہ کہ آپ اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کرتے، اسی طرح کسی سے اذیت پہنچتی تو انتقام نہ لیتے البتہ اللہ تعالیٰ کے محارم میں سے کسی کی توہین کی جاتی تو اللہ تعالیٰ کے لئے انتقام لیتے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا گیا کہ نبی اکرم ﷺ جب گھر میں (ازواج مطہرات کے ساتھ) تنہا ہوتے تو آپ کا طریقہ کیا ہوتا؟ فرمایا: آپ بہت زیادہ تبسم فرماتے، خوش رہنے والے ہوتے اور آپ کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان کبھی بھی پاؤں پھیلائے ہوئے نہیں دیکھا گیا۔

ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ہی مروی ہے فرماتی ہیں:

ما کان احد احسن خلقا من رسول اللہ ما دعاہ احد من اصحابہ الا قال لبیک.

میں نے رسول اکرم ﷺ سے بڑھ کر کسی شخص کو زیادہ اچھے اخلاق والا نہیں دیکھا آپ کا کوئی بھی صحابی آپ کو بلاتا تو آپ فرماتے حاضر ہوں۔

امام احمد اور ابن سعد نے نقل کیا جسے ابن حبان نے صحیح قرار دیا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ اپنے کپڑے سیتے اور نعلین مبارک گانٹھتے تھے۔

امام احمد رحمۃ اللہ کی ایک روایت میں ہے کہ آپ اپنے ڈول کو ٹھیک کرتے۔ امام احمد نے ہی روایت کیا کہ آپ اپنے کپڑوں کو صاف کرتے، بکری کا دودھ دوہتے اور اپنا کام خود کرتے۔

تو یہ مختلف اوقات کی بات ہے کیونکہ یہ بات ثابت ہے کہ آپ کے کئی خادم تھے تو کبھی آپ اپنا کام خود کرتے اور کبھی دوسروں کو حکم دیتے اور بعض اوقات ان کے ساتھ شریک ہوتے۔

نبی اکرم ﷺ دراز گوش پر سوار ہوتے اور اپنے پیچھے کسی کو بٹھاتے ۔ بنو قریظہ کے ساتھ لڑائی والے دن آپ دراز گوش پر سوار تھے جس کے ناک میں کھجور کے پٹھوں سے بنی ہوئی رسی کی نکیل تھی ۔ (المستدرک ج ۲ ص ۴۶۶)

حضرت قیس بن سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: کہ رسول اللہ ﷺ ہماری ملاقات کیلئے تشریف لائے جب واپسی کا ارادہ فرمایا تو حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے دراز گوش آپ کے قریب کیا اور اس پر ایک چادر ڈالی پھر آپ سوار ہوئے ۔ اس کے بعد حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے قیس! نبی اکرم ﷺ کے ساتھ جاؤ حضرت قیس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: سوار ہو جاؤ لیکن میں نے انکار کر دیا آپ نے فرمایا: سوار ہو جاؤ یا واپس چلے جاؤ۔ ایک دوسری روایت میں ہے میرے آگے سوار ہو جاؤ کیونکہ سواری کا مالک آگے سوار ہونے کا زیادہ حق رکھتا ہے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۵۱۸۵' مسند احمد ج ۳ ص ۴۲۱' الشفاء ج ۱ ص ۱۴۰' معجم الکبیر ج ۱۸ ص ۳۵۴' اتحاف السادۃ المتقین ج ۷ ص ۱۰۲' تاریخ ابن عساکر ج ۶ ص ۸۹' تفسیر ابن کثیر ج ۶ ص ۳۴۷)

''صحیح بخاری میں'' حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ہے فرماتے ہیں: کہ ہم نبی اکرم ﷺ کے ہمراہ خیبر سے آئے' میں حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے پیچھے سوار تھا اور وہ چل رہے تھے اور نبی اکرم ﷺ کی کوئی زوجہ مطہرہ آپ کے پیچھے تھیں کہ اچانک اونٹنی پھسل گئی تو میں نے کہا خاتون (گر رہی ہیں)۔

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: یہ تمہاری ماں ہے (کیونکہ حضور ﷺ کی بیویاں مسلمانوں کی مائیں ہیں) چنانچہ میں نے کجاوہ باندھ دیا تو آپ سوار ہوئے۔ حضور ﷺ کے ہمراہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا تھیں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۹۶۸)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: کہ میں نبی کریم ﷺ کے پیچھے سوار تھا میرے اور آپ کے درمیان صرف کجاوے کی پچھلی لکڑی تھی اور نبی اکرم ﷺ دراز گوش پر سوار ہوئے جس پر ایک چادر اور اس کے اوپر مقام فدک کا ایک کپڑا تھا اور آپ نے اپنے پیچھے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کو بٹھایا تھا۔

نبی اکرم ﷺ جب مکہ مکرمہ تشریف لائے تو بنو عبد المطلب کے چند بچے آپ کے سامنے آئے تو آپ نے ایک کو اپنے سامنے اور دوسرے کو پیچھے سوار کر لیا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ (مکہ مکرمہ) تشریف لائے تو حضرت قثم کو اپنے سامنے اور حضرت فضل کو اپنے پیچھے سوار کیا یا (فرمایا) حضرت فضل کو آگے اور حضرت قثم کو پیچھے سوار کیا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۷۹۸۔ ۵۹۶۵۔ ۵۹۶۶)

محب طبری نے اپنی کتاب ''مختصر السیرۃ النبویہ'' میں ذکر کیا کہ نبی اکرم ﷺ ننگی پیٹھ والے دراز گوش پر سوار ہو کر قبا تشریف لے گئے اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ آپ کے ہمراہ تھے فرمایا: اے ابوہریرہ! تمہیں سوار کر لوں؟ عرض کیا یا رسول اللہ! جیسے آپ چاہیں آپ نے فرمایا: سوار ہو جاؤ' حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سوار ہونے کے لئے کودے تو سوار نہ ہو سکے چنانچہ انہوں نے حضور علیہ السلام کو پکڑا تو دونوں گر گئے پھر آپ سوار ہوئے اور فرمایا: ابوہریرہ! تمہیں بھی سوار کر لوں؟ عرض کیا جیسے آپ چاہیں یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا: سوار ہو جاؤ وہ سوار نہ ہو سکے اور آپ کو پکڑ لیا چنانچہ پھر دونوں

گر گئے سرکار دو عالم ﷺ نے پھر فرمایا: اے ابو ہریرہ! تمہیں سوار کروں؟ عرض کیا نہیں اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے تیسری مرتبہ آپ کو گرانا نہیں چاہتا۔

محب طبری نے یہ بھی ذکر کیا کہ نبی اکرم ﷺ ایک سفر میں تھے تو آپ نے ایک بکری کو پکانے کے لئے صحابہ کرام کو حکم دیا ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں اس کو ذبح کروں گا دوسرے نے کہا یا رسول اللہ میں اس کی کھال اتاروں گا' تیسرے نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں اس کو پکاؤں گا آپ نے فرمایا: لکڑیاں جمع کرنا میری ذمہ داری ہے۔

صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ کی جگہ ہم کام کے لئے کافی ہیں آپ نے فرمایا: مجھے معلوم ہے تم کافی ہو لیکن میں تم سے ممتاز ہونا پسند نہیں کرتا' اللہ تعالیٰ بندے سے اس بات کو ناپسند کرتا ہے کہ وہ اسے اپنے ساتھیوں سے ممتاز دیکھے۔

میں نے طبری کے علاوہ کسی کے ہاں یہ روایت نہیں پائی ہاں ابوالیمن بن عساکر کی جزء "تمثال النعل الشریف" میں دیکھا انہوں نے حضرت عبداللہ بن عامر بن ربیعہ کی اپنے والد سے روایت کے بعد فرمایا: کہ میں طواف میں حضور علیہ السلام کے ساتھ تھا کہ نبی اکرم ﷺ کے نعلین مبارک کا اگلا حصہ ٹوٹ گیا میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! مجھے دیجئے تا کہ میں اسے ٹھیک کردوں آپ نے فرمایا: یہ "اثرہ" ہے اور میں "اثرہ کو پسند نہیں کرتا"۔

(مجمع الزوائد ج ۳ ص ۲۴۳' اتحاف السادۃ المتقین ج ۷ ص ۱۰۲)

اثرہ کا مطلب یہ ہے کہ کوئی شخص تنہا ایک کام کرے گویا نبی اکرم ﷺ نے اس بات کو ناپسند کیا کہ کوئی شخص تنہا آپ کے نعلین مبارک کو ٹھیک کرے اور وہ خادم کی طرح ہو اور آپ کو مخدوم والی بلندی حاصل ہو آپ کا اس بات کو ناپسند کرنا آپ کی تواضع اور ساتھیوں پر برتری اختیار نہ کرنے کی وجہ سے تھا (ورنہ آپ تو تمام مخلوق سے برتر ہیں)۔

اس کی تائید اس روایت سے بھی ہوتی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے اپنے آپ کو کسی کام میں شامل کرنا چاہا تو صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ کی جگہ ہم کافی ہیں آپ نے فرمایا: مجھے معلوم ہے کہ تم کافی ہو لیکن میں تم سے ممتاز ہونا پسند نہیں کرتا اللہ بندے سے اس بات کو ناپسند کرتا ہے کہ وہ اپنے ساتھیوں سے امتیازی حیثیت اختیار کرے۔

پھر میں نے اپنے شیخ (امام سخاوی رحمۃ اللہ) کو دیکھا انہوں نے (المقاصد الحسنہ میں) مشہور احادیث کے ضمن میں یہ بات نقل کی ہے اور اللہ تعالیٰ ہی توفیق دینے والا ہے۔

حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: کہ نجاشی کا وفد آیا تو نبی اکرم ﷺ خود ان لوگوں کی خدمت کرنے لگے صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہم آپ کی جگہ کام کرتے ہیں اور کافی ہیں آپ نے فرمایا: ان لوگوں نے ہمارے ساتھیوں کی عزت و احترام کیا تو میں ان کو بدلہ دینا پسند کرتا ہوں۔

(دلائل النبوۃ ج ۲ ص ۳۰۷' اتحاف السادۃ المتقین ج ۷ ص ۱۰۲)

صحیح بخاری میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ کے لئے کچھ کھجوریں مقرر تھیں (یعنی انصار نے مہاجرین کے لئے کھجوروں کے درخت مقرر کئے کہ وہ ان سے نفع اٹھائیں) یہاں تک کہ جب قریظہ اور نضیر پر فتح حاصل ہوئی تو (حضور ﷺ نے وہ درخت واپس کرنے کا حکم دیا) میرے گھر والوں نے مجھے حضور

علیہ السلام کے پاس بھیجا کہ میں آپ سے ان تمام یا بعض درختوں کی واپسی کا سوال کروں وہ درخت آپ نے حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا کو دے رکھے تھے حضرت ام ایمن آئیں اور انہوں نے کپڑا میری گردن میں ڈالا اور کہنے لگیں اس ذات کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہم تمہیں نہیں دیں گے یہ درخت نبی اکرم ﷺ نے ہمیں دیئے ہیں (یا جیسا بھی کہا) نبی اکرم ﷺ فرمارہے تھے تمہیں اس قدر درخت دوں گا اور وہ کہہ رہی تھیں: اللہ کی قسم! ہرگز نہیں حتی کہ حضور علیہ السلام نے اسے عطا فرمائے اور میرا خیال ہے انہوں نے فرمایا: کہ اس سے دس گنا زیادہ عطا فرمائے یا جیسا بھی انہوں نے فرمایا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۱۲۰، مسند امام احمد ج ۳ ص ۲۱۹، مجمع الزوائد ج ۴ ص ۲۸۲، تفسیر ابن کثیر ج ۸ ص ۹۲، البدایہ والنہایہ ج ۴ ص ۸۱)

حضرت ام ایمن نے یہ طریقہ اس لئے اختیار کیا کہ ان کے خیال میں یہ دائمی حصہ تھا اور وہ اس کی مالک بنائی گئی تھیں اور نبی اکرم ﷺ نے یہ درخت واپس لینے کے بعد ان کی دلجوئی کا ارادہ فرمایا اور اس کے عوض میں اضافہ فرماتے تھے حتی کہ وہ راضی ہو گئیں اور یہ سب کچھ نبی اکرم ﷺ کی طرف سے نیکی اور ان کی عزت افزائی تھی کیونکہ حضرت ام ایمن کو نبی اکرم ﷺ کی پرورش اور تربیت کی وجہ سے اس نیکی اور اعزاز کا حق حاصل تھا اور اس میں آپ کی سخاوت کی فراوانی اور بردباری نیز نیکی کی کثرت مخفی نہیں ہے۔

ایک عورت نبی اکرم ﷺ کے پاس حاضر ہوئی جس کی عقل میں کچھ خرابی تھی اس نے کہا مجھے آپ سے کچھ کام ہے آپ نے فرمایا مدینہ طیبہ کی جس گلی میں چاہے بیٹھ جا میں تیرے پاس بیٹھ جاؤں گا۔
(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۸۱۸، بغوی ج ۷ ص ۱۳۰، مسند احمد ج ۳ ص ۲۱۴، المغنی ج ۲ ص ۱۹۵، اتحاف السادۃ المتقین ج ۶ ص ۲۶۲)

صحیح مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا حتی کہ میں تیری حاجت کو پورا کردوں۔ چنانچہ آپ اس کے ساتھ ایک راستہ میں تشریف فرما ہوئے حتی کہ وہ اپنی حاجت سے فارغ ہو گئی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ سب کچھ آپ کی بہت زیادہ تواضع کی وجہ سے ہوا۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۷۶)

حضرت عبداللہ بن حمساء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی اکرم ﷺ کی بعثت سے پہلے آپ سے ایک سودا کیا اور آپ کی کچھ رقم باقی تھی میں نے وعدہ کیا کہ فلاں جگہ آپ کے پاس حاضر ہوں گا لیکن میں بھول گیا حتی کہ تین دن بعد مجھے یاد آیا تو آپ اسی جگہ پر تھے آپ نے فرمایا تم نے مجھے مشقت میں ڈالا میں تین دن سے یہاں تمہارا منتظر ہوں۔
(السنن الکبریٰ ج ۱۰ ص ۱۹۸، اتحاف السادۃ المتقین ج ۷ ص ۵۰۶)

حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کسی بیوہ اور مسکین کے ساتھ جا کر اس کا کام کرنے سے نفرت نہیں کرتے تھے۔

صحیح بخاری کی روایت میں ہے کہ کوئی بھی لونڈی حضور علیہ السلام کا ہاتھ پکڑ کر جہاں چاہتی آپ کو لے جاتی۔

امام احمد کی روایت میں ہے کہ وہ اپنے کام کیلئے آپ کو لے جاتی۔

انہی کے نزدیک یہ بھی ہے کہ مدینہ طیبہ والوں کی بچیوں میں سے کوئی بچی آتی اور نبی اکرم ﷺ کا ہاتھ پکڑتی آپ اس سے اپنا ہاتھ نہ چھڑواتے حتی کہ وہ آپ کو جہاں چاہتی لے جاتی۔

ہاتھ پکڑنے سے ساتھ لیجانا مراد ہے۔

یہ واقعہ تواضع کی کئی انواع پر مشتمل ہے کہ اس میں عورت کا ذکر ہے مرد کا نہیں لونڈی کا ذکر ہے آزاد عورت کا نہیں

اور لونڈی کے لیے بھی عمومیت ہے یعنی کوئی بھی لونڈی ہو (خاص مراد نہیں) اسی طرح یہ الفاظ کہ "جہاں چاہے" مطلب یہ ہے کہ جس جگہ بھی لے جائے اور ہاتھ سے پکڑ کر لے جانے کے ذکر میں انتہائی درجہ کے تصرف کی طرف اشارہ ہے حتیٰ کہ اگر اسے مدینہ طیبہ سے باہر کوئی کام ہوتا اور وہ اس حالت میں آپ سے مدد طلب کرتی تو آپ اس کی مدد فرماتے یہ آپ کے بہت زیادہ تواضع اختیار کرنے اور تکبر کی تمام اقسام سے برأت کی علامت ہے۔

نبی اکرم ﷺ نماز پڑھ رہے تھے کہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ (جو ابھی بچے تھے) داخل ہوئے اور آپ کی پیٹھ مبارک پر سوار ہو گئے آپ نے سجدے میں دیر لگا دی حتیٰ کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ اتر گئے جب آپ فارغ ہوئے تو کسی صحابی نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ نے سجدہ لمبا کر دیا فرمایا میرے بیٹے نے مجھے سواری بنا دیا (اور میری پیٹھ پر سوار ہو گیا) تو میں نے جلدی کرنا مناسب نہ سمجھا۔

(السنن الکبریٰ ج ۲ ص ۲۶۳' تاریخ ابن عساکر ج ۴ ص ۳۲۰' البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۱۳۶' مسند احمد ج ۳ ص ۴۹۴)

نبی اکرم ﷺ بیماروں کی عیادت کرتے اور جنازے میں شرکت فرماتے۔

نبی اکرم ﷺ نے ایک پرانے کجاوے پر حج فرمایا اور اس پر جو کپڑا تھا اس کی قیمت چار درہم بھی نہ تھی آپ نے دعا مانگی:

اَللّٰھُمَّ اجْعَلْہُ حَجًّا لَا رِیَآءَ فِیْہِ وَلَا سُمْعَۃَ۔ یا اللہ! اس (حج) کو ایسا حج بنا جس میں ریاکاری اور شہرت نہ ہو۔

(مجمع الزوائد ج ۳ ص ۲۲۱' شمائل ترمذی ص ۱۷۴' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۸۹۰)

نبی اکرم ﷺ صبح کی نماز پڑھتے تو مدینہ طیبہ کے خدام اپنے برتن لے کر حاضر ہوتے جن میں پانی ہوتا پس آپ کے پاس جو برتن بھی لایا جاتا آپ اس میں اپنا ہاتھ مبارک ڈالتے بعض اوقات سردی کی صبح حاضر ہوتے تو آپ اس میں دست مبارک ڈالتے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۳۴۷' مسند احمد ج ۳ ص ۱۳۷' مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۵۸۰۸' شرح السنہ ج ۱۳ ص ۲۴۴' الدلائل ج ۱ ص ۳۳۳' تاریخ بغداد ج ۴ ص ۹' المغنی ج ۱ ص ۳۳۷' کنز العمال رقم الحدیث: ۱۸۳۶۳۔۳۹۲۷)

اہل خانہ سے معاشرت

نبی اکرم ﷺ اپنی ازواج مطہرات سے نہایت اچھا سلوک فرماتے تھے اور آپ ان کے ساتھ آرام فرما ہوتے۔

امام نووی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں: یہ نبی اکرم ﷺ کا ظاہری عمل ہے جسے آپ ہمیشہ کرتے تھے حالانکہ آپ ہمیشہ رات کے وقت قیام فرماتے پس ان (ازواج مطہرات) میں سے کسی ایک کے ساتھ آرام فرما ہو جاتے اور جب عبادت مقررہ کے لئے کھڑا ہونے کا ارادہ فرماتے تو ان کو چھوڑ کر اٹھ کھڑے ہوتے پس وظیفۂ عبادت اور ان کے مستحب حق اور ان کے ساتھ حسن سلوک کو جمع فرماتے۔

اس سے معلوم ہوا کہ خاوند کا اپنی بیوی کے ساتھ ایک بستر پر ہونا افضل ہے خصوصاً جب اس کی حالت معلوم ہو کہ وہ اس بات کی حرص رکھتی ہے اور اس کے ساتھ سونے سے وطی کرنا لازم نہیں آتا۔ واللہ اعلم

نبی اکرم ﷺ انصار کی بچیوں کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس بلاتے تا کہ وہ ان کے ساتھ کھیلیں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۱۳۰' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۹۸۲' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۸۱)

اور جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا برتن سے پانی نوش فرماتیں تو سرکار دو عالم ﷺ اس جگہ دہن مبارک رکھتے جہاں انہوں نے رکھا اور پھر پانی نوش فرماتے۔

اور جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہڈی سے گوشت نوچ کر کھاتیں تو آپ ان سے لے کر اسی جگہ منہ رکھتے جہاں انہوں نے رکھا ہوتا۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۲۵۹' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۶۴۳' سنن نسائی رقم الحدیث:۷۰،۷۱-۲۷۷' مسند احمد ج۶ص ۱۲۷) آپ ان کی گود میں تکیہ لگاتے اور روزے کی حالت میں بھی ان کا بوسہ لیتے۔ (صحیح بخاری رقم الحدیث:۳۲۲' مسند احمد ج۶ص ۸۶_۲۹۴_۳۰۰_۳۱۸' التمہید ج۳ص ۱۶۵' مسند الشافعیہ ص ۱۱۱' مسند ابوعوانہ ج۱ص ۳۱۰)

مسجد میں حبشی کھیل رہے تھے تو نبی اکرم ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو یوں یہ کھیل دکھایا کہ انہوں نے آپ کے مبارک کاندھے کا سہارا لے رکھا تھا۔

امام ترمذی رحمۃ اللہ نے ان الفاظ کے ساتھ نقل کیا کہ نبی اکرم ﷺ کھڑے ہوئے تو حبشی رقص کرنے لگے اور بچے ان کے گرد تھے آپ نے فرمایا: اے عائشہ! آؤ اور دیکھو (فرماتی ہیں) میں آئی اور میں نے اپنے جبڑے رسول اکرم ﷺ کے کاندھے پر رکھ دیئے پس میں آپ کے کاندھے اور سر انور کے درمیان سے ان لوگوں کو دیکھتی رہی آپ نے فرمایا: کیا تو سیر نہیں ہوتی (دوبار فرمایا) میں نے جواب دیا نہیں' نہیں۔ (جامع ترمذی رقم الحدیث:۳۶۹۱' فتح الباری ج۱ص ۵۶۴)

ایک روایت میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ دوڑنے کا مقابلہ کیا تو وہ آپ سے آگے نکل گئیں اس کے بعد پھر مقابلہ کیا تو آپ ان سے آگے نکل گئے آپ نے فرمایا: یہ اس کا بدلہ ہے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۲۵۷۸' السنن الکبریٰ ج۱۰ص ۱۸' مشکوۃ المصابیح رقم الحدیث:۳۲۵۱' المغنی ج۲ص ۴۵' کنز العمال رقم الحدیث:۱۰۶۱۳)

امام ابوداؤد نے ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا فرماتی ہیں: کہ میں نے حضور علیہ السلام کے ساتھ دوڑ کا مقابلہ کیا تو پیدل دوڑ میں' میں آپ سے آگے نکل گئی جب میرا وزن زیادہ ہو گیا تو اس وقت مقابلے میں آپ مجھ سے آگے نکل گئے آپ نے فرمایا یہ اس پہلے مقابلے کا بدلہ ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: کہ ہم لوگ ایک دن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ مبارکہ میں نبی اکرم ﷺ کے ساتھ تھے کہ روٹی اور گوشت کا ایک پیالہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے گھر سے آیا اور نبی اکرم ﷺ کے سامنے رکھ دیا گیا آپ نے فرمایا: اپنے ہاتھ ڈالو پس حضور علیہ السلام نے بھی ہاتھ مبارک ڈالا اور ہم نے بھی ہاتھ ڈال کر کھانا شروع کیا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کھانا بنا رہی تھیں تو انہوں نے جلدی کی وہ اس پیالے کو دیکھ چکی تھیں جب کھانا پکا چکیں تو اسے لا کر رکھ دیا اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا پیالہ اٹھا کر توڑ دیا آپ نے فرمایا: اللہ کے نام سے کھاؤ تمہاری ماں کو غیرت آ گئی پھر ان کا پیالہ حضرت ام سلمہ کو دے دیا اور فرمایا: کھانے کی جگہ کھانا اور برتن کی جگہ برتن۔ (جامع ترمذی رقم الحدیث:۱۳۵۹' کنز العمال رقم الحدیث:۳۹۸۲۵)

''صحیح بخاری میں'' ان الفاظ کے ساتھ مروی ہے کہ آپ اپنی ایک زوجہ مطہرہ کے پاس تھے تو ایک ام المؤمنین نے پیالہ بھیجا جس میں کھانا تھا تو آپ جس زوجہ کے گھر میں تھے انہوں نے خادم کے ہاتھ پر مارا تو پیالہ ٹوٹ گیا نبی اکرم ﷺ نے پیالے کے ٹکڑے جمع کیے پھر اس میں وہ کھانا اکٹھا کیا اور فرمایا: تمہاری ماں کو غیرت آ گئی۔ پھر خادم کو روک دیا

اور جب اس زوجہ کی طرف سے پیالہ آیا جو اس گھر میں تھیں تو وہ پیالہ ان کے پاس بھیج دیا جن کا پیالہ ٹوٹا تھا اور ٹوٹا ہوا پیالہ اسی گھر میں رکھ لیا۔

امام احمد' امام ابوداؤد اور امام نسائی رحمۃ اللہ نے یوں نقل کیا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: کہ میں نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا جیسی کھانا پکانے والی خاتون نہیں دیکھی انہوں نے کھانے کا ایک برتن نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں بطور تحفہ بھیجا تو میں اپنے آپ کو قابو میں نہ رکھ سکی اور میں نے اسے توڑ دیا (پھر) میں نے عرض کیا یارسول اللہ! اس کا کفارہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا کھانے جیسا کھانا اور برتن جیسا برتن ہے۔

دوسرے محدثین کے نزدیک یوں ہے فرماتی ہیں: کہ میں نے حضور علیہ السلام کے سامنے سے پیالہ اٹھایا اور اسے (زمین پر) دے مارا اور توڑ دیا تو نبی اکرم ﷺ کھڑے ہوئے اور کھانا اور گوشت اٹھاتے ہوئے فرمانے لگے تمہاری ماں کو غیرت آ گئی اور ام المؤمنین سے کوئی مواخذہ نہ فرمایا۔

تو نبی اکرم ﷺ کے خلق کریم کی وسعت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے آثار غیرت کے بھرے ہوئے برتنوں (یعنی شدید غیرت) پر غالب آ گئی اور آپ متاثر نہ ہوئے بلکہ آپ نے اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق بدلے کا فیصلہ فرمایا۔ نبی اکرم ﷺ کا اپنی ازواج مطہرات کے ساتھ یہی طریقہ تھا آپ ان سے مواخذہ نہ فرماتے بلکہ ان کا عذر قبول فرماتے اور اگر ان پر عدل کا ترازو قائم کرنا ہوتا تو کسی پریشانی اور غصے کے بغیر قائم فرماتے بلکہ آپ مہربان' رحم فرمانے والے ازواج مطہرات اور دوسری خواتین (کے ایمان) کی حرص رکھنے والے تھے اور جو چیز ان کو مشقت میں ڈالتی وہ آپ پر گراں گزرتی تھی۔

کہا گیا ہے کہ اس حدیث میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ غیرت میں کسی فعل کے مرتکب پر مواخذہ نہ کیا جائے کیونکہ اس حالت میں سخت غصے کی وجہ سے عقل پر پردہ چھا جاتا ہے۔

حضرت ابو یعلیٰ نے صحیح سند کے ساتھ جس میں کوئی حرج نہیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مرفوعاً روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ غیرت میں آنے والی کو وادی کے اوپر والے حصے سے اس کا نچلا حصہ بھی نظر نہیں آتا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: کہ میں حضور علیہ السلام کے پاس خزیرہ [1] لے کر آئی جسے میں نے پکایا تھا اور حضرت سودہ رضی اللہ عنہا سے کہا کہ کھائیں نبی اکرم ﷺ ہم دونوں کے درمیان تھے انہوں نے انکار کر دیا میں نے کہا کھائیں انہوں نے (پھر) انکار کر دیا میں نے کہا آپ کھائیں ورنہ میں آپ کے چہرے پر مل دوں گی انہوں نے انکار کر دیا چنانچہ میں نے خزیرہ میں ہاتھ ڈالا اور ان کے چہرے پر مل دیا نبی اکرم ﷺ ہنس پڑے اور اپنی ران میرے سامنے رکھ کر حضرت سودہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: کہ ان کے چہرے پر بھی مل دیں چنانچہ انہوں نے میرے چہرے پر بھی مل دیا اور آپ مسکراتے رہے۔

اس حدیث کو ابن غیلان نے ہاشمی کی روایت سے نقل کیا اور الملاء (عمر الموصلی) نے اپنی سیرت (کی کتاب) میں اسے ذکر کیا۔

خلاصہ یہ ہے کہ جو شخص نبی اکرم ﷺ کے اہل خانہ' صحابہ کرام اور ان کے علاوہ فقراء' یتیموں' بیواؤں' مہمانوں اور

[1] گوشت کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں کو بہت زیادہ پانی میں اچھی طرح ملایا جاتا ہے پھر اس پر آٹا ڈالتے ہیں تو یہ خزیرہ ہے۔

مساکین کے ساتھ آپ کے حسن سیرت میں غور کرتا ہے اس کو معلوم ہو جاتا ہے کہ آپ دل کی نرمی کے سلسلے میں اس انتہاء اور بلندی پر پہنچے تھے کہ مخلوق کیلئے اس سے اوپر پہنچنے کی کوئی جگہ نہیں۔

اگرچہ آپ اللہ تعالیٰ کی حدود، حقوق اور دین کے معاملے میں سختی فرماتے حتیٰ کہ چور کا ہاتھ کاٹ دیتے اور اس کے علاوہ سزائیں دیتے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے خندہ پیشانی کے ساتھ پیش آنا

نبی اکرم ﷺ اپنے صحابہ کرام سے اس قدر خندہ پیشانی سے پیش آتے کہ اس سے آپ کی محبت ان کے دلوں میں جاگزیں ہو جاتی ایک شخص جس کا نام زہیر (زاہر بھی لکھا ہے) تھا اور وہ جنگل میں رہتا تھا وہ نبی اکرم ﷺ کے لئے وہ چیز (سبزی وغیرہ) بطور تحفہ لاتا جو جنگل میں موجود ہوتی اور آپ اس کو شہر کی کوئی چیز تحفہ کے طور پر عنایت فرماتے۔

اور آپ فرماتے: کہ زہیر ہمارے دیہاتی ہیں اور ہم ان کے شہری ہیں اور نبی اکرم ﷺ ان سے محبت کرتے تھے ایک دن آپ بازار کی طرف تشریف لے گئے تو ان کو کھڑا پایا چنانچہ آپ ان کی پیٹھ کی طرف سے آئے اور ہاتھ ڈال کر ان کو اپنے سینے سے ملایا حضرت زہیر کو معلوم ہوا کہ نبی اکرم ﷺ ہیں تو وہ فرماتے ہیں: میں برکت حاصل کرنے کی امید سے اپنی پیٹھ کو آپ کے سینے سے ملنے لگا۔ (مسند احمد ج ۳ ص ۱۶۱، الاصابہ رقم الترجمہ: ۲۷۷۴)

امام ترمذی رحمۃ اللہ نے شمائل میں روایت کیا کہ حضور علیہ السلام نے پیچھے کی جانب سے ان کو اپنی بانہوں میں لے لیا اور وہ دیکھ نہیں رہے تھے انہوں نے کہا مجھے چھوڑ دو کون ہے؟ جب توجہ کی تو نبی اکرم ﷺ کو پہچان لیا اب انہوں نے اپنی پیٹھ کو نبی اکرم ﷺ کے سینۂ مبارکہ سے رگڑنے میں کوئی کمی نہ کی (یعنی) جب آپ کو پہچان لیا۔

نبی اکرم ﷺ فرمانے لگے: کون اس غلام کو خریدے گا؟ حضرت زہیر نے عرض کیا یارسول اللہ! اس صورت میں آپ مجھے بے قیمت پائیں گے آپ نے فرمایا: تم اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت قیمتی ہو۔

ترمذی شریف کی ایک روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا: (نہیں) بلکہ تم اللہ تعالیٰ کے ہاں بے قیمت نہیں ہو یا فرمایا: تم اللہ تعالیٰ کے ہاں بیش قیمت ہو۔ (شمائل ترمذی رقم الحدیث: ۱۲۱)

حضرت ابویعلیٰ نے حضرت زید بن اسلم رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ ایک شخص نبی اکرم ﷺ کو گھی کا ایک ڈبہ اور شہد بھیجا کرتا تھا جب وہ دوکاندار رقم کا تقاضا کرتا تو وہ اسے آپ کی خدمت میں لے آتا اور کہتا اس شخص کے سامان کا حق (قیمت) عطا کیجئے۔

تو نبی اکرم ﷺ صرف مسکرا دیتے اور حکم دیتے چنانچہ اسے عطا کر دیا جاتا۔

(مجمع الزوائد ج ۴ ص ۱۴۸، مطالب العالیہ رقم الحدیث: ۱۳۲۹)

حضرت محمد بن عمرو بن حزم کی روایت میں ہے کہ مدینہ طیبہ میں جو نئی چیز آتی وہ اس میں سے خرید کر آپ کی خدمت میں لے آتا اور عرض کرتا یارسول اللہ! میں یہ چیز آپ کی خدمت میں تحفہ کے طور پر پیش کرتا ہوں جب دوکاندار قیمت لینے آتا تو وہ اسے لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہو جاتا اور کہتا کہ اس کی رقم دیجئے آپ پوچھتے کیا تم نے بطور تحفہ نہیں دیا تھا تو وہ کہتا میرے پاس تو کچھ نہیں پس آپ مسکراتے اور دوکاندار کے لئے اس کی قیمت ادا کرنے کا حکم فرماتے۔

مزاح نبوی ﷺ

نبی اکرم ﷺ خوش طبعی فرماتے ہیں: لیکن سچ بات ہی فرماتے جس طرح حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص جو سوچے سمجھے بغیر بات کرتا تھا' نے عرض کیا یارسول اللہ! مجھے سوار کیجئے (سواری دیجئے) تو آپ نے اس سے تفصیل کے ساتھ مردہ بات کہی جس سے اس کو اس بیماری سے (عدم تفکر سے) شفا حاصل ہو جائے۔ (البدایہ والنہایہ ج۶ ص ۴۸)

آپ نے فرمایا: میں تجھے اونٹنی کے بچے پر سوار کراؤں گا تو اس نے بچے کے لفظ سے اونٹنی کا چھوٹا ہونا سمجھا اور عرض کیا یارسول اللہ! اونٹنی کا بچہ میرے کس کام کا ہے؟ آپ نے فرمایا: تجھ پر افسوس! اونٹ کو اونٹنی ہی جنتی ہے یہ حدیث امام ترمذی اور امام ابو داؤد نے نقل کی ہے۔ (جامع ترمذی رقم الحدیث: ۱۹۹۱' سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۴۹۹۸' اخلاق النبوۃ رقم الحدیث: ۸۶' الاذکار النوویہ رقم الحدیث: ۴۸۹' شرح السنہ ج ۱۳ ص ۱۸۲' البدایہ والنہایہ ج ۶ ص ۴۸)

آپ نے اپنی پھوپھی حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا سے خوش طبعی فرمائی وہ بوڑھی خاتون تھیں تو آپ نے ان سے فرمایا: کوئی بوڑھی عورت جنت میں نہیں جائے گی جب وہ پریشان ہوئیں تو آپ نے ان سے فرمایا: کہ تم عورتیں جنت میں جوان ہو جاؤ گی۔

(مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۴۱۹' شمائل ترمذی رقم الحدیث: ۲۳۲' تاریخ اصبہان ج ۱ ص ۱۴۳' تفسیر طبری ج ۷ ص ۸۰' تفسیر ابن کثیر ج ۸ ص ۹)

ترمذی شریف کی روایت میں حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک بوڑھی خاتون حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئی اور اس نے عرض کیا یارسول اللہ! آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ وہ مجھے جنت میں داخل کرے آپ نے فرمایا: اے فلاں! جنت میں کوئی بوڑھی عورت نہیں جائے گی فرماتے ہیں: وہ روتی ہوئی واپس ہوئی تو آپ نے فرمایا: اسے بتاؤ کہ بڑھاپے کی حالت میں نہیں داخل ہو گی کیونکہ ارشاد خداوندی ہے:

إِنَّآ أَنشَأْنَٰهُنَّ إِنشَآءً ۝ فَجَعَلْنَٰهُنَّ أَبْكَارًا ۝ — بے شک ہم نے ان عورتوں کو اچھی اٹھان اٹھایا تو انہیں کنواریاں بنایا۔ (واقعہ: ۳۵)

اس حدیث کو ابن رزین نے ذکر کیا ہے۔

نبی اکرم ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے خوش طبعی فرماتے' ان سے گھل مل کر رہتے' ان سے گفتگو کرتے اور اپنے ساتھ مانوس کرتے نیز ان کے معاملات کی تدبیر میں شریک ہوتے' ان کے بچوں کے ساتھ خوش طبعی فرماتے اور ان کو اپنی گود میں بٹھاتے اس کے باوجود آپ کا قلب مبارک جہاں اللہ تعالیٰ چاہتا ملکوت کی سیر کرتا۔

امام ترمذی رحمۃ اللہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک روایت نقل کی اور اسے حسن قرار دیا کہ صحابہ کرام نے عرض کیا یارسول اللہ! آپ ہم سے خوش طبعی فرماتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: میں سچ بات ہی کہتا ہوں۔

اور نبی اکرم ﷺ سے خوش طبعی اور کھیل کود کے سلسلے میں جو نہی وارد ہوتی ہے وہ اس میں زیادتی پر محمول ہے کیونکہ اس صورت میں اللہ تعالیٰ کے ذکر اور اہم دینی امور میں غور و فکر سے دوری ہو جاتی ہے اور جو آدمی اس (دوری) سے محفوظ ہو اس کے لئے یہ جائز ہے اور اگر اس میں کوئی مصلحت بھی ہو جس طرح مخاطب کے دل کو خوش کرنا اور حضور علیہ السلام بھی اسی مقصد کو پیش نظر رکھتے تھے' تو اس صورت میں یہ مستحب ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ تمام لوگوں سے بڑھ کر خوش اخلاق تھے اور میرا ایک بھائی تھا جسے ابو عمیر کہا جاتا تھا اور اس کا ایک چھوٹا سا (چڑیا کی طرح کا) پرندہ تھا (جسے نغیر کہتے تھے) وہ پرندہ مر گیا ایک دن وہ (میرا بھائی) حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے اسے غمگین دیکھا فرمایا: اسے کیا ہوا؟ گھر والوں نے عرض کیا اس کا پرندہ مر گیا ہے آپ نے فرمایا:

یا ابا عمیر ما فعل النغیر. اے ابو عمیر! نغیر (چھوٹا پرندہ) کو کیا ہوا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۱۲۹-۶۲۰۳، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۳۰، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۷۲۰، جامع ترمذی رقم الحدیث: ۱۹۸۹، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۹۶۹، مسند احمد ج ۳ ص ۱۱۵-۱۱۹-۱۹۰-۲۰۱-۲۷۸-۲۸۸)

ترمذی شریف کی روایت میں ہے حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ ہم سے گھل مل جاتے حتیٰ کہ میرے چھوٹے بھائی سے فرماتے: یا ابا عمیر ما فعل النغیر۔

جوہری کہتے ہیں النغیر "نغر" کی تصغیر ہے اور نغر 'النغرۃ' کی جمع ہے اور یہ چڑیا جیسا چھوٹا سا پرندہ ہے اس کی جمع نغران بھی آتی ہے جیسے صرد اور صردان۔

نبی اکرم ﷺ کو جس طرح خوش طبعی کا وصف ملا تھا اسی طرح آپ کو رعب کے وصف سے بھی موصوف کیا گیا۔ ایک شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ کے سامنے کھڑا ہوا تو اس پر سخت کپکپی اور خوف طاری ہو گیا آپ نے فرمایا اپنے آپ پر آسانی کرو میں بادشاہ یا ظالم و جابر (متکبر) نہیں ہوں میں ایک قریشی عورت کا بیٹا ہوں جو مکہ مکرمہ میں خشک گوشت کے ٹکڑے کھاتی تھی۔

اس کے بعد اس شخص نے اپنی حاجت بیان کی اور پھر نبی اکرم ﷺ نے کھڑے ہو کر فرمایا:

یا ایھا الناس انی اوحی الی ان تواضعوا الا فتواضعوا حتی لا یبغی احد علی احد ولا یفخر احد علی احد و کونوا عباد اللہ اخوانا.

اے لوگو! میری طرف وحی کی گئی کہ تم لوگ تواضع اختیار کرو سنو! پس تم تواضع اختیار کرو حتیٰ کہ تم میں سے کوئی ایک دوسرے پر زیادتی (اور سرکشی) نہ کرے اور نہ کوئی شخص دوسرے پر فخر کرے اے اللہ کے بندو! بھائی بھائی بن جاؤ۔

پس آپ کا خوف شفقت میں بدل گیا کیونکہ آپ مؤمنوں پر مہربانی رحم فرمانے والے ہیں اور آپ سے ملوکیت کا وصف لیا گیا کیونکہ آپ نے فرمایا: میں بادشاہ نہیں ہوں۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۳۱۲-۴۱۷۸، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۸۹۵، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۶۴، السنن الکبریٰ ج ۱۰ ص ۲۳۳، المعجم الکبیر ج ۱۷ ص ۳۶۵، جمع الجوامع رقم الحدیث: ۴۷۱۹، الدر المنثور ج ۳ ص ۱۱۴۔ ج ۶ ص ۱۱۱، المغنی ج ۲ ص ۱۹۲، مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۴۸۹۸، اتحاف السادۃ المتقین ج ۷ ص ۱۰۵، الترغیب والترہیب ج ۳ ص ۵۵۸، حلیۃ الاولیاء ج ۳ ص ۱۷، کنز العمال رقم الحدیث: ۵۷۳۳)

کیونکہ ملوکیت کے لئے جبر لازم ہے اور آپ نے تواضع کے طور پر فرمایا: کہ میں ایک ایسی عورت کا بیٹا ہوں جو خشک گوشت کے ٹکڑے کھاتی تھی کیونکہ قدید عمدہ کھانا نہیں بلکہ وہ مسکین لوگوں کا کھانا ہے۔

اور جب قیلہ بنت مخرمہ نے نبی اکرم ﷺ کو مسجد میں رانوں کو کھڑا کر کے پیٹ سے ملاتے ہوئے اور ہاتھوں سے گھیرا باندھ کر بیٹھتے دیکھا تو وہ خوف کی وجہ سے کانپنے لگیں۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۸۴۷)

امام مسلم نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں: کہ میں نے نبی اکرم ﷺ کی مجلس اختیار کی تو میں نے آپ سے حیا کرتے ہوئے اور آپ کی تعظیم کی وجہ سے کبھی بھی آنکھ بھر کر آپ کی طرف نہیں دیکھا اور اگر مجھے کہا جائے کہ میں آپ کا وصف بیان کروں تو مجھے اس کی طاقت نہیں۔

تو جب یہ ان کا قول ہے اور آپ جلیل القدر صحابہ کرام میں سے ہیں تو اگر نبی اکرم ﷺ ان کے ساتھ خوش طبعی نہ فرماتے' ان کے لئے عاجزی اختیار نہ کرتے اور ان کو اپنے ساتھ مانوس نہ کرتے تو ان میں سے کوئی بھی آپ کے ساتھ بیٹھنے پر قادر نہ ہوتا اور آپ کی ہیبت وجلال کی وجہ سے جو آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملا آپ کا کلام نہ سن سکتے۔

اس بات کی وضاحت اس روایت سے ہوتی ہے کہ جب آپ فجر کی نماز (سنتوں) سے فارغ ہوتے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے گفتگو کرتے اگر وہ بیدار ہوتیں ورنہ زمین پر لیٹ جاتے پھر نماز کے لئے تشریف لے جاتے۔

اس کی وجہ یہ تھی کہ اگر آپ اسی حالت میں جس پر آپ ہوتے تھے تشریف لے جاتے اور اللہ تعالیٰ سے مناجات اور اس کے کلام کی سماعت وغیرہ احوال سے جو قرب آپ کو حاصل ہوتا تھا اور زبان اسے بیان کرنے سے قاصر ہے تو (اسی صورت میں تشریف لے جانے) کی وجہ سے کوئی شخص آپ سے ملاقات اور میل جول کی طاقت نہ رکھتا اس لئے آپ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کلام فرماتے یا زمین پر لیٹ جاتے تاکہ ان (صحابہ کرام) کی جنس (یعنی زمین) سے انس حاصل ہو تو یہ انس حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا یا اصل خلقت کی جنس یعنی زمین کے ذریعے انس حاصل کرتے پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف تشریف لے جاتے اور یہ سب کچھ مسلمانوں پر نرمی کرنے کی غرض سے ہوتا اور آپ مؤمنوں پر مہربان تھے۔

یہ بات ابن حاج (محمد بن محمد بن محمد ابن الحاج ابو عبداللہ العبدری المالکی) نے المدخل میں ذکر کی ہے۔

(الاعلام ج ۷ ص ۳۵' الدرر الکامنہ ج ۴ ص ۲۳۷' دیباج المذہب رقم الحدیث: ۴۲۷' کشف الظنون ج ۲ ص ۱۶۴۳)

حدیث شریف میں ہے کہ جب نبی اکرم ﷺ کو اختیار دیا گیا کہ آپ نبی بادشاہ ہوں یا نبی بندہ تو آپ نے حضرت جبریل علیہ السلام کی طرف دیکھا گویا آپ ان سے مشورہ لے رہے ہوں تو حضرت جبریل علیہ السلام نے زمین کی طرف دیکھا یعنی تواضع کا مشورہ دیا پس نبی اکرم ﷺ نے بندگی کو اختیار فرمایا۔

پس جب آپ کی تواضع زمین کی طرف تھی کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے اس طرف اشارہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو آسمان کی طرف بلندی عطا فرمائی پھر رفرف اعلیٰ اس کے بعد "قاب قوسین او ادنیٰ" کی ترقی عطا فرمائی۔

حضرت محمود بن ربیع چھوٹے سے پانچ سال کے تھے تو نبی اکرم ﷺ نے مزاح کے طور پر اس کے منہ پر منہ کے ذریعے پانی ڈالا تو اس کی برکت یہ ہوئی کہ بڑا ہونے کے بعد ان کے ذہن میں صرف پانی کی اسی کلی کا خیال باقی رہا اور نبی اکرم ﷺ کو دیکھنا انہیں یاد نہ رہا تو ان کو صحابہ کرام میں شمار کیا گیا اور ان کا واقعہ صحیح بخاری میں مذکور ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۳۵۴' مسند احمد ج ۵ ص ۴۲۱)

نبی اکرم ﷺ کی ربیبہ حضرت زینب بنت ام سلمہ (رضی اللہ عنہا) حاضر ہوئیں اور آپ غسل خانہ میں تھے تو آپ نے ان کے چہرے پر پانی ڈالا تو اس کی برکت یہ ہوئی کہ ان کے چہرے میں کبھی تبدیلی نہیں آئی اور جب وہ بہت بوڑھی ہوگئیں تب بھی ان کے چہرے پر جوانی ثابت تھی اور چہرہ پر رونق تھا۔ یہ واقعہ بخاری شریف میں مذکور ہے۔

اور یہ بات بھی معلوم ہے کہ آپ صحابہ کرام' اپنے اہل بیت اور اجنبی اور قریبی سب کے ساتھ کشادہ دل' خندہ پیشانی اور اچھے اخلاق سے پیش آتے اور جس سے ملاقات ہوتی اسے سلام کرتے اور جو آپ کو (کسی مقصد کے لئے) ٹھہرانا چاہتا اس کے ساتھ ٹھہر جاتے اور کبھی کبھی بچوں اور بڑوں کے ساتھ خوش طبعی فرماتے لیکن سچ بات ہی فرماتے' دعوت دینے والے کی دعوت قبول فرماتے اور پہلوئے رحمت جھکاتے حتیٰ کہ آپ کے صحابہ کرام میں سے ہر ایک یہی خیال کرتا کہ آپ اس سے سب سے زیادہ محبت کرتے ہیں۔

اور اس میدان میں تم واجب' مستحب یا مباح عمل پاؤ گے پس نبی اکرم ﷺ مخلوق سے میل جول رکھتے اور کشادہ روئی سے پیش آتے تاکہ وہ جہالت کی تاریک راتوں کے اندھیروں میں آپ کے نور ہدایت سے منور ہوں اور آپ کی سیرت طیبہ کو مشعل راہ بنائیں۔

صحابہ کرام کے ساتھ ہم نشینی

عام طور پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ آپ کی مجلس ذکر الٰہی اور ترغیب و ترهیب کی مجلس ہوتی تھی اور وہ یا تو تلاوت قرآن سے ہوتی یا وہ حکمت اور موعظت حسنہ جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمائی نیز اس بات کی تعلیم جو دینی اعتبار سے نفع بخش ہو جس طرح اللہ تعالیٰ نے آپ کو وعظ و نصیحت کرنے اور واقعات بیان کرنے کا حکم دیا اور یہ کہ آپ اپنے رب کے راستے کی طرف حکمت و موعظت سے بلائیں خوشخبری دیں اور (جہنم سے) ڈرائیں۔

یہی وجہ ہے کہ آپ کی یہ مجالس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دلوں میں نرمی پیدا کرتیں' دنیا سے دوری اور آخرت کی رغبت کا درس دیتی تھیں۔

جس طرح حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: کہ ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہمیں کیا ہے کہ جب ہم آپ کے پاس ہوتے ہیں تو ہمارے دل نرم ہو جاتے ہیں' دنیا سے بے رغبت اور آخرت والے بن جاتے ہیں اور جب آپ کے پاس سے چلے جاتے ہیں تو گھر والوں سے گھل مل جاتے ہیں' اپنی اولاد کی خوشبو سونگھتے اور اپنے نفسوں کو بھول جاتے ہیں۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: جس حالت میں تم مجھ سے جدا ہوتے ہو اگر اسی حالت پر رہو تو فرشتے تمہارے گھروں میں تمہاری ملاقات کے لئے آئیں۔ (مجمع الزوائد ج ۱۰ص ۳۱۰)

اس حدیث کو امام احمد' امام ترمذی اور ابن حبان نے اپنی صحیح میں نقل کیا ہے۔

تواضع کی صورتیں [1]

نبی اکرم ﷺ کی تواضع کا یہ عالم تھا کہ آپ نے کبھی کسی کھانے پینے کی چیز میں عیب بیان نہیں کیا اگر طبیعت مبارکہ چاہتی تو کھا لیتے ورنہ چھوڑ دیتے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۸۷۔ ۱۸۸' صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۵۶۳۔ ۵۴۰۹' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۷۶۳' جامع ترمذی رقم الحدیث: ۸۳' مسند احمد ج ۲ص ۴۲۷۔ ۴۷۴۔ ۴۷۹۔ ۴۸۱۔ ۴۹۵)

اور یہ اس وقت ہوتا جب کھانا جائز ہوتا اور اگر حرام ہوتا تو اس میں عیب بیان کرتے' اس کی مذمت کرتے اور اس سے منع فرماتے بعض حضرات نے کہا ہے کہ اگر اس میں پیدائشی طور پر عیب ہوتا تو اسے ناپسند کرتے اور اگر اس کو بنانے

[1] (الشفاء ج ۱ص ۱۲۹)

کے اعتبار سے ہوتا تو مکروہ نہ جانتے اور فرماتے اللہ تعالیٰ کے بنانے میں کوئی عیب نہیں اور انسانوں کے بنانے میں عیب ہے۔

'۔فتح الباری میں فرمایا کہ' ظاہر بات عموم ہے (یعنی عیب بالکل نہ نکالتے) کیونکہ اس میں پکانے والے کی دل شکنی ہوتی ہے۔

حضرت امام نووی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں: کھانے کے تاکیدی آداب میں سے یہ بھی ہے کہ ان میں عیب نہ نکالا جائے مثلاً یہ نمکین ہے' کڑوا ہے' نمک کم ہے' گاڑھا ہے' پتلا ہے' کچا ہے وغیرہ وغیرہ۔

نبی اکرم ﷺ کی تواضع کی ایک صورت یہ بھی تھی کہ لوگ اس دنیا کو گالی دیتے اور یہ بات عام تھی لیکن آپ نے فرمایا: دنیا کو گالی نہ دو' پھر اس کی تعریف فرماتے ہوئے فرمایا: یہ مؤمن کی بہترین سواری ہے اسی پر سوار ہو کر آدمی بھلائی تک پہنچتا ہے اور اسی کے ذریعے شر سے بچتا ہے اور فرمایا زمانے کو گالی نہ دو۔

اس حدیث کو حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے یوں نقل کیا ہے کہ آپ نے فرمایا: یوں نہ کہو:

خیبۃ الدھر فان اللہ ھو الدھر. زمانے کی طرف سے نقصان کیونکہ اللہ تعالیٰ (کا حکم ہی) زمانہ ہے۔

انہی کے الفاظ میں یوں بھی آیا ہے:

یسب بنو ادم الدھر وانا الدھر بیدی اللیل و النھار. انسان زمانے کو گالی دیتا ہے اور میں (اللہ تعالیٰ) زمانہ ہوں (زمانے کو پیدا کرنے والا ہوں) رات اور دن میرے قبضے میں ہیں۔

اور صحیح مسلم میں اس طرح ہے:

لا یسب احدکم الدھر. تم میں کوئی شخص زمانے کو گالی نہ دے۔

اس حدیث کی تاویل میں تین باتیں کہی گئی ہیں۔

۱۔ ''اللہ تعالیٰ ہی زمانہ ہے'' سے مراد یہ ہے کہ وہ زمانے کے امور کی تدبیر فرماتا ہے۔

۲۔ مضاف مقدر ہے یعنی ''صاحب الدھر'' وہ زمانے والا ہے۔

۳۔ اصل میں ''مقلب الدھر'' ہے یعنی زمانے کو بدلنے والا ہے اسی لئے ایک روایت میں اس کے بعد فرمایا کہ اسی کے قبضے میں رات اور دن ہیں۔

(اتحاف السادۃ المتقین ج۱ص۱۱۰' کشف الخفاء ج۲ص۳۹۶' الکامل ج۱ص۳۰۴' مسند احمد ج۲ ص۳۹۵۔۴۹۱۔۴۹۶۔ ۴۹۹۔ج۵ص۲۹۹۔۳۱۱' مجمع الزوائد ج۸ص۷۱' المغنی ج۳ص۳۹۱' تاریخ ابن عساکر ج۲ص۳۱۰' حلیۃ الاولیاء ج۸ص۲۵۸' تاریخ اصفہان ج۱ص۱۲۰۔۱۶۱۔۳۳۷' صحیح مسلم رقم الحدیث:۵' السنن الکبری ج۳ص۳۶۵' زاد المسیر ج۷ص۳۶۳)

محققین نے فرمایا کہ جو شخص زمانے کی طرف سے کسی فعل کی حقیقی نسبت کرے اس نے کفر کیا اور اگر کسی کی زبان پر یہ الفاظ عقیدے کے طور پر جاری نہ ہوں تو وہ کافر نہیں لیکن ایسا کہنا مکروہ ہے کہ اس طرح کا کلام کفار کے اقوال کی

مشابہت رکھتا ہے۔

نبی اکرم ﷺ کو جب دو باتوں میں اختیار دیا گیا تو آپ نے ان میں سے زیادہ آسان کو اختیار فرمایا بشرطیکہ وہ گناہ کی بات نہ ہوتی اور اگر گناہ ہوتا تو آپ اس سے دور بھاگتے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۵۶۰۔ ۶۱۲۶۔ ۶۷۸۶۔ ۶۸۵۳' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۷۸۵' مجمع الزوائد ج۹ص ۱۵' التمہید ج ۸ص ۱۴۸۔ ص ۱۴۹)

مطلب یہ کہ جب دنیوی امور میں سے دو کاموں کے درمیان اختیار دیا جاتا۔ اختیار دینے والے کا ذکر نہ کر کے عموم کی طرف اشارہ کیا کہ وہ اختیار اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتا یا مخلوق کی جانب سے' اور یہ جو فرمایا کہ اگر گناہ کی بات نہ ہوتی تو زیادہ آسان کو اختیار فرماتے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ جب تک وہ آسان بات گناہ کا تقاضا نہ کرتی ورنہ آپ سخت بات کو اختیار فرماتے۔

امام طبرانی نے ''اوسط میں'' حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث نقل کی ہے جس میں فرمایا: کہ جب تک اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا کام نہ ہوتا آپ زیادہ آسان کو اختیار فرماتے اور گناہ والے کام اور جسمیں گناہ نہ ہو اس کے درمیان مخلوق کی طرف سے اختیار واضح ہے۔

نبی اکرم ﷺ کی تواضع کی ایک صورت یہ بھی تھی کہ آپ کے دروازے پر کوئی دربان نہ ہوتا تھا جس طرح حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ ایک عورت کے پاس سے گزرے اور وہ قبر کے پاس رو رہی تھی آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور صبر کرو اس نے کہا آپ اپنا کام کریں آپ میرے والی مصیبت میں مبتلا نہیں ہوئے۔ فرماتے ہیں: نبی اکرم ﷺ آگے تشریف لے گئے پھر ایک شخص اس عورت کے پاس سے گزرا اور اس نے کہا رسول اکرم ﷺ نے تم سے کیا کہا تو اس نے کہا میں نے آپ کو پہچانا نہیں تھا اس نے کہا وہ رسول اکرم ﷺ تھے۔ چنانچہ وہ آپ کے دروازے پر آئی تو وہاں کوئی دربان نہ تھا۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۱۲۴' صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۲۵۲۔ ۱۲۸۳۔ ۱۳۰۲۔ ۷۱۵۴)

لیکن حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ جب نبی اکرم ﷺ کنوئیں کی منڈیر پر تشریف فرما ہوئے تو وہاں دربان تھا۔ (مسند احمد ج ۴ ص ۴۰۸' صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۰۹۷)

ان دونوں روایتوں کو یوں جمع کیا گیا کہ جب آپ گھر والوں کے ساتھ مشغول نہ ہوتے اور نہ کوئی ذاتی کام کر رہے ہوتے تو اپنے اور صحابہ کرام کے درمیان سے پردہ اٹھا لیتے اور حاجت مند کے سامنے ہو جاتے۔

نبی اکرم ﷺ نے جب قسم کھائی کہ آپ ایک مہینے تک ازواج مطہرات کے پاس نہیں جائیں گے اور اس دوران حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے لئے سیاہ غلام حضرت رباح نے اجازت طلب کی اس سلسلے میں مذکور ہے کہ جب آپ تنہائی اختیار فرماتے تو دربان مقرر فرماتے اور اگر یہ بات نہ ہوتی تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو اجازت لینے کی ضرورت نہ پڑتی اور آپ کو یوں کہنا نہ پڑتا کہ اے رباح میرے لئے اجازت مانگو۔

لیکن اس بات کا بھی احتمال ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے اجازت طلب کرنے کا سبب یہ ہو کہ حضور علیہ السلام آپ پر ناراض ہوں کہ شاید آپ اپنی صاحبزادی (حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا) کی سفارش کے لئے آئیں ہیں اس لئے آپ نے جائزہ لینا مناسب سمجھا جب نبی کریم ﷺ نے آپ کو اجازت دے دی تو آپ مطمئن ہو گئے۔

کیا حاکم پردہ ڈال سکتا ہے؟ تو اس سلسلے میں اختلاف ہے حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ اور ایک جماعت کہتی ہے کہ حاکم کو چاہیے کہ دربان نہ رکھے۔

لیکن دوسرے حضرات نے اسے جائز قرار دیا ہے پہلے قول کو اس صورت پر محمول کیا جائے گا جب لوگ سکون کی حالت میں ہوں اور وہ بھلائی پر نیز حاکم کی اطاعت پر جمع ہوں۔

اور دوسرے حضرات کہتے ہیں کہ مقدمات کو ترتیب دینے اور جھگڑا کرنے والوں کو روکنے نیز شریر کو دور کرنے کے لئے دربان رکھنا مستحب ہے۔

نبی اکرم ﷺ کا حیاء مبارک [1]

نبی اکرم ﷺ کے حیاء کے سلسلے میں جو کچھ مروی ہے اس ضمن میں صحیح بخاری کی یہ حدیث تمہیں کافی ہے حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

كان رسول الله ﷺ اشد حياء من العذراء فى خدرها.

رسول اکرم ﷺ پردہ میں رہنے والی کنواری لڑکی سے بھی زیادہ حیادار تھے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۵۶۲-۶۱۰۲-۶۱۱۹' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۶۷' مسند احمد ج ۳ ص ۷۷-۹۱' السنن الکبریٰ ج ۱۰ ص ۱۹۹' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۱۸۰' دلائل النبوۃ ج ۱ ص ۳۱۶' المغنی ج ۲ ص ۳۵۵' مشکوٰۃ المصابیح ج ۳ ص ۵۸' الشفاء ج ۱ ص ۱۱۸' المعجم الکبیر ج ۱۸ ص ۲۰۶' مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۶- ج ۹ ص ۱۷' فتح الباری ج ۶ ص ۵۶۶' اتحاف السادۃ المتقین ج ۷ ص ۹۹' شمائل ترمذی رقم الحدیث: ۱۹۳' شرح السنۃ ج ۱۳ ص ۲۵۵' کنز العمال رقم الحدیث: ۱۷۸۱۷)

یہ حدیث کمال کی طرف اشارہ کرتی ہے کیونکہ کنواری لڑکی اپنے پردے کے مقام پر باہر نکلنے کے مقابلے میں زیادہ حیا کرتی ہے کیونکہ خلوت میں برائی واقع ہونے کا خدشہ ہوتا ہے تو ظاہر یہ ہے کہ اس سے مراد وہ صورت ہے جب کنواری لڑکی کے پاس اس کے مقام پردہ میں کوئی جائے اسکا تنہا ہونا مراد نہیں لفظ حیاء مد کے ساتھ حیاۃ (زندگی) سے بنا ہے اسی سے "الحیا للمطر" ہے لیکن یہ الف مقصورہ کے ساتھ ہے (ممدودہ کے ساتھ نہیں) دل میں جس قدر زندگی ہوتی ہے اسی حساب سے اس میں حیاء کا وصف پایا جاتا ہے اور حیاء کی قلت دل اور روح کی موت سے ہے اور جب دل زندہ ہو تو حیاء زیادہ مکمل ہوتا ہے۔

حیاء کا لغوی معنیٰ تبدیلی اور انکسار ہے جو انسان کو عیب والے کام سے روکتا ہے۔

اور بعض اوقات کسی سبب کی بنیاد پر کسی چیز کو چھوڑنا حیاء کہلاتا ہے اور چھوڑنا حیاء کے لوازم میں سے ہے۔

شرعی اصطلاح میں حیاء ایک ایسا وصف ہے جو برے کاموں سے اجتناب پر ابھارتا اور حقدار کے حق میں کمی سے روکتا ہے۔

حضرت ذوالنون رحمۃ اللہ [2] فرماتے ہیں: دل میں پائی جانے والی معصیت کا نام ہے اسکے ساتھ ساتھ اس کام سے

---

[1] (الشفاء ج ۱ ص ۱۱۸)

[2] حضرت ذوالنون رحمۃ اللہ کا نام ثوبان بن ابراہیم ہے اور آپ ان مشائخ میں سے ایک ہیں جن کا رسالہ قشیریہ میں ذکر ہے (بقیہ اگلے صفحہ پر)

وحشت بھی ہوتی ہے جو انسان سے اس کے رب کی طرف جاتا ہے۔

(الاعلام ج ۳ ص ۱۰۲' فیات الاعیان ج ۱ ص ۱۰۱' تاریخ بغداد ج ۸ ص ۳۹۳' لسان المیزان ج ۲ ص ۴۳۷' میزان الاعتدال ج ۱ ص ۳۳۱)

محبت بولتی ہے' حیاء خاموش رہتا ہے اور خوف میں اضطراب ہوتا ہے۔

حضرت یحییٰ بن معاذ رحمۃ اللہ (مشہور عالم تھے ۲۵۸ھ میں نیشاپور میں فوت ہوئے) فرماتے ہیں: جو شخص اطاعت کے وقت اللہ تعالیٰ سے حیاء کرتا ہے وہ گناہ کے وقت بھی حیاء کرتا ہے۔ یہ کلام تشریح کا محتاج ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ جس شخص پر اللہ تعالیٰ سے حیاء کا وصف غالب ہو حتیٰ کہ وہ عبادت کے وقت بھی حیاء کرتا ہو اللہ تعالیٰ کے سامنے اس کا دل اس طرح جھکا ہوتا ہے' جس طرح حیاء کرنے والے شرمندگی اختیار کرنے والے کا سر جھکتا ہے' پس جب اس سے کوئی گناہ واقع ہوتا ہے تو وہ اس حالت میں اللہ تعالیٰ کی طرف دیکھنے سے حیاء کرتا ہے۔

(الاعلام ج ۸ ص ۱۷۲' صفۃ الصفوہ ج ۴ ص ۷۱' طبقات الصوفیہ رقم الحدیث: ۱۰۷)

کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے احترام کو پیش نظر رکھتا ہے تو وہ اس بات سے حیاء کرتا ہے کہ جو ذات اس کی ولی اور اس کے قریب ہے وہ اس سے ایسا کام دیکھے جو عیب پیدا کرتا ہے اور اس بات کا عام طور پر مشاہدہ ہوتا ہے کہ ایک شخص جب ایسے آدمی کو دیکھتا ہے جو اس کے نزدیک سب لوگوں سے زیادہ خاص اور زیادہ محبوب و مقرب ہے وہ اس کا ساتھی ہو یا اولاد یا کوئی دوسرا محبوب ہو اور وہ اس سے خیانت کرتا ہو تو اسے اس بات پر اطلاع پانے سے عجیب حیاء آتا ہے گویا وہ خود مجرم ہے اور یہ انتہائی کرم ہے۔

حیاء کی اقسام

حیاء کی آٹھ قسمیں ہیں جن کا احاطہ بہت طویل ہے۔

حیائے کرم: جیسے نبی اکرم ﷺ کا ان لوگوں سے حیاء کرنا جن کو آپ نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے ولیمہ کی دعوت دی اور دیر تک آپ کے پاس ٹھہرے رہے اور آپ نے ان کو واپس جانے کے لئے کہنے سے حیاء فرمایا۔

محبّ کا محبوب سے حیا کرنا: حتیٰ کہ جب اس سے غائب ہونے کی حالت میں اس کے دل میں کوئی خیال پیدا ہوتا ہے تو اس کے دل میں حیاء پیدا ہوتا اور وہ اسے اس کے چہرے پر محسوس کرتا ہے لیکن اس کے سبب سے آگاہ نہیں ہوتا۔

بندگی کا حیاء: اس میں محبت اور خوف بھی ملا ہوتا ہے اور اس بات کا مشاہدہ کہ اس کی بندگی اس کے معبود کے لئے صلاحیت نہیں رکھتی اور اس (معبود) کی قدر اس کی عبودیت سے بلند و بالا ہے تو اس کا اللہ تعالیٰ کا بندہ ہونا لامحالہ اس سے حیاء کو واجب کرتا ہے۔

انسان کا اپنے آپ سے حیاء کرنا: شریف بلند مرتبہ نفس کا اپنے لئے حیاء کرنا یہ ہے کہ نقصان اور معمولی چیز پر قناعت کرتا ہے تو وہ اپنے نفس کو اپنے ہی نفس سے حیاء کرنے والا پاتا ہے حتیٰ کہ اس کے لئے دو نفس ہوتے ہیں اور وہ ان میں سے ایک نفس کے ساتھ دوسرے نفس سے حیاء کرتا ہے اور یہ زیادہ کامل حیاء ہے کیونکہ بندہ جب اپنے آپ سے حیاء

(سابقہ حاشیہ) انہوں نے حضرت امام مالک رحمۃ اللہ سے اور ان سے حضرت جنید رحمۃ اللہ سے روایت کیا آپ اپنے دور میں علم' ادب اور تقویٰ میں یکتا تھے آپ کا وصال ۲۴۵ھ میں ہوا۔

کرتا ہے تو دوسروں سے حیاء کرنا زیادہ لائق ہوتا ہے۔

جیسا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا۔ حیاء بھلائی لاتا ہے اور حیاء ایمان سے ہے یہ بات حضرت امام بخاری نے نقل کی ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۱۱۷۔ ۶۱۱۸ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۶۰ مسند احمد ج ۴ ص ۴۲۷ المعجم الکبیر ج ۱۸ ص ۲۰۶ اتحاف السادۃ المتقین ج ۸ ص ۳۰۸ الادب المفرد رقم الحدیث: ۱۳۱۸۔ ۱۳۱۹ مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۵۰۷۱ الترغیب والترھیب ج ۳ ص ۳۹۷ شرح السنۃ ج ۱۳ ص ۱۷۳ کنز العمال رقم الحدیث: ۵۷۶۳)

حضرت قاضی عیاض رحمۃ اللہ اور دوسرے حضرات نے فرمایا: کہ حیاء کو ایمان سے قرار دیا گیا اگرچہ وہ فطری چیز ہے کیونکہ یہ قانون شریعت کے مطابق اس کا استعمال ارادہ اور اکتساب کا محتاج ہے۔

اور امام قرطبی رحمۃ اللہ نے فرمایا: حیاء کسبی چیز ہے اور شارع نے اسے ایمان سے کہا ہے اور بندہ اس کے حصول کا مکلف ہے یہ فطری نہیں البتہ جس میں یہ فطرتاً پایا جائے تو وہ اسے اکتساب پر مددگار رہتا ہے حتیٰ کہ قریب ہے کہ اس کے لئے فطری بن جائے۔

اور نبی اکرم ﷺ میں یہ دونوں قسمیں پائی جاتی تھیں پس آپ فطری حیاء میں اس کنواری عورت سے بھی زیادہ حیاء کرتے تھے جو اپنے پردے کی جگہ میں حیاء کرتی ہے۔

حضرت قاضی عیاض رحمۃ اللہ نے یہ بھی فرمایا: کہ نبی اکرم ﷺ حیاء کی وجہ سے کسی کے چہرے کی طرف نہیں دیکھتے تھے۔

اپنے رب کا خوف [1]

نبی اکرم ﷺ کے اپنے رب سے خوف کے بارے میں جاننے سے پہلے یہ جاننا چاہیے کہ خوف، وجل اور رہبۃ ان تینوں الفاظ کے معانی قریب قریب ہیں لیکن مترادف نہیں ہیں۔

حضرت جنید رحمۃ اللہ فرماتے ہیں: کہ سانسوں کے جاری ہونے کے مقامات پر سزا کا ڈر خوف ہے۔

کہا گیا ہے کہ ڈرانے والے کو یاد کرتے وقت دل کی حرکت اور اضطراب خوف کہلاتا ہے۔

بعض نے کہا کہ احکام کے جاری ہونے کی قوت علم خوف ہے لیکن یہ خوف کا سبب ہے نفسِ خوف نہیں۔

یہ بھی کہا گیا کہ مکروہ چیز کے شعور کے وقت اس کے آنے سے دل کا بھاگنا خوف ہے۔

خشیت خوف کے مقابلے میں خاص ہے کیونکہ یہ علماء کے ساتھ خاص ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا ۚ بے شک اللہ تعالیٰ سے اس کے بندوں میں سے علماء ڈرتے ہیں۔ (الفاطر: ۲۸)

اور خشیت ایسے خوف کو کہتے ہیں جس میں معرفت ملی ہوئی ہو۔

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

[1] (الشفاء ج ۱ ص ۱۴۳)

انا اتقاکم للہ واشدکم لہ خشیۃ. میں تم سب سے زیادہ متقی ہوں اللہ کے ہاں اور سب سے زیادہ خشیت والا ہوں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۰۔۶۱۰۱۔۷۳۰۱، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۴۳/۷، موطا امام مالک رقم الحدیث: ۱۳، مسند احمد ج ۳ ص ۳۱۷۔ ج ۵ ص ۴۳۴۔ ج ۶ ص ۶۱، مجمع الزوائد ج ۳ ص ۱۶۶، کنز العمال رقم الحدیث: ۳۱۹۶۴)

پس خوف حرکت کا نام ہے اور خشیت میں سکڑ جانا اور سکون ہوتا ہے جو شخص دشمن اور سیلاب وغیرہ کو دیکھتا ہے اس کی دو حالتیں ہوتی ہیں ایک یہ کہ وہ اس سے بھاگنے کے لئے حرکت کرتا ہے اور یہ حالت خوف ہے اور دوسری حالت اس کا ایسے مقام پر سکون وقرار کے ساتھ ٹھہرنا جہاں یہ (دشمن وغیرہ) نہ پہنچ سکیں اور یہ خشیت ہے۔

اور رھبت، مکروہ بات سے بھاگنے میں بہت تیزی اختیار کرنا اور یہ رغبت کی ضد ہے کیونکہ رغبت مرغوب چیز کی طلب میں دل کے سفر کو کہتے ہیں۔

اور وجل اس کے ذکر سے دل کا دھڑکنا ہے جس کے اقتدار اور سزا سے ڈر محسوس ہوتا ہو۔

اور ہیبت ایسا خوف ہے جس کے ساتھ تعظیم اور بزرگی کو تسلیم کرنا بھی متصل ہو اور اکثر مصیبت معرفت اور محبت کے ساتھ ہوتی ہے اور اجلال ایسی تعظیم کا نام ہے جو محبت سے ملی ہوئی ہو۔

پس خوف عام مسلمانوں کے لئے، خشیت، عارفین کے لئے ہیبت، محبت کرنے والوں اور اجلال مقربین کے لئے ہوتا ہے اور خوف وخشیت علم ومعرفت کی مقدار کے مطابق ہوتی ہے۔

جیسا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

انی لا علمکم باللہ واشدکم لہ خشیۃ. اور اللہ تعالیٰ کی معرفت تم سب سے زیادہ رکھتا ہوں اور تم سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا ہوں۔

اور ارشاد فرمایا:

لو تعلمون ما اعلم لضحکتم قلیلا و لبکیتم کثیرا. اگر تم وہ جانتے جو میں جانتا ہوں تو تم ہنستے کم اور روتے زیادہ۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۶۲۱۔۶۴۸۵۔۶۶۳۷، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۳۳، جامع ترمذی رقم الحدیث: ۲۳۱۲۔۲۳۱۳، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۱۹۰۔۴۱۹۱، مسند احمد ج ۲ ص ۳۱۲۔۴۵۳۔۵۰۲۔ ج ۳ ص ۱۸۰۔۲۶۸، سنن دارمی ج ۲ ص ۳۰۶، السنن الکبریٰ ج ۳ ص ۳۳۸، المعجم الکبیر ج ۷ ص ۲۹۸، المستدرک ج ۳ ص ۶۳۵۔ ج ۴ ص ۳۲۰، مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۲۳۰، الدر المنثور ج ۳ ص ۲۶۵، مطالب العالیہ رقم الحدیث: ۳۳۰۵، الشفاء ج ۱ ص ۱۴۳، اتحاف السادۃ المتقین ج ۲ ص ۲۶۔ ج ۷ ص ۳۹۶، المغنی ج ۱ ص ۹۹، کنز العمال رقم الحدیث: ۳۰۸۹۴۔۳۰۸۹۵۔۳۰۸۹۷۔۳۱۰۱۷۔۳۱۰۲۴)

یہ حدیث امام بخاری رحمۃ اللہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے نقل کی ہے یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ نبی اکرم ﷺ بصری اور قلبی معارف کے ساتھ خاص ہیں اللہ تعالیٰ بعض اوقات آپ کے علاوہ امت کے مخلصین کو بھی اس پر مطلع فرماتا ہے لیکن یہ اطلاع اجمالی ہوتی ہے اور اس کی تفصیل صرف نبی اکرم ﷺ کے لئے ہے۔

"صحیح مسلم میں" حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

والذی نفس محمد بیدہ لو رایتم ما رایت لضحکتم قلیلا و لبکیتم کثیرا

اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں محمد ﷺ کی جان ہے اگر تم وہ چیز دیکھو جو میں نے دیکھی ہے تو تم کم ہنستے اور زیادہ روتے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! ﷺ آپ نے کیا دیکھا ہے؟ فرمایا: میں نے جنت اور جہنم کو دیکھا ہے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۱۲ مسند احمد ج ۳ ص ۱۲۶ ـ ۲۱۷ مسند ابوعوانہ ج ۲ ص ۱۳۶)

اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کو علم الیقین اور عین الیقین کے ساتھ ساتھ خشیت قلبی بھی عطا فرمائی اور عظمت الٰہیہ بھی آپ کے پیش نظر تھی اور یہ سب کچھ آپ کے لئے اس طرح جمع کیا گیا جس طرح دوسروں کے لئے جمع نہیں کیا اسی لئے آپ نے فرمایا:

ان اتقاکم و اعلمکم باللہ انا.

بے شک تم سب سے زیادہ متقی اور اللہ تعالیٰ کی معرفت رکھنے والا میں ہوں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۰ جمع الجوامع رقم الحدیث: ۶۰۷۷ فتح الباری ج ۱ ص ۹۶ کنز العمال رقم الحدیث: ۳۱۹۹۱)

یہ صحیح حدیث ہے جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے۔

نبی اکرم ﷺ جب نماز پڑھتے تو رونے کی وجہ سے آپ کے اندر سے اس طرح کی آواز آتی جس طرح ہنڈیا سے آواز آتی ہے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۹۰۴ مسند احمد ج ۴ ص ۲۵ ـ ۲۶ سنن نسائی ج ۳ ص ۱۳)

ابن حبان نے اپنی صحیح میں اس طرح ذکر کیا کہ چکی کی طرح آواز آتی تھی یعنی خوف خدا کی وجہ سے روتے اور اس کی آواز آتی اور کہا گیا ہے کہ آپ کے اندر جوش پیدا ہوتا اور ہنڈیا کی طرح کا اُبال ہوتا۔

نبی اکرم ﷺ کی شجاعت [1]

نبی اکرم ﷺ کی شجاعت دلیری احکام خداوندی (کے نفاذ) میں قوت اور شدت حضرت انس رضی اللہ عنہ کے اس قول سے واضح ہے آپ فرماتے ہیں۔

نبی اکرم ﷺ سب لوگوں سے زیادہ خوبصورت سب سے زیادہ سخی اور سب لوگوں سے زیادہ بہادر تھے۔ ایک رات اہل مدینہ خوف زدہ ہوئے تو لوگ اس آواز کی طرف چل پڑے تو نبی اکرم ﷺ سے ان کی ملاقات یوں ہوئی کہ آپ واپس آرہے تھے آپ اس آواز کی طرف صحابہ کرام سے پہلے چلے گئے اور حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے گھوڑے پر طلب خبر کے لئے تشریف لے گئے آپ کی گردن میں تلوار تھی اور آپ فرمارہے تھے خوف زدہ نہ ہو۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۰۴۰ مسند احمد ج ۳ ص ۱۴۷ الشفاء ج ۱ ص ۱۱۵ اتحاف السادۃ المتقین ج ۷ ص ۱۳۸ ـ ۱۳۹ ـ ۱۴۰ ـ ۳۲۲ حلیۃ الاولیاء ج ۶ ص ۲۶۰ کنز العمال رقم الحدیث: ۱۷۸۱۳)

ایک روایت میں ہے مدینہ طیبہ میں خوف پھیل گیا تو نبی اکرم ﷺ نے حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ سے ان کا گھوڑا

---

[1] (البدایہ والنہایہ ج ۶ ص ۶۱ الشفاء ج ۱ ص ۱۱۳)

ادھار لیا جس کا نام مندوب تھا آپ اس پر سوار ہو کر تشریف لے گئے جب واپس تشریف لائے تو فرمایا ہم نے کچھ نہیں دیکھا اور ہم نے اس گھوڑے کو سمندر (کی طرح) پایا یا فرمایا یہ تو سمندر ہے اور یہ گھوڑا بہت تیز دوڑتا تھا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۶۲۷_۲۸۲۰_۲۸۲۷_۲۸۶۲_۲۸۶۶_۲۸۶۷_۲۹۰۸_۶۲۱۲' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۴۸_۴۹' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۹۸۸' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۷۷۲' جامع ترمذی رقم الحدیث: ۱۶۸۵_۱۶۸۶' مسند احمد ج ۳ ص ۱۴۷_۱۶۳_ ۲۹۱' السنن الکبریٰ ج ۹ ص ۱۰۷' مجمع الزوائد ج ۵ ص ۲۶۴' اخلاق النبوۃ رقم الحدیث: ۵۸)

''صحیح بخاری میں ہے کہ'' ایک مرتبہ مدینہ طیبہ والے خوفزدہ ہو گئے تو نبی اکرم ﷺ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے گھوڑے پر سوار ہوئے جو آہستہ چلتا تھا' دوڑتا تھا یا اس میں سست رفتاری تھی جب واپس تشریف لائے تو فرمایا ہم نے تمہارے اس گھوڑے کو سمندر پایا اس کے بعد اس سے کوئی گھوڑا آگے نہ نکل سکا۔

''صحیح بخاری کی ہی'' ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپ اکیلے ہی گھوڑے کو ایڑ لگا کر چل پڑے پھر صحابہ کرام سوار ہوئے اور انہوں نے آپ کے پیچھے (اپنی سواریوں کو) ایڑ لگائی آپ نے فرمایا تم ہرگز خوف زدہ نہ ہو گے (نیز فرمایا) یہ گھوڑا (تیز رفتاری میں) سمندر (کی طرح) ہے اس دن کے بعد کوئی گھوڑا اس سے آگے نہ نکل سکا۔

آپ کا یہ فرمانا: کہ تم ہرگز خوف زدہ نہ ہو گے' کا مطلب یہ ہے کہ یہ خوف برقرار نہیں رہے گا یا ایسا خوف نہیں ہو گا جو تمہیں مار دے (تو یہ خوشخبری تھی)۔

اس حدیث شریف میں آپ کی بہادری کا بیان ہے کہ آپ صحابہ کرام سے پہلے دشمن کی طرف تشریف لے گئے یعنی جوں ہی آپ کو معلوم ہوا آپ نے جلدی کی اور صحابہ کرام کے وہاں پہنچنے سے پہلے واپس تشریف لے آئے۔

اس حدیث میں آپ کی بہت بڑی برکت اور معجزہ کا بیان بھی ہے کہ وہ گھوڑا جو آہستہ چلتا تھا اس میں تیزی آ گئی اور آپ نے جو فرمایا کہ ہم نے اس کو سمندر پایا اس کا یہی مطلب ہے یعنی تیز رفتار پایا۔

حضرت قاضی عیاض رحمۃ اللہ فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ کے گھوڑوں میں ایک گھوڑا مندوب نامی تھا ہو سکتا ہے یہ گھوڑا حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ سے آپ کے پاس آیا ہو۔

حضرت امام نووی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں: ہو سکتا ہے یہ دو گھوڑے ہوں اور دونوں کا ایک ہی نام ہو۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

ما رایت اشجع ولا انجد من رسول اللہ ﷺ. (سنن دارمی رقم الحدیث: ۱۰)

میں نے نبی اکرم ﷺ سے بڑھ کر کسی شخص کو زیادہ بہادر اور جوانمرد نہیں دیکھا۔

ابن اسحاق نے اپنی کتاب ''السیرۃ میں'' اور دوسرے حضرات نے بھی ذکر کیا کہ مکہ مکرمہ میں ایک طاقتور شخص تھا جو اچھا پہلوان تھا اور دوسرے علاقوں سے لوگ اس سے کشتی لڑنے آتے تو وہ ان کو پچھاڑ دیتا ایک دن وہ مکہ شریف کی ایک گھاٹی میں تھا کہ نبی اکرم ﷺ کی اس سے ملاقات ہو گئی آپ نے فرمایا: اے رکانہ! کیا تم اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتے اور میری دعوت کو قبول نہیں کرتے یا جو کچھ آپ نے فرمایا۔

رکانہ نے کہا اے محمد ﷺ! کیا آپ کی صداقت پر کوئی گواہ ہے؟ آپ نے فرمایا: بتاؤ اگر میں تمہیں پچھاڑ دوں تو تم

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لاؤ گے؟ اس نے کہا ہاں اے محمد! آپ نے فرمایا: کشتی لڑنے کے لئے تیار ہو جاؤ اس نے کہا میں تیار ہو گیا نبی اکرم ﷺ اس کے قریب ہوئے اور اس کو پکڑ کر پچھاڑ دیا۔

راوی کہتے ہیں: رکانہ کو اس پر تعجب ہوا پھر آپ نے اپنی بات کو دہرایا اور دوبارہ کشتی لڑنے کے لئے فرمایا دو تین مرتبہ ایسا ہوا تو رکانہ تعجب کرتے ہوئے کھڑا ہو گیا اور کہا آپ کی شان عجیب ہے۔

(جامع ترمذی رقم الحدیث: ۱۷۸۴' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۰۷۸' البدایہ والنہایہ ج ۳ ص ۱۰۱' دلائل النبوۃ ج ۶ ص ۲۵۰)

اس حدیث کو امام حاکم نے اپنی مستدرک میں ابو جعفر محمد بن رکانہ سے روایت کیا (یعنی یہی رکانہ) اور امام ابوداؤد' امام ترمذی نیز امام بیہقی نے حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔

نبی اکرم ﷺ نے رکانہ کے علاوہ بھی ایک جماعت کو پچھاڑا ان میں ابو الاسود الجمحی بھی ہے جس طرح امام سہیل نے فرمایا اور امام بیہقی نے روایت کیا اور یہ شخص اس قدر سخت تھا کہ گائے کے چمڑے پر کھڑا ہو جاتا اور دس آدمی اس کے کناروں کو کھینچتے تا کہ اس کے پاؤں کے نیچے سے نکالیں چمڑا پھٹ جاتا لیکن اس کے پاؤں کے نیچے سے نہ نکلتا اس نے نبی اکرم ﷺ کو مقابلے کے لئے بلایا اور کہا اگر آپ مجھے پچھاڑ دیں تو میں آپ پر ایمان لاؤں گا نبی اکرم ﷺ نے اسے پچھاڑ دیا لیکن وہ ایمان نہ لایا اس کا طویل واقعہ ہے۔

"صحیح بخاری میں" حضرت براء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے بنو قیس کے ایک شخص نے ان سے پوچھا کہ کیا غزوہ حنین کے دن تم لوگ رسول اللہ ﷺ سے بھاگ گئے تھے؟ انہوں نے فرمایا: ہم مال غنیمت کی طرف متوجہ ہوئے تو ان لوگوں نے ہم پر تیروں کی بارش کر دی اور میں نے نبی اکرم ﷺ کو دیکھا آپ اپنی سفید خچر پر تھے اور ابو سفیان بن حارث نے اس کی لگام پکڑی ہوئی تھی اور آپ فرما رہے تھے:

انا النبی لا کذب انا ابن عبد المطلب. میں نبی ہوں یہ جھوٹ نہیں (اور) میں عبد المطلب کا بیٹا (پوتا ہوں)۔

یہ نبی اکرم ﷺ کی شجاعتِ تامہ کی انتہاء ہے کیونکہ ایسے دن میں آپ لڑائی کی شدت میں تھے اور آپ کا لشکر آپ سے بکھر گیا اور پھر یہ کہ آپ کی خچر تیز رفتار بھی نہ تھی اور وہ ادھر ادھر ہونے اور بھاگنے کی صلاحیت بھی نہیں رکھتی تھی اس کے باوجود آپ اسے ان لوگوں کی جانب ایڑ لگا رہے تھے اور اپنا نام بلند کر رہے تھے تا کہ وہ لوگ بھی آپ کو پہچان لیں جو نہیں پہچانتے (ﷺ)۔

حضرت براء رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ جب لڑائی سخت ہو جاتی تو ہم نبی اکرم ﷺ کے ذریعے پناہ لیتے یعنی آپ کو آگے کرتے اور آپ دشمن کے سامنے اور ہم آپ کے پیچھے ہوتے۔

رسول اکرم ﷺ کا جود و کرم [1]

نبی اکرم ﷺ نہایت سخی' کریم تھے سخاوت ایک طبعی فطری وصف ہے اور اس کے مقابلے میں بخل اور لالچ ہے اور یہ نفسانی صفت کے لوازم میں سے ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

[1] (البدایہ والنہایہ ج ۶ ص ۴۴' الشفاء ج ۱ ص ۱۱۱)

وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ○ (الحشر:۹)
اور جس کو نفس کی لالچ اور بخل سے بچالیا گیا پس وہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔

تو انہی لوگوں کے لئے فلاح کا ذکر کیا گیا جو بخل سے بچتے ہیں اسی طرح جو خرچ کرتا ہے وہ بھی فلاح پاتا ہے ارشاد خداوندی ہے:

وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ○ (البقرہ:۳)
اور ہم نے ان کو جو کچھ دیا ہے وہ اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔

پھر آخر میں فرمایا:

اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ○ (البقرہ:۵)
وہ لوگ اپنے رب کی طرف سے ہدایت پر ہیں اور وہی فلاح (کامیابی) پانے والے ہیں۔

اور فلاح' دونوں جہانوں کی سعادت کا جامع نام ہے۔ آدمی سے بخل (اور لالچ) تعجب خیز بات نہیں کیونکہ یہ فطری بات ہے البتہ طبعی طور پر اس کا نفی ہونا تعجب کی بات ہے۔

اور سخاوت' جود کے مقابلے میں زیادہ کامل ہوتی ہے۔ جود کے مقابلے میں بخل اور سخاوت کے مقابلے میں الشح (لالچ) ہے۔

جود اور بخل بطور عادت کسب کے ذریعے حاصل ہوتے ہیں جب کہ شح (لالچ) اور سخاوت طبعی ضرورت سے ہیں پس ہر سخی' جواد ہوتا ہے اور ہر جواد' سخی نہیں ہوتا۔

جود میں ریاکاری بھی آجاتی ہے اور انسان اس لئے جود کرتا ہے کہ وہ مخلوق یا اللہ تعالیٰ سے کوئی غرض رکھتا ہے یعنی مخلوق سے تعریف اور اللہ تعالیٰ سے ثواب مقصود ہوتا ہے۔

لیکن سخاوت میں ریاکاری نہیں آتی کیونکہ وہ ایسے پاکیزہ نفس سے صادر ہوتی ہے جو اغراض سے بلند ہے۔ عوارف المعارف میں اسی بات کی طرف اشارہ کیا ہے۔ [1]

اور نبی اکرم ﷺ سب لوگوں سے زیادہ حسین' سب سے زیادہ بہادر اور سب سے زیادہ سخی تھے۔ یہ حدیث امام بخاری اور امام مسلم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت سے نقل کی ہے۔

اجود' اسم تفضیل کا صیغہ ہے جو جود سے بنا ہے یعنی جس کے لئے جو مناسب ہے اسے وہ عطا کرنا اور معنی یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ سب سے زیادہ سخی تھے تو جب آپ کا نفس مبارک تمام نفوس سے زیادہ حامل شرافت اور مزاج شریف سب سے زیادہ معتدل مزاج تھا تو ضروری تھا کہ آپ کا فعل بھی سب سے اچھا فعل ہو' آپ کی صورت مبارکہ بھی سب سے زیادہ حسین ہو۔

[1] سخاوت میں ریا کو دخل نہیں اس لئے کہ وہ ایسے نفس سے پیدا ہوتی ہے جو پاک ہے اور جس کی سرشت بلندی ہے ایسے بلند ہمت انسان سخاوت کے عوض دنیا اور آخرت کے معاوضہ کے خواہش مند نہیں ہوتے کیونکہ عوض طلبی سے بخل کا احساس ہوتا ہے۔

(عوارف المعارف ص ۴۲۹ مطبوعہ پروگریسو بکس اردو بازار لاہور)

اور آپ کے اخلاق بھی سب سے اچھے ہوں لہٰذا اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ سب لوگوں سے زیادہ سخی تھے اور ایسا کیوں نہ ہوتا جب کہ آپ باقی رہنے والی نیکیوں کے ذریعے فانی چیزوں سے بے نیاز تھے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کا صرف تین اوصاف کو ذکر کرنا جامع گفتگو سے ہے کیونکہ یہ تین باتیں اخلاق کی جڑ ہیں کیونکہ ہر انسان میں تین قوتیں ہوتی ہیں۔

۱۔ قوت غضبیہ ۔ اور اس کا کمال شجاعت ہے۔

۲۔ قوت شہوانیہ ۔ اور اس کا کمال جود ہے۔

۳۔ قوت عقلیہ ۔ اور اس کا کمال حکمت بھری گفتگو ہے۔

''صحیح مسلم کی'' ایک روایت میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ سے جو کچھ مانگا گیا آپ نے عطا فرمایا ایک شخص حاضر ہوا تو آپ نے دو پہاڑوں کے درمیان بکریاں عطا فرمادیں وہ اپنی قوم کی طرف گیا تو کہا اے قوم! اسلام لاؤ بے شک حضرت محمد ﷺ اس قدر عطا کرتے ہیں کہ فقر کا خوف نہیں رہتا۔

امام مسلم رحمۃ اللہ نے ہی حضرت صفوان بن امیہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا فرماتے ہیں: کہ آپ نے مجھے عطا کیا جو عطا کیا آپ میرے نزدیک سب لوگوں سے زیادہ ناپسندیدہ تھے لیکن آپ مجھے عطا کرتے رہے حتیٰ کہ آپ میرے نزدیک سب لوگوں سے زیادہ پسندیدہ اور محبوب قرار پائے۔

ابن شہاب فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ نے ان کو حنین کے دن ایک سو بکریاں دیں پھر ایک سو اور اس کے بعد ایک سو مزید عطا فرمائیں۔

واقدی کے مغازی میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے اس دن حضرت صفوان رضی اللہ عنہ کو وادی بھری ہوئی بکریاں اور اونٹ عطا فرمائے حضرت صفوان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں گواہی دیتا ہوں کہ اس قسم کا عمل کوئی نبی ہی خوشدلی سے کرسکتا ہے۔

حضرت ابن جابر پر اللہ تعالیٰ رحم فرمائے انہوں نے فرمایا:

هذا الذی لا يتقی فقرا اذا يعطی ولو كثر الانام وداموا

وادمن الانعام اعطی املا فتحيرت لعطائه الاوهام

''یہ وہ ذات ہے جسے عطا کرتے وقت فقر کا خوف نہیں ہوتا اگرچہ لوگ زیادہ ہوں اور ہمیشہ مانگتے رہیں وہ جانوروں کی بھری وادی عطا کرتے ہیں پس ان کی عطا پر عقلیں حیران رہ جاتی ہیں''۔

نبی اکرم ﷺ نے ان کو اس قدر مال اس لئے عطا فرمایا کہ آپ جانتے تھے کہ ان کی بیماری اس دوائی کے بغیر زائل نہیں ہوگی اور یہ (دوائی) احسان ہے پس نبی اکرم ﷺ نے ان کا علاج اس طرح کیا حتیٰ کہ وہ کفر کی بیماری سے ٹھیک ہو گئے اور اسلام قبول کیا۔

اور یہ نبی اکرم ﷺ کی شفقت' رحمت اور مہربانی سے ہے کہ آپ نے ان سے کمال احسان کا معاملہ کیا اور جہنم کی آگ سے بچا کر جنت کے ٹھنڈے لطف کی طرف لے گئے۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ جب نبی اکرم ﷺ کا وصف بیان کرتے تو یوں کہتے:

کان اجود الناس کفا واصدق الناس لهجة. نبی اکرم ﷺ ہاتھ کے اعتبار سے سب سے زیادہ سخی اور زبان کے حوالے سے سب سے سچے تھے۔

ابن عدی ضعیف سند کے ساتھ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:

انا اجود بنی آدم. میں تمام انسانوں سے بڑھ کر سخی ہوں۔

(اتحاف السادۃ المتقین ج ۷ ص ۹۷ الترغیب والترہیب ج ۲ ص ۳۲۰ فتح الباری ج ۱ ص ۴۱)

اور بلاشبہ نبی اکرم ﷺ مطلقاً تمام انسانوں سے بڑھ کر سخی تھے جیسا کہ آپ سب سے زیادہ فضیلت والے سب سے زیادہ عالم سب سے زیادہ بہادر اور تمام اوصاف حمیدہ میں سب سے زیادہ کامل ہیں۔

اور نبی اکرم ﷺ جود و سخاوت کے تمام انواع کے ساتھ سخی تھے کہ آپ علم اور مال بھی عطا فرماتے اور اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لئے اس کے دین کے اظہار بندوں کو ہدایت دینے اور ہر طریقے سے ان کو نفع پہنچانے ان میں سے بھوکوں کو کھانا کھلانے جاہلوں کو وعظ کرنے ان کی حاجتوں کو پورا کرنے اور ان کے بوجھوں کو برداشت کرنے کے سلسلے میں اپنی ذات والاصفات کے ذریعے کوشش کرتے۔

حضرت ابن جابر نے کیا خوب کہا:

یروی حدیث الندی والبشر عن یده ووجهه بین منهل ومنسجم
من وجه احمد لی بدر ومن یده بحر ومن فمه در لمنتظم
یمم نبیا تباری الریح انمله والمزن من کل هام الودق مرتکم
لو عامت الفلک فیما فاض من یده لم تلق اعظم بحر منه ان تعم
تحیط کفاه بالبحر المحیط فلذ به ودع کل طامی الموج ملتطم
لو لم تحط کفه بالبحر ما شملت کل الأنام وروت قلب کل ظمی

"آپ کی سخاوت اور خندہ پیشانی کی حدیث آپ کے دست مبارک سے روایت کی جاتی ہے اور آپ کے روئے انور (دید کی پیاسی نظروں کے لئے) پانی گرنے کی جگہ اور چشمہ ہے آپ کے چہرے سے میرے لئے چودھویں کا چاند اور آپ کے دست مبارک سے سمندر ہے اور موتی پرونے والے کے لئے آپ کے منہ سے موتی ہیں اس نے ایسے نبی کا قصد کیا جس کی انگلیوں کی پوریں ہوا اور موسلا دھار بارش برسانے والے بادل سے مقابلہ کرتی ہیں اگر افلاک ان کی سخاوت کے سمندر میں غوطہ لگائیں تو اس سے بڑا سمندر نہیں پائیں گے ان کے دونوں ہاتھ بحر محیط کو گھیرے ہوئے ہیں ان ہاتھوں کی پناہ لے اور ٹھاٹھیں مارتی موج کو بھول جا اگر ان کا دست مبارک سمندر کو محیط نہ ہوتا تو جہان بھر کو شامل نہ ہوتا اور نہ ہی پیاسے دلوں کو سیراب کر سکتا۔ تو وہ ذات پاک ہے جس نے آپ کی مبارک پیشانی کے افق میں جمال کے انوار چمکائے اور آپ کے دائیں ہاتھ کے بادلوں کو بارش برسانے والے بادل بنا دیا"۔

"صحیح بخاری میں" حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں:

ما سئل رسول الله ﷺ عن شی قط فقال لا. نبی اکرم ﷺ سے جو کچھ بھی مانگا گیا آپ نے کبھی بھی ''نہ'' نہیں فرمایا۔

یعنی ایسا نہیں ہوا کہ آپ سے دنیا کی کوئی چیز مانگی گئی ہو اور آپ نے انکار کیا ہو۔

فرزدق شاعر (ہمام بن غالب التمیمی الدارمی ۱۱۰ھ میں بصرہ میں وفات پائی) (الاعلام ج ۸ ص ۹۳' فیات الاعیان ج ۲ ص ۱۹۶ الاغانی ج ۹ ص ۳۶۷' ۳۲۴ شعر والشعراء ص ۴۴۲) نے کہا:

ما قال لا قط الا فی تشهده لو لا التشهد كانت لاؤه نعم

''آپ نے تشہد کے علاوہ کبھی بھی ''لا'' نہیں فرمایا اور اگر تشہد نہ ہوتا تو آپ کا ''لا'' بھی نعم (یعنی ہاں) ہوتا''۔

لیکن ہمارے شیخ الشائخ حضرت حافظ ابوالفضل ابن حجر (عسقلانی رحمۃ اللہ) نے فرمایا اس کا یہ مطلب نہیں کہ آپ سے جو کچھ بھی مانگا جاتا آپ لازماً عطا فرماتے بلکہ مطلب یہ ہے کہ آپ سوال کو رد نہ فرماتے بلکہ اگر آپ کے پاس ہوتا تو عطا فرماتے اگر آسانی سے عطا کیا جا سکتا ورنہ خاموش رہتے وہ فرماتے ہیں اس کا بیان حضرت محمد بن حنفیہ رضی اللہ عنہ کی ایک مرسل روایت میں ہے جسے ابن سعد نے نقل کیا ہے اس کے الفاظ یہ ہیں۔

جب آپ سے کچھ مانگا جاتا اور آپ عطا کرنا چاہتے تو نعم (ہاں) فرماتے اور اگر عطا کرنا نہ چاہتے تو خاموش رہتے۔

اور یہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس روایت کے قریب ہے کہ آپ نے کسی کھانے میں کبھی بھی عیب نہیں بتایا اگر چاہتے تو تناول فرماتے ورنہ چھوڑ دیتے۔

حضرت شیخ عزالدین بن عبدالسلام رحمۃ اللہ فرماتے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر آپ عطا نہ فرماتے تو ''لا'' نہ فرماتے اس سے یہ بات لازم نہیں آتی کہ آپ عذر پیش کرتے ہوئے بھی یہ بات نہ فرماتے جیسے ارشاد خداوندی ہے:

قلت لا اجد ما احملكم عليه. آپ فرماتے ہیں میں وہ چیز نہیں پاتا جس پر تمہیں سوار کروں۔

اور ان دو باتوں میں فرق پوشیدہ نہیں یعنی ''میں وہ چیز نہیں پاتا جس پر تمہیں سوار کروں'' اور ''میں تمہیں سوار نہیں کرتا''۔

اور یہ اس بات کی مثل ہے جو حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ جب اشعریوں نے نبی اکرم ﷺ سے سواریاں طلب کیں تو آپ نے فرمایا:

ما عندی ما احملكم. میرے پاس وہ چیز نہیں جس پر تمہیں سوار کروں۔

لیکن اس پر اعتراض ہوتا ہے کہ آپ نے قسم کھائی کہ آپ ان کو سوار نہیں کریں گے پس فرمایا:

والله لا احملكم. اللہ کی قسم میں تم لوگوں کو سوار نہیں کروں گا۔

تو ممکن ہے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث کے عموم سے اس بات کو خاص کیا گیا ہو کہ جب آپ سے وہ چیز مانگی

جاتی جو آپ کے پاس نہ ہوتی اور سائل کو معلوم ہوتا کہ یہ چیز آپ کے پاس نہیں ہے یا جب خاموشی پر اکتفاء وقت اور مقام کا تقاضا نہ ہوتا یا سائل کی حالت کا تقاضا ہوتا کہ جواب دیں گویا وہ عادت سے واقف نہ ہوتا تو اس وقت سائل کی حاجت کے باوجود آپ کی خاموشی سے وہ بار بار سوال کرتا۔

تو اس پر قسم کھانا سائل کی طمع کو ختم کرنے کے لئے تھا اور ان دو قولوں یعنی ''میں وہ چیز نہیں پاتا جس پر تمہیں سوار کروں'' اور ''اللہ کی قسم میں تمہیں سوار نہیں کروں گا'' کو جمع کرنے میں راز یہ ہے کہ پہلا قول اس بات کو بیان کرنے کے لئے تھا کہ آپ سے جو کچھ مانگا گیا وہ آپ کے پاس نہیں اور دوسرے قول میں اس بات کا بیان ہے کہ آپ صرف اسی سوال کو پورا کرنے میں تکلف فرماتے جو قرض مانگنے کی صورت میں ہوتا یا بطور ہبہ مانگا جاتا کیونکہ اس صورت میں مجبور کرنا نہ پایا جاتا۔

امام ترمذی رحمۃ اللہ نے روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں نوے ہزار درہم پیش کئے گئے اور ان کو چٹائی پر رکھا گیا پھر آپ کھڑے ہوئے اور تقسیم کرنے لگے تو کسی سائل کو رد نہیں کیا حتی کہ ان سے فارغ ہو گئے۔

امام ترمذی رحمۃ اللہ نے فرمایا: کہ ایک شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا میرے پاس کچھ نہیں لیکن تم میری طرف سے خریداری کرلو جب ہمارے پاس کچھ آجائے گا تو ہم قرض ادا کردیں گے' حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس کام کا مکلف نہیں بنایا جس پر آپ قادر نہیں ہیں۔

تو رسول اللہ ﷺ نے اس بات کو ناپسند فرمایا اس پر ایک انصاری نے عرض کیا یا رسول اللہ! خرچ کیجئے اور عرش والے کی طرف سے محتاجی کا خوف نہ کیجئے نبی اکرم ﷺ نے تبسم فرمایا اور آپ کے چہرۂ انور سے خوشی ظاہر ہونے لگی اور فرمایا مجھے اسی بات کا حکم دیا گیا ہے۔ (شمائل ترمذی رقم الحدیث: ۲۸۱ الشفاء ج ۱ ص ۱۱۳)

آپ نے مصلحت کے تحت یہ عمل اختیار کیا مثلاً اس شخص کو مانوس کرنا مقصود تھا۔

ابن فارس نے اپنی کتاب ''اسماء النبی ﷺ'' میں ذکر کیا کہ غزوۂ حنین میں ایک خاتون نے حاضر ہو کر ایک شعر پڑھا جس میں ہوازن قبیلے میں آپ کے دودھ پینے کا تذکرہ تھا تو جو کچھ ان سے (بطور مال غنیمت) لیا گیا تھا آپ نے واپس کردیا اور انہیں بہت سا مال عطا کیا حتی کہ اس دن کے عطیہ کی قیمت لگائی گئی تو وہ پانچ کروڑ مالیت کا تھا۔

ابن دحیہ نے کہا کہ یہ انتہائی درجہ کی سخاوت تھی کبھی نہیں سنا گیا کہ ایسی سخاوت پائی گئی ہو۔

''صحیح بخاری میں'' حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت سے ہے کہ آپ کے پاس بحرین سے مال آیا تو آپ نے مسجد میں ڈال دیا اور یہ آپ کے پاس آنے والے مالوں میں سے سب سے زیادہ تھا آپ مسجد کی طرف تشریف لے گئے اور اس کی طرف توجہ نہ فرمائی جب نماز ہو چکی تو تشریف لائے اور اس کے پاس بیٹھ گئے اور جس کو بھی دیکھا عطا فرمایا اتنے میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور عرض کیا مجھے عطا کیجئے۔ میں نے اپنے آپ کا اور عقیل کا فدیہ ادا کیا (اور قید سے چھوٹے) آپ نے فرمایا: لے لیجئے حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے اپنے کپڑے میں ڈالا پھر اٹھانے لگے تو اٹھا نہ سکے عرض کیا یا رسول اللہ! کسی کو حکم دیں کہ وہ اٹھانے میں میری مدد کرے آپ نے فرمایا: نہیں انہوں نے عرض کیا آپ خود اٹھوائیں فرمایا: نہیں چنانچہ انہوں نے اس میں سے کچھ کم کیا پھر اٹھانے لگے تو اٹھا نہ سکے عرض کیا یا رسول اللہ! کسی کو حکم

دیں کہ وہ اٹھانے میں میری مدد کرے آپ نے فرمایا: نہیں' انہوں نے عرض کیا آپ خود اٹھوا دیں فرمایا نہیں' پھر اس میں سے کچھ نکالا اور اٹھا کر کاندھے پر رکھا اور چل پڑے' نبی اکرم ﷺ ان کی حرص پر تعجب کرتے ہوئے مسلسل ان کی طرف دیکھتے رہے حتیٰ کہ وہ غائب ہو گئے اور جب تک ایک درہم بھی باقی تھا نبی اکرم ﷺ وہاں سے نہیں اٹھے (تقسیم کر کے تشریف لے گئے)۔ (صحیح بخاری رقم الحدیث: ۳۱۶۵' السنن الکبریٰ ج ۶ ص ۳۵۶' مطالب العالیہ رقم الحدیث: ۳۶۲۷' تاریخ دمشق ج ۷ ص ۲۳۴' البدایہ والنہایہ ج ۳ ص ۳۰۰' تغلیق التعلیق رقم الحدیث: ۲۲۳۔ ۹۹۲)

ابن ابی شیبہ نے حمید بن ہلال کے طریق سے مرسل روایت نقل کی ہے کہ ایک لاکھ درہم کا مال تھا اور یہ مال علاء بن حضرمی نے بحرین سے بھیجا تھا فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں آنے والا یہ سب سے پہلا مال تھا۔

(غزوۂ ذات الرقاع سے واپسی پر) حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے آپ کی خدمت میں سواری پیش کی تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا یہ تمہارا اونٹ ہے انہوں نے عرض کیا یارسول اللہ! وہ آپ کا ہے میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں آپ نے فرمایا بلکہ تم اسے مجھ پر بیچو چنانچہ انہوں نے بیچ دیا اور آپ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ اس کی قیمت ادا کر دیں پھر آپ نے فرمایا قیمت بھی لے جائیں اور اونٹ بھی' اللہ تعالیٰ تمہیں ان دونوں میں برکت عطا فرمائے۔

اور یہ عمل آپ نے ان کے اس قول کے بدلے میں اختیار فرمایا جو انہوں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! یہ آپ کا ہے چنانچہ آپ نے ان کو رقم بھی دے دی اور اونٹ بھی واپس کر دیا اور ان دونوں میں برکت کے لئے دعا بھی فرمائی۔

نبی اکرم ﷺ کی سخاوت سب کی سب اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لئے تھی آپ کبھی کسی محتاج فقیر پر مال خرچ کرتے اور کبھی اللہ تعالیٰ کے راستے میں اور کبھی مال کے ذریعے ایسے شخص کے دل کو اسلام کی طرف نرم کرتے جس کے اسلام لانے سے اسلام کو طاقت حاصل ہوتی۔

اور نبی اکرم ﷺ اپنے آپ اور اپنی اولاد پر ترجیح دیتے اور اس قدر عطا فرماتے کہ اس سے کسریٰ اور قیصر جیسے حکمران عاجز آ جاتے اور خود فقر کی زندگی گزارتے ایک ایک دو دو مہینے تک آپ کے گھر میں آگ نہ جلتی اور بعض اوقات بھوک کی وجہ سے پیٹ مبارک پر پتھر باندھتے تھے۔

اور نبی اکرم ﷺ کے پاس قیدی آئے اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے گھر کے کام کاج کی وجہ سے پہنچنے والی مشقت کی شکایت کرتے ہوئے آپ سے خادم طلب کیا تاکہ وہ گھر کے کاموں میں آپ کی مدد کرے لیکن نبی اکرم ﷺ نے حکم دیا کہ وہ "سبحان اللہ' اللہ اکبر اور الحمد للہ" (پڑھنے) کے ذریعے مدد حاصل کریں اور فرمایا: میں (ان قیدیوں میں سے کوئی خادم) تمہیں نہیں دوں گا اور فرمایا: اہل صفہ (فقراء) کو بلاؤ بھوک کی وجہ سے ان کے پیٹ دہرے ہو گئے ہیں۔ (حلیۃ الاولیاء ج ۲ ص ۴۱' کنز العمال رقم الحدیث: ۸/ ۲۱۹۷۸)

ایک خاتون ایک چادر لے کر حاضر ہوئی اور عرض کیا یارسول اللہ میں آپ کو یہ چادر پہناتی ہوں تو آپ نے اس کی ضرورت سمجھتے ہوئے اسے لے کر پہن لی صحابہ کرام میں سے کسی صحابی نے دیکھا تو عرض کیا یارسول اللہ! یہ کتنی اچھی چادر ہے مجھے پہنا دیں آپ نے فرمایا ہاں جب نبی اکرم ﷺ تشریف لے گئے تو صحابہ کرام نے اس صحابی کو ملامت کیا اور کہا کہ تم نے اچھا نہیں کیا تم دیکھتے ہو کہ رسول اکرم ﷺ کو اس کی ضرورت ہے پھر بھی تم نے مانگ لی اور تم جانتے ہو کہ

آپ سے کچھ مانگا جائے تو آپ انکار نہیں کرتے۔

اس حدیث کو امام بخاری رحمۃ اللہ نے حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کی روایت سے نقل کیا ہے۔ [1]

ابن ماجہ اور طبرانی کی ایک روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا: ہاں ٹھیک ہے جب گھر تشریف لے گئے تو اس چادر کو لپیٹ کر اس کی طرف بھیج دیا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۲۷۷۔ ۲۰۹۳۔ ۵۸۱۰۔ ۶۰۳۶ 'سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۵۵۵ 'مسند احمد ج ۵ ص ۳۳۳۔ ۳۳۳ 'سنن نسائی ج ۸ ص ۲۰۴)

امام طبرانی نے حضرت زمعہ بن صالح رضی اللہ عنہ کی روایت میں یہ بات بھی نقل کی کہ آپ نے اپنے لئے دوسری چادر بنانے کا حکم دیا لیکن اس کے تیار ہونے سے پہلے آپ کا وصال ہوگیا۔

اس حدیث سے آپ کے حسن اخلاق اور سخاوت کی وسعت دونوں باتوں کا پتہ چلتا ہے۔

اکابر صوفیا کرام نے اس حدیث سے استدلال کیا کہ مرید کے لئے جائز ہے کہ مشائخ سے خرقۂ تصوف طلب کرے تاکہ ان بزرگوں اور ان کے لباس سے برکت حاصل کرے۔ جس طرح وہ شیخ کے مرید کو لباس (جبہ وغیرہ) پہنانے پر اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے حضرت ام خالد کو سیاہ رنگ کا جبہ جس پر بیل بوٹیاں تھیں پہنایا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۸۲۳۔ ۵۸۴۵)

لیکن ہمارے شیخ (امام سخاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ) نے فرمایا: کہ جو کچھ ذکر کیا جاتا ہے کہ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے خرقہ پہنا تو ابن دحیہ اور ابن الصلاح نے فرمایا کہ یہ باطل ہے۔

اور شیخ الاسلام حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ فرماتے ہیں: اس کے طرق روایت میں سے کوئی بات بھی ثابت نہیں اور کسی صحیح، حسن اور ضعیف روایت میں یہ بات نہیں آئی کہ نبی اکرم ﷺ نے اس طریقے پر جو صوفیاء کرام کے درمیان معروف ہے' کسی صحابی کو خرقہ پہنایا ہو اور نہ ہی کسی صحابی کو ایسا کرنے کا حکم دیا اور اس سلسلے میں جو کچھ واضح الفاظ میں مروی ہے وہ باطل ہے۔

فرمایا: پھر جھوٹ گھڑنے والے کا ایک جھوٹ یہ ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ کو خرقہ پہنایا کیونکہ ائمہ حدیث کے نزدیک حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ کو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے سماع ہی ثابت نہیں چہ جائیکہ آپ ان کو خرقہ پہناتے۔

اسی طرح دمیاطی' ذہبی' العلاء' مغلطائی' عراقی' ابناسی (ابراہیم بن موسیٰ بن ایوب برہان الدین ابواسحاق الابناسی)' حلبی اور دوسرے بزرگوں رحمۃ اللہ نے بھی یہی بات فرمائی ہے حالانکہ ان میں سے ایک جماعت نے قوم کی مشابہت میں خرقہ پہنا اور پہنایا ہے۔ (الاعلام ج ۱ ص ۵۷ 'شذرات الذہب ج ۷ ص ۱۳ 'الضوء اللامع ج ۱ ص ۱۷۲)

ہاں ان کا خرقہ پہننا کمیل بن زیادہ (نخعی) کی صحبت میں ثابت ہے اور کمیل کو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی صحبت حاصل تھی اس صحبت میں جرح و تعدیل کے ائمہ کے درمیان کوئی اختلاف نہیں۔

(الاعلام ج ۵ ص ۲۳۴ 'الاصابہ ج ۵ ص ۳۲۵ 'طبقات ابن سعد ج ۶ ص ۲۱۷ 'تہذیب التہذیب ج ۸ ص ۴۴۷)

---

[1] نبی اکرم ﷺ نے فقراء پر شفقت کو مقدم رکھا اور اپنی لخت جگر کو خدمت کے لئے غلام نہ دیا آج کے دور میں اہل اقتدار قوم کے مال میں جس طرح خیانت کے مرتکب ہوتے ہیں انہیں اسوۂ رسول ﷺ کو سامنے رکھنا چاہیے۔ ۱۲ ہزاروی

اور بعض طرق میں اس کا اتصال حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ تک ہے اور وہ حضرت عمر فاروق اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہما کے ساتھ اکٹھے ہوئے اور اس صحبت پر کوئی طعن نہیں اور کئی اکابر محض صحبت پر اکتفا کرتے ہیں جس طرح شاذلیہ اور ہمارے شیخ ابواسحاق المتبولی رحمۃ اللہ اور شیخ یوسف عجمی رحمۃ اللہ تلقینِ ذکر' وعدہ لینے اور خرقہ پہننے کو جمع کرتے تھے اور اس سلسلے میں "ریحان القلوب کے نام سے" ان کا ایک رسالہ بھی ہے میں نے وہ رسالہ ان کے پوتے العارف المسلک سیدی علی رحمۃ اللہ کے سامنے پڑھا اور انہوں نے مجھے خرقہ پہنایا' تلقینِ ذکر کی اور وعدہ لیا۔

اور شیخ قطب الدین القسطلانی رحمۃ اللہ کا ایک رسالہ "الرحمۃ فی الملباس والصحبۃ کے نام سے" ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں سیدھے راستے کی ہدایت عطا فرمائے۔

فصل نمبر ۳

نبی اکرم ﷺ کی ضروریاتِ زندگی جیسے غذا' لباس' نکاح وغیرہ [1]

اس میں چار انواع ہیں۔

پہلی نوع

کھانے پینے کے سلسلے میں آپ کا گزرانِ زندگی

ضرورت کے مطابق کھانا

کھانا' کھانا ایک بہت بڑا اصل اور بنیاد ہے جو بہت سے علوم کا محتاج ہے کیونکہ یہ دینی اور دنیوی مقاصد حسنہ پر مشتمل ہے اور اس کا تعلق دل اور جسم سے ہے اور اللہ تعالیٰ کا قانون اسی طرح جاری ہے کہ اس کے ذریعے بدن قائم رہتا ہے اور جسم' دل کی سواری ہے اور اسی کے ذریعے دنیا اور آخرت کی آبادی ہے اور تنہا جسم حیوانی طبیعت پر ہے جس کے ذریعے صرف دنیا کو آباد کرنے پر مدد لی جاسکتی ہے جب کہ روح اور دل فرشتوں کی طبیعت پر ہیں جن کے ذریعے آخرت کو آباد کرنے پر مدد لی جاتی ہے اور ان دونوں کے اجتماع سے دونوں جہانوں کی تعمیر کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے۔

حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں:

[1] (طبقات ابن سعد ج ۱ ص ۳۹۸۔ ۳۳۷' الشفاء ج ۱ ص ۸۳)

اور ملاقات تک رسائی کا طریقہ علم اور عمل ہے اور ان دونوں کا دوام بدن کی سلامتی پر موقوف ہے اور بدن کی سلامتی اسی وقت صاف اور درست ہوتی ہے جب کھانا اور رزق حاصل ہو اور اس میں سے ضرورت کے مطابق مختلف اوقات میں کھائے اسی لئے بعض نیک اسلاف نے فرمایا کہ کھانا دین میں سے ہے اور اس پر تمام جہانوں کے رب نے جو سب سے زیادہ سچا ہے یوں فرمایا:

کلوا من الطیبات واعملو صالحا. پاکیزہ چیزوں سے کھاؤ اور اچھے کام کرو۔

پس جو شخص کھانا اس لئے کھاتا ہے کہ اس کے ذریعے علم و عمل پر مدد حاصل کرے اور تقویٰ کی قوت حاصل ہو تو اس کے لئے مناسب نہیں کہ اپنے نفس کو کھلی چھٹی دے اور اسے اس طرح کھانے کے لئے چھوڑ دے جس طرح جانور کو چراگاہ میں چھوڑا جاتا ہے کیونکہ یہ کھانا دین کی طرف ایک ذریعہ اور وسیلہ ہے مناسب ہے کہ آدمی پر دین کے انوار ظاہر ہوں اور دین کا نور آداب اور سنن دین کے ذریعے بندے کو لگام ڈالی جاتی ہے اور یہی متقی لوگوں کی لگام ہے حتیٰ کہ شریعت کی میزان میں جس کا وزن ہوتا ہے وہ کھانے کی خواہش ہے اس کا اقدام ہو یا اس کے لگام ڈالی جائے۔

پس اس کے سبب سے (گناہ کا) بوجھ دور کیا جاتا ہے اور اجر حاصل ہوتا ہے۔

سیر ہو کر کھانے کی بدعت

یہ بات بھی جاننا ضروری ہے کہ سیر ہو کر کھانے کی بدعت پہلی صدی کے بعد ظاہر ہوتی ہے۔

امام نسائی اور ابن ماجہ نے روایت نقل کی ہے اور امام حاکم نے اسے صحیح قرار دیا کہ حضرت مقدام بن معد یکرب رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

ما ملا ابن آدم وعاء شراً من بطنه حسب الادمی لقیمات یقمن صلبه فان غلبت الادمی نفسه فثلث للطعام و ثلث للشراب و ثلث للنفس.

انسان اپنے پیٹ سے زیادہ برا برتن نہیں بھرتا آدمی کے لئے چند لقمے کافی ہیں جو اس کی پیٹھ کو سیدھا رکھیں اور اگر آدمی پر اس کا نفس (خواہش) غالب آ جائے تو ایک تہائی کھانے کے لئے ایک تہائی پینے کے لئے اور ایک تہائی سانس لینے کے لئے ہو۔

(جامع ترمذی رقم الحدیث: ۲۳۸۰' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۳۴۹' مسند احمد ج ۴ ص ۱۳۲' سنن دارمی رقم الحدیث: ۲۱۳' المستدرک ج ۴ ص ۳۳۱' کشف الخفاء ج ۲ ص ۲۷۸' الشفاء ج ۱ ص ۸۵' مشکوۃ المصابیح رقم الحدیث: ۵۱۹۲' الترغیب والترہیب ج ۳ ص ۱۳۶' اتحاف السادۃ المتقین ج ۷ ص ۳۸۷' المغنی ج ۲ ص ۳' الدر المنثور ج ۳ ص ۸۰' تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۲۰۲' تفسیر قرطبی ج ۷ ص ۱۹۲' فتح الباری ج ۱۱ ص ۳۲۸' کنز العمال رقم الحدیث: ۴۰۸۷۰)

حضرت امام قرطبی رحمۃ اللہ نے ''الاسماء کی شرح میں'' فرمایا: جیسا کہ شیخ الاسلام والحافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ نے نقل کیا فرماتے ہیں: اگر ''بقراط'' اس تقسیم کے بارے میں سنتا تو اس حکمت پر تعجب کرتا۔

دوسرے حضرات نے فرمایا: کہ ان تین باتوں کو ذکر کرنے میں خاص کیا کیونکہ یہ حیوانی زندگی کے اسباب ہیں نیز پیٹ میں ان تین چیزوں کے علاوہ کچھ نہیں داخل ہوتا۔

اور کیا تہائی کا ذکر ان تینوں کے درمیان مساوات ہے جیسا کہ حدیث شریف سے ظاہر ہے یا تینوں پر قریب قریب تقسیم کرنا ہے؟ یہ محل احتمال ہے۔

صحیح حدیث سے ثابت ہے فرمایا:

المؤمن یاکل فی معی واحد والکافر یاکل فی سبعۃ امعاء. مؤمن ایک آنت میں کھاتا ہے اور کافر سات آنتوں میں کھاتا ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۳۹۳۔۵۳۹۶۔۵۳۹۷، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۸۳۔۱۸۴۔۱۸۵، جامع ترمذی رقم الحدیث: ۱۸۱۸، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۲۵۶۔۳۲۵۷۔۳۲۵۸، مسند احمد ج۲ ص۲۱۔ ج۳ ص۳۵۷۔ ج۶ ص۳۳۵، سنن دارمی ج۲ ص۹۹، مسند الحمیدی رقم الحدیث: ۹۶۹، اتحاف السادۃ المتقین ج۷ ص۳۸۹، مجمع الزوائد ج۵ ص۳۲۔۳۳، مشکل الآثار ج۲ ص۴۰۷، تاریخ الکبیر ج۳ ص۱۹۹، تفسیر قرطبی ج۷ ص۱۹۲، المغنی رقم الحدیث: ۹/۷، حلیۃ الاولیاء ج۶ ص۳۳۷، العلل رقم الحدیث: ۱۵۳۰، کنز العمال رقم الحدیث: ۶۷۰۔۶۸۰)

اور یہاں حقیقتاً عدد مراد نہیں سات کی تخصیص کثرت بیان کرنے میں مبالغہ ہے اور معنی یہ ہے کہ مومن کی شان ہے کم کھانا ہے کیونکہ اس نے عبادت کے اسباب میں مشغول ہونا ہے اور وہ یہ بھی جانتا ہے کہ کھانے سے شریعت کا مقصد بھوک کا ازالہ کرنا اور عبادت پر مدد حاصل کرنا ہے نیز اس بات کا خوف بھی کہ زائد کا حساب دینا ہوگا جب کہ کافر کا معاملہ اس کے خلاف ہے۔

اور اہل تشریح کہتے ہیں کہ انسان کی آنتیں سات ہیں ایک معدہ ہے پھر اس سے متصل تین آنتیں ہیں ان کے نام "ابواب" "صائم" اور "رقیق" ہے اور یہ تینوں پتلی باریک ہیں پھر "اعور" "قولون" "مستقیم" اور "طرف الدبر" ہے اور یہ تمام سخت موٹی ہیں زین الدین عراقی نے ان کا ذکر یوں کیا ہے:

سبعۃ امعاء لکل آدمی معدۃ بوابہا مع صائم
ثم الرقیق اعور قولون مع المستقیم مسلک المطاعم

"ہر آدمی کی سات آنتیں ہیں معدہ اور بواب صائم کے ساتھ پھر رقیق اعور قولون مستقیم کے ساتھ کھانے کے راستے ہیں"۔

پس معنی یہ ہے کہ کافر حرص کی وجہ سے کھاتا ہے اس لئے جب تک ساتوں آنتیں بھر نہ جائیں وہ سیر نہیں ہوتا اور مؤمن کی ایک آنت بھر جائے تو سیر ہو جاتا ہے۔

اور اس حدیث سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ بات ہر مؤمن اور ہر کافر کے بارے میں ہے کیونکہ مؤمنوں میں سے بعض زیادہ کھاتے ہیں اور اس کی وجہ یا تو عادت ہوتی ہے یا کوئی مرض وغیرہ۔

اور کافروں میں سے بعض تھوڑا کھانا کھاتے ہیں اور اس کی وجہ یا تو یہ ہوتی ہے کہ وہ ڈاکٹروں کی رائے کے مطابق صحت کا خیال رکھتے ہیں یا کسی مذہبی رہنما کے کہنے پر ریاضت کرتے ہیں اور یا معدے کی کمزوری لاحق ہونے کی وجہ سے اس طرح کرتے ہیں۔

خلاصہ یہ ہوا کہ مؤمن کی شان یہ ہے کہ وہ زہد پر حریص اور جو مل جائے اس پر راضی ہو جب کہ کافر کا معاملہ یہ نہیں۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ مؤمن کھاتے اور پیتے وقت ''بسم اللہ الرحمن الرحیم'' پڑھتا ہے پس شیطان اس کے کھانے میں شریک نہیں ہوتا لہٰذا اسے تھوڑا کھانا ہی کافی ہوتا ہے جب کہ کافر کا مسئلہ اس کے برخلاف ہے۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس حدیث سے جس مؤمن کا ذکر ہے اس سے کامل ایمان والا شخص مراد ہے کیونکہ اس کے حسن اسلام اور کمالِ ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ اس کی فکر موت اور اس کے بعد کی طرف متوجہ رہتی ہے لہٰذا خوف کی شدت' فکر کی کثرت اور اپنے نفس پر خوف اسے خواہش کی تکمیل سے روکتا ہے جس طرح حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث میں آیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

من کثر تفکرہ قل مطعمہ ومن قل تفکرہ کثر مطعمہ وقسا قلبہ.

جو شخص زیادہ سوچتا ہے وہ کم کھاتا ہے اور جس کی سوچ کم ہو اس کا کھانا زیادہ ہوتا ہے اور دل سخت ہوتا ہے۔

اور بزرگانِ دین فرماتے ہیں: اس معدے میں حکمت داخل نہیں ہوتی جو کھانے سے بھرا ہوا ہو اور جس کا کھانا کم ہوگا اس کا پینا کم اور نیند ہلکی ہوگی اور جو کم سوئے اس کی عمر میں برکت ہوتی ہے اور جو شخص اپنے پیٹ کو بھرتا ہے وہ پانی زیادہ پیتا ہے اور جو پانی زیادہ پیتا ہے اس پر نیند کا غلبہ ہوتا ہے اور جس پر نیند بھاری ہو اس کی عمر کی برکت مٹ جاتی ہے۔

پس جب سیر ہوئے بغیر اکتفاء کرے تو بدن کی غذا اچھی ہوتی ہے اور اس کے نفس اور دل کا حال اچھا ہوتا ہے اور جو شخص کھانے سے پیٹ کو بھر دے اس کے بدن کی غذا بری ہوتی ہے' اس کا نفس فاسد اور دل سخت ہو جاتا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

ان اھل الشبع فی الدنیا ھم اھل الجوع غدا فی الاخرۃ.

جو لوگ دنیا میں سیر ہو کر کھاتے ہیں وہ کل آخرت میں بھوکے ہوں گے۔

(المعجم الکبیر ج ۱۱ص ۲۶۷' مجمع الزوائد ج ۱۰ص ۲۵۰' اتحاف السادۃ المتقین ج ۷ ص ۳۹۱' جمع الجوامع رقم الحدیث: ۶۳۱۹' الترغیب و الترہیب ج ۳ ص ۱۳۷' کنز العمال رقم الحدیث: ۶۱۵۶)

حضرت سلمان اور ابوجحیفہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

ان اکثر الناس شبعا فی الدنیا اطولھم جوعا فی الاخرۃ.

بے شک جو لوگ دنیا میں زیادہ سیر ہو کر کھاتے ہیں وہ قیامت کے دن بھوکے ہوں گے۔

(حلیۃ الاولیاء ج ۱ص ۱۹۸' الضعفاء ج ۳ ص ۳۶۰)

رسول اکرم ﷺ کے گھر میں کھانے کی قلت

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کا بطن مبارک کبھی سیر ہونے کی وجہ سے نہیں بھرا آپ اپنے گھر والوں سے کبھی کھانا طلب نہ فرماتے اور نہ ہی اس کی خواہش رکھتے اگر وہ دیتے تو کھا لیتے اور جو کچھ دیتے قبول فرماتے اور جو کچھ پلاتے آپ نوش فرما لیتے۔

حضرت ام المؤمنین کا یہ فرمانا کہ سرکار دو عالم ﷺ کا بطن مبارک سیر ہونے کی وجہ سے نہیں بھرا یہ اس بات پر محمول

1

ہے کہ ایسا سیر ہونا نہیں پایا گیا جس کی وجہ سے معدے پر بوجھ پڑے اور آدمی عبادت کے لئے کھڑا نہ ہو سکے بلکہ وہ متکبر اور مغرور ہوئے نیز نیند اور سستی تک جا پہنچے بلکہ بعض اوقات یہ کراہت' حرمت تک پہنچ جاتی ہے کہ اس سے کئی خرابیاں پیدا ہوتی ہیں' عام عادت کے مطابق سیر ہونے کی نفی نہیں ہے'' صحیح مسلم میں ہے کہ'' نبی اکرم ﷺ' حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما بھوک کی وجہ سے ایک انصار کے گھر تشریف لے گئے اور انہوں نے بکری ذبح کی اس حدیث میں یہ بھی ہے کہ جب سیر ہوئے اور پانی سے سیراب ہو گئے۔

حضرت امام نووی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں: اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ سیر ہو کر کھانا جائز ہے اور جو کراہت آئی ہے وہ ہمیشہ سیر ہو کر کھانے پر محمول ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں:

ما شبع آل محمد ﷺ من طعام ثلاثة ایام تباعا حتی قبض.

حضرت محمد ﷺ کے گھر والوں نے مسلسل تین دن سیر ہو کر کھانا نہیں کھایا حتیٰ کہ آپ کا وصال ہو گیا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے فرماتے ہیں:

کان رسول اللہ ﷺ یبیت اللیالی المتتابعة واهله طاویا لا یجدون عشاء وانما کان خبزهم الشعیر.

نبی اکرم ﷺ اور آپ کے گھر والے مسلسل کئی راتیں خالی پیٹ رہتے شام کا کھانا نہ پاتے اور ان کی روٹی جو سے ہوتی۔

اس حدیث کو امام ترمذی نے روایت کیا اور صحیح قرار دیا۔

حضرت مسعر رضی اللہ عنہ کی حدیث جسے امام مسلم نے نقل کیا ہے اس میں اس طرح ہے:

ما شبع ال محمد یومین من خبز البر الا واحدهما تمر.

حضرت محمد ﷺ کی آل دو دن بھی گندم کی روٹی سیر ہو کر نہیں کھاتی مگر ان میں سے ایک دن کھجوریں ہوتیں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۴۱۶-۶۴۵۴' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۰-۲۵-۳۳' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۳۴۴' سنن نسائی ج ۷ ص ۲۳۶' مسند احمد ج ۲ ص ۹۸- ج ۳ ص ۴۳۲- ج ۶ ص ۱۲۸' مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۳۱۴' مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۴۱۹۳- ۵۲۳۷' الترغیب والترہیب ج ۴ ص ۱۸۷)

حضرت عمران بن زید مدنی فرماتے ہیں: مجھ سے میرے والد نے بیان کیا وہ فرماتے ہیں: کہ ہم حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس حاضر ہوئے تو انہوں نے فرمایا: آپ (یعنی حضور علیہ السلام) دنیا سے یوں تشریف لے گئے کہ ایک دن بھی آپ نے دو کھانوں سے پیٹ نہیں بھرا اگر آپ کھجوریں پیٹ بھر کر کھاتے تو جو سیر ہو کر نہ کھاتے اور اگر جو سیر ہو کر کھاتے تو کھجوروں سے سیر نہ ہوتے۔

اس حدیث میں اس بات پر دلالت نہیں ہے کہ آپ دو قسم کے کھانے جمع نہیں فرماتے تھے کیونکہ (یہ بات ثابت ہے کہ) آپ ککڑی (تر) اور کھجور ملا کر کھاتے جیسا کہ آگے آئے گا۔

11

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: کہ نبی کریم ﷺ نے خطبہ ارشاد فرمایا تو فرمایا: اللہ کی قسم شام کے وقت آل محمد ﷺ کے پاس کوئی کھانا نہ تھا اور بیشک یہ سات گھر تھے۔ اور اللہ تعالیٰ کی قسم آپ نے یہ بات اللہ تعالیٰ کے رزق کو کم سمجھتے ہوئے نہیں فرمائی بلکہ آپ کا ارادہ امت کی خیر خواہی تھا۔ اسے دمیاطی نے سیرت سے متعلق اپنی کتاب میں نقل کیا ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے فرماتی ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ دنیا سے تین چیزوں کو پسند کرتے تھے' خوشبو' عورتیں اور کھانا' پس آپ کو دو چیزیں حاصل ہوئیں اور ایک حاصل نہ ہوئی عورتوں اور خوشبو تک آپ کی رسائی ہوتی لیکن کھانے تک نہیں ہوتی۔ یہ روایت بھی دمیاطی نے نقل کی ہے۔

شمائل ترمذی میں حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: کہ میں نے تمہارے نبی اکرم ﷺ کو دیکھا آپ کے پاس ادنیٰ کھجوریں بھی اتنی نہ تھیں جن سے شکم سیری حاصل ہوتی۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۳۶' جامع ترمذی رقم الحدیث: ۲۳۷۲' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۱۴۶' البدایہ والنہایہ ج ۶ ص ۵۴)

صحیح مسلم کی روایت میں ہے:

قالت عائشة ان كنا آل محمد نمكث شهرا ما نستوقد بنار ان هو الا الماء والتمر.

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں ہم آل محمد ﷺ ایک مہینہ یوں گزارتے کہ آگ نہ جلاتے صرف پانی اور کھجوروں پر گزارہ کرتے۔

(جامع ترمذی رقم الحدیث: ۲۴۷۱' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۱۴۴)

حضرت عتبہ بن غزوان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں اپنے آپ کو دیکھتا ہوں اور میں سات میں سے ساتواں تھا ہم رسول اکرم ﷺ کے ساتھ تھے اور ہمارے لئے کانٹے دار درخت کے پتوں کے سوا کچھ بھی نہ تھا حتی کہ ہمارے منہ کا اندرون حصہ زخمی ہو جاتا۔

''صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ہے'' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا' حضرت عروہ رضی اللہ عنہ سے فرماتی تھیں: اے بھانجے! اللہ کی قسم ہم چاند دیکھتے پھر دوسرا پھر تیسرا چاند دیکھتے دو مہینوں میں تین چاند (دیکھتے) [1] اور رسول اکرم ﷺ (کی ازواج مطہرات) کے گھروں میں آگ نہ جلتی فرماتے ہیں: میں نے پوچھا اے خالہ! آپ کس پر گزارہ کرتے تھے؟ فرمایا: دو سیاہ چیزیں ایک کھجور اور دوسرا پانی' البتہ رسول اکرم ﷺ کے انصاری پڑوسی تھے جن کے پاس عطیہ کے جانور تھے تو وہ حضور ﷺ کی خدمت میں ان کا دودھ بھیجتے تو آپ ہمیں وہ دودھ پلاتے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۵۶۷۔۶۴۵۸۔۶۴۵۹' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۱۴۵' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸' البدایہ والنہایہ ج ۶ ص ۵۳)

''صحیح مسلم میں ہے'' ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اکرم ﷺ دنیا سے یوں تشریف لے گئے کہ آپ نے ایک دن میں دو مرتبہ روٹی اور زیتون سیر ہو کر تناول نہیں فرمایا۔

(جامع ترمذی رقم الحدیث: ۲۳۵۷' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۹' البدایہ والنہایہ ج ۶ ص ۵۳)

---

[1] پہلے مہینے کے شروع میں اور دوسرے مہینے کے شروع اور آخر میں چاند دیکھتے اس طرح دوسرے مہینے کے شروع میں دوسرا اور آخر میں تیسرا چاند دیکھتے۔ (زرقانی ج ۴ ص ۳۱۳)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں:

ما اعلم ان رسول اللہ ﷺ رای رغیفا مرققا حتی لحق باللہ ولا رای شاۃ سمیطا بعینہ حتی لحق باللہ.

میں نہیں جانتا کہ رسول اکرم ﷺ نے پتلی روٹی دیکھی ہوتی کہ آپ کا وصال ہو گیا اور نہ آپ نے بھنی ہوئی بکری دیکھی حتی کہ آپ اپنے رب سے جا ملے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۵۴۲۱۔۶۴۵۷، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۳۳۰۹، مسند احمد ج ۳ ص ۱۲۸۔۱۳۳۔۲۵۰)

''المرقق'' وہ روٹی جو نرم اور اچھی ہو جس طرح بار بار آٹا چھاننے کے بعد روٹی پکائی جائے ''ترقیق'' باریک اور نرم کرنے کو کہتے ہیں اور ان لوگوں کے پاس چھلنیاں نہ تھیں۔

اور بعض اوقات ''مرقق'' پتلی کشادہ روٹی کو کہتے ہیں یہ بات قاضی عیاض رحمۃ اللہ نے فرمائی اور ابن اثیر نے بھی اسی پر اعتماد کیا ہے وہ فرماتے ہیں: سفید (میدے کی) روٹی مراد ہے۔

ابن جوزی نے کہا اس سے ہلکی پھلکی روٹی مراد ہے گویا انہوں نے اسے ''الرقاق'' سے مشتق مانا اور یہ وہ لکڑی ہے جس کے ذریعے روٹی کو پتلا کیا جاتا ہے۔

''سمیط'' وہ بکری جس کے بال گرم پانی کے ساتھ دور کر کے اسے چمڑے کے ساتھ بھون لیا جائے اور چھوٹے بچے کے ساتھ یہ عمل کیا جاتا تھا اور یہ خوشحال لوگوں کا طریقہ تھا اور اس کی دو وجہ تھیں ایک یہ کہ ذبح میں جلدی کی جائے کہ اگر وہ باقی رہے تو قیمت بڑھ جائے گی اور دوسری وجہ یہ ہے کہ جس کا چمڑا اتارا جائے اس کے چمڑے سے لباس وغیرہ کی صورت میں فائدہ اٹھایا جاتا ہے۔ اور ''سمط'' (والا طریقہ) ان دونوں مقاصد کو ختم کر دیتا ہے۔ ابن بطال اور ابن اثیر نے کہا کہ مسوط (یا سمیط) بھنی ہوئی بکری کو کہتے ہیں۔

لیکن ابن اثیر کے نزدیک اس کی اصل یہ ہے کہ گرم پانی کے ساتھ اون اتار دی جائے جیسا کہ پہلے بیان ہوا وہ فرماتے ہیں عام طور پر بھوننے کے لئے ایسا کیا جاتا تھا۔

اور شاید مراد یہ ہو کہ آپ نے اپنے کھانے میں ایسی بھنی ہوئی بکری نہیں دیکھی ورنہ اگر یہ طریقہ معروف نہ ہوتو آپ کی تعریف اس طرح نہ کی جاتی۔

حضرت ابو حازم فرماتے ہیں: کہ انہوں نے حضرت سہل رضی اللہ عنہ سے پوچھا کیا تم لوگوں نے نبی اکرم ﷺ کے زمانے میں چھنے ہوئے آٹے کی روٹی دیکھی ہے؟ انہوں نے فرمایا: نہیں میں نے پوچھا آپ لوگ جو (کا آٹا) کس طرح چھانتے تھے؟ فرمایا: ہم پھونک مارتے تھے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث:۵۴۱۰۔۵۴۱۳، جامع ترمذی رقم الحدیث:۲۳۶۴، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۳۳۳۵، مسند احمد ج ۵ ص ۳۳۲) ان ہی کی ایک دوسری روایت میں ہے کہ انہوں نے پوچھا کیا رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں تم لوگوں کے پاس چھلنیاں تھیں؟ فرمایا: نبی اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے مبعوث فرمایا تو اس وقت سے وصال تک آپ نے چھلنی نہیں دیکھی۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث:۵۴۱۳، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۳۳۳۵، مسند احمد ج ۶ ص ۷۱)

حضرت شیخ الاسلام ابن حجر رحمۃ اللہ فرماتے ہیں: میرا خیال ہے کہ بعثت سے پہلے کے وقت کو اس سے نکالا ہے کیونکہ سرکار دو عالم ﷺ اس مدت میں شام کی طرف تجارت کے لئے سفر کرتے تھے اور اس وقت شام روم کے ساتھ تھا

اور چھنے ہوئے آٹے کی روٹی ان لوگوں کے ہاں بکثرت ہوتی تھی اسی طرح چھلنیاں اور فراخی (کشادہ حالی) کا دیگر سامان بھی تھا اور اس میں کوئی شک نہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے ان لوگوں کے ہاں چھلنی دیکھی ہوگی لیکن بعثت کے بعد آپ مکہ مکرمہ طائف اور مدینہ طیبہ میں رہے تبوک تک تشریف لے گئے اور یہ شام کے اطراف میں ہے لیکن آپ نے اسے نہ تو فتح کیا اور نہ ہی زیادہ دیر وہاں ٹھہرے۔

میں (مصنف رحمۃ اللہ) نے تحقیق کی ہے کہ آیا آپ کی روٹی کی ٹکیاں چھوٹی تھیں یا بڑی؟ لیکن تفتیش کے بعد مجھے اس سلسلے میں کچھ بھی معلوم نہ ہوا ہاں ایک حدیث میں جسے امام دیلمی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مرفوعاً نقل کیا یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے چھوٹی روٹی کا حکم دیا آپ نے فرمایا:

صغروا الخبز واکثروا عددہ یبارک لکم فیہ۔ روٹی چھوٹی رکھو اور اسے تعداد میں زیادہ کرو اس میں تمہیں برکت دی جائے گی۔

لیکن یہ روایت کمزور ہے اور ابن جوزی نے اسے موضوعات میں ذکر کرتے ہوئے کہا کہ اس میں جابر بن سلیم (راوی) پر تہمت ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

البرکۃ فی صغر القرص۔ برکت چھوٹی ٹکیہ میں ہے۔

لیکن امام نسائی رحمۃ اللہ سے منقول ہے کہ یہ جھوٹ ہے لیکن امام بزار نے ضعیف سند کے ساتھ حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً نقل کیا کہ آپ نے فرمایا:

قوتوا طعامکم یبارک لکم فیہ۔ حسب ضرورت کھانا حاصل کرو اس میں تمہیں برکت دی جائے گی۔

نہایہ میں فرمایا کہ امام اوزاعی سے منقول ہے کہ اس کا معنیٰ روٹی کا چھوٹا رکھنا ہے۔

امام بزار نے حضرت ابراہیم بن عبداللہ بن جنید سے اور انہوں نے بعض اہل علم سے نقل کیا کہ اس سے روٹیوں کو چھوٹا رکھنا مراد ہے۔

ہمارے شیخ (امام سخاوی رحمۃ اللہ) نے "المقاصد الحسنہ میں" اسی بات کی طرف اشارہ کیا اور شاید یہ میرے شیخ اور رہنما میری بصیرت کی آنکھ کی پتلی عارف ربانی عارفین کی دلیل ابواسحاق ابراہیم المتبولی کی سند ہے کہ ان کے دسترخوان پر چھوٹی روٹیاں تھیں جیسا کہ شیخ ابوالعباس احمد بدوی اور سادات جو معارف سعادات کی اکسیر بلند و بالا عطیات اور حقائق محمدیہ کے زیادہ حقدار وفا کے پیکر اللہ تعالیٰ ان کی برکات کو ہماری طرف لوٹائے اور ان کی امداد ہم تک پہنچانے کی دلیل یہی ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ کا وصال ہوا تو میرے پاس کوئی ایسی چیز نہ تھی جسے کوئی جگر والا کھائے مگر میری دیوار میں غلے کی الماری میں کچھ جَو تھے میں نے عرصہ دراز تک ان کو کھایا لیکن جب ان کا وزن کیا تو وہ ختم ہو گئے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۴۵۱ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۷ مسند احمد ج ۶ ص ۱۰۸ دلائل النبوۃ ج ۷ ص ۲۷۴)

"صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ہے" ام المؤمنین رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ کا وصال ہوا تو آپ کی

زرہ تیس صاع جو کے بدلے میں ایک یہودی کے پاس رہن تھی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: آپ کی زرہ بیس صاع غلے کے بدلے رہن تھی جو آپ نے اپنے گھر والوں کے لئے لیا تھا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: کہ ایک دن نبی اکرم ﷺ باہر تشریف لائے تو دیکھا حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما بھی موجود ہیں آپ نے فرمایا: اس وقت تم دونوں اپنے گھروں سے باہر کیسے آئے؟ انہوں نے عرض کیا یارسول اللہ! بھوک کی وجہ سے آپ نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے مجھے وہی چیز باہر لائی ہے جو تم دونوں کو لائی ہے۔

پس آپ ایک انصاری کے ہاں تشریف لائے اور وہ گھر میں نہیں تھے جب ان کی بیوی نے آپ کو دیکھا تو خوش آمدید کہا رسول اکرم ﷺ نے پوچھا فلاں کہاں ہے؟ انہوں نے عرض کیا وہ ہمارے لئے میٹھا پانی لینے گئے ہیں اتنے میں وہ انصاری بھی حاضر ہو گئے انہوں نے نبی اکرم ﷺ اور آپ کے دونوں ساتھیوں کو دیکھا تو فرمایا:

الحمدللہ! آج مجھ سے بڑھ کر معزز مہمانوں والا کوئی نہیں راوی فرماتے ہیں پھر وہ انصاری چلے گئے اور ایک ٹوکری لائے جس میں خشک اور تر ہر قسم کی کھجوریں تھیں اور عرض کیا تناول فرمائیں اس کے بعد انہوں نے چھری لی نبی اکرم ﷺ نے فرمایا دودھ والے جانور سے بچنا چنانچہ انہوں نے مہمانوں کے لئے بکری ذبح کی جو انہوں نے تناول فرمائی۔

اس ٹوکری سے کھجوریں کھائیں اور پانی نوش فرمایا جب سیر اور سیراب ہو گئے تو نبی اکرم ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما سے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے قیامت کے دن تم سے ان نعمتوں کے بارے میں ضرور سوال ہوگا' بھوک تمہیں گھر سے باہر لائی پھر تم واپس نہیں لوٹے حتی کہ تمہیں یہ نعمتیں حاصل ہوئیں۔ (موطا امام مالک رقم الحدیث: ۲۸' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۴۰' الدرالمنثور ج ۶ ص ۳۸۹' اتحاف السادۃ المتقین ج ۸ ص ۱۲۰' کنزالعمال رقم الحدیث: ۶۴۳۹)

یہ سوال' ان کے اعزاز واکرام' انعام اور فضل وکرم کو شمار کرنے کے حوالے سے ہوگا۔ حضرت طلحہ' بن نافع رضی اللہ عنہ سے مروی ہے انہوں نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے سنا وہ فرماتے تھے کہ ایک دن نبی اکرم ﷺ میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے گھر میں لے گئے آپ کے لئے روٹی کا ایک ٹکڑا نکالا گیا تو آپ نے فرمایا سالن نہیں؟ عرض کیا نہیں البتہ سرکہ ہے آپ نے فرمایا: سرکہ بہترین سالن ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے جب سے نبی اکرم ﷺ سے یہ بات سنی ہے اس دن سے مجھے سرکہ پسند ہے اور حضرت طلحہ' رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: مجھے اس دن سے سرکہ پسند ہے جب سے میں نے یہ بات حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے سنی ہے۔ (جامع ترمذی رقم الحدیث: ۱۸۳۹۔۱۸۴۲' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۳۱۷' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۶۹۔۱۶۹' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۸۲۰۔۳۸۲۱' مسند احمد ج ۳ ص ۳۰۱۔ ص ۳۶۴' السنن الکبریٰ ج ۷ ص ۲۸۰۔ ج ۱۰ ص ۶۳' تاریخ دمشق ج ۷ ص ۳۲)

بطن مبارک پر پتھر باندھنا

حضرت ابن بجیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: کہ ایک دن نبی اکرم ﷺ نے بھوک محسوس فرمائی تو آپ

نے ایک پتھر لے کر بطن مبارک پر رکھا پھر فرمایا سنو! کئی نفس دنیا میں کھانے اور عیش کرنے والے قیامت کے دن بھوکے ننگے ہوں گے سنو! کئی لوگ اپنے آپ کو معزز سمجھتے ہیں لیکن درحقیقت وہ اپنے آپ کو ذلیل کر رہے ہوتے ہیں سنو! کتنے لوگ اپنے آپ کو ہلکا سمجھتے ہیں لیکن وہ اپنے آپ کو معزز بنا رہے ہوتے ہیں۔ اس روایت کو ابن ابی الدنیا نے نقل کیا ہے۔

حضرت انس؛ حضرت ابوطلحہ؛ (رضی اللہ عنہما) سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں: کہ ہم نے نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں بھوک کی شکایت کی اور اپنے پیٹوں پر باندھے ہوئے پتھر سے کپڑا اٹھایا تو نبی اکرم ﷺ نے اپنے بطن مبارک سے کپڑا اٹھا کر دو پتھر دکھائے۔

امام ترمذی فرماتے ہیں: یہ حضرت ابوطلحہ؛ رضی اللہ عنہ کی روایت سے غریب ہے اور ہم اسے صرف اسی وجہ سے پہچانتے ہیں۔ پیٹوں سے کپڑا اٹھانے کا مطلب یہ ہے کہ ان میں سے ایک مشقت اور کمزوری کی وجہ سے پیٹ پر پتھر باندھتا جو کمزوری بھوک کی وجہ سے پہنچتی تھی۔

اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ والا واقعہ غزوۂ خندق کے موقعہ پر پیش آیا جب آپ نے نبی اکرم ﷺ کو دیکھا کہ آپ سخت زمین کی طرف اٹھے تو آپ کے بطن اقدس پر پتھر باندھا ہوا تھا۔ یہ بات پہلے گزر چکی ہے اور حضرت امام بوصیری رحمۃ اللہ نے کیا خوب فرمایا:

وشد من سغب احشائہ و طوی تحت الحجارۃ کشحا مترف الادم

''اور بھوک کی وجہ سے اپنی آنتوں کو باندھا اور پتھر کے نیچے ایسا پہلو لپیٹ دیا جو خوشحال جسم والا تر و تازہ تھا''۔

جیسا کہ میں نے (مصنف علیہ الرحمہ نے) اس قصیدہ شریف کی شرح میں لکھا ہے کہ کشح آپ کے ازار بند کی جگہ اور پہلوئے مبارک کی چھوٹی پسلی کے درمیان جگہ ہے۔

نبی اکرم ﷺ نے یہ طریقہ اس لئے اختیار فرمایا کہ اس سے کچھ بھوک رک جاتی ہے اور یہ فعل سکون کا باعث ہوتا ہے کیونکہ بھوک کی وجہ معدے کی شدید حرارت ہے جب معدہ کھانے سے بھر جاتا ہے تو یہ حرارت کھانے میں مشغول ہو جاتی ہے اور جب اس میں کھانا نہ ہو تو وہ جسم کی رطوبات اور جواہر کو تلاش کرتا ہے تو اس حرارت سے انسان کو تکلیف ہوتی ہے اور یہ جسم کے بہت سے جواہر سے متعلق ہو جاتی ہے اور جب معدے پر آنتوں اور چمڑے کو لپیٹ دیا جائے تو اس کی آگ قدرے بجھ جاتی ہے اور اس طرح تکلیف کم ہو جاتی ہے۔

اور نبی اکرم ﷺ کا بھوک سے تکلیف برداشت کرنا اس لئے تھا کہ آپ کو دوگنا اجر ملے آپ کی قوت کی حفاظت اور جسم کی تازگی باقی رہے حتیٰ کہ جو کوئی آپ کو دیکھے وہ آپ کو بھوکا نہ سمجھے کیونکہ رسول اکرم ﷺ کا جسم اقدس ان لوگوں کے جسموں سے زیادہ تر و تازہ معلوم ہوتا تھا جو دنیا کی نعمتوں سے نفع حاصل کرتے تھے۔ امام بوصیری رحمۃ اللہ نے ''مترف الادم'' سے اسی مفہوم کا قصد کیا ہے اور یہ حفاظت اور تکمیل کے باب سے ہے کیونکہ جب فرمایا: شد من سغب بھوک کی وجہ سے باندھا۔

تو اس وہم کا خوف محسوس ہوا کہ اس وقت آپ کے جسم شریف میں بھوک کا اثر ظاہر ہوا پس آپ نے اس کی حفاظت کی تو اس ابہام کو ''مترف الادم'' فرما کر دور کر دیا۔

ابو حاتم بن حبان نے ان احادیث کا انکار کیا ہے جن میں بھوک کی وجہ سے بطن مبارک پر پتھر باندھنے کا ذکر ہے انہوں نے فرمایا: کہ یہ باطل ہیں اور انہوں نے حدیث وصال (جب حضور ﷺ نے وصال کے روزے رکھے) سے استدلال کیا کہ آپ نے فرمایا:

لست کاحدکم انی اطعم واسقی. میں تم میں سے کسی ایک کے جیسا نہیں ہوں مجھے کھلایا اور پلایا جاتا ہے۔

وہ فرماتے ہیں: پتھر اس جگہ باندھے جاتے تھے جہاں ازار بند باندھتے ہیں کیونکہ نبی اکرم ﷺ جب وصال کے روزے رکھتے تو اللہ تعالیٰ آپ کو کھلاتا اور پلاتا تھا۔ پس آپ پیٹ پر پتھر باندھنے کی صورت کیسے محسوس کرتے اور پتھر بھوک کو دور نہیں کر سکتا۔

بعض حضرات نے فرمایا: کہ ہو سکتا ہے آپ عرب کی عادت یا اہل مدینہ کی عادت کے مطابق پتھر باندھتے ہوں کہ جب ان کے پیٹ خالی ہوتے تو وہ ان پر پتھر باندھتے تھے تو نبی اکرم ﷺ نے بھی یہ طریقہ اختیار فرمایا تاکہ صحابہ کرام کو بتائیں کہ آپ کے پاس کوئی ایسی چیز نہیں جس کی وجہ سے آپ ان پر ترجیح حاصل کریں۔

لیکن صحیح بات یہ ہے کہ یہ احادیث صحیح ہیں اور نبی اکرم ﷺ نے ثواب حاصل کرنے کے لئے یہ طریقہ اختیار فرمایا۔

ایک اعتراض اور اس کا جواب

یہ بات سمجھ سے باہر ہے کہ نبی اکرم ﷺ اور صحابہ کرام کس طرح کئی کئی دن بھوک میں گزارتے حالانکہ یہ بات ثابت ہے کہ آپ اپنے گھر والوں کے لئے سال بھر کا غلہ رکھتے تھے اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو جو مال (بطور) غنیمت عطا فرمایا اس میں سے ایک ایک ہزار اونٹ چار چار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان تقسیم فرماتے اور عمرۂ مبارکہ میں آپ ایک سو اونٹ لے گئے اور ان کی قربانی کر کے مساکین کو کھلائے نیز آپ نے ایک اعرابی کو بکریوں کا ایک ریوڑ عطا کرنے کا حکم دیا۔ اس کے علاوہ بھی واقعات ہیں۔

اس کے علاوہ آپ کے ساتھ مالدار صحابہ کرام مثلاً حضرت ابوبکر صدیق' حضرت عمر فاروق' حضرت عثمان اور حضرت طلحہ وغیرہ رضی اللہ عنہم بھی تھے اور وہ اپنے مال ہی نہیں اپنی جانیں بھی آپ کے قدموں میں نچھاور کرتے تھے اور آپ نے صدقہ کا حکم دیا تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنا تمام مال لے آئے اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے نصف مال پیش کیا اسی طرح آپ نے غزوۂ تبوک کے لئے لشکر کی تیاری میں حصہ ڈالنے کی ترغیب دی تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ایک ہزار اونٹ پیش کئے۔ وغیرہ وغیرہ۔

طبری (یا طبرانی) نے اس کا جواب جسے "فتح الباری میں" نقل کیا گیا' یوں دیا ہے کہ آپ کا یہ طریقہ اختیار کرنا (پیٹ پر پتھر باندھنا) کسی حالت میں ہوتا تھا اور کسی میں نہیں اور اس کی وجہ تنگی نہ تھی بلکہ کبھی آپ ایثار کے طور پر ایسا کرتے اور کبھی سیر ہوتے اور زیادہ کھانے کو ناپسند کرتے ہوئے ایسا کرتے تھے۔

اس عمل کی مطلقاً نفی پر یوں اعتراض کیا گیا کہ یہ گذشتہ احادیث کے خلاف ہے ابن حبان نے اپنی صحیح میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا آپ فرماتی ہیں:

جو شخص تم سے بیان کرے کہ ہم لوگ کھجور سے سیر ہوتے اس نے تم سے جھوٹ بولا ہے جب قریظہ فتح ہوا تو ہمیں کھجوریں اور چربی وغیرہ حاصل ہوئی۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ فرماتے ہیں: حق یہ ہے کہ اکثر حضرات ہجرت سے پہلے معاشی تنگی کا شکار تھے جب مکہ مکرمہ میں تھے پھر جب مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کی تو بھی اکثر کی حالت یہی تھی انصار نے مکانات اور عطیات وغیرہ کے ذریعے ان سے خیر خواہی کی جب بنو نضیر کے خلاف فتح حاصل ہوئی اور اس کے بعد کا دور آیا تو انہوں نے انصار کے عطیات واپس کر دیئے۔

(نوٹ: ان عطیات کو منیحہ کہا جاتا تھا یعنی یہ مکمل طور پر نہیں دیئے جاتے تھے بلکہ نفع حاصل کرنے کے لئے عاریتاً دیئے جاتے۔۱۲ ہزاروی)

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: مجھے اللہ کی راہ میں ڈرایا گیا اور کسی دوسرے کو ڈرایا نہیں گیا اور مجھے اللہ کی راہ میں اذیت دی گئی اور کسی دوسرے کو اذیت نہیں دی گئی مجھ پر تیس دن اور راتیں ایسی گزریں کہ میرے اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے لئے اتنا کھانا نہیں تھا جسے ایک شخص کھائے سوائے اس کے جو حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی بغل چھپاتی۔

(جامع ترمذی رقم الحدیث: ۲۴۷۲، مسند احمد ج ۳ ص ۲۸۶، اتحاف السادۃ المتقین ج ۹ ص ۸۸، مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۵۲۵۳، الترغیب والترہیب ج ۴ ص ۱۸۹، تفسیر بغوی ج ۶ ص ۱۶۲، موارد الظمان رقم الحدیث: ۲۵۲۸، شمائل ترمذی رقم الحدیث: ۳۴۷، تاریخ دمشق ج ۳ ص ۳۰۸)

ہاں نبی اکرم ﷺ اس (فقر) کو اختیار فرماتے باوجودیکہ آپ کے لئے دنیا کی کشادگی اور وسعت کے حصول کا امکان تھا جیسا کہ امام ترمذی رحمۃ اللہ نے حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے نقل کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ نے مجھے پیشکش فرمائی کہ وہ وادیٔ مکہ کو میرے لئے سونے کا بنادے میں نے عرض کیا اے رب! نہیں بلکہ میں ایک دن سیر ہو کر کھاؤں اور ایک دن بھوکا رہوں جب بھوکا ہوں گا تو تیری بارگاہ میں گڑگڑاؤں گا اور تجھے یاد کروں گا اور جب سیر ہو کر کھاؤں گا تو تیرا شکر اور تیری تعریف کروں گا''۔ (جامع ترمذی رقم الحدیث: ۲۳۴۷، مسند احمد ج ۵ ص ۲۵۴، معجم الکبیر ج ۸ ص ۲۴۵، اتحاف السادۃ المتقین ج ۴ ص ۱۲۱۔ ج ۷ ص ۲۶۱، مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۵۱۹۰، المغنی ج ۱ ص ۲۳۹۔ ج ۳ ص ۲۰۷، حلیۃ الاولیاء ج ۸ ص ۱۳۳، شرح السنۃ ج ۱۴ ص ۲۴۶، اخلاق النبوۃ رقم الحدیث: ۲۶۷، کنز العمال رقم الحدیث: ۶۱۳۰)

اس تفصیل کی حکمت خطاب سے لذت حاصل کرنا ہے ورنہ اللہ تعالیٰ تمام اشیاء کا اجمالی اور تفصیلی علم رکھتا ہے۔

فقر اختیاری

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: کہ ایک دن رسول اکرم ﷺ اور حضرت جبریل علیہ السلام کوہ صفا پر تھے تو آپ نے فرمایا: اے جبریل! وہ ذات جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے آل محمد (ﷺ) کے پاس شام کے وقت ایک مٹھی جو بھی نہ تھے نہ ہتھیلی برابر ستو تھے۔ آپ کے کلام سے بھی جلدی آسمان سے ایسی آواز سنی گئی جو خوف زدہ کرنے والی تھی۔

رسول اکرم ﷺ نے پوچھا کیا اللہ تعالیٰ نے قیامت کو قائم ہونے کا حکم دیا ہے؟ عرض کیا نہیں بلکہ حضرت اسرافیل علیہ السلام کو حکم دیا تو وہ اس وقت اترے جب آپ کا کلام سنا چنانچہ حضرت اسرافیل علیہ السلام نے حاضر ہو کر عرض کیا کہ

آپ نے جو کچھ ذکر کیا اسے اللہ تعالیٰ نے سنا پھر مجھے زمین کے خزانوں کی چابیاں دے کر بھیجا اور حکم دیا کہ میں آپ سے پوچھوں کہ کیا آپ کے ساتھ تہامہ کے پہاڑوں کو زمرد یاقوت' سونا اور چاندی بنا کر چلاؤں اگر آپ اس پر راضی ہوں تو میں ایسا کروں پس اگر آپ نبی بادشاہ بننا چاہتے ہیں (تو ایسا کریں) اور اگر نبی بندہ بننا چاہیں (تو ایسا کریں) چنانچہ حضرت جبریل علیہ السلام نے آپ کی طرف اشارہ کیا کہ تواضع اختیار کریں تو آپ نے تین مرتبہ فرمایا: بلکہ میں نبی بندہ بننا چاہتا ہوں ۔ اسے امام طبرانی نے سند حسن کے ساتھ روایت کیا۔

(المعجم الکبیر ج ۱۰ص ۳۵۰' مجمع الزوائد ج ۹ص ۲۰۔ ج ۱۰ص ۳۱۵' الترغیب والترہیب ج ۴ص ۱۹۶' الزہد رقم الحدیث: ۲۶۳)

تو رسول اکرم ﷺ کی بلند ہمتی کو دیکھنے کے لیے آپ پر زمین کے خزانوں کی چابیاں پیش کی گئیں لیکن آپ نے انکار کر دیا حالانکہ یہ بات معلوم ہے کہ اگر آپ ان کو لیتے تو اپنے رب کی فرمانبرداری میں خرچ کرتے لیکن آپ نے اس سے انکار کر کے محض بندگی کو اختیار فرمایا تو آپ کی ہمت شریف کس قدر بلند ہے اور آپ کا پاکیزہ نفس کس قدر خوبصورت ہے؟ [1]

قصیدہ بردہ شریف کے مصنف علیہ الرحمہ کو اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا کرے انہوں نے کیا خوب فرمایا:

وراودته الجبال الشم من ذهب عن نفسه فاراه ايما شمم

واكدت زهده فيها ضرورته ان الضرورة لا تعدو على العصم

و كيف تدعو الى الدنيا ضرورة من لو لاه لم تخرج الدنيا من العدم

''سونے کے بلند پہاڑوں نے حضور علیہ السلام کو پھسلانا چاہا پس آپ نے نہایت استغناء ظاہر کیا کچھ پرواہ نہ کی۔

حضور علیہ السلام کی دنیوی حاجات نے آپ کے زہد کو اور بھی مستحکم کر دیا فی الحقیقت دنیوی احتیاج عصمت حقیقی پر غالب نہیں آ سکتی۔

کس طرح (ممکن ہے) کہ ایسی ذات کو اس کی ضرورت دنیا کی طرف بلائے کہ اگر آپ پیدا نہ ہوتے تو دنیا ہی عدم سے وجود میں نہ آتی''۔

یعنی معصومین کے سردار کی ضرورت آپ کو کیسے دنیا کی چمک دمک کی طرف بلاتی حالانکہ دنیا اور اس میں جو کچھ ہے وہ سب آپ کے لئے پیدا کیا گیا پس آپ کس طرح اس کے مجبور ہوتے؟

لیکن ان میں کچھ بات ہے کیونکہ یہ مقام مدح ہے اور اس میں زہد اور ضرورت کے ساتھ موصوف کرنا صحیح نہیں (کیونکہ رغبت اور حاجت کی طرف اشارہ ہوتا ہے)۔

کیا حضور ﷺ فقر سے موصوف تھے؟

حلیمی نے ''شعب الایمان میں'' فرمایا: کہ نبی اکرم ﷺ کی تعظیم سے یہ بات بھی ہے کہ آپ کو ان باتوں سے موصوف

[1] نبی اکرم ﷺ نے دنیا کی دولت سے منہ پھیرا تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو آسمان کے خزانوں میں تصرف کا اعزاز بخش دیا کہ آپ نے ڈوبے ہوئے سورج کو واپس کیا' چاند کے دو ٹکڑے فرمائے' ستاروں کے ذریعے شیطان کو رجم کیا جاتا ہے' آسمانوں سے گزر گئے' بارش کا روکنا اور چھوڑنا' ہوا کا چلانا اور روکنا۔ (زرقانی ج ۴ص ۳۲۳) معلوم ہوا کہ جو دنیا سے محبت نہ کرے اسے بہت بڑا اعزاز ملتا ہے۔

قرار نہ دیا جائے جو لوگوں کے نزدیک ادنیٰ وصف ہیں پس آپ کو فقیر نہ کہا جائے اسی طرح بعض لوگوں نے آپ پر زہد کے اطلاق کا بھی انکار کیا ہے؟

''نثر الدرۃ کے''مصنف (ابوسعید منصور بن حسین الآبی) نے حضرت محمد بن واسع سے نقل کیا ان سے کہا گیا فلاں شخص زاہد ہے' انہوں نے فرمایا: دنیا کی مقدار کیا ہے، جس سے وہ زہد اختیار کرتا ہے؟

حضرت قاضی عیاض رحمۃ اللہ نے''الشفاء میں''ذکر کیا اور ان سے شیخ تقی الدین السبکی نے اپنی کتاب''السیف المسلول''میں نقل کیا کہ اندلس کے فقہاء نے''حاتم المتفقہ الطلیطلی''کو قتل کر کے سولی چڑھانے کا فتویٰ دیا کیونکہ اس نے نبی اکرم ﷺ کے حق کو معمولی جانا اور مناظرے کے دوران آپ کو یتیم کہا اور اس کا خیال تھا کہ نبی اکرم ﷺ کا زہد اختیاری نہیں تھا اگر آپ کو اچھے کھانے ملتے تو آپ تناول فرماتے۔

حضرت شیخ بدرالدین زرکشی رحمۃ اللہ نے متاخرین میں سے کسی فقیہ سے نقل کیا وہ کہتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ مالی اعتبار سے قطعاً فقیر نہ تھے اور نہ ہی آپ کی حالت' فقیر کی حالت تھی بلکہ آپ سب لوگوں سے زیادہ بے نیاز تھے اور دنیوی امور میں آپ کو آپ کی ذات اور اہل و عیال کے سلسلے میں کفایت کی گئی اور وہ نبی اکرم ﷺ کے اس ارشاد گرامی:

اللھم احینی مسکینا. یا اللہ! مجھے مسکین کے طور پر زندہ رکھنا۔

کے بارے میں کہتا تھا کہ اس سے دل کا ٹھہرنا مراد ہے محتاجی مراد نہیں کہ ضرورت پوری نہ ہو اور اس فقیہ نے اس کے خلاف عقیدہ رکھنے والوں پر سخت اعتراض کیا ہے۔ (جامع ترمذی رقم الحدیث:۲۳۵۲' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۴۱۲۶' السنن الکبریٰ ج ۷ ص ۱۲' المستدرک ج ۴ ص ۳۲۲' مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۲۶۲' کشف الخفاء ج ۱ ص ۲۰۶' مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث:۵۱۴۵' الدرر المنتثرۃ رقم الحدیث:۴۳' جمع الجوامع رقم الحدیث:۹۷۰۳' تاریخ الکبیر بخاری ج ۷ ص ۱۹۴' المغنی ج ۲ ص ۲۰۶' الموضوعات ج ۳ ص ۱۴۱' فتح الباری ج ۱۱ ص ۳۲۰' اللآلی المصنوعہ ج ۲ ص ۱۷۴' کنز العمال رقم الحدیث:۱۶۵۹۳_۱۶۶۶۸_۱۶۶۶۹) اور یہ جو مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

الفقر فخری وبہ افتخر. فقر میرا فخر ہے اور میں اس پر فخر کرتا ہوں۔

(کشف الخفاء ج ۲ ص ۱۳۱' اتحاف السادۃ المتقین ج ۸ ص ۲۱۸' تذکرۃ الموضوعات رقم الحدیث:۸۷_۸۷_۱۷۸' الاسرار المرفوعہ ص ۲۵۵)

اس کے بارے میں شیخ الاسلام والحفاظ ابن حجر رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ یہ روایت باطل اور موضوع ہے۔

کھانوں کی متعدد اقسام

نبی اکرم ﷺ کی عادت مبارکہ یہ نہیں تھی کہ ہمیشہ ایک ہی قسم کا کھانا تناول فرماتے ہوں اور کسی دوسری غذا کو اختیار نہ فرمائیں یہ صورت تو طبیعت کے لئے نقصان دہ ہے اگرچہ سب سے افضل غذا ہی کیوں نہ ہو بلکہ آپ اپنے شہر والوں کی عادت کے مطابق تناول فرماتے تھے یعنی گوشت' پھل' روٹی اور کھجوریں وغیرہ کھاتے تھے جیسا کہ آگے آئے گا۔

آپ نے حلوہ اور شہد بھی تناول فرمایا اور آپ ان دونوں کو پسند فرماتے تھے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۵۵۹۹' جامع ترمذی رقم الحدیث:۱۸۳۱' سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۳۷۱۵' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۳۳۲۳' سنن دارمی رقم الحدیث:۳۳' مسند احمد ج ۶ ص ۵۹)

''حلویٰ''الف مقصورہ اور الف ممدودہ کے ساتھ دونوں طرح ہے ہر میٹھی چیز کو کہتے ہیں۔ خطابی کہتے ہیں''حلویٰ''

اسی میٹھی چیز کو کہا جاتا ہے جسے پکایا جاتا ہو اور اس میں عمل دخل ہو۔

ابن سیدہ نے کہا جو میٹھا کھانا تیار کیا جائے وہ حلوئی ہے اور پھلوں پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے۔

خطابی کہتے ہیں حضور علیہ السلام کا میٹھی چیز کو پسند کرنا اس اعتبار سے نہیں تھا کہ آپ اس کی بہت زیادہ خواہش رکھتے تھے اور اس کی طرف آپ کا طبعی میلان بہت زیادہ تھا بلکہ جب آپ کی خدمت میں پیش کیا جاتا تو آپ اچھی طرح لیتے اس سے معلوم ہوا کہ یہ آپ کو پسند تھا۔

''ثعالبی'' کی کتاب ''فقہ اللغۃ'' میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ جس حلوئی کو پسند کرتے تھے اسے ''مجیع'' کہتے ہیں جو عظیم کے وزن پر ہے اور یہ کھجور اور دودھ کو ملا کر بنایا جاتا ہے۔ فتح الباری میں اسی طرح ہے۔

یہ روایت صحیح نہیں کہ نبی اکرم ﷺ شکر (چینی) کو پسند کرتے تھے نہ یہ کہ آپ نے اسے صدقہ کیا یا دیکھا لیکن ابو جعفر طحاوی نے اور امام بیہقی نے اپنی سنن میں لمازہ (ابن مغیرہ) کی حدیث سے نقل کیا وہ ثور بن یزید سے وہ خالد بن معدان سے اور وہ معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ ایک انصاری کی شادی میں تشریف لے گئے تو کچھ لڑکیاں آئیں جن کے پاس اخروٹ اور شکر کے تھال تھے۔ صحابہ کرام نے اپنے ہاتھ روک لئے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ایک دوسرے سے کیوں نہیں چھینتے؟ انہوں نے عرض کیا آپ نے چھیننے سے روکا ہے آپ نے فرمایا شادی کے موقع پر منع نہیں۔ (اللالی المصنوعہ ج ۲ ص ۹۱' معانی الآثار ج ۳ ص ۵۰)

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے دیکھا کہ نبی اکرم ﷺ ان سے اور وہ آپ سے چھین رہے ہیں۔

حضرت امام طحاوی رحمہ اللہ نے اس سے استدلال کیا کہ مال نچھاور کرنا مکروہ نہیں جیسا کہ حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ کا موقف ہے اور انہوں نے ان احادیث کی توجیہ اسی حدیث سے کی جن میں چھیننے سے منع فرمایا گیا۔

لیکن امام طحاوی رحمہ اللہ اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں: کہ یہ حدیث ثابت نہیں ہے پھر فرمایا: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ اس مفہوم میں کوئی چیز ثابت نہیں ہے۔

اور ''کتاب المعرفۃ میں'' امام طحاوی رحمہ اللہ کے اس قول کو نامناسب کہا اور فرمایا یہ حدیث عون بن عمارہ اور عصمہ بن سلیمان سے مروی ہے اور ان دونوں سے استدلال نہیں کیا جاتا اور ان کے شیخ لمازہ بن مغیرہ مجہول ہیں۔

تو یہ دو علتیں ہیں ان میں سے ہر ایک الگ الگ حدیث کے ضعف کو واجب کرتی ہے پس ان کو جمع کرنے سے ضعف کیسے ختم ہوگا؟

یہ اور خالد بن معدان منقطع ہیں (انہوں نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے نہیں سنا) اور منقطع حدیث صحت نہیں۔

تو یہ تین علتیں ہیں اور ان سے کم (مثلاً ایک علت) سے بھی حدیث ضعیف قرار پاتی ہے۔

ابن مفلح یوسفی نے بھی اس پر کلام کیا ہے۔ واللہ اعلم

خبیص کھانا

حضرت لیث بن ابی سالم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: کہ اسلام میں سب سے پہلے خبیص [1] حضرت عثمان ابن عفان

[1] کھجور، بالائی اور میدے سے تیار کیا گیا ایک حلوہ خبیص کہلاتا ہے۔

رضی اللہ عنہ نے تیار کروایا ان کے پاس ایک قافلہ آیا جنہوں نے آٹا اور شہد اٹھا رکھا تھا تو ان دونوں کو ملایا گیا اور نبی اکرم ﷺ کی طرف بھیجا آپ نے اسے تناول فرمایا اور عمدہ قرار دیا۔

محب طبری نے ''الریاض میں'' فرمایا: کہ اسے حضرت خیثمہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے فضائل میں ذکر کیا ہے (ان کی کتاب ''فضائل الصحابۃ'' ہے، جس میں ذکر کیا)۔

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: کہ ایک قافلہ آیا جس میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا اونٹ بھی تھا اور اس پر سفید چھنا ہوا آٹا، گھی اور شہد تھا وہ اسے نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں لائے اور آپ نے اس پر برکت کے لئے دعا فرمائی پھر ایک پتھر کی ہنڈی منگوائی اور اسے آگ پر رکھا گیا اور اس میں شہد آٹا اور گھی ڈالا پھر اسے پکایا گیا حتیٰ کہ وہ پک گیا یا پکنے کے قریب تھا پھر اتار دیا نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کھاؤ اس چیز کو ایران والے خبیص کہتے ہیں۔

(المستدرک ج ۴ص ۱۰۹۔۱۱۰، اتحاف السادۃ المتقین ج ۷ص ۱۱۷)

تمام نے اسے اپنے فوائد (یا فرائد) میں اور امام طبرانی رحمہ اللہ نے اپنی معجم میں ذکر کیا اور اس کے راوی ثقہ (قابل اعتماد) ہیں۔

نبی اکرم ﷺ نے بھیڑ کا گوشت بھی تناول فرمایا اور یہ تین چیزیں حلوہ، شہد اور گوشت غذاؤں میں سے افضل اور بدن، جگر اور اعضاء کے لئے زیادہ نفع بخش ہیں اور ان سے وہی شخص نفرت کرتا ہے جس میں کوئی بیماری اور آفت پائی جاتی ہو۔

نبی اکرم ﷺ کا گوشت کھانا

گوشت جنتیوں کا سب سے اعلیٰ کھانا ہے اور ایک روایت میں ہے کہ دنیا اور آخرت والوں کے کھانوں کا سردار ہے۔ اسے امام ابن ماجہ اور ابن ابی الدنیا نے حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ کی حدیث سے مرفوعاً نقل کیا ہے، اس کی سند (اگرچہ) ضعیف ہے لیکن اس کے کئی شواہد ہیں (لہٰذا یہ ضعف نقصان دہ نہیں)۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۳۰۵، کشف الخفاء ج ۱ص ۵۶۰۔ ج ۲ص ۲۲۶)

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے، فرماتے ہیں:

سید طعام الدنیا اللحم ثم الارز۔ دنیوی کھانوں کا سردار گوشت ہے پھر چاول ہیں۔

ابو نعیم رحمہ اللہ نے اسے طب نبوی کے ضمن میں ذکر کیا۔

امام زہری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: گوشت ستر قوتوں کے اضافہ کا باعث ہے۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ یہ رنگ کو صاف کرتا ہے اور اخلاق کو درست کرتا ہے اور جو شخص چالیس دن تک گوشت نہ کھائے اس کے اخلاق بگڑ جاتے ہیں۔[1]

---

[1] جو شخص مسلسل چالیس دن گوشت کھاتا ہے اس کا دل سخت ہو جاتا ہے یہ بھی حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔ ابن قیم نے کہا گوشت ہمیشہ نہیں کھانا چاہیے اس سے کئی خونی بیماریاں پیدا ہوتی ہیں۔ بقراط نے کہا اپنے پیٹوں کو حیوانات کا قبرستان نہ بناؤ۔ (زرقانی ج ۴ص ۳۲۷)

ابوالشیخ بن حیان حضرت ابن سمعان کی روایت سے نقل کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں میں نے اپنے علماء کرام سے سنا وہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کا پسندیدہ ترین کھانا گوشت تھا اور وہ اس سماعت میں یہ اضافہ کرتے ہیں کہ یہ دنیا اور آخرت کے کھانوں کا سردار ہے اگر میں اپنے رب سے سوال کرتا کہ وہ مجھے روزانہ گوشت کھلائے تو وہ ایسا کرتا۔

حضرت امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: کہ گوشت کھانا عقل کو بڑھاتا ہے۔

اور نبی اکرم ﷺ کو (بکری کی) دستی پسند تھی اسی لئے اس میں زہر ملایا گیا تھا (ایک یہودی عورت نے زہر ملایا)۔

حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: انہیں ایک بکری بطور تحفہ دی گئی تو انہوں نے اس کو ہنڈیا میں ڈالا' نبی اکرم ﷺ تشریف لائے تو فرمایا: اے ابورافع یہ کیا ہے؟ عرض کیا بکری ہے جو ہمیں تحفتاً دی گئی ہے میں نے اس کو ہنڈیا میں پکایا ہے۔ آپ نے فرمایا: اے ابورافع' اس کی دستی (بازو) مجھے دو (فرماتے ہیں) میں نے بازو آپ کی خدمت میں پیش کر دیا پھر فرمایا: دوسرا بازو بھی دو میں نے دوسرا بازو بھی دے دیا آپ نے فرمایا: اور بازو دو انہوں نے عرض کیا یارسول اللہ! بکری کے دو ہی بازو ہوتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے ان سے فرمایا: اگر تم خاموش رہتے تو مجھے ایک کے بعد دوسرا بازو پکڑاتے جب تک خاموش رہتے۔ [1]

اس کے بعد آپ نے پانی منگوا کر کلی فرمائی اور اپنی انگلیوں کے کناروں کو دھویا پھر کھڑے ہو کر نماز پڑھی۔

اس روایت کو امام دارمی اور امام ترمذی رحمہ اللہ نے حضرت ابوعبید سے روایت کیا جس کے الفاظ اس طرح ہیں کہ میں نے آپ کے لئے ہنڈیا پکائی اور آپ کو بازو پسند تھا پس میں نے آپ کی خدمت میں بازو پیش کیا آپ نے پھر فرمایا: مجھے بازو دو تو میں نے عرض کیا یارسول اللہ! بکری کے کتنے بازو ہوتے ہیں؟ فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے اگر تم خاموش رہتے تو جب تک میں طلب کرتا رہتا تم مجھے بازو دیتے رہتے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ کو (بکری کا) بازو پسند تھا اور آپ گوشت کبھی کبھی تناول فرماتے تھے اور آپ اس کی طرف جلدی کرتے کیونکہ یہ جلدی پک جاتا ہے۔ (جامع ترمذی رقم الحدیث: ۱۸۳۸)

اسی طرح آپ کو گردن کا گوشت بھی پسند تھا حضرت ضباعہ بنت زبیر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ان کے گھر میں ایک بکری ذبح کی گئی تو نبی اکرم ﷺ نے ان کو پیغام بھیجا کہ اپنی بکری سے ہمیں بھی کھلاؤ انہوں نے عرض کیا صرف گردن رہ گئی ہے اور مجھے شرم آتی ہے کہ میں نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں گردن بھیجوں قاصد نے واپس آ کر خبر دی تو آپ نے فرمایا: دوبارہ جاؤ اور کہو کہ وہی بھیج دیں کیونکہ یہ بکری کی گردن ہے اور بکری میں سے خیر کے زیادہ قریب اور اذیت سے زیادہ دور یہی چیز ہے۔ (مسند احمد ج ۶ ص ۳۶۰۔۳۶۱)

اس میں کوئی شک نہیں کہ بکری کا ہلکا ترین گوشت' گردن' بازو اور کاندھوں کا گوشت ہے یہ معدے کے لئے ہلکا اور جلد ہضم ہونے والا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ ان غذاؤں کا زیادہ خیال رکھا جائے جن میں تین خاصیتیں جمع ہوں۔

پہلی بات یہ کہ ان کا نفع اور اعضاء میں ان کا اثر زیادہ ہو۔

---

[1] اسی سے نبی اکرم ﷺ کے اس اعزاز کا پتہ چلتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمایا اور اختیارات سے نوازا کہ آپ بولتے جائیں اور بکری کے بازو بنتے جائیں۔ ۱۲ ہزاروی

دوسری بات یہ ہے کہ وہ معدے کے لئے ہلکی پھلکی غذا ہو اور اس سے جلدی اترنے والی ہو۔
تیسری بات یہ ہے کہ جلدی ہضم ہو اور غذا میں سب سے افضل بات یہی ہے۔
نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:
اطیب اللحم لحم الظھر. بہترین گوشت پیٹھ کا گوشت ہے۔
(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۳۰۸' مسند احمد ج ۱ ص ۲۰۴_۲۰۵' المستدرک ج ۴ ص ۱۱۱' مجمع الزوائد ج ۹ ص ۱۷۰' لسان المیزان ج ۱ ص ۱۱۷۶' مسند الحمیدی رقم الحدیث: ۵۳۹' تاریخ اصبہان ج ۱ ص ۲۳۷' کنزالعمال رقم الحدیث: ۴۰۹۷)
حدیث شریف میں آتا ہے کہ آپ ﷺ کو گردے پسند نہیں تھے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ پیشاب کی جگہ ہے۔
حافظ عراقی نے فرمایا کہ ہم نے ایک جزء میں حضرت ابوبکر بن محمد بن عبداللہ بن شخیر کے واسطے سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث سے ایسی سند کے ساتھ نقل کیا جس میں ضعف ہے۔
نبی اکرم ﷺ گوشت نوچ کر بھی تناول فرماتے یعنی ہڈی وغیرہ سے گوشت کو دانتوں کے ساتھ نوچتے اور پہلے اسے شوربے سے نکال لیتے۔
"صحیح بخاری میں ہے کہ" نبی اکرم ﷺ نے بکری کے کاندھے سے جو آپ کے دست مبارک میں تھا گوشت کاٹا پھر نماز کی طرف بلایا گیا تو آپ نے اس گوشت اور چھری کو پھینک دیا جس کے ساتھ گوشت کاٹ رہے تھے پھر نماز کے لئے کھڑے ہوئے اور وضو نہ فرمایا (گوشت کھانے سے وضو نہیں ٹوٹتا اس لئے آپ نے دوبارہ وضو نہیں فرمایا)۔
(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۰۷_۵۴۰۴_۵۴۰۵' جامع ترمذی رقم الحدیث: ۱۸۳۶' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۹۲' سنن داری رقم الحدیث: ۵۳' مسند احمد ج ۱ ص ۳۶۵_ ج ۳ ص ۱۳۹_۱۷۹' ج ۵ ص ۲۸۸)
ابن بطال کہتے ہیں یہ حدیث ابو معشر کی روایت کا رد کرتی ہے جو بواسطہ ہشام بن عروہ ان کے والد سے مروی ہے اور وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مرفوعاً روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:
لا تقطعوا اللحم بالسکین فانہ من صنیع الاعاجم وانھشوا فانہ اھنا وامرا. گوشت کو چھری سے نہ کاٹو کیونکہ یہ عجمیوں کی عادت سے ہے اور اسے (دانتوں سے) نوچو یہ زیادہ خوشگوار ہے۔
(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۷۷۸' سنن نسائی ج ۴ ص ۱۷۲' السنن الکبریٰ ج ۷ ص ۲۸۰' مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۴۲۱۵' الترغیب والترھیب ج ۳ ص ۱۳۲' الکامل ج ۷ ص ۲۵۱۸' تنزیہ الشریعہ ج ۲ ص ۲۲۸' اللآلی المصنوعہ ج ۲ ص ۱۲۲' تذکرۃ الموضوعات رقم الحدیث: ۱۳۵_۱۳۶' موضوعات ج ۳ ص ۳۰۳' کنزالعمال رقم الحدیث: ۴۰۷۳۱' فتح الباری ج ۹ ص ۶۸۳)
امام ابوداؤد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ حدیث قوی نہیں ہے۔
حافظ ابوالفضل عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: کہ حضرت صفوان بن امیہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے اس کی شاہد موجود ہے جو امام ترمذی نے نقل کی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:
انھشوا اللحم نھشا فانہ اھنا وامرا. گوشت کو اچھی طرح نوچ کر کھاؤ یہ زیادہ خوشگوار ہے۔

(جامع ترمذی رقم الحدیث:۱۸۳۵،سنن داری رقم الحدیث:۳۰،مسند احمد ج ۳ص ۴۰۶۔ج ۶ص ۳۶۵،المعجم الکبیر ج ۸ص ۷۵،جمع الجوامع رقم الحدیث:۳۶۱۰،تاریخ دمشق ج ۶ص ۳۳۹،شرح السنۃ ج ۱۱ص ۲۹۷،طبقات ابن سعد ج ۵ص ۱۸)

امام ترمذی نے فرمایا: ہم اسے صرف عبدالکریم کی روایت سے جانتے ہیں فرماتے ہیں عبدالکریم سے ابواُمیہ بن ابی المخارق مراد ہے جو ضعیف ہے لیکن ابن ابی اصم نے اسے ایک دوسرے طریق سے حضرت صفوان بن امیہ سے روایت کیا اور وہ حسن ہے لیکن اس میں وہ اضافہ نہیں جسے ابومعشر نے ذکر کیا کہ واضح الفاظ میں چھری کے ساتھ گوشت کاٹنے سے منع فرمایا۔صفوان کی روایت میں عام طور پر یہی آتا ہے کہ نوچ کر کھانا زیادہ بہتر ہے۔

اور ان روایتوں کو یوں جمع کیا جاسکتا ہے کہ جو کچھ چھوٹی ہڈی پر ہے اسے نوچا جائے اور بڑی ہڈی والے سے پرہیز کیا جائے۔

نبی اکرم ﷺ نے بھنا ہوا گوشت بھی تناول فرمایا ہے۔حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ایک بھنا ہوا پہلو نبی اکرم ﷺ کے قریب کیا گیا آپ نے اس سے تناول فرمایا پھر نماز کے لئے تشریف لے گئے اور (نئے سرے سے) وضو نہیں فرمایا۔امام ترمذی رحمہ اللہ نے اسے حسن صحیح قرار دیا۔

(جامع ترمذی رقم الحدیث:۱۸۲۹،سنن نسائی ج ۱ص ۱۰۸،مسند احمد ج ۶ص ۳۰۷)

رسول اکرم ﷺ نے دودھ میں خشک کیا ہوا گوشت بھی تناول فرمایا جیسا کہ سنن میں ایک شخص سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کے لئے بکری ذبح کی گئی اور ہم مسافر تھے تو آپ نے فرمایا اس کا گوشت اچھی طرح بناؤ پس میں مدینہ طیبہ تک آپ کو اس سے کھلاتا رہا۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۲۸۱۳،صحیح مسلم رقم الحدیث:۳۵۔۳۶،سنن داری رقم الحدیث:۶،مسند احمد ج ۵ص ۲۷۷۔ص ۲۸۱،السنن الکبریٰ ج ۹ص ۲۹۱،المستدرک ج ۳ص ۲۳۰،التمہید ج ۳ص ۲۱۹،تاریخ دمشق ج ۳ص ۹۳)

رسول اکرم ﷺ نے بھنی ہوئی کلیجی بھی کھائی ہے۔

آپ نے مرغی کا گوشت بھی تناول فرمایا نیز آپ نے نیل گائے کا گوشت بھی تناول فرمایا۔

آپ نے سفر میں بھی اور گھر میں بھی اونٹ کا گوشت تناول فرمایا علاوہ ازیں خرگوش کا گوشت بھی کھایا نیز دریائی جانوروں کا گوشت بھی تناول فرمایا۔

دیگر کھانے

رسول اکرم ﷺ نے ثرید بھی کھائی ہے یعنی روٹی کو گوشت کے شوربے میں اچھی طرح ملا کر کھانا ثرید ہے۔
بعض اوقات اس کے ساتھ گوشت بھی ہوتا تھا۔

اہل عرب کہتے ہیں:

الثرید احد اللحمین.
ثرید بھی ایک قسم کا گوشت ہے۔

سنن ابوداؤد میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث سے مروی ہے۔آپ نے فرمایا:

احب الطعام الی رسول اللہ ﷺ الثرید
رسول اکرم ﷺ کا پسندیدہ ترین کھانا روٹی کا ثرید

من الخبز والشريد من الحيس. اور کھجور کا ثرید تھا۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۳۷۸۳)

رسول اکرم ﷺ نے گھی کے ساتھ بھی کھانا کھایا اور زیتون کے ساتھ بھی روٹی کھائی ہے۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

حضرت جبریل علیہ السلام نے مجھے ہریسہ کھلایا جس کے ذریعے رات کے قیام کے لئے میری پیٹھ مضبوط رہتی ہے۔

(اتحاف السادۃ المتقین ج ۵ ص ۳۱۰' اللالی المصنوعۃ ج ۲ ص ۱۲۷' الموضوعات ج ۳ ص ۱۷' تنزیہ الشریعۃ ج ۱ ص ۲۰۰' لسان المیزان ج ۵ ص ۳۹۰' میزان الاعتدال رقم الحدیث:۳۵۱۷' تاریخ بغداد ج ۲ ص ۲۷۹' الکامل ج ۶ ص ۲۱۵۵)

اس روایت میں محمد بن حجاج لخمی ہے جس نے یہ حدیث گھڑی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے کدو بھی کھایا اور آپ اسے پسند کرتے اور پیالے کے کناروں سے تلاش کرتے تھے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں اسی لئے اس دن سے کدو پسند کرتا ہوں۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث:۵۴۳۵-۵۴۳۳-۵۴۳۵-۵۴۳۶' سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۳۷۸۲' صحیح مسلم رقم الحدیث:۱۴۴-۱۴۵' موطا امام مالک رقم الحدیث:۵۱' مسند احمد ج ۳ ص ۱۱۵-ج ۳ ص ۳۵۲)

حضرت امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس حدیث سے ثابت ہوا کہ کدو پسند کرنا مستحب ہے اور اسی طرح ہر اس چیز کو پسند کرنا جسے سرکار دو عالم ﷺ پسند فرماتے تھے۔

اسی طرح نبی اکرم ﷺ نے جو میں پکی ہوئی چقندر کو بھی تناول فرمایا۔ امام ترمذی فرماتے ہیں: یہ حدیث حسن غریب ہے۔

حضرت حسن بن علی' ابن عباس اور ابو جعفر رضی اللہ عنہم' حضرت سلمٰی رضی اللہ عنہا (حضرت رافع کی والدہ) کے پاس آئے اور انہوں نے فرمایا: ہمارے لئے وہ کھانا بناؤ جسے رسول اکرم ﷺ پسند کرتے اور تناول فرماتے تھے انہوں نے فرمایا: اے بیٹو! آج (کے دور میں) تم اس کی خواہش نہیں رکھو گے۔ فرمایا: ہاں! کیوں نہیں تم ہمارے لیے بناؤ چنانچہ وہ کھڑی ہوئیں اور کچھ جو لے کر ان کو پیسا پھر اس (آٹے) کو ہنڈیا میں ڈال کر اس پر کچھ زیتون کا تیل ڈالا اور مرچ مصالحہ ڈال کر ان کے قریب کیا اور کہا کہ اس کھانے کو نبی اکرم ﷺ پسند فرماتے اور خوشی سے تناول فرماتے تھے۔

نبی اکرم ﷺ نے خزیرہ بھی تناول فرمایا یہ آٹے سے عصیدہ کی شکل میں بنایا جاتا ہے لیکن اس سے پتلا ہوتا ہے (آٹے اور گھی کو ملا کر جو کھانا بنتا ہے اسے عصیدہ کہتے ہیں)۔

طبری نے یہ بات کہی ہے۔

ابن فارس نے کہا آٹے اور چربی کو ملا کر خزیرہ تیار کیا جاتا ہے۔ قتبی نے کہا اور جوہری نے ان کی اتباع کی کہ گوشت لے کر اس کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کئے جائیں اور ان پر پانی ڈالا جائے جب خوب پک جائیں تو ان پر آٹا ڈال دیا جائے اگر اس میں گوشت نہ ہو تو وہ عصیدہ کہلاتا ہے (ورنہ خزیرہ ہوگا)۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ شوربہ ہوتا ہے جو چھان بورے کی تراوٹ سے صاف کر کے حاصل کیا جاتا ہے پھر اسے پکایا جاتا ہے یہ بھی کہا گیا کہ عجمیوں کے نزدیک خزیرہ چھان بورے سے ہوتا ہے اور حریرہ (حاء نکتہ کے بغیر) دودھ سے بنایا جاتا ہے۔

حضرت عتبان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: کہ رسول اکرم ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سورج بلند ہونے کے بعد ہمارے ہاں تشریف لائے تو ہم نے ان کو خزیرہ تناول فرمانے کے لئے روک لیا جو ہم نے بنایا تھا۔[1]

رسول اکرم ﷺ نے پنیر بھی تناول فرمائی ہے۔

جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اور یہ دودھ سے بنایا جاتا ہے جب مکھن نکال لیا جائے (یعنی لسی سے بناتے ہیں)۔

(مصنف فرماتے ہیں:) میں نے اسے کھایا اور یہ مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ میں عام ہوتی ہے اور یہ کشک کے زیادہ مشابہ ہوتی ہے (موٹے ستو کو دودھ میں بھگو کر خمیر اٹھنے کے بعد پکایا جاتا ہے اسے کشک کہتے ہیں)۔

رسول اکرم ﷺ نے خشک اور تر ہر قسم کی کھجور تناول فرمائی ہے۔

نبی اکرم ﷺ نے کباث بھی تناول فرمائے' پیلو کا پکا ہوا پھل کباث کہلاتا ہے' بعض نے کہا پیلو کے پتوں کو کہتے ہیں۔

لیکن اسماعیلی نے تعاقب کرتے ہوئے کہا کہ یہ پیلو کا پھل ہے جسے بریر بھی کہا جاتا ہے اور جب سیاہ رنگ کا ہو جائے تو کباث کہتے ہیں۔

''ابن اثیر کے نہایہ میں ہے کہ'' نبی اکرم ﷺ ''جذب'' کو پسند فرماتے تھے اور یہ کھجور کا گودا ہے اس کا واحد جذبہ ہے۔

سنن ابوداؤد میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث سے ہے کہ تبوک میں نبی اکرم ﷺ کے پاس پنیر لائی گئی تو آپ نے چھری منگوا کر بسم اللہ پڑھی اور اسے کاٹا۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۸۱۹)

دو پھلوں کو جمع کرنا

رسول اکرم ﷺ کھانوں کے صفات اور طبیعتوں کو طبی اعتبار سے دیکھتے تھے جب دو کھانوں میں سے کسی ایک میں کوئی ایسی بات دیکھتے جسے ختم کرنا اور اعتدال پیدا کرنا ضروری ہوتا تو ممکن ہوتا تو اس کی ضد کے ساتھ برابر کرتے جس طرح کھجور کی گرمی کو تربوز کے ساتھ ملا کر برابر کرتے۔ مرکب دوائیوں میں یہ بہت بڑا ضابطہ ہے۔

اور اگر کوئی دوسری چیز نہ ملتی تو اسے ضرورت کے مطابق تناول فرماتے' حد سے تجاوز نہ فرماتے۔

امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے حضرت ابواسامہ کے واسطے سے حضرت ہشام سے روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ خربوزے کو کھجور کے ساتھ ملا کر کھاتے اور فرماتے: اس کی گرمی اس کی ٹھنڈک سے اور اس کی ٹھنڈک اس کی گرمی سے ٹوٹتی ہے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۸۳۶' السنن الکبریٰ ج ۷ ص ۲۸۱' اتحاف السادۃ المتقین ج ۷ ص ۱۰۱' ص ۱۱۹' مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۴۲۲۵' تفسیر قرطبی ج ۷ ص ۱۹۹)

یزید بن رومان نے حضرت زہری سے انہوں نے حضرت عروہ سے طاء کو مقدم کر کے طبیخ پڑھا ہے جیسا کہ نوقانی

[1] نوٹ: حضرت عتبان رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا میری آنکھوں میں تکلیف ہے میں اپنی قوم کو نماز پڑھاتا ہوں جب بارش ہوتی ہے تو وادی میں سیلاب کی وجہ سے میں ان کی مسجد میں نہیں جا سکتا آپ میرے گھر تشریف لائیں تاکہ میں اسے جائے نماز بنالوں آپ نے فرمایا ان شاء اللہ میں آؤں گا۔ (زرقانی ج ۴ ص ۳۳۳)

(ابوعمر محمد بن احمد بن عمر بن سلیمان ۳۸۲ھ) نے ذکر کیا۔ (الاعلام ج ۵ ص ۳۱۲ معجم الادباء ج ۵ ص ۱۴۰ معجم البلدان ج ۸ ص ۳۲۷)

جب کہ سنن نسائی کے ولیمہ کے بیان میں طاء موخر ہے (یعنی بطیخ ہے) گویا ہشام کے نزدیک دونوں لفظوں کے ساتھ ہے۔

اسی طرح ابن حبان نے اپنی صحیح میں حضرت محمد بن عبدالرحمٰن کی حدیث سے نقل کیا وہ حضرت امام احمد بن حنبل سے وہ حضرت وہب بن جریر بن حازم سے وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں: میں نے حضرت حمید سے سنا وہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ طبخ یا بطیخ 'تر کھجور کے ساتھ تناول فرماتے تھے۔

(طبخ پکے ہوئے کھانے کو کہتے ہیں جب کہ بطیخ خربوزے کو کہتے ہیں)۔

حضرت عقبہ فرماتے ہیں: حضرت احمد سے شک واقع ہوا اور لغوی اعتبار سے طاء کی تقسیم کو انہوں نے صاحب محکم (محکم ابن سعیدہ) سے نقل کیا۔

حضرت محمد بن اسلم (زاہد متقی جن کو حضرت ابن مبارک رحمہ اللہ نے اسلام کا ایک رکن قرار دیا اور انہوں نے تابعین کی ایک جماعت کو پایا) خربوزہ نہیں کھاتے تھے کیونکہ اس سلسلے میں نبی اکرم ﷺ سے کوئی کیفیت ان تک نہیں پہنچی۔

(الاعلام ج ۶ ص ۳۴' شذرات الذہب ج ۲ ص ۱۰۰' تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۵۳۲' حلیۃ الاولیاء ج ۹ ص ۲۳۸' رسالۃ المستطرفۃ رقم الحدیث: ۶۴)

حضرت امام طبرانی رحمہ اللہ نے ''الاوسط میں'' حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا فرماتے ہیں: کہ میں نے نبی اکرم ﷺ کے دائیں ہاتھ میں ککڑی (تر) اور بائیں ہاتھ میں کھجور دیکھی آپ کبھی اس سے تناول فرماتے اور کبھی اس سے۔ اس حدیث کی سند میں ضعف ہے۔

(مجمع الزوائد ج ۹ ص ۱۷' صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۴۴۰۔ ۵۴۴۷۔ ۵۴۴۹' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۴۸' جامع ترمذی رقم الحدیث: ۱۸۴۴' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۸۳۵' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۳۲۵' سنن دارمی رقم الحدیث: ۲۴' مسند احمد ج ۱ ص ۲۰۳)

(نوٹ) صحیح بخاری و مسلم میں حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ کھجور کو تر کے ساتھ ملا کر تناول فرماتے تھے۔

طبرانی ''اوسط میں'' اور ابونعیم کی کتاب ''الطب'' میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ کھجور کو اپنے دائیں ہاتھ میں اور خربوزے کو اپنے بائیں ہاتھ میں پکڑتے اور پھر کھجور کو خربوزے کے ساتھ تناول فرماتے اور یہ آپ کا پسندیدہ ترین پھل تھا۔ اس حدیث کی سند میں ضعف ہے۔

امام نسائی رحمہ اللہ نے صحیح سند کے ساتھ حضرت حمید سے اور انہوں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا آپ فرماتے ہیں: کہ میں نے نبی اکرم ﷺ کو دیکھا آپ تر کھجور اور خربز کو جمع فرماتے۔ (مسند احمد ج ۳ ص ۱۴۲۔ ۱۴۳)

خربز زرد رنگ کے خربوزے کی ایک قسم ہے۔

اس روایت میں ان لوگوں کے گمان کا تعاقب کیا گیا ہے جو کہتے ہیں کہ حدیث میں سبز رنگ کے خربوزے (یعنی تربوز) کا ذکر ہے وہ کہتے ہیں کہ زرد رنگ والے (یعنی خربوزے) میں گرمی ہوتی ہے جس طرح کھجور گرم ہوتی ہے حالانکہ

دونوں کو ملانے کی وجہ یوں بیان کی گئی ہے کہ ان میں سے ایک دوسرے کے اثر کو مٹا دیتا ہے۔

تو اس کا جواب یوں دیا گیا ہے کہ خربوزے میں کھجور کی نسبت ٹھنڈک ہوتی ہے اگرچہ اس میں مٹھاس کی وجہ سے کچھ حرارت بھی ہوتی ہے۔ واللہ اعلم

سنن نسائی کی ایک روایت میں صحیح سند کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے فرماتی ہیں:

ان نبی اللہ اکل البطیخ والرطب جمیعا. بے شک نبی اکرم ﷺ نے خربوزے اور کھجور کو ملا کر تناول فرمایا۔

(جامع ترمذی رقم الحدیث: ۱۸۴۳' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۸۳۶' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۳۲۶)

امام ابن ماجہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نقل کرتے ہوئے ذکر کیا آپ فرماتی ہیں: میری والدہ نے میرے جسم کو کچھ موٹا کرنے کے لئے میرا علاج کیا تاکہ مجھے حضور علیہ السلام کی خدمت میں پیش کریں تو یہ علاج نہ ہو سکا حتیٰ کہ میں نے کھجور اور تر کو ملا کر کھایا تو میرا جسم اچھے انداز میں موٹا ہو گیا۔ (سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۳۲۴' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۹۰۳)

اس حدیث کو امام نسائی رحمہ اللہ نے بھی روایت کیا اور رطب کی جگہ تمر کا ذکر کیا یعنی خشک کھجور تناول فرمائی۔

خربوزے کے فضائل کے بارے میں جو احادیث ہیں وہ باطل ہیں اگرچہ نوقاتی اپنی جزء (کتاب) میں ان کو ذکر کرنے میں متفرد ہیں جیسا کہ حفاظ نے کہا ہے۔ واللہ اعلم

دو کھانوں کو جمع کرنا

نبی اکرم ﷺ کھجور اور مکھن کو ملا کر کھاتے اور اسے پسند فرماتے تھے۔

حضرت بسر کے دو بیٹوں حضرت عبد اللہ اور حضرت عطیہ (رضی اللہ عنہم) سے مروی ہے وہ دونوں فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ ہمارے ہاں تشریف لائے تو ہم نے مکھن اور کھجور آپ کے سامنے پیش کی اور آپ مکھن اور کھجور کو پسند فرماتے تھے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۸۳۷' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۳۳۴' مجمع الزوائد ج ۵ ص ۱۶۵' مشکوۃ المصابیح رقم الحدیث: ۴۲۳۲' احکام النبویہ ج ۲ ص ۹۸' فتح الباری ج ۹ ص ۱۶۷' کنز العمال رقم الحدیث: ۱۸۲۰۷)

نبی اکرم ﷺ نے دودھ اور کھجور کو دو پاکیزہ چیزیں قرار دیا ہے۔ (مسند احمد ج ۳ ص ۴۷۴)

نبی اکرم ﷺ روٹی کو سالن کے ساتھ کھاتے جب سالن مل جاتا۔ بعض اوقات آپ گوشت کے ساتھ کھاتے اور فرماتے:

ھو سید الطعام لاھل الدنیا والاخرۃ. یہ دنیا اور آخرت میں کھانوں کا سردار ہے۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۳۰۵' کشف الخفاء ج ۱ ص ۵۲۰۔ ج ۲ ص ۲۲۶)

کبھی خربوزے کے ساتھ اور کبھی کھجور کے ساتھ تناول فرماتے آپ جو کی روٹی کے ایک ٹکڑے پر کھجور رکھ کر فرماتے یہ اس کا سالن ہے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۲۵۹۔ ۳۸۳۰' السنن الکبریٰ ج ۱۰ ص ۶۳' شمائل ترمذی رقم الحدیث: ۹۳۔ ۹۶' مجمع الزوائد ج ۵ ص ۴۰' مشکوۃ المصابیح رقم الحدیث: ۴۲۲۳' اتحاف السادۃ المتقین ج ۵ ص ۲۲۰' شرح السنہ ج ۱۱ ص ۳۲۳' تفسیر قرطبی ج ۱۲ ص ۱۱۷' کنز العمال رقم الحدیث: ۴۱۰۱۵)

امام ابوداؤد اور امام ترمذی رحمہ اللہ نے سند حسن کے ساتھ یوسف بن عبداللہ بن سلام کی روایت سے نقل کیا وہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی اکرم ﷺ کو دیکھا (اس کے بعد اوپر والی صورت ذکر کی ہے)۔

ابن قیم نے کہا کہ یہ غذا کی تدبیر سے ہے کیونکہ جو ٹھنڈے خشک ہیں اور کھجور گرم تر ہے دو قولوں میں سے زیادہ صحیح قول کے مطابق یہ بات ہے۔

تو جو کی روٹی کے لئے کھجور کو سالن بنانا بہترین تدبیر ہے اور کبھی آپ سرکے کے ساتھ کھانا تناول فرماتے اور ارشاد فرماتے:

نعم الادم الخل. بہترین سالن سرکہ ہے۔

خطابی اور قاضی عیاض رحمہ اللہ نے فرمایا: اس کا مطلب یہ ہوا کہ کھانے میں اعتدال کی راہ اختیار کرنے کی تعریف کی گئی ہے اور لذیذ کھانوں سے روکا گیا گویا یوں فرمایا:

سرکہ کو سالن بناؤ اور اس چیز کو جو اس جیسی ہو کہ اس میں مشقت کم ہو اور اس کا وجود نادر نہ ہو اور خواہشات کے پیچھے نہ جاؤ کیونکہ یہ دین کو خراب اور بدن کو بیمار کرنے والی ہیں۔

امام نووی رحمہ اللہ نے اس کا پیچھا کرتے ہوئے فرمایا کہ مضبوط بات یہ ہے کہ یہ صرف سرکہ کی تعریف ہے جہاں تک کھانوں میں راہ اعتدال اختیار کرنے اور خواہشات کو چھوڑنے کا تعلق ہے تو وہ دوسرے قواعد سے معلوم ہے۔

ابن قیم نے کہا کہ یہ اس وقت کے حالات کے مطابق تعریف ہے دوسرے کھانوں پر فضیلت نہیں جس طرح بعض لوگوں کا خیال ہے۔ ابن قیم نے کہا کہ حدیث کا سبب یہ ہے کہ ایک دن آپ اپنے گھر والوں کے پاس تشریف لائے تو انہوں نے کھانا پیش کیا آپ نے پوچھا سالن نہیں ہے؟ انہوں نے عرض کیا ہمارے پاس صرف سرکہ ہے آپ نے فرمایا بہترین سالن سرکہ ہے۔

مقصود یہ ہے کہ سالن کے ساتھ روٹی کھانا حفاظت صحت کے اسباب میں سے ہے جب کہ ان میں سے صرف ایک پر اکتفا کرنا ایسا نہیں ہے سالن کو "الادم" کہا گیا کیونکہ وہ روٹی کی اصلاح کرتا اور اسے صحت کی حفاظت کے لئے مناسب بناتا ہے۔

اس میں سالن کی دودھ، گوشت، شہد اور شوربے پر فضیلت نہیں ہے اگر گوشت یا دودھ ہوتا تو وہ تعریف کے زیادہ لائق تھا۔

تو آپ نے (سرکہ کے بارے میں) جو کچھ فرمایا تو یہ کھانا پیش کرنے والے کی دلجوئی کے لئے فرمایا یہ مطلب نہیں کہ اسے باقی تمام کھانوں پر فضیلت حاصل ہے۔

پھل کھانا

نبی اکرم ﷺ اپنے شہر مبارک کا پھل کھاتے جب آپ کے پاس آتا اور اس سے پرہیز نہیں کرتے تھے اور یہ صحت کا سب سے بڑا سبب ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت سے ہر شہر (علاقہ) کے پھل میں وہ تاثیر رکھی ہے جو اس شہر والوں کے لئے نفع بخش ہوتی ہے پس اس پھل کا کھانا صحت و عافیت کے اسباب میں سے ہے اور بے شمار دوائیوں سے بے نیاز

کر دیتا ہے اور اپنے علاقے کے پھل سے بیماری کے خوف سے وہی شخص پرہیز کرتا ہے جو جسمانی اعتبار سے سب سے زیادہ بیمار اور صحت وقوت کے حوالے سے سب سے زیادہ دور ہو پس جو شخص مناسب وقت میں مناسب پھل مناسب طریقے سے کھائے وہ اس کے لئے نفع بخش دوا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے آپ نے فرمایا: کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا آپ اس طرح انگور کھاتے کہ اس کا گچھا منہ میں ڈالتے اور دانے کھانے کے بعد ٹہنی باہر لاتے ہم نے اسے غیلانیات سے نقل کیا لیکن ابو جعفر عقیلی نے فرمایا: کہ اس حدیث کی کوئی اصل نہیں ''الھدی النبوی'' میں اسی طرح کہا ہے۔

بعض روایات میں ہے کہ اندازے سے کھاتے تھے۔

پیاز اور لہسن کھانا

پیاز کے بارے میں امام ابوداؤد نے اپنی سنن میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا کہ ان سے پیاز کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ نبی اکرم ﷺ نے سب سے آخر میں جو چیز کھائی ہے وہ پیاز ہے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۸۲۹ مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۴۲۳۱)

صحیح بخاری و مسلم میں ثابت ہے کہ آپ نے پیاز کھانے والے کو مسجد میں داخل ہونے سے منع فرمایا۔

اور لہسن آپ نے ہمیشہ ترک فرمایا کیونکہ ہر وقت فرشتوں اور وحی کی آمد متوقع ہوتی تھی۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ کے حق میں لہسن کے بارے میں ہمارے اصحاب کا اختلاف ہے اسی طرح پیاز اور گندنے (گیندنا یا گندنا ایک بدبودار سبزی ہوتی ہے جو پیاز یا لہسن کے مشابہ ہوتی ہے) وغیرہ کے بارے میں بھی (اختلاف ہے)۔

ہمارے بعض اصحاب نے فرمایا: کہ یہ آپ پر حرام تھا لیکن ان کے نزدیک زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ یہ کراہت تنزیہی کے ساتھ مکروہ تھا۔ اور حرام نہیں تھا کیونکہ نبی اکرم ﷺ سے پوچھا گیا کہ کیا یہ حرام ہے؟ تو آپ نے عمومی جواب دیتے ہوئے فرمایا ''نہیں''۔

اور جن حضرات نے پہلی بات کہی ہے وہ فرماتے ہیں: حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ تمہارے حق میں حرام نہیں ہے۔

پس محبت کرنے والے کے لئے مناسب ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی موافقت میں لہسن وغیرہ کو چھوڑ دے اور جس چیز کو آپ نے ناپسند کیا اسے ناپسند کرے کیونکہ سچے محب کے اوصاف میں سے یہ بات بھی ہے کہ جس چیز کو محبوب پسند کرے اسے پسند کرے اور جسے وہ اچھا نہ سمجھے یہ بھی پسند نہ کرے۔

نبی کریم ﷺ کے کھانے اور بیٹھنے کا طریقہ

رسول اکرم ﷺ تین انگلیوں سے کھاتے تھے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۸۴۸، مسند احمد ج ۶ ص ۳۸۶، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۳۲، سنن دارمی ج ۲ ص ۹۷، شمائل ترمذی رقم الحدیث: ۷، السنن الکبریٰ ج ۷ ص ۲۷۸، مجمع الزوائد ج ۵ ص ۲۵، اتحاف السادۃ المتقین ج ۵ ص ۲۲۷۔ ج ۷ ص ۱۱، فتح الباری ج ۹ ص ۲۳، اخلاق النبوۃ رقم الحدیث: ۱۹۵، کنز العمال رقم الحدیث: ۱۸۱۹۷)

اور جیسا کہ ''الھدی میں ہے کہ'' کھانے کے طریقوں میں سے یہ طریقہ زیادہ نفع بخش ہے کیونکہ ایک انگلی سے کھانا

متکبر کا کھانا ہے اور اس سے کھانے والے کو لذت حاصل نہیں ہوتی نہ خوشگوار ہوتا ہے اور نہ ہی جلدی سیر ہوتا ہے۔ آلات طعام اور معدہ کو بھی فرحت حاصل نہیں ہوتی کہ وہ ہر لقمہ میں جو کچھ پاتا ہے وہ کراہت (ناپسندیدگی) سے لیتا ہے، جس طرح کوئی شخص اپنا حق قسطوں میں لیتا ہے تو وہ اس سے لذت محسوس نہیں کرتا۔

اور پانچوں انگلیوں اور اس کے ساتھ (کچھ) ہتھیلی کے ساتھ کھانے سے آلہ طعام (منہ اور حلق) اور معدے پر ہجوم ہوتا ہے اور بعض اوقات وہ آلات بند ہو جاتے ہیں اور آدمی مر جاتا ہے نیز آلات اسے دور کرنے اور معدہ برداشت کرنے سے تھک جاتا ہے اور اس طرح کھانے سے لذت اور خوشگواری بھی حاصل نہیں ہوتی لہٰذا سب سے زیادہ نفع بخش کھانا' نبی اکرم ﷺ کا اور آپ کی اقتداء کرنے والوں کا کھانا ہے اور وہ تین انگلیوں کے ساتھ کھانا ہے۔

نبی اکرم ﷺ جب کھانے سے فارغ ہوتے تو انگلیاں چاٹتے تھے۔

''صحیح مسلم کی'' ایک روایت میں ہے کہ آپ ہاتھ پونچھنے سے پہلے ان کو چاٹتے تھے ایک اور روایت میں ہے کہ آپ انگلیوں اور برتن کو چاٹنے کا حکم دیتے تھے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۳۳' مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۴۱۱۴' اخلاق النبوۃ رقم الحدیث: ۱۹۴)

حضرت امام ترمذی رحمہ اللہ نے حضرت ام عاصم رضی اللہ عنہا سے روایت کیا وہ فرماتی ہیں: کہ حضرت نبیشۃ الخیر رضی اللہ عنہ ہمارے پاس تشریف لائے اور ہم ایک پیالے میں کھا رہے تھے انہوں نے ہم سے بیان کیا کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

من اکل فی قصعة ثم لحسها استغفرت له القصعة. — جو آدمی پیالے میں کھائے پھر اسے چاٹے تو پیالہ اس کے لئے بخشش کی دعا کرتا ہے۔

(جامع ترمذی رقم الحدیث: ۱۸۰۴' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۲۷۱-۳۲۷۲' مسند احمد ج ۵ ص ۷۶' سنن دارمی ج ۲ ص ۹۶' کشف الخفاء ج ۲ ص ۳۱۸' مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۴۲۱۸-۴۲۲۲' شرح السنۃ ج ۱۱ ص ۳۱۶' کنز العمال رقم الحدیث: ۴۰۸۷۷' اتحاف السادۃ المتقین ج ۵ ص ۲۲۵-ج ۷ ص ۱۲۳)

اسی طرح ابن ماجہ' امام احمد' ابن شاہین اور دارمی وغیرہ نے بھی ذکر کیا۔ امام ترمذی رحمہ اللہ نے فرمایا یہ حدیث غریب ہے۔

بعض نے اسے ان الفاظ کے ساتھ ذکر کیا ہے:

تستغفر الصفحة للاحسها. — پیالہ اپنے چاٹنے والے کے لئے بخشش مانگتا ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت میں مرفوعاً مروی ہے کہ ابوالشیخ نے ''کتاب الثواب میں'' نقل کیا کہ جس شخص نے اس چیز کو کھایا جو دستر خوان یا پیالے سے گرتی ہے وہ محتاجی' برص اور کوڑھ کی بیماری سے محفوظ رہتا ہے نیز اس کی اولاد بیوقوف نہیں ہوتی۔

دیلمی نے اچھے طریق سے اپنے آباؤ اجداد سے روایت کیا وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً روایت کرتے ہیں:

من اکل ما یسقط من المائدة خرج ولده صباح الوجوه و نفی عنه الفقر.

جو شخص دستر خوان پر گرا ہوا کھانا کھاتا ہے اس کی اولاد خوشنما چہروں والی پیدا ہوتی ہے اور وہ فقر سے محفوظ رہتا ہے۔

حضرت امام غزالی رحمہ اللہ نے یہ الفاظ نقل کئے ہیں:

عاش فی سعة و عوفی فی ولده.

وہ کشادہ حالی میں زندگی گزارتا ہے اور اسے اولاد میں عافیت حاصل ہوتی ہے۔

یہ روایات منکر ہیں۔ (اتحاف السادۃ المتقین ج ۵ ص ۲۲۳' تذکرۃ الموضوعات رقم الحدیث: ۱۳۲' احیاء علوم الدین ج ۲ ص ۶)

لیکن "صحیح مسلم میں" حضرت جابر اور حضرت انس رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

جب تم میں سے کسی کا لقمہ گرے تو اس کے ساتھ جو کچھ لگا ہے اسے دور کر دے اور اسے شیطان کے لئے نہ چھوڑے اور جب تک انگلیوں کو چاٹ نہ لے رومال سے نہ پونچھے کیونکہ اسے معلوم نہیں کہ برکت کھانے کے کس حصے میں ہے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۳۴' مسند احمد ج ۳ ص ۱۷۷' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۲۷۸' اتحاف السادۃ المتقین ج ۵ ص ۲۲۰' المغنی ج ۴ ص ۵' تذکرۃ الموضوعات رقم الحدیث: ۱۳۲' علل الحدیث: ۱۵۲۴)

حضرت امام طبرانی رحمہ اللہ نے "الاوسط میں" حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ سے انگلیاں چاٹنے کی کیفیت نقل کی ہے وہ فرماتے ہیں: کہ میں نے رسول اکرم ﷺ کو دیکھا کہ آپ تین انگلیوں یعنی انگوٹھے شہادت والی اور درمیان والی انگلی کے ساتھ کھانا کھاتے پھر میں نے آپ کو دیکھا کہ آپ ہاتھ پونچھنے سے پہلے تینوں انگلیوں کو چاٹتے سب سے پہلے درمیانی انگلی پھر اس کے ساتھ والی اور پھر انگوٹھے کو چاٹتے تھے۔

حافظ زین الدین عراقی نے شرح ترمذی میں لکھا کہ اس میں راز یہ ہے کہ درمیان والی انگلی سے کھانا زیادہ لگتا ہے کیوں کہ وہ لمبی ہے اس لئے دوسری انگلیوں کی نسبت اس کے ساتھ کھانا زیادہ رہ جاتا ہے نیز طویل ہونے کی وجہ سے وہ کھانے میں سب سے پہلے آتی ہے۔

ابن شہاب کی مرسل روایت میں جو حضرت سعید بن منصور سے مروی ہے یوں آیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ جب کھانا تناول فرماتے تو پانچ انگلیوں کے ساتھ کھاتے تھے۔

تو پہلی احادیث اور اس حدیث کو مختلف حالات پر محمول کیا جائے گا۔ بعض روایات میں انگلیاں چاٹنے کی وجہ وضاحت سے بیان ہوتی ہے کہ تم نہیں جانتے برکت کھانے کے کس حصے میں ہے؟

اس حدیث میں ان لوگوں کا رد ہے جو دنیوی شان وشوکت کی وجہ سے انگلیاں چاٹنے کو ناپسند کرتے ہیں ہاں یہ ناپسندیدگی اس صورت میں ہو سکتی ہے جب کھانے کے دوران انگلیاں چاٹے کیونکہ وہ دوبارہ کھانے میں داخل کرتا ہے اور ان پر تھوک کا اثر ہوتا ہے۔

خطابی فرماتے ہیں: جن لوگوں کی خوشحالی نے ان کی عقل کو خراب کر دیا وہ انگلیاں چاٹنے کو برا سمجھتے ہیں اور ان کے خیال میں یہ بہت بری بات ہے گویا وہ نہیں جانتے کہ جو کھانا انگلیوں اور پیالے کے ساتھ لگا ہوا ہے وہ اسی کھانے کا ایک

حصہ ہے جسے انہوں نے کھایا ہے اور اگر باقی اجزاء میں خرابی نہیں تو اس تھوڑے سے حصے میں کیا خرابی ہوگی؟

اس میں زیادہ سے زیادہ یہی بات ہے کہ انگلیوں کو ہونٹوں کے اندرونی حصے سے چوستا ہے اور کسی عقلمند کو شک نہیں کہ اس میں کوئی حرج نہیں کیونکہ آدمی کلی کرتے وقت اپنی انگلی منہ میں ڈالتا ہے اور اس سے دانتوں اور منہ کے اندر والے حصے کو ملتا ہے پھر کوئی بھی نہیں کہتا کہ یہ گندگی اور برا طریقہ ہے۔

اور اس میں کوئی شک نہیں کہ جو شخص رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب کسی کام کو ناپسندیدہ کہے وہ بے ادب ہے اسے بہت بڑے عذاب سے ڈرنا چاہیے ہم اللہ تعالیٰ کی ذات کریم کی وجاہت کے صدقے سوال کرتے ہیں کہ وہ ہمیں نبی اکرم ﷺ کی سنت مبارک کو ناپسند کرنے کے طریقے پر نہ چلائے اور ہمارے لئے آپ کی محبت کو ہمیشہ قائم رکھے۔

نبی اکرم ﷺ ٹیک لگا کر کھانا نہیں کھاتے تھے کیونکہ صحیح حدیث میں ثابت ہے آپ نے فرمایا:

لا اکل متکئا. میں تکیہ لگا کر (کھانا) نہیں کھاتا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۳۹۸۔۵۳۹۹ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۲۶۹ جامع ترمذی رقم الحدیث: ۱۸۳۰ شمائل ترمذی رقم الحدیث: ۱۴۳ حلیۃ الاولیاء ج ۷ ص ۲۵۶)

اور آپ نے یہ بھی فرمایا:

انما انا عبد اجلس کما یجلس العبد واکل کما یاکل العبد. بے شک میں بندہ ہوں میں اس طرح بیٹھتا ہوں جس طرح بندہ بیٹھتا ہے اور اس طرح کھاتا ہوں جس طرح بندہ کھاتا ہے۔

(الشفاء ج ۱ ص ۱۳۱ اتحاف السادۃ المتقین ج ۵ ص ۲۱۴۔ ج ۷ ص ۱۱۶۔ ج ۸ ص ۳۹۳۔ ج ۹ ص ۳۵۱ المغنی ج ۲ ص ۳۔ ۳۶۷۔ ج ۳ ص ۳۵۰ الکامل ج ۵ ص ۱۹۷۱ الزہد رقم الحدیث: ۵۵۳ اخلاق النبوۃ رقم الحدیث: ۱۹۷ کنز العمال رقم الحدیث: ۴۰۷۰۸۔۴۰۷۹۳)

امام ابن ماجہ اور طبرانی نے حسن سند کے ساتھ روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں بکری کا تحفہ پیش کیا گیا تو آپ اپنے گھٹنوں پر جھک کر کھانے لگے ایک دیہاتی نے کہا یہ بیٹھنے کا کونسا طریقہ ہے؟ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے مجھے کریم بنایا ہے متکبر سرکش نہیں بنایا۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۷۷۳ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۲۶۳ جمع الجوامع رقم الحدیث: ۴۷۷۵۔۴۷۷۶ مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۴۲۵۱ الترغیب والترہیب ج ۳ ص ۱۳۰ فتح الباری ج ۹ ص ۵۴۷ کنز العمال رقم الحدیث: ۳۱۹۸۶۔۴۰۸۱۰۔۴۱۷۰۷)

ابن بطال فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے لئے تواضع اختیار کرتے ہوئے یہ طریقہ اختیار فرمایا اس کے بعد انہوں نے حضرت ایوب کے طریق سے روایت نقل کی وہ امام زہری سے روایت کرتے ہیں انہوں نے فرمایا: کہ نبی اکرم ﷺ کے پاس ایک فرشتہ آیا جو پہلے کبھی نہیں آیا تھا اس نے کہا آپ کا رب آپ کو اختیار دیتا ہے کہ آپ نبی بادشاہ ہوں یا نبی بندے آپ نے مشورہ طلب کرنے والے کی طرح حضرت جبریل علیہ السلام کی طرف دیکھا تو انہوں نے آپ کی طرف اشارہ کیا کہ تواضع اختیار کریں چنانچہ آپ نے فرمایا: میں بندہ نبی بننا چاہتا ہوں۔

راوی فرماتے ہیں: (پھر) آپ نے تکیہ لگا کر نہیں کھایا۔ (مسند احمد ج ۲ ص ۲۳۱ مجمع الزوائد ج ۹ ص ۱۸ موارد الظمآن رقم

الحدیث: ۷۲۱۳۷' اتحاف السادۃ المتقین ج ۷ص ۱۱۶' فتح الباری ج ۹ص ۶۷۶' اخلاق النبوۃ رقم الحدیث: ۱۹۸)

یہ حدیث مرسل یا معضل ہے[1] اور امام نسائی رحمہ اللہ نے موصولاً زبیدی کے طریقے سے جو امام زہری سے روایت کرتے ہیں اور وہ حضرت محمد بن عبداللہ بن عمرو بن عاص سے روایت کرتے ہیں نقل کیا وہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کو کبھی بھی تکیہ لگا کر کھاتے ہوئے نہیں دیکھا گیا۔

ابن ابی شیبہ نے حضرت مجاہد سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں:

نبی اکرم ﷺ نے صرف ایک مرتبہ تکیہ لگا کر کھایا۔

دونوں روایتوں کو یوں جمع کیا جاسکتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے جب تکیہ لگا کر کھایا تو اس پر حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ مطلع نہیں ہوئے ہوں گے۔

ابن شاہین نے اپنی "ناسخ" میں حضرت عطاء بن یسار رضی اللہ عنہ کی مرسل روایت سے نقل کیا کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے نبی اکرم ﷺ کو تکیہ لگا کر کھاتے ہوئے دیکھا تو روک دیا۔

اور ابن ماجہ نے روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے آدمی کو منہ کے بل کر جھک کر کھانے سے منع فرمایا۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۳۷۰' احکام النبویہ ج اص ۱۰۱)

حضرت قاضی عیاض رحمہ اللہ نے "الشفاء میں" فرمایا: کہ تکیہ لگانے سے کھانے والے کا ٹیک لگانا مراد ہے۔ جس طرح چوکڑی مار کر بیٹھنا وغیرہ گویا اس طرح بیٹھنے والے کا اپنے نیچے والی جگہ ٹیک جانا ہوتا ہے وہ فرماتے ہیں: اس طرح بیٹھنے والا زیادہ کھاتا ہے جب کہ نبی اکرم ﷺ کا کھانے کے لئے بیٹھنا اس طرح ہوتا تھا کہ جس سے فوراً اٹھ سکیں یعنی ٹانگ کھڑی کر کے بیٹھتے تھے حدیث شریف میں جس تکیہ لگانے کا ذکر ہے اس کا مطلب ایک پہلو کی طرف جھکاؤ نہیں۔

سرین کو زمین پر لگا کر پنڈلیوں کو کھڑا کر کے بیٹھنا "اقعاء" کہلاتا ہے اور حضور علیہ السلام کھانے کے لئے یوں بیٹھا کرتے تھے اور یہ طریقہ نماز میں منع ہے۔

قاضی عیاض رحمہ اللہ نے تکیہ لگانے کی وضاحت (شرح مسلم) الاکمال میں خطابی سے نقل کی اور فرمایا: کہ خطابی نے اس تاویل میں اکثر لوگوں کی مخالفت کی ہے کیونکہ عام لوگوں کے نزدیک تکیہ لگانے سے مراد کسی ایک پہلو کی طرف جھک جانا ہے۔

میں نے جو کچھ خطابی کی طرف منسوب دیکھا ہے وہ اس طرح ہے کہ وہ فرماتے ہیں: عام لوگوں کا خیال ہے کہ تکیہ لگا کر کھانے والا کسی ایک پہلو پر ہو کر کھاتا ہے حالانکہ یہ بات نہیں بلکہ وہ اپنے نیچے والی چیز کا سہارا لیتا ہے۔

کسی ایک پہلو پر ہونے کو تکیہ لگانا کہا گیا ہے ابن جوزی نے یہی وضاحت کی ہے۔

یہ بھی کہا گیا کہ کسی چیز پر ٹیک لگانا مراد ہے ایک قول کے مطابق بائیں ہاتھ کو زمین پر ٹکانا مراد ہے۔

ابن عدی نے ضعیف سند کے ساتھ روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے اس بات سے سختی کے ساتھ روکا ہے کہ کوئی شخص کھانا کھاتے وقت بائیں ہاتھ کو زمین پر رکھ دے۔

---

[1] مرسل وہ حدیث ہے جس میں تابعی صحابی کا ذکر نہ کرے اور براہ راست حضور ﷺ سے روایت کرے اور معضل وہ حدیث ہے جس کی سند کے درمیان میں سے دو راوی چھوٹ جائیں۔

حضرت امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: کہ یہ تکیہ لگانے کی ایک قسم ہے۔ حافظ ابوالفضل عسقلانی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ کھانے والا جس صورت کو بھی تکیہ لگانا سمجھتا ہے وہ مکروہ ہے کوئی خاص شکل مراد نہیں ہے۔

ابن اثیر نے ''النہایہ میں'' نقل کیا کہ جس نے تکیہ لگانے سے ایک طرف جھکنا مراد لیا ہے اس نے طبی اعتبار سے یہ وضاحت کی ہے۔

ابن قیم نے کہا کہ اس طرح کھانے والے کو نقصان ہوتا ہے کیونکہ اس طرح کھانا فطری طور پر معدہ کی طرف جاری نہیں ہوتا اور معدے پر دباؤ ہوتا ہے جس کی وجہ سے وہ غذا کے لئے کھلتا نہیں البتہ کسی چیز پر ٹیک لگانا متکبرین کا طریقہ ہے جو بندگی کے خلاف ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: میں اس طرح کھاتا ہوں جس طرح بندہ کھاتا ہے۔

اگر تکیہ لگانے سے مراد کسی چیز کا سہارا لینا یا نیچے والی چیز پر اطمینان سے بیٹھنا ہے جس طرح میں نے خطابی سے نقل کیا ہے تو مفہوم یہ ہوگا کہ جب میں کھانا کھاتا ہوں تو متکبر لوگوں اور زیادہ کھانے والوں کی طرح تکیہ وغیرہ پر ٹیک نہیں لگاتا بلکہ میں تھوڑا سا کھاتا ہوں اسی لئے یوں بیٹھتا ہوں کہ جلدی اٹھ سکوں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے کسی چیز کا سہارا لیتے ہوئے کھجوریں کھائیں اور آپ بھوک کی حالت میں تھے (یعنی کمزوری کی وجہ سے ضرورت کے تحت ایسا کیا)۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے کسی چیز کا سہارا نہیں لیا اور ٹانگیں مبارک کھڑی کر کے بیٹھتے تھے۔

تکیہ لگا کر کھانے کے بارے میں بزرگوں کا اختلاف ہے۔ ابن القاص کا خیال ہے کہ یہ نبی اکرم ﷺ کی خصوصیات میں سے ہے (یعنی اس کا مکروہ ہونا آپ کے ساتھ خاص ہے)۔

لیکن سہیل نے تعاقب کرتے ہوئے فرمایا: کہ آپ کے علاوہ لوگوں کے لئے بھی مکروہ ہے کیونکہ یہ تکبر کرنے والوں کا فعل ہے اور اس کی اصل عجمی بادشاہوں سے لی گئی وہ فرماتے ہیں اگر کوئی رکاوٹ ہو اور آدمی تکیہ لگائے بغیر نہ کھائے تو کراہت نہیں ہے پھر انہوں نے بزرگوں کی ایک جماعت کے بارے میں ذکر کیا کہ انہوں نے اس طرح کھایا ہے اور انہوں نے اس بات کی طرف اشارہ کیا کہ ضرورت کے تحت ایسا کیا۔

''فتح الباری میں ہے کہ'' اس بات پر محمول کرنا محل نظر ہے کیونکہ ابن ابی شیبہ نے حضرت ابن عباس، خالد بن ولید، محمد بن سیرین، عطاء بن یسار اور دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مطلق جواز کا قول نقل کیا ہے اور جب اس کا مکروہ یا خلاف اولیٰ ہونا ثابت ہو گیا تو کھانے کے لئے بیٹھنے کا مستحب طریقہ یہ ہے کہ اپنے گھٹنوں اور قدموں کی پیٹھ پر جھکا ہوا ہو یا دائیں ٹانگ کھڑی کرے اور بائیں پاؤں پر بیٹھے۔

ابن قیم نے کہا کہ نبی اکرم ﷺ کے بارے میں یوں بھی مذکور ہے کہ آپ دونوں گھٹنوں کو بچھاتے اور بائیں قدم کا پیٹ دائیں پاؤں کی پیٹھ پر رکھتے اس کا مقصد اللہ تعالیٰ کے لئے تواضع کرنا اور جو کچھ سامنے ہے اس کا ادب مقصود تھا اور کھانے کے تمام طریقوں میں سے یہ طریقہ سب سے افضل ہے کیونکہ اس صورت میں تمام اعضاء اس طبعی طریقے پر ہوتے ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے ان کو پیدا کیا ہے۔

ابن ابی شیبہ رحمہ اللہ نے حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ کے طریق سے نقل کیا، فرماتے ہیں: کہ اسلاف تکیہ لگا کر کھانے

کو ناپسند کرتے تھے کیونکہ اس سے پیٹوں کے بڑھنے کا خطرہ ہے۔

بسم اللہ اور الحمدللہ پڑھنا

جب کھانا رکھا جاتا تو نبی اکرم ﷺ "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" پڑھتے تھے۔

(مسند احمد ج ۳ ص ۳۳۷ المغنی ج ۲ ص ۳۶۷ کنز العمال رقم الحدیث: ۱۸۱۸۱)

حضرت امام نووی رحمہ اللہ نے "کتاب الاذکار میں" کھانے کے آداب کے تحت لکھا ہے کہ "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" پڑھنا افضل ہے اور اگر صرف بسم اللہ پڑھے تو بھی کافی ہے اور سنت پر عمل ہو جاتا ہے۔ "فتح الباری میں" فرمایا کہ انہوں نے جو افضیلت کا ذکر کیا ہے میں نے اس پر کوئی دلیل نہیں پائی۔

رسول اکرم ﷺ کھانے کے آخر میں اللہ تعالیٰ کی حمد کرتے ہوئے یہ کلمات پڑھتے تھے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ حَمْدًا كَثِيْرًا طَيِّبًا مُّبَارَكًا فِيْهِ غَيْرَ مُوَدَّعٍ وَّلَا مُسْتَغْنًى عَنْهُ رَبَّنَا. تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں بہت زیادہ تعریف جو پاک اور برکت والی ہے نہ چھوڑا جائے اور نہ بے نیازی اختیار کی جائے اور (وہ) ہمارا رب ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۳۵۸-۵۳۵۹ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۳۹ سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۳۸۴۹ جامع ترمذی رقم الحدیث: ۳۴۵۶ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۲۸۳ سنن دارمی ج ۲ ص ۹۵ السنن الکبریٰ ج ۴ ص ۹۵ المعجم الکبیر ج ۸ ص ۱۶۸ اتحاف السادۃ المتقین ج ۵ ص ۱۲-ج ۷ ص ۱۲۳ مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۴۱۹۹ شمائل ترمذی رقم الحدیث: ۶۸ الترغیب والترہیب ج ۲ ص ۴۳۲ کنز العمال رقم الحدیث: ۱۸۱۷۸)

غیر مودع کا معنیٰ نہ چھوڑا جائے اور ولا مستغنی کا معنیٰ ہے کہ اس سے بے نیازی اختیار نہ کی جائے۔

ربنا مرفوع ہے مبتدا محذوف ھو کی خبر ہے یعنی وہ ہمارا رب ہے اور مدح کی بنیاد پر نصب بھی جائز ہے یا اختصاص کی بنیاد پر یا اعنی فعل مقدر ہے۔ ابن جوزی نے کہا کہ منادی ہونے کی وجہ سے منصوب ہے اور حرف ندا محذوف ہے یعنی یا ربنا۔

ایک حدیث میں ان الفاظ کے ساتھ ہے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ اَطْعَمَنَا وَسَقَانَا وَجَعَلَنَا مُسْلِمِيْنَ. تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے ہمیں کھلایا اور پلایا اور ہمیں مسلمان بنایا۔

(جامع ترمذی رقم الحدیث: ۳۴۵۷ سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۳۸۵۰ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۲۸۳ مسند احمد ج ۳ ص ۳۲-۹۸-۴۵۳ الدر المنثور ج ۳ ص ۷ فتح الباری ج ۹ ص ۲۵ مطالب العالیہ رقم الحدیث: ۲۳۵۳ مجمع الزوائد ج ۵ ص ۲۹ مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۴۲۸۶ شمائل ترمذی رقم الحدیث: ۹۸ اخلاق النبوۃ رقم الحدیث: ۲۱۹)

حضرت امام نسائی رحمہ اللہ نے حضرت عبدالرحمٰن بن جبیر مصری کے طریق سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں کہ ان سے ایک ایسے شخص نے بیان کیا جس نے آٹھ سال نبی اکرم ﷺ کی خدمت کی کہ انہوں نے نبی اکرم ﷺ سے سنا جب آپ کے سامنے کھانا لایا جاتا تو آپ "بسم اللہ" پڑھتے اور جب فارغ ہوتے تو یہ کلمات پڑھتے:

اَللّٰهُمَّ اَطْعَمْتَ وَ سَقَيْتَ وَاَغْنَيْتَ وَاَقْنَيْتَ وَ هَدَيْتَ وَاَحْيَيْتَ فَلَكَ الْحَمْدُ عَلٰى مَا اَعْطَيْتَ.

یا اللہ تو نے کھلایا اور پلایا اور بے نیاز کیا اور مال عطا کیا (جو بچ جاتا ہے) تو نے ہدایت دی اور زندگی عطا فرمائی پس تیرے لئے تعریف کہ تو نے عطا فرمایا۔

(مسند احمد ج ۴ ص ۶۲_۳۳۷' کشف الخفاء ج ۱ ص ۳۳۷' اتحاف السادۃ المتقین ج ۲ ص ۲۰۷۔ ج ۶ ص ۳۰۴' فتح الباری ج ۹ ص ۲۵۷' تاریخ دمشق ج ۱ ص ۸۸' اخلاق النبوۃ رقم الحدیث: ۶۰_۲۲۰' دلائل النبوۃ رقم الحدیث: ۳۱_۱۰۳' تاریخ طبری ج ۲ ص ۳۳۶' کنز العمال رقم الحدیث: ۳۰۰۸۰_۳۰۰۸۳)

دائیں ہاتھ سے کھانا [1]

نبی اکرم ﷺ ہر کام میں دائیں طرف کو پسند فرماتے تھے اور آپ نے فرمایا:

یا غلام سم اللہ و کل بیمینک و کل مما یلیک.

اے لڑکے! اللہ تعالیٰ کا نام لو اور دائیں ہاتھ سے کھاؤ نیز اپنے سامنے سے کھاؤ۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۳۷۶_۵۳۷۷_۵۳۷۸' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۰۸' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۲۶۸' مسند احمد ج ۴ ص ۲۶' السنن الکبریٰ ج ۷ ص ۲۷۷' تفسیر قرطبی ج ۴ ص ۸۷' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۸ ص ۱۰۴' شرح السنہ ج ۱۱ ص ۲۷۵' کنز العمال رقم الحدیث: ۴۰۷۳۸)

حافظ زین الدین عراقی نے "شرح ترمذی میں" لکھا ہے کہ شافعی مسلک والوں نے اسے استحباب پر محمول کیا ہے۔ امام غزالی اور پھر امام نووی رحمہ اللہ نے بھی اسی پر اعتماد کیا ہے لیکن امام شافعی رحمہ اللہ نے "الرسالہ میں اور کتاب الدم کے" ایک مقام پر وجوب کا قول کیا۔ صیرفی نے "الرسالہ کی" شرح میں اسی طرح لکھا ہے۔

البویطی نے اپنی مختصر میں نقل کیا کہ ثرید کے اوپر سے کھانا' رات کو راستے میں اترنا اور (ایک سے زیادہ) کھجوروں کو ملا کر کھانا حرام ہے۔

امام بیضاوی رحمہ اللہ نے "اپنی منہاج میں" "نبی اکرم ﷺ کے ارشاد گرامی: "کل مما یلیک سامنے سے کھاؤ"۔ کی بنیاد پر اسے مستحب قرار دیا۔

شیخ تاج الدین سبکی نے اس کی شرح میں ان کا تعاقب کرتے ہوئے فرمایا کہ امام شافعی رحمہ اللہ نے دوسرے مقام پر واضح طور پر لکھا ہے کہ جو شخص اس ممانعت کو جانتے ہوئے اپنے سامنے سے نہ کھائے وہ گناہ گار ہے اور فرمایا کہ میرے والد رحمہ اللہ نے اس قسم کے مسائل کو ایک کتاب میں جمع کیا جس کا نام "کشف اللبس عن المسائل الخمس" رکھا اور اس قول کی تائید کی ہے کہ اس میں امر وجوب کے لئے ہے۔

---

[1] (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۳۷۶_۵۳۸۰' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۶۶_۶۷' سنن نسائی ج ۱ ص ۸۷' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۱۴۰' مسند احمد ج ۶ ص ۹۴_۱۳۰_۱۴۷' جامع ترمذی رقم الحدیث: ۶۰۸' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۰۱' المعجم الکبیر ج ۱۰ ص ۳۸۳' مجمع الزوائد ج ۳ ص ۱۳۹' اتحاف السادۃ المتقین ج ۲ ص ۳۶۱' مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۴۰۰' مسند ابو عوانہ ج ۱ ص ۲۲۲' کنز العمال رقم الحدیث: ۳۲۰۳۷)

شیخ الاسلام ابن حجر رحمہ اللہ اسے ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں: کہ دائیں ہاتھ سے کھانے کے واجب ہونے پر یہ بات دلالت کرتی ہے کہ بائیں ہاتھ سے کھانے کی سخت سزا بیان کی گئی ہے۔

''صحیح مسلم میں ہے کہ'' نبی اکرم ﷺ نے ایک شخص کو دیکھا جو بائیں ہاتھ سے کھا رہا تھا آپ نے فرمایا دائیں ہاتھ سے کھاؤ اس نے کہا اس کی مجھے طاقت نہیں آپ نے فرمایا تجھے اس کی طاقت نہ ہو چنانچہ اس کے بعد وہ اس ہاتھ کو منہ تک نہ اٹھا سکا۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث:۱۰۷‘ مسند احمد ج۴ص۴۶‘ سنن دارمی ج۲ص۹۷‘ دلائل النبوۃ ج۶ص۲۳۸‘ المعجم الکبیر ج۷ص۱۵‘ سنن الکبریٰ ج۷ص۲۷۷‘ فتح الباری ج۹ص۶۵۲‘ التمہید ج۱ص۲۷۷‘ مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث:۵۹۰۴)

سوال: نبی اکرم ﷺ پیالے کے کناروں میں سے کدو تلاش کرتے تھے اور یہ سامنے سے کھانے کے خلاف ہے؟

جواب: اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر ساتھ کھانے والا راضی ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں لیکن جب دوسرے ساتھی کے بارے میں معلوم ہو کہ وہ اس بات کو ناپسند کرتا ہے تو صرف اپنے قریب سے کھائے۔

ابن بطال نے کہا کہ نبی اکرم ﷺ کا ہاتھ مبارک کھانے میں گھومتا تھا کیونکہ آپ جانتے تھے کہ کسی کو یہ بات ناپسند نہیں اور نہ ہی کسی کو اس سے گھن آتی تھی بلکہ صحابہ کرام آپ کے لعاب اور آپ کے دست مبارک سے چھوئی گئی چیز سے برکت حاصل کرتے تھے بلکہ وہ تو آپ کے ناک مبارک سے نکلے ہوئے پانی کو ایک دوسرے سے مقابلہ کرتے ہوئے لیتے اور اپنے چہروں پر ملتے تھے۔

دوسرے حضرات نے فرمایا: کہ آپ اس لئے ایسا کرتے تھے کہ تنہا تناول فرما رہے ہوتے لیکن یہ بات تسلیم نہیں کی جاتی کیونکہ حضرت انس رضی اللہ عنہ آپ کے ساتھ کھاتے تھے۔

اور ترمذی شریف میں حضرت عکراش رضی اللہ عنہ کی حدیث منقول ہے جس میں یہ تفصیل ہے کہ اگر ایک قسم کا کھانا ہو تو اپنے سامنے سے تجاوز نہ کرے اور کئی قسم کا ہو تو جائز ہے۔ یہ حدیث ضعیف ہے۔ واللہ اعلم

ہاتھوں کو دھونا

نبی اکرم ﷺ کے سامنے کھانا رکھا گیا تو صحابہ کرام نے عرض کیا کیا ہم آپ کے وضو کے لئے پانی نہ لائیں؟ آپ نے فرمایا: مجھے وضو کا حکم اس وقت دیا گیا جب میں نماز کے لئے کھڑا ہوں۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۳۷۶۰‘ سنن نسائی ج۱ص۸۵‘ مسند احمد ج۱ص۲۸۲۔۳۵۹‘ السنن الکبریٰ ج۱ص۴۲۔۲۲۸‘ المعجم الکبیر ج۱۲ص۸۲۔ج۱۱ص۱۲۲‘ شمائل ترمذی رقم الحدیث:۹۵۔۲۲۸‘ اتحاف السادۃ المتقین ج۵ص۲۱۳‘ الدر المنثور ج۲ص۲۶۲‘ صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث:۳۵‘ مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۴۲۰۹۔۴۲۱۰‘ تفسیر ابن کثیر ج۳ص۴۳‘ فتح الباری ج۱ص۵۱۹)

انہی کی ایک روایت میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

برکة الطعام الوضوء قبله والوضوء بعده. کھانے کی برکت پہلے اور آخر میں وضو ہے۔

(جامع ترمذی رقم الحدیث:۱۸۴۶‘ سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۳۷۶۱‘ مسند احمد ج۵ص۴۴۱‘ المعجم الکبیر ج۶ص۲۹۲‘ السنن الکبریٰ ج۱۰ص۱۴‘ شمائل ترمذی رقم الحدیث:۹۶‘ مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث:۴۲۰۸‘ اتحاف السادۃ المتقین ج۵ص۲۱۲‘ العلل المتناہیہ ج۲

ص ۱۶۳' تذکرۃ الموضوعات رقم الحدیث: ۱۳۱' الکامل ج ۶ ص ۲۰۶۸' شرح السنہ ج ۱۱ ص ۲۸۲' الترغیب والترہیب ج ۳ ص ۱۵۰' کنز العمال رقم الحدیث: ۱۸۲۲۳-۱۸۔ ۶۳-۴۰۷)

تو پہلی حدیث میں شرعی وضو مراد ہے اور دوسری حدیث میں لغوی وضو مراد ہے (یعنی صرف ہاتھ دھونا اور کلی کرنا)۔

ابویعلیٰ نے ضعیف سند کے ساتھ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت سے نقل کیا کہ جو شخص اس گوشت میں سے کچھ کھائے تو وہ اس کی بو اور نقصان کو ہاتھوں سے صاف کرے اور اپنے پیچھے والے کو تکلیف نہ پہنچائے۔

گرم کھانا

نبی اکرم ﷺ گرم کھانا نہیں کھاتے تھے۔ طبرانی نے "الصغیر اور الاوسط میں" حضرت بلال بن ابی ہریرہ رضی اللہ عنہما سے روایت کیا وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کے پاس ایک پیالہ لایا گیا جو ابل رہا تھا تو آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے ہمیں آگ نہیں کھلائی۔ فرماتے ہیں: حضرت بلال رضی اللہ عنہ اپنے والد سے بہت کم روایت کرتے ہیں۔ (کشف الخفاء ج ۱ ص ۲۸۰)

حضرت ابونعیم نے "الحلیہ میں" حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا کہ آپ داغ لگانے اور گرم کھانے کو ناپسند فرماتے تھے اور آپ ارشاد فرماتے:

علیکم بالبارد فانه ذو برکة الا وان الحار لا برکة له.

تم پر ٹھنڈا کھانا لازم ہے کیونکہ اس میں برکت ہوتی ہے سنو! گرم کھانے میں برکت نہیں ہوتی۔

(کشف الخفاء ج ۱ ص ۲۸' حلیۃ الاولیاء ج ۸ ص ۲۵۲' اتحاف السادۃ المتقین ج ۷ ص ۱۱۶' کنز العمال رقم الحدیث: ۱۸۳۵۹)

حضرت امام احمد اور ابونعیم نے حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کی حدیث سے نقل کیا کہ جب آپ ثرید بناتیں تو کسی چیز سے ڈھانپ دیتیں حتیٰ کہ اس کا ابال ختم ہو جاتا پھر فرماتیں: میں نے رسول اکرم ﷺ سے سنا آپ نے فرمایا: اس میں برکت زیادہ ہے۔ (حلیۃ الاولیاء ج ۸ ص ۱۷۷' المشکوۃ المصابیح رقم الحدیث: ۴۲۳۱' کشف الخفاء ج ۱ ص ۲۸)

لیکن امام بیہقی رحمہ اللہ کے نزدیک صحیح حدیث میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے پاس گرم کھانا لایا گیا تو آپ نے فرمایا: اتنے اتنے دنوں سے آج تک میرے بطن اقدس میں گرم کھانا داخل نہیں ہوا۔ (السنن الکبریٰ ج ۷ ص ۲۸۰' اتحاف السادۃ المتقین ج ۷ ص ۱۱۶' الترغیب والترہیب ج ۴ ص ۱۸۸' المغنی ج ۲ ص ۳۶۷)

آپ کے پیالے کی کیفیت

نبی اکرم ﷺ کے پاس لکڑی کا پیالہ تھا جسے لوہے کے ساتھ مضبوط کیا گیا تھا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی اکرم ﷺ کو تمام مشروبات یعنی پانی' جوس اور شہد اسی پیالے میں پلایا ہے۔

"صحیح بخاری میں" حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ تشریف لاتے حتیٰ کہ سقیفہ بنو ساعدہ میں آپ اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تشریف فرما ہوئے پھر فرمایا: اے سہل! ہمیں پلایئے تو میں نے آپ کے لئے یہی پیالہ نکالا اور سب کو اسی سے پلایا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۶۳۷' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۸۸' السنن الکبریٰ ج ۱ ص ۳۱)

(ابو حازم راوی فرماتے ہیں:) حضرت سہل رضی اللہ عنہ نے یہ پیالا ہمارے لئے نکالا تو ہم نے اس میں پیا پھر حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہما نے اسے بطور ہبہ طلب کیا تو انہوں نے ان کو ہبہ کر دیا۔ ان دنوں حضرت عمر بن عبد العزیز مدینہ طیبہ کے حکمران بنائے گئے تھے۔

''صحیح بخاری میں ہی'' حضرت عاصم احول رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: کہ میں نے نبی اکرم ﷺ کا پیالہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے پاس دیکھا وہ ٹوٹ چکا تھا اور اس کو چاندی (کی تاروں) کے ساتھ جوڑا گیا تھا۔ انہوں نے فرمایا یہ نہایت عمدہ اور چوڑا تھا اور خالص لکڑی کا زردی مائل تھا۔ [1]

(راوی فرماتے ہیں:) حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے نبی اکرم ﷺ کو اس پیالے میں اتنی اتنی مدت سے زیادہ پلایا ہے۔

ابن سیرین فرماتے ہیں: اس میں لوہے کا کونڈا تھا حضرت انس رضی اللہ عنہ نے اسے سونے یا چاندی کے کونڈے سے بدلنے کا ارادہ فرمایا تو حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جو کچھ نبی اکرم ﷺ نے بنایا اور چھوڑا اس میں تبدیلی نہ کریں۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے ہی ابو حمزہ سکری کے طریق سے حضرت عاصم رضی اللہ عنہ سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں: کہ میں نے وہ پیالہ دیکھا اور اس میں پیا بھی ہے۔

ابو نعیم نے حضرت علی بن حسن بن شقیق کے طریق سے حضرت ابو حمزہ سے روایت کیا پھر فرمایا: حضرت علی بن حسن نے فرمایا: کہ میں نے وہ پیالہ دیکھا اور اس میں پیا ہے۔

امام قرطبی نے ''مختصر البخاری میں'' ذکر کیا کہ انہوں نے ''صحیح بخاری کے'' بعض قدیم نسخوں میں دیکھا۔ حضرت ابو عبد اللہ بخاری رحمہ اللہ نے فرمایا: کہ میں نے یہ پیالہ بصرہ میں دیکھا اور اس میں پیا اور یہ حضرت نضر بن انس رضی اللہ عنہ کی وراثت سے آٹھ لاکھ میں خریدا گیا تھا۔

حضرت امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک حضرت شریک کے طریق سے حضرت عاصم سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں: میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کے پاس نبی اکرم ﷺ کا پیالہ دیکھا جس کو چاندی سے مضبوط کیا گیا تھا۔

آپ نے میز پر کھانا نہیں کھایا

نبی اکرم ﷺ نے میز پر کھانا نہیں کھایا اور نہ ہی چپاتی کھائی ہے۔ (خوان کا لفظ استعمال ہوا جو میز یا تپائی کو کہتے ہیں اور یہ عجمیوں کا طریقہ تھا' متکبر لوگ اس طرح کھاتے تھے تاکہ کھانے کی طرف جھکنا نہ پڑے۔ ۱۲ ہزاروی)

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۳۸۶۔ ۵۴۱۵۔ ۶۴۵۰' جامع ترمذی رقم الحدیث: ۱۷۸۸' مسند احمد ج ۳ ص ۱۳۰' اتحاف السادة المتقین ج ۷ ص ۱۴۳۔ ج ۹ ص ۳۳۱' المغنی ج ۲ ص ۳۸۱)

خوان خاء پر پیش بھی آتی ہے اور زیر بھی جب تک اس پر کھانا نہ رکھیں خوان کہلاتا ہے۔

سفرہ دستر خوان کو کہتے ہیں اور یہ اس کپڑے وغیرہ کے لئے معروف ہے۔ جس پر کھانا رکھتے ہیں۔

نبی اکرم ﷺ کھانا کھانے کے بعد سو جانے سے منع فرماتے اور آپ فرماتے: کہ اس سے دل سخت ہو جاتا ہے اس

[1] نبع ایک درخت ہے۔ جس سے تیر کمان بناتے ہیں اس سے بنا ہوا تھا اور بعض کے نزدیک اثل (جھاؤ) درخت کا بنا ہوا تھا۔

بات کو ابونعیم نے ذکر کیا اسی لئے حکماء کہتے ہیں کہ جو شخص صحت کی حفاظت چاہتا ہے وہ کھانے کے بعد چلے اگر چہ ایک سو قدم ہوں اور کھانے کے بعد نہ سوئے کیونکہ اس سے بہت نقصان ہوتا ہے اور کھانے کے بعد نماز اس کے ہضم کو آسان بناتی ہے۔ یہ بات زادالمعاد (الھدی) میں ذکر کی گئی ہے۔

نبی اکرم ﷺ کے مشروبات

نبی اکرم ﷺ کے لئے میٹھا پانی لایا جاتا تھا (یعنی کھارا نہیں ہوتا تھا) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: کہ آپ کے لئے سقیا کے گھروں سے پانی لایا جاتا۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۳۷۳۵' طبقات ابن سعد ج۱ص۳۰۱' مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث:۴۲۸۳' اتحاف السادۃ المتقین ج۴ص۳۲۷۔ ج۵ص۲۵۵' اخلاق النبوۃ رقم الحدیث:۲۲۷۔۲۲۸' شرح السنہ ج۱۱ص۳۸۳' المغنی ج۱ص۲۶۲' کنز العمال رقم الحدیث:۱۸۲۳۲)

سقیا ایک کنواں ہے جو مدینہ طیبہ سے دو دن کے فاصلے پر ہے۔

ابن بطال نے کہا کہ میٹھا پانی پینا زہد کے خلاف نہیں اور اس خوشحالی میں داخل نہیں جو مذموم ہے ہاں خوشبو وغیرہ کے ذریعے پانی کو طیب بنانا اور بات ہے۔ حضرت امام مالک رحمہ اللہ نے اسے ناپسند کیا کیونکہ اس میں فضول خرچی ہے لیکن میٹھا پانی پینا اور اسے طلب کرنا مباح ہے نیک لوگوں نے یہ کام کیا ہے اور نمکین پانی پینے میں کوئی فضیلت نہیں۔

رسول اکرم ﷺ شہد کو ٹھنڈے پانی میں ملا کر نوش فرماتے تھے۔

ابن قیم نے کہا کہ اس میں صحت کی حفاظت ہے اور اس کو صرف بڑے بڑے حکماء سمجھ سکتے ہیں' شہد پینا اور اسے تھوک کے ساتھ چاٹنا بلغم کو دور کرتا اور معدے کی صفائی کرتا ہے یعنی اس کے اوپر جو کچھ چمٹا ہوا ہوا سے دور کرتا ہے آلائش وغیرہ دور کر کے اس کی بندش کو کھولتا ہے اور ٹھنڈے پانی میں تری ہوتی ہے جو حرارت کو ختم کر کے بدن کی حفاظت کرتی ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ کا پسندیدہ ترین مشروب میٹھا ٹھنڈا (پانی) تھا۔ (یاد رہے کہ میٹھے سے مراد یہ ہے کہ کھارا نہ ہو)۔ (جامع ترمذی رقم الحدیث:۱۸۹۵' مسند احمد ج۶ص۳۸۔۴۰' مسند الحمیدی رقم الحدیث:۲۵۷' شمائل ترمذی رقم الحدیث:۲۰۴' اتحاف السادۃ المتقین ج۵ص۲۵۵' اخلاق النبوۃ رقم الحدیث:۲۰۸۔۲۲۷۔۲۲۸' مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث:۴۲۸۲' علل الحدیث رقم الحدیث:۱۵۸۸' کنز العمال رقم الحدیث:۱۸۲۲۱)

یہ بھی احتمال ہے کہ اس سے مراد وہ پانی ہو جس میں شہد ملایا گیا یا جس میں کھجور یا انگور کا رس ہو۔

نبی اکرم ﷺ کے لئے نبیذ (کھجور یا انگور کا رس) رات کے شروع میں بنایا جاتا اور آپ اگلی صبح' آنے والی رات اور اس کے بعد والے دن عصر تک اسے نوش فرماتے اگر بچ جاتا تو خادم کو پلا دیتے یا گرانے کا حکم دیتے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث:۹۷' المعجم الکبیر ج۱۲ص۱۱۱' مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث:۴۲۸۸' اخلاق النبوۃ رقم الحدیث:۲۱۰)

نبیذ سے مراد یہ ہے کہ پانی میں کھجوریں ڈالی جاتیں جو اس کو میٹھا کر دیتیں' اس سے طاقت میں اضافہ کا فائدہ حاصل ہوتا ہے لیکن اسے تین دن کے بعد نہیں پینا چاہیے کیونکہ اس کے نشہ میں بدلنے کا خوف ہوتا ہے۔

رسول اکرم ﷺ بعض اوقات خالص دودھ نوش فرماتے اور کبھی اس میں ٹھنڈا پانی ملاتے کیونکہ دوہتے وقت دودھ گرم ہوتا ہے اور وہ علاقے (حرمین طیبین) عام طور پر گرم ہوتے ہیں اس لئے آپ دودھ کی گرمی کو ٹھنڈے پانی سے ختم

کرتے تھے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے: کہ نبی اکرم ﷺ ایک انصاری کے پاس تشریف لے گئے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی آپ کے ساتھ تھے۔ آپ نے سلام کیا تو انصاری نے جواب دیا اور وہ باغ کو پانی لگا رہے تھے رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: اگر تمہارے پاس پانی ہو جو رات بھر مشکیزے میں رہا ہو تو ٹھیک ہے ورنہ ہم منہ لگا کر پی لیں گے اس نے کہا میرے پاس پانی ہے جو رات بھر مشکیزے میں رہا ہے چنانچہ وہ جھونپڑی (چھپر) کی طرف گئے اور پیالے میں پانی ڈال کر اس میں ایک گھریلو (مانوس) بکری کا دودھ دوہا اور نبی اکرم ﷺ نے اسے نوش فرمایا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۶۱۳۔۵۶۲۱، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۷۲۴، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۴۳۲، مسند احمد ج ۳ ص ۳۲۸، السنن الکبریٰ ج ۷ ص ۲۷۴، اتحاف السادۃ المتقین رقم الحدیث: ۲۵۵، مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۴۲۷، سنن دارمی ج ۲ ص ۱۲۰)

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: کھانے اور پانی (دونوں) کی جگہ صرف دودھ کفایت کرتا ہے۔ [1]

''جامع ترمذی میں ہے'' حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً مروی ہے کہ تین چیزوں کو رد نہ کیا جائے دودھ، تکیہ اور تیل (خوشبو) بعض حضرات نے یہ اشعار پڑھے:

قد کان من سیرۃ خیر الوری ۔۔۔ صلی علیہ اللہ طول الزمن

ان لا یرد الطیب والمتکا ۔۔۔ واللحم ایضا یا اخی واللبن

''اے بھائی! تمام مخلوق میں سے بہتر ذات (نبی اکرم ﷺ) کی سیرت یہ ہے اللہ تعالیٰ آپ پر ہمیشہ رحمت نازل فرمائے کہ خوشبو، تکیہ، گوشت اور دودھ (کا تحفہ) واپس نہ کیا جائے''۔

ابن قیم نے کہا کہ نبی اکرم ﷺ کھانے کے بعد پانی نہیں پیتے تھے خصوصاً جب کہ پانی گرم یا ٹھنڈا ہو کیونکہ یہ بہت نقصان دہ ہے نبی اکرم ﷺ بیٹھ کر پانی نوش فرماتے اور آپ کی یہی عادت تھی۔

(جامع ترمذی رقم الحدیث: ۱۸۸۳، سنن نسائی ج ۳ ص ۸۲، مسند احمد ج ۱ ص ۱۰۱، ج ۲ ص ۴۔۱۷۔۲۱۵، شمائل ترمذی رقم الحدیث: ۲۰۹، شرح معانی الآثار ج ۳ ص ۲۷۳، کنز العمال رقم الحدیث: ۴۱۸۲۶۔۴۱۸۲۷)

''صحیح مسلم کی'' ایک دوسری روایت میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے کھڑے ہو کر پینے سے منع فرمایا۔

(جامع ترمذی رقم الحدیث: ۱۸۸۱، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۴۲۴، مسند احمد ج ۳ ص ۱۸۲۔۲۷۷، مشکل الآثار ج ۳ ص ۱۸، الکامل ج ۳ ص ۱۴۳۳، مسند الربیع بن حبیب ج ۱ ص ۴۲، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۸ ص ۱۸)

اور ان ہی کی ایک روایت میں جو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے یوں فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص کھڑا ہو کر ہرگز نہ پیئے پس جو بھول جائے وہ قے کرلے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۱۶، السنن الکبریٰ ج ۷ ص ۲۸۲، مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۴۲۶۷، اتحاف السادۃ المتقین ج ۵ ص ۲۲۲، فتح الباری ج ۱۰ ص ۱۰۱، کنز العمال رقم الحدیث: ۴۱۰۳۳)

''صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے فرماتے ہیں: کہ میں نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں زمزم کا ایک ڈول لے کر حاضر ہوا تو آپ نے کھڑے ہو کر نوش فرمایا۔

''صحیح بخاری میں'' حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے کھڑے ہو کر پانی پیا پھر فرمایا لوگ

[1] مطلب یہ ہے کہ یہ عمدہ چیزیں ہیں ان میں احسان کم ہوتا ہے اور بوجھ بھی ہلکا ہوتا ہے۔ (زرقانی ج ۴ ص ۳۶۰)

کھڑے ہوکر پینا مکروہ جانتے ہیں اور نبی اکرم ﷺ نے اسی طرح کیا جس طرح میں نے کیا ہے۔
(صحیح البخاری رقم الحدیث:۵۶۱۵۔۵۶۱۶)

یہ تمام احادیث صحیح ہیں ان میں کوئی اشکال اور تعارض نہیں اور جس نے کہا کہ یہ احادیث منسوخ ہیں اس نے غلط کہا جب دونوں قسم کی احادیث کو جمع کیا جا سکتا ہے تو نسخ کی طرف کیسے جائیں گے صحیح بات یہ ہے کہ ممانعت' مکروہ تنزیہی پر محمول ہے اور آپ کا کھڑے ہوکر پینا بیانِ جواز کے لئے تھا۔

سوال: کھڑے ہوکر پینا کیسے مکروہ ہوگا جب کہ سرکار دو عالم نے یہ عمل خود کیا ہے؟

جواب: جب آپ کا فعل جواز کے لئے ہوگا تو مکروہ نہیں ہوگا بلکہ یہ بیان آپ پر واجب تھا۔

اور آپ کا یہ فرمانا: کہ جو بھول جائے وہ قے کرے یہ استحباب پر محمول ہے لہٰذا جو کھڑا ہوکر پیئے اس کے لئے بہتر یہ ہے کہ قے کرے تاکہ اس واضح حدیث پر عمل ہو جائے بھول کر ایسا کیا ہو یا جان بوجھ کر۔

یہ بات امام نووی رحمہ اللہ نے فرمائی ہے۔

مالکی فقہ سے تعلق رکھنے والے فرماتے ہیں: کہ کھڑے ہوکر پینے میں کوئی حرج نہیں انہوں نے اس بات پر حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ کی حدیث سے استدلال کیا ہے فرماتے ہیں: کہ میں نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو کھڑے ہوکر پیتے دیکھا ہے اور امام مالک رحمہ اللہ فرماتے تھے ان کو حضرت عمر بن خطاب' حضرت عثمان غنی اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہم سے یہ بات پہنچی ہے کہ یہ حضرات کھڑے ہوکر پیتے تھے مالکی حضرات حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کا جس میں فرمایا کہ کوئی شخص ہرگز کھڑا ہوکر نہ پیئے اور اگر بھول جائے تو قے کرے' جواب یوں دیتے ہیں کہ حضرت عبدالحق رحمہ اللہ نے فرمایا: کہ اس کی سند میں عمر بن حمزہ عمری ضعیف ہیں۔

مازری نے کہا کہ ہمارے بعض مشائخ نے فرمایا ہو سکتا ہے نہی اس شخص کی طرف پھیری جائے جو اپنے ساتھیوں کے پاس پانی لے کر آئے پھر جلدی کرتے ہوئے کھڑے ہونے کی حالت میں پی لے اور یوں وہ اس ضابطے سے نکل جائے کہ قوم کے ساقی کو آخر میں پینا چاہیے۔

بعض حضرات نے فرمایا: زیادہ ظاہر یہ ہے کہ یہ حدیث حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ پر موقوف ہے وہ فرماتے ہیں: میرے لئے زیادہ ظاہر یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ سے جو احادیث کھڑے ہوکر پینے کے بارے میں مروی ہیں وہ جواز پر دلالت کرتی ہیں اور نہی کی احادیث استحباب پر نیز زیادہ بہتر اور زیادہ کامل کی ترغیب پر محمول ہیں کیونکہ کھڑے ہوکر پینے میں کچھ نہ کچھ نقصان ہے اور نبی اکرم ﷺ کا عمل اس لئے تھا کہ آپ اس سے بے خوف تھے۔

فرماتے ہیں: آپ کا یہ ارشاد گرامی کہ جو بھول جائے وہ قے کرلے اس قول کو اس بات پر محمول کیا جائے گا کہ اس سے عقل میں خرابی پیدا ہوتی ہے اور قے کرنا اس کا علاج ہے۔

امام نخعی رحمہ اللہ کا قول اس کی تائید کرتا ہے وہ فرماتے ہیں: اس سے پیٹ کی بیماری کی وجہ سے منع کیا تھا۔

ابن قیم نے کہا کہ کھڑا ہوکر پینے میں کئی آفات ہیں ایک یہ کہ اس سے پوری طرح سیرابی نہیں ہوتی اور وہ معدے میں ٹھہرتا نہیں حتیٰ کہ جگر اسے اعضاء پر تقسیم کرے اور وہ معدے کی طرف جلدی جلدی اترتا ہے جس سے اس کی حرارت کے ٹھنڈا ہونے کا خطرہ ہوتا ہے اور بدن کے نچلے حصے کی طرف آہستہ آہستہ جانے کی بجائے تیزی سے جاتا ہے اور یہ تمام

باتیں کھڑے ہو کر پینے والے کو نقصان پہنچاتی ہیں۔البتہ کبھی کبھی ایسا ہو جائے تو نقصان نہیں ہوتا۔

حضرت امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث نقل کی ہے کہ انہوں نے ایک شخص کو کھڑے ہو کر پیتے دیکھا تو فرمایا: قے کرو اس نے پوچھا کیوں؟ فرمایا کیا تمہیں پسند ہے کہ تمہارے ساتھ بلی بھی پیئے؟ اس نے کہا نہیں آپ نے فرمایا: تیرے ساتھ اس سے بھی بری مخلوق نے پیا ہے اور وہ شیطان ہے۔

نبی اکرم ﷺ پینے کے دوران تین بار سانس لیتے تھے اور آپ فرماتے: کہ یہ تو زیادہ سیراب کرتا اور آسانی سے اترنے کا سبب ہے نیز صحت کا زیادہ ضامن ہے۔(صحیح مسلم رقم الحدیث:۱۲۳)

اور سانس لینے کا مطلب یہ ہے کہ برتن سے منہ ہٹا کر باہر سانس لیتے پھر دوبارہ نوش فرماتے۔

طبرانی نے ''الاوسط میں'' اچھی سند کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ نبی کریم ﷺ تین سانسوں میں پیتے تھے۔جب برتن کو منہ کے قریب کرتے تو بسم اللہ پڑھتے اور جب ہٹاتے تو الحمد للہ کہتے آپ تین بار اس طرح کرتے تھے۔

اس انداز میں پینے میں بہت سی حکمتیں اور فوائد ہیں نبی اکرم ﷺ نے اپنے ایک ارشاد گرامی میں ان سب کو جمع کر دیا آپ نے فرمایا:

انه اروی و امراء وابراء. یہ زیادہ سیرابی آسانی سے اترنے اور حفظان صحت کا ضامن ہے۔

اروی' ری سے بنا ہے یعنی خوب سیراب ہونا اور زیادہ نفع بخش ہونا ابرا' برء سے اسم تفضیل ہے شفاء کے معنیٰ دیتا ہے یعنی سخت پیاس اور اس کی بیماری سے ٹھیک ہو جاتا ہے کیونکہ پانی معدے پر کئی مرتبہ پڑتا ہے اور پہلی مرتبہ سے جو سکون نہیں ملتا وہ دوسری بار سے حاصل ہوتا ہے اور دوسری بار کی عاجزی' تیسری بار پینے سے سکون پہنچاتی ہے۔نیز اس طرح معدے کی حرارت محفوظ رہتی ہے اور یکدم پانی ڈالنے کی وجہ سے اس کا جو خاتمہ ہوتا ہے اس سے حفاظت ہوتی ہے کیونکہ ایک ہی مرتبہ پینے سے جو خرابی ہوتی ہے وہ اس صورت میں نہیں ہوتی کیونکہ اس بات کا خطرہ ہوتا ہے کہ زیادہ ٹھنڈک اور پانی کی زیادہ مقدار حرارت کو بجھا دے یا اس کو کمزور کر کے معدے اور جگر کو خراب کر دے اور بری بیماریوں کی طرف لے جائے خاص طور پر گرم ممالک کے باشندوں اور گرم موسم میں زیادہ خطرہ ہے کیونکہ ایک ہی مرحلے میں پینا ان کے لئے خطرناک ہو سکتا ہے۔

آپ نے امرا فرمایا جو ہمزہ کے ساتھ ہے اور ''مرؤ'' سے اسم تفضیل ہے یعنی کھانا اور پانی جب بدن میں سہولت کے ساتھ داخل ہو کر مل جائے اور لذت و نفع کا باعث بنے۔

بعض حضرات نے فرمایا: کہ وہ ہنیا مریأ (خوشگوار) ہو جاتا ہے یعنی محفوظ اور بیماری' پیاس اور اذیت سے بچاتا ہے اور اسی سے ماخوذ ہے کہ یہ پیاس کو زیادہ ختم کرتا اور ہضم پر زیادہ قوت دیتا ہے۔

ایک سانس میں پینے میں گلے میں رک جانے کا خطرہ بھی ہوتا ہے مقصد یہ ہے کہ پانی کے زیادہ ہونے کی وجہ سے نالیوں میں رکاوٹ آ جائے پس جب سانس لے کر پیئے گا تو اس سے محفوظ رہے گا۔

حضرت عبداللہ بن مبارک نیز امام بیہقی رحمہ اللہ علیہما اوران کے علاوہ محدثین نبی اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں

آپ نے فرمایا:

اذا شرب احدکم فلیمص الماء مصا ولا یعب عبا فانہ یورث الکباد۔[1]

جب تم میں سے کوئی شخص پانی پیئے تو چسکی کے طور پر پیئے اور یکبارگی ایک ہی سانس میں نہ پیئے اس سے جگر میں درد پیدا ہوتا ہے۔

اس سانس اور برتن میں سانس لینے کی ممانعت میں کوئی ٹکراؤ نہیں کیونکہ برتن میں سانس لینے سے منع کیا گیا ہے کیونکہ بعض اوقات سانس لینے سے پانی میں تبدیلی آجاتی ہے یا تو اس لئے کہ کھانے کی وجہ سے سانس لینے والے کے منہ میں تبدیلی ہوتی ہے یا مسواک اور کلی کئے ہوئے زیادہ وقت گزر چکا ہوتا ہے یا سانس کے ذریعے معدے کے بخارات اوپر کو آتے ہیں۔

لیکن برتن سے باہر سانس لینے میں یہ خطرہ نہیں ہوتا اس لئے دونوں قسم کی احادیث میں کوئی تعارض نہیں۔

اور اگر سانس نہ لے بلکہ ایک سانس میں پیئے تو بھی جائز ہے لیکن بعض نے کہا کہ مطلقاً منع ہے کیونکہ یہ شیطان کا طریقہ ہے۔[2]

طفیلی کا معاملہ

اور نبی اکرم ﷺ کو جب کھانے کی دعوت دی جاتی ہے اور آپ کے ساتھ کوئی دوسرا ہوتا جو آپ کو گھر والے کا پتہ بتاتا تو آپ فرماتے: یہ شخص ہمارے ساتھ آیا ہے اگر تم چاہو تو واپس چلا جائے۔[3]

(المعجم الکبیر ج ۱۷ص ۱۹۶۔۱۹۸۔۱۹۹، السنن الکبریٰ ج ۷ص ۲۶۵)

ولیمہ کے آداب

نبی اکرم ﷺ اپنے مہمانوں کو بار بار کھانے کا حکم دیتے تھے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے دودھ پینے والے واقعہ میں مذکور ہے کہ حضور علیہ السلام نے ان سے بار بار فرمایا پیو حتی کہ انہوں نے عرض کیا اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے میں اس کے لئے گنجائش نہیں پاتا۔ (مسند احمد ج ۶ص ۵۔۲۵۵، السنن الکبریٰ ج ۲ص ۴۴۶۔

---

[1] اگر پانی بالکل تھوڑا ہو اور سانس لینے کی ضرورت نہ ہو تو ایک سانس میں بھی پیا جاسکتا ہے اگر زیادہ ہو تو تین سانسوں میں پینا چاہیے اور سانس برتن سے باہر لئے جائیں۔

(زرقانی ج ۴ص ۳۶۵)

[2] یہ بھی کہا گیا کہ یہ جانوروں کا عمل ہے لہٰذا ایسا کرنے والا جانوروں کے مشابہ ہے۔ ۱۲ ہزاروی (زرقانی ج ۴ص ۳۶۵)

[3] طفیلی وہ شخص ہوتا ہے جس کو دعوت نہ دی گئی ہو اور وہ دوسرے شخص کے ہمراہ جائے۔ صحیح بخاری اور مسلم میں ہے کہ ایک انصاری ابو شعیب نے اپنے غلام لحام (گوشت بیچنے والا) سے کہا کہ پانچ آدمیوں کے لئے کھانا پکاؤ میں حضور علیہ السلام کو دعوت دینا چاہتا ہوں میں نے آپ کے چہرے پر بھوک کے آثار دیکھے ہیں حضور علیہ السلام کو دعوت دی تو ایک شخص آپ کے پیچھے پیچھے ہو گیا آپ نے فرمایا تم نے مجھے پانچویں شخص کے طور پر (یعنی صرف مجھے) دعوت دی تھی۔ یہ شخص ہمارے ساتھ آیا ہے اگر چاہو تو اسے اجازت دو اور چاہو تو چھوڑ دو اس نے عرض کیا میں نے اجازت دی۔ (زرقانی ج ۴ص ۳۶۵)

ج ۷ص ۸۳۔ج ۸ص ۶۹۴' دلائل النبوۃ رقم الحدیث:۱۵۱' کنزالعمال رقم الحدیث:۳۰۲۳۲)

نبی اکرم ﷺ جب کچھ افراد کے ساتھ کھاتے تو آپ سب سے آخر میں کھانے والے ہوتے (تا کہ کوئی شخص شرم کی وجہ سے بھوکا نہ رہ جائے)۔

امام بیہقی نے''شعب الایمان میں'' حضرت جعفر بن محمد سے روایت نقل کی وہ اپنے والد سے مرسلاً روایت کرتے ہیں اور ابن عمرو سے مرفوعاً مروی ہے جسے ابن ماجہ اور امام بیہقی نے نقل کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: جب دسترخوان رکھ دیا جائے تو کوئی شخص نہ اٹھے اگرچہ سیر ہو گیا ہو جب تک سب لوگ فارغ نہ ہو جائیں اس سے اس کا ساتھی شرمندہ ہوگا اور ہوسکتا ہے اسے کھانے کی حاجت باقی ہو۔ (اتحاف السادۃ المتقین ج ۵ص ۲۲۵۔۲۱)

نبی اکرم ﷺ جب کسی کے ہاں کھانا تناول فرماتے تو گھر والوں کے لئے دعا مانگے بغیر تشریف نہ لے جاتے آپ نے حضرت عبداللہ بن بسر رضی اللہ عنہ کے گھر میں یوں دعا مانگی:

اَللّٰھُمَّ بَارِکْ لَھُمْ فِیْمَا رَزَقْتَھُمْ وَاغْفِرْ لَھُمْ وَارْحَمْھُمْ۔

یا اللہ! ان کے رزق میں برکت عطا فرما ان کو بخش دے اور ان پر رحم فرما۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۳۷۲۹' صحیح مسلم رقم الحدیث:۱۶۱۶' مسند احمد ج ۴ص ۱۸۸۔۱۹۰' السنن الکبریٰ ج ۷ص ۲۷۳' مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث:۲۴۲۷' کنزالعمال رقم الحدیث:۴۳۲۷)

اور حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے گھر میں یوں دعا فرمائی:

اَفْطَرَ عِنْدَ کُمُ الصَّآئِمُوْنَ وَاَکَلَ طَعَامَکُمُ الْاَبْرَارُ وَصَلَّتْ عَلَیْکُمُ الْمَلٰٓئِکَۃُ۔

تمہارے ہاں روزہ داروں نے افطار کیا اور نیک لوگوں نے تمہارا کھانا کھایا اور فرشتوں نے تمہارے لئے رحمت کی دعا کی۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۳۸۵۴' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۱۷۴۷' مسند احمد ج ۳ص ۱۱۸' السنن الکبریٰ ج ۴ص ۲۳۹۔۲۴۰' مطالب العالیہ رقم الحدیث:۳۱۳۵' اتحاف السادۃ المتقین ج ۵ص ۲۲۵۔۲۴۰' موارد الظمان رقم الحدیث:۱۳۵۳' حلیۃ الاولیاء ج ۳ص ۲۷' نصب الرایہ ج ۲ص ۴۸۰' کنزالعمال رقم الحدیث:۲۵۹۸۸۔۲۵۹۸۹)

اور کسی دوسرے صاحب نے آپ کو دودھ پلایا تو آپ نے یوں دعا فرمائی:

اَللّٰھُمَّ اَمْتِعْہُ بِشَبَابِہٖ۔

یا اللہ ان کو ان کی جوانی سے نفع عطا فرما۔

(عمل الیوم واللیلہ رقم الحدیث:۴۶۹' نووی فی الاذکار رقم الحدیث:۲۱۳' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۱ص ۴۹۴)

تو ان کی عمر اسی سال ہونے کے باوجود ان کا ایک سفید بال بھی نہیں دیکھا گیا۔

دوسری نوع

نبی اکرم ﷺ کا لباس اور بچھونا [1]

امام بخاری رحمہ اللہ نے ایک عنوان قائم کیا ہے جو اس طرح ہے:

باب ما کان النبی ﷺ یتجوز من اللباس۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۸۴۳۔۵۸۴۴)

نبی اکرم ﷺ کے لباس میں کشادگی اختیار کرنے سے متعلق باب۔

یعنی آپ کے لباس میں وسعت تھی آپ کسی ایک قسم کے لباس کو اختیار کر کے تنگی کی راہ اختیار نہیں کرتے تھے اسی طرح عمدہ اور بیش قیمت لباس کی طلب کے ذریعے بھی تنگی میں نہیں پڑتے تھے بلکہ جو آسانی سے مل جاتا زیب تن فرما لیتے۔

حضرت قاضی عیاض رحمہ اللہ نے فرمایا: کہ آپ حسب ضرورت لباس پر اکتفاء کرتے تھے اور دوسرے لباس سے بے رغبت ہو جاتے پس جو مل جاتا پہنتے تھے عام حالات میں آپ دستار مبارک، بڑی موٹی چادر، عام چادریں اور تہبند استعمال فرماتے اور ریشمی جبے جن پر سونا چڑھا ہوتا تھا حاضرین میں تقسیم فرما دیتے اور جو موجود نہ ہوتے ان کے لئے رکھ دیتے کیونکہ لباس اور زینت اختیار کرنے میں اظہار فخر، بزرگی اور عزت کی خصلتوں میں سے نہیں ہے بلکہ یہ عورتوں کی علامت ہے۔

قابل تعریف لباس وہ ہے جو پاک صاف ہو اور درمیانے قسم کا ہو اور اس قسم کا لباس پہنا جاتا ہو اور اس جیسے دوسرے لوگوں کی شان وعزت کو گرانے والا نہ ہو (یعنی دوسروں سے ممتاز نہیں ہونا چاہیے)۔

ابونعیم نے ''الحلیہ میں'' حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

ان من کرامۃ المومن علی اللہ عزوجل نقاء ثوبہ و رضاہ بالیسیر۔ (کشف الخفاء ج ۱ ص ۳۳۱۔۳۳۲)

اللہ تعالیٰ کے ہاں مؤمن کی عزت اس کے کپڑوں کے پاک صاف ہونے اور تھوڑے پر راضی ہونے میں ہے۔

انہوں نے ہی حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ایک شخص کو دیکھا کہ اس کے کپڑے میلے کچیلے تھے تو فرمایا کیا اس کے پاس ایسی کوئی چیز نہیں جس سے یہ اپنے کپڑوں کو صاف کرے۔

(کشف الخفاء ج ۱ ص ۳۳۱، جمع الجوامع رقم الحدیث: ۷۷۔۴۲۷، حلیۃ الاولیاء ج ۳ ص ۱۵۶، اتحاف السادۃ المتقین ج ۱ ص ۳۰۶)

عمامہ مبارکہ

لباس کے سلسلے میں نبی اکرم ﷺ کی سیرت طیبہ (طریقہ مبارکہ) بدن کے لئے زیادہ نفع بخش اور آسان ترین ہے۔ آپ کا عمامہ شریف بہت بڑا نہ تھا جس کا اٹھانا اذیت ناک ہو وہ کمزور کر دے اور آفات کا نشانہ بنا دے جس طرح آپ کے صحابہ کرام کے حال سے مشاہدہ ہوتا تھا اور نہ اتنا چھوٹا کہ سر کو گرمی اور سردی سے محفوظ نہ رکھے بلکہ اس کے درمیان تھا اور آپ اس کو اپنی گردن مبارک کے نیچے داخل کرتے تا کہ گردن مبارک گرمی سردی سے محفوظ رہے اور گھوڑے یا اونٹ

[1] (الطبقات الکبریٰ ج ۱ ص ۳۴۷۔۳۵۹)

پر سواری نیز حملے کے وقت وہ آپ کو زیادہ قائم رکھتا تھا اسی طرح بدن پر چادر اور تہبند دوسرے لباس کی نسبت زیادہ ہلکا پھلکا ہوتا ہے۔

ابن حاج مکی رحمہ اللہ نے "المدخل میں" عمامہ شریف کو گردن کے نیچے لے جانے کے مستحب ہونے پر استدلال کے حوالے سے تفصیلی گفتگو کی ہے پھر فرمایا کہ جب عمامہ شریف باندھنا مباح ہے (جائز ہے جو واجب نہیں) تو اس میں ان سنتوں کا خیال رکھنا ضروری ہے جو اس سے متعلق ہیں یعنی اسے دائیں جانب سے شروع کرنا' بسم اللہ پڑھنا اور جدید ہونے کی صورت میں وہ دعا پڑھنا جو اس سلسلے میں احادیث میں مذکور ہے۔ [1]

عمامہ باندھتے' اسے گردن کے نیچے سے داخل کرنے شملہ رکھنے اسے چھوٹا رکھنے یعنی سات ہاتھ (تین گز سے کچھ زائد) یا اس کے برابر برابر رکھتے کہ اس کو گردن کے نیچے سے گزار سکے اور شملہ بھی بن سکے وغیرہ سے متعلق سنت پر عمل کرے اگر عمامہ شریف میں گرمی یا سردی کی وجہ سے تھوڑا سا زیادہ رکھے تو کوئی حرج نہیں پھر فرمایا:

وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا (حشر: ۷)

اور جس بات کا رسول اکرم ﷺ تمہیں حکم دیں اس پر عمل کرو اور جس سے منع کریں اس سے رک جاؤ۔

پس تم پر لازم ہے کہ شلوار بیٹھ کر پہنو اور دستار کھڑے ہو کر باندھو۔

آستین مبارک

نبی اکرم ﷺ کی آستینیں مبارک نہ تو زیادہ لمبی ہوتیں اور نہ ہی زیادہ کشادہ بلکہ آپ کی آستینیں کلائی تک ہوتیں۔ یعنی (جہاں گھڑی باندھتے ہیں) ہاتھ سے آگے نہ بڑھتی جو پہننے والے کو مشقت میں ڈالے اور جلدی جلدی حرکت کرنے یا کسی چیز کو پکڑنے سے اسے روک دے اور نہ اس سے چھوٹی ہوتی کہ گرمی سردی میں بازو ننگا ہو۔

حضرت اسماء بنت یزید رضی اللہ عنہا سے مروی ہے فرماتی ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ کی قمیص مبارک کی آستین کلائی تک ہوتی تھی۔

تہبند کی لمبائی

نبی اکرم ﷺ کی قمیص کا دامن اور چادر پنڈلیوں کے نصف تک ہوتی اور ٹخنوں سے تجاوز نہ کرتی کہ چلنے والے کو تکلیف ہو اور گویا وہ بیڑی میں جکڑا ہوا ہے اور پنڈلیوں کے گوشت سے بھرپور پٹھے سے کم بھی نہ ہوتی کیونکہ اس سے گرمی سردی میں تکلیف ہوتی ہے۔ زاد المعاد میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

امام ترمذی رحمہ اللہ نے حضرت اشعث بن سلیم رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے فرماتے ہیں کہ میں نے اپنی پھوپھی

---

[1] نبی اکرم ﷺ کا طریقہ مبارک تھا کہ جب کبھی نیا کپڑا پہنتے تو اس کا نام لیتے مثلاً قمیص' عمامہ وغیرہ پھر یہ دعا پڑھتے:

اَللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ كَمَا كَسَوْتَنِيْهِ اَسْاَلُكَ مِنْ خَيْرِهٖ وَخَيْرِ مَا صُنِعَ لَهٗ وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّهٖ وَشَرِّ مَا صُنِعَ لَهٗ۔ (زرقانی ج ۵ ص ۳)

یا اللہ! تیرا شکر ہے اور تو قابل تعریف کہ تو نے مجھ پر لباس پہنچایا میں تجھ سے اس کی بھلائی اور جس کے لئے یہ بنایا گیا اس کی بھلائی کا سوال کرتا ہوں اور اس کے شر اور جس کے لئے یہ بنایا گیا اس کے شر سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔

سے سناوہ اپنے چچا سے نقل کرتی ہیں وہ فرماتے ہیں: میں مدینہ طیبہ میں چل رہا تھا کہ میرے پیچھے ایک شخص کہہ رہا تھا اپنے تہبند کو اوپر اٹھاؤ یہ زیادہ تقویٰ اور طہارت کا باعث ہے میں نے دیکھا تو نبی اکرم ﷺ تھے میں نے عرض کیا یارسول اللہ! یہ تو چھوٹی سی چادر ہے آپ نے فرمایا کیا اس سلسلے میں (میرا عمل) تمہارے لئے نمونہ نہیں ہے۔
چنانچہ میں نے دیکھا تو آپ کا تہبند مبارک پنڈلیوں کے نصف تک تھا۔

(مسند احمد ج ۵ ص ۳۶۴' شمائل ترمذی رقم الحدیث: ۵۸' البدایہ والنہایہ ج ۶ ص ۴۷' المعجم الکبیر ج ۱۹ ص ۲۸۱' فتح الباری ج ۱۰ ص ۳۲۳)

امام طبرانی رحمہ اللہ نے حضرت عبداللہ بن محمد بن عقیل سے اور انہوں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا فرماتے ہیں: کہ نبی کریم ﷺ نے مجھے دیکھا کہ میرا تہبند لٹکا ہوا تھا آپ نے فرمایا: اے ابن عمر! کپڑے کا جو حصہ زمین کو چھوئے گا وہ جہنم میں جائے گا۔ (یعنی وہ شخص سزا کا مستحق ہے)۔

(مسند احمد ج ۲ ص ۹۸' فتح الباری ج ۱۰ ص ۳۱۶' کنز العمال رقم الحدیث: ۳۱۱۹۰)

"صحیح بخاری میں" حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ نبی اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا:

ما اسفل من الکعبین من الازار فی النار.

تہبند سے جو کچھ ٹخنوں سے نیچے جائے گا وہ (یعنی پہننے والا) جہنم میں جائے گا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۷۸۷' سنن نسائی ج ۸ ص ۲۰۷' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۵۷۳' مسند احمد ج ۲ ص ۳۶۱۔ ج ۵ ص ۹' مجمع الزوائد ج ۵ ص ۱۲۳' مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۴۳۱۴' الترغیب والترہیب ج ۳ ص ۸۸' الکامل ج ۳ ص ۱۲۲۷' شرح السنۃ ج ۱۲ ص ۱۲' کنز العمال رقم الحدیث: ۳۱۱۵۸)

حضرت خطابی فرماتے ہیں: اس کا مطلب یہ ہے کہ ٹخنوں کے نیچے جسم کے جس حصے کو تہبند (شلوار) پہنچے تو وہ حصہ جہنم میں جائے گا تو کپڑا بول کر پہننے والا مراد لیا معنی یہ ہے کہ ٹخنوں سے نیچے قدم کا جو حصہ ہے اسے جہنم میں سزا دی جائے گی۔ اس کا خلاصہ یہ ہوا کہ کسی چیز کا نام اس چیز کے نام پر رکھا گیا جس سے وہ ملی ہوتی ہے یا اس میں داخل ہے اور "من" بیانیہ ہے۔

امام طبرانی نے حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً نقل کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

ازرة المومن الی انصاف الساقین ولیس علیہ حرج فیما بینہ و بین الکعبین وما اسفل من ذلک ففی النار.

مؤمن کا تہبند (شلوار وغیرہ) باندھنے کا طریقہ یہ ہے کہ پنڈلیوں کے نصف تک ہو اور اگر پنڈلیوں کے نصف اور ٹخنوں کے درمیان ہو تو بھی کوئی حرج نہیں اور جو اس سے نیچے ہوگا وہ جہنم میں ہوگا۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۰۹۳' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۵۷۳' مسند احمد ج ۳ ص ۶۔ ۹۷' موطا امام مالک رقم الحدیث: ۱۲' مسند الحمیدی رقم الحدیث: ۷۳۷' السنن الکبریٰ ج ۲ ص ۲۴۴' کشف الخفاء ج ۲ ص ۱۸۸' المعجم الکبیر ج ۱۲ ص ۳۳۱' اتحاف السادۃ المتقین ج ۹ ص ۳۵۹' مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث ۴۳۳۲' تاریخ کبیر ج ۵ ص ۳۲۶' الکامل ج ۴ ص ۱۶۳۸' التمہید ج ۳ ص ۲۴۵' کنز العمال رقم الحدیث: ۳۱۰۹۸۔ ۳۱۱۲۳)

الازرة: تہبند باندھنے کی حالت کو کہا جاتا ہے جس طرح رکبة اور جلسة ہے۔ تکبر کے طور پر یوں کہنا کہ اللہ تعالیٰ نے میرے اور تیرے کپڑوں کو پاک رکھا اور میرے اور تیرے دل کو پاک رکھا' منع ہے اور اسی کے بارے میں سزا کا

ذکر آیا ہے (تکبر کے بغیر ہو تو حرج نہیں)۔

امام ترمذی کے علاوہ محدثین سنن (حضرت امام ابوداؤد امام ابن ماجہ اور امام نسائی رحمہم اللہ) نے اسے روایت کرکے غریب قرار دیا ہے۔ ابن ابی شیبہ نے حضرت عبدالعزیز بن ابی رواد سے انہوں نے حضرت سالم بن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم سے اور انہوں نے اپنے والد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

الاسبال فی الازار والقمیص والعمامة من جر شیئا منها خیلاء لم ینظر اللہ الیه یوم القیامة.

لٹکانا تہبند، قمیص اور عمامہ میں ہوتا ہے پس جو شخص ان میں سے کسی چیز کو تکبر کے طور پر لٹکائے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کی طرف (رحمت کی) نظر نہیں کرے گا۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۰۹۴، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۵۷۶، سنن نسائی ج ۸ ص ۲۰۸، المعجم الکبیر ج ۱۲ ص ۳۱۱، شرح السنہ ج ۱۲ ص ۹، مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۴۳۳۲، اتحاف السادۃ المتقین ج ۸ ص ۳۴۷، الترغیب والترھیب ج ۳ ص ۸۹، علل الحدیث رقم الحدیث: ۱۴۵۴، فتح الباری ج ۱۰ ص ۲۶۳، کنز العمال رقم الحدیث: ۴۱۱۶۷)

تو اس روایت سے معلوم ہوا کہ یہ حکم تہبند کے ساتھ خاص نہیں ہے اگرچہ اکثر طرق احادیث میں صرف ازار (تہبند) کا ذکر آیا ہے۔

طبری نے کہا کہ حدیث شریف میں لفظ ازار آیا ہے کیونکہ نبی اکرم ﷺ کے زمانے میں اکثر لوگ تہبند باندھتے اور چادر اوڑھتے تھے اور جب لوگوں نے قمیص اور زرہیں پہننا شروع کیں تو ممانعت میں ان کا حکم بھی ازار والا ہو گیا (شلوار کا بھی یہی حکم ہے)۔

ابن بطال نے کہا یہ قیاس اس وقت صحیح ہوتا جب حدیث میں کپڑے کا واضح ذکر نہ ہوتا کیونکہ اس وقت یہ سب کو شامل ہوتا۔ عمامہ کو کھینچنا محل نظر ہے مگر یہ کہ اس سے مراد وہ طریقہ ہو جو اہل عرب کا تھا یعنی اس کے شملے کو لٹکانا پس جو عادت سے زیادہ ہو گا وہ لٹکانے میں شمار ہو گا۔

اور کیا قمیص وغیرہ کی آستینوں کو لمبا رکھنا بھی اس لٹکانے میں شامل ہے تو یہ بات قابل غور ہے اور جو کچھ ظاہر ہے وہ یہ ہے کہ عادت سے بڑھانا جیسا کہ بعض اہل حجاز کی عادت ہے اس ممانعت میں داخل ہے۔ [1]

لباسِ تکبر

ابن قیم نے کہا کہ یہ کھلی اور لمبی آستینیں جو گریبان کی طرح (کھلی ہیں) اور دستاریں جو برجوں کی طرح ہیں، نبی اکرم ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام میں سے کسی نے اس طرح نہیں پہنیں اور یہ سنت کے خلاف طریقہ ہے البتہ اس کا جائز ہونا محل نظر ہے کیونکہ یہ بھی ایک قسم کا تکبر ہے۔

ابن الحاج رحمہ اللہ نے "المدخل میں" فرمایا کہ کسی صاحب بصیرت پر مخفی نہیں کہ آج کل بعض ایسے لوگوں کی آستینیں جو اہل علم کہلاتے ہیں مال کا ضائع کرنا ہے جس سے منع کیا گیا ہے کیونکہ بعض اوقات آستین سے دوسروں کے لئے کپڑا بچ جاتا ہے۔

[1] اس میں کپڑے کا ضیاع بھی ہے اور اپنے آپ کو دوسروں سے ممتاز کرنا بھی اس لئے یہ منع ہے۔ ۱۲ ہزاروی

لیکن جب لمبی آستین رواج بن گیا اور مختلف لوگوں نے اپنی پہچان کیلئے کچھ نشانیاں مقرر کر دیں تو اگر یہ طریقہ تکبر کے طور پر ہو تو اس کے حرام ہونے میں کوئی شک نہیں اور اگر عادت و رواج کے طور پر ہو تو حرام نہیں ہوگا جب تک دامن کھینچنے تک نہ پہنچے جو ممنوع ہے۔

حضرت قاضی عیاض رحمہ اللہ نے علماء کرام سے نقل کیا کہ لباس کے سلسلے میں عادت و عرف سے جس قدر لمبائی یا کشادگی زائد ہوگی وہ مکروہ ہے۔

''صحیح بخاری میں'' حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

بینما رجل یمشی تعجبه نفسه مرجل جمة اذ خسف الله به فهو یتجلجل الی یوم القیامة.

ایک شخص اپنے آپ پر اتراتے ہوئے بالوں کو کنگھی کئے ہوئے جا رہا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اسے زمین میں دھنسا دیا پس وہ قیامت تک اس میں دھنستا چلا جائے گا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۷۸۹، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۴۹، مسند احمد ج ۲ ص ۴۵۶-۴۷۶، تاریخ الکبیر ج ۱ ص ۳۱۲-۳۱۳، اتحاف السادۃ المتقین ج ۸ ص ۳۳۶، الترغیب والترھیب ج ۳ ص ۵۶۸)

طبرانی اور ابو داؤد نے نقل کیا (کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:)

ان رجلا ممن کان قبلکم لبس بردة فتبختر فیها فنظر الله الیه فمقته فامر الارض فاخذته.

تم سے پہلے لوگوں میں ایک شخص تھا جس نے ایک چادر پہنی اور اس میں تکبر کے ساتھ چلنے لگا اللہ تعالیٰ نے اس کو دیکھا تو وہ اس پر ناراض ہوا پس زمین کو حکم دیا تو اس نے اس کو پکڑ لیا۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۵۰، مسند احمد ج ۲ ص ۳۱۳، اتحاف السادۃ المتقین ج ۸ ص ۳۳۶)

یہ وعید (سزا کا ذکر) اس مخصوص فعل پر مردوں اور عورتوں سب کو شامل ہے اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو یہ بات معلوم ہو گئی تھی۔

چنانچہ امام نسائی اور امام ترمذی رحمہما اللہ نے حضرت ایوب کے طریق سے نقل کیا وہ حضرت نافع سے اور وہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: عورتیں اپنے دامنوں کے ساتھ کیا طریقہ اختیار کریں تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ایک بالشت نیچے رکھیں انہوں نے عرض کیا اس طرح ان کے پاؤں ننگے ہوں گے آپ نے فرمایا: ایک ہاتھ چھوڑیں اس پر زیادہ نہ کریں۔ امام ترمذی نے اسے صحیح قرار دیا۔

تہبند کی لمبائی کا خلاصہ

جو کچھ ذکر کیا گیا اس کا خلاصہ یہ ہے کہ مردوں کی دو حالتیں ہیں ایک حالت استحباب ہے وہ یہ کہ نصف پنڈلی تک رکھیں اور دوسری حالتِ جواز ہے اور وہ ٹخنوں تک ہوتا ہے۔

اسی طرح عورتوں کی بھی دو حالتیں ہیں ایک حالت مستحب ہے وہ یہ کہ جس قدر مردوں کے لئے جائز ہے اس سے ایک بالشت کی مقدار بڑھائیں اور حالت جواز اس سے ایک ہاتھ زیادہ کریں۔

اور لٹکانا تہبند، قمیص اور عمامہ میں ہوتا ہے نیز ٹخنوں سے نیچے لٹکانا جائز نہیں اگر تکبر کے طور پر ہو اور اگر تکبر کی وجہ سے نہ ہو تو مکروہ تنزیہی ہے۔

حضرت امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ظاہر احادیث میں تکبر کے ساتھ اس کی تخصیص اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ حرمت بھی تکبر کے ساتھ مخصوص ہے۔ حضرت امام شافعی رحمہ اللہ نے یہ بات واضح طور پر بیان فرمائی ہے۔

عورتوں کے کپڑوں کی لمبائی

عراقی نے "شرح ترمذی میں" فرمایا: کہ ایک ہاتھ (لمبائی) جس کی عورتوں کو اجازت دی گئی ہے تو کیا اس کی ابتدا اس حد سے ہوگی جو مردوں کے لیے ممنوع ہے اور وہ ٹخنوں سے ہے یا مستحب حد سے اور وہ نصف پنڈلی ہے یا وہاں سے جو زمین کو چھوئے؟

ظاہر یہ ہے کہ اس سے تیسری صورت مراد ہے کیونکہ اس پر حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی وہ حدیث دلالت کرتی ہے جو امام ابوداؤد' امام نسائی نے نقل کی ہے اور الفاظ امام نسائی کے ہیں ابن ماجہ نے بھی اسے روایت کیا۔ آپ فرماتی ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ سے پوچھا گیا کہ عورت اپنے دامن کو کس حد تک گھسیٹے؟ آپ نے فرمایا: ایک بالشت انہوں نے عرض کیا اس طرح اس کا جسم ننگا ہوگا (یعنی پاؤں) آپ نے فرمایا: ایک ہاتھ کر لے لیکن اس سے زائد نہ ہو۔ (کہنی کے درمیان والی انگلی کے سرے تک مراد ہے) (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۱۱۷' جامع ترمذی رقم الحدیث: ۱۷۳۱' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۵۸۰' سنن نسائی ج ۸ ص ۲۰۹' مسند احمد ج ۲ ص ۵۔ ج ۶ ص ۱۲۳۔ ۳۰۹' السنن الکبریٰ ج ۲ ص ۲۳۳' مجمع الزوائد ج ۵ ص ۱۲۶' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۸ ص ۲۲۰' تاریخ اصفہان ج ۱ ص ۱۳۰) تو اس کا ظاہر یہ بتاتا ہے کہ ایک ہاتھ تک زمین پر گھسیٹ سکتی ہے۔ فرماتے ہیں: ظاہر یہ ہے کہ اس ذراع (ہاتھ) سے مراد ہاتھ کا ذراع ہے اور وہ دو بالشت ہے کیونکہ سنن ابن ماجہ میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے فرماتے ہیں: کہ رسول اکرم ﷺ نے امہات المؤمنین کو ایک بالشت کی اجازت دی پھر انہوں نے زیادہ کا مطالبہ کیا تو ایک بالشت کا اضافہ فرمایا۔

تو یہ اس بات پر دلالت ہے کہ جس ذراع (ہاتھ) کی اجازت دی گئی ہے وہ دو بالشت ہے اور آج کل اسی ذراع (شرعی گز) کے ساتھ پیمائش کی جاتی ہے۔ عراقی کا قول مکمل ہوا۔

اور عورتوں کے لئے اس کا جواز ستر کی وجہ سے ہے کیونکہ عورت سوائے ان اعضاء کے جن کو مستثنیٰ کیا گیا (ہاتھ' پاؤں اور چہرہ) مکمل طور پر ستر ہے۔

سر کا لباس

نبی اکرم ﷺ کا ایک عمامہ شریف تھا جس کو "سحاب" کہتے تھے اس کے نیچے ٹوپیاں ہوتی تھیں جو سر سے ملی ہوتی تھیں۔

قلانس (ٹوپیاں) قلنسوۃ کی جمع ہے قاف پر زبر نون ساکن سین پر پیش اور واو پر زبر ہے واو کو کبھی یاء سے اور کبھی الف سے بدل کر سین کو زبر کے ساتھ پڑھتے ہیں (قلنساۃ پڑھتے ہیں) کبھی اس سے نون کو حذف کر کے اس کے

بعد تائے تانیث لاتے ہیں یعنی قلسوۃ ۔اس سے مراد سر کو ڈھانپنے والی چیز ہے فراء۔(ابوزکریا یحییٰ بن زیاد بن عبداللہ اسدی) نے شرح "الفصیح "میں یہ بات کہی ہے "الفصیح" ثعلب کی کتاب ہے۔

(الاعلام ج ۸ص ۱۴۵'وفیات الاعیان ج ۲ص ۲۲۸'معجم الادباء ج ۵ص ۶۱۹'تذکرۃ الحفاظ ج اص ۳۷۲'تاریخ بغداد ج ۳۱ص ۱۴۹'مرآۃ الجنان ج ۲ص ۳۸'مفتاح السعادہ ج ۵ص ۲۲۵'فہرست ابن الندیم رقم الحدیث:۶۶۔۶۷)

ابن ہشام کہتے ہیں یہ وہ چیز ہے جسے عام لوگ شاشیہ کہتے ہیں ابن سیدہ کی "المحکم" میں ہے کہ یہ سروں کے لباس ہیں جو معروف ہیں۔

ابو ہلال عسکری نے کہا کہ اس سے دستاروں کو ڈھانپا جاتا ہے اور سورج نیز بارش سے آڑ بنائی جاتی ہے گویا ان کے نزدیک یہ برنس (اونچی ٹوپی) کی چوٹی ہے۔

امام ترمذی رحمہ اللہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ فتح مکہ کے دن مکہ شریف میں داخل ہوئے تو آپ پر سیاہ عمامہ شریف تھا۔(جامع ترمذی رقم الحدیث:۱۷۳۵'سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۴۰۷۶'سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۳۵۸۵۔۳۵۸۶'مسند احمد ج ۳ص ۳۶۳۔ج ۳ص ۳۰۷'سنن داری رقم الحدیث:۸۸'سنن نسائی ج ۸ص ۲۱۱'دلائل النبوۃ ج ۵ص ۶۷'مصنف ابن ابی شیبہ ج ۸ص ۲۳۳۔۲۳۷'اتحاف السادۃ المتقین ج ۳ص ۲۵۳)

اور صحیح بخاری میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ فتح مکہ کے سال آپ داخل ہوئے تو آپ کے سر انور پر خود (لوہے کی ٹوپی) تھی۔(صحیح البخاری رقم الحدیث:۵۸۰۸'شرح السنہ ج ۱۰ص ۳۹۹)

یہ خود (مغفر) سر کے مطابق زرہ کے لوہے سے بنی جاتی تھی۔

ان دونوں روایتوں کو یوں جمع کیا جاسکتا ہے کہ سیاہ عمامہ شریف خود کے اوپر تھا۔

اور قاضی عیاض رحمہ اللہ نے ان کو اس طرح جمع کیا کہ جب آپ داخل ہوئے تو پہلے مرحلے میں آپ کے سر پر خود تھی پھر اسے ہٹا کر عمامہ شریف باندھا۔اس کی دلیل حضرت عمرو بن حریث رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے انہوں نے اپنے والد سے روایت کیا فرماتے ہیں: نبی اکرم نے خطبہ دیا تو آپ پر سیاہ عمامہ تھا۔کیوں کہ آپ نے فتح مکہ کے بعد کعبہ شریف کے دروازے کے پاس خطبہ ارشاد فرمایا۔ولی بن عراقی نے کہا اس طرح دونوں حدیثوں کو جمع کرنا پہلی تاویل کے مقابلے میں زیادہ مناسب اور بہتر ہے اس سے پہلے فتح مکہ کے سلسلے میں اسی قسم کی بات بیان ہوئی ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ جب دستار مبارک باندھتے تو کپڑا لٹکا ہوا چھوڑتے۔

صحیح مسلم میں یہ اضافہ ہے کہ اس کا ایک کنارہ دونوں کاندھوں کے درمیان لٹکاتے۔

(جامع ترمذی رقم الحدیث:۱۷۳۶'صحیح مسلم رقم الحدیث:۳۵۴۰'سنن نسائی ج ۸ص ۱۰۹'سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۲۸۲۱'مسند احمد ج ۶ص ۱۴۸۔۱۵۲'السنن الکبریٰ ج ۱ص ۳۶۹'شمائل ترمذی رقم الحدیث:۵۶'مجمع الزوائد ج ۵ص ۱۲۰'مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث:۴۳۳۸'اخلاق النبوۃ رقم الحدیث:۱۱۷'کنز العمال رقم الحدیث:۱۸۲۶۹)

ابو محمد بن حیان رحمہ اللہ نے کتاب "اخلاق النبی ﷺ" میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث سے نقل کیا کہ رسول اکرم ﷺ دستار باندھتے ہوئے عمامہ شریف کے پیچ کو سر انور پر گھماتے اور اس کو پچھلی جانب دستار میں ڈال دیتے

(گھسیڑ دیتے) اور ایک حصہ دونوں کاندھوں کے درمیان چھوڑتے۔ (الاعلام ج ۴ ص ۱۲۰' تذکرۃ الحفاظ ج ۳ ص ۹۴۵'
شذرات الذہب ج ۳ ص ۶۸' کشف الظنون رقم الحدیث: ۱۴۰۶-۱۴۰۷-۱۴۳۹' اللباب ج ۱ ص ۲۳۱' النجوم الزاہرہ ج ۴ ص ۱۳۶)

''صحیح مسلم میں' حضرت عمرو بن حریث رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' فرماتے ہیں: کہ میں نے نبی اکرم ﷺ کو منبر شریف پر دیکھا آپ پر سیاہ عمامہ تھا اور آپ نے اس کا ایک کنارہ دونوں کاندھوں کے درمیان چھوڑ رکھا تھا۔

امام مسلم ہی نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت سے نقل کیا کہ آپ مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے تو آپ پر سیاہ عمامہ تھا اس میں لٹکنے والے کنارے کا ذکر نہیں جو اس بات پر دلالت ہے کہ آپ دستار کا کنارہ کاندھوں کے درمیان ہمیشہ نہیں ڈالتے تھے۔

لیکن یوں کہا جاسکتا ہے کہ جب آپ مکہ مکرمہ داخل ہوئے تو آپ پر لڑائی کا لباس اور سر پر خود تھا پس آپ نے ہر جگہ اس کے مناسب لباس پہنا۔

ابن قیم نے ''الھدی النبوی میں'' کہا ہے کہ ابن تیمیہ نے دستار کے لٹکائے جانے والے حصے کے بارے میں ایک عجیب بات کہی ہے وہ یہ کہ نبی اکرم ﷺ نے اس عمل کو اس صبح اختیار کیا جس رات آپ نے مدینہ طیبہ میں خواب میں رب العزت کی زیارت کی اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے محمد ﷺ! بلند مرتبہ فرشتے کس بات میں جھگڑتے ہیں؟ میں نے کہا مجھے معلوم نہیں تو اللہ تعالیٰ نے اپنا دست قدرت میرے دونوں کاندھوں کے درمیان رکھا تو میں نے آسمان اور زمین کے درمیان کی ہر چیز کو جان لیا۔ یہ حدیث ترمذی شریف میں ہے امام بخاری رحمہ اللہ سے اس کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا: یہ صحیح ہے۔

تو اس صبح آپ نے دستار کا ایک حصہ دونوں کاندھوں کے درمیان رکھا۔ ابن قیم نے کہا: کہ یہ علمی بات ہے جس کا جاہل لوگوں کی زبانیں اور دل انکار کرتے ہیں لیکن اس سلسلے میں' میں نے یہ فائدہ کسی اور سے نہیں دیکھا۔

''الھدی النبوی کے علاوہ'' (کتب میں) یوں مذکور ہے کہ ابن تیمیہ نے کہا کہ نبی اکرم ﷺ نے جب دیکھا کہ آپ کے رب نے اپنا دست قدرت آپ کے دونوں کاندھوں کے درمیان رکھا ہے تو اس جگہ کو شملے کے ذریعے اعزاز بخشا۔

لیکن عراقی نے یہ بات ذکر کرنے کے بعد فرمایا: کہ ہم اس کی اصل نہیں پاتے۔

ابن ابی شیبہ نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا آپ نے فرمایا: کہ نبی اکرم ﷺ نے مجھے عمامہ باندھا تو اس کا ایک کنارہ میرے کاندھوں کے درمیان لٹکایا اور فرمایا غزوۂ بدر اور حنین کے دن اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے ذریعے میری مدد کی تو انہوں نے یہی عمامے باندھ رکھے تھے۔ بے شک عمامہ مسلمانوں اور کفار کے درمیان امتیاز ہے۔
(السنن الکبریٰ ج ۱۰ ص ۱۴' مطالب العالیہ رقم الحدیث: ۲۱۵۸)

حضرت عبدالحق اشبیلی (عبدالحق بن عبدالرحمٰن بن عبداللہ الازدی) رحمہ اللہ نے فرمایا: کہ عمامہ باندھنے کے بعد سنت یہ ہے کہ اس کا کنارہ لٹکا ہوا چھوڑا جائے اور اسے گردن کے نیچے سے لے جایا جائے اگر اس کا شملہ نہ ہو اور گردن کے نیچے سے بھی نہ لے جایا جائے تو علماء کے نزدیک یہ مکروہ ہے البتہ کراہت کے سبب میں اختلاف ہے یہ بھی کہا گیا ہے کہ خلاف سنت ہونے کی وجہ سے مکروہ ہے اور ایک قول یہ ہے کہ اس طرح شیطانوں کی دستاریں ہوتی ہیں۔

(الاعلام ج ۳ص ۱۸۱' شذرات الذہب ج ۳ص ۱۷۱' تذکرۃ الحفاظ ج ۴ص ۱۳۵۰' فوات الوفیات ج ۲ص ۲۵۶' العبر ج ۴ ص ۲۳۳' مرآۃ الجنان ج ۳ص ۳۲۲' دیباج رقم الحدیث: ۱۷۵)

احادیث مبارکہ میں دستار کا ایک کنارہ لٹکانے کے مختلف طریقے مذکور ہیں ان میں سے ایک وہ ہے جو پہلے گزر چکا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے کاندھے پر چھوڑا اور ایک طریقہ وہ ہے جو حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: کہ رسول اکرم ﷺ نے مجھے عمامہ باندھا تو اسے میرے آگے اور پیچھے دونوں طرف لٹکایا یہ بات امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے نقل کی ہے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۰۷۹' مجمع الزوائد ج ۵ص ۱۲۰' الکامل ج ۵ص ۱۸۲۰)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ انہوں نے نبی اکرم ﷺ پر سیاہ عمامہ شریف دیکھا۔

حضرت رکانہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

ان فرق ما بيننا و بين المشركين العمائم على القلانس.

ہمارے اور مشرکین کے درمیان فرق دستاروں کا ٹوپیوں پر ہوتا ہے۔

(جامع ترمذی رقم الحدیث: ۱۷۸۴' کنز العمال رقم الحدیث: ۴۱۱۴۳)

حضرت ابو کبشہ انماری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی گول ٹوپیاں تھیں جو کھڑی نہیں ہوتی تھیں۔

بعض روایات میں "کمام" اور بعض میں "اکمۃ" کا لفظ ہے یعنی جمع قلت اور جمع کثرت دونوں طرح ہے "الکمۃ" ٹوپی کو کہتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ٹوپیاں بیٹھی ہوتی تھی کھڑی نہیں تھیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی ایک سفید ٹوپی تھی۔ اسے دمیاطی نے روایت کیا ہے۔

نبی اکرم ﷺ کا پسندیدہ ترین لباس

نبی اکرم ﷺ کو سب سے زیادہ قمیص پسند تھی جیسے "شمائل ترمذی میں" حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے ہے وہ فرماتی ہیں:

كان احب الثياب الى رسول الله ﷺ القميص.

نبی اکرم ﷺ کا سب سے زیادہ پسندیدہ لباس قمیص تھی۔

حضرت معاویہ بن قرہ (رضی اللہ عنہما) اپنے والد سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں: کہ میں مزینہ قبیلہ کے ایک گروہ میں نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تاکہ ہم آپ کے دست اقدس پر بیعت کریں اور آپ کی قمیص کے بٹن کھلے ہوئے تھے۔ راوی کو شک ہے کہ "لمطلق الازرار" فرمایا یا فرمایا "زر قمیصہ مطلق" (مفہوم ایک ہی ہے) فرماتے ہیں: میں نے اپنا ہاتھ آپ کی قمیص کے گریبان میں داخل کر کے مہر نبوت کو چھوا۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۵۷۸' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۰۸۲' مسند احمد ج ۳ص ۴۳۴۔ ج ۴ص ۱۹)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: کہ رسول اکرم ﷺ کی قمیص مبارک سُوتی تھی اور اس کی لمبائی اور آستینیں زیادہ بڑی نہ تھیں۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ کو وہ لباسؒ پہننا سب سے زیادہ پسند تھا جو یمنی چادروں پر مشتمل ہوتا۔ ۱ (صحیح البخاری رقم الحدیث:۵۸۱۲۔۵۸۱۳ جامع ترمذی رقم الحدیث:۱۷۸۷ سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۴۰۶۰ سنن نسائی ج ۸ ص ۲۰۳ مسند احمد ج ۳ ص ۲۹۱ شمائل ترمذی رقم الحدیث:۳۶ اتحاف السادۃ المتقین ج ۷ ص ۱۲۶ مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث:۴۳۲۸ المغنی ج ۲ ص ۲۵۷ کنز العمال رقم الحدیث:۱۸۲۶۴)

اسے ”الحبرۃ“ کہا جاتا ہے اور یہ ایک قسم کی چادریں ہیں جن میں کچھ سرخی ہوتی ہے۔

حضرت ابورمثہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: کہ میں نے نبی اکرم ﷺ کو دیکھا کہ آپ پر دو سبز چادریں تھیں۔ ۲

حضرت عروہ بن مغیرہ بن شعبہ (رضی اللہ عنہما) اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے ایک رومی جبہ پہنا جس کی آستینیں تنگ تھیں۔ (جامع ترمذی رقم الحدیث:۱۷۶۸ مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث:۴۳۰۵)

حضرت عطاء حضرت ابویعلیٰ سے اور وہ اپنے والد (رضی اللہ عنہم) سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں: کہ میں نے نبی اکرم ﷺ کو دیکھا آپ بیت اللہ شریف کا طواف کر رہے تھے اور آپ پر سبز چادر تھی۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۱۸۸۳ جامع ترمذی رقم الحدیث:۸۵۹ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۲۹۵۴)

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: کہ میں نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ پر سفید کپڑا تھا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث:۵۸۲۷ صحیح مسلم رقم الحدیث:۱۵۴ مسند امام احمد ج ۵ ص ۱۶۶)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے فرماتی ہیں: کہ ایک صبح نبی اکرم ﷺ باہر تشریف لائے تو آپ پر بالوں (اون) سے بنی ہوئی سیاہ چادر تھی۔ (جامع ترمذی رقم الحدیث:۲۸۱۳ سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۴۰۳۲ صحیح مسلم رقم الحدیث:۳۶۔۶۱ مسند احمد ج ۶ ص ۱۶۲ المستدرک ج ۳ ص ۱۸۸ الضعفاء ج ۳ ص ۱۹۷)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ اونی لباس بھی پہنتے تھے ۳ اور آپ کی ایک چادر تھی جس پر پیوند لگے ہوئے تھے آپ اسے پہنتے اور فرماتے: میں بندہ ہوں اس طرح پہنتا ہوں جس طرح بندہ پہنتا ہے۔

صوفیاء کرام کا لباس

اگر تم کہو کہ اس (مذکورہ بالا) گفتگو اور صوفیاء کرام کی سیرت سے معلوم ہوتا ہے کہ لباس عمدہ نہ ہو اور پرانے قسم کا ہو تو

---

۱ یہ چادر نرم ہوتی تھیں اور ان کی بناوٹ بھی اچھی تھی اور آپ کے جسم اقدس کے زیادہ موافق تھیں کیونکہ آپ کا جسم مبارک نہایت نرم و گداز تھا اور سخت کپڑا آپ کو تکلیف پہنچاتا تھا اور آپ کا ان کو پسند کرنا نعمت کے اظہار اور آنے والے وفود کے دلوں سے وہم کو دور کرتا تھا (مسلمانوں کے پاس کچھ نہیں) لہٰذا آپ دنیا کے لئے آخرت کے حوالے سے عمدہ لباس پہنتے تھے۔ (زرقانی ج ۵ ص ۱۵)

۲ چونکہ سبز لباس اہل جنت کا لباس ہے اس لئے آپ اسے پسند فرماتے تھے۔

۳ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں انبیاء کرام دراز گوش پر سوار ہوتے اونی لباس پہنتے اور بکری کا دودھ دوہتے تھے (گویا تواضع کا طریقہ اختیار فرماتے تھے)۔ (زرقانی جلد ۵ ص ۱۶)

صوفیاء کرام میں سے شاذلی سلسلہ والے اپنی شکل وصورت اور لباس میں حسن وجمال کو کیوں اپناتے ہیں؟
حالانکہ ان کا راستہ تو سنت شریف اور پہلے بزرگوں کی سیرت پر عمل کرنا ہے۔

تو عارف ربانی علی الوفائی (الوفوی) رحمہ اللہ تعالیٰ ہمیں ان کے مشرب کی مٹھاس اور ان کے کریم حصہ سے حصہ عطا فرمائے انہوں نے ان الفاظ میں جواب دیا' فرماتے ہیں' 'اس کی وجہ یہ ہے کہ ان لوگوں نے معانی اور حکمتوں کی طرف دیکھا تو سلف صالحین کو دیکھا کہ جب انہوں (سلف صالحین) نے لوگوں کو غفلت میں اور دنیا میں مشغول دیکھا اور یہ کہ وہ ظاہری زینت پر جھکے ہوئے ہیں' اپنی دنیا پر فخر کرتے اور اس پر مطمئن ہیں اور یہ جتاتے ہیں کہ وہ اہل دنیا ہیں۔

تو ان بزرگوں نے ان کی مخالفت کرتے ہوئے اس چیز کی حقارت کو ظاہر کیا جسے اللہ تعالیٰ نے حقیر قرار دیا اور غافل لوگوں نے اس کو بڑا سمجھ رکھا ہے تو انہوں نے اس چیز سے بے پرواہی اختیار کی جس سے غافل لوگوں نے اطمینان اختیار کر رکھا تھا۔ اس وقت ان بزرگوں کا پرانا لباس یہ بتاتا تھا کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے جس نے ہمیں اس چیز سے بے نیاز کر دیا جس کی طرف نفس زیادہ محتاج ہے اور وہ دنیوی اہتمام ہے پھر جب امید لمبی ہوگئی اور اس معنیٰ کو بھولنے کی وجہ سے دل سخت ہوگئے اور غافل لوگوں نے پھٹے پرانے کپڑے پہننا اور خراب حالت کو اپنانا شروع کیا تا کہ اس طریقے کو حصول دنیا کا ذریعہ بنائیں تو ان صوفیائے کرام نے اپنا معاملہ اس کے برعکس کر دیا۔

تو گویا ان لوگوں کی مخالفت اللہ تعالیٰ کے لئے تھی اور اس وجہ سے انہوں نے یہ راستہ اختیار کیا اسلاف کا یہی قول اور طریقہ تھا۔

الاستاذ ابوالحسن شاذلی رحمہ اللہ[1] پر کسی پرانے کپڑوں والے نے ان کے خوبصورت لباس کی وجہ سے اعتراض کیا تو انہوں نے نہایت اچھا جواب دیا اور ہماری رہنمائی فرمائی انہوں نے فرمایا۔

''اے فلاں! میری حالت الحمدللہ کہہ رہی ہے اور تیری یہ حالت کہتی ہے کہ مجھے اپنی دنیا میں سے کچھ دو''۔

(الاعلام ج ۴ ص ۳۰۵' وافی بالوفیات ج ۱۲ ص ۹۲' کشف الظنون رقم الحدیث: ۳۰۴۰-۱۶۶۱' ہدیۃ العارفین ج ۱ ص ۷۰۹-۷۱۰' طبقات الشعرانی ج ۲ ص ۴' التاج ج ۷ ص ۳۸۸)

ان لوگوں کے کاموں میں حکمت ربانی کارفرما ہوتی ہے اور ان کی مراد اپنے رب کی رضا تلاش کرنا ہوتی ہے' سیدی علی الوفا کا قول مکمل ہوا۔

حسن وجمال کی بحث

صحیح حدیث شریف میں آیا ہے:

ان اللہ جمیل یحب الجمال. بے شک اللہ تعالیٰ صاحب جمال ہے اور وہ جمال کو پسند کرتا ہے۔

---

[1] حضرت ابوالحسن شاذلی رحمہ اللہ کا نام تقی الدین علی بن عبد اللہ بن عبد الجبار ہے آپ شیخ الطائفہ تھے ابن دقیق نے کہا کہ میں نے حضرت ابوالحسن شاذلی رحمہ اللہ سے بڑھ کر کوئی عارف باللہ نہیں دیکھا آپ نے ۶۷۶ھ میں مکہ مکرمہ کی طرف جاتے ہوئے انتقال فرمایا۔
(زرقانی ج ۵ ص ۱۷)

(مسند احمد ج ۴ص ۱۳۳۔۱۳۴' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۴۷' المستدرک ج ۱ص ۲۶' کشف الخفاء ج ۱ص ۲۶۰' المعجم الکبیر ج ۸ص ۲۴۰' مجمع الزوائد ج ۲ص ۲۱۴' مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۵۱۰۸' مطالب العالیہ رقم الحدیث: ۲۱۷۰' الدر المنثور ج ۳ص ۷۹' جمع الجوامع رقم الحدیث: ۴۷۷۷' اتحاف السادۃ المتقین ج ۶ص ۳۹۸' المغنی ج ۳ص ۲۹۰' العلل المتناھیہ ج ۲ص ۱۹۸' کنز العمال رقم الحدیث: ۱۷۱۶۵۔۱۷۱۸۸۔۱۷۱۹۱)

ایک دوسری حدیث میں ہے:

ان اللہ نظیف یحب النظافۃ. بے شک اللہ تعالیٰ پاک صاف ہے اور وہ پاکیزگی کو پسند کرتا ہے۔

(جامع ترمذی رقم الحدیث: ۲۷۹۹' کشف الخفاء ج ۱ص ۳۴۱' اتحاف السادۃ المتقین ج ۲ص ۳۱۱' العلل المتناھیہ ج ۲ص ۲۲۴' الاسرار المرفوعہ رقم الحدیث: ۱۵۴' الدرر المنتثرۃ رقم الحدیث: ۶۰' الخفاء ج ۱ص ۶۲)

سنن ابوداؤد وغیرہ میں حضرت ابوالاحوص الجشمی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ نے مجھے دیکھا کہ میرے اوپر بوسیدہ کپڑا ہے۔ نسائی شریف میں ہے کہ مجھ پر حقیر سا کپڑا تھا آپ نے پوچھا کیا تیرے پاس مال ہے؟ میں نے عرض کیا جی ہاں! فرمایا: کونسا مال ہے؟ میں نے عرض کیا مجھے اللہ تعالیٰ نے سب کچھ دیا ہے اونٹ بھی ہیں اور بکریاں بھی۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: پس اس کی نعمت اور کرم کو اپنے اوپر ظاہر کرو' نسائی شریف کی روایت ہے آپ نے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ نے تمہیں مال عطا کیا ہے تو اللہ تعالیٰ کی نعمت اور کرم کا اثر تم پر ظاہر ہونا چاہیے۔ (سنن نسائی ج ۸ص ۱۹۶' جامع ترمذی رقم الحدیث: ۲۰۰۶' مسند احمد ج ۴ص ۱۳۷' المستدرک ج ۱ص ۲۵' المعجم الکبیر ج ۸ص ۳۱' السنن الکبریٰ ج ۱۰ص ۱۰' الدر المنثور ج ۲ص ۲۳۷' مجمع الزوائد ج ۵ص ۱۳۲' تاریخ الکبیر ج ۴ص ۶۰' العلل المتناھیہ ج ۲ص ۳۱' شرح السنۃ ج ۱۲ص ۴۷' مشکل الآثار ج ۴ص ۱۵۳' تفسیر ابن کثیر ج ۳ص ۲۰۶' تفسیر قرطبی ج ۵ص ۱۸۹)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ایک شخص کو دیکھا کہ اس کے بال بکھرے ہوئے تھے تو فرمایا: اس شخص کے پاس کوئی ایسی چیز نہیں جس سے اپنے سر کو ٹھیک کرے۔ (شرح السنۃ ج ۱۲ص ۵۰)

اور ایک دوسرے شخص کو میلے کچیلے کپڑوں میں دیکھا تو فرمایا اس کے پاس کپڑے دھونے کے لئے کچھ نہیں۔

سنن میں یوں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پسند فرمایا کہ اس کے بندے پر اس کی نعمت کا اثر دکھائی دے۔

(جامع ترمذی رقم الحدیث: ۲۸۱۹' مسند احمد ج ۲ص ۲۱۳' المستدرک ج ۴ص ۱۳۵' جمع الجوامع رقم الحدیث: ۱۸۹۹' مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۴۳۳۵' اتحاف السادۃ المتقین ج ۲ص ۳۱۱' الدر المنثور ج ۳ص ۷۹' التمہید ج ۳ص ۲۵۴' تاریخ الکبیر ج ۳ص ۲۲۷' المغنی ج ۳ص ۳۳۶' شرح السنۃ ج ۱۲ص ۴۹' کنز العمال رقم الحدیث: ۱۷۱۷۴۔۱۷۱۹۲)

پس اللہ سبحانہ وتعالیٰ پسند فرماتا ہے کہ اس کی نعمت کا اثر اس کے بندے پر ظاہر ہو اور یہ وہ جمال ہے جسے اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے اور یہ نعمتوں پر اس کا شکر ادا کرنا ہے اور وہ (شکر) باطنی جمال ہے تو واجب ہے کہ بندے پر ظاہری جمال نعمت کے ذریعے اور باطنی جمال شکر کے ذریعے ظاہر ہو۔

چونکہ اللہ تعالیٰ جمال (خوبصورتی) کو پسند فرماتا ہے اس لئے اس نے اپنے بندوں پر لباس اتارا جو ان کے ظاہر کو

خوبصورت بناتا ہے اور تقویٰ نازل کیا جو ان کے باطن کو خوبصورت بناتا ہے۔

ارشاد خداوندی ہے:

يَا بَنِي آدَمَ قَدْ أَنزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُوَارِي سَوْآتِكُمْ وَرِيشًا وَلِبَاسُ التَّقْوَىٰ ذَٰلِكَ خَيْرٌ (الاعراف:۲۶)

اے انسان! تحقیق ہم نے تم پر لباس اتارا جو تمہاری شرمگاہوں کو چھپاتا اور زینت ہے اور تقویٰ کا لباس بہتر ہے۔

اور اہل جنت کے بارے میں فرمایا:

وَلَقَّاهُمْ نَضْرَةً وَسُرُورًا وَجَزَاهُم بِمَا صَبَرُوا جَنَّةً وَحَرِيرًا (الدھر:۱۱)

اور انہیں تازگی اور شادمانی دی اور ان کے صبر پر انہیں جنت اور ریشمی کپڑے صلہ میں دیئے۔

تو ان کے چہروں کو تروتازگی باطن کو سرور اور بدنوں کو ریشمی کپڑے کے ذریعے جمال عطا فرمایا۔

اللہ تعالیٰ جس طرح اقوال' افعال' لباس اور شکل وصورت میں جمال کو پسند کرتا ہے اسی طرح اقوال' افعال اور شکل و صورت (حالت) میں بدصورتی کو ناپسند کرتا ہے پس وہ برے کاموں اور ان کے مرتکبین کو ناپسند کرتا ہے۔

لیکن یہاں دو جماعتیں بھٹک گئیں۔

ایک گروہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ پیدا کیا وہ خوبصورت ہے پس وہ اپنی تمام مخلوق سے محبت کرتا ہے اور ہم اس کی تمام مخلوق سے محبت کرتے ہیں اور کسی چیز سے نفرت نہیں کرتے وہ کہتے ہیں جو شخص کائنات کو اس کی طرف سے دیکھتا ہے وہ تمام کائنات کو خوبصورت سمجھتا ہے انہوں نے اس آیت سے استدلال کیا ہے:

الَّذِي أَحْسَنَ كُلَّ شَيْءٍ خَلَقَهُ (السجدہ:۷) وہ جس نے جو چیز بنائی خوب بنائی۔

ان لوگوں کے دلوں میں اللہ تعالیٰ کے لئے غیرت نہیں نہ ہی اللہ تعالیٰ کے لئے کسی سے بغض اور دشمنی رکھتے ہیں نہ برائی کا انکار کرتے ہیں اور نہ حدود قائم کرتے ہیں۔

دوسرا گروہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے شکل وصورت کے حسن کی مذمت کی ہے اسی طرح اچھے قد وقامت اور تخلیق کی بھی مذمت کی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے منافقین کے بارے میں فرمایا:

وَإِذَا رَأَيْتَهُمْ تُعْجِبُكَ أَجْسَامُهُمْ (المنافقون:۴)

اور جب تم ان کو دیکھو تو ان کے جسموں پر تمہیں تعجب ہوگا۔

اور "صحیح مسلم میں" مرفوع حدیث ہے' نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

ان اللہ ینظر الی صورکم واموالکم و انما ینظر الی قلوبکم واعمالکم.

بے شک اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں اور تمہارے مالوں کو نہیں دیکھتا بلکہ وہ تمہارے دلوں اور اعمال کو دیکھتا ہے۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۴۱۴۳' مسند احمد ج۲ص۲۸۵' صحیح مسلم ص ۱۹۸۷' جمع الجوامع رقم الحدیث:۵۱۴۳_۵۱۴۵' اتحاف السادۃ المتقین ج۱ص۱۵۶' الدر المنثور ج۵ص۲۳۸_ ج۶ص۲۳۱' مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث:۵۳۱۴' حلیۃ الاولیاء ج۴ص۹۸' شرح السنۃ ج۱۴ص۳۴۱' تاریخ دمشق ج۵ص۳۳۰' علل الحدیث رقم الحدیث:۸۹۵' تفسیر قرطبی ج۱۶ص۳۲۶_۳۴۲)

یہ حضرات کہتے ہیں: کہ اللہ تعالیٰ نے ریشم اور سونا پہننا نیز سونے اور چاندی کے برتن حرام قرار دیئے حالانکہ یہ حسن

دنیوی میں سے سب سے بڑی چیزیں ہیں۔ارشادِ خداوندی ہے:

ولا تمدن عینیک الی ما متعنا به ازواجا منهم زهرة الحیاة الدنیا لنفتنهم فیه.

اور اپنی آنکھوں کو دنیوی زندگی کی تروتازگی کی طرف نہ بڑھاؤ جو ہم نے ان میں سے بعض جوڑوں کو اسی لئے عطا کی کہ ہم اس میں ان کو آزمائیں۔

اور حدیث شریف میں ہے:

البذاذة من الایمان.

شکستہ حالی ایمان سے ہے (یعنی ہمیشہ زینت کا لباس نہ پہننا اور بناوٹ سے دور رہنا)۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۴۱۱۸' المستدرک ج ۱ص ۹' المعجم الکبیر ج ۱ص ۲۴۶' جمع الجوامع رقم الحدیث:۱۰۴۸۶' التمہید ج ۳ ص ۲۵۵' تاریخ الکبیر ج ۹ص ۳' اتحاف السادۃ المتقین ج ۲ص ۳۱۰' المغنی ج ۳ص ۳۳۵' مشکل الآثار ج ۱ص ۴۸۷' کنز العمال رقم الحدیث:۵۶۱۹۔۵۶۲۲)

اور اللہ تعالیٰ نے ضرورت سے زائد خرچ کرنے (اسراف) سے منع فرمایا اور اسراف جس طرح کھانے پینے میں ہوتا ہے اسی طرح لباس میں بھی ہوتا ہے۔

اس اختلاف کا فیصلہ یہ ہے کہ کہا جائے صورت' لباس اور حالت میں حسن و جمال کی کئی قسمیں ہیں ان میں قابل تعریف بھی ہیں اور قابل مذمت بھی اور وہ بھی جو نہ تو محمود ہیں اور نہ ہی مذموم۔

تو قابل تعریف صورت وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے' اس کی عبادت' اس کے احکام کے نفاذ اور اس کے حکم کی تعمیل پر مددگار ہو جس طرح نبی اکرم ﷺ مختلف وفود کے لئے جمال اختیار کرتے تھے اسی طرح لڑائی کیلئے لڑائی کا لباس پہننا ہے اسی طرح لڑائی میں ریشمی لباس پہن کر اس پر اکڑنا بھی محمود ہے بشرطیکہ اللہ تعالیٰ کا کلمہ بلند کرنا' اس کے دین کی مدد اور اس کے دشمن کو غضبناک کرنا مقصود ہو۔

اور مذموم جمال وہ ہے جو دنیا' اقتدار' فخر اور تکبر کے لئے ہو اور بندے کا انتہائی مقصود و مطلوب یہی ہو کیونکہ بہت سے لوگوں کا مقصد یہی ہوتا ہے۔

اور حسن و جمال اختیار کرنے کی وہ صورت جو نہ محمود ہے اور نہ ہی قابل مذمت' وہ صورت ہے جو ان دونوں مقاصد اور ان دونوں اوصاف سے خالی ہو۔

تو اس حدیث کا مقصود یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے سے چاہتا ہے کہ اس کی زبان صدق کے ساتھ' دل اخلاص' محبت اور رجوع الی اللہ کے ساتھ' اعضاء فرمانبرداری کے ساتھ اور بدن اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے اظہار کے ساتھ حسن و جمال اختیار کرے کہ لباس اچھا ہو' حقیقی اور حکمی نجاستوں سے پاکیزگی حاصل کی جائے' ناپسندیدہ بال اتارے جائیں' ختنہ ہو اور ناخن کاٹے جائیں نیز اس کے علاوہ امور جو احادیث میں آئے ہیں۔

سرخ لباس پہننا

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: کہ میں نے ایک رات جب چودھویں کا چاند روشن تھا

نبی اکرم ﷺ کو دیکھا اس رات بادل وغیرہ کچھ نہ تھے۔ پس میں کبھی آپ کی طرف اور کبھی چاند کی طرف دیکھتا آپ پر سرخ جوڑا تھا۔ تو سرکار دو عالم ﷺ میرے نزدیک چاند سے بھی زیادہ حسین تھے۔ (سنن دارمی رقم الحدیث:۱۰)

حضرت عون بن ابی جحیفہ اپنے والد (رضی اللہ عنہما) سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں: کہ میں نے نبی اکرم ﷺ کو دیکھا آپ پر سرخ جوڑا تھا تو گویا میں آپ کی پنڈلیوں کی چمک کو (اب بھی) دیکھ رہا ہوں۔

سفیان راوی کہتے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ وہ دھاری دار چادر تھی۔

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' فرماتے ہیں:

ما رایت احدا من الناس احسن فی حلة حمراء من رسول الله ﷺ.

میں نے سرخ جوڑے میں کسی شخص کو سرکار دو عالم ﷺ سے زیادہ حسین نہیں دیکھا۔

صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ہے:

رایته فی حلة حمراء لم ار شیئا قط احسن منه.

میں نے آپ کو سرخ جوڑے میں دیکھا تو میں نے آپ سے بڑھ کر خوبصورت کسی کو نہیں دیکھا۔

سنن ابی داؤد میں ہے:

ما رایت من ذی لمة فی حلة حمراء احسن من رسول الله (ﷺ)

میں نے کسی زلفوں والے کو سرخ جوڑے میں نبی اکرم ﷺ سے بڑھ کر خوبصورت نہیں دیکھا۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۴۱۸۳' جامع ترمذی رقم الحدیث:۳۶۳۵' سنن نسائی ج۸ص۱۸۳)

''ذی لمة'' لام کے نیچے زیر ہے یعنی سر کے بال جو جمۃ سے کم ہیں کیونکہ کاندھوں تک نہیں پہنچتے اس سے زیادہ ہوں تو جمہ کہلاتے ہیں۔

قاموس میں کہا کہ حلہ میم پر پیش کے ساتھ دو چادریں تہبند اور اوپر والی چادر ہے تو حلہ یا دو کپڑوں پر مشتمل ہوتا ہے یا اس کے اندر استر ہوتا ہے۔

سرخ لباس پہننے کا حکم

ابن قیم نے کہا جو لوگ یہ گمان کرتے ہیں کہ یہ جوڑا خالص سرخ رنگ کا تھا اور اس میں کوئی دوسرا رنگ نہ تھا وہ غلط گمان کرتے ہیں' سرخ حلہ دو یمنی چادروں پر مشتمل تھا جس میں سرخ و سیاہ دھاریاں تھیں جس طرح تمام یمنی چادریں ہوتی ہے اور لکیروں کی وجہ سے یہ اسی نام سے مشہور ہے ورنہ خالص سرخ رنگ کی سخت ممانعت ہے۔

''صحیح بخاری میں ہے کہ'' نبی اکرم ﷺ نے سرخ ریشمی بچھونوں سے منع فرمایا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث:۵۸۴۹)

اور ''صحیح مسلم میں'' حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے' فرماتے ہیں:

رای النبی ﷺ علی ثوبین معصفرین فقال ان ھذا لباس الکفار فلا تلبسھما

نبی اکرم ﷺ نے مجھ پر دو رنگین کپڑے دیکھے تو فرمایا یہ کفار کا لباس ہے پس تم نہ پہنو۔

(سنن نسائی ج۸ص۲۰۳' صحیح مسلم رقم الحدیث:۲۷۔۲۸' مسند احمد ج۲ص۱۶۲۔۱۹۳۔۲۰۷' السنن الکبریٰ ج۵ص۶۰' مشکوۃ

المصابیح رقم الحدیث: ۴۳۳۷، المستدرک ج ۴ص ۱۹۰، تلخیص الحبیر ج ۲ص ۷۰)

اور یہ بات معلوم ہے کہ وہ سرخ رنگ سے رنگے ہوئے کپڑے ہوتے تھے۔

ابن قیم نے کہا کہ سرخ کپڑوں اور چوغہ وغیرہ کا جواز محل نظر ہے: جب کہ کراہت بہت سخت ہے تو کس طرح نبی اکرم ﷺ کے بارے میں یہ گمان کیا جاسکتا ہے کہ آپ نے خالص سرخ لباس پہنا ہرگز نہیں اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس سے محفوظ رکھا اور لفظ "حلہ حمراء" (سرخ جوڑے) سے مغالطہ لگتا ہے اور اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

حضرت امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: کہ "معصفر" کپڑوں کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے اور یہ عصفر (بوٹی) سے رنگے ہوئے کپڑے ہوتے ہیں۔ صحابہ کرام تابعین اور بعد کے تمام اہل علم نے اس کی اجازت دی ہے' حضرت امام شافعی' حضرت امام ابوحنیفہ اور حضرت امام مالک رحمہم اللہ نے بھی یہی فرمایا ہے۔

لیکن حضرت امام مالک رحمہ اللہ نے اس کے غیر کو افضل قرار دیا ہے ان سے ایک روایت یہ ہے کہ انہوں نے اسے گھر میں اور گھر کے صحن میں پہننے کو جائز قرار دیا البتہ محافل اور بازاروں وغیرہ میں مکروہ کہا ہے۔

علماء کی ایک جماعت نے فرمایا: کہ یہ مکروہ تنزیہی ہے اور نہی کو اسی پر محمول کیا کیونکہ نبی اکرم ﷺ کا سرخ جوڑا پہننا ثابت ہے۔

صحیحین میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے زرد رنگ لگایا۔

اور بعض حضرات نے نہی کو حج اور عمرہ کرنے والے محرم کے ساتھ خاص کیا ہے۔

حضرت امام بیہقی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "معرفۃ السنن میں" یہ مسئلہ ذکر کرتے ہوئے فرمایا: کہ حضرت امام شافعی رحمہ اللہ نے ایک شخص کو مزعفر کپڑے سے منع فرمایا اور معصفر کی اجازت دی۔

حضرت امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا: کہ میں نے معصفر کی اجازت اس لئے دی ہے کہ میں نے کسی کو اس سلسلے میں رسول اکرم ﷺ سے نہی بیان کرتے ہوئے نہیں پایا البتہ حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اکرم ﷺ نے مجھے منع فرمایا اور میں نہیں کہتا کہ آپ نے تم لوگوں کو بھی منع فرمایا ہے۔

حضرت امام بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: کہ اس ممانعت کے عموم پر کئی احادیث دلالت کرتی ہیں پھر انہوں نے صحیح مسلم کی یہ روایت نقل کی کہ (آپ نے فرمایا:) یہ کفار کا لباس ہے۔ اور اس کے علاوہ احادیث نقل کرنے کے بعد فرمایا اگر یہ احادیث امام شافعی رحمہ اللہ تک پہنچتیں تو ان شاء اللہ وہ بھی یہی بات فرماتے پھر انہوں نے اپنی سند کے ساتھ حضرت امام شافعی رحمہ اللہ سے صحیح قول نقل کیا کہ انہوں نے فرمایا: اگر میرے قول کے خلاف صحیح حدیث مل جائے تو اس حدیث پر عمل کرو اور میرے قول کو چھوڑ دو۔ ایک روایت میں ہے کہ وہی میرا مذہب ہے۔

امام بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: کہ حضرت امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا: کہ میں غیر محرم آدمی کو ہر حال میں مزعفر لباس سے منع کرتا ہوں اور اگر وہ یہ رنگ لگائے تو اسے دھو ڈالے۔

امام بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: انہوں نے مزعفر میں سنت کی اتباع کی ہے تو معصفر میں سنت کی اتباع کرنا زیادہ مناسب ہے۔

اور میں نے اپنے شیخ علامہ قاسم' جو حنفی ائمہ اور محققین میں سے ایک تھے' کے فتاویٰ میں دیکھا کہ انہوں نے اس رنگ

کو مکروہ تحریمی لکھا لیکن اس میں نماز پڑھنے کو جائز قرار دیا اور اس سلسلے میں مذکورہ بالا دلائل سے استدلال کیا نیز حضرت طاؤس کی روایت سے بھی استدلال کیا جو امام حاکم کے نزدیک شیخین کی شرط پر ہے۔ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو مجھ پر معصفر کپڑا تھا آپ نے فرمایا تمہیں کہاں سے حاصل ہوا؟ میں نے عرض کیا کہ میری بیوی نے میرے لئے بنایا ہے آپ نے فرمایا اسے جلا دو (یعنی سختی سے منع فرمایا)۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۰۶۷)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ عیدوں اور جمعہ کے دن سرخ چادر پہنتے تھے۔

حضرت یحییٰ بن عبداللہ بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ اپنے کپڑوں یعنی قمیص، چادر اور دستار مبارک کو زعفران سے رنگتے تھے۔

سنن ابی داؤد میں ان الفاظ کے ساتھ کہ آپ اپنے کپڑے ورس اور زعفران سے رنگتے تھے حتیٰ کہ عمامہ شریف کو بھی رنگ لگاتے۔

حضرت زید بن اسلم، ام سلمہ اور ابن عمر رضی اللہ عنہم سے اسی طرح مروی ہے لیکن صحیح حدیث اس کے معارض ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے زعفران سے رنگ لگانے کو منع فرمایا۔ واللہ اعلم

تہبند مبارک

رسول اکرم ﷺ کے تہبند مبارک کے بارے میں حضرت ابو بردہ بن ابی موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہما سے مروی ہے فرماتے ہیں: کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ہمارے لئے ایک چادر اور موٹا تہبند نکالا اور فرمایا نبی اکرم ﷺ کا وصال ان دو کپڑوں میں ہوا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۸۱۸، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۳۳، فتح الباری ج ۶ ص ۲۱۲، دلائل النبوۃ ج ۷ ص ۲۷۵، مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۴۳۰۶)

ایک دوسری روایت میں ہے کہ موٹا تہبند تھا جو یمن میں بنایا جاتا ہے اور چادر اس سے تھی جس کو تم ملبدہ کہتے ہو۔

ایک اور روایت میں ''کساء'' ''ملبدا'' ہے۔

ابن کثیر نے کہا کہ اس پر پیوند لگے ہوئے تھے کہا جاتا ہے ''لبدت القمیص البدہ والبدتہ'' یعنی میں نے قمیص پر پیوند لگائے اور وہ کپڑا جس سے قمیص کے اگلے حصے کو پیوند لگائے جاتے ہیں اسے ''اللبدۃ'' کہتے ہیں۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ ''الملبد'' وہ کپڑا جس کا درمیان والا حصہ سخت ہو حتیٰ کے وہ نمدے جیسا ہو جائے۔

''صحیح مسلم میں'' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے فرماتی ہیں: کہ ایک دن رسول اکرم ﷺ باہر تشریف لائے تو آپ پر سیاہ بالوں سے بُنی ہوئی اونی چادر تھی جس کو بطور تہبند باندھ رکھا تھا اس میں کجاوے کی تصویر تھی۔

اون کی بنی ہوئی چادر جس کو بطور تہبند باندھتے ہیں اسے مرط کہتے ہیں اور وہ کپڑا وغیرہ جس پر کجاووں کی تصویریں ہوں اسے ''مرحل'' کہا جاتا ہے۔

''قاموس میں ہے کہ'' اس کا مادہ ''ر ح ل'' ہے یہ وہ چادر ہے جس پر کجاوے کی تصویر ہوتی ہے اور جوہری کا اس کی تفسیر اس تہبند سے کرنا جو ریشمی ہو اور اس میں بیل بوٹے ہوں، درست نہیں۔

یہ "المرجل" (جیم کے ساتھ) کی وضاحت ہے یہ ایسی چادر ہے جس میں مردوں کی تصویریں ہوتی ہے۔

امام نووی رحمہ اللہ نے فرمایا: صحیح بات جو جمہور کا موقف ہے اور قابل اعتماد لوگوں نے اسے ضبط کیا وہ حاء کے ساتھ ہے (جیم کے ساتھ نہیں) یعنی اس پر اونٹوں کے کجاووں کی تصویریں تھیں اور اس تصویر میں کوئی حرج نہیں حیوانات (روح والی چیزوں) کی تصویر حرام ہے۔

خطابی نے کہا کہ "المرحل" وہ چادر ہے جسمیں لکیریں ہوں (دھاری دار چادر)۔

حضرت عروہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے تہبند مبارک کی لمبائی چار ہاتھ اور چوڑائی دو ہاتھ اور بالشت تھی۔

حضرت معن بن عیسیٰ رضی اللہ عنہ سے ہی مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ کا لباس جس میں آپ وفود سے ملاقات کیلئے باہر تشریف لاتے تھے سبز چادر تھی جس کی لمبائی چار ہاتھ اور چوڑائی دو ہاتھ ایک بالشت تھی (ہاتھ یعنی ذراع ڈیڑھ فٹ کا ہوتا ہے)۔

حضرت معن بن عیسیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ہم سے حضرت محمد بن بلال رحمہ اللہ نے بیان کیا کہ میں نے ہشام بن عبدالملک پر نبی اکرم ﷺ کی یمنی چادر دیکھی جس کے دو حاشیے تھے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: میں نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ پر ایک چادر تھی جس سے آواز آ رہی تھی (یعنی نئی چادر تھی)۔

حضرت یزید بن ابی حبیب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ تہبند کو اپنے آگے سے جھکاتے اور اس کا پچھلا حصہ اٹھا کر رکھتے تھے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے فرماتے ہیں: کہ میں نے نبی اکرم ﷺ کو دیکھا آپ اپنا تہبند ناف سے نیچے باندھتے تھے اور ناف مبارک نظر آتی تھی اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ آپ تہبند مبارک ناف سے اوپر باندھتے تھے۔

طیالسی جُبہ

حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ انہوں نے ایک طیالسی کسروانی جُبہ نکالا جس کے گریبان میں ریشمی پٹی تھی اور دونوں آستینوں پر بھی ریشم تھا۔

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے فرمایا: یہ رسول اکرم ﷺ کا جبہ مبارکہ ہے جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس تھا جب ان کا انتقال ہوا اور نبی اکرم ﷺ اس کو پہنا کرتے تھے اور ہم اس کو دھو کر اس سے مریضوں کے لئے شفاء حاصل کرتے ہیں۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۰ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۰۵۴ مسند احمد ج ۶ ص ۳۴۷_۳۵۳)

"جبۃ طیالسۃ" طیالسہ کی طرف منسوب ہے اور "کسروانیہ" ایران کے بادشاہ کسریٰ کی طرف نسبت ہے۔

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ اگر کناروں پر ریشم ہو تو بلا کراہت جائز ہے خالص ریشمی لباس یا جس میں زیادہ ریشم ہو اس سے روکا گیا ہے اور اس سے ہر جزء کا حرام ہونا مراد نہیں جب کہ شراب اور سونے کا ہر جزء حرام ہے۔ یہ بات امام نووی رحمہ اللہ نے فرمائی ہے۔

لطیفہ

جب نبی اکرم ﷺ کے جسم مبارک سے خوشبو ہی آتی تھی تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ آپ کے جسم مبارک پر کپڑا میلا نہیں ہوتا تھا اس لئے آپ کا لباس کبھی میلا نہیں ہوا۔

ابن سبع نے "الشفاء میں" اور السبتی نے "اعذب الموارد واطیب الموالد میں" فرمایا: کہ نبی اکرم ﷺ کی تعظیم وتکریم کی وجہ سے جوئیں آپ کو اذیت نہیں دیتی تھیں (یعنی آپ کے جسم یا کپڑوں میں نہیں ہوتی تھیں)۔

لیکن امام احمد اور امام ترمذی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا کہ سرکار دو عالم ﷺ اپنے کپڑوں میں جوئیں تلاش کرتے اور بکری کا دودھ دوہتے تھے اس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی چیز اذیت پہنچاتی تھی جوئیں یا پسو وغیرہ۔

اس کا جواب یوں دیا جا سکتا ہے کہ آپ کا جوئیں تلاش کرنا اس وجہ سے تھا کہ دوسروں سے آپ کے کپڑوں کو کچھ لگ جاتا ہوگا اگرچہ وہ آپ کو تکلیف نہ دے۔

اس سلسلے میں بحث ہے کیونکہ جوؤں کا تکلیف دینا بدن سے غذا حاصل کرنا ہے اللہ تعالیٰ نے یہ طریقہ جاری فرمایا ہے اور جب غذا نہ ملے تو عام طور پر حیوان زندہ نہیں رہتا۔ [1]

امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ نے نقل کیا کہ آپ کے کپڑوں پر مکھی نہیں بیٹھتی تھی اور مچھر آپ کا خون مبارک چوستے نہیں تھے۔

طیلسان (چادر کی طرح کا کپڑا جو سر' کاندھوں اور پیٹھ پر رکھا جاتا ہے) لام پر زبر ہے اور یہ طیالسہ کا واحد ہے جمع (طیالسہ) میں ہاء عجمہ کے لئے کیونکہ یہ لفظ فارسی سے عربی بنایا گیا اسے ساج بھی کہتے ہیں۔

ابن خالویہ نے "الفصیح کی" شرح میں کہا کہ سبز طیلسان کو ساج بھی کہا جاتا ہے۔

ابن فارس کی کتاب "المجمل" میں ہے کہ طاق' طیلسان ہے (دیوار میں چھوٹی سی الماری کو بھی طاق کہتے ہیں اور لباس کی ایک قسم بھی طاق کہلاتی ہے)۔

ابن قیم نے کہا کہ نبی اکرم ﷺ کے بارے میں منقول ہے کہ آپ نے طیلسان کو پہنا ہو اور نہ ہی کسی صحابی کے بارے میں منقول ہے بلکہ صحیح مسلم میں حضرت نواس بن سمعان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ نبی اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے دجال کا ذکر کیا تو فرمایا ان کے ساتھ ستر ہزار یہودی نکلیں گے ان کا تعلق اصفہان سے ہوگا اور ان پر طیلسان (کپڑا) ہوگا۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۲۳)

اور حضرت انس رضی اللہ عنہ نے ایک جماعت کو دیکھا جن پر طیلسان تھا تو فرمایا: یہ خیبر کے یہودیوں سے کس قدر مشابہ ہیں؟

ابن قیم نے کہا کہ اسی وجہ سے پہلے اور پچھلے بزرگوں میں سے ایک جماعت نے اس کو مکروہ جانا کیونکہ امام ابوداؤد نے اور امام حاکم نے (مستدرک میں) روایت نقل کی ہے۔

---

[1] شیخ امام سخاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: کہ جوئیں تلاش کرنا اس لئے نہیں تھا کہ آپ کو دوسروں سے جوئیں لگ جاتی تھیں بلکہ محض کپڑوں کو صاف کرنا مقصود تھا۔ ۱۲ ہزاروی (زرقانی ج ۵ ص ۲۷)

کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

من تشبہ بقوم فھو منھم. جو شخص کسی قوم کی مشابہت اختیار کرے وہ ان ہی میں سے ہے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۰۳۱' مسند احمد ج ۲ ص ۵۰-۹۲' کشف الخفاء ج ۲ ص ۳۳۲' الدرر المنتثرۃ رقم الحدیث: ۱۴۸' مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۲۷۱' نصب الرایہ ج ۴ ص ۳۴۷' اتحاف السادۃ المتقین ج ۶ ص ۱۲۸' مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۴۳۴۷' مشکل الآثار ج ۱ ص ۸۸' تغلیق التعلیق رقم الحدیث: ۹۵۵-۹۵۶' التمہید ج ۶ ص ۸۰' المغنی ج ۱ ص ۲۷۰' کنز العمال رقم الحدیث: ۲۴۶۸۰' فتح الباری ج ۱۰ ص ۳۴۷)

اور جامع ترمذی میں ہے:

لیس منا من تشبہ بغیرنا. جو شخص ہمارے غیر سے تشبیہ اختیار کرے وہ ہم میں سے نہیں۔

(جامع ترمذی رقم الحدیث: ۲۶۹۶' مجمع الزوائد ج ۸ ص ۳۸' اتحاف السادۃ المتقین ج ۶ ص ۲۷۹' مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۶۳۶۹' العلل المتناہیہ ج ۲ ص ۲۳۲' فتح الباری ج ۱۰ ص ۳۴۷' کنز العمال رقم الحدیث: ۲۵۳۳۳)

اور حدیثِ ہجرت میں جو کچھ مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس دوپہر کے وقت تشریف لائے تو آپ نے چہرۂ انور چادر سے ڈھانپ رکھا تھا تو اس وقت آپ کا یہ عمل اس لئے تھا کہ اس کے ذریعے پوشیدہ رہیں پس ضرورت کے تحت ایسا کیا ورنہ آپ کی عادت نہ تھی۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ اکثر چادر سے سر اور چہرے کو ڈھانپتے تھے تو یہ گرمی وغیرہ سے بچنے کے لئے کرتے تھے۔

شیخ الاسلام الولی بن عراقی نے "شرح تقریب الاسانید میں" فرمایا کہ "تقنع" معروف عمل ہے یعنی عمامہ کے ایک کنارے یا چادر وغیرہ سے سر کو ڈھانپنا۔

ابن حاج نے "المدخل میں" فرمایا: کہ "قناع الرجل" یہ ہے کہ آدمی اپنے سر کو چادر سے ڈھانپے اور اس کا ایک کنارہ ایک کاندھے پر ڈال دے۔

ابن قیم کا یہ کہنا کہ یہ حاجت کے لئے تھا اسے حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث رد کرتی ہے وہ فرماتے ہیں:

انہ ﷺ کان یکثر القناع. حضور ﷺ عام طور پر سر انور کو ڈھانپتے تھے۔

اسے امام بیہقی نے "شعب الایمان میں" اور امام ترمذی نے بھی ذکر کیا ہے۔ امام بیہقی "شعب الایمان میں ہی اور ابن سعد طبقات میں" حضرت انس رضی اللہ عنہ سے یہ الفاظ بھی نقل کرتے ہیں "یکثر التقنع" تو اس قسم کی احادیث ابن قیم کے اس قول کو رد کرتی ہیں کہ حضور علیہ السلام سے اس کا پہننا منقول نہیں۔

اور ابن قیم کا یہ کہنا کہ کسی صحابی سے بھی منقول نہیں تو اسے امام حاکم کی وہ حدیث رد کرتی ہے جو انہوں نے المستدرک میں شیخین کی شرط پر حضرت مرہ بن کعب رضی اللہ عنہ سے نقل کی ہے وہ فرماتے ہیں: کہ میں نے نبی اکرم ﷺ سے ایک فتنہ کا ذکر سنا آپ فرما رہے تھے: وہ فتنہ عنقریب بپا ہونے والا ہے پس ایک شخص گزرا جس نے کپڑے سے اپنا سر ڈھانپ رکھا تھا آپ نے فرمایا: اس دن یہ ہدایت پر ہوگا۔ فرماتے ہیں: میں اٹھا تو دیکھا کہ حضرت عثمان بن عفان رضی

اللہ عنہ تھے۔ (جامع ترمذی رقم الحدیث: ۳۰۰۴ ۲۷۰۷ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۱۱ مسند احمد ج ۴ ص ۲۴۳ المعجم الکبیر ج ۱۹ ص ۱۶۲ المستدرک ج ۳ ص ۳۳۳ حلیۃ الاولیاء ج ۹ ص ۱۱۴ مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۶۰۶۷ البدایۃ والنہایہ ج ۷ ص ۲۳۰ ـ ۲۳۱)

حضرت سعد بن منصور رضی اللہ عنہ نے اپنی سنن میں حضرت ابوالعلاء سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں: کہ میں نے حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما کو دیکھا آپ نماز پڑھ رہے تھے اور سر انور ڈھانپ رکھا تھا۔ ابن سعد نے (طبقات میں) حضرت سلیمان بن مغیرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا وہ فرماتے ہیں: کہ میں نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ آپ نے طیالسہ (چادر) پہن رکھی تھی۔

اور حضرت عمارہ بن زاذان فرماتے ہیں: میں نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ پر اندق (سمرقند کی ایک بستی) کی چادر (طیلسان) دیکھی۔

ابن قیم نے جو یہودیوں کا ذکر کیا ہے تو حافظ ابن حجر عسقلانی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: یہ استدلال اس وقت صحیح ہوتا جب طیلسان اوڑھنا یہودیوں کا شعار ہوتا آج کے زمانے میں ان کا شعار نہیں رہا بلکہ یہ عموم میں داخل ہو گیا ہے۔

اور ابن عبد السلام نے "امثلۃ البدعۃ المباحۃ میں" اس کا ذکر کیا ہے اور اب یہ مسلمانوں کا شعار ہو چکا ہے تو اس کا چھوڑنا مروت سے خالی ہونا ہے۔

کہا گیا ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے طیالسہ (چادروں) کے رنگوں کا انکار کیا کیوں کہ وہ زرد رنگ کی تھیں۔ واللہ اعلم

انگوٹھی پہننا [1]

"صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں" حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے چاندی کی انگوٹھی بنوائی وہ آپ کے دست مبارک میں تھی پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں اس کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں اور پھر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں آئی حتی کہ بیئر اریس (کنوئیں) میں گر گئی۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۸۶۵ ـ ۵۸۶۶ ـ ۵۸۶۷ ـ ۵۸۷۳ ـ ۷۶۵۱ ـ ۲۹۸ ـ ۷ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۵۶ ـ ۶۱ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۲۱۸ مسند احمد ج ۲ ص ۱۸ ـ ج ۳ ص ۹۹)

ان دونوں کتابوں میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے چاندی کی انگوٹھی پہنی جس کا نگینہ حبشہ کا تھا اور آپ اس کے نگینے کو ہتھیلی کی طرف کرتے تھے۔

امام احمد امام نسائی ترمذی اور امام بزار رحمہم اللہ نے حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے ایک شخص کے ہاتھ میں لوہے کی انگوٹھی دیکھی تو فرمایا: مجھے کیا ہوا کہ میں بتوں کی بو محسوس کر رہا ہوں؟ پھر فرمایا: چاندی کی انگوٹھی بنواؤ اور وہ ایک مثقال (ساڑھے چار ماشے) سے زیادہ نہ ہو۔ (جامع ترمذی رقم الحدیث: ۱۷۸۵ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۲۲۳ سنن نسائی ج ۸ ص ۱۷۲ فتح الباری ج ۱۰ ص ۳۹۶ شرح السنۃ ج ۹ ص ۱۲۱ مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۴۳۹۶ نصب الرایہ ج ۴ ص ۲۳۴ موارد الظمآن رقم الحدیث: ۱۴۶۷ کنز العمال رقم الحدیث: ۱۷۲۹۳)

[1] (طبقات ابن سعد ج ۱ ص ۳۶۴ البدایۃ والنہایہ ج ۱ ص ۳)

انگوٹھی پہننے کا حکم

انگوٹھی پہننے کے سلسلے میں علماء کرام کا اختلاف ہے اکثر اہل علم نے کسی کراہت کے بغیر جائز قرار دیا جب کہ بعض نے زینت کے طور پر پہننے کی صورت میں مکروہ قرار دیا ہے۔

اور بعض نے بادشاہ کے علاوہ (لوگوں) کے لئے مکروہ قرار دیا ہے کیونکہ ابوداؤد اور نسائی نے ابوریحانہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے بادشاہ کے علاوہ لوگوں کو انگوٹھی پہننے سے منع فرمایا۔

نیز نبی اکرم ﷺ نے اسے ضرورت کے تحت پہنا کہ آپ بادشاہوں کی طرف بھیجے جانے والے خطوط پر مہر لگاتے تھے جس طرح حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ آپ نے کسریٰ' قیصر اور نجاشی کو خطوط لکھے تو کہا گیا کہ وہ لوگ صرف اسی خط کو قبول کرتے ہیں جس پر مہر ہو تو آپ نے انگوٹھی بنوائی جس پر "محمد رسول اللہ" کا نقش تھا۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بھی اپنی حکومت کے دوران اسی مقصد کے تحت انگوٹھی پہنی کیونکہ جس طرح حضور علیہ السلام کو اس کی ضرورت تھی اسی طرح آپ کو بھی اور پھر اسی طرح حضرت عمر فاروق اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہما کو بھی ضرورت تھی۔

ابن عبدالبر نے علماء کی ایک جماعت سے اس کے پہننے کی مطلقاً کراہت نقل کی ہے اور انہوں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت سے استدلال کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے انگوٹھی کو پھینک دیا اور پہنی نہیں۔

اور شمائل ترمذی میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے چاندی کی انگوٹھی بنوائی پس آپ اس سے مہر لگاتے لیکن پہنتے نہیں تھے۔ اور صحیحین میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے ایک دن نبی اکرم ﷺ کے دست مبارک میں چاندی کی ایک انگوٹھی دیکھی پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے چاندی کی انگوٹھیاں بنوا کر پہننا شروع کر دیں تو رسول اکرم ﷺ نے اپنی انگوٹھی پھینک دی چنانچہ صحابہ کرام نے بھی اپنی انگوٹھیاں پھینک دی۔

لیکن پہلا قول صحیح ہے کیوں کہ نبی اکرم ﷺ کا انگوٹھی پہننا ایک مصلحت کے تحت تھا یعنی خطوط پر مہر لگا کر بادشاہوں کی طرف بھیجتے تھے پھر آپ نے مسلسل پہننا شروع کر دی اور صحابہ کرام نے بھی انگوٹھیاں پہنیں اور آپ نے ان پر اعتراض نہ فرمایا بلکہ ان کے اس عمل کو برقرار رکھا تو کسی قید کے بغیر اجازت (اور جواز) پر دلالت ہے۔

جہاں تک حدیث شریف میں وارد نہی کا تعلق ہے کہ آپ نے صرف بادشاہ کو اجازت دی تو ابن رجب کہتے ہیں ہمارے بعض اصحاب نے فرمایا: کہ حضرت امام احمد رحمہ اللہ اس حدیث کو ضعیف قرار دیتے ہیں۔

اور وہ جو حضرت زہری کی روایت میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ایک دن انگوٹھی پہنی پھر پھینک دی تو اس کے تین جواب ہیں۔

پہلا جواب: یہ حضرت زہری کا وہم ہے اور سہواً ان کی زبان پر چاندی کا لفظ جاری ہوا آپ نے جو انگوٹھی ایک دن پہننے کے بعد پھینک دی وہ سونے کی انگوٹھی تھی جیسا کہ حضرت ابن عمر اور حضرت انس رضی اللہ عنہم کی حدیث میں متعدد طرق سے ثابت ہے۔

دوسرا جواب: نبی اکرم ﷺ نے جو انگوٹھی پھینکی تھی وہ مکمل طور پر چاندی کی نہیں تھی بلکہ لوہے کی انگوٹھی تھی جس پر چاندی

چڑھی ہوئی تھی۔

امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے حضرت معیقیب صحابی رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے اور وہ نبی اکرم ﷺ کی انگوٹھی پر (بطور خادم) مقرر تھے وہ فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ کی انگوٹھی لوہے کی تھی جس پر چاندی چڑھی ہوئی تھی ہوسکتا ہے اسی کو ایک دن پہننے کے بعد پھینک دیا ہو اور ہوسکتا ہے اسی کے ساتھ مہر بھی لگاتے ہوں لیکن پہنتے نہ ہوں۔

تیسرا جواب: آپ کا پھینکنا اس لئے تھا کہ اسے سنت مسنونہ نہ سمجھ لیا جائے پس جب انہوں نے نبی اکرم ﷺ کو انگوٹھی پہنے ہوئے دیکھا تو انگوٹھیاں بنوالیں تو آپ کے پھینک دینے سے واضح ہوا کہ یہ جائز نہیں اور نہ ہی سنت ہے۔

معدنیات کے اعتبار سے انگوٹھیوں کا حکم

پھر انگوٹھی کبھی سونے کی ہوتی ہے کبھی چاندی کی کبھی لوہے کی کبھی پیتل کی اور کبھی تانبے کی ہوتی ہے اور بعض اوقات عقیق کی ہوتی ہے۔ سونے کی انگوٹھی کے بارے میں صحیحین میں حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' فرماتے ہیں:

نھانا رسول اللہ ﷺ عن خاتم الذھب وانیۃ الفضۃ. — نبی اکرم ﷺ نے ہمیں سونے کی انگوٹھی اور چاندی کے برتنوں سے منع فرمایا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۱۷۵' جامع ترمذی رقم الحدیث: ۲۷۰۹' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۳۔۲۹۔۳۱۔۵۲' مسند امام احمد ج ۴ ص ۲۸۴۔ج ۵ ص ۳۸۵)

اور صحیحین میں ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے سونے کی انگوٹھی سے منع فرمایا۔

ان ہی دونوں کتابوں میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ نے سونے کی انگوٹھی بنوائی اور آپ نے اسے دائیں ہاتھ میں پہنا آپ اس کا نگینہ ہتھیلی کی جانب کرتے تھے پھر صحابہ کرام نے بھی سونے کی انگوٹھیاں بنوالیں راوی فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ ممبر پر تشریف لے گئے اور انگوٹھی کو پھینک دیا اور سونے کی انگوٹھی پہننے سے منع فرمایا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۲۳۹۔۲۴۴۵' ۵۱۷۵۔۵۶۳۵۔۵۶۵۰۔۵۸۳۸۔۶۲۲۲۔۶۶۵۴' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۳۔۳۱۔ ۵۲' جامع ترمذی رقم الحدیث: ۲۷۰۹' سنن نسائی ج ۸ ص ۱۶۵' مسند احمد ج ۱ ص ۸۱۔ ج ۴ ص ۲۶۸' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۶۴۲۔ ۳۶۴۳' السنن الکبریٰ ج ۲ ص ۲۳۲' تاریخ بغداد ج ۶ ص ۲۳۳)

چاروں ائمہ حضرت امام مالک' امام شافعی' امام ابوحنیفہ اور امام احمد رحمہم اللہ اور اکثر علماء کا یہی مذہب ہے۔

لیکن ایک گروہ نے جن میں حضرت اسحاق بن راہویہ بھی ہیں اس کی اجازت دی ہے وہ فرماتے ہیں پانچ صحابہ کرام ایسے ہیں جن کے وصال کے وقت ان کی انگوٹھیاں سونے کی تھیں۔

حضرت مصعب بن سعد فرماتے ہیں: میں نے حضرت طلحہ' حضرت سعد اور حضرت صہیب رضی اللہ عنہم پر سونے کی انگوٹھیاں دیکھی ہیں۔

حضرت حمزہ بن ابی اسید اور حضرت زبیر بن منذر بن ابی اسید رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ جب حضرت ابو اسید رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا تو ان دونوں نے ان کے ہاتھ سے سونے کی انگوٹھی نکالی اور وہ بدری صحابی تھے۔ یہ دونوں حدیثیں امام

بخاری رحمہ اللہ نے اپنی تاریخ میں نقل کی ہیں۔ [1]

امام نسائی رحمہ اللہ نے حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت صہیب رضی اللہ عنہ سے فرمایا: کہ کیا وجہ ہے میں آپ پر سونے کی انگوٹھی دیکھتا ہوں؟ انہوں نے فرمایا اسے اس ذات نے بھی دیکھا ہے جو آپ سے بہتر تھے لیکن آپ نے اسے ناپسند نہ کیا۔ [2] انہوں نے پوچھا کس نے؟ فرمایا: ''نبی اکرم ﷺ نے (دیکھا ہے) جہاں تک چاندی کی انگوٹھی کا تعلق ہے تو اسے بہت سے علماء نے جائز قرار دیا اور خود نبی اکرم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت نے اسے پہنا ہے۔

حضرت امام رافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: کہ مرد کے لئے چاندی کی انگوٹھی پہننا جائز ہے۔ امام نووی رحمہ اللہ نے ''الروضہ میں'' اور دوسرے حضرات نے یہی بات فرمائی ہے اور ہمارے اصحاب نے اس کے جواز کے بارے میں بہت کچھ لکھا ہے۔

امام ابوداؤد نے حضرت بریدہ بن حصیب رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی اور ابن حبان نے اسے صحیح قرار دیا کہ نبی اکرم ﷺ نے لوہے کی انگوٹھی پہننے والے شخص سے فرمایا: کیا وجہ ہے کہ میں تم پر جہنمیوں کا زیور دیکھتا ہوں چنانچہ اس نے اس کو پھینک دیا اور عرض کیا یارسول اللہ! میں کس چیز کی انگوٹھی بناؤں؟ آپ نے فرمایا: چاندی کی انگوٹھی بناؤ اور وہ بھی ایک مثقال پوری نہ ہو۔

امام نسائی اور امام ترمذی رحمہا اللہ نے اس حدیث کو نقل کیا اور فرمایا: یہ حدیث غریب ہے۔ امام احمد اور امام ابویعلیٰ نے اسے اپنی مسندوں میں الضیاء نے ''الاحادیث المختارہ میں'' نقل کیا لیکن یہ صحیحین میں نہیں البتہ اس کے راوی صحیحین کے راوی ہیں صرف عبداللہ بن مسلم جو ابوطیبہ (کی کنیت ہے) معروف ہیں صحیحین کے راوی نہیں ہیں یہ مشہور محدث ہیں اور ابن حبان کا اس حدیث کی تصحیح کرنا اس کی قبولیت کی دلیل ہے اور کم از کم حسن کے درجہ میں تو ہے۔

نہی کی اصل تحریم ہے نیز چاندی کی اصل یہ ہے کہ یہ مردوں کے لئے حرام ہے البتہ اس قدر جائز ہے جس کی اجازت دی گئی پس جب اس میں ایک حد مقرر کر دی گئی تو اس پر ٹھہرنا ضروری ہوگا۔ اس کے علاوہ اپنی اصل پر رہے گی۔

ابن الرفعہ نے الکفایہ کے اس باب میں جہاں مکروہ لباس کا ذکر کیا ہے' کہا ہے کہ اس کا وزن ایک مثقال سے کم ہونا مناسب ہے کیونکہ حضور علیہ السلام نے ایک شخص کو دیکھا (آگے وہ حدیث ذکر کی جو چند سطور پہلے بیان ہوئی ہے) ''ینبغی'' (مناسب ہے) کا لفظ وجوب کے لئے بھی آتا ہے اور دوسرے معانی کے' لئے بھی اور اسی پر محمول کرنا زیادہ بہتر ہے کیونکہ حدیث اسی حکم کے بیان کے لئے آئی ہے لہٰذا نہی کو کسی وجہ کے بغیر اس کی حقیقت سے پھیرا نہ جائے۔

ابن ملقن نے امام نووی کی منہاج کی شرح میں جو کچھ کہا ہے وہ بھی اس بات کا تقاضا کرتا ہے انہوں نے نقدی کی زکوٰۃ کے سلسلے میں فرمایا: کہ ابوداؤد اور صحیح ابن حبان میں حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کہ نبی اکرم ﷺ نے اس

---

[1] امام زرقانی فرماتے ہیں ہو سکتا ہے ان کو نہی کی حدیث نہ پہنچی ہو یا انہوں نے اس سے کراہت تنزیہی مراد لی ہو (زرقانی ج ۵ ص ۳۲) لہٰذا اس واقعہ سے جواز ثابت نہیں ہوتا۔ ۱۲ ہزاروی

[2] [illegible] حدیث کا جواب حاشیہ نمبر ۱ میں لکھا گیا ہے۔

شخص کوفرمایا (آخر تک حدیث ہے) اس حدیث کوایسے فروع کے طور پر ذکر کیا جن میں اصحاب کا کوئی اختلاف نہیں (یعنی کسی معین کی طرف نسبت نہیں کی) اور اس حدیث کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ مثقال بھی حرام ہے (اس سے کم چاندی ہونی چاہیے)۔

اذرعی (احمد بن حمدان بن احمد بن عبدالواحد ابوالعباس شہاب الدین الاذرعی) کی ''القوت'' میں ہے کہ ہمارے اصحاب نے انگوٹھی کی مقدار کا ذکر نہیں کیا شاید انہوں نے عرف کا اعتبار کیا ہو پس جو اس سے زیادہ ہو وہ ضرورت سے زائد (اسراف) ہے جس طرح انہوں نے عورت کی پازیب وغیرہ کے بارے میں کہا ہے لیکن صحیح بات یہی ہے کہ حدیث کے مطابق مقدار مقرر ہے اور ان کے کلام میں ایسی بات نہیں ہے جو حدیث کے خلاف ہو یہ ان کے الفاظ ہیں اور وہ حدیث کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ (الاعلام ج ۱ص ۱۱۹' الدرر الکامنہ ج ۱ص ۱۲۵' کشف الظنون ج ۲ص ۱۳۶۱' ہدیۃ العارفین ج ۱ص ۱۱۵' فہرس التمہیدی رقم الحدیث: ۲۳۱)

ابن عماد نے ''التعقیبات میں'' یہی راہ اختیار کی ہے ان کی عبارت اس طرح ہے۔

جب انگوٹھی پہننا جائز ہے تو اس کی شرط یہ ہے کہ مثقال تک نہ پہنچے' حدیث کے مطابق یہی ہے۔

لیکن حافظ عراقی نے ''شرح ترمذی میں'' فرمایا: کہ نبی اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی اور پوری مثقال نہ ہو۔

کراہت تنزیہی پر محمول ہے پس مثقال کے وزن کو پہنچنا مکروہ ہے۔

انہوں نے فرمایا: ابوداؤد کی روایت میں ہے کہ صاحب المعالم کی روایت میں یوں ہے کہ اسے مثقال اور مثقال کی قیمت تک پورا نہ کرو۔

اور لؤلؤی کی روایت میں یہ اضافہ نہیں اور اس زائد عبارت کا مطلب یہ ہے کہ بعض اوقات انگوٹھی نفیس ہونے کی وجہ سے مثقال کی قیمت کو پہنچ جاتی ہے اور یہ بھی نہی میں داخل ہے۔

علامہ سراج عبادی رحمہ اللہ نے فتویٰ دیا ہے کہ ایک مثقال تک پہنچنا جائز ہے البتہ اس سے زائد حرام ہے۔

لوہے کی انگوٹھی

امام ابوداؤد نے اپنی سنن میں اور امام بیہقی نے ''شعب الایمان' الادب اور دیگر تصانیف میں'' اپنے طریق سے امام نسائی نے اپنی سنن میں اور ابن حبان نے بھی حدیث نقل کی ہے اور ابن حبان نے اس کو صحیح قرار دیا کہ ایک شخص بارگاہ نبوی میں حاضر ہوا اور اس پر تانبے کی ایک انگوٹھی تھی۔[1] آپ نے فرمایا: مجھے کیا ہوا کہ میں بتوں کی بو پاتا ہوں؟ پس اس نے اس کو پھینک دیا پھر ایک اور شخص آیا اس نے لوہے کی انگوٹھی پہن رکھی تھی آپ نے فرمایا:

مجھے کیا ہوا کہ میں اس پر جہنمیوں کا لباس دیکھتا ہوں؟ اس نے بھی اسے پھینک دیا۔ امام ترمذی رحمہ اللہ نے بھی اس حدیث کو روایت کیا شبہ کی جگہ صفر کا لفظ ہے اور دونوں کا مفہوم ایک ہی ہے۔

امام نووی رحمہ اللہ نے ''شرح المھذب میں'' فرمایا: کہ صاحب الابانہ (الفورانی) نے لوہے یا تانبے کی انگوٹھی کو مکروہ

[1] حدیث میں شبہ کا لفظ آیا ہے اور یہ تانبے کی ایک قسم ہے جس سے بت بنائے جاتے تھے اس کا رنگ سونے کی طرح تھا (مشابہ)۔

قرار دیا ہے۔ صاحب البیان نے بھی ان کی اتباع کی اور فرمایا لوہے یا سیسے کی انگوٹھی مکروہ ہے ان کی دلیل حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ والی روایت ہے (جو پہلے گزر چکی ہے)۔

صاحب التمۃ (التولی) نے فرمایا: کہ لوہے یا سیسے کی انگوٹھی مکروہ نہیں کیونکہ صحیحین میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے اس شخص سے جس نے اپنے آپ کو پیش کرنے والی خاتون کو منگنی کا پیغام دیا' فرمایا (مہر کے ذریعے) تلاش کرو اگرچہ لوہے کی انگوٹھی ہو۔ وہ فرماتے ہیں: اگر اس میں کراہت ہوتی تو آپ اس کی اجازت نہ دیتے۔

سنن ابی داؤد میں جید سند کے ساتھ حضرت معیقیب صحابی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی انگوٹھی لوہے کی تھی' جس پر چاندی چڑھی ہوئی تھی۔

(وہ فرماتے ہیں:) ان دو حدیثوں کی وجہ سے مختار قول یہی ہے کہ مکروہ نہیں جس عورت نے اپنے آپ کو پیش کیا تھا اس سے متعلق حدیث میں شرح مسلم میں کلام کرتے ہوئے کہا گیا کہ اس حدیث میں لوہے کی انگوٹھی کا جواز ثابت ہوتا ہے۔

لیکن اس میں اسلاف کا اختلاف ہے جو قاضی (عیاض رحمہ اللہ) نے ذکر کیا ہے کہ اور ہمارے اصحاب نے اس کی کراہت کے سلسلے میں دو قول بیان کیے ہیں جن میں سے زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ مکروہ نہیں کیونکہ نہی والی حدیث ضعیف ہے۔

شاید امام نووی رحمہ اللہ نے اسے حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کی حدیث کے مقابلے میں ضعیف کہا ہو اور یہ حدیث اس خاتون کے واقعہ سے متعلق ہے مطلقاً نہیں اور یہ کیسے ہو سکتا ہے جبکہ اس (نہی والی حدیث) کے کئی شواہد ہیں اگر وہ درجہ صحت تک ترقی نہ بھی کرے تو بھی درجہ حسن سے نیچے نہیں ہے۔

عقیق کی انگوٹھی

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: عقیق کی انگوٹھی پہنو اور دایاں ہاتھ زینت کے زیادہ لائق ہے۔ (تنزیہ الشریعہ ج ۱ ص ۳۵۶' فوائد المجموعہ رقم الحدیث: ۱۹۳' العلل المتناہیہ ج ۲ ص ۲۰۵)

اس حدیث کی سند میں مجہول راوی ہیں اور یہ بھی مروی ہے کہ عقیق پہنو یہ فقر کو دور کرتا ہے۔

یعقوب بن ابراہیم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مرفوعاً روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ عقیق پہنو یہ مبارک ہے۔ (کشف الخفاء ج ۱ ص ۳۵۶۔۳۵۷' اللآلی المصنوعہ ج ۲ ص ۱۳۶' تذکرۃ الموضوعات رقم الحدیث: ۱۵۸۔۱۵۹' تنزیہ الشریعہ ج ۲ ص ۲۷۵' تاریخ بغداد ج ۱۱ ص ۲۵۱' اسرار المرفوعہ رقم الحدیث: ۱۵۸۔ ۲۸۷' فوئد المجموعہ رقم الحدیث: ۱۹۳' کنز العمال رقم الحدیث: ۱۷۲۸۵) اور یعقوب (راوی) متروک ہیں ابوبکر بن شعیب نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے مرفوعاً روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: جس نے عقیق کی انگوٹھی پہنی وہ ہمیشہ بھلائی دیکھے گا۔ یہ حدیث بھی ثابت نہیں۔

(کشف الخفاء ج ۱ ص ۳۵۶' مجمع الزوائد ج ۵ ص ۱۵۴' تنزیہ الشریعہ ج ۲ ص ۲۷۰۔۲۷۶)

اسی طرح اس سلسلے میں کئی دیگر احادیث وارد ہوتی ہیں لیکن جس طرح حافظ ابن رجب نے فرمایا یہ احادیث ثابت نہیں ہیں۔

عقیلی فرماتے ہیں: عقیق کی انگوٹھی پہننے کے سلسلے میں نبی کریم ﷺ سے کوئی بات ثابت نہیں۔ ابن فنجویہ نے اپنی کتاب ''الخواتیم'' میں ضعیف سند کے ساتھ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا کہ جو شخص زرد یاقوت کی انگوٹھی پہنے وہ طاعون سے محفوظ رہتا ہے۔ اس حدیث کی سند ضعیف ہے۔ (کنزالعمال رقم الحدیث: ۱۷۹۸)

انگوٹھی کا نگینہ

نبی اکرم ﷺ کی انگوٹھی کے نگینے کے بارے میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے چاندی کی انگوٹھی بنوائی اور اس کا نگینہ بھی چاندی کا تھا۔

''صحیح مسلم میں ہے کہ'' رسول اکرم ﷺ کی انگوٹھی کا نگینہ حبشی (پتھر کا) تھا۔

امام نووی رحمہ اللہ نے فرمایا: کہ علماء فرماتے ہیں: اس سے حبشہ کا پتھر مراد ہے یعنی اس کا نگینہ سفید و سیاہ مہرہ یا عقیق کا تھا اور ان دونوں کی کانیں حبشہ اور یمن میں ہیں۔

اگر یہ بات صحیح ہو کہ وہ حبشی سے عقیق مراد لیتے تھے تو آپ کی انگوٹھیاں ہوں گی ان میں سے ایک کا نگینہ عقیق کا اور دوسری کا چاندی کا ہوگا۔

امام نووی کی شرح مسلم میں نقل کیا گیا کہ کبھی آپ کی انگوٹھی کا نگینہ بھی اسی کا ہوتا (یعنی چاندی کا) اور دوسری حدیث میں ہے کہ اس کا نگینہ عقیق سے تھا لیکن یہ بات مروی نہیں ہے کہ آپ نے مکمل عقیق کی انگوٹھی پہنی ہو۔

انگوٹھی کا نقش

رسول اکرم ﷺ کی انگوٹھی کے نقش کے بارے میں صحیح مسلم میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت منقول ہے وہ فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ نے چاندی کی ایک انگوٹھی بنوائی جس میں ''محمد رسول اللہ'' کے الفاظ نقش تھے اور آپ نے صحابہ کرام سے فرمایا: میں نے چاندی کی انگوٹھی بنوائی ہے جس میں ''محمد رسول اللہ'' نقش کروایا ہے لہٰذا کوئی بھی اس کے مطابق نقش نہ کروائے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۸۷۷ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۶۵۶ مسند احمد ج ۳ ص ۲۹۰ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۶۳۹ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۲۱۹ السنن الکبریٰ ج ۱۰ ص ۱۲۸ مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۴۳۸۳ کنزالعمال رقم الحدیث: ۱۷۲۹۱)

امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی شخص اپنی انگوٹھی پر ''محمد رسول اللہ'' کندہ نہ کروائے۔

سنن نسائی میں ہے کہ آپ نے چاندی کی انگوٹھی بنوائی جس کا نگینہ حبشی (پتھر کا) تھا اور اس کا نقش ''محمد رسول اللہ'' تھا۔

''صحیح بخاری اور جامع ترمذی کی'' روایت میں ہے:

كان نقش الخاتم ثلاثة اسطر' محمد سطر و رسول سطر' والله سطر.

(آپ کی) انگوٹھی کا نقش تین سطروں میں تھا ایک سطر میں (اسم گرامی) ''محمد'' دوسری سطر میں لفظ ''رسول'' اور تیسری سطر میں (اسم جلالت) ''اللہ'' تھا۔

''فتح الباری میں'' فرمایا:

ظاہر بات یہ ہے کہ اس سے زائد کچھ نہ تھا اور اس کی ترتیب بھی یہی تھی لیکن اس کی ترتیب عام طریقے کے مطابق نہ تھی کیونکہ مہر لگانے کا تقاضا یہ ہے کہ جو حروف نقش کئے جائیں وہ الٹ ہوں تاکہ مہر صحیح لگے اور بعض شیوخ کا کہنا کہ اس

نقش کی کتابت اوپر سے تھی یعنی اسم جلالت ''اللہ'' سب سے اوپر والی سطر میں اور اسم مبارک ''محمد'' سب سے نچلی سطر میں تھا۔ تو میں نے کسی حدیث میں اس کی تصریح نہیں دیکھی بلکہ اسماعیلی کی روایت اس کے خلاف ہے انہوں نے فرمایا ایک سطر میں اسم رسالت ''محمد'' دوسری سطر میں لفظ ''رسول'' اور تیسری سطر میں اسم جلالت ''اللہ'' تھا۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ اپنی انگوٹھی داہنے ہاتھ میں پہنتے تھے جب آپ کا وصال ہوا تو یہ انگوٹھی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دائیں ہاتھ میں آگئی جب ان کا وصال ہوا تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دائیں ہاتھ میں ہوگی پھر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے داہنے ہاتھ میں ہوگی پھر جس دن آپ کے گھر کا محاصرہ ہوا تو یہ الفاظ ''لا الہ الا اللہ'' میں بدل گئے۔

اس حدیث کو برکہ بن محمد حلبی نے روایت کیا جیسا کہ ابن رجب نے اپنی کتاب ''الخواتیم'' میں نقل کیا پھر فرمایا: یہ روایت بہت زیادہ ساقط ہے کیونکہ برکہ کا ذکر جھوٹ کے ساتھ کیا جاتا ہے (یعنی جھوٹا ہے) اور اس میں ایسے الفاظ ہیں جو اس کے جھوٹا ہونے پر دلالت کرتے ہیں یعنی یوں کہنا کہ آپ کی شہادت کے دن ''لا الہ الا اللہ'' ہوگیا حالانکہ انگوٹھی حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت والے دن سے پہلے بیئر اریس میں گرگئی تھی اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ اس کے بعد ایک مدت تک زندہ رہے اور آپ نے اس کی جگہ دوسری انگوٹھی بنوائی جس کا نقش ''محمد رسول اللہ'' تھا کلمہ توحید نہ تھا۔

زیادہ انگوٹھیاں بنوانا

شیخ الاسلام الشرف المناوی [1] رحمہ اللہ نے فرمایا: مطلقاً انگوٹھی پہننے سے سنت پر عمل ہو جاتا ہے۔ اگرچہ وہ انگوٹھی ادھار کے طور پر لی ہو یا کرایہ پر لیکن سنت کے زیادہ موافق یہی ہے کہ اپنی ملکیت ہو۔ (الاعلام ج ۸ص ۱۶۷ شذرات الذہب ج ۷ص ۳۱۲ ضوء اللامع ج ۱۰ص ۲۵۴ کشف الظنون رقم الحدیث: ۱۶۳۵ حسن المحاضرہ ج ۱ص ۲۵۳)

اور ہمیشہ پہننا اور زیادہ انگوٹھیاں بنوانا بھی جائز ہے لیکن زیادہ کے استعمال کے بارے میں امام رافعی کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ جائز نہیں۔

محب طبری نے بھی یہی بات واضح طور پر لکھی ہے انہوں نے فرمایا نتیجہ یہ ہے کہ مرد کے لئے چاندی کی دو انگوٹھیاں پہننا جائز نہیں چاہے ایک ہاتھ میں ہوں یا دونوں ہاتھوں میں۔

کیونکہ چاندی کا اس مقدار سے زیادہ استعمال حرام ہے جس کی اجازت دی گئی ہے اور احادیث میں بھی ایک ہی انگوٹھی کا ذکر آیا ہے۔

لیکن خوارزمی نے ''الکافی میں'' ذکر کیا کہ ایک ہاتھ میں دو اور دوسرے میں ایک انگوٹھی پہن سکتا ہے۔

البتہ دونوں ہاتھوں میں دو دو پہننے کو الصید لانی نے فتاویٰ میں ناجائز کہا ہے۔

امام دارمی رحمہ اللہ نے ''الاستذکار میں'' فرمایا: کہ مرد کے لئے دو انگوٹھیوں سے زائد پہننا مکروہ ہے تو ان کا اسے صرف مکروہ کہنا اس بات کی دلیل ہے کہ حرام نہیں ہے جب یہ بات ثابت ہوگئی تو معلوم ہوا کہ یہ مسئلہ اختلافی ہے اور محب طبری کے کلام سے ظاہر ہے اگر ہم اس سے چشم پوشی بھی کریں تو صید لانی کے فتویٰ پر اعتماد کرتے ہیں۔

---

[1] شیخ الاسلام مناوی کا نام شرف الدین یحییٰ بن محمد ہے۔ آپ ۷۹۸ھ میں پیدا ہوئے۔ اور مصر میں قاضی القضاۃ (چیف جسٹس) رہے۔ ۱۲ ہزاروی (زرقانی ج ۵ص ۴)

دائیں اور بائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہننا

انگوٹھی دائیں یا بائیں کسی بھی ہاتھ میں پہننا جائز ہے البتہ اس کی افضلیت میں اختلاف ہے۔

کہا گیا ہے کہ بائیں ہاتھ میں پہنی جائے حضرت امام احمد رحمہ اللہ یہی فرماتے ہیں۔ حضرت صالح کی روایت میں ہے کہ حضرت امام احمد نے فرمایا: بائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہننا مجھے زیادہ پسند ہے۔

حضرت امام مالک رحمہ اللہ کا مذہب بھی یہی ہے ایک روایت میں ہے کہ آپ بائیں ہاتھ میں پہنتے تھے امام شافعی رحمہ اللہ کا طریقہ بھی یہی تھا۔

''صحیح مسلم میں'' حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں:

کان خاتم النبی ﷺ فی ھذہ واشار الی الخنصر فی یدہ الیسری.	نبی اکرم ﷺ کی انگوٹھی اس میں ہوتی تھی انہوں نے بائیں ہاتھ کی سب سے چھوٹی انگلی کی طرف اشارہ کیا۔

''سنن ابی داؤد میں'' حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ہے کہ نبی اکرم ﷺ انگوٹھی اپنے بائیں ہاتھ میں پہنتے تھے۔

اسماعیل بن مسلم نے سلیطی (محمد بن احمد بن محمد ابن سلیطی (دادا کی طرف نسبت) شیخ صالح تھے) سے روایت کیا فرماتے ہیں: چودہویں رات کا چاند چمک رہا تھا کہ میں نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا گویا میں آپ کے بطن مبارک کی سلوٹوں کو دیکھ رہا ہوں یوں معلوم ہوتا تھا کہ وہ قبطی کپڑے کی طرح ہیں اور آپ کی انگوٹھی کی چمک کو بھی دیکھ رہا تھا جو آپ کے بائیں ہاتھ میں تھی۔

اسماعیل بن مسلم (راوی) کے بارے میں امام بخاری رحمہ اللہ نے فرمایا: کہ ابن مبارک نے اسے چھوڑا ہے اور کبھی اس سے روایت بھی کرتے ہیں بعض حفاظ نے ذکر کیا جیسا کہ حافظ ابن رجب نے فرمایا: کہ بائیں ہاتھ میں انگوٹھی کے بارے میں عام صحابہ کرام اور تابعین سے مروی ہے۔

ایک گروہ نے دائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہننے کو ترجیح دی ہے حضرت ابن عباس اور حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہم کا یہی قول ہے حضرت حماد بن سلمہ فرماتے ہیں: میں نے حضرت ابن ابی رافع (رضی اللہ عنہما) کو دیکھا کہ انہوں نے دائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہنی ہوئی تھی میں نے اس سلسلے میں ان سے پوچھا تو انہوں نے فرمایا: میں نے حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ کو دیکھا آپ دائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہنتے تھے اور فرماتے تھے: کہ نبی اکرم ﷺ بھی دائیں ہاتھ میں پہنتے تھے۔ اس حدیث کو امام احمد، نسائی، ابن ماجہ اور ترمذی نے روایت کیا ہے۔ اور فرمایا: کہ امام محمد یعنی امام بخاری رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اس سلسلے میں جو کچھ نبی اکرم ﷺ سے مروی ہے یہ ان تمام روایات میں سے سب سے زیادہ صحیح ہے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۲۲۶، جامع ترمذی رقم الحدیث: ۱۷۴۴، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۶۴۷، مسند احمد ج ۱ ص ۲۰۴، سنن نسائی ج ۸ ص ۱۷۵ ـ ۱۹۳، المعجم الکبیر ج ۸ ص ۲۹۱، مجمع الزوائد ج ۵ ص ۱۵۳، اتحاف السادۃ المتقین ج ۷ ص ۱۲۹، مشکوۃ المصابیح رقم الحدیث: ۴۳۹۱ ـ ۴۳۹۲، حلیۃ الاولیاء ج ۷ ص ۱۰۳، العلل المتناہیہ ج ۲ ص ۲۰۵، اخلاق النبوۃ رقم الحدیث: ۱۲۴ ـ ۱۲۵، شرح السنہ ج ۱۲ ص ۶۷ ـ ص ۶۸، تاریخ بغداد ج ۱۱ ص ۹۵، کنز العمال رقم الحدیث: ۱۷۳۰۰ ـ ۱۷۳۰۲ ـ ۱۸۳۱۱)

شمائل ترمذی میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ دائیں میں انگوٹھی پہنتے تھے یہ حدیث

عبداللہ بن میمون کی حالت کے باعث ضعیف ہے۔

اور حضرت عباد بن صہیب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ حضرت جعفر بن محمد سے وہ اپنے والد سے اور وہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ کا وصال ہوا تو آپ کے داہنے ہاتھ میں انگوٹھی تھی' عباد بن صہیب بھی متروک ہیں۔

امام بزار نے اپنی مسند میں حضرت عبید بن قاسم سے انہوں نے ہشام بن عروہ سے انہوں نے اپنے باپ سے اور انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ اپنے دائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہنتے تھے اور جب آپ کا وصال ہوا تو اس وقت انگوٹھی آپ کے دائیں ہاتھ میں تھی۔

یہ عبید (راوی) بہت جھوٹا شخص ہے۔

حافظ ابن رجب نے کہا کہ واضح الفاظ میں یہ بات مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ کا آخر معمول بائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہننا تھا سلیمان بن محمد' حضرت عبداللہ بن عطاء سے وہ حضرت نافع سے اور وہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ انگوٹھی دائیں ہاتھ میں پہنتے تھے پھر آپ نے اسے بائیں ہاتھ کی طرف پھیر دیا۔

حضرت وکیع فرماتے ہیں: دائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہننا سنت نہیں ہے۔

امام احمد رحمہ اللہ سے واضح الفاظ میں منقول ہے کہ انگشت شہادت اور درمیان والی انگلی میں انگوٹھی پہننا مکروہ ہے۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ نے مجھے اس اور اس انگلی میں انگوٹھی پہننے سے منع فرمایا آپ نے شہادت والی اور درمیان والی انگلی کی طرف اشارہ فرمایا۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۲۲۵' جامع ترمذی رقم الحدیث: ۱۷۸۶' سنن نسائی ج ۸ ص ۱۷۷' مسند احمد ج ۱ ص ۱۰۹-۱۵۴)

"اللباب میں ہے کہ "نبی اکرم ﷺ انگوٹھی پہنتے تھے اور بعض اوقات آپ باہر تشریف لاتے اور آپ کی انگوٹھی میں ایک دھاگہ بندھا ہوا ہوتا جو کسی بات کی یادداشت کے لئے ہوتا۔ یہ بات ابن عدی نے ضعیف سند کے ساتھ حضرت واثلہ رضی اللہ عنہ سے ان الفاظ کے ساتھ نقل کی ہے کہ جب آپ کسی حاجت کا ارادہ کرتے تو اپنی انگوٹھی میں کوئی دھاگہ باندھ دیتے۔

ابویعلیٰ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ کو کسی کام کے بھول جانے کا خطرہ ہوتا تو اسے یاد رکھنے کے لئے اپنی انگلی میں دھاگہ باندھتے تاکہ یاد رہے یہ احمد بن حسین شیرازی کے مجموعہ خلعیات میں سے چوتھا خلعیہ ہے (یعنی جزء ہے) لیکن اس میں سالم بن عبدالاعلیٰ ابوالفیض ہیں ابن حبان نے ان کو موضوع احادیث گھڑنے والا قرار دیا بلکہ ابوحاتم نے اس حدیث کی وجہ سے اسے تہمت زدہ قرار دیا۔

سلوار پہننا

سلوار کے بارے میں اختلاف ہے کہ کیا نبی اکرم ﷺ نے اسے پہنا ہے یا نہیں؟ بعض علماء نے یقین کے ساتھ بیان کیا کہ آپ نے سلوار نہیں پہنی۔ اس پر حضرت امام نووی رحمہ اللہ کا جزم دلیل ہے وہ کتاب "تھذیب الاسماء واللغات" میں حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے ترجمہ (تذکرہ) میں لکھتے ہیں کہ انہوں نے دور جاہلیت میں بھی اور

اسلام لانے کے بعد بھی سلوار نہیں پہنی البتہ شہادت کے دن پہنی ہے اور آپ 'نبی اکرم ﷺ کی اتباع پر بہت حریص تھے۔

لیکن ابو یعلیٰ موصلی نے اپنی مسند میں ایک نہایت ہی ضعیف سند سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے وہ فرماتے ہیں: ایک دن میں نبی اکرم ﷺ کے ہمراہ بازار میں داخل ہوا تو آپ کپڑا فروشوں کے پاس تشریف فرما ہوئے اور چار درہم میں سلوار کا کپڑا خریدا اور بازار والوں کا ایک وزن کرنے والا تھا۔ (درہم و دینار کا وزن کرتا تھا) آپ نے فرمایا: وزن کرو اور جھکتا ہوا کرو اس نے کہا میں نے یہ بات کسی سے نہیں سنی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: دین میں تیری سستی اور زیادتی کے لئے یہی بات کافی ہے کیا تو نے اپنے نبی کو بھی نہیں پہچانا؟

اس نے ترازو رکھ دیا اور نبی اکرم ﷺ کا دست مبارک چومنے کے لئے کود پڑا لیکن آپ نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا اور فرمایا: یہ کام عجمی لوگ اپنے بادشاہوں سے کرتے ہیں اور میں بادشاہ نہیں ہوں بلکہ میں تم لوگوں میں سے ایک آدمی ہوں۔

چنانچہ اس نے جھکتا ہوا وزن کیا اور آپ نے سلوار لے لی۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں اسے آپ سے اٹھانے لگا تو آپ نے فرمایا: کسی چیز کے مالک کو ہی زیادہ حق پہنچتا ہے کہ وہ اپنی چیز اٹھائے عمل کمزور ہونے کی وجہ سے اٹھا نہ سکتا ہو تو اس کا مسلمان بھائی اس کی مدد کرے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ سلوار پہنیں گے؟ فرمایا: ہاں سفر و حضر اور دن و رات میں پہنوں گا کیونکہ مجھے ستر کا حکم دیا گیا ہے پس میں سلوار سے زیادہ ستر کے لئے لائق کسی چیز کو نہیں دیکھتا۔ (المستدرک ج ۲ ص ۱۴۱' مجمع الزوائد ج ۵ ص ۱۲۱' اتحاف السادۃ المتقین ج ۶ ص ۱۷۱' ۳' تنزیہ الشریعہ ج ۲ ص ۲۷۲' ۲' میزان الاعتدال رقم الحدیث: ۶۶ ۴۸' فوائد المجموعہ رقم الحدیث: ۱۹۰)

اسی طرح ابن حبان نے "الضعفاء میں" حضرت ابو یعلیٰ سے یہ حدیث نقل کی ہے۔

طبرانی نے "الاوسط میں" دارقطنی نے "الافراد میں" اور عقیلی نے "الضعفاء میں" اسے نقل کیا اور اس کا مدار یوسف بن زیاد واسطی پر ہے۔

لیکن نبی اکرم ﷺ کا سلوار خریدنا ثابت ہے۔[1]

"الھدی میں ہے" ظاہر ہے کہ آپ نے اسے پہننے کے لئے خریدا اور یہ بھی مروی ہے کہ آپ نے سلوار پہنی ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ کے زمانے میں اور آپ کے حکم سے سلوار پہنتے تھے۔

حضرت ابو عبد اللہ الحجازی نے "الشفاء کے حاشیہ میں" فرمایا: کہ "الھدی میں" جو کہا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے سلوار پہنی ہے تو علماء کرام فرماتے ہیں۔ یہ بات سبقتِ قلم کی وجہ سے لکھی گئی۔ واللہ اعلم

ابو سعید نیشاپوری نے اپنی کتاب "شرف المصطفیٰ" میں نبی اکرم ﷺ کی تجارت کے سلسلے میں یہ بات لکھی ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح (صحیح بخاری) میں ایک عنوان "باب السراویل" مقرر کیا اور اس میں احرام کے

---

[1] امام احمد اور سنن اربع نے حضرت سوید بن قیس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں: میں اور مخرفۃ العبد مقام ہجر سے کپڑا لے کر مدینہ طیبہ آئے نبی اکرم ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے اور ہم منیٰ میں تھے آپ نے ہم سے سلوار کا بھاؤ لگایا تو ہم نے آپ پر بیچ دی آپ نے اس کی قیمت کا وزن کیا اور وزن کرنے والے سے فرمایا' جھکتا ہوا وزن کر۔

لباس والی حدیث میں اس کا ذکر کیا کیونکہ ان کی شرط کے مطابق اس میں کوئی حدیث وارد نہیں (یعنی یہ فرمایا کہ کوئی آدمی قمیص سلوار وغیرہ نہ پہنے)۔

موزے پہننا

موزے پہننے کے حوالے سے امام ترمذی رحمہ اللہ نے حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ نجاشی (بادشاہ) نے نبی اکرم ﷺ کے لئے دو سیاہ رنگ کے سادہ موزے بطور تحفہ بھیجے پس آپ نے ان کو پہنا پھر وضو کیا تو ان پر مسح کیا۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۵۴' جامع ترمذی رقم الحدیث: ۲۸۲۰' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۵۴۹۔ ۳۶۲۰' مسند احمد ج ۵ ص ۳۵۲)

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: کہ حضرت دحیہ رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں دو موزوں کا تحفہ پیش کیا تو آپ نے ان دونوں کو پہن لیا۔

اور اسرائیل نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے اور انہوں نے حضرت عامر رضی اللہ عنہ سے یوں نقل کیا کہ ایک جبہ بھی (تحفہ کے طور پر پیش کیا) آپ نے ان دونوں (موزوں) کو پہنا حتیٰ کہ وہ پھٹ گئے اور آپ کو معلوم نہ تھا کہ کیا وہ ذبح کئے ہوئے جانور کے چمڑے سے بنائے گئے یا غیر مذبوحہ کے چمڑے سے؟ اسے طبرانی نے نقل کیا۔

(جامع ترمذی رقم الحدیث: ۱۷۶۹)

نعلین مبارک پہننا

نعل اس چیز کو کہتے ہیں جس کے ذریعے پاؤں کی حفاظت کی جائے یہ بات صاحب محکم نے فرمائی ہے۔

آپ کے نعلین شریف کے بارے میں صحیح بخاری میں حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں:

ان نعل النبی ﷺ کان لھا قبالان. کہ نبی اکرم ﷺ کے نعلین مبارک تھے جن کے دو تسمے تھے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۱۳۴' صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۸۵۷' سنن نسائی ج ۸ ص ۲۱۷' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۶۱۴۔ ۳۶۱۵' اخلاق النبوۃ رقم الحدیث: ۱۳۶' مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۴۴۱۳' مجمع الزوائد ج ۵ ص ۱۳۸' شمائل ترمذی رقم الحدیث: ۴۱۔ ۴۴' کنز العمال رقم الحدیث: ۴۲۱)

قبالان ' قبال کا تثنیہ ہے جوتے کی لگام کو قبال کہتے ہیں اور یہ دو انگلیوں کے درمیان ہوتا ہے (یعنی جس طرح قینچی چپل کی نتھ ہوتی ہے جو انگوٹھے اور ساتھ والی انگلی کے درمیان ہوتی ہے)۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: نبی اکرم ﷺ کی نعلین مبارک کے دو تسمے تھے جو ڈبل ڈبل تھے۔

اس کو امام ترمذی نے ''الشمائل میں'' روایت کیا۔ اسی میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ کی نعلین مبارک کے دو تسمے تھے (تھیں تھیں)۔

حضرت عیسیٰ بن طہمان رحمہ اللہ فرماتے ہیں: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے ہمیں دو جوتے دکھائے ان پر

بال نہیں تھے اور ان کے دو تسمے تھے اس کے بعد حضرت ثابت نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہوئے ہمیں بتایا کہ یہ دونوں نبی اکرم ﷺ کے نعلین مبارک تھے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۸۵۸)

حضرت عبید بن جریج رحمہ اللہ فرماتے ہیں: انہوں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے عرض کیا کہ میں آپ کو دیکھتا ہوں کہ آپ سبتی جوتے پہنتے ہیں (رنگی ہوئی کھال جس پر بال نہ ہوں) انہوں نے فرمایا میں نے نبی اکرم ﷺ کو دیکھا آپ ایسا جوتا پہنتے تھے جس پر بال نہ ہوں اور اسی میں وضو بھی فرماتے ہیں پس میں بھی اسے پہننا پسند کرتا ہوں۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۸۵۱ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۷۷۲ موطا امام مالک رقم الحدیث: ۳۱ مسند احمد ج ۲ ص ۲۶ ص ۱۱۰)

حضرت عمرو بن حریث رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: کہ میں نے رسول اکرم ﷺ کو دیکھا آپ ایسے نعلین پہنے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے۔ (رنگے ہوئے چمڑے سے بنے ہوئے جوتے)۔ (مسند احمد ج ۴ ص ۳۰۷)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: کہ نبی کریم ﷺ دائیں طرف سے کام شروع کرنے کو پسند کرتے تھے جب تک ممکن ہو کنگھی کرنے، نعلین مبارک پہننے اور وضو کرنے میں (یہ طریقہ اختیار فرماتے تھے)۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۱۳۹ جامع ترمذی رقم الحدیث: ۶۰۷ صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۸۵۶ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۶۱۶ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۶۷ موطا امام مالک رقم الحدیث: ۱۵ مسند احمد ج ۲ ص ۲۳۳۔ ۲۴۵۔ ۲۷۷ السنن الکبریٰ ج ۲ ص ۴۳۲ المعجم الصغیر ج ۱ ص ۲۵ مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۴۴۱۰ شرح السنہ ج ۱۲ ص ۵۷ حلیۃ الاولیاء ج ۶ ص ۱۳۲ کنز العمال رقم الحدیث: ۳۱۶۰۳)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی ایک جوتا پہنے تو دائیں پاؤں سے آغاز کرے اور جب اتارے تو بائیں پاؤں سے شروع کرے تا کہ دایاں پاؤں پہننے میں پہلے اور اتارنے میں آخر میں ہو۔

اور رسول اکرم ﷺ کھڑے ہو کر جوتا پہننے سے منع فرماتے تھے۔ (جہاں بیٹھ کر پہننا ممکن نہ ہو وہاں کھڑے ہو کر بھی پہن سکتے ہیں۔ ۱۲ ہزاروی)

ابوالیمن بن عساکر نے ایک جزء مفرد میں نبی اکرم ﷺ کے نعلین مبارک کا نقشہ ذکر کیا میں نے اسے پڑھ کر اور سن کر دونوں طرح روایت کیا ہے اسی طرح ابواسحاق ابراہیم بن محمد بن خلف سلمی جو ابن الحاج کے نام سے مشہور ہیں اور اندلس میں اہل مریہ خاندان سے تعلق رکھتے ہیں انہوں نے اور دوسرے حضرات نے یہ نقشہ بنایا ہے اور میں یہاں اسے اس لئے نقل نہیں کرتا کہ یہ مشہور ہے اور اس کی لکیریں وغیرہ بنانا کسی ماہر کے بغیر مشکل ہے۔

نعلین پاک کی فضیلت اور اس کا نفع و برکت جس کا تجربہ کیا گیا اس میں سے کچھ اسی طرح ہے۔

ابوجعفر احمد بن عبدالمجید نے ذکر کیا اور وہاں ایک نیک شیخ تھے وہ فرماتے ہیں: میں نے یہ نقشہ مبارکہ بعض طلباء کے لئے بنایا تو وہ طالب علم ایک دن میرے پاس آیا اور کہنے لگا گذشتہ رات میں نے نعلین مبارک کی عجیب برکت دیکھی ہے میری بیوی سخت درد میں مبتلا ہوگئی قریب تھا کہ ہلاک ہو جاتی میں نے نعلین پاک کا نقشہ اس کی درد والی جگہ پر رکھ دیا اور کہا:

اَللّٰهُمَّ اَرِنِیْ بَرَكَةَ صَاحِبِ هٰذَا النَّعْلِ. یا اللہ! اس نعل مبارک والے کی برکت دکھا دے۔

تو اللہ تعالیٰ نے اسی وقت شفاء عطا فرمائی۔

ابواسحاق کہتے ہیں ابوالقاسم بن محمد نے فرمایا: کہ اس کی برکت کا جو تجربہ کیا گیا اس میں سے ایک یہ بھی ہے کہ جو شخص

اسے اپنے پاس برکت کے لئے رکھے یہ اس کے لئے باغیوں کی بغاوت اور دشمنوں کے غلبہ سے امان ہوگا نیز ہر سرکش شیطان اور حاسد آنکھ سے پناہ کا باعث بنے گا۔

اگر کوئی حاملہ عورت اسے اپنے داہنے ہاتھ میں پکڑے اور اس پر بچے کی پیدائش کا معاملہ سخت ہو گیا ہو تو اللہ تعالیٰ کی مدد سے آسان ہو جائے گا۔

اللہ تعالیٰ ابوالیمن بن عساکر رحمہ اللہ کو جزائے خیر عطا فرمائے انہوں نے کیا اچھا فرمایا ہے:

یا منشدا فی رسم ربع خال ومنا شدا لدوارس الاطلال

دع ندب آثار وذکر مآثر لاحبة بانوا وعصر خال

والثم ثری الاثر الکریم فحبذا ان فزت منه بلثم ذا المثال

اثر لـه بقلوبنا اثر لها شغل الخلی بحب ذات الخال

قبل لک الاقبال نعلی اخمص حل الهلال بها محل قبال

الصق بها قلبا یقلبه الهوی وجلا علی الاوصاب والاوجال

صافح بها خدا و عفر وجنة فی تربها وجدا وفرط فعال

"اے ویران کھنڈرات کی جستجو کرنے والے' اور اے مٹے ہوئے ٹیلوں کو شعر سنانے والے' گذرے ہوئے زمانے' بچھڑے ہوئے دوستوں کی باتوں اور کھنڈرات پر رونے کو چھوڑ اور (حضور ﷺ کے) عزت والے اثر کو بوسہ دو کیا ہی خوبی ہو اگر تو نعل شریف کے نقشہ کو بوسہ دے کر سعادت مندی حاصل کر' یہ ایسا اثر ہے جو ہمارے دلوں پر ثبت ہے' اور ان دلوں کا حال خوبصورت عورت کی محبت میں مبتلا' فارغ البال شخص جیسا ہے۔ تیرا اقبال بلند ہو اس قدم کی نعلین کو بوسہ دے جن میں تسمے کی جگہ ہلال نے لی' اس نعل شریف کے ساتھ دل کو وابستہ کر وہ دل جسے محبت الٹ پلٹ کرے اور وہ بیماریوں اور مصائب سے خوفزدہ ہو' نعل شریف کے ساتھ اپنے رخسار کو مس کر اور اس کی مٹی اپنے چہرے پر وجد اور مبالغہ کے ساتھ لگا"۔

سیل حر جوی ثوی بجوانح فی الحب ما جنحت الی الابلال

"عنقریب گرفتار عشق کی آتش سوزاں شفاء پائے گی جو شفاء پانے والی نہ تھی"۔

یا شبه نعل المصطفی روحی الفداء لمحلک الاسمی الشریف العال

"اے نبی پاک ﷺ کے نعل پاک کے نقش مبارک! میری جان تیرے مقام رفیع اور مرتبہ علیا پر قربان"۔

هملت لمرآک العیون وقد نای مرمی العیان بغیر ما اهمال

"آپ کی زیارت کے لئے آنکھیں آنسو بہاتی ہیں اور تحقیق آنسو بہائے بغیر آنسو پھینکنا ممکن نہیں"۔

وتذکرت عهد العقیق فاثرت شوقا عقیق المدمع الهطال

"اور انہوں (آنکھوں) نے عقیق کے زمانے کی یاد تازہ کر دی پس ان (آنکھوں) نے سرخ لہروں میں موسلا دھار بارش کا شوق بیدار کر دیا"۔

وصبت فواصلت الحنین الی الذی   مازال بالی منہ فی بلبال

''وہ آنکھیں غمِ عشق میں مبتلا ہوئیں اور میرے شدتِ اشتیاق کو اس غم سے ملا دیا جو ہمیشہ سے میرے دل میں ہے''۔

اذکرتنی قدما لھا قدم العلا   والجود والمعروف والافضال

''ان آنکھوں نے مجھے ایسے مبارک قدم یاد دلائے جن کی عظمت' سخاوت' نیکی اور فضل قدیم ہے''۔

اذکرتنی من لم یزل ذکری لہ   یعتاد فی الابکار والاصال

''کیا تو نے مجھے وہ ہستی یاد دلائی جس کا ذکر (درود شریف) میری صبح و شام میں ہمیشگی سے داخل ہے''۔

ولھا المفاخر والماثر فی الدنا   والدین والاقوال والافعال

''دین و دنیا اور اقوال و افعال میں ان اقدام مبارکہ کے بے شمار فضائل اور خوبیاں ہیں''۔

لو ان خدی یحتذی نعلا لھا   لبلغت من نیل المنی آمال

''کاش کہ میرے رخسار (کی کھال) آپ کے نعل مبارک کا چمڑا بنتی تو میں نیک خواہشات اور تمناؤں کے حصول میں کامیاب ہو جاتا''۔

او ان اجفانی لو طء نعالھا   ارض سمت عزا بذا الاء ذلال

''یا میری پلکیں آپ کے قدم مبارک کے نعل کے روندنے کیلئے زمین ہوتیں تو وہ (زمین) ذلت والی ہونے کے باوجود معزز مشہور ہوتی''۔

اور ابو الحکم بن مرحل کا قول کتنا اچھا ہے اسے ابو اسحاق بن الحاج نے ایک قصیدے میں ذکر کیا:

بوصف حبیبی طرز الشعر ناظمہ   و نمنم خد الطرس بالنقش راقمہ

''شاعر نے میرے محبوب ﷺ کے اوصاف میں شعروں کے موتی پروئے اور لکھنے والے نے مٹے ہوئے نشان کو نقش (نعل پاک) سے مزین کیا''۔

رؤوف عطوف اوسع الناس رحمۃ   وجادت علیھم بالنوال غمائمہ

''وہ (میرے محبوب) لوگوں کے لئے مہربانی اور بخشش کرنے والے اور سب سے بڑھ کر رحیم ہیں اور ان کے جود و سخا کے بادل لوگوں پر عطیات کی بارش برساتے ہیں''۔

لہ الحسن والاحسان فی کل مذھب   فاثارہ محبوبۃ و معالمہ

''ہر میدان میں ان کی عمدہ سیرت اور فیاضی عام ہے پس ان کی سنن اور طور طریقے لوگوں کو دل و جان سے محبوب ہیں''۔

بہ ختم اللہ النبیین کلھم   وکل فعال صالح فھو خاتمہ

''ان (محبوب ﷺ) کے ساتھ اللہ نے نبوت کو ختم فرما دیا اور ہر عمدہ خصلت ان پر ختم ہو گئی''۔

احب رسول اللہ حبا لوانہ   تقاسمہ قومی کفتھم قسائمہ

''میں رسول اللہ ﷺ سے ایسی محبت کرتا ہوں کہ اگر اس کو میری قوم پر تقسیم کیا جائے تو اس کے اجزاء

(اس قدر ہوں گے کہ) ہر ایک کو کفایت کریں گے''۔

كان فؤادي كلما مر ذكره　　من الورق خفاق اصيبت قوادمه

''جب بھی ان کا ذکر مبارک ہوتا ہے تو میرا دل ایسے بے چین ہو جاتا ہے جیسے لشکریوں کے ہاتھوں اجڑا ہوا مکان ہو''۔

اهيم اذا هبت نواسم ارضه　　ومن لفؤادي ان تهب نواسمه

''جب سرزمین حبیب سے باد صبا آتی ہے تو میں عشق میں پگل جاتا ہوں اور جب باد صبا چلے تو میرے دل کو کون تھامے؟[1]''۔

فانشق مسكا طيبا فكانما　　نوافجه جاءت به ولطائمه

''پس میں پاکیزہ خوشبو سونگھتا ہوں گویا کہ ان کی طرف سے مشک کے نافے یہ خوشبو لیے آئے ہیں''۔

ومما دعاني والدعاوي كثيرة　　الى الشوق ان الشوق مما اكاتمه

''اور اسی سے میں نے دعویٰ کیا کہ میں محبت کو چھپا سکتا ہوں حالانکہ محبت میں ایسے دعاوی زیادہ ہونے کے باوجود بے کار ہیں''۔

مثال لنعلي من احب هويته　　فها انا في يومي وليلي الاثمه

''میں اپنے محبوب (ﷺ) کے نعلین پاک کے نقش کو از حد چاہتا ہوں اور یہی وہ نقش مبارک ہے جسے میں صبح و شام بوسے دیتا ہوں''۔

اجر على راسي ووجهي اديمه　　والثمه طورا وطورا الازمه

''میں اس نقش نعل پاک کو اپنے سر پر رکھتا ہوں اور اپنے چہرے کو اس کے ذریعے فرحت بخشتا ہوں اور میں اسے بار بار چومنے کو لازم گردانتا ہوں''۔

امثله في رجل اكرم من مشى　　فتبصره عيني وما انا حالمه

''میں ایسے قدم مبارک کا نقش بناتا ہوں جو تمام چلنے والوں میں سے افضل ہیں اور میں جاگتے ہوئے سر کی آنکھوں سے اس کی زیارت کرتا ہوں''۔

احرك خدي ثم احسب وقعه　　على وجنتي خطوا هناك يداومه

''(جب میں اسے اپنے رخسار پر رکھ کر) اپنے رخسار کو حرکت دیتا ہوں تو اس کے گرنے کو اپنے رخساروں پر ایک قدم سمجھتا ہوں جو بار بار رکھا جاتا ہے''۔

ومن لي بوقع النعل في حر وجنتي　　لماش علت فوق النجوم براجمه

''اور نعل پاک گرنے کی وجہ سے میرے رخساروں (میں پیدا ہونے والی) حرارت میں چلنے والا کون ہے جس کے قدم ستاروں سے بھی بلند ہیں''۔

---

[1] مجھے محبت پر اس چیز نے برانگیختہ کیا کہ محبت ایسی چیز ہے جسے میں چھپا سکتا ہوں حالانکہ دعوے بہت ہوتے ہیں۔

ساجعله فوق الترائب عوذة　　لقلبي لعل القلب يبرد حاجمه

''میں اس نقش مبارک کو اپنے سینے پر دوبارہ رکھوں گا یہ امید کرتے ہوئے کہ میرے دل کا خوف دور ہو جائے''۔

وار بطة فوق الشوون تميمة　　لجفني لعل الجفن برقاً ساجمه

''میں اس نقش کو آنسوؤں کی رگوں کے اوپر پانی کا چشمہ بناؤں گا اور اپنی پلکوں کے لئے تعویذ تا کہ میری پلکوں کے بہنے والے آنسو رک جائیں''۔

الابابي مثال نعل محمد　　لطاب لحاذيه و قدس خادمه

''ہمارے آقا محمد مصطفےٰ ﷺ کے نقش نعل مبارک پر میرا باپ فدا''۔

يود هلال الافق لو انه هوى　　يزاحمنا في لثمه و نزاحمه

''آسمان کا چاند یہ چاہتا ہے کہ وہ اس نقش پر ٹوٹ پڑے اور وہ اس نقش کو بوسہ دینے میں ہم سے جھگڑے اور ہم اس سے جھگڑیں (یا وہ بوسہ دینے میں ہم سے سبقت لے جانے کی سعی کرے)''۔

وما ذاك الا ان حب نبينا　　يقوم باجسام الخليقة لازمه

''یا (یہ اس لئے ہے کہ یہ تو کچھ بھی نہیں) ہاں مگر ہمارے نبی ﷺ کی محبت جمیع مخلوقات پر لازم اور واجب ہے''۔

سلام عليه كلما هبت الصبا　　وغنت باغصان الاراك حمائمه

''جب بھی صبا چلے اور پیلو کے درخت کی شاخوں میں ان کے کبوتر ان کی نعت پڑھیں (گنگنائیں) تو میری طرف سے بھی سلام (مسلسل) ہوتا رہے''۔

اور ابو بکر احمد بن امام ابو محمد عبد اللہ بن حسین قرطبی رحمہ اللہ نے فرمایا:

ونعل خضعنا هيبة لبهائها　　وانا متى نخضع لها ابدا نعلو

فضعها على اعلى المفارق إنها　　حقيقتها تاج و صورتها نعل

باخمص خير الخلق حازت مزية　　على التاج حتى باهت المفرق الرجل

طريق الهدى عنها استارت لمبصر　　وان بحار الجود من فيضها حلوا

سلونا ولكن عن سواها وانما　　نهيم بمعناها الغريب وما نسلوا

فما شاقنا مذ راقنا رسم عزها　　حميم ولا مال كريم ولا نسل

شفاء لذى سقم رجاء لبائس　　امان لذى خوف كذا يحسب الفضل

''اور (حضور ﷺ کی) نعلِ مبارک ہے جس کا ہم احترام بجالاتے ہیں' ہم اس کا جتنا احترام کرتے ہیں اتنے ہی سر بلند ہوتے ہیں اسے (اپنے سر کی) مانگ پر رکھ اس کی حقیقت تاج ہے اور ظاہری صورت نعل ہے' کائنات کی سب سے بہتر شخصیت کے قدم کی برکت سے اس (نعل) نے تاج پر فضیلت حاصل کی حتی کہ سر کی چوٹی کو دیگر اعضائے انسانی پر فخر حاصل ہوا' دیدۂ بینا رکھنے والے کے لیے ہدایت کی راہ نے نعل

پاک سے روشنی پائی' اور سخاوت کے دریاؤں نے اس نعل کے فیض سے مٹھاس پائی' ہم اس نعل کی وطن سے دور منزل میں سرگرداں ہیں اور دل بھرتا نہیں' اور اس کے ماسوا سے ہم بے نیاز ہیں' جب سے ہمیں اس (نعل) کی منزل کے کھنڈرات بھائے ہیں کسی گہرے دوست' مال یا رشتے کی محبت نہیں رہی' [1] (یہ نعل) بیمار کے لئے شفاء اور مایوس کے لئے امید کی کرن اور خوفزدہ کے لئے امان ہے۔ اس کی فضیلت اسی طرح سمجھی جاتی ہے"۔

بچھونا مبارک

نبی اکرم ﷺ ضرورت کے مطابق بچھونا اختیار فرماتے اور اس کے علاوہ کو چھوڑ دیتے۔

"صحیح مسلم میں" نبی اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

فراش للرجل وفراش لامراته والثالث للضيف والرابع للشيطان.

ایک بستر مرد کے لئے دوسرا بستر اس کی بیوی کے لئے تیسرا مہمان کے لئے اور چوتھا شیطان کے لئے ہوتا ہے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۱۴۲' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۴۱' مسند احمد ج ۳ ص ۳۲۴' سنن نسائی ج ۶ ص ۱۳۵' اتحاف السادۃ المتقین ج ۵ ص ۲۶۲' شرح السنہ ج ۱۲ ص ۵۵)

علماء کرام فرماتے ہیں: اس کا مطلب یہ ہے کہ جو ضرورت سے زائد ہو اسے اختیار کرنا تکبر' فخر اور دنیوی زینت کے طور پر ہوتا ہے اور جو اس صفت پر ہو وہ مذموم ہے اور ہر مذموم کام شیطان کی طرف منسوب ہوتا ہے کیونکہ وہ اس پر خوش ہوتا ہے اس کے بارے میں وسوسے ڈالتا اور اچھا قرار دیتا ہے۔

بعض نے کہا کہ یہ حدیث اپنے ظاہر پر ہے اور جب ضرورت کے بغیر ہو تو اس پر شیطان رات گزارتا اور سوتا ہے جہاں تک مرد اور عورت کے لئے الگ الگ بستر کا تعلق ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں کیونکہ بعض اوقات بیماری وغیرہ کی وجہ سے ان میں سے ہر ایک مستقل بستر کا محتاج ہوتا ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ کا بچھونا جس پر آپ آرام فرماتے تھے چمڑے کا تھا جس میں (کھجور کی) چھال بھری ہوئی تھی۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۴۵۶' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۳۸' مسند احمد ج ۶ ص ۴۳' جامع ترمذی رقم الحدیث: ۱۷۶۱' السنن الکبریٰ ج ۷ ص ۴۸' الشفاء ج ۱ ص ۱۴۲' مشکوۃ المصابیح رقم الحدیث: ۴۳۰۷' الترغیب والترہیب ج ۳ ص ۱۱۰۔ ج ۴ ص ۲۰۱' شرح السنہ ج ۱۲ ص ۵۲)

امام بیہقی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت نقل کی ہے وہ فرماتی ہیں: کہ ایک انصاری عورت میرے پاس آئی اور اس نے نبی اکرم ﷺ کا بچھونا دیکھا کہ کپڑے کا ایک ٹکڑا دوہرا کیا گیا تھا تو اس نے میرے پاس ایک بچھونا بھیجا جس

[1] شاعر نے نعل کی منزل اور اس کے کھنڈرات کا ذکر بطور استعارہ کیا ہے' قدیم عرب شعراء اپنی محبوبہ کے گھر اور اجڑے ہوئے کھنڈرات سے بھی محبت کا اظہار کیا کرتے تھے' شاعر نے نعل شریف سے محبت کا اظہار کرتے ہوئے قدیم عرب شعراء کی اصطلاح بطور استعارہ استعمال کی ہے' ورنہ نعل کا نہ تو گھر ہوتا ہے اور نہ اس گھر کے اجڑنے پر کھنڈر ہوتا ہے۔ مترجم

میں اون بھری ہوئی تھی۔ رسول اکرم ﷺ میرے ہاں تشریف لائے تو پوچھا عائشہ یہ کیا ہے؟ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! فلاں انصاری عورت میرے پاس آئی اور اس نے آپ کا بچھونا دیکھا چنانچہ اس نے یہ بھیجا ہے۔

آپ نے فرمایا: اے عائشہ! اسے واپس کر دو اللہ کی قسم! اگر میں چاہتا تو میرے ساتھ سونے اور چاندی کے پہاڑ چلتے۔ (دلائل النبوۃ ج ا ص ۳۴۵' ۳۴۶ فتح الباری ج ۱۱ ص ۲۵۳' الترغیب والترہیب ج ۴ ص ۲۰۲' تاریخ بغداد ج ۱۱ ص ۱۰۲' البدایۃ والنہایہ ج ۶ ص ۵۵' اتحاف السادۃ المتقین ج ۷ ص ۱۳۱' اخلاق النبوۃ رقم الحدیث: ۱۵۶' کنز العمال رقم الحدیث: ۱۸۶۱۳)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ چٹائی پر آرام فرماتے تھے جب کھڑے ہوئے تو پہلو مبارک پر نشان تھا۔

طبرانی نے یہ حدیث ان الفاظ میں نقل کی ہے۔

(حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:) میں نبی اکرم ﷺ کے پاس حاضر ہوا اور آپ ایک کمرے میں تھے جو حمام کی طرح (گرم) تھا آپ چٹائی پر آرام فرماتے تھے اور آپ کے مبارک پہلو پر (کھجور کے پتوں کے) نشانات تھے' میں رونے لگا آپ نے پوچھا اے عبداللہ! کیوں روتے ہو؟ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! قیصر و کسریٰ ریشم اور دیباج پر بیٹھتے اور لیٹتے ہیں اور آپ اس چٹائی پر آرام فرما ہیں جس کا نشان آپ کے پہلو پر پڑا ہوا ہے آپ نے فرمایا: اے عبداللہ! مت رو بے شک ان کے لیے دنیا اور ہمارے لیے آخرت ہے۔

(المعجم الکبیر ج ۱۰ ص ۲۰۱' مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۳۲۶' اتحاف السادۃ المتقین ج ۷ ص ۱۰۸' اخلاق النبوۃ رقم الحدیث: ۲۷۰)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: مجھ سے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے بیان کیا وہ فرماتے ہیں: کہ میں رسول اکرم ﷺ کے پاس حاضر ہوا اور آپ ایک چٹائی پر آرام فرما تھے فرماتے ہیں میں بیٹھ گیا نبی اکرم ﷺ پر تہبند کے علاوہ کچھ بھی نہ تھا اور آپ کے پہلو پر چٹائی کے نشانات پڑ گئے تھے میں نے دیکھا کہ تقریباً ایک صاع (چار کلو) جو ہیں اور ایک چمڑا (مشکیزہ) لٹک رہا ہے میری آنکھوں سے آنسو نکل آئے تو نبی اکرم ﷺ نے پوچھا اے عمر! کیوں روتے ہو؟ میں نے عرض کیا اے اللہ کے نبی! میں کیسے نہ روؤں اس چٹائی نے آپ کے پہلو پر نشان ڈال دیا اور آپ کا خزانہ صرف یہ ہے جو میں دیکھ رہا ہوں ادھر کسریٰ اور قیصر کے پاس پھل اور نہریں ہیں آپ اللہ تعالیٰ کے نبی اور اس کے منتخب (بندے) ہیں اور آپ کا خزانہ صرف یہ ہے آپ نے فرمایا: اے ابن خطاب! کیا تم اس بات کو پسند نہیں کرتے کہ ہمارے لئے آخرت اور ان کے لئے دنیا ہو۔

اس حدیث کو ابن ماجہ نے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا اور امام حاکم نے بھی اسے روایت کیا اور فرمایا یہ مسلم کی شرط پر صحیح ہے اس کے الفاظ یہ ہیں۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونے کے لئے اجازت طلب کی آپ ایک بالا خانے میں کھجور کی ایک چٹائی پر آرام فرما تھے اور جسم کا کچھ حصہ مٹی پر تھا سر کے نیچے ایک تکیہ تھا جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی اور سر کی جانب ایک پرانا چمڑا تھا کمرے کے ایک کونے میں درختِ سلم کے پتے تھے میں نے سلام کیا اور بیٹھ گیا میں نے عرض کیا (یا رسول اللہ!) آپ اللہ تعالیٰ کے نبی اور منتخب (بندے) ہیں کسریٰ اور قیصر سونے کی چارپائیوں اور ریشمی بستروں پر ہیں آپ نے فرمایا: ان لوگوں کو یہ نعمتیں جلدی مل گئیں اور یہ ختم ہونے والی ہیں

اور ہم لوگوں کو یہ نعمتیں آخرت میں ملیں گی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی چارپائی بردی (نرکل کی طرح کا ایک پودا جس کے چھلکے کو قدیم مصری لکھنے کے کام لاتے تھے) سے بُنی گئی تھی اور اس پر ایک سیاہ چادر تھی ہم نے اسے بردی پودے سے بُنا تھا۔ حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما حاضر ہوئے تو نبی اکرم ﷺ اس پر آرام فرما تھے آپ نے ان دونوں کو دیکھا تو اٹھ کر تشریف فرما ہوئے ان دونوں نے دیکھا تو چارپائی کے نشانات آپ کے پہلو پر تھے انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ کے بچھونے اور چارپائی کی سختی سے آپ کو یہ اذیت پہنچ رہی ہے جو ہم دیکھتے ہیں جب کہ کسریٰ اور قیصر ریشمی بچھونوں پر ہیں آپ نے فرمایا: یہ بات نہ کہو کیونکہ کسریٰ اور قیصر کا بچھونا آگ میں ہوگا اور میرے بستر اور چارپائی کا انجام جنت ہے۔ اس حدیث کو ابن حبان نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے کبھی کسی بچھونے کو برا نہیں کہا اگر بچھونا بچھ گیا تو اس پر آرام فرما ہو گئے ورنہ زمین پر آرام فرمایا۔

آپ اپنے اوپر لحاف بھی لیتے تھے آپ فرماتے ہیں: حضرت جبریل علیہ السلام جب بھی میرے پاس اس وقت آئے جب میں تم میں سے کسی خاتون کے لحاف میں ہوتا تو وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہی ہوتیں۔ (اس میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت بیان فرمائی)۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۷۷۵، جامع ترمذی رقم الحدیث: ۳۸۷۹، سنن نسائی ج ۷ ص ۶۸)

تیسری نوع

نکاح کے سلسلے میں سیرت نبوی [1]

رسول اکرم ﷺ کا جماع نہایت مکمل ہوتا جس سے صحت حاصل ہوتی ہے۔ لذت اور نفس کا سرور پورا ہوتا ہے اور جن مقاصد کے لئے جماع جائز ہوا ہے وہ بھی حاصل ہوتے ہیں۔

مقاصدِ نکاح

جماع کے بنیادی طور پر تین مقاصد ہیں اور یہی مقاصد اصلیہ ہیں نفس کی حفاظت اور نوع انسانی کا ہمیشہ رہنا یہاں تک کہ وہ گنتی پوری ہو جائے جسے اللہ تعالیٰ نے اس عالم میں ظاہر کرنا ہے۔

فعل مطلوب کا حصول، لذت کا حاصل ہونا اور نعمت سے نفع حاصل کرنا اور جنت میں یہی فائدہ حاصل ہوگا کیونکہ وہاں نہ تو نسل بڑھانے کا مسئلہ ہوگا نہ مادۂ منویہ (انسانی پیٹھ میں) جمع ہوگا کہ اس سے فراغت حاصل کی جائے۔ [2]

---

[1] (طبقات ابن سعد ج ۱ ص ۳۸۲، الشفاء ج ۱ ص ۸۷)

[2] مصنف علیہ السلام کے قلم سے تیسرا مقصد چھوٹ گیا صحیح یہ ہے، جس طرح کہ زاد المعاد میں ہے کہ دوسرا مقصد مادہ منویہ کو خارج کرنا ہے جسے روکنا بدن کے لئے نقصان دہ ہے اور تیسرا مقصد وہ ہے جو اوپر بیان ہوا۔ (زرقانی جلد ۵ ص ۵۶)

ماہر طبیب کا خیال ہے کہ جماع حفظان صحت کے اسباب میں سے ہے لیکن مادۂ منویہ کو صرف طلب نسل کے لیے نکالنا چاہیے اور جو کچھ جمع ہے اسے نکال دیا جائے ورنہ جب مادۂ منویہ زیادہ دیر تک جمع رہے گا تو بری بیماریاں پیدا ہوں گی مثلاً وسوسہ پاگل پن اور مرگی وغیرہ۔

اس لئے بعض اوقات جماع ان امراض سے صحت یابی کا سبب ہوتا ہے کیونکہ جب زیاذہ دیر تک مادۂ منویہ کو روک کر رکھا جائے تو خرابی پیدا ہوتی ہے اور یہ ایک زہریلی شکل اختیار کر کے بری بیماریوں کا سبب بنتا ہے۔

محمد بن زکریا رحمہ اللہ فرماتے ہیں جو شخص زیادہ عرصہ تک جماع نہ کرے اس کے اعضاء کی قوت کمزور پڑ جاتی ہے اور اس کے راستے بند ہو جاتے ہیں اور آلۂ تناسل سکڑ جاتا ہے۔

(فرماتے ہیں:) میں نے ایک جماعت کو دیکھا جنہوں نے تنگدستی کی وجہ سے اسے چھوڑ دیا تو ان کے بدن ٹھنڈے ہو گئے' ان کی حرکات مشکل ہو گئیں' وہ غمگین رہنے لگے حالانکہ اس کا کوئی سبب نہ تھا نیز ان کی شہوت اور نظام ہضم کمزور ہو گیا۔ زاد المعاد میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔

جماع کے فوائد

جماع کے منافع میں سے یہ ہے کہ آنکھیں جھکی رہتی ہیں' نفس کو رکاوٹ حاصل ہوتی ہے اور حرام سے بچنے کی طاقت حاصل ہوتی ہے اور یہی باتیں عورت کو بھی حاصل ہوتی ہیں پس یہ شخص دنیا اور آخرت میں اپنے آپ کو بھی نفع پہنچاتا ہے اور عورت کو بھی۔

اس کی کثرت پر فخر کرنا ہمیشہ سے عادت معروفہ رہی ہے اور اس کے حوالے سے ایک دوسرے کی تعریف کرنا گذشتہ دور سے سیرت چلی آ رہی ہے اس لئے نبی اکرم ﷺ اس کا خیال رکھتے اور فرماتے تھے:

حبب الی من دنیا کم النساء والطیب وجعلت قرۃ عینی فی الصلوٰۃ. مجھے تمہاری دنیا سے تین چیزوں کی محبت دی گئی عورتیں اور خوشبو اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں رکھی گئی ہے۔

(سنن نسائی ج ۷ ص ۶۱' مسند احمد ج ۳ ص ۱۲۸۔ ۱۹۹۔ ۲۸۵' المستدرک ج ۲ ص ۱۶۰' کشف الخفاء ج ۱ ص ۳۰۵' الدر المنثور ج ۲ ص ۱۰' الدرر المنتثرۃ رقم الحدیث: ۱۷' الشفاء ج ۱ ص ۸۹' تفسیر قرطبی ج ۲ ص ۱۲۔ ج ۱۰ ص ۵۶' اتحاف السادۃ المتقین ج ۳ ص ۲۲۔ ج ۹ ص ۵۵۲' المغنی ج ۲ ص ۳' الاسرار المرفوعہ ص ۱۷۶' تذکرۃ الموضوعات ص ۱۲۴' کنز العمال رقم الحدیث: ۱۸۹۱۳)

یعنی اپنے رب سے مناجات میں میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔

امام احمد نے زہد کے ضمن میں یہ اضافہ کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

واصبر عن الطعام والشراب ولا اصبر عنھن. کھانے اور پینے سے صبر کرو اور عورتوں سے صبر نہ کرو۔

پس عورتوں سے محبت اور نکاح کرنا انسانی کمال سے ہے یہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام ہیں جو دین حنیف کے پیروکاروں کے امام ہیں ان کے پاس حضرت سارہ رضی اللہ عنہا ہیں جو تمام جہان کی عورتوں سے زیادہ خوبصورت تھیں

انہوں نے حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا سے محبت کی اوران کو ساتھ لے گئے۔

حضرت سعد بن ابراہیم نے حضرت عامر بن سعد سے انہوں نے اپنے والد (حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ) سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں: حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام' روزانہ ملک شام سے براق پر حضرت ہاجرہ کی ملاقات کے لئے آتے کیونکہ ان سے آپ کو محبت تھی اورآپ ان سے بہت کم صبر کرسکتے تھے۔

حضرت داؤد علیہ السلام کے پاس ننانوے عورتیں تھیں تو آپ کو ایک عورت سے محبت ہوگئی چنانچہ آپ نے اس سے نکاح کیا تو یوں ایک سو کی تعداد مکمل ہوگئی۔اور حضرت سلیمان علیہ السلام ایک رات میں نوے عورتوں کے پاس تشریف لے جاتے تھے۔ [1]

''حبب الی من دنیاکم'' والی حدیث

امام غزالی رحمہ اللہ کی احیاء علوم الدین میں تفسیر کشاف میں سورہ آل عمران کی تفسیر کے ضمن میں اور بہت سی کتب فقہ میں یہ حدیث آئی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ''تمہاری دنیا سے تین چیزوں کی محبت مجھے دی گئی ہے''۔

یہ حضرات فرماتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے تین کا لفظ فرمایا لیکن صرف دو باتوں کا ذکر کیا ایک خوشبو اور دوسری عورتیں۔اسی سے شاعر کا قول ہے:

ان الاحامرة الثلاثة اھلکت — مالی و کنت بھن قدما مولعا
الخمر والماء القراح واطلی — بالزعفران فلا ازال مولعا

''تین سرخ چیزوں نے میرا مال ضائع کردیا اور میں بہت پہلے سے شوق رکھنے والا ہوں شراب' خالص پانی اور زعفران ملتا ہوں پس میں ہمیشہ سے شوقین ہوں''۔

اسے ابن فورک نے ایک جزء مفرد (وہ کتاب جس میں صرف ایک موضوع پر گفتگو ہو) میں ذکر کیا اس کی توجیہ بھی کی اور اختصار سے کام لیا ان لوگوں کے نزدیک اسے ''طی'' کہا جاتا ہے (یعنی سب کا (اجمالاً) ذکر کر کے پھر بعض کو بیان کیا جائے اور باقی سے خاموشی اختیار کی جائے اور اس میں متکلم کی کوئی غرض ہوتی ہے مثلاً سامع پر مخفی رکھنا وغیرہ)۔

زمخشری نے کہا:

کانت حنیفة اثلاثا مثلثھم — من العبید و ثلث من موالیھا

''بنو حنیفہ قبیلہ تین حصوں میں تقسیم ہیں ایک تہائی غلام ہیں اوردوسری تہائی ان کے مالک ہیں''۔ [2]

اوراس عمل کا فائدہ ان کے نزدیک اس چیز کی کثرت کی طرف اشارہ کرنا ہے (تاکہ جس کا جو جی چاہے وہ راستہ اختیار کرے)۔

---

[1] ایک روایت میں ستر کا اورایک دوسری روایت میں ساٹھ کا ذکر ہے ایک اور روایت میں ایک سو کا ذکر ہے (زرقانی ج ۵ ص ۵۸) یاد رہے کہ انبیاء کرام کی شادیوں کا مقصد خواہشات کی تکمیل نہ تھا بلکہ اس میں دیگر کئی حکمتیں تھیں مثلاً زیادہ سے زیادہ خواتین کو نسبت کا اعزاز بخشنا وغیرہ۔۱۲ ہزاروی

[2] تیسری تہائی کا ذکر نہیں کیا بنو حنیفہ میں سے کسی سے پوچھا گیا تمہارا کس حصے سے تعلق ہے اس نے کہا جس کا ذکر نہیں ہوا انہوں نے کہا کہ نماز دنیا میں اطاعت کرنے والے کی طرف سے رب کی فرمانبرداری ہے اور یہ وقت اور عمل کے اعتبار سے دنیا ہے ورنہ نماز دنیوی چیز نہیں جبکہ عورتیں اور خوشبو یہ ایک اعتبار سے دنیا ہے لیکن جب مقصود آخرت ہو تو دنیا نہیں رہتی یہ بھی اخروی ہو جاتی ہے۔(زرقانی ج ۵ ص ۵۹)

لیکن ابن قیم وغیرہ نے کہا ہے کہ جو شخص یہ کلمات روایت کرتا ہے "حبب الی من دنیا کم ثلاث" تو اسے وہم ہو گیا نبی اکرم ﷺ نے تین کا لفظ ارشاد نہیں فرمایا اور نماز امور دنیا سے نہیں کہ اس کی نسبت دنیا کی طرف کی جائے۔

ہاں نماز کی دنیا کی طرف نسبت صرف اس وجہ سے ہو سکتی ہے کہ دنیا اس کے لئے ظرف ہے کیونکہ یہ اس میں واقع ہوتی ہے پس یہ محض عبادت ہے۔

شیخ الاسلام والحفاظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے "تاریخ الکشاف میں" فرمایا: کہ لفظ "ثلاث" (تین) اس حدیث کی کسی روایت میں نہیں بلکہ یہ ایسا اضافہ ہے جو معنیٰ کو بگاڑ دیتا ہے۔

اسی طرح شیخ الاسلام الولی ابن العراقی نے اپنی امالی میں یوں کہا ہے یہ لفظ یعنی "ثلاث" کتب حدیث میں کہیں بھی نہیں اور یہ معنیٰ کو فاسد کرتا ہے کیونکہ نماز دنیوی امور سے نہیں ہے۔

زرکشی وغیرہ نے اس بات کو واضح طور پر بیان کیا جس طرح ہمارے شیخ (امام سخاوی رحمہ اللہ) نے المقاصد الحسنہ میں اسے بیان کر کے مؤکد کر دیا۔

لفظ "حبب" میں غور وفکر

ابن حاج مکی رحمہ اللہ نے "المدخل میں" فرمایا:

نبی اکرم ﷺ کے قول "حبب" میں اللہ تعالیٰ کی حکمت پر غور کرو آپ نے "احببت" (مجھے پسند ہیں) نہیں فرمایا نیز فرمایا "من دنیا کم" (تمہاری دنیا سے) پس دنیا کی اضافت لوگوں کی طرف کی اپنی طرف نہیں فرمائی۔

یہ اس بات پر دلالت ہے کہ آپ کی محبت اپنے آقا (اللہ تعالیٰ) کے ساتھ خاص تھی اور آپ کی آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں رکھی گئی۔

پس نبی اکرم ﷺ ظاہر میں بشر اور باطن میں ملکوت سے تعلق رکھتے تھے (نوری تھے) اور آپ پر جس قدر بشری تقاضے آتے تھے وہ امت کو مانوس کرنے اور ان کے لئے شریعت کے اظہار کے طور پر تھے۔

آپ ان چیزوں میں سے کسی کے محتاج نہیں تھے۔

کیا تم اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد گرامی نہیں دیکھتے فرمایا:

قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِیْ خَزَآىِٕنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَیْبَ وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّیْ مَلَكٌ (الانعام:۵۰)

آپ فرما دیجئے میں تم سے نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ تعالیٰ کے خزانے ہیں اور نہ (کہتا ہوں کہ) میں غیب جانتا ہوں اور میں تم سے نہیں کہتا کہ میں فرشتہ ہوں۔

تو آپ نے "لکم" فرمایا یہ نہیں فرمایا: کہ میں فرشتہ ہوں تو آپ نے اپنے فرشتہ ہونے کی نفی نہیں فرمائی بلکہ صحابہ کرام کی طرف نسبت کرتے ہوئے فرمایا (کہ میں تم سے کہتا نہیں)۔

یعنی آپ ملکوتی صفات کے مالک تھے۔ ذاتی اعتبار سے فرشتہ نہ تھے کیونکہ آپ کی بشریت کے تقاضے وہی تھی جو کسی بشر کے لئے ہوتے ہیں۔

اسی لئے سید ابو الحسن شاذلی رحمہ اللہ نے آپ کی صفت میں فرمایا: کہ آپ بشر ہیں لیکن دوسرے لوگوں کی طرح نہیں

جس طرح یاقوت بھی پتھر ہے لیکن دوسرے پتھروں کی طرح نہیں۔ تو انہوں نے سمجھانے کے طور پر یہ بات فرمائی ہے۔

پس یہ اس بات پر دلالت ہے کہ آپ کا باطن عالم ملکوت سے تعلق رکھتا ہے اور جس کا باطن ایسا ہو وہ اپنے آپ پر کنٹرول رکھتا ہے۔

ایک اور حدیث

ایک روایت میں ہے کہ جب نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: "تمہاری دنیا سے میرے دل میں عورتوں اور خوشبو کو پسندیدہ قرار دیا گیا اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں رکھی گئی ہے" تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! میرے لئے دنیا سے تین چیزوں کو محبوب رکھا گیا:

النظر الی وجھک وجمع المال للانفاق علیک والتوسل بقرابتک الیک.

آپ کے چہرۂ انور کی زیارت' آپ پر خرچ کرنے کے لئے مال جمع کرنا اور آپ کی قرابت کے ذریعے آپ تک رسائی حاصل کرنا۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ:

حبب الی من الدنیا الامر بالمعروف والنھی عن المنکر والقیام بامر اللہ

دنیا سے مجھے تین باتوں کی محبت دی گئی نیکی کا حکم دینا برائی سے روکنا اور اللہ تعالیٰ کے حکم کو نافذ کرنا۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ مجھے دنیا سے تین باتوں کی محبت دی گئی ہے:

اشباع الجائع وارواء الظمان و کسوۃ العاری.

بھوکے کو سیر کر کے کھلانا' پیاسے کو سیراب کرنا اور بے لباس کو لباس پہنانا۔

اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! مجھے دنیا سے تین باتوں کی محبت دی گئی ہے:

الصوم فی الصیف و اقراء الضیف والضرب بین یدیک بالسیف.

گرمیوں میں روزہ رکھنا' مہمان کی مہمان نوازی کرنا اور آپ کے سامنے (دشمنانِ اسلام کو) تلوار سے مارنا۔

طبری نے کہا اسے الجندی نے ذکر کیا اور وہی اس کے ذمہ دار ہیں۔

نکاح کے سلسلے میں آپ کی قوت

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

فضلت علی الناس باربع بالسماحۃ والشجاعۃ و کثرۃ الجماع و شدۃ البطش

مجھے چار باتوں کے ساتھ فضیلت دی گئی ہے سخاوت' شجاعت' زیادہ جماع اور سخت پکڑنا۔

(مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۶۹۔ ج ۹ ص ۱۳' اتحاف السادۃ المتقین ج ۷ ص ۹۷' الشفاء ج ۱ ص ۹۱' العلل المتناھیہ ج ۱ ص ۱۶۹' تاریخ بغداد ج ۸ ص ۷۰' تاریخ دمشق ج ۳ ص ۲۳۷' کنز العمال رقم الحدیث: ۳۱۹۳۵۔ ۳۲۰۷۶)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ رات کی ایک ساعت میں اپنی ازواج مطہرات کے ہاں تشریف لے جاتے اور ان کی تعداد گیارہ تھی۔ راوی کہتے ہیں میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا کیا آپ کو اس

کی طاقت تھی؟ انہوں نے فرمایا: ہم آپس میں باتیں کرتے تھے کہ آپ کو تیس افراد کی قوت دی گئی تھی۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۶۸۔۲۸۴۔۵۰۶۸۔5215 مسند احمد ج ۳ ص ۲۹۱ شرح السنہ ج ۲ ص ۲۷ اخلاق النبوۃ رقم الحدیث: ۲۳۱۔۲۳۲ سنن نسائی ج ۱ ص ۱۴۳ الشفاء ج ۱ ص ۹۰ کنز العمال رقم الحدیث: ۱۸۳۴۴)

یہ حدیث امام بخاری نے حضرت قتادہ کے طریق سے روایت کی ہے۔ حضرت ابن خزیمہ (محمد بن اسحاق بن خزیمہ) رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس حدیث میں حضرت معاذ بن ہشام متفرد ہیں اور وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں۔

(الاعلام ج ۶ ص ۲۹ شذرات الذہب ج ۲ ص ۲۶۲ طبقات الشافعیہ ج ۲ ص ۱۳۰ تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۷۲۰ الوافی بالوفیات ج ۲ ص ۱۹۶)

حضرت سعید بن ابی عروبہ وغیرہ نے حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہوئے نو ازواج مطہرات کا ذکر کیا۔ (الاعلام ج ۳ ص ۹۸ شذرات الذہب ج ۱ ص ۲۳۹ تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۱۷۷ طبقات ابن سعد ج ۷ ص ۲۰۲)

اسی طرح امام بخاری رحمہ اللہ نے بھی حضرت سعید بن ابی عروبہ رضی اللہ عنہ سے ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا کہ ان دنوں آپ کی ازواج مطہرات نو تھیں۔

ابن حبان نے اپنی صحیح میں ان دونوں روایتوں کو یوں جمع کیا ہے کہ اسے دو حالتوں پر محمول کیا جائے لیکن ان کے اس قول میں وہم ہے کہ پہلا واقعہ اس وقت کا ہے جب آپ شروع شروع میں مدینہ طیبہ تشریف لائے اس وقت آپ کے حرم پاک میں نو امہات المؤمنین تھیں اور دوسرا واقعہ آخری عمر کا ہے جب گیارہ ازواج مطہرات آپ کے نکاح میں تھیں۔

یہاں وہم کا مقام یہ ہے کہ جب آپ مدینہ طیبہ تشریف لائے تو آپ کے نکاح میں حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کے سوا کوئی خاتون نہ تھیں پھر مدینہ طیبہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا آپ کے نکاح میں آئیں اس کے بعد حضرت ام سلمہ، حضرت حفصہ، حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہن سے چوتھے سال نکاح فرمایا۔

پھر پانچویں سال حضرت زینب بنت جحش سے چھٹے سال حضرت جویریہ سے پھر ساتویں سال حضرت صفیہ، حضرت ام حبیبہ اور حضرت میمونہ (رضی اللہ عنہن) سے نکاح فرمایا۔

مشہور قول کے مطابق یہ تمام ازواج مطہرات ہجرت کے بعد آپ کے نکاح میں آئیں لیکن حضرت ہشام کی روایت کو اس پر محمول کیا جائے کہ حضرت ماریہ اور حضرت ریحانہ رضی اللہ عنہما کو بھی ان کے ساتھ ملا کر تغلیباً ان پر بیویوں کا لفظ بولا جائے۔

اگر کہا جائے کہ دوسری بیوی کی باری میں کسی بیوی سے وطی کرنا منع ہے اور باری مقرر کرنا اگرچہ آپ پر واجب نہ تھا لیکن آپ نے ان (ازواج مطہرات) کے دلوں کو خوش رکھنے کے لئے اس کو اپنے اوپر لازم کیا اس کا جواب یہ ہے کہ ہو سکتا ہے آپ اس زوجہ مطہرہ سے اجازت لیتے ہوں جس کی باری ہوتی تھی یا یہ ان دنوں کی بات ہے جب آپ نے باری مقرر نہ کی تھی جیسے آپ کا سفر سے تشریف لانے کا دن یا وہ دن جب تمام باریاں پوری ہو جائیں۔ کیونکہ آپ اس کے بعد باری شروع فرماتے تھے یا یہ عمل آپ کی خصوصیات میں تھا اور عورتوں کے حوالے سے کئی باتیں آپ کے ساتھ خاص تھیں جیسا کہ آگے آئے گا ان شاء اللہ تعالیٰ۔

حضرت طاؤس اور حضرت مجاہد رحمہم اللہ فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ کو جماع میں چالیس آدمیوں کی طاقت دی گئی تھی۔ (الشفاء ج ۱ ص ۹۰' طبقات ابن سعد ج ۱ ص ۳۸۲)

حضرت مجاہد رحمہ اللہ سے ایک روایت میں یوں آیا ہے کہ آپ کو چالیس سے زائد افراد کی قوت دی گئی اور ان میں سے ہر ایک جنتی مرد ہے یہ روایت حارث بن ابی اسامہ سے مروی ہے۔

حضرت امام احمد اور امام نسائی نے نقل کیا اور حضرت امام حاکم نے حضرت زید بن ارقم کی اس حدیث کو صحیح قرار دیا انہوں نے مرفوعاً بیان کیا کہ جنت میں ہر شخص کو کھانے پینے' جماع اور شہوت کی قوت سو آدمیوں کی طاقت کے برابر دی جائے گی۔ (مسند احمد ج ۴ ص ۳۷۱' سنن دارمی ج ۲ ص ۳۳۴' المعجم الکبیر ج ۵ ص ۱۹۹' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۳ ص ۱۰۸' المغنی ج ۴ ص ۵۲۵' کنز العمال رقم الحدیث: ۳۹۲۹۰)

حضرت صفوان بن سلیم مرفوعاً روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا حضرت جبریل علیہ السلام میرے پاس ایک ہنڈیا لائے تو مجھے جماع کے سلسلے میں چالیس آدمیوں کی قوت دی گئی۔ (حلیۃ الاولیاء ج ۸ ص ۳۷۶' کشف الخفاء ج ۱ ص ۲۰۰' طبقات ابن سعد ج ۱ ص ۳۸۱' کنز العمال رقم الحدیث: ۳۱۸۹۶۔ ۳۱۸۹۷۔ ۳۳۸۵۱)

زیادہ شادیوں کی حکمتیں

جب رسول اکرم ﷺ جماع پر زیادہ قوت رکھنے والوں میں سے تھے اور آپ کو زیادہ طاقت دی گئی تو آپ کے لئے آزاد عورتوں سے اس قدر تعداد حلال کی گئی جو دوسروں کیلئے حلال نہ تھی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

تزوجوا فان افضل ھذہ الامۃ اکثرھا نساء.	نکاح کرو اس امت کی سب سے افضل شخصیت (حضور علیہ السلام) کی ازواج مطہرات سب سے زیادہ تھیں۔

نبی اکرم ﷺ مراد ہیں اور اس امت کی قید اس لئے لگائی گئی کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو خارج کیا جائے کیونکہ آپ کی عورتیں سب سے زیادہ تھیں۔

طبرانی نے حضرت سعید بن جبیر اور انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا آپ نے فرمایا:

نکاح کرو کیونکہ ہم میں سے سب سے بہتر شخص سب سے زیادہ بیویوں والے تھے۔

کہا گیا ہے اس کا مفہوم یہ ہے کہ حضرت محمد ﷺ کی امت میں سے سب سے بہتر آدمی وہ ہے جس کی بیویاں دوسروں کے مقابلے میں زیادہ ہوں جب کہ دیگر فضائل میں وہ برابر ہوں۔

حافظ ابو الفضل عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ظاہر بات یہ ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے "بہترین" سے نبی اکرم ﷺ مراد لئے ہیں اور امت سے خاص خاص صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مراد ہیں۔ اور گویا انہوں نے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ نکاح نہ کرنے کو ترجیح نہیں ہے کیونکہ یہ بات ترجیح رکھتی تو اس بات میں کوئی دوسرا نبی اکرم ﷺ پر ترجیح نہ رکھتا اور اس کے باوجود کہ آپ اللہ تعالیٰ سے باقی تمام لوگوں کے مقابلے میں زیادہ ڈرنے والے اور زیادہ علم

رکھنے والے تھے' آپ نے زیادہ شادیاں کیں جس کی مصلحت یہ تھی کہ ایسے احکام کی تبلیغ ہو جن پر مرد مطلع نہیں ہو سکتے اور آپ کا معجزہ ظاہر ہو کیونکہ آپ کے پاس عام طور پر وہ چیز نہیں ہوتی تھی جس کے ذریعے قوت حاصل کی جاتی ہے اور اگر کوئی چیز پاتے تو عام طور پر دوسروں کو ترجیح دیتے اور اکثر مسلسل روزے رکھتے اس کے باوجود ایک ایک رات میں تمام ازواج مطہرات کے پاس تشریف لے جاتے اور قوت بدن کے بغیر اس بات کی طاقت نہیں ہوتی اور بدنی قوت کھانے پینے کی ان چیزوں کو استعمال کرنے سے حاصل ہوتی ہے جو طاقت دینے والی ہوں اور یہ چیزیں آپ کے پاس یا تو نادر ہوتی تھیں یا بالکل نہیں ہوتی تھیں۔

بعض علماء کرام نے فرمایا: جب آزاد آدمی کو اس کی فضیلت کی وجہ سے غلام کے مقابلے میں زیادہ شادیوں کی اجازت ہے تو واجب ہوا کہ نبی اکرم ﷺ کو امت پر فضیلت کے باعث امت کے لئے جائز تعداد سے بڑھ کر عورتوں سے نکاح کی اجازت ہو۔

اور وہ فرماتے ہیں: اس کے فوائد میں سے یہ بات بھی ہے کہ رسالت کے بوجھ کے ساتھ ساتھ ازواج مطہرات کے ساتھ زیادہ تکلیف برداشت کی جائے تا کہ آپ کی مشقت زیادہ ہو اور اجر بھی بہت زیادہ ملے۔

ایک فائدہ یہ ہے کہ نکاح کرنا آپ کے لئے عبادت کی طرح تھا۔ نیز آپ کے باطنی محاسن لوگوں تک پہنچیں۔ نبی اکرم ﷺ نے حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا اور اس وقت ان کے والد حضرت ابوسفیان' آپ کے دشمن تھے اور حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے باپ' چچا اور خاوند کو قتل کیا گیا اگر وہ آپ کے باطنی احوال پر مطلع نہ ہوتیں کہ آپ تمام مخلوق میں سے زیادہ کامل ہیں تو بشری فطرت کے مطابق وہ آباؤ اجداد اور قریبی رشتہ داروں کی طرف مائل ہوتیں۔

پس زیادہ عورتوں کے حوالے سے آپ کے معجزات اور باطنی کمالات کا بیان ہے۔ جس جس انداز میں لوگوں پر آپ کا کمال منکشف ہوا۔

نکاح کی ترغیب

نبی اکرم ﷺ نے نکاح کی ترغیب دی ہے' امام ابوداؤد اور امام نسائی رحمہما اللہ نے حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

تزوجوا الولود الودود فانی مکاثر بکم الامم۔

زیادہ بچے جننے والی اور زیادہ محبت کرنے والی عورت سے نکاح کرو میں تمہارے ذریعے دوسری امتوں پر فخر کروں گا۔

سنن ابن ماجہ میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

انکحوا فانی مکاثر بکم الامم۔

نکاح کرو بے شک میں تمہارے ذریعے دوسری امتوں پر فخر کروں گا۔

اور یہ جو عام لوگوں کی زبان پر ہے کہ ''نکاح کرو نسل بڑھاؤ بے شک میں تمہارے ذریعے دوسری امتوں پر فخر کروں

گا" اس کا بھی یہی معنیٰ ہے لیکن مجھے ان الفاظ پر اطلاع نہیں۔ [1]

(کشف الخفاء ج ۱ ص ۳۸۰' الشفاء ج ۱ ص ۸۷' مجمع الزوائد ج ۴ ص ۲۵۳' تذکرۃ الموضوعات رقم الحدیث: ۱۳' اتحاف السادۃ المتقین ج ۵ ص ۲۸۶' المغنی ج ۳ ص ۴۲' تفسیر قرطبی ج ۵ ص ۳۹۱' کنز العمال رقم الحدیث: ۴۴۴۴۴)

اور جو شخص نکاح کی طاقت نہ رکھتا ہو نبی اکرم ﷺ نے اسے روزہ رکھنے کی راہ دکھائی ہے کیونکہ روزے کی کثرت مادۂ نکاح کو کم کر دیتا ہے اور قوی حرارت جو نکاح کا باعث ہے اسے کمزور کر دیتا ہے اور اس سلسلے میں نبی اکرم ﷺ نے نوجوانوں کو خاص کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: "یـا معشر الشباب" (اے نوجوانوں کے گروہ) کیونکہ نکاح کی خواہش جس قدر نوجوانوں میں ہوتی ہے دوسروں میں نہیں ہوتی اور تمہارے لئے ظاہر ہو چکا ہے کہ روزے کے مقابلے میں نکاح کا اجر وثواب زیادہ ہے کیونکہ پہلے روزے کا حکم نہیں بلکہ جب نکاح کی طاقت نہ ہو تو روزہ رکھنے کا حکم ہے اور اگر نکاح سے مقصود نسل بڑھا کر امت محمدیہ میں اضافہ کرنا ہو تو بلاشبہ نکاح افضل ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۰۶۵۔۵۰۶۶' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۴۰۰' سنن نسائی ج ۴ ص ۱۶۹۔ ص ۱۷۱۔ ج ۶ ص ۵۸' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۸۴۵' جامع ترمذی رقم الحدیث: ۱۰۸۱' مسند احمد ج ۱ ص ۳۸۷۔۴۳۲' السنن الکبریٰ ج ۴ ص ۲۹۶' سنن دارمی ج ۲ ص ۱۳۲' مسند الحمیدی رقم الحدیث: ۱۱۵' المعجم الکبیر ج ۱۰ ص ۱۳۹' مجمع الزوائد ج ۴ ص ۲۵۲' اتحاف السادۃ المتقین ج ۵ ص ۲۸۶' کنز العمال رقم الحدیث: ۴۴۴۰۸۔۴۵۵۹۴)

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں بیویوں سے جماع کرتا ہوں حالانکہ مجھے ان کی ضرورت نہیں ہوتی لیکن یہ امید ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ میری پیٹھ سے ان لوگوں کو نکالے جن کے ذریعے قیامت کے دن نبی اکرم ﷺ دوسری امتوں پر فخر کریں۔ یہ قول ابن ابی جمرہ نے نقل کیا ہے۔

اور دیکھو ہمارے نبی ﷺ بالاتفاق سب سے زیادہ عبادت گزار تھے حالانکہ آپ کی جبلت وفطرت میں جماع کی چاہت رکھی گئی تھی اور کسی طرح کوئی کام بھی آپ کی عبادت میں خلل انداز نہ ہوا کیونکہ نبی اکرم ﷺ یہ عمل جواز کے طریقے پر کرتے تھے اور یہ بشریت کا انتہائی کمال ہے اس لئے کہ آپ فطری عمل کو اللہ تعالیٰ کے حکم کے تابع رکھتے تھے۔

ایک روایت میں ہے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

لا رهبـانيـة فـي الاسلام. اسلام میں رہبانیت نہیں۔

(مسند احمد ج ۶ ص ۲۲۶' کشف الخفاء ج ۲ ص ۵۲۸)

یعنی عورتوں کو چھوڑنے (نکاح نہ کرنے) کا حکم نہیں اگر اس عمل کو چھوڑنا افضل ہوتا تو ہمارے دین میں اس کی اجازت ہوتی کیونکہ یہ تمام ادیان سے بہتر ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کی خصوصیت

حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا: میں ایک رات میں ایک سو عورتوں کے پاس جاتا ہوں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۸۱۹۔۳۴۲۴۔۵۲۴۲۔۶۶۳۹۔۶۷۲۰۔۷۴۶۹' مسند امام احمد ج ۲ ص ۲۲۹۔۲۷۵۔۵۰۶)

یہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا معجزہ ہے کیونکہ آدمی ایک رات میں ایک سو عورتوں کے پاس جانے سے عاجز ہوتا ہے

[1] قاضی عیاض رحمہ اللہ نے "تـنـاكـحوا تناسلوا اباهي بكم الامم يوم القيامة" کے الفاظ نقل کئے ہیں اور فرمایا کہ یہ حدیث ابن مردویہ نے اپنی تفسیر میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً ضعیف سند کے ساتھ نقل کی ہے۔ (زرقانی ج ۵ ص ۶۳)

تو اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کو اس طرح ظاہر کیا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو اس کی اجازت دی پس یہ آپ کا معجزہ، طاقت کا اظہار اور حکمت کا ظہور تھا تا کہ ان لوگوں کا رد ہو جائے جو ہر کام کو عادت سے مربوط کرتے ہیں (یعنی معجزات کے منکر ہیں) اور کہتے ہیں کہ فلاں کام ہو تو اس طرح ہوگا اور اس طرح کا بچہ اس طرح کے آدمی سے پیدا ہوگا۔

تو اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی پیٹھ میں ایک سو آدمیوں کا پانی (مادۂ منویہ) رکھا۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کی تین سو بیویاں اور ایک ہزار لونڈیاں تھیں لیکن اس سے سلیمان علیہ السلام کا ہمارے نبی کریم ﷺ پر افضل ہونا لازم نہیں آتا کہ آپ کو چالیس آدمیوں کی قوت دی گئی اور آپ کی ازواج مطہرات صرف دس تھیں۔

کیونکہ ہمارے نبی ﷺ کو جو مرتبۂ افضیلت ملا ہے اس میں کوئی دوسرا آپ کا مساوی نہیں۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نے بادشاہی کی تمنا کی تو آپ کو بادشاہی دی گئی اور جماع میں یہ قوت عطا کی گئی تا کہ آپ کی بادشاہی بطور معجزہ ہر اعتبار سے مکمل ہو اور اس وجہ سے آپ ممتاز ہوں تو آپ کی بیویاں آپ کی بادشاہی کی جنس سے تھیں جو آپ کے بعد کسی کے لئے مناسب نہیں جس طرح کا آپ نے مطالبہ کیا۔

ہمارے آقا ﷺ کو اختیار دیا گیا کہ نبوت کے ساتھ بادشاہت سے بھی موصوف ہوں لیکن آپ نے اس سے انکار کر دیا اور نبوت کے ساتھ بندگی کو اختیار کیا پس آپ کو اس انداز میں خصوصیت عطا کی گئی کیونکہ آپ نے فقر اور بندگی کو اختیار کیا اور جس بات کو آپ نے اختیار کیا یعنی فقر اور بندگی اس میں زائد وصف بطور معجزہ ملا چنانچہ آپ بھوک کی شدت اور مجاہدہ کی وجہ سے بطن اقدس پر پتھر باندھتے تھے لیکن جماع کے سلسلے میں اپنی حالت پر ہوتے اس میں کوئی کمی نہ آتی۔

حالانکہ دوسرے لوگ بھوک اور مشقت کی صورت میں کبھی بھی جماع پر قادر نہیں ہوتے تو یہ انتہا کو پہنچنے والا معجزہ ہے۔

یہ بات "بہجۃ النفوس میں" ذکر کی گئی ہے۔

چوتھی نوع

آپ ﷺ کی نیند مبارک [1]

آرام کرنے کا انداز

نبی اکرم ﷺ رات کے پہلے حصے میں آرام فرماتے اور دوسرے نصف کے شروع میں بیدار ہو جاتے اور اٹھ کر مسواک کرتے اور وضو فرماتے آپ کی نیند حسب ضرورت ہوتی تھی اور آپ ضرورت کے مطابق نیند سے اپنے آپ کو روکتے نہیں تھے۔

سرکار دو عالم ﷺ دائیں پہلو پر آرام فرماتے اور جب تک آنکھوں پر نیند غالب نہ ہوتی، اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے رہتے آپ اپنا بطن مبارک کھانے اور پانی سے بھرتے نہیں تھے۔

---

[1] (الشفاء ج ا ص ۸۶)

آپ دائیں پہلو پر اس لئے آرام فرماتے کہ آپ کو ہر کام میں دائیں طرف سے آغاز پسند تھا اور امت کی رہنمائی بھی مقصود تھی کیونکہ دائیں طرف سونا آسان ہے اس لئے کہ دل بائیں جانب لٹکا ہوا ہے پس جب آدمی بائیں پہلو پر سوتا ہے تو نیند سے بوجھل ہو جاتا ہے کیونکہ اس سے آرام حاصل ہوتا ہے تو نیند کا بوجھ پڑتا ہے لیکن جب دائیں پہلو پر سوئے تو اضطراب رہتا ہے اور اس قلبی اضطراب کی وجہ سے نیند میں گم نہیں ہو جاتا دل اپنا ٹھکانہ تلاش کرتا ہے۔

حکماء کہتے ہیں بائیں پہلو پر زیادہ سونا اگرچہ (بظاہر) آسان ہے لیکن دل کو نقصان پہنچاتا ہے کیونکہ اعضا کا میلان دل کی طرف ہوتا ہے اور اس میں مواد جمع ہوتا ہے۔

قاضی عیاض رحمہ اللہ نے ''الشفاء میں'' فرمایا: کہ نبی اکرم ﷺ دائیں پہلو پر اس لئے آرام کرتے تھے کہ اس سے نیند کم آتی ہے تو یہ بات محل نظر ہے کیونکہ آپ کا دل سوتا نہیں تھا اس لئے آپ کا دائیں پہلو پر اور بائیں پہلو پر سونا برابر تھا۔ پس یہ حکم آپ کے لئے ثابت ہے اور انہوں نے جو وجہ بیان کی ہے یہ اس شخص کے حق میں درست قرار پاتی ہے جس کا دل سوتا ہو اس وقت دائیں پہلو پر سونا اس بنیاد پر تھا کہ آپ کو دائیں طرف پسند تھی یا تعلیم دینا مقصود تھا۔

سب سے بری نیند پیٹھ کے بل سونا ہے البتہ سونے کے بغیر محض آرام حاصل کرنے کے لئے یوں لیٹنے میں کوئی نقصان نہیں۔

''سنن ابن ماجہ میں ہے کہ'' نبی اکرم ﷺ مسجد میں ایک آدمی کے پاس سے گزرے جو چہرے کے بل لیٹا ہوا تھا تو آپ نے اسے پاؤں کے ساتھ ٹھوکر مار کر فرمایا کھڑے ہو جاؤ یا (فرمایا) بیٹھ جاؤ یہ جہنمی انداز کا سونا ہے۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۷۲۵، المعجم الکبیر ج ۸ ص ۲۷۹، کنز العمال رقم الحدیث: ۴۱۳۷۹)

نبی اکرم ﷺ کا بچھونا

رسول اکرم ﷺ بعض اوقات چمڑے کے بچھونے پر آرام فرما ہوتے اور بعض اوقات فرش پر آرام کرتے کبھی چٹائی پر اور کبھی زمین پر آرام فرما ہوتے تھے اور آپ کا بچھونا چمڑے کا تھا جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی۔

آپ کے ہاں ایک موٹا کھردرا سخت بچھونا بھی تھا جس پر آرام فرماتے تھے۔

سونے سے پہلے دعا

نبی اکرم ﷺ بستر پر تشریف لے جاتے تو اپنی ہتھیلی دائیں رخسار کے نیچے رکھتے اور یہ الفاظ پڑھتے:

رَبِّ قِنِیْ عَذَابَکَ یَوْمَ تَبْعَثُ عِبَادَکَ۔ یا اللہ! جس دن تو اپنے بندوں کو اٹھائے گا اس دن مجھے عذاب سے محفوظ رکھنا۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۵۰۴۵، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۶۲، جامع ترمذی رقم الحدیث: ۳۳۹۸۔۳۳۹۹، مسند احمد ج ۴ ص ۲۹۰۔۲۹۸، السنن الکبریٰ ج ۲ ص ۱۸۲، المعجم الکبیر ج ۱۰ ص ۱۲۳، حلیۃ الاولیاء ج ۲ ص ۳۴۳، الترغیب والترہیب ج ۱ ص ۳۲۱، تاریخ دمشق ج ۷ ص ۲۸۸)

ایک روایت میں ہے ''یوم تجمع عبادک'' جس دن تو اپنے بندوں کو جمع کرے۔

حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں:

رسول اکرم ﷺ جب رات کے وقت کسی مقام پر اترتے تو دائیں پہلو پر آرام فرما ہو جاتے اور جب صبح سے کچھ

دیر پہلے اترتے تو اپنا بازو کھڑا کر کے سر انور کو ہتھیلی پر رکھتے۔ ؎

(مسند احمد ج ۵ ص ۲۹۸۔۳۰۹' السنن الکبریٰ ج ۵ ص ۴۵۶' شمائل ترمذی رقم الحدیث :۱۳۹' اتحاف السادۃ المتقین ج ۴ ص ۳۳۱' البدایہ والنہایہ ج ۶ ص ۱۰۲' صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث :۲۵۵۸' کنز العمال رقم الحدیث :۱۸۱۵۱)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: کہ رسول اکرم ﷺ جب آرام فرما ہوتے تو سانس لیتے۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ بستر پر تشریف لاتے تو یہ الفاظ پڑھتے:

بِاسْمِکَ اللّٰھُمَّ اَمُوْتُ وَاَحْیَا. یا اللہ! تیرے نام پر میری موت اور زندگی ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث :۶۳۱۴۔۶۳۲۴۔۶۳۲۵۔۳۹۵ ۷' مسند احمد ج ۵ ص ۳۸۵' الادب المفرد البخاری رقم الحدیث :۱۲۱۰' مشکوۃ المصابیح رقم الحدیث :۲۳۸۳' تاریخ بغداد ج ۱۴ ص ۲۵۴۔۳۳۲)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ دونوں ہتھیلیوں کو ملا کر ان میں سورۃ اخلاص' قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس پڑھ کے پھونک مارتے پھر ان دونوں ہاتھوں کو اپنے جسم اقدس پر پھیرتے سر انور سے اور چہرے سے آغاز کرتے اور جسم کے اگلے حصے پر پھیرتے آپ تین مرتبہ اس طرح کرتے تھے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: کہ رسول اکرم ﷺ جب بستر پر تشریف لاتے تو یوں کہتے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَطْعَمَنَا وَ سَقَانَا وَ کَفَانَا وَاٰوَانَا وَ کَمْ مِّمَّنْ لَّا کَافِیَ لَہٗ وَلَا مُؤْوِیَ. اللہ تعالیٰ کے لئے حمد ہے جس نے ہمیں کھلایا اور پلایا اور کفایت کی اور ٹھکانہ دیا اور کتنے ہی لوگ ہیں جن کے لئے سامان کفایت اور ٹھکانہ نہیں۔

آپ کا دل نہیں سوتا تھا

نبی اکرم ﷺ کی آنکھیں سوتی تھیں لیکن دل نہیں سوتا تھا یہ حدیث امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے جب انہوں نے عرض کی آپ وتر پڑھنے سے پہلے آرام فرما ہو رہے ہیں؟

رسول اکرم ﷺ کا قلب اقدس اس لئے سوتا نہیں تھا کہ جب دل میں حیات مضبوط ہو تو بدن کے سونے سے دل نہیں سوتا۔

اور اس حالت کا کمال ہمارے نبی ﷺ اور ان لوگوں کو حاصل ہے جن کے دلوں کو اللہ تعالیٰ نے اپنی محبت اور اپنے رسول ﷺ کی اتباع کے ذریعے زندہ رکھا ہوا ہے حضور علیہ السلام کو حاصل اس کمال سے اپنے نصیب کے مطابق ایک جزء حاصل ہوتی ہے۔

پس جس کا دل بیدار ہو وہ بیدار بدن کی طرح ہے اور جس کا دل غافل ہو وہ سونے والے کی طرح ہے۔

بلند معارف اور حقائق والے ہمارے سردار علی ابن سیدی محمد وفا رحمہما اللہ نے اسی مذکورہ بالا بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

؎ اس طرح جاگنے میں مدد ملتی ہے اور مقصود یہ ہوتا تھا کہ نیند لمبی نہ ہو جائے اور اس طرح فجر کی نماز رہ جائے گی اور یہ امت کی تعلیم کے لئے تھا ورنہ آپ کا معاملہ اس کے برعکس ہے کیونکہ آپ غفلت سے محفوظ تھے۔ ۱۲ ہزاروی

عینی تنام لکن قلبی واللہ ما ینام و کیف ینام عاشق مسبی فی الحب مستھام
ناظر الی وجہ الحبیب شاخص علی الدوام اتاہ فی المعنی مرسوم ان یمحی الرسوم
فقال بالحی القیوم یا سعد من یقوم

''میری آنکھ سوتی ہے لیکن قسم بخدا میرا دل نہیں سوتا اور وہ عاشق کیسے سوئے جو محبت میں گرفتار اور حیران ہے؟ وہ محبوب کے چہرے کی طرف دیکھتا ہے اور اس کی آنکھیں ہمیشہ کھلی رہتی ہیں اس کے پاس محبوب کی طرف سے لکھا ہوا آتا ہے کہ رسموں کو مٹا دیا جائے پس وہ زندہ اور قائم رکھنے والے کے لئے کھڑا ہوتا ہے اے خوش بخت! جو اس کے احکام بجالاتا ہے''۔

اس حدیث اور اس حدیث کو جس میں آیا کہ نبی اکرم ﷺ وادی میں صبح کی نماز کے بعد آرام فرما ہوئے حتی کہ سورج طلوع ہو گیا اور گرمی ہو گئی۔

اور یہاں تک کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اللہ اکبر کہتے ہوئے آپ کو بیدار کیا (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۴۴_۳۴۸_۳۵۷۱ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۳۱۲ مسند احمد ج ۴ ص ۴۳۴ السنن الکبریٰ ج ۱ ص ۲۱۸_۴۰۴ المعجم الکبیر ج ۱۸ ص ۱۳۲ صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث: ۹۸۷ دلائل النبوۃ رقم الحدیث: ۱۳۶ کنز العمال رقم الحدیث: ۲۲۷۱۵) (ان دو حدیثوں کو) جمع کرنے کے سلسلے میں حضرت امام نووی رحمہ اللہ نے دو جواب دیئے ہیں۔

ان میں سے ایک جواب یہ ہے کہ دل کو ان محسوسات کا ادراک ہوتا ہے جو اس سے متعلق ہوتے ہیں جس طرح بے وضو ہونا اور تکلیف کا پہنچنا وغیرہ لیکن جن باتوں کا تعلق آنکھ سے ہوتا ہے ان کا ادراک نہیں ہوتا کیونکہ آنکھ سو رہی ہے اور دل جاگتا ہے۔

اور دوسری بات یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے لئے دو حالتیں تھیں ایک حالت یہ کہ آپ کا دل سوتا نہیں تھا عام طور پر یہی حالت ہوتی تھی اور دوسری حالت میں قلب اقدس سو جاتا تھا اور یہ حالت نادر تھی پس اس وقت یہ حالت پیش آئی یعنی جب آپ نماز سے سو گئے[1] تو یہی صورت تھی۔ پہلا قول صحیح قابل اعتماد ہے اور دوسرا ضعیف ہے۔

''فتح الباری میں'' فرمایا: بات اسی طرح ہے لیکن یہ نہ کہا جائے کہ دل اگرچہ ان چیزوں کا ادراک نہیں کرتا جن کا ادراک دل سے ہوتا ہے جس طرح فجر کو دیکھنا لیکن جب بیداری کی حالت ہو اور طویل وقت گزر جائے تو اس کو ادراک ہوتا ہے کیونکہ طلوع فجر سے سورج کے گرم ہونے تک طویل وقت ہوتا ہے اور یہ اس پر پوشیدہ نہیں ہوتا جو کسی دوسری طرف متوجہ نہ ہو۔

کیونکہ ہم کہتے ہیں یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ اس وقت آپ کا قلب اقدس وحی میں مستغرق تھا اور اس سے لازم نہیں آتا کہ آپ کو سویا ہوا قرار دیا جائے جس طرح آپ بیداری کے عالم میں نزول وحی کے وقت مکمل طور پر ادھر متوجہ ہوتے تھے

---

[1] حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ہم ایک سفر میں نبی اکرم ﷺ کے ہمراہ تھے ہم چلتے رہے حتی کہ جب رات کا آخری حصہ ہوا تو ہمیں خوب نیند آ گئی اور سورج کی دھوپ سے ہم بیدار ہوئے سب سے پہلے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بیدار ہوئے پھر فلاں پھر فلاں اور چوتھے نمبر پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بیدار ہوئے (تفصیلی واقعہ صحیح بخاری میں علامات النبوۃ کے باب میں ملاحظہ کیجئے)۔
(زرقانی ج ۵ ص ۲۱۷)

اوراس کی حکمت یہ تھی کہ عملاً شرعی حکم بیان کیا جائے کیونکہ اس طریقے سے حکم دل میں زیادہ جاگزیں ہوتا ہے جس طرح نماز سے آپ کے بھول جانے کا واقعہ ہے۔ (آپ نے دو رکعتوں پر سلام پھیر دیا تھا)

ابن المنیر کا جواب بھی اس کے قریب قریب ہے وہ یہ کہ دل کو بیداری کی حالت میں سھو حاصل ہوتا ہے اور اس میں مصلحت یہ ہے کہ شرعی حکم بیان ہو پس نیند کی حالت میں اس سے زیادہ یا کم از کم برابر ہوگا۔

ابن عربی نے "القبس میں" فرمایا: کہ نبی اکرم ﷺ کسی بھی حالت میں ہوں نیند کی حالت ہو یا بیداری کی' حق اور تحقیق کے ساتھ رابطہ ہوتا ہے اور ہر راستے میں فرشتوں کے ساتھ ہوتے ہیں اگر بھول جائیں تو بھلانے کے ساتھ مضبوط مشغولیت ہوتی ہے اور اگر سو جائیں تو دل اور نفس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔

اسی لئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے فرمایا: کہ نبی اکرم ﷺ جب آرام فرما ہوتے تو ہم آپ کو بیدار نہ کرتے حتیٰ کہ آپ خود بیدار ہوتے کیونکہ معلوم نہ ہوتا کہ آپ کس حالت میں ہیں؟ پس نیند سے آپ کا سو جانا یا بھول جانا آپ کے کسی دوسرے شغل کی وجہ سے ہوتا کسی آفت کا نتیجہ نہ ہوتا اور آپ کا ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف جانا جو اسی کی مثال ہے اس لئے تھا کہ سنت قرار پائے۔

اس اعتراض کے کچھ دوسرے جوابات بھی ہیں لیکن وہ ضعیف ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ آپ کے ارشاد گرامی "میرا دل نہیں سوتا" کا مطلب یہ ہے کہ آپ کا وضو ٹوٹنے کی حالت پوشیدہ نہیں ہوتی تھی۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ آپ نیند میں اس قدر مستغرق نہ ہوتے کہ وضو ٹوٹ جائے یہ جواب پہلے جواب کے قریب ہے۔

ابن دقیق العید نے کہا گویا اس جواب کے قائل نے دل کی بیداری کو وضو ٹوٹنے کی حالت کے ادراک کے ساتھ خاص کیا اور یہ بات (عقل سے) بعید ہے اس لئے کہ نبی اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی:

ان عینی تنامان ولا ینام قلبی. بے شک میری آنکھیں سوتی ہیں لیکن دل نہیں سوتا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۱۴۷-۲۰۱۳-۳۵۶۹' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۲۵' سنن نسائی ج ۳ ص ۲۳۴' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۴۳۹' مسند احمد ج ۶ ص ۱۰۴' الشفاء ج ۱ ص ۸۶' التمہید ج ۵ ص ۲۰۸- ج ۶ ص ۳۹۲' شمائل ترمذی رقم الحدیث: ۱۴۴' صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث: ۴۹' دلائل النبوۃ ج ۱ ص ۳۷۱' طبقات ابن سعد ج ۱ ص ۱۳۶)

یہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس بات کا جواب تھا کہ کیا آپ وتر پڑھنے سے پہلے سو جائیں گے اور اس کلام کا تعلق اس طہارت کے ٹوٹنے سے نہیں جس میں ان حضرات نے گفتگو کی ہے بلکہ یہ جواب وتر نماز کے معاملے سے متعلق ہے پس آپ کی بیداری کو دل کے وتر نماز کے لئے بیدار ہونے کے تعلق پر محمول کیا جائے گا۔ اور ان دونوں میں فرق ہے یعنی جس نے اطمینان قلبی کی حالت میں نیند کا آغاز کیا اور جس نے اس حالت میں نیند شروع کی کہ دل جاگتا ہے وہ فرماتے ہیں اس بنیاد پر کوئی تعارض اور اشکال نہیں ہوگا کیونکہ جب آپ سورج کے طلوع ہونے تک آرام فرما ہوتے کیونکہ اس بات کا احتمال ہے کہ آپ اس سفر کی تھکاوٹ کی وجہ سے مطمئن ہو کر سو گئے اور آپ کو اس شخص (حضرت بلال

رضی اللہ عنہ) پر اعتماد تھا جنہیں فجر کی نگرانی پر مامور فرمایا تھا۔

خلاصہ یہ ہوا کہ "ولا ینام قلبی" سے جو بیداری سمجھی جاتی ہے اس کی تخصیص وتر نماز کا وقت معنوی طور پر پانے سے متعلق ہے کیونکہ اس بیداری کا اس سے تعلق تھا اور اس دوسرے واقعے میں آپ گہری نیند سو گئے اس کی تائید حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے اس قول سے بھی ہوتی ہے کہ انہوں نے عرض کیا:

اخذ بنفسی الذی اخذ بنفسک — مجھے اسی چیز نے آلیا جو آپ پر طاری ہوئی۔

اس حدیث کو امام مسلم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے اس پر اعتراض نہیں فرمایا اور یہ بات معلوم ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ گہری نیند سو گئے تھے۔

اس پر اعتراض ہوتا ہے کہ انہوں نے جو کچھ فرمایا وہ خصوصی سبب کا متقاضی ہے اس کا جواب یہ ہے کہ اس کا اعتبار اس وقت ہوتا ہے جب اس پر کوئی قرینہ ہو اور سیاق وسباق اس کی طرف رہنمائی کرے اور یہاں یہی بات ہے۔

ایک ضعیف جواب یہ بھی دیا گیا کہ آپ کا دل جاگتا تھا اور آپ کو وقت کے نکلنے کا علم ہو چکا تھا لیکن آپ نے شرعی مسئلہ بتانے کی خاطر صحابہ کرام کو آگاہ نہ فرمایا۔ واللہ اعلم



چوتھا مقصد

نبی اکرم ﷺ کے معجزات جو آپ کی نبوت کے ثبوت اور رسالت کی صداقت پر دلیل ہیں نیز آپ کے ساتھ مخصوص علامات اور عجیب وغریب کرامات وغیرہ کا بیان۔

اس مقصد میں دو فصلیں ہیں۔

فصل نمبر ا

معجزات کا بیان [1]

معجزہ کی تعریف اور شرائط

اے محب نبی کریم و رسول عظیم ﷺ اللہ تعالیٰ مجھے بھی اور تجھے بھی رسول اکرم ﷺ کی سنت کے راستوں پر چلائے اور اپنی رحمت اور احسان کے ساتھ ہمیں رسول اکرم ﷺ کی محبت پر دنیا سے لے جائے۔

معجزہ ایک ایسا خلاف عادت کام ہوتا ہے جس کے ساتھ چیلنج متصل ہوتا ہے اور یہ انبیاء کرام علیہم السلام کی صداقت پر دلالت کرتا ہے۔

اسے معجزہ کہنے کی وجہ یہ ہے کہ انسان اس کی مثل لانے سے عاجز ہوتا ہے پس اس کے لئے چند شرائط ہیں۔

(۱) یہ کام عام عادت کے خلاف ہو جس طرح چاند کا پھٹ جانا' انگلیوں کے درمیان سے پانی کا جاری ہو جانا' عصا کا سانپ بن جانا' چٹان سے اونٹنی کا نکلنا اور پہاڑ کا گر جانا۔

پس یہ کام عام عرف و عادت کے خلاف ظاہر ہو جس طرح ہر دن سورج نکلتا ہے۔

(۲) معجزہ کے ساتھ تحدی (چیلنج) ملا ہوا ہو یعنی منکرین کو مقابلے کا چیلنج کیا جائے۔

جوہری نے کہا جب تم کسی کو کسی فعل کا چیلنج کرو اور غلبہ کے لئے اس سے جھگڑا کرو تو تم کہو گے "تحدیت فلانا" میں نے فلاں کو تحدی کی یعنی چیلنج کیا۔ قاموس میں بھی اسی طرح ہے۔

الاساس میں ہے حدا یحدو وھو حادی الابل اور احتدی بھا حدا جب اونٹ کے ساتھ گاتا ہے تو اس وقت یہ الفاظ کہے جاتے ہیں۔

---

[1] (دلائل النبوۃ ج اص ۱۰ البدایہ والنہایہ ج ۶ ص ۶۷)

اور جب اپنے ہمعصر لوگوں سے جھگڑا کر کے غلبہ پانے کی کوشش کرے تو کہا جاتا ہے "تحدی" (چیلنج کیا)
اس کی اصل "الحداء" ہے جس میں دو حدی خوان (اونٹوں کے ساتھ گانے والے) ایک دوسرے سے مقابلہ کرتے ہیں تو ہر ایک دوسرے کو چیلنج کرتا ہے یعنی اس کو حدی خوانی کی دعوت دیتا ہے (تو باب تفعل باب استفعال کی جگہ استعمال ہوا) جس طرح "استوفاہ" کی جگہ توفاہ استعمال ہوتا ہے یعنی طلب وفا کرنا۔
بعض قابل اعتماد حواشی میں ہے کہ ایک دوسرے کا مقابلہ کرتے وقت ایک حدی خوان اونٹوں کی قطار کی دائیں جانب کھڑا ہوتا اور دوسرا بائیں جانب اور وہ "یستحدیہ" اس سے حدی خوانی کا مطالبہ کرتا۔ پھر اس کے معنی میں وسعت آ گئی حتی کہ ہر مقابلہ بازی میں استعمال ہونے لگا۔
محققین کہتے ہیں تحدی رسالت کے دعوی کو کہا جاتا ہے۔
(۳) معجزہ کی تیسری شرط یہ ہے کہ چیلنج کرنے والا جو کچھ لایا ہے کوئی دوسرا اس کے مقابلے میں اس معجزے کی مثل نہ لا سکے اس بات کو بعض نے یوں تعبیر کیا ہے کہ رسالت کے دعوی میں معارضہ کا خوف نہیں ہوتا۔
اور مقابلہ نہ کرنے کے سلسلے میں یہ بہترین تعبیر ہے کیونکہ عدم معارضہ سے اس کا رک جانا لازم نہیں آتا لہٰذا شرط یہ ہے کہ وہ ممکن ہی نہ ہو۔
اور تحدی (چیلنج) کی قید سے جو چیز نکل گئی جو نبی کے چیلنج کے بغیر ہو اور وہ ولی کی کرامت ہے۔
اسی طرح دعوی نبوت کے ساتھ ملے ہونے کی قید سے وہ امور جو چیلنج سے پہلے خلاف عادت ظاہر ہوئے وہ بھی نکل گئے جیسے نبی اکرم ﷺ پر بادلوں کا سایہ کرنا اور سینۂ مبارکہ کا چاک ہونا اعلان رسالت سے پہلے ظاہر ہوئے اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا پنگھوڑے میں گفتگو کرنا اور اس طرح کی دوسری باتیں جو عادت کے خلاف ہیں لیکن اعلان رسالت سے پہلے ظاہر ہوئیں یہ معجزات نہیں بلکہ کرامات ہیں ان کا اولیاء کرام سے ظہور جائز ہے اور انبیاء کرام علیہم السلام اعلان نبوت سے پہلے اولیاء کرام سے کم درجہ میں نہیں ہوتے لہٰذا ان سے ان باتوں کا ظہور بھی جائز ہے اس وقت ان امور کو "ارہاص" یعنی نبوت کی بنیاد کہتے ہیں جس طرح علامہ سید جرجانی نے شرح مواقف میں اور دوسرے حضرات نے بھی ذکر کیا۔ جمہور ائمہ اصول کا یہی مذہب ہے۔
اعلان نبوت سے معجزے کے اتصال کی قید سے وہ خلاف عادت کام بھی نکل گیا جو چیلنج کے بعد ہو اور وہ اسے عرفی اتصال سے نکال دے۔
جس طرح مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے وصال کے بعد بعض فوت شدہ لوگوں نے کلمۂ شہادت پڑھا اور اس طرح کے دوسرے واقعات جو متواتر روایات سے ثابت ہیں۔
معارضہ سے امن کی قید سے وہ جادو خارج ہو گیا جو چیلنج سے ملا ہوا ہو کیونکہ اس کا مقابلہ اس کی مثل کے ساتھ ممکن ہے یعنی جس کی طرف ان کو بھیجا گیا۔
اس بات میں اختلاف ہے کہ کیا جادو کسی چیز کو اور طبیعتوں کو بدل دیتا ہے؟ تو بعض لوگ اس کے قائل ہیں حتیٰ کہ انہوں نے اس بات کو جائز قرار دیا کہ جادوگر انسان کو گدھے میں بدل دے۔
لیکن دوسرے حضرات فرماتے ہیں: کہ کوئی شخص کسی عین چیز کو یا طبیعت کو بدلنے پر قادر نہیں البتہ اللہ تعالیٰ اپنے

نبیوں کے لئے ایسا کرتا ہے کوئی جادوگر یا نیک آدمی کسی چیز کو بدل نہیں سکتا وہ کہتے ہیں اگر ہم جادوگر کے لئے وہ عمل جائز قرار دیں جو نبی کے لئے جائز ہے تو تمہارے نزدیک ان دونوں میں کیا فرق ہوگا؟

اگر تم قاضی ابوبکر باقلانی کے قول کی طرف مجبور ہو جاؤ جو انہوں نے نبی اور جادوگر کے درمیان فرق کے ضمن میں کہا کہ ''صرف تحدی'' یعنی چیلنج کے ذریعے فرق ہوگا تو یہ کئی وجہ سے باطل ہے پہلی بات یہ کہ تحدی (چیلنج) کی شرط ایسا قول ہے جس پر قرآن وسنت سے بھی قول دلیل نہیں خود قائل کی طرف سے بھی دلیل نہیں دی گئی اور اجماع بھی نہیں اور جو قول دلیل سے خالی ہو وہ باطل ہوتا ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے اکثر معجزات بلکہ اعم اور ابلغ معجزات چیلنج کے بغیر ہوئے تھے جس طرح کنکریوں کا بولنا' پانی کا (انگلیوں سے) نکلنا' خشک تنے کا بولنا' ایک صاع (چار کلو) سے دوسو آدمیوں کو کھلا دینا' آنکھوں میں لعاب لگانا' بکری کے بازوؤں کا بولنا' اونٹ کا شکایت کرنا اور اس طرح کھانے سے متعلق تمام معجزات۔

اور شاید آپ نے قرآن مجید اور تمنائے موت کے علاوہ کسی بات کے ساتھ چیلنج نہیں کیا۔

علماء کرام فرماتے ہیں: اس قول پر افسوس ہے جس کے ذریعے صرف دو نشانیاں معجزہ کہلا سکتی ہیں اور باقی معجزات جو ٹھاٹھیں مارتے ہوئے سمندر کی طرح ہیں ان کو چھوڑنا پڑے گا اور جس نے کہا کہ یہ امور معجزات یا نشانیاں نہیں ہیں تو وہ بدعت کے مقابلے میں کفر کے زیادہ قریب ہے۔

علماء کرام فرماتے ہیں: جب بھی ان میں سے کوئی نشانی آتی آپ فرماتے:

اشھد انی رسول اللہ ۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۵۴۴۳' صحیح مسلم رقم الحدیث:۸:۱۷۸' دلائل النبوۃ ج۶ص۲۲۹' کشف الخفاء ج۱ص۱۴۲' الدر المنثور ج۱ص۲۷۳' دلائل النبوۃ رقم الحدیث:۱۶۵)

جیسا کہ نبی اکرم ﷺ نے اس شخص کے بارے میں خبر دی جو مشرکین میں زخمی ہوا پھر اس نے اس مسلمان کی موجودگی میں خودکشی کرلی جو اس کے پیچھے گیا تھا جب صحابہ کرام کے سامنے آپ کی اس خبر کی صداقت واضح ہوئی تو انہوں نے یہی شہادت دی کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔

تیسری وجہ: چیلنج کی شرط اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد گرامی کے خلاف ہے:

وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَئِنْ جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ لَّيُؤْمِنُنَّ بِهَا قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ وَمَا يُشْعِرُكُمْ اَنَّهَا اِذَا جَآءَتْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ○ (الانعام:۱۰۹)

اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کی قسم کھائی اپنی قسموں میں خوب کوشش کرتے ہوئے کہ اگر ان کے پاس کوئی نشانی آئے تو وہ اس پر ضرور ایمان لائیں گے آپ فرما دیجئے نشانیاں اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں اور تمہیں کیا معلوم کہ جب وہ نشانیاں آجائیں تو وہ ایمان نہ لائیں؟

اور ارشاد خداوندی ہے:

وَمَا مَنَعَنَآ اَنْ نُّرْسِلَ بِالْاٰيٰتِ اِلَّآ اَنْ كَذَّبَ بِهَا الْاَوَّلُوْنَ. (الاسراء:۵۹)

اور ہمیں آیات بھیجنے سے کس چیز نے روکا مگر یہ کہ پہلے لوگوں نے ان کو جھٹلایا۔

تو اللہ تعالیٰ نے ان معجزات کو جو انبیاء کرام علیہم السلام سے مطلوب تھے آیات کا نام دیا لیکن ان میں چیلنج وغیرہ کی شرط نہیں رکھی ۔تو صحیح بات یہ ہے کہ چیلنج کی شرط محض باطل ہے۔

یہ شیخ ابوامامہ بن نقاش کی تفسیر کا خلاصہ ہے۔

اس کا جواب دیا گیا کہ چیلنج کے ملے ہونے کے لئے یہ شرط نہیں کہ اس کی مثل لایا جائے جو چیلنج (اور تحدی) کا حقیقی معنی ہے بلکہ چیلنج کے لئے صرف رسالت کا دعویٰ کافی ہے۔واللہ اعلم

(۴) معجزہ کی چوتھی شرط یہ ہے کہ چیلنج کرنے والے کے دعویٰ کے مطابق واضح ہو۔اگر رسالت کا مدعی کہے کہ میری نبوت کی نشانی یہ ہے کہ میرا ہاتھ کلام کرے گا یا یہ جانور بولے گا پس اس کا ہاتھ یا جانور اس کو جھٹلانے کے ساتھ کلام کرے اور کہے کہ اس نے جھوٹ بولا ہے اور یہ نبی نہیں ہے تو یہ کلام جو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے اس مدعی کے جھوٹ پر دلالت کرتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جو کلام جاری کیا وہ اس کے دعویٰ کے موافق نہیں ہے۔جس طرح مروی ہے کہ مسیلمہ کذاب (اللہ تعالیٰ اس پر لعنت بھیجے) نے کنویں میں تھوک ڈالا کہ اس کا پانی زیادہ ہو جائے تو وہ پانی نیچے اتر گیا اور کنویں کا پانی چلا گیا۔

تو جب ان شرائط میں سے کوئی شرط نہ پائی جائے تو معجزہ نہیں ہوگا۔

یہ نہ کہا جائے کہ جو کچھ تم نے کہا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ جس میں معجزات کی یہ چار شرائط پائی جائیں وہ کام صرف سچے لوگوں کے ہاتھوں پر ظاہر ہو سکتا ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے کیونکہ مسیح دجال کے ہاتھوں پر بڑی بڑی نشانیاں ظاہر ہوں گی جو مشہور ہیں اور احادیث صحیحہ میں (انکا ذکر) آیا ہے کیونکہ جو کچھ ذکر کیا گیا وہ اس کے بارے میں ہے جو رسالت کا دعویٰ کرے اور یہ اس کے بارے میں ہے جو ربوبیت کا دعویٰ کرے۔

اور اس بات پر عقلی دلیل قائم ہو چکی ہے کہ بعض مخلوق کی بعثت محال نہیں ہے تو یہ بات بعید نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس مخلوق کی صداقت پر دلائل قائم کر دے جو اس سے شریعت اور ملت لے کر آئیں اور دلائل قطعیہ اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ مسیح دجال اپنے دعویٰ میں جھوٹا ہے کیونکہ اس کی حالت بدلتی رہے گی اور اس کے علاوہ کئی اوصاف ہیں جو حادث ہونے پر دلالت کرتے ہیں جب کہ مخلوق کا رب ان سے پاک ہے' ارشاد خداوندی ہے:

لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ○ کوئی اس کی مثل نہیں اور وہ سننے والا' دیکھنے والا ہے۔

(الشوریٰ:۱۱)

معجزہ یا نشانی؟

اگر تم کہو کہ ان ناموں میں سے کونسا نام انبیاء کرام علیہم السلام کے زیادہ لائق ہے لفظ معجزہ یا لفظ آیت یا لفظ دلیل؟

تو اس کا جواب یہ ہے کہ بڑے بڑے ائمہ نے انبیاء کرام کے معجزات کو دلائل نبوت اور آیات نبوت کا نام دیا ہے اور قرآن مجید اور سنت میں بھی معجزہ کا لفظ نہیں آیا ان دونوں میں لفظ ''آیت'' ''البینۃ'' اور ''البرہان'' کے الفاظ ہیں جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ میں ہے:

فَذٰنِكَ بُرْهَانٰنِ مِنْ رَّبِّكَ. پس یہ دو برہان آپ کے رب کی طرف سے ہیں۔

(القصص:۳۲)

اور لفظ آیات کئی مقام پر آیا ہے بلکہ وہ اس قدر زیادہ ہے کہ ہم یہاں اس کا تذکرہ نہیں کر سکتے۔ ارشاد خداوندی ہے:

وَاِذَا جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ (الانعام:۱۲۴) اور جب ان کے پاس کوئی نشانی آتی ہے۔

اور فرمایا:

اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ (الرعد:۳) بے شک اس میں البتہ نشانیاں ہیں۔

اور لفظ معجزہ کا اطلاق اس کے آیت ہونے پر اسی صورت میں دلالت کر سکتا جب اس کی مراد واضح کی جائے اور شرائط کا ذکر کیا جائے۔ اکثر اہل کلام اسی عمل کو معجزہ کہتے ہیں جو فقط انبیاء کرام کے لئے ہو اور جو کام عادت کے خلاف اولیاء کرام کے لئے ثابت ہوا سے کرامت کہتے ہیں۔

اور پہلے بزرگ دونوں کو معجزہ کہتے تھے جس طرح امام احمد رحمہ اللہ سے مروی ہے بخلاف اس کے جب نبی کی نبوت پر آیت (نشانی) اور برہان ہو تو وہ نبی کے ساتھ خاص ہے۔

بعض اوقات کرامات کو بھی آیات کہتے ہیں کیونکہ یہ اس ذات کی نبوت پر دلیل ہوتی ہیں جس کی پیروی یہ ولی کرتا ہے کیونکہ دلیل مدلول کو مستلزم ہوتی ہے اور اس کا ثبوت مدلول کے ثبوت کے بغیر نہیں ہوتا پس اس لئے یہ آیت اور برہان کہلاتی ہے۔

دلائل نبوت

جب تمہیں یہ بات معلوم ہوگئی تو جان لو کہ ہمارے نبی ﷺ کی نبوت کے دلائل بے شمار ہیں اور آپ کے معجزات بے شمار روایات سے ظاہر ہوتے ہیں۔

آپ کے دلائل نبوت میں سے ایک دلیل یہ ہے کہ تورات' انجیل اور دیگر تمام کتب جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کی گئیں' میں آپ کا ذکر اور نعت ہے آپ کا سرزمین عرب میں ظہور' آپ کی ولادت مبارکہ اور بعثت سے کچھ دن پہلے کفار کی حکومتوں میں ایسے عجیب امور کا ظاہر ہونا جو ان کے کلمات کو کمزور کرنے والے اور عرب کی شان کی تائید کرنے والے ہیں اور ان کی شان کو بلند کرنے والے جس طرح ہاتھی کا واقعہ اور اللہ تعالیٰ نے ہاتھی والوں کو جو سزا دی' فارس کے آتشکدے کا بجھ جانا' کسریٰ کے محل کے کنگروں کا گرنا' بحیرہ ساوہ کے پانی کا خشک ہو جانا' مجوسیوں کے حاکم موبذان کا خواب اور جو کچھ اس نے غیبی آواز میں آپ کی نعت اور اوصاف کے بارے میں سنا اسی طرح جن بتوں کی پوجا کی جاتی تھی ان کا اوندھا ہو جانا اور منہ کے بل گرنا جب کہ ان کو اپنی جگہ سے ہٹانے والا بھی کوئی نہ تھا اور اس کے علاوہ جو علامات مروی ہیں اور مشہور احادیث میں جن عجائب کا ظہور آپ کی ولادت اور پرورش کے دوران اور بعد میں ہوا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بطور نبی مبعوث فرمایا۔

اور نبی اکرم ﷺ کے پاس مال وغیرہ ایسی چیز نہیں تھی جس کی طرف دل مائل ہوتے ہیں اور اس کی طمع کی جاتی ہے نہ کوئی طاقت تھی جس سے لوگوں کو مغلوب کیا جاتا اور نہ ایسے معاون تھے جو آپ کی اس رائے پر جس کو آپ نے ظاہر کیا اور جس کی دعوت دی آپ کی تائید کرتے بلکہ وہ لوگ بتوں کی پوجا اور تیروں (جن سے فال نکالتے تھے) کی تعظیم پر جمع تھے' دور جاہلیت کی غیرت اور قوم پرستی پر قائم تھے' ایک دوسرے سے دشمنی کرنا اور سرکشی اختیار کرنا نیز خون بہانا اور غارت

گری پر جمع تھے۔ الفتِ دین کی وجہ سے وہ اکٹھے نہ تھے اور نہ ہی انجام پر نظر رکھتے ہوئے برے کاموں سے باز آتے انہیں عذاب کا خوف تھا نہ کسی ملامت کا' پس نبی اکرم ﷺ نے ان کے دلوں میں باہمی محبت ڈال دی اور ان کو ایک بات پر اکٹھا کیا حتیٰ کہ آراء میں اتفاق پیدا ہوا' ان کے دل باہم مددگار بن گئے اور وہ سب حضور علیہ السلام کی مدد اور آپ کے دفاع پر متفق ہو گئے' انہوں نے اپنے شہر اور وطن سے ہجرت کی اور آپ کی محبت میں اپنی قوم اور قبیلوں کی مخالفت کی اور آپ کی مدد میں جسمانی اور روحانی طاقت خرچ کر دی اور آپ کے کلمۂ طیبہ کو بلند کرنے کے لئے تلواروں کا سامنا کیا حالانکہ اس وقت نہ تو ان کے لئے دنیا وسیع کی گئی تھی اور نہ ہی ان کو مال دیا گیا' کسی فوری عوض کو پانے کی امید بھی نہ تھی اور کسی قسم کا اقتدار اور دنیوی اعزاز بھی پیش نظر نہ تھا بلکہ نبی اکرم ﷺ تو مالداروں کو مال خرچ کرنے کی ترغیب دیتے تھے اور بڑے بڑے معزز لوگوں کو لباس میں تواضع اختیار کرنے کا حکم دیتے تو کیا اس قسم کے کام کسی ایسے شخص کے لیے جمع ہو سکتے ہیں۔ جس نے یہ راستہ اختیار کیا ہو کیا وہ عقل و تدبیر کی وجہ سے ایسا کر سکتا ہے؟

اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ایسا نہیں ہو سکتا آپ کے لئے امور مسخر کیے گئے جن میں کسی عقلمند کو شک نہیں ہے یہ تو حکم خداوندی تھا اور آسمانی معاملہ تھا جو غالب آیا اور وہ عام عادت کے خلاف تھا' بشری طاقت وہاں تک پہنچنے سے عاجز ہے اس پر وہی ذات قادر ہے جو خلق و امر کی مالک ہے' اللہ تعالیٰ جو تمام جہانوں کا رب ہے' برکت والی ذات ہے۔

آپ کا اُمی ہونا

نبی اکرم ﷺ کے دلائل نبوت میں سے ایک دلیل یہ ہے کہ آپ اُمی تھے آپ نہ تو اپنے دست مبارک سے لکھتے اور نہ پڑھتے تھے آپ کی ولادت اُمی لوگوں میں ہوئی اور آپ انہی لوگوں کے درمیان ایسے شہر میں پروان چڑھے جہاں گذشتہ لوگوں کی خبریں جاننے والا عالم نہیں تھا۔

اور آپ کسی عالم کے پاس جانے کے لئے سفر پر بھی تشریف نہیں لے گئے لیکن اس کے باوجود آپ نے ان لوگوں کو تورات و انجیل اور گذشتہ امتوں کی خبریں دیں حالانکہ ان کتب کے نشانات اور حروف مٹ چکے تھے' ان کتب کو اختیار کرنے والے اور ان میں سے صحیح اور غیر صحیح میں امتیاز کرنے والے لوگ بھی بہت کم تھے پھر آپ نے تمام مخالف ادیان والوں کے سامنے دلائل پیش کئے کہ اگر گفتگو کے ماہر اور مختلف قسم کے نقاد جمع ہوتے تو وہ آپ کے دلائل کو توڑ نہ سکتے۔

تو یہ اس بات پر بہت بڑی دلیل ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کی طرف سے دین لے کر تشریف لائے۔

قرآن مجید

آپ کے دلائلِ نبوت میں سے ایک دلیل قرآن مجید ہے آپ نے قرآن مجید کے ذریعے چیلنج کیا اور ان کو اس کی ایک سورۃ کی مثل لانے کی دعوت دی لیکن انہوں نے انکار کیا اور اس کے مقابلے میں کچھ لانے سے عاجز آ گئے۔

بعض علماء نے فرمایا: کہ نبی اکرم ﷺ اہل عرب کے پاس جو کلام لائے اور وہ اس کی مثل لانے سے عاجز ہو گئے تو یہ آپ کی نبوت پر سب سے عجیب نشانی ہے اور یہ مردوں کو زندہ کرنے اور برص و جذام کے مریضوں کو تندرست کرنے سے بھی واضح دلالت رکھتی ہے کیونکہ آپ بلاغت و فصاحت والے لوگوں کے پاس ایسا کلام لائے جس کا معنیٰ وہ سمجھتے تھے

تو ان کا عاجز ہونا اس شخص کے عاجز ہونے سے زیادہ تعجب خیز ہے جس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مردہ زندہ کرتے ہوئے دیکھا تھا کیونکہ ان لوگوں کو اس کی اور برص وجذام کو ٹھیک کرنے کی طمع نہ تھی اور نہ ہی وہ اس کا علم رکھتے تھے جب کہ قریش فصیح کلام' بلاغت اور خطابت سے تعلق رکھتے تھے تو ان کا اس سے عاجز آ جانا آپ کی رسالت پر علامت اور صحتِ نبوت کی دلیل تھا اور یہ قطعی حجت اور واضح دلیل ہے۔

ابوسلیمان الخطابی فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ اپنے زمانے کے عقلمند لوگوں میں سے تھے بلکہ آپ مطلقاً تمام مخلوق سے زیادہ عقلمند تھے اور آپ نے اپنے رب سے ملنے والے جس کلام کی خبر دی وہ اس کی مثل نہیں لا سکتے تھے۔ قرآن مجید نے ارشاد فرمایا:

فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا۔ اور اگر تم ایسا نہ کر سکو اور ہرگز ایسا نہیں کر سکو گے۔

(البقرہ:۲۴)

پس اگر آپ کو یہ بات معلوم نہ ہوتی کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے جو غیب کی باتوں کو بہت زیادہ جاننے والا ہے اور جو کچھ اس نے فرمایا ہے اس کے خلاف ہرگز نہیں ہوگا تو آپ کی عقل آپ کو کبھی اجازت نہ دیتی کہ آپ کوئی بات قطعی طور پر کہیں کہ یہ نہیں ہوگا اور وہ ہو جائے گا۔

اس سلسلے میں جو کچھ کہا جا سکتا ہے اس میں یہ بات نہایت اچھی' نہایت عمدہ اور بہت زیادہ کامل و واضح ہے آپ نے مقابلہ کرنے سے پہلے ان کو بتا دیا کہ تم اس سے عاجز آ جاؤ گے اور مقابلہ کی غرض کو نہ پا سکو گے' ان لوگوں کے سامنے یہ بات بآواز بلند فرما دی تو ان کے حمایتی بہت زیادہ ہونے اور ایک دوسرے کی مدد کے باوجود کسی کو بھی مقابلہ کرنے کی طاقت حاصل نہ ہوئی اور اللہ تعالیٰ جو علم وخبر والا ہے اس نے آپ کو بتا دیا اور آپ نے فرمایا:

قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰۤى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا۝ (الاسراء:۸۸) آپ فرما دیجئے اگر تمام انسان اور جن متفق ہو جائیں کہ اس قرآن کی مثل لائیں تو اس کی مثل نہیں لا سکتے اگرچہ ان میں سے بعض دوسرے بعض کی مدد کریں۔

پس ان کی بلند ہمتیں اور ان کے متکبر نفوس خون بہانے اور حرم شریف کی بے حرمتی پر راضی ہو گئے۔

احادیث میں آیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے قرآن مجید کا کچھ حصہ فصیح وبلیغ مشرکین کے سامنے پڑھا اور انہوں نے اس کے اعجاز کا اقرار کیا اس سلسلے میں کئی جملے ہیں۔

ان میں سے ایک حضرت محمد بن کعب سے مروی ہے فرماتے ہیں: مجھے بتایا گیا ہے کہ ایک دن عتبہ بن ربیعہ نے کہا جب کہ وہ قریش کی مجلس میں بیٹھا ہوا تھا اور نبی اکرم ﷺ تنہا مسجد میں تشریف فرما تھے (اس نے کہا) اے قریش کے گروہ! کیا میں اس شخص کے پاس جا کر اس پر کچھ باتیں پیش نہ کروں شاید وہ ہماری بعض باتیں قبول کر کے ہم سے دور رہے انہوں نے کہا ہاں ابوالولید! (تم بات کرو) عتبہ وہاں سے اٹھ کر نبی اکرم ﷺ کے پاس جا بیٹھا اس کے بعد حدیث میں ہے کہ اس نے آپ کو مال وغیرہ کی پیشکش کی جب وہ فارغ ہوا تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ابوالولید! تم فارغ ہو گئے ہو؟ اس نے کہا جی ہاں! آپ نے فرمایا: پھر مجھ سے سنو اس نے کہا آپ کہیں آپ نے پڑھا:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
اللہ کے نام سے شروع جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

حٰمٓ ۝ تَنْزِيْلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ كِتٰبٌ فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۝ (السجدہ:۱۔۳)
یہ اتارا ہے بڑے رحم والے مہربان کا' ایک کتاب ہے جس کی آیتیں مفصل فرمائی گئی ہیں عربی قرآن عقل والوں کے لئے۔

رسول اکرم ﷺ پڑھتے رہے اور ولید سن کر خاموش رہا اور اپنا ہاتھ پیٹھ کے پیچھے ڈال کر ان کا سہارا لیا اور سنتا رہا۔ نبی اکرم ﷺ آیت سجدہ تک پہنچے تو سجدہ کیا پھر فرمایا: اے ابوالولید! تم نے سنا؟ اس نے کہا ہاں میں نے سنا فرمایا یہ تمہارے لئے ہے۔

عتبہ اٹھ کر اپنے ساتھیوں کے پاس آیا تو انہوں نے ایک دوسرے سے کہا اللہ کی قسم! ابوالولید اس چہرے کے ساتھ نہیں جس کے ساتھ گیا تھا جب وہ ان کے پاس بیٹھ گیا تو انہوں نے کہا اے ابوالولید تمہارے پیچھے کیا ہے؟ اللہ کی قسم! میں نے ایک ایسی بات سنی ہے جس کی مثل میں نے کبھی نہیں سنا اللہ تعالیٰ کی قسم وہ شعر بھی نہیں اور جادو بھی نہیں اور نہ ہی کہانت (نجومی کی بات) ہے اے قریش کے گروہ! میری بات مانو اور اس شخص کو اس کی حالت پر چھوڑ دو اللہ کی قسم! جو کچھ میں نے اس سے سنا ہے عنقریب اس کی ایک عظیم خبر ہوگی' عتبہ نے کہا اس نے مجھے ایسے کلام کے ساتھ جواب دیا ہے جو جادو' شعر یا کہانت نہیں ہے۔

اس نے پڑھا:

حٰمٓ ۝ تَنْزِيْلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ كِتٰبٌ فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۝ (السجدہ:۱۔۳)
یہ اتارا ہے بڑے رحم والے مہربان کا' ایک کتاب ہے جس کی آیات مفصل فرمائی گئی ہیں عربی قرآن عقل والوں کے لئے۔

جب وہ ان الفاظ پر پہنچا:

فَقُلْ اَنْذَرْتُكُمْ صٰعِقَةً مِّثْلَ صٰعِقَةِ عَادٍ وَّ ثَمُوْدَ ۝ (السجدہ:۱۳)
تم فرما دو کہ میں تمہیں ڈراتا ہوں ایک کڑک سے جیسی کڑک عاد اور ثمود پر آئی تھی۔

میں نے اس کے منہ کو بند کر دیا اور اسے رشتہ داری کی قسم دی کہ وہ رک جائے اور تم جانتے ہو کہ محمد ﷺ جب کوئی بات کہتے ہیں تو جھوٹ نہیں بولتے پس مجھے ڈر ہے کہ تم پر کہیں عذاب نازل نہ ہو جائے۔

(دلائل النبوۃ ج ۲ ص ۲۰۳۔۲۰۵' البدایہ والنہایہ ج ۳ ص ۶۱' الدر المنثور ج ۵ ص ۳۵۸' مطالب العالیہ رقم الحدیث: ۴۲۸۵' اتحاف السادۃ المتقین ج ۷ ص ۱۹۷' دلائل النبوۃ ج ۱ ص ۶' کنز العمال رقم الحدیث: ۳۵۴۲۸)

اسے امام بیہقی وغیرہ نے روایت کیا ہے۔

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے اسلام کے سلسلے میں مروی ہے انہوں نے اپنے بھائی حضرت انیس رضی اللہ عنہ کا وصف بیان کرتے ہوئے فرمایا: اللہ تعالیٰ کی قسم میں نے اپنے بھائی حضرت انیس رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر کسی شاعر کے بارے میں نہیں سنا انہوں نے زمانہ جاہلیت میں بارہ شعراء سے مقابلہ کیا جن میں سے ایک' میں ہوں۔

حضرت انیس گئے اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کے پاس نبی اکرم ﷺ کی خبر لے کر آئے حضرت ابوذر

فرماتے ہیں: میں نے پوچھا لوگ کیا کہتے ہیں؟ انہوں نے کہا وہ حضور علیہ السلام کو شاعر، کاہن اور جادوگر کہتے ہیں لیکن میں نے کاہنوں کی باتیں سنی ہیں یہ (پیغام رسالت) ان کا قول نہیں ہے میں نے کئی قسم کے شعراء کو ان کا کلام سنایا لیکن وہ اس کے موافق بھی نہیں اور میرے بعد کسی کی زبان پر یہ بات نہیں آئی کہ یہ شعر ہے بے شک آپ سچے ہیں اور لوگ جھوٹ کہتے ہیں۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۳۲'الشفاء ج ا ص ۱۹۶' دلائل النبوۃ ج ۲ ص ۲۰۹-۲۱۰-۲۱۲' مسند احمد ج ۵ ص ۱۷۴)

حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ نے ولید بن مغیرہ کے واقع میں بیان کیا اور وہ فصاحت میں قریش کا سردار تھا اس نے نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ پڑھیں آپ نے اس کے سامنے یہ آیت پڑھی:

إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَاءِ ذِي الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ○ (النحل: ۹۰)

بے شک اللہ حکم فرماتا ہے انصاف اور نیکی اور رشتہ داروں کے دینے کا اور منع فرماتا ہے بے حیائی اور بری بات اور سرکشی سے تمہیں نصیحت فرماتا ہے کہ تم دھیان کرو۔

اس نے کہا دوبارہ پڑھیں آپ نے دوبارہ پڑھا اس نے کہا اللہ کی قسم یہ نہایت شیریں اور حسن کا پیکر ہے اس کے اوپر والا حصہ پھلدار اور نچلا حصہ بہت زیادہ پانی ہے (اوپر والے حصے سے مراد الفاظ اور نچلے حصے سے مراد معانی ہیں) اور یہ کسی انسان کا کلام نہیں پھر اپنی قوم سے کہنے لگا اللہ کی قسم! تم میں ایک شخص ہے' وہ اشعار کا علم مجھ سے زیادہ رکھتا ہے اس کے رجز اور جنون کے اشعار کو نہیں جانتا۔

اللہ کی قسم اس کا قول اس (شاعرانہ کلام) کے مشابہ نہیں ہے اللہ تعالیٰ کی قسم! وہ جو کچھ کہتا وہ شیریں ہے اور اس پر حسن چڑھا ہوا ہے اس کا اعلیٰ پھلدار اور نچلا (اندرونی) بہت زیادہ پانی (سمندر) ہے بے شک وہ بلند ہوگا اور اس پر کوئی دوسرا کلام بلند نہیں ہو سکتا۔

اس کی دوسری خبر میں ہے کہ جب اس نے موسم حج میں قریش کو جمع کیا اور کہا عرب کے وفود ہمارے پاس آئیں گے لہٰذا کسی ایک رائے پر متفق ہو جائیں اور ہم ایک دوسرے کو نہ جھٹلائیں انہوں نے کہا ہم کہیں گے یہ کاہن ہے' اس نے کہا اللہ کی قسم یہ کلام' نجومی کا زمزمہ اور سجع نہیں ہے انہوں نے کہا مجنون کہلائیں گے اس نے کہا وہ مجنون بھی نہیں اور نہ اس کی طرح جس کا گلا گھونٹا گیا اور نہ وہ جس کے دل میں وسوسے ڈالے گئے۔

انہوں نے کہا ہم اسے شاعر کہیں گے اس نے کہا وہ شاعر بھی نہیں ہم شاعر سے متعلق تمام باتیں جانتے ہیں' ہم اشعار کے رجز' اس کی بحر (ہزج) طویل اور مختصر بحر وغیرہ سب کا علم رکھتے ہیں۔ وہ شاعر نہیں ہیں انہوں نے کہا ہم کہیں گے یہ جادوگر ہیں اس نے کہا یہ جادوگر بھی نہیں نہ جادو والی پھونک ہے اور نہ ہی گرہ انہوں نے کہا پھر کیا کہیں اس نے کہا تم ان باتوں میں سے کچھ نہ کہو لیکن میں جانتا ہوں کہ وہ باطل ہے۔ [1]

---

[1] چنانچہ اس نے کہا تم یہی کہہ دینا کہ وہ جادوگر ہے اور لوگوں میں جدائی ڈالتا ہے چنانچہ وہ مکہ مکرمہ کے تمام راستوں میں بیٹھ گئے اور یہی پروپیگنڈہ کرنے لگے جس سے نبی اکرم ﷺ کا معاملہ پھیل گیا اور لوگوں کو آپ سے ملنے کا شوق پیدا ہوا۔ (زرقانی ج ۵ ص ۸۸)

ابونعیم نے ابن اسحاق کے طریق سے نقل کیا فرماتے ہیں: مجھ سے اسحاق بن یسار نے بیان کیا انہوں نے بنوسلمہ کے ایک شخص سے روایت کیا انہوں نے فرمایا جب بنوسلمہ قبیلہ کے کچھ نوجوان اسلام لائے تو عمرو بن جموح نے اپنے بیٹے سے کہا تم نے اس شخص سے جو کلام سنا مجھے بھی سناؤ اس نے یہ کلمات پڑھ کر سنائے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ○ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ○ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ○ (الفاتحہ:۱۔۵)

تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کو پالنے والا ہے نہایت مہربان رحمت والا ہے بدلے کے دن کا مالک ہے ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں ہمیں سیدھے راستے پر چلا۔

اس نے کہا یہ کس قدر اچھا اور حسین کلام ہے کیا اس کا تمام کلام ایسا ہی ہے؟ اس نے کہا ابا جان! اس سے بھی اچھا ہے۔

بعض علماء فرماتے ہیں: اگر یہ قرآن مجید کسی مصحف میں لکھ کر جنگل میں رکھ دیا جاتا اور کسی کو معلوم نہ ہوتا کہ یہ کس نے وہاں رکھا ہے؟ تو عقل سلیم فیصلہ کرتی کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اس نے اتارا ہے اور انسان ایسا کلام بنانے پر قادر نہیں ہے تو جب یہ قرآن مجید ایسے شخص کے ذریعے آیا جو تمام مخلوق میں سب سے زیادہ سچا' نیک اور متقی ہے تو اب کیا کیفیت ہوگی؟

انہوں نے فرمایا: یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور تمام مخلوق کو چیلنج کیا گیا کہ وہ اس کی ایک سورت کی مثل لے آئیں پس وہ عاجز رہ گئے تو اس صورت میں شک کی کیا گنجائش ہے؟

اعجازِ قرآن کی وجوہ

اعجاز قرآن کی وجوہ بے شمار ہیں لیکن بعض حضرات نے فرمایا کہ علماء نے اس کے اعجاز کے سلسلے میں چھ وجوہ میں اختلاف کیا ہے۔

۱۔ اس کے اعجاز کی وجہ اس کا اختصار اور بلاغت ہے۔

جیسے ارشاد خداوندی ہے:

وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ ۔ تمہارے لئے قصاص میں زندگی ہے۔

(البقرہ:۱۷۹)

ان دو کلموں میں جن کے حروف دس ہیں بہت سے معانی کو جمع کیا۔

ابوعبید نے بیان کیا کہ ایک اعرابی نے کسی شخص کو پڑھتے ہوئے سنا:

فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ. (الحجر:۹۴) آپ کو جس بات کا حکم دیا گیا اس کو بیان کیجئے۔

وہ اعرابی سجدے میں پڑ گیا اور کہا میں نے اس کلام کی فصاحت کی وجہ سے سجدہ کیا اور ایک دوسرے شخص نے ایک آدمی کو پڑھتے ہوئے سنا:

فَلَمَّا اسْتَيْـَٔسُوْا مِنْهُ خَلَصُوْا نَجِيًّا. (یوسف:۸۰) پھر جب اس سے نا امید ہوئے الگ جا کر سرگوشی کرنے لگے۔

تو کہنے لگا میں گواہی دیتا ہوں کہ مخلوق اس قسم کے کلام پر قادر نہیں۔ اصمعی نے نقل کیا کہ اس نے پانچ یا چھ سال کی لڑکی دیکھی اور وہ کہہ رہی تھی کہ میں اللہ تعالیٰ سے اپنے تمام گناہوں کی بخشش طلب کرتی ہوں۔ میں نے اس سے پوچھا کہ تم کیوں بخشش مانگ رہی ہو حالانکہ ابھی تمہارے گناہ لکھے نہیں جاتے (تم چھوٹی بچی ہو) اس نے کہا:

استغفر اللہ لذنبی کلہ قتلت انسانا بغیر حلہ
مثل غزال ناعم فی دلہ انتصف اللیل ولم اصلہ

''میں اللہ تعالیٰ سے اپنے تمام گناہوں کی بخشش مانگتی ہوں میں نے ایک انسان کو ناحق قتل کیا وہ ہرن کی طرح بڑی عمدگی سے چلتا تھا آدھی رات ہوگئی اور میں نے نماز نہیں پڑھی''۔

(یعنی میں نے اللہ تعالیٰ کی عبادت نہ کر کے اپنے نفس کو ہلاک کیا اور آدھی رات گزر گئی لیکن تہجد کی نماز نہ پڑھ سکی) میں نے اس سے کہا اللہ تعالیٰ تجھے ہلاک کرے (بددعا نہیں ہے) تو کس قدر فصیح ہے اس نے کہا کیا تم اللہ تعالیٰ کے اس کلام کے بعد اس (میرے کلام) کو فصاحت شمار کرتے ہو۔ ارشادِ خداوندی ہے:

وَاَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّ مُوْسٰٓى اَنْ اَرْضِعِيْهِ فَاِذَا خِفْتِ عَلَيْهِ فَاَلْقِيْهِ فِى الْيَمِّ وَلَا تَخَافِىْ وَلَا تَحْزَنِىْ اِنَّا رَآدُّوْهُ اِلَيْكِ وَجَاعِلُوْهُ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۝ (القصص:۷)

اور ہم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ماں کے دل میں یہ بات ڈالی کہ وہ ان (حضرت موسیٰ علیہ السلام) کو دودھ پلائیں پس جب ان کے بارے میں ڈر محسوس کریں تو ان کو دریا میں ڈال دیں اور نہ خوف کھائیں اور نہ غمگین ہوں بے شک ہم ان کو آپ کی طرف لوٹانے والے ہیں اور ان کو رسولوں میں سے کرنے والے ہیں۔

تو اس آیت میں دو امر دو نہی دو خبریں اور دو بشارتیں جمع کر دیں۔

منقول ہے کہ ایک دن حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ مسجد میں سوئے ہوئے تھے تو اچانک دیکھا کہ ایک شخص ان کے سرہانے کھڑا ہے اور شہادتِ حق دے رہا ہے اس نے آپ کو بتایا کہ وہ رومی فوج کا جرنیل ہے اور ان لوگوں میں سے ہے جو عربی اور دوسرے کلام کو اچھی طرح سمجھتا ہے اور اس نے مسلمان قیدیوں میں سے ایک سے سنا کہ وہ تمہاری کتاب میں سے ایک آیت پڑھ رہا ہے میں نے اس میں غور کیا تو اللہ تعالیٰ نے اس میں دنیا اور آخرت کے احوال سے وہ باتیں جمع کر دیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر اتاری تھیں۔ اور وہ یہ ارشادِ خداوندی ہے:

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَخْشَ اللّٰهَ وَيَتَّقْهِ. (النور:۵۲)

اور جو شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کا حکم مانے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرے اور تقویٰ اختیار کرے (وہی لوگ کامیاب ہیں)۔

گمراہ لوگوں میں سے ایک جماعت نے جن کو بلاغت سے کچھ حصہ ملا تھا' ارادہ کیا کہ وہ کوئی ایسی چیز گھڑیں جس کے ذریعے لوگوں کو دھوکہ دیں جب انہوں نے دیکھا کہ یہ کام بہت مشکل ہے (ستاروں تک ہاتھ پہنچانا ہے) تو چھوٹی چھوٹی سورتوں مثلاً سورۂ کوثر' سورۂ النصر وغیرہ کی طرف مائل ہوئے تاکہ جاہل لوگوں کو کم حروف والے کلام میں شبہ میں ڈالیں کیونکہ کلمات کو جوڑنے اور ملانے سے آدمی عاجز ہوتا ہے۔

اور اس قسم کا ارادہ کرنے والوں یعنی چھوٹی سورتوں سے تعلق قائم کرنے والوں میں سے ایک مسیلمہ کذاب بھی تھا اس نے کہا: یا ضفدع نقی کم تنقین اعلاک فی الماء واسفلک فی الطین لا الماء تکدرین ولاشراب تمنعین.

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے سنا تو فرمایا: اس کی اصل وہ نہیں جو قرآن کی ہے یعنی یہ اللہ تعالیٰ کا کلام نہیں ہے۔

اور جب مسیلمہ کذاب ملعون نے ''والنازعات'' سورت سنی تو اس نے کہا: والزارعات زرعا والحاصدات حصدا والذاریات قمحا والطاحنات طحنا والحافرات حفرا والثاردات ثردا واللاقمات لقما لقد فضلتم علی اهل الوبر وما سبقکم اهل المدر.

اور اس کے علاوہ بیہودہ کلام کیا جس کا کچھ حصہ مقصد ثانی میں ذکر کر دیا گیا ہے۔

ایک اور نے کہا: الم تر کیف فعل ربک بالحبلیٰ اخرج من بطنها نسمة تسعی من بین شرا سیف واحشی.

کسی دوسرے نے کہا: الفیل والفیل وما ادراک ما الفیل له ذنب و ثیل و مشفر طویل وان ذلک من خلق ربنا لقلیل.

اس کلام میں حروف کی قلت کے ساتھ ساتھ جو کمزوری ہے وہ کسی بے علم پر بھی مخفی نہیں چہ جائیکہ اہل علم پر مخفی ہو۔

۲۔ قرآن مجید کا اعجاز وہ وصف ہے جس کے ذریعے یہ کلام عرب کی جنس سے نکل گیا چاہے وہ نظم و نثر ہو خطاب و شعر ہو یا رجز و سجع ہو پس یہ ان میں سے کسی میں بھی داخل نہیں اور ان کے ساتھ مخلوط ہے اس کے باوجود کہ اس کے الفاظ اور حروف ان کے کلام کی جنس سے ہیں اور ان کی نظم و نثر میں مستعمل ہیں اس لئے ان کی عقلیں حیران رہ گئیں اور اپنے حسن کلام میں اس کی مثل کی طرف ان کو راہ نہ ملی پس اس بات میں کوئی شک نہیں کہ قرآن مجید نے اپنی بدیع نظم کے ذریعے فصاحت میں دلوں کو کھٹکھٹایا اور بلاغت میں معانی تک اس کی رسائی نہایت عمدہ ہے پس یہ اللہ تعالیٰ کی واضح حجت، روشن دلیل اور قاہر و باہر برہان ہے جو بدبخت اس کے مقابلہ کی کوشش کرتا ہے وہ اس طرح گرتا ہے جس طرح پروانہ چنگاری میں گرتا ہے اور جس طرح بدشکل بکری غضبناک شیروں کے گرد جا گرتی ہے۔ اس کا مقابلہ کرنے والے متعدد لوگوں کے بارے میں منقول ہے کہ ان پر اس قدر رعب طاری ہوا کہ وہ اس عمل سے باز آ گئے جس طرح یحییٰ بن حکیم الغزال سے منقول ہے۔ یہ شخص اندلس میں اپنے زمانے کا بلیغ آدمی تھا اس نے قرآن مجید کے مقابلے کا ارادہ کیا اور سورہ اخلاص کو دیکھا کہ اس کی مثل کلام بنائے اور اس کے انداز پر کلام گھڑے تو وہ اس قدر خوفزدہ ہوا کہ اسے توبہ کرنا پڑی۔ (الاعلام ج ۸ ص ۱۴۳)

ابن مقفع جو اپنے دور کا سب سے زیادہ فصیح شخص تھا اس نے قرآن مجید کے مقابلے میں کلام بنانے کی کوشش کی بلکہ تفصیلی کلام گھڑا اور اس کا نام سورا (سورتیں) رکھا ایک دن وہ ایک بچے کے پاس سے گزر رہا تھا جو اپنے مدرسہ میں یہ آیت پڑھ رہا تھا:

وَقِیْلَ یٰۤاَرْضُ ابْلَعِیْ مَآءَكِ وَ یٰسَمَآءُ اَقْلِعِیْ وَ غِیْضَ الْمَآءُ وَ قُضِیَ الْاَمْرُ (هود:۴۴)

اور کہا گیا اے زمین اپنا پانی نگل لے! اور اے آسمان تھم جا اور پانی خشک کر دیا گیا اور اللہ تعالیٰ کا حکم پورا ہو گیا۔

یہ سن کروہ واپس ہوا اور جو کچھ لکھا تھا اس کو مٹا دیا اور کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ اس کا مقابلہ کبھی بھی نہیں ہوسکتا اور یہ کسی انسان کا کلام نہیں۔ (الاعلام ج ۳ص ۱۴۰، معجم المطبوعات ص ۲۴۹، لسان المیزان ج ۳ ص ۳۶۶)

سیدی محمد وفا رحمہ اللہ کو اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے انہوں نے نبی اکرم ﷺ اور قرآن مجید کے بارے میں کیا اچھا کہا ہے:

لہ آیۃ الفرقان فی عین جمعہ جوامع آیات بھا اتضح الرشد

''ان کے ساتھ حق و باطل میں فرق کرنے والی ایسی نشانی ہے ہدایت کو واضح کرنے والی جامع آیات ہیں''۔

حدیث نزیہ عن حدوث منزہ قدیم صفات الذات لیس لہ ضد

''اس (قرآن) کی بات حدوث سے پاک ہے ذات کی صفات کے اعتبار سے قدیم ہے اور اس کی نظیر نہیں ہے''۔

بلاغ بلیغ للبلاغۃ معجز لہ معجزات لا یعد لھا عد

''بلیغ پیغام ہے اور بلاغت کو عاجز کرنے والا ہے اس کے معجزات ان گنت ہیں''۔

تحلت بروح الوحی حلۃ نسجہ عقود اعتقاد لا یحل لھا عقد

''اس کے لباس کی بناوٹ وحی کی روح سے آراستہ ہے عقیدے کے ایسے ہار ہیں جن کی گرہ کھولی نہیں جاتی''۔

وغایۃ ارباب البلاغۃ عجزھم لدیہ وان کانوا ھم الالسن اللد

''اور اس کے سامنے بلغاء انتہائی کا عاجز ہونا ہے اگر چہ وہ زبان کے ماہر تھے''۔

فأفاکھم بالافک اعیاہ غیہ تصدی وللاسماع عن غیہ صد

''ان کی گمراہی نے ان کے جھوٹ کو درماندہ و عاجز کر دیا اور کانوں کے لئے اس کی گمراہی سے رکاوٹ ہے''۔

قلی اللہ اقوالا یھاجر ھجرھا ھوانا بھا الورھاء والبھم البلد

''اللہ تعالیٰ ایسی باتوں سے ناراض ہوتا ہے جن کی وجہ سے بے وقوف اور نا سمجھ ذلیل ہو کر وطن چھوڑ دیتے ہیں''۔

تلاھا فتل الفحش فی القبح وجھھا وعن ریبھا الالباب نزھھا الزھد

''اسے تلاوت کیا تو فحش کلامی نے قبح میں اپنا چہرہ چھپالیا اور عقلمند لوگوں کو زہد نے شک سے دور کر دیا''۔

لقد فرق الفرقان شمل فریقہ بجمع رسول اللہ واستعلن الرشد

''قرآن مجید نے رسول اکرم ﷺ کی جماعت کو فریق مخالف کی جماعت سے جدا کر دیا اور ہدایت کو ظاہر کر دیا''۔

اتی بالھدی صل علیہ الھہ ولم یلہ بالاھواء اذجاء ہ الجد

"آپ ہدایت لائے آپ کا معبود آپ پر رحمت نازل کرے اور آپ نے خواہشات کی پیروی نہ کی جب آپ کے پاس بزرگی آئی"۔

۳۔ قرآن مجید کے اعجاز کی تیسری وجہ یہ ہے کہ اس کو پڑھنے والا اکتاہٹ محسوس نہیں کرتا اور اسے سننے والا نفرت کا اظہار نہیں کرتا بلکہ اس کی تلاوت کی طرف کامل توجہ اس کی چاشنی کو مزید بڑھاتی ہے اور اس کا تکرار اس کی محبت اور رونق کا باعث ہے یہ شاخ ہمیشہ ہری بھری رہتی ہے جبکہ اس کے علاوہ کلام اگرچہ حسن و بلاغت میں کتنے بڑے درجہ پر پہنچ جائے اس کا بار بار پڑھنا آدمی کو تھکا دیتا ہے اور جب اسے دوبارہ کہا جائے تو دشمنی پیدا ہوتی ہے اور ہماری کتاب (قرآن مجید) خلوتوں میں لذت کا باعث ہے اور مختلف مقامات پر اس کی تلاوت سے انس پیدا ہوتا ہے۔

قرآن مجید کے علاوہ کتب میں یہ بات نہیں ہے حتیٰ کہ ان کتابوں والے لوگوں نے مختلف راگ اور طریقے بنائے جن کے ذریعے وہ ان کتابوں کو پڑھنے پر سرور حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

اسی لئے نبی اکرم ﷺ نے قرآن مجید کا وصف یوں بیان فرمایا کہ یہ زیادہ پڑھنے سے پرانا نہیں ہوتا اس کے اسباق عبرت ختم نہیں ہوتے اور اس کے عجائب فنا نہیں ہوتے یہ کتاب فیصلہ کرنے والی ہے بے مقصد کلام نہیں (غیر سنجیدہ نہیں) علماء کرام اس سے سیر نہیں ہوتے اور خواہشات اس کی لگام میں ہوں تو گمراہی نہیں آتی اس کے ساتھ زبانوں میں گڑبڑ نہیں ہوتی یہی وہ کتاب ہے کہ جب جنوں نے اسے سنا تو وہ یہ بات کہے بغیر نہ رہ سکے:

اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا یَّهْدِیْۤ اِلَى الرُّشْدِ فَاٰمَنَّا بِهٖ۔ (الجن:۱)

بے شک ہم نے ایک عجیب قرآن سنا جو ہدایت کی راہ دکھاتا ہے پس ہم اس پر ایمان لائے۔

(جامع ترمذی رقم الحدیث:۲۹۰۶ سنن دارمی ج ۲ ص ۴۳۱ الشفاء ج ۱ ص ۲۷۷)

حضرت قاضی عیاض رحمہ اللہ نے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے۔

۴۔ قرآن مجید کی چوتھی وجہ اعجاز گذشتہ واقعات کی خبریں ہیں جن میں سے بعض کا ان لوگوں کو علم تھا اور بعض باتوں کو وہ نہیں جانتے تھے۔

جب انہوں نے ان واقعات کے بارے میں پوچھا تو ان کے صحیح ہونے کو جان لیا اور ان کا سچا ہونا متحقق ہو گیا۔ جس طرح اصحاب کہف کا واقعہ حضرت موسیٰ اور حضرت خضر علیہما السلام کا واقعہ ذوالقرنین اور انبیاء کرام کے ان کی امتوں کے ساتھ واقعات اور پہلے زمانوں کے حالات وغیرہ۔

۵۔ قرآن مجید کے اعجاز کی پانچویں وجہ یہ ہے کہ اس میں غیب کا علم اور مستقبل کے واقعات کی خبریں ہیں پس وہ اسی طرح واقع ہوتی ہیں جس طرح قرآن مجید نے کہا اور یوں اس کی صداقت ثابت ہوتی ہے۔

جیسا کہ یہودیوں کے بارے میں ارشاد خداوندی ہے:

قُلْ اِنْ كَانَتْ لَكُمُ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ عِنْدَ اللّٰهِ خَالِصَةً مِّنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ

آپ فرما دیجئے اگر آخرت کا گھر تمہارے لئے خالص ہے دوسرے لوگوں کے لئے نہیں تو موت کی تمنا کرو

صَادِقِیْنَ○ (البقرہ:۹۴) اگر تم سچے ہو۔

پھر فرمایا:

وَلَنْ یَّتَمَنَّوْهُ اَبَدًا بِمَا قَدَّمَتْ اَیْدِیْهِمْ. (البقرہ:۹۵) اور وہ اس کی تمنا ہرگز کبھی بھی نہیں کریں گے اور اس کی وجہ ان کے وہ اعمال ہیں جو انہوں نے آگے بھیجے۔

چنانچہ ان میں سے کسی نے بھی موت کی تمنا نہ کی۔

اور جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قریش سے فرمایا:

فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا. (البقرہ:۲۴) اور اگر تم قرآن مجید کی مثل نہ لاسکو اور ہرگز نہیں لاسکو گے (تو اس آگ سے بچو جس کا ایندھن لوگ اور پتھر ہوں گے)۔

تو قطعی اور یقینی طور پر بتایا کہ وہ ایسا نہیں کرسکیں گے اور وہ ایسا نہ کرسکے۔

وہ غیبی امور جو قرآن مجید نے بیان کیے ہیں ان میں سے بعض نبی اکرم ﷺ کے زمانے میں واقع ہوئے جیسا کہ ارشادِ خداوندی ہے:

اِنَّا فَتَحْنَا لَکَ فَتْحًا مُّبِیْنًا○ (الفتح:۱) بے شک ہم نے آپ کو واضح فتح عطا فرمائی۔

(تو مکہ مکرمہ فتح ہوا اور یہ غیبی خبر خود آپ کے سامنے وقوع پذیر ہوئی) اور بعض خبریں ایک عرصہ دراز کے بعد ظاہر ہوئیں۔

جیسے فرمایا:

الٓمّٓ○ غُلِبَتِ الرُّوْمُ○ (الروم:۱) رومی مغلوب ہوئے۔

اس پر یہ اعتراض کیا گیا کہ اگر بات وہی ہوتی جو علماء کرام نے ذکر کی ہے کہ غیب کی خبریں بھی اعجاز قرآن ہے تو وہ مستقبل میں رونما ہونے والے واقعہ کا مطالبہ کرتے (حالانکہ انہوں نے ایسا مطالبہ نہیں کیا) نیز غیب کی خبریں قرآن مجید کی بعض سورتوں میں آئی ہیں (پورے قرآن میں نہیں) اور ان سے مقابلے کے لیے غیر معین سورت پر اکتفا کیا گیا اور اگر یہ بات (اعجاز قرآن والی بات) صحیح ہوتی تو وہ ایسی چھوٹی سورت کا معارضہ کرلیتے جس میں غیب کی خبر نہ ہوتی۔

۶۔ قرآن پاک کے اعجاز کی ایک وجہ یہ ہے کہ یہ علوم کثیرہ کا جامع ہے کہ اہل عرب نے ان میں کلام نہیں کیا اور نہ ہی امتوں کے علماء میں سے کسی ایک نے ان علوم کا احاطہ کیا اسی طرح کوئی ایسی کتاب بھی مدون نہیں ہوئی جس میں اللہ تعالیٰ نے پہلوں اور پچھلوں کی خبر (جہاد سے) پیچھے رہ جانے والوں کا حکم' اطاعت گزاروں کا ثواب اور نافرمانوں کے عذاب کا ذکر کیا ہو۔

پس یہ وجوہ ہیں جن میں سے ہر ایک اعجاز قرآن کا سبب صحیح ہے (اور خود معجزہ ہے)۔

اور جب قرآن مجید میں یہ سب باتیں جمع ہیں تو ان میں سے کوئی ایک بات معجزہ ہونے کے اعتبار سے دوسری کے مقابلے میں زیادہ اہمیت نہیں رکھتی تو سب کو ملا کر اعجاز قرار دیا جائے گا۔

ارشادِ خداوندی ہے:

قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ. (اسراء:۸۸)

آپ فرمادیجئے اگر انسان اور جن (سب) جمع ہوجائیں کہ اس قرآن کی مثل لائیں تو وہ اس کی مثل نہیں لاسکتے۔

تو نبی اکرم ﷺ کے زمانے میں اور اس کے بعد بھی کوئی شخص قرآن مجید کی مثل لانے پر قادر نہیں ہوا اس کی نظم' تالیف' کلام کی مٹھاس' معانی کی صحت اور اس میں پائی جانے والی مثالیں اور وہ باتیں جو قیامت کے دن اٹھنے پر دلالت کرتی ہیں نیز اس کی آیات' ماضی اور مستقبل کی خبریں' نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا' ناحق خون بہانے سے رکنا' صلہ رحمی وغیرہ میں سے کسی بات کی مثل پیش نہیں کی جاسکتی۔

اور اس بات پر کوئی شخص کیسے قادر ہوسکتا ہے جب فصیح و بلیغ عربی خطباء اور عقلمند شعراء چاہے وہ قریش تھے یا دوسرے وہ اس کے مقابلے سے عاجز رہ گئے۔

اور وہ لوگ نبی اکرم ﷺ کے اعلان نبوت سے پہلے کی آپ کی چالیس سالہ زندگی سے آگاہ تھے اور وہ جانتے تھے کہ آپ نے حساب و کتاب' جادو' شعر گوئی وغیرہ کچھ بھی نہیں سیکھا تھا نہ آپ نے کوئی خبر یاد رکھی اور کوئی بات نقل کی حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے وحی نازل کی اور تفصیلی (احکام پر مبنی) کتاب عطا فرما کر آپ کو اعزاز بخشا چنانچہ آپ نے اس کتاب کے ذریعے ان لوگوں کو دعوت دی اور ان کا مقابلہ کیا۔ ارشادِ خداوندی ہے:

قُلْ لَّوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا تَلَوْتُهٗ عَلَيْكُمْ وَلَآ اَدْرٰىكُمْ بِهٖ فَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ○ (یونس:۱۶)

تم فرماؤ اگر اللہ چاہتا تو میں اسے تم پر نہ پڑھتا نہ وہ تم کو اس سے خبردار کرتا تو میں اس سے پہلے تم میں اپنی ایک عمر گزار چکا ہوں تو کیا تمہیں عقل نہیں۔

اور اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں اس کی شہادت دیتے ہوئے فرمایا:

وَمَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ اِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ ○ (العنکبوت:۴۸)

اور اس سے پہلے تم کوئی کتاب نہ پڑھتے تھے اور نہ اپنے ہاتھ سے کچھ لکھتے تھے یوں ہوتا تو باطل والے ضرور شک لاتے۔

دوسرے معجزات

قرآن مجید کے علاوہ آپ کے معجزات مثلاً آپ کی مبارک انگلیوں سے پانی کا نکلنا' آپ کی برکت سے کھانے کا زیادہ ہونا' چاند کا دو ٹکڑے ہوجانا' پتھروں کا کلام کرنا وغیرہ میں سے بعض معجزات وہ ہیں جن کے ساتھ چیلنج واقع ہوا اور بعض معجزات صرف آپ کی صداقت پر دلالت تھی کوئی چیلنج نہ تھا۔

ان تمام کا مجموعہ اس بات کا قطعی فائدہ دیتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے دست مبارک پر بہت سے خلاف عادت کام ظاہر ہوئے (یہ اسی طرح یقینی بات ہے) جس طرح حاتم طائی کی سخاوت اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی شجاعت یقینی ہے۔

اگرچہ انفرادی طور پر یہ معجزات ظنی ہیں کیونکہ یہ اخبار آحاد [1] سے ثابت ہیں لیکن اس کے ساتھ ساتھ نبی اکرم ﷺ کے بہت سے معجزات مشہور ہیں اور کثیر التعداد لوگوں نے ان کو روایت کیا ہے اور جو لوگ احادیث کا علم رکھتے ہیں

[1] خبر واحد وہ حدیث ہے جس کے راوی خبر مشہور اور خبر متواتر کی تعداد کو نہ پہنچیں۔

اور تاریخ واخبار کا اہتمام کرتے ہیں وہ جانتے ہیں کہ راویوں کی کثرت ' قطعیت کو لازم کرتی ہے اگرچہ دوسروں کے نزدیک وہ اس مقام کو نہ پہنچے کیونکہ وہ اس کا اہتمام نہیں کرتے اور اگر کوئی شخص یہ دعویٰ کرے کہ ان میں سے اکثر واقعات فکری قطعیت کا فائدہ دیتے ہیں تو یہ بات بعید از عقل نہیں کیونکہ اس بات میں شک نہیں کہ ہر طبقہ میں احادیث کو روایت کرنے والوں نے ان احادیث کو روایت کیا لیکن یہ بات محفوظ نہیں کہ ان کے کسی ساتھی نے اس روایت کی مخالفت کی ہو اور نہ ہی انہوں نے انکار اور اعتراض کیا۔

پس ان میں سے جو لوگ خاموش رہے وہ بولنے والوں کی طرح تھے۔

کیونکہ اجتماعی طور پر وہ لوگ باطل سے غفلت سے محفوظ تھے اور اگر فرض کیا جائے کہ ان میں سے بعض کی طرف سے کسی راوی پر طعن یا انکار ہوا ہے تو وہ راوی کے صدق یا جھوٹ کی تہمت کے سلسلے میں توقف کی جہت سے ہے یا اس کے حافظہ اور یادداشت یا غلطی کے امکان کی وجہ سے ہے لیکن ان کی طرف سے روایت پر طعن نہیں پایا گیا جس طرح ان کی طرف سے دوسرے فنون مثلاً احکام (فقہ) اور قرأتوں میں اختلاف واقع ہوا ہے۔ واللہ اعلم

معجزات کی عمومیت وانواع

جب تم نبی اکرم ﷺ کے معجزات اور واضح نشانیوں اور کرامات میں غور کرو گے تو تمہیں معلوم ہوگا کہ یہ معجزات علوی وسفلی' خاموش وناطق' ساکن ومتحرک' مائع اور ٹھوس' سابق ولاحق' غائب وحاضر' باطن وظاہر' فوری اور تاخیری سب اقسام کو شامل ہیں کہ اگر ان کو شمار کیا جائے تو بات طویل ہو جائے۔

جیسے شہاب ثاقب (ستاروں) سے شیطان کو مارنا اور اندھیرے میں شیطانوں کو کان لگا کر سننے سے منع کرنا پتھر اور درخت کا آپ کو سلام کرنا اور آپ کے سامنے آپ کی رسالت کی گواہی دینا۔

آپ کو "یا سیدی" کہہ کر پکارنا' خشک تنے کا رونا' آپ کی ہتھیلی سے وضو کے برتن اور دوسرے برتنوں میں پانی کا نکلنا' چاند کا دو ٹکڑے ہونا' اندھے پن سے بینائی لوٹانا' اونٹ اور بھیڑیئے وغیرہ کا گفتگو کرنا اور وہ نور جو حضرت آدم علیہ السلام کی پیشانی سے آپ کے والد ماجد کی پیشانی تک منتقل ہو کر آیا۔

اسی طرح بے شمار معجزات ہیں جن کو حاصل کرنے والوں نے حاصل کیا اور نقل کرنے والوں کی زبانوں سے نقل ہو کر آتے رہے (وہ اس قدر زیادہ ہیں کہ) اگر ہم ان کو شمار کرنے لگیں تو ان کے ذکر میں سیاہی ختم ہو جائے اور اگر پہلے اور پچھلے آپ کے مناقب کو اچھی طرح بیان کریں تو اللہ تعالیٰ نے جو کچھ آپ کو عطا فرمایا اس کا احاطہ کرنے سے عاجز ہو جائیں اور ان فضائل ومناقب کے سمندر میں غوطہ زن ہونے والا آپ کے بعض قابل فخر فضائل کا شمار بھی نہ کر سکے آپ کی تحسین کیلئے یہ شعر پڑھنا صحیح ہے:

وعلی تفنن واصفیہ لنعتہ — یفنی الزمان وفیہ مالم یوصف

"آپ کے مختلف اوصاف بیان کرنے میں زمانہ ختم ہو جائے اور آپ کے اوصاف بیان نہ ہو سکیں"۔

اور یہ اشعار بھی پڑھنے کے لائق ہیں:

فما بلغت کف امری متناولا — من المجد الا والذی نال اطول

ولا بلغ المهدون في القول مدحه ولو حذقوا الا الذی فیه افضل

"کسی آدمی کا ہاتھ بزرگی کے ایک حصے تک نہیں پہنچا مگر جس بزرگی کو حضور ﷺ نے پایا وہ بہت زیادہ ہے اور شاعری میں مہارت کے باوجود ہدیہ عقیدت پیش کرنے والے آپ کی مدح کو نہیں پہنچ سکے مگر آپ کا وہی وصف بیان کر پائے جس میں آپ افضل ہیں"۔

امام العارفین سیدی محمد وفا رحمہ اللہ کو اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا کرے انہوں نے کافی وشافی فرمایا:

ما شئت قل فیه فانت مصدق فالحب یقضی والمحاسن تشهد

"حضور ﷺ کے بارے میں جو تم چاہو کہو کیونکہ تم (آپ کے کمالات) کی تصدیق کرنے والے ہو' محبت کا فیصلہ ہے اور محاسن کی گواہی ہے"۔

امام الادیب امام شرف الدین بوصیری رحمہ اللہ نے کیا خوب فرمایا:

دع ما ادعته النصاری فی نبیهم واحکم بما شئت مدحاً فیه واحتکم

والسب الی ذاته ما شئت من شرف والسب الی قدره ما شئت من عظم

فان فضل رسول الله لیس ما حد فیعرب عنه ناطق بفم

"نصاریٰ نے اپنے نبی کے بارے میں جو دعویٰ کیا اسے چھوڑ دو (اور اس کے علاوہ) حضور ﷺ کی شان میں جو چاہے کہو۔ اور ان کی ذات کی طرف جو بزرگی چاہو منسوب کرو' اور ان کی عظمت کی طرف جو بڑائی چاہو منسوب کرو اس لئے رسول اللہ کی افضلیت غیر محدود ہے' اس کا احاطہ کسی زبان رکھنے والے کے بس میں نہیں۔"

مطلب یہ ہے کہ آپ کی تعریف کرنے والے اگرچہ انتہاؤں کی بلندیوں کو چھونے لگیں پھر بھی وہ حسب منشاء تعریف نہیں کر سکتے کیونکہ اس کی کوئی حد نہیں۔

منقول ہے کہ حضرت شیخ عمر بن فارض سعدی رحمہ اللہ کو خواب میں دیکھا گیا تو ان سے پوچھا گیا کہ آپ نے نبی اکرم ﷺ کی تعریف کیوں نہیں کی؟

تو انہوں نے فرمایا:

اری کل مدح فی النبی مقصرا وان بالغ المثنی علیه واکثرا

اذا الله اثنی بالذی هو اهله علیه فما مقدار ما یمدح الوری

"نبی اکرم ﷺ کی جتنی تعریف کی جائے کم ہے اگرچہ تعریف کرنے والا خوب مبالغہ کرے یا زیادہ کرے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی وہ تعریف فرمائی جو اس کے شایان شان ہے تو مخلوق کی تعریف کی مقدار کیا ہوگی؟"

شیخ بدرالدین زرکشی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہی وجہ ہے کہ بڑے بڑے متقدمین شعراء جیسے ابو تمام البحتری اور ابن رومی وغیرہ نبی اکرم ﷺ کی تعریف کے درپے نہیں ہوئے اور ان کے نزدیک آپ کی تعریف تک پہنچنا مشکل ترین کام

ہے اس لئے کہ معانی آپ کے مرتبہ سے نچلے درجہ میں ہیں اور اوصاف کو آپ کے وصف تک رسائی نہیں اور آپ کے حق میں جس قدر آگے بڑھیں کوتاہی ہی کوتاہی ہے پس کسی بلیغ شخص پر (آپ کی تعریف میں) میدانِ نظم میں نکلنا تنگ ہو جاتا ہے۔

اور تحقیق یہ ہے کہ جس قدر تعریفیں کسی شخص کی نسبت سے زائد فرض کرو گے وہ آپ کے حق میں سچی ہوں گی حتی کہ گویا شعراء نے آپ کی صفات پر اعتماد کیا اور آپ کی تعریفوں کا قصد کیا اور امام بوصیری رحمہ اللہ نے فرمایا: دع ما ادعة النصاری فی نبیھم۔ یعنی عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کو معبود بنایا تو تم اس بات کو چھوڑ دو (باقی جو چاہے تعریف کرو یعنی شریعت کے خلاف نہ ہو)۔

نیشاپوری رحمہ اللہ نے فرمایا: کہ عیسائیوں نے انجیل میں تعریف کی اور اس میں تھا: عیسی نبی وانا ولدته. حضرت عیسیٰ میرے نبی ہیں اور میں نے (حضرت مریم سے بغیر باپ کے) ان کی تخلیق فرمائی۔

تو انہوں نے نبی کو بنی بنا دیا یعنی با کو پہلے کر دیا اور ولدۃ میں لام کی تشدید (شد) ختم کر دی (تو معنیٰ ہوا حضرت عیسیٰ میرے بیٹے ہیں اور وہ مجھ سے پیدا ہوئے) تو کافروں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو۔

اگر تم کہو کہ کیا کسی نے ہمارے نبی ﷺ کے بارے میں بھی وہ دعویٰ کیا ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں کیا ہے؟

تو اس کا جواب یہ ہے کہ وہ اس جیسا دعویٰ کرنے لگے تھے جب انہوں نے عرض کیا کہ کیا ہم آپ کو سجدہ نہ کریں؟ آپ نے فرمایا: اگر میں کسی شخص کو حکم دیتا کہ وہ کسی انسان کو سجدہ کرے تو عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے خاوند کو سجدہ کرے۔ تو نبی اکرم ﷺ نے ان کو اس عمل سے روک دیا۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۱۴۰' جامع ترمذی رقم الحدیث: ۱۱۵۹' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۸۵۲۔۱۸۵۳' دلائل النبوۃ ج ۶ ص ۲۹' مسند احمد ج ۴ ص ۳۸۱۔ ج ۶ ص ۷۶' المستدرک ج ۴ ص ۱۸۷' الترغیب والترہیب ج ۳ ص ۵۶' الدر المنثور ج ۲ ص ۱۵۴' السنن الکبریٰ ج ۷ ص ۲۹۱' المعجم الکبیر ج ۵ ص ۲۳۷' مجمع الزوائد ج ۴ ص ۳۱۰' کشف الخفاء ج ۲ ص ۲۲۸' المغنی ج ۲ ص ۵۹' کنز العمال رقم الحدیث: ۴۴۷۷۳۔۴۴۷۷۶۔۴۴۸۰۰)

ابن ابی ہالہ کی روایت میں نبی اکرم ﷺ کے وصف کے سلسلے میں یوں آیا ہے: ولا یقبل الثناء الا من مکافی. اور آپ صرف اسی سے تعریف کو قبول کرتے جو آپ کی تعریف میں مبالغہ نہ کرتا۔

یعنی آپ کی تعریف میں حد سے نہ بڑھتا۔ ابن قتیبہ نے کہا اس کا مفہوم یہ ہے کہ وہ شخص جس پر آپ کا کوئی احسان ہوتا تو وہ اس کا بدلہ دیتا۔

ابن انباری نے اسے غلط قرار دیتے ہوئے کہا کہ کوئی ایسا شخص نہیں جس پر حضور علیہ السلام کا انعام واکرام نہ ہو کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا بس آپ کی تعریف کرنا سب پر لازم ہے اور اس کے بغیر کسی کا اسلام مکمل نہیں ہوتا وہ فرماتے ہیں: اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ آپ صرف اسی سے تعریف کو قبول فرماتے جس کی حقیقت اسلام سے آگاہ ہوتے۔

زمانے کے اعتبار سے معجزات کی تقسیم

جس طرح حضرت امام قسطلانی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے معجزات اور واضح نشانیوں اور کرامات کو تین اقسام میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

(۱) ماضی کے معجزات یعنی آپ کے وجود مسعود سے پہلے آپ کی بزرگی اور شرافت کی وجہ سے وقوع پذیر ہوئے۔

(۲) مستقبل میں واقع ہونے والے معجزات یعنی جب آپ اپنی قبر انور میں تشریف لے گئے۔

(۳) وہ معجزات جو آپ کے ساتھ ساتھ رہے جب آپ والدہ ماجدہ کے بطن اطہر میں تھے اور جب آپ کی ولادت ہوئی حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو فضیلت اور وہ مقام عطا فرمایا جہاں اخلاق جمع ہوتے ہیں۔

پہلی قسم

یعنی ماضی کے معجزات وہ ہیں جو آپ کے اس (بشری) وجود کے ظہور سے پہلے واقع ہوئے ان میں سے کچھ کا ذکر مقصد اوّل میں ہو چکا ہے جس طرح ہاتھی والا واقعہ وغیرہ۔

یہ واقعات آپ کی نبوت کی تاسیس اور رسالت کی بنیاد تھے۔ حضرت امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: معجزات کا تاسیس اور مقدمہ کے طور پر مقدم ہونا جائز ہے۔ وہ فرماتے ہیں اسی لئے سیرت نگار فرماتے ہیں کہ بادل آپ پر سایہ کرتے تھے یعنی نبوت سے پہلے سفر کے دوران ایسا ہوتا تھا۔

معتزلہ (اہل سنت کے خلاف فرقہ) کہتا ہے کہ (اعلانِ) رسالت سے پہلے معجزہ کا پایا جانا جائز نہیں۔

اس مقصد (بیان) کے شروع میں یہ بات گزر چکی ہے کہ جمہور ائمہ اصول اور دوسرے لوگوں کے نزدیک اس قسم کے واقعات جو دعویٰ نبوت سے پہلے ہوں ان کو معجزہ نہیں کہا جاتا بلکہ یہ رسالت کی تاسیس اور رسول کی کرامت واعزاز ہوتا ہے۔

دوسری قسم

یعنی وہ معجزات جو نبی اکرم ﷺ کے وصال کے بعد وقوع پذیر ہوئے وہ بہت زیادہ ہیں کیونکہ ہر وقت آپ کی امت کے خاص لوگوں کے لئے خلاف عادت واقعات ہوتے ہیں جس کا سبب آپ کی ذات گرامی ہے اور وہ آپ کی قدر ومنزلت کی عظمت پر دلالت ہیں اور یہ بے شمار ہیں جس طرح آپ کے وسیلہ سے مدد مانگنا وغیرہ یہ بات آخری مقصد میں آپ کی قبر انور کی زیارت کے بیان میں آئے گی۔

تیسری قسم

وہ معجزات جو نبی اکرم ﷺ کی حیات طیبہ کے ساتھ ساتھ رہے یعنی ولادت مبارکہ سے وفات شریف تک۔

جیسا کہ وہ نور جو آپ کے ساتھ ظاہر ہوا حتیٰ کہ اس سے شام کے محلات اور بازار روشن ہو گئے اور بصریٰ میں اونٹوں کی گردنیں دیکھی گئیں اور پرندے نے آپ کی والدہ ماجدہ کے دل کو چھوا حتیٰ کہ انہوں نے آپ کی ولادت پر کوئی تکلیف

محسوس نہ کی اور آپ کو آفاق کا چکر لگوایا گیا نیز اس کے علاوہ معجزات بھی ہیں۔

نیز کفار کے مطالبہ پر آپ کا چاند کو چیر دینا' جب دو درختوں کو بلایا تو وہ آ کر باہم مل گئے' تھوڑے سے زاد سفر سے بہت بڑے لشکر کو کھانا کھلایا اور ایسا کئی جگہ ہوا نیز بختیوں پر غلبہ پایا اور اس کے علاوہ بے شمار معجزات ہیں جن کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے آپ کی مدد کی اور آپ کو خلاف عادت امور کے ذریعے کرامت وعزت بخشی یہ آپ کی حجت کے قیام کے لئے تائید حجت کی طرف رہنمائی کی تمہید اور تمام امت میں آپ کی قیادت وسیادت کی تائید تھی۔

نیز آپ کے تشریف لے جانے کے بعد جو لوگ آئے ان میں سے جو غفلت سے باہر نکلے اس کو راہ راست پر رکھنے کا ایک ذریعہ ہے اگر ہم زیادہ تفصیل میں جائیں تو کتاب کا مقصود یعنی اختصار باقی نہیں رہے گا کیونکہ یہ بڑا وسیع میدان ہے اور مقصود کا حصول مشکل ہے لیکن میں مختصر طور پر بیان کروں گا اور اس دوران اہم جملوں کے ذریعے عظمت بیان کروں گا۔

معجزہ انشقاق قمر [1]

چاند کے پھٹ جانے والے معجزہ کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں ارشاد فرمایا:

اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ ۝ (القمر:١) قیامت قریب آ گئی اور چاند پھٹ گیا۔

اس سے یہ واقعہ مراد ہے جس کی تائید اس ارشاد خداوندی سے ہوتی ہے جو اس کے بعد ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَاِنْ یَّرَوْا اٰیَةً یُّعْرِضُوْا وَیَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ ۝ (القمر:٢) اور اگر وہ کوئی نشانی دیکھیں تو اعراض کرتے ہیں اور کہتے ہیں یہ جادو ہے جو جاری ہے۔

ظاہر یہی ہے کہ اس "انشق" سے مراد چاند کا پھٹ جانا ہے کیونکہ قیامت کے دن کفار یہ بات نہیں کہیں گے یعنی (سحر مستمر کے الفاظ) پس جب واضح ہوا کہ ان کا قول دنیا میں ہے تو اس سے ظاہر ہو گیا کہ چاند شق ہوا اور وہ نشانی جس کے بارے میں ان کا گمان تھا کہ یہ جادو ہے اس سے یہی (چاند کا پھٹ جانا) مراد ہے اور یہ بات واضح الفاظ میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث میں آئے گی۔

یہ بات بھی معلوم ہونی چاہیے کہ چاند کا پھٹ جانا ہمارے نبی اکرم ﷺ کے علاوہ کسی کے لئے نہیں ہوا اور یہ تمام معجزات کی اصل ہے اور تمام تفسیریں اور اہل سنت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ یہ معجزہ نبی اکرم ﷺ کے لئے وقوع پذیر ہوا۔

کیونکہ جب کفار قریش نے آپ کو جھٹلایا اور آپ کی تصدیق نہ کی تو انہوں نے آپ سے ایسی نشانی کا مطالبہ کیا جو آپ کے صدق دعویٰ کی دلیل ہو تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ عظیم نشانی عطا فرمائی کہ اس کی ایجاد انسان کے بس میں نہیں ہے۔

یہ اس بات کی دلیل ہے کہ آپ نے جو توحید خداوندی کا دعویٰ کیا اس میں آپ سچے ہیں اور اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک رب ہے۔

---

[1] (البدایہ والنہایہ ج٦ص٧٦)

اور وہ جن معبودوں کی پوجا کرتے ہیں وہ باطل ہیں' وہ نفع دے سکتے ہیں نہ نقصان اور عبادت صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی ہوتی ہے جس کا کوئی شریک نہیں۔

خطابی کہتے ہیں چاند کا شق ہونا بہت بڑی نشانی ہے اور انبیاء کرام علیہم السلام کے معجزات میں سے کوئی معجزہ اس کے برابر نہیں ہو سکتا اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ معجزہ آسمانوں کی دنیا میں ظاہر ہوا جو اس عالم کی طبیعتوں سے خارج ہیں جو عالم مختلف طبائع سے مرکب ہے اور یہ ان کاموں میں سے نہیں جن تک کسی حیلے کے ذریعے رسائی حاصل ہو سکے اس لئے اس کے ذریعے دلیل نبوت بہت ظاہر ہے۔

ابن عبدالبر نے کہا یہ حدیث صحابہ کرام کی بہت بڑی جماعت سے مروی ہے اسی طرح بے شمار تابعین نے بھی اسے روایت کیا ہے پھر ایک جم غفیر نے ان سے نقل کی حتیٰ کہ ہم تک پہنچ گئی اور قرآن مجید کی آیت کریمہ سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔

''مختصر ابن حاجب کی'' شرح میں علامہ ابن سبکی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: میرے نزدیک صحیح یہ ہے کہ چاند کا شق ہونا تواتر سے ثابت ہے اور قرآن مجید میں اس کا ذکر واضح الفاظ میں ہے۔ ''صحیح بخاری و مسلم اور ان کے علاوہ'' کتب حدیث میں متعدد طرق سے حضرت شعبہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ حضرت سلیمان سے وہ حضرت ابراہیم سے وہ حضرت ابو معمر اور وہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں پھر فرمایا: کہ اس کے دیگر کئی مختلف طرق بھی ہیں کہ اس کے حدیث متواتر ہونے میں کوئی شک نہیں۔

صحیح روایات میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت سے شق قمر کا معجزہ مروی ہے۔ ان صحابہ کرام میں حضرت انس' حضرت ابن مسعود' حضرت ابن عباس' حضرت علی المرتضیٰ' حضرت حذیفہ' حضرت جبیر بن مطعم' حضرت ابن عمر اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شامل ہیں۔

حضرت انس اور ابن عباس رضی اللہ عنہم اس واقعہ کے وقت موجود نہ تھے کیونکہ یہ واقعہ مکہ مکرمہ میں ہجرت سے تقریباً پانچ سال پہلے ہوا اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ابھی پیدا ابھی نہیں ہوئے تھے اور حضرت انس رضی اللہ عنہ اس وقت چار پانچ سال کے تھے لیکن مدینہ طیبہ میں تھے جبکہ دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ممکن ہے خود اس واقعہ کا مشاہدہ کیا ہو۔

''صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں'' حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اہل مکہ نے نبی اکرم ﷺ سے مطالبہ کیا کہ آپ ان کو کوئی نشانی دکھائیں تو آپ نے ان کو چاند دو ٹکڑے کر کے دکھایا حتیٰ کہ انہوں نے غار حراء کو چاند (کے دو ٹکڑوں) کے درمیان دیکھا (آدھا ایک طرف اور آدھا دوسری طرف تھا)۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ کے زمانے میں چاند دو ٹکڑوں میں تقسیم ہو گیا ایک حصہ پہاڑ کے اوپر تھا جبکہ دوسرا اس سے نیچے آپ نے فرمایا گواہ رہو۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۶۳۶۔ ۳۸۶۹۔۳۸۷۔۳۸۶۴۔۴۸۶۵' جامع ترمذی رقم الحدیث: ۲۱۸۳' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۴۳۔۴۴۔۴۵' مسند احمد ج ۱ ص ۳۷۷' دلائل النبوۃ ج ۲ ص ۲۶۴' الدر المنثور ج ۶ ص ۱۳۳' اتحاف السادۃ المتقین ج ۷ ص ۱۶۶' مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۵۸۵۵' دلائل النبوۃ ج ۱ ص ۹۵'

تفسیر ابن کثیر ج ۷ ص ۴۴۹' المعجم الکبیر ج ۱۰ ص ۹۴' مسند الحمیدی رقم الحدیث: ۸۵' مشکل الآثار ج ۱ ص ۳۰۲_۳۰۳)

''جامع ترمذی میں'' حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث اس آیت کریمہ: اقتربت الساعة وانشق القمر O (القمر:۱) قیامت قریب ہوگئی اور چاند دو ٹکڑے ہوگیا' کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کے زمانے میں چاند دو ٹکڑے ہوا ایک ٹکڑا پہاڑ سے ذرا نیچے اور دوسرا پہاڑ کے اوپر تھا۔ آپ نے فرمایا گواہ ہو جاؤ۔

حضرت امام احمد رحمہ اللہ' حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں انہوں نے فرمایا: کہ نبی اکرم ﷺ کے زمانے میں چاند دو ٹکڑوں میں بٹ گیا ایک ٹکڑا اس پہاڑ پر اور دوسرا اس پہاڑ پر تھا کفار نے کہا محمد ﷺ نے ہم پر جادو کر دیا پھر انہوں نے خود کہا کہ اگر ہم پر جادو کیا ہے تو وہ سب لوگوں پر تو جادو نہیں کر سکتے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ کے زمانے میں چاند کے دو ٹکڑے ہوئے تو کفار قریش نے کہا ابو کبشہ کے بیٹے (حضرت محمد ﷺ) کا جادو ہے۔ راوی فرماتے ہیں: انہوں نے کہا انتظار کرو سفر پر گئے ہوئے لوگ تمہارے لئے کیا خبر لاتے ہیں کیونکہ محمد ﷺ سب لوگوں پر جادو نہیں کر سکتے؟ فرماتے ہیں: جب مسافر لوگ آئے تو انہوں نے بھی ان کو اس واقعہ کی خبر دی۔

حضرت امام بیہقی رحمہ اللہ نے ان الفاظ کے ساتھ ذکر کیا ہے (فرماتے ہیں:) مکہ مکرمہ میں چاند کے دو ٹکڑے ہوئے تو کفار مکہ نے کہا ابو کبشہ کے بیٹے نے تم پر جادو کر دیا ہے پس باہر سے آنے والے مسافروں سے پوچھو اگر انہوں نے بھی وہ کچھ دیکھا ہو جو تم نے دیکھا ہے تو یہ سچے ہیں اور اگر انہوں نے وہ کچھ نہیں دیکھا تو یہ جادو ہے پس انہوں نے آنے والے مسافروں سے پوچھا اور وہ ہر طرف سے آئے تھے تو انہوں نے کہا ہم نے دیکھا ہے۔

ابو نعیم نے ''الدلائل میں'' ایک ضعیف حدیث حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کی ہے آپ فرماتے ہیں کہ مشرکین نبی اکرم ﷺ کے پاس جمع ہوئے ان میں ولید بن مغیرہ' ابو جہل' عاص بن وائل' اسود بن مطلب' نضر بن حارث اور ان جیسے دوسرے لوگ بھی تھے انہوں نے نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ اگر آپ سچے ہیں تو چاند کے دو ٹکڑے کر دیں آپ نے اپنے رب سے سوال کیا تو چاند دو ٹکڑے ہوگیا۔

''صحیح بخاری میں'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مختصر الفاظ میں اس طرح آیا ہے فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ کے زمانے میں چاند شق ہوا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اگرچہ اس واقعہ کا مشاہدہ نہیں کیا جیسا کہ پہلے گزر گیا لیکن اس کے بعض طرق میں اس طرح ہے کہ انہوں نے یہ حدیث حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے لی ہے۔

''صحیح مسلم میں بواسطہ'' حضرت شعبہ رضی اللہ عنہ' حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے اس لفظ کے ساتھ منقول ہے کہ ان لوگوں کو دو بار شق قمر دکھایا گیا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۸۶۷' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۴۶' مسند احمد ج ۳ ص ۲۰۷_۲۲۰)

اسی طرح ''مصنف عبدالرزاق میں'' حضرت معمر رضی اللہ عنہ سے دو مرتبہ کے الفاظ کے ساتھ منقول ہے۔

امام بخاری اور امام مسلم حضرت شعبہ کی حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت پر متفق ہیں جس میں دو ٹکڑوں کا ذکر

ہے۔جس طرح امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت جبیر رضی اللہ عنہ کی حدیث سے نقل کیا ہے (اس میں "فرقتین" کا لفظ ہے) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت میں (راء کی بجائے لام ہے یعنی) "فلقتین" ہے حضرت جبیر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں "فانشق باثنتین" ہے (دو حصوں میں بٹ گیا)۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی جو روایت ابو نعیم نے "الدلائل میں" نقل کی ہے اس میں ہے "فصار قمرین" (دو چاند ہو گئے)۔

حافظ ابوالفضل العراقی کی نظم سیرت میں ہے "وانشق مرتین بالاجماع" (بالاتفاق دو مرتبہ چاند شق ہوا)۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: میرے خیال میں "بالاجماع" کا تعلق "انشق" کے ساتھ ہے "مرتین" کے ساتھ نہیں کیونکہ میرے علم کے مطابق علمائے حدیث کے نزدیک حضور علیہ السلام کے زمانے میں چاند کا متعدد بار شق ہونا قطعی نہیں اور شاید "مرتین" (دو چاند) کہنے والوں کا مطلب "فرقتین" (دو ٹکڑے) ہو مختلف روایات کو صرف اسی طرح جمع کیا جا سکتا ہے۔

"صحیح بخاری میں" حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: کہ ہم اس وقت منیٰ میں تھے اور یہ قول حضرت انس رضی اللہ عنہ کے اس قول کے خلاف نہیں جس میں انہوں نے فرمایا: کہ یہ واقعہ مکہ مکرمہ میں ہوا۔ انہوں نے اس بات کی وضاحت نہیں کی کہ نبی اکرم ﷺ اس رات مکہ مکرمہ میں تھے پس ان کی مراد یہ ہے کہ چاند کے دو ٹکڑے ہونے کا واقعہ اس وقت ہوا جب صحابہ کرام مکہ مکرمہ میں تھے اور انہوں نے ہجرت نہیں کی تھی۔ واللہ اعلم

معجزہ انشقاق قمر کے منکرین

بدعتیوں کی ایک جماعت نے اسی طرح اس معجزے کا انکار کیا جس طرح جمہور فلاسفہ اس کے منکر ہیں۔

ان لوگوں کی دلیل یہ ہے کہ اجرام علویہ میں کھلنے اور جڑ جانے کا انتظام نہیں اسی طرح وہ شب معراج میں آسمانوں کے دروازے کھلنے کے بارے میں بھی کہتے ہیں اور اس کے علاوہ (دیگر) امور کے بارے میں بھی۔

ان لوگوں کا جواب یہ ہے کہ اگر وہ کافر ہیں تو پہلے دین اسلام کے ثبوت پر مناظرہ کریں اگر یہ بات پایۂ تکمیل کو پہنچ جائے تو وہ ان دوسرے لوگوں کے ساتھ شریک ہوں گے جو مسلمان ہیں لیکن انکار کرتے ہیں اور جب مسلمان ایک معجزہ کو تسلیم کرے اور دوسرے سے انکار کرے تو اس سے تناقض لازم آتا ہے اور پھر قرآن مجید میں جو قیامت کے دن اجرام سماویہ کے پھٹنے اور جڑنے کا ذکر ہے اس کا انکار نہیں کیا جا سکتا اور جب یہ بات ثابت ہو گئی تو لازم ہوا کہ یہ واقعہ نبی اکرم ﷺ کے معجزہ کے طور پر واقع ہوا ہے۔

متقدمین نے بھی اس کا جواب دیا ہے ابو اسحاق الزجاج نے "معانی القرآن میں" فرمایا: کہ بعض بدعتی جو ملت اسلامیہ کے مخالفین کی حمایت کرتے ہیں انہوں نے چاند کے دو ٹکڑے ہونے کا انکار کیا اور اس میں عقلی طور پر انکار نہیں ہو سکتا کیونکہ چاند اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے اور اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں جس طرح تصرف کرنا چاہے کر سکتا ہے۔ جس طرح وہ اسے

قیامت کے دن بے روشن اور فنا کر دے گا۔

بعض بے دین کہتے ہیں اگر یہ روایت صحیح ہوتی تو تواتر کے ساتھ نقل ہوتی اور اس کی معرفت میں تمام لوگ شریک ہوتے اہل مکہ کے ساتھ خاص نہ ہوتا کیونکہ یہ معجزہ محسوسات میں سے ہے اور مشاہدہ سے تعلق رکھتا ہے تو سب لوگ اس میں شریک ہوتے۔ حدیث غریب کو نقل کرنے کے کئی اسباب ہو سکتے ہیں اسی طرح غیر معروف بات بھی نقل ہو سکتی ہے اگر اس کی کوئی اصل ہوتی تو علم ہیئت اور علم نجوم کی کتابوں میں اس کا ذکر ہوتا کیونکہ اس قسم کے عظیم الشان اور واضح واقعہ کے ترک پر وہ لوگ متفق نہیں ہو سکتے۔

خطابی وغیرہ نے اس کا جواب یوں دیا ہے کہ یہ واقعہ ان امور سے نکلا ہے جس کا انہوں نے ذکر کیا کیونکہ خاص لوگوں نے اس کا مطالبہ کیا پس یہ رات کے وقت وقوع پذیر ہوا اس لئے کہ چاند رات کو نظر آتا ہے اور رات کے وقت لوگ سوئے ہوئے ہوتے ہیں اور گھروں میں ہوتے ہیں اور جو لوگ صحرا میں ہوں اگر وہ جاگتے بھی ہوں تو ممکن ہے وہ قصے کہانیوں میں مشغول ہوں۔

اور یہ بات (عقل سے) بعید ہے کہ وہ چاند کے مراکز کا ارادہ کریں اس کی طرف دیکھیں اور اس سے غافل نہ ہوں اور یہ بات جائز ہے کہ یہ معجزہ واقع ہوا اور اکثر لوگوں کو اس کا پتہ نہ چلا اسے تو صرف ان لوگوں نے دیکھا جنہوں نے اسے دیکھنے کی خواہش کی اور اس کے درپے ہوئے اور شاید یہ پلک جھپکنے کے برابر ہوا ہو اور اس وقت چاند کسی منزل میں ہو سکتا ہے کہ آفاق میں بعض کے لئے ظاہر ہوا اور بعض کے لئے نہ ہو جس طرح کسی قوم کے لئے ظاہر ہوتا ہے اور کسی سے غائب اور جیسا کہ بعض علاقوں میں گرہن ہوتا ہے دوسرے علاقوں میں نہیں ہوتا۔

خطابی نے نبی اکرم ﷺ کے ان معجزات کے سلسلے میں عجیب اور عمدہ بات کہی ہے کہ جو حد تواتر کو اس طرح نہیں پہنچے کہ ان میں کوئی اختلاف نہ ہو جس طرح قرآن مجید میں کوئی اختلاف نہیں (انہوں نے کہا) ''ہر نبی کو معجزہ ملا جب وہ عام ہوا تو اس کے بعد اسے جھٹلانے والے عذاب میں مبتلا ہوئے جب کہ نبی اکرم ﷺ تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجے گئے پس آپ کا وہ معجزہ جسے چیلنج کیا گیا وہ عقلی تھا تو وہ اس قوم سے مختص تھا جن میں سے آپ کو مبعوث کیا گیا کیونکہ ان کو زیادہ عقل اور زیادہ سمجھ عطا کی گئی اگر اس کا ادراک عام ہوتا تو جھٹلانے والوں کو عذاب دیا جاتا جس طرح ان سے پہلے لوگوں کو عذاب میں مبتلا کیا گیا۔

ابن عبدالبر نے بھی اسی قسم کا جواب دیا ہے۔

تنبیہ

بعض واعظین اور قصہ گو لوگوں نے کہا کہ چاند نبی اکرم ﷺ کے گریبان میں داخل ہوا اور آستین سے نکل گیا تو اس کی کوئی اصل نہیں جس طرح شیخ بدرالدین زرکشی نے اپنے شیخ عماد بن کثیر سے نقل کیا ہے۔

سورج کولوٹانا[1]

سورج کولوٹانے کے سلسلے میں حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ پر وحی نازل ہو رہی تھی اور آپ کا سر انور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی گود مبارک میں تھا اور انہوں نے عصر کی نماز نہیں پڑھی تھی حتیٰ کہ سورج غروب ہو گیا' نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: اے علی! آپ نے نماز پڑھ لی ہے؟ انہوں نے عرض کیا نہیں پڑھی' نبی اکرم ﷺ نے بارگاہ خداوندی میں عرض کیا:

یا اللہ! یہ تیری اطاعت اور تیرے رسول ﷺ کی فرمانبرداری میں تھے پس ان پر سورج کولوٹا دے حضرت اسماء رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں میں نے دیکھا کہ سورج غروب ہوا پھر میں نے اسے غروب ہونے کے بعد طلوع ہوتے ہوئے دیکھا اور پہاڑوں اور زمین پر دھوپ ہو گئی اور یہ خیبر کے قریب مقام صہباء پر ہوا۔ (اللالی المصنوعہ ج۱ص ۳۳۷' البدایہ والنہایہ ج۶ص ۸۰۔۸۱۔۸۵' تذکرۃ الموضوعات رقم الحدیث: ۹۶' تفسیر قرطبی ج۱۵ص ۱۹۷' مشکل الآثار ج۲ص ۹۔ ج۳ص ۳۸۸)

امام طحاوی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو"مشکل الحدیث میں" نقل کیا جس طرح قاضی عیاض رحمہ اللہ نے "الشفاء میں" ذکر کیا اور فرمایا: کہ امام طحاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: کہ احمد بن صالح کہا کرتے تھے کہ کسی اہل علم کے لئے مناسب نہیں کہ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کی اس حدیث کو یاد نہ کرے کیونکہ یہ علامات نبوت سے ہے۔ بعض حضرات نے فرمایا: کہ یہ حدیث صحیح نہیں۔ اگر قاضی عیاض رحمہ اللہ نے اسے "الشفاء میں" حضرت امام طحاوی رحمہ اللہ سے دوسندوں سے نقل کیا ہے تو ابن جوزی نے "الموضوعات میں" اسے ذکر کر کے کہا کہ یہ بلاشبہ موضوع ہے اور اس کی سند میں احمد بن داؤد ہے جو متروک الحدیث اور جھوٹا ہے۔ جس طرح امام دارقطنی نے فرمایا اور ابن حبان نے کہا کہ یہ شخص حدیث گھڑتا ہے۔

ابن جوزی نے کہا کہ اس حدیث کو ابن شاہین نے ذکر کیا اور کہا کہ یہ حدیث باطل ہے اور یہ بھی کہا کہ اسے گھڑنے والے نے اس کی فضیلت کی صورت کو دیکھا لیکن اس کے غیر مفید ہونے کی طرف توجہ نہیں کی کیونکہ سورج غروب ہو جانے سے عصر کی نماز قضاء ہو جاتی ہے اور اب وہ ادا کی شکل میں نہیں لوٹتی۔

ابن تیمیہ نے رافضیوں کے رد میں ایک کتاب تصنیف کی ہے۔ جس میں اس حدیث کو اس کی تمام سندوں کے ساتھ نقل کرنے کے بعد اسے موضوع قرار دیا اور قاضی عیاض رحمہ اللہ پر تعجب کا اظہار کیا کہ انہوں نے اپنی جلالت شان اور علوم حدیث میں عظیم المرتبت ہوتے ہوئے بھی اس کی صحت کا وہم کرتے ہوئے خاموشی اختیار کی اسے ثابت مانتے ہوئے نقل کیا اور اس کے راویوں پر اعتماد کیا۔

ہمارے شیخ (امام سخاوی رحمہ اللہ) فرماتے ہیں: اس حدیث کی کوئی اصل نہیں اور ابن جوزی نے ان کی اتباع کرتے ہوئے اسے موضوعات میں شمار کیا۔

لیکن امام طحاوی رحمہ اللہ اور قاضی عیاض رحمہ اللہ نے اس کو صحیح قرار دیا اور ابن شاہین نے اسے حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا کی روایت سے اور ابن مردویہ نے حضرت ابوہریرہ کی روایت سے نقل کیا۔

---

[1] (البدایہ والنہایہ ج۶ص ۸۰۔۲۸۶)

امام طبرانی نے اسے اپنی معجم کبیر میں سند حسن کے ساتھ نقل کیا جس طرح شیخ الاسلام ابن عراقی نے ''شرح التقریب میں'' حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا کی حدیث سے نقل کیا اس کے الفاظ اس طرح ہیں۔

نبی اکرم ﷺ نے مقام صہبا میں ظہر کی نماز پڑھی پھر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو کسی کام کے لئے بھیجا وہ واپس آئے تو نبی اکرم ﷺ عصر کی نماز پڑھ چکے تھے چنانچہ آپ نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی گود میں سر انور رکھا اور آرام فرما ہوئے انہوں نے آپ کو نہ جگایا حتیٰ کہ سورج غروب ہو گیا چنانچہ حضور علیہ السلام نے دعا مانگی۔

''یا اللہ! تیرے بندہ علی المرتضیٰ نے اپنے آپ کو تیرے نبی ﷺ کے لئے روک رکھا تھا اس پر سورج کو لوٹا دے''۔

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: پس سورج ظاہر ہو گیا حتیٰ کہ پہاڑوں اور زمین پر دھوپ ہو گئی' حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اٹھے اور وضو کر کے عصر کی نماز پڑھی پھر سورج غروب ہو گیا اور یہ واقعہ مقام صہبا میں ہوا۔

ایک دوسری روایت کے الفاظ اس طرح ہیں کہ جب نبی اکرم ﷺ پر وحی نازل ہوتی تو آپ پر غشی طاری ہو جاتی ایک دن آپ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی گود میں (سر رکھے ہوئے) تھے کہ اللہ تعالیٰ نے وحی نازل فرمائی آپ نے پوچھا اے علی! عصر کی نماز پڑھ چکے ہو؟ عرض کیا یا رسول اللہ! نہیں پڑھی۔ پس آپ نے دعا مانگی تو اللہ تعالیٰ نے سورج کو ان پر لوٹا دیا حتیٰ کہ انہوں نے نماز عصر پڑھی' حضرت اسماء رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: میں نے سورج کو غروب ہونے کے بعد طلوع ہوتے دیکھا جب اسے لوٹایا گیا حتیٰ کہ حضرت علی کرم اللہ نے نماز عصر پڑھی۔

امام طبرانی نے اس کو ''معجم اوسط میں'' بھی حسن سند کے ساتھ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے سورج کو حکم دیا تو وہ دن کی ایک ساعت میں رک گیا۔

یونس بن بکیر نے ''زیادۃ المغازی میں'' حضرت محمد ابن اسحاق سے نقل کیا جو قاضی عیاض رحمہ اللہ نے ذکر کیا کہ جب نبی اکرم ﷺ کو معراج کرایا گیا اور آپ نے قافلے والوں اور ان کی نشانی کے بارے میں اپنی قوم کو بتایا تو انہوں نے پوچھا وہ کب آئے گا؟ فرمایا: ''بدھ کے دن'' جب وہ دن آیا تو قریش انتظار کرنے لگے دن نکلنے لگا اور وہ نہ آئے نبی اکرم ﷺ نے دعا مانگی تو آپ کے لئے دن میں ایک ساعت کا اضافہ کر دیا گیا اور سورج رک گیا۔ (الشفاء ج ۱ ص ۲۸۴)

لیکن یہ بات اس حدیث کے خلاف ہے جس میں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا۔

سورج حضرت یوشع بن نون علیہ السلام کے علاوہ کسی پر نہیں روکا گیا یعنی جب وہ جمعہ کے دن قوم جبارین سے لڑ رہے تھے جب سورج نے پیٹھ پھیری تو آپ کو خوف ہوا کہ کہیں ہماری فراغت سے پہلے یہ غروب نہ ہو جائے اس طرح ہفتہ کا دن داخل ہو جائے گا تو اب ان سے لڑنا جائز نہ ہوگا چنانچہ آپ نے دعا فرمائی تو سورج آپ پر لوٹا دیا گیا حتیٰ کہ آپ ان کے ساتھ لڑائی سے فارغ ہوئے۔ [1]

حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ یہ حضرت یوشع علیہ السلام کے خصائص سے ہے پس یہ ان

---

[1] یہ بات صحیح نہیں کیونکہ تین روایات حسن سند کے ساتھ پہلے گزر چکی ہیں (لہٰذا اسے غیر صحیح یا غیر حسن قرار دینا غلط ہے)۔

(زرقانی ج ۵ ص ۱۱۷)

حدیث کے ضعف پر دلالت ہے جو ہم نے نقل کی کہ سورج واپس لوٹا اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے نماز عصر ادا کی۔

احمد بن صالح مصری نے اسے صحیح قرار دیا لیکن یہ حدیث منکر ہے (ضعیف ہے) اور اس سلسلے میں صحیح اور حسن روایت نہیں ہے اور اس حدیث کو نقل کرنے کے اسباب زیادہ ہیں اور اسے نقل کرنے والی اہل بیت کی ایک خاتون ہیں جو مجہول ہیں ان کی حالت معلوم نہیں۔ [1]

دونوں قسم کی احادیث کو یوں جمع کیا جاسکتا ہے کہ آپ کا مقصد یہ تھا کہ میرے علاوہ صرف حضرت یوشع بن نون علیہ السلام کے لئے سورج کو روکا گیا اور کسی کے لئے نہیں روکا گیا۔

اسی طرح ہمارے نبی اکرم ﷺ کے لئے غزوۂ خندق کے دن سورج کا رک جانا بھی ثابت ہے جب آپ کی نماز عصر رہ گئی پس سورج کا رک جانا ہمارے نبی ﷺ اور حضرت یوشع علیہ السلام کے ساتھ مخصوص ہوگا جیسا کہ قاضی عیاض رحمہ اللہ نے ''الاکمال میں'' نقل کیا اور امام طحاوی رحمہ اللہ کی ''مشکل الاثار کی'' طرف منسوب کیا امام نووی رحمہ اللہ نے ''شرح مسلم میں حل الغنائم کے باب میں'' حضرت قاضی عیاض رحمہ اللہ سے نقل کرتے ہوئے ذکر کیا اسی طرح حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے احادیث الرافعی کی تخریج کے ضمن میں ''باب الاذان'' میں ذکر کیا اور مغلطائی نے ''الزہر الباسم میں'' نقل کیا اور ان سب نے اس کو (کسی اعتراض کے بغیر) برقرار رکھا۔

اس پر اعتراض کیا گیا کہ صحیح بخاری وغیرہ میں یہ بات ثابت ہے کہ واقعہ خندق میں نبی اکرم ﷺ نے عصر کی نماز غروب آفتاب کے بعد پڑھی تھی جیسا کہ غزوات کے بیان میں گزر چکا ہے۔ [2]

امام بغوی نے اپنی تفسیر میں ذکر کیا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے لئے بھی سورج کو روکا گیا تھا' قرآن مجید میں ہے آپ نے فرمایا:

ردوھا علی۔ [3] ان کو میری طرف واپس لاؤ۔

(تفسیر بغوی ج ۴ ص ۵۲' سورہ ص: ۳۳)

اس سلسلے میں ہم پر یہ اعتراض ہوسکتا ہے کہ اس آیت میں سورج کا ذکر نہیں پس ''الصافنات الجیاد'' عمدہ گھوڑے مراد ہوں گے۔ واللہ اعلم

حضرت قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس جگہ سورج کو روکنے کے سلسلے میں اختلاف ہے پس کہا گیا کہ وہ اپنی حالت

---

[1] امام زرقانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ بات بھی محل نظر ہے کیونکہ اس حدیث کو ایک جماعت نے متعدد طرق کے ساتھ روایت کیا ہے۔

(زرقانی ج ۵ ص ۱۱۷)

[2] علامہ زرقانی (شرح زرقانی ج ۵ ص ۱۱۸) فرماتے ہیں: یہ کسی دوسرے دن کی بات ہوگی کیونکہ غزوہ خندق کئی دن رہا لہٰذا حدیث پر کوئی اعتراض نہیں۔ ۱۲ ہزاروی

[3] حضرت سلیمان علیہ السلام کے سامنے عمدہ گھوڑے پیش کئے گئے آپ ان کی طرف متوجہ تھے عصر کی نماز کا وقت چلا گیا تو اللہ تعالیٰ نے سورج واپس لوٹا دیا اور پھر آپ نے ان گھوڑوں کو ذبح کردیا کہ ان کی وجہ سے نماز میں تاخیر ہوئی تھی۔ ۱۲ ہزاروی

پر چل رہا تھا کہ واپس لوٹایا گیا اور یہ بھی کہا گیا کہ ٹھہرایا گیا فرمایا نہیں گیا ایک قول یہ ہے کہ اس کی حرکت ورفتار کمزور ہوگئی۔

قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ تمام باتیں نبوت کے معجزات سے ہیں۔

جمادات نے نبی اکرم ﷺ کا حکم مانا

یہ جو مروی ہے کہ جمادات نے آپ کا حکم مانا اور تسبیح کے ذریعے کلام کیا اور اس کے علاوہ امور جن پر احادیث گواہ ہیں تو ان میں سے ایک واقعہ کھانے اور کنکریوں کا آپ کی مبارک ہتھیلی میں تسبیح پڑھنا ہے۔

(البدایہ والنہایہ ج ۶ ص ۱۳۸' دلائل النبوۃ ج ۶ ص ۶۴)

محمد بن یحییٰ الذہلی نے ''الزہریات میں'' نقل کیا' فرماتے ہیں: ہمیں ابوالیمان نے خبر دی وہ فرماتے ہیں: ہم سے حضرت شعیب نے حضرت زہری سے نقل کرتے ہوئے بیان کیا حضرت زہری فرماتے ہیں: ولید بن سویدان نے بنو سلیم کے ایک بوڑھے شخص کا ذکر کیا جس نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کو ربذہ مقام پر پایا تھا وہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتا ہے آپ فرماتے ہیں:

میں ایک دن دوپہر کے وقت (سخت گرمی میں) نکلا تو معلوم ہوا کہ نبی اکرم ﷺ اپنے خانہ اقدس سے باہر تشریف لے گئے ہیں میں نے خادم سے آپ کے بارے میں پوچھا تو اس نے مجھے بتایا کہ آپ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرۂ مبارکہ میں ہیں میں آیا تو آپ تنہا بیٹھے ہوئے تھے اور آپ کے پاس کوئی دوسرا شخص نہ تھا میرا خیال ہے کہ اس وقت آپ حالتِ وحی میں تھے میں نے سلام پیش کیا تو آپ نے اس کا جواب دیا پھر فرمایا تمہیں کون لایا ہے؟ میں نے عرض کی اللہ اور اس کے رسول (یعنی ان کی محبت کی وجہ سے آیا ہوں)۔

آپ نے مجھے بیٹھنے کا حکم دیا تو میں آپ کے پاس بیٹھ گیا نہ میں نے آپ سے کوئی سوال کیا اور نہ آپ نے مجھے کوئی جواب دیا میں تھوڑی دیر ہی ٹھہرا تھا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تیز تیز چلتے ہوئے حاضر ہوئے اور سلام کیا نبی اکرم ﷺ نے سلام کا جواب دینے کے بعد فرمایا: کیسے آئے ہو؟ عرض کیا اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول مجھے لائے ہیں (ان کی محبت میں آیا ہوں) آپ نے ہاتھ سے بیٹھنے کا اشارہ کیا آپ' نبی اکرم ﷺ کے مقابل اونچی جگہ بیٹھ گئے پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ حاضر ہوئے انہوں نے بھی اسی طرح کیا پھر حضور علیہ السلام نے ان سے وہی بات فرمائی تو وہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پہلو میں بیٹھ گئے پھر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ حاضر ہوئے تو حضرت فاروق رضی اللہ عنہ کے پہلو میں بیٹھ گئے اس کے بعد نبی اکرم ﷺ نے سات یا نو یا اس کے قریب کنکریاں اپنی مٹھی میں لیں تو انہوں نے تسبیح پڑھی حتیٰ کہ ان کے رونے کی آواز آئی جس طرح کھجور کا خشک تنا (آپ کے فراق میں) رویا تھا۔ پھر وہ کنکریاں مجھے چھوڑ کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو دے دیں تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں بھی کنکریوں نے تسبیح پڑھی پھر ان سے لے کر ان کو زمین پر رکھا تو ان کی آواز بند ہوگئی اور وہ کنکریاں بن گئیں پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو پکڑا دیں تو ان کی ہتھیلی میں بھی اسی طرح تسبیح پڑھی جس طرح حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ہتھیلی میں تسبیح کرتی تھیں پھر ان سے لے کر زمین پر رکھا تو وہ خاموش ہوگئیں اس کے بعد آپ نے وہ کنکریاں حضرت عثمان غنی کو دے دیں تو انہوں

نے ان کی ہتھیلی میں تسبیح پڑھی جس طرح حضرت ابوبکر اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کے ہاتھ میں تسبیح پڑھی تھی پھر ان کو پکڑ کر زمین پر رکھ دیا تو وہ خاموش ہو گئیں۔ (تاریخ دمشق ج ۲ ص ۱۰۸' الشفاء ج ۱ ص ۳۰۶)

حضرت حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: کنکریوں کا تسبیح پڑھنا زبانوں پر مشہور ہے۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ نے سات کنکریاں پکڑیں تو انہوں نے آپ کے دست مبارک میں تسبیح پڑھی حتیٰ کہ ان سے رونے کی آواز سنائی دی پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں رکھ دیں تو انہوں نے تسبیح کی پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں رکھیں تو وہ تسبیح کہنے لگیں پھر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں دیں تو انہوں نے تسبیح کہی۔

اس حدیث کو امام بزار نے اور امام طبرانی نے ''اوسط میں'' ذکر کیا ہے۔ طبرانی کی روایت میں ہے کہ جو لوگ وہاں مجلس میں موجود تھے انہوں نے کنکریوں کی تسبیح کو سنا پھر ہمیں عطا فرمائیں تو انہوں نے ہم میں سے کسی کے پاس تسبیح نہیں پڑھی۔

امام بیہقی نے ''الدلائل میں'' فرمایا: کہ صالح بن ابی الاخضر نے اسی طرح روایت کیا لیکن وہ حافظ نہیں وہ حضرت زہری سے وہ سوید بن یزید سلمی سے وہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔ (دلائل النبوۃ ج ۶ ص ۶۵)

اور جو محفوظ ہے وہ حضرت شعیب کی روایت ہے وہ حضرت ابوحمزہ سے اور وہ حضرت زہری سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ ولید بن سوید نے ذکر کیا کہ بنو سلیم کا ایک شخص جو بوڑھا تھا (آگے وہی بات ہے)۔

کنکریوں کی تسبیح کے سلسلے میں حدیث کی یہی ایک سند ہے اور یہ ضعیف ہے لیکن یہ حدیث لوگوں میں مشہور ہے۔

حضرت سید محمد وفا رحمہ اللہ نے کیا اچھی بات کہی ہے:

لسبحة ذاک الوجه قد سبح الحصا ومن سح سحب الکف قد سبح الرعد

''اس نورانی چہرے کی وجہ سے کنکریوں نے اللہ تعالیٰ کی تسبیح کی اور آپ کی عطاء کے بادلوں کی وجہ سے کڑک نے تسبیح کی''۔

ایک دوسرے شاعر نے کہا:

یا حبذا لو لثمت کفا قد سبحت وسطها الحصاء

''کیا ہی اچھا ہوتا کہ میں اس ہاتھ کو بوسہ دیتا جس کے اندر کنکریوں نے تسبیح پڑھی ہے''۔

کھانے کی تسبیح

امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے وہ فرماتے ہیں: ہم' نبی اکرم ﷺ کے ہمراہ کھانا کھا رہے تھے اور ہم کھانے کی تسبیح سن رہے تھے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۵۷۹' جامع ترمذی رقم الحدیث: ۳۶۳۳' سنن دارمی رقم الحدیث: ۵' مسند احمد ج ۱ ص ۴۶۰' الشفاء ج ۱ ص ۳۰۶' التمہید ج ۱ ص ۲۰۹' البدایۃ والنہایۃ ج ۶ ص ۱۰۱)

حضرت جعفر بن محمد اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ علیل ہو گئے تو حضرت جبریل علیہ السلام ایک تھال لے کر آئے جس میں انار اور انگور تھے آپ نے اس سے تناول فرمایا تو اس نے تسبیح کہی۔

(الشفاء ج ا ص ۳۰۷)

یہ روایت حضرت قاضی عیاض رحمہ اللہ نے ''الشفاء میں'' نقل کی ہے اور ان سے ابو الفضل ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے ''فتح الباری میں'' نقل فرمائی ہے۔

تسبیح ایسے الفاظ ہیں جو اللہ تعالیٰ کی پاکیزگی پر دلالت کرتے ہیں اور الفاظ حقیقتاً اس سے پائے جاتے ہیں جس کے ساتھ لفظ قائم ہوتا ہے اور جس کے ساتھ قائم نہ ہو وہاں مجازی طور پر پائے جاتے ہیں۔

پس کھانا' کنکری اور درخت اسی طرح ہیں اور یہ سب اسی اعتبار سے متکلم ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان میں کلام کی طاقت پیدا فرمائی۔ اور یہ خلاف عادت ہے (یعنی آپ ﷺ کا معجزہ ہے) اور صحابی کا یہ فرمانا کہ ہم تسبیح سن رہے تھے اس بات کی واضح دلیل ہے کہ اس تسبیح کو سننے اور سمجھنے کے ذریعے صحابہ کرام کو عزت و اکرام حاصل ہوا اور یہ نبی اکرم ﷺ کی برکت تھی۔

پتھر کا سلام کرنا [1]

نبی اکرم ﷺ کے معجزات میں سے ایک معجزہ یہ بھی ہے کہ پتھر نے آپ کو سلام کیا' رسول اکرم ﷺ فرماتے ہیں:

انی لاعرف حجرا بمکۃ کان یسلم علی قبل ان ابعث انی لاعرفہ الان. [2]

میں اس پتھر کو جانتا ہوں جو اعلان نبوت سے پہلے مکہ مکرمہ میں مجھے سلام کرتا تھا میں اب بھی اس کو پہچانتا ہوں۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۷۸۳' سنن داری ج ا ص ۱۲' مسند احمد ج ۵ ص ۸۹۔ ۹۵' الشفاء ج ا ص ۳۰۷' المعجم الکبیر ج ۲ ص ۲۵۷' المعجم الصغیر ج ا ص ۶۲' دلائل النبوۃ ج ۲ ص ۱۵۳' السیرۃ لابن ہشام ج ا ص ۲۵۲۔ ۲۵۳' طبقات ابن سعد ج ا ص ۱۵۷' مشکوۃ المصابیح رقم الحدیث: ۵۸۵۳' اتحاف السادۃ المتقین ج ۷ ص ۱۹۲' تاریخ دمشق ج ۲ ص ۸۴' دلائل النبوۃ رقم الحدیث: ۱۳۳' شرح السنہ ج ۱۳ ص ۲۸۷' کنز العمال رقم الحدیث: ۳۲۰۰۰)

اس پتھر کے بارے میں اختلاف ہے کہا گیا ہے کہ یہ حجر اسود ہے۔ یہ بھی کہا گیا کہ کوئی دوسرا پتھر تھا جو راستے میں تھا اور لوگ اس کو چھو کر برکت حاصل کرتے تھے اور کہتے تھے یہی وہ پتھر ہے جو نبی اکرم ﷺ کو سلام کرتا تھا جب آپ وہاں سے گزرتے۔

امام ابو عبداللہ محمد بن رشید نے اپنے (چھ جلدوں پر مشتمل) سفرنامہ مسمّٰی ''مل العیبہ'' میں ذکر کیا جو ''شفاء الغرام فی تاریخ البلد الحرام'' سے نقل کیا گیا' علم الدین احمد بن ابوبکر بن خلیل فرماتے ہیں: مجھے میرے چچا حضرت سلیمان نے خبر دی

[1] (دلائل النبوۃ ج ۶ ص ۶۹)

[2] یہ پتھر ''الصلوۃ والسلام علیک یا رسول اللہ'' پڑھتا تھا۔ (زرقانی ج ۵ ص ۱۲۲)

وہ فرماتے ہیں: مجھے محمد بن اسماعیل بن ابو الصیف نے خبر دی وہ فرماتے ہیں مجھے ابو حفص المیانشی نے خبر دی وہ فرماتے ہیں مجھے ہر اس شخص نے خبر دی جس سے مکہ مکرمہ میں میری ملاقات ہوئی کہ یہ (مذکورہ) پتھر وہی ہے جو نبی اکرم ﷺ سے کلام کرتا تھا۔ [1]

امام ترمذی دارمی اور حاکم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا اور (امام حاکم نے) اسے صحیح قرار دیا وہ فرماتے ہیں میں مکہ مکرمہ میں نبی اکرم ﷺ کے ساتھ چلتا تھا ہم ایک طرف کو نکل گئے تو جو درخت اور پتھر آپ کے سامنے آیا اس نے کہا ''السلام علیک یارسول اللہ''۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے فرماتی ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا جب حضرت جبریل علیہ السلام میرے پاس رسالت (اللہ تعالیٰ کا پیغام) لے کر آئے تو میری حالت یہ ہوگئی کہ میں جس پتھر یا درخت کے پاس سے گزرتا وہ ''السلام علیک یارسول اللہ'' کہتا اس حدیث کو امام بزار اور ابو نعیم نے روایت کیا ہے۔

(اتحاف السادۃ المتقین ج ۷ص ۱۹۲ دلائل النبوۃ ج ۱ص ۶۹)

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ کسی پتھر یا درخت کے پاس سے نہ گزرتے مگر وہ آپ کو سجدہ کرتا۔ (الشفاء ج ۱ص ۳۰۷ دلائل النبوۃ ج ۶ص ۶۹)

اسی سے ہے کہ دروازے کی چوکھٹ اور مکان کی دیواروں نے آپ کی دعا پر آمین کہا۔

حضرت ابو اُسید ساعدی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: کہ رسول اکرم ﷺ نے حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ سے فرمایا اے ابو الفضل! کل صبح جب تک میں تم لوگوں کے پاس نہ آجاؤں آپ اور آپ کے بیٹے اپنے گھر کا ارادہ نہ کریں مجھے تم لوگوں سے ایک کام ہے چنانچہ وہ لوگ منتظر رہے حتیٰ کہ نبی اکرم ﷺ چاشت کے بعد تشریف لائے ان کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا السلام علیکم انہوں نے جواب دیا ''وعلیک السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ''۔

آپ نے پوچھا تم نے صبح کیسے کی؟ عرض کیا الحمد للہ! اچھی طرح کی آپ نے فرمایا: ایک دوسرے کے قریب ہو جاؤ چنانچہ وہ ایک دوسرے کے قریب ہو گئے یہاں تک کہ آپ نے ان پر اپنی چادر ڈال دی اور عرض کیا اے میرے رب! یہ میرے چچا اور میرے باپ کی مثل ہیں اور یہ لوگ میرے اہل بیت ہیں ان کو جہنم سے اس طرح پردے میں کر دے جس طرح میں نے ان کو اس چادر میں ڈھانپ دیا ہے۔ آپ کی اس دعا پر دروازے کی چوکھٹ اور گھر کی دیواروں نے تین بار آمین کہی۔ (المعجم الکبیر ج ۱۹ص ۲۶۳ اتحاف السادۃ المتقین ج ۷ص ۱۹۳ تاریخ ابن عساکر ج ۷ص ۲۳۹ البدایۃ والنہایۃ ج ۶ص ۱۴۰)

اس حدیث کو امام بیہقی نے ''الدلائل میں'' اور ابن ماجہ نے بھی مختصر طور پر نقل کیا ہے۔

یہ بھی آپ کا معجزہ ہے کہ آپ نے پہاڑ سے اور پہاڑ نے آپ سے کلام کیا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ حضرت ابوبکر صدیق حضرت عمر فاروق اور

---

[1] امام زرقانی فرماتے ہیں ابن رشید کے کلام میں یہ بھی ہے کہ یہ پتھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے مکان کے مقابل دیوار میں تھا جو سوق الملیل میں واقع تھی۔ (زرقانی ج ۵ص ۱۲۳)

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہم جبل احد پر تشریف لے گئے تو پہاڑ پر لرزہ طاری ہو گیا نبی اکرم ﷺ نے اس پر اپنا پاؤں مارا اور فرمایا احد ٹھہر جا بے شک تجھ پر ایک نبی ایک صدیق اور دو شہید ہیں۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۶۸۶' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۸۱-۸۲-۲۵۵' مسند احمد ج ۲ ص ۳۳۱' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۶۵۱' المعجم الکبیر ج ۱ ص ۴' مجمع الزوائد ج ۹ ص ۵۵' تاریخ الکبیر ج ۴ ص ۲-۱۷۸' کنز العمال رقم الحدیث: ۳۲۶۷۰-۳۶۱۱۷۹-۲۶۳۲۸' جامع ترمذی رقم الحدیث: ۳۶۹۷)

ابن منیر نے کہا اس میں حکمت یہ تھی کہ جب پہاڑ پر لرزہ طاری ہوا تو رسول اکرم ﷺ نے اس بات کو واضح کرنے کا ارادہ فرمایا کہ پہاڑ کی یہ حرکت اس جنس سے نہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم کے لئے تھی جب انہوں نے کلام میں تبدیلی کی وہ غضب کے طور پر حرکت تھی اور یہ خوشی کے ساتھ پہاڑ کا جھومنا تھا اسی لئے نبی اکرم ﷺ نے مقام نبوت' مقام صدیقیت اور مقام شہادت کو واضح الفاظ میں ذکر فرمایا جس سے خوشی حاصل ہوتی ہے' کپکپاہٹ نہیں پس پہاڑ اس کلام سے ٹھہر گیا۔

احد ایک پہاڑ ہے جو مدینہ طیبہ کے قریب ہے اور نبی اکرم ﷺ نے اس کے بارے میں فرمایا:

احد جبل یحبنا و نحبہ. احد ایک ایسا پہاڑ ہے جو ہم سے محبت کرتا ہے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں۔

اس حدیث کی مراد میں اختلاف ہے کہا گیا ہے کہ اس سے اہل مدینہ مراد ہیں۔ جس طرح ارشاد خداوندی ہے:

واسئل القریۃ. بستی سے (یعنی بستی والوں سے) پوچھو۔

یہ بات خطابی نے کہی ہے اور امام بغوی ... نے فرمایا جسے منذری نے نقل کیا کہ اسے ظاہر پر جاری کرنا ہی زیادہ بہتر ہے اور جمادات کا انبیاء کرام اور اولیاء عظام سے محبت کرنا ایسی بات نہیں جس کا انکار کیا جائے۔ اسی طرح جمادات' عبادت گزار لوگوں سے بھی محبت کرتے ہیں۔

جیسا کہ نبی اکرم ﷺ کی جدائی پر کھجور کا تنا رویا حتیٰ کہ صحابہ کرام نے اس کا رونا سنا اور اسے خاموش کرایا اور جیسا کہ وحی سے پہلے آپ کو پتھر سلام کرتا تھا لہٰذا اس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ احد پہاڑ اور مدینہ طیبہ کے تمام اجزاء آپ سے محبت کرتے اور آپ کے فراق پر روتے تھے۔ حافظ منذری فرماتے ہیں امام بغوی کا یہ قول بہت عمدہ ہے۔

حضرت ثمامہ' حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ مکہ مکرمہ میں کوہ ثبیر پر تھے اور آپ کے ساتھ حضرت ابوبکر صدیق' حضرت عمر فاروق اور میں بھی تھا کہ پہاڑ میں حرکت پیدا ہوئی حتیٰ کہ اس کے پتھر دامن کوہ میں گرنے لگے۔ آپ نے اس پر پاؤں سے ٹھوکر ماری اور فرمایا اے ثبیر! ٹھہر جاؤ تم پر ایک نبی' ایک صدیق اور دو شہید ہیں۔

(جامع ترمذی رقم الحدیث: ۳۷۰۳' سنن نسائی ج ۶ ص ۲۳۶' کنز العمال رقم الحدیث: ۳۲۶۶۹-۳۳۰۹۹-۳۶۲۸۰)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ' حضرت ابوبکر صدیق' حضرت عمر فاروق' حضرت عثمان غنی' حضرت علی المرتضیٰ' حضرت طلحہ' اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہم حراء کے اوپر تھے کہ چٹان میں حرکت پیدا ہوئی تو نبی

اکرم ﷺ نے فرمایا اے حراء! ٹھہر جا تجھ پر نبی یا صدیق یا شہید ہے۔

(مسند احمد ج ۱ ص ۵۹' سنن الکبریٰ ج ۶ ص ۱۶۷' سنن دار قطنی ج ۴ ص ۱۹۸' تاریخ الکبیر ج ۸ ص ۱۰۵' تہذیب تاریخ دمشق ج ۵ ص ۳۶۳' اتحاف السادۃ المتقین ج ۷ ص ۱۹۳' البدایہ والنہایہ ج ۷ ص ۳۷۰)

ایک روایت میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا ذکر ہے اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا ذکر نہیں ہے۔

امام ترمذی نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے مناقب میں اس حدیث کو ذکر کیا لیکن انہوں نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کا ذکر نہیں کیا اور ''اسکن'' (ٹھہر جا کی جگہ) ''اُعدا'' ہے (معنیٰ وہی ہے)۔

امام ترمذی رحمہ اللہ نے ہی حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ سے نقل کیا اور فرمایا: کہ پہاڑ پر عشرہ مبشرہ [1] سب موجود تھے البتہ حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نہ تھے اور حضور علیہ السلام نے فرمایا: ''اثبت'' (اے پہاڑ ٹھہر جا)۔

(ابوالحسن علی بن الحسین الموصلی) الخلعی رحمہ اللہ نے ان سے اس کی مثل روایت کیا لیکن حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کا ذکر نہیں کیا۔ اسحاق بغدادی نے بھی اس میں جس میں بڑوں نے چھوٹوں سے اور باپوں نے اولاد سے روایت کیا' اسے روایت کیا ہے (یعنی وہ کتاب جس میں بڑے چھوٹوں سے روایت کرتے ہیں)۔

کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

وَمَالَ حِرَاءُ مِنْ تَحْتِهِ فَرْحَابِهِ لولا مقال "اسکن" تضعضع وانقضا

''اور آپ کے نیچے حراء خوشی کی وجہ سے جھکنے لگا اور اگر آپ ''ٹھہر جا'' کا لفظ نہ فرماتے تو وہ گر جاتا اور اس کے آثار مٹ جاتے۔

حراء (جبل نور) اور ثبیر مکہ مکرمہ میں دو پہاڑ ہیں جو ایک دوسرے کے مدمقابل ہیں۔

روایات کا اختلاف اس وجہ سے ہے کہ یہ مختلف واقعات ہیں جو تکرار کے ساتھ وقوع پذیر ہوئے۔ طبری وغیرہ نے یہ بات کہی ہے۔

لیکن ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے اس بات کو صحیح قرار دیا کہ احد پہاڑ ہی مراد ہے اور اگر ان کا مخرج ایک نہ ہوتا تو واقعات کا تعدد ہوسکتا تھا۔ پھر میرے لئے ظاہر ہوا اس میں حضرت سعید رضی اللہ عنہ کی وجہ سے اختلاف ہے میں نے حارث بن ابی اسامہ کی مسند میں حضرت روح بن عبادہ رضی اللہ عنہ سے یا یاوہ فرماتے ہیں: اس میں احد یا حراء کا ذکر شک کی وجہ سے ہے۔

حضرت امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے لفظ حراء کے ساتھ نقل کیا اور اس کی سند صحیح ہے۔

---

[1] نبی اکرم ﷺ نے دس صحابہ کرام کو جنت کی خوشخبری دی ان کو عشرہ مبشرہ کہا جاتا ہے ان کے اسماء گرامی یہ ہیں: حضرت ابوبکر صدیق' حضرت عمر فاروق' حضرت عثمان غنی' حضرت علی المرتضیٰ' حضرت طلحہ' حضرت زبیر' حضرت عبدالرحمٰن بن عوف' حضرت سعد بن ابی وقاص' حضرت سعید بن زید اور حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہم۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۵۶۶)

ابو یعلیٰ نے حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے "احد" کے ذکر سے ہی روایت کیا اور اس کی سند صحیح ہے پس متعدد واقعات کا احتمال قوی ہے۔

امام مسلم رحمہ اللہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایسی روایت نقل کی ہے جو اس واقعہ کے تعدد کی تائید کرتی ہے اور انہوں نے ذکر کیا کہ آپ حراء پر تھے اور آپ کے ہمراہ مذکورہ بالا صحابہ کرام بھی تھے انہوں نے ان کے علاوہ کا بھی اضافہ کیا۔

جب قریش نے آپ کو شہید کرنے کا منصوبہ بنایا تو ثبیر پہاڑ نے کہا یا رسول اللہ اتر جائیے مجھے ڈر ہے کہ وہ آپ کو میرے اوپر شہید کر دیں تو اللہ تعالیٰ مجھے عذاب دے گا' حراء نے کہا یا رسول اللہ! مجھ پر تشریف لائیں۔

یہ بات (قاضی عیاض رحمہ اللہ نے) "الشفاء میں" ذکر کی ہے اور سیرت نبوی کے ضمن میں ہجرت کے سلسلے میں یہ حدیث مروی ہے کہ حراء پہاڑ ثبیر کے مقابل ہے اور دونوں کے درمیان وادی ہے' آدمی منیٰ کی طرف جائے تو ثبیر بائیں طرف ہے اور حراء ثبیر سے پہلے سورج کی شمالی جانب ہے۔

اور یہ واقعہ اس واقعہ کے علاوہ ہے جو ہجرت کے موقع پر غار ثور سے متعلق ہے اور یہی بات ظاہر ہے۔ واللہ اعلم

امام سہیلی رحمہ اللہ ہجرت سے متعلق حدیث کے سلسلے میں فرماتے ہیں میرا خیال ہے کہ حدیث میں اس بات کا ذکر بھی ہے کہ جبل ثور نے بھی آپ کو آواز دی جب ثبیر پہاڑ نے کہا آپ اتر جائیے۔

درخت کا کلام کرنا

درخت کا آپ سے کلام کرنا' سلام پیش کرنا' آپ کی فرمانبرداری کرنا اور آپ کی رسالت کی شہادت دینا بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ (البدایہ والنہایہ ج ۶ ص ۱۲۸' دلائل النبوۃ ج ۶ ص ۶۹)

امام بزار اور ابو نعیم رحمہما اللہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے نقل کیا آپ فرماتی ہیں: کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: جب میری طرف وحی بھیجی گئی تو اس کے بعد میں جس پتھر اور درخت کے پاس سے گزرتا وہ کہتا "السلام علیک یا رسول اللہ"۔

امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت ابو سفیان طلحہ بن نافع سے اور انہوں نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا فرماتے ہیں: ایک دن حضرت جبریل علیہ السلام' نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ غمگین بیٹھے ہوئے تھے اور خون میں لت پت تھے بعض اہل مکہ نے آپ کو مارا تھا حضرت جبریل علیہ السلام نے پوچھا آپ کو کیا ہوا ہے؟ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: ان لوگوں نے میرے ساتھ یہ سلوک کیا ہے حضرت جبریل علیہ السلام نے عرض کیا کیا آپ چاہتے ہیں کہ میں آپ کو کوئی نشانی دکھاؤں؟ آپ نے فرمایا: ہاں! راوی فرماتے ہیں: حضرت جبریل علیہ السلام نے وادی کے پیچھے ایک درخت کو دیکھا اور فرمایا: اس درخت کو بلائیے آپ نے بلایا تو وہ چلتا ہوا آیا حتیٰ کہ آپ کے سامنے کھڑا ہو گیا حضرت جبریل علیہ السلام نے عرض کیا کہ اسے حکم دیجئے کہ اپنی جگہ چلا جائے آپ نے حکم دیا تو وہ واپس اپنی جگہ چلا گیا رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: مجھے کافی ہے مجھے کافی ہے۔

اس حدیث کو امام دارمی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت سے نقل کیا ہے۔

(سنن دارمی ج ا ص ۱۳' اتحاف السادۃ المتقین ج ۷ ص ۱۸۲' مصنف ابن ابی شیبہ ج ا ص ۴۷۸)

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں' نبی اکرم ﷺ کے ساتھ مکہ مکرمہ میں تھا پس ہم اس کے کسی کنارے کی طرف نکل کھڑے ہوئے تو جو پہاڑ اور درخت آپ کے سامنے آیا اس نے یوں کہا ''السلام علیک یارسول اللہ'' (اے اللہ کے رسول! آپ پر سلام ہو)۔

حضرت امام حاکم رحمہ اللہ نے ''اپنی مستدرک میں'' جید سند کے ساتھ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے وہ فرماتے ہیں: ہم ایک سفر میں نبی کریم ﷺ کے ہمراہ تھے کہ ایک اعرابی سامنے آیا جب وہ قریب پہنچا تو رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: کہاں کا ارادہ ہے؟ اس نے عرض کیا اپنے گھر والوں کی طرف جا رہا ہوں آپ نے فرمایا: تجھے بھلائی کی ضرورت ہے؟ اس نے کہا وہ کیا ہے؟ فرمایا: تم گواہی دو کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ ایک ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور بے شک حضرت محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں۔

اس نے کہا جو کچھ آپ فرما رہے ہیں اس پر کوئی گواہ ہے؟ آپ نے فرمایا: یہ درخت ہے پھر آپ نے اس کو بلایا وہ وادی کے کنارے پر تھا وہ زمین کو پھاڑتا ہوا آیا اور آپ کے سامنے کھڑا ہو گیا آپ نے اس سے تین مرتبہ گواہی طلب کی تو اس نے گواہی دی پھر اپنے اُگنے کی جگہ پر چلا گیا۔ امام دارمی نے بھی اس کی مثل روایت کیا ہے۔ (المعجم الکبیر ج ۱۲ ص ۴۳۲' موارد الظمآن رقم الحدیث: ۲۱۱۰' تفسیر ابن کثیر ج ا ص ۴۳' تفسیر قرطبی ج ۱۹ ص ۵' البدایہ والنہایہ ج ۶ ص ۱۳۰)

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: کہ ایک اعرابی نے نبی اکرم ﷺ سے نشانی کا سوال کیا تو آپ نے اس سے فرمایا: اس درخت سے کہو کہ تمہیں رسول اللہ ﷺ بلاتے ہیں راوی فرماتے ہیں: درخت دائیں بائیں جھکا پھر سامنے اور پیچھے کی طرف جھکا تو اس کی جڑیں کٹ گئیں اور وہ زمین کو پھاڑتا ہوا اس طرح آیا کہ اس کی جڑیں تیز تیز چل رہی تھیں حتیٰ کہ وہ رسول اکرم ﷺ کے سامنے کھڑا ہوا اور کہا ''السلام علیک یارسول اللہ''۔

اعرابی نے کہا اسے حکم دیں کہ واپس اپنی جگہ چلا جائے چنانچہ وہ واپس چلا گیا اور اس کی جڑیں اسی جگہ جڑ گئیں اور وہ ٹھہر گیا اعرابی نے کہا مجھے اجازت دیجئے کہ میں آپ کو سجدہ کروں آپ نے فرمایا: اگر میں کسی ایک کو سجدہ کرنے کا حکم دیتا تو عورت کو حکم دیتا کہ اپنے خاوند کو سجدہ کرے۔

اس حدیث کو امام بزار رحمۃ اللہ نے نقل کیا اور ''شفاء شریف میں بھی'' اسے ذکر کیا گیا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: کہ ایک اعرابی نبی اکرم ﷺ کے پاس حاضر ہوا اور اس نے کہا میں کس بات کے ذریعے پہچان حاصل کروں کہ آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں؟ آپ نے فرمایا: اگر میں اس درخت کی شاخ کو بلاؤں تو کیا تم گواہی دو گے کہ میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں اس نے کہا ''جی ہاں'' پس رسول اکرم ﷺ نے اس کو بلایا تو اس نے درخت سے اترنا شروع کر دیا حتیٰ کہ بارگاہ نبوی میں آگری پھر فرمایا: واپس چلی جا تو وہ لوٹ گئی پس اس اعرابی نے اسلام قبول کر لیا۔ (جامع ترمذی رقم الحدیث: ۳۶۲۸' مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۵۹۲۶' المعجم الکبیر ج ۱۲ ص ۱۱۰' تاریخ الکبیر ج ۳ ص ۳' اتحاف السادۃ المتقین ج ۷ ص ۱۸۲)

حضرت یعلی بن مرۃ ثقفی رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے فرماتے ہیں: پھر ہم چلے حتی کہ ایک منزل میں اترے تو نبی اکرم ﷺ آرام فرما ہو گئے پس ایک درخت زمین کو پھاڑتا ہوا آیا اور اس نے آپ کو ڈھانپ لیا پھر وہ اپنی جگہ لوٹ گیا جب آپ بیدار ہوئے تو آپ سے ذکر کیا گیا آپ نے فرمایا اس درخت نے اپنے رب سے اجازت مانگی کہ مجھے سلام کرے پس اسے اجازت دی گئی۔ اس حدیث کو امام بغوی نے شرح السنہ میں نقل کیا۔

(مسند احمد ج ۴ ص ۱۷۳ مجمع الزوائد ج ۹ ص ۶ مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۵۹۲۲ اتحاف السادۃ المتقین ج ۷ ص ۱۹۳ دلائل النبوۃ رقم الحدیث: ۱۳۹ البدایہ والنہایہ ج ۶ ص ۱۳۵)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے فرماتے ہیں: کہ ہم رسول اکرم ﷺ کے ساتھ چلے حتی کہ ایک وسیع وادی میں اترے آپ قضائے حاجت کے لئے تشریف لے گئے تو میں آپ کے ساتھ پانی کا برتن لے کر گیا آپ نے دیکھا تو کوئی چیز نظر نہ آئی جس سے پردہ فرماتے تو وادی کے کنارے پر دو درخت دیکھے رسول اکرم ﷺ ان میں سے ایک کے پاس تشریف لے گئے اور اس کی ایک شاخ کو پکڑ کر فرمایا اللہ تعالیٰ کے حکم سے میرے سامنے جھک جا تو وہ اس اونٹ کی طرح جھک گیا اور مطیع ہو گیا جس (اونٹ) کے ناک میں لکڑی ڈال کر مطیع بنایا جاتا ہے اور وہ اپنے قائد کے پیچھے چلتا ہے پھر دوسرے درخت کے ساتھ اسی طرح کیا حتی کہ جب دونوں کے درمیان والے مقام پر تشریف لائے تو فرمایا اللہ تعالیٰ کے اذن سے میرے لئے جڑ جاؤ پس وہ جڑ گئے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۳۰۰۷ السنن الکبریٰ ج ۱ ص ۹۴ الشفاء ج ۱ ص ۲۹۹ دلائل النبوۃ ج ۶ ص ۸ دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۶ ص ۸ دلائل النبوۃ رقم الحدیث: ۱۳۹ تمہید ابن عبدالبر ج ۱ ص ۲۲۲ اتحاف السادۃ المتقین ج ۷ ص ۱۸۲ البدایہ والنہایہ ج ۶ ص ۹۸ مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۵۸۸۵)

اللہ تعالیٰ حضرت امام بوصیری رحمہ اللہ کو جزائے خیر عطا فرمائے انہوں نے کیا خوب فرمایا:

جاءت لدعوته الاشجار ساجدة   تمشی الیه علی ساق بلا قدم

کانما سطرت سطرا لما کتبت   فروعها من بدیع الخط فی اللقم

"آپ کے بلانے پر درخت سجدہ ریز ہو کر حاضر ہوئے وہ ایسی پنڈلی پر چل کر آپ کے پاس آئے جس کے پاؤں نہیں تھے۔ گویا ان درختوں کی شاخوں نے جن کو حضور علیہ السلام نے طلب کیا تھا اپنے راستے میں خوش نما لکیریں پیدا کر دی تھیں"۔

یوں سمجھنا چاہیے کہ وہ درخت (اطاعت و انقیاد کی) سیدھی سطریں لکھتے تھے۔ تو درختوں کے چلنے کے آثار کو کاتب کی کتابت سے تشبیہ دی جیسے وہ منظوم سطروں میں معلوم نسبت پر رکھتا ہے۔

تو جب درخت آپ کے حکم کی تعمیل میں جلدی کرتے ہیں حتی کہ وہ جھکتے ہوئے آپ کے سامنے حاضر ہو جاتے ہیں تو ہم پر زیادہ لازم ہے کہ ہم آپ کی دعوت اور ارشادات کی تعمیل میں جلدی کریں اللہ تعالیٰ آپ کے شرف کو مزید بڑھائے۔

اور (سطور بالا میں مذکور حدیث میں) اعرابی کے قول پر غور کیجئے کہ اس نے کہا مجھے اجازت دیجئے کہ میں آپ کو سجدہ

کروں اس نے اس وقت یہ بات کہی جب درخت کو دیکھا کہ اس نے آپ کو سجدہ کیا تو اس نے آپ کو سجدہ کے زیادہ لائق سمجھا حتیٰ کہ آپ نے اس کو بتایا کہ سجدہ صرف اللہ تعالیٰ کے لئے ہوتا ہے پس ہر مسلمان پر لازم ہے کہ وہ معبود برحق کے لئے سجدہ ریزی کو اپنے اوپر لازم کرے اور بندگی کی پنڈلی پر کھڑا ہو جائے۔ اگرچہ اس کے قدم نہ ہوں جس طرح درخت کھڑا ہوا۔

کھجور کے تنے کا رونا

اسی سے کھجور کے خشک تنے کا رونا (حنین) ہے جو آپ ﷺ کے شوق میں رویا تھا۔

(البدایہ والنہایہ ج ۶ ص ۱۳۱' دلائل النبوۃ ج ۶ ص ۶۴)

لفظ "حنین" مصدر ہے جو فاعل کی طرف مضاف ہے "حنین الجذع" (حنین مضاف اور جذع جو فاعل ہے مضاف الیہ ہے) اس سے مراد شوق اور نبی اکرم ﷺ کی طرف اس کا متوجہ ہونا ہے اور جن احادیث میں "صوت" (آواز) کا ذکر ہے تو شاید اس سے شوق پر دلالت مراد ہو یعنی وہ آواز جو اس بات پر دلالت کرتی تھی کہ وہ نبی اکرم ﷺ کا شوق رکھتا ہے۔

"الجذع" جذوع النخل کا واحد ہے۔

تنے کا آپ کے شوق میں رونا اور آواز نکالنا متعدد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے متعدد طرق سے مروی ہے جو اس واقعہ کی قطعیت پر دلالت ہے۔ علامہ تاج الدین ابن السبکی مختصر ابن حاجب کی شرح میں فرماتے ہیں میرے نزدیک صحیح یہ ہے کہ تنے کا آپ کے شوق میں رونا متواتر حدیث سے ثابت ہے۔

حضرت امام بخاری رحمہ اللہ نے بواسطہ حضرت نافع' حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا۔

امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت ابو جناب کی روایت سے نقل کیا وہ اپنے والد سے اور وہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں۔

ابن ماجہ اور ابو یعلیٰ موصلی وغیرہ نے حضرت حماد بن سلمہ کی روایت سے نقل کیا وہ حضرت ثابت سے اور وہ حضرت انس (رضی اللہ عنہما) سے روایت کرتے ہیں اور اس کی سند مسلم کی شرط پر ہے۔

امام ترمذی نے اسے روایت کر کے صحیح قرار دیا اور ابو یعلیٰ' ابن خزیمہ اور طبرانی نے بھی اسے روایت کیا اور حاکم نے اسے صحیح قرار دیا اور فرمایا یہ مسلم کی شرط پر ہے اس سے لازم آتا ہے کہ انہوں نے اسے اسحاق بن عبد اللہ بن ابو طلحہ کی روایت سے نقل کیا اور انہوں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔

امام طبرانی نے اسے حضرت حسن سے اور انہوں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔

امام احمد نے ابن منیع اور طبرانی وغیرہ نے حضرت حماد بن ابی سلمہ سے انہوں نے حضرت عمار بن ابی عامر سے اور انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا۔

امام احمد اور دارمی نے نیز ابو یعلیٰ اور ابن ماجہ وغیرہ نے طفیل بن ابی بن کعب سے اور انہوں نے اپنے والد سے روایت کیا۔

19

امام دارمی نے حضرت ابوحازم کی حدیث سے نقل کیا وہ حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔

ابومحمد الجوہری نے عبدالعزیز بن ابی رواد سے انہوں نے نافع سے اور انہوں نے حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔ پھر انہوں (ابن السبکی رحمہ اللہ) نے فرمایا: میں یہ دعویٰ نہیں کرتا کہ جو متعدد طرق میں نے شمار کئے ہیں ان کی وجہ سے تواتر ثابت ہوا بلکہ دوسرے کئی طرق بھی ہیں جن کو ایک محدث مسانید اور اجزاء (کتب حدیث کی اقسام ہیں) وغیرہ سے حاصل کرسکتا ہے اور میں نے جو کچھ پایا وہ سب ان میں سے کچھ کا ذکر کردیا اور کئی مرتبہ ایک حدیث کسی قوم کے نزدیک متواتر ہوتی ہے لیکن دوسروں کے نزدیک متواتر نہیں ہوتی۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ''فتح الباری میں'' فرمایا: تنے کا رونا اور چاند کے دو ٹکڑے ہونا دونوں معجزے اس انداز میں منقول ہوئے کہ یہ خبر مستفیض ہیں اور جو شخص حدیث کے طرق پر مطلع ہے وہ جانتا ہے کہ اس سے قطعی علم حاصل ہوتا ہے لیکن جن کو حدیث میں کوئی مہارت نہیں وہ نہیں جانتے۔ واللہ اعلم

امام بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: تنے کا رونا' ظاہری امور میں سے ہے جسے بعد والوں نے پہلوں سے نقل کیا۔

یہ بہت بڑی نشانی اور معجزہ ہے جو ہمارے نبی کریم ﷺ کی نبوت پر دلالت کرتا ہے۔

ابن ابی حاتم نے اپنی کتاب ''مناقب میں'' حضرت امام شافعی رحمہ اللہ سے نقل کیا وہ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے جو کچھ ہمارے نبی ﷺ کو عطا کیا ہے وہ کسی دوسرے نبی کو عطا نہیں کیا گیا آپ سے عرض کیا گیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مردوں کو زندہ کرنے کا معجزہ دیا گیا تو انہوں نے فرمایا حضرت محمد ﷺ کو خشک تنے کے رونے کی صورت میں معجزہ دیا گیا حتیٰ کہ اس کی آواز سنی گئی اور یہ اس سے بھی بڑا معجزہ ہے۔

حضرت قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں: خشک تنے کا رونا مشہور اور زبان زد عام ہے اور اس سے متعلق حدیث خبر متواتر ہے' صحیح احادیث نقل کرنے والوں نے اسے نقل کیا اور دس سے زائد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اسے نقل کیا۔

ان میں حضرت ابی بن کعب' حضرت جابر بن عبداللہ' حضرت انس بن مالک' حضرت عبداللہ بن عمر' حضرت عبداللہ بن عباس' حضرت سہل بن سعد' حضرت ابوسعید خدری' حضرت بریدہ' حضرت ام سلمہ اور حضرت مطلب بن ابی وداعہ رضی اللہ عنہم شامل ہیں۔

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی حدیث کو حضرت امام شافعی رحمہ اللہ نے طفیل بن ابی بن کعب رضی اللہ عنہما سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ کھجور کے ایک تنے کے ساتھ کھڑے ہو کر نماز پڑھتے تھے اور اس وقت مسجد کھجور سے بنائی گئی تھی اور آپ اسی تنے سے ٹیک لگا کر خطبہ دیتے تھے آپ کے ایک صحابی نے عرض کیا کیا آپ کے لئے منبر نہ بنالیں کہ جمعہ کے دن آپ اس پر کھڑے ہوں اور لوگ آپ کا خطبہ سنیں؟ آپ نے فرمایا: ہاں ٹھیک ہے تو تین درجوں والا منبر بنایا گیا اور یہی درجے اس پر تھے (بعد میں اضافہ ہوا) جب منبر بن گیا تو رسول اکرم ﷺ نے اسے ایسی جگہ رکھا جہاں اب ہے جب آپ نے خطبہ دینے کا آغاز کیا تو اسی خشک تنے کے پاس سے گزرے جس کے پاس پہلے خطبہ ارشاد فرمایا کرتے تھے تو وہ گر کر پھٹ گیا پس رسول اکرم ﷺ اس تنے کی آواز سن کے اترے اور اس پر اپنا دست

مبارک پھیرا پھر منبر شریف پر تشریف لے گئے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث کو امام بخاری رحمہ اللہ نے کئی طرق سے نقل کیا ان کی ایک روایت میں اس طرح ہے کہ جمعۃ المبارک کے دن نبی اکرم ﷺ ایک درخت یا کھجور (کے تنے) کے ساتھ کھڑے ہوئے انصار کی ایک عورت یا انصار کے ایک مرد نے عرض کیا کیا ہم آپ کے لئے منبر نہ بنادیں؟ آپ نے فرمایا: اگر تم چاہو تو ٹھیک ہے چنانچہ انہوں نے آپ کے لئے منبر بنایا جب جمعۃ المبارک کا دن ہوا تو آپ منبر پر تشریف لے گئے کھجور کا تنا چیخ اٹھا پس حضور علیہ السلام اترے اور اسے اپنے ساتھ ملایا وہ اس بچے کی طرح رونے لگا جس کو تسلی دی جاتی ہے آپ نے فرمایا: یہ اس ذکر کی وجہ سے رو رہا ہے جو اس کے پاس ہوتا تھا اور یہ اسے سنتا تھا۔ [1] (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۵۸۳_۳۵۸۴_۳۵۸۵' جامع ترمذی رقم الحدیث: ۳۶۲۷' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۴۱۴' الشفاء ج ا ص ۳۰۳' سنن دارمی ج ا ص ۱۵' دلائل النبوۃ ج ۲ ص ۵۵۶_۵۵۸)

ایک روایت میں ہے حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا (ان دنوں) مسجد نبوی کی چھت کھجور کی شاخوں سے ڈالی گئی تھی نبی اکرم ﷺ ان میں سے ایک تنے کے پاس خطبہ دیتے تھے جب آپ کے لئے منبر بنایا گیا تو ہم نے اس تنے سے ایسی آواز سنی جیسی آواز دس ماہ کی حاملہ اونٹنی نکالتی ہے۔

حضرت ابوالزبیر نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے جو کچھ روایت کیا ہے وہ امام نسائی کے نزدیک ''الکبریٰ میں'' اس طرح ہے (امام نسائی کی السنن الکبریٰ مراد ہے اور آپ کی تصنیف السنن الصغریٰ وہ ہے جو صحاح ستہ میں سنن نسائی کے نام سے مشہور ہے)۔

اس کتاب میں ہے کہ وہ ستون اس اونٹنی کی طرح پریشان ہوا جس سے اس کا بچہ لے لیا جائے اور وہ اس کے فراق میں دکھ محسوس کر کے آواز نکالے۔

اس ستون (تنے) کو رسول اکرم ﷺ کی برکت کا شوق تھا اور وہ سب سے عقلمند آدمی کی طرح آپ کی جدائی پر افسوس کرتا تھا جبکہ عقل اور شوق میں رونا اس اعتبار سے زندگی کو چاہتا ہے اور یہ اس بات پر دلالت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس میں زندگی، عقل اور شوق پیدا فرمایا اسی لئے وہ رویا اور مشتاق ہوا۔

سوال: اگر کہا جائے کہ شیخ ابوالحسن اشعری رحمہ اللہ کا مذہب یہ ہے کہ کسی جگہ آواز کا پیدا ہونا زندگی اور عقل کی تخلیق کو نہیں چاہتا۔

جواب: بات یہی ہے اور ہم اس کے لئے زندگی کو لازم قرار نہیں دیتے لیکن حق کی طرف شوق معنوی اور عقلی ہوتا ہے طبعی اور حیوانی نہیں ہوتا۔ اور حضرت شیخ ابوالحسن اشعری رحمہ اللہ کا مذہب یہ ہے کہ معنوی ذکر اور کلام نفسی دونوں زندگی کو مستلزم ہیں جس طرح اس کے علم کو مستلزم ہیں اور ہم نے بیان کیا ہے کہ اس ستون میں یہ معانی پائے جاتے تھے اور حاضرین نے اس کی آواز کو رونا قرار دیا اور وہ اس بات کو سمجھ گئے کہ اسے ذکر خداوندی اور اللہ تعالیٰ کے محبوب (نبی اکرم ﷺ) کے

[1] یقیناً ذکر خداوندی کی وجہ سے وہ ستون روتا تھا لیکن اس کے ساتھ ساتھ رسول اکرم ﷺ کی محبت بھی اس رونے کا باعث تھی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ اس کو وہاں بھی ذکر سنانے پر قادر ہے۔ ۱۲ ہزاروی

اس کے پاس کھڑا ہونے کا شوق ہے۔اور رسول اکرم ﷺ نے بھی اس کے ساتھ یہی معاملہ کیا جس طرح غائب شخص (جب آتا ہے تو) اپنے گھر والوں اور اعزہ اقارب کو گلے لگاتا اور ان کے شوق کی گرمی اور غم کو دور کرتا ہے۔

شاعر کو اللہ تعالیٰ جزاءِ عطا فرمائے کیا خوب کہا ہے:

وحن الیہ الجذع شوقا ورقۃ ورجع صوتا کالعشار مرددا

فبادرہ ضما فقر لوقتہ لکل امرئ من دھرہ ما تعودا

''اور ستون آپ کے شوق میں رویا اور اس نے حاملہ اونٹنی کی طرح آواز نکالی تو آپ نے اس کو گلے لگانے میں جلدی کی تو اسی وقت اسے قرار آ گیا اور ہر شخص کی زمانے میں ایک عادت ہوتی ہے''۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث کو ابو یعلیٰ 'موصلی رحمہ اللہ نے ان الفاظ میں نقل کیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ جمعہ کے دن ایک ستون کے ساتھ ٹیک لگا کر خطبہ دیتے تو ستون مسجد میں کھڑا کیا گیا تھا ایک رومی آیا اور اس نے کہا کیا میں آپ کے لئے کوئی ایسی چیز نہ بنا دوں جس پر آپ بیٹھیں تو یوں لگے کہ آپ کھڑے ہیں پس اس نے آپ کے لئے منبر شریف بنایا جس کی دو سیڑھیاں تھیں اور تیسری پر آپ تشریف رکھتے تھے جب رسول اکرم ﷺ منبر پر تشریف فرما ہوئے تو ستون نے بچھڑے کی طرح آواز نکالی حتیٰ کہ پوری مسجد میں ایک اضطرابی کیفیت طاری ہو گئی وہ رسول اکرم ﷺ (کی جدائی پر آپ) کے لئے غمگین تھا رسول اکرم ﷺ منبر شریف سے اتر کر اس کے پاس تشریف لائے اور وہ رو رہا تھا جب آپ نے اسے گلے لگایا تو وہ خاموش ہو گیا پھر نبی اکرم ﷺ نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے اگر میں اسے اپنے ساتھ نہ چمٹاتا تو یہ قیامت تک اللہ کے رسول ﷺ کے غم میں اسی حالت میں رہتا چنانچہ آپ کے حکم سے اسے دفن کر دیا گیا۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۱۴۱۵' سنن داری ج۱ص۱۹' مسند احمد ج۱ص۲۴۹_۳۶۳' المعجم الکبیر ج۱۲ص۱۸۷' دلائل النبوۃ رقم الحدیث:۱۴۲' تاریخ الکبیر ج۷ص۲۶' البدایۃ والنہایہ ج۶ص۱۳۲' کنز العمال رقم الحدیث:۳۱۷۸۴_۳۲۰۸۴)

امام ترمذی رحمہ اللہ نے اسے روایت کیا اور فرمایا: یہ حدیث صحیح غریب ہے۔

اسی طرح امام ابن ماجہ اور امام احمد رحمہما اللہ نے اسے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے طریق سے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا اس کے الفاظ اس طرح ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جمعہ کے دن ایک لکڑی سے ٹیک لگا کر خطبہ دیا کرتے تھے جب لوگ زیادہ ہو گئے تو آپ نے فرمایا میرے لئے ایک منبر بناؤ آپ کا مقصد یہ تھا کہ سب کو سنائیں تو انہوں نے دو سیڑھیوں والا منبر بنایا (تیسری پر آپ تشریف رکھتے تھے) راوی فرماتے ہیں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے خبر دی کہ انہوں نے اس لکڑی کو ماں کے لئے مضطرب بچے کی طرح روتے ہوئے سنا فرماتے ہیں وہ لکڑی مسلسل روتی رہی حتیٰ کہ رسول اکرم ﷺ منبر سے اترے اور اس کی طرف تشریف لے گئے اسے اپنے ساتھ ملایا تو وہ خاموش ہو گئی۔

ابو القاسم رحمہ اللہ نے اسے روایت کرتے ہوئے یہ اضافہ کیا ہے کہ جب حضرت حسن بصری رحمہ اللہ اس حدیث کو روایت کرتے تو رو پڑتے پھر فرماتے: اے اللہ کے بندو! رسول اکرم ﷺ کے شوق میں لکڑی روتی ہے کیونکہ آپ کو

اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت بڑا انعام حاصل ہے تو تم آپ کی ملاقات کا شوق رکھنے کا زیادہ حق رکھتے ہو۔
شاعر کو اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا کرے کیا خوب کہا ہے:

والقی حتی فی الجمادات حبه — فکانت لا هداء السلام له تهدی
وفارق جذعا کان یخطب عنده — فان انین الام اذ تجد الفقدا
یحن الیه الجذع یا قوم هکذا — اما نحن اولی ان نحن له وجدا
اذا کان جذع لم یطق بعدساعة — فلیس وفاء ان نطیق له بعدا

''آپ کی محبت تو جمادات میں بھی ڈال دی گئی ہے آپ کی خدمت میں جمادات کی طرف سے سلام کا ہدیہ پیش کرنے کے باعث لوگوں کو ہدایت نصیب ہوتی تھی آپ جس کھجور کی لکڑی کے ستون کے پاس وعظ فرماتے تھے جب اس سے کنارہ کش ہوئے تو وہ ستون یوں مچلا جیسے ماں' بیٹے کے فراق میں مچلتی ہے اے قوم! کھجور کا تنا ان کے لئے یوں مچلتا ہے جبکہ ہم ان کے لئے محبت میں زیادہ مچلنے کا حق رکھتے ہیں۔ اگر کھجور کا تنا ایک گھڑی ان کی دوری برداشت نہ کرسکا تو یہ وفا شعاری نہیں کہ ہم ان کی دوری کو برداشت کریں''۔

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کی روایت صحیحین میں متعدد طرق سے مروی ہے اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت امام احمد رحمہ اللہ نے مسلم کی شرط پر سند کے ساتھ روایت کی اور اسے ابن ماجہ نے بھی نقل کیا ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت صحیح بخاری میں ہے۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث عبد بن حمید نے نقل کی ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت امام بیہقی رحمہ اللہ نے نقل کی اور اس کے آخر میں ہے کہ اس ستون کو دنیا اور آخرت میں سے ایک کا اختیار دیا گیا تو اس نے آخرت کو اختیار کیا۔

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ والی روایت امام دارمی نے نقل کی ہے اور اس میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: اگر تم چاہو تو میں تمہیں اس دیوار میں لوٹا دوں' جس میں تم تھے تجھ سے تیری شاخیں اُگنے لگیں اور تیری تخلیق مکمل ہو اور تجھ میں نئے پتے اور پھل آئیں اور اگر چاہو تو تمہیں جنت میں گاڑ دوں کہ اللہ تعالیٰ کے ولی تیرا پھل کھائیں پھر نبی اکرم ﷺ نے اپنا سر انور اس کے قریب کیا کہ اس کی بات سنیں تو اس نے کہا مجھے جنت میں لگا دیں پس مجھ سے اللہ تعالیٰ کے دوست کھائیں اور میں ایسی جگہ ہوں گا جہاں پرانا نہیں ہوں گا پس جو لوگ قریب تھے انہوں نے بھی اس کی بات سنی رسول اکرم ﷺ نے فرمایا میں نے ایسا ہی کیا پھر فرمایا اس نے باقی رہنے والے گھر کو خالی گھر پر ترجیح دی۔ (الشفاء ج ا ص ۳۰۴)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا والی روایت ابونعیم نے ''الدلائل میں'' ذکر کی ہے اور واقعہ ایک ہی ہے لیکن الفاظ میں بظاہر راویوں کی طرف سے اختلاف ہے اور تحقیق کی روشنی میں سب کا رجوع ایک ہی معنیٰ کی طرف ہے ہم زیادہ طویل ذکر کرنا نہیں چاہتے۔

حیوانات کا کلام کرنا

نبی اکرم ﷺ سے حیوانات نے کلام بھی کیا اور آپ کا حکم بھی مانا یہ آپ کے معجزات ہیں۔

ان میں سے ایک یہ ہے کہ اونٹ نے آپ کو سجدہ کیا اور آپ سے شکایت کی۔

(البدایہ والنہایہ ج ٦ ص ١٤١ دلائل النبوۃ ج ٦ ص ٢٨)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: کہ انصار میں سے ایک گھر والوں کا ایک اونٹ تھا جس پر وہ پانی لاتے تھے وہ ان پر سخت ہو گیا اور اس نے ان کو سوار نہ ہونے دیا انصار نے نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ ہمارا ایک اونٹ ہے جس سے ہم کھیتوں کو سیراب کرتے ہیں وہ ہم پر غالب آ گیا اور ہمیں قریب نہیں آنے دیتا۔

اور ہمارے باغ اور کھیتی خشک ہو گئی ہے نبی اکرم ﷺ نے صحابہ کرام سے فرمایا: اٹھو چنانچہ وہ اٹھے اور آپ باغ میں داخل ہوئے اونٹ ایک کونے میں تھا آپ اس کی طرف چلے تو انصار نے کہا یا رسول اللہ! یہ تو باؤلے کتے کی طرح ہو گیا ہے ہمیں ڈر ہے کہ کہیں آپ پر حملہ نہ کر دے رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: مجھے اس سے کوئی ڈر نہیں اونٹ نے آپ کو دیکھا تو آپ کی طرف متوجہ ہوا حتیٰ کہ آپ کے سامنے سجدہ ریز ہو گیا رسول اکرم ﷺ نے اس کو پیشانی سے پکڑا تو وہ پہلے سے زیادہ مطیع ہو گیا حتیٰ کہ آپ نے اس کو کام میں لگا دیا صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ! یہ جانور جسے عقل نہیں آپ کو سجدہ کرتا ہے اور ہم تو عقلمند ہیں پس ہم آپ کو سجدہ کرنے کا زیادہ حق رکھتے ہیں رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: کسی انسان کے لئے جائز نہیں کہ وہ کسی دوسرے انسان کو سجدہ کرے اگر کسی شخص کے لیے جائز ہوتا کہ وہ کسی آدمی کو سجدہ کرے تو میں عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے خاوند کو سجدہ کرے کیونکہ اس پر اس کا بہت بڑا حق ہے۔

(مسند احمد ج ٣ ص ١٥٩، مجمع الزوائد ج ٩ ص ٤، الدر المنثور ج ٢ ص ١٥٤، اتحاف السادۃ المتقین ج ٢ ص ٢٠٦۔ ج ٥ ص ٣٠٣، الترغیب والترہیب ج ٣ ص ٥٥، دلائل النبوۃ رقم الحدیث: ١٣٧، تاریخ الکبیر ج ٩ ص ٢٨)

حضرت یعلیٰ بن مرہ ثقفی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: کہ ہم نبی اکرم ﷺ کے ہمراہ جا رہے تھے کہ ایک اونٹ کے پاس سے گزرے جس کے ذریعے کھیتوں کو پانی لگایا جاتا تھا اس نے آپ کو دیکھا تو آواز نکالی اور اپنی گردن کو نیچے رکھ دیا رسول اکرم ﷺ ٹھہر گئے اور فرمایا اس اونٹ کا مالک کون ہے؟ وہ حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا: اس کو مجھ پر بیچ دو اس نے کہا نہیں بلکہ یا رسول اللہ! میں آپ کی خدمت میں بطور ہبہ پیش کرتا ہوں لیکن یہ ایسے گھر والوں کا ہے جن کے پاس اس کے علاوہ کوئی ذریعہ معاش نہیں ہے آپ نے فرمایا: تم نے یہ بات تو ذکر کر دی لیکن وہ زیادہ کام اور کم چارے کی شکایت کرتا ہے پس اس سے اچھا سلوک کیا کرو۔

امام احمد رحمہ اللہ نے اس گذشتہ کی مثل ایک اور واقعہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث سے نقل کیا ہے لیکن اس کی سند ضعیف ہے اور امام بیہقی رحمہ اللہ نے جید سند کے ساتھ ذکر کیا۔

اسی طرح امام طبرانی نے ایک اور واقعہ حضرت عکرمہ کے واسطے سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا لیکن اس کی سند کمزور ہے اور امام احمد رحمہ اللہ نے بھی حضرت یعلیٰ بن مرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ ابن شاہین نے ''الدلائل میں'' حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں: کہ ایک دن نبی اکرم ﷺ نے مجھے سواری پر اپنے پیچھے بٹھایا تو مجھے ایک بات سرگوشی کرتے ہوئے بتائی جسے میں کسی سے بیان نہیں کرتا وہ فرماتے ہیں:

کہ نبی اکرم ﷺ قضائے حاجت کے لئے پردہ کرتے ہوئے کسی بلند ٹیلے یا کھجوروں کے جھنڈ کو زیادہ پسند کرتے تھے آپ ایک انصاری کے باغ میں داخل ہوئے تو وہاں اونٹ تھا اس نے آپ کو دیکھا تو رو پڑا اور اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے رسول اکرم ﷺ اس کے پاس تشریف لے گئے اور اس کے کان کے پچھلے حصے پر دست مبارک پھیرا ایک روایت میں ہے کہ وہ پُرسکون ہو گیا' پھر فرمایا: اس اونٹ کا مالک کون ہے؟ تو انصار میں سے ایک نوجوان آیا اور اس نے عرض کیا یا رسول اللہ! یہ میرا اونٹ ہے آپ نے فرمایا: تم اس بے زبان جانور کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتے اس نے تجھے اس کا مالک بنایا یہ بھوک اور زیادہ کام کی شکایت کرتا ہے۔ المصابیح میں ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے اور اسے ابو داؤد نے حضرت موسیٰ بن اسماعیل سے اور انہوں نے حضرت مہدی بن میمون سے روایت کیا۔

(سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۲۵۴۹' مسند احمد ج ۱ ص ۲۰۵' السنن الکبریٰ ج ۸ ص ۱۳' المستدرک ج ۲ ص ۱۰۰' اتحاف السادۃ المتقین ج ۷ ص ۲۰۶' جمع الجوامع رقم الحدیث: ۹۱۲۲' تاریخ ابن عساکر ج ۷ ص ۳۲۹' کنز العمال رقم الحدیث: ۲۴۹۸۳)

اور اسی سے بکریوں کا آپ کو سجدہ کرنا ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: کہ رسول اکرم ﷺ انصار کے ایک باغ میں تشریف لے گئے اور آپ کے ساتھ حضرت ابو بکر صدیق' حضرت عمر فاروق اور ایک انصاری بھی تھے باغ میں بکریاں تھیں جنہوں نے آپ کو سجدہ کیا۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم ان بکریوں کے مقابلے میں زیادہ حق رکھتے ہیں کہ آپ کو سجدہ کریں رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کسی شخص کے لئے جائز نہیں کہ وہ کسی دوسرے کو سجدہ کرے۔ (البدایہ والنہایہ ج ۶ ص ۱۵۰)

اس حدیث کو ابو محمد عبد اللہ بن حامد الفقیہ نے کتاب ''دلائل النبوۃ'' میں ضعیف سند سے ذکر کیا ہے۔

اور حضرت قاضی عیاض رحمہ اللہ نے ''الشفاء میں'' نقل کیا۔

انہوں نے حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کی روایت بھی نقل کی ہے وہ فرماتے ہیں: کہ ایک شخص حضور علیہ السلام کے پاس حاضر ہوا اور آپ پر ایمان لایا وہ خیبر کے کسی قلعہ پر تھا اور ان لوگوں کی بکریاں چراتا تھا۔ اس نے عرض کیا یا رسول اللہ! میری بکریوں کا کیا ہو گا؟ فرمایا: چھوٹی چھوٹی کنکریاں ان کے منہ پر مارو عنقریب اللہ تعالیٰ تیری طرف سے ان کی امانت ان تک پہنچا دے گا اس نے اسی طرح کیا تو ہر بکری چل پڑی اور اپنے گھر والوں کے پاس پہنچ گئی۔

(السنن الکبریٰ ج ۹ ص ۱۴۳' المستدرک ج ۲ ص ۱۳۶' دلائل النبوۃ ج ۴ ص ۲۲۱' اتحاف السادۃ المتقین ج ۷ ص ۱۹۳' الشفاء ج ۱ ص ۳۱۱)

اسی سے بھیڑیے کا آپ سے کلام کرنا اور آپ کی رسالت کی شہادت دینا ہے۔

(البدایہ والنہایہ ج ۶ ص ۱۵۰' دلائل النبوۃ ج ۶ ص ۳۹_۴۱)

بھیڑیے کے کلام کے بارے میں واقع متعدد طرق سے حضرت ابو ہریرہ' حضرت انس' حضرت ابن عمر اور حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث امام احمد رحمہ اللہ نے جدید سند کے ساتھ بیان کی ہے جس کے الفاظ اس طرح ہیں۔

ایک بھیڑیئے نے بکری پر حملہ کیا اور اس کو پکڑ لیا چرواہے نے اس کا پیچھا کر کے اسے چھڑا لیا بھیڑیا اپنی دم کے اوپر بیٹھ کر کہنے لگا کیا تم اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتے تم مجھ سے رزق چھینتے ہو جو اللہ تعالیٰ نے میری طرف بھیجا ہے چرواہے نے کہا تعجب ہے ایک بھیڑیا اپنی دم پر پاؤں کھڑے کر کے بیٹھا ہے اور انسانوں کی طرح مجھ سے گفتگو کر رہا ہے۔ بھیڑیئے نے کہا کیا میں تجھے اس سے بھی زیادہ تعجب خیز بات نہ بتاؤں حضرت محمد ﷺ یثرب (مدینہ طیبہ) میں لوگوں کو گذشتہ زمانوں کی خبریں دیتے ہیں۔

چرواہے نے بکریوں کو ہانکا اور مدینہ طیبہ میں داخل ہو گیا اس نے ان کو شہر کے ایک کونے میں چھوڑا اور خود بارگاہ نبوی میں حاضر ہو گیا رسول اکرم ﷺ نے حکم دیا تو نماز کے لئے آواز دی گئی کہ نماز کھڑی ہونے والی ہے پھر آپ باہر تشریف لائے اور اس دیہاتی (چرواہے) سے فرمایا (جو کچھ تم نے دیکھا ہے) ان کو بتاؤ چنانچہ اس نے صحابہ کرام کو پورا واقعہ سنایا۔ (مسند احمد ج ۳ ص ۸۳، مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۹۱، اتحاف السادۃ المتقین ج ۷ ص ۱۹۴)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث کو ابو سعد مالینی اور امام بیہقی رحمہما اللہ نے نقل کیا ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت کو ابو نعیم نے ''دلائل النبوۃ میں'' ذکر کیا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کو حضرت سعید بن منصور نے اپنی سنن میں نقل کیا اور فرمایا: ایک بھیڑیا آیا اور حضور علیہ السلام کے سامنے پاؤں کھڑا کر کے سرین کے بل بیٹھ گیا اور اپنی دم کو حرکت دینے لگا رسول اکرم ﷺ نے فرمایا یہ بھیڑیا تمہارے پاس آیا ہے اور یہ تم سے مطالبہ کرتا ہے کہ تم اپنے مال میں سے کچھ اسے دو انہوں نے فرمایا اللہ تعالیٰ کی قسم! ہم ایسا نہیں کریں گے ایک شخص نے پتھر اٹھا کر اسے مارا تو بھیڑیا چیختا ہوا پیٹھ پھیر کر بھاگ گیا نبی اکرم ﷺ نے فرمایا یہ بھیڑیا ہے اور بھیڑیا بھی کیا چیز ہے؟

امام بغوی نے ''شرح السنہ میں'' نیز ابو نعیم نے صحیح سند کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ ایک بھیڑیا ایک چرواہے کے پاس آیا اور اس نے ایک بکری لے لی چرواہا اس کے پیچھے بھاگا حتیٰ کہ اس سے بکری چھین لی فرماتے ہیں: بھیڑیا ایک ٹیلے پر چڑھا اور اپنی دم کو دونوں ٹانگوں کے درمیان کر لیا اور اس نے کہا میں نے ایک رزق کا ارادہ کیا جو اللہ تعالیٰ نے مجھے عطا کیا تھا پھر تم نے مجھ سے لے لیا اس شخص نے کہا اللہ کی قسم! میں نے آج کی طرح بھیڑیئے کو کلام کرتے نہیں دیکھا بھیڑیئے نے کہا اس سے بھی تعجب خیز وہ شخص ہے جو دو پتھریلی جگہوں کے درمیان کھجوروں کے باغات میں ان باتوں کی خبر دیتا ہے جو ہو چکی ہیں اور جو ہوں گی اور تم اس کی پیروی نہیں کرتے؟ راوی فرماتے ہیں: وہ شخص یہودی تھا وہ بارگاہ نبوی میں حاضر ہوا اور یہ واقعہ بتا کر مسلمان ہو گیا رسول اکرم ﷺ نے اس کی تصدیق کی پھر فرمایا: یہ قیامت کی نشانیاں ہیں عنقریب ایسا وقت آئے گا کہ ایک شخص اپنے گھر سے باہر جائے گا پس وہ لوٹے گا تو اس کا جوتا اور لاٹھی اس کو بتا دے گی کہ اس کے بعد اس کے گھر والوں نے کیا (عمل) کیا۔

حضرت قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث کے بعض طرق میں اس طرح ہے کہ بھیڑیئے نے کہا تم مجھ سے زیادہ تعجب خیز ہو کہ تم اپنی بکریوں کے پاس کھڑے ہو اور تم نے اس نبی ﷺ کو

چھوڑ دیا کہ اللہ تعالیٰ نے کبھی ایسا نبی نہیں بھیجا کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کی قدر و منزلت ان سے زیادہ ہو۔
ان کے لئے جنت کے دروازے کھول دیئے اور اہل جنت آپ کے صحابہ کرام کو دیکھتے ہیں کہ وہ جہاد کرتے ہیں۔
تمہارے اور اس نبی کے درمیان صرف یہ ایک وادی ہے پس تو بھی اللہ تعالیٰ کے لشکروں میں سے ہو جا چرواہے نے کہا میری بکریوں کا نگران کون ہوگا؟ بھیڑیئے نے کہا تمہاری واپسی تک میں ان کو چرواؤں گا پس اس نے اپنی بکریاں بھیڑیئے کے حوالے کیں اور چل پڑا۔

پھر اس کا قصہ اس کے اسلام لانے کا واقعہ اور اس کا حضور علیہ السلام کو جہاد کرتے ہوئے پانا سب کچھ ذکر کیا۔
رسول اکرم ﷺ نے اس سے فرمایا اپنی بکریوں کے پاس چلے جاؤ ان کو پوری کی پوری پاؤ گے پس اس نے ان کو اسی طرح پایا اور ان میں سے ایک بکری بھیڑیئے کے لئے ذبح کی۔
ابن وہب نے اس کی مثل روایت کیا کہ حضرت ابوسفیان بن حرب اور صفوان بن امیہ نے ایک بھیڑیئے کو پایا جس نے ایک ہرن کو پکڑنے کی کوشش کی ہرن حرم شریف میں داخل ہوگئی تو بھیڑیا واپس چلا گیا انہوں نے اس پر تعجب کیا تو بھیڑیئے نے کہا اس سے بھی تعجب خیز بات حضرت محمد بن عبداللہ ﷺ کا معاملہ ہے جو مدینہ طیبہ میں ہیں وہ تمہیں جنت کی طرف بلاتے ہیں اور تم ان کو جہنم کی طرف بلاتے ہو۔
ابوسفیان نے کہا لات وعزیٰ کی قسم اگر تم نے مکہ مکرمہ میں یہ بات (یہ واقعہ ذکر کیا) تو وہاں فتنہ وفساد برپا ہو جائے گا۔

معجزات کے سلسلے میں ہی گدھے والی حدیث ہے۔ جسے ابن عساکر نے ابومنظور (یا ابن منظور) سے روایت کیا فرماتے ہیں: جب سرکار دو عالم ﷺ نے خیبر فتح کیا تو سیاہ رنگ کا گدھا پایا آپ نے اس گدھے سے بات چیت کی تو اس نے بھی آپ سے بات کی رسول اکرم ﷺ نے پوچھا تمہارا کیا نام ہے؟ اس نے کہا یزید بن شہاب اللہ تعالیٰ نے **میرے دادا کی نسل سے ساٹھ گدھے پیدا کئے جن میں سے ہر ایک پر نبی سوار ہوئے اور مجھے توقع تھی کہ آپ مجھ پر سواری** فرمائیں گے۔ (البدایہ والنہایہ ج ۶ ص ۱۵۸)
اپنے دادا کی نسل سے صرف میں رہ گیا ہوں اور انبیاء کرام میں سے آپ کے علاوہ کوئی نہیں میں اس سے پہلے ایک یہودی کی ملک تھا اور میں اسے جان بوجھ کر گرا دیتا تھا وہ مجھے پیٹ کر بھوکا رکھتا اور میری پیٹھ پر ضربیں لگاتا تھا۔
رسول اکرم ﷺ نے فرمایا تم یعفور رہو (یعنی تمہارا نام یعفور ہے) رسول کریم ﷺ اسے ایک آدمی کے دروازے پر بھیجتے پس وہ دروازے پر آ کر اسے اپنے سر کے ساتھ کھٹکھٹاتا جب گھر والا باہر آتا تو وہ سر کے ساتھ اشارہ کرتا کہ رسول اکرم ﷺ کی بات مانو جب آپ کا وصال ہوا تو وہ ابوالہیثم بن تیہان کے کنویں پر آیا اور رسول اکرم ﷺ کے افسوس میں اپنے آپ کو اس میں گرا دیا۔ (الشفاء ج ۱ ص ۳۱۴)
ابونعیم نے اس کی مثل حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث ذکر کی ہے لیکن اس حدیث میں طعن ہے اور ابن جوزی نے اسے موضوعات میں ذکر کیا ہے۔

اور نبی اکرم ﷺ کے معجزات میں گدھے کے کلام سے بھی بڑے معجزات ہیں۔

ان میں سے ایک (معجزہ) گوہ کا آپ سے کلام کرنا ہے اور یہ مشہور واقعہ ہے امام بیہقی رحمہ اللہ نے اسے بہت سی احادیث میں روایت کیا ہے لیکن یہ حدیث غریب ضعیف ہے۔ (دلائل النبوۃ ج۶ ص۳۶' البدایہ والنہایہ ج۶ ص۱۵۶)

(حافظ ابوالحاج جمال الدین یوسف بن اللہ کی عبدالرحمن حلبی متوفی ۷۴۲ھ) المزی نے فرمایا یہ حدیث سند اور متن کے حوالے سے صحیح نہیں۔ (الاعلام ج۸ ص۲۳۶' الدرر الکامنہ ج۴ ص۴۵۷ رقم الحدیث:۱۳۶۱)

حضرت قاضی عیاض رحمہ اللہ نے اسے ''الشفاء میں'' نقل کیا۔

اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی حدیث سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی محفل میں تھے کہ بنو سلیم قبیلے کا ایک اعرابی آیا جس نے ایک گوہ شکار کی تھی اس نے اسے اپنی آستین میں ڈال رکھا تھا تا کہ اسے اپنی منزل پے لے جا کر بھونے اور کھائے جب صحابہ کرام کی جماعت کو دیکھا تو پوچھا یہ کون ہیں؟ انہوں نے کہا یہ اللہ تعالیٰ کے نبی ہیں۔

اس نے اپنی آستین سے گوہ نکالی اور کہا مجھے لات وعزیٰ کی قسم میں اس وقت تک آپ پر ایمان نہیں لاؤں گا جب تک یہ گوہ آپ پر ایمان نہ لائے پھر اس نے اسے رسول اکرم ﷺ کے سامنے ڈال دیا نبی اکرم ﷺ نے فرمایا اے گوہ! اس نے واضح الفاظ میں جواب دیا جسے تمام لوگوں نے سنا اس نے کہا میں حاضر ہوں اے ان لوگوں کی زینت! جو قیامت کے دن حاضر ہوں گے آپ نے فرمایا کس کی عبادت کی جاتی ہے؟ اس نے کہا اس ذات کی عبادت کی جاتی ہے جس کا آسمان میں عرش اور زمین میں حکومت' سمندر میں راستہ' جنت میں اس کی رحمت اور جہنم میں اس کا عذاب ہے۔

آپ نے پوچھا میں کون ہوں؟ اس نے کہا آپ تمام جہانوں کے رب کے رسول اور آخری نبی ہیں جس نے آپ کی تصدیق کی اس نے کامیابی حاصل کی اور جس نے آپ کو جھٹلایا وہ نامراد ہوا پس اس اعرابی نے اسلام قبول کیا۔ یہ ایک طویل حدیث ہے لیکن اس پر طعن کیا گیا اور ایک قول کے مطابق یہ موضوع ہے لیکن نبی اکرم ﷺ کے معجزات تو اس سے بھی زیادہ بلیغ ہیں اور اس میں شرعی اعتبار سے کوئی خرابی نہیں اور اس کو ائمہ حدیث نے روایت کیا زیادہ سے زیادہ یہ ضعیف ہو سکتی ہے' موضوع نہیں ہے۔ (دلائل النبوۃ ج۶ ص۳۷' مجمع الزوائد ج۸ ص۲۹۴' دلائل النبوۃ لابی نعیم ج۲ ص۳۷۷' اتحاف السادۃ المتقین ج۲ ص۲۰۶۔ ج۷ ص۱۹۴' البدایہ والنہایہ ج۶ ص۱۵۷' الشفاء ج۱ ص۳۰۹' کنز العمال رقم الحدیث:۳۵۳۶۴)

آپ کے معجزات کے سلسلے میں ہرن والی حدیث بھی ہے۔ (البدایہ والنہایہ ج۶ ص۱۵۴' دلائل النبوۃ ج۶ ص۳۴)

امام بیہقی رحمہ اللہ نے اسے کئی طرق سے نقل کیا' ائمہ کی ایک جماعت نے اسے ضعیف قرار دیا لیکن اس کے بعض طرق' دوسرے بعض طرق کو مضبوط کرتے ہیں۔

اسے قاضی عیاض رحمہ اللہ نے ''شفاء شریف میں'' اور ابو نعیم رحمہ اللہ نے ''دلائل النبوۃ میں'' ایسی سند سے نقل کیا جس میں کچھ راوی مجہول ہیں وہ حبیب بن محصن سے اور وہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں آپ فرماتی ہیں اس دوران کہ نبی اکرم ﷺ زمین کے ایک صحرا میں تھے کہ کسی غیبی آواز دینے والے کی آواز تین مرتبہ آئی ''اے اللہ کے رسول!'' آپ نے ادھر توجہ فرمائی تو ایک ہرن تھی جو رسی سے بندھی ہوئی تھی اور ایک دیہاتی اپنی چادر میں زمین پر پڑا

ہوا سورہا تھا آپ نے پوچھا تجھے کیا کام ہے؟ اس نے کہا اس شخص نے مجھے قید کر رکھا ہے اور اس پہاڑ میں میرے دو بچے ہیں آپ مجھے کھول دیں میں ان کو دودھ پلا کر واپس آ ؤں گی آپ نے پوچھا تم واپس آ ؤ گی؟ اس نے کہا اللہ تعالیٰ مجھے ٹیکس وصول کرنے والے کی طرح عذاب دے اگر میں نہ آؤں (ناجائز ٹیکس لینے والے لوگ مراد ہیں) آپ نے اسے کھول دیا اور وہ چلی گئی اور پھر واپس آ گئی رسول اکرم ﷺ نے اس کو باندھ دیا اعرابی جاگ گیا اور کہا یا رسول اللہ! آپ کو کوئی کام ہو (تو بتایئے) آپ نے فرمایا اس ہرن کو کھول دے اس نے اسے کھول دیا تو وہ خوشی سے صحرا میں کودتی ہوئی چلی گئی وہ اپنا پاؤں زمین پر مارتے ہوئے کہہ رہی تھی "اشھد ان لا الہ الا اللہ وانک رسول اللہ" (میں گواہی دیتی ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور بے شک آپ اس کے رسول ہیں)۔

امام طبرانی نے بھی اس کی مثل حدیث ذکر کی ہے۔ حافظ منذری نے یہ بات "الترغیب والترہیب" کے زکوٰۃ کے باب میں ذکر کی ہے اور ہمارے شیخ حافظ ابوالخیر السخاوی نے حضرت ابن کثیر سے نقل کیا کہ اس کی کوئی اصل نہیں اور جس نے اسے نبی اکرم ﷺ کی طرف منسوب کیا اس نے جھوٹ کہا۔

پھر ہمارے شیخ نے فرمایا کہ متعدد احادیث جو ایک دوسرے کی تقویت کا باعث ہیں ان میں یہ واقعہ پایا جاتا ہے۔ شیخ الاسلام ابن حجر رحمہ اللہ نے مختصر ابن حاجب کی احادیث کے ضمن میں اسٹھویں مجلس میں اسے ذکر کیا اور مختصر ابن حاجب کی شرح جو علامہ ابن سبکی نے لکھی ہے اس میں بھی یہ منقول ہے۔

اور کنکریوں کا تسبیح پڑھنا امام طبرانی اور ابن ابی عاصم نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا۔ ہرن کا سلام کرنا ابو نعیم اصفہانی اور امام بیہقی نے "دلائل النبوۃ میں" ذکر کیا اور ہم ان دونوں کے بارے میں کہتے ہیں کہ اگرچہ یہ متواتر نہیں ہیں تو شاید دوسری باتوں (مثلاً قرآن مجید) کے نقل کرنے کی وجہ سے ان کی ضرورت نہ سمجھی ہو (کیونکہ قرآن مجید بھی حضور ﷺ کا معجزہ ہے) یا ہوسکتا ہے شروع میں یہ متواتر ہوں۔

اسی طرح گھریلو جانور بھی ہیں یعنی وہ حیوان جن سے الفت ہو جس طرح پرندہ اور بکری وغیرہ تو قاسم بن ثابت رضی اللہ عنہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں آپ فرماتی ہیں ہماری ایک پالتو بکری تھی جب وہ حضور علیہ السلام کے پاس ہوتی تو خاموش رہتی نہ آتی نہ جاتی۔ اور جب آپ باہر تشریف لے جاتے تو وہ آنا جانا شروع کر دیتی قاضی عیاض رحمہ اللہ نے اسے اپنی سند کے ساتھ ذکر کیا۔

پانی نکلنے کا معجزہ [1]

رسول اکرم ﷺ کا ایک معجزہ آپ کی مبارک انگلیوں کے درمیان سے پانی کا نکلنا ہے اور یہ سب سے زیادہ معزز پانی تھا۔

امام قرطبی فرماتے ہیں: آپ کی انگلیوں کے درمیان سے پانی نکلنے کا واقعہ مختلف مقامات میں متعدد بار ہوا ہے اور یہ بات بہت سے طرق کے ساتھ مروی ہے جن کا جمع ہونا علم قطعی یقینی کا فائدہ دیتا ہے جو تواتر معنوی سے حاصل ہوتا ہے اور

[1] (دلائل النبوۃ ج ۶ ص ۷، البدایہ والنہایہ ج ۶ ص ۹۶)

اس قسم کا معجزہ ہمارے نبی ﷺ کے علاوہ کسی سے نہیں سنا گیا کیونکہ آپ کی مبارک ہڈیوں' پٹھوں' گوشت اور خون کے درمیان سے پانی نکلا۔

ابن عبدالبر نے (اسماعیل بن یحییٰ بن اسماعیل امام جلیل متوفی ۲۶۴ھ) مزنی رحمہ اللہ سے نقل کیا وہ فرماتے ہیں:
رسول اکرم ﷺ کی انگلیوں کے درمیان سے پانی کا نکلنا پتھر سے پانی کے نکلنے کے مقابلے میں زیادہ بلیغ (مؤثر) ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پتھر پر عصا مبارک مارا تو اس سے چشمے پھوٹ نکلے تھے اور پتھر سے پانی کا نکلنا معروف بات ہے جب کہ گوشت اور خون سے پانی کے نکلنے میں یہ بات نہیں ہے۔

(الاعلام ج ۱ص ۳۲۹' وفیات الاعیان ج ۱ص ۷۱' شذرات الذهب ج ۲ص ۱۴۸-۱۴۹' کشف الظنون رقم الحدیث: ۴۰۰' مفتاح السعادہ ج ۲ص ۱۵۸' فہرست ابن ندیم ج ۱ص ۲۱۲' مرآۃ الجنان ج ۲ص ۱۷۷)

نبی اکرم ﷺ کا یہ معجزہ (پانی کا نکلنا) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت سے مروی ہے جن میں حضرت انس' حضرت جابر اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم بھی شامل ہیں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ والی روایت صحیحین میں منقول ہے آپ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی اکرم ﷺ کو دیکھا نماز عصر کا وقت ہو چکا تھا اور لوگ وضو کے لئے پانی تلاش کر رہے تھے لیکن ان کو پانی نہیں ملتا تھا۔ رسول اکرم ﷺ کے پاس پانی لایا گیا تو آپ نے اپنا دستِ مبارک اس برتن میں رکھا اور صحابہ کرام کو وضو کرنے کا حکم دیا حتیٰ کہ ان میں سے آخری آدمی نے وضو کر لیا۔

"صحیح بخاری میں ہے کہ" وہ اسی افراد تھے اور انہی کے الفاظ ہیں کہ آپ کی مبارک انگلیوں کے درمیان اور کناروں سے پانی نکلنے لگا حتیٰ کہ سب لوگوں نے وضو کر لیا راوی فرماتے ہیں: ہم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا تم کتنے لوگ تھے؟ فرمایا ہم تین سو تھے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۶۹-۱۹۵-۲۰۰-۳۵۷۲-۳۵۷۳-۳۵۷۴-۳۵۷۵' صحیح مسلم ج ۴ص ۱۷۸۳' الشفاء ج ۱ص ۲۸۵' تمہید ج ۱ص ۲۱۷)

کرمانی فرماتے ہیں: حدیث کے الفاظ "حتیٰ کہ ان میں سے آخری نے وضو کر لیا" [1] میں "حتیٰ" "تدریج کے لئے اور "من" بیان کے لئے ہے یعنی صحابہ کرام نے وضو کیا حتیٰ کہ ان لوگوں نے بھی جو ان کے آخر میں تھے اور یہ اس بات سے کنایہ ہے کہ سب نے وضو کیا اور لفظ عند (یعنی عند آخرہم میں) لفظ فی کے معنیٰ میں ہے کیونکہ عند ظرفیت خاصہ کے لئے ہے لیکن مبالغہ کا تقاضا ہے کہ مطلق ظرفیت کے لئے ہو گویا کہ فرمایا کہ "وہ لوگ جو ان کے آخر میں تھے" امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہاں من' الیٰ کے معنیٰ میں ہے اور یہ بھی ایک لغت ہے۔ لیکن کرمانی نے فرمایا یہ شاذ لغت ہے فرمایا پھر "الیٰ" کا لفظ عند پر داخل نہیں ہوتا اور اس پر اور جو تیمی نے کہا اس پر لازم آتا ہے کہ خبر ہی داخل ہو لیکن جو کچھ کرمانی نے کہا ہے کہ الیٰ' عند پر داخل نہیں ہوتا تو اس سے وہ بات لازم نہیں آتی جو "من" کے "الیٰ" کے معنیٰ میں ہونے سے لازم آتی ہے اور امام نووی رحمہ اللہ کی توجیہ کے مطابق "عند" کو زائد قرار دیا جا سکتا ہے۔

---

[1] عربی عبارت اس طرح ہے "حتی توضؤوا من عند آخرھم" (ان سب نے وضو کیا)۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے اس حدیث کو ابن شاہین نے بھی روایت کیا ہے اور اس کے الفاظ اس طرح ہیں فرماتے ہیں۔

میں غزوہ تبوک میں رسول اکرم ﷺ کے پیچھے سوار تھا تو مسلمانوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہمارے جانور اور اونٹ پیاسے ہو گئے ہیں آپ نے فرمایا کیا کچھ بچا ہوا پانی ہے؟ تو ایک شخص مشکیزے میں کچھ پانی لایا آپ نے فرمایا پیالہ لاؤ پھر اس میں پانی ڈال کر اپنی ہتھیلی پانی میں رکھ دی حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے دیکھا کہ آپ کی انگلیوں کے درمیان سے چشمے جاری ہو گئے فرماتے ہیں ہم نے اپنے اونٹوں اور دوسرے جانوروں کو پانی پلایا اور جمع بھی کیا آپ نے فرمایا تمہیں کافی ہے؟ انہوں نے عرض کیا جی ہاں کافی ہے اے اللہ کے نبی! پس آپ نے ہاتھ اٹھایا تو پانی بھی ختم ہو گیا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۵۷۹، الشفاء ج ۱ ص ۲۸۶، شرح السنہ ج ۳ ص ۱۶۲، مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۵۹۱۰، اتحاف السادۃ المتقین ج ۷ ص ۱۷۱، البدایہ والنہایہ ج ۶ ص ۱۰۱)

امام بیہقی رحمہ اللہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ہی روایت نقل کی ہے وہ فرماتے ہیں ہم قبا کی طرف گئے تو کسی گھر سے ایک چھوٹا پیالہ لایا گیا رسول اکرم ﷺ نے اس میں دست مبارک ڈالا تو پیالے میں نہ آ سکا پس آپ نے چار انگلیاں ڈال دیں اور انگوٹھا داخل نہ کر سکے پھر قوم سے فرمایا میرے پاس پانی لاؤ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میری آنکھوں نے دیکھا کہ آپ کی مبارک انگلیوں کے درمیان سے پانی نکل رہا تھا صحابہ کرام مسلسل پیالے کی طرف آتے رہے حتیٰ کہ وہ سب سیراب ہو گئے۔ (دلائل النبوۃ ج ۳ ص ۱۲۳)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ والی حدیث صحیحین میں منقول ہے فرماتے ہیں کہ حدیبیہ کے دن لوگ پیاسے ہو گئے اور نبی اکرم ﷺ کے سامنے ایک برتن تھا جس سے وضو کرتے تھے لوگوں نے آپ کی طرف جلدی کی آپ نے فرمایا تمہیں کیا ہوا؟ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ہمارے پاس پانی نہیں کہ ہم وضو کریں اور پئیں صرف وہی پانی ہے جو آپ کے سامنے ہے آپ نے برتن میں دست مبارک رکھا تو آپ کی انگلیوں کے درمیان سے چشموں (کے پانی) کی طرح پانی جوش مار رہا تھا۔ پس ہم نے پیا اور وضو کیا۔ راوی کہتے ہیں میں نے پوچھا تم کتنے لوگ تھے؟ انہوں نے فرمایا اگر ہم ایک لاکھ بھی ہوتے تو ہمیں کافی ہوتا اور ہم پندرہ سو تھے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۵۷۶۔۴۱۵۲۔۴۱۵۳۔۴۸۴۰۔۵۶۳۹، المعجم الکبیر ج ۳ ص ۲۱۷، شرح السنہ ج ۱۳ ص ۲۹۱، مجمع الزوائد ج ۵ ص ۲۶۸، اتحاف السادۃ المتقین ج ۲ ص ۲۰۷، دلائل النبوۃ رقم الحدیث: ۱۳۳، اخلاق النبوۃ رقم الحدیث: ۱۵۳)

ولید بن عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی روایت ''صحیح مسلم میں غزوہ بواط کے ضمن میں'' طویل روایت ہے وہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے مجھ سے فرمایا اے جابر! لوگوں کو آواز دو کہ وہ وضو کے لیے پانی لے لیں۔ (طویل حدیث ہے)

(اس میں یوں مذکور ہے) لٹکے ہوئے مشکیزے کے منہ میں ایک قطرہ بھی نہ پایا وہ مشکیزہ حضور علیہ السلام کے پاس لایا گیا آپ نے اس پر ہاتھ رکھ کر کچھ پڑھا؟ اور مجھے معلوم نہ ہو سکا کہ آپ نے کیا پڑھا ہے؟ پھر فرمایا بڑے پیالے کے

لئے آواز دو میں نے لا کر آپ کے سامنے رکھ دیا (فرماتے ہیں) رسول اکرم ﷺ نے اپنا دست مبارک اس پیالے میں پھیلا دیا اور انگلیوں کو بھی الگ الگ کیا اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے اس پر پانی ڈالا اور بسم اللہ پڑھی فرماتے ہیں میں نے دیکھا کہ آپ کی انگلیوں کے درمیان سے پانی ابل رہا ہے پھر پیالے کا پانی جوش مارنے اور گھومنے لگا حتی کہ وہ بھر گیا آپ نے صحابہ کرام کو پانی پینے کا حکم دیا چنانچہ انہوں نے سیر ہو کر پیا۔ میں نے کہا کیا کسی کی ضرورت باقی ہے؟ اس کے بعد رسول اکرم ﷺ نے اپنا دست مبارک اٹھایا تو پیالہ ابھی بھی بھرا ہوا تھا۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۳۰۱۲ دلائل النبوۃ ج ۶ ص ۹ فتح الباری ج ۹ ص ۳۷۷ البدایۃ والنہایۃ ج ۶ ص ۹۹ اتحاف السادۃ المتقین ج ۲ ص ۲۰۷ الشفاء ج ۱ ص ۲۸۶)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت کو امام احمد رحمہ اللہ نے بھی "اپنی مسند میں" نقل کیا جس کے الفاظ اس طرح ہیں فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں پیاس کی شکایت کی تو آپ نے ایک بڑا پیالہ منگوایا اور اس میں کچھ پانی ڈالا پھر آپ نے اس میں اپنا دست مبارک رکھ دیا اور فرمایا پانی پیو پس صحابہ کرام نے نوش کیا اور میں دیکھ رہا تھا کہ آپ کی انگلیوں کے درمیان سے چشمے ابل رہے تھے۔

انہی کی ایک روایت کے الفاظ اس طرح ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے اپنی مبارک ہتھیلی برتن میں رکھی "بسم اللہ" پڑھی پھر فرمایا مکمل وضو کرو۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اس ذات کی قسم جس نے میری بینائی واپس لی ہے (آخری عمر میں آپ کی بینائی چلی گئی تھی) میں نے چشمے دیکھے اور یہ پانی کے چشمے آپ کی انگلیوں کے درمیان سے نکل رہے تھے پس آپ نے اس وقت تک ہاتھ نہیں اٹھایا جب تک سب نے وضو نہ کر لیا۔

امام بیہقی نے "دلائل النبوۃ میں" حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے ہی نقل کیا فرماتے ہیں ہم ایک سفر میں رسول اکرم ﷺ کے ہمراہ تھے کہ ہمیں پیاس لگ گئی ہم آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے پانی کے ایک برتن میں جو آپ کے سامنے تھا اپنا دست مبارک رکھا فرماتے ہیں آپ کی انگلیوں کے درمیان سے پانی اس طرح نکل رہا تھا گویا کہ چشمے ہوں آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کا نام لے کر لو پس ہم نے پیا تو وہ ہمیں کافی ہوا اگر ہم ایک لاکھ بھی ہوتے تو کافی ہوتا راوی کہتے ہیں میں نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے پوچھا آپ کتنے لوگ تھے؟ انہوں نے فرمایا ہم پندرہ سو تھے۔

ابن شاہین نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ہی روایت کیا آپ فرماتے ہیں ہمیں حدیبیہ میں پیاس لگی تو ہم بارگاہ نبوی میں فریاد لے کر حاضر ہوئے (آخر تک حدیث ذکر کی)۔

امام احمد رحمہ اللہ نے نبیح عنزی کے طریق سے نقل کیا حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں اس حدیث میں ہے کہ ایک شخص ایک برتن لے کر آیا جس میں کچھ پانی تھا اور صحابہ کرام کے پاس اس کے علاوہ پانی نہیں تھا رسول اکرم ﷺ نے اسے پیالے میں ڈالا پھر اس سے اچھی طرح وضو کیا پھر اس پیالے کو چھوڑ کر تشریف لے گئے تو صحابہ کرام نے پیالے پر ہجوم کر لیا آپ نے فرمایا اپنی اپنی جگہ ٹھہرو چنانچہ آپ نے اپنی ہتھیلی پیالے میں ڈالی پھر فرمایا اچھی طرح وضو کرو۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے دیکھا کہ آپ کی مبارک انگلیوں کے درمیان سے پانی کے چشمے جاری تھے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث حضرت علقمہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے "صحیح بخاری میں" منقول

ہے فرماتے ہیں کہ ہم رسول اکرم ﷺ کے ساتھ تھے اور ہمارے پاس پانی نہیں تھا آپ نے فرمایا تلاش کرو کسی کے پاس بچا ہوا پانی ہو چنانچہ پانی لایا گیا تو آپ نے اسے برتن میں ڈالا پھر اپنا دست مبارک اس میں ڈالا تو آپ کی انگلیوں کے درمیان سے پانی نکلنے لگا۔

ظاہر بات تو یہ ہے کہ دیکھنے والا آپ کی انگلیوں کے درمیان سے پانی نکلتا دیکھتا تھا لیکن درحقیقت یہ برکت تھی جو اس پانی کو حاصل ہوئی اور وہ جوش مارنے لگا اور زیادہ ہو گیا۔ جب کہ آپ کا دست مبارک اس میں تھا اور دیکھنے والے کو پانی انگلیوں کے درمیان سے نکلتا ہوا نظر آتا تھا۔

امام قرطبی کے کلام سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ پانی اس گوشت سے نکلتا تھا جو انگلیوں کے اندر تھا امام نووی رحمہ اللہ نے ''شرح مسلم میں'' اس بات کی تصریح کی ہے اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا یہ قول کہ میں نے آپ کی انگلیوں کے درمیان سے پانی نکلتا ہوا دیکھا اس بات کی تائید کرتا ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ میں نے آپ کی انگلیوں سے پانی رستا ہوا دیکھا اور یہ صحیح ہے اور یہ دونوں باتیں آپ کا معجزہ ہیں۔

اور آپ نے یہ طریقہ اختیار کیا اور پانی میں ہاتھ رکھنے کے بغیر یا برتن کے بغیر پانی نہیں نکالا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ادب ملحوظ تھا اس لئے کہ معدومات کو وجود میں لانا اور کسی اصل کے بغیر لانا صرف اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو بلا کر پانی طلب فرمایا انہوں نے عرض کیا اللہ کی قسم میرے پاس پانی نہیں آپ نے فرمایا کوئی مشکیزہ نہیں؟ پس وہ مشکیزہ لائے تو آپ نے اپنی ہتھیلی کو اس میں پھیلایا تو آپ کے دستِ مبارک کے نیچے چشمہ ابل پڑا حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اس سے پینے اور دوسرے حضرات وضو کرنے لگے۔

اس حدیث کو امام دارمی اور ابونعیم نے روایت کیا اسی طرح امام طبرانی اور ابونعیم نے ابویعلیٰ انصاری کی حدیث بھی نقل کی ہے اور ابونعیم نے قاسم بن عبداللہ بن ابی رافع سے انہوں نے اپنے والد سے اور انہوں نے ان کے دادا سے روایت کیا۔

پانی کا پھوٹ نکلنا

رسول اکرم ﷺ کے دستِ مبارک کی برکت سے پانی کا پھوٹ نکلنا بھی آپ کا ایک معجزہ ہے۔

(البدایہ والنہایہ ج ۶ ص ۱۰۳ 'دلائل النبوۃ ج ۵ ص ۲۳۶)

''صحیح مسلم میں'' حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے صحابہ کرام سے فرمایا انشاء اللہ کل تم تبوک کے چشمے پر پہنچ جاؤ گے اور جب تک دن روشن نہ ہو جائے تم وہاں نہیں پہنچو گے پس جو آدمی وہاں پہنچے وہ پانی میں سے کسی چیز کو ہاتھ نہ لگائے جب تک میں وہاں نہ آجاؤں۔

فرماتے ہیں ہم وہاں پہنچ گئے اور دو آدمی پہلے پہنچ گئے تھے اور کنواں شمع کی طرح تھا اس سے تھوڑا تھوڑا پانی نکلتا تھا۔ نبی اکرم ﷺ نے پوچھا تم نے پانی کو ہاتھ لگایا ہے تو انہوں نے کہا جی ہاں تو آپ نے ان کو ڈانٹ ڈپٹ کی (وہ

منافق تھے اور انہوں نے آپ کے حکم کے خلاف کیا تھا) جو کچھ اللہ تعالیٰ نے چاہا آپ نے ان سے فرمایا پھر پانی سے چلو بھرا حتیٰ کہ کچھ پانی جمع ہو گیا پھر اس سے اپنا چہرۂ انور اور ہاتھ دھوئے پھر اس میں ڈال دیا تو کنوئیں سے بہت زیادہ پانی جاری ہو گیا اور لوگوں نے اس سے پیا پھر آپ نے فرمایا اے معاذ! قریب ہے کہ تمہاری زندگی لمبی ہو تو تم یہاں باغ اور بستیاں دیکھو گے۔ اور یہ بھی آپ کا معجزہ تھا۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث:۱۰ اتحاف السادۃ المتقین ج ۷ ص ۱۷۲ البدایہ والنہایہ ج ۵ ص ۱۲۔ ج ۶ ص ۱۰۴ الشفاء ج اص ۲۸۸)

قاضی عیاض رحمہ اللہ نے ''الشفاء میں'' اسی کی مثل نقل کیا جو امام مالک نے ''موطا میں'' ذکر کیا اس میں یہ اضافہ ہے فرماتے ہیں ابن اسحاق کی حدیث میں ہے کہ پس پانی پھٹ گیا اور اس کی آواز بجلی کی گرج کی طرح تھی۔

''صحیح بخاری میں'' غزوۂ حدیبیہ کے ضمن میں حضرت مسور بن مخرمہ اور مروان بن حکم کی روایت سے ہے کہ وہ حدیبیہ کی دوسری جانب اترے وہاں پانی تھوڑا تھا اور لوگ تھوڑا تھوڑا کر کے لیتے تھے زیادہ دیر نہ گزری کہ پانی ختم ہو گیا اور صحابہ کرام نے بارگاہِ نبوی میں پیاس کی شکایت کی آپ نے اپنے ترکش سے ایک تیر نکالا اور فرمایا کہ اس کو کنویں میں ڈال دو۔ پس اللہ کی قسم وہ مسلسل جوش مارتا رہا حتیٰ کہ انہوں نے وہاں سے کوچ کیا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۳۱-۲۷۳۲-۲۷ الدر المنثور ج ۶ ص ۷۶ السنن الکبریٰ ج ۹ ص ۲۱۹ البدایہ والنہایہ ج ۴ ص ۱۷۵)

ایک روایت میں ہے کہ آپ نے کلی کر کے وہ پانی حدیبیہ کے کنویں میں ڈال دیا تو وہ اسی طرح جوش مارنے لگا۔

ابو الاسود کے مغازی میں حضرت عروہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے ڈول میں وضو کیا اور کلی کر کے پانی اسی میں ڈال دیا اور حکم دیا کہ اسے کنویں میں ڈال دو پھر آپ نے اپنے ترکش سے ایک تیر نکال کر اس کو کنویں میں ڈال دیا اور اللہ تعالیٰ سے دعا کی تو پانی جوش مارنے لگا حتیٰ کہ وہ چلو بھرنے لگے اور وہ اس کے کنارے پر بیٹھے ہوئے تھے پس آپ نے دونوں باتوں کو جمع کیا وضو بھی کیا اور اس میں کلی بھی کی۔ واقدی نے اوس بن خولی کے طریق سے اسی طرح روایت کیا۔

یہ واقعہ اس پہلے واقعہ کے علاوہ ہے جسے امام بخاری رحمہ اللہ نے ''مغازی میں'' حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث سے روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ کی مبارک انگلیوں سے پانی نکلنے لگا اور انہوں نے فرمایا کہ حدیبیہ کے مقام پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو پیاس لگی ہوئی تھی اور رسول اکرم ﷺ کے سامنے ایک برتن تھا آپ نے اس میں ہاتھ مبارک ڈالا تو آپ کی انگلیوں کے درمیان سے پانی جوش مار کر نکلنے لگا۔

ان دونوں قصوں میں اختلاف ہے اور ابن حبان نے ان کو اس طرح جمع کیا کہ مختلف اوقات میں وقوع پذیر ہوئے ہیں۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث جو پانی نکلنے کے بارے میں ہے عصر کے وقت سے متعلق ہے جب نماز کا وقت ہوا اور حضور علیہ السلام نے وضو کا ارادہ فرمایا اور حضرت براء رضی اللہ عنہ کی روایت اس سے عام امور کے ارادے سے متعلق ہے اور یہ بھی احتمال ہے کہ جب آپ کی مبارک انگلیوں سے پانی پھوٹ نکلا اور آپ کا دست مبارک برتن میں تھا تو ان سب نے وضو کیا اور پانی نوش فرمایا تو اس وقت آپ نے حکم دیا کہ برتن میں جو پانی باقی ہے اسے کنویں میں ڈال دیا

جائے پس اس سے کنویں کا پانی زیادہ ہو گیا۔

حضرت براء اور سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہما کی حدیث جو امام بخاری رحمہ اللہ نے حدیبیہ کے واقعہ کے حوالے سے نقل کی ہے اس وقت صحابہ کرام چودہ سو تھے اور اس کنویں سے پچاس بکریاں بھی سیراب نہیں ہوتی تھیں وہ فرماتے ہیں ہم نے تمام پانی نکال لیا اور اس میں ایک قطرہ بھی نہ چھوڑا رسول اکرم ﷺ اس کے کنارے میں تشریف فرما ہوئے حضرت براء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اس میں سے ایک ڈول لایا گیا تو آپ نے اس میں لعاب ڈالا اور دعا مانگی حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں دعا مانگی یا لعاب ڈالا تو اس کے پانی نے جوش مارا چنانچہ انہوں نے سیر ہو کر پیا اور سواری کے اونٹوں کو پلایا حضرت براء رضی اللہ عنہ کی روایت میں فرمایا کہ پھر آپ نے کلی کی اور دعا مانگی پھر اس میں ڈال دیا پھر فرمایا کچھ دیر کے لئے اس کو چھوڑ دو۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۱۵۱ الشفاء ج ا ص ۲۸۸)

صحیحین میں حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ ہم ایک سفر میں رسول اکرم ﷺ کے ہمراہ تھے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پیاس کی شکایت کی پس آپ اترے اور فلاں کو بلایا جن کا نام ابورجاء لیتے تھے اور ان کا نسب عوف تھا اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو بلایا اور فرمایا تم دونوں جا کر پانی تلاش کرو چنانچہ وہ دونوں تشریف لے گئے تو ان کی ملاقات ایک عورت سے ہوئی جس کے پاس پانی کے دو بڑے مشکیزے تھے وہ اسے نبی اکرم ﷺ کے پاس لے آئے اور اس کو اونٹ سے اتارا نبی اکرم ﷺ نے برتن طلب فرمایا اور اس میں مشکیزوں کے منہ کھول دیئے اور پھر ان کے منہ بند کر دیئے اور نیچے سے پانی نکالنے کی جگہ کو کھول دیا اور صحابہ کرام میں اعلان کیا گیا کہ پانی پلاؤ اور پیو پس جس نے پلایا اس نے پلایا اور جس نے پیا اس نے پیا۔ وہ خاتون کھڑی دیکھ رہی تھی کہ اس کے پانی کے ساتھ کیا ہو رہا ہے اور اللہ کی قسم اس سے پانی نکالا گیا اور ہمیں یہی خیال ہو رہا تھا کہ یہ مشکیزہ پہلے سے زیادہ بھرا ہوا ہے رسول اکرم ﷺ نے فرمایا اس عورت کے لئے جمع کرو پس انہوں نے اس کے لئے عجوہ کھجوریں آٹا اور ستو جمع کئے حتیٰ کہ اس کے لئے کھانا جمع ہو گیا تو اسے ایک کپڑے میں ڈال کر اس (عورت) کو اونٹ پر سوار کر دیا اور اس گٹھڑی کو اس کے آگے رکھ دیا۔

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا تم جانتی ہو کہ ہم نے تمہارے پانی سے کچھ بھی کم نہیں کیا بلکہ اللہ تعالیٰ نے ہی ہمیں پلایا وہ عورت اپنے گھر والوں کے پاس آئی اور کہنے لگی ایک تعجب خیز بات ہے دو آدمی مجھے ملے اور مجھے ایک شخص کے پاس لے گئے جس کو دین سے نکلنے والا کہا جاتا ہے اللہ تعالیٰ کی قسم اس نے سب لوگوں پر جادو تو نہیں کیا وہ تو رسول برحق ہیں اس نے اپنی قوم سے کہا میرا خیال ہے کہ وہ لوگ تمہیں (کسی خوف سے نہیں بلکہ) قصداً اسلام کی دعوت دیتے ہیں تو کیا اسلام میں رغبت رکھتے ہو؟ [1]

---

[1] نبی اکرم ﷺ کے اخلاق کریمانہ سے لوگ اسلام کی طرف مائل ہوئے تھے آج بھی اگر مسلمان اسلامی تعلیمات کا مظاہرہ کرے تو لوگ اسلام کی طرف راغب ہو سکتے ہیں افغانستان میں کچھ عیسائیوں کو عیسائیت کی تبلیغ کے جرم میں گرفتار کیا گیا اب جب ان کو رہائی ملی تو دو خواتین نے کہا ہم دوبارہ افغانستان جانا چاہتی ہیں یہ اس اخلاق کی بدولت جس کا مظاہرہ وہاں کی حکومت نے کیا۔ ۱۲ ہزاروی

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۴۴_۳۴۸_۳۵۷۱، مسند احمد ج ۴ ص ۴۳۵، دلائل النبوۃ ج ۴ ص ۲۷۸، السنن الکبری ج ۱ ص ۲۱۹)

حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے ہمیں خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا تم رات بھر چلو گے اور ان شاء اللہ صبح کے وقت پانی پر پہنچ جاؤ گے پس لوگ چلے اور وہ ایک دوسرے کی طرف متوجہ نہیں ہوئے۔

رسول اکرم ﷺ بھی چلتے رہے حتیٰ کہ رات روشن ہو گئی (دن قریب ہو گیا) آپ راستے سے ہٹ گئے پس سر انور رکھ دیا (لیٹ گئے) پھر فرمایا ہم پر ہماری نماز کی حفاظت کرنا پس سب سے پہلے نبی اکرم ﷺ بیدار ہوئے اور سورج ہماری پیٹھوں پر تھا پھر فرمایا سوار ہو جاؤ پس ہم سوار ہو کر چل پڑے حتیٰ کہ جب سورج بلند ہوا تو آپ اترے اور وضو کا برتن طلب کیا جو میرے پاس تھا اور اس میں تھوڑا سا پانی تھا اور اس سے وضو فرمایا اور اس میں کچھ پانی بچ گیا۔ آپ نے فرمایا ہمارے لئے اس برتن کی حفاظت کرنا عنقریب اس کے لئے ایک خبر ہو گی پھر حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے نماز کے لئے اذان دی تو نبی اکرم ﷺ نے دو رکعتیں پڑھیں اور اس کے بعد صبح کی نماز پڑھائی بعد ازاں آپ بھی سوار ہو گئے اور ہم بھی سوار ہو گئے۔

ہم دیگر صحابہ کرام تک اس وقت پہنچے جب دن اچھی طرح چڑھ آیا اور ہر چیز گرم ہو گئی اور وہ کہہ رہے تھے یا رسول اللہ! ہم ہلاک ہو گئے اور ہمیں پیاس لگی ہوئی ہے آپ نے فرمایا تم ہلاک نہیں ہو گے چنانچہ آپ نے وضو کا برتن طلب فرمایا اور اس میں سے پانی ڈالنے لگے حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ ان کو پلاتے جاتے تھے زیادہ دیر نہ گزری کہ انہوں نے برتن میں پانی دیکھ لیا اور اس پر ہجوم کر دیا رسول اکرم ﷺ نے فرمایا اچھے طریقے سے لو تم سب سیر ہو جاؤ گے (راوی) فرماتے ہیں صحابہ کرام نے اسی طرح کیا نبی اکرم ﷺ ان پر ڈالتے اور پلاتے جاتے تھے حتیٰ کہ میرے اور نبی اکرم ﷺ کے علاوہ کوئی بھی باقی نہ رہا پھر ڈالا اور فرمایا پیو میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! جب تک آپ نہیں پئیں گے میں نہیں پیوں گا آپ نے فرمایا قوم کا ساقی ان کے آخر میں ہوتا ہے (آخر میں پیتا ہے) چنانچہ میں نے پیا اور آپ نے بھی نوش فرمایا۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۶۸۱، مسند احمد ج ۵ ص ۲۸۹، دلائل النبوۃ ج ۴ ص ۲۸۴، تاریخ ابن عساکر ج ۷ ص ۲۸۸، مشکوۃ المصابیح رقم الحدیث: ۵۹۱۱، کنز العمال رقم الحدیث: ۳۱۰۴۰)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کے زمانے میں لوگ قحط کا شکار ہو گئے اس دوران کہ آپ جمعۃ المبارک کے دن خطبہ پڑھ رہے تھے ایک اعرابی کھڑا ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ! مال ہلاک ہو گئے اور بچے بھوکے ہیں ہمارے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے آپ نے آسمان کی طرف ہاتھ اٹھائے اور ہمیں آسمان میں بادل کا ایک ٹکڑا بھی نظر نہیں آ رہا تھا۔

پس اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے آپ نے ابھی ہاتھ نیچے نہیں کئے تھے کہ پہاڑوں کی طرح بادل پھیل گئے پھر آپ منبر سے اترے نہیں تھے کہ میں نے دیکھا بارش (کا پانی) آپ کی داڑھی مبارک پر اتر رہا ہے اس دن بھی دوسرے دن اور تیسرے دن بھی حتیٰ کہ دوسرے جمعہ تک بارش ہوتی رہی۔

پھر وہ اعرابی یا کوئی دوسرا آدمی کھڑا ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ! عمارتیں گر گئیں اور مال ڈوب گئے ہمارے لئے

دعا کیجئے آپ نے دستِ مبارک اٹھائے اور دعا فرمائی:

اَللّٰھُمَّ حَوَالَیْنَا لَا عَلَیْنَا. یا اللہ! ہمارے اردگرد بارش ہو ہم پر نہ ہو۔

آپ بادل کے جس کونے کی طرف اشارہ کرتے وہ ہٹتا جاتا اور مدینہ طیبہ ایک وسیع گول گڑھے کی طرح ہو گیا (یعنی بادلوں نے مدینہ طیبہ کے کناروں کو گھیر لیا) اور وادیٔ قناۃ ایک مہینے تک بہتی رہی اور مضافات سے جو بھی آیا اس نے تیز اور وسیع بارش کی خبر دی۔

ایک روایت میں ہے آپ نے یوں دعا مانگی:

اَللّٰھُمَّ حَوَالَیْنَا وَلَا عَلَیْنَا اَللّٰھُمَّ عَلَی الْاٰکَامِ وَالظِّرَابِ وَ بُطُوْنِ الْاَوْدِیَۃِ وَ مَنَابِتِ الشَّجَرِ. یا اللہ! ہمارے اردگرد پر ہم پر نہ ہو ٹیلوں اور چھوٹی پہاڑیوں پر اور وادیوں کے دامن نیز درختوں کے اُگنے کی جگہ پر ہو۔

(راوی فرماتے ہیں) بارش ختم ہو گئی اور ہم باہر نکل کر دھوپ میں چلنے لگے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۱۰۱۳، صحیح مسلم ج۸ص۹، سنن نسائی ج۳ص۱۶۰۔۱۶۱، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۱۲۶۹، مسند احمد ج۳ص۱۰۴، السنن الکبریٰ ج۳ص۳۵۳، الدرالمنثور ج۶ص۲۸، الادب المفرد رقم الحدیث:۶۱۳، مجمع الزوائد ج۳ص۲۱۲، المعجم الکبیر ج۱۰ص۳۳۶، دلائل النبوۃ ج۶ص۱۳۹، اتحاف السادۃ المتقین ج۷ص۱۹۵، مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث:۵۹۰۲، کنز العمال رقم الحدیث:۲۳۵۴۰۔۲۳۵۴۸)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے عرض کیا گیا کہ ہمیں تنگی والے وقت کے بارے میں بتائیں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہم سب گرمی میں تبوک کی طرف نکلے ایک منزل پر اترے تو پیاس نے ستایا حتیٰ کہ ہم نے گمان کیا ہماری سواریاں مر جائیں گی اور یہاں تک کہ ایک شخص دوسرے کو تلاش کرنے نکلتا تو وہ واپس نہ آتا حتیٰ کہ وہ گمان کرتا کہ عنقریب وہ ختم ہو جائے گا اور نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ ایک شخص اونٹ کو ذبح کر کے اس کی اوجھ (اوجھڑی) کو نچوڑ کر پیتا اور جو بچ جاتا اس کو جگر پر مل دیتا۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے آپ سے قبولیت دعا کا وعدہ فرمایا ہے آپ ہمارے لیے دعا کیجئے آپ نے فرمایا کیا تم اس بات کو پسند کرتے ہو؟ انہوں نے عرض کیا جی ہاں چنانچہ آپ نے ہاتھ اٹھائے اور اس وقت تک واپس نہ کیے جب تک آسمان پر بادل نہیں آ گئے پس بارش برسی اور صحابہ کرام نے ان برتنوں کو بھرا جو ان کے پاس تھے پھر ہم چلے تو دیکھا کہ بارش نے لشکر سے تجاوز نہیں کیا تھا۔ (دلائل النبوۃ ج۵ص۲۳۱، مجمع الزوائد ج۶ ص۱۹۴، السنن الکبریٰ ج۹ص۳۵۷، موارد الظمآن رقم الحدیث:۱۷۰۷، کنز العمال رقم الحدیث:۳۵۳۵۸)

حافظ منذری نے کہا کہ اس حدیث کو امام بیہقی رحمہ اللہ نے "دلائل النبوۃ میں" ذکر کیا۔

ان کے شیخ ابن بشران ثقہ (قابلِ اعتماد) ہیں، دعلج بھی ثقہ ہیں اور ابن خزیمہ ائمۂ حدیث میں سے ایک ہیں یونس راوی سے امام مسلم نے اپنی صحیح میں استدلال کیا ابن وہب، عمرو بن حارث اور نافع بن جبیر رحمہم اللہ سے امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ نے استدلال کیا البتہ عتبہ میں گفتگو کی گئی (یعنی ضعیف لیکن سچا قرار دیا گیا)۔

حضرت قاضی عیاض رحمہ اللہ نے اس حدیث کو ''الشفاء میں'' مختصر طور پر نقل کیا اور ابن اسحاق نے ''اپنی مغازی میں'' روایت کیا۔

''مصباح الظلام کے'' مصنف نے حضرت عمرو بن شعیب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ ابوطالب نے کہا میں ''ذی المجاز'' مقام پر اپنے بھتیجے یعنی نبی اکرم ﷺ کے ہمراہ تھا تو مجھے پیاس لگی میں نے آپ کی خدمت میں عرض کرتے ہوئے کہا میرے بھتیجے میں پیاسا ہوں میں نے ان سے یہ بات اس لئے کہی کہ میں وہاں وادی کے درمیان والے حصے (جس میں پانی نہ تھا) کے علاوہ کچھ نہیں دیکھتا تھا آپ نے اپنی ٹانگوں کو موڑا پھر نیچے اترے اور فرمایا اے چچا! کیا تم پیاسے ہو؟ میں نے کہا جی ہاں آپ نے اپنی ایڑی زمین پر لگائی تو وہاں پانی تھا آپ نے فرمایا اے چچا پیو پس میں نے پیا۔

ابن سعد اور ابن عساکر نے بھی اسی طرح روایت کیا ہے۔ (الشفاء ج ا ص ۲۹۰ طبقات ابن سعد ج ا ص ۱۳۱)

کھانے کا زیادہ ہونا

نبی اکرم ﷺ کی برکت اور دعا سے کھانے کا زیادہ ہونا بھی آپ کا معجزہ ہے۔

(البدایۃ والنہایۃ ج ۶ ص ۱۰۴ دلائل النبوۃ ج ۶ ص ۸۳)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ غزوۂ خندق کے ضمن میں فرماتے ہیں پس میں اپنی بیوی کی طرف لوٹا اور کہا کیا تیرے پاس کوئی چیز ہے؟ کیونکہ میں نے نبی اکرم ﷺ کو سخت بھوک کی حالت میں دیکھا ہے اس نے ایک تھیلی نکالی جس میں ایک صاع (چار کلو) جو تھے اور ہمارے پاس بکری کا گھر میں پالا ہوا چھوٹا بچہ تھا پس میں نے اسے ذبح کیا اور میری بیوی (سہید بنت معوذ انصاریہ) نے جو پیسے حتیٰ کہ ہم نے ہنڈیا میں گوشت ڈالا پھر میں نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور سرگوشی کے انداز میں عرض کیا یا رسول اللہ! ہم نے بکری کا بچہ ذبح کیا اور ایک صاع جو پیسے ہیں آپ اور کچھ دیگر افراد تشریف لائیں۔ رسول اکرم ﷺ نے بلند آواز سے فرمایا اے اہل خندق! حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے دعوت کا اہتمام کیا لہٰذا تم سب جلدی کرو رسول اکرم ﷺ نے فرمایا ہنڈیا کو (چولہے سے) نہ اتارنا اور آٹے کی روٹی نہ پکانا جب تک میں نہ آ جاؤں آٹا آپ کے سامنے رکھا گیا تو آپ نے اس میں لعاب مبارک ڈالا اور برکت کی دعا کی پھر ہماری ہنڈیا کی طرف متوجہ ہوئے اس میں بھی لعاب مبارک ڈالا اور برکت کی دعا کی پھر فرمایا روٹی پکانے والی کو بلاؤ جو تمہارے ساتھ پکائے اور ہنڈیا میں سے سالن نکالنا اسے اتارنا نہیں ہے۔

وہ لوگ ایک ہزار تھے پس اللہ تعالیٰ کی قسم انہوں نے کھایا اور باقی چھوڑ کر واپس گئے اور ہماری ہنڈیا پہلے کی طرح جوش مار رہی تھی اور اس کی آواز آ رہی تھی اور ہمارا آٹا جس کی روٹی پکائی گئی اسی طرح تھا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۱۰۲ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۴۱ البدایۃ والنہایۃ ج ۴ ص ۱۰۰ دلائل النبوۃ ج ۳ ص ۴۲۶ اتحاف السادۃ المتقین ج ۷ ص ۱۶۷)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ میں نے نبی اکرم ﷺ کی آواز میں کمزوری محسوس کی ہے جس میں بھوک معلوم ہوتی ہے تمہارے پاس کچھ ہے انہوں نے فرمایا ''ہاں'' پھر جو کی چند روٹیاں نکالیں اس کے بعد دوپٹہ نکالا اس کے کچھ حصے سے روٹیوں کو لپیٹا اور اس کو میری بغل

کے نیچے دبا کر باقی کپڑا میرے سر پر عمامہ کی طرح لپیٹ دیا پھر مجھے حضور علیہ السلام کی خدمت میں بھیجا' میں گیا تو میں نے رسول اکرم ﷺ کو مسجد میں پایا آپ کے ساتھ کچھ دوسرے حضرات بھی تھے میں نے سلام عرض کیا تو آپ نے فرمایا تجھے حضرت ابوطلحہ نے بھیجا ہے؟ میں نے عرض کیا جی ہاں فرمایا کھانے کے لئے؟ میں نے عرض کیا جی ہاں رسول اکرم ﷺ نے حاضرین سے فرمایا اٹھو پس آپ چل پڑے اور میں ان کے آگے آگے چل رہا تھا حتیٰ کہ میں حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور ان کو اطلاع کی حضرت ابوطلحہ نے فرمایا اے ام سلیم! رسول اکرم ﷺ' صحابہ کرام کے ہمراہ تشریف لا رہے ہیں اور ہمارے پاس ان کو کھلانے کے لئے کچھ نہیں انہوں نے کہا اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔

حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ (استقبال کے لئے) باہر نکلے اور آپ سے ملاقات کی۔ چنانچہ رسول اکرم ﷺ تشریف لائے اور حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ آپ کے ہمراہ تھے آپ نے فرمایا اے ام سلیم! تمہارے پاس جو کچھ ہے لے آؤ وہ وہی روٹی لے آئیں نبی اکرم ﷺ نے حکم دیا تو روٹیوں کو توڑا گیا اور ام سلیم نے ایک کپی میں سے (گھی یا شہد) نچوڑا پھر نبی اکرم ﷺ نے اس پر کچھ پڑھا جو اللہ تعالیٰ نے چاہا اس کے بعد فرمایا دس آدمیوں کو بلاؤ ان کو بلایا گیا پس انہوں نے سیر ہو کر کھایا اور باہر نکل گئے پھر دس کو بلایا گیا چنانچہ سب نے سیر ہو کر کھایا اور یہ لوگ ستر یا اسی مرد تھے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۵۷۸' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۴۲' موطا امام مالک رقم الحدیث: ۱۹' دلائل النبوۃ ج ۶ ص ۸۹' تمہید ج ۱ ص ۲۸۹' شرح السنہ ج ۱۳ ص ۳۰۱' دلائل النبوۃ رقم الحدیث: ۱۴۷' اتحاف السادۃ المتقین ج ۷ ص ۱۶۹' البدایہ والنہایہ ج ۶ ص ۱۰۸)

یہاں مسجد سے مراد وہ جگہ ہے جو غزوۂ خندق کے موقعہ پر فوجوں کے محاصرہ کے وقت نماز کے لئے تیار کی گئی تھی صحیح مسلم کی ایک روایت میں ہے آپ نے فرمایا دس آدمیوں کو بلاؤ پس وہ داخل ہوئے تو فرمایا بسم اللہ پڑھ کر کھاؤ چنانچہ انہوں نے کھایا اور اسی افراد نے کھانا کھایا اس کے بعد حضور علیہ السلام اور گھر والوں نے کھایا اور کھانا بچ بھی گیا۔

"صحیح بخاری کی" ایک روایت میں ہے آپ نے فرمایا دس دس افراد کو میرے پاس بھیجو حتیٰ کہ چالیس افراد شمار کئے پھر نبی اکرم ﷺ نے تناول فرمایا پس میں دیکھنے لگا کہ کیا اس میں کوئی چیز کم ہوئی ہے؟ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۴۳)

یعقوب کی روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا آٹھ افراد کو میرے پاس بھیجتے رہو پس اسی طرح ہوتا رہا حتیٰ کہ اسی افراد آپ کے پاس داخل ہوئے پھر مجھے (حضرت انس رضی اللہ عنہ کو) میری ماں اور حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کو بلایا تو ہم نے سیر ہو کر کھایا۔

تو یہ متعدد واقعات پر دلالت ہے ان میں سے اکثر روایات میں ہے کہ آپ نے ان کو دس دس کر کے بلایا صرف اس روایت میں آٹھ کا ذکر ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے یہ بات کہی ہے انہوں نے فرمایا ظاہر یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کے گھر اکیلے داخل ہوئے اور یہ بات عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ کی روایت میں واضح الفاظ میں بیان کی گئی ہے اس کے الفاظ اس طرح ہیں۔

جب رسول اکرم ﷺ دروازے تک پہنچے تو ان سے فرمایا تم بیٹھو اور آپ اندر تشریف لے گئے۔ یعقوب کی حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت میں ہے کہ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں نے حضرت انس

رضی اللہ عنہ کو بھیجا تھا کہ صرف آپ کو دعوت دیں ہمارے پاس اتنا کچھ نہیں جس سے یہ لوگ سیر ہو کر کھائیں جن کو میں دیکھ رہا ہوں۔

عمرو بن عبداللہ کی حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت میں ہے کہ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا صرف ایک روٹی ہے تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا عنقریب اللہ تعالیٰ اسے بابرکت بنا دے گا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۴۵۰ مسند احمد ج ۳ ص ۱۴۷ المعجم الکبیر ج ۵ ص ۱۰۸ اتحاف السادۃ المتقین ج ۷ ص ۱۶۹)

علماء کرام فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے ان کو دس دس کر کے بلایا کہ پیالہ (بڑا پیالہ) ایک تھا بڑی جماعت اس میں سے کھانے پر قادر نہ تھی اور پھر کھانا بھی کم تھا پس ان کو دس دس کی جماعت میں تقسیم کیا تاکہ وہ کھائیں اور بھیڑ نہ ہو۔

ازالۂ شبہ

نبی اکرم ﷺ کا پوچھنا کہ تمہیں ابوطلحہ نے بھیجا ہے ان کا ہاں میں جواب دینا اور پھر فرمانا کہ کھانے کے لئے؟ حضرت انس کا ہاں میں جواب دینا اور اس کے بعد نبی اکرم ﷺ کا حاضرین کو اٹھنے کا حکم دینا۔ ان تمام باتوں سے واضح ہوتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ سمجھ گئے تھے کہ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے آپ کو اپنے گھر بلایا ہے اسی لئے آپ نے وہاں موجود حضرات سے فرمایا اٹھو جب کہ کلام کا آغاز بتاتا ہے کہ حضرت ام سلیم اور حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہما نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کو روٹی دے کر بھیجا تھا۔

تو ان دونوں باتوں کو یوں جمع کیا جا سکتا ہے کہ روٹی بھیجنے سے ان کا مقصد یہ تھا کہ رسول اکرم ﷺ یہ روٹی لے کر کھائیں جب حضرت انس رضی اللہ عنہ وہاں پہنچے اور آپ کے گرد صحابہ کرام کو دیکھا تو حیا محسوس کیا اور سوچا کہ حضور علیہ السلام کو تنہا اپنے گھر دعوت دوں اس طرح آپ کو کھانا کھلانے کا مقصد حاصل ہو جائے گا۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۳۰۷)

اور یہ بھی احتمال ہے کہ بھیجنے والوں کی رائے یہی ہو اور انہوں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کو ہدایت کی ہو کہ جب لوگوں کی کثرت دیکھیں تو صرف حضور علیہ السلام کو دعوت دیں انہیں ڈر تھا کہ شاید یہ کھانا سب کو پورا نہ ہو اور انہیں نبی اکرم ﷺ کے ایثار کا بھی علم تھا کہ آپ تنہا تناول نہیں فرماتے۔

یعقوب بن عبداللہ بن ابی طلحہ رحمہم اللہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں یہ روایت ابونعیم نے نقل کی اور اصل امام مسلم کے ہاں ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے مجھ سے فرمایا اے انس! جاؤ اور رسول اکرم ﷺ کے پاس کھڑے ہو جاؤ جب آپ کھڑے ہوں تو انتظار کرنا حتی کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم متفرق ہو جائیں پھر آپ کے پیچھے جانا جب آپ دروازے کی چوکھٹ پر پہنچیں تو عرض کرنا میرے والد آپ کو بلا رہے ہیں۔ اس روایت میں یہ بھی ہے کہ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں نے حضرت انس کو بھیجا تھا کہ وہ صرف آپ کو دعوت دیں اور ہمارے پاس اتنے افراد کے لئے کھانا نہیں جن کو میں دیکھ رہا ہوں آپ نے فرمایا داخل ہو جاؤ اللہ تعالیٰ تمہارے کھانے میں برکت ڈال دے گا۔

حضرت مبارک بن فضالہ رحمہ اللہ کی روایت میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کیا گھی ہے؟ حضرت ابوطلحہ رضی

اللہ عنہ نے عرض کیا کچھ میں کچھ ہے پس وہ اسے لے کر حاضر ہوئے اب دونوں (حضور علیہ السلام اور حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ) نے اسے نچوڑا حتی کہ کچھ نکل آیا پھر نبی اکرم ﷺ نے روٹی کو ہاتھ لگایا تو وہ پھول گئی آپ نے ''بسم اللہ الرحمن الرحیم'' پڑھی آپ مسلسل اسی طرح کرتے رہے اور روٹی پھولتی رہی حتی کہ میں نے دیکھا کہ برتن میں پھیل گئی۔

(مسند احمد ج ۳ ص ۲۴۲ اتحاف السادۃ المتقین ج ۷ ص ۱۶۹ البدایۃ والنہایۃ ج ۶ ص ۱۱۲)

حضرت نضر بن انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے فرماتے ہیں میں کچی لے کر حاضر ہوا تو نبی اکرم ﷺ نے اپنے مبارک ہاتھوں سے اس کا ڈھکنا کھولا پھر یہ الفاظ کہے:

بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُمَّ اَعْظِمْ فِيْهَا الْبَرَكَةَ۔ اللہ کے نام سے یا اللہ! اس میں بہت بڑی برکت ڈال دے۔

معلوم ہوا کہ صحیحین کی روایت میں جو ذکر آیا ہے کہ آپ نے اس پر وہ کچھ پڑھا جو اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ آپ پڑھیں تو اس سے یہی کلمات مراد ہیں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی جو روایت امام احمد رحمہ اللہ نے نقل کی ہے اس میں ہے کہ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے رسول اکرم ﷺ کو پیٹ پر پٹی باندھے ہوئے دیکھا (تو آپ کی بھوک کا احساس ہوا)۔

حضرت ابویعلیٰ نے حضرت محمد بن سیرین کے طریق سے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کو یہ بات پہنچی کہ رسول اکرم ﷺ کے پاس کھانا نہیں تو انہوں نے ایک صاع کے بدلے مزدوری کی پھر یہ کھانا لائے۔

حضرت عمرو بن عبداللہ بن ابی طلحہ کی روایت جو امام مسلم اور ابویعلیٰ نے روایت کی ہے اس میں فرمایا کہ حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم ﷺ کو پیٹھ کے بل لیٹے ہوئے دیکھا کہ آپ الٹ پلٹ ہو رہے تھے۔

یعقوب بن عبداللہ بن ابی طلحہ کی روایت جسے امام مسلم نے ہی حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا اس میں ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں حاضر ہوا تو نبی اکرم ﷺ اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ہمراہ تشریف فرما تھے اور ان سے باتیں کر رہے تھے اور بطن اطہر پر کپڑے کی پٹی باندھ رکھی تھی میں نے بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ بھوک کی وجہ سے ایسا کیا ہے پس میں حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے پاس گیا اور ان کو اس بات کی خبر دی اور وہ حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا کے پاس گئے اور فرمایا کوئی چیز ہے؟

حضرت محمد بن کعب نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے جو کچھ روایت کیا اور اسے ابونعیم نے نقل کیا اس میں اس طرح ہے کہ آپ فرماتے ہیں حضرت ابوطلحہ' حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا کیا تمہارے پاس کچھ ہے؟ میں نبی اکرم ﷺ کے پاس سے گزرا آپ اصحاب صفہ کو سورۂ نساء پڑھا رہے تھے اور آپ نے اپنے پیٹ پر پتھر باندھ رکھے تھے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ غزوۂ تبوک کے موقع پر صحابہ کرام کو بھوک نے ستایا تو

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ان سے ان کا زائد کھانا منگوائیں پھر اس پر برکت کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا کریں آپ نے فرمایا ہاں ٹھیک ہے چنانچہ آپ نے چمڑے کا ایک دستر خوان منگوایا۔

اور بچھا دیا پھر ان سے ان کا زائد کھانا منگوایا تو کوئی شخص مٹھی بھر غلہ لا رہا تھا تو کوئی روٹی کا ٹکڑا حتیٰ کہ جب دستر خوان پر کچھ چیز جمع ہوگئی تو رسول اکرم ﷺ نے برکت کی دعا فرمائی پھر فرمایا اپنے اپنے برتن میں لے جاؤ چنانچہ وہ اپنے اپنے برتنوں میں لے گئے یہاں تک کہ لشکر میں کوئی ایسا برتن نہ تھا جو بھرا ہوا نہ ہو راوی فرماتے ہیں پس انہوں نے خوب سیر ہو کر کھایا اور کچھ بچ گیا تو رسول اکرم ﷺ نے فرمایا میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور بے شک میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں۔ جو شخص اس کلمہ شہادت کو یقین سے پڑھے اور اللہ تعالیٰ سے ملاقات کرے اس کے لئے جنت سے کوئی رکاوٹ نہیں۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۴۵' مسند احمد ج ۳ ص ۱۱' دلائل النبوۃ ج ۶ ص ۱۲۰' دلائل النبوۃ ابو نعیم رقم الحدیث: ۱۴۹' تفسیر قرطبی ج ۸ ص ۹ ۲۷' اتحاف السادۃ المتقین ج ۷ ص ۱۷۰۔۱۹۰' البدایہ والنہایہ ج ۶ ص ۱۱۸' الشفاء ج ۱ ص ۲۹۳) (کلمہ طیبہ (ایمان) جنت میں لے جانے کا باعث ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ عمل بھی ضروری ہے ورنہ ممکن ہے پہلے جہنم میں جانا پڑے اور پھر جنت میں جانا ہو۔ ۱۲ ہزاروی)۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ کی حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے شادی ہوئی تو میری والدہ حضرت ام سلیم نے کھجور' گھی اور پنیر کو ملا کر ایک حلوہ تیار کیا اور پھر ایک طسلے میں ڈال کر فرمایا یہ رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں لے جاؤ' اور کہو میری ماں نے آپ کی خدمت میں بھیجا ہے اور وہ آپ کو سلام کہتی ہیں۔

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا اسے رکھ دو اور فلاں فلاں کو میرے پاس بلاؤ آپ نے کچھ افراد کے نام لئے اور (فرمایا) ان کے علاوہ جو ملے اس کو بھی بلاؤ چنانچہ میں نے ان کو بھی جن کا آپ نے نام لیا اور ان کو بھی جن سے میری ملاقات ہوئی' بلایا میں واپس آیا تو گھر ان لوگوں سے بھرا ہوا تھا حضرت انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ تم کتنے لوگ تھے؟ انہوں نے فرمایا تقریباً تین سو افراد تھے۔

میں نے رسول اکرم ﷺ کو دیکھا کہ آپ نے اس حلوے پر ہاتھ رکھ کر جو کچھ اللہ نے چاہا آپ نے پڑھا پھر دس دس افراد کو بلاتے رہے جو اس میں سے کھاتے اور آپ ان سے فرماتے اللہ تعالیٰ کا نام لو اور ہر شخص اپنے سامنے سے کھائے حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں پس انہوں نے خوب سیر ہو کر کھایا اور ایک ایک گروہ کر کے چلے گئے جب سب نے کھا لیا تو آپ نے مجھ سے فرمایا اے انس اسے اٹھاؤ پس میں نے اسے اٹھا لیا مجھے معلوم نہیں جب اسے کھایا گیا تھا اس وقت کھانا زیادہ تھا یا اٹھاتے وقت زیادہ تھا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۱۶۳' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۹۴' تفسیر ابن کثیر ج ۶ ص ۴۴۲' اتحاف السادۃ المتقین ج ۷ ص ۱۷۰)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ حضرت ام مالک رضی اللہ عنہا ایک کپی میں نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں گھی کا تحفہ بھیجا کرتی تھیں۔

ان کے بیٹے ان کے پاس آ کر سالن کا سوال کرتے اور ان لوگوں کے پاس کچھ نہ ہوتا تو وہ اس کپی کی طرف جاتیں

جس میں حضور علیہ السلام کے لئے تحفۃً بھیجتی تھیں تو اس میں گھی پاتیں تو جب تک انہوں نے اس کو نچوڑا نہیں اس میں ہمیشہ سالن (گھی) باقی رہا وہ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں تو آپ نے پوچھا کیا تم نے اسے نچوڑا ہے؟ انہوں نے عرض کیا جی ہاں' فرمایا اگر اسے چھوڑ دیتیں تو ہمیشہ باقی رہتا۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۸' مسند احمد ج ۳ ص ۳۴۰' دلائل النبوۃ ج ۶ ص ۱۱۳' اتحاف السادۃ المتقین ج ۷ ص ۱۰۷' البدایہ والنہایہ ج ۶ ص ۱۲۳' فتح الباری ج ۱۱ ص ۳۳۸)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے ہی مروی ہے فرماتے ہیں کہ ایک شخص رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر کھانا مانگنے لگا آپ نے اسے نصف وسق (تیس صاع یا ایک سو بیس کلو) جو عطا فرمائے تو وہ' ان کی بیوی اور مہمان اس سے مسلسل کھاتے رہے حتیٰ کہ انہوں نے اس کا ماپ کر لیا (تو وہ ختم ہو گئے) وہ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور واقعہ عرض کیا آپ نے فرمایا اگر تم اس کا ماپ نہ کرتے تو ان سے کھاتے رہتے اور وہ تمہارے پاس باقی رہتے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۹' مسند احمد ج ۳ ص ۳۳۷' دلائل النبوۃ ج ۶ ص ۱۱۴' المستدرک ج ۳ ص ۲۳۶' اتحاف السادۃ المتقین ج ۷ ص ۱۰۷' المشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۵۹۳۱' البدایہ والنہایہ ج ۶ ص ۱۲۳' فتح الباری ج ۱۱ ص ۳۳۸)

کپی کو نچوڑنے کے بعد گھی کی برکت کے زائل ہونے اور ماپ کرنے کے بعد جو کی برکت کے دور ہونے میں حکمت یہ تھی کہ ان کو نچوڑنا یا ماپ کرنا رزق کے حصول کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کرنے کے خلاف اور تدبیر نیز اپنی قوت کو اختیار کرنے پر مشتمل تھا اور اللہ تعالیٰ کے حکم کے اسرار اور اس کے فضل کا احاطہ کرنے میں تکلف کرتا تھا تو اس کے فاعل کو اس کی سزا دی گئی۔ یہ بات امام نووی رحمہ اللہ نے فرمائی ہے۔ (دلائل النبوۃ ج ۶ ص ۹۳' البدایہ والنہایہ ج ۶ ص ۱۱۶)

حضرت ابو العلاء سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ ہم نبی اکرم ﷺ کے ہمراہ تھے اور صبح سے شام تک ایک پیالے سے کھاتے رہے دس آدمی (کھا کر) اٹھ جاتے اور دس آدمی بیٹھ جاتے پوچھا گیا وہ بڑھ جاتا تھا فرمایا تم کس بات پر تعجب کرتے ہو وہ وہاں سے بڑھتا تھا انہوں نے اپنے ہاتھ سے آسمان کی طرف اشارہ کیا۔

(جامع ترمذی رقم الحدیث: ۳۶۲۵)

انہی سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کے پاس ایک پیالہ لایا گیا جس میں گوشت تھا صحابہ کرام اس پر صبح سے شام تک باری باری تشریف لاتے رہے ایک جماعت اٹھ جاتی تو دوسرے بیٹھ جاتے ایک شخص نے حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا کیا یہ کھانا بڑھ جاتا تھا؟ فرمایا یہ وہاں سے بڑھتا تھا انہوں نے اپنے ہاتھ سے آسمان کی طرف اشارہ کیا (یعنی اللہ تعالیٰ اس میں برکت پیدا فرماتا تھا)۔

اس حدیث کو امام دارمی' ابن ابی شیبہ' ترمذی' بیہقی اور امام حاکم نے روایت کیا اور ان سب نے اسے صحیح قرار دیا' نیز ابو نعیم نے بھی روایت کیا۔

حضرت عبد الرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے فرماتے ہیں کہ ہم ایک سو تیس آدمی' نبی اکرم ﷺ کے ہمراہ تھے انہوں نے حدیث بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ ایک صاع (غلے کا) آٹا گوندھا گیا اور بکری ذبح کر کے اس کے پیٹ کی سیاہی (جگر وغیرہ) کو بھونا گیا۔ اللہ کی قسم ہم ایک سو تیس افراد میں سے ہر ایک کے لئے اس سے ایک ٹکڑا کاٹا گیا

پھر اسے دو پیالوں میں ڈالا گیا پس ہم سب نے کھایا اور دونوں پیالوں میں کچھ بچ بھی گیا تو میں نے اسے اونٹ پر رکھ لیا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:٢٦١٨، صحیح مسلم رقم الحدیث:٢٠٥٧، مسند احمد ج اص ١٩٧ ص ١٩٨، السنن الکبریٰ ج ٩ص ٢١٥، دلائل النبوة ج ٦ص ٩٥، البدایہ والنہایہ ج ٦ ص ١١٧، الشفاء ج اص ٢٩٢)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے مجھے حکم دیا کہ اہل صفہ کو بلاؤں پس میں ان کے پیچھے گیا حتیٰ کہ ان سب کو جمع کیا ہمارے سامنے ایک پیالہ رکھا گیا تو ہم نے جس قدر چاہا کھایا اور فارغ ہو گئے جبکہ وہ اسی طرح تھا جیسا رکھا گیا تھا البتہ اس میں انگلیوں کے نشانات تھے۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے بنو عبد المطلب سے چالیس افراد کو جمع کیا ان میں ایسے لوگ بھی تھے جو بکری کا آٹھ ماہ کا بچہ کھا جاتے اور بارہ صاع (اڑتالیس کلو) پانی پی جاتے تھے آپ نے ان کے لئے ایک کلو کھانا تیار کیا تو انہوں نے سیر ہو کر کھایا اور وہ پہلے کی طرح باقی رہ گیا پھر ایک لکڑی کا پیالہ طلب فرمایا تو انہوں نے اس میں سیر ہو کر پیا اور وہ (پانی) باقی رہ گیا گویا انہوں نے پیا ہی نہیں۔

آفت زدہ کو تندرست کرنے اور مردوں کو زندہ کرنے کا معجزہ

نبی اکرم ﷺ کے معجزات میں سے ایک معجزہ یہ بھی ہے کہ آپ آفت زدہ کو تندرست کر دیتے اور مردوں کو زندہ کرتے، ان سے کلام کرتے نیز بچوں سے کلام اور ان کا آپ کی نبوت پر شہادت دینا بھی معجزہ ہے۔

(البدایہ والنہایہ ج ٦ص ١٦٠، ١٦٧، دلائل النبوة ج ٦ص ١٨، ٥٠، ٥٥)

امام بیہقی رحمہ اللہ نے "دلائل النبوة میں" روایت کیا کہ رسول اکرم ﷺ نے ایک شخص کو اسلام کی دعوت دی تو اس نے کہا میں آپ پر اس وقت تک ایمان نہیں لاؤں گا جب تک آپ میری بیٹی کو زندہ نہ کر دیں آپ نے فرمایا مجھے اس کی قبر دکھاؤ چنانچہ اس نے آپ کو وہ قبر دکھائی آپ نے فرمایا اے فلاں لڑکی! اس نے کہا "میں حاضر ہوں" آپ نے فرمایا کیا تو واپس دنیا میں آنا چاہتی ہے؟ اس نے کہا یا رسول اللہ! میں واپس نہیں آنا چاہتی کیونکہ میں نے اللہ تعالیٰ کو اپنے ماں باپ سے بہتر پایا اور دنیا کے مقابلے میں آخرت کو اچھا دیکھا ہے۔

طبری نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ مقام حجون میں پریشانی کے عالم میں اترے اور وہاں جس قدر اللہ تعالیٰ نے چاہا ٹھہرے پھر خوشی خوشی واپس تشریف لائے اور فرمایا میں نے اپنے رب عز وجل سے سوال کیا تو اس نے میری ماں کو زندہ کیا پس وہ مجھ پر ایمان لائیں پھر ان کو لوٹا دیا [1]

اسی طرح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نبی اکرم ﷺ کے والدین کو زندہ کرنے اور ان کا آپ پر ایمان لانے سے متعلق روایت بھی مروی ہے اسے امام سہیلی نے اور اسی طرح الخطیب نے کتاب "السابق واللاحق" میں ذکر کیا لیکن امام

[1] رسول اکرم ﷺ کی والدہ ماجدہ اگرچہ مؤمنہ تھیں کیونکہ وہ اعلان نبوت سے پہلے انتقال فرما گئیں تھیں لیکن اس کے باوجود آپ کو مزید یہ اعزاز ملا کہ آپ کو دوبارہ زندہ کیا گیا اور آپ دولت ایمان سے مالا مال ہوئیں اللہ تعالیٰ نجدیوں وہابیوں کو ہدایت دے انہوں نے حضرت آمنہ طیبہ طاہرہ رضی اللہ عنہا کی قبر انور پر بلڈوزر پھیرا اور اسے مسمار کر دیا (العیاذ باللہ)۔ ١٢ ہزاروی

سہیلی نے فرمایا اس کی سند میں کچھ راوی مجہول ہیں اور ابن کثیر نے کہا یہ حدیث بہت منکر ہے مقصد اول میں اس پر بحث گزر چکی ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ ایک انصاری نوجوان کا انتقال ہو گیا اور اس کی ماں ایک نابینا بوڑھی خاتون تھیں ہم نے اس کی تجہیز و تکفین کی اور پھر اس کی ماں سے تعزیت کی اس نے پوچھا میرا بیٹا فوت ہو گیا ہے؟ ہم نے کہا جی ہاں' اس نے کہا یا اللہ! اگر تیرے علم کے مطابق میں نے تیری طرف اور تیرے نبی کی طرف ہجرت کی ہے اور یہ امید تھی کہ تو ہر مشکل میں میری مدد کرے گا تو مجھے اس مصیبت میں مبتلا نہ کر پس ہم وہاں سے نہیں ہٹے تھے کہ اس نوجوان نے اپنے چہرے سے پردہ ہٹایا تو اس نے اور ہم نے کھانا کھایا (اور وہ اس کے بعد عرصہ دراز تک زندہ رہا اور اس کی والدہ اس کی زندگی میں فوت ہوئی۔ زرقانی ج ۵ ص ۱۸۳)

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت زید بن خارجہ رضی اللہ عنہ انصار کے معززین میں سے تھے وہ ظہر اور عصر کے درمیان مدینہ طیبہ کے ایک راستے میں گزر رہے تھے کہ گر کر انتقال کر گئے انصار کو اس بات کی خبر ہوئی تو آئے اور اٹھا کر ان کو گھر لے گئے انہوں نے ان کو دو چھوٹی اور ایک بڑی چادر سے ڈھانپ دیا' گھر میں انصار کی عورتیں تھیں جوان پر رونے لگیں اسی طرح کچھ مرد بھی رونے لگے تو وہ اسی حالت پر تھے حتیٰ کہ جب مغرب اور عشاء کے درمیان کا وقت ہوا تو کسی کہنے والے کی آواز سنی کہ خاموش رہو خاموش رہو۔

انہوں نے دیکھا کہ کپڑے کے نیچے سے آواز آرہی ہے انہوں نے ان کے چہرے اور سینے سے کپڑا اٹھایا تو کوئی کہنے والا اس کی زبان سے کہہ رہا ہے۔ حضرت محمد ﷺ نبی امی اور خاتم النبیین ہیں آپ کے بعد کوئی نبی نہیں یہ بات پہلی کتابوں میں بھی ہے پھر کہا یہ سچ ہے یہ سچ ہے۔ اس کے بعد کہا یہ اللہ کے رسول ہیں ''السلام علیک یا رسول اللہ ورحمۃ اللہ و برکاتہ'' ابن ابی الدنیا نے اسے اپنی کتاب ''من عاش بعد الموت'' میں ذکر کیا ہے۔

حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انصار میں ایک شخص کا انتقال ہو گیا جب اسے کفن دیا گیا اور لوگ اسے اٹھانے کے لئے آئے تو اس نے کلام کرتے ہوئے کہا ''محمد رسول اللہ''۔ اس حدیث کو ابوبکر بن ضحاک نے ذکر کیا ہے۔

ابونعیم نے روایت نقل کی کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے ایک بکری ذبح کر کے پکائی اور ایک بڑے پیالے میں روٹی کے ٹکڑے ڈال کر اس پر شوربا ڈالا اور رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں لے آئے پس صحابہ کرام نے اسے کھایا رسول اکرم ﷺ ان سے فرما رہے تھے کھاؤ لیکن ہڈی نہ توڑنا پھر آپ نے ہڈیاں جمع کر کے ان پر ہاتھ رکھا اور کچھ پڑھا تو بکری کان جھاڑتی ہوئی کھڑی ہو گئی۔ (السنن الکبریٰ ج ۹ ص ۳۰۲)

حضرت معرض بن معیقیب یمانی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ میں نے حجۃ الوداع کیا اور پھر مکہ مکرمہ کے ایک گھر میں داخل ہوا میں نے رسول اکرم ﷺ کو اس میں دیکھا اور ایک تعجب خیز بات دیکھی یمامہ کا ایک شخص ایک بچے کو لے کر حاضر ہوا جو اسی دن پیدا ہوا تھا رسول اکرم ﷺ نے فرمایا اے بچے! میں کون ہوں؟ اس نے کہا ''آپ اللہ

تعالیٰ کے رسول ہیں'' آپ نے فرمایا تو نے سچ کہا اللہ تعالیٰ تجھے برکت عطا کرے اس کے بعد اس بچے نے جوانی تک کوئی بات نہ کی اور ہم نے اس کا نام ''مبارک یمامہ'' رکھا۔ (دلائل النبوۃ ج ۶ ص ۵۹ البدایہ والنہایہ ج ۶ ص ۱۶۷ اتحاف السادۃ المتقین ج ۷ ص ۱۹۵ تاریخ بغداد ج ۳ ص ۴۴۳ کنز العمال رقم الحدیث: ۳۵۴۰۱)

حضرت فہد بن عطیہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ کے پاس ایک بچہ لایا گیا جو جوانی کو پہنچ گیا تھا لیکن اس نے کبھی کلام نہ کیا آپ نے اس سے پوچھا میں کون ہوں؟ اس نے کہا آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں ایک عورت اپنے بچے کو لے کر نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا یا رسول اللہ! میرا یہ بچہ پاگل ہے اور اسے اس وقت دورہ پڑتا ہے جب ہم صبح اور شام کا کھانا کھاتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے اس کے سینے پر ہاتھ پھیرا تو اس نے قے کی اور اس کے پیٹ سے کتے کا سیاہ بچہ نکلا جو دوڑ گیا۔ (مسند احمد ج ۱ ص ۲۵۴۔ ۲۶۸ سنن دارمی رقم الحدیث: ۲۰ دلائل النبوۃ ج ۶ ص ۱۸۶)

غزوۂ احد کے دن حضرت قتادہ بن نعمان رضی اللہ عنہ کی آنکھ میں تیر لگا حتیٰ کہ وہ نکل کر آپ کے رخساروں پر آگئی وہ اس آنکھ کو لے کر رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ! میری ایک بیوی ہے جس سے میں محبت کرتا ہوں مجھے ڈر ہے کہ اگر اس نے مجھے دیکھ لیا تو ناپسند کرے گی نبی اکرم ﷺ نے اس آنکھ کو اپنے ہاتھ میں پکڑ کر اس کی جگہ پر دوبارہ رکھ دیا اور فرمایا اللہ کے نام سے (رکھتا ہوں) یا اللہ! ان کو حسن و جمال کا لباس عطا فرما پس وہ آنکھ دوسری آنکھ کے مقابلے میں زیادہ خوبصورت تھی اور اس کی نظر بھی زیادہ تیز تھی اور جب دوسری آنکھ دکھتی تو یہ آنکھ دکھتی نہیں تھی۔ (دلائل النبوۃ ج ۳ ص ۲۵۲ اتحاف السادۃ المتقین ج ۷ ص ۱۸۷)

ان (صحابی) کی اولاد میں سے ایک شخص حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے پوچھا تو کون ہے؟ اس نے کہا:

ابونا الذی سالت علی الخدعینه فردت بکف المصطفی ایما رد
فعادت کما کانت لاول امرها فیا حسن ما عین و یا حسن ماخد

''ہمارے باپ وہ ہیں جن کی آنکھ لٹک کر رخسار پر آگئی تھی پس حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے دست مبارک سے واپس ہوئی جیسے بھی واپس ہوئی پس وہ آنکھ پہلے کی طرح ہو گئی تو وہ آنکھ کتنی حسین اور وہ رخسار کس قدر خوبصورت تھا''؟

حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ نے اسے اپنے قریب کیا اور اچھا انعام دیا۔

امام سہیلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں حضرت محمد بن ابی عثمان نے (حضرت عمار بن نصر سے اور انہوں نے) حضرت مالک بن انس سے انہوں نے حضرت محمد بن عبد اللہ بن ابی صعصعہ سے انہوں نے اپنے والد سے انہوں نے حضرت ابوسعید سے انہوں نے اپنے بھائی حضرت قتادہ بن نعمان رضی اللہ عنہ سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں غزوۂ احد کے دن میری آنکھوں میں تیر لگا جس سے وہ میرے چہرے پر گر گئیں میں ان دونوں کو لے کر نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ

نے ان کو ان کی جگہ پر رکھ کر لعاب مبارک لگایا تو وہ دوبارہ روشن ہو گئیں۔ امام دار قطنی رحمہ اللہ نے فرمایا یہ حدیث غریب ہے اور اس کی روایت میں حضرت عمار بن نصر متفرد ہیں اور وہ ثقہ ہیں۔ اور دار قطنی نے اسے حضرت ابراہیم حربی کے واسطے سے حضرت عمار بن نصر سے روایت کیا۔

امام طبرانی اور ابونعیم نے حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں کہ میں احد کے دن اپنے چہرے کے ذریعے رسول اکرم ﷺ کے چہرۂ انور کو تیروں سے بچاتا تھا تو آخر میں ایک تیر نے میری آنکھ کا ڈھیلا گرا دیا میں اسے ہاتھ میں لے کر رسول اکرم ﷺ کی طرف دوڑ پڑا جب آپ نے اسے میری ہتھیلی میں دیکھا تو آپ کی مبارک آنکھوں سے آنسو نکل پڑے آپ نے دعا مانگی:

اَللّٰهُمَّ قَتَادَةَ كَمَا وَقٰى وَجْهَ نَبِيِّكَ بِوَجْهِهٖ فَاجْعَلْهَا اَحْسَنَ عَيْنَيْهِ وَاَحَدَّهُمَا نَظَرًا۔ (اتحاف السادۃ المتقین ج ۷ ص ۱۸۷)

یا اللہ! حضرت قتادہ کو بچا لے جس طرح انہوں نے تیرے نبی کے چہرے کو اپنے چہرے کے ذریعے بچایا پس اس آنکھ کو دونوں آنکھوں میں سے زیادہ خوبصورت اور اس کی نظر کو زیادہ تیز کر دے۔

"صحیح بخاری میں" غزوۂ خیبر کے سلسلے میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے پوچھا حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کہاں ہیں؟ صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ! ان کی آنکھوں میں تکلیف ہے آپ نے فرمایا ان کی طرف کسی کو بھیجو چنانچہ آپ حاضر ہوئے تو نبی اکرم ﷺ نے ان کی آنکھوں میں لعاب مبارک لگایا اور ان کے لئے دعا فرمائی پس وہ اس طرح ٹھیک ہوئے کہ گویا ان کی آنکھوں میں کوئی تکلیف نہ تھی۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۲۱۰' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۳۲' مسند احمد ج ۱ ص ۱۸۵۔ ج ۵ ص ۳۳۳' السنن الکبریٰ ج ۹ ص ۱۰۷' دلائل النبوۃ ج ۴ ص ۲۰۵' تمہید ج ۲ ص ۲۱۸' المعجم الکبیر ج ۶ ص ۱۸۷' اتحاف السادۃ المتقین ج ۷ ص ۱۸۸' کنز العمال رقم الحدیث: ۳۰۱۱۹۔ ۳۶۳۹۳۔ ۳۶۳۹۶)

"طبرانی شریف میں" حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ جب سے رسول اکرم ﷺ نے خیبر کے دن مجھے جھنڈا دیا اس دن سے نہ تو میری آنکھ دکھی اور نہ سر میں درد ہوا۔

"صحیح مسلم میں" حضرت ایاس بن سلمہ کے طریق سے مروی ہے وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے مجھے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا تو میں آپ کو لے کر حاضر ہوا اور ان کی آنکھ میں تکلیف تھی پس آپ نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی آنکھوں میں لعاب مبارک لگایا تو وہ ٹھیک ہو گئیں۔

امام حاکم کے نزدیک حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں پس نبی اکرم ﷺ نے میرا سر اپنی گود میں رکھا پھر اپنی ہتھیلی میں لعاب ڈال کر اس کو میری آنکھ پر ملا۔ اور طبرانی کے نزدیک اس طرح ہے کہ اب تک میری آنکھ میں کوئی تکلیف نہیں ہوئی اور رسول اکرم ﷺ نے میرے لئے دعا بھی فرمائی جس کے الفاظ یہ ہیں:

اَللّٰهُمَّ اَذْهِبْ عَنْهُ الْحَرَّ وَالْقَرَّ۔

یا اللہ! ان سے (نقصان دہ) گرمی سردی کو دور کر دے۔

فرماتے ہیں پس آج تک میری آنکھوں میں تکلیف نہیں ہوئی۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۱۷ مسند احمد ج ۱ ص ۹۹ البدایہ والنہایہ ج ۷ ص ۳۵۲ فتح الباری ج ۷ ص ۶۰۶)

خیبر کے دن حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ کی پنڈلی میں ضرب لگنے سے زخم آ گیا تو نبی اکرم ﷺ نے تین بار لعاب کے ساتھ پھونک ماری تو اس کے بعد ان کو کبھی تکلیف نہیں ہوئی۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۸۹۴ مسند احمد ج ۴ ص ۹۸)

حضرت فدیک رضی اللہ عنہ کی آنکھوں میں سفیدی تھی اور ان کو کچھ بھی نظر نہیں آتا تھا اور وہ سانپ کے انڈے پر گر گئے تھے رسول اکرم ﷺ نے ان کی آنکھوں میں لعاب کے ساتھ پھونک ماری تو (ان کی حالت یوں ہو گئی کہ) وہ اسی سال کی عمر میں سوئی میں دھاگہ ڈال لیتے تھے اور ان کی آنکھیں روشن ہو چکی تھیں۔

فصل نمبر ۳

رسول اکرم ﷺ کی خصوصیات

اللہ تعالیٰ نے جن معجزات کے ساتھ آپ کو خاص کیا اور جن کرامات اور دلائل کے ذریعے آپ کو دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کے مقابلے میں زیادہ شرف عطا کیا۔ (البدایہ والنہایہ ج ۶ ص ۲۸۵)

نبی اکرم ﷺ کی فضیلت

اللہ تعالیٰ میرے اور تیرے دل کو روشن کردے نیز میرے اور تیرے دل کو پاک کردے جان لو کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی ﷺ کو بعض امور کے ساتھ خاص کیا اور وہ باتیں آپ سے پہلے کسی نبی کو نہیں دی گئیں اور جس نبی کو جو کچھ دیا گیا ہمارے آقا ﷺ کو بھی اس کی مثل دیا گیا آپ کو جامع کلمات عطا کیے گئے اور آپ اس وقت بھی نبی تھے جب حضرت آدم علیہ السلام روح اور جسم کے درمیان تھے جب کہ دوسرے نبی اپنی نبوت کی حالت اور اپنے زمانۂ رسالت میں ہی نبی ہوتے ہیں۔

تو جب سرکار دو عالم ﷺ کو یہ مقام عطا کیا گیا تو ہمیں معلوم ہو گیا کہ نبی اکرم ﷺ کو تمام کامل اور مبعوث انسانوں (انبیاء کرام) سے بڑھ کر فضیلت عطا کی گئی۔

اللہ تعالیٰ امام شرف الدین بوصیری ادیب رحمہ اللہ پر رحم فرمائے انہوں نے کیا ہی اچھا کلام کہا ہے وہ فرماتے ہیں:

وکل ای اتی الرسل الکرام بها — فانما اتصلت من نوره بهم

فانه شمس فضل هم کواکبها — یظهرن انوارها للناس فی الظلم

"جس قدر معجزات انبیاء کرام علیہم السلام دنیا میں لائے درحقیقت وہ تمام آپ ہی کے نور سے ان کو حاصل ہوئے کیوں کہ آپ آفتاب کمال ہیں اور باقی انبیاء کرام حضور علیہ السلام کے مقابلے میں ستاروں کی طرح ہیں جو علم وہدایت کی روشنی کو جہالت کے اندھیرے میں لوگوں پر ظاہر کرتے ہیں"۔

علامہ ابن مرزوق رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ انبیاء کرام میں سے ہر ایک جو معجزہ لے کر آیا وہ اسے نور محمدی (علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) کے ذریعے حاصل ہوا اور ان کا یہ قول کتنا اچھا ہے۔

"فانما اتصلت من نوره بهم"۔ یعنی نبی اکرم ﷺ کا نور ہمیشہ قائم رہا اور اس سے کچھ بھی کم نہ ہوا اور یہ آپ کے نور کا فیضان ہے یہ وہم نہ کیا جائے کہ آپ کا نور ان کو مل گیا اور آپ کے لئے کچھ بھی باقی نہ رہا۔

اور ہر نبی کا معجزہ رسول اکرم ﷺ کے نور سے حاصل ہوا کیونکہ آپ فضیلت کا سورج ہیں اور وہ اس سورج کے ستارے ہیں جو اس سورج کے انوار کو اندھیرے میں لوگوں کے لئے ظاہر کرتے ہیں پس ستارے خود بخود روشن نہیں ہوتے بلکہ وہ سورج سے مدد حاصل کرتے ہیں جب وہ غروب ہوتا ہے تو یہ اس کی روشنی کو ظاہر کرتے ہیں اس طرح آپ کے وجود مسعود سے پہلے انبیاء کرام آپ کی فضیلت کو ظاہر کرتے تھے پس انبیاء کرام کے ہاتھوں سے جو انوار ظاہر ہوئے وہ آپ کے نور کا فیض اور وسیع مدد ہے اور آپ کے نور میں بھی کوئی کمی نہیں آئی۔

سب سے پہلے آپ کا نور حضرت آدم علیہ السلام میں ظاہر ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو خلیفہ بنایا اور نبی اکرم ﷺ کو جو جامع کلمات عطا کیے تھے ان کی جگہ حضرت آدم علیہ السلام کو تمام چیزوں کے نام سکھا دیئے اور تمام اشیاء کے ناموں کے ذریعے وہ فرشتوں پر غالب آ گئے جو فرشتے کہتے تھے:

اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا وَ يَسْفِكُ الدِّمَآءَ ۚ (البقرۃ:۳۰)

کیا تو اس (زمین) میں ان لوگوں کو پیدا کرتا ہے جو اس میں فساد پھیلائیں گے اور خون بہائیں گے۔

پھر خلفاء کو زمین میں اتارا حتیٰ کہ رسول اکرم ﷺ کے جسمانی وجود مسعود کا وقت آ گیا تاکہ آپ کے مقام و مرتبہ کو ظاہر کیا جائے جب آپ تشریف لائے تو گویا آپ سورج ہیں جس کے نور میں تمام نور گم ہو گئے اور تمام انبیاء کرام کے معجزات آپ کے معجزات میں لپیٹ دیئے گئے تمام رسالتیں آپ کی صلب نبوت میں داخل ہو گئیں اور تمام نبوتیں آپ کی رسالت کے جھنڈے کے نیچے آ گئیں پس جس کو جو فضیلت دی گئی اس کی مثل رسول اکرم ﷺ کو بھی عطا کی گئی۔

دیگر انبیاء کرام کے ساتھ فضائل میں شرکت

حضرت آدم علیہ السلام کی یہ فضیلت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے دست قدرت سے پیدا فرمایا تو ہمارے سردار حضرت محمد ﷺ کو یہ اعزاز عطا کیا کہ آپ کے سینہ مبارکہ کو کھول دیا اور اللہ تعالیٰ نے اپنے دست قدرت سے یہ کام کیا اور اس میں ایمان اور حکمت بھر دی اور یہ آپ کا خلق عظیم ہے تو اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کے وجود کی تخلیق فرمائی تو ہمارے آقا ﷺ کے خلق مبارک کی تخلیق خود فرمائی حالانکہ جیسا کہ گزر گیا کہ حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کا مقصد نبی اکرم ﷺ کو آپ کی پشت مبارک سے پیدا کرنا تھا تو حضرت محمد ﷺ مقصود اور حضرت آدم علیہ السلام وسیلہ تھے اور مقصود کو وسیلہ پر سبقت (فضیلت) حاصل ہوتی ہے۔

اور جہاں تک حضرت آدم علیہ السلام کے سامنے فرشتوں کے سجدہ کرنے کا تعلق ہے تو امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر (تفسیر کبیر) میں فرمایا کہ فرشتوں کو حضرت آدم علیہ السلام کے لئے سجدہ کرنے کا حکم اس لئے دیا گیا کہ

رسول اکرم ﷺ کا نوران کی پیشانی میں چمکتا تھا۔

کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

تجلیت جل اللہ فی وجہ آدم فصلی لہ الاملاک حین توسلوا

''اللہ تعالیٰ بہت بڑا ہے آپ نے حضرت آدم علیہ السلام کے چہرے (پیشانی) میں تجلی فرمائی تو فرشتوں نے آپ کے وسیلہ سے ان کو سجدہ کیا (آپ کے نور کی وجہ سے)''۔

حضرت ابوعثمان الواعظ سے الالکھائی نے نقل کیا وہ فرماتے ہیں میں نے حضرت امام سہل بن محمد رحمہ اللہ سے سنا وہ فرماتے تھے اللہ تعالیٰ نے آیت کریمہ:

اِنَّ اللّٰهَ وَ مَلٰٓىٕكَتَهٗ یُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِیِّؕ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْهِ وَ سَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا ۝ (الاحزاب:۵۶)

بے شک اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے نبی اکرم ﷺ پر درود شریف بھیجتے ہیں پس اے ایمان والو تم بھی ان پر درود اور خوب سلام بھیجو۔

کے ذریعے آپ کو جو شرف عطا فرمایا وہ اس شرف سے زیادہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو سجدہ کرنے کا حکم دے کر حضرت آدم علیہ السلام کو عطا فرمایا کیونکہ اس شرف میں (سجدہ کرنے میں) اللہ تعالیٰ کا فرشتوں کے ساتھ شریک ہونا جائز نہیں تو اس اعزاز کی عطا جس میں اللہ تعالیٰ فرشتے اور مؤمن شامل ہوں وہ اس اعزاز و اکرام سے زیادہ بلیغ ہے جو فرشتوں کے ساتھ خاص ہے۔

بعض حضرات نے فرمایا کہ حضرت آدم علیہ السلام کو جو تمام چیزوں کے نام سکھائے گئے تو امام دیلمی نے مسند الفردوس میں حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ کی حدیث سے نقل کیا وہ فرماتے ہیں۔

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

مثلت لی امتی فی الماء والطین و علمت الاسماء کلھا کما علم الادم الاسماء کلھا۔

میرے لئے میری امت پانی اور گارے میں پیش کی گئی اور مجھے تمام ناموں کا علم دیا گیا جیسا کہ حضرت آدم علیہ السلام کو تمام نام سکھائے گئے۔

(الدر المنثور ج ا ص ۴۹' کنز العمال رقم الحدیث: ۳۳۵۸۸)

پس جس طرح حضرت آدم علیہ السلام کو تمام علوم حاصل ہوئے اسی طرح ہمارے نبی ﷺ کو بھی تمام علوم بلکہ اس سے زیادہ کا علم دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان علوم کی ذاتوں کا بھی علم عطا کر کے آپ پر رحمت اور سلامتی نازل فرمائی ۔امام بوصیری رحمہ اللہ نے کیا خوب فرمایا:

لک ذات العلوم من عالم الغیب ومنھا لادم الاسماء

''آپ کے لئے غیب جاننے والے کی طرف سے علوم کی ذات عطا ہوئی اور ان میں سے حضرت آدم علیہ السلام کو ان کے ناموں کا علم دیا گیا''۔

اوراس میں شک نہیں کہ مسمیات (اشیاء) ناموں سے بلند مرتبہ رکھتی ہیں کیونکہ نام تو ان اشیاء کی پہچان کے لئے ہوتے ہیں پس ذاتی طور پر مقصود اشیاء ہی ہوتی ہیں ان کی طرف "ذات العلوم" کے الفاظ سے اشارہ کیا گیا اور اسماء (نام) دوسروں کے لئے (اشیاء کے لئے) مقصود ہوتے ہیں لہٰذا وہ نچلے درجہ میں ہیں پس عالم کی فضیلت اس کی معلومات کی فضیلت کے مطابق ہوتی ہے (چونکہ حضور علیہ السلام کی معلومات اشیاء ہیں اور وہ ناموں سے افضل ہیں لہٰذا آپ کو آدم علیہ السلام کے مقابلے میں فضیلت حاصل ہے)۔

حضرت ادریس علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے بلند مقام عطا فرمایا۔

ارشاد خداوندی ہے:

وَرَفَعْنَاهُ مَكَانًا عَلِيًّا. (مریم:۵۷) اور ہم نے ان کو بلند مقام عطا فرمایا۔

تو ہمارے آقا ﷺ کو معراج عطا کیا گیا اور ایسے مقام تک لے جایا گیا کہ وہاں تک کسی دوسرے کو رفعت عطا نہیں ہوئی۔

حضرت نوح علیہ السلام اور آپ کے ہمراہ لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے ڈوبنے سے بچایا اور زمین میں دھنسنے سے نجات دی تو ہمارے آقا ﷺ کو یہ اعزاز عطا فرمایا کہ آپ کی امت آسمانی عذاب سے ہلاک نہیں ہوگی۔ ارشاد خداوندی ہے:

وما کان اللہ لیعذبھم وانت فیھم. اور اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو عذاب نہیں دے گا جب کہ آپ ان میں موجود ہیں۔

امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی کو پانی پر روک کر ان کو اعزاز بخشا تو حضرت محمد ﷺ کو اس سے بھی بڑا اعزاز عطا کیا ایک روایت میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ پانی کے کنارے پر تھے اور حضرت عکرمہ بن ابوجہل وہاں بیٹھ گئے کہنے لگے اگر آپ سچے ہیں تو اس پتھر کو بلائیں جو دوسری طرف ہے وہ تیرتا ہوا آئے اور غرق نہ ہو نبی اکرم ﷺ نے اس کی طرف اشارہ کیا تو وہ پتھر اپنی جگہ سے نکل کر تیرتا ہوا آپ کے سامنے آیا اور آپ کی رسالت کی شہادت دی نبی کریم ﷺ نے فرمایا تمہارے لئے یہ کافی ہے؟

حضرت عکرمہ نے عرض کیا حتیٰ کہ اپنی جگہ چلا جائے۔ تو یہ بات دوسروں کے لئے نہیں دیکھی گئی اور اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ (تغلیق التعلیق رقم الحدیث:۱۹۳)

حضرت ابراہیم علیہ السلام پر نمرود کی آگ ٹھنڈی اور سلامتی بن گئی تو ہمارے آقا حضرت محمد ﷺ کو اس کی مثل اعزاز اس طرح عطا کیا گیا کہ آپ سے لڑائی کی آگ کو ٹھنڈا کیا گیا۔

اور تمہارے لئے یہی بات کافی ہے کہ حضور علیہ السلام کی لڑائی کی آگ کے لئے تلواریں لکڑی، اس کی گرمی ہلاکت اس کا سبب حسد اور مراد روح و جسم تھا (یعنی اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ اعزاز عطا فرمایا اور دشمن کے مکر و فریب کو کمزور کیا)۔

ارشاد خداوندی ہے:

كُلَّمَا اَوْقَدُوْا نَارًا لِّلْحَرْبِ اَطْفَاَهَا اللّٰهُ۔ جب بھی انہوں (کفار) نے لڑائی کے لئے آگ جلائی اللہ تعالیٰ نے اسے بجھا دیا۔

توانہوں نے کتنی بار آگ کے ذریعے نور کو بجھانے کی کوشش کی اللہ تعالیٰ نے اپنے نور کو پورا کرنے کے بغیر کچھ نہ مانا نیز ان کے شر کو مٹانے اور حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی تعریف پر خوشی اور اس کے ظہور کا ارادہ فرمایا۔

ذکر کیا جاتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ معراج کی رات آگ کے دریا پر سے سلامتی کے ساتھ گزر گئے جو آسمان دنیا سے گزر کر ہے جس طرح کہ میں نے بعض کتب میں مروی دیکھا ہے۔

حضرت امام نسائی رحمہ اللہ نے روایت کیا کہ حضرت محمد بن حاطب رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں بچہ تھا کہ مجھ پر ہنڈیا الٹ گئی جس سے میرا تمام چمڑا جل گیا تو میرے والد مجھے اٹھا کر نبی اکرم ﷺ کے پاس لے گئے آپ نے میری جلد پر لعاب مبارک لگایا اور جلی ہوئی جگہ پر ہاتھ پھیرا اور فرمایا:

اَذْهِبِ الْبَاْسَ رَبَّ النَّاسِ. اے لوگوں کے رب! اس تکلیف کو دور کر دے۔

پس میں صحیح ہو گیا اور کوئی تکلیف باقی نہ رہی۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۶۷۵۔۵۷۴۳۔۵۷۴۴۔۵۷۵۰، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۴۶۔۴۷۔۴۹، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۸۸۳، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۲۱۹۔۳۵۲۰۔۳۵۳۰، مسند احمد ج ۶ ص ۴۴، السنن الکبریٰ ج ۳ ص ۳۸۱، المستدرک ج ۴ ص ۶۲، المعجم الکبیر ج ۴ ص ۳۲۷، دلائل النبوۃ ج ۶ ص ۱۷۳، شرح السنہ ج ۵ ص ۲۴۴، مجمع الزوائد ج ۵ ص ۱۱۲، کشف الخفاء ج ۱ ص ۱۱۵، موارد الظمآن رقم الحدیث: ۱۴۱۵۔۱۴۱۷، مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۱۵۳۰، کنز العمال رقم الحدیث: ۱۸۳۷۱۔۲۵۶۹۱۔۲۸۵۳۷۔۲۸۵۳۹)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جو مقام خلت عطا کیا گیا (اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنا خلیل بنایا) تو یہ اعزاز ہمارے آقا ﷺ کو بھی عطا کیا گیا اور مقام محبت مزید عطا کیا گیا۔ حدیث شفاعت میں ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام سے عرض کیا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو خلیل بنایا ہے پس ہماری سفارش کیجئے تو انہوں نے فرمایا "میں دور دور سے خلیل تھا کسی اور کی طرف جاؤ" یہاں تک کہ حضور علیہ السلام تک سفارش کا سلسلہ پہنچے گا تو آپ فرمائیں گے:

انا لها انا لها. میں ہی اس کام کے لئے ہوں (دوبار فرمائیں گے)۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۷۱۰، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۳۲۹، تفسیر ابن کثیر ج ۸ ص ۳۳۱، البدایہ والنہایہ ج ۱ ص ۱۶۰، الشفاء ج ۱ ص ۲۲۰)

تو یہ اس بات پر دلالت ہے کہ ہمارے نبی ﷺ اللہ تعالیٰ کے خلیل تھے اور آپ سے پردہ ہٹایا دیا گیا اور اگر آپ بھی دور دور سے (پردے کے پیچھے سے) خلیل ہوتے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرح آپ بھی معذرت کر دیتے۔

اس سے اس بات پہ تنبیہ ہے کہ آپ کو اللہ تعالیٰ کی زیارت اور پردوں کے اٹھ جانے کا اعزاز بھی حاصل ہوا حتیٰ کہ آپ نے اپنی سر کی آنکھوں سے حق کو دیکھا جس طرح پانچویں مقصد میں اس پر بحث آئے گی۔ انشاء اللہ

خلاصہ یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ کو وہ مقام خلت بھی ملا جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے مشہور ہے اور یوں ملا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بھی فرمایا کہ حضرت محمد ﷺ کا حصہ اس سے اعلیٰ ہے۔ اور یہ آپ کے اس قول سے ثابت ہوا جس میں انہوں نے فرمایا میں پردے کے باہر باہر سے خلیل تھا بلکہ آپ کے لئے پردہ ہٹ گیا اور آپ کو بارگاہ خداوندی کا قرب حاصل ہوا (یہاں مکان مراد نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ اس سے پاک ہے)۔

تو دلیل و برہان کے ساتھ (ثابت) مقام مصطفیٰ یہ ہے (ﷺ) اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یہ اعزاز بھی حاصل ہوا کہ آپ نے زمین پر تنہا اللہ تعالیٰ کی عبادت کی اور اس کی توحید کا اعلان کیا اور بتوں کو توڑ پھوڑ دیا تو ہمارے آقا ﷺ کو بھی یہ اعزاز حاصل ہوا کہ آپ نے ان کے مددگاروں کی موجودگی میں شاخ سے ان کو توڑا تو یہ ربانی قوت اور مادۃ الٰہیہ کے ساتھ توڑا' کلہاڑی کی بجائے سانسوں کے ذریعے ان کو ٹکڑے ٹکڑے کیا کسی کدال کی مدد نہیں لی ایسا کلام بھی نہیں کیا جو دو معنوں کا احتمال رکھتا ہو اور حملہ کرنے کے لئے کوئی بہانہ نہیں تراشا بلکہ واضح الفاظ اور بلند آواز میں فرمایا:

قُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا. آپ فرما دیجئے کہ حق آ گیا اور باطل مٹ گیا بے شک باطل مٹنے ہی کے لئے ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بیت اللہ الحرام کی تعمیر کا اعزاز عطا کیا گیا اور اس بات میں کوئی پوشیدگی نہیں کہ بیت اللہ شریف جسم ہے اور اس کی روح حجر اسود ہے بلکہ وہ اس کے دل کا خاص حصہ ہے بلکہ حدیث شریف میں یوں آیا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا دایاں ہاتھ ہے اور یہ بات اس سے کنایہ ہے کہ اس کا بوسہ لیا جاتا ہے یا اسے چھوا جاتا ہے۔ جس طرح عہد و پیمان کے وقت دائیں ہاتھ کو چھوا جاتا ہے۔ (کنز العمال رقم الحدیث:۳۴۷۲۹۔۳۴۷۳۰)

اور یہ (حجر اسود) ہمارے سردار حضرت محمد ﷺ کو عطا کیا گیا کہ جب قریش نے بیت اللہ شریف کو گرانے کے بعد تعمیر کیا اور صرف حجر اسود رکھنا باقی رہ گیا تو انہوں نے فخر کی وجہ سے ایک دوسرے سے جھگڑا کیا پھر وہ اس بات پر متفق ہو گئے کہ جو شخص سب سے پہلے حرم میں داخل ہو اسے فیصل تسلیم کریں گے۔

چنانچہ اتفاق ایسا ہوا کہ ہمارے سردار حضرت محمد ﷺ پہلے داخل ہوئے تو انہوں نے کہا "ہذا الامین" (یہ امین ہیں) تو انہوں نے آپ کو اس سلسلے میں فیصل مقرر کیا آپ نے چادر بچھانے کا حکم دیا پھر اس میں حجر اسود کو رکھا اس کے بعد فرمایا کہ ہر قبیلہ ایک طرف کو پکڑ کر اٹھائے چنانچہ ان سب نے اٹھایا پھر ہمارے آقا ﷺ نے اسے اٹھا کر اس کے مقام پر رکھ دیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ مقام آپ کے لئے رکھا تاکہ رہتی دنیا تک آپ کی تعریف ہوتی رہے۔

(سیرۃ ابن ہشام ج ا ص ۲۰۸' البدایہ والنہایہ ج ۲ ص ۲۷۸)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو معجزہ عطا ہوا کہ آپ کا عصا سانپ میں بدل جاتا لیکن بولتا نہیں تھا تو ہمارے سردار حضرت محمد ﷺ کو کھجور کے خشک تنے (ستون) کے رونے کا معجزہ عطا کیا گیا اس کا واقعہ پہلے گزر چکا ہے۔

حضرت امام رازی رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں اور دوسرے حضرات نے بھی لکھا ہے کہ جب ابوجہل نے آپ کو پتھر مارنے کا ارادہ کیا تو اس نے آپ کے دونوں کاندھوں پر دو سانپ دیکھے پس وہ خوفزدہ ہو کر واپس چلا گیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دوسرا معجزہ سفید ہاتھ کی صورت میں دیا گیا اور اس کی سفیدی آنکھوں کو ڈھانپ لیتی تھی تو ہمارے سردار حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو ایک ایسا دائمی نور عطا کیا گیا جو آپ کے آباؤ اجداد کی پشتوں سے آپ کی ماؤں (دادیوں) کے پیٹوں میں منتقل ہوتا رہا اور یہ سلسلہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر آپ کے والد ماجد حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ تک جاری رہا اور نبی اکرم ﷺ نے حضرت قتادہ بن نعمان رضی اللہ عنہ کو ایک نہایت تاریک رات میں ایک لاٹھی عطا فرمائی انہوں نے آپ کے ہمراہ عشاء کی نماز پڑھی تھی (پھر گھر جانے لگے تو یہ لاٹھی دے کر) فرمایا کہ یہ لاٹھی آپ کے آگے اور پیچھے دس دس گز تک روشنی دے گی پس جب تم اپنے گھر میں داخل ہو جاؤ گے تو اندھیرا دیکھو گے تو اسے مارنا یہاں تک کہ وہ چلا جائے وہ شیطان ہے پس وہ تشریف لے گئے اور لاٹھی نے ان کو روشنی دی حتیٰ کہ وہ اپنے گھر میں داخل ہوئے اور وہ سیاہی پائی اور اسے مارا تو وہ نکل گئی۔

امام بیہقی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا اور امام حاکم نے اسے صحیح قرار دیا وہ فرماتے ہیں حضرت عباد بن بشر اور حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہما کسی کام کے لئے حضور علیہ السلام کے پاس موجود تھے حتیٰ کہ رات کا کچھ حصہ گزر گیا اور اس رات سخت اندھیرا تھا پھر وہ دونوں وہاں سے نکلے اور ان میں سے ہر ایک کے ہاتھ میں عصا تھا پس ان دونوں کے لئے ایک عصا روشن ہو گیا اور وہ دونوں اس کی روشنی میں چلے حتیٰ کہ جب ان کا راستہ جدا جدا ہوا تو ہر ایک اپنے اپنے عصا کی روشنی میں چلنے لگا حتیٰ کہ وہ اپنے اپنے مقام مقصود تک پہنچ گئے۔ امام بخاری نے اس کی مثل حدیث "اپنی صحیح میں" نقل کی ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۶۵۔ ۳۶۳۹۔ ۳۸۰۵)

امام بخاری رحمہ اللہ نے "اپنی تاریخ میں" اور امام بیہقی نیز ابونعیم نے حضرت حمزہ اسلمی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں کہ ہم ایک سفر میں نبی اکرم ﷺ کے ہمراہ تھے پھر اندھیری رات میں الگ الگ ہو گئے تو میرے انگلی روشن ہو گئی حتیٰ کہ ان کی سواریاں اس کے پاس جمع ہو گئیں اور ان میں سے کوئی بھی ہلاک نہ ہوا اور بے شک میری انگلی روشن رہی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ معجزہ بھی عطا ہوا کہ آپ کے لئے دریا پھٹ گیا اور ہمارے آقا ﷺ کو چاند کے دو ٹکڑے ہونے کا معجزہ ملا جیسا کہ گزر چکا ہے پس حضرت موسیٰ علیہ السلام کا تصرف زمین میں تھا اور ہمارے آقا ﷺ نے آسمانی دنیا میں تصرف فرمایا اور دونوں میں فرق واضح ہے۔ یہ بات ابن منیر نے کہی ہے۔

ابن حبیب نے ذکر کیا کہ آسمان اور زمین کے درمیان ایک سمندر ہے جس کو مکفوف کہا جاتا ہے اس کے مقابلے میں زمین کا سمندر ایسا ہے جیسے سمندر کا ایک قطرہ ہو۔

ابن منیر کہتے ہیں اس بنیاد پر یہ سمندر ہمارے نبی ﷺ کے لئے پھٹا حتیٰ کہ آپ اس سے تجاوز کر گئے یعنی معراج شریف کی رات ایسا ہوا اور اس سمندر کا پھٹ جانا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لئے دریا کے پھٹنے سے بڑا معجزہ ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ اعزاز بھی حاصل ہوا کہ ان کی دعا قبول ہوتی اور ہمارے نبی ﷺ کو یہ اعزاز بے شمار مرتبہ حاصل ہوا حضرت موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ تھا کہ آپ کے لئے پتھر سے پانی جاری ہوا جب کہ ہمارے سردار حضرت

محمد ﷺ کو یہ معجزہ عطا ہوا کہ آپ کی انگلیوں کے درمیان سے پانی جاری ہوا اور یہ زیادہ بلیغ ہے کیونکہ پتھر زمین کی جنس سے ہے جس سے پانی نکلتا ہے اور عادتاً گوشت میں سے پانی نہیں نکلتا۔ اللہ تعالیٰ شاعر پر رحم فرمائے وہ کہتے ہیں:

وکل معجزة للرسل قد سلفت وافی با عجب منھا عند اظھار
فما العصاحیة تسعی باعجب من شکوی البعیر ولا من مشی اشجار
ولا انفجار معین الماء من حجر اشد من سلسل من کفه جار

''رسولوں کے جتنے معجزات گزر گئے ہیں یہ اظہار کے وقت ان سب سے زیادہ تعجب خیز ہیں (حضرت موسیٰ علیہ السلام کا) سانپ جو اژدھا کی صورت میں دوڑ رہا تھا وہ (حضور علیہ السلام کی خدمت میں) اونٹ کی شکایت اور درختوں کے چلنے سے زیادہ تعجب خیز نہیں ہے۔ اور اسی طرح پتھر سے پانی کا نکلنا آپ کی ہتھیلی سے جاری ہونے والے پانی کے مقابلے میں زیادہ تعجب میں ڈالنے والا نہیں ہے''۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ سے شرف ہم کلامی حاصل ہوا تو ہمارے سردار حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو بھی معراج کی رات اور قرب خداوندی کے وقت یہ اعزاز ملا نیز نبی اکرم ﷺ کا مقام مناجات آسمانوں سے اوپر بلندی یا سدرۃ المنتہیٰ جہاں (تقدیر لکھنے والی) قلموں کے چلنے کی آواز آتی' نور کے پردوں اور رفرف ہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مقام مناجات طور سیناء ہے۔

حضرت ہارون علیہ السلام کو زبان کی فصاحت عطا کی گئی تو ہمارے نبی ﷺ کو افضل محل اور ایسی جگہ فصاحت دی گئی جہاں جہالت نہیں بعض صحابہ کرام نے آپ سے عرض کیا کہ ہم آپ سے زیادہ فصیح کسی کو نہیں دیکھتے آپ نے فرمایا مجھے فصاحت سے رکاوٹ کیوں ہوتی جب کہ قرآن میری زبان یعنی واضح عربی زبان میں نازل ہوا۔ (الشفاء ج ا ص ۸۰)

حضرت ہارون علیہ السلام کی فصاحت کی انتہاء یہ تھی کہ وہ عبرانی زبان میں تھی اور عربی زبان اس کے مقابلے میں زیادہ فصیح ہے۔

کیا حضرت ہارون علیہ السلام کی فصاحت معجزہ تھا؟ تو ابن منیر نے کہا ظاہر یہ ہے کہ یہ معجزہ نہیں تھا البتہ فضیلت تھی۔

اور ہمارے نبی ﷺ کے علاوہ کسی نبی نے فصاحت کے ساتھ چیلنج نہیں کیا کیونکہ یہ خصوصیت کتاب عزیز کے علاوہ نہیں ہوسکتی۔

اور آپ کی فصاحت جو ان جامع کلمات میں ہے جن کا تعلق قرآن مجید سے نہیں بلکہ احادیث میں شمار ہوتے ہیں کیا ان کے مقابل لانے کا چیلنج ہوا تو آپ کے اس قول مبارک کہ:

اوتیت جوامع الکلم. مجھے جامع کلمات عطا کئے گئے۔

سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ نے اللہ تعالیٰ کی نعمت اور اپنے خصائص کا ذکر فرمایا لیکن اس اعتبار سے کہ ان میں غیب کی خبریں بھی شامل ہیں ان کلمات کے معجزہ ہونے میں کوئی شک نہیں۔ (مسلم رقم الحدیث: ۷۔۸' مسند احمد ج ۲ ص ۲۵۰۔۵۰۱' تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۲۰' کشف الخفاء ج اص ۱۴' دلائل النبوۃ ج اص ۱۴' اتحاف السادۃ المتقین ج ۷ ص ۱۱۳' کنز العمال رقم الحدیث: ۳۲۰۶۸)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نصف حسن عطا ہوا تو ہمارے آقا ﷺ کو مکمل حسن عطا کیا گیا ان شاء اللہ اس بات کی

طرف اشارہ معراج شریف سے متعلق مقصد میں آئے گا اور میں نے آپ کی جو صفات ذکر کی ہیں جو شخص اس میں غور کرے اس کے لئے اس تفصیل سے واضح ہو جاتا ہے کہ جو بھی کسی قبیلے میں حسن کے ساتھ مشہور ہے ہمارے آقا علیہ السلام کو اس پر فضیلت حاصل ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کو خوابوں کی تعبیر سکھائی گئی تو آپ سے تین خوابیں منقول ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ آپ نے گیارہ ستاروں نیز سورج اور چاند کو دیکھا۔

دوسرا خواب دو قیدیوں سے متعلق تھا اور تیسرا خواب بادشاہ کا خواب تھا۔[1]

اور ہمارے آقا علیہ السلام نے بے شمار خوابوں کی تعبیر بیان فرمائی جو آدمی احادیث و آثار میں غور و فکر کرے گا تو عجیب سے عجیب تر باتیں پائے گا اور اس میں سے کچھ عنقریب آئے گا ان شاء اللہ تعالیٰ۔

حضرت داؤد علیہ السلام کا یہ معجزہ تھا کہ آپ کے ہاتھ میں لوہا نرم ہو جاتا تھا تو ہمارے آقا علیہ السلام کو یہ معجزہ عطا ہوا کہ ایک خشک ٹہنی آپ کے دست مبارک میں سرسبز اور نرم ہو گئی اور آپ نے حضرت ام معبد کی بکری کو ہاتھ لگایا جو خارش زدہ تھی تو وہ ٹھیک ہو کر دودھ دینے لگی۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کو پرندوں سے کلام کرنے اور شیطانوں نیز ہوا کو ان کے لئے مسخر کرنے کے اعتبار سے معجزہ عطا ہوا اور ایسی بادشاہی عطا ہوئی جو ان کے بعد کسی کو نہیں دی گئی تو ہمارے آقا حضرت محمد مصطفیٰ علیہ السلام کو اس کی مثل بلکہ اس سے زائد عطا کی گئی۔

جہاں تک پرندوں اور وحشی جانوروں سے گفتگو کا تعلق ہے تو ہمارے نبی کریم علیہ السلام سے پتھروں نے کلام کیا اور کنکریوں نے آپ کی ہتھیلی میں اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کی حالانکہ وہ جمادات ہیں اور زہر ملی ہوئی بکری کے بازوؤں نے آپ سے گفتگو کی جیسا کہ غزوۂ خیبر کے بیان میں گزر چکا ہے۔

اسی طرح آپ سے ہرن نے کلام کیا اور اونٹ نے شکایت کی جیسا کہ گزر چکا ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ ایک پرندے کو اس کے بچے کی وجہ سے پریشان کیا گیا تو وہ آپ کے سر پر اڑتا اور کلام کرتا تھا آپ نے فرمایا اس پرندے کو اس کے بچے کی وجہ سے کس نے ستایا ہے؟ ایک صاحب نے کہا میں نے ایسا کیا ہے آپ نے فرمایا اس کے بچے کو لوٹا دو۔

یہ واقعہ امام رازی نے ذکر کیا اور امام ابوداؤد نے ان الفاظ میں نقل کیا' راوی فرماتے ہیں:

ہم ایک سفر میں نبی اکرم علیہ السلام کے ہمراہ تھے آپ قضائے حاجت کے لئے تشریف لے گئے تو ہم نے ایک لالی (پرندہ) دیکھی جس کے ساتھ اس کے دو بچے بھی تھے ہم نے اس کے بچوں کو پکڑ لیا لالی آکر بچھنے لگی (پریشانی میں زمین

---

[1] بادشاہ کے دو غلام تھے ایک کے ذمہ پانی اور دوسرے کے ذمہ کھانے کا انتظام تھا ان دونوں نے خواب دیکھا تو حضرت یوسف علیہ السلام نے اس کی تعبیر بتائی اور بادشاہ نے ایک خواب دیکھا کہ سات گائے جو موٹی تھیں سات دبلی گایوں کو کھا رہی تھیں اور گندم کی سات بالیں سبز اور سات خشک ہیں تو آپ نے اس کی تعبیر بیان فرمائی کہ سات سال خوشحالی ہوگی اور پھر سات سال قحط ہوگا۔ ۱۲ ہزاروی

پر لوٹ پوٹ ہونے لگی)۔ نبی کریم ﷺ تشریف لائے تو فرمایا اسے کس نے اس کے بچوں کی وجہ سے ستایا ہے؟ اس کے بچے اس کو واپس کر دو۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۵۰۶۷۵'۲۶۷۵ المعجم الکبیر ج۱۰ ص ۲۱۸' دلائل النبوۃ ج۶ ص ۳۳' المستدرک ج ۴ ص ۲۳۹' مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۳۵۴۲' البدایۃ والنہایۃ ج۶ ص ۱۵۸' نصب الرایۃ ج۳ ص ۴۰۷' کنز العمال رقم الحدیث: ۴۴۷۳۶)

اور بھیڑیئے کا آپ سے کلام کرنا مشہور واقعہ ہے (پہلے گزر چکا ہے) اور ہوا جو ایک مہینے کی مسافت صبح کے وقت اور ایک مہینے کی مسافت شام کے وقت طے کرتی' حضرت سلیمان علیہ السلام زمین کے جس کنارے پر جانے کا ارادہ کرتے' وہ آپ کو لے کر جاتی تو ہمارے آقا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو براق عطا کیا گیا جو ہوا سے بھی زیادہ تیز اور چمکنے والی بجلی سے بھی زیادہ تھا اس نے ایک ساعت میں آپ کو زمین سے اٹھا کر عرش تک پہنچا دیا اور اس کی کم از کم مسافت سات ہزار سال کی تھی اور یہ آسمانوں کی مسافت تھی اور وہ جو مستوی تک اور رفرف تک مسافت ہے اسے اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔

نیز حضرت سلیمان علیہ السلام کے لئے ہوا مسخر ہوتی تا کہ آپ کو زمین کے مختلف کناروں تک لے جائے اور ہمارے نبی ﷺ کے لئے زمین کو لپیٹ دیا گیا یعنی جمع کیا گیا حتیٰ کہ آپ نے اس کے مشرقوں اور مغربوں کو دیکھا تو جو زمین کی طرف دوڑے اس میں اور جس کے لئے زمین دوڑے اس میں فرق واضح ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کا یہ بھی اعزاز تھا کہ آپ کے لئے شیطان کو مسخر کیا گیا تو ایک روایت میں ہے کہ شیطانوں کا باپ ابلیس نبی اکرم ﷺ کے سامنے آیا اور آپ نماز پڑھ رہے تھے پس اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس پر قدرت دی تو آپ نے اسے مسجد کے ستونوں میں سے ایک ستون کے ساتھ باندھ دیا [1] (باندھنا چاہا)۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۶۱-۱۲۱۰-۳۲۸۴-۳۴۲۳-۴۸۰۸' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۳۹' مسند احمد ج ۲ ص ۲۹۸' شرح السنۃ ج ۳ ص ۲۶۹' اتحاف السادۃ المتقین ج ۷ ص ۲۸۶' دلائل النبوۃ ج ۷ ص ۹۷' مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۹۸۷' المغنی ج ۳ ص ۳۶' البدایۃ والنہایۃ ج ۱ ص ۵۸' کنز العمال رقم الحدیث: ۳۱۹۵۶)

حضرت سلیمان علیہ السلام کے اعزازات سے بہتر اعزاز جو آپ کو عطا کیا گیا وہ جنوں کا نبی اکرم ﷺ پر ایمان لانا ہے پس حضرت سلیمان علیہ السلام نے ان سے خدمت لی اور نبی اکرم ﷺ نے ان سے اسلام کا مطالبہ کیا اور جنوں کو حضرت سلیمان علیہ السلام کے لشکر میں شمار کیا گیا۔ ارشاد خداوندی ہے:

وَحُشِرَ لِسُلَيْمَانَ جُنُودُهُ مِنَ الْجِنِّ. اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے لئے جنوں میں سے ان کے لشکر کو جمع کیا گیا۔

اور اس سے بہتر فرشتوں کو جن میں حضرت جبریل علیہ السلام بھی شامل ہیں رسول اکرم ﷺ کے لشکروں میں شمار کیا گیا کہ انہوں نے جہاد بھی کیا اور آپ کے لشکروں میں اضافہ کا باعث بھی بنے۔

---

[1] ''صحیح بخاری میں ہے'' حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ شیطان میرے سامنے آیا تو مجھے سخت کوفت ہوئی کہ وہ میری نماز توڑ دے گا تو اللہ تعالیٰ نے مجھے اس پر طاقت دی پس میں نے اسے دور کر دیا اور میں نے ارادہ کیا کہ اسے ستون سے باندھ دوں حتیٰ کہ صبح ہو جائے اور صحابہ کرام اسے دیکھیں لیکن مجھے خیال آیا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے ایسی بادشاہی کا سوال کیا تھا جس میں کوئی دوسرا شریک نہ ہو (تو چھوڑ دیا) پس وہ ذلیل ہو کر چلا گیا۔ (زرقانی ج ۵ ص ۲۰۰)

اگر حضرت سلیمان علیہ السلام کے لشکر میں پرندوں کو شمار کیا گیا تو اس سے زیادہ تعجب خیز بات غار ثور کی کبوتری اور ایک ساعت میں اس کے اپنے لئے گھونسلہ بنانا اور دشمن کے مقابلے میں آپ کی حمایت کرنا تھا اور لشکر کی زیادتی سے مقصود بھی حمایت اور مدد ہی ہے اور یہ مقصود ایک چھوٹی سی چیز کے ساتھ بہت بڑی چیز سے (حفاظت کے طور پر) حاصل ہوا (کبوتری چھوٹی اور دشمن بڑا تھا)۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کو بادشاہی عطا کی گئی تو ہمارے آقا ﷺ کو اختیار دیا گیا کہ آپ نبی بادشاہ بننا چاہتے ہیں یا نبی بندہ؟ تو آپ نے نبوت کے ساتھ بندگی کو اختیار کیا۔

اللہ تعالیٰ شاعر کو جزائے خیر عطا کرے جس نے کہا:

یا خیر عبد علی کل الملوک ولی. اے وہ بہترین انسان جس نے بندگی اختیار کر کے تمام بادشاہوں پر ولایت حاصل کر لی۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یہ معجزہ دیا گیا کہ آپ مادر زاد اندھے اور کوڑھ کے مریض کو درست کر دیتے تھے اور مردوں کو زندہ کرتے تو ہمارے آقا ﷺ کو یہ معجزہ عطا کیا گیا کہ آپ نے باہر نکلی ہوئی آنکھ واپس اس کی جگہ رکھ دی پس وہ پہلے سے زیادہ خوبصورت ہو گئی۔

امام بیہقی کی کتاب ''دلائل النبوۃ'' میں اس شخص کا واقعہ مذکور ہے جس نے نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ جب تک آپ میری بیٹی کو زندہ نہ کر دیں میں آپ پر ایمان نہیں لاؤں گا اس حدیث میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ اس لڑکی کی قبر پر تشریف لائے اور فرمایا اے فلاں لڑکی! تو اس نے کہا لبیک وسعدیک یا رسول اللہ! یہ حدیث گزر چکی ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت معاذ بن عفراء رضی اللہ عنہ کی بیوی کو برص کی بیماری تھی اس نے رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں عرض کیا تو آپ نے اپنا عصا مبارک اس پر پھیرا پس اللہ تعالیٰ اس کی برص والی بیماری کو لے گیا۔ یہ بات امام رازی رحمہ اللہ نے نقل کی ہے نیز آپ کی ہتھیلی میں کنکریوں نے تسبیح پڑھی' پتھر نے آپ کو سلام کیا' آپ کے فراق میں ستون رویا' اور یہ مردوں کے کلام کرنے سے زیادہ بلیغ ہے کیونکہ یہ چیزیں اس جنس سے ہیں جو کلام نہیں کرتی۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یہ معجزہ بھی عطا ہوا کہ لوگ جو کچھ اپنے گھروں میں چھپاتے تھے آپ ان کو جان لیتے تھے۔ اور ہمارے آقا ﷺ کو اس انداز کے بے شمار واقعات پر مبنی معجزہ دیا گیا ان شاء اللہ عنقریب کافی وشافی بحث آئے گی۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یہ اعزاز ہے کہ آپ کو آسمان کی طرف اٹھایا گیا تو ہمارے نبی ﷺ کو معراج کی رات یہ اعزاز عطا ہوا بلکہ آپ کے درجات میں مزید ترقی ہوئی اور مناجات کی ساعت نیز مشاہدات کے ساتھ بارگاہ قدس کی حاضری بھی نصیب ہوئی۔

رسول اکرم ﷺ کی مزید خصوصیات

خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی ﷺ کو بعض خصوصیات کریمہ کے ساتھ خاص فرمایا جو دوسرے کسی نبی کو عطا نہیں کی گئیں۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

اعطیت خمسا لم یعطهن احد قبلی' كان كل نبی يبعث الى قومه خاصة و بعثت الى كل احمر و اسود' واحلت لی الغنائم ولم تحل لاحد قبلی' وجعلت لی الارض مسجدا و طهورا فايما رجل من امتی ادركه الصلاة فليصل حيث كان' و نصرت بالرعب مسيرة شهر واعطيت الشفاعة.

مجھے پانچ چیزیں عطا کی گئیں جو مجھ سے پہلے کسی کو عطا نہیں ہوئیں ہر نبی ایک خاص قوم کی طرف مبعوث ہوتا تھا اور میں ہر سرخ و سیاہ کی طرف مبعوث ہوا' میرے لئے مال غنیمت حلال ہوا جو مجھ سے پہلے کسی کے لئے حلال نہ تھا' میرے لئے تمام زمین کو سجدہ گاہ اور پاکیزگی حاصل کرنے (تیمم کرنے) کا ذریعہ بنایا گیا پس میری امت کا جو شخص نماز (کا وقت) پائے تو وہ جہاں بھی ہو نماز پڑھے ایک مہینے کی مسافت سے رعب سے میری مدد کی گئی اور مجھے شفاعت عطا کی گئی۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۳۳۵_۴۳۸_۳۱۲۲' صحیح مسلم رقم الحدیث:۳' سنن نسائی ج۱ ص۲۱۰' مسند احمد ج۳ ص۳۰۴۔ ج۵ ص۱۴۸' سنن داری ج۲ ص۲۲۴' السنن الکبریٰ ج۱ ص۲۱۲' مسند الحمیدی رقم الحدیث:۹۳۵' مجمع الزوائد ج۸ ص۲۵۹' الدر المنثور ج۵ ص۲۳۷' مشکوۃ المصابیح رقم الحدیث:۵۷۴۷' اتحاف السادۃ المتقین ج۱۰ ص۴۴۷' حلیۃ الاولیاء ج۸ ص۳۱۶' البدایۃ والنہایۃ ج۳ ص۲۹۹' کنز العمال رقم الحدیث:۳۱۹۳۰_۳۲۰۶۲_۳۲۰۶۵)

ایک اور روایت میں ہے:

و بعثت الى الناس كافة.

اور مجھے تمام لوگوں کے لئے کفایت کرنے والا (نبی بنا کر) بھیجا گیا۔

امام بخاری نے نماز کے بیان میں حضرت محمد بن سنان رضی اللہ عنہ کی روایت سے یہ اضافہ کیا:

من الانبياء.

(یعنی) انبیاء کرام میں سے (کسی کو یہ باتیں عطا نہیں کی گئیں)۔

امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک اس طرح ہے:

اعطيت خمسا لم يعطهن نبی قبلی ولا اقوله فخرا.

مجھے پانچ چیزیں عطا کی گئیں جو مجھ سے پہلے کسی نبی کو عطا نہیں کی گئیں اور میں یہ بات بطور فخر نہیں کہتا۔

اسی میں ہے آپ نے فرمایا:

واعطيت الشفاعة فاخترتها لامتی فهی لمن لا يشرک بالله شيئا.

اور مجھے شفاعت عطا کی گئی اور میں نے اسے اپنی امت کے لئے اختیار کیا پس یہ ہر اس شخص کے لئے ہے جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائے۔

ابن کثیر کے مطابق اس کی سند عمدہ ہے۔

اس حدیث سے آپ کے خصائص کو ان پانچ باتوں میں محدود کرنا مراد نہیں۔ امام مسلم رحمہ اللہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

فضلت علی الانبیاء بست' اعطیت جوامع الکلم' ونصرت بالرعب و جعلت لی الارض طھورا و مسجدا' وارسلت الی الخلق کافۃ' وختم بی النبیون.

مجھے دیگر انبیاء کرام علیہم السلام پر چھ باتوں کے ذریعے فضیلت دی گئی ہے مجھے جامع کلمات عطا کئے گئے رعب کے ذریعے میری مدد کی گئی' زمین کو میرے لئے پاک کرنے والی اور جائے سجدہ بنایا گیا' مجھے تمام مخلوق کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا اور مجھ پر نبیوں کی آمد کا سلسلہ ختم کیا گیا۔

(جامع ترمذی رقم الحدیث:۱۵۵۳' صحیح مسلم رقم الحدیث:۵' مسند احمد ج ۲ ص ۴۱۲' السنن الکبریٰ ج ۲ ص ۴۳۳' دلائل النبوۃ ج ۵ ص ۴۷۲' مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۶۹' مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث:۵۷۴۸' الدر المنثور ج ۳ ص ۲۰۴' کنز العمال رقم الحدیث:۳۱۹۳۲)

تو اس حدیث میں شفاعت کے علاوہ باقی ان چار باتوں کا بھی ذکر ہے جو حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں مذکور ہیں اور خصلتوں کا اضافہ بھی ہے ایک یہ کہ مجھے جامع کلمات عطا کئے گئے اور دوسری یہ کہ مجھے آخری نبی بنایا گیا تو حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت اور اس روایت کو ملانے سے سات باتیں حاصل ہوئیں۔

امام مسلم رحمہ اللہ نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے نقل کیا کہ آپ نے فرمایا:

فضلنا علی الناس بثلاث جعلت صفوفنا کصفوف الملئکۃ.

ہمیں لوگوں پر تین باتوں کے ساتھ فضیلت دی گئی ہماری صفوں کو فرشتوں کی صفوں کی طرح بنایا گیا۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث:۴' السنن الکبریٰ ج ۱ ص ۲۱۳' الدر المنثور ج ۵ ص ۲۹۳' تمہید ج ۵ ص ۲۲۱' مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث:۵۲۶' تفسیر قرطبی ج ۵ ص ۲۱۳' مشکل الآثار ج ۱ ص ۲۵۰' فتح الباری ج ۱ ص ۵۷۸' کنز العمال رقم الحدیث:۳۱۹۱۳_۳۲۰۷۵)

زمین کی خصلت (اس کا مسجد اور طہارت کا باعث ہونا) بھی ذکر کیا جیسا کہ گزر گیا راوی فرماتے ہیں ایک اور خصلت کا بھی ذکر فرمایا۔

اور یہ خصلت مبہم ہے حضرت ابن خزیمہ اور امام نسائی رحمہما اللہ نے اسے بیان کیا اور یہ اس طرح ہے کہ مجھے سورۃ بقرہ کے آخر سے یہ آیات عرش کے نیچے خزانے سے عطا کی گئیں اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ آپ کی امت سے بوجھ اتارا گیا اور وہ بوجھ نہیں لادا گیا جس کی انہیں طاقت نہیں نیز خطا اور نسیان (بھولنے) کو اٹھایا گیا۔

پس یہ سات خصلتیں ہو گئیں۔

حضرت امام احمد رحمہ اللہ نے ایک حدیث نقل کی ہے جس میں آپ نے فرمایا کہ مجھے چار باتیں عطا کی گئیں جو مجھ سے پہلے کسی نبی کو نہیں دی گئیں مجھے زمین کی چابیاں عطا کی گئیں' میرا نام احمد (ﷺ) رکھا گیا' میری امت کو سب سے

بہتر امت بنایا گیا۔ نیز مٹی کی خصلت بھی ذکر کی۔
تو اس طرح یہ کل بارہ خصلتیں ہو گئیں۔
(مسند احمد ج ۱ ص ۱۵۸ المعجم الکبیر ج ۸ ص ۲۸۵ فتح الباری ج ۱ ص ۵۷۸ کنز العمال رقم الحدیث: ۳۲۰۶۷)
امام بزار رحمہ اللہ نے ایک اور سند سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

فضلت على الانبياء ' غفر لي ما تقدم من ذنبي وما تاخر ' وجعلت امتي خير الامم ' واعطيت الكوثر ' وان صاحبكم لصاحب لواء الحمد يوم القيامة ' تحته آدم فمن دونه.

مجھے انبیاء کرام علیہم السلام پر فضیلت دی گئی میرے تمام پہلے اور پچھلے خلاف اولیٰ کام بخش دیئے گئے' میری امت کو تمام امتوں سے بہتر بنایا گیا' مجھے حوض کوثر عطا کیا گیا اور بے شک تمہارے صاحب (حضور علیہ السلام) قیامت کے دن حمد کے جھنڈے والے ہوں گے جس کے نیچے حضرت آدم علیہ السلام اور ان کے علاوہ (سب) ہوں گے اور وہ دو باتیں بھی ذکر کیں جو پہلے ذکر ہو چکی ہیں۔

امام بزار رحمہ اللہ ہی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

فضلت على الانبياء بخصلتين: كان شيطاني كافرا فاعانني الله عليه فاسلم

مجھے (دیگر) انبیاء کرام پر دو باتوں کی وجہ سے فضیلت دی گئی میرا (ساتھی) شیطان کافر تھا پس اللہ تعالیٰ نے اس پر میری مدد کی تو وہ مسلمان ہو گیا۔

راوی فرماتے ہیں میں دوسری بات بھول گیا۔
تو اس طرح یہ سترہ خصلتیں بن جاتی ہیں اور جو آدمی تلاش کرے تو ممکن ہے اس سے زیادہ بھی پائی جائیں۔
حضرت ابو سعید نیشاپوری رحمہ اللہ نے کتاب ''شرف المصطفیٰ (ﷺ)'' میں لکھا ہے کہ جو خصائص نبی اکرم ﷺ کو خصوصی طور پر عطا کئے گئے وہ ساٹھ ہیں تو اس بات کو ان روایات کے ساتھ یوں جمع کیا جا سکتا ہے کہ شاید پہلے آپ بعض امور منصہ پر مطلع ہوئے ہوں اس کے بعد باقی پر اطلاع ہوئی۔
اور جو لوگ مفہوم عدد کو حجت نہیں سمجھتے وہ اس اشکال کو سرے سے ہی دور کر دیتے ہیں اور بعض علماء نے ذکر کیا کہ رسول اکرم ﷺ کو تین ہزار معجزات اور خصوصیات عطا کی گئیں۔

علم بالخصائص کے فائدہ میں اختلاف

نبی اکرم ﷺ کے خصائص سے متعلق علم میں اختلاف ہے۔ شافعی مسلک کے صمیری نے کہا کہ ابو علی بن خیران نے ان میں کلام کرنے سے منع فرمایا کیونکہ یہ بات ہو چکی ہے لہٰذا اب اس میں کلام کا کیا فائدہ ہے اور امام الحرمین نے فرمایا کہ محققین کہتے ہیں خصائص سے متعلق مسائل میں اختلاف کا ذکر بے مقصد اور بے فائدہ ہے کیونکہ اس کے ساتھ کوئی

ایسا فوری حکم متعلق نہیں جس کی حاجت ہو اختلاف تو وہاں جاری ہوتا ہے جہاں حکم کا اجر ضروری ہو کیونکہ یہاں قیاس کی مجال نہیں اور خصوصی احکام کے سلسلے میں نصوص کی اتباع کی جاتی ہے اور جس میں نص نہ ہو اس میں اختلاف کسی فائدے کے بغیر غیب کی باتیں کرنا ہے۔

امام نووی رحمہ اللہ نے ''الروضۃ'' اور ''التھذیب میں'' یہ دونوں کلام نقل کرنے کے بعد فرمایا کہ تمام اصحاب شافعی نے فرمایا کہ اس میں کوئی حرج نہیں اور یہ صحیح بات ہے کیونکہ اس سے علم میں اضافہ ہوتا ہے۔

یہ اصحاب شافعی کا کلام ہے اور بہتر بات یہ ہے کہ اس بات کے جواز کا عقیدہ رکھا جائے بلکہ مستحب سمجھا جائے اگر واجب کہا جائے تو بھی بعید از عقل نہیں کیونکہ بعض اوقات ایک جاہل شخص بعض خصائص کو حدیث میں ثابت دیکھتا ہے تو اصل تعمیل حکم کے تحت اس پر عمل کرتا ہے پس اس کی پہچان کے لئے بیان واجب ہوا تا کہ وہ عمل نہ کرے پس اس سے اہم فائدہ کیا ہو سکتا ہے البتہ جو لوگ خصائص کے سلسلے میں بے مقصد چھان بین کرتے ہیں وہ تھوڑے ہیں اور فقہ کے ابواب اس قسم کی باتوں سے خالی نہیں کیونکہ مقصد تربیت' دلائل کی معرفت اور کسی بات کی تحقیق ہے۔

خصائص نبوی کے مراجع

میں نے نبی اکرم ﷺ کے ان خصائل کو جن کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے آپ کو شرف عطا فرمایا اور جن فضائل کے ذریعے آپ کو مکرم و محترم بنایا کتب علماء میں تلاش کیا جس طرح ابن سبع کی کتاب ''الخصائص'' امام نووی کی ''خصائص الروضہ'' حجازی کی ''المختصر'' ابن ملقن کی ''شرح حاوی'' شیخ الاسلام زکریا انصاری کی ''شرح البہجہ'' شیخ قطب الدین الخیضری کی ''اللفظ المکرم فی خصائص النبی'' وغیرہ اور میں نے معجزات کی فصل میں اس سے بہت فائدہ حاصل کیا اور فتح الباری کے مطالعہ کے دوران بھی میں نے اسے دیکھا اسی طرح امام نووی کی شرح مسلم اور عراقی کی ''تقریب الاسانید'' وغیرہ جن کا ذکر طویل ہے تو ان سب کتب سے مجھے کچھ نہ کچھ حاصل ہوا کئی ائمہ نے ان خصائص کو چار قسموں میں تقسیم کیا ہے۔

پہلی قسم: واجب خصائص

نبی اکرم ﷺ کی کچھ خصوصیات واجب ہیں اور اس میں حکمت یہ ہے کہ آپ کو قرب خداوندی زیادہ سے زیادہ حاصل ہو کیونکہ تقرب حاصل کرنے والے محض فرائض کی ادائیگی سے اس کے قریب نہیں ہو سکتے (اگرچہ قرب خداوندی کے حصول کے لئے فرائض کی ادائیگی نہایت ضروری ہے۔۱۲ ہزاروی)۔

بعض حضرات نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کو بعض واجبات کے ساتھ خاص کیا کیونکہ وہ جانتا ہے کہ آپ ان لوگوں کے مقابلے میں ان واجبات کو زیادہ قائم کر سکتے ہیں اور بعض نے کہا کہ اس کی وجہ آپ کو زیادہ سے زیادہ اجر عطا کرنا مقصود ہے۔

پس ایک مذہب کے مطابق آپ پر چاشت کی نماز فرض کی گئی لیکن صحیح حدیث میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول اس طرح ہے:

ما رأیت رسول اللہ ﷺ یسبح سبحۃ الضحی. — میں نے نبی اکرم ﷺ کو چاشت کے وقت نماز پڑھتے نہیں دیکھا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۱۱۷۷ موطا امام مالک رقم الحدیث:۲۹ صحیح مسلم رقم الحدیث:۷۷۔۸۱ مسند احمد ج۶ ص ۸۵۔۲۳۸)

یہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اس نماز کے وجوب کا قول ضعیف ہے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ بات کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں۔

اس پر مزید گفتگو ان شاء اللہ مقصد عبادات کے ضمن میں چاشت کی نماز سے متعلق ذکر میں آئے گی۔

اور کیا آپ پر چاشت کی کم از کم دو رکعتیں یا زیادہ سے زیادہ آٹھ رکعات نماز واجب تھی یا کمال کے قریب تھی (یعنی چار رکعات تھیں)؟

تو حجازی کہتے ہیں اس سلسلے میں کوئی بات منقول نہیں لیکن مسند امام احمد میں ہے آپ نے فرمایا:

امرت برکعتی الضحی ولم تؤمروا بھما. — مجھے چاشت کی دو رکعتوں کا حکم دیا گیا اور تمہیں اس بات کا حکم نہیں دیا گیا۔

(مسند احمد ج۱ ص ۲۳۲۔۳۱۷ جمع الجوامع رقم الحدیث:۴۴۳۷ کنز العمال رقم الحدیث:۲۱۳۸۶)

ان امور میں سے نماز وتر اور فجر کی دو رکعتیں بھی ہیں جیسا کہ امام حاکم رحمہ اللہ نے "المستدرک" میں اور دوسرے حضرات نے بھی نقل کیا۔ امام احمد اور طبرانی کے الفاظ اس طرح ہیں:

ثلاث علی فریضۃ وھن لکم تطوع الوتر ورکعتا الفجر ورکعتا الضحی. — مجھ پر تین کام فرض ہیں جب کہ یہ باتیں تمہارے لئے نفل ہیں وتر، فجر کی دو رکعتیں (سنتیں) اور چاشت کی دو رکعتیں۔

(الحلیہ ج۹ ص ۲۳۲ العلل المتناہیہ ج۱ ص ۴۵۳ کنز العمال رقم الحدیث:۱۹۵۴۰)

اور ان میں سے بعض حضرات نے فرمایا کہ نبی اکرم ﷺ کا سواری پر وتر پڑھنا ثابت ہے اگر یہ نماز واجب ہوتی تو سواری پر پڑھنا جائز نہ ہوتا۔

نوٹ: حنفی فقہ کے مطابق وتر نماز امت پر بھی واجب ہے جس پر کتب فقہ میں دلائل مذکور ہیں۔ ۱۲ ہزاروی

اس کا جواب یوں دیا گیا ہے کہ آپ کا سواری پر نماز پڑھنا بھی آپ کی خصوصیات میں سے ہے جیسا کہ آپ سے مخصوص مباح امور کے بارے میں آئے گا ان شاء اللہ تعالیٰ۔

لیکن اس کا جواب دیا گیا کہ یہ بات دلیل کی محتاج ہے اور آپ پر کتنی رکعات وتر واجب تھیں؟ تو حجازی کہتے ہیں میں نے اس سلسلے میں کوئی روایت نہیں دیکھی۔

نماز تہجد کی فرضیت بھی آپ کی خصوصیات میں سے ہے۔

ارشاد خداوندی ہے:

وَمِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ اور آپ رات کو تہجد پڑھیں یہ آپ پر ایک زائد فرض ہے۔

یعنی دیگر فرض نمازوں سے زائد فرض ہے یا یہ کہ آپ کے لئے فضیلت کا باعث ہے کیونکہ اس کا وجوب آپ کے ساتھ خاص ہے۔

اس بات کو امام رافعی رحمہ اللہ نے صحیح قرار دیا اور امام نووی رحمہ اللہ نے جمہور سے نقل کیا پھر فرمایا کہ شیخ ابو حامد رحمہ اللہ نے نقل کیا کہ امام شافعی رحمہ اللہ نے اس بات کو صراحتاً ذکر کیا کہ آپ کے حق میں اس کا وجوب منسوخ ہو گیا جس طرح دوسروں کے حق میں منسوخ ہوا۔

خصوصیات نبویہ میں سے ایک خصوصیت جو واجب ہے' مسواک ہے اس پر اس حدیث سے استدلال کیا گیا جو حضرت امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے حضرت عبداللہ بن ابی حنظلہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے روایت کیا کہ رسول اکرم ﷺ کو ہر نماز کے لئے وضو کا حکم دیا گیا چاہے آپ کا وضو ہوتا یا نہ' جب یہ بات آپ کے لئے مشقت کا باعث ہوئی تو آپ کو ہر نماز کے وقت مسواک کرنے کا حکم دیا گیا۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۸' السنن الکبریٰ ج ۱ ص ۳۸' المستدرک ج ۱ ص ۱۵۶)

اس حدیث کی سند میں محمد بن اسحاق راوی ہے اور اس نے عنعنہ (عن فلاں عن فلاں) کے طور پر حدیث کو روایت کیا اور وہ مدلس ہے (راوی کو چھوڑتا ہے)۔

اور جن لوگوں کے نزدیک آپ پر مسواک کرنا واجب نہیں تھی ان کی دلیل وہ حدیث ہے جو امام ابن ماجہ نے اپنی سنن میں حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے نقل کی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا حضرت جبریل علیہ السلام جب بھی میرے سامنے آئے انہوں نے مجھے مسواک کے بارے میں کہا حتیٰ کہ مجھے ڈر ہوا کہ وہ مجھ پر اور میری امت پر فرض نہ ہو جائے۔ اس حدیث کی سند ضعیف ہے۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۸۹' مسند احمد ج ۵ ص ۲۶۳' المعجم الکبیر ج ۸ ص ۲۳۹' الدر المنثور ج ۱ ص ۱۱۳' مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۳۸۶)

امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ کی روایت سے نقل کیا وہ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا مجھے مسواک کا حکم دیا گیا حتیٰ کہ مجھے ڈر ہوا کہ کہیں مجھ پر فرض نہ ہو جائے۔ (مسند احمد ج ۳ ص ۴۹۰' جمع الجوامع رقم الحدیث: ۴۴۲۳-۴۴۳۰-۴۴۳۹' مجمع الزوائد ج ۲ ص ۹۸' الترغیب والترہیب ج ۱ ص ۱۶۶)

اس حدیث کی سند حسن ہے اور خصائص صحیح دلیل سے ثابت ہوتے ہیں یہ بات "شرح تقریب اسانید" میں کہی گئی ہے۔

انہی واجب خصائل میں سے ایک قربانی کرنا ہے۔

ارشاد خداوندی ہے:

فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ○ (الکوثر: ۲) پس آپ اپنے رب کے لئے نماز پڑھیں اور قربانی کریں۔

امام دارقطنی اور امام حاکم رحمہما اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے

فرمایا:

ثلاث ھن علی فرائض و ھن لکم تطوع النحر والوتر ورکعتا الفجر. تین باتیں ایسی ہیں جو مجھ پر فرض اور تمہارے لئے نفل ہیں قربانی، وتر اور صبح کی دو رکعتیں۔

اسی طرح مشورہ کرنا بھی آپ پر لازم تھا۔ ارشاد خداوندی ہے:

وَشَاوِرْهُمْ فِى الْاَمْرِ. آپ معاملات میں ان سے مشورہ کیا کریں۔

اس آیت کے ظاہر سے وجوب معلوم ہوتا ہے بعض نے کہا مستحب ہے تاکہ صحابہ کرام کے دل آپ کی طرف مائل رہیں۔

اس کا معنیٰ یہ ہے کہ ان کی رائے معلوم کریں۔ امام بیہقی رحمہ اللہ نے ''معرفۃ السنن والاثار'' میں امام شافعی رحمہ اللہ سے نقل کیا کہ وہ فرماتے ہیں آپ پر مشورہ کرنا واجب نہ تھا جس طرح حجازی وغیرہ نے کہا ہے۔

نبی اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے مشورہ کرنے کا حکم کیوں دیا اس معنیٰ میں اختلاف ہے حالانکہ آپ عقل کامل اور صائب رائے کے مالک تھے آپ پر مسلسل وحی آرہی تھی اور امت پر آپ کی اطاعت واجب تھی بعض حضرات نے فرمایا کہ یہ آیت معنوی اعتبار سے خاص ہے اگرچہ لفظاً عام ہے یعنی ان امور میں ان سے مشورہ کیجئے جن میں آپ سے اللہ تعالیٰ کا کوئی عہد و پیمان نہیں ہے۔ اس پر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی قرأت: وشاورھم فی بعض الامر بعض امور میں ان سے مشورہ کریں۔ دلالت کرتی ہے۔

کلبی فرماتے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ دشمن سے مقابلے اور جہاد کے موقعہ پر دشمن کے مکر و فریب کی صورت میں ان کی رہنمائی فرمائیں۔

حضرت قتادہ اور حضرت مقاتل رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ عرب کے معززین سے جب کسی کام میں باہم مشورہ نہ لیا جاتا تو یہ بات ان کے لئے باعث مشقت ہوتی تو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو ان سے مشورہ کرنے کا حکم دیا اور یہ بات ان کے لئے زیادہ شفقت اور ان کی قلبی خوشی کا باعث ہوتی اور دل میں کسی قسم کا ملال نہ رہتا۔

حضرت حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ حضور علیہ السلام کو ان کی حاجت نہیں لیکن اس بات کا ارادہ فرمایا کہ آپ کے بعد یہ عمل سنت کی صورت اختیار کرے۔

حضرت قاضی ابو یعلیٰ رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ جن امور میں مشورہ کا حکم دیا گیا ان کے بارے میں دو قول ہیں ان میں سے ایک خاص دنیوی امور کے بارے میں ہے اور دوسرا دین و دنیا دونوں سے متعلق ہے اور یہی زیادہ صحیح بات ہے۔

یہ بات المعافی بن زکریا نے اپنی تفسیر میں کہی ہے۔

دینی معاملات میں مشورہ کی حکمت یہ ہے کہ احکام کی علتوں اور اجتہاد کے طریقے پر آگاہی ہو۔

ابن عدی نے نیز امام بیہقی نے ''شعب الایمان میں'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے وہ فرماتے ہیں جب آیت کریمہ ''وشاورھم فی الامر'' نازل ہوئی تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

اما ان اللہ و رسولہ لغنیان عنھا ولکن جعلھا اللہ رحمۃ لامتی.

سنو! بے شک اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ﷺ اس سے بے نیاز ہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے اسے اپنی امت کے لئے رحمت بنایا ہے۔ (الدر المنثور ج۲ص۹۰)

حضرت حکیم ترمذی رحمہ اللہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مرفوعاً نقل کیا کہ حضور علیہ السلام فرماتے ہیں:

ان اللہ امرنی بمداراۃ الناس کما امرنی باقامۃ الفرائض.

بے شک اللہ تعالیٰ نے مجھے لوگوں کی دلجوئی کا اسی طرح حکم دیا جس طرح فرائض قائم کرنے کا حکم دیا۔

(الدر المنثور ج۲ص۹۰' جمع الجوامع رقم الحدیث:۴۷۱۳' تفسیر ابن کثیر ج۲ص۱۲۸' لسان المیزان ج۲ص۹۳' میزان الاعتدال رقم الحدیث:۱۲۰۵)

اوران واجب خصوصیات میں سے ایک بات دشمن سے لڑنا ہے اگرچہ ان کی تعداد زیادہ ہو۔

ان امور میں سے برائی کو بدلنا بھی ہے جب ان کو دیکھیں۔ کہا گیا ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ خوف کی وجہ سے آپ سے یہ فریضہ ساقط نہیں ہوگا جبکہ دوسروں کا معاملہ الگ ہے۔

ان امور میں سے ایک' اس مسلمان کے قرض کی ادائیگی ہے جو تنگ دستی کی حالت میں فوت ہو۔ صحیح مسلم میں ہے آپ نے فرمایا:

انا اولی بالمومنین من انفسھم فمن توفی وعلیہ دین فعلی قضاوہ ومن ترک مالا فلورثتہ.

میں مؤمنوں کی جانوں سے بھی زیادہ ان کے قریب ہوں پس جو شخص فوت ہو جائے اور اس پر قرض ہو تو وہ قرض میرے ذمہ ہے اور جو آدمی مال چھوڑ جائے تو وہ اس کے وارثوں کا ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۲۲۹۸_۲۳۹۸_۲۳۹۹_۴۷۸۱_۵۳۷۱_۶۷۳۱_۶۷۴۵_۶۷۶۳' جامع ترمذی رقم الحدیث:۱۰۷۰' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۲۴۱۵' سنن نسائی ج۴ص۶۶' سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۲۹۵۴' مسند احمد ج۲ص۲۹۰' السنن الکبریٰ ج۶ ص۲۰۱' مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث:۲۹۱۳' الدر المنثور ج۵ص۱۸۲' الترغیب والترہیب ج۲ص۶۰۸' کنز العمال رقم الحدیث:۳۰۴۰۸)

حضرت امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ ادائیگی آپ پر واجب تھی اور یہ بھی کہا گیا کہ محض مستحب تھی تو ہمارے اصحاب (شافعی مسلک والوں) اور دوسروں کے درمیان یہ اختلاف ہے۔ امام نووی فرماتے ہیں حدیث کا معنیٰ یہ ہے کہ آپ نے فرمایا میں تم میں سے ہر ایک کے معاملات کو قائم کرنے والا ہوں وہ زندہ ہو یا فوت ہو جائے میں دونوں حالتوں میں اس کا ولی ہوں اگر اس پر قرض ہو تو میں اپنی طرف سے ادا کروں گا اگر وہ ادائیگی کے لئے کچھ نہ چھوڑے اور اگر اس کے پاس مال ہو تو وہ اس کے وارثوں کا ہے میں اس سے کچھ نہیں لوں گا۔ اور اگر وہ محتاج اولاد چھوڑ کر جائے جن کے ضائع ہونے کا خوف ہو تو وہ میرے پاس آئیں ان کا نفقہ اور ضروریات میرے ذمہ ہیں۔

رعایا کی ضرورتوں سے متعلق مال سے (یعنی بیت المال سے) قرض کی ادائیگی امام پر واجب ہونے کے سلسلے میں

دو قول ہیں [1] لیکن امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ جو شخص قرض لے اور وہ مرنے تک تنگدست رہے اس کا قرض بیت المال سے ادا نہ کیا جائے اور اگر اس نے تاخیر کر کے ظلم کیا تو اس میں احتمال ہے اور زیادہ بہتر ادا نہ کرنا ہے۔

اسی سلسلے میں آپ کا ازواج مطہرات کو آپ سے علیحدگی اختیار کرنے کا اختیار دینا اور ان کے آپ کو اختیار کرنے کے بعد ان کو روک لینا بھی ایک قول کے مطابق ضروری ہے نیز یہ کہ آپ شادی نہ کریں اور ان کو تبدیل نہ کریں تا کہ ان کا بدلہ دیا جائے پھر یہ حکم منسوخ ہو گیا تا کہ آپ کا ان پر احسان رہے ارشاد خداوندی ہے:

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُل لِّأَزْوَاجِكَ إِن كُنتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا وَزِينَتَهَا. (الاحزاب:۲۸)

اے نبی! ﷺ آپ اپنی ازواج مطہرات سے فرما دیں کہ اگر تم دنیا کی زندگی اور اس کی زینت چاہتی ہوں (تو آؤ میں تمہیں سامان دوں اور اچھی طرح چھوڑ دوں)۔

آپ نے ان کو اختیار دیا تو اس سلسلے میں یوں اختلاف ہے کہ اگر وہ دنیا کو اختیار کریں تو آپ ان کو چھوڑ دیں اور اگر آخرت کو اختیار کریں تو آپ ان کو روک لیں لیکن ان کو طلاق کا اختیار نہیں دیا یہ حضرت حسن اور حضرت قتادہ رحمہما اللہ کا قول ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ ان کو طلاق لینے یا حضور علیہ السلام کے پاس ٹھہرنے کا اختیار دیا یہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حضرت مجاہد امام شعبی اور حضرت مقاتل رحمہم اللہ کا قول ہے۔

نبی اکرم ﷺ نے اپنی ازواج مطہرات کو اختیار کیوں دیا؟ تو اس سلسلے میں کئی اقوال ہیں۔

۱۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو دنیوی بادشاہی اور اخروی نعمتوں کے درمیان اختیار دیا تو آپ نے آخرت کو اختیار کیا اور بارگاہ خداوندی میں دعا کی:

اللهم احيني مسكينا وامتني مسكينا واحشرني في زمرة المساكين.

یا اللہ! تو مجھے مسکین زندہ رکھنا اور اسی حالت مسکینی پر موت دینا اور مجھے مساکین کی جماعت میں اٹھانا۔

جب آپ نے اس بات کو اختیار کیا تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا کہ ازواج مطہرات کو اختیار دیں تا کہ آپ کے اختیار کی مثل ہو جائے یہ بات ابوالقاسم القشیری نے نقل کی ہے۔

۲۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ ان کے درمیان آپ کے حوالے سے باہم غیرت واقع ہوگی۔

۳۔ آپ کی ازواج مطہرات نے آپ سے اس چیز کا مطالبہ کیا جو (بظاہر) آپ کے بس میں نہ تھی حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے سب سے پہلے نقش و نگار والے پردے کا مطالبہ کیا' حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا نے یمنی جوڑے کا سوال کیا' حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے دھاری دار کپڑے یعنی یمنی چادر کا مطالبہ کیا' حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے سحولی کپڑا مانگا' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ ہر ایک نے ایک ایک چیز کا مطالبہ کیا۔ یہ بات نقاش نے نقل کی ہے۔

---

[1] زیادہ اعتماد اس پر ہے کہ واجب نہیں مالکی حضرات کے نزدیک حاکموں پر واجب ہے جب وہ وفات ہونے سے پہلے ادائیگی سے عاجز ہو جائے اور گناہ کے کاموں کے لئے قرض نہ لیا ہو یا لیا لیکن توبہ کر لی۔

۴۔ چوتھا قول یہ ہے کہ ایک دن تمام ازواج مطہرات جمع ہوئیں اور انہوں نے کہا ہم زیورات کا مطالبہ کرتی ہیں جو عورتیں مانگا کرتی ہیں تو اللہ تعالیٰ نے آیت تخییر نازل فرمائی۔ یہ بات بھی نقاش نے نقل کی ہے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کی مدد کی اور آپ پر قریظہ اور نضیر کو فتح کیا تو آپ کی ازواج مطہرات نے خیال کیا کہ یہودیوں کی نفیس چیزیں اور ذخیرے آپ کے لئے مختص ہوتے ہیں چنانچہ وہ آپ کے گرد بیٹھ گئیں اور کہنے لگیں یارسول اللہ! کسریٰ اور قیصر کی بیٹیاں زیورات اور قیمتی جوڑوں میں ملبوس رہیں اور ہمارے فاقہ اور تنگی کے حالات آپ ملاحظہ فرمارہے ہیں۔ اس سے آپ کے دل کو دکھ پہنچا کہ وہ آپ کے وسعت حال کا مطالبہ کررہی ہیں اور یہ کہ ان کے ساتھ وہ معاملہ کیا جائے جو بادشاہ اور بڑے بڑے لوگ اپنی بیویوں سے کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا کہ جو کچھ ان کے معاملے میں نازل ہوا وہ ان پر پڑھیں۔ تاکہ ان میں سے کسی ایک آپ پر اس صبر کے سلسلے میں جسے آپ نے سخت زندگی کے سلسلے میں اختیار کیا' احسان نہ ہو۔

پھر جب ازواج مطہرات نے آپ کو اختیار کرلیا اور آپ کے ساتھ صبر کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو اس صبر کے بدلے میں دو اعزاز عطا کئے ایک یہ کہ ان کو ان کے حق کی تعظیم اور حرمت کی تاکید کے حوالے سے مؤمنوں کی مائیں بنادیا اور تمام عورتوں پر فضیلت عطا فرمائی۔ اس سلسلے میں ارشاد فرمایا:

لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ. (الاحزاب:۳۲) تم دوسری عورتوں میں سے کسی ایک کی طرح نہیں ہو۔

نیز اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ پر ان کو طلاق دینا حرام قرار دیا۔

ارشادِ خداوندی ہے:

لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَآءُ مِنْۢ بَعْدُ وَلَآ اَنْ تَبَدَّلَ بِهِنَّ مِنْ اَزْوَاجٍ. (الاحزاب:۵۲) آپ کے لئے اس کے بعد عورتیں حلال نہیں اور نہ ان ازواج کو بدلنا جائز ہے۔

پس ان کی طلاق کا حرام ہونا دائمی تھا البتہ ان پر کسی سے شادی کرنے کی حرمت منسوخ ہوگئی۔

ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

نبی اکرم ﷺ کے وصال سے پہلے اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے عورتوں کو حلال کردیا یعنی وہ جن سے نکاح کرنا آپ کے لئے حرام کیا گیا تھا۔ یہ بھی کہا گیا کہ ان کی حرمت کی ناسخ یہ آیت کریمہ ہے:

اِنَّآ اَحْلَلْنَا لَكَ اَزْوَاجَكَ. (الاحزاب:۵۰) بے شک ہم نے آپ کے لئے آپ کی ازواج کو حلال کیا۔

حضرت امام نووی رحمہ اللہ ''الروضۃ میں'' فرماتے ہیں جب ازواج مطہرات کو اختیار دیا تو انہوں نے آپ کو اختیار کیا ان کے اس اچھے عمل کا بدلہ ان کو جنت کی صورت میں دیا گیا۔ ارشادِ خداوندی ہے:

فَاِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْكُنَّ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝ بے شک اللہ تعالیٰ نے تم میں سے نیکی کرنے والیوں کے لئے بہت بڑا اجر تیار کیا۔

نبی اکرم ﷺ پر واجب کیا گیا کہ آپ اپنی ازواج مطہرات کو اختیار دیں کہ ان کو چھوڑا جائے یا روکا جائے تو اس کی وجہ یہ تھی کہ اتنی تعداد میں ان کا اکٹھا ہونا ان کے دلوں میں غیرت پیدا کر رہا تھا جو سب سے بڑی تکلیف تھی اور یہ اپنے دل میں نفرت پیدا کرنے اور اعتقاد کو کمزور کرنے کا باعث بن سکتی تھی اسی طرح ان پر صبر اور فقر کو لازم کرنا بھی ایذا کا باعث تھا۔

پس جب اختیار کی لگام ان کے ہاتھ میں دے دی تو ضرر نہ رہا تو آپ کا منصب عالی اس سے پاک رکھا گیا اور آپ سے کہا گیا "آپ اپنی ازواج مطہرات سے فرمادیں" (یعنی اختیار دے دیں جیسا کہ گزر چکا ہے)۔

آپ پر یہ بھی لازم تھا کہ جس نفل عبادت کو شروع کریں پورا کریں [1] یہ بات اور اس کی اصل "الروضہ" میں نقل کی گئی اور امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ بات ضعیف ہے۔

بعض اصحاب شافعی نے اس پر یوں تفریع ذکر کی ہے کہ نبی اکرم ﷺ پر یہ بات حرام تھی کہ جب آپ زرہ پہن لیں تو جب تک دشمن کا مقابلہ اور اس سے لڑائی نہ کریں اسے نہ اتاریں یہ بات "تہذیب الاسماء اللغات" میں ذکر کی گئی ہے۔

ان واجب امور میں سے ایک یہ ہے کہ آپ پر فرض نماز کی ادائیگی کسی خلل کے بغیر واجب تھی۔ (یعنی خشوع و خضوع لازم تھا) یہ بات ماوردی نے کہی ہے۔ عراقی نے "شرح المھذب میں" کہا کہ آپ فرائض میں نقص سے معصوم تھے۔ اور اس خلل سے مراد وہ بات ہے جو نماز کو باطل نہیں کرتی (جیسا کہ خشوع وغیرہ)۔

بعض حضرات نے فرمایا کہ نبی اکرم ﷺ پر یہ بات بھی واجب تھی کہ جب کسی تعجب خیز بات کو دیکھیں تو فرمائیں:

لبیک ان العیش عیش الاخرۃ. میں حاضر ہوں اصل زندگی تو آخرت کی زندگی ہے۔

(السنن الکبریٰ ج ۷ ص ۴۸ 'اتحاف السادۃ المتقین ج ۳ ص ۳۳۹ 'از ہدر قم الحدیث: ۴۸ 'تلخیص الحبیر ج ۲ ص ۲۴۰ 'مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۷۰۴۰)

پھر فرمایا کہ یہ آپ سے سب سے اچھی حالت میں بھی صادر ہوا اور وہ عرفات میں حج کا موقعہ تھا اور سب سے سخت حالت میں بھی اور وہ خندق کا دن تھا۔

جو امور آپ پر خصوصی طور پر واجب تھے ان میں سے ایک یہ بات بھی تھی کہ حالت وحی میں آپ کو دنیا سے منقطع کر دیا جاتا لیکن اس کے باوجود آپ سے روزہ 'نماز اور باقی تمام احکام ساقط نہ ہوتے جس طرح یہ بات "زوائد الروضہ" میں ابن قاص اور قفال سے روایت کی گئی اور ابن سبع نے بھی اسے اسی طرح ذکر کیا۔

ان امور میں سے ایک بات یہ بھی تھی کہ آپ کے قلب مبارک پر کوئی پردہ آجاتا تو آپ ستر مرتبہ بخشش مانگتے۔

یہ بات ابن القاص نے ذکر کی اور ابن الملقن نے اسے "الخصائص میں" نقل کیا جب کہ امام مسلم اور امام ابوداؤد رحمہما

[1] احناف کے نزدیک نفل عبادت شروع کرنے سے لازم ہو جاتی ہے اور یہ بات نبی اکرم ﷺ کے ساتھ خاص نہیں ہے۔

اللہ نے اسے حضرت اغر مزنی رضی اللہ عنہ سے ان الفاظ کے ساتھ نقل کیا:

انہ لیغان علی قلبی وانی لا ستغفر اللہ فی الیوم مائۃ مرۃ.

بے شک میرے دل پر پردہ چھا جاتا ہے تو میں ایک دن میں ستر مرتبہ اللہ تعالیٰ کی بخشش مانگتا ہوں۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۱۵۱۵' صحیح مسلم رقم الحدیث:۴۱' مسند احمد ج ۴ ص ۲۱۱' المعجم الکبیر ج ۱ ص ۲۸۰' السنن الکبریٰ ج ۷ ص ۵۲' اتحاف السادۃ المتقین ج ۵ ص ۵۷' الدر المنثور ج ۶ ص ۶۳' تاریخ الکبیر ج ۲ ص ۴۳' مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث:۲۳۲۴' کنز العمال رقم الحدیث:۲۰۷)

یہ صحیح مسلم کے الفاظ ہیں اور سنن ابوداؤد میں ''فی کل یوم'' (ہر روز) کے الفاظ ہیں۔

حضرت شیخ ولی الدین عراقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ظاہر یہ ہے کہ دوسرا جملہ پہلے جملہ پر مرتب ہے اور استغفار کا سبب پردہ ہے اور اس پر سنن نسائی کی روایت جو ''عمل الیوم واللیلۃ میں'' ذکر کی گئی کہ الفاظ دلالت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:

انہ لیغان علی قلبی حتی استغفر اللہ کل یوم مائۃ مرۃ.

بے شک میرے دل پر پردہ چھا جاتا ہے حتیٰ کہ میں دن میں ایک سو مرتبہ اللہ تعالیٰ سے بخشش مانگتا ہوں۔

ان ہی کی ایک روایت میں ''فاستغفر اللہ'' (پس میں اللہ تعالیٰ کی بخشش طلب کرتا ہوں) اور حدیث کے بعض الفاظ دوسرے بعض کی تفسیر کرتے ہیں اور لفظی اعتبار سے یہ احتمال بھی ہے کہ دوسرا جملہ مستقل کلام ہو اور پہلے جملہ کے ساتھ اس کا کوئی تعلق نہ ہو پس حضور علیہ السلام نے خبر دی کہ میرے دل پر پردہ چھا جاتا ہے نیز میں دن میں ایک سو مرتبہ استغفار کرتا ہوں (یعنی دونوں باتیں الگ الگ ہیں)۔

حضرت ابو عبید رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں جس ''غین'' (لیغان میں جو غین ہے) کا ذکر ہے یہ وہ چیز ہے جو دل کو ڈھانپ دیتی ہے اور اس کی اصل ''غین السماء'' ہے یعنی بادل کا چھا جانا۔

دوسرے حضرات فرماتے ہیں ''غین'' سے مراد یہ ہے کہ دل پر چھانے کے باوجود اس کو کلی طور پر ڈھانپتا نہیں جس طرح پتلے قسم کے بادل جو ہوا میں ہوتے ہیں وہ سورج کی روشنی کو نہیں روکتے۔

حضرت قاضی عیاض رحمہ اللہ اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ اس پردے سے اس بات کی طرف اشارہ کیا گیا کہ نبی اکرم ﷺ کو جو امور سونپے گئے ہیں مثلاً بشری تقاضے' امت کے معاملات اور دوست دشمن سے متعلق امور کی انجام دہی مصلحتِ نفس' رسالت کی ذمہ داریوں اور امانت کی ادائیگی وغیرہ کی وجہ سے آپ کا قلب مبارک اللہ تعالیٰ کے دائمی ذکر اور اس کے مشاہدہ سے غافل ہو جاتا ہے اور کچھ کمی آتی ہے تو یہی پردہ ہے اور ان تمام امور کی انجام دہی میں بھی آپ اپنے رب کی اطاعت اور عبادت میں ہوتے ہیں۔

لیکن جب اللہ تعالیٰ کے ہاں آپ کا مقام و مرتبہ تمام مخلوق سے بڑا ہے اور آپ کی معرفت سب سے زیادہ مکمل ہے اور جب آپ کا دل اور ارادہ خالصۃ اللہ تعالیٰ کی طرف ہوتا ہے اور آپ مکمل طور پر اس کی طرف متوجہ ہوتے ہیں تو دونوں حالتوں میں سے یہ حالت ارفع و اعلیٰ ہوتی ہے تو آپ نے جب اس حالت میں کمی دیکھی اور دوسری طرف مشغولیت کی

وجہ سے اس مقام رفیع سے اپنے آپ کو نیچے دیکھا تو اللہ تعالیٰ سے بخشش کا سوال کیا۔

قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس حدیث کی سب سے بہترین توجیہہ یہی ہے اور یہی زیادہ مشہور ہے اور جو مفہوم ہم نے بیان کیا اکثر لوگ اسی کی طرف مائل اور اسی کے گرد گھومتے ہیں۔

پس تم اس سے کوئی مجازی معنی نہ لو ہم نے اس شخص کے لئے جس پر اس کا معنی پوشیدہ تھا' یہ مفہوم قریب کر دیا اور فائدہ حاصل کرنے والے کے لئے اس کو واضح کر دیا اور توجیہہ اس بات پر مبنی ہے کہ تبلیغ کے علاوہ آپ کے تعلق باللہ میں کچھ کمی یا بھول وغیرہ ہو سکتی ہے۔

لیکن اس پر اعتراض کیا گیا کہ حضور علیہ السلام کی طرف اس بات کی نسبت پسندیدہ نہیں کیونکہ اس سے لازم آئے گا کہ فرشتوں کو آپ پر فضیلت حاصل ہو اس لئے کہ وہ تسبیح اور مشاہدہ میں کوتاہی نہیں کرتے اور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

لست انسی ولکن انسی۔ میں بھولتا نہیں بلکہ بھلایا جاتا ہوں۔

(موطا امام مالک رقم الحدیث: ۲' صحیح مسلم ج ۱ ص ۵۴۵' الشفاء ج ۲ ص ۱۴۰' تمہید ج ۵ ص ۲۰۶۔ ج ۶ ص ۳۹۲)

پس یہ بات کوتاہی میں شمار نہیں ہوتی بلکہ حکمت مقصودہ کی بنیاد پر ایسا ہوتا ہے تاکہ اس کے ساتھ حکم شرعی ثابت کیا جائے پس اس بات پر محمول کرنا جس کو علت قرار دیا زیادہ مناسب ہے یعنی آپ بشری تقاضوں' امت کے معاملات اور دیگر امور میں مشغول ہوتے اور یہ سب امور نبوت کی ذمہ داریوں کا حصہ ہے۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ "غین" (پردہ) حدیث نفس کی وجہ سے دل پر طاری ہوتا ہے۔ حافظ شیخ الاسلام ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں امام رافعی نے "اپنی امالی میں" اسی بات کی طرف اشارہ کیا اور فرمایا کہ ان کے والد اس بات کو صحیح قرار دیتے تھے۔

ایک قول یہ ہے کہ یہ ایک ایسی حالت تھی کہ اس میں آپ اپنی امت کے احوال پر مطلع ہو کر ان کے لئے بخشش کی دعا مانگتے تھے۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ وہ سکون واطمینان تھا جو آپ کے قلب اقدس پر طاری ہوتا تو آپ اللہ تعالیٰ کی بندگی اور اس کی عطا پر شکر ادا کرتے ہوئے مغفرت طلب کرتے۔

شیخ الاسلام ابن عراقی رحمہ اللہ نے یہ بھی فرمایا کہ یہ جملہ حالیہ ہے نبی اکرم ﷺ نے اس بات کی خبر دی کہ آپ کے دل پر پردہ چھا جاتا حالانکہ آپ دن میں ایک سو بار بخشش مانگتے تھے اور یہ حال مقدرہ ہے کیونکہ استغفار کے وقت یہ پردہ موجود نہیں ہوتا تھا بلکہ جب استغفار ہوتا تو یہ پردہ زائل ہو جاتا۔

وہ فرماتے ہیں جب دونوں جملوں کا باہم تعلق ہو اور دوسرا جملہ پہلے کا مسبب بنے (یعنی پہلا جملہ سبب ہو) تو اس بات کا احتمال ہے کہ یہ پردہ دل کو امور دنیا سے ڈھانپ دیتا ہو اور دل اور امور دنیا کے درمیان حجاب واقع ہوتا ہے اور اس وقت دل مکمل طور پر اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوتا ہو کہ آپ بطور شکر استغفار کریں اور بندگی کو اختیار کریں۔

وہ فرماتے ہیں قاضی عیاض رحمہ اللہ نے جو کچھ فرمایا اس کا مفہوم بھی یہی ہے یعنی "شفاء" میں جو کچھ آپ نے فرمایا

کہ یہ بھی احتمال ہے کہ یہ پردہ خشیت کی حالت میں ہو اور اس کی بڑائی کا اظہار جو دل کو ڈھانپ لے پس آپ اس وقت اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کی خاطر طلب مغفرت فرماتے اور بندگی کو ہمیشہ کے لئے اختیار کر لیتے۔

شیخ ابن عراقی کہتے ہیں میرے نزدیک یہ عمدہ کلام ہے اور دوسرا جملہ پہلے جملہ کا سبب ہے یہ مطلب نہیں کہ آپ استغفار کے ذریعے پردے کو دور کرنے کی کوشش کرتے بلکہ معنیٰ یہ ہے کہ یہ پردہ ایک قابل تعریف ہے یہی استغفار کا سبب ہے اور اسی پر استغفار مرتب ہوتا ہے۔

یہ قول تمام اقوال سے زیادہ پاکیزہ اور اچھا ہے کیونکہ اس صورت میں غین (یعنی پردہ) وصف محمود ہوگا اور اسی کی وجہ سے آپ استغفار فرماتے تھے جبکہ پہلے معنیٰ کے اعتبار سے اس پردے کو دور کرنے کے لئے استغفار کے ذریعے کوشش فرماتے ہیں اور اسی معنیٰ کے اعتبار سے اعتراضات پیدا ہوتے ہیں۔

اہل لغت کے نزدیک "غین" "غشاء" کے معنیٰ میں ہے (یعنی پردہ) پس ہم اس پردے پر محمول کریں گے جو نبی اکرم ﷺ کے شایانِ شان ہے اور یہ ایسا پردہ ہے جو دل کو دنیوی امور سے دور کرتا اور ڈھانپ لیتا ہے خصوصاً جب کہ یہ پردہ ایک قابل تعریف امر ہو اور وہ استغفار ہے اور یہ اچھا کام (استغفار) اچھے کام (اچھے پردے) سے وجود میں آتا ہے۔

شیخ تاج الدین بن عطاء اللہ رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "لطائف المنن میں" ذکر کیا کہ شیخ ابوالحسن شاذلی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ میں نے نبی اکرم ﷺ کو خواب میں دیکھا آپ سے اس حدیث "**انہ لیغان قلبی**" کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا اے مبارک! یہ انوار کا پردہ ہے اغیار کا پردہ نہیں۔

دوسری قسم: وہ باتیں جو صرف آپ پر حرام تھیں

ان میں سے ایک زکوۃ لینے کی حرمت ہے اسی طرح صحیح مشہور نصوص کے مطابق صدقہ آپ پر حرام تھا۔

آپ نے فرمایا:

انا لا نا کل الصدقۃ. بے شک ہم صدقہ نہیں کھاتے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۴۹۱' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۶۱' سنن نسائی ج اص ۸۹' السنن الکبریٰ ج ۷ص ۲۹' اتحاف السادۃ المتقین ج ۶ص ۳۶' مسند احمد ج ۲ص ۲۰۶' کنز العمال رقم الحدیث: ۱۶۵۲۰-۱۶۵۲۳)

اور جو لوگ اس بات کے قائل ہیں کہ آپ کے لئے صدقہ مباح تھا وہ کہتے ہیں کہ آپ کے صدقہ نہ کھانے سے اس کا حرام ہونا لازم نہیں آتا ہو سکتا ہے آپ نے محض بچنے کے لئے نہ کھایا ہو اور وہ مباح ہو۔ اور یہ ظاہر حدیث کے خلاف ہے۔

شیخ الاسلام ابن عراقی نے "شرح التقریب میں" فرمایا:

"جو بھی صورت ہے آپ کے خصائص میں سے ہے کہ آپ نے صدقہ نہیں کھایا چاہے اس سے بچنا آپ پر واجب تھا یا ویسے پرہیز فرماتے تھے۔

اس کی حکمت یہ تھی کہ آپ کے منصب شریف کو لوگوں کے مالوں کی میل سے بچایا جائے۔

آپ کے خصائص میں سے یہ بات بھی ہے کہ آپ کی آل پر بھی زکوٰۃ حرام ہے اور اصح قول کے مطابق آپ کی آل زکوٰۃ کی وصولی پر عامل بھی نہیں بن سکتی اسی طرح نذر اور کفارات کا مال بھی ان کو دینا حرام ہے البتہ اصح قول کے مطابق ان کو نفلی صدقہ دیا جاسکتا ہے اس میں مالکی فقہ والوں کا اختلاف ہے اور ہمارے (شافعیوں) کے نزدیک اس (نفلی صدقہ کے آل بیت کے لئے حلال ہونے) پر دلیل موجود ہے۔

ان امور میں سے ایک بات یہ ہے کہ جس چیز کی بو اچھی نہ ہو اس کا کھانا نبی اکرم ﷺ پر حرام تھا جیسے لہسن اور پیاز۔ کیونکہ آپ کے پاس فرشتوں اور وحی کا آنا ہر وقت متوقع ہوتا تھا۔

اسی طرح آپ کے لئے تکیہ لگا کر کھانا بھی منع تھا جب کہ زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ یہ دونوں باتیں آپ پر حرام نہیں بلکہ مکروہ تھیں۔

امام سہیلی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ تکیہ لگا کر کھانا دوسرے لوگوں کے لئے بھی مکروہ ہے کیونکہ یہ تکبر کرنے والوں کا عمل ہے اور اس پر مزید گفتگو پہلے گزر چکی ہے۔

اسی طرح کتابت اور شعر گوئی بھی آپ پر حرام تھی اور حرمت کا یہ قول ان لوگوں کے نزدیک ہے جو کہتے ہیں کہ آپ اچھی طرح شعر کہہ سکتے تھے لیکن زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ آپ یہ دونوں کام نہیں کرتے تھے (یعنی آپ کو سکھائے نہیں گئے تھے)۔

ارشاد خداوندی ہے:

وَمَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ وَّ لَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ. (العنکبوت:۴۸)

اور اس سے پہلے تم کوئی کتاب نہ پڑھتے تھے اور نہ اپنے ہاتھ سے کچھ لکھتے تھے۔

نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهٗ.

اور ہم نے آپ کو شعر نہیں سکھائے اور وہ آپ کے لئے مناسب بھی نہیں۔

یعنی یہ آپ کی طبیعت وفطرت کے خلاف تھے اور آپ کے لئے مناسب بھی نہیں تھے۔

اس بات کا جواب یوں دیا گیا ہے کہ آپ کا ان دونوں تک پہنچنا حرام تھا اور کیا شعر گوئی نہ کرنا آپ کے ساتھ خاص تھا یا دیگر انبیاء کرام کے لئے بھی یہی حکم تھا؟

تو بعض حضرات نے کہا کہ یہ عام ہے کیونکہ ارشاد خداوندی ہے:

وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهٗ.

اور ہم نے ان کو شعر کہنا نہ سکھایا اور نہ وہ ان کی شان کے لائق ہے۔

اس میں خصوصیت کا کوئی نکتہ ظاہر نہیں ہوتا نیز صلح حدیبیہ کے ذکر میں بحث گزر چکی ہے کہ کیا حضور علیہ السلام اچھی طرح لکھ

سکتے تھے یا نہیں؟

ان میں سے ایک بات یہ بھی ہے کہ جب آپ زرہ پہن لیں تو جب تک لڑائی نہ لڑیں یا اللہ تعالیٰ آپ کے اور آپ کے دشمن کے درمیان کوئی فیصلہ نہ کر دے تو پھر زرہ کا اتارنا حرام تھا۔

کوئی چیز کثرت سے حاصل کرنے کے لئے احسان کرنا بھی آپ پر حرام کیا گیا یہ بات امام رافعی رحمہ اللہ نے ذکر کی ہے۔ ارشادِ خداوندی ہے:

وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ. اور اس لئے احسان نہ کریں کہ زیادہ حاصل ہو۔

یعنی کوئی چیز اس لئے نہ دیں کہ آپ کو اس سے زیادہ دیا جائے بلکہ اپنے رب کی رضا کے لئے عطا فرمائیں اور اسی کی رضا کا ارادہ کریں تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو بہترین ادب سکھایا۔ اکثر مفسرین نے یہ بات فرمائی ہے۔ حضرت ضحاک اور حضرت مجاہد رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ یہ نبی اکرم ﷺ کے ساتھ خاص ہے اور امت میں سے کسی پر لازم نہیں ہے۔ حضرت قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ دنیوی بدلہ حاصل کرنے کے لئے کوئی چیز نہ دیں یعنی اپنے رب کے لئے عطا فرمائیں۔

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ اپنے عمل کا اللہ تعالیٰ پر احسان نہ رکھیں اس طرح آپ کثیر طلب کریں گے اور کہا گیا کہ نبوت کا احسان امت پر نہ رکھیں کہ ان سے اجرت اور دنیوی معاوضہ لیں۔

لوگوں کو جو چیز نفع اندوزی کے لئے دی گئی اس کی طرف نگاہیں نہ بڑھائیں۔ ارشادِ خداوندی ہے:

وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ إِلَىٰ مَا مَتَّعْنَا بِهِ. اور جس چیز کے ساتھ ہم نے نفع دیا اس کی طرف نگاہیں نہ بڑھائیں۔

یعنی اس کو اچھا سمجھ کر اور یہ کہ آپ کے لئے بھی اس کی مثل ہو۔

أَزْوَاجًا مِّنْهُمْ. جوڑے ان میں سے (ایک جیسی چیزیں)۔

یعنی جو کچھ کفار کو دیا گیا اس قسم کی چیزیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں ان سے کچھ ایسی اقسام جن کا ان سے تعلق ہے کیونکہ جو کچھ آپ کو دیا گیا ہے اس کے مقابلے میں یہ سب کچھ حقیر ہے کیونکہ آپ کے پاس وہ ایسا کمال ہے جو ذاتی طور پر مطلوب ہے اور دائمی لذتوں کی طرف جاتا ہے۔

ان امور میں سے ایک آنکھ کے ساتھ اشارہ کرنا ہے جو آپ پر حرام ہے یعنی کسی کو قتل کرنے یا مارنے کا جواز اشارے سے بتانا جب کہ ظاہری حالت اس کے خلاف ہو جیسا کہ آپ نے ایک شخص کے قتل کا ارادہ کیا تو صحابہ کرام نے عرض کیا آپ نے ہمیں اس کو قتل کرنے کے لئے اشارہ کیوں نہیں کیا؟ تو آپ نے فرمایا کسی نبی کے لئے آنکھ سے اشارہ کرنا مناسب نہیں۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۶۸۳' المستدرک ج ۳ ص ۴۵' دلائل النبوۃ ج ۵ ص ۶۰' الدر المنثور ج ۳ ص ۳۰۳' السنن الکبریٰ ج ۸ ص ۲۰۷' التمہید ج ۶ ص ۱۷۶' مشکل الآثار ج ۲ ص ۲۲۶' فتح الباری ج ۱۱ ص ۱۱' تفسیر طبری ج ۱۰ ص ۳۶' کنز العمال رقم الحدیث: ۳۰۱۸۷)

جب کہ دوسروں کے لئے یہ بات حرام نہیں جب کہ کسی ممنوع کام کے لئے اشارہ نہ ہو یہ بات امام رافعی رحمہ اللہ نے فرمائی ہے جسے حجازی نے "مختصر الروضہ میں" نقل کیا ہے۔

ان امور میں سے ایک بات ان خواتین سے نکاح کرنا ہے جنہوں نے ہجرت نہیں کی یہ دو قولوں میں سے ایک ہے۔

ارشاد خداوندی ہے:

يَآ اَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَحْلَلْنَا لَكَ اَزْوَاجَكَ الّٰتِيْٓ اٰتَيْتَ اُجُوْرَهُنَّ.

اے نبی ﷺ! بے شک ہم نے آپ کے لئے آپ کی ان ازواج مطہرات کو حلال قرار دیا جن کا مہر آپ نے عطا کیا۔

"اجور" سے مہر مراد ہے اور مہر کو اجر کہنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ شرمگاہ کی اجرت ہے اور حلال ہونے کے لئے فوری ادائیگی (اتیت ماضی کا صیغہ ہے) کی قید اس لئے نہیں کہ اس (ادائیگی) کے بغیر عورت حلال نہیں ہوتی بلکہ اس میں افضل صورت کو ترجیح دی ہے (یعنی فوری ادائیگی بہتر ہے) جس طرح لونڈی کے حلال ہونے کا ذکر کرتے ہوئے اس کے لئے قیدی ہونے کا وصف بیان کیا (حالانکہ یہ ضروری نہیں) ارشاد خداوندی ہے:

وَمَا مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ مِمَّآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلَيْكَ وَبَنٰتِ عَمِّكَ وَبَنٰتِ عَمّٰتِكَ وَبَنٰتِ خَالِكَ وَبَنٰتِ خٰلٰتِكَ.

اور جو لونڈیاں آپ کی ملک میں ہوں ان لونڈیوں سے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو بطور غنیمت عطا فرمائی ہیں اور آپ کی چچازاد اور پھوپھی زاد' ماموں زاد اور خالہ زاد۔

قبیلہ بنو زہرہ کی خواتین مراد ہیں:

وَالّٰتِيْ هَاجَرْنَ مَعَكَ.

اور وہ عورتیں جنہوں نے آپ کے ساتھ ہجرت کی (یعنی مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کی)۔

اگرچہ حضور علیہ السلام کے ساتھ ایک ہی وقت میں ہجرت نہیں کی۔

اس آیت کا ظاہر بتاتا ہے کہ عورتوں کا آپ کے لئے حلال ہونے کے لئے ہجرت شرط ہے اور ان میں سے جن عورتوں نے ہجرت نہیں کی ان سے آپ کا نکاح جائز نہیں۔

حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے مجھے نکاح کا پیغام دیا تو میں نے کسی وجہ سے معذرت کر لی چنانچہ آپ نے میرا عذر قبول کر لیا [1] پھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت (مندرجہ بالا) اتاری۔

پس میں آپ کے لئے حلال نہیں تھی کیونکہ میں نے آپ کے ساتھ ہجرت نہیں کی۔ میں آزاد عورتوں سے تھی۔

(جامع ترمذی رقم الحدیث: ۳۲۱۴)

بعض مفسرین سے منقول ہے کہ حلت کے لئے ہجرت کی شرط منسوخ ہے لیکن انہوں نے ناسخ (آیت) ذکر نہیں کی۔

[1] حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں آپ کے نکاح میں آنے سے اعتراض نہیں کرتی لیکن میں پسند نہیں کرتی کہ میں نکاح کروں اور میرے بچے چھوٹے چھوٹے ہیں۔ ایک روایت میں ہے آپ نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ مجھے اپنے کانوں اور آنکھوں سے زیادہ محبوب ہیں اور خاوند کا حق بہت بڑا ہے مجھے ڈر ہے کہ خاوند کا حق ضائع نہ کردوں۔ (زرقانی ج ۵ ص ۲۴۳)

حضرت ماوردی سے دو قول (منقول) ہیں ایک یہ کہ نبی اکرم ﷺ کے عقد نکاح میں آنے کے لئے ہر عورت کا مہاجرہ ہونا شرط ہے وہ اجنبی ہوتی یا رشتہ دار، اور دوسرا قول یہ ہے کہ یہ شرط آپ کی چچازاد اور پھوپھی زاد وغیرہ جن کا ذکر ہو چکا ہے' سے متعلق ہے۔ اجنبی (غیر رشتہ دار) خواتین کے لئے ہجرت کی شرط نہیں ہے انہی سے یہ بھی مروی ہے کہ مہاجرات سے مسلمان عورتیں مراد ہیں۔

جو عورت آپ کے ساتھ رہنا پسند نہ کرے اس کو روکنا آپ پر حرام تھا۔

کتابیہ عورت سے نکاح بھی آپ پر حرام تھا کیونکہ آپ کی ازواج مطہرات مؤمنوں کی مائیں اور آخرت میں آپ کی ازواج ہوں گی اور آپ کے ساتھ جنت میں اسی درجہ میں رہیں گی (جہاں آپ ہوں گے)۔

نیز یہ کہ آپ کی شان اس سے بلند و بالا ہے کہ آپ اپنا مادۂ منویہ کسی کافرہ عورت کے رحم میں رکھیں۔ علماء کرام فرماتے ہیں اگر آپ کسی کتابیہ عورت سے نکاح کرتے تو آپ کے اعزاز کی وجہ سے اسے اسلام کی طرف ہدایت دی جاتی۔

مسلمان لونڈی سے نکاح کرنا بھی آپ پر حرام تھا اور اگر لونڈی سے آپ کا نکاح فرض کیا جائے تو آپ کی اس سے ہونے والی اولاد آزاد ہوتی اور غلامی کے نہ پائے جانے کی وجہ سے آپ پر اس کی فضیلت لازم نہ ہوتی یہ بات قاضی حسین نے کہی ہے۔

ابو عاصم کہتے ہیں (یہ قیمت) لازم ہوتی۔ یہ بات حجازی نے نقل کی ہے اور اس وقت ہے آپ کے حق میں (لونڈی سے نکاح کے لئے) گناہ کا خوف اور آزاد عورت سے نکاح کی مالی طاقت نہ ہونے کی شرط نہ ہوتی۔

جہاں تک لونڈی بنانے کا تعلق ہے تو زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ آپ کے لئے یہ عمل حلال تھا کیونکہ آپ نے اپنی لونڈی ریحانہ سے ان کے اسلام لانے سے پہلے نفع اٹھایا۔ اس بنیاد پر سوال یہ ہے کہ کیا حضور علیہ السلام پر یہ بات لازم تھی کہ وہ اسے اختیار دیتے کہ وہ اسلام لائے اور آپ اسے اپنے پاس روک لیں یا وہ اپنے دین پر قائم رہے تو آپ اس کو جدا کر دیں؟ تو اس میں دو قول ہیں۔

ایک یہ کہ آپ پر لازم تھا کہ اسے اختیار دیتے تاکہ وہ آخرت میں آپ کی ازواج مطہرات میں سے ہوتی اور دوسرا قول یہ ہے کہ واجب نہیں تھا کیونکہ جب آپ نے ریحانہ پر اسلام پیش کیا تو اس نے انکار کر دیا لیکن اس کے باوجود وہ آپ کی ملک میں رہی اور آپ اس سے نفع اٹھاتے رہے اور بعد میں اس نے اسلام قبول کیا۔

ان امور میں سے ایک بات یہ تھی کہ جب آپ کی قوم سے اذان سنیں تو ان پر حملہ کرنا حرام تھا۔ جس طرح ابن سبع نے "الخصائص میں" ذکر کیا۔

تیسری قسم: وہ خصائص جو مباح ہیں

نبی اکرم ﷺ کو یہ خصوصیت حاصل تھی کہ آپ حالتِ جنابت میں مسجد میں ٹھہر سکتے تھے۔ یہ بات صاحب التلخیص نے کہی ہے (ابن قاص مراد ہیں) لیکن ابن قفال نے اسے تسلیم نہیں کیا۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں جو کچھ "التلخیص میں" کہا گیا اس پر حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی اس روایت

سے استدلال کیا گیا۔

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

اے علی میرے اور تمہارے علاوہ کسی کے لئے اس مسجد میں جنبی ہونا جائز نہیں۔ امام ترمذی نے فرمایا یہ حدیث حسن غریب ہے۔ (جامع ترمذی رقم الحدیث: ۳۷۲۷' السنن الکبریٰ ج ۷ ص ۶۶' مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۶۰۸۹' تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۲۷۴' تذکرۃ الموضوعات رقم الحدیث: ۹۵' البدایہ والنہایہ ج ۷ ص ۳۵۶' کنز العمال رقم الحدیث: ۳۲۸۸۵۔ ۳۳۰۵۲)

اس حدیث پر اعتراض کیا گیا کہ عطیہ راوی جمہور کے نزدیک ضعیف ہے اس کا جواب یوں دیا گیا کہ امام ترمذی نے اسے حسن قرار دیا اس لئے جو بات اس کے حسن کی متقاضی ہے اس کے ساتھ اسے تقویت حاصل ہو گی لیکن جب اس بات میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ آپ کے ساتھ شریک ہیں تو آپ کی خصوصیت نہ ہوئی۔

امام الحرمین وغیرہ نے صاحب تلخیص کے اس قول کو غلط قرار دیا ہے اور یہ بات بھی جان لیں کہ نبی اکرم ﷺ نے کئی بڑے بڑے مباح اور جائز کام چھوڑ دیئے اگرچہ آپ کے لئے جائز تھے۔

آپ کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ چت لیٹنے سے آپ کا وضو نہیں ٹوٹتا تھا اور عورت کو ہاتھ لگانے سے وضو کے ٹوٹنے کے بارے میں دو قول ہیں۔ (نوٹ: حنفی فقہ کے مطابق عورت کو ہاتھ لگانے سے وضو نہیں ٹوٹتا مذکورہ بالا قول امام شافعی رحمہ اللہ کا مذہب ہے۔ ۱۲ہزاروی)

پہلے قول والوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث اور اس طرح کی دیگر روایات سے استدلال کیا ہے آپ فرماتی ہیں کہ نبی اکرم ﷺ اپنی بعض ازواج مطہرات کا بوسہ لیتے پھر نماز پڑھتے اور وضو نہ فرماتے۔ (سنن نسائی ج ۱ ص ۱۰۴' سنن دار قطنی ج ۱ ص ۱۳۵' مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۳۲۳' تاریخ ابن عساکر ج ۵ ص ۱۶۸' کنز العمال رقم الحدیث: ۲۷۱۳۲)

امام نسائی نے بھی اسے روایت کیا اور امام ابو داؤد فرماتے ہیں یہ مرسل حدیث ہے ابراہیم تیمی کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سماع حاصل نہیں اور امام نسائی رحمہ اللہ نے فرمایا اس باب سے اس حدیث سے زیادہ اچھی حدیث نہیں اگرچہ یہ مرسل ہے۔

آپ کی خصوصیات میں سے ایک خصوصیت یہ تھی کہ آپ کے لئے عصر کے بعد نماز جائز تھی آپ کی ظہر کے بعد والی دو رکعتیں فوت ہو گئیں تو آپ نے ان کو عصر کے بعد قضا کیا پھر ان کو ہمیشہ پڑھتے رہے۔ یہ بات حجازی نے ذکر کی ہے اور وتر نماز واجب ہونے کے باوجود آپ اسے سواری پر پڑھتے تھے اور آپ کے لئے ایسا کرنا جائز تھا۔

"شرح المہذب میں" یہ بات اس طرح ذکر کی گئی ہے۔

نبی اکرم ﷺ کے خصائص میں سے یہ بات بھی ہے کہ آپ کے لئے یہ کام (وتر پڑھنا) سواری پر جائز تھا۔ اور غائبانہ نماز جنازہ بھی آپ کی خصوصیات میں سے ہے یہ حضرت امام ابو حنیفہ اور حضرت امام مالک رحمہما اللہ کا مسلک ہے۔

باوجود قوت شہوت کے آپ کے لئے روزے کی حالت میں بوسہ لینا جائز تھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت جسے امام بخاری رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے اس میں ہے آپ فرماتی ہیں۔

رسول اکرم ﷺ روزے کی حالت میں بعض ازواج مطہرات کا بوسہ لیتے تھے اور آپ اپنے نفس پر تم لوگوں سے

زیادہ کنٹرول کرنے والے تھے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث:۱۹۲۷۔۱۹۲۸' سنن ابو داؤد رقم الحدیث:۲۳۸۲' جامع ترمذی رقم الحدیث:۷۲۸۔۷۲۹' صحیح مسلم رقم الحدیث:۶۵' مسند احمد ج ۶ ص ۴۲۔۲۳۲' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۱۶۸۴۔۱۶۸۵' مسند الحمیدی رقم الحدیث:۱۹۹' شرح السنہ ج ۶ ص ۲۷۵' حلیۃ الاولیاء ج ۷ ص ۱۶۱' کنز العمال رقم الحدیث:۱۸۰۸۳۔۲۳۳۰۳)

حضرت ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس بات کی طرف اشارہ فرمایا کہ جو شخص اپنے نفس کو قابو میں رکھ سکتا ہو اس کے لئے یہ عمل جائز ہے لیکن جو آدمی حرام میں واقع ہونے (جماع کرنے) سے بے خوف نہ ہو اس کے لئے جائز نہیں۔

وہ فرماتے ہیں امام نسائی نے حضرت حماد کی روایت سے نقل کیا کہ حضرت اسود فرماتے ہیں میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کیا روزہ دار اپنی بیوی کے ساتھ لیٹ سکتا ہے؟ فرمایا نہیں میں نے عرض کیا کیا رسول اکرم ﷺ روزے کی حالت میں ایسا نہیں کرتے تھے؟ فرمایا نبی اکرم ﷺ اپنے نفس پر تم سب سے زیادہ کنٹرول کرنے والے تھے۔

فرماتے ہیں اس حدیث کا ظاہر بتاتا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا عقیدہ یہ تھا کہ یہ بات نبی اکرم ﷺ کے ساتھ خاص ہے یہ بات امام قرطبی نے فرمائی اور فرمایا کہ یہ ام المؤمنین کا اجتہاد ہے امام مالک رحمہ اللہ نے ''مؤطا میں'' جو روایت نقل کی ہے وہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ ام المؤمنین کے نزدیک نہ تو یہ عمل آپ پر حرام تھا اور نہ ہی آپ کی خصوصیت۔

حدیث اس طرح ہے کہ حضرت عائشہ بنت طلحہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس تھیں کہ ان کے خاوند حضرت عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہم داخل ہوئے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان سے فرمایا کہ تمہیں اپنی زوجہ کے قریب جانے' اس سے ہنسنے کھیلنے اور اس کا بوسہ لینے سے کس چیز نے روکا ہے؟ انہوں نے عرض کیا' کیا میں روزے کی حالت میں بوسہ لوں؟ فرمایا ہاں۔ (موطا امام مالک رقم الحدیث:۱۶)

نبی اکرم ﷺ کے لئے وصال کے روزے رکھنا بھی جائز تھا جیسا کہ آگے آئے گا۔ امام الحرمین نے فرمایا یہ عمل آپ کے حق میں عبادت تھا۔

آپ کی خصوصیت تھی کہ اگر آپ کو کھانے پینے کی حاجت ہوتی تو ان چیزوں کے مالک سے لے سکتے تھے اور اس پر لازم تھا کہ آپ کو دیتا اگر چہ وہ ان چیزوں کا محتاج ہوتا[1] اور اپنی زندگی کو آپ کی زندگی پر قربان کر دیتا۔ ارشاد خداوندی ہے:

اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِھِمْ۔ نبی اکرم ﷺ مؤمنوں کی جانوں سے زیادہ ان کے قریب ہیں۔

اگر کوئی ظالم آپ کا قصد کرتا تو وہاں موجود لوگوں پر واجب تھا کہ آپ کی خاطر اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کرتے جیسا کہ اُحد کے دن حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے کیا۔ (واقعہ پہلے گزر چکا ہے)

چونکہ نبی اکرم ﷺ معصوم تھے اسی لئے اجنبی عورتوں کی طرف آپ کا دیکھنا جائز تھا اور آپ کے علاوہ لوگوں کا حکم چوتھی قسم میں آئے گا۔ اسی طرح آپ کا ان عورتوں کے ساتھ علیحدگی میں ہونا بھی جائز تھا۔

---

[1] نبی اکرم ﷺ کو یہ اختیار حاصل تھا لیکن آپ نے کبھی اسے استعمال نہیں کیا بلکہ بڑے بڑے مباح کاموں سے دور رہے بلکہ آپ دوسروں کو ترجیح دیتے تھے۔ (زرقانی ج ۵ ص ۲۲۸)

''فتح الباری میں'' فرمایا کہ مضبوط دلائل کے ساتھ جو کچھ ہمارے سامنے واضح ہوا ہے وہ یہ ہے کہ اجنبی عورتوں کے ساتھ آپ کی علیحدگی آپ کے خصائص میں سے ہے اسی طرح ان کی طرف دیکھنا بھی' اس پر حضرت ام حرام بنت ملحان رضی اللہ عنہا کا واقعہ دلالت کرتا ہے کہ آپ ان کے ہاں تشریف لے گئے اور وہاں آرام فرما ہوئے اور وہ آپ کے سر کی صفائی کرنے لگیں حالانکہ آپ کے اور ان کے درمیان محرمیت اور زوجیت نہیں تھی۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۷۸۸۔۲۷۸۹۔۲۷۹۹۔۶۲۸۲۔۷۰۰۱۔۷۰۰۲' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۴۹۱' جامع ترمذی رقم الحدیث: ۱۶۴۵' موطا امام مالک رقم الحدیث: ۳۹' سنن نسائی ج ۶ ص ۴۰' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۶۰)

ان امور میں سے ایک بات یہ تھی کہ آپ چار خواتین سے زیادہ کے ساتھ نکاح کر سکتے تھے' دیگر انبیاء کرام کے لئے بھی یہی حکم تھا اور ہمارے آقا ﷺ کے لئے نو سے زیادہ خواتین کے ساتھ نکاح کے جواز میں اختلاف ہے۔

کوئی خاتون اپنے آپ کو بطور ہبہ آپ کی خدمت میں پیش کر کے آپ سے نکاح کر سکتی تھیں۔ ارشادِ خداوندی ہے:

وَامْرَاَةً مُّؤْمِنَةً اِنْ وَّهَبَتْ نَفْسَهَا لِلنَّبِيِّ. اور کوئی عورت اگر اپنے نفس کو نبی کریم ﷺ کے لئے ہبہ کرے۔

جہاں تک رسول اکرم ﷺ کا تعلق ہے تو آپ کی طرف سے لفظ نکاح یا لفظ تزویج ضروری تھا'' اصل الروضہ'' میں اس کو زیادہ صحیح قرار دیا گیا ہے۔

امام رافعی نے شیخ ابو حامد سے اس قول کی ترجیح نقل کی ہے کیونکہ قرآن مجید کا ظاہر یہی بتاتا ہے۔ ارشادِ خداوندی ہے:

اِنْ اَرَادَ النَّبِيُّ اَنْ يَّسْتَنْكِحَهَا خَالِصَةً لَّكَ. اگر نبی ﷺ ارادہ کریں کہ اس سے نکاح کریں یہ آپ کے لئے خالص ہے۔

امام بیضاوی رحمہ اللہ ''وامراۃ مؤمنۃ'' کے بارے میں فرماتے ہیں مطلب یہ ہے کہ ہم نے آپ کو خبر دے دی کہ ہر وہ عورت جو اپنے نفس کو آپ کے لئے ہبہ کرے وہ آپ کے لئے حلال ہے اگر ایسا ہو جائے تو وہ مہر نہیں مانگ سکتی اسی لئے نکرہ لایا گیا۔

اس سلسلے میں اختلاف ذکر کیا گیا ہے اور جو اس کے قائل ہیں ان کے نزدیک یہ چار خواتین ہیں حضرت میمونہ بنت حارث' زینب بنت خزیمہ انصاریہ' ام شریک بنت جابر اور خولہ بنت حکیم (انہوں نے اپنے آپ کو پیش کیا)۔

امام بیضاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اَن (فتح کے ساتھ) پڑھا گیا ہے یعنی یہ کہ ہبہ کرے یا اس مدت میں جب ہبہ کرے جیسے تم کہتے ہیں:

اجلس ما دام زید جالسا. بیٹھو جب تک زید بیٹھا ہے۔

اور ارشادِ خداوندی ہے:

اِنْ اَرَادَ النَّبِيُّ اَنْ يَّسْتَنْكِحَهَا اگر نبی اکرم ﷺ اس سے نکاح کا ارادہ فرمائیں۔

تو یہ حلت کے استحباب کی پہلی شرط کے لئے شرط ہے کیونکہ یہ قبول کی جگہ ہے۔

فرماتے ہیں خطاب کے صیغے سے غائب کی طرف عدول کر کے ''النبی'' کا لفظ تکرار کے ساتھ فرمایا پھر خطاب کی

طرف رجوع کرتے ہوئے فرمایا:
خَالِصَةً لَّكَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ. یہ حکم آپ کے لئے خالص ہے مؤمنوں کے لئے نہیں۔
یہ اس بات کی خبر ہے کہ یہ بات آپ کی خصوصیات میں سے ہے کیونکہ آپ کو شرف نبوت حاصل ہے اور اس بات کو پکا کیا کہ اس وجہ سے آپ کرامت کے مستحق ہیں۔
معافی (بن زکریا بن یحییٰ بن حمید حافظ مظفر رحمہ اللہ) نے فرمایا کہ "خالصۃ" میں تین قول ہیں۔
ایک یہ کہ کوئی عورت جب اپنے نفس کو آپ کے لئے ہبہ کردے تو آپ پر مہر لازم نہیں ہوگا جب کہ دیگر مؤمنوں کا یہ حکم نہیں یہ بات حضرت انس بن مالک اور ابن مسیب رضی اللہ عنہما نے فرمائی ہے۔
دوسری بات یہ کہ آپ اس سے ولی اور گواہوں کے بغیر نکاح کریں اور یہ بھی آپ کے ساتھ خاص ہے۔
اور تیسری بات یہ کہ آپ اس سے لفظ ہبہ کے ساتھ نکاح کر سکتے ہیں دوسرے مؤمنوں کو یہ بات حاصل نہیں۔
انہوں نے فرمایا کہ یہ بات امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ کے نزدیک ہے جب کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک دوسرے لوگ بھی لفظ ہبہ کے ساتھ نکاح کر سکتے ہیں۔
اسی طرح نبی اکرم ﷺ کے لئے مہر کے بغیر نکاح کرنا بھی جائز تھا یعنی ابتدائے نکاح ہو یا انتہا مہر کے بغیر نکاح کر سکتے تھے۔ جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے کہ اگر کوئی خاتون اپنے آپ کو آپ کی خدمت میں ہبہ کرے تو آپ پر اس کا مہر لازم نہیں ہوگا۔
امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں جب کوئی عورت اپنے نفس کو آپ کی خدمت میں بطور ہبہ پیش کردے پس آپ اس سے مہر کے بغیر نکاح کرتے تو آپ کے لئے یہ عمل جائز تھا اور اس کے بعد جماع کرنے کی صورت میں بھی آپ پر مہر واجب نہ تھا نہ کسی اور وجہ سے واجب ہوتا۔
جب کہ دوسرے لوگوں کا معاملہ یہ نہیں کیونکہ کوئی نکاح مہر سے خالی نہیں ہوتا چاہے مہر مقرر کیا ہو یا مہر مثل ہو۔
اسی طرح آپ کے لئے حالتِ احرام میں بھی نکاح کرنا جائز تھا امام نووی رحمہ اللہ نے شرح مسلم میں فرمایا۔
ہمارے اصحاب (شافعی مسلک والے) فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کے لئے جائز تھا کہ حالتِ احرام میں نکاح کریں اور یہ آپ کی خصوصیت ہے امت کے لئے جائز نہیں وہ فرماتے ہیں ہمارے اصحاب کے نزدیک دو قولوں میں سے یہ زیادہ صحیح ہے (احناف کے نزدیک حالت احرام میں نکاح جائز ہے)۔
آپ کی خصوصیت یہ بھی تھی کہ آپ کے لئے کسی عورت سے اس کی مرضی کے بغیر نکاح کرنا جائز تھا اگر آپ کسی عورت میں رغبت رکھتے اور وہ کسی کے نکاح میں نہ ہوتی تو اس پر لازم تھا کہ آپ کی فرمانبرداری کرتی۔ اور کسی دوسرے پر اسے نکاح کا پیغام دینا حرام تھا اور اگر وہ کسی کے نکاح میں ہوتی تو اس پر لازم تھا کہ وہ پہلے طلاق دے۔
امام غزالی رحمہ اللہ نے فرمایا شاید اس میں راز یہ تھا کہ اس خاوند کے ایمان کا امتحان لیا جائے کہ وہ اپنی بیوی سے دستبردار ہوتا ہے یا نہیں کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لا یومن احدکم حتی اکون احب الیہ من نفسہ واھلہ و ولدہ والناس اجمعین
تم میں سے کوئی شخص مؤمن نہیں ہو سکتا یہاں تک کہ میں اس کے نزدیک اس کی جان اس کے اہل اولاد اور سب لوگوں سے بڑھ کر محبوب نہ ہو جاؤ۔

(مسند احمد ج ۳ ص ۲۳۶ سنن دارمی ج ۲ ص ۳۰۷ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۷۰ صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۴۔۱۵ سنن نسائی ج ۸ ص ۱۱۴ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۶۷ الدر المنثور ج ۳ ص ۲۲۳ المستدرک ج ۲ ص ۴۸۶ اتحاف السادۃ المتقین ج ۹ ص ۵۴۷ مشکل الآثار رقم الحدیث: ۷ کنز العمال رقم الحدیث: ۷۰۔۹۲۔۹۳)

اور اس واقعہ پر حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کا واقعہ دلالت کرتا ہے جو آپ کی پھوپھی امیمہ بنت عبد المطلب کی صاحبزادی تھیں۔ قرآن مجید میں فرمایا:

وَاِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِیْٓ اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْہِ۔
اور جب آپ اس سے فرما رہے تھے جس پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا۔

یعنی اسے نعمت اسلام عطا کی اور یہ سب سے بڑی نعمت ہے۔

وَاَنْعَمْتَ عَلَیْہِ۔
اور آپ نے اس پر انعام کیا۔

یعنی اللہ تعالیٰ کی توفیق سے آزاد کر دیا اور وہ حضرت زید بن حارثہ کلبی رضی اللہ عنہ تھے دور جاہلیت میں وہ قید کر دیئے گئے تو نبی اکرم ﷺ بعثت سے پہلے ان کے مالک ہوئے اور آپ نے ان کو آزاد کر کے متبنیٰ (منہ بولا بیٹا) بنا لیا آپ نے ان کے لئے حضرت زینب کا رشتہ مانگا تو انہوں نے اور ان کے بھائی حضرت عبد اللہ (رضی اللہ عنہما) نے انکار کر دیا پھر جب یہ آیت نازل ہوئی:

وَمَا کَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَۃٍ۔
کسی مؤمن مرد و عورت کے لئے مناسب نہیں (کہ جب اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول کوئی فیصلہ فرمائیں تو انہیں اختیار ہو)۔

تو وہ دونوں راضی ہو گئے۔

اور دور جاہلیت میں نیز اسلام کے ابتدائی دور میں جب کوئی شخص کسی کے بیٹے کو متبنیٰ بناتا تو لوگ اسی کی نسبت سے پکارتے اور وہ وراثت میں حصہ دار ہوتا اور اس کی بیوی اس شخص پر حرام ہوتی۔

تو اللہ تعالیٰ نے اس سلسلے کو منسوخ کرتے ہوئے فرمایا:

اُدْعُوْھُمْ لِاٰبَآئِہِمْ۔
ان کو ان کے باپوں کے نام سے پکارو۔

اس واقعہ سے قولاً و فعلاً یہ حکم ثابت ہوا پس اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف وحی فرمائی کہ حضرت زید رضی اللہ عنہ عنقریب حضرت زینب کو طلاق دیں گے اور آپ ان سے شادی کریں گے اور حضرت زید کے دل میں ان سے نفرت ڈال دی تو انہوں نے حضرت زینب کو چھوڑنے کا ارادہ کیا چنانچہ وہ نبی اکرم ﷺ کے پاس حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ میں اپنی بیوی کو چھوڑنا چاہتا ہوں آپ نے پوچھا کیا بات ہے؟ کیا تو نے اس میں کوئی شک والی بات دیکھی ہے؟ عرض کیا یا رسول اللہ!

اللہ کی قسم میں نے تو ان میں بھلائی ہی بھلائی دیکھی ہے لیکن وہ مجھے اپنے شرف جتاتی ہیں (کیونکہ وہ عربی قریشی ہیں اور میں غلام ہوں) اور مجھے زبان سے اذیت پہنچاتی ہیں۔

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا (جسے قرآن مجید نے یوں نقل کیا):

اَمْسِکْ عَلَیْکَ زَوْجَکَ وَاتَّقِ اللّٰہَ. اپنی بیوی کو اپنے پاس روک رکھو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔

یعنی اس کے معاملے میں (اللہ تعالیٰ سے ڈرو) اور اس کو نقصان پہنچانے اور کسی علت کی بنیاد پر طلاق نہ دو۔

ارشاد خداوندی ہے:

فَلَمَّا قَضٰی زَیْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا. پس جب حضرت زید رضی اللہ عنہ نے ان سے اپنا کام پورا کرلیا۔

اور ان کے لئے ان سے کوئی حاجت نہ رہی اور انہوں نے ان کو طلاق دے دی پھر ان کی عدت پوری ہوگئی تو اللہ تعالیٰ نے حضرت زینب کو نبی اکرم ﷺ کے نکاح میں دے دیا۔

جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے:

زَوَّجْنٰکَهَا. ہم نے آپ کے ساتھ ان کا نکاح کردیا۔

مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو حضرت زینب سے نکاح کا حکم دیا یا کسی عقد کے بغیر ان کی بیوی بنادیا اور اس کی تائید اس بات سے ہوتی ہے کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا باقی تمام ازواج مطہرات سے کہا کرتی تھیں کہ میرا نکاح اللہ تعالیٰ نے کر کے دیا اور اور تمہارا نکاح تمہارے ولیوں نے کیا۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ حضرت زید رضی اللہ عنہ اس نکاح میں سفیر تھے اور اس میں حضرت زید رضی اللہ عنہ کے لئے بہت بڑی آزمائش اور ان کی ایمانی قوت پر واضح شہادت تھی۔

اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ سے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا نکاح کیا تو اس کی علت یوں بیان فرمائی:

لِکَیْلَا یَکُوْنَ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ حَرَجٌ فِیْٓ اَزْوَاجِ اَدْعِیَآئِهِمْ. تاکہ مؤمنوں پر اپنے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں سے نکاح کرنے میں کوئی حرج نہ ہو۔

جب وہ ان کو جدا کردیں (طلاق دے دیں) اور یہ عورتیں اللہ تعالیٰ کے اس حکم میں داخل نہیں ہیں:

وَحَلَآئِلُ اَبْنَآئِکُمْ. اور تمہارے بیٹوں کی بیویاں (تم پر حرام ہیں)۔

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی:

وَتُخْفِیْ فِیْ نَفْسِکَ. اور آپ اپنے دل میں چھپاتے تھے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کو معلوم تھا کہ عنقریب حضرت زید رضی اللہ عنہ ان کو طلاق دیں گے اور آپ ان سے نکاح کریں گے تو اتنی بات پر اللہ تعالیٰ نے آپ کو عتاب فرمایا حالانکہ یہ بات آپ کے لئے جائز تھی کہ آپ نے ان سے فرمایا:

اَمْسِکْ عَلَیْکَ زَوْجَکَ. آپ اپنی بیوی کو اپنے پاس روک رکھیں۔

حالانکہ آپ کو معلوم تھا کہ عنقریب وہ ان کو طلاق دیں گے یہ بات حضرت علی بن الحسین رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور محققین مفسرین کا یہی قول ہے جس طرح حضرت زہری' بکر بن علاء اور قاضی ابوبکر بن عربی وغیرہ رحمہم اللہ۔

اور ارشاد خداوندی ہے:

وَ تَخْشَى النَّاسَ. اور آپ لوگوں سے ڈرتے ہیں۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ منافق' بیٹوں کی بیویوں سے نکاح کی بری خبر زیادہ پھیلانے سے ڈرتے ہیں جب کہ آپ حرکات وسکنات میں گناہوں سے معصوم ہیں بعض مفسرین نے یہاں ایسا کلام کیا ہے جو منصب نبوت کے لائق نہیں ہے اور کہا گیا ہے کہ ارشاد خداوندی ہے:

وَاتَّقِ اللّٰهَ وَ تُخْفِىْ فِىْ نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ مُبْدِيْهِ. اور آپ اللہ تعالیٰ سے ڈریں اور جس بات کو اللہ تعالیٰ ظاہر کرنے والا ہے اس کو دل میں پوشیدہ رکھیں۔

یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے خطاب ہے یا نبی اکرم ﷺ نے حضرت زید رضی اللہ عنہ سے یہ بات فرمائی کہ انہوں نے دل میں حضرت زینب کی طرف میلان کو چھپایا اور ان سے اعراض کو ظاہر کیا جب ان کو وہم ہوا کہ نبی اکرم ﷺ ان کو اپنی بیوی بنانا چاہتے ہیں۔

جار اللہ محمود زمخشری نے کہا کہ انسان کتنے ہی مباح کاموں سے بچتا ہے اور اس بات سے حیا کرتا ہے لوگ اس پر مطلع ہوں پس انسان کے دل میں عورت وغیرہ کے حوالے سے خواہشات رکھنا عقل اور شریعت کے مطابق بری بات نہیں ہے۔ اور مباح چیز کو شرعی طریقے کے مطابق حاصل کرنا بھی قبیح نہیں ہے۔

اور یہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو نکاح کا پیغام دینے اور ان سے نکاح کرنے کی خواہش تھی جب کہ حضرت زید کو ان کے چھوڑنے کے لئے بھی نہیں فرمایا اور اہل عرب کے نزدیک یہ بات ناپسندیدہ نہیں تھی کہ کوئی شخص اپنے دوست کے لئے اپنی بیوی سے دستبردار ہو جائے اور اس دستبرداری کے بعد وہ عورت دوسرے آدمی سے نکاح کرے تو اسے بھی برا نہیں سمجھتے تھے۔

مہاجرین صحابہ کرام جب مدینہ طیبہ میں داخل ہوئے تو انصار نے ان کو ہر چیز میں حصہ دار بنایا حتیٰ کہ اگر کسی کی دو بیویاں تھیں تو ایک سے دستبردار ہو کر مہاجر بھائی کے نکاح میں دے دی۔

پس جب کوئی کام تمام جہات سے جائز ہو تو اس میں کسی اعتبار سے خرابی نہیں ہوتی۔ [1]

اسی طرح آپ کے لئے جائز تھا کہ ولی اور گواہوں کے بغیر نکاح کریں۔ امام نووی رحمہ اللہ نے فرمایا۔

ہمارے اصحاب کے نزدیک مشہور اور صحیح بات یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ کا ولی اور گواہوں کے بغیر نکاح صحیح تھا۔ کیونکہ آپ کے حق میں اس بات کی حاجت نہیں تھی اور یہ بات حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے علاوہ میں ہے آپ کا معاملہ تو خود قرآن میں مذکور ہے۔

---

[1] لہٰذا اہل سنت وجماعت کے معمولات مثلاً میلاد شریف منانا' گیارہویں شریف اور عرس وغیرہ ہیں اگر کوئی قباحت نہ ہو تو ان کا مجموعہ ایسے اعمال ہیں جو فی نفسہ جائز ہیں پھر مجموعہ کیسے ناجائز ہو جائے گا۔ ۱۲ ہزاروی

علماء کرام فرماتے ہیں ولی کی ضرورت کفو کی حفاظت کے لئے ہے اور نبی اکرم ﷺ تمام کفووں سے بلند و بالا ہیں۔

اور گواہوں کا اعتبار انکار سے بچنے کے لئے ہوتا ہے اور آپ انکار نہیں فرماتے تھے اور عورت انکار کرے تو اس کی پرواہ نہ کی جائے بلکہ عراقی نے ''شرح مہذب میں'' فرمایا کہ اس انکار کی وجہ سے وہ نبی اکرم ﷺ کی تکذیب کرکے کافر ہوجاتی۔

نبی اکرم ﷺ کو اختیار تھا کہ آپ کسی خاتون کی شادی اس کی اجازت اور اس کے ولی کی اجازت کے بغیر کر دیں اور اپنی صاحبزادیوں کے علاوہ بھی چھوٹی بچیوں پر جبر کرکے ان کا نکاح کر سکتے تھے آپ نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی کا نکاح کر دیا حالانکہ ان کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ موجود تھے پس آپ باپ سے بھی مقدم ہیں۔

اور اللہ تعالیٰ نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو آپ کے نکاح میں دیا تو آپ ان کے پاس اس طرح تشریف لے گئے کہ خود نکاح نہیں کیا اللہ تعالیٰ کے اس فیصلے پر اکتفا فرمایا۔ ''الروضۃ میں'' اس کی تعبیر یوں کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے جائز کرنے سے وہ آپ کے لئے جائز ہوگئی تھیں۔

نبی اکرم ﷺ نے اپنی لونڈی حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو آزاد کرکے ان کی آزادی کو ہی ان کا مہر قرار دیا۔

اس بات کے مفہوم میں اختلاف ہے کہا گیا کہ آپ نے ان کو اس شرط پر آزاد کیا کہ آپ ان سے نکاح کریں کے پس آپ کے لئے حضرت صفیہ پر قیمت واجب تھی اور وہ معلوم تھی پس اسی کے بدلے میں نکاح کیا۔

اور اس کی تائید حضرت عبدالعزیز بن صہیب رضی اللہ عنہ کی روایت سے ہوتی ہے وہ فرماتے ہیں میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے سنا انہوں نے فرمایا۔

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نبی اکرم ﷺ کی قید میں آئیں تو آپ نے ان کو آزاد کرکے نکاح کر لیا حضرت ثابت نے حضرت انس رضی اللہ عنہما سے پوچھا کہ ان کا مہر کیا تھا؟ انہوں نے فرمایا ان کا اپنا نفس مہر تھا پس آپ نے ان کو آزاد کر دیا۔ امام بخاری نے ''المغازی میں'' اس طرح نقل کیا ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث:۴۲۰۱)

حضرت حماد، حضرت ثابت، حضرت عبدالعزیز سے اور وہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں انہوں نے فرمایا۔

حضرت عبدالعزیز نے حضرت ثابت سے پوچھا اے ابو محمد! کیا آپ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا تھا کہ ان کا مہر کیا تھا؟ تو انہوں نے فرمایا ان کے نفس کو ہی ان کا مہر قرار دیا تو حضرت ثابت نے تبسم فرمایا۔

تو یہ بات بالکل واضح ہے کہ محض آزادی کو ان کا مہر قرار دیا گیا تھا اور پہلی تاویل میں بھی کوئی حرج نہیں کیونکہ اس کے اور قواعد کے درمیان کوئی فرق نہیں حتیٰ کہ قیمت مجہول بھی ہوتی تو بھی صحیح تھا۔

پس مذکورہ شرط کے ساتھ عقد نکاح کے صحیح ہونے میں امام شافعی رحمہ اللہ کے ماننے والوں کے لئے دلیل ہے۔ (اگرچہ یہ ضعیف ہے اور اس کے باوجود مہر مثل واجب ہوتا ہے) دوسرے حضرات کہتے ہیں ''بلکہ نفس آزادی کو مہر قرار دیا لیکن یہ آپ کے خصائص میں سے ہے۔ ماوردی نے اس بات کو مضبوط قول قرار دیا۔

دوسرے حضرات نے کہا کہ: اعتقھا و تزوجھا. آپ نے ان کو آزاد کرکے ان سے نکاح کیا۔ کا معنیٰ یہ ہے کہ آزاد کیا پھر ان سے نکاح کیا پس جب ان کے لئے مہر کے بارے میں معلوم نہ تھا تو کہا کہ ان کی آزادی کو ہی مہر قرار دیا

یعنی میری معلومات کے مطابق الگ مہر نہیں دیا لیکن مطلق نفی نہیں کی اسی وجہ سے ابوالطیب الطبری (شافعی) ابن مرابط مالکی اور ان کے متبعین نے کہا کہ یہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کا قول ہے انہوں نے اپنے گمان کے مطابق یہ بات فرمائی اور یہ مرفوع حدیث نہیں ہے لیکن امام طبرانی کی روایت اور ابوالشیخ نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا سے جو روایت کیا ہے وہ اس کے خلاف ہے وہ فرماتی ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے مجھے آزاد کیا اور میری آزادی کو ہی میرا مہر مقرر کیا اور یہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت کے موافق ہے اور اس میں ان لوگوں کا رد ہے جو کہتے ہیں کہ یہ بات حضرت انس رضی اللہ عنہ نے اپنے خیال کے مطابق کہی ہے۔

اور یہ بھی احتمال ہے کہ آپ نے اس شرط پر ان کو آزاد کیا ہو کہ آپ ان سے مہر کے بغیر نکاح کریں گے پس ان پر اس شرط کو پورا کرنا لازم تھا اور یہ نبی اکرم ﷺ کی خصوصیت ہے دوسروں کے لئے یہ حکم نہیں ہے۔

اور یہ بھی احتمال ہے کہ آپ نے ان کو کسی عوض کے بغیر آزاد کیا ہو اور اس وقت مہر ادا کئے بغیر نکاح کیا ہو لیکن مستقبل میں مہر کی ادائیگی کی نفی نہیں ہے۔

ابن صلاح نے کہا اس کا مطلب یہ ہے کہ آزادی مہر کی جگہ آگئی اگرچہ وہاں مہر نہ تھا وہ فرماتے ہیں یہ اسی طرح ہے جس طرح کہتے ہیں:

الجوع زاد من لا زاد لہ۔ بھوک اس شخص کا زادِ راہ ہے جس کے پاس زادِ راہ نہیں ہے۔

اور یہ تاویل تمام تاویلات کی نسبت زیادہ صحیح ہے اور لفظِ حدیث کے زیادہ قریب ہے۔ امام نووی رحمہ اللہ نے "الروضۃ" میں ان کی اتباع کی ہے۔

اور جن لوگوں نے اس کو قطعی طور پر نبی اکرم ﷺ کے خصائص میں شمار کیا ان میں حضرت یحییٰ بن اکثم بھی ہیں جیسا کہ امام بیہقی رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے وہ فرماتے ہیں امام مزنی نے حضرت امام شافعی رحمہ اللہ سے اسی طرح نقل کیا ہے اور فرمایا خصوصیت کا مقام یہ ہے کہ آپ نے ان کو کسی شرط کے بغیر آزاد کیا اور مہر نیز گواہوں کے بغیر ان سے نکاح کیا دوسرے لوگوں کو یہ اختیار نہیں ہے۔

حضرت امام نووی رحمہ اللہ نے "شرح مسلم میں" فرمایا صحیح بات وہ ہے جسے محققین نے اختیار کیا ہے کہ آپ نے ان کو کسی عوض اور شرط کے بغیر اپنی طرف سے احسان کرتے ہوئے آزاد کیا پھر ان کی مرضی سے مہر کے بغیر ان سے نکاح کیا اور اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ یہ بات حافظ ابن حجر نے فرمائی ہے۔

اس سلسلے میں اختلاف ہے کہ نبی اکرم ﷺ کو بھی صرف تین طلاقوں کا حق تھا اور اگر آپ بھی صرف تین طلاقوں کے مالک تھے تو کیا مطلقہ خاتون حلالہ کے بغیر آپ کے لئے حلال ہو جاتی تھیں اور کہا گیا کہ وہ آپ کے لئے کبھی حلال نہیں ہو سکتی تھیں۔[1]

---

[1] کیونکہ تین طلاقوں کے بعد حلالہ ہوتا ہے اور جو خاتون آپ کے عقد نکاح میں آ گئی وہ کسی دوسرے کے نکاح میں نہیں جا سکتی۔

(زرقانی ج ۵ ص ۲۳۸)

ازواج مطہرات کا نفقہ آپ پر واجب تھا یا نہیں؟ تو اس سلسلے میں دو قول ہیں حضرت امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں صحیح یہ ہے کہ واجب تھا۔

اہل علم کے کئی گروہ فرماتے ہیں کہ ازواج مطہرات کے درمیان باری مقرر کرنا نبی اکرم ﷺ پر واجب نہ تھا شافعی مسلک کے الاصطخری نے اسے صحیح قرار دیا جب ان کے (شوافع کے) اور اکثر لوگوں کے نزدیک اس کا واجب ہونا مشہور ہے۔

اور کیا آپ کسی خاتون اور اس کی خالہ یا اس کی پھوپھی کو جمع کر سکتے تھے کسی عورت کو اس کی بہن بیٹی یا ماں کے ساتھ نہیں۔

تو علماء کرام نے فرمایا اس سلسلے میں دو قول نقل کئے ہیں (ایک جواز کا دوسرا عدم جواز کا)۔

انہوں نے فرمایا کہ ان خصائص کا غالب حصہ اس بات کی طرف لوٹتا ہے کہ آپ کے حق میں نکاح اسی طرح تھا جس طرح ہمارے حق میں لونڈی بنانا۔ (یعنی دو باہم محرم عورتوں کو اگر بیک وقت لونڈی بنایا جا سکتا ہے تو آپ کے لئے ان کو نکاح میں لانا بھی صحیح ہوگا ورنہ نہیں (زرقانی ج۵ ص۲۳۹)

نبی اکرم ﷺ کے لئے جائز تھا کہ مال غنیمت کی تقسیم سے پہلے اس مال میں سے لونڈی وغیرہ جو کچھ چاہیں لے لیں۔

آپ کے لئے مکہ مکرمہ میں لڑائی لڑنا اور قتل کرنا بھی جائز تھا اور احرام کے بغیر داخل ہونا بھی۔ یہ بات القاص نے ذکر کی ہے۔

اور ان حضرات نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث سے استدلال کیا ہے جیسے صحاح ستہ کے مصنفین نے نقل کیا آپ فرماتے ہیں۔

نبی اکرم ﷺ فتح مکہ کے موقع پر مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے تو آپ کے سر پر خود تھا (لوہے کی ٹوپی تھی) تو آپ کا سر انور ڈھانپا ہوا تھا جبکہ محرم پر سر کا ننگا رکھنا واجب ہوتا ہے نیز حضرت جابر، حضرت زہری اور حضرت مالک رضی اللہ عنہم نے بھی واضح الفاظ میں فرمایا ہے کہ آپ محرم نہیں تھے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۱۸۴۶-۳۰۴۴-۴۲۸۶-۵۸۰۸، صحیح مسلم رقم الحدیث:۳۵۰، سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۲۶۸۵، جامع ترمذی رقم الحدیث:۱۶۹۳، سنن نسائی ج۵ ص۲۰۱، سنن داری رقم الحدیث:۸۸، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۲۸۰۵، موطا امام مالک رقم الحدیث:۲۴۷، مسند احمد ج۳ ص۱۰۹-۱۶۴-۱۸۰-۲۳۲-۲۴۰، شرح السنۃ ج۱۰ ص۳۹۹، البدایۃ والنہایہ ج۶ ص۹)

ابن دقیق العید نے کہا کہ سر کو ڈھانپنے کی وجہ کوئی عذر بھی ہو سکتا ہے۔

لیکن شیخ ولی الدین ابن عراقی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ اور دیگر حضرات کی تصریح وغیرہ اس احتمال کو رد کرتی ہے۔[1] اور یہ استدلال مشہور اختلاف کی جگہ میں نہیں ہے کیونکہ حضور علیہ السلام کو لڑائی کا خدشہ تھا اور آپ اس کے لئے تیار تھے۔

اور جو اس حالت میں ہو تو ہمارے نزدیک (شافعی مسلک والوں کے نزدیک) وہ احرام کے بغیر داخل ہو سکتا ہے ہمارے نزدیک اس میں کوئی اختلاف نہیں اور نہ ہی ہمیں کسی اور سے اختلاف معلوم ہے۔

لیکن امام نووی رحمہ اللہ نے ''شرح المھذب میں'' اس پر اعتراض کیا ہے کیونکہ امام شافعی رحمہ اللہ کا مذہب یہ ہے کہ

[1] کیونکہ ان کی روایت میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ فتح مکہ کے دن داخل ہوئے تو آپ کے سر انور پر سیاہ عمامہ تھا اور آپ احرام سے نہیں تھے۔ (زرقانی ج۵ ص۲۳۹)

مکہ مکرمہ بطور صلح فتح ہوا جب کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک بطور غلبہ فتح ہوا تو اس وقت کوئی خوف نہ تھا۔

پھر اس بات کا جواب یوں دیا کہ نبی اکرم ﷺ نے حضرت ابوسفیان سے مصالحت کر لی تھی لیکن آپ اہل مکہ کی خلاف ورزی سے بے خوف نہیں تھے پس آپ صلح کے طور پر داخل ہوئے لیکن آپ لڑائی کے لئے تیار تھے اگر وہ معاہدے کی خلاف ورزی کرتے۔

اور میں نے فتح مکہ کے سلسلے میں مباحث مقصد اول میں فتح مکہ کے بیان میں ذکر کر دی ہیں۔

پھر دوسرے لوگوں کے بارے میں تفصیل یہ ہے کہ اگر وہ خوف زدہ نہ ہو تو ہمارے اصحاب فرماتے ہیں اگر وہ بار بار داخل نہ ہو تو اس پر احرام کے واجب ہونے میں دو قول ہیں ان میں سے اکثر کے نزدیک زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ واجب نہیں ہے بعض حضرات نے اسے قطعی حکم قرار دیا ہے اور اگر بار بار داخل ہوتا ہو جیسے لکڑیاں لانے والے لوگ یا دوسرے اس قسم کے لوگ ہیں تو ان کے بارے میں اختلاف ہے لیکن زیادہ مناسب بات یہی ہے کہ ان پر احرام واجب نہیں ہے۔

حنبلیوں کے نزدیک خوف زدہ اور ضرورت مند لوگوں کے علاوہ لوگوں پر احرام واجب ہے۔ مالکی حضرات کے نزدیک بھی بار بار حاجت کے لئے آنے والوں کے علاوہ لوگوں پر واجب ہے۔ حنفی فقہا نے مطلقاً واجب قرار دیا البتہ جو لوگ میقات کے اندر ہوں ان پر (احرام کے ساتھ مکہ مکرمہ میں داخل ہونا) واجب نہیں اور یہ بات لکھی گئی ہے کہ شافعی مسلک کے مطابق مطلقاً واجب نہیں اور باقی تین مذاہب میں ان لوگوں کے علاوہ جن کی استثناء کی گئی ہے باقی سب پر واجب ہے۔

آپ کی خصوصیات میں سے یہ بات بھی ہے کہ آپ اپنے علم کے مطابق فیصلہ کریں اس میں کوئی اختلاف نہیں نیز اپنے اور اپنی اولاد کے لئے بھی فیصلہ کر سکتے تھے اسی طرح اپنی ذات اور اپنی اولاد کے حق میں گواہی بھی دے سکتے تھے۔

نیز آپ کے لئے غصے کی حالت میں فتویٰ دینا یا فیصلہ کرنا بھی مکروہ نہ تھا۔ جس طرح امام نووی رحمہ اللہ نے شرح مسلم میں ذکر کیا ہے۔ آپ نے حرہ (مقام) کے پانی کا حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے حق میں فیصلہ دیا۔ جبکہ اس سے پہلے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے مخالف نے آپ کو غصہ دلا دیا تھا۔ (معجم البلدان ج ۳ ص ۲۴۳، معجم ما استعجم ج ۳ ص ۷۹)

اس خصوصیت کی وجہ یہ تھی کہ آپ معصوم ہونے کی وجہ سے غصے کی حالت میں بھی وہی بات فرماتے تھے جو رضا کی حالت میں فرماتے۔

آپ کی خصوصیت تھی کہ جس کے لئے چاہیں "صلوٰۃ" کے ساتھ دعا مانگیں۔ (جیسے آپ نے دعا مانگی اللھم صل علی آل ابی اوفی) لیکن ہم صلوٰۃ کا لفظ صرف نبی یا فرشتے کے لئے بول سکتے ہیں۔

رسول اکرم ﷺ کو یہ اختیار حاصل تھا کہ امن دینے کے بعد لڑائی کریں اور جس پر چاہیں کسی سبب کے بغیر لعنت بھیجیں اس کے باوجود آپ اس عمل سے دور رہے۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کی گالی اور لعنت کو اس شخص کے لئے قرب خداوندی کا ذریعہ بنایا جس کو گالی دی یا جس پر لعنت

بھیجی۔ ۱ (مرشد الحائرص ۱۳۵)

یہ بات ابن القاص نے کہی ہے اور محدثین نے اس پر ان کا رد کیا یہ بات حجازی نے ''مختصر الروضہ میں'' امام رافعی سے نقل کی ہے۔

((نوٹ) جب واضح حدیث جو حاشیہ میں نقل کی ہے موجود ہے تو پھر اس رد کی کوئی وجہ نہیں لیکن ہوسکتا ہے اس کی کوئی اور وجہ ہو بہرحال صحیح بخاری و مسلم میں مذکورہ حدیث کی بنیاد پر یہ بات درست ہے۔ ۱۲ ہزاروی)۔

اور نبی اکرم ﷺ زمین کو فتح کرنے سے پہلے اسے تقسیم کر دیتے تھے یہ آپ کی خصوصیت تھی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو تمام زمین کا مالک بنایا ہے۔

حضرت امام غزالی رحمہ اللہ نے ان لوگوں کے خلاف کفر کا فتویٰ دیا ہے جو حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ کی اولاد کی راہ میں اس زمین کے سلسلے میں رکاوٹ بنے جو حضور علیہ السلام نے ان کے لئے تقسیم فرمائی تھی۔

اور انہوں نے فرمایا کہ نبی اکرم ﷺ تو جنت کی زمین عطا فرماتے تھے پس دنیا کی زمین کا تقسیم کرنا اولیٰ ہے۔ (اللہ تعالیٰ کے اذن اور حکم سے جنت عطا فرماتے تھے لہٰذا اس پر اعتراض کی کوئی وجہ نہیں)۔

چوتھی قسم: فضائل میں خصوصیات

اس قسم میں ان خصوصیات کا ذکر ہے جو آپ کے فضائل و کرامات سے متعلق ہیں۔

آپ کی تخلیق وولادت سے متعلق

آپ کی خصوصیت ہے کہ آپ کی تخلیق تمام انبیاء کرام سے پہلے ہوئی۔ جس طرح کتاب کے شروع میں بیان ہوا اور آپ اس وقت بھی نبی تھے جب حضرت آدم علیہ السلام روح اور جسم کے درمیان تھے۔ یہ حدیث امام ترمذی رحمہ اللہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے نقل کی ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۶۱۹۳' مسند احمد ج ۲ ص ۳۹۰۔ ج ۳ ص ۳۳' صحیح مسلم ص ۲۰۰۹' سنن الکبریٰ ج ۷ ص ۶۱' مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۶۶' فتح الباری ج ۱۱ ص ۲۰۵' جمع الجوامع رقم الحدیث: ۹۷۳۷' مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۲۲۲۳' شرح السنۃ ج ۵ ص ۸' تلخیص الحبیر ج ۳ ص ۱۳۶)

سب سے پہلے آپ ہی سے وعدہ لیا گیا جیسا کہ گذر چکا ہے۔

یہ بھی خصوصیت ہے کہ سب سے پہلے ''الست بربکم'' کے جواب میں آپ نے ہی ''بلیٰ'' (ہاں) کہا تھا۔ یہ حدیث ابو سہل قطان نے اپنی ''امالی'' (جس میں املاء ہوتی ہے) کی ایک جزء میں بیان کی ہے۔

آپ کو یہ خصوصیت بھی حاصل ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام اور تمام مخلوق کو آپ کے لئے پیدا کیا گیا۔

(الموضوعات ص ۵۲' کشف الخفاء ج ۲ ص ۲۳۲)

اللہ تعالیٰ نے آپ کا اسم گرامی عرش پر تمام آسمانوں پر جنتوں اور جو کچھ ان میں ہے سب پر لکھا یہ حدیث ابن عساکر

۱ ''صحیح بخاری و مسلم میں ہے'' نبی اکرم ﷺ نے دعا مانگی۔ یا اللہ! میں تجھ سے ایک وعدہ لیتا ہوں تو ہرگز اس کے خلاف نہ کرنا میں ایک انسان ہوں پس جس مسلمان کو مجھ سے اذیت پہنچے یا میں اسے برا بھلا کہوں یا اسے کوڑے ماروں یا اس پر لعنت بھیجوں تو تو اسے اس کے لئے نماز' زکوٰۃ اور اپنے قرب کا ذریعہ بنا دے کہ وہ قیامت کے دن اس کے ذریعے تیرا قرب حاصل کرے۔

نے حضرت کعب احبار رضی اللہ عنہ سے نقل کی ہے۔

آپ کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام اور دیگر تمام انبیاء کرام سے وعدہ لیا کہ وہ آپ پر ایمان لائیں اور آپ کی مدد کریں۔ ارشاد خداوندی ہے:

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ۔

اور جب اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام علیہم السلام سے وعدہ لیا کہ جب میں تمہیں کتاب وحکمت دوں پھر تمہارے پاس رسول ﷺ تشریف لائیں جو اس چیز کی تصدیق کرنے والے ہیں جو تمہارے پاس ہے تو آپ پر ضرور ضرور ایمان لانا اور ضرور بضرور آپ کی مدد کرنا۔

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام اور آپ کے بعد کوئی نبی نہیں بھیجا مگر اللہ تعالیٰ نے ان سے حضرت محمد ﷺ کے بارے میں وعدہ لیا کہ اگر آپ اس نبی کی زندگی میں مبعوث ہوں تو وہ ضرور بضرور آپ پر ایمان لائیں اور آپ کی مدد کریں اور انبیاء کرام نے یہ وعدہ اپنی اپنی قوم سے لیا۔

آپ کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ پہلی کتب میں آپ کی بشارت دی گئی ہے جیسا کہ آگے آئے گا ان شاء اللہ تعالیٰ۔

ان باتوں میں ایک بات یہ بھی ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے (آپ کی ذات والا صفات تک) آپ کے نسب میں کوئی اخلاقی کمزوری نہیں ہے۔

ایک خصوصیت یہ ہے کہ آپ کی ولادت کے موقع پر بتوں نے اپنے سر جھکا لئے۔

نبی اکرم ﷺ کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ آپ ختنہ شدہ اور ناف بریدہ پیدا ہوئے۔ اس مسئلہ پر کتاب کے شروع میں بحث ہو چکی ہے۔

آپ کی ولادت ہوئی تو پاک صاف تھے کوئی گندگی وغیرہ نہ تھی۔

آپ کے خصائص میں ہے کہ آپ پیدا ہوئے تو زمین پر سجدہ کرتے ہوئے پیدا ہوئے اور آپ نے انگلی مبارک اس طرح اٹھائی ہوئی تھی جس طرح کوئی عاجزی کرنے والا اٹھاتا ہے۔ اسے ابونعیم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت سے نقل کیا ہے۔

اور آپ کی والدہ نے اپنے جسم اطہر سے ایک نور نکلتے ہوئے دیکھا جس سے شام کے محلات روشن ہو گئے انبیاء کرام علیہم السلام کی مائیں اسی طرح دیکھتی ہیں۔ اسے امام احمد رحمہ اللہ نے روایت کیا۔

فرشتے آپ کا جھولا جھلاتے تھے جس طرح ابن سبع نے ''الخصائص میں'' ذکر کیا ہے۔

آپ پنگھوڑے میں ہوتے تو چاند آپ سے گفتگو کرتا اور آپ کے اشارے کے مطابق جھک جاتا۔ یہ بات ابن ظفر بک نے ''النطق المفھوم میں'' اور دوسروں نے بھی ذکر کی ہے اور آپ نے بچپن میں کلام کیا یہ بات واقدی اور ابن سبع نے ذکر کی ہے۔

گرمی میں بادل آپ پر سایہ کرتے تھے یہ بات ابونعیم اور بیہقی نے نقل کی ہے۔ درخت کا سایہ آپ کی طرف جھک جاتا جب آپ اس کی طرف تشریف لے جاتے۔

ایک خصوصیت آپ کے سینۂ مبارک کا چاک ہونا ہے امام مسلم وغیرہ نے اسے روایت کیا ہے۔

ابتدائے وحی کے موقع پر حضرت جبریل علیہ السلام نے آپ کو تین بار اپنے ساتھ دبایا (تاکہ دوسری طرف توجہ نہ رہے) بعض حضرات نے اسے آپ کے خصائص میں شمار کیا ہے جیسا کہ ابن حجر رحمہ اللہ نے نقل کیا اور فرمایا کہ کسی دوسرے نبی کے بارے میں منقول نہیں ہے کہ وحی کی ابتدا میں ان کے ساتھ ایسا معاملہ ہوا ہو۔

قرآن مجید میں آپ کے ایک ایک عضو کا ذکر

آپ کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں آپ کے ایک ایک عضو کا ذکر فرمایا۔ قلب مبارک کا یوں ذکر کیا:

مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى ○ (النجم:١١) — دل نے جھوٹ نہ کہا جو دیکھا۔

نیز فرمایا:

نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الْاَمِیْنُ عَلٰی قَلْبِكَ. (الشعراء:١٩) — اسے روح الامین لے کر اترا۔

زبان اقدس کا ذکر یوں فرمایا:

وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ○ (النجم:٣) — اور وہ بات اپنی خواہش سے نہیں کرتے۔

نیز فرمایا:

فَاِنَّمَا یَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ. (المریم:٩٧) — تو ہم نے یہ قرآن تمہاری زبان میں آسان فرمایا۔

مبارک آنکھوں کا ذکر اس طرح ہوا:

مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى ○ (النجم:١٧) — آنکھ نہ کسی طرف پھری نہ حد سے بڑھی۔

چہرۂ انور کا ذکر یوں فرمایا:

قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِی السَّمَآءِ. (البقرہ:١٤٤) — ہم دیکھ رہے ہیں بار بار تمہارا آسمان کی طرف منہ کرنا۔

آپ کے دست مبارک اور گردن مبارک کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

وَلَا تَجْعَلْ یَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ. (الاسراء:٢٩) — اور اپنا ہاتھ اپنی گردن سے بندھا ہوا نہ رکھ۔

پیٹھ مبارک اور سینۂ مطہرہ کا ذکر یوں ہوا:

اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ ○ وَوَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ ○ الَّذِیْٓ اَنْقَضَ ظَهْرَكَ ○ (الم نشرح:١تا٣) — کیا ہم نے تمہارا سینہ کشادہ نہ کیا اور تم پر سے تمہارا بوجھ اتار لیا جس نے تمہاری پیٹھ توڑی تھی۔

آپ کا اسم مبارک اللہ تعالیٰ کے اسم گرامی "المحمود" سے مشتق کیا گیا اور اس پر امام بخاری کی وہ روایت جو انہوں نے علی بن زید کے طریق سے "اپنی تاریخ صغیر میں" نقل کی ہے، دلالت کرتی ہے وہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابو طالب کہا کرتے تھے:

وشق لہ من اسمہ لیجلہ فذو العرش محمود و ھذا محمد

"اللہ تعالیٰ نے اپنے نام مبارک سے حضور علیہ السلام کا اسم گرامی مشتق کیا پس عرش والا محمود اور یہ محمد ہیں (ﷺ)"۔

یہ شعر حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے حوالے سے مشہور ہے آپ کا اسم گرامی "محمد ﷺ" رکھا گیا اور آپ سے پہلے کسی کا نام محمد نہ تھا امام احمد نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ کی روایت سے نقل کیا کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔

مجھے چار ایسی چیزیں دی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی کو نہیں دی گئی تو آپ نے ان کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا میرا نام احمد رکھا گیا۔

بعض صفات میں آپ کی خصوصیات

ان میں سے ایک یہ ہے کہ آپ بھوک کی حالت میں رات گزارتے تو کھانا کھاتے ہوئے صبح کرتے آپ کا رب آپ کو جنت سے کھلاتا اور پلاتا تھا "عبادات کے مقصد" میں آپ کے روزے کے ضمن میں یہ بحث آئے گی ان شاء اللہ تعالیٰ۔

آپ جیسے آگے دیکھتے تھے اسی طرح پیچھے بھی دیکھتے تھے۔

اور آپ رات کو اور اندھیرے میں اس طرح دیکھتے جس طرح دن کے وقت اور روشنی میں دیکھتے تھے۔

(دلائل النبوۃ ج ۶ ص ۷۵، تاریخ بغداد ج ۴ ص ۲۷۲، العلل المتناہیہ ج اص ۱۶۸)

آپ کا لعاب مبارک نمکین پانی کو میٹھا کر دیتا تھا۔ اور یہ لعاب مبارک دودھ پینے والے بچے کو (دودھ کی جگہ) کفایت کرتا تھا۔

آپ کی خصوصیات میں سے ایک خصوصیت یہ ہے کہ جب آپ کسی پتھر پر چلتے تو اس میں آپ کے قدموں کے نشانات پڑ جاتے جیسا کہ پہلوں اور پچھلوں سب کی زبانوں میں مشہور ہے اور شعراء نے اپنے منظوم کلام میں اور بلغاء نے نثر میں اس کا ذکر کیا ہے اور پھر اس کی تائید اس بات سے ہوتی ہے کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے مبارک قدم کا نشان پتھر پر موجود ہے جس کا قرآن مجید نے یوں ذکر کیا ہے:

فِيهِ آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ مَّقَامُ إِبْرَاهِيمَ. اس (اللہ کے گھر) میں واضح نشانیاں ہیں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے کھڑے ہونے کی جگہ ہے۔ (آل عمران: ۹۷)

تواتر سے ثابت ہے کہ اس پتھر پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قدموں کے نشانات ہیں اسی سلسلے میں ابو طالب نے کہا:

وموطیء ابراھیم فی الصخر رطبة علی قدمیہ حافیا غیر ناعل

''پتھر میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قدموں کے نشانات تازہ ہیں آپ نعلین کے بغیر ننگے پاؤں کھڑے تھے''۔

''صحیح بخاری میں'' حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مذکور ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پتھر پر چھ یا سات ضربیں لگائیں جب آپ غسل کرنے لگے تو وہ آپ کے کپڑے لے کر بھاگ گیا اور وہ نشانات موجود ہیں اس لئے کہ پہلے انبیاء ورسل کو جن جن معجزات کے ساتھ خاص کیا گیا اس قسم کے معجزات ہمارے نبی ﷺ کو عطا ہوئے جیسا کہ علماء کرام نے بیان کیا ہے۔

اور اس کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ آپ کے خچر کے قدموں کے نشان مدینہ طیبہ کی ایک مسجد میں موجود ہیں حتیٰ کہ اس مسجد کو اسی نام سے یعنی مسجد بغلہ (خچر والی مسجد) کے نام سے جانا جاتا ہے اور یہ بات آپ کے فیض کی وجہ سے جو اس میں جاری ہوا تا کہ یہ نشانی زیادہ قوی ہو اور اس بات پر زیادہ دلیل ہو کہ جو معجزہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دیا گیا اس سے اعلیٰ طریقے پر آپ کو عطا ہوا۔

بلکہ حضرت زبیر بن بکار رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جسے المجد الشیرازی نے ''المغانم المطابہ میں'' خچر کے نشان اور اس مسجد کا ذکر کرنے کے بعد کہا کہ اس مسجد کے غربی حصے میں نشان ہے گویا یہ ایک نرم وملائم نشان ہے اور کہا جاتا ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ نے اس پر تکیہ لگایا اور کہنی مبارک رکھی اور ایک دوسرے پتھر پر آپ کی انگلیوں کے نشانات ہیں اور لوگ ان دونوں سے برکت حاصل کرتے ہیں۔

حضرت سید نورالدین سمہوری رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ''وفاء الوفا'' میں یہ واقعہ ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے کہ میں اس سلسلے میں کسی اصل پر مطلع نہیں ہوا البتہ ابن النجار نے ان مساجد کے بارے میں جو مدینہ طیبہ میں غیر آباد ہو گئیں یوں کہا ہے۔

دو مسجدیں جنت البقیع کے پاس ہیں ان میں سے ایک کو مسجد اجابہ کہا جاتا ہے اور دوسری مسجد بغلہ کے نام سے معروف ہے اس میں ایک ستون ہے اور وہ مسجد غیر آباد ہے اس کے گرد بلند پتھر ہے جس کے بارے میں کہتے ہیں کہ اس میں نبی اکرم ﷺ کے خچر کے پاؤں کا نشان ہے۔

نبی اکرم ﷺ کی بغل مبارک میں بال نہیں تھے۔ یہ بات امام قرطبی نے کہی ہے اور وہ سفید تھی جس کا رنگ بدلتا نہیں تھا جس طرح طبری نے ذکر کیا اور اسے آپ کے خصائص میں شمار کیا۔ شافعی مسلک کے بعض حضرات نے بھی اسے ذکر کیا ہے۔

جس کی بنیاد حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جس پر امام بخاری اور امام مسلم متفق ہیں کہ نبی اکرم ﷺ طلب بارش کے سلسلے میں ہاتھ اٹھاتے حتیٰ کہ آپ کی مبارک بغلوں کی سفیدی دکھائی دیتی۔

شیخ جمال الدین الاسنوی نے ''المہمات میں'' لکھا ہے کہ بغلوں کی سفیدی آپ کے خصائص میں سے ہے۔

(الاعلام ج ۳ ص ۳۴۴' شذرات الذہب ج ۶ ص ۲۲۳' الدرر الکامنہ ج ۲ ص ۳۵۴' کشف الظنون ج ۲ ص ۱۱۰۱' بغیۃ الوعاۃ رقم الحدیث: ۳۰۴)

''شرح تقریب الاسانید میں'' فرمایا کہ آپ کی خصوصیت ہونے کے دعویٰ میں نظر ہے کیونکہ یہ بات کسی طریقے سے

ثابت نہیں بلکہ معتبر کتابوں میں ایسی کوئی بات وارد نہیں ہوئی اور نہ اس کو احتمال سے ثابت نہیں کیا جا سکتا اور نہ ہی حضرت انس رضی اللہ عنہ یا دوسرے حضرات کی روایت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپ کی بغلوں میں بال نہیں تھے اور جب بال اکھیڑے جائیں تو وہ جگہ سفید رہ جاتی ہے۔ اگرچہ وہاں بالوں کے آثار باقی رہتے ہیں اسی لئے حضرت عبداللہ بن اقرم الخزاعی رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ انہوں نے نبی اکرم ﷺ کے ہمراہ نماز پڑھی وہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ سجدہ کرتے تو میں آپ کی بغلوں میں سفیدی دیکھتا۔ اس حدیث کو امام ترمذی نے نقل کر کے حسن قرار دیا نیز امام نسائی اور ابن ماجہ رحمہما اللہ نے بھی ذکر کیا ہے۔ (جامع ترمذی رقم الحدیث: ۲۷۴ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۸۸۱ مسند احمد ج ۴ ص ۳۵)

(ابو عبید احمد بن محمد) الھروی نے "الغریبین میں" اور ابن اثیر نے "النھایہ میں" فرمایا کہ اس سے وہ سفیدی مراد ہے جو خالص نہیں (عفرۃ کا لفظ ہے جس کا معنی ایسی سفیدی ہے) جس کا رنگ زمین کے ظاہر کی طرح ہے۔

(الاعلام ج ۱ ص ۲۱۰ وفیات الاعیان ج ۱ ص ۳۸۔۳۴ شذرات الذھب ج ۳ ص ۱۶۱ معجم الادباء ج ۱ ص ۶۴۰ بغیۃ الوعاۃ رقم الحدیث: ۱۶۱ کشف الظنون رقم الحدیث: ۱۲۰۶ مرآۃ الجنان ج ۳ ص ۳)

تو یہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ بالوں کے نشانات نے اس جگہ کو سرخی مائل سفید رنگ کی طرح کر دیا اور اگر وہ جگہ بالوں سے خالی ہوتی تو یہ رنگ نہ ہو۔

ہاں یہ عقیدہ ہونا چاہیے کہ نبی اکرم ﷺ کی بغلوں سے ناپسندیدہ بو نہیں آتی تھی بلکہ وہ پاک تھیں اور اچھی خوشبو آتی تھی جس طرح صحیح حدیث سے ثابت ہے۔ [1]

رسول کریم ﷺ کی آواز اور سماعت اس قدر تیز تھی کہ کسی دوسرے کی آواز وہاں تک نہ پہنچتی جہاں آپ کی آواز پہنچتی اور نہ ہی وہ وہاں سے سن سکتا جہاں سے آپ سنتے تھے۔

آپ کی آنکھیں سوتی تھیں لیکن دل جاگتا تھا۔

نبی اکرم ﷺ نے کبھی جمائی نہیں لی۔ ابن ابی شیبہ نے اور امام بخاری نے اپنی تاریخ میں یزید بن اصم کی مرسل روایت سے نقل کیا وہ فرماتے ہیں کسی نبی نے کبھی بھی جمائی نہیں لی اور اس کی تائید اس بات سے ہوتی ہے کہ جمائی شیطانی عمل ہے۔

رسول اکرم ﷺ کو اور اسی طرح دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کو کبھی احتلام نہیں ہوا۔ اور آپ کا پسینہ کستوری سے زیادہ خوشبودار تھا۔

جب آپ کسی لمبے آدمی کے ساتھ چلتے تو اس سے طویل القامت معلوم ہوتے اور آپ کا سایہ زمین پر نہیں پڑتا تھا (یعنی) آپ کا سایہ نہ سورج میں دیکھا گیا اور نہ چاندنی میں۔

اور اس کی شہادت اس بات سے ملتی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے جب بارگاہ خداوندی میں یہ سوال کیا کہ وہ آپ کے تمام اعضاء اور جہات کو نور بنا دے تو اس کے آخر میں یوں عرض کیا:

وَاجْعَلْنِيْ نُوْرًا. اور مجھے سراپا نور بنا دے۔

[1] حضرت بزار روایت کرتے ہیں ایک شخص نے بیان کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے مجھ سے معانقہ فرمایا تو آپ کی بغلوں کا پسینہ مجھ پر گرا جو کستوری کی طرح خوشبودار تھا۔ (زرقانی ج ۵ ص ۲۴۸)

رسول اکرم ﷺ کے کپڑوں پر مکھی کبھی نہیں بیٹھی یہ بات امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ نے نقل کی ہے۔

اور نہ کبھی مچھر نے آپ کا خون مبارک چوسا جس طرح حجازی وغیرہ نے نقل کیا ہے اسی طرح جوؤں نے آپ کو اذیت نہ دی (یعنی آپ کے کپڑوں اور بالوں میں جوئیں نہیں ہوتی تھیں)۔

ابن سبع نے ''الشفاء میں'' اور السبتی نے ''اعذب الموارد میں'' یہ بات لکھی ہے۔ (کشف الظنون ج۲ص ۱۰۵۰)

بعثت کے وقت آسمان کی حفاظت

آپ کے خصائص میں سے یہ بات بھی ہے کہ جب آپ مبعوث ہوئے تو کاہنوں کا سلسلہ ختم ہو گیا اور چوری چھپے باتیں سننے سے آسمان کی حفاظت ہوگئی اور شہاب ثاقب ستاروں سے شیطانوں کو مارا جاتا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ شیطانوں کو آسمانوں سے رکاوٹ نہیں تھی وہ وہاں داخل ہو کر وہاں سے خبریں لاتے اور کاہنوں کو بتاتے جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت مبارکہ ہوئی تو ان کو تین آسمانوں روکا گیا اور جب حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی ولادت مبارکہ ہوئی تو ان کو تمام آسمانوں سے روک دیا گیا۔

پس جو شیطان بھی کان لگا کر بات سننا چاہتا ہے شہاب ستارے کے ذریعے اس کو مارا جاتا ہے اور یہ آگ کا شعلہ ہے وہ خطا نہیں کرتا بلکہ ان (شیطانوں) میں سے بعض کو ہلاک کر دیتا ہے کچھ کے چہرے جل جاتے ہیں اور بعض کی عقل یا کوئی عضو خراب ہو جاتا ہے جو خشکی میں لوگوں کو گمراہ کرتا ہے (اسے غیلان کہتے ہیں اور حدیث شریف میں ہے کہ جب تمہیں غیلان گمراہ کرے تو اذان دو)۔ (زرقانی ج ۵ص ۲۵۰)

اور یہ بات نبی اکرم ﷺ کی بعثت سے پہلے ظاہر نہ تھی اور نہ ہی آپ کے زمانے سے پہلے کسی نے اس کا ذکر کیا ہے۔

یہ بات آپ کی نبوت کے آغاز میں ظاہر ہوئی اور یہ نبوت کی بنیاد تھی۔

حضرت معمر فرماتے ہیں میں نے حضرت زہری سے پوچھا کیا جاہلیت کے دور میں شیطان کو ستاروں کے ذریعے مارا جاتا تھا؟ انہوں نے فرمایا ہاں میں نے کہا کیا آپ نے یہ قول سنا ہے:

وانا كنا نقعد منها مقاعد للسمع. اور یہ کہ ہم پہلے آسمان میں سننے کے لیے کچھ موقعوں پر بیٹھا کرتے تھے۔

(اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت ان کو مارا نہیں جاتا تھا)۔

تو انہوں نے فرمایا جب نبی اکرم ﷺ مبعوث ہوئے تو ان کے معاملے میں سختی کر دی گئی۔

ابن قتیبہ نے کہا کہ آپ کی بعثت سے پہلے بھی ان کو مارا جاتا تھا لیکن سخت حفاظت آپ کی بعثت کے بعد ہوئی ہے۔

یہ بھی کہا گیا کہ ستارے ٹوٹتے اور شیطانوں کو مارتے پھر اپنی جگہ چلے جاتے یہ بات امام بغوی نے ذکر کی ہے۔

معراج کے خصائص

ان امور میں سے ایک یہ ہے کہ معراج کی رات آپ کے پاس براق لایا گیا جس پر زین پڑی ہوئی تھی اور اسے لگام ڈالی ہوئی تھی کہا گیا کہ دیگر انبیاء کرام براق پر سوار ہوتے تو اس کی پیٹھ ننگی ہوتی تھی۔

نیز آپ کو مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک سیر کرائی گئی اور بلند مقام تک لے جایا گیا نیز آپ کو اللہ تعالیٰ نے اپنی بڑی بڑی نشانیاں دکھائیں' معراج میں آپ کی حفاظت فرمائی حتیٰ کہ آنکھ نہ کسی طرف پھری نہ حد سے بڑھی انبیاء کرام کو آپ کے لئے حاضر کیا گیا تو آپ نے امام بن کر ان کو اور فرشتوں کو نماز پڑھائی علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ نے آپ کو جنت اور جہنم پر مطلع فرمایا۔ یہ بات امام بیہقی کی طرف منسوب ہے۔

آپ کے خصائص میں سے ہے کہ آپ نے اللہ تعالیٰ کو سر کی آنکھوں سے دیکھا جس طرح معراج کے بیان میں آئے گا ان شاء اللہ تعالیٰ۔ (الشفاء ج ۱ ص ۱۹۵ البدایہ والنہایہ ج ۳ ص ۱۰۷' دلائل النبوۃ ج ۲ ص ۳۶۶)

اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے کلام اور رؤیت کو جمع کیا اور بلند مقام پر آپ سے کلام فرمایا جب کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پہاڑ پر کلام فرمایا۔

یہ بھی آپ کی خصوصیت ہے کہ جب آپ چلتے تو فرشتے آپ کے پیچھے پیچھے چلتے اور آپ کے ساتھ مل کر لڑتے جس طرح غزوۂ بدر اور غزوۂ حنین کے بیان میں ذکر ہوا۔

نبی اکرم ﷺ پر درود شریف پڑھنا

آپ کے خصائص میں سے یہ بات بھی ہے کہ ہم پر واجب ہے کہ آپ پر صلوٰۃ وسلام پڑھیں۔ ارشادِ خداوندی ہے:

اِنَّ اللّٰهَ وَ مَلٰٓئِكَتَهٗ یُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِیِّ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْهِ وَ سَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا○ (الاحزاب:۵۶)

بے شک اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے نبی ﷺ پر درود بھیجتے ہیں اے ایمان والو! تم بھی آپ پر درود اور خوب سلام بھیجو۔

اور یہ بات منقول نہیں ہے کہ پہلی امتوں پر اپنے نبیوں کی بارگاہ میں ہدیہ درود پیش کرنا واجب ہو۔

قرآن مجید سے متعلق خصائص

آپ کے خصائص میں سے یہ بات بھی ہے کہ آپ کو قرآن مجید دیا گیا اور آپ اُمّی تھے آپ نے لکھنا پڑھنا سیکھا نہیں تھا اور نہ ہی درس و تدریس میں مشغول رہے۔

ایک خصوصیت یہ ہے کہ آپ کی کتاب (قرآن مجید) تبدیلی اور تحریف سے محفوظ ہے حتیٰ کہ بے شمار ملحدوں اور مذہب تعطیل والوں خصوصاً قرامطہ [1] نے قرآن مجید کی محکم آیات کو بدلنے کی کوشش کی لیکن وہ اس کے نور میں سے کچھ بھی بجھانے پر قادر نہ ہو سکے اور نہ ہی اس کا کوئی کلمہ بدل سکے بلکہ اس کے کسی حرف میں مسلمانوں کو شک میں بھی نہ ڈال سکے۔ ارشادِ خداوندی ہے:

لَّا یَاْتِیْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَیْنِ یَدَیْهِ وَ لَا مِنْ خَلْفِهٖ۔

اس کے آگے اور پیچھے سے باطل اس کے قریب نہیں آ سکتا۔

---

[1] المعطلہ ایک بے دین فرقہ ہے جس نے اپنے آپ کو قتل سے بچانے کے لئے اسلام کا لبادہ اوڑھ رکھا ہے یہ لوگ صانع کے وجود کا انکار کرتے ہیں۔ قرامطہ بھی ایک بے دین جماعت ہے جو قرقط نامی شخص یا ایک قول کے مطابق حمدان بن قرقط کی طرف منسوب ہیں۔ (تفصیل کے لئے دیکھئے زرقانی ج ۵ ص ۲۵۳)۔ ۱۲ ہزاروی

اور آپ کی کتاب ان تمام باتوں کی جامع ہے جو پہلی کتب میں ہیں اس میں گذشتہ زمانوں اور پہلی امتوں کی خبریں بھی ہیں اور احکام شرع بھی۔ اور یہ باتیں صرف اہلِ کتاب کا کوئی عالم ہی جان سکتا ہے جس نے اس کو سیکھنے میں زندگی صرف کر دی ہو۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک سیکھنے والوں کے لئے اسے آسان اور حفظ کرنے والوں کے قریب کر دیا جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے:

وَلَقَدْ یَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّکْرِ. ہم نے یاد کرنے کے لئے قرآن مجید کو آسان کر دیا۔

جب کہ دوسری کسی امت کا ایک آدمی بھی اپنی کتاب کو یاد نہیں کر سکتا زیادہ لوگوں کے بارے میں کیسے اس بات کا تصور ہو سکتا ہے اور زمانہ گزر چکا ہے جب کہ قرآن مجید بچوں کو تھوڑی سی مدت میں یاد ہو جاتا ہے۔

یہ بھی آپ کی خصوصیت میں سے ہے کہ قرآن مجید سات قرأتوں میں نازل ہوا تا کہ ہمارے لئے آسانی 'شرف' رحمت اور ہماری فضیلت کے لئے خصوصیت ہو۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث:۲۴۱۹۔۴۹۹۲۔۵۰۴۱۔۶۹۳۶۔۷۵۵۰ صحیح مسلم رقم الحدیث:۲۶۴۔۲۷۰۔۲۷۲' مسند احمد ج ۲ ص ۳۳۲۔ ج ۵ ص ۱۱۴۔۳۹۱' سنن نسائی ج ۲ ص ۱۳۹ رقم الحدیث:۳۷' مجمع الزوائد رقم الحدیث:۵۰ ۷۱ المعجم الکبیر ج ۳ ص ۱۸۵' الدر المنثور ج ۲ ص ۷ جمع الجوامع رقم الحدیث:۳۵۳۳' کشف الخفاء ج ۱ ص ۲۳۱' المطالب العالیہ رقم الحدیث:۳۴۸۹' مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث:۲۲۳۸' الکامل ج ۲ ص ۶۷۹' کنز العمال رقم الحدیث:۳۰۸۳۔۳۰۹۴۔۳۰۹۵)

ایک بات یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خود اس (قرآن مجید) کی حفاظت کا ذمہ لیا پس فرمایا:

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوْنَ○ بے شک ہم نے ذکر (قرآن مجید) اتارا اور بے شک ہم اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔

یعنی ہر قسم کی تبدیلی' زیادتی اور نقصان سے اس کی حفاظت کرتے ہیں۔ اس کی مثال قرآن مجید کی یہ صفت بھی بیان ہوئی:

لَا یَاْتِیْہِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَیْنِ یَدَیْہِ وَلَا مِنْ خَلْفِہٖ. باطل اس کے قریب نہیں آ سکتا نہ اس کے آگے سے نہ پیچھے سے۔

اور فرمایا:

وَلَوْ کَانَ مِنْ عِنْدِ غَیْرِ اللّٰہِ لَوَجَدُوْا فِیْہِ اخْتِلَافًا کَثِیْرًا. اور اگر یہ اللہ تعالیٰ کے غیر کی طرف سے ہوتا تو وہ اس میں بہت زیادہ اختلاف پاتے۔

سوال: یہ آیت قرآن مجید میں اختلاف کی نفی کرتی ہے اور حدیث شریف:

انزل القران علی سبعۃ احرف. قرآن مجید سات قرأتوں (لغات) پر اتارا گیا۔

جو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اختلاف کو ثابت کر رہی ہے۔

جواب: اس کا جواب جعبری نے شاطبیہ کی پہلی شرح میں یوں دیا ہے کہ جو چیز ثابت ہے وہ اختلاف تغایر ہے (ایک دوسرے کا غیر ہونا) اور نفی' اختلاف تناقض کی ہے (یعنی ایسا اختلاف نہیں کہ آیات ایک دوسرے کو غلط قرار دیتی ہوں) لہٰذا دونوں کی بنیاد مختلف ہے۔

سوال: صحابہ کرام قرآن مجید کو ایک مصحف میں جمع کرنے میں کیوں مشغول ہوئے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اس کی حفاظت کا وعدہ کیا ہے اور جس کی حفاظت اللہ تعالیٰ فرمائے اس کے بارے میں کوئی خوف نہیں؟

جواب: جیسا کہ امام رازی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اسے جمع کرنا اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی حفاظت کے اسباب میں سے تھا اللہ تعالیٰ نے جب اس کی حفاظت کا ارادہ کیا تو ان کو اس طرف متوجہ کر دیا۔

وہ فرماتے ہیں ہمارے اصحاب نے فرمایا اس آیت میں اس بات پر دلیل ہے کہ بسم اللہ ہر سورت کی آیت ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی حفاظت کا ذمہ لیا اور حفاظت یہی ہوتی کہ یہ ہر تبدیلی سے محفوظ ہو ورنہ زیادتی سے محفوظ نہ ہوگا اور اگر صحابہ کرام کے بارے میں یہ گمان کرنا جائز ہو کہ انہوں نے زیادتی کی ہے تو ان کے بارے میں یہ گمان کرنا بھی صحیح ہوگا کہ انہوں نے اس میں سے کچھ کم بھی کیا ہوگا اور اس طرح قرآن مجید حجت نہیں رہے گا۔ [1]

اس سلسلے میں اختلاف ہے کہ قرآن مجید کی حفاظت کا کیا طریقہ ہے تو بعض حضرات نے فرمایا کہ اس کی حفاظت اس طرح کی گئی کہ اس کو معجزہ قرار دیا گیا جو انسانی کلام سے مختلف ہے اور مخلوق کو اس میں زیادتی اور کمی سے عاجز کر دیتا ہے اس لئے کہ اگر وہ اس میں کوئی زیادتی یا کمی کر سکتے تو قرآنی عبارت میں تبدیلی لازم آتی ہے اور ہر عقلمند پر واضح ہو جاتا کہ یہ قرآن مجید سے نہیں ہے۔

دوسرے حضرات نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو اس کے باطل یا فاسد کرنے سے عاجز کر دیا بلکہ ایک جماعت کو مقرر کر دیا کہ وہ اس کو یاد کریں اور آخر دم تک لوگوں کے درمیان پڑھیں پڑھائیں۔

کچھ دوسرے حضرات نے کہا کہ حفظ سے مراد یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اس کے ایک حرف یا ایک نقطہ کو بھی تبدیل کرنے کے درپے ہو تو دنیا والے اس سے کہتے ہیں یہ جھوٹ ہے۔

حتیٰ کہ استاذ جس سے بچے ڈرتے ہیں اگر اتفاقاً (غیر ارادی طور پر) اس سے کسی حرف میں تبدیلی ہو جائے تو تمام بچے بول پڑتے ہیں اے استاذ! کیا تم سے غلطی ہو گئی ہے؟ صحیح اس طرح ہے۔

یہ اعزاز کسی دوسری کتاب کو حاصل نہیں ہے کیونکہ ہر کتاب میں تحریف اور تبدیلی داخل ہو گئی اور اللہ تعالیٰ نے اس کتاب کو ہر قسم کی تحریف سے محفوظ رکھا ہے جب کہ ملحدین یہودی اور عیسائی اس کو باطل و فاسد کرنے پر متفق ہیں اور بھرپور کوشش کر رہے ہیں اور اب تک (مصنف علیہ الرحمہ کے زمانے تک) آٹھ سو اٹھانوے سال ہو چکے ہیں لیکن الحمد للہ یہ قرآن مجید بہت زیادہ محفوظ ہے۔

قرآن مجید کو آیت الکرسی کی خصوصیت عطا کی گئی اور سورتیں جو مفصل ہیں مثانی ہیں اور سبع طوال ہیں۔ اس کتاب میں موجود ہیں جس طرح حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے آپ فرماتے ہیں (حضور علیہ السلام نے فرمایا):

اعطیت خواتیم البقرة من کنوز العرش.

مجھے سورۂ بقرہ کی آخری آیات عرش کے خزانوں سے دی گئی ہیں۔

---

[1] یہ بات تب درست ہو سکتی ہے کہ جب اسے سورت کا جزء مانا جائے حالانکہ احناف کا عقیدہ یہ ہے کہ بسم اللہ دو سورتوں کے درمیان فصل کے لئے ہے سورت کا جزء نہیں کہ صحابہ کرام پر یہ الزام عائد ہو۔ ۱۲ ہزاروی

آپ نے فرمایا مجھے اس کے ساتھ خاص کیا گیا ہے کسی دوسرے نبی کو یہ فضیلت حاصل نہیں ہوئی اور مجھے تورات کی جگہ مثانی (سورۂ فاتحہ جو بار بار پڑھی جاتی ہے) عطا ہوئی اور انجیل کی جگہ ایک ایک سو آیات والی سورتیں (المئین) اور زبور کی جگہ الحوامیم (وہ سورتیں جن کے شروع میں حٰم ہے) دی گئی اور مجھے مفصل کے ساتھ فضیلت دی گئی۔

ارشاد خداوندی ہے:

وَلَقَدْ اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ○

اور بے شک ہم نے آپ کو سبع مثانی (سورۂ فاتحہ) اور عظیم الشان قرآن مجید عطا کیا۔

صحیح بخاری میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

ام القران هى السبع المثانى والقران العظيم.

سورۂ فاتحہ ہی سبع مثانی اور قرآن عظیم ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۴۷۰۴'جامع ترمذی رقم الحدیث:۳۱۲۴)

(یعنی پورے قرآن کا خلاصہ یا نچوڑ ہے)۔

اس سلسلے میں اختلاف ہے کہ اس کو مثانی کیوں کہا گیا ہے تو حضرت حسن بصری' حضرت ابن عباس اور حضرت قتادہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ یہ سورت نماز میں بار بار پڑھی جاتی ہے پس یہ ہر نماز میں پڑھی جاتی ہے اور کہا گیا کہ یہ سورت اللہ تعالیٰ اور بندے کے درمیان نصف نصف تقسیم ہے اس کا نصف اللہ تعالیٰ کی ثناء اور نصف بندے کی دعا ہے جس طرح حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ نبی اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:

يقول الله تعالى قسمت الصلوة بينى و بين عبدى نصفين.

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میں نے نماز کو اپنے اور اپنے بندے کے درمیان آدھا آدھا کر دیا ہے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۸۲۱'جامع ترمذی رقم الحدیث:۲۹۵۳'مسند الحمیدی رقم الحدیث:۹۷۳'السنن الکبریٰ ج۲ص۳۷۔ ص۴۰۰'اتحاف السادۃ المتقین ج۳ص۱۵۰'التمہید ج۲ص۲۳۰'الترغیب والترہیب ج۲ص۳۶۷)

یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ سورت دو مرتبہ نازل ہوئی ایک مرتبہ مکہ مکرمہ میں اور دوسری مرتبہ مدینہ طیبہ میں۔

حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے اس کو اس امت کے لئے مستثنیٰ کیا اور جمع رکھا کسی دوسری امت کو نہیں دیا اس لئے اسے مثانی کہتے ہیں۔

حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ سبع مثانی سے سبع طوال (سات طویل سورتیں) مراد ہیں جن میں سے پہلی سورت' سورۂ فاتحہ ہے اور آخری سورت سورۂ انفال اور اس کے ساتھ سورۂ توبہ ہے بعض حضرات نے سورۂ انفال کی جگہ سورۂ یونس کا ذکر کیا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں سبع طوال کو سبع مثانی کہنے کی وجہ یہ ہے کہ فرائض' حدود' امثال' خبریں اور عبرت پر مبنی واقعات ان سورتوں میں ہیں۔

حضرت طاؤس فرماتے ہیں پورے کا پورا قرآن مثانی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

اَللّٰہُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِیْثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيَ. (الزمر: ۲۳) اللہ نے اتاری سب سے اچھی کتاب کہ اول سے آخر تک ایک سی ہے۔

تو قرآن مجید کو مثانی فرمایا کیونکہ اس میں واقعات بار بار بیان ہوئے۔

خزانوں کی چابیاں عطا ہوئیں

رسول اکرم ﷺ کے خصائص میں سے یہ بھی ہے کہ آپ کو خزانوں کی چابیاں عطا کی گئیں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۳۴۴۔۳۵۹۶۔۴۰۴۲۔۴۰۸۵۔۶۵۹۰)

بعض حضرات نے فرمایا اس سے مراد عالم کی تمام اجناس کی چابیاں ہیں تا کہ آپ ان کو اس کے مطابق عطا کریں جو وہ اپنی ذات کے لئے طلب کریں پس مخلوق کا رزق جو ظاہر ہوتا ہے تو اسم الٰہی حضرت محمد ﷺ کے ذریعے ہی عطا کرتا ہے جن کے پاس چابیاں ہیں جس طرح غیب کی چابیاں اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں پس اس کے سوا کوئی بھی (اس کے بتائے بغیر) غیب کی بات نہیں جانتا۔ اور اس سید کریم ﷺ کو خزانوں کی چابیاں دے کر خزانوں کی تقسیم آپ کے ساتھ خاص کردی۔ لہٰذا جس کو جو ملتا ہے آپ کے ہاتھوں سے ملتا ہے۔ [1]

جامع کلمات کا اعزاز

آپ کے خصائص میں سے یہ بھی ہے کہ آپ کو جامع کلمات کا وصف عطا کیا گیا اور اللہ تعالیٰ کے کلمات ختم نہیں ہوئے اور کلمات (یا کلم) کلمہ کی جمع ہے (اور جب اللہ تعالیٰ کے کلمات غیر محدود ہیں تو) اس کا ایک کلمہ بھی کئی کلمات ہیں تو جب آپ کو جوامع الکلم کا علم دیا گیا تو قرآن مجید کا معجزہ عطا کیا گیا جو اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی ترجمانی کرتا ہے تو اس کے ترجمہ میں بھی اعجاز واقع ہوا کیونکہ جو معانی 'مواد سے خالی ہوں ان میں اعجاز کا تصور نہیں ہوتا۔ اعجاز یہ ہے کہ ان معانی کا کلمات کے ساتھ ربط ہو۔ جو کلام حروف کی ترکیب سے قائم ہے اور وہ حق تعالیٰ کی زبان' سماعت اور بصارت ہے۔

بعثت عمومی

نبی اکرم ﷺ کے خصائص میں سے ایک خصوصیت یہ ہے کہ آپ کو تمام لوگوں کی طرف عمومی طور پر بھیجا گیا (اور اس سلسلے میں "کافۃ" کا لفظ فرمایا) اور یہ لفظ بعض کے نزدیک کفۃ سے بنا ہے جس کا معنیٰ ملانا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ كِفَاتًا○ کیا ہم نے زمین کو جمع کرنے والی نہ کیا؟

کہ زمین زندہ لوگوں کو اپنی پیٹھ سے اور مرنے والوں کو اپنے اندر سے ملاتی ہے اسی طرح نبی اکرم ﷺ کی شریعت تمام لوگوں کو ایک دوسرے سے ملاتی ہے پس جو بھی آپ کے بارے میں سنتا ہے اس پر لازم ہے کہ آپ پر ایمان لائے اور جب جنوں نے قرآن مجید کی تلاوت سنی تو انہوں نے کہا:

---

[1] اسی لئے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا "انما انا قاسم واللہ یعطی" میں تو قاسم ہوں اللہ تعالیٰ عطا کرتا ہے۔ امام اہل سنت اعلیٰحضرت امام احمد رضا بریلوی رحمہ اللہ نے فرمایا لا ورب العرش جس کو جو ملا ان سے ملا۔ بٹتی ہے کونین میں نعمت رسول اللہ کی۔

يَا قَوْمَنَا أَجِيبُوا دَاعِيَ اللَّهِ وَآمِنُوا بِهِ ۔ اے میری قوم اللہ تعالیٰ کی طرف بلانے والے کی بات کو قبول کرو اور اس پر ایمان لاؤ۔

تو آپ کی شریعت نے جنوں اور انسانوں کو ملا دیا اور آپ کی رحمت جس کے ساتھ آپ کو بھیجا گیا سب کو شامل ہے۔

ارشادِ خداوندی ہے:

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ ○ اور ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا۔

پس جس آدمی تک آپ کی رحمت نہ پہنچے تو اس میں خود اس کا اپنا قصور ہے کیونکہ یہ تو قبول کرنے والے پر ہے۔ پس آپ کی رحمت سورج کی روشنی کی طرح ہے جس کی شعاعیں زمین کو فائدہ پہنچاتی ہیں پس جو شخص اس سے ہٹ کر کسی پردے یا دیوار کے سائے میں ہو وہ سورج کی روشنی کے پھیلاؤ کو قبول نہیں کر سکتا لیکن سورج نے تو اسے منع نہیں کیا۔

سوال: حضرت نوح علیہ السلام طوفان کے بعد اہلِ زمین کی طرف مبعوث ہوئے اور کوئی شخص بھی آپ پر ایمان لائے بغیر نہ رہا اور آپ ان کی طرف بھیجے گئے تھے اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ اور دیگر حضرات سے مروی ہے:

كان النبي يبعث الى قومه خاصة وبعثت الى كل احمر و اسود. ہر نبی خاص اپنی قوم کی طرف مبعوث ہوتا تھا اور میں ہر سرخ و سیاہ کی طرف بھیجا گیا ہوں۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۳' مسند احمد ج ۱ ص ۲۵۰۔ ج ۵ ص ۱۶۲' مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۵۹' الدر المنثور ج ۵ ص ۲۴۰' طبقات ابن سعد ج ۱ ص ۱۵۰)

اور ایک روایت میں ہے "الی الناس کافة" تمام لوگوں کی طرف کفایت کرنے والا بنا کر بھیجا گیا ہوں۔

(مسند احمد ج ۳ ص ۳۰۴' السنن الکبریٰ ج ۲ ص ۴۳۳' مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۵۹' المعجم الکبیر ج ۱۲ ص ۴۱۳' طبقات ابن سعد ج ۱ ص ۱۵۰' الدر المنثور ج ۵ ص ۲۳۷' تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۱۱۲' کنز العمال رقم الحدیث: ۳۲۰۰۴)

جواب: ابن حجر رحمہ اللہ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ حضرت نوح علیہ السلام کیلئے جو عموم تھا' ان کی اصل بعثت میں نہیں تھا بلکہ وہ تو اس طوفانی حادثہ کی وجہ سے اتفاق ہو گیا یعنی سب لوگوں کے ہلاک ہونے کے بعد باقی موجود پر انحصار ہوا لیکن ہمارے نبی ﷺ کی رسالت کا عموم اصل بعثت سے ہے لہٰذا اس وصف میں بھی آپ کا اختصاص ثابت ہوا۔

صحیح حدیثِ شفاعت کے سلسلے میں جو کچھ ثابت ہے کہ میدانِ محشر والے حضرت نوح علیہ السلام سے کہیں گے کہ وہ زمین پر پہلے رسول ہیں تو اس سے رسالت کا عموم مراد نہیں بلکہ رسالت کی اوّلیت مراد ہے اور اگر عموم کا مراد ہونا فرض کیا جائے تو یہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے ساتھ خاص کیا گیا ہے جو متعدد آیات میں ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کو ان کی قوم کی طرف بھیجا اور یہ بات ذکر نہیں فرمائی کہ ان کے علاوہ کی طرف نہیں بھیجا۔

بعض حضرات نے حضرت نوح علیہ السلام کی بعثت کے عموم پر اس بات سے استدلال کیا ہے کہ انہوں نے تمام اہلِ زمین کے خلاف دعا کی تو کشتی والوں کے علاوہ لوگ ہلاک ہو گئے اگر آپ کی بعثت سب کی طرف نہ ہوتی تو وہ ہلاک نہ ہوتے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا. اور ہم ہلاک کرنے والے نہیں حتیٰ کہ رسول کو بھیجیں۔

تو ثابت ہوا کہ آپ سب سے پہلے رسول ہیں۔

اس کا جواب یوں دیا گیا ہے کہ ہوسکتا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کے زمانے میں کوئی دوسرا نبی بھی بھیجا گیا ہو لیکن حضرت نوح علیہ السلام نے جب دیکھا کہ یہ لوگ ایمان نہیں لاتے تو آپ نے اپنی قوم اور دوسروں (سب) کے خلاف دعا فرمائی۔

(اس جواب کا) جواب یوں دیا گیا ہے کہ یہ جواب اچھا ہے لیکن یہ بات منقول نہیں ہوئی کہ حضرت نوح علیہ السلام کے زمانے میں آپ کے علاوہ بھی کوئی نبی بھیجا گیا اور یہ بھی احتمال ہے کہ ہمارے آقا ﷺ کی خصوصیت کا مطلب یہ ہو کہ آپ کی شریعت باقی رہے گی۔

بعض یہودیوں کا یہ کہنا کہ ہمارے نبی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ صرف عرب والوں کی طرف مبعوث ہوئے تو یہ بات باطل ہے اور اس پر دلیل یہ ہے کہ یہودی اس بات کو تسلیم کر چکے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ سچے رسول ہیں جو عرب کی طرف بھیجے گئے ہیں پس یہ بات لازم ہے کہ آپ کا ہر قول سچا ہو اور تواتر سے یہ بات ثابت ہے کہ آپ تمام لوگوں کی طرف رسول ہیں اب اگر وہ اس قول میں آپ کو جھٹلاتے ہیں تو تناقض لازم آتا ہے۔ صاحب معالم (معالم السنن شرح ابوداؤد کے مصنف خطابی) نے اس طرف اشارہ کیا ہے۔ (کشف الظنون ج ۲ ص ۱۷۳۶)

رعب کے ذریعے مدد

خصائص محمدیہ میں سے ایک خصوصیت یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی ایک مہینے کی مسافت سے رعب کے ساتھ مدد کی گئی اور مہینے سے مراد اتنی مدت ہے کہ چاند فلک محیط کے درجات کو طے کرلے اور آپ کا رعب زیادہ تیزی سے سفر طے کرنے والا ہے کیونکہ وہ دشمنوں کے دلوں تک پہنچتا تھا پس آپ کا رعب ایسے دشمن تک پہنچتا جو مقصود ہوتا تاکہ نیک بخت اور بد بخت میں امتیاز ہو جائے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کے علاوہ کسی کو یہ اعزاز حاصل نہ تھا کہ اتنی مدت میں رعب کے ذریعے اس کی مدد کی گئی ہو اور نہ اس سے زیادہ مدت میں البتہ کم مدت کی نفی نہیں۔

لیکن حضرت عمرو بن شعیب رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے:

ونصرت على العدو بالرعب ولو كان بيني و بينهم مسيرة شهر. اور دشمن پر رعب کے ذریعے میری مدد کی گئی ہے اگرچہ میرے اور اس کے درمیان ایک مہینے کی مسافت ہو۔

(مسند احمد ج ۲ ص ۲۲۲ فتح الباری ج ۱ ص ۵۷۶ مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۵۹ المعجم الکبیر ج ۱۱ ص ۷۳)

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مطلق اختصاص ہے۔ اور مہینے کو انتہا اس لئے قرار دیا گیا کہ آپ کے شہر مبارک اور آپ کے دشمنوں کے شہروں کے درمیان ایک مہینے سے زیادہ مدت کی مسافت نہ تھی۔ اور آپ کو یہ خصوصیت مطلقاً حاصل تھی۔

حتیٰ کہ اگر آپ لشکر کے بغیر تنہا بھی ہوتے (تو بھی یہ مدت حاصل ہوتی) کیا آپ کے بعد آپ کی امت کو بھی یہ اعزاز حاصل ہے تو اس میں احتمال ہے۔

غنیمتوں کا حلال ہونا

ان خصوصیات میں سے ایک خصوصیت آپ کے لئے مال غنیمت کا حلال ہونا ہے اور آپ سے پہلے کسی کے لئے حلال نہیں تھا۔ ۱

پہلے لوگوں کی دو قسمیں تھیں ان میں سے بعض کو جہاد کی اجازت ہی نہ تھی پس ان کے لئے مال غنیمت بھی نہ تھا اور بعض کو اجازت دی گئی لیکن جب ان کو مال غنیمت کا مال حاصل ہوتا تو ان کے لئے اسے کھانا جائز نہ تھا بلکہ آگ آ کر اسے جلا دیتی تھی۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۱۲۴ ۔ ۵۱۵۷ مسند احمد ج ۲ ص ۳۱۸)

بعض حضرات فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کو اپنی امت کی خواہش کے مطابق عطا ہوا کیونکہ انسانی نفس اس سے لطف اندوز ہوتا ہے کیونکہ مال غنیمت ان کو قہر و غلبہ کی بنیاد پر حاصل ہوا تو وہ نہیں چاہتے کہ انہوں نے جو شدت اور تھکاوٹ برداشت کی ہے اس کے مقابلے میں ملنے والے مال غنیمت سے لطف اندوز نہ ہو سکیں۔

زمین کو مسجد اور طہارت کا ذریعہ بنایا گیا

آپ کو حاصل ہونے والی ایک خصوصیت یہ ہے کہ آپ کے لئے اور آپ کی امت کے لئے زمین کو سجدہ گاہ اور پاکیزگی حاصل کرنے (تیمم کرنے) کا ذریعہ بنایا گیا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۳۵ ۔ ۴۳۸ ۔ ۳۱۲۲ مسند احمد ج ۵ ص ۲۵۶ مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۵۹ مسند ابو عوانہ ج ۱ ص ۳۰۳)

اس سے سجدہ گاہ مراد ہے یعنی سجدہ کرنا زمین کے کسی ایک حصے کے ساتھ خاص نہیں اور ممکن ہے مجازاً وہ جگہ مراد ہو جو نماز کے لئے بنائی گئی اور یہ مجاز تشبیہ ہو کیونکہ جب تمام زمین پر نماز جائز ہے تو وہ مسجد کی طرح ہے۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے آپ کی مراد یہ تھی کہ میرے لئے زمین کو مسجد اور باعث طہارت بنایا گیا جب کہ دوسروں کے لئے صرف مسجد بنائی گئی ہے وہ اس سے طہارت حاصل نہیں کر سکتے تھے۔ کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سفر کرتے اور جہاں نماز کا وقت ہو جاتا اسی جگہ پڑھ لیتے۔ یہ بات ابن التین نے اور ان سے پہلے الداودی نے کہی ہے۔

ایک قول یہ ہے کہ ان کے لئے صرف اسی جگہ نماز جائز تھی جس کے پاک ہونے کا ان کو یقین ہوتا جبکہ اس امت کے لئے تمام زمین کو مباح قرار دیا ہاں جس جگہ نجاست کا یقین ہو وہ مستثنیٰ ہے۔

زیادہ ظاہر بات وہ ہے جو خطابی نے کہی ہے وہ فرماتے ہیں پہلی امتوں کے لئے مخصوص جگہوں مثلاً ان کی عبادت گاہوں میں نماز پڑھنا جائز تھا اس کی تائید حضرت عمرو بن شعیب رضی اللہ عنہ کی روایت سے ہوتی ہے وہ فرماتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

کان من قبلی انما کانوا یصلون فی کنائسھم۔ — مجھ سے پہلے لوگ صرف اپنی عبادت گاہوں میں نماز پڑھتے تھے۔

تو اختلاف کے مقام پر یہ نص فیصلہ کن ہے لہٰذا آپ کی خصوصیت ثابت ہو گئی اور اس کی تائید امام بزار رحمہ اللہ کی

۱ امام زرقانی فرماتے ہیں احتمال کی اصل حضرت امام احمد کی روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا میری امت کے سامنے رعب ایک مہینے کی مسافت آگے دوڑتا ہے بعض حضرات نے فرمایا زیادہ مشہور یہ ہے کہ ان کو وافر حصہ عطا کیا گیا۔ (زرقانی ج ۵ ص ۲۶۳)

نقل کردہ اس روایت سے بھی ہوتی ہے جوانہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کی اور وہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت کی طرح ہے کہ آپ نے فرمایا:

ولم یکن من الانبیاء احد یصلی حتی یبلغ محرابه. (فتح الباری ج اص ۵۷۶)

اور کوئی نبی بھی اس وقت تک نماز نہ پڑھتا جب تک وہ محراب تک نہ پہنچ جائیں۔

معجزۂ قرآن کا باقی رہنا

آپ کے خصائص میں سے ایک یہ ہے کہ آپ کا معجزہ قیامت تک باقی ہے جبکہ دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کے معجزات اپنے وقت پر ختم ہو گئے اور اب صرف ان کی خبر باقی ہے اور قرآن مجید ہمیشہ کے لئے حجت قاہرہ کے طور پر باقی رہے گا اور اس کا مقابلہ مشکل ہے۔

نبی اکرم ﷺ کے خصائص میں سے یہ بات بھی ہے کہ آپ کے معجزات تمام انبیاء کرام علیہم السلام کے معجزات سے زیادہ ہیں۔

حضرت قاضی عیاض رحمہ اللہ نے فرمایا کہ آپ کے معجزات زیادہ ہیں اور یہ قرآن پاک مکمل طور پر معجزہ ہے اور بعض محققین کے نزدیک اس کا سب سے کم اعجاز سورۂ کوثر یا اس کے برابر کوئی آیت ہے۔

بعض حضرات کا خیال ہے کہ اس کی ہر آیت وہ جس کیفیت میں ہوں معجزہ ہے اور دوسرے حضرات اس طرف گئے کہ اس کا ہر جملہ معجزہ ہے چاہے وہ ایک کلمہ ہو یا دو کلمے ہوں۔

قاضی عیاض رحمہ اللہ نے فرمایا حق بات وہی ہے جو ہم نے پہلے ذکر کی ہے کیونکہ ارشاد خداوندی ہے:

فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ. اس کی مثل کوئی ایک سورت لے آؤ۔

اور "اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ ○" کے گیارہ کلمات ہیں تو اس کی نسبت سے قرآن مجید سات ہزار اجزاء سے زیادہ اجزاء پر مشتمل ہے پس ان میں سے ہر ایک ذاتی طور پر معجزہ ہے۔

پھر جیسا کہ پہلے گزر گیا اس کے اعجاز کی دو صورتیں ہیں ایک اس کی بلاغت اور دوسری اس کے الفاظ کا طریقہ ہر جز میں دو معجزے ہوئے تو اس طرح گنتی دوگنا ہو گئی پھر اس میں اعجاز کی کئی دوسری صورتیں ہیں کہ غیب کی خبریں ہیں پس ایک ایک سورت میں غیب کی کئی خبریں اور ہر خبر ذاتی طور پر معجزہ ہے اس طرح یہ گنتی پھر کئی گنا ہو گئی۔

پھر اعجاز کی دوسری کئی وجوہ جو ہم نے ذکر کی ہیں وہ اسے کئی گنا بڑھا دیتی ہیں پس اس کے معجزات کا شمار نہیں ہو سکتا اور نہ ہی اس کے دلائل کا احاطہ کیا جا سکتا ہے۔ (الشفاء ج اص ۲۵۸)

چاند کا شق ہونا وغیرہ

آپ کی خصوصیت میں سے چاند کا دو ٹکڑے ہونا اور پتھر کا آپ کو سلام کرنا بھی ہے اسی طرح خشک ستون کا رونا اور انگلیوں سے پانی کا جاری ہونا اور اس قسم کا معجزہ کسی دوسرے نبی کے لئے ثابت نہیں ہے جس طرح ابن عبد السلام وغیرہ نے ذکر کیا اور یہ مباحث گزر چکی ہیں۔

ختم نبوت اور تائید شریعت

سرکار دو عالم ﷺ کے خصائص میں سے یہ بات بھی ہے کہ آپ تمام انبیاء و رسل کے آخر میں تشریف لائے آپ نے فرمایا:

میری مثال اور مجھ سے پہلے آنے والے انبیاء کرام کی مثال اس شخص کی طرح ہے جس نے ایک نہایت اچھا مکان بنایا لیکن اس کے ایک کونے میں ایک اینٹ کی جگہ چھوڑ دی لوگ اس کے اردگرد چکر لگاتے ہیں اور اس پر تعجب کرتے اور کہتے ہیں یہ اینٹ کیوں نہیں لگائی گئی پس وہ اینٹ میں ہوں اور میں سب سے آخری نبی ہوں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۵۳۴-۳۵۳۵، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۳، مسند احمد ج ۳ ص ۳۶۱، دلائل النبوۃ ج ۱ ص ۳۶۵-۳۶۶، السنن الکبریٰ ج ۹ ص ۵)

آپ کے خصائص میں سے یہ بات بھی ہے کہ قیامت تک آپ کی شریعت کی تائید ہوتی رہے گی اور یہ شریعت تمام انبیاء کرام کی شریعتوں کے لئے ناسخ ہے اور آپ کی اتباع کرنے والے سب سے زیادہ ہیں جیسا کہ آپ نے فرمایا۔

پس مجھے امید ہے کہ قیامت کے دن میری اتباع کرنے والے سب سے زیادہ ہوں گے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۹۸۱-۷۲۷۴، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۳۹، مسند احمد ج ۲ ص ۱۵۲- ج ۲ ص ۳۴۱، السنن الکبریٰ ج ۹ ص ۴، دلائل النبوۃ ج ۷ ص ۱۲۹، مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۵۷۴۶، الدر المنثور ج ۱ ص ۳۵، حلیۃ الاولیاء ج ۱۰ ص ۲۳۳، البدایۃ والنہایہ ج ۶ ص ۸۲، کنز العمال رقم الحدیث: ۳۱۹۱۳-۳۲۱۱۲)

آپ کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اگر سابقہ انبیاء کرام آپ کا زمانہ پاتے تو ان پر آپ کی اتباع واجب ہوتی جیسا کہ آگے آئے گا ان شاء اللہ تعالیٰ۔

جنوں کے رسول ﷺ

آپ کے خصائص میں سے ایک بات یہ بھی ہے کہ آپ کو جنوں کی طرف بھی مبعوث کیا گیا اور اس پر سب کا اتفاق ہے اور اس پر کتاب و سنت اور اجماع سے دلیل پائی جاتی ہے۔

ارشاد خداوندی ہے:

لِيَكُونَ لِلْعَالَمِينَ نَذِيرًا○ تاکہ آپ تمام جہانوں کے لئے ڈرسنانے والے ہوں۔

اور مفسرین کا اس بات پر اجماع ہے کہ اس آیت میں (مذکورہ عالمین میں) جن بھی شامل ہیں اور وہ اس کے الفاظ کے موصول ہیں لہٰذا کسی دلیل کے بغیر ان کو نکالا نہیں جا سکتا۔

اگر کہا جائے کہ اس سے فرشتے خارج ہیں پس (جنوں کو نکالنے میں) کوئی حرج نہیں کیونکہ عام مخصوص البعض جمہور علماء اور اصولیوں کے نزدیک حجت ہے اور اگر عمومات مخصوصہ سے استدلال باطل ہو گیا تو اکثر دلائل سے استدلال باطل ہو جائے گا۔ اور ارشاد خداوندی ہے:

أَجِيبُوا دَاعِيَ اللّٰهِ. اللہ تعالیٰ کی طرف بلانے والے کا حکم مانو۔

تو ان میں سے بعض کو قبول کرنے کا مشورہ دیا جو اس بات کی دلیل ہے کہ نبی اکرم ﷺ ان کو دعوت دینے والے ہیں اور یہی آپ کی ان کی طرف بعثت کا مفہوم ہے۔اس کے علاوہ آیات بھی ہیں۔

جہاں تک سنت کا تعلق ہے تو صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

فضلت علی الانبیاء بست. مجھے (دوسرے) انبیاء کرام ﷺ پر چھ باتوں میں فضیلت دی گئی ہے۔

پس آپ نے ان میں سے ایک بات یہ ذکر فرمائی کہ ''ارسلت الی الخلق کافۃ'' مجھے تمام مخلوق کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہے۔ (جامع ترمذی رقم الحدیث:۱۵۵۳' صحیح مسلم رقم الحدیث:۵' مسند احمد ج۲ص۴۱۲' دلائل النبوۃ ج۵ص۴۷۲' مجمع الزوائد ج۸ص۲۶۹' السنن الکبریٰ ج۲ص۴۳۳' مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث:۵۷۴۸' شرح السنہ ج۱۳ص۱۹۸' فتح الباری ج۱ص۵۷۵' کنز العمال رقم الحدیث:۳۱۹۳۲)

تو یہ رسالت انسانوں اور جنوں کو شامل ہے اور صرف انسان مراد لینا تخصیص بلا دلیل ہے جو جائز نہیں اور اس میں کلام اس طرح ہے جس طرح قرآن مجید کی آیت میں کلام ہے۔

سوال: ارشادِ خداوندی ہے:

قُلْ یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ جَمِیْعًا. آپ فرما دیجئے کہ اے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں۔

اور ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ. اور ہم نے آپ کو تمام لوگوں کے لئے کفایت کرنے والا (رسول) بنا کر بھیجا ہے۔

یہ آیت اس بات کو ظاہر کرتی ہے کہ آپ ﷺ کی رسالت انسانوں کے ساتھ خاص ہے اور اس کے علاوہ کا احتمال ظاہر سے پھر جاتا ہے۔

جواب: یہ بات ''الدقاق'' کے مذہب کے مطابق ہے جو اس بات کے قائل ہیں کہ لقب کا مفہوم حجت ہے اور ''الناس'' بھی لقب کے قبیل سے ہے کیونکہ وہ مسئلہ جس کو اصول میں ''مفہوم اللقب'' کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے وہ لقب کے ساتھ خاص نہیں بلکہ تمام خاص نام اور تمام جنسوں کے نام اسی طرح ہیں جب تک صفت نہ ہوں اور ''الناس'' اسم جنس ہے صفت نہیں پس اس کا کوئی مفہوم نہیں۔

پس اس آیت میں کوئی ایسا اصل (قانون) نہیں جس سے یہ معلوم ہو کہ آپ انسانوں کے علاوہ کی طرف رسول نہیں ہیں البتہ الدقاق کے مذہب پر ہو سکتا ہے۔

بلکہ اس کے مذہب پر بھی اس مفہوم کے ساتھ استدلال نہیں ہو سکتا کیونکہ دقاق کا یہ قول بھی وہاں ہوتا ہے جہاں اس اسم کی تخصیص میں اس کے علاوہ کوئی غرض ظاہر نہ ہو۔ اور جہاں غرض ظاہر ہو وہاں مفہوم کا قول نہیں کیا جاتا بلکہ تخصیص کو اس غرض پر محمول کیا جا سکتا ہے۔

اور اس آیت میں غرض یہ ہے کہ رسالت تمام انسانوں کو شامل ہے اور ان میں سے بعض کے ساتھ خاص نہیں ہے پس ان کے غیر سے رسالت کی نفی نہیں ہوگی نہ تو دقاق کے مذہب پر اور نہ کسی اور کے مذہب کے مطابق۔

جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ خطاب صرف انسانوں کو ہوا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ کو دیکھنا زیادہ تر انسانوں کے لئے واقع ہوا اور خطاب بھی انہی کو ہوا پس آیت کا مقصود انسانوں کو خطاب کرنا اور ان میں رسالت کا عموم ہے ان کے غیر سے نفی مقصود نہیں ہے۔

یہ اس صورت میں ہے جب ہم کہیں کہ لفظ "الناس" جنوں کو شامل نہیں اور اگر ہم کہیں کہ اس میں جن بھی شامل ہیں تو بات واضح ہے اور اس میں اختلاف "الناس" کے اشتقاق میں اختلاف پر مبنی ہے کہ آیا وہ "النوس" سے مشتق ہے جس کا معنی حرکت ہے یا "انس" سے مشتق ہے جو وحشت کی ضد ہے۔

اگر ہم پہلا قول کریں تو دونوں فریقوں (انسانوں اور جنوں) پر اس کا اطلاق ہوگا لیکن اس کا استعمال انسانوں کے لئے زیادہ ہوتا ہے جہاں بھی یہ لفظ بولا جاتا ہے اس سے اولادِ آدم علیہ السلام مراد ہوتی ہے۔

اور اگر ہم اسے "انس" سے مشتق مانیں تو جنوں کو شامل نہیں ہوگا کیونکہ ہم جنوں کو نہ تو دیکھتے ہیں اور نہ ہی ان سے مانوس ہوتے ہیں۔

پس آیت میں جنوں کی شمولیت یا تو ممتنع ہوگی یا قلیل ہوگی لہٰذا اس پر محمول نہیں کیا جا سکتا اس سے اس استدلال کی کمزوری واضح ہوگئی لیکن یہ بات اس کے خلاف پر دلیل نہیں۔

ضحاک اور ان کی اتباع کرنے والوں نے کہا کہ جنوں کا رسول انہی میں سے ہوتا ہے کیونکہ ارشادِ خداوندی ہے:

يَا مَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْإِنْسِ أَلَمْ يَأْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ — اے جنوں اور انسانوں کی جماعت کیا تمہارے پاس تم میں سے رسول نہیں آئے۔

آیت کا ظاہر یہی ہے لیکن ضحاک یا ان کے علاوہ کسی نے یہ بات اس ملت کے حوالے سے نہیں کہی اس بات کا اختلاف پہلی ملتوں کے حوالے سے ہے۔

جہاں تک اس ملت کا تعلق ہے تو ہمارے نبی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ ہی ان سب کی طرف اور ان کے علاوہ کی طرف مبعوث ہوئے اور ضحاک سے کسی نے یہ بات نقل نہیں کی کہ جنوں کے رسول مطلقاً ان ہی میں سے ہیں اور نہ ان کی طرف ایسی بات منسوب ہو سکتی ہے جو اجماع کے خلاف ہے۔ علاوہ ازیں اکثر نے کہا ہے کہ رسول صرف انسانوں میں سے ہوتے ہیں اور کوئی جن کبھی رسول نہیں ہوا لیکن جب انسان اور جن خطاب میں جمع ہوئے (مندرجہ بالا آیت میں) تو یہ بات صحیح ہوگئی اس کی مثال یہ ارشاد خداوندی ہے:

يَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ ○ — ان دونوں سے موتی اور مرجان نکلتے ہیں۔

حالانکہ وہ نمکین پانی سے نکلتے ہیں میٹھے سے نہیں (اسی طرح رسول صرف انسانوں میں سے ہوئے لیکن خطاب میں جنوں کو بھی شامل فرمایا)۔

یہ بھی کہا گیا کہ جنوں کے رسول وہ ہیں جو انسانی رسولوں کے نمائندے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے رسول نہیں ہیں کیونکہ

ارشادِ خداوندی ہے:

وَلَّوْا اِلٰى قَوْمِهِمْ مُّنْذِرِيْنَ ○ — وہ اپنی قوم کی طرف واپس ہوئے تاکہ ان کو ڈرائیں۔

یہ بات بعض علماء نے کہی ہے۔

کیا نبی اکرم ﷺ فرشتوں کے بھی رسول ہیں؟

رسول اکرم ﷺ کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ (ایک قول کے مطابق) آپ کو فرشتوں کی طرف بھی رسول بنا کر بھیجا گیا امام سبکی نے اس قول کو ترجیح دی ہے۔ ارشادِ خداوندی ہے:

تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا ○ (الفرقان:۱) — وہ ذات برکت والی ہے جس نے اپنے بندۂ خاص پر قرآن مجید نازل کیا تاکہ وہ تمام جہانوں کے لئے ڈر سنانے والا ہو۔

اور اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ یہاں بندے سے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ مراد ہیں اور اللہ تعالیٰ کے سوا جو کچھ ہے اسے عالم کہا جاتا ہے پس یہ تمام مکلفین کو شامل ہے وہ جن ہوں یا انسان یا فرشتے۔ اور اس سے ان لوگوں کا قول باطل ہو گیا جو کہتے ہیں کہ آپ بعض کی طرف رسول تھے اور بعض کی طرف نہیں تھے کیونکہ لفظ العالمین تمام مخلوقات کو شامل ہے پس آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ آپ تمام مخلوق کے لئے رسول ہیں۔

اور جو لوگ کہتے ہیں کہ اس عموم سے فرشتے خارج ہیں اگر ان سے کہا جائے کہ اس پر دلیل پیش کرو تو وہ اس سے عاجز ہوں گے کیونکہ اس بات کا احتمال ہے کہ فرشتوں میں سے بعض وہ ہوں جن کو نبی اکرم ﷺ نے شب معراج یا اس کے علاوہ ڈرایا ہو لیکن آپ کے ان کو ڈرانے یا ان کی طرف کسی خاص بات میں رسول ہونے سے یہ بات لازم نہیں آتی کہ تمام شریعت کے ساتھ آپ ان کے رسول ہوں۔

اور جب ہم کہتے ہیں کہ فرشتے آسمانی جنوں میں سے مؤمن ہیں اور اس کے ساتھ اس قول کو بھی ملایا جائے کہ آپ کی رسالت جنوں کو بھی شامل ہے۔

جس پر اجماع ہے تو اس سے آپ کی رسالت ان سب کو شامل ہو گی لیکن فرشتوں کو جن قرار دینا شاذ ہے (غیر معتبر ہے)۔

جمہور کے نزدیک قرآن مجید کی آیت میں ''العالمین'' کا لفظ ایسا عام ہے جو جنوں اور انسانوں کے ساتھ خاص ہے جیسا کہ حدیث شریف ''وارسلت الی الخلق کافۃ'' میں مخلوق سے یہ دونوں مراد لئے گئے ہیں۔ یہ حدیث امام مسلم رحمہ اللہ نے نقل کی ہے (اور پہلے گزر چکی ہے)۔

حلیمی نے اور امام بیہقی نے ''شعب الایمان کے چوتھے باب میں'' واضح طور پر فرمایا کہ نبی اکرم ﷺ کو فرشتوں کی طرف نہیں بھیجا گیا اور پندرھویں باب میں ہے کہ ان کا آپ کی شریعت سے کوئی تعلق نہیں۔

اسی طرح امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ کی تفسیر (تفسیر کبیر) میں اور ''البرہان النسفی'' میں آیت قرآنی کی تفسیر میں

اجماع نقل کیا گیا کہ آپ فرشتوں کی طرف رسول نہیں تھے جس طرح علامہ جلال الدین محلی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے۔
(الاعلام ج ۵ ص ۳۳۳' شذرات الذہب ج ۷ ص ۳۰۳' الضوء اللامع ج ۷ ص ۳۹)

نسفی کی عبارت اس طرح ہے پھر انہوں نے کہا کہ یہ آیت چند احکام پر دلالت کرتی ہے۔

ا۔ ارشاد خداوندی "لِيَكُونَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا" تمام مکلفین کو شامل ہے وہ جن ہوں یا انسان یا فرشتے' لیکن ہمارا اتفاق ہے کہ آپ ﷺ فرشتوں کی طرف رسول نہیں بلکہ انسانوں اور جنوں دونوں کی طرف مبعوث ہوئے۔ امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ کی عبارت بھی یہی ہے۔

کمال الدین بن ابی شریف نے جلال الدین محلی رحمہ اللہ کا تعاقب کرتے ہوئے فرمایا کہ امام بیہقی نے یہ بات حلیمی سے نقل کی ہے اور فرمایا یہ حلیمی کے کلام کا معنیٰ ہے۔

اور ان کے اس قول میں اس سے برأت کا اشارہ ہے اور اگر اس طرف اشارہ نہ ہو تو بھی انہوں نے واضح الفاظ میں نہیں فرمایا کہ ان کے نزدیک یہ پسندیدہ بات ہے۔

جہاں تک حلیمی کا تعلق ہے تو اگرچہ وہ اہل سنت میں سے ہیں لیکن فرشتوں کو انبیاء کرام علیہم السلام پر فضیلت دینے میں وہ معتزلہ کی موافقت کرتے ہیں اور ان سے فرشتوں کی افضلیت کا جو قول منقول ہوا تو اس کی بنیاد بھی یہی ہو سکتی ہے۔

اور امام رازی اور نسفی کے حوالے سے اس بات پر جو اجماع نقل کیا گیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ فرشتوں کی طرف رسول بنا کر نہیں بھیجے گئے تو امام رازی کی تفسیر کے بعض نسخوں میں اجمعنا (ہم نے اجماع کیا) کی بجائے "لکنا بینا" کے الفاظ ہیں کہ "اجمعنا" کا لفظ اجماع امت پر واضح دلیل نہیں ہے کیونکہ اس قسم کی عبارت دو مخالف مناظرہ کرنے والوں کے اتفاق پر بولی جاتی ہے بلکہ اگر وہ تصریح کرتے تو ان کو منع کر دیا جاتا۔

کیونکہ امام سبکی رحمہ اللہ نے "لیکون للعالمین نذیرا" کے بارے میں فرمایا کہ تمام مفسرین نے اپنی تفاسیر میں جنوں اور انسانوں کا ذکر کیا اور بعض نے فرشتوں کا ذکر بھی کیا۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ امام رازی اور نسفی کی تفسیر پر کہ انہوں نے اجماع نقل کیا اعتماد کرنا علمائے نقل کے نزدیک حجت نہیں ہے کیونکہ اجماع کا نقل کرنا ائمہ اور حفاظ امت سے ہے جیسا کہ ابن منذر اور ابن عبدالبر رحمہما اللہ۔ نیز ان سے اوپر درجہ کے لوگ جس طرح ان مذاہب کے ائمہ جن مذاہب کی اتباع کی جاتی ہے اور جو ان سے ملحق ہیں کہ ان کا دائرہ اطلاع' حفظ اور یادداشت علمائے نقل کے نزدیک اس قدر مشہور ہے کہ اس میں زیادہ کلام کی گنجائش نہیں ہے اور اس مسئلہ کے لائق بات یہ ہے کہ اس میں غور و خوض سے توقف کیا جائے یعنی دونوں طرف سے کوئی قطعی بات نہ کہی جائے۔

تمام جہانوں کے لئے رحمت

رسول اکرم ﷺ کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ آپ تمام جہانوں کے لئے رحمت ہیں جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے:

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ○ اور ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا۔ (الانبیاء:۷)

حضرت سمرقندی فرماتے ہیں: یعنی جنوں اور انسانوں کے لئے' یہ بھی کہا گیا کہ تمام مخلوق کے لئے' آپ مؤمنین

کے لئے ہدایت کے ساتھ اور منافقوں کو قتل سے امان کے ساتھ رحمت ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں ہر نیک و بد کے لئے رحمت ہیں کیونکہ جس نبی کو بھی جھٹلایا گیا اسے اللہ تعالیٰ نے اس کے جھوٹ کی وجہ سے ہلاک کر دیا جب کہ آپ کی تکذیب کو اس شخص کی موت یا قیامت تک مؤخر کر دیا گیا لیکن جو شخص آپ کی تصدیق کرے اس کے لئے دنیا اور آخرت میں رحمت ہے پس آپ کی ذات والا صفات حدیث شریف کے مطابق تمام مومنوں اور کافروں کے لئے رحمت ہے۔ [1]

جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ. (الانفال:۳۳) اور اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو عذاب نہیں دے گا جب تک آپ ان میں موجود ہیں۔

اور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

انما انا رحمة مهداة. بے شک میں رحمت ہوں جو بطور تحفہ عطا کی گئی۔

چھٹے مقصد میں اس پر مزید گفتگو ہوگی۔ ان شاء اللہ

اسلوب خطاب کے ساتھ تکریم

رسول اکرم ﷺ کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں تمام انبیاء کرام علیہم السلام کو ان کے ناموں سے خطاب کیا پس فرمایا: (یا ادم) اے آدم' اے نوح' اے ابراہیم' اے داؤد' اے زکریا' اے یحییٰ اور اے عیسیٰ علیہم السلام۔

لیکن نبی اکرم ﷺ کو یوں خطاب فرمایا:

يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ (اے رسول) اے نبی اے مزمل اور اے مدثر۔

آپ کی یہ خصوصیت ہے کہ امت پر آپ کو نام سے پکارنا حرام کر دیا گیا ارشاد خداوندی ہے:

لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا. (النور:۶۳) رسول اکرم ﷺ کی پکار کو آپس میں ایک دوسرے کی پکار کی طرح نہ بناؤ۔

یعنی آپ کو نام لے کر اس طرح نہ پکارو جس طرح ایک دوسرے کو پکارتے ہو نہ آواز بلند کرو نہ حجروں کے باہر سے آواز دو بلکہ یوں کہو یا رسول اللہ! یا نبی اللہ' وقار کا خیال رکھو' تواضع اختیار کرو اور آواز پست رکھو کہا گیا کہ جب رسول اکرم ﷺ تمہیں بلائیں تو اس کو اس طرح نہ سمجھو جس طرح ایک دوسرے کو بلاتے ہو کہ اس میں منہ پھیر لو یا جواب دینے میں سستی کرو تب بھی جائز ہے (بلکہ یہاں فوری طور پر حاضر ہونے کا حکم ہے)۔

نبی کریم ﷺ کو بلند آواز سے پکارنا بھی ناجائز ہے۔

---

[1] حضرت ابوبکر بن طاہر نے فرمایا: کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو زینت رحمت کے ساتھ زینت دی ہے پس آپ کو اور آپ کی تمام عادات وفضائل نیز آپ کی موت وحیات کو رحمت بنایا جیسا کہ خود آپ نے فرمایا کہ میری زندگی بھی تمہارے لئے بہتر ہے اور میری وفات بھی تمہارے لئے بہتر ہے اور جب اللہ تعالیٰ کسی امت پر رحمت کا ارادہ فرماتا تو اس کے نبی کی روح قبض کر لیتا ہے پس اسے ان کے لئے آگے جا کر ان کے دخول جنت کا سامان کرنے والا بناتا ہے۔ (زرقانی ج ۵ ص ۲۷۶)

ارشادِ خداوندی ہے:

يَاۤ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْۤا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ۝ (الحجرات:۲)

اے ایمان والو! اپنی آوازیں نبی اکرم ﷺ کی آواز سے بلند نہ کرو اور نہ آپ کو چلا کر پکارو جس طرح ایک دوسرے کو چلا کر پکارتے ہو کہیں تمہارے اعمال ضائع نہ ہو جائیں اور تمہیں پتہ ہی نہ چلے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں جب اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد گرامی:

لا ترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی — نہ بلند کرو اپنی آوازوں کو نبی ﷺ کی آواز پر۔

نازل ہوا تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ سے اسی طرح گفتگو کرتے جس طرح دو ہمراز آپس میں سرگوشی سے بات کرتے ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر ج۴ ص۲۰۶)

ایک روایت میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی بات نہ سن سکتے حتیٰ کہ ان سے دوبارہ پوچھتے کیونکہ وہ بہت ہلکی آواز میں گفتگو کرتے تھے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث:۴۸۴۵)

حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ سن نہیں سکتے تھے ان کی آواز اونچی تھی جب یہ آیت نازل ہوئی تو وہ حضور علیہ السلام سے دور رہنے لگے۔

آپ نے ان کو نہ پایا تو بلا لیا انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ پر یہ آیت نازل ہوئی ہے اور میری آواز اونچی ہے پس مجھے ڈر ہوا کہ کہیں میرے اعمال ضائع نہ ہو جائیں۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا تم ایسے نہیں ہو کہ تم بھلائی کے ساتھ زندہ رہو گے اور بھلائی کے ساتھ تمہارا وصال ہوگا اور تم جنتیوں میں سے ہو۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۴۸۴۶٬۳۶۱۳ مسند الحمیدی رقم الحدیث:۱۲۰۹٬۳۶۹ المعجم الکبیر ج۲ ص۶۱٬ دلائل النبوۃ ج۶ ص۳۵۴٬ السنن الکبریٰ ج۲ ص۴۳۳٬ مجمع الزوائد ج۹ ص۳۲۲٬ کنز العمال رقم الحدیث:۳۶۳۲۱)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ہم جنتی آدمی کو دیکھتے تھے کہ وہ ہمارے درمیان چل رہا ہے اور جب جنگ یمامہ میں مسیلمہ کذاب سے لڑائی ہوئی تو حضرت ثابت رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں میں کچھ کمزوری دیکھی اور ایک گروہ بھاگ گیا تو وہ لڑتے رہے حتیٰ کہ شہید ہو گئے۔

رسول اکرم ﷺ کے خصائص میں سے ہے کہ آپ کو حجروں کے باہر سے پکارنا منع تھا ارشادِ خداوندی ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ يُنَادُوْنَكَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ۝ (الحجرات:۵)

بے شک وہ لوگ جو آپ کو حجروں کے باہر سے پکارتے ہیں ان میں سے اکثر سمجھ نہیں سکتے۔

کیونکہ عقل کا تقاضا ہے کہ حسن ادب اور جاہ و حشمت کا خیال رکھے:

وَلَوْ اَنَّهُمْ صَبَرُوْا حَتّٰى تَخْرُجَ اِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ. (الحجرات:۵)

اور اگر وہ صبر کرتے حتیٰ کہ آپ ان کی طرف نکلتے تو ان کے لئے بہتر ہوتا۔

یعنی اس جلدی کی نسبت صبر بہتر ہوتا کیونکہ اس میں ادب کا لحاظ ہے اور رسول اکرم ﷺ کی تعظیم ہوتی اور وہ تعریف اور

ثواب کے مستحق ہو جاتے۔

اللہ تعالیٰ کے حبیب ﷺ

آپ کے خصائص میں سے یہ بات بھی ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے محبوب ہیں اور آپ کے لئے اللہ تعالیٰ نے محبت اور خلت (خلیل ہونا) دونوں کو جمع کیا اس کی مزید تحقیق ساتویں مقصد میں آئے گی ان شاء اللہ تعالیٰ۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ خصوصیت بھی عطا فرمائی کہ آپ کی رسالت، زندگی، شہر اور زمانے کی قسم کھائی جس طرح چھٹے مقصد میں آئے گا۔ ان شاء اللہ۔

ان میں سے ایک خصوصیت یہ ہے کہ آپ کے ساتھ وحی کے تمام طریقوں سے کلام فرمایا جس طرح ابن عبد السلام نے نقل کیا اور اس کی تحقیق مقصد اول میں بعثت کے بیان میں گذر چکی ہے۔

حضرت اسرافیل علیہ السلام کا اترنا

آپ کی یہ خصوصیت ہے کہ حضرت اسرافیل علیہ السلام آپ پر اترے اور وہ آپ سے پہلے کسی نبی پر نہیں اترے تھے امام طبرانی نے یہ بات حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے نقل کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں۔

میں نے رسول اکرم ﷺ سے سنا آپ نے فرمایا مجھ پر آسمان سے ایک فرشتہ اترا جو مجھ سے پہلے کسی نبی پر نہیں اترا اور نہ میرے بعد کسی پر اترے گا اور وہ حضرت اسرافیل علیہ السلام ہیں۔

حضرت اسرافیل علیہ السلام نے کہا میں آپ کے رب کی طرف سے آپ کے پاس بطور رسول (نمائندہ) آیا ہوں اس نے مجھے حکم دیا کہ میں آپ کو خبر دوں کہ اگر آپ چاہیں تو نبوت کے ساتھ بندگی کو اختیار کریں اور اگر چاہیں تو نبی بادشاہ ہو جائیں میں نے حضرت جبریل علیہ السلام کی طرف دیکھا تو انہوں نے مجھے تواضع اختیار کرنے کا اشارہ کیا اگر میں کہہ دیتا کہ میں نبی بادشاہ بننا چاہتا ہوں تو پہاڑ میرے ساتھ سونا بن کے چلتے۔

(المعجم الکبیر ج ۱۲ ص ۳۲۸، مجمع الزوائد ج ۹ ص ۱۹، حلیۃ الاولیاء ج ۳ ص ۲۵۶، کنز العمال رقم الحدیث: ۳۲۰۲۷)

اولاد آدم کے سردار

آپ کے خصائص میں سے ایک بات یہ ہے کہ آپ تمام اولاد آدم کے سردار ہیں یہ بات امام مسلم رحمہ اللہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ان الفاظ کے ساتھ نقل کی ہے کہ آپ نے فرمایا:

انا سید ولد آدم یوم القیامۃ. — میں قیامت کے دن تمام اولاد آدم کا سردار ہوں گا۔

اور امام ترمذی رحمہ اللہ نے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت سے یوں نقل کیا ہے آپ نے فرمایا:

انا سید ولد آدم یوم القیامۃ لا فخر و بیدی لواء الحمد ولا فخر. — میں قیامت کے دن اولاد آدم کا سردار ہوں گا اور اس پر مجھے فخر نہیں اور حمد کا جھنڈا میرے ہاتھ میں ہوگا اور اس پر مجھے فخر نہیں۔

(جامع ترمذی رقم الحدیث: ۳۱۴۸۔ ۳۶۱۵، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۳، مسند احمد ج ۱ ص ۲۸۱۔ ج ۳ ص ۲، الشفاء ج ۱ ص ۲۰۷، شرح السنہ

ج ۳ ص ۲۰۴، اتحاف السادۃ المتقین ج ۹ ص ۲۲۵، مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۵۷۶۱۔۵۷۴۱، تفسیر قرطبی ج ۳ ص ۲۶۲، الترغیب والترہیب ج ۴ ص ۴۴۳، کنز العمال رقم الحدیث: ۳۱۸۸۱۔۳۲۰۳۳۔۳۹۰۵۲، البدایہ والنہایہ ج ۱ ص ۱۶۰۔ ج ۲ ص ۲۴۰)

آپ نے یہ بات اس لئے فرمائی کہ اللہ تعالیٰ نے جس فضل اور سیادت سے آپ کو اعزاز بخشا ہے اس سے (امت کو) آگاہ کردیں نیز اللہ تعالیٰ کی نعمت کا بیان بھی ہو جائے اور امت کو اس لئے بھی بتایا کہ وہ آپ کے مقام و مرتبہ پر ایمان لائیں اسی لئے اس کے ساتھ فرمایا مجھے اس پر فخر نہیں۔ یعنی یہ فضیلت جو مجھے حاصل ہوئی ہے یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک اعزاز ہے میں نے اسے ذاتی طور پر حاصل نہیں کیا اور نہ میری ذاتی قوت کی وجہ سے مجھے یہ اعزاز ملا ہے پس مجھے اس پر فخر کرنے کا حق نہیں ہے۔

خلاف اولیٰ باتوں کی مغفرت

آپ کو یہ خصوصیت بھی حاصل ہے کہ آپ کی اگلی پچھلی تمام خلاف اولیٰ باتوں کو بخش دیا۔ ارشاد خداوندی ہے:

لِیَغْفِرَ لَکَ اللّٰہُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِکَ وَمَا تَاَخَّرَ۔ (الفتح:۲)

تا کہ اللہ تعالیٰ آپ کی اگلی پچھلی خلاف اولیٰ باتوں کو بخش دے۔ [۱]

شیخ عزالدین بن عبدالسلام فرماتے ہیں۔

نبی اکرم ﷺ کے خصائص میں سے یہ بات بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی مغفرت کی خبر دی اور پہلے کسی نبی کے بارے میں ایسی بات منقول نہیں ہے اور اس پر قیامت کے دن ان کا ''نفسی نفسی'' کہنا دلیل ہے۔ [۲]

حافظ ابن کثیر نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا کہ اس آیت فتح میں کوئی دوسرا آپ کے ساتھ شریک نہیں۔

امام ابو یعلیٰ، طبرانی اور بیہقی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ کو تمام آسمان والوں اور انبیاء کرام پر فضیلت دی ہے آپ سے پوچھا گیا آسمان والوں پر آپ کی فضیلت کیا ہے؟ تو انہوں نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے آسمان والوں سے ارشاد فرمایا:

وَمَنْ یَّقُلْ مِنْهُمْ اِنِّیْٓ اِلٰهٌ مِّنْ دُوْنِهٖ فَذٰلِکَ نَجْزِیْهِ جَهَنَّمَ۔ (الانبیاء:۲۹)

اور ان میں سے جو کوئی کہے کہ میں اللہ کے سوا معبود ہوں تو اسے ہم جہنم کی سزا دیں گے۔

اور نبی اکرم ﷺ سے فرمایا:

---

[۱] انبیاء کرام علیہم السلام گناہوں سے معصوم ہوتے ہیں اس سے علماء اہل سنت نے یہاں آپ کے گناہ مراد نہیں لیے بلکہ امت کے گناہ مراد ہیں یا خلاف اولیٰ باتوں کی بخشش مراد ہے۔ امام اہل سنت اعلیٰحضرت رحمہ اللہ نے یوں ترجمہ کیا ''تا کہ اللہ! تمہارے سبب سے گناہ بخشے تمہارے اگلوں اور پچھلوں کے'' اور حضرت غزالی زماں علامہ سید احمد سعید کاظمی رحمہ اللہ نے یوں ترجمہ کیا ''تا کہ اللہ آپ کے لئے معاف کردے آپ کے اگلے پچھلے (بظاہر) خلاف اولیٰ سب کام (جو آپ کے کمال قرب کی وجہ سے محض صورۃً ذنب ہیں حقیقتاً حسنات الابرار سے افضل ہیں)''۔ ۱۲ ہزاروی

[۲] اس کا یہ مطلب نہیں کہ (معاذ اللہ) انبیاء کرام علیہم السلام کو گناہوں کی وجہ سے خوف ہوگا بلکہ اللہ تعالیٰ کے غضب وجلال کی وجہ سے ایسا کہیں گے ورنہ انبیاء کرام گناہوں سے محفوظ ہیں۔ ۱۲ ہزاروی

إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا لِيَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِن ذَنبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ. (الفتح:۱،۲)

بے شک ہم نے آپ کو واضح فتح عطا فرمائی تا کہ اللہ تعالیٰ آپ کی پہلی اور پچھلی خلاف اولیٰ باتیں معاف کردے۔

تو آپ کے لئے برأت لکھ دی گئی۔

انہوں نے پوچھا انبیاء کرام علیہم السلام پر آپ کی فضیلت کس طرح ہے؟

فرمایا اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَمَا أَرْسَلْنَا مِن رَّسُولٍ إِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهِ. (ابراہیم:۴)

اور ہم نے ہر رسول کو ان کی قوم کی زبان کے ساتھ بھیجا۔

اور حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ سے فرمایا:

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَّةً لِّلنَّاسِ. (سباء:۲۸)

اور ہم نے آپ کو تمام لوگوں کے لئے کفایت کرنے والا رسول بنا کر بھیجا۔

پس آپ کو انسانوں اور جنوں کی طرف مبعوث فرمایا۔

سب مخلوق سے زیادہ معزز

آپ کو یہ خصوصیت بھی حاصل ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے ہاں تمام مخلوق سے زیادہ معزز و محترم ہیں پس آپ تمام رسولوں سے اور تمام مقرب فرشتوں سے افضل ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث جو امام مسلم نے نقل کی ہے اس میں آپ نے فرمایا:

ما ینبغی لعبد ان یقول انا خیر من یونس بن متی.

کسی بندے کے لئے مناسب نہیں کہ وہ کہے میں (حضور علیہ السلام) حضرت یونس بن متی علیہ السلام سے بہتر ہوں۔[1]

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۶۳۰-۳۶۳۱ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۶۷ سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۴۶۶۹-۴۶۷۰ مسند احمد ج ۲ ص ۴۰۵ دلائل النبوۃ ج ۵ ص ۴۹۳ الشفاء ج ۱ ص ۲۲۶ شرح السنہ ج ۱۳ ص ۲۰۵ مشکوۃ المصابیح رقم الحدیث: ۵۷۱۰ مشکل الآثار ج ۱ ص ۴۴۷)

اس کا جواب چھٹے مقصد میں آئے گا ان شاء اللہ۔

ان خصائل میں سے ایک یہ ہے کہ آپ کے قرین (ہمزاد) نے اسلام قبول کیا (یا آپ کا مطیع ہو گیا) یہ حدیث حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے امام مسلم نے اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے امام بزار نے نقل کی ہے۔

آپ کی فضیلت و خصوصیت یہ بھی ہے کہ آپ سے خطاء واقع نہیں ہوتی تھی جس طرح حضرت ابن ابو ہریرہ (ابن ابو ہبیرہ) اور ماوردی نے نقل کیا اور ایک جماعت نے کہا آپ سے نسیان بھی واقع نہیں ہوتا تھا یہ بات امام نووی رحمہ اللہ نے "شرح مسلم میں" بیان کی ہے۔

---

[1] نبی اکرم ﷺ نے تواضع کے طور پر یہ بات فرمائی ورنہ آپ کی فضیلت واضح ہے۔ ۱۲ ہزاروی

آپ کی خصوصیت ہے کہ قبر میں آپ کے بارے میں سوال ہوتا ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا قبر کی آزمائش یہ ہے کہ میری ذات کے ساتھ تمہاری آزمائش ہوگی اور میرے بارے میں سوال ہوگا پس جب آدمی کو بٹھایا جائے گا تو کہا جائے گا یہ شخصیت تم میں تھیں' کون ہیں؟ تو وہ کہے گا ''محمد رسول اللہ'' اس حدیث کو امام احمد اور امام بیہقی رحمہما اللہ نے نقل کیا۔

(مسند احمد ج۶ ص ۱۳۹' الدر المنثور ج۴ ص ۸۳' اتحاف السادۃ المتقین ج۱۰ ص ۳۱۸' الترغیب والترہیب ج۴ ص ۳۶۴)

امہات المؤمنین سے نکاح کا حرام ہونا

آپ کے خصائص میں سے یہ بھی ہے کہ آپ کے بعد آپ کی ازواج مطہرات سے نکاح کرنا حرام ہوا۔

ارشاد خداوندی ہے:

وَاَزْوَاجُهٗۤ اُمَّهٰتُهُمْ۔ اور نبی اکرم ﷺ کی بیویاں ان (مسلمانوں) کی مائیں ہیں۔

یعنی ماؤں کی طرح حرام ہیں اور آپ کے بعد آپ کے احترام اور خصوصیت کی بنیاد پر ان سے نکاح کرنا حرام ہے نیز وہ آخرت میں آپ کی بیویاں ہوں گی۔ اور یہ ان کے بارے میں ہے جنہوں نے اپنے آپ کو اختیار نہیں کیا۔ (جب آپ کی ازواج مطہرات کو اختیار دیا گیا کہ آپ کے پاس رہیں یا علیحدہ ہو جائیں تو) ان میں سے جس نے دنیا کو اختیار کیا ان کے دوسری جگہ نکاح کرنے کے بارے میں دو قول ہیں ایک یہ کہ اختلاف ہے اور دوسرا یہ کہ قطعی طور پر جائز تھا یہ بات امام الحرمین (عبدالملک بن عبداللہ بن یوسف بن محمد متوفی ۴۷۸ھ) اور امام غزالی رحمہما اللہ نے اختیار کی ہے۔

(الاعلام ج۴ ص ۱۶۰' فیات الاعیان ج۱ ص ۲۸۷' شذرات الذہب ج۳ ص ۳۵۸' طبقات الشافعیہ ج۳ ص ۲۴۹' مفتاح السعادہ ج۱ ص ۴۴۳' کشف الظنون رقم الحدیث: ۶۸۔۷۰۔۴۴۲)

لیکن جو ازواج مطہرات آپ کے وصال کے وقت موجود تھیں وہ دوسروں پر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے حرام ہو گئیں۔

البتہ ان کو دیکھنے میں دو قول ہیں زیادہ مشہور یہ ہے کہ نا جائز ہے اور ان کے احترام' اطاعت اور نکاح کے حرام ہونے کے سلسلے میں وہ ماں کی طرح ہیں۔ یہ مطلب نہیں کہ ان کے ساتھ علیحدگی میں بیٹھنا یا نفقہ دینا یا وراثت کے حوالے سے مائیں ہیں۔ اور یہ بات ان کے غیر کے لئے نہیں ہے پس ان کی بیٹیوں کو مؤمنوں کی بہنیں کہا جاتا زیادہ صحیح قول یہی ہے۔

ایک قول یہ ہے کہ ازواج مطہرات سے نکاح کے حرام ہونے کی وجہ یہ ہے کہ آپ ﷺ قبر انور میں زندہ ہیں اسی لئے ماوردی نے نقل کیا کہ ان پر عدت وفات واجب نہیں تھی اور وہ خاتون جسے زندگی میں چھوڑ دیا مثلاً وہ عورت جس نے آپ سے پناہ مانگی تھی اور وہ جس کے پہلو میں آپ نے سفیدی دیکھی ان خواتین کے بارے میں کئی قول ہیں ایک یہ کہ وہ بھی حرام ہیں۔

حضرت امام شافعی رحمہ اللہ نے اس کی تصریح کی ہے اور ''الروضہ میں'' اس کو صحیح قرار دیا کیونکہ آیت عام ہے اور بعد سے مراد آپ کے وصال کا بعد مراد نہیں بلکہ نکاح کے بعد ان کا حرام ہونا مراد ہے۔ بعض نے کہا یہ خواتین حرام نہیں ہیں۔

تیسرا قول جسے امام الحرمین اور امام رافعی نے ''الصغیر میں'' صحیح قرار دیا ہے یہ ہے کہ جن سے آپ کا قرب ہوا صرف

وہی حرام ہیں کیونکہ حضرت اشعث بن قیس رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں اس خاتون سے نکاح کیا جس نے پناہ مانگی تھی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اسے سنگسار کرنے کا ارادہ کیا تو آپ کو بتایا گیا کہ نبی اکرم ﷺ نے اس سے وطی نہیں کی تو آپ رک گئے۔ اور جس لونڈی کو وطی کے بعد آپ نے جدا کر دیا اس کے بارے میں کئی قول ہیں تیسرا قول یہ ہے کہ وہ بھی حرام ہے اگر وہ آپ کے وصال تک رہی ہو تو اس سے بھی نکاح حرام ہے جس طرح حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا اور اگر آپ نے اپنی زندگی میں اسے بیچ دیا تو حرام نہیں ہے۔

آپ کے نام کا وسیلہ

ابن عبدالسلام نے آپ کی یہ خصوصیت بھی شمار کی ہے کہ آپ کے نام سے اللہ تعالیٰ پر قسم کھانا جائز ہے اور دوسروں کے لئے یہ حکم نہیں ہے۔ ابن عبدالسلام نے کہا کہ مناسب یہ ہے کہ یہ بات آپ کے ساتھ خاص ہو کیونکہ آپ تمام اولاد آدم کے سردار ہیں اور کسی دوسرے نبی' فرشتے اور ولی کے نام سے ایسا کرنا جائز نہیں کیونکہ وہ آپ کے درجہ میں نہیں ہیں اور یہ بات آپ کے درجہ اور مرتبہ کی بلندی کی وجہ سے آپ کی خصوصیت ہونی چاہیے۔

(جامع ترمذی رقم الحدیث: ۳۵۷۸' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۳۸۵' مسند احمد ج ۴ ص ۱۳۸' المستدرک ج ۱ ص ۳۱۳' مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۱۶۸۱۶' کنز العمال رقم الحدیث: ۳۶۴۰)

کیا امہات المؤمنین کے باپردہ جسم کو دیکھنا بھی حرام ہے؟

رسول اکرم ﷺ کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ آپ کی ازواج مطہرات کو چادر کے اندر (لپٹے ہونے کی صورت میں) بھی دیکھنا جائز نہیں اسی طرح گواہی دینے یا کسی دوسرے مقصد کے لئے ان کے چہروں اور ہاتھوں کا ننگا ہونا بھی جائز نہ تھا۔ قاضی عیاض رحمہ اللہ نے اس کو وضاحت کے ساتھ بیان کرتے ہوئے فرمایا۔

ازواج مطہرات جس بات کے ساتھ خاص ہیں اس کا پردہ بھی فرض ہے پس بلا اختلاف ان پر چہرے اور ہتھیلیوں کو ڈھانپنا بھی ضروری تھا اور شہادت یا کسی دوسرے موقعہ پر ان اعضاء کو ننگا کرنا جائز نہ تھا اسی طرح جسم کا ننگا کرنا بھی جائز نہ تھا چاہے گھر میں ہوں البتہ قضائے حاجت وغیرہ کا حکم الگ ہے۔

پھر قاضی عیاض رحمہ اللہ نے ''موطا کی'' اس حدیث سے استدلال کیا کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی تو عورتیں حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو پردے میں لے گئیں تاکہ آپ کا وجود کسی کو نظر نہ آئے اور حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے لئے ان کے جنازے کی چارپائی پر ایک قبہ سا بنایا گیا تاکہ ان کا وجود پردے میں رہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس میں اس دعویٰ پر دلیل نہیں جو پردے کی فرضیت کے سلسلے میں کیا گیا کیونکہ نبی اکرم ﷺ کے وصال کے بعد امہات المؤمنین حج کرتیں اور طواف کرتی تھیں اور صحابہ کرام نیز ان کے بعد کے لوگ ان سے احادیث روایت کرتے تو ان کے بدن ڈھانپے ہوتے تھے شخصیات پردہ میں نہیں ہوتی تھیں۔

امہات المؤمنین کے علاوہ کسی عورت کی طرف دیکھنے کا کیا حکم ہے تو ''الروضہ میں ہے اور'' اس کی اصل اکثر حضرات سے منقول ہے کہ آزاد عورت جو بڑی اور اجنبی ہو اس کے چہرے اور ہتھیلیوں کی طرف دیکھنا جائز ہے اگر فتنہ کا خوف نہ ہو تو مکروہ ہے۔

شیخین یعنی امام رافعی اور امام نووی رحمہ اللہ کے کلام کی قوت اس بات کی ترجیح کا تقاضا کرتی ہے اور ''المبہمات میں'' اس کو صحیح قرار دیا گیا کیونکہ امام رافعی نے تصریح کی ہے کہ اکثر حضرات کا یہی قول ہے۔

لیکن ابن عراقی نے نقل کیا کہ ان کے شیخ البلقینی نے فرمایا ترجیح دلیل کی قوت سے ہوتی ہے اور فتویٰ اس پر ہے جو ''منہاج'' میں ہے اور ''التدریب میں بھی'' اسی پر اعتماد کیا ''الشرح الصغیر کے'' کلام کی قوت اس کی ترجیح کا تقاضا کرتی ہے اور اس کی علت یہ ہے کہ مسلمانوں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ عورتوں کو سفر میں جانے سے منع کیا جائے اور ''الروضہ میں'' نقل کیا گیا کہ اس کی اصل یہ اتفاق ہے اور انہوں نے اسی کو برقرار رکھا۔

اس کا معارضہ قاضی عیاض رحمہ اللہ کے اس قول سے کیا گیا جو انہوں نے علماء کرام سے مطلقاً نقل کیا ہے کہ عورت پر لازم نہیں کہ وہ راستے میں چہرے کو ڈھانپے اور یہی سنت ہے اور مردوں پر لازم ہے کہ وہ اپنی نگاہوں کو پست رکھیں۔

ان سے امام نووی رحمہ اللہ نے شرح مسلم میں نقل کرتے ہوئے اسے برقرار رکھا شیخ نجم الدین ابن قاضی عجلون نے ''تصحیح المنہاج میں'' یہ بات فرمائی ہے۔ واللہ اعلم

نبی اکرم ﷺ کے حق میں نکاح مطلق عبادت تھا جس طرح حضرت سبکی رحمہ اللہ نے فرمایا جب کہ دوسروں کے حق میں یہ عبادت نہیں بلکہ محض جائز ہے اور عبادت اس کو لاحق ہوتی ہے۔

آپ کی صاحبزادیوں سے متعلق خصائص

ان خصائص میں سے یہ بھی ہے کہ آپ کی صاحبزادیوں کی اولاد آپ کی طرف منسوب ہوتی ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا:

ان ابنی هذا سید. میرا یہ بیٹا سردار ہے۔

آپ کی یہ خصوصیت بھی ہے کہ ہر نسب اور سبب قیامت کے دن منقطع ہو جائے گا لیکن آپ کا سبب اور نسب باقی رہے گا آپ نے فرمایا:

کل سبب و نسب ينقطع يوم القيامة الا سببي و نسبي. ہر سبب اور نسب قیامت کے دن منقطع ہو جائے گا مگر میرا سبب اور نسب باقی رہے گا۔

(المعجم الکبیر ج ۳ ص ۳۶،۳۹ المستدرک ج ۳ ص ۱۴۲ السنن الکبریٰ ج ۷ ص ۱۱۴ حلیۃ الاولیاء ج ۲ ص ۳۴ الدر المنثور ج ۵ ص ۱۵ مجمع الزوائد ج ۴ ص ۲۷۱ تفسیر قرطبی ج ۳ ص ۱۰۴ تاریخ بغداد ج ۶ ص ۱۸۲ تفسیر ابن کثیر ج ۵ ص ۴۸۹ البدایۃ والنہایۃ ج ۷ ص ۸۳ کنز العمال رقم الحدیث: ۳۱۹۱۴)

نسب ولادت کے ساتھ اور سبب نکاح کے ساتھ ہوتا ہے۔

کہا گیا ہے کہ آپ کی امت قیامت کے دن آپ کی نسبت سے نفع اندوز ہوگی جب کہ دوسروں کی امت کو یہ فائدہ حاصل نہ ہوگا۔

آپ کی خصوصیات میں سے ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ آپ کی صاحبزادیوں کی موجودگی میں کسی دوسری عورت سے نکاح نہیں ہو سکتا۔

حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے انہوں نے نبی اکرم ﷺ سے منبر شریف پر سنا آپ فرمارہے تھے بنو ہاشم بن مغیرہ نے مجھ سے اجازت طلب کی ہے کہ وہ اپنی بیٹی کا نکاح حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے کردیں لیکن میں ان کو اجازت نہیں دوں گا۔ پھر میں ان کو اجازت نہیں دوں گا۔ پھر میں ان کو اجازت نہیں دوں گا۔ میری بیٹی میرے جگر کا ٹکڑا ہے جو بات اسے پسند نہیں وہ مجھے بھی پسند نہیں اور جس بات سے اسے اذیت پہنچتی ہے اس سے مجھے بھی تکلیف پہنچتی ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۲۳۰' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۰۷۱' جامع ترمذی رقم الحدیث: ۳۸۶۷' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۹۳' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۹۹۸' مسند احمد ج ۴ ص ۳۲۸' السنن الکبریٰ ج ۱۰ ص ۲۸۸' حلیۃ الاولیاء ج ۷ ص ۳۲۵' شرح السنہ ج ۱۴ ص ۱۵۹' کنز العمال رقم الحدیث: ۳۴۲۱۳)

انہی سے مروی ہے کہ حضرت علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ نے ابوجہل کی بیٹی کو منگنی کا پیغام دیا اور حضرت خاتون جنت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا ان کے پاس تھیں جب انہوں نے یہ بات سنی تو وہ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا آپ کی قوم باتیں کرتی ہے کہ آپ کو اپنی بیٹیوں کی وجہ سے غصہ نہیں آتا اور یہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ ہیں جو ابوجہل کی بیٹی سے نکاح کرنا چاہتے ہیں۔

حضرت مسور رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے سنا کہ نبی اکرم ﷺ نے خطبہ دیتے ہوئے فرمایا: اما بعد: میں نے (اپنی بیٹی) ابوالعاص بن ربیع کے نکاح میں دی تو انہوں نے مجھ سے جو بات کی سچ کہا اور بیشک حضرت فاطمہ بنت محمد میرا ٹکڑا ہے اور میں اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ اسے کسی آزمائش میں ڈالیں اور اللہ کی قسم! رسول اللہ کی بیٹی اور اللہ کے دشمن کی بیٹی ایک شخص کے پاس کبھی بھی اکٹھی نہیں ہوسکتیں۔

فرماتے ہیں پھر آپ نے خطبہ چھوڑ دیا۔

(صحیح ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۹۹۹' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۹۶' مسند احمد ج ۴ ص ۳۲۶' السنن الکبریٰ ج ۷ ص ۳۰۸)

ابوجہل کی بیٹی کا نام جویریہ تھا وہ اسلام لائیں اور بیعت کی اور حضرت عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ سے اور ان کے بعد ابان بن سعید رضی اللہ عنہ سے ان کا نکاح ہوا۔

امام ابوداؤد نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ پر حرام کردیا کہ وہ حضرت خاتون جنت کی زندگی میں ان پر کسی دوسری عورت کو نکاح میں لائیں۔ ارشاد خداوندی ہے:

وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا۔ اور جس بات کا رسول ﷺ تمہیں حکم دیں اس پر عمل کرو اور جس بات سے روک دیں اس سے رک جاؤ۔

شیخ ابوعلی السنجی (حسین بن شعیب بن محمد السنجی متوفی ۴۲۷ھ) (الاعلام ج ۲ ص ۲۳۹' وفیات الاعیان ج ۱ ص ۱۳۵' کشف الظنون رقم الحدیث: ۴۷۹-۱۶۳۵) رحمہ اللہ نے "شرح تلخیص میں" ذکر کیا کہ نبی اکرم ﷺ کی صاحبزادیوں پر نکاح کرنا حرام تھا اس میں یہ احتمال بھی ہے کہ یہ بات حضرت خاتون جنت کے ساتھ خاص ہو کیوں کہ اس کی وجہ یہ بیان فرمائی کہ اس سے آپ کو اذیت پہنچتی ہے اور آپ کو اذیت پہنچانا بالاتفاق حرام ہے۔ اور اس میں اس کی اذیت کو حرام قرار دیا جس کی اذیت نبی اکرم ﷺ کی اذیت کا باعث ہے کیونکہ آپ کو اذیت پہنچانے کی حرمت پر سب کا اتفاق ہے وہ تھوڑی ہو یا زیادہ۔

اور آپ نے واضح طور پر فرمایا کہ جو بات حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی اذیت کا باعث ہے اس سے آپ کو اذیت ہوتی ہے پس حضرت خاتون جنت کے حق میں جو کچھ بھی واقع ہوگا وہ آپ کی اذیت کا باعث ہوگا تو اس سے رسول اکرم ﷺ کو اذیت پہنچتی تھی اور اس پر یہ حدیث صحیح شاہد ہے۔

سوال: حضرت خاتون جنت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کے ساتھ اس بات کو خاص کرنے پر اعتراض ہوتا ہے کہ حضور علیہ السلام پر غیرت دین کے حوالے سے فتنہ میں پڑنے کا خوف ہے اور اس کے باوجود آپ نے زیادہ ازواج کو اختیار کیا اور ان سے غیرت پائی جاتی تھی لیکن اس کے باوجود آپ نے ان کے حق میں اس بات کا خیال نہ رکھا جس طرح حضرت خاتون جنت رضی اللہ عنہا کے بارے میں اس بات کا خیال فرمایا۔

جواب: حضرت خاتون جنت رضی اللہ عنہا کو اس وقت کوئی ایسی شخصیت حاصل نہ تھی جن کا سہارا لیتیں اور ان سے مانوس ہو کر وحشت کا ازالہ کرتیں نہ ماں تھی نہ کوئی بہن۔

جب کہ امہات المؤمنین کا یہ معاملہ نہیں تھا کیونکہ ہر ایک کو ایسی شخصیات حاصل تھیں جن سے مانوس ہو سکتی تھیں بلکہ اس سے بھی بڑھ کر بات یہ کہ وہ نبی اکرم ﷺ کی ازواج مطہرات تھیں اور آپ کی وجہ سے ان کے دلوں کو خوشی اور خوش طبعی حاصل ہوتی اور دلوں کی ڈھارس بندھتی تھی کیونکہ ان میں سے ہر ایک آپ کے حسن اخلاق وغیرہ پر راضی تھیں کہ اگر کسی قسم کی غیرت کا مسئلہ پیدا ہوتا تو فوراً زائل ہو جاتا۔

محراب نبوی میں اجتہاد نہیں

آپ کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ آپ نے جس محراب شریف میں نماز پڑھی ہے اس کے بارے میں اجتہاد نہیں ہو سکتا کہ شاید یہ دائیں طرف ہو یا بائیں طرف۔

شیخ الاسلام ابوزرعہ عراقی نے اس شخص کے بارے میں فتویٰ دیا ہے جو نبی اکرم ﷺ کے محراب شریف کی طرف رخ کر کے نماز نہیں پڑھتا بلکہ کہتا ہے کہ میں اجتہاد کروں گا اور پھر نماز پڑھوں گا کہ اگر وہ اس بات کا اعتراف کرتے ہوئے ایسا کرتا ہے کہ یہ اسی طرح ہے جس طرح نبی اکرم ﷺ کے زمانے میں تھا تو پھر وہ مرتد ہو گیا اور اگر وہ تاویل کرتے ہوئے کہتا ہے کہ اب یہ محراب اس صورت میں نہیں جس طرح آپ کے زمانے میں تھا بلکہ اس سے بدل گیا ہے اور اسی وجہ سے میں اجتہاد کرتا ہوں تو اس صورت میں اس کو مرتد نہیں کہا جائے گا اگرچہ اس کی تاویل صحیح نہ ہو۔

آپ کو خواب میں دیکھنا حق ہے

آپ کے خصائص میں سے یہ بھی ہے کہ جس نے آپ کو خواب میں دیکھا اس نے حقیقتاً آپ ہی کو دیکھا کیونکہ شیطان آپ کی صورت میں نہیں آ سکتا۔

''صحیح مسلم کی روایت میں ہے'' آپ نے فرمایا:

من رانی فی المنام فسیرانی فی الیقظة او لکانما رانی فی الیقظة لا

جس نے مجھے خواب میں دیکھا عنقریب وہ مجھے بیداری کی حالت میں دیکھے گا یا (فرمایا) گویا اس نے مجھے

یتمثل الشیطان بی. بیداری میں دیکھا (کیونکہ) شیطان میری صورت اختیار نہیں کرسکتا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۶۹۹۳' سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۵۰۲۳' صحیح مسلم رقم الحدیث:۷۔۱۳' مسند احمد ج۵ص۳۰۶' المعجم الکبیر ج۱۹ص۷۹۷' مجمع الزوائد ج۷ص۱۸۲' شرح السنۃ ج۱۲ص۲۲۷' مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث:۴۶۶۱' تاریخ بغداد ج۱۰ص۲۸۴)

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اسماعیلی کے نزدیک یوں ہے:

فقد رانی فی الیقظۃ. پس اس نے مجھے بیداری میں دیکھا۔

یہ لفظ "فسیرانی" کی جگہ ہیں ابن ماجہ کے نزدیک بھی اسی طرح ہے اور امام ترمذی رحمہ اللہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے اسی طرح روایت کرتے ہوئے اسے صحیح قرار دیا۔

"صحیح مسلم میں" حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے یوں مروی ہے کہ آپ نے فرمایا:

من رانی فقد رای الحق. جس نے مجھے دیکھا تحقیق اس نے حق دیکھا (یا حق کو دیکھا)۔

"صحیح مسلم میں" حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا:

من رانی فی المنام فقد رانی فانہ لا ینبغی للشیطان ان یتمثل فی صورتی جس نے مجھے خواب میں دیکھا ہے پس اس نے مجھے ہی دیکھا کیونکہ شیطان کے لئے مناسب نہیں کہ وہ میری صورت اختیار کرے۔

ایک روایت میں ہے:

من رانی فی المنام فقد رانی فانہ لا ینبغی للشیطان ان یتشبہ بی. جس نے خواب میں مجھے دیکھا اس نے مجھے ہی دیکھا کیونکہ شیطان کے لئے مناسب نہیں کہ میری مشابہت اختیار کرے۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے نقل کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

فان الشیطان لا یتکوننی. بے شک شیطان میری طرح نہیں ہوسکتا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۶۹۹۷' مسند احمد ج۳ص۵۵' مجمع الزوائد ج۷ص۱۸۱' دلائل النبوۃ ج۷ص۴۵' شمائل ترمذی رقم الحدیث:۴۱۰' مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث:۴۶۱۰)

یعنی "لا یتکون کونی" میرے ہونے کی طرح نہیں ہوسکتا تو یہاں لفظ "کون" مضاف محذوف ہے اور مضاف الیہ یاء ضمیر کو فعل سے ملا دیا گیا۔

"صحیح بخاری میں" حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے یوں مروی ہے:

لا یترای بی. (صحیح البخاری رقم الحدیث:۶۹۹۵) شیطان میری شکل میں نہیں آسکتا۔

یترای بروزن یتعاطی ہے یعنی اسے طاقت نہیں کہ وہ میری صورت اختیار کرے یعنی اللہ تعالیٰ نے شیطان کو یہ

اختیار دیا ہے کہ وہ جو شکل چاہے اختیار کرے لیکن وہ نبی اکرم ﷺ کی صورت اختیار کرنے پر قادر نہیں ہے۔

ایک جماعت اسی طرف گئی ہے وہ کہتے ہیں حدیث کا مطلب یہ ہے کہ دیکھنے والا نبی اکرم ﷺ کو اسی صورت میں دیکھے جس پر آپ تھے لیکن بعض حضرات نے اس بات کو تنگ کر دیا اور فرمایا کہ اس صورت میں دیکھے ضروری ہے جس پر آپ کا وصال ہوا حتیٰ کہ انہوں نے آپ کے سفید بالوں کا اعتبار بھی کیا جو بیس کی تعداد کو نہیں پہنچے تھے۔

حضرت حماد بن زید رحمہ اللہ فرماتے ہیں حضرت محمد ابن سیرین کے سامنے جو کوئی شخص بیان کرتا کہ اس نے نبی اکرم ﷺ کی زیارت کی ہے تو آپ فرماتے جو کچھ تم نے دیکھا ہے اسے بیان کرو اگر وہ ان اوصاف کا ذکر کرتا جن کو آپ نہیں پہچانتے تھے تو آپ فرماتے تم نے زیارت نہیں کی اس کی سند صحیح ہے۔

امام حاکم رحمہ اللہ نے حضرت عاصم بن کلیب رحمہ اللہ کے طریق سے نقل کیا وہ فرماتے ہیں مجھ سے میرے والد نے بیان کیا اور فرمایا میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی خدمت میں عرض کیا کہ میں نے نبی اکرم ﷺ کو خواب میں دیکھا ہے آپ نے فرمایا میرے سامنے بیان کرو فرماتے ہیں میں نے حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ کا ذکر کرتے ہوئے ان کی مشابہت بیان کی تو انہوں نے فرمایا تم نے آپ کی زیارت کی ہے اور اس کی سند عمدہ ہے۔

لیکن جو حدیث ابن ابی عاصم نے دوسرے طریق سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کی ہے اس میں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

من رانی فقد رانی فانی اری فی کل صورة. (فتح الباری ج ۱۲ ص ۴۷۴)

جس نے مجھے دیکھا اس نے مجھے ہی دیکھا کیونکہ میں ہر صورت میں دکھائی دیتا ہوں۔

اس حدیث کی سند میں ابن توامہ راوی اختلاط کی وجہ سے ضعیف ہے اور جس نے روایت کیا اس نے اختلاط کے بعد سن کر روایت کیا۔

قاضی ابوبکر بن عربی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: آپ کو آپ کی معلوم صفات کے ساتھ دیکھنا حقیقتاً ادراک ہے اور غیر صفت پر دیکھنا آپ کی مثالی صورت کو دیکھنا ہے کیونکہ صحیح بات یہ ہے کہ زمین انبیاء کرام علیہم السلام کے جسموں کو تبدیل نہیں کرتی۔ پس آپ کی ذات پاک کا ادراک حقیقی ادراک ہوگا اور صفات کا ادراک مثال کا ادراک ہوگا۔

بعض قدریہ (تقدیر کے منکر لوگوں) نے الگ راستہ اختیار کرتے ہوئے کہا کہ نبی اکرم ﷺ کی زیارت کی کوئی حقیقت نہیں۔ (فتح الباری ج ۱۲ ص ۴۷۵)

حضرت ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "فسیرانی" کا مطلب یہ ہے کہ جو کچھ اس نے دیکھا اس کی تفسیر عنقریب دیکھے گا کیونکہ یہ حق ہے اور غیب ہے اور "فکانما رانی" تشبیہ ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ اگر وہ مجھے بیداری کی حالت میں دیکھے تو اس نے جو کچھ خواب میں دیکھا ہے یہ اس کے مطابق ہوگا۔ پس پہلا حق اور حقیقت ہوگا اور دوسرا (دیکھنا) حق اور تمثیل ہوگی۔

وہ فرماتے ہیں: یہ سب باتیں اس وقت ہیں جب صورت معروضہ پر دیکھے اگر وہ آپ کی صفت کے خلاف دیکھے تو یہ امثال ہیں اگر آپ کو اپنی طرف متوجہ دیکھے تو دیکھنے والے کے لئے بہتر ہے اور اس کے برعکس دیکھے تو معاملہ بھی برعکس ہو

گا۔

حضرت قاضی عیاض رحمہ اللہ نے فرمایا یہ بھی احتمال ہے کہ "فقد رانی" یا "فقد رای الحق" سے مراد یہ ہو کہ جو شخص آپ کو آپ کی صورت معروضہ کے مطابق دیکھے جو آپ کی حیات طیبہ میں تھی تو اس کا دیکھنا حق ہے اور جو شخص کسی دوسری صورت میں دیکھے تو اس میں تاویل ہوگی۔

امام نووی رحمہ اللہ نے ان کا تعاقب کرتے ہوئے فرمایا یہ ضعیف بات ہے بلکہ صحیح یہ ہے کہ اس نے حقیقتاً دیکھا ہے چاہے معروف صفت پر دیکھا یا اس کے علاوہ۔

اور ابن حجر رحمہ اللہ نے ان کا تعاقب کرتے ہوئے فرمایا کہ میرے لئے قاضی عیاض رحمہ اللہ کے کلام سے اس کے منافی بات ظاہر نہیں ہوئی بلکہ ان کے قول سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ وہ دونوں صورتوں میں آپ کو حقیقتاً دیکھ رہا ہے لیکن پہلی صورت میں کسی تعبیر کی حاجت نہ ہوگی جب کہ دوسری صورت میں تعبیر کی ضرورت ہوگی۔

بعض حضرات نے فرمایا اس کا معنیٰ یہ ہے کہ جو شخص آپ کو دیکھے گا وہ آپ کو اصل صورت پر ہی دیکھے گا۔

(فتح الباری ج ۱۲ ص ۴۷۵)

اور جس نے کہا کہ آپ کو آپ کی معلوم صورت پر ہی دیکھا جا سکتا ہے تو اس کے نزدیک کسی دوسری صفت پر دیکھنا محض خیالات ہیں۔

اور یہ بات معلوم ہے کہ خواب میں آپ کی زیارت اس حالت میں ہوتی ہے جو دنیوی حالت کے خلاف ہے اور اگر شیطان آپ کی صورت مبارکہ کی مثل بن سکتا تو یہ اس عموم کے خلاف ہوتا جس میں آپ نے فرمایا کہ شیطان میری شکل میں نہیں آ سکتا پس زیادہ بہتر یہی ہے کہ ہم آپ کی زیارت کو اسی طرح آپ سے کچھ دیکھنے کو یا جو کچھ آپ کی طرف منسوب ہو اس کو پاکیزہ قرار دیں کیونکہ حرمت میں یہی زیادہ جچنے والی بات ہے عصمت کے زیادہ لائق یہی ہے کہ جس طرح عالم بیداری میں آپ شیطان سے محفوظ تھے۔

پس اس حدیث کی صحیح تاویل یہ ہے کہ آپ کا مقصود یہ تھا کہ آپ کو کسی حالت میں دیکھنا باطل یا خیالات نہیں بلکہ یہ حق ہے اگر آپ کو دوسری صورت میں دیکھا جائے تب بھی اس صورت کا تصور یوں ہو کہ وہ شیطان کی طرف سے نہیں بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے یہ قاضی ابوبکر طیب وغیرہ کا قول ہے۔

اور آپ کا ارشاد گرامی "فقد رای الحق" اس کی تائید کرتا ہے قرطبی نے اس طرف اشارہ کیا ہے۔

ابن بطال نے کہا کہ "فسیرانی فی الیقظة" کا مطلب یہ ہے کہ اس کی تصدیق عالم بیداری میں ہو جائے گی اور معلوم ہو جائے گا کہ یہ حق ہے اور صحیح ہے۔ یہ مطلب نہیں کہ وہ آخرت میں زیارت کرے گا کیونکہ قیامت کے دن تمام امت کو زیارت نصیب ہوگی چاہے وہ خواب میں آپ کو دیکھے یا نہ۔

مازری نے کہا اگر یہ بات صحیح ثابت ہو کہ آپ نے فرمایا "گویا اس نے مجھے بیداری میں دیکھا" تو اس کا معنیٰ ظاہر ہے۔ اور اگر یہ بات صحیح ثابت ہو کہ "عنقریب وہ بیداری میں مجھے دیکھے گا" تو اس بات کا احتمال ہے کہ آپ کے زمانے کے وہ لوگ مراد ہوں گے جنہوں نے آپ کی طرف ہجرت نہیں کی کیونکہ جب اس نے آپ کو خواب میں دیکھا تو یہ اس

بات کی علامت ہے کہ وہ عنقریب آپ کو بیداری کی حالت میں بھی دیکھے گا اور یہ بات اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف وحی فرمائی۔

یہ بھی کہا گیا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ وہ اس خواب کی تعبیر عنقریب بیداری میں دیکھے گا۔

قاضی عیاض رحمہ اللہ نے جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ اس احتمال پر کہ اس کا خواب میں زیارت کرنا اس صفت پر ہو جس کے ساتھ آپ معروف اور موصوف ہیں یہ قیامت کے دن اس کے اکرام واحترام کا سبب ہے کہ اسے خصوصی طور پر قریب ہو کر زیارت نصیب ہوگی۔ یا اسے آپ کی شفاعت نصیب ہوگی اور اس کا درجہ بلند ہوگا اور اس طرح کی خصوصیات حاصل ہوں گی وہ فرماتے ہیں یہ بات بھی بعید از عقل نہیں کہ بعض گناہ گاروں کو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اپنے نبی کی زیارت سے ایک مدت تک روک دے۔

ابن ابی جمرہ نے اسے ایک اور بات پر محمول کیا پس انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما یا کسی اور سے نقل کیا کہ انہوں نے نبی اکرم ﷺ کو خواب میں دیکھا تو بیدار ہونے کے بعد اس حدیث کے بارے میں متفکر ہوئے چنانچہ وہ ایک ام المومنین رضی اللہ عنہا کے پاس حاضر ہوئے اور شاید وہ ان کی خالہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا تھیں پس انہوں نے حضور علیہ السلام کا آئینہ ان کو دکھایا تو انہوں نے اس میں نبی اکرم ﷺ کی صورت مبارکہ دیکھی اپنی صورت نظر نہ آئی۔

امام غزالی رحمہ اللہ فرماتے ہیں "فقد رانی" کا معنی یہ نہیں کہ اس نے میرا جسم اور میرا بدن دیکھا بلکہ اس نے ایک مثال دیکھی کہ وہ مثال ایک آلہ بن گئی جس کے ذریعے وہ اس معنی کی ادائیگی کر سکتا ہے جو میرے نفس میں اس تک ہے۔

اسی طرح "فسیر انی فی الیقظة" سے بھی میرے جسم اور بدن کو دیکھنا مراد نہیں۔

وہ فرماتے ہیں آلہ بعض اوقات حقیقی اور کبھی خیالی ہوتا ہے اور نفس اس خیالی مثال کا غیر ہوتا ہے پس اس نے جو صورت دیکھی وہ نبی اکرم ﷺ کی روح مبارک یا بدن اقدس نہیں بلکہ مثال دیکھی۔

وہ فرماتے ہیں جو شخص خواب میں اللہ تعالیٰ کی زیارت کرتا ہے اس کا مسئلہ بھی یہی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ شکل وصورت سے پاک ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی معرفت بندے تک محسوس مثال سے پہنچتی ہے وہ نور ہو یا کچھ اور۔

اور یہ مثال اس کے حق میں پہچان کا واسطہ ہوتی ہے پس دیکھنے والا کہتا ہے کہ میں نے اللہ تعالیٰ کو خواب میں دیکھا تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کو دیکھا جس طرح دوسروں کے بارے میں کہتا ہے۔

امام غزالی رحمہ اللہ نے اپنے بعض فتاویٰ میں یہ بھی فرمایا کہ جس نے نبی اکرم ﷺ کو خواب میں دیکھا اس نے آپ کی اس شخصیت مبارکہ کو نہیں دیکھا جو روضۂ انور کے اندر مدینہ طیبہ میں ہے بلکہ آپ کی مثال کو دیکھا۔ پھر فرمایا یہ مثال آپ کی روح کی مثال ہے جو صورت اور شکل سے منزہ ہے۔

طیبی کہتے ہیں اس کا معنی یہ ہے کہ جس نے مجھے خواب میں کسی بھی صورت میں دیکھا اس کے لئے خوشخبری ہے اور اس کو جان لینا چاہیے کہ اس نے واقعی مجھے دیکھا ہے یعنی یہ دیکھنا سچ ہے جھوٹ نہیں ہے۔

اسی طرح آپ کے ارشاد گرامی "فقد رانی" کا مفہوم ہے پس جب شرط اور جزا اکٹھے ہوں تو کمال کی انتہا پر دلالت ہوتی ہے یعنی اس نے مجھے اس طرح دیکھا کہ اس کے بعد کچھ نہیں۔

ان جوابات کا خلاصہ یہ ہے۔
کہ یہ تشبیہ اور تمثیل کے طور پر ہے اور اس پر "فکانما رانی فی الیقظة" کے الفاظ دلالت کرتے ہیں۔
دوسری بات یہ کہ اس کا معنیٰ یہ ہے کہ وہ حقیقتاً بیداری میں بھی دیکھے گا تیسرا جواب یہ ہے کہ یہ بات آپ کے زمانے والوں کے ساتھ خاص ہے یعنی وہ لوگ جو آپ کی زیارت کرنے سے پہلے آپ پر ایمان لائے۔ چوتھی بات یہ ہے کہ وہ اپنے شیشے میں آپ کو دیکھے گا اگر اس کے لئے ممکن ہو ہمارے شیخ المشائخ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس بات پر محمول کرنا بہت دور کی بات ہے (عقل کے خلاف ہے) پانچواں جواب یہ ہے کہ اسے قیامت کے دن مزید خصوصیت کے ساتھ آپ کی زیارت ہوگی مطلق دیکھنا مراد نہیں کیونکہ اس طرح تو وہ بھی زیارت کرے گا جس نے آپ کو خواب میں نہیں دیکھا۔
اور درست بات یہ ہے کہ اس میں عموم ہے جیسا کہ ہم نے پہلے ذکر کیا ہے یعنی دیکھنے والا جس حالت پر بھی دیکھے بشرطیکہ آپ کی حقیقی صورت ہو وہ جس وقت کی صورت مبارکہ ہو آپ کی جوانی' ادھیڑ عمر یا بڑھاپا یا آخری عمر کچھ بھی ہو اور بعض اوقات اس کی تعبیر دیکھنے والے سے متعلق ہوتی ہے۔ جس طرح خوابوں کی تعبیر کے علماء نے فرمایا کہ جو شخص آپ کو بڑھاپے میں دیکھے وہ انتہائی سلامتی میں ہوگا اور جو آپ کو جوانی کے عالم میں دیکھے وہ بہت لڑنے والا ہوگا۔
حضرت ابوسعید احمد بن محمد بن نصر رحمہ اللہ فرماتے ہیں جس نے کسی نبی کو ان کی حالت وہیئت میں دیکھا تو یہ اس دیکھنے والے کی اصلاح' مرتبے اور دشمن پر کامیابی کی دلیل ہے اور جس نے کسی بدلی ہوئی حالت میں دیکھا مثلاً کچھ غصے کی حالت ہے تو یہ دیکھنے والے کی بری حالت پر دلالت ہے۔
عارف ابن ابی جمرہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں جس نے آپ کو اچھی حالت میں دیکھا تو یہ دیکھنے والے کی دین میں اچھی رائے پر دلالت ہے اور اگر کسی عضو میں نقص دیکھا تو دیکھنے والے میں دین کے حوالے سے خرابی پر دلالت ہے۔ وہ فرماتے ہیں یہی بات حق ہے اور اس کا تجربہ اسی انداز پر ہو چکا ہے۔
پس آپ کی زیارت سے یہ عظیم فائدہ حاصل ہوتا ہے کہ دیکھنے والے کو اپنی حالت کا پتہ چل جاتا ہے کہ اس میں کوئی خلل تو نہیں؟ کیونکہ نبی اکرم ﷺ نورانی ہیں جس طرح صیقل کیا ہوا صاف شفاف آئینہ ہوتا ہے دیکھنے والا شیشے میں اپنا حسن یا اس کے علاوہ جو کچھ ہے اسے دیکھتا ہے جب کہ اس آئینہ میں کوئی نقص نہیں ہوتا۔ (اسی طرح نبی اکرم ﷺ تو سراپا حسن اور کمال ہیں دیکھنے والا اپنی حالت دیکھتا ہے)۔
اسی طرح نبی اکرم ﷺ کو خواب میں دیکھنے والے کا حال ہے کہ جو موافق ہو وہ حق ہے اور جو اس کے خلاف ہو تو دیکھنے والے کی سماعت میں خلل ہوتا ہے پس آپ کی ذات کریمہ کو دیکھنا حق ہے' خلل دیکھنے والے کے سننے یا دیکھنے میں ہوتا ہے اور یہ بات اس کا غیر ہے جو تو نے اس سلسلے میں سنی ہے۔
بعض حضرات نے فرمایا: کہ آپ کو دیکھنا آنکھ سے دیکھنا نہیں ہے بلکہ وہ بصیرت (دل) سے دیکھنا ہے اور یہ صرف دیکھنے والے تک محدود نہیں بلکہ مشرق سے مغرب تک اور زمین سے عرش تک سب دیکھتے ہیں جس طرح شیشے کے سامنے کوئی صورت ہو تو وہ صورت شیشے میں منتقل نہیں ہوتی اور دیکھنے والے کی آنکھ تمام کائنات کے سامنے ہے جیسے شیشہ سامنے

ہوتا ہے۔

اور آپ کو دیکھنے میں یہ اختلاف کہ بعض نے آپ کو بڑھاپے اور بعض نے جوانی کے عالم میں دیکھا کسی نے مسکرائے ہوئے اور کسی نے روتے ہو دیکھا تو یہ دیکھنے والوں کی حالت کے مطابق ہے جس طرح ایک صورت مختلف آئینوں میں دیکھتے ہوئے اختلاف معلوم ہوتا ہے بڑے شیشے میں چہرہ بڑا نظر آتا ہے اور چھوٹے شیشے میں چھوٹا دکھائی دیتا ہے آئینہ ٹیڑھا ہو تو چہرہ ٹیڑھا اور لمبا ہو تو لمبا نظر آتا ہے۔ پس دکھانے والے (آئینے) کا اختلاف ہی اصل اختلاف ہے دیکھنے والے کے چہرے کا فرق نہیں ہے۔

اسی طرح آپ ﷺ کو دیکھنے والوں کا معاملہ ہے آپ کی طرف نسبت کی وجہ سے ان کے احوال مختلف ہیں پس جس نے آپ کو تبسم کی حالت میں دیکھا تو یہ اس بات پر دلالت ہے کہ دیکھنے والا آپ کی سنت پر عمل کرتا ہے۔

حضرت شیخ بدرالدین زرکشی رحمہ اللہ نے نبی اکرم ﷺ کے بارے میں سوال کرنے والی جماعت کو یوں جواب دیا کہ یہ ایک دوسرے سے دور قطروں سے ایک چیز کو دیکھنے کی صورت ہے باوجود یکہ آپ کو دیکھنا حق ہے کیونکہ آپ چراغ ہیں اور اس عالم میں سورج کا نور ہیں اور آپ کے نور کی مثال تمام عالمین میں ہے اور جس طرح سورج کو مشرق و مغرب میں رہنے والے تمام لوگ ایک وقت میں اور مختلف صفات کے ساتھ دیکھتے ہیں تو نبی اکرم ﷺ کا بھی یہی معاملہ ہے شاعر نے کیا خوب کہا:

کالبدر من ای النواحی جئتہ یھدی الی عینیک نورا ثاقبا

"آپ چاند کی طرح ہیں تم جس جہت سے اس کے پاس آؤ وہ تمہاری آنکھوں کو چمکتا ہوا نور عطا کرے گا"۔

بیداری کے عالم میں آپ کی زیارت

نبی اکرم ﷺ کے وصال کے بعد آپ کو بیداری کی حالت میں دیکھنے کے بارے میں ہمارے شیخ (امام سخاوی رحمہ اللہ) نے فرمایا کہ کسی صحابی یا بعد کے کسی فرد کی طرف سے ہم تک یہ بات نہیں پہنچی۔

حضرت خاتون جنت رضی اللہ عنہا کا غم کتنا سخت تھا حتیٰ کہ وہ آپ کے وصال کے چھ مہینے بعد اسی کے عالم میں انتقال کر گئیں اور ان کا خانہ اقدس آپ کی قبر شریف سے متصل تھا لیکن ان سے منقول نہیں ہے کہ اس مدت میں ان کو آپ کی زیارت ہوئی ہو۔

بعض اولیاء کرام سے ان کے ذاتی واقعات منقول ہیں جس طرح البارزی کی کتاب "توثیق عری الایمان" میں اور ابومحمد عبداللہ بن جمرہ رحمہ اللہ کی کتاب "بہجۃ النفوس" میں اور عفیف یافعی رحمہ اللہ کی "روض الریاحین" کتاب میں اور ان کی دیگر تصنیفات میں نیز شیخ صفی الدین بن ابوالمنصور کے رسالہ میں ہے۔

ابن ابی جمرہ کی عبارت یہ ہے کہ سلف و خلف میں آج تک ایک ایک جماعت سے اس حدیث کی تصدیق منقول ہوتی رہی ہے کہ "جس نے مجھے خواب میں دیکھا وہ عنقریب بیداری کی حالت میں مجھے دیکھے گا" تو جن لوگوں نے آپ کو خواب میں دیکھا انہوں نے اس کے بعد بیداری کی حالت میں دیکھا اور ان باتوں کے بارے میں آپ سے پوچھا جن

کے بارے میں ان کو تشویش تھی تو آپ نے ان کو ان مسائل کے بارے میں بتایا اور ایسے طریقے پر بتایا کہ ان کے سامنے معاملہ کھل گیا تو وہ معاملہ کسی کمی زیادتی کے بغیر اسی طرح ہوا۔

پھر فرمایا کہ اس بات کا منکر دو حال سے خالی نہیں ہے یا تو وہ اولیاء کرام کی کرامات کی تصدیق کرتا ہے یا نہیں۔

اگر منکر کرامات ہے تو اس کے ساتھ بحث نہیں ہو سکتی کیونکہ وہ اس چیز کا منکر ہے جو واضح دلائل کے ساتھ سنت سے ثابت ہے اور اگر پہلی بات ہے (یعنی کرامات کو مانتا ہے) تو یہ بھی اس کی کرامت ہے کیونکہ اولیاء کرام کے لئے خلاف عادت اوپر اور نیچے کے تمام جہانوں میں متعدد واقعات منکشف ہوتے ہیں اور اس کی تصدیق بھی پائی جاتی ہے۔

شیخ ابن ابی المنصور نے اپنے رسالے میں فرمایا "اور کہا جاتا ہے کہ شیخ ابو العباس قسطلانی رحمہ اللہ ایک مرتبہ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا اے احمد (قسطلانی) اللہ تعالیٰ نے تیری مدد کی ہے"۔

حضرت شیخ ابو السعود رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں مصر میں اپنے شیخ ابو العباس اور دیگر بزرگوں کی زیارت کرتا تھا پس جب میں ادھر سے منقطع ہو کر مشغول ہو گیا اور مجھ پر (دروازے) کھل گئے تو اب میرے شیخ صرف نبی اکرم ﷺ تھے اور آپ ہر نماز کے بعد مجھ سے مصافحہ فرماتے تھے۔

شیخ ابو العباس الحراز رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

میں ایک مرتبہ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو میں نے آپ کو دیکھا کہ آپ اولیاء کرام کے لئے منشور لکھنے کا حکم دے رہے تھے۔ فرماتے ہیں آپ نے (آپ کے حکم سے) میرے بھائی محمد رحمہ اللہ کے لئے بھی منشور لکھوایا میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ میرے بھائی کی طرح میرے لئے نہیں لکھتے؟ آپ نے فرمایا تم "قمھار" بننا چاہتے ہو اور یہ لفظ اندلس کی لغت میں ہے جس کا معنی راستہ ہے اس سے معلوم ہوا کہ ان کا کوئی اور مقام ہے۔

حجۃ الاسلام امام غزالی رحمہ اللہ نے "المنقذ من الضلال میں" لکھا کہ وہ (ارباب قلوب) بیداری کی حالت میں فرشتوں اور ارواح انبیاء کو دیکھتے ہیں ان کی آواز سنتے اور ان سے فوائد حاصل کرتے ہیں۔

اور میں نے "المنح الالھیہ فی مناقب السادۃ الوفائیہ میں" جو سیدی علی بن سیدی محمد وفا رحمہ اللہ کی کتاب ہے (لکھا ہوا) دیکھا کہ انہوں نے اپنا ایک مشاہدہ بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ میں جب پانچ سال کا بچہ تھا تو ایک شخص سے قرآن پڑھ رہا تھا اور ان کا نام شیخ یعقوب تھا۔

ایک دن میں ان کے پاس آیا تو ایک آدمی کو دیکھا جو سورۂ والضحٰی پڑھ رہا تھا اور اس کے پاس اس کا ایک دوست تھا اور وہ اپنے جبڑوں کو ٹیڑھا کر رہا تھا جب کہ اس کا دوست تعجب کرتے ہوئے ہنس رہا تھا۔ پس میں نے نبی اکرم ﷺ کو بیداری کی حالت میں دیکھا اور یہ خواب نہیں تھا آپ پر سفید سوتی قمیص تھی پھر میں نے وہ قمیص اپنے اوپر دیکھی تو آپ نے مجھ سے فرمایا پڑھو، میں نے آپ کے سامنے سورۂ والضحٰی اور سورۂ "الم نشرح" پڑھی پھر آپ مجھ سے غائب ہو گئے جب میں اکیس سال کا ہوا تو میں نے وہاں صبح کی نماز کے لئے تکبیر تحریمہ کہی تو نبی اکرم ﷺ کو اپنے سامنے دیکھا آپ نے مجھ سے معانقہ کیا اور فرمایا:

وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ ۝ اور اپنے رب کی نعمت کا اظہار کیجئے۔

(الضحٰی: ۱۰)

تو اس وقت سے مجھے آپ کی زبان مبارک دی گئی (یعنی میں بہت جامع کثیر المعانی کلام کرتا ہوں)۔

شیخ تاج الدین بن عطاء اللہ نے "لطائف المنن میں" حضرت شیخ ابوالعباس المرسی سے نقل کیا کہ وہ سترہ رمضان المبارک کو جمعۃ المبارک کی رات قیروان میں حضرت شیخ ابوالحسن شاذلی رحمہ اللہ کے ساتھ تھے اور ان کے ساتھ جامع مسجد میں گئے (پورا واقعہ لکھتے ہوئے فرماتے ہیں)۔

میں نے رسول اکرم ﷺ کی زیارت کی اور آپ فرما رہے تھے اے علی! اپنے کپڑوں کو میل سے پاک رکھو تم پر ہر سانس میں اللہ تعالیٰ کی مدد اترے گی۔ تو ہوسکتا ہے یہ خواب کی بات ہو۔

اسی طرح شیخ قطب الدین القسطلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں مدینہ طیبہ میں حضرت ابوعبداللہ محمد بن عمر بن یوسف قرطبی کے پاس پڑھتا تھا ایک دن ان کی علیحدگی میں میں ان کے پاس آیا اور اس وقت میں نو عمر تھا وہ میرے پاس تشریف لائے اور فرمایا تمہیں کس نے یہ طریقہ سکھایا ہے؟ گویا انہوں نے میرے اس آنے کو پسند نہ فرمایا فرماتے ہیں میں واپس چلا گیا لیکن میں آزردہ خاطر تھا میں مسجد میں داخل ہوا اور رسول اکرم ﷺ کی قبر شریف کے پاس بیٹھ گیا میں اسی حالت میں بیٹھا ہوا تھا کہ میں نے دیکھا کہ میرے شیخ تشریف لائے اور فرمایا اٹھو تیرے لئے ایسی شخصیت نے سفارش کی ہے جس کو رد نہیں کیا جاسکتا (اور وہ حضور علیہ السلام تھے)۔

اسی قسم کا واقعہ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی رحمہ اللہ نے "عوارف المعارف میں" حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے وہ فرماتے ہیں میں نے شادی نہ کی حتی کہ نبی اکرم ﷺ نے مجھ سے فرمایا شادی کرلو۔

حضرت سید نورالدین الایجی جو سید عفیف الدین کے والد ہیں ان سے منقول ہے کہ انہوں نے نبی اکرم ﷺ کی زیارت کے دوران قبر انور کے اندر سے سلام کا جواب سنا کہ آپ نے فرمایا "اے میرے بیٹے وعلیک السلام"۔

حضرت بدر حسن بن اہدل نے نبی اکرم ﷺ کی زیارت کے حوالے سے فرمایا کہ اولیاء کرام کے لئے یہ اعزاز تواتر کے ساتھ ثابت ہے اور اس سے یقین مضبوط ہوا اور شک دور ہوگیا اور جس واقع کے بارے میں ان بزرگوں کی خبریں تواتر سے ثابت ہوں اس میں کسی قسم کا شبہ باقی نہیں رہتا لیکن ان پر بعض اوقات ایسی حالت طاری ہوتی ہے جو احاطہ تحریر میں نہیں آسکتی اس بنیاد پر یہ رؤیت محسوس نہیں ہوتی اور آنکھیں بند ہوتی ہیں اور اس سلسلے میں ان کے مراتب مختلف ہیں اور اس سلسلے میں راویوں سے بہت غلطی ہوئی اور بہت کم صحیح متصل روایت ایسے شخص سے ملے گی جس پر اعتماد کیا جاسکے اور جس پر اعتماد نہیں ہوتا بعض اوقات اس کو جھوٹا قرار دیا جاتا ہے بعض اوقات وہ خواب میں یا احساس کے بغیر دیکھتا ہے اور اس کو بیداری خیال کرتا ہے۔ اسی طرح بعض اوقات وہ نور اور خیال کو رسول ﷺ کی ذات خیال کرتا ہے اور بعض اوقات شیطان اس پر خلط ملط کردیتا ہے لہٰذا اس بات میں احتیاط واجب ہے۔

خلاصہ کلام

نبی اکرم ﷺ کے وصال کے بعد آپ کو سر کی آنکھوں سے بیداری کی حالت میں دیکھنے کو عقل صحیح قرار نہیں دیتی کیونکہ اس سے آپ کا قبر انور سے باہر نکلنا' بازاروں میں چلنا' لوگوں سے مخاطب ہونا اور لوگوں کا آپ سے مخاطب ہونا نیز قبر شریف کا آپ کے جسم اقدس سے خالی ہونا لازم آتا ہے اور اس طرح آپ کے جسم اقدس سے کچھ بھی قبر میں باقی نہ

رہے گا اور یوں محض قبر کی زیارت ہوگی اور غائب کو سلام ہوگا۔

یہ بات امام قرطبی نے اس شخص کے رد میں کہی ہے جو کہتا ہے کہ آپ کو خواب میں دیکھنے والا حقیقت کو دیکھتا ہے پھر اسی طرح بیداری میں بھی آپ کو حقیقتاً دیکھتا ہے۔

انہوں نے فرمایا یہ جہالت کی باتیں ہیں جس آدمی کے پاس تھوڑی سی عقل بھی ہو وہ اس قسم کی بات نہیں کرتا اور اس میں سے کسی بات کا التزام کرنے والے کی عقل میں خلل ہے۔

قاضی ابوبکر بن عربی رحمہ اللہ نے فرمایا بعض صالحین نے الگ راہ اختیار کرتے ہوئے یہ گمان کیا کہ یہ زیارت حقیقتاً سر کی آنکھوں سے ہوتی ہے اور ''فتح الباری میں'' ابن ابی جمرہ کا کلام نقل کرنے کے بعد فرمایا یہ بہت مشکل بات ہے اور اگر اس کو ظاہر پر محمول کیا جائے تو یہ لوگ صحابی بن جائیں اور قیامت تک آپ کی صحبت باقی رہے۔

شیخ مسلم اور مسلمیہ طائفہ کے شیخ نے فرمایا:

فمن یدعی فی هذه الدار انه   یری المصطفی حقا فقد فاه مشتطا
ولکن بین النوم والیقظة العی   یباشر هذا الامر مرتبة وسطا

''بنی نوع انسان میں سے جو یہ دعویٰ کرتا ہے کہ وہ سچ مچ نبی کریم ﷺ کو دیکھتا ہے تو اس نے مبالغہ کیا' لیکن ان کی زیارت تو نیند اور بیداری کے درمیان ہوتی ہے''۔

تو قاضی ابوبکر بن عربی نے اس قول کو کہ خواب میں سر کی آنکھوں سے زیارت ہوتی ہے' زیادتی اور حماقت قرار دیا پھر وہ بات نقل کی جو بعض متکلمین کی طرف منسوب ہے یعنی دل کی آنکھوں سے زیارت ہوتی ہے اور یہ ایک قسم کا مجاز ہے۔

پس خواص جو ارباب قلوب ہیں اور مراقبہ نیز خوف کی حالت میں رہتے ہیں ان کے لئے یہ بات ممتنع نہیں ہے کہ ان کے لئے جو کرامات واقع ہوتی ہیں وہ ان سے سکون حاصل نہیں کرتے چہ جائیکہ کسی ضرورت کے بغیر اسے بیان کیا جائے حالانکہ وہ لوگ ایسی باتوں سے چھٹکارا پانے کی کوشش کرتے تھے جو ان کی حالت کو میلا کردیں اور وہ دنیا اور دنیا والوں سے اعراض کرتے تھے اور وہ چاہتے تھے کہ وہ اپنے اہل و مال سے نکل جائیں۔

اور وہ نبی اکرم ﷺ کو دیکھتے تھے جس طرح حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کے دل میں نبی اکرم ﷺ کی مثالی صورت آئی اور وہ باطنی عالم میں آپ سے ہمکلامی کا تصور کرتے تھے لیکن اس کے لئے شرط یہ ہے کہ کسی قسم کا اضطراب نہ ہو بلکہ قرار ہو اگر اضطراب وغیرہ ہو تو شیطانی عمل ہے اور یہ بات ان کے بلند منصب میں خرابی کا باعث نہیں کیونکہ انبیاء کرام علیہم السلام کے علاوہ کوئی معصوم نہیں ہے۔

علامہ تاج الدین سبکی رحمہ اللہ نے ''جمع الجوامع میں'' لکھا اور ان سے پہلے دوسرے حضرات نے لکھا ہے کہ الہام حجت نہیں ہے کیونکہ جو لوگ معصوم نہیں ہیں ان کے دلوں پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا پس اس وقت جن لوگوں نے یہ کہا کہ جو کچھ دیکھا جاتا ہے وہ مثال ہے جیسا کہ ہم نے پہلے ذکر کیا ہے اس کو اس معنیٰ پر محمول کرنا منع نہیں بلکہ جن لوگوں نے اس معنیٰ پر محمول کیا ہے تو انہوں نے مناسب راہ اختیار کی ہے نبی اکرم ﷺ کا یہ ارشاد گرامی بھی اس کے قریب ہے آپ نے فرمایا:

انی رایت الجنة والنار.[1] میں نے جنت اور دوزخ کو دیکھا۔

اور یہ کہنا بعید از عقل ہے کہ اس دیکھنے سے علم مراد ہے۔

حضرت شیخ ابوالعباس مرسی رحمہ اللہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ اگر رسول اکرم ﷺ میری نگاہوں سے پلک جھپکنے کے برابر بھی اوجھل ہوں تو میں اپنے آپ کو مسلمان شمار نہ کروں۔[2]

اس بنیاد پر ''عنقریب وہ مجھے بیداری کی حالت میں دیکھے گا'' کا مطلب یہ ہے کہ میرے مشاہدہ کا تصور کرے گا اور اپنے آپ کو میرے ساتھ حاضر سمجھے گا کہ وہ آپ کی سنت اور آداب سے باہر نہیں جائے گا بلکہ آپ کے راستے اور شریعت وطریقت پر چلے گا۔ نبی اکرم ﷺ کا احسان کے حوالے سے یہ ارشاد گرامی اسی مفہوم کو واضح کرتا ہے کہ آپ نے فرمایا:

ان تعبد الله كانك تراه. اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح کرو کہ گویا تم اسے دیکھ رہے ہو۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۵۰-۴۷۷۷' صحیح مسلم رقم الحدیث:۵-۷-۸' سنن ابو داؤد رقم الحدیث:۴۶۹۵' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۶۳' جامع ترمذی رقم الحدیث:۲۶۱۰' سنن نسائی رقم الحدیث:۵-۶' مسند احمد ج ۱ ص ۲۷-۵۲- ج ۲ ص ۱۰۷-۴۸۵- ج ۵ ص ۳)

اور ''من رانی'' (جس نے مجھے دیکھا) کے عموم کو اس بات پر محمول کیا جائے گا کہ اس سے وہ تمام لوگ مراد ہیں جن کو توفیق دی گئی اور بعض قابل اعتماد حضرات کا یہ قول اسی بات کی طرف اشارہ کر رہا ہے کہ جس نے مجھے اس طرح دیکھا کہ وہ حرمت کی تعظیم کرنے والا اور میرے مشاہدہ کا شوق رکھنے والا ہے وہ اپنے محبوب کو دیکھ لے گا اور ہر مطلوب کو پائے گا۔

شارح مصابیح کا یہ قول اس بات کے قریب ہے کہ انہوں نے فرمایا: ''یا وہ آپ کو دنیا میں حالت ذوق اور جسمانی آلائش سے پاک ہونے کی صورت میں دیکھے گا۔ جس طرح بعض صالحین سے منقول ہے کہ انہوں نے حالتِ ذوق وشوق میں آپ کی زیارت کی''۔

الاھدل نے حضرت شیخ ابوالعباس مرسی رحمہ اللہ کی حکایت کے بعد فرمایا کہ یہ مجاز ہے جو شیوخ کے کلام میں پایا جاتا ہے۔ کیونکہ مراد یہ ہے کہ وہ آپ سے غفلت اور نسیان کے پردے میں نہیں ہوتے کیونکہ وہ ہمیشہ مراقبہ میں رہتے اور اعمال واقوال کو سامنے رکھتے ہیں اور یہ بات منقول نہیں ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی روح ملک سے وہ پلک جھپکنے کے برابر پردے میں نہ رہے ہوں کیونکہ یہ بات محال ہے۔ واللہ اعلم

رسول اکرم ﷺ کا اسم گرامی اپنانا

نبی اکرم ﷺ کا ایک اختصاص یہ ہے کہ جس بچے کا نام آپ کے مبارک نام پر رکھا جائے وہ بابرکت ہوتا ہے۔ اور یہ اسم گرامی اسے دنیا اور آخرت میں نفع دیتا ہے۔

---

[1] نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ''مامن شی لم اكن رائية الا رائيه فی مقامی هذا حتی الجنة والنار'' کوئی ایسی چیز نہیں جس کو میں نے پہلے نہ دیکھا مگر میں نے اس مقام پر اس کو دیکھ لیا حتیٰ کہ جنت اور جہنم کو بھی۔ اسی حدیث کو امام بخاری اور امام مسلم نے صلوٰۃ الکسوف میں نقل کیا۔ (زرقانی ج ۵ ص ۳۰۰)

[2] ان کی مراد یہ ہے کہ میں کامل مؤمن نہیں رہوں گا کیوں کہ یہ حجاب میری کوتاہی پر دلالت کرتا ہے۔ (زرقانی ج ۵ ص ۳۰۰)

ہم نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا۔ دو بندوں کو اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑا کیا جائے گا پھر ان کو جنت میں لے جانے کا حکم ہوگا وہ کہیں گے اے ہمارے رب ہم جنت کے مستحق کیسے ہو گئے جب کہ ہم نے کوئی ایسا عمل نہیں کیا جس کی وجہ سے تو ہمیں جنت کی صورت میں بدلہ دے اللہ تعالیٰ فرمائے گا تم دونوں جنت میں داخل ہو جاؤ میں نے اپنے نفس پر قسم کھائی ہے کہ میں اس شخص کو جہنم میں داخل نہیں کروں گا جس کا نام احمد یا محمد ہوگا۔[1] (الموضوعات ج ا ص ۱۵۷ تنزیہ الشریعہ ج ا ص ۲۷۱ الملالی المصنوعہ ج ا ص ۵۵)

ابونعیم نے عیط بن شریط رحمہ اللہ سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَعِزَّتِیْ وَجَلَالِیْ لَا عذبت اَحَدًا تَسمی بِاسمِکَ فِی النَّارِ. مجھے اپنی عزت وجلال کی قسم میں کسی ایسے شخص کو جہنم میں عذاب نہیں دوں گا جس کا نام آپ کے نام پر رکھا گیا ہو۔

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جو دستر خوان بچھایا جائے پس اس پر وہ آدمی آئے جس کا نام احمد یا محمد ہو مگر اللہ تعالیٰ اس گھر کو ہر دن میں دو مرتبہ پاک کرتا ہے۔ یہ حدیث ابومنصور دیلمی رحمہ اللہ نے روایت کی ہے۔

اور کسی شخص کے لئے آپ کی کنیت "ابوالقاسم" اپنانا جائز نہیں ہے اس کا نام محمد ہو یا نہ ہو؟

ان میں سے بعض نے (اسم گرامی اور کنیت کو) جمع کرنا جائز قرار نہیں دیا البتہ الگ الگ اپنانے کو جائز قرار دیا اور یہ بات زیادہ صحیح معلوم ہوتی ہے۔

حضرت امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس مسئلہ میں کئی مذاہب ہیں حضرت امام شافعی رحمہ اللہ مطلقاً منع کرتے ہیں امام مالک رحمہ اللہ نے جائز قرار دیا اور تیسرا قول یہ ہے کہ جس کا نام محمد نہ ہو اس کے لئے یہ کنیت جائز ہے اور جنہوں نے مطلقاً جائز قرار دیا انہوں نے ممانعت کو آپ کی حیات طیبہ سے خاص کیا ہے اور یہی بات زیادہ قریب ہے۔

حدیث شریف پڑھنے سے متعلق خصائص

رسول اکرم ﷺ کی حدیث شریف پڑھنے کے لئے غسل کرنا اور خوشبو لگانا مستحب ہے نیز اس وقت آواز بلند نہ کی جائے بلکہ پست آواز رکھے جس طرح آپ کی حیات طیبہ میں گفتگو کے وقت حکم تھا کیونکہ جو کلام آپ سے منقول ہے آپ کے وصال کے بعد اس کا مقام ومرتبہ اسی طرح ہے جیسے آپ کی زبان مبارک سے سنے جانے والے الفاظ کا ہے نیز حدیث شریف کسی بلند مقام پر پڑھی جائے۔

حضرت مطرف رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ جب لوگ حضرت امام مالک رحمہ اللہ کے پاس حاضر ہوتے تو ایک لونڈی ان لوگوں کے پاس آکر کہتی حضرت شیخ تم سے پوچھتے ہیں کہ تم حدیث پڑھنا (یا سننا) چاہتے ہو یا مسائل معلوم کرنا چاہتے ہو؟

اگر وہ کہتے ہیں کہ ہم مسائل جاننا چاہتے ہیں تو آپ اسی وقت ان کے پاس تشریف لاتے اور اگر وہ کہتے کہ حدیث شریف سننا چاہتے ہیں تو آپ غسل خانے میں تشریف لے جاتے' غسل فرماتے' خوشبو لگاتے نئے کپڑے پہنتے' عمامہ شریف باندھتے اور اوپر چادر لیتے اور آپ کے لئے کوئی بلند چیز (کرسی وغیرہ) بچھائی جاتی پس آپ تشریف لاتے اور

[1] حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ نے مرفوعاً روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا جس شخص کے ہاں کوئی بچہ پیدا ہو پس وہ اس کا نام محمد رکھے وہ میری محبت میں اور میرے نام سے برکت حاصل کرتے ہوئے ایسا کرے تو وہ اور اس کا بچہ جنت میں جائیں گے۔

اس پر بیٹھتے اور آپ پر خشوع طاری ہوتا اور اگر بتیاں مسلسل جلائی جاتیں حتیٰ کہ آپ حدیثِ رسول ﷺ سے فارغ ہو جاتے اور اس مسند پر صرف حدیث شریف بیان کرتے وقت تشریف فرما ہوتے۔

حضرت ابن ابی ادریس رحمہ اللہ فرماتے ہیں ان سے اس سلسلے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا میں چاہتا ہوں کہ رسول اکرم ﷺ کی حدیث کی تعظیم کروں اور جس قدر ممکن ہو طہارت کی حالت میں بیان کروں اور کہا جاتا ہے کہ حضرت امام مالک رحمہ اللہ نے یہ طریقہ حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ سے لیا تھا۔

حضرت قتادہ، حضرت مالک اور ایک جماعت (رحمہم اللہ) نے وضو کے بغیر حدیث شریف بیان کرنے کو مکروہ قرار دیا ہے۔ حضرت اعمش رحمہ اللہ باوضو نہ ہوتے تو تیمم کر لیتے۔

اور اس میں کوئی شک نہیں کہ نبی اکرم ﷺ کی حرمت و تعظیم اور توقیر آپ کے وصال کے بعد، آپ کے ذکر کے وقت اور آپ کی حدیث سننے اور سنانے کے وقت نیز آپ کے اسم گرامی اور سیرت طیبہ کا ذکر کرتے وقت اسی طرح ہے جس طرح آپ کی زندگی میں تھی۔

آپ کے خصائص میں سے ہے کہ آپ کی حدیث شریف والے کے لئے مکروہ ہے کہ کسی کے لئے اٹھے۔

حضرت ابن حاج رحمہ اللہ نے "المدخل میں" اس کی وجہ یوں بیان فرمایا کہ اس طرح نبی اکرم ﷺ کے احترام میں کمی آتی ہے اور گویا اس بات کی پرواہ نہیں کی جاتی کہ کسی دوسرے کے لئے آپ کی حدیث کو منقطع کیا جائے پس کھڑا ہونا کیسے جائز ہوگا پہلے بزرگ نہ تو حدیث شریف کو ترک کرتے اور نہ حرکت کرتے اگرچہ ان کے بدنوں میں کوئی تکلیف پہنچے وہ اس مشقت کو برداشت کر لیتے تھے جو ان پر نازل ہوتی کیونکہ وہ اس وقت نبی اکرم ﷺ کی حدیث کا احترام کرتے تھے۔

اس سلسلے میں حضرت امام مالک رحمہ اللہ کا واقعہ تمہارے لئے کافی ہے کہ آپ کو بچھو نے سترہ مرتبہ ڈنگ مارا لیکن آپ نے حرکت نہ کی اور آپ نے نبی اکرم ﷺ کی حدیث شریف کی عظمت کے پیش نظر کہ کسی مصیبت کی خاطر جو ان کو پہنچے وہ حدیث شریف پڑھتے ہوئے کیسے حرکت کریں؟ آپ نے اس کے ڈسنے کو برداشت کر لیا حالانکہ آپ کے لئے حرکت کا عذر پایا جاتا تھا تو کسی کے آنے پر کھڑا ہونا اور حرکت کرنا کیسے جائز ہوگا کیوں کہ یہاں ضرورت بھی نہیں بلکہ ایک بدعت ہے خصوصاً جب اس میں عام غیر مناسب گفتگو بھی شامل ہو۔

یہ بھی آپ کی خصوصیت ہے کہ آپ کی حدیث شریف پڑھنے والوں کے چہرے تروتازہ ہوتے ہیں اور ان کو حفاظ حدیث کا لقب دیا جاتا ہے نیز دیگر علماء کے درمیان وہ مؤمنوں کے امیر کہلاتے ہیں۔

نبی اکرم ﷺ کی مجلس سے متعلق خصائص

آپ کے خصائص میں سے ہے کہ جو شخص ایک لحظہ کے لئے بھی آپ کے ساتھ رہے اس کے لئے صحابیت ثابت ہو جاتی ہے۔ جب کوئی شخص کسی صحابی کے ساتھ طویل عرصہ تک نہ رہے وہ تابعی نہیں ہوسکتا۔ اہل اصول کے نزدیک یہی بات صحیح ہے۔ اور فرق یہ ہے کہ آپ کو نبوت کا عظیم منصب اور نور حاصل ہے پس آپ کی نگاہ کسی سخت اعرابی پر پڑ جاتی تو وہ حکمت بھری گفتگو کرنے لگتا۔

ان خصائص میں سے ہے کہ آپ کے تمام صحابہ کرام عادل تھے (فاسق نہ تھے) کتاب وسنت کا ظاہر اس پر دلالت کرتا ہے پس ان کی عدالت کے بارے میں کوئی بحث نہیں کی جاتی ہے جس طرح دوسرے راویوں کے بارے میں بحث کی جاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے وہاں موجود حضرات سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا. اسی طرح ہم نے تمہیں درمیانی (بہترین) امت بنایا۔

یعنی عدل والے بنایا۔ اور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

لاتسبوا اصحابی فو الذی نفسی بیدہ لو انفق احدکم مثل احد ذھبا ما بلغ مد احدھم ولا نصیفہ.

میرے صحابہ کرام کو گالی نہ دو پس اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے اگر تم میں سے کوئی ایک احد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کرے تو ان (صحابہ کرام) میں سے کسی ایک کے ایک سیر بلکہ نصف کو بھی نہیں پہنچ سکتا۔

(سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۴۶۵۸' جامع ترمذی رقم الحدیث: ۳۸۶۱' المستدرک رقم الحدیث: ۴۷۸_۴۷۹' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۶۱' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۲ ص ۱۷۵' الدر المنثور ج ۶ ص ۱۷۲' کنز العمال رقم الحدیث: ۳۲۴۶۳)

اور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

خیر الناس قرنی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم.

بہترین لوگ میرے زمانے کے لوگ ہیں پھر وہ جو ان سے ملے ہوئے ہیں پھر وہ جو ان سے ملے ہوئے ہیں۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۱۳' جامع ترمذی رقم الحدیث: ۳۸۵۹_۵۲۲۱' صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۶۵۲_۳۶۵۱_۶۴۲۹' مسند احمد ج ۱ ص ۳۷۸_۴۳۴' السنن الکبریٰ ج ۱۰ ص ۱۲۲' مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۱۹_ ص ۲۰' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۲ ص ۱۷۶_۱۷۷' مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۶۷۶۷' موارد الظمآن رقم الحدیث: ۲۲۸۵' کنز العمال رقم الحدیث: ۳۲۴۳۹_۳۲۴۹۵_۳۲۴۵۱)

بے شمار آیات اور احادیث صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عادل ہونے کا تقاضا کرتی ہیں۔

اسی لئے قابل اعتماد لوگوں (اہل سنت وجماعت) کا اس بات پر اجماع ہے کہ ان میں سے جو کسی فتنہ میں مبتلا ہوئے اور جو نہیں ہوئے عدل میں سب برابر ہیں کیونکہ ان کے بارے میں حسن ظن واجب ہے اور جو کچھ ہوا وہ اجتہاد پر محمول ہے اور اس بات کو دیکھا جائے کہ ان لوگوں نے نبی اکرم کے احکام کی تعمیل کی' ممالک فتح کئے' نبی اکرم ﷺ کی نیابت میں کتاب وسنت کی تبلیغ کی اور لوگوں کی رہنمائی کی وہ نمازوں اور زکوٰۃ اور طرح طرح کی عبادات کے پابند تھے پھر شجاعت' تقویٰ' کرم اور اخلاق حمیدہ کا سہرا ان کے سروں پر سجا اور یہ باتیں پہلی امتوں میں نہیں تھیں اور نہ بعد والے لوگوں کو حاصل ہوئیں اور یہ سب کچھ نگاہ مصطفیٰ ﷺ کا فیض (اور صدقہ) ہے۔

اہل سنت کے نزدیک سب سے افضل صحابی حضرت ابوبکر صدیق پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما ہیں اس پر اجماع ہے اور جمہور کے نزدیک ان کے بعد حضرت عثمان غنی اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہما ہیں۔ مزید تفصیل ساتویں مقصد میں آئے گی ان شاء اللہ تعالیٰ۔

رسول اکرم ﷺ کے بلانے پر حاضر ہونا چاہیے جب نماز میں ہو

آپ کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ نمازی نماز میں آپ کو مخاطب کر کے "السلام علیک ایھا النبی" کہتا ہے جب کہ کسی دوسرے کو مخاطب نہیں کر سکتا۔

یہ خصوصیت بھی ہے کہ کوئی شخص نماز پڑھ رہا ہو اور آپ اسے بلائیں تو اس پر واجب ہے کہ وہ حاضر ہو اس پر حضرت ابوسعید بن معلی رضی اللہ عنہما کی حدیث دلالت کرتی ہے، وہ فرماتے ہیں۔

میں مسجد میں نماز پڑھ رہا تھا کہ نبی اکرم ﷺ نے مجھے بلایا میں حاضر نہ ہوا۔ اس میں یہ ہے کہ بعد میں آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے یہ ارشاد نہیں فرمایا:

اِسْتَجِیْبُوْا لِلّٰہِ وَ لِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاکُمْ لِمَا یُحْیِیْکُمْ. (الانفال:۲۴)

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے بلانے پر حاضر ہو جاؤ جب وہ تمہیں اس بات کی طرف بلائیں جو تمہاری زندگی کا باعث ہے۔

تو آپ کے حکم پر حاضر ہونا فرض ہے اور اسے ترک کرنے والا گناہ گار ہوتا ہے۔[1]

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۴۶۴۷، ۴۷۰۳، سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۱۴۵۸، سنن نسائی ج ۲ ص ۱۳۹، المستدرک ج ۱ ص ۵۵۸، السنن الکبریٰ ج ۲ ص ۳۶۸، ج ۷ ص ۶۴، الدر المنثور ج ۱ ص ۲، مشکل الآثار ج ۱ ص ۳۶۷، ج ۲ ص ۷۷، موضح اوہام الجمع والتفریق ج ۱ ص ۲۱۹)

سوال: تو کیا اس صورت میں نماز ٹوٹ جاتی ہے؟

جواب: ہمارے اصحاب (شافعی مسلک والوں) اور دوسرے حضرات نے واضح طور پر فرمایا کہ اس شخص کی نماز نہیں ٹوٹتی اور اس میں بحث ہے ہو سکتا ہے آپ کو جواب دینا مطلقاً واجب ہو جائے مخاطب نماز پڑھ رہا ہو یا نہ لیکن جہاں تک نماز سے خارج ہونے یا نہ ہونے کا تعلق ہے تو اس سلسلے میں حدیث میں کوئی ایسی بات نہیں جس سے نماز کے ٹوٹنے کا لزوم ثابت ہوتا ہو۔

پس اس کا بھی احتمال ہے کہ اس کا حاضر ہونا واجب ہے اگرچہ وہ نماز سے خارج ہوتا ہو بعض شافعی حضرات اسی طرف گئے ہیں۔ (احناف کا بھی یہی مذہب ہے کہ نماز نہیں ٹوٹتی۔ ۱۲ ہزاروی)۔[2]

آپ پر جھوٹ باندھنا

آپ کے خصائص میں سے یہ بھی ہے کہ آپ پر جھوٹ باندھنا دوسروں پر جھوٹ باندھنے کی طرح نہیں ہے (بڑا جرم ہے) پس جو شخص آپ پر جھوٹ باندھے اس کی روایت کبھی بھی قبول نہ ہوگی اگرچہ توبہ کرے، محدثین کی ایک جماعت نے اسی طرح ذکر کیا ہے۔

---

[1] حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نماز پڑھ رہے تھے حضور علیہ السلام نے انہیں پکارا انہوں نے جلدی جلدی نماز مکمل کر کے سلام عرض کیا حضور علیہ السلام نے فرمایا تمہیں جواب دینے سے کیا بات مانع ہوئی عرض کیا حضور! میں نماز میں تھا آپ نے فرمایا قرآن میں یہ نہ پایا کہ اللہ اور اس کے رسول کے بلانے پر حاضر ہو جاؤ عرض کیا بے شک آئندہ ایسا نہیں ہوگا۔ (خزائن العرفان حاشیہ ترجمہ کنزالایمان الانفال:۲۴)

[2] قاضی ثناء اللہ مظہری رحمہ اللہ حنفی فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کے بلانے پر حاضر ہونے سے نماز نہیں ٹوٹتی وہ فرماتے ہیں یہ بھی کہا گیا ہے کہ کسی امر کے لئے بلائیں جس میں تاخیر نہیں ہو سکتی تو نمازی نماز توڑ کر جائے لیکن پہلی بات زیادہ ظاہر ہے کیونکہ نماز کو توڑنا ہر ایسے دینی کام کے لئے جائز ہے جس میں تاخیر سے اس کے فوت ہونے کا ڈر ہو جیسا کہ اندھے کا کنوئیں میں گرنا وغیرہ۔ (تفسیر مظہری ج ۴ ص ۴۶)

حضرت عبدالرزاق فرماتے ہیں ہمیں حضرت معمر نے ایک شخص سے روایت کرتے ہوئے خبر دی وہ حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی اکرم ﷺ سے جھوٹی بات منسوب کی تو آپ نے حضرت علی المرتضیٰ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما کو بھیجا اور فرمایا جاؤ اور اگر اس کو پاؤ تو قتل کر دو۔ (مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۹۷۷)

اسی لئے حضرت امام الحرمین نے اپنے والد سے روایت کیا کہ جو شخص جان بوجھ کر رسول اکرم ﷺ پر جھوٹ باندھتا ہے وہ کافر ہو جاتا ہے۔

لیکن کسی امام نے ان کی موافقت نہیں کی اور حق یہ ہے کہ یہ بہت بری بات اور گناہ کبیرہ ہے لیکن کافر نہیں ہوگا جب تک اس کام کو حلال نہ جانے۔ حضرت امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

اصل مسئلہ میں مجھے ان سے کوئی دلیل نہیں ملی اور ہو سکتا ہے انہوں نے سختی اور تنبیہ کے طور پر کہا ہو اور سخت جھڑک مقصود ہو تا کہ کوئی شخص حضور علیہ السلام کے حوالے سے جھوٹی بات نہ کہے کیونکہ اس کی بے شمار خرابیاں ہیں۔

کیونکہ اس سے ایک راستہ کھل جاتا ہے جو قیامت تک جاری رہے گا جب کہ دوسروں کے خلاف جھوٹ باندھنا یا جھوٹی گواہی دینا زیادہ فساد کا باعث نہیں۔

پھر فرمایا یہ بات جو ان ائمہ نے ذکر کی ہے ضعیف اور قواعد شرعیہ کے خلاف ہے اور مختار قطعی بات یہ ہے کہ ایسے شخص کی توبہ صحیح ہے اور اس کے بعد جب شرائط معروفہ کے ساتھ اس کی توبہ صحیح ہو جائے تو اس کی روایت قبول ہوگی۔ فرمایا یہ بات قواعد شرعیہ کے مطابق جاری ہوتی ہے اور علماء کرام کا اجماع ہے کہ جب کوئی کافر اسلام قبول کرلے تو اس کی روایت صحیح ہوتی ہے اسی طرح اس کی شہادت کی قبولیت پر بھی اجماع ہے اور اس سلسلے میں شہادت و روایت کے درمیان کوئی فرق نہیں۔

ہمارے شیخ فرماتے ہیں ممکن ہے یوں کہا جائے کہ جب کوئی جھوٹی حدیث گھڑے اور وہ اس سے منقول ہو کر مدون ہو جائے تو یہ گناہ اس سے جدا نہیں ہوگا بلکہ اس پر ہمیشہ جاری رہے گا کیونکہ جس نے برا عمل جاری کیا اس پر اس (جاری کرنے) کا گناہ بھی ہوتا ہے اور قیامت تک جو بھی اس پر عمل کرے گا ان کا گناہ بھی اس پر ہوگا اور اس وقت تو یہ متعذر ہے اگرچہ محض اس کا نام پایا جائے۔

گناہوں اور جنون سے عصمت

آپ کو یہ فضیلت حاصل ہے کہ آپ تمام صغیرہ کبیرہ' جان بوجھ کر یا بھول کر سب گناہوں سے معصوم تھے دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کا بھی یہی معاملہ ہے۔

ایک بات یہ ہے کہ آپ پر جنون کا وارد ہونا جائز نہیں کیونکہ یہ ایک عیب ہے اسی طرح آپ طویل عرصہ تک بیہوشی سے بھی پاک تھے۔ یہ بات شیخ ابو حامد نے "اپنی تعلیق میں" ذکر کی اور بلقینی نے "الروضہ کے" حواشی میں اس پر اعتماد کیا اور باقی انبیاء کرام کا بھی یہی معاملہ ہے۔

اور امام سبکی رحمہ اللہ نے تنبیہ فرمائی ہے کہ انبیاء کرام کی بیہوشی دوسروں کی بیہوشی سے مختلف تھی اور یہ حواس ظاہرہ پر غلبہ کرتی ہے دل پر نہیں کیونکہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ ان کی آنکھیں سوتی تھیں دل نہیں سوتے تھے۔ پس جب ان کے دل محفوظ ہو گئے اور وہ نیند سے بچا لئے گئے جو بیہوشی سے ہلکی ہے تو بیہوشی سے ان کا معصوم ہونا بطریق اولیٰ ثابت ہوا۔

حضرت امام سبکی رحمہ اللہ فرماتے ہیں انبیاء کرام کا نابینا ہونا بھی صحیح نہیں کیونکہ یہ ایک نقص ہے اور کوئی نبی کبھی نابینا نہیں ہوا۔ حضرت شعیب علیہ السلام کے بارے میں جو کچھ ذکر کیا گیا کہ آپ نابینا تھے تو یہ بات ثابت نہیں اور حضرت یعقوب علیہ السلام کی آنکھوں پر پردہ آگیا تھا جو زائل ہو گیا۔

امام رازی رحمہ اللہ نے ارشادِ خداوندی "وابیضت عیناہ من الحزن فھو کظیم (یوسف:۸۴) اور آپ کی آنکھیں سفید ہو گئیں اور آپ اندر ہی اندر غصہ کھا رہے تھے (غمگین تھے)"۔ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ جب آپ نے کہا: یا اسفی علی یوسف۔ ہائے یوسف پر افسوس۔ تو آپ پر رونے کا غلبہ ہو گیا اور جب رونا زیادہ ہو جائے تو آنکھوں میں پانی زیادہ ہو جاتا ہے اور اس پانی کی سفیدی کی وجہ سے آنکھیں سفید معلوم ہوتی ہیں۔

لہٰذا آنکھوں کی سفیدی سے رونے کا غلبہ مراد ہوگا اور اس قول کے صحیح ہونے کی دلیل یہ ہے کہ زیادہ رونے کی صورت میں غم کی تاثیر ہوتی ہے اندھے پن میں نہیں پس جب سفیدی کو رونے کی زیادتی پر محمول کریں تو یہ اچھی تعلیل ہے اور اگر اندھے پن پر محمول کریں تو اچھی تعلیل نہیں لہٰذا جو کچھ ہم نے ذکر کیا وہ زیادہ بہتر ہے۔

پھر فرمایا اس سلسلے میں اختلاف ہے بعض حضرات نے کہا کہ آپ کی بینائی بالکل چلی گئی تھی پس اللہ تعالیٰ نے آپ کو اسی وقت بینائی عطا فرما دی اور دوسرے حضرات نے فرمایا کہ زیادہ رونے اور غم کی وجہ سے بینائی کمزور ہو گئی تھی کہ آپ کو کم نظر آتا تھا پس جب انہوں نے (حضرت یوسف علیہ السلام کی) قمیص آپ کے چہرے پر ڈالی اور حضرت یوسف علیہ السلام کے زندہ ہونے کی خوشخبری دی تو آپ بہت خوش ہوئے اور سینہ کھل گیا اور غم دور ہو گیا پس اس وقت آپ کی بینائی میں قوت آگئی اور نقصان زائل ہو گیا۔

نبی اکرم ﷺ کی توہین کرنے والے کا حکم

آپ کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ جو شخص آپ کو گالی دے یا توہین کرے اسے قتل کیا جائے۔

لیکن اس سلسلے میں اختلاف ہے کہ اسے اسی وقت قتل کیا جائے یا توبہ کا موقع دیا جائے اور کیا توبہ واجب ہے یا نہ؟

مالکی مذہب کے مطابق اسے بطور حد قتل کیا جائے بطور مرتد نہیں اور اگر وہ دعویٰ کرے کہ یہ حرکت اس سے بھول کر یا غلطی سے ہوئی ہے تو اس کی توبہ اور عذر قبول نہ کیا جائے ان کے شیخ علامہ خلیل کی عبارت ان کی مختصر (کتاب) میں یوں ہے۔

"جو شخص کسی نبی یا فرشتے کو گالی دے یا توہین کرے یا لعنت بھیجے یا عیب لگائے یا الزام لگائے یا ان کے حق کو معمولی سمجھے یا کسی صفت کو بدلے یا ان کی ذات یا دین یا خصلت میں کوئی نقص نکالے یا ان کے مرتبہ 'علم' زہد و تقویٰ وغیرہ کو کم کرنے کی کوشش کرے یا وہ بات نبی کی طرف منسوب کرے جو ان کے شایانِ شان نہیں یا ان کے بارے میں بطور مذمت ایسی بات کہے جو ان کے منصب کے لائق نہیں یا اس سے کہا جائے رسول اکرم ﷺ کے حق سے 'تو وہ لعنت بھیجے اور کہے میں نے ہجو کا ارادہ کیا تھا تو ایسے شخص کو بطور حد (سزا) قتل کیا جائے اور اس سے توبہ کا مطالبہ نہ کیا جائے مگر یہ کہ کافر مسلمان ہو جائے"۔ [1]

---

[1] کافر جب حالت کفر میں اس قسم کے کلمات کہے اور پھر اسلام قبول کرے تو اس کو قتل نہ کیا جائے کیونکہ اسلام پہلے تمام گناہوں کو مٹا دیتا ہے اور مسلمان ہو کر جو توہین کرتا ہے وہ زندیق ہے اس کی توبہ قبول نہیں ہوگی اور کافر پہلے کفر پر تھا اور اب اسلام معتبر ہے۔ (زرقانی ج ۵ ص ۳۱۶)

توہین کرنے والے کے بارے میں اگرچہ یہ بات ظاہر ہو کہ اس نے جہالت یا نشہ یا کثرت کلام کی وجہ سے مذمت کا ارادہ نہیں کیا (کیونکہ توہین رسالت کی وجہ سے جو کفر لازم آتا ہے اس میں کوئی عذر قبول نہیں ہوتا۔

(زرقانی ج ۵ ص ۳۱۶) (مختصر علامہ خلیل ص ۲۸۴)

یہ بات قاضی عیاض رحمہ اللہ نے "الشفاء میں" اور دوسروں نے بھی ذکر کی ہے اور انہوں نے کتاب اللہ، سنت رسول ﷺ اور اجماع سے استدلال کیا ہے: (الشفاء ج ۲ ص ۲۱۳)

قرآن مجید میں ارشاد خداوندی ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَاَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِيْنًا ۝

بے شک وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کو اذیت پہنچاتے ہیں اللہ تعالیٰ نے ان پر دنیا اور آخرت میں لعنت فرمائی اور ان کے لئے ذلت والا عذاب تیار کیا ہے۔

اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے لعنت کا مطلب یہ ہے کہ اس نے ملعون کو اپنی رحمت سے دور کر دیا اور اسے سخت عذاب کا مستحق قرار دیا۔ قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں لعنت کا مستحق وہ شخص ہوتا ہے جو کافر ہو جائے اور کافر کا حکم یہ ہے کہ اسے قتل کر دیا جائے۔

اور اذیت سے شر خفیف مراد ہے جب زیادہ ہو تو وہ ضرر کہلاتی ہے خطابی وغیرہ نے اسی طرح کہا ہے اور اللہ تعالیٰ کے حق میں اذیت کا اطلاق مجاز کے طریقے پر ہے کیونکہ اس کی ذات کے حوالے سے حقیقی معنی متعذر ہے اور اس سلسلے میں حدیث قدسی شاہد ہے۔

ارشاد خداوندی ہے (جسے حدیث کے طور پر بیان کیا گیا):

یا عبادی انکم لن تبلغوا ضری فتضرونی۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۵۵)

اے میرے بندو! تم ہرگز مجھے نقصان پہنچانے تک رسائی حاصل نہیں کر سکتے کہ تم مجھے نقصان پہنچاؤ۔

جب کہ رسول اکرم ﷺ کو اذیت پہنچتی ہے پس اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے حق میں اذیت کفر ہے جس پر یہ آیت شاہد ہے کیونکہ ذلت والا عذاب کفار کے لئے ہی ہوتا ہے اسی طرح دردناک عذاب بھی۔

ارشاد خداوندی ہے:

قُلْ اَبِاللّٰهِ وَ اٰيٰتِهٖ وَ رَسُوْلِهٖ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُوْنَ ۝ لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ

آپ فرما دیجئے کیا تم اللہ تعالیٰ اور اس کی آیات اور اس کے رسول (ﷺ) سے مذاق کرتے ہو بہانے نہ بناؤ تم ایمان لانے کے بعد کافر ہو گئے ہو۔

قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں اہل تفسیر نے فرمایا کہ تم رسول اللہ ﷺ کے بارے میں اپنے قول کی وجہ سے کافر ہو گئے۔

جہاں تک سنت سے استدلال کا تعلق ہے تو امام ابوداؤد اور امام ترمذی رحمہما اللہ نے نقل کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

من لنا بابن الاشرف اور دوسری حدیث میں "من لکعب بن الاشرف" کون ہماری طرف سے کعب بن اشرف کو قتل کرے گا؟

فقد استعلن لعداوتنا و هجائنا. اس نے ہماری دشمنی اور مذمت کو ظاہر کیا۔

اور ایک روایت میں ہے:

فانه یوذی الله و رسوله. وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کو اذیت پہنچاتا ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۵۱۰-۲۵۱۱-۳۰۳۱-۳۰۳۲-۴۰۳۷-۴۰۳۷، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۱۹، سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۲۷۶۸، السنن الکبریٰ ج ۷ ص ۴۰۔ ج ۹ ص ۸۱، دلائل النبوۃ ج ۳ ص ۱۹۵-۱۹۹، المستدرک ج ۳ ص ۴۳۴، مشکل الآثار ج ۱ ص ۷۶، کنز العمال رقم الحدیث: ۲۹۸۶۸)

قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے اس کا قتل اس کی غفلت میں اعلان کے بغیر جائز قرار دیا جب کہ دوسرے مشرکین کا یہ حکم نہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اس نے آپ کو اذیت پہنچائی پس یہ اس بات پر دلالت ہے کہ اس کا قتل شرک کی وجہ سے نہیں بلکہ حضور علیہ السلام کو اذیت پہنچانے کی وجہ سے تھا۔

حضرت مصعب بن سعد رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ جب فتح مکہ کا دن ہوا تو رسول اکرم ﷺ نے چار آدمیوں کے علاوہ سب کو امان دے دی حضرت مصعب نے ان کا ذکر کیا اور پھر فرمایا ابن ابی سرح، حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے پاس چھپ گیا جب نبی اکرم ﷺ نے لوگوں کو بیعت کے لئے بلایا تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اسے لے کر آئے اور حضور علیہ السلام کے پاس کھڑا کر دیا اور پھر عرض کیا اے اللہ کے نبی! عبداللہ بن سرح کی بیعت لیں آپ نے سر انور اٹھایا اور اس کو تین بار دیکھا اور ہر بار انکار کیا پھر تین بار کے بعد بیعت لے لی پھر صحابہ کرام کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا تم میں کوئی سمجھدار آدمی نہ تھا جو اس کی طرف اٹھتا جب میں نے بیعت کرنے سے ہاتھ روکا تھا اور وہ اسے قتل کر دیتا انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہمیں آپ کا ارادہ معلوم نہ ہو سکا آپ نے اشارہ کیوں نہ فرمایا؟ آپ نے فرمایا کسی نبی کے لئے جائز نہیں کہ وہ آنکھ کا اشارہ کرے۔

(سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۲۶۸۳، سنن نسائی رقم الحدیث: ۴۰، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۴ ص ۴۹۱، مجمع الزوائد ج ۸ ص ۱۶۸)

اس حدیث میں یہ بھی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے عبداللہ بن خطل کو قتل کرنے کا حکم دیا کیونکہ ابن خطل آپ کے خلاف اشعار کہتا تھا اور اپنی گانے والی دو لونڈیوں کو حکم دیتا کہ وہ ان اشعار کو پڑھیں اسی طرح آپ نے اس کی لونڈیوں کو بھی قتل کرنے کا حکم دیا۔[1]

علماء کرام فرماتے ہیں یہ بات ثابت ہے کہ آپ نے ان لوگوں کو قتل کرنے کا حکم دیا جنہوں نے آپ کو اذیت پہنچائی اور جنہوں نے آپ کی گستاخی کی۔ نبی اکرم ﷺ کو اس بات کا حق بھی تھا اور آپ کو اختیار بھی دیا گیا تھا آپ نے قتل کرنا پسند کیا کیونکہ ہمیں ان لوگوں کی معافی کی اطلاع نہیں ہے اور امت کے لئے جائز نہیں کہ آپ کے بعد آپ کے اس حق کو

[1] ان میں سے ایک کو قتل کر دیا گیا اور دوسری مسلمان ہو گئی تھی۔ (زرقانی ج ۵ ص ۳۱۸)

ساقط کر دے اگرچہ آپ کی طرف سے اجازت کا ذکر نہیں ہے۔

جہاں تک اجماع کا تعلق ہے تو قاضی عیاض رحمہ اللہ نے فرمایا۔ امت کا اس بات پر اجماع ہے کہ جو شخص آپ کی توہین کرتا یا برا بھلا کہتا ہے اسے قتل کر دیا جائے' ابن منذر نے کہا عام اہل علم کا اس بات پر اتفاق ہے کہ نبی اکرم ﷺ کو گالی دینے والے شخص کو قتل کر دیا جائے یہ بات امام مالک بن انس' حضرت لیث' حضرت امام احمد اور حضرت اسحاق رحمہم اللہ نے فرمائی' حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کا بھی یہی مذہب ہے۔

حضرت خطابی رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں کسی ایسے مسلمان کو نہیں جانتا جس نے ایسے شخص کے قتل میں اختلاف کیا ہو جبکہ وہ (گستاخی سے پہلے) مسلمان ہو۔

حضرت محمد بن سحنون رحمہ اللہ فرماتے ہیں علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ نبی اکرم ﷺ کو گالی گلوچ کرنے والا گستاخی کرنے والا کافر ہے اور اسے عذاب کی وعید بھی ہے اور امت کے نزدیک اس کو قتل کرنے کا حکم ہے اور جو آدمی اس کے کفر اور عذاب میں شک کرے وہ کافر ہے۔

شافعی مسلک یہ ہے کہ ایسا شخص مرتد ہو جاتا ہے' اسلام سے کفر کی طرف نکل جاتا ہے اور وہ قطعاً کافر ہے ہمارے جمہور ائمہ کے نزدیک اس کے کفر میں کوئی اختلاف نہیں اور مرتد سے توبہ کا مطالبہ کیا جائے اگر توبہ کرلے تو ٹھیک ورنہ قتل کر دیا جائے۔

اس سے توبہ کا مطالبہ کرنے کے بارے میں دو قول ہیں زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ واجب ہے کیونکہ اسلام کی وجہ سے وہ قابل احترام تھا اور اسے شبہ ہو گیا جس کا ازالہ ضروری ہے۔

ایک قول یہ ہے کہ واجب نہیں بلکہ مستحب ہے کیونکہ اس کے خون کی ضمان نہیں۔

اگر ہم پہلے والے قول کو تسلیم کریں تو اس سے فوری طور توبہ کا مطالبہ کیا جائے دوسروں کی طرح مہلت نہ دی جائے۔

صحیح حدیث میں ہے:

من بدل دینه فاقتلوه. جو شخص اپنا دین بدل لے اسے قتل کر دو۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۹۲۲' جامع ترمذی رقم الحدیث: ۱۴۵۸' سنن نسائی ج ۷ ص ۱۰۴' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۵۳۵' سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۴۳۵۱' مسند احمد ج ۱ ص ۲۱۷۔۲۸۲۔ ج ۵ ص ۲۳۱' السنن الکبریٰ ج ۸ ص ۱۹۵' المستدرک ج ۳ ص ۵۳۸' المعجم الکبیر ج ۱۰ ص ۳۳۰' سنن دار قطنی ج ۳ ص ۱۱۳' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۰ ص ۱۳۹' مصنف عبد الرزاق رقم الحدیث: ۹۴۱۳' نصب الرایہ ج ۳ ص ۴۰۷' مجمع الزوائد ج ۶ ص ۲۶۱' تمہید ج ۵ ص ۳۰۴' کنز العمال رقم الحدیث: ۳۸۷۔۳۹۱)

اور ایک قول کے مطابق اسے تین دن مہلت دی جائے اگر توبہ نہ کرے اور اپنے مؤقف پر ڈٹ جائے تو اسے قتل کر دیا جائے۔ وہ مرد ہو یا عورت اور اگر اسلام قبول کرے تو اس کا اسلام صحیح ہوگا اور اس کو چھوڑ دیا جائے کیونکہ ارشاد خداوندی ہے:

فَاِنْ تَابُوْا وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ. پس اگر وہ توبہ کرلیں اور نماز قائم کریں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں جو مسلمان اللہ تعالیٰ کو یا کسی نبی کو گالی دے تو اس نے اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ کو جھٹلایا اور یہ مرتد ہونا ہے اس سے توبہ کا مطالبہ کیا جائے اگر توبہ کرے تو ٹھیک ہے ورنہ قتل کر دیا جائے اور جس نے

بھی عہد کیا ہے اگر وہ اللہ تعالیٰ یا کسی نبی علیہ السلام کو گالی دیتا ہے اس کا عہد ٹوٹ گیا' اسے قتل کر دو۔

مالکیہ کے دلائل کا جواب

ارشادِ خداوندی ہے:

إِنَّ الَّذِينَ يُؤْذُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ۔ بے شک جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کو ایذا پہنچاتے ہیں۔

پس اس آیت میں صرف یہ بات ہے کہ نبی اکرم ﷺ کو ایذا پہنچانے والا کافر ہے اسے توبہ اور اسلام کے بعد قتل کرنے کے بارے میں اس آیت میں کوئی دلالت نہیں۔

ابن خطل کو قتل کیا گیا اور اس سے توبہ کا مطالبہ نہیں کیا گیا کیونکہ وہ کافر تھا اور بہت زیادہ اذیت پہنچاتا تھا نیز اس میں قتل کے کئی اسباب پائے جاتے تھے اور اذیت پہنچانا اس کی عادت بن چکی تھی پس کسی دوسرے کو اس پر قیاس نہ کیا جائے جو گستاخی کرے اور ہم اسے کافر قرار دیں پھر وہ توبہ کر کے اسلام کی طرف رجوع کر لے پس فرق واضح ہے۔ اسی طرح اس کی دونوں لونڈیوں کو بھی قتل کیا گیا کیونکہ گستاخی کر کے اذیت پہنچانا ان کا وطیرہ بن گیا تھا اور وہ کافرہ بھی تھیں۔

حضرت امام بزار رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا کہ عقبہ بن ابی معیط نے آواز دی اے قریش کی جماعت! کیا وجہ ہے کہ مجھے تمہارے درمیان باندھ کر قتل کیا جا رہا ہے تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا' تمہارے کفر اور اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ پر افتراء باندھنے کی وجہ سے (قتل کیا جا رہا ہے) پس آپ نے اس کے قتل میں دو سبب ذکر فرمائے اور یہ انتہائی واضح بات ہے۔ (مجمع الزوائد ج ۶ ص ۸۹' الشفاء ج ۲ ص ۴۸۹)

خطابی وغیرہ کا یہ قول کہ میں کسی ایسے شخص کو نہیں جانتا جس نے گستاخ رسول کے قتل میں اختلاف کیا ہو جبکہ پہلے وہ مسلمان ہو تو یہ توبہ نہ کرنے کے ساتھ مقید ہے۔

اور قاضی عیاض رحمہ اللہ نے اس شخص کا واقعہ بیان کیا جس نے نبی اکرم ﷺ کو جھٹلایا اور آپ نے حضرت علی المرتضیٰ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما کو بھیجا کہ اسے قتل کر دیں۔

تو اس مقام پر یہ واقعہ غرض کا فائدہ نہیں دیتا کیونکہ ظاہر یہ ہے کہ یہ جھوٹ ہے اور مسلمانوں کے درمیان فتنہ پھیلانا ہے خصوصاً جب کہ وہ کافر ہو لہٰذا وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ لڑنے والوں میں سے ہوا اور زمین میں فساد کرنے کی کوشش بھی کرتا ہے پس اسے قتل کرنا ضروری ہے ورنہ محض اس کا جھوٹ قتل کا باعث نہیں ہے۔

اسی طرح حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث کہ خطمہ عورت (عصماء بنت مروان یہودیہ) نے نبی اکرم ﷺ کے خلاف اشعار کہے تو آپ نے فرمایا میرے لئے کون اس کو قتل کرے گا اس کی قوم میں سے ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ! میں اسے قتل کروں گا پس وہ اٹھا اور اسے قتل کر دیا نبی اکرم ﷺ کو خبر ہوئی تو آپ نے فرمایا:

اس میں دو بکریاں ایک دوسری کو سینگ نہیں مارتیں۔ (تاریخ بغداد ج ۱۳ ص ۹۹' کنز العمال رقم الحدیث: ۳۵۴۹۱)

یعنی اس میں وعدہ خلافی اور جھگڑا جاری نہیں ہوتا تو اس قسم کے واقعات واضح ہیں کہ وہ لوگ کافر تھے بہت زیادہ توہین کرتے تھے اور نبی اکرم ﷺ نے خبر دی کہ اسلام کا دعویٰ کرنے کے بعد صرف اسلام ہی کسی شخص کو محفوظ رکھ سکتا تو

ان میں سے ہر ایک کا خون مباح تھا مگر ان میں سے جس کو اللہ تعالیٰ اسلام کے ذریعے بچالے۔
(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۳' دلائل النبوۃ ج ۲ ص ۲۰۶' سنن سعید بن منصور رقم الحدیث: ۲۴۷۴' خصائص علی للنسائی رقم الحدیث: ۱۴' البدایہ والنہایہ ج ۴ ص ۱۸۷' صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۸' کنز العمال رقم الحدیث: ۳۶۵ ۔۳۰۱۳۰)

استدلال کے مقام پر وہی بات نفع بخش ہے جو اس مسلمان کے بارے میں ہو جو توہین رسول کی وجہ سے مرتد ہو گیا پس توبہ کر کے اسلام کی طرف لوٹ آیا ہو پس نزاع اسی بات میں اور اسی طرح کے حوالے سے استدلال ہونا چاہیے۔

اور کافر اصلی جس تک نبی اکرم ﷺ کی دعوت پہنچی اور اس نے اسے قبول نہ کیا بلکہ اپنے ہاتھ اور زبان کے ساتھ آپ کے مقابلے میں لڑائی کی تو اس میں شک نہیں کہ اس کا خون بہانا مباح ہے خصوصاً وہ کافرہ عورت جو اسلام پر عیب لگاتی تھی اور نبی اکرم ﷺ کو اذیت پہنچاتی بلکہ دوسروں کو بھی اس کی ترغیب دیتی تھی تو اس میں قتل کے کئی اسباب جمع ہوئے۔

قاضی عیاض رحمہ اللہ نے جو کچھ بیان کیا ہے اس سے واضح ہوتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے جن گستاخوں کو قتل کرنے کا حکم دیا تھا وہ کفار کے بارے میں منقول ہے اور یہ بات منقول نہیں کہ آپ نے کسی مسلمان کو گستاخی کی وجہ سے قتل کیا ہو وہ کفر اور عناد رکھنے والے لوگ تھے اور اگر یہ بات منقول بھی ہو تو اس سزا کا بطور حد ہونا متعین نہیں کیونکہ ہو سکتا ہے اسے کفر کی وجہ سے قتل کیا ہو۔ اور ارشاد خداوندی ہے:

اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَآءُ (النساء: ۴۸)

اللہ تعالیٰ اس بات کو نہیں بخشتا کہ اس کے ساتھ شریک ٹھہرایا جائے (کفر کیا جائے) اور بخش دیتا ہے اس کے علاوہ کو جس کے لئے چاہے۔

تو ہمیں بتایا کہ شرک کے علاوہ کے لئے بخشش کا امکان ہے۔
ارشاد خداوندی ہے:

اِنَّ اللّٰہَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا (الزمر: ۵۳)

بے شک اللہ تعالیٰ تمام گناہوں کو بخش دے گا۔

اگر کہا جائے کہ یہ بات انسان کے اپنے نفس پر ظلم کرنے اور حقوق اللہ سے متعلق ہے' حقوق العباد کے حوالے سے نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے حقوق میں چشم پوشی ہوتی ہے لیکن بندوں کے حقوق میں یہ گنجائش نہیں ہے اور یہ بات نبی اکرم ﷺ کے حق سے متعلق ہے اور ہمیں اس سزا کو ساقط کرنے کا اختیار نہیں کیونکہ اس سلسلے میں ہمیں اجازت نہیں جبکہ نبی اکرم ﷺ خود ایسا کر سکتے تھے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس پر کوئی نص ہونی چاہیے مثلاً آپ نے فرمایا ہو کہ جس نے مجھے گالی دی اس کو قتل کر دو اور اس کی توبہ قبول نہ کرو اور نہ ہی اس گستاخی سے اس کا رجوع قبول کرو اگر ایسی بات منقول ہے تو ہم اس کی اتباع کریں گے

نوٹ: شرک کی معافی نہ ہونے کا تعلق مرنے کے بعد سے ہے کہ کوئی شخص شرک پر مرجائے تو اس کی معافی نہیں اگر مرنے سے پہلے توبہ کر لے تو معافی ہو جائے گی اور اس پر ہر قسم کا کفر شاہد ہے۔ ۱۲ ہزاروی

پھر مناسب یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے حقوق کو اللہ تعالیٰ کے حقوق سے ملایا جائے پس جس طرح اللہ تعالیٰ کے حقوق کی

بنیاد چشم پوشی پر ہے اسی طرح نبی اکرم ﷺ کے حقوق کا معاملہ بھی ہے کیونکہ آپ اللہ تعالیٰ کی صفات سے متصف ہیں [1]

رسول اکرم ﷺ کا دفاع واجب ہے

آپ کے خصائص میں اس بات کو بھی شمار کیا گیا کہ جب کوئی شخص آپ پر ظلم کا ارادہ کرے تو جو لوگ وہاں موجود ہوں وہ آپ پر اپنی جان نچھاور کر دیں یہ بات امام نووی رحمہ اللہ نے "زیادۃ الروضہ میں" صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت سے نقل کی ہے۔

اختیاراتِ مصطفیٰ ﷺ

آپ کو یہ خصوصیت بھی حاصل ہے کہ آپ جس کے لئے چاہتے جو حکم چاہتے اس کے ساتھ خاص کر دیتے۔

جس طرح حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ کی گواہی کو دو آدمیوں کی گواہی کے برابر قرار دیا۔ امام ابوداؤد نے حضرت عمارہ بن خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہما سے روایت کیا وہ اپنے چچا سے روایت کرتے ہیں اور وہ نبی اکرم ﷺ کے صحابی تھے۔

(الاعلام ج ۲ ص ۳۰۵' الاصابہ ج ۲ ص ۱۱۱)

وہ فرماتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے ایک اعرابی سے گھوڑا خریدا آپ نے اسے اپنے پیچھے بلایا تا کہ وہ آپ سے گھوڑے کی قیمت وصول کرے نبی اکرم ﷺ تیز تیز چل رہے تھے اور اعرابی کو دیر ہوگئی کچھ لوگوں نے اسے روک کر گھوڑے کی قیمت لگانا شروع کر دی اور ان کو معلوم نہ تھا کہ نبی اکرم ﷺ نے یہ گھوڑا خرید لیا ہے حتیٰ کہ انہوں نے اس کو زیادہ قیمت بتائی۔ دیہاتی کہنے لگا آپ کوئی گواہ لائیں جو اس بات کی گواہی دے کہ یہ گھوڑا میں نے آپ پر بیچا ہے مسلمانوں میں سے جو بھی آتا اسے کہتا تمہارے لئے ہلاکت نبی اکرم ﷺ حق بات کے سوا کچھ نہیں فرماتے حتیٰ کہ حضرت خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور انہوں نے اعرابی کے رجوع کے بارے میں سنا تو فرمایا میں گواہی دیتا ہوں کہ تم نے یہ گھوڑا نبی کریم ﷺ پر فروخت کیا ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ کی گواہی کو دو

[1] یعنی وہ صفات جو نبی اکرم ﷺ کے لائق ہیں جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا "کان خلقہ القرآن" (نبی اکرم ﷺ کا خلق قرآن ہے)۔ لیکن وہ دلائل شرعیہ جو اس عقلی دلیل کے خلاف ہیں نبی اکرم ﷺ کے وصال کے بعد اس (معافی) کو منع کرتے ہیں (مطلب یہ کہ حضور علیہ السلام کے حقوق کی خلاف ورزی کرنے والے یا آپ کے گستاخ کو معاف نہیں کیا جا سکتا) سنن نسائی میں حضرت ابو برزہ اسلمی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور ایک شخص نے آپ سے بدسلوکی کی تھی تو آپ نے اس کو واپس کر دیا میں نے عرض کیا اے خلیفۂ رسول! مجھے اجازت دیجئے کہ میں اس کی گردن اڑا دوں کیونکہ اس نے آپ کو اذیت پہنچائی ہے آپ نے فرمایا بیٹھ جاؤ یہ بات صرف رسول اکرم ﷺ کے لئے ہے۔ حضرت عمر بن عبد العزیز کے جو عامل کوفہ پر مقرر تھے انہوں نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی گستاخی کرنے والے شخص کو قتل کرنے کے بارے میں مشورہ کیا تو حضرت عمر بن عبد العزیز نے ان کی طرف لکھا کسی شخص کی وجہ سے کسی دوسرے شخص کو قتل کرنا جائز نہیں البتہ جو شخص حضور علیہ السلام کو گالی دے اس کا خون حلال ہو جاتا ہے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا انبیاء کرام پر الزام تراشی کرنے والے کی سزا حدود کی طرح نہیں (بلکہ قتل ہے)۔ (زرقانی ج ۵ ص ۳۳۲)

آدمیوں کی گواہی کے برابر قرار دیا۔

"صحیح بخاری میں" حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں میں نے وہ آیت حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ کے پاس پائی۔ ا جن کی گواہی کو رسول اکرم ﷺ نے دو گواہیوں کے برابر قرار دیا تھا۔

حضرت حارث بن ابی اسامہ اپنی مسند میں حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے ایک دیہاتی سے گھوڑا خریدا تو اس نے (بعد میں) انکار کر دیا' حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ تشریف لائے تو فرمایا: اے اعرابی! میں گواہی دیتا ہوں کہ تم نے یہ گھوڑا نبی اکرم ﷺ پر بیچا ہے دیہاتی نے کہا جب حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ نے گواہی دے دی ہے تو آپ قیمت دے دیں رسول اکرم ﷺ نے فرمایا اے خزیمہ! ہم نے تمہیں گواہ نہیں بنایا تھا آپ کیسے گواہی دے رہے ہیں؟ انہوں نے عرض کیا میں نے آسمان کی خبر پر آپ کی تصدیق کی ہے تو اس اعرابی کی خبر پر کیسے تصدیق نہ کروں؟ چنانچہ رسول اکرم ﷺ فرمانے لگے ان کی گواہی دو آدمیوں کی گواہی کے برابر ہے پس اسلام میں حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ کے علاوہ کوئی ایسا شخص نہیں ہے جس کی گواہی دو آدمیوں کی گواہی کے برابر ہو۔

حضرت خطابی فرماتے ہیں کئی لوگوں نے اسے اپنے محل پر محمول نہیں کیا اور بعض اہل بدعت ہر اس آدمی کی شہادت کو جائز سمجھتے ہیں جو ان کے نزدیک سچائی کے ساتھ معروف ہو کہ وہ ہر دعویٰ پر گواہی دے سکتا ہے حالانکہ حدیث کی وجہ یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے اعرابی کے خلاف فیصلہ اپنے علم کی بنیاد پر دیا اور حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ کی گواہی کو تاکید کے طور پر اور دشمن پر غلبہ کے طور پر رکھا پس اس کے علاوہ دوسرے مقدموں میں دو گواہوں کی گواہی ہے۔

اسی طرح نبی اکرم ﷺ نے حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا کو نوحہ کی اجازت دی۔ امام مسلم رحمہ اللہ نے ان سے روایت کیا وہ فرماتی ہیں جب یہ آیت نازل ہوئی:

يُبَايِعْنَكَ عَلَىٰ أَنْ لَّا يُشْرِكْنَ بِاللَّهِ شَيْئًا. (الممتحنہ:١٢) وہ آپ کے دست مبارک پر بیعت کرتی ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گی۔

وَلَا يَعْصِينَكَ فِي مَعْرُوفٍ. اور نیکی کے کاموں میں آپ کی نافرمانی نہیں کریں گی۔

وہ فرماتی ہیں ان کاموں میں نوحہ (پیٹنا) بھی تھا میں نے عرض کیا یا رسول اللہ فلاں گھر والوں نے دور جاہلیت میں میری مدد کی تھی۔ اب میرے لئے ضروری ہے کہ میں ان کی مدد کروں تو آپ نے ان کے لئے نوحہ کی اجازت دے دی۔

(اللسان ج٦ ص٢٦٢)

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ اس بات پر محمول ہے کہ آپ نے حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا کو خاص اس گھرانے والوں کے لئے نوحہ کی اجازت دی اور صاحب شریعت کے لئے جائز ہے کہ عمومی حکم میں سے کسی کو خاص کر دے۔

ا وہ آیت کریمہ یہ ہے "رجال صدقوا ما عاهدوا الله عليه"۔ علماء کرام فرماتے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ آیت لکھی ہوئی نہیں تھی لیکن یہ حضرت خزیمہ اور دوسرے حضرات کے پاس محفوظ تھی کیونکہ قرآن مجید کا ثبوت تواتر کے ساتھ ہوتا ہے (یعنی بیان کرنے والوں کی طرح۔ اتنی زیادہ ہو کہ ان کا جھوٹ پر متفق ہونا محال ہو)۔ (زرقانی ج٥ ص٣٢٣)

ان امور میں سے ایک یہ ہے آپ نے حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا کو سوگ چھوڑنے کی اجازت دی۔ ابن سعد نے حضرت اسماء بنت عمیس سے نقل کیا کہ جب حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ شہید ہوئے تو حضور علیہ السلام نے مجھ سے فرمایا تین دن زینت چھوڑ دو پھر جو چاہے کرو (حالانکہ بیوہ کے لئے چار ماہ دس دن کا حکم ہے)۔

(اللسان ج ۶ ص ۳۱۸، مجمع الزوائد ج ۳ ص ۱۷، السنن الکبریٰ ج ۷ ص ۴۳۸، تفسیر قرطبی ج ۳ ص ۱۸۱)

اسی طرح آپ نے حضرت ابو بردہ بن نیار رضی اللہ عنہ کے لئے بھیڑ کے ایسے بچے کی قربانی جائز قرار دی جس کی عمر ایک سال سے کم تھی۔ (اللسان ج ۹ ص ۴۴۲) امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ نے حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے قربانی کے دن ہمیں خطبہ دیا تو فرمایا:

من صلی صلاتنا و نسک نسکنا فقد اصاب السنة ومن نسک قبل الصلاة فتلک شاة لحم.

جس نے ہمارے طریقے پر نماز پڑھی اور ہمارے طریقے پر قربانی کی اس نے سنت کو پالیا اور جس نے نماز (نماز عید) سے پہلے قربانی کی تو یہ محض گوشت والی بکری ہے۔

حضرت ابو بردہ رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ! میں نے نماز کیلئے آنے سے پہلے قربانی کر دی ہے اور میرا خیال تھا کہ آج کھانے اور پینے کا دن ہے پس میں نے جلدی کی اور خود بھی کھایا اور گھر والوں نیز پڑوسیوں کو بھی کھلایا۔

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا یہ تو ایک گوشت والی بکری ہوئی انہوں نے عرض کیا میرے پاس بکری کا ایک بچہ ہے جو ایک سال سے کم عمر کا ہے لیکن وہ اس گوشت والی بکری سے بہتر ہے کیا میرے لئے وہ کفایت کرتا ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں اور تمہارے بعد کسی کے لئے ہرگز کفایت نہیں کرے گا۔ نیار میں نون کے نیچے زیر ہے اور یاء غیر مشدد ہے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۸۰۰، سنن نسائی رقم الحدیث: ۱۷، الضحایا رقم الحدیث: ۱۷، صحیح البخاری رقم الحدیث: ۹۵۵)

اس حدیث میں حضرت ابو بردہ رضی اللہ عنہ کی تخصیص ہے کہ بکری کا سال سے کم عمر کا بچہ ان کے لئے بطور قربانی جائز ہے لیکن متعدد احادیث سے واضح ہوتا ہے کہ حضرت ابو بردہ کے علاوہ کے لئے بھی جائز ہے امام بیہقی رحمہ اللہ نے حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ آپ نے فرمایا "تمہارے بعد کسی اور کے لئے اجازت نہیں ہے"۔ امام بیہقی فرماتے ہیں اگر یہ الفاظ محفوظ ہیں تو یہ حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ کے لئے رخصت ہوگی جس طرح حضرت ابو بردہ رضی اللہ عنہ کو اجازت عطا فرمائی۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں ان دونوں کو جمع کرنا محل نظر ہے کیونکہ دونوں صیغہ عموم کے ساتھ ہیں ان میں سے جس کے لئے پہلے حکم ہوگا دوسرے کے لئے نفی کا تقاضا کرے گا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ پہلے کی خصوصیت دوسرے کے لئے خصوصیت کے ثبوت سے منسوخ ہو گئی ہو اور اس میں کوئی رکاوٹ نہیں کیونکہ سیاق حدیث میں غیر کے لئے منع کے استمرار کی تصریح نہیں ہے۔ بعض کے کلام میں یوں ہے کہ جن لوگوں کے لئے اجازت ثابت ہے وہ چار یا پانچ ہیں اور جمع کرنے میں کوئی مشکل نہیں۔

لیکن اس سلسلے میں جو احادیث آئی ہیں ان میں حضرت ابو بردہ رضی اللہ عنہ کے واقع میں نفی کی تصریح ہے اور امام بیہقی کے نزدیک حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کے واقع میں نفی کی تصریح کی گئی ہے۔

اور جو کچھ اس کے علاوہ ہے تو ابوداؤد نے حدیث نقل کی جسے ابن حبان نے صحیح قرار دیا۔

حضرت زید بن خالد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے مجھے بکری کا پانچ ماہ کا بچہ دیا اور فرمایا اس کی قربانی کرو میں نے عرض کیا یہ تو ایک سال سے کم عمر کا ہے کیا میں اس کی قربانی کروں؟ آپ نے فرمایا تم اس کی قربانی کرو۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۷۹۸، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۵، سنن نسائی ج ۷ ص ۲۱۸، جامع ترمذی رقم الحدیث: ۱۵۰۰، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۱۳۸، مسند احمد ج ۳ ص ۳۲، السنن الکبریٰ ج ۹ ص ۲۷۰، المعجم الکبیر ج ۵ ص ۲۷۸، مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۱۴۵۶)

طبرانی نے ''اوسط میں'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث سے نقل کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو بکری کا چھ ماہ سے کم عمر کا بچہ دیا اور ان کو قربانی کرنے کا حکم دیا۔

امام حاکم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے نقل کیا لیکن اس کی سند ضعیف ہے۔

تو اس میں اور حضرت ابو بردہ اور حضرت عقبہ رضی اللہ عنہما کی حدیثوں میں کوئی اختلاف نہیں کیونکہ ہو سکتا ہے کہ یہ ابتدا کی بات ہو پھر یہ بات پکی ہوگئی کہ بکری کا سال سے کم عمر کا بچہ قربانی کے لئے جائز نہیں اور اس میں حضرت ابو بردہ اور حضرت عقبہ رضی اللہ عنہما کو اجازت دے دی۔

اور اگر حضرت ابو بردہ اور حضرت عقبہ رضی اللہ عنہما کی حدیثوں کو جمع کرنا مشکل ہے تو حضرت ابو بردہ کی حدیث مخرج کے اعتبار سے زیادہ صحیح ہے (صحیح بخاری و مسلم کی حدیث ہے)۔ اگرچہ امام بیہقی کے نزدیک حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کا مخرج بھی صحیح ہے۔

اختیاراتِ مصطفیٰ ﷺ کی ایک مثال یہ ہے کہ آپ نے ایک شخص کا نکاح قرآن مجید کے علم کو مہر قرار دیتے ہوئے کر دیا ایک جماعت نے یہ حدیث نقل کی ہے اور اس سلسلے میں سعید بن منصور نے مرسل حدیث حضرت نعمان ازدی سے روایت کی وہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے ایک عورت کا نکاح قرآن مجید کی ایک سورت پر کر دیا اور فرمایا تمہارے بعد کسی اور کے لئے یہ مہر نہیں ہوگا۔ [1]

رسول اکرم ﷺ کی بیماری، وصال اور قبر شریف سے متعلق خصائص

آپ کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ آپ کو بخار کی حرارت دو آدمیوں کی حرارت کے برابر ہوتی تھی کیونکہ آپ کے لئے دو گنا اجر تھا۔

یہ خصوصیت بھی حاصل ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام آپ کی بیماری کے دوران تین مرتبہ بھیجے گئے تاکہ آپ کا حال پوچھیں۔

آپ کی خصوصیت یہ بھی ہے کہ آپ کی نماز جنازہ امام کے بغیر صحابہ کرام نے گروہوں کی صورت میں عام معروف طریقہ کے بغیر پڑھی۔ امام بیہقی، ابن سعد اور ان کے علاوہ حضرات نے یہ بات ذکر کی ہے اور تین دن دفن کے بغیر آپ کو چھوڑا گیا جیسا کہ آگے آئے گا اور آپ کے لئے قبر شریف میں ایک کمبل بچھایا گیا جب کہ ہمارے حق میں یہ دونوں کام

[1] احناف کے نزدیک مہر کی رقم کم از کم دس درہم ضروری ہے اور اس حدیث میں جو کچھ بیان ہوا وہ نبی اکرم ﷺ کی خصوصیت ہے جیسا کہ ذکر کیا گیا ہے۔ ۱۲ ہزاروی

مکروہ ہیں نیز آپ کے وصال کے بعد زمین میں اندھیرا چھا گیا۔

آپ کی خصوصیات میں سے یہ بھی ہے کہ آپ کا جسم اقدس پرانا نہیں ہوگا دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کا بھی یہی معاملہ ہے یہ حدیث امام ابوداؤد اور امام ابن ماجہ نے نقل کی ہے۔

آپ کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ آپ کی وراثت نہیں تھی کہا گیا ہے کہ جو کچھ تھا وہ آپ کی ملک میں باقی رہا اور یہ بھی کہا گیا کہ وہ صدقہ قرار دیا۔ الرویانی نے اسے یقینی قرار دیا پھر دو صورتیں بیان کی گئیں کہ کیا وہ آپ کے وارثوں کے لئے وقف ہو گیا؟ اور اگر وقف ہوا تو وقف کرنے والے آپ خود تھے؟ اس سلسلے میں دو باتیں ہیں۔

امام نووی رحمہ اللہ نے "زیادات الروضۃ میں" فرمایا: درست بات یہ ہے کہ آپ کی ملک زائل ہوگئی اور آپ نے جو کچھ چھوڑا وہ مسلمانوں پر صدقہ ہے ورثاء کے لئے مختص نہیں۔

"شرح صغیر میں" فرمایا "مشہور یہ ہے کہ صدقہ ہے"۔

امام رافعی رحمہ اللہ نے مال کی تقسیم کے سلسلے میں ذکر کیا کہ اس کا پانچواں حصہ (خمس) نبی اکرم ﷺ کے لئے تھا آپ اسے اپنی ضروریات پر خرچ کرتے تھے اور نہ آپ نے اس کو اپنی ملک بنایا اور نہ آپ کے وارثوں کی طرف منتقل ہوا۔ اور خصائص کے باب میں فرمایا کہ آپ اس کے مالک تھے۔ تو ان دونوں باتوں کو یوں جمع کیا جا سکتا ہے کہ خرچ کرنے کی جہت میں دو صورتیں تھیں مملوکہ اور غیر مملوکہ اور اختلاف صرف ایک بات میں ہے۔

اس بنیاد پر آپ کے لئے جائز تھا کہ تمام مال فقراء کو دینے کی وصیت فرماتے اور یہ وصیت آپ کے وصال کے بعد جاری ہوئی جب کہ دوسرے لوگ اس طرح نہیں کر سکتے کیونکہ ان کی وصیت صرف تہائی حصہ مال میں جاری ہوتی ہے۔

اسی طرح دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کی وراثت بھی جاری نہیں ہوتی تھی۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی روایت جسے امام نسائی رحمہ اللہ نے نقل کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

انا معاشر الانبیاء لا نورث. ہم انبیاء کرام کا کوئی وارث نہیں ہوتا۔

(مسند احمد ج ۱ ص ۲۵۔ ۴۸۔ ۱۶۲۔ ۱۷۹۔ ۱۹۱ شمائل ترمذی ص ۲۱۴ طبقات الکبریٰ ج ۲ ص ۲۳۹ تمہید ج ۸ ص ۱۷۵)

اور ارشاد خداوندی ہے:

فَهَبْ لِي مِن لَّدُنكَ وَلِيًّا يَرِثُنِي. (یا اللہ) میرے لئے اپنی طرف سے کوئی وارث بنا دے جو میرا وارث بنے۔

(مریم: ۶)

تو یہاں نبوت اور علم کی وراثت مراد ہے۔

حیات النبی ﷺ

آپ کی یہ خصوصیت بھی ہے کہ آپ اپنی قبر انور میں زندہ ہیں۔ [1] اور اذان و اقامت کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں

[1] آپ کے اکرام و احترام میں فرشتے اذان و اقامت کہتے ہیں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا "الانبیاء احیاء فی قبورھم تصلون انبیاء کرام اپنی قبروں میں زندہ ہیں نماز پڑھتے ہیں" اور سنن نسائی میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا میں شب اسراء حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قبر سے گزرا جو سرخ ٹیلے کے پاس ہے تو وہ کھڑے نماز پڑھ رہے تھے۔ (زرقانی ج ۵ ص ۳۳۲)

دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کو بھی یہ اعزاز حاصل ہے اسی لئے کہا گیا کہ آپ کی ازواج مطہرات پر عدت لازم نہ تھی۔

ابن زبالہ (محمد بن حسن بن زبالہ مخزومی) اور ابن نجار نے کہا کہ واقعہ حرہ (جب یزیدی لشکر نے مدینہ طیبہ پر حملہ بولا) کے موقعہ پر تین دن تک (مسجد نبوی میں) اذان نہ ہوئی اور لوگ باہر چلے گئے' حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ مسجد میں تھے وہ فرماتے ہیں مجھے تنہائی سے وحشت ہوئی تو میں قبر انور کے قریب ہو گیا جب ظہر کا وقت ہوا تو میں نے قبر انور سے اذان سنی اور ظہر کی نماز پڑھی پھر یہ اذان اور تکبیر ہر نماز کے وقت قبر انور سے آتی حتیٰ کہ تین راتیں گزر گئیں اور لوگ واپس آ گئے' موذن بھی واپس لوٹے تو میں نے ان کی اذان اسی طرح سنی جس طرح نبی اکرم ﷺ کی قبر انور سے سنی تھی۔ اور یہ بات ثابت ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام حج کرتے اور تلبیہ (لبیک اللھم لبیک آخر تک) کہتے ہیں۔

سوال: انبیاء کرام کس طرح نماز پڑھتے' حج کرتے اور تلبیہ کہتے ہیں جب کہ وہ انتقال کر کے دوسرے گھر منتقل ہو گئے اور وہ عمل کا گھر نہیں ہے؟

جواب: وہ شہداء کی طرح ہیں بلکہ ان سے افضل ہیں اور شہداء زندہ ہیں ان کو رزق دیا جاتا ہے پس ان کا حج کرنا اور نماز پڑھنا کوئی بعید بات نہیں یا ہم کہتے ہیں کہ ان کے اعمال کے بڑھ جانے اور اجر کے اضافے کے حوالے سے برزخ پر دنیا کا حکم لگایا جاتا ہے اور آخرت میں اعمال کی تکلیف منقطع ہوتی ہے اور تکلیف کے بغیر محض لذت حاصل کرنے کے لئے اعمال پائے جاتے ہیں اسی لئے حدیث میں وارد ہے کہ وہ تسبیح پڑھتے اور قرآن مجید کی قرأت کرتے ہیں اور اسی سے نبی اکرم ﷺ کا شفاعت کے وقت سجدہ کرنا بھی ہے۔

"التلخیص" کے مصنف (ابن القاص) نے فرمایا کہ نبی اکرم ﷺ کے وصال کے بعد آپ کا مال آپ کے نفقہ اور ملک میں قائم ہے اور انہوں نے اسے آپ کے خصائص میں شمار کیا ہے۔

امام الحرمین نے ان سے نقل کیا کہ جو کچھ آپ نے چھوڑا وہ اسی حالت میں رہا جس پر آپ کی حیات طیبہ میں تھا پس حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اسی سے آپ کے گھر والوں اور خدام پر خرچ کرتے تھے۔

اور وہ سمجھتے تھے کہ نبی اکرم ﷺ کی ملک ہے کیونکہ انبیاء کرام علیہم السلام زندہ ہیں اور یہ بات احکام دنیا میں ان کی حیات کا تقاضا کرتی ہے اور ان کی حیات' شہداء کی حیات سے بڑھ کر ہے۔

امام نووی رحمہ اللہ نے تصریح کی ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی ملک زائل ہو گئی اور آپ کا ترکہ تمام مسلمانوں پر صدقہ ہے' آپ کے ورثاء کے ساتھ خاص نہیں۔

سوال: قرآن مجید تو آپ کی موت کی گواہی دیتا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

إِنَّكَ مَيِّتٌ وَإِنَّهُم مَّيِّتُونَ ○ — بے شک آپ فوت ہونے والے ہیں اور وہ بھی فوت ہونے والے ہیں۔

اور آپ نے خود فرمایا:

انی امرؤ مقبوض. — بے شک میں ایسا شخص ہوں جس کی روح قبض ہو گی۔

(الدر المنثور ج ۲ ص ۱۲۶ اسنہ المعبود رقم الحدیث: ۷۶)

اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

فان محمد اقدمات. بے شک حضرت محمد ﷺ فوت ہو گئے۔

اور اس کے اطلاق پر مسلمانوں کا اجماع ہے۔

جواب: شیخ تقی الدین سبکی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ یہ موت جاری رہنے والی نہیں ہے اور نبی اکرم ﷺ کو موت کے بعد زندہ کر دیا گیا۔

ورنہ دوسری زندگی' اخروی زندگی ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ شہداء کی زندگی سے یہ اعلیٰ اور اکمل ہے اور یہ روح کے لئے ثابت ہے، جس پر کوئی اعتراض نہیں اور یہ بات ثابت ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کے جسم پرانے نہیں ہوتے اور روح کا جسم کی طرف لوٹنا صحیح حدیث ہیں۔

تمام فوت شدہ لوگوں کے لئے ثابت ہے چہ جائیکہ شہداء کے لئے اور پھر انبیاء کرام کے لئے ثابت نہ ہو دیکھنا تو یہ ہے کہ وہ بدن میں برقرار رہتی ہے یا نہیں اور کیا بدن اس کے ساتھ دنیوی زندگی کی طرح زندہ ہوتا ہے یا اس کے بغیر زندہ ہوتا ہے اور جہاں اللہ تعالیٰ چاہے' ہوتی ہے تو روح کا زندگی کے لئے لازم ہونا ایک امر عادی ہے' عقلی نہیں پس عقل نے روح کے بغیر زندگی کو جائز قرار دیا پس اگر اس کے بارے میں صحیح قول سنا جائے تو اس کی اتباع کرنی چاہیے' علماء کی ایک جماعت نے یہ بات ذکر کی ہے۔

اور اس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اپنی قبر میں نماز پڑھنا دلالت کرتا ہے کیونکہ نماز زندہ جسم کا تقاضا کرتی ہے اسی طرح وہ صفات جو معراج کی رات انبیاء کرام علیہ السلام کے سلسلے میں مذکور ہیں یہ تمام صفات جسموں کا تقاضا کرتی ہیں۔

اور اس زندگی کے حقیقی زندگی ہونے سے لازم نہیں آتا کہ دنیا کی طرح اب بھی ان کے جسم ساتھ ہوں اور کھانے پینے کی حاجت ہو جو جسم کی صفات میں سے ہیں اور ہم ان کا مشاہدہ کرتے ہیں بلکہ اس کے لئے دوسرا حکم ہے اور عقل ان حضرات کے لئے حقیقی زندگی کے ثبوت سے نہیں روکتی۔

اور ادراک جیسے جاننا اور سننا وغیرہ کے بارے میں کوئی شک نہیں کہ یہ ان لوگوں بلکہ تمام فوت شدہ کے لئے ثابت ہیں۔ شیخ زین الدین المراغی نے اسی طرح ذکر کیا اور فرمایا کہ اس کا وجود بہت اہم ہے اور رغبت رکھنے والے اسی کی طرف راغب ہیں۔

امت کا سلام آپ تک پہنچتا ہے

آپ کے خصائص میں سے یہ بات بھی ہے کہ آپ کی قبر انور پر ایک فرشتہ مقرر ہے جو آپ کو درود شریف پڑھنے والوں کا درود شریف پہنچاتا ہے یہ بات امام احمد' نسائی اور حاکم رحمہم اللہ نے روایت کی اور امام حاکم نے ان الفاظ کے ساتھ اسے صحیح قرار دیا:

ان لله ملائكة سياحين في الارض يبلغوني عن امتي السلام. اللہ تعالیٰ کے کچھ فرشتے زمین میں سیاحت کرتے ہیں وہ میری امت کی طرف سے مجھے سلام پہنچاتے ہیں۔

(سنن نسائی ج ۳ ص ۴۳' مسند احمد ج ۱ ص ۴۴۱۔۳۵۲' سنن دارمی ج ۲ ص ۳۱۷' المستدرک ج ۲ ص ۴۲۱' المعجم الکبیر ج ۱۰ ص ۲۷۱' مجمع

الزوائد ج ۹ص ۲۳ شعب الایمان رقم الحدیث: ۳۱۱۶ الترغیب والترہیب ج ۲ص ۳۹۸ المغنی ج ۱ص ۱۷۲ مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۹۳۳ ۲۳۶۷ اتحاف السادۃ المتقین ج ۳ص ۲۱۹ ۲۵۷ الشفاء ج ۲ص ۱۸۳ اللآلی والمصنوعہ ج ۱ص ۱۳۶ کنز العمال رقم الحدیث: ۲۱۷۴)

اصبہانی نے حضرت عمارہ سے اس طرح نقل کیا:

ان لله ملكا اعطاه الله سمع العباد كلهم فما من احد يصلي علي الا ابلغنيها

اللہ تعالیٰ کا ایک فرشتہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے تمام بندوں کی قوت سماعت عطا کی ہے پس جو شخص بھی مجھ پر درود بھیجتا ہے وہ مجھے پہنچاتا ہے۔

(اللآلی والمصنوعہ ج ۱ص ۱۴۷ جمع الجوامع رقم الحدیث: ۶۹۳۸ میزان الاعتدال ص ۸۲۹ المنذری ج ۲ص ۳۹۹)

امت کے اعمال نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں پیش کئے جاتے ہیں اور آپ ان کے لئے بخشش طلب کرتے ہیں ابن مبارک رحمہ اللہ نے حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں کوئی دن ایسا نہیں جب نبی اکرم ﷺ پر اپنی امت کے اعمال صبح و شام پیش نہ کئے جاتے ہوں پس آپ ان کو ان کی پیشانیوں اور اعمال سے پہچانتے ہیں۔

منبر نبوی حوض پر

آپ کے خصائص میں سے یہ بھی ہے کہ آپ کا منبر شریف آپ کے حوض پر ہے جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے۔[1]

اور ایک روایت میں ہے:

و منبري علي ترعة من ترع الجنة.

میرا منبر جنت کے باغات میں سے ایک باغ پر ہے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۵۰۰۔۵۰۲ صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۱۹۵۔۱۸۸۸۔۶۵۸۸ جامع ترمذی رقم الحدیث: ۳۹۱۵ سنن نسائی ج ۲ص ۵۳ مسند احمد ج ۲ص ۲۳۳ السنن الکبریٰ ج ۵ص ۲۴۷ مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۵۲۴۳ مسند الحمیدی رقم الحدیث: ۲۹۰ مجمع الزوائد ج ۴ص ۸ طبقات ابن سعد ج ۱ص ۱۹۵ تمہید ج ۲ص ۲۸۵ مشکل الآثار ج ۴ص ۶۹ علل الحدیث: ۸۸۵۔۲۶۹۴ کنز العمال رقم الحدیث: ۳۴۸۳۵۔۳۴۹۴۴)

''الترعۃ'' وہ باغ ہے جو اونچی جگہ پر ہو جب میدان میں ہو تو اس کو ''روضۃ'' کہتے ہیں اور علماء کا اس بات میں اختلاف نہیں ہے کہ یہ حدیث اپنے ظاہر پر ہے اور یہ حق محسوس موجود ہے کیونکہ قدرت اس بات کی صلاحیت رکھتی ہے اس میں عجز نہیں ہے اور نبی اکرم ﷺ نے جن غیبی باتوں کی خبر دی ہے ان پر ایمان واجب ہے۔

روضہ شریف (ریاض الجنۃ)

رسول اکرم ﷺ کا یہ اعزاز ہے کہ آپ کے منبر شریف اور قبر انور کے درمیان جنت کے باغات میں سے ایک باغ ہے (جسے ریاض الجنۃ کہا جاتا ہے) امام بزاری نے اس کو ان الفاظ میں نقل کیا ہے کہ فرمایا:

[1] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا میرے گھر (حجرۂ مبارکہ) اور میرے منبر کے درمیان جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے (جسے ریاض الجنۃ کہتے ہیں) اور میرا منبر میرے حوض پر ہے۔ (صحیح بخاری)

ما بین بیتی و منبری روضة من ریاض الجنة. میرے حجرۂ مبارکہ اور میرے منبر کے درمیان جنت کا ایک باغ ہے۔

اس میں حقیقت اور مجاز دونوں کا احتمال ہو سکتا ہے۔

حقیقت اس طرح کہ نبی اکرم ﷺ نے جس روضہ کی خبر دی ہے ہو سکتا ہے وہ جنت سے کاٹ کر یہاں لایا گیا ہو جس طرح حجر اسود جنت میں سے لایا گیا ہے۔[1] اسی طرح نیل اور فرات جنت سے ہیں۔[2]

(سنن نسائی ج ۵ ص ۲۲۶' مسند احمد ج ۱ ص ۳۰۷' الترغیب والترہیب ج ۲ ص ۱۹۵' المغنی ج ۱ ص ۲۴۲' اتحاف السادۃ المتقین ج ۴ ص ۲۷۶' کشف الخفاء ج ۱ ص ۴۱۷' کنز العمال رقم الحدیث: ۳۴۷۲۶)

اسی طرح ہندوستانی پھل اس پتے سے ہیں جس پر حضرت آدم علیہ السلام جنت سے اترے تھے۔

تو حکمتِ الٰہیہ کا تقاضا یہ ہے کہ اس دنیا میں جنت کے پانیوں' جنت کی مٹی' پتھر اور پھلوں میں سے ہو یہ بہت بڑے حکیم کی حکمت ہے۔

مجازی صورت یہ ہے کہ مسبب کا نام سبب پر بولا جائے کہ اس جگہ نماز اور عبادت کا التزام حصول جنت کا سبب ہے ابن ابی جمرہ فرماتے ہیں بعض لوگوں نے جو یہ فرمایا "تا کہ اس میں عبادات' عبادت گزار کے جنت کے باغ میں داخل ہونے کا ذریعہ ہے" اس کا یہی مطلب ہے لیکن یہ محل نظر ہے کیونکہ اس معنیٰ کے اعتبار سے اس جگہ کی کوئی خصوصیت نہیں ابن ابی جمرہ کی کتاب "بہجۃ النفوس" میں منقول ہے کہ یہ مبارک جگہ (ریاض الجنۃ) اسی طرح جنت سے منتقل ہوا پس یہ جنت سے ہے یعنی اس کے باغات میں سے ایک باغ ہے۔

وہ فرماتے ہیں زیادہ ظاہر بات یہ ہے کہ دونوں قولوں کو جمع کیا کہ یہ حصۂ زمین جنت سے منتقل بھی ہوا اور اس جگہ عمل سے بندہ جنت کے باغ میں جا سکتا ہے اس پر مزید گفتگو آگے آخری مقصد میں زیارت نبوی کے ضمن میں آئے گی۔ انشاء اللہ تعالیٰ

سب سے پہلے نبی اکرم ﷺ کی قبر مبارک کا کھلنا

آپ کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ سب سے پہلے آپ کی قبر انور کھلے گی۔

"مسلم شریف کی" روایت میں ہے:

انا اول من تنشق عنه الارض. میں' وہ ہوں جس کے لئے سب سے پہلے زمین شق ہوگی۔

اور سب سے پہلے صور کی آواز سے آفاقہ بھی آپ ہی کو ہوگا۔ آپ نے فرمایا:

انا اول من یرفع راسه بعد النفخة فاذا (قیامت کے دن) صور پھونکنے کے بعد سب سے

---

[1] نبی اکرم ﷺ نے فرمایا "الحجر الاسود من الجنة" (حجر اسود جنت سے ہے)۔ (سنن نسائی)

[2] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا سیحان' جیحان' فرات اور نیل یہ سب جنت کی نہروں میں سے ہیں۔ صحیح مسلم

انا بموسی اخذ بقائمة من قوائم العرش فلا ادری افاق قبلی ام جوزی بصعقة الطور

پہلے میں اپنے سر کو اٹھاؤں گا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام جنت کے پایوں میں ایک پائے کو پکڑے کھڑے ہوں گے پس مجھے معلوم نہیں کہ مجھ سے پہلے ان کو ہوش آیا یا ان کو گرج کا بدلہ دیا گیا جو طور پر واقع تھی۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۲۴۱۱_۳۴۰۸_۳۳۹۸_۴۶۳۸_۶۹۱۷_۷۴۲۷)

تو ظاہر بات یہی ہے کہ نبی اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ کے بتانے کے بغیر علم نہ تھا پس آپ نے اپنے نفس کریمہ کے بارے میں خبر دی کہ سب سے پہلے آپ ہی کی قبر کھلے گی۔

سب سے پہلے پُل صراط سے بھی آپ ہی گزریں گے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث:۸۰۶) امام بخاری نے یہ حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے نقل کی ہے اور قیامت کے دن آپ ستر ہزار فرشتوں کے جلوس کے ساتھ میدان محشر کی طرف تشریف لائیں گے جس طرح حضرت کعب الاحبار رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' آپ فرماتے ہیں۔ ہر صبح جو طلوع ہوتی ہے ستر ہزار فرشتے نبی اکرم ﷺ کی قبر انور کو اپنے پروں سے گھیر لیتے ہیں جب شام ہوتی ہے تو یہ چلے جاتے ہیں اور ستر ہزار فرشتے اترتے ہیں حتیٰ کہ جب آپ کی قبر انور شق ہوگی تو آپ ستر ہزار فرشتوں کے ہمراہ تشریف لائیں گے اور وہ آپ کی تعظیم کر رہے ہوں گے۔ ابن نجار نے یہ روایت ''تاریخ المدینہ میں'' نقل کی ہے۔

اور آپ براق پر سوار ہونے کی حالت میں میدان محشر کی طرف جائیں گے حافظ سلفی نے اسے روایت کیا جیسا کہ طبری نے ذکر کیا ہے۔ اور آپ کو میدان محشر میں بہترین جوڑا پہنایا جائے گا یہ روایت امام بیہقی نے اس طرح نقل کی ہے کہ آپ نے فرمایا: مجھے ایسا جنتی جوڑا پہنایا جائے گا کہ کوئی انسان اس کی قیمت نہیں لگا سکتا۔

(مسند احمد ج ۵ ص ۳' دلائل النبوۃ ج ۵ ص ۳۷۹)

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے ان الفاظ کے ساتھ مروی ہے کہ قیامت کے دن لوگ جمع ہوں گے میں اور میرے امتی ایک ٹیلے پر ہوں گے اور میرا رب مجھے سبز جوڑا پہنائے گا۔ یہ حدیث امام بخاری رحمہ اللہ نے نقل کی ہے۔

(مشکل الآثار ج ۱ ص ۹ ۴۴۹' الشفاء ج ۱ ص ۴۱۹)

ابن ابی شیبہ نے ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا کہ آپ نے فرمایا دوسرے لوگ ایک ٹیلے پر (الگ) جمع ہوں گے اور میرے امتی ایک (الگ) ٹیلے پر جمع ہوں گے۔

طبرانی نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ اور آپ کی امت لوگوں سے اوپر ٹیلے پر ہوں گے اور آپ عرش کی دائیں جانب کھڑے ہوں گے۔ اس حدیث کو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بھی روایت کیا اور اس میں اس طرح ہے کہ وہاں آپ کے علاوہ کوئی بھی کھڑا نہ ہوگا اور پہلے اور پچھلے آپ پر رشک کریں گے۔

آپ کے خصائص میں سے یہ بھی ہے کہ آپ کو مقام محمود عطا کیا جائے گا حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں مقام محمود کا مطلب آپ کا عرش (تخت) پر بیٹھنا ہے۔

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ اس سے کرسی مراد لیتے ہیں۔

یہ دونوں باتیں امام بغوی نے ذکر کی ہیں۔ مقام محمود کے حوالے سے زیادہ تفصیل اس کے بعد آئے گی ان شاء اللہ تعالیٰ۔

آپ کے خصائص میں سے یہ بھی ہے کہ آپ کو شفاعت عظمیٰ عطا کی جائے گی کہ قیامت کے دن جب لوگ انبیاء کرام علیہم السلام کے پاس جانے کے بعد آپ کے پاس حاضر ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ فیصلہ فرمائے (اور وہ پسینہ میں شرابور حساب وکتاب کے منتظر ہوں گے) تو آپ کی شفاعت سے فیصلہ ہوگا۔

آپ کی شفاعت سے بے شمار لوگ حساب وکتاب کے بغیر جنت میں جائیں گے اور آپ کی شفاعت سے جنت میں لوگوں کے درجات بلند ہوں گے۔

حضرت امام نووی رحمہ اللہ نے ان (مندرجہ بالا) امور کو نبی اکرم ﷺ کی خصوصیت قرار دیا اور خود ان احادیث سے بھی یہ بات ثابت ہوتی ہے مزید تفصیل ان شاء اللہ آخری مقصد میں بیان ہوگی اور اللہ تعالیٰ ہی مددگار ہے۔

نبی اکرم ﷺ کو یہ مقام اور خصوصیت بھی حاصل ہے کہ قیامت کے دن لواء الحمد (حمد کا جھنڈا) آپ کے پاس ہوگا۔ حضرت آدم علیہ السلام اور ان کے علاوہ وہ سب اس جھنڈے کے نیچے ہوں گے۔

سب سے پہلے جنت کا دروازہ بھی آپ ہی کھٹکھٹائیں گے۔ امام مسلم رحمہ اللہ نے المختار ابن فلفل کی روایت جو حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی گئی ہے نقل کی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

انا اکثر الناس تبعا یوم القیامۃ وانا اول من یقرع باب الجنۃ.

قیامت کے دن میری اتباع کرنے والوں کی اکثریت ہوگی اور سب سے پہلے جنت کا دروازہ بھی میں ہی کھٹکھٹاؤں گا۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۳۳۰ السنن الکبریٰ ج ۹ ص ۴ اتحاف السادۃ المتقین ج ۱۰ ص ۴۹۷ مسند ابو عوانہ ج ۱ ص ۱۰۹ شرح السنہ ج ۱۵ ص ۱۲۶ مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۱ ص ۵۰۳ کنز العمال رقم الحدیث: ۳۱۸۷۷)

''صحیح مسلم میں ہی'' حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

اتی باب الجنۃ یوم القیامۃ فاستفتح فیقول الخازن بک امرت لا افتح لاحد قبلک.

قیامت کے دن میں جنت کے دروازے پر آکر دروازہ کھلواؤں گا تو خازن (فرشتہ) کہے گا مجھے آپ کے بارے میں حکم دیا گیا اور یہ کہ میں آپ سے پہلے کسی کے لئے نہ کھولوں۔

طبرانی نے کچھ اضافہ کے ساتھ نقل کیا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ خازن کھڑا ہوگا اور کہے گا آپ سے پہلے میں کسی کے لئے نہیں کھولوں گا اور آپ کے بعد کسی کے لئے کھڑا نہیں ہوں گا۔

تو یہ نبی اکرم ﷺ کی ایک اور خصوصیت ہے وہ یہ کہ جنت کا دربان فرشتہ خازن نبی اکرم ﷺ کے علاوہ کسی کے لئے کھڑا نہیں ہوگا تو آپ کے لئے اس کے کھڑا ہونے میں آپ کی مزید فضیلت ہے اور آپ کے بعد بھی کسی کے لئے

کھڑا نہیں ہوگا بلکہ جنت کے فرشتے آپ کی خدمت میں کھڑے ہوں گے اور آپ ان کے لئے بادشاہ کی طرح ہیں تو اللہ تعالیٰ نے اسے اپنے بندۂ خاص اور رسول ﷺ کی خدمت میں کھڑا کیا حتیٰ کہ اس نے چل کر دروازہ کھولا۔

آپ کی خصوصیات میں سے یہ بات بھی ہے کہ سب سے پہلے جنت میں آپ داخل ہوں گے آپ نے فرمایا:

وانا اول من یحرک حلق الجنة فیفتح اللہ لی فیدخلنیھا ومعی فقراء المومنین ولا فخر.

سب سے پہلے جنت کا کنڈا میں کھٹکھٹاؤں گا تو اللہ تعالیٰ اسے میرے لیے کھولے گا پس مجھے اس میں داخل کرے گا اور میرے ساتھ فقراء مؤمن ہوں گے اور اس پر مجھے فخر نہیں۔

(جامع ترمذی رقم الحدیث: ۳۶۱۶' سنن داری رقم الحدیث: ۸' مسند احمد ج ۱ ص ۲۸۲۔ ج ۳ ص ۱۴۴)

آپ کے خصائص میں کوثر بھی شامل ہے اور یہ جنت میں ایک نہر ہے جو اس کے حوض سے موتیوں اور یاقوت پر جاری ہوتی ہے اس کا پانی شہد سے زیادہ میٹھا اور برف سے زیادہ سفید ہے۔

آپ کو مقام وسیلہ بھی عطا کیا گیا جو جنت میں اعلیٰ درجہ ہے۔

نبی اکرم ﷺ کی امت کی خصوصیات

شریعتِ اسلامیہ کے مطابق فیصلہ

نبی اکرم ﷺ کی امت کو خصوصیات عطا کی گئیں اور اس کا شرف اور عزت بڑھائی گئی۔ اللہ تعالیٰ نے جب کائنات کو انتہائی یقین پر پیدا فرمایا اور ہمارے نبی کریم ﷺ کے مبارک جسم کو کسی شک کے بغیر ظاہر فرمایا اور آپ کی امت جو انسانوں سے تعلق رکھتی ہے (ورنہ آپ تمام مخلوق کے لئے رسول ہیں) پر اس کی عنایت ظاہر ہوئی جس کا سبب نبی اکرم ﷺ کا ان میں ظہور حضور تھا اگرچہ انسان اور جن سب آپ کی امت ہیں لیکن انسانوں کو خصوصی وصف حاصل ہے تو ان کو بہترین امت بنایا جسے لوگوں کے (فائدے کے) لئے پیدا کیا گیا۔

ان کو انبیاء کرام کا وارث بنایا اور احکام کے نفاذ کے لئے ان کو اجتہادی صلاحیت عطا کی پس وہ اپنے اجتہاد کے مطابق فیصلہ کرتے ہیں۔

پس جو نبی بھی اس امت کے زمانے میں داخل ہوگا جس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام یا اس کے داخل ہونے کو فرض کیا گیا جیسے حضرت خضر علیہ السلام تو وہ اس امت میں نبی اکرم ﷺ کی شریعت کے مطابق فیصلہ کرے گا جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام (آسمان سے) اتریں گے تو ہمارے نبی ﷺ کی شریعت کے مطابق فیصلہ کریں گے چاہے انہیں الہام ہو یا روح محمدی پر مطلع ہوں یا جو کچھ اللہ تعالیٰ چاہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کو آپ کی امت کے لئے جو شریعت دی ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اسے آپ سے حاصل کریں گے اور حرام وحلال کے سلسلے میں وہی فیصلہ کریں گے جو نبی

اکرم ﷺ کرتے تھے اور وہ اس شریعت کے مطابق فیصلہ نہیں کریں گے جوان کی رسالت کے دوران ان کو عطا ہوئی پس حضرت عیسیٰ علیہ السلام نبی اکرم ﷺ کے تابع ہیں۔

حضرت حکیم ترمذی نے اپنی کتاب ''ختم الاولیاء'' میں اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے ان سے ''عنقاء مغرب کے'' مصنف (شیخ محی الدین بن عربی الطائی اندلسی) نے اور اسی طرح شیخ سعد الدین تفتازانی نے ''شرح عقائد نسفی میں'' نقل کیا اور اس بات کو صحیح قرار دیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام لوگوں کو نماز پڑھائیں گے اور ان کی امامت کریں گے اور حضرت امام مہدی رضی اللہ عنہ ان کی اقتداء کریں گے کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان سے افضل ہیں پس آپ امامت کا زیادہ حق رکھتے ہیں۔[1] (کشف الظنون ج ۲ ص ۱۱۷۳)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اگرچہ امت محمدیہ میں خلیفہ ہوں گے لیکن آپ رسول اور معزز و محترم نبی ہیں جیسا کہ پہلے تھے ایسا نہیں جس طرح بعض حضرات نے گمان کیا کہ آپ حضور علیہ السلام کے ایک امتی کی حیثیت میں آئیں گے ہاں اس اعتبار سے وہ اس امت کا ایک فرد ہیں کہ وہ ہمارے نبی ﷺ اور آپ کی شریعت مطہرہ کی پیروی کریں گے۔

سوال: صحیح مسلم میں ہے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

لیوشکن ان ینزل فیکم ابن مریم حکما مقسطا فیکسر الصلیب و یقتل الخنزیر و یضع الجزیۃ.

عنقریب تم میں ابن مریم علیہ السلام اتریں گے جو انصاف کرنے والے حاکم ہوں گے' وہ صلیب کو توڑیں گے خنزیر کو قتل کریں گے اور جزیہ اٹھادیں گے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۲۲۲۔ ۳۴۴۸' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۴۲' مسند احمد ج ۲ ص ۵۳۸' السنن الکبریٰ ج ۱ ص ۲۴۴۔ ج ۹ ص ۱۸۰' مشکل الآثار ج ۱ ص ۲۷' الدر المنثور ج ۲ ص ۲۴۲' مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۲۰۱۴۰' مسند ابوعوانہ ج ۱ ص ۱۰۴)

اس معنیٰ میں یہ قول صحیح ہے کہ آپ جزیہ قبول نہیں کریں اور اسلام کے سوا کوئی بات قبول نہیں کریں یا قتل کردیں گے۔

اور یہ بات ہماری آج کی شریعت کے خلاف ہے کیونکہ اہل کتاب جب جزیہ دیں تو اسے قبول کرنا واجب ہے اور اسے نہ تو قتل کرنا جائز ہے اور نہ اسلام پر مجبور کرنا۔ جب صورت حال یہ ہے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا فیصلہ شریعت محمدیہ کے مطابق کیسے ہوا؟

جواب: اس بات میں کوئی اختلاف نہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس شریعت محمدیہ کے مطابق فیصلہ کرنے والے کی حیثیت سے تشریف لائیں گے اور مستقل رسالت کے ساتھ نبی بن کر نہیں آئیں گے اور ایسی شریعت جو ناسخ ہو وہ لے کر نہیں آئیں گے بلکہ اس امت کے حکام میں سے ایک حاکم ہوں گے۔

---

[1] امام زرقانی رحمہ اللہ نے صحیح بخاری و مسلم کی ایک ایک روایت نقل کی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا اس وقت تمہاری کیا حالت ہوگی جب ابن مریم تم میں اتریں گے اور تمہارا امام تم میں سے ہوگا' اس مضمون کی دیگر کئی احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ امامت فرائض امام مہدی انجام دیں گے تو امام زرقانی نے اس کا جواب یوں دیا ہے کہ شروع میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام' امام مہدی کی اقتداء کریں گے تاکہ معلوم ہو کہ وہ ہمارے نبی ﷺ کے تابع اور آپ کی شریعت پر عمل کرنے والے ہیں پھر امام مہدی ان کی اقتداء کریں گے کیونکہ قاعدہ یہی ہے کہ مفضول' افضل کی اقتداء کرتا ہے۔ (زرقانی ج ۵ ص ۳۴۸)

جہاں تک جزیہ اور اس کے متعلقات کا تعلق ہے تو یہ ایسا حکم نہیں جو قیامت تک جاری رہے بلکہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول سے پہلے کے دور سے مقید ہے اور ہمارے آقا علیہ السلام نے اس کے منسوخ ہونے کی خبر دی ہے اور اس کے ناسخ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نہیں ہیں بلکہ اس کے ناسخ اور بیان کرنے والے خود سرکار دو عالم ﷺ ہیں پس یہ اس بات پر دلالت ہے کہ اس وقت جزیہ کی قبولیت سے رک جانا ہمارے نبی اکرم ﷺ کی شریعت ہے۔ امام نووی رحمہ اللہ نے شرح مسلم میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔

سوال: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اترنے کے وقت جزیہ قبول نہ کرنے کے حوالے سے حکم شریعت کی تبدیلی کا کیا مطلب ہے؟

جواب: ابن بطال نے اس کا جواب یوں دیا ہے کہ ہم نے جزیہ اس لئے قبول کیا کہ ہمیں مال کی ضرورت تھی۔

لیکن جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام اتریں گے تو ان کو مال کی ضرورت نہیں ہوگی کیونکہ ان دنوں مال کی فراوانی ہوگی حتیٰ کہ اسے کوئی بھی قبول نہیں کرے گا اس لئے آپ قتل یا اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک پر ایمان کے علاوہ کچھ بھی قبول نہیں کریں گے۔ [1]

شیخ ولی الدین ابن عراقی رحمہ اللہ نے اس کا جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ یہود و نصاریٰ سے جزیہ کا قبول کرنا اس شبہ کی بنیاد پر ہے کہ ان کے پاس تورات اور انجیل ہے اور ان کے خیال میں ان کا قدیم شریعت سے تعلق ہے پس جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام اتریں گے تو ان کو دیکھ کر ان لوگوں کا شبہ زائل ہو جائے گا پس ان کے شبہ کے ختم ہونے اور معاملہ واضح ہونے کی وجہ سے وہ بت پرستوں کی طرح ہو جائیں گے کہ بس ان سے ان (بت پرستوں) والا معاملہ کیا جائے گا کہ ان سے صرف اسلام قبول ہوگا کیونکہ (مشرکین پر جزیہ نہیں ہے)۔

اور علت کے زوال سے حکم زائل ہو جاتا ہے انہوں نے فرمایا کہ یہ مناسب توجیہ ہے میں نے اس پر اعتراض کرنے والا کوئی نہیں دیکھا اور ابن بطال کی توجیہ سے یہ بہتر ہے۔

حضرت خضر علیہ السلام کی نبوت اور اس کے باقی رہنے کے قائلین بھی اسی طرح کہتے ہیں کیونکہ وہ بھی اس ملت کے تابع ہیں۔ حضرت الیاس علیہ السلام کا معاملہ بھی اسی طرح ہے جیسا کہ ابو عبداللہ قرطبی نے اس بات کو صحیح قرار دیا کہ وہ بھی زندہ ہیں۔

اور رسولوں میں سے کوئی ایسا نبی نہیں جو کتاب والا ہو اور اس کی اتباع کی جائے یہ اعزاز صرف ہمارے نبی کریم ﷺ کو حاصل ہے اور یہ بات امت محمدیہ کے شرف و اکرام کے لئے کافی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے شرف کو زیادہ کرے۔

تم بہترین امت ہو

اللہ تعالیٰ کے لئے حمد ہے جس نے ہمیں اس رحمت کے ساتھ خاص کیا اور ہمیں یہ نعمت عطا فرمائی اور بے شمار فضائل کے ذریعے ہم پر احسان فرمایا اور اپنی کتاب عزیز میں ہمیں عظمت عطا کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ تم بہترین امت ہو۔

[1] مطلب یہ ہے کہ وہ صرف قتل کرنے کا حکم دیں گے جزیہ لینے کا حکم نہیں دیں گے مجازاً حکم قتل کو عدم قبولیت سے تعبیر کیا گیا۔

(زرقانی ج ۵ ص ۳۵۰)

اس میں لفظ "کنتم" پر غور کیجئے یعنی لوح محفوظ میں تمہیں بہترین امت لکھ دیا گیا اور یہ بھی کہا گیا کہ اللہ تعالیٰ کے علم میں تم بہترین امت ہو۔

بس اس امت کے ہر فرد کو چاہیے کہ پاکیزہ اخلاق اپنائے تاکہ اس کے لئے وہ پسندیدہ اوصاف ثابت ہو جائیں جو امتِ محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کو عطا کئے گئے اور وہ بھلائی کی باتوں کا اہل ہو جائے۔

حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں تم بہترین امت ہو لیکن جب ان شرائط پر اترو جو اس کے ساتھ مذکور ہیں یعنی نیکی کا حکم دو اور برائی سے روکو۔

یہ بھی کہا گیا کہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی امت بہترین امت ہے کیونکہ اس امت میں مسلمان زیادہ ہیں اور اس امت میں نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا زیادہ پایا جاتا ہے۔

ایک قول یہ ہے کہ یہ آیت کریمہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں ہے۔ جس طرح نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

خیر الناس قرنی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم.

بہترین لوگ میرے زمانے کے لوگ ہیں پھر وہ لوگ جو ان سے ملے ہوئے ہیں (یعنی تابعین) پھر وہ جو ان سے ملے ہوئے ہیں (یعنی تبع تابعین)۔

اور یہ اس بات پر دلالت ہے کہ اس امت کے پہلے لوگ بعد والوں سے بہتر ہیں۔ اور امت کے بڑے بڑے علماء کا یہی موقف ہے۔

فضیلتِ صحابہ

جن لوگوں نے نبی اکرم ﷺ کی زیارت کی اگرچہ زندگی میں ایک مرتبہ ہی ہو وہ بعد میں آنے والے تمام لوگوں سے افضل ہیں اور کوئی عمل صحابیت کی فضیلت کے برابر نہیں ہو سکتا یہ جمہور کا مذہب ہے۔

ابو عمر بن عبد البر اس طرف گئے ہیں کہ صحابہ کرام کے بعد بھی کچھ لوگ ایسے آئیں گے جو صحابہ کرام میں موجود بعض لوگوں سے افضل ہوں گے اور نبی اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی "خیر الناس قرنی" اپنے عموم پر نہیں کیونکہ ایک صدی (یا زمانے) میں فاضل اور مفضول اکٹھے ہوتے ہیں اور نبی اکرم ﷺ کے زمانے میں منافق بھی تھے جو ایمان کا اظہار کرتے تھے اور گناہ کبیرہ کے مرتکب بھی تھے جن میں سے بعض پر حدود نافذ ہوئیں۔ حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

طوبی لمن رآنی و امن بی و طوبی سبع مرات لمن لم یرنی و امن بی.

اس شخص کے لئے مبارک ہو جس نے مجھے دیکھا اور مجھ پر ایمان لایا اور اس شخص کے لئے سات بار مبارک ہو جس نے مجھے نہیں دیکھا اور مجھ پر ایمان لایا۔

(مسند احمد ج ۵ ص ۲۶۴ الاستذکار ج ا ص ۲۳۶)

"مسند ابی داؤد طیالسی میں" حضرت محمد بن ابو حمید سے روایت نقل کی گئی ہے وہ حضرت زید بن اسلم سے وہ اپنے والد سے اور وہ حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا میں نبی اکرم ﷺ کے پاس بیٹھا ہوا تھا تو آپ نے پوچھا کیا تم جانتے ہو کہ مخلوق میں سے کن لوگوں کا ایمان افضل ہے؟ میں نے عرض کیا فرشتوں کا ایمان افضل

ہے' آپ نے فرمایا ان کا حق ہے لیکن ان کے علاوہ کے بارے میں سوال ہے ہم نے عرض کیا انبیاء کرام علیہم السلام کا ایمان' فرمایا ان کا حق ہے لیکن ان کے علاوہ کے بارے میں بتائیں پھر خود ہی فرمایا مخلوق میں سے افضل ایمان ان لوگوں کا ہے جو (ابھی) مردوں کی پیٹھوں میں ہیں (یعنی پیدا نہیں ہوئے) وہ مجھ پر ایمان لائیں گے لیکن انہوں نے مجھے دیکھا نہیں وہ لوگ ایمان کے اعتبار سے تمام مخلوق سے افضل ہیں۔ (الضعفاء ج ۴ ص ۲۳۸' الاستذکار ج ۱ ص ۴۳۸)

ایک روایت میں ہے کہ جب حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ منصب خلافت پر فائز ہوئے تو انہوں نے حضرت سالم بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ مجھے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی سیرت لکھ کر بھیجیں تاکہ میں اس پر عمل کروں' حضرت سالم رضی اللہ عنہ نے ان کو لکھا اگر آپ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی سیرت پر عمل کریں گے تو آپ ان سے افضل ہو جائیں گے کیونکہ آپ کا زمانہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ والا زمانہ نہیں ہے اور نہ آپ (کی رعایا) کے لوگ ان کے زمانے کے لوگوں جیسے ہیں۔

راوی فرماتے ہیں انہوں نے اپنے زمانے کے فقہاء کو لکھا تو ان سب نے حضرت سالم رضی اللہ عنہ کے قول کی طرح جواب دیا۔ حضرت ابوعمر (بن عبد البر) لکھتے ہیں یہ احادیث اپنے طرق کے تواتر اور حسن کے ساتھ اس بات کو چاہتی ہیں کہ اس امت کے پہلے اور پچھلے لوگ عمل میں برابر ہیں البتہ بدر اور حدیبیہ والوں کا مقام زیادہ ہے اور جو شخص اس باب میں غور و فکر کرے گا اس کے لئے صحیح بات واضح ہو جائے گی۔

ابو داؤد طیالسی کی حدیث جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' کی سند ضعیف ہے لیکن امام احمد' دارمی اور طبرانی نے حضرت ابوعبیدہ (بن جراح) رضی اللہ عنہ سے روایت کیا انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا ہم سے بھی کوئی شخص بہتر ہوگا؟ ہم آپ پر ایمان لائے اور ہم نے آپ کے ساتھ مل کر جہاد کیا؟ آپ نے فرمایا ایک قوم ہوگی وہ لوگ تمہارے بعد آئیں گے اور مجھ پر ایمان رکھیں گے حالانکہ انہوں نے مجھے نہیں دیکھا۔ اس حدیث کی سند حسن ہے اور اسے امام حاکم نے صحیح قرار دیا۔ (المستدرک ج ۳ ص ۵' ۱۷ مشکل الآثار ج ۳ ص ۵' ۱۷ مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۶۵)

اور حق وہی بات ہے جس پر جمہور ہیں کہ صحابی ہونے کی فضیلت کا مقابلہ کوئی عمل نہیں کر سکتا کیونکہ ان لوگوں نے نبی اکرم ﷺ کی زیارت کی۔

صحابہ کرام کی دوسروں پر فضیلت کے دلائل بے شمار ہیں ہم ان کے ذکر کے ساتھ بات کو لمبا کرنا نہیں چاہتے باقی گفتگو ساتویں مقصد میں فضائل صحابہ کے ضمن میں آئے گی ان شاء اللہ تعالیٰ۔

امت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے فضائل

اللہ تعالیٰ نے اس امت کو کچھ ایسی خصوصیات عطا فرمائی ہیں جو ان سے پہلے کسی امت کو نہیں دی گئیں اور ان خصوصیات کے ذریعے ان کی فضیلت کو ظاہر کیا اس بات پر احادیث و آثار ناطق ہیں۔

ابونعیم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے حدیث نقل کی ہے فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر جب تورات نازل ہوئی اور انہوں نے اسے پڑھا تو اس میں اس امت کا ذکر پایا عرض کیا اے میرے رب! میں اپنی تختیوں میں (جن پر تورات لکھی ہوئی تھی) ایک امت کا ذکر پاتا ہوں وہ آخری بھی ہیں اور پہلے

بھی ان کو میری امت بنا دے اللہ تعالیٰ نے فرمایا وہ حضرت احمد ﷺ کی امت ہے انہوں نے عرض کیا اے میرے رب میں نے تختیوں میں ایک امت کا ذکر پایا ان کی کتاب ان کے سینوں میں ہے لیکن وہ اسے ظاہری طور پر پڑھیں گے ان کو میری امت بنا دے اللہ تعالیٰ نے فرمایا وہ حضرت احمد ﷺ کی امت ہے عرض کیا اے میرے رب! میں تختیوں میں ایک امت کا ذکر پاتا ہوں جو مال فے (جو مال مسلمانوں کو کفار سے لڑائی کے بغیر حاصل ہو) کھائیں گے پس اس امت کو میری امت بنا دے اللہ تعالیٰ نے فرمایا وہ حضرت احمد ﷺ کی امت ہے انہوں نے عرض کیا اے میرے رب! میں تختیوں میں ایک امت کا ذکر پاتا ہوں جو صدقہ اپنے پیٹوں میں ڈالیں گے (یعنی نفلی صدقہ خود بھی کھائیں گے اور ان کے گھر والے بھی کھائیں گے واجب صدقہ نہ امیر کھا سکتا ہے نہ صدقہ کرنے والا) ان کو اس پر اجر ملے گا ان لوگوں کو میری امت بنا دے اللہ تعالیٰ نے فرمایا وہ حضرت احمد ﷺ کی امت ہے عرض کیا اے میرے رب! میں تختیوں میں ایک امت کا ذکر پاتا ہوں کہ جب ان میں سے کوئی شخص کسی نیکی کا ارادہ کرے گا تو عمل سے پہلے ہی ایک نیکی لکھ دی جائے گی اور اگر وہ عمل کرے تو اس کو دس نیکیاں (مزید) ملیں گے یا اللہ! ان لوگوں کو میری امت بنا دے اللہ تعالیٰ نے فرمایا وہ حضرت احمد ﷺ کی امت ہے عرض کیا اے میرے رب! میں (تورات کی) تختیوں میں ایک امت کا ذکر پاتا ہوں کہ جب ان میں سے کوئی برائی کا ارادہ کرے لیکن اس پر عمل نہ کرے تو گناہ نہ لکھا جائے گا اور اگر عمل کرے تو صرف ایک گناہ لکھا جائے گا پس اس کو میری امت بنا دے اللہ تعالیٰ نے فرمایا وہ حضرت احمد ﷺ کی امت ہے' عرض کیا اے میرے رب میں نے تختیوں میں ایک امت کا ذکر پایا جن کو پہلا اور پچھلا سب علم دیا جائے گا پس وہ مسیح دجال کو قتل کریں گے اس امت کو میری امت بنا دے اللہ تعالیٰ نے فرمایا وہ حضرت احمد ﷺ کی امت ہے۔

اس پر انہوں نے عرض کیا اے میرے رب! پس مجھے حضرت احمد ﷺ کی امت میں سے کر دے اس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دو خصلتیں عطا کی گئیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

یَا مُوْسٰی اِنِّی اصْطَفَیْتُکَ عَلَی النَّاسِ بِرِسٰلٰتِیْ وَبِکَلَامِیْ فَخُذْ مَا اٰتَیْتُکَ وَکُنْ مِّنَ الشّٰکِرِیْنَ O

اے موسیٰ علیہ السلام! میں نے آپ کو اپنے پیغامات اور کلام کے ساتھ لوگوں پر منتخب کر لیا پس جو کچھ میں آپ کو دوں اس کو مضبوطی سے اختیار کریں اور شکر کرنے والوں میں سے ہو جائیں۔

انہوں نے عرض کیا اے میرے رب! میں راضی ہوا۔ (دلائل النبوۃ ج اص ۱۴ الدر المنثور ج ۳ ص ۱۲۲)

ابن ظفر بک نے ''النطق المفهوم میں'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً روایت کیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا اے میرے رب! کیا تمام امتوں میں سے کوئی امت' میری امت سے زیادہ معزز ہے' ان پر بادلوں کا سایہ کیا گیا اور ان پر من اور سلویٰ اتارا گیا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے موسیٰ علیہ السلام! کیا آپ نہیں جانتے کہ حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کی امت تمام امتوں سے اس طرح افضل ہے جیسے مجھے تمام مخلوق پر فضیلت حاصل ہے انہوں نے عرض کیا یا اللہ! مجھے وہ امت دکھا دے فرمایا آپ اس امت کو ہرگز نہیں دیکھ سکتے البتہ میں آپ کو ان کا سلام سناتا ہوں۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کو آواز دی تو سب نے ایک ہی آواز میں کہا "لبیک اللھم لبیک" (حاضر ہیں یا اللہ! ہم حاضر ہیں) اس وقت وہ اپنے باپوں کی پیٹھوں اور ماؤں کے پیٹوں میں تھے اللہ تعالیٰ نے فرمایا "تم پر میری رحمت ہوگی اور میری رحمت، میرے غضب سے سبقت کر گئی اور میرا معاف کرنا میرے عذاب سے سبقت کر گیا میں تمہاری بات تمہارے سوال کرنے سے پہلے قبول کروں گا پس جو شخص مجھ سے اس طرح ملاقات کرے کہ وہ میری توحید اور حضرت محمد ﷺ کی رسالت کی شہادت دیتا ہو میں اس کے گناہ بخش دوں گا"۔ (کشف الظنون ج ۲ ص ۱۹۵۹)

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا پس اللہ تعالیٰ نے اس سے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر احسان کرنے کا ارادہ فرمایا اور ارشاد فرمایا:

وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الطُّوْرِ اِذْ نَادَيْنَا. (القصص:۴۶) اور نہ تم طور کے کنارے تھے جب ہم نے ندا فرمائی۔

یعنی جب ہم نے آپ کی امت کو پکارا حتیٰ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ان کا کلام سنایا۔

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے اسے روایت کیا لیکن اس میں یہ اضافہ ہے "حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا یا اللہ! حضرت محمد ﷺ کی امت کی آواز کتنی خوبصورت ہے ایک مرتبہ پھر مجھے سنا دے"۔

حضرت ابو نعیم رحمہ اللہ کی "الحلیہ" میں ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ بنی اسرائیل کو بتائیے کہ جو شخص مجھ سے اس طرح ملاقات کرے گا کہ وہ حضرت احمد ﷺ کا منکر ہوگا میں اس کو جہنم میں داخل کروں گا۔ انہوں نے پوچھا اے میرے رب احمد کون ہیں؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں نے کوئی ایسی مخلوق پیدا نہیں کی جو میرے نزدیک ان سے زیادہ معزز ہو میں نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنے سے پہلے ان کا نام اپنے نام کے ساتھ ملا کر عرش پر لکھا جب تک وہ اور ان کی امت جنت میں داخل نہ ہو جائیں باقی تمام مخلوق پر جنت حرام رہے گی۔ انہوں نے عرض کیا ان کی امت کون لوگ ہیں؟ فرمایا وہ بہت تعریف کرنے والے ہیں وہ (پہاڑوں وغیرہ پر) اترتے چڑھتے اور ہر حالت میں تعریف کریں گے وہ اپنی کمر کو ازار بند سے باندھیں گے اور وضو کریں گے، دن کو روزہ رکھیں گے اور رات کو عبادت کریں گے، میں ان سے تھوڑا سا عمل بھی قبول کروں گا اور کلمہ شہادت کے ذریعے جنت میں داخل کروں گا، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا یا اللہ! مجھے اس امت کا نبی بنا دے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ان کا نبی ان ہی میں سے ہوگا۔

عرض کیا مجھے اس امت میں سے کر دے فرمایا میں نے آگے اور پیچھے کر دیا (یعنی آپ پہلے آئے اور وہ بعد میں آئیں گے) لیکن میں جنت میں تم دونوں کو اکٹھا کر دوں گا۔ (حلیۃ الاولیاء ج ۶ ص ۳۲)

حضرت وہب بن منبہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت شعیاء علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ میں ایک ایسا نبی بھیجوں گا جس کے ذریعے بہرے کانوں، بند دلوں اور اندھی آنکھوں کو کھول دوں گا ان کی جائے ولادت مکہ مکرمہ، مقام ہجرت مدینہ طیبہ اور حکومت شام میں ہوگی میرا وہ بندہ متوکل (مجھ پر بھروسہ کرنے والا) مصطفیٰ، بلند

مقام محبوب منتخب اور مختار ہوگا۔ وہ برائی کا بدلہ برائی سے نہیں دے گا بلکہ معاف کردے گا اور درگزر کرے گا اور بخش دے گا وہ مؤمنوں پر مہربان ہوگا وہ بھاری جانور کے لئے اور بیوہ عورت کی گود میں یتیم بچے کے لئے بھی روئے گا وہ سخت مزاج بدکلام اور بازاروں میں شور وشغب کرنے والا نہیں ہوگا برائی کا لباس پہنے گا اور نہ بدکلام ہوگا اور اگر وہ چراغ کے پاس سے گزرے تو اس کے سکون کی وجہ سے چراغ نہیں بجھے گا اور اگر طویل بانس پر چلے تو اس کے قدموں کے نیچے سے آواز نہیں آئے گی میں اسے خوشخبری دینے والا اور ڈرسنانے والا بنا کر بھیجوں گا۔ یہاں تک کہ فرمایا میں ان کی امت کو بہترین امت بناؤں گا جو لوگوں کے لئے پیدا کی گئی یعنی ان کو نیکی کا حکم دیں گے اور برائی سے روکیں گے میری توحید بیان کریں گے مجھ پر ایمان لائیں گے جو کچھ میرے رسول علیہم السلام لے کر آئے ان کی تصدیق کریں گے اور وہ (عبادات کے اوقات کے لئے) سورج اور چاند کا خیال رکھیں گے۔ ان دلوں چہروں اور روحوں کے لئے مبارک باد ہے جو میرے لئے خاص ہوئے میں ان کو تسبیح، تکبیر، تحمید اور توحید (سبحان اللہ اللہ اکبر الحمد للہ اور لا الہ الا اللہ) کا الہام کروں گا (ان کے دلوں میں ڈالوں گا) کہ وہ اپنی مساجد مجالس بستروں اور ہر ٹھکانے پر پڑھیں وہ اپنی مساجد میں اس طرح صفیں بنائیں گے جس طرح فرشتے میرے عرش کے گرد صفت بستہ ہیں وہ میرے دوست اور میرے (دین کے) مددگار ہیں۔ میں ان کے ذریعے اپنے دشمنوں سے انتقام لوں گا جو بت پرست ہیں وہ میرے لئے کھڑے بیٹھے رکوع اور سجود کی حالت میں نماز پڑھیں گے وہ میری رضا کی خاطر اپنے گھروں اور مالوں کو چھوڑ کر جہاد کے لئے نکل جائیں گے اور صفیں باندھے میری راہ میں لڑیں گے۔

ان کی کتاب کے ذریعے پہلی کتب کو ان کی شریعت کے ذریعے پہلی شریعتوں کو اور ان کے دین کے ذریعے پہلے ادیان کو منسوخ کروں گا۔

پس جو ان کو پائے اور ان کی کتاب پر ایمان نہ لائے اور نہ ان کے دین اور شریعت میں داخل ہو تو اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں وہ مجھ سے دور ہے میں ان کو تمام امتوں سے افضل امت بناؤں گا ان کو درمیانی (بہترین) امت بنا کر لوگوں پر گواہ بناؤں گا جب ان کو غصہ آئے گا تو لا الہ الا اللہ پڑھیں گے اور جھگڑیں تو سبحان اللہ کہیں گے وہ اپنے چہروں اور اعضاء کو پاک کریں گے کپڑوں کو نصف جسم تک باندھیں گے اور ہر اونچی جگہ اور پستی میں لا الہ الا اللہ پڑھیں گے۔

ان کی قربانی خون (جانور کو ذبح کرنے) کی صورت میں ہوگی ان کی کتاب ان کے سینے میں ہوگی رات کو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے والے اور دن کو (دشمن کے مقابلے میں) شیر ہوں گے جو ان کا ساتھ دے گا اور ان کے دین اور شریعت پر ہوگا اس کے لئے مبارک باد ہے اور یہ میرا فضل ہے جس کو چاہوں عطا کروں اور میں بہت فضل والا ہوں اس حدیث کو ابونعیم نے روایت کیا ہے۔

امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ نے ذکر کیا کہ جس نبی کے معجزات زیادہ ظاہر ہوں اس کی امت کا ثواب کم ہوتا ہے امام سبکی فرماتے ہیں یہ بات مستثنیٰ ہے کیونکہ اس امت کے نبی کے معجزات زیادہ ظاہر اور امت کا ثواب تمام امتوں سے زیادہ ہے۔

مال غنیمت کا حلال ہونا

اس امت کے خصائص میں سے ہے کہ اس کے لئے مال غنیمت حلال کیا گیا جب کہ پہلی امتوں کے لئے حلال نہ تھا۔ اور ان کے لئے تمام زمین کو سجدہ گاہ بنا دیا گیا جب کہ پہلی امتیں اپنی مخصوص عبادت گاہوں میں نماز پڑھ سکتی تھیں نیز اس امت کے لئے مٹی کو پاک کرنے والا بنایا گیا یعنی اس سے تیمم کیا جا سکتا ہے۔

اور ابوامامہ رضی اللہ عنہ کی ایک روایت جسے امام بخاری رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے اس میں یوں آیا ہے:

وجعلت الارض كلها لى ولامتى مسجدا و طهورا. (مسند احمد ج ۵ ص ۲۴۸)

تمام زمین کو میرے لئے اور میری امت کے لئے مسجد اور طہارت کا ذریعہ بنایا گیا ہے۔

اور امام مسلم رحمہ اللہ نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی روایت یوں نقل کی ہے:

وجعلت لنا الارض كلها مسجدا و جعلت تربتها طهورا اذا لم نجد الماء

اور ہمارے لئے تمام زمین کو مسجد بنایا گیا اور اس کی مٹی کو طہارت کا ذریعہ بنایا گیا جب ہم پانی نہ پائیں۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۴' شرح السنہ ج ۲ ص ۱۱۳' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۴۰۲۔ ج ۱۱ ص ۴۳۵)

نماز سے متعلق خصائص

اس امت کے خصائص میں سے ایک خصوصیت وضو ہے۔ پہلی امتوں کے لئے وضو نہیں تھا صرف انبیاء کرام علیہم السلام کے لئے تھا یہ بات الحلیمی نے ذکر کی ہے اور انہوں نے صحیح بخاری کی حدیث سے استدلال کیا ہے۔

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

ان امتى يدعون يوم القيامة غرا محجلين من آثار الوضوء.

قیامت کے دن میری امت کو بلایا جائے گا تو ان کے اعضاء وضو سے چمک رہے ہوں گے۔

(اتحاف السادۃ المتقین ج ۲ ص ۳۶۱' جمع الجوامع رقم الحدیث: ۶۲۷۷' الترغیب ج ۱ ص ۱۴۹' مشکوٰۃ رقم الحدیث: ۲۹۰)

''لیکن فتح الباری میں فرمایا'' یہ بات محل نظر ہے کیونکہ صحیح بخاری میں حضرت سارہ علیہم السلام کے اس واقعہ میں ثابت ہے کہ جس میں بادشاہ نے حضرت ہاجرہ علیہا السلام آپ کے حوالے کیں کہ جب بادشاہ نے آپ کے قرب کا ارادہ کیا تو آپ کھڑی ہو گئیں اور وضو کر کے نماز پڑھنے لگیں اور جریج راہب کے واقع میں بھی ہے کہ اس نے اٹھ کر وضو کیا' نماز پڑھی اور پھر بچے سے کلام کیا۔

تو اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس امت کی خصوصیت وضو کی وجہ سے اعضاء کا چمکنا ہے محض وضو نہیں۔

اور ''صحیح مسلم کی'' ایک روایت میں اس بات کو صراحتاً بیان کیا گیا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

لكم سيما ليست لاحد غيركم.

یہ تمہارے ساتھ خاص ہے' تمہارے غیر کے لئے نہیں ہے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث:۳۶-۳۷'اتحاف السادۃ المتقین ج۱۰ص۵۰۲' تفسیر قرطبی ج۶ص۱۰۷)

یعنی اس وضو کا علامت ہونا اور "تحجیل" (چمک) کی انتہا یہ ہے کہ وہ بازوؤں اور پنڈلیوں کو گھیر لے اور "غرۃ" سر کے اگلے حصے کو دھونا اور گردن کو چہرے سمیت دھونا۔

ان خصائص میں سے ایک یہ ہے کہ پانچ نمازوں کا مجموعہ کسی دوسری امت کو نہیں دیا اور وہ اس امت کے ساتھ خاص ہے امام طحاوی رحمہ اللہ نے حضرت عبید اللہ بن محمد بن عائشہ رضی اللہ عنہم سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں جب حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ قبول ہوئی تو انہوں نے فجر کے وقت دو رکعتیں نماز پڑھی تو یہ صبح کی نماز ہوگئی حضرت اسحاق علیہ السلام کا فدیہ ظہر کے وقت دیا گیا۔ ۱

تو (حضرت ابراہیم علیہ السلام نے) چار رکعات پڑھیں تو اس طرح ظہر کی نماز بن گئی حضرت عزیر علیہ السلام کو جب اٹھایا گیا تو عصر کا وقت تھا پوچھا گیا کتنا عرصہ ٹھہرے فرمایا ایک دن' جب سورج کو دیکھا تو فرمایا یا دن کا کچھ حصہ' پس آپ نے چار رکعات ادا کیں تو یہ عصر کی نماز ہوگئی۔ ۲ حضرت داؤد علیہ السلام کی بخشش مغرب کے وقت ہوئی تو آپ چار رکعتیں پڑھنے کے لئے کھڑے ہوئے تو تھک جانے کی وجہ سے وہ تیسری رکعت پر بیٹھ گئے تو اس طرح مغرب کی تین رکعات ہوگئیں اور عشاء کی نماز ہمارے آقا ﷺ نے پڑھی۔

امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے "اپنی سنن (سنن داؤد) میں" ابن ابی شیبہ رحمہ اللہ نے "اپنی مصنف میں" اور امام بیہقی رحمہ اللہ نے "اپنی سنن (سنن الکبریٰ) میں" حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ ایک رات نبی اکرم ﷺ نے عشاء کی نماز مؤخر کی حتیٰ کہ گمان کرنے والے نے گمان کیا کہ آپ نے نماز پڑھ لی ہے پھر آپ باہر تشریف لائے تو فرمایا اس نماز کو اندھیرے میں پڑھو (تاخیر سے پڑھو) بے شک تمہیں اس نماز کے ذریعے تمام امتوں پر فضیلت دی گئی ہے اور تم سے پہلے کسی امت نے یہ نماز نہیں پڑھی۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۴۲۱' مسند احمد ج۵ص۲۳۷' السنن الکبریٰ ج۱ص۴۵۱' حلیۃ الاولیاء ج۹ص۲۳۸' الدر المنثور ج۱ص۳۰۰۔ ج۲ص۶۵' کنز العمال رقم الحدیث:۱۹۴۷۷)

اس امت کے خصائص میں سے اذان اور اقامت بھی ہے۔ ۳ نیز بسم اللہ پڑھنا بھی اس امت کی خصوصیت ہے۔ شیخ شہاب الدین حلبی نحوی نے اپنی تفسیر میں بعض حضرات سے نقل کیا وہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے "بسم اللہ" ہم

۱ امام زرقانی فرماتے ہیں یہ حدیث ان لوگوں کی دلیل ہے جو حضرت اسحاق علیہ السلام کو ذبیح اللہ مانتے ہیں لیکن صحیح یہ ہے کہ ذبیح اللہ حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں (زرقانی ج۵ص۳۶۹) حقیقت بھی یہی ہے کیونکہ ذبح کی یادگار منیٰ ہے اور حجاج کرام وہاں جانوروں کو ذبح کرتے ہیں جب کہ منیٰ کا تعلق حضرت اسماعیل علیہ السلام سے ہے' حضرت اسحاق علیہ السلام سے نہیں۔ ۱۲ ہزاروی

۲ امام زرقانی فرماتے ہیں کہ امام رافعی کی شرح مسند میں ہے کہ عصر کا وقت حضرت سلیمان علیہ السلام کے لئے مقرر ہوا۔ (زرقانی ج۵ص۳۶۹)

۳ کیونکہ حدیث شریف کے مطابق جب مسلمانوں کو یہ پریشانی لاحق ہوئی کہ نماز کے لئے لوگوں کو جمع کرنے کی خاطر کیا طریقہ اختیار کیا جائے تو حضرت عبد اللہ بن زید رضی اللہ عنہ کو خواب میں اذان سکھائی گئی حضرت آدم علیہ السلام جب ہندوستان میں اترے اور وحشت محسوس کی تو حضرت جبریل علیہ السلام نے اتر کر اذان دی تو یہ بات اس خصوصیت کی خلاف نہیں کیونکہ نماز کے لئے اذان و اقامت کی مشروعیت اس امت کی خصوصیت ہے (وہ اذان نماز کے لئے نہیں تھی)۔ زرقانی ج۵ص۳۷۰)

سے پہلے کسی امت پر نازل نہیں کی البتہ حضرت سلیمان بن داؤد علیہما السلام پر نازل ہوئی تو یہ اس امت کی خصوصیت ہے۔ [1]

آمین کہنا بھی اس امت کی خصوصیت ہے حضرت امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے نقل کیا آپ فرماتی ہیں کہ میں نبی اکرم ﷺ کے پاس تھی کہ ایک یہودی نے اندر آنے کی اجازت مانگی (اس کے بعد انہوں نے پوری حدیث ذکر کرتے ہوئے فرمایا) کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا یہ لوگ ہم پر باقی کسی چیز میں اتنا حسد نہیں کرتے جس قدر جمعۃ المبارک کے حوالے سے حسد کرتے ہیں ہمیں اللہ تعالیٰ نے اس کی طرف ہدایت دی اور یہ اس سے بھٹکے رہے۔ [2]

نیز امام کے پیچھے آمین کہنے کے اعتبار سے زیادہ حسد کرتے ہیں۔ (الترغیب والترہیب ج ا ص ۳۲۸)

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ حدیث غریب ہے ہم اسے ان الفاظ کے ساتھ صرف اسی سند سے جانتے ہیں لیکن بعض حضرات نے آمین کے سلسلے میں حسن روایت کے ساتھ متابعت کی ہے۔ ابن ماجہ نے اسے روایت کیا اور ابن خزیمہ نے اسے صحیح قرار دیا وہ دونوں حضرت سہیل بن ابی صالح سے روایت کرتے ہیں وہ اپنے باپ سے وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اور وہ نبی اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا۔

یہودیوں نے ہم پر کسی چیز میں اتنا حسد نہیں کیا جتنا حسد سلام اور آمین کہنے پر کرتے ہیں۔

(تمہید ج ۷ ص ۱۵ مصنف عبدالرزاق ص ۲۶۳۹ کنز العمال رقم الحدیث: ۲۵۱۷۶)

رکوع کے ساتھ اختصاص بھی اس امت کو حاصل ہے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ ہم نے سب سے پہلے جس نماز میں رکوع کیا وہ عصر کی نماز تھی میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! ﷺ! یہ کیا ہے؟ فرمایا مجھے اسی بات کا حکم دیا گیا ہے۔

اس حدیث سے استدلال کی صورت یہ ہے کہ اس سے پہلے نبی اکرم ﷺ نے ظہر کی نماز پڑھی اور پانچ نمازوں کی فرضیت سے پہلے آپ رات کو قیام کرتے تھے تو اس سے پہلے کی نماز رکوع کے بغیر ہوتی تھی کیونکہ سابقہ امتوں کی نماز بھی رکوع سے خالی تھی یہ بات بعض علماء نے فرمائی ہے (امام جلال الدین سیوطی کی طرف اشارہ ہے)۔ (زرقانی ج ۵ ص ۳۷۲)

اور مفسرین کی ایک جماعت نے "وارکعوا مع الراکعین" کی تفسیر میں لکھا ہے کہ رکوع کی مشروعیت اس امت کے ساتھ خاص ہے اور بنی اسرائیل کی نماز میں رکوع نہیں تھا اسی لئے ان کو نبی کریم ﷺ کی امت کے ساتھ رکوع کرنے کا حکم دیا۔

لیکن یہ بات اس آیت سے ٹکراتی ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

يَا مَرْيَمُ اقْنُتِي لِرَبِّكِ وَاسْجُدِي وَارْكَعِي مَعَ الرَّاكِعِينَ ○ (آل عمران: ۴۳)	اے مریم! علیہا السلام اپنے رب کے لئے باادب ہو جاؤ اور سجدہ کرو اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو۔

[1] یعنی قرآن مجید میں اس کا نزول برائے تلاوت اس امت کے ساتھ خاص ہے لہٰذا حضرت سلیمان علیہ السلام پر اس کا نزول اور حضرت آدم علیہ السلام کا اسے پڑھنا اس خصوصیت کے خلاف نہیں۔ (زرقانی ج ۵ ص ۳۷۰)

[2] یہود و نصاریٰ کو عبادت کے لیے ایک خاص دن اختیار کرنے کی اجازت دی گئی تو انہوں نے ہفتہ اور اتوار اختیار کیا لیکن اللہ تعالیٰ نے امت محمدیہ کو ایسا فرمایا تو انہوں نے جمعہ کا دن عطا فرمایا۔ ۱۲ ہزاروی

ان کو نماز باجماعت کا حکم دیا گیا اور ارکان نماز کا ذکر بھی کیا گیا تا کہ ان پر محافظت اچھی طرح ہو۔

علماء کرام فرماتے ہیں رکوع سے سجدہ کو مقدم کرنے کی وجہ یا تو یہ ہے کہ ان کی شریعت میں اسی طرح تھا یا اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ واؤ (مطلق جمع کے لئے ہے) ترتیب کو نہیں چاہتی۔

یہ بھی کہا گیا کہ قنوت (اقنتی) سے مراد دائمی اطاعت ہے جس طرح فرمایا:

اَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ اٰنَآءَ الَّیْلِ سَاجِدًا وَّ قَآئِمًا. (الزمر:۹) کیا وہ جو رات کی گھڑیوں میں سجدے اور قیام کی حالت میں مسلسل کھڑا رہتا ہے۔

اور سجدہ سے نماز مراد ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

وَاَدْبَارَ السُّجُوْدِ. (ق:۴۰) اور نمازوں کے بعد

نماز میں صف بندی بھی اس امت کی خصوصیات میں شامل ہے۔ جس طرح فرشتے صف بستہ ہیں یہ حدیث امام مسلم رحمہ اللہ نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے نقل کی ہے۔

ملاقات کے وقت سلام کرنا بھی اس امت کے خصائص میں سے ہے جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث گزر چکی ہے۔

جمعۃ المبارک

امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ کی خصوصیات میں سے ایک بات جمعۃ المبارک ہے۔ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

ہم پچھلے ہیں قیامت کے دن سے سب سے آگے ہوں گے البتہ ان کو ہم سے پہلے کتاب دی گئی پھر یہ دن جو اللہ تعالیٰ نے ان پر فرض کیا تو انہوں نے اس میں اختلاف کیا پس اللہ تعالیٰ نے اس کی طرف ہماری رہنمائی فرمائی لہٰذا لوگ اس میں ہم سے پیچھے ہیں یہودی کل (ہفتہ کے دن) کو اور عیسائی پرسوں (اتوار کے دن)۔

(مسند احمد ج ۲ ص ۲۴۹-۵۰۳' سنن دار قطنی ج ۲ ص ۳' السنن الکبریٰ ج ا ص ۲۹۸' دلائل النبوۃ ج ۵ ص ۴۷۵' اتحاف السادۃ المتقین ج ۳ ص ۲۱۵' کنز العمال رقم الحدیث: ۳۳۴۷۵-۳۳۵۱۷)

اس امت کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اسے جمعہ کے دن قبولیت کی ساعت عطا کی گئی اس ساعت کی تعیین میں اختلاف ہے اور تیس سے زائد اقوال ہیں جو میں (مصنف) نے "**لوامع الانوار فی الادعیۃ والاذکار میں**" درج کئے ہیں۔

ماہِ رمضان سے متعلق خصائص

اس سلسلے میں ایک خصوصیت یہ ہے کہ جب ماہ رمضان کی پہلی رات ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ ان (لوگوں) کی طرف نظر فرماتا ہے اور وہ جس کی طرف نظر فرمائے اسے کبھی عذاب نہیں دے گا اس مہینے میں جنت کو سنوارا جاتا ہے اور روزہ دار کے منہ کی بو اللہ تعالیٰ کے ہاں کستوری کی خوشبو سے زیادہ مہکتی ہے۔ ہر رات مسلمانوں کے لئے فرشتے بخشش مانگتے ہیں حتیٰ کہ عید الفطر آ جائے' جب آخری رات آتی ہے تو ان سب کو بخش دیا جاتا ہے یہ بات امام بیہقی نے ایسی سند کے ساتھ ذکر کی ہے جس میں کوئی حرج نہیں۔ حدیث کے الفاظ اس طرح ہیں:

اعطيت امتی فی شهر رمضان خمسالم يعطهن نبی قبلی. میری امت کو رمضان کے مہینے میں پانچ باتیں عطا ہوئیں جو مجھ سے پہلے کسی نبی کو نہیں دی گئیں!

(الترغیب والترہیب ج ۲ ص ۹۲ الدر المنثور ج ۱ ص ۱۸۳ کنز العمال رقم الحدیث: ۲۳۷۰۹)

اور ان (مسلمانوں) کے لئے مچھلیاں بخشش طلب کرتی ہیں یہاں تک کہ روزے رکھنا چھوڑ دیں (ماہ رمضان ختم ہو جائے) اس حدیث کو امام بزار نے نقل کیا۔

اور سرکش شیطان بند کر دیئے جاتے ہیں۔ یہ حدیث امام احمد اور امام بزار رحمہما اللہ نے نقل کی ہے۔

ایک خصوصیت سحری کھانا اور افطار میں جلدی کرنا ہے یہ حدیث امام بخاری اور مسلم نے نقل کی ہے۔

اور طلوع فجر تک رات میں کھانا پینا جائز قرار دیا گیا جب کہ پہلی امتوں پر سو جانے کے بعد یہ کام حرام تھے۔ اسلام کے شروع میں بھی اسی طرح تھا پھر یہ حکم منسوخ ہو گیا۔

ان خصائص امت میں سے ایک لیلۃ القدر ہے جس طرح امام نووی رحمہ اللہ نے ''شرح المھذب میں'' فرمایا ہے۔

اور کیا رمضان المبارک کے روزے اس امت کے خصائص میں سے ہیں یا نہیں؟ تو اگر ہم قرآن مجید کی آیت کریمہ:

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ تم پر روزے فرض کئے گئے جیسا کہ تم سے پہلے لوگوں پر فرض کئے گئے۔

میں لفظ ''کما'' کو دیکھیں جس میں کاف تشبیہ کے لئے ہے اگر اس کو حقیقت پر محمول کریں تو ہم سے پہلے لوگوں پر بھی رمضان کے روزے فرض ہوں گے۔

ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً نقل کیا ہے کہ رمضان شریف کے روزے اللہ تعالیٰ نے تم سے پہلے لوگوں پر بھی فرض کئے تھے۔ اس کی سند مجہول ہے۔ اور اگر ہم کہیں کہ مطلق روزے مراد ہیں ان کی تعداد اور وقت مراد نہیں ہے تو تشبیہ مطلق روزوں میں ہوگی اور یہ جمہور کا قول ہے۔

مصیبت کے وقت ''انا للہ وانا الیہ راجعون'' پڑھنا

اس امت کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ مصیبت کے وقت یہ ''انا للہ وانا الیہ راجعون'' پڑھتے ہیں۔ حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اس امت کو مصیبت کے وقت وہ چیز دی گئی کہ پہلے انبیاء کرام کو اس کی مثل نہیں دی گئی اور وہ ''اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ'' ہے اگر یہ کلمات انبیاء کرام علیہم السلام کو دیئے جاتے تو حضرت یعقوب علیہ السلام کو دیئے جاتے جب آپ نے فرمایا:

يَآ اَسَفٰى عَلٰى يُوْسُفَ. ہائے حضرت یوسف علیہ السلام (کے جانے) پر افسوس۔

8

آسانی کا ہونا اور حرج کا اٹھ جانا

اس امت کو ایک خصوصیت یہ حاصل ہوئی کہ ان سے وہ بوجھ اٹھا لئے گئے جو پہلی امتوں پر رکھے گئے تھے۔

ارشاد خداوندی ہے:

وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ. (الاعراف:۱۵۷) اور ان سے وہ بوجھ اور بیڑیاں اتار دے جو ان پر تھیں۔

یعنی ان کو جن مشکل کاموں کا مکلف بنایا گیا تھا ان میں آسانی کر دے، جس طرح جان بوجھ کر اور غلطی سے دونوں طرح قتل کرنے کی صورت میں قصاص واجب تھا۔ [۱]

اور جس عضو سے خطا سرزد ہوتی اسے کاٹ دیا جاتا اور نجاست کی جگہ کو بھی (دھونے کی بجائے) کاٹ دیا جاتا۔ [۲]

اور توبہ کے لئے قتل کرنا ضروری تھا۔ [۳]

اور بنی اسرائیل میں کوئی شخص گناہ کرتا تو صبح اس کے دروازے پر لکھا ہوتا کہ اس کا کفارہ یہ ہے کہ تمہاری آنکھیں نکال لی جائیں تو اس کی آنکھیں نکال دی جاتیں۔ "اصر" وہ بوجھ جو اٹھانے والے کو حرکت سے روک دے یعنی بہت بھاری ہو۔

اس امت کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے بہت سے کام حلال کر دیئے جو پہلے لوگوں پر حرام تھے اور ان پر دین میں کوئی تنگی نہیں رکھی۔

ارشاد خداوندی ہے:

وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ. (الحج:۷۸) اور اس نے دین کے معاملے میں تم پر کوئی تنگی نہیں رکھی۔

مقصد یہ کہ تمہیں ایسے کاموں کا مکلف نہیں بنایا جن کی ادائیگی تمہارے لئے مشکل ہو یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ (شرعی احکام کی ادائیگی سے) کوئی رکاوٹ یا عذر نہیں ہے کہ ان کو چھوڑ دیا جائے یعنی جو شخص کھڑا ہو کر نماز نہیں پڑھ سکتا وہ بیٹھ کر پڑھے اور سفر میں روزہ چھوڑنا جائز قرار دیا اور نماز میں قصر کا حکم دیا (چار کی بجائے دو پڑھے)۔

اور کہا گیا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اسے نکلنے کا راستہ بنایا ہے اور ان کے لئے توبہ کا دروازہ کھول دیا اور حقوق خداوندی میں کفارے رکھے جب کہ حقوق العباد میں تاوان اور دیت وغیرہ رکھی۔ یہ بات امام بیضاوی رحمہ اللہ نے فرمائی ہے۔ (لسان العرب ج ۱ص ۱۷)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ بنی اسرائیل پر جو بوجھ اور سختیاں تھیں یہ حرج ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اس امت سے اٹھا دیا۔

---

[۱] "صحیح بخاری میں ہے کہ "بنی اسرائیل میں قصاص ہی تھا دیت نہیں تھی چاہے قتل ہو یا زخم۔

[۲] "صحیح بخاری میں ہے کہ "بنی اسرائیل میں (جب کسی کے کپڑوں کو) پیشاب لگ جاتا ہے تو اس کو کاٹ دیتا۔

[۳] ارشاد خداوندی ہے: "فَتُوبُوا إِلَى بَارِئِكُمْ فَاقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ" (پس اپنے پیدا کرنے والے کے ہاں توبہ کرو تو اپنے نفسوں کو قتل کرو) یعنی بے گناہ مجرم کو قتل کرے۔ (البقرہ:)

حضرت کعب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں اس امت کو تین باتیں ایسی دی گئی ہیں جو صرف انبیاء کرام علیہم السلام کو دی گئی تھیں ان کو لوگوں پر گواہ بنایا' ان پر دین میں کوئی تنگی نہیں رکھی گئی اور فرمایا تم دعا مانگو میں تمہارے لئے قبول کروں گا۔

اس امت کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے غلطی اور بھول جانے کے سبب سرزد ہونے والے گناہ کا مواخذہ اٹھادیا اسی طرح جس کام پر ان کو مجبور کیا جائے یا ان کے دل میں جو وسوسے پیدا ہوں ان پر بھی کوئی گرفت نہیں ہو گی۔ [1]

جب کہ بنی اسرائیل کا حال یہ تھا کہ جب وہ احکام خداوندی میں سے کسی بات کو بھول جاتے یا ان سے خطا ہو جاتی تو ان پر فوری طور پر عذاب آتا تھا یعنی گناہ کے مطابق کوئی کھانا یا مشروب حرام ہو جاتا۔

نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

ان اللہ وضع عن امتی الخطأ والنسیان وما استکرھوا علیہ۔ — بے شک اللہ تعالیٰ نے میری امت سے خطا' نسیان اور جس بات پر ان کو مجبور کیا جائے' اسے اٹھادیا۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۰۴۵' نصب الرایہ ج ۲ ص ۶۴' کشف الخفاء ج ۱ ص ۵۲۲' کنز العمال رقم الحدیث: ۳۴۴۶۰)

اسلام اس امت کے ساتھ مخصوص ہے

اس امت کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اسلام ان کے ساتھ مخصوص وصف ہے اس میں انبیاء کرام علیہم السلام کے علاوہ کوئی دوسرا ان کے ساتھ شریک نہیں۔ ارشاد خداوندی ہے:

هُوَ سَمّٰكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ مِنْ قَبْلُ وَفِيْ هٰذَا. (الحج:۷۸) — اس نے تمہارا نام مسلمان رکھا پہلے بھی اور اس کتاب میں بھی۔

اور ارشاد فرمایا:

وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا. (المائدہ:۳) — اور تمہارے لئے اسلام کو بطور دین پسند کیا۔

اگر یہ اس امت کے ساتھ خاص نہ ہوتا تو اس کے ذریعے ان پر احسان جتانے کا کوئی فائدہ نہ تھا۔

اس کا یہ جواب دیا جاتا ہے کہ ان کے لئے بطور دین' اسلام کو پسند کرنا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ان کا نام مسلمان رکھنا ان کے غیر کے اسلام کے ساتھ موصوف ہونے کی نفی نہیں کرتا اور اس کا فائدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے وہ فضائل جو دوسروں کو عطا فرمائے اس امت پر انعام فرمانے کی خبر دی ہے۔

کہا گیا کہ اسلام کا لفظ اس امت کے ساتھ خاص نہیں بلکہ دوسروں کے لئے بھی بولا گیا ہے کیونکہ یہ لفظ تمام ادیان حق کا لغوی اور شرعی نام ہے۔ جس طرح ابن صلاح نے اس کا جواب دیتے ہوئے حضرت یعقوب علیہ السلام کی وصیت نقل کی آپ نے فرمایا:

---

[1] نبی اکرم ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے میری امت کی ان باتوں سے درگزر فرمایا جو ان کے دلوں میں پیدا ہوتی ہیں جب تک وہ ان کو زبان پر نہ لائیں یا ان پر عمل نہ کریں۔ (صحیح بخاری)

فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ○ پس ہرگز نہ مرنا مگر اس حال میں کہ تم مسلمان ہو۔
(البقرہ:۱۳۲)

اور ارشاد خداوندی ہے:
فَمَا وَجَدْنَا فِيْهَا غَيْرَ بَيْتٍ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ○ پس ہم نے اس میں مسلمانوں کے علاوہ کسی کا گھر نہیں پایا۔
(الذاریات:۳۶)

اور اس کے علاوہ بھی دلائل ہیں۔

• نیز اسلام کے مقابلے میں ایمان زیادہ خاص ہے جس طرح بہت سے علماء کا مذہب ہے اور وہ اس امت کے ساتھ خاص نہیں بلکہ جو شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے انبیاء کرام علیہم السلام کا اقرار کرتے ہوئے شریعت میں داخل ہوتا ہے وہ ایمان کی صفت سے موصوف ہوتا ہے جس طرح امام راغب نے فرمایا ہے۔

شریعتِ امتِ محمدیہ کا کامل ہونا

اس امت کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ ان کی شریعت پہلی تمام شریعتوں سے زیادہ کامل ہے اور اس بات کی وضاحت بیان کی محتاج نہیں ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت کو دیکھئے آپ کی شریعت میں جلال اور قہر تھا' تو ان کو اپنی جانیں قتل کرنے کا حکم دیا گیا ان پر چربی اور پنجے والے جانور نیز کئی پاکیزہ چیزیں حرام کی گئیں۔ ان پر مال غنیمت بھی حرام کیا گیا ان کو عذاب دینے میں جلدی کی گئی اور ان پر وہ بوجھ رکھے گئے جو دوسروں پر نہیں رکھے گئے۔

اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں بہت بڑی ہیبت اور وقار والے تھے اللہ تعالیٰ کے لئے سخت غصے میں آنے والے اور گرفت کرنے والے تھے آپ اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کو پکڑتے تو کوئی شخص آپ کی طرف دیکھ نہیں سکتا تھا۔

جب کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیکر جمال تھے اور ان کی شریعت' فضل واحسان کی شریعت تھی آپ لڑائی نہیں کرتے تھے اور نہ ہی آپ کی شریعت میں جہاد تھا۔ نصاریٰ کے دین میں لڑائی حرام تھی اور وہ لڑائی کی وجہ سے گناہ گار ہو جاتے تھے کیونکہ انجیل میں ہے۔ جو تمہارے دائیں رخسار پر تھپڑ مارے تم بایاں رخسار اس کے آگے کر دو اور جو تم سے کسی کپڑے میں جھگڑا کرے تو اپنی چادر اسے دے دو اور جو تمہیں ایک میل تک لے جانا چاہے تم اس کے ساتھ دو میل تک چلو۔ (متی ج ۵ ص ۳۹۔۴۱)

اس قسم کے دوسرے احکام ہیں ان کی شریعت میں کوئی مشقت' بوجھ اور بیڑیاں نہیں تھیں۔

لیکن یہ رہبانیت (عمل میں اپنے آپ کو مشقت میں ڈالنا اور دنیا سے قطع تعلق ہو جانا) عیسائیوں نے خود اختیار کی ان پر فرض نہیں کی گئی تھی۔

لیکن ہمارے نبی اکرم ﷺ مظہر کمال تھے آپ اس قوت' عدل' دین کے معاملے میں سختی اور نرمی' مہربانی اور رحمت کے جامع تھے پس آپ کی شریعت تمام شریعتوں سے کامل آپ کی امت تمام امتوں سے زیادہ کامل اور آپ کے احوال و مقامات تمام احوال و مقامات سے اکمل ہیں۔ اسی لئے آپ کی شریعت میں عدل وانصاف واجب اور فضل وکرم مستحب اور پسندیدہ ہے' سختی کے مقام پر سختی اور نرمی کے موقعہ پر نرمی' جہاں تلوار کی ضرورت ہو وہاں تلوار اور حسن سلوک کے مقام پر حسن سلوک ہے آپ ظلم کا ذکر کر کے اسے حرام قرار دیتے تھے اور انصاف کا ذکر کرتے ہوئے اس کا حکم دیتے ہیں بلکہ بعض

اوقات فضل وکرم کی دعوت دیتے ہیں۔ارشاد خداوندی ہے:

جَزٰٓؤُا سَیِّئَۃٍ سَیِّئَۃٌ مِّثْلُهَا. (الشوریٰ:۴۰) برائی کا بدلہ برائی سے اس کی مثل ہے۔

یہ عدل ہے اور فرمایا:

فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَی اللّٰهِ. (الشوریٰ:۴۰) پس جس نے معاف کیا اور اصلاح کی پس اس کا اجر اللہ تعالیٰ کے ذمہ کرم پر ہے۔

تو یہ فضل ہے اور فرمایا:

اِنَّهٗ لَا یُحِبُّ الظّٰلِمِیْنَ ○ (الشوریٰ:۴۰) بے شک وہ ظالموں کو پسند نہیں کرتا۔

یہ ظلم کو حرام کرنا ہے۔

اور ارشادِ خداوندی ہے:

وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ. (النحل:۱۲۶) اور اگر تم سزا دو تو ایسی ہی سزا دو جیسی تمہیں تکلیف پہنچائی۔

تو یہ عدل کو واجب کرنا اور ظلم کو حرام کرنا ہے۔اور ارشاد خداوندی ہے:

وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَیْرٌ لِّلصّٰبِرِیْنَ. (النحل:۱۲۶) اور اگر تم صبر کرو تو یہ صبر کرنے والوں کے لئے بہتر ہے۔

اس سے فضل واحسان کی دعوت دی گئی۔

جس طرح اس امت پر بعض کام اس امت کی حفاظت وحمایت کے لئے حرام کیے گئے اسی طرح تمام خبیث اور نقصان دینے والی اشیاء بھی حرام کی گئیں اور ہر پاک اور نفع بخش چیز کو جائز قرار دیا گیا پس اس کا (کسی چیز کو) حرام قرار دینا رحمت کے تحت ہے اور پہلے لوگوں پر جو کچھ حرام کیا گیا وہ ان کے لئے سزا تھی جس طرح پہلے اشارہ کیا گیا۔

اس امت کی ان چیزوں کی طرف رہنمائی کی گئی جن چیزوں سے پہلے لوگ بھٹکے ہوئے تھے ان کو تمام امتوں سے بہتر قرار دیا گیا اور لوگوں کے فائدے کے لئے پیدا کیا گیا نیز جو خوبیاں دوسروں کو متفرق طور پر دی گئیں اس امت میں جمع کر دی گئیں جس طرح اس امت کے نبی ﷺ میں وہ تمام محاسن جمع کر دیئے گئے جو پہلے انبیاء کرام میں متفرق طور پر تھے ان کی کتاب (قرآن مجید) میں وہ تمام خوبیاں مکمل کر دی گئیں جن کو پہلی کتب میں متفرق طور پر رکھا گیا تھا۔اور یہی حال آپ کی شریعت مطہرہ کا ہے۔

پس یہ امت ہی مجتبیٰ (منتخب) ہے جس طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

هُوَ اجْتَبٰىكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَیْكُمْ فِی الدِّیْنِ مِنْ حَرَجٍ. (الحج:۷۸) اس نے تمہیں چن لیا اور تم پر تمہارے دین میں کوئی تنگی نہیں رکھی۔

ان کو لوگوں (پہلی امتوں) پر گواہ بنایا اور اس سلسلے میں ان کو رسولوں کی جگہ رکھا گیا جو اپنی امتوں پر گواہ ہوں گے۔ابن قیم نے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے۔

اس امت کا اجتماع اور اجماع کی فضیلت

اس امت کے خصائص میں سے ایک خصوصیت یہ ہے کہ یہ امت گمراہی پر جمع نہیں ہوگی۔ امام احمد نے ''اپنی مسند میں'' امام طبرانی نے ''الکبیر میں'' اور ابن ابی خیثمہ نے ''اپنی تاریخ میں'' حضرت ابو بصرہ غفاری رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا وہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا۔

میں نے اپنے رب سے سوال کیا کہ میری امت گمراہی پر جمع نہ ہوتو اس نے (میری دعا قبول کر کے) مجھے یہ اعزاز عطا فرمایا۔ (کشف الخفاء ج ۲ ص ۴۸۸، الاسرار المرفوعۃ رقم الحدیث: ۸۷، کنز العمال رقم الحدیث: ۳۷۹۰۳)

ابن ابی عاصم اور طبرانی نے اسے حضرت ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا کہ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے تمہیں تین چیزوں سے پناہ دی۔ [1] اور ان میں یہ بھی ذکر فرمایا کہ تم گمراہی پر جمع نہیں ہوگے۔

ہمارے شیخ رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس حدیث کا متن مشہور ہے اس کی اسناد اور شواہد مرفوع ہیں اور اس کے علاوہ بھی بہت زیادہ ہیں۔

ایک فضیلت یہ ہے کہ اس امت کا اجماع حجت اور اختلاف رحمت ہے جب کہ پہلے لوگوں کا اختلاف عذاب تھا۔

امام بیہقی رحمہ اللہ نے ''المدخل میں'' حضرت سلیمان ابن ابی کریمہ سے انہوں نے جویبر سے انہوں نے ضحاک سے اور انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

واختلاف اصحابی لکم رحمة. اور میرے صحابہ کرام کا اختلاف تمہارے لئے رحمت ہے۔

(کشف الخفاء ج ۱ ص ۶۸، المغنی عن حمل الاسفار ج ۱ ص ۲۸، تاریخ دمشق ج ۶ ص ۲۸۵)

جویبر نہایت ضعیف راوی ہے اور حضرت ضحاک کی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت منقطع ہے۔

اور یہ حدیث جس طرح کہ حضرت شیخ الاسلام ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا لوگوں کی زبانوں پر مشہور حدیث ہے اور ابن حاجب نے اسے ''المختصر میں'' قیاس کی بحث میں ان الفاظ کے ساتھ ذکر کیا ہے:

اختلاف امتی رحمة للناس. میری امت کا اختلاف لوگوں کے لئے رحمت ہے۔

حافظ ابن حجر نے فرمایا کہ اس کے بارے میں سوال زیادہ ہوا اور بہت سے ائمہ نے خیال کیا کہ اس کی کوئی اصل نہیں ہے لیکن خطابی نے غریب الحدیث میں ضمناً ذکر کیا اور فرمایا کہ اس حدیث پر دو آدمیوں نے اعتراض کیا ایک وہ جو پاگل ہو اور دوسرا وہ جو دین سے نکل گیا اور یہ اسحاق موصلی اور عمرو بن بحر جاحظ ہے ان دونوں نے کہا اگر امت کا اختلاف رحمت ہے تو اتفاق عذاب ہوگا۔ [2]

---

[1] ایک بات یہ کہ تمہارے نبی ﷺ تمہارے خلاف دعا (بددعا) نہیں کریں گے جس سے تم سب ہلاک ہو جاؤ اور اہل باطل اہل حق پر غالب نہیں آئیں گے (اور تیسری بات یہی کہ امت گمراہی پر جمع نہیں ہوگی)۔ (زرقانی ج ۵ ص ۳۸۹)

[2] کیونکہ امت کا احکام میں اختلاف وسعت اور گنجائش کا پیش خیمہ ہے اسی لئے امت کے لئے اجتہاد کی اجازت ہے، عقائد میں اختلاف مراد نہیں۔ امام زرقانی فرماتے ہیں حق بات جس پر اہل سنت وجماعت ہیں۔ یہ ہے کہ یہ حدیث احکام میں اختلاف سے متعلق ہے۔

(زرقانی ج ۵ ص ۳۸۹، ۳۹۰)

فرماتے ہیں پھر خطابی ان لوگوں کے رد میں مشغول ہوئے اور اس حدیث کی نسبت میں ان کی کوئی تصریح نہیں پائی گئی لیکن میں سمجھتا ہوں کہ ان کے نزدیک اس کی کوئی اصل ہے۔

حضرت لیث بن سعد کی حدیث جو یحیٰ بن سعید سے مروی ہے اس میں ہے کہ اہل علم وسعت والے ہیں اور فتنہ باز ہمیشہ اختلاف کریں گے یہ حلال کہے گا تو وہ حرام کہے گا لیکن ایک دوسرے کو الزام نہیں دیں گے اس بات کی طرف ہمارے شیخ نے ''المقاصد الحسنہ میں'' اشارہ کیا ہے۔

طاعون شہادت ہے

اس امت کا ایک اختصاص یہ ہے کہ ان کے لئے طاعون شہادت اور رحمت کا باعث ہے جبکہ پہلی امتوں پر عذاب تھا اس حدیث کو امام احمد نے اور امام طبرانی نے ''الکبیر میں'' ابوعسیب کی روایت سے نقل کیا جو حضور علیہ السلام کے آزاد کردہ غلام ہیں اور امام احمد کی روایت کے راوی ثقہ ہیں اس حدیث کے الفاظ اس طرح ہیں:

الطاعون شهادة لامتی و رحمة لهم و رجز على الكافرين.

طاعون میری امت کے لئے شہادت (کا باعث) اور ان کے لئے رحمت ہے اور کافروں پر عذاب ہے۔

(سنن دارمی ج۲ص ۲۰۷' اتحاف السادۃ المتقین ج۶ص ۳۹۲' الترغیب والترہیب ج۴ص ۳۳۴' تفسیر قرطبی ج۳ص ۲۸۵' کنز العمال رقم الحدیث: ۲۸۴۳۷)

اچھی شہادت جنت میں دخول کا باعث ہے

اس امت کے خصائص میں سے یہ بھی ہے کہ جب ان میں سے دو آدمی کسی شخص کی بھلائی کی شہادت دیں تو اس کے لئے جنت واجب ہو جاتی ہے۔ [1] جب کہ پہلی امتوں کو یہ اعزاز ایک سو آدمیوں کی شہادت پر ملتا تھا۔

عمل کم اور ثواب زیادہ

اس امت کو حاصل ہونے والی خصوصیات میں سے ایک یہ ہے کہ ان کا عمل کم اور اجر زیادہ ہے اور عمریں بھی کم ہیں لیکن اوّل و آخر کا علم دیا گیا اور یہ آخری امت ہے اس لئے پہلی امتوں کی خرابیاں اور شرمندگی ان کے سامنے ظاہر ہوئی لیکن یہ کسی امت کے سامنے شرمندہ نہیں ہیں۔

اسناد کی خصوصیت

ان خصوصیات میں سے ایک یہ ہے کہ ان کو سند کا اعزاز دیا گیا اور یہ ایک عمدہ خصوصیت ہے جو اس امت کے خصائص میں سے ہے اور مؤکدہ سنتوں میں سنت بالغہ ہے۔

اور ہم نے حضرت ابوالعباس الدغولی کی سند سے نقل کیا وہ فرماتے ہیں میں نے حضرت محمد بن حاتم بن مظفر سے سنا وہ

[1] امام احمد' بخاری اور نسائی نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا کہ (نبی اکرم ﷺ نے فرمایا) جس مسلمان آدمی کے لئے چار آدمی گواہی دیں اللہ تعالیٰ اسے جنت میں داخل کرے گا عرض کیا گیا اور ''تین''؟ فرمایا تین بھی عرض کیا گیا اور ''دو'' فرمایا دو بھی اس سے مقصود اچھے الفاظ میں تعریف کرنا ہے۔

فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے اس امت کو عزت اور شرف سند کے ذریعے (بھی) عطا فرمایا اور اس سے پہلے کسی امت کے لئے وہ قدیم ہو یا جدید سند (موصول) نہ تھی ان کے ہاتھوں میں کتابیں تھیں اور انہوں نے اپنی کتابوں میں اپنی خبروں کو ملا دیا پس ان کے نزدیک اس بات کی تمیز نہیں تھی کہ تورات اور انجیل میں کیا اترا اور انہوں نے غیر ثقہ لوگوں سے لے کر جو خبریں شامل کی ہیں وہ کون سی ہیں۔

اور یہ امت شریفہ اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ کے ذریعے ان کے شرف کو اور زیادہ کرے' حدیث شریف کو ان لوگوں سے لیتے ہیں جو اپنے زمانے میں صدق اور امانت میں معروف ہوتے ہیں اور وہ اپنی مثل لوگوں سے لیتے ہیں حتیٰ کہ ان کی خبریں انتہا کو پہنچ جاتی ہیں۔

پھر وہ اس پر بہت زیادہ بحث کرتے ہیں حتیٰ کہ جو زیادہ یادداشت والا ہے اس کو پہچان لیتے ہیں پھر اس سے کم درجے والا اور اسی طرح زیادہ یاد رکھنے والے لوگ اسی ترتیب سے' نیز جس کو زیادہ صحبت حاصل ہوئی وہ مقدم ہوتا پھر وہ جس کو کم حاضری نصیب ہوئی پھر وہ بیس وجوہ سے یا اس سے زیادہ طرق سے بھی حدیث لکھتے ہیں حتیٰ کہ اس کو غلطی اور لغزش سے ممتاز کر دیتے ہیں' اس کے حروف کو ضبط میں لاتے اور اسے خوب شمار کرتے ہیں تو اس امت پر یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے پس ہم اس نعمت اور دوسری نعمتوں پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہیں۔

ابو حاتم رازی (محمد بن ادریس رازی متوفی ۲۷۷ھ) نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جب سے آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا کسی امت میں ایسے امین لوگ نہیں رہے جو رسل عظام کے آثار اور ارشادات کو محفوظ رکھتے ہوں یہ اعزاز صرف اس امت کو حاصل ہے۔ (الاعلام ج ۶ ص ۲۷' تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۳۱' تاریخ بغداد ج ۲ ص ۷۳' مفتاح السعادۃ ج ۲ ص ۱۶۹)

اس امت کے خصائص میں سے ایک خصوصیت یہ ہے کہ ان کو نسب کی معرفت اور فصیح کلام (کا ملکہ) دیا گیا۔ ابو بکر محمد بن احمد (بغدادی) فرماتے ہیں مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس امت کو تین ایسی باتوں کے ساتھ خاص کیا جو ان سے پہلے کسی کو نہیں دی گئیں اسناد' معرفتِ انساب اور کلام میں فصاحت۔

یہ بات حضرت ابو علی جیانی (حسین بن محمد اندلسی متوفی ۴۹۸ھ) سے بھی مروی ہے۔

(الاعلام ج ۲ ص ۲۵۵' وفیات الاعیان ج ۱ ص ۱۵۸)

ایک خصوصیت جو اس امت کو عطا کی گئی یہ ہے کہ یہ کتب تصنیف کرتے ہیں۔ یہ بات بعض علماء نے ذکر کی ہے اور ان میں سے ایک گروہ ہمیشہ حق پر رہے گا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ کا حکم آ جائے۔

اس امت میں ابدال کا وجود

اس امت کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس میں اقطاب' اوتاد' نجباء اور ابدال پائے جاتے ہیں۔ [1]

[1] صوفیاء کی اصطلاح میں قطب ایک باطنی خلیفہ اور اپنے زمانے کا سردار ہوتا ہے چونکہ اس میں تمام مقامات و احوال جمع ہوتے ہیں اس لئے اس کو قطب کہا جاتا ہے۔

اوتاد ہر زمانے میں چار ہوتے ہیں وہ انسانوں کے لئے اس طرح ہوتے ہیں جس طرح زمین کے لئے پہاڑ ہیں جو زمین کو ٹھہرائے رکھتے ہیں (وتد میخ یا کیل کو کہا جاتا ہے)۔ نجباء ستر ہیں اور ان کا درجہ نقباء سے اوپر اور ابدال سے کم ہوتا ہے۔ ابدال بدل کی جمع ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ جب ایک فوت ہو جائے تو اس کی جگہ دوسرا آتا ہے (تو یہ تمام صوفیاء کی اصطلاحات اور ان کے مقامات ہیں)۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے کہ ابدال چالیس مرد اور چالیس عورتیں ہیں جب ایک مرد انتقال کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی جگہ دوسرے کو لے آتا ہے اور جب کوئی عورت فوت ہو جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی جگہ دوسری عورت کو لے آتا ہے۔ (الدر المنثور ج ۲ ص ۷۶۷ اتحاف السادۃ المتقین ج ۸ ص ۳۸۵ کشف الخفاء ج ا ص ۲۵ کنز العمال رقم الحدیث: ۳۴۵۹۷)

یہ حدیث (حسن بن ابی طالب بن محمد بن حسن) خلال نے اپنی تصنیف "کرامات الاولیاء" میں نقل کی ہے۔

(الاعلام ج ۲ ص ۲۱۳ تاریخ بغداد و کشف الظنون ج ا ص ۲۶)

امام طبرانی نے "الاوسط میں" ان الفاظ کے ساتھ ذکر کیا ہے کہ زمین اللہ تعالیٰ کے دوستوں میں سے چالیس آدمیوں سے خالی نہیں ہوتی ان لوگوں کے وسیلے سے بارش برستی ہے اور ان کے صدقہ سے لوگوں کی مدد کی جاتی ہے ان میں سے کوئی ایک فوت ہو جائے تو اللہ تعالیٰ اس کی جگہ دوسرے کو لے آتا ہے۔ (مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۶۳ اتحاف السادۃ المتقین ج ۸ ص ۳۸۵ الحاوی للفتاوی ج ۲ ص ۲۲۳ الدر المنثور ج ا ص ۳۲۰ کنز العمال رقم الحدیث: ۳۴۶۰۳)

ابن عدی نے "اپنی کامل (الکامل لابن عدی) میں" ان الفاظ کے ساتھ ذکر کیا کہ ابدال چالیس ہیں بائیس شام میں اور اٹھارہ عراق میں ہیں جب ان میں سے کوئی ایک فوت ہو جائے تو اللہ تعالیٰ اس کی جگہ دوسرے کو لے آتا ہے پس جب اللہ تعالیٰ کا حکم آئے گا تو ان سب کی روح قبض ہو جائے گی پس اس وقت قیامت قائم ہوگی۔

(جمع الجوامع رقم الحدیث: ۱۲۰۸۲ اتحاف السادۃ المتقین ج ۸ ص ۳۸۵ کشف الخفاء ج ا ص ۲۶ کنز العمال رقم الحدیث: ۳۴۶۰۹)

اسی طرح امام احمد نے "مسند میں" اور الخلال نے بھی حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا کہ اس امت میں حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی طرح کے تین افراد رہیں گے جب ان میں سے ایک فوت ہوگا تو اللہ تعالیٰ اس کی جگہ دوسرے کو لے آئے گا۔ (اتحاف السادۃ المتقین ج ۸ ص ۹۸۶)

طبرانی الکبیر فرماتے ہیں کہ ان لوگوں کی وجہ سے زمین قائم رہے گی ان کی ذریعے بارش برسے گی اور ان کے وسیلہ سے لوگوں کی مدد کی جائے گی۔

ابونعیم نے "الحلیہ میں" حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً روایت کیا وہ فرماتے ہیں (نبی اکرم ﷺ نے فرمایا)۔ میری امت کے پسندیدہ لوگ (خیار) ہر صدی میں پانچ سو ہوں گے اور ابدال چالیس ہوں گے نہ پانچ سو میں کمی ہوگی اور نہ چار سو سے کم ہوں گے جب ان میں سے کوئی ایک فوت ہوگا تو اللہ تعالیٰ اس کی جگہ دوسرے کو بدل دے گا اور یہ سب زمین میں ہوں گے۔ (اتحاف السادۃ المتقین ج ۶ ص ۲۹۴ حلیۃ الاولیاء ج ا ص ۸ کنز العمال رقم الحدیث: ۳۴۵۹۱)

"حلیہ میں ہی" حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے کہ میری امت میں چالیس ایسے آدمی ہمیشہ رہیں گے جن کے دل حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دل کے مطابق ہوں گے ان کے ذریعے اللہ تعالیٰ زمین والوں کی مصیبتیں دور کرے گا اور ان کو ابدال کہا جائے گا ان کو یہ مقام نماز روزے اور صدقہ کی وجہ سے نہیں ملے گا۔ پوچھا گیا یا رسول اللہ! ان کو یہ مقام کس وجہ سے ملے گا؟ فرمایا سخاوت اور مسلمانوں کی خیر خواہی کی وجہ سے۔ (مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۶۳ اتحاف السادۃ المتقین ج ۸ ص ۳۸۶ الدر المنثور ج ا ص ۳۲ کشف الخفاء ج ا ص ۲۵ کنز العمال رقم الحدیث: ۳۴۶۱۳-۳۴۶۱۴)

حضرت معروف کرخی (معروف بن فیروز کرخی متوفی ۲۰۰ھ) رحمہ اللہ فرماتے ہیں جو شخص روزانہ یہ کلمات پڑھے:

(الاعلام ج ۷ص ۲۶۹' فیات الاعیان ج ۲ص ۱۰۴' صفۃ الصفوہ ج ۲ص ۱۷۹' تاریخ بغداد ج ۱۳ص ۱۹۹)

اَللّٰھُمَّ ارْحَمْ اُمَّۃَ مُحَمَّدٍ. یا اللہ! حضرت محمد ﷺ کی امت پر رحم فرما۔

تو اللہ تعالیٰ اسے ابدال میں لکھ دے گا۔

یہ بات "الحلیہ میں" ان الفاظ کے ساتھ ہے۔ جو شخص ہر دن دس مرتبہ یوں کہے:

اَللّٰھُمَّ اَصْلِحْ اُمَّۃَ مُحَمَّدٍ اَللّٰھُمَّ فَرِّجْ اُمَّۃَ مُحَمَّدٍ اَللّٰھُمَّ ارْحَمْ اُمَّۃَ مُحَمَّدٍ.

یا اللہ! حضرت محمد ﷺ کی امت کی اصلاح فرما
یا اللہ! حضرت محمد ﷺ کی امت کی مشکلات دور کر دے
یا اللہ! حضرت محمد ﷺ کی امت پر رحم فرما۔

تو یہ شخص ابدال میں لکھا جائے گا۔ (الحلیۃ الاولیاء ج ۸ص ۳۶۶)

دوسرے حضرات سے ابدال کے بارے میں مروی ہے کہ ان کی اولاد نہیں۔ ایک مرفوع معضل (نبی اکرم ﷺ سے مروی وہ حدیث جس کی سند کے درمیان سے دو راوی چھوٹ جائیں) حدیث میں ہے کہ میری امت کے ابدال کی علامت یہ ہے کہ وہ کسی چیز پر کبھی بھی لعنت نہیں بھیجتے۔

حضرت یزید بن ہارون رحمہ اللہ فرماتے ہیں ابدال' علم والے ہیں اور امام احمد رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اگر علم حدیث والا ابدال نہیں تو کون ابدال ہیں؟ "تاریخ بغداد میں" الخطیب نے حضرت کتانی (عبدالعزیز بن احمد بن محمد بن علی التمیمی متوفی ۴۶۶ھ) سے نقل کیا وہ فرماتے ہیں نقباء تین سو ہیں' نجباء ستر' ابدال چالیس' اخیار سات' العمد چار اور غوث ایک ہے۔

(الاعلام ج ۴ص ۱۳' شذرات الذہب ج ۳ص ۳۲۵)

نقباء کا ٹھکانہ مغرب میں' نجباء کا مصر میں اور ابدال کا شام میں ہے' اخیار زمین میں سیاحت کرتے ہیں' عمد زمین کے کونوں میں ہوتے ہیں اور غوث کا مسکن مکہ مکرمہ ہے۔

پس جب تمام لوگوں کو کسی معاملہ کی حاجت پیش آتی ہے تو اس سلسلے میں نقباء بارگاہ خداوندی میں گڑگڑا کر دعا کرتے ہیں پھر نجباء' پھر ابدال' پھر اخیار اور پھر عمد' اگر ان کی دعا قبول ہو جائے تو ٹھیک ورنہ غوث گڑگڑا کر دعا مانگتا ہے۔[1] اور اس وقت تک سوال مکمل نہیں ہوتا جب تک اس کی دعا قبول نہ ہو۔

اخروی زندگی سے متعلق خصائص

اس امت کے خصائص میں سے یہ بھی ہے کہ یہ اپنی قبروں میں گناہوں کے ساتھ داخل ہوتے ہیں اور گناہوں کے بغیر نکلیں گے جب مؤمن ان کے لئے دعا مانگتے ہیں تو ان کے گناہ مٹ جاتے ہیں۔ امام طبرانی نے "الاوسط میں" حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہے فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

میری امت مرحومہ ہے یہ اپنی قبروں میں گناہوں سمیت داخل ہوتے ہیں اور قبروں سے نکلتے ہیں تو ان پر کوئی گناہ

[1] ایک حدیث شریف میں ہے کہ مؤمن کی دعا رد نہیں ہوتی تو یہ حدیث اس کے خلاف نہیں ہے جب کہ یہ ابدال وغیرہ ایسے لوگ ہیں کہ ان کو "مستجاب الدعوات" بتایا گیا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ دعا قبول ضرور ہوتی ہے لیکن اس کی مختلف صورتیں ہوتی ہیں کبھی دنیا میں حاجت پوری ہوتی ہے کبھی قیامت کے لئے ذخیرہ ہو جاتی ہے' کبھی مؤخر ہوتی ہے۔ (زرقانی ج ۵ص ۴۰۱)

نہیں ہوتا کیونکہ مؤمنین ان کے لئے بخشش کی دعامانگتے ہیں تو گناہ مٹ جاتے ہیں۔

(المستدرک ج ۳ص ۴۴۴' کشف الخفاء ج ۱ص ۲۲۹' اتحاف السادۃ المتقین ج ۹ص ۵۰۷' کنز العمال رقم الحدیث: ۳۴۴۵۴۔۳۷۹۰۶)

ایک خصوصیت یہ ہے کہ قیامت کے دن یہ امت تمام امتوں سے پہلے زمین سے نکلے گی۔ابونعیم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا آپ نے فرمایا:

وانا اول من تنشق الارض عنی وعن امتی ولا فخر.

میں وہ پہلاشخص ہوں کہ میرے لئے اور میری امت کے لئے زمین پھٹے گی اور میں یہ بات بطور فخر نہیں کہتا۔

اس امت کا ایک اختصاص یہ ہے کہ قیامت کے دن ان کو پکارا جائے گا تو وضو کے آثار سے ان کے اعضاء سفید چمکتے ہوں گے۔جس طرح گھوڑے کا چہرہ اور پاؤں سفید ہوتے ہیں اور اس سے حسن و جمال میں اضافہ ہوتا ہے اسی طرح مسلمانوں کا حسن دوبالا ہوگا۔

تو نبی اکرم ﷺ نے اس نور کو جو قیامت کے دن اعضائے وضو میں ہوگا چمک اور سفیدی کے ساتھ تشبیہ دی تا کہ معلوم ہو کہ انسانی اعضاء میں یہ سفیدی زینت کا باعث ہوگی۔بدنما نہیں ہوگی مطلب یہ ہے کہ جب ان کو لوگوں کے سامنے بلایا جائے گا تو اس وصف کے ساتھ بلایا جائے گا۔یا وہ اس صفت پر ہوں گے۔

امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ میدان محشر میں یہ لوگ بلند جگہ پر ہوں گے۔ابن جریر اور ابن مردویہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت سے مرفوعاً نقل کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا۔

میں اور میری امت ٹیلے پر دوسروں لوگوں سے بلند ہوں گے ہر آدمی چاہے گا کہ وہ ہم میں سے ہو اور جس نبی کو ان کی قوم نے جھٹلایا ہم اس بات کی شہادت دیں گے کہ انہوں نے اپنے رب کا پیغام پہنچایا ہے۔

ابن مردویہ نے حضرت کعب رضی اللہ عنہ کی حدیث سے نقل کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

انا و امتی علی تل.

میں اور میری امت ایک ٹیلے پر ہوں گے۔

اس امت کی خصوصیات میں یہ خصوصیت بھی شامل ہے کہ ان کی نشانی ان کے چہروں پر سجدوں کے اثرات ہیں۔ ارشاد خداوندی ہے:

سِيمَاهُمْ فِي وُجُوهِهِم مِّنْ أَثَرِ السُّجُودِ. (الفتح:۲۹)

ان کی علامت ان کے چہروں میں ہے سجدوں کے نشان سے۔

اور کیا یہ نشانی دنیا میں ہوگی یا آخرت میں؟ تو اس میں دو قول ہیں۔

ایک قول یہ ہے کہ یہ نشانی دنیا میں ہوگی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ابن ابی طلحہ کی روایت میں فرماتے ہیں:

السمت الحسن.

یہ سکون و وقار ہے۔

حضرت مجاہد کی روایت میں ہے کہ یہ جو کچھ تم دیکھ رہے ہو یہ نشانی نہیں ہے بلکہ یہ اسلامی وقار ہے' نشانی سے خشوع مراد ہے ایک قول یہ ہے کہ شب بیداری کی وجہ سے ان کے چہرے زرد ہوں گے پس تم ان کو بیمار سمجھو گے لیکن وہ بیمار نہیں ہوں گے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ یہ نشانی آخرت میں ہوگی کہ ان کے چہروں کے وہ حصے جو سجدے میں استعمال ہوتے ہیں قیامت کے دن بہت زیادہ سفید ہوں گے اور اس سے معلوم ہوگا کہ انہوں نے دنیا میں سجدہ کیا۔

العوفی (عطیہ بن سعد بن حنالاہ) نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اور حضرت شہر بن حوشب سے روایت کیا کہ ان کے چہروں کے مقامات سجدہ چودھویں رات کے چاند کی طرح چمکتے ہوں گے۔

(الاعلام ج ۳ ص ۱۷۸، تہذیب التہذیب ج ۴ ص ۳۶۹)

عطاء خراسانی (عطا بن ابی مسلم خراسانی) فرماتے ہیں اس آیت میں وہ سب لوگ شامل ہیں جو پانچ نمازیں پابندی سے پڑھتے ہیں۔ (الاعلام ج ۴ ص ۲۳۵، شذرات الذہب ج ۱ ص ۱۹۲)

امت مسلمہ کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ ان کے نامہ ہائے اعمال ان کے دائیں ہاتھوں میں دیئے جائیں گے۔

(مسند احمد ج ۵ ص ۱۹۹، مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۳۴۴)

ایک خصوصیت یہ ہے کہ ان کا نور ان کے سامنے چل رہا ہوگا یہ حدیث امام احمد رحمہ اللہ نے صحیح سند کے ساتھ ذکر کی ہے۔ [1]

امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی خصوصیات میں سے ایک خصوصیت یہ ہے کہ ان کو اس عمل کا ثواب بھی ملتا ہے جو وہ خود کرتے ہیں اور جو ان کے لئے کیا جاتا ہے اس کا ثواب بھی ان کو دیا جاتا ہے جبکہ پہلے لوگوں کے لئے صرف ان کا عمل ہی کارآمد ہوتا تھا۔

سوال: ارشادِ خداوندی ہے:

وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى ۝ (النجم: ۳۹) اور انسان کے لئے صرف وہی ہے جو اس نے کمایا۔

اس آیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ انسان کو صرف اس کے اپنے اعمال کا ثواب ملتا ہے دوسرے اپنے اعمال کا ایصال ثواب نہیں کر سکتے۔

جواب: اس سوال کے کئی جواب ہیں۔

۱۔ یہ آیت منسوخ ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کے منسوخ ہونے کا ذکر فرمایا اور اس کی ناسخ یہ آیت کریمہ ہے:

وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِاِيْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ۔ اور ان کی اولاد نے ایمان کے ساتھ ان کی اتباع کی ہم نے ان کے ساتھ ان کی اولاد کو ملا دیا۔

تو چھوٹے بچے کو باپ کے میزان میں کر دیا اور اللہ تعالیٰ باپ کی سفارش اولاد کے حق میں اور اولاد کی سفارش باپ کے حق میں قبول فرمائے گا۔ اس کی دلیل یہ ارشاد خداوندی ہے:

---

[1] نبی اکرم ﷺ نے فرمایا میں قیامت کے دن دوسری امتوں کے درمیان اپنی امت کو پہچان لوں گا اور ان کی پہچان اس طرح ہوگی کہ ان کے نامۂ اعمال ان کے دائیں ہاتھوں میں دیئے جائیں گے ان کے چہروں پر موجود نشانی سے پہچانوں گا جو سجود کے اثرات ہوں گے اور ان کو اس طرح پہچانوں گا کہ ان کے نور ان کے آگے چل رہے ہوں گے۔

اٰبَآؤُکُمْ وَ اَبْنَآؤُکُمْ لَا تَدْرُوْنَ اَیُّھُمْ اَقْرَبُ لَکُمْ نَفْعًا. تمہارے باپ دادا اور تمہارے بیٹے تم نہیں جانتے کہ ان میں کون تمہارے نفع کے زیادہ قریب ہے۔

۲۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ کافروں کے ساتھ خاص ہے جب کہ مسلمان کو دوسروں کے عمل سے فائدہ حاصل ہوتا ہے۔

امام قرطبی فرماتے ہیں اس قول پر کئی احادیث دلالت کرتی ہیں اور مؤمن تک دوسروں کے نیک اعمال کا ثواب پہنچتا ہے۔

صحیح حدیث میں نبی اکرم ﷺ سے مروی ہے آپ نے فرمایا:

من مات و علیہ صیام صام عنہ ولیہ. جو شخص مرجائے اور اس کے ذمہ روزے ہوں تو اس کا ولی اس کی طرف سے روزہ رکھے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۵۳' سنن الکبریٰ ج ۴ ص ۲۵۵' سنن دار قطنی ج ۲ ص ۱۹۵' تعلیق التعلیق رقم الحدیث: ۶۹۷' تمہید ج ۹ ص ۲۸' نصب الرایہ ج ۲ ص ۴۶۳' کنز العمال رقم الحدیث: ۲۳۸۲۱)

اور جس نے دوسرے کی طرف سے حج کیا ان سے فرمایا:

حج عن نفسک ثم حج شبرمۃ. اپنی طرف سے حج کرو پھر حضرت شبرمہ کی طرف سے حج کرو۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۸۱۱' تمہید ج ۹ ص ۱۳۸' المعجم الکبیر ج ۱۲ ص ۴۳' مجمع الزوائد ج ۳ ص ۲۸۳)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ وہ اپنے بھائی حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کی طرف سے اعتکاف بیٹھیں اور ان کی طرف سے غلام آزاد کیا۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم ﷺ سے عرض کیا کہ میری ماں کا انتقال ہوگیا ہے تو کیا میں اس کی طرف سے صدقہ کروں آپ نے فرمایا ہاں (صدقہ کرو) پوچھا کونسا صدقہ افضل ہے؟ آپ نے فرمایا پانی پلانا۔ [1]

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۶۸۴' سنن نسائی ج ۶ ص ۲۵۴۔۲۵۵' مسند احمد ج ۵ ص ۲۸۵۔ ج ۶ ص ۷' السنن الکبریٰ ج ۴ ص ۱۸۵' المستدرک ج ۱ ص ۴۱۴' الدر المنثور ج ۳ ص ۹۰' الترغیب والترہیب ج ۲ ص ۷۳)

''موطا میں ہے'' حضرت عبداللہ بن ابی بکر رضی اللہ عنہ اپنی پھوپھی سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے ان کی دادی (حضرت عبداللہ کی دادی) سے روایت کرتے ہوئے بیان کیا کہ انہوں نے مسجد قباء تک پیدل جانے کی منت مانی اور اسے پورا نہ کیا تو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فتویٰ دیا کہ وہ ان کی طرف سے چل کر جائیں [2] (اور ان کی نذر پوری کریں)۔

---

[1] چونکہ مدینہ طیبہ میں پانی کی اشد ضرورت تھی اس لئے حضور علیہ السلام نے اسے افضل صدقہ قرار دیا' آج ایصال ثواب' محافل میلاد اور محافل نعت کے حوالے سے زر کثیر خرچ کیا جاتا ہے لیکن افسوس یہ ہے کہ اس کا مصرف صحیح نہیں اہل سنت کے دینی مدارس' اپنی کتب کی اشاعت اور اس طرح کے اہم کاموں پر روپیہ پیسہ خرچ کر کے فوت شدہ مسلمانوں کی ارواح کو تسکین پہنچانے کی ضرورت ہے۔ ۱۲ ہزاروی

[2] امام زرقانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ان تمام واقعات میں اس بات پر دلالت ہے کہ ایک انسان کے عمل سے دوسرے کو فائدہ پہنچتا ہے۔ (زرقانی ج ۵ ص ۴۰۵)

مفسرین میں سے بعض نے کہا کہ اس آیت میں انسان سے مراد ابوجہل ہے بعض نے کہا عقبہ بن ابی معیط مراد ہے بعض نے ولید بن مغیرہ مراد لیا ہے اور کسی مفسر نے کہا کہ ہم سے پہلے کی شریعتوں کے بارے میں خبر دی گئی ہے اور ہماری شریعت میں اس بات پر دلالت موجود ہے کہ انسان کو اپنی کوشش بھی فائدہ دیتی ہے اور دوسروں کے عمل سے بھی اسے فائدہ پہنچتا ہے۔

بعض مفسرین فرماتے ہیں انسان بھلائی کے لئے کوششیں کرتا ہے اور اچھی مجالس اختیار کرتا ہے تو اچھے دوست مل جاتے ہیں اب وہ ان سے محبت کرتا اور اچھا سلوک کرتا تو اس کے مرنے کے بعد اس کی کوشش کی وجہ سے ان کا ثواب اسے بھی ملتا ہے۔

بعض مفسرین نے فرمایا کہ اس آیت میں انسان سے زندہ مراد ہے فوت شدہ نہیں' بعض نے کہا کہ آیت میں دوسروں کے عمل سے انسان کو پہنچنے والے نفع کی نفی نہیں بلکہ اس بات کی نفی ہے کہ وہ دوسرے کے عمل کا مالک نہیں بن سکتا اور دونوں باتوں میں فرق ہے۔ زمخشری نے اس آیت کے ضمن میں کہا کہ اگر تم کہو کہ کیا میت کی طرف سے صدقہ اور حج کی احادیث صحیح ہیں تو میں کہوں گا کہ اس کے دو جواب ہیں۔

ایک جواب یہ ہے کہ اگر دوسرے کا عمل اسے صرف اپنے عمل کی بنیاد پر نفع دیتا ہو یعنی وہ مؤمن تصدیق کرنے والا ہو تو دوسرے کی کوشش گویا اس کی ذاتی کوشش ہے کیونکہ یہ اس کے تابع اور قائم مقام ہے اور دوسرا جواب یہ ہے کہ دوسرے کا عمل اس صورت میں نفع نہیں دیتا جب اس (دوسرے) نے اپنے لئے عمل کیا ہو لیکن جب اس نے اس کے لئے نیت کی ہو تو وہ شرعی طور پر اس کا نائب اور اس کے قائم مقام وکیل ہے۔

اور صحیح جواب یہ ہے کہ آیت کریمہ:

وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى ○ اور انسان کے لئے وہی ہے جو اس نے کوشش کی۔

(النجم:۳۹)

عام ہے لیکن اس میں وہ امور خاص ہیں جن کا ذکر جوابات کی صورت میں ہو چکا ہے۔

تلاوت کا ایصال ثواب

اس سلسلے میں علماء کا اختلاف ہے کہ آیا قرآن مجید کی قرأت کا ثواب میت تک پہنچتا ہے یا نہیں؟

تو اکثر حضرات انکار کی طرف گئے ہیں امام شافعی اور امام مالک رحمہما اللہ کے مذہب سے یہی بات مشہور ہے اور حنفیوں کی ایک جماعت سے بھی یہی منقول ہے۔

لیکن اکثر شافعی اور حنفی فرماتے ہیں کہ یہ ثواب پہنچتا ہے امام احمد رحمہ اللہ بھی یہی فرماتے ہیں پہلے انہوں نے فرمایا تھا کہ قبر پر قرآن مجید پڑھنا بدعت ہے بلکہ امام احمد رحمہ اللہ سے یوں منقول ہے کہ صدقہ' نماز' حج' اعتکاف اور تلاوت و ذکر وغیرہ سب کا ثواب میت کو پہنچتا ہے۔

شیخ شمس الدین قطان عسقلانی رحمہ اللہ نے ذکر فرمایا کہ تلاوت کا ثواب میت کو پہنچتا ہے چاہے وہ قریبی رشتہ دار ہو یا کوئی اجنبی' جس طرح صدقہ' دعا اور استغفار کا ثواب بالاتفاق پہنچتا ہے۔

قاضی حسین نے فتویٰ دیا کہ قبر کے سرہانے قرآن مجید پڑھانے کے لئے کسی کو اجرت پر حاصل کرنا بھی جائز ہے جس طرح اذان اور تعلیم قرآن کے لئے کسی کو تنخواہ پر حاصل کیا جاتا ہے۔

لیکن امام رافعی رحمہ اللہ نے فرمایا اور امام نووی رحمہ اللہ نے ان کی اتباع کی کہ اجارہ کی صورت میں نفع کا اجرت پر حاصل کرنے والے (مستاجر) کی طرف لوٹنا شرط ہے تو اس سے نفع اس مستاجر یا اس کی میت کی طرف لوٹنا واجب ہے لیکن مستاجر کو فائدہ نہ ہوگا جب کوئی دوسرا اس کے لئے پڑھے اور مشہور یہ ہے کہ میت کو محض تلاوت کا ثواب نہیں پہنچتا (جب تک دعا نہ کی جائے) پس اجرت پر حاصل کرنے والے کو اس صورت پر اتارنے کی ضرورت ہے کہ میت کو تلاوت کا ثواب پہنچے۔ تو اس سلسلے میں انہوں نے دو طریقے ذکر کئے ہیں۔

ا۔ تلاوت کے بعد میت کے لئے دعا کی جائے کیونکہ دعا اس تک پہنچتی ہے اور تلاوت کے بعد دعا قبولیت کے زیادہ قریب ہے اور اس میں برکت زیادہ ہوتی ہے۔

۲۔ دوسرا طریقہ شیخ عبدالکریم شالوسی (متوفی ۴۶۵ھ) نے ذکر کیا ہے وہ فرماتے ہیں اگر تلاوت کرنے والا یہ نیت کرے کہ اس تلاوت کا ثواب میت کو پہنچے تو وہ نہیں پہنچے گا لیکن تلاوت کرنے کے بعد اس کا ثواب میت کو ایصال کرے تو یہ اس اجر کے میت کے لئے ہونے کی دعا ہے پس میت کو فائدہ پہنچے گا۔

حضرت امام نووی رحمہ اللہ نے ''زیادات الروضہ میں'' فرمایا کہ قاضی حسین کے کلام کا ظاہر بتاتا ہے کہ اجارہ مطلقاً صحیح ہے اور یہی مختار ہے کیونکہ تلاوت کا مقام برکت کی جگہ ہے اور رحمت نازل ہوتی ہے اور یہی مقصود ہے۔ جس سے میت کو نفع حاصل ہوتا ہے۔

امام رافعی نے اور ان کی اتباع میں امام نووی رحمہ اللہ نے وصیت کے باب میں فرمایا کہ میت کے سرہانے قرآن مجید کی تلاوت کا جو طریقہ جاری ہے ہم نے ''باب الاجارہ'' میں دو طریقے ذکر کئے ہیں کہ میت تک فائدہ کس طرح پہنچتا ہے؟

اور قاضی ابوالطیب نے ایک تیسرا طریقہ بھی ذکر کیا ہے وہ یہ کہ میت زندہ حاضر کی طرح ہے پس جب تلاوت کرنے والا اسے ثواب کا تحفہ بھیجتا ہے تو اس کے لئے رحمت اور برکت پہنچنے کی امید کی جاسکتی ہے۔

اور شیخ عبدالکریم شالوسی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ جب تلاوت سے میت کو ثواب پہنچانے کی نیت کرے تو یہ ثواب نہیں پہنچے گا کیونکہ ثواب حاصل ہونے سے پہلے ایصال ہوا اور تلاوت بدنی عبادت ہے۔ جو غیر کی طرف سے نفع نہیں دیتی۔ اور اگر تلاوت کرنے کے بعد حاصل ہونے والے ثواب کو میت کے لئے ایصال کرے تو اس کو فائدہ پہنچتا ہے کیونکہ ثواب دوسرے کے لئے ایصال ہوا اور میت کو دوسرے کی دعا سے فائدہ پہنچتا ہے۔

لیکن مطلق یہ کہنا کہ دعا میت کو نفع پہنچاتی ہے اس پر بعض حضرات نے اعتراض کیا کہ یہ قبولیت پر موقوف ہے۔ اور ممکن ہے یوں کہا جائے کہ میت کے لئے کی جانے والی دعا قبولیت کا شرف حاصل کرتی ہے جس طرح علماء کرام نے فرمایا اور یہ اللہ تعالیٰ کی وسیع رحمت و فضل پر اعتماد ہے۔

امام رافعی اور ان کی اتباع میں امام نووی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ (میت کے لئے) صدقہ اور دعا میں وارث اور اجنبی

برابر ہیں امام شافعی فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے کہ وہ صدقہ کرنے والے کو بھی ثواب عطا کرے۔
اسی لئے فرمایا گیا کہ صدقہ کرنے والے کو چاہیے کہ وہ صدقہ کرتے وقت اپنے ماں باپ (کے ایصال ثواب) کی نیت کرے کیونکہ اللہ تعالیٰ ان کو بھی ثواب پہنچاتا ہے اور اس کے اجر میں بھی کوئی کمی نہیں آتی۔
''صاحب العدۃ'' فرماتے ہیں اگر اپنی زندگی میں کوئی کنواں وغیرہ کھودے یا درخت لگائے یا قرآن مجید وقف کرے یا اس کے مرنے کے بعد کوئی دوسرا یہ کام کرے تو میت کو اس کا ثواب پہنچتا ہے۔
امام رافعی اور امام نووی رحمہما اللہ فرماتے ہیں جب یہ کام زندہ آدمی کرے تو یہ صدقات جاریہ ہیں ان کا ثواب میت کو پہنچتا ہے جس طرح حدیث شریف میں ہے۔ [1]
اور قرآن مجید وقف کرنے کے ساتھ حکم خاص نہیں بلکہ ہر وقف کا ثواب ملتا ہے اس قیاس سے معلوم ہوا کہ میت کی طرف سے قربانی کرنا بھی جائز ہے کیونکہ یہ بھی ایک قسم کا صدقہ ہے لیکن ''التھذیب میں ہے کہ'' دوسرے کی طرف سے قربانی اس کی اجازت کے بغیر نہیں ہو سکتی اسی طرح میت کی طرف سے بھی اس کی وصیت کے بغیر جائز نہیں۔
حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے یا کسی دوسرے صحابی سے مروی ہے کہ وہ نبی اکرم ﷺ کے وصال کے بعد آپ کی طرف سے قربانی کرتے تھے۔ حضرت ابو محمد بن اسحاق سراج رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں نے نبی اکرم ﷺ کی طرف سے ستر قربانیاں دی ہیں۔ لیکن تلاوت کا ثواب بارگاہ نبوی میں پیش کرنے سے متعلق کوئی حدیث یا قول صحابی معلوم نہیں اور ایک جماعت نے اس کا انکار کیا جن میں شیخ برہان الدین بن فرکاح بھی شامل ہیں کیونکہ صحابہ کرام میں سے کسی ایک نے ایسا نہیں کیا۔
لیکن ابن قیم نے ''الروح میں'' کہا کہ متاخرین فقہاء میں سے بعض نے اس کو مستحب قرار دیا اور بعض نے بدعت کہا ہے وہ فرماتے ہیں نبی اکرم ﷺ کو اس کی ضرورت نہیں کیونکہ آپ کی امت کا کوئی بھی شخص نیکی کرے آپ کو اس کا ثواب ملتا ہے اور عمل کرنے والے کے اجر میں بھی کوئی کمی نہیں آتی۔
امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں نبی اکرم ﷺ کا کوئی امتی نیک عمل کرے تو اس کی اصل نبی کریم ﷺ ہیں۔
''تحقیق النصرۃ میں'' فرمایا کہ مسلمانوں کی تمام نیکیاں اور اعمال صالحہ ہمارے نبی ﷺ کے نامہ عمل میں باقی ہیں اور ان کے اصل ثواب سے اس قدر بڑھ کر ثواب ملتا ہے جس کا شمار اللہ تعالیٰ ہی کر سکتا ہے کیونکہ ہر ہدایت پانے والے اور عمل کرنے والے کو قیامت تک اجر ملتا رہے گا اور اس کی مثل اجر اس کے شیخ اور اس شیخ کے شیخ کو دوگنا تیسرے شیخ کو چار گنا اور چوتھے شیخ کو آٹھ گنا ملے گا اسی طرح ہر مرتبہ میں بڑھتا جائے گا اور ان تمام کے اجروں کے مطابق حضور علیہ السلام کو ملے گا۔
اس سے معلوم ہوا کہ پہلے بزرگوں کو بعد والوں پر فضیلت حاصل ہے اگر نبی اکرم ﷺ کے بعد دس مراتب فرض کئے جائیں تو آپ کے لئے ایک ہزار چوبیس بار کا اجر ہوگا اور اگر دسویں سے گیارہواں ہدایت حاصل کرے تو نبی اکرم ﷺ کا ثواب دو ہزار اڑتالیس ہو جائے گا اسی طرح جب بھی ایک بڑھے گا تو پہلے والا دوگنا ہو جائے گا جس طرح بعض محققین

[1] نبی اکرم ﷺ نے فرمایا مؤمن کو اس کے مرنے کے بعد جو کچھ اس کے عمل اور نیکیوں سے پہنچتا ہے وہ علم ہے جو اس نے پھیلایا نیک اولاد ہے جو چھوڑ گیا قرآن مجید جو وقف کیا مسجد بنائی اللہ تعالیٰ کے راستے میں کوئی گھر بنایا یا نہر جاری کی یا اپنے مال سے صحت اور زندگی میں صدقہ کیا تو مرنے کے بعد اس کا ثواب ملتا ہے۔ (زرقانی ج ۵ ص ۳۰۸)

نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ شاعر یعنی سیدی محمد وفا رحمہ اللہ کو جزاعطا فرمائے:

فلا حسن الا من محاسن حسنہ ولا محسن الا لہ حسناتہ

''ہر حسن رسول اکرم ﷺ کے حسن کے محاسن کا فیض ہے اور ہر نیکی کرنے والے کی نیکی کا ثواب رسول اکرم ﷺ کو ملتا ہے''۔

نبی اکرم ﷺ کے بارے میں معلوم ہے کہ عزت و شرف کے تمام مراتب میں آپ کو کمال حاصل ہے اس کے باوجود آپ کے درجات کی بلندیوں کے لئے جو دعا کی جاتی ہے اس کا مطلب یہی ہے گویا دعا کرنے والا اس بات کو سامنے رکھتا ہے کہ اس کے معلم کو اس کے ثواب کے برابر ملتا ہے حتیٰ کہ پہلے معلم یعنی حضور علیہ السلام کو اس تمام ثواب کے برابر ملتا ہے۔

کعبۃ اللہ کی زیارت کے وقت جو کہا جاتا ہے کہ یا اللہ اس گھر کے شرف میں اضافہ فرما اور اس کی عظمت کو بڑھا دے تو اس دعا کا فائدہ دعا کرنے والے کو ہوتا ہے کہ اس کی دعا قبول ہوتی ہے جس طرح نبی اکرم ﷺ کی بارگاہ میں درود شریف کا ہدیہ پیش کیا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے ہاں آپ کے شرف کو زیادہ فرمائے تو اس دعا کا فائدہ درود شریف پڑھنے والے کو ہوتا ہے یہ بات حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمائی۔

اس امت کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ یہ امت جنت میں تمام امتوں سے پہلے جائے گی۔ امام طبرانی نے ''الاوسط میں'' حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

حرمت الجنة علی الانبياء حتی ادخلها و حرمت علی الامم حتی تدخلها امتی

جب تک میں داخل نہ ہو جاؤں انبیاء کرام پر جنت حرام رہے گی اور تمام امتوں پر جنت حرام رہے گی جب تک میری امت داخل نہ ہو جائے۔

(تذکرۃ الموضوعات رقم الحدیث: ۲۱۵' کنز العمال رقم الحدیث: ۳۲۰۳۹)

اس امت کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ ان میں سے ستر ہزار افراد حساب کے بغیر جنت میں جائیں گے یہ حدیث امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ نے نقل کیا ہے۔

طبرانی نے نیز امام بیہقی نے ''شعب الایمان میں'' نقل کیا۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔

میرے رب نے مجھ سے وعدہ کیا کہ وہ میری امت سے ستر ہزار کو حساب کے بغیر جنت میں داخل کرے گا اور میں نے اس میں اضافہ کا سوال کیا تو اللہ تعالیٰ نے مجھے ستر ہزار میں سے ہر ایک کے ساتھ ستر ہزار دیئے۔

(اتحاف السادۃ المتقین ج ۱۰ ص ۵۶۷' المعجم الکبیر ج ۷ ص ۱۲۷' کنز العمال رقم الحدیث: ۳۲۱۰۴-۳۲۱۰۶)

خلاصہ کلام یہ ہوا کہ اس امت کو وہ خصوصیات حاصل ہیں جو کسی دوسری امت کو حاصل نہیں اور یہ نبی اکرم ﷺ کی عزت و شرف کی وجہ سے ہے۔ اس امت کی فضیلت اور خصائص کی تفصیل کے لئے ایک پوری کتاب بلکہ کئی کتب درکار ہیں اور یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جس کو چاہتا ہے عطا کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ بہت بڑے فضل والا ہے۔

پانچواں مقصد

اسراء ومعراج

نبی اکرم ﷺ کی معراج اور اسراء کی خصوصیات کے ساتھ تخصیص اور مکالمہ' مشاہدہ اور بڑی بڑی نشانیوں کے ساتھ بارگاہ خداوندی میں قرب کے ذریعے آپ کو عطا کیا گیا اعزاز اور اللہ تعالیٰ کا آپ پر عمومی لطف وکرم۔

بہت بڑی نشانی

جان لو! اللہ تعالیٰ مجھے اور تمہیں سعادتوں کی معراجوں میں ترقی عطا فرمائے اور اس کے ذریعے ہمیں کرامات کی جنتوں میں اپنا وصل عطا فرمائے کہ اسراء اور معراج کا واقعہ تمام معجزات میں زیادہ مشہور' واضح دلائل میں زیادہ ظاہر اور قطعی دلائل میں زیادہ مضبوط ہے' سب سے زیادہ سچی خبر اور سب سے بڑی نشانی ہے نیز نبی اکرم ﷺ کے عموم کرامات کے ساتھ تخصیص پر سب سے زیادہ مکمل دلالتوں میں سے ہے۔

نقاط اختلاف کی حد بندی

علماء کرام کا اسراء کے بارے میں اختلاف ہے۔

کہ کیا یہ ایک ہی رات میں ایک اسراء تھا؟ کیا یہ بیداری کی حالت میں ہوا یا خواب میں؟ یا یہ دو اسراء تھے جو دو الگ الگ راتوں میں ہوئے ایک مرتبہ روح اور بدن کے ساتھ جاگتے ہوئے اور دوسری مرتبہ نیند کی حالت میں۔

یا یہ صرف روح اور جسم کے ساتھ ہی تھا؟ جو مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک ہوا پھر مسجد اقصیٰ سے عرش تک کا معراج خواب میں ہوا یا یہ چار اسراء تھے؟

اختلاف کا مناقشہ (تفصیل)

جو لوگ خواب میں معراج کے قائل ہیں (اور اس پر سب کا اتفاق ہے کہ انبیاء کرام کا خواب وحی ہوتا ہے) ان کی دلیل یہ ارشاد خداوندی ہے:

وَمَا جَعَلْنَا الرُّؤْيَا الَّتِيْٓ اَرَيْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ. (بنی اسرائیل:٦٠)

اور جو خواب ہم نے آپ کو دکھایا ہم نے اسے لوگوں کے لئے آزمائش بنایا۔

کیونکہ ''رؤیا'' خواب میں دیکھنے کا مصدر ہے اور آنکھوں سے دیکھنے کے لئے ''رؤیت'' کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔

ابن مالک' حریری اور دوسروں نے اس بات کا انکار کیا جس طرح شیخ بدرالدین زرکشی نے بیان کیا کہ آنکھوں سے دیکھنے کے لئے بھی رویا کا لفظ استعمال ہوتا ہے انہوں نے متنبی کے اس قول کو غلط قرار دیا:

ورویاک احلی فی العیون من الغمض. اور تجھے دیکھنا آنکھوں میں نیند سے بھی زیادہ میٹھا ہے۔

اس کا جواب دیا گیا کہ رات کو واقع ہونے اور جلد پورا ہو جانے کی وجہ سے رؤیا کہا گیا گویا خواب تھا اور رؤیا اور رؤیت کا ایک ہی معنیٰ ہے جس طرح قربیٰ اور قربت ایک ہی ہیں۔

اس بات پر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا اس آیت سے متعلق قول دلالت کرتا ہے جیسا کہ" صحیح بخاری میں ہے کہ" انہوں نے فرمایا:

ھی رویا عین اریھا ﷺ لیلۃ اسری بہ. یہ آنکھ سے دیکھنا تھا جو اس رات نبی اکرم ﷺ کو دکھایا گیا جس رات آپ کو سیر کرائی گئی۔

حضرت سعید بن منصور نے حضرت سفیان سے روایت کرتے ہوئے حدیث کے آخر میں یہ اضافہ فرمایا:

ولیس رویا منام. اور یہ خواب میں دیکھنا نہیں تھا۔

اور امام بخاری رحمہ اللہ کی روایت میں اس بات کی وضاحت نہیں ہے کہ کیا دیکھا؟

حضرت سعید بن منصور ہی سے حضرت ابو مالک کے طریق سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں اس سے مراد وہ ہے جو بیت المقدس کے راستے میں آپ کو دکھایا گیا۔

تو یہ ان دلائل میں سے ہے جب سے اس بات پر استدلال کیا جاتا ہے کہ لفظ رؤیا حالت بیداری میں آنکھ سے دیکھنے پر بولا جاتا ہے۔ اور یہ ان لوگوں کا رد ہے جنہوں نے متنبی کے قول کو غلط قرار دیا۔

پھر اس آیت کے حوالے سے مفسرین کا اختلاف بھی ہے ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد وہ رؤیا ہے جس کے بارے میں فرمایا کہ ہم نے **معراج کی رات آپ کو دکھایا۔ حضرت امام بیضاوی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ رؤیت کی تفسیر لفظ رؤیا کے ساتھ کی گئی۔**

دوسرا قول یہ ہے کہ حدیبیہ کے سال کا رؤیا (دیکھنا) مراد ہے جب آپ نے دیکھا کہ آپ مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے تو مشرکین نے آپ کو روکا اس سے لوگ آزمائش میں مبتلا ہو گئے۔

تیسرا قول یہ ہے کہ واقعۂ بدر کو دیکھنا مراد ہے۔

ابن النقیب نے اپنے شیخ ابو العباس القرطبی [1] سے آیت کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا۔

(الاعلام ج ۱ص ۱۸۶ نفح الطیب ج ۲ ص ۶۴۳)

صحیح یہ ہے کہ یہ بیداری کی حالت میں آنکھ سے دیکھنا ہے حضرت جبریل علیہ السلام نے نبی اکرم ﷺ کو بدر میں

---

[1] امام قرطبی احمد بن عمر بن ابراہیم قرطبی مالکی ہیں فقیہ محدث ہیں اور اسکندریہ میں اترے تھے۔ ۵۷۸ھ میں ولادت ہوئی آپ نے" المفہم فی شرح مسلم" تصنیف کی اور صحیح بخاری و مسلم کی تلخیص۔ ۶۵۶ھ میں آپ کا وصال ہوا۔

مشرکین کے مرکر گرنے کے مقامات بتائے۔ تو جو کچھ حضرت جبریل علیہ السلام نے نبی اکرم ﷺ کو دکھایا انہوں نے آپ کو دکھایا کہ کون کافر مر کر کس جگہ گرے گا؟

قریش نے ایک دوسرے سے سنا تو مذاق کرنے لگے جو لوگ واقعہ معراج کو خواب میں دیکھنا سمجھتے ہیں ان کی ایک دلیل یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

ما فقدت جسده الشریف. میں نے آپ کے جسم مبارک کو گم نہیں پایا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ بات مشاہدہ کی بنیاد پر نہیں فرمائی کیونکہ ان دنوں وہ آپ کی زوجہ نہیں تھیں اور نہ ہی آپ ان لوگوں کی عمر کو پہنچی تھیں، جو بات کو یاد رکھتے ہیں یا اسراء (معراج) کی تاریخ میں اختلاف کی صورت میں ابھی تک ان کی پیدائش بھی نہیں ہوئی تھی۔

علامہ تفتازانی نے کہا اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کے جسم کو روح سے جدا نہیں پایا بلکہ آپ کا جسم اقدس روح کے ساتھ تھا اور معراج شریف جسم اور روح کے مجموعہ کو ہوا۔

جو لوگ جسمانی معراج کے اس طرح قائل ہیں کہ بیت المقدس تک جسم کے ساتھ اور آسمان تک روح کے ساتھ معراج ہوا ان کی دلیل یہ ارشاد خداوندی ہے:

سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصٰی. وہ ذات پاک ہے جس نے اپنے بندۂ خاص کو مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک رات کے تھوڑے سے حصے میں سیر کرائی۔ (الاسراء:۱)

تو مسجد اقصیٰ کو اسراء کی انتہا قرار دیا جو تعجب خیز واقعہ ہے اسے اپنی قدرت کے ذکر کے ساتھ بیان کیا' نبی اکرم ﷺ کے شرف کے ساتھ آپ کی تعریف کی اور اسراء کے ذریعے جو اعزاز عطا فرمایا اس کو ظاہر کیا۔

یہ حضرات فرماتے ہیں اگر مسجد اقصیٰ سے اوپر کا اسراء بھی جسم کے ساتھ ہوتا تو اللہ تعالیٰ اس کا ذکر بھی فرماتا تا کہ تعریف اچھی طرح ہوتی۔

اس کا جواب یوں دیا گیا کہ مسجد اقصیٰ تک کا ذکر قریش کے سوال کی بنیاد پر تھا کہ انہوں نے بیت المقدس کی جو صفت مشاہدہ کی اور اسے پہچانا اس کے ذریعے ان کا امتحان لینا مقصود تھا۔ اور انہیں معلوم تھا کہ نبی اکرم ﷺ نے کبھی اس طرف سفر نہیں کیا۔

پس آپ نے ان کے علم کے مطابق ان باتوں کا جواب دیا جو آپ نے دیکھی تھیں اور ان کے خلاف حجت قائم ہوگئی اور واقعہ اس طرح ہوا اسی لئے انہوں نے آپ سے اس چیز کا سوال نہیں کیا جو کچھ آپ نے آسمان میں دیکھا کیونکہ انہیں آسمان کی معلومات نہ تھیں۔

حضرت امام نووی رحمہ اللہ نے اپنے فتاویٰ میں فرمایا کہ نبی اکرم ﷺ کا اسراء (معراج) دو مرتبہ ہوا ایک بار خواب میں اور دوسری مرتبہ بیداری کی حالت میں۔

امام سہیلی رحمہ اللہ نے اس مذہب کی تصحیح اپنے شیخ قاضی ابوبکر ابن عربی سے نقل کی ہے اور خواب میں معراج ایک

تمہیداور دوسرے معراج کے لئے آسانی پیدا کرنا تھا۔ جس طرح نبوت کی ابتداء سچے خوابوں سے ہوئی تا کہ آپ پر نبوت کا معاملہ آسان ہو جائے کیونکہ نبوت ایک عظیم کام ہے جس سے انسانی قوتیں کمزور پڑ جاتی ہیں۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے معراج کے معاملے کو خواب کے ذریعے آپ پر آسان کر دیا کیونکہ اس کی ہولناکی عظیم تھی پس بیداری کے عالم میں معراج اسی پہلے والے معراج پر واقع ہوا اور یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے بندہ پر نرمی اور ان کے لئے آسانی تھی۔

اس قول کے بعض قائلین نے اس بات کو جائز قرار دیا کہ ہوسکتا ہے کہ خواب کا واقعہ بعثت سے پہلے کا ہو جس طرح حضرت شریک رضی اللہ عنہ نے ایک روایت میں فرمایا:

و ذلک قبل ان یوحی الیہ. اور یہ واقعہ آپ پر وحی کے نزول سے پہلے کا ہے۔

ان حضرات نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اس قول کو بھی اپنی تائید میں پیش کیا جس میں آپ نے فرمایا:

نبی اکرم ﷺ کی وحی کا آغاز نیند کی حالت میں سچے خوابوں کے ذریعے ہوا آپ جو خواب دیکھتے وہ صبح کی روشنی پھوٹنے کی طرح سامنے آتا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۹۵۶' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۵۲-۲۵۳' مسند احمد ج ۶ ص ۱۵۳-۲۳۲)

اس پر بحث ان شاء اللہ آگے آئے گی۔

جن حضرات نے فرمایا کہ حالتِ بیداری میں چار مرتبہ اسراء (معراج) ہوا انہوں نے متعدد روایات سے استدلال کیا جو معراج کے بارے میں ہیں کچھ باتیں کسی ایک روایت میں ہیں تو کچھ دوسری میں ایک بات بعض روایات میں نہیں ہے تو دوسری روایات میں مذکور ہے۔

اس موقف کا جواب یہ ہے کہ یہ بات متعدد بار معراج پر دلالت نہیں کرتی کیونکہ بعض راوی کسی بات کو اس کے معلوم ہونے کی وجہ سے حذف کر دیتے ہیں یا وہ اسے بھول جاتے ہیں۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے فرمایا جو شخص ہر اس روایت کو جو دوسری کے خلاف ہے الگ معراج قرار دیتا ہے اور یوں وہ متعدد معراج ثابت کرتا ہے تو اس کی بات نہایت عجیب اور بعید از عقل ہے اور وہ اس طرف بھاگتا ہے جو بھاگنے کی جگہ نہیں ہے اور اس کو مقصود حاصل نہیں ہوتا۔ اور یہ بات اسلاف سے منقول نہیں اور اگر یہ بات ہوتی تو خود نبی کریم ﷺ اپنی امت کو اس کی خبر دیتے اور یہ تکرار اور کثرت منقول ہوتی۔

حضرت مہر بن قاسم' حضرت حصین بن عبد الرحمٰن سے روایت کرتے ہیں اور یہ روایت امام ترمذی اور امام نسائی رحمہما اللہ نے نقل کی ہے فرماتے ہیں کہ جب نبی اکرم ﷺ کو سیر کرائی گئی تو آپ کسی نبی کے پاس سے گزرتے تو ان کے ساتھ ایک آدمی ہوتا۔

پس اگر یہ حدیث محفوظ ہے تو اس میں ان لوگوں کے موقف کی قوت ہے جو متعدد بار معراج کے قائل ہیں اور مدینہ طیبہ میں جو معراج ہوا وہ مکہ مکرمہ والے معراج کے علاوہ ہے۔

''فتح الباری میں فرمایا کہ'' اس مسئلہ میں جو بات قابل تحریر ہے وہ یہ ہے کہ جو معراج مدینہ طیبہ میں ہوا اس میں وہ امور واقع نہیں ہوئے جو مکہ مکرمہ والے معراج میں ہوئے مثلاً آسمانوں کے دروازے کھلوانا' آسمان میں انبیاء کرام سے

ایک ایک کر کے ملاقات کرنا ان سے گفتگو کرنا اور فرضیتِ نماز سے متعلق حضرت موسیٰ علیہ السلام سے گفتگو کرنا اور تخفیفِ نماز کا مطالبہ کرنا اور دوسرے امور جو اس سے متعلق ہیں ان امور کے علاوہ بہت سی باتیں ہیں جو دوبارہ ہوئیں ان میں سے بعض مکہ مکرمہ میں اور بعض ہجرت کے بعد مدینہ طیبہ میں ملاحظہ فرمائیں اور بڑے بڑے امور خواب میں دیکھے۔ واللہ اعلم

بعض عارفین فرماتے ہیں نبی اکرم ﷺ کو چونتیس مرتبہ معراج ہوا ان میں سے ایک معراج جسمانی تھا اور باقی معراج روحانی تھے جو خواب کی حالت میں ہوئے۔

جمہور کی رائے

حق یہ ہے کہ واقعہ معراج ایک ہی ہے اور آپ کو یہ معراج بیداری کے عالم میں روح اور جسم دونوں کے ساتھ ہوا۔

محدثین' فقہاء اور متکلمین میں سے جمہور علماء کا یہی موقف ہے اور صحیح روایات کا ظاہر یہی بات ہے اور اس سے پھرنا مناسب نہیں کیونکہ عقلی طور پر اس سے پھرنے کی کوئی دلیل نہیں۔

امام رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اہل تحقیق نے فرمایا کہ قرآن و حدیث اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کی روح اور جسم دونوں کو مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک سیر کرائی۔

قرآن مجید سے اس کی دلیل یہ آیت کریمہ ہے:

سُبْحَانَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا. وہ ذات پاک ہے جس نے اپنے (خاص) بندے کو رات کے تھوڑے سے حصے میں سیر کرائی۔ (بنی اسرائیل:۱)

دلیل کی تقریر یہ ہے کہ لفظ "عبد" جسم اور روح (کے مجموعہ) کا نام ہے پس لازم ہوا کہ اسراء جسم اور روح دونوں کو حاصل ہوا اور اس معنیٰ پر یہ آیت کریمہ دلالت کرتی ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

اَرَاَیْتَ الَّذِیْ یَنْہٰی عَبْدًا اِذَا صَلّٰی ○ کیا آپ نے اس کو دیکھا جو بندے کو منع کرتا ہے جب وہ نماز پڑھتا ہے؟ (العلق:۹)

اس میں شک نہیں کہ اس جگہ روح اور جسم کا مجموعہ مراد ہے۔

سورۂ جن میں ارشاد خداوندی ہے:

وَاَنَّہٗ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللّٰہِ یَدْعُوْہُ. (جن:۱۹) اور جب اللہ کا بندہ کھڑا ہو کر اسے پکارتا ہے۔

یہاں بھی "عبد" سے روح اور جسم کا مجموعہ مراد ہے۔

نیز جمہور نے نبی اکرم ﷺ کے اس ارشاد گرامی سے بھی استدلال کیا ہے آپ نے فرمایا:

اسری بی. مجھے سیر کرائی گئی۔

اور افعال میں اصل یہ ہے کہ ان کو بیداری پر محمول کیا جائے حتیٰ کہ کوئی دلیل اس کے خلاف پر دلالت کرے نیز اگر یہ واقعہ خواب میں ہوتا تو اس میں کمزور (ایمان والے) لوگوں کے لئے آزمائش نہ ہوتی اور نہ کند ذہن لوگ اس کو عقل سے بعید سمجھتے۔ علاوہ ازیں جانور' ارواح کو نہیں اٹھاتے وہ تو جسموں کو اٹھاتے ہیں اور متواتر روایات سے ثابت ہے کہ نبی اکرم ﷺ کو براق پر سیر کرائی گئی۔

رات کے وقت معراج کرانے کی حکمت

سوال: رات کے وقت معراج کرانے کی کیا حکمت تھی؟
جواب: رات کو معراج کے لئے خاص کرنے میں حکمت یہ ہے کہ آپ مقام محبت کے ساتھ خاص تھے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو حبیب اور خلیل بنایا اور رات کا وقت محبین کے لئے زیادہ خاص ہے کیونکہ وہ اس میں جمع ہوتے ہیں اور محبوب کی ملاقات رات کے وقت متحقق ہوتی ہے۔

ابن منیر نے کہا کہ شاید معراج کا واقعہ رات کے ساتھ خاص کرنے میں حکمت یہ تھی کہ ایمان بالغیب میں اضافہ ہو اور کافروں کی آزمائش بڑھ جائے کیونکہ رات کا حال دن کے مقابلے میں زیادہ مخفی ہوتا ہے۔

وہ فرماتے ہیں اگر دن کو معراج ہوتا تو غیب پر ایمان کے حوالے سے مؤمن کی فضیلت ضائع ہوتی اور بدبخت لوگوں کے لئے آزمائش اور فتنہ کا وقوع نہ ہوتا۔ اہل اشارات کے طریقے پر اس میں ایک اور حکمت بھی ہے جسے علامہ ابن مرزوق نے نقل کیا وہ یہ کہ کہا گیا کہ جب اللہ تعالیٰ نے رات کی نشانی کو مٹا دیا اور دن کی نشانی کو دیکھنے والی بنایا تو رات کا دل ٹوٹ گیا تو رات کے وقت حضرت محمد ﷺ کو سیر کرا کے اس کی کمی کو پورا کیا۔

یہ بھی کہا گیا کہ دن نے رات پر سورج کے حوالے سے فخر کا اظہار کیا تو اس سے کہا گیا فخر نہ کر اگر دنیا کا سورج تجھ میں چمکتا ہے تو عنقریب وجود کا سورج آسمان کی طرف معراج کرے گا۔

اور کہا گیا کہ نبی اکرم ﷺ سراج (چراغ) ہیں اور چراغ رات کو روشن کیا جاتا ہے۔ شاعر نے کہا:

قلت یا سیدی تؤثر اللیل — علی بهجة النهار المنیر
قال لا استطیع تغییر رسمی — هکذا الرسم فی طلوع البدور
انما زرت فی الظلام لکیما — یشرق اللیل من اشعة نوری

"میں نے کہا اے میرے سردار آپ دن کی روشنی اور چمک پر رات کو ترجیح دیتے ہیں تو انہوں نے کہا میں اپنی رسم کو بدل نہیں سکتا چاندوں کے طلوع میں رسم یہی ہے۔
میں اندھیرے میں ملاقات کرتا ہوں تاکہ میرے نور کی شعاعوں سے رات چمک اٹھے۔"

شب معراج اور شب قدر

سوال: شب معراج اور شب قدر میں سے کونسی رات افضل ہے؟
جواب: شیخ ابوامامہ بن نقاش فرماتے ہیں کہ معراج کی رات نبی اکرم ﷺ کے لئے افضل ہے اور لیلۃ القدر امت کے حق میں افضل ہے کیونکہ ان کے لئے گذشتہ زمانوں کے لوگوں کے اسی سالہ عمل سے اس رات کا عمل بہتر ہے اور شب معراج میں عمل کی فضیلت کے سلسلے میں کوئی صحیح یا ضعیف روایت وارد نہیں ہے۔ اسی لئے نبی اکرم ﷺ نے اسے اپنے صحابہ کرام کے لئے معین نہیں فرمایا اور نہ صحابہ کرام سے کسی صحیح سند کے ساتھ اسی کی تعیین ثابت ہے اور اب تک بلکہ قیامت تک اس سلسلے میں کوئی صحیح بات ثابت نہیں اگر کوئی شخص اس سلسلے میں کوئی بات کہتا ہے تو وہ اپنی طرف سے کہتا ہے اس

لئے اس ضمن میں اقوال میں تصادم ہے اور اس میں (عبادت کی فضیلت کے حوالے سے) کوئی بات ثابت نہیں اگر اس کے ساتھ امت کا نفع متعلق ہوتا اگرچہ ایک ذرے کے برابر ہی ہوتا تو ان کے نبی ﷺ ان کے لئے بیان کرتے۔ [1]

اسراء آپ کے ساتھ خاص ہے

سوال: کیا نبی اکرم ﷺ کے علاوہ بھی کسی کے لئے اسراء (معراج) واقع ہوا ہے؟

جواب: عارف عبدالعزیز المھدوی رحمہ اللہ نے اس کا جواب یوں دیا ہے کہ جسم کے ساتھ بارگاہ خداوندی میں حاضری صرف ہمارے نبی ﷺ کو حاصل ہوئی ہے۔

آیتِ اسراء کی تفسیر

اللہ تعالیٰ نے "اسری بعبدہ" (اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے کو سیر کرائی) فرما کر اس بات کی طرف اشارہ فرمایا کہ سفر پر لے جانے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے تاکہ معلوم ہو کہ اسراء اللہ تعالیٰ کا ایک تحفہ اور عنایت ہے جو اس صورت میں آپ کو ملا کہ اس سے پہلے آپ کے قلب مبارک میں اس کا تصور اور خیال تک بھی نہیں آیا تھا۔

پھر "بعبدہ" میں "عبدہ" پر وضاحت کی باء داخل فرمائی تاکہ یہ فائدہ حاصل ہو کہ نبی اکرم ﷺ کی اس سیر میں اللہ تعالیٰ اپنی عنایات' مہربانیوں اور رعایت کے ذریعے آپ کے ساتھ تھا اس پر نبی کریم ﷺ کا یہ قول دلالت کرتا ہے آپ فرمایا کرتے تھے:

اَللّٰھُمَّ اَنْتَ الصَّاحِبُ فِی السَّفَرِ ۔ یا اللہ! سفر میں تو ہی ساتھی ہے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۵۹۸' مسند احمد ج۱ص ۲۵۶۔ ج۵ص ۸۳' المستدرک ج۲ص ۹۹' السنن الکبریٰ ج۵ص ۲۵۲' مجمع الزوائد ج۱۰ص ۱۲۹' موارد الظمآن رقم الحدیث: ۲۳۵۰' کنز العمال رقم الحدیث: ۳۲۵۔ ۱۷۶۱۶۔ ۱۷۶۳۶)

اور ارشاد خداوندی:

ھُوَ الَّذِیْ یُسَیِّرُکُمْ فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ۔ (الیونس: ۲۲) وہی ذات ہے جو تمہیں خشکی اور سمندر میں چلاتی ہے۔

اور فرمایا:

سُبْحٰنَ الَّذِیْۤ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ. (الاسراء: ۱) وہ ذات پاک ہے جس نے اپنے خاص بندے کو سیر کرائی۔

دونوں آیتوں میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کو خصوصی مصاحبت عطا فرمائی عام مخلوق کو نہیں (کیونکہ بعبدہ میں باء مصاحبت کی ہے دوسری آیت میں نہیں ہے)۔

اللہ تعالیٰ نے اس سیر کے ساتھ لفظ سبحان ذکر فرمایا تاکہ کسی وہم کرنے والے اور اللہ تعالیٰ کے لئے جسم اور تشبیہ ثابت کرنے والوں کے دلوں سے یہ غلط خیال نکل جائے کہ وہ کسی جہت' حد اور مکان میں ہے۔

---

[1] جب شب معراج کو نبی اکرم ﷺ کے سفر مبارک کی نسبت سے فضیلت حاصل ہے تو اس رات میں عبادت کی فضیلت میں کیا شک ہو سکتا ہے۔ ۱۲ ہزاروی

اسی لئے فرمایا:

لِنُرِیَهٗ مِنْ اٰیٰتِنَا: (الاسراء:۱) تا کہ ہم انہیں اپنی نشانیاں دکھائیں۔

یعنی وہ عجیب وغریب نشانیاں جو اس رات آپ نے ملاحظہ فرمائیں۔

گویا اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ میں نے آپ کو یہ سیر اس لئے کرائی کہ اپنی نشانیاں دکھاؤں یہ بات نہیں کہ میری طرف سیر تھی کیونکہ میں تو کسی مکان میں محدود نہیں ہوں اور تمام مکانات کی نسبت میری طرف ایک جیسی ہے۔

پس کس طرح میں نے ان کو اپنی طرف سیر کرائی حالانکہ میں ان کے ساتھ ہوں اور وہ جہاں بھی ہوں میں ان کے ساتھ ہوں۔

شاعر کو اللہ تعالیٰ جزاء عطا فرمائے کیا خوب کہا ہے:

سبحان من اسری الیه بعبده	لیری الذی اخفاه من آیاته
کحضوره فی غیبه وکسکره	فی صحوه والمحو فی اثباته
ویری الذی عنه تکون سره	فی صنعه ان شاء ه و هباته
ویریه ما ابدی له من جوده	بوجوده والفقد من هیناته
سبحانه من سید و مهیمن	فی ذاته و سماته وصفاته

"وہ ذات پاک ہے جس نے اپنے خاص بندے کو اپنی طرف سیر کرائی تا کہ ان کو اپنی وہ نشانیاں دکھائے جن کو دوسروں سے پوشیدہ رکھا اس کا غائب ہونا' حاضر ہونے کی طرح' صحو میں سکر اور اثبات میں محو ہے۔[1] اور وہ اس کی پوشیدہ صفت اور عطیہ کو دیکھیں اور آپ کو اپنا وہ وجود دکھائے جو آپ کے وجود مسعود کے باعث فرمایا اور وہ سردار محافظ اپنی ذات وصفات میں پاک ہے"۔

اور اللہ تعالیٰ نے (''اسریٰ'' کو) لیلاً کے ساتھ مؤکد کیا حالانکہ اسراء عربی زبان میں رات کی سیر کو ہی کہتے ہیں' دن کے سفر کو نہیں کہتے تو اس تاکید کی وجہ یہ بھی کہ اعتراض اٹھ جائے حتیٰ کہ کسی کو یہ خیال نہ ہو کہ یہ صرف روحانی سیر تھی اور اس شخص کا خیال بھی زائل ہو جائے جس کے نزدیک بعض اوقات دن کی سیر کو بھی اسراء کہتے ہیں قرآن مجید اگرچہ لغت عرب میں نازل ہوا لیکن اس کے ذریعے تمام لوگوں کو خطاب کیا گیا وہ عربی زبان والے ہوں یا نہ۔

امام بیضاوی نے کشاف کی اتباع میں فرمایا کہ ''لیلاً'' کو نکرہ لانے کا فائدہ اسراء کی مدت کی قلت بتانا ہے اسی لئے ایک قرأت میں ''من اللیل'' ہے (یعنی رات کے بعض حصہ) جس طرح ارشاد خداوندی ہے:

وَمِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ. (الاسراء:۷۹) اور رات کے وقت تہجد پڑھیں یہ آپ کے لئے زائد نماز ہے۔

---

[1] کسی حالت کے وارد ہونے پر توجہ ادھر مبذول ہو جائے تو یہ سکر ہے پھر اس غیب ہونے والی حالت سے احساس کی طرف رجوع کرنا صحو ہے' عام عادت والے احکام کا مقام اثبات اور ان اوصاف کا اٹھ جانا محو ہے۔ ۱۲ ہزاروی

القطب نے کشاف پر اپنے حاشیہ میں اس کا تعاقب کیا جیسا کہ الشفاء کے حاشیہ میں ہے۔ [1]

مراحلِ معراج

شب اسراء نبی اکرم ﷺ کو دس معراج ہوئے سات معراج آسمانوں تک آٹھواں سدرۃ المنتہیٰ تک نواں مستوی تک یعنی اس مقام تک جہاں تقدیروں کے قلموں کے چلنے کی آوازیں آتی ہیں۔

اور دسواں معراج عرش' رفرف' دیدار خداوندی' بلاواسطہ خطاب اور کشف حقیقی تک۔

اور نبی اکرم ﷺ نے ہجرت کے بعد جو وقت مدینہ طیبہ میں گزارا اس کے سالوں کو معراج شریف سے ایک لطیف مناسبت ہے اسی لئے ہجرت کے یہ سال آپ کے وصال پر مکمل ہوئے اور وہ اللہ تعالیٰ سے ملاقات دار فنا سے دار بقا کی طرف انتقال اور آپ کی روح کریمہ کا سچائی کے مقام' سچے وعدے' وسیلہ جو بلند مرتبہ ہے تک عروج ہوا جس طرح اسراء کے معراج اللہ تعالیٰ سے ملاقات اور اس کی بارگاہِ مقدسہ میں حاضری پر مکمل ہوئے۔

اسراء سے متعلق تصانیف

امام ذہبی رحمہ اللہ نے بتایا کہ حافظ عبدالغنی نے اسراء سے متعلق تمام احادیث کو دو جلدوں میں جمع کیا ہے لیکن تلاش کے باوجود مجھے یہ کتاب نہ مل سکی۔

شیخ ابو اسحاق (ابراہیم) نعمانی رحمہ اللہ نے اسراء اور معراج سے متعلق ایک جامع کتاب لکھی ہے۔ جس میں دقائق و حقائق کا زیادہ بیان ہے اور میں اس مقصد شریف کو لکھتے وقت اس کتاب پر مطلع نہ ہو سکا۔

اللہ تعالیٰ شیخ الاسلام والحفاظ شہاب ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ پر رحم فرمائے انہوں نے اپنی کتاب "فتح الباری" میں حدیث اسراء وغیرہ کے متفرق طرق کو جمع کر دیا ہے اس کے ساتھ ساتھ دقیق فقہی مباحث اور معانی الفاظ کے اسرار کو بھی کھول دیا ہے۔

اور جو شخص بھی نبوی عطیات اور محمدی مناقب کے سلسلے میں کوئی کتاب تصنیف کرتا ہے وہ قاضی عیاض رحمہ اللہ کے باغ "الشفاء" سے معارف لطائف چننے اور مشکلات کی بیماریوں سے شفاء حاصل کرتے ہیں جو لا علاج بیماری سے نجات دے شفاء شریف کو نظر انداز نہیں کر سکتا اور نہ اس سے بے نیاز ہو سکتا ہے۔ (الشفاء ج ۱ ص ۱۷۶)

اللہ تعالیٰ ان پر اور اس امت کے تمام علماء پر اپنی رحمت و رضا کا فیضان فرمائے اور ہمیں ان کے ساتھ اپنی جنت کے درمیان میں ٹھکانہ دے۔

حدیث اسراء کے راوی

حدیث اسراء (حدیث معراج کے راوی) یہ جلیل القدر صحابی وصحابیات ہیں۔

حضرت انس' حضرت ابی بن کعب' حضرت جابر بن عبداللہ' حضرت بریدہ' حضرت سمرہ بن جندب' حضرت ابن عباس' حضرت ابن عمر' حضرت ابن مسعود' حضرت ابن عمرو' حضرت حذیفہ بن الیمان' حضرت شداد بن اوس' حضرت صہیب' حضرت علی بن ابی طالب' حضرت عمر بن خطاب' حضرت مالک بن صعصعہ' حضرت ابوامامہ' حضرت ابوایوب'

[1] انہوں نے فرمایا کہ یہ بات محل نظر ہے کیونکہ تنکیر اس وقت قلت بیان کرنے کے لئے آتی ہے جب وہ چیز قلت و کثرت کو قبول کرے اور رات قلت و کثرت کو قبول نہیں کرتی۔ (زرقانی ج ۶ ص ۱۲)

حضرت ابوجہ' حضرت ابوذر' حضرت ابوسعید خدری' حضرت ابوسفیان بن حرب' حضرت ابوہریرہ' حضرت عائشہ' حضرت اسماء بنت ابی بکر' حضرت ام ہانی' حضرت ام سلمہ اور ان کے علاوہ حضرات رضی اللہ عنہم۔

حافظ ابن کثیر کی تفسیر میں جو کچھ ہے وہ کافی وشافی ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ حدیث معراج پر مسلمانوں کا اجماع ہے اور زندیق بے دینوں نے اس سے اعراض کیا۔ ارشاد خداوندی ہے:

يُرِيدُونَ لِيُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَاللَّهُ مُتِمُّ نُورِهِ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ ○ (الصف: ۸)

وہ (کفار) چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا نور اپنے مونہوں سے بجھادیں اور اللہ اپنے نور کو پورا کرنے والا ہے چاہے کافر برا مانیں۔

حدیث اسراء اور امام بخاری رحمہ اللہ

حضرت امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا وہ حضرت انس بن مالک سے اور وہ حضرت مالک بن صعصعہ (رضی اللہ عنہم) سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے ان سے اس رات کا واقعہ بیان کیا جس رات آپ کو سیر کرائی گئی آپ نے فرمایا۔

"اس دوران کہ میں حطیم میں آرام کر رہا تھا بعض اوقات حطیم کی بجائے حجر کا لفظ فرمایا۔ میں لیٹا ہوا تھا کہ ایک آنے والا آیا پس اس نے یہاں سے یہاں تک شق کیا (چیرا پھاڑا) راوی فرماتے ہیں حضرت جارود رضی اللہ عنہ میرے پہلو میں تھے میں نے ان سے پوچھا اس سے آپ کی مراد کیا ہے؟ انہوں نے فرمایا سینے کی ہنسلی سے اس کے بالوں تک۔

پھر میرا دل نکالا اس کے بعد سونے کا ایک تھال لایا گیا جو ایمان سے بھرا ہوا تھا پس میرے دل کو دھویا گیا پھر اس میں ایمان وحکمت بھر کر دوبارہ اپنی جگہ رکھ دیا گیا اس کے بعد ایک جانور لایا گیا جو خچر سے چھوٹا اور گدھے سے بڑا تھا اور وہ سفید رنگ کا تھا۔ حضرت جارود رضی اللہ عنہ نے فرمایا اے ابوحمزہ! وہ براق تھا؟ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا "ہاں" وہ اپنے پاؤں وہاں رکھتا تھا جہاں نگاہ پہنچتی ہے حضور علیہ السلام فرماتے ہیں میں اس پر سوار ہوا پس حضرت جبریل علیہ السلام مجھے لے کر چلے حتیٰ کہ آسمان دنیا پر آگئے تو دروازہ کھلوایا پوچھا گیا کون ہے؟ فرمایا جبریل ہوں کہا آپ کے ساتھ کون ہے؟ فرمایا حضرت محمد ﷺ ہیں پوچھا گیا کیا ان کو بلایا گیا ہے؟ فرمایا ہاں کہا گیا ان کو خوش آمدید وہ کیا اچھا آنا آئے پس دروازہ کھولا میں وہاں پہنچا تو اس میں حضرت آدم علیہ السلام تھے حضرت جبریل علیہ السلام نے کہا یہ آپ کے باپ حضرت آدم علیہ السلام ہیں انہیں سلام کریں پس میں نے سلام کیا تو انہوں نے سلام کا جواب دیا پھر فرمایا نیک بیٹے اور نیک نبی کا آنا مبارک ہو۔ پھر مجھے اوپر لے گئے حتیٰ کہ دوسرے آسمان پر آئے تو اسے کھلوایا پوچھا گیا کون ہے؟ فرمایا جبریل ہوں پوچھا گیا آپ کے ساتھ کون ہے؟ فرمایا حضرت محمد ﷺ ہیں کہا گیا کہ ان کی طرف بھیجا گیا تھا جواب دیا ہاں کہا گیا ان کا آنا مبارک ہو۔ کیا اچھا آنا ہے پس ہمارے لئے دروازہ کھولا گیا پس جب میں اندر پہنچا تو حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام تھے اور وہ دونوں آپس میں خالہ زاد ہیں حضرت جبریل علیہ السلام نے فرمایا یہ حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام ہیں ان دونوں کو سلام کریں میں نے ایک ایک کو سلام کیا تو ان دونوں نے فرمایا نیک بھائی اور نیک

نبی کا آنا مبارک ہو۔

پھر مجھے تیسرے آسمان کی طرف لے گئے اور دروازہ کھولنے کو کہا پوچھا گیا کون ہے؟ فرمایا جبریل ہوں کہا گیا آپ کے ساتھ کون ہے؟ فرمایا حضرت محمد ﷺ ہیں کہا گیا ان کی طرف پیغام بھیجا گیا تھا؟ فرمایا ہاں کہا گیا خوش آمدید اچھا آنا آئے' پس دروازہ کھولا اور آپ اندر تشریف لے گئے تو حضرت یوسف علیہ السلام تھے حضرت جبریل علیہ السلام نے عرض کیا یہ حضرت یوسف علیہ السلام ہیں ان کو سلام کیجئے آپ فرماتے ہیں میں نے ان کو سلام کیا پس انہوں نے جواب دیا پھر فرمایا اچھے بھائی اور اچھے نبی کا آنا مبارک ہو۔ پھر حضرت جبریل علیہ السلام مجھے اوپر لے گئے حتیٰ کہ چوتھے آسمان پر پہنچا دیا دروازہ کھولنے کو کہا تو پوچھا گیا کون ہے؟ فرمایا جبریل ہوں پوچھا گیا آپ کے ساتھ کون ہے؟ فرمایا حضرت محمد ﷺ ہیں کہا گیا ان کی طرف بھیجا گیا تھا؟ فرمایا ہاں' کہا گیا ان کو خوش آمدید اچھا آنا ہوا۔

پس دروازہ کھولا میں اندر داخل ہوا تو وہاں حضرت ادریس علیہ السلام تھے حضرت جبریل علیہ السلام نے کہا یہ حضرت ادریس علیہ السلام ہیں ان کو سلام کریں میں نے سلام کیا تو انہوں نے جواب دیا پھر فرمایا اچھے بھائی اور اچھے نبی کا آنا مبارک ہو۔ پھر وہ مجھے اوپر لے گئے حتیٰ کہ پانچویں آسمان پر پہنچے تو دروازہ کھلوایا گیا پوچھا گیا کون ہے؟ جواب دیا جبریل ہوں کہا گیا؟ آپ کے ساتھ کون ہے؟ فرمایا حضرت محمد ﷺ پوچھا گیا کیا ان کو بلایا گیا؟ فرمایا ہاں کہا گیا ان کو خوش آمدید پس اچھا آنا ہوا۔

آپ فرماتے ہیں جب میں اندر داخل ہوا تو حضرت ہارون علیہ السلام تھے حضرت جبریل علیہ السلام نے کہا یہ حضرت ہارون علیہ السلام ہیں انہیں سلام کیجئے میں نے سلام کیا تو انہوں نے جواب دیا پھر فرمایا صالح بھائی اور صالح نبی کا آنا مبارک ہو۔

پھر حضرت جبریل علیہ السلام مجھے چھٹے آسمان پر لے گئے اور دروازہ کھولنے کو کہا پوچھا گیا کون ہے؟ فرمایا جبریل ہوں کہا گیا آپ کے ساتھ کون ہے؟ فرمایا حضرت محمد ﷺ ہیں پوچھا گیا کیا ان کی طرف کسی کو بھیجا گیا تھا؟ فرمایا ہاں کہا ان کا آنا مبارک ہو کیا اچھا آنا ہے۔

نبی اکرم ﷺ فرماتے ہیں جب میں اندر داخل ہوا تو وہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام تھے حضرت جبریل علیہ السلام نے فرمایا یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیں ان کو سلام کریں میں نے سلام کیا تو انہوں نے جواب دیا پھر فرمایا نیک بھائی اور صالح نبی کا آنا مبارک ہو جب میں آگے چلا تو وہ رو پڑے ان سے پوچھا گیا کہ آپ کیوں روئے ہیں؟ انہوں نے فرمایا میں روتا ہوں کہ میرے بعد ایک نوجوان کو مبعوث کیا گیا کہ میری امت کے مقابلے میں اس کی امت کے لوگ جنت میں زیادہ جائیں گے۔

پھر حضرت جبریل علیہ السلام مجھے ساتویں آسمان پر لے گئے انہوں نے دروازہ کھولنے کے لئے کہا پوچھا گیا کون ہے؟ فرمایا میں جبریل ہوں پوچھا گیا آپ کے ساتھ کون ہیں؟ انہوں نے فرمایا یہ حضرت محمد ﷺ ہیں پوچھا گیا کیا ان کی طرف بھیجا گیا تھا؟ حضرت جبریل علیہ السلام نے فرمایا ہاں انہوں نے فرمایا ان کا آنا مبارک ہو کیا اچھا آنا ہے۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا جب میں اندر داخل ہوا تو وہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام تھے حضرت جبریل علیہ السلام

نے فرمایا یہ آپ کے باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں ان کو سلام کیجئے آپ فرماتے ہیں میں نے سلام کیا تو انہوں نے سلام کا جواب دیا پھر فرمایا نیک بیٹے اور صالح نبی کا آنا مبارک ہو۔

پھر بیت المعمور کو میری طرف اٹھایا گیا اس میں ہر دن ستر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں پھر میرے پاس شراب کا ایک برتن' دودھ کا ایک برتن اور شہد کا ایک برتن لایا گیا تو میں نے دودھ کو پسند کیا حضرت جبریل علیہ السلام نے کہا یہ فطرت ہے جس پر آپ اور آپ کی امت ہے۔

پھر مجھ پر ہر دن میں پچاس نمازیں فرض کی گئیں میں واپس آیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس سے گزرا انہوں نے پوچھا آپ کو کس بات کا حکم دیا گیا؟ میں نے کہا ہر دن پچاس نمازیں پڑھنے کا حکم ہوا ہے انہوں نے کہا آپ کی امت یومیہ پچاس نمازیں پڑھنے کی طاقت نہیں رکھتی اللہ کی قسم میں اس سے پہلے لوگوں کا تجربہ کر چکا ہوں اور میں نے بنی اسرائیل کا تجربہ کیا ہے پس آپ اپنے رب کے پاس جائیں اور اپنے رب سے اپنی امت کے لئے تخفیف کا سوال کریں میں واپس ہوا تو دس نمازیں مجھ سے اٹھالی گئیں۔

پھر میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف واپس آیا تو انہوں نے پہلے کی طرح کہا چنانچہ دس نمازیں مزید اٹھالی گئیں پھر میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف لوٹ کر آیا تو انہوں نے وہی بات کہی میں واپس ہوا تو دس نمازیں اٹھادی گئیں میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا تو انہوں نے پھر وہی بات کہی میں واپس گیا تو مجھے روزانہ دس نمازیں پڑھنے کے لئے کہا گیا میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا تو انہوں نے پھر وہی بات کہی چنانچہ میں واپس لوٹ گیا تو مجھے روزانہ پانچ نمازیں پڑھنے کا حکم دیا گیا پھر میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا تو انہوں نے پوچھا آپ کو کیا حکم ملا؟ میں نے کہا روزانہ پانچ نمازیں پڑھنے کا حکم ہوا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا آپ کی امت روزانہ پانچ نمازیں پڑھنے کی طاقت نہیں رکھتی مجھے لوگوں کا تجربہ ہے اور میں نے انہیں کافی آزمایا (اور مشقت اٹھائی) پس آپ واپس جائیں اور اپنی امت کے لئے تخفیف کا سوال کریں آپ نے فرمایا میں نے اپنے رب سے اس قدر سوال کیا کہ اب مجھے حیا آتی ہے میں راضی ہوں اور تسلیم کرتا ہوں آپ فرماتے ہیں جب میں آگے بڑھا تو ایک آواز دینے والے نے مجھے آواز دی آپ نے اپنا فرض پورا کیا اور اپنے بندوں کے لئے آسانی پیدا کی۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۸۸۷' مسند احمد ج ۴ ص ۲۰۸' تمہید ج ۸ ص ۴۸' شرح السنہ ج ۱۳ ص ۳۳۷' الدر المنثور ج ۴ ص ۱۴۰' دلائل النبوۃ ج ۲ ص ۳۷۷' المنتظم ج ۳ ص ۲۶' البدایہ والنہایہ ج ۳ ص ۱۱۴)

کچھ دوسری ہدایات

''صحیح بخاری کی'' ایک اور روایت میں ہے آپ نے فرمایا:

پس میرے سینے کو کھولا پھر اسے زمزم کے پانی سے دھویا پھر سونے کا ایک تھال لائے جو حکمت اور ایمان سے بھرا ہوا تھا چنانچہ اس کو میرے سینے میں ڈال کر بند کر دیا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۴۹)

حضرت شریک کی روایت میں ہے۔ فحشا بہ صدرہ و لغادیدہ پس اس سے آپ کا سینہ اور حلق کی رگیں بھر گئیں ''لغادید'' میں لام پر زبر ہے غین نقطہ والی ہے یعنی حلق کی رگیں ''النھایہ میں ہے کہ'' یہ ''لغدودہ'' کی جمع ہے اور

یہ گوشت ہے جو تالو کے پاس ابھرا ہوا ہوتا ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۱۷)
حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کے اس قول میں شک کیا گیا جس میں انہوں نے فرمایا کہ نبی اکرم ﷺ بعض اوقات فرماتے ہیں کہ میں حجر میں تھا۔ جس طرح حضرت امام احمد نے حضرت عفان سے روایت کیا اس کے الفاظ یہ ہیں اس دوران کہ میں حطیم میں تھا اور بعض اوقات حضرت قتادہ حجر کا ذکر کرتے تھے اور یہاں حطیم سے حجر مراد ہے۔
امام بخاری رحمہ اللہ نے ''بدء الخلق'' (عنوان) کے تحت ابتدا میں یہ الفاظ نقل کئے ہیں (کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا):

بینما انا عند البیت. اس دوران کہ میں بیت اللہ شریف کے پاس تھا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۲۰۷)

ان الفاظ میں عموم ہے (کیونکہ یہ حطیم' حجر اور بیت اللہ شریف سب پر مشتمل ہیں)۔
امام زہری نے حضرت انس سے اور انہوں نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ آپ نے فرمایا:

فرج سقف بیتی وانا بمکة. میرے گھر کی چھت کھولی گئی اور میں مکہ مکرمہ میں تھا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۴۹)

واقدی نے اپنی اسناد سے روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ کو شعب ابی طالب سے سیر کرائی گئی۔
حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا کی روایت جو طبرانی نے نقل کی اس میں انہوں نے فرمایا کہ نبی اکرم ﷺ رات کے وقت ان کے گھر میں تھے (فرماتی ہیں) میں نے رات کے وقت آپ کو نہ پایا تو (پوچھنے پر) آپ نے فرمایا بے شک حضرت جبریل علیہ السلام میرے پاس آئے۔

روایات کو جمع کرنا

ان تمام اقوال کو یوں جمع کیا جا سکتا ہے (جیسا کہ فتح الباری میں ہے) کہ آپ رات کے وقت حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا کے گھر میں تھے اور ان کا گھر شعب ابی طالب کے پاس تھا چنانچہ گھر کی چھت کھل گئی۔ اس گھر کی نسبت حضور علیہ السلام کی طرف اس لئے کی گئی کہ آپ وہاں رہائش پذیر تھے پس وہاں سے فرشتہ اترا اور آپ کو گھر سے مسجد کی طرف لے گیا آپ وہاں لیٹے ہوئے تھے اور آپ پر اونگھ کا اثر تھا پھر فرشتہ آپ کو مسجد سے باہر لایا اور براق پر سوار کر دیا۔
امام عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ابن اسحاق نے حضرت حسن رحمہ اللہ کی مرسل روایت نقل کی ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام' حضور علیہ السلام کے پاس آئے' آپ کو مسجد کی طرف لے گئے اور براق پر سوار کر دیا یہ روایت' روایات کو اس انداز میں جمع کرنے کی تائید کرتی ہے۔

مکان کی چھت کھلنے میں حکمت

سوال: اگر کہا جائے کہ بیت اللہ شریف کی چھت کیوں کھلی اور وہاں سے فرشتہ کیوں اترا' وہ دروازے سے کیوں داخل نہیں ہوا حالانکہ ارشاد خداوندی ہے:

وانتوا البیوت من ابوابھا. اور گھر میں ان کے دروازوں سے آؤ۔

جواب: اس میں حکمت یہ تھی کہ آسمان سے فرشتہ یکبارگی اترے اور اس چھت کے علاوہ کسی چیز پر نہ چڑھے اور یہ فوری طور پر روانگی اور کسی مہلت کے بغیر طلب میں مبالغہ اور تنبیہ تھی اور اس میں نبی اکرم ﷺ کا اعزاز بھی تھا۔

جب کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا معاملہ اس کے برخلاف تھا اور ان کی کرامت ایک مقررہ وقت میں شرف ہمکلامی میں تھی۔

جب کہ ہمارے نبی کریم ﷺ سے انتظار کی تکلیف کو اٹھایا گیا جس طرح آپ سے عذر پیش کرنے کی تکلیف اٹھائی گئی۔ [1]

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے آقا ﷺ کا مقام حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نسبت سے اس طرح ہے جس طرح مقام مراد مقام مرید کے مقابلے میں ہوتا ہے اور ہوسکتا ہے مکان کی چھت کا کھولنا آپ کے سینۂ اقدس کو کھولنے کی تمہید کے طور پر ہو پس فرشتے نے آپ کو دکھایا کہ آپ کے لئے چھت کو کھولا گیا پھر فوری طور پر چھت باہم مل گئی تو عنقریب پیش آنے والے واقعہ (سینۂ مبارکہ کے چاک ہونے) کی کیفیت بتانا مقصود تھا اور ایسی مثال کے ساتھ معاملہ آپ کے قریب کیا جسے آپ نے اپنے گھر میں مشاہدہ کیا یہ آپ کے حق میں اللہ تعالیٰ کا لطف و کرم اور صبر کی تلقین تھی۔

حدیث کے بعض نقاط کی وضاحت

حدیث شریف میں ہے کہ آپ لیٹے ہوئے تھے اور صحیح بخاری کی ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپ نیند اور بیداری کے درمیان والی حالت میں تھے۔

تو یہ ابتدائی حالت پر محمول ہے جب آپ کو مسجد کے دروازے کی طرف لایا گیا اور براق پر سوار کیا گیا تو آپ مسلسل جاگنے کی حالت میں رہے۔

اور حضرت شریک رضی اللہ عنہ کی روایت میں یہ الفاظ کہ "جب میں بیدار ہوا" اگر ہم کہیں کہ متعدد واقعات ہیں تو اس میں کوئی اشکال نہیں ورنہ اس کا مقصد یہ ہوگا کہ جب مجھے اس حالت سے افاقہ ہوا جس میں میرا دل مشغول تھا اور وہ عالم ملکوت کا مشاہدہ تھا تو میں عالم دنیوی کی طرف لوٹا پس اس سے مراد ملکیت سے بشریت کی طرف لوٹنا ہے۔

اور آپ کا فرمانا کہ ایک آنے والا میرے پاس آیا تو یہ حضرت جبریل علیہ السلام تھے حضرت شریک رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ آپ کے پاس تین افراد آئے اور ابھی آپ کی طرف وحی نہیں ہوئی تھی اور آپ مسجد حرام میں آرام فرما تھے ان میں سے پہلے نے کہا یہ کون ہیں؟ درمیان والے نے کہا یہ ان لوگوں میں سے بہترین ہیں ان میں سے آخری نے کہا ان میں سے بہترین انسان کو لے لو اور یہ واقعہ اسی رات کا ہے جو ہم نے ذکر کیا آپ نے ان کو نہ دیکھا حتیٰ کہ وہ دوسری رات آپ کے پاس آئے کہ آپ کا دل دیکھ رہا تھا اور آنکھیں سو رہی تھیں البتہ دل سویا ہوا نہیں تھا۔

---

[1] حضرت موسیٰ علیہ السلام سے تیس راتوں کا وعدہ کیا گیا یعنی ان کے ختم ہونے پر اللہ تعالیٰ نے ان سے کلام کرنے کا' ان کو ذوالقعدہ کا مہینہ روزہ رکھنے کا حکم دیا جب مہینہ مکمل ہوا تو آپ نے اپنے منہ کی بو کو اچھا نہ سمجھتے ہوئے مسواک فرمائی تو اس وجہ سے ان کو مزید دس دن روزہ رکھنے کا حکم دیا گیا تو اس موقعہ پر ان کو عذر پیش کرنا پڑا جب کہ حضور ﷺ کو انتظار کی زحمت ہوئی نہ عذر کی۔ (زرقانی ج ۶ ص ۳۱)

اسی طرح انبیاء کرام علیہم السلام کی آنکھیں سوتی ہیں اور ان کے دل نہیں سوتے پس انہوں نے آپ سے کلام نہ کیا حتی کہ آپ کو اٹھایا۔

خطابی نے اس بات کا انکار کیا کہ یہ واقعہ وحی سے پہلے کا ہے اسی طرح قاضی عیاض اور امام نووی رحمہما اللہ نے بھی انکار کیا حضرت شریک رضی اللہ عنہ کی اس روایت میں ہے کہ یہ وہم ہیں جن کا علماء کرام نے انکار کیا ہے۔

ان میں سے ایک یہ کہ ''یہ واقعہ وحی سے پہلے کا ہے'' یہ غلط ہے اور اس پر اتفاق نہیں ہے علماء کرام کا اس بات پر اجماع ہے کہ نماز کی فرضیت شب معراج ہوئی ہے پس یہ وحی سے پہلے کیسے ہوسکتا ہے؟

ان لوگوں نے وضاحت کی ہے کہ اس میں حضرت شریک رضی اللہ عنہ متفرد ہیں۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ تفرد کا دعویٰ محل نظر ہے کیونکہ حضرت کثیر بن خنیس رضی اللہ عنہ نے ان کی موافقت کی ہے جیسا کہ سعید بن یحییٰ بن سعید اموی نے ''کتاب المغازی میں'' اپنے طریق سے نقل کرتے ہوئے فرمایا کہ (فرشتوں کے) دو مرتبہ آنے کے درمیان تعیین نہیں ہے پس اس بات پر محمول کیا جائے گا کہ دوسری مرتبہ آنا وحی کے بعد تھا اور اس وقت اسراء اور معراج واقع ہوا۔ پس جب دونوں مرتبہ آنے کے درمیان ایک مدت ہے تو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ یہ مدت ایک رات ہے یا کئی راتیں یا کئی سال۔

اس سے حضرت شریک رضی اللہ عنہ کی روایت میں پایا جانے والا اشکال دور ہوگیا اور اس بات پر اتفاق ہوا کہ اسراء (معراج) بیداری کے عالم میں بعثت کے بعد اور ہجرت سے پہلے ہوا اور حضرت خطابی اور دوسرے حضرات کا اس کو برا قرار دینا ساقط ہوگیا کہ حضرت شریک رضی اللہ عنہ نے اپنے اس دعویٰ میں اجماع کی مخالفت کی ہے کہ معراج بعثت سے پہلے ہوا۔ سب سے زیادہ قوی بات جس سے استدلال کیا جاسکتا ہے یہ ہے کہ معراج بعثت کے بعد ہوا حدیث شریف میں ''بعث'' کا لفظ ہے حضرت جبریل علیہ السلام نے آسمان کے دربان سے کہا جب اس نے پوچھا کیا بھیجا گیا تھا تو انہوں نے فرمایا ہاں' یہ اس بات میں ظاہر ہے کہ معراج کا واقعہ بعثت کے بعد ہوا۔

طبرانی نے حضرت میمون بن سیاہ رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہے جس میں فرماتے ہیں کہ حضرت جبریل اور حضرت میکائیل علیہما السلام آئے اور انہوں نے کہا ان میں سے کون؟ اور قریش کعبہ شریف کے گرد سوئے ہوئے تھے انہوں (حضرت جبریل علیہ السلام) نے کہا کہ ہمیں ان کے سردار کے بارے میں حکم دیا گیا ہے پھر وہ دونوں چلے گئے پھر آپ کے پاس حاضر ہوئے تو تین تھے اور مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا میں نے کسی کہنے والے سے سنا وہ کہہ رہا تھا ان دونوں کے درمیان تین میں سے ایک ہے پس میرے پاس آیا اور مجھے لے گیا اور دو مردوں سے حضرت حمزہ اور حضرت جعفر رضی اللہ عنہما مراد ہیں۔ نبی اکرم ﷺ ان دونوں کے درمیان آرام فرما تھے۔

''فقد'' قاف اور دال مشددہ کے ساتھ ہے اس کا معنیٰ لمبائی میں چیرنا ہے۔

''من ثغرة'' ثاء پر پیش اور غین ساکن ہے۔

''الی شعرة'' شین کے نیچے زیر ہے یعنی زیر ناف بال۔

''صحیح مسلم کی'' ایک روایت میں ہے کہ بطن مبارک کے نیچے تک۔

''صحیح بخاری کی'' روایت میں پیٹ کی کھال تک۔

حضرت شریک رضی اللہ عنہ کی روایت جو امام بخاری رحمہ اللہ نے نقل کی ہے اس میں ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے آپ کے سینۂ مبارکہ سے حلق مبارک تک کے درمیان کا حصہ شق کیا۔

معراج سے پہلے شق صدر

حضرت قاضی عیاض رحمہ اللہ نے ''الشفاء میں'' اسراء کی رات سینۂ مبارکہ کے شق ہونے کا انکار کیا اور فرمایا کہ یہ واقعہ آپ کی بعثت سے پہلے' بچپن میں اس وقت پیش آیا جب آپ بنوسعد میں (حضرت حلیمہ سعدیہ کے پاس) تھے لیکن اس کا انکار نہیں ہوسکتا جیسا کہ حافظ ابوالفضل عسقلانی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ متواتر روایات سے ثابت ہے کہ بعثت کے وقت بھی آپ کا سینۂ مبارکہ شق کیا گیا جیسا کہ ابونعیم نے ''الدلائل میں'' نقل کیا اور ہر بار شق میں الگ حکمت تھی۔

پہلی بار شق صدر کی حکمت

آپ کے قلب مبارک میں جو زائد حصہ تھا اس کو نکالنے کے لئے شق صدر ہوا جس طرح امام مسلم رحمہ اللہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا خون کا ایک ٹکڑا نکالا اور فرمایا یہ آپ کے جسم میں شیطان کا حصہ تھا اور یہ بچپن کی بات ہے پس آپ شیطان سے محفوظ ہو کر نہایت کامل حالت میں پروان چڑھے اور شاید یہ شق صدر آپ کے قرین (ہمزاد) کے اسلام کا سبب تھا جیسا کہ امام بزار نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا۔ [1]

اور یہ بھی احتمال ہے کہ اس شیطان کے حصے کی طرف اشارہ ہو جو اس کے خلاف تھا جیسے عفریت شیطان کہ وہ آپ کی نماز میں خلل ڈالنا چاہتا تھا تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس پر قدرت عطا کی۔

دوسری بار شق صدر کی حکمت

بعثت کے وقت شق صدر کی حکمت یہ تھی کہ آپ کو زیادہ اعزاز عطا کیا جائے اور جو کچھ آپ کی طرف وحی کیا جاتا ہے اسے قوی دل کے ساتھ پاکیزگی کے نہایت کامل حال کے ساتھ قبول کریں۔

تیسری بار شق صدر کی حکمت

آسمانوں کی طرف عروج کا ارادہ کرتے وقت آپ کے شق صدر کی وجہ یہ تھی کہ آپ ملاءِ اعلیٰ (بلند مرتبہ فرشتوں) تک جانے کے لیے تیار ہو جائیں بلند و بالا مقام پر قائم رہیں اور اسماء حسنیٰ کی تجلیات کے لئے قوت حاصل ہو۔

اسی وجہ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ایسی تیاری نہیں ہوئی کیونکہ آپ کو دیدار خداوندی نہیں ہوا اور جن تجلیات کے سامنے پہاڑ نہ ٹھہر سکا ان کے سامنے کوئی انسان کیسے ٹھہر سکتا ہے؟

اور یہ بھی احتمال ہے کہ اس دھونے میں حکمت تیسری مرتبہ دھونے کے ذریعے کمال حاصل کرنا ہو جس طرح شریعت میں (تین بار اعضاء وضو کو دھونا) ہوتا ہے۔

---

[1] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما مرفوعاً روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا مجھے دیگر انبیاء کرام علیہم السلام پر دو خصلتوں میں فضیلت دی گئی یہ شیطان کافر تھا تو اللہ تعالیٰ نے اس پر میری مدد کی چنانچہ وہ مسلمان ہو گیا راوی فرماتے ہیں دوسری بات میں بھول گیا ہوں۔

پھر یہ تمام امور مثلاً شق صدر' دل کا باہر نکالنا وغیرہ امور جو عادت کے خلاف امور ہیں ان کو ماننا ضروری ہے ان کو حقیقت سے نہیں پھیرنا چاہیے (یعنی حقیقی مفہوم مراد لیا جائے) کیونکہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کے سامنے کوئی بات محال نہیں ہے۔ حضرت عارف ابن ابی جمرہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس میں اس بات پر دلیل ہے کہ کوئی ممکن کام اللہ تعالیٰ کی قدرت کو عاجز نہیں کرسکتا اور یہ کسی چیز کے عدم اور وجود پر موقوف نہیں اور نہ ہی یہ عادت کے ساتھ مربوط ہے (بلکہ عام عادت کے خلاف بھی اللہ تعالیٰ ظاہر کرسکتا ہے) البتہ جہاں اس کی قدرت چاہے وہاں ایسا ہوتا ہے کیونکہ عادت تو یہ ہے اور یہ بات معروف ہے کہ جب کسی انسان کا پیٹ چاک کیا جائے اور دل زخمی ہو جائے تو وہ مرجاتا ہے زندہ نہیں رہتا اور نبی اکرم ﷺ کا بطن اطہر چاک ہوا حتیٰ کہ قلب اقدس نکال کر دھویا گیا۔

اسی طرح بچپن میں آپ کا پیٹ مبارک چاک کیا گیا قلب اقدس شق کیا گیا اور اس سے شیطان کا (ٹھیس پہنچانے والا) حصہ نکال دیا گیا اور یہ بات معلوم ہے کہ جب زخم دل تک پہنچ جائے تو وہ شخص مرجاتا ہے لیکن نبی اکرم ﷺ کا بطن اقدس دو مرتبہ چاک ہوا اس کے باوجود آپ کو تکلیف نہیں ہوئی اور نہ وصال ہوا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ارادہ فرمایا کہ عادت کے مطابق جو کچھ ہوتا ہے مثلاً موت کا واقع ہونا وہ آپ پر اثر انداز نہ ہو پس اس قانون اور عادت کو (یہاں) باطل کردیا حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں پھینکا گیا لیکن آگ نے آپ کو جلایا نہیں بلکہ وہ آپ پر ٹھنڈک اور سلامتی بن گئی۔

شق صدر پر صبر

نبی اکرم ﷺ کے شق صدر سے آپ کو مزید اعزاز یوں حاصل ہوا کہ آپ نے اس پر صبر فرمایا اور یہ اسی قسم کی فضیلت ہے جو حضرت اسماعیل ذبیح علیہ السلام کو حاصل ہوئی کہ آپ نے ذبح کے مقدمات مثلاً باندھا جانا اور پیشانی کے بل لٹایا جانا نیز آپ کے مبارک گلے پر چھری کا پھیرنا وغیرہ امور پر آپ نے صبر کیا ارشاد خداوندی ہے:

سَتَجِدُنِیۡۤ اِنۡ شَآءَ اللّٰہُ مِنَ الصّٰبِرِیۡنَ ○ عنقریب آپ مجھے صبر کرنے والوں میں پائیں گے۔

آپ نے اللہ تعالیٰ سے کیا ہوا وعدہ پورا کیا تو اللہ تعالیٰ نے آپ کے صبر پر یہ اعزاز عطا کیا کہ آپ کی تعریف ہمیشہ کے لئے جاری کردی۔

اس میں شک نہیں کہ ہمارے نبی اکرم ﷺ کا شق صدر پر صبر کرنا بہت مشکل اور عظیم تھا کیونکہ وہ مقدمات تھے اور یہ نتیجہ تھا وہ محض پیش کرنا تھا یہ حقیقت تھی حضرت اسماعیل علیہ السلام کا حلق مبارک قتل گاہ تھی اور آپ کو صرف صورت قتل پیش آئی قتل کا عمل نہیں ہوا جب کہ ہمارے نبی ﷺ کا شق صدر پھر قلب اقدس کا نکالنا پھر اسے شق کرنا پھر اسی طرح مختلف عمل بار بار کا ذبح ہونا ہے لیکن آپ کی زندگی کے باقی رہنے سے قانون پر عمل رک گیا پس یہ آزمائش حضرت ذبیح اللہ کی آزمائش سے زیادہ بڑی تھی۔

سوال: صبر تو تب ہوتا جب وہاں مشقت ہوتی لیکن جب آپ کی زندگی کو باقی رکھنے کے حوالے سے عادت کے خلاف عمل ہوا تو تکالیف اور مشقت کے برداشت کرنے میں بھی عادت بدل گئی۔

جواب: شق صدر والی حدیث میں آیا ہے کہ آپ آگے بڑھے اور آپ کا رنگ زرد ہو گیا (منتقع اللون کے الفاظ ہیں یا

ممتقع اللون کے) اس کا معنی یہ ہے کہ میٹالا رنگ ہو گیا اور یہ فوت ہونے والوں کے رنگ کے مشابہ ہے پس یہ آپ کے مشقت برداشت کرنے پر بلکہ انتہائی مشقت پر دلالت ہے۔

ابن جوزی نے جو کہا ہے کہ آپ کا شق صدر ہوا لیکن آپ کسی مشقت میں مبتلا نہ ہوئے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ نے اس شخص کی طرح صبر کیا جو مشقت کو خیال میں نہیں لاتا۔ اسی طرح نبی اکرم ﷺ کی یہ آزمائش عمر کے اعتبار سے بھی تھی کیونکہ نبی اکرم ﷺ کے دودھ چھوڑنے کے بعد فوری طور پر یہ واقعہ ہوا نیز آزمائش کا ایک پہلو یہ تھا کہ آپ اپنی والدہ ماجدہ سے الگ تھے اور باپ کی طرف سے یتیم تھے۔ آپ کو بچوں میں سے لے جایا گیا اور وہ عمل (شق صدر والا) ہوا تا کہ مستقبل میں جو کچھ پیش آنے والا ہے وہ آپ کے لئے آسان ہو جائے اور صبر پر آپ کو بہت بڑی عظمت حاصل ہو اس لئے جب آپ کو زخمی کیا گیا اور آپ کے سامنے کے دانت مبارک شہید ہوئے تو آپ نے (بدلہ لینے کی بجائے) یوں دعا فرمائی:

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِقَوْمِیْ فَاِنَّھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ. یا اللہ! میری قوم کو بخش دے بے شک یہ قوم علم نہیں رکھتی۔

(مسند احمد ج ۱ ص ۴۴۱' مشکل الآثار ج ۳ ص ۱۸۹' المغنی ج ۱ ص ۳۱۳۔ ج ۳ ص ۶۸۔ ۲۸۳' الدر المنثور ج ۳ ص ۹۵' المعجم الکبیر ج ۶ ص ۱۴۶' اتحاف السادۃ المتقین ج ۵ ص ۳۴۔ ج ۷ ص ۹۳' الشفاء ج ۱ ص ۱۰۵' دلائل النبوۃ ج ۳ ص ۲۱۵' کنز العمال رقم الحدیث: ۲۹۸۸۳۔ ۳۵۵۶۳)

اللہ تعالیٰ آپ کے شرف کو مزید بڑھائے۔

سونے کے تھال میں دھونا

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا "پھر میرے پاس سونے کا ایک تھال لایا گیا" تو اس کی وجہ یہ ہے کہ دھونے کے برتنوں میں یہ زیادہ مشہور تھا۔

سوال: نبی اکرم ﷺ کی شریعت میں سونے کا استعمال حرام ہے تو یہاں سونے کا تھال کیسے استعمال کیا گیا؟

جواب: عارف ابن ابی جمرہ نے جواب دیا کہ سونے کا استعمال اس دنیا میں نفع حاصل کرنے کے اعتبار سے حرام ہے جب کہ آخرت میں یہ خالص مومنوں کے لئے ہوگا۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

ھو لھم فی الدنیا وھو لنا فی الاخرۃ. یہ (سونا) ان (کفار) کے لئے دنیا میں ہے اور آخرت میں صرف ہمارے لئے ہے۔

وہ فرماتے ہیں دوسری بات یہ ہے کہ یہ تھال نبی اکرم ﷺ نے استعمال نہیں فرمایا بلکہ آپ کے علاوہ (یعنی فرشتے) اسے لائے اور اس میں جو کچھ تھا انہوں نے ہی اسے استعمال کر کے آپ کے قلب مبارک میں رکھا پس اس مبارک تھال کو لانا اور اس کا سونے کا ہونا مقام کی بلندی پر دلالت کرتا ہے پس دلیل کے ساتھ تعارض دور ہو گیا۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ان پر اعتراض کرتے ہوئے فرمایا کہ صرف اتنا کافی نہیں کہ اسے استعمال کرنے والی مخلوق وہ تھی جن پر یہ حرام نہیں یعنی وہ فرشتے تھے اس لئے کہ اگر آپ پر سونا حرام تھا تو اس بات سے اپنے آپ کو بچاتے کہ کوئی

دوسرا اسے آپ کے جسم سے متعلق امور میں استعمال کرے۔

یہ کہنا بھی ممکن ہے کہ اس کے استعمال کی حرمت احوال دنیا کے ساتھ مخصوص ہے اور اس رات جو کچھ ہوا اس میں احوال غیب کا غلبہ تھا پس اسے احوال آخرت سے ملایا جائے گا۔

یا ہو سکتا ہے اس شریعت میں سونے کی حرمت سے پہلے کی بات ہو یہاں چند مناسبات ظاہر ہوتی ہیں۔

۱۔ ایک یہ کہ وہ جنت کے برتنوں میں سے ہے۔

۲۔ اسے نہ آگ کھا سکتی ہے اور نہ مٹی میں گلتا سڑتا ہے۔

۳۔ اس کو زنگ نہیں لگتا۔

۴۔ یہ (سونا) تمام جواہر میں سے زیادہ وزنی (قیمتی) ہے پس آپ کے قلب اقدس کے مناسب تھا کیونکہ یہ ان برتنوں میں سے ہے جن کا احوال جنت سے تعلق ہے سونے کو بھی آگ اور مٹی نہیں کھاتی اور زمین پر انبیاء کرام علیہم السلام کے جسموں کو کھانا بھی اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے انبیاء کرام علیہم السلام کے دلوں کو زنگ نہیں لگتا اور آپ کا قلب مبارک تمام دلوں سے بھاری ہے اور ایک اور مناسبت بھی ہے اور وہ اس میں وحی کا بوجھ ہے۔

میں کہتا ہوں حضرت امام ابن حجر رحمہ اللہ کا یہ قول کہ شاید یہ بات اس شریعت میں سونے کے حرام قرار دیئے جانے سے پہلے کی ہو۔

تو امام ابن حجر نے اپنی کتاب "فتح الباری" میں بیان نماز کے آغاز میں واضح کیا کہ مدینہ طیبہ میں سونے کی حرمت کا حکم آیا۔

امام سہیلی اور ابن دحیہ نے فرمایا کہ اگر لفظ "ذہب" (سونا) کو دیکھا جائے تو آپ سے ناپاکی کو دور کرنے کے اعتبار سے یہ زیادہ مناسب ہے اور اس لئے بھی کہ آپ اپنے رب کی طرف جا رہے تھے اور "ذہب" کا معنیٰ ہے "وہ گیا"

اور اگر اس کے معنیٰ کو دیکھا جائے تو اس کی چمک اور صفائی کی وجہ سے مناسبت ہے (کیونکہ وحی کا بھی یہی حال ہے)۔

کیا معانی کا مجسم ہونا جائز ہے؟

نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ وہ تھال "حکمت و ایمان سے بھرا ہوا تھا" تو اس سے مراد یہ ہے کہ اس تھال میں کوئی چیز رکھی گئی تھی جس کے ذریعے ایمان و حکمت کا کمال حاصل ہوا پس اس کو مجازی طور پر ایمان و حکمت قرار دیا گیا۔

اور یہ احتمال بھی ہے کہ یہ قول اپنی حقیقت پر ہو اور معانی کا مجسم ہونا جائز ہو جس طرح سورۂ بقرہ قیامت کے دن سائبان کی طرح اور موت مینڈھے کی صورت میں ہوگی اسی طرح اعمال کا وزن کرنا اور دوسرے احوال غیب ہیں۔

امام بیضاوی رحمہ اللہ نے فرمایا شاید یہ مثال دینے کے طور پر ہو کیونکہ معانی کی تمثیل اکثر واقع ہوتی ہے جیسا کہ جنت اور جہنم کو دیوار پر نبی اکرم ﷺ کے سامنے رکھا گیا اور اس کا فائدہ معنوی چیز کو محسوس کے ساتھ واضح کرنا ہے۔

عارف ابن ابی جمرہ فرماتے ہیں اس میں اس بات پر دلیل پائی جاتی ہے کہ ایمان و حکمت جواہر محسوسات میں سے ہیں معانی نہیں ہیں کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے تھال کے بارے میں فرمایا کہ آپ کے پاس وہ ایمان و حکمت سے بھرا ہوا لایا

گیا اور خطاب اسی چیز سے متعلق ہوتا ہے جو سمجھ میں آئے اور معروف ہو اور معانی کے جسم نہیں ہوتے کہ ان سے کوئی چیز بھر جائے برتن تو جسم والی چیز اور جواہر سے بھرتے ہیں اور یہ بات نبی اکرم ﷺ کی طرف سے اس بات کی وضاحت ہے کہ متکلمین کا یہ قول صحیح نہیں کہ حکمت وایمان عرض ہیں۔ [1]

حدیث اور متکلمین کے قول کو یوں جمع کیا جاسکتا ہے کہ مخلوقات میں سے وہ چیزیں جن کا حواس ادراک نہیں کر سکتے اور نہ کسی نبی نے ان کی حقیقت کی خبر دی ہو ان کے بارے میں کوئی یقینی بات نہیں کہہ سکتے اور نہ وہ ثابت ہیں یہ محض غلط ظن ہے کیونکہ اہل عقل جن کو تائید خداوندی سے توفیق حاصل ہے وہ اس بات پر متفق ہیں کہ عقل کی ایک حد ہے جہاں وہ ٹھہر جاتی ہے اور اس سے آگے نہیں بڑھتی اور نہ اس کی طاقت رکھتی ہے۔

تو متکلمین نے اس قسم کے مسائل میں ان اعراض کو پیش نظر رکھا جو ان کے سامنے ظاہر ہوئے اور ان کا ان جواہر سے تعلق ہے جن کے بارے میں شارع علیہ السلام نے حدیث میں ذکر فرمایا اور عقل کو یہ طاقت حاصل نہیں کہ وہ اس حقیقت تک پہنچ سکے جس کے بارے میں نبی اکرم ﷺ نے خبر دی تو ان دونوں کو جمع کرتے ہوئے یوں کہا جائے گا کہ جو کچھ متکلمین نے کہا وہ بھی حق ہے کیونکہ وہ جواہر سے صادر ہوتا ہے اور یہ بات عقل میں آتی ہے اور حقیقت وہ ہے جو حدیث میں ذکر کی گئی۔

اس کی کئی مثالیں ہیں جو متکلمین اور آثار نبوت کے درمیان پائی جاتی ہیں ان تمام مثالوں کو اسی طریقے پر جمع کرنا چاہیے جو ہم نے ذکر کیا یا اس جیسا کوئی طریقہ ہو۔

پھر انہوں نے (ابن ابی جمرہ) موت کی مثال چت کبرے مینڈھے کے ساتھ دی پھر اذکار اور تلاوت کی مثال دیتے ہوئے فرمایا کہ جو کچھ یہاں (دنیا میں) ظاہر ہوتا ہے وہ معانی ہیں اور قیامت کے دن وہ جواہر اور محسوسات کی صورت میں ظاہر ہوں گے اور میزان میں جواہر کا وزن ہی ہوگا۔

انہوں نے فرمایا اس میں صوفیاء اصحاب المعاملات [2] اور اہل تحقیق کی دلیل ہے جو کہتے ہیں کہ وہ اپنے دلوں کو اور اپنے بھائیوں کے دلوں کو اسی طرح اپنے ایمان اور اپنے بھائیوں کے ایمان کو اپنی بصیرتوں کے آنکھوں سے جواہر محسوسات کی طرح دیکھتے ہیں۔

ان میں سے بعض اپنے ایمان کو چراغ کی طرح دیکھتے ہیں بعض شمع کی طرح دیکھتے ہیں بعض مشعل کی صورت میں دیکھتے ہیں اور وہ سب سے زیادہ قوی ہے وہ کہتے ہیں کوئی شخص اس وقت تک اہل تحقیق نہیں ہوسکتا جب تک بصیرت کی آنکھ سے اپنے دل کو نہ دیکھے جیسا کہ وہ اپنی ظاہری آنکھ سے اپنی ہتھیلی کو دیکھتا ہے۔ اور وہ ایمان کی کمی زیادتی کو پہچانتا ہے۔

---

[1] جو چیز خود قائم ہو اسے جوھر کہتے ہیں اور جو کسی دوسرے کے ساتھ مل کر قائم ہو جیسے رنگ، علم وغیرہ وہ عرض ہے۔ ۱۲ ہزاروی

[2] نفس انسانی کی جب باطن یعنی روح کی طرف توجہ ہو تو تمام حجاب دور ہو جاتے ہیں اسے معاملہ کہتے ہیں اور یہ دس معاملات ہیں۔ رعایت، مراقبہ، حرمت، اخلاص، تہذیب، استقامت، توکل، تفویض، وثوق (اعتماد) اور تسلیم۔ ان منازل کو معاملات کہنے کی وجہ یہ ہے کہ ان کے بغیر بندے کا اپنے رب سے معاملہ درست نہیں ہوسکتا۔ ۱۲ ہزاروی (زرقانی ج ۶ ص ۲۹)

شق صدر کی حکمت

سوال: آپ کے شق صدر اور پھر اس میں ایمان وحکمت کو بھرنے میں کیا حکمت تھی اللہ تعالیٰ اس عمل کے بغیر ایمان وحکمت ڈال دیتا؟

جواب: عارف ابن ابی جمرہ نے اس کا جواب یوں دیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایمان وحکمت کی کثرت عطا کی اور اس سے قوت تصدیق مضبوط ہوگئی او بطن اقدس اور قلب مبارک کو شق کر کے بتایا گیا کہ ہلاکت کے تمام مروجہ طریقوں سے آپ بے خوف ہوگئے پس آپ کو ایمان کی قوت تین طریقوں سے حاصل ہوئی تصدیق کی قوت' مشاہدہ کی قوت اور تمام ہلاکت خیز طریقوں سے بے خوف ہونا پس اس طرح نبی اکرم ﷺ کے لئے قوت ایمان اور اللہ تعالیٰ کے غیر سے نہ ڈرنے کا وہ کمال حاصل ہو گیا جو مقصود تھا۔

اور اس بات کی طرف ہم نے اشارہ کیا کہ نبی اکرم ﷺ حال اور قال دونوں اعتبار سے لوگوں سے زیادہ بہادر' مضبوط اور اعلیٰ تھے عالم بالا میں جیسا کہ نبی اکرم ﷺ نے خبر دی کہ جب وہ آپ کے ساتھ اپنے مقام (سدرۃ المنتہیٰ) پر پہنچے تو عرض کیا اب آپ ہیں اور آپ کا رب ہے یہ میرا مقام ہے میں اس سے آگے نہیں جا سکتا پس آپ نے (اس قوت کی بنیاد پر) بلا جھجک اپنے آپ کو مقام نور میں داخل کر دیا اور بارگاہ خداوندی میں اس طرح حاضر ہوئے جس طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی ○ (النجم:17) آنکھ نہ کسی طرف پھری نہ حد سے بڑھی۔

اور اس دنیا میں آپ کی مضبوطی کا عالم یہ تھا کہ گھمسان کی لڑائی ہوتی تو آپ اپنی خچر کو دشمن کے سینے میں پہنچا دیتے وہ مسلح ہوتے اور آپ فرماتے:

انا ابن عبد المطلب انا النبی لا کذب. میں عبد المطلب کا بیٹا (پوتا ہوں) میں جھوٹا نبی نہیں ہوں۔

پھر آپ کے قلب مقدس کی تطہیر اور اس میں ایمان وحکمت کو ڈالنا اہل سنت وجماعت کے اس عقیدے کی طرف اشارہ ہے کہ عقل اور دوسرے اسباب ادراکات جیسے نظر وفکر کا مرکز دل ہے دماغ نہیں جب کہ معتزلہ اور فلاسفر کا اس میں اختلاف ہے۔

قلب اقدس کو آب زمزم سے دھونے میں حکمت کے سلسلے میں کہا گیا کہ آب زمزم دل کو مضبوط کرتا اور سکون بخشتا ہے۔

حافظ زین عراقی نے کہا کہ معراج کی رات نبی اکرم ﷺ کے قلب اقدس کو آب زمزم سے اس لئے دھویا گیا کہ آپ کو ملکوت (عالم غیب) کو دیکھنے کی قوت حاصل ہو۔

اور شیخ الاسلام البلقینی نے نبی اکرم ﷺ کے قلب اقدس کو آب زمزم سے دھوئے جانے سے اس بات پر استدلال کیا ہے کہ آب زمزم آب کوثر سے افضل ہے وہ فرماتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ کا قلب مکرم سب سے افضل پانی سے دھویا گیا۔ العارف ابن ابی جمرہ رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "بہجۃ النفوس" میں اسی بات کی طرف اشارہ کیا

ہے۔

کیا قلب اقدس دھویا گیا یا سینۂ مبارکہ؟

نبی اکرم ﷺ کے ارشاد گرامی "فغسل صدری" (میرا سینہ دھویا گیا) سے بظاہر قلب اقدس مراد ہے جس طرح دوسری روایت میں ہے اور یہ بھی احتمال ہے کہ ہر روایت کو اس کے ظاہر پر محمول کیا جائے اور دونوں کو جمع کرتے ہوئے کہا جائے کہ نبی اکرم ﷺ نے ایک مرتبہ سینۂ مبارکہ کے دھوئے جانے کی خبر دی اور دل کا ذکر بالکل نہیں کیا۔ اور دوسری بار دل کے دھونے کی خبر دی اور سینۂ مبارکہ کا ذکر بالکل نہیں کیا پس دونوں کو بیک وقت دھویا گیا تاکہ اس مقدس مقام کی پاکیزگی میں مبالغہ ہو۔

اور اس میں شک نہیں کہ یہ محل شریف (قلب اقدس اور سینۂ مبارکہ) پہلے بھی پاک اور خوب پاک تھا اور جو بھلائی اس میں ڈالی جائے اس کو قبول کرنے والا تھا پہلی مرتبہ جب آپ کا بچپن تھا اسے دھویا گیا اور اس سے شیطانی حصے کو دور کیا گیا اور یہ آپ کی عظمت کا اظہار اور جو کچھ آپ کے دل میں ڈالا جا رہا تھا اس کیلئے اسے تیار کرنا تھا اور یہی حکمت دوسرے مقامات میں جاری ہے مثلاً ایک آدمی پاک صاف ہے لیکن وہ وضو کرتا ہے کیونکہ اس کے حق میں وضو اللہ تعالیٰ کے حضور کھڑا ہونے اور اس سے مناجات کی تیاری کے لئے ہے اسی لئے یہاں آپ کا بطن اقدس دھویا گیا۔

ارشاد خداوندی ہے:

وَمَنْ یُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰہِ فَاِنَّھَا مِنْ تَقْوَی الْقُلُوْبِ۔ اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کی تعظیم کرتا ہے اس کا دل متقی ہے۔

پس نبی اکرم ﷺ کے قلب اقدس کا دھونا اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کی تعظیم میں سے ہے اور امت کو عملی اشارہ دیا گیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کی تعظیم کریں جس طرح بطور قول یہ بات بتائی۔

براق اور معراج

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا۔

پھر میرے پاس ایک چارپایہ لایا گیا جو خچر سے چھوٹا اور گدھے سے بڑا تھا اور اس کا رنگ سفید تھا وہ اپنا قدم وہاں رکھتا تھا جہاں نگاہ پہنچتی ہے پس مجھے اس پر سوار کیا گیا اور حضرت جبریل امین علیہ السلام مجھے لے کر چلے حتیٰ کہ آسمان دنیا تک پہنچے۔

امام بخاری رحمہ اللہ کی ایک اور روایت میں جو نماز کے بیان سے ہے اس طرح ہے کہ پھر انہوں نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے آسمان کی طرف لے گئے۔

اس حدیث کا ظاہر بتاتا ہے کہ آپ آسمان تک براق پر ہی رہے تو عارف ابن ابی جمرہ نے فرمایا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہوا میں چلتے تھے حالانکہ عادتاً آدمی ہوا میں نہیں چلتا خصوصاً جب کہ چارپائے پر سوار ہو لیکن جب قدرت کا یہی منشاء ہو تو ایسا ہو جاتا ہے تو جس طرح اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے زمین کو پھیلایا کہ وہ اس پر چلتے ہیں اسی طرح وہ ہوا میں بھی چلتے ہیں اور یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی قدرت میں ہے اور اللہ تعالیٰ کی قدرت عادت جاریہ کے ساتھ مربوط (یعنی اس کی پابند)

نہیں ہے۔

نبی اکرم ﷺ سے ان بدبختوں کے بارے میں پوچھا گیا جو قیامت کے دن اپنے چہروں کے بل چلیں گے۔ تو آپ نے فرمایا جو ذات ان کو قدموں پر چلا سکتی ہے وہ قیامت کے دن ان کو چہروں کے بل چلانے پر بھی قادر ہے۔

(اتحاف السادۃ المتقین ج۱۰ص۴۵۶)

بعض حضرات نے اس حدیث سے استدلال کیا کہ معراج اس رات کے علاوہ ہوا جس رات بیت المقدس تک سیر کرائی گئی کیونکہ اس حدیث میں بیت المقدس کی طرف سیر کرانے کا ذکر نہیں ہے۔

لیکن اس روایت کے علاوہ احادیث میں براق پر معراج کا ذکر نہیں ہے بلکہ معراج یعنی سیڑھی کے ذریعے اوپر لے جایا گیا جیسا کہ ابن اسحاق اور بیہقی رحمہما اللہ نے واضح طور پر بیان کیا اور ان شاء اللہ عنقریب اس کا ذکر ہوگا۔

ممکن ہے یوں کہا جائے کہ یہاں راوی نے مختصر بیان کیا ہو اور لفظ "ثم" جو تراخی کو چاہتا ہے وہ اس بات کے منافی نہیں کہ اسراء ان دو باتوں کے درمیان واقع ہوا یعنی مسجد حرام سے چلنے اور آسمانوں کی طرف عروج کے درمیان۔

اس کا خلاصہ یہ ہے کہ بعض راویوں نے ایک بات ذکر کی جو دوسروں نے ذکر نہیں کی اور حضرت ثابت بنانی نے حدیث کو یاد کیا اور امام مسلم رحمہ اللہ نے ان کی روایت یوں نقل کی کہ نبی اکرم ﷺ بیت المقدس میں تشریف لائے وہاں نماز پڑھی پھر آپ کو آسمان کی طرف لے جایا گیا۔ عنقریب یہ بحث آئے گی ان شاء اللہ تعالیٰ۔

حالتِ سواری میں اسراء کی حکمت

کہا گیا ہے کہ سواری کی حالت میں سیر کرائی گئی حالانکہ اللہ تعالیٰ آپ کے لئے زمین کو لپیٹ سکتا تھا تو اس میں اس بات کی طرف اشارہ تھا کہ آپ اس طریقے سے مانوس تھے تو معجزے کے مقام پر یہ عام جاری طریقہ اختیار کیا گیا کیونکہ یہ طریقہ جاری ہے کہ جب کوئی بادشاہ اپنے کسی خاص مہمان کو بلاتا ہے تو اس کے لئے عمدہ سواری بھیجتا ہے تا کہ وہ اس پر سوار ہو کر آئے بعض اہل اشارہ کے کلام میں ہے کہ جب نبی اکرم ﷺ درخت کائنات کے پھل صدف وجود کے موتی اور کلمہ کن کا راز ہیں تو پھل دینے والے کے سامنے اس پھل کا پہنچنا اور بارگاہ خداوندی کے مقربین کا ان کے گرد چکر کاٹنا ضروری تھا تو بادشاہ کے نہایت معزز خادم کو بھیجا گیا جب وہ حاضر ہوا تو آپ کو اپنے بستر پر آرام فرما پایا اس نے کہا اے سونے والے! اٹھو تمہارے لئے غنیمتیں تیار ہیں فرمایا اے جبریل! کہاں جانا ہے؟ عرض کیا اے محمد! ﷺ یہ سوال چھوڑیں میں قدیم ذات کا نمائندہ ہوں آپ کی طرف بھیجا گیا ہوں کہ آپ کے خدام میں شمار ہوں اے محمد! ﷺ آپ مراد ارادہ ہیں اور سب کچھ آپ کی وجہ سے مراد ہے اور آپ بذات خود اس کی مراد ہیں آپ محبت کے پیالے کا صاف پانی ہیں آپ اس صدف کے موتی ہیں معارف کے سورج اور لطائف کے چاند ہیں۔

یہ مکان آپ کے لئے تیار کیا گیا اور یہ مقام آپ کے وصل کے لئے مختص کیا گیا اور محبت کا پیالہ آپ کے پینے کے لئے تیار کیا گیا۔

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا اے جبریل! کریم نے مجھے اپنی طرف بلایا ہے اس کا کیا ارادہ ہے؟ عرض کیا اس لئے کہ آپ کے سبب سے آپ کے اگلوں پچھلوں کے گناہ بخش دے۔ فرمایا اے جبریل! یہ تو میرے لئے ہے میرے اہل و

عیال اور بچوں کے لئے کیا ہے؟ فرمایا عنقریب آپ کا رب آپ کو اس قدر عطا کرے گا کہ آپ راضی ہو جائیں گے آپ نے فرمایا اے جبریل! اب میرا دل خوش ہو گیا اب میں اپنے رب کی طرف جاؤں گا۔

پھر حضرت جبریل علیہ السلام نے عرض کیا اے محمد ﷺ مجھے آج رات آپ کے خادم کے طور پر بھیجا گیا اور سواری اس لئے لائی گئی کہ آپ کی عظمت ظاہر ہو کیونکہ بادشاہوں کی عادت ہوتی کہ جب وہ اپنے کسی محبوب کو ملاقات کے لئے بلاتے ہیں یا قریب کی جگہ تک رخصت کرنا چاہتے ہیں اور اس طرح اس کی عزت واحترام کا اظہار کرنا چاہتے ہیں تو اس کی طرف اپنے خصوصی خادموں کو بھیجتے ہیں کہ وہ اسے لے کر آئیں پس ہم آپ کے پاس بادشاہوں کی اس رسم اور آداب سلوک کے مطابق آئے ہیں پس جو شخص یہ اعتقاد رکھے کہ آپ اللہ تعالیٰ تک قدموں کے ساتھ چل کر پہنچے تو اس نے غلط بات کہی اور جو کہے کہ آپ کے آگے پردہ تھا وہ عطا سے محروم ہوا۔

براق کی وجہ تسمیہ، شکل اور تیز رفتاری

براق کے خچر سے چھوٹا اور گدھے سے بڑا سفید جانور ہونے اور گھوڑے کی صورت میں نہ ہونے میں حکمت یہ تھی کہ یہ امن وسلامتی کی سواری ہے لڑائی اور خوف کی نہیں۔

یا اس جانور کے ذریعے تیز جانے کے ساتھ آپ کے معجزہ کو ظاہر کرنا تھا کیونکہ عام طور پر یہ رفتار نہیں ہوتی۔

براق کو براق کہنے کی وجہ سے اختلاف ہے کہا گیا ہے کہ یہ لفظ ''بریق'' سے بنا ہے۔ قاضی عیاض رحمہ اللہ نے فرمایا چونکہ وہ دو رنگوں والا تھا اس لئے بریق کہا گیا جب بکری کی سفید اون میں کچھ سیاہ بال ہوں تو کہا جاتا ہے ''شاۃ برقاء'' (دو رنگوں والی بکری) بعض نے کہا کہ یہ برق سے بنا ہے (برق بجلی کو کہتے ہیں) اور اس کی وجہ اس کی تیز رفتاری تھی اور ممکن ہے یہ کسی لفظ سے مشتق نہ ہو۔

اور اس کا وصف یوں بیان فرمایا کہ جہاں اس کی نگاہ پڑتی تھی وہاں قدم رکھتا تھا۔ ابن منیر نے کہا کہ جہاں اس کی نگاہ پڑتی تھی وہاں تک کا فاصلہ ایک قدم میں طے کرتا تھا اس بنیاد پر اس نے زمین سے آسمان تک کا فاصلہ ایک قدم میں طے کیا کیونکہ زمین والے کی نگاہ آسمان پر پڑتی ہے پس وہ سب سے اوپر والے آسمان تک سات قدموں میں پہنچا۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث جسے ابو یعلیٰ اور بزار نے نقل کیا جیسا کہ فتح الباری سے معلوم ہوا کہ جب براق پہاڑ پر آتا تو اپنے پچھلے پاؤں اٹھاتا اور جب اترتا تو اگلے پاؤں اٹھاتا۔

ابن سعد نے واقدی سے ان کی اسناد کے ساتھ نقل کیا کہ اس (براق) کے دو پر تھے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں نے کسی دوسری کتاب میں یہ بات نہیں دیکھی۔

ثعلبی نے ضعیف سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے براق کی صفت میں نقل کیا کہ اس کے رخسار انسانی رخساروں کی طرح' اس کی کلغی گھوڑے کی کلغی جیسی' پاؤں اونٹ کی طرح' اس کے کھر اور دم گائے کی طرح تھی اور اس کا سینہ سرخ یاقوت تھا۔

ابن سعد کی روایت جو ''شرف المصطفیٰ میں'' مذکور ہے اس میں یوں ہے کہ اس کی رکاب حضرت جبریل علیہ السلام نے تھام رکھی تھی اور لگام حضرت میکائیل علیہ السلام کے ہاتھ میں تھی۔ (کشف الظنون ج ۲ ص ۱۰۴۵)

حضرت معمر نے حضرت قتادہ اور انہوں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ کے پاس براق لایا گیا جس پر آپ نے معراج کیا اس پر زین بھی تھی اور لگام بھی ڈالی ہوئی تھی براق نے اپنے اوپر سوار ہونا مشکل بنا دیا تو حضرت جبریل علیہ السلام نے پوچھا تو اس طرح کیوں کر رہا ہے؟ تجھ پر سوار ہونے والی شخصیت سے بڑھ کر کوئی بھی اللہ تعالیٰ کے ہاں معزز نہیں ہے فرماتے ہیں یہ سن کر براق پسینے میں ڈوب گیا۔

(مسند احمد ج ۳ ص ۱۶۴' جامع ترمذی رقم الحدیث: ۳۱۳۱)

اسے امام ترمذی نے روایت کیا اور فرمایا یہ حسن غریب ہے نیز ابن حبان نے اسے صحیح قرار دیا۔

ابن اسحاق نے حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہوئے ذکر کیا کہ جب اس (براق) نے انکار کیا تو حضرت جبریل علیہ السلام نے اس کی کلغی پر ہاتھ رکھا اور فرمایا کیا تجھے حیا نہیں آتا اور اس کی مثل ذکر کیا لیکن یہ حدیث مرسل ہے کیونکہ اس میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کا ذکر نہیں کیا۔

وثیمہ کی روایت جسے ابن اسحاق نے نقل کیا کہ وہ مطیع ہو گیا حتیٰ کہ زمین کے ساتھ مل گیا اور میں اس پر سوار ہو گیا امام نسائی اور ابن مردویہ نے یزید بن ابی مالک کے طریق سے نقل کیا وہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے اسی طرح موصولاً (جس میں کوئی راوی نہ چھوٹے) روایت کرتے ہیں اس میں یہ اضافہ بھی ہے کہ یہ براق آپ سے پہلے انبیاء کرام علیہم السلام کے لئے بھی مسخر ہوتا تھا' ابن اسحاق نے ابوسعید کی روایت سے اس کی مثل نقل کیا۔

کیا انبیاء کرام علیہم السلام براق پر سوار ہوئے؟

اس حدیث میں اس بات پر دلالت ہے کہ براق انبیاء کرام علیہم السلام کی سواری کے لئے تیار کیا گیا تھا لیکن بعض حضرات مثلاً ابن دحیہ نے اس کا انکار کیا اور حضرت جبریل علیہ السلام کے اس قول کہ تجھ پر کوئی ایسا شخص سوار نہیں ہوا جو اللہ تعالیٰ کے ہاں نبی اکرم ﷺ سے بڑھ کر معزز ہو' کا مطلب یہ ہے کہ تجھ پر کوئی بھی کبھی بھی سوار نہیں ہوا تو حضور علیہ السلام سے زیادہ معزز کیسے سوار ہو گا پس یہ امرئ القیس کے اس قول کی طرح ہے:

علی لاحب لا یھتدی لمنارہ — لاحب پر جس کے منارے کی طرف ہدایت نہیں پائی جاتی۔

اس سے سمجھا جاتا ہے کہ اس کا ایک مینار ہے جس سے رہنمائی حاصل نہیں ہوتی لیکن اس سے مراد یہ ہے کہ اس کا کوئی مینارہ نہیں پس اس سے یہ رہنمائی کیسے حاصل ہوتی؟

سہیلی نے فرمایا کہ براق پر سوار ہونا اس لئے مشکل ہو گیا تھا کہ عرصہ دراز تک آپ سے پہلے کوئی نبی اس پر سوار نہیں ہوا' حضرت امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

''مختصر العین کے'' مصنف نے فرمایا اور صاحب التحریر نے ان کی اتباع میں کہا کہ انبیاء کرام علیہم السلام براق پر سوار ہوتے تھے وہ فرماتے ہیں یہ بات نقل صحیح کی محتاج ہے اور یہ بات پہلے منقول ہو چکی ہے۔

''فتح الباری میں ہے'' اور نبی اکرم ﷺ کا یہ قول اس کی تائید کرتا ہے کہ میں نے اسے اس حلقہ کے ساتھ باندھا جس کے ساتھ اسے انبیاء کرام علیہم السلام باندھتے تھے۔

غور کیجئے اس میں یہ نہیں ہے کہ میں نے اسے اس حلقہ کے ساتھ باندھا جس کے ساتھ اسے (اس براق کو) پہلے انبیاء کرام باندھتے تھے بلکہ آپ نے صرف انبیاء کرام کے باندھنے کا ذکر کیا (اس براق کا ذکر نہیں کیا) اور یہ نہیں بتایا کہ وہ کس چیز کو باندھتے تھے؟

جیسا کہ ابن منیر نے کہا اس میں یہ احتمال بھی ہے کہ وہ براق کے علاوہ کچھ اور ہو اور یہ بھی احتمال ہے کہ اس سے انبیاء کرام کا خود اپنے آپ کو وہاں ٹھہرانا مراد ہو اور یہ عروۃ وثقی (مضبوط رسی) کی جنس سے ہو۔[1]

لیکن امام بیہقی رحمہ اللہ نے حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہے جس میں یہ بات صراحت کے ساتھ مذکور ہے۔

اس کے الفاظ اس طرح ہیں (نبی اکرم ﷺ نے فرمایا) میں نے اپنے جانور کو اس حلقہ کے ساتھ باندھا جس کے ساتھ انبیاء کرام علیہم السلام باندھا کرتے تھے۔

ابن اسحاق نے معراج کے سلسلے میں حضرت وثیمہ کی روایت سے نقل کیا کہ براق پر سوار ہونا مشکل ہو گیا اور اس پر انبیاء کرام کی سواری کو ایک عرصہ گزر گیا تھا اور زمانہ فترت میں (جب انبیاء کرام کی آمد بند تھی) کوئی سوار نہ ہوا۔

ابن عائذ کی مغازی میں حضرت زہری کے طریق سے حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں براق وہ چار پایہ ہے جس پر حضرت ابراہیم علیہ السلام سوار ہو کر حضرت اسماعیل علیہ السلام کی ملاقات کے لئے جاتے تھے۔ اس بنیاد پر براق پر سوار ہونا نبی اکرم ﷺ کے خصائص میں سے نہیں ہے ہاں کہا گیا ہے کہ اس پر اس حالت میں سوار ہونا کہ اس پر زین پڑی ہوئی تھی اور لگام ڈالی گئی تھی نبی اکرم ﷺ کے علاوہ کسی دوسرے نبی کو حاصل نہیں ہوا۔

براق اپنے اوپر سوار کیوں نہیں ہونے دیتا تھا؟

سوال: براق نے اپنے اوپر سوار ہونا مشکل کیوں بنایا؟

جواب: یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اگر نبی اکرم ﷺ سے پہلے اس پر کوئی سوار نہیں ہوا تو وہ سواری بننے کے لئے تیار نہ ہوا اور اگر ہم کہیں کہ آپ سے پہلے بھی کوئی سوار ہوا تو زیادہ عرصہ گزرنے کی وجہ سے اس نے ایسا کیا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اس کا اچھلنا کودنا اس بات پر فخر کی وجہ سے ہو کہ نبی اکرم ﷺ اس پر سوار ہو رہے تھے اور حضرت جبریل علیہ السلام کا یہ قول کہ کیا تو حضرت محمد ﷺ کے لئے سوار ہونا مشکل بنا رہا ہے گویا وہ اس سے بزبان حال یہ کہلوا رہے تھے کہ اس نے انکار کا ارادہ نہیں کیا بلکہ یہ تو نبی اکرم ﷺ کے اس پر سوار ہونے کی وجہ سے ملنے والے اعزاز پر فخر ہے اسی لئے فرمایا کہ وہ پسینے میں ڈوب گیا گویا اس نے زبان حال سے جواب دیا اور سوار کرنے سے انکار سے برأت کا اظہار کیا اور اس جھڑک کی شرمندگی کی وجہ سے اسے پسینہ آ گیا پہاڑ کی حرکت بھی اسی قسم کی تھی حتی کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ٹھہر جاؤ تم پر ایک نبی' ایک صدیق اور دو شہید ہیں۔ (دلائل النبوۃ ج ۶ ص ۳۵۰)

تو پہاڑ کا حرکت کرنا غصے کی وجہ سے نہیں خوشی کی بنیاد پر تھا اسی طرح جب جبریل علیہ السلام نے براق سے فرمایا ٹھہر

---

[1] یعنی جس طرح مضبوط رسی کو تھامنے کا مطلب رسی کو پکڑنا نہیں بلکہ صحیح نظر اور مضبوط اور درست رائے سے حق کا دامن تھامنا مراد ہے اسی طرح انبیاء کرام کا وہاں ٹھہرنا مراد ہے۔ (زرقانی ج ۶ ص ۲۷)

جاتجھ پر کوئی ایسا شخص سوار نہیں ہوا جو اللہ تعالیٰ کے ہاں نبی اکرم ﷺ سے زیادہ معزز و محترم ہو تو وہ اس ظاہری حرکت سے شرمندہ ہو کر ٹھہر گیا اور خطاب کی طرف متوجہ ہوا تو اسے پسینہ آیا حتیٰ کہ پسینے میں شرابور ہو گیا۔

کیا حضرت جبریل علیہ السلام بھی براق پر سوار ہوئے؟

حضرت امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہے وہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کے پاس براق لایا گیا تو اس کی پیٹھ پر نبی اکرم ﷺ اور حضرت جبریل علیہ السلام مسلسل بیٹھے رہے حتیٰ کہ بیت المقدس تک پہنچے۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث نبی اکرم ﷺ کی طرف منسوب نہیں کی تو اس بات کا احتمال ہے کہ انہوں نے اپنے اجتہاد سے کہا ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان کا قول "ھو و جبریل" (آپ ﷺ اور حضرت جبریل) میں سیر میں رفاقت مراد ہو سواری میں نہیں۔

ابن دحیہ نے کہا اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام اس براق کے آگے یا پیچھے تھے یا راستہ دکھانے والے تھے ہم نے اس بات پر اعتماد کیا کیونکہ معراج کا واقعہ نبی اکرم ﷺ کا اعزاز ہے اس لئے اس میں کسی دوسرے کا دخل نہیں ہے۔

لیکن حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے اس پر اس طرح اعتراض کیا کہ صحیح ابن حبان میں حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث مذکور ہے جس میں یوں آیا ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے آپ کو سوار کیا آپ ان کے پیچھے تھے۔

اور حارث نے اپنی مسند میں نقل کیا کہ براق لایا گیا پس آپ کو حضرت جبریل علیہ السلام کے پیچھے سوار کیا گیا اور وہ براق دونوں کو لے کر گیا پس یہ روایت اس بات میں واضح ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام بھی آپ کے ساتھ سوار ہوئے۔

اسراء کی رات نبی اکرم ﷺ نے کیا دیکھا؟

اس (مذکورہ بالا) روایت کے علاوہ احادیث میں ان چیزوں کا بیان ہے جو نبی اکرم ﷺ نے معراج کی رات ملاحظہ فرمائیں۔

ان میں سے ایک وہ ہے جو حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے اور اسے امام بزار اور طبرانی نے نقل کیا ہے اور امام بیہقی نے اسے "دلائل النبوۃ میں" ذکر کیا کہ نبی اکرم ﷺ کو جب سیر کرائی گئی تو آپ کھجوروں والی زمین سے گزرے، حضرت جبریل علیہ السلام نے عرض کیا اتر کر نماز پڑھئے چنانچہ آپ نے نماز پڑھی، انہوں نے کہا آپ نے یثرب کی زمین میں نماز پڑھی ہے پھر ایک سفید زمین سے گزرے تو حضرت جبریل علیہ السلام نے عرض کیا اتر کر نماز پڑھیں پس آپ نے نماز پڑھی انہوں نے عرض کیا آپ نے مدین میں نماز پڑھی ہے پھر بیت اللحم سے گزرے تو حضرت جبریل علیہ السلام نے عرض کیا اتر کر نماز پڑھیں آپ اترے اور نماز پڑھی تو انہوں نے کہا آپ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جائے ولادت پر نماز پڑھی ہے۔ (دلائل النبوۃ ج ۲ ص ۳۵۵، معجم الکبیر ج ۷ ص ۳۳۹)

حضرت امام بیہقی رحمہ اللہ نے ''الدلائل میں'' حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہے اس میں ہے کہ جب حضرت جبریل علیہ السلام براق لے کر نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو براق نے دونوں کان اکٹھے کر لئے حضرت جبریل علیہ السلام نے فرمایا اے براق! رک جا (اور اطاعت کر) اللہ کی قسم! ان جیسی شخصیت تجھ پر سوار نہیں ہوئی۔

نبی اکرم ﷺ آگے چلے تو راستے کے کنارے پر ایک بڑھیا تھی فرمایا اے جبریل یہ کون ہے؟ انہوں نے عرض کیا حضور! چلئے تو آپ چلے جس قدر اللہ تعالیٰ کو منظور تھا پھر ایک بوڑھا شخص تھا اور وہ راستے سے ہٹا ہوا تھا وہ آپ کو پکارنے لگا اے محمد ﷺ! ادھر آ ؤ حضرت جبریل علیہ السلام نے عرض کیا حضور چلئے پھر آپ ایک جماعت پر گزرے تو ان کو سلام کیا انہوں نے (جواباً) کہا آپ پر سلام ہو اے اول! آپ پر سلام ہو اے آخر! آپ پر سلام ہو اے حاشر! (قیامت کے دن لوگوں کو جمع کرنے والے) حضرت جبریل علیہ السلام نے عرض کیا آپ ان کے سلام کا جواب دیں تو آپ نے جواب دیا (اس کے بعد مکمل حدیث ذکر کی اور اس کے آخر میں ہے)۔

حضرت جبریل علیہ السلام نے عرض کیا کہ وہ بوڑھی عورت جو راستے کے کنارے پر تھی تو دنیا سے صرف اسی قدر وقت باقی ہے جس قدر اس عورت کی عمر باقی ہے اور جس نے آپ کو بلایا تھا وہ (بوڑھا) شیطان تھا اور وہ عورت دنیا تھی اگر آپ ان دونوں کو جواب دیتے تو آپ کی امت آخرت پر دنیا کو ترجیح دیتی اور جن لوگوں نے آپ کو سلام کیا وہ حضرت ابراہیم' حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام تھے۔ (دلائل النبوۃ ج ۲ ص ۳۶۲)

حافظ عمادالدین ابن کثیر نے فرمایا کہ اس حدیث کے الفاظ غیر معروف ہیں۔

ایک دوسری حدیث میں ہے کہ آپ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قبر کے پاس سے گزرے تو وہ اپنی قبر میں نماز پڑھ رہے تھے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں آپ نے ایک کلمہ ذکر کیا یعنی میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۶۴' سنن نسائی رقم الحدیث: ۱۵' مسند احمد ج ۳ ص ۱۴۴۔ ۲۴۸' البدایہ والنہایہ ج ۱ ص ۲۹۶)

اور اس میں کوئی رکاوٹ نہیں کہ انبیاء کرام علیہ السلام اپنی قبروں میں نماز پڑھتے ہیں کیونکہ وہ زندہ ہیں اپنے رب کے ہاں رزق پاتے ہیں پس وہ اپنے دل کی چاہت اور شوق سے عبادت کرتے ہیں یہ بات نہیں کہ ان پر یہ لازم ہے جس طرح جنتی لوگوں کے دلوں میں ذکر الٰہی کا شوق ڈالا جائے گا ان شاء اللہ حجۃ الوداع کے بیان میں اس بات کی طرف اشارہ کیا جائے گا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت جسے امام طبرانی اور امام بزار رحمہما اللہ نے نقل کیا ہے اس میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ ایک ایسی قوم کے پاس سے گزرے جو ایک ہی دن میں بیج بوتے اور فصل کاٹ لیتے جب کاٹتے تو فصل دوبارہ اسی طرح ہو جاتی حضرت جبریل علیہ السلام سے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ فرمایا یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کرتے ہیں ان کی نیکیاں سات سو گنا تک بڑھ جاتی ہیں اور وہ جو کچھ بھی خرچ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو اس کا بدلہ دیتا ہے اور وہ بہترین رزق دینے والا ہے۔

پھر آپ ایک قوم کے پاس سے گزرے جن کے سر بڑے بڑے پتھروں کے ساتھ کچلے جا رہے تھے جب بھی ان کو کچلا جاتا تو وہ دوبارہ پہلی حالت میں لوٹ آتے اور ان میں کوئی کمی نہ آتی نبی اکرم ﷺ نے پوچھا یہ کون لوگ ہیں اے

جبریل! انہوں نے عرض کیا ان کے سر فرض نماز سے بوجھ محسوس کرتے تھے۔

پھر ایک قوم کے پاس تشریف لائے تو ان کی اگلی پچھلی شرمگاہوں پر چیتھڑے تھے وہ جانوروں کی طرح چرتے تھے وہ خشک کانٹے' تھوہر (کڑوا پھل) اور جہنم میں گرم ہوئے پتھر کھا رہے ہیں آپ نے پوچھا اے جبریل یہ کون لوگ ہیں؟ انہوں نے عرض کیا یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے مالوں کی زکوٰۃ ادا نہیں کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ نے ان پر ظلم نہیں کیا اور آپ کا رب بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہے۔

پھر ایک جماعت کے پاس تشریف لائے جن کے سامنے ہنڈیا میں پکا ہوا گوشت تھا اور ایک ہنڈیا میں کچا بدبودار گوشت تھا وہ اس کچے بدبودار گوشت کو کھاتے اور پکے ہوئے کو چھوڑ دیتے آپ نے پوچھا اے جبریل یہ کیا ہے؟ حضرت جبریل علیہ السلام نے عرض کیا یہ آپ کی امت کا وہ شخص ہے جس کے پاس حلال پاک عورت ہے لیکن وہ خبیث (فاحشہ) عورت کے پاس جا کر رات گزارتا ہے حتیٰ کہ صبح ہو جاتی ہے وہ عورت جو اپنے جائز حلال پاکیزہ خاوند کو چھوڑ کر خبیث آدمی کے پاس جاتی اور رات گزارتی ہے حتیٰ کہ صبح ہو جاتی ہے۔

پھر آپ ایک شخص کے پاس آئے جس نے لکڑیوں کا بہت بڑا گٹھا جمع کر رکھا تھا اور وہ اسے اٹھا نہیں سکتا تھا لیکن مزید لکڑیاں ڈال رہا تھا آپ نے پوچھا اے جبریل یہ کیا ہے؟ انہوں نے عرض کیا یہ آپ کی امت کا ایک فرد ہے جس کے ذمہ لوگوں کی امانتیں ہیں اور وہ ان کو ادا کرنے پر قادر نہیں ہے لیکن وہ انہیں اٹھانا چاہتا ہے۔

اس کے بعد آپ ایک ایسی قوم کے پاس تشریف لائے جو لوہے کی قینچیوں سے اپنی زبانوں اور ہونٹوں کو کاٹ رہے تھے جب ان کو کاٹا جاتا وہ دوبارہ اسی طرح ہو جاتے اور ان میں کوئی کمی نہ آتی آپ نے فرمایا اے جبریل یہ کون لوگ ہیں؟ انہوں نے عرض کیا یہ فتنہ پھیلانے والے خطباء ہیں۔

فرماتے ہیں پھر ایک چھوٹے سے پتھر کے پاس تشریف لائے جس میں ایک بہت بڑا بیل نکل رہا تھا وہ بیل جہاں سے نکلا تھا دوبارہ وہاں داخل ہونا چاہتا تھا لیکن اس کی طاقت نہیں رکھتا تھا آپ نے پوچھا اے جبریل یہ کیا ہے؟ انہوں نے عرض کیا یہ وہ شخص ہے جو بہت بڑی بات کرتا ہے پھر اس پر نادم ہوتا ہے لیکن اس کو واپس نہیں کر سکتا۔

اس کے بعد آپ ایک وادی کے پاس آئے تو اس میں ٹھنڈی خوشگوار ہوا اور کستوری کی خوشبو پائی نیز ایک آواز سنی تو فرمایا اے جبریل یہ کیا ہے؟ انہوں نے عرض کیا یہ جنت کی آواز ہے وہ کہہ رہی ہے اے میرے رب! مجھے وہ چیز عطا فرما جس کا تو نے مجھ سے وعدہ کیا ہے۔ میرے بالا خانے' (مختلف قسم کے) ریشمی لباس' عمدہ بچھونے' میرے موتی' میرے مرجان' چاندی اور سونا نیز میرے ڈونگے' پیالے' پتھر' چمکتی تلواریں' میری سواریاں' میرا شہد' میرا پانی' میرا دودھ اور میری شراب زیادہ ہوگئی پس جس کا تو نے مجھ سے وعدہ کیا تھا اسے میرے پاس لے آ۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہر مسلمان مرد و عورت اور مومن مرد و عورت نیز جو مجھ پر اور میرے رسولوں پر ایمان لایا اور اس نے اچھے کام کئے اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرایا اور نہ میرے سوا کسی کو معبود بنایا' وہ تیرے لئے ہے جو مجھ سے ڈرا وہ بے خوف ہوا اور جو مجھ سے مانگے گا میں اسے عطا کروں گا اور جو مجھے قرض دے گا میں اس کو اس کا بدلہ دوں گا۔ جو مجھ پر توکل کرے گا میں اسے کفایت کروں گے۔

بے شک میں ہی اللہ ہوں' میں ہی معبود ہوں' میں وعدے کے خلاف نہیں کرتا بے شک مومنوں نے فلاح پائی اور سب سے بہترین خالق برکت والا ہے۔ جنت نے کہا میں راضی ہو گئی۔

پھر آپ ایک وادی پر تشریف لائے تو ایک بری آواز سنی اور بد بو محسوس ہوئی فرمایا اے جبریل یہ کیا ہے؟ عرض کیا یہ جہنم کی آواز ہے وہ کہہ رہی ہے اے میرے رب! مجھے وہ کچھ عطا فرما جس کا تو نے مجھ سے وعدہ کیا ہے میری بیڑیاں' زنجیریں' بھڑکتی ہوئی آگ اور گرم پانی تیز پیپ اور عذاب زیادہ ہو گیا ہے میری گہرائی زیادہ اور گرمی سخت ہوئی ہے پس جس کا مجھ سے وعدہ کیا ہے اسے میرے پاس لا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہر مشرک مرد و عورت اور کافر مرد و عورت ہر متکبر سرکش جو حساب کے دن پر ایمان نہیں رکھتا وہ تیرے لئے ہے۔ اس نے کہا میں راضی ہوئی۔ فرماتے ہیں پھر آپ چلے حتیٰ کہ بیت المقدس پہنچے۔

ابو سعید کی روایت جسے امام بیہقی وغیرہ نے نقل کیا ہے' اس میں ہے کہ مجھے دائیں طرف سے کسی بلانے والے نے بلایا (اور کہا) میری طرف دیکھئے میں آپ سے سوال کرتا ہوں پس میں نے جواب نہ دیا پھر میری بائیں جانب سے کسی نے اسی طرح پکارا پھر بھی میں نے جواب نہ دیا۔

اس روایت میں یہ بھی ہے کہ اچانک ایک عورت نظر آئی جس کے بازو کھلے تھے اور وہ ہر قسم کی زینت سے مزین تھی جو اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمائی اس نے کہا اے محمد! (ﷺ) میری طرف دیکھئے میں آپ سے سوال کرنا چاہتی ہوں آپ نے اس کی طرف توجہ نہ فرمائی اس میں یہ بھی ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے آپ سے عرض کیا کہ پہلا بلانے والا یہودیوں کی طرف سے تھا اگر آپ اس کو جواب دیتے تو آپ کی امت یہودی ہو جاتی اور دوسرا بلانے والا عیسائیوں کا نمائندہ تھا اگر آپ اس کو جواب دیتے تو آپ کی امت عیسائی ہو جاتی اور وہ عورت دنیا تھی۔

اور اس حدیث میں یہ بھی ہے کہ آپ' آسمان دنیا کی طرف تشریف لے گئے تو وہاں حضرت آدم علیہ السلام کو دیکھا اور وہاں دستر خوان دیکھے ایک پر پاکیزہ گوشت دیکھا لیکن وہاں کوئی نہ تھا اور دوسرے پر بد بودار گوشت دیکھا اور وہاں کچھ لوگ کھا رہے تھے حضرت جبریل علیہ السلام نے عرض کیا یہ وہ لوگ ہیں جو حلال کو چھوڑ کر حرام کھاتے ہیں۔

اس حدیث میں یہ بھی ہے کہ آپ کچھ ایسے لوگوں کے پاس سے گزرے جن کے پیٹ گھروں کی طرح (بڑے) تھے' ان میں سے کوئی جب بھی اٹھتا گر پڑتا حضرت جبریل علیہ السلام نے عرض کیا یہ سود خور ہیں' پھر آپ ایک قوم کے پاس سے گزرے جن کے ہونٹ اونٹوں کے ہونٹوں جیسے تھے وہ پتھر کھاتے تھے جو ان کی نچلی جانب سے نکل جاتے حضرت جبریل علیہ السلام نے عرض کیا یہ وہ لوگ ہیں جو یتیموں کا مال بطور ظلم کھاتے ہیں' آپ کچھ عورتوں کے پاس سے گزرے جو پستانوں کے ذریعے لٹکی ہوئی تھیں اور وہ زنا کار عورتیں ہیں۔

آپ ایک ایسی جماعت کے پاس سے گزرے جن کے پہلوؤں کا گوشت کاٹا جا رہا تھا پس وہ اسے کھاتے تھے اور وہ لوگوں کی بہت زیادہ چغلی کھانے والے اور عیب بتانے والے لوگ ہیں۔ (لسان العرب ج ۱۰ ص ۱۴۰' ——— ج ۱۲ ص ۳۲۶)

انبیاء کرام اور فرشتوں سے ملاقات

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ کی روایت جسے حضرت بزار اور حضرت حاکم رحمہما اللہ نے روایت کیا ہے' میں ہے کہ نبی اکرم

ﷺ نے فرشتوں کے ہمراہ بیت المقدس میں نماز پڑھی اور وہاں انبیاء کرام علیہم السلام کی ارواح آئیں اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء بیان کی۔ اس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ قول بھی ہے کہ حضرت محمد ﷺ کو تم پر فضیلت دی گئی ہے۔

حضرت عبدالرحمٰن بن ہشام نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہے جس میں فرمایا کہ پھر حضرت آدم علیہ السلام اوران کے علاوہ (انبیاء ورسل) کو آپ کے لئے اٹھایا گیا تو اس رات آپ نے ان سب کو نماز پڑھائی۔

حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا کی حدیث جسے حضرت ابویعلیٰ نے روایت کیا اس میں ہے کہ میرے لئے انبیاء کرام کی ایک جماعت کو اٹھایا گیا ان میں حضرت ابراہیم حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام بھی تھے۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں ہے کہ پھر نماز کا وقت ہو گیا تو میں نے ان کی امامت کروائی اسے امام مسلم رحمہ اللہ نے روایت کیا۔

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ کی روایت امام طبرانی نے ''الاوسط میں'' نقل کی ہے اس میں ہے کہ پھر نماز کے لئے اقامت ہوئی تو انہوں نے ایک دوسرے کو آگے کرنا چاہا پھر سب نے حضرت محمد ﷺ کو آگے کیا۔

فطرت کو اختیار کرنا

حضرت ثابت بنانی رحمہ اللہ کی روایت میں ہے وہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا میں نے اسے (یعنی براق کو) حلقہ کے ساتھ باندھا (حلقہ میں لام ساکن ہے اور یہی مشہور ہے) جس کے ساتھ انبیاء کرام باندھتے تھے (التی تربط به الانبیاء) یہاں بہ میں ضمیر مذکر ہے کیونکہ حلقہ کا معنیٰ مراد لیا گیا اور وہ ''شے'' ہے۔

اور اس سے مراد وہ حلقہ ہے جو مسجد بیت المقدس کے دروازے پر ہے۔

صاحب التحریر فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا پھر میں مسجد میں داخل ہوا اور دو رکعتیں پڑھیں پھر باہر نکلا تو حضرت جبریل امین علیہ السلام ایک برتن شراب کا اور ایک دودھ کا برتن لائے تو میں نے دودھ کو پسند کیا حضرت جبریل علیہ السلام نے عرض کیا کہ آپ نے فطرت کو پسند کیا۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۵۹)

یعنی آپ نے دودھ کو پسند کیا جس پر مخلوق کی بنیاد رکھی گئی اسی سے گوشت بڑھتا اور ہڈیاں پھیلتی ہیں یا یہ مقصد ہے کہ دودھ اسلام میں ہمیشہ حلال رہا ہے جب کہ شراب حرام ہے اور حرام رہے گی۔

حضرت امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہاں فطرت سے اسلام اور استقامت مراد ہے وہ فرماتے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ نے اسلام اور استقامت کی علامت کو اختیار کیا اور دودھ کو علامت قرار دیا گیا کیونکہ یہ آسان، پاک، طاہر اور پینے والوں کے حلق سے آسانی سے اترنے والا ہے اس کا انجام بھی اچھا ہے۔

جب کہ شراب تمام خباثتوں کی جڑ ہے اور فی الحال بھی اور بعد میں بھی طرح طرح کی خرابیوں کو لاتی ہے۔

امام قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس بات کا بھی احتمال ہے کہ دودھ کو فطرت کہنے کی وجہ یہ ہو کہ تو مولود بچے کے پیٹ میں سب سے پہلے دودھ داخل ہوتا ہے اور اس کی آنتوں کو کھولتا ہے اور نبی اکرم ﷺ کا اس کی طرف مائل ہونا اور دوسری طرف مائل نہ ہونا اس وجہ سے تھا کہ آپ پہلے سے ہی اس سے مانوس تھے۔

سوال: اس وقت شراب پینا بھی جائز تھا کیونکہ یہ مدینہ طیبہ میں حرام ہوئی اور معراج شریف مکہ مکرمہ میں ہوا تو دو مباح چیزوں میں سے ایک کو متعین کرنے کی کیا وجہ تھی اور اس کی کیا وجہ ہے کہ ایک کو صحیح اور دوسرے کو خطا شمار کیا گیا حالانکہ اباحت میں دونوں برابر ہیں؟

جواب: اس بات کا احتمال ہے کہ نبی اکرم ﷺ کا اس سے بچنا تقویٰ کی بنیاد پر ہو یا اس بات کی طرف اشارہ ہو کہ عنقریب اسے (شراب کو) حرام قرار دیا جائے گا اور چونکہ اللہ تعالیٰ کے علم میں درست بات کے موافق قول فرمایا اس لئے حضرت جبریل علیہ السلام نے فرمایا کہ آپ نے فطرت کو پایا یا فرمایا کہ آپ نے درست فرمایا اللہ تعالیٰ آپ کے قول کو درست فرمائے دونوں طرح مروی ہے۔

اور جب ہم کہتے ہیں کہ وہ جنت کی شراب سے تھی تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کی صورت اور حرام شراب کے مشابہ ہونا اس سے بچنے کا سبب ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے علم میں وہ حرام ہے اور یہ تقویٰ و پرہیزگاری میں زیادہ بلیغ ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ جو شخص انگور کا پانی لیتا ہے اگر وہ وہ خالص پانی ہو اور صورت میں اسے شراب کے مشابہ بناتا ہے اور وہ طریقہ اختیار کرتا ہے جو اہل شہوات اختیار کرتے ہیں کہ شراب کے لیے جمع ہونا اور لہو ولعب کے آلات وغیرہ تو ایسا شخص گناہ کا مرتکب ہوتا ہے لیکن اس پر حد نافذ نہیں ہوگی۔ یہ بات ابن منیر نے کہی ہے۔

یمن وغیرہ کے فقراء مکہ مکرمہ اور جدہ میں نیز دوسرے مقامات پر جو عمل کرتے ہیں کہ چھلکے وغیرہ سے کچھ بنا کر اسے قہوہ کہتے ہیں اور یہ بھی شراب کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔ تو ان کے عمل کو بھی دیکھا جائے (لیکن چونکہ قہوہ شراب نہیں لہٰذا یہ ممنوع یا برا نہیں)۔ (لسان العرب ج ۱۱ ص ۳۳۷)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت جسے امام احمد رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے اس میں ہے کہ جب آپ مسجد اقصیٰ میں تشریف لائے تو آپ نماز پڑھنے کھڑے ہوئے جب نماز سے سلام پھیرا تو آپ کے سامنے دو پیالے پیش کئے گئے ایک میں دودھ تھا اور دوسرے میں شہد پس آپ نے دودھ کو اختیار کیا۔

امام بزار کی روایت میں تین برتنوں کا ذکر ہے اور یہ کہ تیسرا شراب کا برتن تھا اور یہ واقعہ بیت المقدس میں پیش آیا اور پہلا برتن پانی کا تھا شہد کا ذکر نہیں کیا۔

حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ آپ فرماتے ہیں میں نے مسجد میں اس جگہ نماز پڑھی جہاں اللہ تعالیٰ نے چاہا اور مجھے سخت پیاس لگی تو میرے لئے دو برتن لائے گئے ایک میں دودھ اور دوسرے میں شہد تھا پھر اللہ تعالیٰ نے میری رہنمائی فرمائی تو میں نے دودھ اختیار کیا۔

میرے سامنے موجود شیخ نے کہا یعنی حضرت جبریل علیہ السلام سے کہا کہ آپ کے ساتھی نے فطرت کو اختیار کیا۔

آپ کے پاس برتن دو مرتبہ لائے گئے ایک مرتبہ اس وقت جب آپ نماز سے فارغ ہوئے اور دوسری مرتبہ جب آپ سدرۃ المنتہیٰ پر پہنچے اور چار نہروں کو دیکھا۔

دو مرتبہ برتن پیش کئے جانے کی تصریح حضرت حافظ عماد الدین بن کثیر نے فرمائی ہے اس بات پر حضرت جبریل علیہ السلام کا آپ کے دودھ کو اختیار کرنے والے عمل کو تکرار کے ساتھ درست قرار دینا باقی چیزوں سے بچنے کی تاکید

تھی۔

براق باندھنے سے متعلق بحث

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ نے براق کو حلقہ کے ساتھ باندھنے سے انکار کیا ہے۔ حضرت امام احمد اور حضرت امام ترمذی رحمہما اللہ نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے روایت کرتے ہوئے فرمایا کہ محدثین بیان کرتے ہیں کہ آپ نے براق کو اس لئے باندھا کہ آپ کو اس کے بھاگنے کا ڈر تھا' حالانکہ غیب وشہادت کے عالم (اللہ تعالیٰ) نے اسے آپ کے لئے مسخر کر دیا تھا اسی طرح حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے بیت المقدس میں آپ کے نماز پڑھنے کا بھی انکار کیا ہے۔

لیکن امام بیہقی اور ابن کثیر رحمہما اللہ نے ان کا تعاقب کرتے ہوئے فرمایا کہ مثبت (ثابت کرنے والی دلیل) نافی (نفی کرنے والی دلیل) پر مقدم ہوتی ہے یعنی جس نے یہ بات ثابت کی کہ آپ نے براق کو باندھا اور بیت المقدس میں نماز پڑھی اس کے پاس نفی کرنے والے کی نسبت زیادہ علم ہے پس قبولیت کے زیادہ لائق یہی ہے۔

امام بزار رحمہ اللہ نے بھی اسے حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے نقل کیا ہے فرماتے ہیں جس رات نبی اکرم ﷺ کو سیر کرائی گئی تو حضرت جبریل علیہ السلام بیت المقدس میں قبہ صخرا کے پاس تشریف لائے اور اپنی انگلی اس میں رکھ کر سوراخ کیا اور اس کے ساتھ براق کو باندھا امام ترمذی رحمہ اللہ نے بھی اس کی مثل روایت کی۔

حضرت امام ابوسعید رضی اللہ عنہ کی روایت جسے امام بیہقی نے نقل کیا اس میں ہے کہ (نبی اکرم ﷺ فرماتے ہیں) جب میں بیت المقدس میں آیا تو میں نے اپنے جانور کو اس حلقہ سے باندھا جس کے ساتھ انبیاء کرام علیہم السلام باندھتے تھے پس میں اور حضرت جبریل علیہ السلام بیت المقدس میں داخل ہوئے اور ہم میں سے ہر ایک نے دو رکعتیں پڑھیں۔

انبیاء کرام علیہم السلام کو نماز پڑھانا

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت میں اس طرح ہے اور یہ اضافہ ہے (کہ آپ نے فرمایا) پھر میں مسجد میں داخل ہوا تو میں نے انبیاء کرام علیہم السلام کو پہچان لیا ان میں سے کوئی حالتِ قیام میں تھا کوئی رکوع میں اور کوئی سجدے میں تھا پھر مؤذن نے اذان دی اور نماز کے لئے اقامت ہوئی تو ہم کھڑے ہو کر انتظار کرنے لگے کہ ہمیں کون نماز پڑھاتا ہے پس جبریل علیہ السلام نے میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے آگے کیا تو میں نے ان کو نماز پڑھائی۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ ہی کی ایک روایت جسے امام مسلم رحمہ اللہ نے روایت کیا' میں اس طرح ہے اور نماز کا وقت ہو گیا تو میں نے ان کی امامت کی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث میں جسے امام احمد رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے یوں ہے پس جب آپ اقصیٰ میں تشریف لائے تو آپ نے کھڑے ہو کر نماز پڑھی پس تمام انبیاء کرام علیہم السلام نے آپ کے ساتھ نماز پڑھی۔

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ پھر آپ بیت المقدس کی طرف تشریف لے گئے تو وہاں اتر کر اپنے گھوڑے (براق) کو پتھر کے ساتھ باندھا پھر آپ داخل ہوئے اور فرشتوں کے ہمراہ نماز پڑھی' نماز ہو چکی تو انہوں

نے پوچھا اے جبریل! یہ آپ کے ساتھ کون ہیں؟ انہوں نے فرمایا یہ حضرت محمد ﷺ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے رسول اور آخری نبی ہیں انہوں نے پوچھا کیا ان کی طرف بھیجا گیا تھا؟ فرمایا ہاں۔

تو فرشتوں نے کہا اللہ تعالیٰ بھائی اور خلیفہ کو قائم و دائم رکھے کتنے اچھے بھائی اور کتنے اچھے خلیفہ ہیں؟ پھر آپ کی اور فرشتوں کی انبیاء کرام علیہم السلام سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے اپنے رب کی تعریف کی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا:

الحمد لله الذی اتخذنی خلیلاً واعطانی ملکا عظیما' و جعلنی امة قانتا یوتتم بی' وانقذنی من النار' وجعلها علی برداً و سلاماً.

اللہ تعالیٰ کے لئے حمد ہے جس نے مجھے خلیل بنایا اور مجھے بہت بڑی بادشاہی عطا کی نیز مجھے ایک جماعت بنایا مجھے اپنا فرمانبردار اور دوسروں کا امام بنایا مجھے (نمرودی) آگ سے بچایا اور اس کو مجھ پر ٹھنڈی اور سلامتی بنایا۔

پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا:

الحمد لله الذی کلمنی تکلیما' واصطفانی' وانزل علی التوراة' وجعل هلاک فرعون و نجاة بنی اسرائیل علی یدی' وجعل من امتی قوما یهدون بالحق و به یعدلون.

تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے مجھ سے کلام فرمایا اور مجھے چن لیا مجھ پر تورات نازل کی اور میرے ہاتھوں فرعون کو غرق کیا اور بنی اسرائیل کو نجات دی اور میری امت میں ایک جماعت بنائی جو حق کی راہ بتاتی اور اسی (حق) کے ساتھ فیصلہ کرتی ہے۔

پھر حضرت داؤد علیہ السلام نے اپنے رب کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا:

الحمد لله الذی جعل لی ملکا عظیما' وعلمنی الزبور' والان لی الحدید' وسخر لی الجبال یسبحن معی والطیر واتانی الحکمة و فصل الخطاب.

تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے میرے لئے ایک بہت بڑی بادشاہی بنائی اور مجھے زبور کی تعلیم دی میرے لئے لوہے کو نرم کیا اور میرے لئے پہاڑوں کو مسخر کیا وہ میرے ساتھ (مل کر اللہ تعالیٰ کی) تسبیح کرتے ہیں اور پرندے بھی' نیز اس نے مجھے حکمت اور واضح خطاب (کا ملکہ) عطا فرمایا۔

پھر حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنے رب کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا:

الحمد لله الذی سخر لی الریاح' و سخر لی الشیاطین' یعملون ما شئت من محاریب و تماثیل' و علمنی منطق الطیر واتانی من کل شیء فضلاً وسخر

تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے میرے لئے ہواؤں کو مسخر کیا' شیطانوں کو مسخر کیا وہ میرے لئے وہ کچھ بناتے ہیں جو میں چاہتا ہوں۔ مجھے پرندوں کی بولیاں سکھائیں اور ہر چیز میں مجھے فضیلت عطا فرمائی میرے لئے

لی جنود الشیاطین والانس والجن و الطیر، واتانی ملکاً لا ینبغی لاحد من بعدی، وجعل لی ملکاً طیباً لیس علی فیه حساب.

شیطانوں، انسانوں، جنوں اور پرندوں کے لشکر مسخر کیے اور مجھے ایسی بادشاہی عطا کی جو میرے بعد کسی کے لیے نہیں ہو گی اور مجھے ایسی بادشاہی عطا کی کہ اس میں مجھ پر کوئی حساب نہیں۔

پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا:

الحمد لله الذی جعلنی کلمته، و جعلنی مثل آدم خلقه من تراب ثم قال له کن فیکون، وعلمنی الکتاب والحکمة والتوراة والانجیل وجعلنی اخلق (ای اسوی) من الطین کهیئة الطیر فانفخ فیه فیکون طیراً باذن الله، وجعلنی ابری الاکمه والابرص، واحیی الموتی باذن الله، ورفعنی و طهرنی واعاذنی وامی من الشیطان الرجیم. فلم یکن للشیطان علینا سبیل.

اللہ تعالیٰ ہر قسم کی حمد وستائش کے لائق ہے جس نے مجھے اپنا کلمہ بنایا اور مجھے حضرت آدم علیہ السلام کی مثل بنایا ان کو مٹی سے پیدا کیا پھر فرمایا ہو جا تو وہ ہو گیا اور مجھے کتاب، حکمت، تورات اور انجیل سکھائی اور مجھے یوں بنایا کہ میں گارے (مٹی سے) پرندوں کی شکلیں بناتا ہوں پھر اس میں پھونک مارتا ہوں تو وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے پرندہ بن جاتا ہے اور اس نے مجھے یہ اعزاز عطا فرمایا کہ میں پیدائشی اندھے اور کوڑھ کی مرض والے کو ٹھیک کر دیتا ہوں اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے مردوں کو زندہ کر دیتا ہوں۔ نیز اس نے مجھے اٹھایا اور مجھے پاک کیا نیز مجھ سے اور میری ماں سے شیطان مردود کو دور رکھا۔ پس شیطان کو ہم پر کوئی گرفت حاصل نہیں ہے۔

راوی فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے اپنے رب کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا تم سب نے اپنے رب کی تعریف کی ہے اور میں بھی اپنے رب کی تعریف کرتا ہوں چنانچہ آپ نے فرمایا:

الحمد لله الذی ارسلنی رحمة للعالمین وکافة للناس بشیراً ونذیراً، وانزل علی الفرقان فیه تبیان کل شیء، وجعل امتی خیر امة اخرجت للناس، وجعل امتی امة وسطاً، وجعل امتی هم الاولون وهم الاخرون، وشرح لی صدری، ووضع عنی وزری، ورفع لی ذکری، وجعلنی فاتحا وخاتماً.

تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے مجھے تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا تمام لوگوں کے لئے بشیر و نذیر بنایا، مجھ پر (حق و باطل میں) فرق کرنے والی کتاب نازل فرمائی جس میں ہر چیز کا بیان ہے میری امت کو بہترین امت قرار دیا جسے لوگوں (کی بھلائی) کے لئے پیدا کیا اور میری امت کو درمیانی امت قرار دیا میری امت کو پہلے اور پچھلے لوگ قرار دیا میرے لئے میرے سینے کو کھول دیا اور مجھ سے بوجھ دور رکھا میرے لئے میرے ذکر کو بلند کیا اور مجھے ایمان کے دروازے کھولنے اور صراط مستقیم کی

طرف ہدایت دینے والا نیز آخری نبی بنایا۔

(یہ سن کر) حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا اسی وجہ سے حضرت محمد ﷺ کو تم پر فضیلت دی گئی ہے۔

پھر ذکر فرمایا کہ نبی اکرم ﷺ کو آسمان دنیا کی طرف لے جایا گیا پھر ایک آسمان سے دوسرے تک۔

حضرت قاضی عیاض رحمہ اللہ نے "الشفاء میں" حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے مختصراً نقل کیا اور اس کا ماخذ (کس کتاب سے لیا) بیان نہیں کیا۔ (الشفاء ج ا ص ۱۸۱)

ابن ابی حاتم کی روایت میں اس کی تفسیر یوں بیان کی گئی کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ جب بیت المقدس پہنچے تو اس مقام پر جسے "باب محمد ﷺ" کہا جاتا ہے' پہنچنے کے بعد اس پتھر کے پاس تشریف لے گئے جو وہاں تھا حضرت جبریل علیہ السلام نے اپنی انگلی سے اس میں سوراخ کیا اور وہاں (براق کو) باندھا پھر دونوں اوپر مسجد کے صحن میں تشریف لے گئے' حضرت جبریل علیہ السلام نے عرض کیا اے محمد! ﷺ کیا آپ نے اپنے رب سے سوال کیا کہ وہ آپ کو حورعین دکھائے؟ آپ نے فرمایا ہاں میں نے سوال کیا ہے انہوں نے عرض کیا ان عورتوں کے پاس جا کر سلام کریں آپ فرماتے ہیں میں نے ان کو سلام کیا تو انہوں نے میرے سلام کا جواب دیا میں نے پوچھا تم کن لوگوں کے لئے ہو؟ انہوں نے کہا اچھے اخلاق والے' خوبصورت چہروں والے لوگوں کے لئے ہیں' نیک لوگوں کی بیویاں ہیں جنہوں نے اپنے آپ کو پاک رکھا' میلا نہیں کیا ایک جگہ رہیں گے' ادھر ادھر جانے کی مشقت برداشت نہیں کریں گے' ہمیشہ رہیں گے انہیں موت نہیں آئے گی۔

آپ فرماتے ہیں پھر میں واپس آیا اور وہاں تھوڑا سا وقت ٹھہرا حتیٰ کہ بہت سے لوگ جمع ہو گئے پھر مؤذن نے اذان دی اور نماز کے لئے اقامت کہی فرماتے ہیں ہم صفیں بنا کر اس انتظار میں کھڑے تھے کہ کون ہمارا امام بنتا ہے تو حضرت جبریل علیہ السلام نے میرا ہاتھ پکڑ کر آگے کیا پس میں نے ان کو نماز پڑھائی جب سلام پھیرا تو حضرت جبریل علیہ السلام نے پوچھا کیا آپ کو معلوم ہے کہ آپ کے پیچھے کن لوگوں نے نماز پڑھی ہے؟ میں نے کہا میں نہیں جانتا انہوں نے عرض کیا کہ آپ کے پیچھے ہر اس نبی نے نماز پڑھی ہے جس کو مبعوث کیا گیا۔

قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس بات کا احتمال ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے بیت المقدس میں تمام انبیاء کرام علیہم السلام کو نماز پڑھائی ہو پھر ان میں سے وہ انبیاء کرام اوپر چلے گئے جن کے بارے میں ذکر کیا گیا کہ آپ نے ان کو آسمانوں میں دیکھا۔

اور یہ بھی احتمال ہے کہ آسمان سے اترنے کے بعد ان کو نماز پڑھائی ہو اور وہ بھی اترے ہوں لیکن زیادہ ظاہر بات یہ ہے کہ آپ نے اوپر جانے سے پہلے ان کو بیت المقدس میں نماز پڑھائی۔

ابن کثیر کہتے ہیں کہ آپ نے اوپر جانے سے پہلے بھی اور بعد میں بھی ان کو بیت المقدس میں نماز پڑھائی ہے۔ کیونکہ حدیث میں اس پر دلالت پائی جاتی ہے اور اس میں کوئی رکاوٹ نہیں۔

اس نماز سے متعلق گفتگو

اس سلسلے میں اختلاف ہے کہ یہ نماز فرض تھی یا نفل؟ اور اگر ہم اسے فرض کہیں تو کس وقت کی نماز تھی؟

تو بعض حضرات نے فرمایا کہ زیادہ قریب یہ ہے کہ یہ صبح کی نماز تھی اور یہ بھی احتمال ہے کہ عشاء کی نماز ہو۔

اور یہ ان لوگوں کے مطابق صحیح ہوگا جو کہتے ہیں کہ آپ نے آسمان پر جانے سے پہلے ان کو نماز پڑھائی لیکن جن لوگوں کے نزدیک آسمان پر جانے کے بعد نماز پڑھائی ان کے نزدیک صبح کی نماز مراد ہوگی۔

ابن کثیر فرماتے ہیں بعض لوگوں کا خیال ہے کہ آپ نے آسمان میں امامت فرمائی لیکن روایات کے باہم ملنے سے جو بات واضح ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ آپ نے بیت المقدس میں نماز پڑھائی اور یہ بھی ظاہر ہے کہ آپ نے واپسی پر نماز پڑھائی اس لئے کہ جب آپ ان کی منازل میں ان کے پاس سے گزرے تو آپ حضرت جبریل علیہ السلام سے ان کے بارے میں پوچھتے رہے اور وہ آپ کو ان کے بارے میں بتاتے۔

ابن کثیر فرماتے ہیں یہی بات مناسب ہے کیونکہ بارگاہ خداوندی کی حاضری سب سے پہلا مطلوب تھی تاکہ اللہ تعالیٰ آپ پر اور آپ کی امت پر وہ کام فرض کرے جو چاہے پھر جب اس سے فارغ ہوئے تو آپ اور آپ کے بھائی انبیاء کرام علیہم السلام جمع ہوئے پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کا شرف ان پر یوں ظاہر کیا کہ آپ کو امامت کے لئے ان سے آگے کیا۔

معراج کی کیفیت

ابن اسحاق کی روایت میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا جب میں بیت المقدس کے معاملات سے فارغ ہوا تو ایک سیڑھی (معراج) لائی گئی میں نے اس سے زیادہ خوبصورت چیز نہیں دیکھی جب کسی شخص کی موت کا وقت آتا ہے تو اس کی نگاہیں اسی کی طرف اٹھتی ہے میرے ساتھی نے مجھے اس پر چڑھایا حتیٰ کہ آسمان کے دروازوں تک پہنچ گئے۔

حضرت کعب کی روایت میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے لئے ایک چاندی کی اور دوسری سونے کی سیڑھی رکھی گئی (مرقاۃ کا لفظ ہے یعنی وہ آلہ جس کے ذریعے اوپر چڑھتے ہیں) حتیٰ کہ نبی اکرم ﷺ اور حضرت جبریل علیہ السلام اوپر تشریف لے گئے۔

کتاب ''شرف المصطفیٰ'' میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے پاس معراج (سیڑھی) جنت الفردوس سے لائی گئی اور اس کے دائیں بائیں فرشتے تھے۔

ابن سعید رضی اللہ عنہ کی روایت میں جسے امام بیہقی نے نقل کیا یوں ہے کہ پھر میرے پاس سیڑھی لائی گئی جس پر انسانوں کی روحیں اوپر جاتی ہیں تو مخلوق نے اس سے زیادہ خوبصورت سیڑھی نہیں دیکھی ہوگی کیا تم مرنے والے کو نہیں دیکھتے جب اس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جاتی ہیں تو وہ آسمان کی طرف دیکھ رہا ہوتا ہے تو وہ اس سیڑھی پر تعجب کرتا ہے۔

حضرت جبریل علیہ السلام نے لفظ ''انا'' نہیں کہا

صحیح بخاری کی حدیث گذر چکی ہے جس میں یوں ہے کہ (نبی اکرم ﷺ نے فرمایا) پس حضرت جبریل علیہ السلام مجھے لے کر چلے حتیٰ کہ آسمان دنیا پر آئے اور دروازہ کھولنے کے لئے کہا تو پوچھا گیا کون ہے؟ فرمایا جبریل ہوں کہا گیا اور آپ کے ساتھ کون ہے؟ فرمایا حضرت محمد ﷺ ہیں پوچھا گیا کیا ان کو بلوایا گیا ہے؟ جواب دیا ہاں۔

حضرت جبریل علیہ السلام نے یہ نہیں فرمایا ''انا'' (میں ہوں) جب ان سے پوچھا گیا کہ کون ہے؟ بلکہ انہوں نے

اپنا نام لیا اور کہا کہ جبریل ہوں کیونکہ اس میں بڑائی کا اظہار ہے اور سب سے پہلے اپنی گفتگو میں شیطان نے لفظ ''انا'' استعمال کیا تو وہ بدبخت ہو گیا نیز لفظ ''انا'' مبہم ہے کیونکہ ضمیر کے لئے مرجع کی ضرورت ہے اور بیان میں صرف ضمیر ''انا'' کافی نہیں ہے اسی لئے اجازت طلب کرنے والے کو چاہیے کہ جب اس سے پوچھا جائے تم کون ہو؟ تو وہ یہ نہ کہے کہ میں ہوں بلکہ اپنا نام بتائے۔

آسمان والوں کا جشن

صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی روایت میں ہے پس آپ اوپر گئے' ماضی معروف کا صیغہ ہے (فعرج)۔

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کی روایت جسے امام بیہقی رحمہ اللہ نے روایت کیا اس میں ہے حتیٰ کہ آپ آسمان کے دروازوں میں سے ایک دروازے تک پہنچے جسے ''باب الحفظہ'' کہا جاتا ہے اور اس پر ایک فرشتہ ہے جسے اسماعیل کہا جاتا ہے اور اس کے ماتحت بارہ ہزار فرشتے ہیں۔

حضرت شریک رضی اللہ عنہ کی روایت جسے امام بخاری رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے اس میں ہے۔

پھر آپ کو آسمانِ دنیا کی طرف چڑھایا گیا پس آسمان کے دروازوں میں سے ایک دروازے کو کھٹکھٹایا تو آسمان والوں نے آواز دی کون ہے؟ جواب دیا جبریل ہوں۔ انہوں نے کہا آپ کے ساتھ کون ہے؟ انہوں نے کہا حضرت محمد ﷺ ہیں انہوں نے پوچھا کیا ان کی طرف بھیجا گیا تھا جواب دیا ہاں بھیجا گیا تھا۔ انہوں نے خوش آمدید کہا پس اس پر تمام آسمان والوں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی فرشتوں کو معلوم نہیں تھا کہ اس سے اللہ تعالیٰ زمین والوں کے لئے کیا ارادہ رکھتا ہے حتیٰ کہ ان کو جس کی زبان سے چاہے بتائے جس طرح حضرت جبریل علیہ السلام کے ذریعے بتایا۔

نہروں کا ذکر

اس روایت میں یہ بھی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے آسمانِ دنیا میں نیل اور فرات کے نکلنے کی جگہ کو دیکھا۔

اس حدیث کا ظاہر' حضرت مالک بن صعصعہ رضی اللہ عنہ کی روایت کے خلاف ہے کیونکہ اس میں سدرۃ المنتہیٰ کے ذکر کے بعد ہے کہ اس (سدرہ درخت) کی جڑ سے چار نہریں نکلتی ہیں۔

دونوں روایتوں کو یوں جمع کیا جا سکتا ہے کہ ان کا اصل منبع سدرہ کے نیچے ہے اور ان کا ٹھکانہ آسمانِ دنیا میں ہے اور وہاں سے یہ دونوں (نیل اور فرات) زمین کی طرف اترتی ہیں۔

اس روایت میں یہ بھی ہے کہ پھر آپ کو آسمانِ دنیا کی طرف لے جایا گیا تو وہاں ایک اور نہر تھی جس پر موتیوں اور زبرجد کے محلات تھے اور وہ حوض کوثر ہے۔

حضرت شریک رضی اللہ عنہ کی روایت یہ بھی اشکال پیدا کرتی ہے کیونکہ کوثر جنت سے ہے اور جنت ساتوں آسمانوں سے اوپر ہے اور اس میں یہ بھی احتمال ہے کہ تقدیر عبارت اس طرح ہو کہ پھر آسمانِ دنیا سے ساتویں آسمان تک تشریف لے گئے اور وہاں یہ نہر (حوض کوثر) ہے۔

آسمان کے دروازوں کا کھلنا

پھر حدیث کے یہ الفاظ کہ دروازہ کھولنے کے لئے کہا اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ آپ بند دروازہ کے پاس تشریف لے گئے اور اس میں حکمت یہ تھی کہ آپ ﷺ کی قدر و منزلت کو ظاہر کیا جائے اور اس بات کو واضح و ثابت کیا جائے کہ آسمانوں کو آپ کے علاوہ کسی کے لئے نہیں کھولا گیا اور اگر دروازے کھلے ہوتے تو یہ بات تحریر میں نہ آتی کہ آپ کے لئے دروازوں کو کھولا گیا پس جب آپ کے لئے کھولا گیا تو یہ مقام محفوظ ہے اور اس کا کھولنا آپ کا اعزاز اور تعظیم ہے۔

"ارسل الیہ" کا کیا معنیٰ ہے؟

حدیث شریف میں "ارسل الیہ" کے الفاظ ہیں اور ایک روایت میں "بعث الیہ" ہے۔ تو اس میں احتمال ہے کہ اس سوال کا مطلب یہ ہو کہ کیا آسمان کی طرف عروج کے لئے آپ کے پاس کسی کو بھیجا گیا اور لفظ الیہ (آپ کی طرف) سے یہی بات ظاہر ہوتی ہے کیونکہ آپ کی رسالت و نبوت تو ملکوتِ اعلیٰ (فرشتوں) میں مشہور تھی۔

کہا گیا کہ ان کا سوال' نبی اکرم ﷺ پر اللہ تعالیٰ کی اس نعمت پر تعجب اور خوشی کا اظہار تھا اور وہ جانتے تھے کہ انسان اس مرتبے تک اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر ترقی نہیں کرسکتا اور حضرت جبریل علیہ السلام اسی کو لے کر اوپر آتے ہیں جس کی طرف ان کو بھیجا گیا ہو۔

یہ بھی کہا گیا کہ اس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو اس بات کی اطلاع کا ارادہ فرمایا کہ آپ فرشتوں کے ہاں معروف ہیں کیونکہ انہوں نے پوچھا کیا ان کی طرف بھیجا گیا؟ تو یہ اس بات پر دلالت ہے کہ وہ جانتے تھے کہ عنقریب آپ کے لئے یہ واقعہ رونما ہوگا۔ ورنہ وہ کہتے محمد ﷺ کون ہیں؟ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے جواباً کہا ان کا آنا مبارک ہو اور کتنا اچھا آنا ہوا۔ ان کا اس صیغے کے ساتھ کلام کرنا اس بات پر بہت بڑی دلیل ہے جو ہم نے ذکر کی کہ وہ آپ کی جلالتِ شان اور نبوت و رسالت کی معرفت رکھتے تھے اور دوسری بات یہ ہے کہ یہ حسنِ خطاب کے سلسلے میں بہت بڑی بات ہے کیونکہ اہلِ عرب کی عادت سے یہی بات معروف ہے۔

ان کا یہ پوچھنا کہ آپ کے ساتھ کون ہے؟ اس بات کی خبر دینا ہے کہ ان کو نبی اکرم ﷺ کے تشریف لانے کا علم ہو چکا تھا ورنہ وہ یوں پوچھتے کیا آپ کے ساتھ کوئی اور بھی ہے؟

اور ان کا یہ احساس یا تو مشاہدے کی بنیاد پر تھا کیونکہ آسمان صاف شفاف ہیں یا کسی امر معنوی کی وجہ سے تھا کہ انوار و تجلیات میں اضافہ ہوا۔ یہ بات حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمائی ہے۔

ہوسکتا ہے انہوں نے یہ بات حضرت عارف ابن ابی جمرہ رحمہ اللہ کے کلام سے اخذ کی ہو انہوں نے اپنی کتاب "بہجۃ النفوس" میں فرمایا دوسری بات یہ ہے کہ انہوں (فرشتوں) نے یہ سوال اس وقت کیا جب انہوں نے نبی اکرم ﷺ کی آمد پر پہلے سے زیادہ تجلیات اور اچھے اثرات دیکھے۔

وہ فرماتے ہیں یہی بات زیادہ ظاہر ہے گویا انہوں نے کہا آپ کے ساتھ کون شخص ہے۔ جس کی وجہ سے انوار و تجلیات کا یہ اضافہ ہوا تو ان کی چاہت کے مطابق حضرت جبریل علیہ السلام نے آپ کے اسم گرامی کے ساتھ جواب دیا حتیٰ کہ وہ پہچان گئے۔

بعض علماء نے اس ارشاد خداوندی: "لَقَدْ رَاٰی مِنْ اٰیٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰی ○ آپ نے اپنے رب کی نشانیوں میں سے بڑی نشانی دیکھی ہے" کے حوالے سے فرمایا کہ آپ نے ملکوت (عالم غیب) میں اللہ تعالیٰ کی ذات مبارکہ کی صورت کو دیکھا کیونکہ وہی عروس مملکت ہے (کیونکہ اس کے انوار وتجلیات بہت زیادہ ہیں)۔

فرشتوں کا "مرحبا" کہنا

فرشتوں نے کہا "آپ کا آنا مبارک ہو اور کیا ہی اچھا آنا ہے" (مرحبا به ونعم المجی جاء) تو اس میں اس بات کا احتمال ہے کہ جب انہوں نے آپ کی ان برکات کو دیکھا جو آپ کے تشریف لانے سے پہلے ظاہر ہوئیں تو آپ کی آمد کی خوشی میں انہوں نے یہ بات کہی اور اس میں تقدیم وتاخیر ہے یعنی عبارت یوں ہے "جاء فنعم المجی مجیئه" "آپ تشریف لائے اور آپ کا تشریف لانا اچھا ہے۔ خازن نے صیغۂ خطاب کے ساتھ "مرحبا لک" (آپ کا آنا مبارک ہو) نہیں بلکہ صرف مرحبا کہا اور غائب کا صیغہ استعمال کیا کیونکہ اس نے دروازہ کھولنے اور آپ کو خطاب کرنے سے پہلے خوش آمدید کہا۔

اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ غیب کے صیغے کا استعمال تعظیم کے لئے ہوا ہو کیونکہ بعض اوقات غائب کی ضمیر "ہا" خطاب کے کاف سے زیادہ تعظیم کی حامل ہوتی ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام اور آپ کی اولاد کے اعمال

حدیث شریف میں ہے کہ آپ نے ایک شخص کو بیٹھے ہوئے دیکھا اس کی دائیں جانب بھی کچھ لوگ ہیں اور بائیں جانب بھی کچھ لوگ ہیں وہ دائیں جانب دیکھ کر ہنستے ہیں اور جب بائیں طرف دیکھتے ہیں تو رو پڑتے ہیں انہوں نے کہا صالح نبی اور صالح بیٹے کا آنا مبارک ہو (نبی اکرم ﷺ فرماتے ہیں) میں نے حضرت جبریل علیہ السلام سے پوچھا یہ کون ہے؟ انہوں نے عرض کیا یہ حضرت آدم علیہ السلام ہیں اور ان کی دائیں اور بائیں جانب ان کی اولاد کی ارواح ہیں ان میں سے داہنی جانب والے جنتی ہیں اور بائیں جانب والے جہنمی ہیں جب وہ دائیں جانب دیکھتے ہیں تو خوش ہوتے ہیں اور جب بائیں طرف دیکھتے ہیں تو روتے ہیں۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۴۹)

سوال: حضرت قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں حدیث شریف میں آیا ہے کہ کفار کی روحیں سجین میں ہوتی ہیں اور مومنوں کی ارواح جنت میں ناز ونعمت میں ہوتی ہے تو آسمان دنیا میں کس طرح جمع ہوگئیں؟

جواب: اس میں یہ احتمال ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام پر مختلف اوقات میں پیش ہوتی ہوں تو جب نبی اکرم ﷺ وہاں سے گزرے تو یہ وہی وقت ہوگا اور جہنم (سجین) میں ان کا ہونا اس بات پر دلالت ہے کہ کسی وقت وہ وہاں ہوتی ہیں اور کسی وقت نہیں۔ ارشادِ خداوندی ہے:

اَلنَّارُ یُعْرَضُوْنَ عَلَیْهَا غُدُوًّا وَّ عَشِیًّا. ان پر صبح وشام جہنم کی آگ پیش کی جاتی ہے۔

سوال: اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ کفار کے لئے آسمان کے دروازے کھولے نہیں جاتے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا وَ اسْتَكْبَرُوْا عَنْهَا لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ. (الاعراف: ۴۰) بے شک جن لوگوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا اور ان سے تکبر کیا ان کے لئے آسمان کے دروازے کھولے نہیں

جاتے۔

جواب: جو چیز ہمارے سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ ہوسکتا ہے جنت' حضرت آدم علیہ السلام کی دائیں جانب اور جہنم بائیں جانب ہو اور وہ دونوں آپ کے لئے کھولی گئی ہوں اور یوں حضرت آدم علیہ السلام کا ان کو دیکھنا جب کہ آپ آسمان میں ہیں اس بات کو مستلزم نہیں ہے کہ ان کے لئے آسمان کے دروازے کھولے جائیں اور وہ وہاں سے داخل ہوں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث جسے امام بزار رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے اس میں ہے کہ ان کے دائیں جانب ایک دروازہ تھا جس سے اچھی خوشبو نکلتی تھی اور بائیں جانب ایک دروازہ تھا جس سے بدبو آتی تھی جب آپ (حضرت آدم علیہ السلام) دائیں طرف دیکھتے تو خوش ہوتے اور جب بائیں جانب دیکھتے تو غمگین ہو جاتے۔

اگر یہ روایت صحیح ہو تو پہلے تمام احتمالات سے زیادہ بہتر ہے لیکن اس کی سند ضعیف ہے یہ بات حضرت حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرمائی ہے۔

انبیاء کرام علیہم السلام کے مکانات سے متعلق روایات کو جمع کرنا

حدیث شریف میں جو آیا ہے کہ (آپ نے فرمایا) پھر مجھے اوپر لے جایا گیا حتیٰ کہ میں دوسرے آسمان پر آیا تو کہا گیا یہ کون ہے؟ حضرت جبریل نے فرمایا جبریل ہوں کہا گیا آپ کے ساتھ کون ہے؟ فرمایا حضرت محمد ﷺ ہیں پوچھا گیا کیا ان کی طرف بھیجا گیا تھا؟ فرمایا ہاں پس کہا گیا کہ مبارک ہو آپ کا آنا کیا ہی اچھا ہوا پس دروازہ کھولا جب ہم اندر گئے تو حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام تھے اور وہ دونوں خالہ زاد بھائی ہیں حضرت جبریل علیہ السلام نے فرمایا یہ حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام ہیں ان دونوں کو سلام کریں پس میں نے ان کو فرداً فرداً سلام کیا پھر ان دونوں نے کہا نیک بھائی اور صالح نبی کا آنا مبارک ہو۔

(پھر بیان کرتے کرتے) فرمایا پھر مجھے ساتویں آسمان کی طرف لے جایا گیا تو حضرت جبریل علیہ السلام نے دروازہ کھلوانے کو کہا پوچھا گیا کون ہے؟ فرمایا جبریل ہوں پوچھا گیا آپ کے ساتھ کون ہے؟ فرمایا حضرت محمد ﷺ ہیں پوچھا گیا کیا ان کی طرف کسی کو بھیجا گیا تھا؟ فرمایا ہاں انہوں نے کہا آپ کا آنا مبارک ہو جب اندر داخل ہوئے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام تھے حضرت جبریل علیہ السلام نے عرض کیا یہ آپ کے جدامجد حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں ان کو سلام کیجئے' فرماتے ہیں میں نے ان کو سلام کیا تو انہوں نے سلام کا جواب دیا اور فرمایا صالح بیٹے کو خوش آمدید۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۸۸۷)

تو یہ روایت حضرت ثابت رضی اللہ عنہ کی روایت کے موافق ہے جو انہوں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی اور اسے امام مسلم رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے کہ پہلے آسمان میں حضرت آدم علیہ السلام تھے دوسرے میں حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ' تیسرے میں حضرت یوسف' چوتھے میں حضرت ادریس' پانچویں میں حضرت ہارون' چھٹے میں حضرت موسیٰ اور ساتویں میں حضرت ابراہیم علیہم السلام تھے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۵۹)

ابن شہاب نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے اور انہوں نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے جو حدیث روایت کی ہے اس میں اس کی مخالفت ہے جیسا کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے بھی اسے نماز کے بیان میں ذکر کیا کہ ان انبیاء کرام کی منازل

کے بارے میں کوئی بات ثابت نہیں اور یہ بھی فرمایا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام چھٹے آسمان میں ہیں۔

حضرت شریک رضی اللہ عنہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں کہ حضرت ادریس علیہ السلام دوسرے آسمان میں اور حضرت ہارون علیہ السلام چوتھے آسمان میں ہیں اور ایک اور نبی جن کا نام مجھے یاد نہیں پانچویں آسمان میں ہیں جب کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام چھٹے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام ساتویں آسمان میں ہیں کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ سے ہمکلام ہونے کی فضیلت حاصل ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث:۷۵۱۷)

اس حدیث کا سیاق اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کی منازل کا ذکر محفوظ نہیں جس طرح امام زہری نے واضح الفاظ میں فرمایا۔

اور جس کو یاد ہے اس کی روایت زیادہ بہتر ہے خصوصاً جب کہ حضرت قتادہ اور حضرت ثابت رضی اللہ عنہما کا اتفاق ہے۔ اور حضرت یزید بن ابی مالک کی حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت بھی اس کے موافق ہے مگر حضرت ادریس اور حضرت ہارون علیہما السلام کے بارے میں ان کا اختلاف ہے انہوں نے فرمایا کہ حضرت ہارون علیہ السلام چوتھے آسمان میں اور حضرت ادریس علیہ السلام پانچویں آسمان میں ہیں۔

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ نے بھی ان کی موافقت کی ہے مگر ان کی روایت کے مطابق حضرت یوسف علیہ السلام دوسرے آسمان میں جب کہ حضرت عیسیٰ اور حضرت یحییٰ علیہما السلام تیسرے آسمان میں ہیں۔

روایات میں مشہور یہ ہے کہ ساتویں آسمان میں حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں اور اس کی تائید حضرت مالک بن صعصعہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے ہوتی ہے کہ آپ (حضرت ابراہیم علیہ السلام) بیت المعمور سے تکیہ لگائے ہوئے تھے۔

لیکن اس میں کوئی اعتراض والی بات نہیں کیونکہ جب نبی اکرم ﷺ اوپر تشریف لے گئے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام چھٹے آسمان پر اور حضرت ابراہیم علیہ السلام ساتویں آسمان پر تھے جیسا کہ حضرت مالک بن صعصعہ کی حدیث سے ظاہر ہوتا ہے اور جب اترے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام ساتویں آسمان میں تھے کیونکہ اس واقعہ میں یہ بات مذکور نہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آپ کی امت پر نماز کے فرض ہونے سے متعلق کچھ کہا ہو جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس سلسلے میں گفتگو کی ہے۔

اترتے وقت سب سے پہلے ساتواں آسمان آتا ہے پس مناسب تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام وہاں ہوتے کیونکہ انہوں نے نمازوں سے متعلق آپ سے گفتگو کی جیسا کہ تمام روایات میں ثابت ہے۔

اور ہو سکتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے چھٹے آسمان میں ملاقات ہوئی ہو اور پھر آپ ان کو اپنے ساتھ اوپر لے گئے ہوں کیونکہ ان کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہمکلامی کی فضیلت حاصل ہے اور اس کا فائدہ اس وقت ظاہر ہوا جب انہوں نے نمازوں کے معاملے میں ہمارے آقا ﷺ سے کلام کیا۔ یہ بات فتح الباری میں فرمائی گئی ہے اور فرمایا کہ حضرت امام نووی رحمہ اللہ نے بھی ان میں سے بعض باتوں کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مقام

حضرت شریک رضی اللہ عنہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ میں ذکر کیا کہ

(انہوں نے فرمایا) میں گمان نہیں کرتا کہ کسی کو مجھ پر بلند مقام عطا کیا گیا ہو۔ ابن بطال فرماتے ہیں جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنے کلام کا شرف عطا فرمایا دوسرے کسی انسان کو یہ شرف نہ ملا تو انہوں نے یہ تصور کیا۔

کیونکہ ارشادِ خداوندی ہے:

اِنِّی اصْطَفَیْتُکَ عَلَی النَّاسِ بِرِسٰلٰتِیْ وَبِکَلَامِیْ۔ بے شک میں نے آپ کو اپنے پیغامات اور اپنے کلام کے ساتھ دوسرے لوگوں کے مقابلے میں منتخب کیا۔

تو انہوں نے خیال کیا کہ اس سے تمام لوگ مراد ہیں اور اس وجہ سے ان کا استحقاق ہے کہ کوئی ان سے بلند مرتبہ نہ ہو۔ پس جب اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو مقام محمود وغیرہ کے ذریعے فضیلت عطا فرمائی تو آپ کا مقام حضرت موسیٰ علیہ السلام اور دوسرے سب لوگوں سے بلند ہو گیا۔

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا بنی اسرائیل کا خیال ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کے ہاں زیادہ مکرم ہوں لیکن اللہ تعالیٰ کے ہاں یہ مجھ سے زیادہ معزز و مکرم ہیں۔

اموی نے اپنی روایت میں یوں اضافہ کیا کہ اگر یہ اکیلے ہوتے تو ان کا درجہ کم ہوتا لیکن ان کے ساتھ ان کی امت ہے جو اللہ تعالیٰ کے ہاں تمام امتوں سے افضل ہے۔

حضرت مالک بن صعصعہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے (نبی اکرم ﷺ نے فرمایا) پس جب میں ان سے یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام سے آگے بڑھا تو وہ رو پڑے آواز آئی کیوں رو رہے ہو؟ انہوں نے کہا اے میرے رب! یہ ایک لڑکا ہے جسے تو نے میرے بعد مبعوث فرمایا اور میری امت کے مقابلے میں اس کی امت کے زیادہ لوگ جنت میں جائیں گے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا رونا (معاذ اللہ) حسد کی وجہ سے نہ تھا کیونکہ اس دنیا میں عام لوگوں سے حسد کو دور کر دیا گیا ہے تو جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے منتخب فرمایا وہ کیسے حسد کریں گے بلکہ آپ کو اس اجر کے فوت ہونے کا افسوس تھا جس پر بلندیٔ درجات کا دارومدار ہے کیونکہ آپ کی اُمت نے آپ کی زیادہ مخالفت کی جس کی وجہ سے ان کے اجر کم ہو گئے اور اس سے آپ کے اجر میں کمی لازم آتی ہے کیونکہ ہر نبی کو اس کی اتباع کرنے والوں کو ملنے والے اجر کی مثل اجر ملتا ہے اسی لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متبعین کی تعداد ہمارے نبی ﷺ کی اتباع کرنے والوں سے کم تھی حالانکہ اس امت کی نسبت ان کی مدت زیادہ تھی۔

عارف ابن ابی جمرہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام علیہم السلام کے دلوں میں ان کی امتوں کے لئے مہربانی اور رحم کا جذبہ رکھا ہے اور یہ بات ان کی فطرت میں رکھی ہے ہمارے نبی پاک ﷺ روئے تو پوچھا گیا آپ کیوں روتے ہیں؟ آپ نے فرمایا یہ رحمت ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے رحم کرنے والوں پر رحم کرتا ہے (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۲۸۴۔ ۵۶۵۵۔ ۶۶۰۲۔ ۶۶۵۵۔ ۷۳۷۷۔ ۷۴۴۸، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۱، مسند احمد ج ۱ ص ۲۶۸۔ ج ۵ ص ۲۰۴، السنن الکبریٰ ج ۴ ص ۶۵، مصنف عبد الرزاق رقم الحدیث: ۶۶۷۰، مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۱۷۲۳، کنز العمال رقم الحدیث: ۴۲۹۰۲۔ ۴۲۴۸۱) اور انبیاء کرام علیہم السلام کو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے سب سے زیادہ حصہ ملا ہے پس ان کے دلوں میں بندگانِ خدا

کے لئے رحمت دوسروں کی نسبت زیادہ ہوتی ہے اسی لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام روئے تھے کیونکہ یہ آپ کی طرف سے امت پر رحمت تھی اور یہ فضل و کرم اور جود و سخا کا وقت تھا اور وہ امید رکھتے تھے کہ اس وقت کی برکت سے اللہ تعالیٰ ان کی امت پر رحم فرمائے۔

سوال: یہ بات کیسے ہوسکتی ہے جب کہ ان کی امت دو حال سے خالی نہ تھی ایک قسم ان لوگوں پر مشتمل تھی جو ایمان کی حالت میں فوت ہوئے اور دوسرے وہ جو کفر پر مرے جو ایمان پر فوت ہوئے وہ لازماً جنت میں داخل ہوں گے اور جو کفر پر مرے وہ جنت میں کبھی بھی داخل نہ ہوں گے پس جو کچھ ہو چکا اس پر آپ کے رونے کا کوئی فائدہ نہیں کیونکہ ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا حکم نافذ ہو چکا؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے اپنی تقدیر کو دو صورتوں میں تقسیم کیا ہے ایک تقدیر وہ ہے جو ہر حال میں نافذ ہوتی ہے اور دوسری وہ ہے جو نافذ نہیں ہوتی اور وہ دعا' صدقہ اور اس کے علاوہ امور سے اٹھ جاتی ہے اور چونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی فطرت میں امت کے لئے رحمت اور مہربانی رکھی گئی تھی تو آپ کو امید تھی کہ آپ کی امت کے لئے وہ تقدیر ہو جو دعا وغیرہ سے اٹھ جاتی ہے اور اس وقت اللہ تعالیٰ کے لطف و احسان کو متوجہ کیا جاسکتا ہے کیونکہ اس وقت اللہ تعالیٰ اپنے حبیب کریم کو سیر کرا رہا ہے اور آپ کو اپنے قرب خاص اور بہت بڑے فضل سے نواز رہا ہے۔

پس حضرت کلیم اللہ نے اس بات کا طمع کیا کہ آپ کی امت کو اس بہت بڑے خیر سے حصہ مل جائے اور ہمارے نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کی ہوائیں چلتی ہیں پس ان کی طرف متوجہ ہو۔ (اتحاف السادۃ المتقین ج ۵ ص ۴۰' الاسماء والصفات ص ۱۵۰' تمہید ج ۵ ص ۳۳۹' الدر المنثور ج ۳ ص ۳۱۸' ج ۴ ص ۲۵' تاریخ دمشق ج ۶ ص ۳۳۵)

اور یہ بھی رحمتِ خداوندی کا ایک جھونکا تھا پس حضرت موسیٰ علیہ السلام اس کی طرف متوجہ ہوئے اور یہ تقدیر میں ایک معاملہ لکھا گیا اور اسباب اسی وقت مؤثر ہوتے ہیں جب تقدیر میں لکھا گیا ہو کہ اس میں اسباب کی تاثیر ہوگی اور جو تقدیر نافذ ہو جاتی ہے اس میں اسباب نہ تو مؤثر ہوتے ہیں اور نہ اسے رد کر سکتے ہیں کیونکہ وہ حتمی فیصلہ ہوتا ہے جو لازم ہو گیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے رونے کی ایک اور وجہ بھی ہوسکتی ہے اور وہ ہمارے نبی اکرم ﷺ کو اس بات کی خوشخبری دینا اور آپ کو خوش کرنا اور وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یہ قول ہے کہ حضرت محمد ﷺ کی امت میں سے جنت میں جانے والے لوگ میری امت کے جنتیوں سے زیادہ ہیں حالانکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اتباع کرنے والے تمام انبیاء کرام کے متبعین سے زیادہ ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا نبی اکرم ﷺ کے لئے لفظ ''غلام'' استعمال کرنا

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے نبی اکرم ﷺ کے لئے لفظ غلام استعمال کیا کوئی دوسرا لفظ استعمال نہیں کیا اس میں اشارہ تھا کہ آپ کی عمر' حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نسبت کم ہے۔

''قاموس میں ہے کہ ''غلام اس کو کہتے ہیں جس کی مونچھیں آرہی ہوں اور ''کہل'' کا لفظ اس کی ضد ہے یعنی بڑھاپے کے قریب آدمی۔ (القاموس المحیط ج ۴ ص ۱۵۸)

خطابی کہتے ہیں عربی لوگ اس آدمی کو غلام کہتے ہیں جو جوانی کو پہنچ چکا ہو اور جب تک اس میں قوت باقی ہوتی ہے یہ

لفظ بولا جاتا ہے۔

''فتح الباری میں ہے'' (فرماتے ہیں):

میرے لئے یہ بات ظاہر ہوئی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس انعام کی طرف اشارہ کیا جو اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی ﷺ کو عطا فرمایا کہ بڑھاپے کو پہنچ کر بھی قوت و طاقت باقی تھی یہاں تک کہ آپ بڑھاپے میں داخل ہوئے تو آپ کے جسم پر بڑھاپا آیا اور نہ آپ کی طاقت میں کوئی نقص پیدا ہوا حتیٰ کہ جب مدینہ طیبہ میں تشریف آوری کے وقت لوگوں نے آپ کو دیکھا اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ آپ کے پیچھے تھے تو انہوں نے آپ کو نوجوان کہا اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے لئے شیخ کا لفظ استعمال کیا حالانکہ نبی اکرم ﷺ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے زیادہ عمر والے تھے۔ واللہ اعلم

یہ بات مقصد اول میں ہجرت کے بیان میں ذکر ہو چکی ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کا جمال

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث جسے طبرانی نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ذکر میں نقل کیا ہے اس میں ہے کہ وہ (حضرت یوسف علیہ السلام) سفید سر والے تھے جس میں کچھ سیاہی کی آمیزش تھی اور وہ جنت کے دروازے کے پاس کرسی پر بیٹھے ہوئے تھے۔

''صحیح مسلم کی'' ایک روایت میں حضرت ثابت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا پھر ہمیں ساتویں آسمان کی طرف لے جایا گیا تو میں نے وہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دیکھا کہ آپ نے بیت المعمور سے ٹیک لگا رکھی ہے اور ہر روز وہاں ستر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں پھر پہلے والے فرشتے واپس نہیں آتے اس حدیث میں یہ بھی ہے کہ میں نے وہاں حضرت یوسف علیہ السلام کو دیکھا اور ان کو نصف حسن دیا گیا (یعنی نصف حسن ان کو دیا گیا اور باقی نصف تمام انسانوں میں تقسیم ہوا)۔

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ کی حدیث جسے امام بیہقی رحمہ اللہ نے روایت کیا اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث جسے امام طبرانی نے نقل کیا ان دونوں حدیثوں میں ہے (کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا) اچانک میں ایک ایسے شخص کے پاس پہنچا جو مخلوقِ خداوندی میں سے سب سے زیادہ حسین تھا اسے لوگوں پر حسن کے اعتبار سے اس طرح فضیلت حاصل تھی جیسے چودھویں رات کے چاند کو تمام ستاروں پر فضیلت حاصل ہے۔

اس حدیث کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام تمام لوگوں سے زیادہ حسین تھے لیکن امام ترمذی رحمہ اللہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث سے یوں نقل کیا ہے:

ما بعث الله نبيا الا حسن الوجه حسن الصوت و كان نبيكم احسنهم وجها واحسنهم صوتا.

اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کو خوبصورت چہرے اور اچھی آواز کے ساتھ بھیجا مگر تمہارے نبی ﷺ سب سے خوبصورت چہرے والے اور سب سے اچھی آواز والے ہیں۔

(الکامل ج ۲ ص ۸۴۰، اتحاف السادۃ المتقین ج ۶ ص ۲۷، المغنی ج ۲ ص ۲۶۸)

اس حدیث کی بنیاد پر حدیث معراج کو اس بات پر محمول کیا جائے گا کہ اس میں نبی اکرم ﷺ کے علاوہ لوگ مراد ہیں اس کی تائید کسی قائل کے اس قول سے بھی ہوتی ہے کہ متکلم اپنے خطاب کے عموم میں داخل نہیں ہوتا۔

ابن منیر نے اس باب کی حدیث کو اس بات پر محمول کیا کہ اس سے مراد یہ ہے کہ جو حسن ہمارے نبی ﷺ کو دیا گیا اس کا نصف حضرت یوسف علیہ السلام کو دیا گیا۔

کیا حضرت ادریس علیہ السلام نبی اکرم ﷺ کے دادا (جد اعلیٰ) تھے؟

حدیث شریف میں حضرت ادریس علیہ السلام کا یہ قول کہ صالح بھائی اور صالح نبی کو خوش آمدید تو اس سے نبوت اور اسلام کے حوالے سے بھائی چارہ مراد ہے کیونکہ اسلام والد اور اولاد کو ملا دیتا ہے۔ ابن منیر نے کہا کہ ایک شاذ طریق کے مطابق انہوں نے یوں کہا صالح بیٹے کو خوش آمدید قیاس بھی یہی چاہتا ہے کیونکہ حضرت ادریس علیہ السلام آپ کے جد اعلیٰ ہیں۔

کہا گیا ہے کہ حضرت ادریس علیہ السلام جن سے آپ نے ملاقات کی وہ مشہور دادا نہیں بلکہ آپ کے جد اعلیٰ حضرت الیاس ہیں اگر یہ بات ہو تو اعتراض اٹھ جاتا ہے۔

بعض انبیاء کرام کے آسمان میں ہونے کی حکمت

اعتراض: صرف یہی انبیاء کرام آسمان میں تھے تو دوسرے کیوں نہیں تھے؟ اور ان میں سے ہر ایک کا کسی آسمان کے ساتھ خاص ہونا کس وجہ سے ہے؟ اور دوسرے آسمان میں خاص طور پر دو نبی کیوں تھے؟

جواب: آسمانوں میں صرف ان انبیاء کرام علیہم السلام کا ہونا اور دوسروں کا نہ ہونا اس وجہ سے ہے کہ ان کو ہمارے نبی ﷺ سے ملاقات کا حکم دیا گیا تھا پس ان میں سے بعض کی ملاقات پہلے مرحلہ میں ہی ہوگئی بعض کی ملاقات بعد میں ہوئی اور بعض کی ملاقات نہ ہو سکی۔ اور کہا گیا ہے کہ یہ اس بات کی طرف اشارہ تھا کہ عنقریب نبی اکرم ﷺ کو اپنی قوم سے جو کچھ برداشت کرنا پڑے گا وہ اس کی مثل ہے جو ان حضرات نے اپنی قوموں سے برداشت کیا۔

مثلاً حضرت آدم علیہ السلام کو جنت سے زمین کی طرف آنا پڑا تو نبی اکرم ﷺ کو مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کرنا ہوگی اور دونوں میں مشترک بات یہ ہے کہ ان میں سے ہر ایک کو مشقت برداشت کرنا پڑی اور وطن مالوف سے جدائی ناپسند تھی پھر انجام کار دونوں اپنے اس وطن کی طرف لوٹے جہاں سے تشریف لے گئے تھے۔

حضرت عیسیٰ اور حضرت یحییٰ علیہما السلام کو یہودیوں کی دشمنی اور ان کے خلاف سرکشی کی وجہ سے نیز ان کے برے ارادوں کی وجہ سے ہجرت کرنا پڑی۔

حضرت یوسف علیہ السلام کو اپنے بھائیوں سے تکالیف اٹھانا پڑی تو ہمارے نبی کریم ﷺ کو قریش کی طرف سے مصائب کا سامنا کرنا پڑا وہ آپ کے مقابلے میں لڑائی کے لئے آئے اور آپ کو ہلاک کرنے کا ارادہ کیا لیکن انجام کار آپ ہی غالب رہے نبی اکرم ﷺ نے فتح مکہ کے دن اسی بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ میں تم سے وہی بات کہتا ہوں جو حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں سے کہی تھی کہ آج تمہارا کوئی مواخذہ نہیں' اللہ تعالیٰ تمہیں

بخش دے اور وہ سب سے زیادہ رحم فرمانے والا ہے' جاؤتم سب آزاد ہو۔ (المغنی ج ۳ص ۱۷۹)

حضرت ادریس علیہ السلام کے ساتھ مشابہت یہ تھی کہ دونوں کو اللہ تعالیٰ کے ہاں بلند مقام حاصل ہوا۔ حضرت ہارون علیہ السلام کے ساتھ مشابہت یہ تھی کہ ان کی قوم ان کو اذیت دینے کے بعد ان کی محبت کی طرف لوٹ آئی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنی قوم سے تکلیف اٹھانا پڑی اور آپ کو بھی اذیت برداشت کرنا پڑی نبی اکرم ﷺ نے اپنے اس قول سے اسی بات کی طرف اشارہ فرمایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس سے بھی زیادہ اذیت پہنچائی گئی پس انہوں نے صبر کیا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بیت المعمور سے ٹیک لگائے دیکھا تو آپ مناسک حج اور بیت اللہ شریف کی تعظیم کے ساتھ دنیا سے رخصت ہوئے۔

عارف ابن ابی جمرہ رحمہ اللہ نے ان انبیاء کرام علیہم السلام میں سے ہر ایک کے کسی آسمان کے ساتھ اختصاص کی وجہ یوں بیان فرمائی ہے وہ فرماتے ہیں۔

حضرت آدم علیہ السلام آسمانِ دنیا پر اس لئے تھے کہ آپ سب سے پہلے نبی اور سب سے پہلے باپ ہیں اور اصل انسان ہیں اور نبوت کو بنوت (اولاد) سے انس ہوتا ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام دوسرے آسمان میں ہیں کیونکہ دیگر انبیاء کرام کی نسبت وہ نبی اکرم ﷺ کے زیادہ قریب ہیں اور شریعت محمدیہ نے ان کی شریعت کو منسوخ کیا اور وہ آخری زمانے میں امت محمدیہ کے پاس مصطفوی شریعت کے ساتھ آئیں گے اور اسی کے ساتھ فیصلہ کریں گے اسی لئے نبی کریم ﷺ نے فرمایا میں تمام لوگوں کی نسبت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زیادہ قریب ہوں۔ پس اس وجہ سے آپ دوسرے آسمان پر تھے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۴۳' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۶۷۵' مسند احمد ج ۲ص ۳۱۹' المستدرک ج ۲ص ۵۹۲' مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۱۴' مشکوۃ المصابیح رقم الحدیث: ۵۷۳۳' کنز العمال رقم الحدیث: ۳۲۳۳۶)

حضرت یحییٰ علیہ السلام وہاں ان کے ساتھ اس لئے تھے کہ وہ ان کے خالہ زاد بھائی ہیں پس وہ دونوں ایک ہی ہیں گویا ایک دوسرے کو لازم ہونے کی وجہ سے وہ دونوں وہاں تھے۔

حضرت یوسف علیہ السلام تیسرے آسمان میں تھے کیونکہ ان کے حسن پر نبی اکرم ﷺ کی امت جنت میں داخل ہو گی تو وہ اس جگہ دکھائے گئے تاکہ آپ کے لئے خوشخبری ہو اور آپ اس پر خوش ہوں۔

حضرت ادریس علیہ السلام چوتھے آسمان پر تھے کیونکہ وہ وہاں ہی فوت ہوئے اور زمین میں ان کی قبر نہیں جیسا کہ ذکر کیا گیا۔ [1]

حضرت ہارون علیہ السلام پانچویں آسمان میں تھے کیونکہ آپ کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ گہرا تعلق تھا آپ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بھائی اور ان کی قوم میں ان کے خلیفہ تھے اس لئے وہاں تھے اور چھٹے آسمان میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ اس لئے نہیں تھے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کلیم اللہ ہونے کی وجہ سے فضیلت واحترام زیادہ حاصل ہے اور آپ کو چند باتوں کے ساتھ خصوصیت حاصل ہے جو حضرت ہارون علیہ السلام کو حاصل نہیں ہے اس وجہ سے وہ

[1] امام زرقانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ اسرائیلی روایات میں سے ہے اور اللہ تعالیٰ اس روایت کی صحت کو بہتر جانتا ہے۔ (زرقانی ج ۶ص ۱۷)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ چھٹے آسمان میں نہیں تھے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے چھٹے آسمان میں ہونے کی وجہ یہ ہے کہ آپ کو کچھ فضائل کے ساتھ خصوصیت حاصل ہے اور ہمارے نبی اکرم ﷺ کے بعد سب سے زیادہ انبیاء کرام ان کے تابع ہیں۔

حضرت ابراہیم کے ساتویں آسمان میں ہونے کا سبب یہ ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے خلیل اور نبی اکرم ﷺ کے جد اعلیٰ تھے تو مناسب تھا کہ ان سے ملاقات کے ذریعے آپ کو ان کی تجدید ہو کیونکہ اس کے بعد آپ ایک دوسرے عالم کی طرف جا رہے تھے اور وہ حجاب کا اٹھ جانا ہے اور اس لئے بھی کہ آپ خلیل اللہ ہیں اور حبیب کے علاوہ کوئی بھی خلیل سے افضل نہیں ہے اور چونکہ حبیب اس سے اوپر تشریف لے جا رہے تھے اس لئے خلیل اپنی خلت اور فضیلت کی وجہ سے سب سے اوپر تھے اور پھر حبیب ﷺ سب سے اوپر ہو گئے کیونکہ آپ کو ایسی خصوصیات حاصل ہیں جن کی وجہ سے آپ کا مرتبہ سب سے زیادہ ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

تِلْکَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ. (البقرہ: ۲۵۳)

یہ رسول ہیں کہ ہم نے ان میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ان میں سے بعض سے اللہ تعالیٰ نے کلام فرمایا اور ان میں سے بعض کے درجات کو بلند فرمایا۔

پس آپ کو کمال اور بلند درجہ حاصل ہوا اور یہ رسالت و نبوت کا درجہ ہے اور حکمتِ خداوندی کے تحت بعض انبیاء کرام کا درجہ دوسرے بعض سے بلند کیا گیا کہ جس پر درجہ بلند ہوا اس کا درجہ بھی بلند ہو درجہ کم نہیں کیا گیا۔

آپ نے انبیاء کرام علیہم السلام کو کیسے دیکھا؟

اس سلسلے میں اختلاف ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ان انبیاء کرام علیہم السلام کو کیسے دیکھا۔ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے علاوہ انبیاء کرام کی ارواح کو دیکھا کیونکہ ان کے جسم کا اٹھایا جانا ثابت ہے۔ حضرت ادریس علیہ السلام کے بارے میں بھی ایک قول اسی طرح کا ہے۔

اور بیت المقدس میں جنہوں نے آپ کے ساتھ نماز پڑھی ہے تو اس بات کا احتمال ہے کہ خاص ارواح نے پڑھی ہو اور یہ بھی احتمال ہے کہ ارواح اور جسموں کا مجموعہ ہو۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ ہو سکتا ہے نبی اکرم ﷺ نے ان میں سے ہر ایک کو اس کی قبر میں زمین کے اندر اس صورت میں دیکھا ہو جس کے بارے میں اس جگہ سے خبر دی اور اس سلسلے میں مذکور ہے کہ آپ نے وہاں اسے دیکھا پس اللہ تعالیٰ نے آپ کو آنکھ اور بصیرت دونوں کے اعتبار سے وہ قوت عطا فرمائی جس کے ذریعے آپ نے اس کا ادراک کیا اور اس کی شہادت اس بات سے ملتی ہے کہ آپ نے جنت اور آگ کو دیوار کی چوڑائی میں دیکھا تو یہاں اس بات کا احتمال ہے کہ آپ نے ان دونوں (جنت اور جہنم) کو اس جگہ دیکھا ہو یا دیوار میں ان کی صورت کی مثال پیش کی گئی ہو اور قدرت میں ان دونوں صورتوں کی صلاحیت ہے۔

یہ بھی کہا گیا کہ اس بات کا احتمال ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب ہمارے نبی ﷺ کو سیر کرانے کا ارادہ کیا تو ان انبیاء کرام علیہم السلام کو ان کی قبروں سے نکالا تا کہ نبی اکرم ﷺ کا احترام اور تعظیم ہو حتیٰ کہ آپ کو ان کی طرف سے وہ انس

اور بشارت حاصل ہو جس کی طرف ہم نے اشارہ کیا ہے اور اس کے علاوہ اعزاز جس کی طرف ہم نے اشارہ نہیں کیا اور نہ ہی ہمیں معلوم ہے۔

ان تمام وجوہ کا احتمال ہے اور کسی ایک احتمال کو دوسرے پر ترجیح نہیں دے سکتے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی قدرت میں ہر کام کی صلاحیت موجود ہے۔

شب معراج جن نہروں کا مشاہدہ ہوا

حدیث شریف میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا پھر مجھے سدرۃ المنتہیٰ کی طرف اٹھایا گیا تو اس کا پھل مقام ہجر کے مٹکوں کے برابر اور اس کے پتے ہاتھی کے کانوں کی شکل تھے حضرت جبریل علیہ السلام نے بتایا کہ یہ سدرۃ المنتہیٰ ہے اور وہاں چار نہریں تھیں دو نہریں پوشیدہ اور دو ظاہر تھیں میں نے کہا اے جبریل! یہ کیا ہے؟ انہوں نے عرض کیا دو پوشیدہ نہریں جنت میں ہیں اور دو ظاہری نہریں نیل اور فرات ہیں۔

حضرت امام بخاری رحمہ اللہ کی ایک روایت میں ہے کہ اس کی اصل یعنی سدرۃ المنتہیٰ کی جڑوں سے چار نہریں ہیں۔

''صحیح مسلم میں'' یوں ہے کہ اس کی جڑوں سے نکلتی ہیں۔

''صحیح مسلم میں ہی'' حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے ہے:

اربعة انهار من الجنة النيل و الفرات و سيحان و جيحان. جنت سے چار نہریں نکلتی ہیں نیل، فرات، سیحان اور جیحان۔

پس ہو سکتا ہے کہ سدرۃ المنتہیٰ ایسا درخت ہو جو جنت میں لگا ہوا ہو اور اس کے نیچے سے نہریں نکلتی ہوں پس یہ کہنا صحیح ہوگا کہ وہ جنت سے ہیں۔

حضرت شریک رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے جیسا کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے ''کتاب التوحید میں'' بیان کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے آسمانِ دنیا میں دو جاری نہریں دیکھیں تو حضرت جبریل علیہ السلام نے عرض کیا یہ نیل اور فرات ہیں جن کا آغاز یہاں سے ہوتا ہے۔

دونوں قسم کی روایتوں کو یوں جمع کیا جا سکتا ہے کہ آپ نے ان دونوں نہروں کو جنت کی دونوں نہروں کے ساتھ سدرۃ المنتہیٰ کے پاس دیکھا اور ان کو آسمانِ دنیا پر جنت کی نہروں کے علاوہ دیکھا اور آپ کی مراد یہ تھی کہ ان کی اصل آسمانِ دنیا میں پھیلی ہوئی ہے۔ ابن دحیہ نے اسی طرح کہا ہے۔

حضرت شریک رضی اللہ عنہ ہی کی حدیث میں ہے کہ آپ کو آسمانِ دنیا کی طرف لے جایا گیا تو وہاں ایک اور چھوٹی سی نہر تھی جو موتیوں اور زبرجد سے بنی ہوئی تھی آپ نے اپنا دست مبارک مارا تو کستوری سے بھی زیادہ خوشبو تھی آپ نے پوچھا اے جبریل! یہ کیا ہے؟ انہوں نے عرض کیا یہ کوثر ہے؟ جسے آپ کے رب نے آپ کے لئے پوشیدہ رکھا ہے۔

ابن ابی حاتم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دیکھنے

کے بعد فرمایا پھر وہ مجھے ساتویں آسمان کے اوپر لے گئے حتیٰ کہ ایک نہر تک پہنچے جہاں یاقوت موتیوں اور زبرجد کے خیمے تھے اور اس پر سبز پرندے تھے اور میرے دیکھے ہوئے پرندوں میں سے یہ بہترین پرندے تھے حضرت جبریل علیہ السلام نے عرض کیا کہ یہ کوثر ہے جو آپ کے رب نے آپ کو عطا کیا ہے تو اس میں سونے اور چاندی کے برتن ہیں وہ نہریں یاقوت اور زمرد کی چھوٹی چھوٹی کنکریوں پر چلتی ہے اس کا پانی دودھ سے سفید ہے (آپ فرماتے ہیں) میں نے اس کا برتن لیا اور اس پانی سے ایک چلو لے کر پیا تو وہ شہد سے زیادہ میٹھا اور کستوری سے زیادہ خوشبودار تھا۔

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کی روایت جسے امام بیہقی رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے اس میں ہے کہ وہاں ایک چشمہ جاری تھا جسے سلسبیل کہا جاتا ہے اس سے دو نہریں جاری ہیں ایک کو کوثر اور دوسری کو نہر الرحمۃ کہا جاتا ہے۔ مزید تفصیل ان شاء اللہ حوض کوثر کے بیان میں آخری مقصد میں آئے گی۔

سدرۃ المنتہیٰ

حضرت ثابت رضی اللہ عنہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا اس میں ہے کہ پھر وہ مجھے سدرۃ المنتہیٰ کی طرف لے گئے کہ اس کے پتے ہاتھی کے کانوں کی مثل تھے اور اس کے پھل (مقام ہجر کے) مٹکوں جتنے تھے۔ فرماتے ہیں جب اس (سدرۃ المنتہیٰ) کو ڈھانپ لیا اس چیز نے جس نے اسے ڈھانپا تو اس میں تبدیلی آگئی تو مخلوق میں سے کسی کو یہ طاقت حاصل نہیں کہ وہ اس کا حسن بیان کرے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۵۹ صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶ سنن نسائی رقم الحدیث: ا مسند احمد ج ۳ ص ۱۲۸-۲۱۰)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت جسے امام مسلم رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے اس میں سدرۃ المنتہیٰ کی وجہ تسمیہ بیان کی گئی ہے اس کے الفاظ اس طرح ہیں کہ جب رسول اکرم ﷺ کو سیر کرائی گئی تو آپ فرماتے ہیں حضرت جبریل علیہ السلام مجھے سدرۃ المنتہیٰ تک لے گئے اور یہ چھٹے آسمان میں ہے اور زمین سے جو کچھ جاتا ہے یہ اس کی انتہا ہے وہ اسے پکڑ لیتا ہے اور جو کچھ اوپر کی طرف سے اترتا ہے وہ یہاں رک جاتا ہے اور یہاں سب کچھ جمع ہوتا ہے۔

(مسند احمد ج ا ص ۳۸۷۔ ج ۳ ص ۱۳۹۔ ج ۵ ص ۱۴۴)

ابن ابی جمرہ نے جو یہ فرمایا کہ یہاں اعمال رک جاتے ہیں تو اس کا یہی مطلب ہے یہاں سے ہی اوامر و نواہی اترتے ہیں اور احکام کا نزول ہوتا ہے حفاظت والے فرشتے اور دوسرے فرشتے یہاں ٹھہرتے ہیں اس سے آگے نہیں بڑھتے اس لئے اس کو انتہا کہتے ہیں کیونکہ عالم سفلی سے جو کچھ اوپر جاتا ہے وہ بھی اور جو کچھ عالم علوی سے اترتا ہے وہ بھی یہاں رک جاتا ہے۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں فرشتوں کا علم یہاں رک جاتا ہے اور یہاں سے نبی اکرم ﷺ کے علاوہ کسی نے تجاوز نہیں کیا۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی اس روایت میں مذکور ہے کہ سدرۃ المنتہیٰ چھٹے آسمان پر ہے جب کہ دوسری روایات اس کے خلاف ہیں ان میں ہے کہ آپ ساتویں آسمان میں داخل ہونے کے بعد وہاں پہنچے تو ان دونوں قسم کی روایات میں کوئی تعارض نہیں کیونکہ اسے اس بات پر محمول کیا جا سکتا ہے کہ اس کی اصل چھٹے آسمان میں ہو جب کہ ٹہنیاں

اور شاخیں ساتویں آسمان میں ہوں۔ اور چھٹے آسمان میں صرف اس کی جڑیں ہوں۔ یہ بات فتح الباری میں فرمائی ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے نماز کے بیان میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہے جس میں اس طرح ہے کہ اس (سدرۃ المنتہیٰ) کو کچھ رنگوں سے ڈھانپ لیا تھا میں نہیں جانتا کہ وہ کونسے رنگ تھے؟

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی مذکورہ بالا روایت جو امام مسلم رحمہ اللہ نے نقل کی ہے اس میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اِذْ یَغْشَی السِّدْرَةَ مَا یَغْشٰی ○ جب سدرہ کو اس چیز نے ڈھانپ لیا جس نے ڈھانپا۔

وہ فرماتے ہیں یہ سونے کے پروانے تھے۔

حضرت یزید بن مالک' حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ سونے کی ٹڈیاں تھیں۔

امام بیضاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں پروانوں کا ذکر مثال دینے کے طور پر ہے کیونکہ درختوں پر ٹڈیاں وغیرہ گرتی ہیں اور ان کو سونے کی بنایا اور اللہ تعالیٰ اس پر قدرت رکھتا ہے۔

حضرت ابوسعید اور ابن عباس رضی اللہ عنہم کی روایت میں ہے کہ سدرۃ المنتہیٰ کو فرشتوں نے گھیر رکھا تھا۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ اس کے ہر پتے پر ایک فرشتہ ہے۔

حضرت ثابت رضی اللہ عنہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی اور اس حدیث کو امام مسلم رحمہ اللہ نے روایت کیا اس میں فرمایا پس جب اسے اللہ تعالیٰ کے حکم سے ڈھانپ لیا جس نے ڈھانپا تو اللہ تعالیٰ کی کوئی مخلوق اس کا وصف بیان کرنے کی طاقت نہیں رکھتی۔

حضرت حمید کی حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت اسی طرح ہے اور اسے ابن مردویہ نے نقل کیا ہے لیکن اس میں فرمایا کہ وہ (سدرہ کا درخت) یاقوت کی شکل میں بدل گیا۔ اور اس کی قسم باتیں مذکور ہیں۔

ابن دحیہ فرماتے ہیں سدرہ کا انتخاب کیا گیا کسی دوسرے درخت کو کیوں اختیار نہیں کیا گیا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اس میں تین اوصاف ہیں اس کا سایہ طویل اور لذت اچھی ہے نیز اس کی خوشبو بھی اچھی ہے پس سدرہ (یعنی بیری کا درخت) ایمان کی طرح ہے جس میں قول' عمل اور نیت تینوں کا اجتماع ہوتا ہے پس سایہ عمل کی طرح' ذائقہ نیت کی طرح اور خوشبو قول کی طرح ہوتی ہے (اعمال' ایمان کا نتیجہ ہوتے ہیں)۔

ابن جمرہ عارف نے فرمایا کہ کیا یہ درخت کسی چیز میں گڑا ہوا ہے یا نہیں؟ اس میں دونوں باتوں کا احتمال ہے کیونکہ قدرت دونوں باتوں کی صلاحیت رکھتی ہے پس جس طرح اللہ تعالیٰ نے اس جگہ زمین کو درخت کے ٹھہرنے کی جگہ بنایا اسی طرح وہاں ہوا کہ اس کے ٹھہرنے کی جگہ بنائی اور جس طرح نبی اکرم ﷺ ہوا میں چلتے واپس ہوئے تو یہ اسی طرح ہے جیسے زمین میں چلتے تھے۔

اور قدرتِ خداوندی سے زمین ٹھہری ہوئی ہے حالانکہ یہ پانی پر ہے تو درخت کے ہوا (فضاء) میں ہونے میں کوئی

رکاوٹ نہیں اور یہ بھی احتمال ہے کہ وہ زمین میں گاڑھا ہوا ہو اور ہوسکتا ہے کہ جنت کی مٹی سے ہو اور اللہ تعالیٰ اپنی ہر چاہت پر قادر ہے۔

برتن کا دو مرتبہ پیش ہونا

حدیث شریف میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: پھر میرے پاس شراب کا برتن لایا گیا ایک دودھ کا برتن اور ایک شہد کا برتن لایا گیا پس میں نے دودھ لے لیا تو حضرت جبریل علیہ السلام نے عرض کیا آپ اس فطرت پر ہیں۔

پس یہ اس بات پر دلالت ہے کہ برتن دو مرتبہ آپ کے سامنے پیش کئے گئے ایک مرتبہ بیت المقدس میں اور دوسری مرتبہ جب آپ سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچے اور آپ نے چار نہریں دیکھیں۔

برتنوں کی تعداد اور ان میں کیا تھا اس سلسلے میں جو اختلاف ہے کہ بعض راویوں نے کچھ لکھا اور دوسرے بعض نے کچھ اور ذکر کیا تو اس کا مجموعہ یہ ہے کہ چار برتن تھے اور ان میں چار نہروں میں سے چار چیزیں تھیں یہ وہی نہریں تھیں جن کو آپ نے سدرۃ المنتہیٰ کے نیچے دیکھا تھا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث جسے طبری نے نقل کیا اس میں ہے کہ سدرۃ المنتہیٰ کے نیچے سے نہریں نکلتی ہیں ایک پانی کی نہر ہے جس کا پانی ٹوٹتا نہیں' دوسری دودھ کی نہر ہے جس کا ذائقہ بدلتا نہیں' شراب کی نہر ہے جس میں پینے والوں کے لئے لذت ہے اور نہایت صاف شفاف شہد کی نہر بھی ہے۔ تو ہوسکتا ہے ہر نہر سے ایک برتن پیش کیا گیا ہو۔

حضرت کعب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ شہد کی نہر' دریائے نیل ہے' دودھ کی نہر' دریائے جیجان ہے' شراب کی نہر نہر فرات ہے اور پانی کی نہر سیحان کی نہر ہے۔ دریائے نیل کے لئے بہت سے فضائل اور عمدہ باتیں جنہیں متعدد ائمہ نے مستقل تصانیف میں ذکر کیا ہے۔

بعض طرق میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے آسمانوں میں بھی انبیاء کرام علیہم السلام کو نماز پڑھائی ہے۔ [1]

بیت المعمور

حدیث شریف میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

ثم رفع الی البیت المعمور. پھر میری طرف بیت معمور کو اٹھایا گیا۔

تو اس کا معنیٰ یہ ہے کہ مجھے وہ دکھایا گیا اور ممکن ہے اس سے اٹھانا اور دکھانا دونوں بیک وقت مراد ہوں کیونکہ ہوسکتا ہے نبی اکرم ﷺ اور بیت معمور کے درمیان کئی عالم ہوں حتیٰ کہ آپ اس کا علم حاصل کرنے پر قادر نہ ہوں تو اسے آپ کی طرف اٹھایا گیا اور آپ کی ظاہری اور باطنی نگاہوں کو قوت عطا کی گئی حتیٰ کہ آپ نے اسے دیکھا۔

طبری نے حضرت ابن عروبہ سے اور انہوں نے حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا وہ فرماتے ہیں ہمارے سامنے

---

[1] امام زرقانی فرماتے ہیں اگر یہ روایت صحیح ثابت ہو تو آپ نے کئی بار نماز پڑھائی لیکن اس سے مصنف نے ابن کثیر کے حوالے سے بیان کیا کہ یہ صحیح نہیں روایات جو ایک دوسرے کی تائید کرتی ہیں ان سے صرف بیت المقدس میں آپ کی امامت کا ثبوت ملتا ہے۔

(زرقانی ج ۶ ص ۷۹)

ذکر کیا گیا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا۔
بیت المعمور آسمان میں ایک مسجد ہے جو کعبہ شریف کے بالمقابل ہے اگر وہ گرے تو سیدھی کعبہ شریف پر گرے اس میں ہر دن ستر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں جب وہ نکلتے ہیں تو پھر کبھی داخل نہیں ہوتے۔

اس میں اللہ تعالیٰ کی قدرت پر بہت بڑی دلیل ہے اور کوئی بھی ممکن چیز اللہ تعالیٰ کو عاجز نہیں کر سکتی۔

کیونکہ اس بیت المعمور میں ہر دن اتنی بڑی تعداد روزانہ نماز پڑھتی ہے اور یہ سلسلہ اس وقت سے شروع ہے جب سے اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا فرمایا اور ابد تک جاری رہے گا۔ پھر اس دن والی جماعت واپس کبھی نہیں آتی اور اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی مروی ہے کہ آسمانوں اور زمین میں ایک بالشت جگہ بھی ایسی نہیں ہے جہاں کوئی فرشتہ سجدہ ریز نہ ہو پھر سمندروں کے ہر قطرے میں ایک فرشتہ مقرر ہے پس جب آسمانوں' زمین اور سمندروں کا یہ معاملہ ہے تو یہ فرشتے جو داخل ہوتے ہیں کہاں جاتے ہیں؟ پس یہ اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی قدرت ہے کہ کوئی چیز اس جیسی نہیں ہو سکتی۔

اور اس میں اس بات پر بھی دلیل پائی جاتی ہے کہ تمام مخلوق میں فرشتوں کی تعداد سب سے زیادہ ہے کیونکہ جب ہر دن ستر ہزار فرشتے بیت المعمور میں نماز پڑھتے ہیں جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے پھر واپس نہیں لوٹتے حالانکہ فرشتے آسمانوں' زمین اور سمندروں میں ہر جگہ ہیں (تو معلوم ہوا کہ فرشتوں کی تعداد سب سے زیادہ ہے)۔

ضعیف احادیث

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث جسے ابن مردویہ اور ابن ابی حاتم نے نقل کیا یوں ہے کہ:
آسمان میں ایک نہر ہے جسے حیوان کہا جاتا ہے اس میں حضرت جبریل علیہ السلام روزانہ داخل ہوتے اور غوطہ لگاتے ہیں پھر نکل کر اپنے پر جھاڑتے ہیں تو اس سے ستر ہزار قطرے نکلتے ہیں اور ہر قطرے سے ایک فرشتہ پیدا ہوتا ہے پس وہ اس (بیت المعمور) میں نماز پڑھتے ہیں پھر وہ کبھی اس کی طرف نہیں لوٹتے۔ اس حدیث کی سند ضعیف ہے۔

امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ نے اس آیت کریمہ:

وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ○ (النحل: ۸) اور وہ پیدا کرتا ہے جو تم نہیں جانتے۔

کی تفسیر کے ضمن میں فرمایا کہ حضرت عطاء' حضرت مقاتل اور حضرت ضحاک رحمہم اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا وہ فرماتے ہیں کہ عرش کی دائیں جانب ایک نورانی نہر ہے جو سات آسمانوں' سات زمینوں اور سات سمندروں کی مثل ہے حضرت جبریل علیہ السلام ہر سحری کے وقت اس میں داخل ہو کر غسل فرماتے ہیں تو اس سے ان کے نور اور جمال میں اضافہ ہوتا ہے پھر وہ اپنے پر جھاڑتے ہیں تو ان کے پر سے جو نقطہ گرتا ہے اللہ تعالیٰ اس سے ہزاروں فرشتے پیدا کرتا ہے ہر دن ان میں سے ستر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں پھر وہ قیامت تک اس کی طرف نہیں لوٹتے۔

یہ بھی مروی ہے کہ وہاں کچھ فرشتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ہر تسبیح سے ایک فرشتہ پیدا کرتا ہے اور یہ فرشتے' عبادت کرنے والے فرشتوں' سبزیوں اور رزق کے لئے مقرر فرشتوں' حفاظت کرنے والے فرشتوں' انسان کی شکل بنانے والے فرشتوں' بادلوں میں اترنے والے فرشتوں' جمعہ کے دن لوگوں کا عمل لکھنے والے' جنت کے خازن اور آگے پیچھے اترنے والے فرشتوں (وغیرہ) کے علاوہ ہیں۔

اسی طرح یہ فرشتے ان فرشتوں میں بھی شامل نہیں ہیں جو کہتے ہیں:

رَبَّنَا وَلَکَ الْحَمْدُ. اے ہمارے رب تیرے لئے ہی تعریف ہے۔

اور جو نمازی کی قرأت پر آمین کہتے ہیں نیز جو نماز کے منتظر کے لئے دعا مانگتے ہیں اور اپنے خاوند کے بستر سے الگ ہونے والی عورتوں پر لعنت بھیجنے والے فرشتے بھی ان کے علاوہ ہیں۔

ایک روایت میں ہے کہ آسمانِ دنیا جو پانی اور دھوئیں سے بنایا گیا ہے ایسے فرشتے ہیں جن کو پانی اور ہوا سے پیدا کیا گیا ان پر ایک فرشتہ مقرر ہے جس کو رعد کہا جاتا ہے اور یہ فرشتہ بادلوں اور بارش پر مقرر ہے یہ فرشتے ان الفاظ میں تسبیح کرتے ہیں:

سُبْحَانَ ذِی الْمُلْکِ وَالْمَلَکُوْتِ. شہادت اور عالم غیب کا مالک پاک ہے۔

دوسرے آسمان میں مختلف رنگوں کے فرشتے ہیں جو اپنی آوازوں کو بلند کرتے ہوئے کہتے ہیں:

سُبْحَانَ ذِی الْعِزَّۃِ وَالْجَبَرُوْتِ. عزت و جبروت (غلبے اور طاقت) والا (رب) پاک ہے۔

اور اس میں ایک فرشتہ ہے جس کے جسم کا نصف حصہ آگ سے اور نصف جسم برف سے بنا ہے پس آگ برف کو نہیں پگھلاتی اور برف آگ کو نہیں بجھاتی۔

وہ کہتا ہے۔

اے وہ ذات جس نے برف اور آگ کو جمع کیا اپنے نیک بندوں کے دلوں کو باہم ملا دے۔

اور تیسرا آسمان جو لوہے سے بنا ہوا ہے اس میں کچھ فرشتے ہیں جن کے مختلف پر مختلف چہرے اور مختلف آوازیں ہیں وہ بلند آواز سے تسبیح کرتے ہوئے کہتے ہیں:

سُبْحَانَکَ اَنْتَ الْحَیُّ الَّذِیْ لَا یَمُوْتُ. تو پاک ہے تو زندہ ہے تجھے موت نہیں آئے گی۔

وہ صف بستہ کھڑے ہیں گویا سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہو اور خوف خداوندی کی وجہ سے ان میں سے ایک دوسرے کے رنگ کو نہیں پہچانتا۔

اور چوتھا آسمان جو تانبے سے بنا ہے اس میں تیسرے آسمان کے فرشتوں سے دوگنا فرشتے ہیں اسی طرح ہر اوپر والے آسمان کے فرشتے، نچلے آسمان والوں سے زیادہ ہیں اور چوتھے آسمان کے فرشتے قیام، رکوع اور سجدے کی حالت میں مختلف قسم کی عبادت میں مصروف ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان میں سے کسی فرشتے کو اپنے امور میں سے کسی امر کے لئے بھیجتا ہے وہ فرشتہ جاتا ہے پھر واپس آتا ہے اور وہ ساتھی فرشتے کو زیادہ عبادت کی وجہ سے پہچان نہیں سکتا اور وہ یوں کہتے ہیں:

سُبُّوْحٌ قُدُّوْسٌ رَبُّنَا الرَّحْمٰنُ الَّذِیْ لَا اِلٰہَ اِلَّا هُوَ. پاک ہے، مقدس ہے ہمارا رحمٰن رب جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔

اور پانچویں آسمان میں جو چاندی سے بنا ہوا ہے کچھ فرشتے ہیں جن کی تعداد چاروں آسمان کے فرشتوں سے زیادہ

ہے وہ سجدہ ریز ہیں اور رکوع کرتے ہیں وہ قیامت تک اپنی نگاہوں کو نہیں اٹھائیں گے جب قیامت کا دن ہوگا تو وہ کہیں گے اے ہمارے رب! ہم نے تیری عبادت اس طرح نہیں کی جس طرح تیری عبادت کا حق تھا۔

اور چھٹے آسمان میں جو سونے کا بنا ہوا ہے اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا لشکر ہے جو کروبین (مقربین) کہلاتے ہیں ان کی تعداد اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو معلوم نہیں ان پر ایک فرشتہ مقرر ہے جس کا لشکر ستر ہزار فرشتوں پر مشتمل ہے اور ان میں سے ہر فرشتے کے لشکر میں ستر ہزار فرشتے شامل ہیں اور یہی فرشتے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ اپنے امور (کی انجام دہی) کے لئے دنیا میں بھیجتا ہے اور بلند آواز سے ''سبحان اللہ'' اور ''لا الہ الا اللہ'' پڑھتے ہیں۔

اور ساتواں آسمان جو سرخ یاقوت سے بنا ہوا ہے اس میں پہلے آسمانوں سے زیادہ فرشتے ہیں اور ان پر ایک فرشتہ مقرر ہے جو سات لاکھ فرشتوں سے مقدم ہے ان میں ایسے لشکر ہیں جو آسمان کے قطروں، ٹڈی، ریت اور نرم زمین، ریت اور پتوں کی تعداد کی مثل ہیں اللہ تعالیٰ ہر دن جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے لشکر کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

اور عرش کے اٹھانے والے آٹھ فرشتے ہیں جو آپس میں گفتگو کرتے ہیں ان میں سے ہر فرشتے کے مختلف چہرے ہیں اور اس کے جسم میں مختلف آنکھیں ہیں۔ جو ایک دوسرے سے ملتی نہیں وہ بلند آواز سے ''لا الہ الا اللہ'' پڑھتے ہیں وہ عرش کی طرف دیکھتے ہیں اور کوئی کوتاہی نہیں کرتے اگر ان میں سے کوئی فرشتہ اپنے دونوں بازوؤں کو کھولے تو اپنے بازوؤں کے ایک پر سے تمام دنیا کو ڈھانپ لے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی بھی ان کی تعداد کا علم نہیں رکھتا۔

اور عرش کو اٹھانے والے آٹھ فرشتے ہیں جو حسین اور نرم آواز میں گفتگو کرتے ہیں ان میں سے چار کہتے ہیں:

سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ عَلٰى حِلْمِكَ بَعْدَ عِلْمِكَ.

یا اللہ! تو پاک ہے اور تیرے لئے حمد ہے کہ تو جاننے کے باوجود بردباری فرماتا ہے۔

اور دوسرے چار کہتے ہیں:

سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ عَلٰى عَفْوِكَ بَعْدَ قُدْرَتِكَ.

یا اللہ! تو پاک ہے اور تعریف کا مستحق ہے کہ طاقت کے باوجود معاف کرتا ہے۔

فرشتوں کے بارے میں دیگر روایات

امام طبرانی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت سے نقل کیا آپ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے حضرت جبریل علیہ السلام سے فرمایا کہ تم کس چیز پر (مقرر) ہو؟ انہوں نے جواب دیا ہوا اور جنود (لشکر) پر، پوچھا حضرت میکائیل علیہ السلام کس کام پر مامور ہیں؟ عرض کیا سبزیوں اور بارش پر پوچھا ملک الموت کس پر مقرر ہیں؟ عرض کیا روحوں کو قبض کرنے پر۔

اس حدیث کی سند میں محمد بن عبد الرحمٰن بن ابی لیلیٰ ہیں جن کو حافظے کی خرابی کی وجہ سے ضعیف قرار دیا گیا لیکن ان کو چھوڑا نہیں گیا (بلکہ سنن نسائی، سنن ابوداؤد وغیرہ میں ان سے احادیث نقل کی گئی ہیں کیونکہ یہ سچے ہیں)۔

امام ترمذی رحمہ اللہ نے حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کی حدیث سے مرفوعاً ذکر کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا۔ آسمان میں میرے دو وزیر ہیں (یعنی) حضرت جبریل اور حضرت میکائیل علیہما السلام۔

(جامع ترمذی رقم الحدیث: ۳۶۸۰، المستدرک ج ۲ ص ۲۶۵، الدرالمنثور ج ۱ ص ۹۴، کنزالعمال رقم الحدیث: ۳۲۶۷۹، ۳۶۱۳۸)

حضرت نقاش نے روایت کیا کہ فرشتوں میں سے سب سے پہلے حضرت اسرافیل علیہ السلام نے سجدہ کیا تو اس کے بدلے میں ان کو لوحِ محفوظ عطا کی گئی۔

اور ابو شیخ ابن حبان کی کتاب ''العظمۃ'' میں اس سے بھی عجیب تر روایات ہیں (جو فرشتوں کی تعداد سے متعلق ہیں) اور میرے (مصنف کے) پاس اس کتاب کی دوسری جزء ہے۔

اسراء کے بارے میں دیگر روایات

امام بخاری رحمہ اللہ کی روایت کے علاوہ میں اس مقام پر کچھ اضافے ہیں۔

ان میں سے ایک حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے یہ روایت امام بیہقی رحمہ اللہ نے ''دلائل النبوۃ میں'' نقل کی ہے اس میں یوں ہے (آپ نے فرمایا) **پھر مجھے ساتویں آسمان کی طرف لے جایا گیا تو وہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام تھے جنہوں نے اپنی پیٹھ کو بیت المعمور سے لگا رکھا تھا گویا وہ خوبصورت ترین مرد ہیں اور ان کے ساتھ ان کی قوم کے چند افراد ہیں میں نے ان کو اور انہوں نے مجھے سلام کیا میں نے اپنی امت کو دو حصوں میں تقسیم دیکھا ایک حصے والوں پر سفید کپڑے تھے گویا وہ کاغذ ہوں اور دوسروں پر میلے کچیلے کپڑے ہیں آپ فرماتے ہیں میں بیت المعمور میں داخل ہوا اور میرے ساتھ وہ لوگ داخل ہوئے جن کا لباس سفید تھا اور میلے کپڑوں والے پردے میں ہو گئے پس میں نے اور میرے ساتھ والوں نے بیت المعمور میں نماز پڑھی۔**

طبرانی کی روایت میں ہے کہ اچانک میں نے وہاں ایک شخص کو دیکھا جس کے سر کے بال سفید تھے اور ان میں سیاہ بال بھی تھے وہ جنت کے دروازے میں کرسی پر بیٹھا ہوا تھا اور اس کے پاس کچھ لوگ سفید چہروں والے تھے گویا وہ کاغذ ہوں اور ایک جماعت تھی جن کے مختلف رنگ تھے وہ نہر میں داخل ہوئے اور اس میں انہوں نے غسل کیا جب نکلے تو ان کا رنگ قدرے خالص ہو گیا تھا پھر نہر میں داخل ہو کر غسل کیا جب باہر نکلے تو رنگ مزید خالص ہو چکا تھا اس کے بعد ایک مرتبہ پھر نہر میں داخل ہوئے اور غسل کیا جب باہر نکلے تو ان کا رنگ بالکل خالص ہو کر وہ سفید چہروں والے لوگوں کی طرح ہو گئے تھے فرمایا یہ کون شخص ہے اور وہ جن کے رنگوں میں کچھ ہے وہ کون ہیں؟ اور یہ کونسی نہریں ہیں جن میں یہ لوگ داخل ہوئے اور ان کے رنگ صاف شفاف ہو گئے؟

حضرت جبریل علیہ السلام نے جواب دیا یہ آپ کے باپ (جد امجد) حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں زمین میں سب سے پہلے آپ ہی کے بال سفیدی اور سیاہی کا مجموعہ ہوئے اور یہ سفید چہروں والے وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے ایمان کو شرک سے مخلوط نہیں کیا اور یہ لوگ جن کے رنگوں میں کچھ آمیزش تھی وہ لوگ ہیں جنہوں نے اچھے اور برے اعمال کو ملایا پس انہوں نے توبہ کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ کو قبول فرمایا۔

اور یہ جو نہریں ہیں تو ان میں سے پہلی نہر رحمت ہے دوسری اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے اور تیسری نہر وہ ہے جس کے بارے میں فرمایا:

وَسَقَاهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُوْرًا ○ اور ان کو ان کے رب نے پاک مشروب پلایا۔

قلموں کی آواز سننا

صحیح بخاری میں نماز کے بیان میں ہے:

ثم عرج بی حتی ظهرت لمستوی اسمع فیه صریف الاقلام. — پھر مجھے اوپر لے جایا گیا حتیٰ کہ میں مقام مستوی پر چڑھا (اور) میں وہاں قلموں کی آواز سنتا تھا۔

''المستوی'' وہ مقام جس پر چڑھتے ہیں۔ ''صریف الاقلام'' صاد پر زبر ہے' لکھتے وقت قلم کی جو آواز نکلتی ہے اسے صریف کہتے ہیں۔

اور اس سے مراد اللہ تعالیٰ کے وہ فیصلے ہیں جن کو فرشتے لکھتے ہیں اور تقدیر جو لکھی گئی ہے وہ قدیم ہے جب کہ لکھنا حادث ہے اور احادیث مبارکہ کا ظاہر بتاتا ہے کہ لوح محفوظ میں سب کچھ لکھ دیا گیا اور جو کچھ اس میں ہے اس سے قلم خشک ہو گئے اور یہ سب کچھ آسمانوں اور زمین کی تخلیق سے پہلے ہوا اور یہ تحریر فرشتوں کے رجسٹروں میں اس طرح ہے' جس طرح اصل (تنے) سے شاخیں نکلتی ہیں اور اس میں باقی رکھنا بھی ہے اور مٹانا بھی جس طرح ایک روایت میں آیا ہے۔[1]

ابن قیم نے کہا کہ قلمیں بارہ ہیں اور ان کے درجات میں اختلاف ہے' جس قلم کی قدر و منزلت سب سے زیادہ ہے وہ قلم تقدیر ہے جو سبقت کرنے والی ہے اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کی تقدیر لکھی ہے جیسا کہ سنن ابن داؤد میں حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں میں نے نبی اکرم ﷺ سے سنا آپ نے فرمایا۔

اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے قلم کو پیدا کیا اور اس سے فرمایا ''لکھ'' اس نے عرض کیا اے میرے رب! میں کیا لکھوں؟ فرمایا قیامت تک آنے والی ہر چیز کی تقدیر لکھ۔ یہ سب سے پہلا اور سب سے زیادہ عظمت والا قلم ہے متعدد مفسرین نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اسی قلم کی قسم کھائی ہے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۷۰۰' مسند احمد ج ۵ ص ۳۱۷' السنن الکبریٰ ج ۱۰ ص ۲۰۴' مشکوۃ المصابیح رقم الحدیث: ۹۴' مجمع الزوائد ج ۷ ص ۱۲۸' جمع الجوامع رقم الحدیث: ۶۳۷۵' اتحاف السادۃ المتقین ج ۱ ص ۳۵۴' المعجم الکبیر ج ۱۱ ص ۴۳۳' کنز العمال رقم الحدیث: ۵۹۷۔ ۱۵۱۱۶۔ ۱۵۱۱۷)

دوسرا قلم' قلم وحی ہے۔

تیسرا قلم' اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام کو لکھنے والا قلم ہے۔

چوتھا قلم' بدنوں کی طب کا قلم ہے' جس کے ذریعے بدنوں کی صحت محفوظ ہوتی ہے۔

پانچواں قلم' بادشاہوں اور ان کے نائبین کے احکام کا قلم ہے اور اسی کے ذریعے ممالک کی سیاست قائم ہوتی ہے۔

چھٹا قلم' حساب کا قلم ہے' جس کے ذریعے مالوں کو ضبط و تحریر میں لایا جاتا ہے یعنی وہ کہاں سے آئے ہیں' کہاں جاتے ہیں اور ان کی مقدار کیا ہے اور یہ رزقوں کا علم ہے۔

ساتواں قلم' حکم کا قلم ہے' جس کے ساتھ حقوق قائم ہوتے اور فیصلے نافذ ہوتے ہیں۔

آٹھواں قلم' شہادت کا قلم ہے' جس کے ذریعے حقوق کی حفاظت ہوتی ہے۔

---

[1] ابن دحیہ نے اسے ذکر کیا اور ابن منیر نے ان کی اتباع کی اور یہ اضافہ کیا کہ یا لوح محفوظ کی اصل جس سے لوح پر لکھا جاتا ہے وہ علم غیب قدیم ہے جو مٹنے اور باقی رہنے سے پاک ہے لیکن اس وقت لوح و قلم نہ تھا۔ زرقانی ج ۶ ص ۸۹)

نواں قلم' تعبیر کا قلم ہے اور یہ قلم نیند کی حالت میں ہونے والی وحی اُس کی تفسیر اور تعبیر کو لکھتا ہے۔
دسواں قلم' عالمی تاریخ اور واقعات کو لکھتا ہے۔
گیارہواں قلم' لغت اور اس کی تفصیل کا قلم ہے۔
بارہواں قلم' جامع قلم ہے جو اہل باطل کے رد اور تحریف کرنے والوں کے اعتراضات کو دور کرنے والا قلم ہے۔
پس ان قلموں کے ساتھ مصالحِ عالم کا نظام قائم ہے اور قلم کی بزرگی کے لئے یہی بات کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کتب اسی سے لکھی گئیں اور اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں اس کی قسم کھائی ہے۔ (ابن قیم کی کتاب) "اقسام القرآن" سے خلاصہ پیش کیا گیا۔

جنت کی صفت

"صحیح مسلم میں اور" دوسری کتب میں کچھ زیادتی کے ساتھ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

ثم ادخلت الجنة فاذا فیھا جنابذ اللؤلؤ واذا ترابھا المسک.
پھر مجھے جنت میں داخل کیا گیا تو اس میں موتیوں کے گنبد تھے اور اس کی مٹی کستوری تھی۔

جنابذ۔ جیم اور نون دونوں پر زبر ہے پھر الف اور اس کے بعد ذال ہے اور اس کا معنیٰ قبے (گنبد) ہے اور اس کی تائید صحیح بخاری کی باب التفسیر میں مذکور حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے ہوتی ہے وہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں انہوں نے فرمایا کہ جب نبی اکرم ﷺ کو معراج شریف کرایا گیا تو آپ نے فرمایا:

اتیت علی نھر حافتاہ قباب اللؤلؤ.
میں ایک نہر پر آیا جس کے کنارے موتیوں کے گنبد تھے۔

اور "صحیح بخاری کی" کتاب الصلوٰۃ میں ہے:

واذا فیھا حبائل اللؤلؤ.
اور اس میں موتیوں کی رسیاں تھیں۔

حضرت قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ تصحیف ہے (یعنی عبارت بدلی گئی ہے)۔
حضرت امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے نقل کیا جس کے الفاظ اس طرح ہیں۔
ان دونوں (حضور علیہ السلام اور حضرت جبریل علیہ السلام) کے لئے آسمان کے دروازے کھولے گئے تو آپ فرماتے ہیں میں نے جنت اور جہنم کو دیکھا۔
حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ آپ پر جنت کو پیش کیا گیا اور اس کے انار گویا ڈول ہوں اور اس کے پرندے بختی اونٹوں جتنے تھے اور آپ پر جہنم کو پیش کیا گیا تو وہ یوں تھی کہ اگر اس میں پتھر اور لوہا ڈال دیا جائے تو وہ اسے کھالے۔
"صحیح مسلم میں" حضرت ہمام کے طریق سے ہے وہ حضرت قتادہ سے اور وہ حضرت انس (رضی اللہ عنہم) سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا۔
اس دوران کہ میں جنت کی سیر کر رہا تھا میں نے ایک نہر دیکھی جس کے کناروں پر گول موتیوں کے قبے تھے اور اس

کا گارا نہایت خوشبودار کستوری تھی حضرت جبریل علیہ السلام نے بتایا کہ یہ حوض کوثر ہے۔

حضرت ابوعبیدہ بن عبداللہ بن مسعود اپنے والد (رضی اللہ عنہما) سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے نبی اکرم ﷺ سے فرمایا اے میرے بیٹے! آج رات آپ اپنے رب سے ملاقات کریں گے اور آپ کی امت تمام امتوں میں آخری اور سب سے کمزور امت ہے اگر آپ اپنی امت کی کوئی حاجت پوری کر سکتے ہیں تو کر لیں (یعنی ان کے لئے برکت کی دعا کریں)۔

امام بیہقی رحمہ اللہ نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہے جس میں یوں ہے (کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا)۔

پھر مجھے ساتویں آسمان کی طرف لے جایا گیا فرمایا پھر مجھے سدرۃ المنتہیٰ کی طرف اٹھایا گیا تو اس کے ہر پتے نے اس امت کو ڈھانپ رکھا تھا اور اس میں ایک چشمہ ہے جسے سلسبیل کہا جاتا ہے اس سے دو نہریں نکلتی ہیں ایک کو کوثر کہا جاتا ہے اور دوسری کا نام نہر رحمت ہے میں نے اس میں غسل کیا تو میرے تمام خلاف اولیٰ کام پہلے اور پچھلے بخش دیئے گئے پھر مجھے جنت کی طرف اٹھایا گیا تو ایک لونڈی میرے سامنے آئی میں نے پوچھا تو کس کی لونڈی ہے؟ اس نے کہا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی لونڈی ہوں۔

اس حدیث میں یہ بھی ہے کہ اس (سدرہ درخت) کا پھل گویا مٹکے ہیں پھر میرے سامنے جہنم کو پیش کیا گیا تو اس میں اللہ تعالیٰ کا غضب' جھڑک اور عذاب تھا کہ اگر پتھروں اور لوہے کو اس میں ڈالا جائے تو وہ اسے کھا لے پھر مجھ پر اسے بند کر دیا گیا۔

طبرانی میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ (نبی اکرم ﷺ نے فرمایا) جب وہ رات آئی جب مجھے آسمان کی طرف لے جایا گیا تو مجھے جنت میں داخل کیا گیا پس میں جنت کے درختوں میں سے ایک ایسے درخت کے پاس کھڑا ہوا جس سے زیادہ خوبصورت' زیادہ سفید اور نہایت عمدہ پھل والا درخت میں نے نہیں دیکھا میں نے اس کے پھل میں سے کچھ پھل لے کر کھایا تو وہ میری پیٹھ میں مادۂ منویہ بن گیا جب میں زمین کی طرف اترا اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے قریب ہوا تو وہ' حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ حاملہ ہو گئیں۔ یہ حدیث ضعیف ہے۔

اس حدیث سے یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ واقعہ معراج حضرت خاتون جنت کی ولادت سے پہلے پیش آیا حالانکہ آپ نبوت (کے اعلان) سے سات سال اور کچھ ماہ پہلے پیدا ہوئیں اور اس میں کوئی شک نہیں کہ واقعہ معراج' اعلان نبوت کے بعد ہوا۔

ابوالحسن بن غالب نے ستر ہزار سات سو ستر پردوں کے سلسلے میں مروی احادیث میں کلام کیا اور اسے ابوربیع بن سبع کی طرف منسوب کیا کہ انہوں نے ''شفاء الصدور میں'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا وہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے حدیث معراج کا ابتدائی حصہ ذکر کیا جیسا کہ احادیث کی بنیادی کتب میں ہے پھر فرمایا۔

میرے پاس حضرت جبریل علیہ السلام آئے اور وہ میرے رب کی طرف میرے ہمرکاب تھے حتیٰ کہ وہ ایک مقام پر پہنچے پھر وہاں ٹھہر گئے۔ میں نے کہا اے جبریل! کیا ایسے مقام پر ایک دوست دوسرے دوست کو چھوڑ دیتا ہے؟ انہوں نے

کہا اگر میں اس سے آگے بڑھوں تو میں نور سے جل جاؤں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا اے جبریل! تمہاری کوئی حاجت ہے؟ عرض کیا اے محمد ﷺ آپ اللہ تعالیٰ سے سوال کریں کہ وہ میرے بازو کو آپ کی امت کے لئے کھول دے حتیٰ کہ وہ اس پر سے گزریں نبی اکرم ﷺ فرماتے ہیں پھر مجھے نور میں اچھی طرح ڈالا گیا اور میرے ذریعے ستر ہزار حجابات کو پھاڑا گیا ان میں سے کوئی حجاب بھی دوسرے حجاب جیسا نہ تھا اور مجھ سے ہر انسان اور فرشتے کا احساس ختم ہو گیا اس وقت مجھے تنہائی کا احساس ہوا تو کسی ندا دینے والے نے مجھے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی آواز میں پکارا اور کہا ٹھہریئے آپ کا رب صلوٰۃ پڑھ رہا ہے میں اس سلسلے میں غور کر رہا تھا اور کہہ رہا تھا کہ کیا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ مجھ سے سبقت کر گئے ہیں کہ اتنے میں اللہ تعالیٰ بلند و بالا کی طرف سے آواز آئی اے تمام مخلوق میں سے بہتر! قریب ہو جاؤ اے احمد! قریب ہو جاؤ اے محمد! قریب ہو جاؤ (ﷺ) چاہیے کہ حبیب قریب ہو جائے۔

پس میرے رب نے مجھے قریب کیا حتیٰ کہ میں اس طرح ہو گیا جس طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى ○ (النجم: ۸۔۹)

پھر وہ جلوہ نزدیک ہوا پھر خوب اتر آیا تو اس جلوے اور اس محبوب میں دو ہاتھ کا فاصلہ رہا بلکہ اس سے بھی کم۔

آپ فرماتے ہیں میرے رب نے مجھ سے سوال کیا تو میں جواب نہ دے سکا تو اللہ تعالیٰ نے اپنا دست قدرت میرے کاندھوں کے درمیان رکھا (جیسا کہ اس کے شایانِ شان ہے اس کی کوئی کیفیت اور حد بندی نہیں ہے) پس میں نے اس کی ٹھنڈک کو اپنے سینے میں پایا تو اللہ تعالیٰ نے مجھے پہلوں اور پچھلوں کا علم عطا فرمایا اور مجھے مختلف علوم عطا کئے۔

ایک علم کے چھپانے کا مجھ سے وعدہ لیا کیونکہ اس کو اٹھانے پر میرے سوا کوئی قادر نہیں اور دوسرے علم کے بارے میں مجھے اختیار دیا نیز اللہ تعالیٰ نے مجھے قرآن سکھایا۔ حضرت جبریل علیہ السلام مجھے یاد دلاتے تھے اللہ تعالیٰ نے مجھے ایک ایسا علم بھی دیا جسے امت کے عام و خاص تک پہنچانے کا حکم دیا میں نے ایک آیت کے سلسلے میں حضرت جبریل علیہ السلام سے جلدی کی جو آیت انہوں نے مجھ پر اتاری تو میرے رب نے اس پر مجھے تنبیہ فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا:

وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْاٰنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يُّقْضٰٓى اِلَيْكَ وَحْيُهٗ وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا ○ (طٰہٰ: ۱۱۴)

اور قرآن میں جلدی نہ کرو جب تک اس کی وحی تمہیں پوری نہ ہو لے اور عرض کرو کہ اے میرے رب مجھے علم زیادہ دے۔

پھر میں نے کہا یا اللہ! جب مجھے تیرے پاس آنے سے پہلے وحشت محسوس ہوئی تو میں نے ایک منادی کو سنا جو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی زبان کے مشابہ زبان میں پکار رہا تھا اس نے مجھے کہا ٹھہر جاؤ تمہارا رب صلوٰۃ پڑھ رہا ہے تو مجھے دونوں باتوں پر تعجب ہوا کیا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس مقام کی طرف مجھ سے سبقت کی نیز میرا رب صلوٰۃ (نماز) پڑھنے سے بے نیاز ہے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

میں اس بات سے بے نیاز ہوں کہ کسی کے لئے نماز پڑھوں بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ میں کہتا ہوں:

سبحانی سبحانی سبقت رحمتی غضبی: میں پاک ہوں میں پاک ہوں میری رحمت میرے غضب سے سبقت لے گئی۔

اے محمد ﷺ! پڑھیے:

هُوَ الَّذِیْ یُصَلِّیْ عَلَیْكُمْ وَ مَلٰٓىِٕكَتُهٗ لِیُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِؕ وَ كَانَ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَحِیْمًا○ (الاحزاب:۴۳)

وہی ہے جو تم پر رحمت بھیجتا ہے اور اس کے فرشتے بھی (رحمت کی دعا مانگتے ہیں) تا کہ تمہیں اندھیروں سے روشنی کی طرف نکالے اور وہ مؤمنوں پر مہربان ہے۔

پس میری صلوٰۃ آپ کے لئے اور آپ کی امت کے لئے رحمت ہے اور آپ کے ساتھی (حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ) کا معاملہ یہ ہے کہ آپ کے بھائی حضرت موسیٰ علیہ السلام کا انس عصا کے ساتھ تھا جب ہم نے ان سے کلام کا ارادہ کیا تو ہم نے کہا:

وَمَا تِلْكَ بِیَمِیْنِكَ یٰمُوْسٰى قَالَ هِیَ عَصَایَ. (طٰہٰ:۱۸)

اے موسیٰ علیہ السلام آپ کے دائیں ہاتھ میں کیا ہے تو انہوں نے عرض کیا یہ میرا عصا ہے۔

تو عصا کے ذکر سے بہت بڑی ہیبت سے ان کی توجہ ہٹ گئی اسی طرح اے محمد ﷺ! جب آپ اپنے ساتھی حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ مانوس تھے اور آپ کو اور ان کو ایک ہی مٹی سے پیدا کیا گیا نیز وہ دنیا اور آخرت میں آپ کے ساتھی ہیں تو ہم نے ایک فرشتے کو ان کی صورت میں پیدا کیا جس نے آپ کو ان کی زبان میں پکارا تا کہ آپ سے وحشت دور ہو جائے اور بہت بڑی ہیبت دور ہو جائے جو آپ کو اس بات سے دور کرنے والی ہے جس کے فہم کا آپ سے ارادہ کیا گیا پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

حضرت جبریل علیہ السلام کی حاجت کہاں ہے؟ میں نے کہا یا اللہ! تو خوب جانتا ہے پھر فرمایا اے محمد! ﷺ میں نے ان کے سوال کو پورا کیا لیکن ان لوگوں کے بارے میں جو آپ سے محبت کریں اور آپ کے ساتھی بنیں۔

ایک روایت میں ہے کہ (آپ نے فرمایا) میں آگے بڑھا اور حضرت جبریل علیہ السلام میرے پیچھے تھے حتیٰ کہ وہ مجھے سونے سے بنے ہوئے بچھونے کے حجاب تک لے گئے انہوں نے حجاب کو حرکت دی تو کہا گیا یہ کون ہے؟ انہوں نے کہا میں جبریل ہوں اور میرے ساتھ حضرت محمد ﷺ ہیں فرشتے نے اللہ اکبر کہا پس اپنا ہاتھ پردے کے نیچے سے نکالا اور مجھے اٹھا کر پلک جھپکنے سے بھی زیادہ جلدی اپنے سامنے رکھ دیا حجاب کی موٹائی پانچ سو سال کی مسافت سے بھی زیادہ تھی اس نے کہا اے محمد! ﷺ آگے بڑھیں میں آگے چلا تو فرشتہ پلک جھپکنے سے بھی زیادہ تیزی سے مجھے موتیوں کے حجاب میں لے گیا اور حجاب کو حرکت دی فرشتے نے حجاب کے پیچھے سے کہا کون ہے؟ کہا میں سونے کے حجاب والا فلاں ہوں اور یہ حضرت محمد ﷺ میرے ساتھ ہیں جو رب العزت کے رسول ہیں اس نے کہا ''اللہ اکبر'' پھر حجاب کے نیچے سے ہاتھ نکالا اور مجھے اٹھا کر اپنے سامنے رکھ دیا میں اسی طرح ایک پردے سے دوسرے پردے تک جاتا رہا حتیٰ کہ ستر حجابات سے آگے چلا گیا ہر حجاب کی موٹائی پانچ سو سال کی مسافت کے برابر تھی پھر مجھ سے کہا اے محمد! ﷺ آگے بڑھئے میں آگے بڑھا تو ایک فرشتہ مجھے سبز رفرف کے قریب لے گیا جس کی روشنی سورج کی روشنی پر غالب تھی میری آنکھیں چندھیا گئیں۔

اور مجھے رفرف پر رکھا گیا پھر مجھے اٹھا کر عرش تک پہنچایا گیا تو میں نے ایک بہت بڑا معاملہ دیکھا جسے زبانیں بیان

نہیں کرسکتیں پھر عرش سے ایک قطرہ میرے قریب کیا گیا میں نے اسے زبان پر رکھا تو چکھنے والوں نے کبھی اس سے زیادہ میٹھی چیز چکھی نہیں ہوگی تو اللہ تعالیٰ نے مجھے پہلوں اور پچھلوں کی خبریں دیں اور میرے دل کو روشن کردیا اس کے عرش کے نور نے میری آنکھوں کو ڈھانپ لیا تو مجھے کچھ بھی دکھائی نہ دیا پس میں اپنے دل سے دیکھنے لگا اور آنکھوں سے نہیں دیکھتا تھا۔ میں نے اپنے پیچھے اور کاندھوں کے درمیان سے اسی طرح دیکھا جیسے میں اپنے سامنے دیکھتا تھا۔

یہ روایت اور اس سے پہلے والی روایت ''شفاء الصدور'' میں نقل کی گئی ہے جیسا کہ ابن غالب نے ذکر کیا پس اس سلسلے میں ناقل ذمہ دار ہے۔

حجاب اور اس کا معنیٰ

حجابات کی کثرت صحیح طرق میں مروی نہیں ہے اور اس سلسلے میں صرف صحیح مسلم کی روایت صحیح ہے اس میں یوں ہے:

حجابه النور. (صحیح مسلم رقم الحدیث:۲۹۳) اس کا حجاب نور ہے۔

رفرف' بچھونا ہے کہا گیا ہے کہ اصل میں باریک ریشم سے نہایت عمدہ طریقے پر بنے ہوئے بچھونے کو رفرف کہتے ہیں لیکن اب اس میں وسعت آ گئی ہے۔

یہ بات جان لو کہ اس بلند مقام پر جو حجاب کا ذکر کیا گیا ہے تو وہ مخلوق کے حق میں ہے خالق عزوجل کے حق میں نہیں اللہ تعالیٰ کی ذات اس سے پاک ہے کہ کوئی اس سے پردے میں ہو' کیونکہ پردہ ایک محسوس مقدار کو محیط ہوتا ہے پس تمام مخلوق اسماء' صفات اور افعال کے معانی کے ذریعے اس سے پردے میں ہیں اور تمام مخلوقات کے لئے انوار اور ظلمات کے معانی سے معلوم حجاب سے ایک مقام ہے اسی طرح ادراک اور معرفت سے ایک حصہ ہے جو اس کے لئے منقسم ہے اور مخلوق میں اللہ تعالیٰ کے سب سے زیادہ قریب وہ فرشتے ہیں جو عرش کو گھیرے ہوئے ہیں اور مقربین ہیں اور یہ ہیبت' عظمت کبریائی' جلال' قدس اور قیومیت کے نور کے ساتھ پردوں میں ہیں ذات' صفات کے پردے میں ہے اور وہ اس سے پردے میں ہونے کے اعتبار سے مختلف طبقات میں ہیں ہر ایک کا ایک معلوم مقام اور درجہ ہے خلاصہ یہ ہے کہ تمام مخلوقات خالق سے حجاب میں نہیں ایک قوم کا حجاب یہ ہے کہ وہ نعمت کو منعم (انعام دینے والے) کی طرف سے نہیں دیکھتے دوسری جماعت حال کو حال عطا کرنے والے کی طرف سے سمجھنے میں حجاب میں ہے نیز وہ سبب کو مسبب کی طرف سے جاننے میں حجاب میں ہے ایک جماعت کا حجاب یہ ہے کہ وہ علم کو معلم کی طرف سے' فہم کو فہم دینے والے کی طرف سے اور عقل کو عقل عطا کرنے والے کی طرف سے نہیں جانتی اور ان سب کا مطلب یہ ہے کہ انعامات کو منعم کی طرف سے اور عطیات کو معطی کی طرف سے نہیں سمجھتے۔

ایک قوم جائز خواہشات کے ذریعے اور کچھ لوگ حرام خواہشات' گناہوں اور برائیوں کے ذریعے حجاب میں ہیں ایک قوم مال' بیٹوں اور دنیوی زندگی کی زینت کے ذریعے حجاب میں ہے۔

یا اللہ! دنیا میں ہمارے دلوں کو اور آخرت میں ہماری آنکھوں کو اپنی ذات سے حجاب میں نہ کرنا اے کریم!

"ثم دنا فتدلّٰی" کی تفسیر

صحیح روایت میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے آپ فرماتے ہیں جب حضرت جبریل علیہ السلام مجھے سدرۃ المنتہیٰ کی طرف لے گئے اور جبار ذات قریب ہوئی جو عزت وجلال والا ہے تو اس قدر قریب ہوا کہ دو کمانوں کے درمیان جتنا یا اس سے بھی کم فاصل رہ گیا تو اس نے اپنے بندے کی طرف وحی بھیجی جو وحی بھیجی۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۷۵۱۷)

اور یہ قرب جو اس حدیث میں اور معراج شریف سے متعلق دیگر احادیث میں مروی ہے اس سے وہ قرب مراد نہیں جو سورۂ نجم میں اس طرح بیان ہوا:

ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰی فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰی ۝ (النجم:۸-۹) پھر وہ جلوہ نزدیک ہوا پھر خوب اتر آیا تو اس جلوے اور اس محبوب میں دو ہاتھ کا فاصلہ رہا بلکہ اس سے بھی کم۔

اگرچہ دونوں جگہ الفاظ ایک جیسے ہیں۔

صحیح یہ ہے کہ آیت میں اس سے حضرت جبریل علیہ السلام مراد ہیں کیونکہ سورت کے اول میں درج ذیل آیت تک جو کچھ مذکور ہے اس سے وہی مراد ہیں۔

ارشاد خداوندی ہے:

وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰی عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰی ۝ (النجم:۱۳-۱۴) اور انہوں نے تو وہ جلوہ دو بار دیکھا سدرۃ المنتہیٰ کے پاس۔

نبی اکرم ﷺ نے صحیح حدیث میں اسی طرح وضاحت فرمائی ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں میں نے نبی اکرم ﷺ سے اس آیت کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا اس سے حضرت جبریل علیہ السلام مراد ہیں میں نے ان کو ان کی اصل صورت میں صرف دو مرتبہ دیکھا ہے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث:۲۸۷' مسند ابوعوانہ ج ا ص ۱۵۴' جامع ترمذی رقم الحدیث:۳۲۷۸' مسند احمد ج ۶ ص ۲۳۶)

اور قرآن مجید کے الفاظ کئی وجوہ سے اس کے غیر پر دلالت نہیں کرتے۔

پہلی وجہ: اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

عَلَّمَهٗ شَدِيْدُ الْقُوٰی ۝ (النجم:۵) انہیں سکھایا سخت قوتوں والے طاقتور نے۔

اور اس سے جبریل علیہ السلام مراد ہیں جن کو سورۂ تکویر میں قوت کے ساتھ موصوف کیا۔

دوسری وجہ: ارشاد خداوندی ہے:

ذُوْ مِرَّةٍ (النجم:۶) (جلوہ)

یعنی حسن خلق والے اور یہ وہی کریم ہیں جن کا ذکر سورۂ تکویر میں ہے۔

تیسری وجہ: ارشاد خداوندی:

فَاسْتَوٰی وَهُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰی ۝ (النجم:۶) پھر (اس جلوہ نے) قصد فرمایا اور وہ آسمان بریں کے سب سے بلند کنارے پر تھا۔

اور اس (افق اعلیٰ) سے بلند آسمان کا کنارہ مراد ہے اور اس سے حضرت جبریل علیہ السلام کا استواء مراد ہے اللہ تعالیٰ کا استواء عرش پر ہے۔

چوتھی وجہ: ارشاد خداوندی ہے:

ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى ○ (النجم: ۸۔۹) پھر وہ جلوہ نزدیک ہوا پھر خوب اتر آیا تو اس جلوے اور اس محبوب میں دو ہاتھ کا فاصلہ رہا بلکہ اس سے بھی کم۔

اس سے حضرت جبریل علیہ السلام کا قرب مراد ہے اور وہ زمین کی طرف اترے تھے جب کہ نبی اکرم ﷺ وہیں زمین پر تھے۔ اور جو "دنو اور تدلی" حدیثِ معراج میں ہے تو رسول اکرم ﷺ آسمانوں کے اوپر تھے پس وہاں اللہ تعالیٰ جو جبار ہے وہ حضور علیہ السلام کے قریب ہوا اور اس کا جلوہ خوب اتر آیا۔

پانچویں وجہ: ارشاد خداوندی ہے:

وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى ○ عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى ○ (النجم: ۱۳۔۱۴) اور انہوں نے تو وہ جلوہ دو بار دیکھا سدرۃ المنتہٰی کے پاس۔

اور سدرۃ المنتہٰی کے پاس قطعی طور پر جو شخصیت تھی وہ حضرت جبریل علیہ السلام تھے اور نبی اکرم ﷺ نے بھی یہی وضاحت فرمائی آپ نے فرمایا وہ جبریل علیہ السلام تھے۔

چھٹی وجہ: ارشاد خداوندی "ولقد راٰہ" "دنا فتدلی" "فاستوی" اور "وھو بالافق الاعلی" میں ضمیر ایک ہی ہے پس یہ بات جائز نہیں کہ کسی دلیل کے بغیر مفسرین کے نزدیک اس ضمیر کا مرجع مختلف ہو۔

ساتویں وجہ: اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ یہ جو قریب ہوا اور اترا پھر مزید قریب ہوا وہ افق اعلیٰ میں تھا اور وہ آسمان کا افق ہے بلکہ اس سے نیچے ہے پس وہ زمین کے قریب ہوا پھر رسول اکرم ﷺ کے قریب ہوا اور اللہ تعالیٰ کا قرب جیسا کہ حضرت شریک رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے وہ عرش پر تھا زمین کی طرف نہ تھا۔

پھر اللہ تعالیٰ نے یوں فرمایا:

مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى ○ (النجم: ۱۷) **آنکھ نہ کسی طرف پھری نہ حد سے بڑھی۔**

اس آیت کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب ﷺ سے عام دیکھنے والے بے ادب کی حرکت کی نفی فرمائی کہ وہ شخص جب بادشاہوں یا دیگر عظیم شخصیات کے سامنے کھڑا ہوتا ہے تو دائیں بائیں توجہ کرتا ہے اور اس کی نگاہ سامنے والے سے تجاوز کر جاتی ہے اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کے کمالِ ادب کو بیان فرمایا کہ اس مقام پر اور بارگاہ خداوندی میں حاضری کے وقت آپ نے کسی دوسری جانب توجہ نہ فرمائی یعنی اللہ تعالیٰ کی آیات جو آپ کو دکھائی گئیں اور دیگر عجائبات جو وہاں تھے ان کو دیکھتے رہے بلکہ آپ اس بندے کی طرح رہے جس کا ادب اس کو اسی چیز کی طرف متوجہ کرتا ہے جو اس کو دکھائی جاتی ہے کسی دوسرے جانب توجہ نہیں کرتا اور جو کچھ دکھایا نہیں جاتا اس کی جانب بھی متوجہ نہیں ہوتا اس میں جہاں ادب ہے وہاں دل کا ثبات، سکون اور طمانیت بھی ہے اور یہ انتہائی درجہ کا کمال ہے (ابن قیم نے) "مدارج السالکین" میں لکھا ہے کہ اس آیت میں عجیب و غریب اسرار ہیں جو آداب کی گہرائیوں سے ہیں اور سب سے زیادہ کامل انسان کے لائق ہیں

آپ پر اللہ تعالیٰ کی رحمتیں اور سلامتی ہو۔

اس مقام پر آپ کی بصارت و بصیرت باہم متفق ہو گئیں اور انہوں نے ایک دوسرے کی تصدیق کی پس جو کچھ ظاہری نگاہ نے دیکھا باطنی نگاہ نے اس کی موافقت کی اور جو کچھ آپ کی بصیرت نے دیکھا وہ بھی حق تھا اور آنکھ نے اس کی گواہی دی پس آپ کے حق میں دونوں کا اتفاق ہوا یعنی جو کچھ آپ نے آنکھ سے دیکھا دل نے اس کو جھٹلایا نہیں۔ اسی لئے ہشام اور ابو جعفر نے اسے اس طرح پڑھا:

مَا كَذَّبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰیO دل نے اس کو جھٹلایا نہیں جسے آپ نے دیکھا تھا۔

یعنی ذال پر شد پڑھی یعنی دل نے نگاہ کو جھٹلایا نہیں بلکہ اس کی تصدیق کی اور دل و نگاہ کی صحت کے ساتھ دونوں میں موافقت ہوگئی۔ اور جو کچھ آنکھ اور دل سے دیکھا وہ حق ہے۔

جمہور کی قرأت میں ذال پر شد نہیں ہے اور یہ متعدی ہے اور ''مـا رای'' اس کا مفعول ہے یعنی جو کچھ آپ کی آنکھ نے دیکھا دل نے اس سے جھوٹ نہیں کہا بلکہ اس کی موافقت کی۔

پس آپ کے دل کا جسم کی ظاہر کا باطن کی اور آنکھ کا بصیرت کی موافقت کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ دل نے آنکھ کو جھٹلایا نہیں اور نگاہ نے اپنی حد سے تجاوز نہیں کیا اور اس نے جس کو دیکھا اس سے تھک کر بھٹک نہیں گئی بلکہ نگاہ کو اس پر اعتدال حاصل رہا نہ اس نے اس سے تجاوز کیا نہ دوسری طرف مائل ہوئی کیونکہ دل میں اعتدال تھا اور وہ کلی طور پر اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ تھا اور دوسروں سے اعراض کر رہا تھا یعنی دل مکمل طور پر اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوا اور اس کے غیر سے بالکل منہ پھیر لیا۔

جس طرح آنکھ بھٹکتی اور سرکشی کرتی ہے اسی طرح دل بھی بھٹکتا اور سرکشی کرتا ہے لیکن آپ کے دل میں کجی نہیں آئی کہ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر اس کے غیر کی طرف متوجہ ہو اور جس مقام پر وہ تھا اس سے تجاوز کے ذریعے سرکشی بھی نہیں کی اور یہ بارگاہِ خداوندی کے ادب اور انتہائی کمال کی دلیل ہے اور اس میں کوئی دوسرا شخص' نبی اکرم ﷺ کے ساتھ شریک نہیں ہے۔

عام نفوس کی عادت ہوتی ہے کہ جب ان کو کسی بلند مقام پر کھڑا کیا جائے وہ اس سے بلند اور اوپر والے مقام کی طرف دیکھتے ہیں کیا تم نہیں دیکھتے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ہم کلامی اور مناجات کا مقام دیا گیا تو آپ کے نفس نے دیدار خداوندی کا مطالبہ کیا اور ہمارے نبی اکرم ﷺ کو جب اس مقام پر کھڑا کیا گیا تو آپ نے اس کا حق ادا کیا اور آپ کی نگاہ اور دل نے دوسری طرف بالکل توجہ نہ کی اسی لئے آپ کے راستے میں کوئی رکاوٹ نہ آئی اور نہ آپ کی مراد رکی حتیٰ کہ آپ ساتوں آسمانوں سے گزر گئے اور آپ کے ارادے کو کوئی رکاوٹ پیش نہ آئی اور آپ کی ہمت' کمال عبودیت سے پہلے نہیں رکی اور اسی لئے آپ کی سواری' سفر میں حد نگاہ سے تجاوز کر جاتی تھی اور وہ وہاں قدم رکھتی جہاں نگاہ پہنچتی اور وہ اپنے سوار کا انداز اختیار کر رہی تھی کہ آپ اپنی سیر میں تمام عالم سے آگے نکل گئے پس براق کا قدم اس کی نگاہ کی جگہ سے پیچھے نہیں رہتا تھا جس طرح نبی اکرم ﷺ کا قدم مبارک اپنے نکل معرفت سے پیچھے نہیں رہتا تھا۔

نبی اکرم ﷺ مسلسل کمال ادب کی نہایت اور مرتبہ زندگی کی تکمیل میں رہے حتیٰ کہ آسمانوں کے پردے پھٹ

گئے اور آپ ساتوں آسمانوں سے آگے نکل کر سدرۃ المنتہیٰ سے آگے بڑھ گئے اور ایسے محل قرب میں پہنچے جس کے ذریعے تمام پہلوں اور پچھلوں سے سبقت لے گئے پس وہاں قرب کی کئی اقسام کا فیضان ہوا اور حجابات کے بادل چھٹتے چلے گئے وہ ظاہری تھے یا باطنی ایک ایک حجاب اٹھتا گیا اور آپ کو ایسے مقام پر کھڑا کیا گیا جس پر انبیاء و مرسلین بھی رشک کرتے تھے۔

پس جب قیامت کے دن نبی اکرم ﷺ کو قرب کامل کے مقام پر کھڑا کیا جائے گا جہاں پہلے اور پچھلے آپ پر رشک کریں گے اور وہاں آپ صراط مستقیم پر ہوں گے یعنی اللہ تعالیٰ کے ساتھ کمال ادب کا مظاہرہ فرمائیں گے تو آنکھ نہ کسی طرف پھرے گی نہ حد سے بڑھے گی تو اس دنیا میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو حق اور ہدایت کے سب سے زیادہ سیدھے راستے پر کھڑا کیا اور اپنے کلام قدیم کے ساتھ ذکر حکیم میں اس بات کی قسم کھائی۔ چنانچہ ارشاد خداوندی ہے:

یٰسٓ ○ وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ ○ اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ○ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ○ (یٰسین: ۱۔۴) حکمت والے قرآن کی قسم! بے شک سیدھی راہ پر بھیجے گئے ہو۔

پس جب قیامت کا دن ہوگا تو اللہ تعالیٰ آپ کو پل صراط پر کھڑا کرے گا تو آپ اپنی اتباع کرنے والوں اور اہل سنت کے لئے سلامتی کی دعا مانگیں گے حتیٰ کہ وہ نعمتوں والے باغات کی طرف چلے جائیں گے اور یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ بہت بڑے فضل والا ہے۔

پھر یہاں جس قرب کا ذکر ہے اس سے محبت اور قرب کی تاکید نیز منزلت اور مرتبہ کی بلندی مراد ہے۔ حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جب محبوب کو محبوب کا انتہائی قرب حاصل ہوا تو بہت زیادہ ہیبت طاری ہوگئی پس اللہ تعالیٰ نے انتہائی لطف و کرم سے آپ کو نوازا اور یہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے:

فَاَوْحٰٓى اِلٰى عَبْدِهٖ مَآ اَوْحٰى ○ (النجم: ۱۰) پس اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے کی طرف وحی فرمائی جو وحی فرمائی۔

یعنی جو کلام دونوں کے درمیان ہوا اور حبیب نے اپنے محبوب سے وہی کہا جو ایک محب اپنے محبوب سے کہتا ہے اور جس طرح ایک محب اپنے محبوب پر مہربان ہوتا ہے پس اس راز کو پوشیدہ رکھا اور اس پر کوئی بھی مطلع نہ ہوا یعنی کیا وحی فرمائی یہ وہی جانتا ہے جس نے وحی فرمائی (یا جس کی طرف وحی ہوئی)۔

فَاَوْحٰٓى اِلٰى عَبْدِهٖ مَآ اَوْحٰى

حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کے غیر نے کہا کہ اس آیت میں وحی کو اس کی عظمت کی وجہ سے مبہم رکھا کیونکہ بعض اوقات ابہام تعظیم کے لئے ہوتا ہے پس یہ مبہم ہے اس پر اطلاع نہیں ہوتی بلکہ صرف ایمان لانے کا حکم ہے۔

یہ بھی کہا گیا کہ احادیث مبارکہ میں اس کی تفسیر آئی ہے۔ حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کی طرف یہ وحی فرمائی ہے:

اَلَمْ اَجِدْكَ يَتِيْمًا فَاٰوَيْتُكَ اَلَمْ اَجِدْكَ ضَآلًّا فَهَدَيْتُكَ اَلَمْ اَجِدكَ عائلا کہا میں نے آپ کو یتیم نہیں پایا پس آپ کو ٹھکانہ دیا کیا میں نے آپ کو اپنی محبت میں وارفتہ نہ پایا' پھر راہ دکھائی

فاغنیک.
کیا حاجت مند نہ پایا پھر آپ کو بے نیاز کر دیا۔

اور یہ بھی وحی فرمائی:

اَلَمْ نَشْرَحْ لَکَ صَدْرَکَ ○ وَوَضَعْنَا عَنْکَ وِزْرَکَ ○ الَّذِیْٓ اَنْقَضَ ظَھْرَکَ ○ وَرَفَعْنَا لَکَ ذِکْرَکَ ○ (الانشراح:۱۔۴)

کیا ہم نے آپ کے لئے آپ کے سینہ مبارکہ کو نہیں کھولا اور آپ سے وہ بوجھ نہیں اتارا جس نے آپ کی پیٹھ کو دوہرا کر دیا تھا اور ہم نے آپ کے لئے آپ کے ذکر کو بلند کیا۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف وحی فرمائی کہ اے محمد! ﷺ جب تک آپ جنت میں داخل نہیں ہوں گے باقی انبیاء کرام علیہم السلام پر یہ حرام رہے گی اور جب تک آپ کی امت داخل نہ ہو دوسری امتوں پر حرام رہے گی۔ یہ بات ثعلبی اور قشیری نے نقل کی ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرح وحی فرمائی کہ میں نے آپ کو حوض کوثر کے ساتھ خصوصیت عطا کی پس تمام جنتی پانی کے ساتھ آپ کے مہمان ہوں گے اور ان کے لئے شراب' دودھ اور شہد بھی ہوگا یہ بات قشیری نے ذکر کی ہے۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ آپ کی طرف اس بات کی وحی ہوئی جو دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کی طرف ہوئی کیونکہ ارشاد خداوندی ہے:

مَا یُقَالُ لَکَ اِلَّا مَا قَدْ قِیْلَ لِلرُّسُلِ مِنْ قَبْلِکَ.
آپ سے وہی کچھ کہا جاتا ہے جو آپ سے پہلے رسولوں سے کہا گیا۔

اور ایک قول یہ ہے کہ پانچ نمازوں کی وحی کی گئی۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت جسے امام بیہقی رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے اس میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ سے فرمایا سوال کیجئے' آپ نے عرض کیا (یا اللہ) تو نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خلیل بنایا اور ان کو بہت بڑی سلطنت عطا کی' حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا' حضرت داؤد علیہ السلام کو بہت بڑی بادشاہی عطا کی اور ان کے لئے لوہے کو نرم کر دیا نیز ان کے لئے پہاڑوں کو مسخر کیا' حضرت سلیمان علیہ السلام کو بہت بڑی حکومت دی اور ان کے لئے انسانوں' جنوں اور شیطانوں کو نیز ہواؤں کو مسخر کیا اور انہیں ایسی بادشاہی عطا کی جو ان کے بعد کسی کے لئے مناسب نہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو تورات وانجیل سکھائی اور انہیں یہ اعزاز بخشا کہ وہ مادرزاد اندھوں اور کوڑھ کے مریضوں کو شفاء دیتے اور تیرے حکم سے مردوں کو زندہ کرتے نیز ان کو اور ان کی ماں کو شیطان مردود سے محفوظ رکھا پس شیطان کا ان دونوں پر بس نہیں چلتا تھا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں نے آپ کو اپنا حبیب بنایا پس تورات وانجیل میں آپ کا ذکر "حبیب الرحمٰن" کے الفاظ کے ساتھ ہے نیز میں نے آپ کو لوگوں کے لئے کفایت کرنے والا' خوشخبری سنانے والا اور ڈر سنانے والا بنا کر بھیجا آپ کے لئے آپ کے سینے کو کھول دیا اور آپ سے آپ کے بوجھ کو اتارا نیز آپ کے لئے آپ کے ذکر کو بلند کیا پس جہاں میرا ذکر ہوگا وہاں آپ کا ذکر بھی ہوگا میں نے آپ کی امت کو تمام امتوں میں سے بہترین امت بنایا جسے لوگوں کے فائدے

کے لئے پیدا کیا گیا آپ کی امت کو درمیانی (بہترین) امت بنایا اور آپ کی امت کو ہی پہلے اور پچھلے لوگ بنایا نیز آپ کی امت کو یوں بنایا کہ ان کا کوئی خطبہ اس وقت تک جائز نہ ہوگا جب تک وہ اس بات کی گواہی نہ دیں کہ آپ میرے بندے اور میرے رسول ہیں۔

نیز میں نے آپ کی امت میں کچھ ایسے لوگوں کو پیدا کیا کہ ان کے دل ان کی انجیل ہیں آپ کو تمام انبیاء کرام سے پہلے پیدا فرمایا اور سب سے آخر میں مبعوث کیا اور سب سے پہلے آپ کے بارے میں فیصلہ ہوگا میں نے آپ کو سبع مثانی (سورۂ فاتحہ جس کی سات آیات بار بار پڑھی جاتی ہیں) عطا کی جو آپ سے پہلے کسی نبی کو نہیں عطا کی اور آپ کو سورۂ بقرہ کی آخری آیات اپنے عرش کے نیچے سے عطا کیں جو آپ سے پہلے کسی کو عطا نہیں کیں۔

میں نے آپ کو کوثر عطا کی نیز آٹھ حصے عطا کئے' اسلام' ہجرت' جہاد' نماز' صدقہ' رمضان کے روزے' نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا میں نے آپ کو (نبوت کا دروازہ) کھولنے والا اور آخری نبی بنایا۔

اس روایت کی سند میں ابو جعفر رازی کو بعض حضرات نے ضعیف قرار دیا ہے ابو زرعہ نے کہا کہ اس راوی پر تہمت ہے ابن کثیر نے کہا زیادہ ظاہر بات یہ ہے کہ اس کا حافظہ صحیح نہیں ہے۔

لفظ عبد کے ساتھ موصوف ہونا

حضرت امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ نے اپنے والد سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں میں نے ابو القاسم سلیمان انصاری سے سنا وہ کہتے تھے جب نبی اکرم ﷺ معراجوں کے سلسلے میں بلند درجات اور مراتب رفیعہ تک پہنچے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف وحی بھیجی اے محمد! ﷺ آپ کو کس وصف سے مشرف کیا جائے؟ تو آپ نے عرض کیا اے میرے رب! مجھے اپنی طرف بندگی کے ساتھ منسوب فرما تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

سُبْحَانَ الَّذِيْٓ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ. وہ ذات پاک ہے جس نے اپنے بندے کو سیر کرائی۔

تو اللہ تعالیٰ نے آپ کا یہ نام رکھا کیونکہ آپ کے لئے اسم اعظم ثابت ہے اور آپ تمام صفات سے موصوف ہیں

پس حقیقت میں یہ نام آپ کے لئے ہی درست ہے اور آپ کے بعد اقطاب کے لئے تبعاً ہے حقیقتاً نہیں اگرچہ آپ کے غیر پر اس کا اطلاق مجازاً ہوتا ہے۔ ادیب برہان الدین قیراطی پر اللہ تعالیٰ رحم فرمائے انہوں نے کیا عمدہ بات کہی ہے فرماتے ہیں:

ودعتنی بالعبد یوما فقالوا قد دعته باشرف الاسماء

''اس نے ایک دن مجھے عبد کہہ کر پکارا تو لوگوں نے کہا اس نے سب سے اچھے نام کے ساتھ پکارا ہے''۔

اشارات

بعض اہل اشارہ نے فرمایا۔

اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ سے فرمایا اے محمد! میں نے آپ کو اپنا نور عطا کیا جس سے آپ میرے جمال کو دیکھتے ہیں ایسی سماعت عطا کی جس سے میرا کلام سنتے ہیں اے محمد! میں زبان حال سے آپ کو اپنی طرف عروج کا معنیٰ بتاتا ہوں اے محمد! میں نے آپ کو لوگوں کی طرف گواہ' خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا اور گواہ سے اس بات کی حقیقت کا

مطالبہ کیا جاتا ہے جس کی وہ گواہی دیتا ہے میں آپ کو اپنی جنت دکھاؤں گا تا کہ آپ اس چیز کی گواہی دیں جو میں نے اس میں اپنے دوستوں کے لئے تیار کی ہے اور آپ کو اپنا جہنم دکھاؤں گا تا کہ آپ اس چیز کا مشاہدہ کریں جو میں نے اس میں اپنے دشمنوں کے لئے تیار کی ہے پھر میں آپ کو اپنے جلال کا مشاہدہ کراؤں گا اور آپ کے لئے اپنے جمال کو ظاہر کروں گا تا کہ آپ کو معلوم ہو جائے کہ میں اپنے کمال میں تشبیہ اور نظیر سے بے نیاز ہوں اور مجھے کسی وزیر و مشیر کی ضرورت نہیں ہے۔

پس نبی اکرم ﷺ نے اللہ تعالیٰ کو اس نور سے دیکھا جس کے ساتھ اس نے آپ کو قوت عطا کی اس میں ادراک اور احاطہ نہ تھا اللہ تعالیٰ ایک اور بے نیاز ہے نہ وہ کسی چیز میں ہے اور نہ کسی چیز سے ہے۔

نہ وہ کسی چیز کے ساتھ قائم ہے اور نہ کسی کے اوپر قائم ہے اور نہ ہی وہ کسی چیز کا محتاج ہے اس کی مثل کوئی چیز نہیں۔

جب اللہ تعالیٰ نے آپ سے آمنے سامنے گفتگو کی اور کسی رکاوٹ کے بغیر مشاہدہ کرایا تو آپ سے کہا گیا اے محمد! ﷺ اس خلوت کا ایک راز ہونا چاہیے جو نہ پھیلے اور ایسی رمز جو شائع نہ ہو پس اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے کی طرف وحی فرمائی جو وحی فرمائی۔

پس یہ ایک راز ہے جس پر کوئی مقرب فرشتہ اور کوئی نبی مرسل مطلع نہ ہوا اور زبان حال سے پڑھا:

بین المحبین سر لیس یفشیہ — قول ولا قلم فی الکون یحکیہ
سر یمازجہ انس یقابلہ — نور تحیر فی بحر من التیہ

"دو محبت کرنے والوں کے درمیان ایک راز ہے جسے کوئی قول اور قلم اس عالم میں فاش نہیں کرتے جو اس کو بیان کریں ایک ایسا راز جس میں انس ملا ہوا ہے اس کے مقابل نور ہے جو تیہ کے سمندر میں حیران ہے"۔

جب آپ عرش پر پہنچے تو عرش نے آپ کا دامن پکڑ لیا اور زبان حال سے پکارا اے محمد! ﷺ! آپ کا وقت ہر قسم کی تشویش سے صاف ہے اللہ تعالیٰ نے اپنی وحدت کے جمال کا مشاہدہ کرایا اور اپنی صمدیت (بے نیازی) کے جلال پر مطلع کیا میں اس کا شوق اور اس کی حسرت رکھتا ہوں اس میں حیران ہوں میں نہیں جانتا کہ کس راستے سے اس کے پاس آؤں۔

اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنی مخلوق میں سے سب سے بڑا بنایا پس میں ہیبت کے اعتبار سے سب سے بڑا ہوں' میری حیرت سب سے زیادہ اور خوف بھی شدید تر ہے۔ اے محمد! ﷺ اللہ تعالیٰ نے مجھے پیدا کیا پس میں اس کے جلال کی ہیبت سے کانپتا ہوں اس نے میرے پایوں پر لکھا "لا الہ الا اللہ"۔

تو اس کے نام کی ہیبت سے میری کپکپاہٹ بڑھ گئی پس اس نے "محمد رسول اللہ" لکھا تو اس سے میرا اضطراب ختم ہو گیا تو یہ میرا خوف ہے۔ تو آپ کا اسم گرامی میرے دل کا کمال اور میرے اندر کا اطمینان ہے آپ کے اسم گرامی کے مجھ پر لکھے جانے کی برکت ہے تو کیسے ہوگا جب آپ کی نظر جمیل مجھ پر پڑے گی اے محمد! ﷺ آپ رسول ہیں' تمام جہانوں کے لئے رحمت ہیں تو مجھے بھی اس رحمت سے حصہ ملنا چاہیے اور اے میرے حبیب! میرا حصہ یہ ہے کہ آپ اس چیز سے

میری برأت کی گواہی دیں جو جھوٹے لوگوں نے مجھ سے منسوب کر رکھی ہے اور دھو کے باز لوگ میرے بارے میں کہتے ہیں۔

وہ لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ بے مثل ذات مجھ میں سمائی ہوئی ہے اور میں نے بے کیف ذات کا احاطہ کر رکھا ہے۔ اے محمد! ﷺ جس کی ذات حد سے پاک اور صفات شمار سے پاک ہوں وہ میرا محتاج کیسے ہوسکتا ہے یا وہ مجھ پر کیسے سوار ہوسکتا ہے جب کہ رحمٰن اس کا نام اور استواء اس کی صفت ہے اور اس کی صفت اس کی ذات سے متصل ہے تو مجھ سے اس کا اتصال یا علیحد گی کا کیا مطلب ہے؟

اے محمد! ﷺ اس کی عزت کی قسم اس کا قرب وصل اور اس سے دوری فصل نہیں (بلکہ میں اس کی مخلوق ہوں)۔ اس کا مجھ پر قادر ہونا سوار ہونا نہیں اس نے اپنی رحمت اور فضل سے مجھے وجود عطا کیا اگر وہ مجھے مٹا دے تو اسے اس بات کا حق پہنچتا ہے اور یہ عدل ہے اے محمد! ﷺ میں اس کی قدرت کے تابع ہوں اور مجھ میں اس کی حکمت کار فرما ہے۔

تو ہمارے سردار نے اللہ تعالیٰ آپ کے فضل و شرف کو زیادہ فرمائے زبان حال سے جواب دیا اے عرش! اپنا کام کرو میں تمہاری طرف متوجہ نہیں ہوں میرے تخلیہ کو خراب نہ کرو اور نہ اس میں تشویش پیدا کرو پس نبی اکرم ﷺ نے نہ اس کی طرف نظر اٹھائی اور نہ اس لکھے ہوئے میں سے کوئی حرف پڑھا یا جو آپ کی طرف وحی ہوئی کیونکہ:

مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی O (النجم:۱۷) آنکھ نہ کسی طرف پھری نہ حد سے بڑھی۔

معراج شریف سے متعلق بعض روایات میں ہے جسے علامہ ابن مرزوق رحمہ اللہ نے "بردۃ المدیح کی" شرح میں ذکر کیا کہ جب نبی اکرم ﷺ کو قرب خداوندی حاصل ہوا تو آپ نے عرض کیا۔

یا اللہ! تو نے بعض امتوں کو پتھروں کے ذریعے عذاب دیا بعض کو زمین میں دھنسانے کے ذریعے اور بعض کو چہرے مسخ کر کے عذاب دیا۔ میری امت سے کیا سلوک فرمائے گا؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں ان پر رحمت نازل کروں گا اور ان کے گناہوں کو نیکیوں میں بدل دوں گا ان میں سے جو شخص مجھے پکارے گا میں اس کو جواب دوں گا جو مانگے گا اسے عطا کروں گا جو مجھ پر توکل کرے گا میں اسے کفایت کروں گا۔ میں دنیا میں گناہ گاروں کی پردہ پوشی کروں گا اور آخرت میں ان کے بارے میں آپ کی شفاعت قبول کروں گا اور اگر یہ بات نہ ہوئی کہ محب اپنے محبوب کو تنبیہ کرنا پسند کرتا ہے تو میں آپ کی امت کا محاسبہ نہ کرتا۔

نبی اکرم ﷺ نے واپسی کا ارادہ کیا تو عرض کیا اے میرے رب! ہر آنے والے کے لئے سفر سے تحفہ ہوتا ہے میری امت کا تحفہ کیا ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا جب تک وہ زندہ رہیں گے میں ان کی مدد کروں گا جب مریں گے' جب قبروں میں ہوں گے اور جب ان کو (قیامت کے دن) اٹھایا جائے گا تو بھی میں ان کے لئے (مددگار) ہوں گا۔

اللہ تعالیٰ کا دیدار

قدیم وجدید علماء کرام نے اس بارے میں اختلاف کیا ہے کہ آیا شب معراج نبی اکرم ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا ہے یا نہیں؟

ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی رائے

امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت مسروق رضی اللہ عنہ کی روایت سے نقل کیا ہے وہ فرماتے ہیں میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کیا اے ماں! حضرت محمد ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا ہے؟ انہوں نے فرمایا تمہاری بات سے میرے بال کھڑے ہوگئے تم ان تین باتوں سے کہاں ہو کہ جو شخص وہ تین باتیں تم سے بیان کرے اس نے جھوٹ بولا۔ جو شخص تم سے بیان کرے کہ حضرت محمد ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا اس نے جھوٹ بولا پھر انہوں نے یہ آیت پڑھی:

لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ ○ (الانعام:۱۰۳)

آنکھیں اس کا احاطہ نہیں کر سکتیں اور وہ آنکھوں کا (اپنے علم سے) احاطہ کرتا ہے اور وہ لطیف خبر رکھنے والا ہے۔

اور یہ آیت پڑھی:

وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ. (الشوریٰ:۵۱)

اور کسی انسان کے لئے لائق نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس سے کلام کرے مگر وحی کے ذریعے یا پردے کے پیچھے سے۔

اور جو شخص تم سے بیان کرے کہ وہ کل کی بات جانتا ہے تو اس نے جھوٹ کہا پھر یہ آیت پڑھی: [1]

وَمَا تَدْرِیْ نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا. (القمان:۳۴)

اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ وہ کل کیا کرے گا۔

اور جو آدمی تم سے بیان کرے کہ نبی اکرم ﷺ نے کوئی بات چھپائی ہے تو اس نے جھوٹ کہا پھر ام المؤمنین نے یہ آیت پڑھی:

يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ. (المائدہ:۶۷)

اے رسول ﷺ آپ پہنچا دیجئے وہ بات جو آپ کی طرف آپ کے رب کی طرف سے اتاری گئی۔

لیکن آپ نے حضرت جبریل علیہ السلام کو دو بار دیکھا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث:۴۸۵۵)

"صحیح مسلم کی" روایت میں ہے (ام المؤمنین نے فرمایا) جو شخص تم سے بیان کرے کہ حضرت محمد ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا تو اس نے سب سے بڑا جھوٹ بولا۔

ام المؤمنین کا یہ فرمانا کہ میرے بال کھڑے ہوگئے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ تم نے جو بات کہی ہے اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے خوف سے میرے رونگٹے کھڑے ہوگئے اور ان کا عقیدہ یہ تھا کہ اس عمل سے اللہ تعالیٰ کی ذات پاک ہے۔

حضرت امام نووی رحمہ اللہ نے دوسروں کی اتباع میں فرمایا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کسی مرفوع حدیث سے دیدار خداوندی کا انکار نہیں کیا اور اگر ان کے پاس ایسی روایت ہوتی تو وہ اسے ذکر کرتیں بلکہ انہوں نے آیت کے ظاہر میں اجتہاد کیا۔

---

[1] درایت کا معنی ہے اپنے آپ جاننا اور یقیناً کوئی بھی شخص اللہ تعالیٰ کے بتائے بغیر اپنے آپ نہیں جانتا لہٰذا یہاں درایت کی نفی ہے علم کی نہیں جسے اللہ تعالیٰ عطا فرمائے۔۱۲ ہزاروی

لیکن اس سلسلے میں دیگر صحابہ کرام نے ام المؤمنین کی مخالفت کی ہے اور جب کوئی صحابی ایک بات کہے اور دوسرے صحابہ کرام اس کی مخالفت کریں تو بالاتفاق یہ قول حجت نہیں ہوتا۔

حافظ ابوالفضل عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں حضرت امام نووی رحمہ اللہ کا یہ کہنا کہ ام المؤمنین نے اس سلسلے میں کسی مرفوع حدیث کے ذریعے دیدار خداوندی کی نفی نہیں کی ابن خزیمہ نے بھی اس سلسلے میں ان کی اتباع کی ہے اور یہ عجیب بات ہے" صحیح مسلم میں" ام المؤمنین سے ثابت ہے اور امام نووی نے" صحیح مسلم کی" شرح لکھی ہے" (صحیح مسلم میں) داؤد بن ہند کے طریق سے مروی ہے وہ حضرت شعبی سے اور وہ حضرت مسروق سے مذکورہ طریق پر نقل کرتے ہیں حضرت مسروق فرماتے ہیں میں تکیہ لگائے ہوئے تھا پس میں بیٹھ گیا اور عرض کیا کیا اللہ تعالیٰ نے نہیں فرمایا:

وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰی ۝ (النجم:۱۳) اور انہوں نے تو وہ جلوہ دوبارہ دیکھا۔

ام المؤمنین نے فرمایا میں اس امت کی سب سے پہلی شخصیت ہوں جس نے نبی اکرم ﷺ سے اس بارے میں پوچھا میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا آپ نے اپنے رب کو دیکھا ہے تو آپ نے فرمایا نہیں (بلکہ) میں نے حضرت جبریل علیہ السلام کو اترتے ہوئے دیکھا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی رائے

ہاں آیت کریمہ سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے استدلال کا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے انکار کیا ہے۔ امام ترمذی نے حضرت حکم بن ابان کے طریق سے نقل کیا وہ حضرت عکرمہ سے اور وہ حضرت ابن عباس (رضی اللہ عنہم) سے روایت کرتے ہیں انہوں نے فرمایا: رای محمد ربہ۔ حضرت محمد ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا۔ میں نے کہا کیا اللہ تعالیٰ نے: لا تدرکہ الابصار۔ آنکھیں اس کا احاطہ نہیں کرسکتیں۔ نہیں فرمایا؟ انہوں نے فرمایا افسوس اے عکرمہ! یہ اس کے نور کی ایک تجلی تھی اور آپ نے اپنے رب کو دو مرتبہ دیکھا۔

(جامع ترمذی رقم الحدیث: ۳۲۷۹)

امام قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس آیت میں لفظ" الابصار" پر الف لام استغراق کا ہے پس یہ تخصیص کو قبول کرتا ہے اور اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد گرامی سے بطور سمع ثابت ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

کَلَّآ اِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ یَوْمَىِٕذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ ۝ (المطففین:۱۰) ہاں بے شک وہ اس دن اپنے رب کے دیدار سے محروم ہیں۔

تو اس سے کافر مراد ہیں کیونکہ دوسری آیت اس بات کی دلیل ہے۔ ارشادِ خداوندی ہے:

وُجُوْهٌ یَّوْمَىِٕذٍ نَّاضِرَةٌ ۝ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ۝ (القیامۃ:۲۲۔۲۳) کچھ منہ (چہرے) اس دن تر و تازہ ہوں گے اپنے رب کی طرف دیکھتے۔

تو جب آخرت میں دیدار جائز ہے تو دنیا میں بھی جائز ہے کیونکہ دونوں وقت اس ذات کے حوالے سے برابر ہیں جسے دیکھا جا رہا ہے یہ نہایت عمدہ استدلال ہے۔

حضرت قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کو دیکھنا عقلاً جائز ہے اور عقلی طور پر یہ محال نہیں ہے اس کے جواز

پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کا سوال ہے جو دیکھنے کے بارے میں کہا گیا۔

پھر فرمایا شریعت میں اس کے محال ہونے پر کوئی قطعی دلیل نہیں اور نہ ہی اس کے ممنوع پر کوئی دلیل ہے کیونکہ ہر موجود کو دیکھنا جائز ہے محال نہیں ہے اور اس کا انکار کرنے پر استدلال کرنے والوں کے لئے ''لا تدرکہ الابصار'' میں کوئی دلیل نہیں کیونکہ اس آیت کی مختلف تاویلات ہیں۔

ابن ابی حاتم نے اپنی سند سے حضرت اسماعیل بن علیہ سے اس کی تاویل یوں نقل کی ہے کہ اس سے دنیا میں دیکھنا مراد ہے۔

اور دوسرے حضرات فرماتے ہیں کہ پوری آنکھ سے دیکھنا مراد ہے اور اس آیت میں یوں تخصیص کی گئی ہے کہ آخرت میں مؤمن کے لئے رؤیت باری تعالیٰ ثابت ہے۔

آخرت میں رؤیت کا ثبوت

معتزلہ میں سے کچھ لوگوں نے آیت سے یوں سمجھا کہ دنیا اور آخرت دونوں جگہ دیدار نہیں ہوگا۔

لیکن اہل سنت و جماعت نے اس سلسلے میں ان کی مخالفت کی ہے علاوہ ازیں معتزلہ نے اس سلسلے میں کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ سے جہالت کا ارتکاب کیا ہے۔

قرآن مجید سے جہالت اس اعتبار سے کہ ارشاد خداوندی ہے:

وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ۝ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ۝ کچھ منہ (چہرے) اس دن تر و تازہ ہوں گے اپنے رب کی طرف دیکھتے۔ (القیامۃ: ۲۲-۲۳)

اور ارشادِ خداوندی ہے:

كَلَّآ اِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ ۝ ہرگز نہیں بے شک وہ اس دن اپنے رب کے دیدار سے محروم ہیں۔ (المطففین: ۱۵)

سنتِ رسول ﷺ سے ان کی جہالت یہ ہے کہ متواتر روایات میں حضرت ابوسعید، حضرت ابوہریرہ، حضرت انس، حضرت جریر، حضرت صہیب، حضرت بلال اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نبی اکرم ﷺ سے روایت کیا کہ آپ نے فرمایا۔ قیامت کے دن مؤمن اللہ تعالیٰ کو میدان محشر میں اور جنتی باغات میں دیکھیں گے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان لوگوں میں کر دے۔ (آمین)

''لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ'' کے بارے میں آراء

ایک قول یہ ہے کہ آیت کریمہ میں عقل کے ذریعے ادراک کی نفی ہے حافظ ابن کثیر نے فرمایا یہ تاویل نہایت عجیب و غریب ہے اور آیت کے ظاہر کے خلاف ہے۔

دوسرے حضرات نے فرمایا کہ رؤیت کے ثبوت اور ادراک کی نفی میں کوئی منافات نہیں کیونکہ ادراک رؤیت کے مقابلے میں خاص ہے اور خاص کی نفی سے عام کی نفی لازم نہیں آتی۔

پھر ان لوگوں کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ جس ادراک کی نفی کی گئی ہے وہ کیا ہے؟ تو کہا گیا ہے کہ اس سے معرفت حقیقت مراد ہے کیونکہ اس کو صرف اللہ تعالیٰ جانتا ہے اگرچہ مؤمنوں کو اس کا دیدار ہوگا جس طرح ایک شخص چاند کو دیکھتا ہے تو وہ اس کی حقیقت اور ماہیت کا ادراک نہیں رکھتا تو عظمت والی ذات اس کے زیادہ لائق ہے اور اس کے لئے اعلیٰ مثال ہے۔

دوسرے حضرات نے فرمایا کہ اس سے گھیر لینے کے ساتھ ادراک مراد ہے وہ کہتے ہیں کہ اگر احاطہ نہ ہو سکے تو اس دیکھنے کی نفی لازم نہیں آتی جس طرح نہ دیکھنے سے علم کی نفی لازم نہیں آتی۔

اور صحیح مسلم میں ہے:

لا احصی ثناء علیک انت کما اثنیت علی نفسک. میں تیری تعریف نہیں کر سکتا تو ایسا ہی ہے جس طرح تو نے خود اپنی تعریف کی ہے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث:۲۲۲' سنن نسائی رقم الحدیث:۵۱' جامع ترمذی رقم الحدیث:۳۴۹۳' ۱۱۲۰۷۵' موطا امام مالک رقم الحدیث:۳۱)

تو اس کا یہ مطلب کہ آپ نے اللہ تعالیٰ کی ثناء بیان نہیں کی بس یہاں بھی یہی معاملہ ہے۔

حضرت ابن ابی حاتم نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا وہ رسول اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے آیت کریمہ: "لا تدرکہ الابصار آنکھیں اس کا ادراک نہیں کر سکتیں"۔ کی تفسیر میں فرمایا کہ اگر تمام جن' انسان' شیطان اور فرشتے جب سے پیدا ہوئے اس وقت سے فنا ہونے تک ایک صف میں کھڑے ہو جائیں تو وہ کبھی اللہ تعالیٰ کا احاطہ نہیں کر سکتے۔

ابن کثیر نے کہا یہ حدیث غریب ہے اور یہ صرف اسی طریق سے معروف ہے اور صحاح ستہ کے کسی مصنف نے اسے روایت نہیں کیا اور اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

"لمع الادلہ میں" امام الحرمین کی طرف منسوب ہے کہ انہوں نے فرمایا ہمارے بعض اصحاب نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کو دیکھا جا سکتا ہے لیکن اس کا ادراک نہیں ہو سکتا کیونکہ ادراک احاطہ اور غایت کو پانے کی خبر دیتا ہے جب کہ اللہ تعالیٰ غایت اور انتہاء سے پاک ہے پھر فرمایا اگر وہ اس کا مقابلہ اللہ تعالیٰ کے اس قول سے کریں جو اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے جواب میں فرمایا:

لن ترانی. آپ مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکیں گے۔

اور وہ لوگ یہ خیال کریں کہ لفظ "لن" ہمیشہ کے لئے نفی کا فائدہ دیتا ہے۔

تو ہم یہ کہتے ہیں یہ آیت دیدار خداوندی پر سب سے واضح دلیل ہے اگر یہ بات محال ہوتی تو اس کے جواز کا قائل گمراہ اور کافر ہوتا اور جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی رسالت کے لئے چنا اور نبوت کے لئے پسند کیا' اکرام و احترام کے ساتھ خاص کیا اور شرف ہمکلامی بخشا وہ کیسے اللہ تعالیٰ کے بارے میں اس بات کا عقیدہ رکھے گا جو جائز نہیں؟ اللہ تعالیٰ نے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ان کے زمانے کے لوگوں سے افضل بنایا اور اپنی دلیل (معجزات) کے ساتھ ان کی مدد کی۔

اور انبیاء کرام اس بات میں کیسے شک کر سکتے ہیں جس کا علم غیب سے تعلق ہے پس آیت کو اس بات پر محمول کیا

جائے گا کہ موسیٰ علیہ السلام نے اس بات کا عقیدہ رکھا جو جائز ہے۔
لیکن ان کا خیال یہ تھا کہ انہوں نے جس بات کے جواز کا عقیدہ رکھا ہے وہ فوری طور پر وقوع پذیر ہونے والی ہے تو جواب میں اس فوری نتیجے کی نفی کی گئی ہے۔
اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مستقبل میں رؤیت باری تعالیٰ کا سوال نہیں کیا تھا کہ نفی کو اس کی طرف پھیرا جائے اور جواب اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا آپ دیکھ نہیں سکتے یہ بات نہیں کہ میں نہیں دکھاتا۔

امام بیضاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس آیت میں اس بات پر دلیل ہے کہ فی الجملہ اللہ تعالیٰ کو دیکھنا جائز ہے کیونکہ انبیاء کرام علیہم السلام کا محال بات کا مطالبہ کرنا بھی محال ہے خاص طور پر وہ بات جو اللہ تعالیٰ سے لاعلمی کا تقاضا کرتی ہو اس لئے اللہ تعالیٰ نے جواب میں ''لن ترانی'' فرمایا ''لن اری'' نہیں فرمایا (یعنی یہ فرمایا کہ آپ نہیں دیکھ سکتے یہ نہیں فرمایا کہ میں نہیں دکھاتا)۔

حضرت قاضی عیاض رحمہ اللہ نے حضرت ابوبکر ہزلی رحمہ اللہ سے اس آیت کے ضمن میں نقل کیا کہ اس سے مراد یہ ہے کہ کسی بشر میں طاقت نہیں کہ وہ دنیا میں میری طرف نظر کر سکے اور جو میری طرف نظر کرے گا وہ مر جائے گا۔ وہ فرماتے ہیں میں نے بعض پہلے اور پچھلے بزرگوں کا قول دیکھا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ دنیا میں اللہ تعالیٰ کو دیکھنا ممتنع ہے کیونکہ دنیا والوں کی جسمانی ساخت اور قوت میں کمزوری ہے اور ان میں تبدیلی ہوتی رہتی ہے کیونکہ ان میں آفات اور فنا کا دخل بھی ہوتا ہے پس ان میں اللہ تعالیٰ کو دیکھنے کی قوت نہیں ہوتی۔
لیکن آخرت میں ان کی ترکیب دوسری ہوگی اور ان کو ثابت اور باقی رہنے والی قوت دی جائے گی نیز ان کی نگاہوں اور دلوں کا نور مکمل ہوگا تو وہ اسے دیکھنے پر قادر ہوں گے۔
فرماتے ہیں میں نے حضرت مالک بن انس رضی اللہ عنہ سے بھی اسی قسم کا قول دیکھا ہے وہ فرماتے ہیں دنیا میں اللہ تعالیٰ کو دیکھا نہیں جا سکتا کیونکہ وہ باقی ہے اور فانی کے ساتھ باقی کو دیکھا نہیں جاتا۔ اور آخرت میں ان کو باقی رہنے والی نگاہیں دی جائیں گی اور باقی کو باقی کے ساتھ دیکھا جائے گا۔
یہ نہایت عمدہ کلام ہے اور اس میں دیدار خداوندی کے محال ہونے پر صرف یہ دلیل ہے کہ یہاں قوت زیادہ نہیں پس جب اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے کسی بندے کو قوت دے اور دیدار کی مشقت اٹھانے پر قادر کر دے تو اس کے حق میں یہ دیدار ممتنع نہیں ہوگا۔
ان کا یہ فرمانا کہ ''مگر ضعفِ قوت کی وجہ سے ممتنع ہے'' یہ استثناء منقطع ہونی چاہیے معنیٰ یہ ہوگا لیکن ضعفِ قوت کی وجہ سے منع ہے ورنہ (استثناء متصل ہونے کی صورت میں زیادہ سے زیادہ یہ ہوگا کہ یہ ضعف مانع ہوگا) یعنی ضعف قوت کی وجہ سے منع ہے محال ہونے کی وجہ سے نہیں اور اس پر ان کا یہ قول دلالت کرتا ہے کہ ''جب اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندے کو قوت عطا کرے اور دیکھنے کی مشقت اٹھانے پر طاقت دے تو اس کے حق میں منع نہیں ہے''۔
''صحیح مسلم میں'' ایسی روایت موجود ہے جو اس فرق کی تائید کرتی ہے۔

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

واعلموا انکم لن تروا ربکم حتی تموتوا. اور جان لو کہ تم اپنے رب کو ہرگز نہیں دیکھ سکو گے حتیٰ کہ مر جاؤ۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث:۹۵' جامع ترمذی رقم الحدیث: ۲۲۳۵)

اس حدیث کو ابن خزیمہ نے بھی حضرت ابوامامہ اور عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہما کی روایت سے نقل کیا ہے۔

شرعی طور پر رؤیت کا جائز نہ ہونا

اگر چہ دنیا میں دیدار خداوندی کا پایا جانا بطور عقل جائز ہے لیکن شرعی اعتبار سے منع ہے اور جس نے اس کو نبی اکرم ﷺ کے لئے ثابت کیا ہے وہ کہتا ہے کہ متکلم اپنے کلام کے عموم میں داخل نہیں ہوتا۔

ابن کثیر کے کلام میں ہے کہ بعض قدیم کتب میں اس طرح ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے اس کے دیدار کا سوال کیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے موسیٰ! کوئی زندہ مجھے نہیں دیکھ سکتا جب تک اس کا انتقال نہ ہو جائے۔

امام قشیری رحمہ اللہ نے ''الرسالہ میں'' فرمایا کہ دنیا میں بطور کرامت اللہ تعالیٰ کا دیدار جائز نہیں اور انہوں نے اس پر اجماع کا دعویٰ کیا ہے۔

حضرت قاضی عیاض رحمہ اللہ نے دنیا میں رؤیت باری تعالیٰ کے اجماع پر محدثین' فقہاء اور متکلمین کی ایک جماعت سے ممانعت کا قول نقل کیا ہے۔

امام قشیری رحمہ اللہ نے یہ بھی فرمایا کہ میں نے امام ابوبکر بن فورک سے سنا وہ کتاب ''الرؤیۃ الکبیر'' میں حضرت ابو الحسن اشعری رضی اللہ عنہ سے دو قول نقل کرتے ہیں۔

نبی اکرم ﷺ کے لئے رؤیت باری تعالیٰ کے بارے میں آراء

حضرت عائشہ اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما کا موقف یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے شب معراج اللہ تعالیٰ کو نہیں دیکھا۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے اختلاف کیا ہے۔

ایک جماعت نے اسے ثابت کیا اور عبدالرزاق نے حضرت معمر سے اور انہوں نے حضرت حسن (رحمہم اللہ) سے نقل کیا کہ انہوں نے قسم کھا کر فرمایا کہ حضرت محمد ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا۔ ابن خزیمہ نے حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے اس کا اثبات نقل کیا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے تمام شاگرد بھی یہی کہتے ہیں۔ حضرت کعب احبار اور حضرت زہری نیز ان کے شاگرد حضرت معمر اور دوسرے حضرات بھی یہی کہتے ہیں حضرت اشعری' حضرت غالب اور ان کے متبعین کا بھی یہی قول ہے۔

پھر اس بارے میں اختلاف ہے کہ آیا آپ نے اپنی آنکھوں سے دیکھا یا دل سے؟ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مطلق (دیکھنا) بھی منقول ہے اور دوسری روایات مقید بھی ہیں پس مطلق کو مقید پر محمول کیا جائے گا۔

اسی سے وہ روایت ہے جو حضرت امام نسائی رحمہ اللہ نے صحیح سند کے ساتھ نقل کی اور امام حاکم نے بھی اسے صحیح قرار

دیا یہ حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ کے طریق سے ہے وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں انہوں نے فرمایا کیا تم اس بات پر تعجب کرتے ہو کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے خلت' حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لئے کلام اور حضرت محمد ﷺ کے لئے رؤیت ہو۔

اس ضمن میں وہ حدیث بھی ہے جسے امام مسلم رحمہ اللہ نے حضرت ابوالعالیہ کے طریق سے نقل کیا وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ان دو آیتوں کی تفسیر نقل کرتے ہیں۔ ارشاد خداوندی ہے:

مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰىO جو کچھ دیکھا ہے دل نے جھٹلایا نہیں۔

اور دوسری آیت ہے:

وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰىO اور بے شک انہوں نے دوسری بار اترتے ہوئے دیکھا۔

آپ فرماتے ہیں آپ نے دونوں مرتبہ دل (کی آنکھوں) سے دیکھا امام مسلم رحمہ اللہ نے ہی بواسطہ حضرت عطاء حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے اللہ تعالیٰ کو دل سے دیکھا۔

اس سے بھی زیادہ واضح وہ حدیث ہے جسے ابن مردویہ نے حضرت عطاء کے طریق سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا آپ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے اپنی آنکھوں سے نہیں بلکہ دل سے اللہ تعالیٰ کو دیکھا۔

تو اس بنیاد پر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے اثبات اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی نفی کو یوں جمع کیا جا سکتا ہے کہ ام المومنین آنکھوں سے دیکھنے کی نفی کر رہی ہیں اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما دل سے دیکھنا ثابت کر رہے ہیں۔

لیکن امام طبرانی نے "الاوسط میں" ایسی سند کے ساتھ ذکر کیا جس کے تمام راوی سوائے جھور بن منصور کے' صحیح حدیث کے راوی ہیں اور جھور بن منصور کو ابن حبان نے ثقہ راویوں میں ذکر کیا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ حضرت محمد ﷺ نے اپنے رب کو دو مرتبہ دیکھا ایک مرتبہ آنکھ سے اور دوسری مرتبہ دل سے۔

پھر دل سے دیکھنا (جس کے لئے رویۃ الفؤاد کا لفظ استعمال ہوا اور مراد رؤیت القلب ہے) محض علم کا حصول نہیں ہے کیونکہ نبی اکرم ﷺ ہمیشہ کے لئے اللہ تعالیٰ کو جاننے والے تھے بلکہ جس نے رؤیت کو ثابت کیا ہے اس کی مراد یہ ہے کہ آپ نے دل کے ساتھ یوں دیکھا کہ آپ کے دل میں رؤیت کی تخلیق ہوتی جس طرح آنکھ میں دیکھنے کی تخلیق ہوتی ہے اور عقلی طور پر دیکھنے کے لئے کسی مخصوص چیز کی شرط نہیں اگرچہ عادتاً آنکھ میں اس کی تخلیق ہوتی ہے۔

حضرت ابن خزیمہ رحمہ اللہ نے مضبوط سند کے ساتھ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا آپ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا۔

"صحیح مسلم میں" حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی روایت سے ہے کہ انہوں نے نبی اکرم ﷺ سے اس سلسلے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا میں نے ایک نور دیکھا یعنی حجاب خداوندی نور ہے تو اس کو کیسے دیکھ سکتا ہوں اس کا معنیٰ یہ ہے کہ نور نے

مجھے دیکھنے سے روکا۔

امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک اس طرح ہے کہ آپ نے فرمایا میں نے نور دیکھا تو اللہ تعالیٰ کا نور ہونا محال ہے کہ یوں نور عرض ہے اور اللہ تعالیٰ اس سے پاک ہے۔

حضرت ابن خزیمہ رضی اللہ عنہ ان ہی (حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ) سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا آپ نے دل کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو دیکھا آنکھ سے نہیں دیکھا۔

اس سے ان کی مراد ظاہر ہوگی جو حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ انہوں نے نور کا ذکر کیا یعنی وہ نور اللہ تعالیٰ کو آنکھوں کے ساتھ دیکھنے کے راستے میں رکاوٹ بن گیا۔ ابن خزیمہ ''کتاب التوحید میں'' اثبات کی ترجیح کی طرف مائل ہوتے ہیں اور استدلال میں ایسی طوالت اختیار کی جس کا ذکر طویل ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول کو دو مرتبہ دیکھنے پر محمول کیا ایک مرتبہ دل سے اور دوسری مرتبہ آنکھ سے۔

روایات کو جمع کرنا

استاذ عبدالعزیز المہدوی رحمہ اللہ کی طرف منسوب ہے کہ انہوں نے فرمایا جب نبی اکرم ﷺ سفر معراج سے واپس ہوئے تو آپ نے تمام لوگوں کو ان کے مراتب کے مطابق خبر دی اور ہر ایک کو اس کے پیالے کے مطابق اور اس کی عقل کے اندازے پر سیراب کیا پس کفار کو جو تمام لوگوں میں آخری درجہ پر ہیں وہ بات بتائی جو راستے میں دیکھی اور جو کچھ مسجد اقصیٰ میں دیکھا نیز جن چیزوں کی ان کو پہچان حاصل تھی۔ کیونکہ وہ جسموں کے فلک میں تھے حتیٰ کہ انہوں نے اسراء (زمینی سفر) کی تصدیق کی پھر ترقی کرتے ہوئے آسمانی فلک کے بارے میں بتایا اسی طرح ہر آسمان میں جو کچھ ہوا اور آپ نے ہر فلک میں جو کچھ دیکھا اس کا ذکر فرمایا اور ان لوگوں کو یہ باتیں بتائیں جو ان باتوں کے لائق تھے یعنی ہر صحابی کو اس کے مقام و مرتبہ کے مطابق بتایا۔

ساتویں آسمان تک کا ذکر کیا جب مقام جبریل علیہ السلام تک پہنچے تو افق مبین کے بارے میں بتایا اور اس سے اوپر جو قرب خداوندی حاصل ہوا جہاں سے وحی آتی ہے اور صورتیں اور تخلیق سب ساقط ہو جاتی ہیں تو اس کے بارے میں اپنے صحابہ کرام کو بتایا پس ان میں سے بعض نے کہا کہ حضرت جبریل علیہ السلام کو افق مبین اور افق اعلیٰ میں دیکھا اور اس نے سچ کہا بعض نے دل اور بصیرت سے دیکھنے کا قول کیا تو اس نے بھی سچ کہا اور یہ حضرت عائشہ صدیقہ اور ان کے ساتھ کچھ دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں اور بعض نے کہا کہ سر کی آنکھوں سے دیکھا تو اس نے بھی سچ کہا۔

تو ہر ایک نے اسی بات کی خبر دی جو نبی اکرم ﷺ نے اس کے مقام کے مطابق اس سے بیان کی اور اس کو وہی پیالہ پلایا جو اس کے لائق تھا۔ پس جب یہ معراج صحیح ہے تو تمہیں تمام معاملہ معلوم ہو گیا اور مقام رؤیت اور اس کے قائلین کا بھی علم ہو گیا اور ان سب کی بات حق ہے۔

حضرت امام احمد رحمہ اللہ کی رائے

جن لوگوں نے نبی اکرم ﷺ کے لئے رؤیت باری تعالیٰ ثابت کی ہے ان میں حضرت امام احمد رحمہ اللہ بھی ہیں حضرت خلال (ابوعلی حسن بن علی بن محمد الخلال متوفی ۲۴۲ھ) نے ''کتاب السنن میں'' حضرت مروزی سے نقل کیا وہ

فرماتے ہیں میں نے حضرت امام احمد رحمہ اللہ سے عرض کیا کہ لوگ کہتے ہیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں جو شخص یہ گمان کرتا ہے کہ حضرت محمد ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا اس نے اللہ تعالیٰ پر بہت بڑا جھوٹ بولا۔ تو ان کے اس قول کا جواب کیسے ہوگا؟

حضرت امام احمد رحمہ اللہ نے فرمایا نبی اکرم ﷺ کے قول سے جواب دیں کہ آپ نے فرمایا ''میں نے اپنے رب کو دیکھا'' پس نبی اکرم ﷺ کا قول حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے قول سے بڑا ہے۔ (معجم المؤلفین ج ۳ ص ۲۶۱)

''الھدیٰ کے'' مصنف (ابن قیم) نے ان لوگوں کا رد کیا ہے جو خیال کرتے ہیں کہ امام احمد رحمہ اللہ نے فرمایا نبی اکرم ﷺ نے اپنے رب کو سر کی آنکھوں سے دیکھا انہوں نے کبھی فرمایا کہ حضرت محمد ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا اور کبھی فرمایا اپنے دل سے دیکھا بعض متاخرین سے منقول ہے کہ آپ نے سر کی آنکھوں سے دیکھا اور یہ نقل کرنے والے کا تصرف ہے آپ کا واضح قول موجود ہے۔

اس مسئلہ میں توقف کا قول

امام قرطبی رحمہ اللہ نے ''المفہم میں'' اس بات کو ترجیح دی ہے کہ اس مسئلہ میں توقف کیا جائے اور اس بات کو محققین کی ایک جماعت کی طرف منسوب کیا اور اس کو تقویت یوں دی کہ اس باب میں کوئی قطعی دلیل نہیں دونوں گروہوں کے دلائل کی انتہا ظاہر پر ہے اور یہ روایات ٹکراتی ہیں جو تاویل کو قبول کرنے والی ہیں۔

وہ فرماتے ہیں یہ مسئلہ عملیات میں سے نہیں کہ اس میں دلیل ظنی بھی کافی ہو بلکہ یہ اعتقادی مسائل میں سے ہے پس اس میں صرف دلیل قطعی کفایت کرے گی۔ واللہ اعلم [1]

---

[1] امام سبکی نے السیف المسلول میں اس کا رد کیا کہ اس کی شرط سے قطعی متواتر ہونا نہیں بلکہ جب حدیث صحیح ہو اگرچہ ظاہر میں اس طرح ہو اور وہ خبر واحد ہو تو اسی مسئلہ میں اس پر اعتماد جائز ہے کیونکہ یہ ان اعتقادی مسائل میں سے نہیں ہے جن میں قطعیت شرط ہے اور پھر ہم اس کے مکلف بھی نہیں ہیں۔ ۱۲ ہزاروی (زرقانی ج ۶ ص ۱۲)

3

نماز کی فرضیت

احادیثِ مبارکہ

حدیث شریف میں ہے:

ثم فرضت علی الصلوٰۃ خمسین صلاۃ فی کل یوم. پھر مجھ پر یومیہ پچاس نمازیں فرض کی گئیں۔

امام مسلم رحمہ اللہ نے حضرت ثابت بنانی سے نقل کیا وہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:

ففرض اللہ علی خمسین صلوٰۃ فی کل یوم و لیلۃ. پس اللہ تعالیٰ نے مجھ پر دن رات میں پچاس نمازیں فرض فرمائیں۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت مالک بن صعصعہ رضی اللہ عنہ سے اس جیسی روایت نقل کی ہے۔

یہ بات بھی کہی جاسکتی ہے کہ آپ پر فرضیت کا لفظ امت پر فرضیت کو مستلزم ہے اور اس کے برعکس بھی ہوسکتا ہے (یعنی جو امت پر فرض ہے وہ آپ پر بھی فرض ہے) البتہ آپ کے خصائص اس (ضابطے) سے مستثنیٰ ہیں۔

"صحیح مسلم میں ہے" حضرت ثابت رضی اللہ عنہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا "پس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف اترا تو انہوں نے پوچھا آپ کے رب نے آپ کی امت پر کیا فرض کیا؟ میں نے عرض کیا پچاس نمازیں انہوں نے کہا آپ اپنے رب کی طرف لوٹ جائیں اور تخفیف کا سوال کریں کیونکہ آپ کی امت اس کی طاقت نہیں رکھتی میں نے بنی اسرائیل کو آزمایا اور ان کا تجربہ کیا ہے آپ فرماتے ہیں میں اپنے رب کی طرف لوٹ گیا اور عرض کیا اے میرے رب! میری امت کے لئے آسانی فرمادے تو اس نے پانچ نمازیں کم کردیں پھر میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا اور کہا کہ مجھ سے پانچ نمازیں کم کردی گئیں ہیں انہوں نے کہا آپ کی امت کو اس کی طاقت بھی نہیں ہے آپ اپنے رب کی طرف لوٹ جائیں اور اس سے تخفیف کا سوال کریں نبی اکرم ﷺ فرماتے ہیں میں بار بار اپنے رب اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آتا جاتا رہا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے محمد! ﷺ! یہ دن اور رات میں پانچ نمازیں فرض ہیں اور ہر نماز کا ثواب دس کے برابر ہوگا اس طرح یہ پچاس نمازیں ہوجائیں گی"۔

پس جو شخص نیکی کا ارادہ کرے لیکن اس پر عمل نہ کرسکے اس کے لئے ایک نیکی لکھی جاتی ہے پس اگر وہ عمل کرے تو اس کے لئے دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں اور جو آدمی کسی برائی کا ارادہ کرے لیکن اس پر عمل نہ کرے اس پر کوئی گناہ نہیں لکھا جاتا اگر وہ عمل کرے تو ایک گناہ لکھا جاتا ہے آپ فرماتے ہیں میں اترا حتیٰ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات ہوئی تو میں نے ان کو خبر دی انہوں نے فرمایا اپنے رب کی طرف لوٹ جائیں اور تخفیف کا سوال کریں میں نے کہا میں اپنے رب کی طرف اتنی بار گیا ہوں کہ اب مجھے اس سے شرم آتی ہے۔

امام نسائی رحمہ اللہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں (نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ) اللہ تعالیٰ نے مجھ سے فرمایا میں نے جس دن آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا (اس دن) آپ پر اور آپ کی امت پر پچاس نمازیں فرض کی ہیں پس آپ اور آپ کی امت ان نمازوں کے ساتھ قیام کریں۔

آپ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف آنے کا بھی ذکر کیا اور اس حدیث میں یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر دو نمازیں فرض فرمائیں تو وہ ان کو ادا نہ کر سکے اور اس حدیث کے آخر میں فرمایا کہ یہ پانچ نمازیں' پچاس کی جگہ ہیں پس آپ اور آپ کی امت ان کو قائم کریں۔

نبی اکرم ﷺ فرماتے ہیں میں سمجھ گیا کہ اللہ تعالیٰ کا یہ حتمی فیصلہ ہے پس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف آیا تو انہوں نے کہا واپس جائیں تو میں واپس نہ گیا۔

سوال: حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ہمارے نبی ﷺ سے کیوں فرمایا کہ آپ کی امت اس کی طاقت نہیں رکھتی یہ کیوں نہیں فرمایا کہ آپ اور آپ کی امت کو اس کی طاقت نہیں؟

جواب: عجز اور کمزوری امت کے ساتھ مخصوص ہے نبی اکرم ﷺ تک متعدی نہیں ہوتی اللہ تعالیٰ نے آپ کو جب سے کمال عطا فرمایا آپ کو اس کی بلکہ اس سے بڑھ کر عبادت کی طاقت حاصل تھی اور ایسا کیوں نہ ہوتا جب کہ آپ کی آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں رکھی گئی ہے۔

شب معراج نماز کی فرضیت میں حکمت

عارف ابن ابی جمرہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں شب معراج کے ساتھ نماز کے فرض ہونے کی تخصیص اس لئے ہے کہ جب آپ کو معراج کرایا گیا اور آپ نے اس رات فرشتوں کو عبادت کرتے ہوئے دیکھا اور (دیکھا کہ) ان میں سے بعض کھڑے ہیں بیٹھتے نہیں کچھ رکوع میں ہیں سجدہ نہیں کرتے کچھ سجدہ ریز ہیں قعدہ نہیں کرتے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے اور آپ کی امت کے لئے ان تمام باتوں کو ایک رکعت میں جمع کر دیا کہ بندہ ان کی شرائط یعنی اطمینان اور اخلاص کے ساتھ ادا کرتا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور نماز کی فرضیت

نماز کے معاملے میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی جو عنایت اس امت پر ہے وہ کسی دوسرے کی نہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں جسے امام طبرانی اور امام بزار رحمہما اللہ نے نقل کیا اس بات کی طرف اشارہ ہے۔

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

كان موسى اشدهم على حين مررت و خيرهم لى حين رجعت.

جب میں گزرا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام مجھ پر ان سب سے زیادہ سخت تھے اور جب واپس آیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام میرے لئے سب سے بہتر تھے۔

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے آپ نے فرمایا میں واپسی پر آیا اور حضرت موسیٰ کے پاس سے گزرا تو

وہ تمہارے لئے بہترین ساتھی تھے انہوں نے پوچھا آپ کے رب نے آپ پر کتنی نمازیں فرض کی ہیں؟

حضرت امام سہیلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اس امت کی طرف توجہ کرنا اور نبی اکرم ﷺ سے امت کی سفارش کے لئے التجا کرنا اور ان پر تخفیف کا سوال کرنا اس لئے تھا (اور حقیقت اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے) کہ جب طور کی مغربی جانب ان کے لئے رسالت کا فیصلہ ہوا اور انہوں نے تختیوں میں حضرت محمد ﷺ کی امت کی صفات دیکھیں اور کہنے لگے کہ میں تختیوں میں ایک امت (کا ذکر) دیکھتا ہوں جن کی یہ یہ صفات ہیں تو یا اللہ! ان کو میری امت بنا دے آپ سے کہا گیا وہ تو حضرت محمد ﷺ کی امت ہے۔ یہ مشہور حدیث ہے اور اس امت کے خصائص کے بیان میں اس کا ذکر ہو چکا ہے تو آپ نے اس امت کا اس طرح خیال رکھا جس طرح کسی قوم کا کوئی فرد ایسا کرتا ہے۔ کیونکہ آپ نے یہ دعا مانگی "یا اللہ! مجھے ان میں سے کر دے" (تو گویا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے آپ کو امت محمدیہ میں سے سمجھ کر نمازوں کے حوالے سے تخفیف کا مشورہ دیا)۔

امام قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے نبی اکرم ﷺ کو نمازوں کے معاملے میں بار بار واپسی کا مشورہ دینے میں اس بات کا احتمال ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی امت کو نماز کے معاملے میں اس قدر مکلف بنایا گیا کہ ان سے پہلے کسی امت کو اس کا مکلف نہیں بنایا گیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نبی اکرم ﷺ کی امت کے بارے میں بھی یہی خوف تھا۔ اور ان کا یہ قول کہ میں آپ سے پہلے لوگوں کا تجربہ کر چکا ہوں اسی بات کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مؤقف میں اشارات

بعض اہل اشارہ کے کلام میں ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دل میں محبت کی آگ ٹھہر گئی تو آپ پر نور طور کے انوار روشن ہوئے تو انہوں نے ان کو لینے کے لئے جلدی کی تو روک دیا گیا پس جب منادی کی طرف سے نداء ہوئی تو آپ منادی (نداء کرنے والے) کے مشتاق ہو گئے چنانچہ آپ بنی اسرائیل میں چکر لگاتے کہ کون میرا پیغام میرے رب تک پہنچائے گا اور آپ کی مراد یہ تھی کہ حبیب کے ساتھ طویل مناجات ہو پس جب ہمارے نبی ﷺ معراج کی رات آپ کے پاس سے گزرے تو نماز کے معاملے میں بار بار واپس کیا تا کہ محبوب کے محبوب کی زیارت سے سعادت حاصل کریں۔

ایک دوسرے صاحب نے فرمایا جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے دیدار کا سوال کیا اور آپ کی خواہش پوری نہ ہوئی تو وہ شوق باقی رہا جس نے آپ کو پریشان کیا اور امید جس نے آپ کو بیمار کر دیا جب یہ بات ثابت ہوئی کہ ہمارے سردار حضرت محمد ﷺ کو جو اللہ تعالیٰ کے حبیب ہیں دیدار عطا کیا گیا ہے اور آپ کے مزید ثواب اور فضیلت کا دروازہ کھولا گیا ہے تو آپ نے کثرت سے سوال کیا تا کہ اس ذات کو دیکھنے کی سعادت حاصل کریں جس نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا۔ جیسا کہ کہا گیا:

واستنشق الارواح من نحو ارضکم — لعلی اراکم او اری من یراکم
وانشد من لاقیت عنکم عساکم — تجودون لی بالعطف منکم عساکم
فانتم حیاتی ان حییت وان امت — فیا حبذا ان مت عبد هواکم

"اور میں تمہاری زمین کی طرف سے خوشبوئیں سونگھتا ہوں شاید کہ تمہیں دیکھوں یا اس کو جو تمہیں دیکھتا ہے اور میں جس سے ملتا ہوں تمہارے بارے میں دریافت کرتا ہوں اس بات کی امید رکھتے ہوئے کہ تم اپنی طرف سے مجھ پر مہربانی کرو گے۔ پس تم میری زندگی ہو اگر میں زندہ رہوں یا مرجاؤں کیا ہی اچھا ہو اگر میں تمہاری محبت کا غلام بن کر مرجاؤں"۔

اور دوسرے شاعر نے کہا:

وانما السر فی موسی یردده لیجتلی حسن لیلی حین یشهده

یبدو سنا ها علی وجه الرسول فیا لله در رسول حین اشهده

"اور موسیٰ علیہ السلام کے (نبی اکرم ﷺ کو معراج کی رات) لوٹانے میں راز یہ تھا کہ میری (موسیٰ علیہ السلام) کی رات خوبصورت ہو جائے جب وہ (نبی علیہ السلام) جلوہ فگن ہوں۔

(اس رات) نبی اکرم ﷺ کے چہرۂ اقدس پر چمک (خوبصورتی) ظاہر ہوتی پس خدا کی قسم رسول اللہ ﷺ کی کیا شان ہے جب میں (موسیٰ علیہ السلام) ان کی زیارت کرتا ہوں"؟

ایک اور صاحب اشارات نے کہا۔

جب محبوب مقام قرب میں تشریف فرما ہوئے تو ان پر محبت کے پیالے پھیرے گئے پھر واپس لوٹے اور "ما کذب الفواد ما رای" کا چاند ان کی دونوں آنکھوں کے درمیان تھا اور "فاوحی الی عبده ما اوحی" کی خوشخبری نے ان کے دل اور کانوں کو بھر دیا پس جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس سے گزرے تو ان کی زبانِ حال نے (ہمارے نبی ﷺ سے) کہا:

یا وارداً من اهل الحی یخبرنی عن جیرتی شنف الاسماع بالخبر

نا شدتک الله یا راوی حدیثهم حدث فقد ناب سمعی الیوم عن بصر

"اے سب سے ہولناک قبیلے سے آنے والے میرے پڑوسی کے بارے میں کانوں کی بالیاں مجھے خبر دے رہی ہیں میں تجھے اللہ کی قسم دیتا ہوں اے ان کی بات کے راوی! بیان کر آج میرے کان آنکھ کی نیابت کر رہے ہیں"۔

اور ہمارے نبی ﷺ کی زبانِ حال نے جواب دیا:

ولقد خلوت مع الحبیب و بیننا سر أرق من النسیم اذا سری

و اباح طرفی نظرة املتها فغدوت معروفاً و کنت منکرا

"میں اپنے محبوب کے ساتھ خلوت میں اس طرح بیٹھا کہ ہمارے درمیان نسیم سحر سے زیادہ نرم اور خوشگوار راز تھے جبکہ وہ ہوا چلے اس نے اپنی نگاہ مجھ پر ڈالی جس کا میں امیدوار تھا تو میں معروف ہو گیا حالانکہ میں غیر معروف تھا"۔

تو ہر جماعت اپنے مذہب کا لحاظ کرتی ہیں اور ہر گروہ نے اپنے گھاٹ کو جان لیا اور اللہ تعالیٰ اپنے فضل واحسان اپنے

عفو و رضوان کے بادل عارف ربانی ابو عبد الرحمٰن سلمی پر مسلسل برسائے انہوں نے نہایت اچھا کام کیا جب انہوں نے اہل اشارات کے کلام سے لطائف معراج کو نہایت اچھے طریقے پر جمع کیا۔

فرضیتِ نماز کی حدیث سے استدلال

حدیث شریف میں جو آیا ہے کہ "یہ دن رات میں پانچ نمازیں ہیں ہر نماز دس کے برابر ہے تو کل پچاس ہوئیں"۔
تو اس سے علماء کرام نے یوں استدلال کیا ہے۔

۱۔ پانچ نمازوں سے زائد فرض نہیں جیسے وتر (فرض نہیں)۔
۲۔ فعل سے پہلے اس کا منسوخ ہونا جائز ہے۔

ابن بطال وغیرہ رحمہم اللہ نے فرمایا کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ تعالیٰ نے پچاس نمازوں کو ان کے پڑھے جانے سے پہلے پانچ نمازوں کے ساتھ منسوخ کر دیا پھر ان پر فضل فرمایا کہ ان کے لئے ثواب کو مکمل کیا۔

لیکن ابن منیر نے ان کا تعاقب کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ بات اصولیوں کے ایک گروہ اور شرح کرنے والوں نے ذکر کی ہے اور یہ ان لوگوں کیلئے مشکل ہے جو فعل سے پہلے نسخ ثابت کرتے ہیں جس طرح اشاعرہ یا اس کا انکار کرتے ہیں جیسے معتزلہ [1] کیونکہ یہ لوگ اس بات پر متفق ہو گئے کہ تبلیغ سے پہلے نسخ جائز نہیں اور حدیث معراج میں نسخ، تبلیغ سے پہلے واقع ہوا پس ان سب کے لئے یہ مشکل ہے۔

اگر ہر ایک تک پہنچنا مراد ہو تو یہ بات تسلیم نہیں اور امت کے بعض افراد تک پہنچنا مراد ہو تو یہ بات تسلیم ہے لیکن کہا جائے گا کہ یہ ان کی نسبت سے نسخ نہیں بلکہ نبی اکرم ﷺ کی نسبت سے نسخ ہے کیونکہ قطعی طور پر آپ ہی اس کے مکلف بنائے گئے پھر جب آپ تک یہ حکم پہنچا تو آپ کے عمل سے پہلے یہ حکم منسوخ ہو گیا پس آپ کے حق میں اس مسئلہ کی تصویر صحیح ہے۔

اسراء کے بارے میں قریش کا موقف

نبی اکرم ﷺ سفر معراج سے واپس تشریف لائے تو راستے میں قریش کے قافلے سے گزرے جس نے غلہ اٹھایا ہوا تھا اس قافلے میں ایک اونٹ تھا جس نے دو بورے اٹھا رکھے تھے ایک سیاہ رنگ کا بورا تھا اور دوسرا سفید تھا۔ جب آپ قافلے کے مقابل آئے تو وہ بھاگ گئے اور وہ اونٹ گر گیا۔

ایک روایت میں ہے کہ آپ ان کے ایک قافلے کے پاس سے گزرے جن کا اونٹ گم ہو گیا تھا اور اس کو فلاں شخص لایا تھا نبی اکرم ﷺ فرماتے ہیں میں نے ان لوگوں کو سلام کیا تو ان میں سے بعض نے کہا یہ حضرت محمد ﷺ کی آواز ہے پھر صبح سے پہلے آپ مکہ مکرمہ تشریف لے آئے اور جو کچھ دیکھا اپنی قوم کو بتا دیا اور ان سے فرمایا کہ میرے سفر معراج کی ایک علامت یہ بات بھی ہے جو میں تم سے کہہ رہا ہوں کہ میں فلاں فلاں مقام پر تمہارے قافلے کے پاس سے گزرا ہوں اور فلاں دن وہ تمہارے پاس آ جائیں گے۔

ان میں سے سب سے آگے سیاہ رنگ کا اونٹ ہے جس پر سیاہ ٹاٹ اور دو بورے ہیں جب وہ دن ہوا تو لوگ دیکھنے لگے حتیٰ کہ جب دو پہر قریب ہوئی تو قافلہ آ گیا ان کے آگے وہی اونٹ تھا جس کے بارے میں نبی اکرم ﷺ نے بتایا تھا۔

---

[1] مطلب یہ ہے کہ پچاس نمازوں کا حکم دیا گیا پھر منسوخ کرتے کرتے پانچ رہ گئیں حالانکہ پانچ سے زیادہ پر عمل نہیں ہوا۔ ۱۲ ہزاروی

سنن بیہقی کی ایک روایت میں ہے کہ انہوں نے آپ سے نشانی پوچھی تو آپ نے ان کو بتایا کہ قافلہ بدھ کے دن آئے گا پس جب وہ دن ہوا تو وہ لوگ نہ آئے حتیٰ کہ سورج غروب ہونے کے قریب ہوا تو آپ نے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی حتیٰ کہ وہ اسی وصف کے مطابق آگئے جو آپ نے بیان کیا تھا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے جب نبی اکرم ﷺ کو مسجد اقصیٰ کی طرف سیر کرائی گئی تو صبح آپ لوگوں سے بیان کرنے لگے تو کچھ لوگ ایمان لانے لگے اور کچھ لوگ دوڑے دوڑے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور کہنے لگے اپنے دوست کے پاس جاؤ اس کا خیال ہے کہ گذشتہ رات اسے بیت المقدس کی طرف سیر کرائی گئی ہے انہوں نے پوچھا کیا حضور علیہ السلام نے یہ بات فرمائی ہے؟ قریش کہنے لگے ہاں (کہی ہے) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا اگر حضور علیہ السلام نے یہ بات فرمائی ہے تو سچ فرمایا ہے انہوں نے کہا آپ ان کی تصدیق کرتے ہیں کہ وہ بیت المقدس تشریف لے گئے اور صبح سے پہلے پہلے واپس آگئے؟ آپ نے فرمایا ہاں میں تو اس سے بھی انوکھی بات کی تصدیق کرتا ہوں میں صبح و شام آسمانی خبروں کے بارے میں آپ کی تصدیق کرتا ہوں اسی لئے آپ کا نام ''صدیق'' ہوا۔ اس حدیث کو امام حاکم نے ''مستدرک میں'' نقل کیا۔

ابن اسحاق نے بھی اسے نقل کیا لیکن یہ اضافہ بھی فرمایا ''پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ'' نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا اے اللہ کے نبی! کیا آپ نے ان لوگوں سے بیان کیا ہے کہ آپ گذشتہ رات بیت المقدس کی طرف تشریف لے گئے ہیں؟ آپ نے فرمایا ہاں انہوں نے عرض کیا اے اللہ کے نبی! بیت المقدس کا وصف بیان کیجئے میں وہاں گیا ہوں۔

حضرت حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا پس مسجد اقصیٰ میری طرف اٹھائی گئی حتیٰ کہ میں نے اسے دیکھا نبی اکرم ﷺ اس کا وصف بیان فرماتے اور حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کہتے آپ نے سچ فرمایا میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں جب بھی آپ کوئی بات بیان کرتے (وہ یہ کلمہ کہتے)۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا یہ کہنا کہ آپ مجھ سے بیان کریں شک کی وجہ سے نہیں تھا انہوں نے تو پہلے مرحلہ میں ہی تصدیق کر دی تھی بلکہ ان کا مقصد قوم کے سامنے آپ کی صداقت کو ظاہر کرنا تھا کیونکہ وہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر اعتماد کرتے تھے تو جب نبی اکرم ﷺ کی خبر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے علم کے مواقق ہوگئی اور انہوں نے آپ کی تصدیق کر دی تو ان لوگوں کے خلاف واضح دلیل ہوگئی۔

''صحیح بخاری کی'' ایک روایت میں ہے آپ نے فرمایا:

فجلا اللہ لی بیت المقدس. پس اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس کو میرے سامنے روشن کر دیا۔

یعنی میرے اور اس کے درمیان سے پردہ اٹھا دیا حتیٰ کہ میں نے اسے دیکھا۔ صحیح مسلم کی ایک روایت میں ہے۔

انہوں نے مجھ سے کچھ باتوں کے بارے میں پوچھا جن کی مجھے (کماحقہ) پہچان نہ تھی تو میں اس قدر پریشان ہوا کہ اس سے پہلے کبھی نہ ہوا تھا تو اللہ تعالیٰ نے اسے میرے لیے اٹھا دیا کہ میں اسے دیکھ رہا تھا اور جو بات وہ پوچھتے تھے

میں بتاتا تھا۔

تو اس بات کا احتمال ہے کہ اسے اٹھا کر ایسی جگہ رکھا گیا ہو جہاں آپ اسے دیکھتے تھے پھر واپس اسی جگہ رکھ دی گئی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث جو امام احمد اور امام بزار رحمہما اللہ نے نقل کی ہے اس میں ہے کہ مسجد کو لایا گیا اور میں اسے دیکھ رہا تھا حتیٰ کہ اسے دار عقیل کے پاس رکھا گیا پس میں اسے دیکھ رہا تھا۔

یہ آپ کا نہایت بلیغ معجزہ ہے اور یہ بات محال نہیں ہے کیونکہ حضرت بلقیس کا تخت پلک جھپکنے میں حاضر کر دیا گیا تھا۔

حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا کی حدیث جسے ابن سعد نے نقل کیا اس میں ہے کہ بیت المقدس کو میرے تصور میں دیا گیا تو میں اس کی نشانیاں بتانے لگا اگر یہ حدیث ثابت ہے تو اس بات کا احتمال ہے کہ آپ کے قریب اس کی مثالی صورت رکھی گئی جس طرح ایک حدیث میں کہا گیا کہ مجھے جنت اور جہنم دکھائی گئی اور ''مسجد لائی گئی'' کی تاویل یہ ہوگی کہ اس کی مثل لائی گئی۔

حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا کی اسی روایت میں یہ بھی ہے کہ انہوں نے آپ سے پوچھا مسجد کے دروازے کتنے ہیں؟ آپ فرماتے ہیں میں نے ان کو گنا نہیں تھا چنانچہ اس کی طرف دیکھ کر ایک ایک دروازہ شمار کرنے لگا۔

حضرت ابو یعلیٰ کے نزدیک یوں ہے کہ آپ سے بیت المقدس کی کیفیت حضرت جبیر رضی اللہ عنہ کے والد مطعم بن عدی نے پوچھی تھی۔

اسراء کی حکمت

ابن ابی جمرہ نے اس بات کی طرف اشارہ کیا کہ بیت المقدس کی طرف سیر کرانے میں حکمت یہ تھی کہ مخالفین کے سامنے حق ظاہر ہو جائے کیونکہ اگر آپ کو مکہ مکرمہ سے سیدھا آسمان کی طرح معراج کرایا جاتا تو مخالفین کے لئے بیان اور وضاحت کا کوئی راستہ نہ ہوتا انہوں نے بیت المقدس کی ایک ایک چیز کے بارے میں اسی لئے پوچھا کہ انہوں نے اسے دیکھا تھا اور ان کو یہ بھی معلوم تھا کہ نبی اکرم ﷺ نے اس سے پہلے بیت المقدس کو نہیں دیکھا جب آپ نے ان کو خبر دی تو ان کے لئے ثابت ہو گیا کہ آپ کو بیت المقدس کی طرف سیر کرائی گئی ہے اور جب کسی چیز کا کچھ حصہ ثابت ہو جائے تو باقی کی تصحیح لازمی ہو جاتی ہے تو یہ اسراء مؤمنوں کے ایمان کی مضبوطی اور دشمنانِ اسلام منکرین کی بدبختی میں اضافے کا باعث ہوا۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

چھٹا مقصد

اس مقصد میں قرآن مجید کی وہ آیات مذکور ہوں گی جو نبی اکرم ﷺ کی قدر و منزلت کی عظمت اور آپ کے ذکر کی بلندی پر دلالت کرتی ہیں نیز اللہ تعالیٰ کا آپ کی نبوت کی صداقت' بعثت کے ثبوت پر شہادت دینا' آپ کی رسالت کے ثبوت اور آپ کے منصب جلیل اور مکان کی بلندی کی قسم کھانا' آپ کی اطاعت کے وجوب' سنت کی اتباع کو لازم قرار دینا' تمام انبیاء کرام سے وعدہ لینا کہ اگر وہ آپ کے دور کو پائیں تو آپ پر ایمان لائیں اور آپ کی مدد کریں نیز کتب سابقہ تورات اور انجیل وغیرہ میں آپ کی عظمت کا یوں اظہار کرنا کہ آپ صاحب رسالت ہیں' کا بیان ہے۔

تمہید

جان لو! اللہ تعالیٰ تمہیں اور مجھے بھی قرآن مجید کے اسرار پر مطلع فرمائے اور اپنے لطف و کرم سے ایسی بصیرت عطا فرمائے جو ہمیں سیدھے راستے کی طرف لے جائے کہ ہم اس بات پر دلالت کرنے والی آیات کا احاطہ نہیں کر سکتے اور وہ آیات جن میں صراحتاً یا اشارتاً آپ کے بلند مقام اور مرتبہ کو بیان کیا گیا ہے نیز آپ کے آداب کی حفاظت کو مبالغہ کے طور پر واجب کیا گیا اسی طرح وہ آیات جن میں اللہ تعالیٰ نے آپ کی تعریف بیان کی اور آپ کی عظیم شان کو ظاہر فرمایا' آپ کی حیات طیبہ کی قسم کھائی' لفظ رسول اور نبی کے ساتھ آپ کو پکارا اور نام لے کر نہیں پکارا جبکہ دوسرے انبیاء کرام علیہم السلام کو نام لے کر پکارا نیز دیگر ایسی آیات جن میں آپ کے بلند مرتبہ کی طرف اشارہ ہے اور آپ کی بزرگی کے برابر کوئی بزرگی نہیں۔

اور جو شخص قرآن مجید میں غور کرے گا وہ اسے اس بات سے بھرپور پائے گا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کی عظمت کو بیان کیا اللہ تعالیٰ ابن خطیب اندلسی (ابو عبداللہ محمد بن جابر) رحمہ اللہ پر رحم فرمائے۔ انہوں نے فرمایا:

مدحتک آیات الکتاب فما عسی ... یثنی علی علیاک نظم مدیحی

واذا کتاب اللہ اثنی مفصحا ... کان القصور قصار کل فصیح

"قرآن مجید کی آیات نے آپ کی تعریف اس طرح کی ہے کہ میری نظم مدح آپ کی عظمت کو بیان نہیں کر سکتی جب اللہ کی کتاب نے فصاحت سے تعریف کی تو ہر فصیح اللسان کی انتہاء اس سلسلے میں عاجز ہونا ہے"۔

(اے قاری) اللہ تعالیٰ تم پر رحم فرمائے یہ مقصد دس انواع پر مشتمل ہے۔

پہلی نوع

یہ نوع ان آیات پر مشتمل ہے جن میں آپ کے مرتبہ کی تعظیم' رتبہ کی بزرگی اور دیگر انبیاء کرام کے درجات سے آپ

کے درجہ کی فوقیت اور عزت وشرف والے مقام کا ذکر ہے۔ (الشفاء ج ا ص ۱۳)

مراتب رسل میں فرق

ارشاد خداوندی ہے:

تِلْکَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰی بَعْضٍ ۘ مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ ۔ یہ رسول ہیں ہم نے ان میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ان میں سے بعض نے اللہ تعالیٰ سے کلام کیا۔

مفسرین کرام علیہم الرحمہ فرماتے ہیں اس سے حضرت موسیٰ علیہ السلام مراد ہیں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بلاواسطہ کلام کیا لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام کا صراحتاً ذکر نہیں ہے جبکہ ہمارے نبی ﷺ سے کلام کرنا بھی ثابت ہے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔

سوال: جب یہ بات ثابت ہے کہ نبی کریم ﷺ سے بھی ان کے رب نے کلام کیا ہے اور آپ اس وصف سے موصوف ہیں تو آپ کے لئے اسم کلیم مشتق کیوں نہیں ہوا جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لئے ہوا؟

جواب: معنیٰ کا اعتبار کبھی اشتقاق کی تصحیح کے لئے ہوتا ہے جیسے اسم فاعل ہے اس وقت یہ بات درست ہوگی کہ جو شخص بھی اس وصف سے موصوف ہو اس کے لئے یہ نام ضرور مشتق ہو۔ لیکن بعض اوقات محض ترجیح کے لئے ہوتا ہے جیسے کلیم اور قارورہ اس وقت ضروری نہیں ہوتا کہ جو بھی اس وصف سے موصوف ہو اس کے لئے یہ نام مشتق ہو جس طرح قاضی عضد الدین نے بیان کیا یہ اس کا خلاصہ اور تحریر ہے۔ جس طرح سعد الدین تفتازانی نے کہا ہے اور ارشاد خداوندی "**ورفع بعضهم درجات**" سے حضرت محمد ﷺ مراد ہیں جس کی تین وجوہ ہیں۔

(۱) آپ کو معراج ذاتی (جسمانی) ہوا۔

(۲) آپ کو تمام انسانوں کا سردار بنایا گیا۔

(۳) آپ کو وہ معجزات عطا کئے گئے جو آپ سے پہلے کسی نبی کو نہیں دیئے گئے۔

زمخشری نے کہا کہ اس ابہام میں (نام نہ لینے میں) آپ کی فضیلت اور قدر و منزلت کی عظمت کو ظاہر کیا جو مخفی نہیں کیونکہ اس میں اس بات کی شہادت ہے کہ یہ ایسا حکم ہے جس میں کوئی اشتباہ نہیں اور یہ اس طرح ممتاز ہے کہ التباس کا کوئی خطرہ نہیں۔

اس آیت نے اور اسی طرح آیت کریمہ:

وَلَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِيِّيْنَ عَلٰی بَعْضٍ. اور بے شک ہم نے بعض نبیوں کو بعض پر فضیلت دی۔

(اس آیت) میں واضح کیا گیا کہ انبیاء کرام و رسل عظام کے درجات مختلف ہیں جب کہ معتزلہ کا اختلاف ہے وہ کہتے ہیں انبیاء کرام کو ایک دوسرے پر فضیلت نہیں ہے لیکن ان دونوں آیات میں ان کا رد ہے۔

ایک جماعت کہتی ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام افضل ہیں کیونکہ باپ ہیں بعض نے سکوت اختیار کیا اور کہا کہ خاموشی زیادہ بہتر ہے۔

لیکن قابل اعتماد بات جو جمہور سلف و خلف کا مسلک ہے یہ ہے کہ رسل کرام انبیاء عظام سے افضل ہیں اسی طرح

بعض رسول دوسرے بعض سے افضل ہیں اور اس پر یہ دو آیتیں اور ان کے علاوہ شہادتیں پائی جاتی ہیں۔

جیسا کہ قاضی عیاض رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے بعض حضرات نے فرمایا تفصیل یہ ہے کہ اس سے دنیا میں (ان کے درجات کا تفاوت) مراد ہے اور یہ (تفاوت) تین احوال سے ہوتا ہے۔

یہ کہ کسی نبی کی علامات اور معجزات زیادہ ظاہر اور زیادہ مشہور ہوں یا اس کی امت زیادہ پاکیزہ اور تعداد میں بھی زیادہ ہو یا وہ ذاتی طور پر افضل اور زیادہ ظاہر ہوں اور ان کی ذاتی فضیلت اس بات کی طرف لوٹتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو کلام خلت (خصوصی دوستی) یا دیگر الطاف کرم جو اللہ تعالیٰ چاہے ان کے ساتھ خاص کیا ہو۔

نبی اکرم ﷺ کی فضیلت

اس میں کوئی شک نہیں کہ ہمارے نبی ﷺ کی نشانیاں اور معجزات سب سے زیادہ ظاہر' تعداد میں سب سے زیادہ' زیادہ باقی رہنے والی اور زیادہ مضبوط ہیں آپ کا منصب اعلیٰ' حکومت سب سے بڑی اور زیادہ ہے نیز آپ کی ذات افضل واظہر ہے اور تمام انبیاء کرام کے مقابلے میں آپ کی خصوصیات اس قدر مشہور ہیں کہ ان کے ذکر کی ضرورت نہیں رہتی پس آپ کا درجہ دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کے درجات سے بلند اور آپ کی ذات تمام مخلوق میں سب سے زیادہ پاکیزہ اور افضل ہے' قیامت کے دن شفاعت سے متعلق حدیث میں غور کرو کہ اس کی انتہاء آپ پر ہوگی اور اس وقت سیادت و قیادت صرف آپ کے پاس ہوگی جیسا کہ آپ نے ارشاد فرمایا:

انا سید ولد آدم و اول من تنشق عنه الارض یوم القیامة.

میں تمام اولاد آدم کا سردار ہوں اور قیامت کے دن سب سے پہلے میرے لئے زمین (قبر) کھلے گی۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۶۷۳' مسند احمد ج ۲ ص ۵۴۰' المغنی ج ۳ ص ۵۷)

ترمذی شریف میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' فرماتے ہیں:

انا اکرم ولد ادم یومئذ علی ربی ولا فخر.

میں اپنے رب کے ہاں اولاد آدم سے زیادہ معزز ہوں اور اس پر مجھے فخر نہیں۔

(الدر المنثور ج ۶ ص ۱۱۹' تفسیر قرطبی ج ۳ ص ۲۶۳' تفسیر ابن کثیر ج ۷ ص ۱۲' زاد المسیر ج ۳ ص ۲۲۵' دلائل النبوۃ ج ۱ ص ۱۳' اتحاف السادۃ المتقین ج ۱۰ ص ۴۹۶)

لیکن یہ حدیث اس بات پر دلالت نہیں کرتی کہ آپ' حضرت آدم علیہ السلام سے بھی افضل ہیں بلکہ اس سے تو آپ کی اولاد آدم پر فضیلت ثابت ہوتی ہے پس اس حدیث سے آپ کی تمام انبیاء کرام علیہم السلام پر فضیلت ثابت کرنا ضعیف ہے۔

شیخ سعد الدین تفتازانی نے نبی اکرم ﷺ کی مطلق افضلیت کو اللہ تعالیٰ کے ارشاد گرامی سے ثابت کیا ہے:

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ.

تم بہترین امت ہو جسے لوگوں (کے نفع) کے لئے پیدا کیا گیا۔

وہ فرماتے ہیں اس میں شک نہیں کہ امت کا بہترین ہونا ان کے دین میں کمال کے اعتبار سے ہے اور یہ ان کے نبی کے

کمال کے تابع ہے جس کی وہ پیروی کرتے ہیں۔

امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ نے "المعالم میں" یوں استدلال کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام کے اوصاف حمیدہ بیان کئے اور حضرت محمد ﷺ سے فرمایا:

اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ هَدَی اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ. یہ وہ لوگ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت دی پس آپ ان کی ہدایت پر چلیں۔

تو آپ کو ان کے نشانات پر چلنے کا حکم دیا پس اس پر عمل کرنا آپ پر واجب تھا ورنہ حکم خداوندی کے تارک کہلاتے پس جب آپ نے ان تمام اچھے خصائل کو اپنایا تو جو کچھ کمال ان میں متفرق طور پر تھے وہ سب آپ کی ذات میں جمع ہو گئے لہٰذا آپ ان سے افضل ہوئے۔

نیز توحید اور عبادت کے حوالے سے آپ کی دعوت دنیا کے اکثر شہروں تک پہنچی جبکہ دوسرے انبیاء کرام کا یہ معاملہ نہیں ہے پس ظاہر ہوا کہ آپ کی دعوت سے دنیا کا نفع باقی انبیاء کرام کی دعوت سے امتوں کے فائدہ اٹھانے کے مقابلے میں زیادہ کامل تھا۔ پس آپ کا تمام انبیاء کرام سے افضل ہونا ضروری ہوا۔

حضرت امام ترمذی رحمہ اللہ نے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

انا سید ولد ادم ولا فخر و بیدی لواء الحمد ولا فخر وما من نبی آدم فمن سواہ الا تحت لوائی. میں تمام اولاد آدم کا سردار ہوں اور مجھے فخر نہیں میرے ہاتھ میں حمد کا جھنڈا ہوگا اور مجھے اس پر فخر نہیں کوئی نبی چاہے آدم ہوں یا ان کے علاوہ کوئی نبی ہو سب میرے جھنڈے کے نیچے ہوں گے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۳' جامع ترمذی رقم الحدیث: ۳۱۴۸' مسند احمد ج ۱ ص ۲۸۱۔ ج ۳ ص ۲' الشفاء ج ۱ ص ۳۹۹' مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۵۷۴۱۔ ۵۷۶۱' شرح السنۃ ج ۱۳ ص ۲۰۴' اتحاف السادۃ المتقین ج ۹ ص ۲۲۵' کنز العمال رقم الحدیث: ۳۱۸۸۱۔ ۳۹۰۵۲)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی مرفوع روایت امام بخاری رحمہ اللہ نے نقل کی ہے آپ نے فرمایا:

انا سید الناس یوم القیامة. میں قیامت کے دن (تمام) لوگوں کا سردار ہوں گا۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۳۲۷' صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۷۱۲' جامع ترمذی رقم الحدیث: ۲۴۳۴' مسند احمد ج ۲ ص ۴۳۵' المستدرک ج ۴ ص ۵۷۳' مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۵۵۷۵' مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۳۷۷' دلائل النبوۃ ج ۵ ص ۴۷۷' اتحاف السادۃ المتقین ج ۷ ص ۵۷۲' کنز العمال رقم الحدیث: ۳۲۰۴۲۔ ۳۹۰۵۱)

یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ نبی اکرم ﷺ حضرت آدم علیہ السلام سے اور آپ کی اولاد (سب) سے افضل ہیں بلکہ تمام انبیاء کرام سے افضل ہیں بلکہ تمام مخلوق سے افضل ہیں۔

امام بیہقی رحمہ اللہ نے فضائل صحابہ میں ذکر کیا کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سفر سے واپس آئے تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا یہ عرب کا سردار ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا' کیا آپ عرب کے سردار نہیں ہیں؟ آپ نے

فرمایا میں تمام جہانوں کا سردار ہوں اور یہ عرب کے سردار ہیں۔ یہ اس بات پر دلالت ہے کہ آپ تمام انبیاء کرام سے افضل ہیں بلکہ تمام مخلوق سے افضل ہیں۔

امام حاکم رحمہ اللہ نے بھی یہ حدیث اپنی صحیح میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کی ہے لیکن اس کے الفاظ اس طرح ہیں۔

میں اولادِ آدم کا سردار ہوں اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ عربوں کے سردار ہیں۔

امام حاکم نے فرمایا یہ حدیث صحیح ہے لیکن صحیح بخاری و مسلم میں اسے ذکر نہیں کیا گیا۔

اس حدیث کی شاہد حضرت عروہ رضی اللہ عنہ کی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے امام حاکم نے اسے احمد بن عبید کے طریق سے روایت کیا وہ حضرت ناصح سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں ہم سے حسین نے علوان سے روایت کرتے ہوئے بیان کیا۔ اور یہ دونوں حدیثیں ضعیف ہیں۔

حضرت ہشام بن عروہ اپنے باپ سے اور وہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے اس طرح روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا عرب کے سردار کو میری طرف بلاؤ۔ ام المؤمنین فرماتی ہیں میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا آپ عرب کے سردار نہیں ہیں؟ آپ نے فرمایا (اس کے بعد مذکورہ بالا حدیث ذکر کی)۔

(الحلیۃ الاولیاء ج ا ص ۶۳' کنز العمال رقم الحدیث: ۳۶۴۴۸)

اسی طرح عمر بن موسیٰ وجیہی کی روایت سے بھی نقل کیا اور وہ بھی ضعیف ہے حضرت ابو الزبیر' حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً نقل کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا عرب کے سردار کو میری طرف بلاؤ تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا کیا آپ عرب کے سردار نہیں ہیں۔ اس کے بعد مذکورہ بالا حدیث بیان کی۔

ہمارے شیخ (امام سخاوی رحمہ اللہ) نے فرمایا یہ تمام احادیث ضعیف ہیں بلکہ امام ذہبی کا میلان اس طرف ہے کہ یہ موضوع ہیں۔

اور نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمانا کہ میں تمام لوگوں کا سردار ہوں خود پسندی اور دوسروں پر فخر کے طور پر نہیں تھا اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس سے محفوظ فرمایا۔

آپ نے یہ بات اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کی نعمت کو ظاہر کرنے کے لئے اور اپنی امت کو اس بات کی خبر دینے کے لئے بیان فرمائی کہ ان کے امام اور متبوع کی بارگاہ خداوندی میں کس قدر عظمت ہے اور اللہ تعالیٰ کے ہاں آپ کو بلند مقام حاصل ہے تاکہ امت کو معلوم ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ کی ان پر اور ان کے نبی پر کتنی بڑی نعمت ہے؟

اسی طرح بندہ جب اس بات کو ملاحظہ کرتا ہے کہ اسے مدد کا فیض حاصل ہے اور اس پر اللہ تعالیٰ کا احسان اور جود و کرم ہے اور اس کے ساتھ ساتھ وہ یہ بھی جانتا ہے کہ وہ ہر وقت اپنے رب کا محتاج ہوتا ہے اور پلک جھپکنے کے برابر بھی وہ اس سے بے نیاز نہیں ہو سکتا تو اس سے اس قسم کے دل میں خوشی کے بادل چھا جاتے ہیں اور جب یہ بادل اس کے دل کے آسمان پر پھیلتے ہیں اور وہ ان سے بھر جاتا ہے تو اس پر خوشی کی بارش برستی ہے۔ جس میں لذت بھرا سرور ہوتا ہے پس اگر اس کو بارش نہ پہنچے تو اوس ہی کافی ہے اس وقت اس کی زبان پر ایسا فخر جاری ہوتا ہے۔ جس میں خود پسندی اور دوسروں پر بڑائی کا اظہار نہیں ہوتا بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کے فضل و رحمت پر خوش ہوتا ہے جیسے ارشاد خداوندی ہے:

قل بفضل اللہ و برحمتہ فبذلک فلیفرحوا. آپ فرما دیجئے اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی رحمت سے ہے پس چاہیے کہ اس پر خوش ہوں۔

تو آپ ظاہر میں فخر فرماتے اور باطنی طور پر احتیاج اور انکساری تھی اور یہ دونوں ایک دوسرے کے منافی نہیں۔ عارف ربانی سید علی الوفائی نے اپنے قصیدہ میں اسی طرف اشارہ کیا ہے اس قصیدہ کا آغاز اس طرح ہے:

من انت مولاہ حاشا — علاہ ان یتلاشا
واللہ یا روح قلبی — لامات من بک عاشا
قوم لھم انت ساق — لا یرجعون عطاشا
لا قص دھر جناحا — لہ وفاؤک راشا
بک النعیم مقیم — لمن وھبت انتعاشا
ومن بحولک یقوی — لمن یضعف الدھر جاشا
عبد لہ بک عز — فکیف لا یتحاشا
حاشا و فاؤک یرمی — من انت مولاہ حاشا

''وہ شخص جس کا تو مولیٰ ہے وہ اس سے پاک ہے کہ مٹ جائے' اللہ کی قسم اے جان جاناں! جو تیرے ساتھ زندگی گزارے وہ مرتا نہیں' جس قوم کا تو ساقی ہو کبھی پیاسی نہیں لوٹ سکتی زمانہ ان بازوؤں کو توڑ نہیں سکتا جن کی مددگار تیری وفا ہو' تمہارے سبب سے نعمتیں دائمی ہیں اس شخص کے لئے جس کو تو نے سربلندی عطا کی وہ شخص جو تیری قوت کے ذریعے طاقتور ہو زمانہ اس کے جوش کو ہرگز ٹھنڈا نہیں کر سکتا' وہ غلام جو آپ کے سبب سے معزز ہو کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ (حوادثِ زمانہ سے) نہ بچے ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا کہ تیری وفا اس شخص کو پھینک دے' جس کا تو مولیٰ ہے''۔

فضیلت نہ ماننے والوں کا اعتراض

سوال: ان دو آیتوں کو جو پہلے ذکر کی گئیں اور اس آیت (درج ذیل آیت) کو کیسے جمع کیا جائے گا۔ ارشاد خداوندی ہے:

قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَمَآ اُوْتِيَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ○ (البقرہ:۱۳۶)

کہو ہم ایمان لائے اللہ تعالیٰ پر اور جو کچھ ہم پر اتارا گیا اور جو کچھ حضرت ابراہیم' حضرت اسماعیل' حضرت اسحاق' حضرت یعقوب اور ان کی اولاد (علیہم السلام) کی طرف اتارا گیا اور جو کچھ حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کو دیا گیا اور جو کچھ دوسرے نبیوں کو ان کے رب کی طرف سے دیا گیا ہم ان میں کوئی فرق نہیں کرتے اور ہم

اسی (اللہ تعالیٰ) کے سامنے گردن جھکانے والے ہیں۔

صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث میں ہے کہ ایک مسلمان اور ایک یہودی نے ایک دوسرے کو گالی گلوچ کی تو یہودی نے قسم کھاتے ہوئے کہا اس ذات کی قسم جس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تمام جہانوں پر منتخب فرمایا مسلمان نے اپنا ہاتھ اٹھایا اور یہودی کو تھپڑ مار دیا نیز اسے کہا اے خبیث! کیا حضرت محمد ﷺ پر بھی؟ یہودی نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور مسلمان کی شکایت کی تو آپ نے فرمایا:

لا تفضلونی علی الانبیاء. مجھے انبیاء کرام علیہم السلام پر فضیلت نہ دو۔

ایک دوسری روایت میں ہے انبیاء کرام کو ایک دوسرے پر فضیلت نہ دو۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث:۳۴۱۴' صحیح مسلم رقم الحدیث:۱۵۹' مشکل الآثار ج اص ۳۵۲' دلائل النبوۃ ج ۵ ص ۴۹۲' کنز العمال رقم الحدیث:۳۲۲۷۳)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت جسے امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ نے نقل کیا اس میں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا۔ انبیاء کرام علیہم السلام کو ایک دوسرے کے مقابلے میں ترجیح نہ دو۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث:۲۴۱۲- ۳۳۹۸-۴۶۳۸-۶۹۱۶-۶۹۱۷-۷۴۲۷' صحیح مسلم رقم الحدیث:۱۶۰' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۱ ص ۵۲۶)

"صحیح بخاری و مسلم میں" حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً مروی ہے یعنی رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: کسی شخص کے لئے مناسب نہیں کہ وہ (میرے بارے میں) کہے کہ میں حضرت یونس بن متی علیہ السلام سے بہتر ہوں۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث:۳۴۱۶' صحیح مسلم رقم الحدیث:۱۶۳' دلائل النبوۃ ج ۵ ص ۴۹۵)

شیخین (امام بخاری و امام مسلم) نے ہی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا۔ جس نے کہا کہ میں حضرت یونس بن متی علیہ السلام سے زیادہ بہتر ہوں تو اس نے جھوٹ بولا۔

جواب: علماء کرام نے اس کا جوب یوں دیا ہے کہ ارشاد خداوندی:

لَا نُفَرِّقُ بَیۡنَ اَحَدٍ مِّنۡهُمۡ. ہم ان میں سے کسی ایک میں فرق نہیں کرتے۔

کا مطلب یہ ہے کہ جو کچھ ان کی طرف نازل ہوا اس پر ایمان لانے اور ان کی تصدیق کرنے میں فرق نہیں کرتے نیز اس بات پر ایمان لانے میں کہ وہ سب اللہ تعالیٰ کے رسول اور نبی ہیں اور ان کے درمیان اس قسم کی برابری اس بات کے خلاف نہیں کہ ان میں سے بعض دوسرے بعض سے افضل ہیں۔

اور احادیث (مذکورہ بالا) کے چند جوابات دیئے ہیں بعض حضرات نے فرمایا ہم یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے بعض انبیاء کرام کو بعض پر فضیلت دی ہے لیکن اپنی رائے سے اس فضیلت کی تفصیل میں نہیں جاتے۔

ابن ظفر نے کہا اگر اس قائل کا ارادہ یہ ہے کہ ہم اپنی رائے سے فضیلت دیتے ہیں تفصیل سے باز رہیں تو یہ بات صحیح ہے اور اس کا ارادہ یہ ہے کہ ہم اس بات کا بھی ذکر نہ کریں جو ہمیں قرآن مجید سے معلوم ہوئی اور جو کچھ حدیث رسول ﷺ میں ہمارے لئے مروی ہو تو یہ بات کمزور ہے۔

ایک دوسرے قائل نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے خصوصی اعزازات اور قرب کے ذریعے جس نبی کا درجہ بلند کیا ہم اس فضیلت کا ذکر کرتے ہیں اور لوگوں کو ڈرسنانے' دین پر صبر کرنے اور ادائیگی رسالت کے لئے اٹھ کھڑا ہونے اور گمراہوں کو

ہدایت دینے کے سلسلے میں بعض کو بعض پر فضیلت دینے میں ہم غور و خوض نہیں کرتے کیونکہ ان میں سے ہر ایک نے اس سلسلے میں حتیٰ الوسع محنت کی اور اس قدر طاقت خرچ کی جس سے زیادہ کا اللہ تعالیٰ نے ان کو مکلف نہیں بنایا۔

جیسا کہ قاضی عیاض رحمہ اللہ نے نقل کیا کسی نے یوں کہا کہ نبی اکرم ﷺ کا اس بات سے منع کرنا کہ مجھے فضیلت نہ دو اس بات کے علم سے پہلے کی بات ہے کہ آپ تمام اولادآدم کے سردار ہیں تو آپ نے اس سے منع فرمایا کہ آپ کو دوسروں پر فضیلت دی جائے کیونکہ یہ بات توقیف کی محتاج ہے (کہ اللہ تعالیٰ اس بات کا علم عطا فرمائے) اور جو بات علم کے بغیر کسی کی فضیلت بیان کرتا ہے وہ جھوٹ کہتا ہے۔

حافظ عماد الدین ابن کثیر نے کہا کہ یہ بات محل نظر ہے اور شاید اس کے محل نظر ہونے کی وجہ یہ ہو کہ وہ اس بات کی معرفت رکھتے ہوں جو تاریخ کے اعتبار سے مقدم ہے پھر میں نے ''تاریخ ابن کثیر میں'' دیکھا کہ اس کے محل نظر ہونے کی وجہ یہ ہے کہ یہ حضرت ابو سعید خدری اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما کی روایت سے ہے اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فتح خیبر کے بعد ہجرت کی پس یہ بات بعید از عقل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ابھی تک آپ کو اس بات کا علم نہ دیا ہو۔ [1]

کسی نے کہا کہ نبی اکرم ﷺ نے یہ بات تواضع اختیار کرنے اور تکبر کی نفی کرنے کے طور پر فرمائی ہے۔

حضرت قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ بات بھی اعتراض سے محفوظ نہیں ہے۔

یہ بھی کہا گیا کہ اس طرح فضیلت نہ دی جائے کہ کسی نبی کی توہین کا پہلو نکلتا ہو۔

یہ بھی کہا گیا کہ نبوت و رسالت کے حق میں کسی نبی کو دوسرے پر فضیلت دینے سے منع کیا گیا ہے کیونکہ انبیاء کرام علیہم السلام اس وصف میں برابر ہیں اس لحاظ سے کسی ایک کو دوسرے پر فضیلت حاصل نہیں ہے۔ فضیلت زائد احوال' خصوصیات' کرامات اور مراتب میں ہے' نفس نبوت میں کوئی فرق نہیں بلکہ دوسرے زائد امور کے لحاظ سے فرق ہے اسی لئے ان میں سے بعض رسول اولوالعزم رسول ہیں۔ یہ قول دوسرے قول کے قریب ہے۔

ابن ابی جمرہ نے حضرت یونس علیہ السلام والی روایت میں کہا ہے کہ اس سے کیفیت اور حد بندی کی نفی مراد ہے جیسا کہ ابن خطیب الری [2] نے کہا ہے کیونکہ دونوں کے درمیان عالم محسوس میں فضیلت پائی جاتی ہے کہ نبی اکرم ﷺ کو سات طبقات سے اوپر کا معراج کرایا گیا اور حضرت یونس علیہ السلام دریا کی گہرائی میں اترے اور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

انا سید ولد ادم یوم القیامۃ. میں قیامت کے دن تمام اولاد آدم کا سردار ہوں گا۔

اور آپ نے فرمایا:

آدم و من دونہ تحت لوائی. حضرت آدم علیہ السلام اور ان کے علاوہ (سب) میرے جھنڈے کے نیچے ہوں گے۔

---

[1] مطلب یہ ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے سے پہلے آپ ﷺ کو آپ کی فضیلت سے آگاہ کیا گیا۔
(زرقانی ج ۶ ص ۱۳۸)

[2] امام فخر الدین محمد بن عمر بن حسن ابن حسین تیمی بکری طبرستانی رازی. بحر العلوم تھے اور ''رے میں'' خطیب تھے۔ ۱۲ ہزاروی
(زرقانی ج ۶ ص ۱۳۹)

نیز نبی کریم ﷺ کو شفاعت کبریٰ کی خصوصیت حاصل ہے جو دوسرے کسی نبی کے لئے نہیں ہے یہ فضیلت آپ کو لازمی طور پر حاصل ہے اب رہ گئی یہ بات کہ آپ نے فرمایا "مجھے حضرت یونس بن متی علیہ السلام پر فضیلت نہ دو تو یہ اللہ تعالیٰ کے قرب وبعد کے اعتبار سے ہے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو اگرچہ ساتوں آسمانوں کے اوپر اور جہاں پردے اٹھ گئے سیر کرائی گئی اور حضرت یونس علیہ السلام دریا کی گہرائی میں چلے گئے لیکن اللہ تعالیٰ کے قرب اور اس کے بُعد کے حوالے سے دونوں میں کوئی فرق نہیں۔

یہ بات امام دار الہجرہ (امام مدینہ) حضرت امام مالک رحمہ اللہ سے مروی ہے اور اس قسم کی بات امام الحرمین (ابو المعالی عبد الملک بن عبد اللہ بن یوسف جوینی رحمہ اللہ) کی طرف منسوب ہے۔

ابن منیر نے کہا اگر تم کہو کہ اگر ذات خداوندی کی طرف نسبت کے اعتبار سے دونوں جہتیں برابر ہیں اور نبی اکرم ﷺ کو حضرت یونس علیہ السلام پر فضیلت حاصل نہیں ہے تو اللہ تعالیٰ نے دونوں جہتوں (آسمان اور زمین) میں تفاوت کی وجہ سے آپ کو فضیلت دی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کو زمین پر فضیلت دی ہے تو نبی اکرم ﷺ کو حضرت یونس علیہ السلام پر کیسے فضیلت نہیں دے گا اور اگر فضیلت مکان کی وجہ سے نہ ہو تو مکان کی بلندی کے اعتبار سے ضرور ہوگی اور اس پر کوئی اعتراض نہیں۔

پھر فرمایا میں کہتا ہوں آپ نے مطلق فضیلت دینے سے منع نہیں فرمایا بلکہ آپ نے مکان کے ساتھ مقید فضیلت سے منع فرمایا جس سے قربِ مکان سمجھ آتا ہے (جس سے اللہ تعالیٰ پاک ہے) تو قواعد کو جمع کرتے ہوئے اسی معنیٰ پر محمول کیا جائے گا۔

کیا بشر افضل ہیں یا فرشتے؟

اس سلسلے میں اختلاف ہے کہ آیا بشر افضل ہیں یا فرشتے؟

جمہور اہل سنت و جماعت کہتے ہیں کہ انسانوں میں سے خاص لوگ اور وہ انبیاء کرام ہیں' خاص فرشتوں حضرت جبریل' حضرت میکائیل' حضرت اسرافیل' حضرت عزرائیل' عرش کو اٹھانے والے فرشتوں اور مقربین روحانی فرشتوں سے افضل ہیں (ان فرشتوں سے انبیاء کرام افضل ہیں) اور خاص فرشتے' عام انسانوں سے افضل ہیں۔ تفتازانی نے کہا یہ بات اجماع بلکہ ضروری طور پر ثابت ہے اور عام انسان عام فرشتوں سے افضل ہیں پس جسے سجدہ کیا گیا (یعنی انسان) وہ سجدہ کرنے والوں سے افضل ہے پس جب خاص (انسانوں) کی خاص (فرشتوں) پر فضیلت ثابت ہوگئی تو عام انسانوں کی عام فرشتوں پر فضیلت بھی ثابت ہوگئی پس عام فرشتے نیک لوگوں کے خادم ہیں اور مخدوم کو خادم پر فضیلت حاصل ہوتی ہے نیز مؤمن خواہش اور عقل سے مرکب ہیں اور شیطان بھی وسوسوں کے ذریعے ان پر مسلط ہوتا ہے جب کہ فرشتوں میں عقل ہے خواہش نہیں اور شیطان بھی ان تک پہنچنے کی راہ نہیں پاتا۔

پس جیسا کہ "شرح عقائد میں ہے" انسان کو علمی اور عملی کمالات حاصل ہیں جب کہ شہوت' غضب اور ایسی ضروری حاجات جو کمالات کے حصول میں رکاوٹ بنتے ہیں انسان کے لئے سدراہ کی حیثیت رکھتے ہیں اور اس میں شک نہیں کہ رکاوٹوں کی موجودگی میں عبادت کرنا اور کمالات حاصل کرنا بہت مشکل ہوتا ہے اور اس صورت میں اخلاص بھی زیادہ ہوتا

3

ہے لہٰذا انسان افضل ہوا۔

اور یہاں عوام الناس سے نیک لوگ مراد ہیں فاسق نہیں جیسا کہ علامہ کمال الدین بن ابی شریف مقدسی نے بتایا وہ فرماتے ہیں۔

امام بیہقی نے "شعب الایمان میں" یہ بات واضح الفاظ میں بیان کی وہ فرماتے ہیں۔

پہلے اور پچھلے تمام لوگوں نے بحث کی ہے کہ آیا فرشتے افضل ہیں یا انسان؟ تو کچھ لوگ اس طرف گئے ہیں کہ انسانوں کے رسول فرشتوں کے رسولوں سے افضل ہیں اور انسانوں میں سے اولیاء کرام فرشتوں کے اولیاء سے افضل ہیں۔

معتزلہ فلاسفہ اور بعض اشاعرہ نے فرشتوں کو فضیلت دی ہے۔ قاضی ابو بکر الباقلانی (الاعلام ج ٦ ص ١٧٦ ' انباء الاعیان ج ١ ص ٢٨١ ' تاریخ بغداد ج ٥ ص ٣٧٩ ' الوافی بالوفیات ج ٣ ص ١٧٧) اور ابو عبد اللہ حلیمی نے بھی اسی بات کو اختیار کیا ہے انہوں نے چند وجوہ کو دلیل بنایا ہے۔ (الاعلام ج ٢ ص ٢٣٥ ' رسالۃ المستطرفۃ ص ٣٤ ' کشف الظنون ج ٢ ص ١٨٧)۔

١۔ فرشتے محض ارواح ہیں جو بالفعل کامل ہیں وہ شر اور آفات مثلاً شہوت اور غضب سے نیز صورت کے اندھیروں سے پاک ہیں وہ عجیب وغریب افعال کی طاقت رکھتے ہیں اور تمام عالم کے ماضی اور مستقبل کا کسی غلطی کے بغیر علم رکھتے ہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس کی بنیاد فلسفہ اصول پر ہے اسلامی اصول پر نہیں۔

٢۔ انبیاء کرام علیہم السلام تمام انسانوں سے افضل ہونے کے باوجود ان (فرشتوں) سے سیکھتے ہیں اور اس کی دلیل یہ ارشاد خداوندی ہے:

عَلَّمَهٗ شَدِيْدُ الْقُوٰى ۝ (النجم: ٥) — انہیں سکھایا سخت قوتوں والے طاقتور نے۔

اور ارشاد خداوندی ہے:

نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ ۝ (الشعراء: ١٩٣) — اسے روح امین (حضرت جبریل علیہ السلام) لے کر اترے۔

اور اس میں شک نہیں کہ معلم، متعلم سے افضل ہوتا ہے۔

اس دلیل کا جواب یہ ہے کہ انبیاء کرام اللہ تعالیٰ سے سیکھتے ہیں فرشتے محض پہنچانے والے ہوتے ہیں۔

٣۔ تیسری دلیل یہ ہے کہ کتاب وسنت میں فرشتوں کا ذکر انبیاء کرام کے ذکر سے پہلے ہوا ہے اور اس کی وجہ شرف ورتبہ میں ان کا مقدم ہونا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس ذکر کی وجہ ان کا وجود میں مقدم ہونا ہے یا اس لئے کہ ان کا وجود زیادہ پوشیدہ ہے پس ان پر ایمان لانا زیادہ قوی اور تقدیم کے زیادہ لائق ہے۔

٤۔ ان لوگوں کی چوتھی دلیل یہ ارشاد خداوندی ہے:

لَنْ يَّسْتَنْكِفَ الْمَسِيْحُ اَنْ يَّكُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰهِ وَلَا الْمَلٰٓئِكَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ ۝ (النساء: ١٧٢) — حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہرگز نفرت نہیں کرتے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے بندے ہوں اور نہ ہی مقرب فرشتے نفرت

کرتے ہیں۔

اہل لسان اس آیت سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر فرشتوں کی افضلیت کو سمجھتے ہیں کیونکہ اس قسم کی صورت میں قیاس یہ ہے کہ ترقی ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف ہوتی ہے کہا جاتا ہے ''اس بات سے وزیر نفرت نہیں کرتے اور نہ ہی بادشاہ کرتا ہے'' اور یوں نہیں کہا جاتا کہ بادشاہ اور وزیر نفرت نہیں کرتے پھر اس بات کا بھی کوئی قائل نہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور دیگر انبیاء کرام میں کوئی فرق ہے۔

اس دلیل کا جواب یہ ہے کہ عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اس قدر تعظیم کی کہ آپ کو اللہ تعالیٰ کی بندگی سے بلند و بالا سمجھا بلکہ اللہ تعالیٰ کا بیٹا قرار دیا کیونکہ آپ باپ کے بغیر پیدا ہوئے تھے نیز آپ پیدائشی اندھوں اور سفید داغ والوں کو تندرست کر دیتے اور مردوں کو زندہ کرتے تھے جب کہ دوسرے انسانوں کا یہ حال نہیں تو ان کا رد کیا کہ حضرت مسیح علیہ السلام بھی اس سے نفرت نہیں کرتے اور وہ بھی جو اس معنیٰ میں ان سے اعلیٰ ہیں اور وہ فرشتے ہیں جن کا باپ اور ماں دونوں نہیں ہیں اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے ان کاموں سے زیادہ قوی اور زیادہ عجیب کاموں پر قادر ہیں تو یہ ترقی ماں باپ کے بغیر ہونے اور مضبوط آثار کے اظہار میں مطلق شرف و کمال میں نہیں۔

لہٰذا فرشتوں کے افضل ہونے پر کوئی دلیل نہیں ہے۔

فرشتوں کے مراتب

پھر فرشتوں میں سے بعض، دوسرے بعض سے افضل ہیں اور سب میں سے حضرت روح الامین جبریل علیہ السلام افضل ہیں جن کی پاکیزگی تمام جہانوں کے رب کی طرف سے بیان کی گئی ہے ان کے بارے میں عزت والے رب کی طرف سے کہا گیا:

اِنَّہٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ کَرِیْمٍ ۝ ذِیْ قُوَّۃٍ عِنْدَ ذِی الْعَرْشِ مَکِیْنٍ ۝ مُّطَاعٍ ثَمَّ اَمِیْنٍ ۝ (التکویر: ۲۰-۲۲)

بے شک یہ عزت والے رسول کا پڑھنا ہے جو قوت والا ہے مالک عرش کے حضور عزت والا وہاں اس کا حکم مانا جاتا ہے امانت دار ہے۔

تو اللہ تعالیٰ نے ان کی سات صفات بیان فرمائیں۔ پس آپ ان تینوں فرشتوں سے افضل ہیں جو مطلقاً فرشتوں میں سے افضل ہیں اور وہ حضرت میکائیل، حضرت اسرافیل اور حضرت عزرائیل علیہم السلام ہیں۔

حضرت آدم علیہ السلام کی نبوت

اسی طرح رسل عظام، انبیاء کرام علیہم السلام سے افضل ہیں اور بعض رسول دوسرے بعض سے افضل ہیں اور حضرت محمد ﷺ تمام انبیاء و رسل سے افضل ہیں جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔ سب سے پہلے نبی حضرت آدم علیہ السلام اور سب سے آخری نبی حضرت محمد ﷺ ہیں۔

حضرت آدم علیہ السلام کی نبوت پر قرآن مجید کی دلالت پائی جاتی ہے کہ آپ کو امر اور نہی ہوا اور یہ بات بھی یقینی ہے کہ ان کے زمانے میں کوئی دوسرا نبی نہیں تھا پس امر و نہی وحی کے ذریعے ہوئی کسی اور طریقے پر نہیں اسی طرح سنت اور

اجماع کی دلالت بھی پائی جاتی ہے پس ان کی نبوت کا انکار کفر ہے جیسا کہ بعض سے منقول ہے۔

(شرح العقائد النسفیہ ص ۱۶۷' الفتاوی الہندیہ ج ۲ ص ۲۰۱' اصول لعبد القاہر ص ۱۵۷۔۱۵۹' مراتب الاجماع ص ۱۷۳)

انبیاء ورسل کی تعداد

انبیاء ورسل کی تعداد میں اختلاف ہے اور اس سلسلے میں مشہور وہ بات ہے جو حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے فرمائی اور اسے ابن مردویہ نے اپنی تفسیر میں نقل کیا ہے۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! انبیاء کرام کی تعداد کیا ہے آپ نے فرمایا ایک لاکھ چوبیس ہزار میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! رسول کتنے ہیں؟ آپ نے فرمایا تین سو تیرہ کا جم غفیر ہے۔

میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! ان میں سے پہلا نبی کون ہے؟ فرمایا حضرت آدم علیہ السلام ہیں۔ پھر فرمایا اے ابوذر! چار نبی سریانی ہیں حضرت آدم' حضرت شیث' حضرت نوح اور حضرت خنوخ یعنی حضرت ادریس علیہم السلام' سب سے پہلے قلم کے ذریعے حضرت ادریس علیہ السلام نے ہی لکھا چار نبی عرب سے ہیں حضرت ہود' حضرت صالح' حضرت شعیب علیہم السلام اور آپ کے نبی حضرت محمد ﷺ اے ابوذر! بنی اسرائیل کے پہلے نبی حضرت موسیٰ علیہ السلام اور آخری نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں اور سب نبیوں میں اول حضرت آدم علیہ السلام ہیں اور سب سے آخری نبی تمہارے نبی ہیں۔ (حلیۃ الاولیاء ج ۱ ص ۱۶۷)

اس حدیث کو ابو حاتم بن حبان نے اپنی کتاب "الانواع والتقاسیم" میں تفصیل کے ساتھ ذکر کیا اور اس کو صحیح قرار دیا۔

ابن جوزی نے اس حدیث کی مخالفت کرتے ہوئے اسے موضوعات میں شمار کیا اور اس کے راوی ابراہیم بن ہشام کو تہمت زدہ قرار دیا۔

حافظ ابن کثیر نے کہا کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ متعدد ائمہ جرح و تعدیل نے اس حدیث کی وجہ سے اس راوی (ابراہیم) کے بارے میں گفتگو کی ہے اور اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

حضرت ابویعلیٰ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا میرے بھائیوں انبیاء کرام میں سے آٹھ ہزار نبی گزر چکے ہیں پھر حضرت عیسیٰ بن مریم تھے پھر میں ہوا اور وہ جن کے نام لے کر اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ذکر کیا۔ وہ حضرت آدم' حضرت ادریس' حضرت نوح' حضرت ہود' حضرت صالح' حضرت ابراہیم' حضرت لوط' حضرت اسماعیل' حضرت اسحاق' حضرت یعقوب' حضرت یوسف' حضرت شعیب' حضرت موسیٰ' حضرت ہارون' حضرت یونس' حضرت داؤد' حضرت سلیمان' حضرت الیاس' حضرت الیسع' حضرت زکریا' حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام ہیں اسی طرح بہت سے مفسرین کے نزدیک حضرت ذوالکفل علیہ السلام بھی ہیں اور اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

ورفعنا لک ذکرک

ارشاد خداوندی ہے:

وَرَفَعْنَا لَکَ ذِکْرَکَ. (اے محبوب!) ہم نے آپ کے لئے آپ کے ذکر کو بلند کیا۔

۔ ابن جریر نے حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ کی حدیث سے نقل کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا حضرت جبریل علیہ السلام میرے پاس آئے اور انہوں نے کہا بے شک میرا اور آپ کا رب فرماتا ہے کیا آپ جانتے ہیں کہ میں نے آپ کے ذکر کو کیسے بلند کیا؟ میں نے کہا اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے انہوں نے کہا اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اِذَا ذُكِرْتَ ذُكِرْتَ مَعِیَ. جب میرا ذکر ہوگا تو میرے ساتھ آپ کا بھی ذکر ہوگا۔

(موارد الظمآن رقم الحدیث: ۱۷۷۲۔ مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۵۴ تفسیر طبری ج ۳۰ ص ۱۵۱ تفسیر ابن کثیر ج ۸ ص ۴۵۲)

اس حدیث کو امام طبرانی نے ذکر کیا اور ابن حبان نے اسے صحیح قرار دیا۔

ہم نے حضرت امام شافعی رحمہ اللہ سے نقل کیا وہ فرماتے ہیں ہمیں ابن عیینہ نے حضرت ابن ابی نجیح سے (روایت کرتے ہوئے) خبر دی کہ اس کا معنی یہ ہے کہ آپ کے ذکر کے بغیر میرا ذکر نہیں ہوگا۔ ''اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ''۔

امام شافعی فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے لیکن اس سے مراد اللہ تعالیٰ پر ایمان کے وقت اور اذان کے وقت آپ کا ذکر مراد ہے وہ فرماتے ہیں یہ بھی احتمال ہے کہ تلاوت قرآن کے وقت اور نیکی کرتے اور برائی سے بچتے وقت آپ کا ذکر مراد ہو (یعنی اس کے دل میں خیال ہوتا ہے کہ میں حضور علیہ السلام کی تبلیغ کی وجہ سے ایسا کرتا ہوں)۔

ایک قول یہ ہے کہ نبوت کے ذریعے آپ کے ذکر کو بلند کیا گیا یہ بات یحییٰ بن آدم نے کہی ہے۔

حضرت ابن عطا فرماتے ہیں (اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا) میں نے آپ کو اپنے ذکر میں سے قرار دیا پس جو آپ کا ذکر کرے گا اس نے میرا ذکر کیا۔

ان ہی سے مروی ہے کہ میں نے آپ کے ساتھ اپنے ذکر کو تکمیل ایمان قرار دیا (یعنی میرا اور آپ کا (دونوں کا) ذکر ہوگا تو ایمان مکمل ہوگا)۔

حضرت امام جعفر بن محمد صادق رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ کوئی شخص رسالت کے ساتھ آپ کا ذکر نہیں کرے گا مگر اس نے ربوبیت کے ساتھ میرا ذکر کیا۔

امام بیضاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس سے بڑی بلندی کیا ہو سکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کلمۂ شہادت میں آپ کے اسم گرامی کو اپنے اسم مبارک کے ساتھ ملایا اور آپ کی اطاعت کو اپنی فرمانبرداری قرار دیا قرآن مجید کی یہ آیت اس طرف اشارہ کرتی ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ. جس نے رسول اللہ ﷺ کا حکم مانا اس نے اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کی۔

اور فرمایا:

وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَحَقُّ اَنْ يُّرْضُوْهُ. اللہ اور اس کا رسول اس بات کا زیادہ حق رکھتے ہیں کہ یہ لوگ ان کو راضی کریں۔

اور فرمایا:

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ۔ اور جو شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کا حکم مانے۔

نیز فرمایا:

وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ۔ اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کا حکم مانو۔

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے دنیا اور آخرت میں آپ کے ذکر کو بلند کیا پس کوئی خطیب اور تشہد پڑھنے والا نیز کوئی نمازی نہیں مگر وہ کہتا ہے۔

''اشھد ان لا الہ الا اللہ وان محمدا عبدہ و رسولہ'' تو شہادت اور تشہد دونوں میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ حضور علیہ السلام کا بھی ذکر ہے اور وہ قرآن مجید میں' خطبات میں اور اذان میں اللہ تعالیٰ کے ذکر کے ساتھ حضور علیہ السلام کے ذکر کا بھی اقرار کرتے ہیں اور قیامت کے دن آپ کے نام کے ساتھ اذان دی جائے گی۔

ابونعیم نے ''الحلیہ میں'' حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً نقل کیا کہ جب حضرت آدم علیہ السلام ہندوستان میں اترے تو ان کو اجنبیت محسوس ہوئی پس حضرت جبریل علیہ السلام نے اتر کر یوں اذان دی۔

اَللّٰهُ اَكْبَرُ (دو مرتبہ) اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ (دو مرتبہ) اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ (دو مرتبہ)۔

نبی اکرم ﷺ کا اسم مبارک عرش اور تمام آسمانوں پر لکھا گیا نیز جنتوں اور جو کچھ ان میں ہے سب پر لکھا گیا۔

حضرت بزار رحمہ اللہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً نقل کیا (کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا) جب مجھے آسمان کی طرف لے جایا گیا تو میں جس آسمان سے گزرا وہاں اپنا نام (یوں) لکھا ہوا پایا ''محمد رسول اللہ'' ''الحلیہ میں'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا جنت میں کوئی ایسا درخت نہیں جس پر پتہ ہو مگر اس پر لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ لکھا ہوا ہے۔

طبرانی نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مرفوع حدیث نقل کی ہے جس میں ہے کہ سلیمان بن داؤد علیہما السلام کی انگوٹھی پر ''لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ'' لکھا ہوا تھا حافظ ابن رجب (ابوالفرج عبدالرحمٰن بن احمد بن رجب حافظ الحدیث ہیں۔ متوفی ۷۹۵ھ) (الاعلام ج۳ ص۲۹۵' شذرات الذہب ج۶ ص۳۳۹' الدرر الکامنہ ج۲ ص۳۲۱) نے ''احکام الخواتیم'' کتاب میں اسے ابوعلی الخالدی کی جزء کی طرف منسوب کیا اور کہا کہ یہ موضوع ہے۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کے اسم گرامی کو اپنے اسم سے مشتق کیا ہے جیسا کہ حضرت حسان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

وشق من اسمه ليجله فذو العرش محمود وهذا محمد

''اللہ تعالیٰ نے آپ کے اسم مبارک کو اپنے نام سے مشتق کیا تاکہ اسے روشن کرے پس عرش والا محمود ہے اور یہ محمد ہیں''۔

اور اللہ تعالیٰ نے اپنے اسماء حسنیٰ میں سے ستر اسماء کے مطابق نبی اکرم ﷺ کا نام رکھا جیسا کہ آپ کے اسماء مبارکہ کے ذکر میں بیان ہو چکا ہے اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے سامنے آپ پر درود شریف پڑھا اور مؤمنوں کو بھی درود شریف پڑھنے کا حکم دیا۔ ارشاد خداوندی ہے:

إِنَّ اللّٰهَ وَ مَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا○ بے شک اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے نبی ﷺ پر درود بھیجتے ہیں اے ایمان والو! تم بھی ان پر درود بھیجو اور خوب سلام بھیجو۔ (الاحزاب:٥٦)

تو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو خبر دی کہ آسمانوں میں اس کے نبی کی کیا قدر و منزلت ہے کہ مقرب فرشتوں کے سامنے آپ کی تعریف کی جاتی ہے اور فرشتے بھی آپ پر درود پڑھتے ہیں۔ پھر زمین والوں کو آپ پر درود شریف اور سلام پڑھنے کا حکم دیا پس آسمانوں اور زمین والوں (دونوں) کی طرف سے آپ کی تعریف جمع ہوگئی۔

اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس وقت نبی لکھا جب حضرت آدم علیہ السلام روح اور جسم کے درمیان تھے آپ پر نبوت و رسالت کا اختتام فرمایا اور آپ کے مبارک ذکر کا پہلوں اور پچھلوں میں اعلان فرمایا۔

اور آپ کے عالی شان مرتبہ کو اس وقت بلند کیا جب تمام انبیاء کرام سے وعدہ لیا اور آپ کے ذکر کو رسائل کے آغاز و اختتام میں رکھا اور اس ذکر کے ذریعے منبروں پر فصیح و بلیغ خطباء کو شرف بخشا نیز آپ کے ذکر کے ساتھ قلم اور دوات والوں کو زینت عطا فرمائی آپ کے ذکر کو مشرق و مغرب اور خشکی اور تری میں پھیلایا حتیٰ کہ آسمانوں میں اور مقام مستوی میں اور جہاں تقدیر لکھنے والی قلموں کی آواز آتی ہے عرش و کرسی' تمام مقرب فرشتوں میں جو آسمانوں میں ہیں یا زمین پر سب میں آپ کے ذکر کو جاری کیا۔

مؤمنوں کے دلوں میں آپ کی یاد کو اس طرح رکھا کہ وہ آپ کے ذکر سے لذت پاتے ہیں اور ان کی ارواح کو راحت حاصل ہوتی ہے اور بعض اوقات آپ کے اسم گرامی کو سن کر ان کے جسم مضطرب ہو جاتے ہیں کہا گیا:

واذا ذكرتكم اميل كانني من طيب ذكركم سقيت الراحا

''اور جب میں تمہارا ذکر کرتا ہوں تو جھومنے لگتا ہوں گویا میں تمہارے ذکر کی شراب پلایا گیا ہوں''۔

گویا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میں آپ کی پیروی کرنے والوں سے تمام کائنات کو بھر دوں گا سب لوگ آپ کی تعریف کریں گے آپ پر درود شریف پڑھیں گے اور آپ کی سنت کی حفاظت کریں گے بلکہ ہر فرض نماز کے ساتھ سنت نماز بھی ہے پس وہ فرض کی ادائیگی میں میرے حکم کی اور سنت پڑھتے ہوئے آپ کے حکم کی تعمیل کرتے ہیں۔

میں نے اپنی اطاعت کو آپ کی اطاعت اور اپنی بیعت کو آپ کی بیعت قرار دیا پس قراء آپ کے منشور کے الفاظ کی حفاظت کرتے ہیں' مفسرین آپ کے فرقان مجید کے معانی کی تفسیر کرتے ہیں واعظین آپ کے فصیح و بلیغ وعظ کو پہنچاتے ہیں۔ بادشاہ اور سلاطین آپ کی خدمت میں کھڑے دروازے کے باہر سے آپ کو سلام پیش کرتے ہیں اور آپ کے روضہ کی خاک پاک اپنے چہروں پر ملتے ہیں نیز آپ کی شفاعت کی امید رکھتے ہیں پس آپ کا شرف ہمیشہ ہمیشہ باقی رہے گا۔ اور تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کو پالنے والا ہے۔

ما انزلنا علیک القرآن لتشقی

ارشاد خداوندی ہے:

طٰهٰ○ مَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰى○ ہم نے آپ پر قرآن مجید اس لئے نازل نہیں کیا کہ

(طٰہٰ:۱۔۲) آپ مشقت میں پڑ جائیں۔

جان لو کہ طٰہٰ کے بارے میں مفسرین کے دو قول ہیں ایک یہ کہ یہ حروف تہجی میں سے ہے اور دوسرا یہ کہ کلمہ مفیدہ ہے پہلی صورت میں کہا گیا کہ اس کا معنیٰ "اے امت کے لئے سفارش کی امید رکھنے والے" ہے نیز یہ معنیٰ ہے "اے ملت اسلامیہ کی طرف مخلوق کو بلانے والے"۔ اور یہ بھی کہا گیا کہ حساب کے اعتبار سے طاء کے نو اور ہاء کے پانچ عدد ہیں پس یہ چودہ عدد ہوئے اور اس کا معنیٰ ہے اے چودھویں کے چاند!

لیکن ان اقوال پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا ہے جیسا کہ محققین نے کہا کہ یہ عجیب تفسیر ہے واسطی نے بھی اسی طرح کہا جسے قاضی عیاض رحمہ اللہ نے "الشفاء میں" نقل کیا کہ اس سے مراد اے طاہر اے ہادی! ہے اور جو لوگ اسے کلمہ مفیدہ کہتے ہیں تو اس میں دو وجہ ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ اس کا معنیٰ "یا رجل" (اے مرد) ہے۔

حضرت ابن عباس' حضرت حسن' حضرت مجاہد' حضرت سعید بن جبیر' حضرت قتادہ اور حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہم سے اسی طرح مروی ہے حضرت سعید بن جبیر فرماتے ہیں یہ نبطی زبان کے لفظ ہے حضرت قتادہ اسے سریانی زبان کا لفظ قرار دیتے ہیں حضرت عکرمہ کے نزدیک حبشی زبان کا لفظ ہے۔

امام بیضاوی فرماتے ہیں اگر اس کا معنیٰ "یا رجل" صحیح ہو تو شاید اس کی اصل "یا ھذا" ہو پس انہوں نے اس کو بدل کر مختصر کر دیا ہو۔

کلبی نے کہا اگر تم عک بن عدنان کی اولاد کی زبان میں "یا رجل" کہو تو وہ اسے پسند نہیں کرتے حتیٰ کہ تم طٰہٰ کہو۔

سدی نے کہا طٰہٰ کا معنیٰ ہے "اے فلاں"۔

زمخشری نے کہا شاید "عک" قوم نے "یا ھذا" میں تصرف کر کے طٰہٰ بنا دیا گویا وہ اپنی لغت میں یاء کو طاء سے بدلتے ہیں پس انہوں نے کہا "یا طاء" پھر اسے مختصر کرے "ھاء" پر اکتفا کیا اور صیغہ کا اثر ظاہر ہے اس شعر میں مخفی نہیں جس کو دلیل بنایا گیا:

ان السفاھۃ طٰہٰ فی خلائقکم لا قدس اللہ اخلاق الملاعین

"اے شخص! بیوقوفی تمہاری فطرت میں پائی جاتی ہے اللہ تعالیٰ مردود لوگوں کے اخلاق پاک نہ کرے (یہاں طٰہٰ کا معنیٰ "یا رجل" ہے)"۔

(ابوحیان نے اپنی تفسیر) البحر میں فرمایا کہ یہ بات پہلے گزر چکی ہے کہ "عک" (قوم) کی لغت میں طٰہٰ "یا رجل" کے معنیٰ میں ہے پھر ان پر انہوں نے "یا" کو "طا" سے بدلا اور عربی زبان میں یاء ندائیہ کو طاء سے نہیں بدلا جاتا اسی طرح ندا میں اسم اشارہ کو حذف کیا اور کہا گیا کہ اس کا معنیٰ "یا انسان" ہے۔

طٰہٰ ہاء ساکن کے ساتھ بھی پڑھا گیا نبی اکرم ﷺ کو حکم دیا گیا کہ زمین کو اپنے مبارک قدموں سے روندیں (وطاء یطاء سے امر کا صیغہ ہے)۔

ایک روایت میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ تہجد میں ایک پاؤں پر کھڑے ہوئے تو آپ کو حکم دیا گیا کہ دونوں پاؤں زمین پر اکٹھے رکھیں اصل میں طاء تھا پھر ہمزہ کو "ہاء" سے بدل دیا گیا جیسے "ایاک" کو "ھیاک" پڑھتے ہیں اور

ادقت کو ھوقت پڑھا جاتا ہے۔
اور ہوسکتا ہے اصل میں وطی ہو اور ہمزہ نہ ہو پس اس کی اصل "طا" ہوگی یعنی "یا رجل" پھر وقف کے لئے "ھاء" کو لایا گیا اس بنیاد پر احتمال ہے کہ طٰہٰ کی اصل "طاھا" ہو اور الف کو ہمزہ اور ہاء سے بدلا گیا جو زمین سے کنایہ ہے لیکن اس پر اعتراض ہوسکتا ہے کہ یہ دونوں حرف کی صورت میں لکھے جاتے ہیں۔

اور ارشاد خداوندی ہے:

مَآ اَنۡزَلۡنَا عَلَيۡكَ الۡقُرۡاٰنَ لِتَشۡقٰٓى ۝ (طٰہٰ:۲)

ہم نے آپ پر قرآن مجید اس لئے نہیں اتارا کہ آپ مشقت میں پڑ جائیں۔

اس آیت کے سبب نزول میں کئی اقوال ذکر کیے ہیں۔

پہلا قول: ابوجہل ولید بن مغیرہ اور مطعم بن عدی نے نبی اکرم ﷺ سے کہا کہ آپ (معاذ اللہ) بدبخت ہیں کہ آپ نے اپنے آباؤ اجداد کا دین چھوڑ دیا آپ نے فرمایا مجھے تو تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا گیا ہے اس پر اللہ تعالیٰ نے ان (کفار) کا رد کرتے ہوئے یہ آیت نازل فرمائی اور نبی اکرم ﷺ کی تعریف فرمائی کہ دین اسلام اور قرآن ہی ہر کامیابی کو پانے کی سیڑھی اور ہر سعادت کو پانے کا ذریعہ ہے اور کافروں کا عقیدہ سراسر بدبختی ہے۔

دوسرا قول: نبی اکرم ﷺ نے رات کے وقت نماز پڑھی حتیٰ کہ آپ کے قدم مبارک پھول گئے حضرت جبریل علیہ السلام نے عرض کیا اپنے نفس کو باقی رکھیں کیونکہ اس کا بھی آپ پر حق ہے یعنی ہم نے آپ پر قرآن مجید اس لئے نازل نہیں کیا کہ آپ اپنے آپ کو عبادت میں ہی مصروف رکھیں اور نفس کو بہت بڑی مشقت میں ڈالیں آپ کو خالص نرم دین کے ساتھ بھیجا گیا۔

ایک روایت میں ہے کہ جب آپ رات کے وقت کھڑے ہوتے تو اپنے سینہ اقدس کو رسی سے باندھ لیتے حتیٰ کہ آرام نہ فرماتے بعض نے کہا کہ آپ پوری رات جاگتے رہتے۔

اس پر تنقید کی گئی کہ یہ بات بعید از عقل ہے کیونکہ اگر نبی اکرم ﷺ نے ایسا کوئی کام کیا ہوتا تو یقیناً اللہ تعالیٰ کے حکم سے کیا ہوتا اور جب کوئی کام اللہ تعالیٰ کے حکم سے کیا تو وہ سعادت مندی ہے بدبختی کا باعث نہیں۔

تیسرا قول: بعض حضرات نے کہا اس بات کا احتمال ہے کہ اس سے مراد یہ ہو کہ آپ ان کفار پر افسوس کرتے ہوئے اپنے آپ کو مشقت اور تکلیف میں نہ ڈالیں۔ ہم نے آپ پر قرآن مجید اس لئے نازل کیا کہ اس کے ذریعے ایمان والوں کو نصیحت سنائیں پس جو شخص ایمان لایا اور صحیح راستے پر رہا اس کا فائدہ اسے ہی ملے گا اور جس نے کفر کیا اس کے کفر سے آپ غمگین نہ ہوں آپ کے ذمہ تو پہنچا دینا ہے اور اسی طرح جیسے ارشاد فرمایا:

لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفۡسَكَ اَلَّا يَكُوۡنُوۡا مُؤۡمِنِيۡنَ ۝ (شعراء:۳)

تو کہیں تم اپنی جان پر کھیل جاؤ گے ان کے غم میں کہ وہ ایمان نہیں لائے۔

اور ارشاد خداوندی ہے:

وَلَا يَحۡزُنۡكَ كُفۡرُهٗ. (لقمان:۲۳)

اور کفر سے آپ غمگین نہ ہوں۔

چوتھا قول: یہ سورت ان سورتوں میں سے ہے جو مکہ مکرمہ میں شروع شروع میں نازل ہوئیں۔اس وقت آپ اپنے دشمنوں کی زیادتیاں برداشت کررہے تھے گویا اللہ تعالیٰ نے فرمایا آپ یہ خیال نہ کریں کہ اسی حالت پر باقی رہیں گے بلکہ آپ کا دین بلند ہوگا اور آپ کی شان ظاہر ہوگی کیونکہ ہم نے قرآن پاک اس لئے نازل نہیں کیا کہ آپ کی شقاوت کا باعث ہو بلکہ آپ معظم و مکرم ہوں گے اللہ تعالیٰ آپ کی عظمت' کرامت اور شرافت کو زیادہ فرمائے۔

انا اعطینا ک الکوثر

ارشاد خداوندی ہے:

اِنَّآ اَعْطَیْنٰکَ الْکَوْثَرَ. (کوثر:۱) بے شک ہم نے آپ کو خیر کثیر عطا کی۔

امام فخر الدین بن الخطیب نے فرمایا کہ اس سورت میں بہت سے فائدے ہیں ان میں سے ایک یہ کہ یہ سورت پہلی سورتوں کا تتمہ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے سورۂ والضحیٰ میں ہمارے نبی علیہ السلام کی تعریف اور آپ کے احوال کی تفصیل بیان کی پس اس کے شروع میں تین باتیں ذکر کی ہیں جن کا نبوت سے تعلق ہے اور وہ آیات یہ ہیں:

مَا وَدَّعَکَ رَبُّکَ وَمَا قَلٰی ○ وَلَلْاٰخِرَةُ خَیْرٌ لَّکَ مِنَ الْاُوْلٰی ○ وَلَسَوْفَ یُعْطِیْکَ رَبُّکَ فَتَرْضٰی ○ (الضحیٰ:۳۔۵) تمہیں تمہارے رب نے نہ چھوڑا اور نہ مکروہ جانا اور بے شک پچھلی (گھڑی) تمہارے لئے پہلی سے بہتر ہے اور بیشک قریب ہے کہ تمہارا رب تمہیں اتنا دے گا کہ تم راضی ہو جاؤ گے۔

پھر اسی طرح ایسے تین احوال کے ساتھ اختتام فرمایا جن کا دنیا سے تعلق ہے۔

ارشاد فرمایا:

اَلَمْ یَجِدْکَ یَتِیْمًا فَاٰوٰی ○ وَوَجَدَکَ ضَآلًّا فَهَدٰی ○ وَوَجَدَکَ عَآئِلًا فَاَغْنٰی ○ (الضحیٰ:۶۔۸) کیا اس نے تمہیں یتیم نہ پایا پھر جگہ دی اور تمہیں اپنی محبت میں خود رفتہ پایا تو اپنی طرف راہ دی اور تمہیں حاجت مند پایا پھر غنی کر دیا۔

"ضالا" یعنی حکم اور احکام سے آپ بے خبر تھے۔

اس کے بعد سورۂ "الم نشرح" میں ذکر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو تین باتوں کے ساتھ مشرف فرمایا۔ اور وہ اس طرح ہیں:

اَلَمْ نَشْرَحْ لَکَ صَدْرَکَ ○ (الم نشرح:۱) کیا ہم نے آپ کے لئے آپ کا سینہ کھول نہیں دیا۔

یعنی اس قدر کھول دیا کہ حق تعالیٰ سے مناجات اور مخلوق کو دعوت' سب کچھ اس میں سمایا ہوا ہے:

وَوَضَعْنَا عَنْکَ وِزْرَکَ ○ (الم نشرح:۲) اور ہم نے آپ سے آپ کے بوجھ کو اتار دیا۔

اس سے بھاری بوجھ مراد ہے یعنی:

اَلَّذِیْٓ اَنْقَضَ ظَهْرَکَ ○ وَرَفَعْنَا لَکَ وہ بوجھ جس نے آپ کی پشت مبارک کو توڑ رکھا اور

ذِکْرَکَ ○ (الم نشرح: ۳۔۴) ہم نے آپ کے لئے آپ کے ذکر کو بلند کیا۔

اسی طرح ایک ایک سورت میں آپ کا ذکر ہے حتیٰ کہ فرمایا:

اِنَّآ اَعْطَیْنٰکَ الْکَوْثَرَ ○ (کوثر:۱) بے شک ہم نے آپ کو خیر کثیر عطا کی۔

یعنی ہم نے آپ کو یہ مناقب کثیرہ عطا فرمائے کہ ان میں سے ہر ایک تمام دنیا کی ملکیت سے بہت بڑا ہے پس جب ہم نے آپ کو یہ انعامات عطا کئے تو آپ ہماری اطاعت میں مشغول ہوں اور ان لوگوں کی باتوں کی پرواہ نہ کریں۔

پھر عبادت میں مشغولیت یا نفس و بدن کے ساتھ ہوتی ہے اور وہ ارشاد خداوندی "فصل لربک" ہے اور یا حال کے ساتھ ہوتی ہے اور وہ "وانحر" ہے۔

اللہ تعالیٰ کے ارشاد گرامی "انا اعطیناک" میں غور کیجئے کس طرح صیغہ ماضی کے ساتھ ذکر کیا اور یہ نہیں فرمایا "سنعطیک" ہم عنقریب آپ کو عطا کریں گے تاکہ اس بات پر دلالت ہو یہ عطا زمانہ ماضی میں پائی گئی ہے۔

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

کنت نبیا و آدم بین الروح والجسد. میں اس وقت بھی نبی تھا جب حضرت آدم علیہ السلام روح اور جسم کے درمیان تھے۔

اس میں شک نہیں کہ جو شخص زمانہ ماضی میں عزیز ہو اور اس کی رعایت کی جاتی ہو وہ اس سے زیادہ شرف والا ہوتا ہے جسے عنقریب یہ اعزاز ملے گا۔ گویا اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

اے محمد! آپ کے وجود میں آنے سے پہلے ہم نے آپ کی سعادت کے اسباب تیار کر دیئے تو آپ کے وجود میں آنے اور ہماری عبادت میں مشغول ہونے کے بعد کیا کیفیت ہوگی؟

اے عبد کریم! ہم نے آپ کو یہ فضل عمیم آپ کی عبادت و اطاعت کی وجہ سے نہیں دیا ہم نے محض اپنے فضل اور احسان سے آپ کو مختار بنایا اس کا کوئی سبب موجب نہیں ہے۔

الکوثر کی تفسیر میں مفسرین کا اختلاف

الکوثر کی تفسیر میں مختلف وجوہ ذکر کی گئی ہیں۔

۱۔ ان میں ایک یہ ہے کہ یہ جنت میں ایک نہر ہے سلف و خلف کے نزدیک یہی بات مشہور ہے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"اس دوران کہ میں جنت میں چل رہا تھا اچانک وہاں ایک نہر کے پاس پہنچا جس کے کناروں پر اندر سے خالی موتیوں کے خیمے تھے میں نے پوچھا اے جبریل علیہ السلام! یہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا یہ کوثر ہے جو آپ کے رب نے آپ کو عطا کی ہے اس کا گارا نہایت خوشبودار کستوری کا تھا"۔ (مسند احمد ج ۳ ص ۲۰۷، اتحاف السادۃ المتقین ج ۱۰ ص ۴۹۸، مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۵۵۶۶، الترغیب والترہیب ج ۴ ص ۵۱۷، المغنی ج ۴ ص ۵۱۳، کنز العمال رقم الحدیث: ۳۹۱۳۳)

یہ بھی کہا گیا ہے کہ کوثر سے آپ کی اولاد مراد ہے کیونکہ یہ سورت ان لوگوں کے رد میں نازل ہوئی جو آپ کو اولاد نہ ہونے کا عیب لگاتے تھے اس بنیاد پر معنی یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو ایسی نسل عطا کرے جو زمانہ گزرنے کے بعد بھی باقی

رہیں گے تو دیکھئے اہل بیت میں سے کتنے لوگ شہید ہوئے پھر یہ کائنات ان سے بھری پڑی ہے دوسرے انبیاء کرام کو یہ اعزاز حاصل نہیں ہے۔

ایک قول کے مطابق کوثر سے خیر کثیر مراد ہے یہ بھی کہا گیا ہے کہ نبوت مراد ہے اور وہ خیر کثیر ہے۔

کہا گیا ہے کہ اس سے آپ کی امت کے علماء مراد ہیں ایک قول کے مطابق کوثر سے اسلام مراد ہے اور اس میں شک نہیں کہ یہ دونوں خیر کثیر ہیں پس علماء کرام' انبیاء عظام کے وارث ہیں جیسا کہ امام احمد' ابوداؤد اور ترمذی رحمہم اللہ نے اسے روایت کیا ہے۔

اور یہ حدیث کہ میری امت کے علماء بنی اسرائیل کے انبیاء کی طرح ہیں۔ تو اس کے بارے میں حافظ ابن حجر اور ان سے پہلے الدمیری اور زرکشی نے فرمایا کہ اس کی کوئی اصل نہیں۔

ابونعیم نے پاکدامن عالم کی فضیلت میں ضعیف سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوع حدیث نقل کی ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا:

اقرب الناس من درجة النبوة اهل العلم والجهاد. لوگوں میں سے درجۂ نبوت کے زیادہ قریب علماء اور مجاہدین ہیں۔

ایک قول یہ ہے کہ کوثر سے علم مراد ہے اور اس معنی پر محمول کرنا زیادہ مناسب ہے۔ جس کی چند وجوہ ہیں۔ ان میں سے ایک وجہ یہ ہے کہ علم ہی خیر کثیر ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ کوثر کو آخرت کی نعمتوں پر محمول کیا جائے گا یا دنیا کی نعمتوں پر؟ وہ فرماتے ہیں پہلی صورت جائز نہیں کیونکہ فرمایا ہم نے آپ کو کوثر عطا کی اور جنت بعد میں عطا ہوگی عطا ہوئی نہیں پس کوثر سے وہ نعمتیں مراد ہوں گی جو آپ کو دنیا میں حاصل ہوئیں اور دنیا میں جو کچھ آپ تک پہنچا ان میں سے سب سے زیادہ شرف والی چیز علم اور نبوت ہے۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے "انا اعطیناک الکوثر" فرمانے کے بعد فرمایا "فصل لربک وانحر" اور عبادت سے پہلے صرف معرفت ہوتی ہے اور "فصل" میں فاتعقیب کے لئے ہے اور یہ بات معلوم ہے کہ عبادت کا موجب صرف علم ہے۔

یہ بھی کہا کہ کوثر سے اچھے اخلاق مراد ہیں جیسا کہ حدیث میں ہے:

ذهب حسن الخلق بخير الدنيا والاخرة. دنیا اور آخرت کی بہتر شخصیت کے ساتھ اچھا اخلاق چلا گیا۔

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو جتنی نعمتیں عطا کی ہیں کوثر سے وہی مراد ہیں خلاصہ کلام یہ ہے کہ آیت سے بعض نعمتیں مراد لینا اور باقی کو چھوڑ دینا بہتر نہیں پس تمام نعمتوں پر محمول کرنا واجب ہے۔

اسی لئے مروی ہے کہ حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ نے جب حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ قول روایت کیا تو بعض لوگوں نے ان سے کہا کہ لوگوں کے خیال میں اس سے جنت کی ایک نہر مراد ہے حضرت سعید رضی اللہ عنہ نے فرمایا

وہ نہر جو جنت میں ہے اسی خیر میں سے ہے جو (خیر) اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا کی ہے۔

امام فخر الدین بن الخطیب نے کہا کہ بعض علماء کرام فرماتے ہیں ''انا اعطیناک الکوثر'' کے ظاہر کا تقاضا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ کوثر عطا کر دی ہے تو لازم ہے کہ اس کا سب سے قریبی محمول نبوت' قرآن' ذکر عظیم اور دشمنوں کے خلاف مدد ہے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو مرحمت فرمائی جہاں تک حوض کوثر اور اس ثواب کا تعلق ہے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمایا تو اگرچہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ بھی کوثر میں داخل ہے کیونکہ جو چیز اللہ تعالیٰ کے وعدے کے مطابق ثابت ہو وہ واقع ہونے والی چیز کی طرح ہے لیکن حقیقت وہی ہے جو ہم نے پہلے بیان کی ہے اگرچہ یہ سب کچھ آپ کے لئے تیار کیا گیا لیکن حقیقتاً یہ کہنا کہ آپ کو اس سورت کے مکہ مکرمہ میں نازل ہوتے وقت حوض کوثر عطا کر دیا گیا تھا' صحیح نہیں۔

ہاں یہ جواب بھی دیا جا سکتا ہے کہ جو شخص اپنے چھوٹے بچے کے لئے کسی چیز کا اقرار کرے تو یہ کہنا صحیح ہوگا کہ اس نے اسے فلاں چیز دی ہے حالانکہ اس وقت بچہ تصرف کا اہل نہیں ہوتا۔

صحیح مسلم میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت سے ہے فرماتے ہیں کہ ایک دن نبی اکرم ﷺ ہمارے درمیان تشریف فرما تھے کہ آپ کو ہلکی سی اونگھ آ گئی پھر تبسم فرماتے ہوئے سر انور اٹھایا ہم نے کہا (یا رسول اللہ) مسکرانے کی وجہ کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ آپ کو مسکراتا ہوا رکھے آپ نے فرمایا ابھی ابھی مجھ پر ایک سورت نازل ہوئی پھر آپ نے پڑھا:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ	اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا ہے
اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ ○ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ○ اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ ○ (کوثر: ۱۔۳)	بے شک ہم نے تمہیں بے شمار خوبیاں عطا فرمائیں تو تم اپنے رب کے لئے نماز پڑھو اور قربانی کرو بے شک جو تمہارا دشمن ہے وہی ہر خیر سے محروم ہے۔

پھر فرمایا جانتے ہو کوثر کیا ہے؟ ہم نے عرض کیا اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ﷺ بہتر جانتے ہیں آپ نے فرمایا وہ ایک نہر ہے جس کا مجھ سے میرے رب نے وعدہ کیا ہے اس پر بہت بھلائی ہے اور وہ حوض ہے جس پر قیامت کے دن میری امت آئے گی اس کے برتن ستاروں کی تعداد کے مطابق ہیں ان میں سے ایک بندے کو دور کر دیا جائے گا تو میں کہوں گا اے میرے رب! یہ میری امت میں سے ہے اللہ تعالیٰ فرمائے گا آپ نہیں جانتے کہ اس نے آپ کے بعد کیا راستہ اختیار کیا۔[1]

(سنن نسائی رقم الحدیث: ۲۱۔ ج ۲ ص ۱۳۳' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۵۳' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۷۸۴' جامع ترمذی رقم الحدیث: ۲۵۴۲)

تو یہ نبی اکرم ﷺ کی طرف سے واضح تفسیر ہے کہ یہاں کوثر سے حوض مراد ہے اور یہ احتمال زیادہ مناسب ہے اور یہی مشہور ہے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔

پس وہ ذات پاک ہے جس نے نبی اکرم ﷺ کو یہ عظیم فضائل عطا فرمائے اور ان عمومی خصائل سے آپ کو مشرف فرمایا اور یہ بڑی بڑی نعمتیں عطا فرما کر آپ کو اپنا قرب عطا فرمایا۔

---

[1] مرتدین کا حوض کوثر پر آنا اور حضور علیہ السلام کا اللہ تعالیٰ سے سوال و جواب اس وجہ سے ہوگا کہ ان کو زیادہ حسرت پیدا ہو۔

(زرقانی ج ۶ ص ۱۶۰)

خطاب کے ذریعے نبی اکرم ﷺ کی تکریم

اللہ تعالیٰ کی عادت کریمہ ہے کہ اس نے اپنے انبیاء کرام علیہم السلام کو ان کے ذاتی ناموں سے پکارا مثلاً فرمایا:

یَآ اٰدَمُ اسْکُنْ. (البقرہ:۳۵) اے آدم (علیہ السلام) (آپ اور آپ کی بیوی) جنت میں رہیں۔

یٰنُوْحُ اهْبِطْ. (ھود:۴۸) اے نوح (علیہ السلام) آپ اتریں۔

یٰمُوْسٰٓی اِنِّیْٓ اَنَا اللّٰهُ. (القصص:۳۰) اے موسیٰ (علیہ السلام) بے شک میں ہی اللہ ہوں۔

یٰعِیْسَی ابْنَ مَرْیَمَ اذْكُرْ نِعْمَتِیْ عَلَیْكَ. (المائدہ:۱۱۰) اے عیسیٰ بن مریم (علیہما السلام) اپنے اوپر میری نعمت کو یاد کریں۔

لیکن ہمارے نبی حضرت محمد ﷺ کو غیب کی خبر (نبوت) دینے اور رسالت کے مبارک وصف کے ساتھ پکارا۔

ارشاد فرمایا: یٰٓاَیُّهَا الرَّسُوْلُ (اے رسول) یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ (اے نبی) اللہ تعالیٰ شاعر کو جزائے خیر دے کیا خوب کہا:

فدعا جمیع الرسل کلا باسمہ ودعاک وحدک بالرسول وبالنبی

''تمام رسولوں کو ان کے نام لے کر پکارا لیکن صرف آپ کو رسول اور نبی کہہ کر پکارا''۔

شیخ عزالدین بن عبدالسلام فرماتے ہیں یہ بات کسی پر مخفی نہیں کہ سردار جب اپنے کسی غلام کو اس کے عمدہ اور اعلیٰ اوصاف سے پکارے اور دوسرے غلاموں کو ان کے ذاتی ناموں کے ساتھ پکارے کسی وصف یا کسی اچھی عادت کے حوالے سے نہ پکارے تو جس کو اس کے اچھے ناموں اور اوصاف سے پکارا وہ اس سے افضل ہوتا ہے جسے وہ محض نام سے پکارتا ہے اور یہ بات عرف عام میں معلوم ہے کہ جس کو اس کے افضل اوصاف واخلاق سے پکارا جائے تو یہ اس کی تعظیم اور احترام میں مبالغہ ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد گرامی میں غور کیجئے۔ فرمایا:

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً. (البقرہ:۳۰) اور جب آپ کے رب نے فرشتوں سے فرمایا کہ میں زمین میں نائب بنانے والا ہوں۔

تو اس میں لفظ ''رب'' کا ذکر اور اس کی نبی اکرم ﷺ کی طرف اضافت ہے اور خطاب میں آپ کے شرف واختصاص پر تنبیہ ہے اور اس میں ایک لطیف اشارہ ہے کہ خطاب کے ساتھ جس کی طرف توجہ کی جائے اس کے لئے بہت بڑا حصہ ہوتا ہے اور جن جن کے بارے میں خبر دی ہے آپ کے لئے ان سب سے زیادہ حصہ رکھا گیا کیونکہ آپ اللہ تعالیٰ کے خلیفہ اعظم ہیں۔

کیا تم نبی کریم ﷺ کی رسالت ودعوت کا عموم نہیں دیکھتے اور آپ کو تمام انبیاء کرام سے افضل بنایا' شب معراج آپ کو ان سب کی امامت کا شرف عطا فرمایا اور قیامت کے دن حضرت آدم علیہ السلام اور ان کے علاوہ سب کو آپ کے جھنڈے کے نیچے رکھے گا۔ پس آپ زمین وآسمان اور دارالعمل نیز دارالجزاء ہر جگہ مقدم ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ کتاب عزیز میں اس بات کی تصریح موجود ہے کہ آپ کا رتبہ بلند' قدر ومنزلت عظیم' منصب عالی اور

ذکر رفیع ہے جس کا تقاضا یہ ہے کہ آپ احترام و اکرام کے انتہائی درجات پر فائز ہیں اور اللہ تعالیٰ نے عتاب سے پہلے آپ کے لئے عفو و درگزر اور نرمی کا ذکر فرمایا یہ بات آپ کی عظمت شان کے لئے کافی ہے۔ ارشاد فرمایا:

عَفَا اللّٰہُ عَنْکَ لِمَ اَذِنْتَ لَھُمْ۔ (التوبہ:۴۳) اللہ تعالیٰ آپ کو معاف کرے آپ نے ان کو اجازت کیوں دی۔ [1]

آپ کی تعظیم کے طور پر تمام انبیاء کرام سے پہلے آپ کا ذکر کیا حالانکہ آپ کی نبوت کا زمانہ سب سے آخری ہے۔

ارشاد خداوندی ہے:

وَمِنْکَ وَمِنْ نُّوْحٍ وَّاِبْرٰھِیْمَ وَ مُوْسٰی وَ عِیْسَی ابْنِ مَرْیَمَ۔ (الاحزاب:۷) اور آپ سے اور حضرت نوح اور حضرت ابراہیم اور حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ بن مریم (علیہم السلام) سے عہد لیا۔

اور یہ خبر بھی دی کہ جہنمی آپ کی اطاعت کی تمنا کریں گے۔

ارشاد فرمایا:

یَوْمَ تُقَلَّبُ وُجُوْھُھُمْ فِی النَّارِ یَقُوْلُوْنَ یٰلَیْتَنَآ اَطَعْنَا اللّٰہَ وَاَطَعْنَا الرَّسُوْلَا۝ (الاحزاب:۶۶) جس دن ان کے منہ الٹ الٹ کر آگ میں تلے جائیں گے کہتے ہوں گے ہائے کسی طرح ہم نے اللہ کا حکم مانا ہوتا اور رسول کا حکم مانا ہوتا۔

(تو نبی اکرم ﷺ کے فضائل و کمالات) ایک ایسا سمندر ہے جو کم نہیں ہوتا اور ایسی بارش جو کثرت کی وجہ سے شمار میں نہیں آ سکتی۔

دوسری نوع

اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و احسان سے انبیاء کرام سے پکا وعدہ کیا اگر وہ نبی اکرم ﷺ کا زمانہ پائیں تو آپ پر ضرور بضرور ایمان لائیں اور آپ کی مدد کریں۔ (الشفاء ج ۱ ص ۴۳)

ارشاد خداوندی ہے:

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰہُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ لَمَآ اٰتَیْتُکُمْ مِّنْ کِتٰبٍ وَّحِکْمَۃٍ ثُمَّ جَآءَکُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَکُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِہٖ وَلَتَنْصُرُنَّہٗ۔ (آل عمران:۸۱) اور یاد کرو جب اللہ نے پیغمبروں سے ان کا عہد لیا جو میں تم کو کتاب اور حکمت دوں پھر تشریف لائے تمہارے پاس وہ رسول کہ تمہاری کتابوں کی تصدیق فرمائے تو تم ضرور ضرور اس پر ایمان لانا اور ضرور ضرور اس کی مدد کرنا۔

اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ اس نے ہر اس نبی سے وعدہ لیا جس کو حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر نبی اکرم ﷺ تک مبعوث فرمایا کہ وہ ایک دوسرے کی تصدیق کریں۔ یہ بات حضرت حسن، حضرت طاؤس اور حضرت قتادہ رحمہم اللہ نے

[1] نبی اکرم ﷺ پر نرمی فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا: اور یہ خبر ہے اس کا معنی یہ ہے کہ کوئی مؤاخذہ نہیں یہ مطلب نہیں کہ یہ اجازت دینا گناہ ہے (اور اب اس کی معافی دی جا رہی)۔ (زرقانی ج ۶ ص ۱۶۲)

فرمائی ہے۔

کہا گیا ہے کہ اس کا معنیٰ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام اور ان کی امتوں سے وعدہ لیا اور امتوں کے ذکر کی ضرورت نہ تھی (اس لئے ان کا ذکر نہ فرمایا)۔

حضرت علی بن ابی طالب اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس نبی کو بھی بھیجا اس سے وعدہ لیا کہ اگر ان کی زندگی میں حضرت محمد ﷺ کو بھیجا جائے تو وہ ضرور بضرور آپ پر ایمان لائیں اور آپ کی مدد کریں۔

حضرت قتادہ' حضرت حسن اور حضرت طاؤس رحمہم اللہ نے جو کچھ فرمایا وہ حضرت علی المرتضیٰ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم کے قول کے خلاف نہیں اور نہ ہی اس کی نفی کرتا ہے بلکہ یہ اس کو لازم ہے اور اس کا تقاضا کرتا ہے۔

کہا گیا ہے کہ اس کا معنیٰ یہ ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام اپنی امتوں سے وعدہ لیتے تھے کہ جب حضرت محمد ﷺ کو مبعوث کیا جائے تو وہ آپ پر ایمان لائیں گے اور آپ کی مدد کریں گے اس قول کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جن سے وعدہ لیا ان پر واجب تھا کہ نبی اکرم ﷺ کی بعثت کے وقت آپ پر ایمان لائیں اور انبیاء کرام آپ کی بعثت کے وقت دنیا سے پردہ فرما چکے تھے اور فوت ہونے والا مکلف نہیں ہوتا پس یہ بات متعین ہوگئی کہ وعدہ امتوں سے لیا گیا تھا۔

وہ فرماتے ہیں اس کی تائید اس بات سے ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فیصلہ فرمایا کہ جن سے وعدہ لیا گیا ہے اگر وہ اس سے پھر جائیں تو وہ فاسق ہوں گے اور یہ وصف انبیاء کرام کے لائق نہیں بلکہ امتوں کے لائق ہے۔

امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ نے اس کا جواب یوں دیا ہے کہ اس آیت سے مراد یہ ہے کہ اگر انبیاء کرام (ظاہری زندگی کے ساتھ) زندہ ہوتے تو نبی اکرم ﷺ پر ایمان لاتے۔ اس کی نظیر اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد گرامی ہے:

لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ. (الزمر:٦٥)

اگر تم شرک کرو گے تو تمہارے اعمال ضائع ہو جائیں گے۔

حالانکہ اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کہ آپ کبھی شرک نہیں کریں گے لیکن یہ کلام فرض کرنے کے طور پر ہے۔

اور ارشاد خداوندی:

وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ ○ لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ ○ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِيْنَ ○ (الحاقہ:۴۴۔۴۶)

اور اگر وہ ہم پر ایک بات بھی بنا کر کہتے ضرور ہم ان سے بقوت بدلہ لیتے پھر ان کی رگ دل کاٹ دیتے۔

اور فرشتوں کے بارے میں فرمایا:

وَمَنْ يَّقُلْ مِنْهُمْ اِنِّيْۤ اِلٰهٌ مِّنْ دُوْنِهٖ فَذٰلِكَ نَجْزِيْهِ جَهَنَّمَ. (الانبیاء:۲۹)

اور ان میں سے جو فرشتہ یہ کہے کہ میں اللہ تعالیٰ کے علاوہ معبود ہوں تو ہم اس کا بدلہ جہنم دیں گے۔

حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں یوں خبر دی:

لَا يَسْبِقُوْنَهٗ بِالْقَوْلِ. (الانبیاء:۲۷)

بات میں اس سے سبقت نہیں کرتے۔

اور یہ بھی فرمایا:

یَخَافُوْنَ رَبَّهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ. (النحل: ۵۰) اپنے اوپر اپنے رب کا خوف کرتے ہیں۔

تو یہ سب کچھ اس بنیاد پر ہے کہ اگر ایسا فرض کیا جائے اور جب یہ آیت یوں نازل ہوتی کہ تمام انبیاء کرام پر واجب فرمایا کہ وہ حضرت محمد ﷺ پر ایمان لائیں اگر وہ زندہ ہوں اور اگر وہ اس پر عمل کو ترک کریں گے تو فاسقوں میں شمار ہوں گے تو ان کی امتوں پر بدرجۂ اولیٰ واجب ہے کہ نبی اکرم ﷺ پر ایمان لائیں تو اس وعدہ کو انبیاء کرام کی طرف پھیرنا مقصود کے حصول میں زیادہ قوی ہے۔

امام سبکی نے (اپنے چھوٹے سے رسالہ "التعظیم والمنة فی لیومنن به ولتنصرنه" میں) اس آیت کے ضمن میں ذکر کیا کہ اگر فرض کیا جائے کہ آپ ان کے زمانے میں تشریف لاتے تو آپ ان کی طرف بھی رسول ہوتے پس آپ کی نبوت و رسالت تمام مخلوق کے لئے عمومی ہے اور وہ آدم علیہ السلام کے زمانے سے قیامت تک کے لئے ہے۔ اور انبیاء کرام اور ان کی امتیں سب آپ کی امت ہیں اور نبی اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی:

بعثت الی الناس کافة. مجھے تمام لوگوں کی طرف کفایت کرنے والا بنا کر بھیجا گیا۔

یہ صرف آپ کے زمانے کے لوگوں سے متعلق نہیں جو قیامت تک ہوں گے بلکہ پہلے لوگوں کو بھی شامل ہے اور انبیاء کرام سے وعدہ اس لئے لیا کہ آپ کا ان پر مقدم ہونا معلوم ہو جائے نیز یہ کہ آپ ان کے بھی نبی اور رسول ہیں اور وعدہ لینا جو حلف لینے کے معنیٰ میں ہے اسی لئے "لتومنن به ولتنصرنه" میں لام قسم داخل ہے' ایک لطیف بات ہے وہ یہ کہ گویا بیعت کی قسم ہے جو خلفاء سے لی جاتی ہے اور شاید خلفاء سے قسم لینا اسی آیت سے ماخوذ ہو۔

تو دیکھو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نبی اکرم ﷺ کی کتنی بڑی تعظیم پائی گئی جب یہ بات معلوم ہوئی تو نبی اکرم ﷺ تمام نبیوں کے امام ہوئے اسی لئے یہ بات قیامت کے دن اس وقت ظاہر ہوگی جب تمام انبیاء کرام آپ کے جھنڈے کے نیچے ہوں گے اور دنیا میں اس وقت اس کا ظہور ہوا جب شبِ معراج آپ نے ان کو نماز پڑھائی۔

اور اگر آپ حضرت آدم' حضرت نوح' حضرت ابراہیم' حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام کے زمانے میں تشریف لاتے تو ان پر اور ان کی امتوں پر آپ کی اتباع اور آپ پر ایمان لانا اور آپ کی مدد کرنا واجب ہوتا اور ان سے یہی وعدہ لیا گیا۔

تو نبی اکرم ﷺ کی ان پر نبوت و رسالت کا ایک ایسا معنیٰ ہے جو ان کو ان کی زندگیوں میں حاصل ہوا لیکن وہ اس بات پر موقوف تھا کہ وہ سب آپ کے ساتھ جمع ہوں تو یہ امر ان کے وجود تک مؤخر رہا یہ بات نہیں کہ اس کے تقاضے سے وہ موصوف نہ تھے۔

تو فعل کا محل کی قبولیت پر موقوف ہونا اور فاعل کی اہلیت پر موقوف ہونا دونوں میں فرق ہے تو یہاں فاعل کی جہت سے موقوف نہیں اور نہ ہی نبی اکرم ﷺ کی ذات شریفہ کی جہت سے' بلکہ اس کا توقف اس زمانے کے پائے جانے کی وجہ سے تھا جس میں اس کی تعمیل ہوئی پس اگر ان انبیاء کرام کے زمانے میں آپ کا آنا پایا جاتا تو ان پر آپ کی اتباع لازم

36

ہوتی اور اس میں کوئی شک نہیں۔ اسی لئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام آخری زمانے میں نبی اکرم ﷺ کی شریعت کے مطابق آئیں گے جب کہ وہ معزز ومحترم نبی ہوں گے جس طرح بعض لوگوں نے گمان کیا کہ آپ اس امت کے فرد کی حیثیت سے تشریف لائیں گے ایسا نہیں ہوگا ہاں اس اعتبار سے وہ اس امت میں ایک فرد ہوں گے کہ نبی اکرم ﷺ کی اتباع کرنے والوں سے ہوں گے اور وہ ہمارے نبی اکرم ﷺ کی شریعت یعنی قرآن وسنت کے مطابق فیصلہ کریں گے اور تمام اوامر ونواہی کے ساتھ آپ کا تعلق اسی طرح ہوگا جس طرح تمام امت کا تعلق ہے لیکن آپ کی نبوت میں کوئی فرق نہیں آئے گا بلکہ آپ اسی طرح کریم نبی ہوں گے۔

اسی طرح اگر حضور علیہ السلام کو ان کے زمانے میں یا حضرت موسیٰ یا حضرت ابراہیم یا حضرت نوح وآدم علیہم السلام کے زمانے میں بھیجا جاتا تو وہ اسی طرح اپنی امتوں کی طرف نبی اور رسول ہوتے اور نبی کریم ﷺ ان سب پر نبی اور ان سب کی طرف رسول ہوتے پس آپ کی نبوت عمومی سب کو شامل اور سب سے بڑی نبوت ہے اور شرعی اصول میں آپ کی نبوت ان کی نبوتوں سے متفق ہے کوئی اختلاف نہیں لیکن جن فروع میں اختلاف ہوسکتا ہے ان میں آپ کی شریعت مقدم ہے یا تو تخصیص کے طریقے پر یعنی آپ کی خصوصیت سے یا نسخ کے طریقے پر کہ پہلے احکام منسوخ ہوگئے یا نسخ اور تخصیص نہیں بلکہ آپ کی شریعت اس وقت ان امتوں کی نسبت سے وہ ہوگی جو ان کے انبیاء کرام لے کر آئے اور اس امت کی طرف نسبت کرتے ہوئے اس وقت یہ شریعت ہے اور اشخاص واوقات کی تبدیلی سے احکام تبدیل ہوجاتے ہیں اس سے ہمارے لئے دو حدیثوں کا وہ معنیٰ واضح ہوگیا جو ہم سے پوشیدہ تھا۔

ایک حدیث یہ کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

بعثت الی الناس کافۃ. مجھے سب لوگوں کی طرف کفایت کرنے والا بھیجا گیا۔

ہمارا خیال یہ تھا کہ ہمارے زمانے سے قیامت تک مراد ہے لیکن ظاہر ہوا کہ آپ تمام لوگوں کی طرف مبعوث ہوئے ان کے پہلے سے لے کر آخری تک کے لئے۔

اور دوسری حدیث یہ ہے:

کنت نبیا وآدم بین الروح والجسد. میں اس وقت بھی نبی تھا جب حضرت آدم علیہ السلام روح اور جسم کے درمیان تھے۔

ہمارا خیال تھا کہ علم کے اعتبار سے یہ بات ہے لیکن واضح ہوا کہ اس سے زائد بات ہے اور دونوں حالتیں جدا ہیں آپ کے جسم اقدس کے وجود میں آنے سے چالیس سال کی عمر کو پہنچنے تک اور اس سے پہلے کے وقت میں جب ان لوگوں کی طرف نسبت کی جائے جن کی طرف آپ کو مبعوث کیا گیا اور وہ آپ کے کلام کو سننے کے اہل ہوئے آپ کی طرف اور ان لوگوں کی طرف نسبت کے اعتبار سے نہیں اگر وہ اس سے پہلے اس کے اہل ہوجائیں اور احکام کا شرائط سے معلق ہونا بعض اوقات قبول کرنے والے محل کے اعتبار سے ہوتا ہے اور کبھی تصرف کرنے والے فاعل کے اعتبار سے، اور یہاں تعلیق قبول کرنے والے محل کے اعتبار سے ہے اور محل وہ لوگ ہیں جن کی طرف آپ مبعوث ہوئے اور ان کا خطاب کی سماعت کو

قبول کرنا ہے اور وہ جسم مبارک جو اپنی زبان سے ان کو خطاب کرے۔

یہ اسی طرح ہے جیسے کوئی باپ اپنی بیٹی کا نکاح کر کے دینے کے لئے کسی کو وکیل بنائے کہ جب کوئی ہم پلہ مل جائے تو وہ نکاح کر کے دے تو یہ وکیل بنانا صحیح ہوگا اور یہ شخص وکالت کا اہل ہوگا اور اس کی وکالت ثابت ہوگی اور بعض اوقات تصرف 'کفو' (ہم پلہ رشتے) کے پائے جانے تک موقوف رہتا ہے اور کفو ایک مدت کے بعد حاصل ہوتا ہے اور یہ بات وکالت کی صحت اور وکیل کی اہلیت میں نقصان پیدا نہیں کرتی۔

تیسری نوع

نبی اکرم ﷺ کا وصف شہادت سے موصوف ہونا اور آپ کی رسالت کی شہادت [1]

وابعث فیھم رسولا منھم

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کا کلام نقل کیا کہ انہوں نے بیت اللہ شریف تعمیر کرتے وقت دعا مانگی:

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ○ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَیْنِ لَکَ وَمِنْ ذُرِّیَّتِنَآ اُمَّۃً مُّسْلِمَۃً لَّکَ وَاَرِنَا مَنَاسِکَنَا وَتُبْ عَلَیْنَا اِنَّکَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ ○ رَبَّنَا وَابْعَثْ فِیْھِمْ رَسُوْلًا مِّنْھُمْ یَتْلُوْا عَلَیْھِمْ اٰیٰتِکَ وَیُعَلِّمُھُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَۃَ وَیُزَکِّیْھِمْ اِنَّکَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ ○ (البقرۃ: ۱۲۷-۱۲۹)

اے ہمارے رب! ہم سے قبول فرما بے شک تو سننے جاننے والا ہے اے ہمارے رب! ہم دونوں کو اپنے لئے جھکنے والا بنا دے اور ہماری اولاد میں سے ایک جماعت جو تیرے سامنے جھکنے والی ہو اور ہمیں ہماری عبادت کے طریقے دکھا اور ہماری توبہ قبول فرما بیشک تو بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے اے ہمارے رب! ان میں ایک رسول ان ہی میں سے بھیج دے جو ان پر تیری آیات تلاوت کرے اور ان کو کتاب وحکمت کی تعلیم دے اور ان کو پاک کرے بے شک تو ہی غالب حکمت والا ہے۔

پس اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کی دعا کو قبول کیا اور اہل مکہ میں ان ہی میں سے ایک رسول اس صفت سے موصوف بھیجا جس کا تعلق حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد سے ہے جنہوں نے اپنے باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ہمراہ یہ دعا مانگی تھی۔

سوال: یہ بات کہاں سے معلوم ہوئی کہ یہاں رسول سے مراد حضرت محمد ﷺ ہیں؟

---

[1] (المصدر السابق ج ۱ص ۴۳)

جواب: اس کا جواب کئی طریقوں پر ہے۔
(۱) اس پر مفسرین کا اجماع ہے اور یہ حجت ہے۔
(۲) نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

انا دعوة ابی ابراهیم و بشارة عیسی. میں اپنے باپ (جد امجد) حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت ہوں۔

(الدر المنثور ج ا ص ۱۳۹۔ ج ۵ ص ۲۰۷' دلائل النبوۃ ج ا ص ۶۹' طبقات الکبریٰ ج ا ص ۱۱۹' کنز العمال رقم الحدیث: ۳۱۸۳۳۔ ۳۱۸۸۹' تاریخ دمشق ج ا ص ۳۹)

مفسرین فرماتے ہیں دعا سے یہی آیت مراد ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت سورۃ ''الصف'' میں یوں مذکور ہے:

وَ مُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِی اسْمُهٗۤ اَحْمَدُ ؕ (الصف: ۶) اور میں ایک رسول کی خوشخبری دینے والا ہوں جو میرے بعد تشریف لائیں گے ان کا اسم گرامی احمد ہے۔

(۳) حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ دعا مکہ مکرمہ میں اپنی اولاد کے لئے مانگی تھی جو مکہ مکرمہ اور اس کے ارد گرد تھی اور اللہ تعالیٰ نے مکہ مکرمہ والوں کی طرف حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے علاوہ کسی کو نہیں بھیجا اور اللہ تعالیٰ نے ان میں سے اس نبی ﷺ کو اس صفت پر بھیج کر مومنوں پر احسان فرمایا۔ ارشاد خداوندی ہے:

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ بَعَثَ فِیْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَ یُزَكِّیْهِمْ وَ یُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ ۚ (آل عمران: ۱۶۴) بے شک اللہ تعالیٰ نے مومنوں پر احسان فرمایا جب ان میں ایک رسول ان ہی میں سے بھیجا جو ان پر اس کی آیات تلاوت کرتا ہے اور ان کو پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔

تو اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کی رسالت سے بڑا احسان نہیں فرمایا کیونکہ آپ حق کی طرف اور سیدھے راستے کی طرف رہنمائی فرماتے ہیں اور اس امت کی طرف آپ کا بھیجنا اس امت پر سب سے بڑی نعمت ہے کیونکہ آپ کی ذات پاک ایسی نعمت ہے جس سے دنیا اور آخرت کی بھلائیاں مکمل ہوئیں اور آپ کے سبب سے اللہ تعالیٰ کا وہ دین پایہ تکمیل کو پہنچا جس کو اس نے اپنے بندوں کے لئے پسند فرمایا۔

اللہ تعالیٰ کے ارشاد گرامی ''من انفسهم'' کا مطلب یہ ہے کہ آپ (ظاہر میں) ان کی طرح انسان ہیں اور وحی کی ذریعے ممتاز ہیں بعض شاذ قرأتوں میں ''من انفسهم'' فاء پر فتح (زبر) کے ساتھ بھی پڑھا گیا یعنی سب سے زیادہ مشرف و مکرم ذات۔ کیونکہ آپ بنو ہاشم سے ہیں اور بنو ہاشم (باقی) قریش سے افضل ہیں' قریش تمام عربوں سے اور عرب اپنے غیر سے افضل ہیں۔

پھر کہا گیا کہ لفظ ''مومنین'' عام ہے اور اس کا معنیٰ عرب میں خاص ہے کیونکہ عرب کے ہر قبیلے میں آپ کا نسب موجود ہے [۱] اور مومنوں کو ذکر کے ساتھ خاص کیا کیونکہ وہی آپ سے زیادہ فائدہ اٹھاتے ہیں پس ان پر احسان بھی بہت بڑا ہے۔

[۱] یعنی دادا یا دادی کے حوالے سے آپ کا نسب موجود ہے بغوی نے کہا کہ بنو تغلب کے علاوہ عرب کے ہر قبیلے میں آپ کا نسب شریف پایا جاتا ہے۔ (زرقانی ج ۶ ص ۱۶۸)

سوال: کیا آپ کی بشریت اور عربی ہونے کا علم صحتِ ایمان کے لئے شرط ہے یا فرض کفایہ ہے؟
جواب: شیخ ولی الدین عراقی رحمہ اللہ نے اس کا جواب یوں دیا کہ ایمان کے صحیح ہونے کے لئے یہ بات شرط ہے وہ فرماتے ہیں اگر کوئی شخص کہے کہ میں ایمان رکھتا ہوں کہ حضرت محمد ﷺ کو تمام مخلوق کی طرف بھیجا گیا لیکن میں نہیں جانتا کہ آپ انسانوں میں سے ہیں یا فرشتوں میں سے یا جنوں میں سے؟ یا مجھے اس بات کا علم نہیں کہ آپ عربی ہیں یا عجمی؟ تو اس کے کفر میں کوئی شک نہیں کیونکہ وہ قرآن مجید کو جھٹلاتا ہے۔

اور اس بات کا انکار کرتا ہے جو اسلام کے مختلف ادوار میں بزرگوں سے منتقل ہو کر آتی رہی اور خاص و عام کے ہاں معلوم ہے اور مجھے اس میں کوئی اختلاف معلوم نہیں اور اگر کوئی شخص کند ذہن ہو جو اس کی معرفت نہ رکھتا ہو تو اس کو اس کی تعلیم دینا ضروری ہے اس کے بعد بھی وہ انکار کرے تو اس پر کفر کا حکم لگائیں گے۔

سوال: کیا اب بھی آپ اپنی رسالت پر باقی ہیں؟
جواب: ابوالمعین النفسی (میمون بن محمد بن سعید نفسی حنفی رحمہ اللہ) نے جواب دیا کہ حضرت ابوالحسن اشعری رحمہ اللہ نے فرمایا کہ نبی اکرم ﷺ اب بھی رسالت کے حکم میں ہیں اور کسی چیز کا حکم اصل چیز کے قائم مقام ہوتا ہے کیا تم نہیں دیکھتے کہ عدت احکام نکاح پر دلالت کرتی ہے۔ (الاعلام ج ۷ ص ۳۴۱ معجم المطبوعات ص ۱۸۵۴ کشف الظنون ص ۲۳۷۔۱۸۳۵)

دوسرے حضرات نے فرمایا کہ آپ کے وصال کے بعد آپ کی رسالت (حکماً نہیں بلکہ) حقیقتاً باقی ہے۔ جس طرح موت کے بعد ایمان کا وصف باقی رہتا ہے کیونکہ نبوت، رسالت اور ایمان کے ساتھ روح موصوف ہوتی اور وہ باقی رہتی ہے، بدن کی موت سے اس میں کوئی تبدیلی نہیں آتی۔

اس پر یہ اعتراض کیا گیا کہ انبیاء کرام علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں لہٰذا وصف نبوت جسم اور روح دونوں کے لئے باقی ہے۔

حضرت امام قشیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے جسے چن لیا اس سے فرمایا میں نے تجھے اس لئے بھیجا کہ تم میری طرف سے تبلیغ کرو اور اللہ تعالیٰ کا کلام قدیم ہے پس نبی اکرم ﷺ وجود میں آنے سے پہلے بھی رسول تھے جب ولادت مبارکہ ہوئی اس وقت بھی اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے رسول ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا کلام قدیم بھی ہے اور باقی بھی۔

اور اللہ تعالیٰ کا کلام جو آپ کو بھیجنے سے متعلق ہے وہ باطل نہیں ہو سکتا۔

امام سبکی نے اپنے طبقات میں ابن فورک سے نقل کیا وہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ اپنی قبر انور میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے حقیقتاً زندہ ہیں مجازاً نہیں۔

بعث فی الامیین رسولا

ارشاد خداوندی ہے:

هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَ یُزَكِّیْهِمْ وَ یُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ اِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ۝

وہ اللہ ہے جس نے ان پڑھ لوگوں میں ایک رسول ان ہی میں سے بھیجا جو ان پر اس کی آیات تلاوت کرتا ہے اور ان کو پاک کرتا اور ان کو کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے

بے شک وہ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔ (الجمعہ:۲)

''امیین'' (ان پڑھ) سے مراد عرب والے ہیں اور اس آیت کے ذریعے ان کو اس عظیم نعمت کی قدر سے آگاہ کیا گیا کہ وہ پڑھے ہوئے نہیں تھے اور ان کے پاس کوئی کتاب نہ تھی اور نہ ہی نبوت کے آثار میں سے کوئی چیز ان کے پاس تھی جس طرح اہل کتاب کے پاس آثار نبوت تھے تو اللہ تعالیٰ نے اس رسول اور اس کتاب کے ذریعے ان پر احسان فرمایا حتیٰ کہ تمام امتوں سے افضل اور زیادہ علم والے ہوگئے اور انہیں پہلے لوگوں کی گمراہی کا علم ہوگیا۔

اور نبی اکرم ﷺ کے ان میں سے ہونے کے دو فائدے ہیں۔

ان میں سے ایک فائدہ یہ ہے کہ یہ رسول ﷺ بھی کسی سے پڑھے ہوئے نہ تھے جس طرح وہ لوگ کسی سے نہیں پڑھے تھے جن کی طرف آپ کو بھیجا گیا آپ نے بالکل کوئی کتاب نہیں پڑھی تھی اور نہ ہی اپنے ہاتھ سے کچھ لکھا تھا جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے:

وَمَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ. (العنکبوت:۴۸)

اور اس سے پہلے تم کوئی کتاب نہ پڑھتے تھے اور نہ اپنے ہاتھوں سے کچھ لکھتے تھے۔

نبی اکرم ﷺ اپنے علاقہ سے کہیں باہر بھی تشریف نہیں لے گئے کہ دوسروں کے پاس جا کر ٹھہرے ہوں اور ان سے علم حاصل کیا ہو بلکہ آپ مسلسل امی امت کے درمیان رہے نہ آپ لکھتے تھے اور نہ پڑھتے تھے حتیٰ کہ آپ کی عمر مبارک کے چالیس سال پورے ہوگئے پھر اس کے بعد یہ روشن کتاب اور واضح شریعت آئی اور یہ دین جس کے بارے میں اہل زمین میں سے ماہر اور پرکھ رکھنے والے لوگوں نے اعتراف کیا کہ اس سے بڑے دین نے دنیا کو کبھی نہیں جھنجھوڑا اور اس میں نبی اکرم ﷺ کی صداقت پر بہت بڑی دلیل ہے۔

دوسرا فائدہ یہ تھا کہ ان لوگوں کو اس بات سے آگاہ کیا جائے کہ وہ لوگ ان پڑھ ہیں اور جس کو بھیجا گیا ہے وہ ان ہی میں سے ہے اور خصوصاً اہل مکہ اس بات سے بخوبی آگاہ تھے وہ آپ کے نسب' شرف' صدق' امانت اور پاکدامنی کا علم رکھتے تھے آپ ان لوگوں کے درمیان پروان چڑھے اور یہ بات معروف تھی اور یہ بھی کہ آپ نے کبھی جھوٹ نہیں بولا پس وہ شخص جو لوگوں کے بارے میں جھوٹ نہیں کہتا وہ اللہ تعالیٰ پر کیسے جھوٹ بولے گا' یہ باطل ہے۔

اسی وجہ سے ہرقل (شاہ روم) نے نبی اکرم ﷺ کے ان اوصاف کے بارے میں پوچھا اور اس سے آپ کے دعویٰ نبوت و رسالت کی صداقت پر استدلال کیا۔

اور اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

فَاِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُوْنَكَ. (الانعام:۳۳)

بے شک یہ لوگ آپ کو نہیں جھٹلاتے۔

ایک روایت میں ہے کہ ایک شخص نے کہا اے محمد! ﷺ اللہ کی قسم! آپ نے ہم سے کبھی جھوٹ نہیں بولا کہ آج ہم آپ پر تہمت لگائیں لیکن اگر ہم آپ کی پیروی کریں تو اپنی زمین سے اچک لئے جائیں گے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ اس کو ابوصالح نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔

حضرت مقاتل فرماتے ہیں کہ حارث بن عامر علانیہ طور پر نبی کریم ﷺ کو جھٹلاتا تھا لیکن جب وہ اپنے لوگوں کے

پاس جاتا تو کہتا محمد ﷺ جھوٹے لوگوں میں سے نہیں ہیں۔ یہ بھی مروی ہے کہ مشرکین جب آپ کو دیکھتے تو کہتے یہ نبی ہیں۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے ابوجہل نے نبی اکرم ﷺ سے کہا کہ ہم آپ کو نہیں جھٹلاتے لیکن جو کچھ آپ لے کر آئے ہیں ہم اسے جھٹلاتے ہیں اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ (مندرجہ بالا) آیت نازل فرمائی۔

معنیٰ یہ ہے کہ وہ اس کی صحت کو جاننے کے بعد اس کا انکار کرتے ہیں کیونکہ "جحد" علم کے باوجود انکار کا نام ہے۔

سوال: اس آیت اور اس آیت کو جمع کیسے کیا جائے؟ ارشاد خداوندی ہے:

وَلَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ. اور بے شک آپ سے پہلے رسولوں کو جھٹلایا گیا۔

(الانعام: ۳۴)

جواب: یہ جھٹلانا جحد (انکار) کے طور پر تھا اور یہ جہالت میں ان کے اختلاف احوال کی بنیاد پر تھا پس ان میں سے بعض اپنی جہالت کی وجہ سے انکار کرتے تھے لیکن جوں ہی علم حاصل ہوا ایمان لے آئے اور بعض نے علم کے باوجود کفر اور عناد کی بنیاد پر انکار کیا جس طرح ابوجہل کا معاملہ ہے تو اللہ تعالیٰ کے ارشاد گرامی "کہ وہ آپ کو نہیں جھٹلاتے" سے مخصوص لوگ مراد ہیں تمام لوگ مراد نہیں اس صورت میں دونوں آیتوں میں کوئی تعارض نہیں۔

ایک روایت میں ہے کہ ابوجہل کی آپ سے ملاقات ہوئی تو اس نے آپ سے مصافحہ کیا اس سے کہا گیا کہ تم ان سے مصافحہ کرتے ہو؟

اس نے کہا اللہ کی قسم! میں جانتا ہوں کہ یہ نبی ہیں لیکن ہم بنو عبد مناف کے تابع کب ہوئے ہیں اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ اس کو ابن ابی حاتم نے روایت کیا۔

قرآن مجید ایسی آیات سے بھرا پڑا ہے جو نبی اکرم ﷺ کی صداقت اور آپ کی رسالت کے صحیح ثابت ہونے پر دلالت کرتی ہیں تو یہ بات اللہ تعالیٰ کے کمال کے لائق کیسے ہوگی کہ جو شخص آپ پر بہت بڑا جھوٹ بولے اور اللہ تعالیٰ کے بارے میں غلط خبر دے وہ اسے رسالت پر برقرار رکھے اور اس کی مدد اور تائید بھی کرے اس کا کلمہ اور شان کو بلند کرے نیز اس کی دعا کو قبول کرے اور اس کے دشمنوں کو ہلاک کرے اور اس کے ہاتھ پر معجزات اور ایسے دلائل ظاہر کرے کہ مضبوط ترین آدمی بھی اس قسم کی باتوں سے کمزور پڑ جائے اور آپ اس کے باوجود اس پر جھوٹ بولنے والے اور افترا باندھنے والے ہوں اور زمین میں فساد کرتے پھریں؟

یہ بات معلوم ہے کہ ہر چیز کا اللہ تعالیٰ کے سامنے ہونا اس کا ہر چیز پر قادر ہونا نیز اس کی حکمت وعزت اور کمال مقدس اس بات کا کلی طور پر انکار کرتا ہے جو شخص یہ گمان کرے اور اس بات کو آپ کے لئے جائز سمجھے وہ اللہ تعالیٰ کی پہچان سے بہت دور ہے اگر اس کو اللہ تعالیٰ کی بعض صفات جیسے صفت قدرت اور صفت مشیت کی پہچان ہو۔ [1]

---

[1] مطلب یہ ہے کہ تمام لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی اکثر صفات کا علم ہے اور وہ ان صفات کا اقرار بھی کرتے ہیں اور جو آدمی ان صفات کو جانتا ہے اس پر لازم ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے صفات کمالیہ سے متصف ہونے کی وجہ سے آپ کے جو دلائل ظاہر ہوتے ہیں ان کا اعتراف کریں۔

اورقرآن مجید اس طریقے سے بھرا پڑا ہے اور یہ خاص لوگوں بلکہ خاص الخاص لوگوں کا طریقہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی ذات پر اس کے افعال سے اور ان امور سے جو اس لائق ہیں کہ وہ اس کا فعل بن سکیں یا وہ جو نہ بن سکیں' استدلال کرتے ہیں۔

جب تم قرآن مجید میں غور کرو تو اس کو دیکھو گے کہ وہ اس پر پکارتا ہے اس کو ظاہر کرتا اور ان لوگوں کی طرف لوٹاتا ہے جن کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے سمجھ اور قرآن پاک میں غور کرنے والا دل عطا فرماتا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْأَقَاوِيلِ ○ لَأَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِينِ ○ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِينَ ○ فَمَا مِنْكُمْ مِنْ أَحَدٍ عَنْهُ حَاجِزِينَ ○ (الحاقہ: ۴۴۔۴۷)

اور اگر وہ ہم پر ایک بات بھی بنا کر کہتے تو ضرور ہم ان سے بقوت بدلہ لیتے پھر ان کی رگ دل کاٹ دیتے پھر تم میں کوئی ان کو بچانے والا نہ ہوتا۔

تو کیا تم اس پاک اور بلند ذات کو دیکھتے ہو وہ خبر دیتا ہے کہ اس کے کمال اور حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ جو شخص اس پر جھوٹ باندھے وہ اسے برقرار رکھنے سے انکار کرتا ہے بلکہ اس کو بندوں کے لئے عبرت بنانا ضروری ہے۔ جس طرح اس کے خلاف باتیں گھڑنے والے کے بارے میں اس کا طریقہ جاری ہے۔

اور ارشاد خداوندی ہے:

أَمْ يَقُولُونَ افْتَرَى عَلَى اللَّهِ كَذِبًا فَإِنْ يَشَإِ اللَّهُ يَخْتِمْ عَلَى قَلْبِكَ. (الشوریٰ: ۲۴)

یہ کہتے ہیں کہ انہوں نے اللہ پر جھوٹ باندھ لیا اور اللہ چاہے تو تمہارے دل پر اپنی رحمت کی مہر فرما دے۔

یہاں تک شرط کا جواب مکمل ہو گیا پھر قطعی خبر دی جو کسی شرط سے معلق نہیں کہ وہ باطل کو مٹاتا اور حق کو ثابت رکھتا ہے۔

ارشاد خداوندی ہے:

وَمَا قَدَرُوا اللَّهَ حَقَّ قَدْرِهِ إِذْ قَالُوا مَا أَنْزَلَ اللَّهُ عَلَى بَشَرٍ مِنْ شَيْءٍ. (الانعام: ۹۱)

یہودیوں نے اللہ کی قدر نہ جانی جیسی چاہیے تھی جب بولے کہ اللہ نے کسی آدمی پر کچھ نہیں اتارا۔

اللہ تعالیٰ نے بتایا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی طرف سے انبیاء کرام کو بھیجنے اور ان سے کلام کرنے کی نفی کرے اس نے اللہ تعالیٰ کی کماحقہ قدر نہیں کی اور نہ اسے اس طرح پہچانا جیسے پہچاننا چاہیے تھا اور نہ ہی اس کی شایان شان تعظیم کی پس کوئی شخص کیسے یہ گمان کر سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس آدمی کی مدد کرے گا جو اس پر جھوٹ باندھتا ہے نیز اس کی مدد کرے گا اور اس کے ہاتھ پر آیات اور دلائل ظاہر کرے گا۔

اور قرآن مجید میں یہ بات بکثرت پائی جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے کمال مقدس اور صفات وجلال کے ذریعے اپنے رسول ﷺ کی صداقت پر استدلال کرتا ہے نیز اپنے وعدہ اور وعید پر بھی استدلال کرتے ہوئے اپنے بندوں کو اس کی طرف بلاتا ہے۔

جن لوگوں نے نبی اکرم ﷺ کی صداقت پر دلیل طلب کی اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں فرمایا:

أَوَلَمْ يَكْفِهِمْ أَنَّا أَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ يُتْلَى عَلَيْهِمْ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَرَحْمَةً وَذِكْرَى لِقَوْمٍ

اور کیا یہ انہیں بس نہیں کہ ہم نے تم پر کتاب اتاری جو ان پر پڑھی جاتی ہے بے شک اس میں رحمت اور نصیحت

يُؤْمِنُونَ ۝ قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ بَيْنِيْ وَ بَيْنَكُمْ شَهِيْدًا يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْبَاطِلِ وَ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝ (العنکبوت:۵۱-۵۲)

ہے ایمان والوں کے لئے تم فرما دو اللہ وہی ہے (کافی ہے) تمہارے اور میرے درمیان گواہ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اور وہ جو باطل پر یقین لائے اور اللہ کے منکر ہوئے وہی گھاٹے میں ہیں۔

تو اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ اس نے جو کتاب اتاری ہے وہ ہر نشانی کی جگہ کافی ہے پس اس میں اس بات پر حجت اور دلالت ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو یہ کتاب دے کر بھیجا اس میں اس چیز کا بیان ہے جو نبی اکرم ﷺ کی اتباع کرنے والے کو سعادت بخشتی ہے اور عذاب سے نجات دیتی ہے۔ پھر فرمایا:

قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ بَيْنِيْ وَ بَيْنَكُمْ شَهِيْدًا يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ. (العنکبوت:۵۲)

تم فرماؤ اللہ کافی ہے میرے اور تمہارے درمیان گواہ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے۔

جب اللہ تعالیٰ ہر چیز کا علم رکھتا ہے تو اس کی شہادت سب سے زیادہ سچی اور سب سے زیادہ عدل پر مبنی شہادت ہے کیونکہ یہ شہادت مکمل علم کے ساتھ ہے اور جس کی شہادت ہے اس کو گھیرے ہوئے ہے اور اللہ تعالیٰ جب اپنی شہادت اور قدرت کا ذکر کرتا ہے تو اس کے ساتھ علم کا ذکر کرتا ہے اور جب بدلہ دینے کا ذکر کرتا ہے تو اپنی حکومت کا تذکرہ کرتا ہے جب تخلیق کا ذکر کرتا ہے تو اپنی حکمت کو بیان کرتا ہے' رسولوں کو بھیجنے کے ذکر کے ساتھ اپنے امر اور رحمت کا ذکر کرتا ہے بندوں کے گناہوں کا ذکر کرے تو اپنی بردباری بیان کرتا ہے تو قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ اور تخلیق' امر' ثواب اور عذاب کے ساتھ ان کے تعلق میں غور کرو۔

انا ارسلناک شاھدا

ارشاد خداوندی ہے:

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِيْرًا ۝ وَّ دَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَ سِرَاجًا مُّنِيْرًا ۝ (الاحزاب:۴۶)

اے غیب کی خبریں بتانے والے (نبی) بے شک ہم نے تمہیں بھیجا حاضر ناظر اور خوشخبری دیتا اور ڈر سناتا اور اللہ کی طرف اس کے حکم سے بلاتا اور چمکا دینے والا آفتاب۔

یعنی اللہ کی وحدانیت پر گواہ نیز دنیا میں احوال آخرت یعنی جنت' دوزخ' میزان اور پل صراط پر شاہد اور آخرت میں احوال دنیا نیز اطاعت' نافرمانی' صلاح اور فساد پر شاہد ہیں اور قیامت کے دن مخلوق پر گواہ ہوں گے۔

ارشاد خداوندی ہے:

وَ يَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا. (البقرہ:۱۴۳)

اور رسول ﷺ تم پر گواہ ہوں گے۔

گویا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے وہ ذات جن کو ہماری طرف سے شرف حاصل ہے بے شک ہم نے آپ کو اپنی وحدانیت کا گواہ اور اپنی یکتائی کے کمال کا مشاہدہ کرنے والا بنا کر بھیجا ہماری طرف سے ہمارے بندوں کو خوشخبری دیجئے اور انہیں

ہماری مخالفت سے ڈرائیں نیز ان کو ہماری طرف سے خوف کے مقامات کی تعلیم دیں۔
نیز ہم نے آپ کو داعی بنایا کہ مخلوق کو ہماری طرف بلائیں اور ایسا چراغ بنایا کہ وہ آپ سے روشنی حاصل کریں ایسا آفتاب بنایا جس کی شعاعیں ہر اس شخص پر پڑتی ہیں جس نے آپ کی تصدیق کی اور آپ پر ایمان لایا اور ہم تک صرف وہی شخص پہنچے گا جس نے آپ کی اتباع اور خدمت کی نیز آپ کو مقدم سمجھا پس آپ ان کو خوشخبری دیجئے کہ ہم ان پر اپنا فضل وکرم اور احسان کریں گے۔
اور جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو وحدانیت پر شاہد بنایا اور شاہد مدعی نہیں ہوتا پس اللہ تعالیٰ نے آپ کو وحدانیت کے مسئلہ میں مدعی نہیں بنایا کیونکہ مدعی اس چیز کا دعویٰ کرتا ہے جو خلاف ظاہر ہو اور اللہ تعالیٰ کی وحدانیت سورج سے زیادہ ظاہر ہے اور نبی اکرم ﷺ نے نبوت کا دعویٰ کیا پس اللہ تعالیٰ نے اپنے آپ کو اس کا شاہد بنایا اور آپ کی ذات باری تعالیٰ کے لئے شہادت کا بدلہ دیا چنانچہ ارشاد فرمایا:

وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ (المنافقون:۱)
بے شک اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ آپ اس کے رسول ہیں۔

اور اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد گرامی بھی اسی ضمن میں ہے:

وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَسْتَ مُرْسَلًا قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ وَمَنْ عِنْدَهٗ عِلْمُ الْكِتٰبِ (الرعد:۴۳)
اور کافر کہتے ہیں کہ آپ رسول نہیں ہیں آپ فرما دیجئے میرے اور تمہارے درمیان اللہ تعالیٰ اور جس کے پاس کتاب کا علم ہے' کی شہادت کافی ہے۔

تو آپ نے اپنی رسالت پر اللہ تعالیٰ کی شہادت کو پیش کیا۔
اسی طرح ارشاد خداوندی ہے:

قُلْ اَيُّ شَيْءٍ اَكْبَرُ شَهَادَةً قُلِ اللّٰهُ شَهِيْدٌ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ (الانعام:۱۹)
آپ فرما دیجئے کس چیز کی شہادت بڑی ہے تو آپ فرمادیں اللہ تعالیٰ میرے اور تمہارے درمیان گواہ ہے۔

اور فرمایا:

لٰكِنِ اللّٰهُ يَشْهَدُ بِمَا اَنْزَلَ اِلَيْكَ اَنْزَلَهٗ بِعِلْمِهٖ وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَشْهَدُوْنَ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا (النساء:۱۶۶)
لیکن اللہ تعالیٰ اس چیز کی گواہی دیتا ہے جو اس نے آپ کی طرف اتاری اس نے اسے اپنے علم کے ساتھ اتارا اور فرشتے بھی گواہی دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی گواہی کافی ہے۔

اور ارشاد فرمایا:

وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ (المنافقون:۱)
اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ آپ اس کے رسول ہیں۔

اور یہ بھی فرمایا:

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ (الفتح:۲۹)
حضرت محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔

تو یہ سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے رسول کی رسالت پر شہادتیں ہیں ان کو اس نے ظاہر اور بیان کیا اور ان کی صحت کو اس قدر بیان فرمایا کہ اس کے اور اس کے بندوں کے درمیان کوئی عذر نہ رہا اور ان پر اس بات کی حجت قائم کر دی کہ وہ اپنے رسول علیہ السلام کے لئے شاہد ہے۔

وَاَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی

ارشاد خداوندی ہے:

هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَ دِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ وَ كَفٰی بِاللّٰهِ شَهِیْدًا (الفتح:۲۸)

وہی اللہ ہے جس نے آپ کو ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا تا کہ اس کو تمام ادیان پر غالب کر دے اور اللہ تعالیٰ کی گواہی کافی ہے۔

تو دو قسم کے ظہور ہوئے حجت و بیان کے ساتھ ظہور اور مدد' غلبے اور تائید کے ساتھ ظہور حتیٰ کہ آپ مخالفین پر غالب آ گئے اور آپ کی مدد کی گئی۔

فطرت کی گواہی

اللہ تعالیٰ کی شہادت سے وہ بات بھی ہے جو اس نے مضبوط تصدیق' یقین ثابت اور طمانیت کی صورت میں اپنے کلام اور وحی کے ذریعے لوگوں کے دلوں میں رکھی ہے اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے دلوں کو حق کو قبول کرنے اور اس کے لئے جھک جانے پر پیدا کیا نیز اطمینان اور اپنی طرف سے سکون اور محبت عطا کی نیز ان کے دلوں میں جھوٹ اور باطل سے بغض اور اس سے نفرت اور عدم سکون پیدا کیا اگر فطرت اپنی حالت پر باقی رہے تو وہ حق پر کسی دوسری بات کو ترجیح نہ دے اور اسی سے سکون و اطمینان حاصل کرے اور اس کے غیر سے محبت نہ کرے اسی لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں غور و فکر کی تعلیم دی ہے کیونکہ جو شخص اس میں غور کرتا ہے اس کے لئے ضروری علم اور یقین جازم حاصل ہو جاتا ہے کہ یہی حق ہے بلکہ سب سے بڑا حق اور سب سے بڑا سچ۔ ارشاد خداوندی ہے:

اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰی قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا (محمد:۲۴)

کیا وہ قرآن مجید میں غور نہیں کرتے یا ان کے دلوں پر تالے پڑے ہوئے ہیں۔

اگر ان کے دلوں کے تالے کھل جائیں تو وہ حقائق قرآن سے آگاہ ہو جائیں اور ان کے دلوں میں ایمان کے چراغ روشن ہوں اور ان کو ان حقائق کا علم اس طرح حاصل ہو جس طرح دیگر امور وجدانیہ مثلاً لذت' تکلیف وغیرہ کے بارے میں جانتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا اور اس کو اس کے قاصد حضرت جبریل علیہ السلام نے اس کے رسول حضرت محمد علیہ السلام کی طرف بھیجا۔

تو یہ دل کا گواہ سب سے بڑا گواہ ہے۔ یہ مختصر تحریر "مدارج السالکین" کا خلاصہ ہے۔

اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ

اور ارشاد خداوندی ہے:

قُلْ یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ

اے محبوب! فرما دیجئے اے لوگو! میں تم سب کی

جَمِیۡعًا. (الاعراف:۱۵۸) طرف اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں۔

تو اس آیت میں اس بات پر دلالت ہے کہ آپ تمام جنوں اور انسانوں کی طرف مبعوث ہوئے۔

یہودیوں میں سے عیسویوں یعنی عیسیٰ اصبہانی کے پیروکاروں نے کہا حضرت محمد ﷺ سچے ہیں لیکن آپ کو عرب کی طرف بھیجا گیا بنی اسرائیل کی طرف نہیں بھیجا گیا۔

ان لوگوں کے قول کے باطل ہونے پر ہماری دلیل یہ آیت کریمہ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی "یا ایھا الناس" خطاب ہے جو تمام لوگوں کو شامل ہے پھر فرمایا:

اِنِّیۡ رَسُوۡلُ اللّٰہِ اِلَیۡکُمۡ جَمِیۡعًا. بے شک تم سب کی طرف اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں۔

تو یہ الفاظ اس بات کا تقاضا کرتے ہیں کہ آپ تمام لوگوں کی طرف مبعوث ہوئے۔

نیز یہ بات تواتر کے ساتھ ثابت ہے کہ نبی اکرم ﷺ دونوں مخلوقوں (انسانوں اور جنوں) کی طرف مبعوث ہونے کا دعویٰ کرتے تھے اب یا تو آپ کو سچا رسول مانو گے یا نہیں، اگر آپ سچے رسول ہیں تو آپ پر جھوٹ کا افتراء نہیں باندھ سکتے اور یہ عقیدہ لازمی ہوگا کہ آپ اپنے ہر دعویٰ میں سچے ہیں پس جب متواتر روایات اور اس آیت کے ظاہر سے ثابت ہوا کہ آپ دونوں مخلوقوں کی طرف مبعوث ہونے کا دعویٰ کرتے تھے تو آپ کا سچا ہونا ضروری ہوا اور اس سے ان لوگوں کا قول باطل ہوگیا جو کہتے ہیں کہ آپ صرف اہل عرب کی طرف مبعوث ہوئے بنی اسرائیل کی طرف نہیں۔

پس جب یہ بات ثابت ہوگئی تو ہم کہتے ہیں۔

ارشاد خداوندی: قُلۡ یٰۤاَیُّہَا النَّاسُ اِنِّیۡ رَسُوۡلُ اللّٰہِ اِلَیۡکُمۡ جَمِیۡعًا۔ کے بارے میں بعض لوگ کہتے ہیں یہ عام ہے اور اس سے بعض کو خاص کیا گیا اور دوسرے لوگ اس تخصیص کا انکار کرتے ہیں۔

پہلا گروہ کہتا ہے کہ اس میں دو وجہ سے تخصیص داخل ہے۔

۱۔ آپ تمام لوگوں کی طرف اسی صورت میں رسول ہیں جب وہ مکلفین میں سے ہوں اور جب وہ مکلفین میں سے نہ ہوں تو ان کی طرف رسول نہ ہوں گے اس لئے کہ آپ نے فرمایا:

رفع القلم عن ثلاث عن الصبی حتی یبلغ وعن النائم حتی یستیقظ وعن المجنون حتی یفیق.

تین قسم کے لوگوں سے قلم اٹھا لیا گیا بچے سے یہاں تک کہ وہ بالغ ہو جائے، سوئے ہوئے سے حتیٰ کہ بیدار ہو جائے اور مجنون سے حتیٰ کہ اسے افاقہ ہو جائے۔

(مسند احمد ج ۶ ص ۱۰۰، سنن نسائی ج ۶ ص ۱۵۶، سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۴۴۰۲، المستدرک ج ۲ ص ۵۹۔ ج ۴ ص ۳۸۹، شرح السنہ ج ۹ ص ۲۲۱، المنتقیٰ رقم الحدیث: ۸۰۸، السنن الکبریٰ ج ۱ ص ۵۶۔ ج ۳ ص ۸۳۔ ج ۶ ص ۲۰۶، کنز العمال رقم الحدیث: ۱۰۳۰۸)

اس حدیث کو ابن جریر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔

۲۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ آپ ان لوگوں کی طرف رسول ہیں جن کو آپ کے وجود مسعود کی خبر پہنچی نیز ان کو آپ کے معجزات اور شریعت کا علم ہوا تا کہ وہ آپ کی اتباع کر سکیں اگر ہم دنیا کے کسی کنارے پر ایسی قوم فرض کریں جن تک آپ کی اور آپ کے معجزات و شریعت کی خبر نہیں پہنچی کہ ان کے لئے آپ کی اتباع ممکن ہوتی تو وہ لوگ آپ کی

نبوت کے اقرار کے مکلف نہیں ہوں گے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا:

والذی نفسی بیدہ لا یسمع بی احد من ھذہ الامۃ ولا یھودی ولا نصرانی و مات ولم یومن بالذی ارسلت بہ الا کان من اصحاب النار۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۴۰)

اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے اس امت میں سے کوئی شخص اور کوئی یہودی اور نصرانی جو میرے بارے میں سنے اور میری رسالت پر ایمان نہ لائے وہ جہنمیوں میں سے ہوگا۔

اس حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ جس نے نبی اکرم ﷺ کے بارے میں نہ سنا اور اس تک دعوت اسلام نہ پہنچی وہ معذور ہے جس طرح اصول میں ثابت ہے کہ صحیح قول کے مطابق شریعت کے وارد ہونے سے پہلے حکم نہیں ہوتا اس حدیث کے مطابق ہمارے نبی ﷺ کی رسالت سے تمام ادیان منسوخ ہو گئے۔

قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا

ارشاد خداوندی ہے:

يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ عَلٰى فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا جَآءَنَا مِنْۢ بَشِيْرٍ وَّلَا نَذِيْرٍ فَقَدْ جَآءَكُمْ بَشِيْرٌ وَّنَذِيْرٌ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ○ (المائدہ:۱۹)

اے اہل کتاب! بے شک تمہارے پاس ہمارے رسول ﷺ تشریف لائے وہ تمہارے لئے رسولوں کی آمد کے بند ہونے کے بعد بیان کرتے ہیں (اس لئے کہ) کہیں تم یہ نہ کہو کہ ہمارے پاس کوئی خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا نہیں آیا پس تمہارے پاس خوشخبری دینے اور ڈرانے والے تشریف لے آئے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ اس نے ان کی طرف اپنے رسول حضرت محمد ﷺ کو آخری نبی بنا کر بھیجا کہ آپ کے بعد نہ کوئی نبی آئے گا اور نہ رسول' بلکہ آپ ہی ان سب سے پیچھے آنے والے ہیں۔ اسی لئے فرمایا:

عَلٰى فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ

یعنی آپ کے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے درمیان ایک طویل مدت گزری۔

اس فترت کی مقدار میں اختلاف ہے کہ وہ کتنی تھی؟ تو النھدی اور حضرت قتادہ نے ایک روایت میں جو ان سے ہی مروی ہے چھ سو سال کی مدت بتائی ہے اور امام بخاری نے اسے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا اور حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے پانچ سو ساٹھ سال کی مقدار نقل کی ہے۔ حضرت ضحاک فرماتے ہیں چار سو تیس سے کچھ زائد سال ہیں ابن عساکر نے حضرت شعبی سے نو سو تینتیس سال کی مقدار روایت کی ہے۔

حافظ عماد الدین بن کثیر رحمہ اللہ نے فرمایا مشہور یہ ہے کہ یہ چھ سو سال ہیں وہ فرماتے ہیں یہ زمانہ فترت ہے جو بنی

اسرائیل کے آخری نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور تمام انسانوں میں سے مطلقاً آخری نبی حضرت محمد ﷺ کے درمیان ہے جیسا کہ "صحیح بخاری میں" حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

انا اولی الناس بابن مریم لانہ لیس بینی و بینہ نبی.

میں حضرت ابن مریم علیہ السلام کے زیادہ قریب ہوں کیونکہ میرے اور ان کے درمیان کوئی نبی نہیں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۴۴۲، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۶۷۵، مسند احمد ج ۲ ص ۴۰۶، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۴۳، المستدرک ج ۲ ص ۵۹۲، مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۱۴، کنز العمال رقم الحدیث: ۳۲۳۳۶)

اس میں ان لوگوں کا رد ہے جو کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد ایک نبی آئے ہیں جن کا نام خالد بن سنان ہے جس طرح قضاعی وغیرہ نے ذکر کیا ہے۔

مقصود یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ کو اس وقت بھیجا جب رسولوں کی آمد بند ہو چکی تھی، راستے مٹ چکے تھے اور دین بدل گئے تھے، بت پرستوں، آتش پرستوں اور صلیبوں کی کثرت ہو گئی تھی۔ پس آپ کے ذریعے نعمت نہایت کامل اور نفع عام ہوا۔ حضرت امام احمد رحمہ اللہ نے ایک مرفوع حدیث نقل کی ہے جس میں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا۔

بے شک اللہ تعالیٰ نے زمین والوں کو دیکھا تو ان سے نفرت کا اظہار کیا عجمیوں سے بھی اور عربیوں سے بھی، سوائے بنی اسرائیل میں سے کچھ باقی رہنے والوں کے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۶۳، مسند احمد ج ۴ ص ۱۶۲، المعجم الکبیر ج ۱۷ ص ۳۵۹)

"صحیح مسلم میں" یوں ہے کہ "اہل کتاب کے کچھ لوگوں کے علاوہ"۔ پس زمین والوں پر دین خلط ملط ہو گیا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ کو بھیجا اور آپ کے ذریعے مخلوق کو ہدایت دی اور آپ کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے ان کو اندھیروں سے روشنی کی طرف نکالا اور ان کو واضح دلیل اور روشن شریعت پر چھوڑا آپ پر اللہ تعالیٰ کی رحمت اور سلام ہو۔

رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ

ارشاد خداوندی ہے:

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِیْزٌ عَلَیْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِیْصٌ عَلَیْكُمْ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ ○ (التوبہ: ۱۲۸)

البتہ تحقیق تمہارے پاس تم ہی میں سے ایک رسول معظم تشریف لائے ان پر وہ بات گراں گزرتی ہے جو تمہیں مشقت میں ڈالے وہ تمہارے (ایمان کے) حرص رکھنے والے ہیں (اور) مؤمنوں پر مہربان رحم فرمانے والے ہیں۔

یعنی شرک اور گناہوں کی وجہ تمہارا جرم آپ پر گراں گزرتا ہے اور آپ ﷺ تمہاری ہدایت کی حرص رکھتے ہیں۔

حضرت حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں تمہارا جہنم میں جانا ان پر گراں گزرتا ہے اور وہ تمہارے جنت میں جانے کی حرص رکھتے ہیں اور نبی اکرم ﷺ کی ہم پر حرص کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ آپ جو کچھ ہم تک پہنچانا چاہتے تھے اور جو بات

قصیدہ بردہ شریف کے مصنف (علامہ بوصیری رحمہ اللہ) نے اسی بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

لم یمتحنا بما تعی العقول بہ حرصا علینا فلم نرتب ولم نھم

''نبی اکرم ﷺ نے اس شفقت کی وجہ جو ہم سے رکھتے ہیں ایسی چیزوں سے ہمیں آزمائش میں نہیں ڈالا جن کے سمجھنے سے عقلیں حیران رہ جائیں اس لئے ہم نہ تو شک میں پڑے نہ حیرت زدہ ہوئے''۔

یعنی جو کچھ ہمارے لئے بیان فرمایا اس میں ہم نہ تو حیران ہوئے اور نہ ہی ہمیں شک ہوا۔ اور ارشاد خداوندی ہے:

وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ ۝ اور ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر (الانبیاء: ۱۰۷) بھیجا۔

اور جس بات کی سمجھ نہ آئے اس کا مکلف بنانا رحمت نہیں ہے۔

نبی اکرم ﷺ کی ہماری ہدایت کے لئے حرص کی ایک علامت یا صورت یہ تھی کہ آپ اکثر محسوسات کے ساتھ مثالیں بیان کرتے تھے تا کہ بات سمجھ آ جائے اور قرآن مجید کا بھی یہی طریقہ ہے اور جو شخص کتاب وسنت میں غور کرتا ہے وہ نہایت تعجب خیز باتیں دیکھتا ہے پس جب اللہ تعالیٰ نے رسول اکرم ﷺ کی حرص کو تمام لوگوں کے اسلام میں برابر رکھا تو مؤمنوں کو آپ کی مہربانی اور رحمت کے ساتھ خاص کیا۔

اور ارشاد خداوندی "من انفسکم" ہے "من ارواحکم" نہیں فرمایا تو بعض نے کہا اس بات کا احتمال ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مراد یہ ہو کہ آپ اپنے نفس جسم کے ساتھ ہم میں سے ہیں روح مقدس کے ساتھ نہیں۔ اللہ تعالیٰ شاعر پر رحم فرمائے کیا خوب کہا:

اذا رمت مدح المصطفی شغفاً بہ تبلد ذھنی ھیبة لمقامہ

فاقطع لیلی ساھر الجفن مطرقاً ھوی فیہ احلی من لذیذ منامہ

اذا قال فیہ اللہ جل جلالہ رؤوف رحیم فی سیاق کلامہ

فمن ذا یجاری الوحی والوحی معجز بمختلفیہ نثرہ و نظامہ

''جب میں نبی اکرم ﷺ کی محبت میں وارفتہ ہو کر ان کی تعریف (نعت) کا ارادہ کرتا ہوں تو آپ کے علو مرتبہ کی ہیبت سے میرا ذہن کند ہو جاتا ہے۔ (مجھے آپ کی شان کے مطابق الفاظ تلاش کرنے میں ذہنی دشواری ہوتی ہے)۔ میں سر جھکائے ساری رات جاگتے ہوئے گزار دیتا ہوں اور آپ کے عشق کی خواہش نیند کی لذت سے زیادہ بہتر اور عمدہ ہے۔ جب اللہ جل جلالہ نے اپنے کلام (قرآن کریم) میں آپ کی شان میں رؤوف رحیم فرما دیا۔ تو کون ہے جو وحی کا مقابلہ کر سکے؟ حالانکہ وحی اپنے ساتھ اختلاف کرنے والوں کی نثر و نظم کو عاجز کر دیتی ہے''۔

''شفاء شریف'' کے کلام کی توجیہ

اس آیت کو ذکر کرنے کے بعد قاضی عیاض رحمہ اللہ نے فرمایا ''پھر اللہ تعالیٰ نے اس کے بعد آپ کے اوصاف

حمیدہ ذکر کئے اور کئی قابل تعریف امور کے ساتھ آپ کی تعریف کی مثلاً یہ کہ آپ ان کی ہدایت اور اسلام کی حرص رکھتے ہیں اور ان کی مشقت اور ضرر رساں بات آپ کو سخت گراں معلوم ہوتی ہے ان کی یہ مشقت دنیوی اعتبار سے ہو یا آخرت کے حوالے سے ہو یہ بات اگرچہ مقصد کے اعتبار سے صحیح ہے لیکن اس کے ظاہر میں ایک بات ہے کیونکہ قاضی عیاض رحمہ اللہ کا قول "و شدة ما يعنتهم" "مصدر یعنی" الحرص "کے متعلق پر معطوف ہونے کا وہم ہے (انہوں نے فرمایا من حرصه على هدايتم ورشدهم واسلامهم وشدة ما يعنتهم و يضربهم في دنياهم و اخراهم و عزته عليه"۔

اور اس وہم کو قوت کلام سے تقویت حاصل ہوئی ہے کیونکہ "عزة عليه" کی پہلی ضمیر نبی اکرم ﷺ کی طرف اور دوسری ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹتی ہے پس لفظ "شدة" مصدر کے متعلق پر معطوف ہو اور اس میں جو خرابی ہے وہ پوشیدہ نہیں۔

بعض علماء نے اس کی یوں تاویل کی ہے کہ یہاں مضاف محذوف ہے یعنی "كراهة شدة ما يعنتهم" یا کوئی دوسرا مضاف محذوف ہوگا۔

زیادہ مناسب یا زیادہ بہتر بات یہ ہے کہ لفظ "الشدة" نفس مصدر یعنی "الحرص" پر معطوف ہو اور "عزة" "الشدة" پر معطوف ہو اور اس (عزة) میں ضمیر اسم موصول لفظ "ما" کی طرف راجع ہو جو "ما يعنتهم" میں ہے اور "عليه" کی ضمیر نبی کریم ﷺ کی طرف لوٹے۔

رحمۃ للعالمین

ارشاد خداوندی ہے:

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ○ اور ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا۔ (الانبیاء: ۱۰۷)

جائز ہے کہ لفظ "رحمة" مفعول لہ ہو یعنی رحمت کے لئے اور جائز ہے کہ حال ہونے کی بنا پر منصوب ہو اور مبالغہ کے طور پر آپ کی ذات والا صفات کو رحمت قرار دیا یا یہاں **مضاف محذوف ہوگا یعنی "ذا رحمة" (رحمت والا) یا "راحم" کے معنیٰ میں ہوگا۔ یہ بات السمین (ابن مفوز بن احمد المعافری الشاطبی متوفی ۵۶ ۷ ھ رحمہ اللہ) نے فرمائی ہے۔**

(الاعلام ج اص ۲۷۴' غایۃ النہایہ ج اص ۱۵۲' الدرر الکامنہ ج اص ۳۳۹)

قاضی عیاض رحمہ اللہ نے ذکر کیا کہ ابو بکر بن طاہر نے کہا اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ کو رحمت کی زینت سے مزین فرمایا پس آپ کا رحمت ہونا اور آپ کی تمام صفات و خصائل مخلوق پر رحمت ہیں پس جس کو آپ کی رحمت سے کچھ حصہ ملا اس نے دونوں جہاں میں ہر مکروہ بات سے نجات حاصل کی اور وہی دونوں جہانوں میں ہر محبوب تک پہنچنے والا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں آپ نیک اور بدکار سب کے لئے رحمت ہیں کیونکہ جس نبی کو جھٹلایا گیا اللہ تعالیٰ نے جھٹلانے والے کو ہلاک کیا لیکن آپ کے جھٹلانے والے کو موت یا قیامت تک مہلت دی گئی لیکن جس نے آپ کی تصدیق کی اس کو دنیا اور آخرت میں رحمت ملی۔

(حضرت نصر بن محمد الفقیہ الحنفی) سمرقندی رحمہ اللہ فرماتے ہیں تمام جہانوں کے لئے رحمت سے مراد یہ ہے کہ جنوں

اور انسانوں کیلئے رحمت ہیں کہا گیا کہ تمام مخلوق کے لئے رحمت ہیں مؤمنوں کے لئے ہدایت کے ساتھ منافق کے لئے قتل سے امان کے ساتھ اور کافروں کے لئے تاخیر عذاب کی صورت میں رحمت ہیں۔ پس آپ کی ذات والا صفات جیسا کہ کہا گیا ہے ایسی رحمت ہے جو مؤمن و کافر دونوں کو شامل ہے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ. اور نہیں اللہ تعالیٰ کہ ان کو عذاب دے اس حال میں (الانفال: ۳۳) کہ آپ ان میں موجود ہیں۔

اور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

انما انا رحمة مهداة. بے شک میں رحمت ہوں جو تمہیں عطا کی گئی۔

(دلائل النبوۃ ج ۱ص ۱۵۸' جامع الصغیر ج ۱ص ۳۴۸' الدر المنثور ج ۴ص ۳۴۲' مجمع الزوائد ج ۸ص ۲۵۷' اتحاف السادۃ المتقین ج ۷ص ۱۶۲' طبقات ابن سعد ج ۱ص ۱۵۱' الکامل ج ۴ص ۱۵۳۶)

اس حدیث کو امام دارمی نے روایت کیا اور امام بیہقی رحمہ اللہ نے ''شعب الایمان میں'' حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔

بعض عارفین نے فرمایا تمام انبیاء کرام کو رحمت سے پیدا کیا گیا اور ہمارے نبی اکرم ﷺ عین رحمت ہیں اور کسی شاعر نے کیا خوب کہا:

غنيمة عمر الكون بهجة عيشه سرور حياة الدهر فائدة الدهر

هو النعمة العظمى هو الرحمة التى تجلى بها الرحمن فى السر والجهر

''حیات کائنات کی غنیمت اس کی زندگی کا حسن ہے نیز زمانے کی حیات کا سرور زمانے کا فائدہ ہے وہی بہت بڑی نعمت ہیں اور وہی رحمت ہے جس رحمت کے ساتھ رحمن باطن و ظاہر میں تجلی فرماتا ہے''۔

پس آپ کا بیان' آپ کی نصیحتیں' آپ کی دعا اور استغفار رحمت ہے جس نے قبول کیا اسے حصہ ملا اور جس نے رد کیا وہ محروم رہا۔

سوال: آپ کیسے رحمت ہوں گے جب کہ آپ نے تلوار چلانے اور دوسروں کا مال مباح کرنے کی راہ اختیار کی؟

جواب: اس بات کا جواب دو طرح ہے۔

(۱) آپ کی تلوار اس شخص کے لئے تھی جس نے تکبر اور دشمنی کی اور (دین میں) غور و فکر نہ کیا اللہ تعالیٰ کے اوصاف میں الرحمن الرحیم بھی ہے لیکن اس کے باوجود وہ نافرمانوں سے بدلہ لیتا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

وَنَزَّلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً مُّبٰرَكًا. (ق: ۹) اور ہم نے آسمان سے برکت والا پانی اتارا۔

پھر بعض اوقات یہ پانی فساد کا باعث بن جاتا ہے۔

(۲) دوسرا جواب یہ ہے کہ ہمارے نبی پاک ﷺ سے پہلے تمام انبیاء کرام کا معاملہ یوں تھا کہ جب ان کی قوم نے ان کو جھٹلایا تو اللہ تعالیٰ نے زمین میں دھنسانے' چہرے بدلنے اور غرق کرنے کے ذریعے ان کو ہلاک کیا لیکن ہمارے آقا ﷺ

---

[1] مطلب یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی تشریف آوری سے اجتماعی اور عمومی عذاب اٹھا دیا گیا استثناء سے فرق نہیں پڑتا۔ ۱۲ ہزاروی

کو جھٹلانے والوں سے عذاب کو موت یا قیامت تک مؤخر کردیا۔

یہ بات نہ کہی جائے کہ اللہ تعالیٰ نے تو یوں فرمایا ہے:

قَاتِلُوْهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ بِاَيْدِيْكُمْ (التوبہ:۱۴) ان سے لڑو اللہ تعالیٰ تمہارے ہاتھوں سے ان کو عذاب دے گا۔

اور ارشاد خداوندی:

لِيُعَذِّبَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ (الاحزاب:۷۳) تاکہ اللہ تعالیٰ منافقوں کو عذاب دے۔

کیونکہ ہم کہتے ہیں عام میں سے بعض کی تخصیص سے کوئی خرابی پیدا نہیں ہوتی۔

قاضی عیاض رحمہ اللہ کی کتاب ''الشفاء'' میں منقول ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے حضرت جبریل علیہ السلام سے فرمایا کیا آپ کو اس رحمت سے کچھ حصہ ملا؟ انہوں نے کہا میں انجام سے ڈرتا تھا پس مطمئن ہو گیا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے میری تعریف میں فرمایا:

ذِىْ قُوَّةٍ عِنْدَ ذِى الْعَرْشِ مَكِيْنٍ ۝ مُّطَاعٍ ثَمَّ اَمِيْنٍ (التکویر:۲۰-۲۱) جو قوت والا ہے مالکِ عرش کے حضور عزت والا وہاں اس کا حکم مانا جاتا ہے۔

حضرت سمرقندی رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں یوں ذکر کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے حضرت جبریل علیہ السلام سے پوچھا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝ (الانبیاء:۱۰۷) ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا۔

کیا آپ کو بھی اس رحمت سے کچھ حصہ ملا؟ انہوں نے فرمایا ہاں مجھے بھی اس رحمت سے حصہ ملا ہے مجھے انجام کار کا خوف رہتا تھا پس میں آپ کی وجہ سے بے خوف ہو گیا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے میری تعریف کرتے ہوئے فرمایا:

ذِىْ قُوَّةٍ عِنْدَ ذِى الْعَرْشِ مَكِيْنٍ (التکویر:۲۰) قوت والے عرش کے پاس ٹھہرنے والے۔

یہ اس کا تقاضا ہے کہ حضرت محمد ﷺ حضرت جبریل علیہ السلام سے افضل ہیں اور جمہور کا یہی مسلک ہے لیکن بعض لوگوں کے نزدیک حضرت جبریل علیہ السلام افضل ہیں ان کا استدلال یوں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت جبریل علیہ السلام کی سات صفات کمالیہ بیان کی ہیں ارشاد فرمایا:

اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ۝ ذِىْ قُوَّةٍ عِنْدَ ذِى الْعَرْشِ مَكِيْنٍ ۝ مُّطَاعٍ ثَمَّ اَمِيْنٍ ۝ (التکویر:۱۹-۲۱) بے شک یہ عزت والے رسول کا پڑھنا ہے جو قوت والا ہے مالک عرش کے حضور عزت والا وہاں اس کا حکم مانا جاتا ہے امانت دار ہے۔

اور نبی اکرم ﷺ کا وصف یوں بیان فرمایا:

وَمَا صَاحِبُكُمْ بِمَجْنُوْنٍ (التکویر:۲۲) اور تمہارے صاحب مجنوں نہیں۔

اگر حضرت محمد ﷺ فضیلت کی صفات میں حضرت جبریل علیہ السلام کے مساوی یا قریب ہوتے تو آپ کے اوصاف بھی اسی طرح بیان ہوتے۔

اس کا جواب یوں دیا کہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے فضائل اس آیت میں مذکور وصف کے علاوہ بھی ہیں اور ان فضائل کا یہاں ذکر نہ کرنا اجمالی طور پر ان کے عدم پر دلالت نہیں کرتا اور جب ثابت ہوا کہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے کچھ دوسرے فضائل بھی ہیں جو زائد ہیں تو آپ' حضرت جبریل علیہ السلام سے افضل ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ دو شخصیتوں میں سے ایک کے وصف کا الگ بیان اس بات پر دلالت نہیں کرتا کہ دوسری شخصیت میں یہ اوصاف نہیں پائے جاتے پس جب قرآنی دلیل سے ثابت ہوا کہ آپ تمام جہانوں کے لئے رحمت ہیں اور ان جہانوں میں فرشتے بھی شامل ہیں تو واجب ہوا کہ آپ ان سے افضل ہیں۔

خاتم النبیین

ارشاد خداوندی ہے:

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ (الاحزاب:۴۰)

حضرت محمد ﷺ تم میں سے کسی کے باپ نہیں بلکہ آپ اللہ تعالیٰ کے رسول اور آخری نبی ہیں۔

اس آیت سے واضح طور پر ثابت ہوا کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں پس جب آپ کے بعد کوئی نبی نہیں تو رسول کی نفی بطریق اولیٰ ہوگئی کیونکہ مقام رسالت' مقام نبوت سے زیادہ خاص ہے اس لئے کہ ہر رسول نبی ہے لیکن ہر نبی رسول نہیں جیسا کہ ہم نے مقصد ثانی میں آپ کے اسمائے شریف کے بیان میں ذکر کیا ہے۔

اور اس سلسلے میں (ختم نبوت کے بارے میں) آپ ﷺ سے احادیث آئی ہیں۔

حضرت امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا۔

انبیاء کرام علیہم السلام میں میری مثال اس شخص کی طرح ہے جس نے ایک مکان نہایت خوبصورت بنایا اور اسے مکمل کیا لیکن اس میں ایک اینٹ کی جگہ چھوڑ دی اور وہاں اینٹ نہ لگائی اب لوگ اس مکان کے گرد چکر لگاتے اور اس پر تعجب کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ کاش اس اینٹ کی جگہ بھی پر ہو جاتی تو انبیاء کرام میں سے میں اس اینٹ کی جگہ پر ہوں۔

(جامع ترمذی رقم الحدیث:۳۶۱۳' مسند احمد ج ۵ ص ۱۳۸' کنز العمال رقم الحدیث:۳۱۹۸۱)

اس حدیث کو امام ترمذی رحمہ اللہ نے حضرت بندار سے اور انہوں نے حضرت ابو عامر العقدی سے روایت کیا اور فرمایا یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے مرفوعاً روایت کیا نبی اکرم ﷺ فرماتے ہیں:

ان الرسالة والنبوة قد انقطعت فلا رسول بعدی ولا نبی.

بے شک رسالت اور نبوت کا سلسلہ ختم ہو گیا پس میرے بعد نہ کوئی رسول ہے اور نہ ہی کوئی نبی۔

(جامع ترمذی رقم الحدیث:۲۲۷۲' مسند احمد ج ۳ ص ۲۶۷)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا میری مثال اور دیگر انبیاء کرام کی مثال اس

شخص کی طرح ہے جس نے ایک مکان بنایا تو اسے خوبصورت بنایا اور مکمل کیا لیکن ایک اینٹ کی جگہ چھوڑ دی پس جو شخص وہاں داخل ہوتا اور اس کی طرف نظر کرتا ہے وہ کہتا ہے یہ کس قدر خوبصورت ہے البتہ ایک اینٹ کی جگہ خالی ہے اور اس اینٹ کی جگہ میں ہوں مجھ پر انبیاء کرام علیہم السلام کی آمد کا سلسلہ ختم ہوگیا۔ اس حدیث کو امام ابوداؤد طیالسی نے اور اسی طرح امام بخاری اور امام مسلم (رحمہم اللہ) نے نقل کیا۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: پس میں آیا اور میں نے اس اینٹ کو مکمل کیا۔

''صحیح مسلم میں'' حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

وارسلت الی الخلق کافۃ وختم بی النبیون.

مجھے مخلوق کی طرف نبی بنا کر بھیجا گیا اور مجھ پر انبیاء کرام کی آمد کا سلسلہ ختم کیا گیا۔

تو اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ پر احسان فرمایا کہ آپ کو ختم نبوت و رسالت سے مشرف فرمایا اور دین حنیف کو آپ پر مکمل کیا اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں اور نبی اکرم ﷺ نے احادیث متواترہ میں اس بات کی خبر دی کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں تا کہ معلوم ہو کہ آپ کے بعد جو شخص اس منصب کا دعویٰ کرے وہ جھوٹا' دجال' گمراہ اور گمراہ کرنے والا ہے اگر چہ وہ شعبدہ بازی کرے اور طرح طرح کے جادو' طلسم اور کرتب دکھائے پس یہ سب کچھ اہل عقل کے نزدیک محال اور گمراہی ہے۔ (القاموس المحیط ج اص ۲۱۷)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آپ کے بعد آسمان سے اترنا آپ کے منصب ختم نبوت میں کوئی خرابی پیدا نہیں کرتا کیونکہ جب وہ آئیں گے تو ہمارے آقا ﷺ کے دین اور طریقے پر ہوں گے اور اس کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی ہے کہ ختم نبوت سے مراد یہ ہے کہ آپ نے سب سے آخر میں نبوت کا اعلان فرمایا۔

ابوحیان کہتے ہیں جو شخص یوں کہے کہ نبوت کسبی ہے منقطع نہیں ہوتی یا یہ کہ ولی' نبی سے افضل ہے تو وہ شخص زندیق واجب القتل ہے۔ واللہ اعلم

چوتھی نوع

پہلی کتب یعنی تورات وانجیل وغیرہ میں نبی اکرم ﷺ کا ذکر ہے کہ آپ رسول اور مشرف و مکرم ہیں [1]

ارشاد خداوندی ہے:

اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ. (الاعراف: ۱۵۷)

وہ لوگ جو اس رسول نبی امی (کسی سے نہ پڑھے ہوئے) کی پیروی کرتے ہیں جن کا ذکر وہ اپنے پاس تورات وانجیل میں مذکور پاتے ہیں۔

---

[1] (طبقات ابن سعد ج اص ۲۷۰)

یہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اگر نبی اکرم ﷺ کے بارے میں ان کتابوں میں لکھا ہوا نہ ہوتا تو اللہ تعالیٰ کا یہ کلام یہود و نصاریٰ کے لئے آپ کے ارشاد سے نفرت کا بہت بڑا سبب ہوتا کیونکہ جھوٹ اور بہتان پر اصرار نفرت پیدا کرنے والے امور میں سے بہت بڑا سبب ہے اور عقلمند شخص ایسے کام کے لئے کوشش نہیں کرتا جو اس کے حال میں نقصان کا موجب ہو اور لوگوں کو اس کا قول قبول کرنے سے متنفر کرے پس جب نبی اکرم ﷺ نے ان سے یہ بات فرمائی تو یہ اس بات پر دلالت ہے کہ آپ کا یہ وصف تورات و انجیل میں مذکور ہے اور یہ بات آپ کی نبوت کے صحیح ہونے پر بہت بڑی دلیل ہے۔

لیکن جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اہل کتاب جان بوجھ کر حق کو چھپاتے ہیں۔ ارشاد خداوندی ہے:

یُحَرِّفُوْنَ الْکَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ۔ (المائدہ:۱۳) وہ کلمات کو ان کی جگہوں سے بدلتے ہیں۔

ورنہ وہ (اللہ ان کو ہلاک کرے) نبی اکرم ﷺ کی معرفت اس طرح رکھتے ہیں جس طرح وہ اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں اور وہ آپ کے بارے میں اپنے ہاں تورات و انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں لیکن انہوں نے ان دونوں باتوں کو مٹایا اور بدل دیا تاکہ وہ اپنے مونہوں سے اللہ تعالیٰ کے نور کو بجھا دیں لیکن اللہ تعالیٰ نہیں مانے گا سوائے اس کے کہ وہ اپنے نور کو مکمل کرے اگرچہ کافروں کو یہ بات ناپسند ہو۔

پس نبی اکرم ﷺ کی نبوت کے دلائل ان کی کتابوں میں تحریف کے بعد بھی واضح ہیں اور آپ کی شریعت و رسالت کی علامات ان کتابوں میں روشن ہیں اور ان کا انکار انہیں کیسے فائدہ دے سکتا ہے جب کہ نبی اکرم ﷺ کا اسم گرامی سریانی زبان میں "مشفح" ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ مشفح سے نبی اکرم حضرت محمد ﷺ مراد ہیں اور اسے اس بات پر قیاس کریں کہ جو وہ "الحمد للہ" کہنا چاہتے ہیں تو کہتے ہیں شفحالاھا (اے اللہ! تیرے لئے حمد ہے) تو جب حمد کے لئے شفح کا لفظ مستعمل ہوتا ہے تو مشفح کا معنی محمد ﷺ ہے نیز وہ جن صفات کا اقرار کرتے ہیں وہ آپ کے احوال، زمانے، ولادت، بعثت اور شریعت کے موافق ہیں پس وہ ہمیں بتائیں کہ یہ صفات کس کے لئے ہیں؟ اور تمام گروہ کس کے سامنے آئے اور جھک گئے اور انہوں نے کس کی دعوت کو قبول کیا اور کون ہے اونٹوں کا مالک جس کے ذریعے بابل شہر اور اس کے بت ہلاک ہوئے علاوہ ازیں اگر ہم یہ خبریں اور واقعات ان کی کتب سے نہ لاتے تو جو کچھ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بیان کیا وہ اس پر دلیل نہ ہوتی؟ انہوں نے اسے چھوڑ کر انکار کیا حالانکہ وہ ان کے ذہنوں کو کھٹکھٹاتا ہے تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ انہوں نے اعتراف کیا۔ قرآن مجید کہتا ہے:

اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ الَّذِیْ یَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ وَ الْاِنْجِیْلِ۔ (الاعراف:۱۵۷)

وہ لوگ اس رسول نبی امی (کسی سے نہ پڑھے ہوئے) کی پیروی کرتے ہیں جن کا ذکر وہ اپنے پاس تورات اور انجیل میں پاتے ہیں۔

اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے نقل کرتے ہوئے فرمایا ہے:

اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَ مُبَشِّرًۢا بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِی

بے شک میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہاری طرف رسول ہوں اس چیز کی تصدیق کرنے والا جو مجھ سے پہلے

اِسْمُهٗۤ اَحْمَدُ (الصف:۶) ہے (یعنی تورات) اور اس رسول کی خوشخبری دینے والا جو میرے بعد آئے گا اس کا نام احمد ﷺ ہے۔

اور ارشاد خداوندی ہے:

یٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَلْبِسُوْنَ الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَ تَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ (آل عمران:۷۱)

اے اہلِ کتاب حق کو باطل کے ساتھ کیوں ملاتے ہو اور حق کو کیوں چھپاتے ہو حالانکہ تم جانتے ہو؟

اور ارشاد خداوندی ہے:

اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْكِتٰبَ یَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا یَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ (البقرہ:۱۴۶)

وہ لوگ جن کو ہم نے کتاب دی وہ آپ کو پہچانتے ہیں جس طرح اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں۔

اور لڑائی کے وقت اہل کتاب اپنے مخالفین سے کہا کرتے تھے کہ اس نبی کی ولادت کا وقت آ چکا ہے اور آپ کی ان صفات کا ذکر کرتے جو ان کی کتب میں مذکور ہیں پس جب وہ نبی تشریف لائے جن کو وہ پہچانتے تھے تو انہوں نے حسد کرتے ہوئے اور اقتدار (چلے جانے) کے خوف سے انکار کر دیا۔

یہ بھی احتمال ہے کہ ان کے خیال میں نبی آخر الزمان بنی اسرائیل میں سے ہوں لیکن جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو اہل عرب سے مبعوث فرمایا جن کا تعلق حضرت اسماعیل علیہ السلام کی نسل سے ہے تو ان پر یہ بات گراں گزری اور انہوں نے کھلم کھلا جھٹلانا شروع کر دیا پس کافروں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے۔

نبی اکرم ﷺ ان لوگوں کو اپنی اتباع اور تصدیق کی دعوت دیتے تھے پس کیسے جائز ہوگا کہ آپ کسی باطل دلیل کو اپناتے پھر اسے اس کے سپرد کرتے جو ان کے پاس اور ان کے ہاتھوں میں ہے اور فرماتے ہیں کہ میری نبوت اور صداقت کی ایک علامت یہ ہے کہ تم میرا ذکر اپنے پاس تورات میں لکھا ہوا پاتے ہو اور وہ اس طرح نہ پاتے جس طرح ذکر کیا گیا؟

تو کیا اس سے ان کی دوری میں اضافہ نہ ہوتا حالانکہ آپ کو اس بات کی ضرورت نہ تھی کہ آپ ان کو اس چیز کی دعوت دیتے جو ان کو متنفر کرتی اور آپ ان کو اس بات کی طرف مائل کرتے جو ان کو وحشت میں ڈالتی حالانکہ ان کے علماء میں سے کچھ لوگ ایمان لا چکے تھے جیسے حضرت عبداللہ بن سلام، حضرت تمیم داری اور حضرت کعب احبار رضی اللہ عنہم اور ان کو آپ کی طرف سے ان دعوؤں کا علم ہو چکا تھا (اور وہ اس کا اعتراف کر چکے تھے)۔

(الاعلام ج ۴ ص ۹۰، الاصابہ برقم الترجمہ: ۷۴۷۵، الاعلام ج ۳ ص ۷۸، صفۃ الصفوہ ج ۱ ص ۳۱۰)

ابن عساکر نے تاریخ دمشق میں حضرت محمد بن حمزہ بن عبداللہ بن سلام سے روایت کیا وہ اپنے دادا حضرت عبداللہ بن سلام (رضی اللہ عنہم) سے روایت کرتے ہیں کہ جب انہوں نے نبی اکرم ﷺ کے مکہ مکرمہ سے ہجرت کرنے کے بارے میں سنا تو باہر نکلے اور آپ سے ملاقات کی آپ نے فرمایا تم یثرب والوں کے عالم ابن سلام ہو؟ انہوں نے عرض کیا جی ہاں آپ نے فرمایا میں تمہیں اس اللہ تعالیٰ کی قسم دیتا ہوں جس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تورات نازل کی کیا تم اللہ کی کتاب (تورات) میں میرے اوصاف پاتے ہو؟ انہوں نے کہا اے محمد! ﷺ اپنے رب کی تعریف کیجئے۔

نبی اکرم ﷺ پر گھبراہٹ طاری ہوگئی تو حضرت جبریل علیہ السلام نے پڑھا:

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ○ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ○ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ ○ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ○ (اخلاص:۱۔۴)

آپ فرما دیجئے کہ وہ اللہ ایک ہے اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے اس کی کوئی اولاد نہیں اور نہ وہ کسی کی اولاد ہے اور اس کے برابر کا کوئی نہیں۔

حضرت عبداللہ بن سلام نے کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور اللہ تعالیٰ آپ کو اور آپ کے دین کو غالب کرے گا اور میں آپ کی صفت کو اللہ تعالیٰ کی کتاب (تورات) میں یوں پاتا ہوں:

یا ایها النبی انا ارسلناک شاهد او مبشرا و نذیرا انت عبدی و رسولی سمیتک المتوکل لیس بفظ ولا غلیظ ولاسخاب فی الاسواق ولا یجزی بالسیئة مثلها ولکن یعفو و یصفح ولن یقبضه الله حتی یقیم به الملة المعوجة حتی یقولوا لا اله الا الله و یفتح به اعینا عمیا واذانا صما و قلوبا غلفا

اے نبی ﷺ! بے شک ہم نے آپ کو گواہ خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا آپ میرے بندے اور میرے رسول ہیں میں نے آپ کا نام متوکل رکھا آپ بد اخلاق اور سخت دل نہیں اور نہ بازاروں میں شور وشغب کرنے والے ہیں اور برائی کا بدلہ برائی سے نہیں دیں گے بلکہ معاف کریں گے اور درگزر فرمائیں گے اور اللہ تعالیٰ آپ کو اس وقت نہیں اٹھائے گا جب تک آپ کے ذریعے ٹیڑھی ملت کو سیدھا نہ کردے حتیٰ کہ وہ کہیں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں نابینا آنکھ کو، بہرے کان اور پردے میں چھپے دلوں کو کھول دے۔

"لیس بفظ ولا غلیظ" قرآن مجید کی اس آیت کے موافق ہے:

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ. (آل عمران:۱۵۹)

پس آپ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ان کے لئے نرم ہو گئے اور اگر آپ سخت مزاج تنگ دل ہوتے تو وہ آپ کے گرد سے دور ہو جاتے۔

اور آپ کی یہ صفت حکم خداوندی:

وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ. (التوبہ:۷۳)

اور آپ ان پر سختی کیجئے۔

کے خلاف نہیں کیونکہ نفی اس بات پر محمول ہے کہ آپ کی فطرت مبارکہ میں یہ بات نہیں اور امر (سختی کیجئے) خلاف فطرت عمل کرنے پر محمول یا نفی مؤمنوں کے اعتبار سے ہے اور امر کفار اور منافقین کی نسبت سے ہے جس طرح آیت سے واضح ہے۔

امام بیہقی اور ابو نعیم نے حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ کی زوجہ حضرت ام الدرداء رضی اللہ عنہا سے روایت کیا وہ فرماتی ہیں میں نے حضرت کعب رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ تم نبی اکرم ﷺ کی صفت کو تورات میں کیسے پاتے ہو: انہوں نے فرمایا ہم اس کتاب میں آپ کی تعریف یوں پاتے ہیں:

محمد رسول الله اسمه المتوكل ' ليس بفظ ولا غليظ ولا سخاب في الاسواق ' واعطى المفاتيح ' ليبصر الله به اعينا عورا ' و يسمع به اذانا صما ' و يقيم به السنة معوجة ' حتى يشهدوا ان لا اله الا الله وحده لا شريك له ' يعين المظلوم و يمنعه من ان يستضعف.

حضرت محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں آپ کا اسم گرامی متوکل ہے آپ بدکلام' سخت دل اور بازاروں میں شور کرنے والے نہیں آپ کو خزانوں کی چابیاں دی گئیں تاکہ آپ کے ذریعے اللہ تعالیٰ اندھی آنکھوں کو دکھائے بہرے کانوں کو سنائے اور آپ کے ذریعے ٹیڑھی زبانوں کو سیدھا کر دے حتیٰ کہ وہ گواہی دیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ ایک ہے اس کا کوئی شریک نہیں آپ مظلوم کی مدد کریں گے اور اس کو کمزور کئے جانے سے بچائیں گے۔

صحیح بخاری میں حضرت عطاء بن یسار رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں میں نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے ملاقات کی تو عرض کیا مجھے نبی اکرم ﷺ کی صفت کے بارے میں خبر دیجئے۔ انہوں نے فرمایا ہاں اللہ کی قسم تورات میں آپ کی ان صفات کا ذکر ہے جن میں سے بعض صفات قرآن مجید میں مذکور ہیں:

يا ايها النبي انا ارسلناك شاهدا و مبشرا و نذيرا ' و حرزا للاميين ' انت عبدي و رسولي ' سميتك المتوكل ليس بفظ ولا غليظ و لا سخاب في الاسواق ' ولا يجزي بالسيئة السيئة ' ولكن يعفو ويصفح ' ولن يقبضه الله حتى يقيم به الملة العوجاء ' بان يقولوا: لا اله الا الله ' ويفتح به اعيناً عميا و آذانا صما و قلوبا غلفا. (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۸۳۸)

اے نبی! (ﷺ) ہم نے آپ کو شاہد (حاضر ناضر) اور خوشخبری دینے والا ڈر سنانے والا بنا کر بھیجا ہے آپ امی لوگوں کے لئے پناہ گاہ ہیں آپ میرے بندے اور میرے رسول ہیں میں نے آپ کا نام متوکل رکھا ہے آپ سخت زبان' سخت دل اور بازاروں میں شور کرنے والے نہیں ہیں اور آپ برائی کا بدلہ برائی سے نہیں دیتے بلکہ معاف کرتے اور درگزر فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ اس وقت تک آپ کی روح مبارک قبض نہیں فرمائے گا جب تک آپ کے ذریعے ٹیڑھی ملت کو سیدھا نہ کر دے کہ وہ "لا الہ الا اللہ پڑھیں" اور اللہ تعالیٰ آپ کے ذریعے نابینا آنکھوں' بہرے کانوں اور بند دلوں کو کھول دے گا۔

ابن اسحاق کی روایت میں ان الفاظ کے ساتھ ہے:

ولا صخب في الاسواق ' ولا متزين بالفحش ' ولا قوال للخنا ' اسدده بكل جميل ' واهب له كل خلق كريم ' ثم اجعل السكينة لباسه ' والبر شعاره ' والتقوى ضميره ' والحكمة

آپ بازار میں شور کرنے والے اور فحش کلامی کو زینت والے نہیں ہوں گے اور نہ ہی بدکلامی کرنے والے ہوں گے میں ہر حسن کے ساتھ ان کو اعتدال پر رکھوں گا اور ان کو ہر اچھا خلق عطا کروں گا پھر سکون کو ان کا لباس' نیکی کو

معقوله' والصدق والوفاء طبيعته' والعفو والمعروف خلقه' والعدل سيرته' والحق شريعته' والهدى امامه' والاسلام ملته' واحمد اسمه' اهدى به بعد الضلالة' واعلم به بعد الجهالة' وارفع به بعد الخمالة' واسمى به بعد النكرة' واكثر به بعد القلة' واغنى به بعد العيلة' واجمع به بعد الفرقة واؤلف به بين قلوب مختلفة' واهواء متشتة' وامم متفرقة' واجعل امته خير امة اخرجت للناس.

ان کا شعار اور تقویٰ کو ان کی ضمیر بناؤں گا۔ ان کی سمجھ حکمت پر مبنی' صدق و وفا ان کی طبیعت' درگزر اور نیکی ان کا خلق' عدل ان کی سیرت' حق ان کی شریعت' ہدایت ان کا امام اور اسلام ان کی ملت قرار دوں گا۔ میں ان کا نام احمد رکھوں گا' گمراہی کے بعد ان کے ذریعے ہدایت دوں گا' جہالت کے بعد ان کے ذریعے علم عطا کروں گا' ذلت کے بعد ان کے ذریعے بلندی عطا کروں گا' گمنامی کے بعد ان کے ذریعے معروف کروں گا قلت کے بعد ان کے ذریعے مختلف دلوں میں باہمی الفت پیدا کروں گا اور منتشر خواہشات نیز متفرق لوگوں کو یکجا کروں گا اور آپ کی امت کو لوگوں کے لئے بہترین امت قرار دوں گا۔

امام بیہقی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا کہ جارود بن معلی نے آ کر اسلام قبول کیا تو کہا اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے میں نے آپ کا وصف انجیل میں (مذکور) پایا اور حضرت مریم بتول کے بیٹے (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) نے آپ کی خوشخبری دی ہے۔

ابن سعد نے نقل کرتے ہوئے فرمایا جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حکم ہوا کہ وہ حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا کو لے جائیں تو انہوں نے ان کو براق پر بٹھایا تو وہ جس نرم زمین سے گزرتے تو فرماتے اے جبریل یہاں اتروں؟ وہ فرماتے ہیں نہیں حتیٰ کہ مکہ مکرمہ آ گیا تو حضرت جبریل علیہ السلام نے کہا اے ابراہیم علیہ السلام! اتریئے انہوں نے فرمایا نہ تو یہاں کوئی جانور ہے اور نہ ہی کھیتی؟ فرمایا ہاں یہاں ایک نبی پیدا ہوں گے جو آپ کے بیٹے (حضرت اسماعیل علیہ السلام) کی اولاد سے ہوں گے ان کے ذریعے اللہ تعالیٰ بلند کلمہ کو مکمل کرے گا۔

تورات میں حذف اور تبدیلی کر دی گئی اس کے باوجود یہ کلمات موجود ہیں جو ابن ظفر نے ''البشر میں'' اور ابن قتیبہ نے ''اعلام النبوۃ میں'' نقل کیے ہیں وہ کلمات یہ ہیں:

تجلى الله من سينا واشرق من ساعير واستعلن من جبال فاران.

اللہ تعالیٰ نے طور سینا پر تجلی فرمائی ساعیر پہاڑ سے اس کے کلام کے انوار چمکے اور فاران پہاڑوں پر اس کا امر ظاہر ہوا۔

''سینا'' وہ پہاڑ جس پر اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا ''ساعیر'' وہ پہاڑ ہے جہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا اور آپ کی نبوت ظاہر ہوئی اور ''فاران'' عبرانی زبان میں پہاڑ کا نام ہے اور اس کا پہلا الف ہمزہ نہیں ہے یہ بنو ہاشم کے پہاڑ ہیں۔ نبی اکرم ﷺ ان میں سے ایک پر گوشہ نشینی اختیار کرتے تھے اور وحی کا آغاز بھی وہاں ہی ہوا (یعنی جبل نور جہاں غار حرا ہے) ان میں سے ایک جبل ابوقبیس ہے اس کے مقابلے میں قعیقعان ہے جو بطن وادی

تک ہے اور تیسرا پہاڑ شرقی فاران ہے وہ قعیقعان سے شروع ہوتا ہے اور بطن وادی تک پہنچتا ہے یہ بنو ہاشم کی شعب (گھاٹی) ہے اور ایک قول کے مطابق نبی اکرم ﷺ کی ولادت باسعادت یہیں ہوئی ہے۔

ابن قتیبہ کہتے ہیں اس میں کوئی پوشیدگی نہیں کیونکہ طور سینا سے تجلی کا مطلب اس کا حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تورات نازل کرنا ہے اور ''ساعیر'' سے چمکنے سے مراد ہو سکتا ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر انجیل کا نازل کرنا ہو اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام سرزمینِ خلیل کے ساعیر پہاڑ کی ایک بستی ''ناصرہ'' میں رہتے تھے اور اسی وجہ سے آپ کی اتباع کرنے والوں کو نصاریٰ کہا جاتا ہے تو جس طرح ساعیر سے چمکنے سے مراد حضرت مسیح علیہ السلام پر انجیل کا نازل کرنا ہو سکتا ہے اسی طرح ضروری ہے کہ فاران کے پہاڑوں سے بلند ہونے کا مطلب نبی اکرم ﷺ پر قرآن نازل کرنا ہو اور یہ مکہ مکرمہ میں پہاڑ ہیں اور اہل کتاب اور مسلمانوں کے درمیان اس سلسلے میں اختلاف نہیں کہ فاران مکہ مکرمہ ہے۔

اگر یہ دعویٰ کیا جائے کہ فاران مکہ مکرمہ نہیں ہے تو ہم کہتے ہیں کیا تورات میں یہ بات نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ہاجرہ اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کو فاران میں ٹھہرایا؟ اور ہم کہتے ہیں ہمیں بتایئے کہ اللہ تعالیٰ نے کس مقام پر اپنے امر کو ظاہر کیا اور اس کا نام فاران ہے اور وہ کون سے نبی ہیں جن پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد کتاب نازل ہوئی لیکن ''استعلن'' اور ''علن'' ایک ہی معنیٰ میں نہیں یعنی ظاہر و منکشف ہونا کیا تم کسی ایسے دین کو جانتے ہو جو اسلام کی طرح ظاہر ہوا ہو اور اسلام کی طرح زمین کے مشرقوں اور مغربوں میں پھیلا ہو۔ تورات میں ہی مذکور ہے جیسا کہ ابن ظفر نے اسے ذکر کیا حضرت موسیٰ علیہ السلام سے خطاب ہوا جس سے خصوصی طور پر وہ لوگ مراد ہیں جن کو آپ نے اپنے رب سے ملاقات کے لئے منتخب فرمایا اور ان کو گرج نے آلیا پھر عمومی طور پر تمام بنی اسرائیل مراد ہیں فرمایا گیا کہ ''اللہ تعالیٰ جو تمہارا رب ہے تمہارے بھائیوں میں سے ایک کو نبی قائم کرے گا پس اس کی بات غور سے سنو اس بات کی طرح جو تم نے اجتماع کے دن مقام ''حوریت'' میں سنی جب تم نے کہا میں دوبارہ اپنے رب کی آواز نہیں سنوں گا تا کہ میں مر نہ جاؤں۔

پس اللہ تعالیٰ نے مجھ سے فرمایا کیا اچھا ہے جو انہوں نے کہا اور میں عنقریب ان کے لئے ان کے بھائیوں میں سے آپ کی طرح ایک نبی قائم کروں گا اور اپنا کلام ان کے منہ میں ڈالوں گا پس وہ ان سے ہر وہ بات کہیں گے جس کا میں انہیں حکم دوں گا اور جو شخص اس شخص کی اطاعت نہیں کرے گا جو میرے نام سے بولتا ہے تو میں اس سے انتقام لوں گا''۔

ابن ظفر کہتے ہیں اس کلام میں نبی اکرم حضرت محمد ﷺ کی نبوت پر کئی دلائل ہیں۔

ایک تو یہ بات ہے کہ ''ان کے بھائیوں میں سے ایک نبی'' فرمایا جب کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور آپ کی قوم کا تعلق بنو اسحاق سے ہے اور ان کے بھائی بنی اسماعیل ہیں اگر یہ نبی جن کا وعدہ کیا گیا ہے بنی اسحاق سے ہوتے تو وہ انہی میں سے ہوتے ان کے بھائیوں میں سے نہ ہوتے۔

اور یہ فرمایا کہ ''آپ کی مثل نبی'' تو تورات میں فرمایا کہ بنی اسرائیل میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مثل کوئی نبی نہیں ہوں گے اور ایک جگہ یوں کہا گیا کہ بنی اسرائیل میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مثل کوئی نبی کبھی بھی نہیں ہوگا۔ تو یہودیوں کے خیال میں یہ نبی جن کا وعدہ کیا گیا حضرت یوشع بن نون علیہ السلام ہیں اور یہ باطل ہے کیونکہ حضرت یوشع علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کے برابر نہیں تھے بلکہ ان کی زندگی میں ان کے خادم تھے اور ان کی وفات کے بعد ان کی دعوت کی

تاکید کرنے والے تھے پس یہ بات متعین ہوگئی کہ اس نبی موعود سے حضرت محمد ﷺ مراد ہیں کیونکہ آپ ہی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے برابر ہیں اس لئے کہ منصب نبوت اور معجزہ کے ذریعے چیلنج کرنے یا احکام شریعت اور پہلی شریعتوں کو منسوخ کرنے میں آپ ان کی مثل ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی کہ میں اپنا کلام اس نبی کے منہ میں ڈالوں گا تو یہ اس بات میں واضح ہے کہ اس سے حضرت محمد ﷺ کا قصد کیا گیا ہے کیونکہ اس کا معنیٰ یہ ہے کہ میں ان کی طرف اپنا کلام بطور وحی بھیجوں گا تو وہ جس طرح سنیں گے اسی طرح بیان کریں گے اور ان کی طرف صحیفے اور تختیاں نہیں اتاروں گا کیونکہ وہ امی ہیں اور لکھا ہوا اچھی طرح نہیں پڑھ سکتے۔

ابن ظفر یک نے ''الدر المنظم میں'' ذکر کیا کہ یوحنا نے اپنی انجیل میں حضرت مسیح علیہ السلام سے نقل کیا کہ آپ نے فرمایا میں باپ سے مطالبہ کروں گا کہ وہ تمہیں ایک اور فارقلیط عطا فرمائے جو تمہارے ساتھ ہمیشہ رہے وہ روح حق ہوگا لوگ اسے قبول کرنے کی طاقت نہیں رکھیں گے۔

ابن ظفر نے ان الفاظ میں نقل کیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اگر تم مجھ سے محبت کرتے ہو تو میری وصیت کی حفاظت کرو اور میں اپنے باپ سے مطالبہ کروں گا کہ وہ تمہیں ایک اور فارقلیط عطا کرے۔ جو زمانہ بھر تمہارے ساتھ رہے۔ (الشفاء ج ۱ ص ۲۳۴)

ابن ظفر کہتے ہیں اس میں واضح طور پر بتایا گیا کہ اللہ تعالیٰ عنقریب ان کی طرف ایسا نبی بھیجے گا جو ان (حضرت موسیٰ علیہ السلام) کی جگہ ہوں گے اور اپنے رب کا پیغام پہنچانے اور مخلوق کی سیاست میں ان کے قائم مقام ہوں گے اور ان کی شریعت ہمیشہ ہمیشہ رہے گی تو حضرت محمد ﷺ کے علاوہ کون ہو سکتا ہے؟

ابن ظفر یک کے مطابق یوحنا کے علاوہ انجیل کو نقل کرنے والے کسی دوسرے نے فارقلیط کا لفظ ذکر نہیں کیا اور عیسائیوں کا لفظ فارقلیط میں اختلاف ہے۔ ایک قول میں اس کا معنیٰ حامد اور دوسرے قول میں مخلص ذکر کیا گیا ہے۔

اگر ہم اس بات میں ان کی موافقت کریں کہ اس سے مخلص مراد ہے تو معاملہ یوں ہوگا کہ مخلص ایک ایسا رسول ہے جو جہان والوں کو چھٹکارا دلانے کے لئے آئے گا اور یہی ہماری غرض ہے کیونکہ ہر نبی اپنی امت کو کفر سے نجات دلاتا ہے اور اس پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا انجیل میں مذکور قول شاہد ہے آپ فرماتے ہیں میں دنیا والوں کو نجات دینے آیا ہوں پس جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے خود اپنے آپ کو دنیا کا نجات دہندہ قرار دیا اور انہوں نے ہی اپنے رب سے سوال کیا کہ وہ ایک اور فارقلیط عطا کرے تو الفاظ کا تقاضا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ ایک فارقلیط گزر چکا ہے اب دوسرا آئے گا۔

اور اگر ہم ان کے ساتھ اس بات میں موافقت کریں کہ اس کا معنیٰ حامد (تعریف کرنے والا) ہے تو احمد اور محمد کے قریب اس سے زیادہ قریب کونسا لفظ ہو سکتا ہے؟

ابن ظفر نے کہا کہ انجیل میں اس بات پر دلالت بھی ملتی ہے کہ فارقلیط کا معنیٰ ''رسول'' ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا یہ کلام جو تم سنتے ہو یہ میرے لئے نہیں بلکہ باپ نے مجھے اس کلام کے ساتھ تمہارے لئے بھیجا ہے لیکن فارقلیط،

پاک روح ہے جسے میرا باپ میرے نام کے ساتھ بھیجے گا تو وہ تمہیں ہر بات سکھائے گا اور میں نے جو کچھ تم سے کہا وہ تمہیں اس کی یاد دلائے گا۔

تو کیا اس کے بعد بیان کی گنجائش رہ جاتی ہے؟ کیا یہ واضح نہیں کہ فارقلیط سے رسول مراد ہے جسے اللہ تعالیٰ بھیجے گا اور وہ پاک روح ہے اور حضرت مسیح علیہ السلام کی تصدیق کرے گا اور ان کے نام کو ظاہر کرے گا کہ حضرت مسیح اللہ تعالیٰ کی طرف سے سچے رسول ہیں معبود نہیں ہیں اور وہ (فارقلیط) مخلوق کو ہر بات سکھائے گا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان سے جو کچھ کہا وہ ان کو یاد دلائے گا نیز ان کو توحید کے سبق کی یاد دہانی بھی کرائے گا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حوالے سے جو کہا گیا کہ آپ نے فرمایا ''میں اپنے باپ سے کہوں گا'' تو اس لفظ میں تبدیلی کی گئی اور اہل کتاب کے نزدیک اس کا استعمال غیر معروف نہ تھا یہ رب سبحانہ وتعالیٰ کی طرف اشارہ ہے کیونکہ ان کے نزدیک یہ لفظ تعظیم کے طور پر استعمال ہوتا تھا طالب علم جس استاذ سے علم حاصل کرتا اس کے لئے بھی یہ لفظ استعمال کرتا تھا اور یہ بات مشہور ہے کہ عیسائی اپنے دینی اکابر کو روحانی باپ کہا کرتے ہیں اور بنی اسرائیل اور بنو عیصو ہمیشہ اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے بیٹے کہتے تھے لیکن اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کو اللہ تعالیٰ کے بارے میں صحیح سمجھ نہ تھی۔

اور یہ قول کہ اللہ تعالیٰ اس فارقلیط کو میرے نام کے ساتھ بھیجے گا تو اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ انہوں نے نبی اکرم ﷺ کی صداقت اور رسالت کی شہادت دی نیز قرآن مجید میں جو کچھ ان کی تعریف میں کہا گیا اس کی شہادت ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے جھوٹ گھڑا گیا اس کی شہادت نہیں' انجیل کے ایک اور ترجمہ میں ہے کہ آپ نے فرمایا جب فارقلیط آئے گا تو لوگوں کو ان کے گناہوں پر جھڑکے گا اور اپنی طرف سے کچھ نہیں کہے گا جو کچھ (اللہ تعالیٰ سے) سنے گا وہ ان سے بیان کرے گا اور ان کی سیاست کرے گا اور ان کو آنے والے واقعات کی خبر دے گا۔

ابن ظفر بک کے نزدیک یہ الفاظ ہیں:

فاذا جاء روح الحق لیس ینطق من عنده بل یتکلم بکل ما یسمع و یخبر کم بکل ما یاتی وهو یمجدنی لانه یا خذ مما هولی و یخبر کم.

(حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا) جب وہ روح حق آئے گا تو اپنی طرف سے کلام نہیں کرے گا بلکہ جو کچھ سنے وہی بات کہے گا اور تمہیں تمام آنے والی باتوں کی خبر دے گا وہ میری تعریف بیان کرے گا کیونکہ وہ میرے خاص علم سے لے کر تمہیں اس کی خبر دے گا۔

ان کا قول ''لیس ینطق من عنده'' دوسری روایت میں اس طرح ہے ''و لا یقول من تلقاء نفسه بل یتکلم بکل ما یسمع'' (معنی وہی ہے) یعنی اس اللہ کی طرف سے بیان کرے گا جس نے اس کو بھیجا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کے بارے میں فرمایا:

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ○ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ○ (النجم: ۳۔۴)

اور وہ (حضور علیہ السلام) اپنی خواہشات سے کلام نہیں کرتے بلکہ وہی بات کرتے ہیں جو آپ کی طرف وحی کی جاتی ہے۔

اوران کا قول"وهو يمجدني "تو جس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بزرگی بیان کرنے کا حق ہے نبی اکرم ﷺ کے سوا کسی نے بیان نہیں کی کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے ان کا وصف بیان کیا کہ وہ اللہ کے رسول ہیں اوران کی اوران کی والدہ کی ان الزامات سے برأت بیان کی جوان دونوں پرلگائے گئے اور آپ نے اپنی امت کو بھی اسی بات کا حکم دیا۔

ابن ظفر کہتے ہیں کون ہے جس نے علماء کو سچ چھپانے اور کلمات کوان کی جگہوں سے بدلنے پر جھڑکا نیز کھوٹے سکوں کے عوض دین بیچنے کی تنبیہ کی' کون ہے جس نے حوادث سے ڈرایا اورغیبوں کی خبر دی وہ صرف حضرت محمد ﷺ ہیں۔

ابو محمد عبداللہ شقراطیسی کو اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا کرے انہوں نے اپنے مشہور قصیدہ میں فرمایا:

توراة موسى اتت عنه فصدقها انجيل عيسى بحق غير مفتعل

اخبار احبار اهل الكتاب قدوردث عما راؤا وروو افى الاعصر الاول

"حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تورات نے حضور علیہ السلام کی خبر دی تو حضرت عیسیٰ کی انجیل نے ایسے حق کی تصدیق کی جس کی کوئی سابق مثال نہیں' اہل کتاب کے علماء کی خبریں اس بات کے بارے میں آئی ہیں جوانہوں نے دیکھا اور پہلے زمانوں سے روایت کیا"۔

اور عارف ربانی ابوعبداللہ بن نعمان کے کلام نے مجھے خوش کردیا انہوں نے فرمایا:

هذا النبى محمد جاءت به توراة موسى للانام تبشر

و كذاک انجيل المسيح موافق ذكرا لاحمد معرب و مذكر

"یہ نبی حضرت محمد ﷺ ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام کی تورات نے مخلوق کوان کی خوشخبری دی اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے حضرت احمد ﷺ کے ذکر اوراظہار میں اس کی موافقت کی"۔

اوراللہ تعالیٰ ابن جابر پررحم فرمائے انہوں نے فرمایا:

لمبعثه فى كل جيل علامة على ما جلته الكتب من امره الجلى

فجاء به انجيل عيسىٰ بآخر كما قد مضت توراة موسىٰ باول

"ہرقوم میں آپ کی بعثت کی علامت ہے جس طرح کہ کتب سماویہ نے اس امر کو روشن کیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی انجیل نے بھی بعد میں آپ کا ذکر کیا جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تورات نے پہلے آپ کا ذکر کیا"۔

امام بیہقی کی کتاب "دلائل النبوة" میں ایسی سند کے ساتھ مروی ہے جس میں کوئی خرابی نہیں وہ ابوامامہ باہلی سے روایت کرتے ہیں اور وہ ہشام بن عاص اموی سے روایت کرتے ہیں انہوں نے فرمایا مجھے اور ایک دوسرے شخص کو روم کے بادشاہ ہرقل کے پاس بھیجا گیا کہ ہم اسے اسلام کی دعوت دیں۔ پھر انہوں نے حدیث ذکر کرتے ہوئے بتایا کہ اس نے ان کورات کے وقت بُلا بھیجا فرماتے ہیں ہم اس کے ہاں داخل ہوئے تو اس نے ایک چیز منگوائی جو عطر فروش کے بڑے ڈبے کی طرح تھی اور اس پر سونا چڑھا ہوا تھا اس میں چھوٹے چھوٹے گھر تھے جن کے دروازے تھے اس نے کھول کر سیاہ ریشمی کپڑا نکال کر پھیلایا تو اس میں سرخ صورت تھی جب دیکھا تو وہ ایک شخص ہے جس کی آنکھیں موٹی اور سرین

بڑے بڑے ہیں اس کی گردن جیسی لمبی گردن میں نے نہیں دیکھی اس کی دو مینڈھیاں اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں زیادہ حسین تھیں پوچھا کیا تم ان کو جانتے ہو؟ ہم نے کہا نہیں تو اس نے کہا یہ آدم علیہ السلام ہیں پھر ایک اور دروازہ کھولا تو اس سے سیاہ ریشم نکالا جس میں سفید صورت تھی دیکھا تو وہ ایک شخص ہے جس کی آنکھیں سرخ ہیں سر کی کھوپڑی بڑی اور داڑھی خوبصورت ہے پوچھا ان کو پہچانتے ہو؟ ہم نے کہا نہیں' اس نے کہا یہ نوح علیہ السلام ہیں راوی کہتے ہیں پھر ایک دروازہ کھولا اور ریشمی کپڑا نکالا اس میں سفید تصویر تھی اور دیکھا تو قسم بخدا! رسول اکرم ﷺ تھے۔ اس نے کہا ان کو پہچانتے ہو؟ ہم نے کہا ہاں یہ حضرت محمد ﷺ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے رسول اور ہمارے نبی ہیں اس نے کہا ہاں وہی ہیں پھر وہ سیدھا کھڑا ہوا پھر بیٹھ گیا اور کہا یہ وہی ہیں؟ ہم نے کہا ہاں وہی ہیں گویا تم ان کو دیکھ رہے ہو پس وہ ایک گھڑی رک کر تصویر کو دیکھتا رہا پھر کہا سنو! اللہ کی قسم یہ آخری گھر (خانہ) ہے لیکن میں نے اس (کو کھولنے) کے لئے جلدی کی تاکہ دیکھوں کہ تمہارے پاس کیا ہے؟ الحدیث

اس حدیث میں انبیاء کرام حضرت ابراہیم' حضرت موسیٰ' حضرت عیسیٰ' حضرت سلیمان اور دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کا ذکر ہے راوی فرماتے ہیں ہم نے اس سے پوچھا یہ تصویریں تمہارے پاس کہاں سے آئی ہیں؟ اس نے کہا حضرت آدم علیہ السلام نے اپنے رب سے سوال کیا کہ وہ ان کو ان کی اولاد میں سے انبیاء کرام دکھائے تو اللہ تعالیٰ نے ان پر ان کی صورتیں اتاریں تو یہ سورج کے غروب ہونے کی جگہ آدم علیہ السلام کے خزانے میں تھیں تو ذوالقرنین نے ان کو اس مقام سے نکال کر حضرت دانیال علیہ السلام کو دیں۔

حضرت داؤد علیہ السلام کی زبور کے چوالیسویں مزمور میں ہے (جس طرح قرآن مجید کی آیات ہیں زبور کا کلام اور دعائیں مزمور (جمع مزامیر ہے) کہلاتی ہیں۔

آپ کے مبارک ہونٹوں سے نغمہ جاری ہوا اسی لئے اللہ تعالیٰ نے آپ کو ابد تک (ہمیشہ کے لئے) مبارک بنایا اے جبار (حضور علیہ السلام کا اسم گرامی) تلوار لٹکایئے بے شک آپ کی شریعتیں اور سنت آپ کے دائیں ہاتھ کی ہیبت سے ملی ہوئی ہے اور آپ کے تیر مسنون ہیں اور تمام گروہ آپ کے سامنے سرنگوں ہیں۔

تو یہ مزمور نبی اکرم ﷺ کی نبوت کی رفعت بتاتا ہے اور وہ نعت (یا نغمہ) جو آپ کے مبارک ہونٹوں سے نکلا وہ قول ہے جو آپ فرماتے ہیں اور یہ وہ کتاب ہے جو آپ پر اتاری گئی اور سنت جو آپ نے جاری کی اور یہ بات کہ آپ تلوار لٹکائیں گے اس بات پر دلالت ہے کہ اس سے عربی نبی مراد ہیں کیونکہ عرب کے علاوہ کسی امت نے تلواریں نہیں لٹکائیں وہ سب اپنے کاندھوں پر رکھتے تھے۔

اور یہ کہنا کہ "آپ کی شریعت اور سنت" تو یہ واضح نص ہے آپ صاحب شریعت وسنت ہیں اور آپ کی تلوار اسے قائم کرے گی اور جبار کہا گیا یعنی وہ جو تلوار کے ذریعے مخلوق کو حق پر رکھتا ہے اور ان کو جبراً کفر سے پھیرتا ہے۔[1]

حضرت وہب بن منبہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے بعض قدیم کتابوں میں پڑھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

مجھے اپنی عزت وجلال کی قسم ہے میں عرب کے پہاڑوں پر ضرور ایک نور اتاروں گا جو مشرق اور مغرب کے درمیان کو بھر دے گا۔ اور میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد سے ضرور بضرور ایک امی نبی پیدا کروں گا جس پر آسمان کے

---

[1] حضور علیہ السلام نے فرمایا' امرت ان اقاتل الناس حتی یقولوا لا الہ الا اللہ '' مجھے حکم دیا گیا کہ میں لوگوں سے لڑوں حتیٰ کہ وہ کہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں۔

ستاروں اور زمین کی سبزیوں کی تعداد کے مطابق لوگ ایمان لائیں گے وہ سب میرے رب ہونے اور ان کے رسول ہونے پر ایمان لائیں گے۔ وہ اپنے باپ دادا کے ادیان کا انکار کریں گے اور ان سے بھاگیں گے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا (اے اللہ!) تو پاک ہے اور تیرے نام مقدس ہیں تو نے اس نبی کو عزت و شرف عطا کیا اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے موسیٰ علیہ السلام میں دنیا اور آخرت میں اس کے دشمن سے بدلہ لوں گا اور اس نبی کی دعوت کو ہر دعوت پر غالب کروں گا جو اس کی شریعت کی مخالفت کرے گا اس کو ذلیل کروں گا۔ میں اسے عدل کے ساتھ زینت دوں گا اور انصاف کے ساتھ ظاہر کروں گا اور مجھے اپنی عزت کی قسم میں اس کے ذریعے کئی گروہوں کو جہنم سے ضرور بچاؤں گا میں نے دنیا کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ شروع کیا اور حضرت محمد ﷺ پر ختم کروں گا پس جس نے ان کو پایا اور ان پر ایمان نہ لایا اور ان کی شریعت میں داخل نہ ہوا وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بری ہے (اس کا اللہ تعالیٰ سے کوئی تعلق نہیں) یہ بات ابن ظفر وغیرہ نے ذکر کی ہے۔

پانچویں نوع

اس نوع میں ان آیات کا ذکر ہے جن میں اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کی رسالت کے ثبوت اور جو کچھ آپ کی طرف آیات خداوندی کی وحی ہوئی نیز آپ کے مرتبہ شریفہ اور مقام کا بیان ہے۔

اللہ تعالیٰ تمہیں عزت عطا کرے اس نوع کا اکثر حصہ ابن قیم کی کتاب ''اقسام القرآن'' کا خلاصہ اور کچھ دیگر عمدہ فوائد پر مشتمل ہے۔

اللہ تعالیٰ نے چند امور پر بعض امور کے ساتھ قسم کھائی ہے اور اپنی ذات کو کچھ صفات سے موصوف کرتے ہوئے قسم کھائی اور ان آیات کی قسم کھائی جو اس کی ذات وصفات کو مستلزم ہیں اور اس کا اپنی بعض مخلوقات کے نام سے قسم کھانا اس بات کی دلیل کہ وہ اس کی عظیم نشانیوں میں سے ہے۔ (الشفاء ج ا ص ۳۱)

پھر بعض اوقات اللہ تعالیٰ جواب قسم کا ذکر کرتا ہے اور عام طور پر ایسا ہی ہوتا ہے اور کبھی اس کو حذف کر دیتا ہے۔ کبھی قسم کھاتا ہے کہ قرآن مجید حق ہے اور کبھی یوں قسم کھاتا ہے کہ رسول ﷺ حق ہیں کبھی جزاء اور وعدہ وعید کے حق ہونے کی قسم کھاتا ہے۔

پہلی قسم کی مثال ارشاد خداوندی ہے:

فَلَآ اُقْسِمُ بِمَوٰقِعِ النُّجُوْمِ ○ وَاِنَّهٗ لَقَسَمٌ لَّوْ تَعْلَمُوْنَ عَظِيْمٌ ○ اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِيْمٌ ○ فِيْ كِتٰبٍ مَّكْنُوْنٍ ○ لَّا يَمَسُّهٗۤ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ ○ (الواقعہ: ۷۵۔۷۹)

تو مجھے قسم ہے ان جگہوں کی جہاں تارے ڈوبتے ہیں اور تم سمجھو تو یہ بڑی قسم ہے بے شک یہ عزت والا قرآن ہے محفوظ نوشتہ میں اسے نہ چھوئیں مگر باوضو۔

(قرآن مجید کے حق ہونے پر قسم ہے)۔

دوسری قسم کی مثال یہ ارشاد خداوندی ہے:

يٰسٓ ○ وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ ○ اِنَّكَ لَمِنَ

حکمت والے قرآن کی قسم بے شک آپ مرسلین

اَلۡمُرۡسَلِیۡنَ ۝ (یٰس: ۱۔۳) (رسولوں) میں سے ہیں۔

(یہاں رسول اکرم ﷺ کی رسالت کے حق ہونے پر قسم کھائی گئی)۔

اور تیسری مثال کے سلسلے میں ارشاد خداوندی ہے:

وَالذّٰرِیٰتِ ذَرۡوًا ۝ فَالۡحٰمِلٰتِ وِقۡرًا ۝ فَالۡجٰرِیٰتِ یُسۡرًا ۝ فَالۡمُقَسِّمٰتِ اَمۡرًا ۝ اِنَّمَا تُوۡعَدُوۡنَ لَصَادِقٌ ۝ وَّاِنَّ الدِّیۡنَ لَوَاقِعٌ ۝ (الذاریات: ۱۔۶)

قسم ان کی جو بکھیر کر اڑانے والیاں پھر بوجھ اٹھانے والیاں پھر نرم چلنے والیاں پھر حکم سے بانٹنے والیاں بے شک جس کا تمہیں وعدہ دیا جاتا ہے ضرور سچ ہے اور بے شک انصاف ضرور ہوتا ہے۔

(اس میں آخرت کے ثبوت پر قسم ہے)۔

اور یہ تین امور ایک دوسرے کو لازم ہیں پس جب ثابت ہوگیا کہ رسول ﷺ حق ہیں تو ثابت ہوا کہ قرآن مجید بھی حق ہے اور قیامت کے دن اٹھنا بھی ثابت ہوگیا اور جب ثابت ہوا کہ قرآن مجید حق ہے تو رسول ﷺ کی صداقت بھی ثابت ہوگئی جو اس قرآن کو لے کر آئے اور جب ثابت ہوا کہ وعدہ اور وعید حق ہیں تو رسول ﷺ جو ان امور کو لے کر آئے ان کا حق ہونا بھی ثابت ہوگیا۔

اس نوع میں پانچ فصلیں ہیں۔

فصل نمبر ۱

اللہ تعالیٰ کا آپ کے خلق عظیم پر جسے آپ کے ساتھ خاص کیا نیز جو فضل عمیم آپ کو عطا کیا اس پر قسم کھانا

ارشاد خداوندی ہے:

نٓ وَالۡقَلَمِ وَمَا یَسۡطُرُوۡنَ ۝ مَاۤ اَنۡتَ بِنِعۡمَةِ رَبِّکَ بِمَجۡنُوۡنٍ ۝ وَاِنَّ لَکَ لَاَجۡرًا غَیۡرَ مَمۡنُوۡنٍ ۝ وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیۡمٍ ۝ (القلم: ۱۔۴)

قلم اور ان کے لکھنے کی قسم تم اپنے رب کے فضل سے مجنوں نہیں اور ضرور تمہارے لئے بے انتہا ثواب ہے اور بے شک تمہاری خوبو (خلق) بڑی شان کی ہے۔

''ن'' حروف کے اسماء میں سے ہے جیسے ''الم'' ''المص'' اور ''ق'' ان اسماء میں اختلاف ہے کہا گیا ہے کہ یہ قرآن مجید کے نام ہیں اور یہ بھی کہا گیا کہ یہ سورتوں کے نام ہیں ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے نام ہیں اور اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ یوں کہا کرتے ہے ''یا کھیعص'' یا ''حم عسق''۔ جیسا کہ کہا گیا ہے اور ہوسکتا ہے ان کی مراد یہ ہو کہ اے ان حروف کو نازل کرنے والے!

یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ ایک راز ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے علم میں سے مخفی رکھا ہے اور چاروں خلفائے راشدین اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے اس کے قریب قریب مروی ہے اور شاید ان کی مراد یہ ہو کہ یہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے درمیان راز ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے غیر کو سمجھانے کا قصد نہیں فرمایا کیونکہ (اگر رسول ﷺ کو بھی علم نہ ہو تو) غیر مفید بات سے خطاب عقل سے بعید ہے۔

اور کہا یہاں ''ن'' سے مچھلی کا نام مراد ہے اور کہا مچھلی کی جنس مراد ہے یا ''البھموت'' مراد ہے جس پر زمین قائم ہے یہ بھی کہا گیا کہ اس سے دوات مراد ہے یہ بات حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے تو یہ دوات اور قلم کی قسم ہے کیونکہ کتاب کے سبب سے ان دونوں سے بہت بڑا فائدہ حاصل کیا جاتا ہے کیونکہ کسی چیز کی سمجھ بعض اوقات بولنے سے حاصل ہوتی ہے اور کبھی کتابت سے۔

یہ بھی کہا گیا کہ ''ن'' سے نورانی تختی مراد ہے جس میں وہ امور لکھے جاتے ہیں جن کا اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے۔ یہ بات معاویہ بن قرہ نے مرفوعاً نقل کی ہے۔

اور حق یہ ہے کہ یہ سورت کا نام ہے اور اللہ تعالیٰ نے کتاب اور اس کے آلہ کی قسم کھائی ہے اور وہ آلہ قلم ہے جو اس کی نشانیوں سے ایک نشانی اور اس کی پہلی مخلوقات میں سے ہے جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے اپنی تقدیر اور شریعت کو جاری کیا اور اس کے ساتھ وحی لکھی گئی' اس کے ساتھ دین کو مقید کیا اور اسی کے ساتھ شریعت کو ثابت کیا اور علوم کی حفاظت بھی اسی کے ذریعے کی گئی' قلم کے ذریعے بندوں کے مفادات' وہ معاشی ہوں یا قیامت سے متعلق ہوں قائم کئے' لوگوں میں نہایت بلیغ فصیح' زیادہ نفع بخش اور زیادہ نصیحت کرنے والے خطیب کو کھڑا کیا اور ایسا واعظ جس کے وعظ دلوں کو بیماریوں سے شفا دے دیں اور ایسا طبیب جو اپنے رب کے حکم سے مختلف تکالیف سے محفوظ رکھے کہ اس نے اپنے رسول اور نبی محمد ﷺ کی پاکیزگی بیان کی جو اپنے تمام افعال و اقوال میں ان خرابیوں سے پاک ہیں جو آپ کے دشمنوں یعنی کفار نے آپ کی طرف منسوب کئے اور آپ کو جھٹلایا اللہ تعالیٰ نے اس ارشاد خداوندی کے ذریعے ان خرابیوں کی نفی کی:

مَآ اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ ○ (قلم:۲) تم اپنے رب کے فضل سے مجنون نہیں۔

اور اس شخص کو کیسے مجنون کہا جاسکتا ہے جو ایسے معجزات لاتا ہے جو عقلمند لوگوں کو بھی مقابلے سے عاجز کر دیں اور اس کی مثل نہ لایا جا سکے جس نے ان کو حق کی اس طرح پہچان کرائی کہ عقل کو وہاں تک راہ نہیں ملتی جہاں عقلمند لوگوں کی عقلیں جھک جائیں اور جو کچھ آپ لائیں اس کے پہلو میں وہ یوں ہلکی پڑ جائیں کہ تسلیم کرنے کے سوا کوئی چارہ نہ ہو اور خود اپنی مرضی سے سر جھکانا پڑے پس ان کی وجہ سے عقلوں کی تکمیل ہوئی ہے جیسے بچہ پستان سے دودھ پی کر پروان چڑھتا ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کی دونوں حالتوں یعنی دنیوی اور اخروی حالت کے کمال کی خبر دیتے ہوئے فرمایا:

وَاِنَّ لَكَ لَاَجْرًا غَيْرَ مَمْنُوْنٍ ○ (القلم:۳) اور ضرور تمہارے لئے بے انتہا ثواب ہے۔

یعنی ایسا ثواب ہے جو ختم نہیں ہوگا بلکہ ہمیشہ ہمیشہ باقی رہے گا اور لفظ اجر کو تعظیم کے لئے نکرہ لایا گیا یعنی اتنا عظیم اجر کہ اس کا وصف بیان نہیں ہو سکتا اور نہ ہی اس کی تعبیر ہو سکتی ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کو عطا کردہ وصف پر تعریف فرمائی۔ ارشاد فرمایا:

وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیۡمٍ ○ (القلم:۴) اور بے شک آپ بہت بڑے خلق کے مالک ہیں۔

اور یہ بات آپ کی نبوت ورسالت کی بہت بڑی علامات میں سے ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے آپ کے خلق کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا:

کان خلقه القرآن . آپ کا خلق قرآن ہے۔

اسی لئے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور دیگر حضرات نے فرمایا کہ آپ بہت بڑے دین پر تھے اور دین کو خلق کہا کیونکہ خلق ایک ایسی حالت کو کہتے ہیں جو سچے علوم' پاکیزہ ارادوں' ظاہری و باطنی اعمال جو عدل' حکمت اور مصلحت کے موافق ہوں اور وہ اقوال جو حق کے مطابق ہوں سے مرکب (حالت) ہوتی ہے وہ اقوال واعمال ان علوم اور ارادوں سے صادر ہوتے ہیں پس نفس ان کے ذریعے ایسے اخلاق کا کسب کرتا ہے جو سب سے زیادہ پاکیزہ' اشرف اور افضل اخلاق ہوں۔

اور نبی اکرم ﷺ کے اخلاق قرآن مجید سے ماخوذ تھے پس آپ کا کلام تفصیل اور بیان میں قرآن مجید کے موافق ہے اور آپ کے علوم' علوم قرآن ہیں آپ کے ارادے اور اعمال وہ ہوئے جن کو قرآن نے واجب کیا اور ان کی دعوت دی اور جن کاموں سے قرآن مجید نے منع کیا آپ ان سے اعراض فرماتے اور ان کو ترک کر دیتے آپ کی رغبت ان کاموں میں ہوتی جن کی ترغیب قرآن نے دی اور ان کاموں سے آپ بے رغبت رہتے جن سے بے رغبتی کا راستہ قرآن نے دکھایا قرآن نے ناپسند کیا تو آپ نے ناپسند کیا اور اگر قرآن مجید نے اسے پسند کیا تو آپ نے بھی پسند کیا اور آپ احکام قرآن کے نفاذ کے لئے کوشش فرماتے ہیں چونکہ ام المومنین رضی اللہ عنہا کو قرآن مجید اور رسول اکرم ﷺ دونوں کی کمال معرفت حاصل تھی اس لئے آپ نے ترجمانی کی اور بہترین تعبیر کرتے ہوئے فرمایا کہ آپ کا خلق قرآن تھا اور سوال کرنے والا اس مفہوم کو سمجھ گیا پس اس نے اس پر اکتفا کیا اسے تسلی ہوگئی۔

پس جب اللہ تعالیٰ نے آپ کا وصف خلق عظیم کے ساتھ بیان فرمایا تو فرمایا:

فَسَتُبۡصِرُ وَیُبۡصِرُوۡنَ ○ بِاَیِّکُمُ الۡمَفۡتُوۡنُ ○ (القلم:۵) تو اب کوئی دم جاتا ہے کہ تم بھی دیکھ لو گے اور وہ بھی دیکھ لیں گے کہ تم میں کون مجنون تھا۔

یعنی اے محمد! ﷺ عنقریب آپ بھی دیکھیں گے اور مشرک بھی دیکھیں گے کہ آپ کے دین کا نتیجہ کیا ہوتا ہے؟ لوگوں کے دلوں میں آپ کی محبت ہوگی اور یہ لوگ ذلیل اور مغلوب ہوں گے اور آپ ان کے قتل اور مال غنیمت کے مالک ہوں گے۔[1] (لسان العرب ج ۱۴ص ۲۹۸)

---

[1] نبی اکرم ﷺ عمدہ اخلاق کے مالک تھے اور آپ کا دین قتل سے نہیں بلکہ اخلاق حسنہ اور عفو و درگزر سے پھیلا جس کی واضح مثال فتح مکہ ہے کہ شدید ترین دشمنوں کو بھی معاف کر دیا۔ ۱۲ ہزاروی

8

فصل نمبر۲

اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کی قدر و منزلت کو ظاہر فرمایا اس پر قسم کھانا

ارشاد خداوندی ہے:

وَالضُّحٰی ○ وَالَّیْلِ اِذَا سَجٰی ○ مَا وَدَّعَکَ رَبُّکَ وَمَا قَلٰی ○ (الضحیٰ: ۱-۳)

چاشت کی قسم! اور رات کی جب پردہ ڈالے کہ تمہیں تمہارے رب نے نہ چھوڑا اور نہ مکروہ جانا۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ پر جو انعام و اکرم فرمایا اور آپ کی پسند کے مطابق جو کچھ آپ کو عطا فرمایا اس پر اللہ تعالیٰ نے قسم کھائی اور یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کی تصدیق کو متضمن ہے پس یہ آپ کی نبوت کی صحت اور آخرت میں جزاء پر نیز نبوت اور انجام پر قسم ہے۔

اور اللہ تعالیٰ نے اپنی نشانیوں میں سے دو عظیم نشانیوں کے ساتھ قسم کھائی جو اس کی ربوبیت اور وحدانیت پر دلالت کرتی ہیں اور وہ رات اور دن ہے اور بعض مفسرین جیسے امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ (وغیرہ) نے الضحیٰ سے نبی اکرم ﷺ کا چہرۂ انور اور واللیل سے آپ کے مبارک بال مراد لئے ہیں وہ فرماتے ہیں یہ بات بعید از عقل نہیں ہے۔

اس قسم کی مطابقت میں غور کیجئے یہ چاشت کی روشنی ہے جو رات کے اندھیرے کے بعد آتی ہے اور جس پر قسم کھائی جا رہی ہے وہ وحی کا نور ہے جو اس کے رکنے کے بعد آیا حتیٰ کہ آپ کے دشمنوں نے کہا حضرت محمد ﷺ کو ان کے رب نے چھوڑ دیا تو رات کے اندھیرے کے بعد دن کی روشنی کی قسم وحی کی روشنی اور نور پر اس کے رکنے اور حجاب میں ہونے کے بعد کھائی گئی۔

نیز اللہ تعالیٰ کی رحمت کا تقاضا ہے کہ وہ اپنے بندوں کو ہمیشہ کے لئے رات کے اندھیرے میں نہیں چھوڑتا بلکہ دن کی روشنی میں ان کو ان کے مصالح اور معیشت کی طرف رہنمائی کرتا ہے اسی طرح ان کو جہالت اور گمراہی کے اندھیرے میں نہیں چھوڑتا بلکہ وحی اور نبوت کے نور کے ذریعے ان کو دنیا اور آخرت کی بھلائی کی طرف رہنمائی کرتا ہے تو جس چیز کے ساتھ قسم کھائی اور جس پر کھائی ان کے درمیان کتنا عمدہ ربط اور تعلق ہے۔

تو ان الفاظ کی عمدگی اور ان کے معانی کے جلال پر غور کیجئے اور اللہ تعالیٰ نے اس بات کی نفی فرمائی کہ اس نے اپنے نبی کو چھوڑ دیا اور آپ سے بغض رکھا "التودیع" چھوڑ دینا اور القلی بغض رکھنا۔

یعنی جب سے آپ میرے مقصود ہیں میں نے آپ کو چھوڑا نہیں اور جب سے آپ میرے محبوب ہیں میں نے آپ سے بغض و نفرت نہیں کی اور "ماقلا" سے "کاف" محذوف ہے (یعنی وماقلاک) کیونکہ ما ودعک کی ضمیر پر اکتفا کیا گیا نیز آیات کے آخر میں یاء ہے (جیسے والضحیٰ ○ واللیل اذا سجی وغیرہ) پس ان کی موافقت میں کاف کو

حذف کیا تا کہ یہاں بھی یاد رہے (وما قلی)۔

اور یہ آپ کے تمام احوال کو شامل ہے اور آپ جس حالت کی طرف جاتے ہیں وہ آپ کے لئے پہلی حالت سے بہتر ہے جس طرح قیامت کا گھر آپ کے لئے دنیا سے بہتر ہے پھر آپ سے وہ وعدہ فرمایا جس سے آپ کی آنکھوں کو ٹھنڈک اور آپ کے نفس کو خوشی حاصل ہوتی اور سینۂ مبارکہ کھل جاتا وہ یہ کہ آپ کو وہ کچھ عطا کرے گا جس پر آپ راضی ہوں گے۔

اور یہ حکم ان عطیات کو شامل ہے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمائے ہیں جیسے قرآن مجید' مدد' بدر کے دن دشمنوں پر کامیابی' فتح مکہ لوگوں کا فوج در فوج آپ کے دین میں داخل ہونا' بنو قریظہ اور بنو نضیر پر آپ کا غلبہ' آپ کے لشکروں کا عرب کے تمام شہروں میں پھیل جانا نیز آپ کے خلفائے راشدین کو زمین کے کناروں پر مختلف شہروں میں جو فتوحات حاصل ہوئیں اس کے علاوہ آپ کے دشمنوں کے دلوں میں آپ کا رعب ڈالا گیا آپ کی دعوت کا پھیلنا' آپ کے ذکر کی رفعت اور کلمہ کی بلندی علاوہ ازیں آپ کے وصال کے بعد آپ کو جو کچھ عطا ہوا اور قیامت کے دن شفاعت اور مقام محمود کی صورت میں جو کچھ آپ کو ملے گا جنت میں وسیلہ' بلند درجہ اور کوثر عطاء ہو گا یہ سب انعامات ہیں جو آپ کی رضا کے خاطر آپ کو عطاء ہوئے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ آپ کو سفید موتیوں کے ایک ہزار محل عطا کرے گا جن کی مٹی کستوری کی ہو گی اور ان محلات میں ہر وہ چیز ہو گی جو ان کے موافق اور شایان شان ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ یہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو ہر وہ چیز عطا کرے گا جس پر آپ راضی ہوں اور عام جاہل لوگوں کو یہ دھوکہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ اس پر راضی نہیں ہوں گے کہ آپ کا ایک امتی بھی جہنم میں رہے یا اس پر راضی نہ ہوں گے کہ آپ کا ایک امتی بھی جہنم میں داخل ہو تو یہ ان لوگوں کے ساتھ شیطانی دھوکہ ہے اور وہ ان سے کھیل کود کرتا ہے کیونکہ نبی اکرم ﷺ اس بات پر راضی ہوں گے جس پر آپ کا رب راضی ہو گا اور اللہ تعالیٰ کافروں اور نافرمانوں میں سے جس کو چاہے گا جہنم میں داخل کرے گا پھر نبی اکرم ﷺ کے لئے ایک حد مقرر کی جائے گی جن کی آپ سفارش کریں گے جیسا کہ آخری مقصد میں آئے گا ان شاء اللہ تعالیٰ۔

اور نبی اکرم ﷺ اللہ تعالیٰ اور اس کے حق کی سب سے زیادہ پہچان رکھتے ہیں آپ کو یہ بات کہنے کی ضرورت نہ ہو گی کہ میں اس بات پر راضی نہیں ہوں کہ تو میرے کسی امتی کو جہنم میں داخل کرے اور جہنم میں چھوڑے بلکہ آپ کا رب آپ کو ان لوگوں کی شفاعت کی اجازت دے گا جس کی شفاعت وہ چاہے گا اور جن کے لئے اجازت نہیں ہو گی اور اللہ تعالیٰ راضی نہیں ہو گا ان کی شفاعت نہیں فرمائیں گے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ پر اپنی نعمتیں ذکر کیں کہ یتیم ہونے کے بعد اس نے آپ کو ٹھکانہ دیا۔

ارشاد خداوندی ہے:

اَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيْمًا فَاٰوٰى ○ (الضحیٰ: ۶) کیا اس نے تمہیں یتیم نہ پایا پھر جگہ دی۔

بعض حضرات اس طرف گئے ہیں کہ یتیم کا معنی ''یکتا موتی'' سے لیا گیا ہے یعنی کیا اس نے آپ کو قریش میں یکتا اور بے

مثال نہیں پایا پس آپ کو اپنے پاس ٹھکانہ دیا اور فقر کے بعد بے نیاز کر دیا۔

پھر اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ ان تین نعمتوں کے مقابلے میں شایانِ شان شکر ادا کریں تو آپ کو یتیم پر غضب کرنے' سائل کو جھڑکنے اور نعمت چھپانے سے منع فرمایا بلکہ اسے بیان کرنے کا حکم دیا کیونکہ نعمت کے شکر کی ایک صورت اسے بیان کرنا ہے کہا گیا ہے کہ نعمت سے نبوت اور بیان کرنے سے تبلیغ کرنا مراد ہے۔

فصل نمبر ۳

اللہ تعالیٰ کا نبی اکرم ﷺ پر کی گئی وحی اور کتاب نیز خواہشات سے آپ کی پاکیزگی کی تصدیق پر قسم کھانا

جو کچھ وحی کیا گیا اس کی تصدیق پر قسم

ارشادِ خداوندی ہے:

وَالنَّجْمِ إِذَا هَوٰى ○ مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى ○ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ○ (النجم: ۱-۳)

اس پیارے چمکتے تارے محمد کی قسم! جب یہ معراج سے اترے تمہارے صاحب نہ بہکے نہ بے راہ چلے اور وہ کوئی بات اپنی خواہش سے نہیں کرتے۔

اللہ تعالیٰ نے اس گمراہی اور سرکشی سے نبی اکرم ﷺ کی براءت اور پاکیزگی پر جو آپ کے دشمن آپ کی طرف منسوب کرتے تھے' ستارے کی قسم کھائی۔

مفسرین نے "النجم" کی تاویل میں مختلف اقوال بیان کئے ہیں جو معروف ہیں۔

ان میں سے ایک یہ ہے کہ "النجم" اپنے ظاہر پر ہے پھر الف لام عہد کا ہے یہ ایک قول ہے دوسرے قول میں الف لام جنس کا ہے اور یہ وہ ستارے ہیں جن سے رہنمائی حاصل کی جاتی ہے پس کہا گیا کہ ثریا ستارے مراد ہیں جب غائب ہو جائیں حضرت علی بن ابی طلحہ اور حضرت عطیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بات روایت کی ہے اور عرب جب "النجم" بولتے ہیں تو ثریا ستارے مراد ہوتے ہیں۔

حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ اس سے وہ ستارے مراد ہیں جن کے ساتھ شیطانوں کو مارا جاتا ہے جب وہ چوری چھپے سنتے ہیں تو یہ ستارے ان کے پیچھے دوڑتے ہیں یہ حضرت حسن رحمہ اللہ کا قول ہے۔اور حضرت سدی (اسماعیل بن عبدالرحمٰن کوفی) فرماتے ہیں اس سے زہرہ ستارہ مراد ہے اور حضرت حسن رحمہ اللہ ہی سے مروی ہے کہ قیامت کے دن ستاروں کا گرنا مراد ہے۔

کہا گیا ہے کہ اس سے وہ سبزی مراد ہے جس کا تنا نہ ہو اور "ھوی" یعنی زمین پر گر گئی۔

ایک قول کے مطابق اس سے قرآن مجید مراد ہے یہ بات کلبی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کیونکہ قرآن مجید تھوڑا تھوڑا کر کے "نجوما" رسول اکرم ﷺ پر نازل ہوا حضرت مجاہد' حضرت مقاتل اور حضرت ضحاک رحمہم اللہ کا بھی یہی قول ہے۔

حضرت جعفر بن محمد بن علی بن حسین رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں اس سے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ مراد ہیں جب آپ معراج کی رات آسمان سے اترے۔

ابن قیم کا قول سب سے زیادہ ظاہر ہے کہ اس سے وہ ستارے مراد ہیں جن کے ساتھ شیطانوں کو مارا جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس ظاہری اور مشاہدہ کی جانے والی نشانی کی قسم کھائی جسے اللہ تعالیٰ نے شیطانوں کے چوری چھپے سننے کی وحی کی حفاظت اور نشانی کے طور پر مقرر کیا اور یہ اس بات پر علامت ہے کہ جو کچھ اس کے رسول ﷺ لائے ہیں وہ حق اور سچ ہے شیطان کا اس میں کوئی دخل نہیں اور نہ ہی اس کی طرف وہ راستہ پاسکتا ہے بلکہ ستارے کے ذریعے حفاظت کردی جب وہ وحی کے آگے بطور حفاظت اترتا ہے اس بنیاد پر جس چیز کی قسم کھائی گئی (مقسم بہ) اور جس چیز پر قسم کھائی (مقسم علیہ) دونوں کے درمیان ربط نہایت واضح ہے اور مقسم بہ (جس کے ساتھ قسم کھائی) وہ مقسم علیہ (جس پر قسم کھائی) پر دلیل ہے۔

قرآن مجید جب نازل ہوا تو اس کا نام "والنجم اذا ھوی" نہیں تھا اور اس کے نزول کو "ھوی" بھی نہیں کہا گیا اور قرآن مجید میں بھی یہ بات معروف نہیں ہے کہ اسے اس پر محمول کیا جائے نیز ثریا جب وہ غائب ہوں تو یہ نام اس کے ساتھ خاص نہیں اور یہ بات بھی نہیں کہ قیامت کے دن جب ستارے بکھر جائیں گے تو ان کو نجوم کہا جائے گا بلکہ یہ (ستاروں کا انتشار) ان امور میں سے ہے جس پر اللہ تعالیٰ قسم کھاتا ہے اور اس پر اس کی آیات دلالت کرتی ہیں۔

لیکن خود یہ عمل دلیل نہیں کیونکہ مخاطبینِ قرآن میں یہ بات ظاہر نہیں بالخصوص ان لوگوں کے سامنے جو قیامت کے دن اٹھنے کے منکر ہیں اللہ تعالیٰ اس بات کو دلیل بناتا ہے جس کا انکار اور اس میں جھگڑا ممکن نہ ہو پھر مقسم بہ اور مقسم علیہ کے درمیان مناسبت ہے جو مخفی نہیں اگر ہم کہیں کہ اس سے وہ ستارے مراد ہیں جو راستہ دکھانے کے لئے ہیں تو مناسبت ظاہر ہے اور اگر ہم کہیں کہ ثریا مراد ہیں تو وہ دیکھنے والے کے لئے سب سے زیادہ ظاہر ستارے ہوتے ہیں کیونکہ وہ آسمان میں دوسرے ستاروں سے مشتبہ نہیں ہوتے بلکہ ہر ایک کے لئے ظاہر ہوتے ہیں اور نبی اکرم ﷺ بھی ان واضح آیات کے ذریعے ممتاز ہیں جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا کی ہیں نیز جب ثریا مشرق میں ظاہر ہوتے ہیں تو پھلوں کے پکنے کا وقت آجاتا ہے اور جب مغرب میں ظاہر ہوں تو خزاں کا آخری وقت قریب آجاتا ہے پس بیماریاں کم ہو جاتی ہیں اسی طرح نبی اکرم ﷺ کا ظہور ہوا تو شرک اور قلبی بیماریاں کم ہو گئیں اور اگر ہم کہیں کہ اس سے قرآن مجید مراد ہے تو یہ آپ کے معجزہ کے ساتھ آپ کی صداقت اور برأت پر استدلال ہے اور یہ کہ آپ نہ بھٹکے اور نہ سرکش ہوئے اور اگر ہم اس سے سبزی مراد لیں تو اس سے جسمانی قوتوں اور ان کی صلاح کی سبزی مراد ہوگی اور عقلی قوت کی صلاح کے زیادہ لائق ہے اور یہ رسولوں اور راستوں کو واضح کرنے کے ذریعے ہوتی ہیں۔

اور غور کیجئے اللہ تعالیٰ نے کس طرح ارشاد فرمایا "ما ضل صاحبکم" اور "ماضل محمد" نہیں فرمایا یہ ان

لوگوں پر حجت قائم کرنے کی تاکید ہے کہ آپ ان کے ساتھی ہیں اور وہ لوگ آپ کو آپ کے حال' اقوال اور اعمال کو دوسرے لوگوں کی نسبت زیادہ جانتے ہیں اور انہیں معلوم ہے کہ آپ جھوٹ نہیں بولتے نہ سرکش ہیں اور نہ ہی بھٹکے ہوئے ہیں اور وہ آپ پر ایک بات کا عیب بھی نہیں لگا سکتے اور اللہ تعالیٰ نے اس معنی کو اس آیت کے ذریعے بھی بتایا فرمایا:

اَمْ لَمْ یَعْرِفُوْا رَسُوْلَهُمْ (المؤمنون:٦٩) کیا انہوں نے اپنے رسول کو نہیں پہچانا؟

پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کی گفتگو کی پاکیزگی بیان فرمائی کہ وہ خواہش سے صادر نہیں ہوتی فرمایا:

وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ○ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰى ○ (النجم:٣۔٤) اور آپ اپنی خواہش سے کلام نہیں فرماتے بلکہ آپ کا کلام وحی ہوتا ہے جو آپ کی طرف کی جاتی ہے۔

''عن الھوی'' فرمایا ''بالھوی'' نہیں فرمایا کیونکہ اس میں زیادہ بلاغت ہے اور یہ اس بات کو متضمن ہے کہ آپ کا کلام خواہش سے صادر نہیں ہوتا تو جب خواہش سے صادر نہیں ہوتا تو آپ اسے کیسے زبان پر لائیں گے پس اس کے ضمن میں دو باتیں ہیں کلام کے نکلنے کی جگہ سے خواہش کی نفی اور ذاتی طور پر بولنے کی نفی' پس آپ کا کلام حق کے ساتھ ہوتا ہے اور اس کی جائے صدور ہدایت اور رشد ہے' سرکشی اور گمراہی نہیں۔

پھر ارشاد فرمایا:

اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰى ○ (النجم:٤) یہ نہیں مگر وحی ہے جو آپ کی طرف بھیجی جاتی ہے۔

پس اس مصدر کی طرف جو فعل سے سمجھا گیا ضمیر لوٹائی گئی یعنی آپ کا بولنا وحی ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجی جاتی ہے تو ضمیر کو قرآن پاک کی طرف لوٹانے کے مقابلے میں یہ زیادہ بلیغ ہے کیونکہ آپ کا بولنا قرآن کے ساتھ بھی ہے اور سنت کے ساتھ بھی اور یہ دونوں وحی ہیں۔ ارشاد خداوندی ہے:

وَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَیْكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ. (النساء:١١٣) اور اللہ تعالیٰ نے آپ پر کتاب اور حکمت اتاری۔

اور یہ قرآن اور سنت ہیں۔

امام اوزاعی (ابوعمرو عبدالرحمٰن بن عمرو اوزاعی متوفی ١٥٧ھ) نے حضرت حسان بن عطیہ (عطیہ محاربی) سے نقل کیا وہ فرماتے ہیں حضرت جبریل علیہ السلام' نبی اکرم ﷺ پر سنت بھی اسی طرح نازل کرتے تھے جس طرح آپ پر قرآن پاک نازل فرماتے وہ آپ کو سنت سکھاتے تھے۔

(الاعلام ج ٣ ص ٣٢٠' وفیات الاعیان ج ١ ص ٢٧٥' حلیۃ الاولیاء ج ٦ ص ١٣٥' شذرات الذہب ج ١ ص ٢٤١' حلیۃ الاولیاء ج ٦ ص ٧٠)

پھر اللہ تعالیٰ نے اس کے وصف کی خبر دی جس نے وحی اور قرآن آپ تک پہنچایا کہ وہ شیطانی اوصاف کے خلاف اور اس کی ضد ہے کیونکہ شیطان گمراہی اور سرکشی کا معلم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

عَلَّمَهٗ شَدِیْدُ الْقُوٰى ○ (النجم:٥) انہیں سکھایا سخت قوتوں والے طاقتور نے۔

اور اس سے حضرت جبریل علیہ السلام مراد ہیں یعنی آپ کی علمی اور عملی قوت نہایت مضبوط ہے اور اس میں شک نہیں کہ معلم کی تعریف' متعلم کی تعریف ہوتی ہے۔

اگر یوں فرمایا ہوتا کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے آپ کو سکھایا اور ان کا وصف (شدید القوی) بیان نہ کیا جاتا تو اس سے نبی اکرم ﷺ کو ظاہر فضیلت حاصل نہ ہوتی اور یہ اللہ تعالیٰ کے اس قول کی طرح ہے:

ذِیْ قُوَّۃٍ عِنْدَ ذِی الْعَرْشِ مَکِیْنٍ O (التکویر: ۲۰) وہ قوت والے عرش والے کے نزدیک۔

اس پر بحث ان شاء اللہ آگے آئے گی۔

پھر اللہ تعالیٰ نے اس بات کی خبر دی کہ جب نبی اکرم ﷺ کی آنکھ مبارک نے دیکھا تو دل نے آنکھ کی تصدیق کی اور آپ اس شخص کی طرح نہیں جو کسی چیز کو اس کے خلاف دیکھتا ہے تو اس کا دل اس کی آنکھ کو جھٹلاتا ہے بلکہ آپ نے جو کچھ اپنی آنکھ سے دیکھا دل نے اس کی تصدیق کی اور معلوم ہوا کہ وہ اسی طرح ہے۔ واقعہ معراج میں مزید گفتگو ہے جو میں (مصنف علیہ الرحمہ) نے اس مقام پر ذکر کی ہے اور اللہ تعالیٰ ہی توفیق دینے والا اور مدد کرنے والا ہے۔

صداقت کتاب کی قسم

ارشادِ خداوندی ہے:

فَلَآ اُقْسِمُ بِالْخُنَّسِ O الْجَوَارِ الْکُنَّسِ O وَالَّیْلِ اِذَا عَسْعَسَ O وَالصُّبْحِ اِذَا تَنَفَّسَ O اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ کَرِیْمٍ O ذِیْ قُوَّۃٍ عِنْدَ ذِی الْعَرْشِ مَکِیْنٍ O مُّطَاعٍ ثَمَّ اَمِیْنٍ O وَمَا صَاحِبُکُمْ بِمَجْنُوْنٍ O وَلَقَدْ رَاٰهُ بِالْاُفُقِ الْمُبِیْنِ O وَمَا هُوَ عَلَی الْغَیْبِ بِضَنِیْنٍ O وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَیْطٰنٍ رَّجِیْمٍ O (التکویر: ۱۵۔۲۵)

تو قسم ہے ان کی جو الٹے پھریں سیدھے چلیں تھم رہیں اور رات کی جب پیٹھ دے اور صبح کی جب دم لے بے شک یہ عزت والے رسول کا پڑھنا ہے جو قوت والا ہے مالک عرش کے حضور عزت والا وہاں اس کا حکم مانا جاتا ہے امانت دار ہے اور تمہارے صاحب مجنون نہیں اور بے شک انہوں نے اسے روشن کنارے پر دیکھا اور یہ نبی غیب بتانے میں بخیل نہیں اور قرآن مردود شیطان کا پڑھا ہوا نہیں۔

یعنی میں قسم نہیں کھاتا کیونکہ معاملہ اس بات سے زیادہ واضح ہے کہ قسم کھائی جائے یا معنی یہ ہوگا کہ میں قسم کھاتا ہوں اور "لا" زائدہ تاکید کے لئے ہوگا اکثر مفسرین کا یہی قول ہے۔ جس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے:

وَاِنَّهٗ لَقَسَمٌ لَّوْ تَعْلَمُوْنَ عَظِیْمٌ O (الواقعہ: ۷۶) اور تم سمجھو تو یہ بڑی قسم ہے۔

زمخشری نے کہا مناسب یہ ہے کہ "لا" نفی کے لئے ہو یعنی قسم کسی چیز کی بڑائی بیان کرنے کے لئے کھائی جاتی ہے گویا حرف نفی کو داخل کرنے سے یوں فرمایا کہ میرا قسم کے ذریعے اس کی عظمت کو بیان کرنا نہ بیان کرنے کی طرح ہے کہ یہ اس سے اوپر کا اہل ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ستاروں کی تینوں حالتوں یعنی طلوع ہونے' جاری ہونے اور غروب ہونے کی قسم کھائی رات کے چلے جانے اور اس کے بعد متصلاً دن کے آنے کی قسم کھائی تو اللہ تعالیٰ نے اس کی کمزوری اور پیٹھ پھیرنے اور اس کی قوت اور آنے کا ذکر کیا کہ دن کے سانس لینے سے رات کا اندھیرا دور ہو جاتا ہے۔

پس جب وہ سانس لیتا ہے تو رات بھاگ جاتی ہے اور اس کے سامنے پیٹھ پھیر لیتی ہے اور یہ اس کی نشانیوں اور اس کی ربوبیت کے دلائل سے ہے کہ قرآن مجید رسول کریم کا قول ہے اور یہاں اس (رسول) سے جبریل علیہ السلام مراد ہیں کیونکہ اس کے بعد قطعی طور پر ان کی صفت کا ذکر اس چیز کے ساتھ کیا جس کے ساتھ وہ آپ کی مدد کرتے ہیں۔

لیکن ''الحاقہ'' میں جس رسول کریم کا ذکر ہے وہ حضرت محمد ﷺ ہیں پس قرآن مجید کی اضافت کبھی فرشتہ رسول کی طرف کی جاتی ہے اور کبھی بشری رسول کی طرف' اور ان دونوں کی طرف اضافت (حقیقی اضافت نہیں بلکہ) تبلیغی اعتبار سے ہے کلام کا انشاء ان دونوں کی طرف سے نہیں (بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کا کام ہے) اور اس پر لفظ رسول دلالت کرتا ہے کیونکہ رسول اسے کہتے ہیں جو اپنے بھیجنے والے کا کلام پہنچاتا ہے۔

تو یہ اس بارے میں صریح ہے کہ اس ذات کا کلام ہے جس نے حضرت جبریل علیہ السلام اور حضرت محمد ﷺ کو بھیجا تو حضرت جبریل علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے لیا اور حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے حضرت جبریل علیہ السلام سے لیا۔

اور اس سورت (سورۂ تکویر) میں اللہ تعالیٰ نے فرشتہ رسول کا وصف بیان کیا کہ وہ کریم ہیں جو سب سے بہترین عطیات یعنی علم' معرفت' ہدایت' نیکی اور رہنمائی دیئے گئے ہیں اور یہ انتہائی کرم ہے۔

وہ قوت والے ہیں جیسا کہ سورۃ النجم میں فرمایا:

عَلَّمَهٗ شَدِيْدُ الْقُوٰى ۝ (النجم:۵) انہیں سکھایا سخت قوتوں والے طاقتور نے۔

تو وہ اپنی قوت سے شیطانوں کو اس (قرآن پاک) کے قریب آنے اور اس میں کمی زیادتی کرنے سے روکتے ہیں۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کی چار بستیوں کو اپنے پَروں کے اگلے حصے پر اٹھایا حتیٰ کہ آسمان والوں نے ان کے کتوں اور بچوں کی آواز سنی۔

عِنْدَ ذِی الْعَرْشِ مَكِيْنٍ ۝ (التکویر:۲۰) مالک عرش کے حضور عزت والا۔

یعنی آپ کا مقام اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت بلند ہے اور اللہ تعالیٰ کے پاس ہونا اس اعتبار سے ہے کہ آپ کو شرف اور عظمت حاصل ہے (جسمانی قرب مراد نہیں ہے):

مُّطَاعٍ ثَمَّ اَمِيْنٍ ۝ (التکویر:۲۱) اس کا حکم مانا جاتا ہے امانت دار ہے۔

یعنی ملائکہ مقربین میں ان کی اطاعت کی جاتی ہے وہ ان کے حکم سے جاتے اور واپس آتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی وحی اور رسالت پر امین ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ان کو خیانت اور لغزش سے بچایا ہے (معصوم بنایا) تو یہ پانچ صفات ہیں جو قرآن پاک کی سند کے تزکیہ کو متضمن ہیں اور یہ کہ قرآن مجید کو حضرت محمد ﷺ نے حضرت جبریل علیہ السلام سے سنا اور حضرت جبریل علیہ السلام نے تمام جہانوں کو پالنے والے سے سنا۔

تو تمہارے لئے اس کی بلندی اور جلالت پر یہی سند کافی ہے اللہ تعالیٰ نے اپنی پاکیزگی بیان کی پھر اپنے بشری رسول ﷺ کی ان باتوں سے پاکیزگی اور برأت بیان کی جو آپ کے دشمن آپ کے بارے میں کہتے ہیں۔ ارشاد فرمایا:

وَمَا صَاحِبُكُمْ بِمَجْنُوْنٍ ۝ (التکویر:۲۲) اور تمہارا ساتھی مجنون نہیں۔

اور اس بات کو وہ لوگ جانتے تھے اور اس میں ان کو کوئی شک نہیں تھا۔ اگرچہ وہ اپنی زبانوں سے اس کے خلاف کہتے تھے

پس ان لوگوں کو اپنے جھوٹ کا علم تھا۔

پھر اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ نبی اکرم ﷺ نے حضرت جبریل علیہ السلام کو دیکھا اس سے معلوم ہوا کہ وہ فرشتہ ہیں اور خارج میں موجود ہیں جن کو آنکھوں سے دیکھا جا سکتا ہے جب کہ ایک جماعت کا اس میں اختلاف ہے ان لوگوں کے نزدیک آپ کی حقیقت محض ایک خیال ہے جو ذہنوں میں موجود ہے ظاہر میں نہیں یہ وہ بات ہے جس میں ان لوگوں نے تمام انبیاء کرام اور ان کی اتباع کرنے والوں کی مخالفت کی اور اس طرح وہ تمام ادیان سے خارج ہو گئے۔

اسی لئے نبی اکرم ﷺ کے حضرت جبریل علیہ السلام کو دیکھنے کی تقریر آپ کے اپنے رب کو دیکھنے کی تقریر سے اہم ہے آپ کا جبریل علیہ السلام کو دیکھنا اصل ایمان ہے اس بات کا عقیدہ رکھے بغیر ایمان مکمل نہیں ہوتا اور اس کا منکر قطعی طور پر کافر ہے لیکن اپنے رب کو دیکھنے کے بارے میں اختلاف ہے اس کا منکر بالاتفاق کافر نہیں ہے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت نے واضح طور پر فرمایا کہ آپ نے اپنے رب کی زیارت نہیں کی تو ہم حضرت جبریل علیہ السلام کو دیکھنے کی تقریر کے اللہ تعالیٰ کو دیکھنے کی تقریر سے زیادہ محتاج ہیں اگرچہ اللہ تعالیٰ کو دیکھنا حضرت جبریل علیہ السلام کو دیکھنے سے زیادہ عظیم ہے کیونکہ نبوت کا ثبوت کسی صورت میں بھی اس پر موقوف نہیں (اللہ تعالیٰ کی زیارت پر موقوف نہیں)۔

پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے دونوں رسولوں (حضرت محمد ﷺ اور حضرت جبریل علیہ السلام) کی پاکیزگی بیان کی ایک کی کلام کے ذریعے اور دوسرے کی بطور لزوم اور یہ پاکیزگی اس بات سے ہے جو مقصود رسالت کی ضد ہے یعنی چھپانا جو بخل ہے اور تبدیل کر دینا جو تہمت کو واجب کرتا ہے۔

ارشاد خداوندی ہے:

وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِينٍ ○ (التکویر: ۲۴) اور وہ (نبی اکرم ﷺ) غیب بتانے پر بخیل نہیں ہیں۔

کیونکہ رسالت کا مقصود دو باتوں سے پورا ہوتا ہے ایک یہ کہ کچھ چھپائے بغیر اس کو ادا کیا جائے اور دوسری بات اسے کسی کمی زیادتی کے بغیر پہنچانا۔

اور دو قراءتیں دو آیتوں کی طرح ہیں جو ایک دوسرے کو متضمن ہیں اور یہ ضاد کے ساتھ قراءت ہے یعنی بخل سے پاک اور مبرا ہونا کیونکہ "ضنین" کا معنیٰ بخیل ہے کہا جاتا ہے "ضننت به اضن" میں نے اس سے بخل کیا میں اس سے بخل کرتا ہوں اور یہ "بخلت ابخل" کے وزن پر ہے اور اس کا ہم معنیٰ ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے آپ پر اتارا آپ اس میں بخل کرنے والے نہیں ہیں۔ حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ آپ جو کچھ جانتے ہیں اس (کے بتانے) میں ان سے بخل نہیں فرماتے۔

اور اس پر تمام مفسرین کا اجماع ہے کہ یہاں غیب سے قرآن اور وحی مراد ہے۔

فراء نے کہا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے پاس آسمان سے غیب آتا ہے اور آپ کو اس میں رغبت ہوتی ہے لیکن آپ اس کو تمہارے سامنے بیان کرنے میں بخل سے کام نہیں لیتے۔

اور یہ معنیٰ نہایت عمدہ ہے کیونکہ نفوس کی عادت ہوتی ہے کہ وہ نفیس چیزوں میں بخل سے کام لیتے ہیں خاص طور پر اس کو دینے سے جو اس کی قدر نہ جانتا ہو۔ اس کے باوجود نبی اکرم ﷺ وحی کو تم تک پہنچانے میں بخل سے کام نہیں لیتے

حالانکہ یہ سب سے عمدہ اور اعلیٰ چیز ہے۔

ابوعلی الفارسی فرماتے ہیں معنی یہ ہے کہ آپ کے پاس غیب کی خبریں آتی ہیں تو ان کو بیان کرتے‘ خبر دیتے اور ظاہر کرتے ہیں اور اسے چھپاتے نہیں۔ جس طرح نجومی اس بات کو چھپاتا ہے جو اس کے پاس ہوتی ہے جب تک اسے اجرت نہ دی جائے۔

بعض قراٗتوں میں ”ظاء“ کے ساتھ ”بظنین“ پڑھا گیا ہے اس کا معنی ”تہمت لگایا ہوا“ ہے کہا جاتا ہے ”ظننت زیدا“ یعنی میں نے اس پر تہمت لگائی اور یہ ”ظن“ شعور اور ادراک کے معنی میں نہیں ہے وہ دو مفعولوں کی طرف متعدی ہوتا ہے اور معنی یہ ہے کہ اس نبی پر قرآن مجید کے حوالے سے تہمت نہیں لگائی جا سکتی بلکہ آپ اس میں امین ہیں اور آپ اس میں کمی زیادتی نہیں کرتے۔

اور یہ اس بات پر دلالت ہے کہ اس میں ضمیر ”ہو“ حضرت محمد ﷺ کی طرف لوٹتی ہے کیونکہ فرشتہ رسول کا امانت کے ساتھ موصوف ہونا پہلے گزر چکا ہے پھر فرمایا:

وَمَا صَاحِبُكُمْ بِمَجْنُوْنٍ ۝ (التکویر:۲۲) اور تمہارے صاحب مجنون نہیں ہے۔

پھر فرمایا اور وہ (مجنون) نہیں ہیں یعنی تمہارے صاحب پر تہمت بھی نہیں اور وہ بخیل بھی نہیں تو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ سے ان تمام نقائص کی نفی کی اور سند قرآن کا تزکیہ سب سے بڑا تزکیہ ہے اور اللہ تعالیٰ سچ فرماتا ہے اور وہ سیدھے راستے پر چلاتا ہے۔

قرآن کے وحی ہونے پر قسم

ارشاد خداوندی ہے:

فَلَآ اُقْسِمُ بِمَا تُبْصِرُوْنَ ۝ وَمَا لَا تُبْصِرُوْنَ ۝ اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ۝ (الحاقہ:۳۸-۴۰)

تو مجھے قسم ان چیزوں کی جنہیں تم دیکھتے ہو اور جنہیں تم نہیں دیکھتے بے شک یہ قرآن اے کرم والے رسول سے باتیں ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے تمام چیزوں کی قسم کھائی ان میں سے جن کو وہ دیکھتے ہیں اور جن کو نہیں دیکھتے اور قرآن پاک میں واقع ہونے والی یہ اہم قسم ہے کیونکہ علویات‘ سفلیات‘ دنیا اور آخرت جو کچھ دکھائی دیتا ہے اور جو کچھ دکھائی نہیں دیتا سب کو شامل ہے اس میں تمام فرشتے‘ جن‘ انسان‘ عرش‘ کرسی اور سب مخلوق شامل ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت اور ربوبیت کی نشانیوں میں سے ہے اس قسم کے ضمن میں یہ بات بھی ہے کہ جو کچھ دکھائی دیتا ہے یا دکھائی نہیں دیتا سب اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ کی صداقت کی نشانی اور دلیل ہے نیز جو کچھ آپ اللہ تعالیٰ کی طرف سے لے کر آئے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے کسی شاعر‘ مجنون یا نجومی کا کلام نہیں ہے نیز وہ حق ہے اور ثابت ہے جیسا کہ تمام موجودات‘ چاہے وہ دکھائی دے یا دکھائی نہ دے۔

ارشاد خداوندی ہے:

فَوَرَبِّ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اِنَّهٗ لَحَقٌّ مِّثْلَ مَآ اَنَّكُمْ تَنْطِقُوْنَ ۝ (الذاریات:۲۳)

تو آسمان اور زمین کے رب کی قسم بے شک یہ قرآن حق ہے ویسی ہی زبان میں جو تم بولتے ہو۔

گویا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے بے شک قرآن حق ہے جس طرح مخلوق جس کا تم مشاہدہ کرتے ہو یا نہیں کرتے وہ حق ہے موجود ہے اور جو کچھ انسان دیکھتا ہے اس سب کی جگہ اس کا نفس کافی ہے۔ اس کی تخلیق' پروان چڑھنا اور جو ظاہری اور باطنی احوال وہ دیکھتا ہے ان میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت' اس کی صفات کے ثبوت اور جس بات کی اس کے رسول ﷺ نے خبر دی اس پر واضح دلیل ہے اور جو شخص اپنے دل کو حقیقتاً اس طرف نہیں لگاتا اس کے دل میں ایمان کی خوشی نہیں آسکتی۔

پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کی صداقت پر قطعی دلیل قائم فرمائی نیز آپ نے اللہ تعالیٰ پر جھوٹ نہیں باندھا جیسا کہ وہ (مشرکین) کہتے ہیں اور اگر وہ اللہ تعالیٰ پر افتراء باندھتے اور اس کے بارے میں جھوٹی بات کہتے تو اللہ تعالیٰ آپ کو برقرار نہ رکھتا اور جلد ہلاک کر دیتا کیونکہ اللہ تعالیٰ کے علم وقدرت اور حکمت کا کمال یہ ہے کہ جو شخص اس پر افتراء باندھے اور جھوٹ کہے وہ اسے برقرار نہیں رکھتا اس طرح اس شخص کو بھی باقی نہیں رکھتا جو اس کے بندوں کو گمراہ کرنے اور اپنے جھٹلانے والوں کے خون' عزت اور مال کو حلال قرار دے۔

تو وہ جو تمام حاکموں کا حاکم ہے اور سب سے بڑا قادر ہے اس کے شایانِ شان کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ اسے اس بات پر برقرار رکھے بلکہ اس کے لائق کیسے ہو سکتا ہے کہ اس کی مدد کرے بلند مرتبہ عطا کرے اور اس کو ان پر غلبہ عطا کرے کہ وہ ان کا خون بہائے ان کے مالوں' اولاد' شہروں اور عورتوں کو مباح سمجھے یہ کہتے ہوئے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اس بات کا حکم دیا اور یہ کام میرے لئے مباح قرار دیا ہے بلکہ یہ بات اللہ تعالیٰ کے لائق کیسے ہو سکتی ہے کہ وہ متعدد طریقوں سے اس کی تصدیق کرے' اقرار کے ذریعے اس کی تصدیق کرے اور ان نشانیوں کے ذریعے جو اس کی صداقت کو مستلزم ہیں۔

پھر ان نشانیوں کے اختلاف کے باوجود ان کی تمام انواع کے ساتھ تصدیق کرے پس ہر نشانی الگ طور پر آپ کی تصدیق کرتی ہے پھر وہ قطعی دلائل قائم کرے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور آپ اس کے لئے اپنے اقرار' فعل اور قول سے شہادت دے۔

تو یہ بات بہت زیادہ محال اور سب سے زیادہ باطل ہے اور بڑا واضح بہتان ہے کہ احکم الحاکمین کے بارے میں افتراء باندھا جائے۔

یہاں رسول کریم سے مراد حضرت محمد ﷺ ہیں جیسا کہ میں نے پہلے بیان کیا ہے کیونکہ جب فرمایا ''انہ لقول رسول کریم '' تو اس کے بعد ذکر فرمایا ''انہ لیس شاعر ولا کاھن '' اور مشرکین حضرت جبریل علیہ السلام کو شاعر اور کاہن نہیں کہتے تھے۔

اسی سے اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے:

فَلَآ اُقْسِمُ بِمَوٰقِعِ النُّجُوْمِ ۝ وَاِنَّهٗ لَقَسَمٌ لَّوْ تَعْلَمُوْنَ عَظِيْمٌ ۝ اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِيْمٌ ۝ فِيْ كِتٰبٍ مَّكْنُوْنٍ ۝ لَّا يَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ ۝

(الواقعہ: ۷۵۔۷۹)

تو مجھے قسم ہے ان جگہوں کی جہاں ستارے ڈوبتے ہیں اور تم سمجھو تو یہ بڑی قسم ہے بے شک یہ عزت والا قرآن ہے محفوظ نوشتہ میں اسے نہ چھوئیں مگر باوضو۔

کہا گیا ہے کہ ''کتاب مکنون '' سے لوح محفوظ مراد ہے۔

ابن قیم نے کہا صحیح بات یہ ہے کہ یہ وہی کتاب ہے جو فرشتوں کے ہاتھوں میں ہے اور اس ارشاد خداوندی میں اسی کا ذکر ہے:

فِيْ صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ ۝ مَّرْفُوْعَةٍ مُّطَهَّرَةٍ ۝ بِاَيْدِيْ سَفَرَةٍ ۝ كِرَامٍۭ بَرَرَةٍ ۝ (العبس: ۱۳-۱۶)

ان صحیفوں میں کہ عزت والے ہیں بلندی والے پاکی والے ایسوں کے ہاتھوں لکھے ہوئے جو کرم والے نیکی والے ہیں۔

حضرت مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں سب سے اچھی بات جو اس سلسلے میں میں نے سنی ہے وہ اس کی مثل ہے جو سورۂ عبس میں ہے فرماتے ہیں بعض مفسرین نے کہا مراد یہ ہے کہ مصحف کو صرف پاک آدمی ہاتھ لگا سکتا ہے لیکن پہلی بات زیادہ ترجیح والی ہے (یعنی لوح محفوظ مراد ہے)۔

کیونکہ آیت کریمہ اس مقصد کے لئے لائی گئی کہ قرآن مجید کی اس بات سے پاکیزگی بیان کی جائے کہ اسے شیطان لے کر اترتے ہیں۔ شیطان اس تک نہیں پہنچ سکتے جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے:

وَمَا تَنَزَّلَتْ بِهِ الشَّيٰطِيْنُ ۝ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهُمْ وَمَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ۝ (الشعراء: ۲۱۰-۲۱۱)

اور اس قرآن کو لے کر شیطان نہ اترے اور وہ اس قابل نہیں اور نہ وہ ایسا کر سکتے ہیں۔

نیز "لا یمسہ" رفع کے ساتھ ہے اور یہ لفظاً اور معنیً خبر ہے۔

اگر یہ نہی ہوتی تو مفتوح ہوتا اور جنہوں نے اسے نہی پر محمول کیا ہے وہ خبر کو اس کے ظاہر سے نہی کے معنی کی طرف پھیرنے کے محتاج ہیں اور خبر اور نہی دونوں میں اصل یہ ہے کہ ان کو ان کی حقیقت پر محمول کیا جائے اور یہاں کلام کو خبر سے نہی کی طرف پھیرنے کا کوئی سبب نہیں ہے۔

یہ بات جو ابن قیم نے کہی ہے ایک جماعت نے اس سے استدلال کیا جن میں داؤد (ظاہری) بھی شامل ہے کہ بے وضو کے لئے قرآن مجید کو ہاتھ لگانا جائز ہے۔

ابن رفعہ نے "الکفایہ" میں ان لوگوں کے من گھڑت دلائل کا جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ نص سے یہ بات ثابت ہے کہ قرآن پاک کو (طہارت کے بغیر) ہاتھ لگانا صحیح نہیں پس معلوم ہوا کہ اس سے وہ کتاب مراد ہے جو مذکورہ لوگوں کے زیادہ قریب ہے اور نہی لوح محفوظ کی طرف متوجہ نہیں ہوتی کیونکہ لوح محفوظ کو اتارا نہیں گیا اور اسے ہاتھ لگانا ممکن بھی نہیں اور یہ بھی ممکن نہیں کہ طہارت والوں سے فرشتے مراد ہوں کیونکہ یہاں نفی اور اثبات دونوں ہیں گویا فرمایا طہارت والے اسے ہاتھ لگا سکتے ہیں اور جو طہارت کے بغیر ہیں وہ ہاتھ نہیں لگا سکتے اور اس بات پر اجماع ہے کہ آسمان میں ناپاک کوئی نہیں ہے معلوم ہوا کہ یہاں پاک لوگوں سے انسان مراد ہیں اس کی وضاحت اس حدیث سے ہوتی ہے جو نبی اکرم ﷺ سے مروی ہے آپ نے عمرو بن حزم کے خط میں فرمایا:

ولا تمس القرآن الا وانت علی طاھر.

قرآن مجید کو طہارت کے بغیر ہاتھ نہ لگانا۔

(سنن دار قطنی ج ۱ ص ۱۲۲ رقم الحدیث: ۶، المستدرک ج ۳ ص ۴۸۵، المعجم الکبیر ج ۳ ص ۲۳۰، مجمع الزوائد ج ۱ ص ۲۷۶، نصب الرایہ ج ۱ ص ۱۹۸، السنن الکبریٰ ج ۱ ص ۸۷، کنز العمال رقم الحدیث: ۲۸۲۹)

اس حدیث کو امام دار قطنی وغیرہ نے نقل کیا پھر ابن رفعہ نے فرمایا اگر کہا جائے کہ واحدی نے کہا ہے کہ اکثر اہل تفسیر کے نزدیک اس سے لوح محفوظ مراد ہے اور پاک لوگوں سے فرشتے مراد ہیں اور اگر تمہارا کہنا صحیح ہو تو بھی اس میں کوئی دلیل نہیں کیونکہ "لا یمسہ" میں سین پر ضمہ (پیش) ہے اور یہ مراد سے نہی نہیں اگر نہی ہوتی تو سین پر فتح ہوتا پس یہ خبر ہے۔

ہم کہتے ہیں اکثر مفسرین کا قول دوسرے مفسرین کے قول سے ٹکراتا ہے اور رجوع دلیل کی طرف ہوتا ہے (اور اس سے استدلال نہیں کر سکتے کیونکہ تضاد آ گیا)۔

اور آیت سے خبر مراد ہونے کا جواب یہ ہے کہ ہم کہتے ہیں کہ یہ لفظاً خبر ہے اور معنیً نہی ہے اور قرآن مجید میں اس کی کئی مثالیں ہیں۔ ارشاد خداوندی ہے:

لَا تُضَآرَّ وَالِدَةٌۢ بِوَلَدِهَا. (البقرہ:۲۳۳) اور ماں کو بچے کی وجہ سے تکلیف نہ دی جائے۔

نیز فرمایا:

وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ. (البقرہ:۲۲۸) اور طلاق والی عورتیں انتظار کریں (عدت گزاریں)۔

علامہ بساطی (ابوالمحاسن یوسف بن خالد بن نعیم بن مکرم البساطی متوفی ۸۲۹ھ) نے شیخ خلیل کی مختصر کی شرح میں یوں جواب دیا کہ "یمسہ" مجزوم ہے اور سین کا ضمہ ضمیر کی وجہ سے ہے جیسا کہ ایک جماعت نے تصریح کی ہے انہوں نے کہا کہ یہ بصریوں کا مذہب ہے ان میں ابن حاجب بھی ہیں جنہوں نے اپنے شافیہ میں لکھا ہے۔

(الضوء اللامع ج ۱۰ص ۳۱۲ نیل الابتہاج ص ۳۵۳ معجم المؤلفین ج ۱۳ص ۲۹۵)

علامہ شہاب الدین احمد بن یوسف بن محمد بن مسعود حلبی شافعی جو "السمین" کے لقب سے مشہور ہیں' نے یہ بات زیادہ وضاحت اور فوائد کے ساتھ لکھی ہے انہوں نے کہا اس "لا" (لایمسہ میں جو "لا" ہے) میں دو وجہ ہیں دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ نہی کے لئے ہے اور اس کے بعد فعل مجزوم ہے کیونکہ جب ادغام کھول دیا جائے تو اسی طرح ہوگا جیسا کہ ارشاد خداوندی: لم یمسسھم سوء۔ (آل عمران:۱۷۴) ان کو برائی نہ پہنچی۔ میں ہے لیکن یہاں ادغام ہوا اور جب ادغام ہوا تو اس کے آخر کو ضمہ کی حرکت دی اور یوں مذکر غائب کی ضمیر "ہا" کی وجہ سے ضمہ دیا گیا اور سیبویہ اس طرح کی صورت میں ضمہ دیتے ہیں۔ حدیث شریف میں ہے:

انا لم نردہ علیک الا انا حرم۔ [1] ہم اسے تمہاری طرف صرف اس لئے لوٹا رہے ہیں کہ ہم حالتِ احرام میں ہیں۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۸۵۰ مسند احمد ج ۴ ص ۳۸ ۷۱ موطا امام مالک رقم الحدیث: ۳۵۳ مسند الشافعی ص ۸۴ التمہید ج ۹ ص ۵۴)

اگرچہ تخلیف کے طور پر فتح دینا جائز ہے۔ حضرت یمین فرماتے ہیں جو کچھ میں نے ذکر کیا ہے اس سے رد کرنے والوں کے رد کا فساد ظاہر ہو گیا کہ اگر یہ نہی ہوتی تو "لا یمسہ" فتح کے ساتھ ہوتا کیونکہ اس صورت میں ہاء سے پہلے ضمہ کا جواز ان لوگوں سے مخفی رہا خصوصاً سیبویہ کے نزدیک اس کے علاوہ کوئی دوسری صورت جائز نہیں۔

---

[1] نبی اکرم ﷺ کو حضرت صعب بن جثامہ لیثی نے ایک جنگلی دراز گوش ہدیہ کے طور پر دیا تو آپ نے رد کر دیا یہاں "لم نردہ" میں محدثین دال پر فتح پڑھتے ہیں لیکن محققین نحویوں کے نزدیک دال پر ضمہ ہے۔ (زرقانی ج ۷ ص ۲۲۶)

فصل نمبر ۴

اللہ تعالیٰ کا رسول اکرم ﷺ کی رسالت کے ثبوت پر قسم کھانا

ارشادِ خداوندی ہے:

یٰسٓ ۝ وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ ۝ اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۝ (یٰس: ۱-۳)
حکمت والے قرآن کی قسم! بے شک آپ مرسلین (رسولوں) میں سے ہیں۔

جان لو جس سورت کو اللہ تعالیٰ نے حروف تہجی سے شروع کیا اس کے شروع میں ذکر یا کتاب یا قرآن کا لفظ ہو تو وہ نون کی صورت ہوتی ہے۔[1] سوائے سورہ "ن" کے۔[2]

پھر سورتوں کے شروع میں ان حروف کے ذکر میں کچھ ایسے امور ہیں جو دلالت کرتے ہیں کہ یہ حکمت سے خالی نہیں لیکن انسان کا علم اس حکمت تک نہیں پہنچ سکتا البتہ اللہ تعالیٰ اس کے لئے یہ سربستہ راز کھول دے تو الگ بات ہے۔

مفسرین کا "یٰسٓ" کے معنی میں اختلاف ہے اور اس سلسلے میں چند اقوال ہیں۔

پہلا قول یہ ہے کہ "اے انسان" یہ قبیلہ بنو طے کی لغت ہے اور حضرت ابن عباس، حضرت حسن، حضرت عکرمہ، ضحاک اور سعید بن جبیر (رضی اللہ عنہم ورحمۃ اللہ علیہم) کا یہی قول ہے بعض نے کہا یہ حبشہ کی لغت ہے کہا گیا کہ بنو کلب کی لغت ہے اور کلبی نے نقل کیا کہ یہ سریانی زبان میں ہے۔

امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ نے فرمایا اس کی تقریر یہ ہے کہ انسان کی تصغیر "انیسین" آتی ہے گویا اس کا شروع حذف کر کے پچھلا حصہ لے لیا گیا اور یٰس پڑھا گیا اس صورت میں نبی اکرم ﷺ کو خطاب ہوگا جس پر "انک لمن المرسلین" کے الفاظ دلالت کر رہے ہیں۔

ابو حیان نے اس پر اعتراض کرتے ہوئے کہا کہ اہل عرب سے انسان کی تصغیر "انیسیان" منقول ہے یعنی یاء اور اس کے بعد الف ہے۔

پس یہ اس بات پر دلالت ہے کہ اس کی اصل انسیان ہے کیونکہ تصغیر الفاظ کو ان کے اصل کی طرف لوٹاتی ہے اور یہ بات معروف نہیں کہ انہوں نے اس کی تصغیر "انیسین" کہی ہو اور اگر ایسی صورت میں تصغیر مان لیں تو منادیٰ کا مبنی بر ضم ہونا ہی جائز ہو کیونکہ یہ منادیٰ ہے جس کی طرف توجہ کی جا رہی ہے اس کے باوجود تصغیر جائز نہیں کیونکہ اس میں حقارت کا معنی پایا جاتا ہے اور نبوت کے حق میں یہ بات منع ہے۔

"السمین" نے فرمایا یہ آخری اعتراض صحیح ہے کیونکہ علماء کرام نے صراحتاً فرمایا کہ جو اسماء شرعاً معظم ہیں ان کی تصغیر

---

[1] جیسے یہی سورت یٰسٓ اسی طرح صٓ والقرآن ذی الذکر، الٓر تلک آیات الکتاب و قرآن المبین۔

[2] کیونکہ اس کے شروع میں کتاب، ذکر اور قرآن کا واضح الفاظ میں ذکر نہیں لیکن یسطرون سے مراد یکتبون القرآن ہے۔

نہیں ہوسکتی اسی لئے جب ابن قتیبہ نے کہا کہ لفظ "المہیمن" "مؤمن" سے مصغر ہے ہمزہ کو ہاء سے بدلا گیا ہے تو ان سے کہا گیا یہ بات کفر کے قریب ہے پس اس قائل کو بچنا چاہیے۔

کہا گیا ہے کہ "یٰس" کا معنیٰ "یا محمد" ہے ابن حنیفہ اور ضحاک نے یہ بات کہی ہے ایک قول کے مطابق جو ابوالعالیہ نے کہا ہے اس کا معنیٰ "یا رجل" ہے ایک قول یہ ہے کہ یہ قرآن پاک کے ناموں میں سے ایک نام ہے یہ حضرت قتادہ کا قول ہے۔

حضرت ابوبکر وراق سے منقول ہے کہ اس کا معنیٰ "یا سید البشر" ہے حضرت جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اس سے "یا سید" مراد ہے نبی اکرم ﷺ کو خطاب کیا گیا اور اس میں آپ کی تعظیم اور بزرگی بیان ہوئی جو مخفی نہیں ہے۔

حضرت طلحہ' حضرت ابن عباس (رضی اللہ عنہم) سے روایت کرتے ہیں کہ یہ ایک قسم ہے اللہ تعالیٰ نے اس کے ساتھ قسم کھائی اور یہ اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے ہے۔

حضرت کعب فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنے سے دو ہزار سال پہلے اس کے ساتھ قسم کھائی کہ اے محمد ﷺ! بے شک آپ رسولوں میں سے ہیں پھر فرمایا:

وَالْقُرْآنِ الْحَكِيمِ ○ إِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِينَ ○ (یٰس: ۲-۳)

حکمت والے قرآن کی قسم! بے شک آپ مرسلین میں سے ہیں۔

یہ کفار کا رد ہے جب انہوں نے کہا "لست مرسلا" (آپ رسول نہیں ہیں) تو اللہ تعالیٰ نے اپنے نام اور اپنی کتاب کی قسم کھا کر فرمایا کہ نبی اکرم ﷺ اللہ تعالیٰ کی وحی اس کے بندوں تک پہنچاتے ہیں آپ رسولوں میں سے ہیں اور اللہ تعالیٰ پر ایمان کے ساتھ سیدھے راستے پر ہیں ایسا راستہ جو ٹیڑھا نہیں اور نہ حق سے پھرا ہوا ہے۔

حضرت نقاش نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں نبی اکرم ﷺ کے علاوہ کسی نبی کی رسالت کی قسم نہیں کھائی۔

فصل نمبر ۵

نبی اکرم ﷺ کی مدت حیات' آپ کے زمانے اور آپ کے شہر کی قسم

آپ کی حیات طیبہ کی قسم

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

لَعَمْرُكَ إِنَّهُمْ لَفِي سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُونَ. (الحجر: ۷۲)

اے محبوب! تمہاری جان کی قسم بے شک وہ اپنے نشہ میں بھٹک رہے ہیں۔

"العمر" اور "العُمر" دونوں ایک ہیں لیکن قسم کے موقعہ پر کثرتِ استعمال کی وجہ سے عین پر فتحہ آتا ہے پس جب وہ قسم

کھاتے ہیں تو کہتے ہیں "لعمرک القسم" تیری عمر کی قسم ہے۔
نحوی کہتے ہیں "لعمرک" مبتدا ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے اور خبر محذوف ہے اور معنی یہ ہے کہ آپ کی عمر کی مجھے قسم ہے (لعمرک قسمی)۔
خبر کو حذف کر دیا گیا کیونکہ کلام میں اس پر دلیل پائی جاتی ہے اور قسم کے باب میں فعل حذف کر دیا جاتا ہے جیسے "تاللہ لا فعلن" اللہ کی قسم میں ضرور کروں گا معنی یوں ہے "احلف باللہ" میں اللہ کے نام کی قسم کھاتا ہوں تو لفظ احلف (فعل) کو حذف کر دیا گیا کیونکہ مخاطب کو علم ہے کہ تم قسم کھا رہے ہو (عبدالرحمن بن اسحاق متوفی ۳۳۷ھ) زجاجی نے کہا جس نے "لعمر اللہ" کہا گویا اس نے اللہ تعالیٰ کے باقی رہنے کی قسم کھائی اسی لئے مالکی اور حنفی حضرات فرماتے ہیں کہ اس سے یمین منعقد ہو جاتی ہے کیونکہ "بقاء اللہ" (اللہ تعالیٰ کا باقی رہنا) اس کی ذات کی صفات میں سے ہے اور حضرت مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں مجھے الفاظ کے ساتھ قسم کھانا پسند نہیں امام شافعی اور اسحاق کہتے ہیں یہ الفاظ نیت کے ساتھ قسم قرار پاتے ہیں اور حضرت امام احمد رحمہ اللہ سے دونوں مذہب منقول ہیں لیکن ان کا راجح قول امام شافعی رحمہ اللہ کے قول کی طرح ہے۔ (الاعلام ج ۳ ص ۲۹۹ 'فیات الاعیان ج اص ۲۷۸ 'بغیۃ الوعاۃ ص ۲۹۷)

اس بات میں اختلاف ہے کہ اس آیت میں مخاطب کون ہے تو اس سلسلے میں دو قول ہیں۔
ایک یہ کہ جب حضرت لوط علیہ السلام نے اپنی قوم کو وعظ فرمایا۔
اور ارشاد فرمایا:

هٰٓؤُلَآءِ بَنَاتِيْٓ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ ۝ (الحجر:۷۱)   یہ میری (قوم کی) بیٹیاں ہیں اگر تم نے یہ کام کرنا ہی ہے۔

تو فرشتوں نے حضرت لوط علیہ السلام سے کہا:

لَعَمْرُكَ اِنَّهُمْ لَفِيْ سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ۝ (الحجر:۷۲)   اے محبوب! تمہاری جان کی قسم بے شک وہ اپنے نشے میں بھٹک رہے ہیں۔

یعنی حیران پریشان ہیں تو آپ کی بات کو کیسے سمجھیں گے اور آپ کی نصیحت کی طرف کیسے متوجہ ہوں گے؟
دوسرا قول یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ کو خطاب ہے اور اللہ تعالیٰ نے آپ کی زندگی کی قسم کھائی ہے اس میں آپ کے شرف عظیم' مقام رفیع اور جاہ و مرتبہ کی عظمت کو بیان کیا۔
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے کسی نفس کو پیدا نہیں فرمایا جو اس کے ہاں حضرت محمد ﷺ سے زیادہ مکرم و معظم ہو اور میں نے نہیں سنا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے علاوہ کسی کی زندگی کی قسم کھائی ہو۔ ارشاد خداوندی ہے:

لَعَمْرُكَ اِنَّهُمْ لَفِيْ سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ۝ (الحجر:۷۲)   اے محبوب! تمہاری جان کی قسم بے شک وہ اپنے نشہ میں بھٹک رہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا آپ کی زندگی' آپ کی عمر اور دنیا میں آپ کے باقی رہنے کی قسم بے شک یہ لوگ اپنے نشے میں بھٹکتے پھرتے ہیں۔ ابن جریر نے اسے روایت کیا۔

39

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ فرمانا کہ میں نے نہیں سنا اس کا مطلب یہ ہے کہ آسمانی کتابوں میں جس کلام کی تلاوت ہوتی ہے اسے میں نے سنا (لیکن اس میں کسی کے نام کی قسم نہیں ملی)۔

امام بغوی رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں ان الفاظ میں ذکر کیا کہ اللہ تعالیٰ نے کسی کی زندگی کی قسم نہیں کھائی سوائے آپ کی حیات طیبہ کے اور آپ کے علاوہ کسی ایک کی زندگی کی قسم نہیں کھائی اور یہ قسم اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے ہاں تمام مخلوق سے زیادہ معزز ہیں اس بنیاد پر نبی اکرم ﷺ کی زندگی کی قسم حضرت لوط علیہ السلام کے واقعہ میں جملہ معترضہ کے طور پر (ضمنی طور پر) آئی ہے۔ (تفسیر بغوی ج ۳ ص ۴۵)

امام قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں جب اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ کی حیات طیبہ کی قسم کھاتا ہے تو اس نے ہمارے لئے وضاحت کا ارادہ فرمایا کہ ہمارے لئے بھی آپ ﷺ کی حیات طیبہ کی قسم کھانا جائز ہے۔

حضرت امام احمد رحمہ اللہ نے فرمایا جو شخص نبی اکرم ﷺ کے نام کی قسم کھاتا ہے اس کی قسم منعقد ہو جاتی ہے اور اس قسم کو توڑنے کی وجہ سے کفارہ لازم ہو جاتا ہے انہوں نے اس کی دلیل اس طرح دی ہے کہ نبی اکرم ﷺ کلمۂ شہادت کے دو رکنوں میں سے ایک رکن ہیں۔

ابن خویز منداد (ابوبکر محمد بن احمد) نے فرمایا کہ جو لوگ نبی اکرم ﷺ کے نام کی قسم کھانا جائز سمجھتے ہیں ان کا استدلال یوں ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے زمانے سے لوگوں کا طریقہ جاری ہے کہ وہ آپ کے نام کی قسم کھاتے ہیں حتیٰ کہ آج تک اہل مدینہ سے کوئی جھگڑتا ہے تو وہ اس سے کہتا ہے میرے لئے اس حق کی قسم کھاؤ جو اس قبر والے کو حاصل ہے یا اس قبر میں آرام فرما ذات کے حق کی قسم کھاؤ اور اس سے نبی اکرم ﷺ مراد ہیں۔

نوٹ: جمہور فقہا کے نزدیک نبی اکرم ﷺ کے نام یا حیات طیبہ کے ساتھ قسم کھانا جائز نہیں اور نہ ہی اس سے کفارہ لازم آتا ہے۔
(زرقانی ج ۷ ص ۲۳۲)

آپ کے شہر پاک کی قسم

ارشادِ خداوندی ہے:

لَآ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ ۝ وَاَنْتَ حِلٌّۢ بِهٰذَا الْبَلَدِ ۝ (البلد: ۱-۲)
مجھے اس شہر کی قسم کہ اے محبوب! اس شہر میں تم تشریف فرما ہو۔

اللہ تعالیٰ نے بلد امین یعنی مکہ مکرمہ کی قسم کھائی جو تمام بستیوں کی اصل اور نبی اکرم ﷺ کا شہر ہے اور آپ کی وہاں موجودگی کی قید لگائی (وانت حل بهذا البلد فرمایا) تا کہ آپ کی فضیلت کی عظمت ظاہر ہو اور اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ مکان کا شرف مکین کے شرف سے ہوتا ہے یہ بات امام بیضاوی رحمہ اللہ نے ذکر کی ہے۔

پھر والد اور اولاد کی قسم کھائی اور جیسا کہ کہا گیا کہ والد سے حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام مراد ہیں اور ولد سے نبی اکرم ﷺ مراد ہیں تو اس بنیاد پر یہ دو جگہوں پر آپ کی قسم کو متضمن ہے یہ بھی کہا گیا کہ اس سے حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی اولاد مراد ہے جمہور مفسرین کا یہی قول ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی قسم اس لئے کھائی کہ زمین پر یہ سب سے زیادہ عجیب اور پسندیدہ مخلوق ہے کیونکہ ان کو

بیان اور غور وفکر نیز علوم کے استخراج کی صلاحیتوں سے بہرہ ور کیا گیا یہ اللہ تعالیٰ کی طرف بلاتے اور اس کے دین کی مدد کرتے ہیں اور زمین جو مخلوق بھی ہے وہ انہی کے لئے پیدا کی گئی۔

اس بنیاد پر یہ قسم تمام جگہوں کی اصل اور تمام سکونت پذیر لوگوں کی اصل کو شامل ہے کیونکہ تمام شہروں کی اصل مکہ مکرمہ اور تمام انسانوں کی اصل حضرت آدم علیہ السلام ہیں۔

ارشاد خداوندی ''وانت حل بھذا البلد'' حلول سے بنا ہے جو ''ظعن'' کی ضد ہے ظعن کا معنی کوچ کرنا ہے۔

تو اللہ تعالیٰ کا اپنے شہر کی قسم کھانا اس کے بندۂ خاص اور رسول ﷺ کو بھی شامل ہے پس یہ سب سے بہترین جگہ ہے اور یہ اس کے پسندیدہ بندوں پر بھی مشتمل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے گھر کو لوگوں کی رہنمائی کا ذریعہ بنایا اور اپنے نبی ﷺ کو امام اور ہادی بنایا اور یہ اس کا اپنی مخلوق پر بہت بڑا احسان اور بہت بڑی نعمت ہے۔

یہ بھی کہا کہ ''انت حل'' کا معنی یہ ہے کہ آپ کو قتل کرنا اور اس امین شہر سے نکالنا لوگوں نے حلال قرار دیا حالانکہ اس میں پرندوں اور وحشی جانوروں کو بھی امن ملتا ہے لیکن آپ کی قوم نے اس میں آپ کی حرمت وعزت کو توڑنا حلال جانا۔

یہ قول حضرت شرحبیل بن سعد سے مروی ہے۔

۔ حضرت قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں ''وانت حل'' کا معنی یہ ہے کہ آپ گناہ کرنے والے نہیں ہیں اور آپ مکہ مکرمہ میں جس کو چاہیں قتل کر سکتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مکہ مکرمہ اور وہاں کے رہنے والوں پر آپ کو فتح عطا فرمائی اور آپ سے پہلے کسی کو بھی یہ فتح حاصل نہیں ہوئی پس آپ نے جس کے لئے چاہا اس کا خون بہانا حلال کیا اور جسے چاہا حرام قرار دیا۔

پس ابن خطل کو اس وقت قتل کرنے کا حکم دیا جب وہ کعبہ شریف کے پردوں سے لٹکا ہوا تھا اور ابوسفیان کے مکان کو پناہ گاہ قرار دیا۔

سوال: یہ سورت مکی ہے اور ''انت حل بھذا البلد'' حالت کی خبر ہے اور واقعہ جو ذکر کیا گیا یہ مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کی آخری مدت سے متعلق ہے تو دونوں باتوں کو کیسے جمع کیا جا سکتا ہے؟

جواب: بعض اوقات لفظ حال کے لئے ہوتا ہے اور مستقبل کا معنی دیتا ہے جس طرح ارشاد خداوندی ہے:

اِنَّکَ مَیِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّیِّتُوْنَ ○ (الزمر: ۳۰) بے شک تمہیں انتقال فرمانا ہے اور ان کو بھی مرنا ہے۔

جو بھی صورت ہو یہ رسول اکرم ﷺ کے شہر مبارک کی قسم کو شامل ہے اور اس میں جس قدر تعظیم ہے وہ مخفی نہیں ہے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے انہوں نے بارگاہ نبوی میں عرض کیا یا رسول اللہ! آپ پر میرے ماں باپ قربان ہوں اللہ تعالیٰ کے ہاں آپ کی فضیلت اس درجہ کو پہنچی ہے کہ اس نے آپ کی حیات طیبہ کی قسم کھائی دیگر انبیاء کرام کی زندگیوں کی قسم نہیں کھائی اور آپ کی فضیلت کا عالم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے مبارک پاؤں کی خاک کی بھی قسم کھائی اور فرمایا ''لَآ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ''۔

آپ کے زمانہ مبارکہ کی قسم

ارشاد خداوندی ہے:

وَالْعَصْرِ ○ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ ○ اس زمانہ محبوب کی قسم! بے شک انسان نقصان میں

(العصر:١۔٢) ہے۔

عصر کی تفسیر میں مختلف اقوال منقول ہیں۔ کہا گیا ہے کہ اس سے زمانہ مراد ہے کیونکہ وہ عجیب باتوں پر مشتمل ہوتا ہے زمانے میں آسانی، تکلیف، صحت اور بیماری پائی جاتی ہے ایک قول یہ ہے کہ اس عصر کا ذکر ہے۔ جس کے گزرنے سے تمہاری عمر ختم ہوجاتی ہے اگر اس کے مقابلے میں اعمال کا کسب نہ ہوتو وہ بعینہٖ نقصان ہے۔

شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

انا لنفرح بالایام نقطعها وکل یوم مضی نقص من الاجل

''ہم اس زندگی پر جو گزرتی ہے خوش ہوتے ہیں حالانکہ جو دن گزرتا ہے اس کی وجہ سے زندگی کم ہوجاتی ہے''۔

امام فخر الدین رازی کی تفسیر اور تفسیر بیضاوی نیز دیگر تفاسیر میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کے زمانہ مبارکہ کی قسم کھائی ہے۔ امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں مفسرین نے نبی اکرم ﷺ کے اس قول سے استدلال کیا ہے آپ نے فرمایا۔

تمہاری اور تم سے پہلے لوگوں کی مثال اس شخص کی طرح ہے۔ جس نے کچھ مزدوروں کو اجرت پر لیا اور کہا کہ کون شخص میرے لئے فجر سے ظہر تک ایک قیراط (دینار کا چوبیسواں حصہ) پر عمل کرے گا؟

پس یہودیوں نے عمل کیا پھر کہا کون ہے۔ جو ظہر سے عصر تک ایک قیراط کے بدلے کام کرے گا؟ تو عیسائیوں نے عمل کیا پھر فرمایا کون ہے۔ جو عصر سے مغرب تک دو قیراط کے بدلے عمل کرے گا تو تم نے عمل کیا اس پر یہودیوں اور عیسائیوں کو غصہ آیا اور انہوں نے کہا ہمارا کام زیادہ ہے اور اجرت کم ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کیا تمہارے ثواب میں سے کچھ کم کیا گیا ہے؟ انہوں نے کہا نہیں فرمایا یہ میرا فضل ہے میں۔ جس کو چاہوں عطا کروں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا (اے میرے امتیو!) پس تمہارا عمل کم اور ثواب زیادہ ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث:٢٢٦٨۔٢٢٦٩، جامع ترمذی رقم الحدیث:٨٣، مسند احمد ج٢ ص١١١)

علماء کرام فرماتے ہیں یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ عصر سے نبی اکرم ﷺ کا زمانہ مراد ہے پس اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں آپ کے زمانے کی قسم کھائی اور ''وانت حل بھذا البلد'' میں آپ کے مکان کی اور ''لعمرک'' میں آپ کی عمر کی قسم کھائی ہے گویا اللہ تعالیٰ نے فرمایا مجھے آپ کے زمانے، شہر اور عمر کی قسم ہے اور یہ تینوں چیزیں آپ کے لئے ظرف کی طرح ہیں پس جب ظرف کی تعظیم واجب ہے تو مظروف کا کیا حال ہوگا؟

امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں قسم کی وجہ یہ ہے کہ گویا اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جب وہ آپ سے اعراض کریں تو ان کا کتنا بڑا نقصان ہے؟

(اسی لئے اعلیٰحضرت امام احمد رضا خاں رحمہ اللہ نے فرمایا۔

ٹھوکریں کھاتے پھرو گے ان کے در پر پڑ رہو قافلہ تو اے رضا اول گیا آخر گیا

١٢ ہزاروی)

چھٹی نوع

اللہ تعالیٰ کا آپ کو نور اور سراج منیر سے موصوف کرنا

جان لو کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ارشادِ گرامی:

قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّ كِتٰبٌ مُّبِيْنٌ○ بے شک تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے نور اور روشن کتاب آ گئی۔ (المائدہ:۱۵)

میں اپنے رسول ﷺ کی صفت ''نور'' بیان فرمائی ایک قول یہ ہے کہ اس (نور) سے قرآن مجید مراد ہے۔

نیز آپ کو سراج منیر (روشن چراغ) بھی قرار دیا۔ ارشادِ خداوندی ہے:

اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِيْرًا○ وَّدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا○ بے شک ہم نے آپ کو شاہد، خوشخبری دینے والا، ڈر سنانے والا اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس کی طرف بلانے والا اور روشن چراغ بنا کر بھیجا۔ (احزاب:۴۵-۴۶)

اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ واضح طور پر ہدایت دینے والے ہیں جس طرح چراغ کی روشنی میں راستہ دکھائی دیتا ہے اور آپ رشد و ہدایت کو واضح اور بیان کرتے ہیں تو آپ کا بیان سورج کی روشنی سے زیادہ طاقتور، مکمل اور زیادہ نفع بخش ہے پس جب صورت حال یہ ہے تو ضروری ہوا کہ آپ کا نفس قدسیہ نورانیت میں سورج سے بڑھ کر ہو پس جس طرح سورج جسموں کی دنیا میں دوسروں کو روشنی کا فائدہ دیتا ہے اور دوسروں سے فائدہ حاصل نہیں کرتا اسی طرح نبی اکرم ﷺ بشری نفوس کو عقلی انوار کا فائدہ دیتے ہیں اسی لئے اللہ تعالیٰ نے سورج کو سراج قرار دیا اور فرمایا:

وَّجَعَلَ فِيْهَا سِرٰجًا وَّ قَمَرًا مُّنِيْرًا○ اور اس نے ان (برجوں) میں چراغ رکھا اور روشن چاند۔[1] (الفرقان:۶۱)

اور جس طرح اللہ تعالیٰ نے آپ کا وصف نور بیان کیا اپنی ذات مقدسہ کو بھی نور قرار دیا۔ فرمایا:

اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ. (النور:۳۵) اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کا نور ہے۔

پس زمین، آسمان میں جو روشنی ہے وہ اللہ تعالیٰ ہی (کا نور) ہے اور اس کا نور قدسی وجود، حیات، جمال اور عالم کو وجود میں لاتا ہے وہی ہے جو عالم پر چمکا تو روحانی علم والوں پر چمکا اور وہ فرشتے ہیں پس روشن چراغ بن گئے ان سے نیچے والے اللہ تعالیٰ کے جود و کرم سے ان چراغوں سے فائدہ حاصل کرتے ہیں پھر یہ نور انسانی نفوس کی دنیا کی طرف سرایت کر گیا پھر نفوس نے اس کو جسموں کے کناروں پر ڈالا تو حقیقی وجود اللہ تعالیٰ کے نور ہی کا ہے جو ہر چیز میں اس کی قبولیت استعداد اور قوت قبول کے مطابق جاری ہے۔

---

[1] قاضی ابوبکر بن عربی فرماتے ہیں ہمارے علماء نے فرمایا کہ آپ ﷺ کو سراج کہنے کی وجہ یہ ہے کہ ایک سراج (چراغ) سے سینکڑوں چراغ روشن کئے جا سکتے ہیں لیکن اس کے باوجود اس کی روشنی کم نہیں ہوتی اسی طرح عبادات کے چراغ، نبی اکرم ﷺ کے چراغ سے لئے جاتے تھے لیکن آپ کے اجر میں کوئی کمی نہیں آتی۔ (زرقانی ج۶ ص ۲۳۷)

اصل میں نور ایک ایسی کیفیت کا نام ہے کہ دیکھنے والا پہلے اس کا ادراک کرتا ہے اور اس کے واسطے سے تمام چیزوں کو جن کا دیکھے جانے سے تعلق ہے' دیکھتا ہے۔ جس طرح دو چمکنے والوں یعنی سورج اور چاند کی کیفیت کا فیضان ان دونوں کے مقابل کثیف جسموں پر ہوتا ہے اس معنی کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ کی ذات پر اس کا اطلاق تقدیر مضاف کے بغیر نہیں ہو سکتا جیسے تم کہتے ہو''زید کرم'' تو اس کا معنی ہے''زید ذو کرم'' (زید کرم والا ہے) یا اس کا معنی ہے''منور السموت و الارض'' (وہ آسمانوں اور زمین کو روشن کرنے والا ہے) اللہ تعالیٰ نے ان دونوں آسمانوں اور زمین کو ستاروں اور ان سے نکلنے والے انوار نیز فرشتوں اور انبیاء کرام کے ساتھ روشن کیا جس طرح کوئی رئیس جو تدبیر میں فائق ہو تو کہا جاتا ہے ''نورالقدم'' اسی نے قوم کو روشن کر دیا کیوں کہ وہ لوگ امور میں اس سے ہدایت حاصل کرتے ہیں حضرت علی بن ابی طالب' زید بن علی اور ان کے علاوہ حضرات کی قرأت بھی اس معنی پر دلالت کرتی ہے وہ فعل ماضی کے ساتھ''نور'' پڑھتے ہیں اور لفظ''الارض'' پر نصب پڑھتے ہیں۔ یعنی''نور السموٰت والارض'' اس نے آسمانوں اور زمین کو منور کیا۔

اور اللہ تعالیٰ کا قول''مثل نورہ'' کا معنی''اس کی ہدایت کی مثال'' ہے نور کی اضافت آسمانوں اور زمین کی طرف یا تو اس لئے ہے کہ اس کی چمک بڑی وسیع ہے اور اس کی روشنی اس قدر چمکتی ہے کہ آسمان اور زمین روشن ہو گئے یا اس سے آسمان اور زمین والے مراد ہیں کہ وہ اس سے روشنی حاصل کرتے ہیں۔

حضرت مقاتل فرماتے ہیں کہ قلب مصطفیٰ ﷺ میں ایمان کی مثال ایسی ہے جیسے قندیل میں چراغ ہو پس مشکوٰۃ حضرت عبد اللہ کا سینہ (پشت کا لفظ زیادہ مناسب ہے) اور زجاجہ (فانوس) نبی اکرم ﷺ کے جسم اقدس کی نظیر' المصباح ایمان اور نبوت جو نبی اکرم ﷺ کے قلب مبارک میں ہے۔

دوسرے حضرات فرماتے ہیں مشکوٰۃ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نظیر زجاجہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی نظیر مصباح نبی اکرم ﷺ کے جسم اقدس اور شجرۃ سے نبوت و رسالت مراد ہے۔

حضرت ابو سعید خراز فرماتے ہیں مشکوٰۃ سے نبی اکرم ﷺ کا بطن اقدس اور زجاجہ سے آپ کا قلب مبارک مراد ہے اور مصباح وہ نور ہے جسے اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ کے قلب مبارک میں رکھا حضرت کعب اور ابن جبیر فرماتے ہیں دوسرے نور سے یہاں نبی اکرم ﷺ مراد ہیں۔ (الاعلام ج ۱ ص ۱۹۱' شذرات الذہب ج ۲ ص ۱۹۲)

حضرت سہیل بن عبد اللہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کا نور اقدس جو پشتوں میں بطور امانت رکھا گیا وہ مشکوٰۃ کی طرح ہے۔ جس کی صفات وہ ہیں جو بیان ہوئیں اور مصباح سے آپ کا دل اور زجاجہ سے آپ کا سینۂ مبارکہ مراد ہے گویا وہ ایک چمکتا ستارہ ہے۔ جس میں ایمان و حکمت ہے وہ ایک مبارک درخت سے روشن ہوتا ہے اس سے نور ابراہیم علیہ السلام مراد ہے اور شجرہ مبارکہ سے مثال دی گئی ہے۔

ارشاد خداوندی ہے:

يَكَادُ زَيْتُهَا يُضِيْٓءُ (النور: ۳۵) قریب ہے کہ اس کا تیل بھڑک اٹھے۔

یعنی قریب ہے کہ حضرت محمد ﷺ کی نبوت آپ کے کلام سے پہلے لوگوں کے لئے ظاہر ہو جائے۔

یہ آخری قول قاضی ابو الفضل الیحصبی اور امام فخر الدین نے بیان کیا لیکن امام رازی نے اسے حضرت کعب احبار سے

نقل کیا (حضرت سہل بن عبداللہ سے نہیں)۔

حضرت ضحاک رضی اللہ عنہ سے یوں منقول ہے کہ قریب ہے حضرت محمد ﷺ وحی سے پہلے حکمت بھری گفتگو فرمائیں یہ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے فرمائی ہے۔

شاعر نے کہا:

لو لم تکن فیہ آیات مبینۃ کانت بدیھتہ تنبیک بالخبر

''اگر آپ میں روشن نشانیاں نہ بھی ہوں تو بھی آپ کا ظاہر تمہیں خبر دے دیتا''۔

لیکن پہلی تفسیر مختار ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ سے پہلے فرمایا:

وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَیْکُمْ اٰیٰتٍ مُّبَیِّنٰتٍ. اور بے شک ہم نے تمہاری طرف روشن آیات نازل فرمائیں۔ (النور:۳۴)

پس جب ''مثل نورہ'' سے ''مثل ھداہ'' (آپ کی ہدایت کی مثال) مراد ہوگی تو یہ پہلی آیت کے موافق ہوگی۔

اس تشبیہ میں اختلاف ہے۔ یا یہ جملہ کی جملہ سے تشبیہ ہے جزء کی جزء سے تشبیہ یا ایک چیز کا دوسری چیز سے مقابلہ مقصود نہیں یا اس کا قصد کیا گیا ہے۔

یعنی اللہ تعالیٰ کا نور جو ہدایت ہے نیز ہر مخلوق میں اس کی مضبوط صفت اور روشن براہین کی مثال۔ یہ سب اس نور کی طرح ہے جسے تم اس صفت پر پاتے ہو جو صفت اس نور کی سب سے زیادہ بلیغ ہے جو لوگوں کے سامنے ہے یعنی واضح ہونے میں اللہ تعالیٰ کے نور کی مثال اس کی طرح ہے جو تمہارا منتھیٰ ہے اے انسانو!

کہا گیا ہے کہ یہ تشبیہ مفصل ہے جزء جزء کے مقابل ہے جو ان تین اقوال پر لوٹائی گئی۔

یعنی حضرت محمد ﷺ کے سلسلے میں اس کے نور کی مثال یا مؤمنوں کے بارے میں یا قرآن اور ایمان کے بارے میں (اس کے نور کی مثال) مشکوٰۃ کی طرح ہے پس مشکوٰۃ سے رسول اکرم ﷺ یا آپ کا سینہ مراد ہے اور چراغ سے نبوت اور آپ کا وہ علم اور ہدایت مراد ہے جو اس نبوت سے متصل ہے اور زجاجہ سے آپ کا قلب اقدس مراد ہے، شجرہ مبارکہ سے وحی اور وہ فرشتے مراد ہیں جو آپ کی طرف بھیجے گئے اور اس کے ساتھ فضیلت کو زیتون کے تیل سے تشبیہ دی اور وہ حجتیں، دلائل اور آیات ہیں جن پر وحی مشتمل ہے اور اگر مؤمنین مراد ہوں تو مشکوٰۃ سے مؤمن کا سینہ مصباح سے ایمان اور علم، زجاجہ سے اس کا دل اور شجرہ مبارکہ سے قرآن مجید مراد ہے اور زیتون سے وہ دلائل اور حکمت مراد ہے جو اس قرآن مجید میں پائی جاتی ہے۔

اور اگر اس سے ایمان اور قرآن مجید مراد ہو تو مطلب یہ ہوگا کہ مؤمن کے سینے اور دل میں ایمان اور قرآن مشکوٰۃ کی طرح ہے۔

اور مؤمنین مراد لینے کی صورت میں حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی قرأت جو بعض تفاسیر میں مذکور ہے ضمیر کے بارے میں اشکال ہے کیونکہ وہ مفرد ہے (اور مؤمنین جمع کا صیغہ ہے)۔

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ یہ ضمیر مؤمنین کی طرف لوٹتی ہے اور ان کی قرأت میں ''مثل نور المومنین'' ہے اور ان سے ایک روایت یوں ہے کہ اس کے نور کی مثال جو آپ پر ایمان لایا۔ حضرت حسن رحمہ اللہ سے

مروی ہے کہ یہ ضمیر قرآن مجید اور ایمان کی طرف لوٹتی ہے۔

ساتویں نوع

وہ آیات جو نبی اکرم ﷺ کی اطاعت اور آپ کی سنت کی اتباع پر مشتمل ہیں

ارشادِ خداوندی ہے:

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ (الانفال:۲۰) اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کا حکم مانو۔

اور ارشاد فرمایا:

وَاَطِیْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ○ (آل عمران:۱۳۲) اور اللہ تعالیٰ اور (اس کے) رسول ﷺ کا حکم مانو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔

نیز ارشاد فرمایا:

قُلْ اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْكٰفِرِیْنَ○ (آل عمران:۳۲) آپ فرما دیجئے اللہ تعالیٰ اور (اس کے) رسول ﷺ کا حکم مانو پس اگر تم پھر جاؤ تو بے شک اللہ تعالیٰ کافروں کو پسند نہیں کرتا۔

حضرت قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے اپنی اطاعت کو اپنے رسول ﷺ کی فرمانبرداری قرار دیا اور اپنی اطاعت کو حضور علیہ السلام کی اطاعت کے ساتھ ملایا اور اس پر بہت بڑے ثواب کا وعدہ فرمایا اور اس کی مخالفت پر سخت عذاب سے ڈرایا۔

ارشاد خداوندی ہے:

مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ (النساء:۸۰) جس نے رسول ﷺ کی اطاعت کی تحقیق اس نے اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کی۔

یعنی جس نے رسول ﷺ کا حکم مانا' کیونکہ آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اس کے احکام مخلوق تک پہنچاتے ہیں پس وہ شخص درحقیقت اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہی کرتا ہے اور یہ بات اللہ تعالیٰ کی توفیق کے بغیر حاصل نہیں ہوتی۔ ارشاد خداوندی ہے:

وَمَنْ تَوَلّٰى فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَیْهِمْ حَفِیْظًا○ (النساء:۸۰) اور جو پھر جائے تو ہم نے آپ کو ان پر حفاظت کرنے والا (بنا کر) نہیں بھیجا۔

پس جس شخص کو اللہ تعالیٰ راہ حق سے اندھا کر دے اور راستے سے بھٹکا دے تو مخلوق میں سے کوئی بھی اس کو ہدایت دینے پر قادر نہیں۔

اور یہ آیت اس بات پر مضبوط ترین دلیل ہے کہ رسول ﷺ تمام اوامر و نواہی میں اور جو کچھ آپ اللہ تعالیٰ کی طرف سے پہنچا رہے ہیں' سب میں خطاء سے معصوم ہیں کیونکہ اگر ان باتوں میں سے کسی میں آپ سے خطا ہو جائے تو آپ کی اطاعت' اللہ تعالیٰ کی اطاعت نہیں ہوگی۔

نیز یہ بات بھی لازم ہے کہ آپ اپنے تمام افعال (اور احوال) میں معصوم ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے "واتبعوہ" فرما کر آپ کی اتباع کا حکم دیا اور اتباع کسی دوسرے کے فعل جیسا عمل کرنے کا نام ہے پس ثابت ہوا کہ نبی اکرم ﷺ کے تمام اقوال و افعال میں سر تسلیم خم کرنا ضروری ہے۔ البتہ جو اعمال آپ کے ساتھ مخصوص ہیں (ان کا حکم الگ ہے) تو یہ اطاعت اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اس کے حکم کے سامنے جھکنا ہے۔

اور ارشاد خداوندی ہے:

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ. (النساء:٦٩)

اور جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کا حکم مانتے ہیں وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام کیا یعنی انبیاء کرام' صدیقین' شہداء اور صالحین۔

اور یہ حکم تمام اطاعت گزار لوگوں کو شامل ہے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہوں یا آپ کے بعد کے لوگ' اور یہ معیت بھی عام ہے اس دنیا میں بھی سب کو شامل ہیں اگرچہ بدنی معیت نہ ہو۔[1]

اس آیت کے شان نزول میں مفسرین نے ذکر کیا کہ نبی اکرم ﷺ کے غلام حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ آپ سے بہت زیادہ محبت کرتے تھے اور آپ کی جدائی برداشت نہیں کر سکتے تھے ایک دن حاضر ہوئے تو چہرے کا رنگ بدلا ہوا تھا اور جسم میں بیماری معلوم ہو رہی تھی نیز چہرے پر غم کے آثار تھے نبی اکرم ﷺ نے ان کی حالت کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! مجھے کوئی تکلیف نہیں لیکن آپ کی زیارت نہ کرنے کی وجہ سے مجھے سخت مشقت اور وحشت کا سامنا کرنا پڑا حتیٰ کہ آپ سے ملاقات ہوگئی تو مجھے آخرت کی یاد آگئی کہ وہاں میں آپ کو نہیں دیکھ سکوں گا کیونکہ جب میں جنت میں داخل ہوں گا تو آپ نبیوں کے درجات میں ہوں گے اور اگر میں جنت میں نہ گیا تو آپ کو کبھی نہیں دیکھ سکوں گا اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

ابن ابی حاتم نے حضرت ابوالضحیٰ سے اور انہوں نے حضرت مسروق رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ صحابہ کرام نے نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں عرض کیا یا رسول اللہ! ہمیں آپ سے جدا ہونا مناسب نہیں اور اگر آپ کا وصال ہو گیا تو آپ کو ہم سے بلند مرتبہ مل جائے گا اور ہم آپ کی زیارت نہیں کر سکیں گے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ سے مرسلاً مروی ہے فرماتے ہیں ایک نوجوان بارگاہ نبوی میں حاضر ہوا اور اس نے عرض کیا یا رسول اللہ! دنیا میں ہم آپ کی زیارت کر لیتے ہیں اور جنت میں آپ کو دیکھ نہیں سکیں گے کیونکہ جنت میں آپ بلند درجات میں ہوں گے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اس پر نبی اکرم ﷺ نے اس سے فرمایا:

انت معی فی الجنة. تم جنت میں میرے ساتھ ہو گے۔

---

[1] مطلب یہ ہے کہ جن لوگوں کو جسمانی طور پر ان انعام یافتہ لوگوں کی معیت حاصل نہیں ہوتی اور انہوں نے وہ زمانہ نہ پایا ان کو ان کی روحانی معیت اور فیض حاصل ہوتا ہے۔ ۱۲ ہزاروی

(الدر المنثور ج ۲ ص ۱۷۱'۳ تاریخ دمشق ج ۶ ص ۲۰۳ العلل المتناہیہ ج ۱ ص ۲۱۵)

اس سلسلے میں کچھ دیگر روایات بھی ہیں جو ان شاء اللہ آپ کی محبت کے بیان میں آئیں گی۔

لیکن محققین نے فرمایا کہ ان روایات کی صحت کا انکار نہیں کیا جا سکتا البتہ واجب ہے کہ اس آیت کے نزول کا سبب اس سے بھی کوئی بڑی بات ہو اور وہ اطاعت پر ابھارنا اور اس کی ترغیب ہے ہم جانتے ہیں کہ خصوصی سبب لفظ کے عموم میں خرابی پیدا نہیں کرتا پس یہ آیت تمام مکلفین کے حق میں عام ہے یعنی جو شخص اللہ تعالیٰ کا حکم مانے اور اس کے رسول ﷺ کی فرمانبرداری کرے اس نے بلند درجات اور باعث شرف مراتب کو بارگاہ خداوندی سے حاصل کر لیا۔

پھر اللہ تعالیٰ کے ارشاد گرامی ''ومن یطع اللہ والرسول'' کا ظاہر یہ ہے کہ ایک مرتبہ حکم مان لینا کافی ہے کیونکہ وہ لفظ جو صفت پر دلالت کرتا ہے جانب ثبوت میں اس مسمّٰی کے ایک مرتبہ حصول کے لئے کافی ہوتا ہے لیکن ضروری ہے کہ اسے ظاہر کے غیر پر محمول کیا جائے اور تمام مامورات کی بجا آوری اور تمام منہیات سے رکنا ہی اطاعت قرار پائے کیونکہ اگر ہم اسے ایک بار اطاعت پر محمول کریں تو اس میں فاسق اور کفار بھی داخل ہو جائیں گے کیونکہ بعض اوقات وہ ایک آدھ بار اطاعت کر ہی لیتے ہیں۔

امام رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اصول فقہ میں ثابت ہے کہ جو حکم صفت کے بعد مذکور ہوتا ہے وہ اس بات کی خبر دیتا ہے کہ وہ حکم اس صفت سے معلل ہے اور جب یہ بات ثابت ہو گئی تو ہم کہتے ہیں ''من یطع اللہ'' جو شخص اللہ تعالیٰ کی اطاعت اس کے معبود ہونے کی وجہ سے کرے اور معبود ہونے کے باعث اطاعت اس کی جلالت' عزت' کبریائی اور حمدیت کی معرفت ہے تو یہ اس معاد (آخرت) کے احوال میں سے دو عظیم باتوں پر تنبیہ ہو گی۔

پہلی بات یہ کہ قیامت کے دن تمام سعادتوں کا منشا اللہ تعالیٰ کی معرفت کے انوار سے روح کا روشن ہونا اور چمکنا ہے پس جس کے دل میں یہ انوار زیادہ ہوں گے اور دل کی صفائی زیادہ ہو گی وہ سعادت کے زیادہ قریب ہو گا اور نجات کے ذریعے کامیابی تک اس کی رسائی زیادہ ہو گی۔

دوسری بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پہلی آیت میں ذکر فرمایا اور وعدہ کیا کہ اطاعت گزار لوگوں کے لئے بہت بڑا اجر اور بہت زیادہ ثواب ہے۔ پھر اس آیت میں ان کے ساتھ وعدہ کا ذکر کیا کہ وہ انبیاء کرام' صدیقین' شہداء اور صالحین کے ساتھ ہوں گے۔

اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرنے والوں کے انبیاء کرام اور صدیقین کے ساتھ ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ ایک ہی درجہ میں ہوں گے کیونکہ اس طرح فاضل اور مفضول کے درجہ میں برابری لازم آتی ہے اور یہ جائز نہیں پس مراد یہ ہے کہ وہ بھی جنت میں ہوں گے اور یہ بھی' لیکن اس طرح کہ ایک دوسرے کو دیکھ سکیں گے اگرچہ مکان کے اعتبار سے دور ہوں کیونکہ جب پردہ زائل ہو جائے گا تو وہ ایک دوسرے کو دیکھیں گے اور جب دیکھنے اور ملاقات کا ارادہ کریں گے تو اس پر قادر ہوں گے اس معیت سے یہی مراد ہے اور نبی اکرم ﷺ سے صحیح حدیث میں ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا:

اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ. آدمی اس کے ساتھ ہوتا ہے جس سے محبت کرتا ہے۔

آپ سے یہ بھی ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا:

ان بالمدینة اقواما ما سرتم مسیرا ولا نزلتم منزلا الا وھم معکم حبسھم العذر.

مدینہ طیبہ میں کچھ ایسے لوگ ہیں کہ تم کسی راستے پر نہیں چلتے اور کسی منزل پر نہیں اترتے مگر وہ تمہارے ساتھ ہوتے ہیں ان کو عذر نے روک رکھا ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۵۰سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۷۶۴-۲۷۶۵)

پس حقیقی معیت اور حقیقی محبت دل اور روح کے ساتھ ہوتی ہے محض بدن کے ساتھ نہیں پس یہ دل کے ساتھ ہوتی ہے' جسم کے ساتھ نہیں اسی لئے نجاشی بادشاہ نبی اکرم ﷺ کے ساتھ اور آپ کے سب سے زیادہ قریب تھا حالانکہ وہ سرزمین حبشہ میں نصاریٰ کے درمیان تھا اور عبداللہ بن ابی آپ سے سب سے زیادہ دور تھا حالانکہ وہ آپ کے ساتھ مسجد میں تھا۔ یہ اس لئے ہے کہ بندہ جب دل سے کسی کام کا ارادہ کرتا ہے وہ اطاعت ہو یا نافرمانی یا کوئی شخص ہو تو وہ اپنے ارادے اور محبت کی وجہ سے اس کے ساتھ ہوتا ہے اس سے جدا نہیں ہوتا پس ارواح' رسول اکرم ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام کے ساتھ ہوتی ہیں اور ان ارواح کے اور ان کے درمیان مکان کے اعتبار سے بہت زیادہ مسافت ہوتی ہے۔

ارشاد خداوندی ہے:

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ. (آل عمران: ۳۱)

آپ فرما دیجئے اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہو تو میری اتباع کرو اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے لئے تمہارے گناہ بخش دے گا۔

اس آیت مبارکہ کو آیت محبت کہتے ہیں بعض بزرگوں نے فرمایا ایک قوم نے اللہ تعالیٰ سے محبت کا دعویٰ کیا تو اللہ تعالیٰ نے آیت محبت (مذکورہ بالا آیت) نازل فرمائی (کہ اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہو تو میری اتباع کرو) اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی: یحببکم اللہ. (آل عمران: ۳۱) اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرے گا۔

یہ محبت کی دلیل' فائدے اور نتیجے کی طرف اشارہ ہے پس اس محبت کی دلیل رسول اکرم ﷺ کی اتباع ہے اور اس کا فائدہ اور نتیجہ یہ ہے کہ رسول اکرم ﷺ کو تمہاری طرف بھیجنے والا تم سے محبت کرے گا پس جب تک اتباع نہیں ہوگی تمہیں محبت حاصل نہیں ہوگی اور اس کی محبت تم سے نفی میں رہے گی پس اللہ تعالیٰ نے رسول اکرم ﷺ کی اتباع کو ان کی اللہ تعالیٰ سے محبت کے ساتھ مشروط اور اللہ تعالیٰ کی ان سے محبت کے لئے شرط قرار دیا اور جب تک شرط نہ پائی جائے مشروط کا وجود نہیں پایا جاتا پس معلوم ہوا کہ متابعت کی نفی لازم آئے گی پس ان کی اللہ تعالیٰ سے محبت کا نہ ہونا رسول اکرم ﷺ کی متابعت کی نفی کو لازم ہے اور متابعت کی نفی اللہ تعالیٰ کی ان سے محبت کے لئے ملزوم ہے پس اس صورت میں اتباع رسول ﷺ کے بغیر ان کا اللہ تعالیٰ سے محبت کرنا اور اللہ تعالیٰ کی ان سے محبت محال ہوگی پس یہ اس بات پر دلالت ہے کہ رسول اکرم ﷺ کی اتباع ہی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی محبت اور ان کی فرمانبرداری ہے اور بندگی میں یہ بات کافی نہیں ہے جب تک اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ان دونوں کے غیر سے زیادہ محبوب نہ ہوں لہٰذا اللہ اور اس کے رسول سے زیادہ محبوب کوئی چیز نہیں ہو سکتی اور جب ان سے بڑھ کر کسی سے محبت ہوگی تو یہی شرک ہے جس کی بخشش نہیں ہوگی اور ایسے شخص کو اللہ تعالیٰ ہدایت نہیں دیتا ہے۔

ارشاد خداوندی ہے:

قُلْ إِنْ كَانَ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ وَإِخْوَانُكُمْ وَأَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيرَتُكُمْ وَأَمْوَالٌ اقْتَرَفْتُمُوهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسَاكِنُ تَرْضَوْنَهَا أَحَبَّ إِلَيْكُمْ مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَجِهَادٍ فِي سَبِيلِهِ فَتَرَبَّصُوا حَتَّى يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرِهِ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ ○ (التوبہ:۲۴)

آپ فرما دیجئے اگر تمہارے باپ دادا' تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیویاں اور تمہارا خاندان اور تمہارا مال جسے تم جمع کرتے ہو اور تجارت جس کے نقصان کا تمہیں ڈر ہے اور وہ مکانات جن کو تم پسند کرتے ہو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اور اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد سے زیادہ پسند ہیں تو انتظار کرو حتیٰ کہ اس کا حکم آ جائے اور اللہ تعالیٰ فاسق لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔

پس جو شخص ان مذکورہ بالا لوگوں میں سے کسی کی فرمانبرداری کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت سے مقدم کرے یا ان میں سے کسی کی بات کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے قول پر یا ان میں سے کسی کی مرضی کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی رضا پر یا ان میں سے کسی کے خوف یا ان پر بھروسہ کو اللہ تعالیٰ کے خوف اور اس پر توکل سے مقدم کرے یا ان میں سے کسی کے ساتھ معاملہ کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے معاملے پر ترجیح دے تو وہ ان لوگوں میں سے ہے جن کے نزدیک اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ان کے غیر سے زیادہ محبوب نہیں ہیں اور اگر وہ زبان سے دعویٰ کرتا ہے تو جھوٹ بولتا ہے اور ایسی بات کی خبر دیتا ہے جس کا کوئی وجود نہیں۔

(ابن قیم کی کتاب) "مدارج السالکین سے" خلاصہ پیش کیا گیا مزید تفصیل ان شاء اللہ محبت کے بیان میں آئے گی۔

ارشادِ خداوندی ہے:

فَآمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ النَّبِيِّ الْأُمِّيِّ الَّذِي يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَكَلِمَاتِهِ وَاتَّبِعُوهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ○ (الاعراف:۱۵۸)

پس اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لاؤ جو امی نبی ہیں وہ جو اللہ تعالیٰ اور اس کے کلمات پر ایمان رکھتے ہیں اور ان کی اتباع کرو تاکہ تم ہدایت پاؤ۔

یعنی سیدھے راستے کی ہدایت پاؤ تو اللہ تعالیٰ نے ہدایت حاصل کرنے کی امید کو دو باتوں کا نتیجہ قرار دیا ایک رسول ﷺ پر ایمان اور دوسری بات آپ کی اتباع یہ اس بات پر تنبیہ ہے کہ جو شخص آپ کی تصدیق کرے لیکن آپ کی شریعت کو اختیار کر کے آپ کی اتباع نہ کرے وہ گمراہی میں ہے پس جو کچھ رسول اللہ ﷺ لائے ہیں ہم پر اس کی اتباع لازم ہے البتہ جو بات دلیل سے آپ کے ساتھ خاص ہو (وہ مستثنیٰ ہے)۔

ارشادِ خداوندی ہے:

فَآمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَالنُّورِ الَّذِي أَنْزَلْنَا (التغابن:۸)

پس اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر اور اس نور پر ایمان لاؤ جو ہم نے اتارا۔

اس نور سے قرآن مجید مراد ہے پس نبی اکرم ﷺ پر ایمان لانا ہر شخص پر لازم و واجب ہے آپ کے بغیر ایمان مکمل نہیں ہوتا اور اس کے بغیر اسلام بھی صحیح قرار نہیں پاتا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَمَنْ لَّمْ يُؤْمِنْ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ فَاِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ سَعِيْرًا ○ (الفتح:۱۳)

اور جو شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان نہ لائے تو ہم نے کافروں کے لئے بھڑکتی ہوئی آگ تیار کی ہے۔

یعنی جو شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان نہیں لاتا وہ کافروں میں سے ہے اور بے شک ہم نے کافروں کے لئے بھڑکتی ہوئی آگ تیار کی ہے اور ارشاد خداوندی ہے:

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ. (النساء:۶۵)

آپ کے رب کی قسم یہ لوگ ہرگز مؤمن نہیں ہو سکتے حتیٰ کہ اپنے باہمی جھگڑوں میں آپ کو حاکم تسلیم کریں۔

یعنی آپ کے رب کی قسم ہے جیسا کہ فرمایا:

فَوَرَبِّكَ لَنَسْئَلَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ○ (الحجر:۹۲)

پس آپ کے رب کی قسم ہم ان سب سے ضرور بضرور پوچھیں گے۔

''لا'' معنی قسم کی تاکید کے لئے زائد ہے جیسے ''لئلا یعلم'' میں ''لا'' زائدہ ہے اور ''لا یومنون'' جواب قسم ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی کریم ذات کی قسم کھائی کہ کوئی شخص اس وقت تک مؤمن نہیں ہو سکتا جب تک اپنے تمام کاموں میں رسول ﷺ کو اپنا حاکم تسلیم نہ کرے اور آپ کے تمام فیصلوں پر راضی نہ ہو اور ظاہری و باطنی طور پر سر تسلیم خم نہ کرے چاہے وہ حکم ان لوگوں کی خواہش کے موافق ہو یا مخالف جیسا کہ حدیث شریف میں ہے:

والذی نفسی بیدہ لا یومن احدکم حتی یکون ھواہ تبعا لما جئت بہ.

اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے تم میں سے کوئی ایک اس وقت تک مؤمن نہیں ہو سکتا جب تک وہ اپنی خواہش اس دین کے تابع نہ کر دے جسے میں لایا ہوں۔

یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ جو شخص رسول اکرم ﷺ کے فیصلہ پر راضی نہ ہو وہ مؤمن نہیں ہو سکتا اور اس بات پر بھی دلالت ہے کہ آپ کے فیصلے پر دل سے راضی ہونا بھی ضروری ہے یعنی دل میں پختہ یقین ہو کہ نبی اکرم ﷺ نے جو فیصلہ فرمایا وہ حق اور سچ ہے پس ظاہری اور باطنی دونوں طریقوں سے جھکنا ضروری ہے مزید بیان انشاء اللہ محبت رسول ﷺ کے مقصد میں آئے گا۔

پھر آیت کا ظاہر اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ قیاس کے ذریعے نص میں تخصیص نہیں ہو سکتی کیونکہ آیت آپ کے قول اور حکم کی اتباع کو واجب قرار دے رہی ہے اور اس سے دوسری طرف پھرنا صحیح نہیں۔

اور ارشادِ خداوندی ہے:

ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ. (النساء:۶۵)

پھر وہ آپ کے فیصلے سے اپنے دلوں میں کوئی حرج محسوس نہ کریں۔

اس آیت نے اس بات کی خبر دی کہ دل سے تسلیم کرنا ضروری ہے کیونکہ جب دل میں قیاس آ جائے جو اس نص کے مدلول کی ضد کا تقاضا کرے تو نفس سے حرج پیدا ہو گیا پس اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا' ایمان کی تکمیل تب ہوگی جب اس حرج کی طرف توجہ نہ ہو اور نص قرآنی کو کامل طور پر تسلیم کرے۔ یہ بات امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ نے فرمائی ہے۔

دوسرے حضرات نے قیاس کے ساتھ کتاب وسنت کی تخصیص کو جائز قرار دیا ہے علامہ تاج الدین بن سبکی رحمہ اللہ نے ''جمع الجوامع'' میں اسے وضاحت سے بیان کیا ہے۔

آٹھویں نوع

بارگاہ نبوی کے آداب

رسول اکرم ﷺ سے آگے نہ بڑھنا

ارشاد خداوندی ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ. (الحجرات:١)

اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ سے آگے نہ بڑھو۔

آداب نبوی میں سے ہے کہ کسی امر' نہی' اذن اور تصرف میں نبی اکرم ﷺ سے آگے نہ بڑھے حتیٰ کہ آپ حکم دیں' منع کریں اور اجازت دیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اسی بات کا حکم دیا اور یہ حکم قیامت تک باقی ہے منسوخ نہیں ہوا پس آپ کے وصال کے بعد آپ کی سنت سے آگے بڑھنا اسی طرح ہے جیسے آپ کی زندگی میں آپ سے آگے بڑھنا اور ہر عقلمند جانتا ہے کہ دونوں صورتوں میں کوئی فرق نہیں۔

حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ سے کسی بات میں سبقت نہ کرو حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نبی اکرم ﷺ کی زبان مبارک پر کوئی فیصلہ جاری کردے۔

حضرت ضحاک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ کو چھوڑ کر کسی بات کا فیصلہ نہ کرو۔

دوسرے حضرات فرماتے ہیں کسی بات پر عمل نہ کرو جب تک آپ حکم نہ دیں اور جب تک آپ منع نہ فرمائیں کسی کام سے نہ رکو۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی طرف دیکھئے آپ نے نبی اکرم ﷺ کے ساتھ نماز میں ادب کا کیسے خیال رکھا کہ جب آپ آگے کھڑے تھے تو حضور علیہ السلام کی تشریف آوری پر کس طرح پیچھے ہٹ گئے اور فرمایا ابوقحافہ کے بیٹے کے لئے جائز نہیں کہ رسول اکرم ﷺ سے آگے بڑھے تو نبی اکرم ﷺ نے کس طرح ان کو ان کا مقام اور اپنے بعد امامت کا حق دیا پس یہ پیچھے ہٹنا حالانکہ نبی اکرم ﷺ نے ان کو اپنی جگہ ٹھہرنے کا اشارہ فرمایا تھا تو پیچھے ہٹنے والے ہر قدم کے ذریعے ایسے مقام کی طرف بڑھ رہے تھے جس کے لئے سواریوں کی گردنیں کٹ جاتی ہیں۔

نبی اکرم ﷺ کے پاس آواز بلند نہ کرنا

نبی اکرم ﷺ کے ساتھ آداب میں سے ایک بات یہ بھی ہے کہ آپ کی آواز سے آواز بلند نہ کی جائے جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے:

يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ. (الحجرات:۲)

اے ایمان والو! اپنی آوازوں کو نبی اکرم ﷺ کی آواز سے بلند نہ کرو اور نہ آپ کو بلند آواز سے پکارو جس طرح ایک دوسرے کو پکارتے ہو۔

حضرت امام رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ مؤمن آپ کے پاس اس طرح گفتگو نہ کرے جس طرح غلام اپنے آقا کے سامنے گفتگو کرتا ہے کیونکہ غلام اللہ تعالیٰ کے قول "**کجهر بعضکم لبعض**" میں داخل ہے کیونکہ یہ عموم کے لئے ہے پس مناسب نہیں کہ مؤمن اپنی اکرم ﷺ کو اس طرح بلند آواز سے پکارے جس طرح غلام اپنے آقا کو بلند آواز سے پکارتا ورنہ وہ (غلام) اپنے آقا کو اس طرح بلند آواز سے پکارتا ہے۔ جس طرح تم ایک دوسرے کے لئے آواز بلند کرتے ہو۔

وہ فرماتے ہیں ہماری اس بات کی تائید اللہ تعالیٰ کے اس قول سے ہوتی ہے:

اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ. (الاحزاب:۶)

نبی ﷺ مؤمنوں سے ان کی جانوں کی نسبت زیادہ قریب ہیں۔

جب کہ آقا اپنے غلام کے اس کی جان سے زیادہ قریب نہیں ہے حتیٰ کہ اگر وہ دونوں سخت بھوک کا شکار ہوں اور غلام کو ایسی چیز مل جائے کہ اگر اسے نہ کھائے تو مر جائے تو آقا کو دینا اس پر لازم نہیں جب کہ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں پیش کرنا لازم ہے اور اگر غلام کو معلوم ہو کہ اس کی موت سے اس کا آقا نجات پالے گا تو اس پر لازم نہیں کہ آقا کو بچانے کے لئے اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالے لیکن حضور علیہ السلام کے لئے ایسا کرنا (امتی پر) واجب ہے۔ جس طرح عضو رئیس دوسرے اعضاء کے مقابلے میں رعایت کے زیادہ لائق ہے کیونکہ دل میں خلل کی صورت میں ہاتھ اور پاؤں کے لئے استقامت نہیں رہتی۔

اور اگر انسان اپنے نفس کی حفاظت کرے اور نبی اکرم ﷺ کو چھوڑ دے تو وہ خود بھی ہلاک ہو جائے جب کہ غلام اور آقا کا یہ معاملہ نہیں ہے۔

جان لو کہ آواز بلند کرنے اور زور زور سے پکارنے میں توہین ہے جو کفر تک پہنچاتی ہے اور اس سے اعمال ضائع ہو جاتے ہیں اور یہ اس وقت ہے جب توہین کرنے کا ارادہ ہو اور اس بات کی کوئی پرواہ نہ کی جائے۔

ایک روایت میں ہے جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا میں آپ سے اس طرح گفتگو کروں گا جس طرح کسی سے سرگوشی کی جاتی ہے اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ آپ سے گفتگو کرتے تو سرگوشی کرنے والے کی طرح کرتے اس آیت کے نزول کے بعد نبی اکرم ﷺ ان کی گفتگو نہ سنتے حتیٰ کہ آپ ان سے

استفسار فرماتے۔ ۱

ایک روایت میں ہے کہ امیر المؤمنین ابوجعفر منصور (عباسی خلیفہ) نے حضرت امام مالک رحمہ اللہ سے مسجد نبوی شریف میں مناظرہ کیا تو حضرت امام مالک رحمہ اللہ نے اس سے فرمایا اے امیر المؤمنین! اس مسجد شریف میں آواز بلند نہ کر اللہ تعالیٰ نے ایک قوم کو ادب سکھاتے ہوئے فرمایا:

لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ. (الحجرات:۲)

اپنی آواز کو نبی اکرم ﷺ کی آواز سے بلند نہ کرو۔

اور ایک دوسری جماعت کی تعریف میں فرمایا:

اِنَّ الَّذِيْنَ يَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰى. (الحجرات:۳)

بے شک وہ جو اپنی آوازیں پست کرتے ہیں رسول اللہ کے پاس وہ ہیں جن کا دل اللہ نے پرہیزگاری کے لئے پرکھ لیا ہے۔

اور ایک قوم کی مذمت میں فرمایا:

اِنَّ الَّذِيْنَ يُنَادُوْنَكَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ۝ (الحجرات:۴)

بے شک وہ لوگ جو آپ کو حجرات کے پیچھے سے پکارتے ہیں ان میں سے اکثر عقل نہیں رکھتے۔

اور نبی اکرم کے وصال کے بعد بھی آپ کا احترام اسی طرح ہے جس طرح آپ کی ظاہری زندگی میں تھا تو ابوجعفر منصور نے اس بات کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا۔

جب نبی اکرم ﷺ کی آواز پر اپنی آواز کو بلند کرنا اعمال کے ضائع ہونے کا سبب ہے تو اپنی آراء اور افکار کے نتائج کو آپ کی سنت اور آپ کے لائے ہوئے دین پر ترجیح دینے کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟

آپ کو پکارنے کا خاص طریقہ

رسول اکرم ﷺ کے آداب میں سے یہ بھی ہے کہ آپ کو اس طرح نہ پکارا جائے جس طرح ہم ایک دوسرے کو پکارتے ہیں ارشاد خداوندی ہے:

لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا. (النور:۶۳)

رسول کے پکارنے کو آپس میں ایسا نہ ٹھہرالو جیسا تم ایک دوسرے کو پکارتے ہو۔

اس میں مفسرین کے دو قول ہیں۔

ایک قول یہ ہے کہ آپ کو آپ کے اسم گرامی کے ساتھ نہ پکارو جس طرح ایک دوسرے کو (نام لے کر) پکارتے ہو بلکہ "یا رسول اللہ" اور "یا نبی اللہ" کہو اور اس میں نہایت تواضع پائی جاتی ہے۔ اس صورت میں مصدر، مفعول کی طرف

۱ صحیح بخاری میں ہے قریب تھا کہ دو بہترین انسان حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما ہلاک ہو جاتے نبی اکرم ﷺ کے پاس ان کی آواز بلند ہوئی جب بنو تمیم کے سوار آپ کے پاس حاضر ہوئے تو اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ یا ایھا الذین امنوا لا ترفعوا اصواتکم الایہ (صحیح بخاری)

مضاف ہوگا یعنی "دعاء کم الرسول" (لفظ دعاء مصدر اور لفظ الرسول مفعول ہے)۔

دوسرا قول یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ جب تمہیں پکاریں تو اسے ایک دوسرے کو پکارنے کی طرح نہ سمجھو کہ اگر چاہے تو جواب دے اور چاہے تو چھوڑ دے بلکہ نبی اکرم ﷺ جب تمہیں پکاریں تو تمہارے لئے قبول کرنا (جواب دینا) ضروری ہے اور تمہارے لئے اس سے منہ پھیرنے کی گنجائش نہیں کیونکہ آپ کے بلانے پر فوراً لبیک کہنا واجب ہے اور آپ کے حکم کے بغیر واپسی حرام ہے۔ اس بنیاد پر مصدر فاعل کی طرف مضاف ہوگا "یعنی دعاءہ ایاکم" (دعاء مضاف اور ضمیر غائب فاعل)۔

چوتھے مقصد میں نبی اکرم ﷺ کے خصائص میں یہ بات گزر چکی ہے کہ امام شافعی رحمہ اللہ کے مذہب میں نبی اکرم ﷺ کے بلانے پر حاضر ہونے کی صورت میں نماز باطل نہیں ہوتی۔ [1]

نبی اکرم ﷺ سے اجازت طلب کرنا

نبی اکرم ﷺ کی بارگاہ اقدس کے آداب میں سے یہ بھی ہے کہ جب آپ کے ساتھ کسی معاملے مثلاً خطبہ، جہاد، سرحدوں کی حفاظت وغیرہ میں اکٹھے ہوں تو کوئی شخص آپ سے اجازت لئے بغیر کسی کام کے لئے نہیں جا سکتا جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے:

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَاِذَا كَانُوْا مَعَهٗ عَلٰۤى اَمْرٍ جَامِعٍ لَّمْ یَذْهَبُوْا حَتّٰى یَسْتَاْذِنُوْهُ۔ (النور:۶۲)

ایمان والے تو وہی ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر یقین لائے اور جب رسول کے پاس کسی ایسے کام میں حاضر ہوئے ہوں جس کے لئے جمع کئے گئے تو نہ جائیں جب تک ان سے اجازت نہ لے لیں۔

جب کسی حاجت کے لئے جانے کی صورت میں آپ کی اجازت ضروری ہے اور اس کے بغیر جانے کی گنجائش نہیں تو دین کی تفاصیل اور اس کے اصول وفروغ وہ دقیق ہوں یا واضح" آپ کی اجازت کے بغیر اس طرف جانا کیسے جائز ہوگا؟

ارشاد خداوندی ہے:

فَاسْئَلُوْۤا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ (النحل:۴۳)

پس اہل علم سے پوچھو اگر تم نہیں جانتے۔

آپ کے قول پر اعتراض نہ کیا جائے

نبی اکرم ﷺ سے متعلق آداب میں سے یہ بات بھی ہے کہ آپ کے کسی (ثابت شدہ) ارشاد گرامی پر اعتراض نہ کیا جائے بلکہ آپ کے ارشاد گرامی کے ذریعے لوگوں کی آراء پر اعتراض کیا جائے اور آپ کے ارشاد گرامی کے مقابلے میں قیاس کو نہ لایا جائے بلکہ قیاس کو ترک کر کے نصوص کو اختیار کیا جائے اور کسی مخالف خیال کی وجہ سے آپ کے کلام کو حقیقت سے پھیرا نہ جائے جسے وہ لوگ معقول کا نام دیتے ہیں ہاں وہ مجہول ہے اور صحیح راستے سے ہٹا ہوا اور جو کچھ نبی

[1] احناف کے نزدیک بھی حضور علیہ السلام کے بلانے پر حاضر ہونے کے لئے نماز توڑنے سے باطل نہیں ہوتی۔ (تفسیر مظہری جلد ۶ ص ۳۶ عربی)

اکرم ﷺ لائے ہیں اسے قبول کرنا کسی کی موافقت پر محمول نہیں ہے یہ ساری باتیں ادب میں کمی کی وجہ سے ہوتی ہیں اور یہ آپ کی ذات گرامی پر جرأت کرنا ہے۔

آپ کے سامنے سر تسلیم خم کر دینا

رسول اکرم ﷺ کے ساتھ آداب کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ آپ کے حکم کو کامل طور پر تسلیم کیا جائے اور اس کے سامنے سر تسلیم خم کیا جائے اور آپ کی خبر کو قبول کیا جائے اور اس کی تصدیق کی جائے اور کوئی خیال فاسد جسے لوگ معقول کہتے ہیں اس کے معارض نہ لایا جائے اسی طرح جسے شبہ یا شک کہا جاتا ہے اسے بھی جگہ نہ دی جائے آپ کے حکم یا خبر سے لوگوں کی آراء اور ان کی ذہنی اختراعات کو مقدم نہ کیا جائے بلکہ صرف آپ کے حکم کی تعمیل کی جائے اور اس کے سامنے سر جھکایا جائے گویا اس سلسلے میں آپ کو واحد و یکتا سمجھا جائے جس طرح عبادت' خضوع' رجوع اور توکل صرف بھیجنے والی ذات اللہ تعالیٰ کے لئے ہے۔

پس دو توحیدیں ہیں اور اللہ تعالیٰ کے عذاب سے اسی صورت میں بچاؤ ممکن ہے جب دونوں کو مانا جائے بھیجنے والے (اللہ تعالیٰ) کی توحید اور متابعت رسول ﷺ کی توحید' پس اس کے غیر کے پاس فیصلہ نہ لے جائے اور نہ اس کے علاوہ کسی کے حکم پر راضی ہو۔

یہ عبارت ''مدارج السالکین'' کا خلاصہ ہے اور قرآن مجید ایسی آیات سے بھرا پڑا ہے جو آپ کی بارگاہ اقدس کا ادب سکھاتی ہیں پس اس طرف رجوع کیا جائے۔

نویں نوع

وہ آیات جن میں اللہ تعالیٰ نے خود نبی اکرم ﷺ کے دشمنوں کا رد کر کے آپ کی شان کو بلند فرمایا۔

ارشاد خداوندی ہے:

نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُوْنَ ۝ مَآ اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ ۝ (القلم:۱۔۲)

قلم اور ان کے لکھے کی قسم تم اپنے رب کے فضل سے مجنون نہیں۔

اللہ تعالیٰ نے یہ بات اس وقت ارشاد فرمائی جب مشرکین نے کہا:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْ نُزِّلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ اِنَّكَ لَمَجْنُوْنٌ ۝ (الحجرات:۶)

اے وہ جن پر قرآن اترا بے شک تم مجنون نہیں۔

اللہ تعالیٰ نے بذات خود کسی واسطہ کے بغیر آپ کے دشمنوں کو جواب دیا اور دوستوں کا طریقہ یہی ہوتا ہے کیونکہ جب کوئی محب کسی سے سنتا ہے کہ وہ اس کے محبوب کو گالی دیتا ہے تو وہ خود اس کی مدد کرتے ہوئے جواب دیتا ہے یہاں بھی اللہ تعالیٰ نے آپ کا مددگار بنتے ہوئے بذات خود جواب دیا کیونکہ اللہ تعالیٰ کی مدد زیادہ کامل اور آپ کے مقام کو زیادہ بلند کرنے والی ہے اور اللہ تعالیٰ کا رد کرنا آپ کے خود رد کرنے کے مقابلے میں زیادہ پہنچنے والا ہے اور آپ کی بزرگی کے دیوان میں زیادہ ثابت اور قائم ہونے والا ہے۔

تو اللہ تعالیٰ نے اپنی بڑی بڑی نشانیوں کی قسم کھاتے ہوئے اپنے رسول' اپنے حبیب اور اپنے خلیل کی پاکیزگی بیان کر کے دشمنوں نے جو بہتان باندھا تھا اس کو جھوٹ قرار دیا۔ ارشاد فرمایا:

مَآ اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّکَ بِمَجْنُوْنٍ ○ (القلم:۲) تم اپنے رب کے فضل سے مجنون نہیں۔

اور عنقریب آپ کے وہ دشمن جو آپ کو جھٹلاتے ہیں انہیں معلوم ہو جائے گا کہ فتنے میں کون مبتلا ہے نبی اکرم ﷺ یا وہ لوگ؟ ان لوگوں اور دوسرے عقلمند لوگوں کو یہ بات دنیا میں ہی معلوم ہوگئی اور عالم برزخ میں ان کا علم بڑھ جائے گا اور آخرت میں مکمل طور پر ظاہر ہو جائے گا حتیٰ کہ اس بات کے علم میں سب لوگ برابر ہوں گے اور ارشاد خداوندی ہے:

وَمَا صَاحِبُکُمْ بِمَجْنُوْنٍ ○ (التکویر:۲۲) اور تمہارے صاحب مجنون نہیں۔

جب عاص بن وائل سہمی نے نبی اکرم ﷺ کو دیکھا کہ آپ مسجد سے باہر تشریف لا رہے ہیں اور وہ داخل ہو رہا تھا' باب بنو سہم کے پاس دونوں کی ملاقات ہوئی اور گفتگو بھی کی' قریش کے سردار مسجد میں بیٹھے دیکھ رہے تھے عاص اندر داخل ہوا تو انہوں نے پوچھا تم کس آدمی سے باتیں کر رہے تھے؟ اس نے کہا اس ابتر (جس کی نسل باقی نہ رہی) سے (معاذ اللہ)۔ حضور علیہ السلام کے بارے میں کہا اور نبی اکرم ﷺ کے صاحبزادے جو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے تھے انتقال کر گئے تھے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے خود جواب دیتے ہوئے فرمایا:

اِنَّ شَانِئَکَ هُوَ الْاَبْتَرُ ○ (الکوثر:۳) بے شک جو تمہارا دشمن ہے وہی ہر خیر سے محروم ہے۔

یعنی آپ کے دشمن اور آپ سے بغض رکھنے والے ہی ذلیل وحقیر ہیں۔

جب مشرکین نے کہا:

اَفْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ الْکَذِبَ. (السبا:۸) کیا اللہ تعالیٰ پر اس نے جھوٹ باندھا۔

تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

بَلِ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ فِی الْعَذَابِ وَالضَّلٰلِ الْبَعِیْدِ ○ (السبا:۸) بلکہ وہ لوگ جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے وہ عذاب اور دور کی گمراہی میں ہیں۔

اور جب انہوں نے کہا:

لَسْتَ مُرْسَلًا. (الرعد:۴۳) آپ رسول نہیں ہیں۔

تو اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف سے جواب دیتے ہوئے فرمایا:

یٰسٓ ○ وَالْقُرْاٰنِ الْحَکِیْمِ ○ اِنَّکَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ ○ (یٰس:۱۔۳) حکمت والے قرآن کی قسم! بے شک آپ مرسلین میں سے ہیں۔

اور جب انہوں نے کہا:

اَئِنَّا لَتَارِکُوْٓا اٰلِهَتِنَا لِشَاعِرٍ مَّجْنُوْنٍ ○ (الصافات:۳۶) کیا ہم اپنے معبودوں کو ایک شاعر مجنون کی وجہ سے چھوڑ دیں؟

اللہ تعالیٰ نے ان کا رد کرتے ہوئے فرمایا:

بَلْ جَآءَ بِالْحَقِّ وَ صَدَّقَ الْمُرْسَلِیْنَ. (الصافات:۳۷)
بلکہ آپ حق لے کر آئے اور آپ نے رسولوں کی تصدیق کی۔

تو اللہ تعالیٰ نے آپ کی تصدیق فرمائی۔

پھر آپ کے دشمن کے لئے عذاب کا ذکر کیا:

اِنَّكُمْ لَذَآئِقُوا الْعَذَابِ الْاَلِیْمِ ○ (الصافات:۳۸)
بے شک تم دردناک عذاب چکھنے والے ہو۔

اور جب انہوں نے کہا:

اَمْ یَقُوْلُوْنَ شَاعِرٌ نَّتَرَبَّصُ بِهٖ رَیْبَ الْمَنُوْنِ ○ (الطور:۳۰)
یا کہتے ہیں یہ شاعر ہیں ہمیں ان پر حوادث زمانہ کا انتظار ہے۔

تو اللہ تعالیٰ نے ان کا رد کرتے ہوئے فرمایا:

وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا یَنْۢبَغِیْ لَهٗ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ وَّ قُرْاٰنٌ مُّبِیْنٌ ○ (یٰس:۶۹)
اور ہم نے ان کو شعر نہیں سکھائے اور نہ ہی یہ ان کے شایانِ شان ہیں یہ تو ذکر اور واضح قرآن ہے۔

اور جب اللہ تعالیٰ نے ان مشرکین کا یہ قول ذکر کیا:

اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اِفْكُ افْتَرٰىهُ وَ اَعَانَهٗ عَلَیْهِ قَوْمٌ اٰخَرُوْنَ ○ (الفرقان:۴)
یہ تو نہیں مگر ایک بہتان جو انہوں نے بنالیا ہے اور اس پر اور لوگوں نے انہیں مدد دی۔

تو اللہ تعالیٰ نے ان کا نام کاذبین (جھوٹ بولنے والے) رکھا ارشاد فرمایا:

فَقَدْ جَآءُوْ ظُلْمًا وَّ زُوْرًا. (الفرقان:۴)
بے شک وہ ظلم اور جھوٹ پر آئے۔

اور فرمایا:

قُلْ اَنْزَلَهُ الَّذِیْ یَعْلَمُ السِّرَّ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ. (الفرقان:۶)
تم فرماؤ اسے تو اس نے اتارا ہے جو آسمانوں اور زمین کی ہر بات جانتا ہے۔

اور جب انہوں نے کہا کہ اس قرآن کو ان کی طرف شیطان القاء کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے ان کا رد کرتے ہوئے فرمایا:

وَمَا تَنَزَّلَتْ بِهِ الشَّیٰطِیْنُ ○ (الشعراء:۲۱۰)
اور اس قرآن کو لے کر شیطان نہ اترے۔

اور جب ان پر پہلے لوگوں کی خبر پڑھی تو نضر بن حارث نے کہا:

لَوْ نَشَآءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَآ اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ. (الانفال:۳۱)
اگر ہم چاہتے تو ایسے ہم بھی کہہ دیتے یہ تو نہیں مگر اگلوں کے قصے۔

تو اللہ تعالیٰ نے ان کو جھٹلاتے ہوئے فرمایا:

قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓی اَنْ یَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا یَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ. (الاسراء:۸۸)
تم فرماؤ اگر آدمی اور جن سب اس بات پر متفق ہو جائیں کہ اس قرآن کی مانند لے آئیں تو اس کا مثل نہ لا

سکیں۔

اور جب ولید بن مغیرہ نے کہا:

اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا سِحْرٌ یُّؤْثَرُ ○ اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ ○ (المدثر: ۲۴۔۲۵)

یہ تو وہی جادو ہے اگلوں سے سیکھا یہ نہیں مگر آدمی کا کلام۔

تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

كَذٰلِكَ مَاۤ اَتَى الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا قَالُوْا سَاحِرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ ○ (الذاریات: ۵۲)

یونہی جب ان سے اگلوں کے پاس کوئی رسول تشریف لایا تو یہی بولے کہ جادوگر ہے یا دیوانہ۔

تو یوں نبی اکرم ﷺ کو تسلی دی۔

اور جب مشرکین نے کہا کہ حضرت محمد ﷺ کو ان کے رب نے چھوڑ دیا ہے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے رد میں فرمایا:

مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰى ○ (الضحیٰ: ۳)

تمہیں تمہارے رب نے نہ چھوڑا اور نہ مکروہ جانا۔

اور جب انہوں نے کہا:

مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ یَاْكُلُ الطَّعَامَ وَ یَمْشِیْ فِی الْاَسْوَاقِ. (الفرقان: ۷)

اور رسول کو کیا ہوا کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا ہے؟

تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَمَاۤ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِیْنَ اِلَّاۤ اِنَّهُمْ لَیَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَیَمْشُوْنَ فِی الْاَسْوَاقِ. (الفرقان: ۲۰)

اور ہم نے تم سے پہلے جتنے رسول بھیجے سب ایسے ہی کھانا کھاتے اور بازاروں میں چلتے۔

اور جب اللہ تعالیٰ کے دشمنوں یہودیوں نے نبی اکرم ﷺ سے نکاح اور ازواج مطہرات کی کثرت پر حسد کیا اور کہا کہ آپ کا کام تو صرف نکاح کرنا ہے تو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کی طرف سے اور آپ کے دفاع میں ان کا رد کرتے ہوئے فرمایا:

اَمْ یَحْسُدُوْنَ النَّاسَ عَلٰى مَاۤ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ فَقَدْ اٰتَیْنَاۤ اٰلَ اِبْرٰهِیْمَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاٰتَیْنٰهُمْ مُّلْكًا عَظِیْمًا ○ (النساء: ۵۴)

یا لوگوں سے حسد کرتے ہیں اس پر جو اللہ نے انہیں اپنے فضل سے دیا تو ہم نے تو ابراہیم کی اولاد کو کتاب اور حکمت عطا فرمائی اور انہیں بڑا ملک دیا۔

اور جب انہوں نے اس بات کو (عقل سے) بعید سمجھا کہ اللہ تعالیٰ کسی انسان کو رسول بنا کر بھیجے تو اللہ تعالیٰ نے ان کا یہ قول نقل کرتے ہوئے فرمایا:

وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ یُّؤْمِنُوْۤا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰۤى اِلَّاۤ اَنْ قَالُوْۤا اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا ○ (الاسراء: ۹۴)

اور کس بات نے لوگوں کو ایمان لانے سے روکا جب ان کے پاس ہدایت آئی مگر اسی نے کہ بولے کیا اللہ نے آدمی کو رسول بنا کر بھیجا ہے؟

اور وہ اس بات سے جاہل تھے کہ ہم جنس ہونا انس پیدا کرتا ہے اور مخالف جنس سے مخالفت پیدا ہوتی ہے اللہ تعالیٰ نے ان کو

جواب دیتے ہوئے فرمایا:

قُلۡ لَّوۡ كَانَ فِى الۡاَرۡضِ مَلٰٓٮِٕكَةٌ يَّمۡشُوۡنَ مُطۡمَٮِٕنِّيۡنَ لَنَزَّلۡنَا عَلَيۡهِمۡ مِّنَ السَّمَآءِ مَلَـكًا رَّسُوۡلًا○ (الاسراء:۹۵)

تم فرماؤ اگر زمین میں فرشتے ہوتے چین سے چلتے تو ان پر آسمان سے ہم رسول بھی فرشتہ اتارتے۔

یعنی اگر یہ لوگ فرشتے ہوتے تو ضروری ہوتا کہ ان کا رسول بھی فرشتوں سے ہو لیکن جب اہل زمین انسان ہیں تو واجب ہے کہ ان کا رسول بھی بشر ہو۔

تو یہ نبی اکرم ﷺ کا کتنا بڑا اعزاز ہے حالانکہ پہلے انبیاء کرام علیہم السلام اپنا دفاع خود کرتے اور دشمنوں کو جواب دیتے تھے جس طرح حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا:

يٰقَوۡمِ لَيۡسَ بِىۡ ضَلٰلَةٌ (الاعراف:۶۱)

اے میری قوم مجھ میں گمراہی کچھ نہیں۔

اور حضرت ہود علیہ السلام نے فرمایا:

لَيۡسَ بِىۡ سَفَاهَةٌ (الاعراف:۶۷)

اے میری قوم مجھے بیوقوفی سے کیا تعلق۔

اور اس طرح کی کئی مثالیں ہیں۔

دسویں نوع

ان آیات سے ازالۂ شبہات جو نبی اکرم ﷺ کے بارے میں بطور متشابہات وارد ہوئی ہیں

وَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى

ارشاد خداوندی ہے:

وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى. (الضحیٰ:۷)

اور تمہیں اپنی محبت میں وارفتہ پایا تو اپنی طرف راہ دی۔

یہ بات جان لو کہ علماء کرام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ نبی اکرم ﷺ ایک لحظہ کے لئے بھی نہیں بھٹکے۔ اور کیا عقلاً انبیاء کرام علیہم السلام کے لئے نبوت سے پہلے یہ بات جائز ہے؟

تو معتزلہ کے نزدیک عقلی طور پر بھی جائز نہیں کیونکہ اس سے نفرت پیدا ہوتی ہے۔

اور ہمارے اصحاب (اہل سنت وجماعت) کے نزدیک عقلی طور پر جائز ہے پھر اللہ تعالیٰ جس کے لئے نبوت کا ارادہ فرماتا ہے اس پر کرم فرماتا ہے مگر سمعی دلیل اس بات پر قائم ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے لئے یہ بات واقع نہیں ہوئی۔

ارشاد خداوندی ہے:

مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمۡ وَمَا غَوٰى○ (النجم:۲)

تمہارے صاحب نہ بہکے نہ بے راہ چلے۔

یہ بات امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ نے فرمائی ہے۔

امام ابوالفضل الیحصبی نے ''الشفاء میں'' فرمایا صحیح بات یہ ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام نبوت سے پہلے اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات سے بے علم ہونے سے معصوم تھے اور اس سلسلے میں وہ کسی شک میں مبتلا نہ تھے اور مختلف اخبار وآثار اس بات پر ایک دوسرے کی تائید کرتے ہیں کہ انبیاء کرام علیہم السلام جب سے پیدا ہوئے اس خرابی سے پاک رہے اور وہ توحید وایمان پر پروان چڑھتے بلکہ ان پر انوار معارف چمکتے تھے اور سعادت کے لطف وکرم کی خوشبوئیں مہکتی رہیں اور اہل اخبار نے یہ بات نقل نہیں کی کہ کوئی شخص کفر وشرک میں معروف ہو پھر اسے نبوت عطا کی گئی اور چن لیا گیا ہو اور اس سلسلے میں (عقل استعمال نہیں ہوسکتی بلکہ) نقل پر اعتماد ہوتا ہے۔ (الشفاء ج ۲ ص ۱۰۹)

پھر فرمایا کہ جو کچھ ہم نے ذکر کیا اس سے تم پر واضح ہوگیا کہ نبی اکرم ﷺ کے لئے حق کیا ہے؟ تو حق یہ ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات سے بے خبر ہونے سے معصوم تھے یا ایسی حالت سے معصوم تھے جو ان تمام باتوں کے علم کے منافی ہو نبوت کے بعد معصومیت تو عقل اور اجماع دونوں سے ثابت ہے اور نبوت سے پہلے سمع اور نقل سے ثابت ہے اور اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف جو وحی فرمائی ان امور شرع کی ادائیگی میں کسی قسم کی بے خبری سے بھی معصوم تھے یہ بات عقلاً اور شرعاً دونوں طرح ثابت ہے۔

اور جب سے آپ کو اللہ تعالیٰ نے نبوت ورسالت عطا کی آپ جھوٹ اور وعدہ کی خلاف ورزی سے وہ قصداً ہو یا قصد کے بغیر معصوم ہیں اور یہ بات آپ پر شرعاً اور اجماعاً نیز غور وفکر اور دلیل کے اعتبار سے قطعاً محال ہے اور نبوت سے بھی آپ ان باتوں سے پاک تھے گناہ کبیرہ سے آپ کی پاکیزگی پر اجماع ہے اور حقیقت یہ ہے کہ صغیرہ گناہوں اور بھول' غفلت (شھوت) پر قائم رہنے سے بھی معصوم تھے اور امت کے لئے جو غلطی اور بھول معاف کی گئی اس پر قائم رہنے سے بھی پاک تھے اور آپ رضا اور غضب' سنجیدگی اور خوش طبعی ہر حال میں ان خرابیوں سے معصوم اور پاک ہیں۔

اس عقیدے کو مضبوطی سے اختیار کرو جس طرح بخیل آدمی مال کو مضبوطی سے سنبھالے رکھتا ہے کیونکہ یہ واجب ہے اور جو شخص اس بات سے غافل رہے جو نبی اکرم ﷺ کے لئے واجب ہے یا جائز یا محال ہے اور وہ ان احکام کی صورت کو نہ جانتا ہو تو وہ اس خلاف حقیقت عقیدے سے بے خوف نہیں ہوسکتا اور ممکن ہے وہ آپ کی طرف ایسی بات کی نسبت کرے جو آپ کے لئے جائز نہیں تو اس طرح یہ شخص لاعلمی میں ہلاک ہو جائے گا اور جہنم کے سب سے نچلے گڑھے میں جا گرے گا کیونکہ نبی اکرم ﷺ کے بارے میں باطل کا گمان کرنا اور جو بات آپ کے لئے جائز نہیں اس کا عقیدہ رکھنا ہلاکت کی جگہ میں اُتارتا ہے۔ (المصدر السابق ج ۲ ص ۱۷۲)

بعض ائمہ کرام نے انبیاء کرام کے صغیرہ گناہوں سے بھی معصوم ہونے پر اس بات سے استدلال کیا کہ ان کے افعال پر عمل کرنا اور ان کے آثار اور سیرتوں کی مطلقاً اتباع کرنا لازم ہے اور جمہور فقہاء مالکی' شافعی اور حنفی اسی بات کے قائل ہیں وہ کسی قرینے کی بات نہیں کرتے بلکہ ان کے نزدیک یہ بات مطلق طور پر ہے اگرچہ اس کے حکم میں ان کا اختلاف ہے اور اگر ہم ان سے صغیرہ گناہوں کا سرزد ہونا جائز قرار دیں تو ان کے افعال میں ان کی اقتداء نہیں ہوسکے گی کیونکہ آپ کے تمام افعال میں مقصد کی تمیز نہیں ہوسکتی کہ وہ قربت کے طور پر ہے' مباح ہے' ممنوع ہے یا معصیت ہے۔

اس آیت کی تفسیر میں متعدد وجوہ بیان کیے گئے ہیں۔

پہلی وجہ: آپ کو نبوت کی علامات سے بے خبر پایا۔

یہ بات حضرت ابن عباس، ضحاک اور شہر بن حوشب رضی اللہ عنہم سے مروی ہے اور اس کی تائید اللہ تعالیٰ کے اس قول سے ہوتی ہے:

مَا كُنْتَ تَدْرِیْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِیْمَانُ. آپ نہیں جانتے تھے کہ کتاب کیا ہے اور ایمان کیا ہے؟ (الشوریٰ:۵۲)

یعنی آپ وحی سے پہلے قرآن پڑھنا نہیں جانتے تھے اور نہ یہ بات کہ مخلوق کو ایمان کی طرف کیسے بلانا ہے؟ یہ بات سمرقندی (امام ابواللیث سمرقندی حنفی) نے کہی ہے۔

حضرت بکر قاضی فرماتے ہیں کہ ایمان سے مراد فرائض واحکام ہیں کیونکہ آپ پہلے سے ہی توحید پر ایمان رکھتے تھے پھر فرائض نازل ہوئے جن کے بارے میں آپ کو پہلے علم نہ تھا تو ان کے مکلف ہونے سے ایمان بڑھ گیا اس سلسلے میں اس نوع کے آخر میں مزید تفصیل آئے گی ان شاء اللہ۔

دوسری وجہ: لفظ ''ضالا'' کے بارے میں خود نبی اکرم ﷺ سے حدیث مروی ہے جیسے امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ نے ذکر کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا۔

بچپن میں میرے جد امجد نے مجھے گم پایا حتیٰ کہ قریب تھا کہ بھوک مجھے ہلاک کر دیتی پس اللہ تعالیٰ نے میری رہنمائی فرمائی۔

تیسری وجہ: کہا جاتا ہے ''ضل الماء فی اللبن'' پانی دودھ میں گم ہو گیا۔

تو آیت کا معنی یہ ہوگا کہ آپ مکہ مکرمہ میں کفار کے درمیان پوشیدہ تھے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو تقویت دی حتیٰ کہ آپ کا دین غالب آگیا۔

چوتھی وجہ: اہل عرب جنگل میں تنہا درخت کو ''ضالۃ'' کہتے ہیں گویا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ شہر جنگل کی طرح تھے جن میں کوئی ایسا درخت نہ تھا جو اللہ تعالیٰ پر ایمان اور اس کی معرفت کا پھل اٹھاتا پس جہل کے جنگل میں آپ یکتا درخت ہیں۔

پانچویں وجہ: بعض اوقات سردار کو خطاب کیا جاتا ہے اور اس سے اس کی قوم مراد ہوتی ہے یعنی آپ کی قوم کو بھٹکا ہوا پایا پس آپ کے ذریعے اور آپ کی شریعت کے سبب ان کو ہدایت دی۔ [1]

چھٹی وجہ: اس لفظ ''ضال'' کا معنی میری معرفت کی محبت رکھنے والے ہے یہ بات ابن عطاء سے مروی ہے اور ''الضال'' کا معنی ''محب'' ہے۔

جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے:

اِنَّكَ لَفِیْ ضَلٰلِكَ الْقَدِیْمِ۝ (یوسف:۹۵) بے شک آپ اپنی اسی پرانی وارفتگی میں ہیں۔

یعنی پرانی محبت میں ہیں اور یہاں دین کے حوالے سے بھٹکنا مراد نہیں اس لئے کہ اگر وہ اللہ کے نبی (حضرت یعقوب علیہ السلام) کے بارے میں یہ بات کہتے تو کافر ہو جاتے۔ (المصدر السابق ج ۲ ص ۱۱۲)

---

[1] اہل سنت وجماعت نے اسی طرح ترجمہ کیا جب کہ بعض بدبختوں نے گناہ کی نسبت حضور علیہ السلام کی طرف کی ہے (العیاذ باللہ)۔ ۱۲ ہزاروی

ساتویں وجہ: یعنی اللہ تعالیٰ نے آپ کو بھولنے والا پایا تو یاد دلا دیا اور یہ شب معراج کی بات ہے کہ آپ ہیبت خداوندی
کی وجہ سے بھول گئے کہ کیا کہا جائے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کی رہنمائی فرما کر ثناء کی کیفیت بتائی حتیٰ کہ آپ نے فرمایا "لا
احصی ثناء علیک" (میں تیری تعریف کا شمار نہیں کرسکتا)۔
آٹھویں وجہ: آپ کو گمراہ لوگوں کے درمیان پایا تو آپ کو محفوظ رکھتے ہوئے ایمان اور ان لوگوں کو ہدایت دینے کی طرف
رہنمائی کی۔ (المصدر السابق ج ۲ ص ۱۱۲)
نویں وجہ: جو کچھ آپ کی طرف اتارا گیا اس میں آپ کو حیران پایا تو اس کے بیان کے لئے آپ کی رہنمائی کی۔
(المصدر السابق ج ۲ ص ۱۱۳)
دسویں وجہ: حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا میں نے دور جاہلیت کے کسی کام کا
جو وہ لوگ کرتے تھے دو مرتبہ کے علاوہ کبھی ارادہ نہیں کیا لیکن ہر بار اللہ تعالیٰ (کا کرم) میرے اور میرے ارادے کے
درمیان حائل ہو جاتا پھر اس کے بعد میں نے کسی (ایسی) بات کا ارادہ نہیں کیا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے رسالت سے مکرم
فرمایا ایک رات میں نے قریش کے ایک لڑکے سے جو مکہ مکرمہ کے بلند مقام پر بکریاں چراتا تھا' کہا کہ اگر تم میری بکریوں
کی حفاظت کرو تو میں مکہ مکرمہ جا کر قصے کہانیاں بیان کروں جیسا کہ نوجوان بیان کرتے ہیں چنانچہ میں نکلا حتیٰ کہ اہل مکہ
کے مکانات میں سے پہلے مکان میں آیا اور میں نے دف اور باجوں کی آواز سنی تو بیٹھ کر ان کو دیکھنے لگا لیکن اللہ تعالیٰ نے
میرے کانوں کو بند کر دیا پس میں سو گیا پھر سورج کی تپش سے بیدار ہوا پھر دوسری رات بھی اسی طرح کیا تو اللہ تعالیٰ نے
میرے کانوں کو روک دیا اور سورج کی دھوپ سے میں بیدار ہوا پھر رسالت کے اعلان تک میں نے کبھی بھی کسی برے کام
کا ارادہ نہیں کیا۔ (مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۲۶' الشفاء ج ا ص ۱۳۶' کنز العمال رقم الحدیث: ۳۵۴۳۸)

ووضعنا عنک وزرک

ارشاد خداوندی ہے:
وَوَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ ○ الَّذِيٓ اَنْقَضَ ظَهْرَكَ ○ (الانشراح: ۲-۳) اور تم پر سے تمہارا بوجھ اتار لیا جس نے تمہاری پیٹھ توڑ دی تھی۔
فقہاء محدثین اور متکلمین کی ایک جماعت نے جو انبیاء کرام علیہم السلام سے صغیرہ گناہوں کے سرزد ہونے کو جائز سمجھتے ہیں'
اس آیت کریمہ (کے ظاہر) اور قرآن وحدیث کے بہت سے ظاہری معانی سے استدلال کیا۔
جیسا کہ قاضی عیاض رحمہ اللہ نے فرمایا اگر وہ ظاہر کا التزام کرتے ہیں جو ان تک پہنچا تو کبیرہ گناہوں کو بھی جائز قرار
دینا ہوگا اور اس سے اجماع بھی ختم ہو جائے گا اور یہ بات کوئی بھی مسلمان نہیں کہتا اور یہ کیسے ہو سکتا ہے جب وہ اس سلسلے
میں ان آیات سے استدلال کرتے ہیں جن کے معانی میں مفسرین کا اختلاف ہے اور اس کے مقتضا میں مختلف احتمالات
باہم ٹکراتے ہیں اور بزرگوں سے اس سلسلے میں مختلف اقوال منقول ہیں اور جس بات کا انہوں نے التزام کیا ہے ان میں
مختلف احتمالات نہیں ہیں پس جب ان کا مذہب اجماع نہیں ہے اور جس سے انہوں نے استدلال کیا اس میں بہت پہلے
سے اختلاف ہے اور ان کے قول کے غلط اور دوسرے قول کے صحیح ہونے پر دلائل قائم ہیں تو اسے چھوڑ کر صحیح قول کی طرف

رجوع کرنا ضروری ہے اس آیت کے سلسلے میں اختلاف ہے۔

اہل لغت فرماتے ہیں اس میں اصل یہ ہے کہ جب پیٹھ پر کسی وزن کا بوجھ ہو تو اس سے آواز سنائی دیتی ہے جس طرح وزن اور کجاووں کی آواز ہوتی ہے اور یہ مثال اس چیز کی ہے جو نبی اکرم ﷺ پر احکام تکلیفیہ کا بوجھ تھا۔

کہا گیا ہے کہ اس سے مراد نبوت کا بوجھ ہے جس کو قائم کرنے اور اس کے موجبات کی حفاظت نیز اس کے حقوق کی محافظت نے آپ کی پشت مبارک کو بوجھل بنا دیا تو اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے آسانی پیدا کر دی اور اس بوجھ کو اتار دیا یعنی اسے آپ کے لئے آسان کر دیا۔

ایک قول یہ ہے کہ وزن (بوجھ) سے مراد یہ ہے کہ ان لوگوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت کو تبدیل کیا تو یہ بات آپ کو ناپسند تھی اور آپ روکنے پر قادر نہ تھے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو قوت بخشی اور آپ سے فرمایا:

اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِیْمَ۔ (النحل: ۱۲۳) آپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ملت پر چلیں۔

کہا گیا ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ اگر کوئی گناہ ہوتا جو آپ کی پشت مبارک کو توڑ دیتا تو ہم نے اس بوجھ سے آپ کو پہلے ہی محفوظ کر لیا ہے تو اس عصمت اور حفاظت کو مجازی طور پر اتارنا کہا گیا حدیث شریف میں جو آیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ ایک ولیمہ میں حاضر ہوئے وہاں دف اور باجے وغیرہ تھے اور یہ نبوت سے پہلے کی بات ہے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کے کانوں کو بند کر دیا حتیٰ کہ (آپ آرام فرما ہوئے اور) دوسرے دن سورج کی گرمی سے بیدار ہوئے۔ تو یہ بھی ایک حفاظت ہے۔

اور کہا گیا کہ ہم نے آپ کے اندر کا نیز حیرت کا اور طلب شریعت کا بوجھ اتار دیا حتیٰ کہ آپ کے لئے شریعت مقرر کی (اور آپ کو اطمینان حاصل ہو گیا)۔

ایک قول کے مطابق اس کا معنی یہ ہے کہ جو بوجھ آپ نے اٹھایا ہم نے اپنی حفاظت کے ذریعے اسے ہلکا کر دیا جب آپ نے حفاظت طلب کی اور آپ کے پاس اس کی حفاظت کی گئی۔ اور ''انقض'' کا معنی یہ ہے کہ آپ کی پشت مبارک ٹوٹنے کے قریب تھی۔

قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جن لوگوں کے نزدیک نبوت سے پہلے کی حالت مراد ہے ان کے مطابق نبی اکرم ﷺ نبوت سے پہلے کچھ امور کا اہتمام کرتے تھے اور ان کو بجا لاتے اور نبوت کے بعد وہ کام آپ پر حرام کر دیئے گئے تو ان کو بوجھ شمار کیا گیا آپ پر یہ بات گراں ہوئی اور آپ کو اس سے خوف لاحق ہوا۔ (الشفاء ج ۲ ص ۱۵۸)

یہ بھی کہا گیا کہ اس سے امت کے گناہ مراد ہیں جو آپ پر بوجھ کی طرح ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کی امت کو فوری عذاب دینے سے آپ کو بے خوف کر دیا اور ارشاد فرمایا:

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ۔ اور اللہ کا کام نہیں کہ انہیں عذاب کرے جب تک اے محبوب! تم ان میں تشریف فرما ہو۔ (الانفال: ۳۳)

اور آپ سے مستقبل میں شفاعت (قبول کرنے) کا وعدہ فرمایا۔

لیغفر لک اللہ

ارشادِ خداوندی ہے:

لِیَغْفِرَ لَکَ اللّٰہُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِکَ وَمَا تَاَخَّرَ۔ (الفتح:۲) تاکہ اللہ تعالیٰ آپ کے سبب آپ کے اگلوں پچھلوں کے گناہ بخش دے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کے لئے بخشش ہے اگر کوئی گناہ ہو بھی تو آپ کا مؤاخذہ نہیں ہوگا۔

بعض حضرات نے فرمایا اس سے مراد یہ ہے کہ جو کچھ ہوا یا نہیں ہوا آپ کے لئے بخشش ہے۔

کہا گیا کہ اس سے مراد وہ عمل ہے جو بھول کر یا بے خبری میں یا کسی تاویل سے ہوا یہ طبری نے بیان کیا اور امام قشیری (عبدالکریم بن ہوازن رحمہ اللہ) نے اسے اختیار کیا یہ بھی کہا گیا ہے کہ "ما تقدم" سے مراد آپ کے باپ حضرت آدم علیہ السلام کی لغزش ہے اور "ما تاخر" سے آپ کی امت کے گناہ مراد ہیں یہ بات سمرقندی اور سلمی نے ابن عطاء سے نقل کی ہے (رحمہم اللہ)۔ (المصدر السابق ج ۲ ص ۱۵۷)

ایک قول کے مطابق آپ کی امت مراد ہے۔

یہ بھی کہا گیا کہ "ذنب" سے ترک اولیٰ مراد ہے جیسا کہ کہا گیا:

حسنات الابرار سیئات المقربین. نیک لوگوں کی نیکیاں مقربین کے گناہ ہیں۔

اور ترک اولیٰ گناہ نہیں ہوتا کیونکہ اولیٰ اور اس کے مقابل فعل کے جواز میں برابر ہوتے ہیں۔

حضرت امام سبکی رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں نے اس (آیت) میں غور کیا اور اس کے سیاق وسباق کو دیکھا تو میرے خیال میں اس میں ایک ہی وجہ کا احتمال ہے وہ یہ کہ نبی اکرم ﷺ کا شرف بیان ہو رہا ہے بغیر اس کے کہ وہاں کوئی گناہ ہو لیکن آیت میں تمام اقسام کی نعمتوں کا احاطہ کرنے کا ارادہ کیا گیا جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندوں کو عطا ہوئی ہیں اور اس سے اخروی نعمتیں مراد ہوں اور تمام اخروی نعمتیں دو چیزیں ہیں ایک سلبی یعنی گناہوں کی بخشش اور دوسری ثبوتی جس کی کوئی انتہا نہیں اس بات کی طرف یوں اشارہ فرمایا:

وَیُتِمَّ نِعْمَتَہٗ عَلَیْکَ. (الفتح:۲) اور وہ آپ پر اپنی نعمت کو پورا کرے۔

اور دنیوی نعمتیں بھی دو چیزیں ہیں یا وہ دینی نعمتیں ہوں گی جن کی طرف اس آیت میں اشارہ ہے:

وَیَھْدِیَکَ صِرَاطًا مُّسْتَقِیْمًا○ (الفتح:۲) اور وہ آپ کو سیدھے راستے کی ہدایت دے۔

یا دنیوی ہوں گی جس کی طرف یوں اشارہ فرمایا:

وَیَنْصُرَکَ اللّٰہُ نَصْرًا عَزِیْزًا○ (الفتح:۳) اور وہ آپ کی ایسی مدد کرے جو غالب کرنے والی ہے۔

پس یہ آیت نبی اکرم ﷺ کی قدر ومنزلت کی تعظیم کو اللہ تعالیٰ کی تمام نعمتوں کے ساتھ شامل ہے جو دوسروں میں متفرق طور پر پائی جاتی ہیں اسی لئے اسے فتح مبین کی انتہا قرار دیا جس فتح کی عظمت کو اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کی طرف منسوب کیا فرمایا "انا فتحنا" بے شک ہم نے فتح عطا کی اور "لک" فرما کر حضور علیہ السلام کے ساتھ خاص قرار دیا۔

ابن عطیہ نے یہی قول کیا ہے اور اس کا معنیٰ اس حکم کے ساتھ نبی اکرم ﷺ کو شرف بخشا ہے وہاں کسی قسم کا گناہ

نہیں ہے۔

پھر امام سبکی رحمہ اللہ نے فرمایا اگر گناہ کو جائز بھی مانا جائے تو اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ سے کوئی گناہ سرزد نہیں ہوا اور اس کے خلاف بات کا خیال کیسے کیا جاسکتا ہے جب کہ ارشاد خداوندی ہے:

وَمَا یَنۡطِقُ عَنِ الۡھَوٰی ○ اِنۡ ھُوَ اِلَّا وَحۡیٌ یُّوۡحٰی ○ (النجم: ۳۔۴)

اور وہ کوئی بات اپنی خواہش سے نہیں کرتے وہ تو نہیں مگر وحی جو انہیں کی جاتی ہے۔

اور جہاں تک آپ کے فعل کا تعلق ہے تو آپ کی اتباع اور آپ کے تمام افعال چھوٹے ہوں یا بڑے ان کی اقتداء پر صحابہ کرام کا اجماع ہے اس سلسلے میں صحابہ کرام کے ہاں کوئی توقف اور بحث نہیں ہے حتیٰ کہ صحابہ کرام آپ کے خلوت کے اعمال کو بھی جاننا چاہتے تھے اور اس کی حرص رکھتے تھے وہ ان اعمال کی اتباع کرنا چاہتے تھے ان کا علم رکھتے ہوں یا نہ۔ اور جو شخص نبی اکرم ﷺ کے ساتھ صحابہ کرام کے احوال میں غور کرے گا وہ اس بات سے حیا کرے گا کہ اس کے دل میں کوئی دوسری بات آئے۔

یٰۤاَیُّھَا النَّبِیُّ اتَّقِ اللّٰہَ

ارشاد خداوندی ہے:

یٰۤاَیُّھَا النَّبِیُّ اتَّقِ اللّٰہَ وَلَا تُطِعِ الۡکٰفِرِیۡنَ وَالۡمُنٰفِقِیۡنَ. (الاحزاب: ۱)

اے نبی ﷺ! اللہ تعالیٰ سے ڈریں اور کافروں اور منافقوں کی بات نہ مانیں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ نبی اکرم ﷺ تمام مخلوق سے زیادہ متقی ہیں اور کسی چیز کا حکم اس وقت ہوتا ہے جب مامور (جسے حکم دیا گیا) مامور بہ (جس چیز کا حکم دیا گیا) میں مشغول نہ ہو کیونکہ یہ بات درست نہیں کہ بیٹھے ہوئے آدمی سے کہا جائے کہ بیٹھو اور خاموش آدمی سے کہا جائے خاموش ہو جاؤ اور یہ بات نبی اکرم ﷺ کے لئے جائز نہیں کہ آپ تبلیغ نہ فرمائیں اور نہ یہ کہ آپ اپنے رب کے حکم کی مخالفت کریں اور اسی طرح شرک کرنا اور کافروں' منافقوں کی بات ماننا بھی آپ کے لئے جائز نہیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو تقویٰ کا حکم دیا جس کا مطلب یہ ہے کہ بارگاہِ خداوندی میں آپ کی حاضری دائمی رہے۔

بعض حضرات نے اس کا جواب یوں دیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کا اللہ تعالیٰ کے بارے میں علم اور آپ کا مرتبہ دن بدن بڑھتا تھا حتیٰ کہ آپ کی پہلی حالت موجودہ حالت کے مقابلے میں افضل کو چھوڑنا ہوتا پس آپ کے لئے ہر گھڑی جدید سے جدید تقویٰ پیدا ہوتا (تو معنیٰ یہ ہوا کہ مزید تقویٰ اور علم طلب کیجئے)۔

اور یہ بھی کہا گیا کہ آپ تقویٰ پر قائم و دائم رہیں کیونکہ بیٹھے ہوئے آدمی سے کہنا کہ میرے آنے تک بیٹھے رہو اور خاموش آدمی سے کہنا کہ خاموش رہو سلامتی پاؤ گے یعنی اسی حالت پر رہو صحیح ہے اور یہ بھی کہا گیا کہ نبی اکرم ﷺ سے خطاب ہے اور اس سے آپ کی امت مراد ہے اور اس پر اللہ تعالیٰ کا یہ قول دلالت کرتا ہے:

اِنَّ اللّٰہَ کَانَ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ خَبِیۡرًا ○ (الاحزاب: ۲)

بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کی خبر رکھتا ہے۔

تو (واحد مذکر حاضر کا صیغہ) "بما تعمل" نہیں فرمایا۔

فَلَا تُطِعِ الْمُكَذِّبِيْنَ

ارشادِ خداوندی ہے:

فَلَا تُطِعِ الْمُكَذِّبِيْنَ ○ (القلم:٨) پس آپ جھٹلانے والوں کی بات نہ مانیں۔

اللہ تعالیٰ نے جب نبی اکرم ﷺ کے بارے میں کفار کے عقیدے اور ان باتوں کا ذکر کیا جو انہوں نے آپ کی طرف منسوب کی تھیں اور اس کے ساتھ ساتھ آپ پر کئے گئے انعامات کا بھی ذکر فرمایا کہ آپ کو دین میں کمال اور خلق عظیم عطا فرمایا تو اس کے بعد ان باتوں کا ذکر فرمایا جو آپ کے دل کو مضبوط کریں اور آپ کو اپنی قوم (کے جھٹلانے والوں) کے ساتھ سختی کی دعوت دیں اور مسلمانوں کی تعداد کم اور کفار کی تعداد زیادہ ہونے کے باوجود آپ کے قلب مبارک کو تقویت حاصل ہو یہ سورت ابتدا میں نازل ہونے والی سورتوں میں سے ہے پس فرمایا:

فَلَا تُطِعِ الْمُكَذِّبِيْنَ ○ (القلم:٨) پس آپ جھٹلانے والوں کی بات نہ مانیں۔

ان لوگوں سے مکہ مکرمہ کے سرداران کفار مراد ہیں کیونکہ وہ آپ کو اپنے دین کی طرف بلاتے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان کی بات ماننے سے روک دیا تو یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کی مخالفت میں سختی اختیار کرنے کی ترغیب ہے۔

فَاِنْ كُنْتَ فِيْ شَكٍّ

ارشادِ خداوندی ہے:

فَاِنْ كُنْتَ فِيْ شَكٍّ مِّمَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ فَسْئَلِ الَّذِيْنَ يَقْرَءُوْنَ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكَ. (یونس:٩٤) اور اے سننے والے اگر تجھے کچھ شبہ ہو اس میں جو ہم نے تیری طرف اتارا تو ان سے پوچھ دیکھ جو تجھ سے پہلے کتاب پڑھنے والے ہیں۔

مفسرین کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ اس آیت میں مخاطب کون ہے؟ ایک جماعت کہتی ہے کہ نبی اکرم ﷺ مخاطب ہیں اور دوسرے حضرات کہتے ہیں آپ کے علاوہ کوئی مخاطب ہے۔

جن لوگوں نے پہلا قول کیا ہے ان کے نزدیک اس کی توجیہ میں چند اقوال ہیں۔

١۔ ظاہر میں نبی اکرم ﷺ سے خطاب ہے لیکن مراد آپ کے علاوہ کوئی ہے جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے:

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ. (الطلاق:١) اے نبی! (ﷺ) جب تم عورتوں کو طلاق دو۔

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ. (الزمر:٦٥) اے سننے والے! اگر تو نے اللہ کا شریک کیا تو ضرور تیرا سب کیا دھرا اکارت جائے گا۔

اور جس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے فرمائے گا:

ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ وَاُمِّيَ اِلٰهَيْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ. (المائدہ:١١٦) کیا تو نے لوگوں سے کہہ دیا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو دو خدا بنا لو اللہ کے سوا۔

عام طور پر اس طرح خطاب ہوتا ہے کیونکہ جب کسی بادشاہ کا ایک امیر ہو اور اس امیر کے جھنڈے کے نیچے ایک جماعت ہو تو جب وہ اس رعایا کو کسی خاص بات کا حکم دینے کا ارادہ کرتا ہے تو وہ ان لوگوں کو براہ راست خطاب نہیں کرتا بلکہ اس امیر کو مخاطب بناتا ہے تاکہ ان لوگوں کے دلوں میں تاثیر زیادہ مضبوط ہو۔

۲۔ فراء نے کہا اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ اس کے رسول علیہ السلام شک کرنے والے نہیں ہیں لیکن یہ خطاب اسی طرح ہے جس طرح کوئی شخص اپنے بیٹے سے کہتا ہے اگر تم میرے بیٹے ہو تو مجھ سے اچھا سلوک کرو اور اپنے غلام سے کہتا ہے اگر تم میرے غلام ہو تو میری بات مانو۔

۳۔ سینے کی تنگی اور گھٹن کو "شاک" کہا جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اگر ان لوگوں کی طرف سے پہنچنے والی تکلیف اور اذیت سے آپ اپنے سینے میں تنگی محسوس کرتے ہیں تو صبر کیجئے اور ان لوگوں سے جو آپ سے پہلے کتاب پڑھتے ہیں پوچھیئے کہ انبیاء کرام نے اپنی قوم کی طرف سے پہنچنے والی اذیت پر کس قدر صبر کیا اور انجام کار کے طور پر کس طرح اللہ تعالیٰ نے ان کی مدد کی تو اس سے مراد اس بات کو ثابت کرنا اور پہلی کتب سے شہادت طلب کرنا ہے اور قرآن مجید ان کتابوں کی تصدیق کرتا ہے یا نبی اکرم علیہ السلام کو زیادہ ثابت قدم رکھتا ہے۔

یا یہ بات فرض کرنے کے طور پر ہے آپ کی طرف سے شک واقع ہونے کا امکان نہیں ہے اسی لئے جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی تو نبی اکرم علیہ السلام نے فرمایا:

وَاللّٰہِ لَآ اَشُکُّ وَلَآ اَسْاَلُ. اللہ کی قسم نہ میں شک کرتا ہوں اور نہ پوچھتا ہوں۔

دوسری وجہ یعنی حضور علیہ السلام مخاطب نہ ہوں تو اس کی تقریر یوں ہے کہ نبی اکرم علیہ السلام کے زمانے میں لوگ تین جماعتوں میں منقسم تھے۔

(۱) آپ کی تصدیق کرنے والے (۲) آپ کو جھٹلانے والے اور آپ کے بارے میں توقف کرنے والے (۳) شک کرنے والے۔

پس اللہ تعالیٰ نے ان کو اس خطاب کے ساتھ مخاطب کیا اور فرمایا۔

اے انسان! اگر تجھے اس ہدایت پر شک ہے جو ہم نے اپنے نبی علیہ السلام کی زبان پر اتاری ہے تو اہل کتاب سے پوچھ تاکہ وہ تجھے آپ کی نبوت کے صحیح ہونے پر رہنمائی کریں جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے:

یٰۤاَیُّهَا الْاِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِیْمِ○ (الانفطار:۶) اے انسان! تجھے اپنے کریم رب کے بارے میں کس نے دھوکے میں ڈالا؟

اور فرمایا:

یٰۤاَیُّهَا الْاِنْسَانُ اِنَّكَ كَادِحٌ. (الانشقاق:۶) اے آدمی! بے شک تجھے اپنے رب کی طرف ضرور دوڑنا ہے۔

اور فرمایا:

وَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ ضُرٌّ. (الزمر:۸) اور جب آدمی کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے (تو اپنے رب

کو پکارتا ہے اس طرح جھکا ہوا)۔

یہاں جنس انسان مراد ہے معین آدمی مراد نہیں اسی طرح مذکورہ بالا آیت میں بھی عام انسان سے خطاب ہے۔

اور جب اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے وہ بات ذکر فرمائی جو ان کے شبہات کو زائل کردے تو ان کو دوسری قسم کے لوگوں کے ساتھ مل جانے سے ڈرایا اور وہ جھٹلانے والے ہیں۔ چنانچہ فرمایا:

وَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِ اللّٰهِ فَتَكُونَ مِنَ الْخَاسِرِينَ ○ (یونس: ۹۵)

اور ہرگز ان میں سے نہ ہونا جنہوں نے اللہ کی آیتیں جھٹلائیں کہ تو خسارے میں ہو جائے گا۔

فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِينَ

اور ارشاد خداوندی ہے:

وَالَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ يَعْلَمُونَ أَنَّهُ مُنَزَّلٌ مِّن رَّبِّكَ بِالْحَقِّ فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِينَ ○ (الانعام: ۱۱۴)

اور جن کو ہم نے کتاب دی وہ جانتے ہیں کہ یہ تیرے رب کی طرف سے سچ اترا ہے تو اے سننے والے! تو ہرگز شک والوں میں نہ ہو۔

یعنی جس بات کو نہیں جانتے اس میں شک کرنے والوں سے نہ ہوں یا مراد یہ ہے کہ اے محمد ﷺ! شک کرنے والے سے فرمادیں کہ ہرگز شک کرنے والوں میں سے نہ ہوں۔ تو یہ نبی اکرم ﷺ سے خطاب نہیں بلکہ آپ کے ذریعے دوسروں کو خطاب ہے۔

اس کے علاوہ بھی اقوال ہیں۔

فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْجَاهِلِينَ

ارشاد خداوندی ہے:

وَلَوْ شَاءَ اللّٰهُ لَجَمَعَهُمْ عَلَى الْهُدٰى فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْجَاهِلِينَ ○ (الانعام: ۳۵)

اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو ان لوگوں کو ہدایت پر جمع کر دیتا پس اے سننے والے! ہرگز بے علم لوگوں میں سے نہ ہو۔

حضرت قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں جو لوگ کہتے ہیں کہ آپ ان لوگوں میں سے ہرگز نہ ہوں جو اس بات سے بے علم ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو ان کو ہدایت پر جمع کرتا' کیونکہ اس میں اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے ایک صفت سے بے علم ہونا ہے اور یہ بات انبیاء کرام علیہم السلام کے لئے جائز نہیں مقصود لوگوں کو وعظ کرنا ہے کہ وہ اپنے معاملات میں جاہلین کی علامت کی مشابہت اختیار نہ کریں اور آیت کریمہ میں اس بات پر کوئی دلیل نہیں کہ آپ ایسی صفت پر ہیں جس پر ہونے سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو منع فرمایا۔

پس اللہ تعالیٰ نے آپ کو آپ کی قوم سے اعراض پر صبر کرنے کا حکم دیا اور یہ کہ اس وقت آپ کے سینے میں کوئی حرج پیدا نہ ہو کہ آپ کی حالت سخت افسوس کی وجہ سے جاہل کی حالت جیسی ہو جائے۔ (الشفاء ج ۲ ص ۱۰۷)

یہ بات ابوبکر بن فورک نے ذکر کی ہے۔

کہا گیا ہے کہ خطاب کا معنی آپ کی امت کی طرف لوٹتا ہے یعنی اے لوگو! جاہلوں میں سے نہ ہو جاؤ۔ یہ بات ابو محمد مکی رحمہ اللہ نے ذکر کی ہے اور قرآن مجید میں ایسی مثالیں بہت زیادہ ہیں اسی طرح ارشاد خداوندی ہے:

وَاِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِى الْاَرْضِ. (الانعام:۱۱۶) اور اگر (اے سننے والے) تم زمین میں رہنے والوں میں سے اکثر کی بات مانو۔

تو اس سے بھی نبی اکرم ﷺ کا غیر مراد ہے جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے:

اِنْ تُطِيْعُوا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا. (آل عمران:۱۴۹) اگر تم کافروں کی بات مانو (تو وہ تمہیں الٹے پاؤں لوٹا دیں گے)۔

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَاِنْ يَّشَاِ اللّٰهُ يَخْتِمْ عَلٰى قَلْبِكَ. (الشوریٰ:۲۴) اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو تمہارے دل پر مہر لگا دے۔

اور ارشاد فرمایا:

لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ. (الزمر:۶۵) اگر (اے سننے والے) تم شرک کرو گے تو تمہارا عمل ضائع ہو جائے گا۔

اور اس قسم کی دوسری آیات میں نبی اکرم ﷺ مراد نہیں ہیں بلکہ وہ لوگ مراد ہیں جن کی حالت مشرکین کی حالت جیسی ہو اور نبی اکرم ﷺ کے لئے شرک جائز نہیں اور اللہ تعالیٰ آپ کو جس کام سے چاہے روک دیتا ہے اور جس کے بارے میں چاہے حکم دیتا ہے جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے:

وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ. (الانعام:۵۲) اور ان لوگوں کو دور نہ کریں جو صبح و شام اپنے رب کو پکارتے ہیں۔

تو نبی اکرم ﷺ نے ان کو دور نہ کیا اور آپ ظالموں میں سے نہ تھے۔ (المصدر السابق ج ۲ ص ۱۰۹)

وَاِنْ كُنْتَ مِنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الْغٰفِلِيْنَ

ارشاد خداوندی ہے:

وَاِنْ كُنْتَ مِنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الْغٰفِلِيْنَ ○ (یوسف:۳) اور اگرچہ بیشک اس سے پہلے تمہیں خبر نہ تھی۔

یہ آیت اس آیت کے معنی میں نہیں ہے۔

وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنْ اٰيٰتِنَا غٰفِلُوْنَ ○ (یونس:۷) اور وہ لوگ جو ہماری آیات سے غافل ہیں۔

معنی یہ ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے واقعہ سے بے خبر تھے کیونکہ آپ کے دل میں یہ بات نہیں آئی اور نہ کبھی آپ کے کان میں کھٹکی پس آپ کو ہماری وحی کے بغیر اس کا علم نہ ہوا۔ (المصدر السابق ج ۲ ص ۱۱۴)

وَاِمَّا یَنْزَغَنَّکَ مِنَ الشَّیْطٰنِ نَزْغٌ

ارشاد خداوندی ہے:

وَاِمَّا یَنْزَغَنَّکَ مِنَ الشَّیْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰہِ. (الاعراف:۲۰۰)

اور اے سننے والے! اگر شیطان کسی برے کام پر اکسائے تو اللہ کی پناہ مانگ۔

اگر آپ کو غصہ اس حد تک لے جائے کہ وہ آپ کو ان لوگوں سے منہ پھیرنے پر مجبور کرے۔

''النزغ'' ادنیٰ حرکت کو کہتے ہیں جس طرح زجاج نے کہا ہے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا کہ جب دشمن کے خلاف آپ کے غصہ میں کوئی حرکت ہو یا شیطان اس طریقے سے آپ کو دھوکہ دینا چاہے اور آپ کے دل میں کچھ وسوسے ڈالنا چاہے جس کے لئے وہ راستہ نہیں پاتا (کیونکہ آپ معصوم ہیں) تو آپ اس سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگیں پس آپ کو کفایت ہو جائے گی اور یہ آپ کی عصمت کی تکمیل کا سبب ہوگا کیونکہ وہ سوائے چھیڑ خانی کے زیادہ تسلط پر قادر نہیں ہے اور اسی طرح یہ بات صحیح نہیں کہ شیطان آپ کے سامنے فرشتے کی صورت میں آئے اور دھوکہ دے نہ رسالت کے آغاز میں اور نہ بعد میں۔ (الشفاء ج ۲ ص ۱۲۰)

بلکہ نبی کو اس بارے میں شک نہیں ہوتا کہ اس کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو آیا ہے وہ فرشتہ ہے اور اللہ تعالیٰ کا بھیجا ہوا ہے یا تو نبی کو یہ بات علم ضروری سے حاصل ہوتی ہے جو اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے پیدا کیا یا دلیل کے ذریعے معلوم ہوتی ہے جو اللہ تعالیٰ اس وقت ظاہر کرتا ہے جس طرح میں نے مقصد اول میں بعثت کے ذکر میں بیان کیا۔ تاکہ اللہ تعالیٰ کا کلمہ صدق اور عدل میں پورا ہو۔ اس کے کلمات کو بدلنے والا کوئی نہیں ہے۔

اِذَا تَمَنّٰٓی اَلْقَی الشَّیْطٰنُ فِیْٓ اُمْنِیَّتِہٖ

ارشاد خداوندی ہے:

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِکَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِیٍّ اِلَّآ اِذَا تَمَنّٰٓی اَلْقَی الشَّیْطٰنُ فِیْٓ اُمْنِیَّتِہٖ. (الحج:۵۲)

اور ہم نے تم سے پہلے جتنے رسول یا نبی بھیجے سب پر کبھی یہ واقعہ گزرا ہے کہ جب انہوں نے پڑھا تو شیطان نے ان کے پڑھنے میں لوگوں پر کچھ اپنی طرف سے ملا دیا۔

جمہور مفسرین نے اس سلسلے میں جو کچھ فرمایا ہے وہ سب سے عمدہ بات ہے یعنی یہاں تمنّی سے تلاوت مراد ہے اور شیطان کے القاء سے مراد اس کا دل کو مشغول رکھنا اور پڑھنے والے کو دنیوی امور یاد دلانا ہے حتیٰ کہ وہ جو کچھ پڑھتا ہے اس میں وہم اور نسیان داخل ہو جاتا ہے یا سننے والوں کے ذہنوں میں تبدیلی اور بری تاویل داخل کر دیتا ہے جسے اللہ تعالیٰ زائل کر دیتا اور مٹا دیتا ہے اور اس کے دھوکے کو دور کر کے اپنی آیات کو محکم (مضبوط) بنا دیتا ہے۔

یہ بات قاضی عیاض رحمہ اللہ نے فرمائی ہے اور مقصد اول میں اس سے زیادہ بیان ہو چکا ہے۔

اور جب وادی والے واقعہ کے دن نبی اکرم ﷺ آرام فرما ہوئے اور (فجر کی) نماز قضاء ہو گئی تو آپ نے فرمایا:

ان ھذا وادیہ شیطان.

اس وادی میں شیطان ہے۔

(موطا رقم الحدیث: ۱۴ مشکوٰۃ المصابیح ص ۶۸۷، تمہید ابن عبدالبر ج ۵ ص ۲۰۳، دلائل النبوۃ ج ۴ ص ۲۷۳)

تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ شیطان آپ پر مسلط ہوا یا اس کا وسوسہ آپ پر حاوی ہوا بلکہ اگر اس کے ظاہر کو دیکھیں تو بھی نبی اکرم ﷺ نے اس شیطان کا معاملہ بیان کر دیا آپ نے فرمایا۔

شیطان حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور ان کو مسلسل لوریاں دیتا رہا جس طرح بچے کو لوری دی جاتی ہے حتیٰ کہ وہ سو جاتا ہے تو معلوم ہونا چاہیے کہ اس وادی میں شیطان کا تسلط حضرت بلال رضی اللہ عنہ پر ہوا جو فجر کا خیال رکھنے پر مامور تھے یہ تاویل اس صورت میں ہوگی جب ہم کہیں کہ اس وادی میں شیطان تھا جو نماز سے غفلت کا سبب بنا اور اگر ہم کہیں کہ وہ وادی سے کوچ کرنے کا سبب تھا اور وہاں نماز نہ پڑھنے کی علت یہی تھی تو حضرت زید بن اسلم رضی اللہ عنہ کی حدیث کا مقصد یہی ہے پس اس باب میں کوئی اعتراض نہیں کیونکہ اعتراض اٹھ گیا۔

عَبَسَ وَ تَوَلّٰی

حضرت قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

عَبَسَ وَ تَوَلّٰی ○ اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰی ○ (العبس: ۱-۲)
تیوری چڑھائی اور منہ پھیرا اس پر کہ اس کے پاس وہ نابینا حاضر ہوا۔

ان آیات میں نبی اکرم ﷺ کے لئے گناہ کا ثبوت نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کو خبر دی جا رہی ہے کہ آپ جس کے درپے ہیں وہ ان میں سے ہے جو پاک نہیں ہیں اور بہتر اور اولیٰ بات یہ ہے کہ اگر دونوں مردوں کا حال آپ پر ظاہر ہو تو آپ نابینا کی طرف متوجہ ہونے کو اختیار کریں اور نبی اکرم ﷺ کا اس کافر کی طرف متوجہ ہونا اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری اور اس کی طرف سے تبلیغ کے طور پر تھا نیز اس کو مانوس کرنا مقصود تھا جس طرح اللہ تعالیٰ نے مشروع قرار دیا اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور مخالفت نہ تھی اور اللہ تعالیٰ نے جو واقعہ بیان فرمایا تو وہ دو آدمیوں کے بارے میں خبر دینا اور یہ بتانا تھا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کافر کا معاملہ کمزور ہے اور:

وَمَا عَلَيْكَ اَلَّا يَزَّكّٰى. (العبس: ۷)
اور تمہارا کچھ نقصان نہیں اس میں کہ وہ ستھرا نہ ہو۔

فرما کر اس سے اعراض کی طرف اشارہ فرمایا۔ (الشفاء ج ۲ ص ۱۶۱)

یعنی اگر وہ اسلام کے ذریعے پاکیزگی اختیار نہیں کرتا تو آپ پر کوئی حرج نہیں مطلب یہ ہے کہ ان لوگوں کے اسلام لانے کے سلسلے میں آپ کی حرص اس حد تک نہ پہنچے کہ آپ ان کو اسلام کی دعوت دینے میں اس قدر مصروف ہو جائیں کہ مسلمانوں سے منہ پھیر لیں آپ پر تو صرف پہنچا دینا ہے۔

اور حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ تادیب اور جھڑک کے مستحق تھے کیونکہ ان کی بینائی اگرچہ نہیں تھی لیکن وہ نبی اکرم ﷺ کا کفار سے خطاب سن رہے تھے اور اس سماعت کے باعث انہیں معلوم تھا کہ نبی اکرم ﷺ ان لوگوں (کفار) کے معاملے کا کس قدر اہتمام فرماتے ہیں؟ پس ان کی وجہ سے نبی اکرم ﷺ کو کلام توڑنا پڑا جس سے آپ کو سخت اذیت پہنچی اور یہ بہت بڑا گناہ تھا اور حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کی طرف سے یہ عظیم غلطی ہوئی۔[1]

---

[1] امام زرقانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے ان کا عذر قبول کیا کیونکہ وہ نبی اکرم ﷺ سے نفع بخش سننے کی زیادہ حرص رکھتے تھے اور اس وجہ سے ان کی توجہ اس بات کی طرف نہ ہوئی کہ نبی اکرم ﷺ کفار کی تالیف قلوب میں مشغول ہیں۔ (زرقانی ج ۶ ص ۲۷۱)

اور جو کچھ نبی اکرم ﷺ نے کہا وہی واجب اور متعین تھا اور نبی اکرم ﷺ کو صحابہ کرام کی تادیب کی اجازت تھی لیکن حضرت ابن ام مکتوم نابینا ہونے کی وجہ سے مزید ترقی کے مستحق تھے۔

عَفَا اللّٰهُ عَنْکَ

ارشاد خداوندی ہے:

عَفَا اللّٰهُ عَنْکَ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ. (التوبہ:۴۳) اللہ تعالیٰ تمہیں معاف کرے تم نے ان کو کیوں اجازت دی؟

حضرت ابن حاتم نے حضرت مسعر سے اور انہوں نے حضرت عون سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں کیا تم نے اس سے زیادہ اچھا عتاب سنا' عتاب سے پہلے معافی کا ذکر فرمایا' حضرت مورق عجلی رحمہ اللہ (تابعی) نے بھی یہی بات فرمائی ہے۔

(شذرات الذہب ج۱ص۱۲۲)

حضرت قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے عتاب فرمایا جیسا کہ تم نے سنا پھر سورۂ نور میں اجازت دینے کی رخصت دیتے ہوئے فرمایا:

فَاِذَا اسْتَاْذَنُوْکَ لِبَعْضِ شَاْنِهِمْ فَاْذَنْ لِّمَنْ شِئْتَ مِنْهُمْ. (النور:۶۲) پس جب وہ تم سے اجازت مانگیں اپنے کسی کام کے لئے تو ان میں جسے تم چاہو اجازت دے دو۔

تو اللہ تعالیٰ نے یہ معاملہ آپ کی رائے پر چھوڑ دیا۔

حضرت عمرو بن میمون رحمہ اللہ فرماتے ہیں دو کام ایسے ہیں جو نبی اکرم ﷺ نے کئے لیکن ان میں آپ کو کوئی حکم نہیں دیا گیا آپ کا منافقین کو (غزوۂ تبوک سے پیچھے رہنے کی) اجازت دینا اور (غزوۂ بدر میں) قیدیوں سے فدیہ لینا' پس اللہ تعالیٰ نے آپ پر عتاب فرمایا جس طرح تم سنتے ہو اور بعض لوگوں کا قول جو کہتے ہیں کہ یہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے گناہ سرزد ہوا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

عَفَا اللّٰهُ عَنْکَ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ. (التوبہ:۴۳) اللہ تمہیں معاف کرے تم نے ان کو اجازت کیوں دی؟

اور معافی کا تقاضا ہے کہ پہلے گناہ پایا جاتا ہو۔ (شذرات الذہب ج۱ص۲۱۶)

اور دوسرے لوگوں کا قول کہ ''لم اذنت لهم'' میں استفہام انکاری ہے (یعنی آپ اجازت نہ دیں) تو جان لو کہ ہم اس بات کو تسلیم نہیں کرتے کہ ''عفا الله عنک'' سے گناہ کا وجوب لازم آتا ہے یہ بات کیوں نہ کہی جائے کہ یہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی توقیر و تعظیم خوب فرمائی جس طرح ایک شخص کسی دوسرے کے نزدیک عظیم ہو تو وہ کہتا ہے اللہ تعالیٰ تمہیں معاف کرے جو کچھ تم نے میرے معاملے میں کیا اور اللہ تعالیٰ تم سے راضی ہو میرے کلام کا تمہارے پاس کیا جواب ہے اور اللہ تعالیٰ تمہیں معاف کرے کیا تم میرا حق نہیں پہچانتے تو اس کلام سے مقصود صرف اور صرف تعظیم میں اضافہ ہوتا ہے اور ''عفا'' یہاں ''غفر'' کے معنیٰ میں نہیں ہے بلکہ اس طرح ہے جس طرح نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

عفا الله لکم عن صدقة الخیل والرقیق۔ اللہ تعالیٰ نے تم سے گھوڑوں اور غلاموں کا صدقہ معاف کردیا۔

(جامع ترمذی رقم الحدیث: ۶۲۰ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۷۹۰۔ ۱۸۱۳ سنن دارمی رقم الحدیث: ۷ مسند احمد ج ۱ ص ۱۲۱۔ ۱۳۲۔ ۱۳۵۔ ۱۳۶۔ ۱۴۸ الشفاء ج ۲ ص ۳۶)

حالانکہ وہ تو ان پر واجب نہیں تھا معنیٰ یہ کہ اس نے تم پر لازم ہی نہیں کیا۔

امام قشیری رحمہ اللہ نے بھی اسی طرح فرمایا ہے وہ فرماتے ہیں یہ بات کہ ''عفو'' کا لفظ گناہ کے بعد کے لئے ہوتا ہے وہی شخص کہتا ہے جو کلام عرب کی پہچان نہیں رکھتا وہ فرماتے ہیں ''عفا الله عنک'' کا معنیٰ یہ ہے کہ آپ پر گناہ لازم نہیں ہے اور دوسری بات کہ یہ استفہام انکاری ہے اس کا جواب یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ سے گناہ سرزد ہوا یا نہیں؟ تو ہم کہتے ہیں نہیں اس بنیاد پر ''لم اذنت'' استفہام انکاری نہیں ہوسکتا اور اگر ہم کہیں کہ گناہ ہوا (حالانکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو محفوظ و معصوم فرمایا) تو ارشاد خداوندی ''عفا الله عنک'' معافی کے حصول پر دلالت کرتا ہے اور معافی کے بعد انکار کا اس کی طرف متوجہ ہونا محال ہے پس ثابت ہوا کہ ان تمام مفروضہ باتوں کو جمع کرنے کی صورت میں یہ کہنا ممتنع ہے کہ لفظ ''لم اذنت لھم'' سے رسول اکرم ﷺ کا گناہ گار ہونا ثابت ہوا۔

یہ جواب کافی 'شافی' اور قطعی ہے اس وقت'' لم اذنت لھم '' کو اولیٰ اور اکمل کے ترک پر محمول کیا جائے گا۔

بلکہ اہل علم نے اسے عتاب پر محمول نہیں کیا اور جن لوگوں کا یہ نظریہ ہے ان کی بات کو غلط قرار دیا۔

(ابراہیم بن محمد ازدی نحوی) نفطویہ فرماتے ہیں بعض لوگوں کا مذہب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں نبی اکرم ﷺ پر عتاب فرمایا (اللہ تعالیٰ ایسے عقیدے سے محفوظ رکھے) بلکہ آپ کو اختیار تھا پس جب آپ کو اجازت دی تو خبر دیتے ہوئے فرمایا اگر آپ ان کو اجازت نہ بھی دیں تو وہ اپنی منافقت کی وجہ سے خود بیٹھ جائیں گے اور اجازت دینے میں کوئی حرج نہیں۔ (الاعلام ج ۱ ص ۶۱ وفیات الاعیان ج ۱ ص ۱۱ انباہ الرواہ ج ۱ ص ۱۷۶ شذرات الذہب ج ۲ ص ۲۹۸)

تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا

بدر کے قیدیوں کے بارے میں فرمایا:

مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗۤ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِي الْاَرْضِ تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا وَاللّٰهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ○ لَوْلَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيْمَاۤ اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ○ (الانفال: ۶۷۔۶۸)

کسی نبی کو لائق نہیں کہ کافروں کو زندہ قید کرے جب تک زمین میں ان کا خون نہ بہائے تم لوگ دنیا کا مال چاہتے ہو اور اللہ آخرت چاہتا ہے اور اللہ غالب حکمت والا ہے اگر اللہ پہلے ایک بات لکھ نہ چکا ہوتا تو اے مسلمانو! تم نے جو کافروں سے بدلے کا مال لیا اس میں تم پر بڑا عذاب آتا۔

حضرت امام مسلم رحمہ اللہ نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی روایت سے نقل کیا کہ جب بدر کے دن مشرکین بھاگ گئے اور ان میں سے ستر قتل ہوئے جب کہ ستر قیدی بنائے گئے تو نبی اکرم ﷺ نے حضرت ابوبکر 'حضرت عمر فاروق اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہم سے مشورہ فرمایا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا اے اللہ کے نبی! (ﷺ)

یہ لوگ ہمارے چچا زاد اور قبیلے کے لوگ ہیں اور بھائی ہیں میرے خیال میں آپ ان سے فدیہ لے لیں پس جو کچھ ہم ان سے لیں گے وہ کفار کے خلاف ہماری قوت ہوگی اور ہوسکتا ہے اللہ تعالیٰ ان کو ہدایت دے اور ہمارے بازو بنیں۔

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا اے عمر! آپ کی کیا رائے ہے وہ فرماتے ہیں میں نے عرض کیا میری رائے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی رائے کے موافق نہیں ہے بلکہ میری رائے یہ ہے کہ آپ میرے فلاں رشتہ دار کو میرے حوالے کر دیں پس میں اس کی گردن مار دوں۔ آل عقیل کو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے قابو میں دیں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اپنے فلاں بھائی کو قابو کریں اور اس کی گردن مار دیں حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ جان لے کہ ہمارے دلوں میں مشرکین کی طرف کوئی میلان نہیں ہے۔ پس نبی اکرم ﷺ کا جھکاؤ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی بات کی طرف ہوا اور میری رائے کی طرف نہ ہوا اور آپ نے ان سے فدیہ لے لیا۔

جب دوسرا دن ہوا تو میں بارگاہ نبوی میں حاضر ہوا آپ تشریف فرما تھے اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے اور آپ دونوں رو رہے تھے میں نے عرض کیا یارسول اللہ بتایئے آپ اور آپ کے ساتھی کیوں رو رہے ہیں اگر مجھے رونا آیا تو میں بھی روؤں گا اور اگر نہ آیا تو بتکلف روؤں گا نبی اکرم ﷺ نے فرمایا میں اس بات پر رو رہا ہوں جو تیرے ساتھیوں نے مجھے فدیہ لینے کا مشورہ دیا بے شک اس درخت کے قریب مجھے تمہارا عذاب دکھایا گیا (قریب درخت کی طرف اشارہ فرمایا)۔

پس اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: "ما کان لنبی ان یکون له اسری".

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۵۸، تفسیر طبری ج ۱۰ ص ۳۱ نصب الرایہ ج ۳ ص ۴۰۲، مشکل الآثار ج ۴ ص ۲۹۲، دلائل النبوۃ ج ۳ ص ۱۳۷)

اور ارشاد خداوندی "حتی یثخن فی الارض" کا معنی یہ ہے کہ ان کو خوب قتل کیا جاتا یہاں تک کہ کفر ذلیل ہوتا اور اس کی جماعت کم ہو جاتی اور اسلام کو عزت حاصل ہوتی اور وہ ان لوگوں پر چھا جاتا۔

اس میں نبی اکرم ﷺ پر گناہ کا الزام نہیں بلکہ اس میں اس خصوصیت اور فضیلت کا بیان ہے جو نبی اکرم ﷺ کو دیگر انبیاء کرام کے مقابلے میں عطا فرمائی گئی پس گویا یوں فرمایا۔ یہ بات آپ کے علاوہ کسی نبی کے لئے نہیں ہے۔

نبی اکرم ﷺ فرماتے ہیں:

احلت لی الغنائم ولم تحل لنبی قبلی. میرے لئے غنیمتیں حلال کی گئیں اور مجھ سے پہلے کسی نبی کے لئے حلال نہ تھیں۔

اور ارشاد خداوندی:

تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا. (الانفال: ۶۷) تم دنیا کا سامان چاہتے ہو۔

کہا گیا ہے اس میں ان لوگوں کو خطاب ہے جنہوں نے اس کا ارادہ کیا اور ان کی غرض محض دنیا اور اس کی کثرت کا حصول تھا اس سے نبی اکرم ﷺ اور جلیل القدر صحابہ کرام مراد نہیں ہیں۔

بلکہ حضرت ضحاک رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب بدر کے دن مشرکین بھاگ اٹھے اور لوگ مال لوٹنے اور غنیمت جمع کرنے میں مصروف ہو گئے اور لڑائی کی طرف توجہ نہ رہی حتیٰ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ڈر محسوس کیا کہ کہیں دشمن ان پر چڑھ نہ دوڑیں۔

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

لَوْ لَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ. (الانفال:٦٨) اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے پہلے لکھا ہوا نہ ہوتا۔

اس آیت کے معنیٰ میں مفسرین کا اختلاف ہے۔

کہا گیا ہے کہ اس کا معنیٰ یہ ہے اگر میری طرف سے یہ بات گزر نہ چکی ہوتی کہ میں کسی کو نہی (روکنے) سے پہلے عذاب نہیں دیتا تو میں تمہیں عذاب دیتا پس اس سے اس بات کی نفی ہو جاتی ہے کہ قیدیوں کا معاملہ گناہ تھا۔

یہ بھی کہا گیا کہ اگر قرآن مجید پر تمہارا ایمان نہ ہوتا اور یہ کتاب سابق ہے پس تمہیں غنیمت پر سزا دی جاتی لیکن اب تم درگزر کے لائق ہو گئے ہو۔

ایک قول یہ ہے کہ اگر لوح محفوظ میں لکھا ہوا نہ ہوتا کہ یہ تمہارے لئے حلال ہے تو تمہیں سزا دی جاتی۔

یہ تمام تفاسیر گناہ اور نافرمانی کی نفی کرتی ہیں کیونکہ جو شخص حلال کام کرتا ہے وہ گناہ گار نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فَكُلُوْا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلٰلًا طَيِّبًا. پس مال غنیمت سے حلال اور پاکیزہ سمجھتے ہوئے کھاؤ۔ (الانفال:٦٩)

اور کہا گیا کہ نبی اکرم ﷺ کو اختیار دیا گیا تھا۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام بدر کے دن نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو عرض کیا اپنے صحابہ کرام کو قیدیوں کے معاملے میں اختیار دیجئے اگر چاہیں تو قتل کریں اور اگر چاہیں تو فدیہ لیں کہ آئندہ سال ان میں سے ان کی مثل قتل کئے جائیں گے تو انہوں نے عرض کیا ہم فدیہ لینا چاہتے ہیں اور ہم سے قتل کئے جائیں (تاکہ شہادت کا درجہ حاصل ہو)۔ (جامع ترمذی رقم الحدیث:١٥٦٧)

یہ اس بات کی دلیل ہے کہ انہوں نے وہی کام کیا جس کی ان کو اجازت ملی تھی لیکن بعض نے دونوں باتوں میں زیادہ کمزور کو لیا اور جو زیادہ بہتر تھی یعنی خون بہانا اور قتل کرنا اسے چھوڑ دیا اس پر جھڑک ہوئی اور ان کے لئے بیان کیا گیا کہ انہوں نے کمزور بات کو اختیار کیا اور دوسروں نے درست بات کو اختیار کیا لیکن کوئی بھی نافرمان یا گناہ گار نہیں ہے۔

قاضی بکر بن علاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اپنے نبی ﷺ کو خبر دی کہ آپ کی تاویل اس کے موافق ہے جو آپ کے لئے لکھا گیا یعنی غنیمت کو حلال کرنا اور فدیہ دینا اور اس سے پہلے یہ ہوا کہ عبداللہ بن جحش کا سریہ جس میں ابن حضرمی قتل ہوا الحکم بن کیسان اور اس کے ساتھی کے بدلے میں فدیہ دیا تو اللہ تعالیٰ نے اس وجہ سے ان پر عتاب نہیں فرمایا اور یہ واقعہ بدر سے ایک سال سے زائد عرصہ پہلے ہوا۔ [1]

یہ تمام باتیں اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ قیدیوں کے بارے میں نبی اکرم ﷺ کا عمل تاویل اور بصیرت پر مبنی

---

[1] امام زرقانی فرماتے ہیں یہ سہو ہے کیونکہ سریہ عبداللہ بن جحش رجب کے مہینے میں ہوا بعض نے کہا کہ جمادی الاخریٰ میں ہوا اور بدر کا واقعہ رمضان شریف میں ہوا اور یہ دونوں (سریہ اور غزوہ) ۲ھ میں ہوئے لہٰذا دونوں کے درمیان تین مہینے سے کم عرصہ تھا۔

(زرقانی ج٦ ص٢٧٦)

تھا جیسا کہ اس کی مثل پہلے گزر گیا پس اللہ تعالیٰ نے آپ پر کوئی اعتراض نہیں کیا لیکن اللہ تعالیٰ نے بدر کے معاملہ کی عظمت اور اس کے اسرار کی کثرت کے باعث اپنی نعمت کے اظہار اور اپنے احسان کی تاکید کا ارادہ فرمایا کہ جو کچھ لوح محفوظ میں لکھا ہے ان کو اس کی معرفت ہو جائے کہ یہ ان کے لئے حلال ہے تو یہ ذکر ان پر عتاب یا اعتراض یا ان کو گناہ گار قرار دینا نہ تھا۔ یہ بات قاضی عیاض رحمہ اللہ نے فرمائی ہے۔ (الشفاء ج۲ ص۱۵۹)

لَقَدْ کِدتَّ تَرْکَنُ اِلَیْهِمْ

ارشادِ خداوندی ہے:

وَلَوْ لَآ اَنْ ثَبَّتْنٰکَ لَقَدْ کِدْتَّ تَرْکَنُ اِلَیْهِمْ شَیْئًا قَلِیْلًا ۝ اِذًا لَّاَذَقْنٰکَ ضِعْفَ الْحَیٰوةِ وَ ضِعْفَ الْمَمَاتِ ۝ (الاسراء: ۷۴۔۷۵)

اگر ہم تمہیں ثابت قدم نہ رکھتے تو قریب تھا کہ تم ان کی طرف کچھ تھوڑا سا جھکتے اور ایسا ہوتا تو ہم تم کو دونی عمر اور دو چند موت کا مزہ دیتے۔

پس معنی یہ ہے کہ اگر ہم آپ کو ثابت قدم نہ رکھتے تو قریب تھا کہ آپ ان کی مراد کی اتباع کی جانب مائل ہو جاتے لیکن ہماری حفاظت نے آپ کو پالیا پس آپ کو میلان کے قرب سے بھی روک دیا میلان تو الگ بات ہے۔

یہ اس سلسلے میں صریح ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ان کی بات قبول کرنے کا ارادہ نہیں فرمایا باوجودیکہ اس اجابت کے داعی مضبوط تھے پس اللہ تعالیٰ کی توفیق سے آپ معصوم و محفوظ رہے اور اگر آپ قریب جاتے تو ہم آپ کو دوگنا زندگی اور دوگنا موت چکھاتے یا اگر آپ کے علاوہ کوئی یہ کام کرتا تو اسے دو جہانوں میں جو عذاب دیا جاتا ہے اس سے دوگنا آپ کے لئے ہوتا کیونکہ بڑوں کی خطا بھی بڑی ہوتی ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کے دل میں ایسی بات ڈالی کہ اپنے دشمنوں کی طرف مائل ہونے سے آپ کو اللہ تعالیٰ نے بچا لیا حریری کی طرف منسوب یہ اشعار اس بات کی تائید کرتے ہیں (کہ "کاد" یہاں "قرب" کے معنی میں ہے):

انحوی ھذا العصر ماھی لفظۃ جرت فی لسانی جرھم و ثمود
اذا استعملت فی صورۃ الجحد اثبت وان اثبت قامت مقام جحود

"کیا اس زمانے کا کوئی نحوی بتا سکتا ہے کہ وہ کیا کلمہ ہے جو قبیلہ جرہم اور ثمود کی زبان پر جاری ہوا جب یہ بطور جحد استعمال ہو تو مثبت ہو جاتا اور جب مثبت استعمال ہو تو انکار کا فائدہ دیتا ہے"۔

اور پہلے یعنی مثبت کی نفی کی "ذبحوھا وما کادو یفعلون" کے ساتھ اور دوسرے یعنی منفی کے ثبوت کو "لقد کدت ترکن" سے واضح کیا۔[1]

وہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کا دل ثابت رہا اور آپ اس طرف مائل نہیں ہوئے۔

وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَیْنَا

ارشادِ خداوندی ہے:

وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَیْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِیْلِ ۝ لَاَخَذْنَا

اور اگر وہ ہم پر ایک بات بھی بنا کر کہتے ضرور ہم ان

[1] ذبحوھا مثبت ہے اور "وما کادو یفعلون" میں نفی ہے۔

مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ ۝ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِيْنَ ۝ سے بقوت بدلہ لیتے پھر ان کی رگ دل کاٹ دیتے۔

(الحاقہ: ۴۴-۴۶)

معنی یہ ہے کہ اگر وہ ہم پر اپنی طرف سے کوئی بات بنائیں تو ہم ان کو دائیں ہاتھ سے پکڑیں اور ان کے دل کی رگ کاٹ دیں اور ان کو ہلاک کر دیں اور تحقیق اللہ تعالیٰ نے آپ کو اللہ تعالیٰ پر کوئی بات اپنی طرف سے گھڑنے سے بچایا۔

سوال: اس میں کوئی شک نہیں کہ محب اور عمدہ سلوک اور احسان عظیم کرنے والوں کو جس طرح معاف کیا جاتا ہے دوسروں کو اس طرح معاف نہیں کیا جاتا اور ایسے لوگوں سے جس طرح چشم پوشی کی جاتی ہے دوسرے کسی سے نہیں کی جاتی جس طرح شاعر نے کہا ہے:

واذا الحبيب اتى بذنب واحد جاءت محاسنه بالف شفيع

"جب محبوب ایک گناہ کرتا ہے تو اس کے محاسن ہزار سفارشی لے آتے ہیں"۔

اور اس میں شک نہیں کہ ہمارے نبی ﷺ محبوب اعظم ہیں اور حسن واحسان عظیم والے ہیں تو کیا وجہ ہے کہ اگر آپ سے کوئی ناپسندیدہ عمل سرزد ہو تو دوگنا سزا اور سخت جھڑک کیوں ہے اور کتنے ہی لوگ ایسے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کی طرف مائل ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھتے ہیں لیکن ان (کے اس عمل) کی پرواہ نہیں کی جاتی جس طرح بدعتی وغیرہ؟

جواب: ان دونوں باتوں میں کوئی منافات نہیں کیونکہ جس پر نعمت کامل ہو اور اسے ایسی خصوصیات عطا کی گئی ہوں جو دوسروں کو نہ دی گئی ہوں اور اس پر ایسے انعامات ہوں جو دوسروں پر نہ ہوں اور اسے مزید انعام اور زیادہ قرب واکرام سے نوازا جائے تو اس کی حالت کا تقاضا یہ ہے کہ اس کے مرتبہ قرب وولایت اور اختصاص کی حفاظت کی جائے اور ادنیٰ قسم کی تشویشناک بات سے بھی اس کے مرتبہ کو محفوظ رکھا جائے پس اس کا زیادہ اہتمام اور زیادہ سے زیادہ قرب اور اپنے لئے اسے خاص کرنا اور دوسروں پر اسے چن لینا اس کے سردار اور ولی کے حقوق اور انعامات اس پر زیادہ کامل ہوتے ہیں پس اس سے جو کچھ مطلوب ہوتا ہے اس کے غیر سے نہیں ہوتا اس لئے جب وہ غافل ہو یا اس کے مرتبہ کے تقاضے میں کوئی خلل واقع ہو تو اسے زیادہ تنبیہ کی جاتی ہے اور اس بات سے چشم پوشی نہیں ہوتی اگرچہ اس سے چشم پوشی کی جائے تو اس کے حق میں دو باتیں جمع ہوتی ہیں۔

اور جب تم ان دو باتوں کے اجتماع اور ان کے درمیان تناقض نہ ہونے کی معرفت حاصل کرنا چاہو تو عام عرف اس پر گواہ ہے کہ بادشاہ اپنے خاص لوگوں اور دوستوں سے ان باتوں کی چشم پوشی بھی کرتا ہے جو دوسروں سے نہیں کرتا لیکن ان کا مؤاخذہ بھی دوسروں کے مؤاخذے سے زیادہ سخت ہوتا ہے اور جب تمہارے دو غلام یا دو بیٹے ہوں اور ان میں سے ایک تمہیں زیادہ محبوب ہو یا تمہارے دل کے زیادہ قریب ہو اور تمہارے نزدیک زیادہ معزز ہو تو تم اس سے یہ دونوں معاملے کرتے ہو یعنی جس قدر وہ تمہارے قریب اور زیادہ محبوب ہوتا ہے اسی حساب سے ان دونوں معاملوں میں فرق پڑتا ہے۔

جب تم اس پر اپنے احسان کے کامل ہونے کو دیکھتے ہو تو اس کے معاملہ کا تقاضا یہ ہے کہ اس کے ساتھ وہ معاملہ کرو

جو دوسروں کے ساتھ نہیں کرتے کہ اسے تنبیہ کرتے ہو اور مہلت نہیں دیتے اور جب تم دیکھتے ہو کہ وہ تم سے محبت کرتا ہے تمہاری بات مانتا اور خدمت کرتا ہے اور کامل غلامی اور خیر خواہی کا ثبوت دیتا ہے تو تم اس سے اس طرح چشم پوشی کرتے اور معاف کرتے ہو کہ دوسروں سے ایسا سلوک نہیں کرتے پس یہ دونوں معاملے اس رشتے اور تعلق کے حساب سے ہوتے ہیں جو تمہارے اور اس کے درمیان ہے۔

یہ معنی شریعت میں بھی ظاہر ہے کہ جس کو نکاح کی نعمت سے نوازا گیا (یعنی شادی شدہ ہے) جب وہ زنا کا مرتکب ہوتا ہے تو اس کی سزا رجم ہے اور جس کو یہ نعمت نہیں ملی اسے کوڑے لگائے جاتے ہیں۔

اسی طرح آزاد آدمی جو اپنے نفس کا مالک ہے اور اس پر نعمت مکمل ہے اسے غیر کا غلام نہیں بنایا گیا اس کی سزا دوگنا ہے اور غلام جس کی غلامی کی وجہ سے آزادی ناقص ہو گئی اور اسے یہ نعمت نہ ملی اس کی سزا نصف ہے تو وہ ذات پاک ہے جس کی حکمت مخلوق میں غالب ہے:

فللہ سر تحت کل لطیفة فاخو البصائر غائص یتعقل

"پس اللہ تعالیٰ کے لئے ہر مہربانی کے تحت حکمت ہے پس اہل بصیرت غور و فکر کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں"۔

مَا كُنْتَ تَدْرِیْ مَا الْكِتٰبُ وَ لَا الْاِیْمَانُ

ارشاد خداوندی ہے:

مَا كُنْتَ تَدْرِیْ مَا الْكِتٰبُ وَ لَا الْاِیْمَانُ. اس سے پہلے نہ تم کتاب جانتے تھے نہ احکام۔

(الشوریٰ:۵۲)

کہا گیا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ جو تفصیل قرآن مجید میں مذکور ہے اس کے مطابق آپ کو ایمان کا علم نہ تھا۔

حضرت ابو العالیہ فرماتے ہیں یہ ایمان کی دعوت کے معنی میں ہے کیونکہ وحی سے پہلے نبی اکرم ﷺ اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کی دعوت دینے پر قادر نہ تھے ایک قول یہ ہے کہ جب آپ پنگھوڑے میں تھے اور بلوغت سے پہلے ایمان کی معرفت نہیں رکھتے تھے یہ بات ماوردی' واحدی اور قشیری نے نقل کی ہے۔

یہ بھی کہا گیا کہ یہاں مضاف محذوف ہے یعنی "ما کنت تدری اهل الایمان " آپ اہل ایمان کو نہیں جانتے تھے یعنی کون ایمان لائے گا ابو طالب یا عباس یا ان کے علاوہ کوئی؟

ایک قول کے مطابق اس سے ایمان کے احکام اور علامات مراد ہیں اور یہ سب ایمان ہیں اللہ تعالیٰ نے نماز کو ایمان کا نام دیا۔ فرمایا:

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِیُضِیْعَ اِیْمَانَكُمْ. (البقرہ:۱۴۳) اللہ تعالیٰ تمہارے ایمان کو ضائع نہیں کرتا۔

یعنی بیت المقدس کی طرف رخ کر کے تم نے جو نمازیں پڑھی ہیں پس لفظ عام ہے اور مراد خاص ہے۔ یہ بات ابن قتیبہ اور ابن خزیمہ نے کہی ہے۔

اور حدیث شریف میں یہ بات مشہور ہے کہ نبی اکرم ﷺ اللہ تعالیٰ کو ایک مانتے تھے بتوں سے نفرت کرتے اور حج

وغیرہ کرتے تھے۔

ابونعیم اور ابن عساکر نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ سے پوچھا گیا کیا آپ نے کبھی بتوں کی پوجا کی ہے؟ آپ نے فرمایا نہیں پوچھا گیا کیا شراب پی ہے؟ فرمایا نہیں اور مجھے ہمیشہ یہ بات معلوم ہے کہ یہ لوگ کفر پر ہیں لیکن مجھے کتاب اور ایمان کا علم نہ تھا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: قریش اور جو لوگ ان کے دین پر تھے اور وہ حمس (کہلاتے) تھے وہ مزدلفہ میں ٹھہرتے اور کہتے ہم اہل حرم ہیں (عرفات نہ جاتے)۔

جب کہ رسول اکرم ﷺ اللہ تعالیٰ کی توفیق سے عرفات میں وقوف فرماتے تھے اس حدیث کو امام بیہقی اور ابونعیم نے حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ کی حدیث سے نقل کیا ہے۔

یہ بھی آیا ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے دین سے جو کچھ باقی تھا' اہل عرب اس پر تھے مثلاً بیت اللہ شریف کا حج کرنا' ختنہ کرنا اور جنابت سے غسل وغیرہ' اور نبی اکرم ﷺ بتوں کے قریب نہ جاتے بلکہ ان کا عیب بیان فرماتے تھے لیکن احکام شریعت جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لئے مقرر فرمائے ہیں آپ ان کی پہچان نہیں رکھتے تھے یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ. آپ کو معلوم نہ تھا کہ کتاب کیا ہے اور ایمان کیا؟

(الشوریٰ:۵۲)

اس سے وہ ایمان مراد نہیں جو زبانی اقرار ہے کیونکہ آپ کے آباؤ اجداد جو شرک کے دور میں فوت ہوئے وہ اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے تھے اور حج بھی کرتے تھے حالانکہ وہ شرک بھی کرتے تھے۔ [1]

---

[1] امام رازی وغیرہ نے اس بات کو ترجیح دی ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے آباؤ اجداد میں کوئی مشرک نہ تھا کتاب (پہلی جلد) کے شروع میں تفصیل گزر چکی ہے۔ (زرقانی ج ۶ ص ۲۸۰) شاید مصنف ایمان قبول نہ کرنے کو شرک کہہ رہے ہیں اور ظاہر بات ہے جب تک کسی رسول کی بعثت نہ ہو ایمان لانا کیسے ہوگا؟ ۱۲ ہزاروی

ساتواں مقصد

نبی اکرم ﷺ کی محبت' آپ کی سنت کی اتباع' آپ کی سیرت اور طریقے پر چلنا' آپ کے آل واصحاب سے محبت کرنے کی فرضیت نیز آپ پر صلوٰۃ وسلام پڑھنے کے حکم کا بیان

اللہ تعالیٰ آپ کے فضل وشرف کو زیادہ فرمائے۔
اس مقصد میں تین فصول ہیں۔

فصل نمبر ۱

نبی اکرم ﷺ کی محبت' آپ کی سنت کی اتباع اور سیرت طیبہ کی اقتدا کا وجوب

محبت کی تعریف

جان لو کہ "المدارج (مدارج السالکین ۱) کے "مصنف کے مطابق محبت ایک مرتبہ ہے جس کی طرف سبقت کرنے والے سبقت کرتے ہیں' عمل کرنے والے اس کی طرف نگاہ اٹھاتے ہیں اور سبقت کرنے والے اس کی معرفت حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں' محبت کرنے والے اس کے صحن میں اترنے کے لئے ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرتے ہیں' عبادت گزار اس کی نسیم صبح سے راحت پاتے ہیں پس یہ دلوں کی قوت' ارواح کا رزق اور آنکھوں کی ٹھنڈک ہے یہی وہ زندگی ہے کہ اس سے محروم آدمی مردوں میں شمار ہوتا ہے اور یہ ایسا نور ہے کہ جس نے اس کو گم پایا وہ اندھیروں کے سمندر میں ہے' یہ ایسی شفاء ہے کہ جو اس سے خالی ہو اس کے دل میں تمام بیماریاں اترتی ہیں یہ وہ لذت ہے کہ جو اس کے ساتھ کامیابی حاصل نہ کرے اس کی زندگی غموں اور تکالیف کا شکار ہو جاتی ہے یہ (محبت) ایمان' اعمال اور مقامات کی روح ہے کہ اگر یہ نہ پائی جائے تو یہ تمام چیزیں ایسے جسم کی طرح ہیں جس میں روح نہ ہو محبت کسی شہر کی طرف جانے

۱ مدارج السالکین کے نام سے ابن قیم نے "منازل السائرین" کی شرح لکھی ہے اور "منازل السائرین" شیخ الاسلام عبداللہ بن محمد بن علی انصاری رحمہ اللہ کی کتاب ہے وہ حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی اولاد سے ہیں ساٹھ سال تک لوگوں کو وعظ کرتے رہے۔ ۴۸۱ھ میں ان کا وصال ہوا اس وقت ان کی عمر چھیاسی سال تھی۔ (زرقانی ج ۶ ص ۲۸۰)

والوں کے بوجھ کو اٹھاتی ہے کہ وہ سخت جسمانی مشقت کے بغیر وہاں تک رسائی حاصل نہیں کر سکتے اور یہ ان کو ایسی منازل تک پہنچاتی ہے کہ اس کے بغیر وہ کبھی وہاں تک نہیں پہنچ سکتے یہ محبت ان کو سچائی کی مجالس سے ایسے مقامات کی طرف سکون عطا کرتی ہے کہ اس کے بغیر وہ ان مقامات میں داخل نہیں ہو سکتے۔

محبت اس قوم کی سواری ہے جو ہمیشہ محبوب کی طرف سفر جاری رکھتے ہیں اور یہ ان کا نہایت مضبوط راستہ ہے جو ان کو ان کی اصل منازل کی طرف کسی تکلیف کے بغیر لے جاتا ہے۔ اللہ کی قسم اہل محبت دنیا اور آخرت کا شرف حاصل کر گئے کیوں کہ ان کو اپنے محبوب کی معیت میں بہت وافر حصہ ملتا ہے اور جب اللہ تعالیٰ نے مخلوق کے لئے تقدیر مقرر کی تو اپنی مشیت اور حکمتِ بالغہ سے یہ بات مقدر فرما دی کہ انسان اپنے محبوب کے ساتھ ہو گا پس یہ ایسی نعمت ہے جو محبت کرنے والوں پر کشادہ ہے سعادت اس قوم سے سبقت کر گئی جو اپنے بستروں پر سوئے ہوئے ہیں اور جو لوگ اپنے سفر میں کھڑے ہیں ان سے یہ کئی مراحل آگے چلی گئی۔

من لی بمثل سیرک المذلل تمشی رویدا و تجی فی الاول

''کون ہے جو تیری آسان سیر کی طرح میرے لئے کفیل بنے کہ تو آہستہ چلتا ہے لیکن پہلے پہنچتا ہے''۔

انہوں نے موذنِ شوق کی آواز پر لبیک کہا جب اس نے حی علی الفلاح (آؤ بھلائی کی طرف) کی آواز بلند کی اور اپنے محبوب تک پہنچنے کے لئے اپنے نفسوں کو استعمال کیا اور ان کا یہ استعمال خوشی خوشی تھا اور وہ رات کے اندھیرے میں، صبح اور شام چلتے رہے اور جب وہ منزل پر پہنچے تو ان کی تعریف کی گئی اور منزل کی طرف جانے والی قوم کی تعریف صبح کے وقت کی جاتی ہے (کیونکہ وہ اس وقت وہاں پہنچتے ہیں)۔

محبت کیا ہے؟

محبت کی تعریف میں اختلاف ہے اور علماء کرام کی عبارات اس سلسلے میں اگرچہ زیادہ ہیں لیکن یہ کلام کا اختلاف نہیں احوال کا اختلاف ہے اور اکثر اقوال اس کے نتیجہ کی طرف لوٹتے ہیں حقیقت کی طرف نہیں۔

بعض محققین نے فرمایا کہ اہل معرفت کے نزدیک محبت کی حقیقت ایسی معلومات ہیں جن کی تعریف نہیں ہو سکتی اور ان کی پہچان صرف اس شخص کو ہوتی ہے جو اس کی لذت کو پاتا ہے اور اس کو بیان کرنا ممکن نہیں۔

جس طرح ''مدارج السالکین'' کے مصنف اور دوسرے لوگوں نے کہا کہ محبت کی کوئی واضح تعریف نہیں ہو سکتی اس کی تمام تعریفیں اس کی پوشیدگی کو زیادہ کرتی ہیں پس اس کا پایا جانا ہی اس کی تعریف ہے اور محبت (کے پائے جانے) سے زیادہ ظاہر وصف کے ساتھ یہ موصوف نہیں ہو سکتی۔

لوگ اس کے اسباب، علامات، موجبات، علامات، شواہد، ثمرات اور احکام میں گفتگو کرتے ہیں پس ان کی تعریفیں ان چھ باتوں کے گرد چکر لگاتی ہیں اور ان کی وجہ سے ان کی مختلف عبارات ہیں اور ادراک، مقام اور حال کے اعتبار سے اشارات زیادہ ہیں۔

ان حضرات نے محبت کے لئے دو حرف وضع کئے ہیں جو مسمیٰ کے ساتھ انتہائی مناسبت رکھتے ہیں ایک ''حاء'' ہے جو حلق کی ابتداء سے نکلتا ہے اور دوسرا حرف ''باء'' ہے جو ہونٹوں سے نکلتا ہے اور یہ انتہاء ہے پس حاء کے لئے ابتداء اور باء کے

لئے انتہاء ہے اور محبت نیز محبوب کے ساتھ اس کے تعلق کی شان یہی ہے کیونکہ اس کی ابتداء بھی محبوب سے ہوتی ہے اور انتہا بھی اسی پر ہوتی ہے۔

اور ''الحب'' کو ضمہ کی حرکت دیتے ہے یعنی حاء پر ضمہ پڑھتے ہیں اور یہ تمام حرکات میں سے سب سے زیادہ سخت اور مضبوط حرکت ہے اور یہ اپنے معنی کی حرکت اور قوت کے مطابق ہے۔

اور محبوب کے لئے ''الحب'' کا لفظ حاء پر کسرہ کے ساتھ بولا جاتا ہے اور ''حب'' محبوب کو کہتے ہیں اس پر کسرہ اس لئے ہے کہ یہ حرکت ضمہ کے مقابلے میں آسان ہے اور محبوب اور اس کا ذکر دلوں اور زبانوں پر آسان ہوتا ہے۔

تو ان لطائف اور مناسبت عجیبہ میں غور کرو جو الفاظ اور معانی کے درمیان ہے اس سے تمہیں اس لغت کا علم ہو جائے گا اور اس لغت کی ایک شان ہے جو دوسری لغات کے لئے نہیں ہے۔

بعض تعریفات

یہ بعض تعریفات ہیں جو محبت کے سلسلے میں اس کے آثار و شواہد کے اعتبار سے قبول کی گئیں اور یہاں کچھ باتوں کی وضاحت ضروری ہے۔

۱۔ حاضری کی حالت ہو یا غیب کی دونوں صورتوں میں محبوب کی موافقت ضروری ہے اور یہ محبت کا موجب اور تقاضا ہے۔

۲۔ محب کا اپنی صفات کو مٹا دینا اور ذات کو باقی رکھنا' اور یہ محبت میں فنا ہونے کے مقام سے ہے یعنی محب کی صفات مٹ کر وہ محبوب کی صفات اور ذات میں فنا ہو جائیں یہ بات اس سے زیادہ کامل بیان کا تقاضا کرتی ہے لیکن اس کا ادراک اسے ہی ہو سکتا ہے جسے محبت اس کی ذات سے فنا کر دے اور وہ محبت میں گم ہو جائے۔

۳۔ اپنے زیادہ کو کم اور محبوب کی طرف سے کم کو زیادہ سمجھنا اور یہ ابو یزید کا قول ہے اور یہ بات بھی محبت کے احکام اور اس کے موجبات اور شواہد سے ہے اگر محب صادق اپنے محبوب کے لئے وہ سب کچھ خرچ کر دے جس پر وہ قادر ہے تو اسے کم سمجھے اور اس سے حیا کرے۔

اور اگر اپنے محبوب کی طرف سے تھوڑی سی محبت بھی پائے تو اس کو زیادہ سمجھے اور اس کی تعظیم کرے۔

۴۔ اپنی معمولی غلطی کو بڑی غلطی اور فرمانبرداری کو کم سمجھے یہ پہلی صورت کے قریب ہے لیکن یہ محب کے ساتھ مخصوص ہے۔

۵۔ فرمانبرداری کو اپنایا جائے اور مخالفت کو دور کیا جائے یہ حضرت سہل بن عبد اللہ رحمہ اللہ کا قول ہے اور یہ بھی محبت کے حکم اور موجب سے ہے۔

۶۔ اپنا سب کچھ محبوب کو دے دو پس تمہارے پاس تمہاری کوئی چیز باقی نہ رہے یہ ہمارے سردار ابو عبد اللہ قرشی (محمد بن احمد بن ابراہیم متوفی ۵۹۹ھ) کا قول ہے۔ اور یہ بھی محبت کے موجبات اور اس کے احکام میں سے ہے اور مراد یہ ہے کہ اپنا ارادہ' عزم' افعال' نفس' مال اور وقت اپنے محبوب کو ہبہ کر دو اور یہ سب کچھ اس کی مرضی اور محبت کے لئے مخصوص کر دو اپنی ذات کے لئے صرف وہی کچھ لو جو وہ تمہیں دے وہ بھی محبوب کے لئے ہی لو۔

(الاعلام ج ۵ ص ۳۱۹' شذرات الذہب ج ۴ ص ۳۳۲)

۷۔ دل سے محبوب کے علاوہ سب کچھ مٹا دو یہ کمال محبت کا تقاضا ہے کیونکہ جب تک دل میں محبوب کے غیر کے لئے جگہ

ہو گی تو محبت میں دخل اندازی رہے گی۔

۸۔ محبوب کے بارے میں یہ غیرت ہو کہ تمہارے جیسا آدمی اس سے محبت کرتا ہے یہ حضرت شبلی (دلف بن جحدر اور ایک قول کے مطابق جعفر بن یونس رحمہ اللہ) کا قول ہے ان کی مراد یہ ہے کہ تم اپنے نفس کو اس بات سے حقیر اور چھوٹا سمجھو کہ تمہارے جیسا شخص اس محبوب کے محبین میں سے ہو۔

(الاعلام ج ۲ ص ۳۴۱ وفیات الاعیان ج ۱ ص ۱۸۰ نجوم الزاہرۃ ج ۳ ص ۲۸۹ صفۃ الصفوہ ج ۲ ص ۲۵۸ حلیۃ الاولیاء ج ۱۰ ص ۳۶۶ المنتظم ج ۱۴ ص ۵۰ تاریخ بغداد ج ۱۴ ص ۳۸۹ البدایہ والنہایہ ج ۱۱ ص ۲۱۵)

۹۔ محبوب کے غیر سے غیرت کی وجہ سے اور محبوب کی ہیبت کی وجہ سے نگاہ جھکی رہے یہ بات بھی وضاحت کی طالب ہے پہلی بات تو ظاہر ہے لیکن جہاں تک دوسری بات کا تعلق ہے تو دل کی آنکھ کو محبوب سے بند رکھنا حالانکہ اس سے کامل محبت ہو محال کی طرح ہے لیکن جب محبت کا غلبہ ہو تو اس قسم کا کام ہو جاتا ہے اور یہ اس محبت کی علامات میں سے ہے جو ہیبت اور تعظیم سے ملی ہوئی ہو۔

۱۰۔ تم کسی چیز کی طرف مکمل میلان رکھتے ہو پھر تم محبوب کو اپنے نفس، روح اور مال پر ترجیح دو پھر ظاہری اور باطنی طور پر اس کی موافقت کرو پھر یوں خیال کرو کہ تم سے اس کی محبت میں کوتاہی ہوئی ہے۔

حضرت جنید فرماتے ہیں میں نے حضرت حارث محاسبی (ابو عبداللہ حارث بن اسد متوفی ۲۴۳ھ) کو یہ بات کہتے ہوئے سنا ہے۔

(الاعلام ج ۲ ص ۱۵۳ صفۃ الصفوہ ج ۲ ص ۲۰۷ حلیۃ الاولیاء ج ۱۰ ص ۷۳ وفیات الاعیان ج ۱ ص ۱۲۶ تاریخ بغداد ج ۸ ص ۲۱۱)

۱۱۔ تم پر سکر کی حالت طاری ہو صرف محبوب کو دیکھنے کے لئے ہوش آنا چاہیے پھر مشاہدہ کے وقت جو سکر (نشہ) ہوتا ہے اس کا وصف بیان نہیں ہو سکتا بعض حضرات نے یوں کہا:

فاسکر القوم دور الکاس بینھم لکن سکری نشا من رؤیۃ الساقی

''قوم کے درمیان شراب کا پیالہ گردش کرتا رہا اور وہ نشہ میں مبتلا ہو گئے لیکن نشہ تو پلانے والے کو دیکھنے سے پیدا ہوا''۔

۱۲۔ محبوب کی طلب میں دل سفر کرے اور زبان اس کے ذکر میں ہمیشہ رطب اللسان رہے اس کی طلب میں دل کا سفر اس کی ملاقات کا شوق ہے اور زبان کا اس کے ذکر کے ساتھ جاری رہنا تو اس میں کوئی شک نہیں کہ جو شخص کسی سے محبت کرتا ہے اس کا ذکر زیادہ کرتا ہے۔

۱۳۔ اس بات کی طرف میلان ہو جو انسان کے موافق ہے مثلاً حسین صورتوں اور اچھی آوازوں سے محبت کرنا نیز دوسری لذات کہ کوئی طبع سلیم ان کی طرف میلان اور ان کی موافقت سے خالی نہیں۔

یا کسی حسن کے ذریعے اس کا ادراک کر کے لذت حاصل کرے یا اس کی محبت اس لئے ہو کہ اس کے اس پر انعامات واحسانات ہیں کیونکہ دلوں میں فطری طور پر یہ بات رکھی گئی ہے کہ ان پر جو احسان کرے اس سے محبت کرتے ہیں جس طرح حضرت ابو نعیم رحمہ اللہ نے ''الحلیۃ میں'' نیز ابو الشیخ اور دوسرے حضرات نے ذکر کیا۔ (حلیۃ الاولیاء ج ۴ ص ۱۲۱)

پس جب انسان اس شخص سے محبت کرتا ہے جو دنیا میں ایک یا دو مرتبہ اس پر ایسی چیز کا احسان کرے جو فانی ختم ہونے والی ہے یا عارضی ہلاکت اور تکلیف سے بچائے تو تمہارا کیا خیال ہے کہ جو شخص ہمیشہ رہنے والا عطیہ دے جس کے لئے زوال نہیں ہے اور اس کو ایسے دردناک عذاب سے بچائے جس کے لئے فنا یا پھر جانا نہیں اس سے محبت کس قدر لازم ہوگی؟

محبتِ رسول ﷺ

جب انسان کسی دوسرے سے اچھی صورتوں اور قابلِ تعریف سیرت کی وجہ سے محبت کرتا ہے تو کریم نبی اور عظیم رسول ﷺ کا کیا معاملہ ہوگا جو تمام محاسن اور اخلاق اور تکریم کے جامع ہیں جنہوں نے ہمیں تمام مکارم اور فضلِ عمیم عطا فرمایا اللہ تعالیٰ نے آپ کے ذریعے ہمیں کفر کے اندھیروں سے ایمان کے نور کی طرف نکالا' جہالت کی آگ سے بچایا اور معارف و یقین کے باغات کی راہ دکھائی' ہمیشہ کی نعمتوں میں ہمارے دائمی بقا کا یہی سبب ہے اس سے زیادہ قدر و قیمت اور عظمت والا احسان کون سا ہو سکتا ہے؟ اللہ تعالیٰ کے بقا کی قسم اللہ تعالیٰ کے بعد کسی دوسرے کا اس قدر احسان نہیں ہو سکتا جس قدر نبی اکرم ﷺ کا ہم پر احسان ہے اور ہمارے نزدیک آپ سے بڑھ کر کسی کو فضیلت حاصل نہیں ہے۔

ہم کس طرح آپ کا بعض شکریہ ادا کر سکتے ہیں اور آپ کے واجب حق کی ادائیگی عشر عشیر بھی نہیں کر سکتے۔ اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کے ذریعے ہمیں دنیا اور آخرت عطا فرمائی اور ہم پر اپنی نعمتیں انڈیل دیں وہ ظاہری ہوں یا باطنی۔

پس آپ کا استحقاق ہے کہ ہماری اپنے نفسوں' اولاد' اہل و عیال' مال اور سب لوگوں سے محبت کے مقابلے میں آپ سے زیادہ محبت ہو۔

بلکہ ہمارے ہر بال کے اُگنے کی جگہ آپ کے لئے محبت تامہ ہو تو یہ بھی اس حق کا بعض ہوگا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

لا یؤمن احدکم حتی اکون احب الیہ من والدہ و ولدہ. — تم میں سے کوئی (کامل) مؤمن نہیں ہو سکتا جب تک کہ میں اس کے نزدیک اس کے والد اور اولاد سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۱۴' صحیح مسلم رقم الحدیث:۷۰' سنن نسائی ج۸ ص۱۱۴' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۶۷' مسند احمد ج۳ ص۲۰۷۔ ۲۷۵۔۲۷۸' مصنف عبد الرزاق رقم الحدیث:۲۰۳۲۱' المستدرک ج۲ ص۴۸۶' اتحاف السادۃ المتقین ج۹ ص۵۲۷' سنن دارمی ج۲ ص۳۰۷' شرح السنہ ج۱ ص۵۰)

والد کا ذکر سب سے پہلے ہوا کیونکہ والد عام طور پر پایا جاتا ہے اور ہر شخص کا والد ہوتا ہے جب کہ دوسری صورت نہیں (یعنی بعض لوگوں کی اولاد نہیں ہوتی)۔

سنن نسائی میں ولد کا ذکر والد سے پہلے ہے کیونکہ اس میں شفقت زیادہ ہے عبد العزیز بن صہیب کی حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت میں: والناس اجمعین. اور سب لوگوں سے زیادہ۔ کے الفاظ بھی ہیں۔

صحیح ابن خزیمہ میں "من اھلہ و مالہ" کے الفاظ ہیں اور "من والدہ و ولدہ" کے الفاظ نہیں ہیں (یعنی اپنے اہل و مال کی محبت سے بڑھ کر مجھ سے محبت کرے) اس میں والد اور ولد معنوی طور پر زیادہ داخل ہیں کیونکہ عقلمند آدمی کے

نزدیک اہل و مال کے مقابلے میں والد اور ولد زیادہ عزیز ہوتے ہیں بلکہ بعض اوقات اپنے آپ سے بھی زیادہ عزیز ہوتے ہیں اسی لئے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں نفس کا ذکر نہیں ہے اور والد و ولد کے ذکر کے بعد ''الناس'' عام کے خاص پر عطف کے قبیل سے ہے (کیونکہ ''الناس'' میں ولد اور والد بھی داخل ہیں)۔

نبی اکرم ﷺ سے محبت کا معنیٰ

خطابی نے کہا کہ یہاں اختیاری محبت مراد ہے' طبعی محبت مراد نہیں ہے۔

امام نووی رحمہ اللہ نے فرمایا اس میں نفس امارہ اور نفس مطمئنہ کی طرف اشارہ ہے کیونکہ جو شخص نفس مطمئنہ کی جانب کو ترجیح دیتا ہے وہ نبی اکرم ﷺ کی محبت کو ترجیح دیتا ہے اور جو نفس امارہ کی جانب کو ترجیح دیتا ہے اس کا فیصلہ اس کے برعکس ہوتا ہے۔

قاضی عیاض رحمہ اللہ کے کلام میں ہے کہ یہ محبت صحتِ ایمان کے لئے شرط ہے کیونکہ انہوں نے محبت کو تعظیم اور اظہار بزرگی پر محمول کیا ہے۔

صاحب مفہم نے ان پر اعتراض کیا کہ یہ بات مراد نہیں ہے کیونکہ اعظم ہونے کا عقیدہ محبت کو لازم نہیں ہے کیونکہ بعض اوقات انسان کسی چیز کو عظیم سمجھتا ہے لیکن اس کی محبت سے خالی ہوتا ہے۔

وہ فرماتے ہیں اس بنیاد پر جو شخص اپنے نفس کا میلان نہ پائے اس کا ایمان مکمل نہیں ہوتا۔ ''صحیح بخاری کے باب الایمان والنذور میں'' حضرت عبداللہ بن ہشام سے مروی حدیث میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے قول میں اسی طرف اشارہ پایا جاتا ہے حدیث یوں ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں عرض کیا یا رسول اللہ! آپ مجھے میرے نفس کے علاوہ جو میرے پہلوؤں کے درمیان ہے ہر چیز سے زیادہ محبوب ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

لن یؤمن احدکم حتی اکون احب الیہ من نفسہ.

تم میں سے کوئی شخص ہرگز (کامل) مؤمن نہیں ہو سکتا **جب تک میں اس کے نزدیک اس کے نفس سے زیادہ** محبوب نہ ہو جاؤں۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا اس ذات کی قسم جس نے آپ پر کتاب نازل فرمائی ہے آپ میرے نزدیک میری ذات سے بھی زیادہ محبوب ہیں اس پر نبی اکرم ﷺ نے فرمایا۔ اے عمر! (تمہارا ایمان مکمل ہوا)۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۶۳۲' الشفاء ج ۲ ص ۱۹' کنز العمال رقم الحدیث: ۱۳۸۹۶)

تو اس محبت میں فقط اعظم ہونے کا عقیدہ نہیں کیونکہ یہ عقیدہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس سے پہلے قطعی طور پر حاصل تھا۔

ایک روایت میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

لا والذی نفسی بیدہ حتی اکون احب الیک من نفسک.

نہیں' اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے حتی کہ میں تمہارے نزدیک تمہارے نفس سے بھی زیادہ محبوب ہو جاؤں۔

بعض زاہدوں کا قول ہے کہ تقدیر کلام یوں ہے:

لا تصدق فی حبی حتی تؤثر رضای علی هواک وان کان فیه الهلاک. تم میری محبت میں سچے نہیں ہو سکتے حتی کہ میری رضا کو اپنی خواہش پر ترجیح دو اگرچہ اس میں ہلاکت ہو۔

جہاں تک حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا پہلے مرحلے میں توقف کرنے اور اپنے نفس کو مستثنیٰ کرنے کا تعلق ہے تو انسان کا اپنے نفس سے محبت کرنا ایک فطری امر ہے اور دوسرے سے محبت کرنا اسباب کے واسطے سے اختیاری ہے اور نبی اکرم ﷺ نے ان سے اختیاری محبت کا ارادہ فرمایا کیونکہ فطرت کو بدلا نہیں جا سکتا۔

اس بنیاد پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا پہلا جواب فطرت وطبیعت کے مطابق تھا پھر غور کیا اور استدلال سے معلوم ہوا کہ نبی اکرم ﷺ انہیں ان کے نفس سے بھی زیادہ محبوب ہیں کیونکہ آپ دنیا و آخرت میں ہلاکتوں سے نجات کا باعث ہیں پس انہوں نے اس بات کی خبر دی جو اختیار کا تقاضا تھا اسی لئے نبی اکرم ﷺ نے یوں جواب دیا کہ اے عمر! اب آپ کو معرفت حاصل ہوئی اور آپ نے وہ بات کہی جو واجب تھی۔

اللہ تعالیٰ کی محبت

جب ہمارے نبی حضرت محمد ﷺ جو اللہ تعالیٰ کے بندے اور رسول ہیں' کی یہ شان ہے کہ ہم آپ سے محبت کریں اور یہ بات واجب ہے کہ آپ کی محبت ہمارے نفسوں' اولاد' والدین اور تمام لوگوں کی محبت سے مقدم ہو تو اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس کی غیر کی محبت سے اس کے مقدم ہونے کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟ اور اللہ تعالیٰ کی محبت اپنی قدر وصفت میں دوسروں کی محبت سے الگ خاص مقام رکھتی ہے اور یہ صرف اللہ تعالیٰ کے لئے ہے پس بندے پر واجب ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات اسے اپنی اولاد اور والد سے بھی زیادہ محبوب ہو بلکہ اس کی سماعت' بصارت اور اس کے پہلو میں جو نفس ہے اس سے بھی زیادہ ہو پس اس کا معبود برحق اسے ہر چیز سے زیادہ محبوب ہو اور ایک چیز بعض وجہ سے محبوب ہوتی ہے اور بعض اعتبارات سے نہیں ہوتی اور کبھی اس (چیز) سے کسی غیر کی وجہ سے محبت ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے ہر اعتبار سے اس کی ذات کی وجہ سے محبت نہیں اور معبود ہونا صرف اسی کو لائق ہے محبت' فرمانبرداری اور خضوع اختیار کرنا اسے معبود ماننا ہے۔

نبی اکرم ﷺ سے محبت کی آزمائش

رسول اکرم ﷺ کے لئے مذکور محبت کی علامات میں سے ہے کہ انسان سوچے اگر اسے اختیار دیا جائے کہ اپنی کسی غرض کو چھوڑ دے یا نبی اکرم ﷺ کی زیارت کو چھوڑ دے (ان میں سے ایک بات اختیار کرے) پس اگر اپنی کسی غرض کو نہ پانے کے مقابلے میں آپ کو نہ پانا اس کے لئے زیادہ سخت ہو تو وہ رسول اکرم ﷺ کو سب سے زیادہ محبوب سمجھنے والا قرار پائے گا اور جس میں یہ بات نہ ہو وہ اس صفت سے محروم ہے۔

امام قرطبی فرماتے ہیں: جو شخص رسول اکرم ﷺ پر صحیح معنی میں ایمان رکھتا ہو وہ یقیناً اس محبت کو ترجیح دینے کے وصف سے خالی نہیں ہو سکتا البتہ ان کی محبت میں اختلاف ہے پس کسی کو اس محبت سے بہت بڑا حصہ ملتا ہے اور کسی کو ادنیٰ حصہ حاصل ہوتا ہے جس طرح خواہشات میں غرق انسان عام طور پر غفلتوں کے پردے میں ہوتا ہے لیکن ان میں سے اکثر لوگ ایسے ہیں کہ جب نبی اکرم ﷺ کا ذکر کیا جائے تو ان کو آپ کی زیارت کا ایسا شوق پیدا ہوتا ہے کہ وہ اسے اپنے

 42

اہل و مال اور اولاد پر ترجیح دیتے ہیں اور وہ اس مقصد کے حصول کے لئے اپنے آپ کو بڑی بڑی مشقتوں میں ڈالتے ہیں اور اپنے دل میں ایسا رجحان پاتے ہیں جس میں کوئی تردد نہیں ہوتا اور اس بات کا مشاہدہ کیا گیا کہ جو لوگ ان مذکورہ چیزوں پر نبی اکرم ﷺ کی قبر شریف کی زیارت اور آپ کے آثار مبارکہ کی جگہوں کی زیارت کو ترجیح دیتے ہیں تو اس کی وجہ یہی ہوتی ہے کہ ان کے دلوں میں آپ کی محبت ثابت وقائم ہوتی ہے البتہ مسلسل غفلتوں کی وجہ سے یہ بات جلد زائل ہو جاتی ہے۔

پس جس مسلمان کے دل میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت ہو وہ اسی محبت کے ساتھ اسلام میں داخل ہوتا ہے اور آپ کی محبت میں لوگوں کے درجات مختلف ہیں کیونکہ نبی اکرم ﷺ کی طرف سے جو نفع دونوں جہانوں کی بھلائی کے لئے پہنچتا ہے اس کے اندازے اور اس سے غفلت کے اعتبار سے فرق ہوتا ہے اور اس میں شک نہیں کہ اس معنیٰ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا حصہ نہایت کامل تھا کیونکہ یہ معرفت کا نتیجہ ہے اور وہ آپ کی معرفت زیادہ رکھتے تھے۔

صحابہ کرام کی نبی اکرم ﷺ سے محبت کے کچھ نمونے

ابن اسحاق نے روایت کیا جیسا کہ ''الشفاء میں'' نقل کیا گیا کہ انصار کی ایک عورت کا باپ بھائی اور خاوند جو احد کے دن نبی اکرم ﷺ کے ساتھ تھے شہید ہو گئے تو اس عورت نے پوچھا نبی اکرم ﷺ کے ساتھ کیا ہوا؟ صحابہ کرام نے جواب دیا آپ بہتر حالت میں ہیں جس طرح تم چاہتی ہو آپ اسی حالت میں ہیں اس نے کہا مجھے نبی اکرم ﷺ کی زیارت کراؤ تاکہ میں آپ کو دیکھوں جب اس نے آپ کی زیارت کی تو کہا:

كل مصيبة بعدك جلل.

آپ کے بعد ہر مصیبت چھوٹی ہے۔

اس حدیث کو امام بیہقی رحمہ اللہ نے ''دلائل النبوۃ میں'' نقل کیا اور ''اللباب کے'' مصنف نے ان الفاظ میں ذکر کیا کہ جب احد کے دن کہا گیا کہ حضرت محمد ﷺ شہید کر دیئے گئے ہیں اور مدینہ میں بہت زیادہ چیخ و پکار ہوئی تو انصار کی ایک خاتون باہر نکلیں اس نے اپنے بھائی' بیٹے' خاوند اور باپ کو شہادت کی حالت میں پایا اسے معلوم نہ تھا کہ وہ پہلے کس کا استقبال کرے وہ جب بھی ان میں سے کسی ایک کے پاس سے گزرتی کہ وہ حالت شہادت میں زمین پر پڑے ہیں تو پوچھتی یہ کون ہے؟ صحابہ کرام فرماتے تمہارا بھائی' تمہارا باپ' تمہارا خاوند اور تمہارا بیٹا ہے اس نے پوچھا نبی اکرم ﷺ کے ساتھ کیا ہوا انہوں نے کہا وہ تیرے آگے ہیں حتیٰ کہ وہ نبی اکرم ﷺ کی طرف چلی پس آپ کے کپڑے کا کنارہ پکڑ کر کہنے لگی یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں مجھے کوئی پرواہ نہیں جب آپ محفوظ ہیں۔ ابن ابی الدنیا نے اس کی مثل اختصار کے ساتھ روایت کیا۔

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ سے زیادہ مجھے کسی سے محبت نہیں۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ ہمیں اپنے مالوں' اولاد' آباؤ اجداد اور ماؤں اور حالت پیاس میں ٹھنڈے پانی سے بھی زیادہ محبوب تھے۔

جب اہل مکہ نے زید بن دثنہ کو حرم سے نکالا [1] کہ ان کو شہید کریں تو ابوسفیان بن حرب نے ان سے کہا اے زید!

---

[1] حضرت زید بن دثنہ بن معاویہ بن عبید بن معاویہ بن عامر بن بیاض انصاری کو حضرت خبیب ابن عدی رضی اللہ عنہ کے ساتھ کفار نے قید کر لیا صفوان بن امیہ نے حضرت زید کو خرید لیا یہ ذی قعدہ ۳ھ کا واقعہ ہے پھر محرم کے بعد شہید کرنے کے لئے مقام تنعیم میں لے گئے اسی موقعہ پر ... (زرقانی ج ٦ ص ٢٩١)

میں تجھے اللہ تعالیٰ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کیا تم چاہتے ہو کہ اس وقت تمہاری جگہ محمد ﷺ ہوتے اور ان کی گردن ماری جاتی اور تم اپنے گھر والوں کے پاس ہوتے؟ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

اللہ کی قسم میں یہ بات پسند نہیں کرتا کہ اس وقت حضرت محمد ﷺ اس جگہ ہوتے اور آپ کو کانٹا بھی چبھتا اور میں اپنے گھر والوں کے ساتھ بیٹھا ہوتا۔ ابوسفیان نے کہا میں نے لوگوں میں سے کسی کو نہیں دیکھا کہ وہ کسی سے اس طرح محبت کرے جس طرح حضرت محمد ﷺ کے صحابہ کرام آپ سے محبت کرتے ہیں۔

حضرت قاضی عیاض رحمہ اللہ نے ایک روایت نقل کی ہے کہ ایک شخص نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے عرض کیا آپ میرے نزدیک میرے گھر والوں اور مال سے بھی زیادہ محبوب ہیں اور میں آپ کا ذکر کرتا ہوں لیکن مجھے صبر نہیں آتا جب تک حاضر ہو کر آپ کی زیارت نہ کرلوں میں اپنی موت اور آپ کے وصال کو یاد کرتا ہوں تو معلوم کرتا ہوں کہ جب آپ جنت میں تشریف لے جائیں گے تو انبیاء کرام علیہم السلام کے ساتھ آپ کا بلند مقام ہوگا اور اگر میں جنت میں داخل ہوا تو آپ کو دیکھ نہیں سکوں گا اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ○ (النساء:٦٩)

اور جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کا حکم مانیں پس وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا یعنی انبیاء کرام' صدیقین' شہداء اور صالحین اور ان لوگوں کی دوستی کتنی اچھی ہے؟

چنانچہ نبی اکرم ﷺ نے اسے بلا کر اس کے سامنے یہ آیت کریمہ پڑھی۔

قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں ایک دوسری حدیث میں ہے کہ ایک شخص نبی اکرم ﷺ کے پاس آپ کو دیکھ رہا تھا اور نظر ہٹا تا نہیں تھا۔ آپ نے فرمایا تمہیں کیا ہوا؟ اس نے عرض کیا میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں میں آپ کی زیارت سے نفع اٹھا رہا ہوں۔ جب قیامت کا دن ہوگا تو اللہ تعالیٰ آپ کو فضیلت عطا فرماتے ہوئے بلند مقام عطا فرمائے گا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

امام بغوی رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں ان الفاظ میں ذکر کیا کہ یہ آیت نبی اکرم ﷺ کے غلام حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی۔ وہ نبی اکرم ﷺ سے بہت زیادہ محبت کرتے تھے اور آپ کے بغیر صبر نہیں کر سکتے تھے ایک دن آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور غم کی وجہ سے ان کے چہرے کا رنگ تبدیل ہو چکا تھا رسول اکرم ﷺ نے ان سے پوچھا تمہارا رنگ کیوں بدل گیا؟ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! مجھے کوئی بیماری یا تکلیف نہیں صرف یہ بات ہے کہ جب آپ کو دیکھ نہیں پاتا تو سخت وحشت ہوتی ہے حتیٰ کہ آپ کی زیارت کرلوں۔ پھر انہوں نے آخرت کا ذکر کیا اور عرض کیا کہ مجھے ڈر ہے کہ میں آپ کو دیکھ نہیں سکوں گا کیونکہ آپ کو انبیاء کرام علیہم السلام کے ساتھ بلند مقام عطا ہوگا اور میں اگر جنت میں داخل بھی ہوا تو آپ کی منزل و مقام سے میرا مقام ادنیٰ ہوگا اور اگر جنت میں داخل نہ ہوا تو آپ کو کبھی دیکھ نہیں سکوں گا۔ پس یہ آیت نازل ہوئی۔ (تفسیر بغوی ج ا ص ۴۵۸' تاریخ دمشق ج ۳ ص ۳۸۲)

امام واحدی نے بھی اسباب نزول میں اسی طرح ذکر کیا وہ اس کی نسبت کلبی کی طرف کرتے ہیں اور وہ حضرت ثوبان

رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔ (اسباب النزول للواحدی ص ۹۵)

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں بعض صحابہ کرام نے کہا کہ جنت میں کیا حال ہوگا آپ بلند درجات میں ہوں گے اور ہم آپ سے نچلے درجات میں ہوں گے پس آپ کو کیسے دیکھ سکیں گے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

ابن ظفر نے "ینبوع الحیاۃ میں" ان الفاظ کے ساتھ ذکر کیا کہ عامر شعبی فرماتے ہیں انصار میں سے ایک شخص نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا اللہ کی قسم یا رسول اللہ! آپ میرے نزدیک میری جان، مال، اولاد اور گھر والوں سے بھی زیادہ محبوب ہیں اگر میں آپ کے پاس حاضر ہو کر آپ کی زیارت نہ کروں تو میں سمجھتا ہوں کہ میں مر گیا یا عنقریب مر جاؤں گا۔ پھر وہ انصاری رونے لگے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا تم کیوں روتے ہو؟ عرض کیا میں یہ بات یاد کر کے روتا ہوں کہ عنقریب آپ کا وصال ہو جائے گا اور ہم بھی مر جائیں گے پس آپ انبیاء کرام کے ساتھ بلند مقام پر ہوں گے اور اگر ہم جنت میں داخل ہوئے تو آپ سے نیچے ہوں گے نبی اکرم ﷺ نے کوئی جواب نہ دیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ (مذکورہ بالا) آیت نازل فرمادی۔ (کشف الظنون ج ۲ ص ۲۰۵، الدر المنثور ج ۲ ص ۱۸۲)

ابن ظفر فرماتے ہیں مقاتل بن سلیمان نے اس کی مثل ذکر کیا ہے اور فرمایا کہ وہ (انصاری شخص) حضرت عبداللہ بن زید بن عبدربہ انصاری ہیں جنہوں نے (خواب میں) اذان کا معاملہ دیکھا انہوں نے یہ بھی ذکر کیا کہ یہ حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ اپنے ایک باغ میں کام کر رہے تھے کہ ان کے بیٹے نے آکر خبر دی کہ نبی اکرم ﷺ کا انتقال ہو گیا ہے تو انہوں نے دعا مانگی یا اللہ! میری بینائی زائل کر دے تاکہ میں اپنے محبوب حضرت محمد ﷺ کے بعد کسی کو نہ دیکھوں پس ان کی نگاہ رک گئی۔

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت

یہ بات جان لو کہ دل میں دو محبتوں کا جمع ہونا ممکن نہیں کیونکہ سچی محبت، محبوب کے ایک ہونے کو چاہتی ہے تو آدمی کو اپنے لئے دو محبتوں میں ایک کو اختیار کرنا چاہیے کیونکہ دونوں دل میں جمع نہیں ہو سکتیں اور آدمی اپنے محبوب کے نزدیک وہی کچھ ہوتا ہے جو ہوتا ہے جیسا کہ کہا گیا:

انت القتیل بای من احببتہ ۔۔۔۔۔ فاختر لنفسک فی الھوی من تصطفی

"تم جس سے محبت کرتے ہو اس کے مقتول ہو (یعنی اس کے سامنے فوت شدہ انسان کی طرح بے بس ہو جاؤ) پس محبت کے حوالے سے اپنے لئے اسے اختیار کرو جو دین کے اعتبار سے صاف ہو"۔

بعض حکماء فرماتے ہیں جس طرح ایک میان میں دو تلواریں نہیں آسکتیں اسی طرح ایک دل میں دو محبتوں کی گنجائش نہیں ہوتی تمہارا اپنے محبوب کی طرف متوجہ ہونا اس بات کو لازم کرتا ہے کہ اس کے سوا ہر چیز سے منہ پھیر لو پس جو شخص محبت میں مداہنت (منافقت) اختیار کرتا ہے یا حیلے بہانے سے کام لیتا ہے وہ غیرت کی چھری کے سامنے گلے کی رگوں کو پیش کرتا ہے پس رسول اکرم ﷺ کی محبت کے بغیر بلکہ نفسوں، آباؤ اجداد اور اولاد کی محبت سے آپ کی محبت کو مقدم کئے بغیر ایمان مکمل نہیں ہوتا کیونکہ آپ سے محبت درحقیقت اللہ تعالیٰ سے محبت ہے۔

حضرت ابو سعید خراز رحمہ اللہ سے منقول ہے جسے امام قشیری رحمہ اللہ نے اپنے رسالے میں ذکر کیا وہ فرماتے ہیں

میں نے نبی اکرم ﷺ کو خواب میں دیکھا تو عرض کیا یا رسول اللہ! مجھے معذور سمجھیں اللہ تعالیٰ کی محبت نے مجھے آپ کی محبت سے دور رکھا تو آپ نے مجھ سے فرمایا اے مبارک! جو اللہ تعالیٰ سے محبت کرتا ہے وہ مجھ سے محبت کرتا ہے۔ ۱

کہا گیا ہے کہ یہ واقعہ انصار کی ایک خاتون کو بیداری کی حالت میں پیش آیا نیز ابن ابی مجد (ابراہیم دسوقی رحمہ اللہ متوفی ۶۷۶ھ) کو پیش آیا:

الایا محب المصطفی زد صبابة — وضمخ لسان الذکر منک بطیبه
ولا تعبان بالمبطلین فانما — علامة حب اللہ حب حبیبه

"اے مصطفیٰ ﷺ سے محبت کرنے والے! اپنے شوق کو زیادہ کر اور زبانِ ذکر کو آپ کی تعریف وتعظیم سے ملا دے اور بدعقیدہ لوگوں کی پرواہ نہ کر کیونکہ اللہ تعالیٰ سے محبت کی علامت اس کے حبیب ﷺ سے محبت کرنا ہے"۔ (الاعلام ج ۱ ص ۵۹ طبقات الشعرانی ج ۱ ص ۱۴۳ لحظ مبارک ج ۱۱ ص ۷)

اسی طرح ہر وہ محبت جو اللہ تعالیٰ کی ذات میں اور اللہ تعالیٰ کے لئے ہو وہ بھی حضور علیہ السلام سے محبت ہے۔ ۲

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

ثلاث من کن فیه وجد حلاوة الایمان' ان یکون اللہ ورسوله احب الیه مما سواهما' وان یحب المرء لا یحبه الا اللہ وان یکره ان یعود فی الکفر کما یکره ان یقذف فی النار.

تین باتیں ایسی ہیں کہ جس میں پائی جائیں وہ ایمان کی مٹھاس حاصل کر لیتا ہے اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ﷺ اسے ان کے غیر سے زیادہ محبوب ہوں کسی شخص سے محبت صرف اللہ تعالیٰ کے لئے ہو اور کفر میں جانا اسے اس طرح ناپسند ہو جس طرح جہنم میں ڈالا جانا ناپسند ہے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۶۷' سنن نسائی ج ۸ ص ۹۴' مسند احمد ج ۳ ص ۱۰۳-۱۷۲-۲۳۰' موارد الظمآن ص ۲۸۵' مصنف عبد الرزاق رقم الحدیث: ۲۰۳۲۰' مجمع الزوائد ج ۱ ص ۵۵' اتحاف السادۃ المتقین ج ۵ ص ۵۴۷' الترغیب والترہیب ج ۴ ص ۱۴' حلیۃ الاولیاء ج ۱ ص ۲۷۔ ج ۲ ص ۲۸۸' کنز العمال رقم الحدیث: ۴۳۲۱۳)

پس ایمان کے ذائقے کو اللہ تعالیٰ کے رب ہونے پر راضی ہونے سے معلق ومشروط کیا اور اس کی مٹھاس کا پایا جانا اس چیز سے معلق کیا جس پر یہ موقوف ہے اور اس کے بغیر ایمان کی تکمیل نہیں ہوتی وہ یہ کہ بندے کے نزدیک اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ﷺ سب سے زیادہ محبوب ہوں پس جو شخص اللہ تعالیٰ کے رب ہونے پر راضی ہوتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ بندہ ہے۔

---

۱ پس ایمان کے ذائقے کو اللہ تعالیٰ کے رب ہونے پر راضی ہونے سے معلق ومشروط کیا اور اس کی مٹھاس کا پایا جانا اس چیز سے معلق کیا جس پر یہ موقوف ہے اور اس کے بغیر ایمان کی تکمیل نہیں ہوتی وہ یہ کہ بندے کے نزدیک اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ﷺ سب سے زیادہ محبوب ہوں پس جو شخص اللہ تعالیٰ کے رب ہونے پر راضی ہوتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ بندہ ہے۔

۲ یعنی جو شخص کہتا ہے کہ حضور علیہ السلام سے محبت اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے سے ذکر خداوندی رک جاتا ہے اس بدعقیدہ کی پرواہ نہ کر کیونکہ حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے احبونی لحب اللہ' اللہ تعالیٰ کی محبت کے لئے مجھ سے محبت کرو۔ ۱۲ ہزاروی

ایمان کی مٹھاس عبادات سے لذت حاصل کرنا اور دین میں مشقت برداشت کرنا ہے اور ان باتوں کو دنیوی اغراض پر ترجیح دینا ہے اور اللہ تعالیٰ کی محبت اس کی اطاعت کو اختیار کرنے اور اس کی مخالفت کو چھوڑنے میں ہے اسی طرح نبی اکرم ﷺ کا معاملہ ہے۔

یہ بات امام نووی رحمہ اللہ نے فرمائی ہے۔

دوسرے حضرات نے فرمایا اس کا معنی یہ ہے کہ جس کا ایمان مکمل ہو وہ جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کا حق والد' اولاد اور تمام لوگوں کے حق سے زیادہ ہے کیونکہ گمراہی سے ہدایت اور جہنم سے آزادی' رسول ﷺ کی زبان مبارک سے حاصل ہوتی ہے۔

نبی اکرم ﷺ کے ارشاد گرامی "حلاوۃ الایمان" میں استعارہ تخیلیہ ہے[1] کیونکہ ایمان میں مومن کی رغبت کو میٹھی چیز کے مشابہ قرار دیا اور اس کے لئے اس چیز کے لازم کو ثابت کیا اور اس کو اس کی طرف مضاف کیا اور اس میں مریض اور صحیح کے قصہ کی طرف اشارہ ہے کیونکہ صفراء کا بیمار شہد کو بھی کڑوا پاتا ہے اور صحیح آدمی اس کا ذائقہ اسی طرح پاتا ہے جیسے وہ ہے اور جب کسی چیز میں کمی آتی ہے تو اسی قدر اس کا ذوق بھی کم ہو جاتا ہے۔

ایمان کی مٹھاس کا معنیٰ

عارف ابن ابی جمرہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: حدیث شریف میں مذکور اس حلاوت (مٹھاس) میں اختلاف ہے کہ یہ محسوسات میں سے ہے یا معنوی چیز ہے تو ایک قوم نے اسے معنوی قرار دیا اور یہ فقہاء ہیں اور ایک قوم نے اسے محسوس پر محمول کیا اور لفظ کو ظاہر پر باقی رکھا اور اس میں کوئی تاویل نہیں کی یہ صوفیاء کرام ہیں۔

ابن ابی جمرہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس سلسلے میں صوفیا کی بات درست ہے اور اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ کیونکہ ان کے موقف میں لفظ کو ظاہر پر باقی رکھا جاتا ہے اور اس میں کوئی تاویل نہیں کی جاتی۔

وہ فرماتے ہیں صوفیا کے اس موقف پر صحابہ کرام' سلف صالحین اور اہل معاملہ کے احوال شاہد ہیں کیونکہ ان لوگوں کے بارے میں منقول ہے کہ انہوں نے اس مٹھاس کو محسوس کیا۔

اسی سلسلے میں ایک واقعہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے متعلق ہے آپ کے ساتھ جو سلوک ہوا کہ کفر پر مجبور کرنے کے لئے گرم ریت پر ڈالا گیا اور وہ "احد احد" (اللہ ایک ہے اللہ ایک ہے) پکارتے رہے تو سختی کی کڑواہٹ ایمان کی مٹھاس سے مل گئی اسی طرح جب ان کا وصال ہوا تو گھر والے کہتے تھے ہائے پریشانی! اور وہ فرماتے اے خوشی! میں کل اپنے محبوبوں یعنی نبی اکرم ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام سے ملوں گا تو موت کی کڑواہٹ ملاقات کی حلاوت سے مل گئی اور یہ ایمان کی حلاوت ہے۔

اسی ضمن میں اس صحابی کی حدیث ہے جن کا گھوڑا رات کے وقت چوری ہو گیا اور وہ نماز پڑھ رہے تھے انہوں نے چور کو دیکھا جب وہ چوری کر رہا تھا لیکن نماز کو نہیں توڑا اس سلسلے میں ان سے پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا میں جس کام میں مصروف تھا وہ اس سے زیادہ لذیذ تھا اور یہ ایمان کی حلاوت تھی جسے انہوں نے اس وقت محسوس کیا۔

---

[1] جب مشبہ میں مشبہ بہ کے لوازم میں سے کسی لازم کو ثابت کیا جائے تو اسے استعارہ تخیلیہ کہتے ہیں تو ایمان کو میٹھی چیز سے تشبیہ دے کر اس میں مٹھاس ثابت کی گئی۔ ۱۲ ہزاروی

ان دو صحابہ کرام کی حدیث بھی اسی بات کو واضح کرتی ہے جن کو نبی اکرم ﷺ نے کسی غزوہ میں دشمن کی طرف بھیجا تو وہ آیا اور اس نے ان دونوں کو دیکھا جاسوس نے کمان نکالی اور صحابی پر تیر پھینک دیا جوان کو جا لگا لیکن انہوں نے اپنی نماز کو نہیں توڑا پھر دوسرا تیر مارا جوان کو جا لگا لیکن اس کے لئے نماز نہیں توڑی پھر تیسرا تیر مارا وہ بھی انہیں لگا اس وقت انہوں نے دوسرے ساتھی کو جگایا اور فرمایا اگر مجھے مسلمانوں کا خوف نہ ہوتا تو میں نماز نہ توڑتا۔

(دلائل النبوۃ ج ۳ ص ۳۷۸' سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۱۹۸' مسند احمد ج ۳ ص ۳۴۳' المستدرک ج ۱ ص ۱۵۶' السنن الکبری ج ۱ ص ۱۴۰۔ ج ۹ ص ۱۵۰' موارد الظمآن رقم الحدیث: ۲۵۰' البدایہ والنہایہ ج ۴ ص ۸۷' سنن دار قطنی ج ۱ ص ۲۲۴ رقم الحدیث: ۱)

تو ان کا یہ عمل اس حلاوت ایمان کی وجہ سے تھا جس نے ان سے اسلحہ سے پہنچنے والی تکلیف کا احساس زائل کر دیا۔

ابن ابی جمرہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں اہل معاملہ کے ایسے کئی واقعات منقول ہیں ان دو صحابہ کرام والی حدیث امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں "باب من لم یر الوضوء الا من المخرجین" میں ان الفاظ کے ساتھ ذکر کی ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ غزوہ ذات الرقاع میں تھے کہ ایک شخص کو تیر لگا جس سے خون نکل پڑا انہوں نے رکوع اور سجدہ کیا اور نماز کو جاری رکھا۔

ابن اسحاق نے مغازی میں متصل سند کے ساتھ ذکر کیا انہوں نے کہا مجھ سے صدقہ بن یسار نے بیان کیا وہ عقیل بن جابر سے اور وہ اپنے والد حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے طویل حدیث روایت کرتے ہیں۔

اس حدیث کو امام احمد' امام ابو داؤد اور دار قطنی رحمہم اللہ نے بھی نقل کیا ہے۔ ابن خزیمہ' ابن حبان اور امام حاکم رحمہم اللہ نے اسے صحیح قرار دیا ان سب نے ابن اسحاق کے طریق سے روایت کیا "فتح الباری میں" فرمایا ان کے شیخ جن کا نام صدقہ ہے ثقہ ہیں اور حضرت عقیل سے صدقہ (راوی) کے علاوہ کسی دوسرے کی روایت میرے علم میں نہیں ہے اسی لئے امام بخاری نے اس پر یقین نہیں کیا یا اس کے اختصار کی وجہ سے یا ابن اسحاق میں اختلاف کی وجہ سے انہوں نے ایسا کیا۔

امام بیہقی رحمہ اللہ نے "الدلائل میں" دوسری وجہ سے ذکر کیا ان دو صحابیوں میں سے ایک کا نام عباد بن بشر انصاری ہے اور دوسرے حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما ہیں جو مہاجرین میں سے ہیں اور وہ نماز میں سورۂ کہف پڑھ رہے تھے۔

"مما سواہما" (اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے علاوہ) کی وضاحت

نبی اکرم ﷺ نے "مما سواہما" کے الفاظ ذکر کیے (یعنی اللہ تعالیٰ اور رسول اکرم ﷺ کے علاوہ) اور "ممن" نہیں فرمایا (یعنی من کی جگہ ما فرمایا) تا کہ عقل والوں اور بے عقل سب کو شامل ہو۔

اور یہ فرمایا:

وَاَنْ یَّکُوْنَ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ احب اِلَیْہِ مِمَّا سِوَاھُمَا۔

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اس کے نزدیک ان دونوں کے غیر سے زیادہ محبوب ہوں۔

یہ اس بات کی دلیل ہے کہ دونوں کو ایک ہی ضمیر کے ساتھ جمع کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے اس خطیب کے بارے میں کہا "ومن یعصھما" (اور جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے) آپ نے فرمایا "بئس الخطیب انت" تو برا خطیب ہے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث:۴۸ مسند احمد ج ۴ ص ۲۵۶۔۳۷۹ المستدرک ج ۱ ص ۲۸۹ السنن الکبریٰ ج ۱ ص ۸۶۔ج ۳ ص ۲۱۶ مشکل الآثار ج ۴ ص ۲۹۶ تفسیر قرطبی ج ۱۴ ص ۲۳۲ سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۱۰۹۹)

تو اس کا حکم یہ نہیں کیونکہ خطبوں میں وضاحت ہوتی ہے اور یہاں الفاظ میں اختصار مراد ہے تاکہ یاد ہو سکے اور اس پر نبی اکرم ﷺ کا یہ ارشاد گرامی دلالت کرتا ہے آپ نے فرمایا:

ومن یعصھما فلا یضر الانفسہ.
(سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۱۰۹۷)

اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی کرے وہ اپنے آپ کو ہی نقصان پہنچاتا ہے۔

(آپ نے دونوں کے لئے ایک ضمیر استعمال فرمائی)۔

کہا گیا ہے کہ یہ آپ کے خصائص میں سے ہے پس آپ کے غیر سے منع ہے آپ سے منع نہیں ہے کیونکہ جب کوئی دوسرا جمع کرے گا تو برابری کے اطلاق کا وہم ہو گا جب کہ آپ کے اپنے جمع کرنے سے یہ وہم نہیں پڑتا کیونکہ آپ کے منصب عالی میں اس قسم کا وہم جگہ نہیں پاتا۔ ابن عبدالسلام کا میلان اسی طرف ہے۔

اس حدیث اور اس خطیب کے واقع کو جمع کرتے ہوئے اچھا اور عمدہ جواب یوں دیا جاتا ہے کہ یہاں ضمیر کا تثنیہ لانا اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ معتبر وہی محبت ہے جو ان دونوں محبتوں کا مجموعہ ہو دونوں کی انفرادی محبت نہیں کیونکہ صرف ایک کی محبت ہو تو وہ لغو ہے جب تک اس کے ساتھ دوسرے کی محبت ملی ہوئی نہ ہو پس جو شخص اللہ تعالیٰ کی محبت کا دعویٰ کرے اور رسول اکرم ﷺ سے محبت نہ کرے تو وہ اسے نفع نہیں دے گی۔ قرآن مجید کی اس آیت میں اسی طرف اشارہ ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ (آل عمران:۳۱)

آپ فرما دیجئے اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرے گا۔

تو نبی اکرم ﷺ کی اتباع کو دو کناروں کے درمیان رکھا ایک بندوں کی اللہ تعالیٰ سے محبت اور دوسری اللہ تعالیٰ کی بندوں سے محبت۔ اور خطیب والے معاملے میں انفرادیت ہے کیونکہ دونوں نافرمانیاں مستقل ہیں جو سرکشی اختیار کرنے سے لازم آتی ہیں کیونکہ عطف میں عامل کا تکرار ہوتا ہے اور اصل یہ ہے کہ معطوفین میں ہر ایک حکم میں مستقل ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد گرامی اسی طرف اشارہ کرتا ہے:

وَاَطِیْعُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ (النساء:۵۹)

اور اللہ تعالیٰ کا حکم مانو اور رسول ﷺ اور ارباب اختیار کا جو تم میں سے ہیں۔

تو رسول ﷺ کا ذکر کرتے ہوئے "اطیعوا" کا لفظ دوبارہ لایا گیا لیکن "اولی الامر" میں نہیں لایا گیا کیونکہ وہ اطاعت میں رسول ﷺ کی طرح مستقل نہیں ہیں۔

یہ بیضاوی اور طیبی کے قول کا اختصار ہے جیسا کہ فتح الباری میں ہے۔

ایمان کا ذائقہ

صحیح حدیث میں ہے:

ذاق طعم الایمان من رضی باللہ ربا وبالاسلام دینا و بمحمد رسولا. — اس شخص نے ایمان کا ذائقہ حاصل کیا جو اللہ تعالیٰ کے رب ہونے اسلام کے دین اور حضرت محمد ﷺ کے رسول ہونے پر راضی ہوا۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث:۵۶)

"مدارج السالکین میں ہے کہ" نبی اکرم ﷺ نے اس بات کی خبر دی کہ ایمان کا ذائقہ ہوتا ہے جسے دل چکھتا ہے جیسا کہ زبان کھانا اور پانی کا ذائقہ محسوس کرتی ہے۔

نبی اکرم ﷺ نے ایمان واحسان کی حقیقت اور دل میں اس کے حصول کو کبھی ذوق (ذائقہ) سے تعبیر فرمایا اور کبھی کھانے اور مشروب سے اور کبھی مٹھاس پانے سے۔ جس طرح لفظ "ذاق" فرمایا یعنی چکھا اور فرمایا:

ثلاث من کن فیه وجد حلاوۃ الایمان. — جس شخص میں تین باتیں ہوں اس نے ایمان کی مٹھاس کو پایا۔

اور صحابہ کرام کو وصال کے روزے رکھنے سے منع فرمایا تو ارشاد فرمایا:

انی لست کھیئتکم انی اطعم واسقی. — میں تمہاری طرح نہیں ہوں مجھے کھلایا اور پلایا جاتا ہے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث:۴۷۷، سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۲۳۶۰، موطا امام مالک رقم الحدیث:۳۰۰، تمہید رقم الحدیث:۵۸۰، تاریخ اصبہان ج۲ص۲۷۲)

جس کا خیال ہے کہ اس سے حسی کھانا اور مشروب مراد ہے جو منہ کے ذریعے کھایا جاتا ہے وہ سخت پردے میں ہے۔ اس کی مزید تحقیق ان شاء اللہ نبی اکرم ﷺ کی عبادات کے ضمن میں روزے کے ذکر میں آئے گی۔

مقصود یہ ہے کہ ایمان کی مٹھاس چکھنا ایک ایسا امر ہے جسے دل پاتا ہے اور اس کی نسبت دل کی طرف ہوتی ہے جس طرح کھانے کا ذائقہ منہ سے تعلق رکھتا ہے اور جماع کی حلاوت لذت سے متعلق ہوتی ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

حتی تذوقی عسیلته و یذوق عسیلتک. — حتیٰ کہ تم اس (دوسرے خاوند) کا ذائقہ چکھو اور وہ تمہارا ذائقہ (لذت) چکھے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث:۱۱۱، صحیح البخاری رقم الحدیث:۵۳۱۷، سنن نسائی ج۶ص۱۳۶ رقم الحدیث:۱۷۰۲، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۱۹۳۳، مسند احمد ج۶ص۳۴۔۳۷۔۱۹۳، السنن الکبریٰ ج۷ص۳۳۳۔۳۷۴، اتحاف السادۃ المتقین ج۷ص۱۱۴، مصنف ابن ابی شیبہ ج۴ص۲۷۴، الدر المنثور ج۱ص۲۸۴)

ایمان کا ذائقہ بھی ہے اور مٹھاس بھی جن دونوں سے ذوق اور کیفیت کا تعلق ہوتا ہے اور جب تک بندہ اس حالت تک نہ پہنچے شبہ اور شکوک باقی ہوتے ہیں اس کے بعد ایمان اس کے دل میں حقیقتاً جاگزیں ہو جاتا ہے پس وہ اس کا ذائقہ چکھتا اور مٹھاس پاتا ہے۔

عارف کبیر تاج الدین بن عطاء اللہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اس حدیث میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ وہ دل جو غفلت اور خواہش کی بیماریوں سے محفوظ ہوں وہ معانی (

لذتوں سے لطف اندوز ہوتے ہیں جس طرح نفوس کو کھانوں کی لذت حاصل ہوتی ہے اور ایمان کا ذائقہ وہی شخص چکھتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے رب ہونے پر راضی ہو کیونکہ جب وہ اللہ تعالیٰ کے رب ہونے پر راضی ہوگا تو اس کے حکم کے سامنے سر تسلیم خم کر دے گا اور اس کی فرمانبرداری کرے گا پس وہ زندگی کی لذت اور اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کرنے کی راحت پائے گا اور جب وہ اللہ تعالیٰ سے اس کے رب ہونے کی وجہ سے راضی ہو تو اسے بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے رضا حاصل ہو گی۔

پس جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسے رضا حاصل ہوگی تو اللہ تعالیٰ اسے اس کی مٹھاس عطا فرمائے گا تا کہ اسے معلوم ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ نے اس پر کیا احسان کیا ہے نیز وہ اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کے احسان کی پہچان حاصل کرے تو جب اس بندے پر عنایت ہوتی ہے تو احسانات کے خزانوں سے اس کے لئے عطائیں ظاہر ہوتی ہے اور جب اس تک اللہ تعالیٰ کی مدد اور انوار پہنچتے ہیں تو اس کا دل بیماریوں سے پاک ہو جاتا ہے پس اس کا ادراک صحیح ہوتا ہے اور ایمان کی لذت اور مٹھاس پاتا ہے کیونکہ اس کا ادراک صحیح اور ذوق سلامت ہے۔

اور حضور علیہ السلام کا ارشاد گرامی:

وبالاسلام دینا۔ اور میں اسلام کے دین ہونے پر راضی ہوں۔

مطلب یہ ہے کہ جب اسلام کے دین ہونے پر راضی ہوگا تو اس پر اس کا مولیٰ راضی ہوگا اور یہ بات لازم ہے کہ جو شخص حضرت محمد ﷺ کے نبی ہونے پر راضی ہو وہ آپ کی دوستی اختیار کرے آپ کے آداب و اخلاق کے زیور سے آراستہ ہو دنیا سے بے رغبتی اختیار کرے اپنے مجرم کو معاف کرے اور برائی کرنے والے کو بھی معاف کر دے اس کے علاوہ وہ عمل کرے، قول و فعل، عمل اور ترک عمل محبت اور بغض پر اعتبار سے نبی اکرم ﷺ کی اتباع ثابت ہو۔

پس جو شخص اللہ تعالیٰ کے رب ہونے پر راضی ہوتا ہے وہ اس کے سامنے گردن جھکا دیتا ہے اور جو اسلام پر راضی ہوتا ہے اس کے مطابق عمل کرتا ہے اور جو شخص نبی اکرم ﷺ کی نبوت پر راضی ہوتا ہے وہ آپ کی اتباع کرتا ہے اور یہ نہیں کہ ان میں سے کسی ایک بات کو اپنائے بلکہ ان تمام باتوں کو اپنانا ضروری ہے کیونکہ یہ بات محال ہے کہ کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی ربوبیت پر راضی ہو اور دین اسلام کو پسند نہ کرے یا دین اسلام پر راضی ہو لیکن حضرت محمد ﷺ کی نبوت پر راضی نہ ہو ان باتوں کا ایک دوسرے کے لئے لازم و ملزوم ہونا واضح ہے جس میں کوئی پوشیدگی نہیں۔

اللہ تعالیٰ کی محبت کا حکم

اللہ تعالیٰ کی محبت دو قسموں میں تقسیم ہوتی ہے۔

(۱) فرض (۲) مستحب

فرض محبت کی بنیاد اللہ تعالیٰ کے اوامر کی بجا آوری گناہوں سے رکنا اور اس کی تقدیر پر راضی ہونا ہے پس جو شخص حرام فعل کے ارتکاب یا ترک واجب کی وجہ سے گناہ میں پڑتا ہے تو اس کی وجہ محبت الٰہیہ میں کمی ہے کہ اس نے نفسانی خواہش کو مقدم کیا اور یہ کوتاہی مباح چیزوں کی کثرت حاصل کرنے کی وجہ سے ہوتی ہے کیونکہ اس سے غفلت پیدا ہوتی ہے جو امید میں وسعت کا تقاضا کرتی ہے جس کے نتیجے میں وہ گناہ کا اقدام کرتا ہے یا مسلسل غفلت کی وجہ وہ گناہ میں پڑتا

ہے۔اور یہ دوسری صورت (غفلت) ندامت کی حالت میں جلدی ختم ہو سکتی ہے۔

مستحب محبت یہ ہے کہ ہمیشہ نفل پڑھے اور شبہات میں پڑنے سے اجتناب کرے عام اوقات میں اس صفت سے موصوف لوگ شاذونادر ہوتے ہیں۔

''صحیح بخاری میں'' حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ نبی اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں اور آپ اپنے رب سے (حدیث قدسی کے طور پر) نقل کرتے ہیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

ما تقرب الی عبدی بمثل اداء ما افترضته علیه. وفی روایة بشیء احب الی من اداء ما افترضته علیه. ولا یزال عبدی یتقرب الی بالنوافل حتی احبه' فاذا احببته کنت سمعه الذی سمع به' و بصره الذی یبصر به' و یده التی یبطش بها' ورجله التی یمشی بها فبی یسمع' وبی یبصر' وبی یبطش' وبی یمشی' ولئن سالنی لا عطینه' ولئن استعاذنی لا عیذنه' وما ترددت فی شیء انا فاعله ترددی عن قبض نفس عبدی المؤمن' یکره الموت' واکره مساء ته.

میرا بندہ فرائض کی ادائیگی کے ذریعے جس قدر میرا قرب حاصل کرتا ہے اس کی مثل کسی عمل سے (قرب) حاصل نہیں کرتا ایک روایت میں ہے کہ کسی ایسی چیز سے میرا قرب حاصل نہیں کرتا جو فرض کی ادائیگی سے زیادہ پسندیدہ ہو اور بندہ نوافل کے ذریعے ہمیشہ میرا قرب حاصل کرتا ہے حتیٰ کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں پس جب میں اس سے محبت کرتا ہوں تو میں اس کے کان بن جاتا ہوں جن سے سنتا ہے اس کی آنکھیں ہو جاتا ہوں جن سے وہ دیکھتا ہے اور اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے اور اس کا پاؤں بن جاتا ہوں جس کے ساتھ چلتا ہے پس وہ میری طاقت سے سنتا ہے اور میری طاقت سے دیکھتا ہے میری طاقت سے پکڑتا اور میری طاقت سے چلتا ہے اور اگر وہ مجھ سے مانگے تو میں اسے عطا کرتا ہوں اور اگر وہ میری پناہ طلب کرے تو میں اسے پناہ دیتا ہوں اور مجھے کسی کام میں تردد نہیں جسے میں کرتا ہوں جس قدر تردد اپنے مؤمن بندے کی روح قبض کرنے میں ہوتا ہے وہ موت کو ناپسند کرتا ہے اور میں اس کی برائیوں کو ناپسند کرتا ہوں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۵۰۲' السنن الکبریٰ ج ۳ ص ۳۶۔ ج ۱۰ ص ۲۱۹' اتحاف السادۃ المتقین ج ۸ ص ۴۷۷' الاتحافات السنیہ رقم الحدیث: ۵)

''وما تقرب الی عبدی بشی احب الی '' کے الفاظ سے یہ فائدہ حاصل ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ عمل فرائض کی ادائیگی ہے۔

سوال: اس بنیاد پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ نوافل کا نتیجہ محبت کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے لیکن فرائض کے نتیجے میں محبت نہیں

آتی؟

جواب: نوافل سے مراد یہ ہے کہ وہ فرائض کے ساتھ ہوں فرائض پر مشتمل ہوں اوران کی تکمیل کا باعث ہوں اس کی تائید حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ کی اس روایت سے ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان نقل کیا گیا۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

ابن آدم انک لا تدرک ما عندی الا باداء ما افترضته علیک.

اے ابن آدم! جو کچھ میرے پاس ہے اسے تم اسی صورت میں پا سکتے ہو جب اس عمل کی ادائیگی کرو جسے میں نے تم پر فرض کیا ہے۔

یا اس کا جواب یوں دیا جاسکتا ہے کہ نوافل کو عمل میں لانا محض محبت کی وجہ سے ہے چھوڑنے پر عذاب کا خوف نہیں ہوتا جب کہ فرائض کا معاملہ اس کے خلاف ہے (کیونکہ اس پر عمل کرنا نجات اور ترک کرنا عذاب کا باعث ہے)۔

فاکہانی نے کہا حدیث کا معنی یہ ہے کہ جب فرض ادا کرے اور نفلی نماز اور روزے وغیرہ پر دوام ہو تو یہ بات اللہ تعالیٰ کی محبت تک پہنچاتی ہے۔

سوال: یہاں یہ سوال بھی پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کس طرح بندے کی سماعت وبصارت بنتا ہے؟

جواب: اس کے کئی جواب ہیں۔

ایک جواب یہ ہے کہ یہ بطور مثال ہے معنی یہ ہے کہ میں اس کی سمع اور بصر کی طرح ہو جاتا ہوں کہ وہ میرے حکم کو ترجیح دیتا ہے پس وہ میری اطاعت کو چاہتا ہے اور میری عبادت کو اس طرح ترجیح دیتا ہے جس طرح ان اعضاء کو پسند کرتا ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ اس کا مفہوم یوں ہوگا کہ وہ کلی طور پر میری ذات میں مشغول ہو جاتا ہے اور اس کے کان ادھر ہی متوجہ ہوتے ہیں جہاں میری رضا ہوتی ہے اور وہ اپنی آنکھوں سے اسے ہی دیکھتا ہے جسے دیکھنے کا میں نے اسے حکم دیا۔

تیسرا جواب یہ ہے کہ میں اس کی مدد میں اس کے کان آنکھ ہاتھ اور پاؤں کی طرح ہو جاتا ہوں یعنی دشمن کے خلاف اس کی مدد کرتا ہوں۔

چوتھا جواب یہ ہے کہ یہاں مضاف محذوف ہے مطلب یہ ہے کہ میں اس کی کانوں کی حفاظت کرتا ہوں جن سے وہ سنتا ہے پس وہ وہی بات سنتا ہے جس کا سننا اس کے لئے جائز ہے اور اس کی نگاہوں کی حفاظت کرتا ہوں اسی طرح آخر تک ہے۔ یہ بات فاکہانی نے فرمائی ہے۔

فاکہانی فرماتے ہیں ایک اور معنی کا بھی احتمال ہے جو پہلے معانی سے زیادہ باریک ہے یعنی سمع، مسموع کے معنی میں ہو کیونکہ بعض اوقات مصدر مفعول کے معنی میں آتا ہے مثلاً "فلان املی" یعنی "ما مولی" فلاں میری امیدگاہ ہے معنی یہ ہے کہ وہ صرف میرا ذکر سنتا ہے اور میری کتاب کی تلاوت سے لذت حاصل کرتا ہے اور وہ میرے ساتھ مناجات سے ہی مانوس ہوتا ہے وہ میرے ملکوت (عالم غیب) کے عجائب دیکھتا ہے اور اپنے ہاتھ وہیں پھیلاتا ہے جہاں میری رضا ہو اور یہی حال پاؤں کا ہے۔

دوسرے حضرات نے فرمایا قابل اعتماد علماء کرام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ یہ مجاز ہے اور بندے کی مدد، تائید اور

اعانت سے کنایہ ہے گویا اللہ تعالیٰ اس کے ہاں آلات کے قائم مقام ہوتا ہے جن آلات سے مدد لی جاتی ہے۔ اسی لئے ایک روایت میں یوں آیا ہے:

فبی یسمع وبی یبصر وبی یبطش وبی یمشی.
وہ میری مدد سے سنتا ہے میری مدد سے دیکھتا میری مدد سے پکڑتا اور میری مدد سے چلتا ہے۔

اتحادی فرقہ (جو دو ذاتوں کو ایک سمجھتا ہے حالانکہ یہ باطل ہے) کا خیال یہ ہے کہ اسے حقیقت پر محمول کیا جائے گا اور حق عین عبد ہے۔ اللہ تعالیٰ ان ظالموں اور منکروں کے قول سے بہت بلند و بالا ہے۔

خطابی نے کہا کہ اس کا مطلب دعا کی جلد قبولیت اور مطلوب کے ساتھ کامیابی ہے اور وہ اس طرح کہ انسان کی تمام مساعی ان ہی مذکورہ اعضاء کے ساتھ ہوتی ہے۔

ابوعثمان الحیری (یا الجیزی) جو ائمہ طریقت میں سے ایک ہیں فرماتے ہیں مطلب یہ ہے کہ میں اس کی دعا کو اتنی جلدی قبول کرتا ہوں کہ ابھی سننا' دیکھنا' چھونا اور چلنا نہیں پایا جاتا کہ دعا قبول ہو جاتی ہے امام بیہقی نے ان سے "کتاب الزہد" میں اسی طرح روایت کیا ہے۔ (الزہد الکبیر ص ۲۷۳ رقم الحدیث: ۷۰۲)

بعض کج رو (ٹیڑھے راستے پر چلنے والے) لوگوں نے اسے اپنے دعویٰ پر محمول کیا ہے وہ یوں کہ بندہ جب ظاہری اور باطنی عبادت کو لازم کر لیتا ہے حتیٰ کہ کدورتوں سے پاک ہو جاتا ہے تو وہ حق کے معنیٰ میں ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کے اس قول سے پاک ہے (وہ کہتے ہیں) بندہ اپنے تمام جسم سے فنا ہو جاتا ہے حتیٰ کہ وہ گواہی دیتا ہے کہ خود اللہ تعالیٰ اپنا ذکر کرتا ہے خود اپنی توحید بیان کرتا' خود اپنے آپ سے محبت کرتا ہے اور یہ اسباب اور رسوم بالکل معدوم ہو جاتے ہیں۔

یہ تمام احتمالات ہیں لیکن حدیث کا باقی حصہ اتحادیہ فرقہ اور وحدت مطلقہ کے قائلین کے استدلال کی نفی کرتا ہے کیونکہ فرمایا' ولئن سالنی " (اگر وہ مجھ سے سوال کرے) عبدالواحد کی روایت میں "عبد" کا لفظ بھی ہے (مطلب یہ کہ **سائل اور ہے اور مسئول اور' لہٰذا اتحاد و وحدت کا تصور غلط ہوا)۔**

ابن قیم نے کہا۔

"یہ حدیث قدسی شریف جس کا معنیٰ اور مراد سمجھنا سخت طبیعت اور سخت دل پر حرام ہے اس نے اللہ تعالیٰ کی محبت کو دو باتوں میں بند کر دیا فرائض کی ادائیگی اور نوافل کے ذریعے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنا پس جب بندہ اللہ تعالیٰ کا محبوب بن جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی محبت اس کے لئے ایک اور محبت کو جنم دیتی ہے جو پہلی محبت سے اوپر ہوتی ہے پس یہ محبت اس کے دل کو محبوب کے غیر میں مشغولیت اور اس کی فکر سے پھیر دیتی ہے اور اس کی روح اسی محبوب میں بند ہو کر رہ جاتی ہے اور اس میں غیر محبوب کے لئے ایک گھڑی بھی باقی نہیں رہتی۔

پس اس کے محبوب کا ذکر اور اس کی محبت اور شانِ عجیب اس شخص کے دل کی لگام کی مالک ہو جاتی ہے اور اس کی روح پر اس کا قبضہ اس طرح ہوتا ہے جس طرح محبوب اپنے سچے محب پر اس کی اس محبت میں غالب آتا ہے جس میں محب کی تمام قوتوں کا مرکز محبوب ہوتا ہے اور اس میں شک نہیں کہ وہ سنتا ہے تو محبوب کے ساتھ سنتا ہے اگر دیکھتا ہے تو محبوب کے ساتھ دیکھتا ہے اور اسی کے ذریعے نظر کرتا اور اگر چلتا ہے تو اسی کے ساتھ چلتا ہے پس وہ اس کے دل اور نفس میں ہوتا

ہے اور اس کا انیس اور ساتھی ہوتا ہے۔ یہاں باء (بی میں باء) مصاحبت کی باء ہے (ساتھ کا معنیٰ دیتی ہے) اس کی کوئی مثال نہیں اور اس کا ادراک محض خبر دینے اور اس کے علم کے ساتھ نہیں پس یہ مسئلہ حال کے ساتھ تعلق رکھتا ہے محض علمی مسئلہ نہیں ہے۔

ابن قیم نے کہا کہ جب بندے کی طرف سے اس کے رب کو محبت میں موافقت حاصل ہوتی ہے تو بندے کو اپنے رب کی طرف سے حاجات و مطالب میں موافقت حاصل ہوتی ہے (یعنی جب بندہ اپنے رب سے محبت کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی حاجات کو پورا کرتا ہے) چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

ولئن سالنی لاعطینه ولئن استعاذنی لا عیذنه.

اور اگر وہ (بندہ) مجھ سے کچھ مانگے تو میں اسے ضرور دوں گا اور اگر مجھ سے پناہ مانگے تو میں اسے ضرور پناہ دوں گا۔

یعنی جس طرح وہ میرے احکام کی بجا آوری کر کے میری مراد میں مجھ سے موافقت کرتا ہے اور میری محبت کے ذریعے مجھ سے قرب اختیار کرتا ہے میں اس کی موافقت یوں کرتا ہوں کہ جو کچھ مجھ سے مانگتا ہے میں اسے عطا کرتا ہوں اور پناہ مانگے تو اسے پناہ دیتا ہوں اس موافقت کا معاملہ دونوں طرف سے مضبوط ہوتا ہے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ بندے کو موت دینے میں تردد فرماتا ہے کیونکہ وہ (بندہ) موت کو پسند نہیں کرتا اور اللہ تعالیٰ اس بات کو پسند نہیں کرتا جسے اس کا بندہ ناپسند کرتا ہے اور وہ اس کو تکلیف پہنچانا نہیں چاہتا پس اس جہت سے وہ چاہتا ہے کہ اسے موت نہ دے لیکن اس کی مصلحت اس شخص کو موت دینے میں ہے وہ اس کو اس لئے موت دیتا ہے کہ اسے (دوبارہ) زندہ کرے اور بیمار اس لئے کرتا ہے کہ اسے صحت عطا کرے محتاج اس لئے کرتا ہے کہ مالدار کردے اور روکتا اس لئے ہے کہ اس کو عطاء کرے اور اسے حضرت آدم علیہ السلام کی پیٹھ میں جنت سے اس لئے نکالا کہ دوبارہ اس کو اچھی حالت میں لوٹائے حقیقت میں یہی محبوب ہے اس کے سوا کوئی نہیں۔

خطابی نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کے حق میں تردد کا عقیدہ جائز نہیں اور کسی مصلحت کے اس کے سامنے ظاہر ہونے کی کوئی گنجائش نہیں (کیونکہ اس سے کوئی بات پوشیدہ نہیں) لیکن اس کی دو تاویلیں ہیں۔

ایک تاویل یہ ہے کہ بعض اوقات بندہ کسی بیماری کی وجہ سے ہلاکت کے قریب پہنچ جاتا ہے یا اسے فاقہ پہنچتا ہے پس وہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہے تو وہ اسے شفاء عطا کرتا ہے اور اس سے ناپسندیدہ بات کو دور کرتا ہے پس اس کا یہ فعل اس شخص کے تردد کی طرح ہے جو کسی کام کا ارادہ کرتا ہے پھر اس کے لئے کوئی بات ظاہر ہوتی ہے تو وہ اس کو چھوڑ دیتا ہے اور اس سے اعراض کرتا ہے اور اس کے لئے وقت مقررہ پر موت سے ملاقات کرتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق پر فنا لکھ دی ہے اور صرف اپنی ذات کے لئے بقا رکھی ہے۔

دوسری تاویل یہ ہے کہ اس کا معنیٰ اس طرح ہوگا کہ میں جس کام کو کرنا چاہتا ہوں اس سے اپنے رسولوں کو واپس نہیں پھیرتا جس طرح ان کو اپنے مؤمن بندے کی روح قبض کرتے وقت پھیرتا ہوں جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ میں مذکور ہے انہوں نے ملک الموت کی آنکھ پر تھپڑ مارا (اور اسے نکال دیا) اور وہ ایک کے بعد دوسری بار آپ کے

پاس آئے۔ ۱؎

خطابی فرماتے ہیں دونوں تاویلوں کے مطابق حقیقت معنیٰ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے پر لطف و کرم فرماتا ہے اور اس پر شفقت کرتا ہے کلاباذی کے کلام کا خلاصہ اس طرح ہے۔

صفتِ فعل کو صفت ذات سے تعبیر کیا یعنی اس کے متعلق کے اعتبار سے ہے مطلب یہ کہ تردید کو تردد سے تعبیر کیا اور تردید کا متعلق بندے کے احوال کے مختلف ہونے کو بنایا یعنی اس کی کمزوری اور تھکاوٹ وغیرہ حتیٰ کہ اس کی زندگی سے محبت موت کی محبت کی طرف منتقل ہوجاتی ہے اور اس پر اس کی روح قبض کی جاتی ہے۔

وہ فرماتے ہیں بعض اوقات اللہ تعالیٰ اپنے بندے کے دل میں ان چیزوں کی رغبت اور شوق پیدا کر دیتا ہے جو اس کے پاس ہیں اور اپنی ملاقات کی محبت اس کے دل میں ڈالتا ہے جس کے ذریعے وہ موت کا شوق رکھتا ہے۔ بجائے اس کے کہ اس سے موت کی کراہت کو دور کرے (وہ موت کو ناپسند نہیں کرتا اور اس کی سختیوں سے گھبراتا ہے)۔

خلاصہ یہ ہے کہ دل کی زندگی اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس کے رسول ﷺ کی محبت سے ہی قائم ہوتی ہے اور اصل زندگی تو اہل محبت کی زندگی ہے۔ جن کی آنکھوں کو ٹھنڈک ان کے محبوب سے حاصل ہوتی ہے اور اس سے ان کے نفسوں کو سکون ملتا ہے اور ان کے دل اس کی وجہ سے مطمئن ہوتے ہیں وہ اس کے قرب سے مانوس ہوتے ہیں اور اس کی محبت سے لطف اندوز ہوتے ہیں پس دل میں طاقت ہے جسے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت ہی بند کرتی ہے اور جو اس کے ساتھ کامیابی حاصل نہ کرے اس کی تمام زندگی غموں تکالیف اور حسرتوں کا مجموعہ ہوتی ہے۔

"مدارج السالکین کے" مصنف نے کہا کہ بندہ اس بلند مرتبے تک نہیں پہنچ سکتا جب تک اللہ تعالیٰ کی پہچان حاصل نہ کرے اور اس کی طرف ایسے راستوں کی ہدایت نہ پائے جو اس تک پہنچاتے ہیں نیز طبیعت کے اندھیروں کو بصیرت کی شعاعوں سے جلا دے پس اس کے دل میں آخرت کے شواہد میں سے ایک شاہد کھڑا ہوگا اور یہ مکمل طور پر اس کی طرف کھینچا جائے گا اور فانی تعلقات سے بے رغبت ہو جائے گا' صحیح توبہ کا راستہ اختیار کرے گا اور ظاہری و باطنی مامورات کو قائم کرے گا نیز ظاہری و باطنی منہیات کو ترک کردے گا پھر اپنے دل کی حفاظت کرنے والا ہوگا اور ایسے خطرہ سے چشم پوشی نہیں برتے گا جو اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہے اور نہ ایسی بات جو فضول ہے اور اس کا کوئی نفع نہیں پس اپنے رب کے ذکر' اس کی محبت اور اس کی طرف رجوع کے ذریعے اس کے لئے دل صاف ہو جائے گا اور طبیعت و نفس کے گھروں سے نکل کر اپنے رب کے ساتھ خلوت اور اس کے ذکر کی فضا میں چلا جائے گا۔

جیسا کہ شاعر نے کہا:

واخرج من بین البیوت لعلنی احدث عنک النفس فی السر خالیا

۱؎ صحیح بخاری و مسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا موت کے فرشتے کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس بھیجا گیا جب وہ آپ کے پاس آئے تو آپ نے ان کو تھپڑ مارا پس وہ اللہ تعالیٰ کی طرف واپس لوٹ گئے اور عرض کیا اے اللہ! تو نے مجھے ایسے بندے کی طرف بھیجا ہے جو موت نہیں چاہتا اللہ تعالیٰ نے ان کی آنکھ (جو نکل چکی تھی) لوٹا دی اور فرمایا جاؤ اور ان سے کہو کہ وہ بیل کی پیٹھ پر ہاتھ رکھیں ان کے ہاتھ کے نیچے جتنے بال آئیں گے ہر بال کے بدلے ایک سال بڑھایا جائے گا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پوچھا پھر کیا ہوگا؟ انہوں نے کہا موت' حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا ابھی روح قبض کرلو۔ (قصص الانبیاء ج ۲ ص ۱۸۰)

''اور گھروں (طبیعت اور نفس) کے درمیان سے نکل جا شاید میں تیری طرف سے نفس کے ساتھ خلوت میں پوشیدہ بات کروں''۔

اس وقت اس کا دل اور خیالات نیز حدیثِ نفس اپنے رب کے ارادے اور طلب نیز اس کے شوق پر جمع ہو جاتے ہیں جب وہ اس بات میں سچا ہوتا ہے تو اسے محبت رسول ﷺ عطا ہوتی ہے اور اس کی روحانیت اس کے دل پر غالب آ جاتی ہے پس وہ اسے اپنا امام' استاذ' معلم' شیخ اور پیشوا بنا دیتا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنا نبی' رسول اور ہادی بنایا۔

پس وہ آپ کی سیرت اور آپ کے ابتدائی امور اور کیفیت نزول وحی کا مطالعہ کرتا اور آپ کی صفات' اخلاق' آداب' حرکات اور سکون' بیداری' نیند' عبادت اور اہل و اصحاب کے ساتھ معاشرت وغیرہ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمایا ان سب چیزوں کی پہچان حاصل کرتا ہے اور ان میں سے بعض کا ذکر کیا گیا حتیٰ کہ وہ یوں ہو جاتا ہے کہ گویا وہ نبی اکرم ﷺ کے ساتھ آپ کے بعض صحابہ کرام میں سے ہے۔ (مدارج السالکین ج ۳ ص ۲۶۷' ۲۶۸)

جب اس کے دل میں یہ بات مضبوط ہو جاتی ہے تو اس پر اپنے رب کی طرف سے یوں حقائق کھلتے ہیں کہ جب کوئی سورت پڑھتا ہے تو اس کا دل مشاہدہ کرتا ہے کہ اس میں کیا اترا اور اس سورت کے ذریعے کس بات کا ارادہ کیا گیا ہے اس سے اس کے لئے کونسا حصہ مختص ہے یعنی صفات اخلاق اور افعال مذمومہ پس وہ ان سے چھٹکارا حاصل کرتا ہے جس طرح مرض اور خوف سے شفا حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

محبتِ رسول ﷺ کی علامات

نبی اکرم ﷺ کی محبت کی کچھ علامات ہیں۔

(۱) آپ کی اقتدا

سب سے بڑی علامت یہ ہے کہ آپ کی اقتدا آپ کی سنت کو اپنانا' آپ کے راستے پر چلنا آپ کی سیرت طیبہ سے رہنمائی لینا اور آپ کی شریعت کی حدود پر ٹھہر جانا ہے۔

ارشاد خداوندی ہے:

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ (آل عمران: ۳۱)

آپ فرما دیجئے اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہو تو میری اتباع کرو اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرے گا۔

پس اللہ تعالیٰ نے رسول اکرم ﷺ کی اتباع کو بندے کی اللہ تعالیٰ سے محبت کی علامت قرار دیا۔ اور رسول اکرم ﷺ کی اچھی طرح اتباع کی جزاء بندے کے لئے اپنی محبت کو قرار دیا۔

حکیم محمود وراق نے کہا جیسا کہ محاسبی نے اپنی کتاب ''القصد والرجوع'' میں ذکر کیا:

تعصی الالہ وانت تظہر حبہ — ھذا لعمری فی القیاس بدیع

لو کان حبک صادقا لاطعتہ — ان المحب لمن یحب مطیع

''تم اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتے ہو اور اس کی محبت بھی ظاہر کرتے ہو مجھے زندگی کی قسم یہ قیاس میں عجیب بات ہے اگر تمہاری محبت سچی ہوتی تو تم اس کی اطاعت کرتے کیونکہ محب جس سے محبت کرتا ہے اس کا حکم مانتا ہے''۔

(الاعلام ج ۷ ص ۱۶۷ فوات الوفیات ج ۳ ص ۹۷ تاریخ بغداد ج ۱۳ ص ۸۷ طبقات ابن المعتز ص ۳۶۷) (الشفاء ج ۲ ص ۹)

اور یہ محبت اس وقت پیدا ہوتی ہے جب اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کی ظاہری و باطنی نعمتوں کے احسان کا مطالعہ کرے جس قدر اس احسان کو دیکھے گا اسی قدر محبت مضبوط ہوگی۔ اور اللہ تعالیٰ کے احسان کا سب سے بڑا مطالعہ یہ ہے کہ بندہ اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی محبت' اس کی معرفت اور اس کے محبوب ﷺ کی اتباع کا اہل بنائے اور اس نور کا اصل اللہ تعالیٰ اس بندے کے دل میں ڈالتا ہے پس جب یہ نور چمکتا ہے تو اس کے لئے اس کی ذات روشن ہو جاتی ہے پس وہ اپنے نفس میں اور جس کا اسے اہل بنایا گیا کمالات اور محاسن دیکھتا ہے پس اس سے اس کی ہمت بلند اور عزیمت مضبوط ہوتی ہے اور اس سے نفس و طبیعت کے اندھیرے چھٹ جاتے ہیں کیونکہ نور اور ظلمت جمع نہیں ہو سکتے مگر یہ کہ ان میں سے ایک کو چھوڑ دیا جائے اس وقت روح' ہیبت اور انس کے درمیان محبوب اول کی طرف جاتی ہے:

نقل فوادک حیث شئت من الھوی ما الحب الا للحبیب الاول

کم منزل فی الارض یألفہ الفتی وحنینہ ابدا لاول منزل

''تم اپنے دل کو جس خواہشات کی طرف چاہو لے جاؤ لیکن محبت تو پہلے محبوب کے لئے ہے زمین میں کتنے مقامات ہیں جن سے نوجوان محبت کرتا ہے لیکن ہمیشہ وہ پہلی منزل کی طرف ہی رجوع کرتا ہے''۔

اور اس اتباع کے حساب سے محبت اور محبوبیت دونوں اکٹھے واجب ہوتے ہیں اور معاملہ ان دونوں کے بغیر مکمل نہیں ہوتا پس شان یہ نہیں کہ تم اللہ تعالیٰ سے محبت کرو بلکہ شان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرے اور وہ تم سے محبت نہیں کرے گا مگر جب تم ظاہری و باطنی طور پر اس کے محبوب کی اتباع کرو اس کی خبر کی تصدیق کرو اس کا حکم مانو' اس کی دعوت قبول کرو اور خوشی خوشی اسے ترجیح دو اس کے حکم کے مقابلے میں اس کے غیر کے حکم سے اس کی محبت میں غیر کی محبت اور اس کی اطاعت میں غیر کی اطاعت سے اپنے آپ کو فنا کر دو اگر ایسا نہ ہو تو پھر تھکاوٹ اختیار کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ تم کسی راہ پر نہیں ہو۔

اللہ تعالیٰ کے ارشاد گرامی: ''فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ۔ (آل عمران:۳۱) تم میری اتباع کرو اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرے گا'' میں غور کرو شان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرے یہ نہیں کہ تم اس سے محبت کرو اور یہ درجہ اس محبوب ﷺ کی اتباع کے بغیر نہیں پا سکتے۔

محاسبی نے اپنی کتاب ''القصد والرجوع'' میں فرمایا:

بندے کی اللہ تعالیٰ سے محبت کی علامت یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی رضا پر چلے اور اس کے رسول ﷺ کی سنتوں کو اختیار کرے پس جب بندہ ایمان کی مٹھاس چکھتا اور اس کا ذائقہ محسوس کرتا ہے تو اس کے ثمرات' اس کے اعضاء اور زبان پر جاری ہوتے ہیں پس زبان اللہ تعالیٰ کے ذکر اور اس سے متعلق امور کو میٹھا سمجھتی ہے اور اعضاء اس کی اطاعت

کے لئے جلدی کرتے ہیں اس وقت ایمان کی محبت دل میں اس طرح داخل ہوتی ہے، جس طرح سخت گرمی کے دن سخت پیاس میں بہت ٹھنڈا پانی اچھا لگتا ہے اس وقت عبادت کی تھکاوٹ اس (عبادت) کی لذت کے باعث ختم ہو جاتی ہے بلکہ عبادات اس کے دل کی غذا' خوشی کا سبب اور آنکھوں کی ٹھنڈک اور روح کی لذت بن جاتی ہیں اور ان عبادات کے ذریعے وہ جسمانی لذتوں سے بھی بڑی لذت محسوس کرتا ہے پس وہ عبادات کے وظائف میں کوئی تکلیف محسوس نہیں کرتا۔

''جامع ترمذی میں'' حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

ومن احیا سنتی فقد احبنی ومن احبنی کان معی فی الجنۃ.

اور جس نے میری سنت کو زندہ کیا تحقیق اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے مجھ سے محبت کی وہ جنت میں میرے ساتھ ہوگا۔

(جامع ترمذی رقم الحدیث: ۲۶۷۸)

حضرت ابن عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں جو شخص آداب سنت کو اپنے نفس پر لازم کرلے اللہ تعالیٰ اس کے دل کو نور معرفت سے منور کر دیتا ہے اور محبوب ﷺ کے اوامر و نواہی اور افعال و اخلاق کی اتباع سے بڑھ کر عزت کا کوئی مقام نہیں۔

ابو اسحاق الرقی رحمہ اللہ (ابراہیم بن داؤد القصار جو شام کے بڑے مشائخ میں سے اور) حضرت جنید بغدادی رحمہ اللہ کے ہم عصر تھے فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کی محبت کی علامت اس کی عبادت کو ترجیح دینا اور اس کے نبی ﷺ کی اتباع کرنا ہے۔ (المنتظم ج ۱۳ص ۳۷۴)

دوسرے حضرات سے منقول ہے کہ کسی شخص پر نور ایمان سنت کی اتباع اور بدعت سے اجتناب کے بغیر ظاہر نہیں ہوتا۔

اور جو شخص کتاب و سنت سے منہ پھیر لے اور مشکوٰۃ رسول ﷺ سے علم حاصل نہ کرے اور علم لدنی کا دعویٰ کرے تو اسے نفس و شیطان کی طرف سے یہ علم ملتا ہے اور علم لدنی روحانی کی پہچان یہ ہے کہ وہ رسول اکرم ﷺ کی اس شریعت کے مطابق ہو جو آپ اللہ تعالیٰ کی طرف سے لائے ہیں پس علم لدنی کی دو قسمیں ہیں علم لدنی رحمانی اور علم لدنی شیطانی اور معیار وحی ہے اور رسول اکرم ﷺ کے بعد وحی نہیں ہے۔

جہاں تک حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام کے واقعہ کا تعلق ہے تو اس کو علم لدنی کے ذریعے علم وحی سے بے نیازی کی دلیل بنانا الحاد و کفر ہے ایسا شخص اسلام سے خارج ہو جاتا ہے اور یہ عقیدہ خون بہانے یعنی اس کے قتل کا موجب ہوتا ہے (یعنی اس کا قتل جائز ہو جاتا ہے کیونکہ وہ مرتد ہے) حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حضرت خضر علیہ السلام کی طرف مبعوث نہیں کیا گیا تھا اور نہ ہی حضرت خضر علیہ السلام کو آپ کی اتباع کا حکم دیا گیا اگر ان کو حکم ہوتا تو ان پر واجب تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف ہجرت کرتے اور ان کے ساتھ رہتے اسی لئے حضرت خضر علیہ السلام نے پوچھا آپ بنی اسرائیل کے نبی حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیں؟ تو انہوں نے فرمایا ''ہاں''۔ (قصص الانبیاء ج ۲ص ۱۳۱)

اور حضرت محمد ﷺ تمام جنوں اور انسانوں کی طرف مبعوث ہوئے پس آپ کی رسالت ہر زمانے کے جنوں اور انسانوں کو شامل ہے اور اگر حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام زندہ ہوتے تو وہ بھی آپ کی اتباع کرنے والوں میں شامل ہوتے۔

پس جو شخص دعویٰ کرے کہ وہ حضرت محمد ﷺ کے ساتھ اس طرح ہیں جس طرح حضرت خضر علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ تھے یا وہ امت کے کسی فرد کے لئے اس بات کو جائز قرار دے تو اسے اسلام کی تجدید کرنی چاہیے نیز وہ حق کی شہادت دے (کلمہ شہادت پڑھے) کیونکہ وہ مکمل طور پر دین سے جدا ہو گیا خاص اولیاء کرام میں سے ہونا تو دور کی بات ہے وہ تو شیطان کے دوستوں، ساتھیوں اور نائبوں میں سے ہے۔

علم لدنی رحمانی بندگی اور نبی اکرم ﷺ کی اتباع کا نتیجہ ہوتا ہے اس سے کتاب وسنت کی سمجھ ایسے امر کے ساتھ حاصل ہوتی ہے جس کے ساتھ وہ شخص خاص ہوتا ہے جیسا کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ کیا رسول اکرم ﷺ نے آپ کو کوئی خصوصی بات بتائی ہے جو کسی اور کو نہ بتائی ہو؟ آپ نے فرمایا نہیں البتہ وہ فہم (سمجھ) جو اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو اپنی کتاب کے سلسلے میں عطا کرتا ہے پس یہ علم لدنی حقیقی ہے۔

پس نبی اکرم ﷺ کی اتباع دلوں کی حیات، بصیرتوں کا نور، دلوں کی شفاء، نفسوں کے باغات، ارواح کی لذت وحشت زدہ لوگوں کا انس اور حیران لوگوں کی رہنما ہے۔

(۲) شریعت پر راضی رہنا

نبی اکرم ﷺ کی محبت کی علامات میں سے یہ بات بھی ہے کہ اس محبت کا دعویٰ کرنے والا آپ کی شریعت پر راضی ہو حتیٰ کہ اپنے نفس میں آپ کے فیصلے سے کوئی تنگی محسوس نہ کرے۔

ارشاد خداوندی ہے:

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ○ (النساء: ٦٥)

تو اے محبوب تمہارے رب کی قسم! یہ لوگ مؤمن نہیں ہو سکتے حتیٰ کہ تمہیں کو اپنے جھگڑوں میں فیصل تسلیم کریں پھر تمہارے فیصلے سے اپنے نفسوں میں تنگی محسوس نہ کریں اور اچھی طرح تسلیم کریں۔

پس جو شخص آپ کے فیصلے سے اپنے سینے میں تنگی محسوس کرے اور اسے تسلیم نہ کرے اس سے ایمان کا نام سلب ہو جاتا ہے۔

شیخ المحققین امام العارفین تاج الدین بن عطاء اللہ شاذلی رحمہ اللہ تعالیٰ ان کے مشرب کی مٹھاس ہمیں چکھائے فرماتے ہیں اس آیت میں اس بات پر دلالت ہے کہ حقیقی ایمان اسی شخص کو حاصل ہوتا ہے جو قول، فعل، اختیار کرنے چھوڑنے، محبت اور بغض ہر اعتبار سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کو حاکم مانے اور یہ بات تکلیف اور تعریف دونوں کے حکم کو شامل ہے اور ہر مؤمن پر لازم ہے کہ وہ دونوں باتوں کے سامنے سر تسلیم خم کر دے۔

پس تکلیف کے احکام اوامر ونواہی ہیں جو بندوں کے کسب سے تعلق رکھتے ہیں اور تعریف کے احکام مراد کا فہم ہے جو عطا کیا جائے اس سے واضح ہوا کہ حقیقت ایمان دو باتوں سے حاصل ہوتی ہے اس کے حکم پر عمل کرنا اور جو کچھ اس نے لازم کیا اس کے سامنے سر جھکا دینا۔

پھر اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں سے جو حضور علیہ السلام کے فیصلے کو نہیں مانتے یا مانتے ہیں لیکن دل میں حرج بھی محسوس

کرتے ہیں صرف ایمان کی نفی نہیں کی بلکہ اس پر اس ربوبیت کی قسم کھائی جو نبی اکرم ﷺ کے ساتھ خاص ہے یہ آپ پر شفقت وعنایت ہے اور تخصیص رعایت کی گئی ہے۔ کیونکہ یہ نہیں فرمایا:

فلا والرب. رب کی قسم ہے۔

بلکہ فرمایا:

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ (النساء:٦٥)
آپ کے رب کی قسم یہ لوگ مؤمن نہیں ہو سکتے حتیٰ کہ تمہیں اپنے جھگڑوں میں فیصل تسلیم کریں۔

اس میں قسم کے ساتھ تاکید ہے اور قسم میں بھی تاکید ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ انسانی نفس غلبہ کی محبت اور مدد کے وجود میں لپٹے ہوئے ہیں چاہے حق ان کے خلاف ہو یا ان کے ساتھ۔ اس میں نبی اکرم ﷺ پر اللہ تعالیٰ کی عنایت کو بھی ظاہر کیا گیا کہ آپ کے فیصلے کو اللہ تعالیٰ کا فیصلہ اور آپ کے حکم کو اس کا حکم قرار دیا گیا۔

پس بندوں پر لازم کیا گیا کہ وہ آپ کے حکم کے سامنے سر تسلیم خم کر دیں اور ان کا اللہ تعالیٰ کے معبود ہونے پر ایمان اس وقت تک قبول نہیں ہوگا جب تک وہ رسول اکرم ﷺ کے حاکم ہونے پر یقین نہ رکھیں۔ کیونکہ ارشاد خداوندی ہے:

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ۝ (النجم:٣-٤)
اور وہ (نبی اکرم ﷺ) اپنی خواہش سے کلام نہیں کرتے یہ تو وحی ہے جو آپ کی طرف کی جاتی ہے۔

پس آپ کا حکم اللہ تعالیٰ کا حکم اور آپ کا فیصلہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے۔

جیسا کہ ارشاد فرمایا:

اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ (الفتح:١٠)
بے شک وہ جو تمہاری بیعت کرتے ہیں وہ تو اللہ تعالیٰ ہی سے بیعت کرتے ہیں۔

اور اس بات کو اس ارشاد گرامی سے مؤکد کیا۔

يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ (الفتح:١٠)
اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے۔

اس آیت میں آپ کی قدر و منزلت کی تعظیم کی طرف ایک اور اشارہ ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کا قول "فلا وربک" (آپ کے رب کی قسم ہے) تو اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کی اضافت آپ کی طرف کی جیسا کہ دوسری آیت میں فرمایا:

كٓهٰيٰعٓصٓ ۝ ذِكْرُ رَحْمَتِ رَبِّكَ عَبْدَهٗ زَكَرِيَّا ۝ (مریم:١-٢)
یہ ذکر ہے تیرے رب کی اس رحمت کا جو اس نے اپنے بندہ زکریا پر کی۔

پس اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات مبارکہ کو نبی اکرم ﷺ کی طرف مضاف کیا تاکہ بندوں کو دونوں مرتبوں کے درمیان فرق معلوم ہو جائے (نبی اکرم ﷺ کے ذکر اور حضرت زکریا علیہ السلام کے ذکر میں فرق سے ان کے مراتب میں فرق واضح ہے)۔

پھر اللہ تعالیٰ نے صرف ظاہری تحکیم (حاکم بنانے اور سمجھنے) پر اکتفاء نہیں فرمایا کہ اس سے وہ مؤمن ہو جائیں بلکہ حرج نہ ہونے کی شرط رکھی اور وہ آپ کے احکام سے دلوں کا تنگ ہونا ہے چاہے وہ حکم ان کی خواہشات کے موافق ہو یا

مخالف اور دل تب تنگ ہوتے ہیں جب انوار سے خالی ہوں اور غیر کا ڈیرہ ہو اس وقت حرج یعنی تنگی ہوتی ہے اور مؤمنین کا معاملہ اس طرح نہیں ہے کیونکہ نور ایمان نے ان کے دلوں کو بھر دیا پس وہ کشادہ ہو گئے اور کھل گئے۔ پس وہ دل وسعت عطا کرنے والے جاننے والے کے نور سے وسیع ہیں اور اللہ تعالیٰ کے فضل عظیم سے کشادہ کیے گئے اور وہ ان خیالات محمودہ کے لئے تیار ہوتے ہیں جو ان پر وارد ہوئے ہیں اور ان کو توڑنا یا عمل میں لانا اس کے اختیار میں ہوتا ہے۔ا

حضرت سہل بن عبداللہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں جو شخص تمام احوال میں رسول اکرم ﷺ کی ولایت کو سامنے نہ رکھے اور نفس کا مالک خود کہلائے وہ آپ کی سنت کی حلاوت نہیں پاتا کیونکہ آپ نے فرمایا:

لا یؤمن احدکم حتی اکون احب الیہ من نفسہ۔ تم میں سے کوئی شخص مسلمان نہیں ہو سکتا حتیٰ کہ میں اس کے نزدیک اس کے نفس سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔

حضرت سیدنا عارف کبیر ابو عبداللہ قرشی رحمہ اللہ سے منقول ہے فرماتے ہیں حقیقتِ محبت یہ ہے کہ تم اپنے آپ کو مکمل طور پر اپنے محبوب کے حوالے کر دو اور تمہاری کوئی چیز تمہارے لئے باقی نہ رہے۔

پس جو شخص نبی اکرم ﷺ کو اپنی ذات پر ترجیح دیتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لئے اپنے انوار منکشف کر دیتا ہے اور جو شخص کسی دوسری طرف میلان کے بغیر آپ کے ساتھ ہو اس کے لئے اللہ تعالیٰ کے انس کے اسرار سے پوشیدہ حقائق ظاہر ہوتے ہیں۔

(۳) آپ کے دین کی مدد کرنا

رسول اکرم ﷺ سے محبت کی ایک علامت یہ ہے کہ اپنے قول و فعل سے آپ کے دین کی مدد کرے' آپ کی شریعت کا دفاع کرے اور سخاوت میں آپ کی سیرت طیبہ کو اپنائے بردباری' صبر' تواضع وغیرہ میں آپ کے نقش قدم پر چلے یعنی آپ کے تمام اخلاق جن کا ذکر ہو چکا ہے اپنے سامنے رکھے۔

عارف ابن عطاء اللہ رحمہ اللہ کے کلام کے حوالے سے اس سے زائد پہلے بیان ہو چکا ہے پس جو شخص اس سلسلے میں اپنے نفس سے مجاہدہ کرتا ہے وہ ایمان کی حلاوت پاتا ہے اور جو آدمی یہ حلاوت پاتا ہے وہ عبادت میں لذت محسوس کرتا ہے اور دین کے حوالے سے مشقت برداشت کرتا ہے اور اسے دنیوی اغراض پر ترجیح دیتا ہے۔ تو اے شخص! محبت کی قیمت میں سے پہلی نقدی روح کو خرچ کرنا ہے۔

(۴) مصائب برداشت کرنا

رسول اکرم ﷺ کی محبت کی ایک علامت یہ بھی ہے کہ مصائب پر صبر کرے کیونکہ اس محبت سے محب کو ایسی لذت حاصل ہوتی ہے کہ وہ مصائب کو بھول جاتا ہے اور ان مصائب سے دوسروں کو جو تکلیف پہنچتی ہے وہ اسے نہیں پہنچتی ہے گویا یہ اس کی طبیعت ثانیہ بن گئی طبعی اور فطری طور پر ایسا نہ تھا بلکہ محبت کا اس طرح غلبہ ہو جاتا ہے کہ وہ ان مصائب سے اس سے بھی بڑی لذت حاصل کرتا ہے جس قدر لذت ان مصائب سے خالی ہونے کی صورت میں حاصل نہیں ہوتی ذوق اور وجود اس بات پر شاہد ہیں پس محبت کرنے والے کے لئے تکلیف مٹھاس کے ساتھ ملی ہوئی ہوتی ہے اگر وہ اس مٹھاس کو نہ پائے تو اس تکلیف کا مشتاق ہو جاتا ہے جیسا کہ کہا گیا:

تشکی المحبون الصبابة لیتنی | نحلت بما یلقون من بینهم وحدی
فکانت لقلبی لذة الحب کلها | فلم یلقها قبلی محب ولا بعدی

''محبت کرنے والے شوق کی شکایت کرتے ہیں کاش مجھے وہ شوق وعشق کی تکلیف عطا ہوتی اور اس میں میرے ساتھ کوئی شریک نہ ہوتا بلکہ میں تنہا ہوتا پس محبت کی لذت تمام کی تمام میرے دل کے لئے ہوتی اور مجھ سے پہلے اور بعد کسی کو یہ نہ ملی ہوتی''۔

(۵) نبی اکرم ﷺ کے ذکر کی کثرت

رسول اکرم ﷺ کی محبت کی ایک نشانی آپ کا بکثرت ذکر ہے پس جو شخص کسی چیز سے محبت کرتا ہے اس کا ذکر زیادہ کرتا ہے بعض حضرات نے فرمایا محبت' محبوب کو ہمیشہ یاد رکھنے کا نام ہے اور کسی دوسرے بزرگ کا قول ہے کہ جس قدر سانس ہیں ان کے مطابق محبوب کا ذکر کیا جائے۔

ایک اور صاحب کا قول ہے کہ محب کے لئے تین علامات ہیں ایک یہ کہ اس کا کلام محبوب کا ذکر ہو' خاموشی محبوب کی فکر اور عمل اس کی فرمانبرداری ہو۔

محاسبی فرماتے ہیں محبت کرنے والوں کی علامت محبوب کا ہمیشہ ذکر کرنا ہے کہ نہ وہ اسے منقطع کریں نہ تھکاوٹ محسوس کریں اور نہ اکتائیں۔

دانا لوگ اس بات پر متفق ہیں کہ جو شخص جس چیز سے محبت کرتا ہے اس کا ذکر زیادہ کرتا ہے پس محبت کرنے والوں کے دلوں پر محبوب کا ذکر ہی غالب ہوتا ہے وہ اس کے بدل یا اس سے پھر جانے کا ارادہ نہیں کرتے اگر وہ محبوب کے ذکر کو چھوڑ دیں تو ان کی زندگی پریشانی کا شکار ہو جائے اور لذت حاصل کرنے والے محبوب کے ذکر سے زیادہ کسی چیز سے لذت حاصل نہیں کرتے۔

محبت کرنے والوں کے دل لذتوں کو چھوڑ کر ذکر محبوب کو لازم کرنے میں مشغول ہو گئے اور ان کے وہم شہوتوں کے داعی امور پیش آنے سے منقطع ہو گئے اور وہ ذخائر کی کانوں اور طلبات کی تلاش میں اوپر کی طرف چلے گئے اور بعض اوقات محب کا وجد زیادہ ہو جاتا ہے' شوق بڑھ جاتا ہے' رونے کی آواز آتی ہے اور وجد' حرکت کی صورت اختیار کرتا ہے' رنگ بدل جاتا ہے' اعضاء ڈھیلے پڑ جاتے ہیں' بدن ٹوٹنے لگتا ہے اور جسم پر بال کھڑے ہو جاتے ہیں بعض اوقات وہ چیختا ہے اور کبھی روتا ہے' کبھی سانس اکھڑتا ہے اور بعض اوقات عقل زائل ہو جاتی اور کبھی گر پڑتا ہے۔

حضرت سیدی محمد وفا رحمہ اللہ نے کیا خوب فرمایا:

اذا اباح دم المهجور هاجره | باح المحب بما تخفی ضمائره
ایکتم الحب صب باح مدمعه | لما جری بالذی تخفی سرائره
کانما قلبه اجفان مقلته | ودمعه فی اماقیه خواطره
یا جیرة الجزع هل من جیرة لفتی | علیه فی حکمه قد جار جائره
آه و کم لی علی خطب الهوی خطب | من الغرام به تعلو منابره

مهفهف ابلج بدر علی غصن — تخفی البدور اذا لاحت بوادره
مطرز الخد بالریحان فی ضرج — مورد آسه تزهو ازاهره
مکحل الخلق ما تحصی خصائصه — منضر الحسن قد قلت نظائره

''جب محبوب' عاشق کا خون مباح سمجھ لیتا ہے تو عاشق اپنے دل کی باتیں ظاہر کر دیتا ہے کیا وہ عشق جو آنسوؤں سے ظاہر ہو چکا ہے محبت کو چھپا سکتا ہے جب وہ اس محبت کی وجہ سے بہنے لگیں جس کا راز مخفی ہے گویا عاشق کا دل اس کی آنکھوں کی پلکیں ہیں اور اس کی آنکھوں میں آنسو اس کے خیالات ہیں۔

اے غموں کو برداشت کرنے والے! ہے کوئی پناہ دینے والا اس نوجوان کو جس پر ظالم (محبوب) نے اپنے فیصلے میں ظلم کیا آہ! مصیبت عشق پر میرے لئے کتنے حوادث ہیں کہ جن کے منبر بلند ہوتے جا رہے ہیں۔

وہ محبوب نرم و نازک جسم والا گویا چودھویں کا روشن چاند ہے جب اس محبوب کا چاند روشن ہو تو درخت کی شاخوں پر چاند چھپ جاتے ہیں رخساروں کو گل ریحان کی سرخی سے آرائش دیتی ہے اور اس کا گھاٹ پر سب سے پہلے اترنا اس کے حسن و جمال کو ظاہر کرتا ہے۔ مخلوق کے لئے مبداء فیض جس کی خوبیاں بے شمار ہیں حسین منظر والا جس کی مثال بہت کم ہے''۔

اور بعض محبّ پر وجد کا اضافہ ہوتا ہے اور وہ اسے ہلاک کر دیتا ہے محبت کی پہلی نقد قیمت روح کو پیش کرنا ہے مفلس بزدل اور اس کے بھاؤ لگانے والے کا کیا ہے؟ ان کا وصل محبّ کے خون کے بدلے میں بکتا ہے اللہ کی قسم! وہ اتنے کمزور نہیں کہ مفلس ان کی قیمت لگائیں اور نہ ان کا رواج ختم ہوا کہ تنگدست ان کو بطور ادھار خریدیں زیادہ قیمت لگانے والوں کے بازار میں پیش کرنے کے لئے ان کی قیمت لگائی گئی ہے پس ان کے لئے جانوں کا نذرانہ پیش کرنے سے کم قیمت پر رضامندی نہیں ہے پس جھوٹے لوگ پیچھے ہٹ گئے اور محبت کرنے والے کھڑے رہے کہ ان میں سے کون قیمت بننے کی صلاحیت رکھتا ہے پس سامان ان کے درمیان چکر کاٹتا ہے اور پھر ان کے ہاتھوں میں پڑتا ہے جن کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ○ (المائدہ:۵۴) — وہ مومنوں کے لئے نرم اور کافروں پر غالب ہیں۔

جب محبت کا دعویٰ کرنے والے زیادہ ہو گئے تو ان سے صحتِ دعویٰ پر گواہی طلب کی گئی کیونکہ اگر لوگوں کو محض ان کے دعویٰ پر دیا جائے تو وہ شخص جو محبت سے خالی ہے وہ غمگین آدمی (محبّ) کے عمل کا دعویٰ کرے گا۔

پس شہادتیں مختلف ہو گئیں تو کہا گیا کہ یہ دعویٰ اس دلیل کے بغیر ثابت نہیں ہوگا۔

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ (آل عمران:۳۱) — اے محبوب! تم فرما دو اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہو تو میری اتباع کرو اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرے گا۔

پس ان میں سے بہت سے پیچھے ہٹ گئے پس محبوب کے افعال' اقوال اور اخلاق میں ان کی اتباع ثابت ہو گئی اب

ان سے گواہوں کے عادل ہونے کا مطالبہ کیا گیا کہ وہ اس صفت پر ہوں:

يُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ. (المائدہ:۵۴) وہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کرتے ہیں اور کسی ملامت گر کی ملامت سے نہیں ڈرتے۔

یہ سن کر اکثر محبین پیچھے ہٹ گئے اور مجاہدین کھڑے رہے پس ان سے کہا گیا کہ محبین کی جانیں اور مال ان کے اپنے نہیں ہوتے پس آ ؤ بیعت کرو:

اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ. (التوبہ:۱۱۱) بے شک اللہ تعالیٰ نے مؤمنوں سے ان کی جانیں اور مال خرید لئے۔

پس جب انہوں نے خریدار (اللہ تعالیٰ) کی عظمت قیمت کی فضیلت اور جس کے ذریعے سودا ہو رہا ہے (یعنی نبی اکرم ﷺ) کی شان اور بزرگی کو جان لیا تو سامان کی قیمت بھی پہچان لی اور یہ کہ اس کی بہت بڑی شان ہے اور انہوں نے دیکھا کہ اگر اسے کھوٹے سکوں کے بدلے بیچیں تو بہت بڑا نقصان ہے پس وہ رضا مندی سے نبی اکرم ﷺ کے ساتھ بیعت رضوان میں بیٹھ گئے اور اپنا اختیار چھوڑ دیا اور کہا ہم اس سودے کو نہ تو واپس کرتے ہیں اور نہ واپسی کا مطالبہ کرتے ہیں پس جب عقد مکمل ہو گیا اور مبیع (سامان جس کا سودا ہوا) ان کے حوالے کر دیا گیا تو ان سے کہا گیا تمہارے نفس اور تمہارے مال ہمارے ہوئے ہم نے تمہاری طرف ان سے زیادہ بلکہ اس سے کئی گنا مزید لوٹا دیا چنانچہ فرمایا:

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ○ فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ. (آل عمران:۱۶۹۔۱۷۰) اور ہرگز ان لوگوں کو مردہ خیال نہ کرو جو اللہ تعالیٰ کے راستے میں شہید ہو گئے بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے رب کے ہاں ان کو رزق دیا جاتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے اس فضل پر خوش ہیں جو اس نے ان کو عطا فرمایا۔

پس نبی اکرم ﷺ کا ذکر ہر حال میں ہمارے دلوں کی جلاء' سینوں کی شفاء اور زبانوں کی مٹھاس کا سبب ہے اگرچہ اوقات و ساعات مختلف ہوں تمام عبادات' جمعات' جماعتوں' خطبات' نمازوں اور تمام امور حتیٰ کہ خرید و فروخت' لین دین' صلح کے معاہدوں' عقدوں اور معاہدوں کے آغاز سب میں آپ کے ذکر سے شرف حاصل کیا جاتا ہے خصوصاً اللہ تعالیٰ کے ذکر اور دعا کے وقت کیونکہ آپ کے ذکر سے ہی قبولیت کے دروازے کھلتے ہیں۔

(۶) ذکر کے وقت آپ کی تعظیم

آپ کی محبت کی ایک علامت یہ بھی ہے کہ آپ کا ذکر کرتے وقت تعظیم ہو۔[۱] نیز خشوع و خضوع کا اظہار کیا جائے جب آپ کا اسم گرامی سنے کیونکہ جو کوئی کسی سے محبت کرتا ہے تو اس کے لئے جھک جاتا ہے جس طرح نبی اکرم ﷺ کے وصال کے بعد اکثر صحابہ کرام آپ کا ذکر کرتے ہوئے خشوع و خضوع اختیار کرتے اور ان کے جسموں پر بال کھڑے ہو جاتے اور وہ رونے لگتے اسی طرح اکثر تابعین اور ان کے بعد کے لوگ آپ کی محبت' شوق اور تعظیم و توقیر کے طور پر ایسا کرتے تھے۔

[۱] اسی تعظیم کی وجہ سے مسلمان جب بارگاہ نبوی میں ہدیہ سلام عرض کرتے ہیں تو کھڑے ہو جاتے ہیں کھڑا ہونا واجب نہیں لیکن تعظیم واجب ہے اور یہ اس کی ایک صورت ہے۔۱۲ہزاروی

حضرت ابو ابراہیم التجیبی فرماتے ہیں ہر مومن پر واجب ہے کہ جب آپ کا ذکر کرے یا اس کے سامنے آپ کا ذکر کیا جائے تو جھک جائے' خشوع ظاہر کرے' حرکت کی بجائے وقار اور سکون اختیار کرے اور آپ کی ہیبت و بزرگی کو پیش نظر رکھے جس طرح آپ کی (ظاہری) زندگی میں آپ کے سامنے ہونے کی صورت میں کرتا اور ان آداب کا خیال رکھے جو اللہ تعالیٰ نے ہمیں آپ کے بارے میں سکھائے ہیں۔

(الدیباج المذہب ج۱ص ۲۹۶' معجم المولفین ج۲ص ۲۲۹' کشف الظنون رقم الحدیث: ۱۳۶۷' سیر اعلام النبلاء ج۱۰ص ۱۶۳)

حضرت ایوب سختیانی رحمہ اللہ نبی اکرم ﷺ کے ذکر پر رو پڑے حتیٰ کہ ان کی اس حالت کو دیکھ کر ہم (پر رقت طاری ہو جاتی اور ہم) ان کے لئے رحمت کی دعا کرتے۔ (الاعلام ج۲ص ۳۸' حلیۃ الاولیاء ج۳ص ۳)

حضرت امام جعفر بن محمد صادق رضی اللہ عنہ بہت خوش طبع اور تبسم فرمانے والے تھے لیکن جب نبی اکرم ﷺ کا ذکر ہوتا ان کا رنگ پیلا پڑ جاتا۔

حضرت عبدالرحمٰن بن قاسم رحمہ اللہ کے پاس نبی اکرم ﷺ کا ذکر ہوتا تو ان کے رنگ کو دیکھا جاتا گویا اس سے خون نکل گیا ہے اور ان کے منہ میں زبان خشک ہو جاتی یہ سب کچھ رسول اکرم ﷺ کی ہیبت کی وجہ سے ہوتا۔

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے پاس نبی اکرم ﷺ کا ذکر ہوتا تو وہ رو پڑتے حتیٰ کہ ان کی آنکھوں میں آنسو باقی نہ رہتے۔

حضرت ابن شہاب زہری رحمہ اللہ لوگوں سے بہت زیادہ میل جول رکھنے والے اور خوش خلق تھے لیکن جب ان کے پاس رسول اکرم ﷺ کا ذکر مبارک ہوتا تو گویا تم ان کو نہیں پہچانتے اور وہ تمہیں نہیں پہچانتے۔

حضرت صفوان بن سلیم رحمہ اللہ عبادت گزار مجتہدین میں سے تھے جب ان کے پاس نبی اکرم ﷺ کا ذکر ہوتا تو وہ مسلسل روتے حتیٰ کہ لوگ ان کے پاس سے اٹھ جاتے اور ان کو چھوڑ دیتے۔

اور حضرت قتادہ (بن دعامہ مشہور تابعی مفسر ہیں) رحمہ اللہ جب حدیث سنتے تو رونے لگتے اور چیخ و پکار کرتے۔

حضرت قاضی عیاض رحمہ اللہ نے اس بات کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ (الشفاء ج۲ص ۴۲)

(۷) رسول اکرم ﷺ کی ملاقات کا شوق

نبی اکرم ﷺ کی محبت کی ایک علامت یہ ہے کہ آپ کی ملاقات کا بہت زیادہ شوق ہو کیونکہ ہر محب اپنے محبوب سے ملاقات کا شوق رکھتا ہے۔

بعض حضرات نے فرمایا کہ محبت' محبوب کے شوق کا دوسرا نام ہے۔

حضرت معروف کرخی رحمہ اللہ فرماتے ہیں محبت' مشاہدۂ صفات کے ذریعے ذات کو ذہن میں حاضر کرنا ہے یا اسرار صفات کو دیکھ کر ذات کو دیکھے پس مسئول تک پہنچنا مقصود ہو چاہے قاصد کے مشاہدہ کے ذریعے ہو اسی لئے جب صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا شوق بڑھ جاتا اور محبت کی حرارت ان کو بے قرار کرتی تو وہ نبی اکرم ﷺ کا قصد کرتے اور آپ کی زیارت کے لئے مشقت برداشت کرتے اور آپ کی ہمنشینی آپ کی زیارت اور آپ سے برکت حاصل کرنے میں لذت محسوس کرتے۔ (الاعلام ج۷ص ۲۶۹' طبقات الصوفیہ ص ۸۳' وفیات الاعیان ج۲ص ۱۰۴' صفۃ الصفوہ ج۲ص ۱۷۹' طبقات۔

الحنابلہ ج ۱ص ۳۸۱' تاریخ بغداد ج ۱۳ص ۱۹۹)

حضرت عبدہ بنت خالد بن معدان رحمہم اللہ فرماتی ہیں حضرت خالد رحمہ اللہ جب اپنے بستر پر جاتے تو نبی اکرم ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام مہاجرین وانصار کے بارے میں اپنے شوق کا ذکر کرتے اور ان کا نام لیتے۔[1]

وہ فرماتے یہ لوگ میری اصل اور میری زبان ہیں میرا دل ان کی طرف مائل ہے اور ان کی طرف میرا شوق طویل ہے یا اللہ جلد از جلد مجھے موت دے (تاکہ میں ان سے ملاقات کروں) پھر ان پر نیند غالب آجاتی۔

(الاعلام ج ۲ص ۲۹۹' تاریخ دمشق ج ۵ص ۸۶)

حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے وصال کا وقت ہوا تو ان کی زوجہ محترمہ نے کہا ہائے غم! انہوں نے فرمایا کیا خوشی ہے کل میں اپنے محبوبوں یعنی حضرت محمد ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ملاقات کروں گا۔

جب محب' محبت کا مزہ چکھتا ہے تو اس کے دل میں محبت اور طلب کی آگ بھڑکتی ہے اور اسے شوق پیدا ہوتا ہے اور وہ اپنے محبوب سے صبر کو بہت بڑا گناہ سمجھتا ہے۔ جیسا کہ کہا گیا:

والصبر یحمد فی المواطن کلها   الا علیک فانه لا یحمد

''صبر ہر جگہ قابل تعریف ہوتا ہے لیکن تجھ سے صبر قابل تعریف نہیں''۔

حضرت زید بن اسلم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ایک رات لوگوں کے حالات معلوم کرنے نکلے تو ایک گھر میں چراغ نظر آیا۔ آپ نے دیکھا ایک عورت سوت کات رہی ہے اور یوں کہتی ہے:

علی محمد صلاة الابرار   صلی علیه الطیبون الاخیار

قد کنت قواما بکاء بالاسحار   یالیت شعری و المنایا اطوار

هل تجمعنی و حبیبی الدار

''میری طرف سے حضرت محمد ﷺ پر ایسا درود ہو جیسا نیک لوگ پڑھتے ہیں آپ پر پاک اور بہترین لوگوں نے درود شریف پڑھا آپ سحری کے وقت بہت زیادہ کھڑے ہونے والے' رونے والے تھے کاش مجھے علم ہوتا اور موت مختلف وقتوں میں آتی ہے کیا مجھے اور میرے محبوب حضرت محمد ﷺ کو دار آخرت جمع کرے گی''۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بیٹھ کر رونے لگے پھر اس کے خیمے کے دروازے پر کھڑے ہو گئے اور تین مرتبہ ''السلام علیکم'' کہا۔ پھر فرمایا دوبارہ پڑھو اس نے غمگین آواز کے ساتھ ان اشعار کا اعادہ کیا آپ روئے اور اس سے فرمایا اللہ تعالیٰ تجھ پر رحم فرمائے عمر کو نہ بھولنا اس نے کہا اے بہت بخشنے والے! عمر رضی اللہ عنہ کو بخش دے۔

(الاعلام ج ۳ص ۵۶' تذکرۃ الحفاظ ج ۱ص ۱۳۲' طبقات المفسرین للداوودی ج ۱ص ۱۸۲' شذرات الذہب ج ۱ص ۱۹۴' الشفاء ص ۲۲)

منقول ہے کہ ایک عورت جو اپنے نفس پر زیادہ کرنے والی تھی موت کے بعد اسے دیکھا گیا تو پوچھا گیا اللہ تعالیٰ نے تم سے کیا سلوک کیا؟ اس نے کہا مجھے بخش دیا پوچھا گیا کس وجہ سے؟ اس نے کہا نبی اکرم ﷺ کی محبت اور آپ کی زیارت کے شوق کی وجہ سے' پس آواز آئی جو شخص ہمارے محبوب کی زیارت کا خواہش مند ہو تو ہمیں حیا آتی ہے کہ ہم اسے جھڑک کر ذلیل کریں بلکہ ہم اسے اور اس کے محبوب کو اکٹھا کریں گے۔

[1] حضرت خالد بن معدان رحمہ اللہ نے ستر صحابہ کرام سے ملاقات کی۔ (زرقانی ج ۶ص ۳۱۸)

(۸) قرآن مجید سے محبت

نبی اکرم ﷺ سے محبت کی ایک علامت قرآن مجید سے محبت ہے جسے آپ لائے اس کے ذریعے راستہ پایا اور اس کو اپنی سیرت بنایا اگر تم معلوم کرنا چاہو کہ تمہارے پاس اور تمہارے غیر کے پاس اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت کس قدر ہے؟ تو اپنے دل میں قرآن مجید کی محبت کو دیکھو نیز یہ کہ تم قرآن سن کر اس سے زیادہ لذت حاصل کرتے ہو جتنی لذت کھیل کود اور گانے بجانے والے گانا سن کر پاتے ہیں کیونکہ یہ بات معلوم ہے کہ جو شخص کسی محبوب سے محبت کرتا ہے اس کا کلام اور باتیں اسے سب سے زیادہ پسند ہوتی ہیں جیسا کہ کہا گیا:

ان کنت تزعم حبی   فلم ھجرت کتابی
اما تاملت ما فیہ   من لذید خطابی

''اگر تو مجھ سے محبت کا دعویٰ کرتا ہے تو تو نے میری کتاب کو کیوں چھوڑ رکھا ہے کیا تو نے اس میں میرے لذیذ خطاب میں غور نہیں کیا''۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

اگر ہمارے دل پاک ہوتے تو اللہ تعالیٰ کے کلام سے سیر نہ ہوتے اور محبّ کس طرح اپنے محبوب کے کلام سے سیر ہو سکتا ہے حالانکہ وہ اس کے مطلوب کی انتہاء ہے؟

نبی اکرم ﷺ نے حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے فرمایا میرے سامنے قرآن مجید پڑھیں انہوں نے عرض کیا میں آپ کے سامنے پڑھوں حالانکہ یہ آپ پر نازل کیا گیا؟ آپ نے فرمایا میں چاہتا ہوں کہ دوسرے آدمی سے سنوں چنانچہ انہوں نے شروع کیا اور سورۂ نساء پڑھنے لگے جب اس آیت پر پہنچے:

فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍۢ بِشَهِيْدٍ وَّ جِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰۤؤُلَآءِ شَهِيْدًا (النساء: ۴۱)

پس کیسے ہوگا جب ہم ہر امت سے ایک گواہ لائیں گے اور اے محبوب! تمہیں ان سب پر گواہ لائیں گے۔

آپ نے فرمایا بس کافی ہے انہوں نے سر اٹھا کر دیکھا تو رونے کی وجہ سے نبی اکرم ﷺ کی مبارک آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۰۴۹۔۵۰۵۰۔۵۰۵۵۔۵۰۵۶، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۴۷۔۲۴۸، جامع ترمذی رقم الحدیث: ۳۰۲۵، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۱۹۴، مسند احمد ج ۱ ص ۳۸۰۔۴۳۳، السنن الکبریٰ ج ۱۰ ص ۲۳۱، مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۲۱۹۵، اتحاف السادۃ المتقین ج ۴ ص ۴۹۸، الدر المنثور ج ۲ ص ۱۶۳، حلیۃ الاولیاء ج ۷ ص ۲۰۳، سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۳۶۶۸، کنز العمال رقم الحدیث: ۲۸۲۶)

جو شخص دل کی اجازت سے قرآن مجید سنتا ہے اس کی یہی حالت ہوتی ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

وَاِذَا سَمِعُوْا مَاۤ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰۤى اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ. (المائدہ: ۸۳)

اور جب وہ سنتے ہیں وہ کلام جو رسول ﷺ کی طرف اتارا گیا تو آپ دیکھیں گے کہ حق کو پہچاننے کی وجہ سے ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہیں۔

عوارف المعارف میں ہے کہ:

یہی سماع' سچا سماع ہے جس میں دو ایمان والوں کا بھی اختلاف نہیں اور ایسا شخص ہدایت یافتہ ہے اس سماع کی حرارت یقین کے اولوں (برف) پر ڈالی جاتی ہے تو آنکھوں سے آنسو بہنے لگتے ہیں کیونکہ بعض اوقات اس سے حزن (غم) پیدا ہوتا ہے اور غم گرم ہوتا ہے اور کبھی شوق جنم لیتا ہے اس میں بھی گرمی ہوتی ہے کبھی ندامت ہوتی ہے اور وہ بھی گرم ہوتی ہے جب یقین کی ٹھنڈک اور اولوں سے بھرپور دل والے شخص میں سماع سے یہ صفات پیدا ہوتی ہیں تو وہ روتا ہے اور رلاتا ہے کیونکہ حرارت اور ٹھنڈک کا ٹکراؤ ہوتا ہے تو پانی نکلتا ہے پس جب سماع دل تک پہنچتا ہے تو بعض اوقات یہ نزول ہلکا ہوتا ہے تو جسم میں اس کا اثر ظاہر ہوتا ہے اور رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں'

ارشاد خداوندی ہے:

تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُودُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ: (الزمر: ۲۳) اس سے بال کھڑے ہوتے ہیں ان کے بدن پر جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں۔

اور کبھی اس کا وقوع بہت بڑا ہوتا ہے اور اس کا اثر دماغ کی طرف چڑھتا ہے تو آنکھوں سے آنسو بہنے لگتے ہیں اور بعض اوقات روح کی طرف جاتا ہے تو روح موجزن ہوتی ہے اور قریب ہے کہ جسم کا بندھن تنگ پڑ جائے پس اس سے چیخ و پکار اور حرکت شروع ہو جاتی ہے یہ تمام ایسے احوال ہیں جن کو ارباب حال پاتے ہیں۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اپنے وظیفہ میں جب کسی آیت سے گزرتے تو وعظ و عبرت سے آپ کی ہچکی بندھ جاتی اور آپ گر پڑتے اور ایک دو دن تک گھر میں بند ہو جاتے حتیٰ کہ آپ کی عیادت کی جاتی اور آپ کو بیمار شمار کیا جاتا۔

صحابہ کرام اکٹھے ہوتے اور ان میں حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ ہوتے تو وہ حضرات کہتے اے ابو موسیٰ! ہمارے سامنے ہمارے رب کا ذکر کیجئے پس وہ قرآن مجید پڑھتے اور باقی صحابہ کرام سنتے۔

سماع قرآنی سے محبت کرنے والے شیطانی سماع کی محبت رکھنے والوں سے زیادہ وجد' ذوق' لذت' حلاوت اور سرور حاصل کرتے ہیں پس جب تم کسی شخص کو دیکھو کہ اشعار سننے سے اسے وجد آتا ہے ذوق اور طرب پیدا ہوتا ہے جب کہ قرآن مجید کی آیات سن کر یہ کیفیت پیدا نہیں ہوتی۔ اور وہ خوش آوازی سنتا ہے قرآن مجید نہیں سنتا جیسا کہ کہا گیا ہم تمہارے سامنے قرآن مجید پڑھتے ہیں اور تم پتھر کی طرح جامد و ساکت ہو اور کوئی شعر پڑھا جائے تو نشے والے کی طرح ادھر ادھر جھکتے ہو۔ تو جان لو کہ یہ عمل اس بات کی نہایت مضبوط دلیل ہے کہ اس شخص کا دل اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت سے فارغ ہے۔ [1]

اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی محبت کی مٹھاس ہمیشہ عطا فرمائے اور اپنے احسان و رحمت کے ساتھ ہمیں اپنے راستے پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

---

[1] حضرت جنید بغدادی رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ آپ کے مریدین قرآن سن کر وجد میں نہیں آتے جب کہ رباعیات سن کر وجد میں آتے ہیں اس کی کیا وجہ ہے فرمایا قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اس کا ادراک مشکل ہے رباعیات انسانوں کا کلام ہے اس کا سمجھنا آسان ہے نیز قرآن وعظ و احکام ہے اور انسان اس کا مکلف ہے اور آدمی جس بات کا مکلف بنایا جائے اس کو سن کر وجد میں نہیں آتا۔ (زرقانی ج ۶ ص ۳۲۱)

(۹) سنت کی محبت

نبی اکرم ﷺ کی محبت کی ایک علامت یہ ہے کہ آپ کی سنت پر عمل اور آپ کی حدیث مبارک پڑھنے کی چاہت ہو بے شک جس آدمی کے دل میں ایمان کی چاشنی داخل ہو جب وہ اللہ تعالیٰ کے کلام میں سے کوئی کلمہ یا کوئی حدیث رسول ﷺ سنتا ہے تو وہ اس کی روح' دل اور نفس میں جا گزیں ہو جاتا ہے۔ شاعر کہتا ہے:

اشم منک نسیما لست اعرفه　　اظن لمياء جرت فيک اردانا

''میں تم سے نسیم صبح کی خوشبو سونگھتا ہوں لیکن میں اسے پہچانتا نہیں (کیونکہ اس سے پہلے میں نے ایسی خوشبو کبھی نہیں سونگھی) میں اسے گندمی رنگ کے ہونٹوں والی کے لباس سے جو تجھ تک پہنچا خیال کرتا ہوں''۔

پس یہ کلمہ (جو کلام الٰہی یا حدیث رسول ﷺ سے سنا) اس کو یوں گھیر لیتا ہے کہ اس کا ہر بال سماعت اور ہر ذرہ بصارت بن جاتا ہے پس کل کے ساتھ کل کو سنتا اور کل کے ساتھ کل کو دیکھتا ہے۔ شاعر نے کہا:

لی حبیب خیاله نصب عینی　　سره فی ضمائری مدفون

ان تذکرة فکلی قلوب　　اوتاملته فکلی عیون

''میرا ایک محبوب ہے اس کا خیال میرا نصب العین ہے' اس کا راز میرے اندر مدفون ہے اگر میں اس کو یاد کروں تو میرا کل دل بن جاتا ہے اور اگر میں اس میں غور کروں تو میرا سب کا سب آنکھیں ہے''۔

اس وقت دل منور ہوتا ہے اور اس کا اندر روشن ہو جاتا ہے اور براہین ظاہر ہوتی ہیں تو تحقیق کی موجیں آپس میں ٹکراتی ہیں اور وہ محبوب کی توجہ کی سیرابی سے سیراب ہو جاتا ہے کہ محبوب کی توجہ سے بڑھ کر اسے سیراب کرنے والی کوئی چیز نہیں اور محبوب کے منہ پھیرنے سے زیادہ سخت جلانے والی اور ہیبت ناک چیز کوئی نہیں یہی وجہ ہے کہ جہنمیوں کے لئے جسمانی عذاب ہے۔ زیادہ سخت عذاب اللہ تعالیٰ کے دیدار میں رکاوٹ ہوگی جس طرح اہل جنت کے لئے جسمانی نعمتوں سے بڑی نعمت اللہ تعالیٰ کا دیدار' اس کے خطاب کی سماعت' اس کی رضا اور اس کی توجہ ہوگی اللہ تعالیٰ ہمیں اس گھاٹ کی مٹھاس چکھنے سے محروم نہ فرمائے۔

(۱۰) نبی اکرم ﷺ کے ذکر کی چاہت

نبی اکرم ﷺ کی محبت کی علامات میں سے ایک بات یہ ہے کہ آپ کا محب آپ کے ذکر شریف سے لذت حاصل کرتا ہے اور جب آپ کا اسم گرامی سنتا ہے تو خوشی سے جھوم اٹھتا ہے اور بعض کی نشے جیسی حالت پیدا ہو جاتی ہے جس میں اس کا دل' روح اور سماعت ڈوب جاتی ہے۔

اس نشے کا سبب وہ لذت ہے جو عقل پر غالب آ جاتی ہے اور لذت کا سبب محبوب کا ادراک ہے۔ پس جب محبت مضبوط ہوگی اور اس محبوب کا ادراک بھی قوی ہوگا تو اس کے ادراک کی لذت ان دو باتوں کی قوت کے تابع ہوگی اگر عقل مضبوط مستحکم ہو تو اس میں تبدیلی نہیں آتی اور اگر کمزور ہو تو ایسا سکر پیدا ہوتا ہے جو اس عقل کو اس کے حکم (اس کے لائق امور) سے نکال دیتا ہے۔

علمائے طریقت نے سکر (حالت جذب) کی تعریف یہ کی ہے کہ حالت طرب میں صبر باقی نہ رہے گویا نشہ والے میں کچھ باقی ہے۔ جس سے وہ لذت حاصل کرتا اور جھومتا ہے پس ایسا شخص صبر نہیں کرسکتا اور اس کے ساتھ فنا بھی نہیں ہوتا۔

اور بعض اوقات سکر (نشہ) کا سبب محبوب کے ادراک کی خوشی کی قوت ہوتی ہے کہ اس کا کلام مخلوط اور افعال تبدیل ہو جاتے ہیں کہ اس کی عقل زائل ہو جاتی ہے اور شراب پینے والے کی نسبت اس کے اخلاق زیادہ برے ہو جاتے ہیں۔

اور بعض اوقات طبعی سبب کی بنیاد پر اس خوشی کا نشہ اسے ہلاک کر دیتا ہے اور وہ دل کے خون کا یکدم پھیل جانا ہے اور یہ عام عادت کے خلاف ہوتا ہے اور خون ہی طبعی گرمی کو لاتا ہے پس اس (خون) کے پھیل جانے سے دل ٹھنڈا ہو جاتا ہے اور یوں موت واقع ہو جاتی ہے۔

ایک شخص جب جنگل میں اپنے جانور کو پاتا ہے لیکن اس کے خیال میں وہ مر چکا تھا تو وہ خوشی کے نشے میں کہتا ہے ''یا اللہ تو میرا بندہ ہے اور میں تیرا رب ہوں'' تو وہ بہت زیادہ خوشی کی وجہ سے غلطی کر جاتا ہے اور خوشی کا نشہ شراب کے نشہ سے اوپر ہوتا ہے تم دل میں اس فقیر کی حالت کا تصور کرو جس کے پاس کچھ نہیں لیکن وہ دنیا کا عاشق ہے اس سے سخت عشق کرتا ہے اسے ایک بہت بڑا خزانہ مل جاتا ہے پس وہ مطمئن ہو کر اس پر قبضہ کر لیتا ہے تو اس کے نشے کا کیا عالم ہوگا یا جس سے غلام بہت بڑا مال لے کر کئی سالوں تک غائب رہے اور پھر اس کے انتظار کے بغیر تمام مال لے کر آ جائے اور اس نے اس سے کئی گنا کمایا تو اس کے نشے کا عالم کیا ہوگا؟

ہم جس موضوع پر گفتگو کر رہے ہیں اس میں سب سے زیادہ قوی سبب عجیب و غریب اور واضح الفاظ میں نبی اکرم ﷺ کی صفات پر مشتمل اشعار کی آوازوں کو سننا ہے یہ آواز جب کسی صلاحیت رکھنے والے محل تک پہنچتی ہے تو سننے والے کے نشے کے بارے میں نہ پوچھو۔ اس وقت یہ نشہ دو جہتوں سے پیدا ہوتا ہے۔

ایک یہ کہ ذاتی طور پر اس سے ایک مضبوط لذت لازم ہوتی ہے۔ جس سے عقل پر پردہ چھا جاتا ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ نفس محبوب کی طرف اور اس کی جہت میں حرکت کرتا ہے اس وقت اس حرکت' شوق اور طلب کے ذریعے اور اس کے ساتھ ہی محبوب کو خیال میں لانے اور نفس میں حاضر کرنے نیز اس کی صورت کو دل کے قریب کرنے اور فکر پر اس کو غالب کرنے سے ایک عظیم لذت پیدا ہوتی ہے جو عقل کو ڈھانپ دیتی ہے اس وقت آوازوں کی لذت اور ادراک کی لذت جمع ہو جاتی ہیں پس روح پر ایسا نشہ چڑھتا ہے جو شراب کے نشے سے زیادہ عجیب' زیادہ پاکیزہ اور زیادہ لذیذ ہوتا ہے اور اس شخص کو شراب کے نشے سے زیادہ لذیذ نشہ حاصل ہوتا ہے۔

حضرت امام احمد وغیرہ رحمہم اللہ نے ذکر کیا کہ اللہ تعالیٰ حضرت داؤد علیہ السلام سے فرمائے گا اس آواز کے ساتھ میری بزرگی بیان کرو جس کے ساتھ دنیا میں میری بزرگی بیان کرتے تھے وہ کہیں گے کیسے بیان کروں وہ الفاظ تو لے گیا ہے اللہ تعالیٰ فرمائے گا میں آپ پر لوٹاتا ہوں پس وہ عرش کے پائے کے پاس کھڑے ہو کر اللہ تعالیٰ کی بزرگی بیان کریں گے تو جنت والے ان کی آواز سن کر جنتی نعمتوں کو چھوڑتے ہوئے ادھر مشغول ہو جائیں گے۔

اس سے بھی بڑی بات یہ ہے کہ جب اپنے رب جل جلالہ کا کلام اور خطاب سنیں گے اور اس کے ساتھ ساتھ اس کی ذات کریم کی زیارت بھی کریں گے تو دیدار الٰہی کی لذت ان کو جنت اور اس کی نعمتوں کو دیکھنے سے بے نیاز کر دے گی تو یہ

ایسا معاملہ ہے کہ الفاظ اس کا ادراک نہیں کر سکتے اور اشارہ اس کا احاطہ نہیں کر سکتا اور یہ ایسی صفت ہے کہ ہر کان میں داخل نہیں ہو سکتی ایسی موسلا دھار بارش ہے کہ ہر زمین کو سیراب نہیں کرتی ایسا چشمہ ہے کہ اس پر آنے والا ہر شخص اس سے پی نہیں سکتا ایسا سماع ہے کہ ہر سامع اس سے جھوم نہیں سکتا اور ایسا دستر خوان ہے کہ اس پر ہر طفیلی بیٹھ نہیں سکتا۔ مدارج السالکین میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا۔

محبت اور گناہ کا اجتماع

جو شخص ان مذکورہ بالا صفات سے موصوف ہو جاتا ہے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ سے اس کی محبت کامل ہوتی ہے اور جو ان میں سے بعض کی مخالفت کرے اس کی محبت ناقص ہے لیکن وہ اس نام (محبّ ہونے) سے نہیں نکلتا اس پر دلیل یہ ہے کہ جس شخص کو شراب کی حد لگائی گئی اور بعض حضرات نے اس پر لعنت بھیجی اور کہا کہ یہ کس قدر (اس سزا کے لئے) لایا جاتا ہے تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

لا تلعنه فانه يحب الله ورسوله. اس پر لعنت نہ بھیجو یہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت کرتا ہے۔

تو باوجود اس گناہ کے صادر ہونے کے کہ نبی اکرم ﷺ نے بتایا کہ یہ شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے۔[1]

اس میں ان لوگوں کا رد ہے جن کے خیال میں کبیرہ گناہ کا مرتکب کافر ہو جاتا ہے کیونکہ اس پر لعنت سے نہی اور اس کے لئے دعا کا حکم ثابت ہے۔ (طبقات ابن سعد ج ۳ ص ۲۷۵' مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۱۳۵۵۳-۸۲-۱۷۰' اتحاف السادۃ المتقین ج ۹ ص ۶۲۰' کنز العمال رقم الحدیث: ۱۳۷۴۹)

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نہی کے ارتکاب اور اس شخص کے دل میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت کے ثبوت میں کوئی منافات نہیں یعنی دونوں باتیں جمع ہو سکتی ہیں اور جس شخص سے گناہ کا تکرار ہو جائے اس کے دل سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی محبت نکالی نہیں جاتی۔

اور ہو سکتا ہے نافرمانی کرنے والے کے دل میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی محبت کا ثبوت اور اس کا باقی رہنا اس بات سے مقید ہو کہ جب وہ گناہ کے وقوع پر نادم ہو۔ یا جب اس پر حد نافذ کی جائے تو یہ اس کے اس مذکورہ گناہ کا کفارہ بن جائے بخلاف اس کے کہ جب اس سے یہ بات (ندامت وغیرہ) واقع نہ ہو تو گناہ کے تکرار سے اس بات کا ڈر ہے کہ اس کے دل پر مہر لگ جائے حتیٰ کہ اس سے یہ محبت سلب کر لی جائے۔

ہم اللہ تعالیٰ سے معافی' اس کی محبت پر ثابت قدمی اور اس کی رحمت و احسان سے اس کے راستے پر چلنے کا سوال کرتے ہیں۔

---

[1] ایک شخص جس کا نام عبداللہ تھا اور حمار لقب تھا وہ رسول اکرم ﷺ کو ہنسایا کرتا تھا (ایسی گفتگو کرتا کہ آپ تبسم فرماتے) اور شراب نوشی پر آپ اسے کوڑے لگانے کا حکم دیتے ایک دن اسے لایا گیا تو ایک دوسرے شخص نے کہا یا اللہ! اس پر لعنت بھیج یہ کس کثرت کے ساتھ لایا جاتا ہے تو حضور علیہ السلام نے فرمایا اس پر لعنت نہ بھیجو یہ اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے (زرقانی ج ۶ ص ۳۲۳) معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے محبت کرنے والے اگر کبھی گناہ کا ارتکاب کریں تو ان کے لئے اچھے الفاظ استعمال کئے جائیں یقیناً کسی وقت محبت خداوندی اور محبت رسول ان کو نیک اعمال کی راہ دکھائے گی۔ ۱۲ ہزاروی

محبت اور خلت میں فرق

علماء کرام کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ محبت کا درجہ زیادہ بلند ہے یا خلت (خلیل ہونے) کا درجہ بلند ہے۔
حضرت قاضی عیاض رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ بعض حضرات نے دونوں کو برابر قرار دیا ہے پس حبیب وہی ہو سکتا ہے جو خلیل بھی ہو اور خلیل وہی ہو گا جو حبیب بھی ہو لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خلت اور حضرت محمد ﷺ کو محبت کے ساتھ خاص کیا گیا۔
بعض حضرات نے فرمایا کہ خلت کا درجہ زیادہ بلند ہے انہوں نے اس حدیث شریف سے استدلال کیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

لو کنت متخذا خلیلا غیر ربی لا تخذت ابا بکر خلیلا۔ اگر میں اپنے رب کے سوا کسی کو خلیل بناتا تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو خلیل بناتا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۳۶۵۴' الحاوی للفتاوی ج ۲ ص ۵۴' الشفاء ج ۱ ص ۴۱۲' البدایہ والنہایہ ج ۵ ص ۲۲۹' الموضوعات ج ۱ ص ۳۶۷)

پس آپ نے ان کو خلیل نہیں بنایا اور محبت کا لفظ حضرت فاطمہ' ان کے دونوں صاحبزادوں اور حضرت اسامہ رضی اللہ عنہم کے لئے استعمال فرمایا۔
معنیٰ اخص (یعنی خلت) سے یہی ظاہر ہے کیونکہ محبت 'خلت کے معنیٰ سے ماخوذ ہے لیکن اس پر واقعہ معراج کے حوالے سے اعتراض ہوتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ سے فرمایا۔ اے محمد! ﷺ سوال کیجئے تو آپ نے عرض کیا اے میرے رب! تو نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خلیل بنایا حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا اللہ تعالیٰ نے فرمایا کیا میں آپ کو اس سے بہتر وصف عطا نہ کروں؟ (یہاں تک کہ فرمایا) میں نے آپ کو حبیب بنایا جو اس کے معنیٰ میں ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ محبت کا درجہ زیادہ بلند ہے۔
جن حضرات نے مقام محبت کو مقام خلت پر فضیلت دی ہے انہوں نے کئی وجوہ سے فرق کیا ہے حضرت قاضی عیاض رحمہ اللہ نے "الشفاء میں" امام ابوبکر بن فورک سے نقل کرتے ہوئے ذکر کیا انہوں نے بعض متکلمین سے نقل کیا۔

۱۔ خلیل بالواسطہ پہنچتا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

وَكَذٰلِكَ نُرِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ . (الانعام:۷۵) اسی طرح ہم حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آسمانوں اور زمین کی پوشیدہ بادشاہی دکھاتے ہیں۔

اور حبیب بلاواسطہ پہنچتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى ○ (النجم:۹) پس دو کمانوں کا فاصلہ تھا یا اس سے بھی زیادہ قریب۔

۲۔ خلیل نے کہا:

وَلَا تُخْزِنِيْ . (الشعراء:۸۷) اور مجھے رسوا نہ کرنا۔

اور حبیب کے لئے کہا گیا:

يَوْمَ لَا يُخْزِي اللّٰهُ النَّبِيَّ. (التحریم:۸)
جس دن اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو رسوا نہیں کرے گا۔

۳۔ خلیل نے مشکل میں کہا:

حَسْبِيَ اللّٰهُ. (الزمر:۳۸)
مجھے اللہ کافی ہے۔

اور حبیب کے لئے کہا گیا:

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ. (الانفال:۶۴)
اے نبی! آپ کو اللہ کافی ہے۔

۴۔ خلیل وہ ہے جس کی مغفرت طمع کی صورت میں ہوتی ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَالَّذِيْ أَطْمَعُ أَنْ يَغْفِرَ لِيْ خَطِيْئَتِيْ يَوْمَ الدِّيْنِ ۝ (الشعراء:۸۲)
اور مجھے اس بات کی امید ہے کہ وہ قیامت کے دن میری خطاؤں کو بخش دے گا۔

اور حبیب کی مغفرت حدِ یقین میں ہے' فرمایا:

لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ. (الفتح:۲)
تاکہ آپ کے سبب آپ کے اگلوں پچھلوں کے گناہ بخش دے۔

میری (مصنف علیہ الرحمہ کی) کتاب "تحفة السامع والقاری بختم حجج البخاری" میں کچھ دوسری وجوہ بھی ہیں جو قاضی عیاض رحمہ اللہ کی بیان کردہ وجوہ کے علاوہ ہیں۔

اور یہ تمام محل نظر ہیں جیسا کہ میں نے "حاشیۂ شفا میں" بیان کیا ہے اس لئے کہ دو چیزوں کے درمیان فرق کا تقاضا یہ ہے کہ ان کی ذاتوں کی تعریف میں فرق ہو یعنی خلیل اور حبیب کے مدلول میں فرق ہو اور جو کچھ قاضی عیاض رحمہ اللہ نے نقل کیا اور میں نے "التحفہ" میں ذکر کیا وہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی ذات کی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ذات پر فضیلت کا تقاضا کرتا ہے۔

اعتراض

یہ بات محض ذاتی نہیں بلکہ اس میں وصف خلت ملحوظ ہے اس لئے یہ فرق لازم آیا۔

جواب: دونوں شخصیتوں کے لئے خلت اور محبت دونوں باتیں ثابت ہیں کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے وصف محبت کو سلب نہیں کیا جاسکتا۔ خاص طور پر جب کہ خلت' محبت سے زیادہ خاص ہے اور نبی اکرم ﷺ سے وصف خلت کو سلب نہیں کیا جاسکتا خاص طور پر جب کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد گرامی نبی اکرم ﷺ کے لئے ثابت ہے:

انی اتخذتک خلیلاً.
میں نے آپ کو اپنا خلیل بنایا۔

(نوٹ) جامع ترمذی میں یوں ہے "ان صاحبکم خلیل الرحمن بے شک تمہارا ساتھی رحمٰن کا خلیل ہے"۔

اور اس بات پر اجماع ہے کہ ہمارے نبی ﷺ کو تمام انبیاء کرام علیہم السلام پر بلکہ اللہ تعالیٰ کی تمام مخلوق پر مطلق فضیلت حاصل ہے۔

جہاں تک اس قول کا تعلق ہے کہ خلیل کو بالواسطہ وصل حاصل ہوتا ہے تو اس مقام پر جو غرض ہے اس کا فائدہ اس بات سے حاصل نہیں ہوتا اور اس سے معرفت تک رسائی مراد ہے کیونکہ حسی طور پر اللہ تعالیٰ کا پہنچنا محال ہے۔

اور یہ بات کہ حبیب ذاتی طور پر اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرتا ہے تو حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تک رسائی بلا واسطہ ہی ہوتی ہے وہ حبیب ہو یا خلیل۔

اور یہ بات کہ خلیل وہ ہوتا ہے جو مغفرت کی طمع رکھتا ہے تو یہ بات خلیل کی تفسیر کے طور پر صحیح نہیں اور اس کے معنیٰ کے ساتھ اس کا کوئی تعلق نہیں۔

مذکورہ بالا تین وجوہ فرق میں زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ ہمارے نبی ﷺ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام پر ذاتی طور پر فضیلت عطا کی گئی اور اس میں علت معنویہ یعنی وصف محبت یا وصف خلت کا لحاظ نہیں رکھا گیا اور حق یہ ہے کہ خلت محبت سے اعلیٰ اکمل اور افضل ہے۔

ابن قیم نے کہا کہ بعض لوگ جو غلط طریقے پر ہیں ان کا یہ خیال کہ محبت خلت سے اکمل ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے خلیل اور حضرت محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے حبیب تھے تو یہ ان لوگوں کی جہالت ہے کیونکہ محبت عام اور خلت خاص ہے اور خلت محبت کی انتہا ہے۔

ابن قیم نے کہا نبی اکرم ﷺ نے بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو خلیل بنایا اور آپ نے اس بات کی نفی فرمائی کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی آپ کا خلیل ہو اور اس کے ساتھ ساتھ آپ نے یہ خبر بھی دی کہ آپ کو حضرت عائشہ ان کے والد (حضرت ابوبکر صدیق) حضرت عمر بن خطاب اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے محبت ہے نیز اللہ تعالیٰ خوب توبہ کرنے والوں سے محبت کرتا اور خوب پاکیزگی حاصل کرنے والوں کو محبوب بناتا ہے صبر کرنے والوں نیکی کرنے والوں متقی لوگوں اور انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے جب کہ اللہ تعالیٰ کی خلت دو خلیلوں (حضرت ابراہیم علیہ السلام اور نبی اکرم ﷺ) کے ساتھ خاص ہے۔

ابن قیم نے کہا ان لوگوں کا قول (کہ محبت خلت سے اکمل ہے) اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے بارے میں علم اور سمجھ کی کمی کے باعث ہے۔

شیخ بدرالدین زرکشی رحمہ اللہ نے قصیدہ بردہ شریف کی شرح میں فرمایا کہ بعض لوگوں کے خیال میں محبت خلت سے افضل ہے اور انہوں نے کہا حضرت محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے حبیب اور حضرت ابراہیم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے خلیل ہیں۔
لیکن یہ قول ضعیف ہے کیونکہ خلت خاص ہے اور وہ محبت کا کسی کے لئے خاص ہونا ہے جب کہ محبت عام ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ التَّوَّابِیْنَ. (البقرہ:۲۲۲) بے شک اللہ تعالیٰ خوب توبہ کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔

وہ فرماتے ہیں یہ بات صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی ﷺ کو خلیل بنایا جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خلیل بنایا۔

تنبیہ

لفظ خلیل 'خلت سے مشتق ہے (خاء پر زبر ہے) اور اس کا معنیٰ حاجت ہے یا خلت (خاء پر پیش) سے مشتق ہے اور اس کے معنیٰ خاص دوستی ہے یا خلل سے مشتق ہے ثعلب نے کہا خلیل کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ یہ ایسی دوستی جو دل کے اندر داخل ہوتی ہے اور یہ شعر پڑھا:

قد تخللت مسلک الروح منی و بذا سمی الخلیل خلیلا

''تم میرے اندر روح کی طرح داخل ہوا اسی لئے خلیل کو خلیل کہا جاتا ہے''۔

امام راغب نے کہا الخلۃ (زبر کے ساتھ) نفس کو لاحق ہونے والے خلل کو کہا جاتا ہے اور وہ خلل یا تو کسی چیز کی خواہش ہے یا اس چیز کی حاجت سے ہوتا ہے اسی لئے خلہ کی تفسیر حاجت سے کی جاتی ہے اور پیش کے ساتھ خُلہ پڑھنے کی وجہ یا تو یہ ہے کہ یہ محبت نفس کے اندر داخل ہوتی ہے یا اس کے درمیان میں ہونے کی وجہ سے کہتے ہیں یا اس لئے کہ یہ نفس میں داخل ہو کر اس طرح اثر کرتی ہے جس طرح تیر اس چیز میں اثر کرتا ہے جس میں لگتا ہے یا اس کی زیادہ حاجت کی وجہ سے یہ لفظ بولا جاتا ہے۔

فصل نمبر ۲

بارگاہِ نبوی میں ہدیہ صلوٰۃ وسلام پیش کرنا

درود پڑھنا کب فرض اور کب سنت ہے' فضیلت' صفت اور محل کیا ہے؟

صلوٰۃ (درود) کا معنیٰ

ارشادِ خداوندی ہے:

اِنَّ اللّٰہَ وَ مَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا۝ (الاحزاب:۵۶)

بے شک اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے نبی اکرم ﷺ پر درود بھیجتے ہیں اے ایمان والو! تم بھی آپ پر درود اور خوب سلام بھیجو۔

ابو العالیہ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کا نبی اکرم ﷺ پر درود شریف پڑھنا فرشتوں کے سامنے آپ کی تعریف کرنا ہے اور فرشتوں کا درود پڑھنا یہ ہے کہ وہ آپ کے لئے دعا مانگتے ہیں۔

''فتح الباری میں'' فرمایا کہ سب سے بہتر قول یہی ہے پس اللہ تعالیٰ کے درود بھیجنے کا معنیٰ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کی تعریف فرماتا اور آپ کی عظمت کو بیان کرتا ہے اور فرشتوں وغیرہ کا درود بھیجنا یہ ہے کہ یہ سب اللہ تعالیٰ سے اسی بات (ثناء اور تعظیم) کا مطالبہ کرتے ہیں اور مراد یہ ہے کہ یا اللہ تعالیٰ مزید درود بھیج محض درود بھیجنے کا مطالبہ نہیں کرتے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں فرشتوں کا درود بھیجنا' برکت کی دعا کرنا ہے۔ ابن ابی حاتم نے حضرت

مقاتل بن حیان رحمہ اللہ سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کا درود بھیجنا مغفرت ہے اور فرشتوں کا درود بھیجنا طلب مغفرت ہے۔

(تذکرۃ الحفاظ ج اص ۱۷۴' طبقات المفسرین ج ۲ ص ۳۲۹' میزان الاعتدال ج ۴ ص ۱۷۱)

ضحاک بن مزاحم فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے درود اس کی رحمت ہے ان ہی سے ایک روایت میں ہے کہ اس کی طرف سے مغفرت ہے اور فرشتوں کا درود شریف دعا ہے۔ یہ دونوں قول اسماعیل قاضی نے ان سے نقل کئے ہیں گویا ان کی مراد مغفرت کی دعا ہے۔

مبرد نے کہا اللہ تعالیٰ کی طرف سے صلوٰۃ (درود) رحمت ہے اور فرشتوں کا درود ایسی رقت (نرمی) ہے جو رحمت کی دعا کی ترغیب دیتی ہے۔ اس پر یہ اعتراض کیا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے صلوٰۃ اور رحمت کو الگ الگ چیز قرار دیا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اُولٰٓئِکَ عَلَیۡہِمۡ صَلَوٰتٌ مِّنۡ رَّبِّہِمۡ وَرَحۡمَۃٌ۔ ان لوگوں پر ان کے رب کی طرف سے صلوٰت اور رحمت ہے۔ (البقرہ:۱۵۷)

اسی لئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اللہ تعالیٰ کے اس قول سے ان دونوں کو ایک دوسرے کا غیر سمجھا:

صَلُّوۡا عَلَیۡہِ وَسَلِّمُوۡا تَسۡلِیۡمًا۔ (الاحزاب:۵۶) ان پر درود اور خوب سلام بھیجو۔

حتیٰ کہ انہوں نے نبی اکرم ﷺ سے صلوٰۃ (درود شریف) کی کیفیت دریافت کی جب کہ سلام کی تعلیم میں رحمت کا ذکر پہلے ہو چکا تھا یعنی "اَلسَّلَامُ عَلَیۡکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ وَرَحۡمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ" میں لفظ رحمت بھی ہے اور نبی اکرم ﷺ نے ان کو اس پر برقرار رکھا پس اگر صلوٰۃ' رحمت کے معنی میں ہوتی تو نبی اکرم ﷺ ان سے فرماتے کہ تم سلام کے ذکر میں یہ بات معلوم کر چکے ہو۔

حلیمی نے اس کو جائز قرار دیا کہ صلوٰۃ آپ پر سلام کے معنیٰ میں ہو اور یہ بات محل نظر ہے۔

کہا گیا ہے کہ مخلوق پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے صلوٰۃ خاص بھی ہے اور عام بھی' انبیاء کرام علیہم السلام پر صلوٰۃ سے مراد ان کی ثناء اور تعظیم ہے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے اور دوسرے لوگوں پر صلوٰۃ سے مراد رحمت ہے اور یہ وہ رحمت ہے جو ہر چیز کو شامل ہے۔

حضرت قاضی عیاض رحمہ اللہ نے حضرت بکر قشیری رحمہ اللہ سے نقل کیا وہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نبی اکرم ﷺ پر صلوٰۃ (درود) آپ کو شرف عطا فرمانا اور آپ کی تکریم کو بڑھانا ہے اور نبی اکرم ﷺ کے علاوہ لوگوں پر صلوٰۃ سے رحمت مراد ہے اس سے نبی اکرم ﷺ اور دوسرے مؤمنین کے درمیان فرق ظاہر ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ احزاب میں فرمایا:

اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوۡنَ عَلَی النَّبِیِّ۔ بے شک اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے نبی اکرم ﷺ پر درود شریف بھیجتے ہیں۔ (الاحزاب:۵۶)

اور اس سے پہلے اسی سورت میں فرمایا:

هُوَ الَّذِیْ یُصَلِّیْ عَلَیْکُمْ وَ مَلٰٓئِکَتُهٗ. وہی اللہ ہے جوتم پر رحمت بھیجتا ہے اور اس کے فرشتے

(الاحزاب:۴۳) رحمت کی دعا مانگتے ہیں۔

اور یہ بات معلوم ہے کہ جو قدر نبی اکرم ﷺ کے شایانِ شان ہے وہ اس سے بلند ہے جو دوسروں کے مناسب ہے اور اس بات پر اجماع ہے کہ اس آیت میں نبی اکرم ﷺ کی جس قدر شان بیان کی گئی ہے وہ دوسری جگہ بیان نہیں ہوئی۔

حلیمی نے ''الشعب (شعب الایمان) میں'' فرمایا کہ نبی اکرم ﷺ پر درود شریف بھیجنے کا مطلب آپ کی تعظیم ہے پس ہمارے قول ''اللھم صل علی محمد'' کا معنیٰ یہ ہے کہ اے اللہ! حضرت محمد ﷺ کو عظمت عطا فرما۔ دنیا میں آپ کی تعظیم آپ کے ذکر کو بلند کرنا' آپ کے دین کو غالب کرنا اور آپ کی شریعت کو باقی رکھنا ہے اور آخرت میں زیادہ ثواب عطا کرنا امت کے حق میں آپ کی شفاعت کو قبول کرنا اور مقام محمود کے ذریعے آپ کی فضیلت کو ظاہر کرنا ہے اس بنیاد پر ارشاد خداوندی ''صلوا علیہ'' سے مراد یہ ہے کہ تم اپنے رب سے نبی اکرم ﷺ کی تعظیم کی دعا مانگو۔

اور آپ پر' آل' ازواج اور آپ کی اولاد (ذریت) کے عطف میں کوئی حرج نہیں کیونکہ ان کی تعظیم کی دعا مانگنا ممنوع نہیں ہے اس لئے کہ ہر ایک کی تعظیم اس کی شان کے مطابق ہوتی ہے۔

اور جو کچھ ابو العالیہ کے حوالے سے گزر چکا ہے وہ زیادہ ظاہر ہے کیوں کہ اس کے مطابق لفظ صلوٰۃ کی اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت فرشتوں کی طرف نسبت اور مومنوں کی طرف سے نسبت سے استعمال ایک ہی معنیٰ میں ہے اور اس کی تائید اس بات سے ہوتی ہے کہ غیر انبیاء کے لئے رحمت کی دعا کے جواز میں کوئی اختلاف نہیں البتہ لفظ صلوٰۃ کے بارے میں اختلاف ہے (کہ غیر انبیاء کے لئے جائز ہے یا نہیں)۔

اور اگر ہمارے قول ''اللھم صل علی محمد'' کا معنیٰ یا اللہ! حضرت محمد ﷺ پر رحم فرما ہوتا تو انبیاء کرام کے غیر کے لئے بھی درود شریف جائز ہوتا اسی طرح اگر برکت یا رحمت کے معنیٰ میں ہوتا تو جن لوگوں کے نزدیک تشہد میں درود شریف واجب ہے ان کے نزدیک السلام علیک ایھا النبی و رحمۃ اللہ وبرکاتہ پڑھنے سے یہ وجوب ساقط ہو جاتا (حالانکہ ساقط نہیں ہوتا) اس بات کا جواب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ تشہد میں لفظ صلوٰۃ کا استعمال حکم شرعی کے طور پر ہے پس اسے عمل میں لانا ضروری ہے اگرچہ پہلے وہ الفاظ لا چکا ہے جو اس کے ہم معنیٰ ہیں۔

سوال: درود شریف پڑھنے کا حکم کب ہوا؟

جواب: جیسا کہ ابوذر ہروی نے فرمایا ہجرت کے دوسرے سال یہ حکم دیا گیا ہے ایک قول کے مطابق شب معراج حکم ہوا یہ بھی کہا گیا کہ شعبان کا مہینہ نبی اکرم ﷺ پر درود شریف پڑھنے کا مہینہ ہے کیونکہ درود شریف والی آیت (ان اللہ وملائکتہ یصلون علی النبی) شعبان المعظم میں نازل ہوئی۔ واللہ اعلم

درود شریف پڑھنے کا فائدہ

حلیمی نے فرمایا نبی اکرم ﷺ پر درود شریف پڑھنے سے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہوتا ہے کیونکہ اس عمل کے ذریعے اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل اور نبی اکرم ﷺ کے ہمارے ذمہ حق کی ادائیگی ہوتی ہے۔

ابن عبد السلام نے بھی ان کی اتباع کی ہے چنانچہ انہوں نے اپنی کتاب ''شجرۃ المعارف کے آٹھویں باب'' میں

فرمایا کہ نبی اکرم ﷺ پر درود شریف پڑھنا ہماری طرف سے آپ کے لئے سفارش نہیں ہے کیونکہ ہمارے جیسے لوگ آپ جیسی شخصیات کی سفارش کا حق نہیں رکھتے لیکن اللہ تعالیٰ نے ہمیں حکم دیا کہ جو کوئی ہم پر احسان کرے ہم اس کا بدلہ دیں پس اگر ہم اس سے عاجز ہوں تو دعا کے ذریعے بدلہ دیں پس جب اللہ تعالیٰ نے دیکھا کہ ہم اپنے نبی ﷺ کے احسانات کا بدلہ نہیں دے سکتے تو ہمیں آپ پر درود شریف بھیجنے کا حکم دیا۔ شیخ ابو محمد مرجانی سے بھی اس کی مثل منقول ہے۔ ابن عربی نے فرمایا نبی اکرم ﷺ پر درود شریف بھیجنے کا فائدہ درود شریف پڑھنے والے کی طرف لوٹتا ہے کیونکہ یہ اس کے عقیدے کی پختگی، خلوص نیت، اظہار محبت اور واسطہ کریمہ ﷺ کی دائمی فرمانبرداری اور احترام کی دلیل ہے۔ (کشف الظنون ج ۲ ص ۱۰۲۷)

درود شریف پڑھنے کا حکم

آپ پر درود شریف پڑھنے کے حکم کے بارے میں مختلف اقوال ہیں۔

پہلا قول: کسی قید کے بغیر درود شریف پڑھنا واجب ہے لیکن کم از کم ایک بار پڑھنا کفایت کرتا ہے۔

دوسرا قول: کثرت سے درود شریف پڑھنا واجب ہے لیکن کوئی تعداد مقرر نہیں ہے یہ بات قاضی ابوبکر بن بکیر مالکی رحمہ اللہ نے فرمائی ہے ان کی عبارت جیسا کہ قاضی عیاض رحمہ اللہ نے نقل کی ہے یوں ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق پر لازم کیا ہے کہ وہ اس کے نبی ﷺ پر درود شریف اور خوب سلام بھیجیں اور اس کے لئے کوئی معلوم وقت مقرر نہیں فرمایا پس واجب ہے کہ زیادہ سے زیادہ درود شریف بھیجا جائے اور اس میں غفلت نہ برتی جائے۔ (اخبار القضاۃ ج ۳ ص ۳۲۱)

تیسرا قول: جب بھی آپ کا ذکر ہو درود شریف بھیجنا واجب ہے۔ یہ بات امام طحاوی، حنفیوں کی ایک جماعت، حلیمی اور شافعیوں کی ایک جماعت نے کہی ہے۔ ابن عربی نے فرمایا زیادہ احتیاط اسی میں ہے زمخشری نے بھی اسی طرح کہا ہے ان حضرات نے اس قول پر اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

من ذکرت عندہ فلم یصل علی فمات فدخل النار فابعدہ اللہ.

جس آدمی کے سامنے میرا ذکر ہو پس وہ مجھ پر درود شریف نہ پڑھے اور وہ مر جائے تو جہنم میں داخل ہوگا پس اللہ تعالیٰ نے اسے (اپنی رحمت سے) دور کر دیا۔

یہ حدیث ابن حبان نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے روایت کی ہے۔

اور یہ حدیث بھی ہے:

رغم انف من ذکرت عندہ فلم یصل علی.

اس شخص کی ناک خاک آلود ہو جس کے سامنے میرا ذکر کیا جائے پس وہ مجھ پر درود نہ بھیجے۔

اس حدیث کو امام ترمذی رحمہ اللہ نے حضرت ابوہریرہ کی روایت سے نقل کیا اور امام حاکم رحمہ اللہ نے اسے صحیح قرار دیا۔

اور یہ حدیث بھی ہے:

شقي عبد ذكرت عنده فلم يصل علي. وہ شخص بد بخت ہے جس کے سامنے میرا ذکر کیا جائے اور وہ مجھ پر درود شریف نہ پڑھے۔

اس حدیث کو امام طبرانی نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت سے نقل کیا کیونکہ ناک خاک آلود ہونے رحمت سے دوری اور بدبختی کی بددعا سزا کے ذکر کو چاہتی ہے اور کسی عمل کے چھوڑنے پر سزا کا ذکر علامات وجوب میں سے ہے۔

اور معنوی اعتبار سے نبی اکرم ﷺ پر درود شریف بھیجنے کا حکم آپ کے احسانات کا بدلہ دینے کا فائدہ دیتا ہے اور آپ کا احسان ہمیشہ کے لئے جاری ہے پس جب آپ کا ذکر ہو تو درود شریف پڑھنے کی تاکید ہو جائے گی۔

ان حضرات نے اس ارشاد باری تعالیٰ سے بھی استدلال کیا ہے:

لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا. (النور:٦٣) رسول ﷺ کو اس طرح نہ پکارو جس طرح ایک دوسرے کو پکارتے ہو۔

پس اگر آپ کے ذکر پر درود شریف نہ پڑھا جاتا تو آپ کا معاملہ دوسرے لوگوں کی طرح ہوتا۔

جن لوگوں نے یوں درود شریف پڑھنا واجب قرار نہیں دیا انہوں نے اس بات کے چند جوابات دیئے ہیں۔

ایک جواب یہ ہے کہ یہ قول صحابہ کرام یا تابعین میں سے کسی سے معروف نہیں ہے لہٰذا یہ خود ساختہ ہے۔ اور اگر یہ اپنے عموم پر ہو تو مؤذن پر لازم ہے کہ جب وہ اذان کہے تو درود شریف پڑھے اسی طرح اذان سننے والے پر بھی لازم ہونا چاہیے۔

نیز قرآن مجید پڑھنے والے پر بھی لازم ہوتا کہ جب بھی وہ ایسی آیت کریمہ پڑھتا جس میں نبی اکرم ﷺ کا ذکر ہوتا تو وہ درود شریف پڑھتا اور جو شخص حلقہ بگوش اسلام ہوتا تو کلمۂ شہادت پڑھتے وقت درود شریف پڑھنا بھی اس پر لازم ہوتا اور یہ ایک ایسی مشقت اور حرج ہے کہ شریعت مطہرہ جو آسان ہے وہ اس کے خلاف ہے نیز اس طرح اللہ تعالیٰ کا جب بھی ذکر کیا جائے اس کی تعریف کرنا زیادہ واجب ہوتا اور اس بات کا کوئی بھی قائل نہیں ہے۔

امام قدوری (احمد بن محمد بن احمد بن جعفر القدوری فقہی متوفی ۴۲۸ھ) اور دیگر ائمہ حنفیہ نے فرمایا کہ جب بھی نبی اکرم ﷺ کا ذکر ہو اس وقت درود شریف پڑھنے کا وجوب اس اجماع کے خلاف ہے جو اس قول سے پہلے منعقد ہو چکا ہے کیونکہ کسی صحابی کے بارے میں یہ بات محفوظ نہیں کہ انہوں نے نبی اکرم ﷺ کو مخاطب کرتے ہوئے ''یا رسول اللہ'' کے ساتھ ''ﷺ'' بھی کہا ہو نیز اگر بات اس طرح ہوتی تو وہ کسی دوسری عبادت کے لئے فارغ ہی نہ ہوتے۔

(الاعلام ج ا ص ۲۱۲ وفیات الاعیان ج ا ص ۲۱ نجوم الزاہرہ ج ۵ ص ۲۴)

احادیث کا جواب ان حضرات نے یوں دیا ہے کہ یہ درود شریف کی طلب میں مبالغہ ہے اور یہ ان لوگوں کے بارے میں ہے جو درود شریف نہ پڑھنے کی عادت بنا لیتے ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ ایک مجلس میں تکرار ذکر رسول ﷺ سے درود شریف کا تکرار واجب نہیں ہے۔

چوتھا قول: ہر مجلس میں ایک مرتبہ درود شریف پڑھنا واجب ہے اگرچہ آپ کا ذکر کئی بار ہو یہ بات زمخشری نے فرمائی ہے۔

پانچواں قول: ہر دعا میں درود شریف پڑھنا واجب ہے یہ بات بھی زمخشری سے منقول ہے۔

تَسْلِیْمًاO (الاحزاب:٥٦) اور خوب سلام بھیجو۔

اور آپ پر درود شریف بھیجنے کی فرضیت کے لئے نماز سے زیادہ مناسب مقام کوئی نہیں۔ اور اس سلسلے میں نبی اکرم ﷺ سے بھی رہنمائی ملتی ہے۔

حضرت ابراہیم بن محمد نے ہمیں خبر دی وہ فرماتے ہیں ہم سے حضرت صفوان بن سلیم نے حضرت ابوسلمہ بن عبد الرحمٰن سے روایت کرتے ہوئے بیان کیا وہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہم آپ پر درود شریف کیسے پڑھیں یعنی نماز میں آپ نے فرمایا تم یوں کہو **اللھم صل علی محمد وعلی آل محمد کما صلیت علی ابراھیم** (آخر تک درود ابراہیمی)۔

ہمیں ابراہیم بن محمد نے خبر دی وہ فرماتے ہیں مجھ سے سعید بن اسحاق ابن کعب بن عجرہ نے حضرت عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ سے انہوں نے حضرت کعب بن عجرہ سے اور انہوں نے نبی اکرم ﷺ سے روایت کیا کہ آپ نماز میں **اللھم صل علی محمد** (درود ابراہیمی آخر تک) پڑھا کرتے تھے۔

حضرت امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں پس جب یہ بات مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ صحابہ کرام کو نماز میں تشہد سکھاتے تھے اور یہ بھی مروی ہے کہ آپ نے ان کو نماز میں درود شریف پڑھنے کی کیفیت سکھائی تو یہ کہنا جائز نہیں کہ نماز میں تشہد تو واجب ہے لیکن درود شریف واجب نہیں۔

امام شافعی رحمہ اللہ کی رائے کا مناقشہ

بعض مخالفین نے امام شافعی رحمہ اللہ کے اس استدلال کی کئی وجوہ سے مخالفت کی ہے۔

١۔ ابراہیم بن محمد بن ابی یحیٰ (راوی) ضعیف ہیں اور ان کے بارے میں کلام مشہور ہے۔

٢۔ اگر اس کو صحیح مانا جائے تو پہلی حدیث میں "یعنی نماز میں" کے الفاظ کا قائل واضح نہیں کہ کون ہے (تاکہ معلوم ہو کہ اس کی تفسیر قابل قبول ہے یا نہیں)۔

٣۔ دوسری حدیث میں یہ الفاظ کہ نبی اکرم ﷺ یہ درود شریف پڑھتے تھے اگرچہ اس کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے فرض نماز مراد ہے لیکن اس بات کا احتمال ہے کہ اس سے درود شریف پڑھنے کی صفت مراد ہو (یعنی فی الصلوٰۃ میں لفظ صلوٰۃ کا معنی نماز نہ ہو بلکہ درود شریف پڑھنا ہی ہو) اور یہ قوی احتمال ہے کیونکہ حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ سے اکثر طرق اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ سوال درود شریف کی صفت سے متعلق ہے اس کے محل کے بارے میں نہیں ہے۔

٤۔ حدیث شریف میں کوئی ایسی بات نہیں جو تشہد میں اس کی تعیین پر دلالت کرے خصوصاً تشہد اور سلام کے درمیان۔

متاخرین مالکیوں کی ایک جماعت نے حضرت امام شافعی رحمہ اللہ پر نماز میں درود شریف کی شرط لگانے کی وجہ سے بہت زیادہ اعتراض کیا اور کہا کہ یہ ان کا انفرادی قول ہے۔

اور ایک جماعت نے اس کے خلاف اجماع نقل کیا ہے ان میں ابوجعفر طبری' طحاوی' ابن منذر اور خطابی بھی شامل ہیں۔

حضرت قاضی عیاض رحمہ اللہ نے "الشفاء میں" ان کے اقوال نقل کئے ہیں اور متعدد لوگوں نے ان پر عیب لگا۔۔۔

چھٹا قول: درود شریف پڑھنا مستحب کاموں میں سے ہے یہ ابن جریر طبری کا قول ہے اور انہوں نے اس پر اجماع کا دعویٰ کیا ہے اگرچہ درود شریف کے لئے امر کا صیغہ آیا لیکن وہ فرماتے ہیں امت کے تمام متقدمین و متاخرین علماء کا اجماع ہے کہ اس سے فرضیت لازم نہیں آتی جس کے چھوڑنے سے آدمی گناہ گار ہو۔ پس یہ اس بات پر دلالت ہے کہ اس سلسلے میں امر کا صیغہ استحباب کے لئے ہے اور جو آدمی درود شریف پڑھ لیتا ہے چاہے نماز سے باہر پڑھے وہ حکم الٰہی کی تعمیل کر لیتا ہے۔

''فتح الباری میں'' فرمایا کہ ان کا اجماع کا دعویٰ دوسروں کی نماز کے اندر اس کی مشروعیت پر اجماع کے دعویٰ کے خلاف ہے چاہے نماز میں پڑھنا واجب ہو یا مستحب اور اسلاف سے اس کی مخالفت معروف نہیں۔

البتہ ابن ابی شیبہ اور طبرانی نے حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ سے نقل کیا کہ ان کے نزدیک نمازی کا تشہد میں ''السلام علیک ایھا النبی و رحمۃ اللہ و برکاتہ'' پڑھنا درود شریف کی جگہ کفایت کرتا ہے تو اس کے باوجود انہوں نے درود شریف کی جگہ سلام کی کفایت کا دعویٰ کیا ہے۔

ساتواں قول: زندگی میں ایک بار درود شریف پڑھنا واجب ہے نماز میں ہو یا اس کے علاوہ حنفیہ میں سے ابوبکر رازی نے یہ بات فرمائی ہے۔

آٹھواں قول: نماز میں واجب ہے لیکن مقام کا تعین ضروری نہیں ہے یہ بات ابوجعفر باقر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے۔

نواں قول: تشہد میں واجب ہے یہ امام شعبی اسحاق بن راہویہ کا قول ہے۔

دسواں قول: نماز کے آخری قعدہ میں تشہد اور سلام کے درمیان واجب ہے یہ بات امام شافعی اور ان کے متبعین رحمہم اللہ نے کہی ہے۔

اس بات پر اصحاب سنن (سنن ابی داؤد وغیرہ) کی روایت سے استدلال کیا گیا ہے اس روایت کو امام ترمذی، ابن خزیمہ اور امام حاکم رحمہم اللہ نے صحیح قرار دیا۔ حضرت ابومسعود بدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ! جہاں تک سلام کا تعلق ہے تو وہ ہمیں معلوم ہو گیا لیکن جب ہم نماز میں آپ پر درود شریف پڑھیں تو اس کی کیفیت کیا ہے آپ نے فرمایا۔ تم کہو اللھم صل علی محمد (درود ابراہیمی) ان کا یہ کہنا کہ سلام کے بارے میں ہمیں معلوم ہو گیا تو اس سے مراد تشہد میں پڑھا جانے والا اسلام ہے نبی اکرم ﷺ ان کو یہ سلام اس طرح سکھاتے جس طرح قرآن مجید کی کوئی سورت سکھاتے تھے اور اس میں اس طرح السلام علیک ایھا النبی و رحمۃ اللہ و برکاتہ ہے امام شافعی رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے اس کی مثل روایت کیا ہے۔

''فی صلاتنا'' کے اضافہ سے شافعی مسلک کی ایک جماعت جن میں ابن خزیمہ اور امام بیہقی رحمہما اللہ بھی شامل ہیں نے اس بات پر استدلال کیا ہے کہ قعدے میں تشہد کے بعد اور سلام سے پہلے درود شریف پڑھنا واجب ہے۔

حضرت امام شافعی رحمہ اللہ نے ''کتاب الام میں'' فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ کے ذریعے نبی اکرم ﷺ پر درود شریف بھیجنا فرض فرمایا:

إِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ۚ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا

بے شک اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے نبی اکرم ﷺ پر درود شریف بھیجتے ہیں اے ایمان والو! تم بھی ان پر درود

ہوئے کہا کہ ان مقالات کے ذکر کرنے سے خاموش رہنا بہتر تھا کیونکہ ان کی کتاب "الشفاء" کی بنیاد نبی اکرم ﷺ کی تعظیم اور آپ کے حقوق کی ادائیگی کے سلسلے میں انتہائی مبالغہ پر مبنی ہے۔

اور نماز میں نبی اکرم ﷺ پر درود شریف کو واجب قرار دینا آپ کی تعظیم میں مبالغہ کی غرض سے ہے اور انہوں نے نبی اکرم ﷺ کے فضلات (پیشاب وغیرہ) کو پاک قرار دیا حالانکہ اکثر اس کے خلاف ہیں۔ ۱ لیکن انہوں نے اس کو عمدہ قرار دیا کیونکہ اس میں آپ کی زیادہ تعظیم ہے اور آپ پر درود شریف کے وجوب کا انکار کیسے کیا جاسکتا ہے جب کہ یہ نماز کی جنس اور اس کے مقتضیٰ سے ہے ۲ اور جب نماز میں خود نمازی اور اللہ تعالیٰ کے دیگر نیک بندوں پر سلام بھیجنا جائز (بلکہ ضروری) ہے تو نبی اکرم ﷺ پر درود شریف پڑھنا واجب کیوں نہیں ہوگا؟

علماء کرام کی ایک جماعت نے بھی امام شافعی رحمہ اللہ کی تائید کی ہے ان علماء میں حافظ عماد الدین بن کثیر' ابن قیم' شیخ الاسلام والحفاظ ابوالفضل ابن حجر عسقلانی ان کے شاگرد ہمارے شیخ حافظ سخاوی' علامہ ابی امامہ بن نقاش اور ان کے علاوہ علماء کرام رحمہم اللہ جن کا ذکر بہت طویل ہے' شامل ہیں۔

ان حضرات نے اپنے موقف پر نقلی اور عقلی دلائل پیش کیے ہیں اور انفرادیت کے دعویٰ کا رد کیا۔ انہوں نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت سے بھی وجوب کا ایک قول نقل کیا ہے ان صحابہ کرام میں حضرت ابن مسعود' ابو مسعود بدری انصاری اور جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہم بھی شامل ہیں۔

امام شافعی رحمہ اللہ کے اصحاب نے حضرت عمر بن خطاب اور آپ کے صاحبزادے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہما سے اور تابعین میں سے امام شعبی رحمہ اللہ سے یہ بات نقل کی ہے اور امام بیہقی نے اسے روایت کیا نیز ابو جعفر باقر اور مقاتل رحمہما اللہ نے بھی نقل کیا۔

امام حاکم رحمہ اللہ نے قوی سند کے ساتھ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں کہ آدمی تشہد پڑھے پھر حضور علیہ السلام پر درود شریف پڑھے اور اس کے بعد اپنے لئے دعا مانگے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امام شافعی رحمہ اللہ کے دلائل میں سے یہ سب سے زیادہ مضبوط دلیل ہے کیونکہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نبی اکرم ﷺ نے ان (صحابہ کرام) کو تشہد سکھائی اور فرمایا پھر جو دعا چاہے مانگے۔

پس جب حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے کہ دعا سے پہلے درود شریف پڑھا جائے تو یہ اس بات پر دلالت ہے کہ آپ اس اضافے پر مطلع ہیں جو تشہد اور دعا کے درمیان ہے (اور وہ درود شریف پڑھنا ہے) اور اس سے ان لوگوں کی دلیل ختم ہوگئی جنہوں نے امام شافعی رحمہ اللہ کے مسلک کا رد کرنے کے لئے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے

---

۱ علامہ زرقانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ہمارے شیخ نے ہمیں املاء کراتے ہوئے فرمایا کہ اس قسم کی بات عیب نہیں اور نہ اس پر اعتراض ہوسکتا ہے کیونکہ حضرت قاضی عیاض رحمہ اللہ اور دوسرے علماء کا مقصد اظہار حق ہے تاکہ پڑھنے والے کو معلومات اور دلائل کا علم ہو اور ان مقالات کا نقل کرنا تعظیم کے منافی نہیں کیونکہ حضور علیہ السلام کی عظمت صرف اس بات پر موقوف نہیں اور حضور علیہ السلام کے فضلات کا ذکر کیا تو یہ ان کا مذہب ہے جیسا کہ امام شافعی رحمہ اللہ کا مسلک ہے اور ان کے نزدیک یہ حق ہے۔ (شرح زرقانی ج ۶ ص ۳۳۳)

۲ امام زرقانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ اعتراض ساقط ہے کیونکہ انکار تو صرف وجوب کا ہے اور وجوب کسی خاص دلیل سے ثابت ہوتا ہے۔ (زرقانی ج ۶ ص ۳۳۳)

استدلال کیا اور حضرت قاضی عیاض رحمہ اللہ کی طرح دعویٰ کرتے ہوئے کہا کہ یہ ابن مسعود رضی اللہ کا تشہد ہے جو نبی اکرم ﷺ نے ان کو سکھایا اس میں آپ پر درود شریف بھیجنے کا ذکر نہیں ہے۔

حسن بن عرفہ کی جزء (جس کتاب میں کسی ایک موضوع پر احادیث جمع ہوں اسے جزء کہتے ہیں) میں ہے اور (حضرت حسن بن علی بن شبیب بغدادی) معمری نے "عمل الیوم واللیلۃ میں" حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے عمدہ سند کے ساتھ نقل کیا وہ فرماتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

لا تکون صلوۃ الا بقراءۃ و تشہد و صلاۃ علی۔ ۱

قرأت، تشہد اور مجھ پر درود شریف پڑھے بغیر نماز نہیں ہوتی۔

(الاعلام ج ۲ ص ۲۰۰' تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۶۶۷' تاریخ بغداد ج ۷ ص ۳۶۹' العبر ج ۲ ص ۱۰۱)

امام بیہقی رحمہ اللہ نے خلافیات میں مضبوط سند کے ساتھ حضرت شعبی رحمہ اللہ سے نقل کیا اور وہ بڑے بڑے تابعین میں سے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ ہمیں تشہد یوں سکھائی جاتی تھی کہ جب اشہد ان محمدا عبدہ ورسولہ کہے تو اپنے رب کی ثناء اور حمد بیان کر کے نبی اکرم ﷺ پر درود شریف پڑھے پھر دعا مانگے۔ ۲

حضرت ابوجعفر کی حدیث میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے کہ (نبی اکرم ﷺ نے فرمایا):

من صلی صلوۃ لم یصل فیہا علی و علی اہل بیتی لم تقبل منہ۔ ۳

جس نے نماز پڑھتے ہوئے مجھ پر اور میرے اہل بیت پر درود شریف نہ پڑھا اس کی نماز قبول نہیں ہوگی۔

امام دارقطنی نے فرمایا صحیح یہ ہے کہ یہ ابوجعفر محمد بن علی بن حسین (رضی اللہ عنہم) کے قول سے ہے وہ فرماتے ہیں:

اگر میں نماز پڑھوں اور اس میں نبی اکرم ﷺ اور آپ کے اہل بیت پر درود شریف نہ پڑھوں تو میں سمجھتا ہوں کہ میری نماز مکمل نہیں ہوئی لیکن حضرت ابوجعفر سے روایت کرنے والے جابر جعفی ہیں اور وہ ضعیف ہیں۔ "الشفاء" میں اسی طرح ہے۔

فقہاء امصار (مختلف شہروں کے فقہا) میں سے حضرت امام احمد رحمہ اللہ نے ایک روایت کے مطابق حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کی موافقت کی ہے اور آخر میں اسی پر عمل کیا جس طرح ان سے (ان کے شاگرد) ابوزرعہ دمشقی (ابوزرعہ عبد الرحمٰن بن عمرو بن عبداللہ بن صفوان النصری حافظ الحدیث متوفی ۲۸۰ھ) نے نقل کیا اور اس بات کو حافظ ابن کثیر نے ذکر کیا۔ (الاعلام ج ۳ ص ۳۲۰' تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۶۲۴' شذرات الذہب ج ۲ ص ۱۷۷' النجوم الزاہرہ ج ۳ ص ۸۷' العبر ج ۲ ص ۶۵' التہذیب ج ۶ ص ۲۳۶)

اسحاق بن راہویہ نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص بھول کر نہیں بلکہ جان بوجھ کر درود شریف نہ پڑھے تو اس پر نماز کا اعادہ

---

۱ نوٹ: امام زرقانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس روایت میں وجوب کی کوئی دلیل نہیں ہے کیونکہ ہو سکتا ہے اس میں کمال کی نفی ہو اور یہی مفہوم زیادہ مناسب ہے کیونکہ تشہد کی احادیث میں درود شریف کا ذکر نہیں ہے۔ (شرح زرقانی ج ۶ ص ۳۳۴)

۲ اس میں بھی کوئی ایسی بات نہیں جو وجوب پر دلالت کرے کیونکہ تعلیم استحباب کے لئے بھی ہوتی ہے (ایضاً)۔

۳ اس حدیث میں وجوب پر دلیل نہیں ہے کیونکہ نماز کے قبول نہ ہونے سے اس کا باطل ہونا لازم نہیں آتا (لہٰذا وجوب ثابت نہ ہوا)۔

واجب ہے اور امام احمد رحمہ اللہ سے مشہور یہ ہے کہ اس کے چھوڑنے سے نماز باطل ہو جاتی ہے جان کر چھوڑے یا بھول کر۔آپ کے اکثر شاگردوں کا یہی موقف ہے حتیٰ کہ بعض حنبلی ائمہ نے نماز میں "ﷺ" کہنا واجب قرار دیا کہ انہوں نے جب سوال کیا تو امام احمد رحمہ اللہ نے انہیں اسی طرح سکھایا ابن کثیر نے اسی طرح ذکر کیا (امام ابوالقاسم عمر بن حسین بغدادی) خرقی رحمہ اللہ نے جان بوجھ کر چھوڑنے کی قید میں اسحاق بن راھویہ کی موافقت کی ہے۔

(الاعلام ج ۵ ص ۴۴' فیات الاعیان ج ا ص ۳۷۹' نجوم الزاہرہ ج ۳ ص ۸ ۱۷' تاریخ بغداد ج ۱۱ ص ۲۳۴' مفتاح السعادۃ ج ا ص ۴۳۸)

مالکیوں کے نزدیک بھی اختلاف ہے۔جس طرح ابن حاجب نے نماز کی سنتوں کا ذکر کرتے ہوئے بیان کیا پھر فرمایا "علی الصحیح" (یعنی صحیح قول کے مطابق اختلاف ہے) ان کے شارح (علامہ محمد) بن عبدالسلام (تونسی قاضی) نے فرمایا۔

ان کی مراد یہ ہے کہ وجوب کے بارے میں دو قول ہیں اور امام ابن مواز (محمد بن ابراہیم بن زیادہ اسکندری) کے کلام سے بھی یہی بات ظاہر ہوتی ہے ابن قصار (ابوالحسن علی بن احمد بغدادی) اور عبدالوہاب (بن علی بن نصر ابو محمد بغدادی) رحمہما اللہ نے ان سے (ابن مواز سے) اس بات کو صراحتاً نقل کیا جس طرح "الشفاء میں" ان الفاظ کے ساتھ ہے کہ وہ امام شافعی رحمہ اللہ کی طرح اسے نماز میں فرض (واجب) سمجھتے تھے۔

(الاعلام ج ۵ ص ۲۹۴' شذرات الذھب ج ۲ ص ۱۷۷' الوافی بالوفیات ج ا ص ۳۳۵) (الدیباج ج ۲ ص ۱۰۰' ترتیب المدارک ج ۳ ص ۶۰۲' شجرۃ النور الزکیہ ج ا ص ۱۹۲' المکنون ج ۲ ص ۱۳۳) (الاعلام ج ۴ ص ۱۸۴' فوات الوفیات ج ۲ ص ۴۱۹' فیات الاعیان ج ۲ ص ۳۸۷' شذرات الذھب ج ۳ ص ۲۲۳' تاریخ بغداد ج ۱۱ ص ۳۱' نجوم الزاہرہ ج ۳ ص ۲۷۶' مرآۃ الجنان ج ۳ ص ۴۱' ترتیب المدارک ج ۴ ص ۶۹۱' الدیباج ج ۲ ص ۲۶' شجرۃ النور الزکیہ ج ا ص ۱۰۳' حسن المحاضرہ ج ا ص ۳۱۴' البدایۃ والنہایہ ج ۱۲ ص ۳۲)

وہ فرماتے ہیں ابو یعلیٰ (احمد بن محمد) عبدی رحمہ اللہ نے اس سلسلے میں تین قول نقل کئے ہیں (۱) وجوب (۲) سنت (۳) استحباب۔(الدیباج المذہب ج ا ص ۱۷۵' الصلۃ ج ا ص ۸۷)

میں نے "سراج المریدین میں" قاضی ابوبکر بن عربی کی طرف منسوب اقوال میں دیکھا کہ ابن مواز اور امام شافعی رحمہما اللہ نے فرمایا کہ نبی اکرم ﷺ پر درود شریف پڑھنا نماز کے فرائض میں سے ہے اور یہی صحیح ہے۔

(کشف الظنون ج ۲ ص ۹۸۴)

جو حنفی اس بات کے قائل ہیں کہ جب بھی نبی اکرم ﷺ کا ذکر ہو درود شریف پڑھنا واجب ہے جیسا کہ امام طحاوی نے فرمایا اور سروجی نے اسے "شرح ہدایہ میں" المحیط' العقد اور التحفہ کے مصنفین سے ان کی کتب سے نقل کیا تو ان قائلین پر لازم آتا ہے کہ وہ تشہد میں بھی درود شریف پڑھنے کو واجب قرار دیں کیونکہ اس سے پہلے تشہد کے آخر میں اشھد ان محمدا رسول اللہ پڑھتے ہوئے آپ کا ذکر ہوتا ہے لیکن ان کو چاہیے کہ اس کا التزام کریں اور وہ اسے نماز کی صحت کے لئے شرط قرار نہیں دیتے (کیونکہ وجوب سے لازم نہیں آتا کہ وہ صحتِ نماز کے لئے شرط ہو۔زرقانی ج ۶ ص ۳۳۵)۔(کشف الظنون ج ۲ ص ۲۰۳۳)

امام شافعی رحمہ اللہ کے اصحاب نے اس سلسلے میں ان کی مخالفت نہیں کی بلکہ ہمارے بعض اصحاب نے آل پر درود

شریف پڑھنے کو بھی واجب قرار دیا جس طرح بندنیجی (ابونصر محمد بن ہبۃ اللہ بن ثابت شافعی فقیہی متوفی ۴۹۵ھ) اور دارمی نے نقل کیا اور امام الحرمین اور امام غزالی رحمہم اللہ نے امام شافعی رحمہ اللہ سے نقل کرتے ہوئے اس کا قول کیا۔

(الاعلام ج ۷ ص ۱۳۰ کشف الظنون ص ۵۷۵ ہدیۃ العارفین ج ۲ ص ۷۸ معجم المولفین ج ۱۲ ص ۸۹)

ابن کثیر نے کہا صحیح یہ ہے کہ یہ ان کا اپنا قول نہیں کسی دوسرے کا قول ہے کہ (اہل مذہب میں سے) جمہور اس کے خلاف ہیں اور وجوب کا قول حدیث کے ظاہر کی وجہ سے ہے (کہ فرمایا کہو اللھم صل علی محمد)۔

امام شافعی رحمہ اللہ کے اصحاب میں سے خطابی کا ان کی مخالفت کرنا غیر معتبر ہے کیونکہ امر کا مقتضیٰ جسے وجوب پر محمول کیا اجماعی ہے اور اس کا سب سے بہتر حال نماز ہے اور اس کے مراد ہونے کے احتمال میں کوئی رکاوٹ نہیں خطابی کا یہ کہنا کہ اس میں کوئی قیادت نہیں تو ان کو کہا جائے گا کہ بلاشبہ امام شافعی رحمہ اللہ کی قیادت ہے ان کی اقتدا کی جائے اور یہ مقام اجتہاد ہے لیکن کسی دوسری بات کی حاجت نہیں۔ اور شفاء میں جو فرمایا کہ امام شافعی رحمہ اللہ سے پہلے کے بزرگوں کا عمل اور ان کا اجماع اس بات کی دلیل ہے کہ یہ درود شریف نماز کے فرائض میں سے نہیں ہے تو یہ بات محل نظر ہے کیونکہ اگر عمل سے اعتقاد مراد ہے تو ان سے واضح نقل کی ضرورت ہوگی جس میں بتایا گیا ہو کہ یہ واجب نہیں اور یہ بات کہاں پائی گئی؟

اور یہ کہنا کہ لوگوں نے اس مسئلہ میں امام شافعی رحمہ اللہ پر بہت تنقید کی ہے تو اس تنقید کا کیا معنیٰ ہے؟ انہوں نے کسی نص، اجماع، قیاس یا مصلحت راجحہ کی مخالفت نہیں کی بلکہ ان کا یہ قول ان کے مذہب کے حسن سے ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ جو شخص مخلوق میں سے سب سے افضل شخصیت پر تمام عبادات کی بنیاد نماز جس میں خضوع اور شارع کو حاضر سمجھنا مطلوب ہے درود شریف چھوڑنے کو جائز قرار دیتا ہے اس کی مذمت کرنا زیادہ بہتر ہے۔ [1]

جہاں تک اجماع کی بات ہے تو پہلے بیان ہو چکا ہے اور یہ کہنا کہ امام شافعی رحمہ اللہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے تشہد کو اختیار کیا تو یہ بات کسی نے نہیں کہی اور امام شافعی رحمہ اللہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کے تشہد کو اختیار کیا جیسا کہ نبی اکرم ﷺ کی عبادت کے بیان میں آئے گا۔

نماز میں درود شریف کے وجوب پر اس حدیث سے بھی استدلال کیا گیا جو امام ابوداؤد، امام نسائی اور امام ترمذی نے نقل کی اور اسے صحیح قرار دیا اسی طرح ابن خزیمہ، ابن حبان اور حاکم نے بھی حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ سے نقل کیا وہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے ایک شخص کو سنا کہ اس نے نماز میں اس طرح دعا مانگی کہ نہ تو اللہ تعالیٰ کی حمد کی اور نہ ہی نبی اکرم ﷺ پر درود شریف پڑھا تو آپ نے فرمایا اس نے جلدی کی پھر آپ نے اسے اپنے پاس بلایا اور فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص نماز پڑھے تو اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء کے ساتھ ابتدا کرے پھر نبی اکرم ﷺ پر درود شریف پڑھے پھر جو چاہے دعا مانگے۔ [2] (جامع ترمذی رقم الحدیث: ۳۴۷۷ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۴۸۱ مسند احمد ج ۶ ص ۱۸ المستدرک ج ۱ ص ۲۳۰)

[1] امام زرقانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس میں مذمت والی کوئی بات نہیں کیونکہ نماز میں درود شریف نہ پڑھنے کو جائز قرار دینا اس رحمت میں سے ہے جس کے ساتھ نبی اکرم ﷺ کو بھیجا گیا تاکہ امت کو گناہ نہ ہو جب وہ نماز میں درود شریف نہ پڑھ سکیں بلکہ مقصد یہ ہے کہ درود شریف پڑھنے اور وجوب کی مشقت برداشت کرنے پر انہیں ثواب حاصل ہو۔ (زرقانی ج ۶ ص ۳۳۶)

[2] نوٹ: امام زرقانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس حدیث سے وجوب ثابت نہیں ہوتا اگر ایسا ہوتا تو اس شخص کو دوبارہ نماز پڑھنے کا حکم دیا جاتا۔ (زرقانی ج ۶ ص ۳۳۷)

السنن الکبریٰ ج ۲ ص ۱۴۸' المعجم الکبیر ج ۱۸ ص ۳۰۷' نصب الرایہ ج ۱ ص ۴۲۶۔ ج ۲ ص ۲۷۲' مشکل الآثار ج ۳ ص ۷۷' اتحاف السادۃ المتقین ج ۵ ص ۳۱' موارد الظمآن رقم الحدیث: ۵۱۰)

میں (مصنف) کہتا ہوں کہ ہمارے امام حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کی کرامات میں سے یہ بات ہے کہ قاضی عیاض رحمہ اللہ نے اس حدیث کو اپنی سند کے ساتھ امام ترمذی کے طریق سے نقل کیا اور اس کی سند پر کوئی طعن نہیں فرمایا' انہوں نے اسے "فصل فی المواطن التی تستحب فیها الصلوة علی النبی ﷺ و یرغب" (اس فصل میں ان مقامات کا ذکر جن میں نبی اکرم ﷺ پر درود شریف پڑھنا مستحب ہے اور اس کی ترغیب دی جاتی ہے) کے بعد نماز کے تشہد میں ذکر کیا اور یہ تشہد کے بعد اور دعا سے پہلے ہے۔ [1]

اور یہ حدیث جیسا کہ تم دیکھ رہے ہو ہمارے دلائل میں سے سب سے بڑی دلیل ہے (حالانکہ اس سے وجوب ثابت نہیں ہوتا اس سے ان دلائل کی کمزوری اور حنفی موقف کی قوت معلوم ہوتی ہے۔ ۱۲ ہزاروی)۔

اعتراض

اگر کوئی کہے کہ اس میں تمہارے (شافعیوں کے) لئے کوئی دلیل نہیں کیونکہ اس میں فرمایا کہ نبی اکرم ﷺ نے ایک شخص کو نماز میں دعا مانگتے ہوئے سنا تشہد کا ذکر نہیں ہے۔

جواب: اس کا جواب یہ ہے کہ اس سے لازم آتا ہے کہ قاضی عیاض رحمہ اللہ نے اس کو بے محل ذکر کیا کیونکہ انہوں نے ایک فصل قائم کر کے ان مقامات کا ذکر کیا جن میں درود شریف پڑھنا مستحب ہے پھر فرمایا نماز کے تشہد میں درود شریف پڑھنا بھی اسی سے ہے۔

امام بغوی نے "مصابیح میں" حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ کی اس حدیث میں ایسی بات کہی جو اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ یہ تشہد کے بارے میں ہے اس کے الفاظ یوں ہیں۔ فرمایا ایک شخص داخل ہوا اور اس نے کہا "اللهم اغفرلی وارحمنی" "یا اللہ! مجھے بخش دے اور مجھ پر رحم فرما تو رسول اکرم ﷺ نے فرمایا اے نمازی! تو نے جلدی کی جب تم نماز پڑھو تو قعدہ کرو پس اللہ تعالیٰ کی اس طرح حمد بیان کرو جو اس کے شایانِ شان ہے پھر مجھ پر درود شریف پڑھ کر دعا مانگو۔ (سنن نسائی ج ۳ ص ۴۴' جامع ترمذی رقم الحدیث: ۳۴۷۶' المعجم الکبیر ج ۱۸ ص ۳۰۸' مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۱۵۵' مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۹۳۰' الترغیب والترہیب ج ۲ ص ۴۸۷' کنز العمال رقم الحدیث: ۳۳۶۱)

آپ کا یہ فرمانا کہ تم نے جلدی کی اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ نماز کے جواز کے لئے جو کمال ہے وہ فوت ہو گیا اس لئے اگر نماز جائز ہوتی تو ملامت کرنا اچھا نہ ہوتا اور صیغہ امر کے ساتھ تعلیم نہ ہوتی۔ (حالانکہ سنت و مستحب کے ترک پر بھی ملامت ہوتی ہے لہٰذا یہ استدلال صحیح نہیں ہے۔ زرقانی)

سوال: یہ مستحباب کی تعلیم کا مقام ہے کیونکہ اگر واجبات کی بات ہوتی تو آپ دوبارہ نماز پڑھنے کا حکم دیتے جس طرح نماز میں جلدی کرنے والے کو حکم دیا (کہ جاؤ نماز پڑھو تم نے نماز نہیں پڑھی)؟

[1] امام زرقانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں امام شافعی رحمہ اللہ کی کرامات اور فضائل کے لئے اس قسم کی دلیل کی ضرورت نہیں کیونکہ یہ حدیث مستحب ہونے کی دلیل ہے وجوب کی نہیں۔

جواب: آپ کے اس ارشاد میں دوبارہ پڑھنے کے حکم سے بے نیازی ہے کیونکہ جب آپ نے اس شخص کو واجب بات کی تعلیم دی تو اسے قطعی طور پر معلوم ہو گیا کہ پہلے اس نے وہ عمل نہیں کیا لہٰذا اعادہ واجب ہے اور وہ فہم و عرفان والے تھے۔ [1]

سوال: آپ کا فرمانا کہ "فقعدت" میں اس بات کا احتمال ہے کہ مقدر عبارت پر عطف ہو تقدیر عبارت یوں ہوگی:

اذا صلیت و فرغت فقعدت للدعاء — جب تم نماز پڑھ کر فارغ ہو جاؤ پس دعا کے لئے بیٹھو

فاحمد اللہ — تو اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کرو۔

جواب: اصل یہ ہے کہ عبارت مقدر نہ ہو اور عطف مذکور لفظ پر ہوتا ہے یعنی جب تم نماز میں ہو پس تشہد کے لئے قعدہ کرو تو اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کرو یعنی التحیات للہ (آخر تک) کے کلمات کے ذریعے اس کی ثناء بیان کرو۔

احناف میں سے جرجانی اور دوسرے حضرات نے فرمایا اگر نماز میں درود شریف پڑھنا واجب ہو تو وقت حاجت سے بیان کی تاخیر لازم آئے گی کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے ان کو تشہد سکھایا اور فرمایا پس جو دعا چاہے مانگو اور اس میں آپ پر درود شریف پڑھنے کا ذکر نہیں ہے۔

اس کا جواب یوں دیا گیا ہے کہ اس وقت تک اس کا پڑھنا فرض نہیں تھا۔ [2]

حافظ زین الدین عراقی رحمہ اللہ نے شرح ترمذی میں فرمایا کہ یہ صحیح حدیث "ثم لیتخیر" (پھر جو دعا چاہے مانگے) کے الفاظ کے ساتھ ہے اور ثم تراخی (تاخیر) کو چاہتا ہے لہٰذا یہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہاں تشہد اور دعا کے درمیان کوئی چیز ہے۔ [3]

درود شریف پڑھنے کا طریقہ

نبی اکرم ﷺ پر درود شریف پڑھنے کی کیفیت کے بارے میں حضرت عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں۔

حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ کی مجھ سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے فرمایا کیا میں تمہیں ایک تحفہ نہ دوں؟ (پھر فرمایا) نبی اکرم ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے تو ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہمیں یہ تو معلوم ہو گیا کہ ہم آپ پر سلام کیسے بھیجیں تو آپ پر درود شریف کیسے پڑھیں؟

آپ نے فرمایا یوں کہو: [4]

---

[1] یہ جواب صحیح نہیں کیونکہ اختلاف وجوب کے بارے میں ہے اور اسی بات کو بنیاد بنایا جا رہا ہے۔ (زرقانی ج ۶ ص ۳۳۷)

[2] امام زرقانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ احتمال بہت ہی بعید از عقل ہے کیونکہ تشہد کی حدیث روایت کرنے والوں میں حضرت ابو ہریرہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہم بھی ہیں اور یہ بعد میں اسلام لائے کیونکہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کو فتح مکہ کے بعد صحبت کا شرف حاصل ہوا لہٰذا درود شریف کا حکم وجوب پر نہیں استحباب پر محمول ہوگا۔ (زرقانی ج ۶ ص ۳۳۷)

[3] اگر درمیان میں کسی بات (مثلاً درود شریف) کا ہونا ثابت بھی ہو تو وجوب کیسے ثابت ہو گیا؟

[4] بعض حضرات اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ درود ابراہیمی ہی پڑھنا چاہیے نماز کے اندر بھی اور باہر بھی ان سے سوال یہ ہے کہ یہ تعلیم نماز کے بارے میں ہے یا نماز سے باہر؟ اگر نماز کے بارے میں ہے تو ٹھیک ہے درود ابراہیمی ہی پڑھا جائے کیونکہ اسلام الگ مذکور ہے اور اگر نماز سے باہر بھی۔ یہی حکم ہے تو پھر نماز سے باہر سلام پڑھنے کے لئے "الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ" نہیں پڑھ سکتے تو السلام علیک ایہا النبی ہی پڑھ لیا کریں۔ ۱۲ ہزاروی

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى آلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى آلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ.

یا اللہ! حضرت محمد (ﷺ) اور آپ کی آل پر رحمت بھیج جس طرح تو نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آل پر رحمت نازل فرمائی بے شک تو تعریف والا بزرگی والا ہے یا اللہ! حضرت محمد ﷺ اور آپ کی آل پر برکت نازل فرما جس طرح تو نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آل پر برکت نازل فرمائی بے شک تو تعریف والا بزرگی والا ہے۔

سوال: اگر تم کہو کہ ''اللھم صل علی محمد'' اور ''کما صلیت علی آل ابراھیم'' میں مطابقت کیسے ہوگی؟
جواب: قاضی عیاض رحمہ اللہ نے اس کا جواب یوں دیا ہے کہ لفظ ''آل'' یہاں زائد ہے جس طرح نبی اکرم ﷺ نے حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا:

انہ اعطی مزمارا من مزامیر آل داؤد.

ان کو آل داؤد علیہ السلام کے مزامیر میں سے مزمار (خوش آوازی) دی گئی۔

حالانکہ حضرت داؤد علیہ السلام کی آل خوش آوازی کے ساتھ مشہور نہ تھی۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۰۴۸ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۳۵ جامع ترمذی رقم الحدیث: ۵۵ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۳۴۱ مسند احمد ج ۲ ص ۳۶۹۔ ۴۵۰۔ ج ۵ ص ۳۴۹)

اس حدیث کو ابن ابی حاتم نے یوں نقل کیا ہے کہ جب آیت کریمہ:

اِنَّ اللّٰهَ وَ مَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَ سَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا○ (الاحزاب: ۵۶)

بے شک اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے نبی اکرم ﷺ پر درود شریف بھیجتے ہیں اے ایمان والو! تم بھی ان پر درود اور خوب سلام بھیجو۔

نازل ہوئی تو ہم نے عرض کیا یارسول اللہ آپ پر درود شریف کیسے بھیجیں آپ نے فرمایا یوں کہو:

اللھم صل علی محمد و علی آل محمد کما صلیت علی ابراھیم وعلی آل ابراھیم انک حمید مجید وبارک علی محمد و علی آل محمد کما بارکت علی ابراھیم وعلی آل ابراھیم انک حمید مجید.

اے اللہ! حضرت محمد اور آل محمد (ﷺ) پر رحمت نازل فرما جس طرح تو نے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور آپ کی آل پر رحمت نازل فرمائی بے شک تو تعریف والا بزرگی والا ہے اور حضرت محمد ﷺ اور آل محمد پر برکت نازل فرما جس طرح تو نے حضرت ابراہیم اور آپ کی آل پر برکت نازل فرمائی بے شک تو تعریف والا بزرگی والا ہے۔

حضرت عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ فرماتے ہیں نمازی یہ بھی کہے ''وعلینا معھم'' (اور ان کے ساتھ ہم پر بھی)۔
حضرت ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم آپ پر درود شریف کیسے

بھیجیں؟ آپ نے فرمایا یوں کہو:

اللهم صل على محمد وازواجه و ذريته كما صليت على ابراهيم و بارك على محمد وازواجه و ذريته كما باركت على (ابراهيم و على) آل ابراهيم انك حميد مجيد.

(مسند احمد ج ۵ ص ۴۲۴)

یا اللہ! حضرت محمد ﷺ اور آپ کی ازواج واولاد پر رحمت نازل فرما جس طرح تو نے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر رحمت نازل فرمائی اور حضرت محمد ﷺ اور آپ کی ازواج واولاد پر برکت نازل فرما جس طرح تو نے حضرت ابراہیم علیہ السلام اوران کی آل پر برکت نازل فرمائی بے شک تو تعریف والا بزرگی والا ہے۔

حضرت ابومسعود انصاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں ہم حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی مجلس میں تھے کہ رسول اکرم ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے تو حضرت بشر بن سعد رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں حکم دیا کہ ہم آپ پر درود شریف بھیجیں تو (فرمایئے) ہم آپ پر درود شریف کس طرح بھیجیں؟

فرماتے ہیں نبی اکرم ﷺ خاموش رہے حتیٰ کہ ہم نے تمنا کی کہ وہ سوال نہ کرتے تو اچھا تھا۔ پھر نبی اکرم ﷺ نے فرمایا یوں کہو:

اللهم صل على محمد و على آل محمد كما صليت على ابراهيم و بارك على محمد و على آل محمد كما باركت على ابراهيم و على آل ابراهيم فى العالمين انك حميد مجيد.

اے اللہ! حضرت محمد اور آل محمد (ﷺ) پر رحمت نازل فرما جس طرح تو نے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر نازل فرمائی اور برکت نازل فرما حضرت محمد ﷺ اور آل محمد ﷺ پر جس طرح تو نے ابراہیم علیہ السلام اور آل ابراہیم علیہ السلام پر نازل فرمائی سب جہانوں میں تو تعریف والا بزرگی والا ہے۔

اور سلام یوں پڑھو جس طرح تمہیں معلوم ہو چکا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام پر درود شریف کے ساتھ تشبیہ کی وجہ

سوال: اگر تم کہو کہ "كما صليت على ابراهيم" میں تشبیہ کا کونسا مقام ہے حالانکہ یہ بات ثابت ہے کہ مشبہ' مشبہ بہ کے مقابلے میں کم درجہ میں ہوتا ہے جب کہ یہاں اس کے برعکس ہے (مشبہ یعنی حضور علیہ السلام سے افضل ہیں) کیونکہ حضرت محمد ﷺ تنہا' حضرت ابراہیم علیہ السلام اوران کی آل سے افضل ہیں خصوصاً جب کہ آپ کی طرف آل محمد کی اضافت بھی کی گئی ہے اور آپ کے افضل ہونے کا تقاضا یہ ہے کہ آپ کے لئے مطلوبہ درود شریف ہر اس درود شریف سے افضل ہو جو دوسروں کے لئے حاصل ہوا یا ہوگا؟

جواب: علماء کرام نے اس کے کئی جوابات دیئے ہیں۔

۱۔ نبی اکرم ﷺ نے یہ بات اس وقت فرمائی جب آپ کو معلوم نہ تھا کہ آپ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے افضل ہیں

چنانچہ صحیح مسلم میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے نبی اکرم ﷺ کو "یا خیر البریہ" (اے مخلوق میں سے سب سے بہتر) کہا تو آپ نے فرمایا وہ تو حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۵۰ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۶۷۲ مسند احمد ج ۳ ص ۱۷۸، ۱۸۴ مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۱ ص ۵۱۸ دلائل النبوۃ ج ۵ ص ۴۹۷ الدر المنثور ج ۱ ص ۱۱۶ الشفاء ج ۱ ص ۲۶۵ مشکوۃ المصابیح رقم الحدیث: ۴۸۹۶ تفسیر قرطبی ج ۱۰ ص ۴۹ کنز العمال رقم الحدیث: ۳۵۵۷۳)

اس بات کا رد یوں کیا گیا کہ اگر ایسا ہوتا تو افضلیت کا علم حاصل ہونے کے بعد آپ درود شریف کے الفاظ بدل دیتے۔

۲۔ آپ نے یہ بات تواضع کے طور پر فرمائی اور اپنی امت کے لئے یہ بات جائز قرار دی تا کہ وہ اس فضیلت کو حاصل کریں۔

۳۔ محض درود شریف میں تشبیہ ہے مقدار کو مقدار کے ساتھ تشبیہ نہیں دی گئی جس طرح ارشاد خداوندی ہے:

إِنَّآ أَوْحَيْنَآ إِلَيْكَ كَمَآ أَوْحَيْنَآ إِلَىٰ نُوحٍ. (النساء: ۱۶۳) بے شک ہم نے آپ کی طرف وحی بھیجی جیسا کہ حضرت نوح علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی۔

اور یہ کسی شخص کے اس قول کی طرح ہے:

احسن الی ولدک کما احسنت الی فلاں. اپنی اولاد سے اچھا سلوک کرو جس طرح تم نے فلاں سے اچھا سلوک کیا۔

تو یہاں محض احسان مراد ہے اس کی مقدار مراد نہیں اسی سے ارشاد خداوندی ہے:

وَأَحْسِن كَمَآ أَحْسَنَ ٱللَّهُ إِلَيْكَ. (القصص: ۷۷) اور احسان کرو جس طرح اللہ تعالیٰ نے تم پر احسان کیا۔

(یہاں بھی مطلقاً احسان مراد ہے ورنہ اللہ تعالیٰ کے احسان کا مقابلہ کیسے ہو سکتا ہے)۔ (کشف الظنون ج ۱ ص ۵۵۷)

۴۔ **"اللھم صل علی محمد" کو تشبیہ سے الگ کیا گیا پس تشبیہ صرف "وعلی آل محمد" سے متعلق ہے۔**

اس پر یوں اعتراض کیا گیا کہ غیر انبیاء کے لئے انبیاء کرام کے مساوی ہونا ناممکن نہیں ہے پس ان کے لئے اس درود شریف کی مثل کا مطالبہ کیسے ہو سکتا ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے واقع ہوا اور انبیاء کرام ان کی آل سے ہیں۔

ممکن ہے اس کا جواب یوں دیا جائے کہ اس سے وہ ثواب مطلوب ہے جو ان کو حاصل ہوتا ہے وہ تمام صفات مطلوب نہیں ہیں جو ثواب کا سبب ہیں (امام یحییٰ بن سالم) عمرانی رحمہ اللہ نے "البیان (المہذب کی شرح)" میں "حضرت شیخ ابو حامد رحمہ اللہ سے نقل کیا کہ انہوں نے یہ جواب حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کی نص سے نقل کیا ہے لیکن ابن قیم نے حضرت امام شافعی رحمہ اللہ سے اس کی صحت کو بعید از عقل قرار دیا کیونکہ وہ اپنی فصاحت اور عربی زبان سے واقفیت کی بنیاد پر ایسا کلام نہیں کرتے جو اس رکیک اور کلام عرب سے بعید ترکیب کو مستلزم ہو۔ ابن قیم نے یوں کہا۔

(الاعلام ج ۸ ص ۱۳۶ مرآۃ الجنان ج ۳ ص ۳۰۸ طبقات الشافعیہ الکبریٰ ج ۴ ص ۳۳۶) (کشف الظنون ج ۱ ص ۲۶۳)

لیکن حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس پر اعتراض کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ مذکورہ ترکیب رکیک نہیں ہے بلکہ تقدیر

عبارت یوں ہے۔

"اللھم صل علی محمد وصل علی آل محمد کما صلیت "(آخر تک) پس دوسرے جملہ سے تشبیہ ممنوع نہیں ہے۔

۵۔ پہلے مقدمہ مذکورہ کو اٹھایا گیا یعنی یہ ضابطہ کہ مشبہ بہ مشبہ سے ارفع ہوتا ہے اور یہ بات قیاسی نہیں اور دائمی نہیں بلکہ بعض اوقات مثل کے ساتھ تشبیہ دی جاتی ہے بلکہ بعض اوقات تو مشبہ بہ کم درجہ میں ہوتا ہے جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے:

مَثَلُ نُوْرِہٖ كَمِشْكٰوةٍ (النور:۳۵) اس کے نور کی مثال ایسی جیسے طاق۔

حالانکہ مشکوٰۃ (طاق) کا نور اللہ تعالیٰ کے نور کے مقابلے میں نہیں ہو سکتا لیکن جب مشبہ بہ سے مراد ایک ایسی چیز ہے جو سننے والے کے لئے ظاہر و واضح ہو تو نور کو مشکوٰۃ سے تشبیہ دینا اچھا ہوگا۔ اسی طرح یہاں بھی ہوگا کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام اور آل ابراہیم علیہ السلام کی تعظیم تمام گروہوں کے نزدیک مشہور اور واضح ہے تو حضرت محمد ﷺ اور آپ کی آل کے لئے اس کی مثل کا مطالبہ اچھا قرار پایا جو حضرت ابراہیم علیہ السلام اور آپ کی آل کو حاصل ہے۔

اور اس کی تائید اس بات سے ہوتی ہے کہ اس طلب کو "فی العالمین" کے الفاظ کے ساتھ مکمل کیا یعنی جس طرح تو نے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی اولاد پر درود شریف کو تمام جہانوں میں ظاہر کیا (اسی طرح حضور علیہ السلام اور آپ کی اولاد پر بھی ظاہر کر) اسی لئے "فی العالمین" کے الفاظ صرف حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ذکر میں آئے ہیں نبی اکرم ﷺ کی آل کے ذکر میں نہیں لائے گئے جیسا کہ حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ کی حدیث میں آیا ہے اور وہ پہلے گزر چکی ہے۔

طیبی کے قول کا مفہوم بھی یہی ہے فرماتے ہیں یہ مذکورہ تشبیہ ناقص کو کامل کے ساتھ ملانا نہیں ہے بلکہ غیر مشہور کو مشہور کے ساتھ ملانا ہے۔

حضرت امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں سب سے بہترین جواب وہ ہے۔

حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کی طرف منسوب ہے کہ محض درود شریف میں تشبیہ ہے یا مجموعہ کی مجموعہ سے تشبیہ ہے۔

ابن قیم نے مجموعہ کی مجموعہ سے تشبیہ کے علاوہ باقی میں سے اکثر جوابات کو کمزور قرار دیا اور کہا کہ زیادہ مناسب قول یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ خود آل ابراہیم علیہ السلام سے ہیں اور یہ بات حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کی تفسیر میں ثابت ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰۤى اٰدَمَ وَ نُوْحًا وَّ اٰلَ اِبْرٰهِیْمَ وَ اٰلَ عِمْرٰنَ عَلَى الْعٰلَمِیْنَ ۝ (آل عمران:۳۳)

بے شک اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم اور حضرت نوح (علیہما السلام) اور آل ابراہیم و آل عمران کو تمام جہانوں والوں پر منتخب فرمالیا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں حضرت محمد ﷺ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آل سے ہیں گویا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ ہم حضرت محمد ﷺ اور آپ کی آل پر درود شریف خصوصی طور پر اس مقدار میں پڑھیں جو ہم نے ان پر حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی آل کے ساتھ عمومی طور پر پڑھا ہے۔ پس آل کے لئے ان کی شان کے مطابق درود شریف ہوگا اور باقی تمام کا تمام آپ کے لئے ہوگا۔ اور یہ مقدار حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آل کے دوسرے لوگوں پر

پڑھے جانے والے درود شریف سے زیادہ ہوگی۔

اس وقت تشبیہ کا فائدہ ظاہر ہوگا اور یہ کہ اس لفظ سے جو کچھ مطلوب ہے وہ دیگر الفاظ سے مطلوب کے مقابلے میں زیادہ ہے۔

حلیمی نے فرمایا اس تشبیہ کا سبب یہ ہے کہ فرشتے آل بیت ابراہیم علیہ السلام سے کہتے ہیں:

رحمة الله و برکاته علیکم اهل البیت انه حمید مجید. اے اہل بیت! تم پر اللہ تعالیٰ کی رحمت و برکت ہو وہ تعریف والا بزرگی والا ہے۔

اور یہ بات معلوم ہے کہ حضرت محمد ﷺ اور آپ کی آل اہل بیت ابراہیم سے ہیں گویا فرمایا یوں کہو۔

یا اللہ! فرشتوں کی دعا کو حضرت محمد ﷺ اور آپ کی آل کے بارے میں یوں قبول فرما جس طرح تو نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس آل کے بارے میں قبول کی تھی جو اس وقت موجود تھے اسی لئے اس درود شریف کو ان الفاظ کے ساتھ ختم کیا جسے آیت کریمہ کے آخر میں لایا گیا یعنی ''انک حمید مجید''۔

عارف ربانی ابو محمد مرجانی رحمہ اللہ سے منسوب ہے انہوں نے فرمایا نبی اکرم ﷺ نے ''کما صلیت علی ابراهیم'' اور ''کما بارکت علی ابراهیم'' فرمایا اور ''کما صلیت علی موسی'' نہیں فرمایا اس میں نکتہ یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لئے جلال الٰہی کی تجلی تھی پس آپ بے ہوش ہو کر گر پڑے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے جمال الٰہی کی تجلی تھی کیونکہ محبت اور خلت تجلی بالجمال کے آثار میں سے ہیں اسی لئے نبی اکرم ﷺ نے ان کو حکم دیا کہ اس طرح درود شریف پڑھیں جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام پر پڑھا گیا پس آپ کے لئے تجلی بالجمال کا سوال کریں اور یہ بات نبی اکرم ﷺ اور حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے درمیان مساوات کا تقاضا نہیں کرتی کیونکہ صحابہ کرام کو حکم دیا کہ وہ اس وصف کے ساتھ تجلی کا سوال کریں جس کے ساتھ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر تجلی ہوئی تو حدیث شریف صرف ایک وصف میں مشارکت کا تقاضا کرتی ہے اور وہ (وصف) تجلی بالجمال ہے۔ دونوں کے مقام اور مرتبہ میں برابری کا تقاضا نہیں کرتی کیونکہ حق سبحانہ وتعالیٰ دو آدمیوں کے لئے ان کے مقام کے مطابق تجلی بالجمال فرماتا ہے اگرچہ وہ اس تجلی میں شریک ہوتے ہیں پس اس کے نزدیک جس کا جو مقام ہے اس پر اسی حساب سے تجلی فرماتا ہے اور اس میں اس کا رتبہ اور مقام سامنے ہوتا ہے۔

پس خلیل کے لئے ان کے مقام کے مطابق تجلی بالجمال فرمائی اور ہمارے سردار حضرت محمد ﷺ کے لئے ان کے مقام ومرتبہ کے اعتبار سے تجلی بالجمال فرمائی۔ یوں حدیث کو سمجھا جائے۔

آل محمد ﷺ سے کون لوگ مراد ہیں؟

سوال: اس حدیث میں جس آل کا ذکر ہے اس سے کون لوگ مراد ہیں؟

جواب: ترجیح اس بات کو ہے کہ جن لوگوں پر صدقہ حرام ہے وہ لوگ مراد ہیں جس طرح امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا اور جمہور نے اسے اختیار کیا اور اس کی تائید نبی اکرم ﷺ کے اس قول سے ہوتی ہے جو آپ نے حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما سے فرمایا:

انا آل محمد لا تحل لنا الصدقة. ہم آل محمد کے لئے صدقہ حلال نہیں۔

(مسند احمد ج ۱ ص ۲۰۰۔ ج ۳ ص ۴۹۰۔ ج ۶ ص ۳۹۰ المعجم الکبیر ج ۳ ص ۶۷۔ ج ۱۱ ص ۶۹ مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۲۱۵)

ایک قول یہ ہے کہ آل سے نبی اکرم ﷺ کی ازواج مطہرات اور آپ کی اولاد مراد ہے۔

یہ بھی کہا گیا کہ اس سے تمام امت اجابت مراد ہے (جو لوگ ایمان لائے وہ امت اجابت ہیں اور وہ تمام لوگ جن کی طرف آپ مبعوث ہوئے امت دعوت ہے۔ ۱۲ ہزاروی)

ابو الطیب طبری نے بعض شافعیوں سے یہ بات نقل کی اور امام نووی رحمہ اللہ نے شرح مسلم میں اس کو ترجیح دی قاضی حسین نے ان میں سے متقی لوگوں کی قید لگائی ہے اور جن لوگوں کا کلام مطلق ہے ان کے کلام کو بھی اسی قید پر محمول کیا جائے گا اور اس کی تائید "تمام" نے اپنے فوائد حدیثیہ میں کی ہے اور امام دیلمی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ سے آل محمد کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا:

کل تقی من امة محمد. امت محمد یہ کا ہر متقی شخص (آل محمد ہے)۔

دیلمی نے یہ اضافہ کیا کہ پھر آپ نے فرمایا:

إِنْ أَوْلِيَاؤُهُ إِلَّا الْمُتَّقُونَ. (الانفال: ۳۴) آپ کے اہل تو صرف متقی لوگ ہیں۔

لیکن ان دونوں روایتوں کی سند ضعیف ہے البتہ اس کی شہادت صحیحین کی اس روایت سے ہوتی ہے آپ نے فرمایا۔

آل ابی فلان میرے اولیاء نہیں میرا ولی (دوست) اللہ تعالیٰ اور نیک مؤمن ہیں۔ [1]

درود شریف کے افضل الفاظ

نبی اکرم ﷺ نے صحابہ کرام کے پوچھنے پر ان کو تعلیم دیتے ہوئے یہ کیفیت بیان فرمائی تو اس سے علماء کرام نے استدلال کیا کہ درود شریف کا افضل طریقہ یہی ہے کیونکہ آپ نے اپنے لئے اشرف و افضل طریقہ ہی اختیار فرمایا۔

اور اس پر یہ بات مرتب ہوتی ہے کہ اگر کوئی شخص قسم کھائے کہ وہ نبی اکرم ﷺ پر افضل درود شریف پڑھے گا تو قسم کو پورا کرنے کے لئے یہی درود شریف پڑھے امام نووی رحمہ اللہ نے "الروضہ" میں اس بات کو صحیح قرار دیا اور اس سے پہلے انہوں نے امام رافعی سے حضرت ابراہیم مروزی کا قول نقل کیا وہ فرماتے ہیں جب یہ الفاظ کہے تو قسم پوری ہو جائے گی:

کلما ذکره الذاکرون و کلما سها عن ذکره الغافلون. (آپ پر درود شریف ہو) جب بھی ذکر کرنے والے آپ کا ذکر کریں اور جب بھی غافل بھول جائیں۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں گویا انہوں نے یہ کیفیت حضرت امام شافعی رحمہ اللہ سے نقل کی انہوں نے "الرسالہ" کے خطبہ میں ذکر کیا لیکن وہاں لفظ "سھا" کی بجائے لفظ "غفل" ہے۔

اذرعی فرماتے ہیں یہ ابراہیم مذکور قاضی حسین کی تعلیقات سے زیادہ نقل کرتے ہیں اس کے باوجود قاضی نے قسم پورا کرنے کے سلسلے میں کہا کہ یوں کہے:

---

[1] آل ابی فلاں سے ابو العاص بن امیہ مراد ہیں یا آل ابی طالب مراد ہیں یہ مختلف قول ہیں مقصد یہ ہے کہ ان میں سے جو ایمان نہیں لائے کل بول کر بعض مراد لئے۔ (زرقانی ج ۶ ص ۳۴۳)

اللھم صل علی محمد کما ھو اھله و یستحقه.

یا اللہ! حضرت محمد ﷺ پر رحمت بھیج جیسا کہ ان کی شان کے لائق ہے اور وہ مستحق ہیں۔

امام بغوی رحمہ اللہ نے اپنی تعلیق میں اسی طرح نقل کیا ہے۔

اگر ان تمام اقوال کو جمع کرے تو جو کچھ حدیث میں ہے (درود ابراہیمی) پڑھے اس کے ساتھ امام شافعی رحمہ اللہ کے اثر (قول) کو ملائے (کلما ذکرہ الذاکرون آخر تک) اور جو کچھ قاضی حسین نے فرمایا اسے بھی ملائے (اللھم صل علی محمد کما ھو اھله و یستحقه) تو یہ زیادہ جامع ہو جائے گا۔

اگر کہا جائے کہ روایات ثابتہ جس پر مشتمل ہیں اس کا قصد کیا جائے اور اس میں سے کچھ پڑھ لے تو قسم پوری ہو جائے گی تو یہ اچھی بات ہے۔

لفظ رحمت کا استعمال

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا۔

جب تم میں سے کوئی ایک نماز میں تشہد پڑھے تو اس کے بعد یوں کہے:

اللھم صل علی محمد وعلی آل محمد وارحم محمدا وال محمد کما صلیت و بارکت و ترحمت علی ابراھیم و علی آل ابراھیم انک حمید مجید.

یا اللہ! حضرت محمد (ﷺ) پر اور آل محمد پر رحمت نازل فرما حضرت محمد ﷺ اور آپ کی آل پر رحم فرما جس طرح تو نے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی آل پر رحمت و برکت نازل فرمائی بے شک تو تعریف اور بزرگی والا ہے۔

جو لوگ نبی اکرم ﷺ پر رحمت کا سوال کرنے کے قائل ہیں جیسا کہ جمہور کا قول ہے وہ اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں اور اس اعرابی کی حدیث اس کی تائید کرتی ہے جس نے کہا:

اللھم ارحمنی وارحم محمدا ولا ترحم معنا احدا.

یا اللہ مجھ پر اور حضرت محمد ﷺ پر رحم فرما اور ہمارے ساتھ کسی پر رحم نہ فرما۔

تو نبی اکرم ﷺ نے اس سے فرمایا:

لقد تحجرت واسعا.

تو نے کشادگی کو تنگ کر دیا۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۸۰ سنن نسائی ج ۳ ص ۴۴ جامع ترمذی رقم الحدیث: ۱۴۷ مسند احمد ج ۲ ص ۲۳۹۔۲۸۳ السنن الکبریٰ ج ۲ ص ۴۲۸ مسند الحمیدی رقم الحدیث: ۹۳۸ مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۱۶۵۸ کنز العمال رقم الحدیث: ۳۲۹۹۔۳۹۳۶)

(اس حدیث سے جہاں یہ ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کشادہ ہے سب کے لئے مانگنا چاہیے وہاں حضور علیہ السلام کے لئے رحمت کا سوال کرنا بھی ثابت ہوا۔ ۱۲ ہزاروی)۔

حضرت قاضی عیاض رحمہ اللہ نے جمہور مالکیہ سے اس کا عدم جواز نقل کیا وہ فرماتے ہیں لیکن ابو محمد بن ابی زید نے

اس کی اجازت دی ہے اس سلسلے میں تفصیلی گفتگو نویں مقصد میں تشہد کے ضمن میں آئے گی۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا درود شریف

حضرت سلامہ کندی رحمہ اللہ فرماتے ہیں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ لوگوں کو دعا سکھاتے تھے اور ایک روایت میں ہے کہ لوگوں کو نبی اکرم ﷺ پر درود شریف پڑھنا سکھاتے تو یوں فرماتے:

اللھم داحی المدحوات' وباری المسموکات' اجعل شرائف صلواتک' و نوامی برکاتک' ورأفة تحننک' علی محمد عبدک ورسولک' الفاتح لما اغلق' الخاتم لما سبق' والمعلن الحق بالحق' والدامغ لجیشات الاباطیل' کما حمل فاضطلع بامرک بطاعتک' مستوفزاً فی مرضاتک' واعیا لوحیک' حافظاً لعهدک' ما ضیاً علی نفاذ امرک' حتی اوری قبساً لقابس الاء الله' تصل باهله اسبابه' به هدیت القلوب' بعد خوضات الفتن والاثم' وابهج موضحات الاعلام' ونائرات الاحکام' و منیرات الاسلام' فهو امینک المامون' وخازن علمک المخزون' و شهیدک یوم الدین' و بعیثک نعمة ورسولک بالحق رحمة' اللهم افسح له فی عدنک' واجزه مضاعفات الخیر من فضلک' مهنئات له غیر مکدرات' من فوز ثوابک المحلول' و جزیل عطائک المعلول' اللهم اعل علی بناء الناس بناء ه' واکرم مثواه لدیک و نزله' واتمم له نوره' واجزه من ابتعاثک له مقبول الشهادة' و مرضی المقالة' ذا منطق عدل' و خطة فصل' و برهان عظیم.

الٰہی! زمینوں کے فرش کو بچھانے والے! بلند آسمانوں کو پیدا کرنے والے' دلوں کو ان کی فطرت پر اپنی قوت سے بنانے والے ان میں سے بد بخت کو اور نیک بخت کو' اپنے بزرگ درودوں اپنی بڑھنے والی برکتوں اور اپنی بخشائش کی مہربانی کو ہمارے سردار اور مولیٰ حضرت محمد ﷺ پر نازل کر جو تیرے بندے اور رسول ہیں بندش کو کھولنے والے' نبوت کو ختم کرنے والے' دین حق کو سچائی کے ساتھ ظاہر کرنے والے اور باطل کے لشکروں کو توڑنے والے جس طرح آپ کو یہ کام سونپا گیا پس تیرے حکم سے تیری بندگی میں مستعد ہو گئے تیری خوشنودی کی طلب میں جلدی کرنے والے تیری وحی کی حفاظت کرنے والے' تیرے قول کے محافظ تیرے حکم کو جاری کرنے میں وقت گزارنے والے حتیٰ کہ آپ نے نور اسلام کا شعلہ روشنی لینے والے کے لئے روشن کر دیا اللہ تعالیٰ نعمتیں اس شعلے کے مستحق کے لئے آپ کے ذریعے اسباب مہیا کرتی ہیں فتنوں اور گناہوں میں ڈوب جانے کے بعد دلوں کی رہنمائی کرنے والے دین کی ظاہر کرنے والی نشانیوں کو خوبی دی نیز اس کے چمکنے والے حکموں اور اسلام کے چمکتے ارکان کو' پس آپ تیرے امین ہیں امن دیئے گئے ہیں تیرے پوشیدہ علم کے نگہبان ہیں قیامت کے دن تیرے گواہ ہوں گے تیری طرف سے بھیجے ہوئے محض نعمت ہیں تیرے رسول برحق رحمت ہیں۔ الٰہی! اپنے بہشت میں ان کی جگہ کشادہ کر اپنے فضل سے ان کو نیکیوں کا بدلہ دوگنا دے کہ وہ آپ کے لئے خوشگوار ہوں کدورتوں سے پاک تیرے ثواب کے

ساتھ فتحیابی سے جو اتارا گیا اور پے در پے آنے والی بزرگ
بخششوں سے۔ یا اللہ! لوگوں کی منزلوں پر آپ کی منزل کو
بلند کر اپنے ہاں آپ کے ٹھکانے اور مہمانی کو بزرگی کو آپ
کے لئے آپ کے نور کو تمام کر دے اور اپنی طرف سے ان
کی بعثت کی جزا عطا فرما ان کی گواہی مقبول اور ان کی بات
تیری مرضی کے موافق ہے سچ بولنے والے اور ایسی شان
والے جو حق و باطل کو جدا جدا کر دے اور بڑی دلیل والے۔

یہ حدیث موقوف ہے اس کو امام طبرانی نے نقل کیا لیکن ابن کثیر نے کہا کہ اس کی سند محل نظر ہے وہ فرماتے ہیں ہمارے شیخ حافظ ابوالحجاج المزی نے فرمایا کہ یہ راوی سلامۃ الکندی معروف نہیں ہے اور حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ سے اس کی ملاقات ثابت نہیں۔ (الاعلام ج ۸ ص ۲۳۶' طبقات الشافعیہ للاسنوی رقم الحدیث: ۱۶۸' الدرر الکامنہ ج ۳ ص ۴۵۷' نجوم الزاہرہ ج ۱۰ ص ۷۶' تذکرۃ الحفاظ ج ۴ ص ۱۴۹۸' شذرات الذہب ج ۶ ص ۱۳۶' مفتاح السعادۃ ج ۲ ص ۲۲۳)

داحی المدحوات۔ زمین کو پھیلانے والا۔ جس چیز کو تم پھیلاؤ اور کشادہ کرو تو "دحوۃ" کا لفظ استعمال ہوگا۔

باری المسموکات۔ آسمانوں کا خالق۔ تم جس چیز کو بلند کرو اور اٹھاؤ تو کہا جائے گا "سمکۃ"۔

الدامغ لجیشات الاباطیل۔ دشمن کے لشکروں سے جو ظاہر ہو اس کو ہلاک کرنے والا۔ "الدامغ" دماغ سے بنا ہے "دمغہ" اس کے دماغ تک پہنچا "جیشات" جاش سے بنا ہے جب بلند ہو۔

واضطلع۔ ضلاعۃ سے باب افتعال ہے قوت کو کہتے ہیں۔

اوری قبسا لقابس۔ طالب حق کے لئے نور کو ظاہر کیا۔

آلاء اللہ۔ اللہ تعالیٰ کی نعمتیں۔

لتصل باھلہ۔ اس ظہور کے لائق تک پہنچتا ہے اور وہ اسلام ہے اور حق اس کے اسباب ہیں اور اس کے اہل مؤمن ہیں۔

بہ ھدیت القلوب بعد خوضات الفتن۔ یعنی کفر اور فتنوں کے بعد واضح علامات کی طرف دلوں کی رہنمائی کی گئی۔

نائرات اور المنیرات۔ واضح کہا جاتا ہے "نار الشی و انار" جب وہ واضح ہو۔

شہیدک یوم الدین۔ یعنی قیامت کے دن آپ اپنی امت پر گواہ ہوں گے۔

وبعثیک نعمۃ۔ یعنی تیری طرف سے مبعوث ہوئے فعیل مفعول کے معنی میں ہے۔

وافسح لہ۔ یعنی آپ کے لئے کشادہ کردے۔

فی عدنک۔ جنت عدن مراد ہے۔

المعلول۔ المعلل سے بنا ہے بار بار پینا مراد دوگنا عطا کرتا ہے گویا آپ کے ذریعے لوگوں کو بار بار عطائیں ملتی ہیں۔

اعل علی بناء الناس۔ ایک روایت میں "البانین" ہے یعنی عمل کرنے والوں کے عمل پر آپ کے عمل کو برتری عطا فرما۔

اکرم مثواہ۔ آپ کی منزل کو مکرم ومحترم بنا۔

نزلہ۔ آپ کا رزق۔

الخطة۔ خا نقطہ والی کے اوپر پیش ہے امر اور قصہ مراد ہے۔

الفصل۔ کاٹنا

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے درود شریف کے الفاظ

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں جب تم نبی اکرم ﷺ پر درود شریف پڑھو تو اچھی طرح پڑھو کیونکہ تم نہیں جانتے شاید یہ آپ پر پیش ہو۔ آپ کے اصحاب نے عرض کیا کہ ہمیں سکھایئے تو انہوں نے فرمایا یوں کہو:

اللھم اجعل صلواتک و برکاتک ورحمتک علی سید المرسلین' وامام المتقین' وخاتم النبیین محمد عبدک ورسولک' امام الخیر' ورسول الرحمة' اللھم ابعثہ' مقاماً محمودا' یغبطہ فیہ الاولون والاخرون' اللھم صل علی محمد وعلی ال محمد' کما صلیت علی ابراھیم وعلی آل ابراھیم انک حمید مجید. (سنن ابن ماجہ)

یا اللہ! اپنے درود' برکتیں اور رحمتیں تمام رسولوں کے سردار' متقی لوگوں کے امام اور آخری نبی حضرت محمد ﷺ پر نازل فرما جو تیرے بندے اور رسول ہیں بھلائی کے امام ہیں' رحمت والے رسول ہیں۔ یا اللہ! آپ کو مقام محمود عطا فرما جس پر پہلے اور پچھلے رشک کریں' یا اللہ! حضرت محمد ﷺ اور آپ کی آل پر رحمت نازل فرما جس طرح تو نے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور آپ کی آل پر رحمت نازل فرمائی بے شک تو تعریف والا بزرگی والا ہے۔

یہ حدیث موقوف ہے اور اس کو امام ابن ماجہ رحمہ اللہ نے نقل کیا۔

کچھ دوسرے الفاظ

حضرت رویفع بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا جو شخص نبی اکرم ﷺ پر درود شریف پڑھتے ہوئے یوں کہے:

اللھم انزلہ المقعد الصدق المقرب عندک یوم القیامة.

یا اللہ! قیامت کے دن نبی اکرم ﷺ کو اپنے پاس سچائی اور قرب کی جگہ عطا فرمانا۔

اس کے لئے میری شفاعت واجب ہو گئی۔

اسے امام طبرانی نے روایت کیا اور ابن کثیر نے فرمایا اس کی سند حسن ہے اور اصحاب سنن نے اسے ذکر نہیں کیا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا جس شخص کو یہ بات پسند ہو کہ اس کا نامۂ اعمال پورے پیمانے میں تولا جائے تو وہ ہم اہل بیت پر درود شریف پڑھتے ہوئے یوں کہے:

اللھم صل علی محمد النبی الامی

یا اللہ! حضرت محمد ﷺ پر جو نبی امی ہیں اور آپ کی

وازواجه امهات المومنين و ذريته و اهل بيته كما صليت على ابراهيم انك حميد مجيد.

ازواج واولاد پر رحمت نازل فرما جس طرح تو نے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر رحمت نازل فرمائی بے شک تو تعریف والا بزرگی والا ہے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۹۸۲' السنن الکبریٰ ج ۲ص ۱۵۱' اتحاف السادة المتقین ج ۳ص ۲۹۰' الدر المنثور ج ۵ص ۲۱۶' مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث:۹۳۲' کنز العمال رقم الحدیث:۵-۲۱۷۵-۳۳۸۱)

حضرت طاؤس رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سنا آپ فرماتے تھے:

اللهم تقبل شفاعة محمد الكبرى وارفع درجته العليا واعطه سؤله في الاخرة والاولى كما اتيت ابراهيم و موسى.

یا اللہ! حضرت محمد ﷺ کی بڑی شفاعت قبول فرما آپ کا بلند درجہ مزید بلند فرما آپ کے سوال کے مطابق آپ کو دنیا و آخرت میں عطا فرما جس طرح تو نے حضرت ابراہیم اور حضرت موسیٰ علیہما السلام کو عطا فرمایا۔

اسے اسماعیل قاضی نے نقل کیا اور ابن کثیر نے فرمایا اس کی سند عمدہ مضبوط اور صحیح ہے۔

درود شریف پڑھنے کے مواقع ومقامات

جن جن جگہوں میں درود شریف پڑھنے کا حکم ہے۔

۱۔ ان میں سے ایک آخری قعدہ ہے اور اس میں یہ واجب ہے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے (احناف کے نزدیک سنت ہے ۱۲ ہزاروی) پہلے تشہد میں دو قول ہیں زیادہ ظاہر یہ ہے کہ منع ہے کیونکہ وہ تخفیف پر مبنی ہے اور یہ سنت ہے (نوافل اور سنت غیر مؤکدہ میں پڑھنا سنت ہے باقی نمازوں میں پہلے قعدے میں درود شریف پڑھنے سے سجدہ سہو لازم ہو گا اگر بھول کر پڑھے۔ ۱۲ ہزاروی)۔

پہلے قعدے میں آل رسول پر درود شریف پڑھنے کے مستحب ہونے میں دو قول ہیں اور آخری قعدے میں اس کے وجوب کے بارے میں دو رائے ہیں زیادہ صحیح یہ ہے کہ (وجوب) منع ہے بلکہ یہ سنت تابعہ (مؤکدہ) ہے اور کم از کم الفاظ یہ ہیں "اللهم صل على محمد" اسی طرح ﷺ اور آل پر درود شریف میں کم از کم "وآلہ" اور کفایہ میں "علیٰ" کا اعادہ کے ساتھ ہے یعنی وعلیٰ آلہ)۔

۲۔ دوسرا مقام جمعۃ المبارک کا خطبہ ہے اسی طرح دوسرے خطبوں میں بھی درود شریف پڑھنا پس جمعہ کے دونوں خطبے درود شریف کے بغیر صحیح نہیں ہوتے کیونکہ یہ عبادت ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ کا ذکر شرط ہے پس رسول اکرم ﷺ کا ذکر بھی واجب ہوا جس طرح اذان اور نماز میں ہے یہ امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ کا مذہب ہے (احناف کے نزدیک واجب نہیں بہتر ہے)۔

۳۔ اذان کا جواب دینے کے بعد درود شریف پڑھنا چاہیے حضرت امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

اذا سمعتم المؤذن فقولوا مثل ما يقول'

جب تم مؤذن سے (اذان) سنو تو اس کی مثل کہو پھر

ثم صلوا علی، فانه من صلی علی صلاۃ واحدۃ صل اللہ علیہ بھا عشرا، ثم سلوا اللہ لی الوسیلۃ، فانھا منزلۃ فی الجنۃ لا تنبغی الا لعبد من عباد اللہ، وارجو ان اکون انا ھو، فمن سال اللہ لی الوسیلۃ حلت علیہ الشفاعۃ.

مجھ پر درود شریف پڑھو کیونکہ جو شخص مجھ پر ایک بار درود شریف پڑھتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر دس رحمتیں نازل فرماتا ہے پھر میرے لئے وسیلہ کا سوال کرو بے شک یہ جنت میں ایک منزل ہے وہ اللہ تعالیٰ کے بندوں میں سے ایک بندے کے لئے ہی مناسب ہے اور مجھے امید ہے کہ وہ بندہ میں ہی ہوں پس جو شخص اللہ تعالیٰ سے میرے لئے وسیلے کا سوال کرے اس کے لئے شفاعت جائز ہوگئی۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث:۱۱، سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۵۲۳، جامع ترمذی رقم الحدیث:۳۶۱۴، سنن نسائی ج۲ص۲۵، صحیح خزیمہ رقم الحدیث:۴۱۸، شرح السنہ ج۲ص۲۸۴، المغنی ج۱ص۴۱۲، مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث:۶۵۷، اتحاف السادۃ المتقین ج۳ص۱۱، ج۵ص۴۹، کنز العمال رقم الحدیث:۲۰۹۹۸۔۲۱۰۰۶)

اس حدیث کو امام مسلم، امام ابوداؤد، امام ترمذی اور امام نسائی رحمہم اللہ نے حضرت کعب بن علقمہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہوئے نقل کیا اور لفظ "الرجا" ذکر کیا (معنی وہی ہے یعنی امید)۔

اگرچہ اس بات کا وقوع متحقق ہے لیکن ادب، تعلیم اور خوف یاد دلانے نیز اللہ تعالیٰ کی مشیت کی طرف سوچنے کے اعتبار سے امید کا ذکر فرمایا۔ نیز یہ کہ طلب کرنے والے کو خوف اور امید کے درمیان رہنا چاہیے "حلت علیہ الشفاعۃ" کا مطلب یہ ہے کہ شفاعت واجب ہوگئی یہ بھی کہا گیا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ شفاعت نے اسے ڈھانپ لیا اور اس پر اتر گئی۔

تنبیہ

ہمارے شیخ سخاوی رحمہ اللہ نے "المقاصد الحسنہ میں" فرمایا کہ "الدرجۃ الرفیعۃ" والی حدیث میں اضافہ ہے یعنی جو کچھ اذان کے بعد کہا جاتا ہے میں نے کسی روایت میں نہیں دیکھا اصل حدیث امام احمد، امام بخاری اور سنن اربعہ کے ائمہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کی ہے وہ یوں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا جو شخص اذان سن کر یوں کہے:

اللھم رب ھذہ الدعوۃ التامۃ والصلوۃ القائمۃ ات محمدا الوسیلۃ والفضیلۃ وابعثہ مقاما محمودا الذی وعدتہ.

اے اللہ! اے دعوت کاملہ اور کھڑی ہونے والی نماز کے رب! حضرت محمد ﷺ کو وسیلہ اور فضیلت عطا فرما اور ان کو اس مقام محمود پر فائز فرما جس کا تو نے ان سے وعدہ فرمایا۔

اس کے لئے قیامت کے دن میری شفاعت واجب ہوگئی۔

(سنن نسائی ج۲ص۲۷، مسند احمد ج۳ص۳۵۴، صحیح البخاری رقم الحدیث:۶۱۴۔۴۷۱۹، السنن الکبریٰ ج۱ص۴۱۰، المعجم الصغیر ج۱ص۲۴۰، الترغیب والترہیب ج۱ص۱۸۵، شرح السنہ ج۲ص۲۸۴، مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث:۶۵۹، اتحاف السادۃ المتقین ج۳ص۶۔

ج ۵ ص ۵۰ الدر المنثور ج ۴ ص ۱۹۸ کنز العمال رقم الحدیث: ۲۰۹۸۶)

وہ فرماتے ہیں جس نے اضافہ کیا گویا اس نے شفاء شریف کے بعض نسخوں سے دھوکہ کھایا جن میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت درج ہے لیکن اس نسخہ میں جس پر اعتماد کیا گیا یہ اضافہ ہے اسے لکھنے والے نے اس میں ایسی بات جان لی جو اس میں شک کی طرف اشارہ کرتی ہے اور شفاء شریف کے باقی نسخوں میں اس اضافہ کو نہ دیکھا بلکہ شفاء شریف میں اس کے لئے الگ فصل مقرر کی گئی اور اس کی کوئی صریح حدیث نہیں ہے اور یہ اس کے غلط ہونے کی دلیل ہے۔[1]

۴۔ دعا کے اول، درمیان اور آخر میں درود شریف پڑھنا حضرت امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت سے نقل کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

لا تجعلونی کقدح الراکب، فان الراکب یملأ قدحه ثم یضعه و یرفع متاعه فاذا احتاج الی شراب شرب، او الوضوء توضأ، والا اهراقه ولکن اجعلونی فی اول الدعاء واوسطه و آخره.

مجھے سوار کے پیالے کی طرح نہ سمجھو کہ سوار اپنے پیالے کو بھرتا ہے پھر اسے رکھ دیتا ہے اور اپنا سامان اٹھا لیتا ہے پھر جب پینے کی ضرورت ہوتی ہے تو پی لیتا ہے یا وضو کی ضرورت ہو تو وضو کرتا ہے ورنہ بہا دیتا ہے بلکہ تم مجھے دعا کے اول، درمیان اور آخر میں کرو (درود شریف پڑھو)۔[2]

(مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۱۵۵، اتحاف السادۃ المتقین ج ۵ ص ۳۴، مصنف عبد الرزاق رقم الحدیث: ۳۱۱۷، تذکرۃ الموضوعات رقم الحدیث: ۸۸، کنز العمال رقم الحدیث: ۲۲۵۳۔ ۳۱۱۷)

۵۔ یہ سب سے زیادہ تاکیدی ہے اور وہ دعائے قنوت کے بعد ہے امام احمد، اصحاب سنن، ابن جریر، ابن حبان اور حاکم رحمہم اللہ نے حضرت ابوالجوزاء رحمہ اللہ کی حدیث سے نقل کیا وہ حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ مجھے نبی اکرم ﷺ نے کچھ کلمات سکھائے کہ میں وتر نماز میں پڑھوں۔ وہ الفاظ یہ ہیں:

اللهم اهدنی فیمن هدیت، و عافنی فیمن عافیت، و تولنی فیمن تولیت و بارک لی فیما اعطیت و قنی شر ما قضیت، فانک تقضی ولا یقضی علیک، انه لا یذل من والیت، ولا یعز من عادیت تبارکت ربنا و تعالیت

(مسند احمد ج ۱ ص ۱۹۹۔ ۲۰۰، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۳۰۰)

یا اللہ! مجھے ہدایت یافتہ لوگوں میں ہدایت دے، جن کو عافیت عطا فرمائے ان میں مجھے بھی عافیت دے میری نگہبانی فرما ان میں جن کی نگہبانی فرماتا ہے جو کچھ مجھے عطا فرمائے اس میں مجھے برکت عطا فرما اپنے فیصلے کے شر سے مجھے محفوظ فرما بے شک تو فیصلہ فرماتا ہے اور تیرے خلاف فیصلہ نہیں ہو سکتا تو جس کا والی ہو وہ ذلیل نہیں ہوتا اور تیرا دشمن معزز نہیں ہو سکتا اے ہمارے رب! تو برکت والا اور بلند ہے۔

---

[1] امام زرقانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ابن ابی عاصم نے ایسی سند کے ساتھ جس میں مسعودی ہیں اور وہ ثقہ ہیں یوں نقل کیا اللهم صل علی محمد و ابلغه الدرجة والوسیلة فی الجنة۔ تو وہ اس کا معنی نقل کرتے ہیں (زرقانی ج ۶ ص ۳۵۲)

[2] یعنی میرا ذکر بالطبع اور ضمنی نہ ہو بلکہ اس کی اہمیت کو سامنے رکھتے ہوئے شروع میں، درمیان میں اور آخر میں میرا ذکر کرو۔

(زرقانی ج ۶ ص ۳۵۲)

امام نسائی نے اپنی سنن میں ''وصلی اللہ علی النبی'' کا اضافہ کیا۔ [1]
نویں مقصد میں اس سلسلے میں زیادہ بحث ہوگی۔

۶۔ عیدین کی تکبیرات کے دوران درود شریف پڑھنا۔
اسماعیل قاضی نے روایت کیا کہ حضرت ابن مسعود' ابوموسیٰ اور حذیفہ رضی اللہ عنہم کے پاس ولید بن عقبہ آیا اور اس نے کہا کہ عید قریب آ چکی ہے تو اس میں تکبیر کا کیا طریقہ ہے؟ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا:
تم ابتداء میں تکبیر کہہ کر نماز شروع کرو اپنے رب کی حمد بیان کرو اور نبی اکرم ﷺ پر درود شریف پڑھو پھر دعا مانگو اور تکبیر کہو اور پہلے کی طرح کرو پھر تکبیر کہہ کر اس کی مثل کرو پھر تکبیر کہو اور پہلے کی مثل کرو پھر قرأت کرو اور رکوع کرو پھر کھڑے ہو جاؤ تکبیر کہو اور اپنے رب کی حمد بیان کرو اور نبی اکرم ﷺ پر درود شریف پڑھو پھر دعا مانگو اور تکبیر کہتے ہوئے پہلے کی طرح کرو پھر رکوع کرو۔ حضرت حذیفہ اور حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہما نے فرمایا حضرت ابوعبدالرحمٰن (عبداللہ بن مسعود) رضی اللہ عنہ نے صحیح فرمایا۔ ابن کثیر نے کہا اس کی سند صحیح ہے۔

۷۔ مسجد میں داخل ہوتے اور نکلتے وقت درود شریف پڑھنا۔
امام احمد رحمہ اللہ سے مروی ہے وہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں انہوں نے فرمایا کہ نبی اکرم ﷺ جب مسجد میں داخل ہوتے تو اپنے آپ پر درود شریف پڑھتے پھر یوں دعا مانگتے:

اللھم اغفرلی ذنوبی وافتح لی ابواب رحمتک۔ یا اللہ! میرے خلاف اولیٰ کام بخش دے اور میرے لئے اپنی رحمت کے دروازے کھول دے۔

اور جب باہر نکلتے تو درود شریف پڑھتے اور پھر یوں دعا مانگتے:

اللھم اغفرلی ذنوبی وافتح لی ابواب فضلک۔ [2] یا اللہ! میرے خلاف اولیٰ کام بخش دے اور میرے لئے اپنے فضل کے دروازے کھول دے۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۷۷۱' مسند احمد ج ۶ ص ۲۸۲' اتحاف السادۃ المتقین ج ۵ ص ۹۱' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۰ ص ۴۰۶' کنز العمال رقم الحدیث: ۲۳۹۶۲۔ ۲۳۱۰۹)

۸۔ نماز جنازہ میں درود شریف پڑھنا سنت ہے کہ ایک تکبیر کے بعد فاتحہ شریف پڑھے اور بہتر یہ ہے کہ پہلی تکبیر کے بعد پڑھے اور دوسری تکبیر کے بعد نبی اکرم ﷺ کی بارگاہ بے کس پناہ میں ہدیۂ درود شریف بھیجے اور تیسری تکبیر کے بعد میت کے لئے دعا مانگے اور چوتھی تکبیر کے بعد یوں کہے:

اللھم لا تحرمنا اجرہ ولا تفتنا بعدہ۔ [3] یا اللہ! ہمیں اس کے اجر سے محروم نہ کرنا اور اس کے بعد ہمیں فتنہ میں مبتلا نہ کرنا۔

---

[1] امام زرقانی فرماتے ہیں یہ اضافہ غیر ثابت ہے کیونکہ عبداللہ بن علی راوی غیر معروف ہیں اور اگر عبداللہ بن علی بن حسن ہوں تو انہوں نے اپنے دادا حضرت حسن سے سماعت نہیں کی لہٰذا یہ حدیث منقطع ہے۔ (زرقانی ج ۶ ص ۳۵۳)

[2] (ذنوبی کا لفظ طلب) مغفرت کے وقت بارگاہ خداوندی میں انکساری اور عاجزی کے اظہار کے طور پر ہے۔ (زرقانی ج ۶ ص ۳۵۳)

[3] احناف کے نزدیک پہلی تکبیر کے بعد ثناء پڑھی جاتی ہے کیونکہ نماز جنازہ دعا ہے اس میں قرآن مجید کی قرأت نہیں ہوتی۔

(مسند احمد ج ۶ ص ۷۱، اتحاف السادۃ المتقین ج ۵ ص ۱۰۳، المعجم الکبیر ج ۱۲ ص ۶۰)

اس سلسلے میں امام شافعی اور امام نسائی رحمہما اللہ سے حدیث مروی ہے۔

۹۔ تلبیہ (لبیک اللھم لبیک آخر تک) کہتے ہوئے درود شریف پڑھنا۔

امام شافعی اور دار قطنی نے حضرت قاسم بن محمد بن ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہم سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں کہ تلبیہ سے فارغ ہونے والے آدمی کو حکم دیا جاتا کہ وہ ہر حال میں نبی اکرم ﷺ پر درود شریف پڑھے۔

۱۰۔ صفا و مروہ کے پاس درود شریف پڑھنا۔

حضرت اسماعیل قاضی، حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں انہوں نے فرمایا جب تم آؤ تو طواف کے ساتھ چکر لگاؤ اور مقام ابراہیم کے پاس دو رکعتیں پڑھو پھر صفا پر آ کر کھڑے ہو جاؤ۔

حتیٰ کہ بیت اللہ شریف کو دیکھو پس سات بار تکبیر کہو اور اس سے پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کرے نبی اکرم ﷺ پر درود شریف پڑھے اور اپنے آپ کے لئے دعا مانگے اور مروہ پر بھی اسی طرح کرے۔ ابن کثیر نے کہا کہ اس کی سند حسن، عمدہ اور مضبوط ہے۔

۱۱۔ اکٹھا ہوتے اور جدا ہوتے وقت درود شریف پڑھنا۔

"ترمذی شریف میں" حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کوئی قوم مجلس قائم کرے اور اس میں اللہ تعالیٰ کا ذکر نہ کرے اور اس کے نبی ﷺ پر درود شریف نہ پڑھے تو یہ بات اس کے لئے نقصان اور حسرت کا باعث ہے اللہ تعالیٰ چاہے تو ان کو عذاب دے اور چاہے تو بخش دے۔ (موارد الظمآن رقم الحدیث: ۲۳۲۱، جامع تفسیر ابن کثیر ج ۶ ص ۴۶۰، اتحاف السادۃ المتقین ج ۵ ص ۹، شرح السنۃ ج ۵ ص ۲۷۔۲۸، جامع ترمذی رقم الحدیث: ۳۳۸۰، الدر المنثور ج ۵ ص ۲۱۸، الترغیب والترہیب ج ۲ ص ۴۰۹، کنز العمال رقم الحدیث: ۱۸۱۱۔۲۵۳۶۲)

اسماعیل قاضی حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا کوئی قوم بیٹھے پھر وہ کھڑے ہو جائیں اور نبی اکرم ﷺ پر درود شریف نہ پڑھیں تو یہ (مجلس) ان کے لئے حسرت کا باعث ہوتی ہے اور اگر وہ جنت میں داخل ہوں تو ثواب نہیں دیکھیں گے۔

۱۲۔ صبح اور شام درود شریف پڑھنا جیسا کہ امام طبرانی رحمہ اللہ نے حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا (نبی اکرم ﷺ نے فرمایا):

من صلی علی حین یصبح عشرا و حین یمسی عشرا ادرکتہ شفاعتی یوم القیامۃ.

جو شخص صبح کے وقت مجھ پر دس بار اور شام کے وقت دس بار درود شریف پڑھے قیامت کے دن اسے میری شفاعت حاصل ہوگی۔

(الترغیب والترہیب ج ۱ ص ۳۵۸، مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۱۲۰، المغنی ج ۱ ص ۳۳۸، اتحاف السادۃ المتقین ج ۳ ص ۲۸۹۔ ج ۵ ص ۵۱۔ ۱۳۲، کنز العمال رقم الحدیث: ۲۱۶۴)

۱۳۔ وضو کرتے وقت درود شریف پڑھنا، حضرت ابن ماجہ رحمہ اللہ نے حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت کیا وہ

فرماتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

لا وضوء لمن لم یصل علی النبی (ﷺ). اس شخص کا وضو (کامل) نہیں جو نبی اکرم ﷺ پر درود شریف نہ پڑھے۔

۱۴۔ کان بجتے وقت درود شریف پڑھنا چاہیے۔

حضرت ابن ابی رافع کی روایت جسے ابن السنی نے مرفوعاً روایت کیا اس میں (نبی اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی) ہے:

اذا طنت اذن احدکم فلیذکرنی ولیصل علی ولیقل ذکر اللہ من ذکرنی بخیر جب کسی کے کان سے آواز آئے تو وہ مجھے یاد کرے اور مجھ پر درود شریف پڑھے اور کہے اللہ تعالیٰ اسے یاد فرمائے جس نے مجھے بھلائی کے ساتھ یاد کیا۔

۱۵۔ کسی چیز کو بھول جانے کے وقت درود شریف پڑھنا۔

حضرت ابو موسیٰ مدینی سے ضعیف سند کے ساتھ مروی ہے وہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں انہوں نے نبی اکرم ﷺ سے روایت کیا آپ نے فرمایا:

اذا نسیتم شیئا فصلوا علی تذکروہ ان شاء اللہ تعالیٰ. جب تم کسی چیز کو بھول جاؤ تو مجھ پر درود شریف پڑھو ان شاء اللہ یاد آ جائے گی۔

۱۶۔ چھینک آنے کے بعد درود شریف پڑھنا۔ جیسا کہ ابو موسیٰ المدینی اور ایک جماعت کا مسلک ہے اور دوسرے حضرات نے ان سے اختلاف کیا اور کہا کہ اس جگہ صرف اللہ تعالیٰ کا ذکر ہوتا ہے جیسے کھانے پینے اور جماع وغیرہ کے موقع پر ہوتا ہے۔

۱۷۔ رسول اکرم ﷺ کی قبر شریف کی زیارت کے موقعہ پر درود شریف پڑھنا۔ امام ابوداؤد نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

ما من احد یسلم علی الا رد اللہ علی روحی حتی ارد علیہ السلام. کوئی شخص مجھ پر سلام بھیجے تو اللہ تعالیٰ مجھ پر میری روح کو لوٹا دیتا ہے حتیٰ کہ میں سلام کا جواب دیتا ہوں۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۰۴۱، مسند احمد ج ۲ ص ۵۲۷، السنن الکبریٰ ج ۵ ص ۲۴۵، مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۱۶۲، اتحاف السادۃ المتقین ج ۳ ص ۴۱۹، کنز العمال رقم الحدیث: ۲۲۰۰)

ابن عساکر نے یہ الفاظ نقل کئے ہیں:

من صلی علی عند قبری سمعتہ. جو شخص میری قبر کے پاس مجھ پر درود شریف بھیجے میں اسے سنتا ہوں۔

جمعۃ المبارک کے دن اور رات کے وقت کثرت سے درود شریف پڑھنے کا حکم آیا ہے۔

حضرت اوس بن اوس ثقفی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا۔

تمہارے دنوں میں سے افضل دن جمعہ کا دن ہے اس میں حضرت آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا اسی دن

ان کی روح قبض ہوئی اسی دن صور پھونکا جائے گا اور اسی دن گرج ہوگی پس اس میں مجھ پر کثرت سے درود شریف پڑھا کرو بے شک تمہارا درود شریف مجھ پر پیش کیا جاتا ہے۔ صحابہ کرام نے عرض کیا یارسول اللہ! آپ پر ہمارا درود شریف کیسے پیش کیا جائے گا جب کہ آپ کا جسم سوجائے گا؟ آپ نے فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کیا ہے کہ وہ انبیاء کرام علیہم السلام کے جسم کو کھائے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۱۰۴۷ سنن نسائی ج۳ص۹۱ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۱۰۸۵۔۱۶۳۶ مسند احمد ج۴ص۸ سنن دارمی رقم الحدیث:۱۵۸۰ المستدرک ج۱ص۲۷۸ الدرالمنثور ج۵ص۲۱۹ موارد الظمآن رقم الحدیث:۵۵۰ کنزالعمال رقم الحدیث:۲۲۰۲۔۲۲۰۳)

اس حدیث کو امام احمد ابوداؤد اور نسائی رحمہم اللہ نے نقل کیا اور ابن خزیمہ ابن حبان اور دار قطنی رحمہم اللہ نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔

حافظ ابن کثیر نے فرمایا کہ امام بیہقی نے حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ کی حدیث نقل کی وہ نبی اکرم ﷺ سے جمعۃ المبارک کی رات اور دن میں کثرت سے درود شریف پڑھنے کا حکم نقل کرتے ہیں لیکن اس کی سند میں ضعف ہے۔

سوال: جمعۃ المبارک کے دن اور رات میں بکثرت درود شریف پڑھنے میں کیا حکمت ہے؟

جواب: ابن قیم نے اس کا جواب یوں دیا ہے کہ رسول اکرم ﷺ تمام مخلوق کے سردار ہیں اور جمعۃ المبارک تمام دنوں کا سردار ہے پس اس دن آپ پر درود شریف کو جو فضیلت حاصل ہے وہ دوسرے دنوں میں نہیں۔

اور اس کے ساتھ ساتھ ایک اور حکمت بھی ہے وہ یہ کہ امت کو دنیا اور آخرت میں جو بھلائی حاصل ہوتی ہے وہ آپ کے واسطہ سے حاصل ہوئی پس اللہ تعالیٰ نے آپ کی امت کے لئے دنیا اور آخرت کی بھلائی کو جمع کیا اور ان کو سب سے بڑا اعزاز جمعہ کے دن حاصل ہوتا ہے وہ جنت میں اپنی منازل اور محلات کی طرف جمعہ کے دن اٹھائے جائیں گے اور جب جنت میں جائیں گے تو یہ دن ان کے لئے مزید فضیلت کا باعث ہوگا اور دنیا میں یہ ان کی عید کا دن ہے اس دن اللہ تعالیٰ ان کی حاجات کو پورا کرتا ہے اور مانگنے والے کا سوال رد نہیں کرتا یہ تمام باتیں ان کو نبی اکرم ﷺ کے ذریعے معلوم ہوئیں اور آپ کے واسطے سے حاصل ہوئیں پس اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا اور اس کی حمد بیان کرنا اور نبی اکرم ﷺ کے حق میں سے کچھ ادا کرنا یہ ہے کہ اس دن رات آپ پر کثرت سے درود شریف پڑھا جائے۔

نبی اکرم ﷺ پر درود شریف پڑھنے کی فضیلت

نبی اکرم ﷺ کی بارگاہ بے کس پناہ میں درود شریف کا تحفہ بھیجنے کی فضیلت کے بارے میں قوی احادیث میں وضاحت آئی ہے امام بخاری نے ان میں سے کوئی حدیث ذکر نہیں کی اور اس سلسلے میں سب سے اعلیٰ روایت امام مسلم رحمہ اللہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کی وہ نبی اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا:

من صلی علی واحدۃ صلی اللہ علیہ بھا عشرا۔

جو شخص مجھ پر ایک بار درود شریف بھیجتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر دس رحمتیں نازل فرماتا ہے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث:۷۰ سنن نسائی ج۳ص۵۰ مسند احمد ج۲ص۳۷۲ سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۱۵۳۰ مصنف ابن ابی شیبہ ج۲ص۵۱۷ مجمع الزوائد ج۱۰ص۱۶۲۔ الدرالمنثور ج۵ص۲۱۸ کنزالعمال رقم الحدیث:۲۱۶۳۔۲۲۰۶)

اس حدیث کو امام ابوداؤد' ترمذی' نسائی' احمد اور ابن حبان نے بھی روایت کیا ہے۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ قضائے حاجت کے لئے باہر تشریف لے گئے تو کسی کو اپنے ساتھ جانے کے لئے نہ پایا تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ پانی کا برتن لے کر آپ کے پیچھے آئے انہوں نے آپ کو سجدے کی حالت میں پایا تو پیچھے ہٹ گئے حتیٰ کہ نبی اکرم ﷺ نے اپنا سر انور اٹھایا تو فرمایا اے عمر! تم نے اچھا کیا کہ جب مجھے حالت سجدہ میں پایا تو پیچھے رک رہے بے شک حضرت جبریل علیہ السلام میرے پاس آئے تھے اور انہوں نے فرمایا کہ آپ کی امت میں سے جو شخص ایک مرتبہ درود شریف پڑھے گا اللہ تعالیٰ اس پر دس رحمتیں نازل کرے گا اور اس کے دس درجات بلند کرے گا۔

اس حدیث کو امام طبرانی نے نقل کیا اور امام ترمذی نے فرمایا یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

ابن کثیر فرماتے ہیں حافظ ضیاء المقدسی نے اس حدیث کو اپنی کتاب ''المستخرج علی الصحیحین'' میں اختیار فرمایا۔

حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک دن نبی اکرم ﷺ تشریف لائے تو آپ کے چہرۂ انور سے سرور ظاہر ہو رہا تھا صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہم آپ کے چہرۂ انور پر خوشی کے آثار دیکھ رہے ہیں (کیا وجہ ہے؟) آپ نے فرمایا ایک فرشتہ میرے پاس آیا اور اس نے کہا اے محمد! کیا آپ اس پر راضی نہیں کہ آپ کا رب عزوجل فرماتا ہے کہ آپ کی امت کا کوئی فرد آپ پر درود شریف پڑھے تو میں اس پر دس رحمتیں نازل کروں گا اور آپ کی امت کا کوئی شخص آپ پر سلام بھیجے تو میں اس پر دس مرتبہ سلام بھیجوں گا۔ آپ نے فرمایا ہاں (میں اس پر راضی ہوں)۔

(سنن نسائی ج ۳ ص ۴۴' المستدرک ج ۲ ص ۴۲۰' تفسیر ابن کثیر ج ۶ ص ۴۵۷)

اس حدیث کو امام دارمی' احمد' ابن حبان' حاکم اور نسائی نے نقل کیا اور الفاظ امام نسائی کے ہیں۔

حضرت عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا جو شخص مجھ پر درود شریف پڑھتا ہے تو فرشتے مسلسل اس کے لئے دعائے رحمت فرماتے ہیں جب تک مجھ پر درود شریف پڑھتا رہے اب بندہ اسے کم کرے یا زیادہ (اس کی مرضی ہے)۔

اس حدیث کو امام احمد اور ابن ماجہ نے حضرت شعبہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے نقل کیا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں جو شخص نبی اکرم ﷺ پر ایک مرتبہ درود شریف پڑھے اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے اس پر ستر مرتبہ رحمت بھیجتے ہیں اب بندہ چاہے تو کم کرے اور چاہے تو زیادہ کرے۔

درود شریف پڑھنے کا فائدہ بیان کرنے کے بعد اختیار دینا اس میں کمی سے ڈرانے کے طور پر ہے اور یہ جھڑک کے معنیٰ کے قریب ہے۔

امام ترمذی نے روایت کیا کہ حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں آپ پر درود شریف بکثرت پڑھنا چاہتا ہوں تو آپ کے لئے درود شریف کا کتنا وقت مقرر کروں (یعنی اپنی دعا یا اپنے وظائف میں سے کتنا

وقت درود شریف کے لئے مختص کروں) آپ نے فرمایا جس قدر چاہو میں نے عرض کیا چوتھا حصہ؟ فرمایا جس قدر چاہو اور اگر زیادہ کرو تو تمہارے لئے بہتر ہے میں نے کہا نصف؟ فرمایا جس قدر چاہو اور اگر زیادہ کرو تو بہتر ہے میں نے عرض کیا دو تہائی؟ فرمایا جس قدر چاہو اگر زیادہ کرو تو تمہارے لئے بہتر ہے میں نے کہا میں اپنی دعا (یا اپنے وظائف) کا تمام وقت آپ کے لئے مقرر کرتا ہوں آپ نے فرمایا اب تمہارے کاموں کے لئے کفایت ہوگی اور تمہارے گناہ بخش دیئے جائیں گے۔ اس کے بعد امام ترمذی نے فرمایا یہ حدیث حسن ہے۔

بارگاہ نبوی میں ہدیہ سلام

یہ تمام باتیں درود شریف سے متعلق تھیں جہاں تک سلام کا تعلق ہے تو امام نووی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ سلام کو چھوڑ کر صرف درود شریف پڑھنا مکروہ ہے انہوں نے اس بات سے استدلال کیا کہ قرآن مجید میں دونوں باتوں کا حکم ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

إِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ○ (الاحزاب:۵۶)

بے شک اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے نبی ﷺ پر درود شریف بھیجتے ہیں اے ایمان والو تم بھی ان پر درود اور اچھی طرح سلام بھیجو۔

لیکن امام نووی رحمہ اللہ پر اعتراض کیا گیا کہ نبی اکرم ﷺ نے صحابہ کرام کو درود شریف کی تعلیم سے پہلے سلام کا طریقہ سکھایا جیسا کہ ان کے قول میں وضاحت کے ساتھ منقول ہے کہ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہمیں معلوم ہو گیا کہ آپ پر سلام کیسے پڑھیں تو (بتایئے) آپ پر درود شریف کس طرح بھیجیں اور نبی اکرم ﷺ نے ان کو درود شریف سکھانے کے بعد فرمایا کہ سلام (اسی طرح پڑھو) جیسا کہ تم جان چکے ہو پس آپ نے ایک مدت تک سلام کو درود شریف سے الگ رکھا۔

لیکن "فتح الباری میں" فرمایا کہ صرف درود شریف پڑھنا اور سلام بالکل نہ پڑھنا مکروہ ہے اگر کسی وقت درود شریف پڑھ لے اور کسی دوسرے وقت سلام پڑھے تو اللہ تعالیٰ کے حکم پر عمل کرنے والا ہوگا۔

غیر نبی پر سلام پڑھنا

ہمارے اصحاب (شافعی مسلک والوں) میں سے ابو محمد الجوینی نے فرمایا کہ سلام' درود شریف کے معنیٰ میں ہے بس یہ نہ تو غائب کے لئے استعمال ہوتا ہے اور نہ ہی غیر انبیاء کرام کے لئے الگ طور پر استعمال ہو سکتا ہے پس یوں نہیں کہا جائے گا "علی علیہ السلام" (حضرت علی علیہ السلام) اس میں زندہ اور فوت شدہ برابر ہیں البتہ حاضر کے لئے تو اسے خطاب کیا جا سکتا ہے پس "سلام علیک" یا "سلام علیکم" یا "السلام علیک" یا "السلام علیکم" کہا جائے گا اور اس پر سب کا اتفاق ہے۔

اور بعض ناقلین کی عادت ہے کہ وہ حضرت علی المرتضیٰ اور حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہما کے لئے سلام کا لفظ استعمال کرتے ہیں مثلاً علیہ السلام یا علیہا السلام کہتے ہیں اور باقی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لئے یہ لفظ استعمال نہیں

کرتے۔ تو اگر چہ معنوی طور پر یہ صحیح ہے لیکن اس سلسلے میں تمام صحابہ کرام کے درمیان مساوات اختیار کرنی چاہیے کیونکہ یہ تعظیم و تکریم کے باب سے ہے اور شیخین (حضرت صدیق اکبر اور حضرت عمر فاروق) نیز حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہم ان دونوں سے اس بات کے زیادہ لائق ہیں۔ ابن کثیر نے اس طرف اشارہ کیا ہے۔

نبی اکرم ﷺ کے علاوہ کسی پر درود شریف پڑھنا

نبی اکرم ﷺ کے علاوہ کسی پر درود شریف پڑھنے کے بارے میں اختلاف ہے۔

امام بیہقی نے ایک نہایت کمزور سند کے ساتھ حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ کی مرفوع روایت نقل کی ہے (کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا):

لا تترکن فی التشهد الصلوة علی و علی انبیاء الله. تشہد میں مجھ پر اور اللہ تعالیٰ کے (دیگر) انبیاء کرام علیہم السلام پر درود شریف پڑھنا نہ چھوڑو۔

اسماعیل قاضی نے ضعیف سند کے ساتھ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ:

صلوا علی انبیاء الله. اللہ تعالیٰ کے انبیاء کرام پر درود شریف پڑھو۔

امام طبرانی رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی مرفوع حدیث نقل کی ہے کہ:

اذا صلیتم علی فصلوا علی انبیاء الله فان الله بعثهم کما بعثنی. جب تم مجھ پر درود شریف پڑھو تو انبیاء کرام علیہم السلام پر بھی درود پڑھو بے شک اللہ تعالیٰ نے ان کو مبعوث فرمایا جس طرح مجھے مبعوث فرمایا۔

اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے درود شریف کا نبی اکرم ﷺ کے ساتھ اختصاص ثابت ہے ابن ابی شیبہ نے حضرت عثمان کے طریق سے حضرت عکرمہ سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں:

ما اعلم الصلاة تنبغی علی احد من احد الا علی النبی ﷺ. میں نہیں جانتا کہ نبی کریم ﷺ کے علاوہ کسی پر درود شریف بھیجنا مناسب ہو۔

اور اس کی سند صحیح ہے۔

حضرت امام مالک رحمہ اللہ سے بھی اسی قسم کا قول منقول ہے اور حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ سے بھی اس کی مثل آیا ہے۔

حضرت سفیان فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کے علاوہ کسی پر درود شریف بھیجنا مکروہ ہے۔

حضرت امام مالک رحمہ اللہ کے مذہب کے بعض شیوخ سے منقول ہے کہ حضرت محمد ﷺ کے علاوہ کسی پر درود شریف بھیجنا جائز نہیں۔

حضرت قاضی عیاض رحمہ اللہ اور ان کے علاوہ حضرات نے فرمایا کہ یہ بات امام مالک رحمہ اللہ سے معروف نہیں انہوں نے فرمایا میں غیر انبیاء پر درود شریف پڑھنے کو مکروہ جانتا ہوں اور (اس کی وجہ یہ ہے کہ) ہمارے لئے یہ بات مناسب نہیں کہ ہم اس بات سے تجاوز کریں جس کا ہمیں حکم دیا گیا۔

حضرت یحییٰ بن یحییٰ (بن کثیر اللیثی القرطبی فقیہ مستجاب الدعوات تھے) فرماتے ہیں اس میں کوئی حرج نہیں کیونکہ صلوٰۃ (درود) رحمت کی دعا ہے پس اس کی ممانعت نص یا اجماع کے ذریعے ہو سکتی ہے۔

(الاعلام ج ۸ ص ۱۷۶ نفح الطیب ج ۱ ص ۳۳۲ وفیات الاعیان ج ۲ ص ۲۱۶ الدیباج رقم الحدیث: ۳۵۰)

غیر انبیاء پر درود شریف بھیجنا

جہاں تک انبیاء کرام علیہم السلام کے غیر کا تعلق ہے تو اگر وہ بالتبع ہو تو جائز ہے جیسا کہ حدیث شریف میں گزر گیا۔

اللھم صل علی محمد و آل محمد۔ وغیرہ۔

اس کے جواز پر اجماع ہے اختلاف اس بات میں ہے کہ غیر انبیاء پر مستقلاً درود شریف بھیجا جا سکتا ہے یا نہیں۔

بعض لوگ اس کے جواز کے قائل ہیں اور انہوں نے ان آیات سے استدلال کیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

هُوَ الَّذِیْ یُصَلِّیْ عَلَیْكُمْ وَ مَلٰٓىٕكَتُهٗ (الاحزاب: ۴۳)

وہی اللہ ہے جو تم پر رحمت بھیجتا ہے اور اس کے فرشتے بھی (رحمت کی دعا کرتے ہیں)۔

اور ارشاد ربانی ہے:

اُولٰٓىٕكَ عَلَیْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَ رَحْمَةٌ (البقرہ: ۱۵۳)

وہی لوگ ہیں جن پر ان کے رب کی طرف سے درود اور رحمت ہے۔

اور ارشاد خداوندی ہے:

خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَ تُزَكِّیْهِمْ بِهَا وَ صَلِّ عَلَیْهِمْ (التوبہ: ۱۰۳)

آپ ان کے مالوں سے صدقہ لے کر ان کو ظاہری اور باطنی طور پر پاک کریں اور ان کے لئے رحمت کی دعا کریں۔

اور حضرت عبداللہ بن اوفیٰ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے فرماتے ہیں۔

رسول اکرم ﷺ کی عادت مبارکہ تھی کہ جب کوئی قوم آپ کے پاس صدقہ لے کر آتی تو آپ فرماتے:

اللھم صل علیھم۔ یا اللہ! ان پر رحمت نازل فرما۔

جب میرے والد صدقہ لے کر آئے تو آپ نے فرمایا:

اللھم صل علی آل ابی اوفی: اے اللہ! ابو اوفیٰ کی آل پر رحمت فرما۔

جمہور علماء نے فرمایا کہ غیر انبیاء پر مستقلاً صلوٰۃ کا استعمال جائز نہیں کیونکہ یہ انبیاء کرام کا شعار بن گیا کہ جب ان کا ذکر ہو تو یہ الفاظ کہے جاتے ہیں پس ان کے ساتھ ان کے غیر کو نہیں ملایا جائے گا لہٰذا یوں نہ کہا جائے حضرت ابو بکر ﷺ یا حضرت علی ﷺ اگر چہ معنوی اعتبار سے صحیح ہے جس طرح یوں نہیں کہا جاتا ''محمد عزوجل'' اگر چہ آپ عزت و جلال والے ہیں کیونکہ یہ الفاظ اللہ تعالیٰ کی ذات کا شعار و علامت ہیں۔

اور جو آیات اور حدیث پیش کی گئی ہے اسے ان لوگوں کے لئے دعا پر محمول کیا گیا ہے اسی لئے یہ لفظ (صلوٰۃ) حضرت ابو اوفیٰ رضی اللہ عنہ کی آل کا شعار نہیں بنا۔ یہ مسلک حسن ہے۔

دوسرے حضرات نے فرمایا (یعنی جمہور کی تائید میں فرمایا) کہ یہ جائز نہیں کیونکہ انبیاء کرام کے غیر پر درود شریف بھیجنا خواہشات کے پجاری لوگوں کی نشانی بن چکی ہے وہ جس کے معتقد ہو جاتے ہیں اس پر درود شریف بھیجتے ہیں لہٰذا اس سلسلے میں ان کی اقتدا نہیں کی جائے گی۔

پھر منع کرنے والوں کے درمیان اس بات میں اختلاف ہے کہ آیا یہ حرام ہے یا مکروہ تنزیہی یا خلاف اولیٰ؟

یہ تین قول حضرت امام نووی رحمہ اللہ نے کتاب ''الاذکار'' میں نقل کرنے کے بعد فرمایا صحیح بات وہ ہے جو اکثر کا قول ہے کہ یہ مکروہ تنزیہی ہے کیونکہ یہ بدعتی لوگوں کی علامت ہے اور ہمیں ان لوگوں کی علامت سے منع کیا گیا ہے۔

فصل نمبر ۳

نبی اکرم ﷺ کے صحابہ کرام' آپ کی آل' آپ کے اہل بیت' قرابت داروں اور اولاد کی محبت کا بیان

آل بیت اور قرابت داروں کی محبت

طبری نے کہا یہ بات جان لو کہ جب اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کو آپ کے علاوہ تمام لوگوں پر چن لیا اور آپ کو ہر قسم کی فضیلت عطا فرمائی تو جو لوگ نسب یا نسبت کے اعتبار سے آپ سے منسوب ہیں آپ کی برکت سے ان کو بھی بلند مقام عطا فرمایا اور تمام مخلوق پر آپ کے مقربین کی محبت کو لازم قرار دیا آپ کے تمام اہل بیت اور اولاد معظم کی محبت کو فرض قرار دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

قُلْ لَّاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى. (الشوریٰ:۲۳)

آپ فرما دیجئے میں تم سے اس (تبلیغ دین) پر اجرت طلب نہیں کرتا البتہ اپنے قرابت داروں کی محبت کا سوال کرتا ہوں۔

مروی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ کے قرابت دار کون ہیں؟ آپ نے فرمایا حضرت علی' حضرت فاطمہ اور ان کے دونوں صاحبزادے (حضرت حسن اور حضرت حسین) رضی اللہ عنہم۔

ارشاد خداوندی ہے:

اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا ۝ (الاحزاب:۳۳)

اے اہل بیت! اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ تم سے نجاست کو دور رکھے اور تمہیں خوب پاک کرے۔

آل بیت سے کون لوگ مراد ہیں؟

اس آیت میں جن اہل بیت کا ذکر ہے ان سے کون لوگ مراد ہیں؟ اس سلسلے میں اختلاف ہے۔

حضرت ابن ابی حاتم' حضرت عکرمہ سے اور وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں انہوں نے

فرمایا یہ آیت نبی اکرم ﷺ کی ازواج مطہرات کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

حضرت ابن جریر نے حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ وہ بازار میں اعلان کر رہے تھے:

اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ. (الاحزاب:۳۳) اے اہل بیت! اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ تم سے نجاست دور رکھے۔

یہ آیت نبی اکرم ﷺ کی ازواج مطہرات کے بارے میں نازل ہوئی ہے حافظ ابن کثیر نے کہا آیت کریمہ میں اس بات کی صراحت ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی ازواج مطہرات جنت میں جائیں گی کیونکہ اس آیت کے نزول کا سبب وہی ہیں اور ایک قول کے مطابق وہ سبب دخول میں داخل ہیں مطلب یہ ہے کہ یا تو وہ تنہا اس کا سبب ہیں یا صحیح قول کے مطابق دوسروں کے ساتھ اس میں داخل ہیں۔

ایک قول کے مطابق یہاں اہل بیت سے نبی اکرم ﷺ مراد ہیں حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جو شخص چاہے مجھ سے مباہلہ کر لے کہ یہ آیت نبی اکرم ﷺ کی ازواج مطہرات کے بارے میں نازل ہوئی ہے اگر یہ مراد ہو کہ وہی (تنہا) اس کے نزول کا سبب ہیں ان کے علاوہ کوئی نہیں تو یہ بات محل نظر ہے کیونکہ اس سلسلے میں ایسی احادیث آئی ہیں جو عمومی معنیٰ پر دلالت کرتی ہیں۔

حضرت امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ تشریف لائے اور آپ کے ہمراہ حضرت علی المرتضیٰ، امام حسن اور امام حسین رضی اللہ عنہم بھی تھے ان دونوں (صاحبزادوں) نے ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑ رکھا تھا حتیٰ کہ آپ اندر تشریف لائے اور حضرت علی المرتضیٰ اور حضرت خاتون جنت رضی اللہ عنہما کو اپنے قریب کر کے اپنے سامنے بٹھایا اور حضرت امام حسن و حسین رضی اللہ عنہما میں سے ہر ایک کو اپنی ران پر بٹھایا پھر ان پر کپڑا یا ایک روایت کے مطابق چادر ڈالی پھر یہ آیت پڑھی۔ انما یرید اللہ (آخر تک گزر چکی ہے) اور فرمایا:

اللھم ھولاء اھل بیتی واھل بیتی احق یا اللہ! یہ میرے اہل بیت ہیں اور اہل بیت کا زیادہ حق ہے۔

ابن جریر کی روایت میں یہ اضافہ ہے کہ میں (حضرت واثلہ) نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں بھی آپ کی اہل سے ہوں؟ فرمایا تم بھی میری اہل سے ہو۔

حضرت واثلہ فرماتے ہیں، میں جن باتوں کی امید کرتا ہوں ان میں سے اس کی زیادہ امید ہے۔ [1]

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ ان کے حجرۂ مبارکہ میں تھے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا ایک ہنڈیا لے کر حاضر ہوئیں جس میں گھی اور آٹے سے بنا ہوا ایک حلوہ تھا وہ حاضر ہوئیں تو آپ نے فرمایا اپنے خاوند اور دونوں بیٹوں کو بلا کر لاؤ فرماتی ہیں حضرت علی المرتضیٰ، حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہم آئے اور آپ کے پاس حاضر ہوئے وہ بیٹھ کر اس حلوے سے کھانے لگے اور آپ ﷺ کے نیچے ایک چادر تھی حضرت ام سلمہ فرماتی ہیں

[1] امام زرقانی فرماتے ہیں مخبر صادق ﷺ کی خبر سچی ہے اس کے خلاف نہیں ہو سکتا اس کے باوجود اسے امید سے اس لئے تعبیر کیا کہ شاید یہ کسی عمل کے ساتھ مقید ہو کہ اگر فلاں کام کرو گے تو میری آل میں شامل ہو گے اور شاید وہ شرط پوری نہ ہو سکے۔ (زرقانی ج ۶ ص ۴)

میں حجرے میں نماز پڑھ رہی تھی کہ آیت کریمہ انما یرید اللہ الایہ (آخر تک) نازل ہوئی تو نبی اکرم ﷺ نے چادر کے باقی حصے سے ان کو ڈھانپ لیا پھر اپنے ہاتھ نکال کر آسمان کی طرف کئے اور یوں دعا کی:

اللھم ھولاء اھل بیتی وحامتی فاذھب عنھم الرجس و طھرھم تطھیرا۔ یا اللہ! یہ میرے اہل بیت اور میرے خاص لوگ ہیں پس ان سے ناپاکی کو دور رکھ اور ان کو خوب پاک کردے۔

حضرت ام سلمہ فرماتی ہیں میں نے حجرے سے اپنا سر باہر کیا اور کہا یا رسول اللہ میں بھی آپ لوگوں کے ساتھ ہوں؟ فرمایا تم بہتری پر ہو تم بہتری کی طرف ہو۔[1] اس حدیث کو امام احمد رحمہ اللہ نے روایت کیا اور اس میں ایک راوی کا نام نہیں لیا باقی سند ثقہ لوگوں پر مشتمل ہے۔ (مسند احمد ج ۶ ص ۲۹۲ الدر المنثور ج ۵ ص ۱۹۸)

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا آیت کریمہ انما یرید اللہ (آخر تک) پانچ شخصوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے میرے بارے میں حضرت علی المرتضیٰ حضرت حسن حضرت حسین اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں۔

اس حدیث کو ابن جریر نے روایت کیا اور امام احمد نے ''المناقب میں'' نیز طبرانی نے بھی روایت کیا۔

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ ہمارے درمیان خطبہ دینے کھڑے ہوئے تو اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء کے بعد فرمایا۔

حمد وصلوٰۃ کے بعد۔ اے لوگو! میں تمہاری طرح انسان ہوں قریب ہے کہ میرے پاس میرے رب کا قاصد (موت کا فرشتہ) آجائے تو میں اس کی بات مان لوں بے شک میں تم میں دو بھاری چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں ان میں سے پہلی اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے جس میں ہدایت ونور ہے پس اللہ تعالیٰ کی کتاب کو مضبوطی سے پکڑو۔ آپ نے اس کے بارے میں خوب ترغیب دی پھر فرمایا اور میرے اہل بیت' میں تمہیں اپنے اہل بیت کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی (یعنی اس کے حکم کی) یاد دلاتا ہوں' تین بار فرمایا۔

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ اہل بیت کون ہیں؟ کیا آپ کی ازواج مطہرات آپ کے اہل بیت میں سے نہیں ہیں؟ تو انہوں نے فرمایا ہاں کیوں نہیں آپ کی ازواج مطہرات آپ کے اہل بیت سے ہیں لیکن یہاں اہل بیت سے وہ لوگ مراد ہیں جن پر نبی اکرم ﷺ کے بعد صدقہ حرام ہے پوچھا وہ کون ہیں۔

فرمایا وہ آل علی' آل جعفر' آل عقیل اور آل عباس (رضی اللہ عنہم) ہیں پوچھا ان سب پر صدقہ حرام ہے؟ فرمایا ہاں۔

یہ حدیث امام مسلم رحمہ اللہ نے نقل کی ہے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۳۶' مسند احمد ج ۴ ص ۳۶۷' السنن الکبریٰ ج ۲ ص ۱۴۸۔ ج ۷ ص ۳۰' مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۶۱۳۱' جمع الجوامع رقم الحدیث: ۳۳۳۱)

''الثقل'' میں قاف متحرک ہے جیسا کہ قاموس میں ہے ہر نفیس چیز جس کی حفاظت کی جائے' ثقل کہلاتی ہے اسی سے وہ حدیث ہے جس میں فرمایا:

---

[1] آپ نے بتایا کہ تمہارا اہل بیت میں شمار ہونا بعید نہیں ایک روایت میں ہے کہ تم ازواج نبی سے ہو (مقصد یہ کہ تم تو پہلے سے اہل بیت میں شامل ہو۔ ۱۲ ہزاروی)۔ (زرقانی ج ۷ ص ۳)

انی تارک فیکم الثقلین کتاب اللہ و عترتی. (قاموس المحیط ج ۳ ص ۳۵۳)
بے شک میں دو عمدہ چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں ایک اللہ کی کتاب اور دوسری میری اولاد۔

اس حدیث کو اختیار کرنا زیادہ مناسب ہے اور اہل سے فقط ازواج مطہرات مراد نہیں بلکہ وہ اہل کے ساتھ مراد ہیں اور جو شخص قرآن مجید میں غور کرے اسے اس بات میں شک نہیں ہوگا کہ ازواج مطہرات اس آیت کریمہ میں داخل ہیں کیونکہ سیاق کلام میں وہی مذکور ہیں اسی لئے اس تمام کلام کے بعد فرمایا:

وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِيْ بُيُوْتِكُنَّ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ وَالْحِكْمَةِ. (الاحزاب:۳۴)
اور یاد کرو جو اللہ تعالیٰ کی آیات وحکمت سے تمہارے گھروں میں پڑھا جاتا ہے۔

(عبدالحق بن غالب) ابن عطیہ رحمہ اللہ نے جمہور کا قول کہ اس سے حضرت علی المرتضیٰ' فاطمۃ الزہراء' امام حسن اور امام حسین رضی اللہ عنہم مراد ہیں' نقل کرنے کے بعد اس (مندرجہ بالا) قول کو اختیار کیا اور فرمایا جمہور کی دلیل اللہ تعالیٰ کے ارشاد گرامی میں "عنکم" اور "یطھر کم" کے الفاظ ہیں یہ میم کے ساتھ جمع مذکر حاضر کی ضمیر ہے اگر صرف عورتوں کے لئے ہوتا تو "عنکن" ہوتا۔

(الاعلام ج ۳ ص ۲۸۲' نفح الطیب ج ۱ ص ۵۹۳' قضاۃ الاندلس ص ۱۰۹' بغیۃ الملتمس رقم الحدیث: ۱۰۷۶' بغیۃ الوعاۃ ص ۲۹۵)

اس کا جواب یوں دیا گیا کہ مذکر کے صیغے کے ساتھ خطاب تغلیب کے طور پر ہے (یعنی مردوں کو غالب رکھا گیا) پس اس سے مراد اسی طرح ہوگی جس طرح اس حدیث میں آل سے مراد ہے' جو حدیث درود شریف کی کیفیت سے متعلق ہے اور اس کا ذکر گزر چکا ہے یعنی اس کے قول کے مطابق جس نے آل سے اولاد مراد لی ہے یہ ساری گفتگو پہلے ہو چکی ہے۔

شاعر نے کیا خوب کہا اللہ تعالیٰ اسے جزائے خیر عطا کرے:

یا ال بیت رسول اللہ حبکم	فرض من اللہ فی القرآن انزلہ
یکفیکم من عظیم الفضل انکم	من لم یصل علیکم لا صلاۃ لہ

"اے رسول اللہ! ﷺ کے آل بیت تمہاری محبت اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرض کی گئی اور اس سلسلے میں قرآن مجید (میں حکم) نازل ہوا' تمہاری بہت بڑی فضیلت کے لئے یہی کافی ہے کہ جو شخص تم پر درود شریف نہ پڑھے اس کا درود شریف قبول نہیں ہے"۔

آل بیت کی محبت

امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کی اس مرفوع حدیث کا معنیٰ نقل کیا ہے جو پہلے گزر چکی ہے۔

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کی حدیث کے الفاظ اس طرح ہیں:

انی اوشک ان ادعی فاجیب وانی تارک فیکم الثقلین کتاب اللہ و عترتی' کتاب اللہ
قریب ہے کہ مجھے بلایا جائے اور میں لبیک کہوں اور میں تم میں دو عمدہ چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں اللہ تعالیٰ کی

حبل ممدود من السماء الی الارض' و عترتی اهل بیتی' وان اللطیف الخبیر اخبرنی انهما لن یفترقا حتی یردا علی الحوض فانظروا بماذا تخلفونی فیهما.

کتاب اور میری عترت اللہ تعالیٰ کی کتاب ایک رسی ہے جو آسمان سے زمین تک لٹکی ہوئی ہے اور میری عترت میرے گھر والے ہیں اور لطیف و خبیر ذات نے مجھے خبر دی ہے کہ یہ دونوں ہرگز جدا نہ ہوں گے حتیٰ کہ حوض پر مجھے ملیں پس تم دیکھو گے کہ میرے بعد تم ان سے کیا سلوک کرتے ہو۔

(مسند احمد ج ۳ ص ۱۷ ٗطبقات ابن سعد ج ۲ ص ۱۵۰ ٗ کنز العمال رقم الحدیث: ۹۴۳)

جوہری کے قول کے مطابق کسی شخص کی عترت اس کی اہل ٗنسل اور اس کا قریبی قبیلہ ہے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے آپ نے فرمایا:

یا ایها الناس ارقبو محمدا فی اهل بیته.

اے لوگو! حضرت محمد ﷺ کے اہل بیت کے سلسلے میں آپ کا خیال رکھو۔

"مراقبہ" کا معنی کسی چیز کی حفاظت کرنا ہے یعنی ان کی حفاظت کرو اور ان کو اذیت نہ پہنچاؤ۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ایک اور قول صحیح بخاری میں منقول ہے:

لقرابة رسول الله ﷺ احب الی ان اصل من قرابتی.

رسول اللہ ﷺ کی قرابت سے صلہ رحمی مجھے اپنی قرابت کے مقابلے میں زیادہ پسند ہے۔

جب حضرت خاتون جنت رضی اللہ عنہا نے آپ سے نبی اکرم ﷺ کی وراثت کا مطالبہ کیا[1] تو آپ نے عذر پیش کرتے ہوئے یہ (مندرجہ بالا) بات فرمائی اور آپ کا یہ قول ایمان کا تقاضا تھا کیونکہ ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ اپنی جان' مال اور اولاد کے مقابلہ میں آپ سے زیادہ محبت ہو جس طرح اسی مقصد کی پہلی فصل میں بیان ہوا۔

پھر نبی اکرم ﷺ نے اپنے اقارب کے لئے وہی بات ثابت فرمائی جو اپنے لئے ثابت کی آپ نے فرمایا:

من احبهم فبحبی احبهم.

جس نے ان سے محبت کی تو میری محبت کی وجہ سے ان سے محبت کی۔

اور آپ نے ہم پر شفقت فرماتے ہوئے اس بات کی ترغیب دی آپ پر اور آپ کی آل و اہل بیت پر اللہ کی رحمتیں اور سلام ہو۔

کسی کہنے والے نے کیا خوب کہا:

رایت ولائی آل طه فریضة　　علی رغم اهل البعد یورثنی القربیٰ

فما طلب المبعوث اجرا علی الهدی　　بتبلیغه الا المودة فی القربیٰ

[1] نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہم انبیاء کرام کی جماعت کسی کے وارث ہوتے ہیں نہ کوئی ہمارا وارث ہوتا ہے چونکہ حضرت خاتون جنت رضی اللہ عنہا کے علم میں یہ حدیث نہیں تھی اس لئے انہوں نے مطالبہ کیا لیکن جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث سنائی تو وہ خاموش ہوگئیں اور اس مطالبہ سے دستبردار ہوگئیں۔ ۱۲ ہزاروی

''میں آل طٰہٰ سے محبت کو فرض جانتا ہوں یہ دوری والوں کی مرضی کے خلاف ہے اور یہ محبت مجھے قرب عطا کرتی ہے اس نبی مبعوث نے ہدایت کی تبلیغ پر قرابت داروں کی محبت کے سوا کوئی اجرت نہیں مانگی''۔

''ترمذی شریف میں'' ایک حدیث منقول ہے جسے انہوں نے حدیث کہا ہے' اس میں ہے:

احبوا اللہ لما یغزوکم بہ واحبونی بحب اللہ واحبو اھل بیتی بحبی.

اللہ تعالیٰ سے محبت کرو کہ وہ تمہیں غذا دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی محبت کی وجہ سے مجھ سے محبت کرو اور میری محبت کی وجہ سے میرے اہل بیت سے محبت کرو۔

(جامع ترمذی رقم الحدیث: ۳۷۸۹' المستدرک ج ۳ ص ۱۴۹' المعجم الکبیر ج ۳ ص ۳۹' حلیۃ الاولیاء ج ۳ ص ۲۱۱)

امام احمد رحمہ اللہ کی کتاب ''کتاب المناقب'' میں ہے:

من ابغض اھل البیت فھو منافق.

جو شخص اہل بیت سے بغض رکھے وہ منافق ہے۔

حضرت ابن سعد نے روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

من صنع الی احد من اھل بیتی معروفا فعجز عن مکافاتہ فی الدنیا فانا المکافی لہ فی یوم القیامۃ.

جو شخص میرے اہل بیت میں سے کسی سے اچھا سلوک کرے اور وہ دنیا میں اس کا بدلہ نہ دے سکے تو میں اس کی طرف سے قیامت کے دن بدلہ دوں گا۔

قرابت سے کون لوگ مراد ہیں؟

قرابت سے وہ لوگ مراد ہیں جو نبی اکرم ﷺ کے جد اقرب یعنی حضرت عبدالمطلب کی طرف منسوب ہیں اور انہوں نے نبی اکرم ﷺ کی صحبت اختیار کی یا آپ کی زیارت کی وہ مرد ہوں یا عورتیں۔ اور وہ آپ کے اہل قرابت درج ذیل لوگ ہیں۔

حضرت علی المرتضیٰ اور ان کی اولاد یعنی حضرت امام حسن' حضرت امام حسین' حضرت محسن اور حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہم جو حضرت خاتون جنت رضی اللہ عنہا کے بطن اطہر سے ہیں۔

حضرت جعفر بن ابی طالب اور ان کی اولاد یعنی حضرت عبداللہ' حضرت عون اور حضرت محمد رضی اللہ عنہم۔ اور کہا جاتا ہے کہ حضرت جعفر بن ابی طالب کے ایک اور صاحبزادے بھی تھے جن کا نام احمد تھا۔

حضرت عقیل بن ابی طالب اور ان کے صاحبزادے حضرت مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہما۔

حضرت حمزہ بن عبدالمطلب اور ان کی اولاد یعنی حضرت یعلیٰ' حضرت عمارہ اور حضرت امامہ رضی اللہ عنہم۔

حضرت عباس بن عبدالمطلب اور ان کی مذکر اولاد اور وہ دس ہیں حضرت فضل' حضرت عبداللہ' حضرت قثم' حضرت عبیداللہ' حضرت حارث' حضرت معبد' حضرت عبدالرحمٰن' حضرت کثیر' حضرت عون اور حضرت تمام رضی اللہ عنہم ان کے بارے میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

تموا بتمام فصار و اعشرۃ یا رب فاجعلھم کراما بررۃ

''حضرت تمام کے ساتھ پورے ہو گئے پس دس ہوئے اے میرے رب ان (میرے بیٹوں) کو عزت

والے اور نیک بنادے"۔

کہا گیا کہ ان سب کو نبی اکرم ﷺ کی زیارت ہوئی ہے اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی صاحبزادیوں میں حضرت ام حبیبہ' حضرت آمنہ اور حضرت صفیہ رضی اللہ عنہن ہیں ان میں سے اکثر کی والدہ حضرت لبابہ ام الفضل ہیں۔ (رضی اللہ عنہا)

معتب بن ابی لھب اور عباس ابن ابولھب اور یہ آمنہ بنت عباس کے خاوند ہیں۔ (صحیح یہ ہے کہ عباس بن عتبہ بن ابی لھب ہیں)۔ [1] (الاصابہ ج۴ ص۳۰)

حضرت عبداللہ بن زبیر بن عبدالمطلب اور ان کی بہن حضرت ضباعہ (رضی اللہ عنہم) یہ حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ کی زوجہ تھیں۔

ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب اور ان کے صاحبزادے حضرت جعفر رضی اللہ عنہ۔

حضرت نوفل بن حارث بن عبدالمطلب اور ان کے بیٹے حضرت مغیرہ اور حارث۔ اور ان عبداللہ بن حارث کو زیارت کا شرف حاصل ہے ان کا لقب ببہ تھا۔ (دونوں جگہ باء دوسری باء مشدد ہے)۔

حضرت امیمہ' اروٰی' عاتکہ اور صفیہ جو حضرت عبدالمطلب کی صاحبزادیاں ہیں حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا اسلام لائیں اور صحابیت کا شرف حاصل کیا باقی کے اسلام لانے میں اختلاف ہے۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا مقام

"صحیح بخاری میں" حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

انت منی بمنزلہ ھارون من موسی الا انہ لا نبی بعدی.

تمہیں مجھ سے وہی تعلق ہے جو حضرت ہارون علیہ السلام کو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے تھا مگر یہ کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۳۰' جامع ترمذی رقم الحدیث: ۳۷۳۰' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۲۱' مسند احمد ج۱ ص ۱۷۹' حلیۃ الاولیاء ج۴ ص ۳۴۵' اتحاف السادۃ المتقین ج۲ ص ۲۲۷' مجمع الزوائد ج۹ ص ۱۰۹)

دوسری حدیث کے الفاظ اس طرح ہیں:

اما ترضی ان تکون منی بمنزلۃ ھارون من موسی.

کیا آپ اس بات پر راضی نہیں کہ آپ کا میرے ساتھ وہی تعلق ہو جو حضرت ہارون علیہ السلام کا حضرت موسیٰ علیہ السلام سے تھا۔

---

[1] "الاصابہ" میں ہے کہ آمنہ بنت عباس بن عبدالمطلب ہاشمیہ' عباس بن عتبہ بن ابی لھب کی زوجہ تھیں مشہور شاعر فضل بن عباس ان کے صاحبزادے ہیں (زرقانی ج۷ ص۱۱) حضرت عباس رضی اللہ عنہ (حضور علیہ السلام کے چچا) کے صاحبزادے حضرت فضل ان کے علاوہ ہیں۔۱۲ ہزاروی

یعنی آپ کو میرے ہاں وہی مقام حاصل ہے جو موسیٰ علیہ السلام کے ہاں حضرت ہارون علیہ السلام کو حاصل تھا۔ با مزائدہ ہے۔
طیبی نے کہا حدیث کا معنی یہ ہے کہ تم میرے ساتھ اس طرح ملے ہوئے ہو جس طرح حضرت ہارون علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ تھے اس میں تشبیہ مبہم ہے جسے آپ نے اس قول کے ساتھ بیان کیا:

الا انہ لا نبی بعدی. — مگر یہ کہ میرے بعد نبی نہیں۔

پس معلوم ہوا کہ ان دونوں کے درمیان اتصال نبوت کی جہت سے نہیں بلکہ اس سے نچلے درجے کی جہت یعنی خلافت کے اعتبار سے (یعنی غزوۂ تبوک کے موقعہ پر خلافت) اور جب حضرت ہارون علیہ السلام مشبہ بہ ہیں اور وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زندگی میں خلیفہ تھے تو یہ اس بات پر دلالت ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خلافت نبی اکرم ﷺ کی حیات طیبہ کے ساتھ خاص ہے۔ واللہ اعلم

ایک شبہ کا جواب

اس حدیث سے یہ استدلال کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو خلافت کا استحقاق حاصل ہے کسی دوسرے صحابی کو نہیں کیونکہ حضرت ہارون علیہ السلام' حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خلیفہ تھے تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت ہارون علیہ السلام' حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زندگی میں ان کے خلیفہ تھے ان کے وصال کے بعد نہیں کیونکہ اس پر اتفاق ہے کہ حضرت ہارون علیہ السلام کا وصال حضرت موسیٰ علیہ السلام کے وصال سے پہلے ہوا اس بات کی طرف خطابی نے اشارہ کیا ہے۔

''ترمذی اور نسائی میں'' حدیث شریف ہے:

من کنت مولاہ فعلی مولاہ. — جس کا میں مولا ہوں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ بھی اس کے مولا ہیں۔

(جامع ترمذی رقم الحدیث: ۳۷۱۳' مسند احمد ج ۱ ص ۸۴_۱۵۲' المستدرک ج ۳ ص ۱۱۰' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۲۱' مجمع الزوائد ج ۷ ص ۱۷' حلیۃ الاولیاء ج ۴ ص ۲۳' کشف الخفاء ج ۲ ص ۲۷۹' کنز العمال رقم الحدیث: ۳۲۹۰۴_۳۶۵۱۵)

تو حضرت امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اس سے اسلام کی ولاء (یعنی مدد) مراد ہے جیسے ارشاد خداوندی ہے:

ذٰلِکَ بِاَنَّ اللّٰہَ مَوْلَی الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَاَنَّ الْکٰفِرِیْنَ لَا مَوْلٰی لَھُمْ○ (محمد: ۱۱) — یہ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کا مددگار ہے جو ایمان لائے اور کافروں کا کوئی مددگار نہیں ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ نے (حضرت علی المرتضیٰ کو مخاطب کرتے ہوئے) فرمایا:

اصبحت مولی کل مؤمن. — آپ ہر مومن کے مددگار ہیں۔

یعنی ہر مومن کے ولی ہیں۔

اس حدیث کے کئی طرق ہیں جن کو ابن عقدہ (احمد بن محمد کوفی موالی بن ہاشم) نے کتاب مفرد میں جمع کیا اور اس کی اکثر اسناد صحیح اور حسن ہیں ایک روایت میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

من اذی علیا فقد اذانی. — جس نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو اذیت پہنچائی اس نے مجھے اذیت پہنچائی۔

(الاعلام ج۱ص۲۰۷،۲۰۷ تذکرۃ الحفاظ ج۳ص۸۳۹، تاریخ بغداد ج۵ص۱۴، العمر ج۲ص۲۳۰، المستدرک ج۳ص۱۲۲، مصنف ابن ابی شیبہ ج۱۲ص۵۷، موارد الظمآن رقم الحدیث:۲۲۰۲، دلائل النبوۃ ج۵ص۳۹۵، کنزالعمال رقم الحدیث:۳۲۹۰۱۔۳۶۴۳۵)

اس حدیث کو امام احمد رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے۔

اور مخلص الذہبی (ابو طاہر محمد بن عبد الرحمٰن) نے (نیز امام طبرانی نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مرفوعاً) نقل کیا کہ:

من احب علیا فقد احبنی. جس نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی۔

اور نقاش (مشہور مفسر و حافظ) نے ذکر کیا کہ ارشاد باری تعالیٰ:

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمَٰنُ وُدًّا ○ (المریم:۹۶) بے شک وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام کئے عنقریب رحمٰن ان کے لئے محبت پیدا کردے گا۔

(یہ آیت) حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی۔

حضرت محمد بن حنفیہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں تم کسی مومن کو نہیں پاؤ گے مگر وہ حضرت علی المرتضیٰ اور آپ کے اہل بیت سے محبت کرتا ہوگا۔

ابو حیان نے (اپنی تفسیر) "البحر میں" فرمایا لغوی امام رضی الدین ابو عبد اللہ بن یوسف انصاری شاطبی لزینا بن اسحاق نصرانی رسعنی نے عجیب بات کہی:

عدی و تیم لا احاول ذکرهم — بسوء ولکننی محب لهاشم
وما یعترینی فی علی ورهطه — اذا ذکروا فی الله لومة لائم
یقولون ما بال النصاری تحبهم — واهل النهی من اعرب واعاجم
فقلت لهم انی لاحسب حبهم — سری فی قلوب الخلق حتی البهائم

"میں بنو عدی اور بنو تیم کا ذکر برائی کے ساتھ نہیں کرتا لیکن میں ہاشم قبیلے کا محبّ ہوں اور جب حضرت علی المرتضیٰ اور ان کے خاندان کا ذکر کیا جائے تو مجھے کسی ملامت کرنے والے کی پرواہ نہیں وہ کہتے ہیں اے نصاریٰ تمہیں کیا ہے کہ تم ان سے محبت کرتے ہو جب کہ عرب و عجم کے عقلمند لوگ موجود ہیں میں ان سے کہتا ہوں کہ میں ان کی محبت کو مخلوق کے دلوں حتیٰ کہ جانوروں کے اندر بھی پاتا ہوں"۔

حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کا مقام

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اکرم ﷺ کو سب لوگوں سے زیادہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے محبت تھی اور ان کے خاوند مردوں میں سب سے زیادہ محبوب تھے۔

صحیح بخاری میں ہے:

ان فاطمة بضعة منی فمن اغضبها اغضبنی.
بے شک فاطمہ میرا ٹکڑا ہیں پس جس نے ان سے دشمنی رکھی اس نے مجھ سے بغض رکھا۔

(مسند احمد ج ۴ ص ۳۲۶ کنز العمال رقم الحدیث: ۳۴۲۱۳ ـ ۳۴۲۲۲)

"البضعة" کی باء پر فتح ہے ضمہ اور کسرہ بھی آیا ہے اور ضاد ساکن ہے اس سے مراد گوشت کا ٹکڑا ہے۔

امام سہیلی رحمہ اللہ نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ حضرت خاتون جنت کو گالی دینے والا کفر کا ارتکاب کرتا ہے۔

حضرت امام حسن اور امام حسین رضی اللہ عنہما کا مقام

"جامع ترمذی میں" حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کی روایت منقول ہے امام ترمذی نے فرمایا یہ حسن غریب ہے نبی اکرم ﷺ نے حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہما کے بارے میں فرمایا:

اللهم انی احبهما فاحبهما واحب من یحبهما.
یا اللہ! میں ان دونوں سے محبت کرتا ہوں پس تو بھی ان دونوں سے محبت کر اور جو ان سے محبت کرے اسے بھی محبوب رکھنا۔

(جامع ترمذی رقم الحدیث: ۳۷۸۰ مسند احمد ج ۲ ص ۴۴۶ السنن الکبریٰ ج ۱۰ ص ۲۳۳ جمع الجوامع رقم الحدیث: ۹۷۶۱ المعجم الکبیر ج ۳ ص ۳۹ الکامل ج ۳ ص ۱۰۳۵ کنز العمال رقم الحدیث: ۳۴۲۵۵ ـ ۳۷۶۹۷)

امام مسلم رحمہ اللہ نے یہ حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے خاص امام حسن رضی اللہ عنہ کے بارے میں نقل کی اور ابو حاتم نے یہ اضافہ کیا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا نبی اکرم ﷺ نے ان کے بارے میں جو کچھ فرمایا اس کے بعد **حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر کوئی محبوب نہ تھا۔**

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث حافظ سلفی نے روایت کی ہے وہ فرماتے ہیں:

میں نے جب بھی حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما کو دیکھا میری آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے کیونکہ ایک دن رسول اکرم ﷺ باہر تشریف لائے اور میں مسجد میں تھا آپ نے میرا ہاتھ پکڑا اور میرا سہارا لیا حتیٰ کہ ہم قینقاع کے بازار میں آئے آپ نے وہاں دیکھا پھر واپس لوٹ گئے حتیٰ کہ مسجد میں تشریف فرما ہوئے پھر فرمایا میرے بیٹے کو بلاؤ۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما کو لایا گیا جو تیز تیز چل رہے تھے حتیٰ کہ آپ کی گود میں جا بیٹھے نبی اکرم ﷺ ان کے منہ کو کھولتے پھر ان کے منہ کو اپنے دہن مبارک میں ڈالتے (تاکہ برکت حاصل ہو) اور فرما رہے تھے:

اللهم انی احبه فاحبه واحب من یحبه.
یا اللہ! میں ان سے محبت کرتا ہوں تو بھی ان سے محبت فرما اور ان سے محبت کرنے والے کو محبوب رکھنا۔

آپ نے یہ بات تین بار فرمائی۔

"جامع ترمذی میں" حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ دونوں صاحبزادوں کو

سونگھتے اور اپنے ساتھ ملاتے اور فرماتے:

من احبنی واحب هذین واباهما وامهما کان معی فی درجتی یوم القیامة.

جو مجھ سے محبت کرے اور ان دونوں سے نیز ان دونوں کے باپ اور ان کی ماں سے محبت کرے وہ قیامت کے دن میرے ساتھ میرے درجہ میں ہوگا۔

(جامع ترمذی رقم الحدیث: ۳۷۳۳'مسند احمد ج ۱ص ۷۷' کنز العمال رقم الحدیث: ۳۴۱۶۱)

امام ترمذی نے " کان معی فی الجنة " (میرے ساتھ جنت میں ہوگا) کے الفاظ نقل کئے اور فرمایا یہ حدیث غریب ہے۔

اور معیت سے یہاں مقام کے اعتبار سے معیت مراد نہیں بلکہ پردہ اٹھنے کے اعتبار سے ہے جیسا کہ چھٹے مقصد میں آیت کریمہ:

فَاُولٰٓئِکَ مَعَ الَّذِیۡنَ اَنۡعَمَ اللّٰہُ عَلَیۡہِمۡ مِّنَ النَّبِیّٖنَ (النساء:۶۹)

پس وہ لوگ ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام کیا یعنی انبیاء کرام' صدیقین' شہدا اور صالحین۔

کے ضمن میں بیان ہوا۔

ابوزہیر بن ارقم' قبیلہ ازد کے ایک شخص سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا:

من احبنی فلیحبه فلیبلغ الشاهد الغائب.

جو شخص مجھ سے محبت کرتا ہے وہ ان سے محبت کرے اور حاضر کو چاہیے کہ غائب تک (یہ بات) پہنچا دے۔

"صحیح بخاری میں ہے" آپ نے فرمایا:

هما ریحانتای من الدنیا.

یہ دونوں (امام حسن وحسین رضی اللہ عنہما) دنیا میں میری خوشبو ہیں۔

اور نبی اکرم ﷺ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی زبان یا ہونٹوں کو چوستے تھے۔ اس حدیث کو امام احمد رحمہ اللہ نے روایت کیا۔

حضرت عقبہ بن حارث رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو دیکھا انہوں نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو اٹھا رکھا تھا اور فرما رہے تھے:

بابی شبیه بالنبی لیس شبیها بعلی.

میرے باپ ان پر قربان ہوں یہ نبی اکرم ﷺ کے مشابہ ہیں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے مشابہ نہیں ہیں۔

اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ مسکرا رہے تھے۔

حضرت محمد بن سیرین' حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ' یعنی حضرت حسن رضی اللہ عنہ' رسول

اکرم ﷺ سے ان سب سے زیادہ مشابہ تھے۔

حضرت امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت زہری کی روایت نقل کی ہے وہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ:

لم یکن احد اشبہ بالنبی ﷺ من الحسن بن علی۔ کوئی شخص بھی حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما سے بڑھ کر حضور علیہ السلام کا شبیہ نہ تھا۔

لیکن حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم ﷺ کی صفت میں فرمایا:

لم ار قبلہ ولا بعدہ مثلہ۔ میں نے آپ سے پہلے اور بعد آپ جیسا نہیں دیکھا

یہ حدیث امام ترمذی رحمہ اللہ نے "شمائل میں" ذکر کی ہے اور تیسرے مقصد میں ذکر ہو چکی ہے تو یہ حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ کا یہ قول اس پہلی بات کے خلاف ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ نفی کو عمومی تشبیہ پر محمول کیا جائے اور اثبات سے خصوصی تشبیہ مراد ہو۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کا جو قول پہلے گزر چکا ہے کہ حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر کوئی بھی حضور علیہ السلام سے زیادہ مشابہ نہ تھا تو حضرت ابن سیرین کی روایت جو حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ہی مروی ہے اور پہلے گزر چکی ہے وہ اس کے معارض ہے اس میں یہ تھا کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ زیادہ مشابہ تھے تو ان دونوں روایتوں کو یوں جمع کیا جا سکتا ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کا وہ قول جو حضرت زہری نے نقل کیا وہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی زندگی کی بات ہوگی کیونکہ اس وقت آپ اپنے بھائی حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی نسبت زیادہ مشابہت رکھتے تھے۔

اور جو کچھ ابن سیرین کی روایت میں ہے وہ اس کے بعد کی بات ہے یا اس سے مراد یہ ہے کہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کے علاوہ دوسروں کے مقابلے میں حضرت امام حسین نبی اکرم ﷺ کے زیادہ مشابہ تھے۔

اور یہ بھی ممکن ہے کہ دونوں میں سے ہر ایک اپنے بعض اعضاء کے اعتبار سے حضور علیہ السلام کے زیادہ مشابہ ہوں۔

امام ترمذی اور ابن حبان نے حضرت ہانی بن ہانی کے واسطے سے حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں حضرت حسن رضی اللہ عنہ سر سے سینے تک اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ اس سے نیچے رسول اکرم ﷺ کے زیادہ مشابہ تھے۔

نبی اکرم ﷺ کے ساتھ کن کن لوگوں کی مشابہت تھی؟

حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہم کے علاوہ جن حضرات کو نبی اکرم ﷺ سے مشابہت تھی ان میں حضرت جعفر بن ابی طالب ہیں نبی اکرم ﷺ نے حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

اشبہت خلقی و خلقی۔ آپ خُلق اور صورت میں میرے مشابہ ہیں۔

(جامع ترمذی رقم الحدیث: ۳۷۶۵' مسند احمد ج ۱ ص ۹۸۔ ج ۴ ص ۲۳۲' السنن الکبریٰ ج ۸ ص ۵' المستدرک ج ۳ ص ۱۲۰' مصنف عبد الرزاق رقم الحدیث: ۲۰۳۹۴' مشکوۃ المصابیح رقم الحدیث: ۳۳۷۷' تفسیر ابن کثیر ج ۶ ص ۳۷۹' المغنی ج ۲ ص ۳۱' مشکل الآثار

ج ۴ ص ۳۷۱ اتحاف السادۃ المتقین ج ۵ ص ۷ ۔ ۳ کنز العمال رقم الحدیث :۳۳۱۹۶ ۔ ۳۶۹۰۶)

ان کے صاحبزادے حضرت عبداللہ بن جعفر' حضرت قثم بن عباس بن عبد المطلب 'ابوسفیان بن حارث بن عبد المطلب ' مسلم بن عقیل بن ابی طالب' سائب بن یزید المطلبی (حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کے جد اعلیٰ) حضرت عبداللہ بن عامر بن کریز' کابس بن ربیعہ (اہل بصرہ میں سے تھے) حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کی طرف توجہ فرمائی ان کی آنکھوں کے درمیان بوسہ دیا اور زمین کا ایک حصہ ان کے لئے مختص کیا حضرت انس رضی اللہ عنہ جب ان (کابس بن ربیعہ) کو دیکھتے تو رو پڑتے تھے۔

یہ دس حضرات ہیں۔ شیخ الاسلام حافظ ابوالفضل بن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے ان کا ذکر نظم کی صورت میں کیا انہوں نے فرمایا:

شبہ النبی لعشر سائب وابی سفیان والحسنین الطاھرین ھما

وجعفر وابنہ ثم ابن عامر ھم ومسلم کابس یتلوہ مع قثما

''دس آدمی نبی اکرم ﷺ کے شبیہ تھے حضرت سائب' ابوسفیان حسنین کریمین' حضرت جعفر اور ان کے صاحبزادے حضرت ابن عامر' حضرت مسلم ان کے بعد حضرت کابس اور حضرت قثم رضی اللہ عنہم''۔

بعض حضرات نے ان کی تعداد ستائیس لکھی ہے۔

نبی اکرم ﷺ سے مشابہت رکھنے والوں میں آپ کی صاحبزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور حضور علیہ السلام کے صاحبزادے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ بھی تھے حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے دو صاحبزادے حضرت عبداللہ (جن کا ذکر پہلے ہو چکا ہے) اور حضرت عون رضی اللہ عنہما اور اہل بیت میں سے ان کے علاوہ حضرات بھی آپ سے مشابہت رکھتے تھے حضرت ابراہیم بن حسین بن حسن بن علی بن ابی طالب (رضی اللہ عنہم) بھی ان میں شامل ہیں۔

اور یحییٰ بن قاسم بن محمد بن جعفر بن علی بن حسین بن علی رضی اللہ عنہم بھی آپ کے شبیہ تھے اور ان کو شبیہ ہی کہا جاتا تھا۔

شریف محمد بن اسعد نسابہ نے ''الزورۃ الانیسہ لمشھد السیدۃ النفیسہ میں'' فرمایا کہ حضرت یحییٰ بن قاسم کے جسم میں مہر نبوت کی جگہ پر کبوتری کے انڈے کے برابر مہر نبوت کی طرح ابھرا ہوا (گوشت) تھا اور جب آپ حمام میں داخل ہوتے اور لوگ آپ کو دیکھتے تو نبی اکرم ﷺ پر درود شریف پڑھتے اور آپ سے تبرک حاصل کرتے تھے آپ کی پیٹھ کی طرف ہجوم کرتے ہوئے بڑھتے اسی لئے آپ کو الشبیہ کہا گیا اور قاسم بن عبداللہ بن محمد بن عقیل بن ابی طالب رضی اللہ عنہم بھی آپ کے شبیہ تھے۔

حضرت علی بن علی بن نجاد بن رفاعہ رفاعی تبع تابعین میں سے مصری بزرگ بھی آپ کے شبیہ تھے۔

اور یہاں مشابہت سے جزوی مشابہت مراد ہے ورنہ آپ کا حسن کامل شریک سے منزہ ہے۔

امام بوصیری رحمہ اللہ نے کیا خوب کہا:

منزہ عن شریک فی محاسنہ فجوھر الحسن فیہ غیر منقسم

''آپ اپنے حسن میں شریک سے منزہ ہیں آپ میں جو جوہر حسن ہے وہ ناقابل تقسیم ہے''۔

جیسا کہ میں (مصنف علیہ الرحمہ) نے تیسرے مقصد میں اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے۔

میں (مصنف) نے اس گفتگو کو کچھ طویل کر دیا لیکن اس کی وجہ یہ تھی کہ میں نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا ذکر کیا کہ انہوں نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو کاندھے پر اٹھایا یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کے بعد جو شخصیت تمام انسانوں میں سے افضل ہے اس نے اہل بیت محمدی کا کس قدر احترام کیا اور ان کو کاندھوں پر بٹھایا خصوصاً آپ کا یہ فرمانا کہ نبی اکرم ﷺ کی قرابت سے صلہ رحمی کرنا مجھے اپنی قرابت کے مقابلے میں زیادہ پسند ہے۔

اور جب اس حدیث میں نبی اکرم ﷺ سے مشابہت کا ذکر تھا تو میں نے اپنے کلام کو اس موضوع میں طول دیا میں نے اپنے اس مجموعہ (کتاب) میں اکثر اس طرح کا طریقہ اختیار کیا لیکن یہ عمل عمدہ فوائد سے خالی نہیں ہے۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا مقام

ایک روایت میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ مجھ سے ہیں اور میں ان سے ہوں حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو اذیت نہ دو اس طرح تم مجھے اذیت دو گے جس نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو گالی دی اس نے مجھے گالی دی۔ یہ حدیث امام بغوی (ابوالقاسم عبداللہ بن محمد بن عبدالعزیز بن المرزبان' حافظ الحدیث متوفی ۳۱۷ھ) رحمہ اللہ نے اپنی معجم میں بیان کی ہے۔

(الاعلام ج ۴ ص ۱۱۹' تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۷۳۷' شذرات الذہب ج ۲ ص ۲۷۵' تاریخ بغداد ج ۱۰ ص ۱۱۱' العبر ج ۲ ص ۱۷۰)

نبی اکرم ﷺ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ بھی فرمایا:

والذی نفسی بیدہ لا یدخل قلب رجل الایمان حتی یحبکم للہ ولرسولہ.

اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے کسی شخص کے دل میں ایمان داخل نہیں ہو سکتا حتیٰ کہ وہ تم لوگوں سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی خاطر محبت کرے۔

پھر فرمایا:

ایھا الناس من آذی عمی فقد آذانی فانما عم الرجل صنو ابیہ.

اے لوگو! جس نے میرے چچا کو اذیت پہنچائی اس نے مجھے اذیت دی بے شک کسی آدمی کا چچا اس کے باپ کا بھائی ہوتا ہے۔

اس حدیث کو امام ترمذی نے روایت کیا اور فرمایا یہ حدیث حسن صحیح ہے اور آپ کا ارشاد گرامی کہ "لا یدخل قلب رجل الایمان حتی یحبکم" (کسی شخص کے دل میں ایمان داخل نہ ہوگا حتیٰ کہ وہ تم سے محبت کرے)۔

میں' حقیقی نجات دینے والے ایمان کی طرف اشارہ ہے اور وہ تصدیق قلبی ہے اور محبت و ایمان کے درمیان اس اعتبار سے رابطہ ہے کہ محبت' محبوب کی طرف دل کے میلان کا نام ہے اور ایمان تصدیق قلبی ہے پس یہ دونوں باتیں دل میں جمع ہوتی ہیں اور ان دونوں کو لازم قرار دیا گیا لہٰذا ایک کی نفی سے دوسرے کی نفی لازم آتی ہے۔

پھر اس محبت کے بارے میں بتایا کہ یہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے لئے ہو لہٰذا کسی اور کی خاطر محبت کا اعتبار نہ ہوگا پھر ان کی اذیت کو اپنی تکلیف قرار دیا کیونکہ آپ ان کے عضو اور قریبی رشتہ دار ہیں پھر ان کے مقام کی عظمت یوں بیان کی کہ باپ کے قائم مقام قرار دیا تو جس طرح اولاد پر باپ کی تعظیم اور اس کے حقوق کی ادائیگی لازم ہے اسی طرح چچا کا معاملہ بھی ہے تو آپ نے فرمایا کسی شخص کا چچا باپ کے قائم مقام ہوتا ہے۔("وانما عم الرجل صنو ابیہ" کے الفاظ ارشاد فرمائے) اور یہ صاد کے کسرہ اور نون کے سکون سے ہے یعنی باپ کی مثل ہے۔

ابن اثیر نے کہا کہ اس (صیغہ) کی اصل یہ ہے کہ ایک جڑ سے دو درخت اُگیں آپ کی مراد یہ تھی کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور آپ کے والد ماجد کی اصل ایک ہے۔

نبی اکرم ﷺ نے حضرت عباس اور ان کے صاحبزادوں رضی اللہ عنہم کو ایک چادر کے نیچے لے کر فرمایا:

اللھم اغفر للعباس وولدہ مغفرۃ ظاھرۃ وباطنۃ لا تغادر ذنبا اللھم احفظہ فی ولدہ.	یا اللہ! حضرت عباس اور ان کی اولاد (رضی اللہ عنہم) کو ظاہری اور باطنی طور پر بخش دے کہ کوئی گناہ نہ چھوڑے یا اللہ! ان کی اولاد میں ان کی حفاظت فرما۔

(جامع ترمذی رقم الحدیث:۳۷۶۲' مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث:۶۱۳۹' جمع الجوامع رقم الحدیث: ۹۷۶۸' کنز العمال رقم الحدیث:۳۳۴۴۳)

اس حدیث کو امام ترمذی رحمہ اللہ نے روایت کیا اور فرمایا یہ حسن غریب ہے۔

ابن السری نے اپنی روایت میں بیان کیا کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے وہ صاحبزادے جن کو چادر کے ساتھ ڈھانپا گیا' چھ تھے حضرت فضل' حضرت عبداللہ' حضرت عبیداللہ' حضرت قثم' حضرت معبد اور حضرت عبدالرحمٰن (رضی اللہ عنہم) وہ فرماتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے ان کو ایسی چادر سے ڈھانپا جو سیاہ رنگ کی تھی اور اس میں سرخ دھاریاں تھیں اور آپ نے فرمایا:

اللھم ان ھولاء اھل بیتی وعترتی فاسترھم من النار کستری ھم بھذہ الشملۃ.	یا اللہ! یہ میرے اہل بیت اور میری اولاد ہیں پس ان کو آگ سے اس طرح ڈھانپ لے جس طرح اس چادر میں ان کو ڈھانپا گیا۔

پس گھر میں ہر ڈھیلے اور دروازے نے آمین کہی۔

حضرت عقیل اور ابوسفیان رضی اللہ عنہما کا مقام

ایک روایت میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے حضرت عقیل بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

انی احبک حبین حبا لقرابتک منی و حبا لما کنت اعلم من حب عمی لک. (کنز العمال رقم الحدیث:۳۳۶۱۸)	میں تم سے دو بار محبت کرتا ہوں ایک محبت اس بنیاد پر کہ تم میرے قرابت دار ہو اور دوسری محبت اس لئے کہ مجھے معلوم ہے کہ میرے چچا (ابوطالب دوسری اولاد کی نسبت)

تم سے (زیادہ) محبت کرتے تھے۔

طبری نے کہا کہ یہ حدیث ابوعمر (بن عبدالبر) اور بغوی نے نقل کی ہے اور دارقطنی نے روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے غزوۂ حنین کے دن فرمایا:

ابو سفیان بن الحارث (بن عبد المطلب) خیر اهلی او من خیر اهلی۔ ابوسفیان بن حارث (بن عبدالمطلب) میرے اہل میں یا فرمایا میرے اہل میں سے بہترین ہیں۔

آل بیت کے بارے میں اصطلاحات

امام حاکم نے حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث نقل کی اور اسے صحیح قرار دیا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

لا یبغضنا اهل البیت احد الا ادخله الله النار۔ اے اہل بیت! ہم سے جو بھی بغض رکھے گا اللہ تعالیٰ اسے جہنم میں داخل کرے گا۔

(المستدرک ج ۳ ص ۱۵۰ مجمع الزوائد ج ۷ ص ۲۹۶ کنز العمال رقم الحدیث: ۳۴۲۰۳)

آل بیت کے لئے چار الفاظ کا استعمال مشہور ہے۔ جن سے وہ موصوف ہیں۔

۱۔ آله علیه الصلٰوة والسلام
۲۔ اهل بیة
۳۔ ذوی القربیٰ
۴۔ عترته

جہاں تک پہلے لفظ کا تعلق ہے تو ایک جماعت کا مذہب یہ ہے کہ یہی لوگ آپ کے اہل بیت ہیں اور دوسرے حضرات نے فرمایا ان ہی لوگوں پر صدقہ حرام ہے اور اس کے بدلے میں ان کو خمس کا خمس دیا گیا' ایک اور جماعت نے کہا کہ جو لوگ نبی اکرم ﷺ کا دین اختیار کر کے آپ کی اتباع کریں وہی آپ کے آل ہیں۔

دوسرا لفظ آپ کے اہل بیت کے لئے ہی استعمال ہوتا ہے پس کہا گیا ہے کہ جو لوگ آپ کے قریب کے دادا کی طرف منسوب ہیں وہ لوگ آپ کے اہل بیت ہیں یہ بھی کہا گیا کہ جو لوگ آپ کے ساتھ رحم میں شریک ہیں اور ایک قول کے مطابق جو حضرات نسب یا سبب سے آپ کے ساتھ اتصال رکھتے ہیں وہ لوگ آپ کے اہل بیت ہیں۔

اور تیسرا لفظ یعنی ذوی القربیٰ کے بارے میں واحدی نے اپنی سند سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی:

قُلْ لَّآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَیْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِی الْقُرْبٰى۔ (الشوریٰ: ۲۳) آپ فرما دیجئے میں تم سے اس (تبلیغ دین) پر قرابت داروں کی محبت کے علاوہ کسی چیز کا سوال نہیں کرتا۔

تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھا یا رسول اللہ! وہ کون لوگ ہیں جن سے محبت کا اللہ تعالیٰ نے ہمیں حکم دیا ہے؟

آپ نے فرمایا حضرت علی المرتضیٰ حضرت فاطمۃ الزہراء اور ان کے دونوں صاحبزادے۔[1]

---

[1] حضرت حسن و حسین رضی اللہ عنہما جو عنقریب پیدا ہوں گے کفار کے شر کو دور کرنے کے لئے حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ میں قرآن مجید دین اور اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت کے بدلے میں تم سے اور کچھ نہیں مانگتا میرے ساتھ جو تمہاری قرابت ہے اس کی وجہ سے مجھ سے محبت کرو اور مجھے اذیت نہ دو۔ (زرقانی ج ۷ ص ۲۰)

اور چوتھے لفظ "عترۃ" کے بارے میں کہا گیا کہ اس سے قبیلہ مراد ہے اور ایک قول کے مطابق ذریت (اولاد) مراد ہے جہاں تک خاندان کا تعلق ہے تو یہ وہی اہل ہیں جن کا ذکر ہو چکا ہے اور ذریت سے کسی شخص کی نسل مراد ہوتی ہے اور کسی آدمی کی بیٹی کی اولاد اس کی ذریت ہوتی ہے اور اس پر یہ ارشاد باری تعالیٰ دلالت کرتا ہے:

وَمِنْ ذُرِّيَّتِهٖ دَاوٗدَ وَ سُلَيْمٰنَ وَ اَيُّوْبَ وَ يُوْسُفَ وَ مُوْسٰى وَ هٰرُوْنَ وَ كَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ ۝ وَ زَكَرِيَّا وَ يَحْيٰى وَ عِيْسٰى وَاِلْيَاسَ كُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ (الانعام: ۸۴-۸۵)

اور اس کی اولاد میں سے داؤد اور سلیمان اور ایوب اور یوسف اور موسیٰ اور ہارون کو اور ہم ایسا ہی بدلہ دیتے ہیں نیکو کاروں کو اور زکریا اور یحیٰی اور عیسیٰ اور الیاس کو یہ سب ہمارے قرب کے لائق ہیں۔

اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا حضرت ابراہیم علیہ السلام سے اتصال اپنی ماں حضرت مریم علیہا السلام کے واسطے سے ہے۔ (کیونکہ آپ بغیر باپ کے پیدا ہوئے تو ماں کی وجہ سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ذریت کہلائے)۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی اولاد اور سبز لباس

یہ پاکیزہ اولاد کچھ مزید اعزازات سے خاص کی گئی اور حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے واسطہ سے دوسروں کے مقابلے میں زائد فضیلت سے مختص ہوئے ان کو شرافت کی چادر پہنائی گئی اور وہ مزید اکرام اور تحفوں سے نوازے گئے۔

شرف والے لوگوں کے درمیان ان کے اختصاص کی اصطلاح بن گئی جس طرح عباسی (حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی اولاد) جعافرہ (حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی اولاد) کہ وہ اپنے مزید شرف کی وجہ سے "الخضراء" کہلاتے جیسا کہ کہا گیا ہے اس کا سبب یہ تھا کہ مامون نے خلافت کو حضرت خاتون جنت رضی اللہ عنہا کی اولاد میں منتقل کرنے کا ارادہ کیا تو ان کیلئے ایک نشانی بنائی اور ان کو سبز لباس پہنایا تاکہ سیاہ لباس عباسیوں کا شعار (علامت) ہو اور سفید لباس عام مسلمانوں کی علامت ہو۔ (الاعلام ج ۳ ص ۱۴۲ تاریخ بغداد ج ۱۰ ص ۱۸۳ فوات الوفیات ج ۲ ص ۲۳۵)

اور سرخ لباس کی کراہت (اور حرمت و جواز میں اختلاف ہے) زرد رنگ کا لباس آخر میں یہودیوں کی علامت بن گیا۔

اس کے بعد مامون نے یہ ارادہ بدل دیا اور خلافت بنو عباس کی طرف لوٹا دی لیکن یہ نشانی حضرت خاتون جنت کی اولاد میں سے علویوں کے لئے باقی رہی البتہ انہوں نے اس لباس کو مختصر کر دیا اور سبز کپڑے کا ایک ٹکڑا ان کی دستاروں پر بطور علامت رکھا جاتا لیکن آٹھویں صدی کے آخر میں یہ بھی ختم ہو گیا۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ کی کتاب "انباء الغمر بابناء العمر" میں سات سو تہتر ۷۷۳ھ کے واقعات کے ذکر میں فرمایا کہ سلطان اشرف نے حکم دیا کہ وہ دوسرے لوگوں سے یوں ممتاز ہوں کہ ان کی دستاروں پر سبز پٹیاں ہوں پس یہ کام مصر اور شام وغیرہ میں کیا گیا اسی سلسلے میں ادیب ابو عبداللہ بن جابر اندلسی نے کہا:

جعلوا لابناء الرسول علامة ان العلامة شان من لم يشهر

نور النبوة في كريم وجوههم يغني الشريف عن الطراز الاخضر

"ان لوگوں نے رسول اکرم ﷺ کی اولاد کے لئے ایک علامت مقرر کی لیکن علامت ان لوگوں کے

لئے ہوتی ہے جو مشہور نہ ہوں ان کے عزت والے چہروں میں نور نبوت نے سبز لباس سے شرف وعزت والوں کو بے نیاز کر دیا"۔

اور ادیب شمس الدین دمشقی نے کہا:

اطراف تیجان اتت من سندس خضر باعلام علی الاشراف

والا شرف السلطان خصھم بھا شرفا لیفرقھم من الاطراف

"ریشمی چادروں کے سبز کنارے اشراف کی علامت بنی اور اشرف سلطان (شعبان بن حسن بن ناصر محمد بن قلاوون) نے ان لوگوں کو اس نشانی کے ساتھ خاص کیا کہ ان کو یہ شرف حاصل ہو اور وہ ممتاز ہوں"۔ (الاعلام ج ۳ ص ۱۶۳ الدرر الکامنہ ج ۲ ص ۱۹۰)

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی محبت

اللہ تعالیٰ نے ان کی تعریف فرمائی

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ. (الفتح:۲۹)

حضرت محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور وہ لوگ جو ان کے ساتھ ہیں وہ کفار پر سخت اور باہم رحم دل رہیں۔

سورت کے آخر تک فضائل صحابہ بیان ہوئے۔

جب اللہ تعالیٰ نے اس بات کی خبر دی کہ ہمارے سردار حضرت محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں اور اس بات میں کوئی شک نہیں تو فرمایا "محمد رسول اللہ" یہ مبتدا اور خبر ہے اور امام بیضاوی وغیرہ رحمہم اللہ نے فرمایا کہ یہ جملہ مبینہ ہے مشہود بہ کو بیان کرتا ہے اس (مشہود بہ) سے مراد یہ آیت کریمہ ہے:

هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ○ (الفتح:۲۸)

وہی ذات ہے جس نے اپنے رسول ﷺ کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا تا کہ اس (دین حق) کو تمام ادیان پر غالب کر دے اور اللہ تعالیٰ کی شہادت کافی ہے۔

امام بیضاوی رحمہ اللہ نے فرمایا یہ بھی جائز ہے کہ "رسول اللہ" صفت ہو اور اسم گرامی "محمد" مبتدا محذوف (ھو) کی خبر ہو۔

یہ آیت ہر اچھے وصف پر مشتمل ہے۔

پھر آپ کے صحابہ کرام کی تعریف میں فرمایا:

وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ.

اور آپ کے ساتھی (صحابہ کرام) کفار پر بہت سخت ہے۔

جیسا کہ فرمایا:

فَسَوْفَ يَأْتِي اللَّهُ بِقَوْمٍ يُحِبُّهُمْ وَ يُحِبُّونَهٗ أَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ أَعِزَّةٍ عَلَى الْكَافِرِيْنَ. (المائدہ:۵۴)

پس عنقریب اللہ تعالیٰ ایسی قوم کولائے گا جن سے وہ محبت کرتا ہے اور وہ اس سے محبت کرتے ہیں وہ مومنوں کے لئے نرم اور کافروں پر سخت ہیں۔

تو اللہ تعالیٰ نے ان کی صفت کفار پر سختی اور مسلمانوں کے لئے رحمت بیان فرمائی پھر ان کی تعریف میں فرمایا وہ نہایت خلوص سے نیک اعمال کرتے ہیں پس جو شخص ان کو دیکھے گا وہ ان کے وقار اور سیرت کو پسند کرے گا جس کی بنیاد ان کی نیتوں کا خلوص اور اعمال کا اچھا ہونا ہے۔

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ جن صحابہ کرام نے شام کو فتح کیا جب عیسائی ان کو دیکھتے تو کہتے۔

اللہ کی قسم! یہ لوگ ان حواریوں (حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھیوں) سے بہتر ہیں جن کی خبر ہمیں پہنچی ہے۔ ان عیسائیوں نے سچ کہا کیونکہ اس امت محمدیہ خصوصاً صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ذکر کتب الٰہیہ میں نہایت عظمت کے ساتھ ہوا جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے:

ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرَاةِ وَ مَثَلُهُمْ فِي الْإِنْجِيْلِ كَزَرْعٍ أَخْرَجَ شَطْأَهٗ فَآزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ. (الفتح:۲۹)

ان کی صفت توریت میں ہے اور ان کی صفت انجیل میں جیسے ایک کھیتی اس نے اپنا پٹھا نکالا پھر اسے طاقت دی پھر دبیز ہوئی پھر اپنی ساق (تنے) پر کھڑی ہوئی کسانوں کو بھلی لگتی ہے تا کہ ان سے کافروں کے دل جلیں۔

شطاہ' اس کا پٹھا۔ فآزرہ' اس کو سخت اور مضبوط کیا۔ فاستغلظ' دبیز ہو کر لمبی ہوئی۔ فاستوی علی سوقہ یعجب الزراع' اس کا سخت و مضبوط ہونا اور حسن منظر کسان کو اچھا لگتا اسی طرح حضرت محمد ﷺ کے صحابہ کرام میں انہوں نے آپ کو قوت دی' مضبوط کیا' مدد کی تو وہ آپ کے ساتھ اسی طرح ہیں جس طرح کسان کے لئے پودا ہوتا ہے اور اس کا مقصد یہ ہے کہ کفار کو غصہ آئے اور جل جائیں۔

حضرت امام مالک رحمہ اللہ سے ایک روایت میں مروی ہے کہ آپ نے اس آیت کریمہ کی روشنی میں ان شیعہ کی تکفیر فرمائی ہے جو صحابہ کرام سے بغض رکھتے ہیں انہوں نے فرمایا کہ ان (شیعہ) کو صحابہ کرام پر غصہ آتا ہے اور جسے صحابہ کرام پر غصہ آئے وہ کافر ہے۔ ایک جماعت نے اس فتویٰ میں ان کی موافقت کی ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے فضائل میں بے شمار احادیث مروی ہیں اور اللہ تعالیٰ کا ان کی تعریف کرنا اور ان سے راضی ہونا کافی ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان سے مغفرت اور بہت بڑے اجر کا وعدہ فرمایا اور اللہ تعالیٰ کا وعدہ حق اور سچا ہے اس کے خلاف نہیں ہوتا اور اس کے کلمات کو کوئی بدلنے والا بھی نہیں ہے اور وہ سننے جاننے والا ہے۔

اور آیت کریمہ "وعد الله الذين امنوا وعملوا الصالحات منهم مغفرة واجرا عظيما" میں لفظ من (منہم میں من) بیان جنس کے لئے ہے (یہ مطلب نہیں کہ بعض کا ذکر ہے)۔

صحابی کی تعریف

صحابی کی تعریف میں اختلاف ہے۔

یہ بھی کہا گیا کہ جس مسلمان نے نبی اکرم ﷺ کی صحبت اختیار کی اور آپ کی زیارت کی وہ صحابی ہے امام بخاری رحمہ اللہ کا بھی یہی موقف ہے اور شیخ ابن مدینی (علی بن عبدالبر بن جعفر المدینی بصری) نے اسی کی طرف سبقت کی اور جیسا کہ ہمارے شیخ (امام سخاوی رحمہ اللہ) نے فرمایا ان کا قول یہ ہے:

من صحب النبی ﷺ اوراہ ولو ساعة من نہار فھو من اصحابہ.

جس شخص نے نبی اکرم ﷺ کی صحبت اختیار کی یا آپ کو دیکھا چاہے دن کی ایک ساعت ہو وہ آپ کے صحابہ کرام میں سے ہے۔

یہ راجح قول ہے۔

(الاعلام ج ۴ ص ۳۰۳' تاریخ بغداد ج ۱۱ ص ۴۵۸' مفتاح السعادۃ ج ۲ ص ۱۶۳' تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۴۲۸' شذرات الذہب ج ۲ ص ۸۱)

اور اسلام کی قید سے کفار نکل جائیں گے جنہوں نے آپ کی صحبت اختیار کی یا آپ کو دیکھا اگرچہ وہ آپ کے وصال کے بعد اسلام قبول کرے۔

لیکن اس تعریف پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ جو شخص آپ کی مجلس اختیار کرے یا آپ کی زیارت کرے اور وہ مومن ہو پھر اس کے بعد مرتد ہو جائے اور اسلام کی طرف نہ لوٹے جیسا کہ عبیداللہ بن جحش تو وہ بالاتفاق صحابی نہیں ہے۔ [1]

(السیرۃ النبویۃ لابن ہشام ج ۴ ص ۶' الاصابہ ج ۱ ص ۵)

اسی طرح ابن خطل [2] (السیرۃ النبویۃ لابن ہشام ج ۴ ص ۵۲) اور ربیع بن امیہ بن خلف جمحی کا معاملہ ہے ربیعہ فتح مکہ کے دن اسلام لانے والوں میں سے تھا حجۃ الوداع میں شریک ہوا اور نبی اکرم ﷺ کے وصال کے بعد آپ سے حدیث روایت کی۔ [3] پھر وہ ذلیل و رسوا ہوا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا دور تھا وہ کسی بات پر غصے میں آیا اور روم چلا گیا وہاں جا کر عیسائی بن گیا۔ [4] (راجع ج ۲ ص ۲۲۳)

---

[1] عبیداللہ بن جحش نے اسلام قبول کیا اور حبشہ کی طرف ہجرت کی پھر عیسائیت قبول کرلی اور اسی حالت میں مر گیا۔

[2] ابن خطل نے اسلام قبول کیا پہلے اس کا نام عبدالعزیٰ بن خطل تھا اسلام میں عبداللہ نام رکھا گیا نبی اکرم ﷺ نے اسے صدقہ لینے بھیجا تو اس کا جو غلام خدمت گار کے طور پر تھا اس نے اسے قتل کیا اور مرتد ہو گیا اور اس نے دو لونڈیاں حاصل کیں جو نبی اکرم ﷺ کی توہین پر مبنی گانے گاتی تھیں فتح مکہ کے دن اسے خانہ کعبہ کے پردوں کے پاس قتل کیا گیا۔

[3] اس نے یہ حدیث روایت کی کہ نبی اکرم ﷺ عرفات میں ٹھہرے ہوئے تھے تو میں آپ کی سواری کی چھاتی کے نیچے تھا آپ کی آواز بلند تھی۔ آپ نے فرمایا اے ربیع اعلان کرو کہ اے لوگو! اللہ کے رسول ﷺ تم سے پوچھتے ہیں کیا تم جانتے ہو کہ یہ کونسا شہر ہے۔ (زرقانی ج ۷ ص ۲۴)

[4] الاصابہ میں ہے کہ ربیعہ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں شراب پی پھر بھاگ کر شام چلا گیا پھر قیصر کے پاس گیا اور عیسائی بن گیا اور بالآخر اسی حالت میں مر گیا۔ عبدالرزاق اور نسائی نے بیان کیا کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اسے ملک بدر کیا وہ عیسائی بن کر رومی بادشاہ کے پاس چلا گیا اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا آئندہ میں کسی کو ملک بدر نہیں کروں گا۔

امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں اس سے ایک حدیث بھی نقل کی ہے لیکن یہ نقل مشکل ہے شاید امام احمد اس کے مرتد ہونے پر مطلع نہ ہوئے۔

تو مناسب یہ ہے کہ صحابی کی تعریف میں یہ اضافہ کیا جائے کہ وہ شخص حالت اسلام پر ہی دنیا سے رخصت ہو۔

اگر مرتد ہو جائے پھر اسلام کی طرف لوٹ آئے لیکن دوبارہ نبی اکرم ﷺ کی زیارت نہ کر سکے تو صحیح یہ ہے کہ وہ صحابہ کرام میں شامل ہوگا۔ (احناف کے نزدیک وہ صحابہ کرام میں شامل نہیں ہوگا یہ شافعی فقہ کے مطابق ہے)۔

کیونکہ محدثین نے بالاتفاق اشعث بن قیس وغیرہ کو صحابی شمار کیا اور ان لوگوں سے اپنی مسانید میں احادیث روایت کی ہیں۔

لیکن حافظ زین الدین عراقی نے فرمایا کہ یہ بات بہت زیادہ محل نظر ہے کیونکہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک مرتد ہونا اعمال کو ضائع کر دیتا ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ''الام'' میں یہی فرمایا ہے۔

اگرچہ (امام شافعی رحمہ اللہ سے) امام رافعی نے نقل کیا کہ اعمال اس صورت میں ضائع ہوتے ہیں جب ارتداد اس کی موت سے متصل ہو اس وقت ظاہر ہے کہ ارتداد پہلی صحبت کو ضائع کر دیتا ہے لیکن جو شخص نبی اکرم ﷺ کی حیات طیبہ میں اسلام کی طرف لوٹ آئے جس طرح عبداللہ بن ابی سرح تو اس کے دوبارہ اسلام میں داخل ہونے کی وجہ سے صحابیت کا شرف حاصل کرنے میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔

کیا نبی اکرم ﷺ کی زیارت کرنے والے کے لئے شرط یہ ہے کہ وہ دیکھ کر امتیاز بھی کر سکے یا محض دیکھنا کافی ہے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا یہ بات محل نظر ہے اور صحابہ کرام کے بارے میں کتب تصنیف کی ہیں ان کا عمل دوسری بات پر دلالت کرتا ہے (یعنی محض دیکھنا کافی ہے) انہوں نے حضرت محمد بن ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہما کی مثال ذکر کی کہ وہ نبی اکرم ﷺ کے وصال سے تین دن پہلے پیدا ہوئے جیسا کہ ثابت ہے کہ ان کی والدہ حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا نے حجۃ الوداع کے موقع پر مکہ مکرمہ میں داخل ہونے سے پہلے ان کو جنم دیا اور یہ ذی قعدہ ۱۰ھ کے آخر کی بات ہے۔

اور ان میں سے بعض نے مبالغہ سے کام لیا چنانچہ وہ ان ہی لوگوں کو صحابہ کرام میں شمار کرتے تھے جنہوں نے عرفی صحبت اختیار کی۔ (ملاقات وغیرہ) حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ صحابہ کرام میں ان ہی لوگوں کو شمار کرتے تھے جو نبی اکرم ﷺ کے ساتھ ایک سال یا اس سے زیادہ عرصہ رہے ہیں یا آپ کے ساتھ ایک یا زیادہ غزوات میں شریک ہوئے اور عمل اس قول کے خلاف پر ہے۔

ان میں سے بعض نے یہ شرط رکھی ہے کہ بلوغت کی حالت میں نبی اکرم ﷺ کے ساتھ اجتماع ہو لیکن یہ قول بھی مردود ہے کیونکہ اس طرح حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما اور دیگر نوعمر صحابہ کرام صحابیت سے خارج ہو جائیں گے۔

جہاں تک زیارت کی قید کا تعلق ہے تو اس سے مراد یہ ہے کہ جب اس سلسلے میں کوئی رکاوٹ نہ ہو اگر رکاوٹ ہو جس طرح حضرت ابن مکتوم رضی اللہ عنہ نابینا تھے تو وہ قطعی طور پر صحابہ ہیں پس زیادہ بہتر یہ ہے کہ زیارت کی بجائے ملاقات کی

قید لگائی جائے تاکہ حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ بھی اس میں داخل ہو جائیں۔

حافظ زین الدین العراقی نے فرمایا کہ ان کا قول ''جو شخص نبی اکرم ﷺ کی زیارت کرے'' سے کیا آپ کو حالت نبوت میں دیکھنا مراد ہے یا یہ بات اس سے عام ہے تاکہ وہ بھی داخل ہو سکیں جنہوں نے آپ کو (اعلان) نبوت سے پہلے دیکھا اور وہ اعلان نبوت سے پہلے دین حنفیہ (دین ابراہیمی) پر انتقال کر گئے جس طرح حضرت زید بن عمرو بن نفیل ہیں' نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

انہ یبعث امۃ وحدہ. وہ تنہا ایک امت کی شکل میں اٹھائے جائیں گے۔

ابو عبداللہ بن مندہ نے ان کو صحابہ کرام میں ذکر کیا ہے اسی طرح جس نے آپ کو اعلان نبوت سے پہلے دیکھا پھر وہ غائب رہا اور بعثت نبوی کے زمانہ تک زندہ رہا پھر اسلام لایا اس کے بعد اس کا انتقال ہوا اور اس نے نبی اکرم ﷺ کو نہیں دیکھا۔ میں نے کسی کو نہیں دیکھا کہ اس نے اس قسم کے لوگوں کا مسئلہ چھیڑا ہو اور یہ اس بات پر دلالت ہے کہ نبوت کے بعد آپ کو دیکھا ہو (تو وہ صحابی ہے) کیونکہ محدثین نے نبی اکرم ﷺ کے ان صاحبزادوں کو جو نبوت کے بعد پیدا ہوئے جیسے حضرت ابراہیم اور حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہما صحابہ کرام میں شمار کیا لیکن جو نبوت سے پہلے پیدا ہوئے اور انتقال کر گئے جیسے حضرت قاسم رضی اللہ عنہ' ان کو صحابہ کرام میں شمار نہیں کیا۔

اور کیا یہ ساری باتیں انسانوں سے خاص ہیں یا ان کے علاوہ عقل والوں کو بھی شامل ہیں تو یہ بات محل نظر ہے۔

جہاں تک جنوں کا تعلق ہے تو راجح بات یہ ہے کہ وہ صحابہ کرام میں داخل ہیں کیونکہ نبی اکرم ﷺ کو ان کی طرف مبعوث کیا گیا یہ قطعی بات ہے اور وہ مکلف بھی ہیں ان میں نافرمان بھی ہیں اور اطاعت گزار بھی' پس ان میں سے جس کا نام معلوم ہو تو اسے صحابہ کرام میں شمار کرنے میں کوئی تردد مناسب نہیں ہے۔

ابن اثیر نے اس سلسلے میں ابوموسیٰ مدینی پر عیب لگایا لیکن اس سلسلے میں کوئی دلیل نہیں دی۔ [1]

جہاں تک ملائکہ کا تعلق ہے تو اس سلسلے میں خاموشی اختیار کی جائے جب تک ان کی طرف بعثت ثابت نہ ہو کیونکہ اس میں اصولیوں کا اختلاف ہے حتیٰ کہ بعض نے اس کے ثبوت پر اجماع نقل کیا اور بعض نے اس کے برعکس کہا۔

یہ سب باتیں اس شخص کے بارے میں ہیں جس نے آپ کو آپ کی دنیوی زندگی میں دیکھا ہو جس نے آپ کو آپ کے وصال کے بعد لیکن دفن ہونے سے پہلے دیکھا (جس طرح ابوذویب ہذلی شاعر ہے) تو راجح قول یہ ہے کہ وہ صحابی نہیں ہے ورنہ جس کے بارے میں اس بات پر اتفاق ہوتا کہ اس نے آپ کے جسم اقدس کو قبر انور میں دیکھا ہے اسے صحابہ کرام میں شمار کیا جاتا۔ (الاصابہ ج ۳ ص ۲۱۰' ترجمۃ الشماخ رقم الحدیث: ۳۹۱۳)

اسی طرح اولیاء کرام میں سے جو کشف کے ذریعے بطور کرامت آپ کی زیارت کرے اس کا بھی یہی حکم ہے اور یہ بحث چوتھے مقصد میں نبی اکرم ﷺ کی خصوصیات کے ضمن میں گزر چکی ہے۔

قبر انور میں زیارت کرنے والے کی صحابیت کے قائلین کی دلیل یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی حیات طیبہ جاری و ساری ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ دنیوی زندگی نہیں ہے بلکہ یہ اخروی زندگی ہے جس کے ساتھ احکام دنیا متعلق نہیں ہوتے۔

---

[1] ابن حزم نے کہا اللہ تعالیٰ نے ہمیں بتایا کہ کئی جن ایمان لائے اور انہوں نے نبی اکرم ﷺ سے قرآن مجید سنا پس وہ فضیلت والے صحابہ ہیں۔ (زرقانی ج ۷ ص ۲۸)

اور جو شخص آپ کو خواب میں دیکھے اور اس نے واقعی آپ کو دیکھا ہے تو یہ امور معنویہ کی بات ہے دنیوی احکام نہیں ہیں اس لئے وہ صحابی شمار نہیں ہوگا اور اس حالت میں آپ جو حکم دیں اس پر عمل واجب نہیں ہوگا۔

صحابۂ کرام مخلوق میں سے بہترین ہیں

پہلے اور پچھلے تمام جمہور علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ صحابہ کرام اللہ تعالیٰ کی بہترین مخلوق ہیں اور انبیاء کرام نیز خاص مقرب فرشتوں کے بعد سب سے افضل ہیں کیونکہ صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

خیر القرون قرنی ثم الذین یلونهم ثم الذین یلونهم.

سب سے بہترین زمانہ میرا زمانہ ہے پھر ان لوگوں کا زمانہ جو ان (میرے زمانے کے لوگوں) سے ملے ہوئے ہیں پھر وہ جو ان سے متصل ہیں۔

صحیح بخاری میں ہی حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

خیر امتی قرنی ثم الذین یلونهم ثم الذین یلونهم.

میری امت کے سب سے بہتر لوگ میرے زمانے کے لوگ ہیں پھر وہ جو ان سے متصل ہیں پھر وہ جو ان سے متصل ہیں۔

حضرت عمران رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نہیں جانتا کہ آپ نے اپنے زمانے (کے ذکر) کے بعد دو مرتبہ فرمایا یا تین بار ذکر کیا۔

"فتح الباری میں ہے کہ" ایک زمانے کے لوگ جو قریب قریب ہوں ان کو قرن کہا جاتا ہے یہ لوگ مقصودی امور میں سے کسی ایک بات میں باہم شریک ہوتے ہیں اور زمانے کی ایک مدت پر اس کا اطلاق ہوتا ہے لیکن اس کی حد بندی میں اختلاف ہے دس سال سے ایک سو بیس سال تک بیان کی گئی ہے لیکن میں نے کسی ایک شخص کو نہیں دیکھا جس نے نوے سال یا ایک سو دس کی تصریح کی ہو۔ اور اس کے علاوہ کا کوئی نہ کوئی قائل ہے۔

صاحب محکم نے کہا کہ زمانے والوں کی عمروں کی درمیانی مقدار ہے اور یہ سب سے مناسب قول ہے۔

اور اس حدیث میں نبی اکرم ﷺ کے قرن سے صحابہ کرام مراد ہیں اور مقصد اول کے شروع میں یہ حدیث گزر چکی ہے کہ آپ نے فرمایا:

بعثت من خیر قرون بنی آدم.

مجھے انسانوں کے بہترین زمانے یعنی بہترین لوگوں میں مبعوث کیا گیا۔

امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

خیر هذه الامة القرن الذی بعثت فیهم.

اس امت کے سب سے بہتر لوگ وہ ہیں جن میں مجھے مبعوث کیا گیا۔

آخری انتقال کرنے والے صحابی

حفاظ ائمہ نے لکھا ہے کہ صحابہ کرام میں سے سب سے آخر میں انتقال کرنے والے صحابی جن پر سب کا اتفاق ہے اور کوئی اختلاف نہیں وہ ابوالطفیل عامر بن واثلہ لیثی ہیں جس طرح امام مسلم رحمہ اللہ نے اس بات کو یقینی قرار دیا۔

صحیح قول کے مطابق ان کا وصال ۱۰۰ھ میں ہوا ایک قول کے مطابق ۱۰۷ھ میں اور ایک دوسرے قول کے مطابق ۱۱۰ھ میں انتقال فرمایا امام ذہبی نے اسی (آخری) قول کو صحیح قرار دیا اور یہ قول نبی اکرم ﷺ کے اس ارشاد کے مطابق ہے جو آپ نے وصال سے ایک مہینہ پہلے فرمایا:

علی رأسة مائة سنة لا یبقی علی وجه الارض ممن هو علیها الیوم احد.

ایک سو سال کے بعد روئے زمین پر ان لوگوں میں سے کوئی ایک بھی باقی نہیں رہے گا جو اس وقت موجود ہیں۔

''صحیح مسلم کی'' ایک روایت میں ہے آپ نے فرمایا:

ارایتکم لیلتکم هذه فانه لیس من نفس منفوسة تاتی علیها مائة سنة.

کیا تم اپنی اس رات کو دیکھتے ہو کسی زندہ نفس پر سوواں سال نہیں آئے گا۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۱۷-۲۱۸-۲۱۹ جامع ترمذی رقم الحدیث: ۲۲۵۱ مسند احمد ج ۱ ص ۹۳ - ج ۳ ص ۳۳۵)

اور یہ جو ذکر کیا کہ حضرت عکراش بن ذویب جنگ جمل کے بعد ایک سو سال تک زندہ رہے تو یہ بات صحیح نہیں ہے اور اگر صحیح ہو تو اس کا معنیٰ یہ ہوگا کہ جنگ جمل کے بعد ان کے سو سال پورے ہوئے یہ مطلب نہیں کہ اس جنگ کے بعد وہ سو سال باقی رہے۔ جس طرح ائمہ حدیث نے بیان کیا ہے۔

اور وہ جو بابا رتن [1] وغیرہ کے بارے میں ذکر کیا گیا ہے تو جس شخص کے پاس تھوڑی سی عقل بھی ہے وہ اس بات کو تسلیم نہیں کرتا اور گرد و نواح کے لوگوں میں سے جس صحابی کا وصال آخر میں ہوا تو ابن مندہ نے اس سلسلے میں کتاب لکھی ہے۔

مجموعی فضیلت ہے یا افراد کی فضیلت ہے؟

نبی اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ''ثم الذین یلونهم'' سے مراد تابعین ہیں جو اس قرن والوں سے ملے ہوئے ہیں اس کے بعد ''ثم الذین یلونهم'' میں تبع تابعین کا ذکر ہے اور اس حدیث کا تقاضا یہ ہے کہ صحابہ کرام تابعین سے افضل ہیں اور تابعین تبع تابعین سے افضل ہیں لیکن یہ فضیلت جماعتی اعتبار سے ہے یا افراد کے حوالے سے؟

ابن عبدالبر پہلے قول کے قائل ہیں جیسا کہ چوتھے مقصد میں اس امت کے خصائص کے سلسلے میں یہ بات گزر چکی ہے اور انہوں نے اس گذشتہ گفتگو کے علاوہ اس حدیث سے بھی استدلال کیا ہے کہ آپ نے فرمایا:

[1] امام ذہبی نے اپنی ''تجرید'' میں فرمایا کہ رتن ہندی ایک شیخ چھ سو سال بعد مشرق میں ظاہر ہوا اور اس نے صحابیت کا دعویٰ کیا اور جاہلوں نے اس سے سنا یہ کہ اس کا کوئی وجود نہیں بلکہ بعض جھوٹے لوگوں نے یہ واقعہ گھڑا ''میزان'' میں فرمایا کہ رتن ایک دجال ہے جو ہجرت کے چھ سو سال بعد ظاہر ہوا۔ (زرقانی ج ۷ ص ۳۱)

مثل امتی مثل المطر لا یدری آخرہ خیر ام اولہ.

میری امت کی مثال بارش کی طرح ہے معلوم نہیں اس کا آخر بہتر ہے یا اس کا اول؟

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے فرمایا۔ یہ حدیث حسن ہے اور اس کے کئی طرق ہیں جن کی بنیاد پر یہ درجہ صحت کو پہنچتی ہے۔

ابن ابی شیبہ نے حضرت عبدالرحمٰن بن جبیر بن نفیر رحمہ اللہ سے جو ایک تابعی ہیں' حسن سند کے ساتھ روایت کیا وہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے تین بار ارشاد فرمایا:

لیدرکن المسیح اقواما انھم لمثلکم او خیر.

حضرت مسیح عیسیٰ علیہ السلام ایسی اقوام کو پائیں گے جو تمہاری مثل ہوں گی یا بہتر ہوں گی۔

پھر تین بار فرمایا:

ولن یخزی اللہ امۃ انا اولھا والمسیح آخرھا.

اور اللہ تعالیٰ اس امت کو کبھی ذلیل نہیں کرے گا جس کے شروع میں' میں اور آخر میں حضرت مسیح علیہ السلام ہیں۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۲۹۹' فتح الباری ج ۷ ص ۶)

امام ابوداؤد اور امام ترمذی رحمہما اللہ نے حضرت ابوثعلبہ رضی اللہ عنہ سے مرفوع روایت نقل کی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا۔

ایسا زمانہ آئے گا کہ عمل کرنے والوں کو پچاس کے برابر ثواب ملے گا عرض کیا گیا یا رسول اللہ! ان میں سے پچاس یا ہم میں سے پچاس کے برابر؟ فرمایا بلکہ تم میں سے پچاس کے برابر۔

یہ حدیث اس حدیث کی شاہد ہے۔ جس میں فرمایا:

مثل امتی مثل المطر لا یدری اولہ خیر ام اخرہ.

میری امت کی مثال بارش جیسی ہے معلوم نہیں اس کا اول بہترین ہے یا اس کا آخر۔

لیکن گذشتہ حدیث "کہ عمل کرنے والے کو پچاس کے برابر ثواب ملے گا" غیر صحابہ کی افضلیت پر دلالت نہیں کرتی کیونکہ محض اجر کا زیادہ ہونا افضلیت مطلقہ کو ثابت نہیں کرتا نیز اجر کی فضیلت برابر کے لوگوں کی نسبت سے ہوتی ہے۔

نبی اکرم ﷺ کے مشاہدہ کی فضیلت

جن لوگوں کو آپ کے مشاہدہ کی فضیلت حاصل ہوئی تو اس فضیلت میں کوئی دوسرا ان کے برابر نہیں ہو سکتا اور اس میں کوئی شک نہیں کہ جن لوگوں نے آپ کے ہمراہ یا آپ کے زمانے میں آپ کے حکم پر جہاد کیا یا اس کے لئے اپنے مال سے کچھ خرچ کیا تو بعد والوں میں سے کوئی بھی ان کی اس فضیلت تک نہیں پہنچ سکتا۔

ارشاد خداوندی ہے:

لَا يَسْتَوِي مِنْكُمْ مَنْ أَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتَلَ أُولَٰئِكَ أَعْظَمُ دَرَجَةً مِنَ الَّذِينَ أَنْفَقُوا مِنْ

تم میں سے کوئی ان لوگوں کے برابر نہیں ہو سکتا جنہوں نے فتح مکہ سے پہلے خرچ کیا اور جہاد کیا ان لوگوں کا

بَعْدُ وَ قَاتَلُوْا. (الحدید:۱۰) درجہ ان لوگوں سے بہت بڑا ہے جنہوں نے بعد میں خرچ کیا اور جہاد کیا۔

اسی طرح ان لوگوں کا درجہ بھی بلند ہے جنہوں نے آپ ﷺ سے شریعت کو حاصل کر کے بعد والوں تک پہنچایا۔

پس جمہور اور ابن عبدالبر کے درمیان اختلاف کا نتیجہ صرف ان لوگوں کے بارے میں ہے جنہوں نے صرف آپ کی زیارت کی اور یہ بات واضح ہے کہ جو مرتبہ ان کو حاصل ہوا وہ کسی دوسرے کو حاصل نہیں ہوا اس طرح گذشتہ احادیث کے درمیان تطبیق کی جا سکتی ہے۔

طبقاتِ صحابہ رضی اللہ عنہم

پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تین قسموں میں تقسیم ہوتے ہیں۔

۱۔ مہاجرین ۲۔ انصار (اور یہ اوس' خزرج اور ان کے حلیف اور آزاد کردہ غلام ہیں)۔

۳۔ وہ جو فتح مکہ سے پہلے اسلام لائے۔

ابن اثیر نے "الجامع میں" فرمایا کہ مہاجرین' انصار سے افضل ہیں اور یہ اجمالی طور پر ہے لیکن تفصیل یہ ہے کہ انصار کی (اسلام میں) سبقت کرنے والی جماعت متاخرین مہاجرین سے افضل ہے اور سبقت کرنے والے مہاجرین' سبقت کرنے والے انصار سے افضل ہیں پھر اس کے بعد ان کے درجات میں تفاوت ہے کئی حضرات جو اسلام دیر سے لائے لیکن وہ پہل کرنے والوں سے افضل ہیں جیسے حضرت عمر فاروق اور حضرت بلال بن رباح رضی اللہ عنہما علماء کرام نے صحابہ کرام کے لئے ترتیب کے ساتھ طبقات کا ذکر کیا ہے اس طرح تقسیم کرنے والوں میں امام حاکم رحمہ اللہ بھی ہیں جنہوں نے "علوم الحدیث میں" یہ طریقہ اختیار کیا۔

پہلا طبقہ: وہ لوگ جو اعلان نبوت کے ساتھ ہی مکہ مکرمہ میں اسلام لائے اور یہ لوگ مسلمانوں میں سبقت کرنے والے ہیں جیسے حضرت خدیجہ بنت خویلد' حضرت علی بن ابی طالب' حضرت ابوبکر صدیق' حضرت زید بن حارثہ اور عشرہ مبشرہ میں سے باقی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم۔

سب سے پہلے کس نے اسلام قبول کیا تو اس سلسلے میں اختلاف مقصد اول میں گزر چکا ہے۔

دوسرا طبقہ: دار الندوہ والے حضرات یعنی حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اسلام لانے کے بعد نبی اکرم ﷺ اور آپ کے ساتھ مسلمانوں کو دار الندوہ میں لے گئے اور اہل مکہ کی ایک جماعت نے اسلام قبول کیا۔

تیسرا طبقہ: جنہوں نے اپنے دین کی حفاظت اور مشرکین مکہ کی اذیتوں سے بچنے کی خاطر حبشہ کی طرف ہجرت کی ان میں حضرت جعفر بن ابی طالب اور ابوسلمہ بن عبدالاسد رضی اللہ عنہما بھی تھے۔

چوتھا طبقہ: عقبہ اولیٰ [1] والے حضرات' یہ لوگ انصار میں سے سب سے پہلے اسلام قبول کرنے والے ہیں اور یہ چھ حضرات تھے اور عقبہ ثانیہ والے جو دوسرے سال آئے اور وہ بارہ حضرات تھے وہ بھی اسی طبقہ میں شامل ہیں دونوں عقبہ

[1] یہ انصار تھے جو جمرہ عقبہ کے پاس نبی اکرم ﷺ کے ساتھ جمع ہوئے اور جو دوسرے سال حاضر ہوئے وہ عقبہ ثانیہ والے کہلاتے ہیں۔

والوں کے اسمائے گرامی مقصد اول میں مذکور ہو چکے ہیں۔

پانچواں طبقہ: یہ عقبہ ثالثہ والے ہیں اور یہ انصار میں سے ستر افراد تھے ان میں حضرت براء بن معرور' عبداللہ بن عمرو بن حرام' سعد بن عبادہ' سعد بن ربیع اور عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہم بھی شامل ہیں۔

چھٹا طبقہ: یہ وہ مہاجرین صحابہ کرام ہیں جو نبی اکرم ﷺ کی ہجرت کے بعد آپ کے پاس اس وقت پہنچے جب آپ قبا میں تھے اور ابھی مسجد شریف کی تعمیر بھی نہیں ہوئی تھی اور نہ ہی آپ مدینہ طیبہ منتقل ہوئے تھے۔

ساتواں طبقہ: بدر کبریٰ والے حضرات ہیں نبی اکرم ﷺ نے حاطب بن ابی بلتعہ والے واقعہ[1] میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے فرمایا: (السیرۃ النبویہ ابن ہشام ج ۴ ص ۴۱)

وما یدریک لعل اللہ اطلع علی ھذہ العصابۃ من اھل بدر فقال اعملوا ما شئتم فقد غفرت لکم.

آپ کو کیا معلوم' اللہ تعالیٰ اہل بدر کی اس جماعت پر مطلع ہوا اور فرمایا جو چاہو کرو تمہیں بخش دیا گیا۔[2]

(السیرۃ النبویہ لابن ہشام ج ۴ ص ۴۲' صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۰۸۱-۴۲۷۴' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۶۱' مسند احمد ج ۱ ص ۷۹' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۴ ص ۳۸۴' المعجم الکبیر ج ۱۲ ص ۹۹)

آٹھواں طبقہ: وہ صحابہ کرام جنہوں نے بدر اور حدیبیہ کے درمیان ہجرت کی۔

نواں طبقہ: بیعت رضوان والے حضرات جنہوں نے حدیبیہ کے مقام پر درخت کے نیچے بیعت کی نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

لا یدخل النار ان شاء اللہ تعالیٰ من اصحاب الشجرۃ احد. (البدایہ والنہایہ ج ۴ ص ۱۷۳)

ان شاء اللہ تعالیٰ درخت (کے نیچے بیعت کرنے) والوں میں سے ایک بھی جہنم میں نہیں جائے گا۔

دسواں طبقہ: وہ لوگ جنہوں نے حدیبیہ کے بعد اور فتح مکہ سے پہلے ہجرت کی جیسا کہ حضرت خالد بن ولید اور عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما ان میں سے بعض کو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مثال دی گئی لیکن حافظ عراقی نے کہا کہ ان سے مثال دینا صحیح نہیں کیونکہ انہوں نے صلح حدیبیہ سے پہلے اور فتح خیبر کے بعد ہجرت کی بلکہ اس کے آخر میں کی۔[3]

گیارہواں طبقہ: وہ لوگ جو فتح مکہ کے دن اسلام لائے اور یہ بہت سے لوگ ہیں ان میں سے بعض نے خوشی سے اسلام

---

[1] حاطب بن ابی بلتعہ بدری صحابی ہیں فتح مکہ سے پہلے انہوں نے اہل مکہ کو خط لکھ کر راز فاش کرنا چاہا تھا اور حضور علیہ السلام نے اس عورت کو جو یہ خط لے جا رہی تھی اسے گرفتار کروایا حضرت حاطب نے اپنا عذر پیش کیا تو نبی اکرم ﷺ نے ان کو معاف کر دیا۔ ۱۲ ہزاروی

[2] "لعل" (جو امید کے لئے آتا ہے) اللہ تعالیٰ اور رسول اکرم ﷺ کے کلام میں قطعیت کے لئے آتا ہے لہٰذا ان کی بخشش یقینی تھی اور ان کے اچھے اعمال کی پیشگوئی تھی یہ مطلب نہیں کہ وہ جو چاہیں کریں بلکہ مطلب یہ ہے کہ ان سے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی صادر ہی نہیں ہوگی۔ ۱۲ ہزاروی

[3] امام زرقانی فرماتے ہیں مجھے معلوم نہیں یہ کیا ہے کیونکہ صلح حدیبیہ ذی قعدہ ۶ ھ میں ہوا اور فتح خیبر کا واقعہ ۷ ھ میں محرم کے آخر میں ہوا آپ نے محاصرہ کیا اور آخر میں حضرت ابو ہریرہ تشریف لائے تو صلح حدیبیہ سے پہلے کیسے ہجرت کی حالانکہ حدیبیہ کا واقعہ فتح خیبر سے پہلے کا ہے۔ (زرقانی ج ۷ ص ۳۵)

امام طبرانی نے ایک روایت میں یہ اضافہ کیا کہ نبی اکرم ﷺ یہ بات سنتے لیکن اس پر اعتراض نہ فرماتے۔

حضرت خیثمہ بن سلیمان نے "فضائل الصحابہ میں" سہیل بن ابی صالح سے روایت کیا وہ اپنے باپ سے اور وہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں ہم کہا کرتے تھے کہ جب حضرت ابوبکر' حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم چلے جائیں گے تو لوگ برابر ہو جائیں گے۔ نبی اکرم ﷺ یہ بات سنتے لیکن اعتراض نہ فرماتے۔

اس میں حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کے بعد حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو مقدم کیا گیا۔

حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہما

اہل سنت کا عقیدہ ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا مقام حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد ہے۔

اور بعض اسلاف کے نزدیک حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ' حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے مقدم ہیں حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ بھی اس بات کے قائلین میں سے ہیں۔

ایک قول یہ ہے کہ ان دونوں میں سے کسی ایک کو دوسرے پر فضیلت نہ دی جائے یہ بات امام مالک رحمہ اللہ سے "المدونہ میں" نقل کی گئی اور ایک جماعت نے ان کی اتباع کی جن میں حضرت یحییٰ بن قطان بھی شامل ہیں۔

ابن معین نے کہا جس نے (اس ترتیب سے کہا) حضرت ابوبکر' حضرت عمر' حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہم۔ اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے لئے ان کی سبقت اور فضیلت کو پہچانا وہ سنت والا ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر اکتفا کرے اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے لئے فضیلت کی پہچان نہ رکھتا ہو وہ مذموم ہے۔

ابن عبدالبر نے دعویٰ کیا ہے کہ تین صحابہ کرام یعنی حضرت ابوبکر' حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم پر اکتفا کرنا اہل سنت کے خلاف قول ہے کیونکہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ ان تین کے بعد تمام لوگوں سے افضل ہیں۔

اس بات کا یوں تعاقب کیا گیا کہ آپ کی فضیلت سے خاموشی کا مطلب آپ کی فضیلت سے انکار نہیں پس اہل سنت وجماعت کے نزدیک قطعی بات یہ ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سب سے افضل ہیں پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ہیں ان دونوں کے بعد اختلاف ہے جمہور کے نزدیک حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ مقدم ہیں حضرت امام مالک رحمہ اللہ توقف فرماتے ہیں اور یہ مسئلہ اجتہادی ہے اور مستند بات یہ ہے کہ ان چاروں کو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کی خلافت اور آپ کے دین کو قائم کرنے کے لئے پسند فرمایا پس اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کا مقام ان کی ترتیب خلافت کے اعتبار سے ہے۔

عشرہ مبشرہ میں سے باقی کی فضیلت

امام ابومنصور بغدادی فرماتے ہیں ہمارے اصحاب کا اس بات پر اجماع ہے کہ ان (عشرہ مبشرہ) میں سے افضل چاروں خلفاء ہیں پھر باقی چھ ہیں یعنی حضرت طلحہ' حضرت زبیر' حضرت سعد' حضرت سعید' حضرت عبدالرحمٰن بن عوف اور حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہم۔

امام ترمذی نے حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

قبول کیا اور بعض بددلی سے اسلام لائے لیکن بعد میں بعض کا اسلام نہایت اچھا ہوا۔ اور اللہ تعالیٰ ان کو بہتر جانتا ہے۔

بارھواں طبقہ: وہ بچے جنہوں نے نبی اکرم ﷺ کو پایا اور فتح مکہ کے سال اور اس کے بعد حجۃ الوداع کے موقع پر اور اس کے علاوہ آپ کی زیارت کی جیسے حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ پھر فتح مکہ کے بعد ہجرت کا سلسلہ ختم ہو گیا صحیح قول یہی ہے۔

صحابۂ کرام کی تعداد

جہاں تک صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تعداد کا تعلق ہے تو جس نے ان کو شمار کرنے کا قصد کیا اس نے ایک بعید کام کا قصد کیا اور اس حقیقت کو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے کیونکہ بعثت کے آغاز سے نبی اکرم ﷺ کے وصال تک اسلام لانے والوں کی بہت زیادہ تعداد ہے اور وہ مختلف شہروں اور دیہاتوں میں بکھر گئے۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے روایت کیا کہ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے غزوۂ تبوک سے پیچھے رہنے سے متعلق اپنے واقعہ میں بتایا کہ نبی اکرم ﷺ کے صحابہ کرام بے شمار ہیں کوئی رجسٹر ان کو جمع نہیں کرتا۔

لیکن بعض غزوات میں ان کی تعداد ضبط میں آئی جس طرح غزوۂ تبوک ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ فتح مکہ کے سال نبی اکرم ﷺ دس ہزار مجاہدین کے ساتھ تشریف لے گئے، حنین کی طرف بارہ ہزار کو لے کر گئے حجۃ الوداع میں نوے ہزار اور تبوک کی طرف ستر ہزار تشریف لے گئے اور ایک روایت میں ہے کہ جب آپ کا وصال ہوا تو ایک لاکھ چوبیس ہزار صحابہ کرام موجود تھے اس کی حقیقت اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔

صحابۂ کرام میں سے افضل

پھر اہل سنت و جماعت کے نزدیک ان میں مطلقاً سب سے زیادہ فضیلت والے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں اور ان کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے زمانے میں ہم، صحابہ کرام کے درمیان سب سے افضل کا انتخاب کرتے تو حضرت ابوبکر صدیق پھر حضرت عمر فاروق اور پھر حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہم کو اختیار کرتے۔

حضرت عبید اللہ بن عمر، حضرت نافع (رضی اللہ عنہم) سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کے زمانے میں ہم حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے برابر کسی کو نہیں سمجھتے تھے حضرت عمر فاروق اور پھر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہما (کے برابر کسی کو نہ سمجھتے) پھر ہم صحابہ کرام کو چھوڑ دیتے اور ان میں سے کسی کو دوسرے پر فضیلت نہیں دیتے تھے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے برابر کسی کو قرار نہ دینے کا مطلب یہ ہے کہ کسی کو ان کی مثل نہیں سمجھتے تھے۔

امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے حضرت سالم کے طریق سے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں نبی اکرم ﷺ (ظاہر زندگی کے ساتھ) زندہ تھے تو ہم کہا کرتے تھے کہ نبی اکرم ﷺ کے بعد آپ کی امت میں سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سب سے افضل ہیں پھر حضرت عمر اور پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہم۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۶۲۷-۴۶۲۸)

(یہ) دس افراد جنت میں جائیں گے ابوبکر جنت میں جائیں گے عمر جنتی ہیں عثمان جنت میں جائیں گے علی زبیر طلحہ عبدالرحمٰن بن عوف ابوعبیدہ بن جراح اور سعد بن ابی وقاص (رضی اللہ عنہم) آپ نے نو کو شمار کیا اور دسویں سے خاموش رہے۔

قوم نے کہا ہم آپ کو اللہ تعالیٰ کی قسم دیتے ہیں (بتایئے) دسواں کون ہے؟ فرمایا تم نے مجھے اللہ تعالیٰ کی قسم دی ہے سعید بن زید جنت میں جائیں گے یعنی انہوں نے اپنے بارے میں فرمایا۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۴۶۴۹ جامع ترمذی رقم الحدیث:۳۷۴۸ المستدرک ج ۳ ص ۳۱۶۔۴۴۰ کنز العمال رقم الحدیث:۳۳۱۰۵)

بئر اریس کا واقعہ

(اریس مدینہ طیبہ میں قبا کے قریب ایک باغ تھا) حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ مسجد نبوی شریف کی طرف نکلے تو نبی اکرم ﷺ کے بارے میں پوچھا صحابہ کرام نے بتایا کہ آپ اس طرف کو تشریف لے گئے ہیں فرماتے ہیں میں آپ کے پیچھے گیا حتیٰ کہ آپ بئر اریس میں تشریف لے گئے میں دروازے کے پاس بیٹھ گیا اور اس کا دروازہ کھجور کی ٹہنیوں کا بنا ہوا تھا حتیٰ کہ نبی اکرم ﷺ قضائے حاجت سے فارغ ہوئے اور آپ نے وضو فرمایا تو میں آپ کی طرف کھڑا ہوا آپ بئر اریس کے گرد (کنویں کے گرد) تشریف فرما تھے اور اس کی منڈیر درمیان میں تھی میں دروازے کے پاس بیٹھ گیا اور میں نے (دل میں) کہا کہ آج کے دن میں نبی اکرم ﷺ کا دربان بنوں گا۔

اتنے میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور آپ نے دروازہ کھٹکھٹایا میں نے پوچھا کون ہے؟ فرمایا ابوبکر ہوں میں نے کہا ٹھہریئے پھر میں نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تشریف لائے ہیں اور اجازت مانگتے ہیں آپ نے فرمایا ان کو اجازت دو اور جنت کی خوشخبری بھی دو میں آیا اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آپ اندر تشریف لائیں اور نبی اکرم ﷺ آپ کو جنت کی خوشخبری دیتے ہیں چنانچہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اندر داخل ہوئے اور نبی اکرم ﷺ کے ساتھ دائیں جانب کنویں کی منڈیر پر تشریف فرما ہوئے اور رسول اکرم ﷺ کی طرح اپنے پاؤں کنویں میں لٹکا دیئے اور اپنی پنڈلیوں کو ننگا رکھا میں واپس آ کر بیٹھ گیا اور میں اپنے بھائی کو گھر میں وضو کرتا ہوا چھوڑ گیا تھا کہ وہ مجھ سے مل جائیں گے میں نے کہا اللہ تعالیٰ فلاں (یعنی میرے بھائی) کے لئے نیکی کا ارادہ فرمائے تو اسے (یہاں) لے آئے۔

اتنے میں کسی نے دروازے کو حرکت دی تو میں نے پوچھا کون ہے؟ کہا عمر بن خطاب ہوں میں نے کہا رک جایئے پھر میں نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا حضرت عمر بن خطاب اجازت طلب کرتے ہیں آپ نے فرمایا ان کو اجازت دو اور جنت کی خوشخبری بھی دو میں نے کہا داخل ہو جائیں اور رسول اکرم ﷺ آپ کو جنت کی خوشخبری دے رہے ہیں۔

وہ بھی نبی اکرم ﷺ کے ساتھ آپ کی بائیں جانب کنویں کی منڈیر پر تشریف فرما ہوئے اور اپنے پاؤں کنویں میں لٹکا دیئے میں واپس آیا اور (دل میں) کہہ رہا تھا اگر اللہ تعالیٰ فلاں (یعنی میرے بھائی) سے بھلائی کا ارادہ فرمائے تو اسے لے آئے اب ایک شخص آیا اور اس نے دروازہ کھٹکھٹایا میں نے پوچھا کون ہے؟ فرمایا عثمان بن عفان ہوں میں نے کہا ٹھہر

جایئے اور میں نے نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا تو آپ نے فرمایا ان کو اجازت دیں اور اس مصیبت پر جو ان کو پہنچے گی جنت کی خوشخبری دیں میں آیا اور کہا داخل ہو جائیں اور رسول اکرم ﷺ آپ کو اس مصیبت پر جو آپ کو پہنچے گی جنت کی خوشخبری دیتے ہیں چنانچہ وہ داخل ہوئے تو منڈیر کو بھرا ہوا پایا چنانچہ وہ آپ کے سامنے دوسری جانب تشریف فرما ہوئے۔ (معجم ما استعجم ج۱ص ۱۴۳' معجم البلدان ج۱ص ۲۹۸' صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۶۷۴' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۹' جامع ترمذی رقم الحدیث: ۳۷۱۰' مسند احمد ج ۴ص ۱۶۵' مجمع الزوائد ج۹ص ۵۶_۷۳' المعجم الکبیر ج ۱۲ص ۳۲۷' حلیۃ الاولیاء ج۱ص ۵۸_ ج ۳ص ۲۴' مشکل الآثار ج ۲ص ۸۴' اتحاف السادۃ المتقین ج ۷ص ۷۱۸' تفسیر قرطبی ج ۱۲ص ۲۱۶' کنز العمال رقم الحدیث: ۳۶۲۱۷)

حضرت شریک فرماتے ہیں حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں اس کی تعبیر ان حضرات کی قبروں سے کرتا ہوں۔ اس حدیث کو امام احمد' امام مسلم اور ابو حاتم رحمہم اللہ نے روایت کیا اور امام بخاری رحمہ اللہ نے نقل کیا۔

امام ابو داؤد رحمہ اللہ نے اس کی مثل حضرت ابو سلمہ کے واسطہ سے حضرت نافع بن عبد الحارث خزاعی سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ مدینہ طیبہ کے باغوں میں سے ایک باغ میں داخل ہوئے تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے فرمایا دروازے پر ٹھہر جائیں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حاضر ہو کر اجازت طلب کی۔ اس کے بعد اسی طرح ذکر کیا۔

امام طبرانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ایک حدیث میں ہے کہ حضرت نافع بن حارث ہی اجازت طلب کرتے تھے۔

تو یہ بات واقعہ کے تکرار پر دلالت کرتی ہے لیکن شیخ الاسلام حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے واقعہ کے متعدد نہ ہونے کو صحیح قرار دیا نیز یہ کہ یہ حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے ہی مروی ہے اور دوسروں کے قول کو وہم قرار دیا اور انہوں نے یہ اشعار پڑھے:

لقد بشر الهادی من الصحب زمرة — بجنات عدن کلهم فضله اشتهر

سعد زبیر سعد طلحة عامر — ابو بکر' عثمان بن عوف علی عمر

''ہدایت دینے والے (نبی ﷺ) نے صحابہ کرام کی ایک جماعت کو جنت عدن کی خوشخبری دی اور ان سب کی فضیلت مشہور ہے حضرت سعید' زبیر' سعد' طلحہ' عامر (ابو عبیدہ بن جراح) ابو بکر صدیق' عثمان غنی' عبد الرحمٰن بن عوف' علی المرتضیٰ اور عمر فاروق رضی اللہ عنہم''۔

ابو الولید بن الشحنہ (محمد بن محمد الحلبی ادیب' حنفی فقیہ' متوفی ۸۱۵ھ) نے کہا:

اسماء عشر رسول الله بشرهم — بجنة الخلد عمن زانها و عمر

سعد سعید علی عثمان طلحة — ابوبکر' ابن عوف ابن جراح الزبیر عمر

''وہ دس صحابہ کرام جن کو نبی اکرم ﷺ نے جنت الخلد کی خوشخبری دی کہ وہ اسے زینت بخشیں گے اور آباد کریں گے ان کے نام یہ ہیں حضرت سعد' سعید' علی' عثمان' طلحہ' ابو بکر' عبد الرحمٰن بن عوف' عبیدہ بن جراح' زبیر اور عمر فاروق رضی اللہ عنہم''۔ (الاعلام ج ۷ص ۴۴' سیر اعلام النبلاء ج ۵ص ۱۶۱' الضوء اللامع ج ۱۰ص ۳)

افضیلت ومحبت

سوال: جو شخص چاروں خلفاء کی افضیلت معلوم ترتیب کے مطابق مانتا ہو لیکن کسی سے دوسرے کے مقابلے میں زیادہ محبت کرتا ہو تو کیا وہ گناہ گار ہوگا یا نہیں؟

جواب: شیخ الاسلام ولی بن عراقی نے فرمایا محبت بعض اوقات کسی دینی بات کی وجہ سے ہوتی ہے اور کبھی دنیوی معاملہ کی بنیاد پر ہوتی ہے تو دینی محبت افضیلت کے لئے لازم ہے جو افضل ہو اس سے ہماری دینی محبت زیادہ ہوگی پس جب ہم ان میں سے ایک کے بارے میں یہ عقیدہ رکھتے ہوں کہ وہ افضل ہے پھر ہم اس کے غیر سے دین کے حوالے سے زیادہ محبت کریں تو یہ تناقض ہے ہاں اگر ہم کسی دنیوی وجہ سے افضل کے مقابلے میں غیر افضل سے زیادہ محبت کریں جیسے رشتہ داری یا احسان وغیرہ تو اس میں کوئی تناقض اور امتناع نہیں ہے۔

پس جو شخص اس بات کا اعتراف کرے کہ نبی اکرم ﷺ کے بعد امت میں سے سب سے افضل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں پھر حضرت عمر پھر حضرت عثمان اور پھر حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہم ہیں لیکن وہ مثلاً حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے مقابلے میں حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ سے زیادہ محبت کرے تو اگر یہ محبت دینی ہے تو اس کی کوئی وجہ نہیں ہو سکتی کیونکہ دینی محبت افضیلت کو لازم ہے جیسا کہ ہم نے بیان کیا۔

تو ایسا شخص حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضیلت کا محض زبانی دعویٰ کرتا ہے جب کہ دل سے وہ حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ کو فضیلت دیتا ہے کیونکہ وہ ان سے دینی اعتبار سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے مقابلے میں زیادہ محبت کرتا ہے اور یہ جائز نہیں اور اگر یہ دنیوی محبت ہو کہ وہ حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ کی اولاد سے ہے یا اس کے علاوہ کوئی سبب ہے تو اس میں کوئی ممانعت نہیں۔ واللہ اعلم

صحابۂ کرام کی محبت اور اس کی علامت

طبری نے "الریاض (الریاض النضرۃ فی فضائل العشرۃ)" میں 'ملاء (عمر موصلی) کی طرف نسبت کرتے ہوئے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مرفوع حدیث نقل کی (کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا):

ان اللہ افترض علیکم حب ابی بکر و عمر و عثمان و علی کما افترض الصلوۃ والزکاۃ والصوم والحج فمن انکر فضلھم فلا تقبل منہ الصلوۃ ولا الزکاۃ ولا الصوم ولا الحج.

بے شک اللہ تعالیٰ نے تم پر حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہم کی محبت اسی طرح لازم کی جس طرح نماز یا زکوٰۃ، روزہ اور حج فرض کیا پس جو شخص ان کی فضیلت کا انکار کرے اس کی نماز، زکوٰۃ، روزہ اور حج قبول نہ ہوگا۔

حافظ (ابوطاہر احمد بن محمد بن احمد بن ابراہیم اصفہانی) سلفی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب میں جو مشائخ کے ذکر میں ہے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً حدیث ذکر کی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

حب ابی بکر و اجب علی امتی.

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی محبت میری امت پر لازم ہے۔

اور انصاری نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا۔

اے ابوبکر! کاش میں اپنے بھائیوں سے ملتا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یارسول اللہ! ہم آپ کے بھائی ہیں آپ نے فرمایا نہیں تم میرے صحابہ کرام ہو میرے بھائی وہ ہیں جنہوں نے مجھے نہیں دیکھا اور انہوں نے میری تصدیق کی اور مجھ سے محبت کی حتیٰ کہ میں ان میں سے ایک کے نزدیک اس کی اولاد اور والد سے بھی زیادہ محبوب ہوں۔

صحابہ کرام نے عرض کیا یارسول اللہ! کیا ہم آپ کے بھائی نہیں ہیں؟ فرمایا نہیں بلکہ تم میرے اصحاب ہو اے ابوبکر! کیا تم اس قوم سے محبت نہیں کرتے جو تم سے اس لئے محبت کرتے ہیں کہ میں تم سے محبت کرتا ہوں؟ آپ نے فرمایا تم بھی ان لوگوں سے محبت کرو جو تم سے اس لئے محبت کرتے ہیں کہ میں تم سے محبت کرتا ہوں۔

تو جس سے نبی اکرم ﷺ محبت کریں جیسے آل بیت اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تو ان کی محبت رسول اکرم ﷺ سے محبت کی علامت ہے جس طرح نبی اکرم ﷺ سے محبت اللہ تعالیٰ کی محبت کی علامت ہے اسی طرح لوگوں سے آپ کی دشمنی یا بغض کا معاملہ بھی ہے کیونکہ جو کسی سے محبت کرتا ہے وہ اس کے محبوب سے بھی محبت کرتا ہے اور جو کسی سے بغض رکھتا ہے وہ اس سے بھی بغض رکھتا ہے جس کو اس کا محبوب اچھا نہیں سمجھتا۔

ارشاد خداوندی ہے:

لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ. (المجادلہ:۲۲)

تم کسی ایسی قوم کو نہیں پاؤ گے جو اللہ تعالیٰ اور آخرت پر ایمان رکھتے ہوں (پھر) ان لوگوں سے دوستی رکھیں جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے دشمنی رکھتے ہیں۔

پس نبی اکرم ﷺ کے اہل بیت' صحابہ کرام' آپ کی اولاد اور ازواج مطہرات کی محبت ہر ایک پر واجب ہے اور ان سے نفرت و بغض ہلاک کرنے والے کاموں میں سے ہے۔

اور ان کی محبت کا تقاضا یہ ہے کہ ان کی تعظیم کرنا' ان سے نیکی کرنا اور ان کے حقوق قائم کرنا' ان کی اقتداء کرنا' ان کے اخلاق اور طریقوں پر چلے اور ان کے ایسے اقوال پر عمل کرنا جن میں عقل کے لئے کوئی راستہ نہیں' ان کی اچھی تعریف کرنا کہ تعظیم کے طور پر ان کے اچھے اوصاف بیان کئے جائیں یہ سب کام واجب ہیں اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ان کی تعریف کی اور اللہ تعالیٰ جس کی تعریف کرے اس کی تعریف کرنا نیز ان کے لئے طلب مغفرت (بھی) واجب ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

امروا ان یستغفروا لاصحاب رسول الله ﷺ فسبوھم.

لوگوں کو حکم دیا گیا کہ رسول اکرم ﷺ کے صحابہ کرام کے لئے طلب مغفرت کریں تو انہوں نے ان کو گالیاں دیں۔

اور ان کے لئے بخشش طلب کرنے کا فائدہ خود اس شخص کی طرف لوٹتا ہے۔

حضرت سہل بن عبداللہ تستری رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

جو شخص صحابہ کرام کی توقیر و تعظیم نہ کرے اور ان کے اوامر کی عزت نہ کرے وہ (کامل) مومن نہیں۔

صحابہ کرام کی محبت میں یہ بات بھی واجب ہے کہ ان کے درمیان جو اختلاف ہو اس سے خاموشی اختیار کرے

مؤرخین کی خبروں اور راویوں کی جہالت نیز شیعہ اور بدعتی لوگوں کی ایسی باتوں کی طرف متوجہ نہ ہو جو ان صحابہ کرام کی شان میں نقص ثابت کرتی ہیں۔

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

اذا ذکر اصحابی فامسکوا. جب میرے صحابہ کرام کا ذکر ہو تو تم رک جاؤ۔

(یعنی اس غلط گفتگو میں شریک نہ ہو)۔

(المعجم الکبیر ج ۲ ص ۹۳' مجمع الزوائد ج ۷ ص ۲۰۲۔۲۲۳' الدر المنثور ج ۳ ص ۳۵' اتحاف السادۃ المتقین ج ۲ ص ۴۲۔۲۲۳۔ ج ۸ ص ۵۵۔ ج ۹ ص ۴۰۲' المغنی ج ۱ ص ۳۰۔۴۴' الکامل ج ۶ ص ۲۱۷۲۔۲۱' کنز العمال رقم الحدیث: ۹۰۱)

اور ان کے درمیان جو اختلاف ہوا اس کی کوئی تاویل ڈھونڈے اور اچھا راستہ تلاش کرے کیونکہ ان کی شان کے لائق یہی بات ہے۔

ان کے درمیان جو اختلاف یا جھگڑا ہوا اس کی کوئی وجہ ہے پس ان کو گالی دینا یا ان پر طعن کرنا جو قطعی دلائل کے خلاف ہے وہ کفر ہے جس طرح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر الزام تراشی ہے اور اگر دلائل قطعیہ کے خلاف نہ ہو تو بدعت اور فسق ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

یا ایھا الناس احفظونی فی اختانی واصھاری واصحابی لا یطالبنکم اللہ بمظلمۃ احد منھم فانھا لیست مما یوھب.

اے لوگو! میرے دامادوں اور میرے سسرالی رشتہ داروں نیز میرے صحابہ کرام کے حوالے سے میری حفاظت کرو اللہ تعالیٰ ان میں سے کسی کی زیادتی کا تم سے مطالبہ نہیں کرے گا کیونکہ یہ ایسی بات نہیں جو کسی کے لئے ممکن نہ ہو۔

(اتحاف السادۃ المتقین ج ۷ ص ۳۹۱' تاریخ ابن عساکر ج ۶ ص ۱۲۹' مجمع الزوائد ج ۹ ص ۱۵۷)

یہ روایت (ابوالحسن علی بن حسن شافعی فقیہ) خلعی رحمہ اللہ نے نقل کی ہے۔

(الاعلام ج ۴ ص ۲۷۳' وفیات الاعیان ج ۱ ص ۳۳۸' کشف الظنون رقم الحدیث: ۳۳۔۱۳۹۷)

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

اللہ اللہ فی اصحابی لا تتخذوھم غرضا من بعدی من احبھم فقد احبنی ومن ابغضھم فقد ابغضنی ومن اذاھم فقد اذانی ومن اذانی فقد اذی اللہ ومن اذی اللہ فیوشک ان یاخذہ اللہ.

میرے صحابہ کرام کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو میرے وصال کے بعد ان کو نشانہ نہ بنانا جس نے ان سے محبت کی تحقیق اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے ان سے دشمنی کی اس نے مجھ سے دشمنی کی اور جس نے ان کو تکلیف پہنچائی اس نے مجھے تکلیف پہنچائی اور جس نے مجھے تکلیف پہنچائی اس نے اللہ تعالیٰ کو اذیت دی اور جس نے اللہ تعالیٰ کو اذیت پہنچائی تو قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کا مؤاخذہ فرمائے۔

(جامع ترمذی رقم الحدیث:۳۸۶۲' مسند احمد ج۵ص۵۴_۵۷' حلیۃ الاولیاء ج۸ص۲۸۷' اتحاف السادۃ المتقین ج۲ص۲۳_ ص۲۲۳' شرح السنہ ج۱۴ص۷۰' الکامل ج۴ص۱۳۸۵' جمع الجوامع رقم الحدیث:۹۶۵۷_۹۶۵۸' موارد الظمآن رقم الحدیث:۲۲۸۴' الشفاء ج۲ص۶۰_۱۱۸_۶۵۱' مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث:۶۰۰۵' میزان الاعتدال رقم الحدیث:۴۴۱۴' کنز العمال رقم الحدیث:۳۲۴۸۳_۳۲۵۳۰)

اس روایت کو مخلص ذہبی (ابو طاہر محمد بن عبد الرحمٰن ذہبی رحمہ اللہ) نے نقل کیا جیسا کہ بعض حضرات نے فرمایا یہ حدیث صحابہ کرام کے بارے میں تاکیدی وصیت اور ان سے محبت کی ترغیب اور ان سے بغض سے ڈراتا ہے اور اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ان سے محبت کرنا ایمان سے ہے اور ان سے بغض رکھنا کفر ہے کیونکہ ان سے بغض نبی اکرم ﷺ سے بغض کی وجہ سے ہو تو بلا اختلاف کفر ہے کیونکہ حدیث شریف گزر چکی ہے جس میں آپ نے فرمایا:

لن یؤمن احدکم حتی اکون احب الیه من نفسه.

تم میں سے کوئی شخص ہرگز مؤمن نہیں ہو سکتا یہاں تک کہ مجھے اپنے نفس سے زیادہ محبوب سمجھے۔

تو یہ اس بات پر دلالت ہے کہ صحابہ کرام کو نبی اکرم ﷺ سے بطور کمال قرب حاصل تھا کہ آپ نے ان کو اپنی ذات کی جگہ رکھا حتیٰ کہ ان کو تکلیف پہنچانا گویا نبی اکرم ﷺ کو تکلیف پہنچانا ہے۔

"غرض" (جو حدیث شریف میں گزرا) اس نشانے کو کہتے ہیں جس پر تیر چلائے جاتے ہیں۔

تو اللہ تعالیٰ سے ڈرانے کی تاکید کے ساتھ اس بات سے منع کیا گیا اور یہ بات اسی لئے کہ ایسا کرنا شدید حرام ہے' ایک مرفوع حدیث میں ہے:

من سب احدا من اصحابی فاجلدوه.

جو شخص میرے کسی صحابی کو گالی دے اسے کوڑے لگاؤ۔

(مجمع الزوائد ج۱۰ص۲۱' کنز العمال رقم الحدیث:۳۲۵۴۱)

"تمام" نے اپنی کتاب "الفوائد الحدیثیۃ" میں یہ حدیث ذکر کی ہے جیسا کہ قاضی عیاض رحمہ اللہ نے ذکر کیا حضرت مالک بن انس اور دوسرے حضرات نے روایت کیا کہ جو شخص صحابہ کرام سے بغض رکھے اس کا مسلمانوں کے مال فئی (کفار سے جنگ کے بعد جو مال حاصل ہو) میں کوئی حصہ نہیں۔

قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس بات پر حضرت امام مالک رحمہ اللہ نے سورۂ حشر کی اس آیت سے استدلال کیا:

وَالَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ○ (الحشر:۱۰)

اور وہ لوگ جو ان کے بعد آئے وہ کہتے ہیں اے ہمارے رب! ہمیں بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کو جو ہم سے پہلے ایمان کے ساتھ گزر گئے اور اے ہمارے رب! ہمارے دلوں میں ایمان والوں کے لئے کوئی کینہ نہ رکھنا بے شک تو نہایت مہربان رحم والا ہے۔

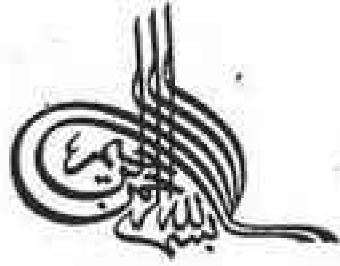
(تو مال فئی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ اور ان مسلمانوں کے لئے رکھا جن کے دلوں میں مسلمانوں کے لئے بغض و نفرت نہیں ہے) اور انہوں نے فرمایا کہ جس شخص کو صحابہ کرام پر غصہ آئے وہ کافر ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ. (الفتح:۲۹) تاکہ ان (صحابۂ کرام) کے ذریعے کفار کو غصہ دلائے۔

واللہ اعلم

الحمد للہ! آج بروز جمعۃ المبارک ۲۳ شوال المکرم ۱۴۲۱ھ/ ۱۹ جنوری ۲۰۰۱ء بوقت صبح سات بجے دوسری جلد (اردو) کا ترجمہ مکمل ہوا اللہ تعالیٰ اس ترجمہ کو اس کتاب کے سمجھنے کے لئے مفید بنائے اور راقم کے گناہوں پر عفو و درگزر کا قلم پھیر دے آمین بجاہ سید المرسلین ﷺ۔

محمد صدیق ہزاروی
جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور





المواهب اللدنية بالمنح المحمدية

الجزء الثالث

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ

بے شک تمہارے لئے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی پیروی بہتر ہے

المواهب اللدنية

بالمنح المحمدية

(اردو ترجمہ)

الجزء الثالث

تصنیف

شارح بخاری امام علامہ احمد بن محمد قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ

(۸۵۱ — ۹۲۳ھ)

ترجمہ

مولانا علامہ محمد صدیق ہزاروی مدظلہ العالی

سینئر مدرس جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور

ناشر

فرید بک سٹال (رجسٹرڈ) ۳۸۔ اردو بازار لاہور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرس

المواهب اللدنیہ (جلد ثالث)

مواہب اللدنیہ (جلد ثالث)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

آٹھواں مقصد

طب نبوی' تعبیر رؤیا اور غیب کی خبریں' امراض اور آفات کا علاج' خوابوں کی تعبیر اور غیبی خبریں دینا

کسی شخص کو یہ طاقت حاصل نہیں کہ وہ نبی اکرم ﷺ کے معارف کے سمندروں کے ایک نقطے کا احاطہ کر سکے' یا اللہ تعالیٰ نے آپ کو حقائق کے جو بادل عطا فرمائے ہیں ان کے ایک قطرہ کا علم حاصل کر سکے۔

جب تم ان جامع کلمات پر غور کرو جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمائے' عجیب حکمتوں کے ساتھ خاص کیا' حسن سیرت' حکمت بھرا کلام' گذشتہ امتوں اور ہلاک ہونے والے لوگوں نیز مٹ جانے والی شریعت کی خبر دی جس طرح انبیاء کرام علیہم السلام کے ان کی قوموں کے ساتھ واقعات' حضرت موسیٰ علیہ السلام کا حضرت خضر علیہ السلام کے ساتھ اور حضرت یوسف علیہ السلام کا ان کے بھائیوں کے ساتھ واقعہ' اصحاب کہف کا واقعہ' ذوالقرنین کا قصہ وغیرہ وغیرہ' مخلوق کے آغاز اور دار آخرت کی خبریں' توریت وانجیل اور حضرت ابراہیم و موسیٰ علیہما السلام کے صحیفوں میں جو کچھ ہے (سب کچھ بتایا)۔

انبیاء کرام اور ان کی امتوں کے احوال کو ظاہر کرنا' ان کے علوم کے اسرار اور ان کی سیرتوں میں جو کچھ محفوظ ہے ان کی شریعتوں کی پوشیدہ باتیں یا ان کی کتب جن مضامین پر مشتمل ہیں اور ان کے علماء نے آپ کی تصدیق کی اور جو کچھ ذکر کیا گیا ان کو جھٹلانے پر وہ قادر نہ تھے بلکہ وہ اس کے سامنے جھک گئے اس کے علاوہ جو علم اور اچھے اخلاق' مواعظ اور حکمتیں اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمائی ہیں وہ اس سے زائد ہیں۔

عقلی دلائل کا راستہ دکھانا' واضح دلائل کے ساتھ امتوں کے مختلف فرقوں کا رد کرنا اور وہ علوم وفنون کہ لوگوں نے اس سلسلے میں آپ کے کلام کو رہنما اور آپ کے اشارے کو حجت بنایا مثلاً لغت' معانی' بیان' عربیت احکام شرعیہ کے قوانین' سیاسیات عقلیہ' حقائق قلبیہ کے معارف وغیرہ مختلف اقسام علوم میں آپ مقتدا ہیں اسی طرح ان معارف کے فنون جو امت کے فوائد وحاجات پر مشتمل ہیں جس طرح طب' خوابوں کی تعبیر اور حساب وغیرہ جو بے شمار و بے حساب ہیں۔

(تو جب تم ان تمام باتوں پر غور کرو گے) تو تم یہ فیصلہ کرو گے کہ اس باب میں نبی اکرم ﷺ کا میدان بہت وسیع ہے کہ اس تک پہنچنے سے پہلے دلائل ختم ہو جاتے ہیں اور آپ کے علم و معارف کا سمندر بھرا ہوا ہے' اسے ڈول مکدر نہیں کر

سکتے (ختم نہیں ہو سکتا)۔

یہ مقصد تین فصول پر مشتمل ہے۔

فصل نمبر ا

امراض و آفات والوں کے لئے طبِ نبوی

بیمار پرسی

یہ بات جان لو کہ نبی اکرم علیہ السلام سے بیمار ہونے والے صحابہ کرام کی عیادت ثابت ہے حتی کہ آپ نے اہل کتاب میں سے اس لڑکے کی عیادت بھی فرمائی جو آپ کی خدمت کرتا تھا اور اپنے چچا (ابو طالب) کی بیمار پرسی کی حالانکہ وہ مشرک تھے نیز ان دونوں پر اسلام پیش کیا تو وہ لڑکا جو یہودی تھا اس نے اسلام قبول کیا۔ جس طرح "صحیح بخاری اور سنن ابوداؤد میں" حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

ایک یہودی لڑکا نبی اکرم ﷺ کی خدمت کیا کرتا تھا' وہ بیمار ہوا تو آپ نے اس کی بیمار پرسی فرمائی آپ اس کے سرہانے تشریف فرما ہوئے تو ارشاد فرمایا: اسلام قبول کرو اس نے اپنے باپ کی طرف دیکھا جو وہاں موجود تھا تو اس نے کہا "اطع ابا القاسم ابوالقاسم ﷺ کی بات مانو" تو اس نے اسلام قبول کر لیا۔

نبی اکرم ﷺ وہاں سے باہر تشریف لائے تو فرما رہے تھے:

الحمد لله الذی انقذه من النار. تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے اسے جہنم سے بچالیا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۳۵۶۔ ۵۶۵۷' مسند احمد ج ۳ ص ۲۸۰۔ ج ۶ ص ۳۳۹' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۰۹۵' نصب الرایہ ج ۳ ص ۳۶۰۔ ج ۴ ص ۲۷۱' الدر المنثور ج ۵ ص ۱۳' تفسیر ابن کثیر ج ۵ ص ۷۷' موارد الظمآن رقم الحدیث: ۷۰۰' دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۶ ص ۲۵۰' التمہید ج ۹ ص ۳۳۶)

نبی اکرم ﷺ مریض کے قریب ہوتے اور اس کے سر کے پاس تشریف فرما ہو کر اس کا حال یوں پوچھتے "کیف تجدک؟ تم اپنے آپ کو کیسا محسوس کر رہے ہو؟"

"صحیح بخاری' صحیح مسلم' جامع ترمذی اور سنن ابوداؤد میں" حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' فرماتے ہیں:

میں بیمار ہوا تو نبی اکرم ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ میرے پاس عیادت کے لئے تشریف لائے اور دونوں پیدل تھے انہوں نے مجھے بیہوشی کی حالت میں پایا پھر نبی اکرم ﷺ نے وضو فرمایا اور وضو کا پانی مجھ پر ڈالا تو مجھے افاقہ ہو گیا میں نے دیکھا تو نبی اکرم ﷺ تھے۔

"سنن ابوداؤد میں" یوں ہے کہ آپ نے میرے منہ پر چھینٹے مارے تو مجھے افاقہ ہو گیا۔ اس حدیث شریف میں یہ بھی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

یا جابر لا اراک میتا من وجعک ھذا۔ ¹ اے جابر! میں تمہیں اس مرض میں فوت ہوتا ہوا نہیں دیکھتا۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۰۹۷، السنن الکبریٰ ج ۶ ص ۲۳۱، التمہید ج ۵ ص ۱۹۰، زاد المسیر ج ۲ ص ۲۶۵)

"صحیح بخاری میں" حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے:

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

اطعموا الجائع وعودوا المریض وفکوا العانی۔ بھوکے کو کھانا کھلاؤ، بیمار کی عیادت کرو اور قیدی کو چھڑاؤ۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۰۴۶-۵۶۴۹، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۱۰۵، مسند احمد ج ۴ ص ۳۹۴، السنن الکبریٰ ج ۳ ص ۳۷۹۔ ج ۹ ص ۲۲۶۔ ج ۱۰ ص ۳، شرح السنۃ ج ۵ ص ۲۱۲، مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۱۵۲۳، مشکل الآثار ج ۴ ص ۲، کنز العمال رقم الحدیث: ۲۵۲۷۶)

"صحیح بخاری میں" ہے حضرت براء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں:

نبی اکرم ﷺ نے ہمیں سات باتوں کا حکم دیا اور انہوں نے اس میں بیمار پرسی کا بھی ذکر کیا۔

"صحیح مسلم میں ہے: ایک مسلمان کے لئے دوسرے مسلمان پر پانچ باتیں واجب ہیں اور ان میں عیادت کا بھی ذکر کیا۔ ²

بیمار پرسی کا حکم

ابن بطال نے کہا:

اس بات کا احتمال ہے کہ یہ امر وجوب کے لئے ہو یعنی واجب علی الکفایہ ہو بعض کے ادا کرنے سے سب بری الذمہ ہو جائیں اور کوئی بھی بیمار پرسی نہ کرے تو سب گناہ گار ہوں جس طرح کھانا کھلانے اور قیدی چھڑانے کا حکم ہے (یعنی واجب علی الکفایہ ہے)۔

اور یہ بھی احتمال ہے کہ صلہ رحمی اور الفت کے طور پر محض مستحب ہو۔

طبری کے نزدیک اس کی تین صورتیں ہیں۔

(۱) جس شخص سے برکت کی امید ہو اس کے حق میں یہ تاکیدی حکم ہے۔

---

¹ اس حدیث سے دو باتیں معلوم ہوئیں کہ نبی اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے غیب کی باتوں پر مطلع فرمایا چنانچہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا وصال ۷۰ھ میں ہوا یعنی حضور علیہ السلام کے بعد ساٹھ سال زندہ رہے نیز اگر بیمار پرسی کرنے والا کوئی بزرگ ہو تو اس سے برکت حاصل کی جائے اور اس کے وضو کا پانی باعث برکت ہے لہٰذا وہ وضو کر کے اپنا پانی بیمار پر ڈالے۔ (زرقانی ج ۷ ص ۵)

² نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر چھ حقوق ہیں (۱) سلام کا جواب دینا (۲) بیمار پرسی کرنا (۳) جنازے کے ساتھ جانا (۴) دعوت قبول کرنا (۵) چھینک کے جواب میں "یرحمک اللہ" کہنا۔

(۲) جو مریض کی دیکھ بھال کرنے والا (دوائیاں وغیرہ لانے والا ہے) اس کے لیے سنت ہے۔
(۳) اور باقی لوگوں کے لیے مستحب ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک فرض کفایہ ہے جس طرح ابواللیث سمرقندی رحمہ اللہ نے اپنے "مقدمۂ مشہورہ" میں فرمایا ہے۔ (الاعلام ج ۸ص ۲۷' کشف الظنون ج ۲ص ۱۷۹۵)

انہوں نے نبی اکرم ﷺ کے ارشادگرامی "عودوا المریض" کے عموم سے ہر بیماری کی عیادت کے جواز پر استدلال کیا ہے لیکن بعض نے "آنکھیں دکھنے کی بیماری" کو مستثنیٰ کیا۔

لیکن اس کا رد کیا گیا کہ حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کی حدیث میں خاص طور پر اس بیماری میں عیادت کا ذکر ہے وہ فرماتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے میری بیماری پرسی کی جب کہ میری آنکھوں میں تکلیف تھی۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۱۰۲)

اس حدیث کو امام ابوداؤد نے روایت کیا اور امام حاکم نے اسے صحیح قرار دیا۔

اور جو حدیث امام بیہقی اور امام طبرانی نے مرفوعاً ذکر کی کہ (نبی اکرم ﷺ نے فرمایا):

ثلاثة ليس لهم عيادة الرمد والدمل والضرس.

تین بیماریوں کی عیادت نہیں آنکھیں دکھنا' پھوڑا اور دانتوں کا درد ہے۔

تو امام بیہقی رحمہ اللہ نے فرمایا: صحیح یہ ہے کہ یہ حدیث حضرت یحییٰ بن کثیر پر موقوف ہے۔

(عیادت مریض کے سلسلے میں مروی) حدیث کے اطلاق سے یہ مسئلہ اخذ کیا جاتا ہے کہ ابتدائے مرض گزرنے کی قید نہیں (یعنی یہ بات صحیح نہیں کہ آغاز مرض میں عیادت نہ کی جائے) یہ جمہور کا قول ہے۔

امام غزالی رحمہ اللہ نے "احیاء العلوم" میں قطعی طور پر بیان کیا کہ تین دن کے بعد عیادت کی اور اس بات کے لیے اس حدیث سے استدلال کیا جو امام ابن ماجہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے (وہ فرماتے ہیں):

نبی اکرم ﷺ تین دن کے بعد عیادت کرتے تھے۔

یہ حدیث ضعیف ہے اور مسلم بن علی اس میں منفرد ہیں اور وہ متروک ہیں' ابوحاتم کہتے ہیں یہ حدیث باطل ہے۔

بیمار پرسی کی فضیلت

بیمار پرسی کے بارے میں وارد تمام احادیث ذکر کر کے ہم گفتگو کو طویل نہیں کرنا چاہتے' اس سلسلے میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث جسے امام ترمذی رحمہ اللہ نے حسن قرار دیا' کفایت کرتی ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

من عاد مريضا ناداه مناد من السماء طبت وطاب ممشاك وتبوأت من الجنة منزلا.

جو شخص کسی مریض کی بیمار پرسی کرے تو آسمان سے ایک منادی آواز دیتا ہے تو نے اچھا کیا اور تیرا چلنا اچھا ہے اور تو نے جنت میں ٹھکانہ بنایا۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۰۰۸' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۴۴۸' مسند احمد ج ۲ص ۳۲۶_۳۴۴_۳۵۴' الترغیب والترہیب

ج۳ص۳۱۹،السادۃ المتقین ج۶ص۲۷۱۔۲۹۶،مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث:۱۵۷۵)

''سنن ابوداؤد میں'' حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے (نبی اکرم ﷺ نے فرمایا):

من توضا فاحسن الوضوء وعاد اخاہ المسلم محتسبا بوعد من جھنم مسیرۃ سبعین خریفا.

جس نے اچھی طرح وضو کیا اور اپنے مسلمان بھائی کی بیمار پرسی کی اسے جہنم سے ستر سال کی مسافت دور رکھا جائے گا۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث۳۰۹۷،الترغیب والترہیب ج۴ص۳۱۹،مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث:۱۵۵۲،کنزالعمال رقم الحدیث:۲۵۱۳۱)

ابن حبان نے اپنی صحیح میں حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے مرفوع حدیث نقل کی ہے (کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا):

خمس من عملھن فی یوم کتبہ اللہ من اھل الجنۃ من عاد مریضا وشھد جنازۃ وصام یوما وراح الی الجمعۃ واعتق رقبۃ.

پانچ کام ایسے ہیں کہ جو شخص ان کو ایک دن میں کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے جنتیوں میں سے لکھ دیتا ہے' جو بیمار کی عیادت کرے اور جنازہ میں حاضر ہو اور ایک دن کا روزہ رکھے اور جمعہ کی نماز کے لئے جائے اور غلام آزاد کرے۔

امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت کعب رضی اللہ عنہ سے مرفوع حدیث نقل کی ہے جو یوں ہے:

من عاد مریضا خاض فی الرحمۃ فاذا جلس عندہ استنقع فیھا.

جو شخص کسی مریض کی بیمار پرسی کرے وہ رحمتِ (خداوندی) میں غوطہ لگاتا ہے پس جب اس کے پاس بیٹھتا ہے تو رحمت میں مکمل طور پر ڈوب جاتا ہے۔

اور طبرانی نے یہ اضافہ کیا:

واذا قام من عندہ فلا یزال یخوض فیھا حتی یرجع من حیث خرج.

اور جب اس کے پاس سے کھڑا ہوتا ہے تو مسلسل رحمت (کے سمندر) میں غوطہ زن ہوتا ہے حتیٰ کہ وہاں لوٹ آئے جہاں سے گیا تھا۔

بروقت بیمار پرسی کرنا

نبی اکرم ﷺ بیمار پرسی کے لئے کوئی خاص دن یا کوئی خاص وقت مقرر نہیں فرماتے تھے لہٰذا ہفتے کے دن بیمار پرسی نہ کرنا سنت کے خلاف ہے۔ یہ بدعت ایک یہودی نے جاری کی وہ ایک بادشاہ کا طبیب تھا جو بیمار ہوا اور اس نے اسے اپنا ملازم رکھا اس حکیم نے جمعہ کے دن ہفتہ کے لیے جانے کا ارادہ کیا تو بادشاہ نے منع کر دیا اسے ڈر ہوا کہ (اگر وہ ہفتے کے دن آیا تو) اس دن کی حرمت کو حلال کرنا لازم آئے گا اور (اگر نہ آیا تو) اس کا خون بہایا جائے گا چنانچہ اس نے کہا ہفتہ کے دن مریض کے پاس جانا صحیح نہیں پس بادشاہ نے اسے اجازت دے دی پھر یہ بات مشہور ہوگئی اور بے شمار لوگوں نے اس پر اعتماد کرلیا۔

ابن صلاح نے فراوی سے جو نقل کیا ہے وہ عجیب بات ہے (وہ یہ) کہ سردیوں میں رات کے وقت اور گرمیوں میں

دن کے وقت بیمار پرسی مستحب ہے شاید اس میں حکمت یہ ہو کہ سردیوں میں رات کے طویل ہونے کی وجہ سے مریض تنگ پڑ جاتا ہے اور گرمیوں میں دن بڑے ہوتے ہیں لہٰذا بیمار پرسی سے اسے راحت پہنچے گی۔

غیر مسلموں سے علاج کرانا

مناسب یہ ہے کہ دین کے دشمنوں سے علاج نہ کرایا جائے وہ یہودی ہو یا کوئی دوسرا' کیونکہ ان کا (مسلمانوں کو) دھوکا دینا قطعی اور یقینی بات ہے خصوصاً جب بیمار آدمی دینی یا علمی اعتبار سے بڑی شخصیت ہو اور بالخصوص جب یہ دشمن یہودی ہو کیونکہ ان کے دین کی بنیاد یہ ہے کہ ان میں سے جو بھی مسلمانوں کا خیر خواہ ہو وہ اپنے دین سے نکل جاتا ہے اور جو شخص ہفتے کے دن کو حلال جانے اس کا خون بہانا جائز ہے۔

اور اس میں شک نہیں کہ جس کے دل میں کوئی ایسا خیال ہو تو اس بات کا ڈر ہے کہ وہ خودکشی سے متعلق ممانعت میں داخل ہو۔ اور اس زمانے میں ذمی کفار سے بہت نقصان پہنچ رہا ہے۔ پس نیکی کرنا اور برائی سے بچنا اللہ تعالیٰ کی قوت کے بغیر نہیں ہوسکتا۔ اللہ تعالیٰ شاعر پر رحم فرمائے جس نے کہا:

لعن النصاری والیهود فانهم بلغوا بمكرهم بنا الاٰمالا

خرجوا اطباء وحسابا لکی یتقسموا الارواح والاموالا

''اللہ تعالیٰ نصاریٰ اور یہودیوں پر لعنت فرماتے ہیں ان کا مکر ہم تک پہنچ چکا ہے۔ وہ معالج اور حساب کرنے والے بن کر نکلے تاکہ ارواح اور مال کو تقسیم کریں''۔

رُوحانی علاج

نبی اکرم ﷺ جو کچھ خود کرتے اس کا حکم بھی دیتے تھے اس میں مریضوں کے نفسوں کو خوش رکھنا اور ان کے دلوں کو تقویت دینا بھی ہے۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

اذا دخلتم علی المریض فنفسوا له فی اجله فان ذلک یطیب نفسه. جب تم کسی مریض کے پاس جاؤ تو اسے طویل زندگی کی امید دلاؤ اس سے نفس کا علاج ہوتا ہے۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۰۸۷' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۴۳۸' مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۱۵۷۲' میزان الاعتدال رقم الحدیث: ۸۹۱۴' کنز العمال رقم الحدیث: ۲۵۱۴۳)

مثلاً اس سے یوں فرماتے:

لا باس علیک طهور ان شاء الله ووجهک الان احسن. کوئی حرج نہیں (گناہوں سے) پاکیزگی کا باعث ہے ان شاء اللہ اور تیرا چہرہ اب بہت اچھا ہے۔

اور اس قسم کے الفاظ کہے۔

اور کبھی یوں ہوتا کہ اس کے لئے مرض سے حاصل ہونے والے ثواب کا ذکر فرماتے اور یہ کہ مرض کفارہ ہے پس

بعض اوقات اس سے اس کا دل ٹھیک ہو جاتا اور وہ گناہ کے ارتکاب سے بے خوف ہو جاتا۔ بعض حضرات (یعنی ابن قیم) نے کہا کہ اس حدیث میں علاج کی ایک بہترین صورت ہے اور وہ بیمار کے دل کو خوش کرنے کے لئے ایسا کلام کرنا جس سے طبیعت کو قوت حاصل ہو اور طبعی گرمی پیدا ہو وہ بیماری کو دور کرنے یا اس سے تخفیف پیدا کرنے پر مدد کرے جو علاج (دوائیوں وغیرہ) کی تاثیر کی انتہاء ہے مریض کو خوش رکھنے نیز اس کے دل کی خوشی اور اسے مسرت پہنچانے کے حوالے سے بیماری سے شفا اور اس کی تخفیف میں عجیب تاثیر ہے کیونکہ اس سے ارواح اور قوتوں کو تقویت حاصل ہوتی اور طبیعت اذیت ناک چیز کو دور کرنے پر مدد حاصل کرتی ہے اور لوگوں نے کئی مریضوں کا مشاہدہ کیا کہ جب وہ لوگ ان کی عیادت کرتے ہیں جن سے وہ محبت کرتے ہیں اور ان کی تعظیم کرتے ہیں تو ان کی قوت بڑھ جاتی ہے' ان لوگوں کا مریض کو دیکھنا' اس سے نرم گفتگو کرنا ان کے لئے صحت کا باعث ہوتا ہے۔

عیادتِ مریض کی کیفیت

''الہدی النبوی'' میں (ابن قیم نے) کہا کہ نبی اکرم ﷺ مریض سے اس کی بیماری کے بارے میں پوچھتے اور یہ کہ وہ اپنے آپ کو کیسا محسوس کرتا ہے اور کس چیز کی خواہش رکھتا ہے؟ اگر وہ کسی چیز کی خواہش رکھتا اور آپ کو معلوم ہوتا کہ یہ چیز اس کے لئے نقصان دہ نہیں ہے تو آپ اس کے لئے اس چیز کا حکم دیتے۔

آپ اس کی پیشانی پر اپنا دستِ مبارک رکھتے اور بعض اوقات اس کے سینے پر ہاتھ رکھتے اور اس کے لئے دعا فرماتے نیز اسے بتاتے کہ اس کی بیماری میں اس کے لیے کیا چیز نفع بخش ہے' کبھی وضو فرما کر اس کا پانی اس پر ڈالتے جیسا کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث سے گزر چکا ہے' بعض اوقات مریض سے فرماتے: کوئی حرج نہیں گناہوں سے طہارت ہوگی ان شاء اللہ تعالیٰ بعض اوقات فرماتے: یہ کفارہ اور پاکیزگی کا باعث ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی اکرم ﷺ جب کسی مریض کی بیمار پرسی کرتے تو اپنا دستِ مبارک اس کی تکلیف والی جگہ پر رکھتے پھر فرماتے۔ ''بسم اللہ کے نام سے''۔

اسے ابو یعلی رحمہ اللہ نے سند حسن (یا سند صحیح) کے ساتھ روایت کیا۔

امام ترمذی رحمہ اللہ نے حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے کمزور سند کے ساتھ مرفوعاً (حضور علیہ السلام کا ارشاد گرامی) روایت کیا: کہ مریض کی کامل بیمار پرسی یہ ہے کہ تم میں سے کوئی ایک (بیمار پرسی کرنے والا) اس کی پیشانی پر اپنا ہاتھ رکھے اور اس سے پوچھے کہ وہ کیسا ہے؟ ابن السنی نے یہ الفاظ نقل کئے ہیں کہ (پوچھے) تم نے صبح کیسے کی یا تم نے شام کیسے کی؟

دلوں کا علاج اور جسموں کا علاج

جب تمہیں یہ بات معلوم ہوگئی تو جان لو کہ بیماری کی دو قسمیں ہیں۔

(۱) دلوں کی بیماری (۲) جسموں کی بیماری۔

جہاں تک دلوں کی بیماری کے علاج کا تعلق ہے تو یہ اس بات کے ساتھ خاص ہے جو نبی اکرم ﷺ اپنے رب تبارک وتعالیٰ سے لے کر آئے اس کا حصول اسی جہت سے ہو سکتا ہے کیونکہ دلوں کی اصلاح یہ ہے کہ وہ اپنے رب اور اپنے پیدا کرنے والے کو پہچانیں نیز اس کے ناموں' صفات' افعال اور احکام کی پہچان حاصل کریں نیز اپنے رب کی رضا

اور محبت کو ترجیح دیں' اس نے جن کاموں سے روکا اور جو اس کی ناراضگی کا باعث ہیں ان سے رک جائیں اس کی صحت اور حیات اس کے بغیر نہیں ہو سکتی اور اس بات کا حصول ہمارے سردار حضرت محمد ﷺ کی جہت سے ہی ہو سکتا ہے۔

جہاں تک جسموں کے علاج کا تعلق ہے تو اس سلسلے میں کچھ تو نبی اکرم ﷺ سے منقول ہے اور بعض باتیں دوسرے لوگوں سے آتی ہیں کیونکہ نبی اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہادی بنا کر نیز اللہ تعالیٰ کی طرف اور اس کی جنت کی طرف بلانے والا بنا کر بھیجا گیا علاوہ ازیں آپ اللہ تعالیٰ کی پہچان کرانے والے ہیں اور امت کے سامنے بیان کرتے ہیں کہ اس کی رضا کہاں حاصل ہوگی؟ پھر امت کو اس بات کا حکم دیتے ہیں' اس کی ناراضگی کے مقامات بیان کر کے ان سے منع کرتے ہیں' انبیاء و رسل کی خبریں اور امتوں کے ساتھ ان کے احوال بیان کرتے ہیں' عالم کی تخلیق' آغاز و آخرت' بدبختی اور سعادت نیز ان کے اسباب بیان فرماتے ہیں۔

اور جہاں تک جسموں کے علاج کا تعلق ہے تو یہ آپ کی شریعت کی تکمیل ہے لیکن ذاتی طور پر مقصود نہیں بلکہ حاجت کے تحت بیان فرماتے اگر اس کی ضرورت نہ ہوتی تو ہمتوں کو دلوں کے علاج اور ان کی صحت نیز قلبی بیماریوں اور ایسی غیرت جو فساد پیدا کرتی ہے' کو دور کرنے کی طرف پھیرتے کیونکہ جسم کی اصلاح کا مقصد بھی یہی ہے اور جسم کی اصلاح قلبی اصلاح کے بغیر نفع بخش نہیں ہے اور بدن کا فساد دل کی اصلاح کے ساتھ ہو تو نقصان کم ہوتا ہے اور یہ ایسا نقصان ہے جسے دور کیا جا سکتا ہے اور اس کے بعد دائمی منفعت آتی ہے۔

گناہوں کا ضرر اور آثار

جب تم نے یہ بات جان لی تو یہ بھی جان لو کہ دلوں میں گناہوں کا نقصان اسی طرح ہے جس طرح بدنوں میں زہر سے نقصان پہنچتا ہے البتہ نقصان کے مراتب میں فرق ہے اور دنیا و آخرت کی تمام خرابیوں اور بیماریوں کا سبب گناہ اور نافرمانی ہے اور گناہوں کے بعض قبیح مذموم اور دلوں نیز بدن کو دنیا و آخرت میں نقصان پہنچانے والے بعض آثار ایسے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا ان میں سے بعض یہ ہیں۔

(۱) علم سے محرومی' کیوں کہ علم نور ہے جسے اللہ تعالیٰ دل میں ڈالتا ہے اور گناہ اس نور کو بجھا دیتا ہے امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا:

شکوت الی وکیع سوء حفظی فارشدنی الی ترک المعاصی
وقال اعلم بان العلم نور و نور اللہ لا یؤتاہ عاصی

''میں نے حضرت وکیع رحمہ اللہ سے حافظہ کی خرابی کا ذکر کیا تو انہوں نے مجھے گناہوں کو ترک کرنے کا حکم دیا۔ اور فرمایا جان لو کہ علم ایک نور ہے اور اللہ تعالیٰ کا نور کسی نافرمان (گناہ گار) کو نہیں دیا جاتا''۔

(۲) رزق سے محرومی' ایک مسند (یعنی مرفوع) حدیث میں ہے:

ان العبد لیحرم الرزق بالذنب یصیبہ. بندہ اس گناہ سے جس تک وہ پہنچتا ہے رزق سے محروم کر دیا جاتا ہے۔

(مسند احمد ج ۵ ص ۲۸۰-۲۸۲' اتحاف السادۃ المتقین ج ۵ ص ۳۰- ج ۸ ص ۶۱۷' تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۳۹۹-۵۳۱' الدر المنثور

ج۶ص۲۲۳)

(۳) گناہ گار اپنے دل میں وحشت پاتا ہے جو اس کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان ہوتی ہے جس کے مقابل اور قریب کوئی لذت نہیں آتی۔

(۴) اس کے کام اس پر سخت ہو جاتے ہیں وہ جس کام کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے اس کے سامنے دروازہ بند ہوتا ہے یا اس پر تنگ ہوتا ہے۔

(۵) گناہ گار آدمی اپنے دل میں حقیقتاً تاریکی پاتا ہے جسے وہ محسوس کرتا ہے جس طرح سخت تاریک رات میں اندھیرا محسوس کرتا ہے اور جب اندھیرا بڑھتا ہے تو اس کی حیرت میں اضافہ ہوتا ہے حتیٰ کہ وہ بدعات' گمراہیوں اور ہلاک کرنے والے کاموں میں پڑ جاتا ہے اور اسے اس بات کا شعور بھی نہیں ہوتا۔ پھر یہ اندھیرا قوت اختیار کرتا ہے حتیٰ کہ وہ اس کے چہرے پر چڑھ جاتا ہے اور اس کا چہرہ سیاہ ہو جاتا ہے جو ہر شخص کو دکھائی دیتا ہے۔

(۶) گناہ سے دل اور بدن کمزور ہو جاتا ہے۔

(۷) اس کی وجہ سے عبادت سے محرومی ہوتی ہے' عمر کم ہو جاتی ہے اور برکت مٹ جاتی ہے اور (فرشتوں کی کتب کے مطابق) اسباب کے باعث عمر میں اضافہ ہونے یا کسی سبب سے اس کے کم ہونے میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ عمر کے کم ہونے میں گناہ کی تاثیر اس سبب سے ہے کہ زندگی کی حقیقت' دل کی زندگی ہے کیونکہ انسان کی زندگی تو وہی اوقات ہیں جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ گزرتے ہیں یہی اس کی عمر کی گھڑیاں ہیں تو نیکی' تقویٰ اور عبادات سے ان اوقات میں برکت پیدا ہوتی ہے جو اس کی حقیقی عمر ہے اور اس کے علاوہ اس کی کوئی عمر نہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ جب بندہ اللہ تعالیٰ سے منہ پھیرتا ہے اور گناہوں میں مشغول ہو جاتا ہے تو اس کی حقیقی زندگی کے دن ضائع ہو جاتے ہیں۔

(۸) اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے ذلت جنم لیتی ہے۔

(۹) اس عمل کی ایک خرابی یہ ہے کہ عقل خراب ہو جاتی ہے کیونکہ عقل ایک نور ہے اور گناہ عقل کے نور کو بجھا دیتا ہے۔

(۱۰) گناہ کے باعث نعمتیں چلی جاتی ہیں اور عذاب نازل ہوتا ہے۔

کیونکہ انسان سے نعمت کا زوال گناہ کی وجہ سے ہوتا ہے اور اس پر عذاب بھی گناہ کے باعث نازل ہوتا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُوْ عَنْ كَثِيْرٍ. (الشوریٰ:۳۰)

اور تمہیں جو مصیبت پہنچتی ہے وہ تمہارے اعمال کی وجہ سے اور وہ (اللہ تعالیٰ) بہت کچھ معاف کر دیتا ہے۔

کسی شاعر نے کیا خوب کہا:

اذا كنت في نعمة فارعها فان الذنوب تزيل النعم

وحطها بطاعة رب العباد فرب العباد سريع النقم

"جب تیرے پاس کوئی نعمت ہو تو اس کا خیال کر کیونکہ گناہوں سے نعمتیں زائل ہو جاتی ہیں۔ بندوں

کے رب کی عبادت کے ذریعے ان کی حفاظت کریں کئی بندوں پر عذاب جلدی نازل ہوتا ہے"۔

گناہ کی سزاؤں میں سے ایک سزا یہ ہے کہ دنیا اور آخرت میں بندے کی ہلاکت کے اسباب پیدا ہو جاتے ہیں کیونکہ گناہ بیماریاں ہیں جب تم ان کو مضبوط کرو گے وہ تمہیں ہلاک کر دیں گے اور یہ ضروری ہے۔

اور جس طرح بدن اس غذا کے بغیر صحیح نہیں ہوتا جو غذا اس کے بدن کو قوت بخشے اور ایسا علاج جو ان فاسد مواد اور ردی اخلاط کا علاج کرے جو غالب آنے کی صورت میں بگاڑ پیدا کر دیتے ہیں اور ان چیزوں سے بچتا ہے جو اسے اذیت پہنچاتی ہیں اور ان کے نقصان کا ڈر ہوتا ہے اسی طرح دل کا معاملہ ہے اس کی زندگی کو پورا کرنے کے لیے ایمان اور اعمال صالحہ کی غذا ضروری ہے جو اس کی قوت کی حفاظت کرے نیز توبۃ النصوح (نصیحت آمیز توبہ) کے ذریعے دل کا علاج کرے تاکہ فاسد مواد اور ردی اخلاط کا علاج ہو جائے کیونکہ وہ غالب آ جائیں تو دل میں فساد پیدا ہو جاتا ہے اور گناہوں سے پرہیز کرے تاکہ صحت کی حفاظت ہو اسی طرح قلبی صحت کی مخالفت سے بھی بچے یعنی جو چیزیں صحت کے خلاف ہیں ان کو استعمال نہ کرے اور ان تین باتوں (غذا' علاج اور پرہیز) کا نام ہی تقویٰ ہے ان میں سے جو چیز نہ پائی گئی اسی اندازے کے مطابق تقویٰ نہ رہا۔

جب یہ بات واضح ہو گئی تو گناہ ان تینوں باتوں کی ضد ہیں کیونکہ وہ اذیت ناک مواد کو کھینچ لاتے ہیں اور پرہیز کی خلاف ورزی ہوتی ہے اور توبۃ النصوح کے ساتھ علاج نہیں ہو سکتا۔ پس تم بیمار بدن کو دیکھو جس پر مختلف خرابیاں اور بیماریوں کا مواد جمع ہے اور وہ علاج کراتا ہے نہ پرہیز کرتا ہے تو اس کی صحت اور بقا کیسے ہوگی؟

کسی کہنے والے نے کیا اچھا کہا:

جسمک بالحمیة حصنتہ   مخافة من الم طاری
وکان اولی بک ان تحتمی   من المعاصی خشیة النار

"تو پرہیز کے ذریعے اپنے جسم کو محفوظ رکھتا ہے کیونکہ پہنچنے والی تکلیف کا ڈر ہے۔ حالانکہ تیرے لئے زیادہ بہتر بات یہ تھی کہ تو جہنم سے بچتے ہوئے گناہوں سے بچتا"۔

پس جو شخص اللہ تعالیٰ کے احکام کی بجا آوری کرتے ہوئے قوت کی حفاظت کرتا ہے اور ممنوع کاموں سے بچتے ہوئے پرہیز اختیار کرتا ہے اور توبۃ النصوح کے ذریعے بیماری کا علاج کرتا ہے وہ بھلائی کے کسی سبب کو نہیں چھوڑتا اور نہ ہی برائی سے بھاگنے کے کسی راستے کو ترک کرتا ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

الا ادلکم علی دائکم ودوائکم الا ان داء کم الذنوب ودواء کم الاستغفار.

کیا میں تمہاری بیماری اور تمہاری دوائی پر تمہاری رہنمائی نہ کروں بے شک تمہاری بیماری گناہ ہیں اور تمہاری دوا طلب مغفرت ہے۔

تو تمہارے لئے ظاہر ہو گیا کہ دلوں کے علاج کی معرفت صرف رسول اللہ ﷺ سے بواسطہ وحی حاصل ہوتی ہے۔

جسمانی علاج

جسموں کا علاج عام طور پر تجربہ کی بنیاد پر ہوتا ہے۔

پھر اس کی دو نوع ہیں۔

(۱) ایک نوع وہ ہے کہ اس میں فکر و نظر کی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ وہ علاج اللہ تعالیٰ نے حیوانات کی فطرت میں رکھا ہے مثلاً بھوک پیاس ٹھنڈک اور تھکاوٹ کو دور کرنا اس سلسلے میں معالج کے علاج کی ضرورت نہیں۔

اور دوسری قسم میں فکر و نظر کی حاجت ہوتی ہے جس طرح جسم میں کسی ایسی بات کا پیدا ہو جانا جو اسے اعتدال سے نکال دے وہ گرمی ہو یا ٹھنڈک اور پھر یہ دونوں رطوبت کی وجہ سے ہوں یا خشکی کے سبب یا دونوں سے مرکب ہو۔ اور عام طور پر ان کا علاج اس کی ضد کے ساتھ ہوتا ہے اور ان بیماریوں کا دور کرنا بعض اوقات بدن کے خارج سے ہوتا ہے اور کبھی اندر سے اور دونوں میں سے یہ طریقہ زیادہ مشکل ہے اور اس کی معرفت کا طریقہ اس کے سبب اور علامت کی پہچان حاصل کرنا ہے۔

پس ماہر ڈاکٹر وہ ہے جو ان چیزوں کو دور کرنے کی کوشش کرتا ہے جن کا جمع ہونا جسم کے لئے تکلیف کا باعث ہے یا اس کے الٹ کرتا ہے کہ جن باتوں کا جدا ہونا نقصان پہنچاتا ہے ان کو جمع کرتا ہے۔ اور بدن کو نقصان پہنچانے والی چیز کو کم کرنا یا اس کے خلاف کرتا ہے اور اس کا دارومدار تین چیزوں پر ہے۔ (۱) صحت کی حفاظت (۲) ایذا رساں چیز سے بچنا (۳) اور فاسد مادہ کو نکالنا۔

اور قرآن مجید میں ان تینوں باتوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

پہلی بات کی طرف اشارہ اس آیتِ کریمہ میں ملتا ہے:

فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ. (البقرہ:۱۸۴)

پس تم میں سے جو شخص بیمار ہو یا سفر پر ہو وہ دوسرے دنوں سے گنتی کرے (روزے کی قضا کرے)۔

کیونکہ سفر میں تھکاوٹ کا گمان ہوتا اور اس سے صحت میں تبدیلی واقع ہوتی ہے پس جب اس میں روزہ واقع ہوگا تو یہ تبدیلی بڑھ جائے گی لہٰذا روزہ چھوڑنا جائز قرار دیا اسی طرح بیماری کا معاملہ ہے۔

دوسری بات یعنی بچاؤ کے بارے میں ارشاد خداوندی ہے:

وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ. (النساء:۲۹)

اور اپنے نفسوں کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔

اسی سے ٹھنڈے پانی کے استعمال کے وقت ہلاکت کے خوف سے تیمم کا جواز ثابت کیا گیا اور اللہ تعالیٰ نے آیت وضو میں فرمایا:

وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا. (النساء:۴۳)

اور اگر تم بیمار ہو یا سفر میں ہو یا تم میں سے کوئی ایک قضائے حاجت سے آئے یا تم عورت کے قریب جاؤ پس تم پانی نہ پاؤ تو پاک مٹی سے تیمم کرلو۔

تو مریض کے لئے پانی سے مٹی کی طرف پھر جانا جائز قرار دیا تاکہ وہ اپنے جسم کو اذیت پہنچانے والی چیز سے بچائے اور یہ اس بات سے خبردار کرتا ہے کہ انسانی جسم کو اندرونی یا بیرونی ہر تکلیف دہ کام سے بچانا چاہیے۔

اور تیسری بات کا ذکر اس آیت میں ہوا:

او به اذى من راسه ففدية. (البقرہ:۱۹۶) یا اس کے سر میں کوئی تکلیف ہو تو فدیہ دے۔

اس میں اس بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ اگر محرم کے سر میں بالوں کے نیچے جمع بخار کی وجہ اسے تکلیف ہو تو اس کے لیے سر منڈوانا جائز ہے حالانکہ حالت احرام میں یہ عمل منع ہے کیونکہ جب وہ سر منڈوائے گا تو مسام کھل جائیں گے اور یہ بخارات نکل جائیں گے تو اس فاسد مادہ کو نکالنے پر ہر اس چیز کو قیاس کیا جائے جس کا رکنا اذیت ناک ہے تو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو ان تین قسم کے علاجوں اور قواعد کی طرف رہنمائی فرمائی۔

علاج کی ترغیب

''صحیح بخاری و مسلم میں بواسطہ'' حضرت عطاء حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

ما انزل الله داء الا وانزل له شفاء. اللہ تعالیٰ نے جو بیماری بھی نازل فرمائی ہے اس کی شفاء بھی نازل کی ہے۔

(صحیح بخاری رقم الحدیث:۵۶۷۸' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۳۴۳۸_۳۴۳۹' مسند احمد ج ۱ ص ۳۷۷' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۷ ص ۳۵۹' مجمع الزوائد ج ۵ ص ۸۵' اتحاف السادۃ المتقین ج ۹ ص ۵۱۵' شرح السنہ ج ۱۲ ص ۱۳۸' کنز العمال رقم الحدیث:۲۸۰۹۸)

''سنن نسائی میں'' حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور اس حدیث کو ابن حبان اور حاکم رحمہما اللہ نے صحیح قرار دیا کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

ان الله لم ينزل داء الا وانزل له شفاء فتداووا. اللہ تعالیٰ نے کوئی بیماری نازل نہیں کی مگر اس کے لئے علاج بھی اتارا ہے پس علاج کرایا کرو۔

(المستدرک ج ۴ ص ۱۹۷_۳۹۹' مسند احمد ج ۱ ص ۴۴۳_۴۳۶' موارد الظمآن رقم الحدیث:۱۳۹۳_۱۹۲۲' جمع الجوامع رقم الحدیث:۴۹۵۹_۴۹۸۲' المعجم الکبیر ج ۱ ص ۱۳۸' اتحاف السادۃ المتقین ج ۹ ص ۵۱۵' کنز العمال رقم الحدیث:۲۸۰۷۹_۲۸۲۱۳' نصب الرایہ ج ۴ ص ۲۸۳' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۷ ص ۳۶۰)

امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

ان الله حيث خلق الداء خلق الدواء فتداووا. بے شک اللہ تعالیٰ نے جب بیماری کو پیدا کیا تو دوائی بھی پیدا فرمائی پس علاج کرایا کرو۔

(مسند احمد ج ۱ ص ۳۵۶' مجمع الزوائد للہیثمی ج ۵ ص ۸۴' نصب الرایہ ج ۴ ص ۲۸۵_۲۸۵' التمہید ج ۵ ص ۲۸۵' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۷ ص ۳۵۹' کنز العمال رقم الحدیث:۲۸۰۷۸)

امام بخاری رحمہ اللہ نے ''الادب المفرد میں'' حضرت اسامہ بن شریک رضی اللہ عنہ سے مرفوع حدیث نقل کی ہے اور اسے امام احمد اور اصحاب سنن نے بھی نقل کیا امام ترمذی' ابن خزیمہ اور امام حاکم رحمہم اللہ نے اسے صحیح قرار دیا کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

تداووا یا عباد الله فان الله لم یضع داء الا وضع له شفاء الا داء واحدا وھو الھرم.

اے بندگانِ خدا! علاج کروایا کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جو بیماری پیدا کی ہے اس کا علاج بھی پیدا کیا ہے صرف ایک بیماری یعنی بڑھاپے کا علاج نہیں۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۰۳۸' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۸۵۵' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۴۳۶' مسند احمد ج ۴ ص ۲۷۸' اتحاف السادۃ المتقین ج ۹ ص ۵۱۵' التمہید ج ۵ ص ۲۸۲' کشف الخفاء ج ۱ ص ۳۵۸' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۷ ص ۳۶۰' موارد الظمآن للہیثمی رقم الحدیث: ۳۱۹۵' کنز العمال رقم الحدیث: ۲۸۰۷۶' نصب الرایۃ ج ۴ ص ۲۸۳' السنن الکبریٰ ج ۹ ص ۳۴۳' المعجم الکبیر ج ۱ ص ۱۴۶' تفسیر قرطبی ج ۱۰ ص ۱۳۸)

ایک روایت میں " الا السام " کے الفاظ ہیں یعنی موت وہ بیماری ہے جس کا کوئی علاج نہیں ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جو بیماری' بیمار کو قابو کر لیتی ہے وہ موت ہے اور پہلی روایت میں بڑھاپے کی استثناء ہے یا تو اس لئے کہ اسے موت کے مشابہ قرار دیا گیا اور دونوں کے درمیان جامع بات صحت میں نقص ہے یا یہ کہ بڑھاپا موت کے قریب ہوتا ہے اور موت تک لے جاتا ہے۔

اور ہو سکتا ہے مستثنیٰ منقطع ہو اور تقدیر عبارت یہ ہو کہ "لکن الھرم لادواء له لیکن بڑھاپے کا کوئی علاج نہیں"۔

امام ابوداؤد رحمہ اللہ' حضرت ابوداؤد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

ان الله جعل لکل داء دواء فتداووا ولا تداووا بحرام.

بے شک اللہ تعالیٰ نے ہر بیماری کے لیے دوا رکھی ہے پس دوائی استعمال کرو لیکن حرام چیز کے ساتھ علاج نہ کرو۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۸۷۴' السنن الکبریٰ ج ۱۰ ص ۵' جمع الجوامع رقم الحدیث: ۴۷۱۳' مشکوۃ المصابیح رقم الحدیث: ۴۵۳۸' شرح السنہ ج ۱۲ ص ۱۳۹' نصب الرایۃ ج ۴ ص ۲۸۵' کشف الخفاء ج ۱ ص ۲۵۸' کنز العمال رقم الحدیث: ۲۸۳۳۴)

"صحیح بخاری" میں ہے' نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

ان الله تعالى لم یجعل شفاء کم فیما حرم علیکم فلا یجوز التداوی بالحرام.

بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہاری شفاء حرام چیز میں نہیں رکھی پس تم حرام چیز سے علاج نہ کرو۔

امام مسلم رحمہ اللہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مرفوع حدیث نقل کی ہے' نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

لکل داء دواء فاذا اصیب دواء الداء برئ باذن الله.

ہر بیماری کے لئے دوا ہے پس جب دوا بیماری تک پہنچتی ہے تو (بیمار) اللہ تعالیٰ کے حکم سے ٹھیک ہو جاتا ہے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۶۹' المغنی ج ۴ ص ۲۷۶' مسند احمد ج ۳ ص ۳۳۵)

پس شفاء اس بات پر موقوف ہے کہ دوائی اللہ تعالیٰ کے حکم سے بیماری تک رسائی حاصل کرے اس لئے کہ بعض اوقات دوائی کیفیت یا مقدار میں حد سے تجاوز کر جاتی ہے پس فائدہ حاصل نہیں ہوتا بلکہ بعض اوقات کوئی دوسری بیماری پیدا ہو جاتی ہے۔

الحمیدی کی کتاب "طب اھل البیت" میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ایک روایت میں ہے کہ ہر

بیماری کی دوا ہے پس جب یہ بات ہے تو اللہ تعالیٰ ایک فرشتہ بھیجتا ہے جس کے پاس ایک پردہ ہوتا ہے وہ اس پردے کو بیماری اور دوائی کے درمیان کر دیتا ہے جب مریض دوائی پیتا ہے تو وہ بیماری پر اثر انداز نہیں ہوتی پس جب اللہ تعالیٰ اسے ٹھیک کرنے کا ارادہ فرماتا ہے تو فرشتے کو حکم دیتا ہے اور وہ پردہ اٹھا دیتا ہے پھر مریض دوائی پیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے اس سے نفع عطا فرماتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ایک مرفوع حدیث میں ہے:

ان اللہ لم ینزل داء الا انزل لہ شفاء علمہ من علمہ وجھلہ من جھلہ. بے شک اللہ تعالیٰ کوئی بیماری نہیں اتارتا مگر اس کے لئے شفاء بھی نازل فرماتا ہے اسے جان لیا جس نے جانا اور جاہل رہا جس نے نہ جانا۔

اسے ابونعیم وغیرہ نے روایت کیا ہے۔

اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ بعض دوائیاں ایسی ہیں جن کا علم کسی کو نہیں ہے۔

اور یہ ارشاد گرامی ہے کہ ہر بیماری کے لئے دوا ہے تو ہوسکتا ہے وہ اپنے عموم پر ہو حتیٰ کہ ہلاک کرنے والی دوائیوں کو بھی شامل ہو اور ان دوائیوں کو بھی کہ کوئی طبیب ان کی پہچان پر قادر نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ایسی دوائی پیدا کی ہو جس سے بیماری دور ہو جائے لیکن انسان سے اس کے علم کو لپیٹ دیا ہو اور اس تک اس کی رسائی نہ ہو کیونکہ مخلوق کو صرف اسی بات کا علم ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ اسے سکھاتا ہے اسی لئے نبی اکرم ﷺ نے شفاء کو اس بات سے معلق کیا کہ دوا اور بیماری کے درمیان موافقت ہو جائے۔

بعض بیماروں کے لئے ایسا بھی ہوا کہ انہوں نے ایک دوائی سے علاج کیا تو ٹھیک ہو گئے اس کے بعد وہی بیماری لگی اور وہی دوائی استعمال کی لیکن فائدہ نہ ہوا تو اس کا سبب دوائی کی صفات میں سے کسی صفت سے لاعلم ہونا ہے۔

پس بعض اوقات دو بیماریاں ایک جیسی ہوتی ہیں اور ان میں سے ایک مرکب ہوتی ہے (مثلاً حرارت اور ٹھنڈک کا اجتماع ہوتا ہے) تو اسے وہ چیز فائدہ نہیں دیتی جو اس بیماری میں فائدہ دیتی ہے جو مرکب نہیں ہے پس یہاں سے غلطی واقع ہوتی ہے اور بعض اوقات دو بیماریاں ایک جیسی ہوتی ہیں لیکن اللہ تعالیٰ اس کو کامیابی عطا کرنا نہیں چاہتا اور یہاں ڈاکٹروں کی گردنیں جھک جاتی ہیں (عاجز ہو جاتے ہیں)۔

علاج کرانا توکل کے خلاف نہیں

جو احادیث ہم نے ذکر کی ہیں ان میں اسباب کے اثبات کی طرف اشارہ ہے اور یہ توکل کے خلاف نہیں۔

جس طرح کھانا اور پینے کے ذریعے بھوک اور پیاس کو دور کرنا توکل کے خلاف نہیں اسی طرح ہلاکت خیز کاموں سے بچنا اور طلب شفاء نیز ضرر کو دور کرنے کے لئے دعا کرنا توکل کے خلاف نہیں۔ یوں ہی دیگر کئی کام ہیں۔

حارث محاسبی نے اپنی کتاب ''القصد'' میں لکھا کہ ان سے پوچھا گیا کیا توکل کرنے والا علاج کرا سکتا ہے؟ انہوں نے فرمایا: ہاں!

کہا گیا یہ کہاں سے معلوم ہوا؟ فرمایا: توکل کرنے والوں کے سردار میں یہ بات پائی گئی۔ اور کوئی توکل کرنے والا

آپ سے آگے بڑھ نہ سکا اور نہ کوئی آپ کے اس مقام تک رسائی حاصل کر سکے گا وہ محمد ﷺ ہیں جو تمام مخلوق سے بہتر ہیں۔ پوچھا گیا نبی اکرم ﷺ کے اس قول کے بارے میں آپ کیا کہتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

من استرقی واکتوی بریٔ من التوکل. جس نے دم (یا تعویذ) کروایا وہ توکل سے نکل گیا۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۰۵۵، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۴۸۹، مسند احمد ج۴ ص۲۴۹_۲۵۳، السنن الکبریٰ ج۹ ص۳۴۱، مصنف ابن ابی شیبہ ج۷ ص۳۲۸، موارد الظمآن للہیثمی رقم الحدیث: ۱۴۰۸، شرح السنہ ج۱۲ ص۱۶۰، مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۴۵۵۵، المغنی ج۴ ص۲۳۹، کنز العمال رقم الحدیث: ۲۸۴۱۴)

انہوں نے جواب دیا وہ ان توکل کرنے والوں کے توکل سے نکل گیا جن کا ذکر نبی اکرم ﷺ نے دوسری حدیث میں فرمایا:

یدخل الجنۃ من امتی سبعون الفا بغیر حساب. میری امت میں سے ستر ہزار لوگ کسی حساب کے بغیر جنت میں جائیں گے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۴۷۲، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۳۷۱، السنن الکبریٰ ج۹ ص۳۴۱، مسند احمد ج۱ ص۳۲۱۔ ج۲ ص۳۵۱۔ ۴۰۰_۴۴۳۔ ج۵ ص۳۳۵، المعجم الکبیر ج۶ ص۶۳۔ ج۱۸ ص۱۸۳_۲۰۳، کنز العمال رقم الحدیث: ۵۶۸۱)

لیکن جو ان کے علاوہ توکل کرنے والے ہیں ان کے لئے دعا استعمال کرنا یا تعویذ (اور دم وغیرہ) جائز ہے۔

تو حضرت محاسبی نے بعض کے توکل کو دوسرے بعض سے افضل قرار دیا۔

''التمہید (ابن عبدالبر کی تصنیف) میں'' فرمایا: کہ حدیث شریف میں جو فرمایا ''بریٔ من التوکل '' تو اس سے مراد یہ ہے کہ ایسے تعویذ یا دم کروائے جو شریعت میں مکروہ ہیں یا داغ لگوائے اور اس کے خیال میں یہ داغ لگانا شفاء کا سبب ہو اسی طرح ''لا یسترقون '' (وہ دم جھاڑ نہیں کرواتے) سے ایسا دم (یا تعویذ) مراد ہے جو شریعت کے خلاف ہو اور ''ولا یکتوون '' (وہ داغ نہیں لگاتے) کا مطلب یہ ہے کہ ان کے دلوں میں داغ کا نفع بیٹھا ہوا ہے اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے منہ پھیرا جا رہا ہے حالانکہ شفاء تو اسی سے حاصل ہوتی ہے۔

لیکن جب یہ عمل شریعت کے مطابق ہو اور دوائی کے رب کی طرف نظر ہو اور اللہ تعالیٰ سے ہی شفاء کی توقع ہو اور اس کا ارادہ یہ ہو کہ جب صحیح ہو جائے گا تو بدن کو اللہ تعالیٰ کے لئے استعمال کرے گا اور اپنے رب کی عبادت میں نفس کو تھکائے گا تو اس کا توکل اپنے حال پر باقی ہے دوائی اس میں کوئی کمی واقع نہیں کرتی انہوں نے یہ بات توکل کرنے والوں کے سردار کے فعل سے استدلال کرتے ہوئے کہی ہے کیونکہ آپ نے خود اپنے لئے بھی اور دوسروں کے لئے بھی عمل کیا۔

تو واضح ہوا کہ علاج کرنا توکل کے خلاف نہیں ہے بلکہ حقیقت توحید کی تکمیل ان اسباب کو اختیار کرنے سے ہوتی ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے ان کے مسببات کے تقاضوں کے مطابق تقدیراً اور شرعاً مقرر فرمایا اور ان اسباب کو چھوڑنا نفسِ توکل میں خرابی پیدا کرتا ہے جس طرح امر اور حکمت میں خرابی پیدا کرتا ہے (کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسباب کو پیدا فرمایا)۔

ابن قیم نے نقل کیا کہ بنی اسرائیل کی خبر میں آیا ہے کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے عرض کیا اے میرے رب! بیماری کس کی طرف سے ہے؟ فرمایا: میری طرف سے پوچھا: دوائی کس کی جانب سے ہے؟ فرمایا: میری طرف سے

پوچھا: پھر ڈاکٹر کا کیا کام ہے؟ فرمایا: وہ ایک شخص ہے جس کے ہاتھ سے دوائی بھیجی گئی ہے۔

”لِكُلِّ دَاءٍ دَوَاءٌ“ میں مریض اور ڈاکٹر کے لئے امید

ابن قیم نے (زادالمعاد میں) کہا کہ نبی اکرم ﷺ کے ارشاد گرامی: ”لکل داء دواء“ (ہر بیماری کی دوا ہے) میں مریض اور ڈاکٹر دونوں کے نفس کو تقویت حاصل ہوتی ہے نیز یہ طلب دوا کی ترغیب اور اس کی تفتیش ہے کیونکہ جب مریض کو ذاتی طور پر معلوم ہوگا کہ اس کی بیماری کے لئے دوا ہے جو اس کو زائل کردے گی تو اس کے دل کا امید کی روح سے تعلق پیدا ہو جاتا ہے' نا امیدی کی حرارت سے ٹھنڈک حاصل ہو جاتی ہے اور اس کے لئے امید کا دروازہ کھل جاتا ہے اس کے نفس کو قوت حاصل ہوتی ہے اور اس کی حرارت طبعی جوش مارتی ہے اور یہ بات حیوانی' نفسانی اور طبعی ارواح کی قوت کا سبب بنتی ہے اور جب یہ ارواح مضبوط ہوں تو وہ قوتیں مضبوط ہوتی ہیں جن کو یہ اٹھاتی ہیں پس مرض مغلوب اور دور ہو جاتی ہے۔

اسی طرح طبیب کو جب معلوم ہوتا ہے کہ اس بیماری کا علاج ہے تو وہ اس کی طلب وتلاش پر قادر ہوتا ہے۔

سوال: احادیث میں جو فرمایا کہ اس کے لئے دوا نازل کی اور دوسری حدیث میں دوائی کی جگہ شفاء کا ذکر ہے تو اس کا کیا مطلب ہے؟

جواب: ممکن ہے انزال (اتارنے) سے مراد تقدیر ہو اور یہ بھی احتمال ہے کہ فرشتے کے ذریعے اس کے علم کو نبی ﷺ کی طرف اتارنا مراد ہو۔

طب نبوی

ماہر طبیب کی طب قیاس' مقدمات اور تجربہ سے حاصل ہوتی ہے' اس کا وحی سے کیا مقابلہ ہے جو اللہ تعالیٰ اپنے رسول اللہ ﷺ کی طرف بھیجتا ہے اور بتاتا ہے کہ نفع کہاں ہے اور نقصان کس میں ہے؟ پس ماہر اطباء کے پاس جو طب ہے اس کی نسبت وحی کی طرف اس طرح ہے جس طرح ان کے علوم کی نسبت حضور ﷺ کے لائے ہوئے پیغام سے ہے بلکہ یہاں تو ایسی دوائیں ہیں جو بیماریوں سے شفاء دیتی ہیں کہ بڑے بڑے ڈاکٹروں اور حکیموں کی عقل وہاں تک رسائی حاصل نہیں کرتی اور نہ ہی وہاں تک ان کے علام' تجربات اور قیاس پہنچ سکتا ہے یہ قلبی اور روحانی دوائیں ہیں' قلبی قوت ہے اللہ تعالیٰ پر اعتماد اور توکل ہے اس کے سامنے عاجزی کرنا' صدقہ' نماز' دعا' توبہ' استغفار' مخلوق کے ساتھ نیکی کرنا اور مصیبت زدہ کی مصیبت دور کرنا ہے اور امتوں نے اپنے دین وملت میں اختلاف کے باوجود ان دواؤں کا تجربہ کیا تو شفاء میں ان کی تاثیر پائی حالانکہ سب سے زیادہ علم والے حکیم کا علم بھی یہاں تک نہیں پہنچتا۔ اللہ کی قسم میں (مصنف) نے خود بارہا تجربہ کیا تو یوں پایا کہ جو فائدہ اس سے پہنچتا ہے وہ ظاہری دواؤں سے نہیں ہوتا۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ طب نبوی کے ذریعے صحت کا حصول یقینی ہے کیونکہ یہ وحی اور نبوت کی جہت سے ہے جبکہ دوسرے لوگوں کی طب ذہنی صلاحیت اور تجربے کی بنیاد پر ہے۔

بعض اوقات طب نبوی کے استعمال کے باوجود شفاء حاصل نہیں ہوتی تو استعمال کرنے والے کی طرف سے کسی رکاوٹ کی بنیاد پر ایسا ہوتا ہے مثلاً اس سے شفاء کے حصول پر اعتقاد کمزور ہوتا ہے اور اسی طرح اسے قبول کرنے میں کمزوری پائی جاتی ہے۔

اس سلسلے میں سب سے زیادہ ظاہر مثال قرآن مجید کی ہے جو سینوں (کی بیماریوں) کے لئے شفاء ہے لیکن اس کے باوجود بعض اوقات کچھ لوگوں کو اس سے شفاء حاصل نہیں ہوتی جس کی وجہ اعتقاد اور قبولیت میں کمی ہے بلکہ منافق کی ناپا کی اور مرض میں اضافہ ہوتا ہے۔

پس طب نبوی پاک جسموں اور زندہ دلوں کے لئے ہی مناسب ہے اور لوگ طب نبوی سے اس لئے منہ پھیرتے ہیں کہ وہ قرآن مجید سے شفاء حاصل کرنے سے گریز کرتے ہیں جو نفع بخش شفاء ہے۔

طب نبوی کی اقسام

نبی اکرم ﷺ مریض کا تین طرح علاج کرتے تھے۔

(۱) الٰہی روحانی دواؤں کے ساتھ۔

(۲) طبعی دوائیوں کے ذریعے۔

(۳) دونوں سے مرکب علاج کے ذریعے۔

پہلی نوع

روحانی دواؤں سے علاج

قرآن مجید کے ذریعے شفاء حاصل کرنا

یہ بات معلوم ہونی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان سے کوئی ایسی دوا نازل نہیں کی جو قرآن مجید کے مقابلے میں زیادہ نفع بخش' زیادہ عظمت والی اور بیماری کو زائل کرنے میں زیادہ کامیاب ہو' قرآن مجید بیماری سے شفاء اور دلوں کے زنگ کو دور کرنے والا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ (الاسراء:۸۲) اور ہم قرآن مجید سے وہ چیز نازل کرتے ہیں جو شفاء اور مومنوں کے لئے رحمت ہے۔

جیسا کہ امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ نے فرمایا لفظ "من" "تبعیض کے لئے نہیں (یعنی یہ مطلب نہیں کہ قرآن مجید کا کچھ حصہ شفاء ہے) بلکہ یہ جنس کے لئے ہے اور معنی یہ ہے کہ یہ جنس جو قرآن مجید ہے اسے ہم روحانی امراض اور جسمانی بیماریوں سے شفاء کے طور پر نازل کرتے ہیں۔ جہاں تک روحانی بیماریوں سے شفاء کا تعلق ہے تو یہ بات ظاہر ہے کیونکہ روحانی بیماریوں کی دو قسمیں ہیں:

(۱) باطل عقائد: اور ان میں سے سب سے زیادہ فاسد وہ عقائد ہیں جو اللہ تعالیٰ' نبوت' آخرت' قضاء وقدر وغیرہ کے سلسلے میں فاسد ہیں اور قرآن مجید ان باتوں میں مذہب حق کے دلائل پر مشتمل ہے اور مذاہب باطلہ کا رد کرتا ہے اور جب روحانی امراض میں سے سب سے قوی بیماری ان مطالب میں خطاء ہے اور قرآن مجید ایسے دلائل پر مشتمل ہے جو ان مذاہب باطلہ کے عیبوں کو ظاہر کرتے ہیں۔

تو یقیناً قرآن مجید اس قسم کی روحانی بیماری سے شفاء ہوا۔

(۲) اخلاق مذمومہ: جہاں تک اخلاق مذمومہ کا تعلق ہے تو قرآن مجید ان کی تفصیل' تعریف اور مفاسد کے ذکر پر مشتمل ہے۔ نیز اخلاق فاضلہ اور اعمال محمودہ کی طرف رہنمائی بھی کرتا ہے تو بیماری کی اس نوع سے بھی شفاء دیتا ہے پس ثابت ہوا کہ قرآن مجید تمام روحانی بیماریوں سے شفاء ہے۔

اور جہاں تک جسمانی بیماریوں سے شفاء کا معاملہ ہے تو اس کی قرأت کی برکت بہت سی بیماریوں میں نفع دیتی ہے جب جمہور فلاسفر اور طلسمی دنیا کے لوگوں نے اس بات کو معتبر تسلیم کیا ہے تو مجہول تعویذ اور دم جھاڑے کے مجہول کلمات جن کی کچھ سمجھ نہ آتی ہو' منافع کے حصول اور مفاسد کو ختم کرنے میں بہت بڑی تاثیر رکھتے ہیں تو قرآن عظیم جو اللہ تعالیٰ کے جلال و کبریائی کے ذکر' ملائکہ مقربین کی تعظیم' سرکش مخلوق اور شیطان کی حقارت بیان کرنے جیسی باتوں پر مشتمل ہے تو وہ دین و دنیا میں نفع کا سبب نہیں ہوگا؟

جو کچھ ہم نے ذکر کیا ہے نبی اکرم ﷺ کی اس حدیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے آپ نے فرمایا:

من لم یستشف بالقرآن فلا شفاہ اللہ۔ جو شخص قرآن مجید سے شفاء کا عقیدہ نہیں رکھتا اللہ تعالیٰ اسے شفاء نہ دے۔

حضرت شیخ ابوالقاسم قشیری رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ ان کا بچہ سخت بیمار ہوگیا حتیٰ کہ موت کے دہانے پر پہنچ گیا تو ان پر معاملہ سخت ہوگیا' وہ فرماتے ہیں: میں نے خواب میں نبی اکرم ﷺ کی زیارت کی اور بچے کی بیماری سے متعلق شکایت کی تو آپ نے فرمایا: "این انت من آیات الشفاء تم آیات شفاء سے کہاں ہو؟"

فرماتے ہیں میں بیدار ہوا تو غور و فکر کیا تو یہ آیات قرآنِ مجید کے چھ مقامات پر تھیں:

(۱) وَيَشْفِ صُدُورَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِينَ. (التوبہ:۱۴) اور وہ مومنوں کے سینوں کو شفاء دیتا ہے۔

(۲) وَشِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُورِ. (یونس:۵۷) اور سینوں کی بیماریوں کے لئے شفاء ہے۔

(۳) يَخْرُجُ مِنْ بُطُونِهَا شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ فِيهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ. (النحل:۶۹) وہ ان (شہد کی مکھیوں) کے پیٹ سے مختلف رنگ کا مشروب نکالتا ہے جس میں لوگوں کے لئے شفاء ہے۔

(۴) وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ. (الاسراء:۸۲) اور ہم قرآن مجید اتارتے ہیں جو شفاء اور مومنوں کے لئے رحمت ہے۔

(۵) وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ. (الشعراء:۸۰) اور جب میں بیمار ہوتا ہوں تو وہ مجھے شفاء عطا فرماتا ہے۔

(۶) قُلْ هُوَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هُدًى وَّشِفَآءٌ. (الفصلت:۴۴) آپ فرمادیجئے وہ (قرآن مجید) ایمان والوں کے لئے ہدایت اور شفاء ہے۔

حضرت امام قشیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: میں نے ان آیات کو لکھا پھر پانی میں حل کردیا اور وہ پانی اس بچے کو پلایا گویا اس کی رسی کھل گئی یا جیسا انہوں نے فرمایا۔

جس شخص کو بچھو نے کاٹا تھا اس پر سورۂ فاتحہ کا دم کیا گیا اس میں جو عجیب راز اور بلند و بالا دلیل ہے اس پر غور کیجئے اور نبی اکرم ﷺ کی اس دعا پر غور کرو کہ آپ نے یوں دعا مانگی:

ولن تجعل القرآن ربیع قلبی وجلاء حزنی وشفاء صدری.

(یا اللہ!) قرآن مجید کو میرے دل کی بہار' غم کا ازالہ اور سینے کی شفاء بنادے۔

(مسند احمد ج اص ۳۹۵_۴۵۲)

تو یہ قرآن مجید دوا ہے جو بیماری کو جڑ سے اکھاڑ پھینکتا ہے اور بدن کو صحت اور اعتدال پر لوٹا دیتا ہے۔

امام ابن ماجہ رحمہ اللہ نے ایک مرفوع حدیث نقل کی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

خیر الدواء القرآن.

بہترین دوا قرآن ہے۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۵۰۱_۳۵۳۳_۳۵۳۷' کشف الخفاء ج اص ۱۰۷_۱۳۲' کنز العمال رقم الحدیث: ۲۸۱۰۳)

یہاں ایک بات ہے' جس کو سمجھنا چاہیے' ابن قیم نے اس سے آگاہ کیا وہ یہ کہ آیات واذکار اور وہ دعائیں جن کے ذریعے شفاء حاصل کی جاتی ہے اور تعویذ اور دم وغیرہ کیا جاتا ہے وہ نفع بخش اور شافی ہیں لیکن محل کی قبولیت اور فاعل کی ہمت و تاثیر ضروری ہے پس جب شفاء نہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ فاعل کی تاثیر کمزور ہے یا محل قبول نہیں کر رہا یا کوئی ایسی رکاوٹ ہے جو کامیابی کی راہ میں آڑے آ رہی ہے' جس طرح حسی دواؤں میں ہوتا ہے کہ کبھی وہ اس لئے اثر نہیں کرتیں کہ طبیعت اس دوائی کو قبول نہیں کرتی اور کبھی اس کے اثر کے تقاضے میں مضبوط رکاوٹ ہوتی ہے کیونکہ طبیعت جب دوائی کو قبولیتِ تامہ کے ساتھ اختیار کرتی ہے تو اس قبولیت کے مطابق بدن کو اس سے نفع حاصل ہوتا ہے اسی طرح جب دل' دم اور تعویذوں کو مکمل طور پر قبول کرے تو اثر ہوتا ہے جب کہ دوا ذاتی طور پر عمل کرنے والی ہے اور ہمت موثرہ' بیماری کو زائل کرنے میں اثر کرتی ہے۔

دعا کے ذریعے حصول شفاء

اسی طرح دعا کا معاملہ ہے کہ مکروہ بات کو دور کرنے اور حصول مطلب کے لئے یہ سب سے زیادہ مضبوط سبب ہے لیکن بعض اوقات اس کا اثر نہیں ہوتا جس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی دعا کو قبول نہیں کرتا کیونکہ اس میں زیادتی ہوتی ہے یا دل کمزور ہوتا ہے اور دعا کے وقت اللہ تعالیٰ کی طرف کامل توجہ اور دلجمعی نہیں ہوتی یا دعا سے فائدہ اس لئے حاصل نہیں ہوتا کہ حرام کھانا' ظلم' دلوں پر گناہوں کا زنگ' غفلت' بھول اور لہو و لعب وغیرہ قبولیت کی راہ میں رکاوٹ بنتے ہیں۔

امام حاکم رحمہ اللہ نے ایک حدیث نقل کی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

واعلموا ان اللہ لا یقبل دعاء من قلب غافل لاہ.

جان لو! اللہ تعالیٰ غافل اور غیر متوجہ دل سے دعا قبول نہیں کرتا۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۴۷۹' مشکوۃ المصابیح رقم الحدیث: ۲۲۴۱' المغنی ج اص ۳۰۸' الدر المنثور ج اص ۱۹۵' اتحاف السادۃ المتقین ج ۵ ص ۳۹' کنز العمال رقم الحدیث: ۳۱۷۰۶' الکامل فی الضعفاء ج ۳ ص ۱۳۸۰)

دواؤں میں سے زیادہ نفع بخش دوا دعا ہے یہ مصیبت کی دشمن ہے اُسے دور کرتی ہے اس کا علاج کرتی اور اس کو اترنے سے روکتی ہے اور جب وہ اتر جائے تو اس کو اٹھا دیتی ہے اور یہ مومن کا ہتھیار ہے۔

اور جب دعا کے وقت دل حاضر ہو مطلوب کی طرف کامل متوجہ ہو قبولیت کے اوقات میں سے کوئی وقت ہو جس طرح رات کا آخری تہائی حصہ (سحری کا وقت) خضوع وانکساری اور گڑگڑانا پایا جائے قبلہ رُخ اور باوضو ہو ہاتھ اٹھا کر دعا کرے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا اور نبی اکرم ﷺ پر صلوٰۃ وسلام پڑھے اور اس سے پہلے توبہ واستغفار کرے صدقہ دے مانگتے وقت آہ وزاری کرے اور زیادہ دعا مانگے اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات کا وسیلہ اختیار کرے اور نبی اکرم ﷺ کے توسل سے متوجہ ہو تو یہ دعا کبھی رد نہیں ہوتی خصوصاً وہ دعائیں جن کے بارے میں نبی اکرم ﷺ نے خبر دی کہ یہ قبولیت کا مقام رکھتی ہیں یا ان میں اسم اعظم ہے۔[1]

انسان اپنی حاجت میں اللہ تعالیٰ کے ہاں گڑگڑائے اور زاری کرے تو اس بات کے جواز میں کوئی اختلاف نہیں۔

دم جھاڑے کے ذریعے شفاء حاصل کرنا

(لسان العرب ج۵ ص۲۹۳)

جہاں تک دم کرنے کا تعلق ہے تو جان لو کہ معوذات اور اللہ تعالیٰ کے ناموں کے ذریعے دم کرنا طب روحانی ہے اور جب یہ مخلوق میں سے نیک لوگوں کی زبان پر جاری ہو تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے شفاء حاصل ہوتی ہے لیکن جب یہ سلسلہ ناپید ہو گیا تو لوگ طب جسمانی کی طرف مجبور ہو گئے۔

''صحیح بخاری میں'' حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ اپنی اس بیماری میں جس میں آپ کا وصال ہوا معوذات یعنی سورۂ فلق' سورۂ الناس اور سورۂ اخلاص پڑھ کر اپنے اوپر پھونکتے تھے تو یہ باب تغلیب سے ہے یعنی سورۂ اخلاص میں ''قل اعوذ'' نہیں لیکن دوسری دو سورتوں کی وجہ سے تینوں کو معوذات قرار دیا یا صرف الفلق اور الناس معوذات ہیں۔

اسی طرح قرآن مجید میں جو بھی تعویذ کے کلمات ہیں وہ طب روحانی ہے جیسے ارشاد خداوندی ہے:

وَقُلْ رَّبِّ اَعُوْذُبِكَ مِنْ هَمَزٰتِ الشَّيٰطِيْنِ. اور کہو اے میرے رب! میں شیطانی وسوسوں سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔

امام احمد' ابوداؤد اور نسائی رحمہم اللہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی کہ نبی اکرم ﷺ ایسی باتوں کو ناپسند فرماتے تھے ان میں دم کا بھی ذکر کیا لیکن معوذات کے ذریعے دم کرنا (ناپسند نہ فرمایا) تو اس حدیث کی سند میں عبدالرحمٰن بن حرملہ ہے جس کے بارے میں امام بخاری رحمہ اللہ نے فرمایا اس کی حدیث صحیح نہیں۔ اور اگر اسے صحیح مان بھی لیا جائے تو جب فاتحہ کے ساتھ دم کی اجازت دی گئی تو یہ حکم منسوخ ہو گیا۔

امام نسائی رحمہ اللہ نے حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے ایک روایت نقل کی ہے کہ نبی اکرم ﷺ جنوں اور انسانوں کی نظر سے پناہ مانگا کرتے تھے۔ حتیٰ کہ معوذتان (سورۂ فلق اور سورۂ ناس) نازل ہوئیں تو آپ نے ان دونوں کو اختیار

[1] جس طرح حضرت ذوالنون رحمہ اللہ دعا مانگتے تھے والله لا اله الا هو الحى القيوم۔

کرلیا اور باقی کلمات چھوڑ دیئے۔

تو یہ حدیث معوذتین کے علاوہ کلمات سے دم کرنے یا تعویذ بنانے سے منع پر دلالت نہیں کرتی بلکہ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ان دونوں سے تعوذ اختیار کرنا زیادہ بہتر ہے خصوصاً جب کہ ان دونوں کے علاوہ کلمات سے تعوذ ثابت ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے ان دونوں کو اس لئے اختیار کیا کہ یہ استعاذہ کے سلسلے میں جامع کلمات پر مشتمل ہیں اور ان میں ہر مکروہ سے اجمالاً اور تفصیلاً تعوذ پایا جاتا ہے۔

دم کرنا جائز ہے

علماء کرام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جب یہ تین شرطیں پائی جائیں تو دم کرنا (اور تعویذ باندھنا) جائز ہے۔

(۱) اللہ تعالیٰ کے کلام یا اس کے اسماء وصفات کے ساتھ ہو۔

(۲) عربی زبان میں ہو یا کوئی دوسری زبان ہو جو سمجھ آتی ہو۔

(۳) یہ عقیدہ ہو کہ تعویذ اور دم ذاتی طور پر اثر نہیں کرتے' اللہ تعالیٰ کی تقدیر سے اثر انداز ہوتے ہیں۔

کیا ان تینوں کا اجتماع شرط ہے تو اس سلسلے میں اختلاف ہے لیکن زیادہ ترجیح اس بات کو ہے کہ ان تینوں شرائط کا اعتبار ضروری ہے۔

''صحیح مسلم میں'' حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' فرماتے ہیں: ہم دورِ جاہلیت میں دم جھاڑا کرتے تھے ہم نے پوچھا یا رسول اللہ! آپ اس سلسلے میں کیا فرماتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: وہ کلمات دم میرے سامنے پیش کرو (پھر فرمایا) دم کرنے میں کوئی حرج نہیں جب اس میں شرک نہ ہو (شرکیہ کلمات نہ ہوں)۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۶۳' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۸۸۶' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۵۱۵' المستدرک ج ۴ ص ۲۱۲' السنن الکبریٰ ج ۹ ص ۳۴۹' مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۴۵۳۰' التمہید ج ۲ ص ۲۷۲' المعجم الکبیر ج ۱۸ ص ۳۹)

''صحیح مسلم میں ہی'' حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے دم کرنے سے منع فرمایا پھر آلِ عمرو بن حزم آئے تو انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہمارے پاس ایک دم تھا جسے ہم بچھو (کے کاٹنے) سے استعمال کرتے تھے فرمایا: میرے پاس لاؤ فرماتے ہیں: انہوں نے آپ کے سامنے پیش کیا تو آپ نے فرمایا: میں اس میں حرج نہیں سمجھتا جو شخص اپنے بھائی کو نفع دے سکتا ہو وہ اسے نفع پہنچائے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۶۰-۶۲-۶۳' مسند احمد ج ۳ ص ۳۰۲-۳۳۴' مجمع الزوائد ج ۵ ص ۱۱۱' المعجم الکبیر ج ۱۰ ص ۱۱۱)

ایک جماعت نے اس عموم سے استدلال کیا اور ہر اس دم جھاڑے کو جائز قرار دیا جس کے نفع کا تجربہ ہو چکا ہو اگرچہ وہ اس کا معنیٰ نہ سمجھتا ہو۔ لیکن حضرت عوف رضی اللہ عنہ کی حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ جب دم کے الفاظ شرک تک پہنچائیں تو منع ہے اور جس کے کلمات کا معنیٰ سمجھ نہ آتا ہو اور شرک تک پہنچنے سے امن نہ ہو وہ احتیاطاً منع ہے اور آخری شرط ضروری ہے۔

بعض حضرات نے کہا صرف نظر لگنے اور ڈسنے سے دم کرنا جائز ہے کیونکہ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے:

لا رقیۃ الا من عین او حمۃ. دم صرف نظر یا زہر (یعنی بچھو وغیرہ کے ڈسنے) سے کیا جائے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۸۸۴_۳۸۸۹' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۰۵۷' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۵۱۳' مسند احمد ج ۱ص ۲۷۱' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۷ص ۳۹۳' المستدرک ج ۴ص ۴۱۳' مشکوۃ المصابیح للتبریزی رقم الحدیث: ۴۵۵۷_۴۵۵۹' المعجم الکبیر ج ۱۸ص ۲۳۵' کنز العمال رقم الحدیث: ۲۸۳۷۱)

اس کا جواب یہ ہے کہ اس حصر (صرف دو کا ذکر) کا مطلب یہ ہے کہ جب بھی دم کی ضرورت پڑے تو یہ دونوں باتیں اس کے لئے اصل ہیں چنانچہ نظر لگنے کے ساتھ جنون وغیرہ کے لئے دم کے جواز کو ملایا جائے گا کیونکہ یہ نظر کے ساتھ شریک ہے اس لئے کہ دونوں شیطانی احوال سے پیدا ہوتے ہیں وہ شیطانی عمل انسانوں کی طرف سے ہو یا جنوں کی طرف سے' اور زہر کے ساتھ ہر اس چیز کو ملایا جائے گا جو زخم وغیرہ زہریلے مادہ سے پیدا ہوں۔

امام ابوداؤد نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت سے حضرت عمران رضی اللہ عنہ کی روایت کی طرح ذکر کیا اور یہ اضافہ کیا ''او دم'' (یا خون کا معاملہ ہو)۔

''صحیح مسلم میں'' حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ہی مروی ہے' فرماتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے نظر' ڈسنے اور پھوڑوں پر دم کی اجازت دی۔ ایک اور حدیث میں کان (کے درد) کا بھی ذکر ہے۔

امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے حضرت شفاء بنت عبداللہ رضی اللہ عنہا کی حدیث نقل کی کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:
کیا تم اسے یعنی حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو پھوڑوں کا دم نہیں سکھاتی۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۸۸۷' مسند احمد ج ۶ص ۳۷۲' السنن الکبریٰ ج ۹ص ۳۴۹' مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۱۹۷۶۸' جمع الجوامع رقم الحدیث: ۹۰۷۱' کنز العمال رقم الحدیث: ۲۸۳۵۹_۳۳۳۸۲)

بعض نے کہا کہ یہ حصر افضیلت کے بیان کے لئے ہے مطلب یہ ہے کہ اس سے زیادہ کوئی دم نفع نہیں دیتا جیسا کہ کہا گیا:

لا سیف الا ذو الفقار. ذوالفقار کے علاوہ کوئی تلوار نہیں۔
یعنی اس طرح کاٹنے والی کوئی تلوار نہیں۔

ایک جماعت نے کہا کہ بیماری کے واقع ہونے سے پہلے دم کی ممانعت ہے اور جو اس کے بعد ہو اس کی اجازت ہے۔ یہ بات ابن عبدالبر اور امام بیہقی وغیرہ نے ذکر کی۔

ابوداؤد اور ابن ماجہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا' وہ فرماتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

ان الرقی والتمائم والتولۃ شرک. دم کرنا' تعویذ باندھنا اور جادو کرنا شرک ہے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۸۸۳' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۵۳۰' مسند احمد ج ۱ص ۳۸۱' السنن الکبریٰ ج ۹ص ۳۵۰' المستدرک ج ۴ص ۲۱۸' المعجم الکبیر ج ۱۰ص ۲۶۲' جمع الجوامع رقم الحدیث: ۵۵۶۹' موارد الظمآن للہیثمی رقم الحدیث: ۱۴۱۲' مشکوۃ المصابیح رقم

الحدیث: ۳۵۵۳ شرح السنہ ج ۱۲ ص ۱۵۷ الترغیب والترہیب ج ۴ ص ۳۰۸ کنز العمال رقم الحدیث: ۲۸۳۱۵)

التمائم: تمیمہ کی جمع ہے گلے میں منکے اور ہار وغیرہ ڈالا جاتا ہے دور جاہلیت میں لوگوں کا یہ اعتقاد تھا کہ یہ مصیبتوں کو دور کرتا ہے۔

التولة: تاء کے نیچے زیر واؤ پر زبر اور لام شد کے بغیر ہے ایک ایسی چیز جس کے ذریعے عورت اپنے خاوند کی محبت حاصل کرنا چاہتی تھی اور یہ ایک قسم کا جادو ہے۔

یہ باتیں اس لئے شرک تھیں کہ وہ لوگ نقصان کا ازالہ اور نفع کا حصول اللہ تعالیٰ کے غیر سے چاہتے تھے اور جو (دم اور تعویذ وغیرہ) اللہ تعالیٰ کے اسماء مبارکہ اور اس کے کلام سے ہو تکلیف آنے سے پہلے اس کا استعمال احادیث سے ثابت ہے جیسا کہ آگے آئے گا ان شاء اللہ تعالیٰ اور مصیبت آجائے یا اس کا خوف ہو دونوں صورتوں میں اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونے اور اس کی پناہ حاصل کرنے کے جواز میں کوئی اختلاف نہیں۔

بعض حضرات نے فرمایا وہ دم جھاڑ منع ہے جسے وہ لوگ استعمال کرتے ہیں جو جنوں کی تسخیر کا دعویٰ کرتے ہیں وہ مشتبہ کلام لاتے ہیں جو حق و باطل سے مرکب ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اور اس کے اسماء مبارکہ کے ذکر میں شیطانوں کا ذکر اور ان سے مدد نیز سرکش جنوں سے پناہ کو خلط ملط کرتے ہیں کہا جاتا ہے کہ سانپ طبعی طور پر انسان کا دشمن ہونے کی وجہ سے شیطانوں کی موافقت کرتا ہے کیونکہ وہ انسانوں کے دشمن ہیں جب وہ شیطانوں کے ناموں کا منتر سانپ پر پڑھتا ہے تو وہ اس کی بات مان کر اپنی جگہ سے نکلتا ہے اسی طرح جب ڈسے ہوئے پر یہ نام پڑھے جائیں تو انسان کے بدن سے زہر بہنا شروع ہو جاتا ہے اسی طرح وہ دم جھاڑ بھی مکروہ ہے جس میں اللہ تعالیٰ اور اس کے اسماء مبارکہ کا ذکر نہ ہو اور وہ عربی زبان میں نہ ہو جس کا مفہوم سمجھ آتا ہو تاکہ وہ شرک سے بچ سکے۔

اللہ تعالیٰ کی کتاب کے علاوہ سے دم کرنے کو علماء امت نے مکروہ کہا ہے امام قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

دم جھاڑے کی تین قسمیں ہیں۔

(۱) وہ الفاظ جن کے ساتھ دور جاہلیت میں دم کیا جاتا تھا اور اس کا معنیٰ سمجھ نہ آتا۔ تو اس سے بچنا واجب ہے تاکہ اس میں شرک نہ ہو یا شرک تک نہ پہنچائے۔

(۲) وہ جو اللہ کے کلام اور اس کے اسماء مبارکہ سے ہو یہ جائز ہے اور اگر احادیث سے ثابت ہو تو اچھا ہے۔

(۳) اللہ تعالیٰ کے اسماء کے بغیر کسی بادشاہ یا نیک آدمی یا کسی بڑی مخلوق کے نام سے ہو جیسے عرش ہے تو اس سے بچنا واجب نہیں اور نہ ایسے جائز کلمات جو اللہ تعالیٰ کی پناہ لینے اور اس کے نام سے برکت حاصل کرنے پر مشتمل ہوں تو اس کا چھوڑنا زیادہ مناسب ہے (واجب نہیں) ہاں جس کے نام سے دم کیا جارہا ہے اس کی تعظیم کو شامل ہو تو مناسب ہے کہ اس سے بچے جس طرح اللہ تعالیٰ کے غیر کی قسم کھانے سے بچتے ہیں۔

حضرت ربیع فرماتے ہیں: میں نے حضرت شافعی رحمہ اللہ سے دم کرنے کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کی کتاب سے دم کرنے میں کوئی حرج نہیں اسی طرح اللہ تعالیٰ کے ذکر سے جو کلمات مشہور ہوں۔

میں نے پوچھا کیا اہل کتاب' مسلمانوں کو دم کر سکتے ہیں؟ فرمایا: ہاں جب وہ اس چیز سے دم کریں جسے وہ اللہ تعالیٰ کی کتاب اور اس کے ذکر سے جانتے ہیں۔

''مؤطا میں ہے کہ'' حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ایک یہودی عورت سے جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو دم کرتی تھی' فرمایا: ان کو اللہ تعالیٰ کی کتاب سے دم کرو' امام نووی فرماتے ہیں حضرت قاضی عیاض رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کہ یہودی اور نصرانی کے کسی مسلمانوں کو دم کرنے کے سلسلے میں حضرت امام مالک کا قول مختلف ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ نے جائز قرار دیا۔

ابن وہب' حضرت مالک سے روایت کرتے ہیں کہ وہ لوہے' نمک اور دھاگہ باندھنے اور وہ جو حضرت سلیمان علیہ السلام کی انگوٹھی لکھتا ہے' سے دم جھاڑے کو مکروہ قرار دیتے اور فرماتے یہ پہلے لوگوں کے طریقے سے نہیں ہے۔

نظر لگنے کا دم

امام مسلم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

العین حق ولو کان شی سابق القدر لسبقته العین.

نظر لگنا حق ہے اور اگر کوئی چیز تقدیر سے سبقت کرتی تو نظر لگنا اس سے سبقت کرتی۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۱۸۸' التمہید ج ۲ ص ۲۳۶' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۰۶۱' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۸۷۹' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۵۰۶' مسند احمد ج ۲ ص ۲۸۹۔۳۱۹)

یعنی نظر لگنا ایک ثابت موجود کام ہے اور یہ ایسا عمل ہے جو عملاً ثابت ہو چکا ہے۔

• مازری نے کہا جمہور نے اس حدیث کے ظاہر کو اختیار کیا لیکن بدعتیوں کی کچھ جماعتوں نے بلا وجہ اس کا انکار کیا ہے کیونکہ جو کام ذاتی طور پر محال نہ ہو نہ اس سے قلب حقیقت ہوتی ہو اور نہ دلیل کا فساد لازم آتا ہو' عقل اسے جائز قرار دیتی ہے۔

پس جب شارع علیہ السلام نے اس کے وقوع کی خبر دی ہے تو اس کے انکار کی کوئی وجہ نہیں ہے تو (سوچئے) اس کے انکار اور آپ نے آخرت کے بارے میں جن باتوں کی خبر دی ہے ان کے انکار میں کیا فرق ہوگا؟

سوال: بعض حضرات کے لئے اس کا سمجھنا مشکل ہو گیا اور انہوں نے کہا کہ نظر کیسے لگ سکتی ہے کہ اس سے اس شخص کو تکلیف پہنچے جسے نظر لگائی گئی ہے؟

جواب: لوگوں کی طبیعتیں مختلف ہیں بعض اوقات نظر والے کی آنکھوں سے زہریلا مادہ نکلتا ہے اور ہوا کے ذریعے اس آدمی کے بدن تک پہنچتا ہے جس کو نظر لگی ہے۔

ایک شخص جس کی نظر لگتی تھی اس سے منقول ہے وہ کہتا ہے جب میں کسی چیز کو دیکھوں اور وہ مجھے پسند آئے تو میں حرارت محسوس کرتا ہوں جو میری آنکھ سے نکلتی ہے اور وہ حیض والی عورت تک پہنچتی ہے وہ اپنا ہاتھ دودھ میں رکھے تو دودھ خراب ہو جاتا ہے اور اگر وہ پاک ہونے کے بعد رکھے تو خراب نہیں ہوتا' اسی سے ہے کہ بعض اوقات آشوب چشم والی عورت کی طرف دیکھتا ہوں تو اس کی آنکھ بھی دکھ جاتی ہے۔

مازری نے کہا طبیعات کے ماہرین میں سے بعض نے کہا کہ نظر لگانے والے کی آنکھوں سے ایک زہریلی قوت اٹھتی ہے جو اس شخص تک پہنچتی ہے جس کو نظر لگی ہے تو وہ ہلاک ہو جاتا ہے اس میں کوئی خرابی پیدا ہو جاتی ہے یہ اسی طرح ہے جیسے افعی نامی سانپ کی نظر سے نکلنے والا زہر کسی کو لگ جائے۔

مازری کے کلام میں اس حصر کی ممانعت بھی ہے (یعنی صرف یہی صورت نہیں) اور اس کے ساتھ ساتھ انہوں نے اس صورت کو ممکن بھی قرار دیا ہے اور جو شخص اہل سنت کے طریقے پر چلتا ہے تو وہ یہ ہے کہ نظر لگانے والے کی نظر اس وقت نقصان دیتی ہے جب وہ اس طریقے پر دیکھے جو اللہ تعالیٰ نے جاری کیا ہے کہ دوسرے شخص کے مقابل آنے کی صورت میں اللہ تعالیٰ اس میں نقصان پہنچانے کی صلاحیت پیدا کر دیتا ہے تو کیا وہاں کوئی جوہر چیز ہے (جو آنکھ سے نکلتی ہے) یا نہیں؟ تو اس بات کا محض احتمال ہوتا ہے اس کے اثبات اور نفی کے بارے میں کوئی قطعی بات نہیں کہی جا سکتی۔

اور طبیعات والوں میں سے جو شخص اسلام کے حوالے سے قطعیت کے ساتھ یہ بات کہتا ہے کہ وہاں کچھ لطیف جواہر ہیں جو دکھائی نہیں دیتے وہ نظر لگانے والے سے اٹھتے ہیں اور جس کو نظر لگتی ہے اس تک پہنچ کر اس کے جسم کے مساموں میں داخل ہو جاتے ہیں پس اللہ تعالیٰ اس وقت ہلاکت پیدا کرتا ہے جس طرح زہر پیتے وقت ہلاکت آتی ہے۔

تو قطعیت کے ساتھ اس بات کا دعویٰ کرنا غلط ہے لیکن ہو سکتا ہے عادت کے مطابق ایسا ہو لیکن یہ ضروری یا طبیعی بات نہیں۔

یہ درست کلام ہے اور تاثیر سے وہ معنی مراد نہیں جس کی طرف فلاسفہ گئے ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ ایسا طریقہ جاری کرتا ہے کہ نظر لگنے والے کو نقصان ہوتا ہے۔

امام بزار رحمہ اللہ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً نقل کیا (کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا):

اکثر من یموت بعد قضاء اللہ وقدرہ بالنفس.	اللہ تعالیٰ کی قضاء وقدر کے بعد اکثر مرنے والے نظر سے مرتے ہیں۔

(کشف الخفاء ج ۲ ص ۹۹ تذکرۃ الموضوعات رقم الحدیث: ۲۰۷ الکامل ج ۲ ص ۱۴۳۰ الدر المنثور ج ۶ ص ۲۵۸ الدرر المنتثرۃ رقم الحدیث: ۳۱)

راوی کہتے ہیں نفس سے نظر مراد ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اجسام وارواح میں بہت سی قوتیں اور خواص رکھے ہیں اور یہ اس کی عادت مبارکہ ہے۔

جس طرح حیاء کرنے والے کے چہرے کی طرف دیکھا جائے تو اس کے چہرے پر شرم کی وجہ سے سخت سرخی آ جاتی ہے جو پہلے دکھائی نہیں دیتی۔

اسی طرح خوف کے وقت چہرے کا رنگ زرد ہو جاتا ہے۔ بہت سے لوگ محض نظر سے بخار کا شکار ہو جاتے ہیں اور ان کے اعضاء کمزور پڑ جاتے ہیں اور یہ سب کچھ ان تاثیرات کے واسطے سے ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے ارواح میں پیدا کی ہیں اور پھر نظر کے ساتھ وہ نہایت سخت طریقے سے مربوط ہو جاتی ہیں اور یہ خود مؤثر نہیں جہاں تک روح کی تاثیر کا تعلق ہے تو ارواح اپنی طبیعتوں، کیفیات اور خواص میں مختلف ہیں ان میں سے بعض بدن میں محض دیکھنے سے اثر کرتی ہیں بدن

کے ساتھ اتصال ہو یا نہ کیونکہ اس روح میں خباثت بہت زیادہ ہوتی ہے اور اس کی کیفیت کا خبث بھی زیادہ ہوتا ہے۔

حاصل یہ ہے کہ تاثیر اللہ تعالیٰ کے ارادے اور پیدا کرنے سے ہوتی ہے وہ جسمانی اتصال سے خاص نہیں بلکہ بعض اوقات اس کے ذریعے ہوتی ہے اور بعض اوقات مقابلے کے ساتھ کبھی محض دیکھنے سے اور کبھی روح کی توجہ سے جس طرح دعاؤں دم اور بارگاہِ خداوندی میں التجا سے تاثیر پیدا ہوتی ہے اور بعض اوقات اس کا وقوع وہم وخیال سے ہوتا ہے تو جس کی نظر لگتی ہے اس کی آنکھ سے معنوی تیر نکلتا ہے جو بدن سے ٹکرا جائے تو اگر کوئی رکاوٹ نہ ہو تو وہ اس میں اثر کرتا ہے ورنہ تیر داخل نہیں ہوتا بلکہ خود اسی شخص کی طرف لوٹتا ہے جس طرح حسی تیر میں ہوتا ہے۔ (یہ تمام گفتگو فتح الباری وغیرہ سے لی گئی ہے)۔

ابن قیم نے کہا غرض یہ ہے کہ اس بیماری کا نبوی علاج کیا جائے تعوذات (وہ کلمات جن کے ذریعے پناہ مانگی جاتی ہے) دم سورۃ الفلق اور سورۃ الناس سورۃ فاتحہ اور آیت کرسی زیادہ سے زیادہ پڑھی جائے۔ اور وہ کلماتِ تعوذ جو نبی اکرم ﷺ سے منقول ہیں مثلاً:

اَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّآمَّةِ مِنْ شَرِّ كُلِّ شَيْطَانٍ وَّهَامَّةٍ وَمِنْ كُلِّ عَيْنٍ لَّامَّةٍ

میں اللہ تعالیٰ کے کلماتِ کاملہ کے ذریعے ہر زہریلے شیطان اور ہر پہنچنے والی نظر کے شر سے پناہ چاہتا ہوں۔

اور جس طرح یہ کلمات ہیں:

اَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّآمَّاتِ الَّتِيْ لَا يُجَاوِزُهُنَّ بَرٌّ وَّلَا فَاجِرٌ مِّنْ شَرِّ مَا خَلَقَ وَذَرَاَ وَبَرَاَ وَمِنْ شَرِّ مَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَآءِ وَمِنْ شَرِّ مَا يَعْرُجُ فِيْهَا وَمِنْ شَرِّ مَا ذَرَاَ فِي الْاَرْضِ وَمِنْ شَرِّ مَا يَخْرُجُ مِنْهَا وَمِنْ شَرِّ فِتَنِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَمِنْ شَرِّ طَوَارِقِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ اِلَّا طَارِقًا يَّطْرُقُ بِخَيْرٍ يَا رَحْمٰنُ

میں اللہ تعالیٰ کے کلماتِ کاملہ کے ساتھ جن سے کوئی نیک و بد آگے نہیں بڑھ سکتا ہر اس چیز کے شر سے پناہ چاہتا ہوں جسے اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا۔ اور اس چیز کے شر سے جو آسمان سے اترتی ہے اور اس کے شر سے جو آسمان کی طرف چڑھتی ہے اس چیز کے شر سے جو زمین میں پیدا ہوتی اور اس کے شر سے جو زمین سے نکلتی ہے رات اور دن کے فتنوں کے شر سے اور رات اور دن میں اترنے والی چیزوں کے شر سے مگر وہ جو بھلائی کے ساتھ اترے اے رحمٰن!

جب کسی شخص کو ڈر ہو کہ اس کی نظر لگ جاتی ہے تو اس کے شر کو دور کرنے کے لئے یوں دعا کرے:

اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلَيْهِ

یا اللہ اس شخص کو (جسے نظر لگنے کا ڈر ہے) برکت عطا فرما۔

جس طرح نبی اکرم ﷺ نے حضرت عامر بن ربیعہ سے فرمایا: جب انہوں نے حضرت سہل بن حنیف (رضی اللہ عنہما) کو دیکھا تو آپ نے فرمایا:

الا برکت علیه

تم نے اس کے لئے برکت کی دعا کیوں نہیں کی؟

"ماشاء الله لا قوة الا بالله" کے الفاظ بھی نظر کے ضرر کو دور کرتے ہیں۔

اسی سے حضرت جبریل علیہ السلام کا دم ہے جو حضور ﷺ کو بتایا تھا جیسا کہ "مسلم شریف میں" اس کے الفاظ اس طرح ہیں:

بِسْمِ اللّٰهِ اَرْقِيْكَ مِنْ شَرِّ كُلِّ شَيْءٍ يُؤْذِيْكَ وَمِنْ شَرِّ كُلِّ ذِيْ نَفْسٍ اَوْ عَيْنٍ حَاسِدٍ اَللّٰهُ يَشْفِيْكَ بِسْمِ اللّٰهِ اَرْقِيْكَ.

میں اللہ کے نام سے آپ کو دم کرتا ہوں ہر اس چیز کے شر سے جو آپ کو اذیت پہنچائے اور ہر نفس والے اور حاسد آنکھ کے شر سے اللہ آپ کو شفاء دے اللہ کے نام سے میں آپ کو دم کرتا ہوں۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۳۹ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۵۲۳ مسند احمد ج ۶ ص ۱۶۰ مجمع الزوائد ج ۵ ص ۱۱۰ مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۱۹۷۷۹ کنز العمال رقم الحدیث: ۲۸۵۲۳)

امام مسلم رحمہ اللہ نے ہی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت نقل کی ہے کہ نبی اکرم ﷺ جب علیل ہوتے تو حضرت جبریل علیہ السلام آپ کو دم کرتے تھے وہ یہ کلمات پڑھ کر دم کرتے:

بِسْمِ اللّٰهِ يُبْرِيْكَ وَمِنْ كُلِّ دَاءٍ يَشْفِيْكَ وَمِنْ شَرِّ كُلِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ وَمِنْ شَرِّ كُلِّ ذِيْ عَيْنٍ.

اللہ کے نام سے (دم کرتا ہوں) وہ آپ کو صحت عطا فرمائے ہر بیماری سے شفاء دے ہر حسد کرنے والی آنکھ کے شر سے جب وہ حسد کرے اور ہر نظر لگانے والی آنکھ سے (محفوظ رکھے)۔

امام مسلم رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی مرفوع حدیث ان الفاظ میں نقل کی ہے (نبی اکرم ﷺ نے فرمایا):

العين حق ولو كان شى سابق القدر سبقته العين واذا استغسلتم فاغسلوا.

نظر برحق ہے اور اگر کوئی تقدیر سے آگے بڑھتی تو نظر آگے بڑھتی اور جب تم سے غسل کا مطالبہ کیا جائے تو غسل کرو۔

(حدیث میں جو امر آیا ہے اس) امر کا ظاہر یہ بتاتا ہے کہ یہ وجوب کے لئے ہے۔ المازری نے اختلاف ذکر کر کے وجوب کو صحیح قرار دیا اور فرمایا: کہ جس کو ہلاکت کا ڈر ہو اور نظر لگانے کا غسل عادتاً شفاء کا باعث ہو تو یہ غسل ضروری ہے جب یہ بات ثابت ہے کہ مجبور شخص جو بھوک سے مر رہا ہو اسے کھانا کھلانا واجب ہے تو (اس شخص کو ہلاکت سے بچانے کے لئے) یہ عمل (غسل) بدرجۂ اولیٰ واجب ہوگا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں غسل کا طریقہ بیان نہیں ہوا۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں حضرت سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ کی حدیث جسے امام احمد اور امام نسائی رحمہما اللہ نے روایت کیا ہے اس میں یہ طریقہ بیان ہوا ہے۔ (فتح الباری ج ۱۰ ص ۲۵۰)

(ابوامامہ فرماتے ہیں) ان کے باپ نے بیان کیا کہ نبی اکرم ﷺ باہر تشریف لائے اور صحابہ کرام بھی آپ کے ہمراہ ایک پانی (چشمے) کی طرف تشریف لے گئے جب جحفہ کے شعب "الخرار" مقام پر پہنچے تو حضرت سہل بن حنیف نے غسل کیا اور وہ سفید رنگ کے خوبصورت جسم اور خوبصورت جلد والے تھے' حضرت عامر بن ربیعہ نے ان کو دیکھا تو فرمایا میں نے آج کی طرح نہیں دیکھا اور نہ کوئی ایسی پوشیدہ (عمدہ) جلد دیکھی ہے۔ (یہ سنتے ہی) حضرت سہل زمین پر گر پڑے' نبی اکرم ﷺ تشریف لائے تو پوچھا: تم کس پر الزام دیتے ہو؟ انہوں نے عرض کیا: حضرت عامر بن ربیعہ کی وجہ سے ہوا آپ نے حضرت عامر کو بلایا اور غصہ فرمایا پھر ارشاد فرمایا: تم میں سے کوئی ایک اپنے بھائی کو کیوں ہلاک کرتا ہے؟ ایسا کیوں نہیں ہوا کہ جب تم نے وہ چیز دیکھی جس پر تمہیں تعجب ہوا تو تم کہتے یا اللہ! اسے برکت عطا فرما پھر فرمایا: اس کے لئے غسل کرو چنانچہ انہوں نے اپنا چہرہ' ہاتھ' کہنیاں' گھٹنے اور پاؤں کے دونوں طرف ایک برتن میں دھوئے نیز تہبند کے اندر بھی دھویا (استنجاء کیا)۔

پھر ایک شخص نے یہ پانی پیچھے کی طرف کھڑا ہو کر ان کے سر اور پیٹھ پر ڈالا پھر پیالے سے چلو بھر کر اسی طرح کیا تو حضرت سہل صحابہ کرام کے ساتھ چل پڑے انہیں کوئی تکلیف باقی نہ رہی۔ (دلائل النبوۃ ج ۶ ص ۱۶۳' المعجم الکبیر ج ۶ ص ۹۷)

مازری فرماتے ہیں تہبند کے اندر سے مراد وہ جگہ ہے جہاں ازار باندھتے ہیں اس کی دائیں جانب مراد ہے وہ فرماتے ہیں بعض حضرات کے نزدیک شرمگاہ سے کنایہ ہے (یعنی استنجاء کیا)۔

قاضی عیاض رحمہ اللہ نے یہ اضافہ کیا ہے کہ اس سے مراد جسم کا وہ حصہ ہے جو ازار سے ملا ہوا ہے۔

کہا گیا ہے کہ اس سے مراد ازار کی وہ جگہ ہے جو جسم سے ملی ہوتی ہے بعض نے کہا کہ جس جگہ ازار باندھا جاتا ہے وہ مراد ہے میں نے دیکھا کہ ہمارے شیخ حافظ ابوالخیر (محمد بن عبدالرحمٰن) سخاوی رحمہ اللہ کی طرف جو کچھ منسوب ہے اس میں ہے کہ ابن بکیر (یحییٰ بن عبداللہ بن بکیر مخزومی) نے حضرت امام مالک رحمہ اللہ سے نقل کیا کہ اس سے کپڑے کا وہ حصہ مراد ہے جو جسم سے ملا ہوتا ہے۔

ابن اثیر نے "نہایہ میں" فرمایا ان لوگوں کی عادت تھی کہ اگر کسی شخص کو کسی دوسرے کی نظر لگ جاتی تو وہ اس شخص کے پاس جس کی نظر لگتی ایک پیالہ لے کر آتا جس میں پانی ہوتا وہ اس میں سے چلو پانی لے کر کلی کرتا اور وہ پانی پیالے میں ڈال دیتا پھر اس سے منہ دھوتا پھر بایاں ہاتھ داخل کرتا اور دائیں ہاتھ پر پانی ڈالتا پھر دایاں ہاتھ پیالے میں داخل کر کے بائیں ہاتھ پر پانی ڈالتا پھر بایاں ہاتھ داخل کر کے دائیں کہنی پر ڈالتا پھر دایاں ہاتھ داخل کر کے بائیں کہنی پر ڈالتا پھر دایاں ہاتھ داخل کر کے دائیں پاؤں پر ڈالتا پھر دایاں ہاتھ داخل کرتا اور بائیں پاؤں پر پانی ڈالتا پھر بایاں ہاتھ داخل کر کے دائیں گھٹنے پر ڈالتا اور اس کے بعد دایاں ہاتھ داخل کر کے بائیں گھٹنے پر ڈالتا' بعد ازاں تہبند کے اندر سے دھوتا اور پیالہ زمین پر نہ رکھا جاتا۔ اس کے بعد جس آدمی کو نظر لگی ہوتی اس کی پچھلی جانب سے یہ پانی ایک بار اس پر ڈال دیا جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے وہ ٹھیک ہو جاتا۔

مازری نے کہا ہے کہ اس بات کی وجہ اور علت عقل سے معلوم نہیں ہو سکتی لہٰذا یہ اعتراض نہیں کرنا چاہیے کہ اس کا

مفہوم سمجھ میں نہیں آتا۔

ابن عربی نے کہا اگر کوئی شریعت کو ماننے والا شخص اس میں توقف کرے تو ہم اس سے کہیں گے یوں کہو کہ اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ﷺ بہتر جانتے ہیں اور میں نے تجربے اور معائنے سے اس کی تصدیق کی ہے اور اگر کوئی فلسفی ہو تو اس کا رد کرنا ظاہر ہے کیونکہ اس کے پاس دوائیاں ہیں جو اثر کرتی ہیں اور ان کو ان کے خواص کہا جاتا حالانکہ ان کے اثرات سمجھ سے باہر ہوتے ہیں۔

ابن قیم نے کہا کہ نظر لگنے کا علاج اور اس سے بچنے کی ایک صورت یہ ہے کہ جس سے نظر لگنے کا ڈر ہو اس سے اپنے جسم کے حسین حصوں کو چھپایا جائے تاکہ اس پر نظر نہ پڑے اور وہ نظر واپس لوٹ جائے جیسا کہ امام بغوی نے ''شرح السنہ میں'' ذکر کیا ہے کہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے ایک خوبصورت بچے کو دیکھا تو فرمایا:

دسمو نونته لئلا تصیبه العین. اس کی ٹھوڑی کے گڑھے کو سیاہ کر دو تا کہ اسے نظر نہ لگے۔

پھر امام بغوی نے اس کی تفسیر میں فرمایا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کے نُونہ کو سیاہ کر دو اور نُونہ چھوٹے بچے کی ٹھوڑی میں بنے ہوئے گڑھے کو کہتے ہیں۔

ابوعبداللہ الساجی نے ذکر کیا کہ وہ حج یا عمرہ کے سلسلے میں ایک خوبصورت اونٹنی پر سفر کر رہے تھے ساتھیوں میں ایک ایسا شخص تھا جس کی نظر لگتی تھی وہ جس چیز کو دیکھتا تباہ کر دیتا تھا۔ تو حضرت ابوعبداللہ سے کہا گیا نظر والے سے اپنی اونٹنی کی حفاظت کیجئے' انہوں نے کہا وہ میری اونٹنی کو نقصان نہیں پہنچا سکتا اس شخص کو یہ بات بتائی گئی تو وہ حضرت ابوعبداللہ کے غائب ہونے کا منتظر رہا جب وہ غائب ہوئے تو وہ ان کے کجاوے کے پاس آیا اور اونٹنی کو دیکھا تو وہ تڑپنے لگی حتیٰ کہ گر گئی۔ حضرت ابوعبداللہ آئے تو ان کو بتایا کہ نظر والے نے اس کو نظر لگائی ہے اور وہ اس حالت میں ہے جسے آپ دیکھ رہے ہیں انہوں نے فرمایا: مجھے اس کے پاس لے جاؤ چنانچہ وہ اس کے پاس کھڑے ہوئے اور یہ الفاظ کہے:

بسم الله حبس حابس وحجر یابس وشهاب قابس ردت عین العائن علیه وعلی احب الناس الیه فارجع البصر هل تری من فطور ثم ارجع البصر کرتین ینقلب الیک البصر خاسئا وهو حسیر فخرجت حدقتا العائن وقامت الناقة لا بأس بها.

اللہ کے نام سے روکنے والے کا روکنا' خشک پتھر (جو نظر لگانے والے کو لگے) اور ستارہ جو (نظر لگانے والے کو) جلا دے نظر لگانے والے کی نظر اس کی طرف لوٹ جائے اور اس کے محبوب ترین آدمی کی طرف جائے تم نظر اٹھا کر دیکھو کوئی رخنہ نظر آتا ہے پھر دوبارہ نگاہ اٹھاؤ نظر تیری طرف ناکام پلٹ آئے گی تھکی ماندی' پس نظر لگانے والے کی آنکھیں نکل آئیں اور اونٹنی کسی خرابی کے بغیر کھڑی ہوگئی۔

اس حدیث کے فوائد میں سے یہ ہے کہ جب نظر والے کا علم ہو جائے تو اس سے اعضاء دھلوائے جائیں اور یہ دھونا ایک قسم

کا دم جھاڑا ہے جو نفع بخش ہے اور نظر لگنے کا سبب پسند آنا ہے اگرچہ حسد کے بغیر ہو اور محبت کرنے والے کی طرف سے اور نیک آدمی کی جانب سے ہو نیز جس شخص کو کوئی چیز پسند آئے تو وہ اس شخص کے لئے برکت کی دعا میں جلدی کرے جو اسے پسند آیا ہے اور یہ اس کی طرف سے دم جھاڑا ہو جائے گا۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ نظر بعض اوقات ہلاک کر دیتی ہے۔

نظر لگانے والے کی سزا

اس بارے میں اختلاف ہے کہ آیا نظر لگانے پر قصاص جاری ہوگا یا نہیں؟

امام قرطبی فرماتے ہیں اگر نظر لگانے والا کسی چیز کو ہلاک کرتا ہے تو اس پر اس کا تاوان آئے گا اور اگر اس سے کوئی ہلاک ہو جائے تو اس پر قصاص یا دیت آئے گی جب یہ بات اس سے تکرار کے ساتھ ہو کیونکہ یہ اس کی عادت بن جائے گی اور وہ اس سلسلے میں ان لوگوں کے نزدیک جادوگر کی طرح ہوگا جو اسے بطور کافر (مرتد) قتل نہیں کرتے۔

شافعی مسلک والوں نے اس سلسلے میں قصاص کا ذکر نہیں کیا بلکہ انہوں نے اس سے منع کیا اور کہا کہ عام طور پر نظر لگنے سے کوئی قتل نہیں ہوتا اور اس کو ہلاک کرنے والا شمار نہیں کیا جاتا۔

امام نووی رحمہ اللہ نے ''الروضہ'' میں فرمایا: کہ اس پر دیت اور کفارہ کچھ بھی نہیں کیونکہ حکم عمومی قانون پر مرتب ہوتا ہے اس پر نہیں جو بعض لوگوں کے ساتھ خاص ہو اور بعض حالات میں اس پر کوئی انضباطی کارروائی نہیں ہوتی یہ کیسے ہوگا جب کہ اس سے اصلاً کوئی فعل صادر نہیں ہوگا۔

زیادہ سے زیادہ یہ حسد ہوگا اور وہ اس سے نعمت کے زوال کی تمنا کرے گا نیز نظر لگنے سے جو بات پیدا ہوئی وہ اس شخص کے لئے مکروہ ہے اور یہ مکروہ (ناپسندیدہ) عمل زوالِ حیات کے لئے متعین نہیں ہے اور بعض اوقات یہ بات نظر کے اثر کے بغیر بھی پیدا ہوتی ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس پر جادوگر کو قتل کرنے والا حکم نافذ کیا جائے کیونکہ یہ اس کے معنیٰ میں ہے اور دونوں میں فرق کرنا مشکل ہے۔

ابن بطال نے بعض اہل علم حضرات سے نقل کیا کہ حکمران کو چاہیے کہ جب اسے یہ بات معلوم ہو تو وہ نظر لگانے والے کو لوگوں کے ساتھ میل جول رکھنے سے منع کرے اور اسے گھر میں رہنے کا پابند کرے اور اگر وہ محتاج ہو تو حسب ضرورت اسے رزق مہیا کرے کیونکہ اس کا ضرر کوڑھ کے مریض کے ضرر سے زیادہ سخت ہے جسے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے لوگوں کے ساتھ میل جول سے منع فرمایا تھا۔ نیز لہسن کے ضرر سے بھی زیادہ ہے اور لہسن کھانے والے کو نماز باجماعت میں حاضری سے منع کر دیا گیا۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ قول صحیح متعین ہے اور کسی سے اس کے خلاف کوئی بات معروف نہیں۔

نبی اکرم ﷺ کے کلماتِ دم جن سے دم فرمایا کرتے تھے

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ فرماتے ہیں: میں اور حضرت ثابت رضی اللہ عنہما حضرت انس رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر ہوئے تو حضرت ثابت رضی اللہ عنہ نے کہا اے ابوحمزہ! مجھے تکلیف ہے تو حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کیا میں تجھے ان کلمات کے ساتھ دم نہ کروں جن (کلمات) کے ساتھ نبی اکرم ﷺ دم کیا کرتے تھے انہوں نے فرمایا: جی ہاں

مجھے دم کیجئے تو انہوں نے یوں دم کیا:

اَللّٰهُمَّ رَبَّ النَّاسِ مُذْهِبَ الْبَاسِ اِشْفِ اَنْتَ الشَّافِيْ لَا شَافِيَ اِلَّا اَنْتَ شِفَاءً لَا يُغَادِرُ سَقَمًا. اے اللہ! لوگوں کے رب تکلیف کو لے جانے والے شفاء عطا فرما تو شفا دینے والا ہے تیرے سوا کوئی شفاء دینے والا نہیں ایسی شفاء عطا فرما جو بیماری کو باقی نہ چھوڑے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۷۴۲' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۸۹۰' مسند احمد ج ۳ ص ۱۵۱' جمع الجوامع رقم الحدیث: ۹۶۸۳' کنز العمال رقم الحدیث: ۲۸۳۶۷)

''مذهب الباس'' میں اصل ہمزہ تھا جس کو ''الناس'' کی موافقت میں الف سے بدل دیا' ''لا شافی الا انت'' میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ دوائی اور علاج میں سے کوئی چیز تقدیر کے موافق ہوگی تو فائدہ ہوگا ورنہ نہیں ''لا یغادر'' غین (نقطے والی) کے ساتھ یعنی نہ چھوڑے۔

''صحیح بخاری میں'' ہے حضرت مسروق' حضرت عائشہ (رضی اللہ عنہا) سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ اپنے اہل میں سے کسی کی بیمار پرسی کرتے تو اپنا ہاتھ اس (تکلیف والی جگہ) پر رکھتے اور فرماتے:

اَللّٰهُمَّ رَبَّ النَّاسِ اَذْهِبِ الْبَاسَ وَاشْفِهٖ وَاَنْتَ الشَّافِيْ لَا شِفَاءَ اِلَّا شِفَاؤُكَ شِفَاءً لَا يُغَادِرُ سَقَمًا. یا اللہ! انسانوں کے رب تکلیف کو دور کردے اور اس کو شفاء عطا فرما تو شفاء دینے والا ہے تیری شفاء کے سوا کوئی شفاء نہیں ایسی شفاء عطا فرما جو کسی بیماری کو نہ چھوڑے۔

''یمسح بیده'' کا مطلب یہ ہے کہ درد والی جگہ پر ہاتھ مبارک رکھتے۔''الا شفاؤک'' مرفوع ہے''لا شفاء'' کے محل سے بدل ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی اکرم ﷺ دم کرتے ہوئے یوں فرماتے:

امسح الباس رب الناس بیدک الشفاء لا کاشف له الا انت. اے لوگوں کے رب! تکلیف کو دور کردے تیرے ہاتھ میں شفاء ہے اور اس تکلیف کو صرف تو ہی دور کرسکتا ہے۔

''صحیح مسلم میں'' حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب وہ اسلام لائے تو انہوں نے بارگاہِ نبوی میں اپنے جسم میں پائی جانے والی تکلیف کی شکایت کی تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: جسم میں جس جگہ تکلیف ہو وہاں اپنا ہاتھ رکھ کر تین مرتبہ بسم اللہ پڑھو اور سات مرتبہ یہ کلمات کہو:

اَعُوْذُ بِعِزَّةِ اللّٰهِ وَقُدْرَتِهٖ مِنْ شَرِّ مَا اَجِدُ وَاُحَاذِرُ. اللہ تعالیٰ کی عزت وقدرت کی پناہ ہر اس شر سے جو میں پاتا ہوں اور جس کا مجھے ڈر ہے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۶۷' شرح السنہ ج ۵ ص ۲۲۸' اتحاف السادة المتقین ج ۶ ص ۲۹۷' الترغیب والترہیب ج ۴ ص ۳۰۵' مشکوٰۃ المصابیح للتبریزی رقم الحدیث: ۱۵۳۳' کنز العمال رقم الحدیث: ۲۸۳۷۳)

ان کلمات کے تکرار کی وجہ یہ ہے کہ زیادہ فائدہ حاصل ہو جس طرح فاسد مادہ کو نکالنے کے لئے بار بار دوائی استعمال کی جاتی ہے۔

خوف اور بے خوابی کا نبوی علاج

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت خالد (بن ولید) رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ بے خوابی کی وجہ سے میں رات کو سو نہیں سکتا تو آپ نے فرمایا: جب اپنے بستر پر جاؤ تو یوں کہو:

اَللّٰھُمَّ رَبَّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَمَآ اَظَلَّتْ وَرَبَّ الْاَرْضِیْنَ السَّبْعِ وَمَآ اَقَلَّتْ وَرَبَّ الشَّیَاطِیْنِ وَمَآ اَضَلَّتْ کُنْ لِّیْ جَارًا مِّنْ شَرِّ خَلْقِکَ کُلِّھِمْ جَمِیْعًا اَنْ یَّفْرُطَ عَلَیَّ اَحَدٌ مِّنْھُمْ اَوْ یَبْغِیَ عَلَیَّ عَزَّ جَارُکَ وَجَلَّ ثَنَآؤُکَ وَلَآ اِلٰہَ غَیْرُکَ.

اے اللہ! ساتوں آسمانوں اور جس پر وہ سایہ فگن ہیں، کے رب! ساتوں زمینوں اور جو کچھ انہوں نے اٹھایا ہوا ہے، کے رب! شیطانوں اور جن کو انہوں نے گمراہ کیا، کے رب! اپنی تمام مخلوق سے مجھے پناہ دے تاکہ ان میں سے کوئی مجھ پر زیادتی یا سرکشی نہ کرے تیری پناہ غالب ہے اور تیری ثناء بلند ہے اور تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۵۲۳، مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۱۲۳، اتحاف السادۃ المتقین ج ۵ ص ۳۲۹، الترغیب والترھیب ج ۲ ص ۴۵۷)

مصیبت کی گرمی کا ''رجوع الی اللہ'' کی ٹھنڈک سے نبوی علاج

مسند میں مرفوع حدیث ہے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: جس شخص کو مصیبت پہنچے وہ یوں کہے:

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ اَللّٰھُمَّ اْجُرْنِیْ فِیْ مُصِیْبَتِیْ وَاخْلُفْ لِیْ خَیْرًا مِّنْھَا.

بے شک ہم اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں اور اسی کی طرف لوٹنا ہے یا اللہ تعالیٰ اس مصیبت کا مجھے اجر عطا فرما اور اس کا نعم البدل مرحمت فرما۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۱۱۹، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۵۹۸، مسند احمد ج ۳ ص ۳۲۱، التمہید ج ۳ ص ۱۸۰)

تو اللہ تعالیٰ اسے اس مصیبت کا اجر عطا فرماتا ہے اور اسے اس کا نعم البدل عطا فرماتا ہے۔[1]

(ابن قیم نے) ''الہدی النبوی میں'' کہا ہے کہ یہ کلمہ مصیبت زدہ کے علاج کے لئے دنیا و آخرت کے اعتبار سے زیادہ نفع بخش ہے کیونکہ یہ دو بنیادی باتوں پر مشتمل ہے جب بندہ ان کی معرفت حاصل کرتا ہے تو اسے مصیبت سے تسلی ہو جاتی ہے ایک بات یہ ہے کہ بندہ اور اس کے اہل و مال کا حقیقی مالک اللہ تعالیٰ ہے اور اللہ تعالیٰ نے یہ سب کچھ بندے کو عاریۃً (بطور ادھار) عطا فرمایا پس جب وہ اس سے واپس لیتا ہے تو یہ اسی طرح ہے جیسے ادھار دینے والا اپنی چیز ادھار لینے والے سے واپس لیتا ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ بندے کا رجوع اللہ تعالیٰ کی طرف ہی ہوتا ہے اور وہ لازماً دنیا کو پیٹھ کے پیچھے ڈال کر اپنے رب کے پاس تنہا آتا ہے جس طرح اسے پہلی مرتبہ اہل و مال اور خاندان کے بغیر تنہا پیدا کیا۔

البتہ وہ نیکی اور برائی کے ساتھ آتا ہے پس جب بندے کی ابتدا و انتہا یہ ہے تو وہ موجود چیز پر کس طرح خوش ہوتا ہے یا

[1] حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: جب حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوا تو میں نے سوچا ابو سلمہ سے بہتر کون ہوگا؟ وہ پہلے مہاجرین میں سے ہیں لیکن پھر بھی میں نے یہ کلمات پڑھے تو اللہ تعالیٰ نے ان سے بہتر یعنی حضور ﷺ مجھے عطا فرمائے۔ (زرقانی ج ۷ ص ۸۳)

کسی چیز کے نہ پانے پر افسوس کیوں کرتا ہے؟ پس اس بیماری کا سب سے بڑا علاج اپنے آغاز وانجام میں غور وفکر کرنا ہے۔

ابن قیم نے کہا کہ اس کا ایک علاج یہ بھی ہے کہ مصیبت کی آگ کو مصیبت زدہ لوگوں کو دیکھ کر تسلی حاصل کرے اور اس ٹھنڈک سے بجھائے اور اگر وہ دنیا میں غور وفکر کرے تو ہر شخص کو کسی نہ کسی مصیبت میں مبتلا دیکھے گا چاہے محبوب کا نہ ملنا ہو یا کوئی مکروہ بات پہنچے اور دنیا کا سرور ایک خواب ہے یا زائل ہونے والا سایہ ہے۔ اگر تھوڑا ہنساتا ہے تو زیادہ رُلاتا ہے اگر ایک دن خوش رکھتا ہے تو زمانہ بھر پریشان رکھتا ہے' اگر تھوڑا نفع دیتا ہے تو زیادہ عرصہ اس سے روکے رکھتا ہے' اگر کوئی نعمتوں سے بھرتا ہے تو آنسوؤں سے بھی بھرتا ہے ایک دن سُرور حاصل ہوتا ہے تو اس میں شر والا دن بھی پوشیدہ ہوتا ہے۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

لکل فرحۃ ترحۃ وما ملیء بیت فرحا الا ملیء ترحا.

ہر خوشی کے مقابلے میں ایک غم ہے اور جو گھر فرحت و سرور سے بھرتا ہے وہ غم سے بھی بھر جاتا ہے۔

غموں کا علاج اپنے رب کی طرف توجہ سے کرنا

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ غم اور دکھ کے وقت یوں فرماتے ہیں:

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ الْعَظِيْمُ الْحَلِيْمُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيْمِ. (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۳۴۵۔۶۳۴۶' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۷۳۰)

اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ عظمت والا' بردبار ہے' اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں' وہ عرش عظیم کا رب ہے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ آسمانوں کا رب اور عرشِ کریم کا رب ہے۔

"صحیح مسلم میں ہے کہ" نبی اکرم ﷺ پریشانی کے وقت ان کلمات کو پڑھتے اور ان کے ساتھ دعا مانگتے تھے۔

ان کے نزدیک یہ بھی ہے "کان اذا حزبہ امر یعنی جب کسی بات کا غلبہ ہوتا"۔ طبری نے کہا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ قول کہ آپ ﷺ (ان کلمات کے ساتھ) دعا مانگتے تھے تو یہ اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی تعظیم کرنا تھا جس میں دو باتوں کا احتمال ہے۔

ایک بات یہ کہ دعا سے پہلے یہ کلمات پڑھتے تھے جس طرح عبد بن حمید کے نزدیک ہے کہ "جب آپ کو کوئی عمل پیش آتا تو یہ منقول ذکر کرتے" اور یہ اضافہ کیا کہ پھر دعا مانگتے۔

طبری نے کہا اس بات کی تائید حضرت اعمش کی اس روایت سے ہوتی ہے جو انہوں نے حضرت ابراہیم سے نقل کی ہے وہ فرماتے ہیں کہا جاتا تھا کہ جب کوئی شخص دعا سے پہلے اللہ تعالیٰ کی ثناء کرتا ہے تو اس کی دعا قبول ہوتی ہے اور جب ثناء سے پہلے دعا مانگے تو صرف امید ہوتی ہے۔

دوسرا احتمال ابن عیینہ نے بطور جواب فرمایا ان سے اس حدیث کے بارے میں پوچھا گیا جس میں یوں آیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ عرفات میں عام طور پر یہ کلمات پڑھتے۔

"لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک" حضرت سفیان فرماتے ہیں یہ کلمات ذکر ہیں ان میں دعا نہیں ہے لیکن نبی اکرم ﷺ نے اپنے رب عزوجل سے یوں نقل کیا:

من شغله ذکری عن مسالتی اعطیته افضل ما اعطی السائلین.
جس شخص کو میرا ذکر مجھ سے مانگنے سے مشغول رکھے میں اسے مانگنے والوں سے افضل دیتا ہوں۔

امیہ بن ابی الصلت نے حضرت عبداللہ بن جدعان کی تعریف میں کہا:

ا اذکر حاجتی ام قد کفانی حیاؤک ان شیمتک الحیاء
اذا اثنی علیک المرء یوما کفاه من تعرضک الثناء

''کیا میں اپنی حاجت کا ذکر کروں یا مجھے تمہارا حیاء کافی ہے تمہاری فطرت میں حیا شامل ہے۔ جب کوئی شخص کسی دن تمہاری تعریف کرے تو اس کے لئے تیری تعریف سے اعراض کرنے کی جگہ یہ کافی ہے''۔

یہ تو مخلوق ہے کہ جب کرم کی طرف منسوب کیا تو سوال کی جگہ ثناء پر اکتفا کیا تو خالق کا معاملہ کیا ہوگا؟

جیسا کہ ابن قیم نے کہا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی یہ روایت اللہ تعالیٰ کی توحید و ربوبیت پر مشتمل ہے نیز اس میں رب سبحانہ وتعالیٰ کا وصف عظمت اور حلم (بردباری) بیان کیا اور یہ دو صفات قدرت' رحمت' احسان اور درگزر کرنے میں کمال نیز اس کی صفت ربوبیت میں کمال کو مستلزم ہیں جو ربوبیت عالم علوی' عالم سفلی اور عرش کو شامل ہے اور عرش تمام مخلوق کی چھت اور سب سے بڑی مخلوق ہے اور ربوبیت تامہ اس کی توحید کو مستلزم ہے اور وہی ذات ہے کہ عبادت' محبت' خوف' امید' تعظیم واطاعت صرف اسی کے لئے ہے (حقیقی طور پر اسی کے لئے ہے ورنہ عبادت کے علاوہ باقی کام مخلوق کے لئے بھی ہیں۔ ۱۲ ہزاروی)۔

اور اس کی عظمت مطلقہ اس بات کو مستلزم ہے کہ تمام کمال اسی کے لئے ہے اور ہر نقص کی نیز اس کے مثل ہونے کی نفی ہے۔ اس کا حلم (بردباری) اس بات کو مستلزم ہے کہ مخلوق پر اس کی رحمت اور احسان کامل ہے پس دل میں اس بات کا علم اور معرفت اس کی محبت' تعظیم اور توحید کو لازم کرتا ہے اور اس سے خوشی' لذت اور سرور حاصل ہوتا ہے جس سے تکلیف' پریشانی اور غم کی تکلیف دور ہو جاتی ہے۔

تم مریض کو کیسا پاتے ہو جب اس کو خوشی کی خبر پہنچتی ہے یا ایسی چیز جو اس کی تقویت کا باعث ہو تو جسی مرض کے دور کرنے پر اس کی طبیعت کو کس طرح قوت حاصل ہوتی ہے؟ پس دل کے لئے اس شفاء کا حصول کس قدر لائق ہے پھر جب تم تکلیف کی تنگی اور ان اوصاف کے درمیان مقابلہ کرو جو اوصاف اس حدیث میں بیان ہوئے ہیں تو اس تنگی کو دور کرنے کے لئے انتہائی مناسبت پاؤ گے اور تکلیف اس تنگی سے سرور اور تازگی کی وسعت کی طرف چلی جاتی ہے لیکن ان امور کی تصدیق وہی کرتا ہے جس میں ان کے انوار چمکتے ہوں اور دل کا حقائق سے رابطہ ہو جائے۔

ابن بطال نے کہا مجھ سے ابوبکر رازی نے بیان کیا وہ فرماتے ہیں: میں اصفہان میں ابونعیم کے پاس تھا تو ان کے شیخ نے ان سے کہا کہ ابوبکر بن علی کو بادشاہ کے پاس لے جا کر قید کر دیا گیا پس میں نے خواب میں نبی اکرم ﷺ کو دیکھا اور حضرت جبریل علیہ السلام آپ کی دائیں جانب تھے اور اللہ تعالیٰ کی تسبیح میں اپنے ہونٹوں کو ہلا رہے تھے اور اس میں کوئی کمی نہیں کرتے تھے' نبی اکرم ﷺ نے مجھ سے فرمایا: کہ حضرت ابوبکر بن علی رضی اللہ عنہ سے کہو کہ تکلیف کے ازالے سے متعلق وہ دعا پڑھیں'' جو صحیح بخاری میں ہے'' حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ پریشانی دور کر دے وہ فرماتے ہیں صبح ہوئی تو میں نے ان کو خبر دی چنانچہ انہوں نے وہ دعا مانگی تو زیادہ عرصہ نہ گزرا کہ ان کو جیل سے رہائی مل گئی۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی روایت جسے امام نسائی نے نقل کیا اور امام حاکم نے صحیح قرار دیا اس میں آپ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے مجھے یہ (درج ذیل) کلمات سکھائے اور فرمایا: کہ اگر مجھے کوئی تکلیف یا شدت پہنچے تو ان کلمات کو پڑھوں:

لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ الْکَرِیْمُ الْعَظِیْمُ سُبْحَانَ اللّٰہِ تَبَارَکَ اللّٰہُ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ.

اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ کرم والا عظمت والا ہے اللہ پاک ہے اللہ تعالیٰ برکت والا ہے عرش عظیم کا مالک ہے اور تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا رب ہے۔

ایک روایت میں ''الکریم العظیم'' کی جگہ ''الحلیم الکریم'' ہے۔

اور ایک دوسری روایت میں یہ الفاظ ہیں:

لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہُ الْعَلِیْمُ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہُ الْحَلِیْمُ الْکَرِیْمُ.

اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں' اس کا کوئی شریک نہیں وہ جاننے والا بلند عظمت والا ہے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ ایک ہے اس کا کوئی شریک نہیں وہ بردبار کرم والا ہے۔

ایک اور روایت میں ہے:

لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ الْحَلِیْمُ الْکَرِیْمُ سُبْحَانَہٗ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ.

اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ بردبار کرم والا ہے وہ پاک برکت والا بلندی اور عرش عظیم کا رب ہے۔ تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے جو تمام جہانوں کا رب ہے۔

یہ تمام روایات امام نسائی رحمہ اللہ نے نقل کی ہیں۔

امام ترمذی رحمہ اللہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی کہ نبی اکرم ﷺ کو جب کوئی معاملہ پیش آتا تو آپ اپنی نگاہ آسمان کی طرف اٹھاتے اور یہ الفاظ پڑھتے:

سُبْحَانَ اللّٰہِ الْعَظِیْمِ.

عظمت والا اللہ پاک ہے۔

اور جب دعا میں خوب کوشش فرماتے تو یوں کہتے:

یَا حَیُّ یَا قَیُّوْمُ.

اے زندہ! دوسروں کو قائم رکھنے والے۔

امام ترمذی رحمہ اللہ نے ہی حضرت انس رضی اللہ عنہ سے حدیث نقل کی ہے کہ نبی اکرم ﷺ کو جب کوئی مشکل درپیش ہوتی تو آپ یہ کلمات پڑھتے:

یَا حَیُّ یَا قَیُّوْمُ بِکَ اَسْتَغِیْثُ.

اے زندہ! دوسروں کو قائم رکھنے والے میں تیرے نام سے مدد طلب کرتا ہوں۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث:۳۵۲۴' اتحاف السادۃ المتقین ج۵ص۲۶' مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث:۲۴۵۴' الترغیب والترہیب ج۱ص۴۵۷' کنزالعمال رقم الحدیث:۳۳۹۸_۳۹۱۸_۱۸۰۰۴)

علامہ ابن قیم نے کہا کہ اس قسم کی بیماری (پریشانی) کو دور کرنے کے لئے "یاحی یا قیوم برحمتک استغیث" کے الفاظ عجیب مناسبت رکھتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کی صفت حیات تمام صفاتِ کمال کو متضمن ہے اوران کو مستلزم ہے اور صفت قیومیت تمام صفات افعال کو متضمن ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ کا اسم اعظم جس کے ساتھ دعا کی جائے تو قبول ہوتی ہے' مانگا جائے تو دیا جاتا ہے وہ "الحی القیوم" ہے۔

اور حیاتِ کاملہ تمام تکالیف اور بیماریوں کی ضد ہے اسی لئے جب اہل جنت کی حیاتِ کامل ہو جائے گی تو انہیں کوئی پریشانی' غم اور کسی قسم کی آفت نہیں ہوگی۔

پس صفت حیات اور صفت قیومیت کے توسل سے دعا مانگنے میں اس بات کو زائل کرنے کی تاثیر ہے جو زندگی کے خلاف ہو اور افعال میں نقصان پیدا کرے۔

اسی لئے "الحی القیوم" میں دعاؤں کی قبولیت اور تکالیف کے ازالے میں عظیم تاثیر ہے جو اس مقصد کے ساتھ خاص ہے۔

اور نبی اکرم ﷺ دعا میں خوب کوشش کے وقت "یاحی یا قیوم" پڑھتے تھے۔

"سنن ابوداؤد میں" حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی روایت منقول ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: پریشانی میں مبتلا آدمی کی دعا یہ ہے:

اَللّٰھُمَّ رَحْمَتَکَ اَرْجُوْ فَلَا تَکِلْنِیْٓ اِلٰی نَفْسِیْ طَرْفَۃَ عَیْنٍ وَّاَصْلِحْ لِیْ شَاْنِیْ کُلَّہٗ لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنْتَ۔

یااللہ! میں صرف تیری رحمت کی امید رکھتا ہوں مجھے پلک جھپکنے کے برابر بھی میرے نفس کے حوالے نہ کرنا اور میرے تمام کاموں کو درست فرما دے تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۵۰۹۰' مسند احمد ج۵ص۴۲' مشکوٰۃ المصابیح للتبریزی رقم الحدیث:۲۴۴۷' کنزالعمال رقم الحدیث:۳۴۲۲)

جیسا کہ "زادالمعاد میں" (ابن قیم نے) کہا کہ اس دعا میں امید کو اس ذات سے وابستہ کیا گیا کہ تمام بھلائی جس کے قبضۂ قدرت میں ہے صرف اسی پر اعتماد اور اسی کی طرف تمام امور کو پھیرنے کا ذکر ہے اس کی بارگاہ میں گڑگڑانا کہ وہ تمام کام درست کردے اور (دعا کرنے والے کو) نفس کے سپرد نہ کرے نیز اس کی توحید کا توسل وغیرہ ایسے امور ہیں جو اس پریشانی کو دور کرنے کی تاثیر رکھتے ہیں۔

اسی طرح حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا کی حدیث جسے امام ابوداؤد نے ہی مرفوعاً نقل کیا تکلیف کے وقت کے لئے دعائیہ کلمات اس طرح ہیں:

اَللّٰہُ رَبِّیْ لَآ اُشْرِکُ بِہٖ شَیْئًا۔

اللہ تعالیٰ میرا رب ہے میں اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتا۔

"مسند احمد میں" حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت منقول ہے وہ نبی اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ

آپ نے فرمایا: جو شخص کسی غم کے پہنچنے پر درج ذیل کلمات کہے تو اللہ تعالیٰ اس کا غم اور پریشانی لے جاتا ہے اور اس کی جگہ فرحت و سرور عطا فرماتا ہے۔ وہ کلمات یہ ہیں:

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ عَبْدُکَ ابْنُ عَبْدِکَ ابْنُ اَمَتِکَ نَاصِیَتِیْ بِیَدِکَ مَاضٍ فِیَّ حُکْمُکَ عَدْلٌ فِیَّ قَضَاؤُکَ اَسْاَلُکَ بِکُلِّ اِسْمٍ ھُوَ لَکَ سَمَّیْتَ بِهٖ نَفْسَکَ اَوْ اَنْزَلْتَهٗ فِیْ کِتَابِکَ اَوْ عَلَّمْتَهٗ اَحَدًا مِّنْ خَلْقِکَ اَوِ اسْتَاْثَرْتَ بِهٖ فِیْ عِلْمِ الْغَیْبِ عِنْدَکَ اَنْ تَجْعَلَ الْقُرْاٰنَ الْعَظِیْمَ رَبِیْعَ قَلْبِیْ وَنُوْرَ صَدْرِیْ وَجَلَاءَ حُزْنِیْ وَذِھَابَ ھَمِّیْ۔

یا اللہ! میں تیرا بندہ تیرے بندے کا بیٹا اور تیری بندی کا بیٹا ہوں میری پیشانی تیرے قبضہ میں ہے میرے بارے میں تیرا حکم نافذ ہونے والا اور تیرا فیصلہ انصاف پر مبنی ہے میں تجھ سے تیرے ہر اس نام کے ساتھ سوال کرتا ہوں جو تو نے اپنی ذات کا نام رکھا یا اپنی کتاب میں نازل کیا یا مخلوق میں سے کسی کو سکھایا یا اس علم غیب میں ہے جو تیرے پاس ہے تو نے اس کو ترجیح دی' کہ تو قرآن مجید کو میرے دل کی بہار' میرے سینے کا نور' میرے غم کا ازالہ' اور میری پریشانی کو لے جانے والا بنا دے۔

(مسند احمد ج ۱ص ۳۹۱_۴۵۲_المستدرک ج ۱ص ۵۰۹' الدر المنثور ج ۳ص ۱۴۹' موارد الظمآن رقم الحدیث: ۲۳۷۲' مجمع الزوائد ج ۱۰ص ۱۷۶' المغنی ج ۱ص ۳۲۹' اتحاف السادۃ المتقین ج ۵ص ۱۰۵' المعجم الکبیر ج ۱۰ص ۲۱۰' کنز العمال رقم الحدیث: ۳۴۳۶_۳۴۳۵)

اس دعا کو یہ مرتبہ اس وجہ سے حاصل ہوا کہ یہ دعا کرنے والے کے بندہ ہونے اور اس کے ماں باپ کے بندگانِ خدا ہونے کے اقرار پر مشتمل ہے اور یہ کہ بندہ اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے وہ جدھر چاہے اسے پھیر دے نیز تقدیر کا اثبات ہے اور یہ کہ اللہ تعالیٰ کے احکام بندے میں نافذ ہوتے اور اس میں جاری ہوتے ہیں اس سے جدائی نہیں ہوئی۔ اور نہ ان کو دور کرنے کے لئے کوئی حیلہ ہو سکتا ہے۔

یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ان احکام میں عدل فرمایا وہ اپنے بندے پر ظلم نہیں کرتا پھر اللہ تعالیٰ کے ان اسماء کو وسیلہ بنایا جو اسماء اس نے خود مقرر فرمائے ان میں سے کچھ کا علم بندے کو دیا اور بعض اسماء کو وہ نہیں جانتے اور ان میں سے کچھ ایسے ہیں جو اس کے پاس پردۂ غیب میں ہیں ان پر کسی مقرب فرشتے اور نبی مرسل کو آگاہ نہیں فرمایا۔

اور یہ وسیلہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے بڑا اور محبوب ترین وسیلہ ہے اور حصول مطلوب کے زیادہ قریب کرنے والا ہے۔

پھر اس کا یہ سوال کہ اللہ تعالیٰ قرآن مجید کو اس کے دل کے لئے چراگاہ بنا دے یعنی جس طرح حیوانات کے چرنے کے لئے چراگاہ ہوتی ہے اور اس کے سینے کے لئے ایسا نور بنا دے جو اس نور کی طرح ہو جو زندگی کا مادہ ہے اور اس کے ساتھ بندوں کی زندگی مکمل ہوتی ہے نیز اس کو اس کے غم کے لئے شفاء بنا دے پس وہ اس دوائی کی طرح ہو جائے جس سے بیماری کا خاتمہ ہوتا ہے اور بدن' صحت و اعتدال کی طرف لوٹتا ہے اسی طرح اس کے غم کے لئے ایسی چمک دے جیسے اور زنگوں کو دور کر کے چمک پیدا کرنے والی چیز ہوتی ہے۔ (القاموس المحیط ج ۳ص ۶۰)

تو جب بیمار آدمی اس دوا کے استعمال میں سچا ہو تو اس کے بعد مکمل شفاء آتی ہے۔

''سنن ابوداؤد میں'' حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: ایک دن نبی اکرم ﷺ مسجد میں تشریف لائے تو انصار میں سے ایک شخص جس کا نام ابوامامہ تھا' مسجد میں موجود تھا۔ آپ نے فرمایا: اے ابوامامہ! یہ نماز کا وقت نہیں تو کیا وجہ ہے میں تمہیں اس وقت یہاں دیکھ رہا ہوں؟

اس نے عرض کیا یا رسول اللہ! مجھے غموں اور قرضوں نے گھیر رکھا ہے آپ نے فرمایا: کیا میں تمہیں ایسا کلام نہ سکھاؤں کہ جب تم کہو تو اللہ تعالیٰ تمہارے غموں اور دکھوں کو لے جائے اور تمہارا قرض بھی ادا ہو جائے عرض کیا ہاں یا رسول اللہ! بتایئے آپ نے فرمایا: صبح وشام یوں کہو:

اَللّٰهُمَّ اِنِّیۡ اَعُوۡذُبِکَ مِنَ الۡهَمِّ وَالۡحُزۡنِ وَاَعُوۡذُبِکَ مِنَ الۡعَجۡزِ وَالۡکَسَلِ وَاَعُوۡذُبِکَ مِنَ الۡجُبۡنِ وَالۡبُخۡلِ وَاَعُوۡذُبِکَ مِنۡ غَلَبَةِ الدَّیۡنِ وَقَهۡرِ الرِّجَالِ.

یا اللہ! میں اس پریشانی اور غم سے تیری پناہ چاہتا ہوں' عاجزی اور سستی سے تیری پناہ چاہتا ہوں' بزدلی اور کنجوسی سے تیری پناہ چاہتا ہوں اور قرض کے غلبہ اور لوگوں کے غالب آنے سے تیری پناہ کا طالب ہوں۔

وہ فرماتے ہیں میں نے یہ عمل کیا تو اللہ تعالیٰ نے میری پریشانی کو زائل کر دیا اور میرا قرض بھی ادا ہو گیا۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث:١٥٥٥' اتحاف السادۃ المتقین ج ٥ ص ١٠٠)

یہ حدیث آٹھ باتوں سے پناہ کو شامل ہے ان میں سے ہر دو ایک دوسرے کے قریب اور باہم ملی ہوتی ہیں' ''الھم اور الحزن'' (پریشانی اور غم) آپس میں ہم جنس ہیں۔ ''العجز اور الکسل'' (عاجزی اور سستی) ایک دوسرے سے تعلق رکھتے ہیں' ''الجبن اور البخل'' (بزدلی اور کنجوسی) کا باہم تعلق ہے ''غلبة الدین اور قھر الرجال'' (قرض کا بوجھ اور لوگوں کا غلبہ) ایک دوسرے کے قریب ہیں۔ پس ہر شر سے پناہ کی طلب پائی گئی۔

''سنن ابوداؤد میں'' ہی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے فرماتے ہیں رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

من لزم الاستغفار جعل اللہ لہ من کل ھم فرجا و من کل ضیق مخرجا ورزقہ من حیث لا یحتسب. (کنزالعمال رقم الحدیث:٢٣٢٧' عمل الیوم واللیل رقم الحدیث:٣٢٨)

جو شخص ہمیشہ استغفار کرے اللہ تعالیٰ اس کے لئے ہر پریشانی سے کشادگی اور ہر تنگی سے نکلنے کا راستہ پیدا کر دیتا ہے اور اسے وہاں سے رزق دیتا ہے جس جگہ کا اسے گمان بھی نہیں ہوتا۔

طلب مغفرت' غم اور تنگی کو دور کرنے میں مؤثر ہے کیونکہ تمام ادیان والے اور ہر ملت کے عقل مند لوگ اس بات پر متفق ہیں کہ گناہ اور فساد سے پریشانی' غم' سینے کی تنگی اور دل کی بیماریاں پیدا ہوتی ہیں اور جب دلوں میں گناہوں کی یہ تاثیر ہے تو اس کا علاج صرف توبہ اور استغفار ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جس شخص کی پریشانی زیادہ ہو وہ ''لا حول ولا قوۃ الا باللہ'' کثرت سے پڑھے۔

صحیحین میں ثابت ہے کہ یہ کلمہ (لا حول ولا قوۃ الا باللہ) جنت کے خزانوں میں سے ایک خزانہ ہے۔ اور

"جامع ترمذی میں ہے کہ" یہ کلمات جنت کے دروازوں میں سے ایک دروازہ ہیں۔

بعض آثار (احادیث) میں ہے کہ آسمان سے جو فرشتہ اترتا یا اوپر جاتا ہے وہ "لاحول ولا قوة الا بالله" کے ذریعے جاتا ہے۔ امام طبرانی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے نقل کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

جب بھی کوئی پریشانی ہوئی تو حضرت جبریل علیہ السلام کی شبیہ میرے سامنے آئی اور انہوں نے کہا: اے محمد ﷺ! یوں کہیں:

تَوَكَّلْتُ عَلَى الْحَيِّ الَّذِي لَا يَمُوْتُ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِي الْمُلْكِ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ وَلِيٌّ مِّنَ الذُّلِّ وَكَبِّرْهُ تَكْبِيْرًا.

میں نے اس زندہ ذات پر بھروسہ کیا جس کے لئے موت نہیں اور تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے اولاد اختیار نہیں کی اور بادشاہی میں اس کا کوئی شریک نہیں اور اس کے لئے ذلت نہیں کہ کوئی مددگار ہو اور اس کی بڑائی خوب بیان کرو۔

ابن السنی کی کتاب میں حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ نبی اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا: جو شخص پریشانی کے وقت آیت الکرسی اور سورۃ البقرہ کی آخری آیات (لله ما فی السموت سے آخر تک) پڑھے اللہ تعالیٰ اس کی مدد فرماتا ہے۔

اسی کتاب میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ہے فرماتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

میں ایک ایسا کلمہ جانتا ہوں کہ جو پریشان حال اس کو پڑھے اللہ تعالیٰ اس کی پریشانی دور کر دیتا ہے، وہ کلمہ میرے بھائی حضرت یونس علیہ السلام کا کلمہ ہے جو اس طرح ہے:

فَنَادٰى فِي الظُّلُمٰتِ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ.

انہوں نے اندھیروں میں پکارا کہ (یا اللہ) تیرے سوا کوئی معبود نہیں تو پاک ہے، بے شک میں زیادتی کرنے والوں میں سے ہوں۔

"جامع ترمذی میں ہے کہ" جو شخص ان کلمات کے ساتھ دعا مانگے اس کی دعا قبول ہوتی ہے۔

امام دیلمی نے "مسند الفردوس میں" حضرت جعفر بن محمد (حضرت امام جعفر صادق) رضی اللہ عنہ سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں مجھ سے میرے والد نے میرے دادا سے روایت کرتے ہوئے بیان کیا کہ نبی اکرم ﷺ کو جب کوئی معاملہ درپیش ہوتا تو آپ یہ دعا مانگتے:

اَللّٰهُمَّ احْرُسْنِيْ بِعَيْنِكَ الَّتِيْ لَا تَنَامُ وَاكْنُفْنِيْ بِكَنَفِكَ الَّذِيْ لَا يُرَامُ وَارْحَمْنِيْ بِقُدْرَتِكَ عَلَيَّ فَلَا اَهْلِكَ وَاَنْتَ رَجَائِيْ فَكَمْ مِّنْ نِّعْمَةٍ اَنْعَمْتَ بِهَا عَلَيَّ قَلَّ لَكَ بِهَا شُكْرِيْ

یا اللہ! اپنی نگاہ سے میری حفاظت کر جو سوتی نہیں اپنا خصوصی سایہ عنایت فرما جس کا قصد نہیں کیا جا سکتا اپنی قدرت سے مجھ پر رحم فرما پس میں ہلاک نہ ہوں جب کہ تو میری امید گاہ ہے تو نے مجھ پر کس قدر انعام کیا لیکن میں

وَكَمْ مِنْ بَلِيَّةٍ اِبْتَلَيْتَنِي بِهَا قَلَّ لَكَ بِهَا صَبْرِيْ، فَيَا مَنْ قَلَّ عِنْدَ نِعْمَتِهِ شُكْرِيْ فَلَمْ يَحْرِمْنِيْ، وَيَا مَنْ قَلَّ عِنْدَ بَلِيَّتِهِ صَبْرِيْ فَلَمْ يَخْذُلْنِيْ، وَيَا مَنْ رَآنِيْ عَلَى الْخَطَايَا فَلَمْ يَفْضَحْنِيْ، يَا ذَا الْمَعْرُوْفِ الَّذِيْ لَا يَنْقَضِيْ اَبَدًا، وَيَا ذَا النِّعْمَةِ الَّتِيْ لَا تُحْصٰى عَدَدًا، اَسْاَلُكَ اَنْ تُصَلِّيَ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ وَّبِكَ اَدْرَاُ فِيْ نُحُوْرِ الْاَعْدَاءِ وَالْجَبَّارِيْنَ، اَللّٰهُمَّ اَعِنِّيْ عَلٰى دِيْنِيْ بِالدُّنْيَا، وَعَلٰى اٰخِرَتِيْ بِالتَّقْوٰى وَاحْفَظْنِيْ فِيْمَا غِبْتُ عَنْهُ، وَلَا تَكِلْنِيْ اِلٰى نَفْسِيْ فِيْمَا حَظَرْتَهُ عَلَيَّ، يَا مَنْ لَّا تَضُرُّهُ الذُّنُوْبُ، وَلَا يَنْقُصُهُ الْعَفْوُ، هَبْ لِيْ مَا لَا يَنْقُصُكَ، وَاغْفِرْ لِيْ مَا لَا يَضُرُّكَ، اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ، اَسْاَلُكَ فَرَجًا قَرِيْبًا وَّصَبْرًا جَمِيْلًا، وَّرِزْقًا وَّاسِعًا، وَّالْعَافِيَةَ مِنَ الْبَلَايَا، وَشُكْرَ الْعَافِيَةِ.

اس کا شکر ادا نہ کر سکا تو نے بار ہا مجھے آزمائش میں ڈالا لیکن میرا صبر کم ہو گیا اے وہ ذات! کہ جس کی نعمت پر میرا شکر بہت کم ہے مجھے محروم نہ کرنا اے وہ ذات! جس کی آزمائش کے وقت میرا صبر کم ہوتا ہے لیکن مجھے ذلیل ورسوانہ کیا اے وہ ذات! جس نے مجھے گناہ کرتے ہوئے دیکھا لیکن مجھے ذلیل ورسوانہ کیا اے ایسی بھلائی والے! جو کبھی ختم نہیں ہوتی اور ایسی نعمتوں والے! جن کا شمار نہیں ہو سکتا۔ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ حضرت محمد ﷺ پر اور آپ کی آل پر رحمت نازل فرما میں تیرے نام سے سرکش متکبر لوگوں سے اپنا دفاع کرتا ہوں' یا اللہ! دنیا کے ذریعے دین پر میری مدد فرما اور تقویٰ کے ذریعے میری آخرت پر مدد فرما اس میں میری حفاظت فرما جس سے میں غائب ہو جاؤں اور جس کام سے تو نے مجھے روکا ہے اس میں مجھے میرے نفس کے حوالے نہ کرنا اے وہ ذات! جسے گناہ نقصان نہیں پہنچاتے اور معاف کرنے سے اس کے لئے کوئی خرابی نہیں مجھے وہ چیز عطا فرما جس کے عطا کرنے سے تجھے کوئی نقصان نہیں اور مجھے بخش دے اس سے تجھے ضرر نہیں پہنچتا بے شک تو بہت عطا کرنے والا ہے میں تجھ سے قریب کی کشادگی اور صبر جمیل' وسیع رزق اور آزمائشوں اور مصیبتوں سے عافیت اور عافیت پر شکر کا سوال کرتا ہوں۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ میں تجھ سے عافیت پر شکر کا سوال کرتا ہوں اور لوگوں سے بے نیازی کا بھی سوال کرتا ہوں اور نیکی کرنے اور برائی سے رکنے کی قوت اللہ تعالیٰ ہی عطا فرماتا ہے جو بہت بلند بڑی عظمت والا ہے۔

فقر کی بیماری کا نبوی علاج

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ! دنیا نے مجھ سے پیٹھ پھیر لی اور وہ پھر گئی آپ نے فرمایا: تم فرشتوں کی صلوٰۃ اور مخلوق کی تسبیح سے کہاں (غافل) ہو اور اسی کی وجہ سے ان کو رزق ملتا ہے (یعنی تم یہ کلمات) طلوع فجر کے وقت ایک سو بار پڑھو دنیا ذلیل ہو کر تمہارے پاس آئے گی:

سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ اللہ تعالیٰ کی حمد کے ساتھ اس کی پاکیزگی بیان کرتا

اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ: ہوں اللہ تعالیٰ عظمت والا پاک ہے میں اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرتا ہوں۔

وہ شخص چلا گیا کچھ عرصہ ٹھہر کر دوبارہ آیا تو عرض کیا یارسول اللہ! دنیا میری طرف متوجہ ہو گئی ہے پس مجھے سمجھ نہیں آتی کہ میں اسے کہاں رکھوں؟

یہ روایت خطیب نے اپنی کتاب "رواۃ مالک" میں نقل کی (اس کتاب میں انہوں نے حضرت امام مالک رحمہ اللہ سے روایت کرنے والے راویوں کا تذکرہ کیا ہے)۔

جلنے والے کا نبوی علاج

حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ ان کے دادا سے روایت کرتے ہیں (رضی اللہ عنہم) وہ فرماتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

اذا رایتم الحریق فکبروا فان التکبیر یطفئه. جب تم کسی جلنے والے کو دیکھو تو تکبیر کہو کیونکہ تکبیر اسے بجھا دیتی ہے (یعنی اللہ اکبر کہو)۔

(کشف الخفاء ج ۱ ص ۹۳ المطالب العالیہ رقم الحدیث: ۳۴۴۳ الکامل فی الضعفاء ج ۵ ص ۱۷۶۵۔ ج ۳ ص ۱۳۶۹ عمل الیوم واللیلہ رقم الحدیث: ۲۸۹۔۲۹۲ میزان الاعتدال رقم الحدیث: ۳۵۳۰)

حکمت

اگر تم کہو کہ تکبیر کے ذریعے آگ کو بجھانے کی کیا حکمت ہے؟ تو صاحب زاد المعاد نے اس کا یوں جواب دیا ہے کہ جب جلنے کا سبب آگ ہے اور یہ شیطان کا مادہ ہے جس سے اسے پیدا کیا گیا اور اس میں عام فساد ہے جو شیطان کے مادہ اور اس کے فعل کے مناسب ہے اور شیطان کے لئے اس پر مدد اور اس کو نافذ کرتا ہے اور آگ فطری طور پر بلندی اور فساد کو چاہتی ہے اور یہ دونوں شیطان کے راستے ہیں جن کی طرف وہ دعوت دیتا ہے اور ان دونوں میں انسان کی ہلاکت ہے پس آگ اور شیطان دونوں زمین پر بلندی اور فساد کا ارادہ کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی بڑائی بیان کرنا شیطان اور اس کے فعل کو مٹاتا ہے اسی لئے آگ کو بجھانے میں اللہ تعالیٰ کی تکبیر کا اثر ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی بڑائی کے سامنے کوئی چیز ٹھہر نہیں سکتی۔ پس جب مسلمان اپنے رب کی بڑائی بیان کرتے ہوئے "اللہ اکبر" کہتا ہے تو اس کی بڑائی آگ کو بجھانے میں مؤثر ہوتی ہے جو شیطانی مادہ ہے۔ ہم نے اور ہمارے علاوہ لوگوں نے اس طرح اس کا تجربہ کیا ہے۔

میں (مصنف علیہ الرحمہ) نے ۸۹۵ھ میں مدینہ طیبہ میں اس کا تجربہ کیا تو اس کا بہت بڑا اثر پایا جو کسی دوسری بات میں نہیں پایا۔

مدینہ طیبہ میں جب ۸۸۶ھ میں آگ لگی تو پرندے دیکھے گئے جو تکبیر کہتے تھے اور یہ بات مشہور ہے اسی سلسلے میں قاضی القضاۃ شمس الدین سخاوی رحمہ اللہ نے یہ اشعار کہے ہیں:

فظن کل بان النار تحرقه فما تری من جواها غیر منهزم

فجاءت الطیر روتها باجنحة عن البیوت راها غیر متهم

''ہر ایک نے خیال کیا کہ آگ اسے جلا دے گی تو اس فضاء میں بھاگنے والوں کے سوا کسی کو نہ دیکھتا۔
پس پرندے آئے اور انہوں نے اپنے پروں سے اس آگ کو گھروں سے دور کر دیا اس کو دیکھا جس پر تہمت نہیں لگائی جا سکتی''۔

ایک دوسرے قصیدے میں یوں کہا:

فکل شخص تولی خائفا حذرا فجاء ت الطیر للنیران تطردھا

عن البیوت ولا یخفی لمن بصرا

''ہر شخص ڈرتے ہوئے بچاؤ کی خاطر پھر گیا تو پرندے آئے اور انہوں نے آگ کو گھروں سے دور پھینک دیا اور جس نے دیکھا اس پر مخفی نہیں''۔

مرگی والے کا طب نبوی سے علاج

''صحیح بخاری و مسلم میں'' ہے کہ ایک عورت نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی تو اس نے عرض کیا مجھے مرگی کا دورہ پڑتا ہے اور میں برہنہ ہو جاتی ہوں آپ اللہ تعالیٰ سے میرے لئے دعا کریں آپ نے فرمایا: اگر تم چاہو تو صبر کرو اور تمہارے لئے جنت ہو اور اگر چاہو تو میں تمہارے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگوں کہ وہ تمہیں عافیت عطا فرمائے؟ اس نے کہا: میں صبر کروں گی پھر کہا میرا پردہ کھل جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ میرا ستر نہ کھلے تو آپ نے اس کے لئے دعا فرمائی۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۶۵۲، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۶۵۷۱)

ابن قیم نے کہا مرگی کا دورہ دو قسم کا ہوتا ہے۔

(۱) زمینی خبیث روحوں کی طرف سے ہوتا ہے۔

(۲) جسم میں برے اخلاط کی وجہ سے ہوتا ہے۔

دوسری قسم کے دورے میں طبیب لوگوں سے گفتگو کرتے ہیں۔

جہاں تک روحانی دورے کے علاج کا تعلق ہے تو وہ دو باتوں سے ہوتا ہے۔

ایک بات کا تعلق اس شخص سے ہوتا ہے جس کو یہ دورہ پڑا ہے اور دوسری بات علاج کرنے والے سے تعلق رکھتی ہے جو بات بیمار سے متعلق ہے تو وہ اس کی قوت نفس اور ان ارواح کو پیدا کرنے والے کی طرف سچی توجہ سے ہوتی ہے اور صحیح طور پر پناہ طلب کی جائے جس پر دل اور زبان باہم موافق ہوں یہ ایک قسم کی جنگ ہے اور جنگ لڑنے والے کا دشمن پر حملہ دو باتوں سے صحیح ہوتا ہے۔

ایک یہ کہ ہتھیار ذاتی طور پر صحیح عمدہ ہوں اور دوسرا یہ کہ بازوؤں میں قوت ہو۔

اور دوسری بات کا تعلق معالج سے ہے اور اس میں بھی یہی دو باتیں ہونی چاہئیں حتیٰ کہ معالجین میں سے بعض صرف اتنی بات پر اکتفا کرتے ہیں کہ اس (خبیث روح) سے کہتے ہیں نکل جا یا ''بسم اللہ الرحمن الرحیم'' یا ''لا حول ولا قوة الا باللہ'' پڑھتے ہیں۔

نبی اکرم ﷺ یوں فرمایا کرتے تھے:

اے اللہ کے دشمن! نکل جا میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں۔

اور بعض حضرات آیت الکرسی کے ذریعے اس کا علاج کرتے تھے اور اس مرض میں مبتلا شخص نیز علاج کرنے والے کثرت سے آیت الکرسی اور معوذتین (سورۃ الفلق، سورۃ الناس) پڑھنے کا حکم دیتے۔

ابن قیم نے کہا جس آدمی کو مرگی کا دورہ پڑتا ہو اور اس کی عمر پچیس سال ہو خصوصاً دماغی سبب سے ہو تو وہ ٹھیک ہونے سے مایوس ہو جاتا ہے اور اسی طرح جسے اس عمر تک مسلسل یہ تکلیف ہو۔

وہ کہتے ہیں جو عورت نبی اکرم ﷺ کے پاس حاضر ہوئی اور حدیث میں اس کا ذکر ہے اور اس کا ستر کھل جاتا تھا تو ہو سکتا ہے اس کا یہ دورہ اسی قسم کا ہو تو نبی اکرم ﷺ نے اس سے صبر کرنے پر جنت کا وعدہ فرمایا۔

اور میں نے اس بات کا تجربہ بھی کیا کہ اللہ تعالیٰ پر نبی اکرم ﷺ کے نام کی قسم کھائی اور سورۂ فتح کی یہ آیت سورت کے آخر تک دو چھوٹی بچیوں پر پڑھی جن کو مرگی کا دورہ پڑا تھا تو وہ شفایاب ہو گئیں۔ آیت کریمہ یہ ہے:

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَ الَّذِيْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ. (سورت کے آخر تک)

حضرت محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور وہ لوگ جو آپ کے ساتھ ہیں وہ کفار پر سخت ہیں۔

اور ہماری خادمہ غزالہ حبشیہ کا عجیب واقعہ ہے جب وہ حجاز شریف کے بڑے دروازے میں مرگی کے دورے کا شکار ہوئی تو میں نے اس سلسلے میں نبی اکرم ﷺ کے وسیلۂ جلیلہ سے استغاثہ کیا تو جس نے اس پر یہ عمل کیا تھا وہ نبی اکرم ﷺ کے حکم سے خواب میں آیا تو میں نے اسے جھڑکا اور قسم دی کہ وہ آئندہ کبھی بھی اس کی طرف نہ آئے پس میں بیدار ہوا تو اسے کوئی تکلیف نہ تھی اور نہ ہی یہ بیماری دوبارہ ظاہر ہوئی پس تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہی ہیں۔

جادو کا نبوی علاج

جادو کا حکم

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں جادو کرنا حرام ہے اور اس بات پر اجماع ہے کہ یہ کبیرہ گناہوں میں سے ہے بلکہ بعض اوقات کفر تک پہنچ جاتا ہے اور بعض اوقات کفر تو نہیں ہوتا لیکن گناہ کبیرہ ہوتا ہے اگر اس میں کوئی ایسا قول یا فعل ہو جو کفر کا تقاضا کرتا ہے تو یہ کفر ہوگا ورنہ نہیں۔

لیکن اس کا سیکھنا اور سکھانا حرام ہے اگر اس میں کفر والی بات نہ ہو تو جادو کرنے والے کو سزا دی جائے اور توبہ کا مطالبہ کیا جائے اور ہمارے نزدیک قتل نہ کیا جائے اور اگر وہ توبہ کرے تو اس کی توبہ قبول کی جائے۔

حضرت امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جادوگر کافر ہے اسے جادو کی وجہ سے قتل کیا جائے اور توبہ کا مطالبہ نہ کیا جائے اور نہ ہی اس کی توبہ قبول کی جائے بلکہ اسے قتل ہی کیا جائے۔

اور اس مسئلہ کی بنیاد زندیق کی توبہ قبول کرنا یا نہ کرنا ہے کیونکہ ان کے نزدیک وہ کافر ہے جیسا کہ ہم نے ذکر کیا اور ہمارے نزدیک کافر نہیں ہے اور ہمارے نزدیک منافق اور زندیق کی توبہ قبول ہوتی ہے (کہا گیا ہے کہ زندیق منافق ہے اور اکثر کے نزدیک جس کا کوئی دین نہ ہو)۔

قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں امام احمد رحمہ اللہ نے بھی امام مالک رحمہ اللہ کا قول اختیار کیا اور صحابہ کرام نیز تابعین کی ایک جماعت سے بھی اسی طرح مروی ہے۔

ہمارے اصحاب (شافعی مسلک والے) فرماتے ہیں جب کوئی جادوگر اپنے جادو کے ذریعے کسی انسان کو قتل کرے اور وہ اعتراف کرے کہ یہ شخص اس کے جادو سے ہلاک ہوا ہے اور عام طور پر اس سے ہلاک ہو جاتا ہے تو اس جادوگر کو بطور قصاص قتل کیا جائے۔

اور وہ کہے کہ اس (جادو) کے ذریعے مرا ہے لیکن کبھی اس سے ہلاکت ہوتی ہے اور کبھی نہیں ہوتی تو قصاص نہیں ہوگا لیکن دیت (خون بہا) اور کفارہ واجب ہوگا اور اس کی دیت اس کے اپنے مال میں ہوگی عاقلہ پر نہیں ہوگی کیونکہ جرم کرنے والا اعتراف کرے تو عاقلہ (برادری) پر دیت واجب نہیں ہوتی۔

ہمارے اصحاب فرماتے ہیں جادو کے ذریعے قتل گواہی سے ثابت نہیں ہو سکتا بلکہ جادوگر کے اعتراف سے اس کا تصور کیا جا سکتا ہے۔

جادو کی حقیقت

جادو کے بارے میں اختلاف ہے۔

ایک قول یہ ہے کہ یہ محض خیالی سلسلہ ہے اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ ابو جعفر استرا باذی جن کا شافعی مسلک سے تعلق ہے اور ابوبکر رازی جو حنفی ہیں نیز ایک اور گروہ کا مختار قول یہی ہے۔

امام نووی رحمہ اللہ نے فرمایا صحیح بات یہ ہے کہ اس کی حقیقت ہے اور جمہور کا قطعی فیصلہ بھی یہی ہے نیز تمام علماء کا یہی موقف ہے۔ اور اس پر کتاب اللہ اور سنت صحیح مشہورہ کی دلالت پائی جاتی ہے۔

شیخ الاسلام ابوالفضل عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

محل نزاع یہ بات ہے کہ کیا جادو سے کوئی عین چیز بدل جاتی ہے یا نہیں؟ تو جو لوگ اسے محض خیالی چیز قرار دیتے ہیں وہ اس تبدیلی کا انکار کرتے ہیں اور جو اسے حقیقت تسلیم کرتے ہیں ان کے درمیان اس بات میں اختلاف ہے کہ کیا یہ محض مزاج کو تبدیل کرنے میں مؤثر ہے تو یہ ایک قسم کی بیماری ہوئی یا یہ کسی چیز کی حالت بدل دیتا ہے مثلاً جمادات کو حیوانات میں بدل دیتا ہے یا اس کے برعکس ہو جاتا ہے تو جمہور کے نزدیک پہلی بات ہے یعنی مزاج کو بدلتا ہے۔

مازری نے کہا جمہور علماء جادو کو ثابت کرتے ہیں کیونکہ عقل اس بات کا انکار نہیں کرتی کہ جب جادوگر ایسا کلام کرتا ہے جو ایک دوسرے کے ساتھ خلط ملط ہوتا ہے یا بعض جسموں کو ملاتا ہے یا بعض قوتوں کو مخصوص طریقے پر ترتیب دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ خلاف عادت کام سامنے لاتا ہے (کیونکہ اللہ تعالیٰ اس جادو میں تاثیر پیدا کرتا ہے)۔

اس کی مثال یہ ہے کہ ماہر طبیب جڑی بوٹیوں کو باہم ملاتے ہیں حتیٰ کہ ان میں سے بعض بوٹیاں جو انفرادی صورت میں نقصان دہ ہوتی ہیں اس ترکیب کی وجہ سے نفع بخش ہو جاتی ہیں۔

اور کہا گیا ہے کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا:

يُفَرِّقُوْنَ بِهٖ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهٖ. (البقرہ:۱۰۲) وہ (جادوگر) اس (جادو) کے ذریعے مرد اور عورت

کے درمیان تفریق ڈالتے ہیں۔

کیونکہ یہ ڈرانے کا مقام ہے پس اگر اس سے زیادہ نقصان واقع ہوتا تو اللہ تعالیٰ اسے بھی ذکر فرماتا۔

مازری نے کہا عقلی اعتبار سے صحیح یہ ہے کہ اس سے زیادہ نقصان ہوتا ہے اور آیت کریمہ اس زائد سے منع کرنے پر نص نہیں ہے اگرچہ ہم کہیں کہ ظاہر بات یہی ہے۔

جادو اور معجزہ میں فرق

پھر مازری نے فرمایا کہ جادو' معجزہ اور کرامت میں فرق یہ ہے کہ جادو اقوال و افعال کی مدد سے ہوتا ہے حتیٰ کہ جادوگر کے لئے وہ کام پورا ہو جاتا ہے جس کا وہ ارادہ کرتا ہے جبکہ کرامت اس بات کی محتاج نہیں ہوتی اور وہ عام طور پر اتفاقاً واقع ہو جاتی ہے اور معجزہ کرامت سے اس اعتبار سے ممتاز ہے کہ اس میں چیلنج ہوتا ہے۔

امام الحرمین نے نقل کیا کہ جادو وہی شخص کرتا ہے جو فاسق ہو' اور کرامت کسی فاسق آدمی کے ہاتھ پر ظاہر نہیں ہوتی امام نووی رحمہ اللہ نے المتولی سے نقل کرتے ہوئے ''الروضہ'' میں اس کی مثل ذکر کیا۔

جس شخص سے خلاف عادت کام صادر ہو اس کی حالت کو دیکھنا چاہیے اگر اس کا دین سے تعلق ہے اور ہلاکت خیز امور سے اجتناب کرنے والا ہے تو اس سے جو عمل ظاہر ہو گا وہ کرامت ہوگی ورنہ جادو ہوگا۔

قرطبی نے کہا جادو خود ساختہ حیلے ہیں اور کسب کے ذریعے ان تک رسائی ہوتی ہے لیکن ان کی باریکی کی وجہ سے خال خال لوگ ان تک پہنچتے ہیں اور اس کا مادہ اشیاء کے خواص سے آگاہی اور ان کی ترکیب اور اوقات کے وجود کا علم ہے اور ان میں سے اکثر محض خیالات ہیں' حقیقت نہیں اور کسی ثبوت کے بغیر وہم ہیں پس جو شخص اس بات کی پہچان نہیں رکھتا اس کے نزدیک یہ بہت بڑی بات ہے۔

جس طرح اللہ تعالیٰ نے فرعونی جادوگروں کے بارے میں فرمایا:

وَجَآءُوْا بِسِحْرٍ عَظِيْمٍ۔ (الاعراف:۱۱۶) وہ بہت بڑا جادو لائے۔

حالانکہ ان کی رسیاں اور لاٹھیاں' جادو کی وجہ سے رسیاں اور لاٹھیاں ہی رہیں۔ حضرت ابوبکر رازی نے ''الاحکام'' میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اس بات کی خبر دی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کو دوڑتا ہوا گمان کیا حالانکہ وہ دوڑ نہیں رہی تھیں یہ محض خیالی صورت تھی۔ کیونکہ ان کی لاٹھیاں اندر سے خالی تھیں اور ان میں پارہ بھرا ہوا تھا۔ اسی طرح وہ رسیاں چمڑے کی تھیں اور ان کے اندر پارہ تھا اور انہوں نے اس سے پہلے سرنگیں کھودیں اور ان میں لمبے گھر بنائے اور ان کو آگ سے بھر دیا۔ پس جب ان (رسیوں اور لاٹھیوں) کو اس جگہ پر ڈالا گیا اور پارہ گرم ہوا تو اس میں حرکت پیدا ہوئی کیونکہ پارے کا کام یہ ہے کہ جب اسے آگ پہنچتی ہے تو وہ اڑنے لگتا ہے جب رسیوں اور لاٹھیوں کی کثافت نے ان کو بھاری کر دیا تو اس کی حرکت سے وہ بھی حرکت کرنے لگیں چنانچہ دیکھنے والا سمجھا کہ یہ دوڑ رہی ہیں لیکن حقیقت میں وہ دوڑ نہیں رہی تھیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کا واقعہ

امام قرطبی نے فرمایا:

حق یہ ہے کہ جادو کی بعض اقسام کی دلوں میں تاثیر ہوتی ہے جس طرح محبت اور بغض اور خیر وشر کا القاء ہوتا ہے اور جس طرح جسموں میں درد اور بیماری کا اثر ہوتا ہے انکار صرف اس بات کا ہے کہ جادو سے جمادات حیوانی شکل اختیار نہیں کرتا اور نہ اس کے برعکس ہوتا ہے۔

''صحیح بخاری میں'' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ پر جادو کیا گیا حتیٰ کہ آپ خیال فرماتے کہ آپ نے فلاں کام کیا حالانکہ وہ نہ کیا ہوتا۔ حتیٰ کہ ایک رات جب آپ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہاں تھے تو آپ نے دعا مانگی پھر دعا مانگی اس کے بعد فرمایا:

اے عائشہ! تمہیں معلوم ہے کہ میں نے اللہ تعالیٰ سے جو کچھ پوچھا اللہ تعالیٰ نے مجھے بتایا۔ میرے پاس دو آدمی آئے ان میں سے ایک میرے سرہانے اور دوسرا میرے پاؤں کے پاس بیٹھا۔ ان میں سے ایک نے کہا: اس شخص کا کیا حال ہے؟ دوسرے نے کہا: اس پر جادو کیا گیا ہے۔ پوچھا: کس نے جادو کیا ہے؟ دوسرے نے جواب دیا: لبید بن اعصم نے؟ پوچھا: کس چیز میں کیا ہے؟ کہا: کنگھی کے بالوں اور کھجور کی خشک چھال میں۔ پوچھا: وہ کہاں ہے؟ کہا: ذروان نامی کنویں میں ہے چنانچہ نبی اکرم ﷺ چند صحابہ کرام کے ساتھ اس کنویں کے پاس تشریف لائے اس کے بعد واپس تشریف لائے تو فرمایا: اے عائشہ! اس کنویں کا پانی مہندی کے رنگ کا تھا اور اس کی کھجوروں کی شاخیں شیطانوں کے سروں جیسی تھیں۔

(فرماتی ہیں) میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! کیا آپ نے اس کو نکالنے کا حکم نہیں دیا؟ فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھے عافیت عطا فرمادی پس میں لوگوں کو اس پر مطلع کرنا نہیں چاہتا کیونکہ اس میں شر ہے پس آپ کے حکم سے اس کنویں کو بند کر دیا گیا۔[1] (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۱۸۹' صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۴۹۹' معجم ما استعجم للبکری ج ۲ ص ۶۱۱)

''صحیح بخاری کی ہی'' ایک روایت میں ہے آپ نے اسے نکلوادیا اور فرمایا: یہ وہ کنواں ہے جو مجھے دکھایا گیا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا آپ دم نہیں کرتے؟ آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھے شفاء عطا کر دی ہے اور میں ناپسند کرتا ہوں کہ (جادو کا ذکر کر کے) لوگوں کو اس برائی پر مطلع کروں۔

امام بیہقی رحمہ اللہ ضعیف سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں اس میں نبی اکرم ﷺ پر کیے گئے جادو سے متعلق واقعہ کے آخر میں ہے کہ انہوں (صحابہ کرام) نے ایک دھاگہ پایا جس میں گیارہ گرہیں تھیں اور سورۃ الفلق اور سورۃ الناس نازل ہو چکی تھیں پس آپ جب ایک آیت پڑھتے تو ایک گرہ کھل جاتی۔

ابن سعد نے ایک اور سند سے جو منقطع ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ حضرت علی المرتضیٰ اور حضرت عمار رضی اللہ عنہما کو جب نبی اکرم ﷺ نے جادو نکالنے کے لئے بھیجا تو انہوں نے کھجور کا ایک گچھا پایا جس میں دس گرہیں تھیں۔ اس کے بعد پہلی حدیث کی طرح ذکر کیا۔

ایک روایت جسے ''فتح الباری میں'' ذکر کیا یوں آیا ہے کہ ایک شخص اترا اور اس نے اس کو نکالا تو کھجور کے گابھے میں موم سے بنی ہوئی نبی اکرم ﷺ کی شبیہ پائی جس میں سوئی گاڑی گئی تھی نیز ایک دھاگہ تھا جس میں گیارہ گرہیں تھیں

[1] مہلب کہتے ہیں اس روایت میں اختلاف ہے سفیان بن عیینہ نے اسے نکالنے کو ثابت کیا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا سوال اس کے عام کرنے سے متعلق قرار دیا جب کہ عیسیٰ بن یونس نے نکالنے سے متعلق قرار دیا۔ قیاس سفیان کی روایت کو ترجیح دیتا ہے۔ (زرقانی ج ۷ ص ۱۰۱)

چنانچہ حضرت جبریل علیہ السلام معوذتین (سورۃ الفلق سورۃ الناس) لے کر اترے جب وہ ایک آیت پڑھتے تو ایک گرہ کھل جاتی اور جب ایک سوئی نکالی جاتی تو اس سے تکلیف محسوس ہوتی پھر اس کے بعد آرام پاتے۔

واقدی نے اس سال کا ذکر کیا ہے جس میں جادو کا واقعہ ہوا جس طرح ابن سعد نے ان سے ان کی سند کے ساتھ جو عمر بن عبدالحکم تک پہنچتی ہے مرسل روایت کے طور پر نقل کیا وہ کہتے ہیں جب نبی اکرم ﷺ ذوالحجہ کے مہینے میں حدیبیہ سے واپس تشریف لائے اور ۷ھ کا محرم داخل ہوا تو یہودیوں کے سردار لبید بن اعصم کے پاس آئے اور وہ بنو زریق کا حلیف تھا اور جادوگر بھی تھا۔ انہوں نے کہا: تم ہم سے بڑے جادوگر ہو ہم نے محمد ﷺ پر جادو کیا لیکن ہم کچھ نہ کر سکے اگر تم ہمارے لئے ایسا جادو کرو جو ان کو ہلاک کر دے تو ہم تمہارے لئے اجرت مقرر کرتے ہیں پس انہوں نے اس کے لئے تین دینار مقرر کئے۔ (طبقات ابن سعد ج۲ ص۱۵۲)

ابوضمرہ کی روایت جسے اسماعیلی نے نقل کیا اس میں یوں ہے کہ چالیس راتیں اسی طرح گزر گئیں اور وہیب کی ہشام سے روایت میں جسے امام احمد نے نقل کیا ہے چھ مہینوں کا ذکر ہے ان روایات کو یوں جمع کیا جا سکتا ہے کہ مزاج مبارک کی تبدیلی کی ابتداء سے چھ ماہ ہوئے ہوں اور اس کا پکا ہونا چالیس دن ہو۔

امام سہیلی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ میں اس مدت کے بارے میں مشہور احادیث میں کسی حدیث پر مطلع نہیں ہوا کہ آپ پر جادو کا اثر کتنی مدت رہا حتیٰ کہ مجھے معمر کی جامع میں حضرت زہری کی روایت ملی کہ ایک سال تک یہ حالت رہی۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں ہم نے اس حدیث کو موصول کے طور پر صحیح سند کے ساتھ پایا اور یہی قابل اعتماد ہے۔

مازری کہتے ہیں بعض بدعتیوں نے اس حدیث کا انکار کیا ہے اور انہوں نے گمان کیا کہ یہ بات منصب نبوت کو کم کرتی اور اس میں شک پیدا کرتی ہے انہوں نے کہا: کہ جس بات سے یہ خرابی لازم آئے وہ باطل ہے ان کا خیال ہے کہ اس سے شریعت پر اعتماد باقی نہیں رہتا کیونکہ اس کو اس بات پر محمول کیا جائے گا کہ آپ کو یہ خیال گزرتا کہ آپ نے حضرت جبریل علیہ السلام کو دیکھا لیکن وہ وہاں نہ ہوتے اور یہ کہ آپ کی طرف وحی ہوئی حالانکہ وحی نہ ہوتی۔

مازری نے کہا یہ تمام باتیں مردود ہیں کیونکہ نبی اکرم ﷺ تک اللہ تعالیٰ کی وجہ سے جو کچھ پہنچا اس کی صداقت اور تبلیغ میں آپ کی معصومیت پر دلیل قائم ہے اور معجزات اس کی تصدیق پر شاہد ہیں پس جس کے خلاف پر دلیل قائم ہو چکی ہو اس کو جائز قرار دینا باطل ہے جہاں تک ان بعض دنیوی امور کا تعلق ہے جن کے لئے آپ کو مبعوث نہیں کیا گیا اور نہ ہی آپ کی رسالت ان کاموں کے لئے ہے۔ تو ایسی باتیں آپ کو لاحق ہوتیں جو انسان کو لاحق ہوتی ہیں جیسے بیماریاں ہیں تو یہ بات عقل سے بعید نہیں ہے کہ آپ کو دنیوی امور میں سے کسی ایک معاملے کا خیال آئے جس کی حقیقت نہیں اس کے باوجود کہ دینی امور میں آپ اس قسم کی باتوں سے معصوم تھے۔ مازری کا قول مکمل ہوا۔

دوسرے حضرات نے فرمایا کہ اگر آپ کسی کام کے بارے میں یہ خیال فرماتے ہیں کہ آپ نے وہ کام کیا ہے حالانکہ آپ نے اسے کیا نہ ہوتا تو اس سے یہ بات لازم نہیں آتی کہ آپ نے اس کا پختہ ارادہ فرمایا یہ تو محض خیالات اور وسوسے ہیں جو ثابت نہیں پس اس پر ملحد (بے دین) کے لئے کوئی دلیل نہیں۔

قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ بھی احتمال ہے کہ اس مذکورہ خیال سے مراد یہ ہو کہ آپ کے لئے ایک شوق پیدا ہوتا اور پہلے کی طرح وطی پر قادر ہوتے لیکن جب خاتون کے قریب ہوتے تو یہ حالت ختم ہو جاتی جس طرح اس شخص کا معاملہ ہوتا ہے جو (جادو وغیرہ کی وجہ سے) جماع سے روک دیا گیا ہو۔

اور دوسری روایت میں جو کچھ آیا ہے کہ ''یہاں تک کہ قریب ہوتا کہ آپ دیکھنے کا انکار کر دیتے'' یعنی اس شخص کی طرح ہو جاتے جو دیکھنے کا انکار کرتا ہے وہ یوں کہ جب کسی چیز کو دیکھتے تو یوں خیال فرماتے کہ یہ اپنی حالت پر نہیں پھر جب غور کرتے تو اس کی حقیقت کو پہچان لیتے اور جو کچھ پہلے گزر چکا ہے وہ اس بات کی تائید کرتا ہے کہ کسی روایت میں آپ سے یہ بات منقول نہیں کہ آپ نے ایک بات کہی ہو اور وہ آپ کی دی گئی خبر کے خلاف واقع ہو۔

بعض حضرات نے کہا کہ اس سلسلے میں نبی اکرم ﷺ نے دو راستے اختیار کئے ایک تفویض (سونپنے) کا راستہ اور دوسرا اسباب کو اختیار کرنے کا راستہ۔ پس آپ نے پہلے مرحلے میں یہ معاملہ اپنے رب کے حکم کے سپرد کر دیا اور اس آزمائش پر صبر کرنے کے ذریعے اجر طلب کیا پھر جب بات بڑھ گئی اور اس کے بڑھنے سے آپ کو کمزوری کی وجہ سے عبادت میں نقصان کا خوف ہوا تو علاج کی طرف مائل ہوئے۔

ابو عبید نے حضرت عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ کی مرسل روایت نقل کی ہے۔

وہ فرماتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے سرانور میں پچھنہ لگوایا یعنی جب علاج کروایا پھر دعا کی طرف مائل ہوئے اور یہ دونوں مقام کمال کی انتہاء ہے۔

جادو کا علاج

ابن قیم نے کہا جادو کے علاج میں سب سے زیادہ نفع بخش دوا اور سب سے مضبوط دم روحانی علاج ہے اور وہ ذکر خداوندی دعا اور قرأت ہے کیونکہ جادو خبیث روحوں کی تاثیر سے ہے پس جب دل اللہ تعالیٰ کے ذکر سے آباد ہوتا ہے اور وہ ذکر دعا اور توجہ الی اللہ سے خالی نہیں ہوتا تو یہ جادو کے راستے میں سب سے بڑی رکاوٹ ہوتا ہے۔

ابن قیم نے کہا کہ جادو کی تاثیر کمزور دلوں پر غالب آتی ہے اسی لئے عام طور پر اس کا اثر عورتوں' بچوں اور جاہل لوگوں پر ہوتا ہے کیونکہ خبیث ارواح ان ارواح پر تسلط قائم کرتی ہیں جن کو وہ اس مقصد کے لئے مستعد پاتی ہیں۔

لیکن ابن قیم کی اس بات پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ پھر نبی اکرم ﷺ پر جادو کیسے ہو گیا جب کہ آپ کا مقام بہت عظیم ہے آپ کی توجہ صادق اور ذکر خداوندی ہمیشہ ہوتا تھا لیکن اس کا جواب یوں دیا جا سکتا ہے کہ ابن قیم کی بات عام طور پر ہونے والے جادو سے متعلق ہے اور نبی اکرم ﷺ کے لئے اس کا وقوع صرف بیان جواز کے لئے تھا۔

اور جادو کے بارے میں بطور علاج دم کے بارے میں ابن بطال نے ذکر کیا کہ وہب بن منبہ کی کتب میں اس طرح آیا ہے کہ سبز بیری کے سات پتے لے کر ان کو دو پتھروں کے درمیان کوٹے پھر اس پر پانی ڈال کر آیت الکرسی اور تینوں قل (قل هو الله احد' قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس تینوں سورتیں مکمل) پڑھے پھر تین چلو بھر کر منہ میں ڈالے اور کلی کرے اور باقی کے ساتھ غسل کرے جادو کا اثر چلا جائے گا۔ اگر مرد اپنی بیوی سے دور رہے تو یہ عمل اس کے لئے زیادہ مناسب ہے۔

اس عمل کو واضح الفاظ میں جائز قرار دینے والوں میں امام مزنی ہیں جو امام شافعی سے نقل کرتے ہیں نیز ابو جعفر طبری اور دوسرے لوگ شامل ہیں۔

ابن الحاج نے ''المدخل میں'' فرمایا کہ شیخ ابو محمد مرجانی اکثر اپنے آپ' اپنی اولاد اور اپنے احباب کے لئے یہ عمل اختیار کرتے تھے اور اس کے ذریعے شفاء یاب ہوتے۔

حضرت شیخ ابو محمد مرجانی رحمہ اللہ نے بتایا کہ نبی اکرم ﷺ نے ان کو یہ عمل خواب میں عطا فرمایا۔

وہ فرماتے ہیں ایک مرتبہ میں نے نبی اکرم ﷺ کی زیارت کی تو آپ نے فرمایا کہ تمہارے پاس اور تمہارے احباب کے پاس جو عمل ہے اس کی فضیلت تم نہیں جانتے؟ یہ بات ان سے ان کے خادم نے نقل کی ہے اور وہ اس طرح ہے:

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ. (التوبہ:۱۲۸)

بے شک تمہارے پاس تشریف لائے تم میں سے وہ رسول جن پر تمہارا مشقت میں پڑنا گراں ہے تمہاری بھلائی نہایت چاہنے والے مسلمانوں پر کمال مہربان مہربان پھر اگر وہ منہ پھیریں تو تم فرمادو کہ مجھے اللہ کافی ہے اس کے سوا کسی کی بندگی نہیں میں نے اسی پر بھروسہ کیا اور وہ بڑے عرش کا مالک ہے۔

اور یہ آیت:

وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ. (الاسراء:۸۲)

اور ہم قرآن میں اتارتے ہیں وہ چیز جو ایمان والوں کے لیے شفاء اور رحمت ہے۔

نیز یہ آیت:

لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ... اِلٰى اٰخِرِ السُّوْرَةِ (الحشر:۲۱-۲۴)

اگر ہم یہ قرآن کسی پہاڑ پر اتارتے تو ضرور تو اسے دیکھتا جھکا ہوا پاش پاش اللہ کے خوف سے۔۔۔۔

سورۂ اخلاص' سورۃ الفلق اور سورۃ الناس پڑھیں اور پھر یہ کلمات لکھیں:

اَللّٰهُمَّ اَنْتَ الْمُحْيِيْ وَاَنْتَ الْمُمِيْتُ وَاَنْتَ الْخَالِقُ الْبَارِئُ وَاَنْتَ الْمُبْلِيْ وَاَنْتَ الْمُعَافِيْ وَاَنْتَ الشَّافِيْ خَلَقْتَنَا مِنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ وَّجَعَلْتَنَا فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ اِلٰى قَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْاَلُكَ بِاَسْمَآئِكَ الْحُسْنٰى وَصِفَاتِكَ الْعُلْيَا يَا مَنْ بِيَدِهِ الْاِبْتِلَآءُ وَالْمُعَافَاةُ وَالشِّفَآءُ وَالدَّوَآءُ

یا اللہ! تو ہی زندہ رکھنے والا ہے تو ہی موت دینے والا ہے تو خالق ہے تو آزمائش میں ڈالنے والا ہے تو ہی عافیت و شفاء عطا کرنے والا ہے تو نے ہمیں بے وقعت پانی سے پیدا کیا اور ایک معلوم مدت تک ٹھہرنے کے مقام پر رکھا۔ یا اللہ! میں تجھ سے تیرے اچھے ناموں اور بلند صفات کے وسیلہ سے سوال کرتا ہوں اے وہ ذات! جس کے قبضۂ قدرت

اَسْأَلُکَ بِمُعْجِزَاتِ نَبِیِّکَ مُحَمَّدٍ ﷺ حَبِیْبِکَ وَبَرَکَاتِ خَلِیْلِکَ اِبْرَاهِیْمَ عَلَیْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ وَحُرْمَةِ کَلِیْمِکَ مُوْسٰی عَلَیْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ اَللّٰهُمَّ اِشْفِهٖ.

میں آزمانا اور عافیت عطا کرنا نیز شفاء اور دوا ہے میں تجھ سے تیرے نبی محمد ﷺ جو تیرے محبوب ہیں کے معجزات اور تیرے خلیل حضرت ابراہیم علیہ السلام کی برکات نیز تیرے کلیم حضرت موسیٰ علیہ السلام کی حرمت کے وسیلہ سے سوال کرتا ہوں' یا اللہ! اسے شفاء عطا فرما۔

ہر بیماری کے لئے نفع بخش دم

حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں میں نے نبی اکرم ﷺ سے سنا آپ نے فرمایا: تم میں سے جو شخص بیمار ہو وہ یوں کہے اللہ کے حکم سے ٹھیک ہو جائے گا:

رَبُّنَا اللّٰهُ الَّذِیْ فِی السَّمَآءِ تَقَدَّسَ اِسْمُکَ اَمْرُکَ فِی السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ کَمَا رَحْمَتُکَ فِی السَّمَآءِ فَاجْعَلْ رَحْمَتَکَ فِی الْاَرْضِ وَاغْفِرْ لَنَا حُوْبَنَا وَخَطَایَانَا اَنْتَ رَبُّ الطَّیِّبِیْنَ اَنْزِلْ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِکَ وَشِفَآءً مِّنْ شِفَآئِکَ عَلٰی هٰذَا الْوَجْعِ.

ہمارا رب اللہ ہے یا اللہ! آسمان میں تیرا نام مقدس ہے اور آسمان وزمین میں تیرا حکم ہے جس طرح آسمان میں تیری رحمت ہے اپنی رحمت زمین میں بھی کر دے ہمارے لئے ہمارے گناہوں اور خطاؤں کو بخش دے تو پاک لوگوں کا رب ہے اس تکلیف پر اپنی طرف سے رحمت اور اپنی شفاء میں سے شفاء نازل فرما۔

(سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۳۸۹۲' المستدرک ج ۱ ص ۳۴۳۔ ج ۴ ص ۲۱۸' مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۱۵۵۵' کنز العمال رقم الحدیث: ۲۸۳۶۳)

دردِ سر کا دم

حمیدی نے ''الطب'' میں حضرت یونس بن یعقوب کے واسطہ سے' حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں نبی اکرم ﷺ دردِ سر سے ان الفاظ کے ساتھ پناہ مانگتے تھے:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الْکَبِیْرِ وَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ الْعَظِیْمِ مِنْ کُلِّ عِرْقٍ نَعَارٍ وَمِنْ شَرِّ حَرِّ النَّارِ. (القاموس المحیط ج ۲ ص ۱۵۰)

اللہ تعالیٰ کے نام سے جو نہایت مہربان رحم فرمانے والا ہے اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بہت بڑا ہے میں عظمت والے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتا ہوں اس رگ سے جس میں خون جوش مارے اور آگ کی گرمی کے شر سے۔

ابن السنی نے اسے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث سے نقل کیا ہے۔

حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما کے سر میں ایک ورم ہو گیا تو نبی اکرم ﷺ نے ان کے سر پر کپڑے کے اوپر سے ہاتھ رکھا اور یہ کلمات تین بار پڑھے:

بِسْمِ اللّٰهِ اَذْهِبْ عَنْهَا سُوْءَهٗ وَفُحْشَهٗ

اللہ کے نام سے' یا اللہ! اس (ورم) کی خرابی کو اپنے

بِدَعْوَةِ نَبِيِّكَ الطَّيِّبِ الْمُبَارَكِ الْمَكِيْنِ عِنْدَكَ بِسْمِ اللّٰهِ. پاک' مبارک اور اپنے ہاں بلند مرتبہ نبی کی دعا کے صدقے میں ان سے لے جا اللہ کے نام سے (دعا کرتا ہوں)۔

اوران کو بھی حکم دیا کہ وہ بھی یہ کلمات پڑھیں چنانچہ انہوں نے تین دن اسی طرح کیا تو ورم ختم ہو گیا۔

اس روایت کو شیخ ابن النعمان نے اپنی سند سے اور امام بیہقی نے بھی روایت کیا ہے۔

داڑھ میں درد کا دم

امام بیہقی رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے داڑھ میں درد کی شکایت کی تو آپ نے اپنا ہاتھ ان کے اس رخسار پر رکھا جس میں تکلیف تھی اور یہ کلمات سات مرتبہ پڑھے:

اَللّٰهُمَّ اَذْهِبْ عَنْهُ سُوْءَ مَا يَجِدُ وَ فُحْشَهٗ بِدَعْوَةِ نَبِيِّكَ الْمَكِيْنِ الْمُبَارَكِ عِنْدَكَ. یا اللہ! اپنے اس نبی کی دعا سے جو تیرے ہاں بلند مرتبہ اور مبارک ہے اس درد کی تکلیف اور خرابی کو دور کر دے۔

تو ابھی وہ اپنی جگہ سے نہیں ہٹے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو شفاء عطا فرما دی۔

حمیدی نے روایت کیا کہ حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور داڑھ میں سخت درد کی شکایت کی آپ نے شہادت والی دائیں انگلی منہ میں داخل کر کے اس دانت پر رکھی جس میں درد تھا اور یہ کلمات پڑھے:

بِسْمِ اللّٰهِ وَبِاللّٰهِ اَسْاَلُكَ بِعِزَّتِكَ وَجَلَالِكَ وَقُدْرَتِكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ فَاِنَّ مَرْيَمَ لَمْ تَلِدْ غَيْرَ عِيْسٰى مِنْ رُّوْحِكَ وَ كَلِمَتِكَ اَنْ تَكْشِفَ مَا تَلْقٰى فَاطِمَةُ بِنْتُ خَدِيْجَةَ مِنَ الضُّرِّ كُلِّهٖ. اللہ تعالیٰ کے نام اور اس کی مدد سے یا اللہ! میں تیری عزت و جلال اور ہر چیز پر تیری قدرت کے وسیلہ سے سوال کرتا ہوں حضرت مریم علیہا السلام کے ہاں تیری روح اور کلمہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے علاوہ کوئی پیدا نہیں ہوا تو حضرت فاطمہ بنت خدیجہ سے تمام تکلیف دور کر دے۔

(آپ نے یہ کلمات پڑھ کر دم کیا) تو درد رک گیا۔

ایک عجیب بات جو ہمارے شیخ مکہ مکرمہ میں مقامِ خلیل کے امام محب طبری سے معروف ہے اور میں نے ان کو کئی مرتبہ ایسا کرتے ہوئے دیکھا' یہ ہے کہ جس شخص کی داڑھ میں درد ہوتا آپ اس کے سر پر ہاتھ رکھتے اور اس کا اور اس کی ماں کا نام پوچھتے نیز اس سے پوچھتے کہ وہ کتنی مدت کے لئے درد سے محفوظ رہنے کا ارادہ کرتا ہے وہ کہتا سات سال یا نو سال یہ بطور مثال ہے یعنی طاق عدد بتاتا۔

لوگ بتاتے ہیں کہ ان کے ہاتھ اٹھانے سے پہلے درد ٹھہر جاتا اور اس مدت مذکورہ میں یہ تکلیف نہ ہوتی۔ یہ بات مشہور ہے۔

داڑھ کے درد کا مجرب نسخہ

اس سلسلے میں ایک تجربہ یہ ہے کہ جس طرف درد ہو اس طرف رخسار کے اوپر لکھا جائے:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
اللہ کے نام سے شروع جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

قُلْ هُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَكُمْ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْئِدَةَ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ. (الملک: ۲۳)
تم فرماؤ وہی ہے جس نے تمہیں پیدا کیا اور تمہارے لئے کان اور آنکھ اور دل بنائے تم کتنا کم شکر ادا کرتے ہو؟

اور اگر چاہے تو یوں لکھے:

وَلَهٗ مَا سَكَنَ فِي الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ. (الانعام: ۱۳)
اور اسی کا ہے جو بستا ہے رات اور دن میں اور وہی سنتا جانتا ہے۔

پیشاب رک جانے کا دم

امام نسائی رحمہ اللہ نے حضرت ابودردا رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی کہ ان کے پاس ایک شخص آیا جس نے کہا: کہ اس کے بھائی کا پیشاب رک گیا ہے تو انہوں نے اسے ایک دم سکھایا جو نبی اکرم ﷺ سے سنا تھا اور وہ اس طرح ہے۔

رَبُّنَا اللّٰهُ الَّذِيْ فِي السَّمَآءِ تَقَدَّسَ اِسْمُكَ اَمْرُكَ فِي السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ كَمَا رَحْمَتُكَ فِي السَّمَآءِ فَاجْعَلْ رَحْمَتَكَ فِي الْاَرْضِ وَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَخَطَايَانَا اَنْتَ رَبُّ الْمُتَطَيِّبِيْنَ فَاَنْزِلْ شِفَآءً مِّنْ شِفَآئِكَ وَرَحْمَةً مِّنْ رَّحْمَتِكَ عَلٰى هٰذَا الْوَجَعِ.
ہمارا رب اللہ ہے (اے اللہ!) تیرا نام آسمانوں میں مقدس ہے آسمان اور زمین میں تیرا حکم چلتا ہے جس طرح تیری رحمت آسمان میں ہے تو زمین میں اپنی رحمت نازل فرما دے ہمارے لئے ہمارے گناہ اور خطائیں بخش دے تو دوا استعمال کرنے والوں کا رب ہے پس اس تکلیف پر اپنی ... میں سے شفاء نازل فرما اور اپنی رحمت میں سے رحم ...

چنانچہ وہ شخص ٹھیک ہو گیا۔

انہوں نے اسے یہ کلمات پڑھ کر دم کرنے کا حکم دیا چنانچہ اس نے یہ دم کیا تو ٹھیک ہو گیا اور اس سے پہلے عام تکالیف کے سلسلے میں یہ کلمات دم حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کی حدیث سے گزر چکے ہیں۔

بخار کا دم

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: نبی اکرم ﷺ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لے گئے تو انہیں سخت بخار تھا اور وہ بخار کو برا بھلا کہہ رہی تھیں آپ نے فرمایا: اسے برا نہ کہو یہ (اللہ تعالیٰ کی طرف سے) مامور ہے اگر تم چاہو تو میں تمہیں کچھ کلمات سکھاؤں جب وہ کلمات پڑھو گی تو اللہ تعالیٰ تم سے بخار کو دور کر دے گا؟ انہوں نے عرض کیا: مجھے سکھائیے آپ نے فرمایا: یہ کلمات پڑھو:

اَللّٰهُمَّ ارْحَمْ جِلْدِيَ الرَّقِيْقَ وَعَظْمِيَ الدَّقِيْقَ مِنْ شِدَّةِ الْحَرِيْقِ يَا اُمَّ مِلْدَمٍ اِنْ كُنْتِ اٰمَنْتِ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ فَلَا تُصَدِّعِي الرَّاْسَ وَلَا تُنْتِنِي الْفَمَ وَلَا تَاْكُلِي اللَّحْمَ وَلَا تَشْرَبِي الدَّمَ وَتَحَوَّلِيْ عَنِّيْ اِلٰى
یا اللہ! میری پتلی جلد پر اور باریک ہڈی پر بخار کی شدت سے (بچاتے ہوئے) رحم فرما اے ام ملدم! (بخار کی کنیت ہے یعنی اے بخار) اگر عظمت والے اللہ پر تیرا ایمان ہے تو سر میں درد نہ کر منہ کو بدبودار نہ کر گوشت نہ کھا

مَنِ اتَّخَذَ مَعَ اللّٰہِ اِلٰھًا اٰخَرَ.

خون نہ پی اور مجھ سے پھر کر اس کی طرف جا جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہراتا ہے۔

(دلائل النبوۃ ج ٦ ص ١٦٩' کنز العمال رقم الحدیث: ٢٨٥١٣' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ٣٤٦٩)

حضرت ام المومنین رضی اللہ عنہا نے یہ کلمات پڑھے تو بخار چلا گیا۔ اور اس کا تجربہ کیا گیا اور میں نے اپنے شیخ کے خط سے (الفاظ میں کچھ تبدیلی کے ساتھ) دیکھا جس کے الفاظ اس طرح ہیں:

اَللّٰھُمَّ ارْحَمْ عَظْمِی الدَّقِیْقَ وَجِلْدِی الرَّقِیْقَ' وَاَعُوْذُبِکَ مِنْ فَوْرَۃِ الْحَرِیْقِ' یَا اُمَّ مَلْدَمَ' اِنْ کُنْتِ اٰمَنْتِ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ فَلَا تَاْکُلِی اللَّحْمَ' وَلَا تَشْرَبِی الدَّمَ' وَلَا تَفُوْرِیْ عَلَی الْفَمِ' وَانْتَقِلِیْ اِلٰی مَنْ یَّزْعَمُ اَنَّ مَعَ اللّٰہِ اِلٰھًا اٰخَرَ' فَاِنِّیْ اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ.

یا اللہ! میری باریک ہڈی اور پتلی جلد پر رحم فرما میں جلانے والے (بخار) کے ابال سے تیری پناہ چاہتا ہوں اے بخار! اگر اللہ تعالیٰ اور آخرت پر تیرا ایمان ہے تو گوشت نہ کھا' خون نہ پی' منہ پر ابال نہ لا اور اس کی طرف منتقل ہو جا جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور معبود کا عقیدہ رکھتا ہے میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور حضرت محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔

جیسا کہ "الھدی النبوی کے" مصنف (ابن قیم) نے لکھا ہے جو بخار تین دن رہے (پھر چھوڑ دے) اس کے لئے تین چھوٹے چھوٹے کاغذوں پر لکھا جائے:

بِسْمِ اللّٰہِ فَرَّتْ بِسْمِ اللّٰہِ مَرَّتْ بِسْمِ اللّٰہِ قَلَّتْ.

اللہ تعالیٰ کے نام سے (بخار) بھاگ گیا اللہ تعالیٰ کے نام سے گزر گیا اور اللہ تعالیٰ کے نام سے ختم ہو گیا۔

ہر دن ایک کاغذ منہ میں ڈالے اور اس کو پانی کے ذریعے نگل لے۔

بزرگوں کی ایک جماعت نے قرآن مجید سے کچھ لکھ کر اس کو پینے کی اجازت دی اور اسے شفاء کا ذریعہ قرار دیا جو شفاء اللہ تعالیٰ نے اس (قرآن مجید) میں رکھی ہے۔

ابن الحاج نے "المدخل میں" فرمایا کہ شیخ ابو محمد المرجانی ہمیشہ گھر کے دروازے پر بخار وغیرہ کے (تعویذوں پر مشتمل) کاغذ رکھتے تھے پس جس کو تکلیف ہوتی ان میں سے ایک کاغذ لے کر استعمال کرتا تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے ٹھیک ہو جاتا ان پر لکھا ہوتا:

اَزَلِیٌّ لَمْ یَزَلْ' وَلَا یَزَالُ' یُزِیْلُ الزَّوَالُ' وَھُوَ لَا یَزَالُ' وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ ﴿وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا ھُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَۃٌ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ﴾.

اللہ تعالیٰ ازلی ہے ہمیشہ رہے گا کبھی زوال پذیر نہ ہوگا وہ زوال کو زائل کرتا ہے اور وہ خود لازوال ہے نیکی کرنے اور برائی سے بچنے کی قوت اللہ بلند عظیم کی جانب سے ہی (ملتی) ہے۔ اور ہم قرآن مجید میں وہ کچھ نازل کرتے ہیں جو مومنوں کے لئے شفاء اور رحمت ہے۔

(ابوبکر احمد بن علی بن سعید حافظ الحدیث تھے' دمشق میں ۲۹۲ھ میں فوت ہوئے) [1] مروزی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ابوعبداللہ یعنی امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کو خبر پہنچی کہ مجھے بخار ہے تو انہوں نے میرے لئے بخار کا ایک دم لکھا جو اس طرح ہے:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ' بِسْمِ اللّٰهِ وَبِاللّٰهِ وَمُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ' يٰا نَارُ كُوْنِيْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ' وَاَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَخْسَرِيْنَ' اَللّٰهُمَّ رَبَّ جِبْرِيْلَ وَمِيْكَآئِيْلَ وَاِسْرَافِيْلَ اِشْفِ صَاحِبَ هٰذَا الْكِتَابِ بِحَوْلِكَ وَقُوَّتِكَ وَجَبَرُوْتِكَ' اِلٰهَ الْحَقِّ اٰمِيْنَ۔

اللہ تعالیٰ کے نام سے جو نہایت مہربان رحم فرمانے والا ہے اللہ تعالیٰ کے نام سے اور اس کی مدد سے اور حضرت محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اے آگ! حضرت ابراہیم علیہ السلام پر ٹھنڈک اور سلامتی بن جا اور انہوں (کفار) نے آپ کو دھوکہ دینے کا ارادہ کیا پس ہم نے ان کو بہت خسارہ پانے والے کر دیا اے اللہ! جبریل' میکائیل اور اسرافیل کے رب اپنی قوت و طاقت اور کبریائی کے وسیلہ سے اس خط والے (جس کو لکھا گیا ہے) کو شفاء عطا فرما اے معبودِ برحق! یا اللہ اس دعا کو قبول فرما۔

دوسری تکلیفوں کے لئے کلمات

پھوڑے پھنسیوں کے لئے جو مجرب علاج ہیں ان میں سے ایک علاج جسے "زاد المعاد کے" مصنف نے نقل کیا یہ ہے کہ اس پر یہ آیت لکھی جائے:

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ يَنْسِفُهَا رَبِّيْ نَسْفًا فَيَذَرُهَا قَاعًا صَفْصَفًا لَّا تَرٰى فِيْهَا عِوَجًا وَّلَآ اَمْتًا. (طٰہٰ: ۱۰۵)

اور تم سے پہاڑوں کے بارے میں پوچھتے ہیں تم فرما دو انہیں میرا رب ریزہ ریزہ کر کے اڑا دے گا تو زمین کو چٹیل میدان ہموار کر کے چھوڑے گا کہ تو اس میں کوئی اونچ نیچ نہ دیکھے۔

بچے کی ولادت کے وقت

بچے کی ولادت مشکل ہونے کی صورت میں جو کلمات لکھے جاتے ہیں ان سے متعلق حضرت خلال نے حضرت عبداللہ بن احمد بن حنبل (رحمہم اللہ) سے نقل کیا ہے' فرماتے ہیں میں نے اپنے والد (حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ) کو دیکھا کہ جب کسی عورت پر بچے کی ولادت کے سلسلے میں تنگی ہوتی تو آپ سفید کپڑے یا کسی پاک چیز پر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی یہ کلمات لکھتے:

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ الْحَلِيْمُ الْكَرِيْمُ سُبْحَانَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ كَاَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَ مَا يُوْعَدُوْنَ لَمْ يَلْبَثُوْٓا اِلَّا سَاعَةً

اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں' وہ بردبار کرم والا ہے عرش عظیم کا مالک اللہ پاک ہے تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا رب ہے گویا جس دن وہ اس چیز

[1] (الاعلام ج ۱ ص ۱۷۱' تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۶۶۳' تاریخ بغداد ج ۴ ص ۳۰۲' العبر ج ۲ ص ۹۱)

مِنْ نَّهَارٍ كَاَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَهَا لَمْ يَلْبَثُوْٓا اِلَّا عَشِيَّةً اَوْ ضُحٰهَا۔

کو دیکھیں گے جس کا ان سے وعدہ کیا گیا تو وہ صرف دن کی ایک گھڑی ٹھہر سکیں گے گویا کہ جس دن اسے دیکھیں گے تو نہیں ٹھہر سکیں گے مگر صبح یا شام۔

حضرت خلال فرماتے ہیں ہمیں حضرت ابوبکر مروزی نے خبر دی ہے کہ حضرت ابوعبد اللہ (امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ) کے پاس ایک شخص آیا اور اس نے کہا: اے ابوعبد اللہ! ایک عورت پر دو دن سے بچے کی پیدائش رکی ہوئی ہے آپ اس کے لئے کچھ لکھ دیں آپ نے فرمایا: ایک (سفید پاک) کشادہ پیالہ اور زعفران لے کر آؤ۔ حضرت المروزی فرماتے ہیں میں نے دیکھا آپ نے متعدد لوگوں کے لئے لکھا۔

''المدخل میں ہے کہ'' ایک جدید برتن میں یہ کلمات لکھ کر اس عورت کو پلائے جائیں اور اس کے منہ پر چھینٹے مارے جائیں جس کے ہاں ولادت ہو رہی ہے:

اُخْرُجْ اَيُّهَا الْوَلَدُ مِنْ بَطْنٍ ضَيِّقٍ اِلٰى سَعَةِ هٰذِهِ الدُّنْيَا اُخْرُجْ بِقُدْرَةِ الَّذِيْ جَعَلَكَ فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ اِلٰى قَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ (اِلٰى اٰخِرِ السُّوْرَةِ) (پھر یہ) وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ.

اے بچے! تنگ پیٹ سے اس دنیا کی کشادگی کی طرف نکلو اس ذات کی قدرت سے نکلو جس نے تمہیں ایک معلوم مدت تک ٹھہرنے کی جگہ رکھا۔ اگر ہم اس قرآن کو پہاڑ پر نازل کرتے تو تم اسے دیکھتے جھکا ہوا پاش پاش۔ (سورت کے آخر تک الحشر:59) اور ہم قرآن مجید کی صورت میں مومنوں کے لئے شفاء اور رحمت نازل کرتے ہیں۔

شیخ مرجانی کہتے ہیں میں نے یہ کلمات دم بعض سادات سے حاصل کئے اور میں نے جس کے لئے لکھے اس نے اسی وقت شفاء پائی۔

حضرت عکرمہ حضرت ابن عباس (رضی اللہ عنہم) سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایک عورت کے پاس سے گزرے جس کے پیٹ میں بچہ رکا ہوا تھا اس نے کہا: اے اللہ تعالیٰ کے کلمہ (حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو کلمۃ اللہ کہا جاتا ہے) اللہ تعالیٰ سے میرے لئے دعا مانگیں کہ وہ مجھے اس تکلیف سے نجات دے چنانچہ آپ نے یوں فرمایا:

يَا خَالِقَ النَّفْسِ مِنَ النَّفْسِ وَيَا مُخَلِّصَ النَّفْسِ مِنَ النَّفْسِ وَيَا مُخْرِجَ النَّفْسِ مِنَ النَّفْسِ خَلِّصْهَا.

اے نفس کو نفس سے پیدا کرنے والے! اے نفس کو نفس سے چھٹکارا دینے والے! اے نفس سے نفس کو نکالنے والے! اس عورت کو چھٹکارا عطا فرما۔

فرماتے ہیں عورت ابھی کھڑی ہی تھی کہ بچہ پیدا ہو گیا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جب عورت پر ولادت مشکل ہو جائے تو اس کے لئے یہ لکھو۔

اس مقصد کے لئے یہ کلمات بھی پاک برتن میں لکھ کر حاملہ عورت کو اس تحریر کا پانی پلایا جائے اور اس کے پیٹ پر چھینٹے مارے جائیں۔ کلمات یہ ہیں:

اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ ○ وَاَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ ○ وَاِذَا الْاَرْضُ مُدَّتْ ○ وَاَلْقَتْ مَا فِيْهَا وَتَخَلَّتْ ○ (الانشقاق:۱-۴)

جب آسمان شق ہو اور اپنے رب کا حکم سنے اور اسے یہی لائق ہے اور جب زمین دراز کی جائے اور جو کچھ اس میں ہے ڈال دے اور خالی ہو جائے۔

نکسیر کے لئے کلماتِ دم

جس آدمی کو نکسیر آتی ہو تو یہ کلمات لکھ کر اس کی پیشانی پر باندھے جائیں:

وَقِيْلَ يٰۤاَرْضُ ابْلَعِيْ مَآءَكِ وَيٰسَمَآءُ اَقْلِعِيْ وَغِيْضَ الْمَآءُ وَقُضِيَ الْاَمْرُ. (ھود:۴۴)

اور حکم فرمایا گیا کہ اے زمین! اپنا پانی نگل لے اور اے آسمان! تھم جا اور پانی خشک کر دیا گیا اور کام تمام ہوا۔

نکسیر والے کے خون سے یہ آیت لکھنا جائز نہیں جس طرح بعض جاہل لوگ کرتے ہیں کیونکہ خون ناپاک ہے پس اس سے اللہ تعالیٰ کا کلام لکھنا جائز نہیں۔

عرق النساء کے درد کے لئے

(ران میں ایک رگ ہوتی ہے اس کو عرق النساء کہتے ہیں) اس کے لئے یہ کلمات لکھے جائیں:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ' اَللّٰهُمَّ رَبَّ كُلِّ شَيْءٍ' وَمَلِيْكَ كُلِّ شَيْءٍ' وَخَالِقَ كُلِّ شَيْءٍ' اَنْتَ خَلَقْتَنِيْ وَخَلَقْتَ عِرْقَ النِّسَآءِ فِيَّ فَلَا تُسَلِّطْهُ عَلَيَّ بِاَذًى' وَلَا تُسَلِّطْنِيْ عَلَيْهِ بِقَطْعٍ وَاشْفِنِيْ شِفَآءً لَا يُغَادِرُ سَقَمًا' لَا شَافِيَ اِلَّا اَنْتَ.

اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان رحم والا ہے یا اللہ! ہر چیز کے رب' ہر چیز کے مالک' ہر شے کے خالق تو نے مجھے پیدا کیا اور میرے اندر عرق النساء کو پیدا کیا پس تکلیف کے ساتھ اسے مجھ پر مسلط نہ کرنا اور نہ اس کے کٹنے کے ساتھ مجھ پر مسلط کرنا مجھے ایسی شفاء عطا فرما جو بیماری کو باقی نہ چھوڑے شفاء صرف تو ہی عطا کرتا ہے۔

کلماتِ حفاظت (حفیظہٗ رمضان)

وہ کلمات جو رمضان المبارک میں حفاظت کے لئے لکھے جاتے ہیں یعنی:

لَا آلَاءَ اِلَّا آلَاؤُكَ يَا اَللّٰهُ اِنَّكَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ مُحِيْطٌ بِهٖ عِلْمُكَ كَعْسَلْهُوْنَ. وَبِالْحَقِّ اَنْزَلْنٰهُ وَبِالْحَقِّ نَزَلَ.

نعمتیں صرف تیری نعمتیں ہیں اے اللہ! تو سننے والا جاننے والا ہے' تیرا علم اس کو گھیرنے والا ہے ہم نے اسے حق کے ساتھ اتارا اور حق کے ساتھ اترا۔

ہمارے شیخ (امام سخاوی رحمہ اللہ) فرماتے ہیں: یمن' مکہ مکرمہ' مصر اور مغرب اور تمام ممالک میں مشہور ہے کہ یہ حفیظہٗ رمضان ہیں جو ڈوبنے' چوری' جل جانے اور تمام آفات سے محفوظ رکھتا ہے یہ کلمات رمضان المبارک کے آخری جمعہ کے دن لکھے جاتے ہیں وہ تمام لوگ لکھتے ہیں جب کہ خطیب منبر پر خطبہ دے رہا ہوتا ہے اور ان میں سے بعض عصر کی نماز کے بعد لکھتے ہیں۔

یہ بدعت ہے اس کی کوئی اصل نہیں اگرچہ متعدد اکابر کے کلام میں واقع ہے بلکہ بعض کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ

یہ کلمات ایک ضعیف حدیث میں آئے ہیں۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اس کا سخت انکار کرتے تھے حتیٰ کہ وہ منبر پر کھڑے خطبہ دے رہے ہوتے اور کسی کو لکھتے ہوئے دیکھتے تو منع کرتے۔ ۱

ہر بلا سے بچاؤ

حضرت ابان بن عثمان رضی اللہ عنہما اپنے والد سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں میں نے نبی اکرم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: کہ جو شخص شام کے وقت تین بار یہ کلمات پڑھے اسے صبح تک ناگہانی آفت نہیں پہنچے گی اور جو شخص صبح کے وقت یہ کلمات پڑھے اسے شام تک ناگہانی آفت نہیں پہنچے گی۔

وہ کلمات یہ ہیں:

بِسْمِ اللّٰهِ الَّذِیْ لَا یَضُرُّ مَعَ اسْمِهٖ شَیْءٌ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِی السَّمَآءِ وَهُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ۔ اللہ تعالیٰ کے نام سے اس کے نام کے ساتھ زمین و آسمان میں کوئی چیز نقصان نہیں پہنچاتی اور وہ سننے والا جاننے والا ہے۔

چنانچہ حضرت ابان بن عثمان رضی اللہ عنہ کو فالج ہوا تو جس نے ان سے یہ حدیث سنی تھی وہ ان کی طرف دیکھنے لگا انہوں نے پوچھا تو کیوں دیکھتا ہے اللہ کی قسم میں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر جھوٹ نہیں بولا اور نہ انہوں نے جھوٹی بات نبی اکرم ﷺ سے منسوب کی ہے اور مجھے آج یہ مصیبت جو پہنچی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ مجھے غصہ آیا تھا اور میں یہ کلمات پڑھنا بھول گیا تھا۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۵۰۸۸ مسند احمد ج ۱ ص ۶۲ اتحاف السادۃ المتقین ج ۵ ص ۱۳۲ مشکوٰۃ المصابیح للتبریزی رقم الحدیث: ۲۳۹۱ عمل الیوم واللیلۃ رقم الحدیث: ۳۴۳)

اس حدیث کو امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے روایت کیا اور امام ترمذی نے بھی روایت کیا اور فرمایا یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

امام ترمذی نے یہ الفاظ نقل کیے کہ حضرت ابان کو فالج ہوا تو ایک شخص ان کی طرف دیکھنے لگا تو حضرت ابان نے اس سے فرمایا تجھے کیا ہوا کہ میری طرف دیکھ رہا ہے حدیث تو اسی طرح ہے جس طرح میں نے تجھ سے بیان کی ہے؟ لیکن اس دن میں نے یہ کلمات نہیں پڑھے تاکہ اللہ تعالیٰ اس امر کو پورا فرمائے جو اس نے مقدر فرمایا ہے۔

ستر بلاؤں سے بچاؤ

حضرت ابو محمد عبداللہ بن محمد مالکی افریقی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "اخبار افریقیہ" میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مرفوع حدیث نقل کی ہے (کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا):

جو شخص دس مرتبہ یہ کلمات پڑھے:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ۔ اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان رحم والا ہے نیکی کرنے اور برائی سے رکنے کی قوت صرف اللہ تعالیٰ عطا کرتا ہے جو بلند عظمت والا ہے۔

---

۱ امام زرقانی فرماتے ہیں "المقصد میں ہے" کہ ہمارے ائمہ کے نزدیک ایسے کلمات کا لکھنا یا پڑھنا حرام ہے جو عجمی ہیں اور ان کا معنیٰ معلوم نہیں بعض نے کہا صلعمون ایک سانپ ہے جو عرش نے گھیر رکھا ہے اس کا سر اس کی دم پر ہے۔ لیکن یہ سب ناقابل اعتماد ہے۔ (زرقانی ج ۷ ص ۱۰۹)

تو وہ شخص گناہوں سے اس طرح پاک ہوتا ہے جیسے آج ہی اسے اس کی ماں نے جنا ہو اور اسے دنیا کی ستر مصیبتوں سے بچایا جاتا ہے جن میں پاگل پن' کوڑھ کا مرض' سفید داغ اور ہوا کی بیماری ہے۔

''جامع ترمذی میں مذکور'' حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث اس کی شہادت دیتی ہے' وہ فرماتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

اکثروا من ذکر لا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم فانھا من کنز الجنۃ۔ ''لا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم'' کثرت سے پڑھا کرو کیونکہ یہ جنت کے خزانے سے ہے۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۶۰۱' مسند احمد ج ۲ ص ۳۳۳' المعجم الکبیر ج ۳ ص ۳۸' مجمع الزوائد ج ۱ ص ۳۰۶' کشف الخفاء ج ۲ ص ۱۹۰' الکامل فی الضعفاء ج ۷ ص ۲۷۰۳' کنز العمال رقم الحدیث: ۱۹۵۷۰)

حضرت مکحول شامی رحمہ اللہ (ابوعبداللہ مکحول بن ابی مسلم متوفی ۱۱۲ھ) [1] فرماتے ہیں جو شخص یہ کلمات پڑھے اللہ تعالیٰ اس سے ضرر کے ستر دروازے کھول دیتا ہے (دور کر دیتا ہے) جن میں سے ادنیٰ دروازہ فقر ہے وہ کلمات یہ ہیں:

لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ وَلَا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّا اِلَيْهِ۔ نیکی کرنے اور برائی سے رکنے کی قوت صرف اللہ تعالیٰ عطا فرماتا ہے جو بلند عظمت والا ہے اور اللہ تعالیٰ کے عذاب سے پناہ اسی کے پاس ہے۔

حضرت امام طبرانی رحمہ اللہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: جو شخص ''لا حول ولا قوۃ الا باللہ'' پڑھے تو یہ ننانوے بیماریوں کا علاج ہے جن میں سے سب سے ہلکی بیماری غم ہے۔

فقر سے امان

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: جو شخص ستر بار ''لا حول ولا قوۃ الا باللہ'' پڑھے وہ کبھی محتاج نہ ہوگا اسے ابن ابی الدنیا نے نقل کیا۔

امام طبرانی رحمہ اللہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے وہ فرماتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: جس شخص پر رزق کی تاخیر ہو جائے وہ ''لاحول ولا قوۃ الا باللہ'' کثرت سے پڑھے۔

حضرت جعفر بن محمد اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے اور وہ حضرت علی المرتضیٰ سے مرفوعاً روایت کرتے ہیں (کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا) جو شخص ہر دن اور رات میں ایک سو بار یہ کلمات پڑھے:

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ الْمُبِيْنُ۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ سچا بادشاہ ظاہر ہے۔

اس شخص کے لئے فقر سے امان اور وحشتِ قبر سے انس حاصل ہوگا۔

اس کے ذریعے مالداری کا دروازہ کھلے گا اور اس کے ذریعے وہ مالداری کا دروازہ کھٹکھٹائے گا۔

[1] (الاعلام ج ۷ ص ۲۸۴' تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۱۰۷' وفیات الاعیان ج ۱ ص ۱۲۲' میزان الاعتدال ج ۳ ص ۱۹۸' شذرات الذہب ج ۱ ص ۱۴۶' طبقات ابن سعد ج ۷ ص ۳۱۵' النجوم الزاہرۃ ج ۱ ص ۲۷۲)

اس حدیث کے بعض راویوں نے کہا کہ اگر تم اس حدیث کے لئے چین کی طرف سفر کرو تو یہ زیادہ (سفر) نہیں۔
عبدالحق اشبیلی نے اسے "الطب النبوی کتاب میں" ذکر کیا۔

کھانے سے پیدا ہونے والی بیماری کا علاج

امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی تاریخ میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ جب کھانا رکھا جائے تو اس وقت جو شخص یہ کلمات پڑھے اسے کوئی نقصان نہیں ہوگا:

بِسْمِ اللّٰهِ خَيْرِ الْاَسْمَآءِ فِي الْاَرْضِ وَفِي السَّمَآءِ لَا يَضُرُّ مَعَ اسْمِهٖ دَآءٌ اِجْعَلْ فِيْهِ رَحْمَةً وَّشِفَآءً۔

اللہ تعالیٰ کے نام سے جو آسمان و زمین میں بہترین نام ہے اس کے نام کے ساتھ کوئی بیماری تکلیف نہیں دیتی یا اللہ! اس میں رحمت و شفاء رکھ دے۔

ام الصبیان سے بچاؤ

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: جس شخص کے ہاں بچہ پیدا ہو پس وہ اس کے دائیں کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت کہے تو اس کو ام الصبیان کی بیماری نہ ہوگی۔
(اتحاف السادۃ المتقین ج ۵ ص ۶۸' المغنی ج ۲ ص ۵۵' اکال ج ۶ ص ۲۶۵۶' عمل الیوم واللیلۃ رقم الحدیث: ۶۱۷' الاذکار ص ۲۵۳)

ام الصبیان ایک ہوا ہے جو بچوں کو لاحق ہوتی ہے اور بعض اوقات اس سے ان کے لئے خطرہ ہوتا ہے۔

کان میں اذان دینے کی حکمت

"تحفۃ الودود باحکام المولود" کے مصنف نے کہا کہ بچے کے کان میں سب سے پہلے جو آواز آئے وہ اللہ تعالیٰ کی بڑائی اور عظمت کے کلمات ہوں اور وہ شہادت جس کے ذریعے اسلام میں داخل ہونے کا آغاز ہو گویا اس کے کان میں اذان دنیا میں داخل ہوتے وقت اسلامی نشانیوں کی تلقین ہے جس طرح دنیا سے جاتے وقت کلمہ توحید کی تلقین کی جاتی ہے اس (تلقین) کے علاوہ بھی ایک فائدہ ہے اور وہ کلمات اذان کے ذریعے شیطان کو بھگاتا ہے وہ انتظار کرتا ہے حتیٰ کہ جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو وہ اس کے ساتھ مل جاتا ہے تاکہ اسے تقدیر خداوندی کے مطابق تکلیف پہنچائے پس شیطان اس سے پہلے تعلق کے وقت وہ کلمات سنتا ہے جو اس کو کمزور کرتے اور غصہ دلاتے ہیں۔

دوسری نوع

طبعی دواؤں سے نبوی علاج

سر درد اور درد شقیقہ کا علاج

پورے سر میں یا سر کے بعض حصے میں درد "الصداع" کہلاتا ہے اگر سر کی کسی ایک طرف دائمی درد ہو تو یہ "شقیقہ" کہلاتا ہے جو "عظیمۃ" کے وزن پر ہے۔

اس درد کا سبب وہ بخارات ہیں جو (معدے سے) اوپر کی جانب اٹھتے ہیں یا وہ گرم یا ٹھنڈے اخلاط ہیں جو دماغ کی طرف جاتے ہیں (جسم میں خون بلغم سوداء اور صفراء چار اخلاط ہوتے ہیں)۔

اگر ان بخارات یا اخلاط کو کوئی سوراخ نہ ملے تو سر میں درد پیدا کر دیتے ہیں جسے "صداع" کہتے ہیں اور اگر وہ سر کی ایک جانب مائل ہو جائیں تو درد "شقیقہ" ہوتا ہے اور اگر وہ تمام سر پر قبضہ کر لیں تو "داء البیضہ" پیدا ہوتی ہے اس کا یہ نام اس لیے کہ لوہے کی ٹوپی (جیسے خود کہتے ہیں اور فوجی پہنتے ہیں) کی طرح تمام سر کو گھیرتا ہے (اور اس ٹوپی کو بیضہ کہا جاتا ہے)۔

سر میں درد کے کئی اسباب ہیں۔

مثلاً معدے میں یا اس کی رگوں میں کوئی ورم ہو یا اس میں سخت گاڑھی ہوا ہو یا معدے میں ہوا (گیس) بھر جائے۔ یا اس درد کی وجہ سخت حرکت ہوتی ہے مثلاً جماع یا قے یا پوری کوشش سے کوئی کام کرنا نیز بے خوابی اور زیادہ گفتگو سر میں درد کا باعث بنتی ہے۔ اسی طرح نفس کو پیش آنے والے امور مثلاً غم پریشانی بھوک اور بخار وغیرہ بھی اس کا سبب ہیں۔

نیز سر میں کوئی ضرب وغیرہ لگے یا دماغ کے چمڑے کے نیچے کوئی ورم ہو یا کسی بھاری چیز کو اٹھانے سے سر پر دباؤ ہو یا حد سے زیادہ دھواں لیا جائے یا سردیوں کے موسم میں ٹھنڈی ہوا یا ٹھنڈا پانی پہنچے تو سر میں درد ہوتا ہے۔ درد شقیقہ صرف سر کی شریانوں میں ہوتا ہے یا سر کا جو کمزور ترین حصہ ہے اس میں ہوتا ہے اور اس کا علاج پٹی باندھنا ہے۔

امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ کی حدیث نقل کی ہے کہ نبی اکرم ﷺ کو جب درد شقیقہ ہوتا تو آپ ایک دو دن (گھر پر) ٹھہرتے باہر تشریف نہ لاتے۔

صحیح حدیث میں ہے نبی اکرم ﷺ نے وصال والی بیماری کے دوران فرمایا: "وارا ساہ" (ہائے میرا سر) آپ نے خطبہ ارشاد فرمایا تو سر پر پٹی باندھ رکھی تھی (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۶۶۶ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۴۶۵ مسند احمد ج ۶ ص ۱۴۴) تو درد شقیقہ اور سر کے دوسرے دردوں میں پٹی باندھنے سے فائدہ ہوتا ہے۔

"صحیح بخاری میں" حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے درد شقیقہ کی وجہ سے حالتِ احرام میں پچھنا لگوایا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی بعض طرق میں یہ قید ہے کہ آپ نے خود لگایا۔

امام ابوداؤد طیالسی نے اپنی مسند میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث سے نقل کیا کہ نبی کریم ﷺ نے سر انور کے درمیان میں پچھنا لگایا۔

حکماء اور ڈاکٹر کہتے ہیں کہ اس (خون نکلوانے) کا بہت فائدہ ہے۔ نبی اکرم ﷺ سے یہ بھی مروی ہے کہ آپ نے اخدعین (گردن میں دو رگیں) اور کاہل (دونوں کاندھوں کے درمیان) میں بھی پچھنا لگوایا۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۸۶۰ سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۰۵۱ مسند احمد ج ۱ ص ۲۳۴ '۳۳۳ ۔ ج ۳ ص 119)

اس حدیث کو امام ترمذی نے نقل کیا اور حسن قرار دیا نیز امام ابوداؤد اور ابن ماجہ نے بھی نقل کیا اور امام حاکم نے اسے صحیح قرار دیا۔

اطباء کہتے ہیں گردن کی رگوں (اخدعین) میں پچھنا لگوانا سر چہرے کانوں آنکھوں دانتوں اور ناک کی بیماریوں

میں نفع دیتا ہے۔

ایک ضعیف حدیث جسے ابن عدی نے عمر بن رباح کے طریق سے روایت کیا وہ حضرت عبداللہ بن طاؤس سے وہ اپنے باپ سے اور وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً روایت کرتے ہیں (کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا):

الحجامة فی الرأس تنفع فی سبع من الجنون والجذام والبرص والنعاس والصداع ووجع الضرس والعین.

پچھنا لگوانا سات باتوں کے لئے نفع بخش ہے پاگل پن کوڑھ سفید داغ اونگھ (حواس کی سستی) سر درد داڑھ کے درد اور آنکھ کے درد (سے نجات دیتا ہے)۔

عمر بن رباح متروک ہے فلاس (عمرو بن علی باہلی بصری) وغیرہ نے اس پر کذب کا الزام لگایا ہے (اسی لئے یہ حدیث میں چھوڑ دیا گیا تو متروک ہوا)۔

امام ابن ماجہ نے اپنی سنن میں روایت نقل کی ہے کہ جب نبی اکرم ﷺ کے سر انور میں درد ہوتا تو آپ مہندی کا لیپ کرتے اور فرماتے کہ سر کے درد میں اللہ تعالیٰ کے حکم سے یہ نفع دیتی ہے۔

اس حدیث کی صحت محل نظر ہے (دیگر کئی احادیث میں مہندی کے استعمال کو نفع بخش قرار دیا گیا لہٰذا اس حدیث کے عدم صحت سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔۱۲ ہزاروی)۔

یہ علاج اس حالت سے مخصوص ہے جب سر کا درد سخت گرمی کی وجہ سے ہو اور کسی ایسے مادہ سے نہ ہو جس کو دور کرنا ضروری ہو پس جب یہ صورت ہوگی تو ظاہری طور پر مہندی نفع دے گی۔

اطباء کہتے ہیں جب اسے کوٹ کر پیشانی پر پٹی کے ساتھ باندھا جائے تو درد ٹھہر جاتا ہے اور یہ سر کے درد سے خاص نہیں بلکہ تمام اعضاء کو شامل ہے۔

''تاریخ بخاری اور سنن ابوداؤد میں ہے کہ'' نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں جس نے بھی درد سر کی شکایت کی آپ نے اسے پچھنا لگوانے کا حکم دیا اور جس نے پاؤں میں تکلیف کی شکایت کی اس سے فرمایا: مہندی کا لیپ کرو۔

''جامع ترمذی میں'' حضرت علی بن عبداللہ کی روایت نقل کی ہے وہ اپنی دادی (سلمٰی ام رافع زوجہ ابورافع) سے روایت کرتے ہیں اور وہ نبی کریم ﷺ کی خدمت کرتی تھیں، فرماتی ہیں: نبی اکرم ﷺ کو جب بھی کوئی زخم یا معمولی چوٹ آتی تو آپ نے مجھے اس پر مہندی لگانے کا حکم دیا۔

آنکھ دُکھنے کا نبوی علاج

(اسے رَمد کہتے ہیں) اور یہ ورم ہے اور یہ اس طبقہ کو پیش آتا ہے جس کی آنکھ میں سفیدی ہو اور اس کا سبب چار اخلاط (بلغم، خون، صفراء اور سوداء) میں سے کسی ایک کا گرنا ہے یا وہ بخارات ہیں جو معدے سے دماغ کی طرف اٹھتے ہیں اگر وہ ناک کے بانسے کی طرف چلے جائیں تو زکام پیدا ہو جاتا ہے اگر آنکھ کی طرف جائیں تو آنکھیں دُکھ جاتی ہیں اور حلق میں نکلنے والے گوشت (لسان العرب ج ۱۲ ص ۳۳۹) یا ناک کے نتھنوں کی طرف جائے تو گلے کی بیماری پیدا ہوتی اور اگر سینے کی طرف جائے تو نزلہ پیدا ہوتا ہے اگر دل کی طرف جائے تو پیٹ میں درد ہوتا ہے (لسان العرب ج ۷ ص ۲۳۷) اور اگر وہ بخارات کسی دوسرے عضو کی طرف جانے کی بجائے نکلنے کی کوشش کریں اور کوئی راستہ نہ پائیں تو سر میں درد ہوتا ہے

جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ آشوب چشم کا علاج سکون اور آرام اختیار کرنے اور حرکت نہ کرنے کے ذریعے بھی کرتے تھے۔

''سنن ابن ماجہ میں'' حضرت صہیب رضی اللہ عنہ سے ہے فرماتے ہیں' میں نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ کے سامنے روٹی اور کھجور رکھی ہوئی تھیں آپ نے فرمایا: قریب ہو جاؤ اور کھاؤ میں نے کھجور پکڑی اور کھانے لگا آپ نے فرمایا: تم کھجور کھا رہے ہو جب کہ تمہاری آنکھیں دُکھ رہی ہیں؟ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں دوسری جانب سے چبا رہا ہوں اس پر نبی اکرم ﷺ مسکرانے لگے (مطلب یہ کہ چبانے سے آنکھوں پر دباؤ پڑتا ہے اور اس سے تکلیف ہوتی ہے۔۱۲ ہزاروی)۔(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۴۴۳)

ایک روایت میں ہے کہ جب حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی آنکھیں دُکھیں تو آپ کو کھجوریں کھانے سے روک دیا گیا (کیونکہ آنکھ کی تکلیف کی طرح یہ بھی گرم ہیں اور اس طرح نقصان زیادہ ہوتا ہے)۔

''صحیح بخاری میں'' حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: میں نے نبی اکرم ﷺ سے سنا آپ فرماتے تھے:

الکماۃ من المن وماء ھا شفاء للعین. کھمبی مَن (جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اترا) سے ہے اور اس کا پانی آنکھوں کے لئے شفاء ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۷۰۸' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۵۷' مسند احمد ج ۱ ص ۱۸۷' السنن الکبریٰ ج ۹ ص ۳۴۵' الدر المنثور ج ۱ ص ۷۰' کنز العمال رقم الحدیث: ۲۸۳۰۸)

''الکماۃ'' (کھمبی) ایک ایسی سبزی ہے جس کے پتے اور ٹہنی نہیں ہوتی اور زمین میں بیجنے کے بغیر پائی جاتی ہے (اور سفید رنگ کی ہوتی ہے)۔

طبری نے المنکدر کے طریق سے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے' وہ فرماتے ہیں: نبی اکرم ﷺ کے زمانے میں کھمبی زیادہ ہوگئی تو ایک قوم نے اسے کھانے سے ہاتھ کھینچ لیا اور کہا کہ یہ زمین کی چیچک ہے نبی اکرم ﷺ تک یہ بات پہنچی تو آپ نے فرمایا: کھمبی زمین کی چیچک نہیں بلکہ یہ مَن سے ہے۔

''مَــن'' کے بارے میں اختلاف ہے بعض نے کہا اس سے وہ مَن مراد ہے جو بنی اسرائیل پر اتارا گیا اور یہ شبنم کی صورت میں درختوں پر گرتا تو وہ لوگ اسے جمع کرتے اور کھاتے تھے اور یہ میٹھا تھا (لسان العرب ج ۱۳ ص ۱۹۸) اور اسی سے ترنجبیل ہے گویا یہ کھمبی کے مشابہ تھا کیونکہ یہ دونوں کسی محنت کے بغیر حاصل ہوتے ہیں۔

خطابی نے کہا یہ بات مراد نہیں ہے کہ یہ اس مَن کی ایک قسم ہے جو بنی اسرائیل پر اتاری گئی تھی کیونکہ بنی اسرائیل پر اترنے والی مَن' ترنجبیل تھی جو درخت پر گرتی تھی۔ مطلب یہ ہے کہ کھمبی ایک ایسی چیز ہے جو بیج ڈالنے اور پانی دینے کی تکلیف کے بغیر اگتی ہے اور اس کو یہ خصوصیت اس لئے حاصل ہے کہ یہ خالص حلال ہے اس کے حصول میں (حرام وغیرہ کا) کوئی شبہ نہیں ہے۔ اس سے یہ مسئلہ اخذ کیا جاتا ہے کہ خالص حلال چیز کا استعمال آنکھوں کو روشن کرتا ہے۔

ابن جوزی نے کہا کہ اس کے آنکھوں کے لئے شفا ہونے میں دو قول ہیں۔

ایک قول یہ ہے کہ اس کا پانی حقیقی ہے لیکن اس قول کے قائلین اس بات پر متفق ہیں کہ اسے خالص طور پر استعمال نہ کیا جائے اور اس بات میں اختلاف ہے کہ اس کو کیسے استعمال کیا جائے؟ اس سلسلے میں دو رائے ہیں۔

ایک رائے یہ ہے کہ جن دوائیوں کو آنکھوں میں ڈالا جاتا ہے ان میں اس کا پانی ڈالا جائے یہ بات ابو عبید نے کہی ہے دوسری رائے یہ ہے کہ اسے پھاڑ کر انگارے پر رکھا جائے حتیٰ کہ اس کا پانی جوش مارے پھر اس جگہ سرمہ لگانے والی سلائی ڈال کر اس کے پانی کو بطور سرمہ استعمال کیا جائے کیونکہ آگ کے ذریعے اس میں نرمی پیدا ہو جاتی ہے اور خراب مادہ چلا جاتا ہے اور نفع بخش باقی رہتا ہے اور جب اس کا پانی ٹھنڈا خشک ہو تو اس میں سلائی نہ ڈالی جائے اس سے فائدہ نہیں ہوگا۔ (فتح الباری ج ۱۰ ص ۲۰۲)

دوسرے قول کے قائلین کہتے ہیں ایک نئی ہنڈیا میں کھمبی ڈال کر اس پر پانی ڈالا جائے اور اس میں نمک نہ ڈالا جائے پھر ایک نیا صاف ڈھکنا لے کر اس ہنڈیا پر رکھا جائے اب کھمبی کے جو بخارات اس ڈھکنے کے ساتھ لگیں یہ وہ پانی ہے جسے آنکھوں میں استعمال کیا جائے۔

ابن واقد نے کہا کہ جب کھمبی کا پانی نچوڑ کر اثمد سرمہ کے ساتھ ملایا جائے تو یہ آنکھوں کے لئے بہترین چیز ہے اس سرمہ کو استعمال کرنے سے پلکیں مضبوط ہوتی ہیں اور دیکھنے کی قوت زیادہ ہوتی ہے اور اس میں اترنے والی خرابیاں دور ہو جاتی ہیں۔

انہوں نے یہ بھی کہا کہ اگر سونے کی سلائی کے ساتھ صرف اس کے پانی کو استعمال کرے تو ایسا کرنے والے کو آنکھوں میں بے شمار فائدے حاصل ہوتے ہیں۔

ابن قیم نے کہا کہ بڑے بڑے اطباء نے اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ کھمبی کا پانی آنکھوں کو روشن کرتا ہے ان میں مسیحی (ابو سہل عیسیٰ بن یحییٰ جرجانی متوفی ۴۰۱ھ) [1] ابن سینا وغیرہ ہیں۔

یہ اختلاف کہ کھمبی وغیرہ اصل میں نقصان سے پاک پیدا کی گئی ہیں پھر ان میں دوسرے امور سے آفات داخل ہوئیں یعنی ان میں کوئی چیز مل گئی یا کسی دوسرے سبب سے جس کا اللہ تعالیٰ نے ارادہ فرمایا تو اس کا جواب یہ ہے کہ کھمبی اصل میں نفع بخش ہے اور اس کی وجہ یہ کہ یہ اس وصف کے ساتھ مخصوص ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور نقصان بعد میں اس کے ساتھ ملتا ہے۔ اور احادیث میں جن چیزوں کا ذکر ہے سچی نیت کے ساتھ ان کا استعمال کیا جائے تو نفع حاصل ہوتا ہے اور اس نیت کے باعث اللہ تعالیٰ اس سے نقصان کو دور کر دیتا ہے اور نیت دوسری ہو تو معاملہ بھی دوسرا ہوگا۔ واللہ اعلم

حلق میں درد کا نبوی علاج

(اس درد کو عربی میں "العذرہ" کہتے ہیں) یہ لفظ عین پر پیش اور دال کے سکون کے ساتھ ہے یہ گلے کا درد ہے جو عام طور پر بچوں کو ہوتا ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ ایک زخم ہے جو کان اور حلق کے درمیان ہوتا ہے یا ناک اور حلق کے درمیان ہوتا ہے اور اسے حلق کے کوے (لٹکے ہوئے گوشت) کا اترنا کہتے ہیں۔

[1] (الاعلام ج ۵ ص ۱۱۰ طبقات الاطباء ج ۱ ص ۳۲۷ تاریخ حکماء الاسلام ص ۹۵)

یہ بھی کہا گیا کہ یہ حلق کے کوے کا نام ہے اور مراد اس کا درد ہے اس جگہ کے نام سے درد کا نام رکھا گیا۔
ایک قول یہ ہے کہ یہ کوے کے قریب جگہ ہے اور کوا وہ گوشت ہے جو حلق کے آخری حصہ میں لٹکتا ہے۔
''صحیح بخاری میں'' حضرت ام قیس بنت محصن الاسدیہ اسد خزیمہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے ہے یہ حضرت عکاشہ رضی اللہ عنہ کی بہن ہیں وہ بارگاہ نبوی میں اپنے بیٹے کو لے کر حاضر ہوئیں جس کا علاج انہوں نے یوں کیا کہ اپنی انگلی سے اس گوشت کو اوپر کیا۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

علام تدغرن اولادكن بهذا العلاق عليكم بهذا العود الهندى فان فيه سبعة اشفية منها ذات الجنب.

تم اس برے طریقے سے اپنی اولاد کے گلے کا علاج کیوں کرتی ہو؟ تم پر لازم ہے کہ یہ ہندی لکڑی (کٹھ) اختیار کرو اس میں سات (بیماریوں سے شفاء) ہے ان میں سے ایک پہلو (ریح) کا درد ہے۔

اس سے مراد کٹھ ہے۔ اور ''تدغرن'' میں عورتوں سے خطاب ہے ''الدغر'' گلا دبانے کو کہتے ہیں۔
(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۷۱۳، ۵۷۱۵، ۵۷۱۸، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۸۶۔۸۷، سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۳۸۷۷، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۴۶۲، السنن الکبریٰ ج ۷ ص ۳۶۵، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۷ ص ۳۶۶، مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۴۵۲۳، المعجم الکبیر ج ۱۲ ص ۷)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں نبی اکرم ﷺ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لائے اور ان کے پاس ایک بچہ تھا جس کے ناک سے خون جاری تھا آپ نے پوچھا: یہ کیا ہے؟ حاضرین نے کہا: ''العذرة'' (گلے کی بیماری) ہے یا سر میں درد ہے آپ نے فرمایا: تم عورتوں کے لئے ہلاکت ہو اپنی اولاد کو قتل نہ کرو۔ جس عورت کے بچے کو یہ زخم یا درد ہو وہ کٹھ لے کر پانی میں حل کرے اور پھر اس کے ناک میں ڈالے چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حکم دیا تو بچے کے لئے یہ دوائی بنائی گئی اور وہ ٹھیک ہو گیا۔

کٹھ میں خشک کرنے کی تاثیر ہے وہ کوے (تالو) کو سخت کر کے اس کی جگہ کی طرف اٹھا دیتی ہے وہ لوگ اولاد کا علاج یوں کرتے تھے کہ گلے کو دبا کر تالو کو اوپر کی طرف اٹھاتے تو نبی اکرم ﷺ نے ان کو اس سے منع فرمایا اور ایسا طریقہ بتایا جو اس سے زیادہ نفع بخش بھی ہے اور اس میں بچوں کے لئے آسانی بھی ہے۔ ناک میں دوائی وغیرہ ڈالنے کو ''السعوط'' کہا جاتا ہے۔

اعتراض: گلے کی اس بیماری کا قسط ہندی (کٹھ) سے علاج کرنا کیسے صحیح ہوگا جب کہ وہ گرم ہوتی ہے اور یہ بیماری بچوں کو گرمی کے موسم میں لگتی ہے اور ان کے مزاج بھی گرم ہوتے ہیں بالخصوص سرزمین حجاز میں جو گرم علاقہ ہے؟

جواب: ''العذرہ'' بیماری کا مادہ خون ہے جس پر بلغم غالب ہوتی ہے اور کٹھ میں رطوبت کو خشک کرنے کی تاثیر ہے اور اس بیماری میں اس کا نفع اس خاصیت کی وجہ سے ہوتا ہے اور گرم دوائیاں بھی اکثر گرم بیماریوں میں کسی خارجی وجہ سے بلکہ ذاتی طور پر فائدہ دیتی ہیں۔ ابن سینا نے بھی تالو اترنے کا علاج کٹھ اور شب یمانی کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

علاوہ ازیں اگر ہم اس کی کوئی دوسری توجیہ نہ بھی کر سکیں تو معجزہ طبی قواعد سے خارج ہوتا ہے (یعنی آپ کے معجزہ کے طور پر اللہ تعالیٰ شفاء عطا فرماتا ہے)۔

اسہال کی بیماری کا نبوی علاج

''صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں'' حضرت ابو المتوکل کی حدیث سے ہے وہ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ میرے بھائی کے پیٹ میں تکلیف ہے دوسری روایت میں ہے کہ اس نے کہا اسہال کی تکلیف ہے آپ نے فرمایا: اسے شہد پلاؤ' اس نے عرض کیا میں نے اسے شہد پلایا لیکن اس کے اسہال میں اضافہ ہو گیا ہے آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا اور تمہارے بھائی کا پیٹ جھوٹا ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۶۸۴۔۵۷۱۶' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۹۱' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۰۸۲' مسند احمد ج ۳ ص ۱۹۔۹۲' المستدرک ج ۴ ص ۴۰۲' السنن الکبریٰ ج ۹ ص ۳۴۴' دلائل النبوۃ ج ۶ ص ۱۶۳' الدر المنثور ج ۴ ص ۱۲۳ کنز العمال رقم الحدیث: ۲۸۱۷۰)

(قرآن مجید میں ہے ''فیه شفاء للناس'' ''اس (شہد) میں لوگوں کے لئے شفاء ہے)۔

''صحیح مسلم کی'' روایت میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے اسے تین بار فرمایا پھر چوتھی مرتبہ آیا تو فرمایا اسے شہد پلاؤ' اس نے عرض کیا میں نے اسے پلایا ہے لیکن اس کے اسہال میں اضافہ ہوا ہے آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا ہے۔[1]

امام احمد رحمہ اللہ نے یزید بن ہارون سے نقل کیا کہ چوتھی مرتبہ فرمایا: اسے شہد پلاؤ راوی فرماتے ہیں میرا خیال ہے کہ اس نے اسے پلایا تو وہ ٹھیک ہو گیا۔

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا اور تیرے بھائی کے پیٹ نے جھوٹ کہا۔

خطابی وغیرہ کہتے ہیں کہ اہل حجاز خطاء کے مقام پر کذب یعنی جھوٹ کا لفظ بولتے ہیں کہا جاتا ہے'' کذب سمعک یعنی تیرے سننے میں غلطی ہوئی'' اور جو کچھ کہا گیا وہ اس کی حقیقت کا ادراک نہ کر سکا پس ''کذب بطن اخیک'' (تیرے بھائی کے پیٹ نے خطا کی) یعنی وہ اس شفاء کو قبول کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا بلکہ وہ خطا کر گیا۔

امام رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

شاید نبی اکرم ﷺ کو وحی کے نور سے معلوم ہو گیا ہو کہ یہ شہد عنقریب اس کے بعد اس شخص کو نفع دے گا تو جب فی الحال نفع نہ دیا حالانکہ حضور علیہ السلام جانتے تھے کہ اس کا بعد اس کا نفع ظاہر ہو گا تو یہ خطا کے قائم مقام ہوا اس لئے آپ نے یہ الفاظ استعمال فرمائے کہ تمہارے بھائی کے پیٹ نے جھوٹ کہا۔

بے دینوں کا اعتراض اور جواب

بعض بے دین کہتے ہیں کہ شہد مسہل ہے تو یہ اسہال والے کو کیسے فائدہ دے سکتا ہے؟

تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ اعتراض کرنے والا جاہل ہے بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کے اس قول کا مصداق ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

[1] مطلب یہ ہے کہ قرآن مجید میں جو کچھ فرمایا وہ سچ ہے لیکن اس شخص کا مزاج اسے قبول نہیں کرتا۔

بَلْ كَذَّبُوْا بِمَا لَمْ يُحِيْطُوْا بِعِلْمِهٖ. [1] بلکہ انہوں نے اس چیز کو جھٹلایا جس کے علم کا احاطہ نہ کیا۔
(یونس:۳۹)

حکماء واطباء اس بات پر متفق ہیں کہ ایک بیماری کا علاج' عمر' عادت' زمانے' مانوس غذا' تدبیر اور قوت طبعی کے اعتبار سے مختلف ہو جاتا ہے نیز اسہال کی کئی قسمیں ہیں۔

ان میں سے ایک ہیضہ ہے جو معدے کی خرابی سے پیدا ہوتا ہے اور اس پر اتفاق ہے کہ اس کا علاج یہ ہے کہ کوئی دوائی استعمال نہ کی جائے (کوئی قابض چیز استعمال نہ کی جائے تا کہ معدے میں فاسد مادے رک نہ جائیں) اور اگر کسی مُسہل چیز کی ضرورت ہو تو اس وقت دی جائے جب تک بیمار میں قوت ہو پس اس شخص کا پیٹ ان فاسد مادوں کی وجہ سے خراب تھا جو اس کے معدے میں جمع تھے تو نبی اکرم ﷺ نے شہد تجویز فرمایا تا کہ معدے کے کناروں میں جمع فضول مادے خارج ہو جائیں جو غذا کو معدے میں ٹھہرنے نہیں دیتے اور معدے کے چھوٹے چھوٹے ریشے ہوتے ہیں جس طرح تولیے کے ہوتے ہیں پس جب ان کے ساتھ مل جانے والے اخلاط (بلغم وغیرہ) مل جاتے ہیں تو وہ اس (معدے) کو خراب کر دیتے ہیں اور اس تک پہنچنے والی غذا بھی فاسد ہو جاتی ہے لہٰذا اس کا علاج یہ ہے کہ ایسی دوا استعمال کی جائے' جو ان اخلاط کو ہٹا دے اور اس سلسلے میں شہد کی طرح کوئی (مفید) چیز نہیں ہے خصوصاً جب اس کے ساتھ گرم پانی ملا ہوا ہو اور پہلے مرحلے میں اس کا فائدہ نہیں ہوتا کیونکہ دوائی کے لئے ضروری ہے کہ اس کی مقدار دوائی کے مطابق ہو اگر دوائی کم ہوگی تو مکمل طور پر بیماری کا خاتمہ نہیں ہوگا اور اگر بیماری سے بڑھ جائے تو طاقت کو کمزور کر دے گی یا کوئی دوسرا نقصان پیدا کرے گی۔

پس گویا اس نے پہلے اس مقدار میں شہد پیا جو بیماری کو دور کرنے کے لئے کافی نہ تھا تو نبی اکرم ﷺ نے دوبارہ پینے کا حکم دیا جب کئی بار پیا اور بیماری کے مطابق مقدار پائی گئی تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے ٹھیک ہو گیا۔

نبی اکرم ﷺ کے ارشاد گرامی "تمہارے بھائی کے پیٹ نے جھوٹ بولا (خطا کی)" میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ یہ دوا نفع بخش ہے اور بیماری کا باقی رہنا شفاء میں دوائی کی کوتاہی کے باعث نہیں بلکہ فاسد مادے کے کثرت کی وجہ سے ہے یہی وجہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے بار بار شہد پینے کا حکم دیا تا کہ اس کا معدہ فاسد مادے سے خالی ہو جائے۔

بعض حضرات کہتے ہیں کہ شہد بعض اوقات رگوں کی طرف جلدی جاتا ہے اور غذا کا زیادہ حصہ اس کے ساتھ نکلتا ہے تو پیشاب کو گول کرتا ہے لہٰذا یہ قابض ہوتا ہے اور بعض اوقات معدے میں رہتا ہے اور آگ کی طرح تاثیر کرتا ہے (گرم کرتا ہے) حتیٰ کہ کھانے کو پھینکتا ہے اور پیٹ کو نرم کرتا ہے تو مُسہل ہوتا ہے۔

پس اس کے مُسہل ہونے کا مطلقاً انکار کرنا منکر کی کم فہمی ہے۔

ابن جوزی نے کہا: نبی اکرم ﷺ نے اسہال کی بیماری والے کے لئے شہد تجویز فرمایا تو اس میں چار قول ہیں:

[1] یعنی جس طرح مشرکین نے اللہ تعالیٰ کے قرآن کا انکار کرنے میں جلدی کی اسی طرح ان لوگوں نے سمجھنے کے بغیر اس کا انکار کرنے میں جلدی کی۔ (زرقانی ج ۷ ص ۱۲۱)

(۱) آیتِ کریمہ کو شفاء کے سلسلے میں اپنے عموم پر رکھا جائے اور نبی اکرم ﷺ نے اسی بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا: یعنی "فیہ شفاء للناس" (اس میں لوگوں کے لئے شفاء ہے) میں اللہ تعالیٰ سچا ہے پس جب وہ اس حکمت پر آگاہ ہوا تو اسے قبول کیا چنانچہ اللہ تعالیٰ نے شفاء عطا فرمائی۔

(۲) آپ کا اس کے لئے شہد تجویز کرنا ان لوگوں کے طریقے کے مطابق تھا کہ وہ لوگ تمام بیماریوں کا علاج شہد سے کرتے تھے۔

(۳) جس کے لئے یہ تجویز فرمایا اسے ہیضہ تھا جیسا کہ پہلے گفتگو ہو چکی ہے۔

(۴) یہ بھی احتمال ہے کہ آپ نے ان کو حکم دیا ہو کہ استعمال کرنے سے پہلے اسے پکائیں کیونکہ یہ بلغم کو گاڑھا کرتا ہے اور شاید اس نے پہلی مرتبہ پکانے کے بغیر استعمال کیا ہو۔

دوسرا اور چوتھا قول ضعیف ہیں۔ جبکہ پہلے قول کی تائید حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ہوتی ہے۔ فرماتے ہیں:

علیکم بالشفاء ین العسل و القرآن. تم پر دو شفاء دینے والی چیزیں لازم ہیں (۱) شہد اور (۲) قرآن۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۴۵۲، المستدرک ج ۴ ص ۲۰۰۔۴۰۳، السنن الکبریٰ ج ۹ ص ۳۴۴، الدر المنثور ج ۴ ص ۱۲۳، کشف الخفاء ج ۲ ص ۱۳۲، حلیۃ الاولیاء ج ۷ ص ۱۳۳، الکامل فی الضعفاء ج ۳ ص ۱۰۶۵، کنز العمال رقم الحدیث: ۲۸۱۰۳)

اس حدیث کا ابن ماجہ اور حاتم نے مرفوعاً (یعنی حضور علیہ السلام کے قول کے طور پر) نقل کیا اور ابن ابی شیبہ اور حاکم نے موقوفاً (حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے قول کے طور پر) نقل کیا اور اس کے راوی صحیح حدیث کے راوی ہیں۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا ارشاد گرامی ہے فرماتے ہیں: جب تم میں سے کسی ایک کو بیماری ہو تو اپنی بیوی سے اس کے مہر میں سے کچھ رقم بطور ہبہ حاصل کرے اور اس سے شہد خریدے پھر بارش کا پانی لے کر ملائے تو یہ نہایت خوشگوار اور مبارک دوائی ہوگی۔[1]

اسی حدیث کو ابن ابی حاتم نے اپنی تفسیر میں حسن سند کے ساتھ نقل کیا۔

اور ہم نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت کیا آپ نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص شفاء حاصل کرنا چاہے تو قرآن مجید سے ایک آیت کسی کاغذ پر لکھے اور اس کو بارش کے پانی سے دھو کر اپنی بیوی سے ایک درہم اس کی مرضی سے لے اور اس سے شہد خرید کر اسے پیئے (تو شفاء حاصل ہوگی)۔

حافظ ابن کثیر نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا یہ قول نقل کرنے کے بعد فرمایا اس (شفاء) کی کئی وجوہ ہیں۔

ارشاد خداوندی ہے:

وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْآنِ مَا هُوَ شِفَاءٌ اور ہم قرآن مجید سے وہ کچھ اتارتے ہیں جو شفاء ہے۔ (الاسراء: ۸۲)

---

[1] اس کے مبارک ہونے کی وجہ یہ ہے کہ شہد کے بارے میں ارشاد خداوندی ہے "فِيهِ شِفَاءٌ لِّلنَّاسِ" اور بارش کے بارے میں ہے "وَنَزَّلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً مُّبَارَكًا" ہم نے آسمان سے برکت والا پانی اتارا"۔ (زرقانی ج ۷ ص ۱۲۳)

اور فرمایا:

وَنَزَّلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً مُّبٰرَكًا. (ق:۹) — اور ہم نے آسمان سے مبارک پانی اتارا۔

اور ارشاد خداوندی ہے:

فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَیْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوْهُ هَنِیْٓــًٔا مَّرِیْٓــًٔا. (النساء:۴) — اگر وہ اس (مہر) میں سے اپنی خوش دلی سے تمہیں دیں تو اسے خوشگوار طریقے سے کھاؤ۔

اور شہد کے بارے میں فرمایا:

فِیْهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ. (النحل:۶۹) — اس میں لوگوں کے لئے شفاء ہے۔

جلاب کے سلسلے میں طب نبوی

''جامع ترمذی اور سنن ابن ماجہ میں ہے'' حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں نبی اکرم ﷺ نے پوچھا تم کس چیز سے جلاب لیتی ہو؟ انہوں نے عرض کیا: ''شبرم'' کے ساتھ آپ نے فرمایا: گرم ہے گرم ہے نقصان دہ ہے نقصان دہ ہے (وضاحت آگے آرہی ہے) اس کے بعد انہوں نے عرض کیا کہ میں سنا کے ساتھ جلاب لیتی ہوں تو آپ نے فرمایا: اگر کسی چیز میں موت سے شفاء ہوتی تو سنا میں ہوتی۔ امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ حدیث غریب ہے۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث:۲۰۸۱ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۳۴۶۱ السنن الکبریٰ ج۹ص۳۴۷ کنز العمال رقم الحدیث:۲۸۲۶۸)

امام بخاری رحمہ اللہ نے ''اپنی تاریخ کبیر میں'' حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا کی حدیث سے اس کی مثل روایت نقل کی جو امام ترمذی نے نقل کی ہے۔

ابو محمد الحمیدی نے ''الطب میں'' نقل کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: شبرم سے بچو یہ گرم ہے گرم ہے نقصان دہ ہے نقصان دہ ہے اور تم پر سنا کو اختیار کرنا لازم ہے[1] اس سے علاج کرو اگر موت کو کوئی چیز دور کرسکتی تو سنا دور کرتی۔

عبدالحق اشبیلی نے اپنی کتاب ''الطب النبوی'' میں نقل کیا کہ محاسبی نے اپنی کتاب ''القصد الی اللہ'' میں ذکر کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے کھجور کے ساتھ سنا کو نوش فرمایا۔

''سنن ابن ماجہ میں'' حضرت ابراہیم بن ابی عبلہ کی روایت سے ہے' فرماتے ہیں میں نے حضرت عبداللہ بن حرام رضی اللہ عنہ سے سنا اور وہ ان لوگوں میں سے ہیں جنہوں نے نبی اکرم ﷺ کے ہمراہ دونوں قبلوں کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی ہے' نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: (الاصابہ ج۴ص۵۶)

علیکم بالسنا والسنوت فان فیھما شفاء من کل داء الا السام قیل یا رسول اللہ ﷺ وما السام قال الموت. — آپ نے فرمایا: سنا اور سنوت سے علاج کرو ان دونوں میں سام کے علاوہ ہر بیماری کا علاج ہے عرض کیا گیا یارسول اللہ! سام کیا ہے؟ فرمایا: موت۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۳۴۵۷ المستدرک ج۴ص۲۰۱ کنز العمال رقم الحدیث:۲۸۲۷۱۔۲۸۳۶۷)

---

[1] عربی اور فارسی میں اسے سنا مکی کہتے ہیں اس کا پودہ نصف گز تک لمبا اور جنگلی نیل کے مشابہ ہوتا ہے' اس کا پتہ مہندی کے پتے کی طرح اور پھول کسی قدر نیل گوں ہوتے ہیں' اس کے پتے دواء میں استعمال کئے جاتے ہیں۔

(اطباء یا محدثین) فرماتے ہیں "شبرم" ۱ ایک درخت کی جڑ کا چھلکا ہے اور یہ چوتھے درجہ میں گرم خشک ہے اور یہ ان دوائیوں میں سے ہے جن کے استعمال سے اطباء نے منع کیا ہے کیونکہ اس میں خطرہ ہے اور بہت زیادہ اسہال ہے۔ (تحفۃ الاحوذی)

اور سنا ایک حجازی بوٹی ہے اور اس میں سے افضل سنا مکی ہے یہ دوا شریف ضرر سے محفوظ اور اعتدال کے قریب ہے یہ گرم خشک ہے پہلے درجہ میں ہے صفرا یا سوداء کو پتلا کرتی ہے اور دل کو قوت دیتی ہے یہ اس کی فضیلت شریفہ ہے اور اس کا ایک فائدہ یہ ہے کہ سوداوی وسوسوں سے بچاتی ہے (یعنی سودا کی وجہ سے پیدا ہونے والے وسوسوں سے فائدہ دیتی ہے)۔

امام رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں سنا اور ساترج (ایک خون صاف کرنے والی دوا جسے شاہ ترہ کہتے ہیں) جلے ہوئے اخلاط کو پتلا کرتے ہیں اور کھجلی اور خارش میں فائدہ دیتے ہیں۔ اور ان دونوں میں سے ہر ایک چار سے سات درہم تک پیا جائے (مزاج کے مطابق ہو)۔

سنوت کے بارے میں کہا گیا ہے کہ یہ شہد ہے اور ایک قول کے مطابق گھی کی کپی سے نکلنے والا شیرہ جو گھی پر سیاہ لکیروں کی صورت میں نکلتا ہے۔

اور کہا گیا ہے کہ یہ ایک دانہ ہے جو زیرے کے مشابہ ہے لیکن کمون نہیں' بعض نے کہا کمون کرمانی ہے یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے سونف مراد ہیں اور ایک قول یہ ہے کہ یہ سویہ کا ساگ ہے یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ شہد ہے جو گھی کے (مشک) برتن میں ہو۔

بعض اطباء نے کہا کہ معنوی اعتبار سے یہ زیادہ لائق اور درستگی کے زیادہ قریب ہے یعنی سنا کو کوٹ کر اس کو شہد میں ملایا جائے جس میں گھی ملا ہوا ہے اور پھر اسے چاٹا جائے' خالی سنا کو استعمال کرنے سے یہ طریقہ زیادہ بہتر ہے کیونکہ اس میں شہد اور گھی ہے جو سنا کی اصلاح کرتا اور اسہال پر اس کا مددگار ہے۔

دل کی تکلیف کا نبوی علاج

جس آدمی کے دل میں تکلیف ہو اسے "مفؤود" کہتے ہیں جس طرح پیٹ میں درد ہو تو اسے "مبطون" کہا جاتا ہے۔

امام ابوداؤد نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے نقل کیا وہ فرماتے ہیں میں بیمار ہوا تو نبی اکرم ﷺ میرے پاس عیادت کے لئے تشریف لائے آپ نے اپنا دست مبارک میرے سینے پر رکھا حتی کہ میں نے اس کی ٹھنڈک اپنے دل میں محسوس کی آپ نے فرمایا: تمہارے دل میں تکلیف ہے تم حارث بن کلدہ متوفی ۵۰ھ (الاعلام ج ۲ ص ۱۵۷' طبقات الاطباء ج ۱ ص ۱۰۹' المؤتلف والمختلف ص ۱۷۲) کے پاس جاؤ وہ بنو ثقیف کا ایک فرد ہے اور علاج کرتا ہے وہ مدینہ طیبہ کی سات کھجوریں لے کر ان کو گٹھلیوں سمیت کوٹے پھر ان کو پلائے۔ (یعنی طریقہ خود نبی اکرم ﷺ نے بتایا اور علاج کرنے کا حکم حارث بن کلدہ کو دیا)۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۸۷۵' مشکوۃ المصابیح رقم الحدیث: ۴۲۲۴' کنز العمال رقم الحدیث: ۲۸۱۹۹)

---

۱ اطباء کی کتابوں میں ہے کہ شبرم ایک شیر دار بوٹی ہے اس کا درخت سیدھا باریک' گرہ دار اور روئیں دار ہوتا ہے یہ تقریباً ایک ہاتھ اونچا ہوتا ہے۔

اس حدیث میں عام لوگوں کو خطاب ہے لیکن خاص لوگ مراد ہیں جس طرح اہلِ مدینہ اور اس کے اردگرد والے اور مدینہ طیبہ والوں کے لئے کھجوریں اسی طرح ہیں جس طرح دوسروں کے لئے گندم وغیرہ ہے پلانے کے لئے ''اللدود'' کا لفظ استعمال ہوا جس کا مطلب منہ کی ایک جانب سے پلانا ہے۔

اور کھجور میں اس بیماری کے لئے عجیب خاصیت ہے بالخصوص مدینہ طیبہ والوں کے لئے اور وہ عجوہ (عمدہ) کھجور اور سات کھجوروں کا ہونا مزید خاصیت کا حامل ہے جس کا ادراک وحی سے ہوا۔

صحیح بخاری و مسلم میں ہے:

مَنْ تَصَبَّحَ بِسَبْعِ تَمَرَاتِ عَجْوَةٍ مِنْ تَمْرِ الْعَالِيَةِ لَمْ يَضُرُّهُ فِي ذٰلِكَ الْيَوْمِ سُمٌّ وَلَا سِحْرٌ۔[1]

جو شخص صبح کے وقت مدینہ طیبہ کے بلند مقام کی سات عجوہ کھجوریں کھائے اسے اس دن کوئی زہر اور جادو نقصان نہیں پہنچائے گا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۴۴۵۔۵۷۶۸۔۵۷۶۹۔۵۷۷۹، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۵۵، سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۳۸۷۶، مسند احمد ج ۱ ص ۱۸۱۔۱۸۶، السنن الکبریٰ ج ۹ ص ۳۴۵، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۷ ص ۳۷۶، مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۳۱۹۰)

السر کا نبوی علاج

''صحیح بخاری میں'' مرفوعاً مروی ہے:

عليكم بهذا العود الهندي فان فيه سبعة اشفية منها ذات الجنب.

تم پر یہ گٹھ لازم ہے کیونکہ اس میں سات شفائیں (یعنی سات بیماریوں سے شفاء ہے) ان میں سے ایک السر ہے۔

''جامع ترمذی میں'' حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

تداووا من ذات الجنب بالقسط البحري والزيت.

نمونیہ کا علاج بحری گٹھ اور زیتون سے کرو۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۰۷۹، السنن الکبریٰ ج ۹ ص ۳۴۶، اتحاف السادۃ المتقین ج ۹ ص ۵۳، کنز العمال رقم الحدیث: ۲۸۱۸۷)

جان لو کہ ذات الجنب ایک گرم ورم ہے جو اعضاء کے اندر یعنی چمڑے کے نیچے ہوتا ہے اور بعض اوقات پہلو کے کناروں میں گیس بھر جاتی ہے جو چمڑے اور گوشت کے درمیان سینے اور پسلیوں میں رک جاتی ہے جس سے درد پیدا ہوتا ہے۔

پہلی صورت یعنی ورم ذات الجنب حقیقی ہے جس پر اطباء نے گفتگو کی ہے وہ کہتے ہیں اس کی وجہ سے پانچ بیماریاں پیدا ہوتی ہیں۔ بخار، کھانسی، کھجلی، سانس کی رکاوٹ اور رگوں کی حرکت۔

ذات الجنب کو پسلیوں کا درد بھی کہا جاتا ہے اور یہ خطرناک مرض ہے کیونکہ یہ دل اور جگر کے درمیان پیدا ہوتی ہے اور یہ تمام بیماریوں میں بری بیماری ہے اور یہاں ذات الجنب سے ریح (بادی) کی بیماری مراد ہے کیونکہ گٹھ ہی سے سخت ریح

[1] نبی اکرم ﷺ نے اس کھجور کے لئے دعا فرمائی اس لئے اس میں یہ تاثیر ہے نیز آپ نے اسے خود اپنے دست مبارک سے لگایا اور یہ بات زیادہ بہتر ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

کا علاج کیا جاتا ہے۔

ابن قیم نے المسیحی سے نقل کیا کہ اس نے کہا کٹھ گرم خشک قابض ہے اور یہ پیٹ (کے اسہال) کو روک دیتی ہے نیز اعضاء باطنہ کو مضبوط کرتی ہے ریح کو نکالتی بند راستوں کو کھولتی ہے اور زائد رطوبت کو لے جاتی ہے ذات الجنب بیماری کے لئے نفع بخش اور دماغ کے لئے عمدہ ہے۔

المسیحی نے کہا کہ حقیقی ذات الجنب کے لئے بھی مفید ہے جب وہ بلغمی مادے سے پیدا ہو خصوصاً جب کہ بیماری انحطاط پذیر ہو۔

استسقاء کا نبوی علاج

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں قبیلہ عرینہ اور قبیلہ عکل کا ایک گروہ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو انہیں مدینہ طیبہ کی ہوا موافق نہ آئی پس انہوں نے نبی اکرم ﷺ سے شکایت کی تو آپ نے فرمایا: تم صدقہ کے اونٹوں کی طرف جاؤ اور ان کے دودھ اور پیشاب پیو۔

چنانچہ جب وہ ٹھیک ہو گئے تو انہوں نے چرواہوں کو قتل کیا اور اونٹوں کو لے گئے اس طرح انہوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ سے لڑائی کی۔ نبی اکرم ﷺ نے کچھ افراد کو ان کے پیچھے بھیجا تو ان کو پکڑ کر ان کے ہاتھ اور پاؤں کاٹے گئے نیز ان کی آنکھوں میں گرم سلائیں پھیری گئیں اور انہیں دھوپ میں ڈالا گیا حتیٰ کہ وہ مر گئے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۵۰۱ شرح السنہ ج ۱۰ ص ۲۵۶ الاحکام النبویہ ج ا ص ۳۹)

استسقاء ایک ایسی بیماری ہے جس کا سبب عجیب ٹھنڈا مادہ ہے جو اعضاء میں داخل ہو کر وہاں پرورش پاتا ہے یا تو وہ تمام ظاہری اعضاء میں ظاہر ہوتا ہے یا ان جگہوں میں جو خالی ہوتی ہے اور جہاں غذا اور چاروں اخلاط بلغم، خون، صفراء اور سوداء کی تدبیر ہوتی ہے۔

استسقاء کی تین قسمیں ہیں۔

(۱) لحمی: یہ سب سے زیادہ سخت ہے اور اس کے ساتھ پورے جسم کا گوشت بڑھتا ہے اور اس کے ساتھ بلغمی مادہ اور خون بھی پھیلتا ہے۔

(۲) زقی: یہ وہ ہے کہ پیٹ کے نچلے حصے میں ردی پانی والا مادہ جمع ہوتا ہے جب حرکت ہوتی ہے تو حرکت کی آواز آتی ہے جس طرح مشک میں پانی ہو۔ اکثر اطباء کے نزدیک یہ سب سے گھٹیا قسم ہے۔

(۳) طبلی: اس صورت میں ریاحی مادہ کے ساتھ پیٹ پھول جاتا ہے جب پیٹ پر کوئی چیز ماری جائے تو طبل (ڈھول) کی طرح آواز آتی ہے۔

نبی اکرم ﷺ نے ان لوگوں کو اونٹوں کا دودھ اور پیشاب پینے کا حکم اس لئے دیا تھا کہ خالص دودھ میں سدوں کو نرم کرنے اور صفائی کی تاثیر ہوتی ہے کیونکہ وہ اونٹ شیح، قیصوم، بابونج، اقحوان اور اذخر وغیرہ (بوٹیاں اور گھاس) کھاتے تھے اور یہ بوٹیاں استسقاء کے لئے مفید ہیں خصوصاً جب ان کی اس حرارت کے ساتھ استعمال کیا جائے جس کے ساتھ دودھ تھنوں سے نکلتا ہے اور اس کے ساتھ اونٹ کے بچے کا پیشاب بھی ہو۔ تو یہ گرم ہوتا ہے جس طرح حیوان سے نکلتا ہے

اس سے دودھ کے کھار اپن زائد مادوں کے خاتمے اور پیٹ کے کھلنے میں اضافہ ہوتا ہے۔ 1

معدے کی کمزوری کا علاج

معدے کی کمزوری کے حوالے سے ابن حاج نے "المدخل میں" لکھا ہے کہ ایک شخص معدے کی بیماری میں مبتلا ہوا تو شیخ جلیل ابو محمد مرجانی رحمہ اللہ نے نبی اکرم ﷺ کی زیارت کی اور آپ اس دوا کی طرف اشارہ فرما رہے تھے وہ اس طرح کہ ہر دن نہار منہ ایک روپیہ کے برابر گلاب کا مربہ (گلقند جس میں مصطگی (سفید رومی گوند) ملائی گئی ہو اور اسے کوٹا گیا ہو اور اس میں کلونجی کے سات دانے ڈالے جائیں' سات دن اس طرح کرے تو ٹھیک ہو جائے گی۔

ایک شخص معدے کی ٹھنڈک کی وجہ سے بیمار ہو گیا تو شیخ مرجانی نے ہی نبی اکرم ﷺ کی زیارت کی آپ نے یوں اشارہ دیا کہ نصف اوقیہ (ڈیڑھ اونس) شہد لیا جائے دو درہم وزن کے برابر کلونجی اور اس کی مثل رومی سونف اسی مقدار میں سبز پودینہ نصف درہم کے برابر لونگ اور اسی مقدار میں انار کا چھلکا اور کچھ لیموں کا چھلکا لیں اس میں تھوڑا سا سرکہ ملا کر اسے آگ پر پکائیں چنانچہ وہ اس کے استعمال سے صحت یاب ہو گیا۔ ایک دوسرے شخص کو مسلسل ریح کی شکایت ہوئی تو شیخ مرجانی نے نبی اکرم ﷺ کو دیکھا آپ نے اس دوا کا اشارہ دیا تین درہم کے برابر کلونجی' خزامی (خوشبودار پھولوں والا پودا) سے اڑھائی درہم کا وزن' سفید زیرہ تین درہم کے برابر اس کے برابر شامی پودینہ (پہاڑی پودینہ) اور اس کی مثل علیا ایک درہم کا وزن بیتا سپاری (ایک پہاڑی درخت کا پھل ہے) اور یہ دل کا پھل ہے ایک اوقیہ (تین اونس) زیتون کا تیل دم کیا ہوا لے کر اس میں اسی حساب سے شہد ڈالا جائے یعنی رطل (آدھ کلو) کا چوتھا حصہ ڈالا جائے۔ اور اس سے صبح نہار منہ دو درہم کے برابر اور سوتے وقت ڈیڑھ درہم کے برابر استعمال کریں پس انہوں نے اسے یہ دوائی استعمال کروائی تو مریض ٹھیک ہو گیا پھر نبی اکرم ﷺ نے اس شخص سے فرمایا جسے اس دوائی کی خبر دی تھی کہ یہ دوائی ان بیماریوں کے لئے بھی مفید ہے۔

ریح' مسلسل ہوا کا خارج ہونا' معدہ اور اس کی ٹھنڈک' دل کے درد' حیض کی تکلیف' نفاس کی تکلیف اور ہوا کا رک جانا۔

زیتون کے تیل کو دم کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ زیتون کا کچھ پاک تیل لے کر اس کو پاک برتن میں ڈالو اور پھر کسی لکڑی سے ہلاتے رہو اور اس پر سورۂ اخلاص اور معوذتین (قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ' قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ دونوں سورتیں) پڑھو نیز لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ (التوبہ:۱۲۸) اور نُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ (الاسراء:۸۲) اور اس کے علاوہ لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ (الحشر:۲۱) سورت کے آخر تک پڑھو (یہ "زیت مرقی یعنی دم کیا ہوا تیل ہے")۔

ایک دوسرے شخص کو قولنج کا درد ہوا تو اسے اس دوائی کا اشارہ دیا کہ تین درہم کے برابر شہد لے ڈیڑھ درہم کے برابر دم کیا ہوا زیتون کا تیل لے اور کلونجی کے اکیس دانے لے کر ان کو باہم ملائے اس سے ناشتہ کرے (نہار منہ کھائے) اسی

1۔ نبی اکرم ﷺ کو وحی کے ذریعے معلوم ہوا کہ ان لوگوں کا علاج یہی ہے اب کسی کے لئے پیشاب پینا جائز نہیں چاہے علاج کے طور پر استعمال کرے۔ ۱۲ ہزاروی

طرح سوتے وقت بھی کرے یہ عمل مسلسل کرے حتیٰ کہ ٹھیک ہو جائے نیز اس شخص کے لئے تلبینہ بنایا جائے اور اسے اس (پہلی) دوائی کے بعد استعمال کرے تلبینہ ایک پتلی غذا ہے (جیسے دلیا وغیرہ) آٹے یا چھان بورے سے بنائی جاتی ہے بعض اوقات اس میں شہد بھی ڈالتے ہیں۔

اور اس کی غذا مرغی کے گوشت کے ٹکڑے یا بکری کا گوشت ہو۔ اس نے یہ عمل کیا تو ٹھیک ہو گیا حالانکہ حکیم لوگ اس کے علاج سے عاجز آ چکے تھے۔

ایک اور آدمی کی پیٹھ میں درد ہو گیا تو اس نے شیخ سے شکایت کی انہوں نے نبی اکرم ﷺ کو (خواب میں) دیکھا کہ آپ اس دوائی کی طرف اشارہ فرما رہے ہیں (شہد کی) مکھیوں کا شہد' کلونجی' اگر کی لکڑی کا تیل' دم کیا ہوا زیتون کا تیل اور انڈے کی سفیدی لے کر سب کو ملائے اور اس (تکلیف والی) جگہ پر لگائے اس پر چھلکے والی مسور کی دال کا لیپ کرے اور پہلے اس کو سپند (کالا دانہ) کے ساتھ ملا کر خوب کوٹے حتیٰ کہ آٹے کی طرح ہو جائے چنانچہ اس شخص نے یہ عمل کیا تو وہ ٹھیک ہو گیا۔

کسی نے سر چکرانے کی شکایت کی تو شیخ نے نبی اکرم ﷺ کو خواب میں دیکھا آپ نے اس دوائی کی طرف اشارہ فرمایا: لونگ' سونٹھ' انار کے چھلکے (دارچینی کی ایک قسم جسے رنج کہتے ہیں) اچھے اخروٹ اور بانچھڑ۔ ان میں سے ہر ایک ڈیڑھ درہم کے برابر ہو اور دو درہم کے برابر کلونجی لے کر ان تمام چیزوں کو کوٹا جائے پھر پکا کر شہد ملائیں جب اچھی طرح خشک ہو جائے تو اس پر کچھ لیموں نچوڑا جائے پس شہد غالب ہو گا۔ اس شخص نے اس طرح کیا تو وہ ٹھیک ہو گیا۔

اگرچہ یہ بات خواب کے ذریعے حاصل ہوئی لیکن تجربہ نے اس کو تقویت دی پھر اس کے ساتھ ساتھ شیخ مرجانی کا ارشاد بھی ہے۔

عرق النساء کا نبوی علاج

''عرق النساء'' میں نون اور سین پر زبر ہے اور یہ بیماری رگ میں ہوتی ہے اس میں اضافت کسی چیز کی اس کے محل کی طرف اضافت کی طرح ہے کہا گیا ہے کہ اسے عرق النساء کہنے کی وجہ یہ ہے کہ اس درد کی وجہ سے باقی سب کچھ بھول جاتا ہے اور یہ رگ سرین کے جوڑ سے لے کر پاؤں کے آخر تک یعنی ٹخنوں کے پیچھے ہوتی ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' فرماتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: عرق النساء کا علاج یہ ہے کہ دیہاتی بکری کی چکی کا پانی نکالا جائے پھر اس کے تین حصے کر کے ہر دن نہار منہ تہائی حصہ پی لے۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۴۶۳' الاحکام النبویہ ج ۱ ص ۷۰)

یہ دوا عرب' اہلِ حجاز اور اس سے متصل علاقوں کے لوگوں کے لئے ہے اور یہ ان لوگوں کے لئے زیادہ نفع بخش ہے کیونکہ یہ بیماری خشکی سے پیدا ہوتی ہے اور بعض گاڑھے لیس دار مادے سے پیدا ہوتی ہے لہٰذا اس کا علاج اسہال ہیں اور چکی میں دو خصوصیتیں ہیں پکانا اور نرم کرنا اور اس بیماری کا علاج ان دو چیزوں کا محتاج ہے (کہ وہ مادہ پک کر نرم ہو اور اسہال کی صورت میں نکلے)۔

دیہاتی بکری کا انتخاب اس لئے ہے کہ اس میں فضول اور زائد چیزیں کم ہوتی ہیں اس کی مقدار کم ہوتی ہے اور اس کا

جوہر لطیف ہوتا ہے نیز اس کی چراگاہ کو بھی خصوصیت حاصل ہے کیونکہ وہ خشکی کا گرم گھاس کھاتی ہے جیسے شیخ اور قیصوم (نامی) گھاس وغیرہ جب جانور یہ گھاس کھاتا ہے تو اس کے گوشت میں اس کی طبیعت اثر انداز ہوتی ہے۔

ورم اور پھوڑوں کا علاج نبوی

چیر پھاڑ کے ذریعے علاج کرنا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' فرماتے ہیں میں نبی اکرم ﷺ کے ہمراہ ایک شخص کی عیادت کے لئے گیا جس کی پیٹھ میں ورم تھا ان لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! ﷺ یہ ایک مدت سے ہے آپ نے فرمایا: اس کو چیر دو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں وہ ٹھیک نہ ہوا جب تک چیر پھاڑ نہ کی اور نبی اکرم ﷺ موجود تھے۔ (الاحکام النبویہ ج ۱ ص ۱۶۰)

رگیں کاٹنے اور داغنے کے ذریعے علاج

''صحیح بخاری و مسلم میں'' حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے پاس ایک طبیب بھیجا تو اس نے آپ کی رگ کاٹی اور اس پر داغ لگایا (اس طرح خون بند کیا)۔

''صحیح مسلم میں'' حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے بازو (کی رگ) میں تیر لگا تو نبی اکرم ﷺ نے اسے داغ دیا (تاکہ خون بند ہو جائے)۔

امام طحاوی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا اور امام حاکم نے اسے صحیح قرار دیا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں نبی اکرم ﷺ کے زمانے میں حضرت ابوطلحہ نے مجھے داغا۔

امام ترمذی نے یوں نقل کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے حضرت سعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ کو سرخ پھنسی کی وجہ سے داغ دیا۔

امام مسلم نے حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے وہ فرماتے ہیں مجھے (فرشتوں کی طرف سے) سلام کیا جاتا تھا حتیٰ کہ میں نے داغ لگوایا تو یہ (سلام) چھوڑ دیا گیا پھر میں نے داغ لگانا چھوڑا تو سلام کا سلسلہ دوبارہ شروع ہوا۔

ایک اور روایت میں ہے کہ مجھ سے جو بات ختم ہوئی تھی دوبارہ واپس آ گئی یعنی فرشتوں کا سلام کرنا۔

امام احمد' ابوداؤد اور ترمذی نے حضرت عمران رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے داغ لگانے سے منع فرمایا پس ہم نے داغ لگایا تو ہمیں کامیابی نہ ہوئی۔ [1]

داغ اس صورت میں لگایا جاتا ہے جب خون زیادہ نکلنے لگے اور اس کے مادہ کو داغ لگانے کے بغیر روکا نہ جا سکے اسی لئے نبی اکرم ﷺ نے اس کی تعریف کی پھر اس سے روک دیا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۶۸۰) [2]

---

[1] انہوں نے حضور علیہ السلام کے منع کرنے کے باوجود داغ اسی لئے لگوائے ہوں گے کہ شاید حرام نہ ہو بلکہ مکروہ تنزیہی یا خلاف اولیٰ ہو (زرقانی ج ۷ ص ۱۳۳)۔

[2] آپ نے فرمایا: تین چیزوں میں شفاء ہے شہد پینا' سینگی لگوانا اور آگ سے داغنا اور میں اپنی امت کو داغ لگانے سے منع کرتا ہوں (کیوں کہ اس میں جسم کو اذیت پہنچانا اور بدنما کرنا ہے لہٰذا دوسرے علاج کی موجودگی میں داغنے سے علاج نہ کیا جائے۔ ۱۲ ہزاروی)

اور آپ نے اس لئے ناپسند فرمایا کہ اس میں سخت تکلیف اور بہت بڑا خطرہ ہے۔ اسی لئے اہل عرب اپنی مثالوں میں کہتے تھے داغ لگانا آخری علاج ہے۔

اس سے ممانعت کراہت یا خلاف اولیٰ پر محمول ہے کیونکہ احادیث کو جمع کرنے سے یہی نتیجہ سامنے آتا ہے۔

یہ بھی کہا گیا کہ یہ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے خاص ہے کیونکہ انہیں بواسیر تھی اور یہ خطرناک جگہ تھی پس آپ کو داغ لگانے سے منع فرمایا پس جب انہیں سخت تکلیف ہوئی تو داغ لگایا لیکن فائدہ نہ ہوا۔

ابن تیمیہ کہتے ہیں:

داغ لگانے کی دو صورتیں ہیں ایک تندرست آدمی کو داغ لگانا تاکہ وہ بیمار نہ ہو اس کے بارے میں کہا گیا ہے کہ داغ لگانے والا توکل نہیں کرتا کیونکہ وہ تقدیر کو دور کرنا چاہتا ہے اور تقدیر کو دور نہیں کیا جاسکتا۔ دوسری صورت یہ ہے کہ جب زخم خراب ہو جائے یا عضو کاٹا جائے تو داغ لگوانا۔

اس صورت میں اس کے ذریعے علاج کرنا جائز ہے اور اگر کسی ایسی بیماری کے لئے داغ لگایا جائے جس کا محض احتمال ہے تو یہ خلاف اولیٰ ہے کیونکہ اس طرح ایسے معاملے میں آگ کے ذریعے عذاب دینا ہے جو ثابت نہیں ہوا۔

حتمی نتیجہ

دونوں قسم کی احادیث کو جمع کرنے سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کا عمل، جواز پر دلالت کرتا ہے اور عمل نہ کرنا منع کرنے پر دلالت نہیں کرتا بلکہ یہ اس بات پر دلالت ہے کہ اسے اختیار کرنے کے مقابلے میں چھوڑنے کو زیادہ ترجیح ہے اسی لئے چھوڑنے والے کی تعریف کی گئی ہے۔

جہاں تک نہی کا تعلق ہے تو وہ اختیار اور مکروہ تنزیہی کے طریقے پر ہے یا اس صورت میں منع ہے جب شفاء کے لئے یہ طریقہ متعین نہ ہو۔

بعض حضرات نے فرمایا کہ نبی اکرم ﷺ نے اس سے منع کیا حالانکہ آپ نے اس میں شفاء بھی ثابت کی ہے تو منع کرنے کی وجہ یا تو یہ ہے کہ اس طرح بیماری کو روکا جاسکتا ہے پس اس وجہ سے ناپسند کیا یہی وجہ ہے کہ وہ لوگ بیماری آنے سے پہلے اس کی طرف جلدی کرتے تھے کیونکہ ان کے خیال میں یہ عمل بیماری کو روک دیتا ہے پس داغ لگوانے والا ایک خیالی بات کی وجہ سے داغ لگا کر اپنے آپ کو عذاب میں مبتلا کرتا ہے۔

''فتح الباری میں'' فرمایا کہ میں نے کسی صحیح روایت میں نہیں دیکھا کہ نبی اکرم ﷺ نے خود داغ لگوایا ہو مگر امام قرطبی نے طبری کی کتاب ''آداب النفوس'' کی طرف منسوب کرتے ہوئے کہا کہ نبی اکرم ﷺ نے داغ لگوایا۔

الحلیمی نے ان الفاظ کے ساتھ ذکر کیا۔

روایت میں ہے کہ آپ نے اس زخم کے لئے داغ لگوایا جو احد میں آپ کو لگا تھا۔ ابن حجر فرماتے ہیں صحیح روایات میں ثابت ہے کہ احد کے موقع پر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے ایک چٹائی جلا کر (راکھ سے) آپ کے زخم کو بھر دیا تھا اور یہ داغ لگانے کی معروف صورت نہیں ہے۔

طاعون کا نبوی علاج

خلیل نے کہا کہ طاعون وبا ہے۔ ابن اثیر کہتے ہیں طاعون ایک عام بیماری اور ایسی وبا ہے جس سے فضا خراب ہوتی ہے تو اس سے مزاجوں اور بدنوں میں خرابی پیدا ہوتی ہے۔

قاضی ابوبکر بن عربی نے کہا کہ طاعون ایک ایسا غالب درد ہے (تکلیف ہے) جس سے روح کمزور پڑ جاتی ہے اسے یہ نام اس لئے دیا کہ اس کے ذریعے مصیبت عام اور ہلاکت جلدی ہوتی ہے۔

ابوالولید باجی نے کہا کہ یہ بیماری بہت سے لوگوں کو کسی نہ کسی جہت سے لگتی ہے جب کہ عام معروف بیماریوں کا یہ معاملہ نہیں ہے۔

قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں: طاعون کی اصل جسم میں نکلنے والی پھنسیاں ہیں اور وبا تمام بیماریوں میں سے عام ہے پس اسے طاعون کہا گیا کیونکہ یہ ہلاکت میں اس کے مشابہ ہے۔

امام نووی رحمہ اللہ نے اپنی تصنیف "تہذیب الاسماء واللغات" میں فرمایا کہ یہ چھوٹی پھنسیاں اور ورم (سوج جانا) ہے جس سے سخت درد ہوتا ہے۔ اور یہ پھوڑے جلن کے ساتھ نکلتے ہیں اور ان کے گرد جگہ سیاہ یا سبز یا نہایت سرخ ہو جاتی ہے اور میلے بنفشہ کا رنگ پکڑتی ہے اس کے ساتھ دل مضطرب ہو جاتا ہے (خفقان پیدا ہوتا ہے) اور قے آتی ہے عام طور پر یہ جسم کے نرم حصوں اور بغلوں میں ہوتا ہے اور کبھی کبھی ہاتھوں انگلیوں اور تمام بدن میں (یہ پھنسیاں) نکلتی ہیں۔

ابن سینا نے کہا کہ طاعون ایک زہریلا مادہ ہے جو ہلاکت خیز ہوتا ہے (جسم کی) نرم جگہوں اور بغلوں میں ظاہر ہوتا ہے عام طور پر بغلوں کے نیچے یا کان کے پیچھے یا ران کے شروع ہونے کی جگہ میں ہوتا ہے۔

اس کا سبب ایک ردی قسم کا ورم ہوتا ہے جو زہریلے جوہر میں بدل جاتا ہے جس سے عضو خراب ہو جاتا ہے اور اس کے اردگرد جگہ میں تبدیلی آ جاتی ہے اس سے دل میں ایک گھٹیا قسم کی کیفیت پیدا ہوتی ہے جو قے، متلی، غشی اور خفقان کا باعث ہوتی ہے اور گھٹیا ہونے کی وجہ سے یہ ان ہی اعضاء کو قبول کرتی ہے جو فطری طور پر کمزور ہوں اور اعضاء رئیسہ میں واقع ہونے والی وباء سب سے گھٹیا ہوتی ہے اس میں جو سیاہ ہے اس کی وجہ سے بہت کم لوگ موت سے بچتے ہیں اس سے زیادہ محفوظ سرخ پھر زرد رنگ ہے۔ وبا والے علاقوں میں طاعون دوسری وبا سے زیادہ پھیلتے ہیں۔ اسی لئے طاعون کو وبا اور وبا کو طاعون کہا گیا۔ اور وبا' ہوا کے جواہر کا فساد ہوتا ہے اور یہ جواہر روح کا مادہ اور قوت ہوتے ہیں۔

حاصل مقام یہ ہے کہ طاعون کی حقیقت ایک ورم ہے جو خون کے جوش مار کر کسی عضو میں جانے سے پیدا ہوتا ہے اس کے علاوہ دوسری عمومی امراض ہوا کی خرابی کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں ان کو مجازی طور پر طاعون کہا جاتا ہے کیونکہ بیماری کے عام پھیلاؤ یا موت کی کثرت میں دونوں مشترک ہیں۔

طاعون' وباء کا غیر ہے اس پر دلیل یہ ہے کہ طاعون مدینہ طیبہ میں داخل نہیں ہوتا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: ہم مدینہ طیبہ میں داخل ہوئے تو یہ سب سے زیادہ وبا والی زمین تھی اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے فرمایا انہوں (کفار قریش) نے ہمیں وباء والی زمین کی طرف نکالا (مجبور کیا)۔[1]

---

[1] مدینہ طیبہ کی زمین میں بیماریاں تھیں لیکن سرکار دو عالم ﷺ کی برکت سے یہ زمین طیب اور پاک ہو گئی۔ ۱۲ ہزاروی

اور طاعون جنوں کے طعن (چھونے) سے ہے اور طبیب حضرات نے اسے جنوں کا طعن ہونے کی وجہ سے نہیں چھیڑا کیونکہ یہ ایسی بات ہے جس کا ادراک عقل سے نہیں ہوتا بلکہ اس کی پہچان صاحب شریعت کی طرف سے ہوتی ہے پس انہوں نے اپنے قواعد کے تقاضے کے مطابق اس کے بارے میں گفتگو کی ہے۔

اس کے شیطانی اثرات میں سے ہونے پر دلیل یہ ہے کہ یہ عام طور پر سال کے بہترین موسم (یعنی بہار کے موسم) میں ہوتا ہے نیز ان شہروں میں جن کی ہوا بہت صحیح اور پانی نہایت عمدہ ہوتا ہے۔

علاوہ ازیں اگر اس کی وجہ ہوا کا فساد ہوتا تو یہ زمین میں ہمیشہ رہتا کیونکہ ہوا کبھی خراب اور کبھی صحیح ہوتی ہے جب کہ طاعون کبھی چلا جاتا ہے اور کبھی آ جاتا ہے اور اس میں کوئی قیاس اور تجربہ کام نہیں دیتا بعض اوقات یہ ہر سال آتا ہے اور کبھی کئی سالوں تک نہیں ہوتا ہے اور اگر ہوا کی خرابی اس کا سبب ہوتی تو یہ تمام انسانوں اور حیوانوں کو اپنی لپیٹ میں لیتا لیکن مشاہدہ یہ ہے کہ زیادہ لوگ اس میں مبتلا ہوتے ہیں لیکن ان ہی لوگوں کے ہم مزاج ان کے قریب ہونے کے باوجود اس سے محفوظ رہتے ہیں۔

اور اگر یہ صورت ہوتی تو یہ بیماری تمام بدن میں پیدا ہوتی حالانکہ یہ بیماری جسم کے بعض حصوں کے ساتھ خاص ہے وہاں سے تجاوز نہیں کرتی۔

نیز ہوا کا فساد اخلاط (بلغم' سوداء وغیرہ) کی تبدیلی اور زیادہ بیماریوں کا تقاضا کرتی ہے اور یہ عام طور پر کسی مرض کے بغیر ہلاک کر دیتی ہے پس یہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ طاعون جنوں کے چھونے سے پیدا ہوتا ہے جس طرح اس کے بارے میں وارد احادیث سے ثابت ہے۔

ان احادیث میں سے ایک حدیث امام احمد اور طبرانی نے حضرت ابوبکر بن ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے وہ اپنے والد حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں میں نے نبی اکرم ﷺ سے اس کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے فرمایا: یہ تمہارے دشمنوں جنوں کی طرف سے چبھن ہے اور تمہارے لئے شہادت ہے۔

شیخ الاسلام حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ حدیث زبانوں پر جاری ہے اور "نہایہ میں" ہروی کی کتاب جو قرآن وحدیث کے غرائب (عجائب) کے بارے میں ہے' کی اتباع میں اس لفظ کے ساتھ ذکر کیا کہ تمہارے بھائیوں کی طرف سے چبھن ہے اور میں نے حدیث میں جو اسانید کے ساتھ مروی ہیں کافی تلاش کے باوجود کسی طریق میں یہ لفظ (تمہارے بھائیوں کی چبھن) نہیں پایا نہ مشہور کتب میں اور نہ اجزائے منثورہ میں (کسی ایک مسند پر مکمل کتاب جز کہلاتی ہے) بعض حضرات نے اسے مسند احمد' طبرانی یا ابن ابی الدنیا کی "کتاب الطواعین کی" طرف منسوب کیا ہے لیکن ان میں سے کسی ایک میں بھی یہ نہیں ہے۔ صحیحین میں حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے مروی ہے' فرماتے ہیں:

میں نے نبی اکرم ﷺ سے سنا آپ نے فرمایا: طاعون ایک عذاب ہے جو بنی اسرائیل کے ایک گروہ پر اور تم سے پہلے لوگوں پر بھیجا گیا جب تم کسی زمین میں اس (کی موجودگی) کے بارے میں سنو تو وہاں نہ جاؤ اور جب کسی زمین میں طاعون پھیلے اور تم وہاں موجود ہو تو اس سے بھاگتے ہوئے وہاں سے نہ نکلو۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۴۷۳_۵۷۲۸_۶۹۷۴' موطا مالک رقم الحدیث: ۸۹۶' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۹۳_۹۴' مسند احمد

ج ا ص ۱۸۳۔ ج ۵ ص ۲۱۳)

علمائے کرام نے باہر نکلنے سے متعلق نہی کے بارے میں کئی حکم ذکر کیے ہیں۔

(۱) عام طور پر طاعون کسی شہر میں پھیل جائے تو وہ سب کو اپنی لپیٹ میں لے لیتا ہے پس جب طاعون واقع ہو تو ظاہر ہے کہ اس کا سبب ان سب لوگوں سے متعلق ہو جاتا ہے جو وہاں رہتے ہیں لہٰذا بھاگنے سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا کیونکہ خرابی کا باعث جب متعین ہو جاتی کہ اس سے جدائی نہ ہو سکے تو بھاگنا بےکار ہوتا ہے پس یہ کسی عقلمند کے لائق نہیں ہے۔

(۲) جب لوگ مسلسل نکلنا شروع ہو جائیں تو جو شخص اس بیماری یا کسی دوسری بیماری کی وجہ سے عاجز ہوگا وہ ضائع ہو جائے گا کیونکہ زندہ یا مردہ کسی صورت میں بھی اس کی نگرانی کرنے والا کوئی نہیں ہوگا۔

(۳) نیز اگر لوگ نکلنا شروع ہو جائیں تو طاقتور لوگ نکل جائیں گے اور یوں کمزوروں کے دل ٹوٹ جائیں گے اور علماء کرام نے یہ بھی فرمایا کہ لڑائی سے بھاگنے پر سزا کے ذکر میں حکمت یہ ہے کہ اس میں ان لوگوں کی حوصلہ شکنی ہوتی ہے جو بھاگ نہیں سکتے اور وہ دشمن سے مرعوب ہو جاتے ہیں۔

امام غزالی رحمہ اللہ نے دونوں باتوں (نکلنے اور داخل ہونے) کو جمع کرتے ہوئے فرمایا: کہ ہوا اس اعتبار سے نقصان نہیں دیتی کہ وہ بدن کے ظاہر سے مل جاتی ہے بلکہ مسلسل ناک میں چڑھنے کی وجہ سے نقصان دہ ہے وہ دل اور پھیپھڑے تک پہنچ کر باطن میں اثر کرتی ہے اور ظاہری جسم پر اسی وقت ظاہر ہوتی ہے جب باطن میں اثر انداز ہو جاتی ہے پس جو شخص اس شہر سے نکلتا ہے جہاں یہ بیماری پھیلی ہے تو عام طور پر وہ اس سے بچ نہیں سکتا یہ اس کے اندر مستحکم ہو چکی ہے۔

اس کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی ہے کہ اگر تندرست لوگوں کو نکلنے کی اجازت دی جائے تو بیمار اس طرح باقی رہیں گے کہ ان کی تیمارداری کرنے والا کوئی نہیں ہوگا پس وہ ضائع ہو جائیں گے۔

(۴) ان احکام میں سے ایک وہ ہے جو اطباء نے ذکر کیا کہ جس جگہ وبا پھیلتی ہے وہاں رہنے والے لوگوں کے مزاجوں میں وہاں کی ہوا شامل ہو جاتی ہے اور ان کے لئے یہ اس طرح ہوتی ہے جس طرح دوسروں کے لئے صحیح فضا ہو پس اگر یہ ان جگہوں کی طرف جاتے ہیں جہاں یہ بیماری نہیں ہے تو وہ ان کو موافق نہیں آتی بلکہ جب وہاں کی ہوا ان کے ناک میں داخل ہوتی ہے تو اس کے ساتھ وہ ناقص بخارات بھی دل کی طرف جاتے ہیں جن کی وجہ سے بدن کی کیفیت بدل گئی پس وہاں سے نکلنا اس وجہ سے منع ہے۔

(۵) باہر جانے والا کہتا ہے اگر میں وہاں ٹھہرا رہتا تو مجھے بھی یہ بیماری لگ جاتی اور وہاں ٹھہرنے والا کہتا ہے اگر میں نکل جاتا تو بچ جاتا اس طرح وہ اگر مگر کا شکار ہوتا ہے جو منع ہے۔[1]

عارف ابن ابی جمرہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: کہ کسی بلا (کے نازل ہونے) سے وہاں کے رہنے والوں کا قصد کیا جاتا ہے زمین کے اس ٹکڑے کا قصد نہیں ہوتا پس جس شخص پر اللہ تعالیٰ اس وبا کو نازل کرنے کا ارادہ کرے وہ اس پر ضرور نازل ہوگی وہ جہاں بھی جائے گا یہ بیماری اسے پالے گی پس شارع علیہ السلام نے ہمیں بےفائدہ مشقت کو چھوڑنے کا حکم دیا۔

---

[1] نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ایاک و "لو" فان "لو" "من الشیطان" اپنے آپ کو "لو" یعنی اگر مگر سے بچاؤ کیونکہ یہ لفظ شیطان کی طرف سے ہے۔ مطلب یہ کہ اگر میں ایسا کرتا تو یوں ہوتا اور یہ کرتا تو وہ ہوتا وغیرہ۔

ابن قیم نے کہا کہ نبی اکرم ﷺ نے اس زمین میں داخل ہونے سے منع کیا جہاں یہ بیماری ہو اور جب کسی جگہ یہ نازل ہو تو وہاں سے نکلنے سے منع فرمایا اس طرح آپ نے دونوں کو جمع کر کے اچھی طرح بچاؤ کا راستہ بتایا کیونکہ وبا والی زمین میں داخل ہونے کی صورت میں خود اسے گلے لگانا اور اس کی قوت وشدت میں داخل ہونا اور خود اپنے خلاف اس کی مدد کرنا ہے اور یہ بات شریعت اور عقل دونوں کے خلاف ہے بلکہ اس زمین میں داخل ہونے سے بچنا وہ حفاظت ہے جس کی طرف اللہ تعالیٰ نے رہنمائی فرمائی [1] اور یہ ایذا رساں جگہوں اور موذی فضا سے بچنا ہے۔

اور اس شہر سے نکلنے سے منع کرنے کے دو معنیٰ ہیں۔

پہلی بات لوگوں کو اللہ تعالیٰ پر توکل واعتماد نیز اس کے فیصلوں پر صبر کرنے اور راضی رہنے کی ترغیب ہے۔

اور دوسری بات جو ائمہ طب نے کہی ہے کہ جو شخص وبا سے بچنا چاہتا ہے اس پر واجب ہے وہ اپنے جسم سے فضول رطوبتوں کو نکال دے غذا کم کر دے اور ایسی تدبیر کی طرف متوجہ ہو جو زائد رطوبتوں کو ہر طرح سے خشک کر دے اور وبا والی زمین سے نکل کر سفر کرنا سخت حرکت کے بغیر نہیں ہوتا اور یہ بہت زیادہ نقصان دہ ہے۔

یہ بعد کے افضل اطباء کا کلام ہے پس حدیث نبوی سے طبی معنیٰ ظاہر ہو گیا نیز اس سے دل اور بدن کا علاج اور درستگی بھی واضح ہو گئی۔

غدود کا نبوی علاج

امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی تاریخ میں نیز امام طبرانی اور بیہقی رحمہما اللہ نے بھی حضرت شرحبیل جعفی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں میں نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور میری ہتھیلی پر غدود تھی میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! اس نے مجھے تکلیف دی ہے یہ میرے اور تلوار کے قبضہ کے درمیان رکاوٹ ہے میں اسے پکڑ نہیں سکتا اسی طرح جانور کی لگام بھی نہیں پکڑ سکتا' آپ نے میری ہتھیلی پر دم کیا جس میں لعاب مبارک شامل تھا (تاکہ آپ کے لعاب مبارک کی برکت حاصل ہو) پھر اپنی ہتھیلی اس غدود پر رکھی اور اسے اپنی ہتھیلی سے مسلسل ملتے رہے حتیٰ کہ جب اس سے ہاتھ اٹھایا تو اس کا اثر دکھائی نہ دیا۔

اور نبی اکرم ﷺ نے ابیض بن جمال کے چہرے پر ہاتھ پھیرا اور انہیں قوبا ء بیماری تھی (اس سے جسم پر خارش ہوتی ہے اور چھلکے اترتے ہیں) آپ نے جس دن ہاتھ پھیرا اسی دن اس کا اثر زائل ہو گیا [2]۔ اس حدیث کو امام بیہقی رحمہ اللہ وغیرہ نے نقل کیا ہے۔ (دلائل النبوۃ ج ۶ ص ۱۷۷)

بخار اور طب نبوی

امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث نقل کی ہے وہ نبی اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا:

---

[1] ارشاد خداوندی ہے: وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ (خود اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔ البقرہ: ۱۹۵)

[2] اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب پاک ﷺ کو رحمت بنا کر بھیجا اور آپ کے جسم اقدس کو باعث شفا بنایا جس کی بے شمار مثالوں میں سے کچھ مندرجہ بالا ہیں۔ ۱۲ ہزاروی

الحمی من فیح جھنم فاطفئوھا بالماء البارد. بخار جہنم کے جوش سے ہے پس اسے ٹھنڈے پانی سے بجھاؤ۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۲۶۳ـ۲۳ـ۵۷۲۳ ، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۷۸ـ۷۹ـ۸۲ ، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۴۷۱ـ۳۴۷۳ ، مسند احمد ج ۱ ص ۲۹۱ ـ ج ۲ ص ۲۱ ، سنن الدارمی ج ۲ ص ۳۲۶ ، المستدرک ج ۴ ص ۴۰۳ ، مجمع الزوائد ج ۲ ص ۳۰۶ ، المعجم الکبیر ج ۴ ص ۳۲۶ ـ ج ۱۲ ص ۲۳۰ ، مشکل الآثار ج ۲ ص ۳۴۴ ، مشکوۃ المصابیح رقم الحدیث: ۲۵۲۵ ، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۷ ص ۴۳۸ ، حلیۃ الاولیاء ج ۷ ص ۱۶۱ ، الکامل فی الضعفاء ج ۵ ص ۱۶۸۰ ، موطا امام مالک رقم الحدیث: ۹۳۵ ، کنز العمال رقم الحدیث: ۲۸۲۳۰ـ۲۸۲۳۷)

جہنم کی طرف اس کی نسبت میں اختلاف ہے کہا گیا ہے کہ یہ حقیقت ہے اور بخار میں مبتلا شخص کے جسم میں جو تپش ہوتی ہے وہ جہنم کا ایک ٹکڑا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اسے ان اسباب کے ساتھ مقدر کیا ہے جو اس کے متقاضی ہیں تا کہ لوگ اس سے عبرت حاصل کریں جس طرح خوشی اور لذت کی مختلف انواع جنت کی نعمتوں میں سے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو اس دنیا میں سبق حاصل کرنے اور رہنمائی کے لئے ظاہر فرمایا۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس حدیث میں تشبیہ ہے اور معنیٰ یہ ہے کہ بخار کی گرمی جہنم کی گرمی کے مشابہ ہے تا کہ لوگ جہنم کی گرمی کی شدت سے آگاہ ہوں اور یہ سخت حرارت اس کی قباحت کے مشابہ ہے اور جو اس کے قریب ہوگا اسے اس کی گرمی پہنچے گی اور ارشاد نبوی "فاطفئوھا" میں ہمزہ قطعی ہے اور اطفا (باب افعال) سے ہے اور طبرانی کی روایت میں یوں ہے:

الحمی حظ المومن من النار. بخار مومن کا جہنم سے حصہ ہے۔

(یعنی اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کی سزا اسے جہنم میں نہیں دے گا اس کی جگہ اسے بخار میں مبتلا کیا جاتا ہے۔ ۱۲ ہزاروی)

"صحیح بخاری و مسلم میں ہے" حضرت نافع' حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

ان الحمی او شدۃ الحمی من فیح جھنم فابردوھا بالماء. بے شک بخار یا (فرمایا:) بخار کی شدت جہنم کے جوش سے ہے پس اسے پانی کے ساتھ ٹھنڈا کرو۔

"فابردوا" میں ہمزہ وصل ہے اور مشہور قول کے مطابق راء پر ضمہ (پیش ہے) اور راء کا کسرہ (زیر) بھی منقول ہے۔ ابن ماجہ کی روایت میں "بالماء البارد" کے الفاظ ہیں (یعنی ٹھنڈے پانی کے ساتھ)۔

ابو جمرہ کی روایت میں جسے امام بخاری رحمہ اللہ نے نقل کیا' یوں ہے فرماتے ہیں: میں مکہ مکرمہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی مجلس میں بیٹھا کرتا تھا تو مجھے بخار ہو گیا پس میں کچھ دن رک گیا آپ نے پوچھا تم کس وجہ سے رکے رہے؟ میں نے عرض کیا بخار کی وجہ سے' فرمایا: اسے زمزم کے پانی سے ٹھنڈا کرو کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

الحمی من فیح جھنم فابردوھا بالماء او بماء زمزم. بخار جہنم کے جوش سے ہے پس اسے پانی کے ساتھ ٹھنڈا کرو یا فرمایا: زمزم کے پانی سے ٹھنڈا کرو۔

راوی (ہمام ابن یحییٰ بصری جو ابو جمرہ سے نقل کرتے ہیں کو شک ہے کہ بالماء فرمایا یا بماء زمزم فرمایا)۔

ابن قیم نے کہا کہ "بالماء" میں دو قول ہیں۔
ایک یہ کہ اس سے ہر قسم کا پانی مراد ہے اور یہی صحیح بات ہے اور دوسرا یہ کہ اس سے ماء زمزم مراد ہے۔
پھر ابن قیم نے ابو جمرہ کی روایت نقل کرنے کے بعد کہا کہ اس کے راوی نے اس میں شک کیا اور اگر وہ حتمی طور پر بیان کرتے تو اہلِ مکہ کو ماءِ زمزم کا حکم ہوتا کیونکہ ان کے لئے یہ آسان ہے اور دوسرے لوگوں کو اس پانی کا حکم ہوتا جو ان کے پاس ہے۔
اس قول کا یوں رد کیا گیا کہ امام احمد رحمہ اللہ نے عفان بن ہمام سے ان الفاظ میں روایت کیا:

فابردوھا بماء زمزم. زمزم کے پانی سے اس (بخار) کو ٹھنڈا کرو۔

اس روایت میں شک کے ساتھ بیان نہیں کیا اسی طرح امام نسائی ابن حبان اور حاکم نے بھی نقل کیا۔
ابن قیم نے کہا کہ جن لوگوں نے (پانی میں) عموم کا قول کیا ہے انہوں نے اس مسئلہ میں اختلاف کیا کہ کیا اس سے پانی کا صدقہ کرنا مراد ہے یا استعمال کرنا یہ دو قول ہیں اور صحیح یہ ہے کہ استعمال کرنا مراد ہے۔
اور میرا (مصنف کا) خیال ہے کہ جس (یعنی ابن انباری) نے صدقہ کرنے کا قول کیا ہے اس پر بخار کی حالت میں ٹھنڈے پانی کا استعمال مشکل ہو گیا اور وہ اس کی وجہ سمجھ نہ سکا۔ لیکن اس کے باوجود اس کے قول کی ایک عمدہ وجہ ہے وہ یہ کہ جزاء عمل کی جنس سے ہوتی ہے وہ یوں کہ جس طرح پیاس کی گرمی اور جوش کو پیاسے آدمی سے ٹھنڈے پانی کے ذریعے بجھایا جاتا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ اس سے بخار کے جوش کو پورے پورے بدلے کے ساتھ دور فرما دے گا۔
خطابی وغیرہ نے کہا کہ بعض ناسمجھ طبیبوں نے اس حدیث پر اعتراض کیا ہے کہ بخار میں مبتلا آدمی کو ٹھنڈے پانی سے غسل دینے میں اس بات کا خطرہ ہے کہ وہ ہلاکت کے قریب ہو جائے کیونکہ اس سے مسام بند ہو جاتے ہیں اور بخارات رک جاتے ہیں اور جسم کی اندرونی حرارت پلٹ آتی ہے پس یہ ہلاکت کا باعث ہوتا ہے۔
کسی ایسے شخص نے جو علم کی طرف منسوب ہوتا تھا (یا حدیث پر عمل میں معروف تھا) اس نے غلطی کی اور پانی میں غوطہ لگا دیا جب کہ اسے بخار تھا پس اس کے بدن میں حرارت رک گئی تو اسے سخت بیماری لگ گئی حتیٰ کہ وہ ہلاکت کے قریب ہو گیا پس جب اس کی بیماری دور ہو گئی تو اس نے اس قدر بری بات کہی کہ اس کا ذکر کرنا اچھا نہیں تو اسے حدیث کے مفہوم سے جہالت نے اس میں مبتلا کیا۔ (فتح الباری ج۱۰ص۲۱۶)
اس کا جواب یہ ہے کہ یہ اعتراض اس سینے سے نکلا ہے جسے حدیث شریف کی صداقت میں شک ہے۔
لہٰذا اس سے پہلے تو یہ کہا جائے گا کہ تم نے اس حکم کو غسل کرنے پر کیسے محمول کیا جب کہ حدیث صحیح میں کیفیت بھی بیان نہیں ہوئی چہ جائیکہ یہ غسل کے ساتھ خاص ہو؟ حدیث شریف میں بخار کو پانی کے ساتھ ٹھنڈا کرنے کی رہنمائی ہے اگر تجربے سے ظاہر ہو یا عملِ طب کا تقاضا ہو کہ ہر بخار والے کو پانی میں غوطہ دینا یا اس کے تمام بدن پر پانی ڈالنا اسے نقصان پہنچاتا ہے تو یہ (طریقہ) مراد نہیں ہوگا۔
نبی اکرم ﷺ نے ارادہ فرمایا کہ پانی کو اس طریقے سے استعمال کیا جائے جو نفع دے پس اس طریقے سے بحث کی جائے تاکہ اس سے نفع حاصل ہو۔

اور یہ اسی طرح ہے جس طرح نظر لگانے والے کے بارے میں آپ نے غسل کا حکم دیا اور اسے مطلق رکھا۔ اور دوسری حدیث سے واضح ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے مطلق غسل کا ارادہ نہیں فرمایا۔

بلکہ ایک مخصوص کیفیت کے مطابق غسل کا ارادہ فرمایا۔ حضرت اسماء بنت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہما نے بخار کو ٹھنڈا کرنے کے لئے جو طریقہ اختیار کیا اس پر محمول کرنا زیادہ بہتر ہے وہ بخار والے کے جسم پر کچھ پانی اس کی چھاتی اور کپڑوں پر چھڑکتی تھیں تو یہ ایسا منتر ہے جس کی اجازت دی گئی اور صحابی بالخصوص حضرت اسماء بنت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہما جیسی شخصیت جنہوں نے نبی اکرم ﷺ کے خانۂ اقدس کی حاضری کو لازم کر رکھا تھا رسول اللہ ﷺ کی مراد کو دوسروں کی نسبت زیادہ جانتی تھیں۔ (فتح الباری ج ۱۰ص ۲۱۷)

ابونعیم وغیرہ نے حضرت انس رضی اللہ سے مرفوعاً نقل کیا کہ (نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:) جب تم میں سے کوئی ایک بخار میں مبتلا ہو تو اس پر تین راتیں سحری کے وقت پانی چھڑکا جائے۔

مازری نے کہا اس میں شک نہیں کہ دیگر علوم کے مقابلے میں علم طب کی تفصیل زیادہ ضروری ہے حتیٰ کہ بیمار کو ایک وقت ایک دوائی دی جاتی ہے تو اسی وقت اسے کسی عارضے کی وجہ سے بیماری لگ جاتی ہے مثلاً غصے کی وجہ سے اس کا مزاج گرم ہو جاتا ہے پس اس کا علاج بدل جاتا ہے اور اس قسم کی صورت حال اکثر پیش آتی ہے۔

پس جب ایک حالت میں کسی شخص کے لئے شفاء کا پایا جانا فرض کیا جائے تو اس سے یہ بات لازم نہیں آتی کہ اسے یا کسی دوسرے آدمی کو ہر حالت میں شفاء حاصل ہو۔

اور اس بات پر اطباء کا اتفاق ہے کہ عمر، زمانے، عادت، پہلے کھائی جانے والی غذا اور اس کی معروف تاثیر اور طبیعتوں کی قوت کے بدل جانے سے ایک بیماری کا علاج مختلف ہو جاتا ہے اور اس بات کا احتمال ہوتا ہے کہ یہ علاج مخصوص وقت میں ہو تو یہ ان خواص میں سے ہوگا جن پر نبی اکرم ﷺ کو وحی کے ذریعے مطلع کیا گیا' اس وقت اہل طب کا تمام کلام کمزور پڑ جائے گا (کیونکہ یہ نبی اکرم ﷺ کا معجزہ ہے)۔

ابن قیم نے اس حدیث میں پائے جانے والے نبی اکرم ﷺ کے خطاب کو اہل حجاز اور ان سے متصل لوگوں کے ساتھ خاص قرار دیا ہے کیونکہ ان لوگوں کو لاحق ہونے والے اکثر بخار یومیہ ہوتے تھے جو سورج کی شدید حرارت کی وجہ سے پیدا ہوتے تھے۔

ابن قیم نے کہا اس بخار میں ٹھنڈا پانی نفع دیتا ہے چاہے پانی پیا جائے یا غسل کیا جائے کیونکہ ایک عجیب قسم کی گرمی ہے جو دل میں مشتعل ہوتی ہے اور روح اور خون کے ذریعے رگوں میں پھیلتی ہوئی تمام جسم تک چلی جاتی ہے۔

بخار کی اقسام

بخار دو قسموں پر مشتمل ہے۔

ایک وہ جو عارضی ہے اور یہ ورم' حرکت' سورج کی گرمی یا سخت حرارت میں سے کسی وجہ سے پیدا ہوتا ہے۔

اور دوسرا بخار بیماری ہے اس کی تین قسمیں ہیں۔

(۱) اور یہ کسی مادہ کی وجہ سے ہوتا ہے پھر اس میں سے بعض تمام بدن کو گرم کر دیتے ہیں پس اگر اس کے تعلق کی ابتدا روح

سے ہوتو وہ ایک دن کا بخار ہے اور وہ عام طور پر ایک دن میں ختم نہیں ہوتا اور زیادہ سے زیادہ تین دن ہوتا ہے۔
(۲) اور اگر اس کا تعلق اعضائے اصلیہ سے ہوتو وہ دق (ٹی بی) کا بخار ہے اور یہ سب سے زیادہ خطرناک ہے۔
(۳) اور اگر اس کا تعلق اخلاط سے ہے (مثلاً صفرا وغیرہ کی وجہ سے ہے یا بلغم کی وجہ سے) تو اسے عفنیہ کہتے ہیں اور یہ اخلاط کی تعداد کے مطابق ہوتا ہے یعنی صفراوی' سوداوی' بلغمی اور دموی ان مذکورہ انواع کے تحت بہت سی اقسام ہیں جو ان اخلاط کے اکیلے اکیلے ہونے یا اخلاط کے باہم مل جانے سے بنتی ہیں۔

پس جب یہ بات ثابت ہوگئی تو ہوسکتا ہے پہلی قسم مراد ہو اور وہ (بخار) ٹھنڈے پانی میں غوطہ لگانے اور برف وغیرہ کے ذریعے ٹھنڈا کیے گئے پانی کے پینے سے ختم ہو جاتا ہے اور کسی دوسرے علاج کی ضرورت نہیں رہتی۔

جالینوس نے کہا اگر کسی نوجوان کا گوشت سخت اور بدن بڑھنے والا ہو اس کی آنتوں میں ورم نہ ہو تو اس کو ٹھنڈے پانی سے غسل دیا جائے اور وہ سخت گرمی کے وقت اس میں تیرے جب بخار اپنی انتہاء کو پہنچ جائے' اس سے اس کو نفع ہوگا۔

حدیث شریف میں بار بار آیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے بیماری کے دوران ٹھنڈا پانی استعمال کیا جیسا کہ حدیث شریف میں ہے آپ نے فرمایا:

صبو علی من سبع قرب لم تحلل اوکیتھن.

مجھ پر سات مشکیزے پانی ڈالو جن کی رسیاں کھولی نہ گئی ہوں۔

مسند وغیرہ میں حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کی روایت ہے وہ حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً نقل کرتے ہیں کہ:

الحمی قطعة من النار فابردوها عنکم بالماء البارد.

بخار' جہنم کا ایک ٹکڑا ہے پس اسے اپنے آپ سے ٹھنڈے پانی کے ساتھ ٹھنڈا کرو۔

اور نبی اکرم ﷺ کو جب بخار ہوتا تو آپ پانی کا ایک مشکیزہ منگوا کر اپنے سر انور پر ڈالتے اور غسل فرماتے۔

اس حدیث کو امام حاکم نے صحیح قرار دیا لیکن فرمایا: کہ اس کی سند میں ایک راوی ضعیف ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے کہ جب تم میں سے کسی ایک کو بخار ہو تو تین راتیں سحری کے وقت اس پر ٹھنڈا پانی چھڑکا جائے یہ حدیث امام طحاوی اور ابونعیم نے طب کے بیان میں ذکر کی ہے۔

طبرانی نے حضرت عبدالرحمٰن بن مرقع سے مرفوعاً نقل کیا کہ بخار موت کا پیغام رساں ہے اور زمین میں اللہ تعالیٰ کا قید خانہ ہے پس اس کے لئے پرانے مشکیزے میں پانی ٹھنڈا کرو اور مغرب وعشاء کی اذانوں کے درمیان اپنے اوپر ڈالو فرماتے ہیں: ان لوگوں نے ایسا ہی کیا تو ان کا بخار چلا گیا۔

حضرت امام ترمذی رحمہ اللہ نے حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے مرفوع حدیث نقل کی ہے کہ جب تم میں سے کسی ایک کو بخار ہو اور یہ (بخار) جہنم کا ایک ٹکڑا ہے تو وہ اسے اپنے آپ سے پانی کے ساتھ بجھائے' جاری نہر میں دیر تک نہائے اور جدھر سے وہ جاری ہوتی ہے اس کی طرف منہ کر کے یوں کہے:

بسم اللہ اللھم اشف عبدک وصدق رسولک.

یا اللہ! اپنے بندے کو شفاء دے اور اپنے رسول اللہ ﷺ (کی بات) کو سچا کردے۔

یہ عمل صبح کی نماز کے بعد اور طلوع آفتاب سے پہلے کرے اور اس میں تین دن تین غوطے لگائے اگر ٹھیک نہ ہو تو پانچ ورنہ سات اور اگر پھر بھی ٹھیک نہ ہو تو نو دن ایسا کرے اللہ تعالیٰ کے حکم سے نو دن سے تجاوز نہیں کرے گا۔

امام ترمذی نے فرمایا یہ حدیث غریب ہے اور اس کی سند میں سعید بن زرعہ ہے جس کے بارے میں اختلاف ہے۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۰۸۴ مسند احمد ج ۵ ص ۲۸۱ مشکوٰۃ المصابیح للتبریزی رقم الحدیث: ۱۵۸۳ اللآلی المصنوعہ ج ۲ ص ۲۱۸ موارد الظمآن رقم الحدیث: ۲۲۶۹ عمل الیوم واللیلہ رقم الحدیث: ۵۶۳ کنز العمال رقم الحدیث: ۲۸۲۳۳)

خارش اور جوؤں کا نبوی علاج

جب خارش کا سبب گرمی، خشکی اور سخت کھردرا لباس ہے تو نبی اکرم ﷺ نے حضرت زبیر بن عوام اور حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہما کو خارش کی وجہ سے جس میں وہ دونوں مبتلا تھے ریشمی لباس پہننے کی اجازت دی جیسا کہ "صحیح بخاری میں" حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، حضرت انس رضی اللہ عنہ نے ان سے بیان فرمایا: کہ نبی اکرم ﷺ نے حضرت عبد الرحمٰن بن عوف اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما کو ریشمی قمیص کی اجازت دی کیونکہ ان دونوں حضرات کو خارش تھی۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت عبد الرحمٰن اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما نے نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں شکایت کی (راوی کہتے ہیں) یعنی جوؤں کی شکایت کی تو نبی اکرم ﷺ نے ان کو ریشمی لباس کی اجازت دی چنانچہ میں نے جہاد کے موقعہ پر ان پر ریشمی لباس دیکھا۔

ایک اور روایت میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے اجازت دی یا (یوں ہے کہ) ان دونوں کو خارش کی وجہ سے اجازت دی گئی۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۹۱۹۔ ۲۹۲۱۔ ۵۷۹۵)

یہ بھی احتمال ہے کہ ان دونوں میں سے ہر ایک کو الگ بیماری ہو (ایک کو خارش دوسرے کو جوؤں کی تکلیف) یا یہ کہ خارش، جوؤں کی وجہ سے لگتی ہے پس علت کی نسبت کبھی سبب کی طرف (یعنی جوؤں کی طرف) اور کبھی مسبب (یعنی خارش) کی طرف کی گئی۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ حدیث واضح طور پر امام شافعی اور ان کے موافقین کے مذہب پر دلالت کرتی ہے کہ جب کسی مرد کو خارش ہو تو اس کے لئے ریشم پہننا جائز ہے کیونکہ اس میں ٹھنڈک ہوتی ہے اسی طرح جوؤں اور اس قسم کی دوسری تکالیف میں بھی جائز ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں جائز نہیں ہے اور یہ حدیث ان کے خلاف حجت ہے۔

امام نووی کے قول کہ اس میں ٹھنڈک ہوتی ہے، کا تعاقب کیا گیا کہ ریشم تو گرم ہوتا ہے۔

صحیح بات یہ ہے کہ اس میں حکمت یہ ہے کہ ریشم کی اس خاصیت کی وجہ سے اجازت دی جو خارش اور جوؤں کو دور کر دیتی ہے۔

ابن قیم نے کہا کہ جب ریشم کا لباس بنایا جائے تو اس کے مزاج کی حرارت معتدل ہو جاتی ہے اور یہ بدن کو گرم رکھتا ہے اور بعض اوقات یہ موٹا ہونے کی وجہ سے جسم کو ٹھنڈا رکھتا ہے۔

امام رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: کہ ریشم سوت سے گرم اور روئی کے مقابلے میں ٹھنڈا ہوتا ہے اور گوشت کو بڑھاتا

ہے کھردرا لباس کمزور کرتا اور جلد کو خشک کرتا ہے اونی کپڑے گرم رکھتے اور خشکی پیدا کرتے ہیں اور سوتی کپڑے ریشمی کپڑے اور روئی سے بنے ہوئے کپڑے خشکی پیدا کرتے ہیں اور گرمی پیدا نہیں کرتے۔

پس سوتی کپڑے ٹھنڈے خشک ہوتے ہیں اور اونی کپڑے گرم خشک ہوتے ہیں اور روئی سے بنے ہوئے کپڑوں کی حرارت معتدل ہوتی ہے ریشمی کپڑے روئی کے کپڑوں سے زیادہ نرم اور کم گرمی والے ہوتے ہیں۔

پس جب ریشمی کپڑوں میں خشکی اور گرمی اس طرح نہیں جس طرح دوسرے کپڑوں میں ہوتی ہے تو یہ خارش کے لئے نفع بخش ہیں کیونکہ خارش گرمی' خشکی اور کھردرے پن سے ہوتی ہے جیسا کہ پہلے گزر گیا اسی لئے نبی اکرم ﷺ نے خارش کے علاج کے لئے ان دونوں حضرات کو ریشم کی اجازت دی۔

نبی اکرم ﷺ کو خیبر میں جو زہر دیا گیا' اس کا علاج

اس سے پہلے غزوۂ خیبر کے ذکر میں اس یہودیہ عورت کا قصہ بیان ہو چکا ہے' جس نے نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں زہر آلود بکری بطور تحفہ بھیجی۔

عبدالرزاق نے حضرت معمر سے انہوں نے حضرت زہری سے اور انہوں نے حضرت عبدالرحمٰن بن کعب بن مالک (رضی اللہ عنہم) سے روایت کیا کہ ایک یہودی عورت نے خیبر میں نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں ایک بھنی ہوئی بکری بطور ہدیہ بھیجی آپ نے فرمایا: یہ کیا ہے؟ اس نے کہا: یہ ہدیہ ہے اسے ڈر تھا کہ صدقہ کہنے کی صورت میں آپ تناول نہیں فرمائیں گے پس نبی اکرم ﷺ اور صحابہ کرام نے اسے کھانا شروع کیا پھر فرمایا رک جاؤ اس کے بعد اس عورت سے فرمایا: کیا تم نے اس بکری میں زہر ڈالا ہے؟ اس نے کہا: آپ کو کس نے بتایا ہے؟ آپ نے فرمایا: اس ہڈی نے' اس کی پنڈلی کے بارے میں فرمایا جو آپ کے دست مبارک میں تھی' اس عورت نے کہا: جی ہاں میں نے اس میں زہر ڈالا ہے' فرمایا کیوں؟ اس نے کہا میں نے ارادہ کیا تھا کہ اگر آپ جھوٹے ہیں تو آپ سے لوگوں کو آرام مل جائے گا اور اگر آپ نبی ہیں تو یہ آپ کو نقصان نہیں پہنچائے گا۔ راوی فرماتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے اپنے کولہو پر تین بار پچھنہ لگوایا۔

(مسند احمد ج ۳ ص ۹۸' دلائل النبوۃ ج ۴ ص ۲۶۱' المعجم الکبیر ج ۱۸ ص ۱۵۹۔ ۱۷۹' مجمع الزوائد ج ۴ ص ۱۰۵' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۱۲۵۔ ج ۳ ص ۱۵۱۔ ج ۸ ص ۱۸۲۔ ۳۳۳' التمہید ج ۵ ص ۲۷۱)

علماء کرام زہر کے علاج کے سلسلے میں فرماتے ہیں کہ قے کروانے کے ذریعے اور ان دوائیوں کے ذریعے زہر کا علاج کیا جائے جو اس کا توڑ ہوں اور اسے ختم کر دیں' یا تو اپنی کیفیت کے ذریعے یا خواص کے ذریعے (اسے ختم کرے) اور جس کے پاس دوائی نہ ہو وہ جامع علاج کی طرف جلدی کرے اور اس سلسلے میں سب سے زیادہ نفع بخش پچھنہ لگانا ہے (خون نکالنا)۔ خصوصاً جب گرم علاقوں میں ہو کیونکہ زہر کی قوت خون میں سرایت کرتی ہے اور اسے رگوں اور خون جاری ہونے کے دیگر راستوں میں لے جاتی ہے حتیٰ کہ دل اور اعضاء تک پہنچ جاتا ہے پس جب زہر دیئے گئے شخص سے جلدی جلدی خون نکالا جائے تو اس کے ساتھ وہ زہریلی کیفیت بھی نکل جاتی ہے جو اس سے مل چکی تھی اور اگر اچھی طرح قے کروائی جائے تو زہر نقصان نہیں دے گا بلکہ یا تو چلا جائے گا یا کمزور ہو جائے گا پس اس پر طبیعت کو قوت حاصل ہو گی اور زہر کا عمل باطل یا کمزور ہو جائے گا۔

نبی اکرم ﷺ نے جب پچھنے لگوایا تو دونوں کاندھوں کے درمیان لگوایا کیونکہ یہ دل کے زیادہ قریب ہے پس خون کے ساتھ زہریلا مادہ نکل گیا لیکن مکمل طور پر نہ نکلا بلکہ اس کا اثر باقی رہا البتہ کمزور تھا' مکمل طور پر زائل نہ ہونے میں حکمت خداوندی یہ تھی کہ شہادت کے ذریعے آپ کو فضیلت کے تمام مراتب میں کمال حاصل ہو۔ اللہ تعالیٰ آپ کے فضل و شرف میں اضافہ فرمائے۔ آمین

تیسری نوع

قدرتی اور طبعی مرکب ادویہ سے حضور ﷺ کا علاج کرنا

زخم اور ہر تکلیف سے طب نبوی

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ بیمار کے لئے یہ کلمات پڑھتے:

بِسْمِ اللّٰهِ تُرْبَةُ اَرْضِنَا وَرِيْقَةُ بَعْضِنَا يَشْفِيْ سَقِيْمَنَا. اللہ کے نام سے یہ ہماری زمین کی مٹی اور ہمارے بعض کا لعاب ہے' بیمار کے لئے شفاء کا ذریعہ ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ آپ دم کرتے ہوئے یوں فرماتے:

بِسْمِ اللّٰهِ تُرْبَةُ اَرْضِنَا وَرِيْقَةُ بَعْضِنَا يَشْفِيْ سَقِيْمَنَا بِاِذْنِ رَبِّنَا. اللہ کے نام سے' یہ ہماری زمین کی مٹی اور بعض کا لعاب ہے جو ہمارے رب کے حکم سے ہمارے بیمار کو شفاء دیتا ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۷۴۵۔۵۷۴۶' مسند احمد ج ۶ ص ۹۳' المستدرک ج ۴ ص ۴۱۲' مشکوٰۃ المصابیح للتبریزی رقم الحدیث: ۱۵۳۱' المغنی ج ۱ ص ۳۳۰۔ ج ۴ ص ۷۷' مسند الحمیدی رقم الحدیث: ۲۵۲' شرح السنۃ ج ۵ ص ۲۲۴' اتحاف السادۃ المتقین ج ۵ ص ۱۰۶۔ ج ۶ ص ۲۹۷' الاسرار المرفوعہ رقم الحدیث: ۲۰۹' کنز العمال رقم الحدیث: ۲۸۵۳۵)

مسلم کی روایت میں ہے کہ جب کسی انسان کو تکلیف ہوتی یا کوئی زخم ہوتا تو آپ اپنی انگلی سے یوں کرتے (یہ بات ذکر کرتے ہوئے) ابو سفیان (راوی) نے اپنی شہادت کی انگلی کو زمین پر رکھا۔

"تربة ارضنا" مبتدا محذوف کی خبر ہے یعنی "هذه تربة ارضنا" اور "يشفى سقيمنا" میں حرکات دو طرح ہیں پہلے حرف (یاء) پر ضمہ ہے اور یہ مجہول کا صیغہ ہو اور "سقيمنا" مرفوع پڑھیں (نائب فاعل ہونے کی وجہ سے) یعنی ہمارے بیمار کو شفا حاصل ہو) یا پہلے حرف "یا" پر فتح ہو اور فاعل مقدر ہو سقيمنا مفعول بہ ہونے کی وجہ سے منصوب ہو۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں حدیث کا معنی یہ ہے کہ آپ نے اپنا لعاب مبارک اپنی شہادت والی انگلی پر لیا پھر اس کو مٹی پر رکھا تو اس کے ساتھ کچھ مٹی لگ گئی پھر اسے اس جگہ پر ملا جہاں تکلیف تھی یا زخم تھا اور ملتے وقت مذکورہ کلمات کہے۔

امام قرطبی کہتے ہیں بعض لوگوں کے خیال کے مطابق اس میں راز یہ ہے کہ زمین کی مٹی ٹھنڈی اور خشک ہونے کی وجہ سے تکلیف والی جگہ کو ٹھیک کر دیتی ہے اور خشکی کی وجہ سے اس تک مواد نہیں پہنچتا اس کے علاوہ اس سے زخم کے خشک اور مندمل ہونے کا فائدہ بھی حاصل ہوتا ہے۔

انہوں نے لعاب کے بارے میں کہا کہ یہ زخم اور ورم کو کھولنے پکانے اور درست کرنے کے ساتھ خاص ہے خصوصاً جب روزہ دار اور بھوکے آدمی کا لعاب ہو۔

اس کلام کو نقل کرنے کے بعد امام قرطبی نے اس کا رد کرتے ہوئے کہا کہ یہ طریقہ اس وقت پایۂ تکمیل کو پہنچتا ہے جب دستور کے مطابق علاج ہو یعنی مٹی اور لعاب کی مقدار کا خیال رکھا جائے اور اس کے اوقات کی پابندی بھی کی جائے ورنہ انگشت شہادت پر لعاب لگا کر اس کو زمین پر رکھنے سے کوئی اثر نہیں ہوگا اور یہ اللہ تعالیٰ کے اسمائے مبارکہ اور اس کے رسول ﷺ کے آثار مبارکہ سے برکت حاصل کرنا ہے جہاں تک انگلی کو زمین پر رکھنے کا تعلق ہے تو شاید کسی خصوصیت کی وجہ سے ایسا ہو یا اس میں حکمت یہ ہو کہ قدرت کے مخفی آثار اسباب عادیہ سے مل جائیں۔

امام بیضاوی رحمہ اللہ (شرح مصابیح میں) فرماتے ہیں: میں نے طبی بحثوں میں دیکھا ہے کہ زخم کو پکانے اور مزاج کو اعتدال پر رکھنے میں لعاب کا عمل دخل ہوتا ہے اور کسی علاقے کی مٹی مزاج کی حفاظت اور ضرر کو دور کرنے میں اثر رکھتی ہے اطباء نے ذکر کیا کہ اگر کوئی شخص سفر میں اپنے علاقے کا پانی نہ لے جا سکے تو وہاں کی مٹی ساتھ لے جائے حتیٰ کہ جب مختلف پانیوں پر جائے تو اپنے مشکیزے میں تھوڑی سی مٹی ڈال دے تاکہ اس پانی کے نقصان سے محفوظ رہے پھر دم جھاڑے کے عجیب آثار ہیں جن کی گہرائی تک پہنچنے سے عقلیں حیران رہ جاتی ہیں۔

تورپشتی نے کہا کہ مٹی سے مراد مادہ منویہ کی طرف اشارہ ہے گویا آپ نے زبان حال سے فریاد کی کہ (اے اللہ!) تو نے اصل اول (حضرت آدم علیہ السلام) کو مٹی سے پیدا کیا پھر اس کو کمزور پانی سے وجود دیا پس جس کی یہ شان ہے اسے (بیماری سے) شفا دینا تیرے لئے آسان ہے۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں "بارضنا" (ہماری زمین) سے مدینہ طیبہ کی سرزمین مراد ہے کیونکہ وہ بابرکت ہے اور "بعضنا" سے رسول اکرم ﷺ خود مراد ہیں کیونکہ آپ کے لعاب مبارک کو شرف حاصل ہے پس یہ عمل خاص ہے۔ لیکن یہ محل نظر ہے (کیونکہ تخصیص پر کوئی دلیل نہیں)۔ [1]

امام ابوداؤد اور امام نسائی رحمہما اللہ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے نقل کیا کہ نبی اکرم ﷺ حضرت ثابت بن قیس بن شماس رضی اللہ عنہ کے پاس تشریف لے گئے اور وہ بیمار تھے تو آپ نے یوں دعا کی:

اکشف الباس رب الناس. لوگوں کے رب! تکلیف دور کر دے۔

پھر وادیٔ بطحان کی مٹی لے کر اسے پیالے میں ڈالا اور اس پر لعاب مبارک ڈالا اس کے بعد اسے حضرت ثابت پر ڈال دیا۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس حدیث میں بیان کیا گیا طریقہ اس شخص کے ساتھ خاص ہے جسے آپ نے دم کیا۔

---

[1] طیبی فرماتے ہیں تربۃ (مٹی) کی ارضنا (ہماری زمین) کی طرف اضافت "وریقۃ بعضنا" کے الفاظ تخصیص پر دلالت کرتے ہیں کیونکہ وہ خاک پاک اور لعاب مبارک ایسے شرف والے مکان سے مختص ہیں جس سے برکت حاصل کی جاتی ہے (زرقانی ج ۷ ص ۱۳۹)۔

بچھو کے ڈسنے کا نبوی علاج

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں نبی اکرم ﷺ نماز پڑھتے ہوئے سجدہ کرنے لگے تو بچھو نے آپ کی انگلی کو ڈس لیا سلام پھیرنے کے بعد آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ بچھو پر لعنت فرمائے یہ نبی اور غیر نبی کسی کو نہیں چھوڑتا پھر ایک برتن منگوایا جس میں پانی اور نمک تھا آپ نے ڈسے ہوئے مقام کو پانی اور نمک میں رکھا اور ''سورۂ اخلاص' سورۂ فلق اور سورۂ الناس'' پڑھنا شروع کر دی حتیٰ کہ درد رک گیا۔

ابن عبدالبر کہتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے بچھو (کے ڈسے ہوئے) کا علاج معوذتین (الفلق اور الناس) کے ذریعے کیا اور اس جگہ پر پانی ملتے تھے جس میں نمک تھا۔

یہ طب مرکب ہے جو فطری اور خداوندی ہے کیونکہ سورۂ اخلاص میں توحید کے تین اصول جمع ہیں [1] اور معوذتین میں ہر مکروہ سے پناہ مانگنے کا تفصیلاً واجمالاً دونوں طرح ذکر ہے اسی لئے نبی اکرم ﷺ نے حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کو ہر نماز کے بعد معوذتین پڑھنے کا حکم دیا۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۴۶۳)

اور اس میں ایک بہت بڑا راز ہے کہ ایک نماز سے دوسری نماز تک شر کو دور کرنے کی دعا کی جاتی ہے۔

پانی اور نمک طب طبیعی ہے کیونکہ نمک میں بہت سے زہروں سے بالخصوص بچھو کے کاٹنے سے بچاؤ اور نفع ہے اور اس میں قوت جذب ہے یہ زہروں کو جذب کر کے بدن سے نکال دیتا ہے اور جب بچھو کے کاٹنے میں آگ والی قوت ہے تو اسے ٹھنڈا کرنے اور جذب کرنے کی ضرورت ہوتی ہے اس وجہ سے نبی اکرم ﷺ نے پانی اور نمک کو اس مقصد کے لئے استعمال کیا۔

پھنسی کا نبوی علاج

''النملہ'' نون پر زبر اور میم ساکن ہے یہ ایک پھنسی ہے جو پہلو میں نکلتی ہے اور اسے نملہ اس لئے کہتے ہیں کہ اس پھنسی والا اس جگہ پر یوں محسوس کرتا ہے کہ گویا اس پر چیونٹی چل رہی ہے اور اسے کاٹتی ہے۔

''صحیح مسلم میں'' حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے زہریلے جانور کے ڈسنے' نظر لگنے اور نملہ (پھنسی) کی صورت میں دم کرنے کی اجازت دی۔

خلال نے روایت کیا کہ شفاء بنت عبداللہ' دور جاہلیت میں پہلو کی پھنسی کا دم کرتی تھیں جب انہوں نے نبی اکرم ﷺ کی طرف ہجرت کی اور انہوں نے مکہ مکرمہ میں آپ کے دستِ مبارک پر بیعت کی تھی تو عرض کیا یا رسول اللہ! میں بچپن میں پہلو کی پھنسی کا دم کرتی تھی اور میں چاہتی ہوں کہ اسے (اس کے الفاظ کو) آپ کے سامنے پیش کروں چنانچہ انہوں نے آپ کے سامنے پیش کرتے ہوئے یہ الفاظ کہے:

بِسْمِ اللّٰهِ ضَلَّتْ حَتّٰى تَعُوْدَ مِنْ اَفْوَاهِهَا وَلَا تَضُرُّ اَحَدًا اَللّٰهُمَّ اكْشِفِ الْبَاْسَ رَبَّ النَّاسِ.	اللہ تعالیٰ کے نام سے وہ چلی جائے حتیٰ کہ وہ اپنے مونہوں سے لوٹ آئے اور وہ کسی کو نقصان نہ دے یا اللہ! اے لوگوں کے رب! تکلیف کو دور کر دے۔

[1] اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات اور صمدیت (بے نیازی) یہ تین اصول توحید ہیں کہ وہ اپنی ذات وصفات میں واحد ہے اور بے نیاز ہونے میں بھی اس کا کوئی شریک نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ کسی کی اولاد نہیں اور نہ اس کو اولاد کی حاجت ہے (زرقانی ج ۷ ص ۱۵۰)۔

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: یہ کلمات ذرور (خوشبو) پر سات مرتبہ دم کرو اور پھر پاک جگہ میں پتھر پر نہایت تیز سرکے کے ساتھ ملا کر رگڑیں اور پھنسی پر لیپ کریں۔[1]

انگلیوں کے درمیان پھنسی کا نبوی علاج

امام نسائی رحمہ اللہ نے نبی اکرم ﷺ کی ایک زوجہ (حضرت عائشہ) رضی اللہ عنہا سے روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے ان سے پوچھا کیا تمہارے پاس ذریرہ (خوشبو) ہے؟ فرماتی ہیں میں نے عرض کیا جی ہاں! آپ نے اسے منگوایا اور پاؤں کی دو انگلیوں کے درمیان پھنسی پر رکھا پھر فرمایا:

اَللّٰهُمَّ مُطْفِىءَ الْكَبِيْرِ وَمُكَبِّرَ الصَّغِيْرِ اَطْفِئْهَا عَنِّيْ. اے بڑے کو لے جانے والے! اور چھوٹے کو بڑا کرنے والے! اسے مجھ سے دور کر دے۔

پس وہ پھنسی ختم ہو گئی۔ (مسند احمد ج ۵ ص ۳۷۰ مستدرک ج ۴ ص ۲۰۷ مجمع الزوائد ج ۵ ص ۹۵ جمع الجوامع رقم الحدیث: ۹۹۸۰ عمل الیوم واللیلۃ رقم الحدیث: ۶۳۹ الاحکام النبویہ ج ۲ ص ۱۳۹ الاذکار رقم الحدیث: ۱۲۱ لسان العرب ج ۵ ص ۳۳)

آگ سے جلنا اور طب نبوی

امام نسائی نے حضرت محمد بن حاطب سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں میں نے ہنڈیا پکڑی تو اس کا پانی میری ہتھیلی پر گرا جس سے ہتھیلی کی پیٹھ جل گئی میری والدہ مجھے نبی اکرم ﷺ کے پاس لے کر گئیں تو آپ نے یہ کلمات پڑھ کر دم کیا:

اَذْهِبِ الْبَاْسَ رَبَّ النَّاسِ. اے لوگوں کے رب! تکلیف کو دور کر دے۔

راوی کہتے ہیں میرا خیال ہے آپ نے یہ بھی کہا:

وَاشْفِ اَنْتَ الشَّافِیْ. اور شفاء عطا فرما! تو شفا دینے والا ہے۔

طب نبوی اور حفاظتی تدابیر

اس کی دو قسمیں ہیں ایک مرض کے آنے سے بچاؤ اور دوسرا اس کے بڑھنے سے بچاؤ تاکہ وہ اپنی جگہ پر ٹھہر جائے پہلی قسم تندرست لوگوں سے متعلق ہے اور دوسری قسم کا تعلق بیماروں سے ہے جب بیمار حفاظتی تدبیر اختیار کرتا ہے تو اس کا مرض بڑھنے سے رک جاتا ہے اور اسے دور کرنے کی طاقت حاصل ہوتی ہے۔

حفاظتی تدابیر کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد گرامی دلیل ہے: وان کنتم مرضی او علی سفر سے تو بیمار کو پانی کے استعمال سے بچنے کا حکم دیا کیونکہ یہ نقصان پہنچاتا ہے جیسا کہ اس مقصد (بیان) کے شروع میں اس طرح اشارہ کیا گیا۔ بعض فاضل طبیب فرماتے ہیں کہ "راس الطب الحمیۃ طب کی اصل پرہیز ہے"۔

ان کے نزدیک صحیح آدمی کا (مطلقاً ہر چیز سے) پرہیز کرنا نقصان پہنچانے میں اسی طرح ہے جیسے بیمار یا بیماری سے ٹھیک ہونے والے کمزور آدمی کا کوئی مضر چیز کھانا اور جو شخص بیماری سے صحت یاب ہو لیکن ابھی مکمل طور پر صحت حاصل نہ

[1] ایک روایت میں ہے حضرت شفاء فرماتی ہیں میں حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس بیٹھی ہوئی تھی کہ نبی اکرم ﷺ تشریف لائے اور فرمایا کیا حرج ہے کہ تم یہ دم حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو سکھاؤ جس طرح تم نے ان کو لکھنا سکھایا؟ (زرقانی ج ۷ ص ۱۵۱)

ہوئی ہو اس کے لئے سب سے زیادہ نفع بخش چیز پرہیز ہے کیونکہ مضر اشیاء کھانے سے بیماری واپس آجاتی ہے اور بیماری کا لوٹنا اس کی ابتداء سے زیادہ سخت ہے۔

جو شخص بیماری سے مکمل طور پر صحت یاب نہ ہو اس کے لئے پھل نقصان دہ ہیں کیونکہ وہ فوراً تبدیلی لاتے ہیں اور طبیعت میں قوت نہ ہونے کی وجہ سے دفاع نہیں ہوسکتا۔

''سنن ابن ماجہ میں'' حضرت صہیب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' فرماتے ہیں میں نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ کے سامنے روٹی اور کھجور تھی آپ نے فرمایا: قریب ہو جاؤ اور کھاؤ' میں نے کھجور پکڑی اور کھانے لگا تو آپ نے فرمایا: تم کھجور کھاتے ہو حالانکہ تمہاری آنکھوں میں تکلیف ہے؟ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں دوسری طرف سے چباتا ہوں اس پر رسول اکرم ﷺ مسکرائے۔

اس حدیث میں پرہیز کرنے اور مضر اشیاء نہ کھانے کی طرف اشارہ ہے نیز آنکھ کی تکلیف میں کھجور نقصان دیتی ہے (کیونکہ وہ گرم ہوتی ہے اور اس سے آنکھ کی تکلیف میں اضافہ ہوتا ہے)۔

حضرت ام منذر بنت قیس انصاریہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں نبی اکرم ﷺ میرے پاس تشریف لائے اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ آپ کے ہمراہ تھے اور وہ تازہ تازہ صحت یاب ہوئے تھے اور ہمارے ہاں انگور کی بیل لٹک رہی تھی نبی اکرم ﷺ کھڑے ہوئے اور اس سے کھانے لگے' حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ بھی کھڑے ہو کر کھانے لگے تو نبی اکرم ﷺ نے ان سے فرمایا: تم ابھی ابھی صحت یاب ہوئے ہو (مکمل صحت حاصل نہیں ہوئی) آپ فرماتے رہے حتیٰ کہ وہ رک گئے۔

حضرت ام المنذر فرماتی ہیں میں نے جو اور چقندر پکا کر حاضر کی تو نبی اکرم ﷺ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے فرمایا: اسے کھاؤ یہ تمہارے لئے زیادہ نفع بخش ہے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۳۸۵۶' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۳۴۴۲' مسند احمد ج۶ص ۳۶۴' السنن الکبریٰ ج۹ص ۳۴۴' الشمائل الترمذی رقم الحدیث:۹۳)

اور نبی اکرم ﷺ نے ان کو انگور کھانے سے منع فرمایا کیونکہ پھل میں کچھ بوجھ ہوتا ہے جو معدے پر اثر انداز ہوتا ہے اور چقندر اور جو سے منع نہیں فرمایا کیونکہ تازہ تازہ صحت یاب ہونے والے کے لئے اس میں زیادہ نفع ہے' جو کے پانی میں غذا' نرمی پیدا کرنے اور طبیعت کو مضبوط کرنے کی صلاحیت ہے۔

جو شخص پوری طرح تندرست نہ ہو اس کے لئے بیماری کے زائل ہونے سے پہلے پرہیز سب سے بڑی دوائی ہے تاکہ وہ مزید نہ پھیلے۔

ابن قیم نے کہا یہ بات جاننا مناسب ہے کہ بیمار آدمی یا جو ابھی مکمل طور پر صحت یاب نہ ہوا ہو اور تندرست آدمی جن چیزوں سے پرہیز کرتا ہے جب اس چیز کی خواہش زیادہ ہو اور اس کی طرف طبیعت مائل ہو پس وہ اس میں سے تھوڑا سا کھا لے کہ طبیعت اس کو ہضم کرنے سے عاجز نہ ہو تو اس کا کھانا نقصان نہیں دیتا بلکہ بعض اوقات اس سے فائدہ حاصل ہوتا ہے کیونکہ معدہ اور طبیعت اسے قبولیت اور محبت سے حاصل کرتے ہیں پس جس کے نقصان کا ڈر ہوتا ہے وہ اس کی صلاحیت رکھتے ہیں اور وہ چیز جس سے طبیعت نفرت کرتی ہے بعض اوقات اس کا کھانا دوائی سے بھی زیادہ نفع بخش ہوتا ہے۔

اسی لئے نبی اکرم ﷺ نے حضرت صہیب رضی اللہ عنہ کو تھوڑی سی کھجوریں کھانے کی اجازت دی حالانکہ ان کی

آنکھ میں تکلیف تھی۔

تو حضرت صہیب رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ایک باریک طبی راز ہے کہ جب مریض سچی بھوک کے تحت وہ چیز کھانا چاہے جس کی اسے خواہش ہو اور اس میں کچھ نقصان بھی ہو تو اس کا نفع زیادہ اور نقصان کم ہوتا ہے جب کہ اس کے مقابلے میں وہ چیز کھانا جس کے لئے سچی بھوک کے تحت خواہش نہ ہو اگرچہ وہ ذاتی طور پر نفع بخش بھی ہو لیکن اس کا نقصان زیادہ ہوتا ہے اور طبیعت کی چاہت نقصان کو دور کر دیتی ہے اسی طرح اس کے برعکس ہے (یعنی طبیعت کا نہ چاہنا اس کے نفع کو دور کر دیتا ہے)۔

مریض کا پانی سے بچنا

حضرت قتادہ بن نعمان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

اذا احب الله العبد حماه الدنيا كما يظل احدكم يحمي سقيمه الماء.

اللہ تعالیٰ جب کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو اسے دنیا سے اس طرح بچا لیتا ہے جیسے تم میں سے کوئی ایک اپنے مریض کو پانی سے بچاتا ہے۔

(صحیح الترمذی رقم الحدیث: ۲۰۳۶، المستدرک ج ۴ ص ۳۰۹، المعجم الکبیر ج ۴ ص ۲۹۸، مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۵۲۵۰، موارد الظمان رقم الحدیث: ۲۴۷۴، الترغیب والترہیب ج ۴ ص ۱۳۲، الدر المنثور ج ۳ ص ۲۲۸، کنز العمال رقم الحدیث: ۶۰۶۸۔ ۱۶۵۹۷)

حمیدی نے مرفوعاً روایت کیا (کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا):

لو ان الناس اقلوا من شرب الماء لاستقامت ابدانهم.

اگر لوگ پانی کم پئیں تو ان کے بدن سلامت رہیں۔

طبرانی نے "الاوسط میں" حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً نقل کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

من شرب الماء على الريق انقصت قوته[1]

جو شخص نہار منہ پانی پیئے اس کی قوت کم ہو جاتی ہے۔

دھوپ میں گرم کئے ہوئے پانی سے نبی اکرم ﷺ نے بچنے کا حکم دیا کیونکہ اس سے برص کا خوف ہوتا ہے

دارقطنی نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا فرماتے ہیں:

لا تغتسلوا بالماء المشمس فانه يورث البرص. (سنن دارقطنی ج ۱ ص ۳۹ رقم الحدیث: ۴)

سورج میں گرم کئے گئے پانی سے غسل نہ کرو یہ برص (سفید داغ) کی بیماری پیدا کرتا ہے۔

دارقطنی نے یہی مفہوم مرفوع حدیث کے طور پر حضرت عامر کی حدیث سے نقل کیا وہ نبی اکرم ﷺ سے روایت

[1] اس حدیث میں محمد بن مخلد رعینی راوی ضعیف ہے لیکن یہ حدیث احکام سے متعلق نہیں (لہٰذا ضعیف حدیث بھی معتبر ہو گی)۔ (زرقانی ج ۷ ص ۱۵۴)

کرتے ہیں۔لیکن یہ حدیث ضعیف ہے۔

اسی طرح عقیلی نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے اس کی مثل روایت کیا اور اسے امام شافعی رحمہ اللہ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔

اس بنیاد پر سورج میں گرم کیا ہوا پانی استعمال کرنا شرعاً مکروہ ہے۔

لیکن ان حضرات نے کچھ شرائط رکھی ہیں۔ وہ یہ کہ گرم علاقوں میں گرم اوقات میں مکروہ ہے' ٹھنڈے علاقوں اور ٹھنڈے اوقات میں نہیں نیز ایسے برتنوں میں جو کسی دھات کو ڈھال کر بنائے گئے ہوں (جیسے لوہا' تانبا وغیرہ) پتھر یا لکڑی (اور مٹی) وغیرہ میں مکروہ نہیں اور سونے چاندی کو ان کی صفائی کی وجہ سے مستثنیٰ کیا گیا۔

جوینی نے کہا کہ سونے چاندی اور دیگر دھاتوں کے برتنوں کا حکم ایک جیسا ہے یہ بات ابن صلاح نے نقل کی ہے اور حوضوں وغیرہ میں دھوپ کے ذریعے گرم کرنا قطعی طور پر مکروہ نہیں۔

نیز اس کی کراہت بدن میں استعمال سے متعلق ہے' کپڑوں میں نہیں۔ نیز یہ کہ حرارت کی حالت میں استعمال کیا جائے اگر اسے ٹھنڈا کر لیا جائے تو زیادہ صحیح قول کے مطابق کراہت زائل ہو جاتی ہے۔

''الروضہ اور شرح الصغیر میں'' عدم زوال کو صحیح قرار دیا ہے۔ الجیلی کے مطابق صاحب تہذیب نے یہ شرط رکھی ہے کہ برتن کا منہ ڈھانپا ہوا ہو تو مکروہ ہے کیونکہ حرارت رک جاتی ہے (کھلا ہوا ہو تو نہیں)۔

''شرح المھذب میں ہے کہ'' یہ شرعی بات ہے (مطلب یہ کہ مستحب ہے) اس (پانی کے استعمال) کا ترک باعث ثواب ہے (استعمال پر گناہ نہیں) اور ''شرح التنبیہ میں'' فرمایا کہ اگر ہم قصد کا اعتبار کریں تو شرعی ہے (اسے چھوڑنے پر ثواب ہوگا) ورنہ ارشادی ہے (یعنی نیت کے بغیر ثواب نہیں ہوگا)۔

پس جب ہم اسے مکروہ قرار دیتے ہیں تو اس میں کراہت تنزیہی ہے جو طہارت کے صحیح ہونے کو منع نہیں کرتی۔

طبری کہتے ہیں اگر تکلیف پہنچنے کا ڈر ہو تو حرام ہے۔ ابن عبد السلام نے کہا اگر اس کے علاوہ پانی نہ پائے تو اس کا استعمال واجب ہے اور امام نووی رحمہ اللہ نے ''الروضہ میں'' مطلقاً عدم کراہت کا قول کیا ہے اور الرویانی نے ''البحر میں'' امام شافعی رحمہ اللہ سے واضح الفاظ میں عدم کراہت کا قول نقل کیا ہے۔

بخیل لوگوں کے کھانے سے پرہیز کرنا

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

طعام البخیل داء و طعام الاسخیاء شفاء. بخیل کا کھانا بیماری اور سخی لوگوں کا کھانا شفاء ہے۔

اسے تمیمی نے حضرت امام مالک رحمہ اللہ سے موطأ کے علاوہ روایت کیا جیسا کہ عبدالحق نے ''الاحکام میں'' ذکر کیا۔

سستی کی بیماری سے پرہیز

امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے مراسیل میں حضرت یونس بن ربیعہ بن ابی عبدالرحمن سے روایت کیا کہ انہوں (ربیعہ) نے ان (یونس) کو دھوپ میں لیٹے ہوئے دیکھا تو انہوں نے منع کیا اور فرمایا: مجھے نبی اکرم ﷺ سے یہ بات پہنچی ہے کہ اس سے سستی پیدا ہوتی ہے اور بدن میں چھپی ہوئی بیماریوں کو حرکت ہوتی ہے۔

بواسیر کی بیماری سے بچنے کا ذکر

حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

لا یجامعن احدکم وبه حقن خلاء فانه یکون منه البواسیر.

تم میں سے کوئی شخص اپنی بیوی کے قریب نہ جائے جب اسے پیشاب کی حاجت ہو کیونکہ اس طرح بواسیر پیدا ہوتی ہے۔

(کنز العمال رقم الحدیث: ۴۴۹۰۲-۴۵۸۹۲)

مکھی کے زہریلے پَر سے پانی کو بچانا

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

اذا وقع الذباب فی اناء احدکم فلیغمسه کله ثم لیطرحه فان فی احد جناحیه شفاء وفی الاخر داء.

جب تم میں سے کسی ایک کے برتن میں مکھی گر جائے تو اسے مکمل طور پر غوطہ دے اور پھر باہر پھینک دے کیونکہ اس کے ایک پَر میں شفاء اور دوسرے میں بیماری ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۳۲۰-۵۷۸۲' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۸۴۴' سنن النسائی ج ۷ ص ۱۷۹' مسند احمد ج ۲ ص ۲۲۹' السنن الکبریٰ ج ۱ ص ۲۵۲' اتحاف السادۃ المتقین ج ۶ ص ۱۸' مجمع الزوائد ج ۵ ص ۳۸' موارد الظمآن رقم الحدیث: ۱۳۵۵' کنز العمال رقم الحدیث: ۲۸۳۰۱-۲۸۳۰۲)

ابوداؤد کی ایک روایت میں ہے:

فانه یتقی بجناحه الذی فیه الداء فلیغمسه کله.

کیونکہ وہ اس پَر کے ذریعے جس میں بیماری ہے بچتی ہے پس اسے مکمل طور پر ڈبو دے۔

طحاوی کی روایت میں ہے:

فان یقدم السم یؤخر الشفاء.

وہ زہر کو آگے کرتی اور شفاء کو پیچھے رکھتی ہے۔

حدیث شریف میں لفظ "کله" اس وہم کو دور کرنے کے لئے ہے کہ مجازاً بعض حصے پر اکتفاء مراد نہیں۔

ہمارے شیوخ نے فرمایا کہ کوئی ایسا طریقہ میرے سامنے نہیں آیا جس میں اس پَر کا تعین ہو جس میں شفاء ہو لیکن بعض علماء نے ذکر کیا کہ انہوں نے غور کیا تو معلوم ہوا کہ وہ بائیں پَر کے ذریعے بچتی ہے پس معلوم ہوا کہ دائیں پَر میں شفاء ہے۔ (فتح الباری ج ۱۰ ص ۳۰۸)

ابویعلیٰ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً روایت کیا کہ مکھی کی عمر چالیس راتیں ہوتی ہے اور تمام مکھیاں آگ میں جائیں گی البتہ شہد کی مکھی مستثنیٰ ہے اس روایت کی سند میں کوئی حرج نہیں۔

جاحظ نے کہا کہ مکھی کا آگ میں جانا اسے عذاب دینے کے طور پر نہیں بلکہ اس کے ذریعے جہنمیوں کو عذاب دیا جائے گا اور اس سے بدبو پیدا ہوگی۔

عجیب بات یہ ہے کہ اس کی بیٹھ سیاہ کپڑے پر سفید اور سفید کپڑے پر سیاہ ہوتی ہے اور عام طور پر مکھی بدبودار جگہ پر

ہوتی ہے اسی سے اس کا تخلیقی مادہ پیدا ہوتا ہے اور پھر اس سے اولاد پیدا ہوتی ہے اور پرندوں میں سے ان کے نر اور مادہ کا ملاپ سب سے زیادہ ہوتا ہے اور بعض اوقات دن کا اکثر حصہ یہ مادہ پر گزارتا ہے اور منقول ہے کہ کسی خلیفہ نے حضرت امام شافعی رحمہ اللہ سے پوچھا کہ مکھیوں کو کیوں پیدا کیا گیا؟ انہوں نے فرمایا: بادشاہوں کو ذلیل کرنے کے لئے اس وقت اس حکمران پر مکھی بار بار بیٹھتی تھی۔

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس نے مجھ سے سوال کیا اور میرے پاس جواب نہ تھا تو میں نے اس صورت حال سے اجتہاد کیا۔

رات کو اترنے والی بلاؤں سے برتن ڈھانپنے کے ذریعے حفاظت

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

برتنوں کو ڈھانپو اور مشکیزوں کے منہ باندھ دو کیونکہ سال میں ایک رات ایسی ہوتی ہے جس میں وبا نازل ہوتی ہے وہ جب ایسے برتن سے گزرتی ہے جس کو ڈھانپا نہیں گیا یا مشکیزہ جس کی رسی بندھی ہوئی نہیں ہے تو وہ وبا اس میں اترتی ہے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۹۶۔۹۹ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۴۱۰ مسند احمد ج ۳ ص ۳۵۵ السنن الکبریٰ ج ۱ ص ۲۵۷ مشکل الآثار ج ۲ ص ۲۰ مشکوٰۃ المصابیح للتبریزی رقم الحدیث: ۴۲۹۶۔۴۲۹۸ کنز العمال رقم الحدیث: ۴۱۲۸۵)

کہا گیا کہ یہ بات رومی سال کے آخر میں ہوتی ہے۔

بیوقوف عورت کے دودھ سے بچے کو بچانا

امام ابوداؤد نے مراسیل میں صحیح سند کے ساتھ زیاد سہمی سے نقل کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے بیوقوف عورتوں کا دودھ پلانے سے منع فرمایا کیونکہ دودھ کی وجہ سے مشابہت ہوتی ہے۔

ابن حبیب کے نزدیک (تشبہ کی بجائے) یعدی کا لفظ ہے یعنی وہ بیوقوفی اس بچے کی طرف تجاوز کرے گی۔ قضاعی نے حسن سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً نقل کیا کہ دودھ طبیعتوں کو بدل دیتا ہے۔

ابن حبیب نے ہی مرفوع حدیث نقل کی کہ نبی اکرم ﷺ نے فاجرہ عورت کا دودھ پلوانے سے منع کیا۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ دودھ کی وجہ سے دودھ پینے والے میں مشابہت پیدا ہو جاتی ہے۔

بدہضمی سے بچاؤ

اس سلسلے میں زبانوں پر مشہور ہے کہ بدہضمی سے بچو کیونکہ اس نے حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ کو ہلاک کر دیا۔

لیکن ہمارے شیخ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا: میں اس حدیث کو نہیں پہچانتا اگر ایسی حدیث ہے تو اس کی تاویل کی ضرورت ہے۔

اور وہ جو مشہور ہے کہ "اصل کل داء البردۃ" (ہر بیماری کی اصل بدہضمی ہے) تو ہمارے شیخ نے فرمایا: ابونعیم اور مستغفری دونوں نے "الطب النبوی میں" اور دارقطنی نے "العلل میں" نقل کیا اور یہ سب روایات تمام بن نجیح کے

طریق سے ہیں وہ حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کے واسطہ سے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کرتے ہیں۔
تمام (نامی) راوی کو دار قطنی وغیرہ نے ضعیف قرار دیا اور ابن معین نے اسے ثقہ قرار دیا ہے۔
ابونعیم نے ہی ابن مبارک کی روایت نقل کی ہے وہ حضرت سائب بن عبداللہ بن علی بن زحر سے اور وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس کی مثل مرفوع حدیث روایت کرتے ہیں۔
حضرت عمرو بن حارث' حضرت دراج سے وہ ابوالہیثم سے اور وہ حضرت ابوسعید سے مرفوعاً روایت کرتے ہیں کہ ہر بیماری کی اصل بدہضمی ہے۔
دار قطنی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث کے بعد فرمایا: کہ اس کی علتوں میں سے ہے کہ عباد بن منصور نے اسے حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے ان کے قول کے طور پر روایت کیا (مرفوع حدیث نہیں) یہی زیادہ بہتر ہے اور زمخشری نے ''الفائق'' میں اسے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے کلام سے قرار دیا ہے۔
دار قطنی نے ''کتاب التصحیف'' میں فرمایا کہ اہل لغت کہتے ہیں ''البردة'' راء کو ساکن پڑھتے ہیں اور صحیح یہ ہے کہ راء پر زبر ہے (اَلْبَرَدَۃُ ہے) اور یہ بدہضمی ہے کیونکہ یہ خواہش کی گرمی کو ٹھنڈا کر دیتی ہے یا یہ کہ یہ معدے پر ثقیل ہوتی ہے اور دیر سے زائل ہوتی ہے یہ ''برد'' سے مشتق ہے جب کوئی چیز ٹھہر جائے۔
ابونعیم نے ان احادیث سے متصل حارث بن فضیل کی حدیث نقل کی ہے وہ زیاد بن ضیاء کے واسطے سے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کرتے ہیں کہ:

استدفئوا من الحر والبرد.　　گرمی اور سردی سے بچو۔

اسی طرح مستغفری نے بھی ذکر کیا علاوہ اس کے کہ ان کے پاس اسحٰق بن نجیح کی روایت بھی ہے جو بواسطہ ابان حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کی ہے کہ فرشتے میری امت سے بدہضمی کے اٹھ جانے پر خوش ہوتے ہیں (اور) ہر بیماری کی اصل بدہضمی ہے یہ دونوں روایتیں ضعیف ہیں اور یہ اس بات کی شہادت ہے جو اہل لغت سے منقول ہے کہ محدثین نے اسے راء کے سکون سے نقل کیا (لہٰذا اس سے ٹھنڈک مراد ہوگی)۔

فصل نمبر ۲

نبی اکرم ﷺ کا خوابوں کی تعبیر بتانا

خواب کی حقیقت

کہا جاتا ہے ''عبرت الرؤیا (باء پر شد نہیں) میں نے خواب کی تعبیر بتائی'' اور اگر باء پر شد ہو تو یہ مبالغہ ہوگا (بہت زیادہ تعبیر بتانا)۔
''الرؤیا'' فُعْلٰی کے وزن پر ہے اور ہمزہ میں تسہیل بھی کرتے ہیں یعنی اسے واؤ سے بدل دیتے ہیں اور یہ وہ چیز ہے جسے کوئی شخص نیند کی حالت میں دیکھتا ہے۔

قاضی ابوبکر بن عربی فرماتے ہیں "رؤیا" (خواب) وہ باتیں ہیں جو اللہ تعالیٰ اپنے بندے کے دل میں فرشتے یا شیطان کے ذریعے ڈالتا ہے یا ان چیزوں کے ناموں یعنی ان کی حقیقتوں کے ساتھ یا ان کی کنیتوں یعنی عبارت (علامات) کے ذریعے اور یا ملا جلا ہوتا ہے (یعنی اس کے دل میں اس چیز کی حقیقت پیدا ہوتی ہے جسے وہ دیکھتا ہے)۔

ابوبکر بن طیب متوفی ۴۰۳ھ[1] اس طرف گئے ہیں کہ یہ اعتقادات ہوتے ہیں (تصورات ہیں جن کا دل سے ربط ہوتا ہے) انہوں نے یوں استدلال کیا ہے کہ بعض اوقات خواب دیکھنے والا اپنے آپ کو جانور یا پرندے کی شکل میں دیکھتا ہے تو یہ ادراک نہیں پس ضروری ہوا کہ وہ اعتقاد ہو کیونکہ اعتقاد بعض اوقات معتقد کے خلاف بھی ہوتا ہے (جب کہ ادراک کی یہ صورت نہیں ہوتی)۔

ابن عربی نے کہا پہلی بات اولیٰ ہے اور جو کچھ ابن طیب نے ذکر کیا ہے وہ مثالی صورت ہے پس ادراک اس سے متعلق ہوتا ہے اصل ذات کے ساتھ نہیں۔

مازری نے کہا کہ رؤیا (خواب) کی حقیقت کے بارے میں لوگوں نے بہت زیادہ کلام کیا ہے اور غیر مسلموں نے بہت سی قابل انکار اور غیر معروف باتیں کی ہیں کیونکہ ان کے علم کا دارومدار ایسے حقائق پر ہے جن کا ادراک عقل سے نہیں ہوتا نہ ان پر کوئی دلیل قائم ہوتی ہے اور نہ ہی وہ منقول باتوں کی تصدیق کرتے ہیں اس لئے ان کے اقوال میں اضطراب ہے۔

ان میں سے جو لوگ طب سے منسوب ہیں وہ تمام خوابوں کو مزاج کی خرابی قرار دیتے ہیں وہ کہتے ہیں جس پر بلغم کا غلبہ ہو وہ اپنے آپ کو پانی میں تیرتا ہوا دیکھتا ہے کیونکہ پانی بلغم کی طبیعت کے موافق ہے جس پر صفراء غالب ہو وہ آگ اور فضاء میں اوپر کو جاتا ہوا دیکھتا ہے اسی طرح دوسرے اخلاط کے بارے میں ہے۔

ان کی یہ بات اگرچہ عقل کے نزدیک جائز ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ عادتاً یہ بات جاری فرمادے لیکن اس پر کوئی دلیل قائم نہیں اور نہ ہی عادتاً ایسا ہوتا اور محض جائز ہونے کو قطعی بات قرار دینا صحیح نہیں۔

اور جو شخص فلسفہ سے منسوب ہے وہ کہتا ہے کہ جو صورتیں زمین پر چلتی ہیں وہ عالم بالا میں نقش کی طرح ہیں ان میں سے جو کچھ بعض نفسوں کے مقابل ہوتا ہے وہ ان میں نقش ہو جاتا ہے۔

مازری کہتے ہیں یہ قول پہلے قول سے بھی زیادہ فاسد ہے کیونکہ یہ ایسا فیصلہ ہے جس پر کوئی دلیل نہیں اور نقش ہونا جسموں کی صفات میں سے ہے اور عالم بالا میں اکثر اعراض جاری ہوتے ہیں (جو جسم نہیں ہیں) اور اعراض نفسوں میں نقش نہیں ہوتے۔

مازری کہتے ہیں اہل سنت کا مسلک صحیح ہے کہ اللہ تعالیٰ سونے والے آدمی میں کچھ اعتقادات پیدا کرتا ہے جس طرح جاگنے والے کے دل میں پیدا کرتا ہے جب وہ ان اعتقادات کو پیدا کرتا ہے تو وہ ان کو دوسرے امور کی علامت بناتا ہے جن کو پیدا کر دیا یا بعد میں پیدا کرے گا اور جب ان میں کوئی معتقد کے (عقیدے کے) خلاف واقع ہو تو وہ اسی طرح ہے جیسے جاگنے والے کے لئے ہوتا ہے اس کی مثال یوں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بادلوں کو بارش کی علامت کے طور پر پیدا کیا اور بعض اوقات بارش نہیں ہوتی جب کہ بادل ہوتے ہیں۔

[1] (وفیات الاعیان ج ۱ ص ۶۰۹)

یہ اعتقادات بعض اوقات فرشتے کی موجودگی میں واقع ہوتے تو اس کے بعد باعثِ مسرت بات پیدا ہوتی ہے اور کبھی شیطان کی موجودگی میں ہوتے ہیں تو اس کے بعد نقصان دہ بات پیدا ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔

حاکم اور عقیلی نے محمد بن عجلان سے انہوں نے حضرت سالم بن عبداللہ بن عمر (رضی اللہ عنہم) سے اور انہوں نے اپنے والد حضرت (عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما) سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت علی المرتضیٰ سے ملاقات کی تو فرمایا: اے ابوالحسن! آدمی خواب میں دیکھتا ہے تو ان میں سے بعض سچی ہوتی ہیں اور کچھ جھوٹی ہوتی ہیں انہوں نے فرمایا: ہاں (اسی طرح ہے) میں نے نبی اکرم ﷺ سے سنا آپ فرماتے تھے: جو بندہ مرد یا عورت سو جائے اور گہری نیند میں چلا جائے تو اس کی روح عرش کی طرف نکل جاتی ہے پس جو عرش سے پہلے پہلے نہ جاگے تو خواب سچا خواب ہے اور جو عرش سے پہلے پہلے جاگ جائے تو یہ جھوٹا خواب ہے۔

ذہبی نے اپنی تلخیص میں فرمایا کہ یہ حدیث منکر ہے اور مؤلف (امام حاکم) نے اسے صحیح قرار نہیں دیا۔

(المستدرک ج ۴ ص ۳۹۶۔۳۹۷ کنز العمال رقم الحدیث: ۴۱۴۳۰)

ابن قیم نے ایک مرفوع حدیث نقل کی لیکن اس کی نسبت کسی (صحابی وغیرہ) کی طرف نہیں کی (اس میں یوں ہے)۔ مؤمن کا خواب کلام ہے جو اس کا رب نیند کی حالت میں اس سے کرتا ہے۔ یہ حدیث ''حکیم ترمذی کی نوادر الاصول میں'' حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی روایت سے پائی گئی ہے انہوں نے اسے اصل نمبر ۷۸ میں ذکر کیا اور یہ ان کی روایت سے ہے وہ اپنے شیخ عمر بن ابی عمر سے روایت کرتے ہیں اور وہ بہت کمزور ہیں اور اس کی سند میں جنید ابن میمون ہیں جو حمزہ بن زبیر کے واسطے سے حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔

حکیم ترمذی کا قول

حکیم ترمذی نے کہا بعض اہلِ تفسیر نے اللہ تعالیٰ کے ارشادِ گرامی:

وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ. (الشوریٰ: ۵۱)

کسی انسان کے لئے نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس سے کلام کرے مگر وحی کے ذریعے یا پردے کے پیچھے سے۔

کے بارے میں کہا ہے کہ اس سے خواب میں کلام مراد ہے۔ اور انبیاء کرام علیہم السلام کے خواب وحی ہیں جب کہ ان کے علاوہ لوگوں (کے خوابوں) کا حکم یہ نہیں ہے پس وحی میں خلل نہیں آتا کیونکہ وہ محفوظ ہے جب کہ غیر انبیاء کے خواب کا حکم الگ ہے کیونکہ بعض اوقات ان میں شیطان آتا ہے۔

حکیم ترمذی نے یہ بھی کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خوابوں پر ایک فرشتہ مقرر کر رکھا ہے جو انسانوں کے احوال پر مطلع ہوتا ہے جو لوحِ محفوظ میں ہیں پس وہ ان میں سے نقل کرتا ہے اور ہر ایک کے لئے اس کے قصہ کے مطابق مثال بناتا ہے پس جب آدمی سو جاتا ہے تو اس کے لئے وہ اشیاء حکمتِ الٰہیہ کے طریقے پر مثالی صورت میں آتی ہیں تاکہ اس کے لئے خوشخبری یا ڈرانا اور جھڑک ہو۔ اور بعض اوقات سخت دشمنی کی وجہ سے انسان پر شیطان مسلط ہوتا ہے اور وہ اسے ہر طریقے سے دھوکہ دیتا ہے اور مختلف طریقوں سے اس کے کاموں کو خراب کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو یا تو اسے غلطی میں ڈالتا ہے یا ان امور سے اس کو غافل کر دیتا ہے۔

سچے خواب نبوت کا جزء ہیں

''صحیح بخاری میں'' حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

الرؤيا الحسنة من الرجل الصالح جزء من ستة واربعين جزء من النبوة. نیک آدمی کا اچھا خواب نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہے۔

اس سے نیک لوگوں کے عام خواب مراد ہیں ورنہ بعض اوقات نیک آدمی ڈراؤنے خواب بھی دیکھتا ہے لیکن ایسا کم ہوتا ہے کیونکہ شیطان ان لوگوں پر بہت کم قابو پاتا ہے جب کہ دوسرے لوگوں کا معاملہ اس کے خلاف ہے کیونکہ ان خوابوں میں سچ نادر ہوتا ہے اس لئے کہ ان پر تسلط غالب ہوتا ہے۔

سوال: خواب نبوت کا جزء کیسے ہوسکتا ہے جب کہ نبی اکرم ﷺ کے وصال سے نبوت کا سلسلہ منقطع ہوگیا؟

جواب: اگر نبی اکرم ﷺ خواب دیکھیں تو یہ حقیقتاً نبوت کے اجزاء میں سے ہے اور غیر نبی سے واقع ہو تو یہ مجازی طور پر نبوت کے اجزاء میں سے ایک جزء ہے۔

یہ بھی کہا گیا کہ یہ علم نبوت کا جزء ہے کیونکہ نبوت کا سلسلہ اگرچہ بند ہوگیا لیکن اس کا علم باقی ہے۔

اس قول کا رد حضرت امام مالک رحمہ اللہ کے قول سے کیا گیا جیسا کہ ابن عبدالبر نے اسے نقل کیا کہ حضرت امام مالک رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کیا ہر شخص خواب کی تعبیر بیان کرسکتا ہے؟ تو انہوں نے فرمایا: کیا وہ نبوت سے کھیلتا ہے؟ پھر فرمایا خواب نبوت کا ایک جزء ہے۔

اس کا جواب یوں دیا گیا کہ ان کی مراد یہ نہیں کہ نبوت باقی ہے بلکہ ان کی مراد یہ ہے کہ بعض غیبی باتوں پر اطلاع کی جہت سے خواب نبوت کے مشابہ ہے لہٰذا کسی کے لئے مناسب نہیں کہ علم کے بغیر اس میں گفتگو کرے پس یہ مراد نہیں کہ نیک خواب نبوت ہے کیونکہ اس سے مراد خواب کو نبوت سے تشبیہ دینا ہے اور کسی چیز کے جزء سے اس کے وصف کا ثبوت لازم نہیں آتا جیسے کوئی شخص بلند آواز سے ''لا اله الا الله'' پڑھے تو اسے مؤذن نہیں کہا جاتا۔

حضرت امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت ام کرز کعبیہ رضی اللہ عنہا کی حدیث نقل کی اور ابن خزیمہ اور ابن حبان نے اسے صحیح قرار دیا۔ (اس حدیث میں ہے):

ذهبت النبوة وبقيت المبشرات. نبوت چلی گئی اور بشارتیں باقی رہ گئیں۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۸۹۶' سنن دارمی ج ۲ ص ۱۲۳' مسند احمد ج ۶ ص ۳۸۱' کشف الخفاء ج ۱ ص ۵۰۳' الدر المنثور ج ۳ ص ۳۱۲' مشکل الآثار ج ۳ ص ۴۷' التمہید ج ۵ ص ۵۷' کنز العمال رقم الحدیث: ۴۱۴۵۳)

امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ایک مرفوع حدیث نقل کی ہے جس میں فرمایا:

لم يبق بعدى من المبشرات الا الرؤيا. میرے بعد بشارتوں میں سے صرف خوابیں باقی ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث امام مسلم اور امام ابوداؤد نے نقل کی ہے (اس حدیث میں یوں ہے):

نبی اکرم ﷺ نے مرض وصال کی حالت میں پردہ اٹھایا اور آپ کے سر انور پر پٹی بندھی ہوئی تھی صحابہ کرام'

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے پیچھے صف بستہ تھے آپ نے فرمایا: اے لوگو! نبوت کی بشارتوں میں سے صرف اچھے خواب رہ گئے ہیں جو مسلمان دیکھتا ہے یا (فرمایا:) اسے دکھائے جاتے ہیں۔

ان خوابوں کی تعبیر مبشرات سے اس لئے کی گئی کہ عام طور پر اسی طرح ہوتا ہے ورنہ بعض خواب ڈرانے والے ہوتے ہیں اور وہ سچے ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ مومن پر نرمی فرماتے ہوئے اسے دکھاتا ہے تاکہ وہ آنے والے واقعات کے وقوع سے پہلے تیاری کرے۔

الرجل الصالح (نیک مرد) کی قید کا یہاں کوئی مفہوم نہیں کیونکہ نیک عورت کا بھی یہی حکم ہے اور ابن بطال نے اس پر اتفاق نقل کیا ہے۔

اور اسے نبوت کا چھیالیسواں حصہ قرار دیا گیا اور اکثر احادیث میں اسی طرح ہے۔ جب امام مسلم رحمہ اللہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے نقل کیا کہ نبوت کا پینتالیسواں حصہ ہے اور انہوں نے ہی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث نقل کی ہے جس میں سترواں حصہ فرمایا گیا۔

اور امام طبرانی کے نزدیک چھہترواں حصہ بیان ہوا لیکن اس کی سند ضعیف ہے۔ ابن عبدالبر نے عبدالعزیز بن مختار سے اور انہوں نے بواسطہ حضرت ثابت' حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً نقل کیا ہے کہ اچھا خواب (نبوت کا) چھبیسواں حصہ ہے۔ اور امام نووی رحمہ اللہ'' کی شرح مسلم میں'' اور حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں چوبیسویں حصے کا ذکر ہے۔

ان تمام روایات کے نتیجے میں دس قول سامنے آئے ہیں ان میں سے کم از کم مقدار وہ ہے جو امام نووی رحمہ اللہ نے بیان کیا اور سب سے زیادہ مقدار چھہترواں حصہ ہے ہم نے باقی (چار اقوال) کو طوالت کے خوف سے چھوڑ دیا۔

قاضی ابوبکر بن عربی فرماتے ہیں اجزائے نبوت کی حقیقت کو کوئی فرشتہ یا نبی ہی جانتا ہے نبی اکرم ﷺ نے صرف خواب کو نبوت کا جزء قرار دیا تو آپ کی مراد صرف یہی بات بتانا تھی کیونکہ اس میں من وجہ غیب پر اطلاع ہے اور جہاں تک نسبت کی تفصیل کا تعلق ہے تو اس کی معرفت مقام نبوت سے خاص ہے۔

مازری نے کہا کہ کسی عالم کے لئے ہر چیز کو اجمالاً یا تفصیلاً جاننا ضروری نہیں اللہ تعالیٰ نے ہر عالم کے لئے ایک حد مقرر کی ہے جس کے پاس وہ ٹھہر جاتا ہے وہ ان امور میں سے بعض کی مراد کو اجمالی طور اور تفصیلاً جان لیتا ہے اور بعض امور کا علم اجمالی طور پر حاصل ہوتا ہے تفصیلی علم نہیں ہوتا اور یہ (خواب کا مسئلہ) بھی اسی قبیل سے ہے۔

مشہور روایت پر بعض حضرات نے کلام کیا ہے اور اس کے لئے مناسبت ظاہر کی ہے چنانچہ ابن بطال نے حضرت ابو سعید سفاقسی سے نقل کیا (وہ فرماتے ہیں) بعض اہل علم نے ذکر کیا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی اکرم ﷺ کی طرف چھ مہینے خواب میں وحی فرمائی پھر باقی مدت حیات میں بیداری کی حالت میں وحی فرمائی اور خواب میں وحی اس کی نسبت سے چھیالیسواں حصہ ہوا کیونکہ نبی اکرم ﷺ صحیح قول کے مطابق اعلان نبوت کے بعد تیئس سال (ظاہری زندگی کے ساتھ) زندہ رہے۔

ابن بطال نے کہا یہ تاویل دو وجہ سے بعید (از عقل) ہے ایک یہ کہ نبی اکرم ﷺ کی بعثت سے بعد والی مدت میں اختلاف ہے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ (اس طرح) سترویں حصہ والی روایت بے معنیٰ ہو جائے گی۔

اس مسئلہ میں ابن بطال کے اس قول انکار سے پہلے خطابی نے انکار کیا ہے خطابی نے کہا کہ بعض اہل علم اس عدد کے سلسلے میں ایسا قول کرتے ہیں جو تحقیق کے قریب نہیں ہے۔ اس لئے کہ نبی اکرم ﷺ وحی کے بعد تئیس سال زندہ دنیا میں رہے اور خواب میں آپ پر وحی چھ مہینے ہوئی اور یہ نصف سال ہوتا ہے تو یہ نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہے۔

خطابی نے کہا اگرچہ یہ بھی ایک وجہ ہے کہ حساب وعدد میں اس کا احتمال ہے لیکن اس کے قائل پر پہلی واجب بات یہ ہے کہ اس نے جس بات کا دعویٰ کیا ہے اسے خبر ثابت کرے اور ہم نے اس سلسلے میں کوئی روایت نہیں سنی اور نہ ہی اس دعویٰ کرنے والے سے کسی خبر کا ذکر سنا ہے گویا اس نے یہ بات گمان کی بنیاد پر کہی ہے اور گمان' حق میں سے کسی بات کا فائدہ نہیں دیتا اور ہر ایسی بات جس کا علم ہم سے پوشیدہ ہو اس کا ہم پر حجت ہونا لازم نہیں۔ جس طرح رکعات کی تعداد' روزوں کے دن' جمرات (شیطانوں) کو کنکریاں مارنا ہم ان باتوں کے علم سے ایسی بات تک نہیں پہنچ سکتے جس کے تحت یہ عبادت اس گنتی میں منحصر ہے اور اس تعداد کے لازم ہونے سے متعلق ہمارے عقیدے میں کوئی خرابی لازم نہیں آتی۔

اس مسئلے میں علماء کرام نے اس کے علاوہ مناسبات بھی ذکر کئے ہیں جن کا ذکر طویل ہے۔

خوابوں کا سچا ہونا

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ نبی اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:

اصدق الرؤیا بالاسحار. سب سے سچے خواب سحری کے (وقت کے) خواب ہیں۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۲۷۴' مسند احمد ج ۳ ص ۲۹۔۶۸' المستدرک ج ۴ ص ۳۹۲' مشکوٰۃ المصابیح للتبریزی رقم الحدیث: ۴۶۲۷' موارد الظمآن رقم الحدیث: ۱۷۹۹' میزان الاعتدال رقم الحدیث: ۲۶۶۷' الکامل فی الضعفاء ج ۳ ص ۹۸۰۔۹۸۲۔ ج ۳ ص ۱۵۱۹)

امام مسلم رحمہ اللہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا وہ نبی اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا:

اذا اقترب الزمان لم تکد رؤیا المسلم تکذب واصدقکم رؤیا اصدقکم حدیثا. جب زمانہ قریب ہو جائے گا تو مسلمانوں کا خواب جھوٹ کے قریب نہیں ہوگا اور تم میں سے اس شخص کا خواب زیادہ سچا ہے جو گفتگو میں زیادہ سچا ہو۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۶' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۲۷' سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۵۰۱۹' سنن دارمی ج ۲ ص ۱۲۵' مسند احمد ج ۲ ص ۵۰۷' مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۴۶۱۳' الدر المنثور ج ۳ ص ۳۱۲' کنز العمال رقم الحدیث: ۴۱۳۵۰۔۴۱۴۲۷)

خطابی نے "المعالم میں" "اذا اقترب الزمان" کے بارے میں دو قول ذکر کئے ہیں۔

پہلا قول یہ ہے کہ رات کا وقت اور دن کا وقت قریب ہو جائے اور وہ دن اور رات کا برابر ہونا ہے اور یہ بہار کے دن میں اس وقت عام طور پر چاروں طبیعتیں اعتدال پر ہوتی ہیں۔

وہ فرماتے ہیں تعبیر بیان کرنے والے کہتے ہیں کہ سب سے سچا خواب وہ ہے جو رات اور دن کے برابر ہونے اور پھلوں کے پکنے کے وقت ہوتا ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ زمانے کے قریب ہونے سے اس کی مدت کا ختم ہونا مراد ہے جب قیامت قریب ہو جائے گی۔

پہلے قول پر یوں اعتراض کیا گیا کہ مومن کی قید اس قول کو عقل سے بعید قرار دیتی ہے کیونکہ طبیعتوں کے اعتدال کا وقت مومن سے خاص نہیں۔

ابن بطال نے دوسرے قول کو قطعی طور پر صحیح قرار دیا ہے اور اسے امام ترمذی کی اس روایت سے ملایا جو بواسطہ معمر حضرت ایوب سے اس حدیث کے سلسلے میں ان الفاظ کے ساتھ مروی ہے "فی آخر الزمان لا تکذب رؤیا المومن آخری زمانے میں مومن کا خواب جھوٹ نہیں ہوگا"۔

یہ بھی کہا گیا کہ اس مذکورہ زمانے سے امام مہدی رحمہ اللہ کا زمانہ مراد ہے جب عدل پھیل جائے گا امن زیادہ ہوگا اور بھلائی اور رزق میں کشادگی ہوگی یہ زمانہ حصول لذت کی وجہ سے کم ہوگا پس اس کے کنارے قریب قریب ہوں گے۔

امام قرطبی نے "المفہم میں" فرمایا (حقیقت حال) اللہ بہتر جانتا ہے ہو سکتا ہے حدیث میں مذکور آخری زمانہ سے مراد اس گروہ کا باقی وقت ہو جو حضرت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کے دجال کو قتل کرنے کے بعد آپ کے ہمراہ ہوگا۔ صدر اول (دور صحابہ) کے بعد اس امت کے سب سے اچھے حال والے لوگ اس زمانے کے لوگ ہوں گے اور ان کی بات بھی سب سے زیادہ سچی ہوگی۔ پس ان کے خواب جھوٹے نہیں ہوں گے اسی لئے حدیث شریف میں اس کے بعد فرمایا:

اصدقکم رؤیا اصدقکم حدیثا. تم میں سب سے سچے خواب والا سب سے سچی گفتگو والا ہوگا۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ جو شخص زیادہ سچ بولتا ہے اس کا دل منور اور ادراک مضبوط ہوتا ہے اور اس میں معانی صحیح طور پر منقش ہوتے ہیں۔

اسی طرح جو شخص حالتِ بیداری میں عام طور پر سچ بولتا ہے تو یہ بات خواب میں بھی اس کے ساتھ رہتی ہے پس وہ سچا خواب ہی دیکھتا ہے۔ جب کہ جھوٹ بولنے والے اور مخلوط کلام والے کا حکم اس کے برعکس ہے۔ کیونکہ اس کا دل خراب ہوتا ہے اور وہ ظلم کرتا ہے پس وہ ملے جلے اور جھوٹے خواب دیکھتا ہے اور کبھی کبھی خواب میں نادر صورت پیدا ہوتی ہے وہ یوں کہ سچ بولنے والا ایسی بات دیکھتا ہے جو صحیح نہیں اور جھوٹ بولنے والا صحیح بات دیکھتا ہے لیکن عام طور پر اور اکثر وہی ہوتا ہے جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔

آدابِ خواب

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

جب تم میں کوئی شخص ایسا خواب دیکھے جو اسے پسند ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اس پر اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کرنا اور اس خواب کو (آگے) بیان کرنا چاہیے اور جب اس کے علاوہ ناپسندیدہ بات دیکھے تو وہ شیطان کی طرف سے ہے پس اس کے شر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگے اور اسے ذکر نہ کرے کیونکہ یہ اسے نقصان نہیں پہنچائے گا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۹۸۵، جامع الترمذی رقم الحدیث: ۳۴۵۳، سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۵۰۲۲، مسند احمد ج ۳ ص ۸، المستدرک ج ۴ ص ۳۹۲، الدر المنثور ج ۳ ص ۳۱۲، عمل الیوم واللیلۃ رقم الحدیث: ۷۶۳، کنز العمال رقم الحدیث: ۴۱۳۹۶)

صحیح مسلم کی ایک روایت میں یوں ہے۔

اور برا خواب شیطان کی طرف سے ہے پس جو شخص خواب دیکھے اور اس میں سے کسی بات کو ناپسند کرتا ہو تو بائیں جانب تھوک دے اور شیطان سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرے اور اس کے بارے میں کسی کو نہ بتائے اور اگر اچھا خواب دیکھے تو اس پر خوش ہو اور صرف اسی آدمی سے بیان کرے جس سے محبت کرتا ہے۔

اس حدیث میں ''فلیبشر'' کا لفظ آیا ہے جس میں یاء پر زبر ہے باء ساکن اور شین پر پیش ہے اور یہ بشریٰ (یعنی بشارت) سے بنا ہے۔

امام ترمذی نے ابورزین کی حدیث نقل کی ہے جس میں فرمایا:

ولا یقصھا الا علی واد. اور سوائے محبت کرنے والے کے کسی سے بیان نہ کرے۔

اس میں دال پر شد ہے اور یہ ''الود'' سے اسم فاعل ہے یا اس سے اصحاب رائے مراد ہیں اور دوسری حدیث میں ہے:

ولا یحدث بھا الا لبیبا او حبیبا. اور کسی عقل مند یا محبت کرنے والے کے علاوہ کسی سے بیان نہ کرے۔

ایک اور روایت میں ہے:

لا تقص رؤیاک الا علی عالم او ناصح. اپنا خواب کسی عالم یا خیر خواہ کے علاوہ کسی سے بیان نہ کرو۔

''صحیح مسلم میں'' حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے:

فلیحمد اللہ علیھا ولیحدث بھا. اس (خواب) پر اللہ تعالیٰ کی حمد کرے اور اسے بیان کرے۔

ہم نے اچھے خواب کے جو آداب ذکر کئے ہیں ان کا خلاصہ تین باتیں ہیں۔(۱) اس پر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کرنا (شکر بجا لانا) (۲) اس پر خوش ہونا اور (۳) بیان کرنا لیکن اس شخص سے جس سے محبت ہو اس سے نہیں جسے ناپسند کرتا ہو۔

اور برے خواب کے جو آداب ذکر کئے گئے ہیں ان کا خلاصہ چار باتیں ہیں۔

(۱) اس کے شر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرے (۲) شیطان کے شر سے بھی پناہ مانگے (۳) جب نیند سے بیدار ہو تو بائیں جانب تھوکے (۴) اور کسی سے بالکل ذکر نہ کرے۔

''صحیح بخاری میں'' حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے پانچواں ادب بھی مروی ہے اور وہ نماز ہے۔ اس حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

فمن رای شیئا یکرھه فلا یقصه علی احد ولیقم فلیصل. پس جو شخص ناپسندیدہ بات دیکھے تو اسے کسی سے بیان نہ کرے اور چاہیے کہ کھڑا ہو کر نماز پڑھے۔

لیکن امام مسلم نے وصل کی تصریح نہیں کی یعنی حضور ﷺ سے بطور مرفوع حدیث ذکر نہیں کیا البتہ امام مسلم نے اس

بات کی وضاحت کی ہے اور امام مسلم رحمہ اللہ نے چھٹی بات کا اضافہ کیا ہے۔

وہ یہ کہ پہلو بدل دے انہوں نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مرفوع روایت نقل کی ہے جس میں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی ایسا خواب دیکھے جس کو پسند نہ کرتا ہو تو تین بار بائیں جانب تھوکے اور تین بار شیطان سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرے اور اس پہلو سے پھر جائے جس پر تھا۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۵، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۹۰۸۔۳۹۱۰)

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں مناسب ہے کہ ان تمام روایات کو جمع کیا جائے اور ان تمام باتوں پر عمل کرے جو ان روایات میں ہیں اور اگر بعض پر بھی اکتفا کرے تو نقصان کو دور کرنے کے لئے کافی ہے جیسا کہ احادیث میں اس بات کی وضاحت ہے۔

حافظ ابن حجر نے ان کا رد کرتے ہوئے فرمایا: کہ انہوں نے کسی حدیث میں ایک بات پر اکتفا کے سلسلے میں کچھ نہیں دیکھا۔ پھر فرمایا لیکن مہلب نے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ "اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم" پڑھنا اس کے شر کو دور کرنے کے لئے کافی ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ نماز میں یہ تمام باتیں جمع ہو جاتی ہیں جیسا کہ امام قرطبی نے فرمایا کیونکہ جب نماز کے لئے کھڑا ہوگا تو اس کا پہلو بھی بدل جائے گا اور وضو کرتے ہوئے وقت کلی کرتے ہوئے تھوکے گا اور قرأت سے پہلے "اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم" بھی پڑھے گا اور پھر ایسی حالت میں دعا مانگے گا جو اللہ تعالیٰ سے زیادہ قرب کی حالت ہے پس اللہ تعالیٰ اسے اس (برے خواب) کے شر سے کفایت کرے گا۔

بعض حضرات نے ساتواں ادب بھی ذکر کیا ہے۔

اور وہ آیت الکرسی پڑھنا ہے اور اس سلسلے میں کوئی سند بیان نہیں کی۔ اگر اسے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کے عموم سے لیا تو یہ توجیہ ہو سکتی ہے حدیث شریف میں فرمایا: کہ "شیطان تمہارے قریب نہیں آئے گا"۔ [1]

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں مناسب ہے کہ اس مذکورہ بالا نماز میں آیت الکرسی پڑھے۔

خواب کے بارے میں جو کچھ آیا ہے اس کی حکمت

تھوکنے میں حکمت یہ ہے جیسا کہ قاضی عیاض رحمہ اللہ نے فرمایا:

کہ شیطان کو دور کرنے کے لئے حکم دیا جو ناپسندیدہ خواب کے وقت حاضر ہوتا ہے تو یہ تھوکنا اس کو ذلیل کرنا اور اس کی گندگی کی طرف اشارہ ہوگا اور بائیں جانب کی تخصیص اس لئے ہے کہ یہ گندگی کا محل ہے اور تین بار تھوکنے کا حکم تاکید کے لئے ہے۔

اس سلسلے میں تین قسم کے الفاظ آئے ہیں التفل' النفث اور البصق۔ امام نووی رحمہ اللہ نے دم کرنے کے سلسلے میں پھونکنے (النفث) پر کلام کرتے ہوئے قاضی عیاض رحمہ اللہ کی اتباع میں فرمایا کہ التفل اور النفث میں اختلاف کیا

[1] صحیح بخاری میں ہے کہ جب تم اپنے بستر پر جاؤ تو آیت الکرسی پڑھو شروع سے آیت کے ختم ہونے تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہیں مسلسل حفاظت حاصل ہوگی اور صبح تک شیطان تمہارے قریب نہیں آئے گا۔

گیا ہے۔ پس کہا گیا کہ ان دونوں کا مفہوم ایک ہی ہے اور یہ لعاب کے بغیر نہیں ہوتے۔

ابو عبید نے کہا کہ التفل ایسی پھونک ہے جس میں تھوڑا سا لعاب شرط ہے اور النفث (پھونک) میں ایسا نہیں ہوتا یہ بھی کہا گیا ہے کہ معاملہ اس کے برعکس ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے دم کے سلسلے میں النفث (پھونکنے) کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا: جیسے خشک انگور (میوہ) کھانے والا تھوکتا ہے۔ جس میں (محض پھونک والی شکل ہوتی ہے) لعاب نہیں ہوتا۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس کے ساتھ ارادے کے بغیر جو رطوبت نکلے اس کا کوئی اعتبار نہیں' وہ فرماتے ہیں حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ کی حدیث جو سورۂ فاتحہ کے ساتھ دم کرنے سے متعلق آئی ہے اس میں یوں ہے کہ آپ لعاب کو جمع کرنے لگے۔

قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں تھوک کے ساتھ پھونک مارنے کا فائدہ یہ ہے کہ اس رطوبت' ہوا اور سانس کے ذریعے برکت حاصل کرنا مقصود ہے جو اچھے ذکر سے مل جاتا ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کے ذکر اور ناموں کو لکھ کر دھونے کی صورت میں اس پانی سے برکت حاصل کی جاتی ہے۔

امام نووی رحمہ اللہ نے ہی فرمایا کہ خوابوں کے بارے میں اکثر روایات میں ''فلینفث'' کا لفظ آیا ہے اور وہ ہلکی سی پھونک ہوتی ہے' جس میں لعاب نہیں ہوتا پس ''تفل اور بصق'' کے الفاظ کو مجازی طور پر اس معنیٰ پر محمول کیا جائے گا۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے اس کے بعد فرمایا کہ دونوں جگہ مطلوب مختلف ہے کیونکہ دم کرنے کی صورت میں ذکر کی رطوبت سے برکت حاصل کرنا ہے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے اور یہاں شیطان کو بھگانا نیز اس کی حقارت اور ناپاکی کو ظاہر کرنا مقصود ہے۔ جس طرح انہوں نے حضرت قاضی عیاض رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے۔

تینوں قسم کے الفاظ کو یوں جمع کیا جا سکتا ہے کہ ان کو التفل پر محمول کیا جائے کیونکہ اس کے ساتھ معمولی سا لعاب بھی ہوتا ہے پس پھونک کو دیکھتے ہوئے اسے ''النفث'' کہتے ہیں اور لعاب کو مدِ نظر رکھتے ہوئے اسے ''البصق'' کہا جاتا ہے۔

آپ کا یہ فرمانا کہ اس سے اسے کوئی نقصان نہیں ہوتا تو جس طرح امام نووی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اس مذکورہ عمل کو اس مکروہات سے سلامتی کا سبب بنایا جو خواب پر مرتب ہوتی ہے۔ جس طرح صدقہ کو مال کی حفاظت کا سبب بنایا ہے۔

جہاں تک پہلو بدلنے کا تعلق ہے تو سابقہ حالت کے بدل جانے کی نیک فالی ہے۔ اچھے خواب کے بارے میں نبی اکرم ﷺ کے ارشاد گرامی کہ ''اس کی خبر صرف اسے دے جس سے محبت کرتا ہے'' میں یہ حکمت ہے کہ جس سے محبت نہیں کرتا اس سے بیان کرے گا تو ہو سکتا ہے وہ اس کی تعبیر ایسے الفاظ سے کرے جسے یہ پسند نہیں کرتا اور وہ بغض یا حسد کی وجہ سے ایسی تعبیر کرے گا اور بعض اوقات اسی بیان کے مطابق نتیجہ نکلتا ہے یا وہ فوری طور پر غمگین اور تنگ دل ہوگا۔ اس لئے ایسے شخص سے بیان کرنے سے منع فرمایا' جس سے محبت نہیں کرتا۔

خواب کا پہلا تعبیر کنندہ

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے کہ خواب پہلے تعبیر کرنے والے کے مطابق ہوتی ہے یہ حدیث ضعیف

ہے اس میں یزید رقاشی ہے لیکن اس حدیث کے لئے شاہد (حدیث) ہے جسے امام ابوداؤد امام ترمذی اور ابن ماجہ نے حسن سند کے ساتھ نقل کیا ہے اور امام حاکم نے ابورزین عقیلی سے مرفوعاً روایت کرتے ہوئے اسے صحیح قرار دیا۔ اس حدیث کے الفاظ اس طرح ہیں:

الرؤیا علی رجل طائر ما لم تعبر فاذا عبرت وقعت.

خواب' آدمی پر اڑنے والی چیز ہے جب تک اس کی تعبیر بیان نہ کی جائے جب اس کی تعبیر بیان کی جائے تو وہ واقع ہو جاتی ہے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۵۰۲۰' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۹۱۴' مسند احمد ج ۴ ص ۱۰' المعجم الکبیر ج ۱۹ ص ۲۰۶' موارد الظمآن رقم الحدیث: ۱۴۹۵' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۱ ص ۵۰' مشکل الآثار ج ۱ ص ۲۹۵' الدر المنثور رقم الحدیث: ۸۷' کنز العمال رقم الحدیث: ۴۱۳۹۰)

امام دارمی نے حسن سند کے ساتھ حضرت سلیمان بن یسار کے واسطے سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا آپ فرماتی ہیں:

مدینہ طیبہ میں ایک عورت تھی جس کا خاوند تاجر تھا وہ تجارت کے سلسلے میں ادھر جاتا تھا وہ خاتون' نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں تو عرض کیا میرا خاوند موجود نہیں اور اس نے مجھے حاملہ چھوڑا ہے۔

میں نے خواب میں دیکھا کہ میرے گھر کا ستون ٹوٹ گیا ہے اور میں نے بھینگا بچہ جنا ہے آپ نے فرمایا: بہتر ہے ان شاء اللہ تمہارا خاوند اچھی حالت میں واپس آئے گا اور تیرے ہاں نیک بچہ پیدا ہوگا اس خاتون نے یہ خواب تین مرتبہ ذکر کیا پھر وہ آئی اور نبی اکرم ﷺ موجود نہیں تھے میں نے اس سے (بار بار آنے کے بارے میں) پوچھا تو اس نے مجھے خواب کے بارے میں بتایا میں نے اس سے کہا اگر تمہارا خواب سچا ہے تو تیرا خاوند ضرور مر جائے گا اور تیرے ہاں فاسق بچہ پیدا ہوگا وہ بیٹھ کر رونے لگی تو نبی اکرم ﷺ تشریف لائے آپ نے فرمایا: عائشہ! رک جاؤ جب تم کسی مسلمان کے خواب کی تعبیر بتاؤ تو اچھی تعبیر بتاؤ کیونکہ خواب اسی طرح ہوتا ہے جس طرح تعبیر بیان کرنے والا بیان کرتا ہے۔

(فتح الباری ج ۱۲ ص ۵۳۵ رقم الحدیث: ۷۰۳۶)

حضرت سعید بن منصور کے نزدیک حضرت عطاء بن ابی رباح کی مرسل روایت سے ہے کہ ایک عورت' نبی اکرم ﷺ کے پاس آئی تو اس نے عرض کیا کہ (میں نے دیکھا) گویا کہ میرے گھر کا ستون ٹوٹ گیا ہے اور اس کا خاوند غائب تھا آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ تمہارے خاوند کو صحیح سالم واپس لائے گا چنانچہ وہ صحیح سالم واپس آیا۔

(المصدر السابق ج ۱۲ ص ۵۳۵)

ابوعبید وغیرہ نے ''خواب پہلے تعبیر بیان کرنے والے کے مطابق ہوتی ہے'' کے بارے میں فرمایا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب پہلا تعبیر بتانے والا عالم ہو اور تعبیر بتاتے ہوئے صحیح وجہ تک پہنچے ورنہ یہ اس کے مطابق ہے جو بعد میں درست بیان کرے کیونکہ خواب کی تعبیر کے سلسلے میں درستگی تک پہنچنے پر دارومدار ہے تاکہ وہ بیان کی گئی مثال کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ کی مراد تک پہنچ سکے۔ اگر وہ ٹھیک بیان کرے تو کسی اور سے نہ پوچھے اگر درست نہ ہو تو دوسرے سے پوچھے اور اسے (دوسرے تعبیر کنندہ کو) چاہیے کہ اس کے پاس جو علم ہے اسے بیان کرے اور پہلے کی جہالت کی وجہ بھی بیان کرے

اسی طرح انہوں (ابوعبیدہ) نے فرمایا: اور اس میں بحث ہے جس کا طویل ذکر ہے۔

تعبیر بتانے والے کے آداب

تعبیر بتانے والے کے آداب سے وہ بات ہے جو امام عبدالرزاق نے حضرت معمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ انہوں نے حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ جب تم میں سے کوئی خواب دیکھے تو صرف اپنے بھائی (خیر خواہ) سے بیان کرے اسے چاہیے کہ کہے ہمارے لئے بہتر ہے اور ہمارے دشمنوں کے لئے شر ہے۔ اس حدیث کے راوی ثقہ ہیں لیکن اس کی سند منقطع ہے۔

امام طبرانی نے اور امام بیہقی نے "الدلائل میں" ابن زمل رضی اللہ عنہ کی حدیث نقل کی ہے جس میں ہے کہ جب انہوں نے نبی اکرم ﷺ کے سامنے اپنا خواب بیان کیا تو آپ نے فرمایا: یہ بھلائی ہے جسے تم پاؤ گے اور ایسا شر ہے جس سے تم بچو گے ہمارے لئے بھلائی ہے اور ہمارے دشمن کے لئے شر ہے اور تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا مالک ہے اپنا خواب مجھ سے بیان کرو۔ اس حدیث کی سند بہت کمزور ہے اور ان شاء اللہ تعالیٰ آگے آئے گی۔

(دلائل النبوۃ ج ۷ ص ۳۷ الاصابہ ج ۳ ص ۱۷ رقم الحدیث: ۶۷۰۶)

تعبیر بتانے والے کے آداب میں سے یہ بات بھی ہے کہ وہ سورج کے طلوع و غروب اور زوال کے وقت تعبیر نہ بتائے رات کے وقت بھی نہ بتائے اور نہ عورت سے بیان کرے لیکن یہ بات ثابت ہے کہ نبی اکرم ﷺ جب صبح کی نماز پڑھتے تو فرماتے کیا (تم میں سے) کسی نے رات کو خواب دیکھا ہے تو جو کچھ اللہ تعالیٰ چاہتا کہ بیان ہو آپ کے سامنے بیان کیا جاتا اور آپ ان کے بیان کردہ خوابوں کی تعبیر بتاتے۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے اس پر یہ عنوان قائم کیا "باب تعبیر الرؤیا بعد صلاۃ الصبح" (نماز فجر کے بعد خواب کی تعبیر بتانے سے متعلق باب)۔

محدثین کرام فرماتے ہیں اس میں اس بات کی کمزوری کی طرف اشارہ ہے جو عبدالرزاق نے حضرت معمر سے اور انہوں نے حضرت سعید بن عبدالرحمٰن کے واسطے سے ان کے بعض علماء سے نقل کی کہ انہوں نے فرمایا اپنا خواب کسی عورت کو نہ بتاؤ اور جب تک سورج طلوع نہ ہو جائے خواب بیان نہ کرو۔

اس میں اہل تعبیر میں سے ان لوگوں کا رد ہے جو کہتے ہیں مستحب یہ ہے کہ خواب کی تعبیر طلوع آفتاب کے بعد دن کی (پہلی) چوتھائی تک اور عصر سے غروب تک بتائی جائے کیونکہ حدیث طلوع آفتاب سے پہلے تعبیر بتانے کے استحباب پر دلالت کرتی ہے پس ان کے اس قول کی مخالفت نہ کی جائے کہ جن اوقات میں نماز مکروہ ہے ان اوقات میں خواب کی تعبیر بتانا بھی مکروہ ہے۔

مہلب (ابوالقاسم بن احمد بن اسید اندلسی رحمہ اللہ فقہ حدیث اور عبادت میں راسخ علماء میں سے تھے ۴۳۳ھ میں وصال فرمایا) فرماتے ہیں نماز فجر کے وقت تعبیر بتانا دوسرے اوقات کے مقابلے میں بہتر ہے کیونکہ وقت قریب ہونے کی وجہ سے آدمی کو خواب یاد ہوتا ہے اور ابھی تک بھول واقع نہیں ہوتی نیز تعبیر بتانے والے کا ذہن بھی حاضر ہوتا ہے اور اس وقت معاشی مسائل میں فکر کی مشغولیت بھی کم ہوتی ہے خواب دیکھنے والے کو چاہیے کہ اسے خواب کے سبب سے جو کچھ

لاحق ہو اس کی پہچان رکھے پس اچھی بات پر خوش ہو اور بری بات سے بچے اور اس کے لئے تیار رہے بعض اوقات خواب میں گناہ سے بچنے کی طرف اشارہ ہوتا ہے پس اس سے رک جائے اور بعض اوقات کسی بات سے ڈرایا جاتا ہے پس اس کی حفاظت کرے۔

حضرت مہلب فرماتے ہیں صبح کے وقت خواب کی تعبیر بیان کرنے میں بہت سے فائدے ہیں یہ بات "فتح الباری میں" فرمائی ہے۔ (شذرات الذہب ج ۳ ص ۲۵۵ کشف الظنون ج ا ص ۵۴۵)

خواب دیکھنے والے کے آداب

ائمہ تعبیر نے بتایا کہ خواب دیکھنے والے کے آداب سے ہے کہ وہ خواب واضح طور پر بیان کرے اور وضو کی حالت میں دائیں پہلو پر سوتے وقت سورۂ والشمس، سورۂ واللیل، والتین، اخلاص، الفلق اور الناس پڑھے اور یوں کہے:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنْ سَیِّیءِ الْاَحْلَامِ وَاَسْتَجِیْرُبِکَ مِنْ تَلَاعُبِ الشَّیْطَانِ فِی الْیَقْظَةِ وَالْمَنَامِ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْاَلُکَ رُؤْیَا صَالِحَةً صَادِقَةً نَافِعَةً حَافِظَةً غَیْرَ مَنْسِیَّةٍ اَللّٰھُمَّ اَرِنِیْ فِیْ مَنَامِیْ مَا اُحِبُّ.

یا اللہ! میں برے خوابوں سے تیری پناہ چاہتا ہوں اور شیطان کے کھیلنے سے تیری پناہ طلب کرتا ہوں بیداری اور نیند (دونوں حالتوں) میں۔ یا اللہ! میں تجھ سے اچھے، سچے نفع بخش، یادر ہنے والے نہ بھولنے والے خواب کا سوال کرتا ہوں یا اللہ! مجھے وہ بات دکھا جسے میں پسند کرتا ہوں۔

نیز دشمن یا جاہل کے سامنے بیان نہ کرے۔

جو کچھ دیکھا گیا اس کی اقسام

جب یہ بات جان لی تو یہ بھی جان لو کہ جو کچھ دیکھا جاتا ہے وہ دو قسموں پر منحصر ہے۔

پہلی قسم: پریشان خواب۔ یہ خواب کسی بات کی خبر نہیں دیتے اور ان کی کئی اقسام ہیں۔

(۱) شیطان کا کھیلنا تاکہ دیکھنے والے کو پریشان کرے جیسے وہ دیکھتا ہے کہ اس کا سر کٹ گیا اور اس کے پیچھے جا رہا ہے یا وہ دیکھتا ہے کہ وہ کسی خطرے میں گھر گیا اور اسے بچانے والا کوئی نہیں اور اس طرح کے دیگر خواب۔

امام مسلم رحمہ اللہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا کہ ایک اعرابی آیا اور اس نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں نے خواب میں دیکھا کہ میرا سر کٹ گیا اور میں اس کے پیچھے جا رہا ہوں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: شیطان نے تم سے جو کھیل کھیلا ہے اس کی خبر کسی کو نہ دو۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۴، المستدرک ج ۴ ص ۳۹۲، کنز العمال رقم الحدیث: ۴۱۴۳۳)

(۲) وہ دیکھتا ہے کہ بعض فرشتے اسے حرام کام کرنے کا حکم دیتے ہیں یا ایسے کام جو عقلی طور پر محال ہیں۔

(۳) بیداری کی حالت میں اسے جو خیالات آتے ہیں یا تمنا کرتا ہے وہ اسی طرح خواب میں دیکھتا ہے اسی طرح بیداری میں جو کچھ دیکھنے کی عادت ہے خواب میں بھی دیکھتا ہے یا جو کچھ اس کے مزاج پر غالب ہے اور مستقبل میں واقع ہونے کا غالب گمان ہے حال میں کثرت سے اور ماضی میں کم واقع ہوا۔

دوسری قسم: سچے خواب اور یہ انبیاء کرام علیہم السلام اور ان کی اتباع کرنے والے نیک لوگوں کے خواب ہیں اور بعض

اوقات نادر طور پر دوسرے لوگوں کے لئے بھی واقع ہوئے ہیں۔ اور یہ خواب جس طرح نیند کی حالت میں واقع ہوتے ہیں بیداری کی حالت میں اسی طرح وقوع پذیر ہوتے ہیں۔ ہمارے نبی کریم ﷺ کے لئے سچے خواب جو صبح پھوٹنے کی طرح (روشن) تھے گنتی اور حد سے باہر ہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: نبی اکرم ﷺ کی وحی کا آغاز نیند میں سچے خوابوں کے ذریعے ہوا پس جو خواب بھی دیکھتے وہ صبح پھوٹنے کی شکل سامنے آتا۔

ایک روایت میں "رؤیا الصادقه" کی جگہ "رؤیا الصالحه" کے الفاظ ہیں اور یہ دونوں انبیاء کرام علیہم السلام کے حق میں امور آخرت کی نسبت سے ایک ہی معنی میں ہیں۔ صالحہ (صادقہ کی نسبت) زیادہ خاص ہے پس نبی اکرم ﷺ کے تمام خواب "صادقه" (سچے) ہوتے اور کبھی صالح ہوتے اور اکثر ایسا ہوتا اور غیر صالحہ دنیا کے حوالے سے ہوتے مثلاً احد کے دن آپ نے خواب دیکھا کہ ایک گائے ذبح کی جارہی ہے اور اپنی تلوار کو ٹوٹا ہوا دیکھا تو آپ نے گائے کی تعبیر صحابہ کرام کو پہنچنے والی حالت سے کی اور تلوار کے ٹوٹنے کی تعبیر اپنے اہل بیت کی ایک شخصیت کی شہادت سے فرمائی (تو یہ خواب بظاہر دنیوی اعتبار سے صالح نہ تھا) پھر اچھا انجام متقی لوگوں کے لئے ہے اور اس کے بعد آپ کو تمام مخلوق پر مدد اور فتح حاصل ہوئی۔

جہاں تک انبیاء کرام علیہم السلام کے علاوہ لوگوں کے خواب کا تعلق ہے تو ان دونوں (صادقہ اور صالحہ) میں عموم و خصوص من وجہ کی نسبت ہے [1] اگر ہم صادقہ کی تعبیر یوں کریں کہ وہ تفسیر کی محتاج نہیں اور اگر ہم یوں تفسیر کریں کہ وہ پریشان خیال نہیں تو صالحہ مطلقاً زیادہ خاص ہے۔

امام نصر بن یعقوب الدینوری (ابوسعید نصر بن یعقوب بن ابراہیم' متوفی ۴۱۰ھ) [2] نے "التعبیر القادری میں" فرمایا کہ رؤیا صالحہ وہ ہے جو بعینہ واقع ہو یا حالتِ نیند میں اس کی تعبیر ہو یا اس کی خبر وہ شخص دے جو جھوٹ نہیں بولتا اور صالحہ وہ ہے جس کی تاویل کی جائے۔

خواب کے سلسلے میں لوگوں کے درجات

جان لو کہ خواب کے سلسلے میں لوگ تین درجوں میں تقسیم ہیں:

(۱) انبیاء کرام علیہم السلام۔ ان کے تمام خواب سچے ہوتے ہیں اور بعض ان میں ایسے خواب بھی ہوتے ہیں جو تعبیر کے محتاج ہوتے ہیں۔

(۲) نیک لوگ۔ ان کے خواب عام طور پر سچے ہوتے ہیں اور بعض اوقات ایسے خواب بھی ہوتے ہیں جو تعبیر کے محتاج ہوتے ہیں۔

(۳) ان کے علاوہ لوگ۔ ایسے لوگوں کے خواب سچے بھی ہوتے ہیں اور پریشان خیال بھی ہوتے ہیں اور یہ تین قسم کے لوگ ہیں۔

---

[1] مطلب یہ ہے کہ کبھی صادقہ اور صالحہ دونوں صورتوں میں پایا جاتا ہے کبھی صادقہ بھی نہیں ہوتا اور صالحہ بھی نہیں اور کبھی صالحہ ہوتا ہے صادقہ نہیں اور کبھی صادقہ ہوتا ہے صالحہ نہیں یعنی دو جگہوں پر صالحہ اور صادقہ کا اجتماع ہوتا ہے اور ایک جگہ جمع نہیں ہوتے۔

[2] (الاعلام ج ۸ ص ۲۹ یتیمۃ الدھر ج ۴ ص ۳۳۹' کشف الظنون رقم الحدیث: ۳۱۷_۵۳۲_۹۱۳)

(۱) وہ لوگ جن کا حال پوشیدہ ہے ان لوگوں کے حق میں اعتدال حال غالب ہے۔
(۲) فاسق لوگ۔ ان لوگوں کے عام خواب پریشان خیال ہوتے ہیں اور ان میں سچ کم ہوتا ہے۔
(۳) کفار۔ ان لوگوں کے خوابوں میں سچائی بہت نادر ہوتی ہے اسی بات کی طرف نبی اکرم ﷺ کی اس حدیث میں اشارہ ملتا ہے۔ آپ نے فرمایا:

اصدقهم رؤيا اصدقهم حديثا. ان میں سے زیادہ سچا زیادہ سچے خوابوں والا ہے۔

اس حدیث کو امام مسلم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے نقل کیا ہے۔
بعض اوقات کچھ کفار کے خواب سچے بھی ہوتے ہیں جس طرح حضرت یوسف علیہ السلام کے قید خانے کے دو ساتھیوں کا خواب اور ان کے بادشاہ کا خواب اور اس کے علاوہ۔
حضرت امام احمد رحمہ اللہ نے مرفوعاً نقل کیا اور ابن حبان نے اسے حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کی حدیث سے صحیح قرار دیا۔ (اس میں فرمایا):

اصدق الرؤيا بالاسحار. سب سے زیادہ سچے خواب سحری کے خواب ہیں۔

امام نصر بن یعقوب دینوری نے فرمایا: کہ رات کے پہلے نصف حصہ کے خواب کی تاویل دیر سے ظاہر ہوتی ہے اور دوسرے نصف کی تعبیر جلدی سامنے آتی ہے کیونکہ رات کے اجزاء میں تفاوت ہے اور سب سے جلدی ظاہر ہونے والی تعبیر سحری کے خواب (کی تعبیر) ہے خصوصاً جب طلوع فجر کا وقت ہو۔
حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ سب سے جلدی تاویل والا خواب وہ ہے جو دوپہر کو آرام کرتے وقت (قیلولہ کے وقت) دیکھا جائے۔
حضرت محمد بن سیرین رحمہ اللہ فرماتے ہیں دن کا خواب رات کے خواب کی طرح ہے اور عورتوں کا حکم مردوں کے حکم جیسا ہے۔ حضرت قیروانی سے مروی ہے کہ عورت جب ایسی بات دیکھے جس کی وہ اہل نہیں تو وہ اس کے خاوند کے لئے ہے اسی طرح غلام کا اپنے آقا سے معاملہ جس طرح بچے کے خواب کی تعبیر اس کے ماں باپ کے لئے ہے۔

نبی اکرم ﷺ نے خوابوں میں کیا دیکھا؟

دودھ نوش فرمانا

نبی اکرم ﷺ کے خوابوں میں سے ایک دودھ پینا ہے اور اس کی تعبیر علم سے فرمائی جس طرح "صحیح بخاری" میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے فرماتے ہیں میں نے رسول اکرم ﷺ سے سنا آپ نے فرمایا: اس دوران کہ میں سویا ہوا تھا میرے پاس دودھ کا ایک پیالہ لایا گیا تو میں نے اس سے کچھ دودھ پیا حتیٰ کہ میں نے دیکھا کہ سیرابی میرے ناخنوں سے نکل رہی ہے پھر میں نے اپنا بچا ہوا (دودھ) دے دیا یعنی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو دیا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھا یا رسول اللہ! آپ نے اس کی کیا تعبیر فرمائی ہے؟ فرمایا "علم"۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۷۰۰۶۔۷۰۰۷۔۷۰۲۷۔۷۰۳۲'سنن الدارمی ج ۲ ص ۱۲۸'مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث:۶۰۳۰'کنز العمال رقم الحدیث:۳۲۷۴۹)

کشمیہنی کی روایت میں "اظفاری" (میرے ناخن) کی بجائے "اطافیری" کا لفظ ہے معنی وہی ہے۔ صالح بن کیسان کی روایت میں "من اطرافی" ہے یعنی میرے کناروں سے۔

اس خواب میں احتمال ہے کہ بصری ہو (آنکھ سے دیکھی ہوئی بات) اور یہی ظاہر ہے اور یہ بھی احتمال ہے کہ علمی ہو (اس بات کا علم حاصل ہوا) پہلی بات کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے جو امام حاکم اور طبرانی نے حضرت ابوبکر بن عبداللہ بن عمر سے انہوں نے اپنے والد سے اور انہوں نے ان کے دادا سے اس حدیث کے سلسلے میں روایت کی ہے اس میں ہے آپ نے فرمایا:

میں نے (وہ دودھ) پیا حتیٰ کہ میں نے دیکھا کہ میری رگوں میں جلد اور گوشت کے درمیان جاری ہوا۔ لیکن محض علمی ہونے کا احتمال بھی ہے۔

بعض عارفین (قاضی ابوبکر بن عربی) نے فرمایا کہ وہ ذات جو گوبر اور خون کے درمیان خالص دودھ رکھتا ہے وہ اس بات پر بھی قادر ہے کہ شک اور جہالت کے درمیان معرفت کو پیدا کر دے جو کچھ انہوں نے فرمایا بات اسی طرح ہے لیکن عادت وطریقہ یہی ہے کہ علم سیکھنے سے آتا ہے اور جو کچھ انہوں نے ذکر کیا کبھی اس طرح عادت کے خلاف ہو جاتا ہے پس یہ کرامت کے باب میں سے ہے۔

عارف ابن ابی جمرہ نے کہا کہ نبی اکرم ﷺ نے دودھ کی تاویل علم سے اس اعتبار سے کی کہ آپ کے لئے یہی بات بیان ہوئی یا یہی حکم ہوا جب آپ کے پاس شراب کا پیالہ اور دودھ کا پیالہ لایا گیا تو آپ نے دودھ لے لیا پس جبریل علیہ السلام نے آپ سے کہا کہ آپ نے فطرت کو اختیار کیا ہے۔

بعض مرفوع احادیث میں اس کی تاویل فطرت سے کی گئی ہے جس طرح امام بزار نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث سے نقل کیا کہ خواب میں دودھ دیکھنا فطرت ہے۔

دینوری نے ذکر کیا کہ اس حدیث میں جس دودھ کا ذکر ہے وہ اونٹنی کا دودھ ہے اور اس کے پینے والے کو حلال مال اور علم حاصل ہوتا ہے۔ وہ فرماتے ہیں گائے کا دودھ خشک سالی سے شادابی' حلال مال اور فطرت ہے اور بکری کا دودھ مال' سرور اور جسمانی صحت کی طرف اشارہ ہے' جنگلی جانور کا دودھ دین میں شک کی علامت ہے' درندوں کا دودھ اچھا نہیں ہے البتہ شیرنی کا دودھ مال ہے لیکن اس کے ساتھ ارباب اختیار کی دشمنی کی طرف بھی اشارہ ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ کا جس قدر علم ہے کوئی شخص اس سلسلے میں آپ کے مقام کو پہنچ نہیں سکتا کیونکہ آپ نے دودھ نوش فرمایا حتیٰ کہ سیرابی آپ کے کناروں سے نکل رہی تھی۔

اور آپ کا باقی ماندہ دودھ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو عطا کرنے میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو حاصل ہونے والے علم کی طرف اشارہ ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے معاملے میں کسی ملامت گر کی ملامت سے ڈرتے نہیں تھے۔

حدیث شریف میں دودھ کی علم سے تعبیر کی وجہ دودھ اور علم کا کثرت نفع میں اشتراک ہے اور یہ دونوں چیزیں بھلائی کا سبب ہیں پس دودھ بدنی غذا کے لئے اور علم معنوی غذا کے لئے ہے۔

قمیص کی تعبیر دین سے

اسی طرح نبی اکرم ﷺ نے قمیص دیکھ کر اس کی تعبیر دین سے کی۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ نبی اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں' آپ نے فرمایا: اس دوران کہ میں سویا ہوا تھا میں نے دیکھا کہ لوگوں کو میرے سامنے پیش کیا گیا اور ان پر قمیصیں تھیں ان میں سے بعض چھاتی تک پہنچتی تھیں اور بعض اس سے نیچے تھیں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ میرے پاس سے گزرے تو ان پر قمیص تھی جسے کھینچ رہے تھے صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ نے اس کی کیا تعبیر فرمائی ہے؟ فرمایا: اس سے دین مراد ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۳-۷۰۰۸ 'سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۲۸۵ 'مسند احمد ج ۳ ص ۸۶ 'شرح السنہ ج ۱۲ ص ۲۳۱)

حکیم ترمذی کی روایت میں اس حدیث کا ایک اور طریق ہے اس میں یوں ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے سوال کیا یا رسول اللہ! آپ اس کی تاویل کیسے کرتے ہیں؟

اس حدیث میں ''الثدی'' کا لفظ آیا جس میں ثاء پر پیش' دال کے نیچے زیر اور یاء مشدد ہے یہ ثدی کی جمع ہے ثدی میں ثاء پر زبر اور دال ساکن ہے معنی یہ ہے کہ قمیص بہت چھوٹی ہے کہ گردن سے ناف تک کو نہیں ڈھانپتی بلکہ اس سے اوپر اوپر ہے۔

اور یہ فرمایا: کہ ان میں سے بعض اس سے نیچے ہیں تو اس بات کا بھی احتمال ہے کہ اس سے نچلی جانب مراد ہو اور یہی ظاہر ہے پس زیادہ لمبی ہوگی اور یہ بھی احتمال ہے کہ اوپر کی جانب مراد ہو تو نہایت چھوٹی ہوگی پہلے احتمال کی تائید حکیم ترمذی کی مذکورہ بالا روایت سے ہوتی ہے کہ ان میں سے کسی کی قمیص ناف تک تھی اور ان میں سے بعض کی قمیص گھٹنوں تک اور بعض کی قمیص پنڈلی کے نصف تک تھی۔

اور لفظ دین کو منصوب پڑھنا جائز ہے تقدیر عبارت یوں آئے گی ''اولته الدين میں نے اس کی تعبیر دین سے کی ہے''۔ اور رفع بھی جائز ہے (یعنی هو الدين)۔

حکیم ترمذی کی اس روایت میں ''على الايمان'' کا لفظ بھی ہے یعنی اس کی تعبیر و تاویل ایمان سے فرمائی۔

کہا گیا ہے کہ قمیص کی تعبیر دین سے اس لئے کی گئی کہ قمیص دنیا میں ستر کو ڈھانپتی ہے اور دین اسے آخرت میں ڈھانپے گا اور ہر مکروہ بات سے آڑے آئے گا اور اس کی بنیاد اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد گرامی ہے:

ولباس التقوى ذلك خير. (الاعراف: ۲۶) اور تقویٰ کا لباس بہتر ہے۔

اہل تعبیر اس بات پر متفق ہیں کہ قمیص کی تعبیر دین سے کی جائے اور اس کا لمبا ہونا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اس قمیص والے کے آثار اس کے بعد بھی باقی رہتے ہیں۔

ابن عربی نے فرمایا قمیص کی تعبیر دین سے اس لئے کی جاتی ہے کہ دین جہالت کے ستر کو ڈھانپتا ہے جس طرح قمیص بدن کے ستر کو ڈھانپتی ہے۔

وہ فرماتے ہیں جہاں تک حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے غیر کا تعلق ہے تو جس کی قمیص چھاتی تک پہنچی تو دین نے اس کے دل کو کفر سے ڈھانپ لیا اگرچہ وہ گناہوں کا مرتکب ہو اور جس کی قمیص اس سے نیچے پہنچی اور اس کی شرمگاہ ننگی ہے تو

اس کے پاؤں کو گناہ کی طرف جانے سے نہیں ڈھانپا اور جس کے پاؤں کو ڈھانپا وہ ہر اعتبار سے تقویٰ کے ساتھ ڈھانپا گیا اور جو قمیص کو کھینچتا ہے وہ خالص عمل کے ذریعے اس سے زائد درجہ پر ہے۔

عارف ابن ابی جمرہ نے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ حدیث میں لوگوں سے مراد ایمان والے لوگ ہیں کیونکہ قمیص کی تاویل دین سے کی گئی ہے وہ فرماتے ہیں ظاہر بات یہ ہے کہ اس سے اس امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوۃ والسلام کے خاص لوگ مراد ہیں بلکہ ان میں سے بھی بعض مراد ہیں اور دین سے مراد اس کے تقاضوں کے مطابق عمل کرنا ہے جس طرح اوامر کو بجالانے اور ممنوعات سے اجتناب کی حرص۔ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو یہ بلند مقام حاصل تھا۔

وہ فرماتے ہیں اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ قمیص میں حُسن وغیرہ سے جو کچھ دیکھے اس کی تعبیر پہننے والے کے دین سے کی جاتی ہے۔

ابن ابی جمرہ مزید فرماتے ہیں: کہ قمیص میں ایک نکتہ یہ ہے کہ وہ جب چاہے اسے اتار دے اور جب چاہے اسے باقی رہنے دے پس جب اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو ایمان کا لباس پہنایا اور وہ اس سے متصف ہوئے تو زیادہ لباس والا ایمان میں کامل ہوتا ہے اور جو ایسا نہیں وہ کامل ایمان والا نہیں اور کبھی کپڑے کی کمی ایمان کی کمی کے باعث ہوتی ہے اور کبھی عمل میں کوتاہی کی وجہ سے ہوتی ہے۔

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ دین والے دین میں قلت و کثرت اور قوت و ضعف کے اعتبار سے ایک دوسرے پر فضیلت رکھتے ہیں۔

یہ ان مثالوں میں سے ہے جو خواب میں تعریف کی جاتی ہے اور بیداری میں شرعی طور پر قابل مذمت ہے یعنی قمیص کا گھسیٹنا (شرعاً منع ہے اگرچہ خواب میں یوں دیکھنا قابل تعریف ہے) کیونکہ قمیص کے زیادہ لمبا ہونے پر وعید آئی ہے۔

سونے کے دو کنگن

نبی اکرم ﷺ کے خوابوں میں سے ایک خواب یہ ہے کہ آپ نے اپنے مبارک ہاتھ میں سونے کے دو کنگن دیکھے اور ان کی تعبیر دو جھوٹوں سے فرمائی۔

''صحیح بخاری میں'' حضرت عبید اللہ بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: میں نے حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے نبی اکرم ﷺ کے خواب کے بارے میں پوچھا جو ذکر کی گئی تو انہوں نے فرمایا: مجھ سے ذکر کیا گیا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: اس دوران کہ میں آرام کر رہا تھا کہ میں نے دیکھا میرے ہاتھوں میں سونے کے دو کنگن رکھے گئے ہیں مجھے یہ بہت برے لگے اور میں نے ان کو ناپسند کیا تو مجھے حکم دیا گیا کہ میں ان کو پھونک ماروں چنانچہ وہ دونوں اڑ گئے پس میں نے اس کی تعبیر ان دو جھوٹوں سے کی جو ظاہر ہوں گے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۰۳۴، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۱، مسند احمد ج ۱ ص ۲۶۳، دلائل النبوۃ ج ۶ ص ۳۵۸)

حضرت عبید اللہ فرماتے ہیں: ان میں سے ایک اسود عنسی تھا جسے فیروز نے یمن میں قتل کیا اور دوسرا مسیلمہ تھا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۳۷۴)

امام بخاری و مسلم رحمہما اللہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: اس دوران

کہ میں آرام فرما تھا کہ مجھے زمین کے خزانے دیئے گئے پس میرے ہاتھ میں سونے کے دو کنگن رکھے گئے وہ مجھ پر گراں گزرے اور مجھے پریشان کر دیا پس میری طرف وحی آئی کہ ان دونوں کو پھونک مارو تو میں نے دو جھوٹوں سے تعبیر کیا کہ میں ان کے درمیان ہوں ایک صنعاء والا (اسود عنسی) اور دوسرا یمامہ والا (مسیلمہ کذاب)۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۰۳۷)

مہلب فرماتے ہیں یہ خواب اپنے ظاہر پر نہیں بلکہ ایک مثال کے طور پر بتایا گیا اور نبی اکرم ﷺ نے دو کنگنوں کو دو جھوٹوں سے تعبیر کیا کیونکہ جھوٹ کسی چیز کو اس کے مقام کے علاوہ جگہ پر رکھنے کا نام ہے پس جب آپ نے اپنے ہاتھوں میں کنگن دیکھے اور یہ آپ کے لباس میں سے نہیں تھے کیونکہ یہ عورتوں کے زیور سے ہیں تو آپ کو معلوم ہو گیا کہ عنقریب وہ لوگ ظاہر ہوں گے جو اس بات کا دعویٰ کریں گے جو ان میں نہیں ہوگی۔ نیز ان کا سونے کا ہونا جب کہ سونے کا پہننا منع کیا گیا جھوٹ پر دلیل ہے۔

علاوہ ازیں لفظ "ذھب" (سونا) ذہاب (جانے) سے مشتق ہے تو معلوم ہوا کہ یہ وہ چیز ہے جو آپ سے دور رہے گی اس کی تاکید اس بات سے ہوتی ہے کہ آپ کو ان کے پھونکنے کا حکم دیا گیا پس وہ اڑ گئے تو معلوم ہوا کہ ان دونوں کی طرف کوئی حکم منسوب نہیں آپ کا آنے والی وحی کے ذریعے کلام ان دونوں کو ان کی جگہوں سے زائل کر دے گا۔

ابن عربی کہتے ہیں نبی اکرم ﷺ مسیلمہ اور عنسی کے معاملے کے باطل ہونے کی توقع رکھتے تھے پس آپ نے خواب کی تعبیر ان دونوں سے کی تا کہ وہی مراد ہوں اور خواب کا تعلق ان دونوں سے ہو کیونکہ جب خواب کی تعبیر بتائی جائے تو وہ پوری ہوتی ہے اور یہ بھی احتمال ہے کہ آپ نے وحی کے ذریعے یہ تعبیر فرمائی ہو۔ زمین کے جن خزانوں کا ذکر کیا گیا ہے ان سے مراد وہ مال غنیمت ہیں جو آپ کی امت کے لئے ظاہر کئے گئے' اسی طرح کسریٰ اور قیصر وغیرہ کے ذخائر بھی مراد ہیں یہ احتمال ہے کہ زمین کی کانیں مراد ہوں جن میں سونا اور چاندی ہے۔

قرطبی کہتے ہیں نبی اکرم ﷺ پر یہ دونوں کنگن گراں گزرے کیونکہ سونا عورتوں کے زیور سے ہے اور ان چیزوں میں سے ہے جو مردوں پر حرام ہیں ان دونوں کا اڑ جانے میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ان دونوں کا معاملہ کمزور ہے۔

اس تاویل کی اس خواب کے ساتھ مناسبت یہ ہے کہ اہل صنعاء اور اہل یمامہ اسلام لائے تھے پس وہ اسلام کے بازوؤں کی طرح تھے جب یہ دونوں جھوٹے ظاہر ہوئے اور من گھڑت باتوں اور جھوٹے دعوؤں کے ذریعے وہاں کے رہنے والوں سے جھوٹ بولا تو ان میں سے اکثر لوگ دھوکے میں آ گئے تو دونوں ہاتھ' دو شہروں کی طرح اور دونوں کنگن دو جھوٹوں کی طرح ہوئے اور ان کا سونے سے ہونا ان لوگوں کی من گھڑت باتوں کی طرف اشارہ تھا اور لفظ زخرف (من گھڑت) سونے کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔

اہل تعبیر کہتے ہیں جو شخص اپنے آپ کو اڑتا ہوا دیکھے اگر وہ آسمان کی طرف بلندی میں اڑ رہا ہو تو اسے نقصان پہنچے گا اور اگر وہ آسمان میں غائب ہو جائے اور واپس نہ آئے تو مر جائے گا اور اگر واپس آ جائے تو مرض سے افاقہ ہوگا اور اگر چوڑائی میں اڑے تو سفر کرے' اور اور اڑنے کے حساب سے بلندی پائے گا۔

سیاہ فام بکھرے ہوئے بالوں والی عورت

آپ کے خوابوں میں سے ایک خواب یہ ہے کہ آپ نے ایک سیاہ عورت کو دیکھا جس کے بال بکھرے ہوئے تھے تو

آپ نے اس کی تعبیر وبا سے کی جو مدینہ طیبہ سے جحفہ کی طرف منتقل ہوگئی۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:
میں نے ایک سیاہ رنگ کی بکھرے ہوئے بالوں والی عورت دیکھی جو مدینہ طیبہ سے نکلی حتیٰ کہ مہیعہ میں کھڑی ہوگئی اور یہ جحفہ ہے میں نے اس کی تاویل وبا سے کی جو مدینہ طیبہ سے جحفہ کی طرف منتقل ہوئی۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث :۷۰۳۹۔۷۰۴۰' سنن ترمذی رقم الحدیث :۲۲۹۰' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث :۳۹۲۴' مسند احمد ج ۲ ص ۱۰۷۔۱۱۷' مشکوۃ المصابیح للتبریزی رقم الحدیث :۴۶۳۵' دلائل النبوۃ ج ۶ ص ۵۶۸)

یہ ان خوابوں کی ایک قسم ہے جن کی تعبیر بتائی گئی اور یہ ضرب الامثال میں سے ہے اور مثال دینے کی وجہ یہ ہے کہ یہ سوداء یعنی السوء اور داء (سوء برا اور داء بیماری) سے مشتق ہے پس اس کے نام کو جمع کرکے اس کے ظاہر ہونے سے تعبیر کی گئی۔

اور اس کے بالوں کے بکھرے ہونے سے یہ مفہوم اخذ کیا کہ بری اور شر پھیلانے والی چیز مدینہ طیبہ سے نکل رہی ہے۔

قیروانی جو اہل تعبیر میں سے ہیں فرماتے ہیں کہ جس چیز کے چہرے پر سیاہی زیادہ پھیلی ہوئی نظر آئے تو وہ مکروہ ہے اور دوسرے حضرات نے کہا سر کے بالوں کے بکھرے ہونے کی تعبیر بخار سے کی جاتی ہے کیونکہ اس سے بدن کے بال کھڑے ہوجاتے ہیں اور یہ سر کی طرف چڑھتا ہے خصوصاً جب سوداء سے ہو تو اس کی وحشت زیادہ ہوتی ہے۔

مضبوط زرہ اور ذبح کی جانے والی گائے

نبی اکرم ﷺ نے خواب میں دیکھا کہ آپ مضبوط زرہ میں ہیں اور گائے ذبح کی جارہی ہے اور اس کی تعبیر بھی فرمائی۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ نبی اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا: میں نے خواب میں دیکھا کہ میں مکہ مکرمہ سے کھجوروں والی زمین کی طرف ہجرت کررہا ہوں تو میرا خیال یمامہ یا مقام ہجر کی طرف گیا لیکن یہ یثرب کا شہر تھا۔ میں نے اس میں گائے دیکھی اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ثواب بہتر ہے تو اس سے احد کے دن کے کچھ مومن مراد ہیں (جو شہید ہوئے) اور اس سے وہ خیر مراد ہے جو اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی اور اس صدق کا ثواب جو یوم بدر کے بعد ہمارے پاس آیا (یعنی وعدے کا سچا ہونا)۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث:۳۶۲۲۔۷۰۳۵' صحیح مسلم رقم الحدیث:۲۰' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۳۹۲۱' شرح السنۃ ج ۱۲ ص ۲۲۷' کنز العمال رقم الحدیث:۴۱۴۹۳)

امام احمد وغیرہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: میں نے دیکھا کہ گویا میں ایک مضبوط (لوہے کی) زرہ میں ہوں اور میں نے گائے دیکھی جو ذبح کی جارہی تھی تو میں نے مضبوط زرہ کی تاویل مدینہ طیبہ سے اور گائے کی تعبیر مسلمانوں کو پہنچنے والی شہادت سے کی آپ نے فرمایا "البقر بقرا" تو دوسرے لفظ "بقر" میں باء پر زبر اور قاف ساکن ہے اور یہ مصدر ہے (بقرہ 'یبقرہ' بقرا)۔

اس حدیث کا سبب وہ ہے جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں بیان ہوا اور اس حدیث کو حضرت امام

احمدٗ امام نسائی اور طبرانی نے نقل کیا اور حاکم نے اسے صحیح قرار دیا۔ ابوالزناد کے طریق سے مروی ہے۔ وہ حضرت عبید اللہ بن عبداللہ بن عتبہ کے واسطہ سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے غزوۂ احد کے واقعہ میں لکھتے ہیں اور نبی اکرم ﷺ کا ان کو مشورہ دینا کہ مدینہ طیبہ (شہر) سے نہ نکلیں ان کا طلب شہادت میں باہر نکلنے کو ترجیح دینا آپ ﷺ کا زرہ پہن لینا اور صحابہ کرام کا اس پر نادم ہونا اور آپ کا فرمانا کہ کسی نبی کے لئے جائز نہیں کہ جب وہ اپنی زرہ پہن لے تو لڑنے سے پہلے اسے اتار دے۔

اسی روایت میں ہے آپ نے فرمایا: میں نے دیکھا کہ میں مضبوط (یعنی لوہے کی) زرہ میں ہوں۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت کی طرح اور اس سے زیادہ مکمل ہے اور مقصد اول میں غزوۂ احد کے بیان میں اس بات کی طرف اشارہ ہو چکا ہے۔

اور یہ فرمایا کہ خیر وہ ہے جو اللہ تعالیٰ لائے گا اور صدق کا ثواب جو اللہ تعالیٰ یوم بدر کے بعد ہمیں عطا فرمائے گا' اس سے فتح خیبر اور پھر فتح مکہ مراد ہے یعنی دوسرے بدر کے بعد اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے دلوں کو قائم و ثابت رکھے گا۔

''فتح الباری میں فرمایا'' اس سیاق کلام میں اس بات کی خبر ہے کہ حدیث شریف میں آپ کا یہ خبر دینا کہ ''واللہ خیر'' (اللہ بھلائی والا ہے) یہ کلمہ بھی خواب کا حصہ ہے۔

اور میرے لئے جو بات ظاہر ہوئی ہے وہ یہ ہے کہ لفظ ''واللہ خیر'' اس کے راوی نے تحریر نہیں کیا اور ابن اسحاق کی روایت میں تحریر ہے نیز آپ نے گائے اور بھلائی دیکھی تو گائے کی تعبیر احد کے دن شہید ہونے والے صحابہ کرام سے کی اور خیر سے وہ ثواب مراد لیا جو لڑائی میں صداقت اور جہاد میں صبر پر ان کو حاصل ہوا اور یہ بدر کے دن سے اس کے بعد فتح مکہ تک حاصل ہوتا رہا۔

اس بنیاد پر بعد میں ہونا بدر اور احد کے درمیانی وقت کے ساتھ خاص نہیں' ابن بطال نے اس سے آگاہ کیا۔

نبی اکرم ﷺ کا تر کھجوریں دیکھنا

نبی اکرم ﷺ کے خوابوں میں سے ایک خواب یہ ہے کہ آپ کے پاس تر کھجوریں لائی گئیں۔ امام مسلم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے وہ فرماتے ہیں میں نے نبی اکرم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: کہ میں نے رات کو وہ دیکھا جو سونے والا دیکھتا ہے (خواب مراد ہے) گویا میں عقبہ بن رافع کے گھر میں ہوں اور میرے پاس ابن طاب کی کھجوروں میں سے کھجوریں لائی گئیں تو میں نے اس کی تعبیر یوں کی کہ ہمیں دنیا میں بلندی حاصل ہوگی اور آخرت میں اچھا انجام ہوگا اور ہمارا دین طیب وطاہر ہے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۵۰۲۵)

خواب میں تلوار دیکھنا جس کو حرکت دے رہے ہیں

اسی طرح آپ ﷺ نے خواب میں دیکھا کہ آپ تلوار کو حرکت دے رہے ہیں آپ نے اس کی تعبیر بھی بیان کی جیسا کہ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں پہلے گزر چکا ہے کہ آپ نے فرمایا: اور میں نے اس خواب میں دیکھا کہ میں تلوار کو حرکت دے رہا ہوں پس اس کا اگلا حصہ ٹوٹ گیا تو اس سے احد کے دن مسلمانوں کو حاصل ہونے والی شہادت مراد ہے پھر دوبارہ حرکت دی تو وہ پہلے سے بھی اچھی حالت میں لوٹ آئی تو اس سے مسلمانوں کی فتح اور ان کا دوبارہ جمع ہونا مراد ہے۔

یہ بھی ضرب المثل میں سے ہے نبی اکرم ﷺ کا صحابہ کرام کے ہمراہ حملہ کرنا تلوار کی تعبیر ہے اور آپ کا اسے حرکت دینا ان لوگوں کو لڑائی کا حکم دینا ہے اور اس کے کٹ جانے کی تعبیر مسلمانوں میں قتل کا پایا جانا ہے اور دوبارہ حرکت جب وہ اصلی حالت پر آ گئی اس سے مسلمانوں کا اجتماع اور کفار کے خلاف ان کی فتح مراد ہے۔

اہل تعبیر کہتے ہیں تلوار کی تعبیر چار طریقوں پر ہوتی ہے۔

جس شخص کو (خواب میں) تلوار حاصل ہو اسے غلبہ حاصل ہوتا ہے ولایت کے طور پر ہو یا امانت یا بیوی یا اولاد کی صورت میں اگر اسے میان سے باہر نکالے پس وہ ٹوٹ جائے تو اس کی بیوی محفوظ رہتی ہے لیکن اولاد کو مصیبت پہنچتی ہے اور اگر اس کی میان ٹوٹ جائے اور تلوار محفوظ رہے تو اس کے برعکس ہوتا ہے اگر دونوں محفوظ رہیں یا دونوں ٹوٹ جائیں تو بھی اسی طرح ہے تلوار کے دستے کا تعلق باپ اور عصبات (رشتہ داروں) سے ہے اس کی نعل (تلوار کی میان کا لوہے یا چاندی کا سرا) ماں اور ذوی الارحام (رشتہ داروں) سے متعلق ہے اگر تلوار کو ننگا کر کے کسی شخص کو قتل کرنے کا ارادہ کرے تو اس سے زبان کو جھگڑے کے لئے ننگا کرنا مراد ہے اور بعض اوقات تلوار کی تعبیر ظالم بادشاہ سے کی جاتی ہے۔

بعض تعبیر بتانے والوں نے یہ بھی کہا ہے کہ جو شخص دیکھے کہ اس نے تلوار کو میان میں کیا ہے وہ شادی کرے گا یا اس نے کسی آدمی کو تلوار سے مارا تو وہ اس کے بارے میں زبان درازی کرے گا اور جو آدمی دیکھے کہ وہ کسی اور سے لڑ رہا ہے اور اس کی تلوار اس دوسرے کی تلوار سے زیادہ لمبی ہے تو وہ اس پر غالب آئے گا اور جو شخص بہت بڑی تلوار دیکھے تو یہ ایک فتنہ ہے اور جو آدمی تلوار لٹکائے تو کوئی معاملہ اس کے سپرد ہوگا اور اگر تلوار چھوٹی ہو تو یہ معاملہ دائمی نہیں ہوگا۔

نبی اکرم ﷺ کا اپنے آپ کو کنویں پر دیکھنا

نبی اکرم ﷺ نے اپنے آپ کو کنویں پر دیکھا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: اس دوران کہ میں سویا ہوا تھا میں نے اپنے آپ کو ایک کنویں پر دیکھا اور اس کے اوپر ایک ڈول تھا میں نے اس سے کھینچا جس قدر اللہ تعالیٰ نے چاہا پھر اسے ابو قحافہ کے بیٹے (حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ) نے لے لیا۔ انہوں نے اس سے ایک یا دو بھرے ہوئے ڈول نکالے اور ان کے نکالنے میں کمزوری تھی اور اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے پھر وہ بڑے ڈول میں بدل گیا تو اسے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے لے لیا تو میں نے لوگوں میں کسی قوت والے کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرح نکالتے نہیں دیکھا حتیٰ کہ لوگوں کے اونٹوں نے سیر ہو کر پیا۔

(حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو عبقری قرار دیا) اور قوم کا عبقری ان کا سردار بڑا اور قوی شخص ہوتا ہے۔

اور ایک روایت میں ہے کہ وہ مسلسل نکالتے رہے حتیٰ کہ لوگ اس حال میں واپس ہوئے کہ حوض سے پانی پھوٹ پھوٹ کر نکل رہا تھا۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ میرے پاس آئے پس انہوں نے میرے ہاتھ سے ڈول پکڑ لیا تاکہ مجھے راحت پہنچائیں۔

حضرت موسیٰ' حضرت سالم سے اور وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: میں نے دیکھا کہ لوگ جمع ہوئے پس حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور آپ نے ایک یا دو ڈول نکالے اور ان کے

نکالنے میں کمزوری تھی اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے۔ پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے تو چھوٹا ڈول بڑے ڈول میں بدل گیا پس میں نے لوگوں میں سے کسی شخص کو ان کی طرح عمدہ طریقے پر نکالتے ہوئے نہیں دیکھا حتیٰ کہ لوگوں کے اونٹوں نے سیر ہو کر پیا۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں علماء کرام نے فرمایا کہ یہ خواب ان دونوں خلیفوں کے ہاں ظاہر ہونے والے آثار صالحہ اور ان سے لوگوں کے نفع حاصل کرنے کی مثال ہے۔

اور یہ سب کچھ نبی اکرم ﷺ سے حاصل ہوا کیونکہ آپ دین لائے اور اسے مکمل کیا اور اس کے قواعد کو مضبوط کیا پھر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ آپ کے خلیفہ ہوئے تو انہوں نے مرتد لوگوں سے جنگ کر کے ان کی جڑ کاٹ دی۔ پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ان کے نائب ہوئے تو ان کے زمانے میں اسلام کو وسعت حاصل ہوئی۔

پس مسلمانوں کے معاملے کو ایسے کنویں سے تشبیہ دی گی جس میں ایسا پانی ہو جس پانی میں ان کی زندگی اور بھلائی ہے اور ان کا امیر ان کے لئے اس سے پانی نکال رہا ہے۔

نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمانا: کہ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے میرے ہاتھ سے ڈول لے لیا تا کہ مجھے راحت پہنچائیں اس میں نبی اکرم ﷺ کے وصال کے بعد آپ کی خلافت کی طرف اشارہ ہے کیونکہ موت دنیا کی مشقتوں اور تھکاوٹ سے راحت ہے چنانچہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ امت کے معاملات کی تدبیر اور ان کے احوال کی اعانت و مدد کے لئے کمربستہ ہوئے۔

اور یہ فرمانا کہ ان کے نکالنے میں کمزوری ہے تو یہ اس بات کی خبر تھی کہ ان کی مدت خلافت کم ہو گی جب کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی حکومت طویل تھی اور لوگوں نے اس سے نفع اٹھایا فتوحات کی کثرت شہروں کی تعمیر اور محکمہ جات کی تدوین کی وجہ سے اسلام کا دائرہ وسیع ہوا۔

اور نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمانا: کہ اللہ تعالیٰ ان کی بخشش فرمائے یہ کسی عیب کی وجہ سے نہیں اور نہ ہی اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ان سے گناہ سرزد ہوا یہ کلمہ اہل عرب کہا کرتے تھے۔

اور یہ فرمانا: کہ ان کے ہاتھ میں ڈول بدل گیا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ چھوٹا ڈول بڑے ڈول میں بدل گیا۔

''غرب'' غین پر زبر راء ساکن اور اس کے بعد باء ہے بڑے ڈول کو کہتے ہیں۔

امام احمد اور امام ابوداؤد رحمہما اللہ نے حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں نے (خواب میں) دیکھا کہ گویا ایک بہت بڑا ڈول آسمان سے لٹکایا گیا پس حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور آپ نے اس کی دونوں لکڑیوں (جو دستے کی شکل میں تھیں) کو پکڑا اور اس سے کمزوری کے ساتھ کچھ نوش فرمایا پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ تشریف لائے انہوں نے اس ڈول کی لکڑیوں (دستے) کو پکڑا اور نوش فرمایا حتیٰ کہ آپ کے پہلو بھر گئے (سیر ہو کر پیا) پھر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ تشریف لائے انہوں نے اس کے دستے کو پکڑا اور سیر ہو کر پیا اور پھر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ تشریف لائے تو ان کے نکالنے میں اضطراب تھا (جس سے کچھ پانی گر گیا) آپ نے اس میں سے کچھ پانی کے اپنے اوپر چھینٹے مارے۔

حدیث شریف میں ''فاخذ بعراقیها'' کے الفاظ ہیں اور عراقی: عرقوۃ الدلو کی جمع ہے اور یہ ایک لکڑی ہے جو

ڈول کے منہ پر رکھی جاتی ہے اور یہ دولکڑیاں صلیب کی طرح تھیں جب کوئی شخص ڈول کے ساتھ لکڑی لگائے تو کہا جاتا ''عرقیت الدلو میں نے ڈول میں لکڑی لگائی''۔اسی طرح انتشطت کا لفظ استعمال ہوا جس کا معنیٰ پانی کا اچھلنا ہے۔تو یہ نبی اکرم ﷺ کے مبارک خوابوں میں سے چند خوابوں کا ان کی تعبیر کے ساتھ تذکرہ ہے۔

صحابہ کرام کے خواب اور تعبیر نبوی

نبی اکرم ﷺ کے علاوہ دوسرے لوگوں نے خواب دیکھے اور آپ نے ان کی تعبیر بیان کی ان میں خاص خواب بھی ہیں اور دنیوی اور اخروی امور کو شامل خواب بھی ہیں۔

نبی اکرم ﷺ کا صحابہ کرام سے ان کے خوابوں کے بارے میں سوال کرنا

نبی اکرم ﷺ جب صبح کی نماز سے فارغ ہوتے تو صحابہ کرام کی طرف متوجہ ہو کر فرماتے تم میں سے جس نے رات کو خواب دیکھا ہو وہ بیان کرے تا کہ میں اسے اس کی تعبیر بتاؤں چنانچہ صحابہ کرام آپ کے سامنے اپنے اپنے خواب بیان کرتے۔

''صحیح بخاری اور جامع ترمذی میں''حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں: نبی اکرم ﷺ صحابہ کرام سے اکثر فرماتے: کیا تم میں سے کسی نے خواب دیکھا ہے تو جس کے بارے اللہ تعالیٰ چاہتا وہ آپ کے سامنے بیان کرتا ایک صبح آپ نے فرمایا: کیا تم میں سے کسی نے خواب دیکھا ہے؟ صحابہ کرام نے عرض کیا ہم میں سے کسی نے کچھ نہیں دیکھا آپ نے فرمایا لیکن آج رات میرے پاس دو آنے والے آئے ان دونوں نے مجھے اٹھایا اور مجھ سے کہا چلئے میں چلا پس میں ایک شخص کے پاس آیا جو لیٹا ہوا تھا اور دوسرا آدمی اس کے پاس ایک بڑا پتھر لے کر کھڑا تھا وہ پتھر کو اس کی طرف جھکا کر اس کے سر کو کچل رہا تھا۔[1]

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۰۴۷ مسند احمد ج ۵ ص ۸۔۱۴ السنن الکبریٰ ج ۴ ص ۱۸۸ مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۴۶۲۵)

نبی اکرم ﷺ کا صحابہ کرام سے خوابوں کے بارے میں سوال نہ کرنا

نبی اکرم ﷺ کھڑے ہو کر صحابہ کرام سے پوچھتے کہ کیا تم میں سے کسی نے آج رات کوئی خواب دیکھا ہے؟ پھر آپ نے پوچھنا چھوڑ دیا پس جو آدمی آپ کے سامنے خواب بیان کرتا تو آپ سوال کئے بغیر تعبیر بتا دیتے۔ ناقلین کا ترک سوال کے سبب میں اختلاف ہے۔

کہا گیا ہے کہ اس کا سبب حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے جو امام ترمذی اور امام ابوداؤد رحمہما اللہ نے نقل کی کہ نبی اکرم ﷺ نے ایک دن فرمایا تم میں سے کس نے خواب دیکھا ہے؟ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں نے دیکھا ہے میں نے دیکھا کہ آسمان سے ایک ترازو اترا پس آپ کا اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا وزن کیا گیا تو آپ کا

[1] آپ نے یہ تعبیر بیان فرمائی کہ یہ دو فرشتے آئے جس طرح ایک دوسری حدیث میں ہے ان سے حضرت جبریل اور میکائیل علیہما السلام تھے جس شخص کا سر کچلا تو یہ وہ شخص ہے جس نے قرآن یاد کر کے چھوڑ دیا اور فرض نماز سے سویا رہتا ہے ایک جگہ اس کی تعبیر یوں ہے کہ وہ علم قرآن پر عمل نہیں کرتا رات کو سوتا ہے اور دن کو عمل نہیں کرتا۔ (زرقانی ج ۷ ص ۱۹۱)

وزن زیادہ نکلا اور حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کا باہم وزن کیا گیا تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا وزن زیادہ ہوا حضرت عمر فاروق اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کا وزن کیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا وزن زیادہ ہوا پھر ترازو اٹھالیا گیا۔ راوی فرماتے ہیں: پھر ہم نے نبی اکرم ﷺ کے چہرۂ انور پر ناراضگی کے آثار دیکھے۔ علماء کرام فرماتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے اسی وجہ سے کسی سے خواب کے بارے میں نہ پوچھا۔

بعض حضرات فرماتے ہیں: نبی اکرم ﷺ کی ناپسندیدگی کا سبب نتائج اور مراتب چھپانے کو ترجیح دینا ہے پس جب یہ خواب صحابہ کرام کے مراتب کو واضح کرنے اور بعض کی بعض پر فضیلت کے بیان پر مشتمل تھا اور اس میں تعین کیا گیا تو آپ کو خوف ہوا کہ کہیں کشف میں اس سے زیادہ بلیغ باتیں تواتر کے ساتھ آنا شروع نہ ہو جائیں اور مخلوق کے شر میں اللہ تعالیٰ کی حکمت بالغہ اور مشیت جاریہ ہے۔

ابن قتیبہ نے کہا ابن منیر نے ذکر کیا کہ ابن زمل کی حدیث میں سوال چھوڑنے کا سبب یہ تھا کہ نبی اکرم ﷺ جب فجر کی نماز پڑھتے تو اپنے پاؤں کو دوہرا کرتے ہوئے ستر مرتبہ یہ کلمات پڑھتے:

سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ وَاَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ تَوَّابًا. اللہ تعالیٰ کی حمد کے ساتھ ہم اس کی پاکیزگی بیان کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے بخشش طلب کرتے ہیں بے شک وہ بہت توبہ قبول کرنے والا ہے۔

پھر فرماتے ستر کا ثواب سات سو ہے اس شخص میں کوئی بھلائی نہیں جس کے گناہ دن میں سات سو سے زیادہ ہوں پھر صحابہ کرام کی طرف متوجہ ہو کر فرماتے: کیا تم سے کسی نے کچھ (خواب) دیکھا ہے؟ ابن زمل فرماتے ہیں: ایک دن میں نے عرض کیا یارسول اللہ! میں نے خواب دیکھا ہے آپ نے فرمایا: بھلائی ہے جو ملے گی اور شر جس سے حفاظت ہوگی ہمارے لئے بھلائی اور ہمارے دشمنوں کے لئے شر ہے اور تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا رب ہے اپنا خواب بیان کرو۔

انہوں نے کہا میں نے تمام لوگوں کو کشادہ آسان نرم راستے پر دیکھا ہے اور لوگ اپنے راستے پر جا رہے ہیں اس دوران وہ راستہ ان کو ایک چراگاہ کی طرف لے گیا جس کی مثل میری آنکھوں نے نہیں دیکھا اس کا پانی بہت زیادہ ہے اور اس کی بارش طرح طرح کی گھاس اگاتی ہے گویا میرے پاس گھڑسواروں کا پہلا دستہ آیا ہے جب وہ چراگاہ پر چڑھے تو تکبیر کہی پھر اپنی سواریوں کو راستے میں چھوڑ دیا پس وہ دائیں بائیں نہ نکلے پھر ان کے بعد دوسرا دستہ آیا اور وہ ان سے کئی گنا زیادہ تھے جب وہ چراگاہ پر چڑھے تو انہوں نے تکبیر کہی پھر اپنی سواریوں کو راستے میں چھوڑ دیا ان میں سے بعض چرنے کے لئے چھوڑے جاتے اور بعض نے ملے جلے گھاس کی مٹھی لی اور اسی طرح چل پڑے۔ راوی فرماتے ہیں: پھر بہت سے لوگ آئے جب وہ چراگاہ پر گئے تو تکبیر کہی اور کہا یہ بہترین جگہ ہے پس وہ چراگاہ میں دائیں بائیں جھکے میں نے یہ صورت دیکھی تو میں نے راستہ اختیار کر لیا حتیٰ کہ چراگاہ کی دوسری جانب چلا گیا یارسول اللہ! اس وقت میں آپ کے ساتھ منبر پر تھا جس کے سات زینے تھے آپ سب سے اعلیٰ زینے (درجے) پر تھے آپ کی دائیں جانب ایک شخص ہے جس کا رنگ گندمی ہے اور اس کی ناک درمیان سے بلند ہے وہ کلام کرتے کرتے بلند ہوتا جا رہا ہے قریب تھا کہ وہ لمبائی میں تمام مردوں سے بڑھ جائے اور آپ کی بائیں جانب ایک شخص ہے جو زیادہ لمبا بھی نہیں اور پستہ قد بھی نہیں (بھوک

وغیرہ کی وجہ سے) اس کی حالت کمزور ہے اور وہ سرخ رنگ کا ہے اور اس کے چہرے پر بہت سے تل ہیں جب وہ گفتگو کرنے لگا تو آپ نے اس کے احترام میں اس کی طرف کان لگائے پھر اس کے سامنے ایک شیخ تھا گویا کہ آپ اس کی اقتداء کر رہے ہیں اور اس کے پاس ایک کمزور بوڑھی اونٹنی ہے اچانک یوں لگا کہ گویا یارسول اللہ! آپ اس کو اٹھار ہے ہیں۔ (لسان العرب ج ۱۱ ص ۳۳۰۔ ج ۱ ص ۹۷)

راوی فرماتے ہیں: ایک ساعت نبی اکرم ﷺ کے چہرۂ انور کا رنگ بدل دیا پھر یہ حالت دور ہوئی تو آپ نے فرمایا: تم نے جو آسان اور کھلا راستہ دیکھا ہے تو یہ وہ ہدایت جس پر میں تمہیں چلاتا ہوں پس تم اس پر ہو اور تم نے جو چراگاہ دیکھی ہے تو یہ دنیا اور اس کی اچھی زندگی ہے ہمارا اس سے کوئی تعلق نہیں نہ اس نے ہمارا ارادہ کیا اور نہ ہم نے اس کا ارادہ کیا۔

اور تم نے دوسرے اور تیسرے گھڑ سواروں کا ذکر کیا اور آپ نے ان کا کلام ذکر کر کے ''انا للہ وانا الیہ راجعون '' پڑھا۔ بے شک ہم اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں اور بے شک ہم اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں۔

تم اچھے راستے پر ہو اور ہمیشہ اسی پر رہو گے حتیٰ کہ مجھ سے ملاقات کرو جہاں تک منبر کا تعلق ہے تو دنیا سات ہزار سال ہے اور میں اس کے آخری ہزار سال میں ہوں اور وہ شخص جو لمبے قد اور گندم گوں رنگ کا ہے تو یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیں ہم ان کا احترام کرتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو فضیلت عطا فرمائی (ان سے کلام فرمایا) اور وہ شخص جس کا قد زیادہ لمبا اور زیادہ چھوٹا نہیں اس کی حالت کمزور ہے اور اس کا رنگ سرخ ہے تو یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں ہم ان کا احترام کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو مقام ومرتبہ عطا فرمایا۔ اور جس شیخ کو تم نے دیکھا کہ گویا ہم اس کی اقتدا کر رہے ہیں تو یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں اور وہ کمزور بوڑھی اونٹنی جس کو تم نے دیکھا ہے کہ میں اسے اٹھا رہا ہوں تو یہ امت پر قائم ہونے والی قیامت ہے کیونکہ میرے بعد کوئی نبی نہیں اور میری امت کے بعد کوئی امت نہیں۔

راوی فرماتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے اس کے بعد کسی سے بھی خواب کے بارے میں نہ پوچھا مگر یہ کہ کوئی شخص آ کر خود بخود بیان کر دیتا۔

اس روایت کو ابن قتیبہ اور طبرانی نے نیز امام بیہقی نے ''الدلائل میں'' نقل کیا اور اس کی سند بہت کمزور ہے۔

(دلائل النبوۃ ج ۷ ص ۳۶)

حضرت زرارہ نخعی رضی اللہ عنہ کا خواب

نبی اکرم ﷺ سے منقول ایک عجیب تعبیر یہ ہے کہ حضرت زرارہ بن نخعی وفد نخعہ میں نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے عرض کیا یارسول اللہ! میں نے اپنے اس (سفر کے دوران) راستے میں ایک خواب دیکھا ہے میں نے دیکھا کہ ہماری اونٹنی جسے میں اپنے قبیلہ میں چھوڑ کر آیا ہوں اس کے ہاں ایک بچہ پیدا ہوا جس کا سیاہ رنگ ہے جس میں سرخی بھی ہے نبی اکرم ﷺ نے پوچھا: کیا تمہاری کوئی لونڈی ہے جس کو تم نے اس حالت میں چھوڑا ہو کہ اس کا حمل ثابت ہو؟ انہوں نے عرض کیا جی ہاں! میں نے ایک لونڈی چھوڑی ہے جو حاملہ ہے آپ نے فرمایا: اس کے ہاں بچہ پیدا ہوا ہے اور وہ تمہارا بیٹا ہے انہوں نے پوچھا وہ سرخ وسیاہ کیوں ہے؟ آپ نے فرمایا: میرے قریب ہو جاؤ وہ قریب ہوئے تو آپ نے فرمایا: کیا تمہیں برص کی بیماری ہے جسے چھپاتے ہو؟ عرض کیا جی ہاں اس ذات کی قسم جس نے آپ کو

حق کے ساتھ بھیجا ہے اسے مخلوق نے نہیں دیکھا اور نہ کسی کو اس کا علم ہے آپ نے فرمایا یہ وہی ہے۔

حضرت زرارہ فرماتے ہیں میں نے حضرت نعمان بن منذر رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ ان کے کانوں میں دو بالیاں' دو بازو بند اور دو کڑے ہیں تو (اس کی تعبیر میں) فرمایا یہ عرب کی بادشاہی ہے جو اپنی افضل شکل اور حسن کی طرف لوٹ آئی ہے۔[1]

فرماتے ہیں میں نے ایک سفید بالوں والی بڑھیا کو دیکھا جو زمین سے نکل رہی تھی تو آپ نے فرمایا: یہ دنیا کا باقی ماندہ حصہ ہے۔

نیز فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا زمین سے آگ نکلی جو میرے اور میرے بیٹے عمرو کے درمیان حائل ہوگئی اور میں نے دیکھا وہ آگ کہہ رہی ہے آگ کی بھڑک ہے دیکھنے والے اور اندھے (کسی کو نہیں چھوڑے گی) میں تم سب کو کھاؤں گی اور تمہارے گھر والوں اور مالوں کو ہلاک کر دوں گی' نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: یہ فتنہ ہے جو آخری زمانے میں ہو گا۔ انہوں نے پوچھا یا رسول اللہ! کون سا فتنہ؟ فرمایا (جس میں) لوگ اپنے امام پر جرأت کر کے اسے شہید کریں گے پھر اس طرح گتھم گتھا ہوں گے جس طرح سر کی ہڈیاں ایک دوسرے میں داخل ہیں (یہ فرماتے ہوئے) نبی اکرم ﷺ نے اپنے دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو ایک دوسرے میں ڈالا (فرمایا) گناہ کرنے والا یہ خیال کرے گا کہ وہ نیکی کر رہا ہے (کیونکہ اسے غلبہ حاصل ہوگا اسی طرح اہل باطل اپنے آپ کو اہل حق سمجھیں گے) اور مومن کے نزدیک دوسرے مومن کا خون ٹھنڈے پانی سے زیادہ میٹھا ہوگا۔

تو اس تعبیر کو دیکھو جو مشکوٰۃ نبوت سے ظاہر ہوئی' حق کی مٹھاس سے بھرپور ہے' سچائی کے لباس میں ملبوس اور وحی کے انوار سے روشن ہے اس حدیث میں استعمال ہونے والے بعض الفاظ کے معانی اس طرح ہیں:

الاسفع۔ وہ بچہ (یا شخص) جس کے جسم کو کوئی دوسرا رنگ ملے۔

الاحوی۔ سیاہ رنگ جو زیادہ تیز نہ ہو' **المسکتان** 'سونے کے کنگن' **اطباق الراس**' سر کی ہڈیاں' **الاشتجار**' اختلاف اور **تشبیک** دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کا ایک دوسرے میں داخل ہونا۔

اگر تم کہو کہ نبی اکرم ﷺ نے یہاں سوارین (کنگن) کی جو تعبیر فرمائی ہے وہ خوشخبری کی طرف لوٹتی ہے اور اس سے پہلے دو جھوٹے (مسیلمہ اور اسود) مراد لئے تھے (اس کی کیا وجہ ہے؟)۔

اس کا جواب یہ ہے کہ نعمان بن منذر عرب کے بادشاہ تھے اور ان کو کسریٰ کی جانب سے بادشاہ بنایا گیا تھا اور وہ اپنے بادشاہوں کو کنگن دیتے اور بطور زیور پہناتے تھے اور حضرت نعمان کے لباس سے کنگن ان کے حق میں ناپسندیدہ نہیں تھے اور نہ ہی ان کو ان کے اصل مقام کے علاوہ رکھا گیا۔ جہاں تک نبی اکرم ﷺ کا تعلق ہے تو آپ نے اپنی امت کے تمام افراد (مردوں) کو سونا پہننے سے منع فرمایا تو یہ بات مناسب تھی کہ آپ اس سے پریشان ہوں کیونکہ یہ آپ کے لباس میں سے نہیں چنانچہ آپ نے اس سے استدلال کیا کہ کوئی امر اپنے مقام کے علاوہ رکھا جا رہا ہے (اور وہ مسیلمہ اور اسود عنسی کا دعویٰ نبوت تھا) لیکن ان کنگنوں کے چلے جانے (اڑ جانے) سے نتیجہ اچھا ہوگا پس اللہ ہی کے لئے حمد ہے۔

[1] کیونکہ حضرت نعمان عرب پر بادشاہ تھے تو مطلب یہ ہے کہ اہل عرب کا پہلے والا عز و شرف لوٹ آیا ہے اور ایران و عجم کا غلبہ ختم ہو گیا کیونکہ نبی اکرم ﷺ کا ظہور مبارک ہو چکا ہے۔ (زرقانی ج ۷ ص ۱۹۴)

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کا خواب

ان خوابوں میں سے ایک خواب وہ ہے جو حضرت قیس بن عباد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے (عباد کی عین پر پیش اور باء غیر مشدد ہے)۔

وہ فرماتے ہیں میں ایک حلقہ میں تھا جس میں حضرت سعد بن مالک اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم بھی تھے کہ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ گزرے ان حضرات نے کہا یہ شخص اہل جنت میں سے ہے میں نے حضرت ابن سلام سے کہا کہ یہ حضرت اس طرح کہتے ہیں انہوں نے فرمایا: سبحان اللہ! ان کو ایسی بات کہنا نہیں چاہیے جس کا انہیں علم نہیں میں نے دیکھا کہ گویا ایک ستون ہے جو ایک سرسبز باغ کے درمیان میں رکھا گیا پھر اسے نصب کیا گیا اور اس کے کنارے پر رسی ہے اور اس کے نیچے ایک خادم ہے اس نے کہا اس پر چڑھیئے پس میں اس پر چڑھا حتیٰ کہ رسی کو پکڑ لیا میں نے یہ واقعہ نبی کریم ﷺ کو سنایا تو آپ نے فرمایا: حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کا وصال ہوگا تو مضبوط رسی (دین اسلام مراد ہے) ان کے ہاتھ میں ہوگی۔[1]

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۰۱۰ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۴۹ کنز العمال رقم الحدیث: ۳۳۵۱۸)

حضرت خرشہ رضی اللہ عنہ[2] کی روایت میں ہے (حضرت ابن سلام) فرماتے ہیں: اس دوران کہ میں سویا ہوا تھا میرے پاس ایک شخص آیا اور مجھ سے کہا کھڑے ہو جاؤ چنانچہ اس نے میرا ہاتھ پکڑا تو میں اس کے ساتھ چل پڑا اچانک میں نے دیکھا کہ میں ایک راستے پر ہوں جو میری بائیں جانب ہے (لفظ جواد استعمال ہوا جو جادہ کی جمع ہے ایسے راستے کو کہتے ہیں جس پر لوگ چلتے ہیں) فرماتے ہیں میں اس پر چلنے لگا تھا کہ اس شخص نے کہا اس پر نہ چلو یہ بائیں جانب والوں کا راستہ ہے (کفار کا راستہ ہے)۔

امام نسائی کی روایت میں میں حضرت خرشہ کے طریق سے حضرت ابن سلام رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: اس دوران کہ میں چل رہا تھا میری دائیں جانب ایک راستہ سامنے آیا میں نے اس پر چلنے کا ارادہ کیا تو اس شخص نے کہا آپ اس راستے والوں میں سے نہیں ہیں۔

"صحیح مسلم میں ہے" فرماتے ہیں: اچانک دیکھا تو میری دائیں جانب ایک راستہ ہے تو اس شخص نے کہا اس کو یہاں سے اختیار کریں پس وہ مجھے پہاڑ پر لایا اور کہا اوپر چڑھو فرماتے ہیں: میں جب چڑھنے کا ارادہ کرتا تو گر جاتا حتیٰ کہ میں نے کئی مرتبہ ایسا کیا۔

ابن عون کی روایت میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: اس باغ سے اسلام کا باغ مراد ہے اور وہ ستون اسلام کا ستون ہے اور اس رسی سے مضبوط رسی (دین اسلام یا قرآن مجید) مراد ہے یعنی تم مرتے دم تک اسلام سے وابستہ رہو گے۔

---

1. حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ یہودیوں کے عالم تھے پھر ایمان لائے حضور علیہ السلام نے ان کے حسن خاتمہ کی خبر دی ہے۔ ۱۲ ہزاروی
2. خرشہ بن حر یتیم تھے اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی کفالت میں تھے امام ابوداؤد فرماتے ہیں ان کو شرف صحابیت حاصل ہے عجلی فرماتے ہیں جلیل القدر تابعین میں سے تھے ۷۴ھ میں وصال ہوا۔ (زرقانی ج ۷ ص ۱۹۶)

امام نسائی اور ابن ماجہ کے نزدیک حضرت خرشہ کی روایت میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: تم نے بھلائی دیکھی ہے؛ راستے سے محشر مراد ہے اور پہاڑ شہداء کی منزل ہے' امام مسلم نے اتنا اضافہ کیا کہ اسے تم ہرگز نہ پاسکو گے۔

تو یہ ہمارے نبی ﷺ کی نبوت کی خبروں میں سے خبر ہے کیونکہ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کا انتقال بطور شہید نہیں ہوا بلکہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کے آغاز میں آپ مدینہ طیبہ میں اپنے بستر پر فوت ہوئے۔

اور محدثین کا آپ کو اہلِ جنت سے قرار دینا اس بات سے اخذ کیا گیا کہ جب انہوں نے بائیں راستے کا ذکر کیا تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا تم ادھر والوں میں سے نہیں ہو۔

اور آپ کا یہ فرمانا کہ ان کے لئے ایسی بات کہنا مناسب نہیں' جس کا ان کو علم نہیں' تواضع کے طور پر تھا نیز اس بات کو ناپسند کیا کہ ان کی طرف انگلیوں سے اشارہ کیا جائے اس بات سے ڈرتے ہوئے کہ ان میں خود پسندی نہ آجائے۔ (اللہ تعالیٰ ہمیں تمام ناپسندیدہ باتوں سے بچائے۔)

قیروانی کہتے ہیں جس باغ کی سبزی کی پہچان نہ ہو اسے اس کی تازگی اور حُسن منظر کی وجہ سے اسلام سے تعبیر کیا جاتا ہے نیز فضیلت والے مکان سے بھی اس کی تعبیر ہوتی ہے بعض اوقات قرآن مجید' علمی کتب اور عالم وغیرہ سے بھی تعبیر کی گئی ہے۔

دوسرے معبرین نے کہا کہ حلقہ اور مجہول رسی اس شخص پر دلالت کرتی ہے جو اسے اپنے دین میں مضبوطی اور اخلاص سے پکڑے۔

ام العلاء انصاریہ کا خواب

ان خوابوں میں سے ایک ام العلاء انصاریہ کا خواب بھی ہے جسے امام بخاری نے نقل کیا اور یہ انصار کی ایک خاتون تھیں جنہوں نے نبی اکرم ﷺ کے دست مبارک پر بیعت کا شرف حاصل کیا' فرماتی ہیں مجھے خواب میں حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ وصال کے بعد جاری چشمے کی صورت میں دکھائے گئے تو میں نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی آپ کو تمام واقعہ سنایا آپ نے فرمایا یہ ان کا جاری عمل ہے۔[1]

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۶۸۷_۳۹۲۹' السنن الکبریٰ ج ۴ ص ۷۶_ ج ۱۰ ص ۲۸۸' اتحاف السادۃ المتقین ج ۹ ص ۲۲۵)

یہ بھی کہا گیا کہ اس بات کا احتمال ہے کہ حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کے کسی عمل کا ثواب باقی ہو جو صدقہ (جاریہ کی طرح) جاری ہو۔

مغلطائی نے اس کا انکار کرتے ہوئے کہا کہ ان باتوں میں سے کوئی نہیں جو امام مسلم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً نقل کی ہیں کہ جب بندہ فوت ہو جاتا ہے تو اس کا عمل منقطع ہو جاتا ہے البتہ تین کام (یعنی ان کا ثواب) جاری رہتا ہے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۴' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۸۸۰' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۱۳۷۶' سنن نسائی رقم الحدیث: ۱۷۹۶' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۴۱' مسند احمد ج ۲ ص ۳۷۲' نصب الرایہ ج ۳ ص ۱۵۹' اتحاف السادۃ المتقین ج ۱ ص ۱۱۴_ ج ۵ ص ۲۲_ ج ۹ ص ۸۷' الترغیب والترہیب ج ۱ ص ۹۹_ ۱۱۰_ ۱۱۸' المغنی ج ۱ ص ۱۲_ ج ۲ ص ۲۳' کشف الخفاء ج ۱ ص ۱۰۵)

---

[1] یہ تین کام (۱) صدقہ جاریہ (۲) وہ علم جس سے لوگوں کو نفع پہنچے اور (۳) نیک اولاد جو ان (ماں باپ) کے لئے دعا مانگے۔

(زرقانی ج ۷ ص ۱۹۸ بحوالہ صحیح مسلم)

شیخ ابن حجر نے ان کا رد کرتے ہوئے کہا کہ ان (حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ) کے ایک نیک صاحبزادے تھے جو بدر اور اس کے بعد جہاد میں شریک ہوئے اور وہ حضرت سائب تھے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت میں ان کا انتقال ہوا اور وہ ان تین اعمال میں سے تھے جن کا ثواب جاری ہے۔ فرماتے ہیں حضرت عثمان مالدار لوگوں میں سے تھے پس بعید نہیں کہ انہوں نے کوئی ایسا صدقہ کیا ہو جس کا ثواب وصال کے بعد بھی جاری رہا۔

مہلب کہتے ہیں جاری چشمے میں کئی وجوہ کا احتمال ہے اگر اس کا پانی صاف ہو تو اس کی تعبیر اچھے عمل سے ہوگی ورنہ نہیں دوسرے حضرات فرماتے ہیں جاری چشمہ جاری عمل ہے وہ صدقہ ہو یا کسی زندہ یا فوت شدہ سے نیکی کرنا ہو۔

کسی دوسرے نے کہا کہ پانی کا چشمہ نعمت برکت اور بھلائی ہے اور آرزو کا پورا ہونا ہے اگر خواب دیکھنے والے کی حالت پوشیدہ ہو اور اگر وہ پاکدامن نہ ہو تو اسے مصیبت پہنچتی ہے جس پر اس کے گھر والے روتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

نبی اکرم ﷺ کی بیان کردہ تعبیرات میں سے کچھ ذکر کیا گیا ان سے اس قسم کے خوابوں کی تعبیر میں رہنمائی ملتی ہے ورنہ آپ سے تاویل و تعبیر کے سلسلے میں جو عجیب و لطیف باتیں منقول ہیں جیسا کہ ابن منیر نے کہا وہ کئی جلدوں میں بھی نہیں آسکتیں۔

اور جب تم غور کرو تو اس امت میں سے کسی ایک کو علم و عمل کے اعتبار سے جو کرامت و اعزاز حاصل ہوا وہ نبی اکرم ﷺ کے معجزہ کے آثار اور آپ کی تصدیق کے راز سے ہے آپ کے طریق کی برکات اور آپ کی سیرت طیبہ اور توفیق سے ہدایت حاصل کرنے کے ثمرات و نتائج ہیں۔

میں نے صرف ان تعبیرات کا ذکر کیا جو حضرت امام محمد بن سیرین رحمہ اللہ کو تعبیر کے لطائف سے ملا اور وہ معروف و مشہور ہے۔ زمین کے طبقہ میں سچائی اور درستگی اور تعجب خیز ہونے کے اعتبار سے لوگوں کے کان اس سے آشنا ہیں' بلکہ یہ گہرا اور پانی سے بھرپور سمندر ہے۔

(جب تم غور کرو گے تو) اس نتیجہ پر پہنچو گے کہ نبی اکرم ﷺ کو جو علوم و معارف عطا ہوئے ہیں عبارات ان کا احاطہ نہیں کر سکتیں' اشارات ان کی حقیقت کا ادراک نہیں کر سکتے۔

جب امام ابن سیرین رحمہ اللہ جو آپ کے ایک امتی ہیں ان کی حالت یہ ہے کہ ان سے تعبیر کے فن میں اس قدر منقول ہے جو کثرت کے باعث شمار میں نہیں آسکتا تو نبی اکرم ﷺ کا کیا حال ہوگا جب کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاں زیادہ فضل و شرف عطا فرمایا اور آپ کے علوم و معارف کے بادلوں سے ہمیں فیضان عطا فرمایا اور آپ کی مہربانیوں سے ہمیں بہرہ ور فرمایا۔

فصل نمبر ۳

نبی اکرم ﷺ کا غیبی خبریں دینا

جان لو کہ غیب (کا علم) اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے اور جو کچھ اس کے رسول ﷺ اور دوسرے لوگوں کی زبان پر واقع ہوتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے (عطا) ہوتا ہے وحی کے ذریعے ہو یا الہام کے ذریعے۔

اس پر اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد گرامی شاہد ہے:

عَالِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا ۝ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ. (جن: ۲۶۔۲۷)

وہ (اللہ تعالیٰ) غیب کا عالم ہے پس وہ اپنے غیب کو کسی ایک پر ظاہر نہیں کرتا مگر جس رسول کو چن لے۔

تاکہ یہ غیب پر اطلاع اس نبی کا معجزہ ہو جائے۔

اس سے کرامات کو باطل کرنے پر استدلال کیا گیا۔

(یعنی غیب کی خبر دینا بطور معجزہ ہی ہو سکتا ہے کرامت کے طور پر نہیں) تو اس کا جواب یوں دیا گیا کہ رسول کی تخصیص فرشتے کے ساتھ ہے (کہ فرشتہ رسول پر نازل ہوتا ہے) اور اظہار وہ ہوتا ہے جو کسی واسطے کے بغیر ہو اور غیبی باتوں کے حوالے سے اولیاء کرام کی کرامت ملائکہ کو دیکھنے سے ہوتی ہیں جس طرح ہمارا آخرت کے احوال پر مطلع ہونا انبیاء کرام کے واسطے سے ہے ایک حدیث جو پہلے گزر چکی ہے اس میں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

والله انی لا اعلم الا ما علمنی ربی.

اللہ کی قسم! میں نہیں جانتا مگر وہی جو مجھے میرے رب نے سکھایا۔

تو نبی اکرم ﷺ نے جس قدر غیبی خبریں دی ہیں وہ سب اللہ تعالیٰ کے بتانے اور آگاہ کرنے سے دی ہیں اور یہ آپ کی نبوت کے ثبوت اور صداقتِ رسالت کے دلائل سے آگاہ کرتا ہے۔[1]

صحابہ کرام کے درمیان نبی اکرم ﷺ کا غیبی خبریں دینا ایک معروف بات تھی حتیٰ کہ ان میں سے بعض (کمزور ایمان والے یا منافق) دوسرے ساتھی نے کہتے خاموش رہو اللہ کی قسم! اگر ان (نبی اکرم ﷺ) کے پاس وہ نہ ہو تو جوان کو خبر دیتا ہے (یعنی فرشتہ) تو بطحاء کے پتھر ان کو بتا دیں گے۔

اس پر حضرت ابن رواحہ (یہ عبداللہ بن رواحہ بن ثعلبہ انصاری ہیں متوفی ۸ھ)[2] رضی اللہ عنہ کا یہ قول شاہد ہے:

وفينا رسول الله يتلو كتابه ... انه انشق معروف من الصبح ساطع
ارانا الهدى بعد العمى فقلوبنا ... بـه مـوقنـات ان مـا قـال واقـع

"ہمارے درمیان اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ ہیں جو اس کی کتاب پڑھتے ہیں روشن صبح سے جب نیکی پھوٹی۔ تو آپ نے ہمیں اندھے پن کے بعد ہدایت کی راہ دکھائی پس ہمارے دل اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ انہوں نے جو کچھ فرمایا وہ واقع ہوتا ہے"۔

اور حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

نبی یری مالا یری الناس حوله ... ويتلو كتاب الله في كل مشهد
فان قال فی یوم مقالة غائب ... فتصديقها في ضحوة اليوم اوغد

[1] متواتر احادیث اور ان کے معانی اس بات پر متفق ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کو غیب پر اطلاع دی گئی اور جن آیات میں صرف اللہ تعالیٰ کے غیب جاننے کا ذکر ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کے بتائے کے بغیر کوئی نہیں جانتا۔ (زرقانی ج ۷ ص ۱۹۹)

[2] (الاعلام ج ۴ ص ۸۶ حلیۃ الاولیاء ج ۱ ص ۱۱۸ الاصابہ رقم الحدیث: ۴۶۶۷ صفۃ الصفوۃ ج ۱ ص ۱۹۱ طبقات ابن سعد ج ۳ ص ۳۹۸ خزانۃ الادب ج ۱ ص ۳۶۲)

"وہ نبی ﷺ جو اس چیز کو دیکھتے ہیں جسے لوگ اپنے گرد نہیں دیکھ سکتے اور وہ ہر جگہ اللہ تعالیٰ کی کتاب پڑھتے ہیں۔ اگر وہ ایک دن غیب کی بات فرمائیں تو آج ہی چاشت کے وقت بالکل صبح تک اس کی تصدیق ہو جاتی ہے"۔

اس فصل کو ہم دو قسموں میں تقسیم کرتے ہیں۔

قرآن مجید اور نبی اکرم ﷺ کی غیبی خبریں

پہلی قسم نبی اکرم ﷺ کے غیبی خبریں دینے پر قرآن مجید سے گواہی کے بیان میں ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

وَاِنۡ كُنۡتُمۡ فِىۡ رَيۡبٍ مِّمَّا نَزَّلۡنَا عَلٰى عَبۡدِنَا فَاۡتُوۡا بِسُوۡرَةٍ مِّنۡ مِّثۡلِهٖ وَادۡعُوۡا شُهَدَآءَكُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ ○ فَاِنۡ لَّمۡ تَفۡعَلُوۡا وَلَنۡ تَفۡعَلُوۡا فَاتَّقُوۡا النَّارَ الَّتِىۡ وَقُوۡدُهَا النَّاسُ وَالۡحِجَارَةُ اُعِدَّتۡ لِلۡكٰفِرِيۡنَ. (البقرہ: ۲۳-۲۴)

اور اگر تم شک میں ہو اس چیز سے جو ہم نے اپنے خاص بندے پر نازل کی تو اس کی مثل کوئی سورت لے آؤ اور اللہ کے علاوہ اپنے حمایتیوں کو بلاؤ اگر تم سچے ہو پس اگر نہ لا سکو اور ہرگز نہیں لا سکو گے تو اس آگ سے بچو جس کا ایندھن لوگ اور پتھر ہوں گے وہ کافروں کے لئے تیار کی گئی ہے۔

ارشاد خداوندی "وَلَنۡ تَفۡعَلُوۡا" (تم ہرگز (ایسا) نہیں کر سکو گے) میں غیب کی خبر ہے جب کہ عادت اس کے خلاف کا تقاضا کرتی ہے (کیونکہ وہ لوگ نہایت فصیح و بلیغ تھے)۔

اسی طرح ارشاد خداوندی ہے:

وَاِذۡ يَعِدُكُمُ اللّٰهُ اِحۡدَى الطَّآئِفَتَيۡنِ اَنَّهَا لَكُمۡ وَتَوَدُّوۡنَ اَنَّ غَيۡرَ ذَاتِ الشَّوۡكَةِ تَكُوۡنُ لَكُمۡ. (الانفال: ۷)

اور جب اللہ تعالیٰ نے تم سے دو گروہوں میں سے ایک کا وعدہ فرمایا کہ وہ تمہارے لئے ہے اور تم چاہتے تھے کہ جس میں کانٹا نہ ہو وہ تمہارے لیے ہو۔

قریش کے دو قافلے تھے ان میں سے ایک کے پاس غنیمت کا مال تھا اور دوسرے کے پاس نہ تھا تو اللہ تعالیٰ نے وہ بات بتائی جو مسلمانوں کے دلوں میں تھی اور اپنا وعدہ پورا کیا اور اس میں شک نہیں کہ وعدہ اس چیز کے ملنے سے پہلے تھا کیونکہ کسی چیز کا وعدہ اس کے وقوع کے بعد جائز نہیں ہے۔

اسی طرح ایک ارشاد باری تعالیٰ یہ ہے:

سَيُهۡزَمُ الۡجَمۡعُ وَيُوَلُّوۡنَ الدُّبُرَ. (القمر: ۴۵)

عنقریب جماعت بھاگ جائے گی اور وہ پیٹھیں پھیر لیں گے۔

یہ مستقبل کی خبر ہے کیونکہ "سین" استقبال کے لئے ہے مطلب یہ ہے کہ غزوۂ بدر کے دن کفار پیٹھ پھیر کر بھاگ جائیں گے اور ان کی تعداد نوسو سے ایک ہزار کے درمیان تھی اور وہ مال اور اسلحہ سے لیس تھے جب کہ مسلمانوں کی تعداد تین سو تیرہ مرد تھے اور ان کے پاس صرف دو گھوڑے تھے ایک حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کا گھوڑا تھا اور دوسرا حضرت مقداد رضی اللہ عنہ کا تھا۔

تو اللہ تعالیٰ نے مشرکین کو شکست دی اور مسلمانوں کو ان کے سورماؤں کے قتل اور ان کے مالوں کو غنیمت بنانے پر طاقت بخشی۔

اسی طرح قریش کے بارے میں فرمایا:

سَنُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ بِمَآ اَشْرَكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا. (آل عمران:151)

عنقریب ہم کفار کے دلوں میں رعب ڈالیں گے اس کے سبب کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کو شریک ٹھہرایا جس پر اللہ تعالیٰ نے کوئی دلیل نہیں اتاری۔

اس سے مراد وہ خوف ہے جو اللہ تعالیٰ نے احد کے دن ان کے دلوں میں ڈالا حتیٰ کہ وہ لڑائی چھوڑ کر بھاگ گئے اور کسی سبب کے بغیر واپس ہو گئے اور ابو سفیان نے آواز دی۔

اے محمد (ﷺ) ہمارا معاہدہ آئندہ سال مقام بدر ہے اگر تم چاہو تو' نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ان شاء اللہ تعالیٰ۔

اور کہا گیا ہے کہ جب وہ (کفار) واپس ہوئے اور ابھی راستے میں ہی تھے کہ نادم ہوئے اور واپسی کا ارادہ کیا تا کہ مسلمانوں کو (بزعم خویش) مٹا دیں تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں رعب ڈالا۔

اسی طرح ارشاد خداوندی ہے:

الٓمّٓ ○ غُلِبَتِ الرُّوْمُ ○ فِيْٓ اَدْنَى الْاَرْضِ وَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُوْنَ ○ فِيْ بِضْعِ سِنِيْنَ لِلّٰهِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَمِنْۢ بَعْدُ وَيَوْمَئِذٍ يَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ ○ بِنَصْرِ اللّٰهِ يَنْصُرُ مَنْ يَّشَآءُ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ○ وَعْدَ اللّٰهِ لَا يُخْلِفُ اللّٰهُ وَعْدَهٗ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ○ (الروم:1-6)

رومی مغلوب ہوئے قریب کی زمین میں اور اپنی مغلوبیت کے بعد عنقریب غالب ہوں گے چند برس میں۔ حکم اللہ ہی کا ہے آگے اور پیچھے' اور اس دن ایمان والے خوش ہوں گے اللہ تعالیٰ کی مدد سے' مدد کرتا ہے جس کی چاہے اور وہی عزت والا مہربان ہے اللہ کا وعدہ' اللہ اپنے وعدہ کے خلاف نہیں کرتا لیکن بہت لوگ نہیں جانتے۔

اس آیت کا شانِ نزول یہ ہے کہ کسریٰ اور قیصر باہم لڑے تو کسریٰ کو قیصر پر غلبہ حاصل ہوا مسلمانوں کو یہ بات ناگوار گزری کیونکہ رومی (جہاں قیصر بادشاہ تھا) اہل کتاب تھے اور قیصر نے نبی اکرم ﷺ کے مکتوب گرامی کی تعظیم کی تھی جب کہ کسریٰ (ایران کے بادشاہ پرویز) نے آپ کے مکتوب گرامی کو پھاڑ دیا تھا۔

چنانچہ قیصر کی شکست پر مشرکین خوش ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ رومی اس مغلوبیت کے بعد چند سالوں میں غالب آ جائیں گے یعنی تین سے دس سالوں کے درمیان۔ پس رومیوں کو ایرانیوں پر حدیبیہ کے دن غلبہ حاصل ہوا اور انہوں (رومیوں) نے ان (ایرانیوں) کو اپنے شہروں سے نکال دیا اور یہ واقعہ سات سال بعد پیش آیا۔

اسی سلسلے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ○ وَلَا يَتَمَنَّوْنَهٗٓ اَبَدًا. (الجمعہ:6-7)

پس موت کی تمنا کرو اگر تم سچے ہو اور وہ ہرگز اس (موت) کی تمنا نہیں کریں گے۔

تو اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ وہ (یہودی) کبھی بھی نہ تو دل سے موت کی تمنا کریں گے اور نہ زبان سے بول کر حالانکہ وہ اس کی

طاقت رکھتے ہیں۔

تو جس طرح خبر دی اسی طرح ہوا۔ اگر ان کو معلوم نہ ہوتا کہ انہیں موت آئے گی تو وہ موت کی تمنا کے ذریعے نبی اکرم ﷺ کو جھٹلانے میں جلدی کرتے اور اگر نبی اکرم ﷺ کو اس بات کا علم نہ ہوتا تو آپ کو ڈر ہوتا کہ وہ اس بات کا جواب دیں گے اور یوں آپ کو جھوٹا قرار دیا جاتا۔ (معاذ اللہ)

امام بیضاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ جملہ غیب کی خبر ہے اور اسی طرح ہوا جس طرح آپ نے خبر دی کیونکہ اگر وہ موت کی تمنا کرتے تو یہ بات منقول و مشہور ہوتی کیونکہ موت قلبی عمل نہیں ہے کہ پوشیدہ رہتا۔

ایک مرفوع حدیث میں ہے کہ اگر وہ موت کی تمنا کرتے تو ان میں سے ہر ایک اپنے تھوک سے مر جاتا اور روئے زمین پر کوئی یہودی باقی نہ رہتا۔ (مسند احمد ج اص ۲۴۸ تفسیر قرطبی ج ۱۸ص ۹۶ تفسیر ابن کثیر ج اص ۱۲۷)

اسی طرح ارشاد خداوندی ہے:

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ. (النور:۵۵)

اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ان لوگوں سے جو تم میں سے ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام کئے کہ وہ ان کو ضرور بضرور زمین میں خلیفہ بنائے گا جس طرح ان سے پہلے لوگوں کو خلافت عطا فرمائی۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ سے وعدہ فرمایا کہ وہ عنقریب آپ کی امت کو زمین میں خلفاء لوگوں کے امام اور حکمران بنائے گا ان کے ذریعے شہروں کی اصلاح ہوگی لوگ ان کے سامنے جھکیں گے اور لوگوں سے ان کے خوف کو امن اور حکمرانی میں بدل دے گا چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے ایسا ہی کیا حتیٰ کہ نبی اکرم ﷺ کے وصال سے پہلے مکہ مکرمہ خیبر بحرین تمام جزیرہ عرب اور یمن کی زمین مکمل طور پر فتح ہوگئی مقام ہجر کے مجوسیوں اور شام کے بعض علاقوں (میں رہنے والوں) سے جزیہ لیا۔

نیز روم کے بادشاہ ہرقل مصر اور اسکندریہ کے حکمران یعنی مقوقس نے تحائف پیش کئے (حالانکہ ان میں سے کسی نے اسلام قبول نہیں کیا) اسی طرح عمان کے بادشاہوں اور حبشہ کے بادشاہ نجاشی نے بھی جو اصحمہ کے بعد حکمران ہوا تحائف بھیجے۔

پھر جب نبی اکرم ﷺ کا وصال ہوا اور اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاں آپ کو عزت و شرف عطا فرمایا تو آپ کے بعد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ آپ کے خلیفہ مقرر ہوئے تو آپ نے بکھرے ہوئے لشکروں کو جمع کیا جو حضور ﷺ کے وصال کے وقت (قبائل کے مرتد ہونے کی وجہ سے) بکھرے تھے اور جزیرہ کو مضبوط اور تیار کیا۔

اور اسلامی لشکر حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی سربراہی میں ایران کے شہروں کی طرف بھیجے اور انہوں نے کچھ حصہ فتح کیا ایک اور لشکر حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کی سربراہی میں شام کی طرف بھیجا تیسرا لشکر حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی کمان میں مصر کی طرف ارسال کیا تو اللہ تعالیٰ نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور میں ہی بصریٰ اور دمشق کی فتح عطا فرمائی اور اس کے مقابل حوران اور اس کے اردگرد کے شہر بھی فتح ہوئے پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے ہاں بلا لیا اور اعزاز و اکرام سے مشرف فرمایا اور اسلام اور مسلمانوں پر احسان فرمایا کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ

کے دل میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو اپنا نائب بنانے کا خیال ڈالا۔

ان کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بھرپور حکومت کی اور انبیاء کرام کے بعد چشم فلک نے جہادی قوت اور کمال عدل میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ جیسا شخص نہیں دیکھا ان کے دور حکومت میں شام کے علاقے مکمل طور پر اور مصر آخر تک اور ایران کے اکثر صوبے فتح ہوئے اللہ تعالیٰ نے کسریٰ کو شکست دی اور اسے بہت رسوا کیا اور وہ اپنی حکومت کے آخری سرے تک واپس لوٹ گیا۔

شام کے شہروں سے قیصر کی حکومت ختم ہوگئی اور وہ قسطنطنیہ کی طرف چلا گیا اور ان دونوں ملکوں کے مال اللہ تعالیٰ کے راستے میں آگئے جس طرح نبی اکرم ﷺ کو خبر دی گئی اور آپ سے وعدہ کیا گیا تھا۔

پھر جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا دور حکومت آیا تو ممالک اسلامیہ زمین کے مشرق و مغرب کے آخر تک پھیل گئی اور چین کے آخری سرے تک مغربی ممالک فتح ہوگئے کسریٰ قتل ہوا اور اس کی تمام حکومت ٹکڑے ٹکڑے ہوگئی۔[1] عراقی شہر خراسان اور اہواز فتح ہوئے اور مسلمانوں نے ترکوں کو خوب قتل کیا اور مشرق و مغرب سے امیر المومنین حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے پاس خراج آنے لگا اور یہ قرآن مجید کی تلاوت' اس کی تدریس اور امت کو حفظ قرآن پر جمع کرنے کے حوالے سے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے عمل کی برکت تھی۔ بس ہم یہاں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے وعدے کی طرف پھرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے سچ فرمایا۔

اسی طرح ارشاد خداوندی ہے:

ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ. ان (یہودیوں) پر ذلت اور محتاجی مسلط ہوگئی۔

(البقرہ:۶۱)

تو یہودی ہر جگہ اور ہر وقت تمام کفار میں سب سے زیادہ رسوا ہیں' جس طرح خبر دی گئی۔

اسی سلسلے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ. (التوبہ:۳۳) وہ ذات ہے' جس نے اپنے رسول ﷺ کو ہدایت اور دین کے حق کے ساتھ بھیجا تاکہ اس (دین) کو تمام دینوں پر غالب کردیں اگرچہ مشرک ناپسند کریں۔

اور یہ بات تمام لوگ جانتے ہیں کہ دین اسلام تمام ادیان سے بلند و بالا ہے۔

اسی طرح ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ. (النصر:۱) جب اللہ تعالیٰ کی مدد اور فتح آگئی۔

تو جس طرح اللہ تعالیٰ نے اس سورۃ میں خبر دی لوگ فوج در فوج اسلام میں داخل ہوئے پس نبی اکرم ﷺ کے وصال کے وقت عرب کے شہروں میں کوئی ایسی جگہ نہ تھی جہاں اسلام کی روشنی پھیلی نہ ہو اسی طرح دوسرے علاقوں میں بھی' جس کی تفصیل بہت زیادہ ہے۔

---

[1] جب کسریٰ نے نبی اکرم ﷺ کے نامہ مبارک کو پھاڑا تھا تو آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اسے اور اس کے ملک کو ٹکڑے ٹکڑے کردے گا۔ (زرقانی ج ۷ ص ۲۰۲)

نبی اکرم ﷺ نے غیب کی خبریں دیں

دوسری قسم میں نبی اکرم ﷺ کی ان غیبی خبروں کا بیان ہے جو قرآن مجید میں مذکورہ خبروں کے علاوہ ہیں۔ جس طرح آپ نے اپنی حیات طیبہ اور وصال کے بعد سے متعلق خبریں دی ہیں۔

امام طبرانی نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا فرماتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

ان اللہ قد رفع لی الدنیا فانا انظر الیھا والی ما ھو کائن فیھا الی یوم القیامۃ کانما انظر الی کفی ھذہ.

اللہ تعالیٰ نے میرے لئے دنیا کو اٹھایا تو میں اسے اور جو کچھ اس میں قیامت تک ہونے والا ہے سب کو دیکھ رہا ہوں گویا میں اپنی اس ہتھیلی کی طرف دیکھ رہا ہوں۔

(مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۸۷ الحلیہ ج ۶ ص ۱۰۱ جمع الجوامع رقم الحدیث: ۴۸۳۹ کنز العمال رقم الحدیث: ۳۱۸۱۰_۳۱۹۷۹)

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں رسول اکرم ﷺ ہمارے درمیان کھڑے ہوئے تو آپ نے وہاں کھڑے کھڑے قیامت تک کی ہر بات کو بیان فرمایا جس نے یاد رکھا اس نے یاد رکھا اور جس نے بھلا دیا اس نے بھلا دیا میرے ان دوستوں نے اسے جانا اور اس سے ایک ایسی بات ہوتی ہے جسے میں بھول چکا ہوتا ہوں پس میں دیکھتا ہوں تو پہچان لیتا ہوں جس طرح کوئی شخص کسی آدمی کے چہرے کو یاد رکھتا ہے جو اس سے غائب ہو چکا ہو پھر جب اس کو دیکھتا ہے تو پہچان لیتا ہے اس کے بعد حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا مجھے معلوم نہیں میرے ساتھیوں کو وہ بھلا دیا گیا یا انہوں نے خود بھلا دیا اللہ کی قسم نبی اکرم ﷺ نے دنیا کے ختم ہونے تک کسی فتنے کے قائدے کو نہیں چھوڑا (یعنی بیان فرمایا) اس کے ساتھی تین سو یا اس سے زائد ہوں گے آپ نے اس کا نام اس کے باپ اور قبیلے کا نام بیان فرمایا۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۲۴۰)

امام مسلم رحمہ اللہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث دجال کے بارے میں نقل کی ہے کہ دس گھڑ سوار مقدمۃ الجیش کے طور پر بھیجے جائیں گے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: بے شک میں ان کے نام ان کے باپوں کے نام اور ان کے گھوڑوں کے رنگوں کو بھی جانتا ہوں اور اس وقت وہ زمین کی پشت پر بہترین سوار ہوں گے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۲۲۳ مسند احمد ج ۱ ص ۳۸۵ المستدرک ج ۴ ص ۴۷۲ مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۲۰۸۱۳ مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۵ ص ۱۳۹ مشکوۃ المصابیح رقم الحدیث: ۵۴۲۲)

اس خبر سے اور اس کے علاوہ جو خبریں ہیں ان سے واضح ہوا اور نیک لوگوں کے قلبی خیالات سے ظاہر ہوا کہ نبی اکرم ﷺ نے ان کو وہ کچھ بھی بتایا جو آپ کی حیات طیبہ میں ہونا تھا اور جو آپ کے بعد وقوع پذیر ہونا تھا اور جس کے وقوع کا حتمی فیصلہ ہو چکا ہے پس اس کے وقوع پذیر نہ ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے ہمیں یوں چھوڑا کہ کوئی پرندہ آسمان (فضا) میں اپنے پَر کو حرکت دیتا ہے تو اس کے بارے میں بھی ہمیں بتایا۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس سے زائد پر مطلع فرمایا اور آپ کو پہلوں اور پچھلوں کا علم عطا فرمایا اور اللہ تعالیٰ کے معارف تو بے شمار ہیں اور یہ صرف نبی اکرم ﷺ تک پہنچے ہیں۔

اسی سلسلے میں "صحیح بخاری و مسلم میں مذکور" حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ فرماتے ہیں:

ان النبی ﷺ نعی النجاشی للناس فی الیوم الذی مات فیہ وخرج بھم الی المصلی وصف بھم وصلی علیہ وکبر اربع تکبیرات [1]

جس دن نجاشی (بادشاہ حبشہ) کا انتقال ہوا نبی اکرم ﷺ نے صحابہ کرام کو اس کی خبر دی اور آپ ان کو لے کر عیدگاہ کی طرف تشریف لے گئے اور ان کی صف بندی کر کے نماز جنازہ پڑھائی اور چار تکبیریں کہیں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ١٣٣٥_١٣١٨_١٣٢٨_١٣٣٣_٢٨٨٠_٢٨٨١' صحیح مسلم رقم الحدیث: ٦٣_٦٢' سنن نسائی رقم الحدیث: ٢٧_٧٢_٧٦_١٠٣' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ٣٢٠٣' مسند احمد ج٢ ص٢٨١_٤٣٨)

امام احمد اور امام بخاری رحمہما اللہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث نقل کی ہے کہ نبی اکرم ﷺ اور آپ کے ہمراہ حضرت ابوبکر صدیق' حضرت عمر فاروق اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہم احد پہاڑ پر تشریف لے گئے تو اس میں حرکت پیدا ہوگئی آپ نے اس پر اپنا پاؤں مارا اور فرمایا: اے احد ٹھہر جا! تیرے اوپر ایک نبی' ایک صدیق اور دو شہید ہیں تو جس طرح آپ نے فرمایا اسی طرح ہوا (حضرت عمر فاروق اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہما کو مقام شہادت ملا۔١٢ ہزاروی)۔

اسی سلسلے میں صحیح بخاری و مسلم کی وہ حدیث ہے جو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

اذا ھلک کسری فلا کسری بعدہ واذا ھلک قیصر فلا قیصر بعدہ والذی نفسی بیدہ لتنفقن کنوزھما فی سبیل اللہ.

جب (ایران کا بادشاہ) کسریٰ ہلاک ہوگا تو اس کے بعد کوئی کسریٰ نہیں ہوگا اور جب (روم کا بادشاہ) قیصر ہلاک ہوگا تو کوئی قیصر نہیں ہوگا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے ان دونوں کے خزانے اللہ تعالیٰ کے راستے میں ضرور بضرور خرچ ہوں گے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ٣١٢٠_٣٦١٨_٦٦٣٠' صحیح مسلم رقم الحدیث: ٧٧' سنن ترمذی رقم الحدیث: ٢٢١٦' مسند احمد ج٢ ص٢٣٣' السنن الکبریٰ ج٩ ص١٧٧' المعجم الکبیر ج٢ ص٢٣٣_٢٣٥' مشکل الآثار ج١ ص٢١٣' دلائل النبوۃ ج٤ ص٣٩٣' مسند الحمیدی رقم الحدیث: ١٠٩٣' کنز العمال رقم الحدیث: ٣١٧٦٥_٣١٨٠٢)

حضرت امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں حضرت امام شافعی اور دیگر علماء کرام نے فرمایا اس کا معنیٰ یہ ہے کہ عراق میں کسریٰ اور شام میں قیصر نہ ہوں گے جس طرح آپ کے زمانے میں تھے تو نبی اکرم ﷺ نے ہمیں خبر دی کہ ان دونوں سے ان کی حکومتیں ختم ہو جائیں گی اور اسی طرح ہوا جس طرح آپ نے فرمایا۔

کسریٰ کی حکومت تو دنیا سے بالکل ختم ہوگئی اور پوری طرح ٹکڑے ٹکڑے ہوگئی اور نبی اکرم ﷺ کی دعا سے کمزور ہوگئی اور قیصر' شام سے بھاگ کر دور دراز چلا گیا اور مسلمانوں نے اس کے ملک کو فتح کیا اور وہ مسلمانوں کے لئے ہو گیا'

[1] نماز جنازہ کے لئے میت کا موجود ہونا ضروری ہے نبی اکرم ﷺ نے نجاشی کا جنازہ پڑھایا تو میت آپ کے سامنے موجود تھی درمیان سے پردے ہٹائے گئے تھے لہٰذا یہ آپ کی خصوصیت ہے۔١٢ ہزاروی

اللہ تعالیٰ کے لئے حمد ہے۔ یہ واقعہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور میں ہوا جیسا کہ پہلے بیان ہوا۔

نبی اکرم ﷺ نے حضرت سراقہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا: کیسے ہوگا جب تم کسریٰ کے کنگن پہنو گے؟ پھر جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ وہ کنگن لائے تو ان (حضرت سراقہ رضی اللہ عنہ) کو پہنا دیئے اور فرمایا اللہ تعالیٰ کا شکر اور اس کی حمد ہے جس نے یہ دونوں (کنگن) کسریٰ سے لے کر حضرت سراقہ کو پہنا دیئے۔

اسی طرح نبی اکرم ﷺ نے اس مال کی خبر دی جو آپ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ حضرت ام الفضل کے پاس چھوڑ کر (میدان بدر میں) تشریف لے گئے تھے انہوں نے نبی اکرم ﷺ سے یہ بات پوشیدہ رکھی اور فرمایا کہ اس بات کا علم میرے اور حضرت ام الفضل کے سوا کسی کو نہ تھا۔

اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کر لیا جیسا کہ مقصد اول میں غزوۂ بدر کے سلسلے میں بیان ہوا۔

اسی طرح نبی اکرم ﷺ نے حاطب (بن ابی بلتعہ) کے خط کی خبر دی جو مکہ مکرمہ کی طرف بھیجا گیا تھا۔ [1]

اسی طرح آپ کی اونٹنی گم ہوگئی اور اس کی لگام ایک درخت سے لٹک گئی تو آپ نے اس مقام کی خبر دی۔

اور جب غزوۂ احزاب کے دن مشرکین واپس ہوئے تو آپ نے فرمایا: اب ہم ان سے جہاد کریں اور وہ ہم سے نہیں لڑیں گے چنانچہ اس کے بعد نبی اکرم ﷺ سے لڑائی نہ لڑی گئی۔

رسول اکرم ﷺ نے موتہ کی طرف لشکر بھیجا اور حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو ان کا امیر مقرر فرمایا اور پھر فرمایا اگر ان کی شہادت واقع ہو تو حضرت جعفر بن ابی طالب امیر ہوں گے اور اگر وہ شہید ہو جائیں تو حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ امیر ہوں گے پھر جب مسلمانوں کا ان سے مقابلہ ہوا تو رسول اکرم ﷺ منبر پر تشریف فرما ہوئے اور آپ کے لئے پردہ ہٹا دیا گیا حتیٰ کہ آپ نے معرکہ ملاحظہ فرمایا اور پھر فرمایا حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے جھنڈا لیا حتیٰ کہ وہ شہید ہو گئے آپ نے ان کے لئے دعا فرمائی اور فرمایا ان کے لئے طلب مغفرت کرو (پھر فرمایا) پھر حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے جھنڈا لیا حتیٰ کہ وہ شہید ہو گئے تو آپ نے ان کے لئے دعا فرمائی اس کے بعد فرمایا اپنے بھائی حضرت جعفر کے لئے طلب مغفرت کرو (اس کے بعد فرمایا) اب جھنڈا حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے لیا اور وہ بھی شہید ہو گئے آپ نے ان کے لئے دعا فرمائی اور فرمایا اپنے بھائی کے لیے بخشش کی دعا کرو۔

تو نبی اکرم ﷺ نے صحابہ کرام کو ان حضرات کی شہادت کی اسی وقت خبر دی جس وقت وہ شہید ہوئے اور موتہ بلقاء کی زمین میں دمشق کے قریب ہے (مدینہ منورہ سے ایک ماہ کی مسافت پر ہے)۔

(دلائل النبوۃ ج ۴ ص ۳۵۸ السنن الکبریٰ ج ۸ ص ۱۵۴ مجمع الزوائد ج ۶ ص ۱۶۰ نصب الرایۃ ج ۳ ص ۲۸۴)

حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں جس دن حضرت جعفر اور ان کے ساتھی رضی اللہ عنہم شہید ہوئے اس صبح رسول اکرم ﷺ تشریف لائے اور آپ نے فرمایا: اے اسما! حضرت جعفر کے صاحبزادے کہاں ہیں؟ میں ان کو

---

[1] حضرت حاطب بن ابی بلتعہ جو بنو اسد بن عبدالعزیٰ کے حلیف تھے ان کے بال بچے مکہ مکرمہ میں تھے انہوں نے محض ان کی حفاظت کے لئے ایک خط بنو ہاشم کی کنیز سارہ کے ہاتھ مکہ مکرمہ بھیجا اور حضور علیہ السلام کی جنگی تیاریوں کے بارے میں جو فتح مکہ کے سلسلے میں تھیں، مکہ بھیجا حضور علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے خبر دے دی تو وہ عورت پکڑی گئی اور حضور علیہ السلام نے حضرت حاطب کی معذرت قبول فرمائی۔ تفصیل سیرت رسول عربی ص ۲۰۲ میں دیکھیں۔ ۱۲ ہزاروی۔

لے کر آئی تو آپ نے ان کو اپنے ساتھ چمٹایا اور سونگھا پھر آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور آپ رو پڑے میں نے پوچھا یارسول اللہ! حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی طرف سے کوئی خبر آئی ہے۔ فرمایا: ہاں آج وہ شہید ہو جائیں گے۔

(طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۲۲۰)

یہ بات یعقوب اسفرائینی نے اپنی کتاب "دلائل الاعجاز" میں ذکر کی اور ابن اسحاق اور امام بغوی نے اسے نقل کیا۔

اسی (غیبی خبر کے) سلسلے میں ہے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

زویت لی الارض فرأیت مشارقها ومغاربها و سیبلغ ملک امتی مازوی لی منها۔

میرے لئے زمین کو لپیٹ دیا گیا پس میں نے اس کے مشرقوں اور مغربوں کو دیکھا اور عنقریب میری امت کی حکومت اس جگہ تک پہنچے گی جو اس میں سے میرے لئے لپیٹی گئی۔

چنانچہ اسی طرح ہوا مشرق و مغرب میں ہندوستان کے آخری سرے سے مشرق کی انتہا تک اور بحر طنجہ تک جس سے آگے کوئی آبادی نہیں' مسلمانوں کی حکومت ہوئی اور یہ حکومت کسی دوسری امت کو حاصل نہیں ہوئی۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۹۵۲' اتحاف السادۃ المتقین ج ۲ ص ۲۱۰' المغنی ج ۳ ص ۲۸۷' الشفاء ج ۱ ص ۵۱۹' البدایہ ج ۶ ص ۲۹۹)

اسی طرح آپ نے قریش کو خبر دی کہ معاہدے کے ان الفاظ کو دیمک نے چاٹ لیا جن کے ذریعے انہوں نے بنو ہاشم پر غلبہ حاصل کرنے اور ان سے قطع تعلق کرنے کی راہ اختیار کی اور اس معاہدے میں اللہ تعالیٰ کا نام باقی ہے چنانچہ انہوں نے اسے اسی طرح پایا جس طرح نبی کریم ﷺ نے بتایا تھا۔

انہی غیبی خبروں میں سے ایک وہ ہے جسے امام طبرانی "نے الکبیر میں" اور امام بزار نے بھی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت سے نقل کیا وہ فرماتے ہیں میں نبی اکرم ﷺ کے ساتھ منیٰ کی مسجد میں بیٹھا ہوا تھا کہ ایک انصاری اور دوسرا بنو ثقیف کا ایک شخص حاضر ہوئے انہوں نے سلام عرض کرنے کے بعد عرض کیا یارسول اللہ! ہم آپ سے کچھ پوچھنے آئے ہیں آپ نے فرمایا: اگر تم چاہو تو میں تمہیں وہ بات بتا دوں جو بات پوچھنے کے لئے تم آئے اور اگر تم چاہو تو میں خاموش رہوں اور تم پوچھو۔ انہوں نے کہا یارسول اللہ! ہمیں خبر دیجئے' ثقفی نے انصاری سے کہا پوچھو اس نے عرض کیا یا رسول اللہ! مجھے خبر دیجئے آپ نے فرمایا: تم بیت اللہ شریف کے ارادے سے گھر سے نکلنے اور اس پر ملنے والے ثواب کے بارے میں پوچھنا چاہتے ہو نیز طواف کے بعد دو رکعتوں اور ان کے ثواب' صفا و مروہ کے درمیان سعی اور اس کے ثواب' نو ذوالحجہ کی شام وقوف عرفات اور اس کے ثواب' ستونوں کو کنکریاں مارنے اور ان کے ثواب' قربانی اور اس کے ثواب' سر منڈوانے اور اس کے ثواب نیز واپسی کے بارے میں پوچھنا چاہتے ہو۔ اس نے کہا اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے میں یہی باتیں پوچھنے کے لئے حاضر ہوا تھا۔

(مجمع الزوائد ج ۳ ص ۲۷۴-۲۷۵' المطالب العالیہ رقم الحدیث: ۱۰۵۷' الدر المنثور ج ۱ ص ۲۲۹-۲۳۰)

اسی سلسلے میں حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ کی روایت ہے فرماتے ہیں میں' نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ صحابہ کرام کی ایک جماعت میں تشریف فرما ان سے باتیں کر رہے تھے میں حلقے کے درمیان میں بیٹھ گیا۔

کسی نے کہا اے واثلہ! یہاں سے اٹھو ہمیں اس سے منع کیا گیا ہے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ان کو اور مجھے چھوڑ دو مجھے معلوم ہے یہ گھر سے کیوں آئے ہیں۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں گھر سے کس مقصد کے لئے آیا ہوں؟ آپ نے فرمایا: تم اس لئے گھر سے نکلے ہو کہ نیکی اور شک کے بارے میں پوچھو فرماتے ہیں میں نے عرض کیا اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے مجھے کوئی دوسری بات نہیں لائی' رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: نیکی وہ ہے جو دل میں قرار پکڑے اور اس پر دل مطمئن ہو جائے اور شک وہ ہے جو دل میں جگہ نہ پائے پس تم شک والی بات کو چھوڑ کر اسے اختیار کرو جس میں شک نہ ہو اگرچہ مفتی تمہیں فتویٰ دیں۔[1] (مسند احمد ج ۴ص ۱۸۲۔ ۲۲۸' الدرالمنثور ج ۲ص ۲۵۵' حلیۃ الاولیاء ج ۶ص ۲۵۵' صحیح مسلم رقم الحدیث :۱۴' سنن ترمذی رقم الحدیث :۲۳۸۹' السنن الکبریٰ ج ۱۰ص ۱۳۲' المستدرک ج ۲ص ۱۴' جمع الجوامع رقم الحدیث :۱۰۲۸۸' مشکل الآثار ج ۳ص ۲۲' شرح السنۃ ج ۱۳ص ۷۷' تنزیہ الشریعۃ ج ۱ص ۳۳۶' مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث :۵۰۷۳' کشف الخفاء ج ۱ص ۳۳۲' کنز العمال رقم الحدیث :۵۱۶۳)

اسی سلسلے میں سے نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان ہے جو آپ نے علالت کے دوران حضرت خاتون جنت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا سے فرمایا:

انک اول اھلی لحوقا بی. میرے خاندان میں سے سب سے پہلے تم مجھ سے ملو گی۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث :۳۶۲۳' صحیح مسلم رقم الحدیث :۹۹' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث :۱۶۲۱' مسند احمد ج ۶ص ۲۸۲' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۳ص ۱۲۹' المعجم الکبیر ج ۱۱ص ۳۳۰)

چنانچہ حضرت خاتون جنت آپ کے بعد آٹھ مہینے زندہ رہیں اور ایک قول کے مطابق چھ ماہ تک بقید حیات رہیں۔

اسی طرح آپ نے اپنی ازواج مطہرات رضی اللہ عنھن سے فرمایا:

اسرعکن بی لحوقا اطولکن یدا. تم میں سے سب سے جلدی میرے ساتھ ملنے والی وہ ہے جس کے ہاتھ تم سب سے زیادہ لمبے ہیں۔

تو حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کا وصال ان سب سے پہلے ہوا اور وہ اس لئے لمبے ہاتھوں والی قرار پائیں کہ وہ اپنے ہاتھ سے عمل کر کے صدقہ کرتی تھیں (یعنی لمبے ہاتھوں سے صدقہ کرنے کی طرف اشارہ ہے)۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث :۱۰۱' المستدرک ج ۴ص ۲۵' مجمع الزوائد ج ۸ص ۲۸۹۔ ج ۹ص ۲۴۸' مشکل الآثار ج ۱ص ۸۲' دلائلہ ج ۶ص ۳۷۴' اتحاف السادۃ المتقین ج ۷ص ۱۸۵۔ ج ۸ص ۱۲۷' کنز العمال رقم الحدیث :۱۵۹۵۳)

اسی طرح آپ نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے فرمایا: کہ پچھلوں میں سے سب سے زیادہ بد بخت کون ہے؟ (فرماتے ہیں) میں نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں آپ نے فرمایا جو تمہیں شہید کرے گا۔ یہ حدیث امام احمد رحمۃ اللہ نے ''المناقب میں'' نقل کی ہے۔

[1] مطلب یہ کہ فتویٰ اور تقویٰ میں فرق ہوتا ہے اس لئے اگر کوئی جائز کام ہو اور مفتیان کرام اس کے جواز کا فتویٰ دیں تب بھی مشتبہ ہونے کی وجہ سے اہل تقویٰ اس سے اجتناب کریں۔ (۱۲ ہزاروی)

ابن ابی حاتم کے نزدیک یہ الفاظ ہیں کہ جو آپ کے یہاں مارے گا تالو (گردن) کی طرف اشارہ فرمایا۔

المخاملی (ابو عبداللہ الحسین بن محمد محدث رحمہ اللہ) فرماتے ہیں: حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: نبی اکرم ﷺ نے مجھ سے فرمایا: کہ یہاں سے یہاں تک یعنی آپ کی داڑھی مبارک اور سر انور کی طرف اشارہ کر کے فرمایا: کہ یہ خون آلود ہو جائے گا۔

ضحاک فرماتے ہیں: کہ آپ نے فرمایا: وہ بڑا بد بخت ہے جو آپ کے سر انور پر ضرب لگائے گا جس سے یہ تر ہو جائے گی آپ نے ان کی داڑھی پکڑ کر فرمایا چنانچہ عبدالرحمٰن بن ملجم نے آپ پر حملہ کیا۔

طبرانی اور ابو نعیم نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً نقل کیا کہ آپ امیر اور خلیفہ بنیں گے اور آپ کو شہید کیا جائے گا اور آپ یہاں سے (داڑھی سے) یہاں تک (سر تک) خون آلود ہو جائیں گے۔

اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا: عنقریب میرے بعد آپ کو میری امت کی ولایت حاصل ہو گی پس جب یہ معاملہ ہو تو احسان کرنے والوں سے قبول کرنا اور نافرمانی کرنے والوں سے درگزر کرنا۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: مجھے ہمیشہ اس بات کی امید رہی حتیٰ کہ میں اس مقام پر کھڑا ہوا (مسلمانوں کا امیر بنا)۔

ابن عساکر نے ہی حضرت عروہ بن رویم رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً نقل کیا وہ فرماتے ہیں: حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کبھی مغلوب نہیں ہوں گے اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے صفین [1] کے دن فرمایا: اگر مجھے یہ حدیث یاد ہوتی تو میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے نہ لڑتا۔

غیبی خبروں کے سلسلے میں نبی اکرم ﷺ کا یہ ارشاد گرامی بھی ہے کہ آپ نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا: یہ ظلماً قتل ہوں گے۔

اس حدیث کو امام بغوی نے "المصابیح میں" حسن احادیث کے ضمن میں نقل کیا نیز امام ترمذی رحمہ اللہ نے نقل کر کے فرمایا یہ حدیث حسن غریب ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ نے بھی اس حدیث کو نقل کیا۔

تو نبی اکرم ﷺ نے جس طرح فرمایا اسی طرح ہوا چنانچہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو ان کے گھر میں شہید کیا گیا اور اس وقت قرآن مجید آپ کے سامنے تھا اور آپ کا خون اس آیت پر گرا۔

فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللّٰهُ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ۔ (البقرہ: ۱۳۷) — پس عنقریب اللہ تعالیٰ آپ کو ان کی طرف سے کافی ہو گا اور وہی سننے والا جاننے والا ہے۔

(المستدرک ج ۳ ص ۱۰۳، الدر المنثور ج ا ص ۱۴۰)

"شفاء شریف میں ہے کہ" نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو جب شہید کیا جائے گا تو آپ قرآن مجید پڑھ رہے ہوں گے اور بے شک اللہ تعالیٰ آپ کو ایک قمیص پہنائے گا اور وہ لوگ اسے اتارنے کی کوشش کریں گے اور عنقریب ان کا خون اس آیت پر گرے گا (مندرجہ بالا آیت کے بارے میں فرمایا)۔

---

[1] فرات کے کنارے ایک بستی ہے جسے صفین کہتے ہیں صفر المظفر ۳۷ھ میں وہاں حضرت علی المرتضیٰ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کے درمیان لڑائی ہوئی جو کئی دن جاری رہی (اس کی طرف اشارہ فرمایا)۔ (زرقانی ج ۷ ص ۲۱۳)

امام حاکم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ان الفاظ کے ساتھ نقل کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے عثمان! جب آپ کو شہید کیا جائے گا آپ سورۂ بقرہ پڑھ رہے ہوں گے پس آپ کے خون کا قطرہ آیتِ کریمہ ''فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللّٰهُ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ'' پر گرے گا۔

لیکن امام ذہبی نے کہا یہ حدیث موضوع ہے (امام سیوطی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو برقرار رکھا ہے)۔

امام مسلم رحمہ اللہ نے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ مدینہ طیبہ کے ٹیلوں میں سے ایک ٹیلے پر چڑھے پھر فرمایا:

هل ترون ما ارى انى لارى مواقع الفتن خلال بيوتكم كمواقع القطر.

کیا تم وہ چیز دیکھتے ہو جو میں دیکھتا ہوں؟ بے شک میں فتنوں کے مقامات کو تمہارے گھر میں اس طرح دیکھتا ہوں جس طرح قطرے گرنے کی جگہیں ہوں۔

چنانچہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت کا فتنہ ہوا پھر فتنہ حرہ تک مسلسل فتنے نمودار ہوتے رہے فتنہ حرہ اس وقت ہوا جب ۶۳ھ کے ذوالحجہ کے تین دن باقی تھے اور اس میں بے شمار واقعات نمودار ہوئے جو کتبِ تاریخ میں مرقوم ہیں۔

امام بیہقی نے حضرت حسن بصری رحمہ اللہ سے نقل کیا وہ فرماتے ہیں: جب حرہ والا دن ہوا تو میرے گھر والے قتل ہوئے حتیٰ کہ قریب تھا کہ ان میں سے کوئی نہ بچے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: حرہ کے دن سات سو حفاظ قرآن شہید ہوئے جن میں سے تین سو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تھے اور یہ واقعہ یزید کے دور میں ہوا۔[1]

حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ابو مسلم بن عقبہ (یزیدی لشکر کے امیر) نے تین دن تک مدینہ طیبہ میں لوٹ مار کی اور ایک ہزار کنواری لڑکیوں کی عصمتیں لوٹی گئیں۔

نبی اکرم ﷺ بئر اریس کی منڈیر پر تشریف فرما تھے جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے دروازہ کھٹکھٹایا تو آپ نے حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے فرمایا ان کو اجازت دیں اور اس مصیبت پر جوان کو پہنچے گی جنت کی خوشخبری بھی دیں۔

یہ اس واقعہ کی طرف اشارہ ہے جو پہلے گزر چکا ہے کہ آپ کو آپ کے گھر میں شہید کیا گیا بلکہ اس سے واضح وہ خبر ہے جو حضرت امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے فرماتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے ایک فتنہ کا ذکر کیا پس ایک شخص گزرا تو فرمایا اس دن یہ شخص ظلماً قتل ہوگا۔ فرماتے ہیں میں نے دیکھا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تھے اور اس کی سند صحیح ہے۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۷۰۸، مسند احمد ج ۲ ص ۱۱۵، البدایہ والنہایہ ج ۷ ص ۲۰۹، مشکوٰۃ المصابیح للتبریزی رقم الحدیث: ۶۰۶۹)

نبی اکرم ﷺ نے جنگ جمل اور جنگ صفین جن میں حضرت عائشہ صدیقہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما کی حضرت علی المرتضیٰ سے لڑائی ہوئی کی خبر دی۔ امام حاکم نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت نقل کی ہے جسے امام بیہقی نے صحیح قرار دیا فرماتی ہیں:

[1] یزید کے دور میں جب اہلِ مدینہ نے یزید کے فسق و فجور کی وجہ سے اس کی بیعت توڑ دی اور اس کے عامل عثمان بن محمد بن سفیان کو نکال دیا تو اس نے ستر ہزار کا لشکر بھیجا جس نے مدینہ طیبہ پر چڑھائی کی انہوں نے مدینہ طیبہ کی بہت بے حرمتی کی اور مسلمانوں کو سخت اذیت دی۔ ۱۲ ہزاروی

نبی اکرم ﷺ نے بعض ازواج مطہرات کے خروج کا ذکر فرمایا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا مسکرا پڑیں آپ نے فرمایا: اے حمیراء! (سرخ وسفید رنگ والی) دیکھنا کہیں تم نہ ہونا پھر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا اگر یہ معاملہ آپ کے ہاتھ میں ہو تو ان سے نرمی اختیار کرو۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً مروی ہے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: تم میں سے گھنے بالوں والے اونٹ والی کون ہے؟ وہ نکلے گی حتیٰ کہ حواب مقام (یا کنویں) کے کتے اس پر بھونکیں گے اور اس کے گرد بہت سے لوگ قتل ہوں گے وہ نجات پائے گی اس کے بعد کہ قریب تھا نجات نہ پائے۔

امام حاکم نے حضرت ابوالاسود سے نقل کیا جسے امام بیہقی نے صحیح قرار دیا کہ میں حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر ہوا وہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ارادے سے نکلے تھے' حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں تجھے قسم دے کر پوچھتا ہوں کیا تم نے رسول اکرم ﷺ سے سنا کہ آپ نے فرمایا کہ اگر تم ان سے لڑو گے تو ظالم ہو گے پس حضرت زبیر رضی اللہ عنہ واپس چلے گئے۔ (المستدرک ج ۳ ص ۳۶۶' دلائل النبوۃ ج ۶ ص ۴۱۵)

ابو یعلیٰ اور بیہقی کی روایت میں ہے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہاں میں نے سنا لیکن میں بھول گیا۔

اسی غیبی خبر کے سلسلے میں حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں نبی اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: آپ نے فرمایا: میرا یہ بیٹا سردار ہے اور عنقریب اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے مسلمانوں کے دو بڑے گروہوں میں صلح کرائے گا۔

پس اسی طرح ہوا جس طرح آپ نے فرمایا تھا کیونکہ جب حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ شہید ہوئے تو چالیس ہزار سے زیادہ افراد نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کی پس آپ نے سات مہینے بطور خلیفہ عراق اور خراسان کے علاقہ ماوراء النہر میں حکومت کی پھر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف چلے اور وہ آپ کی طرف چلے پس جب دونوں لشکر اس جگہ پہنچے جو عراق میں انبار مقام کے کنارے پر مسکین کے نام سے معروف ہے تو معلوم ہوا کہ دونوں گروہوں میں سے ایک اس وقت تک غالب نہیں آ سکتا جب تک دوسرے گروہ کے اکثر لوگ قتل نہ ہو جائیں۔

چنانچہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ حکومت آپ کی ہو گی کسی اور کی نہیں ہو گی لیکن شرط یہ ہے کہ اہل مدینہ' اہل حجاز وعراق میں سے کسی سے ان کے والد حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے دور کا کوئی مواخذہ نہ ہو گا' حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے یہ شرط قبول کی لیکن دس افراد کو مستثنیٰ کیا' مسلسل خط وکتابت ہوتی رہی حتیٰ کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے آپ کی طرف سفید کاغذ بھیجا اور فرمایا جو چاہیں اس میں لکھیں میں عمل کروں گا چنانچہ اس پر صلح ہو گئی تو جس طرح نبی اکرم ﷺ نے فرمایا تھا اسی طرح ہوا کہ آپ نے فرمایا تھا: عنقریب اللہ تعالیٰ ان کے ذریعے مسلمانوں کے دو گروہوں میں صلح کرائے گا۔

دولابی نے نقل کیا کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا: عربوں کے سردار میرے ہاتھ میں تھے جس سے صلح کرتا وہ اس سے صلح کرتے اور جس سے میں لڑتا وہ اس سے لڑتے لیکن میں نے اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی اور مسلمانوں کا خون بچانے کے لئے خلافت کو چھوڑ دیا۔

اسی سلسلے کی ایک کڑی نبی اکرم ﷺ کا طف کے مقام پر حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر دینا ہے آپ نے اپنے دست مبارک سے مٹی نکال کر فرمایا: اس میں ان کے لیٹنے کی جگہ ہے۔

امام بغوی نے "اپنی معجم میں" حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا کہ بارش کے فرشتے (حضرت اسرافیل علیہ السلام) نے اپنے رب سے نبی اکرم ﷺ کی زیارت کی اجازت مانگی تو ان کو اجازت دی گئی اور یہ دن حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی باری کا دن تھا نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اے ام سلمہ! ہمارے اوپر دروازے کی حفاظت کرنا کہ کوئی شخص ہمارے پاس داخل نہ ہو وہ دروازے میں تھیں کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور جلدی جلدی نبی کریم ﷺ کے پاس پہنچ گئے آپ نے انہیں چومنا شروع کر دیا فرشتے نے پوچھا آپ کو ان سے محبت ہے؟ فرمایا: ہاں فرشتے نے کہا: عنقریب آپ کی امت ان کو قتل کرے گی اگر آپ چاہیں تو میں آپ کو وہ جگہ دکھاؤں جہاں ان کو شہید کیا جائے گا چنانچہ انہوں نے آپ کو وہ جگہ دکھائی اور وہاں سے ریت یا سرخ مٹی لے آئے' حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے اسے لیا اور کپڑے میں (اور پھر شیشی میں) ڈال دیا۔

حضرت ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ہم کہا کرتے تھے کہ یہ کربلا ہے۔ یہ روایت ابو حاتم نے اپنی صحیح میں نقل کی اور امام احمد رحمہ اللہ نے اس کی مثل روایت ذکر کی ہے۔

(المعجم الکبیر ج ۳ ص ۱۱۲' تاریخ دمشق ج ۴ ص ۳۲۸' کنز العمال رقم الحدیث: ۳۷۶۶۹)

(عمر موصلی) الملاء کی روایت میں ہے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: پھر مجھے سرخ مٹی کی ایک مٹھی پکڑائی اور فرمایا: یہ اس زمین کی مٹی ہے جہاں ان کو قتل کیا جائے گا پس جب یہ مٹی خون میں تبدیل ہو جائے تو جان لینا کہ ان کو شہید کر دیا گیا ہے۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: میں نے اسے ایک شیشی میں ڈالا جو میرے پاس تھی اور میں کہا کرتی تھی کہ جس دن یہ مٹی خون میں بدل گئی وہ بہت بڑا دن ہوگا۔ (تاریخ یعقوبی ج ۲ ص ۲۴۶)

تو جس طرح نبی اکرم ﷺ نے خبر دی تھی اسی صورت میں سرزمین عراق میں کربلا کے مقام پر حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو شہید کیا گیا وہ جگہ طف کے نام سے مشہور ہے۔

سنان بن انس نخعی نے آپ کو شہید کیا اور ایک قول یہ ہے کہ کسی دوسرے نے شہید کیا جب ان لوگوں نے آپ کو شہید کیا تو آپ کا سر انور یزید کے پاس بھیجا جب وہ لوگ وہاں پہنچے تو انہوں نے سر انور میں شراب پینا شروع کر دی اسی دوران دیوار سے ایک ہاتھ ان کی طرف بڑھا جس میں لوہے کا قلم تھا پس اس نے خون سے یوں ایک سطر لکھی۔

اترجوا امة قتلت حسينا شفاعة جده يوم الحساب

"جس امت نے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو شہید کیا' کیا وہ قیامت کے دن ان کے نانا کی شفاعت کی امید رکھ سکتی ہے؟"

چنانچہ وہ بھاگ گئے اور سر انور اسی جگہ چھوڑ دیا۔ یہ روایت منصور بن عمار نے نقل کی ہے۔

ابونعیم الحافظ نے "دلائل النبوۃ میں" حضرت نضرۃ الازدیہ سے نقل کیا وہ فرماتی ہیں جب حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہما کو شہید کیا گیا تو آسمان سے خون برسا' صبح کے وقت ہم نے اپنے بارش کے پانی کے برتنوں اور گھڑوں کو خون سے بھرا ہوا پایا۔ دیگر احادیث میں اس طرح مروی ہے۔

رسول اکرم ﷺ کی غیبی خبروں میں سے ایک یہ ہے کہ آپ نے حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: تمہیں

باغی گروہ شہید کرے گا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۴۷_۲۸۱۲' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۷۰_۷۲_۷۳' مسند احمد ج ۲ ص ۱۶۱_ ج ۵ ص ۲۱۴_۲۱۵_۳۰۶_۳۰۷_ ج ۶ ص ۳۰۰_۳۱۱' دلائل النبوۃ ج ۲ ص ۵۴۶_۵۴۹' المعجم الکبیر ج ۱ ص ۳۰۰_ ج ۴ ص ۹۸_۲۰۰_ ج ۵ ص ۳۰۸' مجمع الزوائد ج ۷ ص ۲۴۲' کنز العمال رقم الحدیث: ۳۷۲۳۶_۳۳۵۵۱)

چنانچہ جس طرح نبی اکرم ﷺ نے فرمایا اسی طرح ہوا۔

اسی طرح ابوعمر بن عبدالبر کی روایت ہے جو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے انہوں نے ایک شخص کو نبی اکرم ﷺ کے ساتھ دیکھا تو اسے پہچان نہ سکے آپ نے فرمایا: تم نے اسے دیکھا؟ عرض کیا جی ہاں! فرمایا: وہ حضرت جبریل علیہ السلام ہیں سنو! عنقریب تمہاری بینائی چلی جائے گی پس وہ آخری عمر میں نابینا ہو گئے تھے۔

نبی اکرم ﷺ نے حضرت ثابت بن قیس بن شماس رضی اللہ عنہ سے فرمایا: قابل تعریف زندگی گزارو گے اور بطور شہید قتل کئے جاؤ گے۔ یہ حدیث امام حاکم نے روایت کر کے اسے صحیح قرار دیا نیز امام بیہقی اور ابونعیم نے بھی اسے نقل کیا۔

(الدر المنثور ج ۶ ص ۸۵)

چنانچہ جنگ یمامہ میں جو مسیلمہ کذاب کے خلاف لڑی گئی تھی آپ شہید ہو گئے۔

ایک غیبی خبر یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: تمہارے لئے لوگوں کی طرف سے ہلاکت ہوگی اور لوگوں کے لئے تمہاری جانب سے ہلاکت ہوگی۔ [1] چنانچہ حجاج بن یوسف کی طرف سے آپ کے ساتھ جو کچھ ہوا وہ ہوا۔

(الحلیہ ج ۱ ص ۳۳۰' تاریخ ابن عساکر ج ۷ ص ۴۰۱' البدایہ ج ۸ ص ۳۳۳' کنز العمال رقم الحدیث: ۳۳۵۹۱_۳۷۲۲۳)

اسی سلسلے میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: یہ دین نبوت و رحمت کے طور پر ظاہر ہوا پھر یہ خلافت و رحمت ہوگا پھر کاٹنے والی ملوکیت ہوگی اور اس کے بعد بادشاہی اور جبر ہوگا۔

کاٹنے والی ملوکیت کا مطلب یہ ہے کہ رعایا پر ظلم و زیادتی ہوگی گویا اس دوران ان کو خوب کاٹا جائے گا۔

امام ابوداؤد اور امام ترمذی رحمہما اللہ نے حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہے وہ فرماتے ہیں: رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

اَلْخلافة في امتي ثلاثون سنة ثم ملک بعد ذلک. میری امت میں خلافت تیس سال ہوگی پھر اس کے بعد ملوکیت ہوگی۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۲۲۶' مسند احمد ج ۵ ص ۲۲۱' دلائل النبوۃ ج ۶ ص ۳۴۲' البدایہ والنہایہ ج ۵ ص ۳۱۵)

حضرت سعید بن جمھان رحمہ اللہ فرماتے ہیں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت' حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خلافت' حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی خلافت اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خلافت کو شمار کرنے سے ہم نے اسے تیس سال پایا۔

---

[1] چونکہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کا محاصرہ ہوا اور حرم کعبہ میں تھے تو آپ کو شہید کر دیا گیا اور سولی پر لٹکایا گیا اسی طرح آپ کو لوگوں کی جانب سے تکلیف پہنچی اور آپ کی وجہ سے حرم کعبہ کا محاصرہ ہوا اور دوسرے لوگوں کو اذیت پہنچی۔ (زرقانی ج ۷ ص ۲۲۱)

ان سے کہا گیا کہ بنوامیہ کا خیال ہے کہ ان میں خلافت موجود ہے تو انہوں نے فرمایا: زرقاء کی اولاد نے جھوٹ کہا بلکہ وہ برے بادشاہوں میں سے ہیں۔ [1]

ابونعیم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ حضرت ام الفضل (حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی زوجہ) نبی اکرم ﷺ کے پاس سے گزریں تو آپ نے فرمایا: تمہارے پیٹ میں بچہ ہے۔

فرماتی ہیں: جب وہ بچہ پیدا ہوا تو میں آپ کے پاس لائی آپ نے اس کے دائیں کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت کہی اور اس کے منہ میں اپنا لعاب ڈالا اور اس کا نام عبداللہ رکھا اور فرمایا: خلفاء کے باپ کو لے جاؤ وہ فرماتی ہیں میں نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے ذکر کیا تو وہ بارگاہِ نبوی میں حاضر ہوئے اور یہ بات عرض کی' نبی اکرم ﷺ نے فرمایا انہوں (ام الفضل) نے جو کچھ بتایا ہے ٹھیک ہے یہ خلفاء کا باپ ہے حتی کہ ان میں سفاح اور مہدی ہوں گے اور یہاں تک کہ وہ بھی ان میں سے ہوں گے جن کی اقتداء میں حضرت عیسٰی بن مریم علیہ السلام نماز پڑھیں گے۔ [2]

ابویعلیٰ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں میں نے نبی اکرم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ ترکی عربوں پر ضرور غالب آئیں گے حتی کہ وہ شیح اور قیصوم (بوٹیوں) تک پہنچ جائیں گے۔ [3]

اسی سلسلے میں عالم مدینہ کے بارے میں نبی اکرم ﷺ کی خبر ہے امام حاکم نے اسے نقل کیا اور صحیح قرار دیا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

یوشک الناس ان یضربوا اکباد الابل فلم یجدوا عالما اعلم من عالم المدینۃ.	قریب ہے کہ لوگ اونٹوں کے جگروں پر ماریں (علم کے لئے سفر کریں) پس وہ کسی کو عالم مدینہ سے بڑا عالم نہ پائیں۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۶۸۰' مسند احمد ج ۲ ص ۲۹۹' التمہید ج ۶ ص ۳۵' مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۲۴۶' البدایۃ والنہایہ ج ۶ ص ۲۸۳۔ ج ۱۰ ص ۱۷۴' کنز العمال رقم الحدیث: ۳۴۰۹۹)

حضرت سفیان بن عیینہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ہم اس عالم کو حضرت مالک بن انس رضی اللہ عنہ کی صورت میں دیکھتے ہیں۔

حضرت عبدالرزاق فرماتے ہیں: اس نام (یعنی بڑا عالم) کے ساتھ ان کے علاوہ کوئی معروف نہیں اور جس طرح ان کی طرف سفر کیا گیا کسی دوسرے کی طرف نہیں کیا گیا۔

حضرت ابومصعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: حضرت امام مالک رحمہ اللہ کے دروازے پر لوگوں کی بھیڑ ہوتی اور طلب علم کے لئے باہم لڑتے۔

---

[1] یزید نے ظلم و ستم کا آغاز کیا اور وہ بنوامیہ میں سے تھا اور خلافت کی مدت حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ پر مکمل ہوگئی تھی۔ ۱۲ ہزاروی

[2] اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ وہ امام مہدی کے آنے تک باقی رہیں گے۔

[3] "فتح الباری" میں ہے کہ اس حدیث کا مصداق ظاہر ہوگیا اور صحابہ کرام کے زمانے میں یہ حدیث مشہور تھی کہ جب تک ترک تمہیں چھوڑے رکھیں تم بھی ان کو چھوڑ دو اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانے میں مسلمانوں کی ترکوں سے لڑائی ہوئی۔ (زرقانی ج ۷ ص ۲۲۳)

حضرت امام مالک رحمہ اللہ سے روایت کرنے والے مشہور ائمہ میں حضرت محمد بن شہاب زہری' حضرت سفیان (ابن سعید) ثوری اور سفیان بن عیینہ' حضرت امام شافعی' حضرت امام اوزاعی جو اہل شام کے امام ہیں' حضرت لیث بن سعد امام اہل مصر' امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت اور ان کے شاگرد حضرت امام ابو یوسف اور حضرت امام محمد بن حسن' حضرت امام احمد کے شیخ عبدالرحمٰن بن مہدی' یحییٰ بن یحییٰ' شیخ امام بخاری' ابورجاء قتیبہ بن سعید شیخ امام بخاری' ذوالنون مصری' عبد اللہ بن مبارک اور ابراہیم بن ادھم رحمہم اللہ ہیں۔

علامہ عیسیٰ بن مسعود زواوی نے اپنی کتاب ''المنہج السالم الی معرفۃ قدر الامام مالک'' میں اسی طرح نقل کیا ہے۔

اسی طرح نبی اکرم ﷺ نے قریش کے عالم کی خبر دی۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

لا تسبوا قریشا فان عالمها یملأ طباق الارض علما. قریش کو گالی نہ دو بے شک اس کا عالم علم سے زمین کے کناروں کو بھر دے گا۔

(حلیۃ الاولیاء ج ۶ ص ۲۹۵۔ ج ۹ ص ۶۵' المطالب العالیہ رقم الحدیث: ۴۱۶۷' البدایہ والنہایہ ج ۶ ص ۲۸۵۔ ج ۱۰ ص ۲۵۳' تذکرۃ الموضوعات رقم الحدیث: ۱۱۳' کشف الخفاء ج ۲ ص ۶۸' المستدرک ج ۲ ص ۶۳۷۔ ۶۴۱)

اس حدیث کو ابوداؤد طیالسی نے اپنی مسند میں نقل کیا اور اس میں جارود (راوی) مجہول ہے لیکن اس حدیث کے دیگر شواہد ہیں۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت الخطیب کی ''تاریخ بغداد'' میں' حضرت علی المرتضیٰ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم کی روایت امام بیہقی کی ''المدخل'' میں مروی ہے اور امام احمد رحمہ اللہ اور ان کے علاوہ نے بھی فرمایا کہ یہ عالم امام شافعی رحمہ اللہ ہیں کیونکہ زمین کے اطراف میں کسی قریشی عالم کا علم اس قدر نہیں پھیلا جس قدر حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کا علم پھیلا چاہے وہ عالم صحابی ہوں یا غیر صحابی۔

اور امام احمد رحمہ اللہ اپنے شیخ امام شافعی رحمہ اللہ کے معاملے میں کسی موضوع حدیث کو ذکر کر کے اس سے استدلال نہیں کرتے۔

اور نبی اکرم ﷺ سے جو مجہول کے صیغے (روی) سے مروی ہے اور یہ صیغہ کمزوری کی علامت ہے تو اس حدیث کے ضعیف ہونے میں شک کی وجہ سے ہے کیونکہ اس کی سند ضعف سے خالی نہیں ہے یہ بات العراقی نے صغانی کے رد میں کہی ہے جنہوں نے اپنے خیال میں اس کو موضوع قرار دیا تھا۔ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے اس حدیث کے طرق کو اپنی کتاب ''لذۃ العیش فی طرق حدیث الائمۃ من قریش'' میں جمع کیا جیسا کہ ہمارے شیخ (امام سخاوی رحمہ اللہ) نے بیان فرمایا۔

رسول اکرم ﷺ نے اس بات کی خبر بھی دی کہ آپ کی امت میں سے ایک گروہ ہمیشہ حق پر رہے گا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ کا حکم آ جائے۔ اس حدیث کو امام بخاری اور امام مسلم نے حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔

اور آپ نے یہ بھی فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ہر سو سال کے بعد اس امت کی طرف ایسا شخص بھیجے گا جو اس کے لئے اس کے دین کی تجدید کرے گا۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۲۹۱' المستدرک ج ۴ ص ۵۲۲' مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۲۴۷' الدرر المنتثرہ رقم الحدیث: ۲۷' جمع الجوامع رقم الحدیث: ۵۱۶۹' الدر المنثور ج ۱ ص ۳۲۱' کشف الخفاء ج ۱ ص ۲۸۲' البدایہ ج ۶ ص ۲۸۹۔ ج ۹ ص ۲۰۶۔ ج ۱۰ ص ۲۵۳' تذکرۃ الموضوعات رقم الحدیث: ۹۱' الکامل فی الضعفاء ج ۱ ص ۱۲۳)

یہ حدیث امام حاکم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے اور آپ نے یہ بھی فرمایا: کہ اچھے لوگ چلے جائیں گے پھر درجہ بدرجہ اٹھتے جائیں گے۔ اس حدیث کو امام حاکم نے روایت کیا اور ان الفاظ کے ساتھ صحیح قرار دیا کہ اچھے لوگ پھر اچھے لوگ چلے جائیں گے۔ (یعنی پہلی روایت میں الامثل فالامثل ہے اور دوسری روایت میں الامثل کی جگہ الخیر کا لفظ ہے معنیٰ ایک ہی ہے)۔

نیز آپ نے خوارج کی خبر بھی دی امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ان الفاظ میں نقل کیا وہ فرماتے ہیں اس دوران کہ ہم رسول اکرم ﷺ کے پاس تھے اور آپ (مال غنیمت) تقسیم فرما رہے تھے کہ اچانک ذوالخویصرہ آپ کے پاس آیا اور اس نے کہا یا رسول اللہ! انصاف کیجئے آپ نے فرمایا: تیرے لئے ہلاکت ہو اگر میں انصاف نہیں کروں گا تو کون انصاف کرے گا؟ اگر میں انصاف نہ کروں تو یہ نقصان اور خسارے کی بات ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ مجھے اجازت دیجئے میں اس کی گردن ماردوں نبی کریم ﷺ نے فرمایا اسے چھوڑ دو اس کے کچھ ساتھی ہوں گے کہ تم میں سے کوئی ایک اپنی نماز کو ان کی نمازوں کے مقابلے میں اور اپنے روزوں کو ان کے روزوں کے مقابلے میں حقیر جانے گا وہ قرآن مجید پڑھیں گے لیکن ان کے حلق سے نہیں اترے گا وہ دین سے اس طرح نکلیں گے جس طرح تیر شکار سے نکل جاتا ہے ان کی نشانی یہ ہے کہ ایک سیاہ فام آدمی ہوگا جس کا ایک بازو عورت کے پستان کی طرح یا گوشت کے ٹکڑے کی طرح ہوگا جو حرکت کرتا ہے وہ اس وقت ظاہر ہوں گے جب لوگوں میں افتراق ہوگا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۱۶۳-۶۹۳۳، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۴۳، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۷۲، الدرالمنثور ج ۳ ص ۲۵۰، کنزالعمال رقم الحدیث: ۳۰۹۴۰-۳۱۲۲۳-۳۱۵۸۹، دلائل النبوۃ ج ۵ ص ۱۸۷، سنن سعید بن منصور رقم الحدیث: ۲۹۰۲، مسند احمد ج ۳ ص ۵۶-۳۵۳-۳۵۵)

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے یہ بات نبی اکرم ﷺ سے سنی ہے اور میں گواہی دیتا ہوں کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اس سے لڑائی لڑی اور میں آپ کے ہمراہ تھا۔ اور آپ نے اس شخص کے بارے میں حکم دیا تو اسے تلاش کر کے آپ کے پاس لایا گیا حتیٰ کہ میں نے اس کی طرف دیکھا تو اسی صورت پر تھا جو نبی اکرم ﷺ نے بیان فرمائی تھی۔[1]

اسی طرح رسول اکرم ﷺ نے رافضیوں کے بارے میں خبر دی۔ امام بیہقی رحمہ اللہ نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی وہ فرماتے ہیں رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: میری امت میں ایک قوم ہوگی جن کو "رافضہ" کہا جائے گا وہ اسلام سے نکل جائیں گے۔ (دلائل النبوۃ ج ۶ ص ۵۴۷)

نیز آپ نے قدریہ اور مرجئہ فرقوں کے بارے میں خبر دیتے ہوئے فرمایا: وہ اس امت کے مجوسی ہیں۔[2] یہ حدیث امام طبرانی نے "الاوسط میں" حضرت انس رضی اللہ عنہ سے نقل کی ہے۔

---

1. جب ان کو قتل کیا تو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا دیکھو تو کوئی نشانی نظر نہ آئی فرمایا واپس جاؤ اللہ کی قسم مجھ سے جھوٹ نہیں کہا گیا پھر وہ شخص مل گیا۔

2. قدریہ تقدیر کے منکر لوگ اور مرجئہ وہ گروہ جو کہتا ہے کہ ایمان کے بعد کوئی گناہ نقصان نہیں دیتا۔ (زرقانی ج ۷ ص ۲۳۰)

علاوہ ازیں نبی اکرم ﷺ نے اپنے صحابہ کرام کو چند ایسے امور کے بارے میں بتایا جو آپ کے وصال اور قیامت کے درمیان واقع ہوں گے اور ان کو ان کے اچانک آنے سے ڈرایا جس طرح اس شخص کو ڈرایا جاتا ہے جو اطاعت سے منہ پھیر لے اور یہ بھی بتایا کہ جب تک یہ تمام نشانیاں ظاہر نہیں ہوں گی قیامت قائم نہیں ہو گی پس جب بہت بڑی مصیبت آئے گی تو اس سے عالم و جاہل عقل کھو بیٹھیں گے۔

جیسا کہ امانت اور قرآن کے اٹھ جانے کے بارے میں مروی ہے خیانت کا عام ہونا' ساتھیوں کا حسد کرنا' مردوں کی کمی اور عورتوں کی کثرت وغیرہ جن کی صحت پر روایات شاہد ہیں اور اس کے وقوع نے اس کی حقیقت کا فیصلہ دیا۔

اور یہ بات متعین ہے کہ ہم صحیح اور حسن روایت میں سے کچھ ذکر کریں۔

تو امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: قیامت قائم نہیں ہو گی حتیٰ کہ دو بڑی جماعتوں کے درمیان بہت بڑی لڑائی ہو گی اور بہت زیادہ لوگ قتل ہوں اور دونوں کا ایک ہی دعویٰ ہو گا (یعنی دونوں مسلمان کہلائیں گے یا دونوں حق پر ہونے کا دعویٰ کریں گے) حتیٰ کہ تیس کے قریب دجال جھوٹے لوگ آئیں گے اور ان میں سے ہر ایک اپنے آپ کو رسول سمجھے گا' علم اٹھ جائے گا' زلزلے زیادہ ہوں گے' وقت جلدی جلدی گزرے گا' فتنے ظاہر ہوں گے اور قتل عام ہو گا حتیٰ کہ تمہارے پاس مال زیادہ ہو گا اور وہ بہنے لگے گا اور آدمی پریشان ہو گا کہ اس کا صدقہ کون قبول کرے؟ حتیٰ کہ وہ کسی پر پیش کرے گا تو وہ جواب دے گا مجھے اس کی حاجت نہیں اور یہاں تک کہ لوگ عمارتیں بنانے میں ایک دوسرے پر فخر کریں گے اور ایک شخص دوسرے کی قبر سے گزرے گا تو کہے گا کاش میں اس کی جگہ ہوتا۔ سورج مغرب سے طلوع ہو گا جب طلوع ہو گا اور سب لوگ اسے دیکھیں گے تو اس وقت کسی نفس کو اس کا ایمان نفع نہیں دے گا جو اس سے پہلے ایمان نہیں لایا یا اس نے اپنے ایمان سے نیکی نہیں کمائی اور قیامت قائم ہو گی (پہلا صُور پھونکا جائے گا) تو آدمیوں نے کپڑا پھیلا رکھا ہو گا نہ وہ اس کا سودا کر سکیں گے اور نہ ہی لپیٹنے کی مہلت ملے گی اور ایک شخص اپنی اونٹنی کا دودھ لے کر آئے گا لیکن اسے پی نہیں سکے گا کوئی شخص اپنے حوض کو ٹھیک کر رہا ہو گا اور اس میں پانی نہیں ڈال سکے گا کہ (پہلی) قیامت قائم ہو جائے گی اسی طرح وہ لقمہ اٹھا کر منہ کی طرف لے جائے گا اور کھا نہیں سکے گا کہ قیامت قائم ہو جائے گی۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۶۰۸-۳۶۰۹' مسند احمد ج ۳ ص ۹۵' شرح السنہ ج ۱۵ ص ۲۶' مسند الحمیدی رقم الحدیث: ۱۱۰۳' الدر المنثور ج ۶ ص ۵۱' کنز العمال رقم الحدیث: ۳۸۳۰۲)

یہ تیرہ علامات ہیں جن کو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے ایک حدیث میں جمع کیا اور اس کے بعد کوئی صحیح علامت اور شرط ایسی نہیں رہی جو دیکھی جائے ان علامات میں سے اکثر ظاہر ہو چکی ہیں۔

نبی اکرم ﷺ کا یہ ارشاد گرامی ''حتیٰ کہ دو بڑی جماعتیں باہم لڑیں گی اور ان دونوں کا ایک ہی دعویٰ ہو گا'' تو اس سے جنگ صفین مراد ہے جو حضرت معاویہ اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے درمیان ہوئی۔

قاضی ابو بکر بن عربی فرماتے ہیں: اسلام میں یہ سب سے پہلا حادثہ تھا۔ لیکن قرطبی نے ان کا رد کرتے ہوئے کہا کہ مسلمانوں پر سب سے پہلے اچانک آنے والا حادثہ نبی اکرم ﷺ کا وصال ہے پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا وصال' کیونکہ رسول اللہ ﷺ کے وصال سے وحی کا سلسلہ بند ہو گیا اور سب سے پہلے شر ظاہر ہوا جیسے بعض عربوں کا مرتد ہونا وغیرہ۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے وصال سے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت کی آزمائش کی تلوار میان سے باہر نکلی لیکن جو کچھ ہوا اور جو کچھ ہوگا سب اللہ تعالیٰ کی قضاء وقدر سے ہے۔

آپ کا یہ ارشاد گرامی کہ "تمیں کے قریب جھوٹے دجال ہوں گے" تو حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ان کی معین تعداد مذکور ہے' فرماتے ہیں: رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

یکون فی امتی دجالون کذابون سبعة وعشرون منهم اربع نسوة وانا خاتم النبیین لا نبی بعدی.

میری امت میں ستائیس دجال کذاب ہوں گے جن میں سے چار عورتیں ہوں گی اور میں خاتم النبیین (آخری نبی) ہوں' میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔

یہ حدیث حافظ ابونعیم نے نقل کی اور فرمایا: یہ حدیث غریب ہے۔

قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ حدیث ظاہر ہو چکی ہے اگر ان لوگوں کا شمار کیا جائے جنہوں نے نبی اکرم ﷺ کے زمانہ مبارکہ سے آج تک نبوت کا دعویٰ کیا تو ان میں سے مشہور اسی تعداد کے مطابق پائے جائیں گے اور جو آدمی کتب تاریخ کا مطالعہ کرتا ہے وہ اس حدیث کی صحت کو جان لیتا ہے۔

اور آپ کا ارشاد گرامی "حتیٰ کہ علم اٹھ جائے گا" تو (واقعی) وہ اٹھ گیا اور محض اس کی رسم باقی رہ گئی ہے (کیونکہ علم پر عمل نہیں اور اہل علم علماء دنیا سے پردہ فرما گئے) اور آپ نے زلزلوں کا ذکر فرمایا تو ان میں سے بہت کچھ ہو چکا اور ہم نے ان میں سے بعض کا مشاہدہ کیا ہے۔

نبی اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی "حتیٰ کہ تم میں مال کی کثرت ہوگی اور یہاں تک کہ مال دار پریشان ہوگا کہ اس کا صدقہ کون قبول کرے گا" تو یہ بات ابھی تک واقع نہیں ہوئی۔

اور آپ نے فرمایا: "کہ ایک شخص کسی دوسرے آدمی کی قبر سے گزرے گا تو کہے گا کاش اس کی جگہ میں ہوتا"۔

اور اس کی وجہ بڑی آزمائش' جاہلوں کا اقتدار پر قابض ہونا اور علماء کو نظر انداز کر دینا ہے۔ اور اسی سلسلے میں بہت کچھ ظاہر ہو چکا ہے۔

امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث نقل کی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

لا تقوم الساعة حتی تخرج نار من الحجاز تضیء لها اعناق الابل ببصری.

قیامت قائم نہیں ہوگی یہاں تک کہ حجاز سے ایک آگ نکلے جس سے بصریٰ میں اونٹوں کی گردن روشن ہو جائیں (نظر آئیں)۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۱۱۸' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۴۲' شرح السنہ ج ۱۵ص ۳۶' مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۵۴۳۶' البدایہ والنہایہ ج ۱۳ص ۱۹۹' المستدرک ج ۴ص ۴۴۳' الدرالمنثور ج ۶ص ۵۵' المعجم الکبیر ج ۴ص ۱۹۲' کنز العمال رقم الحدیث: ۳۸۸۸۳)

اور ایک بہت بڑی آگ مدینہ طیبہ سے ایک منزل کے فاصلے پر ظاہر ہوئی اور اس کا آغاز ایک بہت بڑے زلزلے سے ہوا جو ۳ جمادی الاخریٰ ۶۵۴ھ میں بدھ کی رات میں برپا ہوا منگل کے دن اس کی حرکت میں شدت پیدا ہوئی تھی اس کا زلزلہ اور توڑ پھوڑ زیادہ ہوئی زمین پر جو کچھ تھا اس میں اضطراب پیدا ہوا اور خالق کو پکارنے کے لئے آوازیں بلند ہوئیں اور ایک

کے بعد دوسری حرکت ہوئی حتیٰ کہ اہلِ مدینہ کو یقین ہوگیا کہ وہ ہلاک ہو جائیں گے اور ان کو خوب جھنجھوڑا جائے گا صرف ایک دن میں اٹھارہ بار حرکت ہوئی رات کو نہیں (واضح رہے کہ یہ منگل کا دن تھا لیکن منقول بدھ کا دن ہے)۔

امام قرطبی فرماتے ہیں: نبی اکرم ﷺ کی برکت سے مدینہ طیبہ میں صبح کی ٹھنڈی ہوا (بادِ نسیم) آتی تھی حالانکہ اس آگ کا جوش اس طرح دیکھا گیا جس طرح سمندر جوش مارتا ہے اور یہ آگ یمن کی ایک بستی تک پہنچ گئی اور اس نے اس کو جلا کر رکھ دیا اور ہمارے بعض اصحاب نے مجھے بتایا کہ میں نے اسے ہوا میں پانچ دن کی مسافت تک اٹھتے ہوئے دیکھا اور میں نے یہ بھی سنا کہ وہ آگ مکہ مکرمہ سے اور بصریٰ کے پہاڑوں سے دیکھی گئی۔

شیخ قطب الدین قسطلانی (ابو بکر قطب الدین محمد بن احمد بن علی الشاطبی التوزری ہیں' متوفی ۶۸۶ھ)[1] رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"یہ آگ باون دن رہی اور رجب کی ستائیسویں رات یعنی شب معراج بجھ گئی۔

خلاصہ یہ ہے کہ اگر اس آگ کا پورا ذکر کیا جائے تو مقصود باقی نہیں رہے (یعنی اختصار ختم ہو جائے) امام قرطبی نے "التذکرہ میں" اس کا ذکر کیا اور قطب الدین قسطلانی نے اپنی کتاب "جمل الایجاز فی الاعجاز بنار الحجاز" صرف اسی واقع سے متعلق لکھی ہے۔

اور انہوں نے اس میں نہایت عجائب باریک باتیں لکھی ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ ہی توفیق عطا فرمانے والا ہے۔

---

1 (الاعلام ج ۵ ص ۳۲۳' طبقات الشافعیہ ج ۵ ص ۱۸' اشذرات الذہب ج ۵ ص ۳۹۷' النجوم الزاہرۃ ج ۷ ص ۳۷۳' حسن المحاضرۃ ج ۱ ص ۲۳۶' فوات الوفیات ج ۳ ص ۳۱۰' الوافی بالوفیات ج ۲ ص ۱۳۲' تاریخ علماء بغداد رقم الحدیث: ۱۷۳)

نواں مقصد

نبی اکرم ﷺ کی عبادات

زندگی بھر عبادت

اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کو خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّكَ يَضِيْقُ صَدْرُكَ بِمَا يَقُوْلُوْنَ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ. (الحجر:۹۷-۹۹)

اور بے شک ہم جانتے ہیں کہ ان لوگوں کی باتوں سے آپ اپنے سینہ مبارکہ میں تنگی محسوس کرتے ہیں پس آپ اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی پاکیزگی بیان کریں اور سجدہ کرنے والوں میں سے ہو جائیں اور اپنے رب کی عبادت کریں حتیٰ کہ موت (کا وقت) آ جائے۔

تو اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کو وصال تک عبادت کرنے کا حکم دیا اور یقین سے موت ہی مراد ہے اور اسے یقین کہنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ یقینی بات ہے۔

سوال: عبادت کا حکم دینے میں "واعبد ربک" کافی تھا "حتی یاتیک الیقین" فرمانے کا کیا فائدہ ہے؟

جواب: امام قرطبی رحمہ اللہ نے دوسروں کی اتباع میں فرمایا کہ اگر اللہ تعالیٰ مطلقاً "واعبد ربک" فرماتا پھر آپ ایک مرتبہ عبادت کرتے تو حکم پر عمل ہو جاتا۔

اور جب "حتی یاتیک الیقین" فرمایا یعنی آپ اپنی زندگی کے تمام اوقات میں اپنے رب کی عبادت کریں اور تھکاوٹ محسوس نہ کریں اور زندگی کے کسی بھی لحظہ میں اس عبادت میں خلل واقع نہ ہو۔ جس طرح صالح بندے نے کہا:

وَاَوْصٰنِیْ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ مَا دُمْتُ حَيًّا. (المریم:۳۱)

اور اس (اللہ تعالیٰ) نے مجھے نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیا جب تک میں زندہ رہوں۔

اس سے معلوم ہوا کہ امر مطلق تکرار کو نہیں چاہتا اور مسئلہ اصول فقہ میں معروف ہے اور اس میں اختلاف ہے۔[1]

حکم مطلق کے بارے میں اصول مسئلہ

کیا امر مطلق تکرار کا فائدہ دیتا ہے یا ایک مرتبہ عمل کرنا کافی ہے یا کسی قسم کا فائدہ نہیں دیتا؟ اس سلسلے میں کئی مذاہب ہیں۔

[1] احناف کے نزدیک امر تکرار کو نہیں چاہتا نماز کا روزانہ اور بار بار پڑھنا سبب یعنی وقت کے بار بار آنے کی وجہ سے ہے یہی وجہ ہے کہ حج زندگی میں ایک بار فرض ہے کیونکہ اس کا سبب ایک ہے اور وہ خانہ کعبہ ہے۔ ۱۲ ہزاروی

پہلا مذہب: امر مطلق نہ تو تکرار کا فائدہ دیتا ہے اور نہ ہی اس کی نفی کرتا ہے بلکہ اس کا فائدہ صرف اتنا ہے کہ جس بات کا حکم دیا گیا اس پر عمل کیا جائے قطع نظر اس بات کی خبر کے کہ ایک مرتبہ ہو یا کئی مرتبہ لیکن ایک مرتبہ عمل کرنا ضروری ہے تا کہ بجا آوری متحقق ہو جائے کیونکہ ایک بار سے کم میں کسی کام کی ماہیت نہیں پائی جاتی امام الحرمین کا مختار مذہب یہی ہے اور کچھ اصولیوں سے اسی طرح نقل کیا۔

آمدی اور ابن حاجب نے اسی کو ترجیح دی ہے۔

دوسرا مذہب: امر مطلق 'مطلقاً تکرار کا فائدہ دیتا ہے جیسا کہ استاذ ابو اسحاق اسفرائینی اور ابو حاتم قزوینی نے یہ موقف اختیار کیا پس اگر وہ تکرار کے لئے کوئی خاص مدت مقرر کرے تو وہ حکم اس کو گھیرے گا ورنہ زندگی بھر عمل کرنا ہوگا لیکن جس قدر ممکن ہو پس قضائے حاجت 'نیند کی حالت اور اس کے علاوہ ضروریات کا وقت اس سے خارج ہوگا۔

تیسرا مذہب: یہ صرف ایک مرتبہ بجا آوری پر دلالت کرتا ہے شیخ ابو اسحاق نے "شرح اللمع میں" ہمارے اکثر اصحاب (شافعی مسلک والوں) اور امام ابو حنیفہ اور ان کے علاوہ حضرات سے نقل کیا۔

اور اگر کسی شرط یا صفت کے ساتھ مشروط کرے تو تکرار کا تقاضا 'مشروط کے تکرار کے مطابق ہوگا۔

جیسے ارشاد خداوندی ہے:

وَاِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا. (المائدہ:٦) اور اگر تم جنبی ہو تو خوب پاک ہو جاؤ۔

اور ارشاد خداوندی ہے:

اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ. (النور:٢) زانیہ عورت اور زانی مرد میں سے ہر ایک کو سو کوڑے مارو۔

(مطلب یہ ہے کہ طہارت کا تعلق جنابت سے اور کوڑوں کا تعلق زنا سے ہے لہٰذا جنابت کے تکرار سے غسل کا اور زنا کے تکرار سے کوڑوں کا تکرار ہوگا۔ ۱۲ ہزاروی) یہ جو کچھ بیان ہو علامہ ابو الحسن اشمونی کی شرح کا خلاصہ ہے۔[1]

آیت کا معنیٰ

حضرت جبیر بن نفیر رحمہ اللہ (تابعی ہیں)[2] سے مرسلاً مروی ہے (صحابی کا ذکر نہیں ہے) کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

ما اوحی الی ان اجمع المال واکون من التاجرین ولکن اوحی الی ان سبح بحمد ربک وکن من السجدین واعبد ربک حتی یاتیک الیقین.

میری طرف یہ بات وحی نہیں کی گئی کہ میں مال جمع کروں اور تاجروں میں سے ہو جاؤں بلکہ میری طرف یہ وحی ہوئی کہ اپنے رب کی تسبیح اس کی حمد کے ساتھ بیان کریں اور سجدہ کرنے والوں میں سے ہو جائیں اور اپنے رب کی عبادت کریں حتیٰ کہ آپ کا وصال ہو گیا۔

---

[1] علامہ ابو الحسن اشمونی کا اسم گرامی نور الدین علی ہے اشمون مصر کی ایک بستی ہے اور علامہ اشمونی امام 'عالم' زاہد تھے گفتگو کم کرتے اور حسن سیرت کے مالک تھے۔ (زرقانی ج ۷ ص ۲۳۷)

[2] (طبقات ابن سعد ج ۷ ص ۳۰۶ 'التقریب ج ۱ ص ۱۲۶)

(الدر المنثور ج ۴ ص ۱۰۹، مشکوٰۃ المصابیح للتبریزی رقم الحدیث: ۵۲۰۶، المغنی ج ۲ ص ۶۵۔ ج ۳ ص ۲۵۹، الحلیہ ج ۲ ص ۲۳۱، الکامل فی الضعفاء ج ۵ ص ۱۸۹۷، کنز العمال رقم الحدیث: ۶۳۷۴)

اس حدیث کو امام بغوی نے "شرح السنہ میں" اور ابو نعیم نے "الحلیہ میں" حضرت ابو مسلم خولانی رحمہ اللہ سے روایت کیا۔[1]

(طبقات ابن سعد ج ۷ ص ۳۱۲)

اس حدیث میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو چار باتوں کا حکم دیا تسبیح، تحمید، سجدہ اور عبادت۔

اس سلسلے میں اختلاف ہے کہ اس قسم کی عبادات کی طرف توجہ کیسے دل کی تنگی اور غم کے ازالے کا سبب بنی؟

تو امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ نے بعض محققین سے نقل کیا وہ فرماتے ہیں: کہ جب انسان اس قسم کی عبادات کرتا ہے تو اس کے لئے عالم ربوبیت سے روشنیاں چمکتی ہیں اور جب یہ کیفیت ہوتی ہے تو دنیا بالکل حقیر معلوم ہوتی ہے جب وہ حقیر ہو جائے تو اس کا معدوم ہونا یا حاصل ہونا دل کے لئے معمولی بات ہوتی ہے اگر دنیا حاصل نہ ہو تو اسے وحشت نہیں ہوتی اور اگر مل جائے تو اس سے خوشی نہیں ہوتی اس وقت غم اور پریشانی دور ہو جاتی ہے

اور اہل سنت فرماتے ہیں: جب بندے پر کچھ مصیبت آتی ہے تو عبادات کی طرف مجبور ہو جاتا ہے گویا وہ کہتا ہے، مجھ پر تیری عبادت واجب ہے تو مجھے نعمتیں عطا کرے یا تکالیف میں ڈالے۔

عبادت پر صبر کرنا

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَاعْبُدْهُ وَاصْطَبِرْ لِعِبَادَتِهٖ. (مریم: ۶۵) پس اس کی عبادت کریں اور اس کی عبادت پر صبر کریں۔

تو اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کو عبادت کرنے اور لوگوں کو ڈرسنانے اور تبلیغ کے سلسلے میں پہنچنے والی تکلیف کو صبر سے برداشت کرنے کا حکم دیا۔

سوال: اللہ تعالیٰ نے "واصطبر" کی بجائے "واصبر" کیوں نہیں فرمایا؟

جواب: عبادت کو "قرن" کی طرح قرار دیا قرن مقابل کو کہتے ہیں لڑنے والے سے کہا جاتا ہے "اصطبر لقرنک" اپنے مقابل کی طرف سے پہنچنے والی مشقت کو برداشت کرنے میں ثابت قدم رہو۔

معنی یہ ہے کہ عبادت کی وجہ سے تم پر مشقت اور سختیاں آئیں گی پس ان کے مقابلے میں ثابت قدم رہو۔

یہ بات امام فخر الدین رازی اور امام بیضاوی رحمہما اللہ نے فرمائی ہے۔

غلطی کرنے والے صوفی کی سمجھ کی تصحیح

ارشاد خداوندی ہے:

---

[1] حضرت امام ابو مسلم خولانی زاہد، عابد، بہت بڑے تابعی تھے، نبی اکرم ﷺ کی طرف سفر کیا لیکن آپ سے ملاقات نہ ہوئی یزید بن معاویہ کے زمانے تک زندہ رہے۔ (زرقانی ج ۷ ص ۳۳۸)

وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاِلَيْهِ يُرْجَعُ الْاَمْرُ كُلُّهٗ فَاعْبُدْهُ وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ. (ھود: ۱۲۳)

اور اللہ ہی کے لئے ہیں آسمانوں اور زمین کے غیب اور اسی کی طرف سب کاموں کا رجوع ہے۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سیر کا پہلا مرحلہ اس کی عبادت ہے اور آخری درجہ اس پر توکل کرنا ہے اور بندہ جب ہمیشہ اپنے رب کی طرف سفر میں رہتا ہے تو جب تک بقید حیات ہے اس کی سیر ختم نہیں ہوتی لہٰذا وہ عبادت کے زادراہ کا محتاج ہے اس سے کسی طرح بے نیاز نہیں ہوسکتا اگرچہ وہ تمام جنوں اور انسانوں کے اعمال کے برابر عمل کرے۔

اور جب بندہ اپنے رب کے زیادہ قریب ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کا مجاہدہ بھی بڑا ہوتا ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَجَاهِدُوْا فِى اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ. (الحج: ۷۸)

اور اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کرو جس طرح جہاد کا حق ہے۔

اسی لئے نبی اکرم ﷺ عبادت کی ذمہ داریوں کو پورا کرنے اور اس کے لئے کوشش کرنے میں تمام مخلوق سے بڑا مقام رکھتے تھے آپ نے وصال تک اس (عبادت) کی سب سے زیادہ محافظت فرمائی۔ اور صحابہ کرام کے حالات میں غور کیجئے کہ جب بھی انہیں قرب میں کسی مقام پر ترقی حاصل ہوتی ان کا مجاہدہ اور کوشش بڑھ جاتی۔

بعض خود ساختہ صوفیوں کی اس بات کی طرف توجہ نہ کرنا کہ قرب حقیقی بندے کو اعمالِ ظاہرہ سے اعمالِ باطنہ کی طرف منتقل کر دیتا ہے اور یوں وہ جسم اور اعضاء کو عمل کی مشقت سے بچا کر راحت پہنچاتا ہے اس کا خیال ہے کہ اس طرح وہ عمل کا مکلف نہیں رہتا یہ لوگ بہت بڑے کافر اور بے دین ہیں۔ کیونکہ انہوں نے بندگی کو معطل کر دیا اور اپنے باطل خیالات کی وجہ سے وہ اس سے بے نیاز ہو گئے حالانکہ ان کا یہ خیال نفس کی خواہشات اور شیطان کا دھوکہ ہے۔

پس اگر بندہ قرب کی وجہ سے اعلیٰ مقام تک پہنچ جائے تو جب تک وہ عمل پر قادر ہے ذرہ بھر عمل کی تکلیف اس سے ساقط نہیں ہوتی۔

کیا آپ نے کسی پہلی شریعت پر عمل کیا؟

علماء کرام کا اختلاف ہے کہ آیا بعثت سے پہلے نبی اکرم ﷺ کسی پہلی شریعت پر عمل کرتے تھے یا نہیں؟

ایک جماعت کہتی ہے کہ (اس سے پہلے) آپ کسی دوسری شریعت پر عمل نہیں کرتے تھے کیونکہ اگر ایسی بات ہوتی تو وہ منقول ہوتی اور عادتاً ایسے عمل کا چھپانا ممکن نہ ہوتا اس لئے کہ یہ تو آپ کے اہم معاملے سے ہوتا اور آپ کی سیرت میں سے جن باتوں کا اہتمام کیا جاتا ہے ان میں سے اولیٰ کام ہوتا اور اس شریعت والے اس پر فخر کرتے اور اس سے اس پر استدلال کرتے اور اس قسم کی کوئی بات منقول نہیں ہے۔

ایک گروہ اسے عقلی طور پر محال سمجھتا ہے وہ کہتے ہیں یہ بات عقل سے بعید ہے کہ جو شخص تابع معروف ہو وہ متبوع ہو جائے اور پہلی تعلیل کہ یہ بات منقول نہیں ہے زیادہ بہتر ہے۔

دوسرے لوگ اس طرف گئے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کے معاملے میں توقف کیا جائے اور قطعی طور پر کوئی حکم نہ لگایا جائے کیونکہ عقل ان میں سے کسی ایک بات کو جائز قرار نہیں دیتی یہ امام ابوالمعالی امام الحرمین اور امام غزالی اور آمدی رحمھم

اللہ کا مذہب ہے۔

کچھ دوسرے حضرات کہتے ہیں کہ آپ کسی پہلی شریعت پر عمل کرتے تھے پھر اختلاف ہے کہ کیا وہ شریعت متعین ہے یا نہیں؟ تو بعض نے تعیین سے خاموشی اختیار کی اور اس بات سے رک گئے اور بعض نے تعیین کی جسارت کی اور بہرے بن گئے۔

پھر یہ اختلاف ہے کہ کونسی شریعت متعین ہے؟ تو بعض نے کہا حضرت نوح علیہ السلام کی اتباع کرتے تھے' کسی نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کسی نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور کسی نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قول کیا۔

تو اس مسئلہ میں یہ مذاہب ہیں اور اس سلسلے میں سب سے زیادہ ظاہر بات وہ ہے جس کی طرف قاضی ابو بکر باقلانی گئے ہیں اور یہ تعیین کے مذاہب سے زیادہ دور ہے کیونکہ ان میں سے کوئی بات ہوتی تو وہ منقول ہوتی جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا اور یہ بات پوشیدہ نہ ہوتی۔

ان لوگوں کی اس بات پر کوئی دلیل نہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آخری نبی ہیں پس بعد والوں پر آپ کی شریعت لازم ہے کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دعوت میں عموم ثابت نہیں بلکہ صحیح بات یہ ہے کہ ہمارے نبی ﷺ کے علاوہ کسی نبی نے عمومی نبوت کا دعویٰ نہیں کیا۔

یہ قاضی عیاض رحمہ اللہ کے کلام کا خلاصہ ہے اور نہایت عمدہ کلام ہے لیکن ان کا یہ کہنا کہ تمام مذاہب یہی ہیں' محل نظر ہے کیونکہ اس سے ایک بات باقی ہے اس لئے کہ یہ بھی کہا گیا کہ حضرت آدم علیہ السلام کی شریعت مراد ہے یہ بات ابن برہان سے منقول ہے ایک قول یہ ہے کہ تمام شریعتوں پر عمل فرمایا۔ یہ بات "المحصول" کے مصنف نے بیان کی جو مالکی ہیں۔

جس نے کہا کہ آپ' حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شریعت پر عمل کرتے تھے تو آپ کے لئے الگ شریعت نہیں ہے آپ کی بعثت کا مقصد حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شریعت کو زندہ کرنا تھا اس سلسلے میں قرآن مجید کی یہ آیت دلیل ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

ثُمَّ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا. (النحل:۱۲۳)

پھر ہم نے آپ کی طرف وحی بھیجی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ملت کی اتباع کریں جو باطل سے جدا ہے۔

تو یہ قول ساقط مردود ہے اس قسم کی بات کوئی بے عقل ہی کرتا ہے۔

اس آیت سے توحید میں اتباع مراد ہے کیونکہ جب اس آیت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا وصف یوں بیان فرمایا کہ آپ مشرکین میں سے نہیں تھے تو اتباع سے بھی یہی مراد ہے (کہ آپ توحید پر قائم رہیں)۔

اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد گرامی بھی اسی قسم کا ہے:

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ. (الانعام:۹۰)

یہ وہ لوگ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی رہنمائی فرمائی پس ان کی راہ ہدایت پر چلیں۔

اور ان میں اللہ تعالیٰ نے ان کا بھی ذکر فرمایا جو مبعوث نہ ہوئے اور ان کے ساتھ کوئی شریعت مخصوص نہ تھی جیسے حضرت یوسف علیہ السلام ان لوگوں کے قول کے مطابق جو کہتے ہیں کہ آپ رسول نہیں تھے اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ایسی جماعت کا ذکر بھی کیا جن کی شریعتیں مختلف تھیں ان کو جمع کرنا ممکن نہیں پس یہ اس بات پر دلالت ہے کہ اس سے توحید اور

اللہ تعالیٰ کی عبادت مراد ہے، جس پر وہ سب متفق تھے۔

سوال: نبی اکرم ﷺ نے دلائل قطعیہ کی بنیاد پر شرک کی نفی فرمائی اور توحید کو ثابت کیا جب یہ بات ہے تو آپ کسی کی اتباع کرنے والے نہیں تھے پس ''ان اتبع'' کو اس معنی پر محمول کرنا ممتنع ہے لہٰذا اسے ان شریعتوں پر محمول کرنا ضروری ہے، جن میں متابعت کا حصول صحیح ہے۔

جواب: امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ نے اس کا جواب یوں دیا ہے کہ توحید کی دعوت دینے کی کیفیت میں متابعت کا حکم ہے یعنی آپ نرمی اور سہولت کے ساتھ اور بار بار مختلف طریقوں سے دلائل لا کر دعوت دیں جیسا کہ قرآن پاک کا مانوس طریقہ ہے۔

تفسیر کشاف کے مصنف نے ''ثم اوحینا الیک'' (پھر ہم نے آپ کی طرف وحی بھیجی) میں لفظ ثم کے بارے میں فرمایا: کہ یہ رسول اکرم ﷺ کے مقام و مرتبہ کی عظمت اور آپ کے مقام کی جلالت پر دلالت ہے کیونکہ حضرت خلیل اللہ ابراہیم علیہ السلام کو جو سب سے زیادہ بزرگی اور سب سے بڑی نعمت عطا کی گئی وہ نبی اکرم ﷺ کا ان کی ملت کی اتباع کرنا ہے کیونکہ لفظ ثم اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تعریف میں جس قدر کلمات بیان فرمائے یہ مرتبہ ان سب سے دور ہے۔ (تفسیر کشاف)

جن تعریفی کلمات کا صاحب کشاف نے ذکر کیا ہے ان سے مراد یہ ارشاد خداوندی ہے:

اِنَّ اِبْرٰهِیْمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ حَنِیْفًا وَّلَمْ یَكُ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ○ شَاكِرًا لِّاَنْعُمِهٖ اجْتَبٰىهُ وَهَدٰىهُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ○ وَاٰتَیْنٰهُ فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَاِنَّهٗ فِی الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِیْنَ.

(النحل: ۱۲۰-۱۲۲)

بے شک ابراہیم (اپنے کمالات کے اعتبار سے بنفس نفیس) ایک امت تھے فرمانبردار اور باطل سے جدا اور وہ مشرکین سے نہ تھے اس کی نعمتوں پر شکر گزار تھے (اللہ نے) انہیں چن لیا اور ان کی رہنمائی فرمائی سیدھی راہ کی طرف اور ہم نے انہیں دنیا میں بھلائی عطا فرمائی اور بے شک وہ آخرت میں ضرور صالحین میں سے ہیں۔

ابن عراقی نے ''شرح تقریب الاسانید میں'' فرمایا مجھے معلوم نہیں یہ عبادت کس طرح تھی؟ اس کی نوع کونسی تھی؟ اور اس کے فعل کا کیا طریقہ تھا؟ یہ سب باتیں نقلی دلیل کی محتاج ہیں اور اس وقت میرے ذہن میں کچھ حاضر نہیں۔

شیخ الاسلام البلقینی نے ''شرح بخاری میں'' فرمایا کہ ہم نے جن احادیث سے آگاہی حاصل کی ان میں نبی اکرم ﷺ کی عبادت کی کیفیت کو نہیں پایا۔

لیکن ابن اسحاق وغیرہ نے روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ ہر سال ایک مہینہ کے لئے غار حراء میں تشریف لے جاتے اور وہاں عبادت کرتے اور دور جاہلیت میں قریش کی عبادت میں سے ایک عبادت یہ بھی تھی کہ آنے والے مسکین کو کھانا کھلاتے' نبی اکرم ﷺ غار حراء کی مجاورت سے واپس لوٹتے تو جب تک خانہ کعبہ کا طواف نہ کرتے گھر تشریف نہ لے جاتے۔ بعض حضرات نے اس وقت کی آپ کی عبادت کو غور و فکر پر محمول کیا ہے (مطلب یہ کہ آپ غور و فکر کرتے تھے)۔

امام بلقینی متوفی ۸۶۸ھ نے فرمایا: میرے نزدیک یہ عبادت کئی انواع پر مشتمل تھی مثلاً لوگوں سے علیحدگی' جس طرح

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم سے الگ ہو کر اللہ تعالیٰ سے لو لگائی کیونکہ کشادگی کا انتظار بھی عبادت ہے جیسا کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے' پھر یہ کہ آپ غور وفکر بھی کرتے تھے' بعض حضرات نے فرمایا کہ غار حراء میں آپ کی عبادت تفکر کی صورت میں تھی۔ (الضوء اللامع ج ۳ ص ۳۱۲)

اب میں (مصنف) اپنے ارادے کے مطابق بحث شروع کرتا ہوں اور میں نے نبی اکرم ﷺ کی عبادت کو سات انواع میں تقسیم کیا ہے۔

فصل نمبرا

نبی اکرم ﷺ کا وضو' مسواک اور وضو کے پانی کی مقدار

لفظ وضو واؤ پر ضمہ یعنی پیش کے ساتھ فعل (مصدر) ہے اور فتح (زبر) کے ساتھ وہ چیز (پانی) جس سے وضو کیا جائے۔ یہ لفظ 'الوضاءۃ سے مشتق ہے (کسی چیز کا خوبصورت اور پاکیزہ ہونا) اور اسے وضو کہنے کی وجہ یہ ہے کہ اس کے ذریعے نمازی کو پاکیزگی حاصل ہوتی ہے اور وہ پاک صاف ہو جاتا ہے۔

وضو میں نیت

بعض علماء نے اس آیت کریمہ سے وضو میں نیت کا وجوب ثابت کیا جس طرح ''فتح الباری میں'' نقل کیا گیا۔

ارشاد خداوندی ہے:

اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا. (المائدہ:٦) جب تم نماز کے لئے کھڑے ہو (یعنی ارادہ کرو) تو (اپنے چہرے وغیرہ کو) دھولو۔

تقدیر عبارت یہ ہے:

اِذَا اَرَدْتُمُ الْقِيَامَ اِلَى الصَّلٰوةِ فَتَوَضَّؤُوْا لِاَجْلِهَا. جب تم نماز کے لئے کھڑا ہونے کا ارادہ کرو تو اس کے لئے وضو کرو۔

جس طرح کہا جاتا ہے''اذا رایت الامیر فقم جب امیر کو دیکھو تو کھڑے ہو جاؤ'' یعنی اس کے لئے کھڑے ہو جاؤ۔

ابن قیم نے کہا یہ بات مروی نہیں ہے کہ نبی اکرم ﷺ وضو کے شروع میں یوں فرماتے ہوں:

نویت رفع الحدث. میں نے حدث کو دور کرنے کی نیت کی۔

اس کے علاوہ الفاظ بھی آپ سے اور آپ کے صحابہ کرام سے منقول نہیں ہیں آپ سے یہ بات کسی صحیح یا ضعیف سند سے مروی نہیں ہے۔

میں کہتا ہوں جہاں تک نیت کے تلفظ کا تعلق ہے تو ہمیں معلوم نہیں کہ آپ ﷺ سے مروی ہو لیکن نیت کرنے کے بارے میں امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ نے ''المعالم'' میں فرمایا:

میں جانتا ہوں کہ جب ہم کسی معاملے میں یہ بات کہنا چاہیں کہ کیا اسے رسول اللہ ﷺ نے کیا؟ تو ہم کہتے ہیں اس کو ثابت کرنے کے کئی طریقے ہیں۔

پہلا طریقہ: جب ہم یہ بات کہنے کا ارادہ کریں کہ نبی اکرم ﷺ نے نیت اور ترتیب کے ساتھ وضو فرمایا تو ہم کہتے ہیں اس میں شک نہیں کہ نیت اور ترتیب کے ساتھ وضو کرنا افضل ہے اور اس بات کا علم ضروری حاصل ہے کہ تمام مخلوق میں سے افضل ذات نے افضل عمل کو ہمیشہ نہیں چھوڑا تو ثابت ہوا کہ آپ کا وضو ترتیب اور نیت کے ساتھ ہوتا تھا اور ہمارے نزدیک ثابت نہیں کہ آپ نے کبھی ایسا وضو کیا ہو جو نیت اور ترتیب سے خالی ہو اور شک یقین کا مقابلہ نہیں کر سکتا پس ثابت ہوا کہ آپ نے ترتیب اور نیت کے ساتھ وضو کیا لہٰذا ہم پر اس کی مثل واجب ہے۔

دوسرا طریقہ: ہم کہتے ہیں اگر نبی ﷺ نے نیت اور ترتیب کو چھوڑا تو ہم پر بھی اس کا چھوڑنا لازم ہے اور اس کی وجہ وہ دلائل ہیں جو آپ کی اقتداء کے وجوب پر دلالت کرتے ہیں پس جب ہم پر اس کا چھوڑنا واجب نہیں تو ثابت ہوا کہ آپ نے اسے چھوڑا نہیں بلکہ اسے کیا ہے۔

''صحیح بخاری و مسلم اور دیگر کتب میں ہے'' حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے' نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

انما الاعمال بالنیات و انما لکل امریء ما نوی۔ اعمال (کے ثواب) کا دارومدار نیت پر ہے اور ہر شخص کے لئے وہی ہے جس کی اس نے نیت کی۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۲۰۱' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۱۶۴۷' سنن نسائی رقم الحدیث: ۵۹' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۲۲۷' السنن الکبریٰ ج ۱ ص ۴۱-۲۱۵- ج ۶ ص ۳۳۱' حلیۃ الاولیاء ج ۶ ص ۳۴۲' المغنی ج ۲ ص ۳۵۱' اتحاف السادۃ المتقین ج ۲ ص ۳۸۰)

امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: کہ اس میں ایمان' وضو' نماز' زکوٰۃ' حج' روزہ اور دیگر احکام داخل ہیں۔

وضو کا ذکر کر کے انہوں نے ان لوگوں کے اختلاف کی طرف اشارہ کیا جن کے نزدیک وضو میں نیت شرط نہیں جس طرح امام اوزاعی' امام ابوحنیفہ اور دیگر حضرات رحمہم اللہ سے منقول ہے اور ان کی دلیل یہ ہے کہ یہ مستقل عبادت نہیں بلکہ یہ عبادت کی طرف وسیلہ ہے (یعنی وضو نماز کا وسیلہ ہے)۔

لیکن ان کی یہ بات تیمم سے ٹوٹ جاتی ہے کہ وہ بھی وسیلہ ہے اور حنفی فقہ والوں نے اس میں نیت کو شرط قرار دیا ہے۔ (تیمم مٹی سے ہوتا ہے اور مٹی پاک کرنے والی نہیں جبکہ پانی پاک کرنے والا ہے اس لئے طہارت کے حصول کے لئے تیمم میں نیت شرط ہے جبکہ پانی نیت کے بغیر بھی پاک کر دیتا ہے۔ احناف نے وضو اور تیمم میں یہ فرق کیا ہے۔ ۱۲ ہزاروی)

جمہور نے وضو میں نیت کے شرط ہونے پر صحیح دلائل سے استدلال کیا ہے جن میں اس پر ثواب کے وعدے کی وضاحت ہے پس ارادہ ضروری ہے جو اس کو ممتاز کرے تاکہ وہ ثواب حاصل ہو جس کا وعدہ کیا گیا۔ [1]

[1] قرآن مجید کے الفاظ مبارکہ جن میں وضو کا ذکر ہے نیت اور ترتیب وغیرہ سے مطلق ہیں اسی لئے مطلق کو مقید کرنا یعنی نیت کو بھی فرض قرار دینا صحیح نہیں محض نیت کا انکار نہیں احناف کے نزدیک نیت کرنا ضروری نہیں بلکہ جو شخص ثواب حاصل کرنا چاہے وہ نیت کرے نماز کے لئے آلہ کے طور پر وضو کرنا ہو تو اس سے نماز پڑھنا صحیح ہوگا وضو کا الگ ثواب نہ ہوگا۔ ۱۲ ہزاروی

اعمال میں نیت کا حکم

نبی اکرم ﷺ کے ارشادگرامی "انما الاعمال بالنیات" سے ذات عمل کی نفی مراد نہیں کیونکہ بعض اوقات وہ نیت کے بغیر بھی پایا جاتا ہے بلکہ اس کے احکام کی نفی ہے جیسے اس کا صحیح اور کامل ہونا لیکن صحت کی نفی پر محمول کرنا زیادہ بہتر ہے کیونکہ کسی شے کی نفی سے اس کی ذات مراد لینا زیادہ مناسب ہے نیز لفظ ذات کی نفی پر صراحتاً اور صفات کی نفی پر بالتبع دلالت کرتا ہے پس جب دلیل ذات کی نفی کو منع کرے تو صفات کی نفی پر دلالت باقی رہتی ہے۔

ابن دقیق نے کہا کہ جن لوگوں نے نیت شرط رکھی ہے انہوں نے یہاں صحت اعمال مقدر نکالا یعنی "انما صحۃ الاعمال بالنیات" اور جنہوں نے نیت کو شرط قرار نہیں دیا ان کے نزدیک لفظ کمال مقدر ہے یعنی "انما کمال الاعمال بالنیات" پہلے قول کو ترجیح ہے کیونکہ کمال کے مقابلے میں صحت کا لزوم زیادہ ہے پس اس پر محمول کرنا زیادہ بہتر ہے۔ [1]

اس کلام میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ بعض علماء کرام نیت کی شرط کو صحیح نہیں سمجھتے ان کے درمیان اختلاف صرف وسائل میں ہے مقاصد کے بارے میں ان کے درمیان کوئی اختلاف نہیں کیوں کہ ان سب کے نزدیک ان میں نیت شرط ہے۔ اسی وجہ سے احناف نے وضو میں نیت کی شرط کی مخالفت کی ہے جیسا کہ پہلے گزر گیا (کیونکہ وضو نماز کا وسیلہ ہے مقصودی عبادت نہیں) ۱۲ ہزاروی

امام اوزاعی علیہ الرحمہ نے تیمم میں بھی اس شرط کی مخالفت کی ہے ہاں علماء میں اس بارے میں اختلاف ہے کہ عمل کے شروع میں نیت ملی ہونی چاہیے یا نہیں؟ جس طرح فقہ کی بڑی بڑی کتب میں معروف ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ کا یہ قول کہ اس میں ایمان داخل ہے تو ایمان میں نیت کا دخول امام بخاری رحمہ اللہ کے طریقے پر ہے کیونکہ وہ ایمان کو عمل قرار دیتے ہیں لیکن ایمان جو تصدیق کے معنی میں ہے وہ دیگر قلبی اعمال کی طرف نیت کا محتاج نہیں ہے مثلاً اللہ تعالیٰ سے ڈرنا' اس کی تعظیم ومحبت اور اس کا قرب حاصل کرنا ان تمام قلبی اعمال میں نیت کا کوئی عمل دخل نہیں کیونکہ یہ خاص اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں لہٰذا کسی ایسی نیت کی ضرورت نہیں جو ان کو ممتاز کرے کیونکہ نیت اللہ تعالیٰ کے لئے عمل کو غیر کے لئے بطور ریاکاری کئے گئے عمل سے ممتاز کرتی ہے اسی طرح اعمال کے مراتب کو نیت کے ذریعے ایک دوسرے سے ممتاز کیا جاتا ہے مثلاً فرض کو مستحب سے اور عبادت کو عادت سے جس طرح روزے کو محض بھوکا رہنے سے (نیت ممتاز کرتی ہے)۔

اسی طرح امام بخاری رحمہ اللہ کا "والاحکام" فرمانا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ معاملات جن میں فیصلوں کی حاجت ہوتی ہے ان میں نیت شرط ہے تو یہ خرید وفروخت' نکاح اور اقرار وغیرہ کو شامل ہے اور جہاں نیت شرط نہیں ہوگی تو اس کی کوئی خاص دلیل ہوگی۔

نیت کے شرط ہونے کے لئے قاعدہ

ابن منیر نے ایک ضابطہ ذکر کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ نیت کہاں شرط ہے اور کس جگہ شرط نہیں ہے؟

---

[1] اگر اعمال کی صحت کا دارومدار نیت پر ہو تو وضو کی طرح لباس کی طہارت بھی طہارت ہے لیکن وہ نیت کے بغیر حاصل ہو جاتی ہے لہٰذا کمال یا ثواب کا لفظ مقدر نکالنا بہتر ہے۔ ۱۲ ہزاروی

انہوں نے فرمایا:

ہر وہ عمل جس کا فوری فائدہ ظاہر نہ ہو بلکہ طلب ثواب مقصود ہو اس میں نیت شرط ہے اور جس عمل کا فائدہ فوری طور پر ظاہر ہو اور شرعی حکم سے پہلے بھی طبیعت اس کا تقاضا کرتی ہو کیونکہ طبیعت اور اس عمل میں مناسبت ہوتی ہے تو اس میں نیت شرط نہیں البتہ کوئی شخص اس سے کسی دوسری بات کا قصد کرے جس پر ثواب مرتب ہوتا ہے (تو نیت ضروری ہوگی)۔

وہ فرماتے ہیں: (نیت کے سلسلے میں) بعض صورتوں میں علماء کا اختلاف اس وجہ سے ہے کہ تفریق کا معیار الگ الگ ہے۔

وہ مزید فرماتے ہیں: جو محض معانی ہیں (عمل نہیں ہیں) جس طرح خوف اور امید (وغیرہ) تو ان میں نیت کے شرط ہونے کا قول نہیں کیا جاتا کیونکہ یہ نیت کے بغیر پائے ہی نہیں جاسکتے جب ان میں نیت کو مفقود فرض کیا جائے تو حقیقت بدل جائے گی پس ان میں نیت شرط عقلی ہے۔

جہاں تک اقوال کا تعلق ہے تو تین جگہوں میں نیت کی ضرورت ہوتی ہے۔

ایک' تقریب الی اللہ ہے جس میں ریاکاری سے دور رہنا ہو دوسرا قول جس میں ان الفاظ سے امتیاز ضروری ہو جو غیر مقصود کا بھی احتمال رکھتے ہوں اور تیسرا کسی عمل کو پیدا کرنا تاکہ سبقت لسانی سے نکلنے والے کلمات خارج ہو جائیں یہ تمام گفتگو علامہ ابن حجر رحمہ اللہ نے ''فتح الباری میں'' ذکر کی ہے۔

وضو کب فرض ہوا؟

علماء کا اس وقت میں اختلاف ہے جب وضو فرض ہوا بعض حضرات نے فرمایا کہ مدینہ طیبہ میں فرض ہوا ان کی دلیل یہ آیت کریمہ ہے:

اِذَا قُمۡتُمۡ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغۡسِلُوۡا وُجُوۡهَكُمۡ. (المائدہ:٦) جب تم نماز کے لئے کھڑے ہو (ارادہ کرو) تو اپنے چہروں کو دھولو (آخر تک)

ابن عبدالبر نے اس بات پر اہل سیرت کا اتفاق نقل کیا ہے کہ غسل جنابت نبی اکرم ﷺ پر مکہ مکرمہ میں فرض ہوا جس طرح نماز فرض ہوئی اور آپ نے وضو کے بغیر کوئی نماز نہیں پڑھی۔

ابن عبدالبر فرماتے ہیں: یہ وہ بات ہے جس سے کوئی عالم بے خبر نہیں۔ امام حاکم نے ''مستدرک میں'' فرمایا کہ اہل سنت کو ایسی دلیل کی ضرورت ہے جس کے ذریعے وہ ان لوگوں کا رد کریں جن کے خیال میں آیت مائدہ (مندرجہ بالا آیت) کے نزول سے پہلے وضو نہ تھا۔ پھر انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث نقل کی کہ حضرت خاتون جنت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور آپ رو رہی تھیں اور عرض کر رہی تھیں کہ قریش کے ان لوگوں نے آپ کو شہید کرنے کا منصوبہ بنایا ہے آپ نے فرمایا میرے پاس وضو کے لئے پانی لاؤ' پھر آپ نے وضو کیا۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ حدیث ان لوگوں کا رد ہو سکتی ہے جو ہجرت سے پہلے وضو کا انکار کرتے ہیں لیکن جو اس کو اس وقت واجب سمجھتے ہیں ان کا رد نہیں ہو سکتا۔

ابن جہم مالکی نے یہ بات قطعیت کے ساتھ بیان کی ہے کہ ہجرت سے پہلے وضو مستحب تھا اور ابن حزم نے اس بات پر جزم کیا کہ وضو مدینہ طیبہ میں مشروع ہوا۔

لیکن اس بات کا رد اس حدیث سے کیا گیا جو ابن لہیعہ نے ''مغازی میں'' ذکر کی وہ حضرت ابواسود سے اور وہ حضرت عروہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے اس وقت نبی اکرم ﷺ کو وضو سکھایا جب وہ وحی لے کر آئے۔

یہ حدیث مرسل ہے اور امام احمد نے اسے ابن لہیعہ کے طریق سے موصولاً بھی نقل کیا ہے لیکن انہوں نے بواسطہ حضرت زہری' حضرت عروہ سے انہوں نے حضرت اسامہ بن زید سے اور انہوں نے اپنے والد سے روایت کیا۔

(مسند احمد)

ابن ماجہ نے رشدین بن سعد سے روایت نقل کی وہ عقیل سے اور وہ زہری سے اس کی مثل روایت کرتے ہیں لیکن سند میں حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کا ذکر نہیں ہے۔(سنن ابن ماجہ)

امام طبرانی نے ''الاوسط میں'' حضرت لیث کے طریق سے نقل کیا اور وہ حضرت عقیل سے موصولاً روایت کرتے ہیں اگر یہ ثابت ہو تو صحیح کی شرط پر ہوگی لیکن معروف ابن لہیعہ کی روایت ہے۔(فتح الباری)

کیا ہر نماز کے لئے وضو کرنا ضروری ہے؟

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' فرماتے ہیں: نبی اکرم ﷺ ہر نماز کے لئے وضو فرماتے تھے پوچھا گیا آپ لوگ کیا طریقہ اختیار کرتے تھے؟ فرمایا: ہمارے لئے ایک وضو کافی ہوتا جب تک بے وضو نہ ہوتے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۲۱۴' سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۱۷۱' سنن ترمذی رقم الحدیث:۶۰' سنن نسائی رقم الحدیث:۱۳۱' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۵۰۹' موطا امام مالک رقم الحدیث:۴۳' مسند احمد ج ۳ ص ۱۳۲-۱۵۴-۲۶۰-ج ۵ ص ۳۵۱)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ ہر نماز کے لئے وضو فرماتے تھے۔

حضرت امام مسلم نے حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی' وہ فرماتے ہیں: نبی کریم ﷺ ہر نماز کے لئے وضو فرماتے تھے جب فتح مکہ کا دن ہوا تو آپ نے ایک وضو سے کئی نمازیں پڑھیں' حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا آپ نے ایسا کام کیا ہے جو پہلے کبھی نہیں کیا؟ آپ نے فرمایا: اے عمر! میں نے یہ کام جان بوجھ کر کیا ہے(یعنی یہ بتانے کے لئے کہ اس طرح بھی جائز ہے)۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث:۸۶' سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۱۷۲' سنن ترمذی رقم الحدیث:۶۱' سنن نسائی ج ۱ ص ۸۶' مسند احمد ج ۵ ص ۳۵۰' السنن الکبریٰ ج ۱ ص ۱۶۲' نصب الرایہ ج ۱ ص ۱۶۴' مشکوٰۃ المصابیح للتبریزی رقم الحدیث:۴۲۸' الدر المنثور ج ۲ ص ۲۶۱)

امام احمد اور امام ابوداؤد نے حضرت عبداللہ بن ابی عامر الغسیل رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ کو ہر نماز کے لئے وضو کرنے کا حکم دیا گیا آپ (پہلے سے) باوضو ہوں یا نہ ہوں جب یہ بات آپ کے لئے مشکل ہوگئی تو آپ کو ہر نماز کے وقت مسواک کرنے کا حکم دیا گیا اور وضو کرنے کا حکم اٹھا لیا گیا ہاں بے وضو ہونے کی صورت میں (یہ حکم) باقی رہا۔

وضو کب واجب ہوتا ہے؟

اس سلسلے میں علماء کرام کا اختلاف ہے کہ وضو کو واجب کرنے والی چیز کونسی ہے؟

کہا گیا کہ بے وضو ہونے سے وضو واجب ہوتا ہے لیکن اس وجوب میں کشادگی ہوتی ہے (یعنی فوراً واجب نہیں ہوتا بلکہ جب نماز پڑھے تو واجب ہوگا) ایک قول یہ ہے کہ بے وضو ہونے اور نماز کا ارادہ کرنے کی صورت میں (جب دونوں باتیں جمع ہوں تو) وضو واجب ہوتا ہے۔ شافعی مسلک والوں کی ایک جماعت نے اس بات کو ترجیح دی ہے یہ بھی کہا گیا کہ صرف نماز کے لئے کھڑا ہونے (ارادہ کرنے) کی صورت میں وضو واجب ہوتا ہے۔

مسواک کا حکم

جن لوگوں کے نزدیک نبی اکرم ﷺ پر مسواک کرنا واجب تھی انہوں نے حضرت عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ کی مذکورہ بالا حدیث سے استدلال کیا ہے لیکن اس کی سند میں محمد بن اسحاق ہے۔ جس نے عنعنہ کے طور پر حدیث روایت کی اور وہ مدلس ہے۔[1]

اور خصائص صرف صحیح حدیث سے ثابت ہوتے ہیں۔

امام طبرانی نے ''الاوسط میں'' اور امام بیہقی نے ''سنن البیہقی میں'' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مرفوعاً روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: تین باتیں مجھ پر فرض ہیں جب کہ تمہارے لئے وہ سنت ہیں۔ وتر نماز' مسواک اور قیام لیل (تہجد کی نماز)۔

(السنن الکبریٰ ج ۲ص ۴۶۸۔ ج ۹ص ۲۶۴' مجمع الزوائد ج ۸ص ۲۶۴' نصب الرایہ ج ۲ص ۲۰۶' التلخیص لابن حجر ج ۲ص ۱۸۔ ج ۳ص ۱۱۸)

امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حسن سند کے ساتھ حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: مجھے مسواک کرنے کا حکم دیا گیا حتی کہ مجھے ڈر ہوا کہ کہیں مجھ پر فرض نہ کر دی جائے۔

(مسند احمد ج ۳ص ۴۹۰' الترغیب والترہیب ج ۱ص ۱۶۶' مجمع الزوائد ج ۲ص ۹۸' جمع الجوامع رقم الحدیث: ۴۴۴۳۔ ۴۴۳۰۔ ۴۴۳۶)

بعض حضرات نے اس بات پر اجماع نقل کیا ہے کہ ہم پر مسواک کرنا واجب نہیں لیکن بعض شافعیوں سے منقول ہے کہ یہ نماز کے لئے واجب ہے اور ہمارے لئے اس میں وسعت ہے۔ اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ مطلقاً مسواک کرنا مستحب ہے اور بعض حالات میں اس کی تاکید ہے۔

(۱) وضو کے وقت اور نماز پڑھنے کے ارادہ کرتے وقت۔

(۲) سو کر اٹھتے وقت۔

کیونکہ ''صحیح بخاری و مسلم میں'' حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ جب رات کے وقت اٹھتے تو اپنے منہ (دانتوں) کو مسواک سے ملتے۔

---

[1] جب کوئی حدیث ''عن فلاں'' ''عن فلاں'' کے طور پر مروی ہو تو اسے عنعنہ کہتے ہیں اور یہ معلوم نہیں ہوتا کہ راوی نے خود اس شیخ سے سماعت کی یا نہیں جس سے روایت کی لہٰذا تدلیس یعنی یہ بات چھپانے کا احتمال ہوتا ہے کہ ہو سکتا ہے اس نے خود نہ سنا ہو لیکن مغالطہ لگتا ہو کہ خود سنی ہے اسے مدلس کہتے ہیں۔ ۱۲ہزاروی

لیکن کہا جاتا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ آپ رات کے وقت نماز کے لئے اٹھتے پس نماز کے لئے اور وضو کے وقت مسواک کرنا مراد ہے۔

(۳) قرآن مجید کی قرأت کرتے وقت (مسواک کرنا) جس طرح امام رافعی نے فرمایا۔

(۴) منہ (کے ذائقہ) کی تبدیلی کے لئے (مسواک کرنا) چاہے بو تبدیل ہو یا رنگ جیسے دانتوں کا پیلا ہو جانا' امام رافعی رحمہ اللہ نے یہ بات ذکر کی ہے۔

(۵) گھر میں داخل ہونا' یہ بات امام نووی رحمہ اللہ نے ''زیادۃ الروضہ میں'' ذکر کی ہے جیسا کہ امام مسلم' ابوداؤد' نسائی اور ابن ماجہ رحمہم اللہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے نقل کیا کہ نبی اکرم ﷺ جب گھر میں داخل ہوتے تو مسواک سے ابتدا کرتے۔

(۶) سونے کے ارادے سے جس طرح شیخ ابوحامد نے ''الرونق میں'' ذکر کیا انہوں نے اس میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی وہ حدیث نقل کی ہے جو ابن عدی نے ''الکامل'' میں روایت کی ہے کہ رسول اکرم ﷺ جب بستر پر تشریف لے جاتے تو (پہلے) مسواک کرتے اس حدیث میں حرام بن عثمان راوی متروک ہے۔ (کشف الظنون ج ا ص ۹۳۴)

(۷) رات کی نماز سے سلام پھیرنا' ابن ماجہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث سے صحیح سند کے ساتھ نقل کیا وہ فرماتے ہیں نبی اکرم ﷺ رات کو دو دو رکعتیں (کر کے) پڑھتے پھر مسواک فرماتے۔

کس چیز کی مسواک؟

ہر کھردری چیز سے مسواک کرنا کفایت کرتی ہے اگرچہ دوسرے کی سخت انگلی سے ہو۔

امام نووی رحمہ اللہ نے ''شرح المہذب'' اور ''دقائق المنہاج'' میں ذکر کیا کہ یہ طریقہ قطعی طور پر کفایت کرتا ہے۔

''شرح تقریب الاسانید میں'' فرمایا: کہ مجھے معلوم نہیں اپنی انگلی یا دوسرے کی انگلی میں فرق کرنے کی کیا وجہ ہے؟ اس کے اپنے جسم کا حصہ ہونے سے ایسی بات ظاہر نہیں ہوتی جو اس کی ممانعت کا تقاضا کرے بلکہ اپنی انگلی ہونے کی وجہ سے اس سے زیادہ ازالہ ہوتا ہے کیونکہ جس طرح وہ اپنی انگلی سے مسواک کر سکتا ہے دوسرے کی انگلی سے اس طرح ممکن نہیں۔

امام نووی رحمہ اللہ نے ''شرح مہذب'' میں فرمایا: کہ مختار بات مطلق جواز ہے وہ فرماتے ہیں قاضی حسین نے اور محاملی نے ''اللباب'' میں نیز امام بغوی نے اس کو قطعی قرار دیا اور ''البحر'' میں بھی اسے ہی اختیار کیا گیا۔

امام شافعی رحمہ اللہ کے اصحاب نے پیلو کی مسواک کے مستحب ہونے پر اتفاق کیا ہے پس امام طبرانی نے ابو خیرہ صنابحی جن کو صحابیت کا شرف حاصل ہے' سے ایک حدیث نقل کی ہے اس میں وہ فرماتے ہیں پھر نبی اکرم ﷺ نے ہمیں پیلو کے بارے میں حکم دیا کہ اس سے مسواک کرو۔

(مجمع الزوائد ج ۵ ص ۶۲' تلخیص لابن حجر ج ا ص ا ۷' طبقات ابن سعد ج ۷ ص ۲۹۷)

''مستدرک حاکم میں'' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی علالت کے دوران ام المؤمنین کے بھائی حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما داخل ہوئے تو ان کے پاس پیلو کی مسواک تھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اسے لے کر چبایا پھر نبی اکرم ﷺ کو پیش کی تو آپ نے اسے استعمال فرمایا۔

یہ حدیث ''صحیح بخاری میں'' ہے اور اس میں پیلو کا ذکر نہیں اور امام بخاری کے نزدیک اس حدیث کے بعض طرق میں اس طرح ہے کہ ان کے پاس کھجور کی شاخ کی مسواک تھی۔

مسواک کرنے کا طریقہ

ابونعیم نے ''کتاب السواک میں'' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے نقل کیا کہ نبی اکرم ﷺ (دانتوں کی) چوڑائی میں مسواک کرتے تھے۔ امام بیہقی نے بھی حضرت ربیعہ بن اکثم رضی اللہ عنہ کی حدیث نقل کی ہے وہ فرماتے ہیں: رسول اکرم ﷺ (دانتوں کی) چوڑائی میں مسواک کرتے تھے۔

ہمارے اصحاب (شافعی مسلک والے) فرماتے ہیں: کہ چوڑائی سے دانتوں کی چوڑائی مراد ہے جو منہ کی لمبائی میں ہوتی ہے۔

اور کیا مسواک کرنے والے کے لئے دائیں ہاتھ سے مسواک کرنا زیادہ بہتر ہے یا بائیں ہاتھ سے؟ تو بعض حضرات نے فرمایا دائیں ہاتھ سے بہتر ہے اور ان کی دلیل یہ حدیث ہے کہ نبی اکرم ﷺ کو کنگھی کرنے 'نعلین پہننے' طہارت حاصل کرنے اور مسواک کرنے میں دائیں طرف سے شروع کرنا پسند تھا۔

بعض حضرات نے اس سلسلے میں یہ سوال اٹھایا کہ یہ پاکیزگی حاصل کرنے کی ایک صورت ہے یا نجاست کو دور کرنا ہے۔

اگر ہم پہلی بات کہیں تو دائیں ہاتھ سے مستحب ہے اور اگر دوسری بات کہیں تو بائیں ہاتھ سے مستحب ہے کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں نبی اکرم ﷺ کا دایاں ہاتھ مبارک طہارت حاصل کرنے اور کھانا کھانے کے لئے ہوتا تھا اور بایاں ہاتھ قضائے حاجت اور ناپاکی وغیرہ کو دور کرنے کے لئے استعمال ہوتا۔ اسی حدیث کو امام ابوداؤد نے صحیح سند کے ساتھ ذکر کیا۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۳۔۳۴)

''شرح تقریب الاسانید میں ہے کہ ''دائیں ہاتھ سے مسواک کرنے پر جو استدلال کیا گیا ہے اس میں کوئی دلالت نہیں کیونکہ کنگھی کرنے میں سر کے دایاں حصے میں پہلی کنگھی فرماتے اسی طرح پہلے دایاں جوتا پہنتے' وضو میں داہنی طرف کے اعضاء سے آغاز فرماتے اور مسواک کرنے میں پہلے دائیں طرف مسواک فرماتے تھے۔ لیکن دائیں ہاتھ سے مسواک کرنے کا قول نقلی دلیل کا محتاج ہے اور ظاہر یہ ہے کہ یہ گندگی کو دور کرنا ہے جس طرح ناک جھاڑنا وغیرہ پس بائیں ہاتھ سے ہوگی۔[1]

ابوالعباس احمد قرطبی نے اس بات کو واضح طور پر ذکر کرتے ہوئے ''المفہم میں'' حضرت امام مالک رحمہ اللہ سے نقل کرتے ہوئے فرمایا: کہ مساجد میں مسواک نہ کی جائے کیونکہ یہ گندگی کو دور کرنا ہے۔ واللہ اعلم

---

1 جو شخص دائیں ہاتھ سے کام کرنے کا عادی ہو اس کے لئے بائیں ہاتھ سے مسواک کرنا مشقت کا باعث ہوتا ہے اور اسلام میں حرج والے کام کا مکلف نہیں بنایا جاتا لہٰذا دائیں ہاتھ سے مسواک کی جائے' یہ آسان طریقہ ہے اور مسواک سے محض میل صاف کی جاتی ہے اور میل وغیرہ صاف کرنے کے لئے بائیں ہاتھ کا استعمال کرنا ضروری نہیں۔ ۱۲ ہزاروی

وضو کے پانی میں اعتدال

نبی اکرم ﷺ کے وضو یا غسل کے لئے پانی کی مقدار کیا تھی؟ تو حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے نبی اکرم ﷺ ایک صاع سے پانچ مُد تک پانی سے وضو فرماتے ہیں (ایک صاع چار کلو اور پانچ مُد تقریباً پانچ کلو) اور ایک مُد (تقریباً ایک کلو) سے وضو فرماتے تھے۔

امام ابوداؤد نے یہ روایت بھی ذکر کی ہے کہ آپ ایک برتن سے وضو فرماتے جس میں دو رطل (ایک کلو کے قریب پانی آتا تھا اور ایک صاع (چار کلو) سے غسل فرماتے۔ اس حدیث کو امام ترمذی نے بھی روایت کیا۔ امام ترمذی نے یہ حدیث بھی نقل کی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

یجزی فی الوضوء رطلان من الماء. وضو میں دو رطل (ایک کلو تقریباً) پانی کافی ہے

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۶۰۹، مسند احمد ج ۳ ص ۱۷۹، شرح السنہ ج ۲ ص ۵۲)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: نبی اکرم ﷺ ایک صاع پانی سے غسل فرماتے اور ایک مُد (ایک کلو) سے وضو فرماتے۔ اس حدیث کو امام ابوداؤد نے نقل کیا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ اور حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا ایک ہی برتن سے وضو فرماتے تھے۔

صاع بغدادی رطل سے پانچ رطل کا ہوتا ہے اور وہ امام نووی رحمہ اللہ کے قول کے مطابق ایک سو اٹھائیس درہم اور درہم کا ۴/۷ (سات حصوں میں سے چار حصے) کا وزن ہے۔

رسول اکرم ﷺ نے اپنی امت کو وضو میں ضرورت سے زائد پانی خرچ کرنے سے منع فرمایا۔

نبی کریم ﷺ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرے اور وہ وضو کر رہے تھے آپ نے فرمایا: اے سعد! یہ کیا فضول خرچی ہے؟ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا وضو میں بھی فضول خرچی ہوتی ہے؟ فرمایا ہاں اگرچہ تم نہر پر ہو اس حدیث کو حضرت امام احمد رحمہ اللہ نے ایک کمزور سند کے ساتھ حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی حدیث سے نقل کیا۔ (مسند احمد ج ۲ ص ۲۲۱، اتحاف السادۃ المتقین ج ۲ ص ۳۷۰، مشکوۃ المصابیح للتبریزی رقم الحدیث: ۴۲۷)

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

ان للوضوء شیطانا یقال لہ الولھان فاتقوا وسواس الماء. بے شک وضو کا ایک شیطان ہے جس کا نام ولہان ہے پس تم پانی کے وسوسوں سے بچو۔

(السنن الکبریٰ ج ۱ ص ۱۹۷، التلخیص لابن حجر ج ۱ ص ۱۰۱، صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث: ۱۲۲، مشکوۃ المصابیح للتبریزی رقم الحدیث: ۴۱۹، اتحاف السادۃ المتقین ج ۷ ص ۲۸۸، المغنی ج ۳ ص ۲۷، میزان الاعتدال رقم الحدیث: ۲۳۹۷، العلل المتناہیہ ج ۱ ص ۳۳۶)

اس حدیث کو امام ترمذی رحمہ اللہ نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی حدیث سے نقل کیا۔

فصل نمبر۲

وضو میں ایک ایک' دو دو اور تین تین بار اعضاء کو دھونا

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے' فرماتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے وضو ایک ایک بار (اعضاء کو دھونے کے ساتھ) کیا۔

اس حدیث کو امام بخاری' امام ابوداؤد اور دوسرے محدثین نے روایت کیا اور یہ قرآن مجید کی اس آیت کے اجمال کا بیان ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا. (المائدہ:٦) جب نماز کا ارادہ کرو تو (اپنے چہروں کو) دھولو (آخر تک)۔

کیونکہ امر کسی چیز کی حقیقت کو وجود میں لانے کا فائدہ دیتا ہے اور کسی عدد کے ساتھ مقرر نہیں ہوتا پس شارع نے بیان کیا کہ ایک مرتبہ ضروری ہے اور جو اس سے زائد ہے وہ استحباب کے لئے ہے (مستحب ہے)۔

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی حدیث میں آتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے وضو (کا پانی) طلب فرما کر ایک ایک بار وضو کیا اور فرمایا یہ وضو ہے جس کے بغیر اللہ تعالیٰ نماز کو قبول نہیں کرتا تو اس میں قول اور فعل دونوں کا اکٹھا بیان ہے لیکن یہ حدیث ضعیف ہے اسے ابن ماجہ نے ذکر کیا اور اس کے کچھ دوسرے طرق ہیں جو سب ضعیف ہیں جس طرح "فتح الباری میں" فرمایا۔ (المغنی ج۱ص۱۳۲' اتحاف السادۃ المتقین ج۲ص۳۶۰ـ۳۷۲' مجمع الزوائد ج۱ص۲۳۹' تلخیص لابن حجر ج۱ص۵۷)

حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے دو دو بار وضو فرمایا اور ارشاد فرمایا یہ نور علی نور ہے اسے رزین نے ذکر کیا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے تین تین بار وضو فرمایا۔ اس حدیث کو امام احمد اور امام مسلم رحمہما اللہ نے نقل کیا۔

انہی سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے تین تین بار وضو فرمایا اور ارشاد فرمایا:

ھذا وضوئی ووضوء الانبیاء من قبلی ووضوء ابراھیم. یہ میرا وضو ہے اور مجھ سے پہلے انبیاء کرام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا وضو ہے۔

(السنن الکبریٰ ج۱ص۸۰' مجمع الزوائد ج۱ص۲۳۱' اتحاف السادۃ المتقین ج۲ص۳۷۲' تلخیص لابن حجر ج۱ص۸۲)

اس حدیث کو رزین نے ذکر کیا اور امام نووی رحمہ اللہ نے "شرح مسلم میں" اس کو ضعیف قرار دیا جس طرح "مشکوٰۃ المصابیح میں" نقل کیا گیا۔

نبی اکرم ﷺ کے تین بار سے زیادہ (اعضاء کو دھونے کے ساتھ) وضو کے بارے میں کوئی مرفوع حدیث نہیں بلکہ آپ سے مروی ہے کہ آپ نے اعضاء کو تین بار سے زیادہ دھونے سے منع فرمایا۔

حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ ان کے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے تین تین بار وضو فرمایا پھر ارشاد فرمایا: جس نے اس پر اضافہ کیا یا کمی کی اس نے نافرمانی کی اور ظلم کیا۔

اس حدیث کو امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے عمدہ سند کے ساتھ نقل کیا لیکن امام مسلم رحمہ اللہ نے اسے ان احادیث میں شامل کیا جن کا حضرت عمرو بن شعیب سے انکار کیا جاتا ہے کیونکہ اس کا ظاہر تین مرتبہ سے کمی کی مذمت کرتا ہے۔

اس کا جواب یوں دیا گیا ہے کہ یہ ایک اضافی معاملہ ہے نافرمانی کا تعلق کمی سے اور ظلم کا تعلق زیادتی کے ساتھ ہے۔

کہا گیا ہے کہ اس میں عبارت محذوف ہے تقدیر عبارت یہ ہے کہ جو ایک بار سے کم کرے اس نے نافرمانی اور ظلم کیا۔

اس کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے جسے ابونعیم بن حماد نے مطلب بن حنطب کے طریق سے مرفوعاً روایت کیا کہ وضو ایک اور دو بار (اعضاء کو دھونے سے) ہے پس اگر ایک سے کم یا تین سے زیادہ ہو تو یہ خطا ہے۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۹۵)

یہ حدیث مرسل ہے اور اس کے راوی ثقہ ہیں۔

حدیث شریف کا جواب اس طرح بھی دیا گیا ہے کہ راوی کمی کے ذکر پر متفق نہیں ہیں بلکہ ان میں سے اکثر صرف اسی پر اکتفا کرتے ہیں کہ جس نے اضافہ کیا۔ ابن خزیمہ نے اپنی صحیح میں اسی طرح روایت کیا ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: مجھے یہ بات پسند نہیں کہ وضو کرنے والا تین بار (دھونے) پر اضافہ کرے اگر زیادہ کرے تو میں اسے مکروہ جانتا ہوں حرام نہیں سمجھتا کیوں کہ "لا احب" کے الفاظ کراہت کو چاہتے ہیں۔ شافعی مسلک والوں کے نزدیک زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ یہ مکروہ تنزیہی ہے۔[1]

امام دارمی جو شافعی مسلک سے تعلق رکھتے ہیں انہوں نے ایک جماعت سے نقل کیا کہ تین پر اضافہ وضو کو باطل کر دیتا ہے جس طرح نماز میں اضافہ سے نماز باطل ہو جاتی ہے یہ قیاس فاسد ہے۔

امام احمد اور اسحاق وغیرہ نے فرمایا کہ تین پر اضافہ جائز نہیں اور ابن مبارک نے کہا میں اس کے گناہ گار ہونے سے بے خوف نہیں ہوں۔

تین پر اضافہ کو حرام یا مکروہ قرار دینے سے لازم آتا ہے کہ نئے سرے سے وضو کرنا مطلقاً مستحب نہیں ہے (یہ قیاس صحیح نہیں کیوں کہ نئے سرے سے وضو کرنا گنتی میں اضافہ نہیں بلکہ مستقل وضو ہے۔ ۱۲ ہزاروی)

فصل نمبر ۳

نبی اکرم ﷺ کے وضو کا طریقہ

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے انہوں نے ایک برتن منگوایا پس اپنے ہاتھوں پر تین بار پانی ڈال

[1] احناف کے نزدیک تین تین بار اعضاء کو دھونا سنت ہے زیادہ بار دھونے میں حرج نہیں لیکن یہ سمجھنا کہ تین بار دھونے سے وضو نہیں ہوا کراہت کا باعث ہے اسی طرح پانی کم ہو اور دوسرے حضرات نے بھی وضو کرنا ہو تو کراہت ہوگی ویسے بھی سنت طریقہ تین بار دھونا ہی ہے۔ ۱۲ ہزاروی

کران کو دھویا پھر اپنا دایاں ہاتھ برتن میں ڈال کر کلی کی اور ناک میں پانی چڑھایا پھر اپنے چہرے کو تین بار دھویا اور ہاتھوں کو کہنیوں سمیت تین بار دھویا پھر اپنے دونوں پاؤں کو ٹخنوں سمیت تین تین بار دھویا' اس کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص میرے اس وضو کی طرح وضو کرے پھر دو رکعتیں پڑھے (تحیۃ الوضو مراد ہے) اس دوران اپنے آپ سے کوئی بات نہ کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے گذشتہ گناہ معاف فرما دے گا۔

(سنن نسائی رقم الحدیث: ۶۷_۹۳' مسند احمد ج ۱ ص ۵۹_۶۴_۶۶' السنن الکبریٰ ج ۱ ص ۴۸_۵۳_ ج ۲ ص ۲۸۰' المغنی ج ۱ ص ۱۴۳' کنز العمال رقم الحدیث: ۱۸۹۴۹)

اس حدیث میں جو فرمایا کہ " پھر اپنا دایاں ہاتھ برتن میں ڈالا" اس سے بعض حضرات نے استدلال کیا کہ چلو بھرتے وقت نیت شرط نہیں نہ اس میں (نیت کی) نفی پر دلالت ہے اور نہ اثبات پر' بہر حال چلو بھرنے کی نیت کا شرط ہونا نہ تو اس حدیث سے ثابت ہے اور نہ اس کی نفی ہے۔

امام غزالی رحمہ اللہ فرماتے ہیں محض چلو بھرنے سے پانی مستعمل نہیں ہوتا کیونکہ جو پانی چلو میں لیا گیا وہ (نیت سے) مستعمل ہوتا ہے۔ امام بغوی نے بھی اسی بات کو یقینی قرار دیا ہے۔

چہرے کے دھونے کو (کلی کرنے اور ناک میں پانی چڑھانے سے) پیچھے رکھنے میں حکمت یوں بیان کی گئی ہے کہ یہ بات پانی کے اوصاف کے اعتبار سے ہے کیونکہ رنگ کا ادراک دیکھنے سے ہوتا ہے ذائقے کا پتہ منہ (زبان) سے معلوم ہوتا ہے' بُو کا علم ناک سے ہوتا ہے پس کلی کرنے اور ناک میں پانی چڑھانے کو چہرے (کے دھونے) سے مقدم کیا اور عبادت کے لئے احتیاط کے طور پر یہ بات لازمی ہے۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے یوں فرمایا' نحو وضوئی میرے اس وضو کی طرح' یہ نہیں فرمایا " مثل وضوئی " کیونکہ حقیقتاً مماثلت پر کوئی قادر نہیں ہو سکتا

لیکن " فتح الباری میں" اس پر اعتراض کرتے ہوئے فرمایا کہ " صحیح بخاری کے باب الرقاق میں" حضرت معاذ بن عبد الرحمٰن کی روایت ہے جو انہوں نے حضرت حمران بن عثمان سے روایت کی' لفظ مثل کے ساتھ مذکور ہے' آپ نے ارشاد فرمایا:

من توضأ مثل وضوئی هذا. جو شخص میرے اس وضو کی طرح وضو کرے۔

اور " کتاب الصیام میں" حضرت معمر کی روایت میں ہے:

من توضأ وضوئی هذا. جو میرے اس وضو کی طرح وضو کرے۔

اس بنیاد پر لفظ نحو کے ساتھ ذکر راویوں کی طرف سے تصرف ہے۔

کیونکہ یہ لفظ (نحو) مثلیت پر مجازاً بولا جاتا ہے نیز لفظ مثل اگرچہ ظاہری طور پر مساوات کو چاہتا ہے لیکن اس کا اطلاق غالب پر ہوتا ہے۔[1]

[1] مطلب یہ ہے کہ جب دو چیزیں کسی بات میں مشترک ہوں اور وہ بات ایک میں زیادہ ہو اور دوسری میں مکمل طور پر ہو تو جس میں مکمل طور پر نہ ہو لیکن اکثر اجزاء میں ہو تو اسے دوسری چیز کی مثل کہا جاتا ہے۔ (زرقانی ج ۷ ص ۲۵۶)

پس دونوں روایتیں ایک جیسی ہو گئیں اور جہاں یہ لفظ چھوڑ دیا گیا وہاں مقصود میں خلل نہیں آتا۔

حضرت عبداللہ بن زید بن عاصم انصاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ان سے کہا گیا ہمارے لئے نبی اکرم ﷺ کا وضو کریں تو انہوں نے ایک برتن منگوا کر اس سے اپنے ہاتھوں پر پانی ڈالا اور ان کو تین مرتبہ دھویا۔ پھر (اس میں) ہاتھ داخل کر کے نکالا اور ایک چلو سے کلی کی اور ناک میں پانی چڑھایا انہوں نے تین مرتبہ اس طرح کیا پھر ہاتھ داخل کر کے اسے نکالا اور تین بار چہرے کو دھویا پھر اپنا ہاتھ داخل کر کے نکالا اور سر کا مسح کیا ہاتھوں کو آگے اور پیچھے لائے پھر اپنے پاؤں کو ٹخنوں سمیت دھویا اور اس کے بعد فرمایا نبی اکرم ﷺ کا وضو اس طرح تھا۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۳۵)

ایک روایت میں ہے اپنے ہاتھوں کو آگے اور پیچھے لے گئے سر کے اگلے حصہ سے آغاز کیا پھر ان کو پچھلی جانب لے گئے پھر ان کو لوٹایا حتیٰ کہ اس جگہ کی طرف واپس لائے جہاں سے شروع کیا تھا۔

اس حدیث کو امام بخاری' امام مسلم' امام مالک' امام ابوداؤد' امام ترمذی اور امام نسائی رحمہم اللہ نے روایت کیا۔

ابوداؤد کی روایت میں ہے پھر اپنے سر اور کانوں کے ظاہر و باطن کا مسح کیا اور اپنی انگلیوں کو کانوں کے سوراخوں میں داخل کیا۔

''ابوداؤد' ترمذی اور نسائی کی'' ایک روایت جو عبد خیر ابو عمارہ ابن زیاد بن خولی (خاء پر زبر واؤ ساکن اور یاء پر شد ہے) ہمدانی رحمہ اللہ سے مروی ہے وہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے بڑے بڑے شاگردوں میں تھے فرماتے ہیں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ ہمارے پاس تشریف لائے اور وہ نماز پڑھ چکے تھے انہوں نے وضو کے لئے پانی طلب فرمایا ہم نے عرض کیا آپ اس پانی کو کیا کریں گے جب کہ آپ نماز پڑھ چکے ہیں۔ تو ان کا مقصد صرف ہمیں طریقہ بتانا تھا چنانچہ ایک برتن لایا گیا جس میں پانی تھا اور ایک تھال بھی لایا گیا آپ نے اس برتن سے دائیں ہاتھ پر پانی ڈالا اور ہاتھوں کو تین بار دھویا پھر کلی کی اور ناک کو جھاڑا آپ نے ایک چلو سے جو لیا تھا کلی بھی کی اور ناک کو بھی جھاڑا پھر تین بار چہرے کو دھویا اور دائیں ہاتھ (بازو) کو تین بار اور بائیں ہاتھ (بازو) کو تین بار دھویا پھر دائیں ہاتھ کو برتن میں ڈالا اور اس سے ایک بار سر کا مسح کیا پھر دایاں پاؤں تین بار اور پھر بایاں پاؤں تین بار دھویا اس کے بعد فرمایا جس کو یہ بات پسند ہو کہ وہ رسول اکرم ﷺ کا وضو جان لے تو وہ اس طرح ہے۔

کیا سر کے مسح کا تکرار ہے؟

ابن قیم نے کہا صحیح یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے سر کا مسح تکرار کے ساتھ نہیں کیا' امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں صحیح احادیث کے مطابق سر کا مسح صرف ایک بار ہے اور بعض میں صرف ''مسح'' کا لفظ ہے یعنی مسح کیا۔

امام شافعی رحمہ اللہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی روایت سے استدلال کیا ''صحیح مسلم میں ہے'' نبی اکرم ﷺ نے تین تین بار وضو فرمایا نیز انہوں نے باقی اعضاء پر قیاس کیا۔

اس کا جواب یوں دیا گیا کہ یہ (سر کے مسح کا حکم) مجمل ہے اور صحیح روایت میں اس کا بیان ہے کہ مسح میں تکرار نہیں پس غالب پر محمول کیا جائے گا اور تین تین بار کا تعلق دھوئے جانے والے اعضاء کے ساتھ ہوگا۔[1]

[1] چونکہ تین اعضاء کو دھویا جاتا ہے اور ایک عضو کا مسح ہوتا ہے چونکہ اعضاء کو دھونا تین تین بار ہوتا ہے لہٰذا غالب کا اعتبار کرتے ہوئے سب کے لئے تین تین بار کا ذکر ہوا۔ ۱۲ ہزاروی

اور مسح تخفیف پر مبنی ہے لہٰذا اسے دھونے پر قیاس نہیں کیا جائے گا جس میں مبالغہ مراد ہے اور اگر مسح میں گنتی معتبر ہو تو وہ دھونے کی صورت بن جائے گی (مسح نہیں رہے گا) کیونکہ دھونے کی حقیقت پانی کو جاری کرنا ہے۔

شافعی مسلک والوں نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی اس روایت سے بھی استدلال کیا ہے جسے امام ابوداؤد نے دو طریقوں سے نقل کیا اور ان میں سے ایک کو ابن خزیمہ نے صحیح قرار دیا کہ نبی اکرم ﷺ نے اپنے سر انور کا تین بار مسح فرمایا۔

ابوداؤد اور ترمذی کی روایت جو ربیع بن معوذ کی روایت سے ہے اس میں ہے کہ آپ نے اپنے ہاتھوں کو تین بار دھویا چہرۂ انور کو تین بار دھویا اور ایک ایک بار کلی کی اور ناک میں پانی چڑھایا اور تین بار ہاتھوں کو دھویا (یعنی بازوؤں کو) اور سر کا مسح دوبارہ کیا پچھلے حصے سے شروع کیا پھر اگلے حصے اور کانوں کے ظاہر اور باطن کا مسح کیا اور پاؤں کو تین تین بار دھویا۔

اور ایک بار مسح کرنے سے متعلق احادیث کا جواب (شافعی) علماء نے اس طرح دیا ہے کہ یہ بیان جواز کے لئے تھا اور اس کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے جس میں دوبار کا ذکر ہے (دراصل یہ ایک بار ہے کیونکہ ایک بار پچھلے حصے کا اور دوبارہ اگلے حصے کا تو پورے سر کا مسح ایک بار ہی ہوا۔۱۲ ہزاروی)

ابن سمعانی نے کہا جیسا کہ ''فتح الباری میں'' نقل کیا کہ روایت کا اختلاف کئی بار پر محمول کیا جائے گا پس کبھی ایک بار کیا اور کبھی تین بار اور ایک بار مسح کی روایت زیادہ بار مسح کرنے سے منع کرنے کی دلیل نہیں اور زیادہ بار مسح کی دلیل دھونے پر قیاس بھی ہے کیونکہ وضو حکمی طہارت ہے اور طہارت حکمیہ میں دھونے اور مسح میں کوئی فرق نہیں۔

امام عسقلانی نے ''فتح الباری میں'' فرمایا: کہ زیادہ بار مسح نہ ہونے کی سب سے مضبوط دلیل وہ مشہور حدیث ہے جسے ابن خزیمہ وغیرہ نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے وضو کے طریقے سے متعلق بیان کیا ہے کہ فراغت کے بعد فرمایا جس نے اس سے زیادہ کیا اس نے گناہ کیا اور زیادتی کی اور سعید بن منصور رضی اللہ عنہ کی روایت میں اس بات کو صراحتاً بیان کیا گیا کہ سر کا مسح ایک بار فرمایا اور تین بار مسح کی احادیث اگر صحیح ہوں تو ان سے مراد سر کا گھیرنا ہے مستقل طور پر سارے سر کا کئی بار مسح کرنا نہیں یوں دلائل کو جمع کیا جاسکتا ہے۔

مسح سر کا طریقہ

حضرت عبداللہ بن زید کی حدیث جسے امام بخاری نے نقل کیا اور وہ اس سے پہلے ذکر کی گئی ہے اس میں ہے کہ:

ثم مسح رأسه بيديه فاقبل بهما وادبر. پھر سر کا مسح دونوں ہاتھ سے کیا ان کو آگے لے گئے اور پیچھے لائے۔

ایک روایت میں ہے کہ سر کے اگلے حصے سے شروع کیا حتیٰ کہ دونوں ہاتھوں کو پیچھے (گدی) کی طرف لے گئے پھر ان کو اس جگہ کی طرف لائے جہاں سے آغاز کیا تھا۔

ابن الطباع (اسحاق بن عیسیٰ بن الطباع ابو یعقوب) نے ''ثم مسح رأسه'' (پھر سر کا مسح کیا) کے بعد كله کا اضافہ کیا یعنی سارے سر کا مسح کیا جس طرح ابن خزیمہ کی روایت میں ہے۔ (الکاشف ج ۱ ص ۶۴ رقم الترجمہ: ۳۱۳)

برؤوسکم کی باء کا معنیٰ

دوسروں کی روایتوں میں (رأسہ کی جگہ) برأسہ باء کے ساتھ ہے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے اور یہ قرآن مجید کی آیت:

وَامْسَحُوْا بِرُؤُوْسِكُمْ. (المائدہ:٦) اور اپنے سروں کا مسح کرو۔

کے موافق ہے۔

امام بیضاوی رحمہ اللہ نے فرمایا: اس آیت میں باء زائدہ ہے اور کہا گیا کہ یہ تبعیض کے لئے ہے اسی سے تیسرے قول ''مسحت المندیل'' اور ''مسحت بالمندیل'' میں فرق کیا جاتا ہے (پہلے جملہ کا معنیٰ ہے میں نے رومال کو چھوا اور دوسرے جملہ کا معنیٰ ہے میں نے رومال کا کچھ حصہ چھوا)۔

اس کی وجہ یوں بیان کی جاتی ہے کہ یہ باء اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ فعل میں الصاق (ملنے) کا معنیٰ ہے گویا کہا گیا کہ مسح کو اپنے سروں سے ملاؤ اور یہ پورے سر کے گھیرنے کو نہیں چاہتا اور اگر ''وامسحوا رؤوسکم'' کہا جائے تو وہ ''وَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ'' کی طرح ہوگا یعنی جس طرح پورے چہرے کو دھونے کا حکم ہے اسی طرح پورے سر کے مسح کا حکم ہوگا۔

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ارشاد خداوندی ''وامسحوا برؤوسکم'' میں پورے سر کے مسح یا بعض سر کے مسح دونوں باتوں کا احتمال ہے پس سنت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ بعض کا مسح بھی کافی ہے۔

اب اس آیت اور تیمم کے سلسلے میں ''فامسحوا بوجوھکم'' میں فرق یہ ہوگا کہ وہاں (تیمم میں) مسح، دھونے پر دلالت کرتا ہے اور سر میں مسح اصل ہے پس دونوں کا حکم جدا ہوگیا۔

اگر موزوں کے مسح کو پاؤں دھونے کے بدل کے طور پر پیش کرنے کے ذریعے اعتراض کیا جائے (کہ وہاں بھی دھونا اصل ہے تو پورے موزے کا مسح کیا جائے) تو یہ اعتراض اس لئے نہیں ہوسکتا کہ اس میں رخصت اجماع سے ثابت ہے۔

حضرت عطاء رضی اللہ عنہ کی حدیث سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے وضو فرمایا تو عمامہ شریف کو سر سے ہٹا کر سر کے اگلے حصے کا مسح کیا یہ حدیث مرسل لیکن دوسرے طریق سے موصولاً بھی مروی ہے اس لئے مضبوط ہے۔ اسے امام ابوداؤد نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت سے نقل کیا اس کی سند میں ابومعقل ہے جس کا حال معلوم نہیں لیکن مرسل اور موصول دونوں ایک دوسرے کو مضبوط کرتی ہیں اور مجموعی صورت سے قوت حاصل ہوجاتی ہے اور یہ اس بات کی مثال ہے جو امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمائی ہے کہ مرسل دوسری مرسل یا مسند حدیث کو قوت دیتی ہے۔[1]

اس باب میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے بھی وضو کا طریقہ مروی ہے وہ فرماتے ہیں: سر کے اگلے حصے کا مسح کیا اسے سعید بن منصور نے روایت کیا اور اس میں خالد بن یزید بن ابی مالک ہے جس میں اختلاف ہے۔

---

[1] جب تابعی براہ راست نبی اکرم ﷺ سے روایت کرے اور کسی صحابی کا ذکر نہ ہو تو یہ حدیث مرسل ہوتی ہے اور اگر صحابی کا ذکر ہو تو یہ حدیث مسند ہوتی ہے۔ ۱۲ ہزاروی

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے صحیح ثابت ہے کہ انہوں نے سر کے بعض حصے پر مسح کرنے پر اکتفاء کیا۔ ابن منذر وغیرہ نے یہ بات کہی ہے اور کسی صحابی سے اس کا انکار صحیح ثابت نہیں یہ بات ابن حزم نے کہی ہے۔

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں: یہ تمام روایات اس مرسل روایت کو قوت دیتی ہیں جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔

سر کا کتنی مقدار میں مسح کرنا واجب ہے؟

سر کے مسح میں کتنی مقدار فرض ہے؟ اس سلسلے میں اختلاف ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ اور ایک جماعت کا مسلک یہ ہے کہ صرف اس قدر فرض ہے جس پر مسح کا نام بولا جا سکے اگرچہ ایک بال ہو یہ قطعی بات ہے۔

امام مالک اور امام احمد رحمہما اللہ اور ایک جماعت کے نزدیک پورے سر کو گھیرنا ضروری ہے انہوں نے احتیاط کا راستہ اختیار کیا۔

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے ایک روایت میں فرمایا: سر کے چوتھے حصے کا مسح فرض ہے کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے پیشانی پر مسح فرمایا اور وہ چوتھائی کے قریب ہے۔ واللہ اعلم

کلی کرنا اور ناک میں پانی چڑھانا

حضرت طلحہ بن مصرف اپنے والد (مصرف بن عمرو بن کعب) سے اور وہ اپنے دادا (کعب بن عمرو) سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں: میں نبی اکرم ﷺ کے پاس حاضر ہوا اور آپ وضو فرما رہے تھے اور پانی آپ کے چہرے اور داڑھی مبارک سے آپ کے سینے پر بہہ رہا تھا میں نے دیکھا کہ آپ کلی کرنے اور ناک میں پانی چڑھانے میں فرق کرتے تھے (دونوں کام الگ الگ کرتے تھے)۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۳۹)

انہی سے مروی ہے فرماتے ہیں: رسول اکرم ﷺ نے وضو فرمایا پس ایک چلو سے تین مرتبہ کلی کی اور تین مرتبہ ناک میں پانی چڑھایا۔ (اس حدیث کو ابن ماجہ نے روایت کیا)۔

"صحیح مسلم کی" حدیث میں ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے برتن منگوایا پس اپنی ہتھیلی پر تین مرتبہ پانی ڈال کر دونوں ہاتھوں کو دھویا پھر اپنا دایاں ہاتھ برتن میں ڈال کر کلی کی اور ناک جھاڑا پھر تین بار چہرے کو دھویا۔

حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ کی روایت میں جسے امام بخاری رحمہ اللہ نے نقل کیا اس طرح ہے کہ پھر (ہاتھوں کو) دھویا اور کلی کی اور ناک میں پانی چڑھایا اور یہ ایک چلو سے کیا پھر فرمایا: رسول اکرم ﷺ کا وضو اس طرح تھا۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کلی کرنے اور ناک میں پانی چڑھانے میں سنت طریقہ یہ ہے کہ دونوں کے لئے دائیں ہاتھ میں پانی لے وہ فرماتے ہیں کلی کرنے اور ناک میں پانی چڑھانے کی کیفیت میں افضل طریقے کی پانچ صورتیں ہیں۔

(۱) سب سے زیادہ صحیح یہ ہے کہ تین چلو لے اور ہر ایک سے کلی کرے پھر ناک میں چڑھائے۔

(۲) دونوں کو ایک چلو میں جمع کرے اس سے تین بار کلی کرے پھر ناک میں تین بار چڑھائے۔

(۳) ایک ہی چلو میں جمع کرے لیکن اس سے کلی کرے پھر ناک میں پانی چڑھائے پھر کلی کرے پھر ناک میں چڑھائے پھر کلی کرے اور پھر ناک میں چڑھائے۔

(۴) دونوں کے درمیان دو چلو پانی کے ساتھ فرق کرے ان میں سے ایک کے ساتھ تین بار کلی کرے پھر دوسرے کے ساتھ تین بار ناک میں پانی چڑھائے۔
(۵) چھ چلوؤں کے ساتھ الگ الگ کرے تین چلوؤں سے کلی کرے پھر تین چلوؤں کے ساتھ ناک میں پانی چڑھائے۔
(احناف کے نزدیک یہی طریقہ سب سے بہتر ہے۔۱۲ ہزاروی)۔
امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں پہلا طریقہ صحیح ہے اور صحیح احادیث میں یہی مذکور ہے۔
امام احمد اور ابوثور رحمہما اللہ کے نزدیک ناک میں پانی چڑھانا واجب ہے یعنی ناک کے نتھنوں تک پانی پہنچے انہوں نے نبی اکرم ﷺ کی اس حدیث کے ظاہر سے استدلال کیا ہے جسے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے روایت کیا آپ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی ایک وضو کرے تو اپنے ناک میں پانی ڈالے (چڑھائے) پھر ناک کو جھاڑے[۱] جمہور فقہاء امام مالک' امام شافعی اور اہل کوفہ نے اسے مستحب قرار دیا کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے اعرابی سے فرمایا اس طرح وضو کرو جس طرح اللہ تعالیٰ نے حکم دیا اور اس میں استنشاق (ناک میں پانی چڑھانے) کا ذکر نہیں۔ واللہ اعلم
(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۸۶۱' نصب الرایہ ج ۱ ص ۷' ۳۶' تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۴۴)

وضو کی سنتیں

امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے حدیث نقل کی ہے جس میں ہے:
کان ﷺ یمسح الماقین. نبی اکرم ﷺ کنپٹیوں کا مسح کرتے تھے۔
حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ داڑھی کا مسح کرتے تھے۔ اس حدیث کو امام ترمذی اور امام ابن ماجہ رحمہما اللہ نے نقل کیا۔
''ابن ماجہ کی'' ایک روایت جو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے اس میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ اپنے رخساروں کو ملتے پھر داڑھی کی نچلی جانب سے انگلیاں ڈال کر خلال کرتے۔
حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ جب وضو کرتے تو ایک چلو پانی لیتے اور اسے گردن کے نیچے سے داخل کر کے داڑھی کا خلال کرتے اور فرماتے مجھے میرے رب نے اسی بات کا حکم دیا ہے۔
(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۴۵' السنن الکبریٰ ج ۱ ص ۵۴' مجمع الزوائد ج ۱ ص ۲۳۲' کنز العمال رقم الحدیث: ۱۷۸۳۹)
حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں نبی اکرم ﷺ وضو کرتے وقت اپنی انگوٹھی کو حرکت دیتے۔ اس حدیث کو ابن ماجہ اور دار قطنی نے نقل کیا اور ضعیف قرار دیا۔
حضرت مستورد بن شداد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں نبی اکرم ﷺ جب وضو کرتے تو اپنے پاؤں کی انگلیوں کو ہاتھ کی چھوٹی انگلی سے ملتے (خلال کرتے) اس حدیث کو امام ترمذی' ابوداؤد اور ابن ماجہ نے روایت کیا۔
حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ کا داہنا ہاتھ وضو اور کھانے کے لئے (استعمال) ہوتا اور

[۱] (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۰۔ ۲۱' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۴۰' سنن نسائی ج ۱ ص ۶۶' مسند احمد ج ۲ ص ۲۴۲' السنن الکبریٰ ج ۱ ص ۴۹' شرح السنہ ج ۱ ص ۴۱۲' نصب الرایہ ج ۱ ص ۲' تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۴۴)

بایاں ہاتھ بیت الخلاء میں اور ناپاکی کے ازالے کے لئے استعمال ہوتا تھا۔

وضو میں مدد لینا

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ ایک سفر میں نبی اکرم ﷺ کے ہمراہ تھے اور آپ قضائے حاجت کے لئے تشریف لے گئے حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ آپ کے ہاتھوں پر پانی ڈالتے اور آپ وضو فرماتے تھے۔

حضرت صفوان بن عسال رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: میں سفر و حضر میں وضو کے موقع پر نبی اکرم ﷺ (کے ہاتھوں) پر پانی ڈالتا تھا۔ اسے ابن ماجہ نے روایت کیا۔

اس سے معلوم ہوا کہ وضو میں پانی وغیرہ ڈالنے کے اعتبار سے کسی دوسرے سے مدد لی جاسکتی ہے اور اس میں کوئی کراہت نہیں اسی طرح پانی لانے میں بھی مدد ہو سکتی ہے لیکن ان دونوں حدیثوں میں وضو کرنے (یعنی اعضاء وغیرہ کو ملنے) میں دوسرے سے مدد لینے کا جواز ثابت نہیں ہوتا۔

امام حاکم نے "مستدرک میں" حضرت ربیع بنت معوذ رضی اللہ عنہا کی روایت سے نقل کیا وہ فرماتی ہیں: میں نبی اکرم ﷺ کے پاس وضو کا پانی لے کر آئی تو آپ نے فرمایا: ٹھہر جا پس میں ٹھہر گئی۔

یہ حدیث اس بات میں نہایت واضح ہے کہ (مذکورہ بالا) دونوں حدیثوں سے عدم کراہت ثابت ہوتی ہے کیونکہ حالتِ اقامت کی بات ہے (سفر نہیں) اور اس میں طلب کا صیغہ ہے (امر کم از کم اباحت و استحباب کا تقاضا کرتا ہے)۔

وضو کے بعد اعضاء کو خشک کرنا

"جامع ترمذی میں" حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں نبی اکرم ﷺ جب وضو فرماتے تو کپڑے کی ایک جانب سے چہرۂ انور کو پونچھتے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ کے پاس کپڑے کا ایک ٹکڑا تھا جس سے وضو کے بعد (اعضاء کو) خشک کرتے تھے۔

امام ترمذی فرماتے ہیں یہ حدیث مضبوط نہیں ابو معاذ راوی علماء حدیث کے نزدیک ضعیف ہے۔

وضو کی حاجت نہیں

نبی اکرم ﷺ نے سینگی لگوائی (خون نکلوایا) اور وضو نہیں فرمایا اور صرف اسی جگہ کو دھویا جہاں سے خون نکلوایا۔ اس حدیث کو دار قطنی نے روایت کیا۔ [1]

نبی کریم ﷺ نے بکری کا شانہ تناول فرمایا پھر نماز پڑھی اور (نیا) وضو نہیں کیا اس حدیث کو امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ نے نقل کیا۔

---

[1] احناف کے نزدیک جسم سے خون کا نکلنا وضو کو توڑ دیتا ہے بشرطیکہ وہ اپنی جگہ سے بہہ کر آگے چلا جائے اس حدیث میں یہ وضاحت نہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے اسی طرح نماز پڑھی کیونکہ ہو سکتا ہے اس وقت صرف اسی جگہ کو دھو لیا اور نماز کے وقت وضو کیا ہو اور یہ بات آپ کی خصوصیت بھی ہو سکتی ہے لہٰذا اس حدیث سے وضو نہ ٹوٹنے پر استدلال درست نہیں۔ ۱۲ ہزاروی۔

امام نسائی کے نزدیک یوں ہے کہ نبی اکرم ﷺ کا آخری معمول یہ تھا کہ آپ نے اس چیز کو تناول فرمانے کے بعد وضو کرنا چھوڑ دیا جس میں آگ کی وجہ سے تبدیلی آئے۔

نبی اکرم ﷺ نے دودھ نوش فرمایا اور کلی نہیں کی اور نہ ہی وضو کیا اور نماز پڑھی۔ اس حدیث کو امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے نقل کیا۔

• نبی اکرم ﷺ کے پاس ستو لائے گئے پھر ان کو پانی میں تر کیا گیا آپ نے ان میں سے کچھ تناول فرمایا پھر صرف کلی کر کے مغرب کی نماز کے لئے تشریف لے گئے۔[1]

اس حدیث کو امام بخاری' امام مالک اور امام نسائی رحمہم اللہ نے روایت کیا ہے۔

نبی اکرم ﷺ کی خصوصیت

آپ ﷺ جب نیند سے اٹھتے تو کبھی وضو فرماتے اور کبھی وضو نہ کرتے کیونکہ آپ کی آنکھیں سوتی تھیں اور دل نہیں سوتا تھا جس طرح بخاری وغیرہ میں ہے۔

اس میں اس بات پر دلالت ہے کہ نیند بے وضو ہونے کا سبب نہیں بلکہ بے وضو ہونے کا گمان ہے اگر اس سے آدمی بے وضو ہوتا تو آپ کو اس کا علم ہوتا پس خصوصیت اس کے واقع ہونے کا شعور ہونا ہے جب کہ دوسرے لوگوں کا معاملہ الگ ہے' خطابی فرماتے ہیں آپ کے دل کو سونے سے روکا گیا تاکہ آپ سے اس وحی کی حفاظت ہو سکے جو نیند کی حالت میں آتی تھی۔

فصل نمبر ۴

موزوں پر مسح کرنا

مسح کا جواز

حفاظ حدیث کی ایک جماعت نے اس بات کی تصریح کی ہے کہ موزوں پر مسح متواتر احادیث سے ثابت ہے اور بعض حضرات نے ان کے راویوں کو جمع کیا تو وہ اسی سے تجاوز کر گئے ان میں دس عشرہ مبشرہ بھی ہیں (جن دس صحابہ کرام کو جنت کی خوشخبری دی گئی)۔[2]

ابن عبدالبر نے کہا مجھے معلوم نہیں کہ فقہاء سلف میں سے کسی نے اس کا انکار کیا ہو سوائے امام مالک رحمہ اللہ کے حالانکہ ان سے صحیح روایات اس کے ثبوت کو واضح کرتی ہیں۔

---

[1] جن احادیث میں کھانا کھانے کے بعد وضو کرنے کا ذکر آتا ہے اس سے لغوی وضو یعنی ہاتھ دھونا اور کلی کرنا مراد ہے۔ ۱۲ ہزاروی

[2] ان دس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اسماء گرامی یہ ہیں: حضرت ابوبکر صدیق' حضرت عمر فاروق' حضرت عثمان' حضرت علی المرتضیٰ' حضرت طلحہ' حضرت زبیر' حضرت عبدالرحمٰن بن عوف' حضرت سعد بن ابی وقاص' حضرت سعید بن زید اور حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہم۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۵٦٦)

امام شافعی رحمہ اللہ نے ''کتاب الام'' میں مالکی فقہ والوں کی طرف سے انکار کا اشارہ کیا ہے اور اب ان لوگوں کے نزدیک معروف بات جس پر وہ قائم ہیں دو قول ہیں۔

ایک یہ کہ مطلقاً جائز ہے اور دوسرا یہ کہ مسافر کے لئے جائز ہے' مقیم کے لئے نہیں یہ دوسرا قول اس بات کا مقتضی ہے جو ''المدونہ'' میں ہے۔[1]

ابن حاجب نے اس کو اپنایا اور قطعی قرار دیا۔[2]

پاؤں دھونا افضل ہے یا مسح؟

ابن منذر نے کہا کہ علماء کا اس سلسلے میں اختلاف ہے کہ ان دونوں میں سے افضل کیا ہے موزوں پر مسح کرنا یا موزے اتار کا پاؤں دھونا؟

مختار بات یہ ہے کہ مسح افضل ہے تاکہ ان لوگوں کا جواب ہو جنہوں نے اس پر طعن کیا اور وہ خارجی اور رافضیوں میں سے اہل بدعت ہیں۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ہمارے اصحاب کا مذہب یہ ہے کہ پاؤں دھونا افضل ہے کیونکہ یہ اصل ہے لیکن شرط یہ ہے کہ مسح کرنا ترک نہ کرے۔

پاؤں پر مسح

جن لوگوں نے کہا ہے کہ پاؤں پر مسح کافی ہے (دھونے کی ضرورت نہیں) انہوں نے ارشاد خداوندی ''وارجلکم'' سے یوں استدلال کیا کہ اس کا عطف ''وامسحوا برؤسکم'' پر ہے (یعنی جس طرح سر کا مسح فرض ہے اسی طرح پاؤں کا مسح بھی فرض ہے)۔

صحابہ کرام اور تابعین کی ایک جماعت اس کے ظاہر کی طرف گئی ہے ایک ضعیف روایت میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اسی طرح منقول ہے لیکن آپ سے اس کے خلاف بھی ثابت ہے۔

حضرت عکرمہ' شعبی اور قتادہ رحمہم اللہ سے منقول ہے کہ (پاؤں کو) دھونا یا مسح واجب ہے۔

بعض اہل ظاہر سے ہے کہ دونوں کو جمع کرے۔

جمہور کی دلیل یہ ہے کہ مشہور احادیث میں نبی اکرم ﷺ کا عمل اسی طرح ہے جیسا کہ ان شاء اللہ آئے گا (کہ آپ پاؤں مبارک کو دھوتے تھے) آپ کا عمل مراد کا بیان ہے۔

جمہور نے ان حضرات کو کئی جوابات دیئے ہیں۔

---

[1] یہ ضعیف ہے اور مشہور یہ ہے کہ مطلق حکم ہے الباجی نے اسے اصح قرار دیا۔ (زرقانی ج ۷ ص ۲۶۶)

[2] امام زرقانی فرماتے ہیں یہ ضعیف ہے اور مشہور یہ ہے کہ مطلقاً جائز ہے اور نبی اکرم ﷺ اور صحابہ کرام سے ثابت ہے البتہ خوارج نے یہ بدعت اختیار کی کہ اس کا انکار کیا اس لئے کہ قرآن مجید میں اس کا ذکر نہیں اور شیعہ نے اس لئے انکار کیا کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اس عمل سے دور رہے حالانکہ آپ سے یہ بات ثابت نہیں' امام کرخی فرماتے ہیں: جو شخص موزوں پر مسح کو جائز نہیں جانتا مجھے اس کے کفر کا خوف ہے۔ (زرقانی ج ۷ ص ۲۶۶)

(۱) یہ وارجلکم (لام پر زبر کے ساتھ) "ایدیکم" پر عطف کے ساتھ پڑھا گیا ہے یہ بھی کہا گیا کہ یہ "برؤوسکم" کے محل پر معطوف ہے جس طرح قرآن مجید میں ہے:

يَا جِبَالُ أَوِّبِي مَعَهُ وَالطَّيْرَ. (سبا:۱۰) اے پہاڑو! اس کے ساتھ اللہ کی طرف رجوع کرو اور اے پرندو! (تم بھی)۔

اس میں الطیر کو منصوب پڑھا گیا۔

یہ بھی کہا گیا کہ آیت میں مسح کی مشروعیت سے مراد موزوں پر مسح ہے پس جر کے ساتھ قرأت کو موزوں پر مسح پر محمول کیا جائے گا اور نصب کے ساتھ قرأت پاؤں کو دھونے پر محمول ہوگی۔

امام بیضاوی رحمہ اللہ نے جوار (قرب) کی وجہ سے مجرور قرار دیا وہ فرماتے ہیں: قرآن مجید میں اس کی کئی مثالیں ہیں جیسے:

عَذَابَ يَوْمٍ أَلِيمٍ. (ھود:۲۶) اس دن کا دردناک عذاب۔

اسی طرح "حور عین". (الواقعہ:۲۲) کو حمزہ اور کسائی کی قرأت میں مجرور پڑھا گیا اور: "جحر ضب خرب گوہ کا خراب سوراخ" پڑھا جاتا ہے۔ ۱؎ اور نحویوں کے ہاں اس سلسلے میں ایک باب ہے (جسے ان میں سے بعض عطف علی اللفظ دون المعنیٰ سے تعبیر کرتے ہیں۔ زرقانی ج ۷، ص ۲۶۷)

اس کا فائدہ اس بات پر تنبیہ ہے کہ دونوں پاؤں پر پانی بہانے میں اعتدال سے کام لیا جائے اور ان کو اس طرح دھویا جائے جو مسح کے قریب ہو۔

موزوں پر مسح کے دلائل

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے نبی اکرم ﷺ کے ہمراہ تبوک کی لڑائی میں حصہ لیا آپ قضائے حاجت کے لئے تشریف لے گئے تو حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ نے آپ کے ہمراہ برتن اٹھایا اور یہ صبح سے پہلے کی بات ہے (وہ فرماتے ہیں) جب آپ قضائے حاجت سے واپس تشریف لائے تو میں آپ کے ہاتھوں پر برتن سے پانی ڈالنے لگا نبی اکرم ﷺ نے اپنے ہاتھ اور پاؤں دھوئے اور آپ کا ایک اونی جبہ تھا آپ اسے بازوؤں سے اوپر کرنے لگے تو اس کی آستینیں تنگ تھیں چنانچہ آپ نے جبے کے نیچے سے ہاتھ نکالا اور جبہ اپنے کاندھوں پر ڈال کر بازوؤں کو دھویا پھر اپنی پیشانی اور عمامہ ۲؎ پر مسح کیا۔ میں نیچے کی طرف جھکا تا کہ آپ کے موزے اتاروں تو آپ نے

۱؎ "الیم" حقیقت میں "عذاب" کی صفت ہے یعنی دردناک عذاب لیکن "یوم" (مجرور) کے قرب کی وجہ سے اسے مجرور پڑھتے ہیں لہٰذا مجرور ہونے کے باوجود یہ یوم کی صفت نہیں اسی طرح "حُوْرٌ عِيْنٌ" "وِلْدَانٌ" پر معطوف ہے لہٰذا مرفوع ہونا چاہیے لیکن "اکواب اور اباریق" مجرور کے قرب کی وجہ سے مجرور پڑھتے ہیں۔ (مکمل آیت اس طرح ہے يَطُوفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُونَ بِأَكْوَابٍ وَأَبَارِيقَ وَكَأْسٍ مِّن مَّعِينٍ لَّا يُصَدَّعُونَ عَنْهَا وَلَا يُنزِفُونَ وَفَاكِهَةٍ مِّمَّا يَتَخَيَّرُونَ وَلَحْمِ طَيْرٍ مِّمَّا يَشْتَهُونَ وَحُورٌ عِينٌ (الواقعہ:۲۲)

اسی طرح خرب بُحر کی صفت ہے لیکن ضب کے قرب کی وجہ سے مجرور ہے۔

۲؎ چونکہ عمامہ شریف کو پکڑ کر پیچھے ہٹاتے ہوئے سر کا مسح فرمایا اس سے یہ خیال کیا گیا کہ عمامہ شریف پر مسح کیا۔ ۱۲ ہزاروی

فرمایا ان کو رہنے دو میں نے پاک پاؤں ان میں داخل کئے ہیں چنانچہ آپ نے ان (موزوں) پر مسح کیا اور پھر سوار ہو گئے اور میں بھی سوار ہوا۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث :۷۹، صحیح البخاری رقم الحدیث :۲۰۶۔۵۷۹۹، مسند احمد ج ۴ص ۲۵۱، السنن الکبریٰ ج ۱ص ۳۰۹، سنن دارمی ج ۱ص ۱۸۱، مشکوۃ المصابیح رقم الحدیث :۵۱۸، شرح السنۃ ج ۱ص ۳۰۹۔ ج ۲ص ۳۳۰)

امام ترمذی رحمہ اللہ نے بھی حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے نقل کیا کہ نبی کریم ﷺ نے موزوں کے ظاہر پر مسح کیا۔

امام ابوداؤد نے بھی ان کی حدیث سے نقل کیا اور یہ کہ نبی اکرم ﷺ نے جرابوں اور نعلین مبارک پر مسح کیا۔ [1]

انہی سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے موزوں پر مسح کیا میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ بھول گئے ہیں؟ فرمایا بلکہ تم بھولے ہو مجھے میرے رب نے اسی بات کا حکم دیا ہے۔ یہ حدیث امام ابوداؤد اور امام احمد رحمہما اللہ نے نقل کی ہے۔ حضرت عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے نبی اکرم ﷺ کو عمامہ شریف اور موزوں پر مسح کرتے ہوئے دیکھا۔

مدتِ مسح

حضرت علی بن طالب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے مسافر کے لئے موزوں پر مسح تین دن رات اور مقیم کے لئے ایک دن رات قرار دیا۔ (صحیح مسلم)

فصل نمبر ۵

نبی اکرم ﷺ کا تیمّم کرنا

جان لو کہ تیمم قرآن وسنت اور اجماع سے ثابت ہے اور یہ اس امت کی خصوصیات میں سے ہے۔

اس بات پر اجماع ہے کہ تیمم صرف چہرے اور ہاتھوں کا ہوتا ہے چاہے وہ حدث اکبر سے ہو یا حدث اصغر سے (غسل کی حاجت ہو تو یہ حدث اکبر ہے اور وضو فرض ہو تو حدث اصغر ہے۔ ۱۲ ہزاروی) اور برابر ہے تمام اعضاء کی طرف سے تیمم کرے یا بعض سے (مطلب یہ کہ بعض کو دھونا تھا اور بعض کا مسح کرنا)۔

تیمم کے طریقے میں اختلاف ہے ہمارا اور اکثر حضرات کا مذہب یہ ہے کہ اس میں دو ضربیں ضروری ہیں ایک ضرب چہرے کے لئے اور دوسری ضرب کہنیوں سمیت ہاتھوں کے لئے۔ [2]

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

---

[1] اس سے وہ جرابیں مراد ہیں جن پر چمڑا چڑھا ہوا تھا محض جرابوں پر مسح نہیں فرمایا۔ ۱۲ ہزاروی

[2] تیمم کا طریقہ یہ ہے کہ طہارت کی نیت کرتے ہوئے پاک مٹی یا ریت وغیرہ پر دونوں کو کھلا رکھتے ہوئے مارے اور پھر زائد مٹی کو جھاڑتے ہوئے چہرے کا مسح کرے دوبارہ پھر مٹی پر مار کر دونوں بازوؤں کا اچھی طرح مسح کرے تیمم مکمل ہو گیا چاہے وضو کی جگہ ہو یا غسل کے لئے۔ ۱۲ ہزاروی

فضلنا على الناس بثلاث جعلت صفوفنا كصفوف الملائكة وجعلت لنا الارض كلها مسجدا جعلت تربتها لنا طهورا اذا لم نجد الماء.

ہمیں لوگوں پر (پہلی امتوں پر) تین باتوں کے ساتھ فضیلت دی گئی۔ ہماری صفیں' فرشتوں کی صفوں کی طرح بنائی گئیں ہمارے لئے تمام زمین کو سجدہ گاہ بنایا گیا اور اس کی مٹی کو ہمارے لئے طہارت کا ذریعہ بنایا گیا جب ہم پانی نہ پائیں۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۴ السنن الکبریٰ ج ۱ ص ۲۱۳' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۱ ص ۴۳۵' مشکل الآثار ج ۱ ص ۲۵۰' مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۵۲۶' کنز العمال رقم الحدیث: ۳۱۹۱۳_۳۲۰۷۵)

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہیں جسے امام بخاری رحمہ اللہ نے نقل کیا اس طرح ہے:

جعلت الارض كلها لى ولامتى مسجدا وطهورا.

تمام زمین کو میرے لئے اور میری امت کے لئے مسجد اور طہارت کا ذریعہ بنایا گیا۔

یہ عام ہے اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی حدیث خاص ہے پس عام کو خاص پر محمول کرنا چاہیے لہٰذا پاکیزگی حاصل کرنا مٹی کے ساتھ خاص ہے۔

بعض حضرات نے لفظ "التربة" (مٹی) سے استدلال کر کے تیمم کو مٹی کے ساتھ خاص کرنے سے منع کیا انہوں نے کہا کہ ہر جگہ کی تربت وہ ہوتی ہے جس میں مٹی یا اس کے علاوہ ہے۔

اس کا جواب یوں دیا گیا کہ حدیث شریف میں لفظ تراب (مٹی) آیا ہے یہ حدیث ابن خزیمہ وغیرہ نے نقل کی ہے اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے:

وجعل لى التراب طهورا.

میرے لئے مٹی کو پاکیزگی کا ذریعہ بنایا گیا۔

اس حدیث کا امام احمد اور امام بیہقی رحمہما اللہ نے حسن سند کے ساتھ نقل کیا۔

حضرت عمار رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ایک شخص نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ میں ناپاکی کی حالت میں ہوں اور مجھے پانی نہیں ملا' حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کیا آپ کو یاد نہیں کہ ہم دونوں ایک سفر میں تھے آپ نے نماز نہ پڑھی لیکن میں زمین پر لوٹ پوٹ ہوا اور میں نے نماز پڑھ لی میں نے یہ بات نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں عرض کی تو آپ نے فرمایا: تمہارے لئے صرف اتنا کافی تھا اور آپ نے اپنی ہتھیلیوں کو زمین پر مارا پھر ان میں پھونکا اور اس کے بعد ان دونوں سے اپنے چہرے اور ہاتھوں کا مسح کیا۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۲۳' سنن نسائی ج ۱ ص ۱۶۶_۱۷۰' مسند احمد ج ۴ ص ۲۶۳' مسند الحمیدی رقم الحدیث: ۱۴۳' سنن دار قطنی ج ۱ ص ۱۸۳' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۵۶۹' الدر المنثور ج ۲ ص ۱۶۷' السنن الکبریٰ ج ۱ ص ۲۰۹_۲۱۰_۲۱۶)

پھونکنے سے استدلال کیا گیا کہ مٹی کو ہلکا کرنا مستحب ہے اور تیمم میں تکرار کا مستحب (سنت) ہونا ساقط ہو گیا کیونکہ تکرار سے عدم تخفیف (یعنی مٹی کا زیادہ لگنا) لازم آتا ہے۔

حضرت ابوجہیم بن حارث بن صمہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' فرماتے ہیں میں نبی اکرم ﷺ کے پاس سے گزرا اور

آپ پیشاب فرمارہے تھے میں نے سلام کیا تو آپ نے سلام کا جواب نہ دیا حتیٰ کہ دیوار کی طرف کھڑے ہوئے اور عصا مبارک سے اسے کھرچا پھر اپنے ہاتھوں کو دیوار پر رکھا اور اس سے چہرے اور بازوؤں کا مسح کیا پھر میرے سلام کا جواب دیا۔

اس حدیث کو امام بغوی نے "شرح السنہ میں" نقل کیا اور فرمایا یہ حدیث حسن ہے۔

یہ حدیث اس بات پر محمول ہے کہ وہ دیوار مباح ہو یا ایسے آدمی کی ملکیت ہو جس کی رضا معلوم ہو (کہ وہ اعتراض نہیں کرے گا)۔

فصل نمبر ۶

نبی اکرم ﷺ کا غسل

غسل کا لغوی معنیٰ اور حقیقت

لفظ غسل غین کے ضمہ (پیش کے ساتھ) غسل کرنے کا اسم ہے۔

کہا گیا ہے کہ جب اس سے پانی مراد ہو تو وہ غین کے ضمہ کے ساتھ ہوتا ہے لیکن مصدر میں ضمہ اور فتح (پیش اور زبر) دونوں جائز ہیں۔

یہ بھی کہا گیا کہ فتح (زبر) کے ساتھ مصدر ہے اور اغتسال یعنی غسل ضمہ کے ساتھ ہے۔

ایک قول یہ ہے کہ غسل فتح کے ساتھ غسل کرنے والے کے فعل کو کہتے ہیں اور ضمہ کے ساتھ وہ پانی ہے جس سے غسل کیا جاتا ہے اور کسرہ کے ساتھ جو چیز پانی کے ساتھ ملائی جاتی ہے جس طرح اشنان (ایک بوٹی ہے)۔

اور غسل کی حقیقت اعضاء پر پانی کو جاری کرنا ہے۔

جب کہ اغتسال کی حقیقت تمام اعضاء کو اس طرح دھونا کہ نیت کے ذریعے عبادت کو عادت سے ممتاز کیا جائے۔

فرضیتِ غسل کی دلیل

ناپاک آدمی پر غسل کے فرض ہونے کی دلیل اس آیت کریمہ سے معلوم ہوتی ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

وَإِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا. (المائدہ:٦) اور اگر تم جنبی ہو تو خوب پاک ہو جاؤ۔

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ وَلَا جُنُبًا اِلَّا عَابِرِىْ سَبِيْلٍ حَتّٰى تَغْتَسِلُوْا. (النساء:٤٣)

اور نماز کے قریب نہ جاؤ اس حال میں کہ تم نشے میں ہو حتیٰ کہ جان لو جو کچھ تم کہتے ہو اور نہ حالت جنابت میں مگر تم راستہ عبور کرنے والے ہو حتیٰ کہ غسل کرلو۔

پہلی آیت میں اجمال ہے اور وہ "فاطهروا" ہے جسے دوسری آیت میں "حتی تغتسلوا" (حتیٰ کہ غسل کرلو) کے الفاظ سے اسے بیان فرمایا اس کی تائید اللہ تعالیٰ کے اس قول سے ہوتی ہے جو حیض والی عورت کے بارے میں فرمایا:

وَلَا تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ فَاِذَا تَطَهَّرْنَ. (البقرہ:۲۲۲)

اوران کے قریب نہ جاؤ حتیٰ کہ وہ پاک ہو جائیں اور جب وہ پاک ہو جائیں (تو ان کے قریب جانے میں کوئی حرج نہیں)۔

اوراس طہارت کی تفسیر بالاتفاق غسل سے کی گئی ہے۔

اور نبی اکرم ﷺ اپنی ازواج مطہرات کے پاس ایک غسل کے ساتھ تشریف لے جاتے (یعنی آخر میں ایک بار غسل فرماتے) اسی کو امام مسلم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت سے نقل کیا ہے۔

حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ ایک دن اپنی ازواج مطہرات کے پاس تشریف لے گئے تو ان کے پاس بھی غسل فرمایا اور ان کے پاس بھی' فرماتے ہیں: میں نے عرض کیا یارسول اللہ! کیا آپ صرف آخر میں ایک بار غسل نہیں فرماتے؟ آپ نے فرمایا: یہ طریقہ زیادہ پاکیزگی اور طہارت کا باعث ہے۔ اس حدیث کو امام احمد' امام ابوداؤد اور امام نسائی رحمہم اللہ نے روایت کیا۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۲۱۹' مسند احمد ج ۶ ص ۸' السنن الکبریٰ ج ۱ ص ۲۰۴۔ ج ۷ ص ۱۹۲' المعجم الکبیر ج ۱ ص ۳۰۷)

علماء کرام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ دو مرتبہ یا دو بیویوں سے جماع کے درمیان غسل فرض نہیں البتہ جمہور نے وضو کرنا مستحب قرار دیا ہے۔

حضرت امام ابویوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں: وضو مستحب نہیں مالکیہ میں سے ابن حبیب نے اسے واجب قرار دیا ان کی دلیل یہ حدیث ہے:

اذا اتی احدکم اھلہ ثم اراد ان یعود فلیتوضا بینھما وضوء. (رواہ مسلم)

جب تم میں سے کوئی (عورت کے پاس) دوبارہ جانے کا ارادہ کرے تو اسے چاہیے کہ دونوں بار کے درمیان وضو کرے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث:۲۷' سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۲۲۰' سنن ترمذی رقم الحدیث:۱۴۱' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۵۱۷' المستدرک ج ۱ ص ۱۵۲' السنن الکبریٰ ج ۱ ص ۲۰۳۔ ۲۰۴۔ ج ۷ ص ۱۹۲' مجمع الزوائد ج ۴ ص ۲۹۵' کنزالعمال رقم الحدیث:۴۴۸۵۵)

بعض حضرات نے اس سے لغوی وضو مراد لیا ہے وہ فرماتے ہیں اس سے استنجاء کرنا مراد ہے۔

غسل کا طریقہ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

نبی اکرم ﷺ جب غسل جنابت کا ارادہ فرماتے تو ہاتھوں کو دھونے سے ابتدا کرتے پھر نماز کے وضو کی طرح وضو فرماتے پھر اپنی انگلیوں کو پانی میں داخل کر کے ان کے ساتھ بالوں کی جڑوں کا خلال کرتے (یعنی تر کرتے) اس کے بعد سر انور پر تین چلو پانی ڈالتے اور اس کے بعد پورے جسم پر پانی بہاتے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۲۴۸۔ ۲۶۲۔ ۲۷۲' سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۲۴۳)

یہ بھی احتمال ہے کہ ہاتھوں کو اس لئے دھوتے ہوں کہ ان کے ذریعے پاکیزگی حاصل کی جاتی ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ سونے سے بیدار ہونے کی صورت میں غسل کا شرعی طریقہ یہی ہو۔

اس حدیث میں ابن عیینہ کا اضافہ جو ابن ہشام سے روایت کیا اس بات پر دلالت کرتا ہے اس میں "برتن میں داخل کرنے سے پہلے" کے الفاظ کا اضافہ ہے۔

امام شافعی اور امام ترمذی رحمہما اللہ نے بھی اس اضافے کے ساتھ یہ حدیث روایت کی ہے امام ترمذی نے یہ اضافہ بھی نقل کیا کہ پھر استنجاء فرماتے اور امام مسلم اور امام ابوداؤد رحمہما اللہ نے بھی اسی طرح نقل کیا۔

اور یہ زیادتی بہت اچھی ہے کیونکہ شرمگاہ کو پہلے دھونے سے غسل کے دوران شرمگاہ کو ہاتھ لگانے سے بچ جاتا ہے۔ ؎۱

اور ہو سکتا ہے کہ غسل سے پہلے وضو کے ساتھ ابتدا کرنا مستقل سنت ہو کہ باقی جسم کے ساتھ وضو کے اعضاء کو دھونا واجب ہو اور یہ بھی احتمال ہے کہ وضو میں ہاتھوں کو دھونے پر اکتفاء کیا جائے اور دوبارہ نہ دھوئے جائیں تو اس طرح پہلے عضو میں غسل جنابت کی نیت کرنا ضروری ہوگی۔ ؎۲

وضو کے اعضاء کو مقدم کرنے کی وجہ یہ ہے کہ ان کو شرف حاصل ہے نیز اس لئے کہ دونوں طہارتوں یعنی طہارت صغریٰ اور طہارت کبریٰ کی صورت حاصل ہو جائے۔

ابن بطال نے اس بات پر اجماع نقل کیا ہے کہ غسل کے ساتھ وضو واجب نہیں۔

لیکن یہ بات رد کی گئی ہے کیونکہ ایک جماعت جس میں ابو ثور اور داؤد وغیرہ بھی ہیں اس بات کی طرف گئے ہیں کہ بے وضو آدمی کے لئے غسل وضو کے قائم مقام نہیں ہو سکتا۔ ؎۳

حدیث میں جو بالوں میں خلال کا ذکر آیا تو اس سے سر کے بال مراد ہیں اور اس پر حماد بن سلمہ کی ہشام سے روایت جو امام بیہقی نے نقل کی ہے دلالت کرتی ہے اس میں ہے کہ آپ سر انور کی دائیں طرف خلال فرماتے اور انگلیوں کو بالوں کی جڑوں تک لے جاتے پھر بائیں جانب اسی طرح کرتے۔

قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس سے بعض حضرات نے غسل کے دوران داڑھی کے بالوں کا خلال کرنے پر استدلال کیا ہے یا تو "اصول الشعر" (بالوں کی جڑوں تک) کے الفاظ کے عموم سے یا سر کے بالوں پر قیاس کرتے ہوئے۔

خلال کرنے کا فائدہ بالوں اور چہرے تک پانی پہنچانا ہے اور بالوں کا ہاتھوں سے تعلق قائم کرنا ہے تاکہ پانی کے ساتھ بالوں کو گھیر لیا جائے اور یہ خلال بالاتفاق واجب نہیں ہے البتہ بالوں پر کوئی چیز مہندی وغیرہ لگی ہوئی ہو جو پانی کے بالوں کی جڑوں تک پہنچنے میں رکاوٹ ہو (تو یہ خلال ضروری ہے)۔ (فتح الباری ج ا ص ۴۷۷)

؎۱ بعض ائمہ کرام کے نزدیک شرمگاہ کو ہاتھ لگانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے یہ گفتگو اس حوالے سے فرمائی گئی ہے لیکن احناف کے نزدیک شرمگاہ کو ہاتھ لگانے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ تفصیل کتب فقہ میں ملاحظہ کیجئے۔ ۱۲ ہزاروی۔

؎۲ احناف کے نزدیک غسل جنابت کی نیت ضروری نہیں ہے۔ ۱۲ ہزاروی

؎۳ ہمارے نزدیک غسل میں وضو کرنا سنت ہے اور اس وضو کے بعد دوبارہ وضو کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ ۱۲ ہزاروی

اعضاء کا ملنا

اعضاء کو ملنے کے وجوب میں اختلاف ہے اور اکثر حضرات اسے واجب قرار نہیں دیتے۔
حضرت مالک اور مزنی سے اس کا وجوب منقول ہے۔ ابن بطال نے اس پر اس بات سے استدلال کیا ہے کہ غسل کے وقت وضو کے اعضاء پر ہاتھ پھیرنے کے وجوب پر اجماع ہے پس اس پر قیاس کرتے ہوئے غسل میں بھی واجب ہوگا کیونکہ دونوں میں کوئی فرق نہیں۔
اس پر اعتراض کیا گیا کہ جو لوگ ملنے کو واجب قرار نہیں دیتے وہ اس بات کو جائز قرار دیتے ہیں کہ ہاتھ کو پھیرنے کی بجائے پانی میں ڈالا جائے لہٰذا اجماع باطل ہو گیا اور لزوم کی نفی ہو گئی۔

غسل میں اعضاء کو تین بار دھونا

اس حدیث میں تین چلو کا ذکر ہے جو اس بات پر دلالت ہے کہ غسل میں تین بار پانی ڈالنا مستحب ہے۔
امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ہمیں اس سلسلے میں اختلاف معلوم نہیں مگر ماوردی نے انفرادیت اختیار کی انہوں نے فرمایا کہ غسل میں تکرار مستحب نہیں ہے۔
حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے ''فتح الباری میں'' ذکر کیا جس کا خلاصہ میں نے ذکر کیا میں کہتا ہوں شیخ ابوعلی السنجی (یا نجی) نے بھی اسی طرح فرمایا نیز قرطبی نے بھی یہی فرمایا۔
اور حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ کے غسل کے لئے پانی رکھا گیا تو آپ نے اپنے ہاتھوں کو دو یا تین بار دھویا پھر اپنے ہاتھ پر پانی ڈال کر شرمگاہ کو دھویا پھر ہاتھ کو زمین پر ملا اس کے بعد کلی کی اور ناک میں پانی چڑھایا اور اپنا چہرہ اور ہاتھ دھوئے اس کے بعد اپنے جسم پر پانی ڈالا پھر اس جگہ سے ہٹ کر پاؤں مبارک دھوئے۔ اس حدیث کو امام بخاری رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۴۵)
اس حدیث میں گنتی کے ساتھ مقید نہیں کیا گیا بس اسے اس پر محمول کیا جائے جسے کم از کم غسل کہا جا سکے اور وہ ایک بار ہے کیونکہ اصل یہ ہے کہ ایک سے زائد نہ ہو۔
اس حدیث سے یہ بات ثابت ہوئی کہ غسل جنابت میں کلی کرنا اور ناک میں پانی چڑھانا جائز ہے کیونکہ اس میں ہے کہ آپ نے کلی کی اور ناک میں پانی چڑھایا۔ احناف نے ان دونوں باتوں کو واجب قرار دیا اور اس حدیث سے استدلال کیا۔ [1]
لیکن اس پر یہ اعتراض ہوا کہ محض فعل وجوب پر دلالت نہیں کرتا مگر یہ کہ مجمل کا بیان ہو تو اس سے وجوب متعلق ہو جائے گا لیکن یہ ایسی بات نہیں ہے۔

پاؤں کو آخر میں دھونا

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے ہی مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے نماز کے وضو جیسا وضو کیا البتہ پاؤں کو چھوڑ دیا

[1] غسل جنابت کے حوالے سے قرآن مجید میں ''فاطھروا'' کے الفاظ آئے ہیں جس کا مطلب خوب پاک ہونا ہے اور جب تک کلی کرنا اور ناک میں پانی چڑھانا نہ پایا جائے خوب پاک ہونے کی صورت پیدا نہ ہوگی اس لئے یہ ضروری ہے۔ ۱۲ ہزاروی

اور شرمگاہ کو دھویا اور جو کچھ اس سے لگا ہوا تھا پھر اپنے اوپر پانی ڈالا اس کے بعد اپنے پاؤں کو وہاں سے ہٹایا اور ان کو دھویا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۴۹۔ ۲۵۷۔ ۲۶۶۔ ۲۷۶۔ ۲۸۱' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۶۰۷' سنن نسائی رقم الحدیث: ۲۲۔۱۳۰' مسند احمد ج ۶ ص ۲۳۷۔ ۳۳۶)

اس حدیث میں واضح ہے کہ غسل کے وضو میں پاؤں کو آخر میں دھویا جائے اور یہ بات حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت کے ظاہر کے خلاف ہے۔

لیکن دونوں روایتوں کو یوں جمع کیا جاسکتا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت کو مجاز پر محمول کیا جائے یا کسی دوسری حالت پر محمول کیا جائے تو ان دونوں حالتوں کے اختلاف کی وجہ سے علماء کی نظر میں اختلاف ہوا۔

جمہور اس طرف گئے ہیں کہ پاؤں کو دھونے کی تاخیر مستحب ہے اور امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں اگر وہ جگہ پاک نہ ہو تو تاخیر مستحب ہے ورنہ پہلے دھونا مستحب ہے۔ شافعی مسلک والوں کے نزدیک افضلیت میں دو قول ہیں امام نووی فرماتے ہیں زیادہ صحیح اور زیادہ مشہور اور زیادہ پسندیدہ یہ ہے کہ وضو کو مکمل کرے (اگر وہاں پانی نہ ٹھہرتا ہو تو پہلے بھی دھو سکتے ہیں)۔ (فتح الباری ج ا ص ۳۷۷)

غسل کے وضو میں سر کا مسح نہ کیا جائے

اس حدیث کے کسی طریق میں اس وضو میں سر کے مسح پر واضح حکم نہیں ہے اور مالکی فقہ والوں نے اس سے استدلال کرتے ہوئے فرمایا کہ غسل کے لئے کئے جانے والے وضو میں سر کا مسح نہ کیا جائے بلکہ اسے دھونے پر اکتفا کیا جائے۔

حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

اما انا فافیض علی راسی ثلاثا واشار بیدیہ کلتیھما.

جہاں تک میرا تعلق ہے تو میں اپنے سر پر تین بار پانی بہاتا ہوں اور آپ نے دونوں ہاتھوں سے اشارہ فرمایا۔

(سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۲۳۹' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۵۷۵' مسند احمد ج ۴ ص ۳۰۲۔ ج ۴ ص ۸۵' السنن الکبریٰ ج ا ص ۱۷۶۔۱۷۷' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۵۹' جمع الجوامع رقم الحدیث: ۲۳۰۹' المعجم الکبیر ج ۲ ص ۱۱۲۔۱۱۳' کنز العمال رقم الحدیث: ۲۷۳۵۱۔ ۲۷۳۸۱)

"صحیح بخاری میں ہی" حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں نماز کے لئے اقامت کہی گئی اور کھڑے ہونے کی صورت میں صفیں درست کر دی گئیں تو رسول اکرم ﷺ ہماری طرف تشریف لائے جب آپ مصلّے پر کھڑے ہوئے تو جنبی ہونا یاد آیا آپ نے فرمایا: تم لوگ اپنی جگہ ٹھہرو پھر واپس تشریف لے گئے اور غسل کر کے ہمارے پاس تشریف لائے اور آپ کے سر انور سے قطرے ٹپک رہے تھے چنانچہ آپ نے تکبیر فرما کر ہمیں نماز پڑھائی۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۵۷۔۱۵۸' سنن نسائی ج ۲ ص ۸۱۔۸۹' سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۲۳۵' مسند احمد ج ۲ ص ۲۳۷۔۲۸۳۔ ۵۱۸۔ ج ۵ ص ۴۱' السنن الکبریٰ ج ۲ ص ۳۹۸' مصنف عبد الرزاق رقم الحدیث: ۳۶۳۳' نصب الرایہ ج ا ص ۸۹)

حدیث میں لفظ "ذکر" ہے جو تذکر یعنی آپ کو یاد آیا کے (معنی) میں ہے اور آپ تشریف لے گئے زبان سے کچھ نہیں فرمایا راوی کو قرائن کے ذریعے علم ہوا یا بعد میں آپ نے بتایا کہ آپ کیوں تشریف لے گئے تھے۔

اور تکبیر کہنے کا جو ذکر ہے کہ تکبیر کہہ کر نماز پڑھائی اس کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلی اقامت پر اکتفاء فرمایا پس اس سے استدلال کیا جاسکتا ہے کہ اقامت اور نماز شروع کرنے میں زیادہ وقفہ جائز ہے۔[1]

اعضاء کو خشک کرنے کا حکم

"صحیح بخاری میں" حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی روایت منقول ہے فرماتی ہیں: میں نے نبی اکرم ﷺ کے غسل کے لئے پانی رکھا اور کپڑے کے ساتھ پردہ کیا آپ نے اپنے ہاتھوں پر پانی ڈال کر ان کو دھویا پھر اپنے دائیں ہاتھ سے بائیں ہاتھ پر ڈالا اور استنجاء کیا اس کے بعد ہاتھ مبارک کو زمین پر مار کر اس کو زمین پر ملا پھر دھویا' کلی کی اور ناک میں پانی چڑھایا اور چہرے اور بازوؤں کو دھویا پھر سر انور پر پانی ڈالا اور اپنے تمام جسم پر پانی بہایا پھر اس جگہ سے ہٹ کر پاؤں کو دھویا میں نے آپ کو کپڑا دیا تو آپ نے نہ لیا اور ہاتھوں کو جھاڑتے ہوئے چلے گئے۔ (سنن ابوداود رقم الحدیث: ۲۴۵)

بعض حضرات نے حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے اس قول سے کہ "میں نے آپ کو کپڑا دیا تو آپ نے نہ لیا" غسل کے بعد جسم کو خشک کرنے کی کراہت پر استدلال کیا ہے۔

لیکن اس میں ان کے لئے کوئی حجت نہیں کیونکہ یہ ایک حالت کا وقوع ہے جس میں کئی احتمال ہیں' ہوسکتا ہے کسی دوسری وجہ سے کپڑا نہ لیا ہو خشک کرنے کی کراہت سے تعلق نہ ہو بلکہ کوئی ایسی بات ہو جس کا تعلق اس کپڑے سے ہو یا کوئی اور بات ہو۔

مہلب (بن احمد بن ابی صفرہ تمیمی اندلسی متوفی ۴۳۳ھ) فرماتے ہیں ہوسکتا ہے آپ نے کپڑا اس لئے نہ لیا ہو کہ انگلیوں کی رطوبت کی برکت باقی رہے یا تواضع کے طور پر ایسا کیا ہو یا ممکن ہے کپڑے میں ریشم یا میل وغیرہ دیکھی ہو۔ (کشف الظنون ج ۱ ص ۵۲۵)

اس حدیث کے سلسلے میں امام احمد حضرت اعمش سے نقل کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں: میں نے حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ سے یہ بات ذکر کی تو انہوں نے فرمایا رومال میں کوئی حرج نہیں آپ نے اسے اس لئے نہ لیا کہ کہیں عادت نہ بن جائے۔

حضرت تیمی اس کی شرح میں فرماتے ہیں: اس حدیث میں اس بات پر دلیل ہے کہ نبی اکرم ﷺ جسم خشک کرتے تھے اگر ایسا نہ ہوتا تو حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا رومال پیش نہ کرتیں۔ (کشف الظنون ج ۱ ص ۵۲۵)

ابن دقیق العید فرماتے ہیں آپ کا ہاتھوں سے پانی جھاڑنا اس بات پر دلالت ہے کہ خشک کرنے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ یہ دونوں عمل پانی کے ازالہ کے لئے ہیں۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ہمارے اصحاب (شافعی مسلک والوں) نے اس میں پانچ وجوہ پر اختلاف کیا جن میں سے سب سے زیادہ مشہور یہ ہے کہ تولیہ وغیرہ استعمال نہ کرنا مستحب ہے' مکروہ بھی کہا گیا محض جائز بھی کہا گیا' مستحب

---

[1] امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ بات معمولی وقفہ پر محمول ہے اگر وقت زیادہ ہو جائے تو تکبیر دوبارہ پڑھنا ہوگی اور اس حدیث میں وقت کے کم ہونے پر دلالت یہ ہے کہ آپ نے فرمایا اپنی جگہ کھڑے رہو اور یہ کہ آپ تشریف لائے اور پانی کے قطرے گر رہے تھے۔ (زرقانی ج ۷ ص ۲۷۸)

ہونے کا قول بھی کیا گیا اور یہ بھی کہا گیا کہ گرمیوں میں مکروہ ہے سردیوں میں مباح ہے۔

اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ ہاتھوں سے غسل کا پانی جھاڑنا جائز ہے اسی طرح وضو کا پانی بھی لیکن اس سلسلے میں ایک ضعیف حدیث ہے جسے امام رافعی وغیرہ نے نقل کیا ہے اس کے الفاظ اس طرح ہیں:

لا تنفضو ایدیکم فی الوضوء فانها مراوح الشیطان. وضو میں اپنے ہاتھوں کو نہ جھاڑو بے شک یہ شیطانی پنکھے ہیں۔

ابن صلاح نے کہا کہ میں نے اسے نہیں پایا امام نووی رحمہ اللہ نے بھی ان کی اتباع کی ہے۔

سونے سے پہلے جنابت سے وضو کرنا

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: نبی اکرم ﷺ جب آرام فرمانے کا ارادہ کرتے اور آپ حالتِ جنابت میں ہوتے تو اپنی شرمگاہ کو دھوتے اور نماز کے وضو جیسا وضو کرتے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۸۸)

اس میں ان لوگوں کا رد ہے جو اس وضو سے محض پاکیزگی حاصل کرنا مراد لیتے ہیں۔

نماز جیسا وضو کے الفاظ سے شرعی وضو مراد ہے لغوی وضو (محض ہاتھ دھونا اور کلی کرنا) مراد نہیں یہ مطلب نہیں کہ آپ نماز کے لئے وضو فرماتے (اس کے لئے غسل ضروری تھا)۔

اس میں حکمت یہ تھی کہ حدث کم ہو خصوصاً اس قول کے مطابق کہ جماع اور غسل کے درمیان تفریق ہو سکتی ہے (یعنی فوری طور پر ضروری نہیں) پس آپ اس کی نیت کرتے تو ان مخصوص اعضاء سے حدث اٹھ جاتا صحیح بات یہی ہے۔

اس کی تائید حضرت ابن ابی شیبہ کی روایت سے ہوتی ہے جس کے راوی ثقہ ہیں وہ حضرت شداد بن اوس صحابی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا:

اذا اجنب احدکم من اللیل ثم اراد ان ینام فلیتوضأ فانه نصف غسل الجنابة. جب تم میں سے کوئی ایک رات کے وقت جنبی ہو جائے پھر سونے کا ارادہ کرے تو وضو کر لے یہ غسلِ جنابت کا نصف ہے۔

کہا گیا ہے کہ اس میں حکمت یہ ہے کہ یہ دو طہارتوں میں سے ایک ہے پس اس بنیاد پر تیمم اس کے قائم مقام ہوگا۔

امام بیہقی رحمہ اللہ نے حسن سند کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ جب حالتِ جنابت میں ہوتے اور آرام فرمانے کا ارادہ کرتے تو وضو کرتے یا تیمم فرماتے۔

یہ بھی احتمال ہے کہ یہاں تیمم پانی کی تنگی کی وجہ سے ہو اس کے علاوہ بھی کہا گیا۔ (فتح الباری سے خلاصہ مکمل ہوا)۔

دوسری نوع

نبی اکرم ﷺ کی نماز کا ذکر

تمہید عام

نماز کے ذریعے بندگی کی حقیقت حاصل ہوتی ہے اور ربوبیت کا حق ادا ہوتا ہے باقی تمام عبادات نماز کے اسرار کو ثابت کرنے کے لئے وسائل ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے نمازی کے لئے ہر رکعت میں وہ تمام باتیں جمع کردی ہیں جو آسمان والوں پر جدا جدا لازم ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے بعض فرشتے اس وقت سے رکوع میں ہیں جب سے اللہ تعالیٰ نے ان کو پیدا فرمایا وہ قیامت تک رکوع سے نہیں اٹھیں گے اسی طرح سجدے' قیام اور قعدے کا معاملہ ہے۔

اسی طرح نماز میں وہ تمام عبادات جمع کردی ہیں جو اس کے غیر میں جمع نہیں ہیں۔ ان میں طہارت ہے' خاموشی ہے' قبلہ رخ ہونا' تکبیر سے آغاز' قرأت' قیام' رکوع' سجدہ' رکوع میں تسبیح' سجدے میں دعا (تسبیح) وغیرہ ہے۔

تو نماز متعدد عبادات کا مجموعہ ہے کیونکہ ذکر مستقل عبادت ہے' قرأت بھی الگ عبادت ہے اسی طرح نماز کا ہر فرد مستقل عبادت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو نماز کا حکم دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

اُتْلُ مَآ اُوْحِیَ اِلَیْکَ مِنَ الْکِتٰبِ وَاَقِمِ الصَّلٰوۃَ. (العنکبوت:۴۵) آپ کی طرف کتاب سے جو وحی کی گئی اسے پڑھیں اور نماز قائم کریں۔

اور ارشاد خداوندی ہے:

وَاْمُرْ اَھْلَکَ بِالصَّلٰوۃِ وَاصْطَبِرْ عَلَیْھَا. (طٰہٰ:۱۳۲) اور اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم دیں اور اس پر صبر کریں۔

جس طرح ابن عطاء اللہ کی کتاب ''التنویر فی اسقاط التدبیر'' میں بتایا گیا۔ (کشف الظنون ج ۱ ص ۵۰۲)

اللہ تعالیٰ اس کی مدد سے ہمیں متمتع فرمائے' اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ نماز میں تکلیف اور مشقت ہے کیونکہ یہ لوگوں کی مشغولیت کے وقت پڑھی جاتی ہے پس ان کو حکم دیا جاتا ہے کہ وہ کام کاج چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑے ہو جائیں اور غیر خدا سے اللہ تعالیٰ کے لئے فارغ ہو جائیں۔ اسی لئے ارشاد فرمایا:

وَاصْطَبِرْ عَلَیْھَا. (طٰہٰ:۱۳۲) اس پر صبر کیجئے۔

وہ فرماتے ہیں نماز میں کھڑے ہونا بندگی کی تکالیف سے ہے اور اس کے لئے قیام بشری تقاضوں کے خلاف ہے اس بات پر یہ آیت دلالت کرتی ہے:

وَاسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوۃِ وَاِنَّھَا لَکَبِیْرَۃٌ اِلَّا عَلَی الْخٰشِعِیْنَ. (البقرہ:۴۵) اور صبر و نماز کے ذریعے مدد طلب کرو اور یہ البتہ بھاری ہے مگر خشوع و خضوع کرنے والوں پر۔

پس صبر اور نماز کو ملانے سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ نماز میں صبر کی حاجت ہوتی ہے اس کے اوقات کی پابندی پر صبر اس کی سنتوں اور واجبات کو قائم کرنے پر صبر اور ایسا صبر جو دلوں کو غفلت سے روکے اسی لئے اس کے بعد ارشاد فرمایا:

وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخَاشِعِيْنَ○ (البقرہ:۴۵) اور بے شک یہ بھاری ہے سوائے خشوع کرنے والوں کے۔

تو نماز کا ذکر الگ کیا اور صبر کا ذکر الگ نہیں کیا اس لئے کہ اگر ایسا ہوتا (صبر مراد ہوتا) تو ''وانہ لکبیر'' ہوتا (یعنی انھانہ ہوتا بلکہ مذکر کی ضمیر ہوتی) پس یہ الفاظ اس بات پر دلالت کرتے ہیں جو ہم نے کہی (نماز کا گراں ہونا) یا اس لئے کہ صبر اور نماز ایک دوسرے سے ملے ہوئے اور باہم لازم ہیں پس ان میں سے ایک بعینہ دوسری چیز ہے۔ جس طرح دوسری آیت میں فرمایا:

وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اَحَقُّ اَنْ يُّرْضُوْهُ (التوبہ:۶۲) اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ زیادہ حق رکھتے ہیں کہ ان کو راضی کریں۔

''کتاب التنویر سے'' تلخیص مکمل ہوئی۔

پھر اس سلسلے میں کلام پانچ اقسام میں منقسم ہے۔

پہلی قسم

فرائض اور ان کے متعلقات

اس میں کئی ابواب ہیں۔

پہلا باب:

پانچ نمازیں

اس میں کئی فصول ہیں۔

فصل نمبر ۱

فرضیتِ نماز

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: معراج کی رات نبی اکرم ﷺ پر پچاس نمازیں فرض کی گئیں پھر کم ہوتی گئیں حتیٰ کہ پانچ رہ گئیں پھر پکارا اے محمد! (ﷺ) میرے قول میں تبدیلی نہیں ہوتی آپ کے لئے ان

پانچ کے بدلے پچاس ہیں (یعنی پچاس نمازوں کا ثواب ملے گا)۔

امام ترمذی نے اسے اسی طرح مختصر روایت کیا اور امام بخاری و مسلم نے طویل حدیث کے ضمن میں نقل کیا جو معراج شریف کے بیان میں اپنے مباحث کے ساتھ مذکور ہو چکی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے تمہارے نبی ﷺ کی زبان پر حالت اقامت میں چار' سفر میں دو اور خوف کی حالت میں ایک رکعت فرض کی ہے۔ اس حدیث کو امام مسلم' ابوداؤد اور نسائی نے نقل کیا۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۲۴۷)

''حالت خوف میں ایک رکعت'' کا مطلب یہ ہے کہ ایک رکعت امام کے ساتھ اور دوسری الگ پڑھے (ورنہ محض ایک رکعت نماز کو حضور ﷺ نے بتیرا (دم کٹی) نماز قرار دیا)۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے (فرماتی ہیں) اللہ تعالیٰ نے جب نماز فرض کی تو دو' دو رکعتیں فرض فرمائی پھر اسے حالتِ اقامت میں چار رکعتوں کی صورت میں پورا کیا اور سفر کی نماز کو پہلی فرضیت (دو رکعتوں) پر برقرار رکھا۔ اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے ''ہی کتاب الہجرۃ میں'' معمر کے طریق سے نقل کیا وہ حضرت زہری سے وہ حضرت عروہ سے اور وہ حضرت عائشہ (رضی اللہ عنہم) سے روایت کرتے ہیں کہ نماز دو' دو رکعتوں کی صورت میں فرض ہوئی پھر نبی اکرم ﷺ نے ہجرت فرمائی تو چار رکعتیں فرض ہوئیں۔

اس روایت سے اس بات کا تعین ہو گیا کہ پہلی روایت میں حالت اقامت کی نماز میں جس اضافے کا ذکر ہے وہ مدینہ طیبہ میں واقع ہوا۔

حنفی فقہاء نے اس حدیث کے ظاہر سے استدلال کیا اور اسے اپنے مسلک کی بنیاد قرار دیا کہ سفر میں قصر عزیمت ہے' رخصت نہیں (مطلب یہ کہ اصل ہے لہٰذا قصر ضروری ہے ایسا نہیں کہ اسے دو اور چار رکعتوں میں اختیار دیا گیا ہو۔ ۱۲ ہزاروی)۔

ان (احناف) کے مخالفین نے اللہ تعالیٰ کے اس قول سے استدلال کیا ہے:

فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوةِ. (النساء: ۱۰۱) — تم پر کوئی حرج نہیں کہ تم نماز میں قصر کرو۔

(وہ کہتے ہیں) حرج کی نفی عزیمت پر دلالت نہیں کرتی اور قصر کسی ایسی چیز سے ہوتی ہے جو اس کے مقابلے میں طویل ہو۔

ان کے رخصت ہونے پر نبی اکرم ﷺ کا یہ ارشاد گرامی بھی دلالت کرتا ہے آپ نے فرمایا:

صدقة تصدق الله بها عليكم فاقبلوا صدقته. — یہ صدقہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے تمہیں عطا کیا پس اس کے صدقہ کو قبول کرو۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۴' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۱۹۹-۱۲۰۹' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۰۳۴' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۰۶۵' سنن نسائی ج ۳ ص ۱۱۷' مسند احمد ج ۱ ص ۲۵-۳۶' السنن الکبریٰ ج ۳ ص ۱۴۱' مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۱۳۳۵' الدر المنثور ج ۲ ص ۲۰۹' شرح السنۃ ج ۱ ص ۵۸۶' کنز العمال رقم الحدیث: ۲۰۱۷۵)

اور حدیث میں جو آیا کہ نماز دو رکعتوں کے طور پر فرض ہوئی یعنی سفر میں تو اس کا معنی یہ ہے کہ جو ان دو پر اکتفا کرنا چاہے (وہ ایسا کرے) اس طرح روایات کو جمع کیا جاسکتا ہے۔[1]

یہ بات "المجموع" میں فرمائی ہے۔

فصل نمبر۲

نماز کے ان اوقات کا تعین جن میں نبی اکرم ﷺ نے نماز پڑھی

اوقاتِ نماز

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تاکہ آپ کو نماز کے اوقات بتائیں پس حضرت جبریل علیہ السلام آگے بڑھے اور نبی اکرم ﷺ ان کے پیچھے تھے جب کہ باقی لوگ آپ کے پیچھے تھے انہوں نے ظہر کی نماز پڑھائی جب سورج ڈھل گیا پھر آپ کے پاس اس وقت آئے جب سایہ ان کے اصلی سایہ کی ایک مثل ہوگیا۔

پس اسی طرح کیا جس طرح پہلے کیا تھا حضرت جبریل علیہ السلام آگے بڑھے ان کے پیچھے نبی اکرم ﷺ اور آپ کے پیچھے لوگ تھے پس عصر کی نماز پڑھی پھر حضرت جبریل علیہ السلام غروب آفتاب کے وقت آئے اور آگے بڑھے نبی اکرم ﷺ ان کے پیچھے اور لوگ آپ کے پیچھے تھے چنانچہ مغرب کی نماز پڑھی پھر حضرت جبریل علیہ السلام اس وقت آئے جب شفق غائب ہوگئی حضرت جبریل علیہ السلام آگے بڑھے رسول اکرم ﷺ ان کے پیچھے اور لوگ آپ کے پیچھے تھے پس نماز عشاء پڑھی پھر جب فجر پھوٹ گئی تو حاضر ہوکر آگے بڑھے نبی اکرم ﷺ ان کے پیچھے اور لوگ آپ کے پیچھے تھے چنانچہ فجر کی نماز پڑھی۔

پھر دوسرے دن اس وقت حاضر ہوئے جب آدمی کا سایہ اس کی ایک مثل ہو جاتا ہے تو کل کی طرح کیا اور ظہر کی نماز پڑھی پھر اس وقت آئے جب آدمی کا سایہ اس کی دو مثل ہو جاتا ہے چنانچہ کل کی طرح کیا اور عصر کی نماز پڑھی پھر غروب آفتاب کے وقت آئے اور کل کی طرح عمل کیا اور مغرب کی نماز پڑھی پھر شفق غائب ہونے پر آئے اور کل کی طرح عمل کرتے ہوئے عشاء کی نماز پڑھی پھر اس وقت حاضر ہوئے جب فجر پھیل گئی اور صبح ہوگئی۔ اور کل کی طرح عمل کرتے ہوئے فجر کی نماز پڑھائی پھر فرمایا ان دو وقتوں کے درمیان (نماز کا) وقت ہے۔

اس حدیث کو امام نسائی رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے۔

---

[1] حدیث میں قصر کو صدقہ قرار دینا اسی بات کی دلیل ہے کہ دو رکعتوں پر اکتفا ضروری ہے ورنہ صدقہ قبول نہ کرنے کا گناہ لازم ہوگا اسی لئے احناف کے نزدیک دو رکعتیں پڑھنا عزیمت ہے' رخصت نہیں جہاں تک "لا جناح" کے الفاظ کا تعلق ہے تو وہ صفا مروہ کے درمیان سعی کے بارے میں بھی آئے ہیں حالانکہ سعی واجب ہے۔۱۲ ہزاروی

ایک اور روایت میں ہے' فرماتے ہیں: رسول اکرم ﷺ تشریف لائے تو آپ نے ظہر کی نماز اس وقت پڑھی جب سورج ڈھل گیا اور سایہ تسمے کے برابر تھا پھر عصر کی نماز پڑھی جب سایہ تسمے کے برابر تھا اور آدمی کا سایہ اس کی مثل ہو گیا پھر مغرب کی نماز پڑھی جب سورج غروب ہو گیا پھر عشاء کی نماز پڑھی جب شفق غائب ہو گئی پھر فجر کی نماز فجر ہونے پر پڑھی پھر دوسرے دن (ظہر کی) نماز پڑھی جب سایہ آدمی کے قد کے برابر ہو گیا پھر عصر کی نماز پڑھی جب آدمی کا سایہ اس کی دو مثل ہو گیا پھر مغرب کی نماز پڑھی جب سورج غروب ہو گیا پھر عشاء کی نماز پڑھی جب رات کا ایک تہائی ہو گیا یا آدھی رات گزر گئی' ایک راوی کو شک ہے پھر فجر کی نماز سفیدی میں پڑھی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: حضرت جبریل علیہ السلام نے دو مرتبہ میری امامت کی پس مجھے پہلی مرتبہ ظہر کی نماز اس وقت پڑھائی جب سایہ تسمے کی مثل تھا پھر عصر کی نماز پڑھی جب ہر چیز کا سایہ اس کی مثل ہو گیا پھر مغرب کی نماز اس وقت پڑھی جب سورج غروب ہو گیا اور روزہ دار نے روزہ افطار کر لیا پھر عشاء کی نماز شفق کے غروب ہونے پر پڑھی پھر فجر کی نماز پڑھی جب فجر چمک گئی اور روزہ دار پر کھانا حرام ہو گیا۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۹۳' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۱۹۳' مسند احمد ج ۱ص ۳۳۳_۳۵۴' السنن الکبریٰ ج ۱ص ۳۶۴_۳۶۶_۳۷۲' المعجم الکبیر ج ۱۰ص ۳۷۶' المستدرک ج ۱ص ۱۹۶' نصب الرایہ ج ۱ص ۲۲۱_۲۲۵_۲۲۷' الدر المنثور ج ۲ص ۲۱۵' سنن دارقطنی ج ۱ص ۲۵۷' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ص ۳۱۷' کنز العمال رقم الحدیث: ۱۵۲۵۵_۱۹۲۵۵)

اور دوسری مرتبہ ظہر کی نماز اس وقت پڑھائی جب ہر چیز کا سایہ اس کی ایک مثل ہو گیا جو پہلے دن عصر کا وقت تھا پھر عصر کی نماز پڑھائی جب ہر چیز کا سایہ اس کی دو مثل ہو گیا پھر مغرب کی نماز پہلے دن کی طرح اسی وقت میں پڑھائی پھر عشاء کی نماز اس وقت پڑھائی جب رات کا تہائی حصہ چلا گیا اس کے بعد صبح کی نماز پڑھائی جب سفیدی (روشنی) ہو گئی پھر حضرت جبریل علیہ السلام نے میری طرف متوجہ ہو کر فرمایا: اے محمد! ﷺ! یہ آپ سے پہلے کے انبیاء کرام کا وقت ہے اور آپ کا وقت ان دو وقتوں کے درمیان ہے۔

اور یہ فرمانا کہ ''ظہر کی نماز اس وقت پڑھائی جب ہر چیز کا سایہ اس کی ایک مثل ہو گیا'' تو اس کا مطلب یہ ہے کہ جب فارغ ہوئے تو یہ وقت تھا جس طرح پہلے دن عصر کی نماز شروع کرنے کا یہی وقت تھا اس طرح ان دونوں وقتوں (ظہر و عصر) میں اشتراک نہیں ہو گا اس پر ''صحیح مسلم کی'' حدیث دلالت کرتی ہے جس میں فرمایا: ظہر کا وقت وہ ہے جب سورج ڈھل جائے جب تک عصر کا وقت نہ ہو جائے۔

اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت میں جو آیا ہے کہ ''سورج ڈھلنے پر ظہر کی نماز پڑھی'' تو اس کا تقاضا یہ ہے کہ سورج ڈھلنے کے بعد ظہر کی نماز پڑھنا جائز ہے اور سائے کے تسمے کے برابر ہونے کا انتظار کرنا واجب یا مستحب نہیں ہے جس طرح ہمارے ائمہ کا اس پر اتفاق ہے اور اس پر صحیح روایات دلالت کرتی ہیں جہاں تک حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث کا تعلق ہے تو اس سے مراد یہ ہے کہ جب سورج ڈھل جاتا ہے تو اس وقت سایہ تسمے کی مثل ہو جاتا ہے یہ مطلب نہیں کہ سائے کے تسمے کی مثل ہونے تک نماز کو مؤخر کیا۔ ''مجموعہ (امام نووی رحمہ اللہ کی شرح المہذب)'' میں ''اسی طرح ذکر کیا ہے۔

معراج کی صبح اوقاتِ نماز

ابن اسحاق نے "المغازی میں" بیان کیا کہ جس رات نماز فرض ہوئی اور وہ شب معراج تھی' اس کی صبح جبریل علیہ السلام نے نماز پڑھائی۔ ان کے الفاظ یہ ہیں:

حضرت نافع بن جبیر اور دوسرے حضرات رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں: جب اس رات کی صبح ہوئی جس میں آپ کو سیر کرائی گئی تھی تو آپ حضرت جبریل علیہ السلام کی آمد پر خوف زدہ ہوئے وہ سورج ڈھلنے کے وقت آئے اسی لئے اس کو پہلی نماز کہا گیا یعنی ظہر کی نماز' نبی اکرم ﷺ نے اپنے صحابہ کرام میں اعلان کروایا کہ نماز کھڑی ہونے والی ہے چنانچہ وہ جمع ہوئے تو حضرت جبریل علیہ السلام نے نبی اکرم ﷺ کو نماز پڑھائی اور آپ نے اپنے صحابہ کرام کو نماز پڑھائی۔ اس کے بعد باقی حدیث ذکر کی۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۳۰۔۲۰' صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۰۲۶' سنن نسائی رقم الحدیث: ۵۔۱۰۔۱۲' مسند احمد ج ۲ ص ۹۳۔۱۶۱۔ ج ۳ ص ۸۳۔ ج ۵ ص ۲۹۹' السنن الکبریٰ ج ۱ ص ۳۶۲' مجمع الزوائد ج ۶ ص ۱۹۳۔ ج ۷ ص ۳۳۹' الدر المنثور ج ۶ ص ۵۶۔۱۲۲' اتحاف السادۃ المتقین ج ۱۰ ص ۲۹۳' مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۱۸۰۳۳' کنز العمال رقم الحدیث: ۳۰۲۳۲)

اس میں ان لوگوں کا رد ہے جو کہتے ہیں کہ اوقات کا بیان ہجرت کے بعد واقع ہوا اور حق یہ ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے ہجرت سے پہلے اوقات بیان کر دیئے تھے۔

اور اس کے بعد نبی اکرم ﷺ نے بیان فرمایا:

آپ نے "الصلاۃ جامعۃ" (نماز کھڑی ہونے والی ہے) کے الفاظ سے صحابہ کرام کو بلایا کیونکہ اس وقت تک اذان کا حکم نہیں تھا۔

اس حدیث سے استدلال کیا گیا کہ جو شخص کسی اور کی اقتداء کر رہا ہو اس کی اقتداء بھی ہو سکتی ہے۔

لیکن اس کا جواب اسی طرح دیا گیا جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے نبی اکرم ﷺ کے پیچھے کھڑے ہونے والے واقعہ کے بارے میں دیا گیا کہ صحابہ کرام' حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے پیچھے تھے تو یہ اس بات پر محمول ہے کہ وہ صرف آواز پہنچا رہے تھے جیسا کہ اس کی تقریر آئے گی ان شاء اللہ تعالیٰ۔

عصر اور مغرب کی نماز جلدی پڑھنا

نبی اکرم ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرۂ مبارکہ میں عصر کی نماز اس وقت پڑھی جب سایہ آپ کے حجرۂ مبارکہ سے ظاہر نہیں ہوا تھا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ عصر کی نماز پڑھتے اور سورج بلند واضح ہوتا پس جانے والا مدینہ طیبہ کی بلند بستی (عوالی) کی طرف جاتا اور ان کے پاس پہنچتا تو ابھی سورج بلند ہوتا بعض عوالی (بستیاں) مدینہ طیبہ سے چار میل کے فاصلہ پر تھیں۔

اس حدیث میں عصر کی نماز جلدی پڑھنے پر دلیل ہے کیونکہ چار میل کا فاصلہ طے کرنے کے بعد بھی سورج بلند ہوتا تھا اور سورج سے اس کی روشنی مراد ہے۔

حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ مغرب کی نماز پڑھتے جب سورج غروب ہو جاتا اور پردے کی اوٹ میں ہو جاتا۔

حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: ہم نبی اکرم ﷺ کے ہمراہ مغرب کی نماز پڑھتے پھر ہم میں سے ایک سلام پھیرتا تو اپنے تیر لگنے کی جگہ کو دیکھ لیتا۔

مطلب یہ ہے کہ جب وہ تیر پھینکتا تو اس کے لگنے کی جگہ کو دیکھتا اس حدیث کا تقاضا یہ ہے کہ مغرب میں جلدی کرتے اور اول وقت میں پڑھتے کہ جب فارغ ہوتے تو روشنی باقی ہوتی۔

حدیث میں نبل کا لفظ استعمال ہوا اور نبل عربی میں ''تیر'' کو کہتے ہیں۔

احوال کی رعایت کرنا

جب گرمی ہوتی تو نبی اکرم ﷺ (ظہر کی) نماز کو ٹھنڈی کر کے پڑھتے (گرمی کم ہونے پر پڑھتے) اور جب سردی ہوتی تو جلدی پڑھتے یہ حدیث امام نسائی رحمہ اللہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت سے نقل کی ہے۔

اور آپ عصر کو مؤخر کرتے جب تک دھوپ سفید چمک رہی ہوتی۔ اس حدیث کو امام ابوداؤد نے حضرت علی بن شیبان کی روایت سے نقل کیا ہے۔

اور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: جب کھانا حاضر ہو تو نماز مغرب سے پہلے اس کے کھانے میں جلدی کرو اور کھانا چھوڑ کر نماز کی جلدی نہ کرو۔[1]

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۷۲ نصب الرایہ ج ا ص ۲۳۱ السنن الکبریٰ ج ۳ ص ۷۳ اتحاف السادۃ المتقین ج ۳ ص ۹۳)

ایک روایت میں ہے کہ کھانے وغیرہ کی وجہ سے نماز کو مؤخر نہ کرو۔

نمازِ عشاء میں تاخیر

ایک رات نبی اکرم ﷺ نے نماز عشاء میں تاخیر فرمائی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آواز دی ''الصلوۃ'' (نماز کا وقت ہے) عورتیں اور بچے سو گئے نبی اکرم ﷺ باہر تشریف لائے تو فرمایا: تمہارے علاوہ کوئی بھی اس نماز کی انتظار نہیں کرتا۔ راوی نے کہا اس کا مطلب یہ ہے کہ اس دن مدینہ طیبہ میں (اس وقت) کوئی بھی نماز نہیں پڑھ رہا اور اہل مدینہ شفق (سفیدی) غائب ہونے کے بعد رات کی پہلی تہائی کے درمیان نماز عشاء پڑھتے تھے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۱۸ صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۶۶۔ ۵۶۹۔ ۸۶۳ مسند احمد ج ۶ ص ۲۳۲ السنن الکبریٰ ج ا ص ۳۷۴)

ایک روایت میں یہ اضافہ ہے کہ اسلام پھیلنے سے پہلے اس طرح تھا۔

ایک اور روایت میں ہے کہ آپ باہر تشریف لائے تو آپ کے سر انور سے پانی کے قطرے ٹپک رہے تھے آپ نے فرمایا:

[1] احادیث میں کوئی ٹکراؤ نہیں کیونکہ جس شخص کا دل کھانے کی طرف زیادہ متوجہ ہو اور اسے سخت بھوک لگی ہو وہ پہلے کھانا کھائے ورنہ پہلے نماز پڑھے۔ ۱۲ ہزاروی۔

لو لا ان اشق علی امتی او علی الناس لامرتهم بالصلاة فی هذه الساعة.

اگر میں اپنی امت پر یا (فرمایا:) لوگوں پر باعث مشقت نہ سمجھتا تو ان کو اس وقت (عشاء کی) نماز پڑھنے کا حکم دیتا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۵۷۱‘سنن ترمذی رقم الحدیث:۱۶۷‘سنن نسائی ج۱ص۲۶۶‘مسند احمد ج۱ص۲۲۱_۳۳۶_ج۲ص۲۸‘ السنن الکبریٰ ج۱ص۴۴۹‘المعجم الکبیر ج۱۱ص۱۸۰‘مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث:۲۱۱۲‘اتحاف السادۃ المتقین ج۲ص۳۵۰‘الدر المنثور ج۱ ص۱۱۳‘کنز العمال رقم الحدیث:۱۹۴۶۴_۱۹۴۶۶_۲۱۸۲۷)

امام ابوداؤد نے حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کی حدیث سے نقل کیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ باہر تشریف نہ لائے حتیٰ کہ نصف رات ہوگئی (پھر تشریف لائے) تو فرمایا: اپنی اپنی جگہوں پر رہو چنانچہ ہم اپنی اپنی جگہوں پر بیٹھے رہے تو آپ نے فرمایا بے شک لوگ نماز پڑھ کر اپنے اپنے بستروں میں جاچکے ہیں اور تم جب نماز کے منتظر رہے‘ مسلسل نماز میں رہے (یعنی ثواب ملتا رہا) اگر مجھے کمزور کی کمزوری اور بیمار کی بیماری کا ڈر نہ ہوتا تو میں اس نماز (نمازِ عشاء) کو آدھی رات تک مؤخر کر دیتا۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۴۲۲‘مسند احمد ج۳ص۵‘صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث:۳۴۵‘کنز العمال ۱۹۴۵۹_۲۱۸۵۱)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے (آپ نے فرمایا):

لو لا ان اشق علی امتی لامرتهم ان یؤخروا العشاء الی ثلث اللیل او نصفه.

اگر میں اپنی امت پر بھاری نہ جانتا تو انہیں (نماز) عشاء رات کی تہائی یا نصف تک مؤخر کرنے کا حکم دیتا۔

اس حدیث کو امام ترمذی رحمہ اللہ نے صحیح قرار دیا۔

اس بنیاد پر جو شخص اس نماز کو مؤخر کرنے پر قادر ہو اور اس پر نیند کا غلبہ نہ ہو اور جن کو حکم دیا جاتا ہے ان میں سے کسی پر بھی باعث مشقت نہ ہو تو اس کے حق میں تاخیر افضل ہے۔

امام نووی رحمہ اللہ نے ”شرح مسلم میں“ اس بات پر جزم فرمایا اور شافعی مسلک اور دیگر مسالک کے اکثر علمائے حدیث نے اسی بات کو اختیار کیا ہے۔

امام طحاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں (پہلی) تہائی (کے اختتام) تک (مؤخر کرنا) مستحب ہے۔ امام مالک اور امام احمد رحمہما اللہ نیز اکثر صحابہ کرام اور تابعین رضی اللہ عنہم نے یہی بات فرمائی ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ کا جدید قول بھی یہی ہے۔

حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کا پہلا قول یہ تھا کہ جلدی پڑھنا افضل ہے اسی طرح ”الاملاء“ میں فرمایا اور امام نووی رحمہ اللہ نے ایک جماعت کے ساتھ اسے صحیح قرار دیا اور ان حضرات نے فرمایا کہ پہلے اسی پر فتویٰ دیا جاتا تھا اس پر یہ اعتراض ہوا کہ املاء کا ذکر کیا گیا حالانکہ ”الاملاء“ آپ کی جدید کتب میں سے ہے۔

اور دلیل کے اعتبار سے تاخیر کرنے کی افضلیت مختار ہے۔ (فتح الباری میں یہ بات فرمائی ہے)۔

فصل نمبر۳

نبی اکرم ﷺ کی نماز کا طریقہ

پہلی نوع

نماز کا آغاز کیسے فرماتے؟

اقامت سنتے وقت

امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے روایت نقل کی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو اقامت کہتے ہوئے سنا جب انہوں نے "قد قامت الصلوۃ" کہا تو آپ نے فرمایا: "اقامھا اللہ وادامھا" اللہ تعالیٰ اسے قائم ودائم رکھے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۵۲۸، السنن الکبریٰ ج ۱ ص ۴۱۱، حلیۃ الاولیاء ج ۷ ص ۸۱، شرح السنہ ج ۲ ص ۲۸۸، مشکوٰۃ المصابیح للتبریزی رقم الحدیث: ۶۷۰، اتحاف السادۃ المتقین ج ۳ ص ۶، کنز العمال رقم الحدیث: ۲۱۰۲۳_۲۳۲۶۳)

تکبیر کے ساتھ نماز شروع کرنا

نبی اکرم ﷺ "اللہ اکبر" کہنے کے ساتھ نماز کو شروع فرماتے۔ اس حدیث کو امام عبدالرزاق رحمہ اللہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے نقل کیا ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا' وہ فرماتے ہیں: میں نے نبی اکرم ﷺ کو دیکھا آپ نے نماز کے شروع میں تکبیر کہی۔

ان دونوں حدیثوں سے استدلال کیا گیا کہ لفظ تکبیر (اللہ اکبر) ہی مقرر ہے اس کے علاوہ دیگر الفاظ تعظیم نہیں کہہ سکتے۔ یہ جمہور کا قول ہے اور حضرت امام ابو یوسف رحمہ اللہ نے بھی ان کی موافقت کی ہے۔

احناف سے منقول ہے کہ ہر وہ لفظ جس سے تعظیم مقصود ہو اس سے نماز کا آغاز ہو جاتا ہے۔

امام بزار رحمہ اللہ نے صحیح سند کے ساتھ امام مسلم کی شرط پر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ نبی اکرم ﷺ جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو "اللہ اکبر" کہتے' امام احمد اور امام نسائی نے حضرت واسع بن حبان سے روایت کیا کہ انہوں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے نبی اکرم ﷺ کی نماز کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا آپ جب بھی سر نیچے رکھتے اور اٹھاتے "اللہ اکبر" کہتے۔

یہ بات جاننی چاہیے کہ جمہور کے نزدیک تکبیر تحریمہ رکن ہے یہ بھی کہا گیا کہ شرط ہے اور احناف کا یہی مذہب ہے شافعی مسلک والوں کے نزدیک اس کی توجیہ کی گئی اور کہا گیا ہے کہ یہ سنت ہے یہ بات ابن منذر نے کہی اور امام زہری کے علاوہ اس (سنت ہونے) کا کوئی بھی قائل نہیں۔

نماز کی نیت کرنا

نماز میں نیت کے واجب ہونے میں کسی کا اختلاف نہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے ایمان کی بحث کے آخر میں فرمایا:

"باب ما جاء فی قوله عليه السلام الاعمال بالنية"

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۱ فتح الباری ج ۱ ص ۱۷۹ رقم الحدیث: ۵۴)

یہ بات نبی اکرم ﷺ کے اس ارشاد گرامی کے بارے میں ہے کہ اعمال کا تعلق نیت سے ہے پھر انہوں (امام بخاری) نے اس میں ایمان وضو نماز اور زکوٰۃ کو داخل کیا۔

ابن قیم نے "الھدی النبوی میں" کہا کہ نبی اکرم ﷺ جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو "اللہ اکبر" کہتے اور اس سے پہلے کچھ نہ فرماتے اور نیت الفاظ میں نہ کرتے اور یہ بھی نہ فرماتے ہیں کہ میں فلاں نماز پڑھ رہا ہوں' قبلہ رخ ہوں چار رکعتیں ہیں امامت' اقتدا' ادا' قضا اور وقت کے فرائض وغیرہ الفاظ نہ فرماتے۔

ابن قیم نے کہا یہ دس باتیں بدعت ہیں آپ سے کسی نے بھی نقل نہیں کیں نہ صحیح سند کے ساتھ نہ ضعیف سند سے نہ مسند اور نہ مرسل کسی طرح کوئی لفظ بالکل نقل نہیں کیا۔

بلکہ کسی صحابی سے بھی منقول نہیں ہے اور تابعین میں سے بھی کسی نے مستحب قرار نہیں دیا اور نہ ہی چاروں اماموں نے اس کو مستحب قرار دیا۔

اور امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا یہ روزے کی طرح نہیں پس اس میں کوئی بھی ذکر نہیں یعنی تکبیر تحریمہ کے بغیر داخل نہ ہو اور صرف یہی الفاظ کہے (یعنی اللہ اکبر) اور امام شافعی رحمہ اللہ ایسے کام کو کس طرح مستحب قرار دے سکتے ہیں جسے نبی اکرم ﷺ نے اور آپ کے کسی بھی صحابی نے کسی ایک نماز میں بھی نہیں کیا؟

اور "کتاب المناسک میں" امام شافعی رحمہ اللہ کی عبارت اس طرح ہے کہ اگر وہ دل سے احرام کی نیت کرے اور تلبیہ نہ کہے تو بھی کافی ہے اور یہ نماز کی طرح نہیں کیونکہ اس کے شروع میں بولنا واجب ہے۔ یہ اس کا واضح کلام ہے۔

حضرت شیخ ابو علی السنجی نے "شرح التلخیص میں" ابن الرفعہ نے "المطلب میں" اور الزرکشی نے "الدیباج میں" اور ان کے علاوہ دوسروں نے فرمایا کہ امام شافعی نے اس سے صرف تکبیر تحریمہ مراد لی ہے۔ ابن قیم کی عبارت مکمل ہوئی۔

خلاصہ یہ ہے کہ کسی نے بھی نبی اکرم ﷺ کا الفاظ کے ساتھ نیت کرنا نقل نہیں کیا اور نہ ہی آپ نے کسی صحابہ کو نیت کا تلفظ سکھایا اور نہ اس پر برقرار رکھا بلکہ آپ سے سنن میں منقول ہے کہ آپ نے فرمایا:

مفتاح الصلوة الطهور وتحريمها التكبير وتحليلها التسليم.	نماز کی چابی طہارت ہے اس کی تحریمہ تکبیر ہے اور اس کی تحلیل (باہر آنا) سلام پھیرنا ہے۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳-۲۳۸' مسند احمد ج ۱ ص ۱۲۳' سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۶۱' سنن دارمی ج ۱ ص ۱۷۵' سنن دار قطنی ج ۱ ص ۳۵۹-۳۷۹' مصنف عبد الرزاق رقم الحدیث: ۲۵۳۹' مجمع الزوائد ج ۲ ص ۱۰۴' الکامل فی الضعفاء ج ۳ ص ۱۳۲۸-ج ۶ ص ۲۳۰۵' التمہید ج ۹ ص ۱۸۵' المغنی ج ۱ ص ۱۲۵' الحلیہ ج ۷ ص ۱۲۴-ج ۸ ص ۳۷۲' کنز العمال رقم الحدیث: ۱۹۶۳۲)

صحیحین میں ہے جب نبی اکرم ﷺ نے درست انداز میں نماز نہ پڑھنے والے (خلاد بن رافع زرقی) کو نماز

سکھائی تو اس سے فرمایا:

اذا قمت الی الصلوة فکبر ثم اقرأ ما تیسر معک من القراٰن.

جب تم نماز کے لئے کھڑے ہو تو تکبیر کہو پھر قرآن مجید سے جو آسان لگے اس کی قرأت کرو۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۷۵۷۔۷۹۳' سنن ترمذی رقم الحدیث:۳۰۳' مسند احمد ج ۲ ص ۴۳۷' السنن الکبریٰ ج ۲ ص ۳۷۔۶۲' نصب الرایۃ ج ۱ ص ۳۶۷۔۳۶۶۔۳۷۷' اتحاف السادۃ المتقین ج ۳ ص ۱۰۰' کنز العمال رقم الحدیث:۱۹۶۲۵)

(اس میں) آپ نے تکبیر سے پہلے کسی عمل کے تلفظ کا حکم نہیں دیا۔

الفاظ کے ساتھ نیت کے قائلین سے مناقشہ

ہاں علماء کرام نے الفاظ کے ساتھ نیت کرنے میں اختلاف کیا ہے بعض لوگوں نے کہا کہ یہ بدعت ہے کیونکہ یہ عمل نبی اکرم ﷺ سے منقول نہیں ہے۔

دوسرے حضرات نے فرمایا یہ مستحب ہے کیونکہ یہ قلبی نیت کو حاضر کرنے میں مدد ہے اور زبان کے ساتھ ذکر ہے جس طرح یہ قلبی عبادت ہے اور جن افعال کی نیت کی جاتی ہیں وہ اعضاء کی عبادت ہے' شیخ تقی الدین سبکی اور حافظ عماد الدین بن کثیر نے اسی قسم کا جواب دیا ہے۔

ابن قیم نے ''الہدی النبوی'' کے علاوہ کتاب میں (زبان سے نیت کرنے کے) استحباب کے رد میں طویل کلام کیا اور بہت زیادہ استدلال کیا لیکن اس کے ذکر کرنے میں طوالت ہے جو ہمیں اپنے مقصود سے نکال دے گی خصوصاً جب کہ ہمارے اصحاب نے زبانی نیت کو مستحب قرار دیا ہے۔

بعض حضرات نے صحیحین کی روایت پر قیاس کیا ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے نبی اکرم ﷺ کو حج و عمرہ دونوں کا اکٹھا تلبیہ کہتے ہوئے سنا آپ فرما رہے تھے میں حج و عمرہ کے لئے حاضر ہوں۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث:۱۸۵۔۲۱۴۔۲۱۵' سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۱۷۹۵' سنن نسائی رقم الحدیث:۲۹' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۹۶۸۔۲۹۶۹' مسند احمد ج ۳ ص ۹۹۔۱۰۰۔۱۸۷' السنن الکبریٰ ج ۵ ص ۹۔۳۰' اتحاف السادۃ المتقین ج ۴ ص ۳۰۸)

اور ''صحیح بخاری میں'' حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ہے' فرماتے ہیں: میں نے نبی اکرم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا جب آپ وادی عقیق میں تھے کہ گذشتہ رات میرے رب کی طرف سے ایک آنے والا میرے پاس آیا اور اس نے کہا اس مبارک وادی میں نماز پڑھیں اور یوں کہیں ''عمرۃ فی حجۃ'' (حج میں عمرہ)۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۱۵۳۴' سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۱۸۰۰' مسند احمد ج ۱ ص ۲۴' صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث:۲۶۱۷' شرح السنۃ ج ۷ ص ۳۲' نصب الرایۃ ج ۳ ص ۱۰۰۔۱۰۶' مشکوٰۃ المصابیح للتبریزی رقم الحدیث:۲۵۸۵' اتحاف السادۃ المتقین ج ۴ ص ۳۰۸' کنز العمال رقم الحدیث:۱۱۹۷۳۔۳۹۷۵۲)

ان احادیث میں الفاظ کے ساتھ نیت کی تصریح ہے اور حکم جس طرح نص (آیات و احادیث کے الفاظ) سے ثابت ہوتا ہے اسی طرح قیاس سے بھی ثابت ہوتا ہے۔

لیکن اس پر یوں اعتراض کیا گیا کہ نبی اکرم ﷺ یہ کلمات ابتداء میں صحابہ کرام کو تعلیم دینے کے لئے فرماتے تھے کہ

وہ کس طرح احرام کی نیت کریں اور مناسک حج کا قصد کریں اور اس حکم کی تعمیل تھی جو اس وادی میں آپ کے رب کی طرف سے آپ کے پاس آیا تھا۔

جب کہ نبی اکرم ﷺ نے تیس ہزار سے زائد نمازیں پڑھی ہیں لیکن آپ سے منقول نہیں کہ آپ نے یوں فرمایا میں فلاں فلاں نماز کی نیت کرتا ہوں۔ اور نبی اکرم ﷺ کا کسی عمل کو چھوڑنا بھی سنت ہے جس طرح آپ کا کسی عمل کو کرنا سنت ہے۔

پس ہمارے لئے جائز نہیں کہ ہم آپ کے فعل اور ترک فعل کو برابر قرار دیں اور جہاں آپ نے زبان سے کہنا چھوڑ دیا وہاں ہم اس پر قیاس کر کے جہاں آپ نے زبان سے نیت کی' نیت کرنے کا قول کریں' اور حج و نماز میں سے ایک کو دوسرے پر قیاس کے مقابلے میں ان کا فرق زیادہ ظاہر ہے۔[1]

اس معترض کا قول مکمل ہوا اس پر غور کیجئے۔

ہاتھ اٹھانے کے مقامات

اور نبی اکرم ﷺ جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو دونوں ہاتھوں کو اٹھاتے حتیٰ کہ وہ آپ کے کاندھوں کے برابر ہوتے پھر تکبیر کہتے جب رکوع کا ارادہ کرتے تو پھر بھی اسی طرح کرتے اور جب رکوع سے سر اٹھاتے تو بھی اسی طرح کرتے۔[2]

ایک روایت میں ہے کہ جب رکوع سے سر اٹھاتے تو دونوں ہاتھوں کو پھر اسی طرح اٹھاتے اور سمع اللہ لمن حمدہ وربنا لک الحمد کہتے۔[3]

ایک اور روایت میں اس کی مثل ہے اور یہ بھی فرمایا کہ آپ سجدے میں اور سجدے سے سر اٹھاتے ہوئے اس طرح نہ کرتے۔

امام ابوداؤد نے حضرت علقمہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ نبی اکرم ﷺ جب دونوں سجدوں سے سر اٹھاتے تو تکبیر کہتے اور دونوں ہاتھوں کو اٹھاتے حتیٰ کہ ان دونوں کو کاندھوں کے برابر لے جاتے جس طرح نماز شروع کرتے وقت کرتے تھے یہ حدیث کا ایک ٹکڑا ہے اور اس حدیث کو امام ترمذی رحمہ اللہ نے بھی نقل کیا ہے۔

---

1. امام زرقانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس میں قیاس کو منع کرنا محل نظر ہے کیونکہ دونوں میں جو بات مشترک ہے اور جامع ہے وہ ان دونوں کا عبادت ہونا ہے اور نیت کا بلند سے نہ ہونا اس کے عدم کی دلیل نہیں کیونکہ ہو سکتا ہے آہستہ نیت کی ہو۔ (زرقانی ج ۷ ص ۲۹۲)

2. شروع شروع میں آپ رکوع کے وقت ہاتھ اٹھاتے تھے پھر منع فرما دیا اور اس سلسلے میں احادیث وارد ہیں اور بے شمار کتب اس مسئلہ پر لکھی جا چکی ہے "جاء الحق" کا مطالعہ کیجئے۔ ۱۲ ہزاروی

3. نبی اکرم ﷺ کا عمل مبارک دونوں طرح مروی ہے آپ نے رفع یدین بھی کیا اور منع بھی فرمایا اور آپ کا آخری عمل یہی تھا کہ صرف نماز کے شروع میں ہاتھ اٹھاتے تھے "مشکوٰۃ شریف میں ہے" حضرت علقمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے ہم سے فرمایا کیا میں تمہیں رسول اللہ ﷺ کی نماز پڑھ کر نہ دکھاؤں چنانچہ انہوں نے صرف پہلی تکبیر میں ہاتھ اٹھائے۔

(مشکوٰۃ شریف باب ما یقرأ بعد التکبیر ص ۷۷)

امام مالک رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ (رکوع کے لئے) جھکتے اور سر اٹھاتے وقت تکبیر کہتے۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں تکبیر تحریمہ کے وقت ہاتھ اٹھانے کے مستحب ہونے پر تمام امت کا اجماع ہے لیکن اس کے علاوہ میں اختلاف ہے۔ حضرت امام شافعی' امام احمد اور صحابہ کرام میں سے جمہور علماء کے نزدیک رکوع کے وقت اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت بھی ہاتھ اٹھانا مستحب ہے' حضرت امام مالک رحمہ اللہ سے بھی ایک روایت اسی طرح ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ کا ایک قول اس طرح ہے کہ چوتھی جگہ بھی ہاتھ اٹھانا مستحب ہے یعنی جب پہلے تشہد (قعدہ) سے کھڑا ہو اور یہی قول بہتر ہے اس سلسلے میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی نبی اکرم ﷺ سے مروی روایت میں ہے کہ آپ ﷺ اس طرح کرتے تھے۔

قیام کے دوران ہاتھ کہاں رکھیں؟

نبی اکرم ﷺ اپنا دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھتے تھے۔

اور امام شافعی اور اکثر حضرات کا مذہب یہ ہے کہ نمازی جب اپنے ہاتھ رکھے تو سینے سے نیچے اتار کر ناف کے اوپر رکھے' حضرت امام ابوحنیفہ اور بعض شافعی فرماتے ہیں کہ ناف کے نیچے رکھے۔[۱]

دعائے افتتاح

نبی اکرم ﷺ تکبیر تحریمہ اور قرأت کے درمیان کچھ دیر خاموش رہتے تو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! (ﷺ) آپ پر میرے ماں باپ قربان ہوں آپ تکبیر اور قرأت کے درمیان خاموش رہتے ہیں اس میں کیا پڑھتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: میں یہ کلمات پڑھتا ہوں:

اَللّٰهُمَّ بَاعِدْ بَيْنِيْ وَبَيْنَ خَطَايَایَ كَمَا بَاعَدْتَ بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ' اَللّٰهُمَّ نَقِّنِيْ مِنْ خَطَايَایَ كَمَا يُنَقَّى الثَّوْبُ الْاَبْيَضُ مِنَ الدَّنَسِ' اَللّٰهُمَّ اغْسِلْ خَطَايَایَ بِالْمَاءِ' وَالثَّلْجِ وَالْبَرَدِ.

یا اللہ! میرے اور میری خطاؤں کے درمیان دوری پیدا کر دے جس طرح مشرق ومغرب کے درمیان فاصلہ ہے یا اللہ! مجھے خطاؤں سے اس طرح پاک رکھ جس طرح سفید کپڑے کو میل سے پاک کیا جاتا ہے یا اللہ! میری خطاؤں کو پانی' برف اور اولوں سے دھو دے۔[۲]

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۸۰۵' سنن داری ج ۱ ص ۲۸۴' سنن نسائی ج ۱ ص ۱۵۱' مسند احمد ج ۲ ص ۲۳۱۔۴۹۴' اتحاف السادۃ المتقین ج ۳ ص ۲۵' السنن الکبریٰ ج ۲ ص ۱۹۵' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۰ ص ۲۱۲)

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے۔ ایک روایت میں ہے جب نماز شروع کرتے تو تکبیر کہتے پھر فرماتے:

---

۱ "سنن ابی داؤد" میں ہے کہ "ہتھیلی کو ہتھیلی پر ناف کے نیچے رکھنا سنت ہے۔"

۲ آئندہ صفحات پر مذکور حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے اس بات کی وضاحت ہوتی ہے کہ یہ دعا نوافل میں پڑھی جاتی تھی۔ ۱۲ ہزاروی

وجهت وجهي للذي فطر السموات والارض حنيفا وما انا من المشركين' ان صلاتي ونسكي ومحياي ومماتي لله رب العالمين لا شريك له' وبذلك امرت وانا اول المسلمين ' اللهم انت الملك لا اله الا انت' انت ربي وانا عبدك' ظلمت نفسي' واعترفت نبي فاغفر لي ذنوبي جميعا' لايغفر الذنوب الا انت' واهدني لاحسن الاخلاق' لا يهدي لاحسنها الا انت' واصرف عني سيئها' لا يصرف عني سيئها الا انت' لبيك وسعديك' والخير كله في يديك' والشر ليس اليك' انا بك واليك' تباركت وتعاليت استغفرك واتوب اليك.

(صحیح مسلم رقم الحدیث:۷۷۱)

میں نے اپنا رخ اس ذات کی طرف کیا جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا خالص اسی کا ہو کر اور میں مشرکین میں سے نہیں ہوں' بے شک میری نماز میری قربانی میری زندگی اور میری موت اللہ تعالیٰ کے لئے ہے جو تمام جہانوں کا رب ہے اس کا کوئی شریک نہیں مجھے اسی بات کا حکم دیا گیا ہے اور میں مسلمانوں میں سے سب سے پہلا (مسلمان) ہوں۔ یا اللہ! تو بادشاہ ہے تیرے سوا کوئی معبود نہیں تو میرا رب ہے اور میں تیرا بندہ ہوں میں نے اپنے نفس پر ظلم کیا اور میں نے اپنے گناہوں کا اعتراف کیا پس تو میرے تمام گناہ معاف کر دے صرف تو ہی گناہوں کو بخشتا ہے مجھے سب سے اچھے اخلاق کی ہدایت عطا فرما' اچھے اخلاق کی ہدایت صرف تو ہی دیتا ہے اور مجھ سے برے اخلاق کو دور کر دے برے اخلاق کو صرف تو ہی دور کرتا ہے میں حاضر ہوں اور تمام بھلائی تیرے قبضہ واختیار میں ہے اور برائی تیری طرف (منسوب) نہیں ہے میں تیرے دامن رحمت سے وابستہ ہوں اور تیری طرف ہی رجوع کرتا ہوں تو برکت والا ہے اور بلند ہے میں تجھ سے بخشش طلب کرتا ہوں اور تیری طرف رجوع کرتا ہوں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ جب نماز شروع فرماتے تو پڑھتے:

سبحانك اللهم وبحمدك وتبارك اسمك وتعالى جدك ولا اله غيرك.

' یا اللہ! میں تیری حمد کے ساتھ تیری تسبیح بیان کرتا ہوں تیرا نام برکت والا ہے' تیری شان بلند ہے اور تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث:۲۴۲۔۲۴۳' سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۷۷۵۔۷۷۶' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۸۰۴۔۸۰۶' سنن نسائی رقم الحدیث:۱۸' سنن دارمی ج۱ص۲۸۲' مسند احمد ج۳ص۵۰۔۶۹' السنن الکبریٰ ج۲ص۳۴۔۳۵' المستدرک ج۱ ص۲۳۵' اتحاف السادۃ المتقین ج۳ص۳۶' مشکوٰۃ المصابیح للتبریزی رقم الحدیث:۸۱۵۔۸۱۶' سنن دارقطنی ج۱ص۲۹۸' مصنف عبد الرزاق رقم الحدیث:۲۵۵۴' الدرالمنثور ج۳ص۱۳۰' صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث:۴۷۰' مصنف ابن ابی شیبہ ج۱ص۲۳۲' مجمع الزوائد ج۲ص۱۰۷۔۲۶۵' کنز العمال رقم الحدیث:۱۷۸۸۷۔۲۲۰۸۵)

حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے نبی اکرم ﷺ کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو آپ فرما

رہے تھے:

اَللّٰہُ اَکْبَرُ کَبِیْرًا اَللّٰہُ اَکْبَرُ کَبِیْرًا وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ کَثِیْرًا وَسُبْحَانَ اللّٰہِ بُکْرَۃً وَّاَصِیْلًا اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ مِنْ نَفْخِہٖ وَنَفْثِہٖ وَھَمْزِہٖ۔

اللہ تعالیٰ بہت بڑا ہے' اللہ تعالیٰ بہت بڑا ہے اور اللہ تعالیٰ کے لئے بہت زیادہ تعریف ہے میں صبح وشام اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتا ہوں میں شیطان سے اس کے تکبر' شعر گوئی اور جنون سے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتا ہوں۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۷۶۳' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۷۷۰' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۸۰۷' مسند احمد ج ۴ ص ۸۰-۸۳-۸۵' المستدرک ج ۱ ص ۲۳۵' دلائل النبوۃ ج ۱ ص ۱۱۱-۱۴۰' اتحاف السادۃ المتقین ج ۳ ص ۲۶' مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۲۵۷۳' المعجم الکبیر ج ۲ ص ۱۴۰' کنز العمال رقم الحدیث: ۱۹۶۴۲-۲۲۳۳۹)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: شیطان کے نفخ سے مراد اس کا تکبر ہے اور اس کے نفث سے شعر مراد ہیں اور اس کے ہمزہ سے جنون مراد ہے۔

حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' فرماتے ہیں: نبی اکرم ﷺ جب نفل نماز پڑھنے کے لئے کھڑے ہوتے تو یوں فرماتے:

اَللّٰہُ اَکْبَرُ وَجَّھْتُ وَجْھِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ۔

اللہ سب سے بڑا ہے میں نے اپنے چہرے کو اس ذات کی طرف کیا جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا خالص اسی کا ہو کر اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں۔

(المعجم الکبیر ج ۱۹ ص ۲۳۱' علل الحدیث رقم الحدیث: ۲۳۸' نصب الرایہ ج ۱ ص ۳۱۳)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث کی مثل ذکر کیا البتہ "انا من المسلمین" فرمایا۔ پھر فرمایا:

اَللّٰھُمَّ اَنْتَ الْمَلِکُ لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحَانَکَ وَبِحَمْدِکَ۔

یا اللہ! تو بادشاہ ہے تیرے سوا کوئی معبود نہیں میں تیری حمد کے ساتھ تیری تسبیح بیان کرتا ہوں۔

اس کے بعد آپ قرأت کرتے۔

دوسری نوع

نبی اکرم ﷺ کا قرأت کے شروع میں بسم اللہ پڑھنا

بسم اللہ پڑھنے سے متعلق روایات

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے' فرماتے ہیں: نبی اکرم ﷺ بسم اللہ الرحمن الرحیم سے قرأت شروع کرتے۔

اس حدیث کو امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے روایت کیا اور امام ترمذی رحمہ اللہ نے فرمایا اس کی سند مضبوط نہیں ہے۔

امام حاکم' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں نبی اکرم ﷺ "بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ" بلند آواز سے پڑھتے تھے۔ پھر فرمایا یہ حدیث صحیح ہے (امام ترمذی اور امام ابوداؤد نے اسے ضعیف قرار دیا ہے)۔

صحیح ابن خزیمہ میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے نماز میں سورۂ فاتحہ کے شروع میں بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ پڑھی اور اسے آیت شمار کیا لیکن یہ عمر بن ہارون بلخی کی روایت سے ہے اور اس ابن جریج کی جانب سے جو بواسطہ ابن ابی ملیکہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں' ضعف ہے۔

حافظ ابوبکر احمد بن موسیٰ بن مردویہ نے اپنی تفسیر میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا' وہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ" (سورۂ فاتحہ) سات آیات ہیں' بسم الله الرحمن الرحیم "ان میں سے ایک ہے اور یہ بار بار پڑھی جانے والی سات آیات ہیں اور قرآن عظیم ہے اور یہ کتاب کی اصل ہے۔

امام دارقطنی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے اس کی مثل مرفوع حدیث نقل کی ہے اور فرمایا اس کے تمام راوی ثقہ ہیں۔

امام بیہقی' حضرت علی المرتضیٰ' حضرت ابن عباس اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہم سے روایت کرتے ہیں کہ ان حضرات نے "سبعا من المثانی" کی تفسیر سورۂ فاتحہ سے کی ہے اور بسم اللہ کو اس کی ساتویں آیت شمار کیا ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایات

حضرت شعبہ' حضرت قتادہ سے اور وہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ' حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما قرأت کو "الحمد لله رب العالمین" سے شروع کرتے تھے۔ اس حدیث کو امام بخاری نے نقل کیا یعنی وہ فاتحہ سے شروع کرتے تھے۔

صحیح مسلم کی روایت میں ہے (حضرت انس رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں: میں نے کسی کو "بسم الله الرحمن الرحیم" پڑھتے نہیں سنا۔ امام مسلم وغیرہ نے اسی طرح نقل کیا لیکن یہ حدیث حفاظِ حدیث کے نزدیک معلول ہے جس طرح علم حدیث کی کتب میں ہے (جس حدیث کی سند میں کوئی علت ہو)۔

ہمارے شیخ ابوالخیر السخاوی رحمہ اللہ تعالیٰ ان کے وجود سے نفع دے' کی شرح "الفیہ عراقی" کے باب العلل میں یہ الفاظ ہیں:

وعلة المتن القادحة فيه كحديث نفى قراة البسملة فى الصلاة المروى عن انس.

متن کی علت وہ ہے جو اس میں خرابی پیدا کرے جس طرح حضرت انس رضی اللہ عنہ کی نماز کے سلسلے میں مروی حدیث میں بسم اللہ پڑھنے کی نفی ہے۔

کیونکہ اس حدیث کے راویوں میں سے ایک راوی نے جب حضرت انس رضی اللہ عنہ کا قول سنا کہ انہوں نے فرمایا میں نے نبی اکرم ﷺ' حضرت ابوبکر صدیق' حضرت عمر فاروق اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہم کے پیچھے نماز پڑھی ہے وہ

"اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ" سے نماز شروع کرتے تھے۔

اس سے راوی نے "بِسْمِ اللّٰہِ" کی نفی کا گمان کیا پس اپنے گمان کو واضح انداز میں نقل کیا اور کہا کہ یہ حضرات قرأت کے شروع اور آخر میں "بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ" نہیں پڑھتے تھے۔

بعض روایات میں اس طرح ہے کہ "بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ" سے قرأت کا آغاز نہیں کرتے تھے اس طرح یہ حدیث مرفوع کہلائی اور راوی کے گمان میں خطا ہے۔

اسی لئے امام شافعی رحمہ اللہ نے "کتاب الام" میں فرمایا اور ان سے امام ترمذی رحمہ اللہ نے اپنی جامع میں نقل کیا ہے کہ معنی یہ ہے کہ وہ لوگ باقی قرأت سے پہلے سورۂ فاتحہ نہیں پڑھتے تھے یہ مطلب نہیں کہ "بِسْمِ اللّٰہِ" پڑھنا بالکل چھوڑ دیتے تھے۔

"صحیح بخاری میں" سورۂ فاتحہ کو "اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ" کا نام دیا گیا اس سے بھی یہ بات مضبوط ہوتی ہے۔[1]

اسی طرح حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے بھی تائید ہوتی ہے وہ فرماتے ہیں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ نبی اکرم ﷺ کی قرأت کس طرح تھی؟ تو انہوں نے فرمایا مد کے ساتھ تھی پھر انہوں نے "بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ" پڑھتے ہوئے "بسم اللہ" کو مد کے ساتھ پڑھا پھر الرحمن اور پھر اس کے بعد الرحیم میں مد کے ساتھ پڑھا (لفظ اللہ کی لام الرحمٰن کی میم اور الرحیم کی حاء میں مد طبعی سے زیادہ نہیں کھینچا)۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں اسی طرح نقل کیا ہے امام دار قطنی اور حازمی (یا دارمی) نے بھی اسی طرح صحیح قرار دیا ہے اور فرمایا کہ اس حدیث میں کوئی علت نہیں کیونکہ جس طرح ابو شامہ نے اشارہ کیا ہے ظاہر یہ ہے کہ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے جب حضرت انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ نماز کو کس سورت سے شروع کیا جائے اور انہوں نے "اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ" کے ساتھ جواب دیا تو انہوں نے اس میں قرأت کی کیفیت کے بارے میں سوال کیا اور گویا انہوں (ابو شامہ) نے سائل کے ابہام کو حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ تعیین میں مانع خیال نہیں کیا خصوصاً جب کہ سائل وہی تھے (یعنی سائل حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ ہی تھے)۔

ابن خزیمہ نے اپنی صحیح میں حدیث نقل کی اور دار قطنی نے اسے صحیح قرار دیا کہ ابو مسلمہ سعید بن یزید رضی اللہ عنہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے سوال کیا کہ کیا نبی اکرم ﷺ الحمد للہ سے نماز شروع کرتے تھے یا بسم اللہ کے ساتھ؟ تو انہوں نے فرمایا مجھے کچھ یاد نہیں۔ وہ فرماتے ہیں یہ ان باتوں میں سے ہے جن سے نفی کرنے والے کی خطا کی تائید ہوتی ہے۔

لیکن حضرت انس رضی اللہ عنہ سے اس حدیث کو ایک جماعت نے روایت کیا ہے جن میں حضرت حمید اور حضرت قتادہ رضی اللہ عنہما بھی ہیں اور تحقیق یہ ہے کہ صرف حمید کی روایت میں علت ہے کیونکہ اس کا مرفوع ہونا ولید بن مسلم کا وہم

---

[1] اس روایت میں یہ بات ثابت کی جارہی ہے کہ بسم اللہ سورۂ فاتحہ کا جزء ہے لیکن امام زرقانی فرماتے ہیں اس سے کیسے ثابت ہوا کہ بسم اللہ سورت کا جزء ہے حالانکہ موطا امام مالک میں ہے نبی اکرم ﷺ نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے حضور ﷺ کے نماز شروع کرنے کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے آپ کے سامنے "اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ" پڑھی اور اس کے شروع میں بسم اللہ نہیں پڑھی۔ (زرقانی ج ۷ ص ۲۹۹)

ہے ولید نے حضرت امام مالک سے اور انہوں نے حضرت حمید سے روایت کی ہے بلکہ حضرت حمید کے بعض اصحاب (ابن عیینہ اور عبید اللہ بن عمرو غیرہ) کے واسطہ سے حمید (الطویل البصری) سے روایت کیا کیونکہ حضرت امام مالک سے مروی تمام موطاٗت میں ہے وہ حضرت حمید سے اور وہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں' وہ فرماتے ہیں: میں نے حضرت ابوبکر صدیق' حضرت عمر فاروق اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کے پیچھے نماز پڑھی ہے وہ تمام "بسم اللہ الرحمن الرحیم" نہیں پڑھتے تھے اس حدیث میں نبی اکرم ﷺ کا ذکر نہیں ہے اسی طرح حمید کے تمام حفاظ اصحاب نے جوان سے نقل کرتے ہیں سب کے نزدیک اسی طرح ہے کہ یہ حدیث موقوف ہے۔ ابن معین نے حضرت ابن ابی عدی سے نقل کرتے ہوئے واضح الفاظ میں کہا کہ حضرت حمید جب حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے تو مرفوعاً روایت نہیں کرتے تھے اور جب بواسطہ حضرت قتادہ' حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے تو مرفوعاً نقل کرتے۔

جہاں تک حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کی روایت کا تعلق ہے تو ولید بن مسلم وغیرہ نے اوزاعی سے نقل کیا کہ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے انہیں لکھا تا کہ انہیں اس بات کی خبر دیں کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے نماز پڑھی پس انہوں نے ان الفاظ کے ساتھ ذکر کیا کہ یہ حضرات (یعنی نبی اکرم ﷺ' حضرت صدیق اکبر' حضرت فاروق اعظم اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہم) "بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ" قرأت کے شروع اور آخر میں نہیں پڑھتے تھے پس ان کے اصحاب ان الفاظ پر متفق نہیں ہیں بلکہ ان میں سے اکثر کے نزدیک اس میں نفی کا ذکر نہیں ہے اور ان میں سے ایک جماعت نے اس نفی کا ذکر کیا ہے پس وہ بلند آواز سے بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ نہیں پڑھتے تھے۔

اس سلسلے میں آپ کے اصحاب میں سے جن لوگوں نے اس مسئلہ میں آپ سے اختلاف کیا ان میں حضرت شعبہ بن حجاج ہیں پس ان لوگوں کی ایک جماعت جن میں غندر بھی ہیں وہ نفی کا ذکر نہیں کرتے اور صرف ابوداؤد طیالسی سے متعدد طرق سے ان الفاظ کے ساتھ مروی ہے کہ وہ حضرات "بِسْمِ اللّٰهِ" کے ساتھ قرأت شروع نہیں کرتے تھے' یہ اوزاعی کے موافق ہے۔

ابوعمر (حفص بن عمر بن عبد العزیز) دوری اور اسی طرح طیالسی اور غندر نے بھی یوں نقل کیا کہ میں نے ان میں سے کسی کو بسم اللہ پڑھتے ہوئے نہیں سنا۔

اسی طرح حضرت انس رضی اللہ عنہ کے دوسرے اصحاب (حضرت قتادہ کے علاوہ) نے بھی اختلاف کیا۔ اسحاق بن ابی طلحہ اور ثابت بن بنانی اور ان میں سے تیسرے مالک بن دینار' حضرت انس رضی اللہ عنہ سے نفی کے بغیر نقل کرتے ہیں جب کہ اسحاق اور ثابت نیز منصور بن زاذان' ابوقلابہ اور ابونعامہ یہ تمام حضرات صرف بلند آواز سے پڑھنے کی نفی کے ساتھ ذکر کرتے ہیں۔ ان میں سے اسحاق کے الفاظ اس طرح ہیں:

يفتتحون القراة بالحمد لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ فيما يجهر فيه.

جہری نمازوں میں "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ" سے شروع کرتے تھے۔

اس صورت میں ان تمام روایت کو یوں جمع کیا جا سکتا ہے جیسا کہ ہمارے شیخ شیخ الاسلام ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے بھی فرمایا کہ قرأت کی نفی کو سننے کی نفی پر محمول کیا جائے اور سننے کی نفی کو بلند آواز سے نہ پڑھنے پر محمول کیا جائے اس کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ منصور بن زاذان کی روایت میں ہے کہ ہم نے بسم اللہ کی قرأت نہیں سنی اور اس سے زیادہ واضح

حضرت حسن کی حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے جیسا کہ ابن خزیمہ نے نقل کیا کہ وہ لوگ بسم اللہ آہستہ پڑھتے تھے۔ ان روایات کو یوں جمع کرنے سے حدیث میں اضطراب کا دعویٰ زائل ہو گیا۔

جس طرح یہ بات ظاہر ہوئی کہ اوزاعی جنہوں نے حضرت قتادہ سے کتابت کی صورت میں روایت کی حالانکہ قتادہ پیدائشی طور پر نابینا تھے اور ان کا کاتب مجہول ہے کیونکہ ان کا نام نہیں بتایا تو اس سلسلے میں اوزاعی اکیلے نہیں (بلکہ ایک جماعت نے حضرت قتادہ سے روایت کرتے ہوئے اوزاعی کی اتباع کی) تو حضرت انس رضی اللہ عنہ کے اس قول کہ مجھے یاد نہیں' کا جواب یوں دیا جائے گا کہ مثبت (دلیل)' نافی (نفی کرنے کی دلیل) پر مقدم ہوتی ہے خصوصاً جب کہ نفی اس بات کو متضمن ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کو وہ بات یاد نہ تھی جس کا یاد ہونا اہم تھا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حضرت ابو مسلمہ کے سوال کے وقت ان کو یاد نہ ہو اور بعد میں یاد آ گئی ہو کیونکہ یہ بات ثابت ہے کہ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے یہ سوال بھی کیا تھا کہ کیا آدمی نماز میں بسم اللہ پڑھے؟ تو انہوں نے فرمایا میں نے نبی اکرم ﷺ' حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کے پیچھے نماز پڑھی ہے پس میں نے ان میں سے کسی ایک کو بسم اللہ پڑھتے ہوئے نہیں سنا۔

جب حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث کا ماحصل بلند آواز سے پڑھنے کی نفی قرار پایا تو اس کی دلیل ضروری ہوگی اگرچہ یہ ہماری بحث سے نہیں ہے۔

بلند آواز سے بسم اللہ پڑھنے کے قائلین کے بعض دلائل

شارح ''الفیہ'' نے دلیل ذکر کی اور ہمارے شیخ یعنی حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے ہماری رہنمائی فرمائی کہ اس میں سے کیا اخذ کیا جائے؟

بلکہ انہوں نے فرمایا کہ نعیم مجمر کا قول یہ ہے کہ میں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز پڑھی تو انہوں نے ''بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ'' پڑھی اور اس کے بعد سورۂ فاتحہ پڑھی حتیٰ کہ ''والا الضالین'' تک پہنچے تو لوگوں نے آمین کہا۔ وہ جب بھی سجدہ کرتے اور دو رکعتوں کے بعد قعدہ سے کھڑے ہوتے تو اللہ اکبر کہتے اور سلام پھیرنے کے بعد کہتے اس ذات کی قسم! جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے تمہاری نمازوں کے مقابلے میں میری نماز رسول اکرم ﷺ کی نماز کے زیادہ مشابہ ہے۔

ابن حجر فرماتے ہیں اس سلسلے میں یہ سب سے زیادہ صحیح حدیث ہے اور اس میں کوئی علت نہیں۔

اس حدیث کو صحیح قرار دینے والوں میں ابن خزیمہ اور ابن حبان بھی ہیں۔ امام نسائی اور امام حاکم نے اسے روایت کیا اور امام نسائی نے یہ عنوان مقرر فرمایا۔ ''الجهر ببسم الله الرحمن الرحيم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم بلند سے پڑھنا''۔

لیکن اس استدلال پر یہ اعتراض کیا گیا کہ ہو سکتا ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اس مشابہت سے نماز کے تمام اجزاء میں نہیں بلکہ بڑی بڑی باتوں میں مشابہت کا ارادہ کیا ہو خصوصاً جب کہ ان سے نعیم مجمر کے علاوہ ایک جماعت نے بسم اللہ کے ذکر کے بغیر یہ حدیث روایت کی ہے۔

اس کا جواب یوں دیا گیا ہے کہ نعیم (راوی) ثقہ ہیں پس ان کی زیادتی مقبول ہے اور حدیث تمام اجزاء میں ظاہر

ہے پس اس کو اپنے عموم پر محمول کیا جائے گا حتیٰ کہ کوئی ایسی دلیل ثابت ہو جو اس کو (بعض باتوں سے) خاص کر دے۔

اس کے باوجود یوں کہا جا سکتا ہے کہ نعیم کی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت آہستہ پڑھنے کے حوالے سے ہو کیونکہ وہ ان کے قریب ہوتے تھے۔ امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ نے فاتحہ کے بارے میں اپنی تصنیف میں فرمایا نیز امام شافعی رحمہ اللہ نے اپنی سند کے ساتھ ذکر کیا اور امام حاکم نے ''اپنی المستدرک میں'' ذکر کیا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ مدینہ طیبہ تشریف لائے تو نماز پڑھائی لیکن آپ نے بسم اللہ نہیں پڑھی اور رکوع وسجود کے لئے جاتے ہوئے تکبیر بھی نہ کہی جب سلام پھیرا تو مہاجرین وانصار نے پکارا اے معاویہ! آپ نے نماز میں چوری کی بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کہاں ہے رکوع وسجود کے وقت کی تکبیر کہاں ہے؟ چنانچہ انہوں نے بسم اللہ اور تکبیر کے ساتھ دوبارہ نماز پڑھائی۔

یہ حدیث نقل کرنے کے بعد امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ عظیم قوت اور شدید دبدبے والے حکمران تھے اگر تمام صحابہ کرام مہاجرین وانصار کے نزدیک بلند آواز سے ''بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ'' اور تکبیر پڑھنا مقرر و ثابت نہ ہوتا تو یہ حضرات ان کے چھوڑنے کے بعد اعتراض نہ کر سکتے۔

یہ حدیث حسن ہے اور اس کو امام حاکم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں نیز امام دار قطنی نے بھی روایت کیا ہے اور فرمایا کہ اس کے راوی ثقہ ہیں۔

پھر امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ نے اس کے بعد فرمایا ہم نے بیان کیا ہے کہ یہ ان کا (اعتراض) جس کا ذکر ہوا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ ان کلمات کو بلند آواز سے کہنا ان لوگوں کے درمیان متواتر عمل کی طرح تھا۔

امام ترمذی رحمہ اللہ نے عنوان قائم کیا کہ ''بلند آواز سے بسم اللہ پڑھی جائے'' اس کے بعد معتمر بن سلیمان کی حدیث نقل کی وہ اسماعیل بن حماد بن ابی سلیمان سے روایت کرتے ہیں وہ خالد والبی کوفی سے اور وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں' وہ فرماتے ہیں نبی اکرم ﷺ ''بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ'' سے نماز شروع کرتے تھے۔

اس تخریج (حدیث لانے) پر امام دار قطنی نے ان کی موافقت کی اور امام ابو داؤد نے بھی موافقت کی اور اسے ضعیف قرار دیا بلکہ امام ترمذی نے بھی فرمایا کہ اس کی سند مضبوط نہیں ہے امام بیہقی نے ''المعرفۃ میں'' ذکر کیا اور اس کے لئے سالم الافطس کی حدیث سے استشہاد پیش کیا وہ حضرت سعید بن جبیر سے اور وہ حضرت ابن عباس (رضی اللہ عنہم) سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں' نبی اکرم ﷺ بلند آواز سے بسم اللہ الرحمٰن پڑھتے اور اس کے ساتھ آواز کو لمبا کرتے امام حاکم رحمہ اللہ نے بھی اسے ''اپنی مستدرک میں'' ذکر کیا ہے۔

نبی اکرم ﷺ کے صحابہ کرام میں سے متعدد اہل علم کا یہی مؤقف ہے ان میں حضرت ابو ہریرہ' ابن عمر اور ابن زبیر رضی اللہ عنہم بھی شامل ہیں اور بعد کے تابعین بھی ہیں جنہوں نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم بلند آواز سے پڑھنے کا مؤقف اختیار کیا امام شافعی رحمہ اللہ کا بھی یہی قول ہے۔ شارح ''الفیہ'' کا قول مکمل ہوا۔

تحقیق مسئلہ

شیخ ابو امامہ بن نقاش فرماتے ہیں جو شخص اس مسئلہ کی تحقیق کرنا چاہتا ہے تو اسے معلوم ہونا چاہیے کہ اس مسئلہ کا

قرأتوں سے زیادہ تعلق ہے اور وہ اس طرح کہ قراء میں سے بعض جن کی قرأتیں صحیح ہیں اور نبی اکرم ﷺ سے تواتر کے ساتھ ثابت ہیں ان میں سے بعض حضرات اسے سورۂ فاتحہ کی جزء قرار دے کر پڑھتے تھے اور یہ قراء حضرت حمزہ عاصم کسائی اور ابن کثیر اور ان کے علاوہ بھی صحابہ کرام اور تابعین میں سے ہیں۔

اور ان میں سے بعض بسم اللہ کو سورۂ فاتحہ کی جزء قرار نہیں دیتے جس طرح ابن عامر ابوعمرو اور نافع ہیں ان کی ایک روایت اسی طرح ہے۔''

نماز میں اس (بسم اللہ) کے پڑھنے کا حکم وہی ہے جو نماز سے باہر ہے جو لوگ اسے ان لوگوں کی قرأت کے مطابق پڑھتے ہیں جن کے نزدیک یہ سورۂ فاتحہ کا حصہ ہے تو ان پر اس کا پڑھنا فرض ہے اور جو لوگ ان لوگوں کی قرأت کے مطابق پڑھتے ہیں جن کے نزدیک یہ سورۂ فاتحہ کی جزء نہیں ہے ان کو پڑھنے اور چھوڑنے کا اختیار ہے۔

پس اس صورت میں اس میں اختلاف قرآن مجید کے کسی حرف کے بارے میں اختلاف کی طرح ہوا اور دونوں قول صحیح ثابت ہیں ثابت کرنے والے اور نفی کرنے والے کسی پر طعن نہیں ہو سکتا۔

اور اس میں کوئی شک نہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے بعض اوقات پڑھا اور کبھی نہیں پڑھا۔ انصاف یہی ہے۔

اس کے بعد انہوں (حضرت ابوامامہ بن نقاش) نے فرمایا یقینی بات جس کی طرح رجوع کرنا چاہیے یہ ہے کہ دونوں عمل ثابت ہیں۔

کیونکہ اہل سلام میں سے دو آدمیوں کا بھی اس بات میں اختلاف نہیں کہ یہ ساتوں قرأتیں یقینی ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں اور یہ پہلا کلمہ اور پہلا حرف نہیں ہے جس کو ثابت کرنے یا حذف کرنے میں اختلاف ہوا اور قرآن مجید کی بہت کم سورتیں ایسی ہیں جن میں یہ اختلاف نہیں ہے جس طرح سورۃ الحدید کی آیت:

هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ. (الحدید:۲۴) وہ بے نیاز تعریف والا ہے۔

میں لفظ ''ھو'' اور ارشاد خداوندی:

جَنّٰتٍ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ. (التوبہ:۷۲) باغات ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہیں۔

میں لفظ ''من'' ہے (بعض لفظ ھو کو پڑھتے ہیں اور بعض نہیں پڑھتے اسی طرح لفظ ''من'' میں اختلاف ہے بعض پڑھتے ہیں بعض نہیں پڑھتے)۔ اور بے شمار الف واؤ اور ہاء کا بھی حکم ہے۔

اور یہ سب کچھ اس بات کا نتیجہ ہے کہ قرآن مجید سات قرأتوں میں نازل ہوا اور یہ اس بات پر تمہاری رہنمائی کرے گا کہ جن حضرات نے لوگوں کے اختلاف کی وجہ اسے سورۂ فاتحہ کی جز قرار نہیں دیا اور کہا کہ قرآن مجید میں اس قسم کا اختلاف ثابت نہیں ہوتا تو ان کا قول باطل ہے (قرأتوں کا اختلاف مراد ہے) میں نہیں جانتا کہ یہ کیا گمان ہے؟ [1]

یہ جو کچھ ہم نے ذکر کیا اسی سے تمہیں ان تقریروں سے راحت ملے گی۔

پھر فرمایا اس میں کوئی شک نہیں کہ نبی اکرم ﷺ سے دونوں باتیں وقوع پذیر ہوئی ہیں بلند آواز سے پڑھنا بھی اور آہستہ پڑھنا بھی آپ نے جہر بھی فرمایا اور آہستہ بھی پڑھا لیکن بلند آواز کی نسبت آہستہ آواز سے زیادہ زیادہ پڑھا۔ اور

[1] ابوبکر بن عربی کے قول کی طرف اشارہ ہے کہ انہوں نے کہا بسم اللہ سورۂ فاتحہ کی جز نہیں کیونکہ اس میں اختلاف ہے اور قرآن میں اختلاف نہیں ہوتا (زرقانی ج ۷ ص ۳۰۲) یعنی اس دلیل پر اعتراض کیا گیا۔ ۱۲ ہزاروی

بلند آواز سے پڑھنے کے بارے میں صحیح احادیث ہیں جن میں کوئی انصاف کرنے والا طعن نہیں کرسکتا جیسا کہ تین احادیث ہیں (جو پہلے ذکر ہوئیں)۔

جس طرح آپ سے آہستہ پڑھنے کے بارے میں صحیح احادیث ثابت ہیں جن میں ایسا شخص طعن نہیں کرسکتا جو عصبیت سے خالی ہو اور اس شخص کے قول کی طرف توجہ نہ کی جائے جو کہتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے بسم اللہ صرف اونچی آواز سے پڑھی ہے۔

کسی عارف سے کہا گیا کہ آپ کے خیال میں امام شافعی رحمہ اللہ کا نام کیسے مشہور ہوا اور ان کا ذکر عام کس طرح ہوا؟ تو انہوں نے فرمایا اس کی وجہ ان کا ہر نماز میں بسم اللہ میں اللہ تعالیٰ کے نام کو ظاہر کرنا ہے۔[1]

تیسری نوع

نبی اکرم ﷺ کا سورۂ فاتحہ پڑھنا اور اس کے بعد آمین کہنا

نبی اکرم ﷺ جب "غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ" پڑھتے تو آمین فرماتے اور اس کے ساتھ آواز کو کھینچتے۔ ایک روایت میں ہے کہ پست آواز رکھتے۔

ابوداؤد کی روایت میں ہے کہ آواز کو بلند کرتے اور انہی کی ایک روایت میں (رفع کی بجائے جھر) ہے یعنی اونچی آواز سے آمین کہتے۔

ابن شہاب نے فرمایا: کہ نبی اکرم ﷺ جب "ولا الضالین" کہتے تو اونچی آواز سے آمین کہتے' سراج نے یہ حدیث نقل کی ہے۔

ابن حبان نے زبیدی کی روایت سے نقل کیا وہ ابن شہاب سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ جب سورۂ فاتحہ کی قرأت سے فارغ ہوتے تو اپنی آواز کو بلند کرتے اور آمین کہتے۔

حمیدی نے حضرت سعید مقبری کے طریق سے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے اس کی مثل روایت کیا ان کے الفاظ اس طرح ہیں کہ جب "ولا الضالین" پڑھتے۔

ابوداؤد نے زبیدی کی روایت کی طرح حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی حدیث سے نقل کیا اور ابن حبان نے اس کو صحیح قرار دیا۔

اس میں ان لوگوں کا رد ہے جو منسوخ ہونے کی طرف اشارہ کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ اسلام کے آغاز میں مسلمانوں کی تعلیم کے لئے اونچی آواز سے آمین کہتے تھے' کیونکہ حضرت وائل بن حجر آخری دور میں مسلمان ہوئے۔[1]

---

[1] نبی اکرم ﷺ کبھی کبھی بلند آواز سے آمین کہتے تھے تا کہ اس کا جواز بیان کریں۔ (زرقانی ج ۷ ص ۳۰۵)

چوتھی نوع

نبی اکرم ﷺ کا صبح کی نماز میں فاتحہ کے بعد قرأت کرنا

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ صبح کی نماز میں ساٹھ سے ایک سو آیات تک پڑھتے تھے۔

حضرت عمرو بن حریث رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں انہوں نے نبی اکرم ﷺ کو فجر کی نماز میں سورۂ ''واللیل اذا عسعس'' پڑھتے ہوئے سنا۔

نسائی کی ایک روایت میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فجر کی نماز میں سورت ''اذا الشمس کورت'' پڑھی۔

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ فجر کی نماز میں ''ق والقران المجید'' اور اس قسم کی سورتیں پڑھتے تھے اور اس کے بعد ہلکی پھلکی قرأت کرتے تھے۔

سورت کے کچھ حصے کی قرأت

حضرت عبداللہ بن سائب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے مکہ مکرمہ میں صبح کی نماز پڑھی تو سورۂ مومنون شروع کی حتیٰ کہ جب حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کے ذکر یا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ذکر تک پہنچے (راوی کو شک ہے یا اس میں اختلاف ہے) تو نبی اکرم ﷺ کو کھانسی آ گئی پس آپ نے رکوع فرمایا۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس حدیث سے قرأت کے ٹوٹ جانے اور سورت کا بعض حصہ پڑھنے (دونوں باتوں) کا جواز ثابت ہوتا ہے لیکن امام مالک رحمہ اللہ نے اسے مکروہ قرار دیا ہے۔

لیکن اس پر اعتراض کیا گیا کہ امام مالک رحمہ اللہ نے اختیار کے ساتھ سورت کے بعض پر اکتفا کو مکروہ قرار دیا ہے اور جس حدیث سے استدلال کیا جا رہا ہے وہ اس بارے میں ظاہر ہے کہ یہ انقطاع ضرورت کے تحت تھا لیکن اس پر اعتراض نہیں ہو سکتا۔

اسی طرح جس نے اس حدیث سے استدلال کیا کہ آیت کا بعض حصہ پڑھنا مکروہ نہیں اور اس نے حدیث کے ان الفاظ کو دلیل بنایا کہ حتیٰ کہ حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام یا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر آیا (تو چھینک کی وجہ سے رکوع کیا) کیونکہ یہ دونوں جگہیں آیت کے درمیان میں ہیں تو اس پر اعتراض ہوگا کہ یہ تو ضرورت کے تحت تھا (لہٰذا اس سے استدلال نہیں ہو سکتا) ہاں کراہت دلیل کے بغیر ثابت نہیں ہوتی۔

اور جواز کے دلائل بے شمار ہیں۔ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے دو رکعتوں میں سورۂ اعراف پڑھی اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام کو صبح کی نماز پڑھائی تو دونوں رکعتوں میں سورۂ بقرہ پڑھی اور یہ صحابہ کرام کی طرف سے اجماع ہے نیز نبی اکرم ﷺ نے صبح کی نماز میں ''سورۂ زلزال'' دونوں رکعتوں میں پڑھی۔ راوی کہتے ہیں مجھے معلوم نہیں کہ آپ سے بھول ہوئی یا جان بوجھ کر پڑھی۔

جمعہ کی صبح کی قرأت

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ جمعہ کی صبح سورۂ الم التنزیل (سورہ نمبر ۳۲) اور سورۂ "ھل اتی علی الانسان حین من الدھر" (سورۂ نمبر ۷۶) پڑھتے تھے اور ان دونوں سورتوں کو مکمل پڑھتے تھے اور ان کا کچھ حصہ پڑھنا خلاف سنت ہے۔

ان دونوں صورتوں کو پڑھنے میں حکمت یہ تھی کہ یہ انسان کی ابتدا و انتہا (آخرت) تخلیق آدم علیہ السلام جنت و دوزخ میں داخل ہونے اور قیامت کے احوال پر مشتمل ہیں کیونکہ قیامت جمعہ کے دن واقع ہوگی۔

یہ بات ابن دحیہ نے "العلم المشھور میں" ذکر کی اور اسے خوب ثابت قرار دیا جس طرح ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے بتایا وہ فرماتے ہیں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت میں واضح طور پر مذکور ہے کہ نبی اکرم ﷺ ہمیشہ صبح کی نماز میں یہ دو سورتیں پڑھتے تھے۔

اس حدیث کو امام طبرانی نے نقل کیا اور ان کے الفاظ "یدیم ذلک" ہیں (ہمیشہ یہ عمل کرتے تھے) اس کی اصل "سنن ابن ماجہ میں" ہے لیکن اس میں یہ الفاظ نہیں اور اس حدیث کے راوی ثقہ ہیں البتہ ابو حاتم نے اس کے ارسال کو صحیح قرار دیا (یہ حدیث مرسل ہے)۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: کہ ابن دقیق العید اس پر آگاہ نہیں ہوئے چنانچہ انہوں نے اس باب کی حدیث پر کلام کرتے ہوئے فرمایا کہ حدیث میں کوئی ایسی بات نہیں جو آپ کے اس عمل کے دوام کا تقاضا کرتی ہو۔ بات وہی ہے جو انہوں نے فرمائی ہے کیونکہ الفاظ میں دوام کا ذکر نہیں ہے لیکن مذکورہ اضافہ "یدیم ذلک" اس بات کی تصریح ہے اور اس اضافہ پر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث کے یہ الفاظ شاہد ہیں آپ نے فرمایا: "کل جمعة" (ہر جمعہ کے دن)۔ اس حدیث کو امام طبرانی نے "الکبیر میں" نقل کیا ہے۔

رکعت کے لئے سورت کو معین کرنے کے بارے میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی حدیث آئی ہے جو امام طبرانی نے ان الفاظ کے ساتھ ذکر کی ہے۔

نبی اکرم ﷺ جمعۃ المبارک کے دن صبح کی نماز میں پہلی رکعت میں "الم تنزیل" اور دوسری رکعت میں "ھل اتی علی الانسان" پڑھتے تھے۔

نماز میں آیت سجدہ کی تلاوت

مالکی فقہ والوں نے نماز میں آیت سجدہ پڑھنے کے مکروہ ہونے کی جو علت بیان کی ہے اس میں اختلاف ہے۔

کہا گیا ہے کہ یہ فرض نماز میں سجدے کا اضافہ ہے۔ امام قرطبی نے کہا کہ حدیث کی شہادت سے یہ تعلیل فاسد ہے۔

یہ بھی کہا گیا کہ اس طرح نمازیوں کو شبہ ہو سکتا ہے اسی لئے بعض نے جہری اور سری نماز میں فرق کیا ہے کیونکہ جہری نماز میں اشتباہ کا خوف نہیں ہوتا (لہٰذا جہری میں مکروہ نہیں سری میں مکروہ ہے)۔

لیکن حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ظہر کی نماز میں ایسی سورت پڑھی جس میں سجدہ تھا تو آپ نے مع صحابہ کرام نماز میں سجدہ کیا پس تفریق باطل ہوگئی۔

بعض حضرات نے کہا کہ مکروہ ہونے کی وجہ اس بات کا خوف ہے کہ عوام اس کے فرض ہونے کا اعتقاد نہ رکھیں۔ ابن دقیق العید نے کہا کہ مطلقاً مکروہ قرار دینے کا حدیث انکار کرتی ہے لیکن جب اس قسم کی خرابی کی صورت پیدا ہونے کا خطرہ ہو تو مناسب یہ ہے کہ کبھی چھوڑ دیا جائے تاکہ یہ خطرہ ٹل جائے کیونکہ مستحب کام کو کبھی چھوڑ دیا جاتا ہے تاکہ متوقع فساد دور ہو جائے اور یہ فائدہ بعض اوقات چھوڑنے سے حاصل ہو جاتا ہے۔

احناف میں سے صاحب المحیط نے کہا کہ جمعہ کے دن صبح کی نماز میں آیتِ سجدہ والی سورت پڑھنا اس شرط کے ساتھ مستحب ہے کہ کبھی دوسری سورتیں بھی پڑھے تاکہ جاہل آدمی یہ خیال نہ کرے کہ اس کے علاوہ (سورت) پڑھنا جائز نہیں۔

ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: میں نے کسی حدیث میں یہ وضاحت نہیں دیکھی کہ نبی اکرم ﷺ نے ''سورۂ الم تنزیل'' پڑھ کر اس مقام پر سجدہ کیا ہو ہاں ابوداؤد (یہ عبداللہ بن سلیمان بن اشعث ہیں بغداد میں وفات پائی) [1] کی کتاب ''الشریعہ'' میں ایک دوسرے طریق سے ہے۔ جو حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں: میں جمعہ کے دن صبح کی نماز میں نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے سجدہ والی سورت پڑھ کر سجدہ کیا۔ اس حدیث میں ایسا راوی بھی ہے جس کی حالت قابل جائزہ ہے۔

امام طبرانی نے ''الاوسط'' میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے جمعہ کے دن صبح کی نماز میں ''الم تنزیل'' میں سجدہ کیا اور یہ اضافہ حسن ہے کیونکہ اس سے یہ احتمال دور ہو جاتا ہے کہ آپ نے سورت پڑھی اور سجدہ نہ کیا۔ [2]

پانچویں نوع

ظہر و عصر کی نماز میں نبی اکرم ﷺ کی قرأت

حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ ظہر کی پہلی دو رکعتوں میں سورۂ فاتحہ اور دو سورتیں پڑھتے اور دوسری دو رکعتوں میں صرف سورۂ فاتحہ پڑھتے تھے اور کبھی کبھی ہمیں آیت سناتے (بلند آواز سے پڑھتے) پہلی رکعت کو دوسری رکعت کے مقابلے میں لمبا کرتے۔ نماز عصر اور فجر کی نماز میں بھی اسی طرح کرتے تھے۔

شیخ تقی الدین سبکی رحمہ اللہ نے فرمایا: کہ دوسری رکعت کے مقابلے میں پہلی رکعت کو لمبا کرنے کا سبب یہ تھا کہ پہلی رکعت میں آدمی زیادہ ہشاش بشاش ہوتا ہے پس ملال میں پڑنے کے خوف سے دوسری رکعت میں تخفیف مناسب ہے۔

---

[1] (الاعلام ج ۳ ص ۹۱' تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۷۶۷' وفیات الاعیان ج ا ص ۲۱۴' تاریخ بغداد ج ۹ ص ۴۶۴' طبقات الحنابلہ ج ۲ ص ۵۱' لسان المیزان ج ۳ ص ۲۹۳)

[2] آج کل لوگ عام طور پر آیات سجدہ سے آگاہ نہیں ہوتے لہٰذا آیت سجدہ نہ پڑھی جائیں البتہ تراویح میں چونکہ مکمل قرآن مجید کی تلاوت ہوتی ہے لہٰذا وہ صورت الگ ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے بیان جواز کے لئے ایسا کیا نیز صحابہ کرام آیات سجدہ سے آگاہ تھے۔ ۱۹۹۳ء میں حرم کعبہ میں امام کعبہ نے حج کے موقعہ پر صبح کی نماز میں آیت سجدہ پڑھی تو بے شمار لوگوں کی نماز میں خلل واقع ہوا لہٰذا اجتناب کیا جائے۔ ۱۲ ہزاروی

حضرت عبدالرزاق نے حضرت معمر سے اور انہوں نے حضرت یحییٰ سے حدیث کے آخر میں نقل کیا کہ ہم نے گمان کیا آپ چاہتے ہیں کہ لوگ پہلی رکعت کو پالیں۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: ہم ظہر اور عصر میں نبی اکرم ﷺ کے قیام کا اندازہ لگاتے تو ہم نے ظہر کی پہلی دو رکعتوں میں ''الم تنزیل السجدۃ'' (کی مقدار) کا اندازہ لگایا اور ایک روایت میں ہے کہ ہر رکعت میں تیس آیات کا اندازہ لگایا اور پچھلی دو رکعتوں میں اس سے نصف کا اندازہ لگایا۔

عصر کی نماز میں پہلی دو رکعتوں کا اندازہ ظہر کی پچھلی دو رکعتوں میں قیام کے مطابق اور عصر کی پچھلی دو رکعتوں میں اس کے نصف کا اندازہ لگایا۔

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ ظہر کی نماز میں ''وَاللَّيْلِ إِذَا يَغْشٰى'' پڑھتے اور ایک روایت کے مطابق ''سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى'' پڑھتے تھے اور عصر میں اس کی مثل پڑھتے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے ہی مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ ظہر اور عصر میں ''وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْبُرُوْجِ'' اور ''وَالسَّمَآءِ وَالطَّارِقِ'' پڑھتے تھے۔

حضرت براء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: ہم نبی اکرم ﷺ کی اقتدا میں ظہر کی نماز پڑھتے تو سورۂ لقمان اور سورۃ الذاریات کی ایک آدھ سنتے۔ [1]

ابن دقیق العید نے فرمایا: اس سے معلوم ہوتا ہے کہ احادیث کے ظاہر حال پر اکتفا کرنا جائز ہے یقین پر توقف ضروری نہیں کیونکہ سری نمازوں میں کسی سورت کے پڑھنے کا علم صرف سماع (سننے) سے ہو سکتا ہے اور یقین کا فائدہ تو جہری نمازوں میں ہوتا ہے گویا انہوں نے بعض کو سننے اور باقی پر قرینہ پائے جانے سے یہ حکم اخذ کیا اور یہ بھی احتمال ہے کہ نبی اکرم ﷺ ہمیشہ یا کبھی کبھی نماز کے بعد ان کو دو سورتیں پڑھنے کی خبر دیتے ہوں لیکن یہ بات عقل سے بعید نہیں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ظہر کی نماز میں ''سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى'' اور ''هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ الْغَاشِيَةِ'' پڑھی۔

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نماز کھڑی ہوتی پس کوئی جانے والا البقیع میں جاتا اور قضائے حاجت کے بعد واپس گھر میں آ کر وضو کرتا تو نبی اکرم ﷺ کو پہلی رکعت میں پاتا۔

چھٹی نوع

نماز مغرب میں نبی اکرم ﷺ کی قراءت

حضرت ام الفضل بنت حارث رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں میں نے نبی اکرم ﷺ کو مغرب کی نماز میں سورۂ ''وَالْمُرْسَلٰتِ عُرْفًا'' پڑھتے ہوئے سنا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۶۳، سنن نسائی رقم الحدیث: ۹۸۳، سنن دارمی رقم الحدیث: ۱۲۹۳، مسند احمد ج ۶ ص ۳۳۸۔ ۳۴۰، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۴۶۲، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۸۱۰، موطا امام مالک رقم الحدیث: ۲۳)

---

[1] کبھی کبھی تعلیم امت کے لئے آپ بلند آواز سے قراءت فرماتے تھے۔ ۱۲ ہزاروی

حضرت عقیل نے حضرت ابن شہاب سے روایت کرتے ہوئے واضح الفاظ میں بیان کیا کہ یہ نبی اکرم ﷺ کی آخری نماز تھی ان کے الفاظ اس طرح ہیں۔

پھر آپ نے ہمیں کوئی نماز نہیں پڑھائی حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی روح مبارک واپس فرمالی۔ یہ حدیث امام بخاری رحمہ اللہ نے باب العرفاۃ میں نقل کی ہے۔

امام بخاری نے ہی باب "انما جعل الامام لیؤتم بہ" (امام اس لئے مقرر کیا جاتا ہے کہ اس کی اقتداء کی جائے) میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے نقل کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے مرض الوصال میں صحابہ کرام کو جو نماز پڑھائی وہ نماز ظہر تھی۔

ان دونوں حدیثوں کو یوں جمع کیا گیا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جس نماز کا ذکر کیا ہے وہ مسجد میں تھی اور جس نماز کے بارے میں حضرت ام الفضل رضی اللہ عنہا نے بیان کیا وہ گھر میں تھی۔

لیکن حضرت ابن اسحاق کی حضرت ابن شہاب سے روایت اس بات کے خلاف ہے اور اس کا رد کرتی ہے وہ فرماتے ہیں: نبی اکرم ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے تو آپ نے بیماری کی وجہ سے سر پر پٹی باندھ رکھی تھی پس آپ نے مغرب کی نماز پڑھائی۔

"ہماری طرف تشریف لائے" کے الفاظ کو اس بات پر محمول کرنا ممکن ہے کہ جس مکان میں آپ آرام فرماتے تھے وہاں سے ان لوگوں کے پاس تشریف لائے جو گھر میں تھے پس ان کو نماز پڑھائی۔ اس طرح روایات باہم متفق ہوں گی۔ [1]

حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: میں نے رسول اکرم ﷺ سے سنا آپ مغرب کی نماز میں سورۂ طور پڑھ رہے تھے۔

امام مسلم نے جہاد کے باب میں یہ اضافہ نقل کیا ہے کہ حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ بدر کے قیدیوں میں آئے تھے۔ اسماعیل نے یہ اضافہ کیا کہ ان دنوں وہ مشرک تھے۔

امام بخاری نے "المغازی" میں نقل کیا کہ انہوں نے فرمایا: یہ پہلا موقع تھا کہ میرے دل میں ایمان داخل ہوا۔

امام طبرانی نے نقل کیا کہ انہوں نے فرمایا: نبی اکرم ﷺ کی قرأت سے میں پریشان ہوگیا' سعید بن منصور فرماتے ہیں: انہوں نے کہا گویا میرا دل نکلا جا رہا ہے۔

اور حضرت جبیر بن مطعم کا یہ کہنا کہ میں نے نبی اکرم ﷺ سے سنا' جہری قرأت کی دلیل ہے۔ واللہ اعلم

حضرت مروان بن حکم سے مروی ہے کہ زید بن ثابت نے مجھ سے فرمایا تمہیں کیا ہوا کہ تم مغرب کی نماز میں قصار مفصل (لم یکن الذین سے آخر قرآن تک) پڑھتے ہو حالانکہ میں نے نبی اکرم ﷺ سے سنا آپ دو لمبی سورتوں کی طوالت کے برابر پڑھتے تھے۔ ابوداؤد نے یہ اضافہ کیا کہ مروان بن حکم نے کہا اس سے کیا مراد ہے؟ فرمایا سورۂ اعراف مراد ہے۔

"نسائی شریف کی روایت میں" حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے مغرب کی نماز میں سورۂ اعراف کو دو رکعتوں پر تقسیم کر کے پڑھا۔

---

[1] روایات کو یوں جمع کیا جائے گا کہ جس کمرے میں تشریف فرما تھے اس سے دوسرے کمرے میں تشریف لائے۔ (زرقانی ج ۷ ص ۳۱۰)

حضرت عبداللہ بن عتبہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ نے مغرب کی نماز میں حم الدخان پڑھی۔

قرأت کے بارے میں ان احادیث میں مختلف مقدار کا ذکر ہے کیونکہ سورۂ اعراف سات لمبی سورتوں میں سے ہے سورۂ طور طوال مفصل سے ہے اور سورۂ مرسلات اوساط مفصل سے ہے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: میں نے کوئی ایسی مرفوع حدیث نہیں دیکھی جس میں قصار مفصل سے قرأت کا ذکر کیا گیا ہو البتہ ''سنن ابن ماجہ میں'' ایک حدیث حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے جس میں سورۂ الکافرون اور سورۂ اخلاص کا ذکر ہے اس کی مثل ابن حبان نے حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے۔

جہاں تک حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث کا تعلق ہے تو اس کی سند ظاہری طور پر صحیح ہے مگر یہ معلول ہے۔ دار قطنی نے کہا کہ بعض راویوں نے اس میں خطا کی ہے۔

اور حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں سعد بن سماک متروک ہیں اور محفوظ حدیث یہ ہے کہ آپ نے مغرب کی بعد والی دو رکعتوں (سنتوں) میں یہ دو سورتیں (الکافرون اور الاخلاص) پڑھی ہیں۔

ہمارے بعض اصحاب اور دوسرے حضرات نے حضرت سلیمان بن یسار کی حدیث پر اعتماد کیا وہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا میں نے فلاں شخص کے مقابلے میں کسی شخص کو رسول اکرم ﷺ کی نماز کے زیادہ مشابہ نماز پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا' سلیمان کہتے ہیں کہ وہ فلاں صبح کی نماز میں طوال مفصل اور مغرب کی نماز میں قصار مفصل پڑھتے تھے۔[1]

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ عمل دائمی لیکن اس سے استدلال محل نظر ہے ہاں حضرت رافع رضی اللہ عنہ کی حدیث کہ صحابہ کرام نماز مغرب کے بعد تیر اندازی کرتے تھے اس نماز میں ہلکی قرأت پر دلالت ہے۔

ان احادیث کو یوں جمع کیا جاسکتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کبھی کبھار مغرب کی نماز میں طویل قرأت کرتے تھے یا تو بیانِ جواز کے لئے ایسا کرتے یا اس لئے کہ آپ جانتے تھے کہ اس سے مقتدی مشقت میں نہیں پڑتے اور حضرت جبیر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں اس بات پر کوئی دلیل نہیں کہ آپ کا یہ عمل تکرار کے ساتھ ہوتا تھا۔

جب کہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی حدیث اس بات (تکرار) کی خبر دیتی ہے کیونکہ انہوں نے قصار مفصل کی مسلسل قرأت کے حوالے سے مروان پر اعتراض کیا اگر مروان کے علم میں یہ بات ہوتی کہ نبی اکرم ﷺ ہمیشہ قصار مفصل پڑھتے تھے تو حضرت زید کے مقابلے میں استدلال کرتے انہوں نے مروان سے اس بات کا ارادہ کیا کہ جس طرح انہوں نے نبی اکرم ﷺ سے دیکھا ہے وہ کبھی کبھی اس پر عمل کیا کریں (تاکہ یہ طریقہ بھول نہ جائے) حضرت ام الفضل رضی اللہ عنہا کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ حالتِ صحت میں ''والمرسلات'' سے بھی لمبی سورت کی قرأت کرتے تھے کیونکہ سخت مرض کی حالت میں یہ سورت پڑھتے تھے اور یہ حالت تخفیف کا تقاضا کرتی ہے۔

اور یہ ابو داؤد کے اس دعویٰ کا رد ہے کہ مغرب کی نماز میں لمبی سورت پڑھنے کا حکم منسوخ ہو چکا ہے۔ انہوں نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی حدیث کے بعد حضرت عروہ رضی اللہ عنہ کے طریق سے حدیث روایت کی کہ نبی اکرم

---

[1] سورۂ الحجرات سے سورۂ البروج تک طوال مفصل' سورۂ بروج سے لم یکن الذین تک اوساط مفصل اور لم یکن الذین سے آخر تک قصار مفصل ہے۔ ۱۲ ہزاروی

ﷺ مغرب کی نماز میں قصار مفصل پڑھتے تھے اور یہ بات حضرت زید رضی اللہ عنہ کی حدیث کے منسوخ ہونے پر دلالت کرتی ہے لیکن امام ابوداؤد نے دلالت کی وجہ بیان نہیں کی۔

اور منسوخ ہونے کا دعویٰ کیسے صحیح ہوسکتا ہے جب کہ حضرت ام الفضل فرماتی ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے صحابہ کرام کو جو سب سے آخری نماز پڑھائی اس میں سورۃ ''والمرسلات'' پڑھی ہے۔

ابن خزیمہ اپنی صحیح میں فرماتے ہیں: کہ یہ مباح کام میں اختلاف ہے' نمازی کے لئے جائز ہے کہ وہ مغرب کی نماز اور باقی تمام نمازوں میں بھی جو چاہے پڑھے البتہ جب امام ہو تو قرأت میں تخفیف کرے (لمبی قرأت نہ کرے)۔

امام نووی رحمہ اللہ کے نزدیک اس بات کو ترجیح ہے کہ مفصل سورۂ حجرات سے قرآن مجید کے آخر تک ہے (طوال مفصل' اوساط مفصل اور قصار مفصل تینوں سورۂ حجرات سے آخر تک ہیں)۔

ساتویں نوع

نماز عشاء میں نبی اکرم ﷺ کی قرأت

حضرت براء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ عشاء کی نماز میں سورۃ ''والتین'' پڑھتے تھے تو میں نے کسی ایک کو آپ سے اچھی آواز اور اچھی قرأت والا نہیں سنا۔

بعض آیات کے بعد دعا

نبی اکرم ﷺ جب کسی عذاب والی آیت پر پہنچتے تو توقف کر کے اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ پڑھتے۔ یہ حدیث حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

اور جب آپ ''سَبِّحِ اسْمَ رَبِّکَ الْاَعْلٰی'' پڑھتے تو فرماتے ''سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی'' یہ حدیث حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت سے مروی ہے۔

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: تم میں سے جو شخص ''وَالتِّیْنِ وَالزَّیْتُوْنِ'' پڑھے حتیٰ کہ ''اَلَیْسَ اللّٰہُ بِاَحْکَمِ الْحَاکِمِیْنَ'' تک پہنچے (مکمل سورت پڑھے) تو یوں کہے:

بَلٰی وَاَنَا عَلٰی ذٰلِکَ مِنَ الشَّاہِدِیْنَ۔ ہاں کیوں نہیں میں اس پر گواہوں میں سے ہوں۔

اور جو آدمی ''لَآ اُقْسِمُ بِیَوْمِ الْقِیٰمَۃِ'' پڑھتے ہوئے ''اَلَیْسَ ذٰلِکَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓی اَنْ یُّحْیِیَ الْمَوْتٰی'' تک پہنچے تو کہے (بلٰی ہاں کیوں نہیں)۔

اور جو آدمی ''وَالْمُرْسَلٰتِ عُرْفًا'' پڑھے پس ''فَبِاَیِّ حَدِیْثٍۭ بَعْدَہٗ یُؤْمِنُوْنَ'' تک پہنچے یعنی مکمل سورت پڑھ لے تو کہے ''اٰمنا باللّٰہ ہم اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے''۔[1] (السنن الکبریٰ ج ۲ ص ۳۱۰' شرح السنہ ج ۳ ص ۱۰۴۔ ج ۴ ص ۲۲۳' مشکوٰۃ المصابیح للتبریزی رقم الحدیث: ۸۶۰' تفسیر ابن کثیر ج ۸ ص ۳۰۹' کنز العمال رقم الحدیث: ۲۷۹۳)

[1] ''اَلَیْسَ ذٰلِکَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓی اَنْ یُّحْیِیَ الْمَوْتٰی'' کا ترجمہ یہ ہے کہ کیا وہ (اللہ تعالیٰ) مردوں کو زندہ کرنے پر قادر نہیں۔ ''فَبِاَیِّ حَدِیْثٍۭ بَعْدَہٗ یُؤْمِنُوْنَ'' کا ترجمہ ہے اس کے بعد تم کس بات پر ایمان لاؤ گے؟ ۱۲ ہزاروی

یہ حدیث امام ابوداؤد نے روایت کی اور امام ترمذی نے "وَاَنَا عَلٰی ذٰلِکَ مِنَ الشَّاهِدِیْنَ" تک روایت کی ہے۔[1]

نماز میں سکتے

اور نبی اکرم ﷺ تکبیر تحریمہ اور قرأت کے درمیان سکتہ کرتے (خاموشی اختیار کرتے)۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے اسی بارے میں پوچھا تھا اور سورۂ فاتحہ کے بعد بھی سکتہ فرماتے اور تیسرا سکتہ سورت پڑھنے کے بعد کرتے اور یہ نہایت لطیف (ہلکا پھلکا) سکتہ ہوتا حتیٰ کہ سانس ٹوٹ آئے اور آپ رکوع میں قرأت نہیں کرتے تھے۔

پہلا سکتہ ثناء کی مقدار میں کرتے تھے اور دوسرا سکتہ اس لئے کہ مقتدی سورۂ فاتحہ پڑھ لے پس اس کے مطابق لمبا ہونا چاہیے۔ یہ بات "زاد المعاد میں" ذکر کی ہے۔[2]

حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: میں نے نبی اکرم ﷺ سے دو سکتے یاد رکھے ہیں جب آپ نماز میں داخل ہوتے اور جب قرأت سے فارغ ہوتے اس کے بعد حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا اور جب آپ "ولا الضالین" پڑھتے (تو سکتہ کرتے) وہ فرماتے ہیں نبی اکرم ﷺ کو یہ بات پسند تھی کہ جب آپ قرأت سے فارغ ہوں تو سکتہ کریں حتیٰ کہ سانس واپس آ جائے (ظاہر یہ ہے کہ معمولی سا سکتہ ہوتا اور اس کی وجہ سانس کی واپسی تھی مقتدی کی قرأت کے لئے انتظار نہیں فرماتے تھے۔ ۱۲ ہزاروی)

آٹھویں نوع

نبی اکرم ﷺ کا رکوع

حضرت ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو ہاتھوں کو اٹھاتے حتیٰ کہ کاندھوں کے برابر لے جاتے[3] پھر انہوں نے مکمل حدیث ذکر کرتے ہوئے کہا پھر تکبیر کہتے اور ہاتھوں کو کاندھوں کے برابر لے جاتے پھر رکوع کرتے اور اپنی ہتھیلیوں کو گھٹنوں پر رکھتے پھر (پیٹھ کو) برابر کرتے پس سر کو نہ تو جھکاتے اور نہ (پیٹھ سے) بلند کرتے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۷۳۰)

---

[1] چونکہ یہ دعا اور ثناء ہے لہٰذا بلند آواز سے نہ پڑھے۔ (زرقانی ج ۷ ص ۳۱۴)

[2] حضور علیہ السلام نے فرمایا جس کا امام ہو تو اس امام کی قرأت ہی اس (مقتدی) کی قرأت ہے لہٰذا اس حدیث کی روشنی میں امام کے پیچھے قرأت نہیں کرنا اور سکتہ کی یہ تاویل حدیث میں نہیں بلکہ ابن قیم نے بیان کی ہے۔ ۱۲ ہزاروی

[3] یعنی ہاتھ کاندھوں کے برابر ہوتے اور انگلیاں کانوں کے برابر ہوتیں جس طرح ہمارے ہاں ہاتھ اٹھانے کا طریقہ ہے۔ ۱۲ ہزاروی

نویں نوع

نبی اکرم ﷺ کے رکوع کی مقدار

حضرت ابن جبیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: میں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے سنا فرماتے تھے کہ میں نے رسول اکرم ﷺ کے بعد اس نوجوان یعنی حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ سے بڑھ کر کسی کی نماز کو رسول اکرم ﷺ کی نماز کے زیادہ مشابہ نہیں دیکھا پس ہم نے آپ کے رکوع کو دس تسبیحات اور آپ کے سجدے کو دس تسبیحات کے برابر شمار کیا۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۸۸۸)

حضرت براء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ کا رکوع یا سجدہ دونوں سجدوں کے درمیان وقفہ اور جب رکوع سے اٹھتے (قومہ) تقریباً برابر ہوتے سوائے قیام اور قعدہ کے (اس میں زیادہ دیر ٹھہرتے)۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ حدیث بعض حالتوں پر محمول ہے ورنہ حدیث شریف میں طویل قیام ثابت ہے کیونکہ آپ صبح کی نماز میں ساٹھ سے ایک سو تک آیات اور ظہر میں ''الم السجدہ'' پڑھتے اور نماز کھڑی ہوتی تو جانے والا بقیع کی طرف جاتا اور قضائے حاجت کے بعد گھر کی طرف لوٹ کر وضو کرتا اور پھر مسجد میں آتا تو پہلی رکعت کو پالیتا اور آپ نے سورۂ مومنون حتیٰ کہ حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کے ذکر تک پہنچے اور مغرب کی نماز میں سورۂ طور اور سورۂ المرسلت پڑھی اور ''صحیح بخاری میں'' سورۂ اعتراف کا بھی ذکر ہے پس یہ تمام باتیں اس پر دلالت ہے کہ آپ حالات کے مطابق قیام کو لمبا کرتے تھے۔

ابن قیم نے کہا حضرت براء رضی اللہ عنہ کی مراد یہ ہے کہ آپ کی نماز اعتدال پر مبنی ہوتی تھی پس جب آپ کی قرأت طویل ہوتی تو رکوع اور سجدہ بھی لمبا ہوتا اور جب نماز ہلکی پھلکی ہوتی تو رکوع اور سجدہ بھی مختصر ہوتا اور کبھی آپ رکوع اور سجدہ کے برابر قیام کرتے تھے۔

اور نبی اکرم ﷺ کا عام طریقہ یہی تھا کہ نماز میں اعتدال اور تناسب اختیار فرماتے (یعنی رکوع اور سجدہ وغیرہ قیام کی مناسبت سے ہوتا تھا)۔

دسویں نوع

نبی اکرم ﷺ رکوع میں اور اس سے اٹھتے ہوئے کیا پڑھتے تھے؟

رکوع کے کلمات

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ اپنے رکوع اور سجدہ میں عام طور پر یہ کلمات پڑھتے تھے:

سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَا وَبِحَمْدِكَ اللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ.
اے اللہ! ہمارے رب! میں تیری حمد کے ساتھ تسبیح کرتا ہوں یا اللہ! مجھے بخش دے۔

آپ قرآن مجید میں تاویل کرتے۔ مطلب یہ کہ جو کچھ قرآن مجید میں حکم دیا گیا اس پر عمل کرتے اور وہ حکم اس طرح ہے:

فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا. (النصر:۳)
پس آپ اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح بیان کریں اور اس سے بخشش مانگیں بے شک وہ بہت توبہ قبول کرنے والا ہے۔

پس نبی اکرم ﷺ آیت کریمہ (مذکورہ) میں دیئے گئے حکم کی بھرپور تعمیل میں یہ عمدہ کلام کرتے۔

ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ہی مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ اپنے رکوع میں یہ کلمات پڑھتے تھے:

سُبُّوْحٌ قُدُّوْسٌ رَبُّ الْمَلٰٓئِكَةِ وَالرُّوْحِ.
فرشتوں اور روح کا رب پاک ہے مقدس ہے۔
(صحیح بخاری)

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ رکوع میں "سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيْمِ" اور سجدے میں "سُبْحَانَ رَبِّيَ الْاَعْلٰى" پڑھتے تھے۔

اور جب آپ رکوع سے پیٹھ اٹھاتے تو یوں کہتے:[1]

سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ مِلْءُ السَّمَاوَاتِ وَمِلْءُ الْاَرْضِ وَمِلْءُ مَا شِئْتَ مِنْ شَيْءٍ بَعْدُ.
اللہ تعالیٰ نے اس کی بات سن لی جس نے اس کی حمد کی اے ہمارے رب! تیرے ہی لئے حمد (تعریف) ہے تمام آسمان بھرے ہوئے تمام زمین بھری ہوئی اور جو کچھ اس کے بعد تو چاہے وہ بھرا ہوا۔

نمازی قومہ میں کیا پڑھے؟

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: نمازی جب رکوع سے کھڑا ہونا شروع ہو تو "سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ" کہے اور اسے لمبا کرے حتیٰ کہ سیدھا کھڑا ہو جائے پھر کھڑا ہونے کی حالت کا ذکر شروع کرے یعنی "رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ" پڑھے۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس حدیث میں امام شافعی اور ایک جماعت کے لئے دلالت ہے کہ ہر نماز کے لئے وہ امام ہو یا مقتدی یا تنہا مستحب ہے کہ وہ "سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ" اور "رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ" کو جمع کرے جب وہ رکوع سے کھڑا ہو۔ کیونکہ نبی اکرم ﷺ کا ان دونوں کو جمع کرنا ثابت ہے اور آپ نے فرمایا:

صلوا كما رأيتموني اصلي.
نماز پڑھو جس طرح مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو۔

(السنن الکبریٰ ج۲ص۳۴۵' التمہید ج۵ص۱۷' سنن دارقطنی ج۱ص۲۷۳۔۳۴۶' مشکوٰۃ المصابیح للتبریزی رقم الحدیث:۶۸۳' اتحاف السادۃ المتقین ج۳ص۷۱۔۳۰۳۔۳۹۶' شرح السنہ ج۲ص۲۹۶)

[1] رکوع اور سجدے میں نیز قومہ اور جلسہ میں پڑھے جانے والے یہ تمام کلمات نفل نماز میں پڑھے جائیں فرائض میں نہیں۔۱۲ ہزاروی

ابن قیم نے کہا کہ نبی اکرم ﷺ جب سیدھے کھڑے ہوجاتے تو " ربنا ولک الحمد " پڑھتے۔
اور کبھی " ربنا لک الحمد " (واؤ کے بغیر) پڑھتے لیکن " اللهم " اور واؤ دونوں کو جمع کرنا صحیح نہیں۔

میں کہتا ہوں " صحیح بخاری میں " حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے ہے اور اصیلی کی روایت میں مرفوعاً آتا ہے کہ جب امام " سمع الله لمن حمده " کہے تو تم " اللهم ربنا ولک الحمد " کہو۔ ۱؎ (صحیح مسلم رقم الحدیث:۴۷۱ ،سنن ابو داؤد رقم الحدیث:۸۴۸ ،سنن ترمذی رقم الحدیث:۲۶۷ ،سنن نسائی ج۲ص۱۹۶ ،سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۸۷۶۔۸۷۷ ،مسند احمد ج۲ص۳۹۴۔۴۵۹ ،سنن دارمی ج۱ص۳۰۰ ،السنن الکبریٰ ج۲ص۹۶ ،سنن دارقطنی ج۱ص۳۳۹ ،موطا امام مالک رقم الحدیث:۸۸ ،مصنف ابن ابی شیبہ ج۱ص۲۵۲ ،مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث:۲۹۰۹۔۲۹۱۳ ،نصب الرایہ ج۱ص۳۷۷ ،کنز العمال رقم الحدیث:۱۹۷۳۵۔۲۰۲۷۱۔۲۰۲۷۲)

پس اللهم اور واؤ کو جمع کیا اور یہ ابن قیم کا رد ہے جیسا کہ تم دیکھ رہے ہو۔

شیخ تقی الدین نے " شرح العمدہ میں " کہا کہ واؤ کو ثابت رکھنا زائد معنیٰ پر دلالت ہے کیونکہ تقدیر عبارت اس طرح ہوگی " ربنا استجب " (اے ہمارے رب دعا قبول فرما) یا جو اس کے قریب ہو " ولک الحمد " اور تیرے ہی لئے حمد ہے پس کلام دعا کے معنیٰ اور خبر کے معنیٰ پر مشتمل ہوگا اور جب واؤ کو ساقط کرنے کا قول کیا جائے تو ان دو میں سے ایک بات پر دلالت ہوگی۔

ابن عراقی نے کہا کہ واؤ کو ساقط کرنے کا قول ابن قدامہ نے امام شافعی رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے اور کہا کہ واؤ عطف کے لئے ہوتی ہے اور یہاں کوئی ایسی بات نہیں جس پر عطف کیا جائے۔ امام مالک اور امام احمد رحمہما اللہ سے اس سلسلے میں اختلاف مروی ہے۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: دونوں باتوں کے بارے میں بے شمار روایات آئی ہیں اور مختار بات یہ ہے کہ یہاں جواز ہے اور دونوں باتیں جائز ہیں ایک کو دوسرے پر ترجیح نہیں ہے۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: رسول اکرم ﷺ جب رکوع سے سر اٹھاتے تو یوں فرماتے:

اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ مِلْءَ السَّمٰوَاتِ وَمِلْءَ الْاَرْضِ وَمِلْءَ مَا شِئْتَ مِنْ شَیْءٍ بَعْدُ اَهْلَ الثَّنَاءِ وَالْمَجْدِ اَحَقُّ مَا قَالَ الْعَبْدُ وَکُلُّنَا لَکَ عَبْدٌ اَللّٰهُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا اَعْطَیْتَ وَلَا مُعْطِیَ لِمَا مَنَعْتَ وَلَا یَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْکَ الْجَدُّ۔

یا اللہ! اے ہمارے رب! تیرے ہی لئے تعریف ہے تمام آسمان بھرے ہوئے زمین بھری ہوئی اس کے بعد جو چیز تو چاہے وہ بھری ہوئی تو تعریف اور بزرگی والا ہے جو کچھ بندہ کہے تو اس سے زیادہ کا حق دار ہے ہم سب تیرے بندے ہیں یا اللہ! جو کچھ تو عطا کرے اس کو روکنے والا کوئی نہیں اور جو کچھ تو روک دے اسے عطا کرنے والا کوئی نہیں اور کسی مالدار کا مال (تیرے عذاب سے بچاتے ہوئے) اسے نفع نہیں دے گا (عمل نفع دے گا)۔

۱؎ اس حدیث میں واضح طور پر بتایا گیا ہے کہ امام صرف سمع الله لمن حمده کہے اور مقتدی صرف ربنا لک الحمد کہے۔۱۲ ہزاروی

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۰۱_۲۰۲_۲۰۶ سنن نسائی رقم الحدیث: ۱۱۱_ ج ۲ ص ۱۹۵_۱۹۸ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۶ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۹_۴۷۹ سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۳۲۱_۳۳۲۳ مسند احمد ج ۱ ص ۲۷۰_۲۷۵_۳۷۰_ ج ۳ ص ۲۸۵_۳۵۶_۳۸۱ السنن الکبریٰ ج ۲ ص ۹۳ نصب الرایہ ج ۱ ص ۳۷۶ المعجم الکبیر ج ۱۰ ص ۲۰۸)

''ملء السماوات وملء الارض'' کا مطلب یہ ہے کہ اگر حمد کا جسم ہوتا تو اس سے تمام آسمان اور زمین بھر جاتے۔

''سمع اللہ لمن حمدہ'' کا معنیٰ قبول کیا یعنی جو شخص ثواب حاصل کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ کی تعریف کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس سے قبول کرتا ہے اور اسے وہ کچھ عطا کرتا ہے جس کا وہ قصد کرتا ہے۔

تو میں ''ربنا لک الحمد'' کہتا ہوں تا کہ یہ مقصد حاصل ہو۔

اور لفظ ''اھل'' ندا (منادیٰ مضاف) ہونے کی وجہ سے منصوب ہے اور ''وکلنا لک عبد'' واؤ کے ساتھ ہے یعنی بندے کا سب سے سچا قول یہ ہے کہ ''جو کچھ تو عطا کرے اسے کوئی روکنے والا نہیں'' اور دونوں کے درمیان ''وکلنا لک عبد'' جملہ معترضہ ہے جیسے اللہ تعالیٰ کے ارشاد گرامی:

قَالَتْ رَبِّ اِنِّیْ وَضَعْتُهَاۤ اُنْثٰى وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا وَضَعَتْ وَلَیْسَ الذَّكَرُ كَالْاُنْثٰى. (آل عمران: ۳۶)

(حضرت عمران کی بیوی نے) کہا اے میرے رب! بے شک میں نے اس کو بچی جنا ہے اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جو انہوں نے جنا اور وہ (مطلوب) لڑکا (اس) لڑکی کی طرح نہیں۔

اس میں ''واللہ اعلم بما وضعت'' ان لوگوں کے نزدیک جملہ معترضہ ہے جو عین پر فتح اور تا کو ساکن پڑھتے ہیں۔

''الجد'' میں جیم پر فتح (زبر) ہے مالداری کو کہتے ہیں یعنی کسی مالدار کو اس کی مالداری تجھ سے (تیرے عذاب سے) بچا نہیں سکتی فائدہ تو صرف ایمان اور اطاعت سے حاصل ہوتا ہے۔

اس کے علاوہ مطالب بھی بیان کئے گئے ہیں اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے۔

''صحیح مسلم میں'' حضرت ابن ابی اوفیٰ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ (اس دعا میں) ''من شیء'' کے بعد یہ الفاظ بھی کہتے تھے:

اَللّٰهُمَّ طَهِّرْنِیْ بِالثَّلْجِ وَالْبَرَدِ وَالْمَآءِ الْبَارِدِ.

یا اللہ! مجھے برف اولوں اور ٹھنڈے پانی کے ساتھ پاک کر دے۔

گیارہویں نوع

نبی اکرم ﷺ کے سجدے کا طریقہ اور اس کے کلمات

نبی اکرم ﷺ جب رکوع سے کھڑے ہونے کے بعد والے ذکر سے فارغ ہوتے تو تکبیر کہتے اور سجدے میں چلے جاتے اور اپنے ہاتھوں کو نہ اٹھاتے۔

ایک روایت میں یہ ہے کہ آپ ہاتھ بھی اٹھاتے تھے اور بعض حفاظ حدیث مثلاً ابن حزم وغیرہ نے اسے صحیح قرار دیا ہے اور ان کو جس بات سے مغالطہ ہوا وہ راوی کا اس قول میں غلطی کرنا ہے کہ "کان یکبر فی کل خفض ورفع آپ جب بھی نیچے جاتے اور اٹھتے تو تکبیر کہتے" آگے یوں ہے "کان یرفع یدیہ فی کل خفض ورفع آپ جب بھی نیچے جاتے اور اوپر کی طرف اٹھتے تو ہاتھ اٹھاتے" اور چونکہ راوی ثقہ ہے پس وہ اس کی غلطی کے سبب کو سمجھ نہ سکے اور اس کا وہم کرتے ہوئے صحیح قرار دیا اس بات سے "زاد المعاد میں" آگاہ کیا گیا۔

اور نبی اکرم ﷺ اپنے ہاتھوں کو گھٹنوں سے پہلے رکھا کرتے تھے۔ اس حدیث کو امام ابوداؤد نے نقل کیا ہے۔ پھر اپنی پیشانی اور ناک کو رکھتے۔ آپ نے ارشاد فرمایا:

امرت ان اسجد علی سبعة اعظم الجبهة والیدین والرکبتین واطراف القدمین.

مجھے سات اعضاء پر سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا پیشانی، ہاتھ، گھٹنے اور قدموں کے کنارے۔

اس حدیث کو امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث سے نقل کیا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۳۳، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۲۷، سنن ترمذی رقم الحدیث: ۸۷، سنن نسائی رقم الحدیث: ۳۳ـ۵۸، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۹، سنن دارمی رقم الحدیث: ۲۷، مسند احمد ج ۱ ص ۲۷۹ـ۳۰۵، المعجم الکبیر ج ۱۱ ص ۱۵۱، اتحاف السادۃ المتقین ج ۳ ص ۹۱، الکامل فی الضعفاء ج ۲ ص ۳۲۶)

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

پس نمازی کو چاہیے کہ ان تمام اعضاء پر سجدہ کرے اور پیشانی اور ناک دونوں پر سجدہ کرے جہاں تک پیشانی کا تعلق ہے تو اسے ننگا کرتے ہوئے زمین پر رکھنا واجب ہے اور بعض حصے پر کفایت بھی ہو سکتی ہے اور ناک کا (زمین پر) رکھنا مستحب ہے اگر اسے چھوڑ بھی دے تو جائز ہے اور صرف ناک پر سجدہ کرے اور پیشانی لگانا چھوڑ دے تو جائز نہیں۔

یہ امام شافعی، امام مالک اور اکثر (فقہاء) رحمہم اللہ کا مذہب ہے۔ حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے ظاہر حدیث کے مطابق (پیشانی اور ناک) دونوں کو اکٹھا رکھنے کا قول کیا ہے اور اکثر حضرات نے فرمایا کہ حدیث کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں ایک عضو کے حکم میں ہیں کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے سات کا حکم دیا اگر ان کو دو عضو قرار دیا جاتا تو آٹھ اعضاء کہا جاتا۔

اور نبی اکرم ﷺ جب سجدہ کرتے تو دونوں ہاتھوں کے درمیان کشادگی رکھتے حتیٰ کہ آپ کی مبارک بغلوں کی سفیدی ظاہر ہو جاتی۔

حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: آپ اپنے بازوؤں کو اس طرح کشادہ کرتے کہ اگر آپ کے ہاتھوں کے درمیان سے بکری کا بچہ گزرنا چاہتا تو گزر جاتا۔

اور نبی کریم ﷺ سے یہ بات مذکور نہیں ہے کہ آپ نے اپنے عمامہ شریف کے کنارے پر سجدہ کیا اور کسی صحیح اور حسن حدیث میں بھی آپ سے یہ بات ثابت نہیں لیکن امام عبدالرزاق رحمہ اللہ نے مصنف (مصنف عبدالرزاق) میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ نبی کریم ﷺ اپنے عمامہ شریف کے کنارے پر سجدہ کرتے تھے یہ حدیث عبداللہ بن محرز (راوی) کی روایت سے مروی ہے اور وہ متروک ہے۔

امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے مراسیل میں ذکر کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے ایک شخص کو نماز پڑھتے دیکھا اس نے اپنی پیشانی پر سجدہ کیا اور اس نے عمامہ باندھ رکھا تھا تو نبی اکرم ﷺ نے اسے (پیشانی سے) ہٹا دیا۔

نبی اکرم ﷺ سجدے میں ان کلمات کے ساتھ دعا مانگتے:

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ ذَنْبِیْ کُلَّہٗ دِقَّہٗ وَجِلَّہٗ اَوَّلَہٗ وَاٰخِرَہٗ عَلَانِیَتَہٗ وَسِرَّہٗ۔

یا اللہ! میرے تمام گناہ بخش دے تھوڑے اور زیادہ پہلے اور پچھلے ظاہر اور پوشیدہ۔

اس حدیث کو امام مسلم رحمہ اللہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے نقل کیا۔

''دقہ وجلہ'' دونوں کا پہلا حرف مکسور ہے یعنی تھوڑے اور زیادہ (گناہ)۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے فرماتی ہیں: میں نے ایک رات نبی اکرم ﷺ کو بستر پر نہ پایا تو آپ کو تلاش کیا چنانچہ میرے ہاتھ آپ کے قدموں کے نچلے حصے پر لگے آپ حالت سجدہ میں تھے اور دونوں پاؤں کھڑے تھے اور یہ کلمات فرما رہے تھے:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِرِضَاکَ مِنْ سَخَطِکَ وَبِمُعَافَاتِکَ مِنْ عُقُوْبَتِکَ وَاَعُوْذُ بِکَ مِنْکَ لَا اُحْصِیْ ثَنَاءً عَلَیْکَ اَنْتَ کَمَا اَثْنَیْتَ عَلٰی نَفْسِکَ۔ (صحیح مسلم)

یا اللہ! بے شک میں تیری رضا کے ساتھ تیری ناراضگی سے اور تیرے عفو کے ساتھ تیرے عذاب سے پناہ چاہتا ہوں اور تجھ سے (تیرے عذاب سے) تیری ہی پناہ میں آتا ہوں میں تیری تعریف نہیں کر سکتا تو اسی طرح جس طرح تو نے خود اپنی تعریف کی۔

خطابی نے کہا کہ اس حدیث میں لطیف معنیٰ ہے وہ یہ کہ نبی کریم ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگی اور اس سے سوال کیا کہ وہ اپنی ناراضگی سے اپنی رضا میں اور اپنے عذاب سے اپنی عفو و درگزر میں پناہ دے' رضا اور سخط (ناراضگی) ایک دوسرے کی ضد اور ایک دوسرے کے مقابل ہیں اسی طرح معاف کرنا اور عذاب بھی ایک دوسرے کی ضد ہیں تو جب آپ نے اس کا ذکر کیا جس کی کوئی ضد نہیں اور وہ اللہ تعالیٰ ہے تو اس سے اسی کی پناہ طلب کی۔ اور اس کا معنیٰ یہ ہے کہ آپ پر اللہ تعالیٰ کی عبادت اور تعریف سے جو کچھ واجب ہے اس میں کوتاہی سے طلب مغفرت ہے۔ ''لا احصی ثناء علیک'' کا معنیٰ یہ ہے کہ میں اس کی طاقت نہیں رکھتا اور نہ مکمل طور پر اس کو عمل میں لا سکتا ہوں۔

کہا گیا ہے کہ اس کا معنیٰ یہ ہے کہ میں اس کا احاطہ نہیں کر سکتا۔ حضرت امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں تیری نعمت اور احسانات اور ان کی وجہ سے تیری ثناء کا شمار نہیں کر سکتا اگرچہ میں تیری ثناء کی کوشش کرتا ہوں۔

اور ''انت کما اثنیت علی نفسک'' میں تفصیلی ثناء سے عاجزی کا اعتراف ہے کہ آپ اس کی حقیقت تک پہنچنے پر قادر نہیں ہیں اور اس کی اجمالی ثناء کرنے کا اعتراف ہے تفصیل' گنتی اور تعیین کا اعتراف نہیں یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیا جو ہر چیز کا اجمالاً اور تفصیلاً احاطہ کرنے والا ہے۔ اور جس طرح اس کی صفات کی کوئی انتہاء نہیں اسی طرح اس کی ثناء کی بھی کوئی انتہاء نہیں کیونکہ ثناء اس ذات کے تابع ہوتی ہے جس کی ثناء کی جاتی ہے پس جس چیز کے ساتھ اس کی تعریف کی جائے وہ اگرچہ زیادہ اور طویل ہو اور اس میں مبالغہ کیا جائے اللہ تعالیٰ کی قدرت اس سے زیادہ غالب' اس کی صفات اس سے زیادہ بڑی اور اس کا فضل و احسان زیادہ وسیع اور کامل ہے۔

یہاں ایک لطیف فائدہ ہے جو بعض محققین نے ذکر کیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے رکوع اور سجدے میں قرآن مجید پڑھنے سے منع فرمایا' لطیفہ یہ ہے کہ قرآن مجید سب سے زیادہ شرف والا کلام ہے اور رکوع اور سجدہ بندے کی ذلت اور جھکنے

کی حالتیں ہیں پس کلام الٰہی کا ادب یہ ہے کہ ان دو حالتوں میں قرآن مجید نہ پڑھا جائے اور قیام کی حالت اس (قرأت) کے زیادہ لائق ہے۔ واللہ اعلم

امام ابوداؤد رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے پانی اور گارے پر سجدہ فرمایا۔[1]

اور نبی اکرم ﷺ سجدہ سے تکبیر کہتے ہوئے سر انور اٹھاتے لیکن ہاتھ نہ اٹھاتے پھر بائیں پاؤں پر بیٹھ جاتے اور دایاں پاؤں کھڑا کرتے۔

اور نبی اکرم ﷺ استراحت کے لئے معمولی قدر بیٹھتے اس طرح کہ آپ کے اعضاء مبارک واضح طور پر پُر سکون ہوجاتے پھر دوسری رکعت کے لئے کھڑے ہوتے جیسا کہ "صحیح بخاری میں" ہے۔[2]

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اور ہمارا (شافعی مسلک والوں کا) مذہب یہ ہے کہ ہر اس رکعت کے دوسرے سجدے کے بعد یہ جلسۂ خفیفہ مستحب ہے جس میں اٹھنا ہو اور نماز میں سجدۂ تلاوت کے وقت مستحب نہیں ہے۔

اور نبی اکرم ﷺ دو سجدوں کے درمیان یہ کلمات کہتے تھے:

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ وَارْحَمْنِیْ وَاھْدِنِیْ وَعَافِنِیْ وَارْزُقْنِیْ۔ یا اللہ! مجھے بخش دے اور مجھ پر رحم فرما اور مجھے ہدایت دے، مجھے عافیت عطا فرما اور مجھے رزق عطا کر۔

اس حدیث کو امام ابوداؤد اور امام دارمی رحمہما اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت سے نقل کیا ہے۔

بارہویں نوع

نبی اکرم ﷺ کا تشہد کے لئے بیٹھنا

نبی کریم ﷺ جب تشہد کے لئے بیٹھتے تو اپنا بایاں پاؤں بچھا لیتے اور دایاں پاؤں کھڑا کرتے۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ بایاں پاؤں بچھا کر بیٹھتے تھے اور اس حدیث میں حضرت (امام اعظم) امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور ان کی موافقت کرنے والوں کے لئے دلیل ہے کہ نماز میں پاؤں کو بچھا کر بیٹھنا ہوتا ہے اور اس سلسلے میں بیٹھنے کے تمام مواقع برابر ہیں۔

امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک تورک سنت ہے یعنی اپنے بائیں پاؤں کو اپنے نیچے سے نکال کر سرین کو زمین سے ملائے۔

---

[1] لیلۃ القدر کی صبح ایسا ہوا "سنن ابوداؤد میں" نہایت اختصار ہے جب کہ "صحیح بخاری و مسلم سنن ابی داؤد (میں بھی) سنن نسائی اور سنن ابن ماجہ میں ہے" حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ لیلۃ القدر آخری عشرہ میں ہے اور میں نے اپنے آپ کو گارے اور پانی میں سجدہ کرتے دیکھا اور مسجد کی چھت کھجور کی شاخوں سے بنی ہوئی تھی اور آسمان میں بادل نہ تھے پھر ایک ٹکڑا آیا اور بارش برسنا شروع ہوئی تو حضور ﷺ نے ہمیں نماز پڑھائی اور آپ کی پیشانی پر میں نے گارے اور پانی کا نشان دیکھا۔ (زرقانی ص ۳۲۳)

[2] اس کو جلسۂ استراحت کہتے ہیں احناف کے نزدیک بلاضرورت ایسا کرنا مکروہ ہے کیونکہ حضور ﷺ نے ٹیک لگائے بغیر سیدھا کھڑا ہونے کا حکم دیا آپ نے کمزوری کی وجہ سے ایسا کیا لہٰذا اس عذر کے بغیر ایسا کرنا مکروہ ہے۔ ۱۲ ہزاروی

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں سنت یہ ہے کہ بیٹھنے کی تمام حالتوں میں پاؤں کو بچھائے سوائے اس بیٹھنے کے جس کے بعد سلام ہو۔ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک بیٹھنے کے چار مواقع ہیں (یا چار جلسے ہیں) دو سجدوں کے درمیان بیٹھنا ہر اس رکعت میں جلسۂ استراحت جس کے بعد قیام ہو پہلے تشہد کے لئے جلسہ اور آخری تشہد کے لئے جلسہ۔

نوٹ: اصطلاحی طور پر جلسہ دو سجدوں کے درمیان بیٹھنے کو کہتے ہیں یہاں اس سے بیٹھنا مراد ہے۔ ۱۲ ہزاروی

(امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک) ان تمام جلسوں میں پاؤں کو بچھا کر بیٹھنا سنت ہے سوائے آخری قعدے کے۔

اگر نمازی پر سجدۂ سہو لازم ہو تو زیادہ صحیح قول یہ کہ وہ تشہد میں پاؤں کو بچھا کر بیٹھے پس جب سہو کے دو سجدے کرلے تو پھر تورک کرے (بائیں پاؤں کو باہر نکالے) پھر سلام پھیرے یہ امام شافعی رحمہ اللہ کے مذہب کی تفصیل ہے۔

اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس (مندرجہ بالا) حدیث کے اطلاق سے استدلال کیا ہے (کہ اس میں مطلق حکم ہے کسی جلسہ کو مستثنیٰ نہیں کیا گیا)۔

امام شافعی رحمہ اللہ کا استدلال حضرت ابوحمید الساعدی رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے ہے جو ''صحیح بخاری میں'' منقول ہے اور اس میں اس بات کی وضاحت ہے کہ پہلے قعدے میں پاؤں کو بچھائے اور نماز کے آخری قعدے میں تورک کرے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس حدیث کو آخری تشہد کے علاوہ بیٹھنے پر محمول کیا جائے گا تاکہ ان احادیث کو جمع کیا جاسکے۔

اس میں اور اس کے ساتھ ساتھ ابن قیم کے اس قول میں جو ''الہدی النبوی'' میں ہے بھی غور کریں۔

ابن قیم نے کہا کہ نبی اکرم ﷺ سے کسی نے نقل نہیں کیا کہ پہلے تشہد میں آپ ﷺ کے بیٹھنے کا یہ طریقہ تھا (یعنی پاؤں کو بچھانا) اور میں کسی ایسے شخص کو نہیں جانتا جس نے یہ قول کیا ہو۔ [1]

ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ نے دس صحابہ کرام کی موجودگی میں فرمایا کہ میں نبی اکرم ﷺ کی نماز کو تم سب سے زیادہ جانتا ہوں انہوں نے فرمایا پھر بیان کیجئے۔ چنانچہ انہوں نے حدیث ذکر کرتے کرتے فرمایا حتیٰ کہ جب وہ سجدہ ہوتا جس میں سلام پھیرنا ہوتا تو نبی اکرم ﷺ اپنے بائیں پاؤں کو باہر نکال کر تورک کرتے ہوئے بائیں جانب (سرین) پر بیٹھتے پھر سلام پھیرتے۔ صحابہ کرام نے فرمایا آپ نے سچ کہا نبی اکرم ﷺ اسی طرح نماز پڑھتے تھے۔

''سنن ابی داؤد میں ہے کہ'' جب آپ دو رکعتوں کے بعد بیٹھتے تو بائیں پاؤں کے پیٹ پر بیٹھتے اور دائیں پاؤں کو کھڑا کر دیتے اور جب چوتھی رکعت میں ہوتے تو سرین مبارک زمین پر لگاتے اور بایاں پاؤں ایک جانب کو نکال دیتے۔

اور رسول اکرم ﷺ جب تشہد میں بیٹھتے تو بایاں ہاتھ بائیں گھٹنے پر اور دایاں ہاتھ دائیں گھٹنے پر رکھتے اور ترپن (۵۳) کی گرہ بناتے ہوئے شہادت کی انگلی سے اشارہ کرتے۔

نوٹ: انگوٹھے اور درمیان والی انگلی کا گول دائرہ بناتے ہوئے جو پانچ کا ہندسہ معلوم ہوتا اور باقی انگلیاں تین کا ہندسہ نظر آتیں اور آپ کلمۂ شہادت کے وقت ایسا کرتے تھے۔ ۱۲ ہزاروی

---

[1] امام زرقانی فرماتے ہیں غور کرنے کی وجہ یہ ہے کہ حضرت ابوحمید رضی اللہ عنہ نے صراحت کے ساتھ بیان کیا کہ انہوں نے حضور ﷺ کو دیکھا کہ آپ نے ایسا کیا اور بہت سے لوگوں نے روایت کیا لہٰذا ان سے نقل کرنے کی نفی صحیح نہیں نیز امام شافعی رحمہ اللہ نے اسے مستحب قرار دیا اور ابن قیم شافعی المسلک ہیں۔ (زرقانی ج ۷ ص ۳۲۵)

''صحیح مسلم کی روایت میں ہے کہ'' نبی اکرم ﷺ اپنے ہاتھوں کو اپنے گھٹنوں پر رکھتے اور انگوٹھے سے ملی ہوئی دائیں (ہاتھ کی) انگلی کو اٹھاتے اور دو انگلیوں کو بند کر کے دائرہ بناتے پھر اپنی انگلی کو اٹھاتے ہم نے دیکھا کہ اسے حرکت دیتے اور دعا مانگتے اور آپ کا بایاں ہاتھ گھٹنے پر ہوتا اور آپ اسے اس سے کھلا رکھتے۔

''صحیح مسلم میں ہی'' حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ اس (انگلی) کے ساتھ اشارہ کرتے اور اسے حرکت نہ دیتے۔[1]

امام ابوداؤد رحمہ اللہ کے نزدیک حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ہے کہ نبی اکرم ﷺ اپنی دائیں کہنی کو دائیں ران پر بچھاتے اور دو انگلیوں کو بند رکھتے ہوئے (درمیان انگلی اور انگوٹھے کے ساتھ) گھیرا بناتے پھر (شہادت والی) انگلی کو اٹھاتے میں نے دیکھا کہ آپ اسے حرکت دیتے اور دعا مانگتے۔

نبی اکرم ﷺ اپنی انگلیوں کو ہاتھوں کو اٹھانے کی صورت میں رکوع میں[2] سجدے اور تشہد کی حالت میں (ہاتھوں کی انگلیوں کو قبلہ رخ کرتے) اور سجدے کی حالت میں پاؤں کی انگلیوں کو بھی قبلہ رخ رکھتے۔

تیرہویں نوع

نبی اکرم ﷺ کا تشہد

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ ہمیشہ اس جلسہ (آخری جلسہ) میں تشہد پڑھتے اور صحابہ کرام کو سکھاتے کہ یوں کہیں:

التحیات المبارکات الصلوات الطیبات للہ السلام علیک ایھا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ السلام علینا وعلی عباد اللہ الصالحین اشھد ان لا الہ الا اللہ واشھد ان محمدا عبدہ ورسولہ۔ (صحیح مسلم)

تمام بابرکت قولی بدنی اور مالی عبادتیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں اے نبی! آپ پر سلام اور اللہ تعالیٰ کی رحمت اور برکتیں ہوں ہم پر اور اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں پر سلام ہو میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ حضرت محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں۔

امام شافعی رحمہ اللہ نے ان الفاظ کو اختیار کیا ہے کیونکہ ان میں ''المبارکات'' کا اضافہ ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے منقول تشہد کو اختیار نہیں کیا اگرچہ قاضی عیاض رحمہ اللہ نے یہ بات کہی ہے (کہ امام شافعی رحمہ اللہ نے تشہد ابن مسعود کو اختیار کیا لیکن یہ سبقت قلم سے لکھا گیا)۔

امام بیہقی رحمہ اللہ نے اپنی سند سے جو ربیع بن سلیمان سے نقل کیا وہ فرماتے ہیں: حضرت امام شافعی' حضرت ابن

---

[1] بیان جواز کے لئے دونوں عمل فرمائے تاکہ کسی ایک کو ضروری نہ سمجھ لیا جائے' احناف کا عمل حرکت نہ دینے پر ہے کیونکہ نماز کے موافق یہی ہے۔ ۱۲ ہزاروی

[2] رکوع کی حالت میں گھٹنوں کو مضبوطی سے پکڑنا ہوتا ہے جس میں انگلیاں قبلہ رخ نہیں ہو سکتیں۔ ۱۲ ہزاروی

عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث نقل کرنے کے بعد پوچھنے والے کو جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ ہم دیکھتے ہیں اس سلسلے میں نبی کریم ﷺ سے مختلف روایات آئی ہیں پس حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس کے خلاف روایت کیا ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ نے گفتگو کو جاری رکھتے ہوئے فرمایا پس جب میں نے اس میں گنجائش دیکھی اور میں نے یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث صحیح سنی اور دوسری مرفوع روایات کے مقابلے میں اس میں زیادہ الفاظ دیکھے تو میں نے اسے اختیار کیا میں اس کو اختیار کرتے ہوئے دوسری روایت کو اختیار کرنے والوں کو ملامت نہیں کرتا۔

یہ امام شافعی رحمہ اللہ کے کلام کا آخری حصہ ہے اور اس میں افضلیت کی وضاحت نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ کے پاس ہی علم ہے۔

امام ابوحنیفہ، امام احمد، جمہور فقہاء اور علمائے حدیث رحمہم اللہ نے فرمایا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی تشہد افضل ہے کیونکہ محدثین کے نزدیک یہ زیادہ صحیح ہے۔

نوٹ: ہمارے ہاں جو تشہد پڑھا جاتا ہے یہ تشہد ابن مسعود رضی اللہ عنہ ہے۔ ۱۲ ہزاروی

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے منقول تشہد جو ان کا اپنا قول ہے، افضل ہے کیونکہ انہوں نے منبر پر لوگوں کو اس کی تعلیم دی اور کسی نے ان سے اختلاف نہیں کیا پس یہ اس کی فضیلت پر دلالت ہے۔

نوٹ: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے تشہد میں "التحیات للہ" کے بعد "الزاکیات للہ" ہے اور اس کے بعد "الطیبات الصلوات للہ" کے کلمات ہیں باقی الفاظ میں کوئی اختلاف نہیں۔

تشہد پڑھنے کا حکم

امام شافعی رحمہ اللہ کا مذہب یہ ہے کہ پہلا تشہد سنت اور دوسرا واجب ہے۔ جمہور محدثین کے نزدیک دونوں قعدوں میں تشہد پڑھنا واجب ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں پہلا واجب ہے اگر (بھول کر) رہ جائے تو اس نقصان کو سجدۂ سہو سے پورا کیا جائے اور دوسرا فرض ہے اس کو چھوڑنے سے نماز باطل ہو جاتی ہے۔

امام ابوحنیفہ، امام مالک اور جمہور فقہاء رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ دونوں قعدوں میں تشہد سنت ہے۔[1]

امام مالک رحمہ اللہ سے ایک (ضعیف) روایت مروی ہے کہ آخری تشہد واجب ہے اور نبی اکرم ﷺ دونوں قعدوں میں تشہد پڑھتے تھے۔

تشہد کے کچھ معانی

"غیلانیات (ابوطالب بن غیلان کی طرف منسوب ہے اور یہ حدیث کی تخریج ہے) میں "حضرت قاسم بن محمد رضی اللہ عنہما سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں: مجھے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے سکھاتے ہوئے فرمایا یہ نبی اکرم ﷺ کا تشہد ہے:

[1] احناف کے نزدیک تشہد دونوں قعدوں میں واجب ہے ہدایہ میں ہے ویتشھد وھو واجب عندنا (اور تشہد پڑھے اور ہمارے نزدیک یہ واجب ہے)۔ (ہدایہ اولین ص ۹۴)

واجبات نماز کے ضمن میں ہے دونوں قعدوں میں پورا تشہد پڑھنا یوں ہیں جتنے قعدے کرنا پڑیں سب میں پورا تشہد واجب ہے۔

(بہار شریعت حصہ سوم ص ۵۷) ۱۲ ہزاروی

التحيات لله و الصلوات و الطيبات السلام عليک ايها النبی ورحمة الله وبر كاته السلام علينا وعلى عباد الله الصالحين اشهد ان لا اله الا الله واشهد ان محمدا عبده ورسوله.

تمام قولی بدنی اور مالی عبادتیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں اے نبی! ﷺ آپ پر سلام اور اللہ تعالیٰ کی رحمت و برکتیں ہوں' ہم پر اور اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں پر سلام ہو میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ حضرت محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں۔

یہ کلمات حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث کے کلمات جیسے ہیں۔ اس حدیث کو امام بیہقی رحمہ اللہ نے عمدہ سند کے ساتھ نقل کیا۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس حدیث میں ایک اچھا فائدہ ہے وہ یہ کہ نبی اکرم ﷺ کا تشہد ہمارے تشہد کی طرح ہے (یعنی و اشهد ان محمدا عبده ورسوله کے کلمات ہیں)۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: گویا کہ امام نووی رحمہ اللہ نے امام رافعی سے منقول ان کے اس قول کا رد کیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ تشہد میں "اشهد انی رسول الله" پڑھا کرتے تھے۔

اور محدثین کرام نے ان کا رد کرتے ہوئے فرمایا کہ نبی اکرم ﷺ سے واضح الفاظ میں اس طرح مروی نہیں ہے۔

ہاں! "صحیح بخاری میں" حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کی حدیث سے مروی ہے کہ صحابہ کرام کا زادراہ کم ہو گیا پھر انہوں نے حدیث بیان کی کہ اس میں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا "اشهد ان لا اله الا الله وانی رسول الله میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور بیشک میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں"۔

امام بیضاوی نے تشہد کے لطائف میں سے بیان کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے صحابہ کرام کو سکھایا کہ وہ آپ کے شرف اور ان پر آپ کے زائد حق کی وجہ سے آپ کا ذکر الگ کریں۔

پس اگر کہا جائے کہ یہ لفظ (السلام عليک ايها النبی) کیسے جائز ہوگا جب کہ یہ انسان کو خطاب ہے اور نماز میں ایسا کرنا منع ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ یہ بات نبی اکرم ﷺ کی خصوصیات میں سے ہے اگر تم کہو کہ "السلام عليک ايها النبی" میں بطور غائب ذکر سے خطاب کی طرف عدول میں کیا حکمت ہے جب کہ سیاق کلام کا تقاضا ہے کہ بطور غائب "السلام على النبی" کہا جاتا اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں کلمات تحیت پیش کرنے (التحيات لله آخر تک) کے بعد نبی اکرم ﷺ کی بارگاہ میں تحیت (سلام) پیش کیا جاتا اور پھر نیک لوگوں کی خدمت میں سلام پیش ہوتا۔

طیبی نے اس کا جواب دیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ہم تو نبی اکرم ﷺ کے الفاظ کی اتباع کرتے ہیں جو آپ نے صحابہ کرام کو سکھائے اور اللہ تعالیٰ کی معرفت رکھنے والوں کے طریقے پر اس بات کا بھی احتمال ہے کہ جب نماز کی التحیات کے ذریعے ملکوت (عالم غیب) کا دروازہ کھلواتے ہیں تو انہیں اس ذات کے حرم پاک میں داخل ہونے کی اجازت ملتی ہے جو زندہ ہے' کبھی نہیں مرے گا تو شرف ہمکلامی سے ان کی آنکھوں کو ٹھنڈک حاصل ہوتی ہے اب ان کو آگاہ کیا جاتا ہے کہ یہ (اعزاز) نبی رحمت کے واسطے اور ان کی متابعت کی برکت سے حاصل ہوا ہے پس جب وہ متوجہ ہوتے ہیں تو محبوب' حرم محبت میں موجود ہوتے ہیں تو وہ "السلام عليک ايها النبی ورحمة الله وبركاته" کہتے ہوئے آپ

ﷺ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔

امام حکیم ترمذی نے "السلام علینا وعلی عباد اللہ الصالحین" کے بارے میں فرمایا کہ جو شخص اس سلام سے حصہ حاصل کرنا چاہے جسے لوگ اپنی نمازوں میں بطور سلام پڑھتے ہیں تو اسے نیک بندہ بننا چاہیے ورنہ اس فضل عظیم سے محروم ہو جائے گا۔

قفال (ابوبکر محمد بن علی اسماعیل) متوفی ۳۶۵ھ[1] نے اپنے فتاویٰ میں فرمایا کہ نماز کا چھوڑنا تمام مسلمانوں کو نقصان پہنچاتا ہے کیونکہ نمازی کہتا ہے:

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ. یا اللہ! مجھے بخش دے اور تمام مومن مردوں اور مومنہ عورتوں کو بخش دے۔

اور تشہد میں السلام علینا وعلی عباد اللہ الصالحین کہنا ضروری ہے پس نماز نہ پڑھنے والا اللہ تعالیٰ کی عبادت' نبی اکرم ﷺ کے حق' اپنے ذاتی حق اور عام مسلمانوں کے حق میں کوتاہی کرتا ہے اسی لئے نماز چھوڑنا بہت بڑا گناہ ہے۔[2]

امام سبکی نے اس سے بطور اجتہاد یہ ثابت کیا ہے کہ نماز میں اللہ تعالیٰ کے حق کے ساتھ ساتھ بندوں کا حق بھی ہے اور جو شخص نماز کو چھوڑتا ہے وہ تمام مومنوں کی حق تلفی کرتا ہے چاہے وہ مومن گذر گئے یا قیامت تک آتے رہیں گے کیونکہ نماز میں "السلام علینا وعلی عباد اللہ الصالحین" پڑھنا ضروری ہے۔

تشہد کے بعد درود شریف کا حکم

آخری تشہد کے بعد نبی اکرم ﷺ پر درود شریف پڑھنے کے وجوب سے[3] متعلق گفتگو اور اس سلسلے میں مباحث' درود شریف کی فضیلت کے ضمن میں پہلے بیان ہو چکے ہیں۔

امام طبرانی سے مرفوع حدیث منقول ہے جو حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

لا صلوۃ لمن لم یصل علی نبیہ. جو شخص اپنے نبی ﷺ پر درود شریف نہیں بھیجتا اس کی نماز (کامل) نہیں۔

(السنن الکبریٰ ج ۲ ص ۳۷۹' سنن دار قطنی ج ۱ ص ۳۵۵' نصب الرایہ ج ۱ ص ۴۲۶)

اسی طرح (یہ حدیث) ابن ماجہ اور دار قطنی (رحمہما اللہ سے بھی مروی ہے)۔

امام دار قطنی کے نزدیک حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

---

[1] (الاعلام ج ۶ ص ۲۷۴' وفیات الاعیان ج ۱ ص ۴۵۸' طبقات الشافعیہ ج ۳ ص ۱۷۶' مفتاح السعادۃ ج ۱ ص ۲۵۲' اعلام النبلاء ج ۱ ص ۲۱۷' عیون التواریخ ج ۱۲ ص ۱۶۹)

[2] بلکہ ماں باپ کے حق کو بھی ترک کرتا ہے کیونکہ نماز میں ماں باپ کی مغفرت کے لئے بھی دعا ہوتی ہے۔ ۱۲ ہزاروی

[3] احناف کے نزدیک نماز میں درود شریف پڑھنا سنت ہے' واجب نہیں۔ ۱۲ ہزاروی

من صلى صلاة لم يصل فيها على وعلى اهل بيتي لم تقبل منه. (سنن دار قطنی ج ۱ ص ۳۵۵ رقم الحدیث: ۶ نصب الرایہ ج ۳ ص ۴۲۷)

جو شخص نماز پڑھے لیکن اس میں مجھ پر اور میرے اہل بیت پر درود شریف نہ پڑھے اس سے (نماز) قبول نہیں ہو گی۔

کیا رسول اکرم ﷺ کے لئے رحمت کی دعا مانگی جائے؟

حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

اذا تشهد احدكم في الصلوة فليقل اللهم صل على محمد وعلى آل محمد وارحم محمدا وال محمد كما صليت وباركت وترحمت على ابراهيم وعلى آل ابراهيم انك حميد مجيد. (المستدرک)

جب تم میں سے کوئی ایک نماز میں تشہد پڑھے تو یوں کہے اے اللہ! حضرت محمد (ﷺ) پر اور آپ کی آل پر رحمت نازل فرما اور حضرت محمد ﷺ پر اور آپ کی آل پر رحمت نازل فرما جس طرح تو نے حضرت ابراہیم اور آپ کی آل پر رحمت و برکت نازل فرمائی اور رحم فرمایا' بے شک تو تعریف کیا ہوا' بزرگی والا ہے۔

ایک جماعت اس کی تصحیح میں دھوکے کا شکار ہوئی کہ یہ یحییٰ بن سباق کی روایت سے ہے اور وہ مجہول ہے وہ ایک مبہم (غیر معروف) شخص سے روایت کرتا ہے۔ ابن عربی نے اس کے انکار میں مبالغہ سے کام لیا اور فرمایا کہ ابن ابی زید نے لفظ ترحم کا جو اضافہ کیا ہے اس سے بچو کیونکہ یہ بدعت کے قریب ہے' نبی اکرم ﷺ نے صحابہ کرام کو نماز کی کیفیت وحی کے ذریعے بتائی پس اس میں اضافہ اس (کیفیت) پر زیادتی ہے (جو جائز نہیں)۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے فرمایا:

ابن ابی زید نے "الرسالہ" میں تشہد کی کیفیت کے ضمن میں بیان کیا جب انہوں نے تشہد میں مستحب امور کا ذکر کیا اسی سے یہ ہے: اللهم صلى على محمد وال محمد (آخر تک)

اس میں وترحم على محمد وال محمد وبارك على محمد وآل محمد (آخر تک) بھی ہے۔ (ترجمہ پہلے ہو چکا ہے)۔

اگر اس کا انکار اس لئے ہے کہ صحیح حدیث سے ثابت نہیں تو یہ بات تسلیم ہے ورنہ کسی شخص کا یہ دعویٰ کہ "ارحم محمدا" (یا اللہ حضرت محمد ﷺ پر رحم فرما) نہ کہا جائے تو یہ بات مردود ہے کیونکہ متعدد احادیث میں یہ بات ثابت ہے جن میں سے سب سے زیادہ صحیح یہ ہے کہ تشہد میں "السلام عليك ايها النبي ورحمة الله وبركاته" ہے (اس میں رحمت کا ذکر ہے)۔

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں: پھر مجھے ابن ابی زید کا ماخذ مل گیا۔ طبری نے اپنی کتاب "تہذیب الآثار" میں حضرت حنظلہ بن علی کے واسطہ سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا (نبی اکرم ﷺ نے فرمایا):

(کشف الظنون ج ۱ ص ۵۱۳)

من قال اللهم صل على محمد وعلى آل محمد كما صليت على ابراهيم وعلى ال ابراهيم

وبارک علی محمد وعلی ال محمد کما بارکت عی ابراھیم وعلی ال ابراھیم وترحم علی محمد وعلی آل محمد کما ترحمت علی ابراھیم وعلی آل ابراھیم. شھدت لہ یوم القیامۃ وشفعت لہ.

جو شخص یہ (مندرجہ بالا) درود شریف پڑھے گا میں قیامت کے دن اس کے حق میں گواہی دوں گا اور اس کی شفاعت کروں گا۔

اس کی سند کے راوی صحیح حدیث کے راوی ہیں البتہ سعید بن سلیمان جو سعید بن عاص کے آزاد کردہ غلام ہیں اور حضرت حنظلہ بن علی سے روایت کرتے ہیں' مجہول ہیں۔

یہ جو کچھ کہا گیا ہے اس میں رحمت کا ذکر سلام یا صلوٰۃ سے ملا ہوا ہے۔

ابن عربی رحمہ اللہ نے انکار کے سلسلے میں شافعی مسلک کے صیدلانی کی موافقت کی ہے اور قاضی عیاض رحمہ اللہ نے جمہور سے مطلق جواز نقل کیا ہے۔ امام قرطبی رحمہ اللہ نے "المفہم میں" فرمایا کہ یہی بات (رحمت کا ذکر) صحیح ہے کیونکہ اس سلسلے میں احادیث آئی ہیں لیکن ان کے علاوہ حضرات نے ان کی مخالفت کی ہے' حنفی فقہ کی کتاب "الذخیرہ میں" حضرت محمد رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ یہ مکروہ ہے کیونکہ اس میں نقص کا وہم پایا جاتا ہے کیونکہ عام طور پر رحمت ایسے فعل سے متعلق ہوتی ہے جس پر ملامت کیا جائے۔

ابن عبدالبر نے اسے قطعی طور پر منع کیا اور فرمایا کہ کسی شخص کے لئے جائز نہیں کہ جب نبی اکرم ﷺ کا ذکر کرے تو رحمہ اللہ کہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے یوں فرمایا "من صلی علی" (جس نے مجھ پر درود بھیجا) یہ نہیں فرمایا "من ترحم علی" (اور جس نے میرے لئے رحمت کی دعا کی) اور نہ یہ فرمایا "من دعالی" (جس نے میرے لئے دعا کی) اگرچہ صلوٰۃ کا معنی رحمت ہے لیکن نبی اکرم ﷺ کی تعظیم کے پیش نظر آپ کے لئے یہ لفظ مخصوص ہے اس سے کسی دوسرے شخص کی طرف نہ پھرا جائے۔[1]

تشہد کے بعد حضور ﷺ پر درود شریف بھیجنا

ابوالعباس السراج نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ! (ﷺ) ہم آپ پر درود شریف کیسے پڑھیں؟ فرمایا یوں کہو:

"**اللھم صل علی محمد وعلی ال محمد و بارک علی محمد وعلی ال محمد کما صلیت وبارکت علی ابراھیم وال ابراھیم انک حمید مجید**" (ترجمہ واضح ہے)۔

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے مرفوع حدیث میں یوں منقول ہے:

---

[1] مطلب یہ کہ کسی دوسرے شخص کے لئے صلاۃ کا لفظ استعمال نہ کیا جائے اگرچہ معنوی اعتبار سے درست ہے جیسے عزوجل اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے لہٰذا حضور ﷺ کے لئے نہیں بولا جاتا اگرچہ معنی کے اعتبار سے صحیح ہے (زرقانی ج ۷ ص ۳۳۱) راقم کے خیال میں اسی ضابطے کے مطابق رضی اللہ عنہ کا لفظ بھی صرف صحابہ کرام کے لئے بولا جائے اور بزرگان دین کے لئے رحمۃ اللہ علیہ استعمال کیا جائے اسی طرح علیہ السلام بھی صرف انبیاء کرام علیہم السلام کے لئے استعمال کرنا چاہیے۔ واللہ اعلم بالصواب ۱۲ ہزاروی

اللهم اجعل صلواتک ورحمتک وبرکاتک علی محمد وعلی ال محمد کما جعلتها علی ابراهیم وعلی ال ابراهیم۔

یا اللہ! اپنی صلوات اور رحمتیں اور برکتیں حضرت محمد (ﷺ) اور آپ کی آل پر نازل کردے جس طرح تو نے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی آل کو (یہ رحمتیں اور برکتیں) عطا فرمائی ہیں۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث میں جو امام ابوداؤد اور امام نسائی رحمہما اللہ نے نقل کی ہے "علی محمد النبی الامی" کے الفاظ بھی ہیں (یعنی حضرت محمد ﷺ پر جو نبی ہیں اور کسی سے پڑھے ہوئے نہیں ہیں)۔

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کی حدیث میں یہ الفاظ ہیں:

علی محمد عبدک ورسولک کما صلیت علی ابراهیم۔

حضرت محمد ﷺ پر (رحمت نازل فرما) جو تیرے خاص بندے اور تیرے رسول ہیں جس طرح تو نے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر رحمت نازل فرمائی ہے۔

اس روایت میں "آل محمد ﷺ اور آل ابراہیم علیہ السلام" کا ذکر نہیں ہے۔

"سنن ابی داؤد" میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے یوں مروی ہے:

اللهم صل علی محمد النبی وازواجه امهات المومنین وذریته واهل بیته۔

یا اللہ! حضرت محمد ﷺ پر جو نبی ہیں اور آپ کی ازواجِ مطہرات پر جو مومنوں کی مائیں ہیں اور آپ کی اولاد اور آپ کے اہل بیت پر رحمت نازل فرما۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث کے آخر میں "فی العالمین انک حمید مجید" کے الفاظ بھی ہیں (یعنی تمام جہانوں میں آپ پر درود ہو بے شک تو تعریف کیا ہوا' بزرگی والا ہے)۔

امام نووی رحمہ اللہ نے "شرح المہذب" میں فرمایا کہ صحیح احادیث میں جو کچھ ہے اسے جمع کر کے یوں کہے:

اللهم صل علی محمد النبی الامی وعلی آل محمد وازواجه وذریته کما صلیت علی ابراهیم وعلی آل ابراهیم وبارک علی محمد و علی آل محمد کما بارکت علی ابراهیم و علی آل ابراهیم فی العالمین انک حمید مجید۔ (ترجمہ واضح ہے)۔

امام نووی رحمہ اللہ سے "الاذکار" میں اس کی مثل منقول ہے البتہ "صل علی محمد" کے بعد "عبدک ورسولک" کا اضافہ ہے اور "بارک" میں یہ اضافہ نہیں ہے۔

انہوں نے ہی "التحقیق والفتاوی" میں اس کی مثل ذکر کیا البتہ "النبی الامی" کے الفاظ ذکر نہیں کئے "الاسنوی" نے ان پر اعتراض کرتے ہوئے فرمایا کہ جو کچھ صحیح احادیث میں ثابت ہے امام نووی نے اس سب کا احاطہ نہیں کیا علاوہ ازیں ان کے کلام میں اختلاف بھی ہے۔

اذرعی نے فرمایا کہ جو کچھ امام نووی نے فرمایا ان سے پہلے کسی نے نہیں کہا اور زیادہ ظاہر بات یہ ہے کہ تشہد پڑھنے والا سب سے زیادہ کامل روایت پر عمل کرے اور جیسے ثابت ہے اسی طرح پڑھے کبھی یہ اور کبھی وہ جہاں تک (روایات کے الفاظ کو) ملانے کا تعلق ہے تو اس سے تشہد میں ایک نئی صفت پیدا کرنا لازم آتا ہے کہ کسی ایک حدیث میں یہ تمام باتیں جمع

نہیں ہیں ابن قیم نے اس معنیٰ (اعتراض) کی طرف سبقت کی ہے (یہ نئی صفت ممنوع نہیں کیونکہ وہی لفظ پڑھے جائیں گے جو منقول ہیں ابن قیم وغیرہ کا تو یہی طریقہ ہے کہ عام مسلمانوں کے طریقے کی مخالفت کریں۔۱۲ ہزاروی)۔

نماز میں دعا

نبی اکرم ﷺ نماز میں یوں دعا مانگتے تھے:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیۡ اَعُوۡذُ بِکَ مِنۡ عَذَابِ الۡقَبۡرِ وَاَعُوۡذُ بِکَ مِنۡ فِتۡنَةِ الۡمَسِیۡحِ الدَّجَّالِ وَاَعُوۡذُ بِکَ مِنۡ فِتۡنَةِ الۡمَحۡیَا وَالۡمَمَاتِ اَللّٰھُمَّ وَاَعُوۡذُ بِکَ مِنَ الۡمَاثَمِ وَالۡمَغۡرَمِ.

یا اللہ! میں عذاب قبر سے تیری پناہ چاہتا ہوں اور مسیح دجال کے فتنہ سے تیری پناہ میں آتا ہوں' زندگی اور موت کے فتنہ سے تیری پناہ چاہتا ہوں یا اللہ! اور میں گناہ اور قرض سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔

ایک شخص نے پوچھا آپ اکثر قرض سے پناہ طلب کرتے ہیں (اس کی کیا وجہ ہے؟) تو آپ نے فرمایا جب کوئی شخص قرض دار ہو جاتا ہے تو بات کرتے ہوئے جھوٹ بولتا ہے اور وعدہ کر کے اس کی خلاف ورزی کرتا ہے۔

اس حدیث کو امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے نقل کیا ہے۔

ابن دقیق نے کہا کہ فتنۃ المحیا (زندگی کے فتنہ) سے مراد وہ فتنہ ہے جو انسان کو زندگی میں درپیش ہوتا ہے وہ دنیا' خواہشات اور جہالتوں کے فتنے میں مبتلا ہوتا ہے ہم اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتے ہیں سب سے بڑا فتنہ موت کے وقت خاتمہ کا فتنہ ہے اور موت کے فتنہ (فتنہ الموت) سے مراد ہو سکتا ہے موت کے وقت فتنہ مراد ہو اور موت کی طرف اضافت اس کے قریب ہونے کی وجہ سے کی گئی ہو اور یہ بھی جائز ہے کہ اس سے قبر کا فتنہ مراد ہو اس صورت میں "عذاب القبر" (کے ذکر) کے ساتھ تکرار نہیں ہوگا کیونکہ عذاب' فتنہ پر مرتب ہوتا ہے اور سبب' مسبب کا غیر ہوتا ہے (یعنی فتنہ سبب ہے اور عذاب اس کے نتیجے میں آتا ہے جو مسبب ہے)۔

حکیم ترمذی رحمہ اللہ نے "نوادر الاصول میں" حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے کہ جب میت سے سوال کیا جاتا ہے کہ تیرا رب کون ہے؟ تو شیطان اس کے سامنے آ کر اپنی طرف اشارہ کرتا ہے کہ میں تمہارا رب ہوں اسی لئے حدیث میں (قبر میں) سوال کے وقت ثابت قدمی کی دعا کرنے کا ذکر آیا ہے۔ (کشف الظنون ج ۲ ص ۱۹۷۹)

سوال: اس پر اعتراض ہوتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے اگلے پچھلے ہر قسم کے خلاف اولیٰ کام بخش دیئے گئے تو آپ کا دعا کرنا کس مقصد کے تحت ہے؟

جواب: تو اس کے کئی جواب دیئے گئے ہیں:

(۱) آپ ﷺ نے امت کو تعلیم دینے کا ارادہ کیا۔

(۲) اس سوال سے مقصود امت کے لئے (ثابت قدمی کا) سوال کرنا تھا (اپنے لئے نہیں) پس یہاں معنیٰ یہ ہوگا کہ میں اپنی امت کے لئے پناہ طلب کرتا ہوں۔[1]

[1] اعلیٰحضرت امام احمد رضا بریلوی رحمہ اللہ نے نبی اکرم ﷺ کی طرف ذنب کی اضافت سے امت کے اگلوں پچھلوں کے گناہ مراد لئے ہیں کیونکہ آپ گناہوں سے معصوم ہیں اس جواب سے اعلیٰحضرت رحمہ اللہ اور دیگر علماء کرام کی اس توجیہ کی تائید ہوتی ہے کیونکہ یہاں امت کی پناہ کی دعا ہے لیکن اضافت حضور ﷺ کی طرف ہے۔۱۲ ہزاروی

(۳) یہ تواضع کے راستے پر چلنا بندگی کا اظہار اللہ تعالیٰ کے خوف کو اپنے اوپر لازم کرنا اس کی بڑائی اور اس کی طرف محتاجی کا اظہار اور اللہ تعالیٰ کی طرف رغبت کے سلسلے میں اس کے حکم کی تعمیل ہے اور قبولیت کے ثابت ہونے کے باوجود بار بار کی طلب منع نہیں ہے کیونکہ یہ نیکیوں کے حصول اور درجات کی بلندی کا ذریعہ ہے نیز اس میں امت کو رغبت دینا ہے کہ اس طریقے کو لازم پکڑیں کیونکہ مغفرت کے باوجود بارگاہ خداوندی میں گڑگڑانے کا عمل ترک نہیں کیا جاتا تو جس کے لئے مغفرت ثابت نہیں ہوئی اس کے لئے اس عمل کو ہمیشہ اختیار کرنا زیادہ لائق ہے۔

فتنۂ دجال سے استعاذہ

نبی اکرم ﷺ نے دجال کے فتنہ سے پناہ مانگی حالانکہ یہ بات ثابت تھی کہ آپ اس میں مبتلا نہیں ہوں گے تو اس پر (اوپر بیان کی) پہلی دو وجوں کی بنیاد پر اعتراض نہیں ہوتا ہے اور ایک قول کے مطابق تیسری وجہ بھی ہے کہ ہوسکتا ہے کہ اس میں مبتلا نہ ہونے کے ثبوت سے پہلے یہ دعا کی گئی ہو اور اس پر "صحیح مسلم کی" یہ حدیث دلالت کرتی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: اگر وہ (دجال) ظاہر ہوا اور میں تم میں موجود ہوا تو میں اس کے مقابلے میں حجت پیش کروں گا (اور اس کے دجل و فریب کو واضح کروں گا)۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۳۲۱، مسند احمد ج ۴ ص ۱۸۱، المستدرک ج ۴ ص ۴۹۲، مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۲۰۸۲۱، مشکوٰۃ المصابیح للتبریزی رقم الحدیث: ۵۴۷۵، مسند الحمیدی ج ۱ ص ۴۱۷ رقم الحدیث: ۳۶۵، کنز العمال رقم الحدیث: ۳۸۷۹۰)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ تشہد کے بعد یہ (دعائیہ کلمات پڑھتے تھے):

اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُبِكَ مِنْ عَذَابِ جَهَنَّمَ وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ فِتْنَةِ الدَّجَّالِ الْاَعْوَرِ وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَحْيَا وَالْمَمَاتِ. (سنن ابوداؤد)

یا اللہ! میں عذاب جہنم سے تیری پناہ چاہتا ہوں عذاب قبر سے تیری پناہ چاہتا ہوں کانے دجال کے فتنہ سے تیری پناہ کا طالب ہوں اور زندگی اور موت کے فتنہ سے تیری پناہ کا خواستگار ہوں۔

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ تشہد اور سلام کے درمیان (یعنی درود شریف کے بعد) یہ کلمات پڑھتے تھے:

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ مَا قَدَّمْتُ وَمَا اَخَّرْتُ وَمَا اَسْرَرْتُ وَمَا اَعْلَنْتُ وَمَا اَسْرَفْتُ وَمَا اَنْتَ اَعْلَمُ بِهٖ مِنِّيْ اَنْتَ الْمُقَدِّمُ وَاَنْتَ الْمُؤَخِّرُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ. (صحیح مسلم)

یا اللہ! میرے لئے (ان گناہوں کو) بخش دے جو میں نے آگے بھیجے اور جو میں اس کے بعد کروں جو کچھ میں چھپاؤں اور جو علانیہ کروں اور جو زیادتی کروں اور جو کچھ تو مجھ سے زیادہ جانتا ہے تو آگے کرنے والا اور تو ہی پیچھے رکھنے والا ہے تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔

ان ہی کی ایک روایت میں ہے کہ جب آپ سلام پھیرتے تو "اللھم اغفرلی ما قدمت آخر تک" پڑھتے۔

دونوں روایتوں کو یوں جمع کیا جاسکتا ہے کہ دوسری روایت کو سلام کے ارادے پر محمول کیا جائے کیونکہ دونوں روایتوں کا مخرج ایک ہی ہے (مطلب یہ کہ جب سلام پھیرنے کا ارادہ فرماتے تو یہ کلمات پڑھتے)۔

ابن حبان نے یہ روایت ان الفاظ کے ساتھ نقل کی ہے کہ جب آپ نماز سے فارغ ہوتے اور سلام پھیرتے (تو یہ کلمات پڑھتے) اس روایت سے واضح ہوتا ہے کہ سلام کے بعد یہ کلمات پڑھتے اور یہ بھی احتمال ہے کہ آپ سلام سے پہلے اور بعد میں بھی پڑھتے ہوں۔

نبی اکرم ﷺ کی اس دعا کے حوالے سے اشکال کا جواب عنقریب آپ کی دعاؤں کے باب میں آئے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

نبی اکرم ﷺ نماز کے اندر جن مقامات پر دعا مانگتے تھے اس کا خلاصہ چھ مقامات ہیں۔

(۱) تکبیر تحریمہ کے بعد۔ جیسا کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں آیا ہے "جو صحیح بخاری و مسلم میں" منقول ہے کہ آپ یوں دعا مانگتے:

اَللّٰھُمَّ بَاعِدْ بَیْنِیْ وَ بَیْنَ خَطَایَایَ. یا اللہ! میرے اور میری خطاؤں کے درمیان دوری پیدا کر دے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۴۷، سنن نسائی رقم الحدیث: ۴۷۸، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۸، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۸۰۵، مسند احمد ج ۲ ص ۲۳۱، السنن الکبریٰ ج ۲ ص ۱۹۵، سنن دارمی ج ۱ ص ۲۸۳، کنز العمال رقم الحدیث: ۳۸۰۳)

(۲) رکوع میں دعا مانگتے تھے۔ جیسا کہ شیخین نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے نقل کیا ہے کہ آپ اپنے رکوع و سجود میں اکثر یوں دعا مانگتے:

سُبْحَانَکَ اللّٰھُمَّ وَبِحَمْدِکَ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ. یا اللہ! تو پاک ہے اور تیرے لئے ہی تعریف ہے یا اللہ! مجھے بخش دے۔

(۳) رکوع سے کھڑے ہونے کی حالت میں دعا مانگتے۔ جیسا کہ حضرت ابن ابی اوفی رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے اور اسے امام مسلم نے نقل کیا ہے کہ آپ "من شیء بعد" کے بعد یوں دعا مانگتے:[1]

اَللّٰھُمَّ طَھِّرْنِیْ بِالثَّلْجِ وَالْبَرَدِ وَالْمَاءِ الْبَارِدِ. یا اللہ! مجھے برف، اولوں اور ٹھنڈے پانی کے ساتھ پاک کر دے۔

(۴) آپ سجدے میں دعا مانگتے اور آپ کی زیادہ دعا سجدے میں ہوتی تھی اور آپ اس کا حکم بھی دیتے تھے۔

(۵) دونوں سجدوں کے درمیان اللھم اغفرلی (آخر تک) کے الفاظ سے دعا مانگتے۔

(۶) تشہد میں دعا مانگتے تھے۔

نوٹ: یہ تمام دعائیں تفصیلاً گذر چکی ہیں یہاں صرف ان مقامات کا بطور خلاصہ ذکر کیا گیا ہے۔

آپ قنوت (قیام) میں بھی دعا مانگتے تھے اور قرأت کے دوران جب کسی آیتِ رحمت پر گزرتے تو دعا مانگتے اور جب آیتِ عذاب پر گزرتے تو پناہ مانگتے تھے۔ یہ تمام باتیں گذر چکی ہیں۔ واللہ اعلم

---

[1] رکوع کے بیان میں ایک دعا گزر چکی ہے جس میں "من شیء بعد" کے الفاظ ہیں۔ ۱۲ ہزاروی

چودھویں نوع

نبی اکرم ﷺ کا نماز سے سلام پھیرنا

سلام پھیرنے کے سلسلے میں آپ کی سیرتِ طیبہ

نبی اکرم ﷺ دائیں اور بائیں طرف سلام پھیرتے حتیٰ کہ آپ کے چہرۂ انور کی سفیدی نظر آتی۔ اسی حدیث کو امام مسلم اور امام نسائی نے حضرت عبداللہ بن عامر بن ربیعہ کے واسطے سے ان کے والد سے نقل کیا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ دائیں اور بائیں طرف سلام پھیرتے ہوئے ''السلام علیکم ورحمة اللہ'' کے الفاظ کہتے تھے۔ اس حدیث کو امام ترمذی نے روایت کیا۔

امام ابوداؤد نے یہ اضافہ کیا ہے حتیٰ کہ آپ کے چہرۂ انور کی سفیدی نظر آجاتی۔

امام نسائی کی روایت میں ہے حتیٰ کہ آپ کے چہرۂ انور کی سفیدی یہاں سے نظر آتی اور (دوسری طرف کے) چہرۂ انور کی سفیدی یہاں سے نظر آتی ہے۔

آپ کا دائمی فعل یہ تھا اس حدیث کو پندرہ صحابہ کرام نے آپ سے روایت کیا وہ صحابہ کرام یہ ہیں:

حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت سہل بن سعد، حضرت وائل ابن حجر، حضرت ابوموسیٰ اشعری، حضرت حذیفہ بن الیمان، حضرت عمار بن یاسر، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت جابر بن سمرہ، حضرت براء بن عازب، حضرت ابومالک اشعری، حضرت طلق بن علی، حضرت اوس بن اوس، حضرت ابوثور اور حضرت عدی بن عمرو (رضی اللہ عنہم)۔ (نوٹ: الاصابہ کے مطابق عدی بن عمرو کی بجائے عدی بن عمیرہ صحیح ہے)

(الاصابہ ج ۴ ص ۲۳۱ رقم الترجمہ: ۵۴۷۹)

یہ (مذکورہ بالا) حضرت امام شافعی، حضرت امام ابوحنیفہ، حضرت امام احمد اور جمہور (فقہاء) رحمہم اللہ کا مذہب ہے۔

سلام پھیرنے سے متعلق امام مالک رحمہ اللہ کا مسلک

ایک جماعت کے ساتھ حضرت امام مالک رحمہ اللہ کا مسلک ایک سلام پھیرنا ہے۔

ہمارے مذہب کی دلیل گزر چکی ہے اور وہ جو مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ صرف ایک سلام چہرے کے سامنے پھیرتے تھے تو یہ صحیح سند سے ثابت نہیں۔ اس سلسلے میں سب سے زیادہ عمدہ روایت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے کہ نبی کریم ﷺ ایک سلام پھیرتے تھے 'السلام علیکم بلند آواز سے کہتے حتیٰ کہ ہمیں جگا دیتے' یہ حدیث معلول ہے اور یہ سنن میں منقول ہے لیکن قیام لیل کے بارے میں ہے۔

اور جن حضرات نے آپ سے دو سلام روایت کئے ہیں انہوں نے وہ بات روایت کی ہے جس کا انہوں نے فرض اور نفل (دونوں قسم کی نمازوں) میں مشاہدہ کیا۔

(نیز) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ایک سلام پر اکتفاء میں صریح نہیں ہے بلکہ انہوں نے تو اس بات کی خبر

آنے والے لوگوں کی وجہ سے بہت بڑا اجتماع تھا تو جس نے دیکھا اس نے خیال کیا کہ آپ نے خطبہ دیا ہے۔

ابن بطال فرماتے ہیں جو کچھ امام شافعی رحمہ اللہ نے ذکر کیا کہ لوگوں کو حاجت تھی کہ ان کو احرام سے نکلنے کے مذکورہ اسباب کی تعلیم دی جائے تو یہ بات متعین نہیں ہے کیونکہ امام کے لئے ممکن ہے وہ ان کو عرفہ (نو ذوالحجہ) کے دن ان باتوں کی تعلیم دے دے۔

اس کا جواب یوں دیا گیا کہ نبی اکرم ﷺ نے اس مذکورہ خطبہ میں یوم نحر کی تعظیم' ذوالحجہ کی تعظیم اور بلد حرام کی تعظیم سے آگاہ کیا اور مذکورہ بالا صحابہ کرام نے اس کا نام خطبہ رکھا لہٰذا دوسرے لوگوں کی تاویل کی طرف توجہ نہ کی جائے اور یہ جو ذکر کیا کہ عرفہ کے دن بھی ان کی تعلیم دی جا سکتی ہے تو قربانی کے دوسرے دن خطبہ کی مشروعیت اس کے خلاف جاتی ہے کیونکہ عرفہ کے دن ان امور کی تعلیم دی جا سکتی تھی (جو دوسرے دن کے خطبہ میں بیان کیے) بلکہ ممکن ہے کہ آٹھویں ذوالحجہ کو حج کے تمام اعمال سکھا دیئے جائیں۔ لیکن جب ہر دن کے اعمال دوسرے دن کے اعمال سے الگ ہیں تو اسباب کی تجدید کی وجہ سے نئے سرے سے تعلیم دینا جائز ہوا۔ امام طحاوی رحمہ اللہ کا یہ کہنا کہ یہ بات منقول نہیں ہے کہ آپ نے ان کو احرام سے نکلنے کے اسباب کی تعلیم دی تو یہ اس بات کے وقوع یا نفس الامر میں کسی چیز کے پائے جانے کی نفی نہیں کرتا بلکہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما کی روایت سے ثابت ہے کہ وہ یوم نحر کے خطبہ میں نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے اس میں بعض اعمال حج کو بعض پر مقدم کرنے کے بارے میں سوال کیا گیا تو امام طحاوی رحمہ اللہ کے لئے اس کی مطلق نفی کیسے جائز ہوگی؟

امام ابوداؤد اور امام نسائی رحمہما اللہ نے حضرت عبدالرحمٰن بن معاذ تیمی سے روایت کیا' فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ نے ہمیں خطبہ دیا اور ہم منیٰ میں تھے تو ہمارے کان کھول دیئے گئے حتیٰ کہ ہم آپ کی بات سنتے تھے اور ہم اپنی منازل میں تھے' آپ لوگوں کو ان کے مناسک حج کی تعلیم دینے لگے حتیٰ کہ کنکریاں مارنے کے ذکر تک پہنچے تو آپ نے انگوٹھے اور شہادت کی انگلی کو رکھا پھر ٹھیکری کی کنکری کا حکم دیا (یعنی انگوٹھے اور انگشت شہادت پر رکھ کر ماری جائے) پھر مہاجرین کو حکم دیا تو وہ مسجد کے اگلے حصے میں اترے اور انصار کو حکم دیا کہ وہ مسجد کے پیچھے اتریں۔ راوی فرماتے ہیں: پھر اس کے بعد لوگ اترے۔

ایک روایت میں حضرت عبدالرحمٰن بن معاذ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ نبی اکرم ﷺ کے ایک صحابی سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے منیٰ میں خطبہ ارشاد فرمایا اور ان کو اپنی اپنی منازل میں اترنے کا حکم دیا پس آپ نے فرمایا کہ مہاجرین یہاں اتریں اور قبلہ کی دائیں جانب اشارہ کیا اور انصار یہاں اتریں اور قبلہ کی بائیں جانب اشارہ کیا پھر فرمایا کہ (دوسرے) لوگ ان کے گرد اتریں۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۹۵۱' مسند احمد ج ۴ ص ۶۱ ۔ ج ۵ ص ۳۷۴' السنن الکبریٰ ج ۵ ج ۱۳۸)

حضرت ابن ابی نجیح اپنے والد سے اور وہ بنو بکر کے دو آدمیوں سے روایت کرتے ہیں وہ دونوں فرماتے ہیں: کہ ہم نے نبی اکرم ﷺ کو دیکھا کہ آپ ایام تشریق کے درمیانے دن خطبہ دے رہے تھے اور ہم آپ کی سواری کے پاس تھے اور یہ نبی اکرم ﷺ کا وہی خطبہ ہے جو آپ نے منیٰ میں دیا تھا۔

حضرت رافع بن عمرو المزنی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' فرماتے ہیں: کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ

دی ہے کہ آپ ایک سلام ایسا پھیرتے تھے جس کے ساتھ ان کو جگا دیتے تھے ام المومنین نے دوسرے سلام کی نفی نہیں کی بلکہ اس سے خاموشی اختیار فرمائی اور ان کا خاموش رہنا ان لوگوں کی روایت سے مقدم نہیں جنہوں نے اسے یاد کیا اور یاد رکھا ان حضرات کی تعداد بھی زیادہ ہے اور ان کی احادیث بھی صحیح ہے۔ واللہ اعلم

سلام پھیرنے کا حکم

سلام پھیرنے کے بارے میں اختلاف ہے۔

حضرت امام مالک' امام شافعی اور امام احمد (رحمہم اللہ) اور جمہور علماء فرماتے ہیں کہ یہ فرض ہے' اس کے بغیر نماز صحیح نہیں ہوتی۔

حضرت امام ابوحنیفہ' امام ثوری اور امام اوزاعی رحمہم اللہ فرماتے ہیں یہ سنت ہے اگر چھوڑ دیا جائے تو نماز ہو جائے گی۔ حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اگر (نمازی) نماز کے آخر میں کوئی ایسا کام (جان بوجھ کر) کرے جو نماز کے منافی ہے مثلاً بے وضو ہو جانا وغیرہ تو اس کی نماز صحیح ہو جائے گی۔

انہوں نے یوں استدلال کیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے جب ایک اعرابی کو نماز سکھائی تو اسے سلام نہیں سکھایا۔[1]

جمہور نے حضرت امام ابوداؤد کی (روایت کردہ) حدیث سے استدلال کیا ہے کہ:

مفتاح الصلوة الطهور وتحليلها السلام. نماز کی چابی طہارت ہے اور اس سے باہر نکلنا سلام (کے ساتھ) ہے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث :٦١' سنن ترمذی ج ٣ ص ٢٣٨' مسند احمد ج ١ ص ١٢٣' سنن دار قطنی ج ١ ص ٣٧٩' سنن دارمی ج ١ ص ١٧٥' مصنف ابن ابی شیبہ ج ١ ص ٢٢٩' مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث :٢٥٣٩' مجمع الزوائد ج ٢ ص ١٠٤' الکامل ج ٣ ص ١٢٣٨' التمہید ج ٩ ص ١٨٥' اتحاف السادۃ المتقین ج ٣ ص ٣٠٣' المغنی ج ١ ص ٢١٥' الحلیہ ج ٧ ص ١٢٣۔ ج ٨ ص ٣٧٢' کنز العمال رقم الحدیث :١٩٦٣٣)

نماز کے دوران طریقہ رسول ﷺ

نبی اکرم ﷺ جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو اپنے سر انور کو جھکا دیتے۔ اس حدیث کو امام احمد رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے اور آپ کی نگاہ مبارک انگشت شہادت سے تجاوز نہ کرتی (بلکہ اس پر رہتی) اور اللہ تعالیٰ نے نماز کو آپ کی آنکھوں کی ٹھنڈک بنایا تھا۔ جیسا کہ آپ نے فرمایا:

وجعلت قرة عيني في الصلوة. اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں رکھی گئی ہے۔

اور نبی اکرم ﷺ کو مقتدیوں کے احوال کی رعایت سے کوئی بات پھیر نہ سکتی باوجودیکہ آپ کو اپنے رب کی طرف کامل توجہ اور اس کا قرب حاصل ہوتا اور اس کے حضور قلبی حاضری حاصل ہوتی۔

رسول اکرم ﷺ نماز شروع کرتے اور اس کو لمبا کرنے کا ارادہ فرماتے پس کسی بچے کے رونے کی آواز سنتے تو اس

[1] اگرچہ ایسا کرنا جائز ہے اور سلام کے علاوہ قصداً ایسا عمل کرنے سے نماز مکمل ہو جائے گی جو عمل نماز کے منافی ہے لیکن لفظ سلام چھوڑنے سے گناہ گار ہوگا۔ ١٢ ہزاروی

خوف سے نماز میں اختصار فرماتے کہ اس (بچے) کی ماں کے لئے باعث مشقت نہ ہو۔ [1]

نماز کے دوران بچے کو اٹھانا

نبی اکرم ﷺ لوگوں کو نماز پڑھاتے اور آپ کے کاندھے پر امامہ بنت ابی العاص بن ربیع ہوتیں۔

(الاصابہ ج ۸ ص ۱۴ رقم الترجمہ: ۷۰)

حضرت امامہ نبی اکرم ﷺ کی نواسی یعنی آپ کی صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی صاحبزادی تھیں۔

حضرت امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ حدیث حضرت امام شافعی رحمہ اللہ اور ان لوگوں کے مسلک پر دلالت کرتی ہے جو ان کے موافق ہیں کہ فرض اور نفل (ہر قسم کی نماز) میں امام مقتدی اور تنہا نماز پڑھنے والے کے لئے کسی بچے یا بچی یا کسی حیوان کو اٹھانا جائز ہے۔

امام مالک رحمہ اللہ کے اصحاب نے اسے نفل نماز پر محمول کیا ہے اور فرض نماز میں اس کو منع کیا ہے۔

لیکن ان کی یہ تاویل فاسد ہے کیوں کہ حدیث میں یوم الناس کے الفاظ صریح ہیں یا صریح کی طرح ہیں کہ یہ واقعہ فرض نماز میں ہوا بعض مالکی حضرات نے اس کے منسوخ ہونے کا دعویٰ کیا ہے بعض حضرات نے کہا کہ یہ نبی اکرم ﷺ کے ساتھ خاص ہے اور کچھ نے فرمایا کہ ضرورت کے تحت ایسا کیا۔ یہ سب تاویلات مردود ہیں اور ان پر کوئی دلیل نہیں اور ان کی کوئی ضرورت نہیں۔ [2]

بلکہ صحیح حدیث اس کے جواز میں صریح ہے اور اس میں کوئی ایسی بات نہیں جو شریعت کے خلاف ہو کیونکہ انسان پاک ہے اور اس کے پیٹ میں جو نجاست ہے وہ معاف ہے کیونکہ وہ اس کے معدے میں ہے اور بچوں کے کپڑوں اور ان کے جسموں کو طہارت پر محمول کیا جاتا ہے اور دلائل شرعیہ اس پر ایک دوسرے کو تقویت دیتے ہیں اور نماز میں عمل تھوڑا ہو یا متفرق ہو تو وہ اسے باطل نہیں کرتا اور نبی اکرم ﷺ کا فعل جواز کے لئے ہے (ضروری اور لازمی نہیں) اور ان قواعد پر تنبیہ ہے جو ذکر کئے ہیں۔

یہ (مندرجہ بالا تقریر) ابوسلیمان خطابی کے دعویٰ کو رد کرتی ہے وہ فرماتے ہیں مناسب یہ ہے کہ یہ فعل نماز میں ان کو اٹھانے کے قصد کے بغیر ہوا ہو بلکہ وہ بچی آپ سے چمٹ گئی اور آپ نے اسے دور نہ فرمایا جب آپ کھڑے ہوئے تو پھر بھی وہ آپ کے ساتھ رہی وہ فرماتے ہیں یہ وہم نہ کیا جائے کہ آپ نے اسے اٹھایا اور پھر رکھ دیا کیونکہ یہ عمل کثیر ہے اور دل کو دوسری طرف متوجہ کرتا ہے جب نبی اکرم ﷺ کی چادر کے بیل بوٹوں نے آپ کی توجہ کو (نماز سے) ہٹا دیا تو اس عمل کی وجہ سے آپ کی توجہ کیسے نہ ہٹتی۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۷۳-۷۵۲-۵۸۱۷)

---

[1] نبی اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا اس لئے آپ سب کا خیال فرماتے خصوصاً کمزور لوگوں عورتوں اور بچوں کی رعایت زیادہ فرماتے اور نماز مختصر فرما دیتے لہٰذا ہمارے لئے ضروری ہے کہ دین کے نام پر ایسے کام نہ کریں جو امت کے لئے مشقت کا باعث ہوں۔ ۱۲ ہزاروی

[2] اگر نماز میں عمل قلیل پایا جائے تو نماز نہیں ٹوٹتی اور عمل کثیر سے ٹوٹ جاتی ہے قلیل عمل وہ ہوتا ہے جسے دیکھنے والا دیکھے تو خیال نہ کرے کہ یہ شخص نماز نہیں پڑھ رہا۔ ۱۲ ہزاروی

یہ خطابی کا کلام ہے اور یہ باطل اور محض دعویٰ ہے اس کو رد کرنے والی باتوں میں ''صحیح مسلم کی'' حدیث کے یہ الفاظ بھی ہیں:

فاذا قام حملها واذا رفع من السجود اعادها. جب آپ کھڑے ہوتے تو اسے اٹھا لیتے اور جب سجدے سے سر اٹھاتے تو اسے دوبارہ اٹھاتے۔

''صحیح مسلم کے علاوہ'' کتب میں یہ الفاظ بھی ہیں ''خرج حاملا امامة وصلی'' ''نبی اکرم ﷺ حضرت امامہ کو اٹھائے ہوئے تشریف لائے اور نماز پڑھی۔ جہاں تک نقش و نگار والی چادر کا تعلق ہے تو وہ کسی فائدے کے بغیر دل کی توجہ کو ہٹا دیتی ہے اور حضرت امامہ رضی اللہ عنہا کے سلسلے میں ہم تسلیم نہیں کرتے کہ ان کی وجہ سے توجہ (نماز سے) ہٹ گئی ہو اور اگر آپ کی توجہ ادھر مبذول ہوئی بھی ہو تو اس پر فوائد مرتب ہوتے ہیں اور ان قواعد کا ذکر ہے جو ہم نے بیان کئے پس اس مشغولیت میں ان فوائد کا احتمال ہے جبکہ چادر والے واقعہ میں یہ بات نہیں تھی۔

بہتر بات جس سے پھرا نہیں جا سکتا یہ ہے کہ یہ حدیث ان قواعد کے بیان اور تنبیہ کے لئے ہے پس ہمارے لئے یہ جائز ہے اور قیامت تک ہمیشہ جائز رہے گا۔

نبی اکرم ﷺ نماز پڑھ رہے ہوتے پس حضرت حسن یا حضرت حسین (رضی اللہ عنہما) آ کر آپ کی پیٹھ مبارک پر سوار ہو جاتے تو آپ سجدہ لمبا کر دیتے اس بات کو ناپسند کرتے ہوئے کہ وہ آپ کی پیٹھ سے گر جائیں۔

نماز میں حرکت

نبی اکرم ﷺ نماز کے دوران سلام کرنے والے کو اشارہ سے جواب دیتے تھے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے مجھے کسی کام کے لئے بھیجا (واپسی پر) میں نے آپ کو نماز کی حالت میں پایا تو سلام کیا' آپ نے میری طرف اشارہ فرمایا۔ (صحیح مسلم)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جب میں حبشہ سے آیا تو نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ نماز پڑھ رہے تھے میں نے آپ کو سلام کیا تو آپ نے سر کے ساتھ اشارہ کیا۔ [1]

اور آپ نماز پڑھ رہے ہوتے اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا آپ کے اور قبلہ کے درمیان لیٹی ہوتی تھیں جب آپ سجدہ کرتے تو اپنے دست مبارک سے ان کو ٹٹولتے چنانچہ وہ اپنے پاؤں سمیٹ لیتیں اور جب آپ کھڑے ہوتے تو وہ پھیلا دیتیں۔

اور نبی اکرم ﷺ نماز میں ادھر ادھر نہیں دیکھتے تھے۔

''صحیح بخاری میں'' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے فرماتی ہیں: میں نے رسول اکرم ﷺ سے نماز میں ادھر ادھر متوجہ ہونے کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے فرمایا: یہ اچکنا ہے جو شیطان بندے کی نماز سے اچکتا ہے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۱۶۱' سنن ترمذی ۵۹' سنن نسائی رقم الباب:۱۰' مسند احمد ج ۶ ص ۷۔۱۰۶)

---

[1] نماز میں سلام کا جواب دینا جائز نہیں نہ زبان سے اور نہ اشارے سے' اسلام کے آغاز میں بعض احکام کی پابندی نہیں تھی ہو سکتا ہے اس وقت کی بات ہو نیز حضور ﷺ نے بیان جواز کے لئے ایسا کیا ہو کیونکہ یہ عمل قلیل ہے اس سے نماز نہیں ٹوٹتی۔ ۱۲ ہزاروی

حضرت امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے حضرت سہل بن حنظلیہ رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ غزوۂ حنین کے دن نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

آج رات کون ہماری دربانی کرے گا؟ حضرت انس بن ابی مرثد غنوی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یارسول اللہ! میں (کروں گا) آپ نے فرمایا سوار ہوجاؤ پس وہ اپنے گھوڑے پر سوار ہوئے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا اس گھاٹی کی طرف جاؤ حتیٰ کہ اس کے اوپر چلے جاؤ صبح ہوئی تو ہمیں نماز کے لیے پکارا گیا نبی اکرم ﷺ نماز پڑھنے لگے اور آپ گھاٹی کی طرف دیکھ رہے تھے حتیٰ کہ جب نماز مکمل ہوئی تو فرمایا تمہیں خوشخبری ہو تمہارا سوار آ گیا ہے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۵۰۱ مسند احمد ج ا ص ۳۹۱ السنن الکبریٰ ج ۲ ص ۷۔ ج ۹ ص ۱۴۹ المعجم الکبیر ج ۶ ص ۱۱۶ مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۳۵۰ مجمع الزوائد ج ا ص ۳۱۸ دلائل النبوۃ ج ۴ ص ۲۷۵۔ ج ۵ ص ۱۲۶ نصب الرایہ ج ۲ ص ۳ کنز العمال رقم الحدیث: ۳۶۸۴۵)

تو آپ کی یہ توجہ نماز میں جہاد کی مشغولیت کی وجہ سے تھی اور یہ عبادات میں شامل ہے جس طرح نماز خوف ہے (کہ اس میں آنے جانے سے نماز نہیں ٹوٹتی)۔

اسی کے قریب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا قول ہے: فرمایا "میں جہاد کے لئے تیاری کر رہا تھا اور میں نماز میں تھا" تو یہ جہاد اور نماز کو جمع کرنا ہے اس کی مثال قران مجید کے معانی میں غور وفکر کرنا اور اس سے علم کے خزانے نکالنا ہے۔

نبی کریم ﷺ نماز پڑھ رہے تھے کہ شیطان سامنے آیا تا کہ آپ کی نماز توڑ دے آپ نے اس کو پکڑ کر اس کا گلا دبایا حتیٰ کہ اس کا تھوک آپ کے مبارک ہاتھوں پر بہنے لگا۔ (صحیح بخاری ومسلم)

حضرت مطرف بن عبداللہ بن شخیر اپنے والد (رضی اللہ عنہما) سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں: میں نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ نماز پڑھ رہے تھے آپ کے بطن اقدس سے ہنڈیا کے ابلنے کی طرح آواز آ رہی تھی یعنی آپ رو رہے تھے۔

ایک روایت میں ہے کہ آپ کے سینہ مبارک سے رونے کی وجہ سے چکی کی آواز جیسی آواز آ رہی تھی۔ (مسند احمد)

اور نبی اکرم ﷺ نماز کے دوران آنکھیں بند نہیں کرتے تھے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا ایک پتلا دوپٹہ تھا جس سے گھر کی ایک جانب میں پردہ کرتی تھیں تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا اس پردے کو ہم سے ہٹا دو اس کی تصاویر نماز میں مسلسل میرے سامنے آتی رہیں۔ (مسند احمد ج ۳ ص ۱۵۱) اگر آپ اپنی آنکھیں بند کرتے تو نماز میں وہ (تصاویر) سامنے نہ آتیں۔

علماء کرام کا اس عمل کے مکروہ ہونے میں اختلاف ہے اور حق بات یہ ہے کہ کہا جائے اگر آنکھیں کھولنے سے خشوع میں خلل واقع نہ ہو تو یہ افضل ہے اور اگر اس کے اور خشوع کے درمیان رکاوٹ بنے مثلاً اس کے قبلہ کی جانب کوئی نقش و نگار وغیرہ ہو جس سے دل کی توجہ پھر جاتی ہو تو اس صورت میں آنکھیں بند رکھنا قطعاً مکروہ نہیں بلکہ اس حالت میں بند رکھنا مستحب ہونا مناسب ہے۔

نماز میں وسوسہ

نبی اکرم ﷺ کی نماز اعتدال پر ہوتی تھی وہ غلو (حد سے تجاوز) سے خالی ہوتی تھی مثلاً عقدِ نیت میں وسوسہ نیت بلند آواز سے کرنا' وہ اذکار اور دعائیں جو آہستہ پڑھنے کا حکم ہے ان کو بلند آواز سے پڑھنا' جس عمل کو مختصر کرنا ہو اس کو طویل کرنا جس طرح پہلا تشہد وغیرہ وہ امور جن کو اکثر ایسے لوگ کرتے ہیں جو وسوسوں میں مبتلا ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان (وسوسوں) سے محفوظ رکھے۔

اور یہ بھی ایک قسم کا جنون ہے اور ایسا شخص یقیناً بدعتی اور اپنے افعال و اقوال میں ایسی باتیں نکالتا ہے جو نبی اکرم ﷺ نے نہیں کی ہیں اور نہ ہی کسی صحابی نے ایسا کیا ہے۔ اور رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

ان خير الهدى هدى محمد (ﷺ) وشر الامور محدثاتها.

بے شک بہترین سیرت حضرت محمد ﷺ کی سیرت ہے اور برے کام ان میں سے نو پید کام ہیں۔

اور آپ سے اس طرح بھی مروی ہے:

ایاکم ومحدثات الامور فان کل محدثة بدعة وکل بدعة ضلالة.[1]

نئے کاموں سے بچو! بے شک ہر نیا کام بدعت اور ہر بدعت گمراہی ہے۔

(تلبیس ابلیس ص ۱۵' مسند احمد ج ۴ ص ۱۲۶)

امام الحرمین کی طرف جو کچھ منسوب ہے اس میں یہ بھی ہے کہ وسوسہ' عقل کا نقصان ہے یا احکام شریعت سے جہالت ہے۔

ان وسوسہ والوں کی عجیب باتوں میں سے یہ بھی ہے کہ ان میں بعض بار بار طہارت میں مشغول ہوتے ہیں حتیٰ کہ ان سے جماعت رہ جاتی ہے بعض اوقات تو (نماز) وقت ہی نکل جاتا ہے۔ اور ان میں سے بعض نیت میں مشغول ہوتے ہیں حتیٰ کہ تکبیر اولیٰ فوت ہو جاتی ہے بلکہ بعض اوقات ایک یا زیادہ رکعتیں نکل جاتی ہیں اور ان میں سے بعض قسم کھاتے ہیں کہ وہ اس تکبیر پر زیادہ نہیں کرے گا پھر جھوٹ بولتا ہے (یعنی زیادہ کرتا ہے)۔

پھر تعجب کی بات یہ ہے کہ ان میں سے بعض حالتِ قیام میں وسوسے میں مبتلا ہوتے ہیں حتیٰ کہ امام رکوع میں چلا جاتا ہے جب رکوع کے نکلنے کا خوف ہوتا ہے تو جلدی جلدی تکبیر کہہ کر رکوع کو پا لیتا ہے پس جس شخص کو طویل قیام کی حالت میں فارغ دل کے ساتھ نیت حاصل نہ ہوا سے تنگ وقت میں رکعت کے فوت ہونے کے خیال میں مشغولیت کی صورت میں نیت کیسے حاصل ہوگی؟

ان لوگوں میں سے بعض بار بار اللہ اکبر کہتے ہیں جس سے دوسرے مقتدی تشویش میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ بات مکروہ ہے۔

ان میں سے بعض کے اعضاء میں تناؤ پیدا ہو جاتا ہے وہ پیشانی کو ٹیڑھا کرتا ہے اس کی آنکھوں کی رگیں کھڑی

[1] بدعت کا لغوی معنیٰ ہے نیا کام لیکن نئے کام دو قسم کے ہوتے ہیں اچھے بھی اور برے بھی لہٰذا جو اچھا ہوگا وہ مذموم نہیں ہوگا اسی لئے محدثین کرام نے فرمایا کہ یہاں اصل عبارت "کل بدعة سیئة ضلالة یعنی ہر بری بدعت گمراہی کا باعث ہے"۔ ۱۲ ہزاروی

ہو جاتی ہیں اور وہ واضح الفاظ میں تکبیر کہتا ہے گویا وہ دشمن پر (حملہ کے وقت) نعرہ تکبیر بلند کر رہا ہو۔

ان میں سے کوئی ایسا بھی ہے جو اپنے عضو کو دھوتا' اس کا مشاہدہ کرتا اور اسے دیکھتا ہے' تکبیر کہتا اور زبان سے قرأت کرتا ہے' اپنے کانوں سے سنتا ہے اور دل سے جانتا ہے اس کے باوجود اپنے یقین کا انکار کر کے شیطان کی تصدیق کرتا ہے اور جس کو اپنی آنکھوں سے دیکھتا ہے اور کانوں سے سنتا ہے اس کا انکار کرتا ہے۔ ایک شخص نے حضرت ابوالوفاء بن عقیل سے سوال کرتے ہوئے کہا کہ میں تکبیر کہتا ہوں پھر کہتا ہوں کہ میں نے تکبیر نہیں کہی' وضو میں اعضاء کو دھوتا ہوں اور کہتا ہوں کہ میں نے نہیں دھوئے تو ابن عقیل نے کہا نماز چھوڑ دو وہ تم پر واجب نہیں ہے اس نے کہا ایسا کیوں ہے؟ انہوں نے فرمایا اس لئے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا مجنون سے قلم اٹھا لیا گیا (مواخذہ نہیں ہوگا) حتیٰ کہ اسے افاقہ ہو جائے اور جو شخص تکبیر کہنے کے بعد کہے کہ میں نے تکبیر نہیں کہی وہ عقل والا نہیں اور مجنون پر نماز واجب نہیں۔

جو شخص اس آفت سے نکلنا چاہتا ہو وہ اپنے نبی ﷺ کی ارفع و اعلیٰ سنت کی اتباع اور باطل سے جدا ملت کی اقتداء کرے پس اگر اس پر معاملہ غالب آ جائے اور راستے تنگ ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ کے حضور گڑگڑائے اور اس حالت کی دوری کے لئے اس کی طرف انکساری اور دعا کے ساتھ رجوع کرے (اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اس حالت کو ختم کر دے گا)۔

پندرہویں نوع

نبی اکرم ﷺ کے قنوت کا ذکر

قنوت کے معانی

جاننا چاہیے کہ قنوت کا اطلاق' قیام' خاموشی' عبادت کے دوام' دعا' تسبیح اور خضوع پر ہوتا ہے۔

جیسے ارشاد خداوندی ہے:

وَلَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ○ (الروم: ۲۶)

اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے سب اسی کے لئے جھکتے ہیں۔

اور ارشاد خداوندی ہے:

اَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ اٰنَآءَ الَّيْلِ سَاجِدًا وَّقَآئِمًا. (الزمر: ۹)

کیا وہ جو رات کی گھڑیوں میں سجدے اور قیام کی حالت میں رہتا ہے؟

(یہاں دوام عبادت مراد ہے)۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَصَدَّقَتْ بِكَلِمٰتِ رَبِّهَا وَكُتُبِهٖ وَكَانَتْ مِنَ الْقٰنِتِيْنَ○ (التحریم: ۱۲)

اور اس (حضرت مریم) نے اپنے رب کی باتوں اور اس کی کتابوں کی تصدیق کی اور فرمانبرداروں میں ہوئی۔

یہاں قیام کی مخصوص حالت میں دعا مانگنا مراد ہے۔

قنوت کی مشروعیت سے متعلق نصوص

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں:

نبی اکرم ﷺ نے ستر افراد بھیجے جن کو قرأ کہا جاتا تھا تو (بنو) سلیم کے دو قبیلے رعل اور ذکوان ایک کنویں کے پاس ان کے سامنے آئے اس کنویں کو بئر معونہ کہا جاتا تھا۔ ان لوگوں نے ان (اقرأ) کو شہید کر دیا' نبی اکرم ﷺ نے ایک مہینہ صبح کی نماز میں ان کے خلاف دعا کی' یہ قنوت کا آغاز تھا اور ہم قنوت نہیں کرتے تھے۔

حضرت عبدالعزیز بن صہیب فرماتے ہیں: ایک شخص نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے قنوت کے بارے میں پوچھا کہ کیا وہ رکوع کے بعد ہے یا قرأت سے فراغت کے وقت؟ فرمایا بلکہ قرأت سے فراغت کے وقت ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ آپ نے ایک مہینہ رکوع کے بعد قنوت کیا اس میں آپ عرب کے کچھ قبیلوں کے خلاف دعا کرتے تھے۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے ایک مہینہ صبح کی نماز میں رکوع کے بعد قنوت کیا جس میں رعل اور ذکوان کے خلاف دعا فرماتے اور فرماتے یہ عصیہ قبیلہ ہیں انہوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول (ﷺ) کی نافرمانی کی ہے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۹۳-۲۹۷-۲۹۹' مسند احمد ج ۴ ص ۲۰-ج ۳ ص ۱۱۶-ج ۳ ص ۵۷' سنن دارمی ج ۲ ص ۲۳۳' السنن الکبریٰ ج ۲ ص ۱۹۷-۲۰۸' مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۴۳' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۳۱۷' الدر المنثور ج ۲ ص ۷۱-ج ۲ ص ۳۲۲' دلائل النبوۃ ج ۳ ص ۳۵۰)

ایک اور روایت میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ایک دستہ بھیجا جن کو قرأ کہا جاتا تھا جن کو شہید کر دیا گیا (راوی کہتے ہیں) میں نے نبی اکرم ﷺ کو کسی دوسری بات پر اس قدر غمگین نہیں دیکھا جس قدر اس (واقعہ) پر غمگین دیکھا چنانچہ آپ نے ایک مہینہ تک صبح کی نماز میں قنوت فرمایا۔ (صحیح بخاری ومسلم)

"صحیح بخاری میں ہے کہ" آپ نے مغرب اور فجر میں قنوت پڑھی۔ ابوداؤد اور نسائی کی روایت میں ہے کہ آپ نے فجر کی نماز میں رکوع کے بعد قنوت پڑھی اور ایک روایت میں ہے کہ ایک مہینہ قنوت پڑھی پھر اسے چھوڑ دیا۔

نسائی کی ایک اور روایت میں ہے کہ ایک مہینہ قنوت فرمایا جس میں رعل ذکوان اور لحیان کے خلاف دعا فرماتے تھے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ایک مہینہ مسلسل ظہر' عصر' مغرب' عشاء اور صبح کی نماز میں قنوت پڑھی ہر نماز کے آخر میں جب آخری رکعت میں "سمع اللہ لمن حمدہ" کہتے تو بنو سلیم کے قبیلوں رعل' ذکوان اور عصیہ کے خلاف دعا فرماتے اور آپ کے پیچھے نماز پڑھنے والے آمین کہتے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے انہوں نے نبی اکرم ﷺ سے سنا کہ جب آپ فجر کی نماز میں آخری رکعت میں رکوع سے سر اٹھاتے تو یوں دعا مانگتے "یا اللہ! فلاں اور فلاں پر لعنت بھیج"۔ یہ کلمات آپ "سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ رَبَّنَا وَلَکَ الْحَمْدُ" کے بعد کہتے تھے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

لَیْسَ لَکَ مِنَ الْاَمْرِ شَیْءٌ۔ (آل عمران: ۱۲۸) یہ بات آپ کے اختیار میں نہیں۔

(مسند احمد ج ۲ ص ۲۵۵' سنن نسائی ج ۲ ص ۲۰۳' السنن الکبریٰ ج ۲ ص ۱۹۷' المعجم الکبیر ج ۱۲ ص ۲۸۰)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے جب دوسری رکعت (کے رکوع) سے سر اٹھایا تو یوں دعا کی:

اَللّٰھُمَّ انْجِ الْوَلِیْدَ بْنَ الْوَلِیْدِ وَسَلَمَةَ بْنَ هِشَامٍ وَعَیَّاشَ بْنَ اَبِیْ رَبِیْعَةَ وَالْمُسْتَضْعَفِیْنَ بِمَکَّةَ اَللّٰھُمَّ اشْدُدْ وَطْاَتَکَ عَلٰی مُضَرَ اللّٰھُمَّ اجْعَلْھَا عَلَیْھِمْ سِنِیْنَ کَسِنِیْ یُوْسُفَ.

یا اللہ! ولید بن ولید' سلمہ بن ہشام' عیاش بن ابی ربیعہ اور مکہ مکرمہ میں موجود کمزور کئے گئے مسلمانوں کو کامیابی عطا کر اور قبیلہ مضر کو سخت عذاب دے اور اسے حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانے کی قحط سالی کی طرح ان پر قحط سالی بنا دے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۸۰۴' سنن نسائی ج ۲ ص ۲۰۱' مسند احمد ج ۲ ص ۲۳۹-۲۵۵- سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۲۴۴' السنن الکبریٰ ج ۲ ص ۱۹۷' مسند الحمیدی رقم الحدیث: ۹۳۹' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۳۱۶' نصب الرایہ ج ۱ ص ۱۲۷' کنز العمال رقم الحدیث: ۲۱۹۹۶)

ایک روایت میں ہے کہ صبح کی نماز میں یہ دعا مانگی' ایک دوسری روایت میں ہے کہ پھر ہمیں یہ بات پہنچی کہ جب اللہ تعالیٰ نے آیت کریمہ "لیس لک من الامر شیء" (پہلے گزر چکی ہے) نازل فرمائی تو آپ نے یہ دعا مانگنا چھوڑ دی۔ حضرت براء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ صبح اور مغرب کی نماز میں قنوت پڑھتے تھے۔

ابوداؤد کی روایت میں ہے کہ صبح کی نماز میں (پڑھتے تھے) مغرب کا ذکر نہیں کیا۔

حضرت ابومالک اشجعی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: میں نے اپنے والد ماجد سے کہا ابا جان! آپ نے نبی اکرم ﷺ' حضرت ابوبکر صدیق' حضرت عمر فاروق' حضرت عثمان غنی اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہم کے پیچھے یہاں کوفہ میں پانچ سال نماز پڑھی ہے کیا یہ حضرات قنوت پڑھتے تھے؟ انہوں نے فرمایا اے میرے بیٹے! یہ بدعت ہے۔

(جامع ترمذی)

حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو فرماتے ہوئے سنا کہ فجر کی نماز میں قنوت پڑھنا بدعت ہے۔[1]

قنوت کے بارے میں علماء کرام کی آراء

بعض علماء فرماتے ہیں صحیح بات یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے قنوت پڑھی بھی ہے اور چھوڑی بھی ہے اور پڑھنے کے مقابلے میں چھوڑنا زیادہ ہے۔ آپ نے مصائب کے نازل ہونے پر بعض لوگوں کے حق میں دعا کرنے اور دوسروں کے خلاف دعا کرتے وقت قنوت پڑھی ہے۔ پھر وہ حضرات جن کے حق میں دعا فرمائی تھی واپس آ گئے اور قید سے چھوٹ گئے اور جن کے خلاف دعا کرتے تھے وہ اسلام لا کر توبہ کرتے ہوئے حاضر ہوئے تو آپ نے قنوت کا پڑھنا چھوڑ دیا۔ آپ کا قنوت پڑھنا کسی سبب سے تھا جب وہ زائل ہو گیا تو آپ نے قنوت کو ترک دیا۔

[1] امام زرقانی فرماتے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ حضرات قنوت نہیں پڑھتے تھے اور یہ ہو سکتا ہے کہ اس سے مراد یہ ہو کہ شروع میں فرض ہونے والی نمازوں میں سے ہو کیونکہ یہ تو ہجرت کے بعد پڑھی گئی۔ (زرقانی ج ۷ ص ۳۲۵)

(قنوت) فجر کے ساتھ مختص نہ تھی بلکہ آپ فجر اور مغرب کی نمازوں میں پڑھتے تھے۔
امام بخاری رحمہ اللہ نے اسے اپنی صحیح میں حضرت انس رضی اللہ سے روایت کیا ہے اور امام مسلم رحمہ اللہ نے اسے حضرت براء رضی اللہ عنہ سے نقل کیا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے صحیح روایت میں مروی ہے' فرماتے ہیں: اللہ کی قسم! نبی اکرم ﷺ کی نماز کے سب سے زیادہ قریب میری نماز ہے' آپ فجر کی نماز میں ''سمع اللہ لمن حمدہ'' کے بعد قنوت پڑھتے تھے۔

ابن ابی فدیک فرماتے ہیں اس میں کوئی شک نہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے یہ عمل کیا پھر چھوڑ دیا۔ یہ ان لوگوں کا رد ہے جو فجر کی نماز میں قنوت کو مطلقاً مکروہ قرار دیتے چاہے وہ حادثات اترنے کے وقت ہو یا اس کے علاوہ اور کہتے ہیں کہ یہ منسوخ ہے اور اس پر عمل بدعت ہے۔[1]

اصحاب حدیث کا عمل ان لوگوں کے عمل اور مستحب کہنے والوں کے عمل کے درمیان ہے وہ کہتے ہیں اس پر عمل بھی سنت ہے اور چھوڑنا بھی سنت ہے اور جو شخص ہمیشہ یہ عمل کرے وہ اس پر اعتراض نہیں کرتے نہ اس کے عمل کو مکروہ خیال کرتے ہیں اور نہ بدعت سمجھتے ہیں اور نہ ہی اس پر عمل کرنے والے کو سنت کا مخالف جانتے ہیں (وہ فرماتے ہیں) جو قنوت پڑھے تو اس نے اچھا کام کیا اور جو چھوڑ دے اس نے بھی اچھا کام کیا ہے۔

قنوت کے بارے میں امام شافعی رحمہ اللہ کا مذہب

حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کا مذہب یہ ہے کہ صبح کی نماز میں دوسری رکعت کے رکوع سے کھڑے ہو کر قنوت پڑھنا ہمیشہ جائز ہے' انہوں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث سے استدلال کیا ہے وہ فرماتے ہیں نبی اکرم ﷺ فجر کی نماز میں ہمیشہ قنوت پڑھتے تھے حتیٰ کہ آپ کا وصال ہو گیا۔

ابن صلاح کہتے ہیں متعدد حفاظ حدیث نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے ان میں حضرت امام حاکم' امام بیہقی اور ابو عبداللہ محمد بن علی بلخی رحمہم اللہ متوفی ۲۹۸ھ بھی شامل ہیں۔ (تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۶۹۴ رقم الترجمہ: ۷۱۵)

اور ''سنن بیہقی میں'' اس حدیث کے مقتضیٰ پر خلفائے اربعہ کا عمل بھی ثابت ہے۔

ان میں سے بعض نے فرمایا کہ صبح کی نماز میں نبی اکرم ﷺ کے قنوت پڑھنے پر اجماع ہے پھر اختلاف ہے کہ کیا آپ نے اسے چھوڑ دیا تھا؟ تو اجماعی بات سے استدلال کیا جائے حتیٰ کہ وہ بات ثابت ہو جائے جس میں اختلاف ہو۔

ابن ابی فدیک کی روایت جو انہوں نے بواسطہ عبداللہ بن سعید بن ابوسعید مقبری ان کے والد (سعید بن ابوسعید مقبری) سے روایت کی اور وہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں اور اس میں انہوں نے فرمایا کہ نبی اکرم ﷺ جب فجر کی نماز میں دوسری رکعت کے رکوع سے سر اٹھاتے تو ہاتھ اٹھا کر یہ دعا مانگتے:

اَللّٰهُمَّ اهْدِنِيْ فِيْمَنْ هَدَيْتَ الخ. ''یا اللہ! مجھے ہدایت یافتہ لوگوں میں ہدایت عطا فرما (آخر تک)

---

[1] فجر وغیرہ نمازوں میں قنوت کو بدعت تو اس لئے نہیں کہہ سکتے کہ حضور ﷺ نے قنوت پڑھی ہے لیکن وہ ایک خاص وقت کے لئے حکم تھا نہ اس سے پہلے قنوت پڑھی گئی اور نہ بعد میں صحابہ کرام نے پڑھی لہٰذا یہ حکم منسوخ ہے۔ ۱۲ ہزاروی

ابن قیم نے "زاد المعاد میں" کہا ہے اگر یہ حدیث صحیح یا حسن ہو تو اس سے استدلال کس قدر واضح ہے؟ لیکن یہ عبداللہ (راوی) قابل حجت نہیں ہیں اگرچہ امام حاکم نے قنوت کے بارے میں ان کی حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔

اس حدیث کو امام حاکم نے روایت کر کے صحیح قرار دیا لیکن اس کا رد کیا گیا جیسا کہ ابن قیم نے کہا اور عبداللہ بن سعید کے ضعف پر اتفاق ہے۔

دعائے قنوت کی صریح عبارت

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ صبح کی نماز اور رات کی وتر نماز میں ان کلمات کے ساتھ قنوت پڑھتے تھے:

اللهم اهدني فيمن هديت (آخر تک) یہ حدیث محمد بن نصر نے اپنی کتاب "قیام اللیل" میں نقل کی ہے۔

لیکن صحیح یہ ہے کہ اس میں کوئی مخصوص دعا متعین نہیں ہے بلکہ ہر دعا سے مقصود حاصل ہو جاتا ہے۔ اور اس میں بعض شافعی حضرات کا قول ہے کہ یہ مقصد صرف مشہور دعا سے حاصل ہوتا ہے۔

اور وہ دعا یہ ہے:

اَللّٰهُمَّ اهْدِنِيْ فِيْمَنْ هَدَيْتَ وَعَافِنِيْ فِيْمَنْ عَافَيْتَ وَتَوَلَّنِيْ فِيْمَنْ تَوَلَّيْتَ وَبَارِكْ لِيْ فِيْمَا اَعْطَيْتَ وَقِنِيْ شَرَّ مَا قَضَيْتَ فَاِنَّكَ تَقْضِيْ وَلَا يُقْضٰى عَلَيْكَ وَاِنَّهٗ لَا يَذِلُّ مَنْ وَّالَيْتَ وَتَبَارَكْتَ رَبَّنَا وَتَعَالَيْتَ.

یا اللہ! مجھے ہدایت عطا کر ان لوگوں میں جنہیں تو نے ہدایت دی اور میری مدد فرما ان لوگوں میں جن کی تو نے مدد فرمائی جو کچھ تو نے مجھے عطا کیا اس میں میرے لئے برکت پیدا فرما اور اس چیز کے شر سے مجھے بچا جس کا تو نے فیصلہ کیا بے شک تو فیصلہ کرتا ہے اور تیرے خلاف فیصلہ نہیں ہو سکتا اور بے شک وہ شخص ذلیل نہیں ہوتا جو تجھ سے دوستی لگائے اے ہمارے رب! تو برکت والا اور بلند ہے۔

اس حدیث کو امام ابوداؤد، امام ترمذی اور امام نسائی رحمہم اللہ نے حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما کی روایت سے نقل کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے مجھے کچھ کلمات سکھائے کہ میں ان کو وتروں میں پڑھا کروں پس یہ (الفاظ) ذکر کئے اور اس (حدیث) کی سند صحیح ہے۔

امام بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں صحیح ثابت ہے کہ اس دعا کی تعلیم صبح کی قنوت اور قنوت وتر (دونوں) کے لئے واقع ہوئی ہے۔

"فانک تقضی" "فاء کے ساتھ ہے اور "وانه لا يذل" "واؤ کے ساتھ اسی طرح "وتعاليت" "سے پہلے "وربنا" ہے لیکن ابوداؤد کی روایت میں فاء کے ساتھ نہیں ہے۔

امام بیہقی رحمہ اللہ نے "انه لا يذل من واليت" کے بعد ان الفاظ کا اضافہ (نقل) کیا ہے "ولا يعز من عاديت" (تیرے دشمن کے لئے عزت نہیں ہے)۔

ابن ابی عاصم نے "کتاب التوبہ میں" یہ اضافہ (نقل) کیا ہے:

نَسْتَغْفِرُکَ اَللّٰھُمَّ وَنَتُوْبُ اِلَیْکَ. اے اللہ! ہم تجھ سے بخشش مانگتے ہیں اور تیری بارگاہ میں توبہ کرتے ہیں۔

دعائے قنوت کے بعد نبی اکرم ﷺ پر درود بھیجنا

اسی (دعا) کے آخر میں نبی اکرم ﷺ پر درود شریف بھیجنا سنت ہے کیونکہ امام نسائی رحمہ اللہ نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے صحیح یا حسن سند کے ساتھ روایت کیا جیسا کہ ''شرح مہذب'' میں فرمایا اور ''سنن نسائی کے'' الفاظ یوں ہیں ''وصلی اللہ علی النبی'' (اور اللہ تعالیٰ نبی ﷺ پر رحمت نازل فرمائے)۔

''الاذکار'' میں قطعیت کے ساتھ بیان کیا کہ نبی اکرم ﷺ پر درود شریف بھیجنا مستحب ہے لیکن صاحب ''الاقلید'' (امام تاج الدین عبدالرحمٰن بن ابراہیم الشافعی' متوفی ۶۹۰ھ) نے اس کی مخالفت کرتے ہوئے کہا کہ ہمارے اصحاب کی کتب میں ''وسلم'' کا جو اضافہ ہے اور جو کچھ ائمہ نے آج کل عادت بنالی ہے کہ (نبی اکرم ﷺ کی) آل' ازواج مطہرات اور صحابہ کرام کا ذکر کرتے ہیں ان سب باتوں کی کوئی اصل نہیں۔ (کشف الظنون ج ا ص ۳۸۹)

میں (مصنف) کہتا ہوں کہ ''الاذکار'' میں امام نووی رحمہ اللہ کی عبارت اس طرح ہے کہ اس دعا کے بعد یہ پڑھنا مستحب ہے:

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ وَّسَلِّمْ. یا اللہ! حضرت محمد ﷺ اور آل محمد پر رحمت وسلامتی نازل فرما۔

''نسائی شریف کی'' حدیث میں حسن سند کے ساتھ ''وصلی اللہ علی النبی'' کے الفاظ آئے ہیں۔

اس پر یوں اعتراض کیا گیا کہ دعویٰ کے الفاظ دلیل کے خلاف ہیں اور انہوں نے اس پر آل اور سلام کا اضافہ کیا (مطلب یہ ہے کہ دعویٰ میں آل اور سلام کا ذکر ہے اور دلیل میں صرف درود شریف کا ذکر ہے۔ ۱۲ ہزاروی)۔

ہاں امام رافعی اور ''رویانی'' کے نزدیک اضافہ ہے جو ''نسائی شریف میں منقول'' حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما کی حدیث کی طرف منسوب ہے لیکن ان کے نزدیک کسی بھی راوی سے جس نے ان سے روایت کیا یہ بات منقول نہیں کہ ''صلی اللہ علی النبی'' کے الفاظ امام ترمذی کی روایت سے زائد ہیں اور یہ حدیث غریب ہے' عبداللہ بن علی جو اس کے راوی ہیں' کی وجہ سے ثابت نہیں کیونکہ یہ غیر معروف ہیں۔

اور اس بات کو فرض کرنے پر کہ یہ عبداللہ بن علی بن حسن بن علی (رضی اللہ عنہم) ہیں' یہ حدیث منقطع ہوگی کیونکہ انہوں (حضرت عبداللہ) نے اپنے جد امجد حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما سے سماعت نہیں کی۔ تو واضح ہوا کہ یہ حدیث منقطع ہونے یا راوی کے مجہول ہونے کی وجہ سے حسن حدیث کی شرط پر نہیں اور کوئی دوسری روایت لا کر اس اضافہ کی وجہ سے ہونے والی خرابی کو پورا نہیں کیا جاسکتا۔ اس وقت اس حدیث کا شاذ ہونا واضح ہوگیا جیسا کہ مخفی نہیں ہے ہاں اصل حدیث ''وتعالیت'' تک حسن ہے کیونکہ ترمذی وغیرہ کی روایت اس کو تقویت دیتی ہے جب کہ زائد الفاظ کسی دوسری روایت میں نہیں آئے۔

اور جب ہم آل پر صلوٰۃ کو امام نووی کے اعتماد کے مطابق سنت قرار دیں تو مناسب ہے کہ اسے قنوت کا ایک حصہ شمار

کریں۔

قنوت کے احکام

''المجموع'' میں امام بغوی سے نقل کرتے ہوئے ذکر کیا کہ پہلے تشہد کی طرح قنوت کو لمبا کرنا بھی مکروہ ہے اور یہ اس طریقے پر ظاہر ہے جسے ''المجموع'' میں صحیح قرار دیا اور ''سجدہ سہو'' کے باب میں اس کی جو تحقیق ہے کہ اعتدال رکن طویل ہے اور وہ جو ان دونوں کتابوں میں باجماعت کے بارے میں صحیح قرار دیا کہ یہ چھوٹا رکن ہے تو یہ ''المنہاج اور الروضہ میں ہے تو'' کہا جائے گا کہ قیاس اس کے باطل ہونے کا تقاضا کرتا ہے کیونکہ چھوٹے رکن کو جان بوجھ کر لمبا کرنا نماز کو باطل کرنے والا ہے۔

اس کا جواب یوں دیا گیا کہ اسے مقام قنوت کے علاوہ پر محمول کیا جائے گا کیونکہ امام بغوی تو خود طوالت کی کراہت کے قائل ہیں وہ اس بات کے قائل ہیں کہ چھوٹے رکن کو جان بوجھ کر لمبا کرنا نماز کو باطل کرتا ہے۔

تنہا نماز پڑھنے والے کے لیے اپنی مرضی سے اور امام کے لئے نمازیوں کی مرضی سے دونوں کو جمع کرنا سنت ہے یعنی قنوت وتر میں وہ قنوت جس کا پہلے ذکر ہوا اور قنوت عمر فاروق رضی اللہ عنہ یعنی اللھم انا نستعینک آخر تک کو جمع کرنا اور بہتر یہ ہے کہ قنوت عمر کو بعد میں پڑھے۔

ہاتھوں کو اٹھانا بھی سنت ہے امام بیہقی رحمہ اللہ نے جید سند کے ساتھ یہ بات نقل کی ہے۔

''المجموع'' میں فرمایا کہ ہاتھوں کو چہرے پر ملنے کے سلسلے میں دو قول ہیں زیادہ مشہور یہ ہے کہ ملے اور زیادہ صحیح یہ ہے کہ نہ ملے۔ امام بیہقی فرماتے ہیں مجھے یہاں بزرگوں میں سے کسی سے کوئی چیز چہرے پر ہاتھ ملنے کے حوالے سے یاد نہیں اگرچہ نماز سے باہر دعا کے بارے میں بعض سے مروی ہے۔

اور سینے پر ہاتھ پھیرنے کی طرح جسم کے دوسرے حصوں پر پھیرنا بھی مکروہ ہے۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: کہ ہمارے اصحاب (شافعی مسلک والوں) کا قنوت میں ہاتھ اٹھانے کے سلسلے میں اختلاف ہے۔ اور ہاتھوں کو چہرے پر پھیرنے کے بارے میں تین طریقے ہیں سب سے بہتر طریقہ یہ ہے کہ ان کو اٹھانا مستحب ہے لیکن چہرے پر نہ ملے' دوسرا یہ کہ اٹھائے اور چہرے پر ملے' اور تیسرا یہ کہ نہ ملے اور نہ اٹھائے۔

اس بات پر ان حضرات کا اتفاق ہے کہ چہرے کے علاوہ سینے وغیرہ پر نہ ملے بلکہ اسے انہوں نے مکروہ کہا ہے۔

امام' قنوت بلند آواز سے پڑھے' تنہا نماز پڑھنے والا ایسا نہ کرے اگرچہ نماز سری ہو (جس میں آہستہ آواز سے قرأت ہوتی ہے) کیونکہ بلند آواز سے پڑھنے میں حضور ﷺ کی اتباع ہے۔[1]

ماوردی نے کہا کہ اس میں آواز کی بلندی قرأت کی بلندی سے کم ہونی چاہیے اگر مقتدی سنے تو آمین کہے جس طرح صحابہ کرام اس موقع پر نبی اکرم ﷺ کے پیچھے آمین کہتے تھے۔ اس حدیث کو امام ابوداؤد نے سند حسن کے ساتھ روایت کیا ہے۔

---

[1] کیونکہ قنوت صبح اور مغرب میں پڑھی جاتی تھی اور مغرب کی تیسری رکعت سری ہے لہٰذا سری نمازوں یعنی جن میں قرأت آہستہ ہوتی ہے اس پر قیاس کر کے امام بلند آواز سے قنوت پڑھے گا (جن حضرات کے نزدیک قنوت نازلہ پڑھنا جائز ہے)۔ (زرقانی ج ۷ ص ۳۴۸)

ثناء میں امام کے موافق کرتے ہوئے آہستہ پڑھے یا خاموش رہے کیونکہ یہ ثناء ہے یا ذکر جس پر آمین کہنا لائق نہیں۔
اور دعا نبی اکرم ﷺ پر درود شریف پڑھنے پر مشتمل ہوتی ہے پس اس میں آمین کہے طبری نے اس کی تصریح کی ہے۔
اور اگر مقتدی امام کی قنوت نہ سنے تو باقی اذکار اور دعاؤں کی طرح امام کے ساتھ قنوت آہستہ آواز سے پڑھے۔ وتر نماز اور صبح کے علاوہ قنوت نہیں ہے البتہ جب کوئی خوف' قحط یا وبا۔ اور ٹڈیوں وغیرہ کی کیفیت پیدا ہو تو مستحب ہے کہ صبح کے علاوہ فرض نمازوں میں قنوت پڑھے نذر کی نمازوں' نماز جنازہ اور نفل نماز میں نہ پڑھے۔
''صحیح بخاری میں'' حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے آنے والی آفت میں بلند آواز سے قنوت پڑھی۔
یہ تمام گفتگو شیخ الاسلام ابو یحییٰ زکریا الانصاری کی کتاب ''شرح البہجہ'' سے لی گئی ہے اور اس میں کچھ اضافہ کیا گیا۔
واللہ اعلم

فصل نمبر ۴

نبی اکرم ﷺ کا نماز میں سجدۂ سہو

سہو کی تعریف

جان لو! سہو' کسی چیز سے غافل ہونے اور دل کے دوسری طرف متوجہ ہونے کا نام ہے یہ بات الازہری نے کہی ہے۔ جیسا کہ قاضی عیاض رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے۔
بعض حضرات نے سہو اور نسیان میں معنوی طور پر فرق کیا ہے اور ان کے خیال میں نماز میں انبیاء کرام علیہم السلام سے سہو جائز ہے جب کہ نسیان جائز نہیں۔ وہ کہتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ نسیان' غفلت اور آفت ہے اور سہو' (دوسری طرف) مشغولیت ہے اور نبی اکرم ﷺ کو نماز میں سہو ہوتا لیکن آپ اس سے غافل نہیں ہوتے تھے اور آپ کو نماز کے امور میں مشغولیت کی وجہ سے نماز کی حرکات سے توجہ ہٹ جاتی' نماز سے غفلت نہیں ہوتی تھی۔
ابن کیلکدی[1] نے کہا کہ یہ بات (یہ فرق کہ سہو ہوتا غفلت نہ ہوتی) حدیث کی جہت سے اور لغت کے اعتبار سے ضعیف ہے' حدیث کی جہت سے اس لئے ہے کہ صحیحین میں نبی اکرم ﷺ کا یہ ارشاد گرامی ثابت ہے:

(الاعلام ج ۲ ص ۳۲۱' الدرر الکامنہ ج ۲ ص ۹۰ رقم الترجمہ: ۱۶۶۶)

انما انا بشر مثلکم انسی کما تنسون. بے شک میں تمہاری طرح انسان ہوں میں بھی بھولتا ہوں جس طرح تم بھولتے ہو۔

---

[1] ابن کیلکدی امام فقیہ حافظ' اصولی' نحوی' مفتی تھے' صلاح ابو سعید خلیل بن کیلکدی علائی المشہور مقدسی شافعی المذہب تھے' ۶۹۴ھ میں پیدا ہوئے حافظ زین الدین عراقی نے ان سے علم حاصل کیا اور انہوں نے کہا کہ حافظ مشرق و مغرب ۳ محرم الحرام ۷۶۱ھ میں فوت ہوئے۔
(زرقانی ج ۷ ص ۳۳۹)

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۰۱' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۹۰' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۰۲۲' سنن نسائی رقم الباب: ۲۵' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۲۹۔۱۳۳' مسند احمد ج ۱ ص ۳۷۹۔۴۵۵)

اور لغت کے اعتبار سے اس طرح جیسے ازہری کا قول گزر چکا ہے اور جوہری وغیرہ کا قول بھی اس کی طرح ہے۔

''نہایہ'' میں ہے:

السھو فی الشیٔ ترکہ من غیر علم والسھو عنہ ترکہ مع العلم. — کسی چیز میں سہو اسے علم کے بغیر چھوڑنا ہے اور کسی چیز سے سہو اسے علم کے باوجود ترک کرنا ہے۔

یہ ایک باریک فرق ہے اور اسی سے اس سہو میں جو نبی اکرم ﷺ سے کئی مرتبہ واقع ہوا اور اس سہو میں جو نماز سے غافل کر دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس کے فاعل کی مذمت کی ہے' (دونوں) میں فرق ظاہر ہو جاتا ہے۔

نبی اکرم ﷺ کا سہو آپ کی امت پر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو پورا کرنا اور ان کے دین کی تکمیل ہے تاکہ وہ سہو کے وقت ان امور میں آپ کی اقتدا کریں جو آپ نے ان کے لئے جائز قرار دیئے اور ''موطا میں مروی'' منقطع حدیث کا یہی معنیٰ ہے۔ اس کی حدیث میں ہے کہ:

انما انسی او انسی لأسن. — میں بھولتا ہوں یا بھلایا جاتا ہوں تاکہ تمہارے لئے سنت جاری کروں۔

پس آپ کو نسیان ہوتا (بھول جاتے یا بھلائے جاتے) تو آپ کے سہو پر شرعی احکام جاری ہوتے جو قیامت تک آپ کی امت کے سہو پر جاری ہوں گے۔

سجدۂ سہو کا حکم

سجدۂ سہو کے حکم میں اختلاف ہے۔

شافعی اور مالکی حضرات فرماتے ہیں ہر قسم کا سجدۂ سہو مسنون ہے اور مالکی حضرات سے یہ بھی منقول ہے کہ (نماز میں) نقصان ہو جائے تو سجدۂ سہو واجب ہے' اضافہ ہو تو (واجب) نہیں۔

حنبلی فقہ والوں کے نزدیک واجبات اور قولی سنتوں میں فرق ہے پس واجبات کو بھول کر چھوڑنے سے سجدۂ سہو واجب ہو جاتا ہے جبکہ سنن قولیہ کے چھوڑنے سے واجب نہیں ہوتا اسی طرح جب سہو ایسے فعل یا قول کے اضافہ کی صورت میں ہو جو نماز کے کسی بنیادی امر (رکن) کو باطل کرتا ہو تو سجدۂ سہو واجب ہو جاتا ہے۔

احناف کے نزدیک سجدۂ سہو ہر صورت میں واجب ہے اور ان کی دلیل حضرت ابن مسعود رضی اللہ کی روایت جسے امام بخاری رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے' میں نبی اکرم ﷺ کا یہ ارشاد گرامی ہے ''یسجد سجدتین'' (اسے چاہیے کہ دو سجدے کرے) اور امر وجوب کے لئے ہوتا ہے اور نبی اکرم ﷺ کے عمل سے بھی ثابت ہے اور آپ کے افعال بیان پر محمول ہیں اور واجب کا بیان بھی واجب ہوتا ہے خصوصاً جب کہ نبی اکرم ﷺ کا یہ ارشاد گرامی بھی ہے:

صلوا کما رأیتمونی اصلی. — اس طرح نماز پڑھو جس طرح مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو۔

سلام پھیرنے سے پہلے سجدہ

نبی اکرم ﷺ سے مروی ہے کہ سجدہ کی دو قسمیں ہیں۔

(۱) . سلام پھیرنے سے پہلے سجدہ کرنا۔

حضرت اعرج' حضرت عبداللہ بن مالک بن بحینہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے ایک نماز میں دو رکعتیں پڑھائیں پھر کھڑے ہوگئے اور قعدہ نہ کیا' صحابہ کرام بھی کھڑے ہوگئے' جب نماز مکمل ہوگئی اور ہم آپ کے سلام کے منتظر تھے کہ آپ نے سلام سے پہلے اللہ اکبر کہا اور بیٹھے بیٹھے دو سجدے کیے پھر سلام پھیرا۔

انہی کی ایک روایت یحییٰ بن سعید سے مروی ہے وہ حضرت عبداللہ بن بحینہ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ ظہر کی نماز میں دو رکعتوں کے بعد کھڑے ہوگئے اور دونوں کے درمیان قعدہ نہ کیا جب نماز مکمل کرلی تو دو سجدے کئے پھر اس کے بعد سلام پھیرا۔

انہی کی ایک روایت حضرت اعرج رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ ظہر کی نماز میں کھڑے ہوگئے حالانکہ آپ پر قعدہ لازم تھا' جب نماز مکمل کرلی تو دو سجدے۔" اور ہر سجدے میں تکبیر کہی آپ نے یہ سجدے سلام سے پہلے بیٹھے بیٹھے کئے' صحابہ کرام نے بھی آپ کے ہمراہ دونوں سجدے کئے اور یہ سجدے اس قعدہ کی جگہ تھے جو بھول گیا تھا۔

ابن خزیمہ کے نزدیک ضحاک کی اعرج سے روایت میں یہ اضافہ ہے۔

"پھر آپ کھڑے ہوئے اور نہ بیٹھے صحابہ کرام نے اس پر سبحان اللہ کہا (یعنی آپ کو متوجہ کیا) آپ نے اپنی نماز کو جاری رکھا حتیٰ کہ نماز سے فارغ ہوگئے"۔

"جامع ترمذی کی روایت میں ہے کہ" آپ ظہر کی نماز میں کھڑے ہوگئے حالانکہ آپ پر قعدہ واجب تھا جب نماز مکمل کی تو دو سجدے کئے آپ نے بیٹھے بیٹھے سلام سے پہلے دونوں سجدوں کے لئے تکبیر کہی (اور سجدے کئے)۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سجدۂ سہو جائز ہے اور یہ دو سجدے ہیں اگر بھول کر ایک سجدہ کرلے تو اس پر کچھ بھی لازم نہ ہو یا جان بوجھ کر چھوڑے تو نماز باطل ہوجائے گی کیونکہ اس نے جان بوجھ کر ایک زائد سجدہ کیا جو جائز نہیں اور دونوں سجدوں کے لئے اس طرح تکبیر کہے جس طرح دوسرے سجدوں کے لئے تکبیر کہتا ہے۔

اس حدیث سے استدلال کیا گیا کہ سجدۂ سہو سلام پھیرنے سے پہلے ہے لیکن اس میں ان تمام باتوں کے اس طرح ہونے پر کوئی دلیل نہیں ہاں ان لوگوں پر اعتراض ہوتا ہے جو کہتے ہیں کہ یہ تمام عمل سلام کے بعد ہوگا جیسا کہ احناف کا مسلک ہے (احناف کی دلیل آگے آرہی ہے)۔

اس حدیث سے یہ استدلال بھی کیا گیا کہ مقتدی بھی امام کے ساتھ سجدۂ سہو کرے جب امام بھول جائے اگرچہ مقتدی نہ بھولے نیز یہ بات بھی ثابت ہوئی کہ سجدۂ سہو کے بعد تشہد نہیں اور اس کا مقام نماز کا آخر ہے اور اگر بھول کر تشہد سے پہلے سجدہ کرے تو جن حضرات کے نزدیک آخری قعدہ واجب ہے ان کے نزدیک سجدۂ سہو کو لوٹائے اور یہ جمہور حضرات ہیں۔

اس حدیث سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ جو شخص پہلا قعدہ بھول جائے حتیٰ کہ (تیسری) رکعت کے لئے کھڑا

ہو جائے پھر اسے یاد آئے تو واپس نہ لوٹے جیسا کہ ابن خزیمہ کی روایت میں ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سبحان اللہ کہا لیکن نبی اکرم ﷺ واپس نہیں لوٹے پس اگر نمازی دوسرے رکن کو اختیار کرنے کے بعد جان بوجھ کر واپس لوٹے گا تو امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک اس کی نماز باطل ہو جائے گی (احناف بلکہ جمہور کے نزدیک بھی یہ نماز باطل نہیں ہوتی)۔

سلام کے بعد سجدہ

حضرت ابوسلمہ' حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے ہمیں ظہر یا عصر کی نماز پڑھائی تو دو رکعتوں پر سلام پھیر دیا' حضرت ذوالیدین رضی اللہ عنہ نے عرض کیا۔[1] یارسول اللہ! آپ نے نماز کم پڑھائی ہے آپ نے صحابہ کرام سے پوچھا کہ جو کچھ یہ کہہ رہے ہیں' ٹھیک ہے؟ انہوں نے عرض کیا جی ہاں! آپ نے مزید دو رکعتیں پڑھائیں پھر دو سجدے کئے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۱۰۰۸' صحیح البخاری رقم الحدیث:۴۰' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۹۷_۹۹' سنن ترمذی رقم الحدیث:۳۹۹' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۱۳۴' مسند احمد ج ۲ ص ۲۷۱_۴۶۰' السنن الکبریٰ ج ۲ ص ۳۳۵' سنن نسائی' ج ۳ ص ۲۲' سنن دار قطنی ج ۱ ص ۳۶۶' موطا امام مالک رقم الحدیث:۹۳' نصب الرایہ ج ۲ ص ۶۸' التمہید ج ۱ ص ۳۱۱' المعجم الکبیر ج ۱۱ ص ۲۶۱' کنز العمال رقم الحدیث:۲۲۲۶۸_۲۲۲۸۰_۲۲۲۹۰)

حضرت سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اور میں نے حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو دیکھا انہوں نے مغرب کی دو رکعتیں پڑھنے کے بعد سلام پھیرا' گفتگو کی پھر باقی نماز پڑھی اور دو سجدے کئے اور فرمایا نبی اکرم ﷺ نے اسی طرح کیا ہے۔[2]

حدیث شریف کے یہ الفاظ کہ "نبی اکرم ﷺ نے ہمیں نماز پڑھائی" سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اس واقعہ میں موجود تھے۔

امام طحاوی رحمہ اللہ نے اسے مجاز پر محمول کیا اور فرمایا اس سے مراد مسلمانوں کو نماز پڑھانا ہے اور اس کا سبب حضرت زہری کا قول ہے کہ جن سے واقعہ متعلق ہے (یعنی حضرت ذوالیدین) وہ بدر میں شہید ہوئے تو اس کا مقتضیٰ یہ ہے کہ یہ واقعہ بدر سے پہلے اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے ایمان لانے سے پانچ سال سے بھی زائد عرصہ پہلے کا ہو۔

لیکن ائمہ حدیث کا اتفاق ہے جیسا کہ ابن عبدالبر وغیرہ نے نقل کیا ہے کہ حضرت زہری کو اس میں وہم ہوا اور اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے اسے ذوالشمالین کا واقعہ قرار دیا اور ذوالشمالین ہی بدر میں شہید ہوئے ان کا تعلق قبیلہ بنوخزاعہ سے تھا اور ان کا نام عمیر تھا۔

حضرت ذوالیدین نبی اکرم ﷺ کے وصال کے بعد ایک مدت تک زندہ رہے کیونکہ انہوں نے یہ حدیث آپ کے وصال کے بعد بیان کی جیسا کہ "طبرانی" وغیرہ میں ہے اور وہ سلمی ہیں ان کا نام حضرت خرباق رضی اللہ عنہ ہے جیسا کہ عنقریب آئے گا۔

پس جب حضرت زہری کے نزدیک یوں ہے کہ حضرت ذوالشمالین کھڑے ہوئے اور وہ جانتے تھے کہ وہ بدر میں

---

[1] حضرت خرباق سلمی رضی اللہ عنہ کو ذوالیدین کہا جاتا ہے کیونکہ ان کے ہاتھ لمبے تھے یہ جنگل میں رہتے تھے اور حضور ﷺ کے ساتھ نماز پڑھنے حاضر ہوتے تھے۔ (زرقانی ج ۷ ص ۳۵۱)

[2] احناف کے نزدیک گفتگو سے نماز ٹوٹ جاتی ہے چاہے جان بوجھ کر کرے یا بھول کر۔ ۱۲ ہزاروی

شہید ہوئے تو اس وجہ سے انہوں نے فرمایا کہ یہ واقعہ بدر سے پہلے ہوا۔

بعض ائمہ نے اس بات کو جائز قرار دیا ہے کہ یہ واقعہ حضرت ذوالشمالین اور حضرت ذوالیدین (رضی اللہ عنہما) دونوں کے لئے ہوا ہو اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے دونوں حدیثیں روایت کی ہوں ان میں سے ایک کو مرسل روایت کیا اور دوسرے واقعہ میں خود حاضر ہوئے اور وہ حضرت ذوالیدین والا واقعہ ہے۔

دونوں روایتوں کو جمع کرنے کی صورت میں یہ احتمال ہے۔

حضرت امام بخاری رحمہ اللہ نے ہی حضرت ابن سیرین کے واسطہ سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ عشاء کی دو نمازوں (مغرب وعشاء) میں سے ایک نماز پڑھائی' حضرت محمد بن سیرین فرماتے ہیں: میرا غالب گمان یہ ہے کہ عصر کی نماز تھی آپ نے دو رکعتیں پڑھا کر سلام پھیر دیا پھر مسجد کے اگلے حصے میں ایک لکڑی کے پاس کھڑے ہو کر اس پر ہاتھ رکھا ان لوگوں میں حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما بھی تھے ان دونوں کو آپ کی ہیبت نے کلام سے روکا اور جلدی جانے والے چلے گئے اور کہا کہ نماز کم ہو گئی ہے ایک صحابی جن کو حضور ﷺ ذوالیدین کہا کرتے تھے' انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ بھول گئے یا نماز کم ہو گئی ہے؟ آپ نے فرمایا: نہ میں بھولا نہ نماز کم ہوئی انہوں نے عرض کیا ہاں! کیوں نہیں یا رسول اللہ! بھول واقع ہوئی ہے پس آپ نے دو رکعتیں پڑھیں پھر سلام پھیرا اور اپنے (عام) سجدے کی طرح سجدہ کیا یا اس سے لمبا سجدہ کیا پھر سر انور اٹھایا اور تکبیر کہی پھر سر مبارک رکھ دیا تکبیر کہی اور سجدہ کیا عام سجدے کی طرح یا اس سے لمبا سجدہ' پھر سر مبارک اٹھایا اور تکبیر کہی۔

حضرت ابن عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے عصر کی نماز تین رکعات پڑھائی پھر گھر تشریف لے گئے تو ایک صاحب آپ کی طرف کھڑے ہوئے ان کو خرباق رضی اللہ عنہ کہا جاتا تھا اور ان کے ہاتھ قدرے لمبے تھے انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! پھر آپ کا عمل بتایا (یعنی نماز کم پڑھی گئی ہے) آپ غصے کی حالت میں اپنی چادر مبارک کھینچتے ہوئے تشریف لائے اور پوچھا کیا یہ سچ کہہ رہے ہیں؟ صحابہ کرام نے عرض کیا جی ہاں' پس آپ نے ایک رکعت پڑھائی پھر سلام پھیرا اس کے بعد دو سجدے کر کے سلام پھیرا۔

اس حدیث کو امام مسلم رحمہ اللہ نے روایت کیا اور یہ آپ کی مفردات (احادیث) سے ہے اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے روایت نہیں کیا' (البتہ) امام احمد اور امام ابو داؤد رحمہما اللہ نے اسے روایت کیا ہے۔

"خرباق" میں خاء کے نیچے زیر ہے' راء ساکن ہے اس کے بعد باء اور آخر میں قاف ہے اور یہ حضرت ذوالیدین رضی اللہ عنہ کا اسم گرامی ہے جیسا کہ اکثر حضرات کا یہ نظریہ ہے۔ اور ان کے ہاتھوں کی لمبائی کو حقیقت پر محمول کرنا بھی ممکن ہے اور عمل یا (راہ خداوندی میں) خرچ کرنے سے کنایہ بھی ہو سکتا ہے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: میری نظر میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث منفرد ہے اگرچہ ابن خزیمہ اور ان کے متبعین اس واقعہ کے تعدد کی طرف گئے ہیں اس اختلاف پر ان کو مجبور کرنے والی بات اس کا دو طریقوں سے مروی ہونا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ دو رکعتوں کے بعد سلام پھیرا اور نبی اکرم ﷺ مسجد میں ایک لکڑی کی طرف کھڑے ہوئے۔

جب کہ حضرت عمران کی اس حدیث میں ہے کہ آپ نے تین رکعتوں کے بعد سلام پھیرا اور جب نماز سے فارغ ہوئے تو گھر تشریف لے گئے۔

پہلی روایت کے بارے میں کیلکدی علائی سے منقول ہے کہ ان کے بعض اساتذہ نے اسے اس بات پر محمول کیا کہ تیسری رکعت کے شروع میں سلام پھیرا انہوں نے اس کو بعید از عقل قرار دیا لیکن اس میں جمع کے طریقے ہیں' ادنیٰ مناسبت پر اکتفاء کیا جاتا ہے اور یہ واقعہ کے متعدد ہونے کے دعویٰ سے بعید نہیں ہے۔ اس سے لازم آتا ہے کہ حضرت ذوالیدین نے ہر مرتبہ نبی اکرم ﷺ سے اس بارے میں پوچھا ہوگا اور نبی اکرم ﷺ نے صحابہ کرام سے ان کے قول کی صحت سے متعلق پوچھا۔

جہاں تک دوسری روایت کا تعلق ہے تو شاید راوی نے جب آپ کو اپنی جگہ سے آگے لکڑی کی جانب بڑھتے ہوئے دیکھا ہو تو خیال کیا کہ دولت خانے میں تشریف لے گئے ہیں کیونکہ لکڑی دولت خانہ کی جانب تھی اگر ایسا ہو (تو ٹھیک ہے) ورنہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کو زیادہ ترجیح ہے کیونکہ اس حدیث کی روایت میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے ان کی موافقت کی ہے جیسا کہ امام شافعی' امام ابوداؤد' ابن ماجہ اور ابن خزیمہ نے نقل کیا ہے۔

حضرت معاویہ بن خدیج رضی اللہ عنہ (خدیج بغیر نقطہ والی حاء اور آخر میں جیم کے ساتھ ہے) سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ایک دن نماز پڑھائی اور ابھی نماز سے ایک رکعت باقی تھی کہ سلام پھیر دیا ایک شخص نے آپ کو پایا تو عرض کیا یارسول اللہ! آپ نماز سے ایک رکعت بھول گئے ہیں؟ چنانچہ واپس ہوئے' مسجد میں داخل ہوئے اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا انہوں نے نماز کے لئے اقامت کہی تو آپ نے لوگوں کو ایک رکعت پڑھائی میں نے لوگوں کو یہ بات بتائی تو انہوں نے کہا تم اس شخص کو جانتے ہو؟ میں نے کہا نہیں ہاں دیکھ کر (پہچان سکتا ہوں) چنانچہ وہ شخص میرے پاس سے گزرا تو میں نے کہا یہی وہ شخص ہے' انہوں نے کہا یہ تو حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ ہیں۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۰۲۳)

اس حدیث کو امام ابوداؤد' امام بیہقی نے اپنی سنن میں اور ابن خزیمہ نے اپنی صحیح میں نقل کیا اور نماز مغرب کی تعیین کی۔

ابن خزیمہ فرماتے ہیں: یہ واقعہ' حضرت ذوالیدین رضی اللہ عنہ کے واقعہ کے علاوہ ہے کیونکہ اس واقعہ میں نبی اکرم ﷺ کو مطلع کرنے والے حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ ہیں اور دوسرے واقعہ میں حضرت ذوالیدین رضی اللہ عنہ ہیں نیز حضرت ذوالیدین والے واقعہ میں ظہر یا عصر کی نماز میں بھول واقع ہوئی اور اس واقعہ میں بھول مغرب کی نماز میں ہوئی ظہر یا عصر میں نہیں۔

حضرت محمد بن سیرین رحمہ اللہ' حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے دو رکعتوں پر سلام پھیرا تو حضرت ذوالیدین رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یارسول اللہ! کیا نماز کم ہوگئی ہے یا آپ بھول گئے ہیں؟ نبی اکرم ﷺ نے پوچھا کیا ذوالیدین سچ کہتے ہیں؟ صحابہ کرام نے عرض کیا جی ہاں یارسول اللہ! نبی اکرم ﷺ کھڑے ہوئے پھر دو رکعتیں مزید پڑھائیں' سلام پھیرا پھر تکبیر کہہ کر عام سجدے کی طرح سجدہ کیا یا لمبا سجدہ کیا پھر سر انور اٹھایا پھر تکبیر کہہ کر نماز کے عام سجدے کی طرح سجدہ کیا یا لمبا سجدہ فرمایا پھر سر انور اٹھایا۔

حضرت سلمہ بن علقمہ فرماتے ہیں میں نے حضرت محمد یعنی ابن سیرین رحمہ اللہ سے پوچھا کہ کیا سہو کے دو سجدوں کے بعد تشہد ہے؟ انہوں نے فرمایا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں نہیں ہے۔ اسے امام بخاری' مسلم' مالک' ابوداؤد'

ترمذی اور نسائی نے ذکر کیا ہے۔

حضرت حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس روایت کے علاوہ کہیں بھی قیام کا ذکر نہیں اور اس پر اعتراض ہوتا ہے کہ آپ کھڑے تھے۔

اس کا جواب یوں دیا گیا کہ کھڑے ہونے کا مطلب سیدھا کھڑا ہونا ہے کیونکہ آپ نے لکڑی کا سہارا لے رکھا تھا جیسا کہ گزر چکا ہے۔

حضرت محمد بن سیرین کا یہ کہنا کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں تشہد کا ذکر نہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دوسروں کی روایت میں اس کا ذکر ہے اور بات بھی یہی ہے۔

امام ابوداؤ‘ ترمذی‘ ابن حبان اور حاکم (رحمہم اللہ) نے حضرت اشعث بن عبد الملک کے طریقے سے روایت کیا وہ حضرت محمد بن سیرین سے وہ حضرت خالد حذاء سے وہ ابوقلابہ سے وہ ابوالمہلب سے اور وہ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے ان کو نماز پڑھائی تو بھول واقع ہوئی پس آپ نے دو سجدے کئے پھر تشہد پڑھ کر سلام پھیرا۔ امام ترمذی فرماتے ہیں یہ حدیث حسن غریب ہے‘ امام حاکم نے فرمایا یہ حدیث حضرت امام بخاری اور امام مسلم کی شرط پر صحیح ہے‘ ابن حبان فرماتے ہیں ابن سیرین نے جو کچھ حضرت خالد سے روایت کیا ہے وہ اس حدیث کا غیر ہے‘ امام بیہقی‘ ابن عبد البر اور دوسرے حضرات نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے۔

انہوں نے حضرت اشعث کی روایت کا وہم کیا کیونکہ ابن سیرین سے روایت کرنے والے دیگر حفاظ نے ان کی مخالفت کی ہے پس حضرت اشعث کی روایت شاذ ہے۔

لیکن حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت ابوداؤد اور نسائی نے نقل کی ہے جس میں سجدۂ سہو میں تشہد کا ذکر ہے اور حضرت مغیرہ کی روایت امام بیہقی نے نقل کی ہے اور ان دونوں میں ضعف ہے۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ تشہد کے سلسلے میں یہ تین احادیث درجہ حسن تک پہنچتی ہیں۔ حضرت علائی کہتے ہیں یہ بات عقل سے بعید نہیں اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے الفاظ میں یہ بات صحیح حدیث میں ثابت ہے اسے ابن ابی شیبہ نے نقل کیا یہ ”فتح الباری سے“ بطور تلخیص نقل کیا گیا۔

”صحیح مسلم میں“ حضرت ابوسفیان کی روایت نقل کی گئی ہے وہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ نے ہمیں عصر کی نماز پڑھائی تو دو رکعتوں پر سلام پھیر دیا‘ حضرت ذوالیدین رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ! کیا نماز کم ہو گئی یا آپ بھول گئے ہیں؟ آپ نے فرمایا: ان میں سے کچھ بھی نہیں ہوا‘ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! کچھ تو ہوا ہے۔

ابوداؤد میں حماد بن زید کے طریق سے مروی ہے وہ ہشام بن حسان سے وہ ابن سیرین سے اور وہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے اس حدیث میں نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا پس آپ نے تکبیر کہی پھر تکبیر کہہ کر سجدۂ سہو کیا۔

یہ روایت ان لوگوں کی تائید کرتی ہے جو کہتے ہیں کہ سجدۂ سہو میں سلام کے بعد تکبیر تحریمہ ضروری ہے اور جمہور کے نزدیک صرف تکبیر سجدہ پر اکتفا کیا جا۔ مگر یہی بات اکثر احادیث سے ظاہر ہوتی ہے۔

حضرت امام ابوداؤد فرماتے ' حماد بن زید کے علاوہ کسی نے بھی نہیں کہا کہ آپ نے تکبیر کہی پھر تکبیر کہی‘ تو انہوں

نے اس اضافہ کے شاذ ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے۔

یہ بھی احتمال ہے کہ اس حدیث میں جس لکڑی کا ذکر ہے یہ وہی کھجور کا (خشک) تنا ہو جس کے ساتھ منبر پر تشریف لے جانے سے پہلے آپ ٹیک لگاتے (اور خطبہ ارشاد فرماتے) تھے۔

یہ سوال کہ کیا نماز کم ہوگئی؟ اس لئے تھا کہ یہ نسخ کا زمانہ تھا (یعنی اس وقت احکام منسوخ ہوتے رہتے تھے)۔

اور نبی اکرم ﷺ کا فرمانا کہ نہ میں بھولا ہوں نہ نماز کم ہوگئی ہے۔

یہ نسیان کی نفی اور کم ہونے کی نفی (دونوں میں) صریح بات ہے اور یہ ابوسفیان کی روایت میں مذکورہ الفاظ کہ ''کل ذلک لم یکن'' (ان میں سے کچھ نہیں ہوا) کی تفسیر ہے اور ان اصحاب معانی کی تائید ہے جو کہتے ہیں کہ لفظ ''کل'' جب پہلے ہو اور اس کے بعد نفی ہو تو یہ ہر فرد کی نفی ہوگی' مجموعہ کی نفی نہ ہوگی بخلاف اس کے جب یہ نفی سے مؤخر ہو مثلاً کہے ''لم یکن کل ذلک'' یہ سب کچھ نہیں ہوا (مجموعہ کی نفی ہے' ہر فرد کی نفی نہیں)۔

اسی لئے ابوسفیان کی روایت کے مطابق حضرت ذوالیدین رضی اللہ عنہ نے جواب دیا ''قد کان بعض ذلک اس میں سے کچھ تو ہوا ہے'' اور اس روایت میں یوں جواب دیا ''بلی قد نسیت'' (ہاں آپ سے بھول ہوئی ہے) کیونکہ جب آپ نے دونوں باتوں پر نفی کی اور صحابہ کرام کے نزدیک یہ بات ثابت تھی کہ نبی اکرم ﷺ سے تبلیغی امور میں سہو جائز نہیں تو انہوں نے وقوع نسیان کا قطعی انداز میں ذکر کیا' نماز کے کم ہونے کا ذکر قطعی طور پر نہیں کیا۔

اور یہ ان لوگوں کی دلیل ہے جو کہتے ہیں کہ احکامِ شرعیہ میں انبیاء کرام علیہم السلام سے سہو جائز ہے۔ ابن دقیق نے کہا عام علماء اور اہلِ نظر کا یہی قول ہے لیکن ایک جماعت نے شدت کا طریقہ اختیار کیا اور کہا کہ نبی پر سہو جائز نہیں' حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث ان لوگوں کا رد کرتی ہے کیونکہ اس حدیث میں ''انما انا بشر مثلکم انسی کما تنسون'' کے الفاظ ہیں یعنی میں بھی تمہاری طرح انسان ہوں۔ بھولتا ہوں جس طرح تم بھولتے ہو۔

اگر حضرت قاضی عیاض رحمہ اللہ نے اس بات پر اجماع نقل کیا کہ تبلیغی امور میں سہو کا داخل ہونا جائز نہیں انہوں نے اختلاف کو افعال کے ساتھ خاص کیا ہے لیکن علماء کرام نے ان کا تعاقب کیا (اعتراض اور رد کیا)۔

ہاں جن لوگوں کے نزدیک یہ (سہو) جائز ہے انہوں نے اس بات پر اتفاق کیا ہے وہ اس پر برقرار نہیں رہتے بلکہ ان کے لئے اس فعل سے متصل یا اس کے بعد بیان آجاتا ہے جیسے اس حدیث میں ہے کہ میں نہیں بھولا اور نہ ہی نماز کم ہوئی ہے پھر ظاہر ہوا کہ بھول واقع ہوئی ہے اور آپ کا یہ فرمانا کہ میں نہیں بھولا ہوں اس کا مطلب یہ ہے کہ اعتقاد میں نہیں بھولا' نفس الامر کی نفی نہیں اور اس سے یہ بات حاصل ہوتی ہے کہ یقین نہ ہونے کی صورت میں اعتقاد' یقین کے قائم مقام ہوتا ہے اس قسم کی صورت میں بھول واقع ہونے کی حکمت یہ ہے کہ جب کسی اور سے بھول واقع ہو تو اس کے لئے حکم شرعی بیان کردیا جائے۔

جو لوگ مطلقاً بھولنے کی نفی کرتے ہیں انہوں نے اس حدیث کے کئی جوابات دیئے ہیں۔

پس کہا گیا کہ ''لم انس'' نسیان کی نفی ہے' اس سے سہو کی نفی لازم نہیں آتی اور یہ ان لوگوں کا قول ہے جنہوں نے ان دونوں میں فرق کیا ہے۔ اور اس قول کی کمزوری پہلے بیان ہو چکی ہے اور اس سلسلے میں اس روایت میں صحابی کا یہ قول کافی ہے کہ ''ہاں آپ سے بھول واقع ہوئی'' اور آپ نے اس کو برقرار رکھا (رد نہیں کیا)۔

یہ بھی کہا کہ ''لم انس'' مجھ سے بھول نہیں ہوئی اپنے ظاہر اور حقیقت پر ہے اور اس سلسلے میں آپ سے جو کچھ واقع

ہوتا آپ اس کا قصد کرتے تھے تاکہ عملی طور پر شرعی حکم بیان ہو کیونکہ قول کے مقابلے میں (فعل) بلیغ ہے۔

''صحیح بخاری اور مسلم میں مروی'' حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث سے اس بات کا رد کیا گیا ہے' حدیث کے الفاظ اس طرح ہیں:

صلی رسول اللہ ﷺ فزاد او نقص. نبی اکرم ﷺ نے نماز پڑھائی تو اس میں زیادہ کیا یا کم کیا۔

بعض راویوں کو شک ہے۔

صحیح یہ ہے کہ اضافہ ہوا' جب سلام پھیرا تو آپ سے عرض کیا گیا یا رسول اللہ! کیا نماز میں کوئی نئی بات آئی ہے؟ آپ نے فرمایا وہ کیا؟ انہوں نے عرض کیا آپ نے اس اس طرح نماز پڑھی ہے' فرماتے ہیں آپ نے اپنے پاؤں مبارک کو دوہرا کیا' قعدے کی طرح بیٹھے اور قبلہ رخ ہو کر دو سجدے کئے پھر سلام پھیرا پھر جب ہماری طرف متوجہ ہوئے تو فرمایا اگر نماز میں کوئی نئی بات آتی تو میں تمہیں بتا دیتا لیکن میں بھی تمہاری طرح انسان ہوں' بھول جاتا ہوں جس طرح تم بھولتے ہو جب مجھ سے بھول واقع ہو تو مجھے یاد دلا دیا کرو اور جب تم میں سے کسی کو اپنی نماز میں شک ہو تو وہ درست بات کے لئے غور کرے پس اس کے مطابق مکمل کرے پھر سلام پھیرے پھر دو سجدے کرے۔

اس حدیث میں حکم سے پہلے علت کا ثبوت ہے کیونکہ آپ نے فرمایا ''انما انا بشر مثلکم'' اور اپنے لئے نسیان کے ثبوت پر اکتفاء نہیں کیا (یعنی اس نسیان کی علت پہلے بیان کی اور وہ بشریت ہے) حتیٰ کہ ان لوگوں کے قول کو دور کیا جو کہہ سکتے تھے کہ آپ کا بھولنا ہمارے بھولنے کی طرح نہیں پس آپ نے فرمایا جس طرح تم بھولتے ہو (میں بھی بھولتا ہوں)۔

اس حدیث کے ذریعے ان لوگوں کا رد بھی ہوتا ہے جو کہتے ہیں کہ ''لم انس'' (میں نہیں بھولا) کے ذریعے اس لفظ کا انکار کیا جس کی اپنے آپ سے نفی کی کہ آپ نے فرمایا:

لا انس ولکن انسی لاسن. میں بھولا نہیں بلکہ بھلایا جاتا ہوں تاکہ سنت بنے۔

(التمہید رقم الحدیث: ۸۲۸' الاستذکار ج ا ص ۱۰۰' المجید ج ۵ ص ۲۰۶۔ ج ۶ ص ۳۹۴۔ ج ۱۰ ص ۱۸۴' موطا امام مالک رقم الحدیث: ۱۰۰' الشفاء ج ۲ ص ۳۲۰۔ ۳۳۲۔ ۳۳۶)

اور اس لفظ کا انکار ہے جس کا آپ نے دوسروں سے انکار کیا کہ فرمایا:

بئسما لاحد کما ان یقول نسیت ایۃ کذا و کذا. تم میں سے کسی ایک کے لئے برا ہے کہ وہ کہے میں فلاں فلاں آیت کو بھول گیا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۰۳۲۔ ۵۰۳۹' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۳۰)

اس کا رد بھی کیا گیا کہ حدیث ''لا انس'' کی کوئی اصل نہیں یہ حضرت امام مالک رحمہ اللہ سے پہنچنے والی روایات ہیں کہ شدید بحث کے بعد ان کا وصل ثابت نہیں ہوا اور وہ چار ہیں۔[1] یہ بات ابن عبدالبر نے کہی ہے دوسری بات یہ ہے کہ آیت

---

[1] یہ چار احادیث موطا امام مالک میں ہیں کسی دوسرے مجموعہ میں نہیں ہیں نہ مرسل اور نہ ہی مسند (لیکن یہ ضعیف ہیں باطل نہیں) پہلی یہ مذکورہ بالا دوسری استسقاء کے بارے میں تیسری روزے کے بارے میں اور چوتھی ''کتاب الجامع میں'' حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی حدیث کہ حضور ﷺ نے مجھے وصیت فرمائی (تفصیل زرقانی ج ۷ ص ۳۵۹ پر دیکھیں)۔ ۱۲ ہزاروی

کے نسیان کی مذمت سے ہر چیز کے بھولنے کی مذمت لازم نہیں آتی کیونکہ دونوں میں فرق بہت واضح ہے۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ "لم انس" سلام کی طرف راجع ہے یعنی میں نے قصداً سلام پھیرا ہے کیونکہ میں نے اپنے اعتقاد کے مطابق چار رکعتیں پڑھ لی تھیں اور یہ عمدہ ہے۔

جب کہ حضرت ذوالیدین رضی اللہ عنہ نے اس سے عموم سمجھا تو عرض کیا ہاں آپ سے بھول ہوئی ہے اور یہ قول زیادہ شک میں ڈالنے والا تھا جس کے ساتھ حاضرین سے ثبوت طلب کرنے کی ضرورت پڑی۔

اس تقریر سے ان لوگوں کا اعتراض دور ہو گیا جو حضرت ذوالیدین کے عدل پر اعتراض کرتے ہیں اور تنہا ہونے کی وجہ سے ان کی خبر کو قبول نہیں کرتے پس اس میں توقف کی نسبت اس وجہ سے ہے کہ انہوں نے ایسی خبر دی ہے جو ایسے عمل سے متعلق ہے جس کے بارے میں پوچھا گیا اور وہ ان کے اعتقاد کے خلاف ہے۔

اسی کے ساتھ ان لوگوں کو بھی جواب دیتے ہیں جو کہتے ہیں کہ جو شخص کسی جماعت کی موجودگی میں کسی محسوس بات کی خبر دے جو ان لوگوں پر مخفی نہ ہو اور ان کا اس کے خلاف متفق ہونا جائز نہ ہو اور نہ ہی ان کی خاموشی کا کوئی باعث ہو پھر وہ اسے نہ جھٹلائیں تو اس کو قطعی طور پر سچا نہیں کہا جائے گا' کیونکہ اس پر یقین نہ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اس کی خبر میں اس وجہ سے تعارض ہے کہ مسئول اس بات کے خلاف ہے جس کی اس نے خبر دی ہے (لفظ "کیونکہ" سے آگے جواب ہے)۔[1]

اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ ثقہ راوی جب خبر میں اکیلا ہو اور مجلس متحد ہو اور عام طور پر ایسی صورت میں غفلت نہ ہوتی ہو تو اس کی خبر قبول نہیں کی جائے گی۔

اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ جو شخص نماز میں بھول کر ایسا کام کرے جو نماز کے منافی ہے تو اس کی (اسی نماز) پر بنا جائز ہے۔

حضرت سحنون فرماتے ہیں: وہ شخص بنا کر سکتا ہے جو دو رکعتوں کے بعد سلام پھیرے۔ جس طرح حضرت ذوالیدین کے واقع میں ہے کیونکہ یہ حکم قیاس کے خلاف ہے پس مورد نص پر بند ہو گا (یعنی جس طرح حدیث میں بیان ہوا اسی طریقے پر ہو گا)۔

اور زیادہ لازم یہی ہے کہ یہ قصر مغرب یا عشاء میں سے کسی ایک نماز سے متعلق ہے پس صبح کی نماز میں منع ہو گا اور جن لوگوں نے مطلقاً جواز کا قول کیا ہے انہوں نے اسے اس صورت کے ساتھ مقید کیا ہے جب زیادہ وقفہ نہ ہوا ہو۔

اس حدیث سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ بھول کر کلام کرنے سے نماز نہیں ٹوٹتی جب کہ احناف کا اختلاف ہے۔ اسی سے استدلال کیا گیا کہ کلام کا قصد نماز کی بہتری کے لئے ہو تو وہ نماز کو نہیں توڑتا۔

اس پر اعتراض کیا گیا کہ نبی اکرم ﷺ نے بھول کر کلام فرمایا تھا اور حضرت ذوالیدین کا نبی اکرم ﷺ سے عرض کرنا کہ ہاں کیوں نہیں؟ آپ سے بھول ہوئی ہے اور صحابہ کرام کا یہ کہنا کہ حضرت ذوالیدین نے سچ کہا ہے تو انہوں نے اس اعتقاد کے ساتھ کلام کیا کہ یہ حکم منسوخ ہو گیا کیونکہ (ابھی احکام شریعت آ رہے تھے لہٰذا) یہ نسخ کا وقت تھا پس انہوں نے یہ خیال کرتے ہوئے گفتگو کی کہ وہ نماز میں نہیں ہیں اسی طرح کہا گیا لیکن یہ فاسد ہے کیونکہ انہوں نے نبی اکرم ﷺ

[1] یہاں استدلال کی صورت یہ ہے کہ وہ لوگ حضرت ذوالیدین کی خبر پر خاموش تھے اس کے باوجود حضور ﷺ نے سوال کیا۔

(زرقانی ج ۷ ص ۳۶۰)

کے ارشادِ گرامی ''کہ نماز کم نہیں ہوئی'' کے بعد کلام کیا۔

اس کا جواب دیا گیا کہ ان حضرات نے کلام نہیں کیا بلکہ اشارہ کیا جیسا کہ امام ابوداؤد کے نزدیک ایسی روایت میں ہے جس کی سند کو امام مسلم نے چلایا ہے۔

خطابی نے اس پر اعتماد کیا ہے اور کہا کہ قول کو اشارے پر محمول کرنا مجاز ہے اور معروف ہے بخلاف اس کے برعکس کرنے کے' پس مناسب ہے کہ وہ روایت جن میں گفتگو کا صراحتاً ذکر ہے ان کو اس روایت کی طرف پھیر دیا جائے اور یہ قوی ہے اور دوسرے حضرات کے اس قول کے مقابلے میں زیادہ مضبوط ہے جس میں کہا گیا ہے کہ اس کو اس بات پر محمول کیا جائے کہ ان میں سے بعض نے زبان سے کلام کیا اور بعض نے اشارے سے' لیکن وہ کہتے ہیں حضرت ذوالیدین کا قول ''بلی قد نسیت'' زبانی بات تھی۔

جب اس بات کو ترجیح ہو کہ ان حضرات نے زبان سے گفتگو کی ہے (اشارے سے نہیں) تو حضرت ذوالیدین اور دوسرے حضرات کے اقوال کا جواب یوں دیا گیا کہ ان کا کلام نبی اکرم ﷺ کے جواب میں تھا اور آپ کو جواب دینے سے نماز نہیں ٹوٹتی۔

اس پر اعتراض ہوا کہ آپ کو جواب دینا واجب ہے لیکن اس سے نماز کا نہ ٹوٹنا لازم نہیں آتا۔

اس کا جواب دیا گیا کہ تشہد میں آپ کو خطاب کرنا ثابت ہے کہ آپ ظاہری حیات کے ساتھ موجود تھے اور صحابہ کرام ''السلام علیک ایھا النبی'' کہتے تھے لیکن نماز فاسد نہیں ہوتی تھی اور ظاہر یہ ہے کہ آپ کے خصائص میں سے ہے۔

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ نے ظہر کی نماز پانچ رکعات پڑھائی تو عرض کیا گیا نماز میں اضافہ ہو گیا ہے؟ آپ نے فرمایا کیا ہوا؟ صحابہ کرام نے عرض کیا آپ نے پانچ رکعات پڑھائی ہیں چنانچہ آپ نے سلام پھیرنے کے بعد دو سجدے کیے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۲۷۹' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۱۷' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۲۰۵' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۰۱۹' مسند احمد ج ۱ ص ۴۲۳۔ ج ۲ ص ۲۸۱۔ ج ۶ ص ۲۸' السنن الکبریٰ ج ۲ ص ۱۸۶' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۳۰' سنن دار قطنی ج ۳ ص ۲۲' دلائل النبوۃ ج ۳ ص ۲۵۲' اتحاف السادۃ المتقین ج ۹ ص ۲۱۶' کنز العمال رقم الحدیث: ۱۷۰۱۵۔ ۲۲۲۸۱۔ ۲۷۷۵۵۔ ۲۰۷۰۱)

امام بخاری' امام مسلم' امام ابوداؤد اور امام ترمذی رحمہم اللہ نے ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا البتہ امام مسلم نے ''سلام کے بعد'' کے الفاظ نقل نہیں کیے۔ اور یہ عبداللہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ ہیں۔[1]

سلام کے بعد سجدہ کرنے کے بارے میں آرائے مذاہب

ان احادیث میں سلام کے بعد سجدہ (سجدۂ سہو) کا ذکر ہے اور اس سلسلے میں اختلاف ہے۔

حضرت مالک اور مزنی اور ابوثور جو شافعی مسلک سے تعلق رکھتے ہیں کمی کے ساتھ سجدۂ سہو اور اضافے کی صورت میں سجدۂ سہو میں فرق کرتے ہیں پہلی صورت میں سلام سے پہلے سجدہ کرے اور دوسری صورت (زائد ہو جانے کی صورت)

[1] یہ اہل کوفہ کی روایت ہے اور وہ جب مطلقاً عبداللہ کا لفظ استعمال کرتے ہیں تو اس سے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ مراد ہوتے ہیں۔ (زرقانی ج ۷ ص ۳۶۱)

میں سلام کے بعد سجدہ کرے۔ ابن عبدالبر کے خیال میں دوسرے لوگوں کے قول سے یہ زیادہ مناسب ہے کیونکہ اس میں دونوں بہتر باتیں جمع ہیں۔

وہ فرماتے ہیں: نظر وفکر کے موافق یہی ہے کیونکہ کمی کی صورت میں اسے پورا کرنا ہوتا ہے پس چاہیے کہ وہ اصل نماز سے ہو اور اضافہ کی صورت میں شیطان کی مخالفت کرنا ہے پس وہ نماز سے خارج ہونا چاہیے۔

ابن دقیق العید نے کہا اس میں شک نہیں کہ ترجیح یا دعویٰ نسخ کے مقابلے میں جمع کرنا زیادہ مناسب ہے اور مذکورہ بالا مناسبت کے ساتھ جمع مذکور کو ترجیح حاصل ہوگی اور جب مناسبت ظاہر ہے اور اسی کے مطابق حکم ہوگا تو حکم تمام مقامات کو شامل ہوگا لہٰذا نص کے بغیر تخصیص نہ ہوگی۔

اس پر اعتراض کیا گیا کہ اضافہ کی صورت میں سجدہ بھی محض شیطان کی مخالفت نہیں بلکہ وہ بھی اس پیدا ہونے والے خلل کو دور کرنا ہے کیونکہ یہ خلل اگرچہ اضافہ کی صورت میں ہے لیکن معنوی طور پر نقص ہے۔

خطابی فرماتے ہیں اضافے یا کمی کے درمیان کوئی صحیح فرق نہیں ہے نیز حضرت ذوالیدین رضی اللہ عنہ والے واقعہ میں سجدہ سلام کے بعد ہوا حالانکہ وہ کمی والی صورت تھی۔

امام نووی رحمہ اللہ کا یہ قول کہ امام مالک اور امام احمد رحمہما اللہ کا مسلک سب سے قوی ہے تو ان کے غیر نے کہا بلکہ حضرت امام احمد رحمہ اللہ کا طریقہ سب سے زیادہ قوی ہے کیونکہ انہوں نے فرمایا ہر اس حدیث کو اسی جگہ استعمال کیا جائے جہاں وہ وارد ہوئی ہے اور جہاں کوئی حکم نہیں آیا وہاں سلام سے پہلے سجدہ کیا جائے وہ فرماتے ہیں اگر اس سلسلے میں نبی اکرم ﷺ سے مروی حکم نہ ہوتا تو میرے خیال میں تمام صورتوں میں سجدہ سلام سے پہلے ہوتا کیونکہ وہ نماز کے افعال میں سے ہے پس سلام سے پہلے ہونا چاہیے۔

ہمارے (مصنف علیہ الرحمۃ کے) امام حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک سجدۂ سہو تمام صورتوں میں سلام سے پہلے ہوگا۔ احناف کے نزدیک تمام صورتوں میں سلام کے بعد ہوتا ہے اور حنفیوں کا اعتماد حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث پر ہے اس پر اعتراض کیا گیا کہ رکعت کے زائد ہونے کا پتہ سلام کے بعد چلا جب انہوں نے آپ سے سوال کیا کہ کیا نماز میں اضافہ ہوگیا ہے؟ اور تمام علماء اس بات پر متفق ہیں کہ اس صورت میں سجدہ سلام کے بعد ہے کیونکہ اس سے پہلے سہو کا علم نہ ہونے کی وجہ سے سجدۂ سہو مشکل ہے' صحابہ کرام نے زائد نماز میں نبی اکرم ﷺ کی اتباع اس لئے کی کہ ان کے نزدیک اس میں اضافہ ہوسکتا تھا کیونکہ اس زمانے میں نسخ کی توقع تھی۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث میں اضافہ کا ذکر ہے اور وہ حدیث یوں ہے کہ جب تم میں سے کسی ایک کو نماز میں شک ہو تو درست صورت کے بارے میں غور وفکر کرے پس اس پر پورا کرے پھر سلام پھیرے اس کے بعد سہو کے دو سجدے کرے۔

اس کا جواب دیا گیا کہ یہ حدیث حضرت ابوسعید کی اس روایت کے معارض ہے جو امام مسلم نے نقل کی اس کے الفاظ یہ ہیں۔ جب تم میں سے کسی کو اپنی نماز میں شک ہو پس اسے معلوم نہ ہو کہ کتنی رکعات پڑھی ہیں تو وہ شک کو چھوڑ دے اور یقین پر بنا کرے پھر سلام پھیرنے سے پہلے دو سجدے کرے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۸۸' مسند احمد ج ۳ ص ۲۷' موطا امام مالک رقم الحدیث: ۹۵' سنن دار قطنی ج ۱ ص ۳۷۵' مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۳۴۶۶' مشکوۃ المصابیح للتبریزی رقم الحدیث: ۱۰۱۵' التمہید

ج ۵ص ۱۹ مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ص ۲۶ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۰۲۶)

شافعی حضرات نے اسی حدیث سے استدلال کیا ہے۔

بعض حضرات نے دونوں صورتوں کو دو (مختلف) حالتوں پر محمول کرتے ہوئے جمع کیا ہے۔ امام بیہقی رحمہ اللہ نے سہو میں اختیار دینے کے طریقے کو ترجیح دی ہے' سلام سے پہلے ہو یا بعد میں' (یعنی اختیار ہے جیسے چاہے کرے)۔

ماوردی نے (دونوں طرح) جواز پر اجماع نقل کیا ہے اختلاف افضلیت میں ہے' امام نووی رحمہ اللہ نے بھی اسی طرح مطلق جواز کا قول کیا ہے۔

اس پر اعتراض کیا گیا کہ امام الحرمین نے ''النہایہ میں'' (شافعی) مذہب سے جواز کے بارے میں اختلاف نقل کیا اور جواز کے قول کو بعید قرار دیا۔ ممکن ہے کہا جائے کہ ماوردی اور نووی نے جو اجماع نقل کیا ہے وہ مذاہب مذکورہ کی ان آراء سے پہلے کی بات ہے۔ واللہ اعلم

یہ بات حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمائی ہے۔

اگر کسی شخص سے دو یا زیادہ سہو ہو جائیں تو امام شافعی' امام مالک' امام ابوحنیفہ اور امام احمد رحمہم اللہ کے نزدیک سب کے لئے دو سجدے کافی ہیں اور جمہور کے نزدیک فرض کی طرح نفل میں بھی سجدہ سہو کرے۔

فصل نمبر ۵

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے سلام پھیرنے کے بعد کون سے کلمات پڑھتے تھے' نیز نماز کے بعد آپ کا بیٹھنا اور اس کے بعد جلدی پھر جانا

نماز کے بعد سنت کیا ہے؟

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے سلام پھیرتے تو تین مرتبہ استغفر اللہ پڑھتے اور یہ کلمات پڑھتے:

اَللّٰھُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْکَ السَّلَامُ تَبَارَکْتَ یَا ذَا الْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ. یا اللہ! تو ہی سلامتی دینے والا ہے' تیری طرف سے ہی سلامتی ہے تو برکت والا ہے' اے جلال اور عزت والے!

اور آپ قبلہ رخ اتنی دیر رہتے جس میں یہ کلمات کہہ سکیں۔ یہ بھی ثابت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز پڑھ لیتے تو صحابہ کرام کی طرف متوجہ ہو جاتے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۸۴۵۔ ۱۳۸۶' شرح السنہ ج ۳ص ۲۱۳' تغلیق التعلیق رقم الحدیث: ۵۰۲' کنز العمال رقم الحدیث: ۳۰۲۴۳)

نماز کے بعد آپ سے جو دعا منقول ہے اسے اس بات پر محمول کیا جائے کہ آپ صحابہ کرام کی طرف متوجہ ہونے کے

بعد یہ کلمات دعائیہ پڑھتے تھے اور آپ جلدی جلدی مقتدیوں کی طرف پھر جاتے اور دائیں اور بائیں دونوں طرف پھرتے تھے۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: کہ میں نے نبی اکرم ﷺ کو اکثر بائیں طرف پھرتے ہوئے دیکھا۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ سلام پھیرنے کے بعد تھوڑی دیر اپنی جگہ پر ٹھہرتے' آپ فرماتی ہیں حقیقت اللہ تعالیٰ جانتا ہے ہمارا خیال یہ تھا کہ (آپ اس لئے ٹھہرتے) تاکہ مردوں کے پہنچنے سے پہلے عورتیں واپس چلی جائیں۔

نماز کے بعد دعا

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ صرف اتنی مقدار ٹھہرتے جس میں یہ کلمات پڑھتے:

اَللّٰھُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْکَ السَّلَامُ تَبَارَکْتَ یَا ذَا الْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ.

اے اللہ! تو ہی سلامتی دینے والا اور تجھ ہی سے سلامتی ہے' تو برکت والا ہے اے جلال وعزت والے!

جن حضرات نے کہا ہے کہ نماز کے بعد دعا مسنون نہیں ہے وہ اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ مذکورہ نفی سے مراد یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ سلام سے پہلے صرف اتنی مقدار اپنی حالت پر رہتے جس میں یہ کلمات پڑھتے۔

اور آپ یہ کلمات بھی پڑھتے تھے:

لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ لَہُ الْمُلْکُ وَلَہُ الْحَمْدُ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ. اَللّٰھُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا اَعْطَیْتَ وَلَا مُعْطِیَ لِمَا مَنَعْتَ وَلَا یَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْکَ الْجَدُّ.

اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں' وہ ایک ہے اس کا کوئی شریک نہیں اسی کی بادشاہی ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے یا اللہ! جو کچھ تو عطا کرے اسے روکنے والا کوئی نہیں اور جو کچھ تو نہ دے وہ عطا کرنے والا کوئی نہیں اور کسی مالدار کو اس کی مالداری تیری طرف سے نفع نہیں دے سکتی۔

امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ نے اسے حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے نقل کیا۔

اور بلند آواز سے پڑھتے:

لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَلَہُ الْحَمْدُ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ وَلَا نَعْبُدُ اِلَّا اِیَّاہُ لَہُ النِّعْمَۃُ وَلَہُ الْفَضْلُ وَلَہُ الثَّنَاءُ الْحَسَنُ الْجَمِیْلُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُخْلِصِیْنَ لَہُ الدِّیْنَ وَلَوْ کَرِہَ الْکَافِرُوْنَ.

اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں' وہ ایک ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور وہ ہر چیز پر قادر ہے' نیکی کرنے اور برائی سے رکنے کی طاقت صرف اللہ تعالیٰ عطا کرتا ہے اور ہم صرف اسی کی عبادت کرتے ہیں وہی نعمت وفضل کا مالک ہے وہی اچھی تعریف کا مستحق ہے' اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں ہم اس کے لئے خالص عبادت کرتے ہیں اگرچہ کافر ناپسند کریں۔

امام مسلم رحمہ اللہ نے اسے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی حدیث سے روایت کیا۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ اپنے بیٹوں کو یہ کلمات سکھاتے اور فرماتے: کہ نبی اکرم ﷺ نمازوں کے بعد ان کلمات کے ساتھ پناہ مانگتے تھے:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِکَ مِنَ الْجُبْنِ وَاَعُوْذُ بِکَ مِنَ الْبُخْلِ وَاَعُوْذُ بِکَ مِنْ اَنْ اُرَدَّ اِلٰی اَرْذَلِ الْعُمُرِ وَاَعُوْذُ بِکَ مِنْ فِتْنَۃِ الدُّنْیَا وَعَذَابِ الْقَبْرِ۔

یا اللہ! میں بزدلی سے تیری پناہ چاہتا ہوں اور میں بخل سے تیری پناہ مانگتا ہوں اور میں نہایت گھٹیا عمر کی طرف لوٹائے جانے سے تیری پناہ چاہتا ہوں اور میں دنیا کے فتنے اور عذاب قبر سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ ہر نماز کے بعد یہ کلمات پڑھتے تھے:

اَللّٰھُمَّ رَبَّنَا وَرَبَّ کُلِّ شَیْءٍ اَنَا شَھِیْدٌ اِنَّکَ الرَّبُّ وَحْدَکَ لَا شَرِیْکَ لَکَ اَللّٰھُمَّ رَبَّنَا وَرَبَّ کُلِّ شَیْءٍ اَنَا شَھِیْدٌ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُکَ وَرَسُوْلُکَ اَللّٰھُمَّ رَبَّنَا وَرَبَّ کُلِّ شَیْءٍ اَنَا شَھِیْدٌ اَنَّ الْعِبَادَ کُلَّھُمْ اِخْوَۃٌ اَللّٰھُمَّ رَبَّنَا وَرَبَّ کُلِّ شَیْءٍ اِجْعَلْنِیْ مُخْلِصًا لَکَ وَاَھْلِیْ فِیْ کُلِّ سَاعَۃٍ مِّنَ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ یَا ذَا الْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ اِسْمَعْ وَاسْتَجِبْ اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَللّٰہُ اَکْبَرُ حَسْبِیَ اللّٰہُ وَنِعْمَ الْوَکِیْلُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ۔

(سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۱۵۰۸' مسند احمد ج ۴ ص ۳۶۹' الدر المنثور رقم الحدیث: ۴۷۱۵' اتحاف السادۃ المتقین ج ۳ ص ۹۳۔ ج ۵ ص ۹۸' الاسماء والصفات رقم الحدیث: ۱۳۶)

اے اللہ! ہمارے رب اور ہر چیز کے رب ہم گواہ ہیں کہ بے شک تو رب ہے اکیلا ہے تیرا کوئی شریک نہیں' یا اللہ اے ہمارے رب! اور ہر چیز کے رب ہم گواہ ہیں کہ (حضرت) محمد تیرے بندے اور تیرے رسول ہیں یا اللہ! ہمارے رب اور ہر چیز کے رب ہم گواہی دیتے ہیں کہ تمام بندے (مسلمان) بھائی بھائی ہیں یا اللہ! اے ہمارے رب اور ہر چیز کے رب مجھے اور میرے گھر والوں کو دنیا اور آخرت کی ہر ساعت میں اپنے لئے خالص بنادے اے جلال وعزت والے! (میری دعا) سن اور قبول فرما' اللہ سب سے بڑا ہے' اللہ سب سے بڑا ہے اللہ آسمانوں اور زمین کو روشن کرنے والا ہے' اللہ بہت بڑا ہے' اللہ مجھے کافی ہے اور وہ بہترین کارساز ہے اللہ سب سے بڑا ہے' اللہ سب سے بڑا ہے۔

نماز کے بعد دعا کے بارے میں ابن قیم کی رائے

میں (مصنف) نے ابن قیم کی کتاب ''الہدی'' میں دیکھا (لکھا ہے) نماز سے سلام پھیرنے کے بعد قبلہ رخ ہونے کی حالت میں دعا مانگنا' تنہا ہو یا امام یا مقتدی نبی اکرم ﷺ کی سنت سے بالکل نہیں ہے اور نہ آپ سے صحیح سند کے ساتھ مروی ہے بلکہ سند حسن کے ساتھ بھی مروی نہیں ہے۔ بعض حضرات نے اسے فجر اور عصر کی نماز کے ساتھ خاص کیا ہے اور نبی اکرم ﷺ اور آپ کے بعد آپ کے خلفاء نے یہ عمل نہیں کیا اور نہ اپنی امت کو اس کی طرف رہنمائی فرمائی یہ مستحب عمل ہے جس نے اسے اچھا قرار دیا تو نبی اکرم ﷺ اور خلفاء کے بعد سنت کی جگہ قرار دیا۔

ابن قیم نے کہا زیادہ سے زیادہ یہ بات ہے کہ نماز سے متعلق جتنی دعائیں ہیں وہ نماز کے اندر مانگی ہیں اوران کا حکم بھی دیا ہے۔

ابن قیم کا کہنا ہے کہ نماز کے حال کے زیادہ لائق یہی بات ہے کیونکہ (اس وقت) وہ اپنے رب سے مناجات کرتے ہوئے اس کی طرف متوجہ ہوتا ہے جب وہ نماز سے سلام پھیرتا ہے تو اس کی مناجات ختم ہو جاتی ہے اور اس کا وہاں کھڑا ہونا اور قرب ختم ہو جاتا ہے تو کیسے وہ حالتِ مناجات اور قربِ خداوندی کے وقت سوال کرنا چھوڑے گا حالانکہ وہ اس کی طرف متوجہ ہے؟ پھر جب اس (نماز) سے پھر جاتا ہے تو سوال کرتا ہے۔

ابن قیم نے اس کے بعد کہا لیکن وہ اذکار جو فرض نمازوں کے بعد ہیں جو شخص ان کو پڑھنا چاہے وہ نماز سے فارغ ہونے کے بعد نبی اکرم ﷺ پر درود شریف پڑھے اور جو دعا چاہے مانگے اس کی یہ دعا اس دوسری عبادت کے بعد ہوگی یعنی اس ذکر کے بعد جو فرض نمازوں کے بعد منقول ہے' یہ دعا فرض نماز کے بعد نہیں ہوگی۔

ابن قیم کا مناقشہ

میرے (مصنف کے) دل میں اس کے مطلق نفی کے دعویٰ سے متعلق کوئی بات تھی جیسا کہ عنقریب آئے گا پھر میں نے اپنے شیخ الشائخ امام الحفاظ ابوالفضل ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ کو دیکھا کہ انہوں نے اس کا رد کرتے ہوئے فرمایا۔

اس (ابن قیم) نے جو مطلق نفی کا دعویٰ کیا ہے وہ مردود ہے کیونکہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ان سے فرمایا اے معاذ! اللہ کی قسم میں تم سے محبت کرتا ہوں پس ہر نماز کے بعد یہ (کلمات) کہنا ترک نہ کرنا:

اَللّٰهُمَّ اَعِنِّىْ عَلٰى ذِكْرِكَ وَشُكْرِكَ وَحُسْنِ عِبَادَتِكَ. یا اللہ! اپنے ذکر' اپنے شکر اور اچھی عبادت پر میری مدد فرما۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۵۲۲' المستدرک ج ۱ ص ۲۷۳' اتحاف السادۃ المتقین ج ۵ ص ۹۸' حلیۃ الاولیاء ج ۱ ص ۲۴۱' نصب الرایہ ج ۲ ص ۲۳۵' کنز العمال رقم الحدیث: ۳۴۵۷)

اور حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے (فرماتے ہیں) میں نے نبی اکرم ﷺ کو نماز کے بعد یوں کہتے ہوئے سنا:

اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا وَرَبَّ كُلِّ شَیْءٍ. اے اللہ! ہمارے رب اور ہر چیز کے رب۔

حضرت صہیب رضی اللہ عنہ سے مرفوع حدیث مروی ہے فرماتے ہیں: نبی اکرم ﷺ جب نماز سے سلام پھیرتے تو یہ کلمات پڑھتے:

اَللّٰهُمَّ اَصْلِحْ لِىْ دِيْنِىْ. یا اللہ! میرے لئے میرے دین کو بہتر بنادے۔

اس حدیث کو امام نسائی نے نقل کیا اور ابن حبان وغیرہ نے اسے صحیح قرار دیا۔

اس کے بعد حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا اگر کہا جائے کہ نماز کے بعد سے مراد اس کے آخر کا قریب یعنی تشہد ہے تو ہم کہتے ہیں کہ نماز کے بعد ذکر کا حکم آیا ہے اور اس سے بالاتفاق سلام مراد ہے۔ (یعنی لفظ ''دبر'' آیا ہے اور وہ تشہد

نہیں بلکہ سلام کے بعد پڑھنا مراد ہے اسی طرح یہاں بھی لفظ ''دبر'' آیا ہے)۔

یہاں بھی اسی طرح ہوگا حتیٰ کہ اس کے خلاف ثابت ہو۔

امام ترمذی رحمہ اللہ نے حضرت امامہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے روایت کیا کہ عرض کیا گیا یا رسول اللہ! کون سی دعا زیادہ سنی جاتی ہے؟ فرمایا: رات کے درمیان اور فرض نمازوں کے بعد (مانگی جانے) والی دعا۔ امام ترمذی نے فرمایا یہ حسن ہے۔

امام طبرانی نے حضرت جعفر بن محمد صادق رضی اللہ عنہ سے روایت کیا' فرماتے ہیں:

الدعاء بعد المکتوبة افضل من الدعاء بعد النافلة کفضل المکتوبة علی النافلة.

فرض نماز کے بعد دعا نفل کے بعد دعا سے افضل ہے جس طرح نفل نماز سے فرض نماز افضل ہے

حضرت امام ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اکثر حنبلی حضرات نے یہی سمجھا کہ ابن قیم نے نماز کے بعد مطلق دعا کی نفی مراد لی ہے حالانکہ ایسا نہیں بلکہ اس کے کلام کا حاصل یہ ہے کہ مسلسل قبلہ رخ ہونے کی قید اور سلام کے (فوراً) بعد کی قید کے ساتھ نفی کی ہے لیکن جب قبلہ کی طرف سے رخ پھیر لے اور پہلے وہ اذکار کرے جو مسنون ہیں تو اس وقت دعا مانگنا منع نہیں ہے۔

امامت کے بعض احکام

جب مسجد میں اقامت ہوتی تو نبی اکرم ﷺ صحابہ کرام کو دیکھتے اگر وہ تھوڑے ہوتے تو آپ بیٹھ جاتے اور جب ان کو جماعت کی صورت میں دیکھتے تو نماز پڑھاتے۔[1]

حضرت ابو مسعود بدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ نماز میں ہمارے کاندھوں کو ہاتھ لگاتے اور فرماتے:

استووا ولا تختلفوا فتختلف قلوبکم لیلنی منکم اولو الاحلام والنھی ثم الذین یلونھم.

سیدھے کھڑے ہو جاؤ اور اختلاف نہ کرو ورنہ تمہارے دلوں میں اختلاف پیدا ہوگا چاہیے کہ تم میں سے عقلمند لوگ میرے قریب کھڑے ہوں پھر وہ جو ان کے قریب ہیں۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۲۲' سنن نسائی رقم الباب: ۲۶' مسند احمد ج ۴ ص ۲۷۶' مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۱۰۸۸' الترغیب والترہیب ج ۱ ص ۳۲۵' حلیۃ الاولیاء ج ۵ ص ۲۷' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۳۵۱' کنز العمال رقم الحدیث: ۲۰۵۹۵)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نماز پڑھنے کے لئے کھڑے ہوئے تو میں آپ کی بائیں جانب کھڑا ہوا آپ نے اپنی پیٹھ مبارک کی طرف سے میرا ہاتھ پکڑ کر اسی طرح پیٹھ کے پیچھے سے دائیں طرف کر دیا۔

---

[1] مطلب یہ ہے کہ نماز با جماعت مسلمانوں کی شوکت کی علامت ہے لہٰذا بھرپور اجتماع ہو اسی لئے ہر ایسے کام سے احتراز کیا جائے جو نمازیوں کی کمی کا باعث بنتا ہو۔ ۱۲ ہزاروی

بیٹھے ہوئے امام کی اقتدا

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ گھوڑے سے گر پڑے تو آپ کے دائیں پہلو میں خراش آ گئی ہم آپ کی عیادت کے لئے حاضر ہوئے تو نماز کا وقت ہو گیا پس آپ نے بیٹھ کر نماز پڑھائی اور ہم نے آپ کے پیچھے بیٹھ کر نماز پڑھی جب نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا امام اس لئے مقرر کیا جاتا ہے کہ اس کی اقتدا کی جائے جب وہ رکوع کرے تو تم بھی رکوع کرو حتیٰ کہ (بیان کرتے کرتے) فرمایا: جب وہ بیٹھ کر نماز پڑھے تو تم سب بھی بیٹھ کر نماز پڑھو۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۸۲ موطا امام مالک رقم الحدیث: ۳۰۵ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۶۰۵ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۲۳۷ سنن نسائی ج ۲ ص ۱۴۲ مسند احمد ج ۶ ص ۵۱ السنن الکبریٰ ج ۲ ص ۲۶۱ مجمع الزوائد ج ۲ ص ۸۷ مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۲۵۳ شرح السنہ ج ۳ ص ۴۲۱ مسند الحمیدی رقم الحدیث: ۱۱۸۹ الکامل فی الضعفاء ج ۳ ص ۱۲۶۱ الکنز رقم الحدیث: ۲۳۰۶۵)

بعض راویوں نے یہ اضافہ کیا کہ جب وہ کھڑا ہو کر نماز پڑھائے تو تم بھی کھڑے ہو کر نماز پڑھو۔[1]

حمیدی فرماتے ہیں: ان تمام روایات کے معانی ایک دوسرے کے قریب ہیں اور امام بخاری نے (اپنے شیخ حمیدی مذکور سے نقل کرتے ہوئے یہ) اضافہ کیا کہ "جب امام بیٹھ کر نماز پڑھائے تو تم بھی بیٹھ کر پڑھو"۔

یہ واقعہ نبی اکرم ﷺ کی پہلی علالت کے دوران ہوا اور جس علالت میں آپ کا وصال ہوا اس میں آپ نے بیٹھ کر نماز پڑھی اور صحابہ کرام آپ کے پیچھے کھڑے تھے آپ نے ان کو بیٹھنے کا حکم نہیں دیا اور آخری عمل کو اختیار کیا جاتا ہے پس نبی اکرم ﷺ کا آخری عمل یہ تھا۔

امام شافعی' امام ابوحنیفہ اور جمہور اسلاف رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ جو شخص کھڑا ہو کر نماز پڑھ سکتا ہو اس کے لئے بیٹھنے والے امام کے پیچھے کھڑے ہونے کے بغیر نماز پڑھنا جائز نہیں۔

انہوں نے اس بات سے استدلال کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے مرض وصال میں بیٹھ کر نماز پڑھائی جب کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور دیگر حضرات آپ کے پیچھے کھڑے تھے اگرچہ بعض علماء کا خیال ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہی امام تھے اور حضور علیہ السلام نے ان کی اقتدا فرمائی لیکن صحیح یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ ہی امام تھے۔

دوسرا باب

نمازِ جمعہ کا ذکر

یوم جمعۃ المبارک کی فضیلت

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' فرماتے ہیں: کہ حضرت جبریل علیہ السلام' نبی اکرم ﷺ کے

[1] جیسا کہ آگے وضاحت آ رہی ہے کہ نبی اکرم ﷺ کا آخری عمل یہ تھا کہ آپ بیٹھ کر نماز پڑھ رہے تھے اور صحابہ کرام کھڑے تھے اور آخری عمل سے استدلال ہوتا ہے لہٰذا جب امام عذر کی وجہ سے بیٹھ کر پڑھائے تو مقتدی کھڑے ہوں گے اور اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ قیام ہر ایک پر فرض ہے امام کو عذر لاحق ہے مقتدیوں کو نہیں۔ ۱۲ ہزاروی

پاس ایک سفید شیشہ لے کر حاضر ہوئے جس میں سیاہ نکتہ تھا' نبی کریم ﷺ نے پوچھا یہ کیا ہے؟ انہوں نے عرض کیا یہ جمعہ ہے جس کے ساتھ آپ کو اور آپ کی امت کو فضیلت دی گئی ہے (دوسرے) لوگ اس سلسلے میں تم لوگوں کے تابع ہیں دوسروں سے یہودی اور عیسائی مراد ہیں اور تمہارے لئے اس (دن) میں بھلائی ہے اور تمہارے لئے اس میں ایک گھڑی (ایسی) ہے جس سے کسی مومن کی دعا موافق نہیں ہوتی جب وہ اللہ تعالیٰ سے بھلائی کی دعا مانگتا ہے مگر وہ قبول ہوتی ہے اور ہمارے نزدیک یہ ''یوم مزید'' ہے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ''یوم مزید'' کیا ہے؟ عرض کیا آپ کے رب نے جنت الفردوس میں ایک وسیع وادی بنائی ہے جس میں کستوری کا ٹیلہ ہے جب جمعہ کا دن ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے فرشتوں میں سے جس قدر چاہتا ہے بھیجتا ہے اس ٹیلے کے گرد نور کے منبر ہیں جن پر انبیاء کرام کے بیٹھنے کی جگہیں ہیں ان منبروں کو سونے کے منبروں سے گھیرا گیا ہے جو یاقوت اور زمرد سے مرصع ہیں ان پر شہدا اور صدیقین ہیں وہ فرشتے ان کے پیچھے ٹیلے پر بیٹھتے ہیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میں تمہارا رب ہوں میں نے تم سے اپنا وعدہ سچا کر دیا پس مجھ سے مانگو میں تمہیں دوں وہ کہتے ہیں اے ہمارے رب! ہم تجھ سے تیری رضا کا سوال کرتے ہیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میں تم سے راضی ہوا اور تمہارے لئے وہ ہے جس کی تم نے تمنا کی اور اس کے ساتھ مزید بھی ہے پس وہ جمعہ کے دن کو پسند کرتے ہیں اس بھلائی کے سبب جو ان کا رب ان کو عطا کرتا ہے اس دن آپ کا رب عرش پر استواء فرماتا ہے۔ (لسان العرب ج ۱۰ص ۳۶۳)

حضرت امام مسلم رحمہ اللہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: بہترین دن جس پر سورج طلوع ہوتا ہے' جمعہ کا دن ہے' جس میں حضرت آدم علیہ السلام پیدا کئے گئے اسی دن ان کو جنت میں داخل کیا گیا اسی دن ان کو وہاں سے باہر لایا گیا اور قیامت بھی جمعہ کے دن ہی قائم ہوگی۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۷۔۱۸' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۰۴۶' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۴۹۱' سنن نسائی ج ۳ ص ۹۰' مسند احمد ج ۲ ص ۴۰۱' السنن الکبریٰ ج ۳ ص ۲۵۱' المستدرک ج ۱ ص ۲۷۸' کنز العمال رقم الحدیث: ۲۱۰۵۰)

امام بیہقی رحمہ اللہ نے ''الدعوات'' میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث سے نقل کیا کہ جب رجب کا مہینہ داخل ہوتا تو نبی اکرم ﷺ دعا مانگتے:

اَللّٰھُمَّ بَارِکْ لَنَا فِیْ رَجَبَ وَ شَعْبَانَ وَبَلِّغْنَا رَمَضَانَ۔ یا اللہ! ہمارے لئے رجب اور شعبان میں برکت عطا فرما اور ہمیں ماہِ رمضان تک پہنچا دے۔

اور جمعۃ المبارک کی رات یوں فرماتے:

لیل اغر و یوم الجمعۃ یوم ازھر۔ روشن رات ہے اور جمعہ کا دن نہایت چمکدار دن ہے۔

جمعہ کے دن کو کچھ خصوصیات حاصل ہیں جو بیس کی تعداد تک پہنچتی ہیں۔ ابن قیم نے ''الھدی النبوی'' میں ان کو ذکر کیا ہے' میں ان کے ذکر کے ساتھ بات کو لمبا کرنا نہیں چاہتا خصوصاً جب کہ یہ میری غرض بھی نہیں ہے۔

یہ دن' ہفتہ کے تمام دنوں سے افضل ہے جس طرح یوم عرفہ (نویں ذوالحجہ کا دن) عام دنوں سے افضل ہے اسی طرح لیلۃ القدر اور جمعہ کی رات (افضل ہے) اسی لئے یوم عرفہ' جمعہ کے دن ہو جائے تو اسے تمام دنوں پر فضیلت حاصل ہوتی ہے۔

ابوامامہ بن نقاش فرماتے ہیں: جمعہ کا دن ہفتہ کے دنوں میں سے افضل دن ہے اور قربانی کا دن عام دنوں سے افضل ہے انہوں نے کہا کہ اس کے علاوہ بات کرنے والا ایسے اعتراض سے بچ نہیں سکتا جس کا جواب دینے سے وہ عاجز ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ نبی اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا:

ہم آخر میں آنے والے ہیں' قیامت کے دن سبقت کرنے والے ہوں گے البتہ ان لوگوں (یہود و نصاریٰ) کو کتاب ہم سے پہلے دی گئی پھر یہ (جمعہ کا) دن اللہ تعالیٰ نے ان پر فرض کیا تو انہوں نے اس میں اختلاف کیا پس اللہ تعالیٰ نے اس کی طرف ہماری رہنمائی فرمائی تو لوگ ہمارے تابع ہیں یہودی کل (یعنی ہفتہ کے دن) اور عیسائی پرسوں (اتوار کے دن) والے ہیں۔

صحیح مسلم میں ابن عیینہ نے حضرت ابوالزیاد سے روایت کیا ہے اس میں یوں ہے:

ہم پچھلے ہیں اور ہم پہلے ہیں یعنی زمانے کے اعتبار سے آخری اور مرتبہ کے اعتبار سے پہلے ہیں۔

حدیث میں جس دن کا ذکر ہوا اس سے جمعہ کا دن مراد ہے اور حدیث میں لفظ ''بید'' استعمال ہوا جس میں باء پر زبر ہے اور یاء ساکن ہے اور دال پر بھی زبر ہے ''غیر'' کے معنیٰ میں ہے۔

جب یہ بات معلوم ہوگئی تو اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی:

اِنَّمَا جُعِلَ السَّبْتُ عَلَى الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا. (النحل:۱۲۴) بے شک ہفتہ کا دن ان لوگوں پر مقرر کیا گیا جنہوں نے اختلاف کیا۔

یعنی جنہوں نے اپنے نبی حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اختلاف کیا جب انہوں نے ان کو جمعہ (کا دن) اختیار کرنے کا حکم دیا تو انہوں نے ہفتے کا دن اختیار کر لیا تو ان کا اسی وجہ سے ہفتے میں اختلاف اپنے نبی سے اختلاف تھا۔ (یعنی اختلاف سے مراد یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کو جمعہ کا دن اختیار کرنے کا حکم دیا اور انہوں نے ہفتے کا دن اختیار کیا یہ اختلاف ہے)۔ (یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام جمعہ چاہتے تھے اور وہ ہفتہ تو یہ اختلاف تھا)۔

سوال: اگر کہا جائے کہ کیا کوئی عقلی دلیل بھی اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ جمعہ کا دن ہفتہ اور اتوار سے افضل ہے؟ کیونکہ تمام ملتوں والے اس بات پر متفق ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو چھ دنوں میں پیدا فرمایا' تخلیق و تکوین کا آغاز اتوار کے دن ہوا اور جمعہ کے دن تکمیل ہوئی پس ہفتہ کے دن فراغت ہوئی پس یہودیوں نے کہا ہم اعمال کو چھوڑنے میں اللہ تعالیٰ کے موافق ہیں (یعنی اتوار کو چھٹی کرتے ہیں) پس انہوں نے اس وجہ سے ہفتے کا دن مقرر کیا اور عیسائیوں نے کہا تخلیق و تکوین کا آغاز اتوار کے دن ہوا پس ہم اسے اپنے لیے عید قرار دیتے ہیں تو ان دونوں دنوں کی عقلی وجہ ہے' جمعہ کے دن کو عید بنانے کی وجہ کیا ہے؟

جواب: جمعہ کا دن تکمیل کا دن ہے اور کسی چیز کا کامل و مکمل ہونا کامل خوشی اور عظیم سرور کا موجب ہوتا ہے پس جمعہ کے دن کو اس وجہ سے عید کا دن قرار دینا زیادہ مناسب ہے۔ واللہ اعلم

ابن بطال نے کہا حدیث کا یہ مطلب نہیں کہ ان (اہل کتاب) پر جمعہ بعینہٖ فرض کیا گیا تو انہوں نے اسے چھوڑ دیا کیونکہ کسی شخص کے لئے جائز نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے فرض کردہ حکم کو چھوڑ دے اور وہ مومن بھی ہو۔

اس حدیث میں اس بات پر دلالت ہے کہ ان پر جمعہ فرض کیا گیا اور ان کو اختیار دیا گیا کہ اس میں اپنی شریعت کو قائم

کریں پس انہوں نے اس میں اختلاف کیا اور جمعہ کے دن کی طرف ہدایت نہ پائی۔

انہوں نے اسی طرح کہا لیکن ابن ابی حاتم نے سدی سے صریح الفاظ میں نقل کیا کہ ان پر تعین کے ساتھ جمعہ فرض کیا گیا تھا تو انہوں نے انکار کردیا۔ ان کے الفاظ یوں ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے یہودیوں پر جمعہ فرض کیا تو انہوں نے انکار کیا اور کہا اے موسیٰ علیہ السلام! ہمارے لئے ہفتے کا دن مقرر فرمائیں تو آپ نے ان پر اسے لازم کیا اور یہ بات ان کی مخالفت سے عجیب نہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد گرامی میں (ان کی مخالفت کا ذکر) ہے:

اُدْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّقُوْلُوْا حِطَّةٌ. دروازے سے جھکتے ہوئے داخل ہو جاؤ اور کہو ہمارے گناہوں کی معافی ہو۔ (البقرہ:۵۸)

اور ان لوگوں نے ہی کہا تھا:

سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا. (البقرہ:۹۳) ہم نے سنا اور نہ مانا۔

نبی اکرم ﷺ کے ارشاد گرامی "فھدانا اللہ لہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس کی ہدایت دی" اس میں احتمال ہے کہ ہمارے لئے (اس کا تعین) واضح الفاظ میں ذکر فرمایا اور یہ بھی احتمال ہے کہ اجتہاد کے ذریعے اس کی طرف ہماری رہنمائی کی (یعنی اس کی توفیق سے ہم نے سوچ وبچار کرکے اس دن کا تعین کیا)۔

دوسرے احتمال پر حضرت عبدالرزاق کی روایت شاہد ہے وہ صحیح سند کے ساتھ حضرت محمد بن سیرین رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں:

نبی اکرم ﷺ کی تشریف آوری اور جمعہ کا حکم نازل ہونے سے پہلے اہل مدینہ جمع ہوئے تو انصار نے کہا یہودیوں کا ایک (مخصوص) دن ہے وہ ہر ہفتے میں اس دن جمع ہوتے ہیں اور عیسائیوں کے لئے بھی اسی طرح ہے پس آؤ ہم بھی اپنے لئے ایک دن مقرر کریں جس میں اللہ تعالیٰ کے ذکر کے لئے جمع ہوں' نماز پڑھیں اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں انہوں نے یوم عروبہ (جمعہ) کا تعین کیا چنانچہ وہ حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ کے پاس اکٹھے ہوئے تو انہوں نے اسی دن ان کو نماز پڑھائی اور اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ. جب جمعہ کے دن نماز کے لئے اذان دی جائے (تو اللہ تعالیٰ کے ذکر کے لئے دوڑ پڑو اور تجارت چھوڑ دو)۔ (الجمعہ:۹)

یہ حدیث اگرچہ مرسل ہے لیکن حسن سند کے ساتھ اس کی شاہد حدیث موجود ہے جسے حضرت امام احمد' امام ابوداؤد اور ابن ماجہ نے نقل کیا۔ ابن خزیمہ نے اسے حضرت کعب بن مالک سے روایت کرتے ہوئے صحیح قرار دیا وہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کے مدینہ طیبہ تشریف لانے سے پہلے حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ نے ہمیں جمعہ پڑھایا۔

تو حضرت ابن سیرین رحمہ اللہ کی مرسل حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ ان صحابہ کرام نے غور وفکر کے ذریعے جمعہ کا دن اختیار فرمایا اور یہ بات اس کے خلاف نہیں کہ نبی اکرم ﷺ کو مکہ مکرمہ میں وحی کے ذریعے یہ بات بتائی گئی پس آپ اس جگہ اس (جمعہ) کو قائم کرنے پر قادر نہ ہوئے۔ اسی لئے جب آپ مدینہ طیبہ تشریف لائے تو صحابہ کرام کو (جمعہ کے دن) جمع فرمایا۔

نمازِ جمعہ کا وقت

ابن اسحاق فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ جب مدینہ طیبہ تشریف لائے تو قباء میں بنوعمرو بن عوف کے ہاں (سوموار) پیر' منگل' بدھ اور جمعرات کے دن ٹھہرے اور ان کی مسجد (مسجدِ قباء) کی بنیاد رکھی پھر جمعہ کے دن باہر تشریف لائے تو بنوسالم میں جمعہ کا وقت ہوا تو آپ نے اس مسجد میں نماز پڑھی جو وادی کے دامن میں ہے (یہ مسجد' مسجد جمعہ کہلاتی ہے) تو نبی اکرم ﷺ نے پہلا جمعہ مدینہ طیبہ میں پڑھایا۔ اور یہ' مسجد نبوی کی بنیاد رکھنے سے پہلے کی بات ہے کہ نبی اکرم ﷺ جمعہ کی نماز اس وقت پڑھتے جب سورج ڈھل جاتا (یعنی اس کے بعد پڑھتے)۔

اس حدیث کو امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث سے نقل کیا اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ جب سردی زیادہ ہوتی تو نماز جلدی پڑھتے اور جب گرمی ہوتی تو نماز کو ٹھنڈا کرتے (گرمی کم ہونے پر پڑھتے)۔

اس سے جمعہ کی نماز مراد ہے۔

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کی روایت جسے امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ نے روایت کیا ہے اس میں فرماتے ہیں کہ ہم نبی اکرم ﷺ کے ساتھ نماز جمعہ ادا کرتے اور جمعہ کے بعد قیلولہ کرتے تھے (کچھ دیر سو جاتے)۔

خطبہ' جمعہ کا حکم

جان لو! کہ انعقاد جمعہ کے لئے خطبہ شرط ہے اس کے بغیر نمازِ جمعہ صحیح نہیں۔

حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: یہ ظہر کی نماز میں سے دو رکعتوں کی طرح ہے پس جب اس کو چھوڑ دیا اور جمعہ کی نماز پڑھی تو نمازِ ظہر سے دو رکعتیں چھوڑ دیں۔

نماز جمعہ کے لئے اذان

نبی اکرم ﷺ کے زمانے میں مینار پر اور آپ کے سامنے اذان نہیں ہوتی تھی صرف حضرت بلال رضی اللہ عنہ آپ کے سامنے اذان دیتے تھے جب آپ منبر پر تشریف فرما ہوتے تھے جس طرح حنفی' مالکی اور شافعی ائمہ وغیرہ نے واضح الفاظ میں ذکر کیا ہے (یعنی دو اذانیں نہیں ہوتی تھیں)۔

حضرت برہان الدین مرغینانی حنفی (یہ ابوالحسن علی بن ابوبکر بن عبدالجلیل الفرغانی ہیں' متوفی ۵۹۳ھ) کے ہدایہ میں عبارت اس طرح ہے:

(الاعلام ج ۴ ص ۲۶۶' الفوائد البہیۃ رقم الحدیث: ۱۴۱' الجواہر المضیۃ ج ا ص ۳۸۳' کشف الظنون ج ۲ ص ۲۰۳۱)

اور جب امام منبر پر چڑھ جائے تو بیٹھ جائے اور مؤذن' منبر کے سامنے اذان دے امت کا طریقہ نسل در نسل اسی طرح چلا آ رہا ہے اور نبی اکرم ﷺ کے زمانے میں صرف یہی اذان ہوتی تھی۔

مالکی فقہ سے تعلق رکھنے والے ابن حاجب کی عبارت اس طرح ہے:

جب خطبہ کے لئے بیٹھتے وقت اذان ہو تو اس وقت سعی (دوڑنا) حرام ہے اور یہی اذان معروف ہے پس جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا دور آیا اور نمازی زیادہ ہوئے تو آپ نے خطبے سے پہلے زوراء (مدینہ طیبہ کے بازار میں ایک

جگہ کا نام) پر اذان کا حکم دیا۔ پھر ہشام نے اسے مسجد کی طرف منتقل کیا اور دوسری اذان کو امام کے سامنے رکھا۔

ابن عبدالحق نے ''تہذیب الطالب میں'' اس کی مثل ذکر کیا۔ ابن ابی زید نے جو اپنے رسالے میں کہا ہے کہ دوسری اذان بنوامیہ نے جاری کی تو اس کے شارحین فاکھانی وغیرہ نے فرمایا اس کا مطلب یہ ہے کہ جاری ہونے میں یہ دوسری اذان ہے اور دوسری اذان وہی ہے جو پہلے ہوتی ہے اور اس کو جاری کرنے کی وجہ گزر چکی ہے۔

امام زرکشی کی عبارت بھی دوسرے شافعی حضرات کی طرح ہے: کہ امام مستراح (آرام کرنے کی جگہ) پر بیٹھے تا کہ اوپر چڑھنے کی مشقت سے آرام پائے پھر اس کے بیٹھنے کے بعد موذن اذان کہے کیونکہ اذان اس وقت پڑھی جاتی تھی جب نبی اکرم ﷺ (منبر پر) تشریف فرما ہوتے تھے اس سے پہلے اذان نہیں ہوتی تھی۔

جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا زمانہ ہوا اور لوگ زیادہ ہو گئے تو آپ نے ان کو دوسری اذان کا حکم دیا پھر موذن کے فارغ ہونے تک بیٹھنا ہے۔

حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ کے زمانے میں جمعہ کے دن پہلی اذان اس وقت ہوتی جب امام منبر پر تشریف فرما ہوتے۔

حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کے زمانے میں بھی یہی طریقہ تھا جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا دور آیا تو تیسری اذان کا اضافہ ہوا جو زوراء پر دی جاتی تھی۔

اس حدیث کو امام بخاری رحمہ اللہ نے روایت کیا اور الزوراء مدینہ طیبہ میں بازار میں ایک جگہ تھی۔

(نوٹ: اقامت کو شامل کر کے تین اذانیں قرار دی گئیں)۔

انہی کی ایک دوسری روایت میں ہے کہ جمعہ کی دوسری اذان کا حکم حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اس وقت دیا جب نمازیوں کی کثرت ہو گئی۔

اس کی وضاحت وہی ہے جو ابن ابی زید کے گذشتہ قول کی وضاحت ہے (یعنی پہلی اذان مراد ہے)۔

ابن خزیمہ کے نزدیک یوں ہے کہ نبی اکرم ﷺ' حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کے زمانے میں جمعہ کے دن دو اذانیں ہوتی تھیں۔ ابن خزیمہ فرماتے ہیں: دو اذانوں سے مراد اذان اور اقامت ہے' اذان کو غالب قرار دیتے ہوئے یا اعلان ہونے میں دونوں کے اشتراک کی وجہ سے اقامت کو بھی اذان کہا گیا۔

''سنن نسائی میں ہے کہ'' حضرت بلال رضی اللہ عنہ اس وقت اذان کہتے جب نبی اکرم ﷺ منبر پر تشریف فرما ہوتے جب آپ اترتے تو وہ اقامت کہتے۔

حضرت وکیع نے ابن ابی ذئب سے روایت کیا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے پہلی اذان کا حکم دیا۔ امام شافعی رحمہ اللہ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔

''فتح الباری میں فرمایا کہ'' دونوں میں کوئی اختلاف نہیں کیونکہ اس اذان کے زائد ہونے کی وجہ سے اس کو تیسری اذان کہا گیا اور اذان و اقامت پر مقدم ہونے کی وجہ سے اس کو پہلی اذان کہا گیا اور ''صحیح بخاری میں'' جو دوسری اذان کہا گیا تو حقیقی اذان کے اعتبار سے ہے' اقامت کا اعتبار نہیں کیا گیا۔

شیخ خلیل نے ''التوضیح میں'' فرمایا کہ کیا امام کے سامنے اذان کہی جائے یا مینار پر؟ تو اس میں روایات مختلف ہیں۔

ہمارے اصحاب سے منقول ہے کہ مینار پر ہو۔ ابن قاسم نے ''المجموعہ میں'' حضرت مالک سے نقل کیا۔

ابن عبدالبر نے ''کافیہ میں'' حضرت مالک سے نقل کیا کہ امام کے سامنے اذان کہنا پرانی بات نہیں۔

ان کے غیر نے کہا جمعہ کی اذان میں یہی اصل ہے ''تہذیب الطالب'' کے مصنف اور مازری نے اسی طرح نقل کیا ہے۔

''الاستذکار میں ہے کہ'' ہمارے اصحاب پر یہ بات مشتبہ ہوگئی انہوں نے اس بات کا انکار کیا کہ جمعہ کے دن اذان نبی اکرم ﷺ' حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں (امام کے سامنے) ہوتی تھی اور کہا کہ یہ ہشام کے زمانے کی بدعت ہے۔

فرماتے ہیں: یہ اس شخص کا قول ہے جس کا علم کم ہے پھر انہوں نے حضرت سائب بن یزید کی روایت سے استدلال کیا جو حضرت امام بخاری رحمہ اللہ سے مروی ہے اور پہلے گزر چکی ہے۔

پھر فرمایا: کہ اسحاق نے امام زہری کے واسطے سے حضرت سائب بن یزید سے حدیث کی روایت کی ہے جس سے یہ اشکال دور ہوجاتا ہے وہ فرماتے ہیں:

کان یوذن بین یدی النبی اذا جلس علی المنبر یوم الجمعۃ وابی بکر وعمر۔

نبی اکرم ﷺ' حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کے سامنے اذان دی جاتی تھی جب آپ منبر پر تشریف فرما ہوتے۔

اور اس مقام پر اذان کے ہونے میں حکمت یہ ہے کہ لوگوں کو معلوم ہوجائے کہ امام منبر پر بیٹھ گیا ہے پس جب وہ خطبہ دے تو لوگ خاموش رہیں یہ بات مہلب نے کہی ہے۔

''فتح الباری میں فرمایا'' یہ بات محل نظر ہے کیونکہ ''طبرانی وغیرہ میں'' محمد بن اسحاق کی روایت میں یوں ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ مسجد کے دروازے پر اذان دیتے تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ (اذان) مطلق اعلان کے لئے ہے خاص خاموش کرنے کے لئے نہیں۔

اور ظاہر بات یہ ہے کہ لوگوں نے اس وقت تمام شہروں میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے فعل کے مطابق عمل کیا کیونکہ اس وقت آپ خلیفہ تھے اور آپ کی اطاعت کا حکم دیا گیا تھا لیکن فاکھانی نے کہا کہ پہلی اذان مکہ مکرمہ میں حجاج نے اور بصرہ میں زیاد نے جاری کی۔

جو یبر کی تفسیر میں ہے وہ حضرت ضحاک سے اور وہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دو موذنوں کو حکم دیا کہ وہ جمعہ کے دن لوگوں کے لئے مسجد سے باہر اذان دیں حتیٰ کہ لوگ سنیں اور حکم دیا کہ آپ کے سامنے اذان کہی جائے جیسا کہ نبی اکرم ﷺ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عہد میں تھی۔ پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہم نے مسلمانوں کی کثرت کی وجہ سے یہ کام کیا ہے۔

یہ حدیث منقطع ہے حضرت مکحول اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے درمیان انقطاع ہے اور یہ ثابت نہیں اور متواتر احادیث سے ثابت ہے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ ہی وہ شخصیت ہیں جنہوں نے یہ اضافہ کیا پس اسی بات پر اعتماد ہے۔

امام عبدالرزاق نے ایک حدیث ابن جریج سے نقل کی جو اس بات کو قوت بخشتی ہے وہ فرماتے ہیں:

سلیمان بن موسیٰ نے کہا کہ مدینہ طیبہ میں سب سے پہلے اذان کا اضافہ کرنے والے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ ہیں' حضرت عطاء نے فرمایا ہرگز نہیں وہ لوگوں کو بلاتے تھے لیکن ایک اذان کے علاوہ اذان نہیں دیتے تھے۔

لیکن حضرت عطاء نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو نہیں پایا پس جس نے ان سے یہ بات ثابت کی ہے اس کی روایت ان کے انکار سے مقدم ہے اور یوں جمع کرنا بھی ممکن ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے زمانے میں جو کام تھا وہ عہد عثمانی میں جاری رہا پھر انہوں نے مناسب سمجھا کہ اس کو اذان کی شکل دی جائے اور یہ اونچی جگہ پر ہو۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا اس لئے ان کی طرف اذان کے الفاظ کے ساتھ منسوب ہوا اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا عمل بھی چھوڑ دیا گیا کیونکہ وہ محض اعلام (خبر دینا) تھا۔

ابن ابی شیبہ' حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ جمعہ کے دن پہلی اذان بدعت ہے۔

تو اسے اس بات پر محمول کیا جا سکتا ہے کہ انہوں نے اس کا انکار کیا ہو اور یہ بھی احتمال ہے کہ ان کی مراد اس عمل کا نبی اکرم ﷺ کے زمانے میں نہ ہونا ہے۔

کیونکہ جو عمل نبی اکرم ﷺ کے زمانے میں نہیں تھا اس کو بدعت کہتے ہیں لیکن ان میں سے بعض حسن ہیں اور کچھ اس کے علاوہ ہیں'

پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے اس عمل پر اجماع سکوتی ہے کیونکہ انہوں (صحابہ کرام) نے اس پر کوئی اعتراض نہیں کیا۔

پہلا جمعہ اور پہلا خطبہ

سب سے پہلا جمعہ جو نبی اکرم ﷺ نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو پڑھایا جیسا کہ پہلے حدیث ہجرت میں گزر چکا ہے بنو سالم بن عوف میں ان کی وادی کے دامن میں پڑھایا پس آپ نے ان کو خطبہ دیا اور یہ مدینہ طیبہ میں آپ کا پہلا خطبہ تھا آپ نے اسی میں فرمایا:

الحمد لله احمده' واستعينه واستغفره' واستهديه واومن به ولا اكفره' واعادى من يكفر به' واشهد ان لا اله الا الله وحده لا شريك له' واشهد ان محمدا عبده ورسوله' ارسله بالهدى ودين الحق والنور والموعظة والحكمة' على فترة من الرسل' وقلة من العلم' وضلالة من الناس' وانقطاع من الزمان' ودنو من الساعة' وقرب من الاجل. من يطع الله ورسوله فقد رشد' ومن يعص الله ورسوله فقد

تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں میں اس کی تعریف کرتا ہوں اور اس سے مدد طلب کرتا ہوں' اس سے بخشش مانگتا ہوں' اس سے ہدایت طلب کرتا ہوں اور اس پر ایمان لاتا ہوں اس کا انکار نہیں کرتا اور اس شخص کو دشمن جانتا ہوں جو اس کا انکار کرے اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ ایک ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ حضرت محمد ﷺ اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہدایت سچے دین' نور' وعظ اور حکمت کے ساتھ اس وقت بھیجا جب

غوى وفرط وضل ضلالا بعيدا' اوصيكم بتقوى الله' فانه خير ما اوصى به المسلم المسلم ان يحضه على الاخرة' وان يامره بتقوى الله' واحذروا ما حذركم الله من نفسه' فان تقوى الله لمن عمل بها على وجل ومخافة من ربه عون وصدق على مايبتغون من الاخرة' ومن يصل الذى بينه وبين الله من امره فى السر والعلانية لا ينوى به الا وجه الله يكن له ذكرا فى عاجل امره' وذخرا فيما بعد الموت حين يفتقر المرء الى ما قدم' وما كان مما سوف ذلك يود لو ان بينه و بينه امدا بعيدا' ويحذركم الله نفسه والله رؤوف بالعباد' هو الذى صدق وانجز وعده لا خلف له فانه يقول ﴿ما يبدل القول لدى وما انا بظلام للعبيد﴾. (ق:٢٩) فاتقوا الله فى عاجل امركم واجله' فى السر والعلانية' فانه من يتق الله يكفر عنه سيئاته ويعظم له اجرا' ومن يتق الله فقد فاز فوزا عظيما'. وان تقوى الله توقى مقته وتوقى عقوبته وسخطه' وان تقوى الله تبيض الوجه وترضى الرب' وترفع الدرجة' فخذوا بحظكم ولا تفرطوا فى جنب الله' فقد علمكم كتابه ونهج لكم سبيله' ليعلم الذين صدقوا ويعلم الكاذبين. فاحسنوا كما احسن الله اليكم' وعادوا اعداءه' وجاهدوا فى الله حق جهاده' هو اجتباكم وسماكم المسلمين' ليهلك من هلك عن بينة' ويحيى من حيى عن بينة' ولا حول ولا قوة الا بالله.

رسولوں کی آمد کا سلسلہ بند ہو گیا' علم کم ہو گیا' لوگ گمراہی میں مبتلا ہو گئے' زمانہ گزر چکا' قیامت قریب آ گئی اور وقت مقرر قریب آ گیا (دنیا ختم ہونے والی ہے)۔ جس نے اللہ تعالیٰ کا حکم مانا اس نے ہدایت پائی اور جس نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی کی وہ سرکش ہو گیا اور حد سے بڑھ گیا اور دور کی گمراہی میں جا پڑا میں تمہیں اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کا حکم دیتا ہوں ایک مسلمان کی دوسرے مسلمان کے لئے بہترین نصیحت یہ ہے کہ وہ اس کو آخرت کی ترغیب دے اور اس کو تقویٰ کا حکم دے۔ اور اللہ تعالیٰ کا خوف (تقویٰ) اس شخص کے لئے جو اس (تقویٰ) پر کانپتے ہوئے اور اپنے رب سے ڈرتے ہوئے عمل کرتا ہے مددگار ہے اور جو کچھ وہ آخرت سے تلاش کرتے ہیں اس پر صداقت ہے اور جو شخص اس کام سے جو اس کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان ہے ظاہری اور باطنی طور پر رشتہ جوڑتا ہے وہ صرف اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کی نیت کرتا ہے تو وہ عمل اس کے لئے فوری طور پر ذکر کا باعث اور موت کے بعد کے لئے ذخیرہ ہو گا جب آدمی اس چیز کا محتاج ہو گا جو اس نے آگے بھیجا ہے۔ اور جو شخص اس میں ٹال مٹول سے کام لیتا ہے وہ (قیامت کے دن) چاہے گا کہ اس کے اور اس عمل کے درمیان دور کا فاصلہ ہو۔ اور اللہ تعالیٰ تمہیں اپنے عذاب سے ڈراتا ہے اور اللہ تعالیٰ بندوں پر مہربان ہے۔ وہی ذات ہے جس نے سچ فرمایا اور اپنا وعدہ پورا فرمایا جس میں کوئی بدعہدی نہیں وہ فرماتا ہے میرے ہاں بات بدلتی نہیں اور میں بندوں پر ظلم نہیں کرتا اپنے فوری اور مستقبل کے امور میں ظاہری اور باطنی طور پر اللہ تعالیٰ سے ڈرو کیونکہ جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے وہ اس کے گناہ مٹا دیتا ہے اور اسے اجر عظیم عطا کرتا ہے اور جو شخص اللہ تعالیٰ

فاكثروا ذكر الله، واعملوا لما بعد الموت، فانه من يصلح ما بينه و بين الله يكفه الله ما بينه و بين الناس، ذلك بان الله يقضى على الناس ولا يقضون عليه، ويملك من الناس، ولا يملكون منه، الله اكبر، ولا حول ولا قوة الا بالله العلى العظيم. (دلائل النبوۃ ج ۱ص ۷۷' مراسیل ابوداؤد رقم الحدیث :۹' تفسیر قرطبی ج ۱۸ص ۹۸' البدایۃ والنہایۃ ج ۳ص ۲۱۳' تاریخ بغداد ج ۱۴ص ۴۴۱)

سے ڈرتا ہے وہ بہت بڑی کامیابی پائے گا اور اللہ سے تقویٰ یہ ہے کہ اس کی ناپسندیدگی سے ڈرے اور اس کے عذاب اور ناراضگی سے ڈرے اور بے شک اللہ تعالیٰ سے ڈرنا چہروں کو روشن کرتا ہے اور رب کی رضا کا سبب ہے اور درجہ بلند کرتا ہے پس تم اپنا حصہ حاصل کرو اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں کوئی کمی نہ کرو بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہیں اپنی کتاب سکھادی اور تمہارے لئے اپنا راستہ متعین کردیا تاکہ سچوں اور جھوٹوں کے درمیان امتیاز پیدا ہو جائے پس احسان کرو جس طرح اللہ تعالیٰ نے تم پر احسان کیا اس کے دشمنوں سے دشمنی رکھو اور اس کے راستے میں جہاد کرو جس طرح جہاد کرنے کا حق ہے اس نے تمہیں چن لیا اور تمہارا نام مسلمان رکھا تاکہ جس نے ہلاک ہونا ہے وہ دلیل (سننے) کے بعد ہلاک ہو اور جس نے زندہ رہنا ہے وہ بھی دلیل (دیکھنے) کے بعد زندہ رہے نیکی کرنے اور برائی سے بچنے کی طاقت اللہ تعالیٰ ہی عطا کرتا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ کو کثرت سے یاد کرو اور موت کے بعد کے لئے عمل کرو جو شخص اللہ تعالیٰ کے اور اپنے درمیان کا معاملہ درست کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے ان باتوں سے بچاتا ہے جو اس کے اور لوگوں کے درمیان ہیں (یعنی لوگوں کی شرارتوں سے محفوظ رکھتا ہے)۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ لوگوں پر فیصلہ فرماتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے خلاف کوئی فیصلہ نہیں دے سکتے' وہ لوگوں کا مالک ہے وہ اس کے مالک نہیں ہیں' اللہ سب سے بڑا ہے اور نیکی کرنے اور برائی سے بچنے کی قوت اللہ تعالیٰ عطا کرتا ہے جو بلند' عظمت والا ہے۔

یہ خطبہ امام قرطبی نے اپنی تفسیر میں اور دوسروں نے بھی نقل کیا ہے۔

خطبہ کے کچھ احکام

نبی اکرم ﷺ کمان یا عصا مبارک پر ٹیک لگا کر خطبہ دیتے تھے ''سنن ابن ماجہ'' میں ہے:

نبی اکرم ﷺ جب لڑائی کے دوران خطبہ دیتے تو کمان پر (ٹیک لگا کر) خطبہ دیتے اور جب جمعہ کا خطبہ ارشاد فرماتے تو عصا پر (ٹیک لگا کر) خطبہ ارشاد فرماتے۔

"سنن ابوداؤد میں" حسن سند کے ساتھ ہے کہ نبی اکرم ﷺ کمان یا عصا پر ٹیک لگاتے ہوئے خطبہ دیتے تھے۔

محدثین کرام فرماتے ہیں: تلوار پر ٹیک لگانے میں حکمت اس بات کی طرف اشارہ کرنا تھا کہ یہ دین تلوار کے ذریعے قائم ہے اسی لئے آپ اسے بائیں ہاتھ سے اٹھاتے جس طرح جہاد کا ارادہ کرنے والے کی عادت ہے۔

ابن قیم نے "الہدی النبوی میں" اس کے مقابلے میں کہا کہ دین قرآن اور وحی کے ذریعے قائم ہوا۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۰) ابن قیم نے اسی طرح کہا ہے اور اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ [1]

اور نبی اکرم ﷺ جب منبر پر تشریف فرما ہوتے تو سلام کرتے۔ رسول اکرم ﷺ کھڑے ہو کر خطبہ ارشاد فرماتے پھر تشریف فرما ہوتے پھر کھڑے ہو جاتے اور کھڑے ہونے کی حالت میں خطبہ دیتے تھے۔

یہ حدیث امام مسلم رحمہ اللہ نے حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے نقل کی ہے۔

ان ہی کی ایک روایت میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ دو خطبے ارشاد فرماتے تھے آپ دونوں کے درمیان بیٹھتے۔ قرآن مجید پڑھتے اور لوگوں کو وعظ فرماتے۔

امام ابوداؤد نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث نقل کی ہے کہ رسول اکرم ﷺ دو خطبے ارشاد فرماتے تھے۔

جب آپ منبر پر تشریف لے جاتے تو بیٹھ جاتے حتیٰ کہ مؤذن فارغ ہو جاتا پھر کھڑے ہو کر خطبہ دیتے پھر بیٹھ جاتے اور کلام نہ فرماتے پھر کھڑے ہو کر خطبہ ارشاد فرماتے۔

ابن منذر نے کہا مختلف شہروں کے علماء کے نزدیک خطبہ کھڑے ہو کر پڑھنا صحیح ہے۔ ابن منذر کے علاوہ نے حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے نقل کیا کہ خطبہ میں کھڑا ہونا سنت ہے واجب نہیں۔

حضرت امام مالک رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ (کھڑا ہونا) واجب ہے اگر چھوڑے گا تو گناہ گار ہوگا لیکن خطبہ صحیح ہو جائے گا۔

باقی حضرات کے نزدیک قیام شرط ہے یعنی نماز کی طرح کھڑے ہونے کی طاقت رکھنے والے کے لیے شرط ہے۔

ان حضرات نے حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے 'نبی اکرم ﷺ کے ہمیشہ کھڑا ہو کر خطبہ دینے' اور دو خطبوں کے درمیان بیٹھنے کے جواز سے استدلال کیا ہے۔ اگر دونوں خطبوں میں بیٹھنا جائز ہوتا تو بیٹھنے کے ذریعے دونوں کے درمیان امتیاز کرنے کی ضرورت نہ ہوتی نیز جن سے بیٹھنا منقول ہے اور وہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ہیں 'وہ معذور تھے۔

ابن ابی شیبہ نے شعبی کے طریقے سے روایت کیا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پیٹ کی چربی زیادہ ہو گئی تو آپ بیٹھ کر خطبہ دیتے تھے۔

---

[1] یہ مطلب نہیں کہ تلوار کے ذریعے قائم ہوا بلکہ حضور ﷺ کے اخلاق کریمانہ اور اس دین کی جامعیت اس کا باعث ہے البتہ اس کو قائم رکھنے کے ذریعے مسلمانوں کا رعب و دبدبہ باقی رہنا ضروری ہے۔ ۱۲ ہزاروی

امام شافعی رحمہ اللہ نے دو خطبوں کے درمیان بیٹھنے کے وجوب سے (کھڑا ہو کر خطبہ دینے کے وجوب پر) استدلال کیا جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے علاوہ ازیں نبی اکرم ﷺ نے ہمیشہ کھڑے ہو کر خطبہ ارشاد فرمایا نیز آپ نے فرمایا:

صلوا کما رایتمونی اصلی. نماز اس طرح پڑھو جس طرح مجھے پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو۔

نبی اکرم ﷺ خطبہ کے بعد "اما بعد" کے الفاظ پڑھتے جیسا کہ امام بخاری نے نقل کیا۔

اور نبی اکرم ﷺ جب خطبہ ارشاد فرماتے: تو آپ کی آنکھیں سرخ ہو جاتیں' آپ کی آواز بلند ہو جاتی اور سخت غصہ پیدا ہوتا گویا آپ کسی لشکر سے ڈرانے والے ہیں آپ فرماتے "صبح تم پر حملہ ہونے والا ہے اور شام کو دشمن تم پر ٹوٹ پڑنے والا ہے" اور آپ فرماتے: مجھے یوں بھیجا گیا کہ میں اور قیامت اس طرح ہیں آپ اپنی انگشت شہادت اور درمیان والی کو ملاتے اور فرماتے: اما بعد! بے شک بہترین حدیث (بات) اللہ کی کتاب ہے اور بہترین سیرت حضرت محمد ﷺ کی سیرت اور بدترین امور بدعات ہیں اور ہر بدعت (بدعت سیئہ) گمراہی ہے۔

پھر ارشاد فرماتے: میں ہر مومن کے نفس کے مقابلے میں اس سے زیادہ قریب ہوں پس وہ جو مال چھوڑ کر جائے تو وہ اس کے گھر والوں کے لئے ہے اور جو قرض یا (ضائع ہونے والی) اولاد چھوڑ کر جائے تو میری طرف یا مجھ پر (یعنی میرے ذمہ) ہے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۴۳' سنن نسائی ج ۳ ص ۲۰۶' المستدرک ج ۳ ص ۵۲۳' اتحاف السادۃ المتقین ج ۷ ص ۱۴۔ ج ۱۰ ص ۲۵۴' کنز العمال رقم الحدیث: ۱۷۹۷۳)

(ایسی اولاد اور بیوہ جن کا کوئی ذریعہ معاش وغیرہ نہ ہو)۔

اسے حضرت امام مسلم اور امام نسائی رحمہما اللہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث سے روایت کیا ہے۔

خطبہ میں آپ کے بعض اقوال

ایک روایت میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ کا جمعہ کے دن خطبہ یوں ہوتا کہ آپ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء فرماتے پھر اس کے بعد یوں فرماتے (جس طرح ابھی گزرا) اس حال میں کہ آپ کی آواز بلند ہو جاتی۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۴۵)

ایک دوسری حدیث میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ لوگوں کو خطبہ دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کرتے جس طرح اس کے شایان شان ہے۔ پھر فرماتے:

من یھد اللہ فلا مضل لہ ومن یضلل فلا ھادی لہ وخیر الحدیث کتاب اللہ. جس کو اللہ تعالیٰ ہدایت دے اسے کوئی گمراہ نہیں کر سکتا اور جس کو وہ گمراہ کرے اس کو ہدایت دینے والا کوئی نہیں اور بہترین حدیث اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے۔

پھر اس طرح ذکر کیا جیسے پہلے گزر چکا ہے۔

حضرت ام ہشام بنت حارثہ بن نعمان رضی اللہ عنہا سے مروی ہے فرماتی ہیں کہ میں نے (قرآن مجید کی سورت) "ق والقرآن المجید" نبی اکرم ﷺ سے سیکھی آپ ہر جمعہ کے دن جب صحابہ کرام کو خطبہ دیتے تو منبر پر اس کی

تلاوت فرماتے۔

حضرت حکم بن حزن الکلفی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: کہ میں بارگاہ نبوی میں سات میں سے ساتویں یا نویں میں سے نویں دن حاضر ہوا (یعنی سات یا نو دن بعد) پس ہم آپ کے پاس کئی دن ٹھہرے اوران ایام میں جمعہ میں حاضر ہوئے نبی اکرم ﷺ کمان پر ٹیک لگا کر کھڑے ہوئے یا فرمایا عصا پر (ٹیک لگائی) پس آپ نے چند مختصر پاکیزہ اور مبارک کلمات کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء کی پھر فرمایا:

یا ایھا الناس انکم لن تفعلوا اولن تطیقوا کل ما امرتکم به ولکن سددوا وابشروا.

اے لوگو! بے شک تم ہرگز نہیں کر سکتے یا فرمایا ہرگز طاقت نہیں رکھتے کہ ہر وہ کام کرو جس کا میں نے تمہیں حکم دیا لیکن درست راہ پر رہو اور خوشخبری حاصل کرو۔

حضرت یعلی بن امیہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: کہ میں نے نبی اکرم ﷺ سے سنا آپ منبر پر (یہ آیت) پڑھ رہے تھے:

وَنَادَوْا يَا مَالِكُ لِيَقْضِ عَلَيْنَا رَبُّكَ. (الزخرف: ۷۷)

اور انہوں نے پکارا اے مالک! (فرشتے) اللہ تعالیٰ ہمارے بارے میں فیصلہ فرمائے۔

حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ نے ہمیں جمعہ کا خطبہ دیا تو فرمایا:

مرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں توبہ کرو' مشغولیت سے پہلے نیک اعمال میں جلدی کرو' اللہ تعالیٰ اور تمہارے درمیان جو تعلق ہے اسے ملائے رکھو نیک بخت بن جاؤ گے' صدقہ زیادہ دیا کرو تمہیں رزق ملے گا' نیکی کا حکم دو تروتازہ رہو گے' برائی سے روکو تمہاری مدد کی جائے گی۔

اے لوگو! تم میں سے سب سے زیادہ سمجھدار وہ ہے جو موت کا زیادہ یاد کرنے والا ہے' تم میں سے زیادہ معزز وہ ہے جو موت کی تیاری زیادہ کرتا ہے۔

سنو! عقل کی علامات میں سے ایک علامت دھوکہ دینے والی دنیا سے پہلو تہی کرنا اور ہمیشگی کے گھر کی طرف لوٹنا ہے قبروں میں ٹھہرنے کے لئے زادراہ اختیار کرنا اور قیامت کے دن کے لئے تیاری کرنا ہے۔

اس حدیث کو حضرت امام ابن ماجہ رحمہ اللہ نے بھی حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے اختصار کے ساتھ اس کی مثل روایت کیا۔

ابوداؤد کی مراسیل (مرسل روایات) میں حضرت زہری سے مروی ہے' فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کے خطبہ کا آغاز ان الفاظ سے ہوتا تھا:

الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره ونعوذ بالله من شرور انفسنا من يهد الله فلا مضل له ومن يضلل فلا هادى له واشهد ان لا اله الا الله وان محمدا عبده ورسوله ارسله بالحق بشيرا ونذيرا بين يدى الساعة من يطع

تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں' ہم اس کی تعریف کرتے ہیں اور اس سے مدد مانگتے ہیں اور اس سے بخشش طلب کرتے ہیں اور ہم اپنے نفسوں کی برائیوں سے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتے ہیں' جس کو اللہ تعالیٰ ہدایت دے اسے کوئی گمراہ کرنے والا نہیں اور جس کو وہ گمراہ کرے اس کے

الله ورسوله فقد رشد ومن يعصهما فقد غوى .

لئے کوئی ہدایت دینے والا نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور بے شک حضرت محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں' اس نے آپ کو قیامت سے پہلے حق کے ساتھ خوشخبری دینے اور ڈر سنانے والا بنا کر بھیجا' جس نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول (ﷺ) کا حکم مانا' اس نے ہدایت پائی اور جس نے ان دونوں کی نافرمانی کی وہ بھٹک گیا۔

نسأل الله ربنا ان يجعلنا ممن يطيعه ويطيع رسوله ويتبع رضوانه ويجتنب سخطه.

ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ ہمیں ان لوگوں میں کر دے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اتباع کرتے ہیں' اس کی رضا چاہتے اور اس کی ناراضگی سے بچتے ہیں۔

امام ابوداؤد نے ہی حضرت زہری سے یہ حدیث بھی روایت کی ہے وہ فرماتے ہیں ہم تک یہ بات پہنچی ہے کہ نبی اکرم ﷺ خطبہ دیتے وقت ارشاد فرماتے:

كل ما هو آت قريب لا بعد لما هو آت يريد الله امرا ويريد الناس امرا ماشاء الله كان ولو كره الناس ولا مبعد لما قرب الله ولا مقرب لما بعد الله لا يكون شيء الا باذن الله عزوجل.

جو چیز آنے والی ہے وہ قریب ہے آنے والی چیز کے لئے دوری نہیں' اللہ تعالیٰ ایک بات کا ارادہ فرماتا ہے اور لوگ دوسری بات کا ارادہ کرتے ہیں جو کچھ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے وہ ہو جاتا ہے اگرچہ لوگ اسے ناپسند کریں' جس چیز کو اللہ تعالیٰ قریب کرے اسے دور کرنے والا کوئی نہیں اور جس کو وہ دور کرے اسے قریب کرنے والا کوئی نہیں' کوئی کام اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر نہیں ہوتا۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ جمعہ کے دن خطبہ دیتے تو اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء اور انبیاء کرام علیہم السلام پر درود شریف بھیجنے کے بعد فرماتے:

ايها الناس ان لكم معالم فانتهوا الى معالمكم وان لكم نهاية فانتهوا الى نهايتكم ان العبد المومن بين مخافتين اجل قد مضى لا يدرى ما الله قاض فيه وبين اجل قد بقى لا يدرى ما الله صانع فيه فلياخذ العبد من نفسه لنفسه ومن دنياه لاخرته ومن التشبية قبل الكبر ومن الحياة قبل الممات والذى نفسى بيده ما بعد الموت من مستعتب وما بعد الدنيا

اے لوگو! تمہارے لئے کچھ نشان منزل ہیں ان نشانات تک پہنچو اور تمہاری ایک انتہا ہے اپنی اس انتہا تک پہنچو بے شک مومن بندہ دو خوفوں کے درمیان ہے ایک وقت جو گزر گیا اس کو معلوم نہیں کہ اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ کیا فیصلہ فرماتا ہے اور دوسرا وہ وقت ہے جو باقی ہے وہ نہیں جانتا کہ اس میں اللہ تعالیٰ کیا کرنے والا ہے پس آدمی کو اپنے نفس کے لئے خود اپنے نفس سے حصہ لینا چاہیے' اپنی دنیا سے اپنی آخرت کے لئے' بڑھاپے سے پہلے جوانی

من دار الا الجنة او النار اقول قولی ھذا واستغفر الله العظیم لی ولکم.

سے اور موت سے پہلے زندگی سے فائدہ حاصل کرے۔ اس ذات کی قسم! جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے موت کے بعد تھکاوٹ نہیں' دنیوی گھر کے بعد جنت ہے یا جہنم' میں یہ بات کہتا ہوں اور اللہ عظمت والے سے اپنے لئے اور تمہارے لئے بخشش طلب کرتا ہوں۔

حضرت عمرو رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ایک دن خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

الا ان الدنیا عرض حاضر یا کل منھا البر والفاجر الا وان الاخرة اجل صادق یقضی فیھا ملک قادر الا وان الخیر کله بحذا فیره فی الجنة الا وان الشر کله بحذا فیره فی النار الا فاعلموا وانتم من الله علی حذر واعلموا انکم معرضون علی اعمالکم فمن یعمل مثقال ذرة خیرا یره ومن یعمل مثقال ذرة شرا یره.

سنو! دنیا حاضر سامان ہے' اسے نیک اور بدکار سب کھاتے ہیں سنو! آخرت ایک سچا وقت ہے جس میں طاقت والا بادشاہ فیصلہ کرے گا۔ سنو! بھلائی تمام کی تمام جنت میں ہے' سنو! برائی تمام کی تمام جہنم میں (جانے کا باعث) ہے۔ سنو! پس جان لو اور تم اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہیں حکم ہے کہ اس کے عذاب سے بچو اور جان لو تمہیں اعمال کا سامنا کرنا ہوگا۔ پس جس نے ذرہ بھی نیکی کی وہ اسے دیکھ لے گا اور جس نے ذرہ بھر برائی کی وہ بھی دیکھ لے گا۔

یہ حدیث امام شافعی رحمہ اللہ نے روایت کی اور ابونعیم نے ''الحلیہ میں'' اس کی مثل روایت کی ہے۔

خطبہ کے وقت خاموشی

اس میں اختلاف ہے کہ کیا (خطبہ کے وقت) خاموشی واجب ہے اور حالتِ خطبہ میں ہر قسم کے کلام سے منع کیا جائے یا نہیں؟ (اس کے لیے حدیث کی وضاحت کافی ہے) (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۹۳۴' مسند احمد ج ۲ ص ۳۱۸' مشکوۃ المصابیح للتبریزی رقم الحدیث: ۱۳۸۵)

اس مسئلہ میں حضرت امام شافعی رحمہ اللہ سے دو قول مشہور ہیں اور بعض اصحاب شافعی نے ان کو اختلاف کی بنیاد بنایا کہ دو خطبے دو رکعتوں کے بدلے میں ہیں یا نہیں پہلے قول کے مطابق خطبہ کے دوران گفتگو حرام ہے (کیونکہ یہ نماز کی جگہ ہے) اور دوسرے قول کے مطابق حرام نہیں اور ان حضرات کے نزدیک دوسرے قول کو ترجیح ہے اسی وجہ سے اجازت دینے والوں نے گفتگو کی اجازت دی ہے حتیٰ کہ ان کے مخالفین میں سے بعض نے ان کی اس بات کو برا قرار دیا۔

حضرت امام احمد رحمہ اللہ سے بھی دو روایتیں ہیں اور ان دونوں حضرات سے یہ بھی مروی ہے کہ انہوں نے خطبہ سننے اور نہ سننے والے میں فرق کیا ہے۔

ابن عبد البر نے عجیب بات کی ہے کہ خطبہ سننے والوں پر خاموشی کے وجوب پر اجماع نقل کیا البتہ کچھ تابعین کا اختلاف ہے۔

تحیۃ المسجد اور نماز جمعہ

حضرت سلیک الغطفانی (بعض نسخوں میں ابوسلیک ہے) (مسجد میں) داخل ہوئے تو نبی اکرم ﷺ خطبہ دے رہے تھے نبی اکرم ﷺ نے پوچھا آپ نے نماز پڑھی ہے؟ انہوں نے عرض کیا نہیں آپ نے فرمایا اٹھو اور دو رکعتیں پڑھو۔ (الاصابہ ج ۳ ص ۱۲۲ رقم الترجمہ: ۳۴۲۳)

اس (حدیث) سے استدلال کیا گیا کہ خطبہ مسجد میں داخل ہونے والے کو تحیۃ المسجد سے نہیں روکتا۔

اس پر اعتراض کیا گیا کہ یہ ایک معین واقعہ ہے عام نہیں ہے لہٰذا یہ احتمال ہے کہ یہ حضرت سلیک سے خاص ہو۔

اور اس بات پر حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کی حدیث دلالت کرتی ہے جو سنن (سنن ابی داؤد وغیرہ) میں مذکور ہے کہ ایک شخص آیا اور نبی اکرم ﷺ خطبہ دے رہے تھے اور وہ شخص شکستہ حال تھا آپ نے اس سے پوچھا کیا تم نے نماز پڑھی؟ اس نے عرض کیا نہیں فرمایا دو رکعتیں پڑھو اور لوگوں کو صدقہ دینے کی ترغیب دی (آخر تک)۔

تو آپ نے اس شخص کو دو رکعتیں پڑھنے کا حکم دیا کہ لوگ اس کو کھڑے ہونے کی حالت میں دیکھ کر صدقہ دیں۔

ایک ایسی حدیث بھی آئی ہے جو اس واقعہ کے خاص ہونے پر دلالت کرتی ہے اور وہ حدیث ابن حبان نے نقل کی حدیث کے آخر میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے حضرت سلیک سے فرمایا: آئندہ اس طرح نہ کرنا۔

جن لوگوں نے اس حدیث سے اس حالت میں تحیۃ المسجد پر استدلال کو ضعیف قرار دیا ہے انہوں نے کہا کہ بیٹھ جانے کی وجہ سے تحیۃ المسجد کی نماز فوت ہو جاتی ہے۔

اس واقعہ سے تحیۃ کے جواز پر استدلال کے سلسلے میں طعن کرنے والوں نے یہ علت بیان کی ہے اور یہ سب باتیں قابلِ رد ہیں کیونکہ اصل بات عدم خصوصیت ہے اور یہ علت کہ نبی اکرم ﷺ نے صدقہ دینے کا ارادہ فرمایا: تحیۃ المسجد کے جواز کا قول کرنے کے خلاف نہیں کیونکہ منع کرنے والے صدقہ کی وجہ سے (تحیۃ المسجد کے) نفل پڑھنا جائز قرار نہیں دیتے۔

ابن منیر نے کہا اگر اس طرح کی گنجائش ہوتی تو طلوع آفتاب اور تمام مکروہ اوقات میں نفل پڑھنے کی گنجائش بھی ہوتی اور اس کا کوئی بھی قائل نہیں ہے۔

یہ بات کہ نبی اکرم ﷺ کا ان کو نماز کا حکم دینا صدقہ کے ساتھ خاص نہیں ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ دوسرے جمعہ پر آپ نے ان کو پھر نماز پڑھنے کا حکم دیا حالانکہ پہلے جمعہ پر ان کو دو کپڑے بطور صدقہ مل چکے تھے وہ دوسرے جمعہ کو ان کپڑوں کے ساتھ حاضر ہوئے اور ان میں سے ایک صدقہ کر دیا تو نبی اکرم ﷺ نے منع فرمادیا۔

امام نسائی اور ابن خزیمہ نے بھی حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کی حدیث سے اسے نقل کیا۔ امام احمد اور ابن حبان نے یوں نقل کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے تین جمعوں پر ان کو نماز پڑھنے کا حکم دیا۔

تو یہ اس بات پر دلالت ہے کہ ان کے لئے صدقہ کا حکم علت کا ایک حصہ ہے کامل علت نہیں ہے۔

اور جن حضرات نے کہا کہ بیٹھ جانے سے تحیۃ المسجد کی نماز فوت ہو جاتی ہے تو امام نووی رحمہ اللہ نے "شرح مسلم میں" محققین سے نقل کیا ہے کہ یہ اس شخص کے بارے میں ہے جو جان بوجھ کر قصداً بیٹھ جاتا ہے لیکن لاعلم اور بھولنے والے کا یہ حکم نہیں۔

اور داخل ہونے والے (حضرت سلیک) کی حالت کو پہلی مرتبہ ان دو باتوں میں سے ایک پر محمول کیا جائے گا اور دوسری دومرتبہ نسیان پر محمول کیا جائے گا (یعنی پہلی مرتبہ ان کو علم نہ تھا اور دوسری اور تیسری مرتبہ وہ بھول گئے تھے) اور جو لوگ خطبہ کے دوران تحیۃ المسجد پڑھنے سے منع کرتے ہیں ان کی مذکورہ تاویل کی وجہ یہ ہے کہ ان کے خیال میں اس عمل کا ظاہر نبی اکرم ﷺ کے اس حکم کے خلاف ہے جو آپ نے خاموش رہنے اور غور سے خطبہ دینے کے بارے میں فرمایا۔

ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے اس بات کا اور روکنے والے حضرات کے دیگر دلائل کا جواب دیا ہے جس کا ذکر طویل ہے پھر انہوں نے فرمایا:

یہ جوابات جن کا ذکر ہم نے پہلے کیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے ارشاد گرامی کے عموم کی وجہ سے مکمل طور پر ختم ہو جاتے ہیں۔ آپ کا ارشاد مبارک حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں اس طرح ہے:

اذا دخل احدکم المسجد فلا یجلس حتی یصلی رکعتین. جب تم میں سے کوئی ایک مسجد میں داخل ہو تو وہ اس وقت تک نہ بیٹھے جب تک دو رکعتیں نہ پڑھ لے۔

وہ فرماتے ہیں: اس سے بھی خاص حدیث خطبہ کے سلسلے میں آئی ہے۔

حضرت شعبہ حضرت عمرو بن دینار سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں: میں نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے سنا وہ فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

اذا جاء احدکم والامام یخطب او قد خرج فلیصل رکعتین. جب تم میں سے کوئی آئے اور امام خطبہ دے رہا ہو یا خطبہ کے لئے نکل چکا ہو تو وہ دو رکعتیں پڑھے۔

امام مسلم رحمہ اللہ نے ابوسفیان کے طریق سے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا کہ انہوں نے حضرت سلیک کے واقعہ میں ان الفاظ کے بعد "فارکعھما وتجوز" (یہ دونوں رکعتیں جلدی پڑھو) فرمایا:

اذا جاء احدکم یوم الجمعۃ والامام یخطب فلیرکع رکعتین ولیتجوز فیھما. جب تم میں سے کوئی ایک جمعہ کے دن آئے اور امام خطبہ دے رہا ہو تو وہ دو رکعتیں پڑھے اور ان میں اختصار کرے۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ واضح الفاظ ہیں جن میں تاویل کا دخل نہیں اور میں کسی عالم کے بارے میں یہ خیال نہیں کرتا کہ اس تک یہ الفاظ پہنچیں اور وہ ان کو صحیح سمجھتے ہوئے مخالفت کرے۔

عارف ابومحمد بن ابوجمرہ نے فرمایا امام مسلم نے جو یہ حدیث روایت کی ہے تو یہ اس سلسلے میں نص ہے اس تاویل کا احتمال نہیں۔

ایک جماعت کہتی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ان کو جمعہ کی پہلی سنتیں پڑھنے کا حکم دیا تھا اور ان کی دلیل حضرت سلیک کے واقعہ میں نبی اکرم ﷺ کا وہ ارشاد جس کو ابن ماجہ نے روایت کیا کہ آپ نے فرمایا:

اصلیت رکعتین قبل ان تجیء. کیا آپ نے آنے سے پہلے دو رکعتیں پڑھ لی ہیں؟

کیوں کہ اس سے ظاہری طور پر گھر سے آنے سے پہلے پڑھنا مراد ہے اسی لئے امام اوزاعی رحمہ اللہ نے فرمایا اگر (مسجد

میں) آنے سے پہلے گھر میں پڑھ لے تو مسجد میں داخل ہونے کے بعد نہ پڑھے۔

اس پر اعتراض کیا گیا کہ تحیۃ المسجد سے ممانعت حالت خطبہ میں کسی قسم کے نفل پڑھنے کی اجازت نہیں دیتی اور یہ بھی احتمال ہے کہ "آنے سے پہلے" کے الفاظ سے مراد یہ ہو کہ اس جگہ آنے سے پہلے جہاں آپ اس وقت موجود ہیں اور سوال کا مقصد اس بات کا احتمال ہے کہ انہوں نے مسجد کے پچھلے حصے میں دو رکعتیں پڑھی ہوں اور پھر خطبہ سننے کے لئے آگے آئے ہوں اور اس کی تائید "صحیح مسلم کی" اس روایت سے ہوتی ہے جس میں فرمایا:

اصلیت الرکعتین. کیا آپ دو رکعتیں پڑھ چکے ہیں؟

یہاں الرکعتین الف لام کے ساتھ ہے اور وہ الف لام عہد کے لئے ہے اور یہاں تحیۃ المسجد سے زیادہ قریب معہود نماز نہیں (جس کی طرف اشارہ کیا ہو)۔

جہاں تک جمعہ سے پہلے کی سنتوں کا تعلق ہے تو اس میں کلام ان شاء اللہ آگے آئے گا۔

خطبہ' نماز اور قرأت کی مقدار

نبی اکرم ﷺ کی نماز جمعہ اعتدال پر ہوتی اور خطبہ بھی اعتدال پر مبنی ہوتا' یہ حدیث امام مسلم اور امام ترمذی نے حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔ ابوداؤد کی روایت میں ہے۔ آپ قرآن پاک کی چند آیات پڑھتے اور لوگوں کو وعظ کرتے۔

ان ہی کی دوسری روایت میں ہے کہ آپ جمعہ کے دن لمبا وعظ نہیں فرماتے تھے وہ چند کلمات ہوتے تھے۔

حضرت عمرو بن حریث سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے خطبہ دیا تو آپ پر سیاہ عمامہ تھا آپ نے اس کا کنارہ دونوں کاندھوں کے درمیان ڈال رکھا تھا۔

ابن قیم نے "الہدی النبوی میں" کہا ہے کہ جب لوگ جمع ہو جاتے تو نبی اکرم ﷺ یوں تشریف لاتے کہ آپ کے آگے چیخ و پکار کرنے والے نہ ہوتے اور کسی تکبر کے بغیر تشریف لاتے نہ چادر ڈالی ہوتی نہ دستار کا کنارہ لٹکا ہوتا اور نہ سیاہ عمامہ ہوتا۔

جب مسجد میں داخل ہوتے تو ان (حاضرین) کو سلام کہتے پھر منبر پر تشریف فرما ہوتے تو لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر ان کو سلام کہتے پھر بیٹھ جاتے اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ اذان شروع کر دیتے جب وہ فارغ ہوتے تو نبی اکرم ﷺ کھڑے ہوتے اور خطبہ ارشاد فرماتے' اذان اور خطبہ کے درمیان کسی خبر وغیرہ کا کوئی وقفہ نہ ہوتا آپ اپنے ہاتھ میں تلوار یا اور کوئی چیز بھی نہ پکڑتے بلکہ کمان یا عصا پر ٹیک لگاتے اور یہ طریقہ منبر بننے سے پہلے کا تھا' لوگوں کو قریب ہونے اور خاموش رہنے کا حکم فرماتے تھے۔

ابن قیم کا یہ قول کہ آپ اپنے ہاتھ میں تلوار یا کوئی اور چیز نہ رکھتے بلکہ کمان یا عصا پر ٹیک لگاتے اور یہ منبر بننے سے پہلے کی بات ہے (ابن قیم کا یہ قول) محل نظر ہے۔[1]

---

[1] جبکہ پہلے گزر چکا ہے کہ آپ کمان یا عصا پر ٹیک لگا کر خطبہ دیتے تھے "سنن ابی داؤد میں ہے کہ" آپ خطبہ دیتے وقت عصا مبارک پکڑے ہوتے اور اسی پر ٹیک لگاتے اور اس وقت آپ منبر پر ہوتے۔

نبی اکرم ﷺ پہلی رکعت میں سورۂ جمعہ اور دوسری رکعت میں ''اذا جاءک المنافقون'' پڑھتے سورۂ جمعہ کی تلاوت میں حکمت یہ تھی کہ یہ سورت جمعہ کے وجوب اور دیگر باتوں پر مشتمل ہے اس میں ضوابط وقواعد نیز توکل اور ذکر وغیرہ کی ترغیب دی گئی ہے اور سورۂ منافقین کی تلاوت کا مقصد ان منافقین میں سے حاضرین کو جھڑک اور توبہ پر تنبیہ اور دیگر قواعد سے آگاہی تھا کیونکہ وہ لوگ جس قدر جمعہ کے اجتماع میں جمع ہوتے تھے دوسرے اجتماعات میں اس قدر جمع نہ ہوتے۔

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں جسے امام مسلم نے روایت کیا ہے یوں آیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ عید کی نمازوں اور جمعہ کی نماز میں ''سبح اسم ربک الاعلی'' اور ''ھل اتاک حدیث الغاشیة'' کی تلاوت فرماتے تھے۔

کتنی تعداد کے ساتھ جمعہ منعقد ہوتا ہے؟

جتنی تعداد کے ساتھ جمعہ کا انعقاد ہوتا ہے اس میں اختلاف ہے اور اس سلسلے میں علماء کرام کے پندرہ اقوال ہیں:

(۱) ایک آدمی سے بھی منعقد ہو جاتا ہے یہ بات ابن حزم نے نقل کی ہے۔
(۲) جماعت کی طرح دو آدمی ہوں یہ امام نخعی اور اہل ظاہر کا قول ہے۔
(۳) امام کے علاوہ دو آدمی ہونے چاہئیں یہ امام ابو یوسف امام محمد اور حضرت لیث کا قول ہے۔
(۴) امام کے ساتھ تین آدمی ہوں یہ امام ابوحنیفہ اور حضرت سفیان ثوری رحمہما اللہ کا مسلک ہے۔
(۵) سات آدمی ہوں یہ حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک ہے۔
(۶) حضرت ربیعہ کے نزدیک نو افراد ہوں۔
(۷) حضرت ربیعہ سے ہی ایک روایت میں بارہ افراد کا قول منقول ہے۔
(۸) اسحاق کے نزدیک بھی امام کے علاوہ بارہ افراد ہوں۔
(۹) ابن حبیب نے حضرت مالک سے بیس افراد کا قول نقل کیا ہے۔
(۱۰) تیس افراد ہوں۔ یہ بھی ابن حبیب کی مالک سے روایت ہے۔
(۱۱) امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک امام کے ساتھ چالیس آدمی ہونے چاہئیں اور انہوں نے یہ شرط رکھی ہے کہ وہ آزاد بالغ عقل مند اور مقیم ہوں سردیوں گرمیوں میں سفر پر نہ ہوں ہاں حاجت کے لئے جانا مستثنیٰ ہے اور یہ کہ خطبہ کے آغاز نماز جمعہ قائم ہونے تک حاضر رہیں۔

امام شافعی رحمہ اللہ کی دلیل وہ حدیث ہے جسے امام دار قطنی اور ابن ماجہ نے نیز امام بیہقی نے ''دلائل النبوۃ'' میں حضرت عبدالرحمن بن کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں جب حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی بینائی چلی گئی تو میں ان کو لے جاتا تھا جب میں ان کو لے کر جمعہ کی طرف جاتا اور وہ اذان سنتے تو حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ کے لئے رحمت کی دعا مانگتے اور ان کے لئے بخشش طلب کرتے فرماتے ہیں وہ ایک عرصہ تک اسی طرح رہے جب بھی جمعہ کی اذان سنتے یہی کلمات کہتے میں نے عرض کیا اے ابا جان! آپ جب بھی جمعہ کی اذان سنتے ہیں ابوامامہ کے

لئے مغفرت کی دعا کرتے ہیں اس کی کیا وجہ ہے؟ فرمایا اے بیٹے! یہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے مدینہ طیبہ میں لوگوں کو جمعہ پڑھایا میں نے پوچھا اس وقت آپ کتنے لوگ تھے؟ فرمایا چالیس مرد تھے۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: یہی طریقہ جاری ہے کہ ہر تین میں ایک امام ہوتا ہے اور ہر چالیس یا زیادہ سے جمعہ ہوتا ہے۔

امام بیہقی رحمہ اللہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے مدینہ طیبہ میں جمعہ قائم کیا تو چالیس افراد شریک تھے۔

شیخ الاسلام زکریا انصاری رحمہ اللہ تعالیٰ ان کے وجود سے نفع عطا فرمائے انہوں نے ''المجموع میں'' فرمایا:

''ہمارے اصحاب نے فرمایا امت کا تعداد کی شرط پر جمع ہونا وجہ دلالت ہے اور اصل ظہر ہے پس جمعہ اسی تعداد کے ساتھ صحیح ہے جو توقیفانہ ثابت ہے (یعنی اجتہاد کے بغیر محض حضور ﷺ کے بتانے ''سے ثابت ہے)۔

اور اس کا جواز چالیس کے ساتھ ثابت ہے اور یہ بھی ثابت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: اس طرح نماز پڑھو جس طرح مجھے پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو' اور آپ کی نماز اس تعداد سے کم کے ساتھ ثابت نہیں اس سے کم کے ساتھ جائز نہ ہو گی۔

وہ فرماتے ہیں: جہاں تک نمازیوں کے جانے کی خبر کہ صرف بارہ باقی رہ گئے تو اس میں یہ نہیں کہ شروع میں بارہ تھے بلکہ یہ بھی احتمال ہے کہ وہ واپس آگئے ہوں یا ان کے علاوہ آئے ہوں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ انہوں (چھوڑ جانے والوں) نے خطبہ سنا ہو۔

''صحیح مسلم'' میں ہے ''انفضوا فی الخطبة وہ خطبہ میں چھوڑ کر چلے گئے''۔ ''صحیح بخاری کی'' ایک روایت میں ہے ''انفضوا فی الصلوة وہ نماز میں چھوڑ کر چلے گئے''۔

یہ روایت خطبہ پر محمول ہے تاکہ تمام روایات میں تطبیق ہو۔

(۱۲) امام شافعی رحمہ اللہ سے ہی منقول ہے کہ امام کے علاوہ چالیس افراد ہوں حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ اور ایک جماعت کا یہی قول ہے۔

(۱۳) امام احمد رحمہ اللہ سے ایک روایت میں پچاس کا قول منقول ہے اور یہی بات حضرت عمر بن عبدالعزیز اور ایک گروہ سے بھی نقل کی گئی ہے۔

(۱۴) اسی (۸۰) افراد ہونے چاہئیں یہ بات امام رازی نے بیان کی ہے۔

(۱۵) تعداد متعین نہیں البتہ بہت بڑی جماعت ہونی چاہیے۔

شاید اس آخری قول کو دلیل کے اعتبار سے سب سے زیادہ ترجیح ہو۔ (یہ فتح الباری میں فرمایا)۔

تیسرا باب

نبی اکرم ﷺ کی نماز تہجد کا بیان

آیتِ کریمہ کی تفسیر

ارشادِ خداوندی ہے:

وَمِنَ اللَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهِ نَافِلَةً لَّكَ. اور رات کے کچھ حصے میں اس (قرآن مجید) کے ساتھ تہجد پڑھیں یہ خاص آپ کے لئے زائد ہے۔ (الاسراء:79)

"بہ" یعنی قرآن کے ساتھ' اس سے مراد نماز ہے' جس میں قرآن مجید کی قرأت بھی ہوتی ہے۔

"الھجود" لغت میں نیند کو کہتے ہیں۔ ابوعبیدہ سے منقول ہے کہ ھاجد' سونے والے شخص کو اور رات کے وقت نماز پڑھنے والے کو کہا جاتا ہے۔

ازہری سے منقول ہے کہ الھاجد' سونے والے کو کہتے ہیں۔ مازری [1] نے کہا سونے کے بعد کی نماز کو تہجد کہا جاتا ہے پھر ایک اور نماز جو سونے کے بعد ہے پھر سونے کے بعد مزید نماز پھر سونے کے بعد مزید نماز' وہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کی نماز اسی طرح تھی۔ [2]

"نافلۃ لک" کا مطلب یہ ہے کہ یہ عبادت' فرائض سے زائد (واجب) ہے اس قول کی تائید اللہ تعالیٰ کے ارشاد "فتھجد" سے بھی ہوتی ہے کیوں کہ یہ امر کا صیغہ ہے اور امر کا صیغہ وجوب کے لئے آتا ہے پس اس تہجد نماز کا واجب ہونا ضروری ہوا۔

طبرانی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ یہ نافلہ (نماز تہجد) خاص نبی اکرم ﷺ کے لیے ہے کیونکہ آپ کو قیام لیل کا حکم دیا گیا پس آپ پر فرض کی گئی' امت پر فرض نہیں ہوئی۔ اس حدیث کی سند ضعیف ہے۔

کہا گیا ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ خاص آپ کے لئے زائد ہے کیونکہ دوسروں کی نفلی نماز ان کے گناہوں کا کفارہ بنتی ہے اور نبی اکرم ﷺ کے نوافل خالص آپ کے لئے ہیں کیونکہ آپ پر کوئی گناہ نہیں پس نبی اکرم ﷺ فرض عبادت کے علاوہ جو عبادت بھی کرتے وہ آپ کے درجات کو بڑھانے اور آپ کی نیکیوں کے اضافہ کا باعث ہوتی اسی لئے اس کو نافلہ کہا گیا جب کہ امت کا یہ معاملہ نہیں ہے کیونکہ وہ اپنے گناہوں کی وجہ سے کفاروں کے محتاج ہوتے ہیں۔

پس ان عبادات کے لئے وہ گناہوں کے کفارہ اور نیکیوں کے حصول کے سلسلے میں محتاج ہیں۔

امام مسلم نے حضرت سعد بن ہشام کے طریق سے روایت کیا وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں آپ فرماتی ہیں: اس سورت یعنی "یا ایھا المزمل" کے ذریعے قیام لیل فرض کیا گیا تو نبی اکرم ﷺ کھڑے ہوئے اور

---

[1] شرح زرقانی میں مازری کی بجائے مازنی (ابوعثمان) ہے۔

[2] مطلب یہ کہ حضور ﷺ آرام فرماتے پھر نماز پڑھتے پھر آرام فرماتے پھر نماز پڑھتے اور پھر آرام فرما ہونے کے بعد نماز پڑھتے تھے۔

آپ کے صحابہ کرام آپ کے گرد تھے حتیٰ کہ اس سورت کے آخر میں تخفیف کا حکم نازل ہوا تو قیام میں فرض ہونے کے بعد نفلی نماز ہوگئی۔

حضرت محمد بن نصر نے قیام لیل کے سلسلے میں حضرت سماک کے طریقے سے روایت کیا وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے حدیث روایت کرتے ہیں جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کی شاہد ہے کہ (تہجد کو) فرض قرار دینے اور اس (حکم) کو منسوخ کرنے کے درمیان ایک سال کا وقفہ ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ نے بعض اہل علم سے روایت کیا کہ سورت کے آخر میں قیام لیل کی فرضیت کا نسخ ہے۔ مگر جو اس میں سے آسان ہو پھر پانچ نمازوں کے ذریعے یہ حکم بھی منسوخ ہوگیا (اب تہجد کی نماز محض نفل ہے)۔

حضرت محمد بن نصر' حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث سے روایت کرتے ہیں کہ قیام لیل کا نسخ اس وقت ہوا جب صحابہ کرام حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ''جیش الخبط'' میں گئے اور یہ ہجرت کے بعد کی بات ہے۔ لیکن اس حدیث کی سند میں علی بن زید بن جدعان ہیں جو ضعیف ہیں۔

پس قیام لیل کا وجوب ہمارے حق میں منسوخ ہوگیا اور کیا نبی اکرم ﷺ کے حق میں بھی منسوخ ہوا؟ اکثر اصحاب کے نزدیک منسوخ نہیں ہوا صحیح یہ ہے کہ ہاں (منسوخ ہوا) یہ بات شیخ ابوحامد نے (امام شافعی کی) نص یعنی واضح الفاظ سے نقل کی ہے۔

نبی اکرم ﷺ کا نماز تہجد میں مسلسل کھڑا رہنا

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کھڑے ہوئے حتیٰ کہ آپ کے مبارک قدم پھول گئے۔ ایک روایت میں ہے کہ پاؤں مبارک پھٹ گئے' میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ اس طرح کیوں کرتے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے سبب سے آپ کے اگلوں پچھلوں کے گناہ بخش دیئے ہیں؟ آپ نے فرمایا: ''افلا اکون عبدا شکورا کیا میں شکرگزار بندہ نہ بنوں؟''

ام المؤمنین فرماتی ہیں: جب آپ کا جسم بھاری ہوگیا اور چربی کی کثرت ہوگئی تو آپ بیٹھ کر نماز ادا فرماتے جب رکوع کرنے کا ارادہ ہوتا تو کھڑے ہوجاتے' قرأت کرتے پھر رکوع فرماتے۔

''افلا اکون'' میں فاء سببیت کا ہے اور محذوف عبادت سے ہے تقدیر عبارت یوں ہے ''ااترک تھجدی فلا اکون عبدا شکورا کیا میں تہجد چھوڑ دوں اس طرح تو میں شکرگزار بندہ نہیں ہوں گا''۔ معنی یہ ہے کہ مغفرت' تہجد کے شکر ہونے کا سبب ہے پس میں اس کو کیسے چھوڑوں؟

ابن بطال نے کہا اس حدیث سے ثابت ہوا کہ انسان عبادت میں اپنے آپ کو سختی میں ڈال سکتا ہے اگرچہ اس سے بدن کو ضرر پہنچے کیونکہ جب نبی اکرم ﷺ نے اس بات کو جاننے کے باوجود (مغفرت کے علم کے باوجود) یہ طریقہ اختیار کیا تو جس کو علم نہیں اس کا کیا حال ہوگا چہ جائے کہ وہ شخص جو مستحق جہنم ہونے سے بے خوف نہ ہو۔

اس (شدت) کا محل جیسا کہ حافظ ابن حجر نے ''فتح الباری میں'' فرمایا' یہ ہے کہ جب تک یہ ملال تک نہ پہنچائے (یعنی آدمی اکتا نہ جائے) کیونکہ نبی اکرم ﷺ کا حال تمام احوال سے زیادہ کامل تھا اور آپ اپنے رب کی عبادت سے

تھکتے نہیں تھے اگر چہ اس کی وجہ سے بدن کو تکلیف پہنچے بلکہ صحیح حدیث سے ثابت ہے آپ نے فرمایا:

وجعلت قرة عینی فی الصلوة. اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں رکھی گئی ہے۔

جیسا کہ امام نسائی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے:

لیکن آپ کے علاوہ لوگوں میں سے کسی کو اکتا جانے کا خوف ہو تو اسے مناسب نہیں کہ وہ اپنے نفس کو مشقت میں ڈالے اور نبی اکرم ﷺ کے اس ارشاد گرامی کو اسی بات پر محمول کیا گیا ہے:

خذوا من الاعمال ما تطیقون فان اللہ لا یمل حتی تملوا. اس قدر اعمال اختیار کرو جن کی طاقت رکھتے ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ نہیں تھکتا البتہ تم تھک جاؤ گے۔

لیکن بعض اوقات نفس یا شیطان اس شخص کے ساتھ سازش کرتا ہے جو عبادت میں اس قدر کوشش کرتا ہے جس کا (ابھی ذکر ہوا) خصوصاً جب وہ بڑھاپے کو پہنچ جاتا ہے تو وہ (نفس یا شیطان) کہتا ہے تو کمزور اور بوڑھا ہو چکا ہے تو اپنے نفس پر رحم کھا تا کہ تیرا عمل مکمل طور پر ختم ہو نہ جائے اگر چہ اس بات کا ظاہر خوبصورت ہے لیکن اس میں سازشیں اور ہلاکتیں ہیں کیونکہ اگر وہ اس کی بات مانتا ہے تو بعض اوقات وہ آہستہ آہستہ اس کو عمل کے چھوڑنے کی طرف لے جاتا ہے یہاں تک کہ وہ عمل کا سلسلہ کلی طور پر منقطع ہو جاتا ہے اور نبی اکرم ﷺ جن کی خلاف اولیٰ بات بھی معاف کی گئی تھیں آپ نے بڑھاپے کے بعد بھی اپنے عمل میں سے کچھ نہیں چھوڑا۔

ہاں ایسا ہوا کہ پہلے آپ کھڑے ہو کر نماز پڑھتے حتیٰ کہ آپ کے پاؤں مبارک پھول جاتے اس کے بعد نفلی نمازیں بیٹھ کر پڑھتے تھے پس جس شخص کی پیٹھ کو گناہوں اور بوجھوں نے بھاری کر دیا ہو اور جہنم سے بے خوف نہ ہو وہ بڑھاپے کی حالت میں کس طرح بے خوف ہو سکتا ہے اور وہ کیسے بڑھاپا ظاہر ہونے کے بعد سستی کر سکتا ہے؟ پس انسان کو چاہیے کہ وہ بڑھاپا آنے سے پہلے تیاری کرے۔

(حدیث شریف میں ہے:)

''پانچ چیزوں کو پانچ سے پہلے غنیمت جانو جوانی کو بڑھاپے سے پہلے کیونکہ جو شخص جوان ہوا اس کے سیاہ بالوں کی رات صبح کی شکل میں روشن ہونے لگی۔ اور جو شخص صبح تک پہنچنے والا ہے اس کو ڈراتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اِنَّ مَوْعِدَهُمُ الصُّبْحُ اَلَيْسَ الصُّبْحُ بِقَرِيْبٍ ○ (ھود:81) بے شک ان کا وقت عہد صبح ہے کیا صبح قریب نہیں؟

تو جو شخص صبح میں داخل ہو گیا اور اس کے دن کا ستارہ اس کے سر کے افق میں ظاہر ہو کر چمکنے لگا اس کے قرب کا کیا حال ہو گا۔

قرطبی نے کہا جس شخص نے نبی اکرم ﷺ سے عبادت میں مشقت اٹھانے کا سبب دریافت کیا تھا اس نے خیال کیا کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت گناہوں کے خوف اور مغفرت و رحمت طلب کرنے کے لئے کی جاتی ہے پس جس شخص کے لئے ثابت ہے کہ اس کی بخشش ہو چکی ہے وہ اس کا محتاج نہیں ہے تو آپ نے ان کو بتایا کہ یہاں عبادت کی ایک اور وجہ بھی ہے اور وہ مغفرت پر اور نعمت کو اس تک پہنچانے پر شکر ادا کرنا ہے جو اس میں سے کسی چیز کا مستحق نہیں ہے پس اس پر کثرت شکر کا تعین ہو گیا اور شکر نعمت کا اعتراف کرنا اور عبادت کے لئے کھڑا ہونے کا نام ہے پس جو شخص اس میں کثرت اختیار کرے

اسے "شکور" کہا جاتا ہے اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَقَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ ○ (سباء:۱۳) اور میرے بندوں میں زیادہ شکر کرنے والے کم ہیں۔

اس سلسلے میں ایک بات یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ عبادت اور خشیتِ خداوندی میں جو کوشش کرتے تھے تو علماء کرام فرماتے ہیں انبیاء کرام خود اپنے نفسوں پر شدتِ خوف کو لازم کرتے تھے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ ان پر اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا انعام ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان کو استحقاق سے پہلے خود یہ انعام عطا فرمایا پس انہوں نے اللہ تعالیٰ کی عبادت میں پوری کوشش کی تاکہ کچھ نہ کچھ شکر ادا کریں جب کہ اللہ تعالیٰ کے حقوق بہت زیادہ ہیں' بندہ ان کو ادا نہیں کر سکتا۔

نبی اکرم ﷺ کی رات کی نماز

حضرت شریح بن ہانی فرماتے ہیں: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ نبی اکرم ﷺ جب بھی عشاء کی نماز پڑھنے کے بعد میرے گھر تشریف لاتے تو چار یا چھ رکعات پڑھتے۔

نبی اکرم ﷺ جب مرغ کی آواز سنتے تو کھڑے ہو جاتے۔ (لسان العرب ج ۷ ص ۳۱۸' صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۳۶۱' السنن الکبریٰ ج ۳ ص ۱۷' اتحاف السادۃ المتقین ج ۵ ص ۲۰۳' المغنی ج ۱ ص ۳۶۶' کنز العمال رقم الحدیث: ۱۷۹۹۳)

یہ بات حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ سے حضرت امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ نے روایت کی ہے اور اس سے (رات کے) نصف ثانی کی وضاحت ہوتی ہے۔

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ رات کے پہلے حصے میں آرام فرما ہوتے اور آخری حصے میں اٹھ کھڑے ہوتے پس نماز پڑھ کر بستر پر تشریف لے جاتے جب مؤذن اذان کہتا تو جلدی جلدی اٹھتے اگر ضرورت ہوتی تو غسل فرماتے ورنہ وضو فرما کر تشریف لے جاتے۔

آپ یہ بھی فرماتی ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کبھی رات کے پہلے حصے میں غسل فرماتے اور کبھی رات کے آخری حصے میں اور بعض اوقات رات کے پہلے حصے میں وتر پڑھتے اور کبھی رات کے آخری حصے میں پڑھتے کبھی بلند آواز سے قرأت کرتے اور کبھی آہستہ آواز سے (قرأت کرتے)۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ ہمیں نماز پڑھاتے پھر اتنا وقت آرام فرماتے جتنا وقت نماز پڑھی پھر اس قدر نماز پڑھتے جس قدر آرام فرما ہوتے پھر اس نماز کی مقدار آرام فرماتے حتیٰ کہ صبح ہو جاتی۔

"سنن نسائی کی ایک روایت میں ہے کہ" نبی کریم ﷺ عشاء کی نماز پڑھاتے پھر تسبیح پڑھتے پھر اس کے بعد رات میں جس قدر چاہتے نماز پڑھتے پھر واپس تشریف لا کر اتنا وقت آرام فرماتے جتنا وقت نماز پڑھتے پھر نیند سے بیدار ہوتے اور جس قدر آرام فرماتے اس قدر نماز پڑھتے اور آپ کی یہ آخری نماز صبح تک ہوتی تھی۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' فرماتے ہیں: ہم رات کے وقت جب بھی حضور ﷺ کو نماز میں دیکھنا چاہتے تو آپ کو (اسی حالت میں) دیکھتے اور جب بھی آرام فرما دیکھنا چاہتے اسی طرح دیکھتے۔

نبی اکرم ﷺ رات کے وقت جب بیدار ہوتے تو یہ کلمات پڑھتے:

لَآ اِلٰـهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحَانَكَ اَللّٰهُمَّ تیرے سوا کوئی معبود نہیں میں تیری پاکیزگی بیان کرتا

وَبِحَمْدِكَ اَسْتَغْفِرُكَ لِذَنْبِيْ وَاَسْاَلُكَ رَحْمَتَكَ اَللّٰهُمَّ زِدْنِيْ عِلْمًا وَّلَا تُزِغْ قَلْبِيْ اِذْ هَدَيْتَنِيْ وَهَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ.

ہوں اے اللہ! اور تیری تعریف کرتا ہوں تجھ سے اپنی لغزشوں کی بخشش طلب کرتا ہوں اور تجھ سے تیری رحمت کا سوال کرتا ہوں یا اللہ! میرے علم میں اضافہ فرما اور میرے دل کو ٹیڑھا نہ کرنا اس کے بعد کہ تو نے مجھے ہدایت دی اور مجھے اپنی طرف سے رحمت عطا فرما بے شک تو ہی بہت زیادہ عطا کرنے والا ہے۔

یہ حدیث امام ابوداؤد نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت (کرتے ہوئے نقل) کی ہے۔

ام المؤمنین ہی سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ جب رات کو بیدار ہوتے تو دس مرتبہ اللہ اکبر اور دس مرتبہ الحمد للہ پڑھتے' دس مرتبہ سبحان اللہ وبحمدہٖ دس مرتبہ سبحان الملک القدوس پڑھتے' دس مرتبہ استغفر اللہ اور دس مرتبہ لا الہ الا اللہ پڑھتے پھر یوں دعا مانگتے:

اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُبِكَ مِنْ ضِيْقِ الدُّنْيَا وَضِيْقِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ.

یا اللہ! میں دنیا کی تنگی اور یوم قیامت کی تنگی سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔

پھر نماز شروع فرماتے۔

نبی اکرم ﷺ کے قیام لیل اور آپ کی وتر نماز سے متعلق حدیث' حضرت عائشہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔

ابن قیم نے کہا کہ جب نبی اکرم ﷺ کے قیام لیل کے سلسلے میں کسی بات میں حضرت ابن عباس اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم کے درمیان اختلاف ہو جائے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے قول کو ترجیح ہوگی کیونکہ آپ کے قیام لیل کے سلسلے میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سب سے زیادہ علم رکھتی ہیں۔

حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث کو امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ نے ان الفاظ میں نقل کیا ہے' فرماتے ہیں: میں نے اپنی خالہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے ہاں رات گزاری اور نبی اکرم ﷺ بھی ان کے پاس تھے' نبی اکرم ﷺ کچھ دیر گھر والوں سے گفتگو کرتے رہے پھر آرام فرما ہوئے جب رات کا تیسرا تہائی یا نصف رات ہوئی تو آپ بیٹھ گئے اور آسمان کی طرف دیکھنے لگے آپ نے یہ آیت کریمہ پڑھی:

اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ.

بے شک آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنے اور رات اور دن کو بدلنے میں عقل مند لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں۔

(آل عمران: ۱۹۰)

پھر آپ مشکیزے کی طرف کھڑے ہوئے اور اس کی رسی کھولی (لسان العرب ج ۷ ص ۲۱۵) پھر بڑے پیالے (ٹب) میں پانی ڈالا پھر آپ نے نہایت اچھی طرح وضو کیا جو دو (قسم کے) وضوؤں کے درمیان تھا جس میں زیادہ پانی

بھی استعمال نہ کیا اور تمام اعضاء تک بھی پہنچایا پھر آپ نے کھڑے ہو کر نماز پڑھی میں کھڑا ہوا اور وضو کر کے آپ کی بائیں جانب کھڑا ہو گیا آپ نے میرا کان پکڑ کے مجھے اپنی دائیں جانب پھیر دیا (اس طرح) آپ کی نماز تیرہ رکعتیں (دو تحیۃ الوضو آٹھ تہجد کے نوافل اور تین وتر) پوری ہو گئیں۔ پھر آپ سیدھے لیٹ گئے اور آرام فرما ہوئے حتیٰ کہ سانس کی آواز آنے لگی اور آپ جب بھی آرام فرما ہوتے تو سانس کی آواز آتی تھی۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے آپ کو اطلاع دی تو آپ نے نماز پڑھی اور وضو نہ کیا (کیونکہ آپ کی آنکھیں سوتی تھیں دل جاگتا تھا) اور نبی اکرم ﷺ اپنی دعا میں یہ کلمات پڑھتے تھے:

اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ فِیْ قَلْبِیْ نُوْرًا وَّفِیْ بَصَرِیْ نُوْرًا وَّفِیْ سَمْعِیْ نُوْرًا وَّعَنْ یَّمِیْنِیْ نُوْرًا وَّعَنْ یَّسَارِیْ نُوْرًا وَّفَوْقِیْ نُوْرًا وَّتَحْتِیْ نُوْرًا وَّاَمَامِیْ نُوْرًا وَّخَلْفِیْ نُوْرًا وَّاجْعَلْنِیْ نُوْرًا.

یا اللہ! میرے دل میں نور ڈال دے میری آنکھوں میں نور میرے کانوں میں نور پیدا فرما دے میرے دائیں جانب نور میری بائیں طرف نور میرے اوپر نور اور میرے نیچے نور اور میرے آگے نور اور میرے پیچھے نور کر دے اور مجھے (سراپا نور بنا دے)۔

بعض نے یہ اضافہ کیا:

وَفِیْ لِسَانِیْ نُوْرًا.

اور میری زبان کو نور بنا دے۔

اور یہ بھی ذکر کیا:

عَصَبِیْ وَلَحْمِیْ وَدَمِیْ وَشَعْرِیْ وَبَشَرِیْ.

میرے پٹھوں میرے گوشت میرے خون میرے بالوں اور میرے ظاہری جسم کو نور بنا دے۔

ایک روایت میں ہے (حضرت ابن عباس فرماتے ہیں:) کہ آپ نے دو ہلکی پھلکی رکعتیں ادا کیں آپ نے ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ پڑھی پھر سلام پھیرا پھر وتروں سمیت گیارہ رکعات پڑھیں اس کے بعد آرام فرما ہوئے حضرت بلال رضی اللہ عنہ حاضر ہوئے اور عرض کیا: "الصلوۃ یا رسول اللہ۔ یا رسول اللہ! نماز کا وقت ہو گیا"۔

پس آپ کھڑے ہوئے اور دو رکعتیں ادا فرمائیں (یعنی سنتیں پڑھیں) پھر صحابہ کرام کو نماز پڑھائی۔

ایک روایت میں ہے کہ آپ نے کھڑے ہو کر تیرہ رکعات پڑھیں ان میں سے دو فجر کی (سنتیں تھیں) میں نے ہر رکعت میں آپ کے قیام کا اندازہ سورۂ مزمل کی مقدار لگایا۔

ایک روایت میں ہے آپ نے دو دو رکعتیں پڑھیں حتیٰ کہ آٹھ رکعات ادا کیں پھر پانچ رکعات کے ساتھ طاق نماز پڑھی ان میں آپ تشریف فرما نہیں ہوئے۔[1]

نسائی کی ایک روایت میں ہے کہ آپ نے وتر نماز سمیت گیارہ رکعات پڑھیں پھر آرام فرما ہوئے حتیٰ کہ طبیعت مبارک بوجھل ہو گئی تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ حاضر ہوئے۔

---

[1] ابن خزیمہ کے نزدیک اس طرح ہے کہ آپ دو دو رکعتوں پر سلام پھیرتے تھے گویا وتر نماز میں تین رکعتوں پر اور باقی نماز میں دو دو رکعتوں پر سلام پھیرا اور یہی بات واضح ہے کیونکہ وتر اور نفل الگ الگ پڑھے جاتے ہیں واللہ اعلم بالصواب۔ ۱۲ ہزاروی

ان ہی کی ایک روایت میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے وضو کیا اور مسواک کی اور آپ یہ آیت ''ان فی خلق السمٰوت والارض '' پڑھ رہے تھے۔ حتیٰ کہ فارغ ہوئے تو دو رکعتیں پڑھیں پھر واپس لوٹ کر آرام فرما ہوئے حتیٰ کہ میں نے آپ کی سانس کی آواز سنی پھر کھڑے ہوئے وضو کیا اور مسواک کی پھر دو رکعتیں پڑھیں پھر آرام فرما ہوئے پھر کھڑے ہوئے وضو کیا' مسواک کی اور دو رکعتیں پڑھیں اور تین رکعت وتر پڑھے (یا تین رکعت پڑھ کر تمام نماز کو طاق بنا دیا)۔

''صحیح مسلم میں ہے کہ'' نبی اکرم ﷺ بیدار ہوئے پس آپ نے مسواک کی اور وضو فرمایا اور آپ یہ آیت پڑھ رہے تھے ''ان فی خلق السموات والارض '' حتیٰ کہ سورت کے آخر تک پڑھا پھر کھڑے ہو کر دو رکعتیں پڑھیں جن میں طویل قیام' رکوع اور سجدہ کیا۔

پھر واپس تشریف لائے اور آرام فرما ہوئے حتیٰ کہ سانس کی آواز آنے لگی پھر یہ کام تین مرتبہ چھ رکعات کے ساتھ کیا (ہر مرتبہ دو دو رکعت پڑھیں) ہر مرتبہ مسواک کرتے اور وضو فرماتے اور یہ (مندرجہ بالا) آیات پڑھتے پھر تین رکعت وتر ادا فرماتے۔

حدیثِ عائشہ رضی اللہ عنہا

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کے سلسلے میں حضرت سعد بن ہشام سے مروی ہے فرماتے ہیں: میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا اے ام المؤمنین! مجھے رسول اکرم ﷺ کی سیرتِ طیبہ (عاداتِ مبارکہ) کے بارے میں خبر دیجئے' انہوں نے فرمایا کیا تم قرآن مجید نہیں پڑھتے؟ میں نے عرض کیا جی ہاں پڑھتا ہوں' فرمایا آپ کے اخلاق و سیرت قرآن مجید (پر عمل) ہے' میں نے عرض کیا اے ام المؤمنین! مجھے نبی اکرم ﷺ کی وتر نماز (طاق نماز یعنی رات کی نماز) کے بارے میں بتائیے' انہوں نے فرمایا: ہم' نبی اکرم ﷺ کے لئے آپ کی مسواک اور وضو کا پانی تیار رکھتے تھے اللہ تعالیٰ جب چاہتا رات کے وقت آپ کو بیدار کرتا پس آپ مسواک کرتے اور وضو فرماتے اور نو رکعتیں پڑھتے اور صرف آٹھویں رکعت پر بیٹھتے پس اللہ تعالیٰ کا ذکر اور اس کی تعریف کرتے اور دعا مانگتے پھر کھڑے ہو جاتے اور سلام نہ پھیرتے پس نویں رکعت پڑھتے پھر بیٹھ جاتے' اللہ تعالیٰ کے ذکر و حمد اور دعا میں مشغول ہوتے پھر سلام پھیرتے جو ہمیں سناتے (یعنی بلند آواز سے سلام پھیرتے) پھر سلام پھیرنے کے بعد بیٹھے بیٹھے دو رکعتیں پڑھتے تو اس طرح اے بیٹے! یہ گیارہ رکعات ہو جاتیں جب آپ کی عمر زیادہ ہوگئی اور گوشت بڑھ گیا تو آپ نے سات رکعات کے ساتھ طاق نماز پڑھی اور دو رکعتوں میں پہلی نماز کی طرح کرتے پس اے بیٹے! یہ نو رکعتیں ہوگئیں۔

''سنن نسائی میں ہے'' (ام المؤمنین فرماتی ہیں:) ہم' نبی اکرم ﷺ کے لئے مسواک اور وضو کا پانی تیار رکھتے پس جب اللہ تعالیٰ چاہتا رات کے وقت آپ کو بیدار کرتا تو آپ مسواک کرتے اور وضو فرما کر نو رکعات پڑھتے اور آٹھویں رکعت پر بیٹھتے اور اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کرتے' اس کے نبی پر درود بھیجتے اور ان رکعات کے دوران دعا مانگتے اور سلام نہ پھیرتے پھر نماز پڑھتے اور بیٹھ کر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کرتے اور درود شریف پڑھتے پھر سلام پھیرتے جس کی آواز ہم سنتے پھر بیٹھ کر دو رکعتیں پڑھتے۔

ایک روایت میں یہ اضافہ ہے کہ اے بیٹے! یہ گیارہ رکعات ہیں پس جب آپ کی عمر زیادہ ہوگئی اور گوشت بڑھ گیا تو آپ سات رکعتوں کے ساتھ نماز کو طاق بناتے پھر سلام پھیرنے کے بعد بیٹھے بیٹھے دو رکعتیں پڑھتے تو اے بیٹے! یہ نو رکعات ہوگئیں۔

"سنن نسائی کی ہی" ایک روایت میں ہے کہ آپ نے سات رکعات پڑھیں میرا خیال ہے کہ آپ نے ان میں قرأت' رکوع اور سجدے کو برابر برابر رکھا پھر ایک رکعت کے ذریعے اس نماز کو طاق بنایا پھر دو رکعتیں پڑھیں اور آپ بیٹھے ہوئے تھے پھر پہلو کے بل لیٹ گئے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ جب رات کو بیدار ہوتے تو دو ہلکی پھلکی رکعتوں سے نماز شروع کرتے۔

ان ہی سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نماز عشاء سے فارغ ہونے کے بعد اور فجر سے پہلے گیارہ رکعات پڑھتے اور ہر دو رکعت پر سلام پھیرتے اور ایک رکعت کے ساتھ تمام نماز کو طاق بنا لیتے آپ کا سجدہ اس قدر طویل ہوتا جتنا تم میں سے کوئی ایک سر اٹھانے سے پہلے پچاس آیات پڑھے' جب مؤذن فجر کی نماز کے لئے اذان سے خاموش ہو جاتا اور ہمارے لئے فجر ظاہر ہو جاتی تو آپ اٹھ کر دو ہلکی پھلکی رکعتیں پڑھتے پھر دائیں پہلو پر لیٹ جاتے حتیٰ کہ مؤذن آپ کے پاس اقامت کے لئے حاضر ہوتا۔

ام المؤمنین رضی اللہ عنہا سے ہی مروی ہے کہ آپ تیرہ رکعتیں پڑھتے اس میں سے پانچ رکعات کے ساتھ نماز کو طاق بناتے اور ان میں صرف آخر میں بیٹھتے تھے۔

"صحیح بخاری" میں حضرت مسروق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے (فرماتے ہیں:) میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نبی اکرم ﷺ کی نماز کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا: فجر کی دو رکعتوں کے علاوہ سات' نو اور گیارہ رکعات ہوتی تھیں۔

امام بخاری نے ہی حضرت قاسم بن محمد کے واسطہ سے حضرت ام المؤمنین سے روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ رات کو تیرہ رکعات پڑھتے ان میں وتر اور فجر کی دو رکعتیں شامل ہیں۔

امام قرطبی فرماتے ہیں: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایات میں بہت سے اہل علم کے لئے اشکال پیدا ہوا حتیٰ کہ بعض نے ان کی حدیث میں اضطراب کا قول کیا لیکن یہ اضطراب اس وقت ثابت ہوتا ہے جب ان سے روایت کرنے والا راوی ایک ہوتا اور وہ ایک وقت کے بارے میں خبر دے رہی ہوں۔

درست بات یہ ہے کہ انہوں نے اس سلسلے میں جو کچھ ذکر کیا ہے وہ متعدد اوقات اور متعدد احوال پر محمول ہے (اور یہ اختلاف) طبیعت کی چاہت اور بیان جواز کی بنیاد پر ہے۔[1]

حضرت قاسم بن محمد رضی اللہ عنہما کی ان سے روایت غالب احوال پر محمول ہے (کہ اکثر ایسا ہوتا تھا)۔

کہا گیا ہے کہ گیارہ رکعات پر اضافہ نہ ہونے میں حکمت یہ ہے کہ تہجد اور وتر رات کی نماز سے خاص ہیں اور دن کے

---

1. رسول اکرم ﷺ کا عمل امت کے لئے سنت بنتا تھا اس لئے آپ نے امت کے مختلف طبقات کو پیش نظر رکھا نیز بتایا کہ کم رکعات پڑھیں یا زیادہ دونوں طرح جائز ہے۔ ۱۲ ہزاروی

فرائض ظہر کی نماز ہے جو چار رکعات ہیں عصر کی نماز بھی دن کی نماز ہے جو چار رکعات پر مشتمل ہے اور مغرب کی تین رکعات دن کے وتر ہیں پس مناسب یہ ہوا کہ رات کی نماز اجمالی اور تفصیلی طور پر دن کی نماز کی طرح ہو۔

اور تیرہ رکعات کی مناسبت یہ ہے کہ اس میں صبح کی نماز کو ملایا جائے کیونکہ وہ اس (نماز تہجد) کے بعد دن کی نماز ہے۔

نبی اکرم ﷺ کے قیام لیل کی انواع

حضرت زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے انہوں نے فرمایا کہ میں نبی اکرم ﷺ کی رات کی نماز کو اچھی طرح غور سے دیکھوں گا وہ فرماتے ہیں آپ نے دو ہلکی پھلکی رکعتیں پڑھیں پھر دو نہایت طویل رکعتیں پڑھیں پھر دو رکعتیں پہلی نماز سے ذرا مختصر پڑھیں پھر دو رکعتیں اس پہلی نماز سے مختصر اور پھر دو رکعتیں پہلی دو رکعتوں سے مختصر پڑھیں اس کے بعد دو رکعتیں پچھلی دو رکعتوں سے مختصر پڑھیں پھر نماز وتر پڑھی تو یہ تیرہ رکعات ہو گئیں۔

حدیث میں جو فرمایا کہ پھر دو رکعتیں پڑھیں جو پہلی دو سے مختصر تھیں یہ قول چار مرتبہ ہے۔ (صحیح مسلم، موطا امام مالک، سنن ابی داؤد اور ابن اثیر کی جامع الاصول میں اسی طرح ہے)۔

تو نبی اکرم ﷺ کا رات کو قیام مختلف انواع پر مشتمل تھا۔

(۱) چھ رکعات پڑھتے ہر دو رکعتوں کے بعد سلام پھیرتے پھر تین رکعات وتر پڑھتے جیسا کہ "صحیح مسلم میں" حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔

(۲) آپ دو ہلکی پھلکی رکعتوں سے آغاز فرماتے پھر گیارہ رکعات وظیفہ مکمل فرماتے ہر دو رکعتوں کے بعد سلام پھیرتے اور ایک رکعت (کے ساتھ) وتر پڑھتے۔

یہ حدیث امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے نقل کی۔

(۳) تیرہ رکعات اسی طرح پڑھتے تھے یہ حدیث امام مسلم نے حضرت زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ کی روایت سے نقل کی ہے۔

(۴) آٹھ رکعات ادا فرماتے ہر دو رکعتوں پر سلام پھیرتے پھر پانچ رکعات مسلسل ادا کرتے صرف ان کے آخر میں قعدہ فرماتے۔ [1]

اس حدیث کو امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت سے نقل کیا ہے۔

(۵) نو رکعات پڑھتے تھے صرف آٹھویں رکعت میں قعدہ کرتے اس میں اللہ تعالیٰ کا ذکر وحمد کرتے اور دعا مانگتے پھر کھڑے ہو جاتے اور سلام نہ پھیرتے پس نو رکعتیں پڑھتے (مکمل کرتے) پھر قعدہ فرماتے جس میں اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء کرتے اور دعا مانگتے پھر سلام پھیرتے پھر سلام پھیرنے کے بعد بیٹھنے کی حالت میں دو رکعتیں پڑھتے اس حدیث کو امام مسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے نقل کیا۔

[1] وتر اور نفل الگ الگ پڑھنے کی احادیث زیادہ ثابت اور اکثر ہیں اور اکثر حفاظ حدیث نے بواسطہ حضرت ہشام ان کے والد سے اور انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا۔ (زرقانی ج ۸ ص ۲)

(۶) نو رکعتوں کی طرح سات رکعات ادا فرماتے پھر بیٹھ کر دو رکعتیں پڑھتے یہ حدیث بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے اور اس کو امام مسلم نے نقل کیا ہے۔

(۷) دو دو رکعتیں کر کے پڑھتے تھے پھر تین رکعات نفل پڑھتے اور ان کے درمیان تفریق نہیں کرتے تھے اس حدیث کو امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔

(۸) امام نسائی نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا کہ وہ فرماتے ہیں کہ انہوں نے رمضان شریف میں نبی اکرم ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی تو آپ نے رکوع کیا اور رکوع میں قیام کی مقدار ٹھہرے اور سبحان ربی العظیم پڑھتے رہے، پھر بیٹھ گئے اور رب اغفرلی رب اغفرلی (اے میرے رب! مجھے بخش دے اے میرے رب! مجھے بخش دے) پڑھتے رہے۔

آپ نے صرف چار رکعات پڑھیں حتیٰ کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے حاضر ہو کر آپ کو نماز فجر کے لئے عرض کیا۔

امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے بھی اسے نقل کیا ہے ان کے الفاظ اس طرح ہیں کہ انہوں (حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ) نے نبی اکرم ﷺ کو رات کے وقت نماز پڑھتے ہوئے دیکھا آپ نے اللہ اکبر کہنے کے بعد تین بار یہ کلمات کہے:

ذُوالْمَلَكُوْتِ وَالْجَبَرُوْتِ وَالْكِبْرِيَاءِ وَالْعَظَمَةِ. بادشاہی طاقت بڑائی اور عظمت والی ذات۔

پھر نماز شروع کرتے ہوئے سورۂ بقرہ پڑھی پھر رکوع فرمایا جو قیام کے قریب قریب تھا آپ نے رکوع میں ''سبحان ربی العظیم'' پڑھا پھر رکوع سے سر اٹھایا اور رکوع کی مقدار کھڑے رہے اس (قومہ) میں آپ نے ''لربی الحمد'' (میرے رب کے لئے ہی حمد ہے) کہا پھر سجدہ کیا تو آپ کا سجدہ بھی قیام کے برابر تھا آپ سجدے میں ''سبحان ربی الاعلی'' پڑھتے پھر سجدے سے سر اٹھایا اور دو سجدوں کے درمیان سجدے کی مقدار بیٹھے اور ''رب اغفرلی'' پڑھا' آپ نے چار رکعات اسی طرح پڑھیں ان میں سورۂ بقرہ' سورۂ آل عمران' النساء اور مائدہ یا انعام پڑھی حضرت شعبہ (راوی) کو شک ہے۔

امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ نے ان الفاظ کے ساتھ یہ حدیث نقل کی ہے۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے ایک رات نبی اکرم ﷺ کے ہمراہ نماز پڑھی تو آپ نے سورۂ بقرہ شروع کی میں نے (دل میں) کہا کہ آپ ایک سو آیات پر رکوع کریں گے آپ پڑھتے رہے میں نے کہا ایک رکعت میں سورۂ بقرہ پڑھیں گے آپ نے قرأت جاری رکھی میں نے کہا اس پر رکوع کریں گے پھر آپ نے سورۂ نساء شروع کی اور اسے پڑھا پھر سورۂ آل عمران شروع کی اور اس کی قرأت کی آپ ٹھہر ٹھہر کر پڑھتے جب کسی ایسی آیت پر پہنچتے جس میں تسبیح ہوتی تو سبحان اللہ کہتے اور جب کوئی سوال والی آیت کو پڑھتے تو سوال کرتے' تعوذ والی آیت پڑھتے تو پناہ مانگتے پھر رکوع فرمایا تو اس میں سبحان ربی العظیم پڑھا' آپ کا رکوع قیام جیسا تھا۔ پھر آپ نے ''سمع اللہ لمن حمدہ'' پڑھا ایک روایت میں ''ربنا لک الحمد'' کا اضافہ ہے۔ پھر دیر تک کھڑے رہے۔ جو رکوع کی مقدار کے قریب قریب تھا پھر سجدہ کیا اور اس میں سبحان ربی الاعلی پڑھا' آپ کا سجدہ قیام کے قریب قریب تھا۔

امام نسائی نے یہ اضافہ کیا ہے کہ آپ ایسی آیت پر پہنچتے جس میں خوف دلایا گیا یا اللہ تعالیٰ کی تعظیم کا ذکر ہے تو اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے۔

نبی اکرم ﷺ کی نماز کس شکل میں ہوتی؟

نبی اکرم ﷺ کی نماز کی تین صورتیں تھیں۔

(۱) آپ اکثر کھڑے ہو کر نماز پڑھتے تھے۔ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں میں نے نبی اکرم ﷺ کو بیٹھ کر نفل پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا حتیٰ کہ وصال سے ایک سال پہلے آپ بیٹھ کر نفل پڑھنے لگے۔

اس حدیث کو امام احمد' امام مسلم اور امام نسائی رحمہم اللہ نے روایت کیا اور امام ترمذی رحمہ اللہ نے اسے صحیح قرار دیا۔

(۲) نبی اکرم ﷺ (بعض اوقات) بیٹھ کر نماز پڑھتے اور بیٹھے ہوئے ہی رکوع کرتے تھے۔ اس حدیث کو امام بخاری' امام مسلم اور ان کے علاوہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ان الفاظ کے ساتھ نقل کیا ہے۔

واذا قرأ وهو قاعد ركع وسجد وهو قاعد. اور جب آپ بیٹھنے کی حالت میں قرأت کرتے تو بیٹھے ہوئے رکوع اور سجدہ بھی کرتے۔

(۳) (کبھی) آپ بیٹھنے کی حالت میں قرأت فرماتے پس جب تھوڑی سی قرأت باقی رہتی تو کھڑے ہو جاتے اور کھڑے ہونے کی حالت میں ہی رکوع میں جاتے۔

اس حدیث کو امام مسلم رحمہ اللہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے کہ:

نبی اکرم ﷺ بیٹھنے کی حالت میں نماز پڑھتے اور بیٹھے ہوئے ہی قرأت فرماتے جب قرأت میں سے تیس یا چالیس آیات کی مقدار باقی رہتی تو کھڑے ہو جاتے اور باقی قرأت کھڑے کھڑے کرتے پھر رکوع کرتے اس کے بعد سجدہ کرتے پھر دوسری رکعت میں اسی طرح کرتے تھے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ چوکڑی مار کر (بھی) نماز پڑھتے تھے۔ اس حدیث کو امام دارقطنی رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے۔

نبی اکرم ﷺ وتر نماز کے بعد کبھی بیٹھ کر دو رکعتیں (نفل) پڑھتے اور کبھی بیٹھنے کی حالت میں قرأت کرتے پس جب رکوع کا ارادہ فرماتے' تو کھڑے ہو جاتے اور رکوع کرتے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی اکرم ﷺ ایک رکعت کے (اضافہ کے) ساتھ نماز کو وتر (طاق) بناتے پھر دو رکعتیں پڑھتے اور ان میں بیٹھنے کی حالت میں قرأت کرتے پس جب رکوع کا ارادہ فرماتے تو کھڑے ہو کر رکوع میں جاتے۔

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ وتر نماز کے بعد دو رکعتیں بیٹھ کر پڑھتے جن میں ''اذا زلزلت الارض'' اور ''قل یا یھا الکفرون'' کی قرأت کرتے۔

ان دو رکعتوں میں اختلاف ہے' حضرت امام مالک رحمہ اللہ نے ان کا انکار کیا اور اسی طرح امام نووی رحمہ اللہ نے بھی ''المجموع'' میں انکار کیا ہے اور امام احمد رحمہ اللہ نے فرمایا میں نہ اس پر عمل کرتا ہوں نہ اس سے منع کرتا ہوں۔

درست یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے یہ دو رکعتیں یہ بات بتانے کے لئے پڑھی ہیں کہ وتر نماز کے بعد نماز پڑھنا جائز

ہےاور بیٹھ کر (نفل) پڑھنا بھی جائز ہے۔

اور حدیث میں لفظ ''کان'' آیا ہے (یعنی آپ ایسا کرتے تھے) یہ لفظ اس مقام پر دوام یا اکثریت کا فائدہ نہیں دیتا جن لوگوں نے ان دو رکعتوں کو سنت مؤکدہ خیال کیا انہوں نے غلط گمان کیا کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے یہ دو رکعتیں ہمیشہ نہیں پڑھیں اور سنت کو فرض سے مشابہت نہیں کہ وتر کے بعد نماز قرار پائے۔[1]

شعبان کی پندرھویں رات کا قیام

شعبان المعظم کی پندرھویں رات کو (نماز کے لئے) نبی اکرم ﷺ کے قیام کے بارے میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے فرماتی ہیں کہ نبی اکرم ﷺ رات کے ایک حصے میں کھڑے ہوئے تو نماز پڑھی اور نہایت لمبا سجدہ کیا حتیٰ کہ میں نے سمجھا آپ کی روح مبارک پرواز کر گئی ہے۔ جب میں نے یہ حالت دیکھی تو اٹھ کر آپ کے انگوٹھے کو حرکت دی تو اس میں حرکت پیدا ہوئی میں واپس آ گئی جب آپ نے سجدے سے سر اٹھایا اور نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا: اے عائشہ! یا (فرمایا) اے حمیرا! (حمراء کی تصغیر سفید رنگ میں سرخی ہو) کیا تمہارا یہ خیال تھا کہ نبی ﷺ نے تم سے دھوکہ کیا میں نے عرض کیا اللہ کی قسم! ایسا نہیں یا رسول اللہ! لیکن میں نے آپ کے طویل سجدے کی وجہ سے خیال کیا کہ آپ کی روح پرواز کر گئی ہے آپ نے فرمایا کیا تم جانتی ہو آج کی رات کونسی رات ہے؟ میں نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتا ہے فرمایا: یہ شعبان المعظم کی پندرھویں رات ہے' بے شک اللہ تعالیٰ شعبان کی پندرھویں تاریخ کو اپنے بندوں کی طرف خصوصی توجہ فرماتا ہے پس بخشش مانگنے والوں کو بخش دیتا ہے اور رحم طلب کرنے والوں پر رحم فرماتا اور کینہ پرور لوگوں کو ان کی حالت پر چھوڑ دیتا ہے۔ (الدر المنثور ج ۶ ص ۲۷)

اس حدیث کو امام بیہقی نے حضرت علاء بن حارث کی سند سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا اور فرمایا یہ مرسل حدیث ہے لیکن عمدہ ہے یعنی حضرت علاء نے حضرت ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے نہیں سنا۔

شعبان المعظم کی پندرھویں رات کی فضیلت میں بے شمار احادیث آئی ہیں لیکن اکثر حضرات نے ان کو ضعیف قرار دیا ہے۔ البتہ ابن حبان نے ان میں سے بعض کو صحیح قرار دیتے ہوئے اپنی (کتاب) ''صحیح ابن حبان'' میں نقل کیا ہے۔

ان میں سے سب سے زیادہ قابل قبول حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے جیسا کہ ابن رجب نے اس بات کی خبر دی ہے کہ ام المومنین فرماتی ہیں: میں نے نبی اکرم ﷺ کو نہ پایا تو میں باہر نکلی پس آپ بقیع (قبرستان) میں تھے اور سر انور آسمان کی طرف اٹھا رکھا تھے فرمایا کیا تمہیں ڈر تھا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول تم پر ظلم کرے گا؟ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں نے خیال کیا کہ آپ کسی دوسری زوجہ مطہرہ کے پاس تشریف لے گئے ہیں' آپ نے فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ شعبان کی پندرھویں رات میں آسمان دنیا کی طرف نزول فرماتا ہے (اس کی رحمت قریب ہو جاتی ہے) پس وہ (قبیلہ) کلب کی بکریوں کے بالوں کی تعداد سے زیادہ لوگوں کو بخش دیتا ہے۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۷۳۹' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۳۸۹' مسند احمد ج ۶ ص ۲۳۸' مشکوۃ المصابیح رقم الحدیث: ۱۲۹۹' العلل المتناہیہ رقم الحدیث: ۶۶)

[1] مطلب یہ ہے کہ وتر نماز فرض کے برابر نہیں کہ جس طرح فرض نماز مثلاً ظہر اور عشاء کے بعد سنت مؤکدہ ہیں اسی طرح وتر نماز کے بعد بھی سنت مؤکدہ ہوں۔ ۱۲ ہزاروی

اس حدیث کو امام احمد رحمہ اللہ نے روایت کیا اور امام ترمذی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔

''سنن ابن ماجہ میں''ضعیف سند کے ساتھ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے کہ جب نصف شعبان کی رات (پندرھویں رات) ہو تو اس رات میں قیام کرو اور اس کے دن میں روزہ رکھو کیونکہ اللہ تعالیٰ اس رات غروبِ آفتاب سے آسمانِ دنیا کی طرف نزول فرماتا ہے (جیسے اس کے شایانِ شان ہے) پس فرماتا ہے: سنو! ہے کوئی بخشش طلب کرنے والا پس میں اس کو بخش دوں' سنو! ہے کوئی رزق طلب کرنے والا پس میں اس کو رزق عطا کروں' کوئی بیماری وغیرہ میں مبتلا میں اس کو عافیت دوں۔ سنو! ہے کوئی ایسا' ہے کوئی ایسا' (یہ ندا جاری رہتی ہے) حتیٰ کہ فجر طلوع ہو جاتی ہے۔

اہل شام میں سے تابعین جیسے خالد بن معدان اور مکحول رحمہما اللہ پندرھویں شعبان کی رات عبادت میں خوب کوشش کرتے تھے اور لوگوں نے ان سے ہی اس رات کی تعظیم کا درس حاصل کیا اور کہا جاتا ہے کہ اس سلسلے میں ان تک اسرائیلی روایات پہنچی تھیں پس جب ان سے وہ مشہور ہو گئیں تو لوگوں میں اختلاف ہو گیا بعض نے ان سے قبول کیا اور اکثر علمائے حجاز نے انکار کیا جن میں حضرت عطا اور ابن ابی ملیکہ بھی شامل ہیں۔

عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم نے فقہاء اہل مدینہ سے نقل کیا اور یہی قول امام مالک رحمہ اللہ کے شاگردوں کا ہے وہ کہتے ہیں یہ سب بدعت ہے (بدعت حسنہ ہے)۔

علماء اہل شام سے اس رات کو عبادت میں گزارنے کی صفت میں دو مختلف قول منقول ہیں۔

ایک قول یہ ہے کہ اس رات کو مسجدوں میں جمع ہو کر زندہ رکھا جائے اور حضرت خالد بن معدان اور لقمان بن عامر اس رات نہایت عمدہ لباس پہنتے' خوشبو لگاتے اور سالگاتے' سرمہ لگاتے اور اس رات مسجد میں قیام کرتے' اسحاق بن راھویہ نے بھی اس سلسلے میں ان کی موافقت کی اور ان کے مساجد میں قیام کے بارے میں کہا کہ یہ بدعت نہیں ہے۔ یہ بات حرب الکرمانی نے اپنے مسائل میں نقل کی ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ اس رات نماز' واقعات کے بیان اور دعا کے لئے مساجد میں اجتماع مکروہ ہے اور یہ بات مکروہ نہیں کہ کوئی شخص الگ تھلک نماز پڑھے یہ قول امام اوزاعی کا ہے جو اہل شام کے امام' فقیہ اور عالم ہیں۔

اور امام احمد رحمہ اللہ سے پندرھویں شب شعبان کے بارے میں کوئی بات معروف نہیں البتہ ان سے عیدوں کی راتوں میں قیام سے متعلق جو دو روایتیں مروی ہیں ان سے اس رات میں قیام کے مستحب ہونے کے بارے میں دو روایتوں کی تخریج کی جا سکتی ہے ایک روایت کے مطابق وہ عیدوں کی راتوں میں اجتماعی طور پر قیام کو مستحب نہیں جانتے کیونکہ یہ طریقہ نبی اکرم ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام سے منقول نہیں ہے اور ایک روایت کے مطابق وہ مستحب سمجھتے ہیں کیونکہ حضرت عبدالرحمٰن بن زید بن اسود نے ایسا کیا ہے اور وہ تابعین میں سے ہیں اسی طرح شعبان کی پندرھویں رات کا قیام ہے کہ اس سلسلے میں نبی اکرم ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام سے کوئی بات منقول نہیں ہے البتہ اہل شام کے جلیل القدر فقہاء تابعین کی ایک جماعت سے منقول ہے۔ یہ ابن رجب کے لطائف سے بطور خلاصہ ہے۔

سورۂ دخان میں ارشادِ خداوندی ہے:

إِنَّآ أَنزَلْنَٰهُ فِى لَيْلَةٍ مُّبَٰرَكَةٍ. (الدخان:۳) بے شک ہم نے اس (قرآن مجید) کو مبارک رات میں اتارا۔

تو اس سے قرآن مجید کے لیلۃ القدر میں اتارنا مراد ہے جیسے ارشادِ خداوندی ہے:

إِنَّآ أَنزَلْنَٰهُ فِى لَيْلَةِ ٱلْقَدْرِ. (القدر:۱) بے شک ہم نے اسے لیلۃ القدر میں اتارا۔

اور یہ رات رمضان المبارک کے مہینے میں ہے جیسے ارشادِ خداوندی ہے:

شَهْرُ رَمَضَانَ ٱلَّذِىٓ أُنزِلَ فِيهِ ٱلْقُرْءَانُ. (البقرہ:۱۸۵) رمضان کا مہینہ وہ ہے جس میں قرآن مجید نازل کیا گیا۔

حافظ ابن کثیر کہتے ہیں جو شخص کہتا ہے کہ اس سے شعبان کی پندرہویں رات مراد ہے جیسا کہ حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے تو انہوں نے عجیب قول کیا ہے کیونکہ قرآن مجید میں وہ واضح الفاظ میں بتایا گیا کہ یہ ماہِ رمضان میں ہے۔

اور جہاں تک اس حدیث کا تعلق ہے جسے عبداللہ بن صالح نے بواسطہ لیث' حضرت عقیل زہری سے روایت کیا وہ کہتے ہیں مجھے عثمان بن محمد بن مغیرہ نے خبر دی کہ حضرت اخنس نے فرمایا' رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

تقطع الاجال من شعبان الی شعبان حتی ان الرجل لینکح ویولد وقد اخرج اسمه فی الموتی. شعبان سے شعبان تک مرنے والوں کا فیصلہ ہو جاتا ہے حتیٰ کہ ایک شخص نکاح کرتا ہے اور اس کے ہاں بچہ پیدا ہوتا ہے حالانکہ اس کا نام مرنے والوں کی فہرست میں شامل کر دیا جاتا ہے۔

(اتحاف السادۃ المتقین ج ۱۰ ص ۲۸۰' الدر المنثور ج ۶ ص ۲۶' کنز العمال رقم الحدیث: ۴۲۷۸۰)

تو یہ حدیث مرسل ہے اس قسم کی احادیث نصوص کے مقابلے میں نہیں آ سکتیں۔[۱]

نمازِ تراویح

احادیثِ تراویح

نبی اکرم ﷺ کے ماہِ رمضان المبارک میں قیام کو تراویح کہا جاتا ہے' "تراویح' روحیۃ" کی جمع ہے اور یہ ایک مرتبہ راحت (آرام کرنے) کو کہتے ہیں اور (اس نماز کو) تراویح کہنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ لوگ ہر دو سلاموں (دو نمازوں) کے درمیان آرام کرتے تھے۔

---

[۱] سورۂ دخان میں لیلۂ مبارکہ کا ذکر ہے جس میں ہر حکمت والے کے فیصلے کا بیان ہے اس رات سے لیلۃ القدر ہی مراد لی گئی ہے اور شب برأت بھی' حضرت پیر کرم شاہ الازہری رحمہ اللہ فرماتے ہیں صحیح قول یہ ہے کہ اس سے لیلۃ القدر مراد ہے تاہم شب برأت کی فضیلت بھی احادیث سے ثابت ہے۔ (ضیاء القرآن سورۂ دخان)۔۱۲ ہزاروی

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ کا طریقہ مبارکہ تھا کہ جب ماہ رمضان کا آخری عشرہ داخل ہوتا تو آپ راتوں کو (عبادت کے ساتھ) زندہ رکھتے اور گھر والوں کو بھی بیدار کرتے اور عبادت میں خوب کوشش فرماتے۔

''صحیح مسلم میں ہے'' ام المؤمنین فرماتی ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ رمضان المبارک میں (عبادت کی) جس قدر کوشش فرماتے دوسرے مہینوں میں اتنی کوشش نہیں فرماتے تھے۔

''جامع ترمذی کی روایت میں ہے کہ'' آپ آخری عشرہ میں جس قدر کوشش کرتے تھے دوسرے مہینوں میں اتنی کوشش نہ کرتے۔

ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے مسجد میں نماز پڑھی اور صحابہ کرام نے بھی آپ کے ساتھ نماز پڑھی پھر آئندہ رات نماز پڑھی تو لوگ زیادہ ہو گئے پھر تیسری رات جمع ہوئے تو آپ ان کی طرف تشریف نہ لائے صبح ہوئی تو آپ نے فرمایا: میں نے تمہارے عمل کو دیکھا اور مجھے تمہارے پاس آنے سے اس بات کے خوف نے روکا کہ کہیں تم پر یہ نماز فرض نہ ہو جائے اور یہ رمضان المبارک کا واقعہ ہے۔

''صحیح بخاری (رقم الحدیث: ۱۱۲۹-۲۰۱۲) اور صحیح مسلم (رقم الحدیث: ۱۷۸) کی'' ایک روایت میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ رات کے وقت باہر تشریف لائے پس مسجد میں نماز پڑھی' صحابہ کرام نے بھی آپ کے ساتھ نماز پڑھی چنانچہ صحابہ کرام نے اس سلسلے میں گفتگو شروع کر دی (تو یہ بات معروف ہو گئی) پس ان سے زیادہ لوگ جمع ہو گئے' نبی اکرم ﷺ دوسری رات تشریف لائے اور ان کو نماز پڑھائی لوگوں نے صبح اس کا تذکرہ کیا تو تیسری رات مسجد میں زیادہ لوگ آئے آپ تشریف لائے اور ان کو نماز پڑھائی جب چوتھی رات ہوئی تو مسجد' نمازیوں سے تنگ پڑ گئی آپ تشریف نہ لائے کچھ لوگوں نے ''الصلوۃ'' کہنا شروع کیا (یعنی نماز کا وقت ہو گیا) لیکن آپ ان کی طرف تشریف نہ لائے حتیٰ کہ صبح کی نماز کے لئے تشریف لائے جب صبح کی نماز ہو چکی تو آپ صحابہ کرام کی طرف متوجہ ہوئے پھر کلمہ' شہادت پڑھا پھر فرمایا: اما بعد! گذشتہ رات کا تمہارا معاملہ مجھ پر پوشیدہ نہ تھا لیکن مجھے ڈر ہوا کہ تم پر رات کی نماز فرض نہ ہو جائے پس تم اس سے عاجز ہو جاؤ۔

ایک دوسری روایت میں اسی طرح اس کا مفہوم اختصار کے ساتھ مروی ہے اس میں فرمایا: کہ یہ بات رمضان المبارک میں ہوئی۔

آپ کا ارشاد گرامی کہ ''مجھے ڈر ہے کہیں تم پر فرض نہ ہو جائے''۔ اس کی تشریح کے سلسلے میں ''فتح الباری میں'' فرمایا: کہ حدیث کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کو یہ توقع تھی کہ اگر اس عمل کو ہمیشہ کیا تو رات کی نماز جماعت کے ساتھ فرض ہو جائے گی اور اس میں ایک اشکال ہے جس کی بنیاد بعض مالکیوں کا یہ قاعدہ ہے کہ شروع کرنے سے عمل لازم ہو جاتا ہے اور یہ محل نظر ہے۔[1]

محب طبری نے جواب دیا کہ یہ احتمال بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف وحی بھیجی ہو کہ اگر آپ یہ کام پابندی سے صحابہ کرام کے ہمراہ کریں گے تو میں اسے ان پر فرض کر دوں گا پس آپ نے ان کے لئے تخفیف کو پسند فرمایا۔

---

[1] جو عمل فرض نہ ہو اگر اس کو شروع کر دیا جائے تو واجب ہو جاتا ہے۔ جس طرح نذر ماننے سے نفل نماز واجب ہو جاتی ہے اسی طرح شروع کرنے سے بھی لازم ہو جاتی ہے بلکہ اس طرح بدرجۂ اولیٰ واجب ہو گی ہاں ایسا نہیں ہے کہ اگر آج رات دو نفل پڑھے تو ہمیشہ پڑھنے ہوں گے یہ امت کے لئے ہے' حضور ﷺ کا معاملہ الگ ہے۔ ۱۲ ہزاروی

کہا گیا ہے کہ آپ کو اس بات کا خوف تھا کہ آپ کے دوام سے کوئی امتی اس عمل کو واجب نہ سمجھ لے۔

امام قرطبی نے فرمایا یعنی فرض نہ سمجھ لیں پس وہ اس پر واجب ہو جائے گی جس طرح کوئی مجتہد کسی چیز کو حلال یا حرام سمجھے تو اس پر واجب ہو جاتا ہے کہ اس پر عمل کرے۔

خطابی نے اس خوف پر یوں اعتراض کیا کہ جب حدیث اسراء سے ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہ پانچ نمازیں ہیں اور وہ (ثواب کے اعتبار سے) پچاس ہیں میرے ہاں قول میں تبدیلی نہیں آتی۔

پس جب تبدیلی کا خوف نہیں ہے تو (فرائض میں) اضافہ کا خوف کیسے ہوگا؟ یہ بات پہلے دیئے گئے جوابات سے دور جاتی ہے (یعنی کوئی امتی لازم نہ سمجھ لے)۔

خطابی نے اس بات کا یہ جواب بھی دیا ہے کہ رات کی نماز نبی اکرم ﷺ پر واجب تھی امت پر واجب ہے کہ وہ افعال شرعیہ میں آپ کی اقتدا کرے جب حضور ﷺ ان کو ہمیشہ کریں پس آپ نے ان کی طرف آنا اس لئے چھوڑا تا کہ یہ اس واجب میں داخل نہ ہو جائے جس کا وجوب آپ کے حکم کی پیروی کرنے کی وجہ سے ہوتا ہے یہ مطلب نہیں کہ کوئی نیا فرض ہوگا' نمازوں سے زائد ہوگا یہ اسی طرح ہے جیسے کوئی شخص نذر مان کر اپنے اوپر نماز کو واجب کر لیتا ہے پس یہ اس پر واجب ہوتی ہے لیکن اس سے لازم نہیں آتا کہ اصل شرع میں کسی فرض کا اضافہ ہوا ہے۔

خطابی نے فرمایا کہ اس میں ایک اور احتمال بھی ہے وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے پچاس نمازیں فرض کیں پھر ان کا زیادہ حصہ اپنے نبی ﷺ کی شفاعت سے چھوڑ دیا پس جب امت اس کی طرف لوٹ آئے جسے وہ بطور ہبہ طلب کرے اور اس کو (اپنے اوپر) لازم کر دے جسے ان کے نبی نے ان سے معاف کروایا تھا تو اس کے ان پر بطور فرض ثابت ہونے پر کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں خطابی سے یہ دو جواب ایک جماعت نے حاصل کئے مثلاً ابن جوزی نے ان کو اختیار کیا اور اس کی بنیاد یہ ہے کہ قیام لیل نبی اکرم ﷺ پر واجب تھا اور آپ کے افعال مبارکہ کی اقتدا واجب ہے۔

لیکن یہ دونوں باتیں اختلافی ہیں۔ پھر ابن حجر رحمہ اللہ نے اس کے تین جواب دیئے ہیں۔

(۱) یہ بھی احتمال ہے کہ قیام لیل کے فرض ہونے کا خوف اس طریقے پر تھا کہ رات کے نوافل کے درست ہونے کے لئے مسجد میں باجماعت تہجد پڑھنا شرط ہو جائے وہ فرماتے ہیں اس بات کی طرف اشارہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی حدیث میں مروی ان الفاظ سے ہوتا ہے:

حتی خشیت ان یکتب علیکم ولو کتب علیکم ما قمتم بہ فصلوا ایھا الناس فی بیوتکم۔

حتیٰ کہ مجھے ڈر ہوا کہ کہیں تم پر فرض نہ ہو جائے اور اگر تم پر (یہ نماز) فرض ہو جاتی تو تم اس کی پابندی نہ کر سکتے پس اے لوگو! اپنے گھروں میں ادا کرو۔

تو آپ نے ان کو مسجد میں جمع ہونے سے اس لئے روکا کہ اس کے شرط ہونے کا خوف تھا اور گھروں میں پڑھنے کی وجہ سے اگرچہ ہمیشہ پڑھی جائے' فرض ہو جانے سے امن ہو گیا۔

(۲) یہ خوف تھا کہ قیام لیل (تراویح) فرض کفایہ نہ ہو جائے' فرض عین ہونے کا ڈر نہ تھا پس (اس صورت میں) یہ پانچ

نمازوں سے زائد نہ ہوگی بلکہ بعض لوگوں کے نزدیک یہ عید وغیرہ کی طرح ہو جائے گی (یعنی فرض کفایہ ہوگی)۔
(۳) یہ خوف تھا کہ قیام رمضان خاص طور پر فرض ہو جائے اور حدیث میں آیا ہے کہ یہ واقعہ ماہِ رمضان کا ہے۔
حضرت سفیان بن حسین کی روایت میں یہ الفاظ ہیں:

خشیت ان یفرض علیکم قیام ھذا الشھر۔ مجھے ڈر ہوا کہ کہیں تم پر اس مہینے کا قیام فرض نہ ہو جائے۔

فرماتے ہیں: اس اعتبار سے اشکال اٹھ جائے گا کیونکہ قیام رمضان سال میں ہر دن نہیں آیا پس یہ پانچ نمازوں پر اضافہ نہیں ہوگا۔

(علامہ ابن حجر فرماتے ہیں:) میری نظر میں ان تین جوابوں میں سے پہلا جواب زیادہ مضبوط ہے۔

تراویح جماعت کے ساتھ یا الگ الگ؟

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: کہ ہم نبی اکرم ﷺ کے ساتھ رمضان المبارک کی تیسویں رات کو رات کی پہلی تہائی تک کھڑے رہے پھر پچیسویں رات کو نصف رات تک قیام کیا پھر ستائیسویں رات کو آپ کے ساتھ قیام کیا حتیٰ کہ ہم نے گمان کیا کہ فلاح کو نہیں پا سکیں گے وہ سحری کو فلاح کہتے تھے۔

علماء کرام کا اختلاف ہے کہ کیا نماز تراویح باجماعت مسجد میں پڑھنا افضل ہے یا گھر میں تنہا پڑھنا؟

امام شافعی اور ان کے اکثر شاگرد امام ابوحنیفہ اور بعض مالکی وغیرہ رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ جماعت کے ساتھ پڑھنا افضل ہے جس طرح حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا اور مسلمانوں کا یہی طریقہ جاری ہے کیونکہ یہ (اسلام کی) ظاہری علامات میں سے ہے پس نماز عید کے مشابہ ہے۔

سوال: حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے نبی اکرم ﷺ کے اس ارشاد گرامی کو کہ "مجھے تم پر فرض ہونے کا ڈر ہے" کو مسجد میں جمع ہونے پر محمول کیا اور فرمایا کہ یہ سب سے قوی توجیہ ہے؟

جواب: نبی اکرم ﷺ کے وصال کے بعد اس بات کا خوف نہیں رہا اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے جمع کرنے کو ترجیح دی کیونکہ اختلاف میں افتراق کلمہ ہے نیز ایک آدمی پر جمع ہونا بہت سے نمازیوں کے لئے زیادہ خوشی اور قلبی سرور کا باعث ہوتا ہے۔

امام مالک امام ابو یوسف شافعی مسلک کے بعض حضرات اور ان کے علاوہ بزرگوں نے فرمایا کہ گھروں میں تنہا پڑھنا افضل ہے کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: "فرض نماز کے علاوہ آدمی کا گھر میں نماز پڑھنا افضل ہے"۔ (المعجم الکبیر ج ۵ ص ۱۶۰ جمع الجوامع رقم الحدیث: ۳۷۵۳)

یہ حضرات فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کا مسجد میں پڑھنا بیانِ جواز کے لئے تھا یا اس لئے کہ آپ معتکف تھے۔

(نوٹ: امام زرقانی فرماتے ہیں امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک گھر میں پڑھنے کی فضیلت اس صورت میں ہے جب مساجد کے بے آباد ہونے کا خوف نہ ہو نیز وہ تنہا پڑھنے میں زیادہ سرور محسوس کرتا ہو (زرقانی ج ۷ ص ۴۱۸ ۱۲ ہزاروی)۔

تعدادِ رکعات

نبی اکرم ﷺ جو نماز رمضان شریف میں (رات کے وقت) پڑھتے تھے اس کی رکعات کے سلسلے میں حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ نبی اکرم ﷺ کی رمضان کی نماز کیسی تھی؟ ام المؤمنین نے فرمایا آپ رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعات پر اضافہ نہ فرماتے آپ چار رکعات پڑھتے تم ان (رکعات) کے حسن اور طوالت کے بارے میں نہ پوچھو پھر چار رکعات پڑھتے ان کے حسن اور لمبا ہونے کے بارے میں سوال نہ کرو (یعنی نہایت اچھی طرح اور طویل انداز میں ہوتی تھیں) پھر تین رکعات پڑھتے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا آپ وتر پڑھنے سے پہلے آرام فرماتے ہیں؟ فرمایا اے عائشہ! بے شک میری آنکھ سوتی ہے لیکن دل نہیں سوتا۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۲۵' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۴۳۹' سنن نسائی رقم الحدیث: ۱۶۹۷' السنن الکبریٰ ج ۲ص ۴۹۶' دلائل النبوۃ ج اص ۳۷۲' التمہید رقم الحدیث: ۲۰۹' الحلیہ ج ۱۰ص ۳۸۳' موطا امام مالک رقم الحدیث: ۱۲۰' نصب الرایہ ج ۲ص ۱۵۳' کنز العمال رقم الحدیث: ۳۱۹۷۹)

اور ابن ابی شیبہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث سے روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ رمضان المبارک میں بیس رکعات اور وتر پڑھتے تھے [1] تو اس کی سند ضعیف ہے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہ (مذکورہ بالا حدیث اس کے معارض ہے)۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام کو تراویح پر جمع کیا

نبی اکرم ﷺ کے زمانے میں یہ طریقہ جاری رہا کہ ہر شخص رمضان المبارک میں اپنے گھر میں اکیلا قیام کرتا تھا حتیٰ کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خلافت کا ابتدائی دور گزر گیا۔

''صحیح بخاری میں ہے کہ'' حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ رمضان المبارک کی ایک رات مسجد کی طرف تشریف لے گئے تو دیکھا کہ لوگ منقسم متفرق ہیں' کوئی شخص تنہا نماز پڑھ رہا ہے اور کسی شخص کے ساتھ ایک جماعت نماز پڑھ رہی ہے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر میں ان لوگوں کو کسی قاری کے پیچھے جمع کر دوں تو یہ زیادہ مناسب ہے پھر آپ نے ارادہ فرمایا تو ان کو حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے پیچھے جمع کیا پھر ایک رات آپ تشریف لائے اور صحابہ کرام اپنے قاری کے پیچھے نماز پڑھ رہے تھے تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

نعمة البدعة هذه. یہ کتنی اچھی بدعت ہے؟ [2]

(رات کے) جس وقت سے (غافل ہو کر) تم سوتے ہو وہ اس سے بہتر ہے جس میں تم قیام کرتے ہو مطلب یہ ہے کہ رات کا آخری حصہ بہتر ہے اور لوگ رات کے پہلے حصے میں قیام کرتے تھے۔

---

[1] حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث اور اس حدیث میں تعارض نہیں ہے کیونکہ ام المؤمنین رضی اللہ عنہا کی روایت میں تہجد کا ذکر ہے اسی لئے انہوں نے رمضان اور غیر رمضان ہر دونوں کا ذکر فرمایا جب کہ اس حدیث میں رمضان المبارک کی مخصوص نماز (تراویح) کا ذکر ہے۔ ۱۲ ہزاروی

[2] معلوم ہوا کہ بدعت اچھی بھی ہوتی ہے اور بری بھی لہٰذا ہر بدعت گمراہی نہیں ہوگی۔ ۱۲ ہزاروی

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کا انتخاب اس لئے فرمایا کہ وہ سب سے زیادہ قرأت جانتے تھے جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خود فرمایا۔

حضرت سعید بن منصور حضرت عروہ رضی اللہ عنہ کے طریق سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی اقتدا میں جمع کیا پس وہ مردوں کو نماز پڑھاتے تھے اور حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ عورتوں کو نماز پڑھاتے تھے۔[1]

''موطأ'' میں ہے کہ ''حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے حضرت ابی بن کعب اور حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہما کو حکم دیا کہ وہ رمضان المبارک میں لوگوں کو نماز (تراویح) پڑھائیں۔

امام بیہقی نے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے زمانے میں رمضان شریف میں لوگ بیس رکعات پڑھتے تھے۔

حضرت حلیمی فرماتے ہیں بیس رکعات میں حکمت یہ ہے کہ رمضان شریف کے علاوہ سنت مؤکدہ دس رکعات ہیں (شافعی مسلک کے نزدیک کل سنتیں بارہ ہیں جن میں سے دس رکعات مؤکدہ ہیں جبکہ ہمارے نزدیک بارہ رکعات مؤکدہ ہیں)۔

پس ان کو دوگنا کیا گیا کیونکہ یہ (رمضان شریف) عبادت کے زیادہ اہتمام کا وقت ہے۔

''موطأ'' میں تیئیس رکعات کا ذکر ہے'' امام بیہقی رحمہ اللہ نے دونوں روایتوں کو اس طرح جمع کیا کہ تین رکعات وتر پڑھتے تھے۔

''موطأ میں'' حضرت محمد بن یوسف سے مروی ہے وہ حضرت سائب بن یزید سے روایت کرتے ہیں کہ یہ گیارہ رکعات ہیں اور عبدالعزیز کے نزدیک اکیس رکعات ہیں۔

ان روایات کو یوں جمع کیا جا سکتا ہے کہ یہ مختلف احوال کا بیان ہے یہ بھی احتمال ہے کہ قرأت کے لمبا اور مختصر ہونے کے اعتبار سے اختلاف ہو جہاں قرأت لمبی ہوتی رکعات کم ہوئیں اور اسی طرح اس کے برعکس ہوا (یعنی قرأت کم ہونے کی وجہ سے رکعات زیادہ ہوگئیں)۔

حضرت محمد بن نصر' داؤد بن قیس کے طریق سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں: میں نے ابان بن عثمان اور عمر بن عبدالعزیز رحمہما اللہ کی حکومت (یعنی مدینہ طیبہ میں حکومت) کے زمانے میں لوگوں کو یوں پایا کہ وہ چھتیس رکعات کے ساتھ قیام کرتے اور تین وتر پڑھتے۔ حضرت مالک فرماتے ہیں ہمارے نزدیک قدیم طریقہ یہی ہے۔

حضرت زعفرانی (حسن بن محمد بن الصباح البغدادی' متوفی ۲۶۰ھ یا ۲۵۹ھ)'[2] حضرت امام شافعی رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں: میں نے لوگوں کو مدینہ طیبہ میں انتالیس رکعات کے ساتھ اور مکہ مکرمہ میں تیئیس

---

[1] ممکن ہے کہ حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ کی امامت میں مرد اور عورتیں مشترکہ طور پر نماز پڑھتے ہوں ورنہ صرف عورتوں کی امامت مرد نہیں بلکہ عورت کر سکتی ہے۔ ۱۲ ہزاروی

[2] (الوافی بالوفیات ج ۱۱ص ۲۶' مرآۃ الجنان ج ۲ص ۱۷۱' شذرات الذہب ج ۲ص ۱۴۰' تہذیب التہذیب ج ۲ص ۳۱۸' روضات الجنات رقم الحدیث: ۲۱۴)

رکعات کے ساتھ قیام کرتے ہوئے دیکھا اور اس سلسلے میں کوئی تنگی نہیں (یعنی یہ نماز فرض نہیں لہٰذا کسی نے زائد رکعات پڑھیں اور کسی نے کم تو اس میں کوئی حرج نہیں)۔

ان ہی سے مروی ہے فرماتے ہیں اگر قیام لمبا کریں اور سجدے کم کریں تو اچھی بات ہے اور اگر سجدے زیادہ کریں اور قرأت کم کریں تو بھی اچھا ہے لیکن پہلی بات زیادہ پسندیدہ ہے۔

کیا مدینہ طیبہ والوں کے علاوہ لوگوں کے لئے چھتیس رکعات پڑھنا جائز ہے؟ تو امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں دوسرے لوگوں کے لیے ایسا کرنا جائز نہیں کیونکہ ان لوگوں کو نبی اکرم ﷺ کی ہجرت اور قبرِ انور کی وجہ سے شرف حاصل ہے اور حلیمی کا قول اس کے خلاف ہے۔ وہ فرماتے ہیں جو شخص اہلِ مدینہ کی اقتداء کرتے ہوئے چھتیس رکعات پڑھے تو یہ بھی ٹھیک ہے۔

اور مناسب ہے کہ دو رکعتوں پر سلام پھیرے اور اگر ایک سلام کے ساتھ چار رکعات پڑھے تو صحیح نہیں' یہ بات قاضی حسین کے فتاویٰ کے موافق ہے اور اگر ظہر یا عصر کی سنتیں ایک سلام سے پڑھے تو جائز ہے فرق یہ ہے کہ تراویح کی جماعت جائز ہونے کی وجہ سے یہ فرض نماز کے مشابہ ہے یہ بات امام نووی رحمہ اللہ نے اپنے فتاویٰ میں فرمائی ہے اور ''الروضہ'' میں اس کو واضح الفاظ میں ذکر فرمایا۔

نبی اکرم ﷺ رمضان المبارک میں رات کے وقت دوسرے مہینوں کے مقابلے میں طویل قرأت کرتے تھے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے رمضان شریف کی ایک رات آپ کے ساتھ نماز پڑھی تو وہ فرماتے ہیں آپ نے سورۂ بقرہ کی تلاوت فرمائی پھر سورۂ نساء اور پھر سورۂ آل عمران پڑھی آپ کسی آیت پر گزرتے جس میں خوف دلایا گیا تو رک کر سوال کرتے۔ وہ فرماتے ہیں آپ نے دو رکعات نہیں پڑھی تھیں کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ حاضر ہوئے اور انہوں نے آپ کو نماز (نمازِ فجر) کی اطلاع دی۔

ان ہی سے مروی ہے کہ آپ نے صرف چار رکعات پڑھیں اور امام شافعی رحمہ اللہ رمضان المبارک میں نماز کے علاوہ ساٹھ مرتبہ قرآن مجید کا ختم کرتے۔

چوتھا باب

وتر نماز

نمازِ وتر کا طریقہ

نبی اکرم ﷺ سے صحیح ثابت ہے کہ آپ پانچ رکعات وتر پڑھتے اور صرف ان کے آخر میں بیٹھتے تھے لیکن (درمیان میں) فصل کی احادیث زیادہ ثابت ہیں اور ان کے طرقِ روایت زیادہ ہیں (یعنی تین رکعات پر سلام پھیرتے پھر دو نفل پڑھتے تھے)۔

حنفی فقہاء نے ان حضرات کے موقف سے استدلال کرتے ہوئے وصل کی تعیین اور تین رکعات پر اکتفاء کے لئے

استدلال کیا یعنی صحابہ کرام کا اتفاق ہے کہ تین رکعتوں کو ملا کر وتر پڑھنا حسن جائز ہے اس سے زائد یا کم میں اختلاف ہے وہ فرماتے ہیں ہم نے متفقہ بات کو لیا اور اختلافی بات کو چھوڑ دیا۔

محمد بن منصور مروزی نے عراک بن مالک کی روایت کے ذریعے اس پر اعتراض کیا وہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً و موقوفاً روایت کرتے ہیں کہ تین رکعات کے ساتھ وتر نہ پڑھو اس طرح تم اسے مغرب کی نماز کے مشابہ کر دو گے۔ امام حاکم نے اسے صحیح قرار دیا۔ اور حضرت سلیمان بن یسار رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ وتر میں تین رکعات (اکٹھی) مکروہ جانتے تھے اور فرماتے کہ نفل کو فرض کے مشابہ نہ کرو۔

لیکن امام حاکم رحمہ اللہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث روایت کی ہے کہ نبی اکرم ﷺ تین رکعات وتر پڑھتے اور صرف ان کے آخر میں بیٹھتے تھے۔

امام نسائی نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی حدیث سے اس کی مثل روایت کیا اس کے الفاظ اس طرح ہیں کہ آپ "**سبح اسم ربک الاعلی**" "**قل یا یہا الکفرون**" اور "**قل ھو اللہ احد**" کے ساتھ وتر پڑھتے تھے اور صرف آخر میں سلام پھیرتے تھے اور متعدد طرق سے بیان کیا کہ تین سورتیں تین رکعتوں میں پڑھتے تھے۔

اس روایت اور پہلی روایت جس میں نماز مغرب کے ساتھ تشبیہ سے منع فرمایا' کو یوں جمع کیا جا سکتا ہے کہ دو تشہدوں کے ساتھ تین رکعات پڑھنے سے منع فرمایا اور اسلاف نے یہ طریقہ بھی اختیار کیا ہے۔

حضرت محمد بن نصر نے حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کے طریق سے روایت کیا کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ وتر نماز کی تیسری رکعت کے لئے تکبیر کے ساتھ اٹھتے اور حضرت مسور بن مخرمہ کے طریق سے مروی ہے کہ حضرت عمر فاروق تین رکعات وتر پڑھتے اور صرف آخر میں سلام پھیرتے' ابن طاؤس کے طریق سے مروی ہے وہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ تین وتر اس طرح پڑھتے کہ ان کے درمیان قعدہ نہ کرتے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما وتر نماز کی ایک رکعت اور دو رکعتوں پر سلام پھیرتے حتیٰ کہ بعض کاموں کا حکم دیتے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ تینوں رکعات ملا کر پڑھا کرتے تھے پس اگر کوئی کام پیش آ تا تو ان کو جدا جدا کرتے پھر جو پڑھ چکے ہوتے اس پر باقی کی بنا کرتے اس میں ان لوگوں کا رد ہے جو کہتے ہیں کہ وتر صرف ملا کر ہی پڑھے جا سکتے ہیں۔

اس سے بھی زیادہ واضح وہ ہے جو امام طحاوی رحمہ اللہ نے حضرت سالم بن عبداللہ بن عمر (رضی اللہ عنہم) کے طریق سے روایت کیا وہ اپنے والد (حضرت ابن عمر) سے روایت کرتے ہیں کہ آپ دو رکعتوں اور ایک وتر کے درمیان ایک سلام کے ساتھ تفریق کرتے اور بتاتے تھے کہ نبی اکرم ﷺ اس طرح کیا کرتے تھے۔ اس حدیث کی سند قوی ہے۔

بعض حضرات نے تفریق کرنے کی فضیلت پر اس طرح استدلال کیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے اس کا حکم بھی دیا اور خود بھی عمل کیا جب کہ ملا کر پڑھنا صرف آپ کے عمل سے ثابت ہے۔

حنفی فقہاء میں سے مخالفت کرنے والوں نے تین رکعات کے سلسلے میں جو کچھ آیا ہے اسے وصل پر محمول کیا ہے حالانکہ بے شمار احادیث تفریق کے سلسلے میں ظاہر ہیں جس طرح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ ہر دو رکعتوں پر سلام پھیرتے تھے تو اس میں آخری دو رکعتوں سے پہلے والی نماز بھی داخل ہے تو یہ حدیث اختلافی مقام پر تصریح کی طرح ہے۔

امام طحاوی رحمہ اللہ نے اس حدیث اور اس کی مثل (احادیث) کو اس بات پر محمول کیا کہ ایک رکعت پچھلی دو رکعتوں کے ساتھ ملائی جاتی تھی اور اس سلسلے میں انہوں نے صرف اس بات سے استدلال کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے بتیراء (دم کٹی نماز) سے منع فرمایا (یعنی کسی شخص کا صرف ایک رکعت پڑھنا)۔

حالانکہ اس بات کا احتمال ہے کہ بتیراء سے مراد صرف ایک رکعت پڑھنا ہے اس سے پہلے کچھ نہ ہو اور یہ وصل اور فصل سے عام ہے (یعنی ایک رکعت میں فصل اور وصل کا احتمال نہیں ہوتا کیونکہ زیادہ رکعات ہوں گی تو ان کو ملا کر پڑھنے یا الگ الگ کر کے پڑھنے کا احتمال ہوگا)۔

وتروں کے بعد نماز

اسلاف کا دو باتوں میں اختلاف ہے۔

(۱) وتروں کے بعد بیٹھ کر دو رکعتوں (نوافل) کے جواز میں۔

(۲) جو شخص وتر پڑھنے کے بعد رات کے وقت نفل پڑھنے کا ارادہ کرے تو کیا اس کے لئے پہلے وتر کافی ہیں اور وہ جس قدر چاہے نوافل پڑھ سکتا ہے یا اپنی وتر نماز کو ایک رکعت سے ملائے پھر نفل پڑھے؟ پھر جب ایسا کر لے تو مزید وتر نماز کی ضرورت ہوگی یا نہیں؟

جہاں تک پہلی بات کا تعلق ہے تو "مسلم شریف میں" ابوسلمہ کے طریق سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ وتر نماز کے بعد بیٹھ کر دو رکعتیں پڑھا کرتے تھے بعض اہل علم نے یہی مؤقف اختیار کیا ہے اور انہوں نے نبی اکرم ﷺ کے ارشاد گرامی "اجعلوا آخر صلاتکم باللیل وترا" (اپنی رات کی آخری نماز کو وتر بناؤ) کو اس کے ساتھ خاص کیا جو رات کے آخر میں وتر پڑھتا ہے۔

جو لوگ اس بات کے قائل نہیں ہیں وہ جواب دیتے ہیں کہ ان دو مذکورہ رکعتوں سے فجر کی دو رکعتیں مراد ہیں اور امام نووی رحمہ اللہ نے اسے اس بات پر محمول کیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کا فعل وتر نماز کے بعد نفل پڑھنے کا جواز بتانے کے لئے ہے نیز یہ کہ نفل نماز بیٹھ کر پڑھنا جائز ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ اکثر حضرات کا موقف ہے کہ وہ جس قدر چاہے دو دو رکعت پڑھے اور اپنے وتر نہ توڑے تاکہ نبی اکرم ﷺ کے اس قول پر عمل ہو جائے آپ نے فرمایا "لا وتران فی لیلۃ" (ایک رات میں دو بار وتر نہیں)۔

یہ حدیث حسن ہے اسے امام نسائی اور ابن خزیمہ نے حضرت طلق بن علی رضی اللہ عنہ کی روایت سے نقل کیا ہے' ان لوگوں کے نزدیک وتر توڑنا جائز ہے جو وتر نماز کے علاوہ ایک رکعت کے ساتھ نفل پڑھنا جائز قرار دیتے ہیں۔

وتر نماز کا وقت اور اس کی قضاء

اسلاف کا وتر نماز قضاء کرنے کے بارے میں بھی اختلاف ہے اکثر نے اس کی نفی کی ہے اور "صحیح مسلم میں" حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ جب کسی درد وغیرہ کی وجہ سے رات کے وقت آرام فرما ہو جاتے اور رات کو نہ اٹھ سکتے تو دن کے وقت بارہ رکعات پڑھتے۔

حضرت محمد بن نصر فرماتے ہیں ہم نبی اکرم ﷺ سے کوئی ایسی حدیث نہیں پاتے کہ آپ نے وتر قضا پڑھے ہوں

اور نہ آپ نے قضا کا حکم دیا۔

حضرت عطاء اور اوزاعی سے مروی ہے کہ قضاء کئے جائیں اگرچہ سورج طلوع ہو جائے' غروب آفتاب تک (قضا کرسکتا ہے) امام شافعی رحمہ اللہ سے بھی یہ بات منقول ہے امام نووی نے ''شرح صحیح مسلم میں'' نقل کیا۔ اور حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آئندہ رات قضاء کرے اور شافعی مسلک والوں کے نزدیک مطلقاً قضا کرسکتا ہے (وقت کی پابندی نہیں)۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: کہ نبی اکرم ﷺ رات کے ہر حصے میں وتر پڑھتے تھے پہلے حصے میں' درمیان میں اور آخر میں (جب چاہتے پڑھتے) آپ کی وتر نماز کا وقت سحری تک پہنچتا۔ اول وقت سے مراد عشاء کے بعد کا وقت ہے۔

یہ بھی احتمال ہے کہ وتر نماز کے وقت میں اختلاف' احوال کے اختلاف کی وجہ سے ہو جب آپ نے رات کے پہلے حصے میں وتر پڑھے تو شاید اس کی وجہ درد کا پایا جانا تھا۔

جب رات کے درمیان والے حصے میں پڑھے تو شاید مسافر ہوں اور آخری وقت میں وتر پڑھنا آپ کا عام معمول تھا کیونکہ آپ صبح سے پہلے رات کے آخری حصے اور سحری کے وقت میں ہمیشہ نماز پڑھتے تھے۔

ماوردی نے کہا کہ اس سے آخری چھٹا حصہ مراد ہے یہ بھی کہا گیا کہ اول وقت' فجر اول کا وقت (سحری) ہے۔

''صحیح ابن خزیمہ میں ہے'' حضرت طلحہ بن نافع' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ جب فجر ہو گئی تو آپ نے کھڑے ہو کر ایک رکعت کا اضافہ کر کے نماز کو وتر بنا دیا۔ ابن خزیمہ کہتے ہیں اس سے فجر اول (سحری کا وقت) مراد ہے۔

نمازِ وتر کا حکم

حضرت امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے مرفوع حدیث روایت کی ہے کہ (نبی اکرم ﷺ نے فرمایا) میرے رب نے میرے لئے ایک نماز زیادہ کی یہ وہ وتر نماز ہے اس کا وقت عشاء سے طلوع فجر تک ہے۔ اس حدیث کی سند میں کمزوری ہے۔ (مسند احمد ج ۵ ص ۲۴۲' مجمع الزوائد ج ۲ ص ۲۳۹' کنز العمال رقم الحدیث: ۱۹۵۲۰)

حضرت خارجہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ کی حدیث جو ''سنن'' میں ہے اس میں بھی اسی طرح ہے۔ وتر نماز کو واجب قرار دینے والوں نے اس سے استدلال کیا لیکن یہ وجوب کے بارے میں صریح نہیں ہے۔

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

الوتر حق فمن لم یوتر فلیس منا. وتر لازم ہیں پس جس نے وتر نہ پڑھے وہ ہم میں سے نہیں۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۴۱۹' السنن الکبریٰ ج ۲ ص ۴۷۰' الترغیب والترہیب ج ۱ ص ۴۰۸' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۲۹۷' الکامل ج ۳ ص ۱۲۵۲۔ ج ۳ ص ۱۶۳۷)

آپ نے یہ بات تین بار فرمائی۔ اس حدیث کی سند میں ابو المنیب ہے جس میں ضعف ہے اگر اس (حدیث) کو قبول کر

بھی لیا جائے تو اس سے استدلال کرنے والا یہ بات ثابت کرنے کا محتاج ہوگا کہ لفظ حق' عرف شریعت میں واجب کے معنیٰ میں ہے اور لفظ واجب' ثابت کے معنیٰ میں خبر واحد کے طریقے سے ثابت ہے۔ واللہ اعلم

نبی اکرم ﷺ (رات کے وقت) نماز پڑھتے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اپنے بستر پر چوڑائی میں آرام فرما ہوتی تھیں جب آپ وتر پڑھنے کا ارادہ فرماتے تو ان کو جگا دیتے پس وہ بھی وتر پڑھتیں۔

یہ اس بات پر دلالت ہے کہ وتر نماز رات کے آخری حصے میں پڑھنا مستحب ہے چاہے تہجد پڑھنے والا ہو یا کوئی دوسرا اور یہ اس صورت میں ہے کہ خود جاگنے یا اور کسی کے جگانے کا یقین ہو۔

اس بات سے بھی اس نماز کے وجوب پر استدلال کیا گیا کہ اس سلسلے میں نبی اکرم ﷺ نے واجب (نماز) والا طریقہ اختیار کیا کہ آپ نے ام المؤمنین کو وتر نماز کے وقت سویا ہوا نہ چھوڑا جب کہ تہجد کے وقت سونے دیا۔

اس پر یہ اعتراض کیا گیا کہ اس سے وجوب لازم نہیں آتا ہاں وتروں کے حکم کی تاکید پر دلالت ہے نیز اس نماز کو رات کے نوافل سے زیادہ فوقیت حاصل ہے۔

اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ نماز کے لئے سوتے ہوئے کو جگانا مستحب ہے اور یہ (جگانا) فرض نماز اور وقت نکل جانے کے خوف سے مختص نہیں ہے بلکہ جماعت کو پانے کے لئے بھی اس کا حکم ہے' پہلے وقت وغیرہ کو پانا مستحبات میں سے ہے۔

قرطبی کہتے ہیں یہ بات کہنا بعید از عقل نہیں کہ واجب کے لئے جگانا واجب اور مستحب کے لئے مستحب ہے کیونکہ سویا ہوا آدمی اگرچہ مکلف نہیں ہے لیکن اس کی رکاوٹ (سونا) جلدی زائل ہونے والا ہے پس وہ غافل کی طرح ہے اور غافل کو خبردار کرنا واجب ہے۔ واللہ اعلم

نمازِ وتر میں قراءت

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ تین رکعات وتر پڑھتے تھے ان میں نو سورتیں مفصل سے پڑھتے ہر رکعت میں تین سورتیں پڑھتے ان کے آخر میں "قل ھو اللہ احد" ہوتی تھی۔ (قصار مفصل مراد ہے جو "لم یکن الذین" سے "والناس" تک ہے)۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ وتروں میں "سبح اسم ربک الاعلی" "قل یا یھا الکفرون" اور "قل ھو اللہ احد" ہر رکعت میں (ایک ایک رکعت میں) پڑھتے تھے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ پہلی رکعت میں "سبح اسم ربک الاعلی" دوسری رکعت میں "قل یا یھا الکفرون" اور تیسری رکعت میں "قل ھو اللہ احد" اور معوذتین (قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس) پڑھتے تھے۔

"سنن ابی داؤد" میں ہے کہ "نبی اکرم ﷺ جب سلام پھیرتے تو یہ کلمات پڑھتے "سبحان الملک القدوس" امام نسائی کے مطابق تین بار پڑھتے ان کے آخر میں آواز لمبا کرتے یعنی آواز کو کھینچتے تھے۔

ایک روایت میں ہے کہ تیسری بار آواز کو بلند کرتے تھے۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اپنے وتروں کے آخر میں یہ کلمات پڑھتے تھے:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِکَ بِرِضَاکَ مِنْ سُخْطِکَ وَبِمُعَافَاتِکَ مِنْ عُقُوْبَتِکَ وَاَعُوْذُ بِکَ مِنْکَ لَآ اُحْصِیْ ثَنَآءً عَلَیْکَ اَنْتَ کَمَآ اَثْنَیْتَ عَلٰی نَفْسِکَ.

یا اللہ! میں تیری رضا کے ساتھ تیری ناراضگی سے اور تیرے معاف کرنے کے ساتھ تیرے عذاب سے تیری پناہ میں آتا ہوں' میں تیری تعریف نہیں کر سکتا تو اسی طرح ہے جس طرح تو نے خود اپنی تعریف کی ہے۔

سنت فجر اور وتروں کے درمیان (مطابقت)

ابن تیمیہ نے کہا کہ سنت فجر عمل کے آغاز اور وتر (عمل کے) خاتمہ کی طرح ہیں اور نبی اکرم ﷺ فجر کی سنتوں اور وتروں میں اخلاص کی دو سورتیں ''سورۂ الکافرون'' اور ''قل هو الله احد'' پڑھتے تھے اور یہ دونوں سورتیں علم و عمل کی توحید معرفت وارادت کی توحید اور توحید اعتقاد کی جامع ہیں۔

''قل هو اللـه احد'' میں معرفت واعتقاد کی توحید اور ان باتوں کا بیان ہے جن کو اللہ تعالیٰ کے لئے ثابت کرنا ضروری ہے مثلاً اس کا ایک ہونا' بے نیاز ہونا (اور بے نیاز ہونا ایک ایسی صفت ہے) جو تمام صفات کمال کو ثابت کرتی ہے جن میں کوئی نقص نہیں' نیز اس سورت میں اولاد' والد اور کفو (ہم پلہ) کی نفی ہے اور یہ نفی تشبیہ' اور مثیل و نظیر کی نفی کو متضمن ہے۔ پس یہ سورت تمام صفات کمالیہ کو ثابت کرنے اور ہر قسم کے نقص کی نفی اور ہر قسم کی مشابہت کی نفی پر مشتمل ہے' توحید عملی اور توحید اعتقادی میں یہی باتیں آتی ہیں۔ اسی وجہ سے یہ سورت قرآن مجید کا تیسرا حصہ ہے کیونکہ قرآن مجید کا دارومدار خبر اور انشاء پر ہے اور انشاء تین چیزیں ہیں۔ امر' نہی' اباحت اور خبر کی دو قسمیں ہیں پہلی قسم خالق اور اس کے اسماء' صفات اور احکام کی خبر دینا اور دوسری قسم مخلوق کے بارے میں خبر دینا پس سورۂ اخلاص اللہ تعالیٰ اور اس کی ذات و صفات کے بارے میں خبر دینے میں خالص ہے لہٰذا یہ قرآن کے تہائی حصے کے برابر ہوا۔

اس نے اپنے پڑھنے والے مومن کو علمی شرک سے خالص کر دیا جس طرح سورۂ کافرون نے شرک عملی سے خالص کر دیا ہے۔ ابن قیم نے اسی طرح کہا ہے۔

ماہِ رمضان میں وتروں میں قنوت

جہاں تک قنوت پڑھنے کا تعلق ہے تو وہ رمضان شریف کے نصف آخر میں وتروں کی آخری رکعت میں پڑھی جائے امام نووی نے ''الاذکار میں'' اس کے مستحب ہونے کا ذکر کیا اور اس پر کوئی دلیل نہیں دی۔ امام ابوداؤد نے دو سندوں کے ساتھ ذکر کیا جن کے راوی ثقہ (قابلِ اعتماد) ہیں لیکن ایک سند منقطع ہے اور دوسری میں ایک راوی کا نام نہیں لیا گیا۔ اس حدیث میں ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی اقتداء میں جمع کیا تو وہ صرف رمضان کے دوسرے نصف میں قنوت پڑھتے تھے۔

حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں میرے نانا (نبی اکرم ﷺ) نے مجھے کچھ کلمات سکھائے کہ میں وتر نماز میں پڑھا کروں' وہ کلمات یہ ہیں:

اَللّٰهُمَّ اهْدِنِيْ فِيْمَنْ هَدَيْتَ وَعَافِنِيْ فِيْمَنْ عَافَيْتَ وَتَوَلَّنِيْ فِيْمَنْ تَوَلَّيْتَ وَبَارِكْ لِيْ فِيْمَا اَعْطَيْتَ وَقِنِيْ شَرَّ مَا قَضَيْتَ اِنَّكَ تَقْضِيْ وَلَا يُقْضٰى عَلَيْكَ وَاَنَّهٗ لَا يَذِلُّ مَنْ وَّالَيْتَ وَلَا يَعِزُّ مَنْ عَادَيْتَ تَبَارَكْتَ رَبَّنَا وَتَعَالَيْتَ.

یا اللہ! مجھے ہدایت یافتہ لوگوں میں ہدایت دے ان لوگوں میں مجھے (بھی) عافیت عطا فرما جن کو تو عافیت عطا کرے میری حفاظت فرما ان میں جن کی تو حفاظت فرمائے اور جو کچھ تو نے عطا کیا اس میں میرے لئے برکت ڈال دے اور جو فیصلہ تو نے کیا اس کے شر سے مجھے بچالے بے شک تو فیصلہ کرتا ہے اور تیرے خلاف فیصلہ نہیں کیا جاتا جس کا تو نگہبان (یا دوست) ہو وہ ذلیل نہیں ہوتا اور جس سے تیری دشمنی ہو اس کو عزت نہیں ملتی اے ہمارے رب! تو برکت والا اور بلند ہے۔

یہ شریک راوی کی روایت کے الفاظ ہیں جسے طبرانی وغیرہ نے ذکر کیا۔

پانچواں باب

نبی اکرم ﷺ کی نمازِ چاشت

اس کے ثابت ہونے میں اختلاف

یہ نماز نبی اکرم ﷺ کی خصوصیات میں شمار کی جاتی ہے' راویوں کا اس بات میں اختلاف ہے کہ کیا نبی اکرم ﷺ نے نماز چاشت پڑھی ہے یا نہیں؟ ان میں سے بعض اس کو ثابت کرتے ہیں اور بعض نے نفی کی ہے۔

علماء کرام میں سے بعض نے ثابت کرنے والے کی روایت کو نفی کرنے والوں کی روایت پر ترجیح دی ہے انہوں نے اسے معروف قاعدہ کی بنیاد پر جاری کیا (یعنی مثبت کی روایت کو نافی کے قول پر ترجیح ہوتی ہے)۔

کیونکہ یہ روایت زائد کو متضمن ہوتی ہے جو نافی سے پوشیدہ ہوتا ہے وہ کہتے ہیں ہو سکتا ہے اس قسم کے آدمی کا علم (دوسروں کے علم سے بڑھ جائے اور وہ لاعلمی کی وجہ سے نفی کرتے ہوں)۔

نمازِ چاشت کو ثابت کرنے والی نصوص

امام حاکم نے فرمایا کہ اس باب میں حضرت ابوسعید' حضرت ابوذر غفاری' حضرت زید بن ارقم' حضرت ابوہریرہ' حضرت بریدہ اسلمی' حضرت ابودرداء' حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ' حضرت عتبان بن مالک' حضرت عتبہ بن عبد السلمی' حضرت نعیم بن ہمار (اصل میں ہمام ہے) غطفانی (الاصابہ ج ۶ ص ۲۵۰ رقم الترجمہ: ۸۷۸۵)' حضرت ابوامامہ باہلی' حضرت عائشہ بنت ابی بکر' حضرت ام ہانی اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہم سے روایت آتی ہے۔ ان سب نے شہادت دی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے چاشت کی نماز پڑھی ہے۔

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کی حدیث کو امام حاکم اور امام ترمذی نے حضرت عطیہ عوفی کے واسطے سے ان سے

روایت کیا وہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ چاشت کی نماز پڑھتے حتیٰ کہ ہم کہتے آپ اسے نہیں چھوڑیں گے اور (کبھی) آپ اسے چھوڑ دیتے حتیٰ کہ ہم کہتے آپ اسے نہیں پڑھیں گے۔

امام ترمذی فرماتے ہیں: یہ حدیث حسن غریب ہے لیکن امام نووی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ عطیہ ضعیف (راوی) ہیں پس شاید اس حدیث کو تقویت حاصل ہوئی ہو۔

حضرت ابوذر غفاری رحمہ اللہ کی حدیث کو امام بزار نے ''اپنی مسند میں'' روایت کیا ہے۔

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کی حدیث کو امام مسلم رحمہ اللہ نے ان الفاظ کے ساتھ نقل کیا کہ نبی اکرم ﷺ چاشت کی نماز پڑھا کرتے تھے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کو امام بزار نے ان الفاظ سے روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ سفر اور اس کے علاوہ چاشت کی نماز نہیں چھوڑتے تھے اس حدیث کی سند ضعیف ہے اس میں یوسف بن خالد سمتی بہت ضعیف (راوی) ہے۔ مصنف نے فرمایا: حضرت بریدہ اسلمی رضی اللہ عنہ کی حدیث کو روایت کیا۔ (آگے جگہ خالی چھوڑی گئی ۔۱۲ ہزاروی)۔

حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ کی روایت کو امام طبرانی نے روایت کیا۔

حضرت ابن ابی اوفی رضی اللہ عنہ کی حدیث کو ابن عدی اور حاکم نے ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا وہ فرماتے ہیں میں نے نبی اکرم ﷺ کو دیکھا آپ نے چاشت کی دو رکعات اس دن پڑھیں جب ابوجہل کا سرتن سے جدا کرنے کی خوشخبری ملی۔

(نماز چاشت کی) نفی کرنے والے بعض علماء ثابت کرنے والوں کی روایت کے بارے میں کہتے ہیں اگر یہ حدیث صحیح ہے تو یہ نمازِ شکر ہے جو چاشت کے وقت واقع ہوئی جس طرح آپ نے فتح مکہ کے دن شکر ادا کیا۔

حضرت عتبان بن مالک رضی اللہ عنہ کی حدیث کو امام احمد نے محمود بن ربیع کے واسطے سے ان سے روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے اپنے گھر میں چاشت کے نفل پڑھے۔

نوٹ: حضرت عتبہ بن عبد، حضرت نعیم بن حمار اور حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہم کی روایت کے بارے میں مصنف نے فرمایا کہ اس حدیث کو روایت کیا۔ (آگے جگہ خالی چھوڑی گئی ہے۔۱۲ ہزاروی)۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کو امام مسلم، امام احمد اور امام ابن ماجہ رحمہم اللہ نے روایت کیا ام المؤمنین فرماتی ہیں کہ نبی اکرم ﷺ چاشت کی چار رکعات پڑھتے تھے اور جس قدر چاہتے اضافہ فرماتے۔

حضرت عبداللہ بن شقیق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کیا رسول اکرم ﷺ چاشت کی نماز پڑھتے تھے؟ انہوں نے فرمایا: نہیں مگر یہ کہ سفر سے واپس تشریف لاتے تو پڑھتے۔

حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا کی حدیث کو امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ نے روایت کیا ہے وہ فرماتی ہیں: فتح مکہ کے دن نبی اکرم ﷺ ان کے گھر تشریف لائے پس آپ نے غسل فرمایا اور آٹھ رکعات پڑھیں میں نے اس سے زیادہ ہلکی پھلکی نماز کبھی نہیں دیکھی البتہ آپ رکوع اور سجدہ کو پورا کرتے تھے۔

ایک دوسری روایت میں ہے، فرماتی ہیں: یہ چاشت کا وقت تھا۔

''صحیح مسلم میں ہے کہ'' نبی اکرم ﷺ نے فتح مکہ کے سال ان کے گھر میں آٹھ رکعات ایک کپڑے میں ادا کیں اور اس کے دونوں کناروں کو مخالف سمت میں ڈال رکھا تھا۔

''سنن نسائی میں ہے کہ'' حضرت ام ہانی فتح مکہ کے سال (دن مراد ہے) نبی اکرم ﷺ کی طرف گئیں تو انہوں نے آپ کو یوں پایا کہ آپ غسل فرما رہے تھے اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے کپڑے سے آپ کے لئے پردہ کر رکھا تھا حضرت ام ہانی نے سلام کیا تو آپ نے فرمایا: یہ کون ہے؟ (فرماتی ہیں) میں نے عرض کیا میں ام ہانی ہوں فرماتی ہیں جب غسل سے فارغ ہوئے تو کھڑے ہو کر آٹھ رکعات پڑھیں اور آپ نے ایک کپڑا لپیٹ رکھا تھا۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۹۱۸، مسند احمد ج ۶ ص ۳۲۳_۳۲۵)

''سنن ابی داؤد میں ہے کہ'' فتح مکہ کے موقع پر نبی اکرم ﷺ نے چاشت کے نوافل آٹھ رکعات پڑھے آپ ہر دو رکعتوں پر سلام پھیرتے تھے۔

''صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی'' روایت سے استدلال کیا گیا کہ چاشت کی نماز کا ہلکا پھلکا ہونا مستحب ہے لیکن یہ بات محل نظر ہے کیونکہ اس بات کا احتمال ہے کہ نبی اکرم ﷺ فتح کے مسائل کے لئے جلدی فارغ ہونا چاہتے ہوں کیونکہ آپ اس میں مشغول تھے اور آپ کے عمل سے ثابت ہے کہ آپ نے چاشت کی نماز پڑھی اور اس کو لمبا کیا۔ یہ بات ابن ابی شیبہ نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے روایت کی ہے۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کو امام حاکم نے اسحاق بن بشر محاربی کی روایت سے نقل کیا ہے وہ فرماتی ہیں کہ نبی اکرم ﷺ چاشت کی نماز بارہ رکعات پڑھتے تھے۔

میں (مصنف) کہتا ہوں کہ حضرت ابن جبیر بن مطعم سے مروی ہے وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے نبی اکرم ﷺ کو چاشت کے وقت چھ رکعات پڑھتے دیکھا ہے یہ حدیث بھی امام حاکم نے روایت کی ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: میں نے نبی اکرم ﷺ کو سفر میں چاشت کی نماز آٹھ رکعات پڑھتے ہوئے دیکھا۔ اس حدیث کو امام احمد رحمہ اللہ نے روایت کیا اور ابن خزیمہ اور ابن حاکم نے اسے صحیح قرار دیا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ چاشت کی نماز پڑھتے تھے۔ اس حدیث کو امام نسائی نے ''اپنی السنن الکبریٰ میں'' روایت کیا امام احمد اور ابو یعلیٰ نے بھی اسے روایت کیا اور اس کی سند عمدہ ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ چاشت کی نماز صرف دو دن پڑھتے تھے جس دن مکہ مکرمہ تشریف لاتے اور جس دن مدینہ طیبہ تشریف لاتے۔

حضرت ابو بکرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ابن عدی نے ''الکامل میں'' نقل کی۔ عمرو بن عبید حضرت حسن سے اور وہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں: نبی اکرم ﷺ چاشت کی نماز پڑھ رہے تھے کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور ابھی آپ بچے تھے جب حضور ﷺ نے سجدہ کیا تو وہ آپ کی پیٹھ پر سوار ہو گئے (آگے پوری حدیث ہے)۔ اس حدیث میں عمرو بن عبید متروک ہیں (ان سے حدیث نہیں لی جاتی)۔

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے چاشت کی چھ رکعات پڑھیں یہ حدیث

امام حاکم نے روایت کی ہے۔

شیخ ولی الدین عراقی فرماتے ہیں: اس سلسلے میں بہت سی مشہور احادیث مروی ہیں حتی کہ محمد بن جریر طبری نے فرمایا کہ یہ احادیث حد تواتر کو پہنچتی ہیں۔

ابن عراقی کہتے ہیں: یہ (چاشت کی نماز) نبی اکرم ﷺ سے پہلے انبیاء کرام علیہم السلام کی نماز بھی تھی۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کے بارے میں خبر دیتے ہوئے فرمایا:

إِنَّا سَخَّرْنَا الْجِبَالَ مَعَهُ يُسَبِّحْنَ بِالْعَشِيِّ وَالْإِشْرَاقِ. (ص:١٨)

بے شک ہم نے ان (داؤد علیہ السلام) کے ساتھ پہاڑوں کو مسخر کر دیا ان کے ساتھ شام اور چاشت کے وقت تسبیح کرتے تھے۔

تو اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کے دین میں اس کی جگہ عصر کو باقی رکھا اور اشراق کی نماز منسوخ ہوگئی۔

قائلینِ نفی کے دلائل

جو لوگ نماز اشراق کی نفی کے قائل ہیں انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے استدلال کیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کسی عمل کو چھوڑ دیتے حالانکہ وہ اس پر عمل کرنا پسند کرتے تھے لیکن اس خوف سے (چھوڑتے تھے) کہ لوگ اس پر عمل کریں گے اور وہ ان پر فرض ہو جائے گا۔ اور نبی اکرم ﷺ نے چاشت کبھی نہیں پڑھی اور میں پڑھتی ہوں۔

نیز مورق عجلی کی روایت سے بھی استدلال کیا ہے وہ فرماتے ہیں: میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے پوچھا کہ کیا آپ چاشت کی نماز پڑھتے ہیں؟ فرمایا: نہیں' میں نے کہا: حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ؟ فرمایا: نہیں' میں نے کہا: حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ؟ فرمایا نہیں' میں نے پوچھا: نبی اکرم ﷺ؟ فرمایا: میرے خیال میں آپ بھی نہیں پڑھتے۔ آپ نے ''لا اخاله'' کا لفظ استعمال فرمایا یعنی میرا گمان نہیں ہے یہ لفظ ہمزہ کے نیچے کسرہ اور اس کے اوپر فتح کے ساتھ دونوں طرح ہے اور خاء نقطے والی ہے۔

حضرت شعبی رحمہ اللہ کا قول ہے کہ میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے سنا وہ فرماتے ہیں مسلمانوں نے نماز چاشت سے زیادہ فضیلت والی بدعت نہیں نکالی (یعنی یہ بدعت حسنہ ہے)۔

حضرت مجاہد رحمہ اللہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: کہ میں اور حضرت عروہ بن زبیر (رضی اللہ عنہم) مسجد میں داخل ہوئے تو وہاں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرۂ مبارکہ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے اور لوگ مسجد میں چاشت کی نماز پڑھ رہے تھے ہم نے ان سے لوگوں کی نماز کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا یہ بدعت ہے (اچھی بدعت مراد ہے جیسا کہ پچھلی حدیث میں ان کا قول گذر چکا ہے۔ ١٢ ہزاروی)۔

ابن ابی شیبہ نے صحیح سند کے ساتھ حضرت حکم بن اعرج سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں: کہ میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے نماز چاشت کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا: یہ بدعت ہے اور کیا ہی اچھی بدعت ہے؟

حضرت عبدالرزاق صحیح سند کے ساتھ حضرت سالم سے اور وہ اپنے والد (عبداللہ بن عمر) سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ شہید ہوئے تو (اس وقت تک) کوئی بھی چاشت کی نماز نہیں پڑھتا تھا اور میرے

نزدیک لوگوں نے اس سے زیادہ پسندیدہ بدعت نہیں نکالی۔

نصوص کو جمع کرنا

علماء کرام نے ان احادیث کو یوں جمع کیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ اس خوف سے چاشت کی نماز ہمیشہ نہیں پڑھتے تھے کہ آپ کی امت پر فرض نہ ہو جائے پس آپ اس سے عاجز ہو جائیں لیکن آپ پڑھتے تھے جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے واضح الفاظ میں بتایا جو پہلے گذر چکا ہے اور جس طرح ام ہانی وغیرہ (رضی اللہ عنہم) نے ذکر کیا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ قول کہ ''میں نے آپ کو یہ نماز پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا'' یہ آپ کے اس قول کے منافی نہیں کہ ''آپ پڑھتے تھے'' کیونکہ چاشت کے وقت نبی اکرم ﷺ ان کے پاس کبھی کبھار ہی ہوتے تھے۔ اس لئے کہ بعض اوقات آپ سفر میں ہوتے اور کبھی موجود ہوتے اور موجودگی کی صورت میں کبھی مسجد میں ہوتے اور کبھی کسی دوسری زوجۂ مطہرہ کے ہاں یا کسی اور کے ہاں ہوتے اور انہوں نے آپ کو ان نادر اوقات میں نماز چاشت پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا پس فرمایا میں نے آپ کو نہیں دیکھا لیکن دیکھنے کے بغیر خود نبی اکرم ﷺ کے بتانے یا کسی اور کے خبر دینے سے اس بات کا علم حاصل ہوا تو یہ بات روایت فرمادی۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا یہ فرمانا کہ میرے خیال میں ایسا نہیں تو ان کے توقف کا سبب یہ تھا کہ ان کو کسی دوسرے سے یہ بات پہنچی کہ آپ نے یہ نماز پڑھی ہے اور ان کو راوی سے یقین حاصل نہ ہوا۔

ان کا یہ کہنا کہ یہ بدعت ہے تو اس کی تاویل یہ ہے کہ ان تک مذکورہ احادیث نہیں پہنچیں یا ان کی مراد یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے یہ نماز ہمیشہ نہیں پڑھی یا یہ کہ اس کو مساجد وغیرہ میں ظاہری طور پر پڑھنا بدعت ہے' یہ سنت بطور نفل ہے جو گھروں میں پڑھی جاتی ہے۔ واللہ اعلم

خلاصہ یہ ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی ان احادیث میں ایسی کوئی بات نہیں جو نماز چاشت کے جواز کو دور کرتی ہو کیونکہ ان کی نفی نہ دیکھنے پر محمول ہے نفس الامر میں اس نماز کے واقع نہ ہونے پر نہیں یا آپ نے ایک مخصوص صفت کی نفی کی ہے جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا ہے۔

ابن ابی شیبہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ انہوں نے ایک جماعت کو یہ نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو ان پر اعتراض کیا اور فرمایا اگر یہ ضروری ہے تو گھروں میں پڑھو۔

دوسرے حضرات اس کو کبھی کبھار پڑھنا مستحب سمجھتے ہیں چند دن پڑھی جائے اور کچھ ایام میں نہ پڑھی جائے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما یہ نماز ایک دن پڑھتے اور دس دن نہیں پڑھتے تھے۔ [1]

نمازِ چاشت کی رکعات اور اس کے پڑھنے کا سبب

دوسرے حضرات اس طرف گئے ہیں کہ یہ نماز کسی سبب کی بنیاد پر پڑھی جائے اور نبی اکرم ﷺ نے فتح مکہ کے دن فتح کی وجہ سے پڑھی تھی اور امراء اسے ''صلاۃ الفتح'' کہتے تھے۔

[1] ہوسکتا ہے وہ پابندی اس لئے نہ کرتے ہوں کہ لوگ اسے فرض نہ سمجھ لیں اور یہ بھی امکان ہے کہ وہ روزانہ پڑھتے ہوں لیکن اظہار کبھی کبھی ہوتا ہو۔ ۱۲ ہزاروی

ان کی دلیل حضرت قاضی عیاض رحمہ اللہ اور ان کے علاوہ حضرات کا قول ہے کہ حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا کی حدیث اس سلسلے میں ظاہر نہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے سنتِ چاشت کا قصد فرمایا انہوں نے صرف نماز کے وقت کے بارے میں خبر دی ہے وہ فرماتے ہیں یہ گذشتہ رات کے وظیفہ کی قضاء تھی جو مشغولیت کی وجہ سے رہ گیا تھا۔

امام نووی رحمہ اللہ نے اس پر اعتراض کیا کہ اس سے استدلال صحیح ہے۔ کیونکہ امام ابوداؤد نے حضرت کریب کی سند سے حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا سے روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے چاشت کے نفل پڑھے۔

اور "صحیح مسلم میں کتاب الطہارت میں" ابومرہ کے طریق سے حضرت ام ہانی سے فتح مکہ کے دن نبی اکرم ﷺ کے غسل کے بارے میں مروی ہے کہ پھر آپ نے چاشت کے نفل آٹھ رکعات پڑھے۔

ابن عبدالبر نے "التمہید میں" حضرت عکرمہ بن خالد کے طریق سے حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا سے روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ مکہ مکرمہ تشریف لائے تو آپ نے آٹھ رکعات پڑھیں میں نے عرض کیا یہ کونسی نماز ہے؟ تو آپ نے فرمایا یہ چاشت کی نماز ہے۔ اس حدیث سے استدلال کیا گیا کہ چاشت کی زیادہ سے زیادہ آٹھ رکعات ہیں۔

امام سبکی نے اسے بعید قرار دیا اور اس کی وجہ یوں بیان کی کہ عبادت میں اصل توقف ہے (یعنی جو نبی اکرم ﷺ سے معلوم ہو وہی تعداد معتبر ہوگی) اور نبی اکرم ﷺ نے زیادہ سے زیادہ رکعات یہی (آٹھ) پڑھیں اور آپ کا عمل اس سے کم تعداد میں بھی آیا ہے۔ جس طرح حضرت ابن ابی اوفیٰ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ آپ نے چاشت کی دو رکعتیں پڑھیں۔

اور نبی اکرم ﷺ کا جو ارشادِ گرامی آیا ہے اور اس میں اس سے زیادہ کا ذکر ہے۔ جس طرح حضرت انس رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث ہے کہ آپ نے فرمایا:

من صلی الضحی ثنتی عشرة رکعة بنی الله له قصرا فی الجنة.

جس نے چاشت کی بارہ رکعات پڑھیں اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت میں محل بنائے گا۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث :۴۷۳' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث :۱۳۸۰' کشف الخفاء ج ۲ ص ۵۷۵' اتحاف السادة المتقین ج ۳ ص ۶۸ ۳' الدر المنثور ج ۵ ص ۲۹۹' الترغیب والترہیب ج ا ص ۴۶۳)

اس حدیث کو امام ترمذی نے نقل کر کے غریب قرار دیا اور اس کی سند میں کوئی ایسا شخص نہیں جسے ضعیف قرار دیا جائے۔

اسی لئے رویانی نے فرمایا کہ اس کی زیادہ سے زیادہ رکعات بارہ ہیں۔

امام نووی رحمہ اللہ نے "شرح المہذب میں" فرمایا کہ اس میں ایک ضعیف حدیث ہے گویا وہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث کی طرف اشارہ کر رہے ہیں لیکن جب اس سے حضرت ابو درداء رضی اللہ کی مرفوع حدیث ملائی جائے جس میں آیا ہے:

ومن صلی ثنتی عشرة رکعة بنی الله له بیتا فی الجنة.

اور جو شخص بارہ رکعات پڑھے اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت میں گھر بنائے گا۔

(سنن نسائی ج ۳ ص ۲۶۳' صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث :۱۱۸۹)

اس کو امام طبرانی نے روایت کیا۔

اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی روایت کو ملایا جائے جس کو امام بزار نے نقل کیا اور اس کی سند میں بھی ضعف ہے۔ تو یہ حدیث (حضرت انس رضی اللہ عنہ والی) قوی ہو جائے گی اور اس میں یہ صلاحیت ہو گی کہ اس سے استدلال کیا جائے۔

امام ترمذی نے امام احمد سے نقل کیا کہ اس باب میں سب سے زیادہ صحیح روایت حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے اور بات وہی جو انہوں نے فرمائی ہے اسی لئے امام نووی رحمہ اللہ نے ''الروضہ میں'' فرمایا: افضل آٹھ رکعات ہیں اور زیادہ سے زیادہ بارہ رکعات ہیں۔ تو انہوں نے اکثر اور افضل کے درمیان فرق کیا ہے۔

جو لوگ اس بات کے قائل ہیں کہ چاشت کی نماز کسی سبب کے بغیر نہ پڑھی جائے وہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کا جواب دیتے ہیں جو ''صحیح بخاری میں'' مروی ہے' وہ فرماتے ہیں:

اوصانی خلیلی ﷺ بثلاث لا ادعھن حتی اموت صوم ثلاثۃ ایام من کل شھر و صلاۃ الضحی (ونوم علی وتر)

میرے خلیل (نبی اکرم) ﷺ نے مجھے وصیت فرمائی کہ میں تین چیزوں کو نہ چھوڑوں ہر مہینے میں تین روزے اور چاشت کی نماز (اور وتر پڑھ کر سونا)۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۱۷۸' مسند احمد ج ۲ ص ۲۳۳۔ ۲۵۸۔ ۲۶۰' مجمع الزوائد ج ۲ ص ۲۱۷)

اس کا جواب یوں دیا کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ رات کے وقت درس حدیث کو نماز پر ترجیح دیتے تھے تو آپ کو قیام لیل کی جگہ چاشت کی نماز کا حکم دیا اسی لئے ان کو حکم فرمایا کہ وہ وتر پڑھ کر سویا کریں جب کہ حضرت ابوبکر صدیق' حضرت عمر فاروق اور دوسرے کسی صحابی (رضی اللہ عنہم) کو یہ حکم نہیں دیا۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے لئے اس وصیت کی طرح حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ کے لئے وصیت بھی آتی ہے جسے امام مسلم نے روایت کیا ہے اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کے لئے بھی ہے اسے امام نسائی نے روایت کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں اس وصیت میں حکمت یہ ہے کہ اس بات کی پابندی سے نفس نماز اور روزے کا عادی بن جائے اور کھلے دل کے ساتھ واجب (کی ادائیگی) میں داخل ہو اور شاید کوئی کمی وغیرہ واقع ہو تو اس کو بھی پورا کیا جاسکے۔

نمازِ چاشت کے فوائد

نمازِ چاشت کے فوائد میں سے یہ بات ہے کہ یہ انسانی جسم کے تین سو ساٹھ جوڑوں پر واجب ہونے والے صدقہ کی جگہ کفایت کرتی ہے۔

جیسا کہ ''صحیح مسلم میں'' حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی حدیث مروی ہے اس میں فرمایا کہ اس (صدقہ) کی جگہ چاشت کی دو رکعتیں کفایت کرتی ہیں۔ (فتح الباری ج ۳ ص ۷۳)

ہمارے (مصنف کے) اصحاب (شافعی مسلک والے حضرات) نے ذکر کیا کہ سنت مؤکدہ کے بعد سب سے افضل نفل چاشت کی نماز ہے لیکن امام نووی رحمہ اللہ نے ''شرح المہذب میں'' نماز تراویح کو ان پر مقدم کیا ہے۔ انہوں نے تراویح کو فضیلت میں سنت مؤکدہ اور چاشت کے درمیان رکھا ہے۔

حافظ ابوالفضل عراقی نے "شرح ترمذی میں" نقل کیا کہ عوام کے درمیان مشہور ہے کہ جو شخص چاشت کی نماز پڑھتے پڑھتے چھوڑ دے وہ اندھا ہو جاتا ہے تو اس وجہ سے کئی لوگوں نے اسے بالکل ہی چھوڑ دیا لیکن ان لوگوں کی بات کی کوئی اصل نہیں بلکہ ظاہر یہ ہے کہ یہ ان باتوں میں سے ہے جو شیطان' عوام کی زبانوں پر جاری کرتا ہے تا کہ ان کو خیر کثیر سے محروم کر دے۔

خصوصاً وہ بات جو حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں آئی ہے اور وصیت میں صرف ان تین باتوں کو رکھا گیا جن کا حدیث میں ذکر کیا گیا کیونکہ نماز اور روزہ بدنی عبادت میں سے سب سے زیادہ شرف والی عبادتیں ہیں۔ اور وہ مذکورہ حضرات مالدار نہیں تھے پس ان کے لئے اعضاء کے صدقہ کی جگہ یہ کافی ہے جیسا کہ حدیث میں ہے۔ واللہ اعلم

امام حاکم نے حضرت ابوالخیر کے طریق سے حضرت عقبہ بن عمار رضی اللہ عنہ سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے ہمیں مختلف سورتوں کے ساتھ چاشت کی نماز پڑھنے کا حکم دیا ان سورتوں میں سے "والشمس و ضحاھا" اور "والضحی واللیل اذا سجی" بھی ہے اور ان سورتوں کی مناسبت بہت واضح ہے (کیونکہ ان میں چاشت کا ذکر ہے)۔ اور اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

نمازِ چاشت نبی اکرم ﷺ کی خصوصیات میں سے نہیں ہے

تنبیہ۔ شیخ الاسلام والحفاظ ابوالفضل ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے "صحیح بخاری میں (مروی)" حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول نقل کیا وہ فرماتی: "میں نے نبی اکرم ﷺ کو چاشت کے نوافل پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا"۔

یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ ان سے جو مروی ہے کہ چاشت کی نماز نبی اکرم ﷺ پر واجب تھی' یہ ضعیف قول ہے جب کہ ایک جماعت نے اسے آپ کی خصوصیات میں ذکر کیا لیکن یہ بات صحیح خبر میں ثابت نہیں ہے۔

"الحاوی میں" الماوردی کا قول ہے کہ نبی اکرم ﷺ فتح مکہ کے بعد وصال تک اسے پابندی سے پڑھتے تھے تو یہ' حدیث ام ہانی کے خلاف ہے جسے امام مسلم نے روایت کیا۔ حضرت ام ہانی فرماتی ہیں آپ نے اس (فتح مکہ) سے پہلے اور بعد نماز چاشت نہیں پڑھی۔

یہ نہ کہا جائے کہ حضرت ام ہانی کے نفی کرنے سے عدم (نہ پڑھنا) لازم آتا ہے کیونکہ ہم کہتے ہیں جو شخص یہ حدیث ثابت کرتا ہے وہ دلیل دینے کا محتاج ہے اور اگر کوئی دلیل پائی جائے تو بھی یہ حجت نہ ہو گی کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی اکرم ﷺ جب کوئی عمل کرتے تو اسے قائم رکھتے تو اس مواظبت (ہمیشگی) سے آپ پر وجوب ثابت نہیں ہوتا۔

ابن عربی نے "عارضۃ الاحوذی میں" فرمایا ہمیں ابوالحسن ارزی نے خبر دی وہ فرماتے ہیں ہمیں طاہر نے خبر دی وہ فرماتے ہیں: ہمیں علی نے خبر دی وہ کہتے ہیں ہمیں ابوالعباس عبداللہ بن عبدالرحمن عسکری نے خبر دی کہ حسین ختنی نے ہم سے بیان کیا وہ فرماتے ہیں ہم سے ابوغسان نے وہ کہتے ہیں ہم سے قیس نے حضرت جابر سے انہوں نے حضرت عکرمہ سے انہوں نے حضرت ابن عباس (رضی اللہ عنہما) سے روایت کرتے ہوئے بیان کیا وہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: مجھ پر قربانی فرض کی گئی اور تم پر فرض نہیں ہوئی اور مجھے چاشت (کی نماز) کا حکم ہوا تمہیں نہیں ہوا (یعنی تم پر واجب

نہیں مستحب ہے)۔ (مسند احمد ج ۱ ص ۳۱۷' السنن الکبریٰ ج ۷ ص ۸۹۔ ج ۹ ص ۲۶۴' المعجم الکبیر ج ۱۱ ص ۳۰۱' سنن دار قطنی ج ۴ ص ۲۸۲' مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۵۷۷۵' الکامل فی الضعفاء ج ۲ ص ۵۱۳)

دوسری قسم

نبی اکرم ﷺ کے نوافل اور ان کے احکام

اس قسم میں دو باب ہیں۔

پہلا باب

اوقاتِ مخصوصہ میں پڑھے جانے والے نوافل

اس باب میں دو فصلیں ہیں۔

فصل نمبر ۱

پانچ نماز اور جمعہ کی سنت مؤکدہ

پہلی نوع

تمام سنت مؤکدہ کی جامع احادیث

حضرت نافع' حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ ظہر سے پہلے دو رکعتیں اور اس کے بعد دو رکعتیں اور مغرب کے بعد دو رکعتیں خانۂ اقدس میں پڑھتے تھے اور عشاء کے بعد دو رکعتیں پڑھتے' جمعہ کے بعد نماز نہ پڑھتے حتیٰ کہ گھر تشریف لے جاتے پس وہاں دو رکعتیں پڑھتے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۹۳۷۔۱۱۶۵۔۱۱۷۲۔۱۱۸۰)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: مجھے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے خبر دی کہ مؤذن جب صبح کی اذان دے کر خاموش ہو جاتا اور صبح ظاہر ہو جاتی تو نبی اکرم ﷺ (فرض) نماز کھڑی ہونے سے پہلے دو ہلکی پھلکی رکعتیں پڑھتے تھے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۱۸' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۸۷' سنن نسائی ج ۳ ص ۲۵۵' مسند احمد ج ۶ ص ۲۸۳' السنن الکبریٰ ج ۲ ص ۴۸۱)

تو یہ دس رکعات ہیں کیونکہ جمعہ کے بعد کی دو رکعتیں ظہر کے بعد کی دو رکعتوں کے ساتھ جمع نہیں ہوتیں البتہ کوئی

عارضہ ہو مثلاً جمعہ کی نماز اور اس کے بعد کی سنتیں پڑھے پھر اس کے لئے واضح ہو کہ جمعہ کی نماز فاسد ہوگئی ہے تو ظہر کی نماز پڑھے اور اس کے بعد اس کی سنتیں پڑھے جس طرح شیخ ولی الدین عراقی نے بتایا ہے۔

حدیث شریف میں "کان" کا لفظ ہے (ان رسول اللہ ﷺ کان یصلی) کیا یہ تکرار پر دلالت کرتا ہے؟ تو اس سلسلے میں اختلاف ہے۔ ابن حاجب نے اس بات کو صحیح قرار دیا کہ یہ تکرار کا تقاضا کرتا ہے وہ فرماتے ہیں ہم نے یہ بات اہل عرب کے اس قول سے حاصل کی "کان حاتم یقری الضیف حاتم مہمانوں کی مہمان نوازی کیا کرتا تھا" (یعنی عمل میں تکرار ہے)۔

امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ نے "المحصول" میں اس بات کو صحیح قرار دیا کہ یہ (کان) تکرار کو نہیں چاہتا نہ لغوی اعتبار سے اور نہ ہی عرفی اعتبار سے۔

امام نووی رحمہ اللہ نے "شرح مسلم میں" فرمایا: کہ مختار بات جس پر اکثر حضرات متفق ہیں یہی ہے اور محقق اصولی بھی یہی فرماتے ہیں۔ ابن دقیق العید نے ذکر کیا کہ عرفی اعتبار سے یہ تکرار کو چاہتا ہے۔

اس بنیاد پر حدیث شریف میں نبی اکرم ﷺ سے ان نوافل (سنتوں) کے تکرار پر دلالت پائی جاتی ہے اور یہ کہ آپ کا طریقہ اور عادت مبارکہ تھی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ ظہر سے پہلے گھر میں چار رکعات پڑھتے پھر تشریف لے جاتے اور صحابہ کرام کو نماز پڑھاتے پھر گھر میں تشریف لا کر دو رکعتیں پڑھتے۔

اور صحابہ کرام کو مغرب کی نماز پڑھانے کے بعد گھر تشریف لاتے اور دو رکعتیں پڑھتے پھر صحابہ کرام کو عشاء کی نماز پڑھاتے اور گھر میں تشریف لا کر دو رکعتیں پڑھتے۔ اس حدیث کے آخر میں ہے کہ جب فجر طلوع ہو جاتی تو دو رکعتیں پڑھتے۔ تو اس طرح بارہ رکعات ہوئیں۔ (احناف کا اسی پر عمل ہے۔ ۱۲ ہزاروی) (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۰۵، مشکوۃ المصابیح رقم الحدیث: ۱۱۶۳، اتحاف السادۃ المتقین ج ۳ ص ۳۴۰۔ ج ۵ ص ۱۴۵، تفسیر قرطبی ج ۸ ص ۳۷۲)

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ ظہر سے پہلے چار رکعات اور فجر سے پہلے دو رکعات نہیں چھوڑتے تھے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۱۸۲، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۲۵۳)

ایک روایت میں ہے کہ آپ دو نمازوں کو پوشیدہ اور ظاہر کسی صورت میں سفر ہو یا حضر نہیں چھوڑتے تھے، صبح سے پہلے دو رکعتیں اور عصر کے بعد دو رکعتیں۔

دوسری نوع

فجر کی دو رکعتیں

ان رکعتوں کی تاکید و تخفیف

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: کہ نبی اکرم ﷺ فجر کی دو رکعتوں سے زیادہ کسی نفل نماز (سنتیں اور نوافل

دونوں مراد ہیں) کی پابندی اور پرواہ نہیں کرتے تھے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۱۲۵۴)

''صحیح مسلم میں ہے کہ'' آپ نے فرمایا یہ دو رکعتیں مجھے تمام دنیا سے زیادہ پسند ہیں۔[1] (صحیح مسلم رقم الحدیث:۹۷)

جب مؤذن خاموش ہو جاتا اور صبح کی روشنی ہو جاتی تو اس وقت نہایت اختصار کے ساتھ یہ دو رکعتیں پڑھتے تھے۔

اسی حدیث کو امام بخاری و مسلم نے روایت کیا اور یہ سنن نسائی کے الفاظ ہیں۔

ان رکعتوں کو ہلکا پھلکا پڑھنے میں کیا حکمت ہے؟ تو اس سلسلے میں اختلاف ہے۔

کہا گیا ہے کہ اس کا مقصد صبح کی نماز اول وقت میں پڑھنے کی جلدی ہوتی تھی۔

امام قرطبی نے اس بات کو قطعی قرار دیا۔

ایک قول یہ ہے کہ دن کی نماز کو مختصر رکعتوں سے شروع کرنا مقصود تھا۔ جیسا کہ آپ رات کی نماز میں یہ طریقہ اختیار فرماتے تھے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے تاکہ فرض نماز یا جو اس کے مشابہ ہے اس میں ہشاش بشاش اور پوری مستعدی سے داخل ہوں۔

بعض حضرات ان دو رکعتوں میں طویل قرأت کی طرف گئے ہیں اکثر حنفی حضرات کا یہی قول ہے اور امام شعبی سے بھی اسی طرح منقول ہے۔

امام بیہقی نے اس سلسلے میں حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے ارسال کے ساتھ مرفوع حدیث نقل کی ہے (یعنی حضرت سعید بن جبیر نے براہ راست نہیں سنی) اور اس حدیث کی سند میں ایک راوی ہے جس کا نام نہیں لیا' بعض حضرات نے کہا کہ طویل قرأت اس شخص کے ساتھ خاص ہے جس کی رات کی نماز سے کچھ قرأت رہ جائے تو وہ فجر کی ان دو رکعتوں میں اسے پالے۔ ابن ابی شیبہ نے صحیح سند کے ساتھ یہ روایت امام حسن بصری رحمہ اللہ سے نقل کی ہے۔

فجر کی سنتوں میں قرأت

نبی اکرم ﷺ اکثر ان میں سے پہلی رکعت میں سورۂ بقرہ کی آیت ''قولوا امنا باللہ وما انزل الینا'' (البقرہ:۱۳۶) اور دوسری رکعت میں ''قل یا اھل الکتاب تعالوا الی کلمۃ سواء بیننا وبینکم ۔۔۔۔ واشھدوا بانا مسلمون'' (آل عمران:۶۴) تک پڑھتے۔

اس حدیث کو امام مسلم' ابوداؤد اور نسائی رحمہم اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت سے نقل کیا ہے۔

ابوداؤد کی روایت جو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اس میں یوں ہے کہ پہلی رکعت میں ''قولوا امنا باللہ وما انزل الینا'' اور دوسری رکعت میں ''ربنا امنا بما انزلت واتبعنا الرسول فاکتبنا مع الشھدین'' (آل عمران:۵۳) یا ''انا ارسلنک بالحق بشیرا ونذیرا ولا تسال عن اصحاب الجحیم'' (البقرہ:۱۱۹) پڑھتے تھے' امام ابوداؤد فرماتے ہیں راوی کو شک ہے۔

---

[1] ایک دفعہ جب عبدالقیس کا وفد مسلمان ہو کر آیا تو ظہر کے بعد کی دو سنتیں رہ گئیں تو نبی اکرم ﷺ نے عصر کے بعد دو رکعتیں پڑھیں اور آپ کی عادت مبارکہ تھی کہ جب کوئی عمل شروع کرتے تو اسے جاری رکھتے اس لئے آپ عصر کے بعد دو رکعتیں پڑھتے تھے یہ آپ کی خصوصیت تھی (دوسرے کسی کے لئے عصر کے بعد نوافل جائز نہیں)۔ زرقانی ج ۸ ص ۱۷

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ نے فجر کی دو رکعتوں (سنتوں) میں "قل یا یھا الکفرون" اور "قل ھو اللہ احد" کی قرأت فرمائی۔

امام ابن ماجہ نے قوی سند کے ساتھ بواسطہ حضرت عبداللہ بن شقیق' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا وہ فرماتی ہیں کہ نبی اکرم ﷺ فجر سے پہلے دو رکعتیں پڑھتے اور فرماتے تھے: یہ دو نہایت اچھی سورتیں ہیں جو فجر کی دو رکعتوں (سنتوں) میں پڑھی جائیں ایک "قل یا یھا الکفرون" اور دوسری "قل ھو اللہ احد"۔

ابن ابی شیبہ نے ابن سیرین کے طریق سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا (وہ فرماتی ہیں:) کہ نبی اکرم ﷺ ان دو سورتوں کو پڑھا کرتے تھے۔

امام ترمذی اور امام نسائی نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں: کہ میں نے ایک مہینہ نبی اکرم ﷺ کی نماز کو غور سے دیکھا تو آپ ان دو سورتوں کی قرأت فرماتے تھے۔

بعض حضرات نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ فجر کی دو سنتوں میں بلند آواز سے قرأت کی جائے لیکن اس میں ایسی کوئی دلیل نہیں کیونکہ یہ بھی احتمال ہے کہ یہ بات آپ کو اس طرح معلوم ہوئی ہو کہ نبی اکرم ﷺ نے سورت کا کچھ حصہ (بلند آواز سے) پڑھا ہو۔

اس بات کی دلیل یہ ہے کہ ابن سیرین کی مذکورہ بالا روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ آپ نے ان رکعتوں میں مختصر قرأت کی۔ ابن عبدالبر نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔

بعض حضرات نے ان احادیث سے اس بات پر بھی استدلال کیا ہے کہ فاتحہ متعین نہیں کیونکہ اخلاص کی دو سورتوں (الکافرون اور الاخلاص) کے ساتھ فاتحہ کا ذکر نہیں۔ اس کا جواب یوں دیا گیا کہ فاتحہ کا ذکر اس لئے نہیں فرمایا کہ یہ واضح بات ہے۔

سنتِ فجر کے بعد لیٹنا

نبی اکرم ﷺ فجر کی دو رکعتیں پڑھنے کے بعد دائیں پہلو پر لیٹ جاتے تھے۔ اس حدیث کو امام بخاری اور امام مسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے نقل کیا ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۱۶۰)

کیونکہ نبی کریم ﷺ دائیں جانب کو پسند فرماتے تھے۔

یہ بھی کہا گیا کہ اس میں حکمت یہ تھی کہ دل بائیں جانب ہوتا ہے اگر اس پہلو پر لیٹا جائے تو نیند گھیر لیتی ہے کیونکہ اس میں آرام زیادہ ہے بخلاف دائیں جانب کے پس دل لٹک رہا ہوتا ہے تو نیند گہری نہیں ہوتی اور یہ بات نبی اکرم ﷺ کے علاوہ لوگوں کے لئے ہے جیسا کہ پوشیدہ نہیں ہے (کیونکہ آپ غافل نہیں ہوتے تھے)۔

اور وہ روایت جس میں آیا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے ایک شخص کو دیکھا کہ اس نے صبح کی دو رکعتیں پڑھیں پھر لیٹ گیا تو آپ نے فرمایا تم نے یہ کام کیوں کیا؟ اس نے کہا میں نے نماز کے درمیان تفریق کے لئے کیا تو آپ نے فرمایا سلام سے افضل فرق کیا ہے؟ اس نے کہا یہ سنت ہے آپ نے فرمایا یہ بدعت ہے۔

اس حدیث کو ابن اثیر نے اپنی جامع میں حضرت رزین سے نقل کیا اسی طرح حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی

انکار مروی ہے اور حضرت ابراہیم نخعی کا قول ہے کہ یہ شیطان کا لیٹنا ہے جیسا کہ ابن ابی شیبہ نے روایت کیا۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۲۴۷)

تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس کو اس بات پر محمول کیا جائے گا کہ ان لوگوں تک نبی اکرم ﷺ کے فعل کی خبر نہیں پہنچی۔

سب سے زیادہ ترجیح اس قول کو ہے کہ (سنتوں اور فرض میں) فرق اور جدائی کرنے کے لیے یہ جائز ہے لیکن نبی اکرم ﷺ نے ہمیشہ اس طرح نہیں کیا اسی لئے ائمہ کرام نے عدم وجوب پر استدلال کیا اور ابوداؤد وغیرہ کے نزدیک جو امر کی روایات ہیں ان کو استحباب پر محمول کیا ہے۔

اس کا فائدہ یہ ہے کہ صبح کی (فرض) نماز کے لئے طبیعت ہشاش بشاش ہو جاتی ہے اسی لئے یہ مستحب ہے البتہ جو عبادت میں خوب کوشش کرتا ہے اس کے لئے مستحب نہیں' ابن عربی نے اسی بات کو قطعی طور پر اختیار کیا ہے۔

اس بات کی شہادت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے بھی ہوتی ہے جو عبدالرزاق نے نقل کی ہے آپ فرماتی ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ سنت کے طور نہیں لیٹتے تھے لیکن آپ رات کو تھک جاتے تو آرام فرماتے۔

اس حدیث میں ایک راوی کا نام نہیں لیا گیا۔

کہا گیا ہے کہ اس کا فائدہ فجر کی سنتوں اور فرض نماز کو الگ الگ کرنا ہے اسی وجہ سے یہ حضور ﷺ کے ساتھ خاص نہیں۔ اسی لئے امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ہر اس کام سے سنت ادا ہو جاتی ہے جس سے فصل حاصل ہو مثلاً چلنا اور گفتگو وغیرہ۔ یہ بات امام بیہقی نے ذکر کی ہے۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: مختار یہ ہے کہ یہ سنت ہے کیونکہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ظاہر ہے حدیث کے راوی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: مسجد کی طرف جانے کی صورت میں فصل کا پایا جانا کافی ہے۔

ابن حزم نے حد سے بڑھتے ہوئے کہا کہ ہر ایک پر واجب ہے اور اس کو نمازِ فجر کے صحیح ہونے کے لئے شرط قرار دیا لیکن بعد کے علماء نے ان کا رد کیا حتیٰ کہ ابن تیمیہ نے حدیث کی صحت پر طعن کیا کیونکہ اس میں عبدالواحد بن زیادہ تنہا ہیں اور اس شخص کے حافظہ کے بارے میں گفتگو کی گئی ہے اور حق یہ ہے کہ اس حدیث کو حجت بنایا جا سکتا ہے۔

بعض بزرگوں کے نزدیک گھر میں مستحب ہے' مسجد میں نہیں۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے یہی بات منقول ہے اور ہمارے بعض شیوخ نے اسے یوں قوی بنایا کہ نبی اکرم ﷺ سے منقول نہیں کہ آپ نے مسجد میں یہ طریقہ اختیار کیا ہو اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں مروی ہے کہ جو شخص مسجد میں اس طرح کرتا آپ اسے کنکری سے مارتے۔ یہ حدیث ابن ابی شیبہ نے نقل کی ہے۔ (الفتح الباری ج ۳ ص ۵۵)

اور نبی اکرم ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ جو شخص فجر کی دو رکعتیں نہ پڑھ سکے وہ سورج طلوع ہونے کے بعد پڑھے۔ (المستدرک ج ۱ ص ۲۷۴' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۴۲۳' شرح السنہ ج ۳ ص ۳۳۵' تفسیر قرطبی ج ۲ ص ۳۰۴' کنز العمال رقم الحدیث: ۱۹۳۳۱) اسے امام ترمذی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے نقل کیا ہے۔

تیسری نوع

ظہر کی سنت مؤکدہ

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے (فرماتے ہیں:) کہ میں نے نبی اکرم ﷺ کے ہمراہ ظہر سے پہلے دو اور ظہر کے بعد دو رکعتیں پڑھیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ ظہر سے پہلے چار اور صبح سے پہلے دو رکعتیں نہیں چھوڑتے تھے۔

اگر یہ کہا جائے کہ آپ جب گھر میں پڑھتے تو چار رکعات پڑھتے اور جب مسجد میں پڑھتے تو دو رکعات پڑھتے تو یہ زیادہ ظاہر ہے اور یہ کہا کہ اس طرح بھی کرتے اور اس طرح بھی (دونوں طرح کرتے تھے) تو ہر ایک نے یعنی حضرت عائشہ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم نے وہی بیان کیا جو دیکھا اور دونوں حدیثیں صحیح ہیں' ان میں سے ایک پر بھی طعن نہیں۔

حضرت ابو جعفر طبری فرماتے ہیں عام طور پر آپ چار رکعات پڑھتے اور بہت کم دو رکعتیں پڑھتے تھے۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ظہر سے پہلے چار رکعات ظہر کی سنتیں نہیں ہیں بلکہ یہ مستقل نماز ہے جسے آپ زوال کے بعد پڑھتے تھے۔

امام بزار حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نصف النہار (زوال) کے بعد نماز پڑھنا پسند کرتے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں دیکھتی ہوں کہ آپ اس وقت نماز پڑھنا پسند کرتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: اس میں آسمان کے دروازے کھلتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کی طرف رحمت سے دیکھتا ہے اور یہ وہ نماز ہے جس کی حفاظت (اور پابندی) حضرت آدم' حضرت نوح' حضرت ابراہیم' حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ (علیہم السلام) نے بھی کی ہے۔

(اتحاف السادۃ المتقین ج ۵ ص ۱۴۵' مجمع الزوائد ج ۲ ص ۲۱۹' الترغیب والترہیب ج ۱ ص ۴۰۰' کنز العمال رقم الحدیث: ۲۲۳۹۳)

حضرت عبد اللہ بن سائب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ زوال شمس کے بعد اور ظہر سے پہلے چار رکعات پڑھتے تھے اور فرماتے: یہ وہ ساعت ہے جس میں آسمان کے دروازے کھولے جاتے ہیں اور میں پسند کرتا ہوں کہ اس میں میرا اچھا عمل اوپر کو جائے۔

امام ترمذی نے ہی یہ حدیث بھی روایت کی ہے کہ ظہر سے پہلے اور زوال کے بعد چار رکعات جیسی نماز سحری کی نماز جیسی شمار ہوتی ہے اور اس وقت ہر چیز اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتی ہے۔

پھر نبی اکرم ﷺ نے یہ آیت پڑھی:

يَتَفَيَّؤُا ظِلٰلُهٗ عَنِ الْيَمِيْنِ وَالشَّمَآئِلِ سُجَّدًا لِّلّٰهِ وَهُمْ دٰخِرُوْنَ. (النحل: ۴۸)

اس کی پرچھائیاں داہنے بائیں جھکتی ہیں' اللہ کو سجدہ کرتی اور اس کے حضور ذلیل ہیں۔

اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے ہو سکتا ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی مراد یہ چار رکعات ہوں کہ آپ ان کو کبھی نہیں چھوڑتے تھے۔

لیکن ظہر کی سنتیں دو رکعت ہوں جس طرح حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا اس کی وضاحت اس بات سے ہوتی ہے کہ تمام نمازوں کی سنتیں دو دو رکعتیں ہیں اس بنیاد پر یہ چار رکعات مستقل نماز کے طور پر آئی ہیں اور اس کا سبب دن کا نصف ہونا اور سورج کا ڈھل جانا ہے۔

اس میں راز یہ ہے کہ دن کا نصف رات کے نصف کے مقابل ہے اور سورج ڈھلنے کے بعد آسمان کے دروازے کھل جاتے ہیں اور نصف رات کے بعد رحمت الٰہی کا نزول ہوتا ہے تو یہ دونوں رحمت کے قریب ہونے کا وقت ہیں اس میں (زوال کے وقت میں) آسمان کے دروازے کھلتے ہیں اور اس میں (نصف رات کے وقت) رب تبارک وتعالیٰ کا نزول ہوتا ہے جو جسمانی حرکت سے پاک ہے (جیسا اس کے شایانِ شان ہے تو اس کی رحمت کا نزول مراد ہے)۔

چوتھی نوع

سنتِ عصر

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ عصر سے پہلے دو رکعتیں پڑھتے تھے۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے ہی مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ عصر سے پہلے چار رکعتیں اس طرح پڑھتے کہ درمیان میں ملائکہ مقربین اور ان کی اتباع کرنے والے مسلمانوں اور مومنین پر سلام فرماتے۔

ایک مرفوع حدیث بھی مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

رحم اللہ امرأ صلی قبل العصر اربعا. اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحم فرمائے جو عصر سے پہلے چار رکعات پڑھتا ہے۔

(مسند احمد ج ۲ ص ۱۱۷ 'سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۲۷۱ 'سنن ترمذی رقم الحدیث: ۴۳۰ 'السنن الکبریٰ ج ۲ ص ۴۷۳ 'موارد الظمآن رقم الحدیث: ۶۱۶ 'مشکوۃ المصابیح للتبریزی رقم الحدیث: ۱۱۷۰۵ 'شرح السنہ ج ۳ ص ۴۷۰ 'الکامل ج ۶ ص ۲۲۴۷ 'کنز العمال رقم الحدیث: ۱۹۳۹۰-۱۹۳۱۰)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: جس دن میری باری ہوتی تو نبی اکرم ﷺ عصر کے بعد تشریف لاتے اور دو رکعتیں پڑھتے۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ نے میرے ہاں کبھی بھی عصر کے بعد دو رکعتوں کو (پڑھنا) نہیں چھوڑا۔

''صحیح مسلم میں ہے کہ'' حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ نے ام المؤمنین سے ان دو رکعتوں کے بارے میں پوچھا جو نبی اکرم ﷺ عصر کے بعد پڑھتے تھے تو انہوں نے فرمایا آپ عصر سے پہلے پڑھا کرتے تھے پھر ان سے (دوسری طرف) مشغول ہو گئے اور ان کو بھول گئے تو عصر کے بعد دو رکعتیں پڑھیں پھر ان کو برقرار رکھا کیونکہ آپ کی عادت مبارکہ تھی کہ جب کوئی نماز پڑھتے تو پھر اسے ثابت رکھتے یعنی ہمیشہ پڑھتے تھے۔

ابوداؤد کی روایت میں ہے ام المؤمنین فرماتی ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ عصر کے بعد دو رکعتیں پڑھتے تھے اور

(دوسروں کو) منع فرماتے تھے اور صوم وصال رکھتے اور (دوسروں کو) صوم وصال سے منع فرماتے۔ [1]

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۲۸۰)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ نے عصر کے بعد دو رکعتیں اس لئے پڑھیں کہ آپ اس مال کی تقسیم میں مشغول ہوئے جو آپ کے پاس آیا اور ظہر کے بعد کی دو رکعتیں رہ گئیں پس آپ نے ان کو عصر کے بعد قضاء کیا پھر دوبارہ یہ دو رکعتیں نہیں پڑھیں۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ ان دو رکعتوں سے منع فرماتے تھے پھر میں نے دیکھا کہ آپ ان کو پڑھتے جب عصر کی نماز پڑھ لیتے پھر میں نے آپ سے ان دونوں کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا: میرے پاس عبدالقیس کے کچھ لوگ مسلمان بن کر آئے تو انہوں نے مجھے ظہر کے بعد کی دو رکعتوں سے مصروف رکھا تو یہ دو رکعتیں وہ ہیں۔ (السنن الکبریٰ ج ۲ ص ۴۵۷)

اس حدیث میں یہ بھی ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: کہ میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے ہمراہ لوگوں کو ان رکعتوں سے روکتا تھا۔

ابن قیم نے کہا کہ ممنوع اوقات میں سنت مؤکدہ کا نبی اکرم ﷺ اور آپ کی امت سب کے لئے ایک ہی حکم ہے لیکن ممنوع وقت میں ان دو رکعتوں کا ہمیشہ پڑھنا آپ کے ساتھ خاص ہے۔ ابن قیم نے کہا کہ یہ عمل آپ کے خصائص میں شمار کیا گیا ہے۔

اس پر دلیل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ عصر کے بعد دو رکعتیں پڑھتے اور دوسروں کو منع فرماتے تھے اور آپ صوم وصال رکھتے لیکن دوسروں کو منع فرماتے لیکن امام بیہقی فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ کے ساتھ اس نماز کا ہمیشہ پڑھنا خاص ہے محض قضاء نہیں۔

امام ترمذی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی جو روایت نقل کی ہے کہ آپ نے عصر کے بعد دو رکعتیں پڑھیں کیونکہ آپ مال تقسیم کرنے میں مشغول ہوئے جو آپ کے پاس آیا تھا تو یہ جریر کی روایت ہے وہ حضرت عطاء سے روایت کرتے ہیں انہوں نے اسے ان سے (اس وقت) سنا جب اس میں (الفاظ کا) اختلاط ہو گیا اور اگر یہ روایت صحیح ہو تو یہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی روایت کی شاہد ہو گی لیکن ان کے قول "پھر آپ نے نہیں پڑھیں" کا ظاہر بتاتا ہے کہ یہ حدیث اس باب میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے ٹکراتی ہے لیکن نفی کو راوی کے علم کی نفی پر محمول کیا جائے گا کہ ان کو اس پر اطلاع نہ ہوئی پس ثابت کرنے والوں کا قول نفی کرنے والوں کے قول پر مقدم ہے۔

اسی طرح امام نسائی رحمہ اللہ نے حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کے طریق سے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے نقل کیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ان کے حجرۂ مبارکہ میں ایک مرتبہ عصر کے بعد دو رکعتیں پڑھیں ان ہی سے ایک روایت ہے کہ میں نے آپ کو اس سے پہلے اور بعد یہ نماز پڑھتے نہیں دیکھا تو ان دونوں حدیثوں کو یوں جمع کیا جائے گا کہ نبی اکرم ﷺ نے یہ رکعتیں صرف اپنے خانۂ اقدس میں پڑھیں اسی لئے حضرت ابن عباس اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہم نے آپ کو (ہمیشہ پڑھتے ہوئے) نہیں دیکھا اور اس بات کی طرف حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ایک روایت

[1] اس روایت سے یہ بات واضح ہو گئی کہ عصر کے بعد کی دو رکعتیں نبی اکرم ﷺ کی خصوصیت میں شمار ہوتی ہیں۔ ۱۲ ہزاروی

میں ان کا اشارہ ملتا ہے' فرماتی ہیں کہ آپ مسجد میں اس بات کے خوف سے نہیں پڑھتے تھے کہ آپ کی امت پر بوجھ ہوگا۔

اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ قول کہ نبی اکرم ﷺ جس دن بھی میرے پاس ہوتے (میری باری ہوتی) تو عصر کے بعد دو رکعتیں پڑھتے تو اس سے آپ کی مراد یہ تھی کہ جب مشغولیت کی وجہ سے ظہر کے بعد کی دو رکعتیں رہ جاتیں تو ان کو پڑھتے ان کی مراد یہ نہیں کہ نماز فرض ہونے کے بعد سے عمر کے آخری وقت تک آپ عصر کے بعد دو رکعتیں پڑھتے رہے۔

پانچویں نوع

مغرب کی سنتِ مؤکدہ

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' فرماتے ہیں: کہ میں نے بے شمار مرتبہ نبی اکرم ﷺ سے مغرب کی نماز کے بعد والی دو رکعتوں میں اور فجر کی (فرض) نماز سے پہلے والی دو رکعتوں میں "قل یا یھا الکفرون" اور "قل ھو اللہ احد" پڑھتے ہوئے سنا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ مغرب کے بعد والی دو رکعتوں میں لمبی قرأت فرماتے حتیٰ کہ اہلِ مسجد (نمازی) چلے جاتے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۳۰۱۔۱۳۰۲' السنن الکبریٰ ج ۲ ص ۱۹۰' مشکوٰۃ المصابیح للتبریزی رقم الحدیث: ۱۱۸۳)

اور نبی اکرم ﷺ کے صحابہ کرام' نبی اکرم ﷺ کا ان کے پاس تشریف لانے سے پہلے مغرب کی فرض نماز سے پہلے دو رکعتیں پڑھتے تھے۔ اس حدیث کو امام بخاری' امام مسلم اور امام ابوداؤد رحمہم اللہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث سے نقل کیا۔

"سنن ابوداؤد میں" ایک روایت ہے' حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے ہمیں (مغرب سے پہلے دو رکعتیں پڑھتے ہوئے) دیکھا تو نہ حکم دیا اور نہ ہی منع فرمایا۔

حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: کہ ہم نبی اکرم ﷺ کے زمانے میں اس طرح کیا کرتے تھے۔

اس حدیث کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے غروب آفتاب کے بعد اور مغرب کی نماز سے پہلے دو رکعتوں پر صحابہ کرام کو برقرار رکھا اور انہوں نے اس پر عمل کیا اور یہ مستحب ہونے کی دلیل ہے۔

اور نبی اکرم ﷺ کا یہ دو رکعتیں نہ پڑھنا استحباب کی نفی نہیں کرتا بلکہ اس بات پر دلالت ہے کہ یہ سنت مؤکدہ نہیں (بلکہ سنت غیر مؤکدہ بھی نہیں کیونکہ آپ نہیں پڑھتے تھے اس لئے مطلقاً سنت نہیں۔۱۲ ہزاروی)۔

امام احمد' اسحاق اور اصحابِ حدیث ان دو رکعتوں کو مستحب قرار دیتے ہیں۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے' فرماتے ہیں: کہ میں نے نبی اکرم ﷺ کے دور میں کسی کو نہیں دیکھا کہ اس نے یہ دو رکعتیں پڑھی ہوں۔

چاروں خلفاء اور صحابہ کرام کی ایک جماعت یہ دو رکعتیں نہیں پڑھتے تھے۔

بعض مالکی حضرات نے ان دو رکعتوں کے منسوخ ہونے کا دعویٰ کیا ہے لیکن اس پر اعتراض کیا گیا کہ نسخ کی کوئی دلیل نہیں اور ثابت کرنے والے یعنی حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت' نفی کرنے والے یعنی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت سے مقدم ہے۔

حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' وہ فرماتے تھے: کہ ہر مسلمان پر لازم ہے کہ وہ مؤذن کی اذان کے بعد دو رکعتیں پڑھے۔ حضرت امام مالک رحمہ اللہ سے ان کا آخری قول یہ ہے کہ یہ دو رکعتیں پڑھنا مستحب ہے۔

شافعی مسلک والوں کے نزدیک بھی یہی بات ہے جسے امام نووی اور ان کی اتباع کرنے والوں نے ترجیح دی ہے انہوں نے "شرح مسلم میں" فرمایا کہ جو لوگ کہتے ہیں کہ ان دو رکعتوں کی وجہ سے مغرب کی نماز اول وقت سے مؤخر ہو جاتی ہے تو یہ فاسد خیال ہے جو سنت کو دور کرنے والا ہے پھر یہ کہ اس کے لئے تھوڑا سا وقت ہے جس سے نماز کی اول وقت سے تاخیر نہیں ہوتی اور دلائل کے مجموعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اختصار کے ساتھ پڑھنا مستحب ہے۔

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا جو چاہے مغرب سے پہلے دو رکعتیں پڑھے (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۱۸۳' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۲۸۱' السنن الکبریٰ ج ۲ ص ۴۷۴' صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث: ۱۲۸۹' سنن دار قطنی ج ۲ ص ۲۶۵' مشکوۃ المصابیح رقم الحدیث: ۱۱۶۵' اتحاف السادۃ المتقین ج ۳ ص ۳۵۰' شرح السنہ ج ۳ ص ۴۷۱' کنز العمال رقم الحدیث: ۱۹۴۱۸) (یہ اختیار) اس حد کی بنیاد پر (ہے) کہ لوگ اسے سنت نہ بنالیں۔

محب طبری نے کہا کہ اس سے استحباب کی نفی مراد نہیں کیونکہ ممکن نہیں کہ آپ غیر مستحب کا حکم دیتے بلکہ یہ حدیث اس نماز کے نفل ہونے پر سب سے بڑی دلیل ہے۔

سنت بنانے کا مطلب اسے شریعت اور طریقہ لازمہ بنانا ہے۔

اور مراد یہ تھی کہ ان دو رکعتوں کا مقام سنت مؤکدہ سے کم ہے اسی لئے اکثر شافعی مسلک والوں نے اس نماز کو سنت مؤکدہ میں شمار نہیں کیا جب کہ بعض نے ان کو سنت مؤکدہ قرار دیا اس پر اعتراض کیا گیا کہ نبی اکرم ﷺ کا ان دو رکعتوں کو ہمیشہ پڑھنا ثابت نہیں۔

نماز مغرب کے بعد والی سنتوں کے بارے میں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: یہ گھروں میں پڑھی جانے والی نماز ہے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۳۰۰' اتحاف السادۃ المتقین ج ۳ ص ۳۴۹' مشکوۃ المصابیح رقم الحدیث: ۸۲۰' کنز العمال رقم الحدیث: ۱۹۴۲۴) اس حدیث کو امام ابوداؤد اور امام نسائی رحمہما اللہ نے حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے روایت کیا ہے۔

نبی اکرم ﷺ سے مروی ہے کہ جس نے مغرب کے بعد کلام کرنے سے پہلے دو رکعتیں پڑھیں اس کی نماز علیین کی طرف اٹھائی جاتی ہے۔ اس حدیث کو رزین نے نقل کیا ہے۔

چھٹی نوع

عشاء کی سنتِ مؤکدہ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ جب بھی عشاء کی نماز پڑھنے کے بعد جب بھی میرے گھر تشریف لاتے تو آپ نے چار یا چھ رکعات پڑھتے۔

''صحیح مسلم میں ہے'' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: پھر آپ لوگوں کو عشاء کی نماز پڑھانے کے بعد میرے حجرۂ مبارکہ میں تشریف لاتے تو دو رکعتیں پڑھتے ''صحیح بخاری و مسلم میں'' حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے اسی طرح حدیث آئی ہے۔ اس قسم کے شروع میں یہ احادیث گزر چکی ہیں۔ (مطلب یہ ہے کہ جیسے مناسب سمجھتے پڑھتے کبھی چار کبھی چھ اور کبھی دو رکعات)۔

ساتویں نوع

جمعۃ المبارک کی سنتیں

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ ظہر سے پہلے دو رکعتیں ظہر کے بعد دو رکعتیں، مغرب کے بعد دو رکعتیں اپنے گھر میں پڑھتے اور عشاء کے بعد دو رکعتیں پڑھتے اور جمعہ کے بعد نماز نہ پڑھتے حتیٰ کہ واپس (گھر) تشریف لا کر دو رکعتیں پڑھتے تھے۔

یہ حدیث امام بخاری رحمہ اللہ نے نقل کی اور جمعہ کی نماز سے پہلے کسی نماز (سنتوں) کا ذکر نہیں کیا۔

ابن منیر نے کہا جیسا کہ ''فتح الباری میں'' نقل کیا کہ گویا حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں اصل یہ ہے کہ ظہر اور جمعہ برابر ہیں حتیٰ کہ کوئی دلیل اس کے خلاف پر دلالت کرے کیونکہ جمعہ، ظہر کا بدل ہے۔

ابن بطال نے کہا ابن عمر رضی اللہ عنہما نے ظہر کے ذکر کے بعد جمعہ کا ذکر اس لئے کیا کہ نبی اکرم ﷺ جمعۃ المبارک کی سنتیں گھر میں پڑھتے تھے جب کہ ظہر کی یہ صورت نہیں تھی۔

وہ فرماتے ہیں اس میں حکمت یہ ہے کہ جمعہ جب ظہر کا بدل ہے اور اس میں دو رکعتوں پر اکتفاء کیا گیا تو اس کے بعد مسجد میں نفل پڑھنا اس خوف سے چھوڑ دیئے کہ کوئی شخص یہ گمان کرے کہ یہ وہی نماز ہے جو چھوڑی گئی ہے (یعنی ظہر کی چار رکعتوں میں سے جو رکعتیں چھوڑی گئیں اور جمعہ کے دو فرض ہوئے)۔

اس بنیاد پر مناسب ہے کہ جمعہ سے پہلے اس نماز سے ملاتے ہوئے دو رکعتیں مسجد میں نہ پڑھے (کیونکہ یہاں بھی وہی شبہ ہوگا)۔

ابوداؤد اور ابن حبان نے ایوب کے طریق سے روایت کیا وہ حضرت نافع سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما جمعہ سے پہلے طویل نماز پڑھتے اور اس کے بعد گھر میں دو رکعتیں پڑھتے اور وہ بیان کرتے کہ نبی اکرم ﷺ

اسی طرح کرتے تھے۔'

امام نووی رحمہ اللہ نے "الخلاصہ" میں اس روایت سے جمعہ سے پہلے کی سنتوں پر استدلال کیا ہے۔

اس پر اعتراض کیا گیا کہ ان کا یہ قول کہ نبی اکرم ﷺ اس طرح کرتے تھے یہ اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ آپ جمعہ کے بعد گھر میں دو رکعتیں پڑھتے تھے اس پر حضرت لیث کی روایت دلالت کرتی ہے وہ بواسطہ حضرت نافع' حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ جب وہ جمعہ کی نماز پڑھ لیتے تو واپس تشریف لا کر گھر میں دو رکعتیں پڑھتے پھر فرماتے: کہ نبی اکرم ﷺ اسی طرح کرتے تھے۔

جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ آپ نماز جمعہ سے پہلے طویل نماز پڑھتے تھے اگر اس سے مراد یہ ہے کہ وقت داخل ہونے کے بعد پڑھتے تھے تو اس کا مرفوع حدیث ہونا صحیح نہیں کیونکہ نبی اکرم ﷺ اس وقت تشریف لاتے جب سورج ڈھل جاتا پس آپ خطبہ میں اور پھر نماز جمعہ میں مشغول ہو جاتے اور اگر وقت داخل ہونے سے پہلے پڑھنا مراد ہے تو مطلق نفل ہیں' سنت مؤکدہ نہیں پس اس سے نماز جمعہ سے پہلے کی سنتوں پر کوئی دلیل نہیں بلکہ یہ مطلق نفل ہیں۔

ایک جماعت نے جمعہ سے پہلے سنتوں کا انکار کیا اور خوب انکار کیا ان میں امام شہاب الدین ابوشامہ بھی شامل ہیں۔ (ابوالقاسم عبدالرحمٰن بن اسماعیل بن ابراہیم الدمشقی' متوفی ٦٦٥ھ) (الاعلام ج ٣ ص ٢٩٩' فوات الوفیات ج ٢ ص ٢٦٩' طبقات الشافعیہ ج ٥ ص ٦١' البدایۃ والنہایہ ج ١٣ ص ٢٥٠' غایۃ النہایہ ج ١ ص ٣٦٥' بغیۃ الوعاۃ رقم الحدیث: ٢٩٧' تذکرۃ الحفاظ ج ٣ ص ١٤٦٠)

کیونکہ جمعہ کی اذان' نبی اکرم ﷺ کے سامنے دی جاتی تھی اور آپ منبر پر ہوتے تھے پس آپ سنتیں نہیں پڑھتے تھے اسی طرح صحابہ کرام کا معاملہ تھا کیونکہ جب امام آ جائے تو نماز چھوڑ دی جاتی ہے۔

ابن عراقی کہتے ہیں میں نے حنفی مالکی فقہاء کے کلام میں نہیں دیکھا کہ جمعہ سے پہلے سنتوں کو مستحب قرار دیا ہو۔

جمعہ کی نماز سے پہلے سنتوں کے بارے میں کچھ دوسری ضعیف احادیث آئی ہیں ان میں سے ایک روایت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جسے امام بزار نے نقل کیا اس کے الفاظ اس طرح ہیں کہ نبی اکرم ﷺ جمعہ سے پہلے چار اور بعد میں چار رکعات پڑھا کرتے تھے۔[1]

اور سب سے زیادہ قوی حدیث جس سے جمعہ کی نماز سے پہلے کی دو رکعتوں کے جواز پر استدلال کیا جاتا ہے اس حدیث کا عموم ہے جسے ابن حبان نے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی روایت سے مرفوعاً نقل کیا کہ ہر فرض نماز سے پہلے دو رکعتیں ہوتی ہیں۔ (یہ بات فتح الباری میں فرمائی ہے)۔

حضرت عطاء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما جب مکہ مکرمہ میں جمعہ کی نماز پڑھتے تو آگے بڑھ کر دو رکعتیں پڑھتے پھر آگے بڑھ کر چار رکعتیں پڑھتے اور جب مدینہ طیبہ میں ہوتے تو جمعہ کی نماز پڑھتے پھر گھر واپس آ کر دو رکعتیں پڑھتے اور مسجد میں نہ پڑھتے ان سے اس بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا نبی اکرم ﷺ اسی طرح کرتے تھے۔

[1] یعنی یہ حدیث ضعیف ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ جمعہ سے پہلے چار اور بعد میں چار سنتیں ثابت نہیں ہیں۔ امام عبدالرزاق نے اسے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے موقوفاً روایت کیا اور یہی درست ہے اسی طرح ابن سعد نے ام المؤمنین حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا سے موقوفاً روایت کیا۔ (زرقانی ج ٨ ص ٢٦)

جامع ترمذی کی روایت میں ہے فرماتے ہیں: کہ میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کو دیکھا آپ جمعہ کے بعد دو رکعتیں پڑھتے پھر اس کے بعد چار رکعات پڑھتے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ہی مروی ہے فرماتے ہیں: کہ رسول اکرم ﷺ جمعہ کے بعد دو رکعتیں پڑھتے تھے۔

ایک روایت میں کہ جمعہ کے بعد گھر میں دو ہلکی پھلکی رکعتیں پڑھتے ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما جمعہ کے بعد دو طویل رکعتیں پڑھتے اور فرماتے کہ نبی اکرم ﷺ اسی طرح کرتے تھے۔

پہلے ایک حدیث گذر چکی ہے کہ حضرت سلیک غطفانی رضی اللہ عنہ جمعہ کے دن حاضر ہوئے اور نبی اکرم ﷺ خطبہ دے رہے تھے اور نبی اکرم ﷺ نے ان سے فرمایا کیا تم نے نماز پڑھی ہے؟ عرض کیا نہیں تو آپ نے فرمایا: اٹھو اور دو رکعتیں پڑھو۔

اس کے علاوہ بھی نماز جمعہ کے بارے میں مباحث ہیں۔

فصل نمبر ۲

نبی اکرم ﷺ کی عیدین کی نماز

اس فصل میں کئی انواع ہیں۔

پہلی نوع

تعدادِ رکعات

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ عید کے دن باہر تشریف لائے تو دو رکعتیں پڑھائیں نہ ان سے پہلے (نفل) نماز پڑھی اور نہ اس کے بعد پھر خواتین کی طرف تشریف لائے اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ آپ کے ہمراہ تھے آپ نے ان کو صدقہ دینے کا حکم فرمایا پس کوئی عورت اپنا بندا صدقہ کر رہی تھی (لسان العرب ج ۴ ص ۶۳) اور کوئی خاتون صدقہ میں ہار دے رہی تھی۔ (لسان العرب ج ۶ ص ۲۰۱)

ایک روایت میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ عید الاضحیٰ یا عید الفطر کے دن تشریف لائے اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے عید الفطر کی نماز دو رکعتیں پڑھائی۔

دوسری نوع

تکبیرات کی تعداد

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے موقعہ پر پہلی رکعت میں سات

تکبیریں اور دوسری رکعت میں پانچ تکبیریں کہتے تھے۔ایک روایت میں یہ اضافہ ہے کہ یہ تکبیریں تکبیر تحریمہ اور رکوع کی تکبیر کے علاوہ تھیں۔

حضرت کثیر بن عبداللہ اپنے والد سے اور وہ ان کے داد (عمرو بن عوف بن زید انصاری) سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے عیدین میں پہلی رکعت میں قرأت سے پہلے سات اور دوسری میں قرأت سے پہلے پانچ تکبیریں پڑھیں۔[1]

تیسری نوع

وقت اور جگہ

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے دن عیدگاہ کی طرف تشریف لے گئے تو سب سے پہلے آپ نے نماز سے آغاز کیا۔

اس حدیث میں ان لوگوں کی دلیل ہے جو کہتے ہیں کہ عید کی نماز کے لئے عیدگاہ کی طرف جانا مستحب ہے اور مسجد کے مقابلے میں عیدگاہ میں نماز پڑھنا افضل ہے کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے ہمیشہ یہی طریقہ اختیار کیا حالانکہ آپ کی مسجد شریف کو فضیلت حاصل ہے اسلامی ممالک میں یہی طریقہ رائج ہے۔لیکن اہل مکہ شروع سے مسجد میں ہی نماز پڑھتے ہیں۔

اور ہمارے اصحاب شافعیہ کے نزدیک دو وجہیں ہیں ایک یہ کہ اسی حدیث کی وجہ سے صحراء افضل ہے اور دوسری وجہ جوان میں اکثر کے نزدیک زیادہ صحیح ہے یہ ہے کہ مسجد افضل ہے ہاں تنگ ہو جائے (تو الگ بات ہے) وہ فرماتے ہیں اہل مکہ نے مسجد کے وسیع ہونے کی وجہ سے وہاں نماز پڑھی اور نبی اکرم ﷺ مسجد کے تنگ ہونے کی وجہ سے باہر تشریف لے گئے پس یہ اس بات کی دلیل ہے کہ مسجد میں گنجائش ہو تو وہ افضل ہے۔

مذکورہ بالا عیدگاہ سے مراد وہ جگہ ہے جو باب مدینہ شرقی پر ہے۔

ابن قیم نے کہا کہ نبی اکرم ﷺ نے نماز عید مسجد میں صرف ایک بار پڑھی ہے بارش ہوگئی تو صحابہ کرام کو مسجد میں نماز عید پڑھائی بشرطیکہ یہ حدیث ثابت ہو۔(اور یہ سنن ابی داؤد اور سنن ابن ماجہ میں ہے)۔

''سنن ابی داؤد'' کے الفاظ اس طرح ہیں:

اصابنا مطر فی یوم فطر فصلی بنا رسول اللہ ﷺ فی المسجد.	عید الفطر کے دن ہم پر بارش ہوئی تو نبی اکرم ﷺ نے ہمیں مسجد میں نماز پڑھائی۔

رزین نے یہ اضافہ کیا کہ آپ ہمیں عیدگاہ میں لے کر نہیں گئے۔

---

[1] احناف کے نزدیک دونوں رکعتوں میں زائد تکبیرات چھ ہیں تین پہلی رکعت میں اور تین دوسری رکعت میں ہیں مذکورہ بالا حدیث کو ضعیف قرار دیا گیا ہے۔۱۲ ہزاروی

چوتھی نوع

اذان اور اقامت

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: کہ میں نے نبی اکرم ﷺ کے ساتھ عیدین کی نماز ایک اور دو سے زیادہ بار (متعدد بار) اذان اور اقامت کے بغیر پڑھی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے عید کی نماز اذان اور اقامت کے بغیر پڑھی۔

پانچویں نوع

عیدین کی نماز میں قرأت

حضرت ابو واقد لیثی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ عید الاضحیٰ اور عید الفطر کی نماز میں "ق والقران المجید" اور "اقتربت الساعة وانشق القمر" کی تلاوت فرماتے تھے۔

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: کہ۔ نبی کریم ﷺ عیدین اور جمعہ کی نماز میں "سبح اسم ربک الاعلی" اور "ھل اتاک حدیث الغاشیة" پڑھتے تھے اور بعض اوقات ایک ہی دن میں دونوں (عید اور جمعہ) کا اجتماع ہو جاتا تو ان دونوں سورتوں کی قرأت فرماتے (مطلب یہ کہ مختلف جمعات میں مختلف سورتیں پڑھتے تھے)۔

چھٹی نوع

نبی اکرم ﷺ کا خطبہ اور اس سے نماز عیدین کا پہلے ہونا

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق (رضی اللہ عنہما) عیدین کی نماز خطبہ سے پہلے پڑھتے تھے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ عید الفطر کے دن باہر تشریف لائے تو خطبہ سے پہلے نماز ادا فرمائی۔

ایک روایت میں ہے کہ آپ کھڑے ہوئے تو نماز سے آغاز فرمایا پھر صحابہ کرام کو خطبہ دیا پھر آپ مستورات کے پاس تشریف لائے اور آپ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے ہاتھ کا سہارا لیا ہوا تھا اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے کپڑا پھیلا رکھا تھا جس میں خواتین صدقہ (کا مال) ڈال رہی تھیں۔

ایک دوسری روایت میں ہے فرماتے ہیں: کہ میں نبی اکرم ﷺ کے ہمراہ عید کے لئے حاضر ہوا آپ نے خطبہ

سے پہلے نماز پڑھائی اس میں اذان اور اقامت نہیں تھی پھر حضرت بلال رضی اللہ عنہ پر ٹیک لگائے ہوئے کھڑے ہوئے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کا حکم دیا' اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی ترغیب دی اور لوگوں کو وعظ ونصیحت فرمائی پھر تشریف لے گئے حتیٰ کہ عورتوں کے پاس تشریف لائے اور ان کو وعظ ونصیحت فرمائی اور فرمایا: صدقہ کرو کیونکہ تم میں سے اکثر جہنم کا ایندھن ہیں عورتوں کے درمیان میں سے ایک عورت جس کے رخساروں میں سیاہی تھی' (لسان العرب ج۶ ص ۲۸۱) کھڑی ہوئی اور کہا یارسول اللہ! کیوں (جہنم میں جائیں گی؟) فرمایا اس لئے تم شکایات زیادہ کرتی ہو اور خاوند کی نافرمانی کرتی ہو۔ راوی فرماتے ہیں پس انہوں نے اپنے زیورات صدقہ کرنا شروع کر دیئے وہ اپنے بُندے اور انگوٹھیاں حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے کپڑے میں ڈالتی تھیں۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث:۹۷۹)

''صحیح بخاری میں'' حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے نماز سے آغاز فرمایا پھر سلام پھیرنے کے بعد صحابہ کے سامنے کھڑے ہوئے اور صحابہ کرام اپنی صفوں میں تھے آپ ان کو وعظ ونصیحت کرنے لگے اور ان کو حکم دیتے تھے اگر کوئی لشکر ترتیب دینا چاہتے تو ترتیب دیتے کسی بات کا حکم دینا چاہتے تو حکم دیتے۔

پھر واپس چلے جاتے حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: مسلمانوں کا مسلسل یہی طریقہ رہا حتیٰ کہ میں مروان کے ساتھ عید الاضحیٰ یا عید الفطر کے لئے نکلا اس وقت وہ مدینہ طیبہ کا امیر تھا جب ہم عیدگاہ کے پاس آئے تو وہاں منبر تھا جسے کثیر بن صلت نے بنایا تھا تو مروان اس پر چڑھنے لگا تو میں نے کہا اللہ کی قسم! تم نے (طریقہ) تبدیل کر دیا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۹۵۶)

ابن خزیمہ کی روایت میں ہے کہ عید کے دن نبی اکرم ﷺ نے پاؤں مبارک پر کھڑے ہو کر خطبہ دیا۔

یہ اس بات کی خبر ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے زمانے میں عیدگاہ میں منبر نہیں تھا اور اس پر حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کا یہ قول دلالت کرتا ہے کہ (وہ فرماتے ہیں) ''لوگوں کا طریقہ یہی رہا حتیٰ کہ میں مروان کے ساتھ نکلا''۔

(المدونہ ج۱ ص۲۳۶)

یہ قول اور اس کا مقتضیٰ (دلالت کرتا ہے) یا پہلا شخص جس نے (عیدگاہ میں منبر) اختیار کیا وہ مروان ہے۔

امام مالک رحمہ اللہ کی ''المدونہ'' میں ہے کہ سب سے پہلے منبر پر لوگوں کو خطبہ دینے والے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ ہیں' آپ نے گارے سے بنے ہوئے منبر پر ان (سامعین) سے کلام فرمایا' اس منبر کو کثیر ابن الصلت نے بنایا تھا لیکن یہ حدیث معضل ہے[1] اور جو کچھ ''صحیح بخاری و مسلم میں'' ہے وہ زیادہ صحیح ہے۔

امام مسلم رحمہ اللہ نے داؤد بن قیس سے امام بخاری کی روایت کی طرح روایت کیا کہ یہ بھی احتمال ہے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ ایسا کیا ہو پھر اسے چھوڑ دیا ہو حتیٰ کہ مروان نے اس کا اعادہ کیا اور حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ اس پر مطلع نہ ہوئے۔ یہ بات شیخ الاسلام ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے کی ہے۔

---

[1] حدیث معضل وہ حدیث ہوتی ہے جس کی سند سے دو راوی ایک ہی جگہ سے چھوٹے ہوئے ہوں۔

ساتویں نوع

عیدالفطر کے دن نبی اکرم ﷺ کا نماز کے لئے جانے سے پہلے کچھ کھانا

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ عیدالفطر کے دن تشریف نہ لے جاتے حتیٰ کہ چند کھجوریں تناول فرماتے۔

یہ حدیث امام بخاری رحمہ اللہ نے روایت کی ہے اور فرمایا: کہ مرجاً بن رجاء نے کہا مجھ سے عبیداللہ نے بیان کیا (وہ فرماتے ہیں) مجھ سے حضرت انس رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہوئے بیان کیا کہ آپ طاق کھجوریں تناول فرماتے تھے۔

امام حاکم رحمہ اللہ نے حضرت عتبہ بن حمید کی روایت سے وہ ان سے (بواسطہ عبیداللہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے) ان الفاظ میں نقل کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ عیدالفطر کے دن کبھی بھی تشریف نہیں لے گئے حتیٰ کہ آپ چند کھجوریں تناول فرماتے تین یا پانچ یا سات یا اس سے کم یا زیادہ ہوتیں لیکن طاق ہوتیں۔

کھانے میں حکمت

مہلب فرماتے ہیں: نماز سے پہلے کھانے میں حکمت یہ ہے کہ کوئی گمان کرنے والا یہ گمان نہ کرے کہ نماز عید پڑھنے سے پہلے روزہ رکھنا لازم ہے گویا آپ نے اس راستے کو بند کرنے کا ارادہ فرمایا۔

دوسرے حضرات فرماتے ہیں: جب روزے کی فرضیت کے بعد روزہ چھوڑنا لازم ہوا تو اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں چھوڑنے کی جلدی کرنا مستحب ہے' کم کھانے پر آپ کا اکتفا کرنا اس بات کی طرف اشارہ ہے اگر تعمیل حکم خداوندی کی بات نہ ہوتی تو آپ سیر ہو کر کھاتے اس بات کی طرف ابن ابی جمرہ نے اشارہ کیا ہے۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ شیطان جسے رمضان المبارک میں قید کر دیا جاتا ہے اسے نماز عید کے بعد کھولا جاتا ہے پس اس کے وسوسوں سے بچنے کے لئے جلد از جلد روزے کو چھوڑنا مستحب ہے۔

اور کھجوریں کھانے میں حکمت یہ ہے کہ میٹھی چیز آنکھوں کی بینائی کو تقویت دیتی ہے جسے روزہ کمزور کرتا ہے اور میٹھی چیز ایمان کے موافق ہے اور خواب کی تعبیر اسی کے ساتھ کی جاتی ہے (جو شخص خواب میں میٹھا کھاتا ہے تو اس کی تعبیر ایمان کی مضبوطی کے ساتھ کی جاتی ہے)۔

اور اس سے دل میں نرمی پیدا ہوتی ہے اسی لئے بعض تابعین نے مطلقاً میٹھے سے افطار کو مستحب قرار دیا جیسا کہ شہد ہے۔

یہ بات ابن ابی شیبہ نے حضرت معاویہ بن قرہ' ابن سیرین اور ان کے علاوہ حضرات سے نقل کی ہے۔

"سنن ترمذی" میں ہے' اور امام حاکم نے بھی حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ کی حدیث روایت کی ہے وہ فرماتے ہیں: کہ

نبی اکرم ﷺ عیدالفطر کے دن جب تک کچھ تناول نہ فرماتے عید کے لئے تشریف نہ لے جاتے اور عیدالاضحیٰ کے دن اس وقت تک کچھ نہ کھاتے جب تک نمازِ عید نہ پڑھ لیتے۔

اسی قسم کی حدیث امام بزار رحمہ اللہ نے حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔

طبرانی اور دارقطنی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا' وہ فرماتے ہیں سنت یہ ہے کہ عیدالفطر کے دن اس وقت تک نہ جائے جب تک صدقہ فطر ادا نہ کرے اور کوئی چیز کھا نہ لے۔

تینوں روایات کی اسناد پر اعتراضات کئے گئے ہیں۔

اکثر فقہاء نے ان احادیث سے وہ مسائل اخذ کئے جن پر یہ دلالت کرتی ہیں (اور یہ ایک دوسری کو مضبوط کرتی ہیں)۔

ابن منیر نے کہا کہ نبی اکرم ﷺ نے دونوں عیدوں میں اس وقت تناول فرمایا جس وقت ان عیدوں کا مخصوص صدقہ دینا جائز ہے پس صدقۂ فطر' عیدگاہ کی طرف جانے سے پہلے ہوتا ہے اور عیدالاضحیٰ کا صدقہ جانور کو ذبح کرنے کے بعد ہوتا ہے پس اس ایک جہت سے دونوں جمع ہیں اور دوسری جہت سے مختلف ہیں (یعنی وقت دونوں کا مختلف ہے لیکن صدقہ دینے اور کھانے کے وقت میں مطابقت ہے)۔

نمازِ عید کے لئے پیدل جانا

حضرت امام شافعی رحمہ اللہ نے ''کتاب الام میں'' فرمایا کہ ہمیں امام زہری رحمہ اللہ سے یہ بات پہنچی ہے کہ نبی اکرم ﷺ عید کی نماز اور نمازِ جنازہ کے لئے کبھی بھی سوار ہو کر تشریف نہیں لے گئے۔ (الام الشافعی ج ا ص ۲۳۳)

''جامع ترمذی میں'' حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: سنت یہ ہے کہ عیدگاہ کی طرف پیدل جائے۔

''سنن ابن ماجہ میں'' حضرت سعد قرظی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ عید کے لئے پیدل جاتے تھے۔

اس میں حضرت ابورافع سے اس کی مثل مروی ہے اور تینوں احادیث کی اسناد ضعیف ہیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ جب عید کے دن ایک راستے سے تشریف لے جاتے تو دوسرے راستے سے واپس تشریف لاتے۔

اس حدیث کے مفہوم میں بہت سے مختلف اقوال ہیں' حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں میرے پاس بیس سے زیادہ قول جمع ہیں میں نے ان کی تلخیص کی اور کمزور اقوال کی وضاحت کی ہے۔ ان اقوال میں سے یہ بھی ہے کہ آپ نے یہ عمل اس لئے اختیار کیا کہ دونوں راستے آپ کے لئے گواہی دیں۔

کہا گیا ہے کہ دونوں راستوں میں رہنے والے جن اور انسان گواہی دیں یہ بھی کہا گیا کہ دونوں راستوں کو آپ کے گزرنے کی وجہ سے برابر کی فضیلت اور برکت حاصل ہو یا یہ کہ آپ جس راستے سے گزریں وہاں سے کستوری کی خوشبو سونگھی جائے کیونکہ آپ کے بارے میں یہ بات مشہور ہے (کہ آپ جدھر سے گزرتے تھے کستوری کی خوشبو آتی تھی)۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ عید گاہ کی طرف آپ کا راستہ دائیں جانب تھا اگر ادھر سے ہی لوٹتے تو بائیں جانب سے لوٹتے تو آپ نے دائیں جانب کو ترجیح دی۔ اور یہ بات دلیل کی محتاج ہے۔

کہا گیا کہ اس کا مقصد دونوں راستوں میں شعائر اسلام کو ظاہر کرنا تھا۔ ایک قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر کو ظاہر کرنا مقصود تھا۔ کہا گیا کہ منافقین یا یہودیوں کو غصہ دلانا تھا' یہ بھی کہا گیا کہ دونوں گروہوں یا ان میں سے ایک کے مکرو فریب سے بچنا مقصود تھا۔ یہ قول بھی کیا گیا کہ آپ کے گزرنے سے سب کو خوشی حاصل ہو یا ان کو برکت حاصل ہو یا مسائل پوچھتے تعلیم' اقتداء' طلب ہدایت اور آپ کا ان کو سلام کرنا وغیرہ امور کے ذریعے ان کو فائدہ حاصل ہو۔

ایک قول یہ ہے کہ آپ اپنے زندہ اور فوت شدہ اقارب کی زیارت وملاقات کریں۔ ایک قول یہ ہے کہ صلہ رحمی فرمائیں۔ کہا گیا ہے کہ حالت کی تبدیلی (راستے کی تبدیلی) سے مغفرت اور رضائے الٰہی کی طرف حالت کو بدلنے کی نیک فال لینا مقصود تھا۔

کسی نے کہا کہ آپ جاتے ہوئے صدقہ کرتے تھے' واپس لوٹتے تو آپ کے پاس کچھ بھی باقی نہ ہوتا تو آپ دوسرے راستے سے تشریف لاتے تاکہ کسی سائل کے سوال کو رد نہ کیا جائے۔ یہ قول بہت کمزور ہے اور دلیل کا بھی محتاج ہے۔

ایک قول یہ ہے کہ آپ نے ہجوم کم کرنے کے لئے یہ طریقہ اختیار فرمایا' شیخ ابوحامد نے اس بات کو ترجیح دی ہے۔

یہ بھی کہا گیا کہ آپ جس راستے سے تشریف لے جاتے تھے وہ اس راستے کے مقابلے میں زیادہ دور تھا جس سے آپ واپس تشریف لاتے پس آپ نے جاتے وقت زیادہ قدموں کے ذریعے زیادہ اجر کا ارادہ فرمایا لیکن واپسی پر آپ جلدی جلدی گھر پہنچنا چاہتے تھے۔ یہ بات امام رافعی رحمہ اللہ نے اختیار کی ہے۔

اس پر اعتراض کیا گیا کہ یہ دلیل کی محتاج ہے نیز واپسی پر بھی چلنے کا اجر مطلوب ہوتا ہے جیسا کہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے جو امام ترمذی وغیرہ نے نقل کی ہے۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ ملائکہ راستوں میں کھڑے ہوتے ہیں تو آپ نے ارادہ فرمایا کہ ان میں سے دونوں فریق آپ کے لئے گواہی دیں۔

ابن ابی جمرہ فرماتے ہیں: یہ اس قول کے معنی میں ہے جو حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں سے فرمایا تھا کہ ایک دروازے سے داخل نہ ہونا تو اس بات کی طرف اشارہ فرمایا کہ آپ نے یہ عمل نظر لگنے سے بچنے کے لئے کیا۔

عورتوں کا نماز عید کے لئے جانا

نبی اکرم ﷺ نوجوان' بوڑھی' کنواری اور حیض والی (سب) عورتوں کو عیدین (کی نماز) کے لئے نکلنے کا حکم دیتے تھے۔ حیض والی عورتیں عید گاہ سے الگ رہتیں اور مسلمانوں کی دعا میں شریک ہوتیں۔ ان میں سے ایک نے کہا یا رسول اللہ! ہم میں سے کسی (خاتون) کے پاس بڑی چادر نہیں ہوتی (تو کیا کریں) آپ نے فرمایا: دوسری خاتون اس کو اپنی چادر کے نیچے کرلے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۹۸۰' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۳' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۳۰۷' مسند احمد ج ۵ ص ۸۵' مسند الحمیدی رقم الحدیث: ۳۶۱) اس حدیث کو امام بخاری' امام مسلم اور امام ترمذی نے روایت کیا اور الفاظ جامع ترمذی کے

ہیں۔

اس حدیث میں (عورتوں پر) نماز عید کے واجب ہونے کی کوئی دلیل نہیں کیونکہ ان میں وہ خواتین بھی شامل ہیں جو مکلف نہیں (جیسے حیض والی عورتیں) تو واضح ہوا کہ مقصود زیادہ اجتماع کے ذریعے شعائر اسلام کو ظاہر کرنا تھا اور یہ کہ سب کو برکت حاصل ہو جائے۔

اس حدیث سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ عورتوں کا عید کے موقع پر حاضر ہونا مستحب ہے وہ جوان ہوں یا نہ اچھی صورت والی ہوں نہ ہو۔

لیکن امام شافعی رحمہ اللہ نے "الام" میں فرمایا کہ یہ حدیث خوبصورت عورتوں کے استثناء کا تقاضا کرتی ہے وہ فرماتے ہیں میں ان بوڑھی عورتوں کا نماز میں حاضر ہونا پسند کرتا ہوں جو خوبصورت نہ ہوں اور عیدوں میں ان کی حاضری تو زیادہ مستحب ہے۔ (الام الشافعی ج ا ص ۲۳۰)

ان میں سے بعض حضرات نے اس کے منسوخ ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔

امام طحاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے حیض والی عورتوں اور پردہ نشین عورتوں کو عید کی نماز کے لئے جانے کا حکم دیا تو اس میں اس بات کا احتمال ہے کہ آغاز اسلام میں ایسا اس لئے ہوا کہ مسلمانوں کی جماعت کم تھی تو آپ نے دشمنانِ اسلام کو مرعوب کرنے کے لئے عورتوں کی حاضری کے ذریعے تعداد بڑھانے کا ارادہ فرمایا لیکن اس زمانے میں اس کی ضرورت نہیں۔

اس پر اعتراض کیا گیا کہ محض احتمال سے نسخ ثابت نہیں ہوتا جب کہ حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں اس حکم کی علت واضح الفاظ میں بیان کردی گئی ہے اور وہ علت ان (خواتین) کا بھلائی اور مسلمانوں کی دعا میں شریک ہونا نیز اس دن کی برکت اور طہارت (کے حصول) کی امید رکھنا تھا۔ نبی اکرم ﷺ کے وصال کے بعد ایک مدت تک حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا نے اس پر فتویٰ دیا اور کسی ایک صحابی سے بھی ان کی مخالفت ثابت نہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول کہ اگر نبی اکرم ﷺ دیکھ لیتے کہ آپ کے بعد عورتوں نے کیا طریقہ اختیار کیا ہے تو آپ ان کو مساجد (میں آنے) سے روک دیتے۔

تو یہ حدیث اس پہلی حدیث سے نہیں ٹکراتی کیونکہ یہ نادر ہے اگر ہم مان لیں کہ اس میں اس بات پر دلالت ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس کے خلاف فتویٰ دیا حالانکہ اس میں ایسی دلالت کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے روکنے کا فتویٰ دیا ہو صریح نہیں ہے۔

امام طحاوی کا یہ قول کہ دشمن کو ڈرانے کی خاطر ایسا کیا تو یہ بات محل نظر ہے کیونکہ عورتوں کے ذریعے لڑائی میں مدد حاصل کرنا اور کثرت دکھانا کمزوری پر دلالت ہے۔

سب سے بہتر بات یہ ہے کہ یہ طریقہ (عورتوں کی حاضری) ان لوگوں کے ساتھ خاص ہے جو عورتوں کے ذریعے حاصل ہونے والے فتنہ سے محفوظ ہوں اور ان کی حاضری سے کوئی شرعی مخالفت لازم نہ آئے نیز راستے اور اجتماع میں مردوں کے ساتھ ٹکراؤ نہ ہو۔ یہ بات "فتح الباری" میں فرمائی ہے۔

عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے دن نبی اکرم ﷺ ایک چھوٹے عصا (جس کے آگے لوہا لگا ہوتا تھا) کو لے کر تشریف

لے جاتے اور اس کو گاڑ کر اس کے سامنے نماز پڑھتے تھے۔ (نوٹ: یہ سُترہ ہوتا تھا تا کہ آگے سے گزرنے والے گزر سکیں۔۱۲ہزاروی)۔

مسلمانوں کی عیدیں

جب تم سب باتیں معلوم کر چکے ہو تو جان لو کہ مومنوں کی اس دنیا میں تین عیدیں ہیں ایک عید ہر ہفتے آتی ہے اور دو عیدیں ہر سال ایک ایک بار تکرار کے بغیر آتی ہے ں۔

جو عید بار بار ہر ہفتے آتی ہے وہ جمعہ کا دن ہے اور یہ ہفتہ وار عید ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرض نمازوں کی تکمیل پر مرتب ہوتی ہے پس ان کے لئے عید رکھی گئی۔

اور دو عیدیں جو سال میں بار بار نہیں آتیں بلکہ دونوں' سال میں ایک مرتبہ آتی ہیں تو ان میں سے ایک عید' عید الفطر ہے جو رمضان شریف کے روزوں کے بعد آتی ہے وہ رمضان المبارک کے روزے مکمل کرنے پر ہوتی ہے اور یہ روزے اسلام کے ارکان میں سے تیسرا رکن اور بنیاد ہیں۔

پس جب مسلمان رمضان کے روزے جو ان پر فرض ہیں' پورے کر لیتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بخشش اور جہنم سے آزادی کے مستحق ہو جاتے ہیں کیونکہ اس مہینے کے روزے گذشتہ گناہوں سے بخشش کو لازم کرتے ہیں اور اس کا آخری عشرہ جہنم سے آزادی ہے جو شخص گناہوں کی وجہ سے جہنم کا مستحق ہو جاتا ہے اللہ تعالیٰ اسے اس سے آزاد کر دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے روزوں کے بعد عید رکھی ہے کہ اس میں جمع ہو کر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں' اس کا ذکر کریں اور اس کی بڑائی بیان کریں کہ اس نے اس عبادت کی طرف ان کی رہنمائی کی۔

اور اس عید میں ان کے لئے نماز اور صدقہ کا حکم دیا اور یہ اجرتیں ملنے کا دن ہے' اس دن روزہ داروں کو ان کے روزوں کا اجر ملتا ہے اور وہ مغفرت کے ساتھ واپس لوٹتے ہیں۔

دوسری عید قربانی کی عید ہے اور یہ مسلمانوں کی سب سے بڑی اور افضل عید ہے اور یہ حج کی تکمیل پر ہوتی جو اسلام کے ارکان اور بنیادوں میں سے چوتھا رکن ہے جب مسلمان اپنا حج پورا کر لیتے ہیں تو ان کو بخش دیا جاتا ہے اور حج عرفہ کے دن (نو ذوالحجہ کو) مکمل ہو جاتا ہے کیونکہ عرفات میں وقوف' حج کا رکن اعظم ہے اور یوم عرفہ جہنم سے آزادی کا دن ہے پس اللہ تعالیٰ اس دن ان لوگوں کو جہنم سے آزاد کر دیتا ہے جو عرفات میں وقوف کرتے ہیں (ٹھہرتے ہیں) اور جو مسلمان دوسرے شہروں میں ہونے کی وجہ سے وہاں وقوف نہیں کر سکتے ان کو بھی بخش دیا جاتا ہے۔

اس لئے اس سے ملا ہوا دن تمام ممالک کے مسلمانوں کے لئے عید کا دن ہو گیا۔ ان میں کوئی حج کے لئے حاضر ہو یا نہ' کیونکہ عرفہ کے دن (جہنم سے) آزادی اور بخشش میں تمام مشترک ہیں۔

اور سب کے لئے اس دن قربانی کے جانوروں کا خون بہانے کے ذریعے قرب خداوندی کا حصول رکھا گیا پس یہ دن ان کی طرف سے اس نعمت پر شکر ادا کرنے کا دن ہے۔

اس دن نماز اور قربانی کا اجتماع عید الفطر کے دن نماز اور صدقۂ فطر کے اجتماع سے افضل ہے اسی لئے نبی اکرم ﷺ کو کوثر (خیر کوثر) کی عطا پر اپنے رب کا شکر' نماز اور قربانی کے ذریعے ادا کرنے کا حکم دیا گیا (سورۂ کوثر میں یہ حکم

دیا)۔

نبی اکرم ﷺ نے دو چت کبرے سینگوں والے مینڈھوں کی قربانی اپنے دست مبارک سے پیش کی اور بسم اللہ ' اللہ اکبر کے کلمات پڑھے۔ اس حدیث کو امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث سے نقل کیا ہے۔

وہ فرماتے ہیں: میں نے دیکھا کہ نبی اکرم ﷺ نے اپنے پاؤں مبارک ان کی گردنوں پر رکھے ہوئے ہیں اور "بسم اللہ و اللہ اکبر" پڑھ رہے ہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ایسا مینڈھا لانے کا حکم دیا جو سیاہی میں چلتا اور سیاہی میں بیٹھتا ہو (یعنی پاؤں اور پیٹ سیاہ ہو) پس وہ لایا گیا تا کہ آپ قربانی کریں آپ نے فرمایا: اے عائشہ! چھری لاؤ پھر فرمایا اس کو پتھر پر تیز کرو پس میں نے یہ کام کیا پھر آپ نے اسے پکڑا اور مینڈھے کو بھی پکڑا اور اس کو لٹا کر ذبح کیا آپ نے یہ کلمات پڑھے:

بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُمَّ تَقَبَّلْ مِنْ مُّحَمَّدٍ وَّآلِ مُحَمَّدٍ وَّمِنْ اُمَّةِ مُحَمَّدٍ.

اللہ کے نام سے (ذبح کرتا ہوں) یا اللہ! اس کو حضرت محمد ﷺ کی طرف سے حضرت محمد ﷺ کی آل اور آپ کی امت کی طرف سے قبول فرما۔

پھر آپ نے اس کی قربانی پیش فرمائی۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۹' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۷۹۲' مسند احمد ج ۶ ص ۷۸' السنن الکبریٰ ج ۹ ص ۲۶۷' مشکوۃ المصابیح رقم الحدیث: ۱۴۵۴' نصب الرایہ ج ۴ ص ۱۸۴' اتحاف السادۃ المتقین ج ۴ ص ۳۹۸)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے قربانی کے دن دو سینگوں والے چت کبرے خصی کئے ہوئے مینڈھے ذبح کئے۔ (لسان العرب ج ۱۵ ص ۲۱۴)

جب ان کو قبلہ رخ کیا تو یہ کلمات پڑھے:

اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ عَلٰی مِلَّةِ اِبْرَاهِیْمَ حَنِیْفًا وَّمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُكِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ لَا شَرِیْكَ لَهٗ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ اَللّٰهُمَّ مِنْكَ وَلَكَ عَنْ مُّحَمَّدٍ وَّاُمَّتِهٖ بِسْمِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ.

بے شک میں نے اپنا چہرہ اس ذات کی طرف پھیرا جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا' میں ملت ابراہیمی پر ہوں جو ہر باطل سے جدا ہے اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں' بے شک میری نماز اور میری قربانی اور میری زندگی و موت اللہ تعالیٰ کے لئے ہے جو تمام جہانوں کو پالنے والا ہے اس کا کوئی شریک نہیں' اسی بات کا مجھے حکم دیا اور میں سب سے پہلا مسلمان ہوں' یا اللہ! یہ تیری طرف سے اور تیرے لئے ہے حضرت محمد ﷺ اور آپ کی امت کی طرف سے' اللہ کے نام سے اور اللہ سب سے بڑا ہے۔

پھر آپ نے اسے ذبح کیا۔

امام احمد اور امام ترمذی رحمہما اللہ کی روایت میں ہے کہ آپ نے اپنے دستِ مبارک سے ذبح کیا اور فرمایا:

بِسْمِ اللّٰہِ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰھُمَّ اِنَّ ھٰذَا عَنِّیْ وَ عَمَّنْ لَّمْ یُضَحِّ مِنْ اُمَّتِیْ. اللہ کے نام سے اور اللہ سب سے بڑا ہے یا اللہ! یہ میری طرف سے اور میری امت کے ان لوگوں کی طرف سے جو قربانی نہیں کر سکتے۔

(مسند احمد ج ۳ ص ۳۵۶' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۱۵۲۱' سنن دار قطنی ج ۴ ص ۲۵۸' مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۱۴۶۱' المستدرک ج ۴ ص ۲۲۹)

تو یہ مسلمانوں کی عیدیں ہیں اور یہ سب اس وقت ہوتی ہیں جب وہ اپنے مولا' بادشاہ' بہت عطا کرنے والے کی عبادات مکمل کر لیتے ہیں اور حسب وعدہ بہت بڑا اجر وثواب حاصل کرتے ہیں پس عید اس کی نہیں جو نئے کپڑے پہنتا ہے بلکہ اصل عید اس کی ہے جو زیادہ عبادت کرتا ہے عید اس کی نہیں ہوتی جو لباس اور سواری کے ذریعے حسن و جمال حاصل کرتا ہے بلکہ عید اس کی ہوتی ہے جس کے گناہ بخش دیئے جائیں' عید کی رات (جہنم سے) آزادی اور بخشش کے جوڑے بندوں پر تقسیم ہوتے ہیں پس جس کو اس سے کچھ حصہ ملا تو یہ اس کے لئے عید ہے ورنہ اسے بہت دور پھینکا جاتا ہے۔

اور جنت میں مومنوں کی عیدیں وہ دن ہیں جن میں وہ اپنے رب عزوجل کی زیارت کریں گے۔ وہ اس کی زیارت کریں گے اور وہ ان کو بہت زیادہ اعزاز بخشے گا' ان کے لئے تجلی فرمائے گا۔

اور وہ اس کی زیارت کریں گے تو اللہ تعالیٰ ان کو جو کچھ عطا کرے گا وہ ان کے لئے اس سے بھی زیادہ پسندیدہ ہوگا اور وہ اللہ تعالیٰ کی زیارت ہے کیونکہ محبّ کے لئے محبوب کے قرب کے علاوہ کوئی عید نہیں ہوتی۔ شاعر نے کہا:

ان یوما جامعا شملی بھم ذاک عیدی لیس لی عید سواہ

"بے شک جس دن میں اور وہ لوگ اکٹھے ہوں گے وہ میری عید ہوگی اس کے علاوہ میری کوئی عید نہیں"۔

دوسرا باب

وہ نوافل جو اسباب سے ملے ہوئے ہیں

اس باب میں چار فصلیں ہیں۔

فصل نمبر ۱

نماز کسوف (سورج گرہن کی نماز)

کسوف لغت میں سیاہی کی طرف تبدیلی کو کہتے ہیں جب سورج کا رنگ سیاہ ہو جائے اور اس کی شعاعیں چلی جائیں تو کہا جاتا ہے "کسفت الشمس سورج کی روشنی چلی گئی" (اور وہ سیاہ ہو گیا)۔

سورج گرہن اور علم الفلک

حضرت قبیصہ بن مخارق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ کے زمانے میں سورج گرہن ہوا تو آپ گھبرائے ہوئے کپڑے کو کھینچتے ہوئے باہر تشریف لائے میں اس دن مدینہ طیبہ میں آپ کے ساتھ تھا آپ نے دو رکعتیں پڑھائیں اور ان میں لمبا قیام کیا پھر سلام پھیرا تو سورج روشن ہو چکا تھا۔ اس کے بعد فرمایا یہ ایک نشانی ہے اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے اپنے بندوں کو ڈراتا ہے پس جب تم یہ حالت دیکھو تو نماز پڑھو۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۱۸۵ المستدرک ج ۱ ص ۳۳۳)

اس حدیث میں جو یہ فرمایا کہ ''اس کے ذریعے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ڈراتا ہے'' تو یہ ان علم ہیئت والوں کا رد ہے جو کہتے ہیں کہ سورج ایک جاری امر ہے جو آگے پیچھے نہیں ہوتا اس لئے کہ اگر اس طرح ہوتا جیسے وہ کہہ رہے ہیں تو اس میں ڈرانے والی بات نہ ہوتی۔

ابن عربی وغیرہ نے ان لوگوں کا رد اس حدیث کے ذریعے کیا جو امام بخاری نے حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے وہ فرماتے ہیں:

فقام فزعا یخشی ان تکون الساعة. پس نبی اکرم ﷺ خوفزدہ ہو کر کھڑے ہوئے آپ کو اس بات کا ڈر ہوا کہ یہ قیامت ہو۔

ان حضرات نے فرمایا اگر سورج گرہن علم حساب کے اعتبار سے ہوتا تو گھبراہٹ نہ ہوتی اور اگر اس کا تعلق علم حساب سے ہوتا تو غلام آزاد کرنے صدقہ دینے اور نماز پڑھنے کا کوئی مطلب نہ ہوتا یعنی جس طرح حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ہے اور اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے نقل کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے سورج گرہن کے موقع پر غلام آزاد کرنے کا حکم دیا۔ اسی طرح بخاری میں ہی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مرفوعاً مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

فاذا رایتم ذلک فادعوا اللہ وکبروا وصلوا وتصدقوا. پس جب تم یہ حالت دیکھو تو اللہ تعالیٰ سے دعا کرو اس کی بڑائی بیان کرو نماز پڑھو اور صدقہ دو۔

احادیث مبارکہ سے یہی بات ظاہر ہے کہ یہ ڈرانے کا فائدہ دیتی ہیں اور جب مختلف قسم کی عبادات کی جائیں تو اس بات کی امید ہوتی ہے کہ سورج گرہن کے جن اثرات کا خوف ہے وہ دور ہو جائیں گے۔

ابن عربی وغیرہ نے اس انداز میں اعتراض کیا کہ علم ہیئت والوں کا خیال ہے کہ سورج کو حقیقتاً گرہن نہیں لگتا بلکہ اس کے اور زمین والوں کے درمیان چاند حائل ہو جاتا ہے جب وہ (سورج اور چاند) دو عقدوں میں جمع ہوتے ہیں وہ فرماتے ہیں ان لوگوں کا خیال ہے سورج چاند سے کئی گنا بڑا ہے تو چھوٹی چیز جب بڑی چیز کے سامنے آئے تو کیسے آڑ بن سکتی ہے؟ اور قلیل کی وجہ سے کثیر پر کیسے تاریکی چھا سکتی ہے حالانکہ وہ اس کی جنس سے ہے اور کس طرح زمین پر سورج کی روشنی کے پہنچنے میں رکاوٹ پیدا ہو سکتی ہے؟

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ اور دیگر حضرات سے مروی حدیث میں سورج گرہن کا ایک اور سبب بھی آیا ہے جو علم ہیئت والوں کے بیان کردہ سبب کے علاوہ ہے۔ امام احمد امام نسائی اور امام ابن ماجہ رحمہم اللہ نے یہ حدیث نقل کی ہے

اور ابن خزیمہ اور حاکم نے اسے صحیح قرار دیا ہے' اس حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

ان الشمس والقمر لا ینکسفان لموت احد ولا لحیاته ولکنهما آیتان من آیات الله وان الله اذا تجلی لشیء من خلقه خشع له.

بے شک سورج اور چاند کو کسی کی موت یا زندگی کی وجہ سے گرہن نہیں لگتا بلکہ یہ دونوں اللہ تعالیٰ کی آیات میں سے دو آیتیں ہیں اور بے شک اللہ تعالیٰ جب اپنی مخلوق میں سے کسی کے لئے تجلی فرماتا ہے تو وہ اس کے لئے جھک جاتی ہے۔

(سنن نسائی ج ۳ ص ۱۲۶' مسند احمد ج ۲ ص ۱۱۸' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۲۶۱' المستدرک ج ۱ ص ۳۳۳' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۱۷۷' مجمع الزوائد ج ۲ ص ۲۰۸' اتحاف السادۃ المتقین ج ۳ ص ۴۲۹' کنز العمال رقم الحدیث: ۲۱۵۵۱۔۲۳۵۲۱)

امام غزالی رحمہ اللہ نے اس اضافہ (وان الله اذا تجلی آخر تک) پر اعتراض کیا اور فرمایا یہ ثابت نہیں پس اس کے ناقل کو جھوٹا قرار دینا واجب ہے اور اگر یہ قول صحیح ہو تو اس کی تاویل کرنا ان قطعی امور کے انکار سے آسان ہے جو اصول شریعت سے بالکل نہیں ٹکراتے۔

ابن بزیزہ نے کہا کہ امام غزالی سے یہ بات تعجب خیز ہے' انہوں نے فلسفیوں کا دعویٰ کیسے تسلیم کرلیا اور یہ خیال کیا کہ ان کا خیال شریعت سے نہیں ٹکراتا حالانکہ اس کی بنیاد اس بات پر ہے کہ دنیا گول شکل کی ہے جب کہ شریعت کا ظاہر اس کے خلاف ہے اور قواعد شریعت سے ثابت ہے کہ سورج گرہن (اللہ تعالیٰ کے) ارادۂ قدیمہ اور فاعل مختار کا فعل ہے وہ جب چاہے ان دو وجودوں (چاند اور سورج) میں روشنی پیدا کرے اور جب چاہے ان میں تاریکی پیدا کرے اور یہ کسی سبب پر موقوف نہ ہو اور نہ کسی بات سے ملا ہوا ہو۔

اور جس حدیث کو امام غزالی رحمہ اللہ نے رد کیا ہے اسے متعدد اہل علم نے ثابت کیا ہے اور وہ معنوی طور پر بھی ثابت ہے کیونکہ کسی چیز کا نورانی اور روشن ہونا جمال حسی کے عالم سے ہے اور جب صفتِ جلال ظاہر ہوتی ہے تو اس کی ہیبت سے روشنیاں بجھ جاتی ہیں۔ اس کی تائید اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد گرامی سے ہوتی ہے:

فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا ○ (الاعراف: ۱۴۳)

جب اللہ تعالیٰ نے پہاڑ پر چمک ڈالی تو وہ ریزہ ریزہ ہو گیا۔

اس حدیث کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جسے ہم نے حضرت طاؤس سے روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے سورج کو دیکھا اور اسے گرہن لگا ہوا تھا پس آپ روئے حتیٰ کہ قریب تھا کہ روح پرواز کر جاتی اور فرمایا: ہمارے مقابلے میں یہ اللہ تعالیٰ سے زیادہ ڈرنے والا ہے۔

ابن دقیق العید نے کہا بعض حضرات کا عقیدہ کبھی اس طرح ہوتا ہے کہ جو کچھ اہل حساب ذکر کرتے ہیں وہ نبی اکرم ﷺ کے اس قول کے منافی ہے کہ "ان دونوں کے گرہن سے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ڈراتا ہے"۔

تو اس اعتراض کی کوئی حقیقت نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کے کچھ کام عادت کے مطابق ہوتے ہیں اور کچھ امور عادت سے باہر ہوتے ہیں اور اس کی قدرت سبب پر حاکم ہے' وہ بعض امور میں سبب اور مسبب کے درمیان تعلق کو توڑ دیتا ہے۔

اور جب یہ بات ثابت ہے تو اللہ تعالیٰ کا علم رکھنے والے چونکہ اس بات کا پختہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ اس کی قدرت ان امور کو بھی شامل ہے جو عادت کے خلاف ہیں اور وہ جو چاہے کرے تو جب کوئی عجیب واقعہ ہوتا ہے تو اس اعتقاد کی وجہ سے ان کو خوف لاحق ہوتا ہے۔

اور یہ (خوف) اس بات کا خلاف نہیں کہ وہاں کچھ اسباب ہوں جو عادت کے مطابق ہوں یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس عادت کو توڑ دے۔

اس کا حاصل یہ ہے کہ اہل حساب نے جو کچھ ذکر کیا ہے اگر یہ حقیقت میں صحیح اور حق ہے تو یہ اس بات کے خلاف نہیں کہ گرہن بندوں کو ڈرانے کا باعث ہو۔ یہ بات ''فتح الباری'' میں فرمائی ہے۔

اس موضوع پر احادیث

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے' فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ کے زمانے میں سورج گرہن ہوا تو آپ نے ایک طویل قیام فرمایا جو تقریباً سورۂ بقرہ کی قرأت کے برابر تھا پھر طویل رکوع کیا پھر سر مبارک اٹھایا تو دیر تک کھڑے رہے اور وہ پہلے قیام سے کم تھا پھر طویل رکوع کیا اور وہ پہلے رکوع سے مختصر تھا پھر سر انور اٹھایا پھر سجدہ کیا پھر (دوسری رکعت میں) طویل قیام کیا جو پہلے قیام سے کم تھا پھر ایک طویل رکوع فرمایا اور وہ پہلے رکوع سے کم تھا پھر سجدہ کیا اور جب سلام پھیرا تو سورج روشن ہو گیا تھا۔[1]

آپ نے فرمایا بے شک سورج اور چاند اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں کسی کی موت یا زندگی کی وجہ سے ان کو گرہن نہیں لگتا پس جب تم یہ حالت دیکھو تو اللہ تعالیٰ کو یاد کرو' صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہم نے دیکھا کہ آپ جب یہاں کھڑے تھے تو آپ نے کسی چیز کو پکڑا پھر ہم نے دیکھا کہ آپ پیچھے ہٹ گئے؟ آپ نے فرمایا: میں نے جنت کو دیکھا تو اس سے انگور کا گچھا پکڑا اگر میں اسے لے لیتا تو تم اس سے رہتی دنیا تک کھاتے اور میں نے جہنم کو دیکھا تو آج کی طرح کا برا منظر میں نے کبھی نہیں دیکھا اور میں نے جہنم میں زیادہ تعداد میں عورتوں کو دیکھا۔

انہوں نے پوچھا یا رسول اللہ! اس کی کیا وجہ ہے؟ فرمایا ان کی ناشکری کی وجہ سے' پوچھا گیا کیا وہ اللہ تعالیٰ کی ناشکری کرتی ہیں؟ فرمایا وہ خاوند کی ناشکری کرتی ہیں اور احسان کی ناقدری کرتی ہیں اگر تم ان میں سے کسی ایک کے ساتھ پورا زمانہ احسان کرو پھر وہ تم سے کوئی بات دیکھے تو کہے گی میں نے تجھ سے کبھی بھی بھلائی نہیں دیکھی۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ا' صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۰۴۳)

آپ کا ارشاد گرامی کہ میں نے جنت اور جہنم کو دیکھا تو قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس میں آنکھ سے دیکھنے کا بھی احتمال ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں (جنت و جہنم) کو آپ کے لئے ظاہر کر دیا ہو اور آپ کے اور ان کے درمیان سے پردہ اٹھا دیا ہو جیسا کہ مسجد اقصیٰ آپ کے لئے ظاہر کر دی گئی جب آپ نے (معراج شریف کے سفر کے بعد) اس کا

[1] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ایک رکعت میں دو کی طرح تین رکوع بھی مروی ہیں' حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے بھی تین کی روایت آتی ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے چار رکوع کی روایت مروی ہے' حضرت ابن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے ایک رکوع کی روایت بھی ہے جو ابوداؤد میں ہے لہٰذا ان تمام احادیث میں اضطراب ہے لہٰذا ان سے استدلال صحیح نہیں۔ (شرح مسلم علامہ غلام رسول سعیدی ج ۲ ص ۱۷۱)

وصف بیان کیا۔

ایک روایت میں ہے کہ اس دیوار کی چوڑائی میں (مجھے جنت دکھائی گئی) یعنی اس طرف دکھائی گئی۔

اور یہ بھی احتمال ہے کہ علمی طور پر اور وحی کے ذریعے اس کی اطلاع اور ان دونوں کے امور کی تفصیل بتانا مراد ہو جو تفصیل اس سے پہلے نہیں بتائی گئی۔ قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں پہلا احتمال الفاظ حدیث کے زیادہ مناسب اور مشابہ ہے کیونکہ اس میں ایسی باتیں ہیں جو آنکھ سے دیکھنے پر دلالت کر رہی ہیں جس طرح انگور کا خوشہ لینا اور آگ کی لپٹ کے پہنچنے کے خوف سے پیچھے ہٹنا۔

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا "ولا اصبته" (اگر میں اسے حاصل کرتا) اور فرمایا: "تناولت میں نے اس کو پکڑا" تو دونوں باتیں (بظاہر) متضاد ہیں اس کا جواب یہ ہے کہ "تناول" سے مراد پکڑنے کے لئے کوشش مراد ہے حقیقتاً پکڑنا مراد نہیں یہ بھی کہا گیا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ میں نے اسے اپنے لئے پکڑا اور اگر میں تمہارے لئے پکڑتا (تو تم اسے کھاتے رہتے)۔ یہ بات کرمانی نے ذکر کی ہے۔ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں: یہ بات عمدہ نہیں۔ کہا گیا ہے کہ پکڑنے سے مراد اس پر ہاتھ رکھنا ہے کہ میں اس کو پھیرنے پر قادر تھا لیکن میرے لئے اس کو چننا مقدر نہ تھا اور اگر میں اسے حاصل کرتا' کا معنی یہ ہے کہ اگر میں اس کو چننے پر قادر ہوتا۔

اس مفہوم پر حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کا وہ قول دلالت کرتا ہے جو ابن خزیمہ نے نقل کیا کہ آپ نے اپنا دستِ مبارک اس کو پکڑنے کے لئے آگے بڑھایا۔

اور "صحیح بخاری میں" حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کی حدیث میں یہ الفاظ ہیں "حتیٰ کہ اگر میں اس پر جرأت کرتا"۔

گویا آپ کو اس بات کی اجازت نہیں دی گئی تھی پس آپ نے اس کی طرف ہمت و جرأت نہ فرمائی۔

ابن بطال کہتے ہیں آپ نے وہ خوشہ اس لئے نہیں لیا کہ وہ جنتی کھانے میں سے تھا جو فنا نہیں ہوتا اور دنیا فانی ہے اس میں وہ چیز کھانا جائز نہیں جو فانی ہے۔

حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا کی حدیث جسے امام بخاری' امام مسلم' امام مالک' امام نسائی رحمہم اللہ نے روایت کیا ہے' اس میں آپ نے فرمایا: میں نے جو کچھ اس سے پہلے نہیں دیکھا تھا اس مقام پر دیکھ لیا حتیٰ کہ جنت اور دوزخ کو بھی دیکھا اور میری طرف وحی بھیجی گئی کہ قبروں میں مسیح دجال کے فتنہ کی مثل یا قریب' تمہاری آزمائش ہوگی۔ راوی کہتے ہیں (مجھے معلوم نہیں حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے مثل کا لفظ فرمایا یا قریب کا لفظ کہا)۔

فرمایا: تم میں سے ایک کو قبر میں لایا جائے گا تو پوچھا جائے گا اس شخصیت کے بارے میں تم کیا کہتے ہو؟ تو مومن یا یقین رکھنے والا (راوی کہتے ہیں مجھے معلوم نہیں حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے کیا لفظ فرمایا؟) کہے گا یہ حضرت محمد رسول اللہ (ﷺ) ہیں' آپ ہمارے پاس واضح دلائل اور ہدایت لے کر تشریف لائے پس ہم نے اسے قبول کیا اور آپ کی اتباع کی' یہ محمد (ﷺ) ہیں تین بار کہے گا کہا جائے گا سو جاؤ تم صالح ہو' ہمیں معلوم ہے کہ تم یقین رکھنے والے تھے لیکن منافق یا شک کرنے والا (معلوم نہیں حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے کونسا لفظ بولا تھا؟) کہے گا مجھے معلوم نہیں' میں نے لوگوں سے سنا وہ کچھ کہتے تھے تو میں نے بھی وہی بات کہی۔

ایک روایت میں ہے کہ آپ نے ایک عورت کو دیکھا جسے بلی نوچ رہی تھی اس نے اس کو باندھ رکھا تھا حتیٰ کہ وہ

بھوک اور پیاس کی وجہ سے مرگئی۔

ایک روایت میں ہے آپ نے عمرو بن مالک کو دیکھا کہ وہ جہنم میں اپنی آنتوں کو کھینچ رہا ہے اور یہ پہلا شخص تھا جس نے دین ابراہیمی میں تبدیلی کی (اس نے بتوں کے نام پر جانور چھوڑے)۔

آپ نے جہنم میں حاجیوں کی چوری کرنے والے کو بھی دیکھا کہ اسے عذاب ہو رہا تھا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں ہے پھر فرمایا: اے امت محمد! کوئی شخص اللہ تعالیٰ سے زیادہ غیرت نہیں رکھتا یہ کہ اس کا کوئی بندہ زنا کرے یا کوئی عورت زنا کا ارتکاب کرے اللہ کی قسم! جو کچھ میں جانتا ہوں اگر تم جانتے تو تم تھوڑا ہنستے اور زیادہ روتے' سنو! کیا میں نے اللہ کا پیغام پہنچادیا؟ (صحیح البخاری رقم الحدیث:۱۰۴۴۔۵۲۲۱' موطا امام مالک رقم الحدیث:۱۸۶' صحیح مسلم رقم الحدیث:۱' السنن الکبریٰ ج ۳ ص ۳۳۸' نصب الرایہ ج ۲ ص ۲۳۶' مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث:۱۴۸۳)

یعنی اگر تمہیں معلوم ہوتا کہ اللہ تعالیٰ کا انتقام کتنا بڑا ہے جو جرم کرنے والوں سے لیتا ہے نیز اس کا عذاب اور قیامت کا ہولناک منظر کس قدر شدید ہے' جو کچھ میں جانتا ہوں اور جو اس کے بعد ہے جیسا کہ میں جانتا ہوں اور تم آگ کو دیکھ لیتے جس طرح میں نے اس مقام پر اور اس کے علاوہ دیکھا ہے تو تم بہت زیادہ روتے اور تم کم ہنستے کیونکہ جو کچھ تم جان لیتے اس پر فکر مند ہوتے۔

''صحیح بخاری میں'' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث منقول ہے کہ نبی اکرم ﷺ مسجد کی طرف تشریف لے گئے تو صحابہ کرام نے آپ کے پیچھے صف بندی کی پس ہم نے تکبیر کہی تو آپ نے ایک طویل قرأت فرمائی پھر تکبیر کہہ کر ایک طویل رکوع فرمایا پھر ''سمع الله لمن حمده'' کہنے کے بعد کھڑے ہوگئے اور سجدہ نہ کیا اور طویل قرأت فرمائی جو پہلی قرأت کے مقابلے میں کم تھی۔ ایک روایت میں ''ربنا ولک الحمد'' کا اضافہ ہے۔

اس حدیث سے استدلال کیا گیا کہ پہلی رکعت کے دوسرے قیام کے شروع میں ذکر مستحب ہے۔

اس پر بعض متاخرین شافعیوں نے اعتراض کیا اور کہا کہ یہ قرأت کا قیام تھا' اعتدال (یعنی قومہ) کا قیام نہ تھا کیونکہ جو علماء ہر رکعت میں زائد رکوع کے قائل ہیں وہ اس میں فاتحہ پڑھنے پر متفق ہیں اگرچہ محمد بن مسلمہ مالکی نے اس کی مخالفت کی ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ سورج گرہن کی نماز مخصوص طریقے پر آئی ہے لہٰذا اس میں قیاس کا کوئی دخل نہیں بلکہ اس میں جو کچھ بھی نبی اکرم ﷺ کے فعل سے ثابت ہے وہ جائز ہے کیونکہ یہی مستقل بنیاد ہے اسی لئے جمہور نے ان لوگوں کا رد کیا ہے جو اسے نفل نماز پر قیاس کرتے ہیں حتیٰ کہ وہ اس میں زائد رکوع کو منع کرتے ہیں پس نماز کسوف ان باتوں کی وجہ سے جو اس میں جمع ہیں' مطلق نوافل کے مقابلے میں نماز عید وغیرہ کے زیادہ مشابہ ہے پس نوافل سے نماز جنازہ ممتاز ہے کہ اس میں رکوع اور سجدے کو چھوڑ دیا گیا' عید کی نماز ممتاز ہے کہ اس میں زائد تکبیریں ہیں' نماز خوف ممتاز ہے کہ اس میں بہت سے افعال زیادہ ہیں اور قبلہ سے پیٹھ بھی پھر جاتی ہے اسی طرح رکوع کے زائد ہونے کی وجہ سے نماز کسوف بھی مطلق نوافل سے ممتاز ہے پس اس پر عمل کرنے والا دونوں (دلیلوں) نص اور قیاس پر عمل کرتا ہے بخلاف اس کے جو اس پر عمل نہیں کرتا۔

اور یہ بات واضح ہے کہ نماز کسوف کی ایک خاص شکل ہے جو اس کو خاص کرتی ہے مثلاً قیام وغیرہ عام عادت کے

مقابلے میں طویل ہیں' ہر رکعت میں ایک رکوع زیادہ ہے یہ اضافہ دوسرے طرق سے بھی مروی ہے۔[1]

پس امام مسلم نے ایک اور سند سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اور ایک دوسری سند کے ساتھ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ ہر رکعت میں تین رکوع ہیں' امام مسلم نے ہی ایک اور سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ ہر رکعت میں چار رکوع ہیں اور ابوداؤد نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی روایت سے اور امام بزار نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے نقل کیا کہ ہر رکعت میں پانچ رکوع ہیں اور ان میں سے کوئی سند علت سے خالی نہیں۔

ابن قیم نے ''الہدی النبوی میں'' حضرت امام شافعی' امام احمد اور امام بخاری سے نقل کیا کہ وہ رکعت میں دو رکوعوں پر اضافہ کو بعض راویوں کی طرف غلطی قرار دیتے تھے کیونکہ حدیث کے اکثر طرق ہوں تو بعض کے ذریعے دوسرے بعض کو رد کرنا ممکن ہے اور ان تمام روایات کو یوں جمع کیا جاتا ہے کہ یہ واقعہ اس دن ہوا جب حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ (نبی اکرم ﷺ کے صاحبزادہ) کا انتقال ہوا اور جب واقعہ ایک ہے تو راجح قول کو اختیار کرنا متعین ہو گیا۔

ابن خزیمہ' ابن منذر' خطابی اور دیگر شافعی حضرات نے کہا کہ اس سلسلے میں جو کچھ ثابت ہے سب پر عمل کرنا جائز ہے اور یہ جائز اختلاف ہے اور امام نووی رحمہ اللہ نے ''شرح صحیح مسلم میں'' اس کو قوی قرار دیا۔

بعض حضرات نے یہ رائے ظاہر کی ہے کہ رکوع میں اضافہ اور کمی جلدی روشن ہونے اور اس میں تاخیر کی وجہ سے تھا جب پہلے رکوع میں' سورج روشن ہو گیا تو آپ نے نفلِ نماز کی طرح اس پر اکتفا کر لیا اور جب تاخیر ہوئی تو ایک زائد رکوع کیا اور جب زیادہ تاخیر ہوئی تو تین رکوع فرمائے اسی طرح اس تعداد تک جو حدیث میں وارد ہوئی ہے۔

امام نووی وغیرہ نے اس پر اعتراض کیا کہ روشنی کی تاخیر اور عدم تاخیر کا شروع میں پتہ نہیں ملا اور نہ پہلی رکعت میں معلوم ہوا اور تمام روایات اس بات پر متفق ہیں کہ دونوں رکعتوں میں رکوع برابر تھے اور یہ اس بات پر دلالت ہے کہ یہی مقصود ذاتی ہے پہلی حالت میں ہی اس کی نیت کی گئی۔

امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک یوں ہے کہ آپ نے سلام پھیرنے کے بعد اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کی اور کلمۂ شہادت پڑھا پھر فرمایا:

اے لوگو! میں تمہیں اللہ کی قسم دیتا ہوں اگر تمہارے علم کے مطابق میں نے اپنے رب کے پیغامات پہنچانے میں کوتاہی کی ہے تو مجھے بتاؤ' ایک شخص نے کھڑے ہو کر عرض کیا ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ نے اپنے رب کے پیغامات پہنچا دیئے' اپنی امت کی خیر خواہی کی اور اپنی ذمہ داری کو پورا کیا۔

پھر فرمایا اللہ تعالیٰ کی قسم میں جب نماز کے لئے کھڑا ہوا تو میں نے وہ سب کچھ دیکھا جو تمہیں دنیا اور آخرت میں ملنے والا ہے اور قسم بخدا! قیامت قائم نہیں ہوگی حتیٰ کہ تیس کذاب (بہت جھوٹے) ظاہر ہوں گے ان میں سے آخری کانا دجال ہوگا جو اس کی پیروی کرے گا اسے اس کا کوئی نیک عمل فائدہ نہیں دے گا۔ (مجمع الزوائد ج ۲ ص ۲۰۱)

صحیح بخاری میں ہے حضرت عائشہ صدیقہ اور حضرت اسماء رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں نبی اکرم ﷺ نے خطبہ ارشاد فرمایا:

---

[1] احناف کے نزدیک نماز کسوف میں ہر رکعت میں ایک رکوع ہے جس طرح عام نمازوں میں ہوتا ہے۔ ۱۲ ہزاروی

اس خطبہ میں اختلاف ہے امام شافعی' اسحاق اور اکثر اصحاب حدیث نے اسے مستحب قرار دیا ہے۔
ابن قدامہ کہتے ہیں ہمیں حضرت امام مالک رحمہ اللہ سے اس سلسلے میں کوئی بات نہیں پہنچی۔
صاحب ہدایہ جو حنفی ہیں فرماتے ہیں کہ نماز کسوف میں خطبہ نہیں کیونکہ یہ منقول نہیں ہے۔
ان پر اعتراض کیا گیا کہ اس سلسلے میں بہت سی احادیث آئی ہیں۔ [1]
مالکی فقہ والوں کے نزدیک مشہور یہ ہے کہ اس میں خطبہ نہیں ہے اس کے باوجود حضرت امام مالک رحمہ اللہ نے حدیث ذکر کی اور اس میں خطبہ کا ذکر فرمایا ہے۔

ان میں سے بعض نے یوں جواب دیا کہ نبی اکرم ﷺ نے خاص خطبہ کا ارادہ نہیں فرمایا آپ نے صرف ان لوگوں کے رد کا ارادہ فرمایا جو یہ اعتقاد رکھتے تھے کہ سورج گرہن کسی کی وفات کی وجہ سے ہوتا ہے۔

اس پر اعتراض کیا گیا کہ احادیث صحیحہ میں صراحتاً خطبے کا ذکر ہے نیز اس کی شرائط یعنی حمد وثناء اور وعظ وغیرہ امور جن پر احادیث مشتمل ہیں' ان کا ذکر ہے آپ نے صرف سبب کسوف کی خبر دینے پر اکتفاء نہیں فرمایا اور اصل یہ ہے کہ آپ کی اتباع کی جائے جہاں تک خصائص کا تعلق ہے تو وہ دلیل سے ثابت ہوتے ہیں۔

دورِ جاہلیت کے اعتقاد کا ابطال

''صحیح بخاری میں'' حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے مروی (روایت) ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے زمانے میں اس دن سورج گرہن ہوا جس دن (نبی اکرم ﷺ کے صاحبزادے) حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا' لوگوں نے کہا حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کے وصال کی وجہ سے سورج کو گرہن لگا ہے تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: بے شک سورج اور چاند اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں کسی کی موت یا زندگی کی وجہ سے ان کو گرہن نہیں لگتا پس جب تم ان دونوں کو (اس حالت میں) دیکھو تو نماز پڑھو اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرو۔

حضرت ابراہیم' نبی اکرم ﷺ کے صاحبزادے تھے اور جمہور اہلِ سیرت نے ذکر کیا کہ آپ کا وصال ہجرت کے دسویں سال ہوا' کہا گیا ہے کہ ربیع الاول شریف میں انتقال ہوا ایک قول رمضان المبارک اور ایک قول ذوالحجہ کے بارے میں ہے' اکثر حضرات کے نزدیک مہینے کی دس تاریخ کو' ایک قول کے مطابق چار تاریخ اور ایک قول کے مطابق چودہ تاریخ کو ہوا لیکن ان میں سے کوئی قول بھی صحیح نہیں کیونکہ ان دنوں نبی اکرم ﷺ حج کے سلسلے میں مکہ مکرمہ میں تھے۔

اور یہ بات ثابت ہے کہ آپ' ان کی وفات کے وقت موجود تھے۔ اور یہ واقعہ مدینہ طیبہ میں پیش آیا اس میں کوئی اختلاف نہیں۔

ہاں کہا گیا کہ ان کا وصال نو ذوالحجہ کو ہوا پس اگر یہ حدیث ثابت ہو تو صحیح ہے اور امام نووی نے اس بات کو قطعی قرار دیا کہ صلح حدیبیہ کا سال تھا تو شاید یہ ذی قعدہ کے آخر کی بات ہے جب آپ اس (حدیبیہ) سے واپس لوٹے۔

اس حدیث میں اہل جاہلیت کے اس عقیدے کو باطل قرار دیا گیا کہ زمین میں ستاروں کی تاثیر ہوتی ہے۔

---

[1] اس کا جواب چند سطور بعد آ رہا ہے کہ اس سے خاص خطبہ مراد نہیں بلکہ ان لوگوں کا رد کرنے کے لئے خطبہ ارشاد فرمایا جو کہتے تھے کہ سورج گرہن کسی کی موت کی وجہ سے ہوتا ہے۔ ۱۲ ہزاروی

خطابی نے کہا کہ وہ لوگ دور جاہلیت میں یہ اعتقاد رکھتے تھے کہ کسوف (سورج گرہن) زمین میں تبدیلی پیدا کرنے کا موجب ہے۔ یعنی کسی کی موت واقع ہوتی ہے یا کوئی نقصان ہوتا ہے۔

تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: کہ یہ عقیدہ باطل ہے اور سورج و چاند دونوں مخلوق ہیں جو اللہ تعالیٰ (کے حکم) کے لئے مسخر ہیں۔ ان دونوں میں ایسی قوت نہیں ہے کہ وہ کسی چیز کو بدل دیں اور نہ ہی اپنے آپ سے کسی بات کو دور کرنے کی طاقت رکھتے ہیں۔

نمازِ کسوف کے احکام

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' فرماتے ہیں کہ جب نبی اکرم ﷺ کے زمانے میں سورج کو گرہن لگا تو اعلان کیا گیا کہ نماز کھڑی ہونے والی ہے۔

حدیث کے الفاظ اس طرح ہیں "ان الصلاة جامعة توان" میں ہمزہ مفتوح اور نون غیر مشدد ہے اور یہ تفسیر کے لئے ہے۔

"صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں" حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ایک منادی بھیجا جس نے اعلان کیا کہ نماز کھڑی ہونے والی ہے۔

ابن دقیق العید نے کہا کہ یہ حدیث اعلان کو مستحب قرار دینے والوں کے لئے حجت ہے۔ اور اس بات پر سب کا اجماع ہے کہ اس نماز کے لئے نہ اذان دی جائے اور نہ ہی اقامت کہی جائے۔

ابن حبان نے روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے سورج اور چاند گرہن میں تمہاری نماز کی طرح دو رکعتیں پڑھیں۔ اس حدیث کو دار قطنی نے بھی روایت کیا۔

اس حدیث میں ان لوگوں یعنی ابن رشید وغیرہ کا رد ہے جو کہتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے چاند گرہن کی نماز نہیں پڑھی ان میں سے بعض نے (صلی) نماز پڑھی کی تاویل یوں کی ہے کہ آپ نے نماز کا حکم دیا تا کہ دونوں روایتیں جمع ہو جائیں۔

ابن قیم نے "الہدی النبوی میں" کہا ہے کہ نبی اکرم ﷺ سے منقول نہیں کہ آپ نے چاند گرہن کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھی ہو لیکن ابن حبان نے اپنی سیرت (کی کتاب) میں نقل کیا کہ جب ہجرت کے پانچویں سال چاند گرہن ہوا تو نبی اکرم ﷺ نے صحابہ کرام کو گرہن کی نماز پڑھائی۔ تو اسلام میں یہ گرہن کی پہلی نماز تھی۔

اگر یہ روایت ثابت ہو تو مذکورہ بالا تاویل کی نفی ہو جائے گی۔ مغلطائی نے اپنی مختصر سیرت میں اسے قطعیت کے ساتھ ذکر کیا اور حافظ زین الدین عراقی نے اس کی نظم میں ان کی اتباع کی (لہٰذا اس سے اس کی قوت میں اضافہ ہوا)۔

"صحیح بخاری میں" حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے نماز خسوف میں بلند آواز سے قرأت فرمائی جب قرأت سے فارغ ہوئے تو تکبیر کہہ کر رکوع کیا اور جب رکوع سے فارغ ہوئے تو "سمع الله لمن حمده' ربنا ولك الحمد" کہا' نماز کسوف میں دوبارہ قرأت فرمائی یہ چار رکوع اور چار سجدے تھے۔

اس حدیث سے استدلال کیا گیا کہ دن کے وقت اس نماز میں بلند آواز سے قرأت کی جائے اور جو لوگ بلند آواز

سے قرأت جائز نہیں سمجھتے انہوں نے اس سے چاند گرہن کی نماز مراد لی ہے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ بات عمدہ نہیں کیونکہ اسماعیلی نے یہ حدیث ایک اور سند کے ساتھ ولید سے ان الفاظ کے ساتھ روایت کی ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے زمانے میں سورج گرہن ہوا۔

"مسند ابوداؤد طیالسی میں ہے کہ" نبی اکرم ﷺ نے سورج گرہن کی نماز میں بلند آواز سے قرأت کی اور اس سلسلے میں حضرت علی المرتضیٰ سے مرفوع اور موقوف (دونوں طرح) حدیث مروی ہے جسے ابن خزیمہ وغیرہ نے نقل کیا ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے دو شاگردوں حضرت امام ابو یوسف اور حضرت امام محمد' امام احمد' اسحاق ابن خزیمہ' ابن منذر اور دیگر شافعی محدثین اور مالکیوں میں سے ابن عربی کا یہی نقطہ نظر ہے۔ طبری نے کہا کہ بلند آواز سے پڑھیں یا آہستہ آواز سے دونوں میں اختیار ہے۔

تینوں ائمہ امام ابوحنیفہ' امام شافعی اور امام مالک رحمہم اللہ فرماتے ہیں سورج گرہن میں قرأت آہستہ ہو اور چاند گرہن میں بلند آواز سے ہونی چاہیے۔

امام شافعی رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے اس قول سے استدلال کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے سورۂ بقرہ کی مثل قرأت کی۔ (وہ فرماتے ہیں) اگر آپ بلند آواز سے قرأت کرتے تو اندازہ بتانے کی ضرورت نہ ہوتی۔

حضرت امام شافعی رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سند کے بغیر روایت کیا کہ انہوں نے سورج گرہن کی نماز نبی اکرم ﷺ کے پہلو میں پڑھی تو انہوں نے کوئی حرف نہ سنا۔

امام بیہقی رحمہ اللہ نے تین طرق سے متصل حدیث روایت کی جن کی سندیں کمزور ہیں اور اگر ان کو صحیح مانا جائے تو بلند آواز سے قرأت کو ثابت کرنے والے کے پاس زائد مقدار ہے پس اس کو اختیار کرنا زیادہ مناسب ہے (دونوں طرح مروی ہے لہٰذا اپنی اپنی فقہ کے مطابق عمل کی اجازت ہے)۔

ابن عربی نے کہا کہ میرے نزدیک بلند آواز سے پڑھنا زیادہ بہتر ہے کیونکہ یہ باجماعت نماز ہے جس کے لئے اعلان ہوتا ہے اور خطبہ دیا جاتا ہے پس یہ عید اور نماز استسقاء کے مشابہ ہوگئی۔ یہ "فتح الباری کی" عبارت کا خلاصہ ہے۔

فصل نمبر ۲

نبی اکرم ﷺ کی نمازِ استسقاء

جان لو! استسقاء' ضرورت کے وقت اللہ تعالیٰ سے بارش طلب کرنے کو کہتے ہیں جس طرح تم کہتے ہو "استعطی اس نے عطیہ طلب کیا"۔

نماز استسقاء سنت ہے

نمازِ استسقاء کے سنت ہونے میں علماء کا اختلاف نہیں لیکن حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اسے سنت قرار نہیں دیتے وہ ان احادیث استسقاء سے استدلال کرتے ہیں جن میں نماز کا ذکر نہیں ہے۔

جمہور نے ان احادیث سے استدلال کیا ہے" جو صحیح بخاری و مسلم" اور ان کے علاوہ کتب احادیث میں ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے استسقاء کی دو رکعتیں پڑھیں اور جن احادیث میں نماز کا ذکر نہیں ان میں سے بعض راوی کے بھولنے پر محمول ہیں اور بعض میں یہ ہے کہ آپ نے خطبہ جمعہ دیا اور اس کے بعد نماز جمعہ تھی پس اسی پر اکتفاء فرمایا اگر یہ نماز بالکل نہیں پڑھی گئی تو اس بات کا جواز بیان کرنا تھا کہ استسقاء نماز کے بغیر صرف دعا کے ساتھ بھی ہو سکتی ہے۔ اور اس کے جواز میں کوئی اختلاف نہیں۔ اور جو احادیث نماز کو ثابت کرتی ہیں وہ مقدم ہوں گی کیونکہ ان میں زیادہ علم ہے اور دونوں قسم کی احادیث میں کوئی ٹکراؤ نہیں۔

اور استسقاء کی کئی قسمیں ہیں۔

نماز اور خطبہ کے ساتھ استسقاء

(۱) الستسقاء دو رکعتوں اور دو خطبوں کے ساتھ ہے اس سے پہلے صدقہ' روزے اور توبہ کے ساتھ تیاری کی جائے نیکی کی طرف توجہ ہو اور برائی سے اجتناب کیا جائے اور اسی طرح کی دیگر عبادات خداوندی میں مصروفیت ہو۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کام کاج کے لباس میں تواضع اور خشوع کے ساتھ گڑگڑاتے ہوئے باہر تشریف لائے حتیٰ کہ عید گاہ تک پہنچے تو منبر پر تشریف لے گئے آپ نے تمہارے اس خطبہ کی طرح خطبہ نہ دیا بلکہ مسلسل دعا کرتے گڑگڑاتے اور تکبیر میں مصروف رہے پھر عید کی نماز کی طرح دو رکعتیں پڑھیں۔

حضرت عبداللہ بن زید مازنی کی روایت میں ہے' فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ اس عید گاہ کی طرف تشریف لائے تاکہ نماز استسقاء ادا فرمائیں پھر آپ قبلہ رخ ہوئے اور چادر کو پلٹ دیا (دائیں طرف کو بائیں طرف بائیں کو دائیں طرف اوپر والے حصے کو نیچے اور نیچے والے حصے کو اوپر کی طرف کیا) پھر نماز پڑھی۔

ایک روایت میں ہے کہ آپ صحابہ کرام کو لے کر نکلے تاکہ نماز استسقاء پڑھیں پس ان کو دو رکعتیں پڑھائیں دونوں میں بلند آواز سے قرأت کی اور قبلہ رخ ہونے کی حالت میں دعا مانگی دونوں ہاتھ اٹھائے اور جب قبلہ رخ ہوئے تو چادر کو پھیر دیا۔

ایک روایت میں ہے فرمایا کہ چادر کو یوں پھیرا کہ اس کی بائیں جانب کو دائیں کاندھے پر کیا پھر اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں حضرت عبداللہ بن زید کی حدیث کے طرق میں سے کسی پر مطلع نہ ہوا کہ اس کا سبب کیا ہے اور نبی اکرم ﷺ کے عید گاہ کی طرف جانے اور واپسی کی کیفیت کیا تھی؟ یہ بات حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ہے جسے امام ابوداؤد اور ابن حبان نے روایت کیا۔ ام المؤمنین فرماتی ہیں: لوگوں نے نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں بارش کے رک جانے کی شکایت کی تو آپ نے عید گاہ میں منبر رکھنے کا حکم دیا چنانچہ وہ رکھ دیا گیا اور لوگوں کو ایک دن بتایا جس میں وہ نکلیں چنانچہ آپ اس وقت تشریف لے گئے جب سورج کا کنارہ ظاہر ہوا' منبر پر تشریف فرما ہوئے اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کی پھر فرمایا تم نے اپنے شہروں کی خشکی اور ایک عرصہ سے بارش نہ ہونے کی شکایت کی تو اللہ تعالیٰ نے تمہیں حکم دیا ہے کہ اس سے دعا مانگو اور تم سے وعدہ فرمایا کہ وہ تمہاری دعا کو قبول کرے گا۔

پھر آپ نے پڑھا:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ ۝ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ۝ (الفاتحہ: ۱۔۴)

تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو نہایت مہربان بہت رحم فرمانے والا ہے وہ بدلے کے دن کا مالک ہے' اے اللہ! ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں۔

الذی لا الہ الا ھو یفعل ما یرید اللھم انت اللہ الذی لا الہ الا انت الغنی ونحن الفقراء اللھم انزل علینا الغیث واجعل ما انزلت لنا قوۃ وبلاغا الی حین.

وہی ذات ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ جو ارادہ فرماتا ہے کرتا ہے اے اللہ! تو ہی اللہ ہے تیرے سوا کوئی معبود نہیں' تو غنی ہے اور ہم فقیر ہیں یا اللہ! ہم پر بارش نازل فرما اور جو کچھ نازل فرمائے اسے ہمارے لئے قوت اور ایک وقت تک پہنچانے والی بنادے۔

پھر آپ نے ہاتھ اٹھائے حتیٰ کہ آپ کی بغلوں کی سفیدی نظر آنے لگی اس کے بعد لوگوں کی طرف پیٹھ پھیری اور چادر مبارک کو الٹایا اس حال میں کہ آپ نے ہاتھ بلند کیے ہوئے تھے۔

پھر لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے اور اتر کر دو رکعتیں پڑھیں' اللہ تعالیٰ نے بادل ظاہر کر دیئے' گرج پیدا ہوئی اور بجلی چمکی پھر اللہ تعالیٰ کے حکم سے بارش ہوئی' آپ کے مسجد میں تشریف لانے تک نالے بہنے لگے جب آپ نے لوگوں کو چھتوں کے نیچے جانے کے لئے جلدی کرتے دیکھا (لسان العرب ج ۱۲ ص ۱۷۲) تو آپ ہنس پڑے حتیٰ کہ آپ کی مبارک داڑھیں نظر آنے لگیں آپ نے فرمایا میں گواہی دیتا ہوں کہ بے شک اللہ تعالیٰ ہر شے پر قادر ہے اور بے شک میں اللہ تعالیٰ کا بندہ اور رسول ہوں۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۱۷۳' السنن الکبریٰ رقم الحدیث: ج ۳ ص ۳۴۹' المستدرک ج ۱ ص ۳۲۸' مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۱۵۰۸' الدر المنثور ج ۱ ص ۱۴' کنز العمال رقم الحدیث: ۲۱۵۸۷)

ابن منذر نے اس نماز کے وقت میں اختلاف ذکر کیا ہے لیکن راجح قول یہ ہے کہ اس کے لئے کوئی وقت مقرر نہیں۔ اور اس کے اکثر احکام عید کی طرح ہیں لیکن فرق یہ ہے کہ یہ کسی معین دن کے ساتھ خاص نہیں۔

اور کیا نماز استسقاء رات کے وقت بھی پڑھی جا سکتی ہے تو بعض حضرات نے اس بات سے کہ نبی اکرم ﷺ نے دن کے وقت اس نماز میں جہری قرأت فرمائی ہے' استدلال کیا کہ یہ عید کی طرح دن کی نماز ہے ورنہ اگر رات کی نماز ہوتی تو آپ مطلق نفل نماز کی طرح دن کے وقت پست آواز سے قرأت فرماتے اور رات کے وقت بلند آواز میں قرأت کرتے۔

ابن قدامہ نے اس بات پر اجماع نقل کیا ہے کہ یہ نماز مکروہ وقت میں نہ پڑھی جائے۔

ابن حبان نے اس بات کا فائدہ دیا کہ نبی اکرم ﷺ کے استسقاء کے لئے عیدہ گاہ کی طرف جانا رمضان المبارک ۶ ھ میں ہوا۔

واقدی نے کہا کہ نبی اکرم ﷺ کی چادر مبارک کی لمبائی چھ گز اور چوڑائی تین گز تھی۔ آپ کی ازار (تہبند

مبارک) کی لمبائی چار گز تھی اور چوڑائی دو گز اور ایک بالشت تھی جسے آپ جمعہ اور عیدین کے موقعہ پر پہنتے تھے (شرعی گز مراد ہے جو ایک ہاتھ یعنی دو فٹ کا ہوتا ہے)۔

ابوداؤد نے حضرت عبادہ سے روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے استسقاء کے وقت سیاہ چادر اوڑھ رکھی تھی آپ نے ارادہ فرمایا کہ اس کے نچلے حصے کو اوپر والے حصے پر کردیں تو جب بوجھ محسوس ہوا تو اس کو اپنے کاندھے پر الٹ دیا۔

امام شافعی رحمہ اللہ نے جدید قول میں اس فعل کو مستحب قرار دیا جس کا نبی اکرم ﷺ نے ارادہ فرمایا کہ چادر کو پھیرنے کے ساتھ الٹا بھی کیا جائے اور قرطبی نے دوسروں کی اتباع میں یہ خیال فرمایا کہ امام شافعی رحمہ اللہ نے جدید قول میں چادر کو الٹانا پسند کیا اس کو پھیرنا نہیں اور ''کتاب الام'' میں وہ بات ہے جو میں نے ذکر کردی ہے۔

اور جمہور صرف پھیرنے کے قائل ہیں اور اس میں شک نہیں کہ امام شافعی رحمہ اللہ نے جس بات کو اختیار کیا اس میں زیادہ احتیاط ہے حضرت امام ابوحنیفہ اور امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک اس سلسلے میں کوئی بات بھی مستحب نہیں (نہ الٹانا اور نہ پھیرنا) جمہور نے اس بات کو بھی مستحب قرار دیا کہ امام کے الٹانے کے ساتھ لوگ بھی الٹائیں اور اس پر امام احمد کی روایت دلالت کرتی ہے جو انہوں نے اس حدیث کے سلسلے دوسری سند کے ساتھ حضرت عباد رضی اللہ عنہ سے ان الفاظ میں نقل کی کہ لوگوں نے بھی آپ کے ساتھ چادر کو الٹایا۔

حضرت لیث اور حضرت امام ابو یوسف رحمہما اللہ فرماتے ہیں صرف امام الٹائے۔ ابن ماجشون نے عورتوں کو مستثنیٰ قرار دیا اور فرمایا ان کے حق میں مستحب نہیں۔

اس الٹانے میں حکمت کے سلسلے میں اختلاف ہے۔ مہلب نے قطعیت کے ساتھ بتایا کہ یہ موجودہ حالت کو بدلنے کے لیے نیک فال لینا ہے۔ ابن عربی نے ان پر یوں اعتراض کیا کہ فال کی شرط یہ ہے کہ اس کا ارادہ نہ کیا جائے وہ فرماتے ہیں: چادر کو الٹانا آپ کے اور رب کے درمیان علامت ہے آپ سے کہا گیا (یا الہام ہوا) کہ اپنی چادر کو الٹا دیں تاکہ آپ کی حالت بدل جائے اس پر اعتراض ہوا کہ جو کچھ بیان کیا گیا ہے اس کی نقلی دلیل چاہیے اور جس بات کو رد کیا ہے اس پر حدیث سے دلیل ہے اور اس حدیث کے راوی ثقہ ہیں اسے امام دار قطنی اور امام حاکم نے حضرت جعفر بن محمد بن علی سے انہوں نے اپنے والد سے اور انہوں نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔

دار قطنی نے اس حدیث کے مرسل ہونے کو ترجیح دی ہے بہر حال محض گمان سے تو یہ بہتر ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں جو آیا ہے کہ پھر آپ نے دو رکعتیں پڑھیں اور منبر پر بیٹھنے کے بعد کی بات ہے تو اس سے استدلال کیا گیا کہ نماز استسقاء میں خطبہ نماز سے پہلے ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث کا مقتضاء بھی یہی ہے۔

لیکن حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ کی حدیث جسے امام احمد رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے اس میں وضاحت ہے کہ آپ نے خطبے سے پہلے نماز پڑھائی۔ اسی طرح ''ابن ماجہ میں'' حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے اذان اور اقامت کے بغیر ہمیں دو رکعتیں پڑھائیں۔

شافعی اور مالکی مسلک والے دوسری روایت کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ کی حدیث کی کسی سند میں مذکورہ نماز کی کیفیت بیان نہیں ہوئی اور نہ یہ کہ اس میں

کن آیات کی قرأت کی جائے۔

امام دار قطنی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث نقل کی ہے کہ نبی اکرم ﷺ اس میں عید کی طرح سات یا پانچ تکبیریں پڑھتے تھے اور "سبح للہ" اور "ھل اتاک" پڑھتے۔

اس کی سند پر اعتراض کیا گیا ہے لیکن اس حدیث کی اصل سنن (ابی داؤد وغیرہ) میں ان الفاظ کے ساتھ ہے۔

"پھر آپ نے نماز پڑھی جس طرح عیدین کی نماز پڑھتے تھے"۔

امام شافعی رحمہ اللہ نے اس حدیث کے ظاہر کو اختیار کیا اور فرمایا ان دونوں میں تکبیر کہی جائے۔

خطبہ جمعہ میں استسقاء

دوسری صورت یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ خطبۂ جمعہ میں بارش کے لئے دعا مانگتے تھے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جمعہ کے دن ایک شخص مسجد میں اس دروازے سے داخل ہوا جو دار القضاء کی طرف تھا اور نبی اکرم ﷺ کھڑے خطبہ دے رہے تھے وہ کھڑا ہو کر نبی اکرم ﷺ کی طرف متوجہ ہوا پھر عرض کیا یا رسول اللہ! مال ہلاک ہو گئے اور راستے ٹوٹ گئے اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ وہ ہمیں بارش عطا فرمائے راوی فرماتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے اپنے ہاتھ اٹھائے پھر یوں دعا مانگی:

اَللّٰھُمَّ اَغِثْنَا اَللّٰھُمَّ اَغِثْنَا اَللّٰھُمَّ اَغِثْنَا. یا اللہ! ہمیں بارش عطا فرما (تین مرتبہ فرمایا)۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اللہ کی قسم! ہم آسمان میں کوئی بادل یا بادل کا ٹکڑا بھی نہیں دیکھتے تھے اور ہمارے اور سلع پہاڑ کے درمیان کوئی گھر اور حویلی بھی نہ تھی (کہ آڑ بنتی) تو اس (پہاڑ) کے پیچھے سے ڈھال کی طرح کا بادل طلوع ہوا جب آسمان کے درمیان پہنچا تو بکھر گیا پھر بارش برسنے لگی۔ وہ فرماتے ہیں اللہ کی قسم ہم نے ہفتہ بھر سورج نہ دیکھا پھر آئندہ جمعہ وہی شخص اسی دروازے سے داخل ہوا اور نبی اکرم ﷺ کھڑے خطبہ دے رہے تھے وہ آپ کے سامنے کھڑا ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ! مال ہلاک ہو گئے اور راستے ٹوٹ گئے آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ وہ ہم سے بارش کو روک دے راوی فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ نے اپنے ہاتھ اٹھائے اور دعا مانگی۔ یا اللہ! ہمارے ارد گرد ہو ہمارے اوپر نہ ہو پہاڑوں پر وادیوں کے دامن میں اور درختوں کی جڑوں پر برسے حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: بارش ٹھہر گئی اور ہم باہر نکلے تو دھوپ پر چلتے تھے حضرت شریک فرماتے ہیں: میں نے حضرت انس (رضی اللہ عنہ) سے پوچھا کیا یہ شخص وہی پہلا شخص تھا؟ انہوں نے فرمایا مجھے معلوم نہیں۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۸۔۹، سنن نسائی ج ۳ ص ۱۶۰، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۲۶۹، مسند احمد ج ۳ ص ۱۰۴، السنن الکبریٰ ج ۳ ص ۳۵۳، الدر المنثور ج ۶ ص ۲۸، مجمع الزوائد ج ۳ ص ۱۲، نصب الرایہ ج ۲ ص ۲۳۹، المعجم الکبیر ج ۱۰ ص ۳۳۶)

ایک روایت میں ہے کہ آپ اپنے ہاتھ سے جس کنارے کی طرف اشارہ فرماتے بادل کھل جاتے حتیٰ کہ میں نے مدینہ طیبہ کو بالکل خالی دیکھا اور وادیٔ قناۃ ایک مہینے تک بہتی رہی اور مضافات سے جو بھی آیا اس نے تیز بارش کی خبر دی۔

نبی اکرم ﷺ سے عرض کیا گیا آپ دعا فرمائیں اللہ تعالیٰ "یغیثنا ہم پر بارش نازل فرمائے" یہاں یاء پر فتح ہے کہا

جاتا ہے ''غاث الله البلاد یغیثها اللہ تعالیٰ نے شہروں پر بارش بھیجی''۔

دار قضاء کی طرف دروازے کا ذکر ہوا تو اس سے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا مکان مراد ہے اس کو دار قضاء اس لئے کہتے ہیں کہ یہ مکان آپ پر قرض کی ادائیگی کے لئے بیچا گیا۔

ایک روایت میں ہے ''ھلک الاموال مال ہلاک ہو گئے'' اور ایک روایت میں ہے جسے کریمہ بنت احمد اور حضرت ابوذر ابن محمد ہروی دونوں نے الکشمیھنی سے روایت کیا ''ھلک المواشی '' کے الفاظ ہیں یعنی جانور ہلاک ہو گئے۔

مالوں سے بھی جانور ہی مراد ہیں ''صحیح بخاری کی'' ایک روایت میں ''ھلک الکراع '' (کاف پر ضمہ) کے ساتھ ہے اور اس کا اطلاق اونٹوں وغیرہ پر ہوتا ہے ''صحیح بخاری'' میں ہی ''ھلک الماشیہ' ھلک العیال اور ھلک الناس '' کے الفاظ ہیں جانور ہلاک ہو گئے' بچے ہلاک ہو گئے اور لوگ ہلاک ہو گئے' عام کے بعد خاص کا ذکر ہے اور ان کی ہلاکت سے مراد یہ ہے کہ بارش نہ ہونے کی وجہ سے ان کی روزی نہیں جس کے ذریعے زندہ رہ سکیں۔

اور راستے ٹوٹ گئے کیونکہ رزق کی کمی کی وجہ سے اونٹ سفر سے کمزور ہو گئے یا یہ کہ ان کو راستے میں گھاس وغیرہ نہیں ملتا جس سے ان کا تیز چلنا پن ختم ہو جائے۔

''الاکام '' ہمزے کے نیچے کسرہ ہے' کبھی فتح اور مد کے ساتھ بھی پڑھتے ہیں یہ اکمہ کی جمع ہے' ہمزہ' کاف اور میم پر فتح ہے' مٹی جمع ہو جائے تو اسے اکمہ (ٹیلہ) کہتے ہیں کہا گیا کہ چھوٹے پہاڑ کو کہا جاتا ہے۔

ایک قول کے مطابق زمین کے اٹھے ہوئے حصے کو کہتے ہیں الظراب 'ظاء کے نیچے کسرہ ہے ظرب کی جمع ہے اس میں راء مکسور ہے بلند پھیلے ہوئے پہاڑ کو کہتے ہیں۔ ''مثل الجوبه ''جیم پر فتح' واؤ ساکن اور باء پر فتح ہے گول کشادہ گڑھا یہاں بادلوں میں کشادگی مراد ہے۔

''الجود ''تیز بارش' قناة شهرا '' وادی قناۃ میں ایک مہینے تک بارش ہوتی رہی۔

اس حدیث میں نبی اکرم ﷺ کے عظیم معجزہ پر دلیل ہے وہ یہ کہ تمام بادل آپ کے لئے مسخر ہیں جب آپ نے ان کی طرف اشارہ کیا تو انہوں نے صرف اشارے پر حکم کی تعمیل کی حالانکہ آپ نے کلام نہیں فرمایا تھا کیونکہ آپ کا کلام تو اللہ تعالیٰ کے حضور مناجات میں تھا اور بادلوں کو صرف اشارہ کیا اگر بادلوں کو نبی اکرم ﷺ کی اطاعت کا حکم نہ ہوتا تو یہ بات نہ ہوتی اس لئے کہ وہ بھی حدیث کی روشنی میں مامور ہیں جہاں جاتے ہیں کس قدر اور کہاں ٹھہرتے ہیں (حکم خداوندی کے تحت سب کچھ ہوتا ہے) شقراطیسی پر اللہ تعالیٰ رحم فرمائے انہوں نے کیا اچھا کہا:

دعوت للخلق عام المحل مبتهلا ــــ افدیک بالخلق من داع ومبتهل
صعدت کفیک اذ کف الغمام فما ــــ صوبت الا بصوب الواکف الهطل
اراق بالارض ثجا صوب ریقه ــــ فحل بالروض نسجا رائق الحلل
زهر من النور حلت روض ارضهم ــــ زهرا من النور صافی النبت مکتمل
من کل غصن نضیر مورق خضر ــــ وکل نور نضید مونق خضل
تحیة احیت الاحیاء من مضر ــــ بعد المضرة تروی السبل بالسبل

دامت علی الارض سبعا غیر مقلعة لو لا دعاؤک بالاقلاع لم تزل

''آپ نے قحط سالی کے موقع پر مخلوق کے لئے خوب کوشش کے ساتھ دعا مانگنے اور اس میں کوشش کرنے والی مخلوق کو آپ پر قربان کرتا ہوں آپ نے اپنے مبارک ہاتھ اٹھائے جب بادل روک دیئے گئے تھے اور اس وقت تک ہاتھوں کو نیچے نہیں کیا جب تک بارش کے موٹے موٹے قطرے بہہ نہیں گئے۔ زمین پر شدید بارش برسائی تو وہ باغوں میں یوں اتری کہ تعجب خیز جوڑے بنی تھی (سبزیاں مراد ہیں)۔ سفید روشنی ان کی زمین کے باغوں میں اتری اور وسیع و کامل شگوفہ کھلا۔ ہر عمدہ شاخ پر سبز پتے لگے اور ہر شگوفہ دوسرے سے متصل تعجب خیز اور تر تھا۔ یہ ایسی دعا جس نے مضر کے قبیلوں کو ضرر کے بعد زندہ کر دیا اور اس نے بارش کے ذریعے راستوں کو سیراب کر دیا اس کے اثرات زمین پر سات دن رہے کہ بارش نہ رکی اگر اس کے رکنے کے لئے آپ دعا نہ فرماتے تو وہ جاری رہتی''۔

حدیث شریف میں ''سبتا'' کا لفظ ہے یعنی ہفتہ سے ہفتہ تک دراصل یہ مجازاً ہے ورنہ آغاز جمعہ سے ہوا اور جمعہ پر اختتام ہوا۔

''ثم دخل رجل'' سے ظاہر یہ ہوتا ہے کہ یہ کوئی دوسرا آدمی تھا کیونکہ جب نکرہ کا تکرار ہو تو تعدد پر دلالت کرتا ہے اور ابن اسحاق کی روایت میں ہے کہ وہی شخص کھڑا ہوا یا کوئی دوسرا آدمی تھا۔

''صحیح مسلم کی'' ایک روایت میں ہے:

فتقشعت عن المدينة فجعلت تمطر حواليها وما تمطر بالمدينة قطرة فنظرت الى المدينة وانها لفی مثل الاكليل.

پس مدینہ طیبہ سے بادل ہٹ گئے اور اردگرد بارش ہونے لگی مدینہ طیبہ میں ایک قطرہ بھی نہ برسا میں نے مدینہ طیبہ کی طرف دیکھا تھا' دائرہ کی طرح کھلا لگتا تھا۔

''الاکلیل'' ہمزہ مکسور ہے اور کاف ساکن ہے ہر اس چیز کو کہتے ہیں جس کو کناروں سے لپیٹا جائے اور یہ اس چیز کے لئے مشہور ہے' جس کو سر پر رکھ کر اس سے گھیر اڈالا جاتا ہے اور یہ تاج کی طرح بادشاہوں کے لباس میں سے ہے۔

''صحیح مسلم کی'' ایک دوسری روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بادلوں کو لپیٹ دیا اور وہ ٹھہر گئے حتیٰ کہ میں نے مضبوط آدمی کو دیکھا کہ وہ گھر جانے کے لئے پریشان تھا۔

ان ہی کی ایک روایت میں ہے:

فرايت السحاب يتمزق كانه الملاء حين تطوى.

پس میں نے بادلوں کو دیکھا کہ وہ پھٹ گئے گویا وہ ایک چادر ہے جسے لپیٹ دیا گیا۔

''الملاء'' میم پر ضمہ اور الف غیر ممدودہ ہے مد کے ساتھ بھی پڑھا جاتا ہے یہ ''ملاءۃ'' کی جمع ہے معروف کپڑا (تہبند وغیرہ)۔

اس حدیث سے استدلال کیا گیا کہ مخصوص نماز کے بغیر بھی استسقاء ہوتی ہے اور یہ کہ استسقاء (طلب بارش) میں نماز نہیں پہلی بات امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمائی ہے اور دوسرا قول امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا ہے۔

اس پر یوں گرفت کی گئی کہ اس واقعہ میں محض دعا تھی جو جواز نماز کے منافی نہیں اور دوسرے واقعہ میں ثابت ہو چکا

ہے (کہ اس کے لئے نماز پڑھی گئی) جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔ واللہ اعلم

منبر پر بارش کے لئے دعا

تیسری صورت یہ ہوتی کہ نبی اکرم ﷺ نے مدینہ طیبہ میں منبر پر بارش کے لئے دعا فرمائی۔

امام بیہقی رحمہ اللہ نے "الدلائل" میں یزید بن عبید السلمی سے روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ جب غزوہ تبوک سے واپس تشریف لائے تو بنوفزارہ کا ایک وفد آپ کے پاس حاضر ہوا اور یہ لوگ دس سے کچھ اوپر تھے ان میں خارجہ بن حصن اور حر بن قیس بھی تھے یہ سب سے چھوٹے تھے۔ یہ لوگ رملہ بنت حارث جو انصاریہ تھیں ان کے گھر اترے' یہ لوگ قحط زدہ کمزور اونٹوں پر سوار تھے وہ اسلام کا اقرار کرتے ہوئے حاضر ہوئے' نبی اکرم ﷺ نے ان سے ان کے علاقے کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ہمارے شہر اور ہمارے صحن قحط سالی کا شکار ہو گئے' ہمارے بچے بھوکے ہو گئے اور ہمارے جانور ہلاک ہو گئے' آپ اپنے رب سے دعا مانگیں کہ وہ ہمیں بارش عطا فرمائے اور ہمارے لئے اپنے رب کے ہاں سفارش فرمائیں اور آپ کا رب آپ کے ہاں سفارش کرے۔ آپ نے فرمایا: سبحان اللہ! تمہارے لئے خرابی ہو میں اپنے رب کے ہاں سفارش کروں گا لیکن کون ہے جس کے پاس ہمارا رب سفارش کرے؟ اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ بہت بلند بڑی عظمت والا ہے۔ اس کی کرسی (قدرت) آسمانوں اور زمین کو شامل ہے اس کی عظمت وجلال کی وجہ سے کرسی بھی چرچراتی ہے جس طرح نیا کجاوہ چرچراتا ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے ڈرنے اور تمہاری مدد کے قریب ہونے پر ہنستا ہے (خوش ہوتا ہے)۔

اعرابی نے کہا کیا ہمارا رب ہنستا ہے یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا ہاں تو اعرابی نے کہا یا رسول اللہ! ہم ایسے رب کو مفقود نہیں پائیں گے جو بھلائی کے ساتھ ہنستا ہے (رحمت کا نزول مراد ہے ورنہ اللہ تعالیٰ ہنسنے سے پاک ہے کیونکہ جب کوئی کسی سے سوال کرتا ہے اور وہ ہنستا ہے تو گویا وہ امید کو پوری کرے گا)۔ نبی اکرم ﷺ اس کی بات پر مسکرا پڑے پس آپ کھڑے ہوئے اور منبر پر تشریف لے گئے اور کچھ کلمات کہے اور ہاتھ اٹھائے اور نبی اکرم ﷺ دعا کے لئے صرف استسقاء کے موقعہ پر ہاتھ اٹھاتے تھے حتیٰ کہ آپ کی بغلوں کی سفیدی نظر آجاتی۔[1]

اور آپ کی دعا سے جو کلمات یاد کئے گئے وہ یہ ہیں:

اَللّٰھُمَّ اسْقِ بَلَدَکَ وَبَھِیْمَتَکَ' وَانْشُرْ رَحْمَتَکَ' وَاحْیِ بَلَدَکَ الْمَیِّتَ' اَللّٰھُمَّ اسْقِنَا غَیْثًا مُّغِیْثًا مَّرِیْئًا مُّرِیْعًا طَبَقًا وَّاسِعًا' عَاجِلًا غَیْرَ اٰجِلٍ نَّافِعًا غَیْرَ ضَارٍّ' اَللّٰھُمَّ سُقْیَا رَحْمَۃٍ لَا سُقْیَا

یا اللہ! اپنے ملک اور جانوروں کو سیراب کر دے' اپنی رحمت کو پھیلا دے' اپنے مردہ ملک کو زندہ کر دے یا اللہ! ہمیں ایسی بارش عطا فرما جو مددگار ہو' اس کا انجام اچھا ہو (نقصان دہ نہ ہو) سرسبز کرنے والی' تمام جگہوں کو گھیرنے

[1] علامہ زرقانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ بات ان احادیث کے خلاف ہے جن سے ثابت ہے کہ نبی اکرم ﷺ استسقاء کے علاوہ بھی ہاتھ اٹھا کر دعا مانگتے تھے یہ بے شمار احادیث ہیں جن کو امام منذری نے صرف اسی موضوع پر کتاب میں جمع کیا ہے امام نووی نے "شرح مہذب" میں' تمیں کے قریب احادیث ذکر کی ہیں امام بخاری نے بھی اس سلسلے میں مستقل باب باندھا ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث کا مطلب یہ ہوگا کہ ان کے علم میں یہ بات نہیں آئی یا یہ کہ اس مخصوص طریقے پر کہ بغلیں نظر آئیں ہاتھ نہیں اٹھاتے تھے' مطلق اٹھانے کی نفی ہے۔ (زرقانی ج ۸ ص ۶۱)

عَذَابٌ وَّلَا هَدَمَ وَلَا غَرَقَ وَلَا مَحِقَ' اَللّٰهُمَّ اسْقِنَا الْغَيْثَ وَانْصُرْنَا عَلَى الْاَعْدَآءِ.

والی اور کشادہ ہو فوری ہو اس میں تاخیر نہ ہو نفع بخش ہو نقصان دہ نہ ہو یا اللہ! رحمت والی بارش ہو عذاب والی بارش نہ ہو مکانوں کو گرانے والی غرق کرنے والی اور مٹانے والی نہ ہو یا اللہ! ہم پر بارش نازل فرما اور ہمیں دشمنوں پر فتح فرما۔

حضرت ابولبابہ بن عبدالمنذر رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور عرض کیا یارسول اللہ! کھجوریں سٹور میں ہیں (جس جگہ خشک کرنے کے لئے رکھتے ہیں) نبی اکرم ﷺ نے فرمایا "اللھم اسقنا" یا اللہ! ہمیں بارش عطا فرما۔ حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کھجوریں سٹور میں ہیں۔ تین مرتبہ عرض کیا۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا "اللھم اسقنا" یا اللہ! ہمیں بارش عطا فرما حتیٰ کہ حضرت ابولبابہ اسی طرح برہنہ (پورے جسم کا ننگا ہونا مراد نہیں) کھڑے ہوئے اور کھجوروں کے سٹور کا سوراخ اپنی چادر سے بند کرنے لگے۔

راوی کہتے ہیں اللہ کی قسم! آسمان میں بادل کی کوئی ٹکڑی نہیں تھی نہ ہی بادل جمع تھے' مسجد اور سلع پہاڑ کے درمیان کوئی پردہ بھی حائل نہ تھا پس سلع پہاڑ سے ڈھال جیسے بادل نمودار ہوئے جب آسمان کے درمیان میں پہنچے تو پھیل گئے اور لوگ دیکھ رہے تھے پھر بارش برسنے لگی پس اللہ کی قسم! انہوں نے ہفتہ بھر سورج نہ دیکھا حضرت ابولبابہ ننگے جسم (ستر ڈھانپا ہوا تھا) کھڑے ہوئے اور اپنے سٹور کے سوراخ کو چادر سے بند کر دیا تا کہ اس سے کھجوریں نہ نکلیں۔

ایک شخص نے سوال کیا یعنی وہ جس نے طلب بارش کی دعا کے لئے عرض کیا تھا کہ مال ہلاک ہوئے اور راستے ٹوٹ گئے پس نبی اکرم ﷺ منبر پر تشریف لائے اور دعا مانگی آپ نے اپنے ہاتھوں کو خوب پھیلا کر بلند کیا حتیٰ کہ آپ کی بغلوں کی سفیدی دکھائی دینے لگی پھر یوں دعا مانگی:

اَللّٰهُمَّ حَوَالَيْنَا وَلَا عَلَيْنَا اَللّٰهُمَّ عَلَى الْاٰكَامِ وَالظِّرَابِ وَبُطُوْنِ الْاَوْدِيَةِ وَمَنَابِتِ الشَّجَرِ.

یا اللہ! ہمارے اردگرد ہو ہمارے اوپر نہ ہو یا اللہ! ٹیلوں اور پہاڑوں پر اور وادیوں کے دامن میں اور درختوں کی جڑوں میں برسے۔

پس بادل مدینہ طیبہ سے اس طرح ہٹ گئے جس طرح کپڑے اپنے پہننے والے سے الگ ہو جاتے ہیں۔

اطیط آنتوں کو کہتے ہیں یعنی کرسی اس کو اٹھانے اور اس کی عظمت سے عاجز ہو گئی کیونکہ یہ معلوم ہے کہ سوار کی وجہ سے کجاوے کا چرچرانا اس کے اوپر جو کچھ ہے (سوار ہے) اس کی قوت کی وجہ سے ہوتا ہے اور وہ اس کو اٹھانے سے عاجز ہوتا ہے یہ اللہ تعالیٰ کی عظمت وجلال کی مثال دی گئی وہاں حقیقتاً چرچرانا نہیں تھا یہ بات سمجھانے کے لئے ہے اور مقصد اللہ تعالیٰ کی عظمت کا عقیدہ پکا کرنا تھا۔

"طبقا" طاء اور باء کے فتح کے ساتھ ہے یعنی زمین کو بھرنے والی اور ڈھانپنے والی ہے۔ کہا جاتا ہے "غیث طبق" یعنی عام وسیع بارش۔ "المربد" وہ جگہ جہاں کھجوریں خشک کرتے ہیں۔ "ثعلبہ" اس مربد کا وہ سوراخ جس سے پانی جاری ہوتا ہو۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' فرماتے ہیں کہ ایک دیہاتی نے نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا:

یا رسول اللہ اتیناک ومالنا صبی یغط ولا بعیر یئط.

یارسول اللہ! ہم آپ کے پاس اس حال میں آئے ہیں کہ ہمارے پاس کوئی بچہ نہیں جو سو سکے اور نہ کوئی اونٹ جو آواز نکالے۔

یعنی ہمارے پاس بالکل کوئی اونٹ نہیں کیونکہ اونٹ کے لئے آواز نکالنا ضروری ہے اور یہ شعر پڑھے:

اتیناک والعذراء یدمی لبانها وقد شغلت ام الصبی عن الطفل

والقی بکفیه الفتی لاستکانة من الجوع ضعفا ما یمر ولا یحلی

ولا شیء مما یاکل الناس عندنا سوی الحنظل العامی والعلهز الغسل

ولیس لنا الا الیک فرارنا وابن فرار الناس الا الی الرسل

''ہم آپ کے پاس اس حالت میں آئے ہیں کہ ہماری کنواری لڑکیوں کے سینے خون آلود ہو گئے اور بچے کی ماں بچے سے غافل ہو گئی ہے۔

نوجوان بہادر بھوک کی وجہ سے کمزور ہو گیا اس لئے نہیں ذلت کے طور پر ہار مان لی نہ وہ کڑوی گفتگو کرتا ہے اور نہ میٹھی۔

اور ہمارے پاس سوائے عام حنظل (اندرائن کڑوا پھل) اور علہز (ایک کھانا جو وہ لوگ کھاتے تھے) کے سوا کچھ نہیں جس سے لوگ کھائیں۔

اور ہمارے لئے آپ کے پاس آنے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا اور لوگوں کے لئے رسولوں کے پاس ہی بھاگ کر جانا ہوتا ہے''۔

نبی اکرم ﷺ چادر کھینچتے ہوئے کھڑے ہوئے حتیٰ کہ منبر پر تشریف فرما ہوئے آسمان کی طرف ہاتھ اٹھائے اور دعا مانگی:

اَللّٰهُمَّ اسْقِنَا غَيْثًا مُغِيْثًا مُرِيْعًا غَدَقًا طَبَقًا نَافِعًا غَيْرَ ضَارٍّ عَاجِلًا غَيْرَ رَآئِثٍ تَمْلَأُ بِهِ الضَّرْعَ وَتُنْبِتُ بِهِ الزَّرْعَ وَتُحْيِيْ بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا.

یا اللہ! ہمیں مدد دینے والی زیادہ سبزی پیدا کرنے والی شاخیں نکالنے والی ہمہ گیر نفع بخش نہ نقصان دینے والی فوری دیر نہ کرنے والی بارش عطا فرما جس سے تو تھنوں کو بھر دے اور اس کے ذریعے کھیتی (میں سبزی) اگائے اس کے ذریعے زمین کو اس کے ویران ہونے کے بعد آباد کرے۔

راوی کہتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ نے ابھی اپنے دست مبارک اپنے سینے کی طرف نہیں لوٹائے تھے کہ آسمان نے اپنی چمک ڈال دی (بارش ہو گئی) اور مضافاتِ شہر کے رہنے والے ''ڈوب گئے'' ''ڈوب گئے'' کی فریاد کرتے ہوئے حاضر ہوئے۔

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ہمارے اردگرد ہو ہم پر نہ ہو پس بادل مدینہ طیبہ سے چھٹ گئے حتیٰ کہ اس کے گرد تاج کی طرح گول دائرہ بن گیا اور نبی اکرم ﷺ ہنس پڑے حتیٰ کہ آپ کی داڑھیں مبارک ظاہر ہو گئیں پھر فرمایا: اللہ تعالیٰ ابوطالب کو جزائے خیر دے اگر وہ زندہ ہوتے تو ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوتیں ان کا یہ کلام کون پڑھے گا؟ حضرت علی

المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! گویا آپ کا ارادہ اس کلام کا ہے:

وابیض یستسقی الغمام بوجهه — ثمال الیتامی عصمة للا رامل
تطیف به الهلاک من ال هاشم — فهم عنده فی نعمة وفواضل
کذبتم وبیت الله نبزی محمدا — ولما نطاعن حوله ونناضل
ونسلمه حتی نصرع حوله — ونذهل عن ابنائنا والحلائل

''وہ سفید چہرے والے جن کے چہرے کے صدقہ میں بارش برسائی جاتی ہے' یتیموں کے ملجاء اور بیواؤں کی حفاظت کرنے والے۔

آل ہاشم میں سے ہلاک ہونے والے ان کے گرد چکر لگاتے ہیں پس وہ، جو ہاشم ان کے نزدیک نعمتوں اور فضل والے ہیں اور بیت اللہ کی قسم! تم نے جھوٹ کہا کہ ہم حضرت محمد ﷺ کو غالب نہیں کریں گے۔

اور ہم ان کے گرد ان کا دفاع کرتے ہوئے تیر اندازی نہیں کریں گے۔ اور ہم ان کو تمہارے حوالے کر دیں (جس طرح تمہارا مطالبہ ہے نہیں ایسا نہیں ہوگا) حتیٰ کہ ہم ان کے گرد بچھاڑ دیئے جائیں اور ہم اپنے بیٹوں اور بیویوں کو بھی بھول جائیں''۔

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہاں (اسی کی طرف اشارہ ہے)۔

''یدمی لبانها'' ان کے سینے خون آلود ہو گئے کیونکہ انہوں نے خدمت میں اپنے نفسوں کو مشقت میں ڈالا کہ اس سخت حالت اور قحط سالی کی وجہ سے ان سے خدمت لینے والا ان کو کچھ دے نہیں سکتا۔

''لبان'' اصل میں گھوڑے کی ہار والی جگہ (گردن) کو کہتے ہیں پھر مجازاً انسانوں کے لئے بولا گیا۔

''ما یمر وما یحلی'' بھوک اور کمزوری کی وجہ سے نہ اچھی بات کرتا ہے اور نہ بری بات۔

''سوی الحنظل العامی'' عام کی طرف نسبت ہے کیونکہ یہ قحط سالی کے موقعہ پر لیا جاتا ہے۔ جس طرح خشک سالی کو ''السنة'' (سال) کہا جاتا ہے۔

''العلهز'' (کسرہ کے ساتھ) جوہری نے کہا کہ علہز وہ کھانا جو بھوک کے ساتھ خون اور اونٹوں کے بالوں سے تیار کرتے تھے۔ ''الغسل'' ذلت و رسوائی۔

سہیلی کہتے ہیں اگر تم کہو کہ ابو طالب نے کیسے کہہ دیا ''وابیض یستسقی الغمام بوجهه'' اور انہوں نے کبھی نہیں دیکھا کہ آپ کے ذریعے بارش طلب کی گئی ہو یہ تو ہجرت کے بعد کا واقعہ ہے۔

اس سوال کے جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ ابو طالب نے اس واقعہ کی طرف اشارہ کیا جو حضرت عبدالمطلب کے زمانے میں ہوا جب انہوں نے قریش کے لئے بارش طلب کی اور نبی اکرم ﷺ ان کے ہمراہ تھے اور ابھی آپ کا بچپن تھا۔

حافظ ابن حجر نے فرمایا یہ بھی احتمال ہے کہ ابو طالب نے خود ان الفاظ کے ساتھ آپ کی تعریف کی ہو جب انہوں نے آپ میں یہ آثار دیکھے اگرچہ انہوں نے اس کا مشاہدہ نہیں کیا۔

میں مصنف کہتا ہوں ابن عساکر نے جلہمہ بن عرفطہ سے روایت نقل کرتے ہوئے کہا کہ میں مکہ مکرمہ میں آیا اور وہ لوگ قحط میں مبتلا تھے' قریش نے کہا اے ابو طالب! وادی میں قحط پڑ گیا اور اہل و عیال خشک سالی کا شکار ہو گئے اور آپ ان

میں موجود ہیں کیا آپ ان کے لئے بارش طلب نہیں کرتے' ابو طالب باہر نکلے اور ان کے ساتھ ایک بچہ تھا گویا وہ اندھیرے میں چمکنے والا سورج ہے اس سے سیاہ بادل چھٹ گئے اور ان کے گرد کچھ چھوٹے چھوٹے بچے ہیں' ابو طالب نے اس بچے کو پکڑ کر اس کی پیٹھ کو کعبہ شریف کے ساتھ لگا دیا بچہ نے اپنی انگلی (کے اشارے) سے پناہ طلب کی اور آسمان میں بادل کا ایک ٹکڑا بھی نہ تھا بادل ادھر ادھر سے آنے لگے' اور وہ پانی سے بھر گئے اور آپ کے لئے وادی کھل گئی (بارش کے پانی سے بھر گئی) نیز شہروں اور دیہاتوں کے لئے زمین سرسبز و شاداب ہوگئی اسی سلسلے میں ابو طالب نے کہا' "وابیض یستسقی الغمام بوجهه"۔

دعا کے ذریعے طلب بارش

چوتھی صورت یہ تھی کہ نبی اکرم ﷺ نے نماز کے بغیر دعا کے ذریعے بارش طلب فرمائی۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ قریش نے اسلام لانے میں تاخیر کی تو نبی اکرم ﷺ نے ان کے خلاف دعا کی چنانچہ وہ قحط سالی کا شکار ہو گئے حتی کہ وہ ہلاک ہوئے اور انہوں نے مردار اور ہڈیاں کھانا شروع کر دیں ابو سفیان' نبی اکرم ﷺ کے پاس آئے اور کہا اے محمد! (ﷺ) آپ صلہ رحمی کی تعلیم دینے کے لئے تشریف لائے اور آپ کی قوم ہلاک ہوگئی پس اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے۔ آپ نے یہ آیت کریمہ پڑھی:

فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَأْتِي السَّمَاءُ بِدُخَانٍ مُّبِينٍ ○ (الدخان:١٠) پس اس دن کا انتظار کیجئے جب آسمان سے واضح دھواں آئے گا۔

پھر وہ لوگ کفر کی طرف لوٹ گئے اور یہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

يَوْمَ نَبْطِشُ الْبَطْشَةَ الْكُبْرٰى ○ (الدخان:١٦) جس دن ہم ان کو بڑی پکڑ کے ساتھ پکڑیں گے۔

اس سے یوم بدر مراد ہے۔

اسباط نے منصور سے روایت کرتے ہوئے یہ اضافہ ذکر کیا۔

"پس نبی اکرم ﷺ نے دعا مانگی تو ان پر بارش ہوئی جس نے ان کو سات دن گھیرے رکھا اور لوگوں نے بارش کے زیادہ ہونے کی شکایت کی تو نبی اکرم ﷺ نے دعا مانگی: یا اللہ! ہمارے ارد گرد ہو ہم پر نہ ہو"۔ پس آپ کے سر انور سے بادل ہٹنے لگے اور ارد گرد کے لوگوں پر بارش برسائی گئی۔

دمیاطی نے اس بات کا فائدہ دیا کہ قریش کے خلاف دعا کا آغاز اس واقعہ کے بعد ہوا جب انہوں نے آپ کی پیٹھ مبارک پر ذبح شدہ اونٹ کی اوجھڑی ڈالی اور یہ واقعہ ہجرت سے پہلے مکہ مکرمہ میں ہوا اور نبی اکرم ﷺ نے یہ دعا مدینہ طیبہ میں قنوت کے دوران فرمائی۔ جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث امام بخاری نے نقل کی ہے۔

اس سے واقعات کا اتحاد لازم نہیں آتا کیونکہ متعدد بار ان کے خلاف دعا مانگنے میں کوئی رکاوٹ نہیں۔ اور ظاہر یہ ہے کہ ابو سفیان ہجرت سے پہلے آئے تھے کیونکہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں انہوں نے دوبارہ کفر کیا اور پھر اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد اسی سلسلے میں ہے:

يَوْمَ نَبْطِشُ الْبَطْشَةَ الْكُبْرٰى ○ (الدخان:١٦) جس دن ہم ان کو سخت پکڑ کے ساتھ پکڑیں گے۔

اس سے یوم بدر مراد ہے۔

اور یہ بات منقول نہیں کہ ابوسفیان بدر سے پہلے مدینہ طیبہ میں آئے ہوں اس بنیاد پر اس بات کا احتمال ہے کہ ابوطالب اس موقع پر حاضر ہوں اسی لئے انہوں نے یہ کلمات کہے ''وابیض یستسقی الغمام بوجهه'' لیکن حدیث میں اس طرح بھی آیا ہے جو اس کے مدینہ طیبہ میں واقع پر دلالت کرتا ہے اگر ان واقعات کو متعدد واقعات پر محمول نہ کریں تو اعتراض واقع ہوگا۔

امام بیہقی کی کتاب ''الدلائل'' میں حضرت کعب بن مرہ یا مرہ بن کعب سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے مضر قبیلے کے خلاف دعا کی تو ابوسفیان نے حاضر ہو کر عرض کیا اپنی قوم کے لئے دعا کریں وہ ہلاک ہو گئے۔

امام احمد اور ابن ماجہ نے حضرت کعب بن مرہ سے روایت کیا اور (نام میں) شک نہیں کیا اور ابوسفیان کا ذکر ابہام کے ساتھ کیا اور کہا کہ ایک شخص آپ کے پاس آیا اور اس نے عرض کیا مضر قبیلے کے لئے بارش کی دعا کریں اور کہا یارسول اللہ! آپ نے اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کی تو اس نے آپ کی مدد کی آپ نے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی تو اس نے آپ کی دعا قبول کی چنانچہ آپ نے ہاتھ اٹھا کر یوں دعا مانگی:

اَللّٰهُمَّ اسْقِنَا غَيْثًا مُّغِيْثًا. یا اللہ! مدد کرنے والی بارش عطا فرما۔

تو اس سے ظاہر ہوا کہ وہ مبہم شخص جس کے لئے کہا گیا کہ تم جرأت کرنے والے ہو وہ ابوسفیان ہیں۔

لیکن ظاہر یہ ہے کہ جس نے کہا ''یارسول اللہ! آپ نے مدد طلب کی تو اللہ تعالیٰ نے آپ کی مدد فرمائی'' وہ کعب بن مرہ ہیں جو اس حدیث کے راوی ہیں۔

امام احمد اور امام حاکم نے حضرت کعب بن مرہ (مذکور) سے جو حدیث نقل کی ہے اس میں وہ فرماتے ہیں۔

نبی اکرم ﷺ نے قبیلہ مضر کے خلاف دعا کی تو میں آپ کے پاس حاضر ہوا میں نے عرض کیا یارسول اللہ! بے شک اللہ تعالیٰ نے آپ کی مدد کی' آپ کو عطا کیا اور آپ کی دعا کو قبول کیا اور آپ کی قوم ہلاک ہو گئی۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ابوسفیان اور کعب دونوں حاضر ہوئے۔

اور ابوسفیان نے بھی کچھ بات کی۔ یہ اس واقعہ کے ایک ہونے پر دلالت ہے اور اس میں وہ بات ثابت ہے جو آپ کے اس قول میں کہ ''آپ جرأت کرنے والے ہیں'' اور ''اللهم حوالينا ولا علينا'' میں ثابت ہے اور حضرت کعب کا انداز کلام اس بات کی خبر دیتا ہے کہ یہ واقعہ مدینہ طیبہ میں ہوا کیونکہ انہوں نے عرض کیا ''آپ نے اللہ تعالیٰ سے مدد مانگی پس اللہ تعالیٰ نے آپ کی مدد کی''۔

اس سے یہ بات لازم نہیں آتی کہ یہ واقعہ اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کا سابقہ واقعہ ایک ہی ہے کیونکہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے ''کہ نبی اکرم ﷺ ابھی منبر سے نہیں اترے تھے کہ بارش شروع ہو گئی''۔

اور اسی روایت میں ہے ''کہ جمعہ کا دن یا اس کی مثل تھا کہ بارش ہوئی''۔ اور اس واقعہ میں عرض کرنے والا اس واقعہ کے سائل کے علاوہ ہے پس یہ دونوں الگ واقعات ہیں اور دونوں میں طلب بارش کے لئے استدعا ہے پھر بارش اس وقت طلب کی گئی جب بادل نہیں تھے۔

اور اگر ثابت ہو جائے کہ حضرت کعب بن مرہ رضی اللہ عنہ ہجرت سے پہلے ایمان لائے تھے تو ان کا قول ''آپ نے

اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کی تو اللہ تعالیٰ نے آپ کی مدد فرمائی' دشمنانِ اسلام کے خلاف آپ کی دعا کے قبول ہونے پر محمول کیا جائے گا اور پہلے مذکور اعتراض زائل ہو جائے گا۔ واللہ اعلم

بعض مقامات پر نبی اکرم ﷺ کا بارش کے لئے دعا کرنا

پانچویں صورت یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے زوراء کے پاس زیتون کے درختوں کے قریب دعا مانگی اور یہ مسجد کے دروازے باب السلام سے باہر اتنی دور ہے جہاں پھینکا ہوا پتھر پہنچ جائے اور یہ مسجد سے باہر دائیں جانب ہے۔

حضرت عمیر جوابی اللحم کے آزاد کردہ غلام ہیں' سے مروی ہے کہ انہوں نے نبی اکرم ﷺ کو دیکھا' آپ نے اپنے ہاتھوں کو چہرے کی طرف کر کے اٹھایا ہوا تھا اور وہ سر سے بلند نہیں تھے' اس حالت میں آپ بارش کے لئے دعا مانگ رہے تھے۔

چھٹی صورت یہ ہے کہ آپ نے بعض غزوات میں بارش کے لئے دعا مانگی جب مشرکین پانی کی طرف آپ سے آگے بڑھ گئے اور مسلمان پیاسے ہوئے تو انہوں نے نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں شکایت کی اور بعض منافقوں نے کہا اگر یہ نبی ہوتے تو اپنی قوم کے لئے پانی طلب کرتے جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کے لیے طلب فرمایا تھا' یہ بات نبی اکرم ﷺ کو پہنچی تو آپ نے فرمایا: کیا انہوں نے یہ بات کہی ہے عنقریب تمہارا رب تمہیں بارش عطا کرے گا پھر آپ نے ہاتھ پھیلائے اور دعا مانگی پس آپ نے دعا سے ہاتھ واپس نہیں کیے تھے کہ بادلوں سے اندھیرا چھا گیا اور ان پر بارش برسنے لگی یہاں تک کہ وادی میں پانی جاری ہو گیا اور لوگوں نے خوب سیر ہو کر پانی پیا۔

(مسند احمد ج ۳ ص ۴۴۷ تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۲۷۴)

فصل نمبر ۳

استسقاء کی بعض دعائیں

حضرت سالم' حضرت عبداللہ سے اور وہ اپنے والد سے (رضی اللہ عنہم) مرفوعاً روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ جب بارش کے لئے دعا مانگتے تو یوں فرماتے:

اَللّٰهُمَّ اسْقِنَا الْغَيْثَ وَلَا تَجْعَلْنَا مِنَ الْقَانِطِيْنَ' اَللّٰهُمَّ اِنَّ بِالْعِبَادِ وَالْبِلَادِ وَالْبَهَائِمِ وَالْخَلْقِ مِنَ اللَّأْوَاءِ وَالْجَهْدِ وَالضَّنْكِ مَا لَا نَشْكُوْهُ اِلَّا اِلَيْكَ' اَللّٰهُمَّ اَنْبِتْ لَنَا الزَّرْعَ' وَاَدِرَّ لَنَا الضَّرْعَ' وَاسْقِنَا مِنْ بَرَكَاتِ السَّمَآءِ' وَاَنْبِتْ لَنَا مِنْ بَرَكَاتِ الْاَرْضِ' اَللّٰهُمَّ ارْفَعْ عَنَّا الْجَهْدَ وَالْجُوْعَ وَالْعُرْيَ' وَاكْشِفْ عَنَّا مِنَ الْبَلَاءِ مَا لَا

یا اللہ! ہم پر بارش نازل فرما اور ہمیں ناامید ہونے والوں میں سے نہ کرنا' یا اللہ! بندے' شہر' جانور اور مخلوق سخت مشقت اور تنگی میں ہیں جس کی شکایت ہم صرف تیری بارگاہ میں کر سکتے ہیں یا اللہ! ہمارے لئے کھیتی اُگا دے' تھنوں کو (دودھ سے) بھر دے' ہمیں آسمان کی برکات سے سیراب کر دے اور زمین کی برکات سے سبزی اُگا دے یا اللہ! ہم سے مشقت' بھوک اور برہنگی کو دور کر دے اور ہم سے اس

یَکْشِفُہٗ غَیْرُکَ، اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَسْتَغْفِرُکَ اِنَّکَ کُنْتَ غَفَّارًا، فَاَرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَیْنَا مِدْرَارًا۔

مصیبت کو دور کر دے جسے تیرے سوا کوئی دور نہیں کر سکتا یا اللہ! ہم تجھ سے بخشش کا سوال کرتے ہیں تو بخشنے والا ہے پس ہم پر موسلا دھار بارش نازل فرما۔

اسے امام شافعی رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے۔

فصل نمبر ۴

حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے وسیلہ سے بارش طلب کرنا

ابوالجوزاء روایت کرتے ہیں کہ اہل مدینہ سخت قحط میں مبتلا ہو گئے تو انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے شکایت کی اُم المومنین نے فرمایا: نبی اکرم ﷺ کی قبر انور کی طرف دیکھو پس اس سے آسمان کی طرف (چھت میں) طاق (چھوٹی کھڑکیاں) بناؤ حتیٰ کہ قبر شریف کے اور آسمان کے درمیان چھت نہ رہے انہوں نے اسی طرح کیا تو بارش ہو گئی حتیٰ کہ گھاس (اُگی) اور اونٹ اس قدر موٹے ہو گئے کہ چربی پھیلنے لگی چنانچہ اس کو ''عام الفتق'' (وسعت کا سال) کہا گیا۔

ابن ابی شیبہ نے صحیح سند کے ساتھ ابوصالح سمان کی روایت سے حضرت مالک الدار سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں: حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں قحط ہو گیا تو ایک شخص نبی اکرم ﷺ کی قبر شریف کے پاس آیا اور عرض کیا اپنی امت کے لئے بارش کا سوال کیجئے یہ لوگ ہلاک ہو گئے ہیں تو اس شخص کو خواب میں نبی اکرم ﷺ کی زیارت ہوئی اور آپ نے فرمایا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس جاؤ۔

عبدالرزاق کی روایت میں ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عیدگاہ میں طلب بارش کے لئے اہتمام کیا اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آپ اٹھیں اور بارش کے لئے دعا کریں۔

حضرت زبیر بن بکار نے ذکر کیا کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے عام الرمادہ (راء پر زبر اور میم غیر مشدد ہے) میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے وسیلہ سے دعا مانگی۔ اس سال کو عام الرمادہ اس لئے کہتے ہیں کہ سخت خشک سالی کی وجہ سے بارش نہ ہوئی اور زمین بہت غبار آلود ہو گئی (رماد راکھ کو کہتے ہیں)۔

ابن عساکر نے کتاب الاستسقاء میں ذکر کیا کہ اس دن جب حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے بارش کے لئے ان الفاظ کے ساتھ دعا کی:

اَللّٰھُمَّ اِنَّ عِنْدَکَ سَحَابًا وَّعِنْدَکَ مَآءً، فَانْشُرِ السَّحَابَ ثُمَّ اَنْزِلْ مِنْہُ الْمَآءَ ثُمَّ اَنْزِلْہُ عَلَیْنَا، وَاشْدُدْ بِہِ الْاَصْلَ وَاَطِلْ بِہِ الْفَرْعَ وَاَدِرَّ بِہِ الضَّرْعَ. اَللّٰھُمَّ شَفَّعْنَا اِلَیْکَ بِمَنْ لَّا مَنْطِقَ لَہٗ مِنْ بَھَآئِمِنَا وَاَنْعَامِنَا، اَللّٰھُمَّ اسْقِنَا سُقْیًا وَّادِعَۃً

یا اللہ! بے شک تیرے پاس بادل ہیں اور تیرے پاس پانی ہے تو بادلوں کو پھیلا دے پھر ان سے پانی اتار دے پھر اسے ہم پر نازل فرما، اس کے ذریعے جڑوں کو مضبوط اور شاخوں کو لمبا کر دے اور تھنوں کو بہت دودھ والا کر دے یا اللہ! ہم تیری بارگاہ میں اپنے جانور اور چوپایوں

بَالِغَةً طَبَقًا' اَللّٰهُمَّ لَا نَرْغَبُ اِلَّا اِلَیْکَ وَحْدَکَ' لَا شَرِیْکَ لَکَ' اَللّٰهُمَّ نَشْکُوْا اِلَیْکَ سَغَبَ کُلِّ سَاغِبٍ' وَعَدَمَ کُلِّ عَادِمٍ' وَجُوْعَ کُلِّ جَائِعٍ' وَعُرْیَ کُلِّ عَارٍ' وَخَوْفَ کُلِّ خَائِفٍ.

کا واسطہ پیش کرتے ہیں جو بول نہیں سکتے' یا اللہ! ہمیں (حاجت کے مطابق) جاری خوب پہنچنے والی اور وسیع بارش عطا فرما' یا اللہ! ہم صرف تیری طرف رغبت رکھتے ہیں' تیرا کوئی شریک نہیں' یا اللہ! ہم مشقت کے ساتھ بھوکے کی بھوک' ہر معدوم کے عدم اور ہر (مطلق) بھوکے کی بھوک ہر ننگے کے ننگا پن اور ہر خوف زدہ کے خوف کی فریاد تیری بارگاہ میں کرتے ہیں۔

حضرت زبیر بن بکار کی روایت میں ہے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے واسطے سے دعا مانگی تو انہوں نے یوں کہا:

اَللّٰهُمَّ اِنَّهٗ لَمْ یَنْزِلْ بَلَاءٌ اِلَّا بِذَنْبٍ' وَلَمْ یَکْشِفْ اِلَّا بِتَوْبَةٍ' وَقَدْ تَوَجَّهَ بِیَ الْقَوْمُ اِلَیْکَ لِمَکَانِیْ مِنْ نَبِیِّکَ. وَهٰذِهٖ اَیْدِیْنَا اِلَیْکَ بِالذُّنُوْبِ' وَنَوَاصِیْنَا اِلَیْکَ بِالتَّوْبَةِ' فَاسْقِنَا الْغَیْثَ.

یا اللہ! مصیبت گناہوں کی وجہ سے اترتی ہے اور توبہ کے ساتھ دور ہوتی ہے اور قوم نے میرے وسیلے سے تیری بارگاہ کی طرف توجہ کی ہے کیونکہ مجھے تیرے نبی کی نسبت سے ایک مقام حاصل ہے ہمارے یہ ہاتھ گناہوں کے ساتھ تیری طرف (اٹھے ہیں)' ہماری پیشانیاں توبہ کے ساتھ تیری طرف ہیں پس ہم پر بارش نازل فرما۔

چنانچہ پہاڑوں کی طرح بادل اٹھے اور زمین شاداب ہوگئی اور لوگ خوشحال ہو گئے۔

ان (زبیر بن بکار) کے نزدیک یوں ہے کہ لوگ قحط زدہ ہو گئے تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نبی اکرم ﷺ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو اس طرح سمجھتے تھے جس طرح بچہ اپنے والد کو سمجھتا ہے اے لوگو! نبی اکرم ﷺ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے سلسلے میں آپ کی اقتدا کرو اور ان کو بارگاہ خداوندی میں وسیلہ بناؤ اس حدیث میں یوں آیا کہ وہ اپنی جگہ سے ہٹے نہیں تھے کہ بارش ہوگئی۔[1]

اس سلسلے میں عباس بن عتبہ بن ابولہب نے کہا:

بعمی سقی الله الحجاز واهله — عشية يستسقی بشيبته عمر
توجه بالعباس فی الجدب راغبا — اليه فما ان رام حتی اتی المطر
ومنا رسول الله فينا تراثه — فهل فوق هذه للمفاخر مفتخر

[1] امام زرقانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ نیک لوگوں اور اہل بیت نبوت کے وسیلہ سے دعا مانگنا مستحب ہے نیز حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی فضیلت اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی تواضع بھی واضح ہوتی ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ایک روایت امام بخاری نے نقل کی وہ فرماتے ہیں کہ جب قحط ہوتا تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ' حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے وسیلہ سے دعا مانگتے اور یوں کہتے یا اللہ! ہم اپنے نبی ﷺ کے وسیلے سے تجھ سے دعا مانگا کرتے تھے تو ہمیں بارش عطا کرتا اب ہم تیرے نبی کے چچا کے وسیلہ سے دعا مانگتے ہیں تو ہمیں بارش عطا کر راوی فرماتے ہیں اسی وقت بارش ہو جاتی تھی۔

"میرے چچا کے وسیلہ سے حجاز اور حجاز والوں کو اللہ تعالیٰ نے بارش عطا فرمائی اس رات جب ان کے بڑھاپے کے وسیلے سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بارش کے لئے دعا کی۔

آپ نے خشک سالی میں امید کے ساتھ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے وسیلہ سے دعا مانگی تو ان کے ارادہ کرتے ہی بارش آ گئی۔

رسول اللہ ﷺ ہم میں سے ہیں اور ان کی وراثت (علوم و معارف و شرافت) ہمارے پاس ہے تو کیا کسی فخر کرنے والے کے لئے اس سے بڑی فخر کی بات ہو سکتی ہے؟"

تیسری قسم

نبی اکرم ﷺ کی نمازِ سفر

اس میں کئی فصلیں ہیں۔

فصل نمبر ۱

نماز میں آپ کا قصر کرنا اور اس کے احکام

پہلی نوع

کتنی رکعات میں نبی اکرم ﷺ قصر فرماتے تھے؟

اس مقصد کے شروع میں یہ بات گزر گئی ہے کہ قصر رخصت ہے یا عزیمت؟ اور دونوں قولوں کے دلائل بھی بیان ہو چکے ہیں۔ [1]

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' فرماتے ہیں: کہ میں نے نبی اکرم ﷺ کے ہمراہ مدینہ طیبہ میں چار رکعات پڑھی ہیں اور آپ مکہ مکرمہ کے ارادے سے نکلے تو ذوالحلیفہ میں عصر کی دو رکعتیں پڑھیں۔

اہل ظاہر نے اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے ہر قسم کے سفر میں قصر کو جائز قرار دیا وہ لمبا سفر ہو یا چھوٹا۔

کیونکہ مدینہ طیبہ اور ذوالحلیفہ کے درمیان چھ میل اور ایک قول کے مطابق سات میل کی مسافت ہے۔

جمہور کے نزدیک صرف اس سفر میں قصر جائز ہے جو دو مرحلوں کو پہنچے حضرت امام ابوحنیفہ اور ایک گروہ نے تین مراحل کی شرط رکھی ہے اور صحابہ کرام سے مروی آثار پر اعتماد کیا ہے۔

لیکن اس حدیث میں اہل ظاہر کے لئے کوئی دلالت نہیں کیونکہ مراد یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے جب حجۃ الوداع

[1] سفر میں چار رکعتیں ہی پڑھنا عزیمت ہے اور دو پڑھنا رخصت ہے' احناف کے نزدیک رخصت پر عمل کرنا ضروری ہے ورنہ گناہ گار ہوگا۔ ۱۲ ہزاروی

کے موقعہ پر مکہ مکرمہ کی طرف سفر کیا تو مدینہ طیبہ میں ظہر کی نماز چار رکعات پڑھیں۔

جب عصر کا وقت ہوا تو اس وقت آپ ذوالحلیفہ میں حالتِ سفر میں تھے پس آپ نے دو رکعتیں پڑھیں یہ مراد نہیں کہ سفر کی انتہاء ذوالحلیفہ پر ہوئی پس اس میں قطعاً (اس بات پر) دلالت نہیں (کہ تھوڑی مسافت پر قصر کا حکم ہے)۔

اور مطلق احادیث قرآن مجید (کی آیت) کے ساتھ مل کر ایک دوسری کو مضبوط کرتی ہیں کہ جب کوئی شخص گھر سے نکلے تو اس کے لئے قصر جائز ہے جب وہ شہر (کی حدود) سے نکلے کیونکہ وہ اس وقت مسافر ہوتا ہے۔

طویل سفر ہاشمی میل کے حساب سے اڑتالیس میل ہے اور یہ بارہ فرسخ ہیں جو چار برید بنتے ہیں اور زمین کا میل حدِ نگاہ کو کہتے ہیں کیونکہ آدمی کی نگاہ اس سے زمین کی طرف مائل (متوجہ) ہوتی ہے حتیٰ کہ اس کا ادراک فنا ہو جاتا ہے۔ ابن جوزی نے اس بات کو قطعی طور پر اختیار کیا ہے۔

کہا گیا ہے کہ اس کی حد یہ ہے کہ تم کسی ہموار زمین میں کسی شخص کو دیکھو تو پتہ نہ چلے کہ یہ مرد ہے یا عورت' یا معلوم نہ ہو کہ وہ جا رہا ہے یا آ رہا ہے۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں میل چھ ہزار گز کا ہوتا ہے اور ایک گز چوبیس انگلیوں کی چوڑائی کے حساب سے ہے دوسرے حضرات نے لوہے کے گز سے جو آج کل مصر اور حجاز مقدس میں استعمال ہوتا ہے' اس کا اندازہ لگایا تو وہ لوہے کے گز سے آٹھویں حصے کے برابر کم نکلا۔

پس اس بنیاد پر لوہے کے گز کے حساب سے میل پانچ ہزار دو سو پچاس گز بنتے ہیں یہ بہت بڑا فائدہ' بہت کم لوگ اس سے آگاہ ہیں (آج کل مسافت سفر بانوے (۹۲) کلومیٹر ہے)۔

امام بیہقی رحمہ اللہ نے حضرت عطاء رحمہ اللہ سے روایت کیا کہ حضرت ابن عمر اور حضرت ابن عباس (رضی اللہ عنہم) دو رکعتیں پڑھتے تھے یعنی چار برید یا اس سے زیادہ مسافت کی صورت میں چار رکعات میں قصر کرتے تھے۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں تعلیقاً ایسے الفاظ کے ساتھ نقل کیا جو قطعیت کا فائدہ دیتے ہیں۔

اور بعض حضرات نے اسے ''صحیح ابن خزیمہ سے'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً نقل کیا۔

شروع میں نماز دو دو رکعتیں فرض تھی جب نبی اکرم ﷺ نے ہجرت کی تو چار فرض ہو گئیں۔

یہ روایت امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے نقل کی ہے لیکن حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت اس سے ٹکراتی ہے وہ فرماتے ہیں نماز غیر سفر میں چار رکعات اور سفر میں دو رکعتیں فرض ہوئی۔

ان دونوں روایتوں کو جمع کرنے کے سلسلے میں طویل بحث ہے۔

پھر جب چار رکعات فرض مستقل ہو گئے تو سفر کی حالت میں ان میں تخفیف کر دی گئی جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی:

فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوةِ. (النساء:۱۰۱)

پس تم پر کوئی حرج نہیں کہ نماز میں قصر کرو۔

اس کی تائید اس قول سے بھی ہوتی ہے جسے ابن اثیر نے ''شرح مسند میں'' ذکر کیا کہ چار ہجری میں نماز میں قصر کا حکم ہوا یہ بھی کہا گیا کہ ۲ھ کے مہینے ربیع الثانی میں نماز میں قصر کا حکم ہوا یہ بات دولابی نے ذکر کی ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ ہجرت

کے چالیس دن بعد یہ حکم دیا گیا۔

دوسری نوع

اقامت کے ساتھ قصر

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: ہم نبی اکرم ﷺ کے ساتھ مدینہ طیبہ سے مکہ مکرمہ کی طرف نکلے تو آپ دو دو رکعتیں پڑھتے تھے حتیٰ کہ ہم مدینہ طیبہ کی طرف واپس آئے پوچھا گیا کیا تم مکہ مکرمہ کچھ دن ٹھہرے؟ فرمایا ہم وہاں دس دن ٹھہرے۔

اس حدیث کو امام بخاری نے روایت کیا اور امام مسلم نے اختصار کے ساتھ روایت کیا وہ فرماتے ہیں حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہم نبی اکرم ﷺ کے ہمراہ دس دن ٹھہرے اور ہم قصر کرتے تھے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ انیس دن ٹھہرے اور آپ قصر کرتے رہے پس ہم جب انیس دن ٹھہرتے ہیں تو قصر کرتے ہیں اور جب زیادہ ٹھہریں تو پوری نماز پڑھتے ہیں۔

ابوداؤد کی ایک روایت میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ مکہ مکرمہ میں سترہ دن رہے اور نماز میں قصر کرتے رہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: اگر نبی اکرم ﷺ مزید ٹھہرتے تو پوری نماز پڑھتے۔

پہلی روایت میں تاء سین سے مقدم ہے (تسع ہے) اور دوسری روایت میں سین تاء پر مقدم ہے (سبعة ہے)۔

ابوداؤد نے عمران بن حصین سے روایت کیا' فرماتے ہیں: کہ میں نے نبی اکرم ﷺ کے ہمراہ فتح مکہ میں شرکت کی پس آپ مکہ مکرمہ میں اٹھارہ راتیں رہے اور صرف دو رکعتیں پڑھتے تھے۔

انہوں (ابوداؤد) نے محمد بن اسحاق کے طریق سے بھی روایت کیا وہ امام زہری سے وہ حضرت عبید اللہ سے اور وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ فتح مکہ کے سال مکہ مکرمہ میں پندرہ دن ٹھہرے اور نماز میں قصر کرتے رہے۔

امام بیہقی نے اس اختلاف کو یوں جمع کیا کہ جس نے انیس دن کا قول کیا اس نے داخل ہونے اور تشریف لے جانے کے دو دنوں کو بھی شامل کیا اور جس نے سترہ دن کا قول کیا اس نے ان دونوں کو حذف کیا جس نے اٹھارہ دن کا قول کیا اس نے ایک کو شامل کیا۔ امام بیہقی نے اسی طرح جمع کیا جیسا کہ فتح الباری میں ہے۔

پندرہ دنوں والی روایت کو امام نووی رحمہ اللہ نے ''الخلاصہ میں'' ضعیف قرار دیا لیکن یہ تضعیف (کمزور قرار دینا) صحیح نہیں کیونکہ اس کے راوی ثقہ ہیں اور اس میں ابن اسحاق منفرد نہیں ہیں کیونکہ امام نسائی رحمہ اللہ نے اسے عراک (راوی) کی روایت سے نقل کیا۔

جب ثابت ہو گیا کہ یہ روایت صحیح ہے تو اس کو اس بات پر محمول کیا جائے گا کہ راوی نے اصل سترہ دن گمان کئے اور ان میں داخل ہونے اور واپسی کا دن نکال دیا اور پندرہ کا ذکر کیا اس کا تقاضا یہ ہے کہ انیس دنوں والی روایت کو سب سے

زیادہ ترجیح ہے۔[1]

امام شافعی رحمہ اللہ نے حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ والی حدیث کو اختیار کیا (جس میں اٹھارہ دنوں کا ذکر ہے) لیکن اس کا محل ان کے نزدیک اس شخص سے متعلق ہے جو اقامت کی نیت نہ کرے کیونکہ جب مدت مذکورہ گزر جائے تو نماز کو پورا کرنا ضروری ہے اگر شروع میں چار دن سے زیادہ ٹھہرنے کی نیت کرے تو نماز کو پورا کرے پھر آپ کے شاگردوں میں اختلاف ہے کہ داخل ہونے اور واپسی کا دن داخل ہیں یا نہیں؟

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں کوئی ٹکراؤ نہیں کیونکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث فتح مکہ کے بارے میں ہے اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت کا تعلق حجۃ الوداع سے ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث میں یوں ہے کہ نبی اکرم ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام چوتھے دن کی صبح پہنچے اور اس میں شک نہیں کہ مکہ مکرمہ سے چودھویں دن کی صبح واپس ہوئے پس مکہ مکرمہ اور اس کے نواحی میں ٹھہرنے کی مدت دس دن اور دس رات ہوئی جس طرح حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا اور مکہ مکرمہ میں اس کے علاوہ چار دن ٹھہرے کیونکہ چوتھے دن تشریف لائے اور آٹھویں دن وہاں سے باہر تشریف لائے اور ظہر کی نماز منیٰ میں ادا کی۔

اسی لئے امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ مسافر جب کسی شہر میں مقیم ہو تو چار دن قصر کرے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث میں جو مدت بیان ہوئی ہے اس سے ان لوگوں کے حوالے سے استدلال صحیح ہے جو اقامت کی نیت نہ کریں بلکہ انہیں تردد ہو کہ جب بھی ان کا کام ہو گیا وہ واپس چلے جائیں گے اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں جس مدت کا ذکر ہے وہ اس کے بارے میں ہے جو اقامت کی نیت کرے کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے حج کے دنوں میں اس مدت میں ٹھہرنے کی پکی نیت کی تھی۔

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث سے استدلال کی وجہ یہ ہے کہ جب مقیم کے لئے اصل پوری نماز پڑھنا ہے اور نبی اکرم ﷺ کے بارے میں یہ بات نہیں آئی کہ آپ نے سفر میں اس مدت سے زیادہ قیام کیا ہو تو اس کو قصر نماز کی انتہا قرار دیا۔ واللہ اعلم

فصل نمبر ۲

دو نمازوں کو جمع کرنا

اس میں دو نوع ہیں۔

[1] پندرہ دن پر سب کا اتفاق ہے اور یہ روایت صحیح بھی ہے تو اس پر عمل کرنا زیادہ بہتر ہے احناف کے نزدیک کم از کم پندرہ دن ہیں۔ ۱۲ ہزاروی

پہلی نوع

نبی اکرم ﷺ کا جمع کرنا

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ جب سورج ڈھلنے سے پہلے کوچ فرماتے تو ظہر کو وقت عصر تک مؤخر کرتے پھر اتر کر دونوں نمازوں کو جمع کرتے اور جب سورج ڈھل چکا ہوتا تو کوچ کرنے سے پہلے ظہر کی نماز پڑھتے پھر سوار ہوتے۔

ایک روایت میں ہے کہ جب سفر میں دو نمازوں کو جمع کرنے کا ارادہ فرماتے تو ظہر کو مؤخر کرتے حتیٰ کہ وقت عصر کا آغاز ہو جاتا۔

ایک اور روایت میں ہے کہ جب آپ نے جلدی سفر پر نکلنا ہوتا تو ظہر کو عصر کے ابتدائی وقت تک موخر کرتے پھر دونوں کو جمع کرتے اور مغرب کو مؤخر کرتے حتیٰ کہ اسے اور عشاء کو جمع کرتے۔

"صحیح بخاری کی" ایک روایت میں ہے کہ ان دونوں نمازوں کو سفر میں جمع فرماتے تھے یعنی مغرب اور عشاء کو۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ ظہر اور عصر کی نماز کو جمع کرتے جب سفر کرنا ہوتا۔

"صحیح مسلم میں ہے کہ" نبی اکرم ﷺ نے جب غزوۂ تبوک کی طرف سفر کیا تو آپ نے ظہر و عصر اور مغرب و عشاء کو جمع کیا۔

امام مسلم، امام مالک، امام ابوداؤد اور امام نسائی رحمہم اللہ نے روایت کیا کہ صحابہ کرام غزوۂ تبوک میں نبی اکرم ﷺ کے ہمراہ تشریف لے گئے تو آپ نے ظہر و عصر اور مغرب و عشاء کو جمع فرمایا پس ایک دن ظہر کو مؤخر کر دیا پھر باہر تشریف لائے تو ظہر و عصر کو اکٹھا پڑھا اور اندر تشریف لے گئے پھر تشریف لائے تو مغرب و عشاء کو اکٹھا پڑھا۔ [1]

ابوداؤد اور ترمذی کی ایک روایت میں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ہے کہ آپ غزوۂ تبوک میں تھے جب سورج ڈھل گیا اور ابھی آپ نے کوچ نہیں کیا تھا تو آپ نے ظہر و عصر کو جمع کیا اگر آپ سورج ڈھلنے سے پہلے کوچ فرماتے تو ظہر کو مؤخر کرتے حتیٰ کہ نماز عصر کے لئے اترتے۔

مغرب میں بھی اسی طرح کرتے تھے اگر کوچ کرنے سے پہلے سورج غروب ہو جاتا تو مغرب و عشاء کو جمع کرتے اور اگر سورج کے غروب ہونے سے پہلے کوچ کرتے تو مغرب کو مؤخر کرتے حتیٰ کہ عشاء کے لئے اترتے پھر ان کو جمع کرتے۔ [2]

---

[1] احناف کے نزدیک جمع صوری جائز ہے ہر نماز اپنے وقت پر ہو ظہر آخر وقت میں اور عصر اول وقت میں ہو ان احادیث سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ آپ نے ظہر کی نماز عصر کے وقت میں پڑھی بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ جمع صوری تھی یعنی ظہر کی نماز آخر وقت میں اور عصر کی شروع وقت میں اس طرح مغرب و عشاء کی نمازوں کو پڑھا لہٰذا ہر نماز اپنے وقت پر ہوئی اور قرآن مجید میں اس بات کا حکم ہے کہ نماز اپنے اپنے وقت پر فرض ہے۔ ۱۲ ہزاروی

[2] اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ عصر کو ظہر کے وقت میں اور عشاء کو مغرب کے وقت میں پڑھا جاتا تھا لیکن امام زرقانی فرماتے ہیں یہ حدیث معلول ہے ائمہ کی ایک جماعت نے اسے معلول قرار دیا لیث سے روایت میں قتیبہ متفرد ہیں۔ (زرقانی ج ۸ ص ۷۳)

دوسری نوع

عرفات اور مزدلفہ میں جمع کرنا

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے مزدلفہ میں مغرب اور عشاء کو اکٹھا پڑھا۔
اس حدیث کو امام بخاری' امام مسلم' امام مالک' اور امام ابوداؤد رحمہم اللہ نے نقل کیا اور امام بخاری نے یہ اضافہ کیا کہ دونوں نمازوں کو ایک ہی اقامت سے پڑھا اور درمیان میں نفل (اور سنتیں وغیرہ) نہیں پڑھے۔
"صحیح مسلم میں ہے کہ" آپ نے مزدلفہ میں مغرب وعشاء کو جمع کیا اور مغرب کی تین جب کہ عشاء کی دو رکعتیں پڑھیں۔
حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقعہ پر مغرب اور عشاء کی نماز مزدلفہ میں اکٹھی پڑھی۔
"سنن نسائی کی" ایک روایت میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے مغرب اور عشاء کی نمازیں ایک اقامت سے پڑھیں۔
حضرت جعفر بن محمد نے اپنے باپ سے روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے عرفات میں ظہر اور عصر کی نماز ایک اذان سے پڑھیں اور ان کے درمیان (سنتیں اور) نفل نہیں پڑھے اور نہ ہی اقامت کہی اور مغرب وعشاء کی نماز ایک اذان اور دو اقامتوں کے ساتھ پڑھیں اور درمیان میں نفل نہیں پڑھے۔

فصل نمبر ۳

سفر میں نبی اکرم ﷺ کا نفل پڑھنا

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے' فرماتے ہیں: کہ میں نے نبی اکرم ﷺ' حضرت ابوبکر صدیق' حضرت عمر فاروق اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہم کے ساتھ سفر کیا یہ حضرات ظہر اور عصر کی دو' دو رکعتیں پڑھتے اور ان سے پہلے اور بعد میں نماز (نفل وغیرہ) نہ پڑھتے۔
حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: اگر میں ان رکعتوں سے پہلے اور بعد میں کچھ پڑھوں تو ان کو پورا کروں گا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۱۰۲)
ایک روایت میں ہے کہ میں نے نبی اکرم ﷺ کی صحبت اختیار کی تو میں نے آپ کو سفر میں نفل پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا یعنی فرض نماز سے پہلے اور بعد وہ نفل پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا جو آپ ہمیشہ پڑھتے تھے اور یہ بات ان کے اس قول سے حاصل کی گئی ہے جو دوسری روایت میں ہے کہ آپ سفر میں دو رکعتوں پر اضافہ نہیں فرماتے تھے۔
ابن دقیق العید نے کہا کہ اس لفظ میں احتمال ہے کہ فرض نماز کی رکعتوں پر اضافہ مراد ہو تو یہ نماز مکمل نہ کرنے سے

کنایہ ہوگا اور اس سے مراد ہمیشہ قصر کرنا ہوگا اور یہ بھی احتمال ہے کہ نفل نماز کا اضافہ نہیں کرتے تھے اور ممکن ہے اس سے بھی عام مراد ہو۔

''صحیح مسلم کی'' ایک روایت میں ہے (حضرت حفص بن عاصم رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں) میں نے مکہ مکرمہ کے راستے میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی صحبت اختیار کی تو آپ نے ہمیں ظہر کی دو رکعتیں پڑھائیں پھر آپ بھی چل پڑے اور ہم بھی چلے حتیٰ کہ جب منزل پر پہنچے تو آپ بھی تشریف فرما ہوئے اور ہم بھی بیٹھے اچانک آپ نے کچھ لوگوں کو دیکھا کہ وہ کھڑے ہیں فرمایا یہ کیا کر رہے ہیں؟ میں نے عرض کیا نفل پڑھ رہے ہیں تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا اگر میں نفل پڑھنے والا ہوتا تو (فرض نماز کو) مکمل کرتا۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: علماء کرام نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے اس قول کا جواب یوں دیا ہے کہ فرض نماز حتمی ہے اگر اس کو پورا کرنا جائز ہوتا تو اس کا پورا کرنا بھی حتمی ہوتا لیکن نفل نماز کے لئے نمازی کو اختیار ہے کہ اس میں نرمی کا طریقہ یہ ہے کہ نفل پڑھنا جائز ہو لیکن اس سلسلے میں اختیار دیا جائے۔

اس پر یوں اعتراض کیا گیا کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کے قول سے مراد یہ ہے کہ اگر فرض نماز کو پورا کرنے اور نفل (سنتیں وغیرہ) پڑھنے کے درمیان اختیار دیا جاتا تو فرض نماز کو مکمل کرنا مجھے زیادہ پسند تھا لیکن انہوں نے قصر سے یہ بات سمجھی کہ تخفیف مطلوب ہے اس لئے وہ نوافل (اور سنتیں وغیرہ) بھی نہیں پڑھتے تھے اور نماز کو مکمل (چار رکعات) نہیں کرتے تھے۔

''صحیح بخاری میں'' حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ سواری پر وتر پڑھتے تھے انہوں نے ''باب الوتر فی السفر'' کے عنوان سے باب قائم کیا اور ان لوگوں کے رد کی طرف اشارہ کیا جو کہتے ہیں کہ سفر میں وتر پڑھنا مسنون نہیں ہے۔ یہ بات حضرت ضحاک سے منقول ہے۔ (فتح الباری ج ۲ ص ۶۲۰)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا یہ قول کہ اگر میں نے نوافل (وغیرہ) پڑھنے ہوتے تو (فرائض کو) پورا کرتا جیسے کہ امام مسلم رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے تو انہوں نے سنت مؤکدہ مراد لئے ہیں' مقصودی نفل جیسے وتر مراد نہیں یہ بات امام ترمذی کی روایت کردہ حدیث سے معلوم ہوئی جو ان الفاظ میں منقول ہے کہ اگر میں ان (دو فرض رکعتوں) سے پہلے یا بعد میں کچھ پڑھتا تو اسی کو پورا کر دیتا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ کی حدیث جسے امام بخاری رحمہ اللہ نے روایت کیا اس میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ ظہر سے پہلے چار اور بعد کی دو رکعتیں نہیں چھوڑتے تھے۔ تو اس میں واضح نہیں کہ آپ سفر میں بھی اسی طرح کرتے تھے' ہوسکتا ہے کہ ام المومنین نے آپ کے عام حالات یعنی اقامت کے بارے میں خبر دی ہو اور سفر کے حالات عورتوں کے مقابلے میں مردوں کو زیادہ معلوم ہوتے ہیں۔

امام نووی رحمہ اللہ نے دوسروں کی اتباع میں ان الفاظ کے ساتھ جواب دیا ہے کہ شاید نبی اکرم ﷺ سنت مؤکدہ اپنی منزل میں پڑھتے ہوں اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے آپ کو نہ دیکھا ہو یا بعض اوقات یہ بتانے کے لئے چھوڑ دیئے ہوں کہ نہ پڑھنا بھی جائز ہے۔

''جامع ترمذی کی'' روایت میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے' فرماتے ہیں: کہ میں نے نبی اکرم ﷺ

کے ہمراہ ظہر کی نماز' سفر میں دو رکعتیں پڑھیں اور اس کے بعد بھی دو رکعتیں پڑھیں۔

ایک روایت میں ہے' فرماتے ہیں: کہ میں نے نبی اکرم ﷺ کے ہمراہ سفر و حضر میں نماز پڑھی ہے' حضر (حالتِ اقامت میں) میں نے آپ کے ساتھ ظہر کی چار رکعتیں اور اس کے بعد دو رکعتیں پڑھیں اور سفر میں آپ کے ہمراہ ظہر کی چار رکعتیں اور اس کے بعد دو رکعتیں پڑھی ہیں اور عصر کی دو رکعتیں پڑھیں اس کے بعد کچھ نہیں پڑھا اور مغرب کی نماز سفر و حضر میں تین رکعات ہیں وہ حضر اور سفر میں کم نہیں ہوتیں اور یہ دن کی وتر (طاق) نماز ہے اور اس کے بعد دو رکعتیں ہیں۔

"صحیح مسلم میں" صبح کی نماز سے سو جانے والے واقعہ کے سلسلے میں حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں یوں آیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے صبح سے پہلے دو رکعتیں ادا فرمائیں پھر صبح کی نماز پڑھی جیسا کہ پڑھا کرتے تھے۔

"الھدی النبوی کے" مصنف (ابن قیم) نے کہا کہ نبی اکرم ﷺ سے یہ بات یاد نہیں کہ آپ نے سفر میں (فرض) نماز سے پہلے یا بعد سنتیں پڑھی ہوں مگر فجر کی سنتیں پڑھتے تھے۔

ابن قیم کے اس مطلق قول پر اس حدیث کے ذریعے اعتراض ہوتا ہے جو ہم نے ترمذی کی روایت سے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث نقل کی ہے اور جو کچھ امام ابوداؤد اور امام ترمذی نے حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے وہ فرماتے ہیں: میں نے رسول اکرم ﷺ کے ہمراہ اٹھارہ سفر کیے ہیں لیکن میں نے نبی کریم ﷺ کو سورج ڈھلنے کے بعد اور ظہر سے پہلے دو رکعتوں کو ترک کرتے ہوئے نہیں دیکھا گویا یہ حدیث ابن قیم کے نزدیک ثابت نہیں لیکن امام ترمذی نے اس کو غریب قرار دیا ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ انہوں نے اسے حسن قرار دیا بعض علماء نے اسے وقتِ زوال کی سنتوں پر محمول کیا' ظہر سے پہلے کی سنت مؤکدہ قرار نہیں دیا (کیونکہ ظہر سے پہلے چار سنتیں ہیں)۔

فصل نمبر ۴

نبی اکرم ﷺ کا حالتِ سفر میں جانور پر نفل پڑھنا

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ اپنی نفل نماز پڑھتے آپ کی اونٹنی جدھر بھی متوجہ ہوتی۔

ایک روایت میں ہے کہ آپ نماز پڑھتے اس حالت میں کہ مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ کی طرف تشریف لے جاتے جدھر بھی رخ ہوتا اور اسی سلسلے میں یہ آیتِ کریمہ نازل ہوئی:

فَاَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ. (البقرہ:۱۱۰) جدھر بھی پھرو ادھر ہی اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ میں نے نبی اکرم ﷺ کو دراز گوش پر (نفل) نماز پڑھتے ہوئے دیکھا اور آپ خیبر کی طرف متوجہ تھے۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ اونٹ پر (نفل) نماز پڑھ رہے تھے۔

مختلف شہروں کے فقہاء کرام نے ان احادیث سے استدلال کرتے ہوئے حالتِ سفر میں سواری پر نفل نماز پڑھنے کو جائز قرار دیا۔ سواری کا رخ جدھر بھی ہو البتہ امام احمد اور ابوثور رحمہما اللہ اس بات کو مستحب قرار دیتے ہیں کہ نماز کے آغاز

میں تکبیر کے وقت قبلہ رخ ہو اور اس سلسلے میں دلیل حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جسے امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ جب سفر میں نفل پڑھنے کا ارادہ فرماتے تو قبلہ رخ ہوتے پھر آپ کی سواری جدھر بھی رخ کرتی آپ نماز پڑھتے۔

جمہور اس طرف گئے ہیں کہ جانور (سواری) پر نفل پڑھنا جائز ہے چاہے سفر لمبا ہو یا چھوٹا البتہ امام مالک رحمہ اللہ نے اسے لمبے سفر کے ساتھ خاص کیا ہے اور اس سلسلے میں ان کی دلیل یہ ہے کہ یہ احادیث نبی اکرم ﷺ کے سفروں کے سلسلے میں وارد ہیں اور آپ سے یہ بات منقول نہیں کہ آپ نے کوئی چھوٹا سفر کیا ہو اور اس میں یہ طریقہ اختیار کیا ہو۔ جبکہ جمہور کی دلیل اس سلسلے میں روایات کا اطلاق ہے۔

یہ الفاظ کہ "آپ دراز گوش پر نماز پڑھتے تھے" اس سلسلے میں امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: دارقطنی وغیرہ نے فرمایا کہ یہ عمرو بن یحییٰ مازنی سے غلط (منقول) ہے۔

نبی اکرم ﷺ کی نماز اونٹنی یا اونٹ پر معروف ہے اور درست بات یہ ہے کہ دراز گوش پر نماز حضرت انس رضی اللہ عنہ کا عمل ہے جیسا کہ امام مسلم نے ذکر کیا۔

پھر فرمایا کہ اس کے راوی کو غلط قرار دینا محلِ نظر ہے کیونکہ یہ ثقہ راوی ہیں انہوں نے ایسی بات نقل کی جس میں احتمال ہے۔ شاید ایک آدھ مرتبہ دراز گوش ہو اور اونٹ ایک یا زیادہ مرتبہ ہو لیکن کہا جاتا ہے کہ یہ شاذ ہے، جمہور کی روایت کے خلاف ہے اور شاذ روایت مردود ہوتی ہے۔

حضرت یعلیٰ بن مرہ اپنے والد سے اور وہ ان کے دادا (حضرت یعلیٰ کے دادا سے) روایت کرتے ہیں [1] کہ وہ لوگ ایک سفر میں نبی اکرم ﷺ کے ہمراہ تھے وہ ایک تنگ مقام تک پہنچے تو نماز کا وقت ہو گیا پس ان پر اوپر سے بارش برسنے لگی اور نیچے زمین گیلی ہو گئی، نبی اکرم ﷺ اپنی سواری پر تھے آپ کو اجازت دی گئی تو آپ نے ان کو نماز پڑھائی آپ اشارہ فرماتے اور رکوع (کے اشارے) سے سجدے (کے اشارے) کو کچھ پست رکھتے۔

چوتھی قسم

نبی اکرم ﷺ کی نمازِ خوف

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں: کہ ہم نبی اکرم ﷺ کے ساتھ آئے حتیٰ کہ جب "ذات الرقاع" تک پہنچے تو ایک درخت کے پاس پہنچے جس کا سایہ گھنا تھا ہم نے وہ درخت نبی اکرم ﷺ کے لئے چھوڑ دیا اس دوران مشرکین میں سے ایک شخص آیا اور نبی اکرم ﷺ کی تلوار درخت کے ساتھ لٹک رہی تھی اس نے اسے میان سے نکالا اور کہا آپ مجھ سے ڈرتے ہیں؟ فرمایا نہیں اس نے کہا آپ کو مجھ سے کون بچائے گا؟ فرمایا اللہ، صحابہ کرام نے اسے ڈرایا دھمکایا اور تلوار کو میان میں کیا اس کے بعد نماز کھڑی ہوئی تو نبی اکرم ﷺ نے ایک گروہ کو دو رکعتیں پڑھائیں پھر وہ

[1] امام زرقانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں حضرت یعلیٰ بن مرہ حدیبیہ وغیرہ میں شریک ہوئے اور ان کے والد مرہ کے لئے صحابیت ثابت ہے لیکن ان کے دادا کے لئے صحبت ثابت نہیں اور یہ حدیث خود حضرت یعلیٰ سے مروی ہے۔ (زرقانی ج ۸ ص ۷۷)

پیچھے ہٹ گئے اور دوسرے گروہ کو دو رکعتیں پڑھائیں تو اس طرح نبی اکرم ﷺ نے چار رکعات پڑھیں اور صحابہ کرام نے دو رکعتیں ادا کیں۔

''صحیح مسلم میں ہے کہ''ہم نے نبی اکرم ﷺ کے پیچھے دو صفیں باندھیں اور دشمن ہمارے اور قبلہ کے درمیان تھا' نبی اکرم ﷺ نے تکبیر کہی اور ہم سب نے بھی تکبیر کہی پھر آپ نے رکوع کیا اور ہم سب نے رکوع کیا پھر آپ نے رکوع سے سر اٹھایا اور ہم سب نے بھی اٹھایا پھر آپ اور جو صف آپ سے متصل تھی' سجدے میں چلے گئے اور پچھلی صف دشمنوں کے مقابلے میں کھڑی رہی' نبی کریم ﷺ سجدے سے فارغ ہوئے اور آپ سے متصل صف کھڑی ہوگئی تو دوسری صف سجدے میں گئی اور پھر کھڑے ہوگئے پھر پچھلی صف آگے آ گئی اور پہلی صف پیچھے چلی گئی اس کے بعد نبی اکرم ﷺ نے رکوع کیا اور ہم نے بھی رکوع کیا پھر آپ نے رکوع سے سر اٹھایا اور ہم سب نے بھی اٹھایا پھر آپ اور آپ سے متصل صف سجدے میں چلی گئی جو پہلی رکعت میں پیچھے تھی اور دوسری صف دشمن کے سامنے کھڑی رہی جب نبی اکرم ﷺ اور آپ سے متصل صف سجدے سے فارغ ہوئی تو پچھلی صف سجدے میں چلی گئی اور انہوں نے سجدہ کیا پھر نبی کریم ﷺ نے سلام پھیرا اور ہم سب نے بھی سلام پھیرا۔

''صحیح مسلم و بخاری میں''یزید بن رومان کی حدیث ہے جو صالح بن خوارت سے مروی ہے وہ اس سے روایت کرتے ہیں جس نے ذات الرقاع والے دن نبی کریم ﷺ کے ہمراہ نماز خوف ادا کی ہے' وہ فرماتے ہیں کہ ایک گروہ نے نبی اکرم ﷺ کے ساتھ صف باندھی اور دوسرا گروہ دشمن کے مقابل تھا آپ نے اس گروہ کو ایک رکعت پڑھائی پھر کھڑے رہے اور ان لوگوں نے اپنی نماز خود مکمل کی اور واپس جا کر دشمن کے مقابلے میں کھڑے ہوئے اور دوسرا گروہ آیا آپ نے ان کو وہ رکعت پڑھائی جو باقی تھی پھر آپ بیٹھے رہے اور ان لوگوں نے اپنی نماز خود مکمل کی اور آپ نے ان کے ساتھ سلام پھیرا۔

حضرت امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں: میں نے نماز خوف کے بارے میں جو کچھ سنا ہے یہ (مذکورہ بالا) اس میں سے سب سے اچھا ہے' امام مالک رحمہ اللہ نے اس طریقے کو ترجیح دی ہے اور امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ نے اس ترجیح پر ان کی موافقت کی ہے کیونکہ یہ طریقہ زیادہ مخالفت سے محفوظ ہے اور لڑائی کے سلسلے میں زیادہ محتاط بھی ہے۔

حضرت سالم بن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم اپنے والد سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں: کہ میں نے نبی اکرم ﷺ کے ہمراہ نجد کی طرف جہاد کیا تو ہم نے دشمن کے مقابلے میں صف بندی کی' نبی اکرم ﷺ ہمیں نماز پڑھانے کے لئے کھڑے ہوئے تو ایک گروہ آپ کے ساتھ کھڑا ہوا اور دوسری جماعت دشمن کے مقابل گئی' نبی اکرم ﷺ اور آپ کے ساتھ کھڑے نمازیوں نے رکوع کیا اور دو سجدے کئے پھر وہ لوگ اس گروہ کی جگہ چلے گئے جنہوں نے نماز نہیں پڑھی تھی' وہ لوگ آئے اور نبی اکرم ﷺ نے ان کو ایک رکوع اور دو سجدوں کے ساتھ نماز پڑھائی پھر ان میں سے ہر ایک نے خود ایک رکوع اور دو سجدے کئے (اور نماز مکمل کی)۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ لوگوں کو حالتِ خوف میں وادی نخل کے دامن میں ظہر کی نماز پڑھا رہے تھے تو آپ نے ایک گروہ کو دو رکعتیں پڑھائیں پھر سلام پھیرا اس کے بعد دوسرا گروہ آیا تو ان کو دو

رکعتیں پڑھا کر سلام پھیرا۔ اس حدیث کو امام بغوی نے "شرح السنہ" میں روایت کیا۔ [1]

(معجم ما استعجم ج ۳ ص ۱۳۰۳ معجم البلدان ج ۵ ص ۲۷۶)

انہی (حضرت جابر رضی اللہ عنہ) سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ ضجنان اور عسفان کے درمیان اترے تو مشرکین نے کہا ان لوگوں کی ایک نماز ہے جو ان کو ان کے باپوں' بیٹوں اور ماؤں سے بھی زیادہ محبوب ہے اور یہ نماز عصر ہے پس انہوں نے فیصلہ کیا کہ ان پر یک دم حملہ کر دیں' حضرت جبریل علیہ السلام نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ اپنے صحابہ کرام کو دو حصوں میں تقسیم کر دیں اور ان کو نماز پڑھائیں ایک گروہ ان کے پیچھے کھڑا ہو اور اپنا بچاؤ اختیار کریں اور اسلحہ سے لیس ہوں پس ان کے لیے ایک رکعت اور حضور علیہ السلام کی دو رکعتیں ہوئیں۔

ابن حزم نے کہا اس میں یعنی نماز خوف کے سلسلے میں چودہ طریقے صحیح ثابت ہیں اور انہوں نے مستقل رسالے میں ان کو بیان کیا۔

ابن عربی نے "القبس میں" فرمایا کہ اس سلسلے میں بے شمار روایات ہیں جن میں سے سولہ روایات مختلفہ صحیح ہیں انہوں نے ان کو بیان نہیں کیا۔ امام نووی رحمہ اللہ نے "شرح مسلم میں" اسی طرح فرمایا لیکن انہوں نے بھی ان کو بیان نہیں کیا۔

حافظ زین الدین عراقی نے "شرح ترمذی میں" ان کو بیان کیا اور مزید ایک وجہ بیان کی پس یہ سترہ طریقے ہو گئے لیکن ممکن ہے کہ ایک دوسرے میں داخل ہوں۔

"الھدی کے" مصنف (ابن قیم) نے کہا کہ اصولی طور پر چھ طریقے ہیں اور بعض نے ان کو زیادہ قرار دیا اور ان لوگوں نے جب بھی کسی واقع میں راویوں کا اختلاف دیکھا تو اس کو نبی اکرم ﷺ کا الگ مستقل عمل قرار دیا حالانکہ وہ راویوں کا اختلاف ہے۔

یہی بات قابلِ اعتماد ہے حافظ عراقی نے جو تداخل کا امکان بیان کیا وہ اسی بات کی طرف اشارہ ہے۔

ابن قصار مالکی نے نقل کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے نماز خوف دس مرتبہ پڑھی ہے۔ ابن عربی نے کہا چوبیس بار پڑھی ہے۔ خطابی کہتے ہیں مختلف دنوں میں مختلف شکلوں میں پڑھی ہے۔

اس میں اس صورت کو تلاش کیا جائے جو نماز کے لئے زیادہ محتاط ہے اور زیادہ حفاظت کا باعث ہو اگرچہ صورتیں مختلف ہیں لیکن معنیٰ ایک ہی ہے۔

کتب فقہ میں ان صورتوں کی بہت تفصیل ہے اور اس کے فروع ہیں جن کا ذکر طویل ہے۔ (فتح الباری میں ان کو نقل کیا گیا ہے)۔ [2]

---

[1] اس حدیث کی سند ضعیف ہے (زرقانی ج ۸ ص ۸۰) ویسے بھی خلاف عقل ہے کیونکہ دو مرتبہ الگ الگ سلام کے ساتھ ذکر ہے گویا حضور ﷺ نے دو مرتبہ فرض پڑھے یا ایک نماز کو دو مرتبہ ملانے کے ساتھ پڑھا۔ ۱۲ ہزاروی

[2] نماز خوف کے سلسلے میں یہ تمام صورتیں اس وقت ہیں جب سب لوگ ایک ہی امام کے پیچھے نماز پڑھنا چاہتے ہوں ورنہ آسان طریقہ یہ ہے کہ ایک امام ایک گروہ کو نماز پڑھائے اور دوسرا گروہ دشمن کے مقابل ہو اور پھر دوسرا امام دوسرے گروہ کو پڑھائے اور پہلا گروہ دشمن کے مقابلے میں کھڑا ہو۔ ۱۲ ہزاروی

پانچویں قسم

نبی اکرم ﷺ کا نماز جنازہ پڑھنا

اس قسم میں چار انواع ہیں۔

پہلی نوع

تکبیرات کی تعداد

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ کو نجاشی بادشاہ کے وصال کی اطلاع ہوئی جب اس کا انتقال ہوا' آپ صحابہ کرام کو لے کر عیدگاہ میں تشریف لے گئے اور ان کی صف بندی کر کے چار تکبیریں کہیں۔

''جامع ترمذی میں'' حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے جنازہ پر چار تکبیریں کہیں اور پہلی تکبیر میں ہاتھ بلند کر کے دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھ دیا۔

دوسری نوع

قرأت ودعا

ابن منذر نے حضرت ابن مسعود' حسن بن علی' ابن زبیر اور مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہم سے نماز جنازہ میں سورت فاتحہ کی قرأت کے جواز کا قول نقل کیا ہے۔ امام شافعی' امام احمد اور اسحاق بھی یہی بات کہتے ہیں۔

حضرت ابوہریرہ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم سے منقول ہے کہ نماز جنازہ میں قرأت نہیں ابن مالک اور کوفیوں کا یہی قول ہے۔ (حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا یہی مسلک ہے مصنف نے حضرت امام صاحب رحمہ اللہ کا نام لینے کی بجائے کوفیوں کا ذکر کیا۔ ۱۲ ہزاروی)۔

عبدالرزاق اور نسائی نے صحیح سند کے ساتھ حضرت ابوامامہ بن سہیل بن حنیف سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں: نماز جنازہ میں سنت یہ ہے کہ تکبیر کہے' سورۂ فاتحہ پڑھے پھر نبی اکرم ﷺ پر درود شریف بھیجے پھر خالص میت کے لئے دعا کرے اور صرف پہلی تکبیر کے بعد قرأت کرے۔

''صحیح بخاری میں ہے'' حضرت سعد' حضرت طلحہ (رضی اللہ عنہما) سے روایت کرتے ہیں' وہ فرماتے ہیں: کہ میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پیچھے نماز جنازہ پڑھی تو انہوں نے سورۂ فاتحہ پڑھی اور فرمایا (اس لئے پڑھی ہے) تا کہ تم جان لو کہ یہ سنت ہے۔[1]

[1] چونکہ نماز جنازہ دعا ہے لہٰذا اگر اس میں سورۂ فاتحہ بطور دعا پڑھی جائے تو کوئی حرج نہیں البتہ قرأت کے طور پر نہیں پڑھ سکتے کیونکہ نماز جنازہ میں قرأت نہیں اسی لئے احناف کے نزدیک سورۂ فاتحہ کی بجائے دعا پڑھی جاتی ہے۔ ۱۲ ہزاروی

اس حدیث میں اس بات کی وضاحت نہیں کہ سورۂ فاتحہ کب پڑھی؟ لیکن امام شافعی رحمہ اللہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے جو حدیث نقل کی اس میں وضاحت ہے اس حدیث کے الفاظ اس طرح ہیں کہ تکبیر اولیٰ کے بعد سورۂ فاتحہ پڑھی جس طرح حافظ زید الدین عراقی نے "شرح ترمذی میں" ذکر کیا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے' فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ نے نماز جنازہ پڑھائی تو اس میں سورۂ فاتحہ پڑھی اس حدیث کو امام ترمذی نے روایت کیا اور فرمایا یہ صحیح نہیں اور صحیح یہ ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے "من السنة" کے الفاظ مروی ہیں یعنی سنت یہ ہے۔ اور ان کا یہ قول دونوں صیغوں کے درمیان فرق کی طرف لوٹتا ہے اور شاید انہوں نے صراحت اور احتمال کے درمیان فرق کا ارادہ کیا۔

حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ایک جنازہ پر نماز پڑھائی تو ہمیں آپ کی دعا کے یہ الفاظ یاد ہیں:

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَهٗ وَارْحَمْهُ وَعَافِهٖ وَاعْفُ عَنْهُ وَاَكْرِمْ نُزُلَهٗ وَوَسِّعْ مُدْخَلَهٗ وَاغْسِلْهُ بِالْمَاءِ وَالثَّلْجِ وَالْبَرَدِ وَنَقِّهٖ مِنَ الْخَطَايَا كَمَا يُنَقَّى الثَّوْبُ الْاَبْيَضُ مِنَ الدَّنَسِ وَاَبْدِلْهُ دَارًا خَيْرًا مِّنْ دَارِهٖ وَاَهْلًا خَيْرًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَزَوْجًا خَيْرًا مِّنْ زَوْجِهٖ وَاَدْخِلْهُ الْجَنَّةَ وَاَعِذْهُ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَمِنْ عَذَابِ النَّارِ.

یا اللہ! اس کو تو بخش دے! اس پر رحم فرما' اس کو عافیت عطا فرما اور معاف کر دے' اس کی اچھی مہمان نوازی فرما اور اس کی قبر کو کشادہ کر دے' اس کو پانی' برف اور اولوں سے دھو دے اور اس کو خطاؤں سے اس طرح پاک کر دے جس طرح سفید کپڑا میل سے پاک کر دیا جاتا ہے اور اس کے اس گھر کو اچھے گھر میں بدل دے اس گھرانے سے اچھا گھرانہ اور اس کی بیوی سے اچھی بیوی عطا فرما اس کو جنت میں داخل فرما اور اس کو عذاب قبر اور جہنم کے عذاب سے بچالے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۶۲۔۲۶۳' سنن نسائی ج ۱ص ۵۲۔ ج ۳ص ۷۳' مسند احمد ج ۶ص ۲۳)

حضرت عوف رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: حتیٰ کہ میں نے نبی اکرم ﷺ کی دعا کی وجہ سے تمنا کی کہ یہ میت میں ہوتا۔

حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ایک مسلمان کی نماز جنازہ پڑھائی تو میں نے آپ کو فرماتے ہوئے سنا:

اَللّٰهُمَّ اِنَّ فُلَانَ بْنَ فُلَانٍ فِیْ ذِمَّتِكَ وَحَبْلِ جِوَارِكَ فَقِهٖ مِنْ فِتْنَةِ الْقَبْرِ وَعَذَابِ النَّارِ وَاَنْتَ اَهْلُ الْوَفَاءِ وَالْحَقِّ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَهٗ وَارْحَمْهُ اِنَّكَ اَنْتَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ.

یا اللہ! بے شک فلاں بن فلاں تیرے ذمہ ہے' تیری جوارِ رحمت میں اترا ہے پس اس کو عذاب قبر اور جہنم کے عذاب سے بچا تو (وعدہ) پورا کرنے والا سچا ہے' یا اللہ! اس کو بخش دے اور اس پر رحم فرما' بے شک تو ہی بہت بخشنے والا مہربان ہے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۲۰۲' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۴۹۹' مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۱۶۷۷' الحلیہ ج ۵ص ۲۵۲' موارد الظمآن رقم الحدیث: ۷۵۸' جمع الجوامع رقم الحدیث: ۹۹۹۷' کنز العمال رقم الحدیث: ۴۲۳۹۵)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نماز جنازہ پڑھاتے تو یہ دعا مانگتے:

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِحَیِّنَا وَمَیِّتِنَا وَشَاھِدِنَا وَغَائِبِنَا وَصَغِیْرِنَا وَکَبِیْرِنَا وَذَکَرِنَا وَاُنْثَانَا. اَللّٰھُمَّ مَنْ اَحْیَیْتَہٗ مِنَّا فَاَحْیِہٖ عَلَی الْاِسْلَامِ، وَمَنْ تَوَفَّیْتَہٗ مِنَّا فَتَوَفَّہٗ عَلَی الْاِیْمَانِ. اَللّٰھُمَّ لَا تَحْرِمْنَا اَجْرَہٗ وَلَا تَفْتِنَّا بَعْدَہٗ.

یا اللہ! ہمارے زندہ اور ہمارے فوت شدہ ہمارے حاضر اور ہمارے غائب ہمارے چھوٹوں اور ہمارے بڑوں ہمارے مردوں اور ہماری عورتوں کو بخش دے یا اللہ! ہم میں سے جس کو زندہ رکھے اسے اسلام پر زندہ رکھ اور ہم میں سے جس کو موت دے اسے ایمان پر موت دے۔

یا اللہ! ہمیں اس کے اجر سے محروم نہ رکھ اور اس کے بعد فتنہ میں مبتلا نہ کر۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۲۰۱ سنن ترمذی رقم الحدیث: ۱۰۲۴ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۴۹۸ سنن نسائی ج ۴ ص ۷۴ السنن الکبریٰ ج ۴ ص ۴۱ المستدرک ج ۱ ص ۳۵۸ مجمع الزوائد ج ۳ ص ۳۳ کنز العمال رقم الحدیث: ۴۲۳۰۰)

ان ہی سے مروی ہے فرماتے ہیں: کہ میں نے نبی اکرم ﷺ سے یہ دعا سنی:

اَللّٰھُمَّ اَنْتَ رَبُّھَا وَاَنْتَ خَلَقْتَھَا ھَدَیْتَھَا اِلَی الْاِسْلَامِ، قَبَضْتَ رُوْحَھَا وَاَنْتَ اَعْلَمُ بِسِرِّھَا وَعَلَانِیَتِھَا، جِئْنَاکَ شُفَعَاءَ فَاغْفِرْ لَھَا.

یا اللہ! تو اس (میت) کا رب ہے تو ہی اس کا خالق ہے تو نے اس کو اسلام کی طرف ہدایت دی تو نے اس کی روح کو قبض کیا تو اس کی پوشیدہ اور ظاہر باتوں کو جانتا ہے ہم تیرے پاس سفارشی بن کر آئے ہیں پس اس کو بخش دے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۲۰۰ مسند احمد ج ۲ ص ۳۴۵-۳۶۳ السنن الکبریٰ ج ۴ ص ۴۲ مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۱۶۸۸ جمع الجوامع رقم الحدیث: ۹۹۹۶ کنز العمال رقم الحدیث: ۴۲۳۰۲)

تیسری نوع

قبر پر نماز پڑھنا

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک سیاہ رنگ کی خاتون مسجد کی خدمت کرتی تھی ایک دن نبی اکرم ﷺ نے اسے نہ پایا تو اس کے بارے میں پوچھا صحابہ کرام نے عرض کیا کہ وہ انتقال کر گئی ہے فرمایا: مجھے اس کی اطلاع کیوں نہیں کی؟ گویا صحابہ کرام نے اس کے معاملہ کو معمولی سمجھا (اور آپ کو مطلع نہ کیا) فرمایا مجھے اس کی قبر دکھاؤ پس انہوں نے آپ کو اس کی قبر بتائی تو آپ نے اس پر نماز پڑھی۔

ابن حبان نے یہ اضافہ کرتے ہوئے فرمایا کہ حماد بن سلمہ نے حضرت ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں (نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:) یہ قبریں اپنے اصحاب (میت) پر اندھیرے سے بھری ہوئی ہیں اور بے شک اللہ تعالیٰ

ان کو میرے ان پر نماز پڑھنے سے روشن کر دیتا ہے انہوں نے اس بات کی طرف اشارہ کیا کہ بعض مخالفین نے اس اضافہ سے استدلال کیا کہ یہ بات نبی اکرم ﷺ سے خاص ہے پھر حدیث کو حضرت خارجہ بن زید بن ثابت کے طریق سے چلایا وہ اپنے چچا حضرت یزید بن ثابت سے اس واقعہ کی طرح نقل کرتے ہیں اور اس میں یہ بھی ہے کہ آپ قبر پر تشریف لائے تو ہم نے آپ کے پیچھے صفیں باندھیں اور آپ نے چار تکبیریں کہیں۔

ابن حبان فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ کا اپنے ساتھ قبر پر نماز جنازہ پڑھنے والوں پر اعتراض نہ کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ دوسروں کے لئے بھی یہ عمل جائز ہے اور یہ آپ کے خصائص میں سے نہیں ہے اس کا جواب یوں دیا گیا کہ جو عمل بالتبع ہو وہ اصل کے لئے دلیل نہیں بن سکتا (اور صحابہ کرام کا عمل بالتبع تھا)۔

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ ایک دن باہر تشریف لائے اور احد کے شہداء پر اس طرح نماز پڑھی جس طرح میت پر پڑھتے ہیں پھر واپس تشریف لے گئے۔

ایک روایت میں ہے کہ آپ نے آٹھ سال بعد شہداء احد پر نماز پڑھی ایسا معلوم ہوتا تھا جس طرح کوئی شخص' زندہ اور فوت شدہ کو رخصت کرنے والا (یا رخصت ہونے والا) ہو۔

امام بخاری و مسلم نے بھی اس حدیث کو ان الفاظ کے ساتھ ذکر کیا کہ ایک دن آپ باہر تشریف لائے اور احد والوں پر' میت پر نماز جنازہ کی طرح نماز پڑھی پھر منبر پر تشریف لائے اور فرمایا میں تم سے پہلے جانے والا ہوں۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو لوگ کفار سے لڑتے ہوئے شہید ہو جائیں ان کی نماز جنازہ بھی پڑھی جائے اور اس مسئلہ میں علماء کا اختلاف ہے امام مالک' امام شافعی' امام احمد اور اسحاق اور جمہور اس بات کی طرف گئے ہیں کہ ان کی نماز جنازہ نہ پڑھی جائے۔ حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مذہب یہ ہے کہ ان کی نماز جنازہ دوسروں کی نماز جنازہ کی طرح ہے۔

امام مزنی نے بھی یہی کہا ہے اور امام احمد رحمہ اللہ سے بھی ایک روایت اسی طرح ہے' الخلال نے اسے پسند کیا۔

جمہور کی دلیل یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے شہداء احد کی نماز جنازہ نہیں پڑھی جیسا کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا اور اس نماز سے مراد دعا ہے' معروف نماز جنازہ مراد نہیں ہے۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: کہ آپ نے ان کے لئے اس طرح دعا کی جس طرح میت کی نماز جنازہ میں دعا کی جاتی ہے۔ اور یہ نماز شہداء احد کے ساتھ مخصوص ہے آپ نے ان کو دفن کرنے سے پہلے معروف طریقے پر نماز نہیں پڑھی اور آٹھ سال بعد جب وہ اپنی قبروں میں تھے تو ان پر نماز پڑھی۔

اور احناف قبر پر نماز پڑھنے کو مطلقاً منع کرتے ہیں اگر شہداء پر نماز واجب ہوتی تو آپ شروع میں اسے ترک نہ فرماتے۔

پھر شافعی مسلک والوں کا اس قول میں اختلاف ہے ''کہ شہید پر نماز نہ پڑھی جائے'' ان میں سے اکثر فرماتے ہیں معنی یہ ہے کہ ان پر نماز پڑھنا حرام ہے اور ان کے نزدیک یہی صحیح ہے اور دوسرے حضرات فرماتے ہیں ان پر نماز پڑھنا واجب نہیں' جائز ہے۔

ابن قدامہ نے' ذکر کیا کہ امام احمد رحمہ اللہ کا کلام اس قول کے مطابق جس میں انہوں نے فرمایا کہ ان پر نماز پڑھی

جائے' اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ یہ مستحب ہے' واجب نہیں۔ ابن قاسم نے جو امام مالک کے شاگرد ہیں' فرماتے ہیں: کہ شہید پر نماز نہ پڑھی جائے یعنی اس صورت میں جب مسلمان کفار سے لڑیں اور اگر کفار مسلمانوں سے لڑیں تو ان پر نماز جنازہ پڑھی جائے۔[1]

چوتھی نوع

غائبانہ نماز جنازہ

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: آج ایک نیکوکار حبشی کا انتقال ہو گیا ہے پس آؤ ان پر نماز پڑھو وہ فرماتے ہیں ہم نے صفیں باندھیں تو نبی اکرم ﷺ نے نماز جنازہ پڑھائی اور ہم آپ کے پیچھے تھے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۳۲۰' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۱۰۴۰' مسند احمد ج ۳ ص ۲۹۵' مشکل الآثار ج ۱ ص ۱۲۸)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے نجاشی بادشاہ کے وصال کی اطلاع دی جس دن ان کا انتقال ہوا آپ صحابہ کرام کو لے کر عیدگاہ کی طرف تشریف لے گئے اور صف بندی فرمانے کے بعد چار تکبیرات کہیں۔

"صحیح بخاری میں" ابن عیینہ کے طریق سے حضرت ابن جریج سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: اپنے بھائی اصحمہ (نجاشی) پر نماز پڑھو۔ (الکامل ج ۶ ص ۲۲۷۸' التمہید ج ۶ ص ۳۳۱' مسند الحمیدی رقم الحدیث: ۱۲۹۱)

اس حدیث سے استدلال کیا کہ مسجد میں نماز جنازہ پڑھنا منع ہے یہ حنفی مالکی فقہاء کا قول ہے لیکن امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں اگر مسجد فوت شدہ لوگوں پر نماز جنازہ پڑھنے کے لئے بنائی گئی ہو تو مسجد میں نماز جنازہ پڑھنے میں کوئی حرج نہیں۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس حدیث میں ایسی کوئی دلیل نہیں کیونکہ حنفی حضرات کے نزدیک میت کو مسجد میں لانا منع ہے صرف نماز پڑھنا نہیں حتیٰ کہ اگر میت مسجد سے باہر ہو تو وہ لوگ ان پر نماز جنازہ پڑھ سکتے ہیں جو مسجد کے اندر ہیں۔

ابن بزیزہ وغیرہ نے فرمایا کہ بعض مالکیہ نے اس سے استدلال کیا اور یہ باطل ہے کیونکہ اس حدیث میں نہی کا صیغہ نہیں ہے۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ نبی اکرم ﷺ ان کو کسی اور وجہ سے عیدگاہ میں لے گئے ہوں اور یہ بات ثابت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے حضرت سہیل بن بیضاء رضی اللہ عنہ پر مسجد میں نماز پڑھی پس کسی احتمال والی بات کے لئے اس واضح عمل کو کیسے چھوڑا جا سکتا ہے؟ (صحیح مسلم)

بلکہ ظاہر یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ مسلمانوں کو عیدگاہ کی طرف اس لئے لے گئے تھے تاکہ نماز جنازہ پڑھنے والوں کی کثرت ہو جائے اور اس بات کی اشاعت مقصود تھی کہ نجاشی کا انتقال اسلام پر ہوا کیونکہ بعض حضرات کو معلوم نہ تھا کہ وہ اسلام لائے۔

ابن ابی حاتم نے تفسیر میں' دار قطنی نے "الافراد" میں اور امام بزار نے نقل کیا کہ ان دونوں (حضرت ثابت اور حضرت حمید) نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے جب نجاشی بادشاہ کی نماز جنازہ پڑھی تو

---

[1] جیسا کہ آپ پڑھ چکے ہیں احناف کے نزدیک شہداء کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی چاہے کفار مسلمانوں سے لڑیں' یا مسلمان جہاد کریں یہ فرق نہیں ہے۔ ۱۲ ہزاروی

بعض صحابہ کرام نے کہا کہ آپ نے حبشہ کے مقام پر نماز پڑھی؟

اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی:

وَاِنَّ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَمَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ (آل عمران:۱۹۹) اور بے شک اہل کتاب میں سے بعض لوگ وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ پر اور جو کچھ ان کی طرف اتارا گیا اس پر ایمان لاتے ہیں۔ (اسباب نزول الواحدی ص۸۱)

اور اس (مذکورہ بالا) حدیث کی شاہد حدیث ہے جو حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور امام طبرانی نے اسے ''المعجم الکبیر'' میں نقل کیا اس میں یہ اضافہ ہے کہ ''یہ طعن کرنے والا شخص منافق تھا''۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے ایک عنوان قائم کیا ہے۔''باب الصلوة علی الجنازة بالمصلی و المسجد'' (عیدگاہ اور مسجد میں نماز جنازہ پڑھنا) اور پھر انہوں نے ایک حدیث حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی کہ یہودی' نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں اپنے ایک مرد اور عورت کو لائے' جنہوں نے زنا کا ارتکاب کیا تھا آپ نے حکم دیا تو ان دونوں کو مسجد کے پاس جنازہ گاہ کے قریب رجم کیا گیا۔

ابن بطال نے حضرت ابن حبیب سے نقل کیا کہ مدینہ طیبہ میں جنازہ گاہ مسجد سے مشرقی جانب ملی ہوئی تھی۔

اگر یہ بات ثابت ہو جائے جو انہوں نے فرمائی ہے تو ٹھیک ہے ورنہ احتمال یہ ہوگا کہ مسجد سے یہاں عیدگاہ مراد ہے جو عیدین اور استسقاء کی نماز کے لئے بنائی گئی تھی' کیونکہ اس وقت مسجد نبوی کے پاس کوئی جگہ رجم کرنے کے لئے مہیا نہ تھی۔

ابن عمر رضی اللہ عنہما کی مذکورہ بالا حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ نماز جنازہ کے لئے جگہ مقرر تھی جو اس مقصد کے لئے تیار کی گئی تھی۔

اس سے اس بات کا فائدہ حاصل ہوا کہ بعض جنازے جو مسجد میں پڑھے گئے وہ کسی عذر کی وجہ سے یا بیان جواز کے لئے پڑھے گئے تھے۔ اس سے استدلال کیا گیا کہ مسجد میں نماز جنازہ پڑھنا جائز ہے اور اس بات کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس حدیث سے تقویت ملتی ہے' آپ فرماتی ہیں: نبی اکرم ﷺ نے حضرت سہیل بن بیضاء رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ مسجد میں ہی پڑھی۔ اس حدیث کو امام مسلم نے نقل کیا اور جمہور نے یہی کہا ہے۔

لیکن جو لوگ اس بات کو تسلیم نہیں کرتے انہوں نے اس واقعہ کو اس بات پر محمول کیا ہے کہ وہ (جنازہ) مسجد سے باہر تھا اور نمازی مسجد کے اندر تھے۔ اور یہ طریقہ بالاتفاق جائز ہے۔

لیکن یہ بات محل نظر ہے کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس واقعہ سے استدلال اس وقت کیا جب انہوں نے ام المؤمنین کے موقف کا انکار کیا اور حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کا جنازہ لے کر ان کے حجرے سے گزرے تاکہ ان کی نماز جنازہ پڑھیں اور صحابہ کرام نے ام المؤمنین کی اس بات کو تسلیم کر لیا پس یہ اس بات پر دلالت ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو وہ بات یاد تھی جسے وہ حضرات بھول چکے تھے۔[1]

---

[1] صحابہ کرام کا بھولنا اگرچہ جائز ہے لیکن نبی اکرم ﷺ کے افعال مبارکہ اور اقوال کو یاد رکھنے کی ان کی شدید حرص اس بات کے خلاف ہے کہ ان کو یہ واقعہ بھول گیا ہو لہٰذا اس کا مطلب یہ ہوگا کہ انہوں نے اسے بیان جواز پر محمول کیا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ادب کی وجہ سے خاموش رہے۔ (زرقانی ج۸ص۸۶)

ابن ابی شیبہ وغیرہ نے روایت کیا کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ مسجد میں پڑھی اور حضرت صہیب رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ مسجد میں پڑھی۔

ایک روایت میں یہ اضافہ ہے کہ جنازہ مسجد میں منبر کے سامنے رکھا گیا اور یہ حدیث اس مسئلہ پر اجماع کا تقاضا کرتی ہے۔

نجاشی بادشاہ کے واقعہ سے اس بات پر بھی استدلال کیا گیا کہ جو بہت غائب ہو اور دوسرے شہر میں ہو اس کی نماز جنازہ بھی پڑھی جاسکتی ہے امام شافعی' امام احمد' اور جمہور اسلاف نے یہی بات کہی ہے حتیٰ کہ ابن حزم نے کہا کہ کسی صحابی سے اس کی مخالفت ثابت نہیں۔

احناف اور مالکیوں کے نزدیک غائبانہ نماز جنازہ جائز نہیں۔

بعض اہل علم سے منقول ہے کہ اس دن (غائبانہ نماز جنازہ) جائز ہے جس دن وہ شخص فوت ہوا یا اس کے قریب کا وقت ہو جب زیادہ مدت گزر جائے تو جائز نہیں۔ یہ بات ابن عبدالبر نے نقل کی ہے۔

ابن حبان نے کہا یہ اس کے لئے جائز ہے جو قبلہ کی جہت میں ہو اور اگر میت کا شہر قبلہ کی دوسری جانب ہو تو جائز نہیں۔ محب طبری نے کہا کہ یہ بات میں نے کسی اور کے لئے نہیں دیکھی۔

جو لوگ غائبانہ نماز جنازہ کے قائل نہیں انہوں نے نجاشی کے واقعہ کا چند طریقوں سے عذر پیش کیا (جواب دیا)۔

(۱) نجاشی ایک ایسا علاقہ میں تھے جہاں ان کی نماز جنازہ کسی نے نہ پڑھی تو ان پر نماز جنازہ پڑھنا متعین ہو گیا اسی لئے خطابی نے کہا کہ غائبانہ نماز جنازہ جائز نہیں مگر جب موت ایسی زمین میں واقع ہو جہاں کوئی نماز جنازہ پڑھنے والا نہ ہو۔ اور شافعیوں میں سے رویانی نے اسے اچھی بات قرار دیا۔

(۲) بعض حضرات نے فرمایا کہ نبی اکرم ﷺ کے لئے ان کو سامنے کیا گیا تو آپ نے ان کو دیکھا۔ اور قاضی عیاض رحمہ اللہ نے ''الشفاء'' میں ان الفاظ کے ساتھ تعبیر کیا ہے۔ ''اور نبی اکرم ﷺ کے لئے نجاشی کو اٹھایا (سامنے کیا) گیا تو آپ کا ان کی نماز جنازہ پڑھنا اسی طرح تھا جس طرح امام اس میت پر نماز پڑھتا ہے جسے وہ دیکھتا ہے'' اور مقتدیوں نے اسے نہ دیکھا اس نماز کے جواز میں کوئی اختلاف نہیں۔

ابن دقیق العید نے کہا یہ بات نقلی دلیل کی محتاج ہے محض احتمال سے ثابت نہیں ہوتی۔

بعض احناف نے ان کے اعتراض کا جواب یوں دیا کہ اس قسم کی بات میں احتمال کافی ہوتا ہے اور اس قائل نے واحدی کی اس روایت سے استدلال کیا جسے انہوں نے اسباب نزول میں ذکر کیا اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی طرف نسبت نہیں کی۔

(اس میں اس طرح ہے کہ) نجاشی کی چارپائی نبی اکرم ﷺ کے سامنے کی گئی حتیٰ کہ آپ نے ان کو دیکھ کر ان پر نماز پڑھی۔ (المصدر السابق ص ۸۱)

ابن حبان نے حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کی حدیث سے روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ کھڑے ہوئے اور صحابہ کرام نے آپ کے پیچھے صف بندی کی اور ان کا خیال یہی تھا کہ جنازہ آپ کے سامنے ہے۔

ان جوابات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ یہ نجاشی کے ساتھ خاص ہے کیوں کہ نبی اکرم ﷺ سے ثابت نہیں کہ آپ

نے ان کے علاوہ کسی کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھی۔

مہلب نے یہی بات کہی ہے گویا ان کے نزدیک معاویہ بن معاویہ لیثی کا واقعہ ثابت نہیں۔ [1]

جن لوگوں نے کہا کہ یہ عمل نجاشی کے لئے مخصوص ہے انہوں نے اس بات سے استدلال کیا جو پہلے گزر چکی ہے کہ ان کے حالتِ اسلام میں فوت ہونے کی اشاعت اور ان مسلمان بادشاہوں کے دلوں کو نرم کرنا مقصود تھا جو نبی اکرم ﷺ کی حیات طیبہ میں اسلام لائے۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اگر یہ دروازہ (تخصیص کا دروازہ) کھل گیا تو شریعت کے بہت سے ظاہری امور کا دروازہ بند ہو جائے گا۔ علاوہ ازیں اگر وہ بات ہوتی جو ان لوگوں نے ذکر کی ہے تو اس کے نقل کے داعی زیادہ ہوتے۔

ابن عربی کہتے ہیں مالکی حضرات فرماتے ہیں: کہ یہ بات صرف حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے لئے ہے۔

ہم کہتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے جس بات پر عمل کیا اس پر آپ کی امت بھی عمل کرتی ہے یعنی اصل عدم خصوصیت ہے' انہوں نے کہا نبی اکرم ﷺ کے لئے زمین لپیٹی گئی اور جنازہ آپ کے سامنے حاضر کیا گیا۔

ہم کہتے ہیں بے شک ہمارا رب قادر ہے اور ہمارے نبی ﷺ اس کے اہل ہیں لیکن تم وہی بات کہو جسے روایت کرو اور خود اپنی طرف سے کوئی حدیث نہ بناؤ اور وہی احادیث روایت کرو جو ثابت ہیں اور ضعیف روایات کو چھوڑ دو کیونکہ یہ اس چیز کو ضائع کرنے کا راستہ ہے جس کو ضائع ہونا نہیں ہے۔

کرمانی فرماتے ہیں محدثین کا یہ قول کہ آپ سے پردہ اٹھایا گیا' یہ بات ممنوع ہے اور اگر ہم تسلیم کریں تو وہ ان صحابہ کرام سے غائب تھے جنہوں نے آپ کے ساتھ نماز پڑھی۔

یہ فتح الباری کی عبارت کا خلاصہ ہے۔

تیسری نوع

زکوٰۃ سے متعلق سیرتِ مصطفیٰ ﷺ

زکوٰۃ کا معنیٰ

''زکوٰۃ'' لغت میں بڑھنے اور پاک کرنے کو کہتے ہیں۔

اور زکوٰۃ کے ذریعے مال اس طرح بڑھتا ہے کہ دکھائی نہیں دیتا اور اس سے زکوٰۃ دینے والے کو گناہوں سے طہارت حاصل ہو جاتی ہے۔ کہا گیا ہے کہ اس کا اجر اللہ تعالیٰ کے ہاں بڑھتا ہے۔

شریعت میں زکوٰۃ کہنے کی وجہ یہ ہے کہ اس میں لغوی معنیٰ پایا جاتا ہے اور کہا گیا کہ یہ اپنے صاحب (زکوٰۃ دینے والے) کو پاک کرتی اور اس کے ایمان کے صحیح ہونے کی شہادت ہے اور یہ نعمت کو قید میں رکھتی (زائل ہونے سے بچاتی) ہے۔

---

[1] حضرت معاویہ بن معاویہ رضی اللہ عنہ کا مدینہ طیبہ میں انتقال ہوا اور حضور ﷺ نے تبوک میں نماز جنازہ پڑھی۔ اعلیٰحضرت امام احمد رضا بریلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ حدیث ضعیف ہے (تفصیل کے لئے فتاویٰ رضویہ ج ۴ رسالہ الہادی الحاجب عن جنازۃ الغائب دیکھیں)۔

اور صدقہ کو صدقہ کہنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ صدقہ دینے والے کی اور ظاہر و باطن میں اس کے ایمان کی صحت کی تصدیق ہے۔

اقسامِ اموال جن میں زکوٰۃ فرض ہوتی ہے

نبی اکرم ﷺ کی شریعت مطہرہ سے یہ بات سمجھ آتی ہے کہ زکوٰۃ خیر خواہی کے لئے واجب ہے اور خیر خواہی اسی مال میں ہوتی ہے جس کی کوئی قدر و قیمت ہو اور وہ نصاب ہے۔

پھر نبی اکرم ﷺ نے بڑھنے والے مالوں میں زکوٰۃ لازم کی ہے اور یہ چار اقسام ہیں۔

۱۔ سونا اور چاندی جن کے ساتھ دنیا کا نظام قائم ہے۔

۲۔ غلہ اور پھل [1]

۳۔ جانور' اونٹ' گائے اور بکریاں

۴۔ تجارت کے مال جن کی مختلف انواع ہیں

مقدار نصاب

نبی اکرم ﷺ نے ہر قسم میں نصاب اس قدر مقرر فرمایا جس میں خیر خواہی ہو سکتی ہے۔

پس چاندی میں پانچ اوقیہ ہے اور وہ دو سو درہم (ساڑھے باون تولے) ہیں یہ حدیث اور اجماع سے ثابت ہے۔

اور سونے میں بیس مثقال (ساڑھے سات تولے ہیں)۔

غلے اور پھلوں میں پانچ وسق ہیں' بکریاں چالیس' گائے تیس اور اونٹ پانچ ہیں۔

اور نبی اکرم ﷺ نے واجب کی مقدار کو مال میں قیمت اور مشقت کے اعتبار سے مرتب فرمایا۔

قیمت میں سب سے اعلیٰ اور تھکاوٹ کے اعتبار سے سب سے کم مقدار دفینے ہیں اور ان میں پانچواں حصہ ہے کیونکہ تھکاوٹ نہیں اور اس کے لئے سال کا اعتبار نہیں کیا بلکہ جب بھی اس پر کامیابی پائے (زکوٰۃ واجب ہوگی)۔

اس کے ساتھ غلے اور پھل ہیں اگر بارش کا پانی وغیرہ ملتا ہو تو اس میں عشر (دسواں حصہ) ہے ورنہ اس کا نصف (بیسواں حصہ) ہوگا۔

پھر اس سے سونا' چاندی اور تجارت کا مال متصل ہے اس میں چالیسواں حصہ ہے کیونکہ وہ تمام سال عمل کا محتاج ہے۔

اور اس سے متصل جانور ہیں ان میں "اوقاص" داخل ہیں (لسان العرب ج ۱۵ ص ۳۶۸) (یعنی دو فریضوں کے درمیان جو کچھ ہے وہ وقص ہے اس پر زکوٰۃ نہیں مثلاً تیس اور چالیس کے درمیان بکریاں ہیں ان میں وہی ہے جو تیس میں ہے) بخلاف پہلی انواع کے (کیونکہ ان میں سے جزء میں زکوٰۃ لازم ہے)۔

اور جب اونٹوں میں ان کی جنس سے خیر خواہی نہیں ہو سکتی تو ان میں بکری واجب کی پس جب پچیس ہو جائیں اور ان کے نصاب میں ایک اونٹ دیا جا سکے تو اونٹ ہی واجب ہوگا۔ پھر اونٹوں کے کم یا زیادہ ہونے کا اعتبار عمر کا اعتبار کر کے

[1] حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک غلہ اور پھلوں میں عشر یعنی دسواں حصہ ہے چاہے وہ پانچ وسق ہو یا کم۔ کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: جو چیز زمین سے پیدا ہو اس میں عشر ہے البتہ گھاس اور لکڑیوں میں کچھ نہیں۔ (ہدایہ اولین ص ۱۸۱)

مقرر کیا گیا۔

نبی اکرم ﷺ نے صدقہ کے بارے میں جو مکتوب گرامی لکھا اور عاملین کو عطا نہ فرمایا حتیٰ کہ آپ کا وصال ہو گیا تو اس میں اس طرح ہے۔ پانچ اونٹوں میں ایک بکری ہے' دس میں دو بکریاں اور پندرہ میں تین بکریاں ہیں' بیس میں چار بکریاں' پچیس میں ایک بنت مخاض (جو دوسرے سال میں داخل ہو جائے) پینتیس تک۔ جب ایک زیادہ ہو جائے تو ان میں ایک بنت لبون ہے (دو سال کی ہو اور تیسرا سال شروع ہو) یہ پینتالیس تک ہے جب ایک کا اضافہ ہو جائے تو ان میں ایک حقہ ہے (تین سال کی ہو اور چوتھا سال شروع ہو) یہ ساٹھ تک ہے۔ جب (ساٹھ سے) ایک بڑھ جائے تو ایک جذعہ ہوگا (جو پانچویں سال میں قدم رکھ چکی ہو) یہ سلسلہ پچھتر تک رہے گا۔ جب ایک کا اضافہ ہو جائے تو یہاں سے نوے تک بنت لبون ہوں گے جب (نوے پر) ایک کا اضافہ ہو تو ایک سو بیس تک دو حقے ہوں گے' اور جب اونٹوں کی تعداد اس سے زیادہ ہو جائے تو ہر پچاس میں ایک حقہ ہوگا اور ہر چالیس میں ایک بنت لبون ہوگی۔

بکریوں میں چالیس بکریوں میں ایک بکری ایک سو بیس تک یہی سلسلہ ہوگا جب ایک زیادہ ہو جائے تو دو بکریاں ہوں گی اور جب دو سو سے بڑھ جائیں تو تین بکریاں ہوں گی تین سو تک یہی سلسلہ ہوگا پھر جب بکریوں کی تعداد اس سے بڑھ جائے تو ہر سو بکری میں ایک بکری ہوگی پھر جب تک ایک سو کو نہ پہنچیں مزید کچھ نہ ہوگا۔

یہ حدیث امام ابوداؤد اور امام ترمذی نے حضرت سالم بن عبداللہ بن عمر (رضی اللہ عنہم) سے روایت کی ہے۔

صدقۂ فطر

نبی اکرم ﷺ نے صدقۂ فطر کھجوروں سے ایک صاع یا جَو سے ایک صاع غلام' آزاد' مرد' عورت' چھوٹے اور بڑے مسلمانوں پر واجب فرمایا اور حکم دیا کہ نماز (نماز عید) کے لئے جانے سے پہلے ادا کیا جائے۔

یہ حدیث امام بخاری و مسلم رحمہما اللہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت سے نقل کی۔

(نوٹ) اگر گندم دینا ہو تو نصف صاع یا اس کی قیمت دینا ہوگی۔

ابوداؤد کی ایک روایت میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے صدقۂ فطر روزہ دار کو لغو اور بیہودہ باتوں سے پاک کرنے اور مساکین کی خوراک کے طور پر لازم فرمایا۔

مستحقینِ زکوٰۃ

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ صدقات کے سلسلے میں کسی نبی یا کسی اور کے حکم پر راضی نہیں ہوا حتیٰ کہ اس نے خود اس میں حکم دیا تو ان لوگوں کو آٹھ اجزاء میں تقسیم کیا۔ امام ابوداؤد نے اس حدیث کو زیاد بن حارث صدائی سے روایت کیا۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۶۳۰' السنن الکبریٰ ج ۴ ص ۱۷۴' جمع الجوامع رقم الحدیث: ۴۹۷۵' اتحاف السادۃ المتقین ج ۴ ص ۹۹' المعجم الکبیر ج ۵ ص ۳۰۳' سنن دار قطنی ج ۲ ص ۱۳۷' کنز العمال رقم الحدیث: ۱۶۴۹۷)

ان آٹھ اقسام کو لوگوں کی دو قسموں میں جمع کیا جا سکتا ہے۔

(۱) وہ جو حاجت کے لئے لیتے ہیں وہ حاجت کی شدت اور کمی' کثرت اور قلت کے اعتبار سے لیتے ہیں اور یہ فقراء'

مساکین، جن کی گردنیں چھڑائی جائیں اور مسافر ہیں۔

(۲) وہ جو نفع کے اعتبار سے لیتے ہیں اور یہ (زکوٰۃ کا عمل کرنے والے) عاملین ہیں جن کے دلوں کو اسلام کے لئے نرم کیا جائے ان کو مؤلفۃ القلوب کہتے ہیں اور لوگوں کے درمیان صلح کرانے کے لئے قرض لینے والے اور اللہ کے راستے میں جہاد کرنے والے۔

اور اگر لینے والا محتاج بھی نہ ہو اور اس سے مسلمانوں کے لئے کوئی نفع بھی نہ ہو تو ایسے شخص کا زکوٰۃ میں کوئی حصہ نہ ہوگا۔

انبیاء کرام پر زکوٰۃ نہیں

انبیاء کرام علیہم السلام پر زکوٰۃ فرض نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ان کے گہرے تعلق کی وجہ سے ان کی ملکیت میں کچھ نہیں ہوتا جس میں زکوٰۃ فرض ہو تمہارے اوپر زکوٰۃ اس چیز میں فرض ہوتی ہے۔ جس کے تم مالک ہو۔

انبیاء کرام کے پاس جو کچھ اللہ تعالیٰ کی امانتیں ہوتی ہیں وہ ان کو وہاں خرچ کرتے ہیں جہاں ان کو خرچ کرنے کا مقام ہے اور جہاں خرچ کرنے کا مقام نہیں وہاں سے روک رکھتے ہیں۔

نیز زکوٰۃ ان لوگوں کی طہارت کا باعث بنتی ہے جن پر واجب ہوتی ہے۔ ارشادِ خداوندی ہے:

خُذۡ مِنۡ اَمۡوَالِهِمۡ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمۡ وَتُزَكِّيۡهِمۡ بِهَا. (التوبہ: ۱۰۳)

ان کے مالوں سے زکوٰۃ وصول کر کے اس کے ذریعے ان کو پاک کر دیں اور ان کا تزکیہ کر دیں۔

اور انبیاء کرام علیہم السلام (گناہوں کی) میل سے پاک ہیں کیوں کہ ان کا معصوم ہونا ضروری ہے۔

اسی لئے حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے بچوں پر زکوٰۃ فرض قرار نہیں دی کیونکہ ان میں (شریعت کی) مخالفت کی میل نہیں ہوتی۔ اور مخالفت مکلف ہونے کے بعد ہوتی ہے اور یہ (مکلف ہونا) بلوغت کے بعد ہوتا ہے۔

اور جب اللہ تعالیٰ کی معرفت رکھنے والے اور اس کی وحدانیت کا مشاہدہ کرنے والے قرب خداوندی کی وجہ سے کسی چیز کے مالک نہیں ہوتے جس طرح ان کے واقعات سے مشہور ہے تو انبیاء و رسل (علیہم السلام) اور توحید و معرفت والوں کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے وہ اپنے (معرفت کے) سمندروں میں ڈوبے ہوئے ہیں اور انوار سے فیض یاب ہوتے ہیں۔

یہ گفتگو عارف کبیر ابوالفضل بن عطاء اللہ شاذلی (اللہ تعالیٰ ان کے مشرب سے ہمیں مٹھاس چکھائے) کی کتاب "التنویر" سے بطور خلاصہ ذکر کی گئی۔

تنبیہ

منقول ہے کہ حضرت امام شافعی اور حضرت امام احمد بن حنبل رحمہما اللہ دونوں بیٹھے ہوئے تھے کہ شیبان راعی رحمہ اللہ تشریف لائے حضرت امام احمد بن حنبل نے حضرت امام شافعی سے فرمایا کہ میں چاہتا ہوں کہ اس شخص سے جس کی طرف (ولایت کا اشارہ کیا جاتا ہے) اسی وقت کچھ پوچھوں امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا ایسا نہ کرو انہوں نے فرمایا یہ ضروری ہے چنانچہ انہوں نے کہا اے شیبان! جو شخص چار رکعتوں سے چار سجدے بھول جائے اس کے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں؟ فرمایا اے احمد! یہ وہ دل ہے جو اللہ تعالیٰ سے غافل ہے اسے ادب سکھانا ضروری ہے تا کہ وہ آئندہ ایسا نہ کرے۔ فرماتے

ہیں حضرت امام احمد رحمہ اللہ بیہوش ہو کر گر پڑے پھر افاقہ ہوا تو فرمایا جس آدمی کے پاس چالیس بکریاں ہوں اس کے بارے میں کیا کہتے ہیں کہ ان میں کتنی زکوٰۃ ہے؟ فرمایا ہمارے مذہب پر یا آپ کے مذہب کے مطابق؟ پوچھا گیا یہ دو مذہب ہیں؟ فرمایا ہاں تمہارے مذہب پر چالیس بکریوں میں ایک بکری ہے اور ہمارے مذہب کے مطابق غلام اپنے مالک کے ساتھ کسی چیز کا مالک نہیں ہوتا۔

ہمارے شیخ (امام سخاوی رحمہ اللہ) نے "المقاصد الحسنہ میں" ابن تیمیہ سے نقل کیا کہ اہل معرفت کا اس واقعہ کے باطل ہونے پر اتفاق ہے کیونکہ امام شافعی اور امام احمد نے شیبان الراعی سے ملاقات نہیں کی۔ واللہ اعلم

زکوٰۃ دینے والے کے لئے دعا

نبی اکرم ﷺ کے پاس جب کوئی صدقہ لے کر آتا تو آپ یوں دعا کرتے:

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی آلِ فُلَانٍ — یا اللہ! فلاں آل والوں پر رحمت فرما

پس حضرت ابو اوفی رضی اللہ عنہ صدقہ لے کر حاضر ہوئے تو آپ نے یوں دعا کی:

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی آلِ اَبِیْ اَوْفٰی. — یا اللہ! ابو اوفی کے گھر والوں پر رحمت نازل فرما۔[1]

فرضیتِ زکوٰۃ کی تاریخ

اس سلسلے میں اختلاف ہے کہ زکوٰۃ کب فرض ہوئی؟ اکثر حضرات اس طرف گئے ہیں کہ یہ ہجرت کے بعد کا واقعہ ہے بعض نے کہا کہ دوسرے سال رمضان المبارک کے روزے فرض ہونے سے پہلے زکوٰۃ فرض ہوئی۔ امام نووی رحمہ اللہ نے "الروضہ" کے باب السیر میں اس طرح اشارہ کیا ہے۔

ابن اثیر نے تاریخ میں اس بات کو قطعی قرار دیا کہ نو ہجری میں زکوٰۃ فرض ہوئی۔ لیکن یہ بات محل نظر ہے کیونکہ حضرت ضمام بن ثعلبہ رضی اللہ عنہ کی حدیث، عبدالقیس کے وفد والی حدیث اور ابو سفیان کا ہرقل کے ساتھ مکالمہ اس کے خلاف ہے یہ مکالمہ ہجرت کے ساتویں سال کے آغاز میں ہوا اور اس میں یوں آیا کہ وہ (نبی اکرم ﷺ) ہمیں زکوٰۃ کا حکم دیتے ہیں۔

بعض حضرات نے ابن اثیر کو ثعلبہ بن حاطب کی طویل روایت سے تقویت دی ہے اس حدیث میں یوں ہے کہ جب زکوٰۃ کی آیت نازل ہوئی تو نبی اکرم ﷺ نے ایک عامل بھیجا' حاطب نے کہا یہ تو جزیہ ہے یا جزیہ کی جنس سے ہے اور جزیہ نو ہجری میں واجب ہوا پس زکوٰۃ بھی نو ہجری میں فرض ہوئی۔

لیکن یہ حدیث ضعیف ہے اور اس قسم کی حدیث سے استدلال نہیں کیا جا سکتا۔

ابن خزیمہ نے اپنی صحیح میں دعویٰ کیا کہ زکوٰۃ کی فرضیت ہجرت سے پہلے ہوئی ہے' انہوں نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے استدلال کیا جو حبشہ کی طرف صحابہ کرام کی ہجرت سے متعلق ہے۔

اس حدیث میں ہے کہ حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے نجاشی کو نبی اکرم ﷺ کے بارے میں خبر دیتے

---

[1] اس میں نبی اکرم ﷺ کی طرف سے حوصلہ افزائی اور نیکی کی ترغیب ہے اور یہ رحمت کی دعا ہے اصطلاحی طور پر "صلوٰۃ" نبی اکرم ﷺ کے ساتھ خاص ہے دوسروں کے لئے ضمنی طور پر ہے مثلاً حضرت عیسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام۔ ۱۲ ہزاروی

ہوئے یہ بھی کہا کہ وہ شخص ہمیں نماز زکوٰۃ اور روزے کا حکم دیتا ہے۔

اس حدیث سے استدلال بھی محل نظر ہے کیونکہ ابھی تک پانچ نمازیں فرض نہیں ہوئی تھیں اور نہ ہی ماہ رمضان کے روزے فرض ہوئے تھے پس اس بات کا احتمال ہے کہ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی واپسی نجاشی کے پاس جانے کے اول مرحلے میں نہ ہوئی ہو اور انہوں نے اس بات کی خبر ایک مدت کے بعد دی ہو اور اس میں نماز اور روزے کی فرضیت کا ذکر ہو اور حضرت جعفر رضی اللہ عنہ تک یہ خبر پہنچی ہو تو انہوں نے فرمایا ہو کہ نبی اکرم ﷺ ہمیں یعنی امت کو حکم دیتے ہیں۔ لیکن یہ بات عقل سے بہت بعید ہے۔

اگر حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کی سند پر کوئی اعتراض نہ ہوتا ہو تو جس بات پر اسے محمول کیا گیا وہ زیادہ بہتر ہے کہ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی مراد یہ ہو کہ آپ ہمیں نماز زکوٰۃ اور روزے کا حکم دیتے ہیں یعنی مطلق حکم دیتے ہیں اور اس سے لازم نہیں آیا کہ نماز سے پانچ نمازیں مراد ہوں اور نہ روزوں سے ماہ رمضان کے روزے مراد ہوں گے اور نہ ہی زکوٰۃ سے یہ مخصوص زکوٰۃ مراد ہوگی جس میں نصاب اور سال گزرنے کی شرط ہے۔

نو ہجری سے پہلے زکوٰۃ کے فرض ہونے پر ایک دلیل حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جو ضمام بن ثعلبہ کے واقعہ سے متعلق ہے اور ضمام بن ثعلبہ (ضمام بن ثعلبہ السعدی ہیں) کا قول کہ میں آپ کو اللہ تعالیٰ کی قسم دیتا ہوں کہ کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا کہ یہ صدقہ ہمارے مالدار لوگوں سے لے کر ہمارے فقراء پر تقسیم کریں؟

(الاصابہ ج ۳ ص ۱۷۲ رقم الترجمہ: ۴۱۷۳)

اور حضرت ضمام کی آمد ۵ ھ میں ہوئی اور ۹ ھ میں عاملین کو زکوٰۃ کی وصولی کے لئے بھیجا گیا اور یہ اس بات کا تقاضا ہے کہ فرضیت زکوٰۃ اس سے مقدم ہے۔

زکوٰۃ کی فرضیت کے ہجرت کے بعد واقع ہونے پر دلالت کرنے والی باتوں میں سے ایک بات یہ ہے کہ رمضان المبارک (کے روزوں) کی فرضیت ہجرت کے بعد ہوئی کیونکہ جو آیت فرضیت پر دلالت کرتی ہے وہ بلا اختلاف مدنی آیت ہے۔

امام احمد ابن خزیمہ نسائی ابن ماجہ اور حاکم رحمہم اللہ کے نزدیک حضرت قیس بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ثابت ہے وہ فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ نے زکوٰۃ کا حکم نازل ہونے سے پہلے ہمیں صدقہ فطر (کی ادائیگی) کا حکم دیا پھر فرضیت زکوٰۃ کا حکم نازل ہوا اور آپ نے ہمیں صدقہ فطر کا حکم دیا نہ اس سے منع کیا اور ہم ادا کیا کرتے تھے۔

اس حدیث کی سند صحیح ہے اور اس کے راوی بھی صحیح ہیں سوائے ابو عمار راوی کے جو حضرت قیس بن عمار سے روایت کرتے ہیں لیکن امام احمد اور ابن معین نے ان کی توثیق کی ہے۔

اور یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ صدقہ فطر کی فرضیت زکوٰۃ کی فرضیت سے پہلے ہے پس یہ اس بات کا تقاضا ہے کہ زکوٰۃ کی فرضیت رمضان المبارک کے بعد ہوئی۔ یہ بات حافظ ابو الفضل ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمائی ہے۔

نبی اکرم ﷺ ہدیہ قبول فرماتے صدقہ قبول نہ کرتے

نبی اکرم ﷺ ہدیہ قبول فرماتے اور اس کا بدلہ بھی دیتے۔ اس حدیث کو امام بخاری نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا

سے نقل کیا۔

جب آپ کے پاس کوئی کھانا لایا جاتا تو آپ پوچھتے کہ یہ ہدیہ ہے یا صدقہ؟ اگر کہا جاتا کہ صدقہ ہے تو آپ اپنے صحابہ کرام سے فرماتے: کھاؤ اور خود تناول نہ فرماتے اور اگر کہا جاتا کہ ہدیہ ہے تو ہاتھ بڑھاتے اور ان کے ساتھ تناول فرماتے۔

اس حدیث کو امام بخاری اور امام مسلم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا۔

نبی اکرم ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کیا تم لوگوں کے پاس کھانے کے لئے کچھ ہے؟ انہوں نے عرض کیا نہیں مگر حضرت نسیبہ (ام عطیہ) رضی اللہ عنہا نے کچھ بھیجا ہے جو ان کی طرف بطور صدقہ بھیجا گیا تھا' آپ نے فرمایا: یہ اپنی جگہ کو پہنچ گیا (یعنی ان کے لئے صدقہ تھا اور ہمارے لئے تحفہ ہے)۔

آپ کے الفاظ یوں ہیں' انها بلغت محلها '' محلها میں حاء کے نیچے زیر ہے یعنی اس سے صدقہ کا حکم زائل ہو گیا اور ہمارے لئے یہ چیز حلال ہو گئی۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۴۹۴' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۶۹۔۱۷۰۔۱۷۴' سنن نسائی ج ۴ ص ۱۹۳' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۷۰۱' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۳۰۷۔۱۸۴۱' مسند احمد ج ۶ ص ۳۰۷' السنن الکبریٰ ج ۴ ص ۳۰۳' مجمع الزوائد ج ۳ ص ۱۳۹' التمہید ج ۵ ص ۱۰۶' مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۲۰۷۰' اتحاف السادۃ المتقین ج ۴ ص ۳۰۲)

اور گوشت لایا گیا جو حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کو بطور صدقہ دیا گیا تھا تو آپ نے فرمایا: یہ ان پر صدقہ تھا اور ہمارے لئے ہدیہ ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۰۹۷' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۰۔۱۴' مسند احمد ج ۱ ص ۳۶۱' سنن دارمی ج ۲ ص ۱۶۹' السنن الکبریٰ ج ۶ ص ۱۸۵' اتحاف السادۃ المتقین ج ۵ ص ۲۳۳' مجمع الزوائد ج ۳ ص ۱۲۷' المعجم الکبیر ج ۱۱ ص ۳۰۸' کنز العمال رقم الحدیث: ۱۶۵۱۱)

امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث نقل کی ہے کہ نبی اکرم ﷺ گھر میں تشریف لائے اور آگ پر ہنڈیا تھی جو جوش مار رہی تھی' آپ نے کھانا طلب فرمایا تو روٹی اور گھر کے سالن سے کچھ سالن لایا گیا آپ نے فرمایا کیا میں آگ پر جوش مارتی ہوئی ہنڈیا نہیں دیکھ رہا؟ انہوں نے عرض کیا جی ہاں یا رسول اللہ! لیکن یہ گوشت حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا پر صدقہ کیا گیا اور انہوں نے اس میں کچھ ہمیں بطور تحفہ دیا ہے اور آپ صدقہ نہیں کھاتے آپ نے فرمایا: یہ ان کے لئے صدقہ تھا اور ہمارے لئے ہدیہ ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۲۷۹' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۴' سنن نسائی ج ۶ ص ۱۶۲' مسند احمد ج ۶ ص ۱۷۸' السنن الکبریٰ ج ۱۰ ص ۳۲۸' اتحاف السادۃ المتقین ج ۷ ص ۱۳۶' نصب الرایہ ج ۴ ص ۱۴۷)

چوتھی نوع

نبی اکرم ﷺ کا روزہ رکھنا

جان لو! روزے کا مقصود نفس کو بری عادتوں سے روکنا اور ان کی خواہشات سے دور رکھنا نیز ان کی عادات سے نفس کو چھڑانا ہے یہ متقی لوگوں کے لئے لگام (شیطان سے) لڑنے والوں کی ڈھال اور نیکوکار اور مقربین کے لئے باغ ہے۔ اور

تمام اعمال میں سے روزہ خالص اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لئے ہے (کیونکہ اس میں ریاکاری کا احتمال کم ہوتا ہے) جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے حدیث قدسی میں فرمایا:

کل عمل ابن آدم لہ الا الصیام فھو لی وانا اجزی بہ. انسان کا ہر عمل اس کے لئے ہوتا ہے سوائے روزہ کے کہ وہ میرے لئے ہے اور میں ہی اس کا بدلہ دوں گا۔ [1]

(السنن الکبریٰ ج ۴ ص ۲۷۰۔۲۷۳۔۳۰۵ الدر المنثور ج ۱ ص ۱۷۹۔ ج ۲ ص ۹۷ الکامل ج ۳ ص ۹۳۵)

اس حدیث کو امام مسلم (اور امام بخاری نے بھی) نقل کیا۔

تو اللہ تعالیٰ نے اس کے شرف اور بزرگی کو ظاہر کرنے کے لئے اس کی نسبت اپنی طرف فرمائی جیسے "ناقۃ اللہ" (اللہ تعالیٰ کی اونٹنی) فرمایا حالانکہ تمام عالم اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ہے۔

اس کی وجہ یوں بھی بیان کی گئی ہے کہ روزے کے ذریعے اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی پوجا نہیں کی گئی' کفار نے کسی زمانے میں بھی اپنے معبودوں کی روزے کے ذریعے تعظیم نہیں کی۔ [1] اگرچہ وہ نماز اور سجدے وغیرہ کے ذریعے ان کی تعظیم کرتے تھے۔

"شرح تقریب الاسانید میں" فرمایا: کہ اس پر اعتراض ہوتا ہے کیونکہ ستارہ پرست اور بتوں وغیرہ کی روزے کے ذریعے پوجا کرتے تھے۔

اس کا جوب یوں دیا گیا کہ وہ ان کے بارے میں ذاتی طور پر عمل کا اعتقاد نہیں رکھتے تھے۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ روزہ' ریاکاری سے دور ہے کیونکہ یہ پوشیدہ ہوتا ہے بخلاف نماز' حج اور جہاد وغیرہ ظاہری عبادات کے (وہ نظر آتی ہیں) "فتح الباری میں فرمایا" کہ علماء کرام کے قول "**لا ریاء فی الصوم**" میں نفی کا مطلب یہ ہے کہ عملی اعتبار سے اس میں ریاکاری نہیں آتی اگرچہ قولی طور پر ریاکاری ہوسکتی ہے مثلاً ایک شخص روزہ رکھے اور پھر (دوسروں کو) بتائے کہ وہ روزہ دار ہے تو اس حیثیت سے اس میں دکھاوا ہوتا ہے پس روزے میں دکھاوے کا دخول خبر دینے کے اعتبار سے ہوتا ہے جبکہ دوسرے افعال اس کے خلاف ہیں' ان میں محض فعل سے بھی دکھاوا ہوجاتا ہے۔

حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے (نبی اکرم ﷺ نے فرمایا):

من صام یرائی فقد اشرک. جو شخص روزہ رکھ کر دکھاتا پھرے اس نے شرک کیا۔

(اس سے شرک خفی مراد ہے کفر مراد نہیں ہے۔ ۱۲ ہزاروی)۔

(الدر المنثور ج ۴ ص ۲۵۶' الترغیب والترہیب ج ۱ ص ۶۷۔۷۱' تفسیر قرطبی ج ۱۱ ص ۷۱' تفسیر ابن کثیر ج ۵ ص ۲۰۲)

یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس میں روزہ دار کے لئے کوئی (ظاہری) حصہ نہیں (یعنی ایسا نہیں کہ دیکھنے والا تعریف کرے)۔

ایک قول یہ ہے کہ روزہ دار کھانے وغیرہ خواہشات سے بے نیاز ہوجاتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں۔ پس جب بندہ اللہ تعالیٰ کی صفات کی موافقت میں اس کے قریب ہوجاتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے اس کی نسبت اپنی طرف کی (جیسے فرمایا "**الصوم لی**" یعنی روزہ میرے لئے ہے)۔

---

[1] چونکہ روزے میں ریاکاری نہیں ہوتی اس لئے کہ یہ عمل نظر نہیں آتا اس لئے اسے اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے قرار دیا ورنہ ہر عبادت اللہ تعالیٰ کے لئے ہوتی ہے۔ ۱۲ ہزاروی

امام قرطبی نے فرمایا: بندوں کے اعمال ان کے احوال کے مناسب ہوتے ہیں مگر روزہ اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے کسی صفت کے مناسب ہوتا ہے گویا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ روزہ دار ایسے کام کے ذریعے میرے قریب ہوتا ہے جو میری صفات میں سے کسی صفت سے متعلق ہے یا یہ فرشتوں کی صفات میں سے ہے یا یہ کہ اللہ تعالیٰ ہی روزے کے ثواب کی مقدار کا علم رکھتا ہے اور اس کی نیکیوں کو کس قدر بڑھاتا ہے صرف وہی جانتا ہے جب کہ دوسری عبادات کی مقدار ثواب کو اللہ تعالیٰ نے بعض بندوں پر ظاہر کردیا اسی لئے حدیث کے باقی حصہ میں فرمایا ''انا اجزی به'' (میں ہی اس کی جزا دیتا ہوں)۔

اور یہ بات معلوم ہے کہ کریم جب اس بات کی خبر دے کہ وہ خود ذاتی طور پر جزا دیتا ہے تو اس میں عطاء کی وسعت کا تقاضا پایا جاتا ہے اور روزہ دار کو یہ جزا اس لئے دی جاتی ہے کہ وہ اپنے معبود کے لئے اپنی خواہش' کھانے اور پینے کو چھوڑتا ہے۔

اور حدیث شریف میں جس شہوت کا ذکر ہے اس سے جماع کی شہوت مراد ہے کیونکہ اس کا عطف طعام اور شراب (مشروب) پر ہے اور یہ بھی احتمال ہے کہ خاص کے بعد عام کا ذکر ہو لیکن ابن خزیمہ نے جو روایت نقل کی ہے اس میں یوں آیا ہے:

یدع لذته من اجلی ویدع زوجته من اجلی.

وہ اپنی لذت کو میری (رضا کی) خاطر چھوڑتا ہے اور اپنی بیوی کو میرے حکم کی وجہ سے چھوڑتا ہے۔

اور اس سے بھی واضح الفاظ میں روایت یوں ہے:

من الطعام والشراب والجماع من اجلی.

میرے لئے کھانے پینے اور جماع کو چھوڑتا ہے۔

ظاہری اعضاء کی حفاظت' باطنی اعضاء کی قوت اور ان کو فاسد مواد کی طرف لے جانے والی چیز کے ساتھ ملنے سے بچانے اور ردی مواد جوان کی صحت میں رکاوٹ ہو' سے خالی رکھنے کے سلسلے میں روزہ کو عجیب تاثیر حاصل ہے اور تقویٰ پر یہ سب سے بڑا مددگار ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ. (البقرہ:۱۸۳)

تم پر روزہ رکھنا فرض کیا گیا جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیا گیا۔

اور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

الصوم جنة.

روزہ ڈھال ہے۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث:۶۱۴-۲۶۱۶' سنن نسائی ج ۴ ص ۱۶۶' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۳۹۷۳' مسند احمد ج ۲ ص ۳۰۶-۳۹۳' سنن دارمی ج ۲ ص ۲۵' السنن الکبریٰ ج ۱ ص ۴۲' الدر المنثور ج ۱ ص ۳۵۴' کنز العمال رقم الحدیث:۲۳۶۱۶)

جیم پر پیش ہے اور اس کا معنیٰ بچانا اور ڈھانپنا ہے۔ یعنی یہ جہنم سے آڑ ہے ابن عبد البر نے اس بات کو قطعی قرار دیا اور ''نہایہ میں ہے کہ'' روزہ دار موذی خواہشات سے بچ جاتا ہے۔ قاضی عیاض رحمہ اللہ نے فرمایا گناہوں سے بچ جاتا ہے۔

اور اس پر سب کا اتفاق ہے کہ یہاں روزے سے مراد اس شخص کا روزہ ہے جو اپنے روزے کو قولی اور فعلی گناہوں سے بچاتا ہے۔

اس سلسلے میں اختلاف ہے کہ روزہ افضل ہے یا نماز؟ تو کہا گیا کہ اعمال بدنیہ میں روزہ افضل ہے کیونکہ ''نسائی شریف میں'' ایک حدیث شریف حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ وہ فرماتے ہیں: کہ میں نے نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا یارسول اللہ! مجھے ایسے کام کا حکم دیں جسے میں آپ سے حاصل کروں۔ آپ نے فرمایا:

علیک بالصوم فانہ لا عدل لہ. روزہ لازمی طور پر اختیار کرو اس کے برابر کوئی عمل نہیں۔

(سنن نسائی ج ۴ ص ۱۶۵۔۱۶۶' مسند احمد ج ۵ ص ۲۴۹' الحلیہ ج ۵ ص ۱۷۵' کنز العمال رقم الحدیث: ۲۳۶۳۸۔ ۲۳۲۷۵)

اور مشہور یہ ہے کہ نماز کو فضیلت حاصل ہے۔ امام شافعی وغیرہ کا یہی مذہب ہے (احناف کا بھی یہی قول ہے' کیونکہ ارشاد نبوی ﷺ ہے: ''واعلموا ان خیر اعمالکم الصلوۃ جان لو کہ تمہارا بہترین عمل نماز ہے''۔ پھر نبی اکرم ﷺ کے روزے کے بارے میں دو طرح کی گفتگو ہے۔

پہلی قسم

نبی اکرم ﷺ کے ماہِ رمضان المبارک کے روزے

اس میں کئی فصول ہیں۔

فصل نمبر ۱

رمضان المبارک میں نبی اکرم ﷺ سے خاص عبادات اور آپ کی سخاوت کا بڑھ جانا

رمضان المبارک کی وجہ تسمیہ اور روزے کی فرضیت

لفظ ''رمضان'' رمض سے مشتق ہے اور یہ سخت گرمی کا نام ہے کیونکہ عربی لوگوں نے جب مہینوں کے نام رکھنے کا ارادہ کیا تو یہ مہینہ سخت گرمی میں آیا تو انہوں نے اس کا یہی نام رکھ دیا' جس طرح ربیع الاول اور ربیع الثانی کے مہینے بہار میں آئے تو ان کے یہ نام رکھ دیئے۔

یا یہ نام اس لئے رکھا کہ یہ گناہوں کو جلا دیتا ہے (یرمض الذنوب) اور یہ قول ضعیف ہے کیونکہ یہ نام شریعت اسلامیہ کے آنے سے پہلے ثابت تھا۔

رمضان المبارک کا مہینہ تمام مہینوں سے افضل ہے جس طرح ''الاسنوی'' نے ''قواعد کے شیخ عز الدین بن عبد السلام'' سے نقل کیا ہے۔ (کشف الظنون ج ۲ ص ۱۳۵۹)

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں لوگوں کا یہ کہنا کہ یہ اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے ہے' صحیح نہیں اگرچہ اس سلسلے میں

ضعیف روایت آئی ہے اور اللہ تعالیٰ کے اسماء مبارکہ توقیفی ہیں (وحی پر موقوف ہیں اجتہادی نہیں) صحیح دلیل کے بغیر ثابت نہیں ہوتے۔

بزرگوں کا اس بات میں اختلاف ہے کہ کیا رمضان المبارک کے روزوں سے پہلے بھی روزے فرض تھے یا نہیں؟ تو جمہور کے نزدیک اور شافعیوں کے نزدیک بھی یہی مشہور ہے کہ رمضان المبارک کے روزوں سے پہلے کوئی روزہ فرض نہیں تھا اور بعض شافعی حضرات کا ایک قول یہ ہے اور احناف کا بھی یہی قول ہے کہ سب سے پہلے عاشوراء کا روزہ فرض ہوا جب رمضان المبارک کے روزوں کا حکم نازل ہوا تو یہ منسوخ ہوگیا۔ عاشوراء کے روزے کے بیان میں دونوں فریقوں کے دلائل آئیں گے۔

رمضان المبارک کے روزے ۲ھ میں فرض ہوئے جیسا کہ پہلے بیان ہوا کہ نبی اکرم ﷺ کا وصال ہوا تو اس وقت تک آپ نو رمضانوں کے روزے رکھ چکے تھے۔

رمضان المبارک اور اعمال صالحہ

جب رمضان المبارک کا مہینہ نیکیوں کا موسم اور سخاوت و برکات کا منبع ہے کیونکہ اس میں دوسرے مہینوں کی نسبت نعمتوں میں اضافہ ہو جاتا ہے اور ہمارے سردار رسول اکرم ﷺ اس مہینے میں زیادہ عبادت کرتے اور قرب خداوندی کے لئے طرح طرح کے ایسے اعمال کرتے جو مختلف سعادتوں کے جامع ہیں یعنی صدقہ' احسان' نماز' ذکر اور اعتکاف وغیرہ اور اس مہینے کے ساتھ کچھ ایسی عبادات خاص ہیں جو دوسرے مہینوں میں نہیں ہوتیں اور نبی اکرم ﷺ کی سخاوت دوسرے مہینوں کے مقابلے میں اس ماہ میں بڑھ جاتی تھی۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا جود و کرم اس ماہ میں بڑھ جاتا ہے' تو اللہ تعالیٰ نے اس میں وہ اخلاق کریمہ رکھے ہیں جن کو وہ پسند فرماتا ہے۔

امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث نقل کی ہے وہ فرماتے ہیں: نبی اکرم ﷺ سب لوگوں سے زیادہ سخی تھے اور رمضان المبارک میں آپ کی سخاوت سب سے زیادہ ہوتی' جب حضرت جبریل علیہ السلام آپ سے ملاقات کرتے اور آپ کے ساتھ قرآن مجید کا دور کرتے تو جب حضرت جبریل علیہ السلام آپ سے ملاقات کرتے اس وقت آپ کی بھلائی کے ساتھ سخاوت تیز ہوا سے بھی زیادہ ہوتی۔

تو اس حدیث میں جو کچھ بیان کیا گیا یعنی وقت اور وہ ماہ رمضان ہے اور جو کچھ اتارا گیا وہ قرآن ہے اور اسے لانے والے حضرت جبریل علیہ السلام ہیں اور مذاکرہ' قرآن مجید کا باہم سننا سنانا ہے تو ان تمام چیزوں کے مجموعہ سے آپ کو سخاوت میں فضیلت حاصل ہوتی۔

''الریح المرسلہ'' عام اجازت دی گئی ہوا' معنی یہ ہے کہ آپ سخاوت کرنے میں ہوا سے بھی زیادہ تیز تھے اسے ''مرسلہ'' کہہ کر اس بات کی طرف اشارہ کیا گیا کہ ہمیشہ رحمت کے ساتھ چلتی ہے تو اسی طرح نبی اکرم ﷺ کی سخاوت سے نفع عام ہوتا ہے جس طرح عمومی ہوا ان سب چیزوں تک پہنچتی ہے جن پر وہ چلتی ہے۔

امام احمد رحمہ اللہ کی روایت میں اس حدیث کے آخر میں یوں آیا ہے:

لا یسأل شیئاً الا اعطاہ.
آپ سے جو کچھ مانگا جاتا آپ عطا کرتے۔

نبی اکرم ﷺ کی سخاوت کے سلسلے میں اس سے زیادہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔

رمضان میں قرآن

نزول قرآن کا آغاز رمضان المبارک میں ہوا' آسمان دنیا پر اس کا نزول یکبارگی ہوا' حضرت جبریل علیہ السلام ہر سال آپ کے ساتھ قرآن مجید کا دور کرتے اور قرآن مجید کا جتنا حصہ ایک رمضان سے دوسرے رمضان تک نازل ہوتا اس کا تکرار کرتے پس جب وہ سال آیا جس میں آپ کا وصال ہوا تو انہوں نے آپ سے دو مرتبہ قرآن مجید کا دور کیا۔

جس طرح صحیح حدیث میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے ثابت ہے۔

''فتح الباری میں ہے کہ'' حضرت جبریل علیہ السلام کے نبی اکرم ﷺ کے ساتھ ماہ رمضان میں دورۂ قرآن میں دو حکمتیں تھیں۔ ایک حکمت یہ تھی کہ قرآن مجید کی حفاظت ہو اور دوسری حکمت اس کا باقی رہنا جو منسوخ نہیں ہوا اور اس کا اٹھ جانا جو منسوخ ہو چکا ہے۔ تو ماہ رمضان اجمالی طور اور تفصیلاً نزول اور پیش کرنے اور مضبوط رکھنے کے اعتبار سے قرآن مجید کا ظرف ہے۔

''مسند میں'' حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' وہ نبی اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: حضرت ابراہیم علیہ السلام کے صحیفے ماہ رمضان کی پہلی رات میں اترے تورات اس وقت اتری جب رمضان المبارک کی چھ راتیں گزر چکی تھیں۔ انجیل' رمضان المبارک کی تیرہ راتیں گزرنے کے بعد نازل ہوئی اور قرآن مجید نازل ہوا جب رمضان المبارک کی چوبیس راتیں گزر چکی تھیں۔ [1] (مسند احمد ج ۴ ص ۱۰۷)

اس حدیث شریف میں اس بات پر دلالت ہے کہ رمضان شریف میں قرآن مجید کا پڑھنا پڑھانا اور اس کے لئے جمع ہونا نیز اپنے سے زیادہ حفظ والے کو سنانا مستحب ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث میں' ہے کہ نبی اکرم ﷺ اور حضرت جبریل علیہ السلام کے درمیان قرآن مجید کی درس و تدریس رات کو ہوتی یہ اس بات پر دلالت ہے کہ رمضان المبارک میں رات کے وقت زیادہ سے زیادہ تلاوت کرنا مستحب ہے کیونکہ رات کے وقت مشاغل ختم ہو جاتے ہیں اور توجہ ایک طرف ہوتی ہے اور اس میں غور و فکر پر دل اور زبان کا اجتماع ہوتا ہے۔

استقبال رمضان

نبی اکرم ﷺ کا طریقہ مبارکہ تھا کہ آپ اپنے صحابہ کرام کو ماہ رمضان المبارک کے آنے کی خوشخبری دیتے جس طرح حضرت امام احمد اور امام نسائی نے حضرت ابو ہریرہ سے حدیث نقل کی ہے اس کے الفاظ اس طرح ہیں وہ فرماتے ہیں۔

نبی اکرم ﷺ صحابہ کرام کو ماہ رمضان المبارک کے آنے کی خوشخبری دیتے اور فرماتے:

---

[1] قرآن مجید کا آسمان دنیا پر نزول لیلۃ القدر میں ہوا کسی نے ستائیسویں رات کہا کسی نے پچیسویں وغیرہ وغیرہ تو یہ اس قول کے مطابق ہے جب پچیسویں کو لیلۃ القدر قرار دیا جائے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ ۱۲ ہزاروی

قد جاءکم شہر رمضان' شہر مبارک' کتب علیکم صیامہ' تفتح فیہ ابواب السماء' وتغلق فیہ ابواب الجحیم' وتغل فیہ الشیاطین' فیہ لیلۃ خیر من الف شہر' من حرم خیرھا فقد حرم (الخیر الکثیر).

تمہارے پاس رمضان المبارک کا مہینہ آ گیا ہے' یہ مبارک مہینہ ہے' اس کے روزے تم پر فرض کیے گئے' اس میں آسمان کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور جہنم کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں اور شیطانوں کو بیڑیاں ڈال دی جاتی ہیں' اس میں ایک رات ہے جو ایک ہزار مہینوں سے بہتر ہے جو شخص اس کی بھلائی سے محروم رہا وہ (بہت زیادہ بھلائی سے) محروم رہا۔

بعض علماء کرام فرماتے ہیں یہ حدیث لوگوں کی ایک دوسرے کو ماہِ رمضان کی مبارک باد دینے کی اصل ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ رمضان شریف کے آنے کے لئے دعا کرتے تھے۔ جب رجب اور شعبان کا مہینہ آ جاتا تو آپ یوں دعا کرتے:

اَللّٰھُمَّ بَارِکْ لَنَا فِیْ رَجَبٍ وَ شَعْبَانَ وَبَلِّغْنَا رَمَضَانَ.

یا اللہ! ہمارے لئے رجب اور شعبان میں برکت عطا فرما اور ہمیں رمضان المبارک تک پہنچا۔

(مسند احمد ج ۱ ص ۲۵۹' الدر المنثور ج ۱ ص ۱۸۳' مجمع الزوائد ج ۲ ص ۱۶۵۔ ج ۳ ص ۱۴۰' کشف الخفاء ج ۱ ص ۲۱۳' مشکوۃ المصابیح رقم الحدیث: ۱۳۶۹' کنز العمال رقم الحدیث: ۱۸۰۴۹۔۳۸۲۸۸)

اس حدیث کو امام طبرانی وغیرہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

نبی اکرم ﷺ جب رمضان المبارک کا چاند دیکھتے تو فرماتے:

ھلال رشد وخیر ھلال رشد وخیر امنت بالذی خلقک.

ہدایت اور بھلائی کا چاند' ہدایت اور بھلائی کا چاند' میں اس ذات پر ایمان لایا جس نے تجھے پیدا کیا۔

(سنن ابوداؤد رقم الباب: ۱۱۰' المعجم الکبیر ج ۴ ص ۳۲۹' مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۱۳۹' مشکوۃ المصابیح رقم الحدیث: ۲۴۵۱' مصنف عبد الرزاق رقم الحدیث: ۷۳۳۸۔۲۰۳۳۸۔۷۳۵۱۳' کنز العمال رقم الحدیث: ۷۳۵۳۔۱۸۰۴۰۔۱۸۰۴۷)

اس حدیث کو امام نسائی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہوئے نقل کیا ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ جب رمضان المبارک کا مہینہ داخل ہوتا تو نبی اکرم ﷺ یوں دعا فرماتے:

اَللّٰھُمَّ سَلِّمْنِیْ مِنْ رَمَضَانَ' وَسَلِّمْ رَمَضَانَ لِیْ' وَسَلِّمْہُ مِنِّیْ. اَیْ سَلِّمْنِیْ مِنْہُ حَتّٰی لَا یُصِیْبَنِیْ فِیْہِ مَا یَحُوْلُ بَیْنِیْ وَبَیْنَ صَوْمِہٖ مِنْ مَّرَضٍ اَوْ غَیْرِہٖ. وَسَلِّمْہُ لِیْ حَتّٰی لَا یَغُمَّ ھِلَالُہٗ عَلَیَّ فِیْ اَوَّلِہٖ وَاٰخِرِہٖ' فَیَلْتَبِسَ عَلَیَّ الصَّوْمُ وَالْفِطْرُ' وَسَلِّمْہُ مِنِّیْ اَنْ تَعْصِمَنِیْ مِنَ الْمَعَاصِیْ فِیْہِ.

یا اللہ! مجھے رمضان شریف سے سلامتی عطا فرما اور رمضان شریف کو میرے لئے سلامت رکھ اور اسے مجھ سے سلامتی عطا کر یعنی مجھے اس سے بچا کہ مجھے کوئی ایسا عارضہ لاحق نہ ہو مثلاً بیماری وغیرہ کہ وہ میرے اور اس کے روزے کے درمیان حائل ہو جائے اور اسے مجھ سے سلامت رکھ حتیٰ کہ اس کے شروع اور آخر میں چاند مجھ سے بادلوں میں ہو

(کنزالعمال رقم الحدیث: ۲۴۲۷۷) جائے تو مجھ پر روزہ رکھنا اور چھوڑنا مشتبہ ہو جائے اور اسے مجھ سے سلامت رکھ یعنی مجھے اس ماہ میں گناہ کے ارتکاب سے بچا۔

تو نبی اکرم ﷺ کی طرف سے امت کو تعلیم دینے کے لئے یہ دعا فرمائی (ورنہ آپ گناہوں سے پاک ہیں)۔

فصل نمبر۲

نبی اکرم ﷺ کا چاند دیکھ کر روزہ رکھنا

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ جس قدر شعبان کی حفاظت فرماتے اس قدر کسی دوسرے مہینے کا خیال نہ رکھتے۔

پھر رمضان کا چاند دیکھ کر روزہ رکھتے اگر وہ آپ پر پوشیدہ رہتا تو تیس دن شمار کرتے پھر روزہ رکھتے۔

اور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

اذا رایتموہ فصوموا واذا رایتموہ فافطروا فان غم علیکم فاقدروا لہ.

جب تم چاند دیکھو تو روزہ رکھو اور جب چاند دیکھو تو روزہ رکھنا چھوڑ دو اگر تم پر چاند پوشیدہ ہو جائے تو اس کے لئے تیس دن شمار کرو۔

حدیث میں فرمایا "فان غم علیکم" یعنی تمہارے اور چاند کے درمیان بادل حائل ہو جائیں آپ نے فرمایا "فاقدروا لہ" یہ تقدیر سے ہے یعنی اس کے لئے گنتی کا اندازہ تیس دن لگاؤ اور اس کی تائید پہلی روایت سے ہوتی ہے جس میں فرمایا "فان غم علیہ عد ثلاثین" اگر بادل ہوتے تو آپ تیس دن شمار کرتے اور یہ "اقدروا لہ" کی تفسیر ہے اسی لئے یہ دونوں ایک روایت میں جمع نہیں اور اس کی تاکید "فاقدروا لہ ثلاثین" کے الفاظ ہیں۔

مازری کہتے ہیں جمہور فقہاء نے "اقدروا" کو اس بات پر محمول کیا کہ اس سے مراد تیس دن پورے کرنا ہے جس طرح دوسری حدیث میں اس کی وضاحت ہے۔

علماء کرام فرماتے ہیں: اس سے نجومیوں والا حساب مراد نہیں اس لئے کہ اگر لوگوں کو اس بات کا مکلف بنایا جائے تو ان پر تنگی ہو جائے کیونکہ اس کا علم چند لوگوں کو ہوتا ہے اور شریعت کی پہچان اس چیز سے ہوتی ہے جسے جمہور (عام لوگ) پہچانتے ہیں۔

یہ ہمارا (شافعی حضرات کا) مذہب ہے اور امام مالک' امام ابوحنیفہ اور جمہور سلف وخلف کا مذہب ہے۔ اور اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ شک والے دن کا روزہ جائز نہیں اور تیس شعبان کو رمضان کا روزہ رکھنا بھی جائز نہیں جب تیس تاریخ کی رات کو چاند نظر نہ آئے۔

حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے ایک طائفہ کے ساتھ فرمایا کہ اسے بادلوں کے نیچے خیال کرو پس وہ بادلوں والے دن رمضان کا روزہ رکھنا جائز قرار دیتے ہیں بلکہ امام احمد رحمہ اللہ اسے واجب قرار دیتے ہیں۔

ابن سریج (ابن شریح) اور ایک جماعت جس میں حضرت مطرف بن عبداللہ ابن قتیبہ اور دوسرے حضرات بھی ہیں فرماتے ہیں اس کا معنیٰ یہ ہے کہ (چاند کی) منازل کا حساب لگا لیا کرو۔

فصل نمبر ۳

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک عادل کی شہادت پر روزہ رکھنا

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ لوگوں نے چاند دیکھا تو میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی کہ میں نے چاند دیکھا ہے پس آپ نے روزہ رکھا اور لوگوں کو بھی روزہ رکھنے کا حکم دیا۔

اس حدیث کو ابوداؤد نے روایت کیا اور ابن حبان نے اس کو صحیح قرار دیا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے فرماتے ہیں: کہ ایک دیہاتی نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ میں نے رمضان المبارک کا چاند دیکھا ہے آپ نے فرمایا: کیا تم گواہی دیتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اس نے عرض کیا جی ہاں فرمایا: کیا تم گواہی دیتے ہو کہ حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اس نے عرض کیا جی ہاں فرمایا: اے بلال! لوگوں میں اعلان کر دو کہ وہ روزہ رکھیں۔

پہلے جو حدیث گزر چکی ہے اس میں ''اذا رایتموہ'' (جب تم چاند دیکھو) سے بعض مسلمانوں کا دیکھنا مراد ہے ہر آدمی کا دیکھنا شرط نہیں ہے بلکہ ہمارے مذہب میں واضح قول کے مطابق ایک عادل کا دیکھنا تمام لوگوں کے لئے کافی ہے اور یہ روزے کے بارے میں ہے اور روزہ چھوڑنے کے سلسلے میں عید کے چاند پر ایک عادل کی گواہی کافی نہیں۔ ابوثور کے علاوہ تمام علماء کا یہی مذہب ہے حضرت ابوثور ایک عادل کی گواہی کو کافی قرار دیتے ہیں۔

''الاسنوی'' فرماتے ہیں: جب ہم روزے کے سلسلے میں ایک عادل کی بات کرتے ہیں تو اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ یہ اس (روزے) کے علاوہ کی طرف متعدی نہیں ہوتا پس اس صورت میں طلاق اور (غلام کی) آزادی واقع نہ ہوگی جب یہ باتیں رمضان کے آنے سے معلق (مشروط) ہوں اور وہ قرض جس کے لئے وقت مقرر کیا گیا اس کا وقت بھی نہیں ہوگا اور نہ زکوٰۃ کے لئے سال پورا ہوگا۔

امام رافعی نے حضرت بغوی سے نقل کرتے ہوئے یہاں اس طرح مطلق بیان کیا الروضہ میں اس کو برقرار رکھا گیا اور اس کی اتباع کی گئی۔

اس کی صورت یہ ہے کہ جب تعلیق شہادت سے مقدم ہو جب شہادت واقع ہو جائے اور حاکم رمضان شریف کے داخل ہونے کا فیصلہ کر دے پھر تعلیق جاری ہو تو طلاق و عتاق واقع ہو جائیں گی۔

قاضی حسین نے اپنی ''تعلیق'' میں ابن سریج (ابن شریح) سے اسی طرح نقل کیا اور امام رافعی نے ''کتاب الشہادت'' کے دوسرے باب میں فرمایا کہ قیاس یہی ہے۔[1]

---

[1] اس کی صورت یہ ہے کہ کسی شخص نے کہا جب رمضان کا مہینہ داخل ہو تو اس کی بیوی کو طلاق ہے یا اس کا غلام آزاد ہے تو اگر ایک آدمی کی شہادت سے رمضان کا ثبوت ہے تو یہ صرف روزے کے لئے ثبوت ہوگا طلاق یا عتاق کے لئے ثبوت نہیں اور اگر پہلے گواہی ہو جائے پھر کہے کہ اگر یہ رمضان کا مہینہ ہو تو بیوی کو طلاق ہے یا غلام آزاد ہے تو طلاق و عتاق واقع ہو جائے گی۔ ۱۲ ہزاروی

فصل نمبر ۴
نبی اکرم ﷺ روزے کی حالت میں کیا کیا عمل کرتے تھے؟

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے پچھنہ لگوایا اور آپ روزہ دار تھے۔
جان لو! جمہور کے نزدیک پچھنہ لگوانے سے روزہ مطلقاً نہیں ٹوٹتا۔ حضرت علی حضرت عطاء اوزاعی احمد اسحاق اور ابوثور رحمہم اللہ سے مروی ہے کہ پچھنہ لگانے والے اور لگوانے والے دونوں کا روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔
ان حضرات نے دونوں پر قضا لازم کی ہے۔ بلکہ حضرت عطاء نے سختی سے کام لیتے ہوئے کفارہ بھی واجب قرار دیا۔
انہوں نے حضرت امام احمد اور ان کی اتباع کرنے والے شافعی حضرات جیسے ابن خزیمہ ابن منذر اور ابن حبان کا قول اختیار کیا۔
امام ترمذی نے حضرت زعفرانی (حسین بن علی بن یزید بغدادی فقیہ امام فی اللغت) سے نقل کیا کہ امام شافعی رحمہ اللہ نے یہ قول حدیث کی صحت سے معلق کیا ہے (یعنی اگر حدیث صحیح ہو) امام ترمذی نے فرمایا یہ بات امام شافعی رحمہ اللہ بغداد میں فرماتے تھے جب کہ مصر میں وہ اجازت کی طرف مائل تھے۔
امام شافعی رحمہ اللہ نے کتاب "اختلاف الحدیث" میں حضرت شداد رضی اللہ عنہ کی حدیث نقل کی ہے وہ فرماتے ہیں: ہم فتح (مکہ) کے زمانے میں نبی اکرم ﷺ کے ہمراہ تھے آپ نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ پچھنہ لگوا رہا ہے اس وقت رمضان المبارک کے اٹھارہ دن گزر چکے تھے نبی اکرم ﷺ نے میرا ہاتھ پکڑا ہوا تھا اس حالت میں آپ نے فرمایا:
(کشف الظنون ج ۱ ص ۳۲)

افطر الحاجم والمحجوم. پچھنہ لگانے اور لگوانے والے کا روزہ ٹوٹ گیا۔
اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد امام شافعی رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث ذکر کی کہ نبی اکرم ﷺ نے پچھنہ لگوایا اور آپ روزہ دار تھے امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث سند کے اعتبار سے زیادہ فضیلت والی ہے۔
پس اگر کوئی شخص پچھنہ لگوانے سے بچے تو میرے نزدیک بطور احتیاط یہ بات زیادہ پسندیدہ ہے اور قیاس حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث کی تائید میں ہے اور صحابہ کرام تابعین اور عام اہل علم سے جو کچھ محفوظ اور یاد ہے وہ یہ کہ پچھنہ لگانے سے کسی کا روزہ نہیں ٹوٹتا۔
بعض محدثین نے حدیث "افطر الحاجم والمحجوم" کی تاویل یوں کی ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ عنقریب وہ روزہ افطار کریں گے جیسے قرآن پاک میں ہے:
اِنِّیٓ اَرٰىنِیٓ اَعْصِرُ خَمْرًا. (یوسف: ۳۶) میں اپنے آپ کو شراب نچوڑتے ہوئے دیکھتا ہوں۔
تو یہ مستقبل کے اعتبار سے ہے۔ لیکن اس تاویل کا بعید از عقل ہونا مخفی نہیں (کیونکہ یہ بات تو ہر روزہ دار کے لئے ہوتی ہے کہ وہ شام کو روزہ افطار کرتا ہے)۔

امام بغوی نے "شرح السنہ میں" فرمایا "اس کا معنیٰ یہ ہے کہ وہ اپنے روزے کو ٹوٹنے کی طرف لے جاتا ہے" پچھنہ لگانے والا اس لئے کہ کچھ نہ کچھ خون اس کے پیٹ میں جانے سے حفاظت نہیں ہوتی جب وہ اسے چوستا ہے۔ اور جس کو پچھنہ لگایا گیا وہ خون نکلنے کی وجہ سے کمزوری سے بے خوف نہیں پس نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ توڑ دیتا ہے بعض نے کہا اس کا مطلب یہ ہے کہ ان لوگوں نے مکروہ کام کیا اور وہ پچھنہ لگانا ہے گویا وہ عبادت (روزے) کی حالت میں نہیں ہیں"۔

ابن حزم نے کہا کہ حدیث "افطر الحاجم والمحجوم" کسی شک وشبہ کے بغیر صحیح ہے لیکن ہم نے حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کی حدیث پائی ہے وہ فرماتے ہیں:

ارخص النبی ﷺ فی الحجامة للصائم.

نبی اکرم ﷺ نے روزہ دار کو پچھنہ لگوانے کی اجازت دی ہے۔

اس حدیث کی سند صحیح ہے پس اس کو اختیار کرنا واجب ہے کیونکہ رخصت عزیمت کے بعد ہوتی ہے پس یہ اس بات پر دلالت ہے کہ پچھنہ لگانے کی وجہ سے روزہ ٹوٹنے کا حکم منسوخ ہو گیا چاہے پچھنہ لگانے والا ہو یا لگوانے والا۔

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ والی حدیث کو امام نسائی' ابن خزیمہ اور دار قطنی نے نقل کیا اور اس کے راوی ثقہ ہیں البتہ اس کے مرفوع اور موقوف ہونے میں اختلاف ہے اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث جسے امام دارقطنی نے نقل کیا ہے وہ اس کی شاہد ہے اور اس کے الفاظ اس طرح ہیں سب سے پہلے روزہ دار کے لئے پچھنہ لگوانے کی کراہت کا سبب یہ ہوا کہ حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے پچھنہ لگوایا اور وہ روزہ دار تھے' نبی اکرم ﷺ ادھر سے گزرے تو فرمایا "ان دونوں کا روزہ ٹوٹ گیا" (پچھنہ لگانے اور لگوانے والے دونوں مراد ہیں)۔

پھر نبی اکرم ﷺ نے اس کے بعد روزہ دار کو اجازت دے دی اور حضرت انس رضی اللہ عنہ پچھنہ لگواتے جبکہ آپ روزے کی حالت میں ہوتے تھے۔ (السنن الکبریٰ ج ۴ص ۲۶۸' سنن دارقطنی ج ۲ص ۱۸۲' العلل المتناہیہ ج ۲ص ۵۱)

اس حدیث کے تمام راوی صحیح بخاری کے راوی ہیں البتہ اس حدیث کے متن میں کچھ منکر بات ہے کیونکہ اس میں ہے کہ یہ فتح کے موقع پر ہوا اور حضرت جعفر رضی اللہ عنہ اس سے پہلے شہید ہو چکے تھے۔

اس سلسلے میں سب سے اچھی روایت وہ ہے جسے امام عبدالرزاق اور امام ابوداؤد نے حضرت عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ سے اور انہوں نے نبی اکرم ﷺ کے صحابہ کرام میں سے کسی شخص سے روایت کیا' وہ فرماتے ہیں:

نھی النبی ﷺ عن الحجامة للصائم وعن المواصلة ولم یحرمهما ابقاء علی اصحابه.

نبی اکرم ﷺ نے روزہ دار کو پچھنہ لگوانے اور صوم وصال (مسلسل روزہ رکھنے) سے منع فرمایا اور ان دونوں کاموں کو حرام قرار نہیں دیا صحابہ کرام پر باقی رکھتے ہوئے (ان پر خوف کھاتے ہوئے منع فرمایا)۔ [1]

اس حدیث کی سند صحیح ہے اور صحابی کا مجہول ہونا نقصان دہ نہیں۔

ابن ابی شیبہ نے یہ حدیث حضرت وکیع سے روایت کی وہ حضرت ثوری رضی اللہ عنہ سے ان الفاظ میں روایت کرتے ہیں۔

---

[1] منع کرنے کی وجہ صحابہ کرام پر شفقت ہے کہ وہ کمزور ہو جائیں گے ورنہ ذاتی طور پر یہ باتیں منع نہیں ہیں۔ ۱۲ ہزاروی

اصحاب محمد ﷺ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں: کہ نبی کریم ﷺ نے روزہ دار کو پچھنہ لگانے سے منع فرمایا اور کمزور کے لئے مکروہ قرار دیا۔ یعنی وہ کمزور نہ ہو جائے۔

یہ "فتح الباری سے لیا گیا" خلاصہ ہے۔ واللہ اعلم

بوسہ لینا' سرمہ لگانا اور مسواک کرنا

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ روزے کی حالت میں اپنی بعض ازواج مطہرات کا بوسہ لیتے تھے پھر ام المؤمنین ہنس پڑیں۔

آپ فرماتی ہیں نبی اکرم ﷺ "وکان املککم لاربہ اپنی حاجت پر تم سب سے زیادہ غالب تھے"۔ یعنی اپنی خواہش پر غالب تھے۔

ابن اثیر کہتے ہیں (لفظ ارب کو) اکثر محدثین ہمزہ اور راء کے فتح سے پڑھتے ہیں اور اس کا معنی حاجت ہے بعض ہمزہ کے کسرہ اور راء سکون سے پڑھتے ہیں اور اس کی دو تاویلیں ہیں۔ ایک یہ کہ اس سے حاجت مراد ہے اس سلسلے میں کہا جاتا ہے:

اَلْاَرَبُ' اَلْاِرْبُ' اَلْاِرْبَۃُ' اَلْمَـأْرَبَۃُ اور دوسری تاویل یہ ہے کہ اس سے عضو مراد لیا اور خاص طور پر عضو تناسل مراد ہے۔

امام شافعی اور ان کے شاگردوں کا مذہب یہ ہے کہ بوسہ لینا اس شخص پر حرام نہیں جس کی شہوت متحرک نہیں ہوتی لیکن اسے چھوڑنا بہتر ہے لیکن جس شخص میں شہوت کی حرکت ہو اس کے حق میں حرام ہے۔ ہمارے اصحاب کے نزدیک زیادہ صحیح قول یہی ہے۔

اور حدیث شریف کے یہ الفاظ "فضحکت" (ام المؤمنین مسکرا پڑیں) تو اس سلسلے میں کہا گیا ہے کہ آپ کے مسکرانے میں یہ احتمال بھی ہے کہ آپ نے اس مسئلہ میں اختلاف کرنے والوں پر تعجب کیا ہو! یہ بھی کہا گیا ہے کہ خود اپنے آپ پر تعجب فرمایا جب اس قسم کی بات ذکر کی جو مردوں کے سامنے ذکر کرتے وقت عورتیں شرم محسوس کرتی ہیں' لیکن آپ کو تبلیغ علم کی وجہ سے اس بات کا ذکر کرنے پر مجبور ہونا پڑا۔ اور کبھی اپنی ذات کے بارے میں اس بات کی خبر دیتے ہوئے شرم محسوس ہوئی یا اس بات سے آگاہ کرنا مطلوب تھا کہ یہ واقعہ خود آپ کا اپنا ہے تاکہ اس پر اعتماد زیادہ ہو یا حضور ﷺ سے اپنے قرب اور محبت پر خوشی کے باعث ایسا کیا۔

ابن ابی شیبہ نے حضرت شریک سے اور انہوں نے حضرت ہشام سے یہ حدیث روایت کی اور اس میں یوں ہے کہ آپ مسکرائیں تو ہم نے خیال کیا کہ خود آپ ہی وہ زوجہ مطہرہ ہیں۔

امام نسائی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا' فرماتی ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ بوسہ لینے کے لئے میری طرف جھکے تو میں نے عرض کیا کہ میں روزہ دار ہوں آپ نے فرمایا میں بھی روزہ دار ہوں پھر آپ نے میرا بوسہ لیا۔

(مسند احمد ج ۶ ص ۱۳۴۔ ۱۷۶ السنن الکبریٰ ج ۴ ص ۲۳۳' مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۸۴۱۰)

امام ابوداؤد نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ ان کا بوسہ لیتے اور ان کی زبان چوستے

تھے یعنی وہ روزہ دار ہوتے' اس حدیث کی سند ضعیف ہے اور اگر صحیح ہو تو یہ اس بات پر محمول ہوگی کہ آپ اس لعاب کو نگلتے نہیں تھے جو حضرت ام المؤمنین کے لعاب سے مل جاتا تھا۔

اور نبی اکرم ﷺ اثمد سرمہ لگاتے تھے حالانکہ آپ روزے کی حالت میں ہوتے اس حدیث کو امام بیہقی نے حضرت محمد بن عبداللہ بن ابی رافع سے انہوں نے اپنے والد سے اور انہوں نے ان کے دادا سے روایت کیا۔

پھر امام بیہقی نے فرمایا کہ یہ (راوی) محمد بن عبداللہ قوی نہیں ہیں جب کہ امام حاکم نے ان کو ثقہ قرار دیا اور ''اپنی مستدرک میں'' ان کی روایت نقل کی۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ حالتِ جنابت میں صبح کرتے جو جماع کی وجہ سے ہوتی احتلام کی وجہ سے نہیں پھر نہ تو روزہ چھوڑتے اور نہ قضا کرتے۔

امام قرطبی فرماتے ہیں: اس حدیث میں دو فائدے ہیں ان میں سے ایک یہ کہ آپ رمضان شریف (کی راتوں) میں جماع فرماتے اور بیانِ جواز کے لئے غسل کو طلوعِ فجر تک مؤخر کرتے اور دوسری بات یہ کہ جنابت جماع کی وجہ سے ہوتی 'احتلام کی وجہ سے نہیں کیونکہ آپ کو احتلام نہیں ہوتا تھا اس لئے کہ احتلام شیطان کی طرف سے ہوتا ہے اور آپ اس سے معصوم تھے۔

امام قرطبی کے علاوہ (دوسروں) نے حدیث کے الفاظ ''احتلام کے بغیر'' کے بارے میں فرمایا کہ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ آپ کے لئے احتلام جائز ہے ورنہ استثناء کا کوئی معنی نہ ہوگا۔

اس کا یوں رد کیا گیا کہ یہ شیطان کی طرف سے ہے اور آپ اس سے معصوم تھے۔

اس کا جواب یوں دیا گیا کہ احتلام کا اطلاق انزال پر بھی ہوتا ہے اور بعض اوقات انزال' خواب میں کچھ دیکھے بغیر بھی ہوتا ہے اور جماع کی قید سے ام المؤمنین نے ان لوگوں کے رد کا ارادہ کیا کہ جو شخص جان بوجھ کر ایسے کرے (جنبی ہو جائے) اس کا روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔

حضرت عامر بن ربیعہ فرماتے ہیں: کہ میں نے نبی اکرم ﷺ کو بے شمار مرتبہ روزے کی حالت میں مسواک کرتے ہوئے دیکھا۔

فصل نمبر ۵

نبی اکرم ﷺ کے افطار کا وقت

حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' فرماتے ہیں: ہم ماہ رمضان میں ایک سفر میں نبی اکرم ﷺ کے ہمراہ تھے جب سورج غروب ہوا تو آپ نے فرمایا: اے بلال! ''انزل فاجدح لنا اترو اور ہمارے لئے ستو تیار کرو' عرض کیا یارسول اللہ! ابھی دن باقی ہے آپ نے فرمایا: اترو اور ستو تیار کرو' راوی فرماتے ہیں: وہ اترے اور ستو تیار کئے آپ کی خدمت میں لائے گئے تو آپ نے نوش فرمائے پھر ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: جب سورج ادھر سے غائب ہو جائے اور رات ادھر سے آ جائے تو روزہ دار کے افطار کا وقت ہو گیا۔

"الجدح" جیم اور اس کے بعد حاء ہے کسی چیز کو دوسری چیز کے ساتھ ملانے کو کہتے ہیں اور مراد ستوؤں کو پانی میں ملا کر حرکت دینا ہے حتیٰ کہ وہ برابر ہو جائیں (مل جائیں)۔

حدیث شریف کا معنی یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ اور صحابہ کرام روزے کی حالت میں تھے جب سورج غروب ہوا تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو ستو پانی میں ملانے کا حکم فرمایا تا کہ افطار کریں جب مخاطب نے روشنی اور سرخی کے آثار دیکھے جو غروب آفتاب کے بعد باقی رہتے تھے تو گمان کیا کہ اس (سرخی اور سفیدی) کے چلے جانے کے بعد افطاری کا وقت ہوتا ہے اور یہ بھی احتمال ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ان (سرخی اور سفیدی) کو نہ دیکھا ہو تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے آپ کو یاد دلانے اور خبر دینے کا ارادہ کیا ہو اور اس کی تائید ان کے اس قول سے ہوتی ہے کہ "ابھی دن ہے" کیونکہ ان کو اس بات کا وہم ہوا کہ یہ دن کی روشنی ہے جس میں روزہ واجب ہوتا ہے اور دوسری روایت میں "لو امسیت" کے الفاظ کا یہی مطلب ہے (یعنی اگر شام تک ٹھہرتے تو روزہ پورا ہو جاتا) اور بار بار یہ الفاظ دہرانا اس اعتقاد کے غلبہ کی وجہ سے تھا کہ ابھی دن ہے جس میں کھانا حرام ہے اس کے ساتھ ساتھ ان کے نزدیک یہ احتمال بھی ہو سکتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے اس روشنی کی طرف اچھی طرح نہیں دیکھا تو روشنی کے باقی رہنے کی اچھی طرح خبر دینے کا ارادہ کیا۔ واللہ اعلم۔ یہ بات امام نووی رحمہ اللہ نے فرمائی ہے۔

فصل نمبر ۶

نبی اکرم ﷺ کس چیز کے ساتھ افطار فرماتے تھے؟

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نماز سے پہلے چند تازہ کھجوروں کے ساتھ افطار کرتے تھے اگر تازہ کھجوریں نہ ملتیں تو چھوہاروں سے افطار فرماتے (اور اگر چھوہارے بھی نہ ملتے تو پانی کے چند گھونٹ نوش فرما لیتے)۔ (سنن ترمذی، سنن نسائی)

نبی اکرم ﷺ نے افطار کے لئے یہ چیز اختیار کی کیوں کہ طبیعت کو میٹھی چیز دی جائے جب کہ معدہ خالی ہو تو وہ زیادہ قبول کرتا ہے اور اس سے اعضاء مضبوط ہوتے ہیں خصوصاً دیکھنے کی قوت بڑھ جاتی ہے۔

اور پانی نوش فرمانے کی وجہ یہ ہے کہ روزے کی وجہ سے جگر خشک ہو جاتا ہے پس جب پانی سے تر کیا جائے تو اس کے بعد والی غذا سے کامل نفع حاصل ہوتا ہے اسی لئے پیاسے بھوکے شخص کے لئے بہتر ہے کہ وہ پہلے تھوڑا سا پانی پیئے پھر اس کے بعد کھانا کھائے۔ یہ بات ابن قیم نے کہی ہے۔

فصل نمبر ۷

نبی اکرم ﷺ افطاری کے وقت کونسے کلمات کہتے تھے؟

حضرت معاذ بن زہرہ سے مروی ہے ان تک یہ بات پہنچی ہے کہ نبی اکرم ﷺ روزہ افطار کرتے وقت یہ کلمات

کہتے تھے:

اَللّٰھُمَّ لَکَ صُمْتُ وَعَلٰی رِزْقِکَ اَفْطَرْتُ۔ یا اللہ! تیرے ہی لئے میں نے روزہ رکھا اور تیرے رزق پر میں نے افطار کیا۔

یہ حدیث مرسل ہے اور ان (معاذ رحمہ اللہ) کو امام بخاری رحمہ اللہ نے تابعین میں شمار کیا لیکن (معاذ بن زہرہ کی بجائے) معاذ ابوزہرہ کہا ہے۔

ابن ابی حاتم اور ابن حبان نے ثقات کے ذکر میں امام بخاری کی اتباع کرتے ہوئے ان کو تابعین میں شمار کیا ہے۔
یحییٰ بن یونس شیرازی نے ان کو صحابہ کرام میں شمار کیا اور جعفر مستغفری نے ان کی بات کو غلط قرار دیا۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ بھی احتمال ہے کہ یہ حدیث موصول ہو اگرچہ حضرت معاذ تابعی ہوں کیونکہ ہو سکتا ہے ان تک اس حدیث کو پہنچانے والے کوئی صحابہ ہوں۔ وہ فرماتے ہیں اسی اعتبار سے امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے اس حدیث کو سنن میں ذکر کیا اور دوسرے اعتبار سے مراسیل میں ذکر کیا (جس حدیث میں صحابی کا ذکر نہ ہو تابعی براہ راست نبی اکرم ﷺ سے روایت کرے وہ مرسل ہے اس کی جمع مراسیل ہے)۔

ابن سنی نے اور طبرانی نے "المعجم الکبیر" میں نہایت کمزور سند کے ساتھ روایت کیا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ جب افطاری فرماتے تو یوں کہتے:

اَللّٰھُمَّ لَکَ صُمْتُ وَعَلٰی رِزْقِکَ اَفْطَرْتُ فَتَقَبَّلْ مِنِّیْ اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ۔ یا اللہ! تیرے ہی لیے میں نے روزہ رکھا اور تیرے رزق پر میں نے افطار کیا پس تو مجھ سے قبول فرما بے شک تو سننے والا جاننے والا ہے۔

اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ جب افطاری فرماتے تو یوں کہتے:

ذَھَبَ الظَّمَاُ وَابْتَلَّتِ الْعُرُوْقُ وَثَبَتَ الْاَجْرُ اِنْ شَآءَ اللّٰہُ۔ پیاس چلی گئی اور رگیں تر ہو گئیں اور اجر ثابت ہو گیا ان شاء اللہ۔

اس حدیث کو امام ابوداؤد نے نقل کیا اور امام رزین نے اس کے شروع میں "الحمد للہ" کا اضافہ کیا ہے۔

ابن السنی کی کتاب میں حضرت معاذ بن زہرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ افطاری کے وقت یہ کلمات کہتے تھے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْٓ اَعَانَنِیْ فَصُمْتُ وَرَزَقَنِیْ فَاَفْطَرْتُ۔ اللہ تعالیٰ کے لئے تعریف (اور شکر) ہے جس نے میری مدد کی پس میں نے روزہ رکھا اور رزق عطا کیا پس میں نے افطار کیا۔

فصل نمبر ۸

نبی اکرم ﷺ کے صوم وصال

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے وصال سے منع فرمایا' صحابہ کرام نے عرض کیا آپ تو (روزے میں) وصال فرماتے ہیں (یعنی افطار نہیں کرتے اور رات کو بھی دن کے ساتھ ملاتے ہیں) آپ نے فرمایا: میں (میری حالت) تمہاری حالت کی طرح نہیں مجھے کھلایا اور پلایا جاتا ہے۔

''صحیح بخاری میں ہے کہ''نبی اکرم ﷺ نے صوم وصال رکھے تو صحابہ کرام نے صوم وصال رکھنا شروع کئے لیکن ان کو اس سے تکلیف ہوئی تو نبی اکرم ﷺ نے ان کو صوم وصال سے منع فرمادیا انہوں نے عرض کیا آپ بھی تو صوم وصال رکھتے ہیں آپ نے فرمایا: میں تمہاری طرح نہیں ہوں مجھے ہمیشہ کھلایا پلایا جاتا ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ماہ رمضان المبارک کے آخر میں رات کو دن کے روزے سے ملایا تو کچھ مسلمانوں نے بھی اسی طرح وصل کے ساتھ روزہ رکھا آپ کو یہ بات پہنچی تو فرمایا: اگر ہمارے لئے مہینہ لمبا کیا جائے تو ہم وصال کے روزے رکھیں گے' حد سے بڑھنے والے اس تجاوز کو چھوڑ دیں تم میری مثل نہیں ہو یا فرمایا میں تمہاری مثل نہیں ہوں میرا رب مجھے ہمیشہ کھلاتا اور پلاتا ہے۔[1]

ایک روایت میں ہے (کہ آپ نے فرمایا:) روزے میں وصل نہ کرو' صحابہ کرام نے عرض' کیا آپ تو وصل کرتے ہیں آپ نے فرمایا میں تم میں سے کسی ایک کی طرح نہیں ہوں بے شک مجھے کھلایا اور پلایا جاتا ہے۔

(آپ نے فرمایا''یدع المتعمقون تعمقھم''تو) متعمقون سے مراد وہ لوگ ہیں جو کسی معاملے میں تشدد ہوں اور قول یا فعل میں حد سے بڑھ جائیں۔

حضرت سعید بن منصور اور ابن ابی شیبہ حضرت حسن (رحمہم اللہ) کی مرسل حدیث سے روایت کرتے ہیں کہ (نبی اکرم ﷺ نے فرمایا): میں یوں رات گزارتا ہوں کہ میرا رب مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے' فرماتی ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ نے صحابہ کرام پر رحمت کے تحت ان کو صوم وصال سے منع فرمایا انہوں نے عرض کیا آپ تو وصل کرتے ہیں تو آپ نے فرمایا: میں تمہاری حالت کی طرح نہیں ہوں بے شک میرا رب مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے۔ اس حدیث کو امام بخاری اور امام مسلم نے روایت کیا' البتہ امام بخاری نے لفظ ''نھی'' فرمایا ''نھاھم'' نہیں فرمایا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' فرماتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے روزے میں وصل سے منع فرمایا تو صحابہ کرام نے (اس عمل کو چھوڑنے سے) انکار کیا جب انہوں نے باز رہنے سے انکار کیا تو آپ نے ان کے ساتھ ایک دن صوم وصال رکھا پھر ایک اور دن اسی طرح کیا پھر (شوال کا) چاند دیکھا آپ نے فرمایا اگر یہ چاند ٹھہر جاتا تو میں

[1] الحمد للہ! مسلمانوں کا عقیدہ ہے' آپ سرکار دو عالم ﷺ بے مثل بشر ہیں' ہماری طرح نہیں۔ یہ عقیدہ کہ حضور ﷺ ہمارے جیسے بشر ہیں کسی مسلمان کا عقیدہ نہیں ہو سکتا۔ ۱۲ ہزاروی

تمہارے لئے اس (صوم وصال) میں اضافہ کرتا گویا آپ نے ان کو تنبیہ کی (اور جھڑ کتے ہوئے فرمایا) جب انہوں نے باز رہنے سے انکار کیا۔[1]

"یطعمنی ربی ویسقینی" کا معنیٰ

وصال کا معنیٰ یہ ہے کہ دو دن یا اس سے زیادہ (دن) یوں روزہ رکھنا کہ درمیان میں نہ کھائے نہ پیئے۔

شیخ الاسلام حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ کے قول "یطعمنی ربی و یسقینی" (میرا رب مجھ کھلاتا اور مجھے پلاتا ہے) کے معنیٰ میں اختلاف ہے۔

ایک قول یہ ہے کہ یہ اپنے حقیقی معنیٰ پر محمول ہے اور نبی اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بطور عزت و کرامت روزوں کی راتوں میں کھانا دیا جاتا تھا۔ اس پر یہ اعتراض ہوا کہ اگر ایسا ہوتا تو صوم وصال نہ ہوتا۔

نیز آپ کا قول "اظل" (مجھے مسلسل کھلایا پلایا جاتا ہے) اس بات پر دلالت ہے کہ دن کو بھی ایسا ہوتا تھا اگر حقیقتاً کھانا پینا ہوتا تو آپ روزہ دار نہ ہوتے۔

اس کا جواب یوں دیا گیا ہے کہ راجح روایات میں لفظ "ابیت" (میں رات گزارتا ہوں) ہیں "اظل" کا لفظ نہیں اور اس لفظ کو ثابت مانا جائے تو یہ مطلق "ہونے" کے معنیٰ میں ہوگا۔

حقیقت لفظ (تسلسل) مراد نہیں ہوگی کیونکہ آپ کا عمل تو رات کے وقت (کھانے پینے سے) رکنا تھا دن کے وقت نہیں۔

اور اکثر روایات میں "ابیت" ہے تو بعض راویوں نے اس لفظ کو مطلق "ہونے" کے معنیٰ میں اشتراک کی وجہ سے "اظل" سے تعبیر کیا۔ اہل عرب اکثر کہتے ہیں "اضحی فلان کذا" (فلاں ایسا ہوگیا) اور وہ (چاشت کے) وقت کے ساتھ تخصیص کو نہیں دیکھتے۔ اسی سے اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے:

وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰى ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا. (النحل: ۵۸)

اور جب ان میں سے کسی ایک کو بیٹی کی خبر دی جاتی ہے تو اس کا چہرہ سیاہ ہو جاتا ہے۔

تو اس سے مطلق وقت مراد ہے دن یا رات کے ساتھ خاص نہیں ہے۔

اور کھانے پینے کو مجازی معنیٰ پر محمول کرنا لفظ "اظل" کو مجازی معنیٰ پر محمول کرنے سے زیادہ بہتر نہیں ہے۔ اور اگر برسبیل تنزل مان بھی لیا جائے تو بھی اس سے کوئی نقصان نہیں ہوتا کیونکہ نبی اکرم ﷺ کو اعزاز کے طور پر جو جنت کا کھانا اور مشروب دیا جاتا ہے اس پر مکلفین کے احکام جاری نہیں ہوتے۔ جس طرح آپ کا قلب مبارک سونے کے تھال میں دھویا گیا حالانکہ سونے کے دنیوی برتنوں کا استعمال حرام ہے۔

ابن منیر نے کہا کہ جس چیز سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے وہ عام کھانا ہے لیکن عام عادت کے خلاف کھانا ہے جیسے جنت سے آیا ہوا کھانا تو وہ اس معنیٰ کے خلاف ہے اور اس کو لینا اعمال کی جنس سے نہیں وہ ثواب کی جنس سے ہے۔ جس طرح جنت

---

[1] صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا مقصد نبی اکرم ﷺ کے حکم کی خلاف ورزی نہ تھا اور نہ ہی انہوں نے اسے نہی حقیقی سمجھا بلکہ ان کا خیال تھا کہ آپ ہمیں مشقت سے بچانا چاہتے ہیں اور ہمیں اس عمل سے کوئی تکلیف نہیں ہوتی۔ ۱۲ ہزاروی (زرقانی ج ۸ ص ۱۰۹)

میں جنتیوں کا کھانا اور کرامت (اعزاز) عادت کو باطل نہیں کرتی۔

دوسرے حضرات نے فرمایا کہ کھانے اور مشروب کو حقیقی معنیٰ پر محمول کرنے میں کوئی رکاوٹ نہیں اور رات اور دن میں اس کا کھانا وصال کو ختم نہیں کرتا کیونکہ آپ کے ساتھ خاص ہے گویا جب آپ سے عرض کیا گیا کہ آپ بھی وصل فرماتے ہیں تو آپ نے فرمایا: میری حالت تمہاری حالت جیسی نہیں یعنی تمہاری صفت پر نہیں کیونکہ تم میں سے جو کھاتا یا پیتا ہے اس کا وصال ختم ہو جاتا ہے بلکہ مجھے میرا رب کھلاتا اور پلاتا ہے اور اس (کھانے پینے) سے میرا صوم وصال منقطع نہیں ہوتا پس میرا کھانا اور پینا صورتاً اور معناً تمہارے کھانے اور پینے کا غیر ہے۔

جمہور فرماتے ہیں: اس سے (کھانا پینا مراد نہیں بلکہ) کھانے پینے کا لازم مراد ہے اور وہ قوت ہے گویا آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ مجھے کھانے اور پینے والے جیسی قوت عطا کرتا ہے اور وہ مجھ پر ایسا فیضان فرماتا ہے جو کھانے اور پینے کے قائم مقام ہوتا ہے اور طاقت میں کسی کمزوری کے بغیر مجھے مختلف عبادات پر قوت دیتا ہے۔

یا معنیٰ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ میں ایسا سیر ہونا اور سیرابی پیدا فرمائی جس کی وجہ سے آپ کو کھانے پینے کی ضرورت باقی نہ رہی اور آپ نے بھوک اور پیاس محسوس نہ کی۔

پہلی تاویل اور اس میں فرق یہ ہے کہ آپ کو سیر ہونے اور سیرابی کے بغیر قوت عطا کی بلکہ بھوک اور پیاس کے باوجود قوت حاصل ہوئی۔ اور دوسری تاویل کے مطابق سیر ہونے اور سیرابی کے ساتھ قوت دی گئی۔

پہلے قول کو ترجیح دی گئی کیونکہ دوسری تاویل روزے دار کی حالت کے منافی ہے اور اس سے روزے اور وصال کا مفہوم فوت ہو جاتا ہے کیونکہ بھوک اس عبادت کی خصوصی روح ہے۔

قرطبی فرماتے ہیں: یہ بات نبی اکرم ﷺ کی حالت کو دیکھتے ہوئے بعید نظر آتی ہے کیونکہ آپ سیر ہونے کے مقابلے میں اکثر بھوک کی حالت میں رہتے اور اپنے بطن مبارک پر پتھر باندھتے تھے۔

اور یہ بھی احتمال ہے جس طرح ابن قیم نے ''الہدیٰ میں'' اور ابن رجب نے ''اللطائف میں'' ذکر کیا کہ اس سے مراد وہ غذا ہے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے معارف (معرفت) کی صورت میں عطا کی' آپ کے قلب مبارک پر اپنی ہمکلامی کا فیضان فرمایا' اپنے قرب سے آپ کی آنکھوں کو ٹھنڈک عطا کی' اپنی محبت وشوق کی نعمت سے نوازا اور اس کے تابع وہ احوال ہیں جو دلوں کی غذا' ارواح کی نعمتیں' آنکھوں کی ٹھنڈک اور نفوس کی تازگی ہے روح کو ان چیزوں سے بہت بڑی اور زیادہ نفع بخش غذا حاصل ہوتی ہے اور بعض اوقات عرصہ دراز تک یہ غذا' جسمانی غذاؤں سے بے نیاز کر دیتی ہے جیسا کہ کہا گیا ہے:

لها احاديث من ذكراك تشغلها عن الشراب وتلهيها عن الزاد

اذا اشتكت من كلال السير اوعدها روح القدوم فتحيا عند ميعاد

''وہ اونٹنیاں تیرے ذکر سے متعلق باتوں کی وجہ سے پانی سے غافل ہو جاتی ہیں اور یہ زاد (کھانے) سے بے خبر ہو جاتی ہیں۔

جب وہ چلنے کی مشقت کی شکایت کرتی ہیں تو وہ مشقت ان کو آنے کی روح کا وعدہ دیتی ہیں تو وہ اس مقررہ وقت پر (موت کے بعد) زندہ ہو جاتی ہیں''۔

اور جس شخص کو تھوڑا سا تجربہ اور شوق ہو وہ جانتا ہے کہ جسم کو دل اور روح کی غذا حاصل ہو تو وہ بہت سی حیوانی غذا سے

بے نیاز ہو جاتا ہے خصوصاً مقصد میں کامیابی حاصل کرنے کی وجہ سے خوش ہونے والے کو اپنے محبوب کی وجہ سے آنکھوں کی ٹھنڈک حاصل ہوتی ہے اور وہ اس کے قرب و رضا کی وجہ سے لطف اندوز ہوتا ہے اور محبوب کی مہربانیوں سے اسے انتہائی درجے کا اعزاز حاصل ہوتا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ مکمل محبت حاصل ہوتی ہے۔

تو کیا اس محبّ کے لئے یہ بہت بڑی غذا نہیں ہے؟ تو اس محبوب کی کیا کیفیت ہوگی جس کے لئے اس سے بڑی' زیادہ یا جمال و کمال اور احسان میں بڑی کوئی چیز نہیں تو کیا یہ محبّ اپنے محبوب کے پاس ہو تو وہ رات اور دن میں اسے نہیں کھلائے پلائے گا؟ اسی لئے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

انی اظل عند ربی یطعمنی ویسقینی. میں اپنے رب کے پاس ہوتا ہوں وہ مجھے کھلاتا پلاتا ہے۔

امام نووی رحمہ اللہ نے ''شرح مہذب میں'' نقل کیا جس طرح ''شرح تقریب الاسانید میں'' فرمایا کہ اس کا معنیٰ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی محبت مجھے کھانے پینے سے بے خبر رکھتی ہے اور کامل محبت ان دونوں سے بے خبر رکھا کرتی ہے۔

سوال: اللہ تعالیٰ کے ذاتی نام ''اللہ'' کی بجائے ''رب'' کو کیوں ترجیح دی یعنی ''یطعمنی ربی'' فرمایا ''یطعمنی اللہ'' نہیں فرمایا؟

جواب: بندوں پر اسم الوہیت ''اللہ'' کی نسبت اسم ربوبیت کے ساتھ تجلی زیادہ قریب ہوتی ہے کیونکہ یہ عظمت کی تجلی ہے جس کی بندوں کو طاقت حاصل نہیں اور ربوبیت کی تجلی رحمت و شفقت کی تجلی ہے۔

صوم وصال کا حکم

ہمارے لئے صوم وصال کے بارے میں لوگوں کا اختلاف ہے کہ آیا یہ جائز ہے یا نہیں یا حرام ہے یا مکروہ؟

ایک گروہ نے کہا کہ یہ جائز ہے اگر اس پر قادر ہو۔ یہ بات حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اور دیگر اسلاف سے مروی ہے اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کئی دن وصال کے روزے رکھتے تھے۔

ابن ابی شیبہ نے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا کہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ پندرہ دن وصال کے روزے رکھتے تھے اور ان کے ساتھ صحابہ کرام میں سے حضرت ابوسعید کی بہن اور تابعین میں سے حضرت عبدالرحمٰن بن ابی نعم' عامر بن عبداللہ بن زبیر' ابراہیم بن یزید التیمی اور ابوالجوزا کا ذکر کیا جس طرح ابونعیم نے ''الحلیۃ میں'' نقل کیا۔ (حلیۃ الاولیاء ج ۳ ص ۷۹)

ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے منع کرنے کے بعد صحابہ کرام کے ساتھ صوم وصال رکھے۔ اگر یہ نہی حرام قرار دینے کے لئے ہوتی تو آپ ان کو اپنے فعل پر برقرار نہ رکھتے پس معلوم ہوا کہ روکنے سے آپ کا مقصد ان پر رحمت فرمانا اور تخفیف تھی جس طرح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنی حدیث میں واضح طور پر فرمایا پس جس پر یہ عمل گراں نہ ہو اور نہ ہی اس نے افطار میں تاخیر کے سلسلے میں اہل کتاب کی موافقت کا قصد کیا اور نہ جلدی افطار کے سلسلے میں سنت سے اعراض کیا تو اسے صوم وصال سے منع نہیں فرمایا۔

جواز کے دلائل میں سے یہ بھی ہے کہ صحابہ کرام نے نہی کے بعد یہ عمل کیا پس یہ اس بات پر دلالت ہے کہ انہوں نے اسے نہی تنزیہی سمجھا' نہی تحریمی نہیں ورنہ وہ یہ اقدام نہ کرتے۔

اکثر حضرات نے فرمایا کہ وصال جائز نہیں۔ حضرت امام مالک اور حضرت امام ابوحنیفہ رحمہما اللہ نے یہی فرمایا جبکہ امام شافعی اور آپ کے اصحاب (رحمہم اللہ) نے اسے مکروہ قرار دیا اور وہ اس کی کراہت کی دو وجہ بتاتے ہیں ان میں سے زیادہ صحیح یہ ہے کہ کراہت تحریمی ہے اور دوسرے قول کے مطابق کراہت تنزیہی ہے۔

ابن وہب امام احمد بن حنبل اور اسحاق رحمہم اللہ نے سحری تک وصال کو جائز قرار دیا کیونکہ ''صحیح بخاری میں'' حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے وہ نبی اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا:

لا تواصلوا فايكم اراد ان يواصل فليواصل الى السحر. — روزے میں وصل نہ کرو اور اگر وصال کا روزہ رکھنا ہو تو سحری تک رکھو۔

اس وصال پر وہ حکم مرتب نہیں ہوتا جو اس کے غیر پر مرتب ہوتا ہے کیونکہ یہ رات کے کھانے کی طرح ہے مگر اس میں تاخیر ہوتی کیونکہ روزہ دن میں ہوتا تھا اور رات میں کھانا' پس جب سحری کے وقت کھایا تو رات کے پہلے حصے سے آخری طرف منتقل کیا اور یہ قیام لیل کے لئے جسم کو زیادہ ہلکا پھلکا رکھتا ہے اور یہ بات مخفی نہیں کہ اس کا محل اسی وقت ہے جب تک روزے دار پر باعث مشقت نہ ہو ورنہ عبادت نہیں بنے گی۔

حدیث شریف میں اس بات کی وضاحت ہے کہ روزے میں وصال' نبی اکرم ﷺ کے خصائص سے ہے پس آپ نے فرمایا:

اني لست كهيتكم. — میں تمہاری حالت کی طرح نہیں ہوں۔

''صحیح بخاری و مسلم میں'' حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے' آپ فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

جب رات ادھر (مشرق) سے آجائے اور دن ادھر (مغرب) سے چلا جائے اور سورج غروب ہو جائے تو روزہ دار نے روزہ افطار کرلیا۔

علماء کرام فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ نے افطاری کا وقت داخل ہونے پر اسے حکماً افطار کرنے والا قرار دیا اگرچہ وہ افطار نہ کرے اور یہ بات شرعی طور پر وصال کو منع کرتی ہے۔

جمہور نے حرام ہونے پر نبی اکرم ﷺ کے اس ارشاد گرامی میں نہی کے عموم سے استدلال کیا ہے' آپ نے فرمایا:

لاتواصلوا. — صوم وصال نہ رکھو۔

اور ''رحمة'' کے الفاظ جو آپ نے فرمائے ہیں ان کا جواب یوں دیا کہ یہ ممنوع کام کے حرام ہونے کے منافی نہیں ہے اور آپ کی شفقت کی وجہ سے ان پر حرام قرار دینا اس لئے تھا کہ وہ اس عمل کا تکلف نہ کریں جو ان پر گراں گزرتا ہے اور ان کے ساتھ دو دن کے وصال میں مصلحت یہ تھی کہ ان کو جھڑکنے کے سلسلے میں تاکید ہو اور نہی کی حکمت نیز وصال پر مرتب ہونے والے فساد کو بیان کیا جائے اور یہ عبادت میں تھکاوٹ کا پیدا ہونا اور بعض وظائف دین میں کمی کا واقع ہونا ہے مثلاً نماز کا خشوع اور اذکار کے ساتھ مکمل نہ ہونا اور وہ تمام وظائف جو دن اور رات میں مشروع (جائز) ہیں۔

انہوں نے نبی اکرم ﷺ کے اس ارشاد گرامی کے ذریعے بھی جواب دیا جس میں آپ نے فرمایا کہ ''جب رات ادھر سے آجائے اور دن ادھر سے چلا جائے تو روزہ دار نے روزہ افطار کرلیا'' کیونکہ آپ نے رات کو صرف افطار کا وقت

قرار دیا تو اس میں روزہ رکھنا' روزے کی وضع کے خلاف ہے۔

امام طبرانی نے ''الاوسط میں'' حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی حدیث سے روایت کیا کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے صوم وصال کو قبول کیا اور آپ کے بعد کسی کے لئے جائز نہیں۔ لیکن اس حدیث کی سند صحیح نہیں لہٰذا یہ قابلِ استدلال نہیں۔

فصل نمبر ۹

نبی اکرم ﷺ کا سحری کھانا

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ نبی اکرم ﷺ کے ایک صحابی سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں میں نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ سحری کھا رہے تھے تو آپ نے فرمایا:

انها بركة اعطاكم الله اياه فلا تدعوه. یہ برکت ہے جو اللہ تعالیٰ نے تمہیں عطا کی ہے پس اسے نہ چھوڑو۔

حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ سے مروی ہے' فرماتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے رمضان شریف میں مجھے سحری کھانے کی دعوت دیتے ہوئے فرمایا: مبارک ناشتہ کی طرف آؤ۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ نے سحری کے وقت فرمایا: ''اے انس میں روزہ رکھنے کا ارادہ کرتا ہوں پس مجھے کھلایئے میں آپ کی خدمت میں ایک کھجور اور ایک برتن لایا جس میں پانی تھا اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ اذان دے چکے تھے [1] آپ نے فرمایا: اے انس! کسی شخص کو دیکھ جو میرے ساتھ کھائے میں نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو بلایا وہ حاضر ہوئے تو انہوں نے عرض کیا میں ستو پینے کا ارادہ کرتا ہوں کیونکہ میرا ارادہ ہے کہ روزہ رکھوں تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا میں بھی روزہ رکھنے کا ارادہ رکھتا ہوں پس انہوں نے آپ کے ساتھ سحری کھائی پھر آپ کھڑے ہوئے' دو رکعتیں پڑھیں اور پھر نماز کے لئے (مسجد میں) تشریف لے گئے۔

حضرت زر بن حبیش رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' فرماتے ہیں: میں نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ آپ نے نبی اکرم ﷺ کے ساتھ سحری کس وقت کھائی؟ تو انہوں نے فرمایا وہ دن تھا مگر ابھی سورج طلوع نہیں ہوا تھا۔ (نوٹ: اس کا مطلب یہ ہے کہ دن قریب تھا اس لئے اسے مجازاً دن کہا)۔

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' فرماتے ہیں: ہم نے نبی اکرم ﷺ کے ساتھ سحری کھائی پھر ہم نماز کی طرف اٹھ کھڑے ہوئے' حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں دونوں کے درمیان کتنا وقفہ تھا؟ فرمایا پچاس آیات (پڑھنے کے برابر)۔

اس سے درمیانے انداز کی آیات مراد ہیں جو نہ تو لمبی ہوں اور نہ چھوٹی' نہ جلدی پڑھی جائیں اور نہ بالکل آہستہ۔

ابن ابی جمرہ کہتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ اس کام کو دیکھتے جو امت کے لئے زیادہ آسان ہو پھر اسے کرتے کیونکہ اگر

[1] حضرت بلال رضی اللہ عنہ سحری کو اذان دیتے تھے اس کا یہ مطلب نہیں کہ فجر کی اذان ہو چکی تھی۔ ۱۲ ہزاروی

آپ سحری نہ کھاتے تو لوگ آپ کی اتباع کرتے اور اس طرح یہ بات ان کے لئے باعثِ مشقت ہوتی اور اگر رات کے درمیان سحری کھاتے تو بھی ان میں سے بعض پر گراں گزرتی جن پر نیند کا غلبہ ہوتا ہے کیونکہ بعض اوقات نیند صبح کو چھوڑنے کا ذریعہ بنتی ہے یا شب بیداری کے ساتھ مجاہدہ کی حاجت ہوتی ہے۔

امام قرطبی فرماتے ہیں اس میں اس بات پر دلالت پائی جاتی ہے کہ سحری سے فراغت طلوع فجر سے پہلے ہونی چاہیے اور یہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کے اس قول کے خلاف ہے۔ جس میں انہوں نے فرمایا کہ وہ دن کا وقت ہوتا مگر ابھی سورج طلوع نہ ہوتا (یہ بات اس قول کے خلاف نہیں کیونکہ اس سے بھی دن مراد نہیں بلکہ فجر کے قریب کا وقت مراد ہے۔ ۱۲ ہزاروی)۔

"فتح الباری میں" اس کا جواب یوں دیا گیا کہ دونوں میں کوئی معارضہ نہیں بلکہ اختلاف حال پر محمول کیا جائے گا۔ کسی ایک روایت میں بھی ایسی بات نہیں جو اس عمل کو ہمیشہ کرنے کی خبر دیتی ہو۔

فصل نمبر ۱۰

نبی اکرم ﷺ کا سفر میں روزہ رکھنا اور چھوڑ دینا

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ فتح مکہ کے سال ماہ رمضان میں تشریف لے گئے تو آپ نے روزہ رکھا حتی کہ جب "کراع الغمیم" مقام پر پہنچے اور صحابہ کرام کا بھی روزہ تھا پھر آپ نے پانی کا ایک پیالہ طلب فرمایا اور اسے اٹھایا حتی کہ صحابہ کرام نے اسے دیکھا پھر اسے نوش فرمایا اس کے بعد آپ سے پوچھا گیا کہ کچھ لوگوں نے روزہ رکھا ہوا ہے؟ آپ نے فرمایا: انہوں نے نافرمانی کی ہے' ایک روایت میں یہ اضافہ ہے کہ آپ سے عرض کیا گیا کہ لوگوں پر روزہ مشکل ہو گیا اور وہ آپ کے عمل کے منتظر ہیں تو آپ نے عرصہ کے بعد پانی کا ایک پیالہ طلب فرمایا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے' فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ نے رمضان المبارک میں سفر فرمایا تو روزہ رکھا حتی کہ مقام عسفان میں پہنچے پھر پانی کا ایک برتن منگوایا اور پانی نوش فرمایا تاکہ لوگ آپ کو دیکھیں اور آپ نے افطار کر لیا حتی کہ مکہ مکرمہ تشریف لائے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے تھے کہ نبی اکرم ﷺ نے سفر میں روزہ رکھا اور چھوڑا بھی' پس جو چاہے روزہ رکھے اور جو چاہے نہ رکھے۔

"صحیح مسلم میں ہے کہ" حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نہ اس شخص کو برا کہتے جو روزہ رکھتا اور نہ اسے جو نہ رکھتا۔ نبی اکرم ﷺ سفر میں روزہ رکھتے بھی تھے اور (کبھی) چھوڑ بھی دیتے۔ (مسند احمد ج ۱ ص ۲۳۲' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۸۹)

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں رمضان المبارک میں حالتِ سفر میں روزہ رکھنے کے بارے میں علماء کرام کا اختلاف ہے۔ بعض اہل ظاہر کہتے ہیں کہ رمضان المبارک میں حالت سفر میں روزہ رکھنا صحیح نہیں اگر روزہ رکھے گا تو منعقد نہیں ہوگا اور اس کی قضاء لازم ہوگی کیونکہ آیتِ کریمہ کا ظاہر یہی بتاتا ہے۔[1]

[1] ارشاد خداوندی ہے فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيضًا أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ (البقرہ: ۱۸۴) تم میں سے جو بیمار ہو یا سفر پر ہو وہ دوسرے دنوں سے شمار کرے۔

نیز حدیث شریف میں ہے:

لیس من البر الصیام فی السفر. سفر میں روزہ رکھنا کوئی نیکی نہیں۔

(سنن ابوداؤد رقم الباب: ۴۳' سنن نسائی ج ۴ ص ۱۷۶۔۱۷۷' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۶۶۴۔۱۶۶۵' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۷۱۰' مسند احمد ج ۳ ص ۳۱۹۔ ج ۵ ص ۴۳۴' السنن الکبریٰ ج ۴ ص ۲۴۲' سنن دارمی ج ۲ ص ۹' المستدرک ج ۱ ص ۴۳۳' التمہید ج ۴ ص ۳۰۳' المعجم الکبیر ج ۱۱ ص ۱۸۷' ۱۸۸' کنز العمال رقم الحدیث: ۲۳۸۴۵)

ایک دوسری حدیث میں ''اولئک العصاۃ'' (یہ نافرمان لوگ ہیں) فرمایا ہے۔

جمہور علماء کرام اور تمام اہل فتویٰ فرماتے ہیں: کہ سفر میں روزہ رکھنا جائز ہے اور وہ منعقد بھی ہو جاتا ہے اور کفایت بھی کرتا ہے لیکن ان میں اختلاف یہ ہے کہ روزہ رکھنا افضل ہے یا چھوڑنا یا دونوں برابر ہیں؟

حضرت امام مالک' امام ابوحنیفہ' امام شافعی اور اکثر حضرات فرماتے ہیں: کہ جو شخص طاقت رکھتا ہو اور ظاہری طور پر اسے کوئی مشقت یا تکلیف نہ ہوتی ہو اس کے لئے روزہ رکھنا افضل ہے اور اگر تکلیف ہوتی ہو تو چھوڑنا افضل ہے۔ ان حضرات نے نبی اکرم ﷺ کے روزہ رکھنے سے استدلال کیا نیز اس اعتبار سے فی الحال ذمہ داری سے عہدہ برا ہونا ہے۔

حضرت سعید بن مسیب' اوزاعی' احمد اور اسحاق اور ان کے علاوہ (فقہاء کرام) رحمہم اللہ فرماتے ہیں: روزہ نہ رکھنا مطلقاً افضل ہے۔ ہمارے بعض اصحاب (شافعی المسلک حضرات) نے حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کا ایک قول بھی اسی طرح نقل کیا ہے اور یہ غریب (غیر معروف) ہے انہوں نے اہل ظاہر کی مذکورہ بالا دلیل سے استدلال کیا اور نبی اکرم ﷺ کے اس ارشاد گرامی کو بھی دلیل بنایا آپ نے فرمایا:

ھی رخصۃ من اللہ فمن اخذ بھا فحسن ومن احب ان یصوم فلا جناح علیہ. یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے رخصت ہے پس جو اسے قبول کرے تو اچھا ہے اور جو شخص روزہ رکھنا پسند کرے تو اس پر کوئی حرج نہیں۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۰۷' سنن نسائی ج ۴ ص ۱۸۷' السنن الکبریٰ ج ۴ ص ۲۴۳' سنن دار قطنی ج ۲ ص ۱۹۰' مشکوۃ المصابیح رقم الحدیث: ۲۰۲۹' الدر المنثور ج ۱ ص ۱۹۰)

اس حدیث کے ظاہر سے روزہ چھوڑنے کی ترجیح واضح ہوتی ہے۔

اکثر حضرات نے اس کا جواب یوں دیا ہے کہ یہ سب کچھ ان لوگوں کے بارے میں ہے جن کو تکلیف کا ڈر ہو یا مشقت برداشت کرنا پڑے' جس طرح احادیث میں واضح طور پر آیا ہے' انہوں نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث پر اعتماد کیا ہے وہ فرماتے ہیں: ہم نبی اکرم ﷺ کے ہمراہ ماہ رمضان المبارک میں جہاد کر رہے تھے تو ہم میں سے کچھ حضرات روزہ رکھے ہوئے تھے اور بعض کا روزہ نہیں تھا روزہ دار' روزہ چھوڑنے والے پر اور چھوڑنے والا روزہ رکھنے والے پر کوئی اعتراض نہیں کرتا تھا جس کو طاقت ہوتی وہ روزہ رکھتا تو یہ اچھا ہوتا اور ان کا خیال تھا کہ جو کمزور ہو اس کا روزہ نہ رکھنا اچھا ہے۔ (صحیح مسلم)

یہ حدیث اکثر حضرات کے مذہب کی ترجیح میں واضح ہے اور یہ اس شخص کے لئے روزے کے بارے میں تفصیل

ہے جو کسی تکلیف اور ظاہری مشقت کے بغیر اس کی طاقت رکھتا ہے۔

بعض علماء کرام فرماتے ہیں کہ احادیث کے باہم مساوی ہونے کی وجہ سے روزہ رکھنا اور چھوڑنا دونوں برابر ہیں لیکن اکثر حضرات کا قول صحیح ہے۔ واللہ اعلم

دوسری قسم

نبی اکرم ﷺ کا رمضان المبارک کے علاوہ روزہ رکھنا

اس میں کئی فصول ہیں۔

فصل نمبر ۱

نبی اکرم ﷺ کا کئی دن مسلسل روزہ رکھنا اور کئی دن چھوڑ دینا

حضرت ابوامامہ رضی اللہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ مسلسل روزے رکھتے تھے پس کہا جاتا ہے کہ روزہ رکھنا ترک نہیں کریں گے اور روزہ رکھنا چھوڑ دیتے حتیٰ کہ کہا جاتا روزہ نہیں رکھیں گے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ مہینے میں روزہ نہ رکھتے حتیٰ کہ ہم گمان کرتے کہ اب روزہ نہیں رکھیں گے پھر روزہ رکھتے حتیٰ کہ ہم گمان کرتے کہ روزہ رکھنا کبھی ترک نہیں کریں گے۔

اور ہم جب بھی آپ کو رات کے وقت حالتِ نماز میں دیکھنا چاہتے تو نماز پڑھتے ہوئے دیکھتے اور آرام فرما دیکھنا چاہتے تو اسی حالت میں دیکھتے۔

ایک روایت میں ہے فرماتے ہیں: کہ میں جب بھی آپ کو کسی مہینے میں روزہ دار دیکھنا چاہتا تو اسی طرح دیکھتا اور روزہ چھوڑے ہوئے دیکھنا چاہتا تو اسی حالت میں دیکھتا اور رات کو حالتِ قیام میں دیکھنا چاہتا تو قیام میں دیکھتا' آرام فرما دیکھنا چاہتا تو اسی طرح (آرام فرما) دیکھتا۔

''صحیح مسلم میں ہے کہ'' نبی اکرم ﷺ روزہ رکھتے حتیٰ کہ کہا جاتا کہ آپ نے روزہ رکھا' روزہ رکھا اور روزہ رکھنا ترک کر دیتے حتیٰ کہ کہا جاتا آپ نے روزہ نہیں رکھا' آپ نے روزہ نہیں رکھا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ماہِ رمضان کے علاوہ کبھی مکمل مہینہ روزہ نہیں رکھا اور آپ روزہ رکھتے حتیٰ کہ کہنے والا کہتا اللہ کی قسم! آپ کبھی روزہ رکھنا ترک نہیں کریں گے اور آپ روزہ رکھنا چھوڑ دیتے حتیٰ کہ کہنے والا کہتا اللہ کی قسم! آپ روزہ نہیں رکھیں گے۔

امام نسائی نے یہ اضافہ کیا ہے کہ جب آپ مدینہ طیبہ تشریف لائے اس وقت سے آپ نے ماہِ رمضان کے علاوہ کسی مہینے میں مسلسل (مکمل) روزے نہیں رکھے۔

تو اس سے ثابت ہوا کہ نبی اکرم ﷺ نے نہ تو عمر بھر کے روزے رکھے اور نہ ہی پوری رات قیام کیا گویا آپ نے

یہ عمل اس لئے ترک فرمایا کہ اس سلسلے میں آپ کی اقتدا نہ کی جائے اس طرح امت پر یہ عمل باعث مشقت ہوگا اگرچہ آپ کو اس قدر قوت عطا کی گئی تھی کہ آپ اس عمل کو اپنے اوپر لازم کرتے تو آپ اس پر قادر تھے لیکن آپ نے عبادت میں ایک درمیانہ راستہ اختیار کیا پس روزہ بھی رکھا اور چھوڑ بھی دیا' قیام بھی کیا اور آرام بھی فرمایا۔

فصل نمبر۲

یوم عاشوراء کا روزہ

یوم عاشوراء کا تعین

یہ لفظ الف مدہ کے ساتھ ہے اور اس کی تعیین میں اختلاف ہے۔ حضرت حکم بن اعرج سے مروی ہے' فرماتے ہیں: کہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس پہنچا تو انہوں نے زمزم کے پاس اپنی چادر کا تکیہ لگا رکھا تھا میں نے عرض کیا مجھے عاشوراء کے روزے کے بارے میں بتایئے تو آپ نے فرمایا جب تم محرم کا چاند دیکھو تو اس کو شمار کرو اور نو محرم کو روزہ رکھو میں نے عرض کیا: کیا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ اسی طرح اس کا روزہ رکھتے تھے؟ تو انہوں نے فرمایا ہاں۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی طرف سے وضاحت ہے کہ ان کے مذہب کے مطابق عاشوراء محرم کی نویں تاریخ ہے اور وہ اس کی تاویل یوں کرتے ہیں کہ یہ "اظماء الابل" سے ماخوذ ہے (اونٹ کا پیاسا ہونا) کیونکہ اہل عرب پہنچنے کے پانچویں دن (شرح میں تیسرا دن لکھا ہے) کو چوتھا دن کہتے ہیں اسی طرح باقی دنوں کو اس نسبت سے کہتے ہیں پس نواں دن' دسواں ہوگیا۔ [1]

لیکن ابن منیر' نے فرمایا: کہ ان کا قول "جب نویں تاریخ کی صبح ہو تو روزہ رکھو" اس بات کی خبر دیتا ہے کہ انہوں نے دسواں دن مراد لیا ہے کیونکہ نویں تاریخ کو روزہ دار ہونے کے بعد وہ روزے کی حالت میں صبح نہیں کر سکتا مگر اس صورت میں جب آنے والی رات میں نیت کرے اور یہ دسویں رات ہے۔

اور جمہور علماء پہلے اور پچھلے اس بات کی طرف گئے ہیں کہ عاشوراء محرم کی دسویں تاریخ ہے اور یہ بات فرمانے والوں میں حضرت سعید بن مسیب' حضرت حسن بصری' امام مالک' امام احمد' اسحاق اور حضرت خلائق رحمہم اللہ ہیں۔

یہ مسلک ظاہر حدیث سے ثابت ہے اور لفظ کا مقتضاء بھی یہی ہے۔ اس کو "اظماء" سے ماخوذ کرنا بعید ہے۔

پھر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث پر نبی اکرم ﷺ کے اس ارشاد گرامی کے معنیٰ کی وجہ سے اعتراض ہوتا ہے کہ آپ نے روزہ رکھا تو صحابہ کرام نے عرض کیا یارسول اللہ! یہود و نصاریٰ اس دن کی تعظیم کرتے ہیں؟ تو آپ نے فرمایا: جب آئندہ سال آئے گا تو ہم نویں تاریخ کا روزہ بھی رکھیں گے۔

راوی فرماتے ہیں: آئندہ سال ابھی نہیں آیا تھا کہ نبی اکرم ﷺ کا وصال ہوگیا۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۴۴۵)

قرطبی فرماتے ہیں: لفظ عاشوراء عاشر سے مبالغہ اور تعظیم کے لئے بدلا گیا ہے اصل میں "لیلۃ عاشرہ" (دسویں

---

[1] امام زرقانی فرماتے ہیں وہ لوگ رات سے تاریخ کا اندازہ لگاتے ہیں پس جب دو دن اونٹوں کو چرائیں پھر تیسرا دن آجائے تو وہ کہتے ہیں چوتھے دن میں آگیا اگرچہ تین دن چرا ہو۔ (زرقانی ج ۸ ص ۱۱۷)

رات) کی صفت ہے کیونکہ یہ عشر سے ماخوذ ہے جو ایک عقد (گنتی) کا نام ہے۔ اور دن اس کی طرف مضاف ہے جب "یوم عاشوراء" کہا جاتا ہے تو گویا "دسویں رات کا دن" کہا گیا (یوم اللیلۃ العاشرۃ) لیکن جب انہوں نے اس کو صفت سے بدل دیا تو اسمیت غالب آ گئی پس موصوف کی ضرورت نہ رہی لہٰذا اسے حذف کر دیا اس بنیاد پر یوم عاشوراء (اصل میں) یوم عاشر (دسواں دن) ہے یہ خلیل وغیرہ (ائمہ لغت) کا قول ہے۔

ابن منیر نے کہا اکثر حضرات کے نزدیک عاشوراء محرم الحرام کا دسواں دن ہے اشتقاق اور تسمیہ کا مقتضا بھی یہی ہے (یعنی دسواں دن ہے عشر سے ماخوذ ہے)۔

ابن قیم نے کہا کہ جو شخص حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایات کے مجموعہ میں غور و فکر کرے گا اس کے لئے اعتراض کا زوال اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی علمی وسعت واضح ہو جائے گی انہوں نے عاشوراء نویں تاریخ کو نہیں کہا بلکہ سوال کرنے والے سے فرمایا نویں تاریخ کو روزہ رکھو اور پوچھنے والے کی معرفت پر اکتفاء کیا کہ یوم عاشوراء دسواں دن ہے جسے لوگ بھی عاشوراء کہتے ہیں تو آپ نے سوال کرنے والوں کی یوں رہنمائی فرمائی کہ وہ نو محرم کا روزہ بھی رکھے اور بتایا کہ نبی اکرم ﷺ بھی اسی طرح روزہ رکھا کرتے تھے۔

تو اس سے یا تو آپ کا فعل مراد ہے اور وہ زیادہ مناسب ہے یا فعل کو امر اور مستقبل میں اس کے عزم پر محمول کیا جائے گا اور یہی بات مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ہمیں یوم عاشوراء کے روزے کا حکم دیا اور وہ دسواں دن ہے۔

تو یہ تمام روایات ایک دوسرے کی تصدیق کرتی ہیں۔

دورِ جاہلیت میں عاشوراء کا روزہ

حضرت ہشام بن عروہ اپنے والد سے اور وہ حضرت عائشہ (رضی اللہ عنہم) سے روایت کرتے ہیں کہ جاہلیت کے دور میں قریش عاشوراء کا روزہ رکھتے تھے اور نبی اکرم ﷺ بھی دور جاہلیت میں یہ روزہ رکھتے تھے جب آپ مدینہ طیبہ تشریف لائے تو عاشوراء کا روزہ رکھا اور روزہ رکھنے کا حکم (بھی) دیا۔

پس جب رمضان المبارک (کا روزہ) فرض ہوا تو (بطور فرض) عاشوراء کو چھوڑ دیا پس جو چاہے اس کا روزہ رکھے اور جو چاہے چھوڑ دے۔

اس روایت سے اس وقت کے تعین کا فائدہ حاصل ہوا جس میں عاشوراء کے روزے کا حکم ہوا اور وہ مدینہ طیبہ میں تشریف لانے کا ابتدائی وقت ہے اور اس میں شک نہیں کہ نبی اکرم ﷺ ربیع الاول شریف میں تشریف لائے تو دوسرے سال کے آغاز میں اس کا حکم ہوا اور دوسرے سال میں ہی ماہ رمضان کے روزے فرض ہو گئے اس بنیاد پر عاشوراء کے روزے کا حکم صرف ایک سال رہا پھر اس روزے کو نفلی عبادت کرنے والے کی رائے پر سپرد کر دیا گیا۔

تو جن لوگوں کا یہ دعویٰ ہے کہ یہ روزہ فرض تھا اگر ان کا قول صحیح ہے تو ان صحیح احادیث کی وجہ سے وہ فرضیت منسوخ ہو گئی۔

قریش عاشوراء کا روزہ رکھتے تھے تو شاید انہوں نے پہلی شریعتوں سے لیا ہو اسی لئے وہ اس دن کی تعظیم کعبہ شریف کے غلاف پہنانے کے ذریعے کرتے تھے۔

حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے ان سے اس سلسلے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا قریش نے دور جاہلیت میں کوئی گناہ کیا تو ان کے دل میں یہ بات، بہت بڑی محسوس ہوئی پس ان سے کہا گیا کہ عاشوراء کا روزہ رکھو یہ اس کا کفارہ ہو جائے۔ (یہ بات فتح الباری میں فرمائی ہے)۔

فرضیتِ رمضان سے پہلے عاشوراء کے روزے کا حکم

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اہل جاہلیت عاشوراء کے دن روزہ رکھتے تھے اور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

ان عاشوراء یوم من ایام اللہ فمن شاء صامہ.

بے شک عاشوراء اللہ کے دنوں میں سے ایک دن ہے پس جو چاہے اس دن کا روزہ رکھے۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اس دن کا روزہ نہیں رکھتے تھے البتہ یہ کہ ان کی عادت کے مطابق یہ دن آ جائے۔

حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ نے اسلم قبیلے کا ایک آدمی عاشوراء کے دن بھیجا اور اسے حکم دیا کہ لوگوں میں اعلان کر دے کہ جس نے روزہ نہیں رکھا وہ روزہ رکھے اور جس نے کھانا کھایا ہے وہ رات تک روزہ پورا کرے۔[1]

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اسلام کے شروع میں رمضان کا روزہ فرض ہونے سے پہلے عاشوراء کے روزے کے حکم میں علماء کرام کا اختلاف ہے۔

حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: (اس وقت) واجب تھا۔

امام شافعی رحمہ اللہ کے شاگردوں اور مقلدین کا دو طریقہ پر اختلاف ہے ان کے نزدیک مشہور قول یہ ہے کہ یہ روزہ جب سے جائز ہوا سنت رہا ہے اور اس امت میں کبھی بھی واجب نہیں رہا لیکن اس کا استحباب تاکیدی تھا۔

جب رمضان شریف کے روزے کا حکم آیا تو مستحب ہو گیا لیکن پہلے والے مستحب سے کم درجہ میں ہو گیا۔ ان حضرات کا قول امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے قول جیسا ہے کہ یہ واجب تھا۔

واجب روزے کے لئے رات کے وقت نیت کرنا شرط ہے یا نہیں؟ تو اس میں اختلاف ہے حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اسے شرط قرار نہیں دیتے اور فرماتے ہیں کہ لوگوں کا عاشوراء کے دن کے شروع میں روزہ نہ تھا پھر ان کو دن کے وقت نیت کے ساتھ روزہ رکھنے کا حکم دیا گیا اور روزہ رکھنے کے بعد اس کی قضاء کا حکم نہیں دیا گیا۔ اصحابِ شافعی فرماتے ہیں یہ روزہ دن کے وقت نیت کے ساتھ مستحب ہے۔

حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ "امر بصیامہ" (نبی اکرم ﷺ نے روزہ رکھنے کا حکم دیا) سے استدلال کرتے ہیں کہ امر وجوب کے لئے ہوتا ہے۔ نیز اس قول سے استدلال کرتے ہیں کہ جب رمضان شریف کا روزہ فرض ہوا تو نبی اکرم

[1] محض اس دن کی تعظیم کے لئے دن کا باقی حصہ میں کھانے پینے سے رکنے کا حکم دیا' روزہ صبح صادق سے شروع ہوتا ہے لہٰذا یہ اصطلاحی روزہ نہیں۔۱۲ ہزاروی

ﷺ نے فرمایا: اور جو شخص چاہے اس دن کا روزہ رکھے اور جو چاہے چھوڑ دے۔

شافعی حضرات نبی اکرم ﷺ کے اس قول کو دلیل بناتے ہیں جس میں آپ نے فرمایا: یہ عاشوراء کا دن ہے اس کا روزہ اللہ تعالیٰ نے تم پر لازم نہیں کیا۔

وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کی حدیث میں جو یہ الفاظ ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے ان کو حکم دیا کہ وہ لوگوں میں اعلان کر دیں کہ جس نے روزہ نہیں رکھا وہ روزہ رکھے۔ کا معنی یہ ہے کہ جس نے روزے کی نیت کی ہے وہ اپنا روزہ پورا کرے اور جس نے روزے کی نیت نہیں کی اور کھانا بھی نہیں کھایا یا کھایا ہے وہ اس دن کی حرمت کی خاطر باقی دن (کھانے پینے سے) رک جائے۔

حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے اس حدیث سے اپنے مذہب پر استدلال کیا ہے کہ فرض روزہ دن کے وقت نیت سے واجب ہو جاتا ہے اس میں رات کے وقت نیت شرط نہیں وہ فرماتے ہیں کیونکہ انہوں نے دن کے وقت نیت کی اور وہ ان کے لئے کافی ہے۔

جمہور (غیر حنفی) نے اس حدیث کا جواب یوں دیا ہے کہ اس سے مراد دن کے باقی حصہ میں رک جانا ہے حقیقی روزہ مراد نہیں اور اس کی دلیل یہ ہے کہ انہوں نے کھانا کھایا پھر ان کو روزہ پورا کرنے کا حکم دیا گیا۔

حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ اور دوسرے حضرات اس بات پر متفق ہیں کہ فرض اور نفل میں نیت کی کفایت کے لئے شرط یہ ہے کہ اس سے پہلے کوئی ایسا عمل مثلاً کھانا وغیرہ نہ پایا جائے جس سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔

حافظ شیخ الاسلام ابو الفضل ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ان تمام احادیث کے مجموعہ سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ یہ روزہ واجب تھا کیونکہ اس کا حکم ثابت ہے پھر اس امر کی تاکید بھی کی گئی اس کے بعد ندائے عام کے ساتھ مزید تاکید کی گئی پھر اس (تاکید) میں اضافہ یوں ہوا کہ جن لوگوں نے کھانا کھایا ان کو رک جانے کا حکم دیا پھر مزید اضافہ اس طرح ہوا کہ ماؤں کو حکم دیا گیا کہ وہ اس دن بچوں کو دودھ نہ پلائیں (تاکہ کمزور نہ ہو جائیں) اور "صحیح مسلم میں" حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا یہ قول ثابت ہے کہ "جب رمضان فرض ہوا تو عاشورہ چھوڑ دیا گیا"۔ اس سے بھی فرضیت ثابت ہوئی کیوں کہ اس کا استحباب ترک نہیں گیا بلکہ وہ باقی ہے تو یہ اس بات کی دلالت ہے کہ وجوب ترک کیا گیا۔

بعض حضرات کا یہ قول کہ جو کچھ ترک ہوا وہ استحباب کی تاکید ہے اور مطلق استحباب باقی ہے تو اس قول کی کمزوری پوشیدہ نہیں بلکہ استحباب کی تاکید باقی ہے خصوصاً جب کہ اس کا اہتمام مسلسل رہا حتیٰ کہ نبی اکرم ﷺ کے وصال کے سال بھی جب آپ نے فرمایا: "اگر میں زندہ رہا تو آئندہ سال نویں اور دسویں دونوں تاریخوں میں روزہ رکھوں گا" اور آپ نے روزہ رکھنے کی ترغیب دی نیز یہ سال بھر کے گناہوں کا کفارہ بنتا ہے تو اس سے زیادہ بلیغ تاکید کیا ہوگی؟

یہودی اور عاشوراء کا روزہ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ مدینہ طیبہ تشریف لائے تو آپ نے یہودیوں کو دیکھا کہ وہ عاشوراء کا روزہ رکھتے تھے آپ نے پوچھا یہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا ایک اچھا دن ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کو ان کے دشمن سے نجات دی چنانچہ آپ نے روزہ رکھا اور فرمایا تمہاری نسبت

میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ زیادہ حق رکھتا ہوں چنانچہ آپ نے خود بھی روزہ رکھا اور روزہ رکھنے کا حکم بھی دیا۔

ایک روایت میں آپ نے ان سے پوچھا یہ دن کون سا ہے؟ جس میں تم روزہ رکھتے ہو؟ انہوں نے کہا یہ بہت بڑا دن ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام (اور آپ کی قوم) کو نجات دی اور اس میں فرعون اور اس کی قوم کو غرق کیا پس حضرت موسیٰ علیہ السلام نے شکر کے طور پر روزہ رکھا تو ہم بھی یہ روزہ رکھتے ہیں۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۲۸' مسند احمد ج ۱ص ۲۹۱۔ ۳۱۰' السنن الکبریٰ ج ۴ص ۲۸۶' الدر المنثور ج ۱ص ۶۹' نصب الرایہ ج ۲ ص ۴۵۴' مسند الحمیدی رقم الحدیث: ۵۱۵)

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: تمہارے مقابلے میں ہم حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ زیادہ حق رکھتے اور زیادہ قریب ہیں چنانچہ آپ نے اس دن کا روزہ رکھا اور روزہ رکھنے کا حکم دیا۔

(السنن الکبریٰ ج ۴ص ۲۸۶' مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۲۰۶۷' کنز العمال رقم الحدیث: ۲۴۳۷۲)

ایک دوسری روایت میں ہے آپ نے فرمایا ہم اس دن کی تعظیم کی خاطر اس کا روزہ رکھیں گے۔

اس حدیث پر اعتراض یہ ہوتا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کس طرح فرمایا کہ نبی اکرم ﷺ مدینہ طیبہ تشریف لائے تو یہودی عاشوراء کا روزہ رکھتے تھے حالانکہ آپ ربیع الاول شریف میں مدینہ طیبہ تشریف لائے؟

تو اعتراض کا جواب ''زاد المعاد'' کے مصنف (ابن قیم) نے یوں دیا ہے کہ اس حدیث میں یہ بات نہیں کہ جس دن آپ تشریف لائے اس دن آپ نے ان کو روزہ رکھے ہوئے پایا کیونکہ بارہ ربیع الاول سوموار کے دن تشریف لائے بلکہ اس دن آپ کو پہلی بار علم ہوا اور واقعہ آپ کے مدینہ طیبہ تشریف لانے کے بعد دوسرے سال ہوا اور جب تک آپ مکہ مکرمہ میں تھے اس کا علم نہیں ہوا۔

''فتح الباری میں فرمایا'' خلاصہ یہ ہے کہ کلام میں یہ عبارت مقدر محذوف ہے' مطلب یہ ہے کہ آپ مدینہ طیبہ تشریف لائے اور یوم عاشوراء تک ٹھہرے پس یہودیوں کو اس دن روزے کی حالت میں پایا۔

یہ بھی احتمال ہے کہ یہودی شمسی سال کے اعتبار سے یوم عاشوراء کا حساب لگاتے ہوں اور وہ اس دن آ گیا ہو جس دن نبی اکرم ﷺ مدینہ طیبہ تشریف لائے۔

یہ تاویل ان باتوں میں سے ہے جن میں مسلمانوں کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ زیادہ حق اور قرب کو ترجیح حاصل ہے کیونکہ وہ لوگ اس دن سے بھٹک گئے اور مسلمانوں کو اس کی رہنمائی حاصل ہوئی لیکن سیاق حدیث اس تاویل کے خلاف ہے اور پہلی تاویل پر اعتماد ثابت ہوتا ہے۔

یہ اعتراض بھی ہوتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے یہودیوں کی خبر کی طرف کیسے رجوع فرمایا حالانکہ وہ مقبول نہیں۔

مازری نے اس کا جواب یوں دیا ہے کہ اس میں اس بات کا احتمال ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی طرف ان کے اس قول کی صداقت کے بارے میں وحی آئی ہو یا آپ کے پاس یہ تواتر کے ساتھ نقل ہو کر آئی ہو حتیٰ کہ آپ کو اس کا علم حاصل ہو گیا۔

حضرت قاضی عیاض رحمہ اللہ نے مازری کا رد کرتے ہوئے فرمایا ''صحیح مسلم میں'' روایت ہے کہ قریش اس دن کا روزہ رکھتے تھے جب نبی اکرم ﷺ مدینہ طیبہ تشریف لائے تو آپ نے روزہ رکھا اور یہودیوں کے قول سے کوئی نیا حکم

نہیں آیا جو بحث کا محتاج ہو یہ تو ایک حال کی صفت اور سوال کا جواب ہے۔ اور حدیث میں جو کہا گیا کہ آپ نے روزہ رکھا تو اس میں یہ بات نہیں کہ آپ کے روزے کا آغاز اس وقت ہوا اگر یہ بات ہوتی تو ہم اسے اس بات پر محمول کرتے کہ آپ کو ان کے علماء میں سے مسلمان ہونے والوں نے خبر دی جس طرح حضرت عبداللہ بن سلام وغیرہ رضی اللہ عنہم"۔

وہ فرماتے ہیں: بعض حضرات نے فرمایا یہ بھی احتمال ہے کہ نبی اکرم ﷺ مکہ مکرمہ میں یہ روزہ رکھتے ہوں پھر روزہ رکھنا چھوڑ دیا حتیٰ کہ آپ کو اہل کتاب کے بارے میں معلوم ہوا تو آپ نے روزہ رکھا۔ فرماتے ہیں: کہ جو کچھ ہم نے لکھا ہے وہ الفاظ حدیث کے زیادہ لائق ہے۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: مازری کا قول مختار ہے اور اس کا مختصر بیان یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ مکہ مکرمہ میں یہ روزہ رکھتے تھے جس طرح قریش یہ روزہ رکھتے تھے پھر آپ مدینہ طیبہ تشریف لائے تو یہودیوں کو یہ روزہ رکھتے ہوئے دیکھا تو آپ نے وحی کے ذریعے یا خبر متواتر یا اجتہاد کے ذریعے یہ روزہ رکھا محض خبر واحد کی وجہ سے نہیں رکھا۔

قرطبی فرماتے ہیں: شاید قریش اس لئے یہ روزہ رکھتے ہوں کہ اسے پہلی شریعتوں جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شریعت کی طرف منسوب کرتے ہوں اور نبی اکرم ﷺ کے روزے میں احتمال ہے کہ وہ ان (قریش) کی موافقت میں ہو جیسا کہ حج کے سلسلے میں ہوا۔ اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس دن کے روزے کی اجازت دی ہو کہ یہ اچھا کام ہے پس جب آپ نے ہجرت کی اور یہودیوں کو روزہ رکھتے ہوئے پایا اور ان سے سوال کیا اور روزہ رکھا اور اس کا حکم بھی دیا تو اس بات کا احتمال ہے کہ یہودیوں کی دل جوئی فرمائی ہو جس طرف ان کے قبلہ کی طرح رخ کرنے میں ان کی دل جوئی فرمائی۔

اس کے علاوہ کا بھی احتمال ہے۔

جو بھی صورت ہو آپ نے یہودیوں کی اقتداء میں یہ روزہ نہیں رکھا کیونکہ آپ پہلے بھی یہ روزہ رکھتے تھے اور یہ اس وقت کی بات ہے جب آپ ان امور میں جن سے آپ کو منع نہیں کیا گیا' اہل کتاب کی موافقت کو پسند فرماتے تھے خصوصاً جب کسی کام میں بت پرستوں کی مخالفت ہو جب مکہ مکرمہ فتح ہوا اور اسلام کا معاملہ پھیل گیا تو آپ نے اہل کتاب کی مخالفت کو بھی پسند فرمایا جس طرح حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے جب عاشوراء کا روزہ رکھا اور اس کا حکم دیا تو صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ! یہودی اور عیسائی اس دن کی تعظیم کرتے ہیں تو آپ نے فرمایا: جب آئندہ سال آئے گا تو ان شاء اللہ ہم نو تاریخ کا روزہ بھی رکھیں گے پس آئندہ سال آنے سے پہلے آپ کا وصال ہو گیا۔

نویں محرم کا روزہ

ایک روایت میں ہے' آپ نے فرمایا:

لئن بقيت الى قابل لاصومن التاسع. اگر میں آئندہ سال زندہ رہا تو نو تاریخ کا روزہ بھی رکھوں گا۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۵۸ 'التمہید ج ۷ ص ۲۱۴)

یہ حدیث امام شافعی اور ان کے شاگردوں (ومقلدین) حضرت امام احمد' اور امام اسحاق رحمہم اللہ کی دلیل ہے جو نو اور دس دونوں دنوں کا روزہ مستحب قرار دیتے ہیں کیونکہ آپ نے دس تاریخ کا روزہ رکھا اور نو تاریخ کے روزہ کی نیت فرمائی۔

امام نووی فرماتے ہیں: بعض علماء نے فرمایا شاید دسویں محرم کے ساتھ نویں محرم کے روزے کا سبب یہ ہو کہ صرف دس محرم کے روزے کے ذریعے یہودیوں سے مشابہت نہ ہو جائے۔ حدیث میں اس بات کی طرف اشارہ ہے اور کہا گیا ہے کہ عاشوراء کے حصول میں احتیاط کے لئے یہ حکم ہے لیکن پہلی بات زیادہ مناسب ہے۔

امام بزار رحمہ اللہ کی روایت میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث سے ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

یوم عاشوراء صوموہ وخالفوا فیہ الیہود وصوموا قبلہ یوما وبعدہ یوما.

عاشوراء کے دن کا روزہ رکھو اور اس میں یہودیوں کی مخالفت کرو (یعنی) ایک دن پہلے اور ایک دن بعد (بھی) روزہ رکھو۔

(مسند احمد ج ۱ص ۲۴۱ السنن الکبریٰ ج ۴ص ۲۸۷ الدر المنثور ج ۶ص ۳۴۵ کنز العمال رقم الحدیث: ۲۴۲۳۱-۲۴۲۳۱)

امام احمد رحمہ اللہ نے بھی اس کی مثل حدیث روایت کی ہے۔

پس اس دن کے روزے کے تین مراتب ہیں۔

سب سے کم مرتبہ یہ ہے کہ صرف عاشوراء کا روزہ رکھا جائے' سب سے کامل درجہ یہ ہے کہ اس کے ساتھ ایک دن پہلے اور ایک دن بعد کا روزہ بھی رکھا جائے اور اس کے ساتھ ملا ہوا درجہ یہ ہے کہ نویں اور دسویں محرم (دونوں دنوں) کا روزہ رکھا جائے۔ اکثر احادیث سے یہی بات ثابت ہے۔

بعض حضرات نے فرمایا: ظاہر یہ ہے کہ اس عبادت میں اہل کتاب کی مخالفت مقصود ہے اور مقصد دو میں سے ایک بات سے حاصل ہوتا ہے یا تو دسویں دن کو نویں دن کی طرف منتقل کیا جائے یا دونوں کا روزہ رکھا جائے۔

''صحیح بخاری میں'' حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ہے' فرماتے ہیں: یہودی' عاشوراء کے دن کو عید کا دن قرار دیتے تھے تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا تم اس دن روزہ رکھو۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۲۹-۱۳۰ مسند احمد ج ۴ص ۵ السنن الکبریٰ ج ۴ص ۲۸۹ مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳ص ۵۵ الدر المنثور ج ۶ص ۳۴۵)

اس سے واضح ہوتا ہے تو اس دن روزہ رکھنے کا حکم یہودیوں کی مخالفت کو پسند کرنا ہے حتیٰ کہ اس دن روزہ رکھا جائے جس دن وہ نہیں رکھتے کیونکہ عید کے دن روزہ نہیں رکھا جاتا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے روزے کا باعث سبب میں ان کی موافقت تھی اور وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نجات پر شکر ادا کرنا ہے۔ لیکن اس کے اس دن کی تعظیم کرنے اور اس کو عید منانے کے اعتقاد سے لازم نہیں آتا کہ وہ اس دن کا روزہ نہیں رکھتے تھے ہو سکتا ہے ان کی شریعت میں تعظیم کی ایک صورت اس دن کا روزہ رکھنا ہو۔

''صحیح مسلم میں'' یہ بات صراحتاً بیان ہوئی ہے (اس کے الفاظ اس طرح ہیں)۔ اہل خیبر عاشوراء کے دن روزہ رکھتے تھے' وہ اس دن کو عید قرار دیتے اور اس دن وہ اپنی عورتوں کو زیورات اور عمدہ کپڑے پہناتے تھے۔

نبی اکرم ﷺ کا یوم عاشوراء میں روزہ رکھنا

نبی اکرم ﷺ کے یوم عاشوراء میں روزہ رکھنے کا خلاصہ چار حالتیں ہیں۔

(۱) آپ مکہ مکرمہ میں روزہ رکھتے تھے اور صحابہ کرام کو روزہ رکھنے کا حکم نہ دیتے جیسا کہ اس سے پہلے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث بخاری و مسلم اور دیگر محدثین کے حوالے سے گزر چکی ہے کہ قریش جاہلیت کے دور میں عاشوراء کا روزہ رکھتے تھے اور نبی اکرم ﷺ بھی اس دن کا روزہ رکھتے پس جب مدینہ طیبہ تشریف لائے تو آپ نے اس دن کا روزہ رکھا۔

(۲) نبی اکرم ﷺ جب مدینہ طیبہ تشریف لائے اور اہل کتاب کو اس دن کا روزہ رکھتے ہوئے اور اس کی تعظیم کرتے ہوئے دیکھا اور آپ ان امور میں جن کا حکم نہ دیا گیا ان لوگوں کی موافقت کو پسند کرتے تھے تو آپ نے اس دن کا روزہ رکھا اور صحابہ کرام کو بھی روزہ رکھنے کا حکم دیا اور اس روزے کو حکم اور ترغیب کے ذریعے تاکیدی بنایا۔

حتیٰ کہ لوگ اپنے بچوں سے بھی روزہ رکھواتے تھے جس طرح حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث امام بخاری و مسلم اور دوسرے حضرات کے حوالے سے گذر چکی ہے۔

(۳) جب ماہِ رمضان کے روزے فرض ہوئے تو نبی اکرم ﷺ نے یہ روزہ چھوڑ دیا اور فرمایا عاشوراء اللہ تعالیٰ کے دنوں میں سے ایک دن ہے جس کا دل چاہے وہ اس دن روزہ رکھے اور جو چاہے چھوڑ دے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی گذشتہ حدیث اس کی شاہد ہے۔

(۴) نبی اکرم ﷺ نے عمر کے آخری حصے میں پکا ارادہ کر لیا تھا کہ آپ صرف اس دن کا روزہ نہیں رکھیں گے بلکہ اس کے ساتھ ایک اور دن بھی ملائیں گے تاکہ اس دن کے روزے کے سلسلے میں اہل کتاب کی مخالفت ہو جائے جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے۔

عاشوراء کی فضیلت

امام مسلم رحمہ اللہ نے حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے مرفوع حدیث نقل کی ہے کہ عاشوراء کا روزہ ایک سال کے گناہوں کا کفارہ بنتا ہے اور نو ذوالحجہ کا روزہ دو سالوں کے گناہوں کا کفارہ ہے۔ (فتح الباری ج ۴ ص ۲۴۹)

اس سے واضح ہوتا ہے کہ نو ذوالحجہ کا روزہ عاشوراء کے روزے سے افضل ہے۔

کہا گیا ہے کہ اس کی حکمت یہ ہے کہ یوم عاشوراء حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف منسوب ہے اور یوم عرفہ (نو ذوالحجہ) نبی اکرم ﷺ کی طرف منسوب ہے اسی لئے یہ افضل ہے۔ واللہ اعلم

عاشوراء کے دن کشادگی

ایک روایت میں ہے:

من وسع علی عیاله فی یوم عاشوراء وسع الله علیه السنة کلها.

جو شخص عاشوراء کے دن اپنے گھر والوں پر (رزق میں) فراوانی کرتا ہے اللہ تعالیٰ سال بھر اس پر (رزق) کشادہ کرتا ہے۔

اس حدیث کو امام طبرانی نے اور امام بیہقی نے "الشعب میں نیز فضائل الاوقات میں" روایت کیا اور ابوالشیخ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے دو (امام طبرانی اور امام بیہقی) نے صرف ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت

کیا اور دوسرے (امام بیہقی) نے "فقط شعب الایمان میں" حضرت جابر اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے روایت کیا اور فرمایا کہ ان تمام روایات کی اسناد ضعیف ہیں لیکن جب ان کو ایک دوسرے سے ملایا جائے تو قوت کا فائدہ حاصل ہوتا ہے بلکہ عراقی نے اپنی امالی (حدیث لکھانا املاء کہلاتا ہے) میں فرمایا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کے صحیح طرق ہیں۔ ابن ناصر حافظ نے ان میں سے بعض کو صحیح قرار دیا۔

ابن جوزی نے موضوعات میں سلیمان بن ابی عبداللہ کے طریق سے روایت کیا اور کہا کہ سلیمان مجہول ہے اور ابن حبان نے سلیمان کو ثقہ راویوں میں ذکر کیا پس ان کی رائے میں یہ حدیث صحیح ہے۔

ابن عراقی نے کہا کہ اس حدیث کے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے کئی طرق ہیں اور وہ مسلم کی شرائط پر ہیں۔ ابن عبد البر نے اسے "الاستذکار میں" ابوالزبیر کی روایت سے نقل کیا اور وہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں اور یہ صحیح طریق سند ہے۔

ابن عبدالبر اور دار قطنی نے اسے "الافراد میں" جید سند کے ساتھ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے موقوفاً روایت کیا اور امام بیہقی رحمہ اللہ نے "شعب الایمان میں" محمد بن منتشر کی جہت سے روایت کیا' وہ فرماتے ہیں: کہا جاتا ہے۔ آگے اسی طرح حدیث ذکر کی۔

فصل نمبر ۳

نبی اکرم ﷺ کا شعبان میں روزہ رکھنا

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے' فرماتی ہیں: کہ میں نے نبی اکرم ﷺ کو رمضان المبارک کے علاوہ کسی مہینے میں مکمل طور پر روزہ رکھتے ہوئے نہیں دیکھا اور میں نے آپ کو شعبان المعظم سے زیادہ کسی مہینے میں روزہ رکھتے ہوئے نہیں دیکھا۔

ان دونوں (بخاری و مسلم) کی ایک اور روایت میں ہے کہ آپ شعبان المعظم کے علاوہ کسی مہینے میں زیادہ روزے نہیں رکھتے تھے اس میں مکمل مہینہ (اس کے قریب قریب مراد ہے) روزہ رکھتے تھے۔

"جامع ترمذی کی" روایت میں ہے کہ آپ اس مہینے میں چند دنوں کے علاوہ (باقی دنوں میں) روزہ رکھتے تھے بلکہ (یوں سمجھیں کہ) مہینہ بھر روزہ رکھتے۔

ابوداؤد کی روایت میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ کو شعبان کے مہینے میں روزہ رکھنا زیادہ پسند تھا پھر آپ اسے رمضان المبارک سے ملاتے تھے۔

امام نسائی نے روایت کیا کہ آپ شعبان کا مہینہ یا شعبان کے عام (اکثر) دنوں میں روزہ رکھتے تھے۔ ان ہی کی ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپ شعبان کا مکمل مہینہ روزہ رکھتے تھے۔

ان احادیث میں تطبیق

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس کا مطلب یہ ہے کہ اس مہینے کے زیادہ دنوں میں روزہ رکھتے تھے۔

امام ترمذی نے حضرت ابن مبارک رحمہ اللہ سے نقل کیا' وہ فرماتے ہیں: کلام عرب میں جائز ہے کہ اگر کوئی شخص مہینے کا اکثر حصہ روزے میں گزارے تو کہا جائے "صام الشهر كله" (اس نے پورا مہینہ روزہ رکھا)۔

اور کہا جاتا ہے "قام فلان ليلة اجمع فلاں شخص نے رات بھر قیام کیا" اور ہو سکتا ہے کہ وہ رات کا کھانا کھانے کے بعد کسی کام میں مشغول ہوا ہو۔

امام ترمذی فرماتے ہیں: گویا حضرت ابن مبارک نے دونوں حدیثوں کو اس طرح جمع کیا۔ خلاصہ یہ ہے کہ پہلی روایت' دوسری روایت کی تفسیر اور اس کے لئے مخصص (تخصیص کرنے والی) ہے اور کل سے اکثر مراد ہے' یہ مجاز ہے جس کا استعمال بہت کم ہے۔

طیبی نے اس تطبیق کو بعید از عقل قرار دیا اور کہا کہ اسے اس بات پر محمول کیا جائے کہ کبھی آپ شعبان کا پورا مہینہ روزہ رکھتے اور کبھی اس کا زیادہ حصہ روزے میں گزارتے اور یوں بھی جمع کیا جا سکتا ہے کہ آپ کا دوسرا قول' پہلے قول کے بعد کا ہے تو پہلے امر کی خبر یوں دی کہ آپ شعبان کا زیادہ حصہ روزے میں گزارتے اور دوسری روایت میں آخری معاملے کی خبر دی کہ آپ پورا مہینہ روزہ رکھتے تھے لیکن اس میں جو تکلف ہے وہ پوشیدہ نہیں اور پہلی تاویل صحیح ہے (یعنی زیادہ دن مراد ہیں' پورا مہینہ مراد نہیں ہے)۔

شعبان میں بکثرت روزے رکھنے میں حکمت

نبی اکرم ﷺ کے شعبان المعظم میں زیادہ روزے رکھنے کی حکمت میں اختلاف ہے۔ کہا گیا کہ آپ سفر وغیرہ کی وجہ سے ہر مہینے کے تین روزے (تیرہ' چودہ اور پندرہ تاریخ کا روزہ) نہ رکھ سکتے تو وہ جمع ہو جاتے اور آپ شعبان المعظم میں ان کی قضا کرتے تھے۔

ابن بطال نے اس بات کی طرف اشارہ کیا اور اس سلسلے میں ایک حدیث ہے جسے امام طبرانی نے "الاوسط میں" ابو یعلیٰ کے طریق سے نقل کیا وہ اپنے بھائی حضرت عیسیٰ سے وہ اپنے والد سے اور وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں (آپ فرماتی ہیں) نبی اکرم ﷺ ہر مہینے میں تین روزے رکھتے تھے بعض اوقات ان کو مؤخر کرتے حتیٰ کہ سال بھر کے روزے جمع ہو جاتے پس آپ شعبان میں روزہ رکھتے۔

ابن ابی لیلیٰ (راوی) ضعیف ہے اور یہ بھی کہا گیا کہ وہ حدیث اپنی طرف سے بناتا تھا۔

کہا گیا ہے کہ آپ ماہِ رمضان المبارک کی تعظیم کے لئے ایسا کرتے تھے اور اس سلسلے میں ایک حدیث آئی ہے جسے امام ترمذی رحمہ اللہ نے صدقہ بن موسیٰ کے طریق سے روایت کیا وہ حضرت ثابت سے اور وہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں آپ فرماتے ہیں: نبی اکرم ﷺ سے پوچھا گیا:

ای الصوم افضل بعد رمضان قال شعبان لتعظيم رمضان.

رمضان کے بعد کون سا روزہ افضل ہے؟ آپ نے فرمایا: رمضان کی تعظیم کے لئے شعبان (کا روزہ)۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث:۷۶۳'شرح السنہ ج۶ص ۳۲۹'الترغیب والترہیب ج۲ص ۱۱۷)

امام ترمذی رحمہ اللہ نے فرمایا یہ حدیث غریب ہے اوران (محدثین) کے نزدیک صدقہ (راوی) قوی نہیں ہے۔

لیکن جو حدیث امام مسلم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً نقل کی ہے وہ اس سے ٹکراتی ہے اس میں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

افضل الصیام بعد رمضان صوم المحرم. رمضان المبارک کے بعد محرم کا روزہ افضل ہے۔

اور اس سلسلے میں زیادہ مناسب بات وہ ہے جو ان گذشتہ احادیث سے زیادہ صحیح حدیث میں آئی ہے' اس حدیث کو امام نسائی اور ابوداؤد نے نقل کیا اور ابن حبان نے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ (کی روایت) سے اسے صحیح قرار دیا وہ فرماتے ہیں: میں نے عرض کیا یارسول اللہ! آپ شعبان میں جتنے روزے رکھتے ہیں میں نے آپ کو کسی دوسرے مہینے میں اس قدر روزے رکھتے ہوئے نہیں دیکھا؟ آپ نے فرمایا یہ وہ مہینہ ہے' جس سے لوگ غافل ہیں یہ رجب اور رمضان کے درمیان ہے یہ وہ مہینہ ہے' جس میں اعمال تمام جہانوں کے رب کی طرف اٹھائے جاتے ہیں پس میں پسند کرتا ہوں کہ میرے اعمال اس حالت میں اٹھائے جائیں کہ میں روزے سے ہوں۔

تو نبی اکرم ﷺ نے شعبان المعظم میں روزہ رکھنے اور دوسرے مہینوں میں (اسی کثرت سے) نہ رکھنے کی وجہ ان الفاظ میں بیان فرمائی ''کہ اس مہینے سے لوگ غافل ہیں یہ رجب اور رمضان کے درمیان ہے''۔

آپ نے اس بات کی طرف اشارہ فرمایا کہ اس مہینے کو دو عظیم مہینوں نے اپنے پہلو میں لے رکھا ہے ایک عزت والا مہینہ [1] (رجب) اور دوسرا روزوں کا مہینہ' ان دونوں میں لوگ مشغول ہوتے ہیں تو شعبان سے غفلت ہو جاتی ہے اور بہت سے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ رجب کے روزے اس مہینے کے روزوں سے افضل ہیں کیونکہ وہ حرمت والا مہینہ ہے لیکن ایسا نہیں ہے۔

اور جس وقت سے غفلت برتی جارہی ہو اس کو عبادت کے لئے زندہ رکھنے میں کئی فوائد ہیں۔

(۱) ایک فائدہ یہ ہے کہ وہ پوشیدہ ہوتا ہے اور نوافل کو پوشیدہ رکھنا افضل ہے خصوصاً روزہ تو بندے اور اس کے رب کے درمیان ایک راز ہے۔

(۲) دوسری بات یہ ہے کہ یہ نفسوں پر بہت بھاری ہوتا ہے کیونکہ وہ ان کاموں سے مانوس ہوتے ہیں جن کا وہ ہم جنس لوگوں سے مشاہدہ کرتے ہیں اور جب لوگوں کی بیداری اور عبادت زیادہ ہو تو عبادتیں آسان ہو جاتی ہیں اور جب غفلتیں اور غافل لوگ زیادہ ہوں تو عام لوگ ان سے مانوس ہوتے ہیں اور بیدار ہونے والوں پر عبادتیں باعث مشقت ہوتی ہیں کیونکہ جن لوگوں کی اقتداء کی جاتی ہے وہ کم ہوتے ہیں۔

نبی اکرم ﷺ کے شعبان میں روزہ رکھنے کے بارے میں ایک اور وجہ بھی بیان کی گئی ہے کہ اس میں موت کے اوقات لکھے جاتے ہیں۔ [2]

---

[1] اسلام سے پہلے اور بعد میں بھی چار مہینے حرمت (عزت) والے شمار ہوتے تھے اور ان میں لڑائی بھی نہیں ہوتی تھی وہ چار مہینے رجب' ذی قعدہ' ذوالحجہ اور محرم ہیں۔ ۱۲ ہزاروی

[2] جس نے آئندہ سال مرنا ہو اس کا نام زندہ لوگوں کے ناموں سے نکال کر مرنے والوں کی فہرست میں شامل کر کے ملک الموت کو دیا جاتا ہے۔ (زرقانی ج ۸ ص ۱۲۶)

ایک ضعیف سند کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے فرماتی ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ شعبان میں زیادہ روزے رکھتے تھے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں دیکھتی ہوں کہ آپ شعبان میں زیادہ روزے رکھتے ہیں آپ نے فرمایا: اس مہینے میں موت کے فرشتے کو ان لوگوں کے نام لکھ کر دیئے جاتے ہیں جن کی روح قبض کرنا ہے۔

پس میں پسند کرتا ہوں کہ میرا نام (فوت ہونے والوں میں) لکھا جائے تو میں روزے سے ہوں۔ یہ حدیث مرسل بھی مروی ہے (تابعی حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں) اور کہا گیا ہے کہ یہی زیادہ صحیح ہے۔

شعبان کے روزوں کے بارے میں ایک اور بات بھی کہی گئی ہے کہ اس مہینے کے روزے رمضان کے مہینوں کی مشق ہے پس آدمی رمضان کے مہینوں کی مشقت اور تکلیف محسوس نہیں کرتا بلکہ اسے روزے کی عادت ہو چکی ہوتی ہے اور وہ رمضان سے پہلے شعبان کے روزوں کی مٹھاس اور لذت پاتا ہے اور رمضان کے روزے قوت کے ساتھ اور بشاش بشاش شروع کرتا ہے۔

اس صورت میں اور رمضان المبارک سے ایک یا دو دن پہلے روزہ رکھنے کی ممانعت میں کوئی تضاد نہیں اسی طرح شعبان کے دوسرے نصف میں روزہ رکھنے کی ممانعت کے بارے میں جو حدیث آئی ہے اس کے ساتھ بھی کوئی ٹکراؤ نہیں کیونکہ دونوں کو جمع کرنا واضح ہے یعنی نہی کو ان لوگوں کے عمل پر محمول کیا جائے گا جو ان دنوں میں روزہ رکھنے کے عادی نہیں ہیں۔

محرم اور رجب میں روزہ رکھنا

امام نووی رحمہ اللہ نے اس بات کا جواب دیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ محرم میں زیادہ روزے نہیں رکھتے تھے حالانکہ آپ نے فرمایا کہ اس مہینے کے روزے افضل ہیں۔

وہ فرماتے ہیں ممکن ہے آپ کو اس بات کا علم عمر کے آخری حصہ میں ہوا ہو اور آپ کو محرم میں زیادہ رکھنے کی قوت حاصل نہ رہی ہو یا ہو سکتا ہے کہ محرم میں سفر وغیرہ زیادہ روزے رکھنے کی راہ میں رکاوٹ بنا ہو۔

جہاں تک خاص رجب کے مہینے کا تعلق ہے تو بعض شافعی حضرات نے فرمایا کہ یہ تمام مہینوں سے افضل ہے لیکن امام نووی وغیرہ نے اس کو ضعیف قرار دیا پس معلوم نہ ہوا کہ نبی اکرم ﷺ کا اس مہینے میں روزہ رکھنا صحیح ثابت ہے (یا نہیں)؟

بلکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث میں آپ سے مروی ہے اور صحیح یہ ہے کہ یہ حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما پر موقوف ہے کہ آپ نے رجب کے روزے سے منع فرمایا' یہ روایت ابن ماجہ نے نقل کی ہے۔

لیکن "سنن ابی داؤد" میں ہے کہ "نبی اکرم ﷺ نے عزت والے مہینوں میں روزہ رکھنے کی دعوت دی اور رجب کا مہینہ بھی ان مہینوں میں سے ایک ہے۔

مجیبہ باہلیہ (الاصابہ ج ۷، ص ۱۰۷) اپنے والد یا اپنے چچا سے روایت کرتی ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے ان سے فرمایا (یعنی ان کے باپ یا چچا سے فرمایا):

صم من الحرم واترک. عزت والے مہینوں میں روزہ رکھو اور چھوڑ بھی دو۔

آپ نے یہ بات تین بار فرمائی۔ (سنن ابوداؤد رقم الباب: ۵۴' السنن الکبریٰ ج ۴ص ۲۹۱' الدر المنثور ج ۳ص ۲۳۵)

''صحیح مسلم کی'' روایت میں حضرت عثمان بن حکیم انصاری سے مروی ہے' فرماتے ہیں: کہ میں نے حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے رجب کے روزے کے بارے میں پوچھا اور اس وقت رجب کا مہینہ ہی تھا تو انہوں نے فرمایا میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سنا وہ فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ (مسلسل) روزے رکھتے حتیٰ کہ ہم گمان کرتے اب آپ ترک نہیں کریں گے اور آپ روزہ رکھنا چھوڑ دیتے حتیٰ کہ ہم گمان کرتے کہ اب آپ روزہ نہیں رکھیں گے۔

ظاہر یہ ہے کہ اس استدلال سے حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ کی مراد یہ ہے کہ خاص اس مہینے میں نہ تو ممانعت ہے اور نہ ہی مستحب ہے بلکہ اس کا حکم دوسرے مہینوں کی طرح ہے۔

(ابن رجب حنبلی کی تصنیف) ''اللطائف میں ہے کہ'' کتانی (عبدالعزیز بن احمد تیمی) رحمہ اللہ سے مروی ہے (فرماتے ہیں:) ہمیں ''تمام الرازی'' نے خبر دی (وہ فرماتے ہیں:) ہم سے قاضی یوسف نے بیان کیا (وہ فرماتے ہیں:) ہم سے محمد بن اسحاق سراج' نے بیان کیا (وہ فرماتے ہیں:) ہم سے یوسف بن موسیٰ نے بیان کیا (وہ فرماتے ہیں:) ہم سے حجاج بن منہال نے بیان کیا (وہ فرماتے ہیں:) ہم سے حماد بن سلمہ نے بیان کیا (وہ فرماتے ہیں:) حبیب المعلم نے حضرت عطاء سے روایت کرتے ہوئے ہمیں خبر دی کہ حضرت عروہ نے حضرت عبداللہ بن عمر (رضی اللہ عنہم) سے پوچھا کیا نبی اکرم ﷺ رجب میں روزہ رکھتے تھے؟ فرمایا ہاں اور آپ اس کی فضیلت بھی بیان کرتے تھے۔

حضرت ابوقلابہ رضی اللہ عنہ (یہ عبداللہ بن زید بن عمرو الجرمی ہیں' متوفی ۱۰۴ھ)[1] سے مروی ہے کہ جنت میں ایک محل ہے جو رجب میں بہت زیادہ روزہ رکھنے والوں کے لئے ہے۔

امام بیہقی فرماتے ہیں کہ حضرت ابوقلابہ رحمہ اللہ جلیل القدر تابعین میں سے ہیں وہ کوئی ایسی بات نہیں کہتے جو ان تک نہ پہنچی ہو۔

فصل نمبر ۴

نبی اکرم ﷺ کے عشرۂ ذوالحجہ کے روزے

اس سے مراد ذوالحجہ کے شروع میں نو روزے رکھنا ہے۔

حضرت ہنیدہ بن خالد اپنی بیوی سے اور وہ نبی اکرم ﷺ کی ایک زوجہ مطہرہ سے روایت کرتی ہیں' وہ فرماتی ہیں:

كان رسول الله ﷺ يصوم تسع ذى الحجة. (سنن ابوداؤد) — نبی اکرم ﷺ نو ذوالحجہ کا روزہ رکھتے تھے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے' فرماتی ہیں:

[1] (الاعلام ج ۴ص ۸۸' تہذیب التہذیب ج ۵ص ۲۲۴' حلیۃ الاولیاء ج ۲ص ۲۸۲ رقم الترجمہ: ۱۹۳' طبقات ابن سعد ج ۷ص ۱۳۶ رقم الترجمہ: ۳۰۵۸)

ما رایت رسول اللہ ﷺ صائما فی العشرقط. (صحیح مسلم، جامع ترمذی) میں نے نبی اکرم ﷺ کو ذوالحجہ کے دس دنوں کا روزہ رکھتے ہوئے کبھی نہیں دیکھا۔

اس حدیث سے وہم پڑتا ہے کہ عشرہ (ذوالحجہ) (مراد نو دن ہیں) کا روزہ مکروہ ہے حالانکہ ان میں کوئی کراہت نہیں بلکہ یہ بہت زیادہ مستحب ہیں خصوصاً ان میں سے نو ذوالحجہ کا روزہ اور وہ عرفہ کا دن ہے۔

"صحیح بخاری میں ثابت ہے کہ" نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

ما من ایام العمل فیھا افضل منه فی ھذہ. ان (دس دنوں) سے بڑھ کر کسی دن میں عمل کی فضیلت نہیں۔

اس سے ذوالحجہ کا پہلا عشرہ مراد ہے اور اس حدیث سے ذوالحجہ کے عشرۂ اول (پہلے نو دن) میں روزے کی فضیلت پر استدلال کیا گیا ہے کیونکہ روزہ بھی عمل میں داخل ہے۔

اس پر اعتراض ہوتا ہے کہ عید کے دن روزہ رکھنا حرام ہے تو اس کا جواب یوں دیا گیا ہے کہ غالب دنوں پر محمول ہے (یعنی نو دنوں کو عشرہ کہا گیا)۔

اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جو فرمایا: کہ نبی اکرم ﷺ نے اس عشرہ میں روزہ نہیں رکھا تو اس کی تاویل یوں کی گئی ہے کہ آپ نے کسی عذر مثلاً بیماری یا سفر وغیرہ کی وجہ سے روزہ نہیں رکھا ہوگا یا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ کو ان دنوں میں روزہ رکھتے ہوئے نہیں دیکھا ہوگا اس سے یہ بات لازم نہیں آتی کہ آپ نے روزہ رکھا ہی نہیں اور اس پر (روزہ رکھنے پر) حضرت ھنیدہ ابن خالد کی روایت دلالت کرتی ہے، جو پہلے ذکر کی گئی ہے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: قاسم بن ابی ایوب کی روایت میں آیا ہے:

ما من عمل ازکی عند اللہ ولا اعظم اجرا من خیر یعملہ فی عشر الاضحی. اللہ تعالیٰ کے ہاں کوئی عمل ذوالحجہ کے دس دنوں میں کیے گئے عمل سے زیادہ پاکیزہ اور عظیم نہیں ہے۔

(سنن دارمی ج ۲ ص ۲۶، الترغیب والترہیب ج ۲ ص ۱۹۸، کنزالعمال رقم الحدیث: ۳۵۱۸۷)

"صحیح ابی عوانہ اور صحیح ابن حبان میں" حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث ہے:

ما ایام افضل عند اللہ من ایام عشر ذی الحجة. کوئی دن اللہ تعالیٰ کے نزدیک ذوالحجہ کے (پہلے) عشرہ سے زیادہ فضیلت والے نہیں ہیں۔

تو ذوالحجہ کے پہلے عشرہ کی فضیلت سال کے دوسرے دنوں پر ثابت ہوگئی اور اس کا فائدہ یوں ظاہر ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص افضل دنوں میں روزہ رکھنے کی نذر مانے یا کسی عمل کو ان دنوں سے مشروط کردے اور ان میں سے صرف ایک دن کا ذکر کرے تو نو ذوالحجہ کا دن متعین ہوجائے گا کیونکہ صحیح قول کے مطابق یہی دن ان دس مذکورہ دنوں میں سے افضل ہے۔

اور اگر ہفتہ کے سات دنوں میں سے افضل دن کا ارادہ کرے تو جمعہ کا دن متعین ہوگا۔ یہ بات گذشتہ حدیث اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث کو جمع کرنے سے حاصل ہوئی۔ (مرفوع حدیث یوں ہے):

خير يوم طلعت عليه الشمس يوم الجمعة. — بہترین دن جس پر سورج طلوع ہوتا ہے وہ جمعہ کا دن ہے۔

امام نووی رحمہ اللہ نے اپنی شرح میں اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے۔''

داؤدی نے کہا کہ نبی اکرم ﷺ کی مراد یہ نہیں کہ یہ دن جمعہ کے دن سے بہتر ہے کیونکہ ان میں جمعہ کا دن بھی آتا ہے اگر ایسا ہو تو یہ ایک چیز کی اپنی ذات پر فضیلت لازم آئے گی۔

اس پر یوں اعتراض کیا گیا کہ اس سے مراد ان دس دنوں میں سے ہر دن سال کے دوسرے دنوں سے افضل ہے چاہے وہ جمعہ کا دن ہو یا نہ' اور ان دنوں میں جو جمعہ ہے وہ دوسرے دنوں میں پائے جانے والے جمعہ سے افضل ہے کیونکہ اس میں دو فضیلتیں جمع ہو گئیں۔

اور ظاہر بات یہ ہے کہ ذوالحجہ کے دس دنوں کے امتیاز کا سبب ان دنوں میں عبادات کے اصول کا یعنی نماز' روزہ' صدقہ اور حج کا جمع ہونا ہے اور یہ بات دوسرے دونوں میں نہیں ہوتی۔ اس بات پر یہ سوال ہوگا کہ کیا یہ فضیلت حاجیوں کے ساتھ خاص ہے یا جو اپنے گھروں میں مقیم ہیں ان کے لئے بھی ہے؟ اس میں احتمال ہے۔[1]

ابوامامہ ابن النقاش نے کہا اگر تم کہو کہ ذوالحجہ کا پہلا عشرہ افضل ہے یا رمضان المبارک کا آخری عشرہ؟ تو جواب یہ ہے کہ ذوالحجہ کا عشرہ افضل ہے کیونکہ اس عشرہ میں وہ دن بھی شامل ہے کیونکہ اس دن شیطان کو جس قدر بھلائی سے دور' غضب ناک اور حقیر دیکھا گیا بدر کے علاوہ کسی اور دن اس طرح نہیں دیکھا گیا۔

نیز اس دن کا روزہ دو سالوں کے گناہوں کا کفارہ ہوتا ہے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۱۶۲)

نیز یہ عشرہ ان دنوں پر مشتمل ہے جن کی عزت اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت زیادہ ہے اور وہ قربانی کا دن ہے جسے اللہ تعالیٰ نے حج اکبر کا دن کہا۔

اور رمضان المبارک کے آخری عشرہ کی راتیں افضل ہیں کیونکہ ان میں لیلۃ القدر ہے جو ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔

جو شخص اس جواب میں غور کرے گا وہ اسے کافی شافی پائے گا اس بات کی طرف اشارہ اس ذات نے کیا جو فضیلت والے اور فضیلت دیئے گئے ہیں یعنی نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

ما من ايام العمل فيهن احب الى الله من عشر ذى الحجه. — اللہ تعالیٰ کو ذوالحجہ کے عشرۂ (اول) کے عمل کے مقابلے میں کسی دوسرے دن کا عمل زیادہ پسند نہیں۔

تو ''ما من ايام'' کے الفاظ پر غور کرو آپ نے ''ما من عشر'' نہیں فرمایا (یعنی کسی عشرہ کی نفی نہیں' مطلق دنوں کی نفی ہے)۔

اور جس نے اس تفصیل کے بغیر جواب دیا تو وہ صحیح صریح حجت کے ساتھ دلالت نہیں ہے۔

---

[1] ظاہر یہی ہے کہ مطلق عمل کرنے والے مراد ہیں حاجیوں کی تخصیص نہیں کیونکہ احادیث میں عمومیت کے ساتھ ذکر ہے۔ ۱۲ ہزاروی

فصل نمبر ۵

ہفتہ کے دوران نبی اکرم ﷺ کا روزہ رکھنا

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ سوموار اور جمعرات کے دن روزہ رکھنے کی کوشش فرماتے۔ (جامع ترمذی)

حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ سے سوموار کے دن روزہ رکھنے کے بارے میں پوچھا گیا (وجہ پوچھی گئی) تو آپ نے فرمایا:

فیه ولدت وفیه انزل علی.

اس دن میری ولادت ہوئی اور اسی دن مجھ پر (قرآن) نازل کیا گیا۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۹۸' مسند احمد ج ۵ ص ۲۹۹' السنن الکبریٰ ج ۴ ص ۲۹۳' دلائل النبوۃ ج ۲ ص ۱۳۳' مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۲۰۴۵)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

تعرض الاعمال علی اللہ تعالی یوم الاثنین والخمیس فاحب ان یعرض عملی وانا صائم.

سوموار اور جمعرات کے دن اعمال بارگاہ خداوندی میں پیش کئے جاتے ہیں تو میں پسند کرتا ہوں کہ جب میرے اعمال پیش کئے جائیں تو میں روزے کی حالت میں ہوں۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۷۴۷' الترغیب والترہیب ج ۲ ص ۱۲۴' مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۲۰۵۶' اتحاف السادۃ المتقین ج ۴ ص ۲۵۸' مجمع الزوائد ج ۸ ص ۶۶' کنز العمال رقم الحدیث: ۲۳۱۹۱)

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے (فرماتے ہیں:) میں نے عرض کیا یارسول اللہ! آپ روزہ رکھتے ہیں حتیٰ کہ قریب نہیں ہوتا کہ آپ روزہ رکھنا ترک کریں گے اور روزہ رکھنا ترک کرتے ہیں حتیٰ کہ قریب نہیں ہوتا کہ آپ روزہ رکھیں گے۔ مگر دو دن ایسے ہیں کہ اگر آپ کے روزوں کے درمیان آ جائیں تو ٹھیک ہے ورنہ آپ ان دنوں میں روزہ رکھتے ہیں آپ نے فرمایا کونسے دو دن؟ میں نے عرض کیا سوموار اور جمعرات' فرمایا: یہ دو دن ایسے ہیں کہ ان میں اعمال' تمام جہانوں کے پروردگار کے حضور پیش کئے جاتے ہیں پس میں چاہتا ہوں کہ جب میرے اعمال پیش کئے جائیں تو میں روزے کی حالت میں ہوں۔ (مسند احمد ج ۵ ص ۲۰۱' کنز العمال رقم الحدیث: ۲۴۵۷۵)

حضرت علی بن ابی طلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اللہ تعالیٰ کے ارشاد خداوندی: ما یلفظ من قول الا لدیه رقیب عتید O (ق:۱۸) کے بارے میں روایت کیا' وہ فرماتے ہیں: جو بھی اچھی یا بری بات کہی جائے وہ لکھی جاتی ہے حتیٰ کہ اس کا یہ قول بھی لکھا جاتا ہے کہ میں نے کھایا اور میں نے پیا میں گیا اور میں آیا اور میں نے دیکھا حتیٰ کہ جب جمعرات کا دن ہوتا ہے تو اس کا قول اور عمل پیش کیا جاتا ہے پس جو اچھا یا برا عمل کیا اسے برقرار رکھا جاتا ہے اور باقی تمام

اعمال کو پھینک دیا جاتا ہے۔

یہ پیشی جوان دونوں میں ہوتی ہے' یہ خاص ہے اور اس عام پیشی کے علاوہ ہے جو ہر دن ہوتی ہے۔ اور اس پر ''صحیح مسلم'' میں مروی حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث دلالت کرتی ہے وہ فرماتے ہیں:

نبی اکرم ﷺ ہمارے درمیان پانچ کلمات (کے بیان) کے ساتھ کھڑے ہوئے' آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ سوتا نہیں اور نہ ہی سونا اس کے لئے مناسب ہے' ترازو کو جھکاتا اور بلند کرتا ہے' رات کے اعمال دن آنے سے پہلے اور دن کے اعمال رات آنے سے پہلے اس کی طرف اٹھائے جاتے ہیں۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۹۳ ـ ۲۹۵' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۹۵ ـ ۱۹۶' مسند احمد ج ۴ ص ۳۹۵ ـ ۴۰۵' جمع الجوامع رقم الحدیث: ۵۱۴۱' مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۹۱' شرح السنہ ج ۱ ص ۱۷۳)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ ہر مہینے میں تین دن کا روزہ رکھتے تھے سوموار' جمعرات ایک ہفتہ سے اور آنے والے ہفتہ سے سوموار کا روزہ' ایک دوسری روایت میں ہے مہینے کا پہلا سوموار پھر جمعرات اور پھر اس سے ملی ہوئی جمعرات کا روزہ رکھتے تھے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ ایک مہینے میں ہفتہ' اتوار اور سوموار کا روزہ رکھتے اور دوسرے مہینے میں منگل' بدھ اور جمعرات کا روزہ رکھتے تھے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا آزاد کردہ غلام حضرت کریب سے مروی ہے' فرماتے ہیں: مجھے حضرت ابن عباس اور نبی اکرم ﷺ کے چند دیگر صحابہ کرام نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس بھیجا کہ میں ان سے پوچھوں کہ نبی اکرم ﷺ کن دنوں میں اکثر روزہ رکھتے تھے؟ انہوں نے فرمایا ہفتہ اور اتوار کے دن۔ اور آپ فرماتے تھے یہ دونوں مشرکوں کی عید کے دن ہیں اور میں ان کی مخالفت کو پسند کرتا ہوں۔ (مسند احمد' سنن نسائی)

اس حدیث کے ایک راوی محمد بن عمر ہیں جن کا حال معلوم نہیں اور ان سے ان کے بیٹے عبداللہ بن محمد بن عمر روایت کرتے ہیں اور ان کا حال بھی معلوم نہیں۔

حضرت عبداللہ بن بسر اپنی بہن حضرت ہماء سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

لا تصوموا یوم السبت الا فیما افترض علیکم فان لم یجد احدکم الا لحاء عنبة او عود شجرة فلیمضغه.

ہفتے کے دن روزہ نہ رکھو مگر یہ کہ تم پر فرض ہو جائے پس اگر تم میں سے کوئی ایک انگور یا لکڑی کا چھلکا پائے تو اسے ہی چبا لے۔

(یعنی کھانے کو کچھ نہ ملے تو ان کو چبا کر ہی روزے سے بچے)۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۴۲۱' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۷۴۴' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۷۲۶' مسند احمد ج ۴ ص ۱۸۹ ـ ج ۶ ص ۳۶۸' سنن دارمی ج ۲ ص ۱۹' السنن الکبریٰ ج ۴ ص ۳۰۲' المستدرک ج ۱ ص ۴۳۵' شرح السنہ ج ۶ ص ۳۶۱' مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۲۰۶۳' اتحاف السادۃ المتقین ج ۴ ص ۲۵۹' کنز العمال رقم الحدیث: ۲۴۳۲۷)

بعض حضرات نے کہا اس حدیث میں اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں کوئی تضاد نہیں کیونکہ صرف اس دن کا روزہ رکھنے (اور اس کے ساتھ دوسرے دن کا روزہ نہ رکھنے) کی ممانعت ہے چنانچہ سنن ابی داؤد میں یہی عنوان مقرر کیا گیا' وہ فرماتے ہیں: ''باب النھی ان یخص یوم السبت بالصوم'' یہ باب تنہا ہفتہ کے دن کا روزہ رکھنے کی

ممانعت کے بارے میں ہے۔

اور جن احادیث میں روزے کا ذکر ہے وہ اس کے ساتھ اتوار کا روزہ رکھنے کے حوالے سے ہے۔ علماء کرام فرماتے ہیں اس کی مثال صرف جمعہ کا روزہ رکھنے کی ممانعت ہے ہاں اس کے ساتھ پہلے یا بعد والے دن کا روزہ رکھے (تو کوئی حرج نہیں)۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: امام مالک رحمہ اللہ نے "الموطا میں" جو فرمایا: کہ میں نے اہل علم و فقہ میں سے کسی سے نہیں سنا اور نہ ان کی اقتدا کرنے والوں سے سنا کہ انہوں نے جمعہ کے دن روزہ رکھنے سے منع کیا ہو اور اس دن کا روزہ اچھا ہے' میں نے بعض اہل علم کو اس دن کا روزہ رکھتے ہوئے دیکھا اور دیکھا کہ وہ اس کے لئے کوشش کرتے (سوچ و بچار کرتے)"۔

امام نووی رحمہ اللہ نے جو کچھ فرمایا یہی ان کا عقیدہ ہے اور ان کے علاوہ حضرات نے ان کے مؤقف کے خلاف مؤقف اپنایا اور سنت ان کی اور دوسروں کی رائے سے مقدم ہے اور جمعہ کے دن روزہ رکھنے سے نہی ثابت ہے پس یہ قول کرنا متعین ہو گیا اور امام مالک رحمہ اللہ معذور ہیں کیونکہ ان تک یہ نہی نہیں پہنچی۔

امام مالک کے شاگردوں میں داؤدی فرماتے ہیں یہ حدیث امام مالک تک نہیں پہنچی اگر ان تک پہنچتی تو وہ اس کی مخالفت نہ کرتے۔

علماء کرام فرماتے ہیں جمعہ کے دن روزہ نہ رکھنا بہتر ہے تاکہ جمعہ کے دن جو عبادات کی جاتی ہیں اور شریعت میں وارد ہیں ان کی ادائیگی پر مدد حاصل ہو اور ان عبادات کو خوشی خوشی اور کھلے دل سے کر سکے' کسی تھکاوٹ اور دل کی تنگی کے بغیر ان سے لذت حاصل کرے جس طرح حاجی صاحبان نو ذوالحجہ کو (روزہ نہیں رکھتے اور) عبادات سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔

سوال: اگر تم کہو کہ یہ بات ہوتی تو اس سے ایک دن پہلے اور بعد میں اسی وجہ سے روزہ رکھنے کی ممانعت اور کراہت ہوتی؟

جواب: جواب یہ ہے کہ (ممانعت نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ) اسے ایک دن یا بعد کی فضیلت حاصل ہو جائے اور جمعہ کے دن وظائف میں روزہ رکھنے کی وجہ سے کوتاہی ہو تو اس کا نقصان پورا ہو جائے۔ واللہ اعلم

فصل نمبر ۶

نبی اکرم ﷺ کے ایامِ بیض کے روزے

یہ وہ دن ہیں جن میں چاند رات کے شروع سے آخر تک رہتا ہے اور یہ تیرہویں' چودھویں اور پندرہویں تاریخ ہے مہینہ میں مکمل روشن دن ان تینوں کے علاوہ نہیں ہوتا کیونکہ ان کی راتیں بھی روشن ہوتی ہیں اور دن بھی روشن ہوتے ہیں پس جس نے ان کو اس وصف کی بنیاد پر ایامِ بیض کہا اس نے صحیح کہا اور کامل دن' رات کے ساتھ مل کر ہوتا ہے اور اس میں جو لیتی کا رد ہے وہ کہتے ہیں جس نے ان کو ایامِ بیض کہا اس نے بیض (سفیدی) دنوں کی صفت قرار دیا اور خطا کی۔

واللہ اعلم

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے' فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ سفر میں ہوتے یا گھر میں' ایامِ بیض

کے روزے نہیں چھوڑتے تھے۔

حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ چار کاموں کو نہیں چھوڑتے تھے (۱) عاشوراء کا روزہ (۲) ذوالحجہ کے پہلے عشرہ (نو دنوں) کے روزے (۳) ہر مہینے میں ایام بیض کے روزے اور (۴) فجر کی دو رکعتیں (سنتیں)۔

حضرت معاذہ عدویہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے فرماتی ہیں: کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ کیا نبی اکرم ﷺ ہر مہینے میں تین روزے رکھتے تھے؟ انہوں نے فرمایا ہاں (رکھتے تھے) میں نے عرض کیا مہینے کے کونسے دنوں میں روزہ رکھتے تھے؟ فرمایا اس بات کی پرواہ نہیں کرتے تھے کہ مہینے کے کونسے دنوں میں روزہ رکھیں؟

بعض علماء کرام نے فرمایا: شاید آپ ﷺ ہمیشہ معین دنوں میں روزہ نہ رکھتے ہوں تا کہ ان دنوں کا تعین ضروری نہ سمجھ لیا جائے۔

وہ فرماتے ہیں: کہ اللہ تعالیٰ نے ہر مہینے کے ان تین دنوں کے روزے کو زمانہ بھر کے روزوں کی جگہ قرار دیا کیونکہ ہر نیکی کا بدلہ اس کی مثل دس نیکیوں (کے ثواب) کی صورت میں ملتا ہے۔

اصحاب سنن (سنن نسائی وغیرہ) نے روایت کیا اور ابن خزیمہ نے اسے صحیح قرار دیا کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: نبی اکرم ﷺ ہر مہینے کے شروع میں تین دن روزہ رکھتے تھے۔

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ نبی اکرم ﷺ مہینے میں جو روزے رکھتے تھے اس کی کئی صورتیں تھیں:

(۱) نبی اکرم ﷺ مہینے کے پہلے سوموار کا روزہ رکھتے پھر جمعرات کے دن اور پھر اس سے اگلی جمعرات کا روزہ رکھتے۔

(۲) نبی کریم ﷺ ایک مہینے میں ہفتہ، اتوار اور سوموار کا روزہ رکھتے اور دوسرے مہینے میں منگل، بدھ اور جمعرات کا روزہ رکھتے۔

(۳) ایام بیض یعنی تیرہ، چودہ اور پندرہ تاریخ کا روزہ رکھتے تھے۔

(۴) آپ تین دن روزہ رکھتے لیکن وہ دن متعین نہ تھے جس طرح حضرت معاذہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا اور امام مسلم نے اسے نقل کیا۔

(۵) سرکار دو عالم ﷺ مہینے کے شروع میں تین دن روزہ رکھتے تھے ایک جماعت نے اسے اختیار کیا اور اصحاب سنن نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث نقل کی ہے۔

قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں امام نخعی رحمہ اللہ نے مہینے کے آخر میں تین دن روزہ رکھنے کو پسند کیا تا کہ گذشتہ گناہوں کا کفارہ ہو جائے۔

اور دوسرے حضرات نے مہینے کے پہلے، دسویں اور بیسویں دن کو اختیار کیا اور کہا گیا ہے کہ حضرت مالک بن انس رضی اللہ عنہ کا روزہ اسی طرح تھا۔

مالکی حضرات میں سے ابن شعبان نے کہا کہ مہینے کے پہلے دن گیارہویں اور اکیسویں دن کا روزہ رکھا جائے اور یہ بات حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے نقل کی اور یہ امام نسائی کی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کردہ حدیث کے موافق ہے۔ جس میں یوں آیا ہے:

وصم من کل عشرة ایام یوما. ہر عشرہ میں سے ایک دن روزہ رکھو۔

اسنوی نے ماوردی سے نقل کیا کہ سیاہ دنوں (جب چاندنی نہیں ہوتی) میں روزہ رکھو اور وہ ستائیس تاریخ اور اس کے بعد کے دو دن ہیں۔

لیکن ایام بیض کو ترجیح ہے کیونکہ وہ مہینے کے درمیان میں ہیں اور کسی چیز کا درمیان اس کے اعتدال پر ہوتا (اور عمدہ ہوتا ہے) اور عام طور پر سورج گرہن ان تاریخوں پر ہوتا ہے اور حدیث میں یہ حکم آیا کہ جب یہ صورت ہو تو زیادہ عبادت کرو پس جب سورج گرہن ان دنوں میں ہو جن میں ایام بیض عادت کے مطابق واقع ہوں تو اس کیلئے مختلف قسم کی عبادات جمع ہوں گی یعنی روزہ' نماز اور صدقہ بخلاف اس کے جب روزہ نہ رکھا ہو تو اس کے لئے روزے والی عبادت نہیں پائی جائے گی۔

بعض حضرات نے مہینے کے شروع میں تین روزوں کو ترجیح دی ہے کیونکہ آدمی کو معلوم نہیں کہ کیا رکاوٹیں پیش آئیں گی۔ واللہ اعلم

پانچویں نوع

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اعتکاف' آخری عشرۂ رمضان میں عبادت کے لئے کوشش اور لیلۃ القدر کی تلاش

اعتکاف کی تعریف' حکمت اور حکم

جان لو! لغت میں اعتکاف رک جانے' ٹھہرنے اور لازم کرنے کو کہتے ہیں اور شریعت کی اصطلاح ہیں مخصوص آدمی کا مخصوص صفات کے ساتھ ٹھہرنا اعتکاف ہے۔

اس کا مقصود اور اس کی روح دل کو اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ کرنا اور اس سے جوڑ لینا اور اس کی رضا حاصل کرنے اور جو عمل اس کے قریب کرے اس کی فکر کرنا ہے پس اس کا انس مخلوق کی بجائے اللہ تعالیٰ سے ہوتا ہے تاکہ وحشت کے دن قبر میں جب کہ کوئی ساتھی نہیں ہوگا یہ انس اس کے کام آئے۔

اعتکاف واجب نہیں اس بات پر اجماع ہے البتہ جو شخص نذر مانے (اس پر واجب ہے) اور اسی طرح جو آدمی شروع کرکے جان بوجھ کر چھوڑ دے تو ایک قوم کے نزدیک اس پر واجب ہے۔[1]

کیا اس کے لئے روزہ شرط ہے؟

اعتکاف کے لئے روزے کے شرط ہونے کے بارے میں اختلاف ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ کا مذہب یہ ہے کہ اعتکاف کے درست ہونے کے لئے روزہ شرط نہیں ہے بلکہ جس نے روزہ نہ

---

[1] اگر نفل اعتکاف شروع کرکے چھوڑ دے تو وہیں ختم ہو جاتا ہے اس کی قضا واجب نہیں اگر سنت اعتکاف ہو تو جس دن چھوڑا اسی دن کی قضا واجب ہے۔ (بہار شریعت حصہ پنجم ص ۱۰۳)

رکھا ہو اس کا اعتکاف بھی صحیح ہے۔

امام مالک' امام ابوحنیفہ رحمہما اللہ اور اکثر حضرات فرماتے ہیں کہ روزہ شرط ہے پس جس نے روزہ نہ رکھا ہو اس کا اعتکاف درست نہیں۔

امام شافعی رحمہ اللہ نے نبی اکرم ﷺ کے اس اعتکاف سے استدلال کیا جو آپ نے شوال کے پہلے عشرہ میں کیا۔ اسے امام بخاری اور امام مسلم نے روایت کیا۔

اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی حدیث سے بھی استدلال کیا انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں نے دور جاہلیت میں ایک رات کے اعتکاف کی نذر مانی تھی' آپ نے فرمایا: اپنی نذر کو پورا کرو۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۳۱۲۔ ۳۳۲۵' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۱۵۳۹' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۱۳۰' مسند احمد ج ۱ ص ۳۷۔ ج ۲ ص ۳۱۹۔ ج ۶ ص ۳۶۶' السنن الکبریٰ ج ۴ ص ۳۱۸۔ ج ۱۰ ص ۷۶' المعجم الکبیر ج ۱۲ ص ۲۳)

اور رات روزے کا محل نہیں پس یہ اس بات پر دلالت ہے کہ اعتکاف کے لئے روزہ شرط نہیں۔ [1]

اعتکاف کی جگہ مسجد ہی ہے

علماء کرام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اعتکاف کے لئے مسجد شرط ہے البتہ محمد بن عمر بن لبابہ مالکی متوفی ۳۳۰ھ [2] نے ہر جگہ اجازت دی ہے' احناف نے عورت کو اجازت دی ہے کہ وہ اپنے گھر کی مسجد میں یعنی اس جگہ اعتکاف بیٹھے جو نماز کے لئے تیار کی گئی ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ کا قدیم قول بھی یہی ہے۔

امام ابوحنیفہ اور امام احمد رحمہما اللہ اس بات کی طرف گئے ہیں کہ اعتکاف ان مساجد کے ساتھ خاص ہے جن میں نمازوں کے لئے جماعت ہوتی ہے۔ لیکن امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک واجب اعتکاف کے لئے یہ بات ضروری ہے اور ان کے نزدیک نفلی اعتکاف ہر مسجد میں ہو سکتا ہے۔

جمہور کے نزدیک ہر مسجد میں اعتکاف ہو سکتا ہے البتہ جس پر جمعہ لازم ہو تو امام شافعی نے اس کے لئے جامع مسجد میں اعتکاف مستحب قرار دیا اور امام مالک نے شرط قرار دیا کیونکہ ان کے نزدیک جمعہ کے ساتھ اعتکاف ٹوٹ جاتا ہے (لہٰذا جب وہ جمعہ کے لئے باہر جائے گا تو اعتکاف ٹوٹ جائے گا اور نہیں جائے گا تو یہ کام حرام ہے) نیز امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک اعتکاف شروع کرنے سے واجب ہو جاتا ہے۔

اسلاف کے ایک گروہ مثلاً امام زہری رحمہ اللہ نے اسے مطلق جامع مسجد کے ساتھ خاص کیا (اس میں جمعہ کی نماز ہوتی ہو یا نہیں)۔ [3] امام شافعی رحمہ اللہ نے اپنے پہلے قول میں اسی طرح اشارہ کیا ہے۔

---

[1] اس کا جواب یہ ہے کہ "صحیح مسلم میں" رات کی بجائے دن کا ذکر ہے اور ابن حبان وغیرہ نے دونوں حدیثوں کو یوں جمع کیا کہ انہوں نے رات اور دن کے اعتکاف کی نذر مانی تھی تو جس نے دن کا ذکر کیا اس کے ساتھ رات بھی مراد لی اور جس نے رات کا ذکر کیا اس نے دن بھی مراد لیا اور "سنن نسائی اور ابوداؤد میں" یہ بھی آیا کہ حضور ﷺ نے ان کو روزہ رکھنے کا حکم بھی دیا۔ (زرقانی ج ۸ ص ۱۳۵)

[2] (الاعلام ج ۷ ص ۱۳۶' الدیباج المذہب ج ۱ ص ۲۰۰' رقم الترجمہ: ۵۷۷' بغیۃ الملتمس رقم الحدیث: ۱۳۳' جذوۃ المقتبس رقم الحدیث: ۹۱)

[3] احناف کا موقف بھی یہی ہے کہ ہر مسجد میں اعتکاف ہو سکتا ہے وہاں جمعہ کا ہونا ضروری نہیں۔ ۱۲ ہزاروی

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ اسے تین مساجد (مسجد حرام' مسجد نبوی اور مسجد اقصیٰ) کے ساتھ خاص کرتے ہیں اور حضرت عطاء اسے مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ کی دو مسجدوں کے ساتھ مخصوص قرار دیتے ہیں اور ابن مسیب صرف مسجد مدینہ طیبہ (مسجد نبوی) کے ساتھ خاص کرتے ہیں۔

اعتکاف کا کم از کم اور زیادہ سے زیادہ وقت

اس بات پر اتفاق ہے کہ اس کی زیادہ مدت کی کوئی حد نہیں البتہ کم از کم وقت میں اختلاف ہے۔

تو جن لوگوں نے اس میں روزے کی شرط رکھی ہے ان کے نزدیک کم از کم ایک دن ہے۔ اور ان میں سے بعض نے کہا کہ روزے کی شرط کے باوجود دن سے کم وقت میں بھی صحیح ہے۔ یہ بات ابن قدامہ نے نقل کی ہے۔ حضرت امام مالک رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ دس دن کی شرط ہے اور ان سے ایک یا دو دن کا قول بھی نقل کیا گیا۔

اور جنہوں نے روزے کی شرط نہیں رکھی انہوں نے فرمایا اعتکاف کی کم از کم مدت یہ ہے کہ اس پر ٹھہرنے کا اطلاق ہو سکے اور بیٹھنا شرط نہیں۔

نبی اکرم ﷺ کا اعتکاف اور لیلۃ القدر کی تلاش

ہمارے سردار رسول اکرم ﷺ رمضان شریف کے آخری عشرہ میں اعتکاف بیٹھتے تھے یہ بات حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے۔ (صحیح بخاری ومسلم)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ ہر سال دس دن اعتکاف بیٹھتے اور وصال والے سال آپ نے بیس دن کا اعتکاف فرمایا۔ (صحیح بخاری)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے رمضان المبارک کا پہلا عشرہ اعتکاف میں گزارا' پھر ایک ترکی خیمہ میں دوسرا عشرہ اعتکاف بیٹھے پھر سر انور باہر نکال کر فرمایا میں پہلا عشرہ اعتکاف بیٹھا تاکہ اس رات (یعنی لیلۃ القدر) کو تلاش کروں پھر درمیانے عشرہ میں اعتکاف بیٹھا پھر میرے پاس کوئی آیا اور مجھے کہا گیا کہ یہ آخری عشرہ میں ہے۔ میں نے اس رات کو دیکھا پھر مجھے بھلا دی گئی اور میں نے دیکھا کہ میں اس کی صبح پانی اور گارے میں سجدہ کرتا ہوں پس تم اسے آخری عشرہ میں تلاش کرو اور اس کی طاق راتوں میں تلاش کرو۔

راوی فرماتے ہیں اس رات بارش ہوگئی اور مسجد چھپر کی طرح تھی (چھت مراد ہے) تو اس سے پانی ٹپکنے لگا' میری آنکھوں نے دیکھا کہ نبی اکرم ﷺ کی پیشانی مبارک پر پانی اور گارے کا اثر ہے اور یہ اکیسویں شب کی صبح تھی۔

(صحیح بخاری ومسلم)

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ لیلۃ القدر میں باہر تشریف لائے تو فلاں فلاں نے آپس میں جھگڑا کیا پس اس کو اٹھا لیا گیا (تعین مراد ہے)۔

اور ہو سکتا ہے کہ یہ بات تمہارے لئے بہتر ہو پس اس کو تلاش کرو جب نو' سات اور پانچ راتیں باقی ہوں (اکیس' تیئس اور پچیس رمضان کی راتیں مراد ہیں)۔ (صحیح بخاری)

صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: مجھے لیلۃ القدر دکھائی

گئی پھر بھلا دی گئی اور میں نے اپنے آپ کو دیکھا کہ اس کی صبح میں پانی اور گارے میں سجدہ کر رہا ہوں۔

راوی فرماتے ہیں: پس تیسویں رات کو بارش ہوئی آپ نے ہمیں نماز پڑھائی تو پانی اور گارے کا نشان آپ کی پیشانی اور ناک پر تھا۔ (صحیح مسلم)

''سنن ابی داؤد میں'' حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے (نبی اکرم ﷺ نے فرمایا):

اطلبوھا لیلۃ سبع عشرہ۔ اس رات کو سترہویں رات میں تلاش کرو۔

امام طبرانی نے مرفوعاً حضرت ابو ہریرہ کی حدیث سے نقل کیا: کہ لیلۃ القدر کو سترہویں یا انیسویں یا اکیسویں یا تیسویں یا پچیسویں یا ستائیسویں یا انتیسویں رات میں تلاش کرو۔

لیلۃ القدر کی حد بندی

علماء کرام نے لیلۃ القدر کے بارے میں بہت اختلاف کیا ہے اور ان میں سے بعض نے خالص اس مسئلہ پر کتابیں لکھی ہیں۔ حافظ ابو الفضل ابن حجر رحمہ اللہ نے اس سلسلے میں علماء کرام کے قول سے چالیس سے زیادہ قول جمع کیے ہیں جس طرح جمعہ کی (مقبولیت والی) ساعت کے بارے میں متعدد اقوال ہیں (بیالیس اقوال ہیں)۔

امام شافعی رحمہ اللہ کا مذہب یہ ہے کہ یہ صرف آخری عشرہ میں ہے جیسا کہ انہوں نے واضح الفاظ میں بتایا اور الاسنوی نے ان سے نقل کیا۔

محاملی سے ''التجرید'' میں منقول ہے کہ اس رات کو پورے مہینے میں تلاش کیا جائے۔ (راجع ج ۱ ص ۳۵۱) [1]

شیخ ابو اسحاق نے ''التنبیہ'' نے'' ان کا راستہ اختیار کیا اور فرمایا: کہ لیلۃ القدر کو پورے ماہ رمضان میں تلاش کیا جائے پھر امام غزالی رحمہ اللہ نے اپنی کتب میں ان کی اتباع کی۔

''التقریب کے'' مصنف نے اس رات کے نصف اخیر میں ہونے کے جواز میں تردد کیا اسی طرح ان سے امام نے نقل کیا اور اس (تردد) کو ضعیف قرار دیا ان سے ابن الملقن نے ''شرح العمدہ میں'' نقل کیا۔

قرطبی کی ''المفہم میں'' قول نقل کیا گیا کہ یہ شعبان کی پندرہویں رات ہے پہلے قول (یعنی آخری عشرہ میں ہونے) پر دلیل حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جو ہم نے پہلے ذکر کی ہے۔ امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں امام شافعی رحمہ اللہ کا میلان اس طرف ہے کہ اکیسویں یا تیسویں رات ہے' اکیسویں رات اس لئے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا جیسا کہ ابو سعید رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ مجھے یہ رات دکھائی گئی اور میں نے اپنے آپ کو دیکھا کہ اس کی صبح میں پانی اور گارے میں سجدہ کر رہا ہوں راوی فرماتے ہیں میری آنکھوں نے نبی اکرم ﷺ کو اس طرح دیکھا کہ آپ کی پیشانی پر پانی اور گارے کا نشان تھا اور یہ اکیسویں تاریخ تھی۔

تیسویں رات کی دلیل حضرت عبد اللہ بن انیس کی حدیث ہے جو پہلے گزر چکی ہے۔ شافعی مسلک سے تعلق رکھنے والی ایک جماعت نے اس پر اعتماد کیا ہے کہ یہ اکیسویں رات ہے لیکن امام سبکی نے فرمایا کہ یہ بات ان کے نزدیک قطعی

[1] علامہ زرقانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ہمارے شیخ نے فرمایا کہ محاملی کی التجرید کے نام سے کوئی کتاب معروف نہیں اور نہ اسنوی نے الطبقات میں ذکر کیا۔ (زرقانی ج ۸ ص ۱۳۸)

نہیں ہے کیونکہ ان کا اتفاق ہے کہ جو شخص بیس رمضان کو اپنے غلام کی آزادی کو لیلۃ القدر کے ساتھ مشروط کرے تو وہ اس رات آزاد نہیں ہوگا بلکہ صحیح قول کے مطابق مہینہ ختم ہونے پر آزاد ہوگا کیونکہ یہ رات آخری عشرہ میں (کوئی رات) ہے۔

حضرت ابن خزیمہ جو ہمارے اصحاب (شافعی مسلک والوں) میں سے ہیں ان سے منقول ہے کہ یہ رات ہر سال آخری عشرہ کی کسی رات کی طرف منتقل ہو جاتی ہے۔

اس کا خلاصہ یہ ہے کہ دو قول ہیں اور ابن خزیمہ کے قول کی توجیہ کی گئی اور امام نووی نے "فتاویٰ اور شرح المہذب میں" ابن خزیمہ کی رائے کو اختیار کیا ہے۔

کیا لیلۃ القدر اس اُمت کے ساتھ خاص ہے؟

مالکیوں میں سے ابن حبیب نے قطعی طور پر ذکر کیا اور جمہور نے اسے نقل کیا اور شافعی حضرات میں سے "العدۃ" کے مصنف نے بھی نقل کیا اور اس بات کو ترجیح بھی دی کہ لیلۃ القدر اس امت کے ساتھ خاص ہے اور ان سے پہلے کسی امت میں یہ رات نہیں تھی۔

اس پر حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی حدیث سے اعتراض ہوتا ہے جسے امام نسائی رحمہ اللہ نے نقل کیا اس میں وہ فرماتے ہیں میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا یہ (لیلۃ القدر) انبیاء کرام کے ساتھ تھی جب ان کا وصال ہوا تو اسے اٹھا لیا گیا؟ فرمایا بلکہ یہ باقی ہے۔

ان حضرات (کے موقف) کی بنیاد حضرت امام مالک رحمہ اللہ کا مؤطا میں یہ قول ہے فرماتے ہیں: مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے گذشتہ امتوں کی عمروں کو مقابلے میں اپنی امت کی عمروں کو کم خیال کیا تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو لیلۃ القدر عطا فرمائی۔

اس روایت میں تاویل کا احتمال ہے پس حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی صریح حدیث کو اس کے ذریعے دور نہیں کیا جا سکتا جس طرح حافظ ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں اور حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں فرمایا ہے۔

لیلۃ القدر کی علامات

لیلۃ القدر کی کئی علامات ظاہر ہوئی ہیں ان میں ایک وہ ہے جو "صحیح مسلم میں" حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ اس رات کی صبح سورج یوں طلوع ہوتا ہے کہ اس کی کوئی شعاع نہیں ہوتی۔

ابن خزیمہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی مرفوع حدیث ذکر کی ہے کہ لیلۃ القدر نہ گرم ہوتی ہے اور نہ ہی ٹھنڈی اور اس کی صبح میں سورج سرخ کمزور طلوع ہوتا ہے۔

(مجمع الزوائد ج ۳ ص ۱۷۸' الدر المنثور ج ۶ ص ۳۷۶' کنز العمال رقم الحدیث: ۲۴۰۵۱-۲۴۰۵۲)

حضرت امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے مرفوع حدیث نقل کی ہے کہ یہ بالکل صاف ہوتی ہے گویا اس میں چاند چمکتا ہے ٹھہرا ہوا اور آسمان بالکل صاف ہوتا ہے اس میں نہ گرمی ہوتی ہے نہ سردی اور اس رات کسی ستارے کا ٹوٹنا بھی نہیں ہوتا۔

اور اس کی نشانیوں میں سے یہ بھی ہے کہ اس کی صبح کو سورج برابر طلوع ہوتا ہے اس کی کوئی شعاع نہیں ہوتی جس

طرح چودھویں رات کا چاند ہوتا ہے اور اس وقت اس کے ساتھ شیطان نہیں نکلتا۔

امام بیہقی رحمہ اللہ نے ''فضائل الاوقات'' میں روایت کیا کہ اس رات نمکین پانی میٹھا ہو جاتا ہے۔

نبی اکرم ﷺ کا آخری عشرہ میں کوشش کرنا

نبی اکرم ﷺ رمضان المبارک کے آخری عشرہ میں (عبادت کے لئے) جس قدر کوشش کرتے تھے اتنی دوسرے مہینوں میں نہیں کرتے تھے۔ اس حدیث کو امام مسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے نقل کیا۔

''صحیح بخاری میں'' ان ہی سے مروی ہے کہ:

اذا دخل العشر شد مئزره واحیا لیله وایقظ اهله.

جب آخری عشرہ داخل ہوتا تو آپ کمربستہ ہو جاتے اور اس کی راتوں کو (عبادت کے ذریعے) زندہ رکھتے اور گھر والوں کو بھی بیدار کرتے۔

عبدالرزاق فرماتے ہیں کہ ''شد مئزره'' کا مطلب یہ ہے کہ آپ اپنی ازواج مطہرات سے الگ رہتے یہ بات انہوں نے حضرت ثوری سے نقل کی ہے۔ خطابی کہتے ہیں اس بات کا احتمال ہے کہ اس سے عبادت میں کوشش کرنا مراد ہو۔ کہا جاتا ہے ''شددت لهذا الامر مئزری یعنی میں فلاں کلام کے لئے مستعد ہوا'' اور یہ بھی احتمال ہے کہ اس سے مستعد ہونا اور عورتوں سے الگ ہونا دونوں مراد ہوں اور یہ بھی احتمال ہے کہ اس سے حقیقت اور مجاز دونوں مراد ہوں پس ''شد مئزره'' سے اس کی حقیقت مراد ہوگی پس آپ نے کمربند نہ کھولا اور عورتوں سے الگ رہے نیز عبادت کے لئے مستعد بھی ہوئے۔

''واحیا لیله'' کا معنیٰ بیدار رہنا اور عبادت کے ساتھ زندہ رکھنا مراد ہے نیز اپنے آپ کو بیداری کے ذریعے زندہ رکھا کیونکہ نیند موت کی ساتھی ہے اور مجازاً رات کی طرف اضافت مجازی طور پر ہے کیونکہ سونے والا جب بیداری کے ذریعے زندہ رہتا ہے تو اس کی رات اس کی زندگی کے ساتھ زندہ ہوتی ہے جیسا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

لا تجعلوا بیوتکم قبورا.

اپنے گھروں کو قبرستان نہ بناؤ۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۰۴۲' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۸۷۷' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۱۲' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۲۵۶' مشکوۃ المصابیح رقم الحدیث: ۹۲۶۔ ۲۱۱۹' الدر المنثور ج ۱ ص ۱۹' الترغیب والترہیب ج ۲ ص ۳۶۹' کنز العمال رقم الحدیث: ۴۱۵۱۱۔ ۴۱۵۱۲)

یعنی سونہ جاؤ پس مردوں کی طرح ہو جاؤ گے اور یوں تمہارے گھر قبرستان کی طرح ہو جائیں گے۔

نبی اکرم ﷺ آخری عشرہ میں کچھ خصوصی اعمال کرتے تھے جو مہینے کے باقی دنوں میں نہیں کرتے تھے۔

ان اعمال میں سے شب بیداری ہے پس احتمال ہے کہ پوری رات جاگ کر گزارتے ہوں اور اس پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ایک حدیث گواہ ہے جو ضعیف طریقہ پر مروی ہے فرماتی ہیں: ''واحیا اللیل کله آپ پوری رات عبادت کرتے رہے۔ ''مسند میں'' انہی سے ہے فرماتی ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ بیس دن نماز اور نیند کو ملاتے تھے پس جب آخری عشرہ ہوتا تو مستعد ہو جاتے اور کمربستہ ہوتے۔

ابونعیم نے ایک ضعیف سند کے ساتھ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا' وہ فرماتے ہیں: جب رمضان

المبارک کا مہینہ داخل ہوتا تو نبی اکرم ﷺ (رات کو) قیام بھی فرماتے اور آرام بھی' اور جب چوبیس دن ہو جاتے تو نیند (کا مزا) نہ چکھتے۔ یہ بھی احتمال ہے کہ رات کے جاگنے سے اکثر حصہ مراد ہو۔

امام شافعی رحمہ اللہ کا قدیم قول ہے کہ جو شخص لیلۃ القدر میں عشاء اور صبح کے وقت جماعت میں حاضر ہو اس نے اس (رات) سے حصہ لے لیا۔

ایک مرفوع حدیث میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

من صلی لعشاء الاخرۃ فی جماعۃ فی رمضان فقد ادرک لیلۃ الاخرۃ.

جس نے رمضان میں عشاء کی نماز با جماعت ادا کی اس نے لیلۃ القدر کو پالیا۔

(مجمع الزوائد ج ۲ ص ۲۳۱' الدر المنثور ج ۶ ص ۳۷۷' حلیۃ الاولیاء ج ۹ ص ۲۴۵' المعجم الکبیر ج ۸ ص ۲۱۰)

اس حدیث کو ابو الشیخ نے روایت کیا۔

ان خصوصیات میں سے یہ بھی ہے کہ آپ اپنے گھر والوں کو آخری دس راتوں میں جگاتے تھے' پہلی راتوں میں نہیں۔

آخری عشرہ کے مخصوص اعمال میں سے یہ بھی ہے کہ رات کے کھانے کو سحری تک مؤخر کر دینا۔ حضرت انس اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ آخری عشرہ کی راتوں میں شام کا کھانا عشاء تک مؤخر کرتے تھے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کے الفاظ اس طرح ہیں کہ جب رمضان کا مہینہ ہوتا تو نبی اکرم ﷺ (رات کو) قیام کرتے اور آرام بھی فرماتے اور جب آخری عشرہ آ جاتا تو کمر بستہ ہو جاتے اور عورتوں سے اجتناب کرتے دونوں اذانوں کے درمیان غسل فرماتے اور رات کا کھانا سحری کے وقت کھاتے تھے۔ اس حدیث کو ابن ابی عاصم نے روایت کیا ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث کے الفاظ یوں ہیں:

جب رمضان شریف کا آخری عشرہ داخل ہوتا تو آپ بستر لپیٹ دیتے' عورتوں سے الگ رہتے اور رات کا کھانا سحری کے وقت تناول فرماتے۔

پہلی حدیث کی سند ٹھیک ہے اور دوسری میں حفص بن غیاث ہے اور اس کے بارے میں ابن عدی نے کہا کہ منکر حدیث روایت کرتا ہے۔ اور اس سے میری ملاقات نہیں ہے لیکن اس کے لئے حدیث وصال شاہد ہے جو "صحیح بخاری وغیرہ میں" مذکور ہے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔

ان مخصوص اعمال میں سے یہ بھی ہے کہ مغرب و عشاء کے درمیان نبی اکرم ﷺ غسل فرماتے تھے۔ یہ بات حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں مروی ہے اور اس کی سند میں ضعف ہے۔

چھٹی نوع

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حج اور عمرہ کا ذکر

حج کے لئے جلدی کرنا

جان لو کہ حج معبود برحق کی بارگاہ میں حاضر ہونا' جود وسخا کے میدان میں ٹھہرنا' بلند رحمانی مقام کا مشاہدہ کرنا اور عہد ربانی کے مقام تک پہنچنا ہے اور یہ بات مخفی نہیں کہ ان مقاماتِ مقدسہ میں ہونا ہی شرف اور بلندی ہے اور ان جگہوں میں ادھر ادھر پھرنا فخر اور بلندی ہے کیونکہ قابلِ احترام مقامات پر بھرپور فیض کے بھرے ہوئے ڈول ڈالے جاتے ہیں اور اس سلسلے میں مجنون بن عامر سے منقول اشعار تجھے کفایت کرتے ہیں:

رای المجنون فی البیداء کلبا — فجر علیہ للاحسان ذیلا
فلاموہ علی ما کان منہ — وقالوا لم منحت الکلب نیلا
فقال دعوا الملام فان عینی — رأتہ مرۃ فی حی لیلا

''مجنوں نے بیابان میں ایک کتے کو دیکھا تو اس کے لئے احسان کا دامن بچھا دیا (اور اس کے آگے بچھ گیا)۔

دیکھنے والوں نے مجنوں کے اس فعل پر اس کی ملامت کرتے ہوئے کہا عزت و کرامت کا تاج تو اللہ تعالیٰ نے بجوائے ''ولقد کرمنا بنی ادم'' انسان کے سر پر سجایا ہے اور تم نے اشرف المخلوقات ہو کر ایک نجس جانور کے آگے یوں بچھ کر اہانتِ کرامتِ انسانیت کی ہے۔

مجنوں نے یہ سن کر جواب دیا کہ ملامت کرنا چھوڑ دو کیونکہ میری آنکھوں نے اس کتے کو ایک مرتبہ کوچۂ لیلیٰ میں دیکھا تھا۔ (اس لئے تجھ سے دُر در سے سگ اور سگ سے ہے نسبت مجھ کو' والا معاملہ ہے معاف رکھیے گا)''۔

مجنوں نے جنگل میں ایک کتا دیکھا تو احسان کرتے ہوئے اس پر اپنے دامن کو پھیلا دیا لوگوں نے اسے اس عمل پر ملامت کیا اور کہا تم نے کتے کے ساتھ یہ احسان کیوں کیا؟ اس نے کہا مجھے ملامت نہ کرو کیونکہ میں نے اسے ایک مرتبہ لیلیٰ کے محلے میں دیکھا ہے پس بندے کو چاہیے کہ وہ حج کے معاملے میں اہتمام کرے اور اس کے لئے جلدی کرے اور اپنے کمزور ارادے کو برانگیختہ کرے جو اسے اس کی ترغیب دے اور مغفرت کے صابن کے ساتھ عمر بھر کے گناہوں کی میل کو دھونے میں سستی نہ کرے اور اس کی طرف جلدی کرنے میں کاہلی سے کام نہ لے۔

حج کی فرضیت [1]

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

من اراد الحج فلیتعجل. — جو شخص حج کا ارادہ کرے اسے جلدی کرنی چاہیے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۷۳۳، المستدرک ج ۱ص ۴۴۸، مسند احمد ج ۱ص ۲۲۵، السنن الکبریٰ ج ۴ص ۳۴۰، مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۲۵۲۳، کنز العمال رقم الحدیث: ۱۱۸۸۷)

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہوئے آپ نے فرمایا:

من ملک راحلة وزادا يبلغه الى بيت الله الحرام فلم يحج فلا عليه ان يموت يهوديا او نصرانيا. جو شخص سواری اور زادراہ کا مالک ہو جو اسے عزت والے گھر تک پہنچائے اور وہ حج نہ کرے تو کوئی پرواہ نہیں کہ یہودی ہو کر مرے یا عیسائی ہو کر۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۸۱۲، اتحاف السادۃ المتقین ج ۴ص ۲۶۷، مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۲۵۲۱، الدر المنثور ج ۲ص ۵۶، تفسیر قرطبی ج ۴ص ۱۵۳، کنز العمال رقم الحدیث: ۱۱۸۷۷)

نبی اکرم ﷺ نے خطبہ دیا جس میں ارشاد فرمایا:

قد فرض الله عليكم الحج فحجوا. اللہ تعالیٰ نے تم پر حج فرض کیا ہے پس حج کرو۔

اس حدیث کو امام مسلم اور امام نسائی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے روایت کیا۔

"سنن نسائی کی روایت میں" حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً مروی ہے:

ان الله كتب عليكم الحج. بے شک اللہ تعالیٰ نے تم پر حج فرض کیا۔

حضرت اقرع بن حابس تمیمی نے عرض کیا: كل عام يا رسول الله. یارسول اللہ! کیا ہر سال؟ فرمایا: لو قلت نعم لوجبت. اگر میں ہاں کر دیتا تو واجب ہو جاتا۔

پس حج کا وجوب (فرضیت) معلوم ہوا اور یہ ضروریات دین سے ہے اور اس پر اجماع ہے کہ اس میں تکرار نہیں ہاں اگر کوئی سبب ہو مثلاً نذر ماننا (تو اس وجہ سے واجب ہوگا)۔

اس سلسلے میں اختلاف ہے کہ آیا یہ فوری طور پر فرض ہے یا تاخیر کی صورت میں؟ تو امام شافعی رحمہ اللہ، امام ابو یوسف رحمہ اللہ اور ایک گروہ نے کہا کہ یہ تراخی کے ساتھ واجب ہے (یعنی فوری طور پر نہیں) یہاں تک کہ وہ اس حالت کو پہنچ جائے کہ اب اس کے رہ جانے کا خوف ہو اگر وہ مؤخر کرے، امام مالک، امام ابوحنیفہ اور دوسرے حضرات کے نزدیک فوری طور پر واجب ہے (یعنی شرائط پائی گئیں تو اب تاخیر کرنا جائز نہیں)۔

فرضیت حج کی ابتداء

حج کب فرض ہوا؟ اس سلسلے میں بھی اختلاف ہے۔

ایک قول یہ ہے کہ ہجرت سے پہلے فرض ہوا بعض نے کہا یہ قول شاذ ہے (جمہور کا قول نہیں ہے)۔

بعض نے کہا کہ ہجرت کے بعد فرض ہوا، پھر سال فرضیت میں اختلاف ہے تو جمہور کے نزدیک ۶ھ میں فرض ہوا کیونکہ اس کے بارے میں قرآن مجید کی یہ آیت نازل ہوئی:

وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ. (البقرہ:۱۹۶) اور حج و عمرہ کو اللہ تعالیٰ کے لئے پورا کرو۔

یہ اس بنیاد پر ہے کہ اتمام سے مراد ابتدائے فرض ہو اور اس کی تائید حضرت علقمہ، حضرت مسروق اور حضرت ابراہیم

نخعی کی قرأت سے ہوتی ہے۔

ان کی قرأت میں "واقیموا" کا لفظ ہے یعنی قائم کرو (ادا کرو) طبری نے صحیح اسناد کے ساتھ ان حضرات سے یہ الفاظ روایت کئے ہیں۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ اتمام (واتموا) سے مراد شروع کرنے کے بعد مکمل کرنا ہے۔

یہ قول اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ فرضیت اس سے پہلے ہوئی۔ حضرت ضمام کے واقعہ میں حج کے حکم کا ذکر ہے [1] اور جیسا کہ واقدی نے ذکر کیا ان کی آمد ۵ھ میں ہوئی اگر یہ ثابت ہو تو یہ اس بات پر دلالت ہے کہ حج کی فرضیت ۵ھ سے پہلے ہوئی یا اسی سال واقع ہوئی۔

ایک دوسرے گروہ نے کہا کہ اس کی فرضیت نو اور دس ہجری تک مؤخر ہوئی (کسی نے نو اور کسی نے دس ہجری کا ذکر کیا) کہ سورۂ آل عمران کا ابتدائی حصہ عام الوفود (جس سال مختلف وفد حاضر ہوئے) میں نازل ہوا اور اسی سال نجران کا وفد نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور جزیہ ادا کرنے پر مصالحت ہوئی۔

اور جزیہ کا حکم تبوک کے سال ۹ھ میں نازل ہوا اور اسی سال سورۂ آل عمران کی ابتدائی آیات نازل ہوئیں' آپ نے اہل کتاب سے مناظرہ کیا اور ان کو توحید کی دعوت دی اور اس پر دلالت یہ ہے کہ اہل مکہ نے مشرکین کے ساتھ تجارت نہ ہونے کا دکھ محسوس کیا جب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ. اے ایمان والو! مشرک ناپاک ہیں۔

(التوبہ:۲۸)

تو اللہ تعالیٰ نے ان کو اس کے بدلے جزیہ عطا کیا اور ان آیات کا نزول اور ان کے نزدیک ندا' ۹ھ میں ہوئی اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو حج کے موسم میں ان آیات کے ساتھ بھیجا گیا کہ آپ اعلان فرما دیں اور ان کے بعد حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو بھیجا۔

نبی اکرم ﷺ کے حج وعمرہ کی تعداد

"جامع ترمذی میں" حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے تین حج فرمائے' دو حج ہجرت سے پہلے اور ایک حج ہجرت کے بعد کیا جس کے ساتھ عمرہ بھی فرمایا اور اپنے تریسٹھ اونٹ بھی لے گئے۔ پھر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ یمن سے باقی اونٹ لے کر آئے ان میں ایک اونٹ کے ناک میں چاندی کی بالی تھی (یا ناک کا کوئی بھی زیور) تو آپ نے ان سب کی قربانی دی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ہجرت سے پہلے تین حج کئے۔ اس حدیث کو حاکم اور ابن ماجہ نے نقل کیا اس کی بنیاد انصار کے وفود کی تعداد ہے جنہوں نے حج کے بعد منیٰ میں عقبہ کے پاس آپ سے

[1] بنو سعد نے حضرت ضمام بن ثعلبہ کو سفیر بنا کر حضور ﷺ کی خدمت میں بھیجا انہوں نے نبی اکرم ﷺ سے مختلف سوالات کئے جو آپ کی رسالت اور عبادات سے متعلق تھے اور جاتے ہوئے کہا میں ان میں کمی زیادتی نہیں کروں گا وہ واپس ہوئے' اپنی قوم کو ماجرا سنایا اور ان کی تقریر کا اثر یہ ہوا کہ شام سے پہلے ان کے قبیلے کے سب مرد وزن مسلمان ہو گئے۔ (سیرت النبی ج ۲ ص ۴۰'۴۱)

ملاقات کی اس روایت سے اس بات کی نفی نہیں ہوتی کہ آپ نے اس سے پہلے بھی حج کیے۔

حاکم نے صحیح سند کے ساتھ جسے حضرت ثوری تک پہنچایا (روایت کیا) کہ نبی اکرم ﷺ نے ہجرت سے پہلے کئی حج کیے۔

ابن جوزی نے کہا کہ نبی اکرم ﷺ نے کئی حج کیے جن کی تعداد معلوم نہیں۔ ابن اثیر نے کہا نبی اکرم ﷺ ہجرت سے پہلے ہر سال حج کرتے تھے۔

نبی اکرم ﷺ کا حجۃ الوداع کے لئے تشریف لے جانا

"صحیح مسلم (رقم الحدیث: ۱۲۱۸) میں ہے" حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے ایک طویل حدیث میں فرمایا کہ نبی اکرم ﷺ (مدینہ طیبہ میں) نو سال ٹھہرے اور آپ نے حج نہ کیا پھر دسویں سال لوگوں میں اعلان کیا گیا کہ نبی اکرم ﷺ حج کرنے والے ہیں پس مدینہ طیبہ میں بہت سے لوگ آئے وہ تمام لوگ نبی اکرم ﷺ کی اقتداء کرنے اور آپ کے عمل جیسا عمل کرنے کی التماس کر رہے تھے ہم نبی اکرم ﷺ کے ہمراہ نکلے حتیٰ کہ ذوالحلیفہ پہنچے تو حضرت اسماء بنت عمیس کے ہاں حضرت محمد بن ابی بکر (رضی اللہ عنہم) کی ولادت ہوئی انہوں نے نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں پیغام بھیجا کہ میں کیا طریقہ اختیار کروں؟ آپ نے فرمایا غسل کرو اور کپڑے کی پٹی سے باندھ کر احرام باندھ لو۔ (لسان العرب ج ۲ ص ۱۰) نبی اکرم ﷺ نے مسجد میں نماز پڑھی پھر قصواء (اونٹنی) پر سوار ہوئے حتیٰ کہ جب آپ کی اونٹنی بیداء مقام پر سیدھی کھڑی ہو گئی تو آپ نے دیکھا حد نگاہ تک آپ کے سامنے سوار اور پیدل لوگ تھے آپ کی دائیں جانب بھی یہی حال تھا۔ بائیں جانب بھی اس کی مثل اور پیچھے بھی اسی طرح کا نقشہ تھا۔ نبی اکرم ﷺ ہمارے درمیان تھے اور آپ پر قرآن نازل ہو رہا تھا اور آپ اس کی تاویل جانتے تھے آپ نے جو عمل کیا ہم نے وہی کام ہے کیا۔

امام نسائی کے نزدیک ایک روایت میں ہے حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ذی قعدہ کے پانچ دن باقی تھے کہ نبی اکرم ﷺ باہر تشریف لائے ہم بھی آپ کے ساتھ نکلے حتیٰ کہ جب ذوالحلیفہ میں پہنچے (آخر تک)۔

نبی اکرم ﷺ مدینہ طیبہ سے ظہر اور عصر کے درمیان نکلے پھر ذوالحلیفہ میں اترے اور وہاں عصر کی دو رکعتیں پڑھائیں اس کے بعد وہاں ہی رات گزاری اور وہاں مغرب، عشاء، صبح اور ظہر کی نماز پڑھی آپ کی تمام ازواج مطہرات آپ کے ساتھ تھیں اس رات آپ ان سب کے پاس تشریف لے گئے پھر احرام کے لئے دوسرا غسل کیا جو پہلے غسل یعنی جماع والے غسل کے علاوہ تھا۔

نبی اکرم ﷺ کا احرام اور احرام کی جگہ

"جامع ترمذی میں" حضرت خارجہ بن زید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے احرام باندھنے کے لئے کپڑے اتارے اور غسل فرمایا۔

"صحیح بخاری و مسلم میں ہے کہ" حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ کو ذریرہ خوشبو لگائی گویا میں آپ کے سر انور کی چوٹی میں خوشبو کی چمک دیکھ رہی ہوں اور آپ محرم تھے۔

ایک روایت میں ہے آپ فرماتی ہیں: کہ میں نے آپ کے احرام کے وقت آپ کو خوشبو لگائی پھر آپ ازواج

مطہرات کے پاس تشریف لے گئے پھر آپ محرم ہوئے۔

ایک اور روایت میں ہے کہ خوشبو پھیل رہی تھی۔

ایک اور روایت میں ہے کہ میں نے آپ کو ایسی خوشبو لگائی جو تمہاری خوشبو جیسی نہ تھی ان کا مقصد یہ ہے کہ وہ باقی رہنے والی نہ تھی۔

یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ احرام کا ارادہ کرتے وقت خوشبو لگانا مستحب ہے اور احرام کے بعد اس کے باقی رہنے میں کوئی حرج نہیں اور اس کے رنگ اور خوشبو کے باقی رہنے سے کوئی نقصان نہیں ہوتا۔

احرام کی حالت میں خوشبو لگانا حرام ہے یہ حضرت امام شافعی' امام ابوحنیفہ' امام ابویوسف اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ کا مذہب ہے' خطابی نے اسے اکثر صحابہ کرام سے نقل کیا اور نووی رحمہ اللہ نے پہلے اور پچھلے جمہور علماء سے اسے نقل کیا ہے۔

امام مالک رحمہ اللہ کا مؤقف یہ ہے کہ احرام سے پہلے ایسی خوشبو لگانا جس کی بو باقی رہے' منع ہے لیکن وہ فرماتے ہیں اگر کوئی ایسا کرے تو وہ گناہ گار ہوگا اور اس پر کوئی فدیہ نہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے' فرماتی ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ جب احرام باندھنے کا ارادہ فرماتے تو خطمی (مٹی) اور اشنان (بوٹی) کے ساتھ سر مبارک دھوتے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ظہر کی نماز پڑھی پھر اپنی سواری پر سوار ہوئے جب بیداء پہاڑ کے اوپر تشریف لے گئے تو احرام باندھا۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے مسجد کے پاس سے احرام باندھا۔

اس سے مسجد ذوالحلیفہ مراد ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ آپ نے درخت کے پاس سے احرام باندھا جب وہاں آپ کا اونٹ ٹھہرا۔

ایک دوسری روایت میں ہے جب آپ نے اپنا پاؤں رکاب میں رکھا اور سواری آپ کو لے کر سیدھی کھڑی ہوئی تو مسجد ذوالحلیفہ کے پاس تلبیہ کہا۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے جب حج کا ارادہ فرمایا تو لوگوں میں اعلان کر دیا گیا پس وہ آپ کے پاس جمع ہو گئے جب آپ بیداء پہاڑ کے پاس تشریف لائے تو احرام باندھا۔

حضرت ابن جبیر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے' وہ فرماتے ہیں: کہ میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کہا کہ مجھے نبی اکرم ﷺ کے احرام کے سلسلے میں صحابہ کرام کے اختلاف پر تعجب ہوا جب آپ نے احرام کی پابندیوں کو اپنے اوپر لازم کیا۔ انہوں نے فرمایا میں اس بات کو دوسرے لوگوں کی نسبت زیادہ جانتا ہوں' یہ نبی اکرم ﷺ کی طرف سے ایک حج تھا اس وجہ سے اختلاف ہوا۔

آپ حج کے ارادے سے نکلے جب مسجد ذوالحلیفہ میں اس (حج کے احرام) کی دو رکعتیں پڑھیں تو اس کو اپنی اس مجلس میں لازم کر لیا جب دو رکعتوں سے فارغ ہوئے تو تلبیہ کہا۔

ایک جماعت نے آپ سے سنا تو اسے یاد رکھا پھر آپ سوار ہوئے جب آپ کی اونٹنی نے آپ کو اٹھا لیا تو آپ نے تلبیہ کہا کچھ لوگوں نے آپ سے اس کا ادراک کیا کیونکہ لوگ آپ کے ساتھ متفرق طور پر آ رہے تھے جب آپ اونٹنی پر

تشریف فرما تھے اس وقت انہوں نے آپ سے تلبیہ سنا تو انہوں نے کہا کہ نبی اکرم ﷺ نے اس وقت تلبیہ کہا ہے جب آپ اونٹنی پر تشریف فرما تھے پھر آپ تشریف لے گئے جب بیداء پہاڑی پر تشریف لے گئے تو کچھ لوگوں نے آپ سے تلبیہ پایا تو انہوں نے کہا کہ جب آپ بیداء پر تشریف لے گئے اس وقت تلبیہ کہا اور اللہ کی قسم! آپ نے اپنے مصلٰی پر نیت کر لی تھی اور جب اونٹنی پر سوار ہوئے تو تلبیہ کہا اور جب بیداء کے اوپر تشریف لے گئے تو تلبیہ کہا۔ (سنن ابوداؤد)

حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جس نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا قول اختیار کیا اس نے دو رکعتوں سے فارغ ہونے پر اپنے مصلٰی پر تلبیہ کہا اور یہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مذہب ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ کے مذہب سے صحیح قول یہ ہے کہ اس وقت احرام باندھے جب سواری اسے لے کر کھڑی ہو جائے۔

ابن قیم نے کہا نبی اکرم ﷺ سے یہ بات منقول نہیں کہ آپ نے نمازِ ظہر کے علاوہ احرام کی دو رکعتیں پڑھی ہوں۔

میں (مصنف) کہتا ہوں کہ ''صحیح بخاری و مسلم میں'' حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ثابت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ذوالحلیفہ میں دو رکعتیں پڑھی ہیں پھر جب آپ کی اونٹنی مسجد ذوالحلیفہ کے پاس آپ کے ساتھ کھڑی ہوئی تو آپ نے تلبیہ کہا۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ احرام کے وقت دو رکعتیں پڑھنا مستحب ہے اور احرام سے پہلے پڑھے اور یہ نفل ہوں گے یہ ہمارا مذہب ہے اور تمام علماء کا مذہب ہے مگر قاضی وغیرہ نے حضرت حسن بصری رحمہ اللہ سے نقل کیا کہ دو رکعتیں فرض نماز کے بعد مستحب ہیں۔

کیونکہ یہ بات مروی ہے کہ یہ دو رکعتیں صبح کی نماز تھی اور صحیح بات وہ ہے جو جمہور نے کہی ہے اور یہی حدیث کا ظاہر ہے۔

نبی اکرم ﷺ کے حج اور احرام کے بارے میں اقوال

نبی اکرم ﷺ کے حجۃ الوداع کے بارے میں اختلاف ہے کہ کیا آپ قارن تھے یا مفرد یا متمتع؟ اور یہ تمام صورتیں ''صحیح بخاری، صحیح مسلم اور ان کے علاوہ'' کتب احادیث میں مروی ہیں' اس سلسلے میں علماء کے چھ اقوال ہیں۔

پہلا قول: نبی اکرم ﷺ نے حج افراد کیا اس کے ساتھ عمرہ نہ کیا۔

دوسرا قول: آپ نے حج تمتع کیا عمرہ کا احرام کھول دیا پھر اس کے بعد حج کا احرام باندھا جیسا کہ قاضی ابویعلیٰ وغیرہ نے کہا ہے۔

تیسرا قول: آپ نے حج تمتع کیا لیکن احرام نہیں کھولا کیونکہ آپ قربانی کے جانور اپنے ساتھ لے گئے تھے لیکن آپ قارن نہیں تھے۔

چوتھا قول: آپ نے قران کیا لیکن اس کے لئے دو طواف اور دو بار سعی کی۔

پانچواں قول: آپ نے حج افراد کیا پھر اس کے بعد تنعیم سے (احرام باندھ کر) عمرہ کیا۔

چھٹا قول: آپ نے حج قران کیا یعنی حج اور عمرہ کو ملایا اور جب تک دونوں کی ادائیگی نہیں ہوئی احرام نہیں کھولا' دونوں کے لئے ایک طواف اور ایک سعی فرمائی اور قربانی کا جانور بھی ساتھ لے گئے۔

نبی اکرم ﷺ کے احرام کے بارے میں بھی چھ مختلف اقوال ہیں:

پہلا قول: آپ نے صرف عمرہ کا تلبیہ کہا اور اس پر قائم رہے۔
دوسرا قول: صرف حج کا تلبیہ کہا پھر اسی پر برقرار رہے۔
تیسرا قول: حج افراد کا تلبیہ کہا پھر اس پر عمرہ کو داخل کیا۔
چوتھا قول: صرف عمرہ کا تلبیہ کہا پھر اس پر حج کو داخل کیا۔
پانچواں قول: مطلق احرام باندھا اس میں عبادت (حج یا عمرہ) کا تعین نہ فرمایا پھر احرام کے بعد تعین فرمایا۔
چھٹا قول: حج اور عمرہ دونوں کے لئے اکٹھا تلبیہ کہا۔

امام ابوجعفر طحاوی حنفی رحمہ اللہ نے اس سلسلے میں طویل کلام کیا اس مسئلہ میں آپ نے ایک ہزار سے زیادہ اوراق میں بحث کی ہے۔

جیسا کہ ان سے علماء کی ایک جماعت نے نقل کیا اور ابن حزم نے حجۃ الوداع کے بارے میں شافی بیانات ذکر کئے ہیں اور محب طبری نے اس سلسلے میں تمہید بلیغ لکھی ہے اور قاضی عیاض اور امام نووی رحمہما اللہ دونوں نے شرح مسلم میں اس طرف اشارہ کیا ہے' حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے اس کے اکثر مباحث کو کفایت کے ساتھ پورا کرتے ہوئے اس کی تنقیح کی (نکھار دیا)۔

قائلین افراد کے دلائل

امام شافعی رحمہ اللہ ایک جماعت کے ساتھ اس بات کی طرف گئے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے حج افراد کیا اس کے ساتھ عمرہ نہیں کیا' انہوں نے صحیحین میں مروی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے استدلال کیا۔

آپ فرماتی ہیں: حجۃ الوداع کے سال' ہم نبی اکرم ﷺ کے ہمراہ نکلے پس ہم میں سے بعض نے عمرہ کا احرام باندھا اور بعض نے حج اور عمرہ دونوں کا احرام باندھا اور ہم میں سے بعض نے صرف حج کا احرام باندھا جب کہ نبی اکرم ﷺ نے صرف حج کا احرام باندھا۔

یہ تقسیم اس بات کو واضح کرتی ہے کہ آپ نے صرف حج کا احرام باندھا۔ ''صحیح مسلم میں'' ان ہی سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے صرف حج کا احرام باندھا۔

''صحیح مسلم میں ہی'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے صرف حج کا احرام باندھا۔

''سنن ابن ماجہ میں'' حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے صرف حج کا احرام باندھا۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے صرف حج کا احرام باندھا۔ (صحیح بخاری)

یہ حضرات فرماتے ہیں کہ ان صحابہ کرام کو حجۃ الوداع کے موقعہ پر دوسرے حضرات کے مقابلے میں زیادہ قرب حاصل تھا۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ حجۃ الوداع کی حدیث باقی تمام صحابہ کرام سے زیادہ اچھے انداز میں بیان کرتے ہیں' انہوں نے نبی اکرم ﷺ کے مدینہ طیبہ سے تشریف لے جانے سے آخر تک کا پورا واقعہ بیان کیا پس ان کو یہ واقعہ دوسروں کی نسبت زیادہ یاد ہے۔

جہاں تک حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا تعلق ہے تو صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ حجۃ الوداع کے موقعہ پر انہوں نے

نبی اکرم ﷺ کی اونٹنی کی لگام پکڑی ہوئی تھی اور انہوں نے ان لوگوں کا رد کیا جوان کے قول پر حضرت انس رضی اللہ عنہ کے قول کو ترجیح دیتے ہیں انہوں نے فرمایا حضرت انس رضی اللہ عنہ خواتین کے پاس گئے اور ان کے سر ننگے تھے اور میں نبی اکرم ﷺ کی اونٹنی کے نیچے تھے اس کا لعاب مجھے پہنچ رہا تھا میں آپ سے سنتا تھا کہ آپ حج کا تلبیہ کہہ رہے تھے۔

جہاں تک حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا تعلق ہے تو نبی اکرم ﷺ سے ان کا قرب معروف ہے اسی طرح نبی اکرم ﷺ کے معاملات کے ظاہر و باطن اور خلوت و جلوت پر ان کا مطلع ہونا بھی معروف ہے اس کے ساتھ ساتھ آپ کو بہت زیادہ سمجھ دانائی بھی حاصل تھی۔

جہاں تک حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا تعلق ہے تو ان کا علم' دین کی سمجھ اور فہم کامل معروف ہے پھر یہ کہ آپ' نبی اکرم ﷺ کے احوال کے بارے میں زیادہ بحث کرتے تھے اور یہ احوال آپ کو دوسروں کی نسبت زیادہ محفوظ تھے نیز انہوں نے یہ سب کچھ جلیل القدر صحابہ کرام سے حاصل کیا۔

حج افراد کے قائلین کی دلیل یہ بھی ہے کہ خلفاء راشدین ہمیشہ حج افراد کرتے رہے اور وہ بڑے بڑے ائمہ اور قائدین اسلام اور مسلمانوں کے مقتدا تھے۔ تو ان کے بارے میں کیسے گمان کیا جاسکتا ہے کہ انہوں نے ہمیشہ افضل عمل کو ترک کیا ہو پھر یہ کہ ان میں سے کسی سے حج افراد کی کراہت منقول نہیں جب کہ ان سے تمتع اور قران کی کراہت منقول ہے حتیٰ کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے یہ عمل محض بیان جواز کے لئے کیا۔

علاوہ ازیں حج افراد میں قربانی واجب نہیں ہوتی جب کہ تمتع اور قران کا معاملہ اس کے برعکس ہے (ان میں قربانی واجب ہوتی ہے)۔

قائلینِ قران کے دلائل

امام نووی رحمہ اللہ کے نزدیک درست بات یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ قارن تھے' ان کی تائید اس بات سے ہوتی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے اس سال حج کے بعد عمرہ نہیں کیا وہ فرماتے ہیں اس میں شک نہیں کہ افراد سے قران افضل ہے نیز وہ شخص جو اس سال عمرہ نہ کرے ہمارے نزدیک اس کے لئے بھی قران افضل ہے اور کسی نے بھی یہ بات نہیں کہی کہ صرف حج' قران سے افضل ہے۔

قاضی حسین اور متولی نے افراد کو ترجیح دی ہے اگرچہ اس نے اس سال عمرہ نہ کیا ہو۔

حضرت حافظ ابوالفضل ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں جو حضرات قران کی روایت کرتے ہیں ان کی روایت کو چند وجوہ سے ترجیح حاصل ہے۔

(۱) ان لوگوں کے پاس افراد اور تمتع کی روایت والوں سے زیادہ علم ہے

(۲) جس نے افراد اور تمتع کی روایت کی ہے اس سے اس سلسلے میں اختلاف کیا گیا ہے جن سے افراد کی روایت ہے ان میں سے سب سے زیادہ مشہور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہیں اور ان سے ثابت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے حج کے ساتھ عمرہ بھی کیا' دوسرے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما ہیں اور ان سے ثابت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے عمرہ سے آغاز کیا پھر حج کا احرام باندھا پھر حضرت جابر رضی اللہ عنہ ہیں اور ان سے بھی یہ بات مروی ہے کہ آپ نے حج کے

ساتھ عمرہ بھی کیا۔

(۳) نبی اکرم ﷺ سے قران کی روایت کرنے والی ایک جماعت ہے اور اس سلسلہ میں ان سے کوئی اختلاف نہیں کیا گیا۔

(۴) نبی اکرم ﷺ سے کسی روایت میں یہ بات منقول نہیں ہے کہ آپ نے فرمایا ہو میں نے افراد کیا اور نہ یہ کہ میں نے تمتع کیا بلکہ آپ سے صحیح ثابت یہ ہے کہ آپ نے فرمایا ''اگر میرے ساتھ ھدی نہ ہوتی تو میں احرام کھول دیتا''۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۵۵۸۔۱۷۸۵۔۲۰۵۵۔۲۵۰۶' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۱۳' سنن نسائی رقم الحدیث: ۱۳۹' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۶۵۶' مسند احمد ج ۳ ص ۳۰۵' السنن الکبریٰ ج ۵ ص ۴۔۱۵)

(۵) آپ سے جس نے قران کی روایت کی ہے اس کی حدیث تاویل کا احتمال نہیں رکھتی ہاں کوئی بلا وجہ مخالفت کرے (تو الگ بات ہے) بخلاف اس کے جس نے افراد کی روایت نقل کی تو وہ پہلی حالت پر محمول ہے اور اس طرح تعارض ختم ہوتا ہے اس کی تائید اس بات سے ہوتی ہے کہ جس نے آپ سے افراد کی روایت نقل کی ہے اس نے قران والی صورت ذکر کی ہے۔

اور جس نے تمتع کی روایت کی ہے تو وہ دو عبادتوں کے لئے ایک سفر پر محمول ہے اور اس کی تائید اس بات سے ہوتی ہے کہ تمتع کی روایت کرنے والے اس کا وصف بیان کرتے ہوئے قران کی صورت میں بیان کرتے ہیں کیونکہ وہ اس پر متفق ہیں کہ آپ نے اس وقت تک عمرہ کا احرام نہیں کھولا جب تک حج کے تمام اعمال کو مکمل نہیں کیا۔ اور یہ قران کی ہی ایک صورت ہے۔

(۶) قران کی روایت دس سے زائد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے منقول ہے۔

ابن قیم نے ان راویوں کی تعداد سترہ شمار کی ہے ام المومنین حضرت عائشہ' حضرت عبداللہ بن عباس' حضرت عمر بن خطاب' حضرت علی بن ابی طالب' حضرت عثمان بن عفان انہوں نے حضرت علی المرتضیٰ کے لئے اقرار کیا' حضرت عمران بن حصین' حضرت براء بن عازب' ام المومنین حضرت حفصہ' حضرت ابوقتادہ' حضرت ابن ابی اوفیٰ' حضرت ابوطلحہ' حضرت ہرماس بن زیاد' حضرت ام سلمہ' حضرت انس بن مالک' حضرت سعد بن ابی وقاص' حضرت جابر اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم' تو یہ سترہ صحابہ کرام ہیں ان میں سے بعض نے آپ کا عمل روایت کیا اور بعض نے آپ کے احرام کا لفظ روایت کیا کچھ نے آپ کی ذاتی خبر اور کچھ نے آپ کا امر روایت کیا۔

اعتراض: تم کس طرح ان حضرات میں حضرت ابن عمر' حضرت جابر' حضرت عائشہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم کو شامل کرتے ہو؟ حالانکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ نے حج کا احرام باندھا اور ایک روایت میں ''افرد بالحج'' کے الفاظ ہیں (یعنی حج افراد کیا)

پہلی روایت ''صحیح بخاری اور صحیح مسلم'' میں ہے جب کہ دوسری روایت ''صحیح مسلم'' میں ہے اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں ''لبی بالحج وحدہ آپ نے صرف حج کا تلبیہ کہا'' یہ حدیث امام بخاری رحمہ اللہ نے نقل کی ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں ''اھل بالحج حج کا احرام باندھا''۔

اس حدیث کو امام مسلم نے روایت کیا اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ''افرد بالحج آپ نے حج افراد

کیا'' اس حدیث کو امام ابن ماجہ رحمہ اللہ نے روایت کیا۔

جواب: کہا گیا ہے کہ یہ احادیث باہم متعارض ہونے کی وجہ سے ساقط ہوگئیں اور باقی حضرات کی احادیث میں تعارض نہیں تو یہ بات بعید ہے کہ جو احادیث تم نے ذکر کیں ان میں قران اور افراد پر کوئی دلیل ہے تو باقی حضرات کی احادیث سے عدول کا باعث کیا ہے حالانکہ وہ صریح بھی ہیں اور صحیح بھی تو کیسے ہوگا جب کہ ان کی احادیث ایک دوسرے کی تصدیق کرتی ہیں اور ان کے درمیان کوئی تعارض نہیں۔ (زاد المعاد ج ۲ ص ۱۱۷)

امام ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ اس بات کا تقاضا ہے کہ ان احادیث سے شک دور ہوگیا اور اس بات کی طرف رجوع ہوگا کہ نبی اکرم ﷺ قارن تھے اور اس کا مقتضی یہ ہے کہ افراد اور تمتع سے قران افضل ہے صحابہ کرام اور تابعین کی ایک جماعت کا یہی قول ہے' حضرت امام ابوحنیفہ اور اسحاق بن راہویہ نے یہی فرمایا اور شافعی حضرات میں سے مزنی' ابن منکدر اور ابواسحاق مروزی نے اسی بات کو اختیار کیا اور متاخرین میں سے شیخ تقی الدین سبکی رحمہ اللہ نے اسی بات کو پسند کیا اور انہوں نے امام نووی رحمہ اللہ سے بحث کی کہ انہوں نے نبی اکرم ﷺ کے قارن ہونے والے قول کو اختیار کیا لیکن اس کے باوجود افراد افضل ہے۔

ان کی دلیل یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے پہلے حج افراد کو اختیار کیا پھر اس پر عمرہ داخل کیا اور یہ اس بات کے جواز کا بیان تھا کہ حج کے مہینوں میں عمرہ کرنا جائز ہے کیونکہ وہ لوگ اسے بہت بڑا گناہ سمجھتے تھے۔

اس پر اعتراض کیا گیا کہ بیان جواز تو نبی اکرم ﷺ کے تین عمروں میں ہو چکا تھا کہ آپ نے ان میں سے ہر ایک کا احرام ذی قعدہ میں باندھا اور وہ عمرۂ حدیبیہ ہے جس میں آپ کو بیت اللہ شریف سے روک دیا گیا' عمرۂ قضا ہے اور پھر عمرۂ جعرانہ ہے۔

اگر آپ نے حج کے ساتھ عمرہ کر کے محض بیان جواز کا ارادہ کیا ہوتا حالانکہ افضل اس کا خلاف ہے تو اس بات پر اکتفا کرتے کہ صحابہ کرام کو حج فسخ کر کے عمرہ کرنے کا حکم دیتے۔ (فتح الباری ج ۳ ص ۵۴۷ رقم الحدیث: ۱۵۶۴)

افضل حج کونسا ہے؟

حضرت امام شافعی' امام مالک اور بہت سے دوسرے حضرات کا مذہب یہ ہے کہ ان میں سے افضل حج افراد ہے پھر تمتع اور پھر قران ہے۔

اگر تم کہو کہ جب راجح قول یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ قارن تھے تو شافعی اور مالکی حضرات نے قران پر افراد کو ترجیح کیوں دی؟

تو امام نووی رحمہ اللہ نے ''شرح المہذب میں'' اس کا جواب یوں دیا ہے کہ افراد کو ترجیح دینے کی وجہ یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے پہلے اسے اختیار کیا پس صرف حج کا احرام باندھا اور مصلحت کے تحت یعنی حج کے مہینوں میں عمرہ کا جواز بیان کرنے کے لئے اس پر عمرہ داخل کیا اور اہل عرب کا عقیدہ یہ تھا کہ یہ بہت بڑا گناہ ہے جیسا کہ میں (مصنف) نے ذکر کیا۔

صحابہ کرام اور تابعین اور بعد والے حضرات کی ایک جماعت کے نزدیک تمتع افضل ہے۔ حضرت امام احمد رحمہ اللہ کا

مذہب بھی یہی ہے کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے اس کی تمنا فرمائی آپ نے فرمایا:

لو لا انی سقت الھدی لاحللت. اگر میں نے حدی نہ چلائی ہوتی تو میں احرام کھول دیتا۔

(یعنی اگر قربانی کے جانور ساتھ نہ لایا ہوتا تو ابھی احرام کھول دیتا اور پھر حج کے لئے احرام باندھتا)۔

اور تمنا صرف افضل کام کی ہوتی ہے۔

اس کا جواب یوں دیا گیا کہ آپ کا تمنا کرنا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دلوں کو خوش کرنے کے لئے تھا کیونکہ وہ آپ کی موافقت کے فوت ہو جانے پر غمگین تھے ورنہ افضل وہ عمل ہے جسے اللہ تعالیٰ نے پسند فرمایا اور نبی اکرم ﷺ نے اسے جاری رکھا۔

تمتع وغیرہ کے قائلین کا مناقشہ

جو لوگ اس بات کے قائل ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے عمرہ کا تلبیہ کہا اور اسی پر برقرار رہے ان کی دلیل حضرت ابن شہاب کی روایت ہے وہ حضرت سالم سے اور وہ حضرت ابن عمر (رضی اللہ عنہم) سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں:

تمتع رسول اللہ ﷺ فی حجۃ الوداع بالعمرۃ الی الحج. (صحیح بخاری ومسلم) نبی اکرم ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقعہ پر عمرہ کو حج کے ساتھ ملا کر تمتع کیا۔

حضرت ابن شہاب، حضرت عروہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے نبی اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہوئے ان کو آپ کے تمتع کی خبر دی کہ آپ نے عمرہ کے ساتھ حج کو ملایا تو صحابہ کرام نے بھی آپ کے ساتھ تمتع کیا جس طرح مجھے حضرت سالم نے حضرت ابن عمر (رضی اللہ عنہم) سے خبر دی۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

ھذہ عمرۃ استمتعنا بھا. یہ عمرہ ہے جس کے ساتھ ہم نے تمتع کیا۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۰۳، ۳۰ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۷۹۰، مسند احمد ج ۱ ص ۲۳۶۔ ۳۴۱، السنن الکبریٰ ج ۵ ص ۱۸، سنن دارمی ج ۲ ص ۵۱، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۱۰۲، مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۲۵۵۸، شرح السنہ ج ۷ ص ۷۹، المعجم الکبیر ج ۱۱ ص ۶۱)

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ تمتع کے بارے میں فرماتے ہیں:

صنعھا رسول اللہ ﷺ وصنعناھا معہ. (مؤطا امام مالک) نبی اکرم ﷺ نے یہ عمل کیا اور ہم نے آپ کے ساتھ اسی طرح کیا۔

امام ترمذی نے اسے صحیح قرار دیا۔

اس کا جواب یوں دیا گیا ہے کہ ان حضرات کے نزدیک تمتع، قران کو شامل ہے اور اس پر حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ کی حدیث دلالت کرتی ہے جو صحیحین میں مروی ہے، فرماتے ہیں: کہ حضرت علی المرتضیٰ اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہما عسفان میں جمع ہوئے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تمتع سے منع کرتے تھے تو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کہ جو کام نبی اکرم ﷺ نے کیا آپ اسے منع کرنے کا ارادہ کیوں کرتے ہیں؟ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: آپ

ہمیں چھوڑ دیجئے۔ انہوں نے فرمایا: میں آپ کو نہیں چھوڑ سکتا۔

پس جب انہوں نے یہ بات دیکھی تو دونوں (حج اور عمرہ) کا اکٹھا احرام باندھا۔

اس حدیث سے واضح ہوتا ہے کہ جس نے ان دونوں کو جمع کیا وہ ان کے نزدیک متمتع تھا اور نبی اکرم ﷺ نے یہی عمل کیا اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی اس بات میں موافقت کی کہ حضور ﷺ کا عمل یہی تھا لیکن ان دونوں کے درمیان اختلاف صرف اس بات میں تھا کہ ہمارے حق میں یہ افضل ہے یا نہیں؟

حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہما اس بات پر متفق ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے تمتع کیا اور ان کے نزدیک تمتع سے مراد قران ہے۔

نیز آپ نے تمتع قران کیا اس اعتبار سے کہ آپ نے دو سفروں میں سے ایک کو چھوڑنے کے ذریعے فائدہ حاصل کیا۔

''فتح الباری میں'' حضرت امام احمد رحمہ اللہ سے ہے کہ جو شخص ہدی چلائے اس کے لئے قران افضل ہے تاکہ نبی اکرم ﷺ کے فعل کے ساتھ اس کی موافقت ہو جائے اور جو شخص ہدی نہ چلائے تو اس کے لئے تمتع افضل ہے تاکہ اس کی موافقت اس عمل سے ہو جائے جس کی نبی اکرم ﷺ نے تمنا کی اور صحابہ کرام کو حکم دیا۔

جن حضرات نے کہا کہ رسول اکرم ﷺ نے حج افراد کیا پھر تنعیم یا اس کے علاوہ مقام سے عمرہ کیا تو یہ بات غلط ہے یہ بات صحابہ کرام اور تابعین میں سے کسی نے نہیں کہی نہ ائمہ اربعہ نے کہی اور نہ ہی اصحاب حدیث نے کہی ہے۔ یہ ابن تیمیہ کا قول ہے۔

اور جس نے کہا کہ رسول اکرم ﷺ نے حج تمتع کیا ہے کہ آپ نے (عمرہ کے بعد) احرام کھول دیا اور پھر آٹھ ذوالحجہ کو حج کا احرام باندھا اور آپ کے ساتھ ہدی بھی تھی تو اس کی دلیل حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ انہوں نے مروہ میں چوڑے پھل والے تیر کے ساتھ رسول اکرم ﷺ کے سر انور کے بال چھوٹے کئے ان کی حدیث صحیحین میں ہے۔

اور یہ بات ممکن نہیں کہ یہ واقعہ حجۃ الوداع کے علاوہ ہوا ہو کیونکہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے فتح مکہ کے بعد اسلام قبول کیا اور فتح کے موقعہ پر نبی اکرم ﷺ محرم تھے اور یہ واقعہ عمرۂ جعرانہ میں بھی نہیں ہو سکتا اس کی دو وجہ ہیں ایک یہ کہ حدیث صحیح کے بعض الفاظ میں ہے''وذلک فی حجته''(یہ آپ کے حج کے موقعہ پر ہوا) اور نسائی کی روایت میں صحیح سند کے ساتھ یوں ہے''وذلک فی ایام العشرة'' یہ (ذوالحجہ کے پہلے) عشرہ کے دنوں میں ہوا اور یہ آپ کے حج مبارک میں ہوا۔

تو یہ ان باتوں میں سے ہے جن کے بارے میں لوگوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر اعتراض کیا اور اس سلسلے میں غیر صحیح قرار دیا اور ابن عمر رضی اللہ عنہما کی بات درست ہے کہ آپ نے رجب میں عمرہ کیا جیسا کہ آگے آئے گا۔

اور تمام صحیح احادیث اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے قربانی کے دن تک احرام نہیں کھولا۔ آپ نے خود اپنے بارے میں یہی فرمایا کہ اگر میرے ساتھ ہدی نہ ہوتی تو میں احرام کھول دیتا اور یہ بھی فرمایا کہ میں نے ہدی چلائی اور (حج وعمرہ کو) ملایا پس میں قربانی کرنے تک احرام نہیں کھولوں گا۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۷۹۷' سنن نسائی ج۵ص ۱۴۹) اور یہ آپ کی طرف سے خبر ہے جس میں وہم اور غلطی داخل نہیں ہو سکتی بخلاف اس کے جب کوئی دوسرا آپ

کی طرف سے خبر دے (ہدی وہ جانور ہوتا ہے جسے حاجی صاحبان قربانی کے لئے لے جاتے ہیں)۔

اختلافِ روایات کا سبب

نبی اکرم ﷺ سے روایات میں جو اختلاف ہے کہ آیا آپ کا احرام حج کا تھا یا عمرے کا یا دونوں کا (قران کا) تو ہر ایک نے اپنے مذہب کے مناسب تاویل کی ہے۔

امام بغوی فرماتے ہیں: کہ امام شافعی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ''اختلاف الاحادیث'' میں مختصر کلام میں ذکر کیا وہ فرماتے ہیں: ''نبی اکرم ﷺ کے صحابہ کرام میں مفرد بھی تھے' قارن بھی اور متمتع بھی' پس ہر ایک آپ سے آپ کے حج کا حکم لیتا اور آپ کی تعلیم کے مطابق عمل کرتا تھا اس لئے یہ سب کچھ آپ کی طرف اس اعتبار سے منسوب ہوا کہ آپ نے حکم دیا اور اجازت دی اور لغت عرب میں جائز ہے کہ فعل کی نسبت حکم کرنے والے کی طرف کی جائے جس طرح اس کی اضافت فاعل کی طرف کرنا جائز ہے جیسے کہا جاتا ہے'' بنی فلان دارا فلاں نے گھر بنایا'' اور اس سے مراد بنانے کا حکم دینا ہے۔

اور جس طرح مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے حضرت ماعز کو رجم کیا حالانکہ آپ نے رجم کا حکم دیا۔

پھر استدلال کیا گیا کہ نبی اکرم ﷺ نے حج افراد کیا۔ خطابی نے بھی اسی طرح فرمایا ہے۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: کہ شروع میں نبی اکرم ﷺ مفرد تھے پھر اس کے بعد عمرے کا احرام باندھا اور اسے حج پر داخل کیا تو آپ قارن ہو گئے تو جس نے حج افراد کے بارے میں نقل کیا تو وہ اصل پر ہے یعنی اس نے آپ کے پہلے مرحلے میں باندھے گئے احرام پر محمول کیا اور جس نے قران کا ذکر کیا تو اس نے اس بات کا ارادہ کیا جس پر آپ قائم رہے اور جس نے تمتع کی روایت کی اس نے لغوی تمتع اور ارتفاق (ایک سفر کی آسانی) کا ارادہ کیا کیونکہ آپ نے قران کے ذریعے نفع حاصل کیا جیسے تمتع اور اضافہ کے ذریعے فائدہ اور آسانی حاصل کی اور یہ ایک فعل پر اقتصار کرنا ہے۔

دوسرے حضرات نے فرمایا کہ تمتع سے مراد وہ ہے جس کا آپ نے دوسروں کو حکم دیا۔

محدثین کرام فرماتے ہیں اس طرح احادیث کو جمع کیا جا سکتا اور یوں اضطراب اور تناقض دور ہو سکتا ہے۔

ایک گروہ نے کہا کہ نبی اکرم ﷺ نے ابتداء قران کے طور پر یعنی حج اور عمرہ دونوں کا اکٹھا احرام باندھا۔ ان حضرات نے صحیح احادیث سے استدلال کیا جو بیس سے زیادہ ہیں ان میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث بھی ہے'' جو صحیح مسلم میں ہے'' فرماتے ہیں:

سمعت رسول اللہ ﷺ اھل بھما لبیک عمرۃ وحجا. میں نے نبی اکرم ﷺ سے سنا آپ نے دونوں کا احرام باندھا اور فرمایا عمرہ اور حج کے ساتھ لبیک۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۸۵' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۷۹۵' سنن نسائی رقم الباب: ۴۹' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۹۶۸-۲۹۶۹' مسند احمد ج ۳ ص ۹۹-۱۸۷' السنن الکبریٰ ج ۵ ص ۹-۴۰' اتحاف السادۃ المتقین ج ۴ ص ۳۰۸)

اس حدیث کو حضرت انس رضی اللہ عنہ سے سولہ ثقہ راویوں نے روایت کیا وہ تمام اس بات پر متفق ہیں کہ حضرت انس رضی

اللہ عنہ نے نبی اکرم ﷺ کے یہی الفاظ نقل کئے ہیں کہ حج وعمرہ دونوں کا احرام وتلبیہ۔

اور جس نے کہا کہ آپ نے عمرہ کا احرام باندھا اور اس پر حج کو داخل کیا تو اس کی دلیل "صحیح بخاری کی" یہ حدیث ہے جو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے' فرماتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے حجۃ الوداع میں عمرہ کو حج کے ساتھ ملا کر تمتع کیا اور ہدی چلائی آپ نے ذوالحلیفہ سے اپنے ساتھ ہدی چلائی آپ نے ابتدایوں کی کہ عمرہ کا احرام باندھا پھر حج کا احرام باندھا۔

اس سے پہلے بہت سی صریح احادیث میں گزر چکا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے احرام حج کے ساتھ آغاز کیا پھر اس پر عمرہ کو داخل کیا اور یہ اس کے برعکس ہے (یعنی پہلے عمرہ اور پھر حج کا احرام باندھا)۔

اس حدیث پر اعتراض ان کے اس قول سے ہوتا ہے کہ شروع میں عمرہ کا احرام باندھا پھر حج کا احرام باندھا۔

اس کا جواب یوں دیا گیا کہ اس سے احرام کی صورت مراد ہے یعنی جب عمرہ کو حج پر داخل کیا تو دونوں کا تلبیہ کہا پس فرمایا "لبیک بعمرۃ وحج" (میں عمرہ اور حج کے ساتھ حاضر ہوں)۔

بعض حضرات نے فرمایا کہ نبی اکرم ﷺ نے عمرہ کے احرام سے آغاز کیا یعنی پہلے صحابہ کرام کو عمرہ کا حکم دیا مطلب یہ کہ عمرہ کو حج سے مقدم کریں۔

امام شافعی رحمہ اللہ کا مذہب یہ ہے کہ اگر طواف سے پہلے حج کو عمرہ پر داخل کرے تو صحیح ہے اور وہ قارن ہو جائے گا اور اگر حج کا احرام باندھے پھر اس پر عمرہ کو داخل کرے تو اس میں امام شافعی رحمہ اللہ کے دو قول ہیں ان میں سے زیادہ صحیح یہ ہے کہ اس کا عمرہ کا احرام صحیح نہیں کیونکہ حج اس سے زیادہ قوی ہے اس لئے کہ وہ وقوف اور رمی کے ساتھ خاص ہے اور ضعیف قوی پر داخل نہیں ہو سکتا۔

ھدی کو قلادہ ڈالنا

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے' فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ نے ذوالحلیفہ میں ظہر کی نماز ادا فرمائی پھر اپنی اونٹنی طلب کی اور اس کی کوہان کی دائیں جانب کو نشان زدہ کیا اور اس سے خون نکالا نیز اسے جوتوں کا ہار ڈالا۔ (صحیح مسلم' سنن ابوداؤد)

"جامع ترمذی کی" روایت میں ہے کہ ذوالحلیفہ میں جوتوں کا ہار ڈالا اور ہدی (جانور) کو دائیں جانب نشان لگایا اور اس سے خون نکالا۔

"سنن ابی داؤد میں" اس کا معنیٰ مراد ہے اور فرمایا پھر اپنے ہاتھ سے خون نکالا اور دوسری روایت میں ہے کہ اپنی انگلی سے خون نکالا۔

"سنن نسائی میں ہے کہ" آپ نے اپنے جانور (اونٹ) کو دائیں جانب سے نشان لگایا اور اس سے خون جاری کیا اور (اس کے گلے میں) جوتوں کا ہار ڈالا۔

ایک اور روایت میں ہے کہ آپ نے اونٹنی (لانے) کا حکم دیا اور اس کی کوہان کی دائیں جانب نشان لگایا اور اس سے خون جاری کیا نیز اسے جوتوں کا ہار ڈالا۔

اور نبی اکرم ﷺ نے ایک پرانے کجاوے پر حج فرمایا جس کی قیمت چار درہموں کے برابر تھی۔ ۱؎ اس حدیث کو امام ترمذی نے شمائل میں روایت کیا اور ابن ماجہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث سے جبکہ امام طبرانی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث سے روایت کیا۔

تادیب وتوجیہ

حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے' فرماتی ہیں:

ہم' نبی اکرم ﷺ کے ہمراہ حج کے لئے نکلے حتیٰ کہ جب ہم مقام عرج میں پہنچے تو نبی اکرم ﷺ بھی اترے اور ہم بھی اترے' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نبی اکرم ﷺ کے پہلو میں بیٹھ گئیں اور میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پہلو میں بیٹھی' نبی اکرم ﷺ کی سواری اور سامان اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا سامان اکٹھا تھا جو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے غلام کے پاس تھا۔

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اس کے آنے کے انتظار میں بیٹھ گئے وہ آیا لیکن اس کے ساتھ اونٹ نہیں تھا' حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس سے پوچھا تیرا اونٹ کہاں ہے؟ اس نے کہا گذشتہ رات وہ مجھ سے گم ہو گیا ہے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا تم نے ایک اونٹ گم کر دیا اور ساتھ ہی اسے مارنا شروع کر دیا۔ نبی اکرم ﷺ تبسم فرما رہے اور ارشاد فرمایا اس محرم کو دیکھو کیا کر رہا ہے اس سے زیادہ کچھ نہ فرمایا اور مسکراتے رہے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۱۸۱۸' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۲۹۳۳' مسند احمد ج ۶ ص ۳۴۴' السنن الکبریٰ ج ۵ ص ۶۸' جمع الجوامع رقم الحدیث:۷۷۔۴۵' الدر المنثور ج ۱ ص ۲۲۰)

آپ کے ساتھ صحابہ کرام بھی نکلے اور وہ صرف حج کی پہچان رکھتے تھے جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا پس آپ نے ان کے لئے احرام کی وجوہ بیان فرمائیں اور حج کے دنوں میں عمرہ جائز قرار دیا آپ نے فرمایا جو شخص عمرے کا احرام باندھنا چاہے وہ عمرے کا احرام باندھے اور جو آدمی حج کا احرام باندھنا پسند کرے وہ حج کا احرام باندھے۔

''مسند احمد میں ہے' جو چاہے وہ عمرے کا احرام باندھے۔

صحیح بخاری میں ''من احب'' ہے اور مسند احمد میں ''من شاء'' ہے۔

محرم کے لئے شکار ہدیہ کرنے کا حکم

جب نبی اکرم ﷺ مقام ابواء یا مقام ودان میں پہنچے تو حضرت صعب بن جثامہ (صحابیٔ رسول' متوفی ۲۵ھ) (الاعلام ج ۳ ص ۲۰۴' الاصابہ ج ۳ ص ۲۴۳ رقم الترجمہ:۴۰۶۰) نے آپ کو ایک نیل گائے کا تحفہ دیا آپ نے اسے رد کر دیا پس جب ان کے چہرے پر پریشانی دیکھی تو فرمایا: میں نے صرف اس لئے رد کیا کہ میں محرم تھا۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث:۸۵۰' مسند احمد ج ۴ ص ۷۱' التمہید ج ۹ ص ۵۴' موطا امام مالک رقم الحدیث:۳۵۳' صحیح البخاری رقم الحدیث:۱۸۲۵)

''صحیح مسلم کی'' ایک روایت میں ''حمار وحش'' کے الفاظ ہیں (مفہوم وہی ہے) اور ایک روایت میں ''لحم

۱؎ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نبی اکرم ﷺ نے اپنی امت کو سادگی اختیار کرنے کی تعلیم دی ہے' عیاشی اور فضول خرچی خود بھی اختیار نہ فرمائی اور دوسروں کو بھی اس سے باز رہنے کا حکم دیا۔ ۱۲ ہزاروی

حمار وحش'' ہے (نیل گائے کا گوشت)۔

ایک اور روایت میں ہے کہ نیل گائے کا پچھلا حصہ جس سے خون بہہ رہا تھا۔ایک روایت میں ہے ''نیل گائے کا ایک حصہ''اور ایک روایت میں ہے''شکار کے گوشت سے ایک عضو''۔

امام ابوداؤد اور ابن حبان نے حضرت عطاء کے طریق سے روایت کیا وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا اے زید بن ارقم! کیا آپ جانتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے (رد کیا وغیرہ) مکمل طور پر ذکر کیا۔

یہ تمام روایات اس بات پر متفق ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے وہ ہدیہ رد کر دیا البتہ جو کچھ ابن وہب اور امام بیہقی نے اپنے طریق سے حسن سند کے ساتھ عمرو بن امیہ کے طریق سے روایت کیا کہ حضرت صعب رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم ﷺ کو ایک نیل گائے کا پچھلا حصہ بطور ہدیہ پیش کیا اور آپ جحفہ میں تھے آپ نے اس سے تناول فرمایا اور باقی لوگوں نے بھی کھایا۔

امام بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اگر یہ روایت محفوظ ہے تو شاید زندہ جانور کو واپس کر دیا اور گوشت قبول فرمایا۔

''فتح الباری میں فرمایا کہ'' روایات کو اس طرح جمع کرنا محل نظر ہے اگر یہ طرق محفوظ ہیں تو زندہ جانور اس لئے رد کیا کہ وہ آپ کے لئے شکار کیا گیا اور گوشت بھی اسی لئے واپس کیا اور کبھی قبول فرمایا جب معلوم ہوا کہ آپ کے لئے شکار نہیں کیا گیا اور امام شافعی رحمہ اللہ نے ''الام میں'' فرمایا: اگر حضرت صعب رضی اللہ عنہ نے زندہ نیل گائے کا تحفہ پیش کیا تو محرم کے لئے جائز نہیں کہ وہ نیل گائے کو ذبح کرے اور اگر گوشت کا ہدیہ پیش کیا تو اس بات کا احتمال ہے کہ آپ کو معلوم ہوا کہ آپ کے لئے شکار کیا گیا ہے پس واپس کر دیا۔

امام ترمذی نے امام شافعی سے نقل کیا کہ آپ نے اس گمان پر واپس کیا کہ آپ کے لئے شکار کیا گیا پس اس سے بچتے ہوئے اس کو چھوڑ دیا اور یہ بھی احتمال ہے کہ حضرت عمرو بن امیہ کی حدیث میں جس قبولیت کا ذکر ہے وہ کسی دوسرے وقت کی بات ہو اور یہ مکہ مکرمہ سے رجوع کی حالت تھی۔ اس کی تائید اس بات سے ہوتی ہے کہ انہوں نے اس کے جحفہ میں وقوع کو قطعی قرار دیا جبکہ دوسری روایات میں ابواء یا ودان کا ذکر ہے۔

امام قرطبی فرماتے ہیں: یہ بھی احتمال ہے کہ حضرت صعب رضی اللہ عنہ نے ذبح کی ہوئی نیل گائے پیش کی ہو پھر آپ کے سامنے ایک عضو کاٹ کر آپ کی خدمت میں پیش کیا ہو لہٰذا جس نے کہا کہ آپ کی خدمت میں نیل گائے پیش کی اس نے پورا ذبح کیا ہوا جانور مراد لیا' زندہ نہیں اور جس نے کہا کہ اس کا گوشت پیش کیا اس کی مراد وہ ہے جو آپ کی خدمت میں پیش کیا۔

وہ فرماتے ہیں۔ یہ بھی احتمال ہے کہ جس نے ''حمار وحشی'' (نیل گائے) کہا اس نے مطلق بول کر مجازاً اس کا بعض مراد لیا۔

وہ فرماتے ہیں: ایک احتمال یہ ہے کہ انہوں نے زندہ جانور ہدیہ کیا جب آپ نے اسے رد کر دیا تو ذبح کیا اور اس کا عضو حاضر کیا اور یہ خیال کیا کہ آپ نے اس وجہ سے رد کیا جو اس کے پورے جسم سے خاص ہے تو آپ نے رد کر کے بتایا کہ جزء کا حکم کل کا حکم ہے اور جب (روایات کو) جمع کرنا ممکن ہو تو بعض راویوں کا وہم قرار دینے سے جمع کرنا اولیٰ

ہے۔(فتح الباری ج ۴ ص ۳۹ رقم الحدیث: ۱۸۲۵)

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں امام شافعی اور دوسرے حضرات نے فرمایا کہ (محرم کے لئے) بیع' ہبہ اور دوسرے کسی بھی طریقے سے شکار کا مالک بننا حرام ہے اور وراثت کے ذریعے مالک بننے میں اختلاف ہے۔

جہاں تک شکار کے گوشت کا تعلق ہے تو اگر اس (محرم) نے شکار کیا یا اس کے لئے شکار کیا گیا تو یہ حرام ہے چاہے اس کی اجازت سے شکار کیا گیا ہو یا اس کی اجازت کے بغیر ہو۔

اور اگر غیر محرم اپنے لئے شکار کرے اور محرم کا ارادہ نہ کرے پھر اس کے گوشت میں سے کچھ محرم کو ہدیہ کے طور پر دے یا اس پر بیچ دے تو یہ اس پر حرام نہیں یہ ہمارا (شافعی حضرات کا) مذہب ہے۔ امام مالک' امام احمد' اور داؤد (ظاہری) کا یہی قول ہے جبکہ حضرت امام اعظم امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں جب اس کی مدد کے بغیر شکار کیا جائے تو اس پر حرام نہ ہوگا۔

ایک گروہ نے کہا کہ اس (محرم) کے لئے شکار کا گوشت کھانا بالکل حلال نہیں چاہے وہ خود اسے شکار کرے یا کوئی دوسرا اس کے لئے شکار کرے وہ اس کا ارادہ کرے یا نہ کرے' مطلقاً حرام ہے۔ یہ بات قاضی عیاض رحمہ اللہ نے حضرت علی المرتضیٰ' حضرت ابن عمر اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم سے نقل کی ہے' ان کی دلیل یہ ارشادِ خداوندی ہے:

وَحُرِّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ حُرُمًا. (المائدہ: ۹۶)

اور تم پر خشکی کا شکار حرام کیا گیا جب تک تم حالتِ احرام میں ہو۔

یہ حضرات فرماتے ہیں ''صید'' سے مراد شکار کیا ہوا جانور ہے نیز انہوں نے حضرت صعب بن جثامہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کے ظاہر سے استدلال کیا ہے کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے (ان کا ہدیہ) رد کیا اور اس کی وجہ یہ بیان کی کہ آپ محرم ہیں اور آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ تم نے ہمارے لئے شکار کیا۔

حضرت امام شافعی رحمہ اللہ اور ان کے موافق حضرات نے حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے استدلال کیا ''جو صحیح مسلم میں'' مذکور ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے اس شکار کے بارے میں جسے آپ نے یا حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ نے شکار کیا اور آپ غیر محرم تھے' آپ نے احرام والوں سے فرمایا: یہ حلال ہے اسے کھاؤ۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۵۶' السنن الکبریٰ ج ۵ ص ۱۸۸' مسند الحمیدی رقم الحدیث: ۴۲۴)

ایک دوسری روایت میں ہے فرمایا کیا تمہارے پاس اس میں سے کچھ ہے؟ انہوں نے عرض کیا ہمارے پاس اس کی ٹانگ ہے پس نبی اکرم ﷺ نے اسے لے کر تناول فرمایا۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۸۴۸' سنن ابوداؤد رقم الباب: ۴۷' سنن نسائی رقم الباب: ۳۱-۳۴' مسند احمد ج ۳ ص ۳۱۲- ج ۵ ص ۳۰۱' موطا امام مالک رقم الحدیث: ۳۵۱' سنن دار قطنی ج ۴ ص ۲۶۶' مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۲۶۹۷-۲۱۰۸' السنن الکبریٰ ج ۵ ص ۱۸۷' موارد الظمآن رقم الحدیث: ۹۸۴' التمہید ج ۴ ص ۱۲۶)

انبیاء کرام علیہم السلام کے حج کا ذکر

جب نبی اکرم ﷺ وادیٔ عسفان سے گزرے تو فرمایا: اے ابوبکر! (رضی اللہ عنہ) یہ کونسی وادی ہے؟ عرض کیا

وادیٔ عسفان ہے فرمایا یہاں سے حضرت ھود اور حضرت صالح علیہما السلام دو سرخ جوان اونٹوں پر گزرے ہیں ان کی لگام کھجور کی چھال سے ہے۔ اور ان کی چادریں اونی ہیں' وہ حج کا تلبیہ کہتے ہیں اور اللہ کے قدیم گھر کا حج کرتے ہیں۔

(مسند احمد ج ا ص ۲۳۲' مجمع الزوائد ج ۳ ص ۲۲۰' البدایۃ والنہایۃ ج ا ص ۱۱۹۔۱۳۸)

''صحیح مسلم کی روایت میں'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث مروی ہے کہ جب نبی اکرم ﷺ وادیٔ ازرق سے گزرے تو فرمایا گویا میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیکھ رہا ہوں آپ گھاٹی سے اتر رہے ہیں اور آپ اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں ڈالے ہوئے اس وادی سے گزر رہے ہیں اور آپ بلند آواز سے اللہ تعالیٰ کی طرف تلبیہ کہہ رہے ہیں۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۶۸' کنز العمال رقم الحدیث: ۳۲۳۸۲' مسند احمد ج ا ص ۲۱۵)

وادیٔ ازرق' اُج کے پیچھے ہے' اُج' ہمزہ' میم اور جیم کی زبر سے ہے اور یہ ایک بستی ہے جس میں زراعت ہوتی ہے اس کے اور مکہ مکرمہ کے درمیان ایک میل کا فاصلہ ہے۔

''صحیح بخاری میں'' وادی کا تعین نہیں ہے اور اس کے الفاظ اس طرح ہیں ''حضرت موسیٰ علیہ السلام کو میں دیکھ رہا ہوں جب وادی سے اترتے ہیں تو تلبیہ کہتے ہیں''۔

مہلب فرماتے ہیں یہ بعض راویوں کا وہم ہے کیونکہ کسی روایت اور خبر میں نہیں آیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام زندہ ہیں اور عنقریب وہ حج کریں گے بے شک یہ بات حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں مروی ہے پس راوی کو شبہ ہو گیا اور اس شبہ پر دوسری حدیث میں آپ کا قول دلالت کرتا ہے (فرمایا):

لیھلن ابن مریم بفج الروحاء. عنقریب حضرت ابن مریم (عیسیٰ علیہ السلام) فج الروحاء سے حج کا احرام باندھیں گے (اور تلبیہ کہیں گے)۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۱۶' مسند احمد ج ا ص ۵۱۳۔۵۴۰' الدر المنثور ج ۲ ص ۲۴۲' تفسیر قرطبی ج ۴ ص ۱۰۱)

اور یہ محض وہم کی بنیاد پر ثقہ راویوں کو غلط قرار دینا ہے حالانکہ امام بخاری رحمہ اللہ نے ''صحیح بخاری کے باب اللباس میں'' ایک حدیث ذکر کی جس میں حضرت ابراہیم کے ذکر کا اضافہ ہے تو کہا جائے گا کہ دوسرے راوی نے غلطی سے اضافہ کیا ہے؟ اور ''صحیح مسلم کی'' ایک گذشتہ روایت میں حضرت یونس علیہ السلام کے ذکر کا اضافہ ہے تو کیا کہا جائے گا کہ کسی دوسرے راوی نے غلطی سے حضرت یونس علیہ السلام (کے ذکر) کا اضافہ کیا ہے؟

یہ بھی اعتراض کیا گیا کہ مہلب کا راوی کے بارے میں کہنا کہ اسے وہم ہوا' خود ان کی طرف سے وہم ہے ورنہ حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کے درمیان کیا فرق ہے؟ کیونکہ یہ بات ثابت نہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب سے اٹھائے گئے ہیں' زمین پر اترے ہوں ثابت تو صرف یہ بات ہے کہ عنقریب اتریں گے۔

اس کا جواب یوں دیا گیا کہ مہلب کی مراد یہ ہے کہ جب یہ بات ثابت ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام عنقریب اتریں گے تو یہ ثابت شدہ بات کی طرح ہو گئی اس لئے آپ نے فرمایا ''کانی انظر الیہ'' گویا میں ان کی طرف دیکھ رہا ہوں اور یہ مہلب کا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے استدلال ہے جس میں یوں آیا ہے ''لیھلن ابن مریم بالحج حضرت ابن مریم ضرور بضرور حج کا احرام باندھیں گے''۔

آپ کے ارشاد گرامی ''کانی انظر الیہ'' کے معنیٰ میں اختلاف ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ آپ نے اس سے پہلے خواب میں دیکھا اور اس وقت خبر دی جب حج کیا جس کا ہم ذکر کریں گے اور انبیاء کرام علیہم السلام کا خواب وحی ہے۔

ایک قول یہ ہے کہ اس سے حقیقت مراد ہے کیونکہ انبیاء کرام علیہم السلام زندہ ہیں' اپنے رب کے ہاں رزق دیئے جاتے ہیں پس اس حالت میں ان کے حج کرنے میں کوئی رکاوٹ نہیں جس طرح ''صحیح مسلم میں'' حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیکھا کہ وہ اپنی قبر میں کھڑے نماز پڑھ رہے ہیں۔

امام قرطبی فرماتے ہیں ان لوگوں کے لئے عبادت کو محبوب بنایا گیا ہے پس وہ اپنے ذاتی جذبہ کے تحت عبادت کرتے ہیں یہ بات نہیں کہ ان پر عبادت لازم کی گئی ہے۔ جس طرح اہل جنت کو ذکر کا الہام ہوگا اور اس کی تائید اس بات سے ہوتی ہے کہ آخرت کا عمل ذکر اور دعا ہے کیونکہ ارشاد خداوندی ہے:

دَعْوٰاهُمْ فِيْهَا سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ. (یونس:١٠) اس میں ان کی پکار یوں ہوگی اے' اللہ! ہم تیری پاکیزگی بیان کرتے ہیں۔

لیکن یہ توجیہ اس وقت مکمل ہوگی جب کہا جائے کہ ان کی ارواح کو پیش نظر رکھا گیا ہے شاید آپ کے لئے دنیا کو بطور مثال پیش کیا گیا جس طرح شب معراج بطور مثال پیش کی گئی جب کہ ان کے جسم قبروں میں ہیں۔

ابن منیر وغیرہ نے کہا اللہ تعالیٰ آپ کی روح کے لئے مثال بناتا ہے تو آپ بیداری کی حالت میں اسی طرح دیکھتے ہیں جس طرح خواب میں دیکھتے ہیں۔

کہا گیا ہے کہ ان کے دنیوی زندگی کے احوال کی مثال پیش کی گئی کہ انہوں نے کس طرح حج کیا اور کس طرح تلبیہ کہا اسی لئے آپ نے ''کانی'' کا لفظ فرمایا (گویا میں دیکھ رہا ہوں)۔

ایک قول یہ ہے کہ گویا آپ کو وحی کے ذریعے یہ بات بتائی گئی اور اس کے نہایت قطعی ہونے کی وجہ سے فرمایا ''گویا میں ان کی طرف دیکھ رہا ہوں'' اور میں (مصنف) نے معراج کے بیان میں اس سلسلے میں جو کچھ ذکر کیا ہے وہ کافی ہے اور اللہ تعالیٰ ہی توفیق عطا کرنے والا ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا حیض

جب نبی اکرم ﷺ مقام سرف میں اتر کر صحابہ کرام کی طرف تشریف لائے تو فرمایا: جس کے ساتھ ہدی (قربانی کا جانور) نہ ہو اور وہ اس (حج) کو عمرہ بنانا چاہے تو وہ ایسا کرے اور جس کے ساتھ ہدی ہو وہ ایسا نہیں کرسکتا۔

اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو حیض آ گیا آپ ان کے پاس تشریف لائے اور وہ رو رہی تھیں تو آپ نے فرمایا: ارے! تم کیوں رو رہی ہو؟ انہوں نے عرض کیا' میں نے آپ کی وہ بات سنی ہے جو آپ نے صحابہ کرام سے فرمائی ہے اور مجھے عمرہ سے رکاوٹ پیدا ہوگئی' فرمایا: تمہیں کیا ہوا؟ عرض کیا میں نماز نہیں پڑھ سکتی' آپ نے فرمایا: تمہیں کوئی ضرر نہیں ہوگا تم حضرت آدم علیہ السلام کی بیٹیوں میں سے ایک عورت ہو اللہ تعالیٰ نے تم پر وہ کچھ لکھ دیا جو ان پر لکھا ہے پس تم اپنے حج کو جاری رکھو قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں اس کا اجر عطا فرمائے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ١٢٠-١٢٣)

ایک دوسری روایت میں (صحیح بخاری و مسلم' ابوداؤد اور نسائی میں) ہے ام المؤمنین فرماتی ہیں ہم نبی اکرم ﷺ کے

ساتھ نکلے اور ہم صرف حج کا ذکر کر رہے تھے حتیٰ کہ ہم وادئ سرف میں آئے تو مجھے حیض آ گیا' رسول اکرم ﷺ اندر تشریف لائے اور میں رو رہی تھی آپ نے فرمایا: تم کیوں رو رہی ہو؟ میں نے عرض کیا اللہ کی قسم! مجھے یہ بات پسند ہے کہ میں اس سال نہ نکلتی آپ نے فرمایا تجھے کیا ہوا شاید تمہیں حیض آ گیا ہے؟ عرض کیا جی ہاں فرمایا یہ ایسی چیز ہے جو اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم (علیہ السلام) کی بیٹیوں پر لکھ دی ہے تم وہ عمل کرو جو حاجی کرتے ہیں البتہ پاک ہونے تک بیت اللہ شریف کا طواف نہ کرو۔

جس طرح یہ اختلاف ہے کہ کیا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا تمتع کر رہی تھیں یا حج افراد؟ اسی طرح یہ بھی اختلاف ہے کہ آپ نے احرام کون سا باندھا تھا؟ تو کہا گیا کہ آپ نے پہلے حج کا احرام باندھا حدیث کا ظاہر یہی بات ہے۔

''صحیح بخاری کی'' مغازی میں حجۃ الوداع کے بیان میں ہشام بن عروہ کے طریق سے مروی ہے وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ ام المومنین نے فرمایا میں ان لوگوں میں تھی جنہوں نے عمرے کا احرام باندھا۔

امام احمد نے ایک دوسرے طریق سے حضرت زہری سے روایت کیا کہ ام المؤمنین نے فرمایا میں نے قربانی کا جانور ساتھ نہیں لیا تھا' ان سے حضرت اسود کی روایت میں ہے آپ فرماتی ہیں ہم نبی اکرم ﷺ کے ساتھ نکلے' ہم صرف تلبیہ کہتے تھے حج یا عمرہ کا ذکر نہیں کرتے تھے۔

ان روایات کو جمع کرنے کی صورت میں یہ احتمال ہے کہ کہا جائے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حج افراد کے طور پر احرام باندھا جس طرح دیگر صحابہ کرام نے کیا پھر نبی اکرم ﷺ نے حکم دیا کہ حج کو عمرہ کی صورت میں بدل دیں تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے وہ عمل کیا جو صحابہ کرام نے کیا پس آپ تمتع کرنے والی ہو گئیں پھر جب مکہ مکرمہ میں داخل ہوئیں تو آپ حائضہ ہو گئیں اور حیض کی وجہ سے طواف پر قادر نہ ہوئیں تو آپ نے ان کو حکم دیا کہ حج کا احرام باندھیں۔

قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث پر کلام میں اختلاف ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے حضرت عروہ نے جو کچھ روایت کیا اس پر پہلے عمل تھا نہ اب ہے۔

ابن عبدالبر نے کہا ان کا مقصد یہ ہے کہ عمرہ کو چھوڑ کر اسے حج میں بدلنے پر عمل نہیں ہے بخلاف اس کے کہ حج کو عمرہ بنایا جائے اور یہ عمل صحابہ کرام کے لئے واقع ہوا لیکن بعد والوں کے لئے اس کے جواز میں اختلاف ہے۔

لیکن علماء کی ایک جماعت نے اس کا جواب یوں دیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے قول ''تم اپنا عمرہ چھوڑ دو'' (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۷۸۳' التمہید ج ۸ ص ۲۲۲) کا معنی یہ ہے کہ اس احرام سے نکلنے کو ترک کر دو اور اس پر حج کو داخل کر دو پس تم قارن ہو جاؤ گی اس کی تائید نبی اکرم ﷺ کے اس قول سے ہوتی ہے ''جو صحیح مسلم میں ہے'' کہ آپ نے فرمایا: ''و امسکی عن العمرۃ'' (اور عمرہ سے رک جاؤ) یعنی اس کے اعمال سے رک جاؤ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا میں حج کو ترجیح دیتی ہوں تو اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کے اعتقاد میں الگ عمرہ کرنا افضل تھا جس طرح دوسری امہات المؤمنین کے لئے واقع ہوا۔

لیکن اس تاویل کو بعید قرار دیا گیا کہ حضرت عطاء کی ام المومنین سے روایت میں انہوں نے فرمایا میں اس حج کو ترجیح دیتی ہوں جس کے ساتھ عمرہ نہ ہو۔

یہ روایت کوفیوں کے قول کو مضبوط کرتی ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عمرہ چھوڑ دیا اور حج افراد کیا ان حضرات

نے اس سلسلے میں نبی اکرم ﷺ کے اس قول سے استدلال کیا جو آپ نے ام المؤمنین سے فرمایا "دعی عمرتک اپنا عمرہ چھوڑ دو"۔ ایک دوسری روایت میں "اقضی (او فضی) عمرتک " ہے اپنا عمرہ قضا کرو یا چھوڑ دو۔

اس سے انہوں نے استدلال کیا کہ جب کوئی خاتون بطور تمتع عمرہ کا احرام باندھے پھر طواف سے پہلے اسے حیض آ جائے تو وہ عمرہ ترک کر دے اور حج افراد کا احرام باندھے جس طرح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کیا تھا۔

لیکن حضرت عطاء کی ام المؤمنین سے روایت میں کمزوری ہے اور اس سلسلے میں اشکال کو دور کرنے والی روایت وہ ہے جو امام مسلم نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث سے روایت کی ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عمرہ کا احرام باندھا حتیٰ کہ جب آپ مقام سرف میں پہنچیں تو حائضہ ہو گئیں پس نبی اکرم ﷺ نے ان سے فرمایا کہ حج کا احرام باندھو (نیت کر لو) حتیٰ کہ جب وہ پاک ہو گئیں تو انہوں نے خانہ کعبہ کا طواف کیا اور سعی کی۔

آپ نے فرمایا: تم اپنے حج اور عمرہ کے احرام سے نکل گئی ہو انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں اپنے دل میں (پریشانی) پاتی ہوں کہ میں نے بیت اللہ شریف کا طواف نہیں کیا جب میں نے حج کیا۔

راوی کہتے ہیں پس آپ نے ان کو تنعیم سے عمرہ کروایا۔

"صحیح مسلم میں" حضرت طاؤس کے طریق سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ان سے فرمایا:

طوافک یسعک لحجک وعمرتک. تمہارا طواف تمہارے حج اور عمرہ دونوں کے لئے کافی ہے۔

یہ الفاظ اس بات کو واضح کرتے ہیں کہ آپ نے قران کیا کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا "تم اپنے حج اور عمرہ کے احرام سے نکل گئی ہو" اور تنعیم سے عمرہ ان کی دلجوئی کی خاطر کروایا کیونکہ جب وہ عمرہ کرنے کی نیت سے داخل ہوئیں تو طواف نہیں کیا تھا۔

اور "صحیح مسلم کی" روایت میں ہے:

کان رجلا سهلا اذا هويت الشئ تابعها عليه. (صحیح مسلم) نبی اکرم ﷺ نرمی کرنے والے تھے جب ام المؤمنین کسی چیز کو پسند کرتیں تو آپ اس میں ان کی موافقت کرتے۔

حج کو عمرہ پر داخل کرنا

پھر نبی اکرم ﷺ نے اپنے صحابہ کرام سے فرمایا:

جس کے ساتھ ہدی ہو وہ عمرہ کے ساتھ حج کا احرام باندھے (نیت کرے) پھر احرام نہ کھولے حتیٰ کہ دونوں سے اکٹھا احرام کھولے۔ (صحیح بخاری و مسلم)

نبی اکرم ﷺ نے ان سے یہ بات حج کا احرام باندھنے اور سفر کے ختم ہونے اور مکہ مکرمہ کے قریب مقام سرف میں پہنچنے کے بعد فرمائی جس طرح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں آیا ہے یا بیت اللہ شریف کا طواف کرنے کے بعد فرمائی جس طرح حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت میں آیا ہے اور یہ بھی احتمال ہے کہ دونوں جگہوں میں اس بات

کا تکرار ہوا ہو اور عزیمت آخری بات ہے جب ان کو حکم دیا کہ حج کو فسخ کر کے عمرہ کریں (اصل پر عمل کرنا عزیمت ہے)۔

ایک روایت میں ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ ہم میں سے بعض نے عمرہ کا احرام باندھا اور بعض نے حج کا احرام باندھا حتیٰ کہ جب ہم مکہ مکرمہ پہنچے تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: جس نے عمرہ کا احرام باندھا اور ہدی نہیں لایا وہ احرام کھول دے اور جس نے عمرہ کا احرام باندھا اور ہدی لایا ہے وہ احرام نہ کھولے حتیٰ کہ ہدی کی قربانی دے اور جس نے حج کا احرام باندھا وہ اپنے حج کو پورا کرے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۱۱-۱۱۲)

یہ حدیث حضرت امام ابوحنیفہ اور حضرت امام احمد رحمہما اللہ کے مذہب پر دلالت کرنے میں ظاہر ہے کہ عمرہ کرنے والے متمتع کے پاس جب ہدی (قربانی کا جانور) ہو تو وہ اپنے عمرہ کا احرام نہ کھولے حتیٰ کہ قربانی کے دن ہدی کی قربانی دے۔

امام مالک اور امام شافعی رحمہما اللہ اور ان کے موافق حضرات کا مذہب یہ ہے کہ جب طواف اور سعی کر لے اور سر منڈا لے تو وہ اپنے عمرہ کا احرام کھول لے اور اس کے لئے ہر (ممنوع) کام اسی وقت جائز ہو گیا چاہے وہ ہدی چلائے یا نہ۔

ان حضرات کا استدلال اس پر قیاس کرنا ہے: جس نے ہدی نہیں چلائی اور وہ اپنی عبادت کے احکام سے باہر نکل آیا پس واجب ہے کہ اس کے لئے ہر کام جائز ہو جائے۔ جیسا کہ حج کا محرم احرام کھول دے تو اس کے لئے تمام (ممنوعہ) کام جائز ہو جاتے ہیں۔

اس روایت (حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا والی حدیث) کا جواب انہوں نے اس طرح دیا ہے کہ یہ اس روایت سے مختصر ہے جسے امام مسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا وہ فرماتی ہیں ہم حجۃ الوداع کے موقعہ پر نبی ﷺ کے ہمراہ نکلے تو ہم نے عمرہ کا احرام باندھا پھر نبی اکرم ﷺ نے فرمایا جس کے ساتھ ہدی ہو وہ عمرہ کے ساتھ حج کا احرام باندھے پھر احرام نہ کھولے حتیٰ کہ دونوں سے اکٹھا احرام کھولے۔

تو یہ روایت اس روایت کے محذوف حصے کی تفسیر کرتی ہے جس سے حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے استدلال کیا ہے اور پوشیدہ عبارت اس طرح ہے "جو شخص عمرہ کا احرام باندھے وہ حج کی نیت بھی کرے اور جب تک ہدی کو ذبح نہ کرے احرام نہ کھولے اور یہ تاویل ضروری ہے کہ واقعہ ایک ہے اور راوی بھی ایک ہے پس دونوں روایتوں کو مذکورہ طریقے پر جمع کرنا ضروری ہے۔ واللہ اعلم

ذی طویٰ میں رات گزارنا اور مکہ مکرمہ میں دخول

جب ہمارے آقا رسول اللہ ﷺ ذی طویٰ مقام پر پہنچے (طویٰ میں طاء پر پیش اور زبر دونوں پڑھ سکتے ہیں لیکن الاصیلی نے زیر کے ساتھ مقید کیا ہے یہ زاہر کے کنوؤں کے پاس ہے) آپ نے وہاں میرے (ام المومنین) کے ساتھ دو راتیں گزاریں صبح ہوئی تو فجر کی نماز پڑھائی پھر غسل فرمایا۔ "سنن نسائی میں ہے کہ "نبی اکرم ﷺ ذی طویٰ میں اترتے تھے وہاں رات گزارتے پھر فجر کی نماز پڑھ کر مکہ مکرمہ کی طرف تشریف لے جاتے۔

اور نبی اکرم ﷺ کی جائے نماز وہاں ایک سخت موٹے ٹیلے پر تھی اس مسجد میں نہیں تھی جو وہاں بنائی گئی ہے بلکہ اس سے نچلی جانب کھردرے سخت ٹیلے پر تھی۔

صحیحین میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ وہاں اوپر کی جانب سے داخل ہوئے اور "صحیح بخاری میں" حضرت ابن عمر رضی

اللہ عنہما کی حدیث میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ ثنیہ علیا یعنی مکہ کی اوپر والی جانب سے کداء سے داخل ہوتے تھے۔ کداء میں کاف پر زبر ہے اور یہ مد کے ساتھ ہے ابو عبید فرماتے ہیں یہ منصرف نہیں (یعنی اس پر زیر اور تنوین نہیں آ سکتی)۔ یہ وہ ثنیہ ہے جس سے جنت المعلیٰ کی طرف اترتے ہیں اور اسے حجون کہا جاتا ہے (نقطہ کے بغیر) حاء پر زبر ہے اور جیم پر پیش ہے۔

اور یہ بات احادیث میں نہیں آئی کہ نبی اکرم ﷺ مکہ مکرمہ میں رات کے وقت داخل ہوئے ہوں سوائے عمرۂ جعرانہ کے آپ نے جعرانہ سے احرام باندھا اور رات کے وقت مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے عمرہ کے احکام بجالائے اور پھر رات کو واپس ہوئے صبح جعرانہ میں پہنچے گویا آپ نے رات ہی جعرانہ میں گزاری اس حدیث کو تینوں اصحاب سنن نے محرش کعبی کی روایت سے نقل کیا۔

حضرت عطاء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: اگر تم چاہو تو رات کے وقت داخل ہو تم رسول اکرم ﷺ کی طرح نہیں ہو آپ تو امام تھے اس لئے آپ نے دن کو داخل ہونا پسند کیا تا کہ لوگ آپ کو دیکھیں۔

پھر آپ مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے جب ذوالحجہ کی چار راتیں گزر چکی تھیں۔

مسجد حرام میں داخل ہونا

نبی اکرم ﷺ مسجد حرام میں چاشت کے وقت باب بنی عبد مناف سے داخل ہوئے اس میں حکمت یہ تھی کہ خانہ کعبہ کا دروازہ اس دروازے کی جانب ہے اور گھروں میں دروازوں سے داخل ہوا جاتا ہے نیز باب کعبہ کی جہت چاروں جہتوں میں سے سب سے زیادہ شرف والی جہت ہے جس طرح ابن عبد السلام نے "القواعد" میں کہا ہے۔

(کشف الظنون ج ۲ ص ۱۳۵۹)

نبی اکرم ﷺ کا طریقہ مبارکہ یہ تھا کہ جب بیت اللہ شریف کو دیکھتے تو یوں دعا کرتے:

اَللّٰھُمَّ زِدْ ھٰذَا الْبَیْتَ تَشْرِیْفًا وَّ تَعْظِیْمًا وَّ مَھَابَۃً وَّ بِرًّا۔

یا اللہ! اس گھر کی شرافت، تعظیم، ہیبت اور نیکی کو زیادہ کر دے۔

(اتحاف السادۃ المتقین ج ۴ ص ۳۴۳، مجمع الزوائد ج ۳ ص ۲۳۸، المعجم الکبیر ج ۳ ص ۲۰۲، السنن الکبریٰ ج ۵ ص ۷۳، الدر المنثور ج ۱ ص ۱۳۲، نصب الرایہ ج ۳ ص ۳۷، جمع الجوامع رقم الحدیث: ۹۸۱۳، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۹۷۔ ج ۱۰ ص ۳۶۶، کنز العمال رقم الحدیث: ۱۸۱۱۲)

اس حدیث کو حضرت ثوری رحمہ اللہ نے حضرت ابو سعید شامی سے اور انہوں نے حضرت مکحول سے روایت کیا۔

امام طبرانی رحمہ اللہ نے حضرت حذیفہ بن اسید رضی اللہ عنہ (ان صحابۂ کرام میں سے ہیں جنہوں نے درخت کے نیچے بیعت کی تھی، متوفی ۴۲ھ) سے روایت کیا فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ جب بیت اللہ شریف کی طرف دیکھتے تو یوں دعا کرتے: (الاصابہ ج ۱ ص ۳۳۲ رقم الترجمہ: ۱۶۳۹)

اَللّٰھُمَّ زِدْ بَیْتَکَ ھٰذَا تَشْرِیْفًا وَّتَعْظِیْمًا وَّتَکْرِیْمًا وَّبِرًّا وَّ مَھَابَۃً وَّزِدْ مِنْ شَرَّفِہٖ وَعَظَّمَہٗ مِمَّنْ حَجَّہٗ وَاعْتَمَرَہٗ تَعْظِیْمًا وَّ تَشْرِیْفًا وَّبِرًّا وَّ مَھَابَۃً۔

یا اللہ! اس گھر کے شرف، تعظیم، تکریم، بھلائی اور ہیبت میں اضافہ فرما اور اس کا حج اور عمرہ کرنے والوں میں سے جو شخص اس کا اکرام و تعظیم کرے اس کی عظمت، شرافت،

نیکی اور ہیبت میں اضافہ فرما۔

نبی اکرم ﷺ نے تحیۃ المسجد کے نوافل نہیں پڑھے بلکہ طواف سے آغاز کیا کیونکہ بیت اللہ شریف میں داخل ہونے کا عمل یہی ہے جس طرح ہمارے بہت سے اصحاب (شافعی مسلک والوں) نے ذکر کیا اس میں تحیۃ المسجد (کے نوافل) نہیں۔

پھر آپ نے حجر اسود کا استلام کیا اور "صحیح بخاری میں" حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے (حجر اسود کی جگہ) رکن کا لفظ ہے (حدیث میں "ثم استلم الحجر الاسود اور استلم الرکن" کے الفاظ آتے ہیں)۔

استلام 'سلام سے باب افتعال ہے تحیت (سلام کرنا) مراد ہے یہ بات الازہری نے کہی ہے۔ کہا گیا ہے کہ یہ سلام سین کے نیچے زیر سے ہے یعنی پتھر 'معنی یہ ہے کہ آپ عصا مبارک سے حجر اسود کی طرف اشارہ کرتے حتیٰ کہ اس تک پہنچاتے۔ اور اس (عصا) کا سرا مڑا ہوا تھا۔

بیت اللہ شریف کے چار ارکان (کونے ہیں) پہلے رکن کی دو فضیلتیں ہیں 'حجر اسود کا اس میں ہونا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بنیادوں پر ہونا دوسرے رکن کے لئے صرف دوسری فضیلت ہے اور تیسرے اور چوتھے کے لئے ان میں سے کوئی بھی نہیں اسی لئے پہلے کو بوسہ دیا جاتا ہے اور دوسرے کا فقط استلام ہوتا ہے (اشارہ کیا جاتا ہے) اور تیسرے 'چوتھے کا نہ بوسہ ہوتا ہے نہ استلام۔ (دوسرا کونہ رکن یمانی کہلاتی ہے)۔

امام شافعی رحمہ اللہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا 'وہ فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ حجر اسود کی طرف متوجہ ہوئے اس کا استلام کیا پھر اپنے ہونٹ مبارک دیر تک اس پر رکھے رہے اور آپ جب بھی رکن کا استلام کرتے تھے تو "بسم اللہ اکبر" پڑھتے اور جب حجر اسود کے پاس آتے تو "اللہ اکبر" کہتے تھے۔ (طبرانی)

بیت اللہ شریف کا طواف

کیا نبی اکرم ﷺ نے اپنے اونٹ پر طواف کیا یا پیدل؟ تو "صحیح مسلم میں" حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقعہ پر اونٹ پر طواف کیا۔

اور اسی میں حضرت ابوالطفیل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے 'فرماتے ہیں: کہ میں نے نبی اکرم ﷺ کو دیکھا آپ اپنے اونٹ پر طواف کر رہے تھے۔

اس کی وجہ کیا تھی؟ تو اس سلسلے میں اختلاف ہے۔ ابوداؤد نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ مکہ مکرمہ تشریف لائے تو آپ کو تکلیف تھی پس آپ نے اپنی سواری پر طواف کیا۔

"صحیح مسلم میں" حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے سوار ہو کر طواف کیا تا کہ لوگ آپ کو دیکھیں اور آپ سے سوال کریں۔

یہ بھی احتمال ہے کہ اس کا سبب یہ دونوں وجہیں ہوں۔

ابن بطال فرماتے ہیں: اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ جن جانوروں کا گوشت کھایا جاتا ہے ان کو ضرورت کے تحت مسجد میں داخل کرنا جائز ہے کیونکہ ان کا پیشاب مسجد کو ناپاک نہیں کرتا بخلاف دوسرے جانوروں کے (کہ ان کا داخل

کرنا جائز نہیں)۔

ابن بطال کا تعاقب کیا گیا کہ حاجت کے وقت بھی داخل کرنا جائز نہ ہو اس پر حدیث پر کوئی دلالت نہیں کیونکہ اس کا دارومدار آلودہ ہونے اور نہ ہونے پر ہے پس جہاں آلودگی کا خوف ہو وہاں داخلہ منع ہوگا۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی اونٹنی تربیت یافتہ اور سکھائی ہوئی تھی پس جس آلودگی کا ڈر ہوسکتا تھا اس سے بے خوفی تھی۔

بعض حضرات نے کہا کہ طواف افاضہ میں ایسا کیا' طواف قدوم میں نہیں کیونکہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے آپ سے نقل کیا کہ آپ نے پہلے تین چکروں میں رمل کیا اور یہ اسی صورت میں ہوسکتا ہے جب پیدل ہوں اور کسی نے بھی نہیں کہا کہ آپ کی سواری نے رمل کیا بلکہ یوں کہا کہ آپ نے خود رمل کیا۔ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں آپ نے جس سعی کے شروع میں طواف کیا وہ پیدل چل کر کی۔ واللہ اعلم

اور جب آپ نے حجر اسود کا استلام فرمایا تو دائیں طرف کو چلے پس تین چکروں میں رمل کیا اور چار میں عام طریقے پر چلے (کندھوں کو ہلاتے ہوئے پہلوانوں کی طرح چلنا رمل ہے)۔

رمل کی ابتداء عمرہ قضا میں ہوئی جب نبی اکرم ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام مکہ مکرمہ میں تشریف لائے اور ان کو یثرب (مدینہ طیبہ) کے بخار نے کمزور کردیا تھا تو مشرکین نے کہا کل صبح تمہارے پاس وہ قوم آئے گی جن کو یثرب کے بخار نے کمزور کردیا ہے اور وہ اس کی وجہ سے سختی میں مبتلا ہوئے وہ لوگ حجر اسود کے پاس بیٹھ گئے' نبی اکرم ﷺ نے صحابہ کرام کو حکم دیا کہ تین چکروں میں رمل کریں اور دو رکنوں کے درمیان عام انداز میں چلیں تاکہ مشرکین کو ان کے سخت جان ہونے کا علم ہو پس مشرکین نے کہا کہ یہ لوگ جن کے بارے میں تمہیں گمان تھا کہ بخار نے ان کو کمزور کردیا ہے یہ تو فلاں فلاں سے زیادہ سخت ہیں یہ حدیث حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ (صحیح بخاری ومسلم)

جب حجۃ الوداع میں نبی اکرم ﷺ اور صحابہ کرام نے رمل کیا تو یہ مستقل سنت بن گئی۔

طبری نے کہا یہ بات ثابت ہوگئی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے رمل کیا اور ان دنوں مکہ مکرمہ میں کوئی مشرک نہ تھا یعنی حجۃ الوداع کے موقع پر (کوئی مشرک نہ تھا) پس معلوم ہوا کہ یہ مناسکِ حج میں سے ہے مگر اس کو چھوڑنے والا کسی عمل کو نہیں چھوڑتا بلکہ ایک مخصوص طریقے کو چھوڑتا ہے پس یہ تلبیہ کے ساتھ آواز کو بلند کرنے کی طرح ہے پس جو شخص آہستہ آواز سے تلبیہ کہتا ہے وہ تلبیہ کو نہیں اس کی صفت کو ترک کرتا ہے لہٰذا اس پر کچھ بھی لازم نہیں آتا۔

اگر تین چکروں میں رمل کو چھوڑ دے تو دوسرے چار چکروں میں اسے قضا نہ کرے کیونکہ ان میں سکون اختیار کرنا ہے پس اس کو تبدیل نہیں کیا جائے گا۔ واللہ اعلم

نبی اکرم ﷺ طواف سے فارغ ہوئے تو مقام ابراہیم پر تشریف لائے اور یہ آیت پڑھی:

وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى. اور مقام ابراہیم کو جائے نماز بناؤ۔

(البقرہ:۱۲۵)

آپ نے وہاں دو رکعتیں ادا کیں اس وقت مقام ابراہیم آپ کے اور بیت اللہ شریف کے درمیان تھا آپ نے ان رکعتوں میں ''سورۂ الکافرون'' اور ''سورۂ اخلاص'' کی تلاوت فرمائی پھر اس رکن (کونے) کی طرف تشریف لے گئے

جس میں حجر اسود ہے آپ نے اسے استلام کیا (اشارہ کیا اور بوسہ دیا)۔

صفا اور مروہ کے درمیان سعی

پھر نبی اکرم ﷺ دروازے سے صفا کی طرف تشریف لے گئے جب صفا کے قریب پہنچے تو یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی:

اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ ۚ
بے شک صفا اور مروہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ہیں۔ (البقرہ:۱۵۸)

آپ نے اس سے ابتدا کی جس سے اللہ تعالیٰ نے ابتدا فرمائی پس آپ نے صفا سے آغاز کیا اس پر تشریف لے گئے حتیٰ کہ بیت اللہ شریف کو دیکھا اور قبلہ کی طرف رخ کیا اور اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور بڑائی بیان کرتے ہوئے یہ کلمات پڑھے:

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ اَنْجَزَ وَعْدَهٗ وَنَصَرَ عَبْدَهٗ وَهَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَهٗ.

اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں' وہ ایک ہے' اس کا کوئی شریک نہیں' اسی کی بادشاہی ہے اور وہ لائق حمد ہے اور وہ ہر شے پر قادر ہے' اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں' وہ ایک ہے' اس نے اپنا وعدہ پورا کیا اور اپنے بندے کی مدد کی اور تنہا کئی جماعتوں کو بھگایا۔

یہ کلمات آپ نے تین مرتبہ کہے اور ان کے درمیان دعا مانگی پھر آپ مروہ کی طرف تشریف لے گئے حتیٰ کہ جب آپ کے قدم مبارک وادی کے درمیان قائم ہو گئے (پہنچ گئے) تو رمل کیا (تیز چلے) یہاں تک کہ جب اوپر چڑھ گئے تو عام طریقے پر چلے حتیٰ کہ مروہ پر تشریف لائے۔

''صحیح مسلم اور سنن ابی داؤد میں'' حضرت ابوالطفیل کی حدیث میں ہے وہ فرماتے ہیں: کہ میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے عرض کیا مجھے صفا اور مروہ کے درمیان سواری کی حالت میں طواف کے بارے میں بتائیے کہ کیا یہ سنت ہے؟ اور آپ کی قوم کا خیال ہے کہ یہ سنت ہے؟ فرمایا انہوں نے سچ بھی کہا اور جھوٹ بھی' میں نے پوچھا آپ کے قول ''سچ بھی کہا اور جھوٹ بھی'' کا کیا مطلب ہے؟ فرمایا: نبی اکرم ﷺ کے پاس لوگ زیادہ ہو گئے وہ کہتے تھے یہ محمد ہیں یہ محمد ہیں (ﷺ) حتیٰ کہ کنواری عورتیں بھی گھروں سے باہر نکل آئیں وہ فرماتے ہیں لوگ' نبی اکرم ﷺ کے سامنے نہیں چلتے تھے پس جب آپ کے ساتھ کثرت ہو گئی تو آپ سوار ہوئے اور پیدل چل کر سعی کرنا افضل ہے۔

یہ ''مسلم شریف کی'' روایت کے الفاظ ہیں اور اس کے شروع میں بیت اللہ شریف کے طواف میں رمل کا ذکر ہے۔

''سنن ابی داؤد میں ہے کہ'' (صلح) حدیبیہ کے دنوں میں قریش نے کہا کہ حضرت محمد (ﷺ) اور آپ کے صحابہ کرام کو چھوڑ دو حتیٰ کہ یہ اسی طرح مر جائیں جس طرح اونٹ اور بکریوں کے ناک میں کیڑا پڑنے سے موت واقع ہوتی ہے' (لسان العرب ج ۱۴ ص ۲۲۱) جب انہوں نے آپ سے مصالحت کی کہ آپ آئندہ سال آئیں اور تین دن ٹھہریں پس آپ تشریف لائے تو آپ نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا بیت اللہ شریف کا رمل کرو۔

اس حدیث میں یہ بھی ہے کہ آپ نے صفا اور مروہ کے درمیان سعی اونٹ پر (سوار ہو کر) کی کیونکہ لوگ آپ سے

دور نہیں ہوتے تھے اور نہ الگ ہوتے تھے پس آپ نے اونٹ پر سعی کی تاکہ وہ آپ کا کلام سنیں اور آپ کی جگہ کو دیکھیں اور آپ تک ان کے ہاتھ نہ پہنچیں۔

اور رسول اکرم ﷺ جب مروہ تک پہنچے تو اس پر چڑھ گئے اور قبلہ رخ ہو کر اللہ کی بڑائی اور توحید بیان کی اور وہی عمل کیا جو صفا پر کیا تھا یہاں تک کہ جب مروہ پر آخری پھیرا ہوا تو فرمایا: اگر مجھے اپنے معاملے کا پہلے خیال ہوتا جو بعد میں آیا تو میں ہدی نہ چلاتا اور اس کو عمرہ بنا دیتا پس تم میں سے جس کے پاس ہدی نہ ہو وہ احرام کھول دے اور اسے عمرہ بنا دے چنانچہ حضرت سراقہ بن جعشم نے کھڑے ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ! کیا یہ اسی سال کے لئے ہے یا ہمیشہ کے لئے ہے؟ نبی اکرم ﷺ نے ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ میں ڈالیں اور دو مرتبہ فرمایا عمرہ' حج میں داخل ہو گیا' نہیں بلکہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ایسا ہے۔

حج کو عمرہ کی طرف فسخ کرنے کا یہی مفہوم ہے۔

کیا حج' عمرہ میں بدل جاتا ہے؟

حضرت امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس فسخ میں اختلاف ہے کہ کیا یہ صحابہ کرام کے اسی سال کے لئے خاص تھا یا ان کے لئے بھی اور دوسروں کے لئے بھی قیامت تک باقی ہے؟

حضرت امام احمد اور اہل ظاہر کی ایک جماعت کہتی ہے یہ خاص نہیں بلکہ قیامت تک باقی ہے پس ہر اس شخص کے لئے جس کے ساتھ ہدی نہ ہو جائز ہے کہ وہ احرام کو بدل دے اور عمرہ کے اعمال مکمل کرے اور احرام کھول دے۔

حضرت امام مالک' امام شافعی' امام ابوحنیفہ اور پہلے اور پچھلے جمہور علماء فرماتے ہیں یہ حکم صحابہ کرام کے ساتھ صرف اسی سال کے لئے خاص تھا اس کے بعد جائز نہیں اس سال اس لئے ان کو حکم دیا تھا تاکہ زمانہ جاہلیت کے اس عقیدے کی مخالفت ہو جائے کہ حج کے مہینوں میں عمرہ کرنا جائز نہیں۔

جمہور کے دلائل میں سے ایک حدیث حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث ہے جسے امام مسلم نے نقل کیا' وہ فرماتے ہیں: حج میں تمتع نبی اکرم ﷺ کے صحابہ کرام کے ساتھ خاص تھا یعنی حج کو عمرہ کی طرف بدلنا۔

"سنن نسائی میں ہے" حضرت حارث بن ہلال اپنے والد سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا حج کو عمرہ میں بدلنا ہمارے ساتھ خاص ہے یا سب لوگوں کے لئے عام ہے؟ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: بلکہ ہمارے لئے خاص ہے۔ (سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۹۸۳' مسند احمد ج ۳ ص ۴۶۹' المستدرک ج ۳ ص ۵۱۷' سنن دارمی ج ۲ ص ۵۰' نصب الرایہ ج ۳ ص ۱۰۴' المعجم الکبیر ج ۱ ص ۳۵۷' التمہید ج ۸ ص ۳۵۷' کنز العمال رقم الحدیث: ۱۲۸۶۹ـ ۱۲۸۷۰)

فرماتے ہیں وہ جو حضرت سراقہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ کیا ہمارے اس سال کے ساتھ خاص ہے یا ہمیشہ کے لئے؟ آپ نے فرمایا: نہیں بلکہ ہمیشہ کے لئے ہے۔ تو اس کا مطلب یہ ہے کہ حج کے مہینوں میں عمرہ کرنے اور قران (حج اور عمرہ کو ملانے) کا جواز ہمیشہ کے لئے ہے۔ جس کی وضاحت پہلے ہو چکی ہے۔

تو طرق حدیث کے مجموعہ کا خلاصہ یہ ہوا کہ حج کے مہینوں میں عمرہ کرنا قیامت تک جائز ہے اسی طرح قران بھی جائز ہے اور حج کو عمرہ میں بدلنا اسی سال کے ساتھ خاص تھا۔

''سنن نسائی کی'' روایت میں یہ بھی ہے کہ دو متعہ صرف ہمارے (مسلمانوں) کے لئے درست ہیں ایک عورتوں سے متعہ اور دوسرا حج کا متعہ یعنی حج کو عمرہ کی صورت میں بدلنا اور عورتوں سے متعہ کسی عورت سے ایک خاص مدت تک کے لئے نکاح کرنا مباح تھا پھر خیبر کے دن یہ حکم منسوخ ہو گیا پھر فتح کے دن جائز قرار دیا گیا پھر فتح کے دنوں میں ہی منسوخ ہو گیا اور اس کی حرمت قیامت تک برقرار ہے' پہلے دور میں اس میں اختلاف تھا پھر اس کی حرمت پر سب کا اجماع ہو گیا۔

مکہ مکرمہ میں آپ کہاں اترے؟

اس دوران جب مسلمان مکہ مکرمہ میں اترے' نبی اکرم ﷺ نماز میں قصر کرتے تھے اور منیٰ کی طرف جانے سے پہلے آپ کا مکہ مکرمہ میں ٹھہرنا چار دن مسلسل تھا کیونکہ آپ چار تاریخ کو تشریف لاتے اور آٹھ تاریخ کو وہاں سے تشریف لے گئے پس آپ نے وہاں اکیس نمازیں ادا فرمائیں۔ چار تاریخ کی ظہر سے شروع کر کے آٹھ تاریخ کی ظہر تک۔

نبی اکرم ﷺ کے مکہ مکرمہ میں داخل ہونے اور دوسری بار منیٰ سے ابطح کی طرف جانے تک پورے دس دن تھے۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی یمن سے تشریف آوری

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ یمن سے رسول اکرم ﷺ کے پاس تشریف لائے تو آپ نے ان سے فرمایا تم نے کونسا احرام باندھا ہے؟ عرض کیا جس کا احرام اللہ کے رسول ﷺ نے باندھا ہے فرمایا اگر میرے ساتھ ہدی نہ ہوتی تو میں احرام کھول دیتا۔ اس حدیث کو امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث سے روایت کیا ہے۔

حضرت براء رضی اللہ عنہ کی حدیث جسے امام ترمذی اور امام نسائی رحمہما اللہ نے روایت کیا ہے اس میں یوں ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ' حضرت خاتون جنت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لائے تو دیکھا کہ گھر خوشبو سے مہک رہا ہے آپ کو غصہ آیا تو حضرت خاتون جنت نے فرمایا آپ کو کیا ہوا؟ نبی اکرم ﷺ نے صحابہ کرام کو حکم دیا پس انہوں نے احرام کھول دیا ہے فرماتے ہیں: میں نے ان سے کہا کہ میں نے رسول اکرم ﷺ کے احرام کے مطابق احرام باندھا ہے فرماتے ہیں: پھر میں بارگاہ نبوی میں حاضر ہوا تو نبی اکرم ﷺ نے مجھ سے فرمایا آپ نے کیسے کیا؟ فرماتے ہیں اور آپ نے مجھ سے فرمایا اونٹوں میں سے ستاسٹھ (۶۷) اونٹوں یا (فرمایا) چھیاسٹھ (۶۶) اونٹوں کو ذبح کر دو اور اپنے لئے تینتیس یا چونتیس اونٹ رکھ لو اور ان میں سے ہر اونٹ سے ایک ٹکڑا (گوشت کا) رکھ لو۔

''صحیح مسلم میں'' حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے پس حضرت علی المرتضیٰ نے حضرت خاتون جنت کو احرام کھولنے والوں میں پایا اور انہوں نے رنگین کپڑے پہن رکھے تھے اور سرمہ بھی لگایا ہوا تھا تو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے ان پر اعتراض کیا' حضرت خاتون جنت نے فرمایا میرے والد نے مجھے اس بات کا حکم دیا ہے فرمایا تم نے سچ کہا' تم نے سچ کہا (نبی اکرم ﷺ نے پوچھا) آپ نے حج کی نیت کرتے وقت کیا کہا تھا؟ عرض کیا میں نے کہا تھا:

اللھم انی اھل بما اھل به رسولک. یا اللہ! میں نے اسی عمل کا احرام باندھا (نیت کی) جس کا احرام تیرے رسول ﷺ نے باندھا ہے۔

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: میرے ساتھ ہدی ہے پس تم احرام نہ کھولو۔

فرماتے ہیں: وہ ہدی جو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ یمن سے لائے اور جو ہدی نبی اکرم ﷺ لائے تھے ان کی کل تعداد ایک سو تھی۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: پس تمام لوگوں نے احرام کھولا اور بال کٹوائے سوائے نبی اکرم ﷺ اور ان لوگوں کے جن کے ساتھ ہدی تھی۔

ذوالحجہ کی آٹھویں تاریخ (یوم ترویہ)

جب ذوالحجہ کی آٹھویں تاریخ ہوئی (یوم ترویہ ہوا) اور یہ جمعرات کا دن اور چاشت کا وقت تھا تو نبی اکرم ﷺ سوار ہوئے اور مسلمانوں کو لے کر منیٰ کی طرف تشریف لے گئے، جن لوگوں نے پہلا احرام کھول دیا تھا انہوں نے حج کا باندھا ہوا تھا نبی کریم ﷺ نے منیٰ میں ظہر، عصر، مغرب، عشاء اور فجر کی نمازیں ادا کیں پھر کچھ دیر ٹھہرے حتیٰ کہ سورج طلوع ہو گیا آپ نے بالوں سے بنا ہوا خیمہ گاڑنے کا حکم دیا تو نمرہ میں خیمہ لگایا گیا پس آپ اس راستے سے چلے جس میں گوہ زیادہ تھیں۔

قریش کو آپ کے مزدلفہ میں مشعر حرام کے پاس ٹھہرنے کے علاوہ کسی بات میں شک نہیں، قریش بھی جاہلیت کے زمانے میں اسی طرح کرتے تھے اور حمس یعنی قریش اور جو لوگ ان کے دین پر تھے وہ مزدلفہ میں ٹھہرتے تھے اور کہتے تھے ''نحن قطین اللہ'' یعنی ہم اللہ تعالیٰ کے پڑوسی ہیں پس ہم اس کے حرم سے باہر نہیں جائیں گے جب کہ دوسرے لوگ عرفات تک پہنچتے تھے۔ اسی سلسلے میں ارشاد خداوندی ہے:

ثُمَّ اَفِيْضُوْا مِنْ حَيْثُ اَفَاضَ النَّاسُ. پھر وہاں سے لوٹو جہاں سے لوگ واپس لوٹتے ہیں۔

(البقرہ:۱۹۹)

حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں: زمانۂ جاہلیت میں میرا گدھا گم ہو گیا تو میں نے اسے عرفات میں پایا، میں نے نبی اکرم ﷺ کو دیکھا کہ آپ عرفات میں لوگوں کے ساتھ کھڑے ہیں پس جب میں نے اسلام قبول کیا تو مجھے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو وہاں کھڑا کیا تھا۔ (مسند اسحاق بن راھویہ)

ایک روایت (مسند ابن راھویہ، ابن خزیمہ) میں ہے کہ دور جاہلیت میں نبی اکرم ﷺ صحابہ کرام کے ساتھ اپنے اونٹ پر عرفات میں کھڑے ہوتے تھے پھر صبح کے وقت اپنی قوم کے ساتھ مزدلفہ میں کھڑے ہوتے اور جب وہ واپس لوٹتے تو آپ بھی واپس تشریف لاتے۔

وقوف عرفات

جب نبی اکرم ﷺ عرفات میں پہنچے تو ایک خیمہ لگایا گیا جو نمرہ میں لگایا گیا تھا، آپ وہاں اترے جب سورج ڈھل گیا تو آپ نے قصواء (اونٹنی) لانے کا حکم دیا آپ کے لئے اس پر کجاوہ رکھا گیا تو آپ اس پر سوار ہو کر وادی کے دامن میں تشریف لائے اور لوگوں کو خطبہ دیا اور فرمایا:

ان دماء کم واموالکم جرام علیکم کحرمة یومکم هذا فی شهر کم هذا فی بلدکم هذا الا ان کل شیء من امر الجاهلیة تحت

بے شک تمہارے خون اور تمہارے مال تم پر (ایک دوسرے پر) اس طرح حرام ہیں جس طرح تمہارے آج کے دن کی تمہارے اس مہینے میں تمہارے اس شہر میں

قدمی موضوع ودماء الجاهلية موضوعة وان اول دم اضع من دمائنا دم ابن ربيعة بن الحارث كان مسترضعا في بني سعد فقتله هذيل وربا الجاهلية موضوع واول ربا اضع ربانا ربا العباس بن عبد المطلب فانه موضوع كله فاتقوا الله في النساء فانكم اخذتموهن بامانة الله واستحللتم فروجهن بكلمة الله ولكم عليهن ان لا يوطئن فرشكم احدا تكرهونه فان فعلن ذلک فاضربوهن ضربا غير مبرح ولهن عليكم رزقهن وكسوتهن بالمعروف وقد تركت فيكم ما ان لا تضلوا بعده ان اعتصمتم به كتاب الله وانتم تسالون عني فما انتم قائلون.

حرمت ہے۔ سنو! جاہلیت کی ہر بات میرے قدموں کے نیچے ختم کردی گئی ہے' جاہلیت کے خون معاف کئے گئے ہیں ہمارے خونوں میں سے سب سے پہلا خون جسے میں معاف کرتا ہوں وہ ربیعہ بن حارث کے بیٹے کا خون ہے وہ بنو سعد میں دودھ پیتے تھے کہ ہذیل نے ان کو قتل کر دیا اور جاہلیت کا سود ختم کر دیا گیا ہے اور سب سے پہلا سود جسے میں چھوڑتا ہوں وہ حضرت عباس بن عبدالمطلب کا سود ہے وہ سارے کا سارا ختم کر دیا گیا۔ پس عورتوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو بے شک تم نے ان کو اللہ تعالیٰ کی امانت کے ساتھ لیا ہے اور اللہ تعالیٰ کے کلمہ کے ساتھ ان کی شرمگاہوں کو حلال کیا ہے تمہارے لئے ان کے ذمہ یہ حق ہے کہ وہ کسی کو اس بات کی اجازت نہ دیں کہ وہ تمہارے بستروں کو روندے جسے تم ناپسند کرتے ہو اگر وہ اس طرح کریں تو ان کو مارو لیکن اذیت ناک مار نہ ہو اور تمہارے ذمہ ان کا حق یہ ہے کہ ان کو معروف طریقے پر کھانا اور لباس دو اور میں نے تم میں وہ چیز چھوڑی ہے کہ اگر تم اس کو مضبوطی سے پکڑو تو ہرگز گمراہ نہیں ہوگے وہ اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے اور تم سے میرے بارے میں پوچھا جائے گا تو تم کیا کہو گے؟

انہوں نے کہا ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ نے (دین) پہنچایا' (فرض کی) ادائیگی کی اور خیر خواہی کی۔

نبی اکرم ﷺ نے اپنی انگلی کو آسمان کی طرف اٹھاتے ہوئے لوگوں کی طرف جھکائے تین بار فرمایا یا اللہ! تو گواہ ہو جا۔ (مشکوۃ المصابیح رقم الحدیث: ۲۵۵۵' التمہید ج ۱۰ ص ۲۳۱' مسند احمد ج ۳ ص ۳۱۳۔ ۴۸۵' السنن الکبریٰ ج ۳ ص ۲۱۵۔ ج ۵ ص ۸۔ ۲۴۷' المعجم الکبیر ج ۵ ص ۳۱۶۔ ۱۶۷ حلیۃ الاولیاء ج ۴ ص ۳۴۳)

پھر حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اذان دی پھر اقامت کہی تو آپ نے ظہر کی نماز پڑھائی پھر عصر کی اقامت کہی تو آپ نے عصر کی نماز پڑھائی اور دونوں کے درمیان وقفہ نہ فرمایا۔

(دونوں نمازوں کو) یوں جمع کرنا جمہور کے نزدیک مسافر لوگوں کے ساتھ خاص ہے۔ حضرت امام مالک اور امام اوزاعی سے منقول ہے اور شافعی حضرات کے نزدیک بھی یہی ہے کہ عرفات اور مزدلفہ میں نمازوں کو جمع کرنا حج کی وجہ سے ہے۔ (لسان العرب ج ۲ ص ۳۵۹) پس ہر ایک کے لئے جائز ہے (مسافر ہوں یا غیر مسافر) اسنوی فرماتے ہیں مسافر کے لئے جائز ہونے میں کوئی اختلاف نہیں (البتہ حج کی وجہ سے جمع میں اختلاف ہے)۔

امام شافعی اور آپ کے اصحاب فرماتے ہیں: جب آٹھویں ذوالحجہ کو حاجی نکلیں اور حج کے اختتام پر اپنے اپنے وطن

کی طرف جانے کی نیت کریں تو وہ نکلنے کے وقت سے قصر کریں (یعنی مسافر کہلائیں گے)۔

نبی اکرم ﷺ نماز سے فارغ ہوئے تو سوار ہو کر موقف (ٹھہرنے کی جگہ) تشریف لائے اور آپ نے اپنی اونٹنی قصواء کو صخرات (بڑے پتھروں یعنی چٹانوں) کی طرف کیا اور پیدل چلنے والوں کے راستے کو (ریت میں چلنے کا راستہ) سامنے رکھا اور قبلہ رخ ہوئے عرفہ (ذوالحجہ) کے دن موقعہ میں آپ اکثر یہ دعا مانگتے تھے:

اَللّٰھُمَّ لَکَ الْحَمْدُ کَالَّذِیْ نَقُوْلُ وَخَیْرًا مِّمَّا نَقُوْلُ اَللّٰھُمَّ لَکَ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ وَاِلَیْکَ مَاٰبِیْ وَلَکَ رَبِّ تُرَاثِیْ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَوَسْوَسَۃِ الصَّدْرِ وَشَتَاتِ الْاَمْرِ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْاَلُکَ مِنْ خَیْرِ مَا تَجِیْءُ بِہِ الرِّیَاحُ وَاَعُوْذُبِکَ مِنْ شَرِّ مَا تَجِیْءُ بِہِ الرِّیْحُ. (جامع ترمذی)

یا اللہ! تیرے ہی لئے تعریف ہے، جس طرح ہم کہتے ہیں اور اس سے بہتر جو ہم کہتے ہیں یا اللہ! تیرے ہی لئے میری نماز اور قربانی اور زندگی و موت ہے' میرا رجوع بھی تیری ہی طرف ہے اور اے میرے رب! تیرے ہی لئے ہے جو میں چھوڑ جاؤں۔ یا اللہ! میں عذاب قبر سے' سینے (دل) کے وسوسوں سے اور کام کے بکھر جانے سے تیری پناہ چاہتا ہوں یا اللہ! میں تجھ سے اس چیز کی بھلائی کا سوال کرتا ہوں جسے ہوائیں لاتی ہیں اور اس چیز کی برائی سے تیری پناہ چاہتا ہوں جسے ہوا لاتی ہے۔

یہ حدیث حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

ایک روایت جسے رزین نے ذکر کیا' اس میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نو ذوالحجہ کے دن عام طور پر ''لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ'' پڑھنے کے بعد یہ دعا پڑھتے تھے:

اَللّٰھُمَّ لَکَ الْحَمْدُ کَالَّذِیْ نَقُوْلُ اَللّٰھُمَّ لَکَ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ وَاِلَیْکَ مَاٰبِیْ وَعَلَیْکَ یَا رَبِّ ثَوَابِیْ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَمِنْ وَسْوَسَۃِ الصَّدْرِ وَمِنْ شَتَاتِ الْاَمْرِ وَمِنْ کُلِّ ذِیْ شَرٍّ.

یا اللہ! تیرے ہی لئے تعریف ہے جیسا کہ ہم کہتے ہیں یا اللہ! تیرے ہی لئے ہماری نماز اور قربانی ہے اور زندگی و موت ہے تیری ہی طرف میرا رجوع ہے اور یا اللہ! میرا ثواب تیرے ہی ذمۂ کرم پر ہے یا اللہ! میں عذاب قبر' دل کے وسوسہ' کام کے بکھرنے اور ہر شر والی چیز کے شر سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔

''جامع ترمذی میں ہے کہ'' نو ذوالحجہ کے دن افضل اور افضل کلمات جو میں نے اور مجھ سے پہلے نبیوں نے کہے ہیں' یہ ہیں:

لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ' لَہُ الْمُلْکُ وَلَہُ الْحَمْدُ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ.

اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں' وہ ایک ہے' اس کا کوئی شریک نہیں' اسی کی بادشاہی ہے اور وہی تعریف کے لائق ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

(اتحاف السادۃ المتقین ج ۴ ص ۳۷۱-۳۷۳، کشف الخفاء ج ۱ ص ۱۷۳، الکامل ج ۳ ص ۱۶۰۰، کنز العمال رقم الحدیث: ۱۲۰۷۹-۱۲۰۸۰)

عرفات میں نبی اکرم ﷺ یہ دعا بھی مانگتے تھے جس طرح ''طبرانی صغیر میں'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث سے ہے:

اَللّٰهُمَّ اِنَّکَ تَسْمَعُ کَلَامِیْ وَتَرٰی مَکَانِیْ وَتَعْلَمُ سِرِّیْ وَعَلَانِیَتِیْ لَایَخْفٰی عَلَیْکَ شَیْءٌ مِّنْ اَمْرِیْ اَنَا الْبَائِسُ الْفَقِیْرُ الْمُسْتَغِیْثُ الْمُسْتَجِیْرُ الرَّجُلُ الْمُشْفِقُ الْمُقِرُّ الْمُعْتَرِفُ بِذُنُوْبِهٖ اَسْاَلُکَ مَسْاَلَةَ الْمِسْکِیْنِ وَاَبْتَهِلُ اِلَیْکَ اِبْتِهَالَ الْمُذْنِبِ الذَّلِیْلِ وَاَدْعُوْکَ دُعَآءَ الْخَائِفِ الضَّرِیْرِ مَنْ خَضَعَتْ لَکَ رَقَبَتُهٗ وَفَاضَتْ لَکَ عَبْرَتُهٗ وَذَلَّ جَسَدُهٗ وَرَغِمَ اَنْفُهٗ لَکَ اَللّٰهُمَّ لَا تَجْعَلْنِیْ بِدُعَآئِکَ رَبِّ شَقِیًّا وَّکُنْ بِیْ رَءُوْفًا رَّحِیْمًا یَا خَیْرَ الْمَسْئُوْلِیْنَ وَیَا خَیْرَ الْمُعْطِیْنَ.

یا اللہ! تو میرا کلام سنتا ہے' میری جگہ کو دیکھتا ہے میرے پوشیدہ اور ظاہر کو دیکھتا ہے' میرا کوئی کام تجھ سے پوشیدہ نہیں' میں پریشان حال فقیر ہوں' مدد طلب کرنے والا پناہ مانگنے والا' ڈرنے والا اور اپنے گناہوں کا اقرار و اعتراف کرنے والا ہوں' میں مسکین کی طرح سوال کرتا ہوں اور گناہ گار رسوا کی طرح تیری طرف رجوع کرتا ہوں اور ڈرنے والے مجبور اور تکلیف میں مبتلا شخص کی طرح تجھ سے دعا مانگتا ہوں وہ جس کی گردن تیرے سامنے جھک گئی' تیرے لئے جس کے آنسو بہہ گئے اور جسم جھک گیا تیرے لئے اس کی ناک خاک آلود ہوگئی' یا اللہ! اے میرے رب اپنی پکار کے ساتھ مجھے بد بخت نہ کرنا اور مجھ پر مہربان رحم کرنے والا ہو جا' اے وہ ذات جو تمام مسئولین (جن سے سوال کیا جاتا ہے) سے بہتر اور اے سب دینے والوں میں سے اچھی ذات۔

نبی اکرم ﷺ عرفات میں تھے کہ نجد والوں میں سے کچھ لوگ آپ کے پاس آئے اور انہوں نے آپ سے حج کے بارے میں پوچھا آپ نے ایک ندا کرنے والے کو حکم دیا کہ وہ اعلان کرے ''حج عرفہ ہے'' (عرفات میں وقوف ہے) جو مزدلفہ کی رات طلوع فجر سے پہلے آئے اس نے حج کو پالیا' منیٰ کے تین دن ہیں پس جو شخص دو دنوں میں جلدی کرے (اور واپس ہو جائے) اس پر کوئی گناہ نہیں اور جو تاخیر کرے (تین دن ٹھہرے) اس پر بھی کوئی گناہ نہیں۔ (جامع ترمذی)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث جسے ابوداؤد نے نقل کیا اس میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: میں یہاں ٹھہرا اور عرفات پورے کا پورا موقف (ٹھہرنے کی جگہ) ہے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۴۹' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۹۳۶' مسند احمد ج ۳ ص ۳۲۰' السنن الکبریٰ ج ۵ ص ۱۱۵۔ ۲۳۹' مسند خزیمہ رقم الحدیث: ۲۸۱۵)

اور اسی مقام پر آپ پر یہ آیت نازل ہوئی جس طرح صحیحین میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ. (المائدہ: ۳) آج کے دن میں نے تم پر تمہارا دین مکمل کر دیا۔

اسی جگہ مسلمانوں میں سے ایک شخص سواری سے گر کر فوت ہو گیا اور وہ محرم تھا' نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: اسے دو کپڑوں میں کفن دیا جائے اور خوشبو نہ لگائی جائے' بیری کے (پتوں سے جوش دیتے ہوئے) پانی کے ساتھ غسل دیا جائے' اس کے سر اور چہرے کو ڈھانپا نہ جائے اور آپ نے خبر دی کہ اللہ تعالیٰ اسے قیامت کے دن اس طرح اٹھائے گا کہ یہ تلبیہ

کہتا ہوگا۔

یعنی اس صورت میں اٹھایا جائے گا کہ جس پر وہ فوت ہوا اس سے اس کے احرام کے باقی رہنے پر استدلال کیا گیا جب کہ مالکی اور حنفی حضرات کا اختلاف ہے۔ [1]

امام نووی رحمہ اللہ نے فرمایا اس حدیث کی تاویل یوں ہوگی کہ اس کے چہرے کو ڈھانپنے سے ممانعت اس لئے نہیں تھی کہ محرم کے لئے چہرے کو ڈھانپنا جائز نہیں بلکہ یہ سر کو بچانے کے لئے تھا کیونکہ اگر وہ اس کے چہرے کو ڈھانپتے تو سر کو ڈھانپنے سے بے خوف نہ ہوتے (یعنی وہ بھی ڈھانپا جاتا)۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ مذکور محرم عرفات کی چٹانوں کے پاس گرا تھا۔ واللہ اعلم

عرفات سے واپسی

جب سورج غروب ہو گیا اس طرح کہ کچھ زردی چلی گئی جب سورج کی ٹکیہ غائب ہو گئی تو نبی اکرم ﷺ عرفات سے واپس لوٹے اور اپنے پیچھے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کو بٹھایا اور قصواء (اونٹنی) کے لئے لگام کو تنگ کیا حتیٰ کہ اس کا سر کجاوے کے اگلے حصے میں چمڑے کے ٹکڑے تک پہنچتا تھا اور آپ اپنے ہاتھ سے لوگوں کو اشارہ کر رہے تھے کہ سکون و اطمینان اختیار کریں آپ جس وقت بھی ریت کے چھوٹے ٹیلے پر تشریف لاتے تو لگام کچھ ڈھیلی چھوڑتے حتیٰ کہ وہ اوپر چڑھتی اور مازمین (عرفات میں معروف جگہ) کے راستے سے واپس لوٹتے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۲۱۸)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے اپنے پیچھے اونٹوں کو سخت جھڑکنا اور مار پیٹ سنی تو اپنی لاٹھی سے اشارہ کیا اور فرمایا: اے لوگو! تم پر اطمینان لازم ہے کیونکہ نیکی تیز چلنے میں نہیں ہے۔

(صحیح البخاری ج ۲ ص ۲۰۱' المستدرک ج ۱ ص ۴۶۵۔ ج ۳ ص ۲۷۵' مسند احمد ج ۱ ص ۲۶۹۔ ج ۵ ص ۲۰۱۔ ۲۰۷' کنز العمال رقم الحدیث: ۱۲۶۰۹۔ ۱۲۶۱۳)

"سنن ابی داؤد کی" روایت میں ہے کہ آپ عرفات سے واپس تشریف لائے اور آپ پر سکون تھے اور آپ کے پیچھے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ تھے آپ نے فرمایا اے لوگو! تم پر سکون لازم ہے کیونکہ نیکی گھوڑوں اور اونٹوں کو تیز چلانے میں نہیں پس میں نے نہیں دیکھا کہ اونٹنی نے تیز چلتے ہوئے اگلے قدم اٹھائے ہوں حتیٰ کہ نبی اکرم ﷺ مزدلفہ میں تشریف لائے۔

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کی روایت "جو صحیح بخاری و مسلم میں ہے" اس میں ہے کہ اعتدال کے ساتھ چلتے تھے جب کوئی گنجائش دیکھتے تو ذرا تیز چلتے۔

امام طبرانی نے معجم میں حضرت سالم بن عبداللہ سے روایت کیا وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ عرفات سے واپس تشریف لائے اور آپ یہ کلمات پڑھ رہے تھے:

---

[1] احناف فرماتے ہیں جب انسان فوت ہو جاتا ہے تو اس کے عمل کا سلسلہ منقطع ہو جاتا ہے لہٰذا اسے خوشبو لگانا اور اس کے سر اور چہرے کو ڈھانپنا جائز ہے جہاں تک اس حدیث کا تعلق ہے تو یہ ایک خاص واقعہ ہے' عمومی حکم نہیں ہے کیونکہ اس میں فرمایا کہ وہ قیامت کے دن تلبیہ کہے گا۔ (زرقانی ج ۸ ص ۱۸۲)

الیک تعدو قلقا وضینها مخالف دین النصاریٰ دینها

''وہ پریشانی میں کجاوے کی رسی کو تیری طرف موڑتے ہیں ان کا دین' نصاریٰ کے دین کے خلاف ہے''۔

''نہایہ میں فرمایا کہ'' یہ حدیث حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے قول کے طور پر مشہور ہے۔

القلق کا معنیٰ ''الانزعاج'' (بے قراری) ہے۔''الوضین'' ضاد کے ساتھ ہے' کجاوے کی رسی۔

جب نبی اکرم ﷺ راستے کے درمیان میں تھے تو آپ اترے اور آپ نے پیشاب فرمایا اور مختصر وضو فرمایا' حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! نماز کا وقت ہے آپ نے فرمایا نماز کا مقام آگے ہے (یعنی مزدلفہ نہیں ہے)۔(سنن نسائی ج۱ص۲۹۲۔ج۵ص۲۵۹' صحیح مسلم رقم الحدیث :۲۶۶۔۲۸۰' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث :۳۰۱۹' سنن دارمی ج۲ص۵۷' مسند احمد ج۵ص۲۰۰۔۲۰۸' السنن الکبریٰ ج۱ص۸۳' التمہید ج۹ص۲۶۷' اتحاف السادۃ المتقین ج۴ص۳۸۷' سنن ابوداؤد رقم الحدیث :۱۹۲۱۔۱۹۲۵' مسند الحمیدی رقم الحدیث :۵۴۸' حلیۃ الاولیاء ج۷ص۱۰۶' موطا امام مالک رقم الحدیث :۲۰۱' کنز العمال رقم الحدیث:۱۲۵۹۳۔۱۲۵۹۴۔۱۲۵۹۷۔۱۲۶۰۰۔۱۲۶۰۳۔۱۲۶۰۴)

مزدلفہ میں رات گزارنا

نبی اکرم ﷺ سوار ہوئے حتیٰ کہ مزدلفہ میں تشریف لائے اور مزدلفہ کو جمع کہا جاتا ہے (جمع میں جیم پر زبر اور میم ساکن ہے) کیونکہ حضرت آدم علیہ السلام اس مقام پر حضرت حواء علیہا السلام کے ساتھ اکٹھے ہوئے تو آپ ان کے قریب ہوئے۔

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اسے جمع کہنے کی وجہ یہ ہے کہ یہاں دو نمازوں کو جمع کیا جاتا ہے۔

یہ بھی کہا گیا کہ یہاں لوگ جمع ہو کر اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرتے ہیں یعنی وہ وقوف کر کے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرتے ہیں۔

نبی کریم ﷺ نے وہاں مغرب اور عشاء کی نماز ادا کی' دونوں نمازیں ایک اقامت سے پڑھیں اور ان میں سے کسی کے بعد نماز (نفل وغیرہ) نہیں پڑھی۔ایک روایت میں ہے کہ مغرب کی اقامت ہوئی پھر لوگوں نے سواریوں کو بٹھایا اور ان سے سامان نہیں اتارا حتیٰ کہ عشاء کی اقامت ہوئی پس آپ نے نماز پڑھی پھر صحابہ کرام نے سواریوں سے سامان اتارا۔(صحیح مسلم)

اس رات نبی اکرم ﷺ نے قیام ترک کر دیا اور آرام فرما ہوئے حتیٰ کہ صبح ہو گئی کیونکہ اس سے پہلے عرفات میں عمل کر چکے تھے یعنی زوال سے لے کر غروب آفتاب تک وقوف' دعا میں کوشش اور غروب کے بعد مزدلفہ کی طرف روانگی' اور آپ نے مغرب وعشاء کی نماز پر اکتفاء کیا اور رات کا باقی حصہ آرام فرمایا حالانکہ نبی اکرم ﷺ رات کے وقت اس قدر قیام کیا کرتے تھے کہ آپ کے قدم مبارک سوج جاتے لیکن آپ نے عرفات میں عمل کرنے کی وجہ سے اپنے نفس مبارکہ کو آرام پہنچایا نیز اس لئے بھی کہ اس کے بعد قربانی کا دن تھا اور آپ نے اپنے دست مبارک سے تریسٹھ (۶۳) اونٹ ذبح کرنا تھے پھر طواف افاضہ کے لئے مکہ مکرمہ کی طرف جانا اور منیٰ کی طرف لوٹنا تھا جس طرح ''شرح تقریب الاسانید میں''

اس بات سے آگاہ کیا گیا۔

دعا

حضرت عباس بن مرداس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے عرفہ (نو ذوالحجہ) کی شام اپنی امت کے لئے بخشش کی دعا مانگی تو آپ کو جواب دیا گیا "بے شک میں نے ان کو بخش دیا سوائے ظالموں کے، میں ان سے مظلوم کا بدلہ لوں گا" آپ نے عرض کیا اے میرے رب! اگر تو چاہے تو مظلوم کو جنت عطا کرے اور ظالم کو بخش دے تو اس شام آپ کو جواب نہ ملا جب مزدلفہ میں صبح ہوئی تو دوبارہ دعا فرمائی تو آپ کے سوال کو قبول کیا گیا، راوی فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ ہنس پڑے یا (فرمایا) تبسم فرمایا حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما نے عرض کیا ہمارے ماں باپ آپ پر قربان ہوں اس وقت آپ ہنسا نہیں کرتے تو کس وجہ سے آپ ہنسے ہیں؟ اللہ تعالیٰ آپ کو (ہمیشہ) مسکراتا ہوا رکھے؟ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے دشمن ابلیس کو جب معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے میری دعا قبول کر لی ہے اور میری امت کو بخش دیا ہے تو اس نے مٹی لی اور اپنے سر پر ڈال کر ہلاکت اور تباہی کے الفاظ سے پکارنے لگا تو اس کی اس فریاد کی وجہ سے مجھے ہنسی آ گئی۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۰۱۳، الترغیب والترہیب ج ۲ ص ۲۰۲، کنز العمال رقم الحدیث: ۱۱۸۰۹۔ ۳۱۹۵۷)

امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے اسے اس طریق سے روایت کیا جس سے امام ابن ماجہ رحمہ اللہ نے روایت کیا اور اس کو ضعیف قرار نہیں دیا۔

بعض روایات میں حضرت عباس بن مرداس کے غیر سے مروی ہے جس میں بیان کیا گیا کہ امت سے وہ لوگ مراد ہیں جنہوں نے عرفات میں وقوف کیا۔

قرطبی فرماتے ہیں کہ مظالم کی نسبت سے وہ لوگ مراد ہیں جنہوں نے توبہ کی اور حقوق کی ادائیگی سے عاجز ہیں۔

امام بیہقی رحمہ اللہ نے ابن ماجہ کی روایت کی طرح روایت کرنے کے بعد فرمایا اس کے کئی شواہد ہیں اگر اس کے شواہد صحیح ہیں تو اس میں حجت ہے اور اگر صحیح نہیں تو اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد موجود ہے:

وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ۚ (النساء: ۴۸)

اور اللہ تعالیٰ جس کے لئے چاہے اس (شرک) کے علاوہ بخش دیتا ہے۔

اور ایک دوسرے پر ظلم کرنا شرک سے کم ہے۔

یومِ ولادت کی طرح (پاک) واپس ہونا

امام ترمذی رحمہ اللہ نے صحیح حدیث میں فرمایا:

من حج فلم یرفث ولم یفسق خرج من ذنوبه کیوم ولدته امه.

جس نے حج کیا پس فحش کلامی نہ کی اور نہ نافرمانی کی وہ اپنے گناہوں سے اس طرح پاک ہوگا جس طرح اس دن پاک ہوتا ہے جس دن اس کی ماں اسے جنم دیتی ہے۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۸۱۱ مسند احمد ج ۲ ص ۲۲۹ الترغیب والترہیب ج ۲ ص ۱۶۳ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۴۳۸)

یہ بات ان گناہوں سے مخصوص ہے جو اللہ تعالیٰ کے حقوق سے متعلق ہیں بندوں کے حقوق کے بارے میں نہیں اور حقوق بھی ساقط نہیں ہوتے پس جس کے ذمہ نماز یا کفارہ وغیرہ اللہ تعالیٰ کے حقوق ہوں وہ اس سے ساقط نہیں ہوتے کیونکہ وہ حقوق ہیں گناہ نہیں کیونکہ گناہ ان (حقوق کی ادائیگی) میں تاخیر ہے پس نفس تاخیر حج کی وجہ سے ساقط ہو جاتی ہے نفس حق ساقط نہیں ہوتا اگر اس کے بعد بھی مؤخر کرے تو نیا گناہ پیدا ہوگا تو مقبول حج (حکم خداوندی کی) مخالفت کو ساقط کرتا ہے حقوق کو نہیں۔

ابن تیمیہ نے کہا جو شخص یہ کہے کہ حج ان حقوق کو ساقط کر دیتا ہے جو اس (حاجی) پر واجب ہیں مثلاً نماز (وغیرہ) تو اس سے توبہ کا مطالبہ کیا جائے (اگر توبہ کرے تو ٹھیک ہے) ورنہ قتل کیا جائے اور آدمی کا حق حج کی وجہ سے ساقط نہیں ہوتا اس پر سب کا اتفاق ہے۔

کمزوروں کو پہلے بھیجنا

ام المؤمنین حضرت سودہ رضی اللہ عنہا نے مزدلفہ کی رات نبی اکرم ﷺ سے اجازت طلب کی اور آپ کا جسم بھاری تھا اور آپ آہستہ چلتی تھیں پس نبی اکرم ﷺ نے آپ کو اجازت دے دی (حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں) کاش میں بھی رسول اللہ ﷺ سے اجازت مانگتی جس طرح حضرت سودہ رضی اللہ عنہا نے اجازت طلب کی تھی۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا نے لوگوں کی بھیڑ ہو جانے سے پہلے جانے کی اجازت مانگی اور وہ سست رفتار تھیں تو نبی اکرم ﷺ نے لوگوں کے ہجوم سے پہلے جانے کی اجازت دے دی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں اگر میں بھی رسول اللہ ﷺ سے اجازت مانگتی جس طرح حضرت سودہ رضی اللہ عنہا نے اجازت مانگی تھی تو یہ بات میرے لئے ہر اس چیز سے زیادہ پسند ہوتی جس کے ذریعے خوشی حاصل کی جاتی ہے۔

ابوداؤد اور نسائی کی روایت میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو قربانی کی رات (منیٰ کی طرف) بھیج دیا پس انہوں نے فجر سے پہلے کنکریاں ماریں پھر وہ (مکہ مکرمہ) چلی گئیں اور طواف افاضہ کیا اور یہ وہ دن تھا جس دن نبی اکرم ﷺ ان کے ہاں تھے۔[1]

امام مسلم رحمہ اللہ کی روایت میں ہے کہ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کو مزدلفہ سے رات کے وقت بھیجا۔

''صحیح بخاری، صحیح مسلم اور سنن نسائی میں'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ نے مجھے اپنے گھر کے کمزور افراد کے ساتھ بھیجا تو ہم نے صبح کی نماز منیٰ میں پڑھی اور کنکریاں ماریں۔

---

[1] شافعی حضرات نے اس سے استدلال کیا ہے کہ آدمی رات سے کنکریاں مارنے کا وقت شروع ہو جاتا ہے کیونکہ ایک روایت میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا صبح کے وقت مکہ مکرمہ پہنچ جانا اور یہ تب ہی ممکن ہے جب رات کو کنکریاں ماری جائیں اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حکم حضرت ام سلمہ کے ساتھ خاص ہے دوسروں کے لئے جائز نہیں اور حضور ﷺ جس کے لئے چاہیں اسے کسی حکم کے ساتھ خاص کر دیں۔

(زرقانی ج ۸ ص ۱۸۸)

''موطا (امام مالک) صحیح بخاری و مسلم اور سنن نسائی میں'' حضرت اسماء رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ وہ مزدلفہ کی رات مزدلفہ میں اتریں اور کھڑے ہو کر ایک ساعت نماز پڑھی پھر فرمایا اے میرے بیٹو! کیا چاند غروب ہو گیا ہے؟ میں نے کہا نہیں پھر ایک گھڑی نماز پڑھی پھر فرمایا چاند ڈوب گیا ہے؟ میں نے کہا جی ہاں فرمایا پس چلو بے شک نبی اکرم ﷺ نے کجاوے والی خواتین کو اجازت دی ہے۔

مزدلفہ میں رات گزارنا

اسلاف کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ آیا مزدلفہ میں رات نہ گزارنا جائز ہے یا نہیں؟ حضرت علقمہ' نخعی اور شعبی فرماتے ہیں جس نے اسے چھوڑ دیا اس سے حج رہ گیا۔ حضرت عطاء' زہری' قتادہ' شافعی' کوفی حضرات اور اسحاق رحمہم اللہ فرماتے ہیں اس پر دم (جانور ذبح کرنا) لازم ہے اور جو شخص وہاں رات گزارے اس کے لئے جائز نہیں کہ وہ نصف رات سے پہلے وہاں سے چلا جائے۔

امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں اگر وہاں سے گزرے لیکن نہ اترے تو اس پر دم لازم ہے جب وہاں سے چلا جائے۔

کنکریاں چننا

اور جب فجر طلوع ہوئی تو نبی اکرم ﷺ نے فجر کی نماز اذان اور اقامت کے ساتھ اس وقت پڑھی جب صبح ظاہر ہوئی۔

''سنن بیہقی اور سنن نسائی میں'' صحیح سند کے ساتھ مسلم کی شرط پر روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے قربانی کی صبح حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہما سے فرمایا میرے لئے کنکریاں چنو' تو انہوں نے ٹھیکری کی مثل کنکریاں چنیں اور ان کنکریوں کو نہ توڑے۔ جس طرح بے علم لوگ کرتے ہیں۔ (لسان العرب ج ۴ ص ۴۴)

''سنن نسائی کی'' روایت میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے قربانی کی صبح حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے فرمایا اور آپ اپنی سواری پر تھے' یہ کنکریاں جو آپ نے چنی ہیں مجھے دیں تو انہوں نے چند کنکریاں جو ٹھیکری کی مثل تھیں آپ کو پکڑائیں جب آپ نے ان کو اپنے ہاتھ میں رکھا تو فرمایا ان جیسی اور بھی (دو) اور تم لوگ دین میں بڑھنے سے بچو[1] بے شک تم سے پہلے لوگ دین میں زیادتی کرنے کی وجہ سے ہلاک ہو گئے۔ (سنن نسائی ج ۵ ص ۲۶۸' مسند احمد ج ۱ ص ۳۴۷' المستدرک ج ۱ ص ۴۶۶' حلیۃ الاولیاء ج ۳ ص ۲۲۳' اتحاف السادۃ المتقین ج ۴ ص ۳۹۱' الدر المنثور ج ۱ ص ۲۳۵)

علماء کرام فرماتے ہیں اس حدیث میں اس بات پر دلیل ہے کہ دن کے وقت کنکریاں چننا مستحب ہے۔ امام بغوی کی یہی رائے ہے وہ فرماتے ہیں صبح کی نماز کے بعد یہ کام کیا جائے۔ امام شافعی رحمہ اللہ نے ''الام'' اور ''الاملاء'' میں یہی بات بیان کی ہے لیکن جمہور کا قول جیسا کہ امام رافعی نے فرمایا یہ ہے کہ رات کو کنکریاں چننا مستحب ہے کیونکہ یہ فراغت کا وقت ہوتا ہے۔

اور کیا حج کے موقعہ پر ماری جانے والی تمام کنکریاں (اسی رات) چننا مستحب ہے ''التنبیہ'' میں اس موقف کو اختیار

---

[1] اپنی طرف سے کسی عمل کو دین قرار دے دینا اور حلال و حرام یا فرض و واجب وغیرہ کا حکم لگانا دین میں بڑھنا ہے' دین کے مطابق اچھے کام جاری کرنا دین میں بڑھنا نہیں ہے۔ ۱۲ ہزاروی

کیا گیا۔(التنبیہ ص ۷۸)

اور امام نووی نے اپنی تصحیح میں اسے برقرار رکھا لیکن اکثر حضرات کا قول وہ ہے جو امام رافعی نے فرمایا کہ صرف قربانی کے دن کے لئے چننا مستحب ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ نے بھی ''المہذب'' میں اسی بات کو بیان کیا اور احتیاط یہ ہے کہ زیادہ کنکریاں لے کیونکہ بعض اوقات ان میں سے کچھ کنکریاں گر جاتی ہیں۔

حج میں نیابت کا سوال

پھر نبی اکرم ﷺ قصوا (اونٹنی) پر سوار ہو کر مشعر حرام پر تشریف لائے اور اس پر چڑھ گئے پھر قبلہ رخ ہو کر (الحمد للہ، اللہ اکبر، لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ کلمات کے ذریعے) اللہ تعالیٰ کی تعریف کی بڑائی بیان کی اور اس کی معبودیت و وحدانیت کو بیان کیا اور مسلسل کھڑے رہے حتیٰ کہ صبح خوب روشن ہو گئی پھر آپ سورج طلوع ہونے سے پہلے چل پڑے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت کے علاوہ ایک روایت میں ہے کہ مشرکین واپس نہیں ہوتے تھے جب تک سورج طلوع نہ ہوتا اور رسول اکرم ﷺ نے اس بات کو ناپسند فرمایا پس آپ طلوع آفتاب سے پہلے چل پڑے۔

طبری (طبرانی) میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ جب نبی اکرم ﷺ نے مزدلفہ میں صبح کی تو آپ قزح (پہاڑ) پر کھڑے ہوئے اور حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہما کو اپنے پیچھے بٹھایا پھر فرمایا یہ (فضل) موقف ہے اور پورا مزدلفہ موقف ہے حتیٰ کہ جب سفیدی ہو گئی تو آپ چل پڑے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہما کو اپنے پیچھے بٹھایا، راوی فرماتے ہیں: وہ ایسے شخص تھے جن کے بال خوبصورت تھے اور رنگت سفید تھی (خوبصورت تھے) جب نبی اکرم ﷺ چلے تو کچھ عورتیں گزر رہی تھیں، حضرت فضل رضی اللہ عنہ ان کو دیکھنے لگے تو نبی اکرم ﷺ نے اپنا ہاتھ ان کے چہرے پر رکھا، حضرت فضل رضی اللہ عنہ نے اپنا رخ دوسری طرف پھیرا اور دیکھنے لگے رسول اکرم ﷺ نے اپنا ہاتھ دوسری طرف سے پھیر کر حضرت فضل کے چہرے پر رکھا تو انہوں نے دوسری طرف پھیر کر دیکھنا شروع کر دیا۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۲۱۸)

ایک روایت میں ہے کہ حضرت فضل رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ کے پیچھے تھے تو قبیلہ خثعم کی ایک خاتون آئیں اور آپ سے مسئلہ پوچھنے لگیں، حضرت فضل رضی اللہ عنہ نے اس کی طرف دیکھنا شروع کر دیا اور وہ بھی آپ کو دیکھ رہی تھی رسول اکرم ﷺ حضرت فضل رضی اللہ عنہ کے چہرے کو دوسری طرف پھیرنے لگے اس عورت نے پوچھا یا رسول اللہ! حج کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ کے فریضہ نے میرے باپ کو پالیا ہے (اس پر حج فرض ہو گیا ہے) اور وہ بہت بوڑھے ہیں، سواری پر ٹھہرنے کی طاقت نہیں رکھتے تو کیا میں ان کی طرف سے حج کر سکتی ہوں؟ فرمایا ہاں (کر سکتی ہو)۔ (صحیح بخاری و مسلم)

یہ حجۃ الوداع کے موقع کی بات ہے۔

یہ واقعہ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی مروی ہے لیکن امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت فضل رضی اللہ عنہ کی روایت کو ترجیح دی ہے کیونکہ اس وقت وہی نبی اکرم ﷺ کے پیچھے تھے اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما

کمزور حضرات کے ساتھ پہلے ہی منیٰ کی طرف جا چکے تھے گویا حضرت فضل رضی اللہ عنہ نے اس حالت میں جو کچھ دیکھا وہ اپنے بھائی سے بیان کیا اور یہ بھی احتمال ہے کہ خثعمیہ (عورت) کا سوال جمرۂ عقبہ کو کنکریاں مارنے کے بعد ہوا ہو اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما وہاں حاضر ہوں پس کبھی وہ اپنے بھائی سے نقل کرتے ہیں کیونکہ ان سے ہی متعلق ہے اور کبھی خود اپنا مشاہدہ بیان کرتے ہیں۔

اس کی تائید ''جامع ترمذی کی'' حدیث سے بھی ہوتی ہے کہ مذکورہ سوال قربان گاہ کے پاس ہوا جب کنکریاں مارنے سے فراغت ہو چکی تھی اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ وہاں موجود تھے۔

اس حدیث میں یہ بھی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے حضرت فضل رضی اللہ عنہ کی گردن پھیر دی تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ نے اپنے چچا زاد بھائی کی گردن پھیر دی؟ فرمایا میں نے ایک جوان مرد اور جوان عورت کو دیکھا تو ان پر شیطان سے بے خوف نہ ہوا۔ (کنز العمال رقم الحدیث: ۱۲۹۰۳-۱۳۰۲۷)

اس حدیث سے ظاہر یہ ہوتا ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ وہاں موجود تھے تو اس بات میں کوئی رکاوٹ نہیں کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بھی ان کے ساتھ وہاں موجود تھے۔

اس حدیث میں اس بات پر دلالت پائی جاتی ہے کہ زندہ لوگوں میں سے جو حج کی طاقت نہ رکھتا ہو اس کی نیابت جائز ہے۔ حضرت امام مالک رحمہ اللہ کا اس میں اختلاف ہے۔

اسی طرح جو لوگ کہتے ہیں کہ کسی کی طرف سے حج نہ کیا جائے جیسے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما (کا یہی قول ہے)۔

ابن منذر وغیرہ نے اس بات پر اجماع نقل کیا ہے کہ جو شخص خود حج کرنے پر قادر ہو اس کے لئے جائز نہیں کہ واجب حج میں نائب طلب کرے البتہ نفل حج میں حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک جائز ہے۔

اس میں امام شافعی رحمہ اللہ کا اختلاف ہے اور حضرت امام احمد رحمہ اللہ سے دو روایتیں ہیں۔

جمرات کو کنکریاں مارنا

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے کہ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں مزدلفہ سے عرفات تک نبی اکرم ﷺ کے پیچھے تھا پھر مزدلفہ سے منیٰ تک آپ نے حضرت فضل رضی اللہ عنہ کو اپنے پیچھے بٹھایا پس دونوں نے فرمایا کہ نبی اکرم ﷺ مسلسل تلبیہ کہتے رہے حتیٰ کہ آپ نے جمرۂ عقبہ کو کنکریاں ماریں۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ جب وادی محسر میں پہنچے تو آپ نے اپنی اونٹنی کو حرکت دی اور کچھ تیز چلنے لگے۔ (صحیح مسلم)

اسنوی فرماتے ہیں: اس کا سبب یہ تھا کہ نصاریٰ وہاں ٹھہرتے تھے جس طرح امام رافعی نے فرمایا: یا عرب (مشرکین) (وہاں ٹھہرتے تھے) جس طرح ''وسیط'' میں کہا ہے پس آپ نے ان کی مخالفت کا حکم دیا اور میرے لئے اس میں ایک اور معنی ظاہر ہوا وہ یہ کہ اس جگہ ہاتھی والوں (ابرہہ اور اس کے لشکر) پر عذاب نازل ہوا جو بیت اللہ شریف کو گرانے کا ارادہ کر رہے تھے تو اس میں جلدی مستحب ہے جیسا کہ صحیح حدیث میں ثابت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے قوم ثمود وغیرہ کے علاقوں سے گزرنے والے کو اسی بات (یعنی تیز چلنے) کا حکم دیا۔

دوسرے حضرات کہتے ہیں کہ جن جگہوں میں اللہ تعالیٰ کے دشمنوں پر اس کا عذاب نازل ہوا وہاں آپ کا طریقہ مبارکہ یہی تھا اور اس کو وادی محسر اس لئے کہتے ہیں کہ یہاں (ابرہہ کا) ہاتھی رک گیا تھا مطلب یہ کہ تھک گیا اور آگے چلنے سے رک گیا۔

اس کے بعد نبی اکرم ﷺ درمیانے راستے پر چلے جو جمرۂ کبریٰ پر جا نکلتا ہے حتیٰ کہ اس جمرہ کے پاس تشریف لائے جو درخت کے پاس تھا (آج کل درخت نہیں ہے) پس اس کو سات کنکریاں ماریں آپ ہر کنکری کے ساتھ ''اللہ اکبر'' کہتے تھے آپ نے وادی کے دامن سے کنکریاں ماریں اور بیت اللہ شریف کو اپنی بائیں جانب اور منیٰ کو دائیں جانب رکھا اور جمرہ (ستون) کی طرف رخ کیا۔

نبی اکرم ﷺ قربانی کے دن چاشت کے وقت کنکریاں مارتے تھے جس طرح حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے۔

ام الحصین کی روایت میں جسے امام ابوداؤد نے نقل کیا اس طرح ہے کہ میں نے حضرت اسامہ اور حضرت بلال رضی اللہ عنہما کو دیکھا ان میں سے ایک نے نبی اکرم ﷺ کی اونٹنی کی لگام پکڑ رکھی تھی اور دوسرے نے کپڑا اٹھایا ہوا تھا اور وہ دھوپ سے آپ کو بچا رہے تھے حتیٰ کہ آپ نے جمرۂ عقبہ کو کنکریاں ماریں۔

''سنن نسائی کی'' روایت میں ہے کہ پھر آپ نے خطبہ دیا اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کی پھر انہوں نے بہت سی باتیں ذکر کیں۔

حضرت ام جندب رضی اللہ عنہا سے مروی ہے' فرماتی ہیں: کہ میں نے نبی اکرم ﷺ کو دیکھا کہ آپ وادی کے دامن سے جمرہ کو کنکریاں مار رہے تھے اور آپ سوار تھے' ہر کنکری کے ساتھ تکبیر کہتے اور ایک شخص نے آپ کو پیچھے سے پردہ کر رکھا تھا' میں نے اس آدمی کے بارے میں پوچھا تو انہوں (حاضرین) نے کہا یہ حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہما ہیں اور لوگوں کا ہجوم ہو گیا تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا اے لوگو! ایک دوسرے کو ہلاک نہ کرو اور جب جمرہ (ستون) کو کنکریاں مارو تو ٹھیکری کی مثل کنکری مارو (چھوٹی کنکری مراد ہے)۔

(مسند احمد ج ۵ ص ۳۷۹۔ ج ۶ ص ۳۷۶۔ ۳۷۹' مجمع الزوائد ج ۹ ص ۳' شرح السنۃ ج ۷ ص ۱۸۱)

اس حدیث میں اس بات پر دلیل ہے کہ محرم کجاوے وغیرہ کے ذریعے سایہ حاصل کر سکتا ہے اور یہ بات گزر چکی ہے کہ نمرہ میں نبی اکرم ﷺ کے لئے بالوں سے بنا ہوا خیمہ لگایا گیا تھا۔

''صحیح مسلم اور سنن ابی داؤد میں'' حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں فرماتے ہیں کہ میں نے نبی اکرم ﷺ کو دیکھا کہ قربانی کے دن آپ اپنی سواری پر (سوار) کنکریاں مار رہے تھے اور فرماتے تھے:

خذوعنی مناسککم لا ادری لعلی لا احج بعد حجتی هذه.

مجھ سے اپنے احکام حج لے لو (سیکھ لو) میں نہیں جانتا کہ شاید اس حج کے بعد حج نہ کر سکوں۔

(التمہید ج ۲ ص ۶۹۔ ۹۱۔ ۹۸۔ ج ۴ ص ۳۳۳۔ ج ۵ ص ۱۱۷۔ ج ۷ ص ۲۷۲' نصب الرایۃ ج ۳ ص ۵۵' اتحاف السادۃ المتقین ج ۴ ص ۳۲۷' المغنی ج ۱ ص ۲۶۵)

حضرت قدامہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے جسے امام ترمذی نے نقل کیا ہے وہ فرماتے ہیں: کہ میں نے آپ کو دیکھا کہ آپ اپنی اونٹنی صہبا پر سوار ہو کر جمرات کو کنکریاں مار رہے تھے نہ وہاں مار دھاڑ تھی نہ دھکم پیل اور نہ ہٹو بچو کی صدائیں تھیں۔

قربانی اور سر منڈانا

پھر نبی اکرم ﷺ قربان گاہ کی طرف تشریف لے گئے اور تریسٹھ (۶۳) اونٹ ذبح کئے پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو (چھری) دی اور انہوں نے باقی اونٹوں کو ذبح کیا اور آپ نے ان کو اپنی ہدی میں شریک کیا پھر حکم دیا کہ ہر اونٹ سے کچھ گوشت رکھا جائے' اسے ہنڈیا میں ڈال کر پکایا گیا تو دونوں (حضور ﷺ اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ) نے اس کے گوشت سے تناول فرمایا اور اس کا کچھ شوربا نوش فرمایا۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۲۱۸)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے اپنی ازواج مطہرات کی طرف سے ایک گائے کی قربانی دی۔ (صحیح مسلم)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر اپنی آل کی طرف سے ایک گائے قربان کی۔ (سنن ابوداؤد)

پھر نبی اکرم ﷺ منیٰ میں اپنی منزل میں تشریف لائے اور سر مونڈنے والے (حجام) سے فرمایا: بال اتار دو اور آپ نے اپنے دست مبارک سے دائیں اور بائیں جانب اشارہ کیا پھر وہ بال صحابہ کرام کو دینے لگے۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ نے حجام سے فرمایا ادھر سے اور ہاتھ سے دائیں جانب اشارہ فرمایا پس اپنے بال ان لوگوں میں تقسیم فرمائے جو قریب تھے پھر حجام کو بائیں جانب کی طرف اشارہ کیا اس نے (بال) مونڈے اور حضرت ام سلیم کو دے دیئے۔
(صحیح بخاری و مسلم)

ایک اور روایت میں ہے کہ دائیں طرف سے ابتدا کی اور صحابہ کرام کے درمیان ایک ایک اور دو دو بال تقسیم کر دیئے۔ پھر بائیں طرف کا حکم دیا تو اسی طرح کیا پھر فرمایا یہاں ابوطلحہ ہیں؟ پس ان کو عطا کئے۔ (صحیح بخاری و مسلم)

ایک اور روایت میں ہے کہ آپ نے جمرۂ عقبہ کو کنکریاں ماریں پھر اونٹوں کی طرف تشریف لے گئے آپ نے ان کو ذبح کیا اور حجام بیٹھا ہوا تھا' آپ نے سر انور کی طرف اشارہ کیا تو اس نے دائیں طرف کے بال مونڈے آپ نے وہاں قریب موجود حضرات میں تقسیم کر دیئے پھر فرمایا دوسری طرف سے مونڈو پھر فرمایا ابوطلحہ کہاں ہیں؟ چنانچہ ان کو عطا فرمائے۔

امام احمد رحمہ اللہ نے نقل کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے سر مونڈنے والے کو بلایا وہ آپ کے پاس استرا لے کر کھڑا تھا آپ نے اس کی طرف دیکھا اور فرمایا: اے معمر! اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ نے تجھے اپنے کانوں کی چربی پر قدرت دی اور تیرے ہاتھ میں استرا ہے' حضرت معمر کہتے ہیں میں نے عرض کیا اللہ کی قسم! یا رسول اللہ بے شک اللہ تعالیٰ مجھ پر نعمت اور احسان سے ہے فرمایا ہاں۔ (مسند احمد ج ۶ ص ۴۰۰)

امام بخاری فرماتے ہیں لوگوں کا خیال ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے بال مبارک مونڈنے والے حضرت معمر بن عبداللہ

بن نضلہ بن عوف تھے۔

ابن خزیمہ نے بھی اپنی صحیح میں اسی طرح فرمایا ہے۔

امام احمد رحمہ اللہ نے حدیث نقل کی کہ نبی اکرم ﷺ نے اپنے ناخن کاٹے اور لوگوں کے درمیان تقسیم کر دیئے۔

(مسند احمد)

انہوں نے ہی حضرت محمد بن زیاد کی حدیث نقل کی ہے کہ ان کے والد نے ان سے بیان کیا کہ وہ قربان گاہ میں نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے ایک قریش مرد بھی تھے اور نبی اکرم ﷺ قربانیوں کا گوشت تقسیم فرما رہے تھے تو ان کو اور ان کے ساتھی (دونوں) کو کچھ نہ ملا پس نبی اکرم ﷺ نے اپنا سر مبارک ان کے کپڑے میں منڈوایا اور ان کو بال مبارک دیئے چنانچہ انہوں نے ان میں سے کچھ بال بعض لوگوں میں تقسیم کر دیئے اور آپ نے اپنے ناخن کاٹے اور وہ ان کے (قریشی) ساتھی کو دے دیئے اور نبی اکرم ﷺ مہندی اور کتم کے ساتھ بالوں کو رنگتے تھے (کتم ایک بوٹی ہے جس میں کچھ زردی ہوتی ہے اس کے پتوں کا خضاب لگایا جاتا ہے)۔ (مسند احمد ج ۴ ص ۴۲)

یا اللہ! حلق کرنے والوں کو بخش دے

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے یوں دعا مانگی:

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِلْمُحَلِّقِيْنَ. یا اللہ! سر منڈوانے والوں کو بخش دے۔

صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ! اور بال کٹوانے والوں کو بھی؟ آپ نے (پھر) دعا مانگی "اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِلْمُحَلِّقِيْنَ" انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! اور بال کٹوانے والوں کو آپ نے پھر دعا مانگی "اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِلْمُحَلِّقِيْنَ" انہوں نے عرض کیا اور بال کٹوانے والوں کو آپ نے فرمایا "وَلِلْمُقَصِّرِيْنَ" اور بال کٹوانے والوں کو بھی بخش دے۔

(صحیح بخاری و مسلم)

اس میں متعین نہیں کہ آیا آپ نے یہ دعا صلح حدیبیہ کے موقعہ پر مانگی یا حجۃ الوداع کے موقعہ پر؟

محدثین کرام فرماتے ہیں اس حدیث کے طرق میں وضاحت نہیں ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے یہ کلمات خود نبی اکرم ﷺ سے سنے ہوں اور کوئی ایسی بات واقع ہوتی تو ہم قطعی طور پر کہتے کہ حجۃ الوداع کے موقعہ پر یہ دعا مانگی کیونکہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اس موقعہ پر حاضر تھے اور حدیبیہ میں موجود نہیں تھے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث جو ابو قرہ نے "السنن" میں نقل کی ہے اور طبرانی نے "الاوسط میں" ذکر کی نیز حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ کی حدیث جو ابن اسحاق نے "المغازی میں" نقل کی ہے اس میں حدیبیہ کی تعیین ہے۔

جبکہ ابو مریم السلولی کی روایت جو امام احمد اور ابن ابی شیبہ نے نقل کی ہے اور "صحیح مسلم میں" ام الحصین کی روایت' قارب بن اسود ثقفی کی روایت جو امام احمد نے نقل کی اور ام عمارہ کی حدیث جو حارث کے نزدیک ہے' میں حجۃ الوداع کی تعیین ہے۔ اور جن احادیث میں حجۃ الوداع کی تعیین ہے ان کی تعداد زیادہ ہے اور وہ سند کے اعتبار سے بھی زیادہ صحیح ہیں۔

اسی لئے حضرت امام نووی رحمہ اللہ نے حضرت ابن عمر' حضرت ابو ہریرہ اور حضرت ام الحصین کی روایات کو نقل

کرنے کے بعد فرمایا یہ احادیث اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ یہ حجۃ الوداع کے موقعہ پر ہوا۔

وہ فرماتے ہیں یہی صحیح مشہور ہے اور کہا گیا ہے کہ حدیبیہ کے موقع پر ہوا۔ امام الحرمین نے ''النہایہ میں'' قطعی طور پر فرمایا کہ یہ دعا حدیبیہ کے موقع پر مانگی تھی پھر امام نووی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ یہ بات بعید از عقل نہیں ہے کہ دونوں جگہوں پر یہ واقعہ ہوا ہو۔

ابن دقیق العید نے اسی طرح فرمایا' (اور) یہی بات (عقل کے) زیادہ قریب ہے۔

''فتح الباری میں فرمایا'' بلکہ یہی بات متعین ہے کیونکہ دونوں جگہوں میں ہونے پر روایات ایک دوسری کی تائید کرتی ہیں البتہ دونوں جگہ سبب مختلف ہے' حدیبیہ میں اس کا سبب صحابہ کرام کا احرام کھولنے سے توقف کرنا تھا جب وہ غمگین ہو گئے تھے کیونکہ ان کو بیت اللہ شریف تک پہنچنے سے روک دیا گیا تھا حالانکہ وہ ذاتی طور پر ایسا کر سکتے تھے۔ لیکن نبی اکرم ﷺ نے ان کی مخالفت کی اور قریش سے مصالحت کر لی کہ آئندہ سال آئیں گے پس جب آپ نے ان کو احرام کھولنے کا حکم دیا تو انہوں نے توقف کیا اس پر حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے اشارہ کیا کہ نبی اکرم ﷺ خود ان سے پہلے احرام کھول دیں چنانچہ آپ نے ایسا کیا تو صحابہ کرام نے آپ کی اتباع کی پس بعض صحابہ کرام نے سر منڈوائے اور بعض نے بال کٹوائے تو جس نے منڈوانے کی طرف جلدی کی انہوں نے تعمیل حکم میں ان کے مقابلے میں زیادہ جلدی کی جنہوں نے کٹوانے پر اکتفاء کیا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث میں یہ سبب واضح طور پر بیان کیا گیا ہے کیونکہ ''سنن ابن ماجہ وغیرہ میں' اس حدیث کے آخر میں ہے کہ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! سر منڈوانے والوں کا کیا معاملہ ہے کہ آپ نے ان کے لئے رحمت کی دعا تکرار کے ساتھ فرمائی' فرمایا اس لئے کہ انہوں نے شکوہ نہیں کیا۔

اور حجۃ الوداع کے موقع پر سر منڈوانے والوں کے لئے تکرار کے ساتھ دعا مانگنے کے سبب کے بارے میں ابن اثیر نے ''النہایہ میں'' فرمایا: کہ نبی اکرم ﷺ کے ساتھ حج کرنے والوں میں سے اکثر حضرات نے ہدی نہیں چلائی تھی جب آپ نے ان کو حکم دیا کہ حج کو عمرہ میں بدل دیں پھر اس کے احرام سے نکل جائیں اور اپنے سروں کو منڈوالیں تو یہ بات ان پر گراں گزری اور جب فرمانبرداری کے بغیر چارۂ کار نہ تھا تو منڈوانے کے مقابلے بال کٹوانا زیادہ آسان ہوا تو ان میں سے اکثر نے اس طرح کیا اس پر نبی اکرم ﷺ نے منڈوانے والوں کو ترجیح دی کیونکہ تعمیل ارشاد میں یہ عمل زیادہ واضح تھا۔ یہ بات حافظ ابن حجر عسقلانی نے فرمائی۔

لیکن ان کی بات محل نظر ہے اگرچہ متعدد حضرات نے ان کی اتباع کی ہے کیونکہ متمتع کے حق میں مستحب یہ ہے کہ عمرہ میں قصر کرے (بال کٹوائے) اور حج میں سر منڈوائے جب دونوں عبادتوں کے درمیان تھوڑا وقفہ ہو اور ان لوگوں کے حق میں بھی اسی طرح تھا لیکن سب سے بہتر بات وہ ہے جو خطابی وغیرہ نے کہی وہ یہ کہ عربوں کی عادت ہے کہ وہ بالوں کے زیادہ ہونے اور ان کے ساتھ زینت اختیار کرنے کو پسند کرتے ہیں اور ان میں منڈوانا بہت کم ہے اور بعض اوقات وہ اسے شہرت اور عجمی کے عمل سے سمجھتے تھے اس لئے انہوں نے منڈوانا ناپسند کیا اور کٹوانے پر اکتفاء کیا۔

(فتح الباری رقم الحدیث: ۱۷۲۷)

سوالات

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ حجۃ الوداع کے موقعہ پر منیٰ میں لوگوں کے لئے کھڑے ہوئے اور وہ آپ سے سوالات کرتے تھے پس ایک شخص آیا اور اس نے عرض کیا یارسول اللہ! مجھے پتہ نہ چلا اور میں نے قربانی کرنے سے پہلے سر منڈوالیا آپ نے فرمایا ذبح کرو اور کوئی حرج نہیں پھر ایک اور شخص آیا اور اس نے عرض کیا یارسول اللہ! مجھے معلوم نہ ہو سکا اور میں نے کنکریاں مارنے سے پہلے قربانی کر دی آپ نے فرمایا کوئی حرج نہیں کنکریاں مارو۔ راوی فرماتے ہیں جس عمل کے بارے میں آپ سے پوچھا گیا وہ مقدم کیا گیا یا مؤخر آپ نے یہی فرمایا (اب) کرلو کوئی حرج نہیں۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۰۱۴ سنن ترمذی رقم الحدیث: ۹۱۶ سنن دار قطنی ج ۲ ص ۲۵۱ المعجم الکبیر ج ۱ ص ۱۵۱ کنز العمال رقم الحدیث: ۱۲۸۹۳، ۱۲۶۶۲)

ایک روایت میں ہے (سوال کرنے والے نے کہا) میں نے کنکریاں مارنے سے پہلے سر منڈوالیا ہے۔

ایک اور روایت میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ اپنی سواری پر تھے کہ آپ نے وقوف فرمایا پس لوگوں نے آپ سے پوچھنا شروع کر دیا ان میں سے کوئی عرض کرتا یارسول اللہ! مجھے معلوم نہ تھا کہ کنکریاں قربانی سے پہلے ماری جاتی ہیں پس میں نے کنکریاں مارنے سے پہلے قربانی کر دی آپ نے فرمایا کنکریاں مارو کوئی حرج نہیں۔

راوی فرماتے ہیں میں نے نہیں سنا کہ اس دن آپ سے جس کام کے بارے میں پوچھا گیا کہ کسی نے بھول کر یا لاعلمی میں بعض کاموں کو دوسرے بعض اعمال سے مقدم کر دیا یا اس قسم کی کوئی بات ہوئی مگر آپ نے یہی فرمایا (اب) یہ کام کرلو کوئی حرج نہیں۔ (صحیح مسلم)

ایک روایت میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ قربانی کے دن ہمارے درمیان کھڑے خطبہ ارشاد فرما رہے تھے کہ ایک شخص نے کھڑے ہو کر عرض کیا کہ میرا خیال نہیں تھا کہ فلاں فلاں کام فلاں کام سے پہلے ہے اور ایک روایت میں ہے کہ میں نے قربانی کرنے سے پہلے سر منڈوالیا ہے میں نے کنکریاں مارنے سے پہلے قربانی دے دی ہے وغیرہ وغیرہ۔

ایک روایت میں ہے کہ میں نے ذبح کرنے سے پہلے سر منڈوالیا ہے اور میں نے کنکریاں مارنے سے پہلے ذبح کر لیا۔

قربانی کے دن اعمال کی ترتیب

یہ بات معروف ہے کہ ترتیب زیادہ بہتر ہے اور اس کی صورت یہ ہے کہ قربانی کے دن بالاتفاق چار عمل کئے جاتے ہیں جمرۂ عقبہ کو کنکریاں مارنا پھر قربانی کا جانور نحر یا ذبح کرنا پھر سر منڈوانا یا بال کٹوانا اور اس کے بعد طواف افاضہ اور اس کے ساتھ لیکن بعد میں سعی کرنا۔

یہ بات پہلے گزر چکی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے جمرۂ عقبہ کو کنکریاں ماریں پھر جانور ذبح کیا اور پھر حلق کرایا۔

اور علماء کرام کا اتفاق ہے کہ یہ ترتیب مطلوب ہے اور اس پر بھی سب کا اتفاق ہے کہ ان میں سے بعض کو بعض پر مقدم کرنا جائز ہے البتہ اختلاف اس بات میں ہے کہ بعض جگہ دم واجب ہے۔

امام شافعی، جمہور سلف اور علماء و فقہاء حدیث کا مذہب یہ ہے کہ (تقدیم و تاخیر) جائز ہے اور دم واجب نہیں کیونکہ نبی

اکرم ﷺ نے سائل سے فرمایا: ''کوئی حرج نہیں'' اور یہ بات گناہ اور فدیہ دونوں کے اٹھ جانے میں ظاہر ہے کیونکہ تنگی کا اسم دونوں کو شامل ہے (لہٰذا عدم حرج بھی دونوں کو شامل ہوگا)۔

امام طحاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں حدیث کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں سے بعض اعمال کو دوسرے اعمال پر مقدم کرنے میں گنجائش ہے مگر اس بات کا احتمال ہے کہ ''لا حرج'' (کوئی حرج نہیں) سے مراد یہ ہو کہ اس عمل میں کوئی گناہ نہیں اور جو شخص بھول کر ایسا کرے یا لاعلم ہو اس کے لئے بات یہی ہے لیکن جو جان بوجھ کر کرے اس پر فدیہ لازم ہے۔

اس پر اعتراض کیا گیا کہ فدیہ کا وجوب دلیل کا محتاج ہے اور اگر وجوب ہوتا تو نبی اکرم ﷺ اس وقت بیان فرماتے اور اس میں تاخیر واجب نہ ہوتی۔ [1]

امام احمد رحمہ اللہ نے حدیث کے الفاظ کہ (سائل نے کہا) ''مجھے پتہ نہ چلا'' اور ''صحیح مسلم میں'' یونس کی روایت ہے اور خود امام احمد نے صالح کی روایت نقل کی کہ میں نے اس نے نبی اکرم ﷺ سے نہیں سنا کہ کسی امر کے بارے میں آپ سے سوال کیا گیا جسے کسی نے بھول کر یا لاعلمی میں آگے پیچھے کر دیا۔ مگر آپ نے یہی فرمایا کہ تم کرو کوئی حرج نہیں' سے استدلال کیا کہ اس سے بھولنے والا یا لاعلم آدمی مراد ہے اس پر کوئی چیز لازم نہیں اور اگر وہ جان بوجھ کر ایسا کرتا ہے تو اس سے ملامت کی نفی نہیں۔

ابن دقیق نے کہا کہ جو کچھ امام احمد رحمہ اللہ نے فرمایا وہ اس اعتبار سے قوی ہے کہ دلیل اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ حج کے سلسلے میں نبی اکرم ﷺ کی اتباع واجب ہے کیوں کہ آپ نے فرمایا:

خذوا عنی مناسککم. مجھ سے اپنے احکام حج (کی تعلیم) لے لو۔

اور یہ احادیث جن میں ان اعمال کو جن کے پیچھے ہونا چاہیے تھا' مقدم کرنے کی اجازت دی گئی ہے تو یہ پوچھنے والے کے قول ''لم اشعر'' (مجھے معلوم نہ تھا) کے ساتھ ملی ہوئی ہیں پس یہ حکم اس حالت کے ساتھ خاص ہے اور جان بوجھ کر ایسا کرنے والی حالت اصل پر باقی رہے گی یعنی حج میں اتباع واجب ہوگی۔

یوم نحر کا خطبہ

حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ نے قربانی کے دن ہمیں خطبہ دیتے ہوئے فرمایا:

بے شک زمانہ اس حالت پر آچکا ہے۔ جس پر اس دن تھا جب اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا' سال بارہ مہینوں کا ہے ان میں سے چار عزت والے مہینے ہیں تین مسلسل ہیں ذی قعدہ' ذوالحجہ اور محرم اور (چوتھا) رجب مضر ہے جو جمادی (جمادی الاخریٰ) اور شعبان کے درمیان ہے۔

آپ نے پوچھا یہ کونسا مہینہ ہے؟ ہم نے عرض کیا اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ﷺ بہتر جانتے ہیں آپ خاموش

---

[1] امام طحاوی رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول سے استدلال کیا ہے' وہ فرماتے ہیں: جس نے اپنے اعمال حج میں سے کسی کو مقدم یا مؤخر کیا وہ اس کے لئے خون بہائے (جانور ذبح کرے) اور آپ ان لوگوں میں سے ہیں جنہوں نے ''لا حرج'' والی حدیث روایت کی ہے یہ اس بات پر دلالت ہے کہ محض گناہ کی نفی ہے (دم لازم ہوگا)۔ (زرقانی ج ۹ ص ۲۰۰)

رہے حتیٰ کہ ہم نے گمان کیا کہ آپ اس نام کے علاوہ اس کا کوئی دوسرا نام بتائیں گے آپ نے پوچھا کیا یہ ذوالحجہ نہیں ہے؟ ہم نے کہا جی ہاں (یہ ذوالحجہ ہے) آپ نے پوچھا یہ کونسا شہر ہے؟ ہم نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں آپ خاموش رہے حتیٰ کہ ہم نے گمان کیا کہ آپ اس کا دوسرا نام بتائیں گے جو اس (پہلے) نام کے علاوہ ہوگا آپ نے فرمایا کیا یہ بلد حرام (عزت والا شہر) نہیں ہے؟ ہم نے عرض کیا جی ہاں یہی ہے' آپ نے فرمایا: یہ کونسا دن ہے؟ ہم نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں آپ خاموش رہے حتیٰ کہ ہم نے گمان کیا کہ آپ اس کا کوئی دوسرا نام رکھیں گے آپ نے فرمایا: کیا یہ یوم نحر نہیں ہے؟ ہم نے عرض کیا جی ہاں یہی ہے' آپ نے فرمایا: بے شک تمہارے خون اور تمہارے مال اور تمہاری عزتیں ایک دوسرے پر اس طرح حرام ہیں جس طرح تمہارے آج کے دن کی عزت تمہارے اس شہر میں تمہارے اس مہینے میں ہے' عنقریب تم اپنے رب سے ملاقات کرو گے پس وہ تمہارے اعمال کے بارے میں پوچھے گا۔ سنو! میرے بعد کافر اور گمراہ نہ ہو جانا کہ تم میں سے بعض دوسرے بعض کی گردنیں ماریں' سنو! کیا میں نے (اپنے رب کا پیغام) پہنچا دیا؟ صحابہ کرام نے عرض کیا جی ہاں۔ آپ نے فرمایا یا اللہ! تو گواہ ہو جا پس چاہیے کہ موجود شخص غائب کو پہنچا دے پس کئی افراد جن تک بات پہنچائی جائے' سننے والے سے زیادہ یاد رکھنے والے ہوتے ہیں۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۶۷۹)

''صحیح بخاری کی'' ایک روایت میں ہے کہ آپ نے لوگوں کو الوداع کہا۔

امام بیہقی رحمہ اللہ نے ایک ضعیف سند سے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث سے اس کا سبب یوں بیان فرمایا کہ ''اذا جاء نصر اللہ والفتح ''سورت' ایام تشریق کے دوران نبی اکرم ﷺ پر نازل ہوئی اور یہ معلوم ہے کہ یہ حجۃ الوداع کا موقع تھا آپ نے حکم دیا کہ آپ کی اونٹنی قصواء پر کجاوہ رکھا جائے جب وہ رکھا گیا تو آپ اس پر سوار ہوئے اور عقبہ میں ٹھہرے' لوگ آپ کے گرد جمع ہوئے تو آپ نے فرمایا اے لوگو! (پھر پوری حدیث ذکر کی)۔

اس میں اس بات پر دلالت ہے کہ قربانی کے دن منیٰ میں خطبہ دینا جائز ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ اور ان کی اتباع کرنے والوں کا یہی موقف ہے جب کہ مالکی اور حنفی حضرات نے اس سلسلے میں مخالفت کرتے ہوئے فرمایا کہ حج کے خطبات صرف تین ہیں سات ذوالحجہ کو' نویں ذوالحجہ کے دن اور قربانی کے دوسرے دن منیٰ میں۔

امام شافعی رحمہ اللہ نے (تعداد میں) ان کی موافقت کی ہے لیکن قربانی کے دوسرے دن کی بجائے تیسرے دن کا ذکر کیا ہے کیونکہ یہ واپسی کا پہلا دن ہے اور چوتھے خطبہ کا اضافہ کیا جو قربانی کے دن ہے انہوں نے فرمایا کہ لوگوں کو اس کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ وہ اس دن کے اعمال یعنی کنکریاں مارنے' ذبح کرنے' سر منڈوانے اور طواف کے مسائل جان سکیں۔

امام طحاوی رحمہ اللہ نے اس پر اعتراض کرتے ہوئے فرمایا کہ مذکورہ خطبہ حج کے متعلقات میں سے نہیں ہے کیونکہ اس میں حج کے امور میں سے کسی بات کا ذکر نہیں اس میں عام وصیتیں مذکور ہیں اور کسی سے منقول نہیں کہ آپ نے اس خطبہ میں کوئی ایسی بات بیان کی ہو جو یوم نحر سے متعلق ہو پس ہمیں معلوم ہو گیا کہ اس خطبہ کا ارادہ حج کے حوالے سے نہیں تھا۔

ابن بطال نے کہا کہ آپ نے یہ خطبہ ان باتوں کی تبلیغ کے لئے ارشاد فرمایا جن کا آپ نے ذکر کیا کیونکہ دنیا بھر سے

منیٰ میں اس وقت لوگوں کو خطبہ دے رہے تھے جب چاشت کے وقت سورج بلند ہو گیا اور آپ شہباء خچر پر سوار تھے اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ آپ کی طرف سے آگے پہنچا رہے تھے کچھ لوگ کھڑے تھے اور کچھ بیٹھے ہوئے تھے۔

حضرت ربیعہ بن عبدالرحمٰن بن حصن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں مجھ سے میری دادی سراء بنت نبہان نے بیان کیا اور وہ دورِ جاہلیت میں عمر رسیدہ تھیں وہ فرماتی ہیں آپ نے گیارہ شعبان کو خطبہ دیا[1] پس فرمایا یہ کونسا دن ہے؟ ہم نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں فرمایا کیا یہ ایام تشریق میں سے درمیانہ دن نہیں ہے؟ اور ایک روایت میں ہے کہ آپ نے ایام تشریق میں سے درمیان والے دن خطبہ ارشاد فرمایا۔

طوافِ افاضہ

پھر نبی اکرم ﷺ ظہر سے پہلے سوار ہو کر بیت اللہ شریف کی طرف لوٹے اور طواف افاضہ کیا اور اسے طواف زیارت' طواف رکن اور طوف صدر بھی کہتے ہیں۔

''صحیح بخاری میں ہے'' ابوحسان سے ذکر کیا جاتا ہے وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ منیٰ کے دنوں میں بیت اللہ شریف کی زیارت کرتے تھے۔

امام طبرانی نے حضرت قتادہ کی سند سے ان سے متصل حدیث کے طور پر نقل کیا۔ ابن مدینی نے ''العلل'' میں کہا کہ حضرت قتادہ نے ایک غریب حدیث روایت کی جو ہمیں حضرت قتادہ کے اصحاب (شاگردوں) سے محفوظ نہیں البتہ ہشام کی حدیث سے معلوم ہے پس میں نے اسے ان کے بیٹے معاذ بن ہشام کی کتاب سے لکھا لیکن ان سے سنا نہیں وہ اپنے والد (ہشام) کے واسطے سے حضرت قتادہ سے روایت کرتے ہیں (وہ فرماتے ہیں مجھ سے میرے دادا نے بیان کیا حضرت قتادہ کہتے ہیں) مجھ سے ابوحسان نے بیان کیا وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ منیٰ میں قیام کے دوران ہر رات بیت اللہ شریف کی زیارت کرتے تھے۔

نبی اکرم ﷺ زمزم کے پاس تشریف لائے اور بنو عبدالمطلب وہاں پانی پلا رہے تھے آپ نے فرمایا پانی نکالو اگر مجھے ڈر نہ ہوتا کہ لوگ پانی پلانے کے تمہارے حق پر غالب آ جائیں گے تو میں بھی تمہارے ساتھ نکالتا پس انہوں نے آپ کو ایک ڈول پیش کیا تو آپ نے اس سے نوش فرمایا۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۴۷' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۰۷۴' مسند احمد ج۱ ص۶۷' سنن دارمی ج۲ ص۹۸' السنن الکبریٰ ج۳ ص۱۵۷' جمع الجوامع رقم الحدیث: ۵۱۴۰' الدر المنثور ج۱ ص۲۲۶' کنز العمال رقم الحدیث: ۳۴۷۰۰)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی ایک روایت میں ہے کہ آپ نے اسے کھڑے ہو کر نوش فرمایا۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ حضرت عکرمہ نے قسم اٹھا کر فرمایا کہ اس دن آپ اونٹ پر نہیں تھے لیکن انہوں نے حجۃ الوداع یا کسی دوسرے حج کا تعین نہیں کیا' تعین حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے جو امام مسلم نے نقل کی ہے۔

یوم نحر میں ظہر کی نماز کی جگہ

اسی سلسلے میں اختلاف ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے اس دن ظہر کی نماز کہاں پڑھی تھی؟ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی

[1] گیارہ شعبان کو یوم الرؤوس کہتے ہیں کیونکہ وہ لوگ دس ذوالحجہ کو جانور ذبح کرتے اور اسی شام جانور کے سروں کو پکا کر گیارہ ذوالحجہ کو کھاتے تھے۔

روایت میں جسے امام مسلم رحمہ اللہ نے نقل کیا' یہ ہے کہ آپ نے مکہ مکرمہ میں نماز پڑھی' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بھی اسی طرح فرمایا ہے۔

صحیح بخاری و مسلم میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ قربانی کے دن طواف افاضہ کے بعد واپس تشریف لے گئے اور نماز ظہر منیٰ میں ادا فرمائی۔

ابن حزم نے اپنی کتاب ''حجۃ الوداع'' میں حضرت عائشہ اور حضرت جابر رضی اللہ عنہما کے قول کو ترجیح دی ہے اور اس سلسلے میں ایک جماعت نے ان کی اتباع کی ہے کیونکہ وہ دو ہیں اور ایک کے مقابلے میں دو کو ترجیح ہوتی ہے دوسری وجہ یہ ہے کہ اس سلسلے میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو زیادہ خصوصیت حاصل ہے کیونکہ آپ کو جو قرب و اختصاص ہے وہ کسی دوسرے کو نہیں۔

نیز حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم ﷺ کے حجۃ الوداع کو اول سے آخر تک کامل طور پر بیان کیا اور آپ کو یہ واقعہ زیادہ یاد اور محفوظ تھا حتیٰ کہ اس کی جزئیات بھی یاد تھیں حتیٰ کہ اس سلسلے میں ان باتوں کو بھی برقرار رکھا جو احکام حج سے متعلق نہیں ہیں اور وہ نبی اکرم ﷺ کا راستے میں اتر کر پیشاب کرنا اور اس کے بعد ہلکا سا وضو کرنا ہے پس جس شخص کو اس قدر باتیں یاد ہوں اس کو آپ کی نماز ظہر کی جگہ کا یاد ہونا زیادہ مناسب ہے۔

نیز حجۃ الوداع ''آزاذ'' (مہینے میں) واقع ہوا اور اس میں رات اور دن برابر ہوتے ہیں اور نبی اکرم ﷺ سورج طلوع ہونے سے پہلے مزدلفہ سے منیٰ تشریف لائے اور وہاں لوگوں کو خطبہ دیا اور اونٹ ذبح کر کے اس کو تقسیم کیا اور آپ کے لئے اس کے گوشت سے پکایا گیا جسے آپ نے تناول فرمایا' جمرہ کو کنکریاں بھی ماریں' سر انور کا حلق کروایا اور خوشبو لگائی پھر مکہ مکرمہ تشریف لائے' طواف کیا اور آب زمزم سے نوش فرمایا وہاں ان لوگوں (بنوعبدالمطلب) کے پاس کھڑے ہوئے جو پانی پلا رہے تھے اور ان عمال سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ اتنی مقدار میں مکمل نہیں ہوئے کہ (ان کے بعد) منیٰ کی طرف رجوع کیا جائے؟ اور ''موسم آذاذ'' میں وہاں ظہر کی نماز پڑھی جائے۔

(نوٹ: آذاذ رومیوں کا چھٹا مہینہ ہے (قاموس) اس میں دن اور رات برابر ہوتے ہیں)۔

دوسرے گروہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے قول کو ترجیح دی ہے کہ آپ ﷺ سے یہ بات محفوظ نہیں کہ آپ نے فرض نماز مکہ مکرمہ میں پڑھی ہو بلکہ آپ جتنی دیر وہاں (منیٰ) میں رہے اپنی منزل میں صحابہ کرام کے ساتھ نماز پڑھی نیز حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث پر اتفاق ہے اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث کو صرف امام مسلم نے روایت کیا ہے پس حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث زیادہ صحیح ہے کیونکہ اس کے راوی زیادہ یاد رکھنے والے اور زیادہ مشہور ہیں نیز نبی اکرم ﷺ کے طواف کے سلسلے میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں اضطراب ہے ان سے مروی ہے کہ آپ نے دن کے وقت طواف کیا اور ان ہی سے ایک روایت میں ہے کہ طواف کا آخری حصہ رات میں ہوا نیز ان ہی سے مروی ہے کہ آپ نے دن کے آخر میں طواف افاضہ کیا پس طواف افاضہ کا وقت محفوظ ہے' نماز کی جگہ محفوظ نہیں۔

نیز حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث کسی اختلاف کے بغیر زیادہ صحیح ہے کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث محمد بن اسحاق کی روایت سے ہے اور وہ عبدالرحمٰن بن قاسم سے روایت کرتے ہیں اور ابن اسحاق سے استدلال کے سلسلے میں اختلاف ہے انہوں نے سماع کی وضاحت نہیں کی بلکہ لفظ ''عن'' کے ساتھ بیان کیا لہٰذا یہ حدیث حضرت

ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث سے مقدم نہیں ہوگی۔

جمرات کو کنکریاں مارنا

اس کے بعد نبی اکرم ﷺ منیٰ کی طرف تشریف لائے اور ایام تشریق کی راتیں وہاں گزاریں جب سورج ڈھل جاتا تو کنکریاں مارتے ہر جمرہ (ستون) کو سات کنکریاں مارتے اور ہر کنکری کے ساتھ ''اللہ اکبر'' کہتے۔

پہلے اور دوسرے جمرہ کے پاس ٹھہرتے اور طویل قیام کر کے گڑگڑاتے اور تیسرے جمرہ کو کنکریاں مارنے کے بعد نہ ٹھہرتے۔ اس روایت کو امام ابوداؤد نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے نقل کیا ہے۔

امام ترمذی رحمہ اللہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ جب جمرات کو کنکریاں مارتے تو جاتے اور لوٹتے وقت پیدل چلتے تھے۔

ابوداؤد کی روایت میں ہے کہ آپ (مسجد خیف کے) قریب والے جمرہ کو اور درمیانے جمرہ کو کنکریاں مارتے وقت قبلہ رخ تھے اور جمرۂ عقبہ کو وادی کے نیچے سے کنکریاں ماریں۔

منیٰ میں رات گزارنا اور وہاں سے کوچ کرنا

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ انہوں نے نبی اکرم ﷺ سے اجازت طلب کی کہ وہ پانی پلانے کی وجہ سے منیٰ کی راتیں مکہ مکرمہ میں گزاریں تو آپ نے ان کو اجازت دے دی۔

اس حدیث کو امام بخاری اور امام مسلم نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت سے نقل کیا اور اسماعیلی کی روایت میں ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو منیٰ کی راتیں مکہ مکرمہ میں گزارنے کی اجازت اس لئے دی کہ انہوں نے پانی پلانا تھا۔

اس میں اس بات پر دلالت ہے کہ منیٰ میں رات گزارنا واجب ہے اور یہ مناسکِ حج میں سے ہے کیونکہ رخصت (اجازت) سے تعبیر کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ اس کے مقابلے میں عزیمت ہے اور اس علت (پانی پلانے) کی وجہ سے اجازت عطا فرمائی اور جب علت یا جو اس کے معنیٰ میں ہو نہ پائی جائے تو اجازت نہیں ہوگی۔

جمہور نے وجوب کا قول کیا ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ کے ایک قول کے مطابق سنت ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ سے بھی یہی مروی ہے اور احناف کا بھی یہی مذہب ہے اس کے چھوڑنے پر دم (قربانی) کا لازم ہونا بھی اسی اختلاف پر مبنیٰ ہے (یعنی جن کے نزدیک واجب ہے ان کے نزدیک دم لازم ہوگا اور جن کے نزدیک سنت ہے ان کے نزدیک دم لازم نہیں ہوتا)۔

اور رات گزارنے کا مطلب رات کا زیادہ حصہ وہاں ٹھہرنا ہے اور کیا اجازت پانی پلانے اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے ساتھ خاص ہے؟ تو صحیح یہ ہے کہ اس میں عموم ہے اور اس میں علت پینے والوں کو پانی مہیا کرنا ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ نے اس کے ساتھ اس شخص کو بھی ملایا جس کے پاس مال ہو اور ضائع ہونے کا خوف ہو یا کسی کام کے فوت ہونے کا ڈر ہو یا مریض کی دیکھ بھال کرتا ہو (وہ لوگ بھی پانی پلانے والے کی طرح ہیں) جس طرح جمہور نے خاص طور پر چرواہوں کو اس کے ساتھ ملایا اور امام احمد رحمہ اللہ کا بھی یہی قول ہے۔

مالکی حضرات کہتے ہیں کہ جو شخص کسی عذر کے بغیر منیٰ میں رات گزارنا ترک کرے اس پر ہر رات کے بدلے دم واجب ہے۔

پھر نبی اکرم ﷺ ایام تشریق کی رمی مکمل کرنے کے بعد منگل کے دن واپس ہوئے اور آپ نے صرف دو دن کنکریاں مارتے ہوئے جلدی نہیں کی (بلکہ تین دن پورے کیے) آپ اکیلے وادیٔ محصب کی طرف آئے اور یہ وادی ابطح (بطحاء) ہے جو دو پہاڑوں کے درمیان قبرستان تک ہے اور یہ بنو کنانہ کا مقام ہے۔

آپ نے وہاں حضرت ابو رافع کو پایا جنہوں نے خیمہ لگا رکھا تھا اور وہ سامان کی حفاظت پر مامور تھے۔ حضرت ابو رافع فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ جب منیٰ سے نکلے تو مجھے ابطح میں اترنے کا حکم نہیں دیا لیکن میں وہاں آیا اور خیمہ لگایا پس آپ تشریف لائے اور وہاں اترے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۳۱۳)

"صحیح مسلم اور صحیح بخاری میں" حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے کوچ کرنے کے بعد ظہر اور عصر کی نماز ابطح میں ادا کی۔

ان دونوں کتب میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے یوم نحر کے دوسرے دن جب آپ منیٰ میں تھے یا فرمایا کل ہم خیف بنی کنانہ میں اترنے والے ہیں جہاں ان لوگوں نے کفر پر ایک دوسرے کو قسمیں دیں اس لئے وادیٔ محصب مراد ہے کہ قریش اور کنانہ نے بنو ہاشم اور بنو مطلب کے خلاف معاہدہ کیا کہ نہ تو ان سے نکاح کریں گے اور نہ ہی ان سے خرید و فروخت کریں گے حتیٰ کہ وہ نبی اکرم ﷺ کو ان کے حوالے کر دیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: تحصیب (وادیٔ محصب میں اترنا) کوئی عمل نہیں بلکہ یہ ایک جگہ ہے جہاں حضور ﷺ اترے تھے یعنی محصب میں اترنا حج کا لازمی عمل نہیں لیکن جب نبی اکرم ﷺ وہاں اترے تو وہاں اترنا مستحب ہے تاکہ آپ کی اتباع ہو کیونکہ آپ نے حضرت ابو رافع کو وہاں ٹھہرایا اور آپ کے بعد خلفاء راشدین نے بھی اسی طرح کیا جیسا کہ "صحیح مسلم میں" ہے۔

طواف وداع

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ظہر' عصر' مغرب اور عشاء کی نماز ادا کی پھر وادیٔ محصب میں کچھ دیر آرام فرمایا۔ پھر سوار ہو کر بیت اللہ شریف تشریف لے گئے اور اس کا طواف کیا۔

یہ طواف وداع ہے امام شافعی رحمہ اللہ کے مذہب میں یہ واجب ہے اور اس کو چھوڑنے سے دم لازم آتا ہے یہ صحیح قول ہے اور اکثر علماء کا یہی قول ہے (احناف کے نزدیک بھی طواف وداع واجب ہے۔ ۱۲ ہزاروی) امام مالک اور داؤد (ظاہری) کے نزدیک سنت ہے اس کے چھوڑنے پر کچھ بھی لازم نہیں آتا۔

اگر کسی خاتون کو طواف افاضہ کرنے کے بعد حیض آ جائے تو اس کے بارے میں اختلاف ہے کہ آیا اس پر طواف وداع لازم ہے یا نہیں؟ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اسے اجازت دیتے ہیں کہ اگر اس نے طواف افاضہ کر لیا ہو تو جا سکتی ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۷۶۰)

اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما شروع شروع میں فرماتے تھے: کہ وہ واپس نہیں جا سکتی پھر آخر میں فرمایا کہ نبی اکرم

ﷺ نے ان عورتوں کو اجازت دے دی ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضرت صفیہ بنت حیی رضی اللہ عنہا کو حیض آ گیا' نبی اکرم ﷺ کو بتایا گیا تو فرمایا کیا وہ ہمیں روکنے والی ہے؟ صحابہ کرام نے عرض کیا کہ وہ طواف افاضہ کر چکی ہیں تو آپ نے فرمایا اب نہیں (روکے گی)۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۹۴۳' مسند احمد ج ۶ ص ۲۰۲ ۔ ۲۰۷' السنن الکبریٰ ج ۵ ص ۱۶۲' شرح السنہ ج ۷ ص ۲۳۳)

''کیا ہمیں روکنے والی ہے'' کا مطلب یہ ہے کہ کیا وہ ہمیں مکہ مکرمہ سے اس وقت جانے سے روکیں گی جس وقت جانے کا ہم نے ارادہ کیا ہے' نبی اکرم ﷺ کا خیال یہ تھا کہ انہوں نے طواف افاضہ نہیں کیا ہے آپ نے یہ بات اس لئے فرمائی کہ آپ ان کو چھوڑ کر (مدینہ طیبہ) نہیں جا سکتے تھے اور اپنے ساتھ جانے کا حکم بھی نہیں دے سکتے تھے جب تک ان کا احرام باقی ہو پس آپ کو ان کے پاک ہو کر طواف کرنے اور دوسری حلت کے ساتھ حلال ہونے تک' ٹھہرنے کی ضرورت ہوتی۔[1]

ایک روایت میں ہے کہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو حیض آ گیا' نبی اکرم ﷺ نے ان سے اس بات کا ارادہ فرمایا جو مرد اپنی بیوی سے چاہتا ہے (حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں) تو میں نے عرض کیا کہ وہ حائضہ ہیں آپ نے فرمایا تو کیا وہ ہمیں روکنے والی ہیں؟

اس پر اعتراض ہوتا ہے کہ اگر نبی اکرم ﷺ کو علم تھا کہ وہ طواف افاضہ کر چکی ہیں تو آپ نے کیسے فرمایا کہ کیا وہ ہمیں روکنے والی ہیں؟ اور اگر آپ کو علم نہ تھا تو دوسری حلت سے پہلے جماع کا ارادہ کیسے فرمایا؟

اس کا جواب یوں دیا گیا کہ نبی اکرم ﷺ نے اس عمل کا ارادہ اس کے بعد فرمایا جب آپ کی ازواج مطہرات نے طواف افاضہ کی اجازت مانگی اور آپ نے ان کو اجازت دے دی تو اس کی بنیاد یہ تھی کہ اب ان کا قرب جائز ہے جب آپ کو بتایا گیا کہ وہ حیض سے ہیں تو ہو سکتا ہے کہ یہ بات (حیض کا آنا) اس سے پہلے واقع ہوا ہو حتیٰ کہ اس نے ان کو طواف افاضہ سے روک دیا تو آپ نے اس کے بارے میں پوچھا اس پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ انہوں نے ان کے ساتھ طواف کیا ہے تو آپ کو جس بات کا خوف تھا وہ زائل ہو گئی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا عمرہ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا یا رسول اللہ! لوگ حج اور عمرہ کے ساتھ جا رہے ہیں اور میں صرف حج کے ساتھ جا رہی ہوں تو نبی اکرم ﷺ نے حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما سے فرمایا کہ وہ ان کو لے کر تنعیم کی طرف جائیں پس انہوں نے حج کے بعد عمرہ کیا۔

''صحیح مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ انہوں نے تمام مقامات پر وقوف کیا حتیٰ کہ جب (حیض سے) پاک ہو گئیں تو کعبہ شریف اور صفا و مروہ کا چکر لگایا پھر ان سے فرمایا یعنی نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: تم اپنے حج اور عمرہ دونوں کے احرام سے نکل گئی ہو انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میرے دل میں ایک خلش ہے کہ میں نے حج کے وقت خانہ کعبہ کا طواف

[1] جب دس ذوالحجہ کو احرام کھول دیا جائے تو جماع کے علاوہ باقی تمام ممنوعات جائز ہو جاتے ہیں یہ پہلی حلت ہے لیکن جماع اس وقت جائز ہوتا ہے جب طواف افاضہ کر لیا جائے اور یہ دوسری حلت ہے۔ ۱۲ ہزاروی

نہیں کیا تو آپ نے فرمایا اے عبدالرحمٰن! ان کو لے کر جاؤ اور تنعیم سے (احرام بندھوا کر) عمرہ کراؤ اور اس رات آپ وادیٔ محصب میں ٹھہرے تھے۔

ایک روایت میں یہ اضافہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ حسن اخلاق کے مالک نرم مزاج تھے جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کسی چیز کو پسند کرتیں تو آپ ان کی موافقت کرتے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے قران کی نیت کی تھی کیونکہ انہوں نے عمرہ کا احرام باندھا تھا پس ان کو حیض آ گیا تو آپ نے ان کو حکم دیا چنانچہ انہوں نے اس پر حج کو داخل کر دیا اور قران والی ہو گئیں' نبی اکرم ﷺ نے ان کو بتایا کہ ان کا بیت اللہ شریف اور صفا و مروہ کا طواف (اور سعی) حج اور عمرہ دونوں کی طرف سے ہے۔

اس سے ان کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ ان کے ساتھی (ازواج مطہرات) مستقل حج اور عمرہ کے ساتھ جا رہی ہیں کیونکہ انہوں نے تمتع کیا تھا اور ان کو نہ تو حیض آیا اور نہ انہوں نے قران کیا اور آپ ایسے عمرہ کے ساتھ جا رہی ہیں جو حج کے ضمن میں ہے تو نبی اکرم ﷺ نے ان کے بھائی کو حکم دیا کہ وہ ان کو تنعیم سے عمرہ کرائیں اور آپ نے ان کی دلجوئی کے لئے ایسا کیا۔

مدینہ طیبہ کی طرف واپسی

پھر نبی اکرم ﷺ نے مدینہ کی طرف واپس ہوتے ہوئے کوچ کیا پس آپ کدیٰ سے نکلے (لفظ کدیٰ) میں کاف پر پیش اور الف مقصورہ ہے (کھڑی زبر ہے) اور یہ بات شبیکہ کے پاس ہے جو قعیقان کے کنارے شامیوں کی گھاٹی کے قریب ہے۔[1]

اس سلسلے میں اختلاف ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے مختلف راستے کیوں اختیار کئے؟ تو کہا گیا ہے کہ اس کی وجہ یہ تھی کہ ہر راستے والے آپ سے برکت حاصل کریں ایک قول یہ ہے کہ اس سلسلے میں حکمت یہ تھی کہ بلندی کی جہت سے داخل ہونے میں مناسبت ہو کیونکہ اس میں مکان کی تعظیم ہے اور اس کے برعکس کرنے میں جدائی کی طرف اشارہ تھا' یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام جب داخل ہوئے تو یہاں سے ہی داخل ہوئے (اوپر کی جانب کدیٰ سے داخل ہوئے) اور اس کے علاوہ قول بھی ہے۔[2]

''صحیح مسلم'' وغیرہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث سے ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے مقام روحاء میں کچھ سواروں کو پایا تو فرمایا کون لوگ ہو؟ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہم مسلمان ہیں۔

تو ایک عورت نے اپنا بچہ جو پالکی میں تھا آپ کی طرف اٹھایا اور پوچھا یا رسول اللہ! کیا اس کے لئے حج ہے؟ فرمایا ہاں اور تیرے لئے ثواب ہے' نبی اکرم ﷺ جب ذوالحلیفہ میں پہنچے تو وہاں رات گزاری بعض حضرات فرماتے ہیں آپ وہاں قصداً نہیں اترتے تھے بلکہ اتفاقاً ایسا ہوا قاضی اسماعیل نے اپنے احکام میں حضرت محمد بن حسن رحمہ اللہ سے یہ

[1] قعیقان معروف پہاڑ ہے' ساتویں ہجری میں وہاں دروازہ دیکھا جاتا تھا یہ دروازہ بنایا گیا تھا جہاں سے اہل یمن داخل ہوتے تھے۔ (زرقانی ج ۸ ص ۲۱۲)

[2] مثلاً یہ کہ نبی اکرم ﷺ ہجرت کے وقت خفیہ طور پر تشریف لے گئے تھے اور اب ارادہ فرمایا کہ ظاہری طور پر داخل ہوں۔ (ایضاً ص ۲۱۳)

بات نقل کی اور اس پر اعتراض بھی ہوا اور صحیح یہ ہے کہ آپ نے ارادہ فرمایا تھا تا کہ رات کے وقت مدینہ طیبہ میں داخل ہوں۔

جب آپ نے مدینہ طیبہ کو دیکھا تو تین بار ''اللہ اکبر'' کہا اور یہ کلمات پڑھے:

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ اٰئِبُوْنَ تَائِبُوْنَ عَابِدُوْنَ سَاجِدُوْنَ لِرَبِّنَا حَامِدُوْنَ صَدَقَ اللّٰهُ وَعْدَهٗ وَنَصَرَ عَبْدَهٗ وَهَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَهٗ.

اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں' وہ ایک ہے' اس کا کوئی شریک نہیں اسی کی بادشاہی ہے اور وہی لائق حمد ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے' ہم لوٹنے والے' توبہ کرنے والے' عبادت کرنے والے' سجدہ کرنے والے اور اپنے رب کی تعریف کرنے والے ہیں اللہ تعالیٰ نے اپنا وعدہ سچا کیا اور اپنے بندے کی مدد کی اور تنہا کئی جماعتوں کو شکست دی۔

پھر آپ دن کے وقت مدینہ طیبہ میں معرس کے راستے سے داخل ہوتے' معرس میں راء مشدد ہے اور یہ معروف جگہ ہے تو معرس اور شجرہ جہاں نبی اکرم ﷺ نے مکہ مکرمہ کی طرف جاتے ہوئے رات گزاری مدینہ طیبہ سے چھ میل کے فاصلے پر ہے۔

نبی اکرم ﷺ کے عمرے

عمرہ لغت میں زیارت کو کہتے ہیں۔ امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ کے مذہب میں عمرہ حج کی طرح واجب ہے' مالکی حضرات سے مشہور یہ ہے کہ یہ نفل ہے اور احناف کا بھی یہی قول ہے۔

نبی اکرم ﷺ نے چار عمرے کئے ہیں ''صحیح بخاری و مسلم' سنن ترمذی اور ابوداؤد میں'' حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' فرماتے ہیں: کہ میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے سوال کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے کتنے حج کئے؟ انہوں نے فرمایا ایک حج اور چار عمرے کئے' ایک عمرہ ذی قعدہ میں' دوسرا عمرۂ حدیبیہ ہے' تیسرا عمرہ حج کے ساتھ اور چوتھا عمرہ جعرانہ سے کیا جب غزوۂ حنین کا مال غنیمت تقسیم فرمایا۔ یہ ترمذی کے الفاظ ہیں اور وہ فرماتے ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

صحیحین کی روایت میں ہے کہ آپ نے چار عمرے کئے اور یہ سب ذی قعدہ میں کئے سوائے اس کے جو حج کے ساتھ کیا' عمرۂ حدیبیہ یا حدیبیہ کے زمانے کا عمرہ ذی قعدہ میں کیا اور دوسرے سال بھی ذی قعدہ میں کیا اور جعرانہ سے ذی قعدہ میں کیا جب حنین کا مال غنیمت تقسیم کیا اور ایک عمرہ حج کے ساتھ کیا۔

حضرت محرش کعبی سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ ایک رات عمرہ کی نیت سے جعرانہ سے نکلے تو رات کے وقت ہی مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے' عمرہ کیا اور راتوں رات وہاں سے چلے اور صبح کے وقت جعرانہ میں وہاں رات گزارنے والے کی طرح موجود تھے جب دوسرے دن سورج ڈھل گیا تو وادیٔ سرف کے بطن سے نکلے حتیٰ کہ وادیٔ سرف کے راستے ''طریق جمع'' میں آئے اسی لئے ان کا عمرہ لوگوں سے پوشیدہ رہا۔

اس حدیث کو امام ترمذی نے روایت کیا اور فرمایا یہ حدیث غریب ہے۔ (سنن ترمذی ج ۲ ص ۳۹ رقم الترجمہ: ۳۴۰۷)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے' فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ نے حج سے پہلے عمرہ کیا۔

حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' فرماتے ہیں: کہ میں اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرۂ مبارکہ کے ساتھ ٹیک لگا رکھی تھی اور ہم آپ کی مسواک کرنے کی آواز سن رہے تھے میں نے کہا اے ابوعبدالرحمٰن! (حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی کنیت ہے) کیا نبی اکرم ﷺ نے رجب میں عمرہ کیا؟ میں نے کہا ہاں پس میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے عرض کیا اے ماں! کیا آپ حضرت ابوعبدالرحمٰن کی بات نہیں سنتیں؟ انہوں نے فرمایا وہ کیا کہتے ہیں میں نے کہا وہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے رجب میں عمرہ کیا ہے؟ انہوں نے فرمایا اللہ تعالیٰ حضرت ابوعبدالرحمٰن کی مغفرت فرمائے مجھے اپنی عمر کی قسم! آپ نے رجب میں عمرہ نہیں کیا آپ نے جو بھی عمرہ کیا میں آپ کے ساتھ تھی۔

حضرت عروہ فرماتے ہیں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما یہ بات سن رہے تھے تو انہوں نے نہ تو نہ کہا اور نہ ہی ہاں بلکہ خاموش رہے یہ الفاظ ''صحیح مسلم'' کے ہیں۔

امام ابوداؤد کی روایت میں حضرت عروہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتی ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ نے دو عمرے ذی قعدہ میں اور ایک عمرہ شوال میں کیا۔

انہی کی ایک روایت حضرت مجاہد سے مروی ہے' فرماتے ہیں: کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے پوچھا گیا کہ نبی کریم ﷺ نے کتنے عمرے کیے ہیں فرمایا ''دو عمرے''۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا تک یہ بات پہنچی تو فرمایا انہیں معلوم ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے اس عمرے کے علاوہ جسے حجۃ الوداع کے ساتھ ملایا' تین عمرے (مزید) کیے۔

نبی اکرم ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر کونسا احرام باندھا؟ اس سلسلے میں اختلاف اور روایات کی تطبیق اس سے پہلے گزر چکی ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مشہور یہ ہے کہ آپ نے حج افراد کیا اور ان کی اس حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ آپ نے قران کیا اسی طرح حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی اس بات کا انکار کیا کہ نبی اکرم ﷺ قارن تھے حالانکہ ان کی یہ حدیث جو ابھی گزری ہے وہ آپ کے قارن ہونے پر دلالت کرتی ہے کیونکہ یہ بات منقول نہیں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے حج کے ساتھ عمرہ کیا اور آپ متمتع نہ تھے کیونکہ آپ نے ہدی لے جانے کی وجہ سے اس سے عذر پیش کیا۔

ان میں سے بعض حضرات کو حضرت عائشہ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم کے اس قول کی تاویل کی حاجت پیش آئی تو انہوں نے فرمایا کہ آپ کی طرف چوتھے عمرہ کی نسبت اس اعتبار سے ہے کہ آپ نے صحابہ کرام کو اس کا حکم دیا اور آپ کے ساتھ یہ عمل ہوا یہ مطلب نہیں کہ آپ نے خود عمرہ فرمایا۔

لیکن جب تم نبی اکرم ﷺ کے حجۃ الوداع کے سلسلے میں ائمہ کے اقوال میں غور کرو گے کہ ان کو کس طرح جمع کیا گیا؟ تو اس کمزور تاویل کی ضرورت محسوس نہیں کرو گے بعض محققین علماء نے فرمایا کہ عمرۂ حدیبیہ جس سے آپ کو روکا گیا تھا اسے عمرہ شمار کرنے کے سلسلے میں کوئی دلیل نہیں کہ اسے مکمل عمرہ سمجھا جائے اور اس میں جمہور کے قول کی طرف اشارہ ہے کہ جسے بیت اللہ شریف سے روکا جائے اس پر قضاء واجب نہیں لیکن احناف کا اس میں اختلاف ہے (ان کے نزدیک

واجب ہے) اگر عمرۂ قضا عمرۂ حدیبیہ کا بدل ہوتا تو دونوں ایک ہوتے اور اسے عمرۂ قضیہ یا عمرۂ قضا اس لئے کہا گیا کہ اس میں نبی اکرم ﷺ نے قریش سے معاہدہ کیا یہ مطلب نہیں کہ یہ اس عمرہ کی قضاء تھی جس سے آپ کو روکا گیا کیونکہ اگر ایسی بات ہوتی تو یہ ایک ہی عمرہ ہوتا۔

ابوداؤد کی حدیث جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ آپ نے شوال میں عمرہ کیا اگر یہ حدیث محفوظ ہے تو شاید اس سے عمرہ جعرانہ مراد ہے جب آپ شوال میں تشریف لے گئے اور ذی قعدہ میں احرام باندھا۔

ابن قیم نے اس بات کا انکار کیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے رمضان کے مہینے میں عمرہ فرمایا ہاں دار قطنی نے حضرت علاء بن زہیر کے طریق سے حضرت عبدالرحمٰن بن اسود بن یزید سے روایت کیا وہ اپنے والد کے واسطے سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں ام المومنین فرماتی ہیں: میں رمضان کے عمرہ میں نبی اکرم ﷺ کے ہمراہ گئی تھی پس آپ نے روزہ نہ رکھا اور میں نے رکھا آپ نے قصر نماز پڑھی جب کہ میں نے پوری نماز پڑھی۔ دار قطنی فرماتے ہیں اس کی سند حسن ہے۔

لیکن اسے اس بات پر محمول کرنا ممکن ہے کہ ان کا یہ کہنا کہ رمضان میں عمرہ کے لئے حضور ﷺ کے ساتھ گئی تو رمضان کا تعلق جانے سے ہو (عمرہ سے نہ ہو) اور اس سے فتح مکہ کا سفر مراد ہو کیونکہ وہ رمضان میں ہوا اور اسی سال نبی اکرم ﷺ نے جعرانہ سے عمرہ کیا لیکن وہ ذیقعدہ میں تھا جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔

ابن قیم نے ''الہدی النبوی میں'' یہ بھی کہا کہ نبی اکرم ﷺ کا کوئی عمرہ بھی مکہ مکرمہ کے باہر سے نہ تھا جس طرح آج کل بہت سے لوگ کرتے ہیں آپ کے تمام عمرے مکہ مکرمہ کے اندر سے تھے اور آپ وحی کے بعد مکہ مکرمہ میں تیرہ سال رہے اور کسی سے بھی یہ بات منقول نہیں کہ آپ نے اس مدت میں مکہ مکرمہ کے باہر سے عمرہ کیا ہو پس وہ عمرہ جو آپ نے کیا اور اسے جائز قرار دیا تو وہ اس آدمی کا عمرہ ہے جو اس شہر میں ہو اس کا نہیں جو وہاں موجود ہو پھر وہاں سے حرم کی حدود سے باہر جائے تا کہ عمرہ کرے نبی اکرم ﷺ کے زمانے میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ کسی نے اس طرح نہیں کیا۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس طرح کیا اور آپ کے حکم سے کیا تو یہ اس کے جواز پر دلالت ہے۔

فاکہی وغیرہ نے محمد بن سیرین کے طریق سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں: مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے مکہ مکرمہ والوں کے لئے تنعیم کو مقرر فرمایا (کہ وہاں سے احرام باندھ کر عمرہ کریں)۔

حضرت عطاء کے طریق سے مروی ہے فرماتے ہیں: کہ جو شخص عمرہ کا ارادہ کرے چاہے وہ مکی ہو یا کوئی دوسرا وہ تنعیم یا جعرانہ کی طرف جائے اور وہاں سے احرام باندھے۔

اس سے ثابت ہوا کہ عمرہ کا میقات حل (حرم سے باہر کا علاقہ) ہے اور اس سلسلے میں تنعیم وغیرہ برابر ہیں۔ واللہ اعلم

نویں نوع

اس نوع میں نبی اکرم ﷺ کی عبادت میں سے کچھ دعاؤں‘ اذکار اور قرأت کا ذکر ہے

فضیلتِ دعا

اس سلسلے میں اختلاف ہے کہ کیا دعا مانگنا افضل ہے یا اسے چھوڑنا اور قضا و قدر کے سپرد کر دینا (افضل ہے)؟

تو جمہور کہتے ہیں دعا افضل ہے اور وہ سب سے عظیم عبادت ہے اس کی تائید حضرت انس رضی اللہ عنہ کی اس مرفوع حدیث سے ہوتی ہے جسے امام ترمذی رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے (حضور ﷺ نے فرمایا):

الدعاء مخ العبادة. دعا‘ عبادت کا مغز ہے۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۳۷۱‘ اتحاف السادۃ المتقین ج ۲ص ۲۸۴۔ ج ۵ص ۲۹‘ مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۲۲۳۱‘ کشف الخفاء ج ۱ص ۴۸۵‘ المغنی ج ۱ص ۲۰۶‘ کنز العمال رقم الحدیث: ۳۱۱۴)

اور نبی اکرم ﷺ سے تواتر کے ساتھ احادیث مروی ہیں جن میں دعا کی ترغیب دی گئی اور اس پر ابھارا گیا ہے۔

امام ترمذی نے حدیث نقل کی اور ابن حبان اور امام حاکم نے اسے صحیح قرار دیا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

من لم یسال الله یغضب علیه. جو شخص اللہ تعالیٰ سے سوال نہیں کرتا اللہ تعالیٰ اس پر غضب فرماتا ہے۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۳۷۳‘ اتحاف السادۃ المتقین ج ۵ص ۳۰‘ مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۲۲۳۸)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: مجھے قبولیت کی فکر نہیں ہوتی بلکہ میں دعا کی فکر کرتا ہوں پس جب میں دعا کو پورا کرتا ہوں تو جان جاتا ہوں کہ قبولیت اس کے ساتھ ہے۔

اسی سلسلے میں کسی شاعر نے کہا:

لو لم ترد نیل ما ارجو واملہ من جود کفک ما عودتنی الطلبا

”جس چیز کی میں امید رکھتا ہوں اگر اس کو تیرے سخاوت والے ہاتھ سے پانے کا ارادہ نہ کیا تو دوبارہ طلب نہیں کروں گا“۔

اللہ سبحانہ تعالیٰ اپنے سامنے بندوں کی عاجزی اور بچھ جانے اور ان کے سوال اور طلب حاجات نیز اسی سے اس کے شکوہ اس کے عذاب سے اس کی پناہ مانگنے اور اس (کے عذاب) سے اسی طرح بھاگنے کو پسند کرتا ہے۔

جیسا کہ کہا گیا:

قالوا اتشکو الیہ ما لیس یخفی علیہ

فقلت ربی یرضی ذل العبید لدیہ

الْحَيَاةَ زِيَادَةً لِّيْ فِيْ كُلِّ خَيْرٍ وَّاجْعَلِ الْمَوْتَ رَاحَةً لِّيْ مِنْ كُلِّ شَرٍّ. (صحیح مسلم)

کو ٹھیک کر دے جس میں میرا رجوع ہے اور میری زندگی کو ہر بھلائی میں اضافے کا ذریعہ بنا اور میری موت کو ہر برائی سے آرام پانے کا سبب بنا دے۔

اس حدیث کو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے روایت کیا۔

اور آپ یہ دعا بھی مانگتے تھے:

اَللّٰهُمَّ انْفَعْنِيْ بِمَا عَلَّمْتَنِيْ وَعَلِّمْنِيْ مَا يَنْفَعُنِيْ وَزِدْنِيْ عِلْمًا اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى كُلِّ حَالٍ وَّاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ حَالِ اَهْلِ النَّارِ. (جامع ترمذی)

یا اللہ! مجھے اس علم سے نفع عطا فرما جو تو نے مجھے سکھایا اور مجھے وہ علم عطا فرما جو نفع بخش ہو اور میرے علم میں اضافہ فرما' ہر حال میں اللہ تعالیٰ کا شکر اور حمد ہے اور میں جہنمیوں والی حالت سے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتا ہوں۔

یہ حدیث بھی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

اور آپ یوں دعا مانگتے تھے:

اَللّٰهُمَّ مَتِّعْنِيْ بِسَمْعِيْ وَبَصَرِيْ وَاجْعَلْهُمَا الْوَارِثَ مِنِّيْ وَانْصُرْنِيْ عَلٰى مَنْ ظَلَمَنِيْ وَخُذْ مِنْهُ بِثَأْرِيْ. (جامع ترمذی)

یا اللہ! مجھے میرے کانوں اور آنکھوں سے نفع عطا فرما اور ان دونوں کو میری طرف سے وارث بنا (ان کا نفع باقی رکھ) اور اس کے خلاف میری مدد فرما جو مجھ پر ظلم کرے اور اس سے میرا بدلہ لے۔

یہ حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے روایت کی ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ عام طور پر یہ دعا مانگا کرتے تھے:

رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ. (صحیح بخاری و مسلم)

اے ہمارے رب! ہمیں دنیا میں بھلائی عطا فرما اور آخرت میں بھلائی عطا کر اور ہمیں جہنم کے عذاب سے بچا۔

نبی اکرم ﷺ یہ دعا بھی مانگتے تھے:

رَبِّ اَعِنِّيْ وَلَا تُعِنْ عَلَيَّ وَانْصُرْنِيْ وَلَا تَنْصُرْ عَلَيَّ وَامْكُرْ لِيْ وَلَا تَمْكُرْ عَلَيَّ وَاهْدِنِيْ وَانْصُرْنِيْ عَلٰى مَنْ بَغٰى عَلَيَّ رَبِّ اجْعَلْنِيْ لَكَ شَاكِرًا لَّكَ ذَاكِرًا لَّكَ رَاهِبًا مُّخْبِتًا اِلَيْكَ اَوَّاهًا مُّنِيْبًا رَبِّ تَقَبَّلْ تَوْبَتِيْ وَاغْسِلْ حَوْبَتِيْ وَاَجِبْ دَعْوَتِيْ وَثَبِّتْ حُجَّتِيْ وَسَدِّدْ لِسَانِيْ وَاهْدِ قَلْبِيْ وَاسْلُلْ سَخِيْمَةَ صَدْرِيْ.

اے میرے رب! میری مدد فرما اور میرے خلاف (کسی کی) مدد نہ کرنا اور مجھے نصرت عطا فرما اور میرے خلاف کسی کو مدد نہ دینا' میرے لئے خفیہ تدبیر فرما اور میرے خلاف کسی کے لئے خفیہ تدبیر نہ فرمانا' مجھے ہدایت دے اور جو میرے خلاف سرکشی کرے اس کے خلاف میری مدد فرما اے میرے رب! مجھے اپنا شکر گزار بنا دے' اپنا ذکر کرنے والا' تجھ ہی سے ڈرنے والا' تیرا اطاعت گزار عاجزی کرنے والا' تیری طرف رجوع کرنے والا' بہت آہیں بھرنے والا

رجوع کرنے والا بنا دے' اے میرے رب! میری توبہ قبول فرما' میرے گناہوں کو مٹا دے' میری دعا قبول فرما' میری دلیل کو ثابت و قائم فرما' میری زبان کو درست رکھنا اور میرے دل کو ہدایت دینا اور میرے سینے سے کینہ نکال دے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ یہ دعا بھی مانگتے تھے:

اَللّٰھُمَّ لَکَ اَسْلَمْتُ وَبِکَ اٰمَنْتُ وَ عَلَیْکَ تَوَکَّلْتُ وَاِلَیْکَ اَنَبْتُ وَبِکَ خَاصَمْتُ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِعِزَّتِکَ لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنْتَ اَنْ تُضِلَّنِیْ اَنْتَ الْحَیُّ الَّذِیْ لَا تَمُوْتُ وَالْجِنُّ وَالْاِنْسُ یَمُوْتُوْنَ. (صحیح بخاری و مسلم)

یا اللہ! میں تیرے ہی لئے اسلام لایا' تجھ پر ہی ایمان لایا' تجھ پر ہی بھروسہ کیا' تیری ہی طرف رجوع کیا' تیرے نام پر میں نے جھگڑا کیا یا اللہ! میں تیری عزت کی پناہ چاہتا ہوں تیرے سوا کوئی معبود نہیں' تو مجھے گمراہ ہونے سے بچا' تو زندہ ہے جس کے لئے موت نہیں جبکہ جن اور انسان مر جائیں گے۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ یہ دعا مانگا کرتے تھے:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْاَلُکَ الْھُدٰی وَالتُّقٰی وَالْعَفَافَ وَالْغِنٰی. (صحیح مسلم' جامع ترمذی)

یا اللہ! میں تجھ سے ہدایت' تقویٰ' پاکدامنی اور مالداری کا سوال کرتا ہوں۔

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ یہ دعا بھی مانگا کرتے تھے:

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ خَطِیْئَتِیْ وَجَھْلِیْ وَاِسْرَافِیْ فِیْٓ اَمْرِیْ وَمَآ اَنْتَ اَعْلَمُ بِہٖ مِنِّیْ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ جِدِّیْ وَھَزْلِیْ وَخَطَئِیْ وَعَمَدِیْ وَکُلُّ ذٰلِکَ عِنْدِیْ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ مَا قَدَّمْتُ وَمَآ اَخَّرْتُ وَمَآ اَسْرَرْتُ وَمَآ اَعْلَنْتُ وَمَآ اَنْتَ اَعْلَمُ بِہٖ مِنِّیْ اَنْتَ الْمُقَدِّمُ وَاَنْتَ الْمُؤَخِّرُ وَاَنْتَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ. (صحیح بخاری و مسلم)

یا اللہ! میرے لئے میری خطا اور جہالت کو اور میرے کاموں میں میری زیادتی کو نیز جس بات کو تو مجھ سے زیادہ جانتا ہے' بخش دے یا اللہ! سنجیدگی اور مذاق میں' غلطی سے اور جان بوجھ کر کئے گئے میرے سب گناہ بخش دے۔ یا اللہ! جو گناہ مجھ سے پہلے اور بعد میں ہوئے اور جو پوشیدہ اور ظاہر ہیں نیز جن کو تو مجھ سے زیادہ جانتا ہے' بخش دے تو آگے کرنے والا اور پیچھے رکھنے والا ہے اور تو ہر شے پر قادر ہے۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ عام طور پر یہ دعا مانگتے تھے:

یَا مُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ ثَبِّتْ قَلْبِیْ عَلٰی دِیْنِکَ. (جامع ترمذی)

اے دلوں کو پھیرنے والے! میرے دل کو اپنے دین پر قائم رکھ۔

اور آپ یہ دعا بھی فرماتے:

اَللّٰهُمَّ عَافِنِيْ فِيْ جَسَدِيْ وَعَافِنِيْ فِيْ سَمْعِيْ وَبَصَرِيْ وَاجْعَلْهُمَا الْوَارِثَ مِنِّيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ الْحَلِيْمُ الْكَرِيْمُ سُبْحَانَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ. (جامع ترمذی)

یا اللہ! مجھے میرے جسم میں عافیت عطا فرما' میرے کانوں اور آنکھوں میں عافیت عطا فرما اور ان دونوں کو مجھ سے وارث بنا' اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں' وہ بردبار کریم ہے عرش عظیم کا رب' اللہ پاک ہے اور تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کو پالنے والا ہے۔

نبی اکرم ﷺ یہ دعا بھی مانگتے تھے:

اَللّٰهُمَّ اغْسِلْ خَطَايَايَ بِمَآءِ الثَّلْجِ وَالْبَرَدِ وَنَقِّ قَلْبِيْ مِنَ الْخَطَايَا كَمَا نَقَّيْتَ الثَّوْبَ الْاَبْيَضَ مِنَ الدَّنَسِ. (سنن نسائی)

یا اللہ! میری خطاؤں کو برف اور اولوں کے پانی سے دھو دے اور میرے دل کو خطاؤں سے اس طرح پاک کر دے جس طرح تو سفید کپڑے کو میل سے پاک کرتا ہے۔

اور آپ کی ایک دعا یہ بھی تھی:

اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْاَلُكَ فِعْلَ الْخَيْرَاتِ وَتَرْكَ الْمُنْكَرَاتِ وَحُبَّ الْمَسَاكِيْنِ وَاِذَآ اَرَدْتَ بِقَوْمٍ فِتْنَةً فَاقْبِضْنِيْ اِلَيْكَ غَيْرَ مَفْتُوْنٍ. (موطا امام مالک)

یا اللہ! میں تجھ سے نیک کاموں کے کرنے' برائیوں کو چھوڑنے اور مساکین سے محبت کا سوال کرتا ہوں اور جب تو کسی قوم کے لئے فتنے (آزمائش) کا ارادہ کرے تو مجھے فتنہ میں مبتلا کیے بغیر اٹھا لینا۔

رسول اکرم ﷺ یہ دعا بھی مانگا کرتے تھے:

اَللّٰهُمَّ فَالِقَ الْاِصْبَاحِ وَجَاعِلَ اللَّيْلِ سَكَنًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ حُسْبَانًا اِقْضِ عَنِّيَ الدَّيْنَ وَاَغْنِنِيْ مِنَ الْفَقْرِ وَاَمْتِعْنِيْ بِسَمْعِيْ وَبَصَرِيْ وَقُوَّتِيْ وَتَوَفَّنِيْ فِيْ سَبِيْلِكَ. (موطا امام مالک)

یا اللہ! صبح کو پھاڑنے والے' رات کو باعث سکون اور سورج و چاند کو حساب کا ذریعہ بنانے والے میرا قرض ادا کر دے اور مجھے فقر سے بے نیاز کر دے' مجھے میری سماعت و بصارت اور طاقت سے نفع عطا فرما اور اپنے راستے میں موت عطا کر۔

رسول کریم ﷺ پناہ مانگتے ہوئے یوں کہتے تھے:

اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الْعَجْزِ وَالْكَسَلِ وَالْجُبْنِ وَالْهَرَمِ وَالْبُخْلِ وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَحْيَا وَالْمَمَاتِ. (صحیح بخاری و مسلم)

یا اللہ! میں کمزوری اور سستی' بزدلی' بڑھاپے اور بخل سے تیری پناہ چاہتا ہوں' میں عذاب قبر سے تیری پناہ چاہتا ہوں اور زندگی و موت کے فتنہ سے تیری پناہ طلب کرتا ہوں۔

اس حدیث کو حضرت انس رضی اللہ عنہ نے روایت کیا۔

ایک روایت میں یوں ہے:

اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الْهَمِّ وَالْحُزْنِ وَضَلَعِ الدَّيْنِ وَغَلَبَةِ الرِّجَالِ. (سنن ابوداؤد)

یا اللہ! میں گذشتہ اور آنے والے غم سے اور سخت قرض سے نیز لوگوں کے غلبہ سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔

آپ کا ایک اور تعوذ یوں ہے جسے حضرت انس رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنَ الْجَذَامِ وَالْبَرَصِ وَالْجُنُوْنِ وَمِنْ سَیِّءِ الْاَسْقَامِ.

یا اللہ! میں جذام' برص' پاگل پن اور بری بیماریوں سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔[1]

(سنن ابوداؤد' سنن نسائی)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ یوں دعا مانگتے تھے:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنْ شَرِّ مَا عَلِمْتُ وَمِنْ شَرِّ مَا لَمْ اَعْلَمْ. (صحیح مسلم)

یا اللہ! میں اس چیز کے شر سے جسے میں جانتا ہوں اور اس کے شر سے جسے میں نہیں جانتا' تیری پناہ چاہتا ہوں۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ یہ دعا بھی مانگتے تھے:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنْ قَلْبٍ لَا یَخْشَعُ وَمِنْ دُعَاءٍ لَا یُسْمَعُ وَمِنْ نَفْسٍ لَا تَشْبَعُ وَمِنْ عِلْمٍ لَا یَنْفَعُ اَعُوْذُبِکَ مِنْ ھٰذِہِ الْاَرْبَعِ.

یا اللہ! میں ایسے دل سے جو ڈرتا نہیں' ایسی دعا سے جو سنی نہ جائے' ایسے نفس سے جو سیر نہ ہو اور ایسے علم سے جو نفع نہ دے' تیری پناہ چاہتا ہوں میں ان چار باتوں سے تیری پناہ کو طلب کرتا ہوں۔

(سنن ترمذی' سنن نسائی)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے ہی مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ یوں پناہ مانگتے تھے:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنْ زَوَالِ نِعْمَتِکَ وَتَحَوُّلِ عَافِیَتِکَ وَفُجَاءَۃِ نِقْمَتِکَ وَجَمِیْعِ سَخَطِکَ. (صحیح مسلم' سنن ابوداؤد)

یا اللہ! میں تیری نعمت کے زوال اور تیری عافیت کے پھر جانے' تیرے عذاب کے اچانک آنے اور تیری ہر قسم کی ناراضگی سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ یوں تعوذ کرتے تھے:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنَ الْفَقْرِ وَالْقِلَّۃِ وَالذِّلَّۃِ وَاَعُوْذُبِکَ مِنْ اَنْ اَظْلِمَ اَوْ اُظْلَمَ.

یا اللہ! میں' فقر' قلت اور ذلت سے تیری پناہ چاہتا ہوں اور میں ظلم کرنے اور یہ کہ مجھ پر ظلم کیا جائے' سے تیری پناہ طلب کرتا ہوں۔

(سنن ابوداؤد)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی آپ کی یہ دعا بھی مروی ہے:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنَ الشِّقَاقِ وَالنِّفَاقِ وَسُوْءِ الْاَخْلَاقِ. (سنن ابوداؤد)

یا اللہ! میں اختلاف' منافقت اور برے اخلاق سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ حضور ﷺ یہ دعا مانگا کرتے تھے:

---

[1] امام زرقانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اگرچہ یہ تینوں بیماریاں بری بیماریوں کے ذکر میں شامل ہیں لیکن ان کو الگ ذکر فرمایا کیونکہ عرب ان سے نفرت کرتے تھے اور رسالت کی شرائط میں شمار کرتے تھے کہ وہ ان بیماریوں سے محفوظ ہو تو حضور ﷺ نے تعلیم امت کے لئے اور بندگی کے اظہار کے طور پر ان کو واضح کر کے دعا مانگی۔ (زرقانی ج ۸ ص ۳۲۵)

اَللّٰھُمَّ اِنِّیۡ اَعُوۡذُ بِکَ مِنَ الۡجُوۡعِ فَاِنَّہٗ بِئۡسَ الضَّجِیۡعُ وَاَعُوۡذُ بِکَ مِنَ الۡخِیَانَۃِ فَاِنَّھَا بِئۡسَتِ الۡبِطَانَۃُ. (سنن ابوداؤد'سنن نسائی)

یا اللہ! میں بھوک سے تیری پناہ چاہتا ہوں کیونکہ یہ برا ہم بستر ہے (ساتھی) ہے اور خیانت سے تیری پناہ چاہتا ہوں کہ یہ برا رازدار ہے۔

اور آپ یہ دعا بھی مانگتے تھے:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیۡ اَعُوۡذُ بِکَ مِنۡ غَلَبَۃِ الدَّیۡنِ وَغَلَبَۃِ الۡعَدُوِّ وَشَمَاتَۃِ الۡاَعۡدَاءِ. (سنن نسائی)

یا اللہ! میں قرض کے غلبہ' دشمن کے غلبہ اور دشمن کے مجھ پر ہنسنے سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔

اور آپ یہ دعا بھی مانگتے تھے یہ بات حضرت ابوالیسر (کعب بن عمرو بن انصاری) رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیۡ اَعُوۡذُ بِکَ مِنَ الۡھَدۡمِ وَاَعُوۡذُ بِکَ مِنَ التَّرَدِّیۡ وَمِنَ الۡغَرَقِ وَالۡحَرَقِ وَالۡھَرَمِ وَاَعُوۡذُ بِکَ مِنۡ اَنۡ یَّتَخَبَّطَنِیَ الشَّیۡطَانُ عِنۡدَ الۡمَوۡتِ وَاَعُوۡذُ بِکَ اَنۡ اَمُوۡتَ فِیۡ سَبِیۡلِکَ مُدۡبِرًا وَاَعُوۡذُ بِکَ اَنۡ اَمُوۡتَ لَدِیۡغًا.

(سنن ابوداؤد'سنن نسائی)

یا اللہ! میں (مکان کے) گرنے سے تیری پناہ چاہتا ہوں (اپنے) گر جانے سے' ڈوب جانے' جل جانے اور بڑھاپے سے تیری پناہ چاہتا ہوں اور اس بات سے تیری پناہ طلب کرتا ہوں کہ موت کے وقت شیطان مجھے بدحواس کر دے اور میں اس بات سے پناہ چاہتا ہوں کہ تیرے راستے سے پیٹھ پھیرتے ہوئے مجھے موت آئے اور (زہریلے جانور کے) ڈسنے سے اور آنے والی موت سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔

نبی اکرم ﷺ جنوں اور انسانوں کی نظر سے پناہ مانگا کرتے تھے جب سورۃ الفلق' اور سورۃ الناس نازل ہوئیں تو آپ نے ان کو اختیار کر لیا اور باقی دعائیں چھوڑ دیں۔

خاص مناسبت سے دعائیں

خوف کے وقت

جب کسی قوم کا خوف ہوتا تو نبی اکرم ﷺ یہ دعا مانگتے:

اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَجۡعَلُکَ فِیۡ نُحُوۡرِھِمۡ وَنَعُوۡذُ بِکَ مِنۡ شُرُوۡرِھِمۡ. (سنن ابوداؤد)

یا اللہ! ہم تجھے (تیری مدد کو) ان کے سینوں کے مقابلے میں کرتے ہیں اور ان کے شر سے تیری پناہ چاہتے ہیں۔

بچوں کو تعویذ ڈالنا اور دم کرنا

نبی اکرم ﷺ حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہما کو تعویذ ڈالتے اور دم کرتے اور فرماتے کہ تمہارے جدِ امجد (حضرت ابراہیم علیہ السلام) ان کلمات سے حضرت اسماعیل اور حضرت اسحاق علیہما السلام کو دم کرتے اور تعویذ ڈالتے تھے۔ وہ کلمات یہ ہیں:

اَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّآمَّةِ مِنْ كُلِّ شَيْطَانٍ وَّهَامَّةٍ. (صحیح بخاری' جامع ترمذی) میں اللہ تعالیٰ کے کامل و جامع کلمات کے ساتھ ہر شیطان اور زہریلے جانور سے پناہ چاہتا ہوں۔

سوال: اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کے بارے میں فرمایا: "لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ. (الفتح:۲) تاکہ اللہ تعالیٰ آپ کے سبب سے آپ کے اگلوں پچھلوں کے گناہ بخش دے" اور آپ کا معصوم ہونا واجب ہے تو پھر ان دعاؤں کا مانگنا کس بنیاد پر ہے؟

جواب: نبی اکرم ﷺ نے (ان دعاؤں کے ذریعے) اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل کی ہے کہ اس کی تسبیح فرمائی اور مغفرت طلب کی۔ اللہ تعالیٰ کا یہ حکم سورۃ "اذا جاء نصر الله والفتح" میں ہے کہ فرمایا:

فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ. (النصر:۳) پس آپ اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح بیان کریں اور اس سے بخشش طلب کریں۔

اور یہ بھی احتمال ہے کہ آپ نے تواضع' مسکینی' خضوع وخشوع اور اپنے رب کے شکر کے طور پر یہ دعائیں مانگی ہوں کیونکہ یہ بات معلوم ہے کہ آپ کے ہر قسم کے خلاف اولیٰ کام بھی معاف ہیں اور یہ احتمال ہے کہ امت کو تعلیم دینے اور جواز کے لئے سوال کیا ہو۔ واللہ اعلم

پریشانی کے وقت

جب پریشانی ہوتی اور یہ وہ حالت ہے جب انسان ایسے امور کا شکار ہو جائے جو اسے پریشان اور غمگین کر دیتے ہیں تو اس وقت نبی اکرم ﷺ یہ دعا مانگتے تھے:

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ الْعَظِيْمُ الْحَلِيْمُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِيْنَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ. (صحیح بخاری) اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں' وہ عظمت والا بردبار ہے' اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں' وہ آسمانوں اور زمینوں کا رب ہے اور عرش عظیم کا رب ہے۔

ایک اور روایت میں ہے:

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ الْعَظِيْمُ الْحَلِيْمُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِيْنَ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيْمِ. (صحیح بخاری ومسلم) اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں' وہ عظمت والا بردبار ہے' اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں' وہ عرش عظیم کا رب ہے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں' وہ آسمانوں' زمینوں اور عرش کریم کا رب ہے۔

طیبی کہتے ہیں کہ یہ ثناء لفظ "رب" کے ساتھ شروع کی گئی تاکہ تکلیف کو دور کرنے کے ساتھ مناسبت پیدا ہو کیونکہ یہ (تکلیف کا ازالہ) تربیت کا مقتضی ہے اور اسی سے لا اله الا الله ہے جو توحید پر مشتمل ہے اور یہ ذلت جلال کی پاکیزگی کی اصل ہے اور عظمت کا ذکر ہے جو قدرت کے کامل ہونے پر دلالت کرتی ہے اور حلم (بردباری) کا ذکر ہے جو علم پر دلالت ہے کیونکہ بے علم سے بردباری اور کرم کا تصور نہیں ہو سکتا اور یہ دونوں اکرام اور احترام پر مبنی اوصاف کی اصل ہیں۔

پریشانی کے ازالہ کے لئے دعا

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب نبی اکرم ﷺ کو کوئی بات پریشان کرتی تو آپ اپنا سرِ انور آسمان کی طرف اٹھاتے اور فرماتے:

سُبْحَانَ اللّٰہِ الْعَظِیْمِ. اللہ تعالیٰ پاک ہے جو عظمت والا ہے۔

سوال: یہ تو ذکر ہے دعا نہیں ہے۔

جواب: جب کوئی طلب ہوتی ہے تو کبھی بندے کے اوصاف یعنی اس کا فقر اور احتیاج ذکر کئے جاتے ہیں اور کبھی مولا کے اوصاف کا ذکر ہوتا یعنی اس کی توحید اور اس کی ثناء۔

امیہ بن ابی الصلت نے عبداللہ بن جدعان کی تعریف میں کہا:

االذکر حاجتی ام قد کفانی حیاؤک ان شیمتک الحیاء

اذا الثنی علیک المرء یوما کفاہ من تعرضک الثناء

''کیا میں اپنی حاجت کا ذکر کروں یا مجھے تمہارا حیا کافی ہے جو تمہاری خصلت ہے۔ جب کسی دن کوئی شخص تمہاری تعریف کرے تو اسے تیری تعریف کرنا (سوال کی جگہ) کافی ہوتا ہے''۔

حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ مخلوق ہے جب کرم کی طرف اس کی نسبت کی جائے تو تعریف کافی ہوتی ہے تو خالق کا معاملہ کیا ہوگا؟

پریشانی کے ازالہ کی ایک اور دعا

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی کہ جب نبی اکرم ﷺ کو کوئی پریشانی لاحق ہوتی تو آپ ان کلمات کے ساتھ دعا مانگتے:

یَا حَیُّ یَا قَیُّوْمُ بِرَحْمَتِکَ اَسْتَغِیْثُ. اے زندہ اور دوسروں کو قائم رکھنے والے! میں تیری رحمت کے ساتھ مدد طلب کرتا ہوں۔ (سنن ابوداؤد)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: مجھے جب بھی کوئی پریشانی ہوتی ہے تو حضرت جبریل کا تصور آتا ہے وہ کہتے ہیں۔ اے محمد! (ﷺ) آپ یوں کہیں:

تَوَکَّلْتُ عَلَی الْحَیِّ الَّذِیْ لَایَمُوْتُ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ لَمْ یَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ یَکُنْ لَّہٗ شَرِیْکٌ فِی الْمُلْکِ وَلَمْ یَکُنْ لَّہٗ وَلِیٌّ مِّنَ الذُّلِّ وَکَبِّرْہُ تَکْبِیْرًا. (طبرانی)

میں نے اس زندہ ذات پر بھروسہ کیا جس کے لئے موت نہیں اور تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے اولاد اختیار نہیں کی اور بادشاہی میں اس کا کوئی شریک نہیں اور نہ اس کے لئے ذلت کی وجہ سے کوئی مددگار ہے (یعنی نہ ذلت نہ مددگار کی ضرورت) اور اس کی خوب بڑائی بیان کرو۔

آٹھویں مقصد میں اس سے زیادہ گزر چکا ہے۔

گمشدہ کی بازیابی کے لئے

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ گمشدہ کے سلسلے میں نبی اکرم ﷺ یوں دعا مانگا کرتے تھے:

اَللّٰھُمَّ رَادَّ الضَّالَّۃِ وَھَادِیَ الضَّالَّۃِ اَنْتَ تَھْدِیْ مِنَ الضَّلَالَۃِ اُرْدُدْ عَلَیَّ ضَالَّتِیْ بِعِزَّتِکَ وَسُلْطَانِکَ فَاِنَّھَا مِنْ عَطَائِکَ وَفَضْلِکَ. (طبرانی)

یا اللہ! گمشدہ کو لوٹانے والے اور گمشدہ کو راہ دکھانے والے تو ہی گمراہی سے ہدایت دیتا ہے میری گمشدہ چیز (یا آدمی) کو اپنی عزت و بادشاہی کے وسیلہ سے میری طرف لوٹا دے یہ تیری عطا اور فضل سے ہے۔

ہاتھ اٹھانا اور چہرے پر ملنا

نبی اکرم ﷺ اس طرح ہاتھوں کے باطن اور ظاہر سے دعا کرتے تھے۔[1] یہ حدیث حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے دعا مانگتے ہوئے اپنے ہاتھوں کو اٹھایا حتیٰ کہ میں نے آپ کی بغلوں کی سفیدی کو دیکھا۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ہاتھوں کو اٹھا کر کہا یا اللہ! جو کچھ حضرت خالد (رضی اللہ عنہ) نے کیا ہے میں اس سے بری الذمہ ہوں۔[2]

لیکن حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے استسقاء کے علاوہ کسی دعا میں ہاتھ نہیں اٹھایا اور یہ صحیح حدیث ہے۔

تو اس حدیث کو اور پہلی احادیث کو یوں جمع کیا جا سکتا ہے کہ استسقاء میں ہاتھ اس طرح اٹھائے جس طرح دوسری جگہ نہیں اٹھائے یا تو اس میں مبالغہ کے ساتھ (زیادہ بلند کرتے ہوئے) اٹھائے یہاں تک دونوں ہاتھ چہرے کے سامنے ہوئے اور دعا میں کاندھوں کے برابر تھے اور اس پر کوئی اعتراض نہیں کہ دونوں میں یہ بات ثابت ہے کہ یہاں تک کہ بغلوں کی سفیدی دکھائی دی بلکہ دونوں کو یوں جمع کیا جائے کہ استسقاء میں سفیدی زیادہ نظر آتی تھی البتہ استسقاء میں ہتھیلیاں زمین کی طرف اور دوسری دعا میں آسمان کی طرف تھیں۔

حافظ عبدالعظیم منذری (ابو محمد زکی الدین عبدالعظیم بن عبد القوی بن عبد اللہ عالم بالحدیث متوفی ۶۵۶ھ) (الاعلام ج۴ ص۳۰ تذکرۃ الحفاظ ج۴ ص۱۴۳۶ رقم الحدیث: ۱۱۴۴ فوات الوفیات ج۲ ص۳۶۶ رقم الترجمہ: ۲۹۱ طبقات الشافعیہ ج۵ ص۱۰۸ شذرات الذہب ج۵ ص۲۷۷) نے کہا ہے کہ اگر جمع کرنا مشکل ہو تو اثبات کی جانب کو زیادہ ترجیح ہوگی۔

(فتح الباری رقم الحدیث: ۶۳۴۱)

---

[1] اگر کسی چیز کا حصول مطلوب ہوتا تو ہاتھوں کے اندرونی حصے اور مصیبت کو دور کرنے کے لئے دعا ہوتی تو الٹے ہاتھوں سے دعا مانگتے تھے۔

(زرقانی ج۸ ص۲۲۹)

[2] حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے دشمن قوم کے کسی شخص کو اس کے کلمہ پڑھنے کے باوجود قتل کیا تھا کہ یہ منافق ہے تو اس پر حضور ﷺ نے یہ فرمایا۔ ۱۲ ہزاروی

امام احمد' حاکم اور ابوداؤد نے روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ جب دعا مانگتے تو اپنے ہاتھوں کو اپنے کاندھوں کے برابر اٹھاتے تھے اور ابن ماجہ کی روایت میں ہے کہ ان کو کشادہ رکھتے تھے۔

یہ حدیث اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ دونوں ہاتھ جدا جدا پھیلے ہوئے ہوں' چلو بھرنے کی طرح (ملے ہوئے) نہ ہوں۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں دعا کے سلسلے میں ہاتھ اٹھانے کے بارے میں جو اکثر احادیث آتی ہیں تو ان سے مراد یہ ہے کہ دعا کے وقت ہاتھوں کو پھیلایا اور کشادہ کیا جائے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ جب دعا مانگتے تو دونوں ہتھیلیوں کو ملاتے اور ان کی ہتھیلیوں کو چہرے کی جانب کرتے۔ اس حدیث کو امام طبرانی نے ''الکبیر میں'' ضعیف سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔

اور کیا ہاتھوں کو چہرے پر ملا جائے؟ تو صبح کی نماز میں قنوت [1] پڑھنے کے بعد زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ نہ ملے کیونکہ اس سلسلے میں کوئی حدیث نہیں۔ امام بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں مجھے اس سلسلے میں اسلاف سے کوئی بات یاد نہیں اگرچہ بعض حضرات سے نماز سے باہر دعا میں یہ بات ثابت ہے اور نبی اکرم ﷺ سے ضعیف خبر مروی ہے۔ جس پر بعض حضرات کے نزدیک نماز سے باہر عمل کیا جاتا ہے۔

لیکن نماز کے اندر کسی حدیث' قول صحابی اور قیاس سے ثابت نہیں اور زیادہ بہتر یہی ہے کہ ایسا نہ کرے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کے لئے نبی اکرم ﷺ کی دعا

نبی کریم ﷺ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کے لئے یوں دعا فرمائی:

اَللّٰهُمَّ اَكْثِرْ مَالَهٗ وَوَلَدَهٗ وَبَارِكْ لَهٗ فِيْمَا اَعْطَيْتَهٗ (صحیح بخاری)

یا اللہ! ان کے مال اور اولاد کو بڑھا' اور ان کے لئے اس چیز میں برکت ڈال دے جو کچھ تو ان کو عطا فرمائے۔

امام بخاری رحمہ اللہ کی ''الادب المفرد'' میں ہے' حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' فرماتے ہیں: کہ حضرت ام سلیم جو حضرت انس رضی اللہ عنہ کی والدہ ہیں' انہوں نے عرض کیا (یا رسول اللہ!) یہ آپ کے چھوٹے سے خادم ہیں' ان کے لئے دعا نہیں فرمائیں گے؟ تو آپ نے دعا فرمائی:

اَللّٰهُمَّ اَكْثِرْ مَالَهٗ وَوَلَدَهٗ وَاَطِلْ حَيَاتَهٗ وَاغْفِرْ لَهٗ

یا اللہ! ان کے مال و اولاد میں اضافہ فرما اور ان کی زندگی کو لمبا کردے اور ان کو بخش دے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۴۵۸-۱۹۲۸' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۸۲۹' مسند احمد ج ۳ ص ۱۹۴- ج ۶ ص ۴۳۰' السنن الکبریٰ ج ۳ ص ۹۶' الحلیہ ج ۸ ص ۲۶۷' مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۶۱۱۹' کنزالعمال رقم الحدیث: ۳۶۸۳۳)

صحیح حدیث میں ہے کہ ہجرت کے موقعہ پر حضرت انس رضی اللہ عنہ کی عمر نو سال تھی اور ان کی وفات ۹۱ھ میں ہوئی ایک قول یہ ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ تین سال کے تھے اور آپ کی عمر ایک سو تین سال ہوئی ہے یہ بات خلیفہ (ابن خیاط) نے کہی ہے اور اسی پر اعتماد ہے۔

[1] احناف کے نزدیک صرف وتر نماز میں قنوت پڑھی جاتی ہے۔ ۱۲ ہزاروی

آپ کی عمر کے بارے میں زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاتا کہ ایک سو سات سال تک پہنچی ہے اور کم از کم ننانوے سال بیان کی گئی ہے۔

اور آپ کی کثرت اولاد کے بارے میں امام مسلم رحمہ اللہ نے روایت کیا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

اللہ کی قسم میرا مال بہت زیادہ ہے اور میری اولاد اور اولاد کی اولاد اس وقت ایک سو کے قریب ہیں۔

ایک حدیث میں جسے امام بخاری و مسلم نے روایت کیا ہے یوں آیا ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا میری بیٹی امینہ نے مجھے بتایا۔ امینہ میں ہمزہ پر پیش اور میم پر زبر ہے یاء ساکن اور اس کے بعد نون ہے۔ کہ میری اولاد میں سے حجاج کے زمانے تک بصرہ میں ایک سو بیس دفن ہو چکے ہیں۔

ابن قتیبہ نے "المعارف" میں فرمایا کہ بصرہ میں تین شخص ایسے ہیں کہ ان کا انتقال اس وقت تک نہیں ہوا جب تک ان میں سے ہر ایک نے اپنی اولاد میں ایک سو کو نہیں دیکھا حضرت ابوبکرہ' خلیفہ بن بدر اور حضرت انس رضی اللہ عنہ۔

دوسرے حضرات نے چوتھے شخص یعنی مہلب ابن ابی صفرہ کا بھی اضافہ کیا ہے۔

ابن سعد نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں:

نبی اکرم ﷺ نے میرے لئے یوں دعا فرمائی:

اَللّٰهُمَّ اَكْثِرْ مَالَهٗ وَوَلَدَهٗ وَاَطِلْ عُمُرَهٗ وَاغْفِرْ لَهٗ. یا اللہ! ان کے مال و اولاد میں اضافہ فرما' ان کی عمر کو لمبا کر دے اور ان کو بخش دے۔

پس تحقیق میری اولاد میں سے ایک سو دفن ہو چکے ہیں اور میرا پھل سال میں دو بار لگتا ہے اور میں زندہ ہوں حتیٰ کہ مجھے زندگی ناپسند ہو گئی اور مجھے چوتھی بات (مغفرت) کی بھی امید ہے۔ (طبقات ابن سعد ج ۷ ص ۱۴)

حضرت امام ترمذی رحمہ اللہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کے ذکر میں حضرت ابو العالیہ سے روایت کیا کہ ان کے دو باغ تھے جن میں ہر سال دو مرتبہ پھل لگتا تھا اور ان میں ریحان تھا جس سے کستوری کی خوشبو آتی تھی۔ اس حدیث کے راوی ثقہ ہیں۔

بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور دیگر حضرات کے لئے آپ کی دعا

نبی اکرم ﷺ نے مالک بن ربیعہ سلولی کے لئے دعا فرمائی کہ ان کی اولاد میں برکت ہو تو ان کے ہاں اسی لڑکے پیدا ہوئے۔

رسول اکرم ﷺ نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو خیبر کی طرف بھیجا اور ان کی آنکھوں میں تکلیف تھی آپ نے ان کی آنکھوں میں اپنا لعاب مبارک لگایا اور دعا کی:

اَللّٰهُمَّ اَذْهِبْ عَنْهُ الْحَرَّ وَالْبَرْدَ. یا اللہ! ان سے گرمی سردی کو لے جا۔

تو وہ فرماتے ہیں: کہ میں نے اس دن سے گرمی اور سردی کا اثر محسوس نہیں کیا اور نہ میری آنکھیں دکھی ہیں۔ (طبرانی)

رسول اکرم ﷺ نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو یمن کا قاضی بنا کر بھیجا تو انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! مجھے فیصلہ کرنا نہیں آتا آپ نے فرمایا میرے قریب ہو جاؤ وہ آپ کے قریب ہوئے تو آپ نے اپنا دست مبارک ان کے

سینے پر مارتے ہوئے دعا کی:

اَللّٰھُمَّ اھْدِ قَلْبَہٗ وَثَبِّتْ لِسَانَہٗ. یا اللہ! ان کے دل کو ہدایت دے اور ان کی زبان کو قائم رکھ۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اللہ کی قسم! مجھے دو آدمیوں کے درمیان فیصلہ کرتے ہوئے (کبھی) شک نہیں ہوا۔ (سنن ابوداؤد)

نبی اکرم ﷺ نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی بیماری کے دوران ان کی عیادت کی تو دعا فرمائی:

اَللّٰھُمَّ اشْفِہٖ اَللّٰھُمَّ عَافِہٖ. یا اللہ! ان کو شفاء عطا فرما یا اللہ! ان کو عافیت عطا کر۔

پھر فرمایا کھڑے ہو جاؤ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اس کے بعد سے وہ درد مجھے کبھی نہیں ہوا۔ اس حدیث کو امام حاکم نے روایت کیا اور امام بیہقی اور ابونعیم نے اس کی تصدیق کی۔

(مسند احمد ج ۱ ص ۸۳' المستدرک ج ۲ ص ۶۲۰' الحلیہ ج ۵ ص ۹۷' الشفاء ج ۱ ص ۶۲۲' اتحاف السادۃ المتقین ج ۶ ص ۲۹۷)

حضرت ابوطالب بیمار ہوئے تو نبی اکرم ﷺ نے ان کی عیادت کی انہوں نے کہا بھتیجے! اپنے رب سے دعا کیجئے جس کی آپ عبادت کرتے ہیں آپ نے دعا مانگی:

اَللّٰھُمَّ اشْفِ عَمِّیْ. یا اللہ! میرے چچا کو شفا عطا فرما۔

تو ابوطالب اٹھ کھڑے ہوئے گویا وہ ...... انہوں نے کہا اے بھتیجے! آپ کا رب جس کی آپ عبادت کرتے ہیں وہ آپ کی بات مانتا ہے آپ نے فرمایا چچا! اگر تم بھی اللہ تعالیٰ کا حکم مانو تو وہ تمہاری بات بھی مانے گا۔

(المستدرک ج ۱ ص ۵۴۲' مجمع الزوائد ج ۲ ص ۳۰۰' دلائل النبوۃ ج ۶ ص ۱۸۳)

اس حدیث کو ابن عدی' بیہقی اور ابونعیم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث سے روایت کیا اور ہیثمی اس میں تنہا ہیں اور وہ ضعیف ہیں۔

نبی اکرم ﷺ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے لئے یوں دعا مانگی:

اَللّٰھُمَّ فَقِّھْہُ فِی الدِّیْنِ اَللّٰھُمَّ اَعْطِ ابْنَ عَبَّاسٍ الْحِکْمَۃَ وَعَلِّمْہُ التَّاْوِیْلَ. یا اللہ! ان کو دین کی سمجھ عطا فرما' یا اللہ! حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو حکمت عطا کر اور تاویل کا علم مرحمت فرما۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۳۸' مسند احمد ج ۱ ص ۲۶۶۔۳۲۸' کشف الخفاء ج ۱ ص ۲۲۰' جمع الجوامع رقم الحدیث: ۱۰۰۳۹' اتحاف السادۃ المتقین ج ۱ ص ۲۵۸۔ ج ۹ ص ۶۲۷)

صحیح بخاری میں ہے:

اَللّٰھُمَّ عَلِّمْہُ الْکِتَابَ. یا اللہ! ان کو کتاب کا علم عطا کر۔

چنانچہ آپ کتاب (قرآن مجید) کے عالم' امت کے بہت بڑے علمی پیشوا' علم کا سمندر اور ترجمانِ قرآن تھے اور آپ کا بلند درجہ اور انتہائی بعید (بلند) مقام پر ہونا مخفی نہیں ہے۔

جب نابغہ جعدی نے کہا:

ولا خیر فی حلم اذا لم یکن لہ بوادر تحمی صفوہ ان یکدرا
ولا خیر فی علم اذا لم یکن لہ حکیم اذا ما اورد الامر اصدرا

''اس حلم میں کوئی بھلائی نہیں جس کے لئے' کوئی سبقت کرنے والے نہ ہوں جو اس کی صفائی کو گدلا ہونے سے بچائیں اور علم میں کوئی بھلائی نہیں جب اس کے لئے کوئی دانا نہ ہو کہ جب کوئی معاملہ پیش ہو تو اسے ظاہر کرے''۔

تو نبی اکرم ﷺ نے ان کے لئے دعا فرمائی:

لَا یُفْضِضِ اللّٰہُ فَاکَ. اللہ تعالیٰ تمہارے منہ (یعنی دانتوں) کو نہ گرائے۔

(المطالب العالیہ رقم الحدیث:۴۰۶۵' دلائل النبوۃ ج ۵ ص ۲۵۱' اتحاف السادۃ المتقین ج ۶ ص ۴۸۰' المغنی ج ۲ ص ۷۰۴' کنز العمال رقم الحدیث:۳۰۷۶)

یعنی ''لا یسقط اللہ اسنانک'' اس میں مضاف محذوف ہے' تقدیر عبارت یوں ہے ''لا یسقط اللہ اسنان فیک اللہ تعالیٰ تمہارے منہ میں موجود دانتوں کو نہ گرائے'' وہ فرماتے ہیں ان کی عمر ایک سو سال ہوگئی اور ان کے دانت سب لوگوں سے اچھے تھے۔

فرماتے ہیں میں نے ان کو دیکھا کہ ان کی عمر ایک سو دس سال سے زائد ہوگئی تھی اور ان کا کوئی دانت نہیں گرا تھا۔

ابن ابی اسامہ کی روایت میں ہے کہ وہ دانتوں کے اعتبار سے سب لوگوں سے اچھے تھے اگر ان کا کوئی ایک دانت گرتا تو دوسرا اگ آتا۔ ابن السکن کے نزدیک اس طرح ہے کہ میں نے ''النابغہ'' کے دانتوں کو دیکھا کہ وہ نبی اکرم ﷺ کی دعا کی وجہ سے اولوں سے بھی زیادہ سفید تھے۔

عمرو بن اخطب نے نبی اکرم ﷺ کو شیشے کے پیالے میں پانی پلایا تو آپ نے اس میں ایک سفید بال دیکھا تو اس کو لے لیا اور فرمایا: یا اللہ! ان کو حسن عطا فرما پس ان کی عمر ترانوے سال کی ہوگئی اور ان کی داڑھی اور سر میں ایک بال بھی سفید نہ تھا یہ حدیث امام احمد رحمہ اللہ نے ابونہیک کے طریقے سے بیان کی ہے۔

ابونہیک کہتے ہیں میں نے دیکھا کہ ان کی عمر چورانوے (۹۴) سال ہوگئی تھی لیکن ان کی داڑھی میں ایک بال بھی سفید نہ تھا۔ اس روایت کو ابن حبان اور حاکم نے صحیح قرار دیا۔

امام بیہقی رحمہ اللہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ ایک یہودی نے نبی اکرم ﷺ کی داڑھی مبارک سے بال لیا تو آپ نے دعا مانگی یا اللہ! اسے حسن عطا کر تو اس کی داڑھی سیاہ ہوگئی حالانکہ وہ سفید ہو چکی تھی۔ حضرت عبد الرزاق کہتے ہیں ہمیں حضرت معمر نے حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہوئے خبر دی وہ کہتے ہیں ایک یہودی نے نبی اکرم ﷺ کے لئے اونٹنی کا دودھ دوہا تو آپ نے فرمایا: یا اللہ! تو اسے حسن عطا کر تو اس کے بال سیاہ ہو گئے حتیٰ کہ فلاں فلاں کے بالوں سے بھی زیادہ سیاہ ہو گئے۔

حضرت معمر فرماتے ہیں میں نے حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کے غیر سے سنا وہ ذکر کرتے ہیں کہ وہ یہودی نوے سال زندہ رہا لیکن اس کے بال سفید نہ ہوئے یہ حدیث ابن ابی شیبہ نے اور ابوداؤد نے ''مراسیل میں'' نیز امام بیہقی نے روایت

کی ہے اور فرمایا: یہ حدیث مرسل ہے اور پہلی حدیث کی شاہد ہے۔

ابن اخطب خزاعی نے نبی اکرم ﷺ کو پانی پلایا تو آپ نے ان کے بارے میں دعا فرمائی:

اَللّٰھُمَّ مَتِّعْهُ بِشَبَابِهٖ. یا اللہ! ان کو جوانی سے نفع عطا کر۔

تو وہ اسی (۸۰) سال کے ہو گئے لیکن کوئی سفید بال نظر نہ آیا۔

حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا آپ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور بھوک کی وجہ سے ان کا رنگ پیلا پڑ گیا تھا آپ نے ان کو دیکھا اور اپنا دستِ مبارک ان کے سینے پر رکھ کر دعا مانگی:

اَللّٰھُمَّ مُشْبِعَ الْجَاعَةِ لَا تُجِعْ فَاطِمَةَ بِنْتَ مُحَمَّدٍ. یا اللہ! بھوکوں کو سیر کرنے والے فاطمہ بنت محمد کو بھوکا نہ رکھنا۔

حضرت عمران بن حصین فرماتے ہیں: کہ میں نے ان کو دیکھا کہ ان کے چہرے کی زردی پر خون غالب آ گیا تھا اور میں نے بعد میں ان سے ملاقات کی تو انہوں نے فرمایا اے عمران! میں بھوکی نہیں ہوتی۔ یہ بات یعقوب بن سلیمان اسفرائنی نے "دلائل الاعجاز" میں ذکر کی ہے۔

نبی اکرم ﷺ نے حضرت عروہ بن جعد بارقی کے لئے دعا کرتے ہوئے فرمایا:

اَللّٰھُمَّ بَارِكْ فِيْ صَفْقَةِ يَمِيْنِهٖ. یا اللہ! ان کے دائیں ہاتھ کے سودے میں برکت ڈال دے۔

وہ فرماتے ہیں میں نے کوئی چیز نہیں خریدی مگر اس میں مجھے نفع ہوا۔ (المعجم الکبیر ج ۳ ص ۲۳۰)

حضرت جریر رضی اللہ عنہ گھوڑے پر ٹھہر نہیں سکتے تھے تو نبی اکرم ﷺ نے ان کے سینے پر ہاتھ مارتے ہوئے فرمایا:

اَللّٰھُمَّ ثَبِّتْهُ وَاجْعَلْهُ هَادِيًا مَّهْدِيًّا. یا اللہ! ان کو قائم رکھ اور ہدایت دینے والا ہدایت یافتہ بنا دے۔

وہ فرماتے ہیں اس کے بعد میں گھوڑے سے نہیں گرا۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۳۵۔ ۱۲۷' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۵۹' السنن الکبریٰ ج ۹ ص ۱۷' المعجم الکبیر ج ۲ ص ۳۳۸' مسند الحمیدی رقم الحدیث: ۸۰۱' دلائل النبوۃ ج ۵ ص ۳۴۸)

نبی اکرم ﷺ نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے لئے یہ دعا مانگی:

اَللّٰھُمَّ اَجِبْ دَعْوَتَهٗ. یا اللہ! ان کی دعا قبول فرما۔

تو ان کی دعا قبول ہوتی تھی۔ (سنن بیہقی' طبرانی)

نبی کریم ﷺ نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے لئے برکت کی دعا فرمائی۔ یہ حدیث حضرت انس رضی اللہ عنہ سے امام بخاری اور امام مسلم نے روایت کی۔ امام بیہقی نے ایک اور سند سے یہ اضافہ کیا کہ حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے فرمایا اگر میں پتھر اٹھاؤں تو مجھے امید ہے کہ میں اس کے نیچے سونا یا چاندی پاؤں گا۔

حضرت قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے ان کو کشادگی عطا فرمائی اور جب ان کا وصال ہوا تو ان کے

ترکہ میں سونا کلہاڑیوں (کدالوں) سے کھودا گیا حتیٰ کہ ان کے ہاتھوں پر چھالے پڑ گئے (ہاتھوں کے چمڑے اور گوشت کے درمیان پانی بھر گیا) اور ہر بیوی کو اسی ہزار (دینار) ملے اور وہ چار تھیں کہا گیا ایک لاکھ ملا' یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان میں سے ایک سے اسی ہزار پر مصالحت کی گئی کیونکہ آپ نے ان کو مرض الموت میں طلاق دے دی تھی اور اپنی زندگی میں بہت زیادہ صدقہ دینے کے بعد پچاس ہزار کی وصیت فرمائی ان کی معروف نیکیاں یہ تھیں کہ ایک دن میں تیس غلام آزاد کئے ایک دفعہ آپ نے ایک پورا قافلہ (قافلے کے پاس جو کچھ تھا) صدقہ کر دیا اس میں سات سو اونٹ تھے جو آپ کے پاس آئے اور آپ نے ہر قسم کا مال اٹھا رکھا تھا تو آپ نے وہ اونٹ اور جو کچھ ان پر سامان تھا اور ان کے پالان بھی صدقہ کر دیئے۔

محب طبری نے ذکر کیا جسے انہوں نے (ابن جوزی کی) ''الصفوۃ'' کی طرف منسوب کیا وہ حضرت زہری سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے اپنے مال کا کچھ حصہ یعنی چار ہزار صدقہ کئے پھر چالیس ہزار دینار صدقہ کئے پھر اللہ تعالیٰ کے راستے میں پانچ سو گھوڑوں پر مجاہدین کو سوار کیا پھر پندرہ سو سواریاں مجاہدین کو دے دیں اور ان کا عام مال تجارت سے تھا۔

نبی اکرم ﷺ نے قبیلہ مضر کے خلاف دعا کی تو وہ قحط میں مبتلا ہو گئے حتیٰ کہ انہوں نے علہز کھایا اور یہ جانور کے بالوں کے ساتھ خون کو کہتے ہیں حتیٰ کہ قریش نے ان کے لئے رحم کی درخواست کی۔

جب نبی اکرم ﷺ نے آیت کریمہ: ''والنجم اذا ھوی. ستارے کی قسم! جب وہ اترے'' تلاوت فرمائی تو عتیبہ بن ابی لہب نے کہا آپ نے ستارے کے رب کا انکار کیا ہے آپ نے فرمایا: یا اللہ! اس پر اپنے کتوں میں سے کسی کتے کو مسلط کر دے پس عتیبہ اپنے ساتھیوں کے ہمراہ ایک قافلے میں شام کی طرف گیا حتیٰ کہ جب لوگ شام میں پہنچے تو ایک شیر دھاڑا چنانچہ یہ کانپنے لگا اس سے پوچھا گیا کہ تو کیوں کانپتا ہے؟ اللہ کی قسم اس سلسلے میں ہم اور تم برابر ہیں۔ اس نے کہا حضرت محمد (ﷺ) نے میرے خلاف دعا کی تھی اللہ کی قسم! اس آسمان نے حضرت محمد (ﷺ) سے زیادہ سچ بولنے والے پر سایہ نہیں کیا۔ پھر انہوں نے کھانا رکھا تو اس نے اس میں اپنا ہاتھ نہ ڈالا حتیٰ کہ سونے کا وقت ہو گیا انہوں نے اسے گھیر لیا اور خود اپنے اردگرد سامان رکھا اس کو اس درمیان میں رکھا اور سو گئے۔ شیر آیا تو اس نے ان کے سروں کو ایک ایک کر کے سونگھنا شروع کر دیا یہاں تک کہ اس تک پہنچ گیا تو اسے چبا ڈالا اور وہ کہہ رہا تھا کیا میں نے تمہیں نہیں کہا تھا کہ حضرت محمد (ﷺ) سب لوگوں سے زیادہ سچے ہیں؟

یہ واقعہ یعقوب اسفرائنی نے ذکر کیا اور نبی اکرم ﷺ کی اولاد کے ذکر میں پہلے بھی یہ واقعہ گزر چکا ہے۔

مازن طائی سے منقول ہے اور وہ عمان کی زمین میں تھے انہوں نے کہا یا رسول اللہ! میں کھیل کود' شراب نوشی اور عورتوں سے تعلق میں مصروف رہتا ہوں اور ہم قحط سالی کا شکار ہیں جس سے ہمارے مال چلے گئے اور بچے اور مرد کمزور ہو گئے اور میری اولاد نہیں آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ وہ میری اس پریشانی کو دور کرے' مجھے حیا عطا کرے اور اولاد مرحمت فرمائے' نبی اکرم ﷺ نے یوں دعا فرمائی:

اَللّٰھُمَّ اَبْدِلْہُ بِالطَّرَبِ قِرَاءَۃَ الْقُرْاٰنِ وَبِالْحَرَامِ الْحَلَالَ وَاٰتِہٖ بِالْحَیَاءِ وَھَبْ لَہٗ وَلَدًا.

یا اللہ! اس کے کھیل کود کو قرأت قرآن سے اور حرام کو حلال سے بدل دے' اس کو حیاء عطا کر اور اولاد مرحمت فرما۔

مازن کہتے ہیں اللہ تعالیٰ نے میری ان تمام عادتوں (اور پریشانیوں) کو دور کر دیا جو میں پاتا تھا اور عمان میں خوشحالی آ گئی میں نے چار آزاد عورتوں سے شادی کی اور اللہ تعالیٰ نے مجھے حیان بن مازن بیٹا عطا کیا۔

(مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۴۸' دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۲ ص ۲۵۶٬۲۳۶' دلائل النبوۃ ج ا ص ۳۳)

نبی اکرم ﷺ جب تبوک میں اترے تو کھجور کے ایک درخت کے سامنے نماز پڑھنے لگے ایک شخص آپ کے اور درخت کے درمیان سے گزرا تو آپ نے فرمایا اس نے ہماری نماز میں خلل ڈالا اللہ تعالیٰ اس کا نشان مٹا دے پس وہ بیٹھا اور اٹھ نہ سکا۔ [1] اس حدیث کو ابوداؤد اور بیہقی نے روایت کیا لیکن اس کی سند ضعیف ہے۔

نبی اکرم ﷺ کے پاس ایک شخص بائیں ہاتھ سے کھا رہا تھا آپ نے فرمایا: دائیں ہاتھ سے کھاؤ اس نے کہا مجھے اس کی طاقت نہیں آپ نے فرمایا تجھے طاقت نہ ہو تو اس کے بعد وہ (کبھی بھی) اپنے ہاتھ کو منہ تک نہ لے جا سکا۔ اور یہ آدمی بسر ابن راعی العیر تھا (با پر پیش ہے اور سین ساکن العیر میں عین پر زبر ہے اور یاء ساکن ہے)۔ [2]

(فتح الباری ج ۱۲ ص ۷۶)

نبی کریم ﷺ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو بلایا تو عرض کیا گیا کہ وہ کھانا کھا رہے ہیں دوسری بار (یہی جواب ملا تو آپ نے) فرمایا اللہ تعالیٰ ان کے پیٹ کو سیر نہ کرے پس وہ کبھی بھی سیر نہ ہوئے۔

اس حدیث کو امام بیہقی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث سے روایت کیا۔ ایک دن حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ آپ کے پیچھے سوار تھے تو آپ نے فرمایا اے معاویہ! تیری طرف سے مجھ سے کیا ملا ہوا ہے؟ انہوں نے عرض کیا میرا پیٹ ہے آپ نے فرمایا:

اَللّٰهُمَّ اِمْلَأْهُ عِلْمًا وَّ حِلْمًا. یا اللہ! اسے علم اور بردباری سے بھر دے۔

اس حدیث کو امام بخاری نے اپنی تاریخ میں روایت کیا ہے۔

رسول اکرم ﷺ نے ابن ثروان کے خلاف یوں دعا کی:

اَللّٰهُمَّ اَطِلْ شِقَاءَهٗ وَبَقَاءَهٗ. یا اللہ! اس کی بدبختی اور باقی رہنے کو طویل کر دے۔

تو وہ بہت بڑی عمر کا پایا گیا' وہ بدبختی کا شکار تھا اور موت کی تمنا کرتا تھا۔ [3] (دلائل النبوۃ ج ا ص ۱۶۱)''

نبی اکرم ﷺ کی کتنی ہی مستجاب دعائیں ہیں' قاضی عیاض رحمہ اللہ نے ''الشفا'' میں مستقل باب باندھا ہے ان

---

[1] نبی اکرم ﷺ نے اس کے خلاف دعا اس لئے کی کہ اس نے اللہ تعالیٰ کی عبادت کی بے حرمتی کی ورنہ آپ اپنی ذات کے لئے انتقام نہیں لیتے تھے۔ (زرقانی ج ۸ ص ۲۳۶)

[2] علماء کرام فرماتے ہیں اگرچہ دائیں ہاتھ سے کھانا واجب نہیں لیکن اس شخص نے تکبر کا اظہار کیا تھا اس لئے اس کے خلاف دعا کی۔ (ایضاً)

[3] ابوثروان نے اس کی وجہ خود بیان کی وہ کہتا ہے جب نبی اکرم ﷺ قریش سے چھپتے ہوئے میرے اونٹوں کے پاس آئے اور اونٹ بھاگنے لگے میں نے پوچھا تم کون ہو؟ آپ نے فرمایا تمہیں نہ پوچھنے میں کوئی نقصان نہیں میں نے کہا آپ وہ نبی ہیں جو ظاہر ہوئے تو آپ نے مجھے کلمۂ شہادت کی دعوت دی میں نے کہا میرے اونٹوں کے پاس سے چلے جائیں اللہ تعالیٰ ان اونٹوں کو برکت نہ دے جن میں آپ ہوں تو آپ نے یہ کلمات کہے۔ (زرقانی ج ۸ ص ۲۳۶)

میں سے کچھ دعائیں یہاں ذکر کی گئی ہیں۔

اسی طرح امام یوسف بن یعقوب اسفرائنی نے اپنی کتاب ''دلائل الاعجاز'' میں ذکر کیا تو کتنی ہی دعائیں ہیں کہ آپ نے جس بات کا سوال کیا اللہ تعالیٰ نے اسے قبول کیا اور آپ کو دعا کے درخت سے سوال کا پھل عطا فرمایا۔

ہر نبی کی ایک مقبول دعا ہے

سوال: ''صحیح بخاری میں'' حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

لکل نبی دعوۃ مستجابۃ یدعوبھا وارید ان اختبیٔ دعوتی شفاعۃ لامتی فی الاخرۃ.

ہر نبی کی ایک مقبول دعا ہے جو وہ مانگتا ہے اور میں ارادہ کرتا ہوں کہ اسے آخرت میں اپنی امت کی شفاعت کے لئے ذخیرہ بناؤں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۶۳۰۴، صحیح مسلم رقم الحدیث:۳۳۹، مسند احمد ج ۲ ص ۴۸۶، اتحاف السادۃ المتقین ج ۹ ص ۱۸۴۔ ج ۱۰ ص ۴۸۹)

تو ان مذکورہ بالا دعاؤں کی وجہ سے نیز آپ ﷺ اور بے شمار انبیاء کرام کی مستجاب دعاؤں کی وجہ سے اعتراض ہوتا ہے کیونکہ حدیث سے تو ظاہر ہوتا ہے کہ ہر نبی کی مقبول دعا صرف ایک ہے؟

جواب: اس کا جواب یوں دیا گیا ہے کہ جس دعا کا ذکر کیا گیا ہے اس کی قبولیت کا مطلب یہ ہے کہ وہ قطعی طور پر مقبول ہے اس کے علاوہ جو دعائیں ہیں وہ قبولیت کی امید پر ہیں' یہ بھی کہا گیا کہ ہر نبی کی ایک دعا اس کی باقی دعاؤں سے افضل ہے اور ان کے لئے دیگر دعائیں بھی ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ ان میں سے ہر نبی کی ایک ایک ایسی دعا ہے جو امت کے بارے میں مقبول ہے یا تو ان کی ہلاکت کے بارے میں یا ان کی نجات سے متعلق ہے یا خاص دعائیں ہیں پس ان میں سے بعض قبول ہوتی ہیں اور بعض قبول نہیں ہوتی۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان میں سے ہر نبی کی ایک خاص دعا ہے جسے وہ اپنی دنیا کے لئے خاص کرتا ہے یا اپنی ذات کے لئے' جیسے حضرت نوح علیہ السلام کی دعا ہے:

رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا۝ (نوح:۲۶)

اے میرے رب! زمین پر کافروں میں سے کوئی بسنے والا نہ چھوڑ۔

اور حضرت زکریا علیہ السلام کی دعا ہے:

فَهَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا يَّرِثُنِيْ. (مریم:۶)

تو مجھے اپنے پاس سے کوئی ایسا دے ڈال جو میرا کام اٹھائے۔

اور حضرت سلیمان علیہ السلام نے دعا کی:

وَهَبْ لِيْ مُلْكًا لَّا يَنْبَغِيْ لِاَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِيْ. (ص:۳۵)

اور مجھے ایسی سلطنت عطا کر کہ میرے بعد کسی کو لائق نہ ہو۔

کرمانی نے ''بخاری شریف کی'' شرح میں فرمایا کہ اگر تم کہو کہ کیا یہ بات جائز ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی دعا قبول نہ ہو؟ تو میں کہوں گا کہ ہر نبی کی ایک دعا مقبول ہے اور باقی دعاؤں کی قبولیت مشیت خداوندی پر موقوف ہے۔

تو اس پر علامہ بدر الدین محمود عینی فرماتے ہیں یہ سوال میرے لئے تعجب خیز نہیں کیونکہ اس میں کراہت ہے اور مجھے شک نہیں کہ نبی اکرم ﷺ کی تمام دعائیں مقبول ہیں اور نبی اکرم ﷺ کا یہ ارشاد کہ ہر نبی کی ایک مستجاب دعا ہے وہ اس بات کی نفی نہیں کرتی کیونکہ اس میں حصر نہیں اور کسی سے یہ بات منقول نہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے دعا مانگی ہو اور وہ قبول نہ ہوئی ہو۔ (مسند احمد ج ۵ ص ۲۴۰)

اس حدیث میں ہمارے نبی اکرم ﷺ کے تمام انبیاء کرام سے افضل ہونے کا بیان ہے کہ آپ نے مقبول و مستجاب دعا کے ساتھ اپنی امت کو اپنی ذات اور اپنے اہل بیت پر ترجیح دی اور اپنی اس مخصوص دعا کو ان کی ہلاکت کے لئے استعمال نہیں کیا جس طرح دوسرے انبیاء کرام علیہم السلام نے کیا۔

حدیث کا ظاہر اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے دعا اور شفاعت کو یوم قیامت تک مؤخر کیا' اس دن آپ دعا فرمائیں گے اور شفاعت کریں گے اور یہ بھی احتمال ہے کہ قیامت تک جو چیز مؤخر کی گئی ہے وہ اس دعا کا نتیجہ اور اس کا نفع ہو لیکن اس کی طلب حضور ﷺ نے دنیا میں کی ہو۔ ''مزید الفتح'' کے مصنف نے یہ بات بیان کی ہے۔

نبی اکرم ﷺ کے اذکار

اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کو حکم دیا کہ آپ مراتب توحید میں ترقی حاصل کریں۔ ارشادِ خداوندی ہے:

فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ (محمد:۱۹) پس آپ جان لیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں۔

تو اس آیت میں اس علم کے حاصل کرنے کا حکم نہیں دیا گیا کیونکہ آپ یہ بات جانتے تھے اور نہ ثابت قدمی کا حکم ہے کیونکہ آپ معصوم ہیں پس یہ بات متعین ہوگئی کہ آپ کو اپنے مقامات و مراتب میں ترقی کا حکم دیا گیا اور یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات سے متعلق علم اور اس کی طرف جانے کی کوئی انتہا نہیں پس تمام علوم حقیقیہ اور معارف یقینیہ اس عالم میں اپنی تحقیق کی لڑی میں پروئے گئے ہیں اور بلند مراتب کی ٹہنیوں سے پھل عنقریب حاصل ہوگا۔

اسی لئے اس آیت میں آپ ﷺ کے لئے اس کے علم پر اکتفاء کیا گیا تو آپ کا سب کام توحید کی تصحیح' اسے شرک سے پاک رکھنے اور اس کی تکمیل سے متعلق ہے اور آپ سے ہی ارشاد فرمایا:

وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ (المزمل:۸) اور آپ اپنے رب کا نام ذکر کریں۔

اور فرمایا:

وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّخِيْفَةً (الاعراف:۲۰۵) اور آپ اپنے رب کو اپنے دل میں گڑگڑاتے ہوئے اور ڈرتے ہوئے یاد کریں۔

کیونکہ سلوک کی منازل طے کرتے ہوئے سب سے پہلے ایک عرصہ تک زبان سے ذکر کرنا پڑتا ہے پھر اسم زائل ہو جاتا ہے اور مسمّٰی باقی رہتا ہے پس ''واذکر اسم ربک'' میں پہلا درجہ مراد ہے۔

اور آیت کریمہ واذکر ربک (مذکورہ بالا آیت) سے دوسرا درجہ مراد ہے اس سلسلے میں پوری بحث بہت طویل ہے جو غرض سے باہر ہے اور نبی اکرم ﷺ کے اذکار متفرق طور پر وضو نماز اور حج کے بیان میں گزر چکے ہیں۔

نبی اکرم ﷺ کا استغفار

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ دن اور رات میں ستر مرتبہ سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرتے اور اس کی بارگاہ میں توبہ کرتے تھے۔

اس حدیث سے ظاہر یہ ہوتا ہے کہ مغفرت طلب کرتے اور توبہ کا عزم کرتے اور یہ بھی احتمال ہے کہ اس سے بعینہ یہ الفاظ کہنا مراد ہو (استغفر اللہ و اتوب الیہ)۔ امام نسائی نے عمدہ سند کے ساتھ حضرت مجاہد کے طریق سے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے جو حدیث روایت کی ہے وہ اس دوسری بات کی تائید کرتی ہے' وہ فرماتے ہیں: کہ انہوں نے نبی اکرم ﷺ کو یوں کہتے ہوئے سنا ہے:

اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ الَّذِیْ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ وَاَتُوْبُ اِلَیْہِ.

میں اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں' وہ زندہ (دوسروں کو) قائم رکھنے والا ہے اور میں اس کی بارگاہ میں توبہ کرتا ہوں۔

آپ' مجلس میں یہ کلمات اٹھنے سے پہلے سو مرتبہ پڑھتے تھے۔

امام نسائی نے ہی حضرت محمد بن سوقہ کی روایت سے نقل کیا وہ حضرت نافع سے اور وہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں' وہ فرماتے ہیں: ہم ایک مجلس میں نبی اکرم ﷺ سے یہ کلمات ایک سو مرتبہ شمار کرتے:

رَبِّ اغْفِرْلِیْ وَتُبْ عَلَیَّ اِنَّکَ اَنْتَ التَّوَّابُ الْغَفُوْرُ.

اے میرے رب! مجھے بخش دے اور میری توبہ قبول فرما تو بہت توبہ قبول کرنے والا' بہت بخشنے والا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں جو ستر مرتبہ سے زیادہ کا ذکر ہے تو اس میں مبالغہ کا بھی احتمال ہے اور ہو سکتا ہے خاص عدد مراد ہو اور لفظ "اکثر" مبہم ہے تو ممکن ہے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی یہ حدیث اس کی تفسیر ہو اور وہ عدد سو تک پہنچتا ہو۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک اور طریق یعنی حضرت معمر کے طریق سے مروی ہے وہ حضرت زہری سے اور وہ حضرت ابو ہریرہ سے روایت کرتے ہیں "انی لاستغفر اللہ فی الیوم مائۃ مرۃ" بے شک میں ایک دن میں ایک سو مرتبہ استغفار کرتا ہوں لیکن اصحاب زہری نے اس سلسلے میں حضرت معمر کی مخالفت کی ہے۔

ہاں امام نسائی رحمہ اللہ نے بھی محمد بن عمرو کی روایت سے حضرت ابوسلمہ سے ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا:

اِنِّیْ لَاَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ وَاَتُوْبُ اِلَیْہِ کُلَّ یَوْمٍ مِّائَۃَ مَرَّۃٍ.

بے شک میں ہر دن ایک سو مرتبہ اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرتا اور اس کی بارگاہ میں توبہ کرتا ہوں۔

امام نسائی نے ہی حضرت عطاء کے طریق سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے لوگوں کو جمع کر کے فرمایا:

یا یھا الناس توبوا الی اللہ فانی اتوب الیہ فی الیوم مائۃ مرۃ.

اے لوگو! اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں توبہ کرو' میں دن میں ایک سو مرتبہ اس کی بارگاہ میں توبہ کرتا ہوں۔

نبی اکرم ﷺ امت کو تعلیم دینے کی خاطر استغفار فرماتے یا امت کے گناہوں کے لئے مغفرت طلب کرتے' اس کے علاوہ بھی قول کیا گیا ہے اس سے پہلے بھی اس ضمن میں کچھ باتیں کہی گئی ہیں۔

نبی اکرم ﷺ کس طرح استغفار کرتے تھے؟

حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: سید الاستغفار یہ ہے کہ تم کہو:

اَللّٰھُمَّ اَنْتَ رَبِّیْ لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنْتَ خَلَقْتَنِیْ وَاَنَا عَبْدُکَ وَاَنَا عَلٰی عَھْدِکَ وَوَعْدِکَ مَا اسْتَطَعْتُ اَعُوْذُ بِکَ مِنْ شَرِّ مَا صَنَعْتُ اَبُوْءُ لَکَ بِنِعْمَتِکَ عَلَیَّ وَاَبُوْءُ بِذَنْبِیْ فَاغْفِرْلِیْ فَاِنَّہٗ لَا یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّآ اَنْتَ.

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۳۰۶' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۸۷۲' مسند احمد ج ۴ ص ۱۲۲۔ ج ۵ ص ۳۵۶)

یا اللہ! تو میرا رب ہے' تیرے سوا کوئی معبود نہیں' تو نے مجھے پیدا کیا اور میں تیرا بندہ ہوں' میں تیرے عہد اور وعدہ پر ہوں' قائم ہوں جس قدر مجھے طاقت ہے' میں اپنے عمل کی برائی سے تیری پناہ چاہتا ہوں' میں تیری نعمت کے ساتھ جو مجھ پر ہے تیری طرف رجوع کرتا ہوں' اپنے گناہوں کے ساتھ رجوع کرتا ہوں پس تو مجھے بخش دے' گناہوں کو صرف تو ہی بخشتا ہے۔

آپ نے فرمایا جو شخص ان کلمات پر یقین رکھتے ہوئے دن کے وقت پڑھے اور اسی دن شام ہونے سے پہلے مر جائے تو وہ اہل جنت سے ہے اور جو رات کے وقت یقین سے پڑھے اور صبح ہونے سے پہلے مر جائے وہ بھی اہل جنت سے ہے۔

پس یہ بات متعین ہوگئی کہ یہ طریقہ ہی افضل ہے اور نبی اکرم ﷺ افضل طریقے کو نہیں چھوڑتے تھے۔

نبی اکرم ﷺ کی قرأت

نبی اکرم ﷺ کی قرأت اور اس کی صفت یہ ہے کہ آپ مد کرتے تھے (یعنی الفاظ کو کھینچ کر پڑھتے تھے) بسم اللہ پر مد کرتے پھر الرحمن پر مد کرتے اور پھر الرحیم پر مد کرتے۔ یہ حدیث حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۰۴۶)

اس (قرأت) کا وصف حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے یوں بیان فرمایا کہ آپ کی قرأت ایک ایک حرف ہوتی تھی۔

وہ یہ بھی فرماتی ہیں کہ نبی اکرم ﷺ توڑ توڑ کر پڑھتے تھے "الحمد للہ رب العالمین" پڑھتے پھر وقفہ کر کے "الرحمن الرحیم" پڑھتے پھر وقف کرتے۔ (جامع ترمذی)

حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی اکرم ﷺ سورت کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھتے حتیٰ کہ وہ پہلے سے زیادہ لمبی ہو جاتی ہے۔ (صحیح مسلم)

حضرت براء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ عشاء میں "والتین والزیتون" پڑھتے تو میں نے آپ سے (اچھی) آواز والا یا (فرمایا) اچھی قرأت والا کسی کو نہیں دیکھا۔ (صحیح بخاری و مسلم)

نبی اکرم ﷺ کی قرأت ٹھہر ٹھہر کر ہوتی اس میں تیزی اور جلدی نہ ہوتی بلکہ ایک ایک حرف واضح طور پر پڑھتے اور

اپنی قرأت ایک ایک آیت پر منقطع کرتے' حروف مدہ میں مد کرتے اور عمدہ آواز سے قرأت فرماتے اور کبھی کبھی اپنی آواز کو واپس لاتے جس طرح فتح مکہ کے دن' انا فتحنا لک فتحا مبینا '' پڑھتے ہوئے رجوع کیا اور عبد اللہ بن مغفل نے حکایت کیا تینوں الفوں کو الگ الگ پڑھتے (مطلب یہ کہ آپ ایک ایک توڑ توڑ کر پڑھتے جس طرح کوئی تین الفوں کو الگ الگ پڑھتا ہے)۔

جب تم اس حدیث کو نبی اکرم ﷺ کے اس ارشاد گرامی کے ساتھ جمع کرو جس میں آپ نے فرمایا:

زینوا القران باصواتکم. قرآن مجید کو اپنی آوازوں کے ساتھ مزین کرو۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۴۶۸' سنن نسائی ج ۲ ص ۱۸۰' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۳۴۲' مسند احمد ج ۴ ص ۲۸۳_۳۰۴' سنن دارمی ج ۲ ص ۴۷۴' المستدرک ج ۱ ص ۵۷۱)

اور اس ارشاد پاک کے ساتھ جس میں فرمایا:

لیس منا من لم یتغن بالقران . وہ شخص ہم میں سے نہیں جو قرآن مجید خوش آوازی سے نہیں پڑھتا۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۴۶۹_۱۴۷۰_۱۴۷۱' مسند احمد ج ۱ ص ۱۷۲' السنن الکبریٰ ج ۲ ص ۵۴' المستدرک ج ۱ ص ۵۶۹' کنز العمال رقم الحدیث: ۲۷۹۶۹_۲۷۹۷)

اور فرمایا:

ما اذن اللہ لشئی کاذنہ بنبی حسن الصوت یتغنی بالقران. اللہ تعالیٰ نے کسی بات کی اجازت اس طرح نہیں دی جس طرح اپنے نبی ﷺ کو خوش آوازی سے قرآن پڑھنے کی اجازت دی ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۰۲۳' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۳۲' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۵۲۲)

یعنی اللہ تعالیٰ کسی چیز کو اس قدر توجہ سے نہیں سنتا جس طرح نبی اکرم ﷺ سے خوش آوازی کے ساتھ قرأت سنتا ہے' آپ اسے بلند آواز سے پڑھتے ہیں۔

اسی سے کہا جاتا ہے اَذِنَ یَاْذَنُ اَذِنًا (ذال کی حرکت کے ساتھ) (جب ان تمام احادیث کو ملایا جائے) تو تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ آپ کا الفاظ کو لوٹانا اختیاری تھا' اونٹنی کے تیز چلنے کی وجہ سے مجبورانہ تھا (جس طرح بعض لوگوں نے دعویٰ کیا ہے) کیونکہ اگر یہ اونٹنی کے تیز حرکت کرنے کی وجہ سے ہوتا تو اختیاری نہ ہوتا پس حضرت عبد اللہ بن مغفل اسے بیان نہ کرتے اور آپ یہ عمل اپنے اختیار سے (قصداً) کرتے تھے تاکہ آپ کی اقتداء کی جائے اور یہ عمل سواری کے تیز چلنے سے دکھائی دیتا تھا حتیٰ کہ آپ کی آواز ٹوٹ جاتی پھر وہ فرماتے ہیں کہ آپ اپنی قرأت کو لوٹاتے تھے تو اسی لوٹانے کو آپ کے فعل کی طرف منسوب کیا اگر یہ بات سواری کے تیز چلنے کی وجہ سے ہوتی تو آپ سے فعل صادر نہ ہوتا جسے لوٹانا کہا جاتا۔

ایک رات نبی اکرم ﷺ نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی قرأت سنی پس جب ان کو خبر دی تو انہوں نے عرض کیا اگر مجھے علم ہوتا کہ آپ سن رہے ہیں تو میں مزید اچھے طریقے سے پڑھتا یعنی اپنی آواز کے ساتھ اسے زینت

دیتا۔

یہ حدیث ان لوگوں کا رد ہے جو کہتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کا یہ ارشاد گرامی باب قلب سے ہے۔

آپ نے فرمایا:

زينوا القران باصواتكم — اپنی آواز کے ساتھ قرآن مجید کو زینت دو۔

(وہ کہتے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ) اپنی آوازوں کو قرآن مجید کے ساتھ زینت دو تو اس قلب کی ضرورت نہیں۔

ابن اثیر نے کہا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث اس بات کی تائید کرتی ہے جس میں کوئی شبہ نہیں وہ فرماتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

لكل شى حلية وحلية القران حسن الصوت. — ہر چیز کا زیور ہے اور قرآن پاک کا زیور اچھی آواز ہے۔

(مجمع الزوائد ج ۷ ص ۱۷۱' مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۴۱۷۳' الکامل ج ۳ ص ۱۳۵۲' کنز العمال رقم الحدیث: ۲۷۶۸)

اسی مسئلہ میں علماء کا بہت زیادہ اختلاف ہے جس کا ذکر طویل ہے اس سلسلے میں اختلاف کا فیصلہ یہ ہے کہ کہا جائے:

خوش آوازی سے پڑھنے کی دو صورتیں ہیں۔

خوش آوازی سے پڑھنے کی دو صورتیں

ایک یہ ہے کہ طبیعت کا تقاضا ہے اور اس میں کسی قسم کا تکلف' عادت اور تعلیم کا دخل نہ ہو بلکہ جب اس کو طبیعت کے حوالے کر دے اور یوں اس کو کھلی چھٹی دے دے اور خوش آوازی آئے تو یہ جائز ہے اگرچہ اس کی طبیعت اس کی مدد کرے' کہ وہ اسے زیادہ زینت دے' اس میں حسن پیدا کرے جس طرح حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ اگر میں جانتا کہ آپ سن رہے ہیں تو میں آپ کے لئے زیادہ خوبصورت آواز کے ساتھ پڑھتا اور غمگین شخص اور جسے خوشی' محبت اور شوق حرکت دے تو وہ اپنے نفس پر کنٹرول نہیں رکھتا اور وہ اس غم اور طرب کو قرأت کے ذریعے دور نہیں کر سکتا لیکن نفوس اس کو حاصل کرتے اور عمدہ پاتے ہیں کیونکہ یہ طبیعت کے موافق ہے' اس میں تکلف اور بناوٹ نہیں پس یہ فطری ہے' مشابہت اختیار کرنا نہیں اور محبت سے پڑھنا ہے' تکلف نہیں ہے۔

ہمارے بزرگ اسی طریقے سے پڑھتے اور سنتے تھے یہ خوش آوازی قابل تعریف ہے اور اس سے پڑھنے والا اور سننے والا دونوں متاثر ہوتے ہیں۔

دوسری وجہ وہ ہے جو بناوٹ کرنے والوں کی بناوٹ سے ہو اور اس میں فطرت کا دخل نہ ہو بلکہ یہ عمل تکلف' تصنع اور عادت بنانے سے حاصل ہو جس طرح غنا کی آوازیں مختلف قسم کی بسیط اور مرکب خوش آوازی سے سیکھی جائیں جو مخصوص طریقوں اور من گھڑت وزنوں پر ہوں جو تعلیم و تکلف کے بغیر حاصل نہیں ہوتیں تو یہ صورت بزرگوں نے ناپسند کی' اس کو معیوب قرار دیا اور اس طریقے پر قرأت کا انکار کیا۔

اس تفصیل سے اشتباہ زائل ہو جاتا ہے اور درست طریقہ دوسرے طریقوں سے ممتاز ہو جاتا ہے اور جو شخص بزرگوں کے احوال کا علم رکھتا ہے وہ اس بات کو یقین کے ساتھ جانتا ہے کہ وہ لوگ موسیقی والی خوش آوازی جو کچھ وزنوں کے مطابق واقع کرنے اور حرکت کا تکلف ہے' اس سے وہ لوگ پاک تھے وہ اس انداز میں قرأت کرنے اور سننے کے اعتبار

سے اللہ تعالیٰ سے بہت ڈرتے تھے اور یہ بات بھی یقین کے ساتھ معلوم ہے کہ وہ غمگین کرنے اور خوش کرنے کے انداز میں پڑھتے تھے اور قرأت 'خوش آوازی کے ساتھ کرتے' کبھی وہ فطری طور پر پڑھتے اور کبھی خوش آوازی کا ارادہ کرتے اور یہ طبعی اور فطری بات ہے اور شریعت نے اس سے نہیں روکا کیونکہ طبیعتیں اس کا شدت سے تقاضا کرتی ہیں بلکہ نبی اکرم ﷺ نے اس کی طرف رہنمائی کی اور اسے مستحب قرار دیا اور بتایا کہ جو شخص اس طرح پڑھتا ہے اللہ تعالیٰ پوری توجہ سے اسے سنتا ہے اور آپ نے فرمایا ''جو شخص قرآن مجید خوش آوازی سے نہیں پڑھتا وہ ہم میں سے نہیں'' اس کا یہ مطلب نہیں کہ دوسروں سے خوش آوازی اور غنا حاصل کرنا (اور سیکھنا) جیسا کہ بعض حضرات نے گمان کیا اگر یہ بات ہوتی تو اچھی آواز اور اس کو بلند کرنے کا ذکر بے معنی ہوتا۔

اور کلام عرب میں معروف ہے کہ تغنی (خوش آوازی) اچھی آواز کے ساتھ کلام کو لوٹانا اور پڑھنا ہے جیسا کہ شاعر نے کہا:

تغن بالشعر اذا ما کنت قائلہ ان الغناء لھذا الشعر مضمار

''شعر خوش آوازی سے پڑھو جب تم اسے کہو کیونکہ شعر کے لئے غنا (وہ) میدان ہے جس میں گھوڑے دوڑتے ہیں تو مقابلہ ہوتا ہے''۔

ابن ابی شیبہ نے حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا (کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا):

تعلموا القران وتغنوا بہ واکتبوہ. قرآن پاک سیکھو! اسے خوش آوازی سے پڑھو اور اسے لکھو۔

(مسند احمد ج ۴ ص ۱۴۶-۱۵۰-۱۵۳ تفسیر قرطبی ج ۱ ص ۱۵)

صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو قرأت کرتے ہوئے سنا تو فرمایا:

لقد اوتی مزمارا من مزامیر ال داود. ان کو حضرت داؤد علیہ السلام کے مزامیر میں سے ایک مزمار دیا گیا ہے (خوش آوازی مراد ہے)۔

یعنی خود داؤد علیہ السلام کی ذاتی خوش آوازی سے دیا گیا جیسا کہ آل معانی نے ذکر کیا اور ایک دوسری روایت میں ہے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! اگر مجھے معلوم ہوتا کہ آپ سن رہے ہیں تو میں نہایت اچھے طریقے سے پڑھتا۔

ابن منیر نے کہا یہ اس بات پر دلالت ہے کہ ان کو یہ طاقت حاصل تھی کہ مزامیر سے جو ساعت حاصل ہوتی ہے اس سے بھی زیادہ اچھا پڑھ سکیں کیونکہ آپ نے مبالغہ کے ساتھ اچھی آواز میں پڑھنے کا ذکر فرمایا انہوں نے مزامیر کی مثل پڑھا (جیسا کہ حضور ﷺ نے بتایا) اور حد تک پہنچ گئے اور اگر وہ اپنی مقدور بھر طاقت کے مطابق پڑھتے تو کیا کیفیت ہوتی؟

حضرت داؤد علیہ السلام کی خبر

حضرت داؤد علیہ السلام جب بنی اسرائیل کو وعظ کرنا چاہتے تو سات دن تک بھوکے رہتے نہ کھاتے نہ پیتے اور نہ عورتوں کے قریب جاتے پھر حضرت سلیمان علیہ السلام کو حکم دیتے تو وہ گردونواح میں ٹیلوں' وادیوں اور پہاڑوں میں

اعلان کرتے کہ حضرت داؤد علیہ السلام فلاں دن (وعظ کے لئے) بیٹھیں گے پھر آپ کے لئے صحرا میں منبر رکھا جاتا تو آپ اس پر بیٹھتے' حضرت سلیمان علیہ السلام آپ کے پاس کھڑے ہوتے پس انسان' جن' پرندے' وحشی درندے' کیڑے مکوڑے' کنواری اور پردہ دار عورتیں آتیں اور وہ سب ذکر سنتے' آپ اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کرتے جیسے اس کے شایان شان ہے' سننے والوں میں سے ایک گروہ کی موت واقع ہو جاتی پھر گناہ گاروں پر نوحہ شروع کرتے تو (خوف سے) ایک جماعت مر جاتی جب ان لوگوں میں موت پھیل جاتی تو حضرت سلیمان علیہ السلام ان سے عرض کرتے اے اللہ کے نبی! لوگوں میں موت پھیل گئی ہے اور غور سے سننے والے ٹوٹ پھوٹ گئے ہیں تو حضرت داؤد علیہ السلام بے ہوش ہو کر گر پڑتے آپ کو چار پائی پر گھر لایا جاتا اور حضرت سلیمان علیہ السلام کا منادی اعلان کرتا اے لوگو! جس کے لئے حضرت داؤد علیہ السلام کے ساتھ کوئی قریبی یا دوست ہو وہ آپ کو پانے کے لئے نکلے پس کوئی آ کر اپنے خاوند یا بیٹے یا بھائی کے پاس کھڑی ہوتی اور اسے لے کر شہر میں داخل ہوتی' جب حضرت داؤد علیہ السلام کو دوسرے دن افاقہ ہوتا تو فرماتے: اے سلیمان! بنی اسرائیل کے عبادت گزار لوگوں کا کیا بنا؟ حضرت سلیمان عرض فرماتے: فلاں اور فلاں مر گئے وہ ان سب کا ذکر کرتے پس حضرت داؤد علیہ السلام اپنا ہاتھ سر پر رکھ کر روتے اور کہتے: اے میرے رب! کیا تو داؤد پر ناراض ہے کہ تیرے خوف یا تیرے شوق کی وجہ سے فلاں فلاں مرنے والوں کے ساتھ اس کا انتقال نہ ہوا؟ دوسری مجلس تک آپ کا مسلسل یہی طریقہ رہتا اور جب تک اللہ تعالیٰ نے چاہا حضرت داؤد علیہ السلام اس طریقے پر قائم رہے۔

وعظ سننے کا اثر

میں نے بنی اسرائیل کی جو حالت ذکر کی ہے اس سے تمہیں یہ خیال نہیں کرنا چاہیے کہ وہ اس امت سے اعلیٰ ہیں جہاں تک مزامیر (خوش آوازی سے پڑھنے) کا تعلق ہے تو حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی جو حالت ذکر کی گئی ہے تمہارے لئے وہ کافی ہے۔

اور وعظ سن کر شوق یا خوف کی وجہ سے موت واقع ہونے کی دو صورتیں ہیں۔

پہلی صورت یہ ہے کہ ہم کہتے ہیں کہ اس امت کو جو قوت دی گئی ہے وہ ان احوال کے مقابلے میں ہے جو اس (امت) پر وارد ہوتے ہیں وہ زندگی سے مل جاتی ہے پس قوت جسمانیہ فوت نہیں ہوتی بلکہ قوت روحانیہ اور تائیدات الٰہیہ بھی باقی رہتی ہیں تو اس امت کی قوت کے زیادہ ہونے کے باعث اس امت کے نیک اسلاف لوگوں کی حالت وعظ سننے اور نہ سننے کی حالت میں برابر رہی کیونکہ احوال ذکر اور یقین کے طور طریقے مسلسل باقی رہے اور ان میں سے بعض نے کہا کہ اگر پردہ اٹھ جائے تو میرے یقین میں اضافہ نہیں ہوگا (کیونکہ پہلے سے یہ حالت قائم ہے) پس بزرگوں پر جب احوال وارد ہوئے تو ان میں اور پہلے لوگوں میں فرق کی وجہ سے ان کی قوت باقی رہی۔

کیا تم نہیں دیکھتے کہ حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام دونوں خوش آواز تھے ان کی موت واقع نہیں ہوئی جس طرح دوسروں کی موت واقع ہوئی اس کا یہ مطلب نہیں کہ ان دونوں میں خوف اور شوق کی کمی تھی بلکہ قوت ربانیہ نے ان کی مدد کی اور اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت داؤد علیہ السلام اگرچہ ذکر کی وجہ سے فوت نہیں ہوئے لیکن آپ اپنی امت کے ان مرنے والوں سے افضل ہیں۔

جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ آپ فوت نہ ہونے پر روئے تو یہ اس تواضع کی وجہ سے ہے جو آپ کے شرف کو بڑھاتی تھی یہ مطلب نہیں کہ آپ اپنی امت کا انفرادی لوگوں سے کم درجہ میں تھے بلکہ اس کی وجہ سے کہ آپ ان لوگوں سے کئی درجات بلند تھے اور مقرب تھے (آپ کا انتقال نہ ہوا)۔

اسی قوت الٰہیہ کی طرف حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اشارہ کیا آپ نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ وعظ سن کر رو رہا ہے تو فرمایا ہم بھی اسی طرح تھے حتیٰ کہ دل سخت ہو گئے تو آپ نے تواضع کے طور پر سختی کا ذکر کیا حالانکہ آپ کا مرتبہ اللہ تعالیٰ کی حمد کے ساتھ محفوظ اور مقام بلند ہے۔

دوسرا طریقہ یا صورت یہ ہے کہ ہم کہتے ہیں کہ حضرت داؤد علیہ السلام کی مجلس میں سامعین کی موت کا واقعہ ہوا اس کی بے شمار مثالیں اس امت میں پائی جاتی ہیں کہ قدیم وجدید مجالس سماع میں سننے والوں کی موت واقع ہوئی۔

ابو اسحاق ثعلبی (ابو اسحاق احمد بن محمد بن ابراہیم' متوفی ۴۲۷ھ) نے قرآن پاک سن کر فوت ہونے والوں کے بارے میں ایک مستقل رسالہ لکھا ہے جسے ہم نے روایت کیا اور میرے (مصنف کے) پاس اس میں سے کچھ ہے' مجھے امید ہے کہ وہ مرتب ومدّون ہو جائے گا۔

(الاعلام ج اص ۲۱۲' وفیات الاعیان ج اص ۲۲' انباہ الرواۃ ج اص ۱۱۹' معجم المطبوعات ص ۶۶۳)

بلکہ بہت سے مریدین کے بارے میں منقول ہے کہ وہ محض مشائخ کو دیکھنے سے انتقال کر جاتے جس طرح منقول ہے کہ ابو تراب نخشبی کے مرید کے لئے روزانہ کئی مرتبہ حق کی تجلی ہوتی تو ابو تراب نے اس سے فرمایا اگر تم ابو یزید کو دیکھ لیتے تو ایک بہت بڑا معاملہ دیکھتے۔

جب مرید اپنے شیخ ابو تراب نخشبی کے ہمراہ حضرت ابو یزید کی طرف گیا اور مرید کی نگاہ ان پر پڑی تو وہ فوت ہو گیا ابو تراب نے کہا اے ابو یزید! آپ کی ایک نظر نے اسے قتل کر دیا حالانکہ وہ حق کو دیکھنے کا دعویٰ کرتا تھا حضرت ابو یزید نے فرمایا تمہارا مرید سچا تھا اور اس کے مقام کے مطابق اس پر حق کی تجلی ہوتی تھی۔

جب اس نے مجھے دیکھا تو اس پر اس اندازے کے مطابق تجلی ہوئی جو اس نے دیکھا تو اسے اس کی طاقت نہ تھی لہٰذا فوت ہو گیا۔

تجلی کے سلسلے میں اہل طریقت کی اصطلاح معروف ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ معرفت کا ایک بہت بڑا مرتبہ ہے اور تجلی سے ان کی مراد آنکھ سے دیکھنا نہیں جس کے بارے میں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے خاص طور پر کہا گیا "لن ترانی" (تم مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکتے) اور عمومی طور پر بھی یوں کہا گیا "لا تدرکہ الابصار" (آنکھیں اس کا ادراک نہیں کر سکتیں) اور جب تم نے سمجھ لیا کہ ان کی مراد جسے انہوں نے ثابت کیا اس معنیٰ کا غیر ہے۔ جس سے لوگ دنیا میں مایوس ہیں (سوائے ہمارے آقا ﷺ کے کہ آپ کو معراج شریف میں دیدار خداوندی ہوا)۔

اور مخصوص لوگوں سے آخرت میں اس کا وعدہ کیا گیا ہے۔

تو اس کے بعد تم پر کوئی حرج نہیں اور اس قوم (صوفیاء کرام) کے بارے میں تمہارے لئے بدظن ہونے کا کوئی راستہ نہیں اور اللہ تعالیٰ پوشیدہ امور (اور دلوں) کا مالک ہے۔

سماع کا حکم

جب تمہیں یہ بات معلوم ہوگئی تو جان لو کہ قوم کی طریقت میں سماع معروف ہے اور محبت کی طرف کھینچنے والی باتوں میں شمار ہوتا ہے اور یہ اس کا وصف ہے۔

ابوطالب (مکی) نے ''القوت'' میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت جیسے حضرت عبداللہ بن جعفر' حضرت عبداللہ بن زبیر' مغیرہ بن شعبہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہم نیز حضرت جنید بغدادی' حضرت سری سقطی اور حضرت ذوالنون مصری رحمہم اللہ سے نقل کیا کہ یہ جائز ہے۔ (کشف الظنون ج۲ ص۱۳۶۱)

''احیاء العلوم میں'' حضرت امام غزالی رحمہ اللہ نے استدلال کیا جس کا ذکر طویل ہے' خاص طور پر خوشی کے اوقات میں جن میں خوشی منانا جائز ہے اس کی تاکید اور اسے بڑھانے کے لئے سماع جائز ہے جس طرح شادی' کسی غائب کی واپسی' ولیمہ' عقیقہ' حفظ قرآن' سبق' کتاب یا تالیف کے اختتام کے موقعہ پر (سماع کا اہتمام کیا جائے)۔

صحیحین میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ہے کہ منیٰ کے دنوں میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ان کے پاس تشریف لائے اور ان کے پاس دو لونڈیاں تھیں جو دف بجا رہی تھیں اور نبی اکرم ﷺ نے کپڑے سے اپنے آپ کو ڈھانپ رکھا تھا' حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان کو جھڑک دیا تو آپ نے اپنے چہرے سے کپڑا اٹھایا اور فرمایا: اے ابوبکر! ان دونوں کو چھوڑ دو کیونکہ یہ عید کے دن ہیں۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۷۔۱۹' سنن نسائی ج۳ ص۱۹۷' السنن الکبریٰ ج۷ ص۹۲۔ ج۱۰ ص۲۲۴' اتحاف السادۃ المتقین ج۶ ص۴۹۰' مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۱۴۳۳)

ایک روایت میں ہے فرماتی ہیں: کہ رسول اکرم ﷺ میرے پاس تشریف لائے اور میرے پاس دو لونڈیاں گا رہی تھیں اور یہ بعاث کے دن تھے (بعاث کی باء پر پیش ہے اور اس کے بعد عین ہے) یہ اوس قبیلے کا قلعہ تھا اسے غین سے پڑھنا غلط ہے' مطلب یہ ہے کہ وہ لونڈیاں وہ اشعار پڑھ رہی تھیں جو بعاث کے دن کہے گئے تھے اور یہ انصار کے درمیان لڑائی ہوئی تھی (اسے یوم بعاث کہتے ہیں) نبی اکرم ﷺ رخ انور دوسری طرف کر کے بچھونے پر آرام فرما ہو گئے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ داخل ہوئے تو انہوں نے مجھے جھڑکا اور فرمایا رسول اکرم ﷺ کے پاس شیطانی گانا اور دف وغیرہ؟ نبی اکرم ﷺ ان کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا ان کو چھوڑ دو (کچھ نہ کہو)۔

اس پر اعتراض کیا گیا کہ ''صحیح بخاری میں'' ایک اور حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے اس میں یہ الفاظ ہیں ''ولیستا بمغنیتین وہ گاتی نہیں تھیں'' تو ان سے معنوی اعتبار سے اس بات کی نفی کی جس کو لفظوں میں ان کے لئے ثابت کیا (یعنی غنا کا لفظ بولا گیا لیکن معنوی طور پر وہ غنا نہ تھا) کیونکہ غنا کا اطلاق آواز بلند کرنے اور ترنم اور حدی (جو اونٹوں کے ساتھ چلنے والے گاتے ہیں) پر ہوتا ہے اور ایسا کرنے والے کو مغنی نہیں کہتے بلکہ اسے مغنی کہا جاتا ہے جو بنا سجا کر کلام کرتا ہے اور جس میں ٹوٹ پھوٹ ہیجان و حرکت اور شوق پیدا کرتا ہے کیونکہ اس سے فاحش باتوں کی طرف اشارہ ہوتا ہے یا صریح الفاظ ہوتے ہیں۔

امام قرطبی فرماتے ہیں: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ فرمانا کہ وہ مغنیہ نہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ ان لوگوں میں

سے نہیں ہیں جو گانے بجانے کے ساتھ مشہور ہیں جس طرح معروف گانے بجانے والی ہیں۔

وہ فرماتے ہیں ام المؤمنین نے یہ بات فرما کر اس غنا کی نفی کی ہے جو عام شہرت یافتہ لوگوں کی عادت ہے اور وہ ساکن کو حرکت دیتا ہے اور مخفی بات کو ابھارتا ہے۔

اس گانے کے سلسلے میں حکم یہ ہے کہ اگر اس میں ایسے اشعار ہوں جن میں عورتوں کے حسن کا ذکر یا شراب وغیرہ حرام چیزیں ہوں تو اس (سماع) کے حرام ہونے میں کوئی اختلاف نہیں۔

وہ فرماتے ہیں جو کچھ صوفیاء نے طریقہ اختیار کیا تو وہ اس قبیل سے ہے جس کے حرام ہونے میں اختلاف نہیں لیکن شہوت پرست نفوس ایسے بہت سے لوگوں پر غالب آ گئے جو بھلائی کی طرف منسوب ہیں حتیٰ کہ ان میں سے اکثر میں پاگلوں اور بچوں جیسے کام ظاہر ہوتے ہیں حتیٰ کہ وہ موافق حرکات اور ایک دوسرے کے پیچھے آنے والے چالوں کے ساتھ رقص کرتے ہیں اور ان میں سے کسی ایک جماعت میں حیا کی کمی انتہا کو پہنچ جاتی ہے یہاں تک کہ وہ اس بات کو قرب اور اعمال صالحہ کے باب سے شمار کرتے ہیں اور ان کے خیال میں یہ بلند و بالا اعمال کی بنیاد ہے لیکن در حقیقت یہ بے دین لوگوں کا کام ہے (یہاں تک امام قرطبی کا کلام تھا)۔

اور حق یہ ہے کہ جب سماع اچھی آواز سے ایسے اشعار کے ساتھ ہو جو بلند صفات کو متضمن ہیں یا ان میں نبی اکرم کی نعتیں ہوں' حرام آلات سے محفوظ ہو اسی طرح خسیس اور غباوت پر مبنی اعمال اور کمینگی والے امور نہ ہوں اور بلند قدر والے محبت کی خفیہ باتوں کو حرکت دے' سننے والا حتی الامکان اپنے آپ کو قابو میں رکھے کہ اس کی آواز رونے کے ساتھ بلند نہ ہو اور وجد ظاہر نہ ہو اور وہ اپنے نفس کے ضبط پر قادر ہو اور ان باتوں کو جانتا ہو جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے لئے واجب ہیں اور جو باتیں محال (ممنوع) ہیں کہ جو کچھ سنے اسے اس بات کی طرف نہ لے جائے جو لائق نہیں تو یہ حسن کی ایک انتہاء میں ہے اور تزکیۂ نفس کے لئے ایک انتہاء ہے ہاں اس کو چھوڑ دینا اور اس بات میں مشغول ہونا جو اعلیٰ ہے' شبہ کے خوف کی بنیاد پر زیادہ سلامتی اسی میں ہے نیز اس طرح وہ (سماع کے بارے میں) اختلاف سے بھی نکل جائے گا ہاں' کبھی کبھی سن لے (تو الگ بات ہے)۔

حضرت امام شافعی' امام مالک' امام ابو حنیفہ اور علماء کی ایک جماعت رحمہم اللہ سے ایسے الفاظ منقول ہیں جو اس کے حرام ہونے پر دلالت کرتے ہیں اور شاید ان کی مراد وہ سماع ہے جس میں شیطانی ابھار ہو۔

اور جب دلوں میں تاثیر کے حوالے سے سماع کے بارے میں غور کیا جائے تو اس پر مطلقاً اباحت یا حرام ہونے کا حکم لگانا جائز نہیں بلکہ مختلف افراد کے اعتبار سے اور نغموں کے طریقوں کے اختلاف کے مطابق حکم مختلف ہوگا۔ پس اس کا حکم وہی ہے جو قلبی امور کا حکم ہے اور جو شخص اپنے رب کی طرف ترقی کرتا ہے اس کے لئے یہ ان باتوں کو حرکت دیتا ہے جو ازل سے دلوں میں ہیں جب اللہ تعالیٰ نے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ. (الاعراف:172) کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟

تو دل میں جو رقت' وجد اور حقیقت ہے وہ اسی خطاب کی چاشنی سے ہے اور تمام اعضا اس کے ذکر کے ساتھ بولتے ہیں اور اس کے نام سے خوشی حاصل کرتے ہیں پس سماع' نفوس کی سب سے بڑی شکار گاہ ہے اور جب یہ مناسب خوش آوازی سے مل جائے اور اشعار محبوب حق کے ذکر پر مشتمل ہوں تو پوشیدہ باتیں ظاہر ہو جاتی ہیں اور اسرار شائع ہو جاتے ہیں خصوصاً

ان لوگوں میں جو ابتدائی مراحل میں ہیں۔

سماع کی تاثیر کا مشاہدہ کیا گیا حتیٰ کہ وہ حیوانات جو بولتے نہیں مثلاً پرندے اور جانور (وغیرہ) اس بات کا مشاہدہ کیا گیا کہ پرندے عمدہ نغموں اور خالص قسم کی خوش آوازی پر ٹہنیوں سے اتر آتے ہیں اور اونٹ باوجود اپنی طبیعت کے غبی ہونے کے حدی سے متاثر ہوتے ہیں اور اس تاثیر کی وجہ سے ان کو بھاری بوجھ ہلکے معلوم ہوتے ہیں اور سماعت کی خوشی کی قوت سے طویل مسافت کم ہو جاتی ہے اور ایسی خوشی پیدا ہوتی ہے جو اس میں نشہ اور والہانہ انداز پیدا کر دیتی ہے۔

پس تم اس کو دیکھتے ہو کہ جب اس پر جنگل (وصحرا) لمبے ہو جاتے ہیں اور بوجھ کے نیچے تھک جاتا ہے تو حدی خوان کے حدی سننے پر اپنی گردن کو بڑھا کر حدی خوان کی طرف ڈال دیتا ہے اور تیز تیز چلتا ہے اور بعض اوقات تیز چلنے اور بوجھ کے زیادہ ہونے کی وجہ سے اپنے آپ کو ہلاک کر دیتا ہے لیکن خوشی کی وجہ سے اسے اس کا پتہ نہیں چلتا۔

(امام غزالی رحمہ اللہ نے) ''احیاء العلوم میں'' جو کچھ ذکر کیا ہے اس کو حضرت ابوبکر دینوری رحمہ اللہ سے نقل کیا کہ ایک سیاہ فام غلام نے حدی کی وجہ سے جو نہایت اچھے نغمے کے ساتھ تھی' کئی اونٹوں کو ہلاک کر دیا' ان پر بھاری بوجھ تھا اور انہوں نے تین دن کی مسافت ایک رات میں طے کر لی۔

اور اس نے ان کے علاوہ ایک اونٹ کے سامنے کلام پڑھا اور یہ ان کی موجودگی میں تھا تو اونٹ دیوانہ ہو گیا اور اس نے اپنی رسی توڑ دی اور اس کو ایسی کیفیت حاصل ہوئی جس نے اس کے احساسات سے اس کو غافل کر دیا اور منہ کے بل گر پڑا۔

تو سماع کی تاثیر محسوس بات ہے اور جس میں کوئی حرکت پیدا نہ ہو اس کا مزاج فاسد ہے اور اس کا علاج ناممکن ہے اس کی طبیعت اونٹوں سے بھی زیادہ سخت اور کثیف ہے اور جب یہ جانور نغمات سے متاثر ہوتے ہیں تو انسانی نفوس بدرجہ اولیٰ متاثر ہوتے ہیں۔ شاعر نے کہا:

نعم لولاک ما ذکر العقیق ولا جابت لہ الفلوات نوق

نعم اسعی الیک علی جفونی تدانی الحی او بعد الطریق

اذا کانت تحن لک المطایا فماذا یفعل الصب المشوق

''ہاں اگر تم نہ ہوتے تو عقیق کا ذکر نہ ہوتا' اور نہ جنگلوں میں اونٹنیاں چکر کاٹتیں۔ ہاں میں تمہاری طرف پلکوں پر دوڑ کر آؤں گا' قبیلہ قریب ہو یا دور کا راستہ ہو۔ جب تمہارے لئے سواریاں روتی ہیں تو شوق رکھنے والے عاشق کا عمل کیا ہوگا؟''

پس سماع کا عمدہ حصہ دل کو نرم کرتا ہے اسی لئے عارف کبیر' سیدی علی الوفوی (یا الوفائی) نے اپنے مشہور وظیفہ کو خوش آوازی اور لطیف اور اوزان کے انداز پر رکھا تاکہ مریدین کے دل خوش ہوں اور سالکین کے دلوں کو آرام پہنچے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے' دل خوش آوازی سے حصہ حاصل کرتے ہیں جب یہ بلند مرتبہ اوراد جو نبوی اوراد کا فیضان ہیں' عمدہ نغمات اور اچھے اوزان کے ساتھ پڑھے جائیں تو وہ لوگوں میں سرایت کرتے ہیں اور ہر عضوان وفوی محمدی اوراد سے حصہ حاصل کرتے ہیں پس ازلی خطاب کا درخت اس پانی کے ساتھ حاصل ہوتا ہے جو ان لطائف کے چشموں سے آتا ہے' عوارف المعارف' کا پھل دیتا ہے (معرفت تامہ حاصل ہوتی ہے)۔

تنبیہ

بعض حضرات کا خیال ہے کہ سماع' قرآن مجید کی تلاوت سے بھی زیادہ وجد پیدا کرنے والا ہے اور اس کی تاثیر زیادہ ہے۔

ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ بشری قوت جو حادث ہے' قرآن مجید کے جلال کو برداشت نہیں کر سکتی اور اس کی صفات مخلوقہ بھی اسے برداشت نہیں کر سکتیں اور اگر اس کے معنیٰ کا ایک ذرہ بھی دلوں کے لئے کھل جائے تو ان پر دہشت طاری ہو جائے' وہ پھٹ جائیں اور حیران ہو جائیں اور خوش آوازی طبیعتوں کے مناسب ہے لیکن ان کے حصوں کے مطابق حقوق کی نسبت سے نہیں اور اشعار کی نسبت ان حصوں کی نسبت سے ہے پس جب ان شعروں میں پائے جانے والے اشارات و لطائف سے غموں اور آوازوں کا تعلق قائم ہوتا ہے تو وہ ایک دوسرے کے مناسب ہو جاتے ہیں اور وہ ان نفسانی حصوں کے زیادہ قریب ہوتے ہیں اور مخلوق کی مناسبت سے دلوں پر زیادہ ہلکے پھلکے ہوتے ہیں۔

یہ بات ابونصر سراج نے کہی ہے (ابونصر عبداللہ بن علی' متوفی ۳۷۸ھ)۔ (الاعلام ج ۴ ص ۱۰۴' شذرات الذہب ج ۳ ص ۹۱' معجم المطبوعات رقم الحدیث: ۱۰۱۷)



دسواں مقصد

اس مقصد کے مشمولات یہ ہیں۔

(۱) نبی اکرم ﷺ پر آپ کے وصال کے ذریعے نعمتوں کی تکمیل اور بارگاہ قدس میں اپنے رب کے ہاں آپ کا منتقل ہونا۔

(۲) آپ کی قبر شریف اور بلند مرتبہ مسجد کی زیارت۔

(۳) آپ کو آخرت میں ایسے فضائل کے ساتھ فضیلت دینا کہ آپ کو جامع اولیت عطا کی جائے جو آپ کی تکریم اور بلندی درجات میں اضافہ کا باعث ہے۔

(۴) انبیاء کرام کی حاضری کے مقام میں آپ کو قرب کی خصوصیات کے ساتھ مشرف کرنا۔

(۵) شفاعت اور مقام محمود کے ساتھ آپ کی تعریف کرنا اور اولین و آخرین کی مجالس میں صرف آپ کو سرداری عطا کرنا۔

(۶) ہمیشہ رہنے کی جنتوں میں سعادت کے مدارج میں آپ کی ترقی اور اضافہ کے دن نیکی اور اس میں اضافہ کی اعلیٰ بلندیوں میں آپ کو بلندی عطا کرنا۔

فصل نمبر ۱

اللہ تعالیٰ کا نبی اکرم ﷺ کے وصال کے ذریعے آپ پر اپنی نعمتوں کو مکمل کرنا اور آپ کو اپنے ہاں جنت میں منتقل کرنا

جان لو! اللہ تعالیٰ مجھے اور تمہیں اپنی تائید کی رسی میں ملائے اور اپنی مہربانی سے ہمیں اپنی توفیق اور درستگی عطا کرے اس فصل کا مضمون پلکوں سے آنسو گراتا اور غموں کے باعث مصائب و آلام کو کھینچتا ہے اور غم کی آگ کو ایمان والوں کے جگروں پر کھلاتا ہے۔

سورۃ النصر کا نزول

جان لو! جب موت طبعی طور پر ناپسند ہوتی ہے کیونکہ اس میں شدت اور بہت بڑی مشقت ہے تو کسی نبی کی وفات اس وقت تک نہیں ہوتی جب تک اسے اختیار نہیں دیا گیا۔

اور نبی اکرم ﷺ کو آپ کی عمر کے پورا ہو جانے اور وفات کا وقت قریب آ جانے کی خبر سورۃ ''اذا جاء نصر اللہ و الفتح ''(جب اللہ تعالیٰ کی مدد آجائے اور فتح) کے نزول کے ذریعے دی گئی۔ کیونکہ اس سورت سے مراد یہ ہے کہ

اے محمد! (ﷺ) جب اللہ تعالیٰ آپ پر شہروں کو فتح فرمائے گا اور لوگ آپ کے دین میں جس کی طرف آپ ان کو بلائیں گے فوج در فوج داخل ہوں گے تو آپ کا وصال قریب ہوگا۔

پس آپ ہماری تعریف کرنے اور استغفار کرنے کے ذریعے ہماری ملاقات کے لئے تیار ہو جائیں کیونکہ جس بات کا آپ کو حکم دیا گیا تھا اس کا مقصود آپ سے حاصل ہو گیا کہ آپ نے اپنے رب کا پیغام ادا کر دیا اور پہنچا دیا اور جو کچھ ہمارے پاس ہے وہ آپ کے لئے دنیا سے بہتر ہے پس آپ ہماری طرف منتقل ہونے کے لئے تیار ہو جائیں۔

کہا گیا ہے کہ یہ آخری سورت ہے جو قربانی کے دن نازل ہوئی جب نبی اکرم ﷺ حجۃ الوداع کے موقعہ پر منیٰ میں تھے۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کے بعد آپ اکیاسی (۸۱) دن زندہ رہے (یعنی ظاہری زندگی کے ساتھ زندہ رہے ورنہ آپ آج بھی زندہ ہیں۔۱۲ ہزاروی)۔

ابن ابی حاتم کے نزدیک حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث سے اس طرح ہے کہ اس کے بعد آپ نو راتیں زندہ رہے' حضرت مقاتل سے سات راتیں اور بعض دوسرے حضرات سے تین راتیں منقول ہیں۔

حضرت ابو یعلیٰ' حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث سے نقل کرتے ہیں کہ یہ سورۃ حجۃ الوداع کے موقعہ پر ایام تشریق کے درمیان میں نازل ہوئی تو نبی اکرم ﷺ کو معلوم ہو گیا کہ اب رخصت ہونے کا وقت آ گیا ہے۔

دارمی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث سے نقل کیا کہ جب ''اذا جاء نصر اللہ والفتح'' (سورت) نازل ہوئی تو رسول اکرم ﷺ نے حضرت خاتون جنت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کو بلایا اور فرمایا: مجھے اپنے وصال کی خبر دی گئی ہے پس وہ رونے لگیں آپ نے فرمایا نہ روؤ تم میرے اہل میں سے سب سے پہلے مجھ سے ملنے والی ہو اس پر وہ ہنس پڑیں۔

طبرانی نے حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ کے طریق سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا وہ فرماتے ہیں: جب ''اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ'' (سورت) نازل ہوئی تو رسول اکرم ﷺ کو وصال کی خبر دی گئی پس آپ نے آخرت کے بارے میں پہلے سے زیادہ کوشش شروع کر دی۔

طبرانی نے ہی حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث سے نقل کیا کہ جب یہ سورت نازل ہوئی تو نبی اکرم ﷺ نے حضرت جبریل علیہ السلام سے فرمایا مجھے اپنے وصال کی خبر دی گئی ہے؟ تو حضرت جبریل علیہ السلام نے آپ سے عرض کیا:

وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى. (الضحیٰ: ۴) اور آپ کے لئے پچھلی گھڑی (آخرت) پہلی گھڑی (دنیا) سے بہتر ہے۔

ایک حدیث میں جسے ابن رجب نے ''الطائف'' (اس کتاب کا مکمل نام لطائف المعارف ہے) میں ذکر کیا ہے' یوں ہے کہ آپ عبادت کرتے حتیٰ کہ پرانے مشکیزے کی طرح ہو گئے۔ [1] (کشف الظنون ج ۲ ص ۱۵۵۴)

[1] امام زرقانی فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ اس حدیث کی حالت کو بہتر جانتا ہے جب کہ صحیح احادیث میں آیا ہے کہ آپ نے اس حالت تک نماز نہیں پڑھی اگرچہ آپ عبادت میں انتہائی درجہ کوشش فرماتے تھے۔ (زرقانی ج ۸ ص ۲۵۰)

نبی اکرم ﷺ ہر سال حضرت جبریل علیہ السلام کے ساتھ قرآن مجید کا دور کرتے تو اس سال دو مرتبہ دور کیا اور آپ ہر سال رمضان شریف کے آخری عشرے میں اعتکاف بیٹھتے تھے تو اس سال بیس دن اعتکاف فرمایا اور ذکر و استغفار میں اضافہ فرمایا۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ کا آخری طریقہ یہ تھا کہ آپ اٹھتے بیٹھتے' آتے جاتے یوں پڑھتے:

سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ وَاَتُوْبُ اِلَیْہِ۔ اللہ تعالیٰ کی حمد کے ساتھ اس کی پاکیزگی بیان کرتا ہوں میں اللہ تعالیٰ سے بخشش طلب کرتا اور اس کی بارگاہ میں توبہ کرتا ہوں۔

(فرماتی ہیں) میں نے عرض کیا آپ ایسی دعا مانگ رہے جو اس سے پہلے آپ نے نہیں مانگی آپ نے فرمایا: مجھے میرے رب نے بتایا ہے کہ میں عنقریب اپنی امت میں اپنی وفات کی نشانی دیکھوں گا اور یہ کہ جب میں اسے دیکھوں تو اس کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کروں اور اس سے بخشش طلب کروں پھر آپ نے یہ سورت تلاوت فرمائی۔

اس حدیث کو ابن جریر اور ابن خزیمہ نے روایت کیا اور ابن مردویہ نے حضرت مسروق کے طریق سے نقل کیا وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس کی مثل روایت کرتے ہیں۔

زندہ اور فوت شدہ سے رخصت ہونا

امام بخاری و مسلم رحمہما اللہ نے حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کی حدیث سے روایت کیا' وہ فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ نے غزوۂ احد کے شہداء پر آٹھ سال بعد اس طرح نماز پڑھی جس طرح زندہ اور فوت شدہ کو رخصت کرنے والے ہوں پھر منبر پر تشریف لائے اور فرمایا: میں تم سے آگے جانے والا ہوں اور میں تم پر گواہ ہوں' میری اور تمہاری ملاقات کی جگہ حوض (حوض کوثر) ہے اور میں اسے اپنے اس مقام سے دیکھ رہا ہوں اور مجھے زمین کے خزانوں کی چابیاں دی گئی ہیں اور مجھے اس کا خوف نہیں کہ میرے بعد تم شرک کرو گے لیکن مجھے تمہارے بارے میں اس بات کا ڈر ہے کہ دنیا سے سخت محبت کرو گے (حتیٰ کہ ایک دوسرے سے لڑو گے)۔[1] (السنن الکبریٰ ج ۴ ص ۱۴' شرح السنہ ج ۱۴ ص ۳۹)

بعض حضرات نے یہ اضافہ کیا کہ تم آپس میں لڑ کر ہلاک ہو جاؤ گے جس طرح تم سے پہلے لوگ ہلاک ہوئے۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ منبر پر تشریف فرما ہوئے تو فرمایا:

''اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے کو اختیار دیا کہ وہ اسے دنیا کی تازگی (زینت) سے جو چاہے عطا کرے اور وہ اسے اختیار کرے یا جو کچھ اللہ تعالیٰ کے پاس ہے اسے اختیار کرے تو اس (بندے) نے اس چیز کو اختیار کیا جو اللہ تعالیٰ کے پاس ہے'' اس پر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ رو پڑے اور عرض کیا یا رسول اللہ! ہمارے باپ اور ہماری مائیں آپ پر

---

[1] یہ حدیث اہل سنت و جماعت کے مسلک کو واضح کرتی ہے کہ نبی اکرم ﷺ کو اپنے وصال کا پہلے علم ہو چکا تھا' امت کے مستقبل کا علم بھی آپ کو عطا کیا گیا اور آپ نے واضح فرمایا کہ یہ امت مجموعی طور پر شرک میں مبتلا نہیں ہوگی لہٰذا امت کے سواد اعظم کے معمولات کو شرک قرار دینا اس حدیث کا انکار ہے۔ ۱۲ ہزاروی

فداہوں' راوی فرماتے ہیں: ہمیں ان کی بات پر تعجب ہوا اور صحابہ کرام نے کہا اس شیخ کی طرف دیکھو نبی اکرم ﷺ ایک بندے کے بارے میں خبر دے رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اسے اختیار دیا کہ وہ دنیا کی تروتازگی کو حاصل کرے یا اس کو جو اللہ تعالیٰ کے پاس ہے اور یہ فرما رہے ہیں ہمارے ماں باپ آپ پر فدا ہوں۔

حضرت ابو سعید فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ ہی کو اختیار دیا گیا تھا اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اس بات کو ہم سب سے زیادہ جانتے تھے۔

چنانچہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

صحبت و مال کے اعتبار سے مجھ پر لوگوں میں سے سب سے زیادہ حضرت ابوبکر کا احسان ہے اور اگر میں زمین والوں میں سے کسی کو خلیل بناتا تو ابوبکر کو خلیل بناتا۔ [1] لیکن (ان کے ساتھ) اسلامی اخوت (بھائی چارہ) ہے' مسجد میں کوئی کھڑکی باقی نہ رہے مگر بند کی جائے سوائے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی کھڑکی کے (وہ کھلی رہے)۔

"صحیح مسلم میں" حضرت جندب رضی اللہ عنہ کی حدیث مروی ہے' فرماتے ہیں: کہ میں نے نبی اکرم ﷺ سے سنا آپ نے وصال سے پانچ راتیں پہلے یہ بات فرمائی۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۵۳۲)

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اس رمز کو سمجھ گئے' جس کی طرف نبی اکرم ﷺ نے اشارہ کیا اس کا قرینہ یہ تھا کہ آپ نے اپنی مرض الموت میں اس کا ذکر کیا تو اس سے ان کو معلوم ہو گیا کہ حضور ﷺ اپنی ذات مراد لے رہے ہیں اسی لئے آپ رو پڑے۔

نبی اکرم ﷺ اپنی عمر کے آخری حصے میں مسلسل اپنے وصال کے قرب کا ذکر فرماتے رہے جب آپ نے حجۃ الوداع کے موقعہ پر خطبہ ارشاد فرمایا تو لوگوں سے فرمایا:

خذوعنی مناسککم فلعلی لا القاکم بعد عامی ھذا.

مجھ سے اپنے احکام حج سیکھ لو شاید اس سال کے بعد میں تم سے نہ ملوں۔

اور آپ لوگوں کو رخصت کرنے لگے اسی لئے ان لوگوں نے اسے حجۃ الوداع قرار دیا۔

اور جب نبی اکرم ﷺ حجۃ الوداع سے مدینہ طیبہ کی طرف واپس تشریف لائے تو ایک پانی پر جسے خماء (غدیر خم) کہا جاتا اور مکہ مکرمہ و مدینہ طیبہ کے درمیان راستے میں ہے' لوگوں کو جمع کر کے انہیں خطبہ دیا اور فرمایا:

اے لوگو! میں (بظاہر) تمہاری طرح انسان ہوں قریب ہے کہ میرے پاس میرے رب کا پیغام رساں آ جائے تو میں اس کے حکم کو قبول کر لوں۔ پھر آپ نے قرآن پاک کو مضبوطی سے پکڑنے کی ترغیب دی اور اپنے اہل بیت کے بارے میں وصیت فرمائی۔ (معجم ما استعجم ج ۲ ص ۵۱۰)

---

[1] خلیل اسے کہتے ہیں کہ آدمی اپنی مشکلات میں اس کی طرف رجوع کرے اور اس پر اعتماد کرے تو حضور ﷺ نے بتایا کہ میرا خلیل اللہ تعالیٰ ہے جس پر میرا اعتماد اور اسی کی طرف میرا رجوع ہے اگر انسانوں میں سے کسی کو خلیل بنایا ہوتا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو سب پر ترجیح ہوتی اس حدیث میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کی طرف بھی اشارہ کیا گیا ہے کہ مسجد کی نگرانی اور اس سے زیادہ رابطہ کے لئے آپ کے مکان کی کھڑکی کھلی رکھنے کی اجازت دی گئی۔ ۱۲ ہزاروی

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی فضیلت

حافظ ابن رجب نے کہا کہ نبی اکرم ﷺ کے مرض کا آغاز صفر المظفر کے آخری دنوں میں ہوا اور مشہور قول کے مطابق آپ کی علالت تیرہ دن رہی۔

اور آپ نے جو خطبہ دیا جس کا حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ذکر ہے اور پہلے بیان ہو چکا ہے اس علالت کے آغاز میں تھا جس میں آپ کا وصال ہوا جس طرح امام دارمی نے روایت کیا کہ آپ نے سر پر کپڑے کا ایک ٹکڑا باندھا ہوا تھا حتیٰ کہ آپ منبر کی طرف تشریف لائے اور اس پر بیٹھ گئے پھر فرمایا:

والذی نفسی بیدہ انی لانظر الی الحوض من مقامی هذا.

اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے میں حوض کو اپنے اس مقام سے دیکھ رہا ہوں۔

پھر فرمایا کہ ایک بندے پر دنیا پیش کی گئی (آخر تک) پھر آپ اتر آئے پس آپ کو اس کے بعد منبر پر نہ دیکھا گیا حتیٰ کہ قیامت آ جائے گی۔

جب آپ نے منبر پر اس بات کی طرف اشارہ فرمایا کہ آپ نے اللہ تعالیٰ کی ملاقات کو دنیا میں رہنے پر پسند کیا اور وضاحت نہ فرمائی تو بہت سے سامعین پر یہ معنیٰ مخفی رہا اور سوائے ان کے جن کو آپ کی صحبت سے زیادہ حصہ ملا اور وہ غار (ثور) میں دو میں سے دوسرے تھے اور مقاصدِ رسول ﷺ کو امت میں سب سے زیادہ جاننے والے تھے' کسی دوسرے کو آپ کے مقصود کی سمجھ نہ آئی جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اس اشارے سے مقصد کو سمجھ گئے تو رونے لگے اور عرض کیا کہ ہمارے مال' ہماری جانیں اور ہماری اولاد آپ پر قربان ہو۔

نبی اکرم ﷺ نے ان کی بے صبری اور پریشانی پر ان کو تسکین دی اور منبر پر ہی ان کی تعریف فرمانے لگے تاکہ سب لوگوں کو ان کی فضیلت کا علم ہو جائے اور ان کی خلافت میں کوئی اختلاف نہ ہو پس آپ نے فرمایا:

ان امن الناس علی فی صحبته وماله ابوبکر (رضی الله عنه)

بے شک اپنی صحبت و مال کے ذریعے مجھ پر سب لوگوں سے زیادہ احسان کرنے والے حضرت ابوبکر ہیں۔

پھر فرمایا:

لو کنت متخذا من اهل الارض خلیلا لاتخذت ابا بکر خلیلا ولکن اخوة الاسلام.

اگر میں زمین والوں میں سے کسی کو خلیل بناتا تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو خلیل بناتا لیکن (ان سے) اخوت اسلامیہ ہے۔

نبی اکرم ﷺ کے لئے یہ بات درست نہ تھی کہ مخلوق کو خلیل بناتے کیونکہ خلیل وہ ہوتا ہے جس کے ساتھ اس کے خلیل کی صحبت روح کی طرف جاری ہوتی ہے اور یہ کسی انسان کے لئے درست نہیں جس طرح کہا گیا ہے:

قد تخللت مسلک الروح منی. وبذا سمی الخلیل خلیلا

''میری روح کی طرح تیری محبت داخل ہے' اسی لئے خلیل کو خلیل کہا جاتا ہے''۔

نبی اکرم ﷺ نے اسلامی اخوت کو ثابت کیا پھر فرمایا:

مسجد کی طرف کھلنے والی تمام کھڑکیاں بند کردی جائیں لیکن حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی کھڑکی باقی رہے تو یہ اس بات کی طرف اشارہ تھا کہ آپ کے بعد وہی (مسلمانوں کے) امام ہوں گے کیونکہ امام ہی مسجد کے ساتھ رہائش اور اس میں راستے کا حاجت مند ہوتا ہے' دوسرے لوگوں کے لئے یہ بات نہیں اور یہ مسلمان نمازیوں کے مصالح میں سے ہے۔ پھر آپ نے اس بات کو واضح الفاظ میں بیان فرمایا کہ ارشاد فرمایا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کہو کہ لوگوں کو نماز پڑھائیں تو آپ نے ان کو نماز کی امامت سپرد فرمائی اسی لئے صحابہ کرام نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیعت کرتے ہوئے فرمایا کہ نبی اکرم ﷺ نے ان کو ہمارے دین کے لئے پسند فرمایا تو کیا ہم اپنی دنیا کے لئے ان کو پسند نہ کریں۔

نبی اکرم ﷺ کی علالت کا آغاز

آپ کی علالت کا آغاز حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں ہوا جس طرح حضرت معمر کی روایت سے ثابت ہے اور وہ حضرت زہری سے روایت کرتے ہیں۔

ابومعشر کی سیرت میں ہے کہ آپ حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے حجرۂ مبارکہ میں تھے اور سلیمان تیمی کی سیرت میں ہے کہ آپ حضرت ریحانہ کے گھر تھے' پہلی بات پر اعتماد ہے (حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں ہونا)۔

خطابی نے کہا کہ آپ کی علالت کا آغاز سوموار کے دن ہوا ایک قول کے مطابق ہفتہ کے دن ہوا۔ حاکم ابواحمد نے بدھ کے دن کا ذکر کیا اور مدت علالت میں اختلاف زیادہ سے زیادہ تیرہ دن ہے کہا گیا کہ چودہ دن ہیں اور بارہ کا قول بھی ہے' یہ دونوں قول ''الروضہ میں'' مذکور ہیں اور دوسرے قول کا پہلے ذکر کیا یہ بھی کہا گیا کہ دس دن ہیں' سلیمان تیمی نے ''اپنی مغازی میں'' اس پر اعتماد کیا اور امام بیہقی نے اسے صحیح سند کے ساتھ ذکر کیا۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں

''صحیح بخاری میں ہے'' ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: کہ جب نبی اکرم ﷺ کی طبیعت بوجھل ہوگئی اور بیماری نے شدت اختیار کرلی تو آپ نے اپنی ازواج مطہرات سے اجازت طلب فرمائی کہ آپ بیماری کے ایام میرے گھر میں گزاریں پس آپ تشریف لائے اس حال میں کہ آپ دو آدمیوں کے درمیان تھے' پاؤں مبارک زمین پر گھسیٹتے ہوئے جا رہے تھے' ایک طرف حضرت عباس بن عبدالمطلب تھے اور دوسری طرف کوئی دوسرے شخص تھے۔

حضرت عبیداللہ فرماتے ہیں: میں نے حضرت عبداللہ (بن عباس) رضی اللہ عنہ کو بتایا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا یوں بیان کرتی ہیں تو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کیا تم جانتے ہو کہ دوسرا شخص کون تھا جس کا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ نے نام نہیں لیا؟ انہوں نے عرض کیا میں نہیں جانتا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا وہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ تھے۔

صحیح مسلم کی روایت میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ حضرت فضل بن عباس اور ایک دوسرے شخص کے درمیان تشریف لائے۔

ایک اور روایت میں ہے کہ ان دو میں سے ایک حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ تھے۔ دار قطنی کے نزدیک حضرت اسامہ

اور حضرت فضل بن عباس (رضی اللہ عنہم) تھے۔

ابن حبان کے نزدیک ایک روایت میں بریرہ اور نُوبیہ کا ذکر ہے نُوبیہ میں نون پر پیش ہے اور اس کے بعد واؤ ہے' کہا گیا ہے کہ یہ لونڈی کا نام ہے' کہا گیا کہ غلام ہے۔

ابن سعد نے ایک اور سند سے ذکر کیا کہ حضرت فضل اور حضرت ثوبان رضی اللہ عنہما کے درمیان تشریف لائے۔

اگر یہ تمام روایات ثابت ہوں تو ان کو یوں جمع کیا جائے گا کہ آپ کا تشریف لانا کئی بار ہوا لہٰذا جن لوگوں کے سہارے آپ تشریف لائے وہ بھی متعدد تھے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے اپنی ازواج مطہرات سے فرمایا: مجھے تمام گھروں میں جانے کی طاقت نہیں اگر تم چاہو تو مجھے اجازت دے دو۔

حضرت ہشام بن عروہ اپنے والد سے اور وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ فرما رہے تھے کل میں کہاں ہوں گا؟ کل میں کہاں ہوں گا؟ تو آپ کی مراد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی باری تھی۔

ابن سعد نے صحیح سند کے ساتھ حضرت زہری سے روایت نقل کی ہے کہ حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا نے یہ بات امہات المؤمنین سے فرمائی تھی انہوں نے فرمایا کہ نبی اکرم ﷺ کے لئے ایک حجرے سے دوسرے حجرے تک جانا مشکل ہے۔

ابن ابی ملیکہ کی روایت میں جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے' یوں ہے کہ نبی اکرم ﷺ ان کے گھر میں سوموار کے دن تشریف لائے اور آپ کے وصال اس کے بعد دوسرے سوموار کو ہوا۔

ابن ابی شیبہ نے مرسل ابی جعفر کے حوالے سے نقل کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کل میں کہاں ہوں گا؟ آپ نے یہ بات دو بار فرمائی تو آپ کی ازواج مطہرات سمجھ گئیں کہ آپ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا (کے گھر) کا ارادہ فرماتے ہیں پس انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہم نے اپنی باری کے دن اپنی بہن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ہبہ کر دیئے ہیں۔

اسماعیلی نے نقل کیا حضرت ہشام بن عروہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر کی حرص فرماتے ہوئے پوچھا کہ کل میں کہاں ہوں گا؟ وہ فرماتی ہیں جب میری باری کا دن آیا تو (دیگر) ازواج مطہرات نے آپ کو اجازت دے دی کہ آپ علالت کے دن میرے گھر میں گزاریں (یا آپ کی تیمار داری میرے گھر میں ہو)۔

ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ ایک دن ایک جنازہ سے (فارغ ہو کر) جنت البقیع سے تشریف لائے اور میرے سر میں درد تھا اور میں کہہ رہی تھی "ہائے میرا سر" تو آپ نے فرمایا بلکہ "میں اور یہ سر" (یعنی اس سے تمہاری موت واقع نہ ہو گی)۔ پھر فرمایا تمہیں کوئی نقصان نہیں اگر تمہارا انتقال مجھ سے پہلے ہوا تو میں تمہیں غسل دوں گا' کفن پہناؤں گا اور تیرا نماز جنازہ پڑھ کر دفن کروں گا' انہوں نے عرض کیا اللہ کی قسم! میرا خیال ہے کہ اگر آپ نے ایسا کیا تو آپ میرے گھر کی طرف واپس تشریف لے جائیں گے اور اس میں اپنی کسی زوجہ کا قرب حاصل کریں گے اس پر نبی اکرم ﷺ مسکرائے پھر آپ کے درد کا آغاز ہو گیا جس میں آپ کا وصال ہوا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۶۶۶' مسند احمد ج ۶ ص ۲۲۸' السنن الکبریٰ ج ۳ ص ۳۹۷' حلیۃ الاولیاء ج ۲ ص ۴۵' سنن دار قطنی ج ۲ ص ۷۴)

''صحیح بخاری میں ہے کہ'' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا ''ہائے میرا سر'' نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: اگر اس طرح ہوا (یعنی تمہارا وصال ہوا) اور میں زندہ ہوا تو عنقریب تمہارے لئے بخشش مانگوں اور دعا کروں گا' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا ہائے موت! میرا خیال ہے کہ آپ میری موت کو پسند کرتے ہیں اگر ایسا ہوا تو آپ میری موت کے دن اپنی کسی زوجہ کے قریب جائیں گے؟ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا بلکہ میں کہتا ہوں ہائے میرا سر! میں نے ارادہ کیا ہے کہ میں کسی کو حضرت ابوبکر صدیق اور ان کے بیٹے (رضی اللہ عنہما) کی طرف بھیجوں اور خلافت کی وصیت کروں کہ کہنے والے نہ کہیں یا تمنا کرنے والے تمنا نہ کریں (یعنی کوئی یہ بات نہ کہے کہ خلافت میرے لئے ہے یا اس کی تمنا نہ کرے) پھر میں نے کہا اللہ تعالیٰ (کسی اور کی خلافت کو) نہیں مانے گا اور مؤمنین بھی انکار کریں گے (حدیث میں ''یابی'' اور ''یدفع'' کے الفاظ ہیں اور راوی کو شک ہے کہ یابی کا لفظ اللہ تعالیٰ کے لئے بولا گیا اور ''یدفع'' کی نسبت مومنوں کی طرف کی یا اس کے برعکس کیا)۔

اور آپ کا فرمانا: ''ہائے میرا سر'' تو یہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو بتانا تھا کہ تمہارے سر میں جو درد ہے اس کو چھوڑ کر میری طرف مشغول ہو جاؤ۔

سوال: اس بات پر اتفاق ہے کہ بندے کی طرف سے پریشانی کا شکوہ مکروہ ہے' امام احمد نے ''الزہد'' میں حضرت طاؤس سے نقل کیا وہ فرماتے ہیں مریض کا رونا شکوہ ہے اور ابوالطیب' ابن الصباغ اور شافعی حضرات کی ایک جماعت نے مریض کے آہ بھرنے کو قطعی طور پر مکروہ قرار دیا۔ (جمع الجوامع رقم الحدیث: ۶۱۱۲' العلل المتناہیہ ج ۲ ص ۳۸۲' کنز العمال رقم الحدیث: ۶۷۰۵)۔

جواب: امام نووی رحمہ اللہ نے اس بات کا رد کیا اور فرمایا یہ ضعیف یا باطل ہے کیونکہ مکروہ وہ بات ہوتی ہے جس میں مخصوص نہی ثابت ہو اور اس میں وہ ثابت نہیں ہے پھر انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس حدیث سے ثابت کیا پھر فرمایا شاید ان حضرات نے کراہت سے خلاف اولیٰ مراد لیا ہو اور اس میں شک نہیں کہ ذکر میں مشغول ہونا اولیٰ ہے۔

''فتح الباری میں'' فرمایا کہ شاید ان حضرات نے اس کا معنیٰ مراد لیا ہو یعنی زیادہ شکوہ یقین کی کمزوری پر دلالت کرتا ہے اور قضاء پر ناراض ہونے کی خبر دیتا ہے نیز دشمن کے خوش ہونے کا باعث ہے لیکن مریض کے اپنے دوست یا معالج کو اپنی حالت کی خبر دینے میں بالاتفاق کوئی حرج نہیں پس درد کا ذکر شکایت نہیں۔

کتنے ہی لوگ خاموش ہوتے ہیں لیکن وہ ناراض ہوتے ہیں اور کتنے ہی شکوہ کرنے والے راضی ہوتے ہیں لہٰذا اس سلسلے میں دارومدار دل کے عمل پر ہے زبان کے بولنے پر نہیں یہ اتفاقی بات ہے۔

جیسا کہ ''اللطائف میں'' آگاہ کیا گیا یہ بات واضح ہو گئی ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی علالت کا آغاز درد سر سے ہوا اور ظاہر یہ ہے کہ یہ بخار کے ساتھ تھا کہ آپ کی علالت کے دوران سخت بخار تھا۔ پس آپ (پانی کے) ٹب میں بیٹھتے اور آپ پر سات مشکیزوں سے پانی ڈالا جاتا جن کی ڈوریاں کھولی نہ جاتیں آپ اس سے ٹھنڈک حاصل کرتے۔

''صحیح بخاری میں ہے'' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: کہ نبی اکرم ﷺ جب میرے گھر میں داخل ہوئے اور آپ کا درد بڑھ گیا تو فرمایا مجھ پر سات مشکیزے انڈیل دو جن کی ڈوریاں کھولی نہ گئی ہوں (یعنی بھرے ہوئے ہوں) شاید میں لوگوں کو کچھ وصیت کروں پس ہم نے آپ کو حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے ایک ٹب میں بٹھایا پھر ہم آپ پر ان مشکیزوں سے پانی ڈالنے لگیں حتیٰ کہ آپ اپنے ہاتھ سے ہماری طرف اشارہ کرنے لگے کہ تم نے اپنا کام مکمل کر

دیا(اب بس کرو)۔

(السنن الکبریٰ ج ۱ص ۳۱' اتحاف السادۃ المتقین ج ۱۰ص ۲۷۸' طبقات ابن سعد ج ۲ص ۲۹' کنز العمال رقم الحدیث: ۲۸۲۳۴)

کہا گیا ہے کہ اس گنتی میں حکمت یہ ہے کہ اس میں زہر اور جادو کے ضرر کو دور کرنے کی خاصیت ہے۔ ان شاء اللہ عنقریب آئے گا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

هذا اوان انقطاع ابهری. یہ میری رگ جان کٹنے کا وقت ہے۔

(السنن الکبریٰ ج ۱۰ص ۱۱' التعلیق رقم الحدیث: ۱۱۹۱' الطب النبوی رقم الحدیث: ۱۵۳)

یعنی اس زہر سے (جو خیبر میں) آپ کو دیا گیا۔

جو لوگ کتے کے جھوٹے کو ناپاک نہیں مانتے انہوں نے اس سے استدلال کیا اور یہ خیال کیا کہ اس برتن کو سات مرتبہ دھونے کی وجہ اس زہر کو دور کرنا ہے جو اس (کتے) کے تھوک میں ہوتا ہے۔ [1]

نبی اکرم ﷺ پر ایک مخملی چادر تھی اور جو شخص اس (چادر) کے اوپر سے ہاتھ لگاتا اسے گرمی محسوس ہوتی آپ سے اس سلسلے میں کہا گیا تو فرمایا ہمارا (انبیاء کرام) کا یہی معاملہ ہے ہم پر آزمائش سخت ہوتی ہے اور ہمارے لئے اجر دوگنا ہے۔ اس حدیث کو ابن ماجہ اور ابن أبي الدنیا اور حاکم نے روایت کیا اور حاکم نے فرمایا اس حدیث کی سند صحیح ہے اور یہ سب روایات حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہیں۔ (الترغیب والترہیب ج ۴ص ۲۸۱)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: کہ میں نے نبی اکرم ﷺ سے زیادہ کسی پر درد کی زیادہ سختی نہیں دیکھی۔

حضرت عبداللہ (بن مسعود) رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: کہ میں نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ کا جسم گرم تھا میں نے عرض کیا آپ کو تو سخت بخار ہے فرمایا ہاں مجھے تم میں سے دو آدمیوں کے (بخار) برابر بخار ہوتا ہے میں نے عرض کیا یہ اس لئے کہ آپ کے لئے دو اجر ہیں؟ فرمایا ہاں یہ اس کے مقابلے میں ہے (فرمایا) جس مسلمان کو کانٹے کی تکلیف یا اس سے زیادہ پہنچے تو اللہ اس کے بدلے اس کے گناہوں کو مٹا دیتا ہے جس طرح درخت سے اس کے پتے گرتے ہیں۔

(اس حدیث میں الوعک کا لفظ آیا ہے) اور "وعک" میں واو پر زبر ہے اور عین ساکن ہے اور کبھی کبھی اس کو زبر بھی دیتے ہیں اس کا معنیٰ بخار ہے یہ بھی کہا گیا کہ بخار کی تکلیف مراد ہے ایک قول یہ ہے کہ بخار والے کا کانپنا اور اس کو حرکت دینا مراد ہے اصمعی سے منقول ہے کہ "وعک" گرمی کو کہتے ہیں پس اگر لغوی اعتبار سے یہ معنیٰ محفوظ ہو تو شاید بخار کو اس کی گرمی کی وجہ سے "الوعک" کہا جاتا ہے۔

---

[1] ایک حدیث میں ہے جو شخص صبح کے وقت سات عجوہ (عمدہ) کھجوریں کھائے اس دن اس کو زہر اور جادو نقصان نہیں دے گا "سنن نسائی میں ہے کہ "مصیبت زدہ پر سات مرتبہ سورۂ فاتحہ پڑھی جائے اور "صحیح مسلم میں ہے کہ" جس شخص کو درد ہو وہ سات مرتبہ پڑھے "اعوذ بعزة الله وقدرته من شر ما اجد واحذر اللہ تعالیٰ کی عزت وقدرت کے ساتھ اس چیز کے شر سے پناہ چاہتا ہوں جسے پاتا ہوں اور جس کا مجھے ڈر ہے" اور "سنن نسائی میں ہے کہ" جس مریض کی موت کا وقت نہ آیا ہو اس کے پاس سات مرتبہ پڑھا جائے "اسال الله العظيم رب العرش العظيم ان يشفيك "میں عظمت والے اللہ تعالیٰ اور عرش عظیم کے رب سے سوال کرتا ہوں کہ تجھے شفاء عطا کرے (تو اسے شفا مل جاتی ہے)۔ (زرقانی ج ۸ص ۲۵۸)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں مجھے جو بھی تکلیف پہنچے وہ مجھے بخار سے زیادہ پسند نہیں ہے یہ انسان کے ہر جوڑ میں داخل ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ ہر جوڑ کو اجر میں سے اس کا حصہ عطا کرتا ہے۔

امام نسائی نے حضرت فاطمہ بنت یمان جو حضرت حذیفہ کی بہن ہیں، سے روایت کیا اور امام حاکم نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا وہ فرماتی ہیں میں کچھ عورتوں کے ہمراہ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی ہم آپ کی عیادت کے لئے آئی تھیں تو وہاں ایک مشکیزے سے آپ پر پانی ڈالا جا رہا تھا کیونکہ آپ کو سخت بخار تھا آپ نے فرمایا لوگوں میں سے سب سے زیادہ آزمائش انبیاء کرام (علیہم السلام) کی ہوتی ہے پھر جو (درجہ کے اعتبار سے) ان سے ملے ہوئے ہیں۔[1]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے سامنے لکڑی کا بڑا پیالہ یا چمڑے کا برتن تھا جس میں پانی تھا آپ اس میں اپنے ہاتھ ڈالتے اور اپنے چہرے پر ملتے تھے۔ آپ فرماتے:

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اِنَّ لِلْمَوْتِ سَكَرَاتٍ. اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور موت کی سختیاں ہیں۔ (صحیح بخاری و مسلم)

حضرت عروہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا میں نے خیبر میں جو کھانا کھایا تھا اس کی تکلیف ہمیشہ محسوس کرتا ہوں تو یہ وہ وقت ہے جس میں اس زہر کی وجہ سے میری ''رگ جان کٹ رہی ہے''۔

ایک روایت میں ہے کہ ''ما زالت اكلة خيبر تعادنى'' خیبر میں جو لقمہ کھایا ہے اس کا اثر بار بار لوٹ کر آتا ہے۔ (کنز العمال رقم الحدیث: ۳۲۱۸۹، الکامل ج ۳ ص ۱۲۳۹)

الاکلة۔ ہمزہ پر پیش ہے وہ لقمہ جو آپ نے (زہر ملی ہوئی) بکری سے کھایا تھا بعض راویوں نے ہمزہ پر زبر پڑھی یہ لیکن غلط ہے کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے صرف ایک لقمہ کھایا تھا (اور وہ فعلة کا وزن ہے) یہ بات ابن اثیر نے کہی ہے۔

حدیث کا معنی یہ ہے کہ اس بکری کے زہر نے جو ایک یہودیہ نے آپ کو ہدیہ کے طور پر پیش کی تھی رگ جان کاٹ دی یہ زہر کبھی کبھی جوش مارتا تھا۔

''الابھر'' وہ رگ ہے جو پیٹھ کے اندر چھپی ہوئی ہوتی ہے اور دل سے جا ملتی ہے جب وہ کٹ جائے تو موت واقع ہو جاتی ہے۔

حضرت ابن مسعود اور دیگر حضرات رضی اللہ عنہم کا خیال تھا کہ نبی اکرم ﷺ کا وصال اس زہر کی وجہ سے بطور شہادت ہوا ہے۔

''صحیح بخاری میں بھی ہے'' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ کو جب کوئی تکلیف ہوتی تو معوذات ''قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ، قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ'' پڑھ کر اپنے اوپر پھونکتے اور اپنے ہاتھ کو (جسم پر) ملتے جب وہ تکلیف ہوتی جس میں آپ کا وصال ہوا تو میں وہ معوذات پڑھتی جو آپ پھونکتے تھے اور آپ کے مبارک ہاتھ کو (آپ کے جسم پر) پھیرتی تھی۔

---

[1] امام قرطبی فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ اس بات کو پسند کرتا ہے کہ اپنے منتخب بندوں کو آزمائے تاکہ ان کے فضائل کو مکمل کرے اور ان کے درجات کو بلند کرے یہ آزمائش ان کے حق میں نقصان یا عذاب نہیں بلکہ جب وہ اس پر راضی ہوتے ہیں تو ان کو کمال درجہ کی بلندی عطا فرماتا ہے۔ (زرقانی ج ۸ ص ۲۵۹، ۲۶۰)

امام مالک کی روایت میں ہے کہ میں آپ کے ہاتھ کو ملتی تھی اور اس کی برکت کی امید رکھتی تھی۔

"صحیح مسلم میں ہے کہ" جب نبی اکرم ﷺ مرض الموت میں مبتلا ہوئے تو میں آپ پر پھونکتی اور آپ کے دستِ مبارک کو (آپ کے جسم پر) ملتی کیونکہ میرے ہاتھ کی نسبت اس کی برکت زیادہ تھی۔

تینوں سورتوں کو معوذات تغلیباً فرمایا (کیونکہ دو میں تعوذ ہے (لفظ اعوذ) لہٰذا تینوں کو معوذات کہہ دیا)۔

"صحیح بخاری میں" حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور میں نے آپ کو اپنے سینے کا سہارا دے رکھا تھا' حضرت عبدالرحمٰن کے پاس تازہ مسواک تھی جسے وہ استعمال کر رہے تھے' نبی اکرم ﷺ مسلسل اسے دیکھ رہے تھے تو میں نے مسواک لے کر اسے توڑا اور اسے پانی کے ساتھ نرم کر کے آپ کی خدمت میں پیش کیا تو آپ نے اس سے مسواک کی پس میں نے آپ سے زیادہ اچھی طرح مسواک کرتے ہوئے نہیں دیکھا۔

(حدیث شریف میں "فابده رسول الله بصره" کے الفاظ ہیں) تو ابده میں دال مشدد ہے یعنی آپ نے اس کی طرف نظر کو بڑھایا۔

(فقضمته) میں ضاد کے نیچے زیر ہے یعنی اسے توڑا کیونکہ وہ لمبی تھی نیز اس جگہ کو دور کرنے کے لئے جہاں سے حضرت عبدالرحمٰن مسواک کر رہے تھے "ثم طیبته میں نے اسے پانی کے ساتھ نرم کیا"۔

"صحیح بخاری ہی کی" ایک روایت میں ہے ام المومنین فرماتی ہیں اللہ تعالیٰ نے مجھ پر جو انعام کیا اس میں سے ایک یہ بھی ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے وصال کے وقت اللہ تعالیٰ نے میرے لعاب اور آپ کے لعاب کو جمع کیا۔ حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ میرے پاس تشریف لائے اور آپ کے ہاتھ میں مسواک تھی' نبی اکرم ﷺ نے مجھ سے ٹیک لگا رکھی تھی' میں نے دیکھا کہ آپ اس کی طرف دیکھ رہے ہیں میں سمجھ گئی کہ آپ مسواک کرنا پسند کرتے ہیں میں نے کہا آپ کے لئے لوں؟ تو آپ نے سرِ انور سے اشارہ فرمایا کہ ہاں۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ گزرے اور آپ کے ہاتھ میں ایک تازہ شاخ تھی' نبی اکرم ﷺ نے اس کی طرف دیکھا تو میں سمجھ گئی کہ آپ کو اس کی ضرورت ہے پس میں نے اسے لیا اور اس کے کنارے کو چبایا اور اس کو توڑ کر آپ کی خدمت میں پیش کیا آپ نے اس سے نہایت اچھے طریقے سے مسواک فرمائی جس طرح آپ مسواک کیا کرتے تھے پھر آپ مجھے پکڑانے لگے تو وہ آپ کے ہاتھ سے گر گئی۔ تو اللہ تعالیٰ نے میرے لعاب اور آپ کے لعاب کو آپ کے دنیا میں آخری اور آخرت کے ایام میں سے پہلے دن جمع فرمایا۔

ایک حدیث جسے حضرت عقیلی نے نقل کیا اس میں آیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے اپنی بیماری کے دوران حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: میرے پاس تر مسواک لاؤ پھر اسے چبا کر مجھے دو اور چبانے کی وجہ یہ ہے کہ تمہارا اور میرا لعاب جمع ہو جائے تاکہ موت کے وقت مجھ پر آسانی ہو۔[1] (اتحاف السادۃ المتقین ج ۱۰ ص ۲۸۸)

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں جب انبیاء کرام علیہم السلام کو موت ناپسند ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے ان پر اسے

[1] اس حدیث میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے آپ ﷺ کی محبت اور ام المومنین کی عظمت واضح ہے۔ ابن عساکر کے نزدیک یوں ہے کہ آپ نے فرمایا میں موت کی پرواہ نہیں کرتا جب سے مجھے معلوم ہوا کہ جنت میں تم میری بیوی ہوگی۔ (زرقانی ج ۸ ص ۲۶۲)

اپنی ملاقات اور ہر اس چیز کے ذریعے آسان کر دیا جسے وہ پسند کرتے تھے وہ کوئی تحفہ ہو یا اعزاز حتیٰ کہ ان میں کسی ایک کی روح ان کے پہلو سے نکلتی ہے اور وہ اس مثال کی وجہ سے پسند کرتے ہیں جو ان کے سامنے پیش کی گئی۔

''مسند احمد بن حنبل میں بھی ہے کہ'' نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: مجھ پر موت آسان ہوگی کیونکہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ہتھیلی کی سفیدی جنت میں دیکھی۔

ابن سعد وغیرہ نے مرسل حدیث کے طور پر نقل کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: بے شک میں نے ان (حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا) کو جنت میں دیکھا حتیٰ کہ اس وجہ سے میرے لئے موت آسان ہوگئی گویا میں ان کی (حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی) ہتھیلیاں دیکھ رہا ہوں۔

نبی کریم ﷺ' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بہت زیادہ محبت کرتے تھے حتیٰ کہ ان سے صبر نہ کر سکتے پس آپ کے سامنے جنت میں ان کی مثالی صورت پیش کی گئی تا کہ آپ کا وصال آسان ہو کیونکہ محبوب لوگوں کے جمع ہونے سے زندگی اچھی ہو جاتی ہے۔ نبی اکرم ﷺ سے ایک شخص نے پوچھا کہ آپ کو سب سے زیادہ کس سے محبت ہے؟ فرمایا: (حضرت) عائشہ (رضی اللہ عنہا) سے پوچھا مردوں میں سے؟ فرمایا: ان کے باپ سے۔

اسی لئے آپ کی بیماری کے آغاز میں جب ام المؤمنین نے کہا'' وا راساہ ہائے میرا سر پھٹا جا رہا ہے'' تو آپ نے فرمایا: کہ تمہارا وصال میری زندگی میں ہو اور میں تمہاری نماز جنازہ پڑھوں اور تمہیں دفن کروں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر یہ بات گراں گزری اور انہوں نے خیال کیا کہ آپ ان کی جدائی کو پسند کرتے ہیں جب کہ نبی اکرم ﷺ ان کا جلدی وصال چاہتے تھے تا کہ ان کا جمع ہونا قریب ہو۔

ایک روایت میں ہے کہ مرض الموت کے وقت نبی اکرم ﷺ کے پاس سات دینار تھے آپ نے ان کو صدقہ کرنے کا حکم دیا پھر آپ پر بے ہوشی طاری ہوگئی حاضرین آپ کی تکلیف کی طرف مشغول ہو گئے تو آپ نے ان دیناروں کو ہاتھ میں رکھتے ہوئے فرمایا:

ماظن محمد بربه لو لقی الله وعنده هذه. حضرت (محمد) ﷺ کا اپنے رب کے بارے میں کیا گمان ہوگا اگر وہ اس حالت میں اللہ تعالیٰ سے ملاقات کریں کہ یہ دینار ان کے پاس ہوں؟[1]

پھر آپ نے ان کو صدقہ کر دیا۔

دیکھو جب تمام رسولوں کے سردار اور تمام جہانوں کے پروردگار کے محبوب جن کے سبب سے اگلوں پچھلوں کے گناہ معاف ہوتے ہیں (اور آپ معصوم ہیں) ان کا یہ حال ہے تو وہ لوگ جن کے ذمہ مسلمانوں کے حرام خون اور حرام مال ہیں تو وہ اپنے رب سے کیسے ملاقات کریں گے اور ان کا اپنے رب کے بارے میں کیا گمان ہوگا؟

حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا سے سرگوشی

''صحیح بخاری میں'' حضرت عروہ کے طریق سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے فرماتی ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ

[1] آپ چاہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ سے یوں ملاقات ہو کہ دنیا کا مال آپ کے ذمہ نہ ہو۔۱۲ ہزاروی

نے اس علالت کے دوران جس میں آپ کا وصال ہوا' حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو بلایا اور ان سے کچھ سرگوشی کی پس وہ رونے لگیں پھر ان کو بلا کر سرگوشی فرمائی تو وہ ہنس پڑیں ہم نے ان سے اس سلسلے میں پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ نبی اکرم ﷺ نے مجھ سے سرگوشی کی کہ اس تکلیف میں جس میں آپ کا وصال ہوا' آپ کی روح قبض کی جائے گی پس میں رونے لگی پھر مجھ سے سرگوشی فرمائی اور بتایا کہ آپ کی اہل میں سب سے پہلے میں آپ کے پیچھے جاؤں گی (یعنی وصال ہوگا) تو میں ہنس پڑی۔

حضرت مسروق رضی اللہ عنہ کی روایت میں جسے وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ ام المؤمنین فرماتی ہیں: حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا آئیں اور وہ اس طرح چل رہی تھیں کہ گویا ان کی چال نبی اکرم ﷺ کے چلنے جیسی ہے آپ نے فرمایا: اے میری بیٹی! تیرا آنا مبارک پھر ان کو اپنی دائیں جانب یا بائیں جانب بٹھایا (راوی کو شک ہے) پھر ان سے سرگوشی فرمائی۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۹۹' سنن ابن ماجہ ۱۶۲۱' مسند احمد ج ۶ ص ۲۸۲' مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۶۱۲۹' اتحاف السادۃ المتقین ج ۷ ص ۱۸۵۔ ج ۱۰ ص ۲۹۶' دلائل النبوۃ ج ۶ ص ۳۶۳۔ ج ۷ ص ۱۶۵' حلیۃ الاولیاء ج ۲ ص ۴۰' کشف الخفاء ج ۲ ص ۳۱۰)

ابوداؤد' ترمذی' نسائی' ابن حبان اور حاکم (رحمہم اللہ) نے حضرت عائشہ بنت طلحہ کے طریق سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا' ام المؤمنین فرماتی ہیں: میں نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے بڑھ کر کسی کو بھی کھڑا ہونے اور بیٹھنے میں سکون' وقار اور حسن سیرت کے اعتبار سے نبی اکرم ﷺ کے زیادہ مشابہ نہیں دیکھا' جب وہ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتیں تو آپ ان کے لئے کھڑے ہو جاتے' ان کو چومتے (پیشانی پر بوسہ لیتے) اور اپنی جگہ بٹھاتے اور جب آپ ان کے پاس تشریف لے جاتے تو وہ بھی اسی طرح کرتی تھیں' جب آپ بیمار ہوئے اور وہ حاضر ہوئیں تو وہ آپ پر جھک گئیں اور آپ کا بوسہ لیا۔

دونوں روایتوں میں اس بات پر اتفاق ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ان سے پہلی بار جو سرگوشی فرمائی وہ ان کو اس بات کی خبر دینا تھا کہ آپ اس بیماری کے دوران انتقال فرمائیں گے اور اس سرگوشی میں اختلاف ہے جس پر آپ ہنسنے لگی تھیں۔ تو حضرت عروہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ان کو یہ خبر دی تھی کہ آپ کے اہل میں سے سب سے پہلے وہ (حضرت خاتون جنت) آپ سے ملیں گی اور حضرت مسروق کی روایت میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ان کو اس بات کی خبر دی تھی کہ وہ جنتی عورتوں کی سردار ہوں گی اور ان کو نبی اکرم ﷺ کی اہل میں سے آپ سے ملنے والی سب سے پہلی شخصیت قرار دینا پہلی روایت کے ساتھ ملایا جائے اور یہی راجح قول ہے کیونکہ حضرت مسروق رضی اللہ عنہ کی حدیث کچھ اضافات پر مشتمل ہے جو حضرت عروہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں نہیں ہیں اور وہ ثقہ یاد رکھنے والے راویوں میں سے ہیں۔

حضرت مسروق رضی اللہ عنہ کی روایت میں اضافہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ قول ہے کہ میں نے کہا آج کی طرح میں نے خوشی نہیں دیکھی جو غم کے زیادہ قریب ہو تو میں نے حضرت خاتون جنت سے پوچھا انہوں نے فرمایا میں نبی اکرم ﷺ کے وصال تک آپ کے راز کو فاش نہیں کروں گی پس میں نے ان سے پوچھا تو فرمایا نبی اکرم ﷺ نے مجھ سے خفیہ طور پر فرمایا کہ حضرت جبریل علیہ السلام ہر سال مجھ سے قرآن مجید کا دور ایک بار کرتے تھے اور اس سال دو بار کیا

حضرت عائشہ بنت طلحہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں یہ اضافہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جب حضرت خاتون جنت کا رونا اور ہنسنا دیکھا تو فرمایا میرا خیال تھا کہ یہ خاتون سب عورتوں سے زیادہ عقل مند ہیں لیکن یہ تو عام عورتوں کی طرح ہیں (مطلب یہ کہ یہ رو بھی رہی ہیں اور ہنس بھی تو دونوں باتوں کو جمع کرنا بظاہر عجیب معلوم ہوا)۔

واقعہ متعدد بھی ہوسکتا ہے

حضرت عروہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں قطعی طور پر بتایا گیا کہ اسی درد میں نبی اکرم ﷺ کا وصال ہوا جب کہ حضرت مسروق رضی اللہ عنہ کی روایت اس کے برعکس ہے اس میں یہ ہے کہ آپ نے قرآن مجید کے دور کا جو ذکر کیا ہے اس سے استنباط کے طریقے پر وصال کا گمان فرمایا۔

یہ بھی کہا گیا کہ دونوں حدیثیں ایک دوسرے کی نفی زائد الفاظ کی وجہ سے کرتی ہیں اور یہ بات ممنوع نہیں ہے کہ نبی اکرم ﷺ کا ان کو خبر دینا کہ آپ کے گھر والوں میں سے وہ سب سے پہلے آپ سے ملیں گی دونوں وجہ سے ان کے رونے اور ہنسنے کا سبب ہو پس دونوں راویوں میں سے ہر ایک نے وہ بات ذکر کی جو دوسرے نے نہیں کی۔

امام نسائی نے حضرت ابوسلمہ کے طریق سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے رونے کا سبب یوں ذکر کیا کہ آپ انتقال کرنے والے ہیں اور ہنسنے کا سبب دوسری دو باتیں ہیں۔ [1]

ابن سعد نے حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کے واسطے سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا کہ رونے کا سبب نبی اکرم ﷺ کا وصال ہے اور ہنسنے کا باعث حضرت خاتون جنت کا آپ سے مل جانا ہے۔

طبرانی نے ایک اور طریق سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا حضرت جبریل علیہ السلام نے مجھے خبر دی ہے کہ مومنوں کی عورتوں میں سے کوئی عورت تم سے بڑی مصیبت والی نہیں ہے پس تم صبر کرنے میں ان سے کم درجہ میں نہ ہونا۔

اس حدیث میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے اس بات کی خبر دی کہ جو عنقریب واقع ہونے والی تھا (اور یہ غیب کی خبر ہے) پس اسی طرح ہوا جس طرح آپ نے فرمایا تھا اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے وصال کے بعد آپ کے اہل بیت میں سے سب سے پہلے حضرت خاتون جنت کا انتقال ہوا حتیٰ کہ آپ کی ازواج مطہرات سے بھی پہلے۔ (فتح الباری رقم الحدیث: ۴۴۳۳ ج ۸ ص ۱۷۲)

نبی اکرم ﷺ نے دوائی دینے سے روک دیا

سخت درد کی وجہ سے نبی اکرم ﷺ بار بار بے ہوش ہوتے اور پھر افاقہ ہو جاتا ایک بار بے ہوشی طاری ہوئی تو سب نے خیال کیا کہ یہ ذات الجنب (پہلو کا درد نمونیہ) ہے پس انہوں نے آپ کو دوائی پلائی تو آپ ان کو اشارہ کرنے لگے کہ آپ کو دوائی نہ پلائیں انہوں نے سوچا کہ شاید دوائی کو ناپسند کرتے ہیں جب افاقہ ہوا تو فرمایا کیا میں نے تمہیں دوائی پلانے سے منع نہیں کیا تھا عرض کیا اس لئے کہ بیمار آدمی دوائی لینا پسند نہیں کرتا؟ فرمایا گھر میں موجود ہر شخص کو میرے سامنے دوائی پلائی جائے سوائے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے کہ وہ تمہارے پاس موجود نہ تھے۔

[1] ایک یہ ہے کہ آپ سب سے پہلے حضور ﷺ سے جا ملیں گی اور دوسری بات یہ کہ آپ جنتی عورتوں کی سردار ہوں گی۔ ۱۲ ہزاروی

(نوٹ: یہ دوائی پلانا ان حضرات کی تادیب تھی تا کہ دوبارہ اس طرح نہ کریں)۔

حدیث میں ''اللدود'' کا لفظ استعمال ہوا جس کا معنی یہ ہے کہ منہ کی ایک جانب سے دوائی پلائی جائے اور وہ جو حلق میں ڈالی جاتی ہے اس کو'' الوجود'' کہتے ہیں۔

''طبرانی میں'' حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ انہوں نے کُٹھ کو زیتون میں ملا کر آپ کو پلایا۔

اور آپ کا یہ فرمانا کہ گھر میں کوئی باقی نہ رہے مگر اسے دوائی پلائی جائے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ انسان کو جو ناپسندیدہ بات پہنچے اس کا بدلہ لینا جائز ہے لیکن یہ بات محل نظر ہے کیونکہ ان سب نے یہ عمل نہیں کیا تھا (لہٰذا قصاص نہیں تھا بلکہ) آپ نے ان کے ساتھ یہ عمل اس لئے اختیار کیا کہ انہوں نے آپ کے روکنے کی تعمیل نہ کی لہٰذا یہ سزا تھی۔

ابن عربی نے کہا آپ کا مقصد یہ تھا کہ قیامت کے دن وہ اس صورت میں نہ آئیں کہ ان کے ذمہ آپ کا حق ہو اور یوں وہ بہت بڑے گناہ میں پڑ جائیں۔

اس پر اعتراض کیا گیا کہ آپ ان کو معاف بھی تو کر سکتے تھے نیز آپ اپنی ذات کے لئے انتقام نہیں لیتے تھے اور جو بات ظاہر ہے وہ یہ ہے کہ آپ نے ان کو ادب سکھایا تا کہ آئندہ وہ ایسا نہ کریں لہٰذا یہ تادیب تھی' قصاص یا انتقام نہیں تھا۔

کہا گیا ہے کہ آپ نے دوائی لینا ناپسند کیا حالانکہ آپ دوائی استعمال کیا کرتے تھے کیونکہ یہ بات ثابت ہو چکی تھی کہ اس بیماری میں آپ کا وصال ہو گا اور جس کے لئے یہ بات ثابت ہو جائے اس کے لئے دوائی لینا مکروہ ہے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ بات محل نظر ہے اور جو بات ظاہر ہے وہ یہ ہے کہ آپ کو (زندہ رہنے اور وفات کے درمیان) اختیار حاصل ہونے اور اس (موت) کے ثابت ہونے سے پہلے یہ واقعہ ہوا۔

آپ نے دوائی لینے سے اس لئے انکار کیا کہ وہ آپ کی بیماری کے موافق نہ تھی کیونکہ ان لوگوں کا خیال تھا کہ یہ ذات الجنب ہے حالانکہ یہ بیماری نہیں تھی جس طرح حدیث کے سیاق سے ظاہر ہے۔ ابن سعد کے نزدیک یوں ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے پہلو میں درد تھا وہ سخت ہوا تو آپ بے ہوش ہو گئے پس انہوں نے دوائی پلا دی جب افاقہ ہوا تو آپ نے فرمایا: تمہارا خیال تھا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر ذات الجنب (بیماری) مسلط کر دی ہے اللہ تعالیٰ اسے مجھ پر غلبہ نہیں دیتا' اللہ کی قسم! گھر میں کوئی بھی باقی نہ رہے مگر اس کو دوائی پلائی جائے پس گھر میں کوئی بھی ایسا نہ رہا جس کو دوائی نہ پلائی گئی ہو اور ہم نے حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کو بھی دوائی پلائی حالانکہ وہ روزہ دار تھیں۔ (طبقات ابن سعد ج ۲ ص ۱۸۱)

(ظاہر ہے کہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کا نفلی روزہ تھا اور حضور ﷺ کے حکم کی تعمیل میں ان کو دوائی پلائی گئی اور انہوں نے یہ روزہ بعد میں قضا کر لیا ہو گا۔ ۱۲ ہزاروی)۔

ابو یعلیٰ نے ایک ضعیف سند کے ساتھ جس میں ابن لہیعہ ہے دوسرے طریق سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ کا وصال ذات الجنب سے ہوا ہے۔

دونوں قسم کی روایتوں کو یوں جمع کیا گیا کہ ذات الجنب کا اطلاق دو بیماریوں کے مقابل ہوتا ہے ایک بیماری ورم ہے جو چمڑے کے اندر چھپا ہوتا ہے اور دوسری بیماری ہوا ہے جو پسلیوں کے درمیان رکی ہوئی ہوتی ہے۔ یہاں پہلی قسم کی نفی ہے۔

اور حاکم نے ''مستدرک میں'' روایت نقل کی ہے کہ ذات الجنب' شیطان کی طرف سے ہوتی ہے اور دوسری قسم یہاں

ثابت ہے اور یہ پہلی کی طرح ممنوع نہیں ہے۔

وہ مکتوب جو لکھا نہ جا سکا

امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ جب نبی اکرم ﷺ کے وصال کا وقت ہوا اور گھر میں کچھ مرد تھے تو آپ نے فرمایا: لاؤ میں تمہارے لئے کچھ لکھ دوں کہ اس کے بعد تم گمراہ نہیں ہو گے ان میں سے بعض نے کہا کہ نبی اکرم ﷺ پر درد کا غلبہ ہے اور تمہارے پاس قرآن ہے ہمیں اللہ تعالیٰ کی کتاب کافی ہے تو اہل بیت (صحابہ کرام جو وہاں موجود تھے) میں اختلاف ہوا اور وہ جھگڑنے لگے ان میں سے بعض نے کہا آپ کے قریب کرو تاکہ آپ تمہارے لئے کچھ لکھ دیں اس کے بعد تم گمراہ نہیں ہو گے اور بعض نے اس کے علاوہ کچھ کہا جب ان کی گفتگو اور اختلاف بڑھ گیا تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا اٹھ جاؤ حضرت عبید اللہ (ابن عبد اللہ) فرماتے ہیں پس حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرمانے لگے کتنی بڑی مصیبت ہے جو ان کے اختلاف کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ کے لکھنے میں رکاوٹ بنی۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۴۳۲)

اختلاف کا جواز

مازری کہتے ہیں کہ صحابہ کرام کے لئے اس تحریر (لکھنے) میں اختلاف جائز تھا اس کے باوجود کہ آپ نے ان کو واضح طور پر حکم دیا تھا کیونکہ اوامر (احکام) کے ساتھ بعض اوقات ایسی باتیں مل جاتی ہیں جو ان کو وجوب سے پھیر دیتی ہیں گویا آپ سے ایسا قرینہ ظاہر ہوا جو اس بات پر دلالت کرتا تھا کہ یہ حتمی حکم نہیں تھا بلکہ اختیاری تھا پس صحابہ کرام کا اجتہاد مختلف ہو گیا اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے نزدیک جب قرآن موجود تھے تو آپ نے رکنے کا پکا ارادہ فرمایا کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے مضبوط ارادے کے ساتھ یہ حکم نہیں دیا تھا۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں علماء کرام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا قول "حسبنا کتاب اللہ" (ہمیں اللہ کی کتاب کافی ہے) آپ کی فقہی قوت اور باریک بینی کی علامت ہے کیونکہ آپ کو اس بات کا ڈر تھا کہ کچھ ایسی باتیں لکھی جائیں جن سے لوگ عاجز ہوں تو وہ عذاب کے مستحق ہوں گے اس لئے کہ وہ باتیں منصوص (صریح حکم) ہوں گی اور آپ نے ارادہ فرمایا کہ علماء پر اجتہاد کا دروازہ بند نہ ہو اور جب نبی اکرم ﷺ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ پر اعتراض نہ کیا تو یہ آپ کی بات کے درست ہونے کی طرف اشارہ تھا اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا "حَسْبُنَا كِتَابُ اللّٰهِ" کہنا اس آیت کی طرف اشارہ تھا:

مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتَابِ مِنْ شَيْءٍ (الانعام: ۳۸) ہم نے کتاب میں کوئی چیز اٹھا نہیں رکھی۔

اور یہ قول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے اس قول سے نہیں ٹکراتا جس میں آپ نے فرمایا کتنی بڑی مصیبت ہے جو نبی اکرم ﷺ کے لکھنے میں رکاوٹ بن گئی؟ کیونکہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ان سے قطعی طور پر بڑے فقیہ تھے اور یہ بھی نہ کہا جائے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے قرآن مجید پر اکتفا کیوں نہ کیا حالانکہ آپ قرآن مجید کے بہت بڑے عالم اور اس کی تفسیر و تاویل کو سب لوگوں سے زیادہ جاننے والے تھے کیونکہ آپ نے یہ بات اس بات پر افسوس کرتے

ہوئے فرمائی کہ نبی اکرم ﷺ کی طرف سے واضح بیان فوت ہو گیا کیونکہ وہ اجتہاد سے زیادہ بہتر ہے۔ [1]

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا صحابہ کرام کو نماز پڑھانا

جب نبی اکرم ﷺ کی بیماری بڑھ گئی تو آپ نے فرمایا "مروا ابا بکر فلیصل بالناس حضرت ابوبکر سے کہو کہ لوگوں کو نماز پڑھائیں"۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ کی خدمت میں عرض کیا یا رسول اللہ! حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ رقیق القلب ہیں جب آپ کے مقام پر کھڑے ہوں گے تو رونے کی وجہ سے لوگوں کو سنا نہیں سکیں گے آپ نے فرمایا "ابوبکر سے کہو کہ لوگوں کو نماز پڑھائیں" ام المؤمنین نے اپنی بات کو دہرایا تو آپ نے فرمایا "انکن صواحبات یوسف تم حضرت یوسف علیہ السلام کی عورتوں جیسی ہو" حضرت ابوبکر سے کہو کہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ (صحیح بخاری ومسلم)

ابوحاتم نے بھی روایت کیا اور الفاظ ان کے ہیں۔

(جمع کی ضمیر ذکر فرمائی لیکن مراد صرف حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہیں جس طرح صواحبات جمع ہے لیکن مراد صرف حضرت زلیخا ہیں۔ ۱۲ ہزاروی زرقانی ج ۸ ص ۲۶۶)۔

ایک روایت میں کہ "ان ابا بکر رجل اسیف حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ غمگین شخص ہیں"۔

"صحیح بخاری میں" حضرت عروہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے عرض کیا آپ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے فرمائیں کہ وہ نماز پڑھائیں' فرماتی ہیں: میں نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے کہا کہ آپ حضور ﷺ کی خدمت میں عرض کریں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جب آپ کی جگہ کھڑے ہوں گے تو رونے کی وجہ سے لوگوں کو سنا نہیں سکیں گے پس حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے فرمائیں کہ وہ نماز پڑھائیں حضرت حفصہ رضی اللہ عنہ نے ایسا کیا تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا رک جاؤ تم یوسف علیہ السلام کی عورتوں کی طرح ہو' حضرت ابوبکر (رضی اللہ عنہ) سے کہو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں اس پر حضرت حفصہ نے حضرت عائشہ (رضی اللہ عنہا) سے کہا مجھے آپ سے بھلائی حاصل نہ ہوگی۔ [2] (المصدر السابق رقم الحدیث: ۶۷۹)

"الاسیف "فعیل کے وزن پر فاعل کے معنیٰ میں ہے اور الاسف سے بنا ہے یعنی سخت غمگین اور یہاں اس سے رقیق القلب مراد ہے۔

ابن حبان نے حضرت عاصم کی روایت سے نقل کیا وہ حضرت شقیق کے واسطے سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس حدیث میں روایت کرتے ہیں' عاصم نے کہا "اسیف" نرم دل مہربان کو کہتے ہیں اور صواحب' صاحبہ کی جمع ہے اور مراد یہ ہے کہ وہ دل کی بات ظاہر کرنے میں حضرت یوسف علیہ السلام والی خواتین کی طرح ہیں۔

---

[1] اس حدیث کو حدیث قرطاس کہتے ہیں اور بعض دشمنانِ صحابہ اس کی آڑ میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے خلاف زہر اگلتے ہیں لیکن مصنف علیہ الرحمہ نے حضرت امام نووی رحمہ اللہ کی وضاحت کے ذریعے جواب ذکر فرمایا اس سلسلے میں شارح بخاری علامہ سید محمود احمد رضوی رحمہ اللہ کی "حدیث قرطاس" کتاب کا مطالعہ کیجئے۔ ۱۲ ہزاروی

[2] انسانی فطرت کے مطابق حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا یہ سمجھی ہوں گی کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جان بوجھ کر میرے خلاف ایسا منصوبہ بنایا اسی لئے انہوں نے یہ بات فرمائی ہوگی۔ ۱۲ ہزاروی

پھر یہ خطاب اگرچہ جمع کے لفظ سے ہے لیکن ایک خاتون مراد ہیں اور وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہیں اور دونوں کے درمیان مشابہت کی وجہ یہ ہے کہ حضرت زلیخا نے عورتوں کو دعوت دی اور مہمان نوازی کے ذریعے ان کے اعزاز و اکرام کو ظاہر کیا جب کہ ان کی مراد اس سے زائد بات تھی وہ یہ کہ وہ عورتیں حضرت یوسف علیہ السلام کے حسن کو دیکھیں اور ان کی محبت میں حضرت زلیخا کو معذور سمجھیں اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ظاہر کیا کہ وہ امامت کو اپنے والد سے پھیرنا چاہتی ہیں کیونکہ ان کے رونے کی وجہ سے مقتدی ان کی قرأت سن نہیں سکیں گے لیکن ان کی مراد اس سے زائد بات تھی وہ یہ کہ لوگ ان سے بدشگونی نہ لیں اور ام المؤمنین نے اس کو واضح الفاظ میں بھی ذکر کیا جس طرح ''صحیح بخاری میں'' نبی اکرم ﷺ کے بیان میں ہے' ام المؤمنین فرماتی ہیں: کہ میں نے نبی اکرم ﷺ سے یہ بات بار بار اس لئے کہی کہ میرے دل میں یہ بات نہ آئی کہ لوگ آپ کے بعد ایسے شخص کو پسند کریں گے جو آپ کی جگہ ہمیشہ کھڑا ہو اور میرا خیال نہیں تھا کہ آپ کی جگہ جو بھی کھڑا ہوگا لوگ اس سے بدشگونی لیں گے (لہٰذا ام المؤمنین نے سوچا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اس بدشگونی اور لوگوں کی عدم چاہت سے محفوظ رہیں)۔

دمیاطی نے نقل کیا کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام کو سترہ (۱۷) نمازیں پڑھائی ہیں۔

پندونصائح

فاکہی نے ''الفجر المنیر'' میں ذکر کیا اور اسے سیف الدین ابن عمر کی طرف منسوب کیا (الاعلام ج ۳ص ۱۵۰' تہذیب التہذیب ج ۴ص ۲۹۵' ہدیۃ العارفین ج ۱ص ۴۱۳) کہ وہ ''الفتوح'' میں لکھتے ہیں کہ جب انصار نے نبی اکرم ﷺ کی بیماری کو بڑھتے ہوئے دیکھا تو مسجد کے گرد چکر لگانے لگے' حضرت عباس رضی اللہ عنہ اندر داخل ہوئے اور نبی اکرم ﷺ کو ان کے وہاں موجود ہونے اور خوف کے بارے میں بتایا (حضور ﷺ کے وصال کا ڈر مراد ہے) پھر حضرت فضل رضی اللہ عنہ داخل ہوئے اور یہی بات بتائی پھر حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اسی طرح داخل ہوئے تو نبی اکرم ﷺ حضرت علی المرتضیٰ اور حضرت فضل (بن عباس) رضی اللہ عنہم کے سہارے باہر تشریف لائے اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ آپ کے آگے تھے' نبی اکرم ﷺ نے سر پر پٹی باندھ رکھی تھی اور پاؤں مبارک گھسٹ رہے تھے حتیٰ کہ آپ منبر کی سب سے نچلی سیڑھی پر تشریف فرما ہوئے اور لوگ آپ کے پاس جمع ہوگئے۔

آپ نے اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء کی اور پھر فرمایا: اے لوگو! مجھے پتہ چلا ہے کہ تم اپنے نبی کی وفات کا خوف رکھتے ہو کیا مجھ سے پہلے بھیجے گئے نبی ہمیشہ باقی رہے کہ میں بھی تم میں ہمیشہ رہوں گا؟ سنو! میں اپنے رب سے ملنے والا ہوں اور تم بھی اس سے ملنے والے ہو پس میں تمہیں پہلے ہجرت کرنے والوں کے ساتھ بھلائی کی وصیت کرتا ہوں اور مہاجرین کو آپس میں بھلائی کی وصیت کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَالْعَصْرِ ۝ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ ۝ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ۝ (سورۃ العصر)

زمانے کی قسم! بے شک انسان نقصان میں ہے مگر وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام کئے اور ایک دوسرے کو حق کی تلقین کی اور صبر کی نصیحت کی۔

اور تمام کام اللہ تعالیٰ کے حکم سے جاری ہوتے ہیں تمہیں کسی کام کی تاخیر اس کی جلدی پر نہ ابھارے کیونکہ اللہ تعالیٰ کسی کی

جلدی سے جلدی نہیں کرتا اور جو شخص اللہ تعالیٰ (کے حکم) پر غالب ہونا چاہے تو اللہ تعالیٰ ہی اس پر غالب آتا ہے اور جو شخص اللہ تعالیٰ کو دھوکہ دینا چاہے تو وہ اس کے خلاف خفیہ تدبیر فرماتا ہے:

فَهَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ تَوَلَّيْتُمْ اَنْ تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ وَتُقَطِّعُوْٓا اَرْحَامَكُمْ. (محمد:۲۲)
تو کیا قریب ہے کہ جب تمہیں حکومت ملے تو زمین میں فساد پھیلاؤ اور رشتہ داری کے تعلق کو کاٹ دو۔

میں تمہیں انصار کے ساتھ بھلائی کا حکم دیتا ہوں کیونکہ انہوں نے تم سے پہلے مدینہ طیبہ کو اختیار کیا اور ایمان لائے تم ان سے نیکی کرنا کیا انہوں نے تمہیں اپنے پھلوں میں شریک نہیں کیا (کہ نصف تمہیں دے دیئے) کیا انہوں نے تمہارے لئے اپنے گھروں میں گنجائش نہیں نکالی؟ کیا انہوں نے تمہیں اپنے آپ پر ترجیح نہیں دی حالانکہ وہ خود حاجت مند تھے؟ سنو! جس کو دو آدمیوں کے درمیان فیصلہ کرنے کا اختیار دیا جائے تو وہ ان میں سے نیکوکار سے قبول کرے اور ان کے گناہ گاروں سے تجاوز کرے۔

سنو! ان پر کسی کو ترجیح نہ دو' سنو! میں تم سے آگے جا کر تمہارے لئے انتظام کرنے والا ہوں اور تم مجھ سے ملنے والے ہو' سنو! تمہارے وعدہ کا مقام حوض ہے' سنو! جو شخص پسند کرتا ہے کہ کل (قیامت کے دن) حوض پر مجھ سے ملے تو وہ اپنے ہاتھ اور زبان کو روک رکھے البتہ جو کام مناسب ہو (وہ کرے) اے لوگو! گناہ' نعمتوں کو بدل دیتے ہیں اور قسمتوں کو بھی تبدیل کر دیتے ہیں جب لوگ نیکی کریں تو ان کے حکمران بھی ان سے اچھا سلوک کریں اور جب لوگ نافرمانی کریں تو ان کی بات نہ مانیں۔

انصار کی خیر خواہی

''صحیح بخاری میں'' حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' فرماتے ہیں: کہ حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما انصار کی ایک مجلس سے گزرے اور وہ رو رہے تھے پوچھا کیوں رو رہے ہو؟ انہوں نے کہا ہم اپنے ساتھ نبی اکرم ﷺ کی مجلس کو یاد کر کے رو رہے ہیں۔ پس ان دونوں میں سے ایک حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ بات بتائی' نبی اکرم ﷺ باہر تشریف لائے اور آپ نے سر انور پر چادر کے ایک کنارہ سے پٹی باندھی ہوئی تھی آپ منبر پر تشریف لائے اور اس دن کے بعد آپ منبر پر تشریف نہیں لے گئے آپ نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کی پھر فرمایا میں تمہیں انصار کے ساتھ حسن سلوک کی نصیحت کرتا ہوں وہ میری جماعت اور میرا ٹھکانہ ہیں انہوں نے اپنا فرض پورا کر دیا اور ان کا حق باقی ہے پس ان کے نیکوکار سے (نیکی) قبول کرو اور ان کے خطا کار سے تجاوز کرو (بشرطیکہ حدود کا معاملہ نہ ہو)۔

(السنن الکبریٰ ج ۶ ص ۱۷۲' مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۶۲۱۵' اتحاف السادۃ المتقین ج ۱۰ ص ۲۹۰' کنز العمال رقم الحدیث: ۳۳۶۹۸)

اس حدیث میں فرمایا ''فانهم كرشي وعيبتي'' وہ میرے راز دان ہیں یعنی میرے رازوں اور امانتوں کے امین ہیں اور وہ لوگ ہیں جن پر آپ کا اعتماد تھا اس معنیٰ کے لئے بطور مجاز ''کرش اور عیبہ'' کے الفاظ استعمال فرمائے کیونکہ (کرش معدے کو کہتے ہیں اور) جگالی کرنے والا جانور چارہ اپنی اوجھ (معدے) میں جمع کرتا ہے اور آدمی اپنے کپڑوں کو صندوق میں جمع کرتا ہے (عیبة صندوق کو کہتے ہیں)۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ ''کرش'' سے مراد جماعت ہے یعنی میری جماعت اور میرے ساتھی ہیں کہا جاتا ہے ''علیہ

کرش من الناس ''یعنی اس بات پر لوگوں کی ایک جماعت ہے۔یہ بات ''النہایہ'' میں کہی ہے۔

وصال سے پہلے صحابہ کرام سے گفتگو

واحدی نے اپنی سند سے جسے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ تک پہنچایا ہے' ذکر کیا فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ نے ایک مہینہ پہلے اپنے وصال کی خبر دے دی تھی جب جدائی کا وقت قریب آیا تو ہم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں جمع ہوئے آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ تمہیں سلامتی کے ساتھ زندہ رکھے' اللہ تعالیٰ تم پر رحم فرمائے' اللہ تعالیٰ تمہاری اصلاح فرمائے' اللہ تعالیٰ تمہیں رزق عطا فرمائے' اللہ تعالیٰ تمہاری مدد فرمائے' اللہ تعالیٰ تمہیں سربلندی عطا کرے' اللہ تعالیٰ تمہیں ٹھکانہ عطا فرمائے میں تمہیں اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کی وصیت کرتا ہوں اور اسے تمہارا نگہبان قرار دیتا ہوں اور تمہیں اللہ تعالیٰ (کے عذاب) سے ڈراتا ہوں بے شک میں تمہارے لئے اس کی طرف سے واضح ڈرانے والا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے شہروں اور اس کے بندوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ پر تکبر نہ کرو اس نے مجھے اور تمہیں فرمایا:

تِلْکَ الدَّارُ الْاٰخِرَۃُ نَجْعَلُھَا لِلَّذِیْنَ لَا یُرِیْدُوْنَ عُلُوًّا فِی الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا وَالْعَاقِبَۃُ لِلْمُتَّقِیْنَ○ (القصص:۸۳)

یہ آخرت کا گھر ہے جسے ہم ان لوگوں کے لئے بناتے ہیں جو زمین میں تکبر اور فساد نہیں چاہتے اور بہترین انجام پرہیزگار لوگوں کے لئے ہے۔

اور ارشاد فرمایا:

اَلَیْسَ فِیْ جَھَنَّمَ مَثْوًی لِّلْمُتَکَبِّرِیْنَ○ (الزمر:۶۰)

کیا جہنم' تکبر کرنے والوں کا ٹھکانہ نہیں؟

ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ کا وصال کب ہوگا؟ فرمایا جدائی کا وقت ہے اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹنا ہے اور جنت ٹھکانہ ہے ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ کو غسل کون دے گا؟ فرمایا میرے اہل بیت میں سے کچھ مرد جو زیادہ قرب رکھتے ہیں پھر جو قریبی ہیں ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہم آپ کو کن کپڑوں میں کفن دیں؟ فرمایا میرے ان ہی کپڑوں میں' اور اگر مصری (سفید) کپڑے چاہو یا یمنی جوڑا ہو (تو بھی ٹھیک ہے) ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ کی نماز جنازہ کون پڑھائے گا؟ فرمایا جب تم مجھے غسل دے کر کفن پہنا دو تو مجھے میری اس چارپائی پر میری قبر کے کنارے پر رکھ دینا پھر کچھ دیر کے لئے باہر چلے جانا سب سے پہلے مجھ پر حضرت جبریل علیہ السلام نماز (درود شریف) پڑھیں گے پھر میکائیل علیہ السلام' پھر اسرافیل علیہ السلام اور پھر حضرت عزرائیل علیہ السلام پڑھیں گے اور ان کے ساتھ فرشتوں کے لشکر ہوں گے۔

پھر تم فوج در فوج داخل ہونا اور مجھ پر درود اور خوب سلام بھیجنا سب سے پہلے میرے اہل بیت کے مرد مجھ پر درود شریف بھیجیں پھر اہل بیت میں سے عورتیں پھر تم (صحابہ کرام) اور میرے جو صحابہ کرام غائب ہیں اور جن لوگوں نے آج سے قیامت تک میرے دین میں میری اتباع کی ان پر سلام پڑھنا ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ کو قبر میں کون اتارے گا؟ فرمایا میرے قرابت دار فرشتوں سے مل کر اتاریں گے۔ (اتحاف السادۃ المتقین ج ۱۰ ص ۲۸۶۔۲۹۰)

امام طبرانی نے اسی طرح ''الدعا'' میں روایت کیا اور یہ نہایت کمزور حدیث ہے۔

اے اللہ! رفیق اعلیٰ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ حالت صحت میں فرماتے تھے کہ کسی نبی کا وصال اس وقت تک نہیں ہوتا جب تک اسے جنت میں اس کا ٹھکانہ دکھایا نہ جائے پھر اس کا معاملہ اس کو سونپ دیا جاتا ہے یا اسے دنیا اور آخرت کے درمیان اختیار دیا جاتا ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۴۳۷)

جب نبی اکرم ﷺ علیل ہوئے اور وصال کا وقت آیا اور آپ کا سر مبارک میری ران پر تھا تو آپ بے ہوش ہو گئے جب افاقہ ہوا تو نگاہ کو گھر کی چھت کی طرف اٹھایا پھر فرمایا:

اَللّٰهُمَّ فِي الرَّفِيْقِ الْاَعْلٰى. یا اللہ! مجھے رفیق اعلیٰ کے ساتھ ملا دے۔

(یہاں فی 'مع (ساتھ)' کے معنیٰ میں ہے)۔

میں نے عرض کیا اب ہمیں اختیار نہیں فرمائیں گے تو میں جان گئی کہ یہ وہی بات ہے جو حالت صحت میں آپ ہم سے کرتے تھے۔

ایک روایت میں ہے ام المؤمنین فرماتی ہیں: میں نے آپ کے وصال سے پہلے کان لگا کر سنا اور اس وقت آپ نے اپنی پیٹھ کے ساتھ مجھ سے ٹیک لگا رکھی تھی:

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ وَارْحَمْنِيْ وَاَلْحِقْنِيْ بِالرَّفِيْقِ الْاَعْلٰى. یا اللہ! مجھے بخش دے اور مجھ پر رحم فرما اور مجھے رفیق اعلیٰ سے ملا دے۔

اس حدیث کو امام بخاری نے حضرت زہری کے طریق سے حضرت عروہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ کے قول ''اللھم (فی) الرفیق الاعلی'' سے یہ بات معلوم کی کہ آپ کو اختیار دیا گیا ہے جس طرح آپ کے والد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ کے اس ارشاد سے یہ بات سمجھے تھے کہ آپ نے فرمایا: ایک بندے کو اللہ تعالیٰ نے دنیا اور اس چیز کے درمیان اختیار دیا جو اس (اللہ تعالیٰ) کے پاس ہے۔ کہ اس سے خود نبی اکرم ﷺ مراد ہیں حتیٰ کہ وہ رونے لگے جیسا کہ پہلے ذکر کیا ہے۔ یہ بات حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے ذکر کی ہے۔

امام احمد رحمہ اللہ نے مطلب (بن عبد المطلب) بن عبد اللہ کے طریق سے حضرت عائشہ (رضی اللہ عنہم) سے روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ فرماتے تھے:

ما من نبی یقبض الا یری الثواب ثم یخیر. کسی نبی کی روح قبض نہیں کی جاتی مگر وہ ثواب کو دیکھ لیتا ہے پھر اسے اختیار دیا جاتا ہے۔

امام احمد رحمہ اللہ نے ہی (نبی اکرم ﷺ کے آزاد کردہ غلام) ابومویہبہ (کہا گیا ہے کہ یہ ابوموہوبہ یا ابوموہبہ ہیں) رضی اللہ عنہ سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں رسول اکرم ﷺ نے مجھ سے فرمایا: (الاصابہ ج ۷ ص ۱۸۴ رقم الترجمہ: ۱۰۹۴) مجھے زمین کے خزانوں کی چابیاں' دنیا میں دائمی زندگی اور جنت عطا کی گئی پھر مجھے اس کے اور میرے رب کی ملاقات کے درمیان اختیار دیا گیا تو میں نے اپنے رب کی ملاقات اور جنت کو اختیار کیا۔

عبدالرزاق نے حضرت طاؤس کی مرسل روایت نقل کی ہے وہ اسے مرفوعاً روایت کرتے ہیں یعنی نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

خیرت بین ان ابقی حتی اری ما یفتح علی امتی وبین التعجیل فاخترت التعجیل.

مجھے اختیار دیا گیا کہ میں باقی رہوں حتیٰ کہ اپنی امت کی فتوحات دیکھوں یا جلدی جاؤں تو میں نے جلدی جانے کو اختیار کیا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا میں اللہ تعالیٰ سے حضرت جبریل' میکائیل اور اسرافیل علیہم السلام کے ساتھ رفیق اعلیٰ اسعد کا سوال کرتا ہوں (بلند اور سعادت کا مقام طلب کرتا ہوں)۔

اس حدیث کو امام نسائی رحمہ اللہ نے روایت کیا اور ابن حبان نے اسے صحیح قرار دیا اس کا ظاہر یہ ہے کہ رفیق اعلیٰ سے وہ مکان مراد ہے جس میں ان مذکورہ بالا فرشتوں کے ساتھ رفاقت حاصل ہو' ابن اثیر نے ''النہایہ میں'' فرمایا کہ رفیق سے انبیاء کرام کی جماعت مراد ہے جو اعلی علیین (بلند مقام) پر ٹھہرے ہوئے ہیں (رفیق اسم جنس ہے جو واحد اور جمع دونوں کو شامل ہے)۔

ایک قول یہ ہے کہ اس سے اللہ تعالیٰ مراد ہے' کہا جاتا ہے:

الله رفیق بعبادہ. اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر مہربان ہے۔

اور یہ رفق اور رافۃ سے بنا ہے (یعنی مہربانی کرنا)۔ ایک قول کے مطابق اس سے حظیرۃ القدس (جنت) مراد ہے۔

کتاب ''روضۃ التعریف بالحب الشریف'' (امام ابوعبداللہ محمد بن الخطیب کی تصوف کے متعلق کتاب ہے) میں ہے کہ جب (شب معراج) آپ ﷺ کے لئے حق کی تجلی ہوئی تو آپ کے اور محسوسات کے درمیان نیز بشری ترقیوں کے انتہائی معانی کے ضروری حصوں کے درمیان تعلقات کمزور پڑ گئے تو آپ کے احوال زیادہ ترقی پذیر ہو گئے اسی لئے روایت میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

کل یوم لا ازداد فیہ قربا من اللہ فلا بورک لی فی طلوع شمسہ.

جس دن میرے لئے قرب خداوندی میں اضافہ نہ ہو تو اس دن طلوع آفتاب میں میرے لئے برکت نہ ہو۔

(کشف الظنون ج ا ص ۹۲۵)

اور جب آپ ایک مقام سے جدا ہو کر اس سے اعلیٰ سے مل جاتے تو پہلا مقام (اعلیٰ کے مقابلے میں) ناقص نظر آتا اور آپ محبت کی پشت پر سوار ہو جاتے اور یہ کتنی اچھی نعمت ہے کہ اس کے ذریعے مراحل اور مقامات واحوال کا سفر طے ہوتا ہے اور اللہ جل جلالہ کی بارگاہ کی طرف سفر ہوتا ہے نیز اس محبوب تک پہنچتا ہے جس کے سوا سب کے لئے فنا ہے۔

سہیلی فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ نے اپنے کلام کو اس کلمہ (اللھم بالرفیق الاعلی) کے ساتھ مکمل کیا کیونکہ یہ توحید اور قلبی ذکر کو شامل ہے حتیٰ کہ اس سے اس بات کا فائدہ حاصل ہوا کہ آپ کے غیر کے لئے زبان سے ذکر کرنا شرط نہیں کیونکہ بعض لوگوں کو بولنے میں رکاوٹ ہوتی ہے لہٰذا اگر ان کا دل ذکر سے معمور ہو تو کوئی حرج نہیں۔

حافظ ابن رجب نے کہا اس بات پر دلالت کرنے والی روایت مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی روح مبارک قبض کی گئی پھر آپ نے جنت میں اپنا ٹھکانہ دیکھا پھر آپ کی روح لوٹائی گئی اور اس کے بعد اختیار دیا گیا۔

''مسند امام احمد میں ہے'' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ فرماتے تھے:

ما من نبی الا تقبض نفسه ثم یری الثواب ثم ترد الیه فیخیر بین ان ترد الیه الی ان یلحق.

ہر نبی کی روح قبض کی جاتی ہے پھر اسے ثواب دکھایا جاتا ہے پھر روح کو لوٹا کر اختیار دیا جاتا ہے کہ روح ان تک لوٹائی جائے حتیٰ کہ وہ اپنے (رب سے) مل جائیں۔

ام المؤمنین فرماتی ہیں: کہ میں نے نبی اکرم ﷺ سے یہ بات یاد کی اور آپ نے میرے سینے کا سہارا لے رکھا تھا میں نے دیکھا جب آپ نے سر اٹھایا اور دیکھا تو میں نے دیکھا اب تو قسم بخدا' آپ ہمیں اختیار نہیں کریں گے پس آپ نے فرمایا:

مع الرفیق الاعلی فی الجنة مع الذین انعم الله علیهم من النبیین والصدیقین والشهداء والصالحین وحسن اولئک رفیقا.

جنت میں رفیق اعلیٰ کے ساتھ ان لوگوں کے ہمراہ جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام کیا یعنی انبیاء کرام' صدیقین' شہداء اور صالحین اور یہ کیا ہی اچھے ساتھی ہیں؟

''صحیح بخاری میں'' حضرت عروہ کی حدیث ہے وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے حالتِ صحت میں فرمایا: کہ کسی نبی کی روح اس وقت تک قبض نہیں کی جاتی جب تک وہ جنت میں اپنا ٹھکانہ نہ دیکھ لے پھر زندہ کیا جاتا ہے یا اختیار دیا جاتا ہے۔

پس جب نبی اکرم ﷺ علیل ہوئے اور روح قبض ہونے کا وقت آ گیا اور آپ کا سر انور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ران پر تھا تو آپ پر بے ہوشی طاری ہوگئی جب افاقہ ہوا تو آپ نے گھر کی چھت کی طرف دیکھ کر فرمایا ''اللهم فی الرفیق الاعلی''۔

سہیلی نے اس بات سے آگاہ کیا کہ اس کلمہ کو مقرر لانے (رفیق کو مقرر لانے اور جمع نہ لانے) میں نکتہ اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ تمام جنتی' جنت میں ایک شخص کے دل کی صورت میں داخل ہوں گے۔

صحیح ابن حبان میں ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے' فرماتی ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ پر بے ہوشی طاری ہوئی تو آپ کا سر مبارک میری گود میں تھا میں اس پر ہاتھ پھیرتی اور شفاء کی دعا کرتی تھی جب افاقہ ہوا تو آپ نے فرمایا: ''اسال الله الرفیق الاعلی مع جبریل ومیکائیل و اسرافیل میں اللہ تعالیٰ سے سوال کرتا ہوں کہ حضرت جبریل' میکائیل اور اسرافیل علیہم السلام کے ساتھ مجھے رفیق اعلیٰ عطا فرمائے''۔

موت کی سختیاں

جب نبی اکرم ﷺ کے وصال کا وقت ہوا تو آپ کا یہ معاملہ سخت ہو گیا' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں میں نے نبی اکرم ﷺ سے زیادہ کسی کو سخت تکلیف میں مبتلا نہیں دیکھا۔

وہ فرماتی ہیں آپ کے پاس پانی کا ایک پیالہ تھا آپ اپنا ہاتھ اس پیالے میں داخل کرتے پھر وہ پانی اپنے چہرے پر ملتے اور فرمایا:

اَللّٰھُمَّ اَعِنِّیْ عَلٰی سَکَرَاتِ الْمَوْتِ. یا اللہ! موت کی سختیوں پر میری مدد فرما۔

ایک روایت میں ہے آپ نے یہ کلمات کہنا شروع کر دیئے:

لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ اِنَّ لِلْمَوْتِ لَسَکَرَاتٍ. اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں بے شک موت کے لئے سختیاں ہیں۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۵۱۰)

بعض علماء نے فرمایا: کہ آپ کے مقام و مرتبہ کی بلندی کی وجہ سے تکلیف اور درد کی سختی تھی۔

شیخ ابو محمد مرجانی (یہ عبداللہ بن محمد بن عبدالملک مرجانی ہیں) نے فرمایا: کہ یہ سکرات' خوشی کی تڑپ تھی کیا تم حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے قول کو نہیں دیکھتے کہ جب وہ حالتِ نزع میں تھے اور ان کے گھر والوں نے کہا ہائے سختی! تو انہوں نے آنکھیں کھول کر فرمایا: ''واطربا ہائے خوشی'' کل میں اپنے محبوبوں یعنی حضرت محمد ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام سے ملاقات کروں گا۔ (الاعلام ج ۴ ص ۱۲۵' شذرات الذہب ج ۵ ص ۳۵۱' کشف الظنون رقم الحدیث: ۱۳۳۷)

تو جب ان کو یہ خوشی اس حالت میں اپنے محبوب یعنی نبی اکرم ﷺ اور آپ کی جماعت سے ملاقات کی خوشی تھی تو تمہارا کیا خیال ہے کہ نبی اکرم ﷺ کو اپنے رب سے ملاقات کی خوشی کس قدر ہوگی؟ ارشاد خداوندی ہے:

فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِیَ لَھُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْیُنٍ. پس کوئی نفس نہیں جانتا کہ ان کے لئے آنکھوں کی ٹھنڈک سے کیا کچھ مخفی رکھا گیا ہے؟ [1]

تو اس مقام پر کچھ بھی وصف بیان کرنے سے عبارت قاصر ہے۔ ایک مرسل حدیث جسے حافظ ابن رجب نے نقل کیا ہے۔ اس میں اس طرح ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

اللھم انک تاخذ الروح من بین العصب والقصب والانامل فاعنی علیہ وھونہ علی. یا اللہ! تو روح کو پٹھوں' ہاتھوں اور پاؤں کی ہڈیوں اور پوروں سے نکالتا ہے پس اس پر میری مدد فرما اور اسے مجھ پر آسان کر دے۔

حضرت امام احمد اور امام ترمذی رحمہما اللہ نے حضرت قاسم کی سند سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا آپ فرماتی ہیں میں نے دیکھا کہ نبی اکرم ﷺ کے پاس پانی کا ایک پیالہ تھا آپ اس پیالے میں ہاتھ ڈال کر پانی چہرے پر ملتے پھر کہتے:

اَللّٰھُمَّ اَعِنِّیْ عَلٰی سَکَرَاتِ الْمَوْتِ. یا اللہ! موت کی سختیوں پر میری مدد فرما۔

اور جب آپ کو تکلیف نے ڈھانپ لیا تو حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا نے پکارا ''واکرب ابتاہ'' (ہائے میرے ابا جان کی تکلیف) آپ نے ان سے فرمایا آج کے بعد تمہارے باپ کو کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔

خطابی کہتے ہیں بے شمار اہل علم کا خیال ہے کہ حضور ﷺ کے ارشادِ گرامی ''آج کے بعد تمہارے باپ کو کوئی تکلیف نہ ہوگی'' سے مراد آپ کی امت پر شفقت ہے کیونکہ آپ کو معلوم تھا کہ آپ کے بعد لوگ آپس میں اختلاف کریں گے اور

---

[1] ''صحیح بخاری و مسلم میں'' حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث قدسی میں ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میں نے اپنے نیک بندوں کے لئے وہ چیز تیار کی ہے جسے کسی آنکھ نے دیکھا اور نہ کسی کان نے سنا اور نہ کسی دل میں اس کا خیال گزرا حضرت ابوہریرہ فرماتے ہیں اگر تم چاہو تو یہ آیت پڑھو ''فلا تعلم نفس'' آخر تک (زرقانی ج ۸ ص ۲۷۳)

فتنے برپا ہوں گے۔ لیکن اس بات کی کوئی حیثیت نہیں کیونکہ اس سے لازم آتا ہے کہ آپ کے وصال سے امت پر آپ کی شفقت ختم ہو جائے حالانکہ امر واقع یہ ہے کہ یہ قیامت تک باقی ہے کیونکہ آپ کی بعثت ان لوگوں کے لئے بھی ہے جو آپ کے بعد آئیں گے اور ان کے اعمال آپ پر پیش کئے جائیں گے۔ [1] اور کلام ظاہر پر ہے اور اس سے مراد وہ تکلیف ہے جو شدت موت کی وجہ سے آپ کو ہو رہی تھی اور نبی اکرم ﷺ جسم اقدس کو پہنچنے والی تکلیف کے اعتبار سے (عام) انسانوں کی طرح تھے یعنی باقی لوگوں کی طرح آپ کو (بھی تکلیف پہنچتی تھی) تاکہ آپ کو دوگنا اجر ملے۔

امام ابن ماجہ رحمہ اللہ نے روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا سے فرمایا:

انہ حضر من ابیک ما اللہ تعالی بتارک منہ احدا لموافاۃ یوم القیامۃ.

تمہارے والد کے پاس وہ بات (موت) آتی ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت تک کسی کے پاس اس کا لانا ترک نہیں کرے گا۔

صحابہ کرام کی نماز کے دوران آپ کی الوداعی نظر

"صحیح بخاری میں" حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ سوموار کے دن جب مسلمان نماز پڑھ رہے تھے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ان کو نماز پڑھا رہے تھے تو ان کو صرف نبی اکرم ﷺ نے اچانک دیکھا آپ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرۂ مبارکہ کا پردہ اٹھایا تو ان کو دیکھا کہ وہ نماز کی صفوں میں ہیں پھر آپ نے تبسم فرمایا اور ہنسنے لگے' حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ الٹے پاؤں صف میں آنے لگے اور خیال کیا کہ نبی اکرم ﷺ نماز کے لئے تشریف لانا چاہتے ہیں' حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں مسلمانوں نے ارادہ کیا کہ وہ اپنی نماز توڑ دیں کیونکہ وہ رسول اکرم ﷺ کی وجہ سے خوش تھے تو آپ نے ان کو ہاتھ سے اشارہ کیا کہ اپنی نماز کو پورا کرو پھر آپ حجرے میں داخل ہو گئے اور پردہ ڈال دیا۔ [2]

"صحیح بخاری کے نماز کے باب میں" حضرت ابوالیمان کی روایت ہے جسے وہ حضرت شعیب سے روایت کرتے ہیں فرماتے ہیں اسی دن نبی اکرم ﷺ کا وصال ہو گیا اور حضرت معمر کی روایت جسے امام بخاری نے نقل کیا' میں بھی اسی طرح ہے اور یہ سب روایات حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث سے مروی ہیں وہ فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ تین دن ہماری طرف تشریف نہ لائے پس نماز کھڑی ہوئی تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آگے بڑھے تو نبی اکرم ﷺ نے پردہ پکڑ کر اٹھایا جب نبی اکرم ﷺ کا چہرۂ انور ہمارے سامنے آیا تو ہم نے آپ کے چہرۂ انور سے زیادہ عمدہ منظر

---

[1] (کیونکہ حضور ﷺ زندہ ہیں) اور قبر میں امت کے اعمال آپ پر پیش کئے جاتے ہیں اگر اعمال اچھے ہوں تو آپ خوش ہوتے ہیں اور برے ہوں تو ان کے لیے بخشش طلب کرتے ہیں جیسا کہ حدیث میں آیا ہے۔ (زرقانی ج ۲ ص ۲۷۳)

[2] اس حدیث سے واضح ہوتا ہے کہ صحابہ کرام کو نبی اکرم ﷺ سے کس قدر محبت تھی نیز وہ آپ کی وجہ سے نماز توڑنا چاہتے تھے یہ سب ارادے ہوئے نہ صرف حضور ﷺ کا خیال آیا بلکہ آپ کو دیکھا اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے پیچھے ہٹنے اور صحابہ کرام نے نماز توڑنے کا ارادہ کیا لیکن ان کی نماز برقرار رہی اب جو لوگ کہتے ہیں نماز میں حضور ﷺ کا خیال' گائے بیل کے خیال سے بدتر ہے انہیں اپنے اس برے عقیدے سے توبہ کرنی چاہیے۔ ۱۲ ہزاروی

نہیں دیکھا۔

جب وہ ہمارے سامنے واضح ہوا فرماتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ کیا کہ وہ آگے ہی رہیں اور آپ نے پردہ ڈال دیا۔[1]

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ہی مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی اس بیماری کے دوران جس میں آپ کا وصال ہوا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ صحابہ کرام کو نماز پڑھاتے رہے حتیٰ کہ سوموار کا دن آیا اور وہ نماز میں صف بستہ تھے تو نبی اکرم ﷺ نے حجرۂ مبارکہ کا پردہ اٹھایا پس ہم نے آپ کو دیکھا آپ کھڑے تھے گویا آپ کا چہرۂ انور مصحف کا ورق ہو (یعنی حسن و جمال کا مرقع تھا) پھر آپ نے ہنستے ہوئے تبسم فرمایا (اپنے صحابہ کرام کو متفق و متحد ایک امام کے پیچھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھ کر خوش ہوئے)۔

حضرت موسیٰ بن عقبہ نے ابن شہاب سے روایت کرتے ہوئے اس بات کو قطعی قرار دیا کہ نبی اکرم ﷺ کا وصال اس وقت ہوا جب سورج ڈھل گیا تھا اسی طرح ابوالاسود نے حضرت عروہ سے روایت کیا۔

حضرت جعفر بن محمد اپنے والد سے روایت کرتے ہیں (رضی اللہ عنہما) کہ جب نبی اکرم ﷺ کی (ظاہری) حیات طیبہ سے تین دن باقی رہ گئے تو آپ پر حضرت جبریل علیہ السلام اترے اور عرض کیا اے محمد! (ﷺ) اللہ تعالیٰ نے مجھے آپ کے اعزاز نیز آپ کی فضیلت وتخصیص کی خاطر بھیجا ہے وہ آپ سے ایسی بات پوچھتا ہے جسے وہ آپ سے زیادہ جانتا ہے وہ فرماتا ہے آپ اپنے آپ کو کیسا پاتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: اے جبریل! میں اپنے آپ کو مغموم پاتا ہوں نیز تکلیف میں پاتا ہوں پھر وہ دوسرے دن آئے تو ان سے اسی طرح فرمایا پھر تیسرے دن آئے تو اسی طرح فرمایا پھر اس دن موت کے فرشتے نے اجازت طلب کی تو حضرت جبریل علیہ السلام نے کہا اے محمد! یہ موت کا فرشتہ ہے آپ سے اجازت مانگتا ہے اور آپ سے پہلے اس نے کسی نبی سے اجازت نہیں مانگی اور نہ آپ کے بعد کسی شخص سے اجازت مانگے گا' آپ نے فرمایا: اسے اجازت دو پس ملک الموت داخل ہوئے اور آپ کے سامنے کھڑے ہو کر عرض کرنے لگے یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے مجھے آپ کے پاس بھیجا ہے اور مجھے حکم دیا کہ آپ جو حکم دیں میں اس کی تعمیل کروں اگر آپ حکم دیں کہ میں آپ کی روح قبض کروں تو میں آپ کی روح قبض کروں گا اور اگر مجھے اس کو چھوڑنے کا حکم دیں تو میں اسے چھوڑ دوں گا۔

حضرت جبریل علیہ السلام نے کہا اے محمد! اللہ تعالیٰ آپ کی ملاقات کا مشتاق ہے آپ نے فرمایا اے موت کے فرشتے! آپ کو جو حکم دیا گیا ہے اس پر عمل کیجئے' حضرت جبریل علیہ السلام نے کہا زمین پر میری یہ آخری آمد ہے' زمین پر آپ ہی میری حاجت تھے۔[2] پس آپ کی روح مبارک قبض کی گئی۔ جب نبی اکرم ﷺ کا وصال ہو گیا اور تعزیت

---

[1] امام زرقانی فرماتے ہیں اس حدیث سے ثابت ہوا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نماز میں خلافت پر برقرار رہے حتیٰ کہ حضور ﷺ کا وصال ہو گیا ایسا نہیں جس طرح شیعہ گمان کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے ان کو معزول کر دیا۔ (زرقانی ج ۸ ص ۲۷۳)

[2] امام زرقانی فرماتے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ وحی لانے کے حوالے سے یہ آخری آمد ہے لہٰذا لیلۃ القدر میں حضرت جبریل علیہ السلام کا اترنا اور مسلمانوں اور کفار کے درمیان جنگ کے وقت اترنا اسی طرح جو مسلمان حالت طہارت میں انتقال کرے اور دجال کے ظہور کے بعد مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ میں ان کا اترنا کہ اسے ان مقدس شہروں میں داخل ہونے سے روکیں اور اسی طرح دیگر مواقع پر اترنا اس بات کے خلاف نہیں جو انہوں نے فرمایا کہ یہ آخری آمد ہے۔ (زرقانی ج ۸ ص ۲۷۰)

کرنے والے آئے تو انہوں نے گھر کے کونے سے آواز سنی۔

اے گھر والو! تم پر سلامتی اور اللہ تعالیٰ کی رحمت و برکات ہوں ہر نفس نے موت کو چکھنا ہے اور قیامت کے دن تم لوگوں کو پورا پورا بدلہ دیا جائے گا بے شک اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہر مصیبت کی تسلی ہر فوت ہونے والے کے لئے خلافت اور جو کچھ چلا گیا اس کا مداوا ہے پس اللہ تعالیٰ پر اعتماد کرو اور اسی سے امید رکھو مصیبت زدہ وہ ہے جو ثواب سے محروم ہوا اور تم پر سلامتی اور اللہ تعالیٰ کی رحمت و برکات ہوں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے پوچھا کیا تم جانتے ہو یہ کون تھا؟ (خود فرمایا) یہ حضرت خضر علیہ السلام تھے۔

(دلائل النبوۃ ج ۷ ص ۲۱۱۔۲۶۷ المعجم الکبیر ج ۳ ص ۱۳۹ اتحاف السادۃ المتقین ج ۱۰ ص ۲۹۵۔۲۹۶ کنز العمال رقم الحدیث: ۱۸۸۲۵)

حافظ عراقی نے ''احیاء العلوم کی'' احادیث کی تخریج میں ذکر کیا کہ مذکورہ تعزیت حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مذکور ہے اور یہ ان باتوں میں سے ہے جو ''احیاء العلوم میں'' مذکور ہیں اور امام نووی رحمہ اللہ نے کتب حدیث میں اس حدیث کے وجود کا انکار کیا اور فرمایا کہ اسے (امام شافعی رحمہ اللہ کے) اصحاب نے ذکر کیا پھر عراقی نے فرمایا کہ امام حاکم نے اسے ''مستدرک میں'' حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث سے روایت کیا اور صحیح قرار نہیں دیا اور نہ یہ صحیح ہے۔ واللہ اعلم

ابن ابی الدنیا نے بھی حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا فرماتے ہیں جب نبی اکرم ﷺ کی روح مبارک قبض کی گئی تو آپ کے صحابہ کرام آپ کے گرد جمع ہو کر (آواز کے بغیر) رونے لگے تو ایک شخص جس کے کاندھوں پر طویل بال تھے دو چادروں میں داخل ہوا وہ صحابہ کرام کی گردنیں پھلانگتے ہوئے آیا اور دروازے کی دونوں طرفوں کو پکڑا اور حضور ﷺ پر رونا شروع کر دیا پھر صحابہ کرام کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا بے شک ہر مصیبت کی تسلی ہے اور ہر فانی کا عوض ہے۔

اس حدیث میں ہے کہ پھر وہ شخص چلا گیا تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا اس شخص کو میری طرف بلاؤ انہوں نے دائیں بائیں دیکھا تو کوئی بھی نظر نہ آیا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے فرمایا یہ حضرت خضر علیہ السلام ہیں جو ہمیں تسلی دینے آئے ہیں۔ ابن ابی الدنیا نے بھی اسے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔

اور اس میں محمد بن جعفر صادق ہیں جن میں کلام کیا گیا اور اس میں حضرت علی بن حسین اور ان کے دادا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے درمیان انقطاع ہے اور معروف یہ ہے کہ حضرت علی بن حسین سے مرسل روایت ہے اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا ذکر نہیں ہے جس طرح امام شافعی رحمہ اللہ نے ''الام'' میں روایت کیا اور اس میں حضرت خضر علیہ السلام کا ذکر نہیں۔

امام بیہقی نے فرمایا: کہ ان کا قول ''بے شک اللہ تعالیٰ کو آپ کی ملاقات کا شوق ہے'' کا معنی یہ ہے کہ اس سے مراد آپ کو دنیا سے آخرت کی طرف واپس لانا چاہتا ہے تاکہ آپ کو زیادہ قرب اور اعزاز حاصل ہو۔

طبرانی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت نقل کی وہ فرماتے ہیں: موت کا فرشتہ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اس وقت آپ علیل تھے اور آپ کا سر انور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی گود میں تھا ملک الموت نے کہا ''السلام علیکم ورحمة الله وبركاته'' حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا آپ واپس چلے جائیں ہم آپ سے دوسری طرف مشغول ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا یہ ملک الموت ہیں فرمایا آپ داخل ہو جائیں اس حال میں

کہ آپ رشد و ہدایت والے ہیں جب وہ داخل ہوئے تو عرض کیا بے شک آپ کا رب آپ کو سلام کہتا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ ملک الموت نے اس سے پہلے کسی گھر والوں کو سلام نہیں کیا اور نہ اس کے بعد کہیں گے۔

نبی اکرم ﷺ کا وصال

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

توفی رسول اللہ ﷺ فی بیتی فی یومی وبین سحری و نحری وفی روایة بین حاقنتی وذاقنتی.

رسول اکرم ﷺ کا وصال میرے گھر میں میری باری کے دن میری گردن اور چھاتی کے درمیان ہوا۔ اور ایک روایت میں ہے کہ میری ٹھوڑی اور گلے کے درمیان ہوا۔

الحاقنة۔ حاء قاف اور نون کے ساتھ ٹھوڑی سے نیچے کی جگہ

الذاقنة۔ گلے کے کنارے

السحر۔ سین پر زبر اور حاء ساکن سینے کو کہتے ہیں

النحر۔ نون پر زبر اور اس کے بعد حاء ہے۔

مراد یہ ہے کہ آپ کا وصال ہوا تو آپ کا سر انور حضرت ام المومنین کی گردن اور سینے کے درمیان تھا۔

وہ حدیث اس کے خلاف نہیں جو امام حاکم اور ابن سعد نے کئی طرق (سندوں) سے بیان کی ہے کہ نبی اکرم ﷺ کا وصال ہوا تو آپ کا سر انور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی گود میں تھا کیونکہ حافظ ابن حجر کے بقول اس حدیث کی ہر سند کسی نہ کسی خرابی سے خالی نہیں لہٰذا اس کی طرف توجہ نہ کی جائے۔

سہیلی فرماتے ہیں میں نے واقدی کی کسی کتاب میں پایا کہ نبی اکرم ﷺ نے سب سے پہلا کلمہ جو اس وقت کہا جب آپ حضرت حلیمہ سعدیہ کے ہاں دودھ پیتے تھے "اللہ اکبر" تھا اور آخری کلمہ جو آپ نے کہا وہ "الرفیق الاعلیٰ" ہے۔

امام حاکم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث سے روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے سب سے آخر میں یہ کلمہ کہا:

جلال ربی الرفیع. میرے رب کا جلال بلند ہے۔

جب نبی اکرم ﷺ کا وصال ہوا تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ موجود نہ تھے آپ سنح یعنی عالیہ (کے قریب) مقام پر (جو مسجد نبوی سے ایک میل کے فاصلہ پر ہے) اپنی زوجہ بنت خارجہ (بن زید خروجیہ) کے پاس تھے اور آپ کو نبی اکرم ﷺ نے خود وہاں جانے کی اجازت دی تھی' حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے تلوار نکالی اور ان لوگوں کو ڈرانے لگے جو کہتے تھے کہ نبی اکرم ﷺ کا وصال ہو گیا۔[1]

---

[1] یہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا اجتہاد تھا وہ فرماتے تھے کہ آپ کا وصال اس وقت تک نہیں ہو گا جب تک آپ اپنی امت پر ان کے اعمال کی گواہی نہ دیں کیونکہ ارشاد خداوندی ہے "وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا" پھر آپ نے اس سے رجوع کر لیا۔ (زرقانی ج ۸ ص ۲۷۸)

وہ فرماتے تھے: کہ آپ کے پاس پیغام آیا ہے جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا تھا تو وہ اپنی قوم سے چالیس دن باہر رہے اور اللہ کی قسم! مجھے امید ہے کہ آپ کچھ لوگوں (منافقین) کے ہاتھ اور پاؤں کاٹیں گے پس جب حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو اطلاع ہوئی تو وہ واپس تشریف لائے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرۂ مبارکہ میں داخل ہوئے' نبی اکرم علیہ السلام کے چہرۂ مبارک سے کپڑا اٹھایا اور جھک کر بوسہ لیا اور رونے لگے آپ فرمارہے تھے اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے نبی اکرم علیہ السلام کا وصال ہو گیا یا رسول اللہ! آپ پر اللہ تعالیٰ کی رحمتیں ہوں آپ زندگی اور وفات دونوں حالتوں میں کس قدر اچھے لگتے ہیں؟ یہ روایت طبری نے ''الریاض میں'' نقل کی ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ مقام سخ میں اپنی رہائش گاہ سے واپس تشریف لائے حتیٰ کہ اترے اور مسجد میں داخل ہو گئے اور لوگوں سے کوئی گفتگو نہ فرمائی حتیٰ کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لائے' نبی اکرم علیہ السلام کو دیکھا تو آپ کو ایک یمنی چادر سے ڈھانپا گیا تھا آپ نے چہرۂ انور سے پردہ اٹھایا پھر آپ پر جھک گئے اور آپ کا بوسہ لیا پھر رو پڑے اور فرمایا میرے باپ اور ماں آپ پر قربان ہوں اللہ تعالیٰ آپ پر دو موتوں (دو مرتبہ موت) کو جمع نہیں کرے گا اور اللہ تعالیٰ نے جو موت آپ کے لئے مقرر کی ہے وہ آ چکی ہے۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جو فرمایا: کہ اللہ تعالیٰ آپ پر دو موتوں کو جمع نہیں کرے گا تو اس قول میں اختلاف ہے۔

کہا گیا کہ یہ اپنی حقیقت پر ہے اور آپ نے اس سے ان لوگوں کے رد کی طرف اشارہ کیا جو کہتے تھے کہ آپ عنقریب زندہ ہو کر لوگوں کے ہاتھ کاٹیں گے کیونکہ اگر یہ بات صحیح ہو تو اس سے لازم آتا ہے کہ آپ کا دوبارہ وصال ہو پس آپ نے خبر دی کہ آپ اللہ تعالیٰ کے ہاں اس بات سے زیادہ اعزاز رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ آپ پر دو موتیں جمع کرے جس طرح اس نے آپ کے علاوہ کچھ لوگوں پر جمع کیں مثلاً وہ لوگ جو ہزاروں کی تعداد میں گھروں سے نکلے۔ اور وہ جو ایک بستی سے گزرا۔[1]

یہ جواب سب سے واضح اور (اعتراض سے) زیادہ محفوظ ہے۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ قبر میں آپ کا وصال دوبارہ نہیں ہو گا جس طرح دوسرے لوگوں کو سوال و جواب کے لئے زندہ کیا جاتا ہے پھر وہ مر جاتے ہیں۔ یہ جواب داؤدی نے دیا ہے۔

ایک قول یہ ہے کہ اللہ آپ کی ذات کی وفات اور آپ کی شریعت کی موت کو جمع نہیں کرے گا' کہا گیا دوسری بات تکلیف سے کنایہ ہے یعنی موت کی تکلیف کے بعد کسی دوسری تکلیف میں نہیں ڈالے گا یہ بات ''فتح الباری'' میں فرمائی ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہی سے مروی ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر کہا اللہ کی قسم! رسول اکرم علیہ السلام کا وصال نہیں ہوا پس حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور نبی اکرم علیہ السلام کے چہرۂ انور سے پردہ

---

[1] بنی اسرائیل کی طرف اشارہ ہے جو اپنے علاقے میں طاعون پھیل جانے کی وجہ سے نکلے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا مر جاؤ پھر زندہ کیا اور دوسرا واقعہ حضرت عزیر علیہ السلام کا ہے کہ ایک بستی (بیت المقدس) سے گزرے تو فرمایا کہ اسے اللہ تعالیٰ کس طرح زندہ کرے گا تو آپ کو موت دی گئی اور سو سال کے بعد زندہ کیا گیا اور پھر اپنے وقت پر وصال ہوا۔ (زرقانی ج ۸ ص ۲۷۸' ۲۷۹)

ہٹایا اور کہا میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں آپ کی زندگی اور وصال دونوں اچھے ہیں اس ذات کی قسم! جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے اللہ تعالیٰ آپ کو دو موتیں کبھی نہیں چکھائے گا پھر آپ باہر تشریف لے گئے اور فرمایا اے قسم اٹھانے والے! ٹھہر جاؤ۔

جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے گفتگو فرمائی تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بیٹھ گئے' حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء کی اور فرمایا سنو! جو شخص حضرت محمد (ﷺ) کی پوجا کرتا تھا تو حضرت محمد (ﷺ) کا انتقال ہو گیا ہے اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا تھا تو بے شک اللہ تعالیٰ زندہ ہے اسے موت نہیں آئے گی۔

اور ارشادِ خداوندی ہے:

اِنَّکَ مَیِّتٌ وَّاِنَّھُمْ مَّیِّتُوْنَ○ (الزمر:٣٠) آپ بھی فوت ہونے والے ہیں اور وہ بھی فوت ہوں گے۔

اور فرمایا:

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ. (آل عمران:١٤٤) اور حضرت محمد ﷺ تو صرف رسول ہیں (خدا نہیں) تحقیق آپ سے پہلے کئی رسول گزر چکے ہیں۔

فرماتے ہیں: پس لوگوں کی روتے روتے ہچکی بندھ گئی (فنشج الناس یبکون کے الفاظ ہیں)۔

کہا جاتا ہے ''نشج الباکی'' جب زیادہ رونے کی وجہ سے ہچکی بندھ جائے۔

حضرت سالم بن عبید اشجعی سے مروی ہے فرماتے ہیں جب نبی اکرم ﷺ کا وصال ہوا تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے سب لوگوں سے زیادہ پریشانی کا اظہار کیا آپ نے اپنی تلوار نکال لی اور فرمایا: میں کسی کو یہ کہتے ہوئے نہ سنوں کہ اللہ کے رسول ﷺ کا انتقال ہو گیا ورنہ میں اپنی اس تلوار سے اسے ماردوں گا' راوی فرماتے ہیں: لوگوں نے کہا اے سالم! رسول اکرم ﷺ کے ساتھی (حضرت ابوبکر صدیق) کو تلاش کرو فرماتے ہیں میں مسجد کی طرف نکلا تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ وہاں تھے جب میں نے ان کو دیکھا تو روتے ہوئے میری ہچکی بندھ گئی انہوں نے پوچھا اے سالم کیا نبی اکرم ﷺ کا وصال ہو گیا ہے؟ میں نے عرض کیا یہ حضرت عمر بن خطاب ہیں جو فرماتے ہیں: کہ میں کسی کو یہ بات کہتے ہوئے نہ سنوں کہ حضور ﷺ کا وصال ہو گیا ورنہ میں اسے اپنی اس تلوار سے ماروں گا۔

راوی فرماتے ہیں: پس حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تشریف لائے' حتیٰ کہ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کو چادر سے ڈھانپا گیا تھا انہوں نے آپ کے چہرۂ انور سے چادر ہٹائی اور اپنا منہ آپ کے دہن مبارک پر رکھا اور (موت کی) ہوا سونگھی پھر آپ کو چادر سے ڈھانپ دیا اور ہماری طرف متوجہ ہو کر فرمایا:

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ. (آل عمران:١٤٤) اور حضرت محمد ﷺ تو صرف رسول ہیں (خدا نہیں) تحقیق آپ سے پہلے کئی رسول گزر چکے ہیں۔

اور یہ آیت بھی پڑھی:

اِنَّکَ مَیِّتٌ وَّاِنَّھُمْ مَّیِّتُوْنَ○ (الزمر:٣٠) آپ بھی فوت ہونے والے ہیں اور وہ بھی فوت

ہوں گے۔

اے لوگو! جو شخص حضرت محمد (ﷺ) کی پوجا کرتا تھا تو بے شک حضرت محمد ﷺ کا انتقال ہو گیا ہے اور جو آدمی اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا تھا تو بے شک اللہ تعالیٰ زندہ ہے اُسے کبھی موت نہیں آئے گی۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اللہ کی قسم! (ایسا معلوم ہوتا تھا کہ) گویا میں نے یہ آیات کبھی نہیں پڑھی تھیں۔

اس حدیث کو احمد حمزہ بن حارث نے نقل کیا جس طرح طبری نے اسے اپنی کتاب ''الریاض'' میں ذکر کیا اور فرمایا امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس کا مفہوم مکمل طور پر نقل کیا' حدیث میں استنشی الریح کے الفاظ ہیں جن کا معنی (موت کی) ہوا سونگھنا ہے۔

امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا وہ فرماتی ہیں:

میں نے نبی اکرم ﷺ کو کپڑے سے ڈھانپ دیا حضرت عمر فاروق اور حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہما تشریف لائے اور اجازت مانگی تو میں نے ان کو اجازت دی اور پردہ کھینچ لیا' حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے آپ کو دیکھا تو کہا ہائے بے ہوشی! پھر دونوں کھڑے ہو گئے (جب دروازے کے قریب پہنچے تو) حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا اے عمر! رسول اکرم ﷺ کا انتقال ہو چکا ہے انہوں نے فرمایا تم جھوٹ کہتے ہو بے شک اللہ کے رسول ﷺ کو موت نہیں آئے گی حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ منافقین کو فنا کر دے۔

پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تشریف لائے تو میں نے پردہ اٹھایا انہوں نے آپ کو دیکھا تو اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ پڑھ کر فرمایا رسول اللہ ﷺ کا وصال ہو چکا ہے۔

''صحیح بخاری میں'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ باہر تشریف لائے تو حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ لوگوں سے باتیں کر رہے تھے انہوں نے فرمایا اے عمر! بیٹھ جاؤ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بیٹھنے سے انکار کیا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے اور ان سب نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو (ان کی حالت پر) چھوڑ دیا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اما بعد (حمد و صلوٰۃ کے بعد!) جو شخص حضرت محمد ﷺ کی پوجا کرتا تھا تو حضرت محمد ﷺ کا انتقال ہو چکا ہے اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا تھا تو اللہ تعالیٰ زندہ ہے اُسے موت نہیں آئے گی۔ ارشاد خداوندی ہے:

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ. (آل عمران:۱۴۴)

اور حضرت محمد (ﷺ) تو محض رسول ہیں (خدا نہیں) تحقیق آپ سے پہلے کئی رسول گزر چکے ہیں۔

(حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما) فرماتے ہیں اللہ کی قسم (یوں معلوم ہوتا تھا کہ) گویا لوگوں کو معلوم نہیں تھا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی ہے حتیٰ کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اسے تلاوت کیا پس سب لوگوں نے اسے ان سے سیکھا تو میں جس انسان سے سنتا وہ یہی آیت پڑھ رہا تھا۔

ابن ابی شیبہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث نقل کی ہے جس میں یوں ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ' حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرے اور وہ فرما رہے تھے کہ نبی اکرم ﷺ کا وصال نہیں ہوا اور نہ ہی

اس وقت تک آپ کا وصال ہوگا جب تک اللہ تعالیٰ منافقین کو ہلاک نہ کردے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں اور صحابہ کرام خوشی کا اظہار کررہے تھے اور اپنے سروں کو اٹھاتے تھے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا اے شخص! نبی اکرم ﷺ کا وصال ہو چکا ہے کیا تم نے اللہ تعالیٰ کو فرماتے ہوئے نہیں سنا:

اِنَّکَ مَیِّتٌ وَّاِنَّھُمْ مَّیِّتُوْنَ ○ (الزمر: ۳۰) بے شک آپ نے بھی انتقال فرمانا ہے اور انہوں نے بھی مرنا ہے۔

اور ارشاد فرمایا:

وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِکَ الْخُلْدَ. (الانبیاء: ۳۴) اور ہم نے تم سے پہلے کسی بشر کے لئے ہمیشہ کی زندگی نہیں رکھی۔

پھر آپ منبر پر تشریف لائے اس کے بعد پوری حدیث ہے (جو پہلے گزر چکی ہے)۔

ابوعبداللہ قرطبی فرماتے ہیں: اس حدیث میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی شجاعت پر بہت بڑی دلیل ہے کیونکہ شجاعت کی تعریف یہ ہے کہ مصائب کے وقت دل قائم و ثابت رہے اور نبی اکرم ﷺ کے وصال سے بڑی کوئی مصیبت نہیں پس اس وقت آپ کی شجاعت اور علم ظاہر ہوا۔

صحابہ کرام نے کہا کہ نبی اکرم ﷺ کا وصال نہیں ہوا اور اس معاملے میں اضطراب پیدا ہوگیا تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اس حدیث کے ذریعے اسے دور کیا پس حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنی بات سے رجوع کر لیا۔

جس طرح وائلی ابونصر عبداللہ نے اپنی کتاب ''الانابہ'' میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی مسجد میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے سنا اور وہ منبر پر تشریف فرما تھے۔

انہوں نے تشہد (خطبہ) کے بعد فرمایا میں نے کل تم سے ایک بات کہی تھی اور وہ اس طرح نہیں جس طرح میں نے کہا تھا۔ اللہ کی قسم! وہ بات جو میں نے تم سے کہی تھی میں نے اسے اللہ کی کتاب سے نہیں پایا اور نہ نبی اکرم ﷺ نے کوئی ایسی بات فرمائی لیکن مجھے امید تھی کہ نبی اکرم ﷺ زندہ رہیں گے حتیٰ کہ ہم سب سے بعد آپ کا وصال ہوگا یا جیسا کہ انہوں نے فرمایا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کے لئے اس چیز کو جو اس کے پاس ہے اس پر ترجیح دی جو تمہارے پاس ہے اور یہ وہ کتاب ہے جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کی رہنمائی فرمائی پس اسے اختیار کرو اس بات کی طرف رہنمائی حاصل کروگے جس کی طرف اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کی رہنمائی فرمائی ہے۔

حضرت ابونصر (مذکور) نے کہا کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے جو بات فرمائی اور پھر اس سے رجوع کیا یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ کا وصال نہیں ہوا اور ہرگز آپ کا وصال نہیں ہوگا یہاں تک کہ آپ (منافقین کے) ہاتھ اور پاؤں کاٹ دیں اور آپ نے یہ بات اس لئے فرمائی کہ آپ پر ایک بہت بڑا صدمہ وارد ہوا اور آپ کو فتنے اور منافقین کے ظہور کا ڈر ہوا پھر جب آپ نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے یقین کی قوت کا مشاہدہ کیا اور ان سے اللہ تعالیٰ کا یہ کلام سنا:

کُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَۃُ الْمَوْتِ. (آل عمران: ۱۸۵) ہر نفس نے موت کو چکھنا ہے۔

اور ارشاد خداوندی ہے:

اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ ﴿الزمر: ۳۰﴾ بے شک آپ نے بھی انتقال فرمانا ہے اور انہوں نے بھی مرنا ہے۔

اور لوگ یوں نکلے کہ مدینہ طیبہ کی گلیوں میں ان آیات کو پڑھتے تھے گویا یہ آیات آج سے پہلے بالکل نازل نہیں ہوئیں (تو انہوں نے اپنے قول سے رجوع کرلیا)۔

ابن منیر نے کہا جب رسول اکرم ﷺ کا وصال ہوا تو عقلیں زائل ہونے کے قریب ہو گئیں ان میں سے بعض جنون کے قریب پہنچ گئے اور بعض بالکل بیٹھ گئے (شل ہو گئے) پس وہ کھڑا ہونے کی طاقت نہیں رکھتے تھے اور بعض کی زبانیں گنگ ہوئیں پس وہ بول نہیں سکتے تھے اور بعض بیمار ہو گئے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان لوگوں میں تھے جو جنون کے قریب پہنچ چکے تھے' حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ان لوگوں میں تھے جو بول نہیں سکتے تھے ان کو لایا اور لے جایا جاتا اور وہ کلام پر قادر نہیں تھے' حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ بیٹھ جانے والوں میں سے تھے وہ حرکت نہیں کر سکتے تھے' حضرت عبداللہ بن انیس بیمار ہو گئے اور اسی غم میں انتقال کر گئے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ان سب سے زیادہ ثابت قدم رہے وہ یوں تشریف لائے کہ ان کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے' سانس اکھڑا ہوا تھا اور وہ گلو گیر تھے۔

پس آپ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ پر جھک گئے آپ کے چہرۂ انور سے کپڑا اٹھایا اور فرمایا آپ کی زندگی اور موت دونوں اچھی ہیں اور آپ کے وصال سے وہ چیز ختم ہو گئی جو کسی نبی کی وفات سے ختم نہیں ہوئی (نبوت مراد ہے کیونکہ آپ آخری نبی ہیں)۔

آپ ہر صفت سے عظیم اور رونے سے بلند ہیں اگر آپ کا وصال اختیاری ہوتا تو ہم آپ کے وصال پر نفسوں کو قربان کر دیتے۔ اے محمد! (ﷺ) اپنے رب کے ہاں ہمارا ذکر کرنا اور ہم آپ کی توجہ و خیال میں رہیں۔

حضرت ابن عباس اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم ﷺ کے وصال کے بعد آپ کا بوسہ لیا جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا ''صحیح بخاری'' اور دیگر کتب میں یہ روایت مروی ہے۔

یزید بن بابنوس نے حضرت ام المومنین سے روایت کیا جسے امام احمد نے نقل کیا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ کے سرانور کی جانب سے آپ کے پاس آئے اور اپنے منہ کو جھکا کر آپ کی پیشانی کا بوسہ لیا پھر فرمایا اے نبی! پھر سر اٹھایا دوبارہ منہ کو جھکا کر آپ کی پیشانی کا بوسہ لیا اور فرمایا اے منتخب اور چنے ہوئے! پھر سر اٹھایا اور پھر منہ کو جھکا کر پیشانی کا بوسہ لیا اور فرمایا اے خلیل!

ابن ابی شیبہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنا منہ رسول اکرم ﷺ کی پیشانی پر رکھا اور چومنے لگے اور روتے ہوئے فرماتے تھے میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں آپ کی موت و حیات دونوں اچھی ہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ' نبی اکرم ﷺ کی وفات کے بعد آپ کے پاس حاضر ہوئے تو اپنا منہ آپ کی دونوں آنکھوں کے درمیان رکھا اور اپنے آپ کی کنپٹیوں پر رکھ کر فرمایا:

اے نبی! اے خلیل! اے منتخب شخصیت! یہ روایت ابن عرفہ عبدی نے نقل کی جیسا کہ طبری نے ذکر کیا۔

اور اگر یہ روایت صحیح ہو تو اس کے اور جو بات پہلے گزر چکی ہے کہ آپ ثابت قدم رہے' کے درمیان کوئی تضاد نہیں کیونکہ آپ نے یہ الفاظ کسی بے قراری کے بغیر پست آواز میں کہے پھر ان کی طرف متوجہ ہوئے اور ان (صحابہ کرام) سے فرمایا جو کچھ فرمایا۔

امام بیہقی اور ابونعیم نے واقدی کے طریقے سے اپنے شیوخ سے روایت کیا کہ ان کو نبی اکرم ﷺ کے وصال میں شک ہوا تو ان میں سے بعض نے کہا کہ آپ کا وصال ہوگیا ہے اور کچھ نے کہا کہ آپ کا وصال نہیں ہوا پس حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا نے اپنا ہاتھ آپ کے دونوں کاندھوں کے درمیان رکھا اور فرمایا کہ آپ کا وصال ہوگیا' آپ کے کاندھوں کے درمیان سے مہر نبوت کو اٹھالیا گیا ہے تو اس سے آپ کے وصال کی پہچان ہوئی۔ اس حدیث کو ابن سعد نے بھی واقدی سے نقل کیا ہے۔

اظہارِ تاسف

جب نبی اکرم ﷺ کا وصال ہوا تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے کہا:

یا ابتاہ اجاب ربا دعاہ یا ابتاہ من جنة الفردوس مأواہ یا ابتاہ الی جبریل ننعاہ. (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۴۶۲)

اے ابا جان! جنہوں نے اپنے رب کی دعوت کو قبول کیا اے ابا جان! جن کا ٹھکانہ جنت الفردوس ہے اے ابا جان! جن کے وصال کی خبر ہم جبریل امین کو دیتے ہیں۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہا گیا ہے کہ صحیح یہ ہے "الیٰ جبریل نعاہ حضرت جبریل علیہ السلام نے مجھے آپ کے وصال کی خبر دی"۔

ابن جوزی کے نواسے نے "مرأة الزمان" کتاب میں اسے قطعی طور پر بیان کیا۔ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں پہلے قول کی ایک وجہ ہے پس محض اپنے گمان سے راوی کو غلط قرار دینے کا کوئی مطلب نہیں۔[1]

طبرانی نے یہ اضافہ کیا ہے:

یا ابتاہ من ربه ما ادناہ.

اے ابا جان! آپ اپنے رب کے کس قدر قریب ہیں؟

حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا' نبی اکرم ﷺ کے وصال کے بعد چھ ماہ زندہ رہیں اور اس دوران آپ مسکرائی نہیں اور آپ کو اس بات کا حق بھی تھا

(شاعر نے کہا):

علی مثل لیلی یقتل المرء نفسه   وان کان من لیلی علی الھجر طاویا

---

[1] مطلب یہ ہے کہ پہلے قول کے درست ہونے کی ایک وجہ ہے اور وہ وجہ یہ ہے کہ اس سے یہ بات لازم نہیں آتی کہ موت کی خبر تو اسے دی جاتی ہے جس کو علم نہ ہو (جب کہ حضرت جبریل علیہ السلام کو علم تھا) کیونکہ بعض اوقات افسوس کے اظہار کے طور پر جاننے والے کو بھی خبر دی جاتی ہے۔ (زرقانی ج ۸ ص ۲۸۳)

"لیلیٰ ایسے محبوب کے (وصال) پر اگر (عاشق اور محبّ) اپنی جان دے دیتا ہے اور اسے حق پہنچتا ہے (کیونکہ اس کی جان میں اس کی جان تھی) اگرچہ عاشق زندگی بھر لیلیٰ کی طرف سے شربتِ وصال کی بجائے شربتِ دیدار پر قناعت گزیں رہا مگر وصال کے بعد تو دیدار سے بھی"۔

ابونعیم نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے' فرماتے ہیں:

جب نبی اکرم ﷺ کا وصال ہوا تو موت کا فرشتہ روتا ہوا آسمان کی طرف گیا (اور کہا) اس ذات کی قسم! جس نے آپ کو حق کے ساتھ نبی بنا کر بھیجا تحقیق میں نے آسمان سے ایک آواز سنی کہ منادی کہہ رہا تھا "وامحمداہ" اے محمد! ﷺ (آخر حدیث تک):

كل المصائب تهون عند هذه المصيبة. اس مصیبت کے مقابلے میں تمام مصیبتیں آسان ہیں۔

"سنن ابن ماجہ میں ہے کہ" نبی اکرم ﷺ نے اپنی بیماری کے دوران فرمایا:

اے لوگو! لوگوں میں سے' جس کو یا فرمایا: مومنوں میں سے' کوئی مصیبت پہنچے تو وہ اس مصیبت کو سامنے رکھتے ہوئے جو میری وجہ (میرے وصال کی وجہ) سے پہنچی ہے' میرے غیر کی وجہ سے پہنچنے والی مصیبت پر صبر کرے کیونکہ میرے کسی امتی کو میرے بعد میری مصیبت سے بڑھ کر کوئی مصیبت ہرگز نہیں پہنچے گی۔

ابن جوزاء نے کہا کہ مدینہ طیبہ میں اگر کسی کو کوئی مصیبت پہنچتی تو اس کا بھائی آ کر اس سے مصافحہ کرتا اور کہتا اے اللہ کے بندے! اللہ تعالیٰ سے ڈرو بے شک اللہ کے رسول ﷺ کی زندگی میں بہترین نمونہ ہے اور کسی قائل (شاعر) کا قول مجھے اچھا لگا:

اصبر لكل مصيبة وتجلد ... واعلم بان المرء غير مخلد
واصبر كما صبر الكرام فانها ... نوب تنوب اليوم تكشف في غد
واذا اتتك مصيبة تشجى بها ... فاذكر مصابك بالنبي محمد

"ہر مصیبت کے وقت صبر کا اظہار کرو اور مضبوطی دکھاؤ' اور جان لو کہ کسی شخص نے سدا زندہ نہیں رہنا۔

اور صبر (اس لیے بھی) اختیار کرنا چاہیے کہ یہ انبیاء علیہ السلام اور سلف صالحین کی سنت' اور ان کا طریقہ یہ رہا ہے کہ کیونکہ آج اگر مصائب و آلام کے بادل چھائے ہیں تو کل چھٹ جائیں گے۔

اور تجھے جب کوئی مصیبت آ کر ستائے' تو اپنے نبی حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کو پہنچنے والے مصائب کو یاد کر لیا کر"۔

ہر مصیبت پر صبر کر اور اسے برداشت کر اور جان لے کہ آدمی ہمیشہ رہنے والا نہیں اور اس طرح صبر کر جس طرح معزز لوگوں نے صبر کیا کیونکہ یہ ایک مصیبت ہے جو آج آئی ہے' کل دور ہو جائے گی۔

اور جب تجھے کوئی مصیبت پہنچے جس پر تو غمگین ہو تو اس مصیبت کو یاد کر جو اللہ کے نبی حضرت محمد ﷺ کے فراق پر پہنچی۔

اللہ تعالیٰ شاعر پر رحم فرمائے:

تذکرت لما فرق الدھر بیننا فعزیت نفسی بالنبی محمد

وقلت لھا ان المنایا سبیلنا فمن لم یمت فی یومہ مات فی غد

''جب زمانے نے ہمارے درمیان جدائی ڈالی تو مجھے بات یاد آ گئی پس میں نے اللہ کے نبی حضرت محمد ﷺ (کے فراق) سے اپنے آپ کو تسلی دی۔ اور میں نے نفس سے کہا کہ موتیں ہمارے راستے ہیں پس جو آج فوت نہیں ہوگا تو کل فوت ہو جائے گا''۔

قریب تھا کہ نبی اکرم ﷺ کی جدائی کے دکھ میں جمادات (پتھر) وغیرہ پھٹ جائیں تو مؤمنوں کے دلوں کا کیا حال ہوگا؟ جب کھجور کے خشک تنے نے جس کے ساتھ ٹیک لگا کر آپ خطبہ دیا کرتے تھے اور ابھی منبر نہیں بنا تھا آپ کو نہ پایا تو وہ رویا اور چلایا حضرت حسن (بصری) رحمہ اللہ جب یہ حدیث بیان کرتے تو رو پڑتے اور فرماتے یہ لکڑی ہے جو نبی اکرم ﷺ کے لئے رو رہی ہے تو تم زیادہ حق رکھتے ہو کہ آپ کا اشتیاق رکھو۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے جب آپ کے وصال کے بعد اور دفن سے پہلے اذان دیتے ہوئے اشھد ان محمدا رسول اللہ کہتے تو مسجد رونے اور رونے میں آواز کو بلند کرنے سے گونج اٹھتی تھی اور جب آپ کو دفن کر دیا گیا تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اذان دینا چھوڑ دی' احباب کی جدائی سے زندگی کس قدر تلخ ہو جاتی ہے خصوصاً وہ لوگ جن کے دیکھنے سے عقل مند لوگوں کی زندگی وابستہ ہو۔

لو ذاق طعم الفراق رضوی لکان من وجدہ یمید

قد حملونی عذاب شوق یعجز عن حملہ الحدید

''اگر رضوی (مدینہ طیبہ میں ایک پہاڑ ہے) فراق کا ذائقہ چکھے تو اس کے اثر سے حرکت میں آ جائے انہوں نے مجھ پر شوق کا عذاب اس قدر رکھا کہ لوہا بھی اس کو برداشت کرنے سے عاجز ہو جائے''۔

نبی اکرم ﷺ کا وصال سوموار کے دن ہوا اس میں کوئی اختلاف نہیں اور ہجرت کے موقعہ پر آپ مدینہ طیبہ میں اس وقت داخل ہوئے تھے جب چاشت کا وقت سخت ہو جاتا ہے (سورج ڈھلنے کا وقت قریب ہوتا ہے) اور منگل کے دن اور ایک قول کے مطابق بدھ کی رات آپ کو دفن کیا گیا۔

''طبقات ابن سعد میں'' حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ کا وصال سوموار کے دن ہوا اور منگل کے دن آپ کو دفن کیا گیا اور طبقات میں ہی حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ کا وصال سوموار کے دن ہوا پس اس دن کا باقی حصہ آئندہ رات کو اور اگلے دن بھی آپ کے وجود مسعود کو رکھا گیا حتیٰ کہ رات کے وقت (بدھ کی رات) آپ کو دفن کیا گیا۔

طبقات میں ہے حضرت عثمان بن محمد اخنس سے مروی ہے کہ آپ کا وصال سوموار کے دن اس وقت ہوا جب سورج ڈھل گیا اور بدھ کے دن آپ کو دفن کیا گیا۔

ابن سعد نے ہی حضرت ابی بن عباس بن سہل کے واسطہ سے ان کے والد سے روایت کیا اور وہ ان کے دادا (ابی کے دادا اور اپنے والد حضرت سہل بن ساعد انصاری رضی اللہ عنہ) سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ کا وصال

سوموار کے دن ہوا اس دن کا باقی حصہ اور منگل کا دن گزارنے کے بعد بدھ کے دن آپ کو دفن کیا گیا۔

ابن سعد ہی حضرت صالح بن کیسان سے اور وہ ابن شہابؒ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کا وصال سوموار کے دن اس وقت ہوا جب سورج ڈھل گیا (دوپہر کے وقت)۔ (طبقات ابن سعد ج ۲ ص ۲۰۸)

نبی اکرم ﷺ کی پھوپھی حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے آپ کے فراق میں بہت سے قصیدے کہے ہیں' ان میں سے آپ کا یہ کلام بھی ہے:

الایا رسول اللہ کنت رجاء نا — وکنت بنا برا ولم تک جافیا
وکنت رحیما ھادیا ومعلما — لیبک علیک الیوم من کان باکیا
لعمرک ما ابکی النبی لفقدہ — ولکن لما اخشی من الھجر آتیا
کان علی قلبی لذکر محمد — وما خفت من بعد النبی المکاویا
افاطم صلی اللہ رب محمد — علی جدث امسیٰ بیثرب ثاویا
فدی لرسول اللہ امی وخالتی — وعمی وخالی ثم نفسی ومالیا
فلو ان رب الناس ابقی نبینا — سعدنا ولکن امرہ کان ماضیا
علیک من اللہ السلام تحیۃ — وادخلت جنات من العدن راضیا
اری حسنا ایتمتہ وترکتہ — یبکی ویدعو جدہ الیوم نائیا

''یا رسول اللہ! آپ ہماری امید گاہ تھے آپ ہم سے اچھا سلوک کرنے والے تھے اور ہم سے منہ پھیرنے والے نہیں تھے۔

آپ رحمت کرنے والے' ہدایت دینے والے اور معلم تھے جس نے روتا ہو اسے چاہیے کہ آج آپ پر روئے۔

آپ کی عمر کی قسم! میں صرف نبی ﷺ کو نہ پانے پر نہیں روتی بلکہ مجھے آنے والی جدائی کا ڈر ہے۔

گویا میرے دل پر ذکر محمد ﷺ سے اور اس بات سے جس (اختلاف و انتشار اور ذلت) کا مجھے نبی اکرم ﷺ کے بعد ڈر ہے' داغ ہی داغ ہیں۔

اے فاطمہ! حضرت محمد ﷺ کا رب اس قبر انور پر رحمت نازل فرمائے جو یثرب میں پناہ گاہ ہوگئی۔

رسول اللہ ﷺ پر میری ماں' میری خالہ' میرے چچا اور ماموں پھر میرا نفس اور مال فدا ہو جائے اگر لوگوں کا رب ہمارے نبی ﷺ کو باقی رکھتا تو ہماری خوش قسمتی ہوتی لیکن اس کا فیصلہ اٹل ہے۔

آپ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے سلام ہو اور آپ کو جناتِ عدن میں داخل کیا جائے اس حال میں کہ آپ راضی ہوں۔

میں حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو دیکھتی ہوں کہ آپ نے ان کو یتیم کر دیا اور روتا ہوا چھوڑا اور وہ اپنے نانا جان کو پکارتے ہیں جب کہ وہ دور ہو چکے ہیں''۔

ابوسفیان بن حارث نے ان کلمات سے جدائی پر افسوس کا اظہار کیا:

ارقت فبت لیلی لا یزول ولیل اخی المصیبة فیہ طول
واسعدنی البکاء وذاک فیما اصیب المسلمون بہ قلیل
لقد عظمت مصیبتنا وجلت عشیة قیل قد قبض الرسول
واضحت ارضنا مما عراھا تکاد بنا جوانبھا تمیل
فقدنا الوحی والتنزیل فینا یروح بہ ویغدو جبرئیل
وذاک احق ما سالت علیہ نفوس الناس او کادت تسیل
نبی کان یجلو الشک عنا بما یوحی الیہ وما یقول
ویھدینا فلا نخشی ضلالا علینا والرسول لنا دلیل
افاطم ان جزعت فذاک عذر وان لم تجزعی ذاک السبیل
فقبر ابیک سید کل قبر وفیہ سید الناس الرسول

''میں نے رات بے خوابی میں گزاری جو ختم نہیں ہوتی اور مصیبت والی رات لمبی ہوتی ہے۔

اور رونے نے مجھے خوش بخت کیا اور مسلمانوں کو پہنچنے والی مصیبت کے مقابلے میں یہ بہت کم ہے۔

اس شام ہماری مصیبت بہت بڑی ہوگئی جب کہا گیا کہ رسول اکرم ﷺ کی روح مبارک پرواز کر گئی اور ہماری زمین اس ذات کی وجہ سے جس نے اسے چھوڑ دیا قریب تھا کہ وہ اس کے کنارے ہماری طرف مائل ہوں (یعنی تنگ ہو جائے)۔

ہماری طرف آنے والی وحی اور نزول قرآن جسے جبریل امین صبح و شام لاتے تھے ہم اس سے محروم ہو گئے اس پر لوگوں کی جانیں نکل جائیں یا نکلنے کے قریب ہوں تو یہ اس کے زیادہ لائق ہے۔

وہ نبی ﷺ جو وحی کے ذریعے اور اپنے ارشادات مبارکہ سے ہمارے شکوک کو دور کرتے تھے اور ہمیں ہدایت دیتے پس ہمیں گمراہی کا خوف نہ ہوتا کیونکہ رسول ﷺ ہمارے رہنما تھے۔

اے فاطمہ! (رضی اللہ عنہا) اگر تم پریشانی کا اظہار کرو تو یہ عذر ہے اور اگر ایسا نہ کرو تو بھی ایک راستہ ہے آپ کے والد گرامی کی قبر تمام قبروں کی سردار ہے کیونکہ اس میں وہ رسول تشریف فرما ہیں جو تمام لوگوں کے سردار ہیں''۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان الفاظ کے ساتھ غم کا اظہار کیا:

لما رایت نبینا متجندلا ضاقت علی بعرضھن الدور
فارتاع قلبی عند ذاک لھلکہ والعظم منی ما حییت کسیر
اعتیق ویحک ان حبک قد ثوی فالصبر عنک لما لقیت یسیر
یالیتنی من قبل مھلک صاحبی غیبت فی جدث علی صخور
فلتحدثن بدائع من بعدہ یعیی بھن جوارح و صدور

''جب میں نے اپنے نبی کو موت کے سامنے بچھا ہوا دیکھا تو مکانات کشادگی کے باوجود مجھ پر تنگ ہو

گئے ۔اس وقت آپ کے وصال پر میرا دل خوف زدہ ہو گیا' اور جب تک میں زندہ ہوں میری ہڈیاں ٹوٹی ہوئی رہیں گی۔ کیا تو آزاد ہے تجھ پر افسوس تیرا محبوب مدفون ہو گیا' اور تجھے جو مصیبت پہنچی ہے اس پر صبر کرنا بہت معمولی بات ہے۔ کاش میں اپنے دوست کے وصال سے پہلے چٹانوں پر قبر میں غائب ہو جاتا' ان کے بعد ایسی ایسی مصیبتیں ظاہر ہوں گی جن کی وجہ سے اعضاء اور سینے (دل) عاجز آ جائیں گے"۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ان الفاظ کے ساتھ بھی اظہارِ غم فرمایا:

ودعنا الوحی اذ ولیت عنا فودعنا من اللہ الکلام
سوی ما قد ترکت لنا رھینا تضمنہ القراطیس الکرام

"جب آپ نے ہم سے پیٹھ پھیری تو وحی نے بھی ہمیں الوداع کہا' پس ہم سے کلام الٰہی بھی رخصت ہو گیا۔ ماسوائے اس کے جو آپ نے ہمارے پاس رہن چھوڑا' اور وہ معزز و محترم کاغذوں میں ہے"۔

حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے کتنے اچھے الفاظ میں اظہارِ غم فرمایا:

کنت السواد لناظری فعمی علیک الناظر
من شاء بعدک فلیمت فعلیک کنت احاذر

"یارسول اللہ! آپ تو میری آنکھوں کی پتلی تھے' آپ کے پردہ فرمانے سے میری آنکھوں پر پردہ پڑ گیا ہے اور میری دُنیا اندھیر ہو گئی ہے۔ مجھے آپ کی جدائی کا ڈر رہتا تھا اور اب جو آپ ہمارے پاس نہیں رہے تو میری بلا کو چاہے کوئی جئے چاہے مرے مجھے کوئی پرواہ اور ڈر نہیں رہا"۔

حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے ان الفاظ کے ساتھ بھی اظہارِ غم کیا:

بطیبۃ رسم للرسول ومعھد مبین وقد تعفو الرسوم وتھمد
ولا تنمحی الایات من دار حرمہ بھا منبر الھادی الذی کان یصعد
واوضح ایات وباقی معالم وربع لہ فیہ مصلی ومسجد
بھا حجرات کان ینزل وسطھا من اللہ نور یستضاء ویوقد
معارف لم تطمس علی العھد ایھا اتاھا البلی فالای منھا تجدد
عرفت بھا رسم الرسول وعھدہ وقبرا بھا واراہ فی الترب ملحد
اطالت وقوفا تذرف العین دمعھا علی طلل القبر الذی فیہ احمد
فبورکت یا قبر الرسول وبورکت بلاد ثوی فیھا الرشید المسدد
وبورک لحد منک ضمن طیبا علیہ بناء من صفیح منضد
تھیل علیہ الترب اید واعین تباکت وقد غارت بذلک اسعد
لقد غیبوا حلما وعلما ورحمۃ عشیۃ عالوہ الثری لا یوسد
وراحوا بحزن لیس فیھم نبیھم وقد وھنت منھم ظھور واعضد
یبکون من تبکی السموات موتہ ومن قد بکتہ الارض والناس اکمد

وھل عدلت یوما رزیۃ ھالک رزیۃ یوم مات فیہ محمد

"طیبہ میں رسول اکرم ﷺ کی مشہور و معروف یادگاریں اور آثار و علامات تھے اب یہ آثار آہستہ آہستہ مٹتے اور مدہم ہوتے جا رہے ہیں۔

البتہ آپ کے مقدس حرم خانہ کی نشانیاں اور نقوش ان مٹ ہیں اسی میں ایک ہادی برحق ﷺ کا وہ منبر شریف جس پر چڑھ کر آپ خطبہ ارشاد فرماتے تھے۔

سب سے روشن نشانی اور باقی رہنے والی یادگار وہ مقدس احاطہ اور جگہ ہے جس میں آپ کی مسجد اور جائے نماز ہے۔

اس میں وہ حجرے مبارک ہیں جس کے آنگن میں اللہ کے نور حضور ﷺ نزول فرماتے تو اس کی ضیاء پاشیوں سے وہ روشن ہوتے اور جگمگا اٹھتے۔

اور علم و عرفان کی وہ جگہیں جن کے نشان زمانے کے گزرنے کے ساتھ مٹے نہیں ہیں بوسیدگی اور کہنگی ان مقامات پر آتی رہی مگر یہ نشانات اور آثار اس سے اور بھی زیادہ نئی شان کے ساتھ نمودار ہوئے۔

اسی میں آپ کے مبارک عہد اور اس عہد کے رسوم کی معرفت کے چشمے پھوٹتے ہیں اسی میں وہ قبر انور ہے جس میں دفن کرنے والوں نے آپ کو مٹی میں چھپایا تھا۔

اے قبر رسول! ﷺ تو برکت اور سعادت والی جگہ ہوگئی ہے اور وہ شہر بھی برکت والے ہوگئے جن میں ہدایت دینے والے حق کی راہ چلانے والے رسول ذی شان ﷺ نے قیام فرمایا ہے اور آپ مدفون ہیں۔

(نوٹ:) اس شعر کے مصرعہ ثانیہ (بلاد ثوی فیھا الرشید المسدد) کا ایک مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ الرشد کے معنی ہدایت، راستگی راہ حق پر برقراری ہوتا ہے اور الرشدۃ کا معنی ہوتا ہے جائز نکاح اور وُلِدَ لِرِشدَۃٍ کا معنی ہوتا ہے وہ حلال زادہ ہے اب اس تحقیق کے لحاظ سے مصرعہ ثانیہ کا ترجمہ ہوگا بلاد ثوی فیھا الرشید المسدد اور برکت و سعادت والے ہوگئے وہ شہر جن میں وہ رسول پاک ﷺ قیام پذیر رہے اور مدفون ہوئے جو ہمیشہ ہی راہ حق پر برقرار رہنے والے ہیں اور جو جائز نکاح سے پیدا ہونے والے ہیں یعنی آپ کا نور مبارک ہمیشہ جائز شادی اور نکاح کے ذریعے پاک اور طیب رحموں اور پاک صلبوں میں سے منتقل چلتا آیا ہے اور ہدایت دیتا اور سیدھی راہ چلاتا آیا ہے جن رحموں اور صلبوں سے ہو کر آیا وہ اباء اور جدات بھی آپ کے نور کی برکت سے بھٹکنے نہیں پائے)۔

یارسول اللہ! آپ کی قبر انور جس کے اوپر پتلے چوڑے تہہ در تہہ پتھروں کی عمارت بنی ہوئی ہے اپنے دامن میں طیب و طاہر جسم کو چھپا کر برکت اور سعادت والی ہوگئی ہے۔

یارسول اللہ! جب لوگ آپ کی لحد پر اپنے ہاتھوں سے مٹی ڈال رہے تھے تو ان کی آنکھیں زار و قطار رو رہی تھیں۔

جس شام کو لوگوں نے آپ کے سر مبارک کے نیچے تکیہ اور سرہانہ رکھے بغیر آپ کے اوپر مٹی ڈال کر آپ کی لحد اور آرام گاہ کو اونچا کیا تو بے شک انہوں نے اس لحد میں حلم، علم اور رحمت کو چھپایا تھا۔

اور جب ان (حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم) نے صبح کی تو وہ غمگین تھے کہ آج ان کے نبی مکرم ﷺ ان کے درمیان موجود نہیں تو یقیناً اس سے ان کی کمر ٹوٹ گئی اور بازو کمزور ہو گئے۔

آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم رو رہے تھے وہ کیوں نہ روتے کہ ان پر تو سارے آسمان روئے زمین روئی اور سارے انسان روئے۔

کیا اس عظیم صدمے والے دن کے برابر کوئی دن ہوگا' کوئی صدمہ ہوگا' جس دن میں حضرت محمد ﷺ نے وصال فرمایا تھا؟''

جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے قول پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے نزدیک نبی اکرم ﷺ کا وصال ثابت ہو گیا اور انہوں نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے قول کی طرف رجوع کیا تو روتے ہوئے کہا یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں آپ کے لئے ایک تنا تھا جس پر آپ لوگوں کو خطبہ دیتے تھے جب وہ زیادہ ہو گئے تو منبر اختیار کیا گیا تا کہ آپ ان کو سنا سکیں تو آپ کے فراق میں اس تنے نے رونا شروع کر دیا حتیٰ کہ آپ نے اپنا دستِ مبارک اس پر رکھا تو وہ ٹھہر گیا تو آپ کی امت کو آپ پر رونے کا زیادہ حق ہے جب آپ ان سے جدا ہو گئے یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں آپ کے رب کے ہاں آپ کی فضیلت یہاں تک پہنچ گئی کہ اس نے آپ کی فرمانبرداری کو اپنی فرمانبرداری قرار دیا اور فرمایا:

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ. (النساء:۸۰)

جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی۔

یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں اللہ تعالیٰ کے ہاں آپ کی فضیلت یہاں تک پہنچ گئی کہ اس نے آپ کو آخری نبی بنا کر بھیجا اور ان کے شروع میں آپ کا ذکر کیا پس ارشاد خداوندی ہے:

وَاِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِيّٖنَ مِيْثَاقَهُمْ وَمِنْكَ وَمِنْ نُّوْحٍ. (الاحزاب:۷)

اور اے محبوب! یاد کرو جب ہم نے نبیوں سے عہد لیا اور تم سے اور نوح سے (علیہم السلام)۔

یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں اللہ تعالیٰ کے ہاں آپ کی فضیلت کی انتہا یہ ہے کہ جہنمی چاہیں گے کہ وہ آپ کی اطاعت کرتے اور وہ اپنے طبقہ میں عذاب میں مبتلا ہوں گے وہ کہیں گے اے کاش! ہم اللہ تعالیٰ کا حکم مانتے اور اس کے رسول ﷺ کا حکم مانتے۔

اس روایت کو ابوالعباس قصار نے امام بوصیری رحمہ اللہ کے قصیدہ بردہ شریف کی شرح کرتے ہوئے نقل کیا اور ان سے الرشاطی (ابو محمد عبد اللہ بن علی اللخمی' متوفی ۴۶۶ھ) (کشف الظنون ج ۱ص ۱۳۴) نے ''اقتباس الانوار والتماس الاذہار میں'' نقل کیا اور ابن حاج نے ''المدخل میں'' پوری روایت نقل کی اور قاضی عیاض رحمہ اللہ نے اسے ''الشفاء میں'' ذکر کیا لیکن اس کا بعض حصہ ذکر کیا۔

''شفاء شریف کے'' بہت سے نسخوں میں مذکور ہے کہ:

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے اپنے کلام میں جس کے ذریعے نبی اکرم ﷺ کو رلایا۔ یہاں ''بـ'' کی شد کے ساتھ ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ یہ تخفیف کے ساتھ ہے تشدید کے ساتھ نہیں کیونکہ یہ کلام حضرت عمر

فاروق رضی اللہ عنہ سے نبی اکرم ﷺ کے وصال کے بعد سنا گیا (یعنی وہ روئے) جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔
''شفاء شریف کے'' حاشیہ میں اس بات کی تنبیہ کی گئی ہے۔ واللہ اعلم

اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے جس میں وہ خود فرماتے ہیں میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں آپ کی عمر کم ہونے کے باوجود اتنے لوگوں نے آپ کی اتباع کی کہ حضرت نوح علیہ السلام کی عمر زیادہ ہونے کے باوجود ان کی پیروی اتنے لوگوں نے نہیں کی' آپ پر بے شمار لوگ ایمان لائے اور ان پر چند افراد ایمان لائے۔ [1]

ابن عساکر نے ابوذویب ہذلی [2] سے نقل کیا وہ فرماتے ہیں ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ نبی اکرم ﷺ علیل تھے تو قبیلہ والوں کو خوف محسوس ہوا اور میں نے طویل رات گزاری حتیٰ کہ جب سحری کا وقت ہوا تو میں سو گیا تو ہاتف نے (خواب میں) مجھے آواز دی اور کہا:

خطب اجل اناخ بالاسلام — بین النخیل ومقعد الاطام

قبض النبی محمد فعیوننا — تبدی الدموع علیہ بالتسجام

''اسلام کو ایک بڑا حادثہ کھجور کے درختوں اور قلعوں کی نشستوں کے درمیان پیش آیا'
اللہ کے نبی حضرت محمد ﷺ وصال فرما گئے اور ہماری آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگی ہوئی تھی''۔

میں فوراً اپنی نیند سے کود پڑا پس آسمان کی طرف دیکھا تو ''سعد الذابح'' ستارے کے سوا کچھ نہ دیکھا (تو اس سے یوں فال لی کہ اب عرب میں ذبح کا وقوعہ ہوگا) تو مجھے معلوم ہوگیا کہ نبی اکرم ﷺ کا وصال ہوگیا ہے یا آپ کا وصال قریب ہے پس میں مدینہ طیبہ آیا تو وہاں رونے کے ساتھ ایسی پکار تھی جیسے حاجی صاحبان احرام باندھتے وقت تلبیہ کہتے ہیں تو آواز بلند ہوتی ہے میں نے پوچھا یہ کیا ہے؟ تو کہا گیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کا وصال ہوگیا ہے۔

نبی اکرم ﷺ کو غسل دینا

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے جو کچھ مروی ہے اس میں عجیب اتفاق یہ ہے کہ جب صحابہ کرام نے آپ کو غسل دینے کا ارادہ فرمایا تو ایک دوسرے سے کہا کیا ہم آپ کے جسم اقدس سے کپڑوں کو اتار دیں جس طرح اپنے فوت شدہ لوگوں کے کپڑے اتارتے ہیں یا آپ کو کپڑوں سمیت غسل دیں جب ان میں اختلاف ہوا تو اللہ تعالیٰ نے ان پر نیند ڈال

[1] حضرت نوح علیہ السلام نے ساڑھے نو سو سال تبلیغ فرمائی لیکن چند افراد ایمان لائے کہا گیا ہے کہ چھ مرد اور ان کی عورتیں ایک قول کے مطابق اناسی افراد ایمان لائے۔ آپ کی مسلمان زوجہ اور صاحبزادے سام' حام اور یافث نیز ان کی بیویاں اور بہتر افراد دوسرے تھے' آدھے مرد اور آدھی عورتیں حضرت نوح اور کشتی میں سوار سب اسی افراد تھے۔ (زرقانی ج ۸ ص ۲۸۸)

[2] ابوذویب ہذلی معروف شاعر ہیں ان کا نام خویلد بن خالد ہے یہ بھی کہا گیا ہے کہ خالد بن خویلد ہے دور جاہلیت میں ایک زمانہ گزارا پھر اسلام کا دور پایا اور اسلام قبول کیا ان کے اکثر اشعار اسلام دور کے ہیں' سقیفہ بنی ساعدہ میں حاضر ہوئے' حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کا خطبہ سنا اور حضور ﷺ کے وصال پر ایک قصیدہ لکھا پھر اپنے دیہات کی طرف چلے گئے اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی خلافت میں مکہ مکرمہ کے راستے میں وصال ہوا یہ بھی کہا گیا ہے کہ افریقہ کے راستے میں جہاد کی حالت میں وصال ہوا' ابن زبیر فتح کی خوشخبری لے کر جارہے تھے کہ انہوں نے ان کو دفن کیا اس کے علاوہ بھی اقوال ہیں۔ (زرقانی ج ۸ ص ۲۸۸)

دی حتیٰ کہ ان میں سے ہر ایک کی ٹھوڑی اس کے سینے پر لگ گئی تھی۔ پھر گھر کے ایک کنارے سے کسی کلام کرنے والے نے ان سے کلام کیا جس کے بارے وہ نہیں جانتے تھے کہ وہ کون ہے؟ (اس نے کہا) رسول اکرم ﷺ کو کپڑوں سمیت غسل دو پس وہ کھڑے ہوئے اور آپ کو غسل دیا جب کہ آپ کی قمیص آپ کے جسم پر تھی' وہ قمیص کے اوپر سے پانی ڈالتے اور قمیص کے ساتھ ہی ملتے تھے۔

(دلائل النبوۃ ج ۷ص ۲۴۲' المستدرک ج ۳ص ۵۹' الخصائص الکبریٰ ج ۲ص ۲۷۵' طبقات ابن سعد ج ۲ص ۲۱۲)

امام ابن ماجہ نے جید سند کے ساتھ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مرفوع حدیث روایت کی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: جب میرا انتقال ہو جائے تو میرے کنویں یعنی بئر غرس سے سات مشکیزوں سے غسل دینا۔ [1]

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۴۶۸' المغنی ج ۱ص ۲۶۱' اتحاف السادۃ المتقین ج ۱۰ص ۲۸۸' الکامل ج ۲ص ۶۲۷' کنز العمال رقم الحدیث: ۴۲۲۹)

''نہایہ میں'' فرمایا کہ ''غرس'' میں غین پر زبر ہے جبکہ راء اور سین دونوں ساکن ہیں۔

ابن نجار نے روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا میں نے آج رات (خواب میں) دیکھا کہ صبح میں جنت کے ایک کنویں پر ہوں گا پس صبح آپ ''بئر غرس'' پر تھے اور آپ نے اس سے وضو بھی کیا اور اس میں اپنا لعاب مبارک بھی ڈالا۔ [2]

نبی اکرم ﷺ کو تین بار غسل دیا گیا پہلی بار خالص پانی کے ساتھ' دوبارہ پانی اور بیری کے پتوں کے ساتھ اور تیسری مرتبہ پانی اور کافور کے ساتھ غسل دیا گیا' حضرت علی المرتضیٰ اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما نے ذاتی طور پر (اپنے ہاتھوں سے) غسل دیا جب کہ حضرت قثم (حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے)' حضرت اسامہ اور نبی اکرم ﷺ کے غلام حضرت شقران رضی اللہ عنہم پانی ڈالتے تھے اور ان کی آنکھوں پر پٹی باندھی ہوئی وہ مقام ستر کے علاوہ بھی نہیں دیکھ سکتے تھے۔ [3]

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے (نبی اکرم ﷺ نے فرمایا) مجھے صرف آپ غسل دیں کیونکہ جو بھی میرے جسم شریف کو دیکھے گا اس کی آنکھوں کی بینائی ختم ہو جائے گی۔

امام بیہقی نے حضرت شعبی سے روایت کیا فرماتے ہیں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم ﷺ کو غسل دیا اور وہ غسل دینے کے دوران کہہ رہے تھے میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں آپ کی زندگی اور وصال دونوں طیب ہیں۔

امام ابوداؤد نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا اور امام حاکم نے اس کی تصحیح کی' فرماتے ہیں: کہ میں نے نبی

---

[1] امام زرقانی فرماتے ہیں یہ کنواں قباء میں تھا اور نبی اکرم ﷺ اس سے پانی نوش فرمایا کرتے تھے اور آپ نے اس میں اپنا لعاب مبارک بھی ڈالا تھا اس لئے اپنی طرف نسبت کرتے ہوئے فرمایا ''میرا کنواں''۔ (زرقانی ج ۸ص ۲۸۹)

[2] لعاب مبارک ڈالنے کا مقصد اس کو بابرکت بنانا تھا سبحان اللہ! یہ ہمارے آقا ﷺ کی شان ہے اور بے مثل بشر ہیں۔ ۱۲ ہزاروی

[3] حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے علاوہ باقی تمام افراد کی آنکھوں پر پٹی تھی تاکہ غسل کے دوران ان کی نگاہ آپ کے جسم شریف پر نہ پڑے اور انہیں یہ خوف تھا کہ جسم کا کوئی ایسا حصہ ظاہر ہو جائے جسے دیکھنے کی اجازت نہیں۔ (زرقانی ج ۸ص ۲۸۹)

اکرم ﷺ کو غسل دیا تو میں وہ چیز دیکھنے لگا جو میت سے ظاہر ہوتی ہے (مثلاً خون یا پاخانہ وغیرہ) پس مجھے کچھ بھی نظر نہ آیا اور آپ کی زندگی اور وصال دونوں اچھے تھے۔

ابن سعد کی روایت میں ہے کہ ایسی خوشبو اٹھی جس کی مثل انہوں نے کبھی نہ پائی تھی۔

کہا گیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے ہاتھ پر کپڑے کا ایک ٹکڑا باندھا اور آپ کی قمیص کے نیچے ہاتھ ڈالا پھر قمیص کو نچوڑا اور آپ کے اعضائے سجدہ اور جوڑوں پر کافور لگائی اور آپ کے بازوؤں، چہرۂ انور، ہتھیلیوں اور پاؤں مبارک کو وضو کروایا اور اگربتی اور عنبر کی دھونی دی۔

ابن جوزی نے ذکر کیا کہ حضرت جعفر بن محمد سے مروی ہے، فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ کی پلکوں میں پانی جمع ہو رہا تھا اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اسے نوش فرماتے تھے۔

اور وہ روایت جس میں آتا ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے جب آپ کو غسل دیا تو آپ کی آنکھوں کے اندر کا پانی چوسا اور پی لیا اور وہ اس وجہ سے پہلوں اور پچھلوں کے علم کے وارث ہو گئے تو امام نووی فرماتے ہیں یہ روایت صحیح نہیں ہے۔

نبی اکرم ﷺ کا کفن مبارک

حضرت عروہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں جسے وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں ام المومنین فرماتی ہیں:

کفن رسول اللہ ﷺ فی ثلاث اثواب سحولیۃ ابیض.
نبی اکرم ﷺ کو تین سحولی سفید کپڑوں میں کفن دیا گیا۔

("سحولیہ" کی وضاحت آگے آرہی ہے)۔

اس حدیث کو امام نسائی نے عبدالرزاق کی روایت سے نقل کیا وہ حضرت معمر سے وہ حضرت زہری سے اور وہ حضرت عروہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔

حدیث کے چھ امام[1] اس پر متفق ہیں کہ یہ حدیث حضرت ہشام کے طریق سے مروی ہے وہ حضرت عروہ سے وہ اپنے والد سے اور وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہ اضافہ روایت کرتے ہیں۔

من کرسف لیس فیھا قمیص ولا عمامۃ.
یہ کفن سوتی تھا اور اس میں قمیص اور دستار نہیں تھی۔

البتہ امام ترمذی اور ابن ماجہ کے نزدیک "من کرسف" کے الفاظ نہیں ہیں۔

امام مسلم رحمہ اللہ نے یہ اضافہ کیا کہ حلّہ (دو یمنی چادروں پر مشتمل جوڑا) کے بارے میں لوگ شبہ کا شکار ہیں وہ آپ کے کفن کے لئے خریدا گیا لیکن پھر اسے چھوڑ دیا گیا اور تین سحولی کپڑوں میں کفن دیا گیا پس حضرت عبداللہ بن ابوبکر رضی اللہ عنہما نے وہ حلّہ لے لیا اور فرمایا میں اسے سنبھال کر رکھوں گا تاکہ مجھے اس میں کفن دیا جائے پھر فرمایا اگر اللہ تعالیٰ اسے اپنے نبی ﷺ کے لئے پسند کرتا تو آپ کو اس میں کفن دیا جاتا پس انہوں نے اسے بیچ دیا اور اس کی قیمت صدقہ کر

[1] صحاح ستہ کے مصنفین امام بخاری، امام مسلم، امام ترمذی، امام نسائی، امام ابوداؤد اور امام ابن ماجہ رحمہم اللہ مراد ہیں۔

دی۔

امام مسلم کی ہی ایک روایت میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ کو ایک یمنی جوڑے کا کفن پہنایا گیا جو حضرت عبداللہ بن ابوبکر رضی اللہ عنہما کا تھا پھر اسے آپ سے اتار لیا گیا' تفصیل کے ساتھ یہ حدیث ذکر کی ہے۔

چاروں سنن (سنن نسائی' سنن ابوداؤد' سنن ابن ماجہ اور سنن ترمذی) کی روایت میں ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے سامنے لوگوں کا یہ قول ذکر کیا گیا کہ نبی اکرم ﷺ کو دو کپڑوں اور ایک دھاری دار یمنی چادر میں کفن دیا گیا تو انہوں نے فرمایا یہ چادر لائی گئی تھی لیکن وہاں موجود حضرات نے اسے رد کر دیا اور اس میں آپ کو کفن نہیں پہنایا گیا۔

امام ترمذی نے فرمایا یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

امام بیہقی کی ایک روایت میں ہے کہ تین سفید' سحولی نئے کپڑوں میں کفن دیا گیا۔

السحولیۃ۔ سین پر پیش ہے' امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں زبر مشہور ہے۔

اور اکثر حضرات کی یہی روایت ہے ''النہایہ میں'' ہروی کی اتباع میں کہا گیا کہ زبر کے ساتھ سحول کی طرف منسوب ہے اور یہ دھوبی کے لئے بولا جاتا ہے جو اسے دھوتا ہے۔ یا یمن کی ایک بستی سحول کی طرف منسوب ہے۔

اور پیش کے ساتھ یہ سحل کی جمع ہے اور یہ سفید پاک صاف کپڑے کو کہتے ہیں اور یہ سوتی ہوتا ہے اور یہ شاذ ہے (خلاف ضابطہ ہے) کیونکہ یہ جمع کی طرف منسوب ہے' کہا گیا کہ پیش کے ساتھ بھی بستی کا نام ہے۔

الکرسف۔ کاف پر پیش' راء ساکن اور سین پر ضمہ ہے اور آخر میں فاء ہے کپاس (روئی) کو کہتے ہیں۔

امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں نبی اکرم ﷺ کے کفن کے بارے میں مختلف روایات ہیں اور اس سلسلے میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سب سے زیادہ صحیح ہے اور اکثر اہل علم صحابہ کرام اور ان کے علاوہ کا اس پر عمل ہے۔

امام بیہقی نے ''الخلافیات'' میں فرمایا کہ حضرت ابوعبداللہ یعنی امام حاکم رحمہ اللہ فرماتے ہیں حضرت علی بن ابی طالب' حضرت ابن عباس' حضرت عائشہ' حضرت ابن عمر' حضرت جابر اور عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہم سے متواتر احادیث سے ثابت ہے کہ نبی اکرم ﷺ کو تین کپڑوں میں کفن دیا گیا ان میں قمیص اور عمامہ شامل نہیں تھا۔

حضرت عبداللہ بن محمد عقیل' حضرت ابن حنفیہ سے اور وہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ کو سات کپڑوں میں کفن دیا گیا' اس حدیث کو امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں ذکر کیا۔

اور ابن حزم نے ذکر کیا کہ اس میں ابن عقیل یا ان کے بعد والوں کی وجہ سے وہم آیا ''اس کفن میں قمیص اور عمامہ نہ تھا''۔ اس قول کے معنی میں اختلاف ہے پس صحیح قول کے مطابق اس کا معنی یہ ہے کہ کفن میں قمیص اور عمامہ بالکل نہیں تھا۔ دوسرے قول کے مطابق اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کو تین کپڑوں میں کفن دیا گیا جو قمیص اور عمامہ سے خارج (یعنی ان کے علاوہ تھے)۔

شیخ تقی الدین بن دقیق العید فرماتے ہیں پہلا قول مراد میں زیادہ ظاہر ہے۔

امام نووی رحمہ اللہ نے ''شرح مسلم میں'' فرمایا کہ پہلا قول امام شافعی اور جمہور علماء کی تفسیر ہے اور یہی درست ہے جس کا تقاضا حدیث کا ظاہر کرتا ہے اور فرمایا کہ دوسرا قول ضعیف ہے پس یہ بات ثابت نہیں کہ نبی اکرم ﷺ کو قمیص اور عمامہ میں کفن دیا گیا ہو۔

اس بنیاد پر ان (فقہاء کرام) کے درمیان اس بات میں اختلاف ہے کہ کفن میں قمیص اور عمامہ ہو یا نہ؟

تو امام مالک' امام شافعی اور امام احمد رحمہم اللہ فرماتے ہیں مستحب ہے کہ تینوں کپڑے لفافہ ہوں (ایسے ہوں جن کو لپیٹا جاتا ہے) ان میں قمیص اور عمامہ نہ ہو۔

اس بارے میں اختلاف ہے کہ ان تین کپڑوں سے زائد قمیص اور عمامہ ہوتا کہ پانچ کپڑے ہو جائیں تو حنبلی فقہ والوں کے نزدیک یہ طریقہ مکروہ ہے' شافعی حضرات فرماتے ہیں جائز ہے لیکن مستحب نہیں اور مالکی حضرات کے نزدیک مردوں اور عورتوں سب کے لئے مستحب ہے البتہ عورتوں کے حق میں زیادہ تاکید ہے وہ فرماتے ہیں سات تک کا اضافہ مکروہ نہیں ۔ البتہ اس سے زائد فضول خرچی ہے اور احناف فرماتے ہیں تین کپڑے ہوں ازار (چادر) قمیص اور لفافہ (بڑی چادر)۔

مسلمانوں کا کفن کے وجوب پر اجماع ہے اور یہ فرض کفایہ ہے پس اس (میت) کے مال سے واجب ہے اور اگر اس کا مال نہ ہو تو جس پر اس کا نفقہ لازم تھا اس پر واجب ہے۔

اگر شادی شدہ عورت کے پاس مال ہو تو اس کے بارے میں ہمارے اصحاب (یعنی شافعی حضرات) کے درمیان اختلاف ہے کہ آیا اس کے اپنے مال میں واجب ہے یا خاوند کے مال میں؟ امام رافعی نے ''الشرح الصغیر'' اور ''المحرر'' میں اور امام نووی رحمہ اللہ نے ''المنہاج میں'' پہلا موقف اختیار کیا جب کہ امام رافعی ''الشرح الکبیر'' میں اور امام نووی نے ''شرح المہذب میں'' دوسرا موقف اختیار کیا اور فرمایا کہ امام غزالی رحمہ اللہ نے خاوند پر عورت کا کفن اس شرط کے ساتھ واجب کیا کہ عورت تنگ دست ہو لیکن فقہاء کرام نے ان پر اعتراض کیا ہے۔

اور جب عورت تنگ دست ہو تو اس کا کفن قطعی طور پر خاوند پر واجب ہے اور وہ بھی صرف ایک کپڑا اور وہ اللہ تعالیٰ کا حق ہے اگر میت اسے ساقط کرنے کی وصیت کرے تو یہ وصیت نافذ نہیں ہوگی۔ بخلاف دوسرے اور تیسرے کپڑے کے کہ وہ میت کا حق ہے اور اس کو ساقط کرنے سے متعلق اس کی وصیت نافذ ہو جائے گی۔

اس حدیث میں اس بات پر دلالت پائی جاتی ہے کہ جس قمیص میں نبی اکرم ﷺ کو غسل دیا گیا تھا آپ کو کفن پہناتے وقت اسے اتار دیا گیا تھا۔ امام نووی رحمہ اللہ نے ''شرح مسلم میں'' فرمایا کہ یہی بات درست ہے اس کے علاوہ اس کی کوئی توجیہ نہیں کی جاسکتی کیونکہ اگر یہ اپنی رطوبت کے باوجود باقی رہتی تو کفن کے کپڑوں کو خراب کر دیتی۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں جہاں تک اس حدیث کا تعلق ہے جو ''سنن ابی داؤد میں'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ کو تین کپڑوں میں کفن دیا گیا حلہ یعنی دو کپڑے اور وہ قمیص جس میں آپ کا وصال ہوا۔

تو یہ حدیث ضعیف ہے اس سے استدلال صحیح نہیں کیونکہ اس حدیث کے ایک راوی یزید بن زیاد کے ضعف پر اجماع ہے خصوصاً جب کہ اس کی روایت میں ثقہ راویوں کی مخالفت ہو۔

نبی اکرم ﷺ کی نماز جنازہ اور تدفین

''ابن ماجہ میں'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث یوں مروی ہے کہ جب منگل کے دن نبی اکرم ﷺ کی

تجہیز سے فارغ ہوئے (کفن پہنا دیا) تو آپ کو آپ کے حجرۂ مبارکہ میں چارپائی پر رکھ دیا گیا پھر لوگ جماعت در جماعت داخل ہو کر آپ پر درود شریف پڑھتے رہے حتیٰ کہ جب (مرد) فارغ ہوئے تو عورتیں داخل ہوئیں یہاں تک کہ جب وہ فارغ ہوئیں تو بچے داخل ہوئے اور نبی اکرم ﷺ پر کسی نے امامت نہیں کرائی۔ (طبرانی)

ایک روایت میں ہے کہ سب سے پہلے فرشتوں نے آپ پر درود شریف بھیجا اور وہ گروہوں کی شکل میں تھے پھر آپ کے اہل بیت نے پھر دوسرے لوگ گروہوں کی صورت میں آئے پھر آخر میں آپ کی ازواج مطہرات آئیں۔

ایک اور روایت میں ہے کہ جب آپ کے اہل بیت نے آپ پر درود شریف پڑھا تو لوگوں کو معلوم نہ ہوا کہ وہ کیا کہیں؟ تو انہوں نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے پوچھا انہوں نے ان کو حکم دیا کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے سوال کرو تو انہوں نے فرمایا یوں کہو:

ان الله وملائكته يصلون على النبى يا ايها الذين امنوا صلوا عليه وسلموا تسليما' لبيك اللهم ربنا وسعديك صلوات الله البر الرحيم' والملائكة المقربين' والنبيين والصديقين والشهداء والصالحين' وما سبح لك من شيء يا رب العالمين' على محمد بن عبد الله خاتم النبيين' وسيد المرسلين' وامام المتقين ورسول رب العالمين' الشاهد البشير الداعي اليك باذنك السراج المنير' وعليه السلام.

بے شک اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے نبی ﷺ پر درود بھیجتے ہیں اے ایمان والو! تم بھی آپ پر درود اور خوب سلام بھیجو۔ اے اللہ! ہم بار بار حاضر ہیں اللہ تعالیٰ جو نیکی قبول کرنے والا رحیم ہے' ملائکہ' مقربین' انبیاء کرام' صدیقین' شہداء اور صالحین کی طرف سے اور اے تمام جہانوں کے پالنے والے! جو چیز بھی تیری تسبیح کرتی ہے اس کی جانب سے حضرت محمد بن عبد اللہ ﷺ پر درود ہو جو سب سے آخری نبی' تمام رسولوں کے سردار' متقی لوگوں کے امام' تمام جہانوں کے پروردگار کے رسول' حاضر و ناظر' خوشخبری دینے والے' تیرے حکم سے تیری طرف بلانے والے' روشن چراغ ہیں اور آپ پر سلام ہو۔

یہ بات شیخ زین الدین بن حسین مراغی نے اپنی کتاب "تحقیق النصرۃ" میں ذکر کی ہے۔[1] (کشف الظنون ج ۱ ص ۳۷۸)

پھر باہم مشورہ ہوا کہ آپ کو کہاں دفن کریں؟ تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں نے نبی اکرم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا:

ما هلك نبى قط الا يدفن حيث تقبض روحه.

جو نبی انتقال کرے اسے وہاں دفن کیا جاتا ہے جہاں اس کی روح قبض کی جاتی ہے۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں نے بھی آپ سے یہ بات سنی ہے۔

حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے اس جگہ آپ کی قبر شریف کھودی جہاں وصال کے وقت آپ کا بچھونا تھا۔

[1] کتاب "تحقیق النصرۃ فی تاریخ دار الہجرۃ" مراد ہے اور ظاہر یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی نماز جنازہ عام طریقے پر نہ تھی بلکہ صحابہ کرام حاضر ہوتے اور درود شریف پڑھتے۔ (زرقانی ج ۸ ص ۲۹۲)

اس سلسلے میں اختلاف ہے کہ آپ کی قبر میں کون اترا تھا؟ اس بارے میں سب سے زیادہ صحیح بات جو مروی ہے وہ یہ ہے کہ آپ کی قبر میں آپ کے چچا حضرت عباس' حضرت علی المرتضیٰ' حضرت قثم بن عباس اور حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہم اترے تھے۔ اور نبی اکرم ﷺ سے سب سے آخر میں جن کا رابطہ ہوا وہ حضرت قثم بن عباس تھے (وہ سب سے آخر میں قبر سے باہر آئے)۔

ایک روایت میں ہے کہ آپ کی قبر شریف میں نو اینٹیں لگائی گئیں اور آپ کے نیچے نجران کا ایک کپڑا بچھایا گیا جس سے آپ کے جسم اقدس کو ڈھانپا گیا تھا' حضرت شقران نے اسے قبر میں بچھایا اور فرمایا اللہ کی قسم! آپ کے بعد اسے کوئی نہیں پہنے گا۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں حضرت امام شافعی اور آپ کے اصحاب اور دوسرے علماء نے قبر میں میت کے نیچے کپڑے کا کوئی ٹکڑا' بچھونا اور تکیہ وغیرہ بچھانے کو مکروہ قرار دیا اور ہمارے اصحاب (شافعی مسلک والوں) میں سے امام بغوی نے اپنی کتاب ''التہذیب میں'' الگ مؤقف اختیار کرتے ہوئے فرمایا کہ اس حدیث کی وجہ سے اس میں کوئی حرج نہیں لیکن درست بات یہ ہے کہ ایسا کرنا مکروہ ہے جیسا کہ جمہور نے کہا ہے۔ ان حضرات نے اس حدیث کا جواب اس طرح دیا ہے کہ حضرت شقران رضی اللہ عنہ اس عمل میں منفرد ہیں اور کسی دوسرے صحابی نے ان کی موافقت نہیں کی اور نہ ان کو اس بات کا علم ہے۔ حضرت شقران رضی اللہ عنہ کے اس عمل کی وجہ یہ تھی کہ وہ اس بات کو ناپسند کرتے تھے کہ آپ کے بعد کوئی شخص اسے پہنے جیسا کہ ہم نے ذکر کیا۔

''تحقیق النصرۃ'' میں ہے ابن عبد البر نے فرمایا کہ پھر جب نو اینٹیں رکھ کر فارغ ہوئے تو وہ کپڑا نکال لیا گیا۔ یہ بات ابن زبالہ نے نقل کی ہے۔

جب نبی اکرم ﷺ کو دفن کیا گیا تو حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا تشریف لائیں اور فرمایا تم اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ (کی قبر شریف) پر مٹی ڈالنا کیسے گوارہ کر رہے ہو؟ (صحیح بخاری)

پھر انہوں نے قبر شریف سے خاک شریف لے کر اپنی آنکھوں پر رکھی اور یہ اشعار پڑھے:

ماذا علی من شم تربة احمد ان لا یشم مدی الزمان غوالیا

صبت علی مصائب لو انها صبت علی الایام عدن لیالیا

''جو شخص حضرت احمد مجتبیٰ ﷺ کی قبر شریف کی مٹی سونگھے اسے کیا ہے اگر وہ عمر بھر ''غوالی'' خوشبو نہ سونگھے۔

میرے اوپر ایسی مصیبتیں ڈالی گئیں کہ اگر وہ زمانے پر ڈالی جاتیں تو اس کے دن' راتوں میں بدل جاتے''۔

حضرت رزین فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کی قبر پر پانی چھڑکا گیا' حضرت بلال بن رباح رضی اللہ عنہ نے اپنے مشکیزے سے پانی چھڑکا اور اس کا آغاز سر کی جانب سے کیا۔ یہ بات ابن عساکر نے نقل کی ہے اور میدان سے سرخ و سفید کنکریاں لے کر اس پر ڈالی گئیں اور قبر شریف کو زمین سے ایک بالشت بلند کیا گیا۔

قبر انور کی صفت

"صحیح بخاری میں" حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے' فرماتی ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ نے اپنی اس علالت کے دوران جس سے آپ اٹھ نہ سکے فرمایا:

(لعن الله اليهود والنصارى اتخذوا قبور انبياء هم مساجد) لو لا ذلک لا برز قبره غير انه خشي او خُشي ان يتخذ مسجدا.

اللہ تعالیٰ یہود و نصاریٰ پر لعنت فرمائے انہوں نے اپنے انبیاء کرام علیہم السلام کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو آپ کی قبر ظاہر ہوتی لیکن آپ کو ڈر ہوا یا ڈر محسوس کیا گیا کہ اسے سجدہ گاہ نہ بنالیا جائے۔ [1]

(صحیح مسلم رقم الحدیث :۱۹' مسند احمد ج ا ص ۲۱۸۔۵۱۸۔ ج ۵ ص ۲۰۴' دلائل النبوۃ ج ۷ ص ۲۶۴' التمہید ج ا ص ۱۹۶۔ ج ۵ ص ۴۶' مجمع الزوائد ج ۲ ص ۲۷' مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث :۱۲' کنز العمال رقم الحدیث :۱۸۷۶۳۔۱۹۱۸۹۔۲۲۵۲۳)

ابو عوانہ کی روایت جسے حضرت ہلال (بن حمید جہنی) سے نقل کیا خَشِيَ اور خُشِيَ (یعنی معروف کا صیغہ ہے یا مجہول کا)۔

پس مجہول کی روایت مبہم ہے' ممکن ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ہی اس کو واضح (اونچا) کرنے سے منع کیا ہو اور "غیر انه" میں ضمیر "ها" ضمیر شان ہے اور گویا انہوں نے اپنی ذات مراد لی اور وہ لوگ مراد لئے جو اس سلسلے میں ان کے موافق ہیں اور اس بات کا تقاضا یہ ہے کہ ان حضرات نے اپنے اجتہاد سے یہ کام کیا لیکن خاء پر زبر کے ساتھ معروف کا صیغہ تقاضا کرتا ہے کہ خود نبی اکرم ﷺ نے ان کو اس بات کا حکم دیا (کہ قبر شریف کو زیادہ اونچا نہ کیا جائے)۔

"لا برز قبره" یعنی قبر کو واضح کیا جائے اور اس کے اوپر کوئی پردہ حائل نہ ہو یعنی گھر سے باہر بنائی جائے یہ بات حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے مسجد کی توسیع سے پہلے فرمائی اسی لئے جب مسجد کی توسیع کی گئی تو حجرۂ مبارکہ کی تکونی شکل میں حد بندی کی گئی تا کہ کوئی شخص قبر کی جہت میں نماز نہ پڑھ سکے حالانکہ وہ قبلہ کی جہت میں ہے۔

"صحیح بخاری میں" حضرت ابو بکر بن عیاش کی روایت بھی ہے جسے انہوں نے حضرت سفیان التمار سے روایت کیا انہوں نے ان سے بیان کیا کہ انہوں نے نبی اکرم ﷺ کی قبر شریف کو کوہان نما یعنی اٹھی ہوئی بلند دیکھا۔ ابو نعیم نے "المستخرج" میں یہ اضافہ کیا کہ حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کی قبریں بھی اسی طرح ہیں۔

اس سے استدلال کیا گیا کہ قبروں کو کوہان نما بنانا مستحب ہے۔

امام ابو حنیفہ' امام مالک' امام احمد' مزنی اور بہت سے شافعی حضرات کا یہی قول ہے۔ قاضی حسین نے تمام اصحاب شافعی کے اس بات پر اتفاق کا دعویٰ کیا ہے۔

اس پر اعتراض کیا گیا کہ قدیم شافعیوں کی ایک جماعت کے نزدیک قبر کو برابر رکھنا مستحب ہے جس طرح امام شافعی رحمہ اللہ نے بیان کیا اور ماوردی وغیرہ نے اس پر اعتماد کیا۔ [2]

---

[1] قبر انور کے ظاہر ہونے سے مراد یہ ہے کہ وہ عمارت کے اندر نہ ہوتی یا آپ کو حجرۂ مبارکہ کے باہر دفن کیا جاتا۔ (زرقانی ج ۸ ص ۲۹۳)

[2] ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے اپنے صاحبزادے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کی قبر کو اسی طرح برابر رکھا اور آپ کا عمل حجت ہے اس کا جواب یوں دیا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کے لئے افضل طریقے کو پسند فرمایا ہے اور آپ کا عمل بیان جواز کے لئے تھا۔ (زرقانی)

اور سفیان تمار کا قول حجت نہیں جس طرح امام بیہقی نے فرمایا کیونکہ اس بات کا احتمال ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی قبر انور شروع میں کوہان نما ہو۔

ابو داؤد اور حاکم نے قاسم بن محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہم کے طریق سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں: کہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوا تو عرض کیا اماں جان! میرے لئے نبی اکرم ﷺ کی قبر انور کو کھولئے تو انہوں نے میرے سامنے تین قبروں کو کھولا جو نہ تو زیادہ بلند تھیں اور نہ ہی زمین سے ملی ہوئی تھیں اور وہاں وادیٔ بطحاء کی سرخ کنکریاں بچھی ہوئی تھیں۔

حاکم نے یہ اضافہ کیا کہ میں نے دیکھا رسول اکرم ﷺ کی قبر شریف سب سے آگے تھی اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا سر انور آپ کے دونوں کاندھوں کے درمیان اور حضرت عمر فاروق کا سر انور نبی کریم ﷺ کے پاؤں کے پاس تھا (قبروں کی یہ ترتیب اور انداز تھا) حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت میں یہ صورت حال تھی گویا شروع میں قبر انور برابر سطح کی تھی پھر جب حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ کے دور میں جب وہ ولید بن عبد الملک سے پہلے مدینہ طیبہ کے امیر تھے قبروں کی دیوار بنائی گئی تو ان قبروں کو بلند کر دیا گیا۔

ابو بکر آجری (محمد بن حسین بن عبد اللہ' متوفی ۳۶۰ھ) نے اپنی کتاب "صفۃ قبر النبی ﷺ" میں اسحاق بن عیسیٰ بن بنت داؤد بن ابی ہند کے طریق سے حضرت غنیم بن بسطاس مدنی سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں میں نے حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ کے دور میں رسول اکرم ﷺ کی قبر شریف کو دیکھا کہ وہ چار انگلیوں کے برابر بلند تھی اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی قبر کو اس سے ذرا پیچھے دیکھا اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی قبر کو دیکھا وہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی قبر کے پیچھے کچھ نچلی جانب تھی۔

(الاعلام ج ۶ ص ۹۷' وفیات الاعیان ج ۱ ص ۴۸۸' صفۃ الصفوۃ ج ۲ ص ۲۶۵' تاریخ بغداد ج ۲ ص ۲۴۳)

پھر اختلاف اس بات میں ہے کہ ان دونوں میں سے افضل کیا ہے؟ (کوہان نما یا برابر سطح والی قبر) اصل جواز میں کوئی اختلاف نہیں (دونوں طرح جائز ہے)۔

مزنی نے معنوی طور پر کوہان بنانے کو ترجیح دی ہے یعنی برابر سطح ہو لیکن وہ بیٹھی ہوئی کے مشابہ ہو کوہان نما نہ ہو۔

صحیح مسلم نے حضرت فضالہ بن عبیہ کی حدیث سے جو کچھ روایت کیا ہے کہ انہوں نے ایک قبر کو برابر کرنے کا حکم دیا پھر اسے برابر کیا گیا پھر فرمایا میں نے نبی اکرم ﷺ سے سنا آپ نے قبروں کو برابر کرنے کا حکم دیا۔

اس روایت کی بنیاد پر برابر کرنے کو ترجیح دی گئی ہے۔

حضرت ہشام بن عروہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ جب ان پر دیوار گر گئی یعنی ولید بن عبد الملک کے زمانے میں حجرۂ مبارکہ کی دیوار گری تو انہوں نے اسے بنانا شروع کیا ان کے لئے ایک پاؤں ظاہر ہوا تو وہ گھبرا گئے اور گمان کیا کہ یہ نبی اکرم ﷺ کا قدم مبارک ہے پس کسی ایک شخص کو بھی نہ بتایا جو یہ بات جانتا ہو حتیٰ کہ حضرت عروہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا اللہ کی قسم! یہ نبی اکرم ﷺ کا قدم مبارک نہیں ہے اللہ تعالیٰ کی قسم یہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا قدم مبارک ہے۔

اس سلسلے میں سبب وہ روایت ہے جسے امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت شعیب بن اسحاق کے طریق سے روایت کیا

وہ حضرت ہشام بن عروہ سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں: مجھے میرے والد نے خبر دیتے ہوئے فرمایا:
کہ لوگ قبر شریف کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے تھے تو حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کے حکم سے اسے بلند کیا گیا تاکہ اس کی طرف کوئی شخص نماز نہ پڑھے جب دیوار گری تو ایک پاؤں پنڈلی اور گھٹنے سمیت ظاہر ہوا اس پر حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ گھبرا گئے پس حضرت عروہ ان کے پاس آئے اور فرمایا یہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی پنڈلی اور گھٹنا ہے تو حضرت عمر بن عبدالعزیز کا خوف زائل ہو گیا۔

آجری نے روایت کیا کہ رجاء بن حیوہ نے فرمایا[1] کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی قبر شریف نبی اکرم ﷺ کی قبر شریف (نبی اکرم ﷺ کے جسم اقدس کے) درمیانے حصے سے متصل ہے اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی قبر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے پیچھے ہے اور ان کا سر مبارک حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے درمیان والے حصے کے نزدیک ہے۔ یہ روایت بظاہر حضرت قاسم کی روایت کے خلاف ہے اگر ان کو جمع کرنا ممکن ہو تو ٹھیک ہے ورنہ حضرت قاسم کی روایت زیادہ صحیح ہے۔

حضرت ابویعلیٰ نے دوسرے طریق سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے جو کچھ روایت کیا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آپ کی دائیں جانب اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ آپ کی بائیں جانب ہیں تو اس کی سند ضعیف ہے۔

ارباب سیرت اور دوسرے حضرات نے ان مقدس قبور کے سلسلے میں سات روایات کی بنیاد پر اختلاف کیا ہے ان روایات کو ابن عساکر نے "تحفۃ الزائر" میں ذکر کیا[2] اور اہل سیر نے حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ سے نقل کیا فرماتے ہیں حجرۂ مبارکہ میں مشرقی جانب ایک طاق کی طرف کچھ جگہ باقی ہے جس میں حضرت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کو دفن کیا جائے گا اور ان کی قبر چوتھی قبر ہو گی۔

ابن جوزی کی "المنتظم میں" حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا حضرت عیسیٰ علیہ السلام زمین میں اتریں گے، شادی کریں گے، ان کی اولاد پیدا ہو گی اور وہ چالیس سال ٹھہریں گے پھر ان کا وصال ہو گا تو میری قبر میں میرے ساتھ دفن ہوں گے (یعنی اس حجرۂ مبارکہ میں دفن ہوں گے)۔ پس میں اور حضرت عیسیٰ بن مریم ایک ہی قبر سے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے درمیان سے اٹھیں گے۔ (المنتظم ج ۲ ص ۳۹)

---

[1] رجاء بن حیوہ کہتے ہیں کہ ولید بن عبدالملک نے امہات المومنین کے حجروں کو خرید ا اور پھر حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ وہ ان کو گرا کر مسجد کی توسیع کریں تو ہم ایک کنارے پر بیٹھ گئے پھر انہوں نے ان کو گرانے کا حکم دیا تو اس دن سے زیادہ رونا ہم نے نہیں دیکھا پھر عمارت تعمیر کی جس طرح ارادہ کیا تھا جب قبر انور پر عمارت بنائی اور پہلی عمارت کو گرایا تو تین قبریں ظاہر ہوئیں اور ان پر جو ریت تھی وہ گرنے لگی حضرت عمر بن عبدالعزیز گھبرائے اور خود اٹھ کر ٹھیک کرنے کا ارادہ کیا تو میں نے کہا کہ اگر آپ اٹھیں گے تو سب لوگ اٹھیں گے اللہ آپ کو بھلائی عطا کرے اگر کسی کو حکم دیں تو بہتر ہے اور مجھے امید تھی کہ مجھے حکم دیں گے چنانچہ انہوں نے اپنے غلام سے فرمایا اے مزاحم! ان کو درست کرو۔ (زرقانی ج ۸ ص ۲۹۵)

[2] ان میں سے پانچ ضعیف ہیں اور دو روایتیں صحیح ہیں ایک وہ جو حضرت قاسم کے حوالے سے گزر گئی ہے اور دوسری وہ جس حضرت رزین وغیرہ نے اعتماد کیا اسی کو مشہور قرار دیا گیا حضرت امام نووی اور سمہودی وغیرہ نے اسی طرح کہا ہے۔ (زرقانی ج ۸ ص ۲۹۵)

"تحقیق النصرہ میں بھی" اسی طرح ذکر کیا ہے۔

نبی اکرم ﷺ کی تدفین میں تاخیر

اگر تم کہو کہ پہلے یہ بات گزر چکی ہے کہ نبی اکرم ﷺ کا وصال سوموار کے دن ہوا اور بدھ کے دن آپ کو دفن کیا گیا تو آپ کی تدفین میں تاخیر کی کیا وجہ ہے؟ حالانکہ ایک گھرانے نے اپنی میت کی تدفین میں تاخیر کی تو آپ نے فرمایا:

عجلوا دفن میتکم ولا تؤخروہ. اپنی میت کو دفن کرنے میں جلدی کرو اور اس میں تاخیر نہ کرو۔

(تفسیر قرطبی ج ۴ص ۲۲۳۔ج ۵ص ۲۹۸)

اس کا جواب یہ ہے کہ آپ کے وصال کے بارے میں عدم اتفاق ذکر کیا گیا یا تاخیر کی وجہ یہ تھی کہ انہیں معلوم نہ تھا کہ کہاں دفن کریں؟ ایک گروہ نے کہا کہ جنت البقیع میں دفن کریں کچھ دوسرے حضرات نے فرمایا کہ مسجد میں دفن کیا جائے ایک اور جماعت نے کہا کہ آپ کو اٹھا کر آپ کے صاحبزادے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کے قریب لے جایا جائے اور وہاں دفن کیا جائے حتیٰ کہ اس امت کے سب سے بڑے عالم حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں نے نبی اکرم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا:

ما دفن نبی الا حیث یموت. نبی کو اس مقام پر دفن کیا جاتا ہے جہاں اس کا انتقال ہوتا ہے۔

یہ حدیث ابن ماجہ نے ذکر کی ہے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔

اور "جامع ترمذی کی" روایت میں ہے:

ما قبض اللہ نبیا الا فی الموضع الذی یحب ان یدفن فیہ ادفنوہ فی موضع فراشہ. اللہ تعالیٰ ہر نبی کی روح کو اس جگہ قبض فرماتا ہے جس جگہ کو وہ اپنے دفن ہونے کے لئے پسند کرتا ہے پس آپ کو آپ کے بچھونے کی جگہ دفن کرو۔

علاوہ ازیں وہ اس اختلاف میں مشغول تھے جو بیعت کے بارے میں مہاجرین اور انصار کے درمیان واقع ہوا پس وہ اس سلسلے میں غور کرتے رہے حتیٰ کہ خلافت اور اس کے نظام کا معاملہ طے ہو گیا پس انہوں نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کی پھر اگلے روز انہوں نے جماعتی طور پر آپ کی بیعت کی اور پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے ذریعے مرتدین کی طرف سے پہنچنے والی تکلیف کو دور فرمایا۔

اس (بیعت) کے بعد ان حضرات نے نبی اکرم ﷺ کی طرف رجوع کیا اور آپ کی تدفین میں غور کیا پس آپ کو غسل دیا' کفن پہنایا اور دفن کیا۔

مدینہ طیبہ دونوں کے درمیان

جب نبی اکرم ﷺ کا وصال ہوا تو آپ کی مبارک روح کی آمد کے لئے جنتوں کو سجایا گیا لیکن اس طرح نہیں جس طرح کسی بادشاہ کے آنے پر شہر کو سجایا جاتا ہے۔

جب نبی اکرم ﷺ کی پیروی کرنے والے بعض افراد کی روح کے آنے پر رحمٰن کا عرش خوشی کے طور پر جھومنے

لگا[1] تو تمام روحوں کی روح سرکار دو عالم ﷺ (کی روح مبارک) کی آمد پر کیا کیفیت ہوگی؟

جب نبی اکرم ﷺ مدینہ طیبہ تشریف لائے تو حبشی آپ کی آمد پر خوشی کا اظہار کرتے ہوئے اپنے نیزوں کے ساتھ کھیلنے لگے جیسا کہ ابوداؤد نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث سے روایت کیا۔[2]

اور دارمی کی روایت میں ہے' حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اس دن سے بڑھ کر کسی دن کو زیادہ خوبصورت اور زیادہ روشن نہیں دیکھا جس دن اللہ کے رسول ﷺ ہمارے پاس مدینہ طیبہ تشریف لائے اور میں نے اس دن سے برا اور تاریک دن نہیں دیکھا جس دن نبی اکرم ﷺ کا وصال ہوا۔" جامع ترمذی کی" روایت میں ہے کہ جس دن رسول اللہ ﷺ مدینہ طیبہ تشریف لائے تو اس کی ہر چیز روشن ہوگئی اور جس دن آپ کا وصال ہوا اس کی ہر چیز تاریک ہوگئی اور ہم نے ابھی مٹی سے ہاتھ جھاڑے نہیں تھے اور ہم آپ کی تدفین میں مصروف تھے کہ ہمارے دلوں نے انکار کر دیا۔[3]

نبی اکرم ﷺ کے وصال کے بعد جو علامات ظاہر ہوئیں ان میں سے ایک نشانی یہ تھی کہ آپ کا دراز گوش غمگین ہوا حتیٰ کہ کنوئیں میں گر گیا اسی طرح آپ کی اونٹنی نے کھانا پینا چھوڑ دیا حتیٰ کہ وہ مر گئی۔

اسی طرح وہ باتیں ظاہر ہوئیں جن کے بارے میں آپ نے بتایا تھا کہ میرے وصال کے بعد یہ کچھ ہوگا اور یہ بے شمار باتیں ہیں جن میں سے بعض میں نے آٹھویں مقصد میں ذکر کی ہیں۔

"صحیح مسلم میں" حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ جب کسی امت سے بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے تو اس سے پہلے ان کے نبی کی روح قبض کر لیتا ہے پس اس نبی کو ان کے آگے جا کر انتظام کرنے والا بنا دیتا ہے اور جب کسی امت کی ہلاکت کا ارادہ فرماتا ہے تو وہ اسے ہلاک کرتا ہے اور اس امت کا نبی زندہ ہوتا ہے وہ اسے ہلاک کرتا ہے تو نبی دیکھ رہا ہوتا ہے پس وہ ان لوگوں کی ہلاکت کے ذریعے نبی کی آنکھوں کو ٹھنڈک عطا کرتا ہے جب وہ اسے جھٹلاتے اور اس کی نافرمانی کرتے ہیں۔

نبی اکرم ﷺ کا وصال امت سے پہلے ہوا تو اس میں امت کی بھلائی ہے کیونکہ اگر لوگوں کا وصال پہلے ہوتا تو ان کے اعمال منقطع ہو جاتے اور جب اللہ تعالیٰ نے ان سے بھلائی کا ارادہ فرمایا تو ان کی بھلائی کو یوں دائمی بنایا کہ ان کو باقی رکھا اور جن عبادات اور حسن معاملات کا ان کو حکم دیا گیا ہے وہ اس کے محافظ ہیں۔

---

[1] حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ مراد ہیں۔ ۱۲ ہزاروی

[2] معلوم ہوا کہ حضور ﷺ کی تشریف آوری پر خوشی منانا جائز ہے اس لئے اگر ہجرت کے موقع پر خوشی مناتے ہوئے حبشیوں کا نیزہ بازی کرنا صحیح ہے تو میلاد النبی ﷺ کے موقع پر جائز طریقے پر خوشی کا اظہار بھی مستحب ہے۔ ۱۲ ہزاروی

[3] مطلب یہ ہے کہ ہمارے دلوں کی دنیا بدل گئی اور ہمارے دلوں کی صفائی الفت اور نرمی اس ذات کے پردہ فرمانے کی وجہ سے جو تعلیم و تربیت کے حصول کا ذریعہ تھا' سب کچھ بدل گیا۔ (زرقانی ج ۸ ص ۲۹۷)

فصل نمبر ۲

نبی اکرم ﷺ کی قبر انور اور بلند مرتبہ مسجد کی زیارت

زیارتِ نبوی کی ترغیب

یہ بات جان لو کہ نبی اکرم ﷺ کی قبر شریف کی زیارت سب سے بڑی عبادت اور ایسی اطاعت ہے جس کی قبولیت کی زیادہ امید ہے نیز یہ بلند درجات کی طرف (لے جانے کا) ایک راستہ ہے پس جس نے ان کے علاوہ عقیدہ اختیار کیا اس نے اسلام کا پٹہ اپنی گردن سے اتار دیا اور اللہ تعالیٰ اس کے رسول ﷺ اور بلند مرتبہ علماء کرام کی جماعت کی مخالفت کی۔ (براءۃ الاشعرین من عقائد المخالفین ج ا ص ۱۷۵)

مالکی فقہ سے تعلق رکھنے والے ابو عمران الفاسی نے اسے واجب قرار دیا جس طرح عبد الحق'' کی تہذیب الطالب'' نے ''المدخل میں'' ذکر کیا ہے انہوں نے فرمایا شاید اس سے سنت مؤکدہ مراد ہے۔

حضرت قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ مسلمانوں کے طریقوں میں سے ایک طریقہ ہے جس پر سب کا اتفاق ہے اور ایک ایسی فضیلت ہے جس کی ترغیب دی گئی ہے۔

امام دار قطنی نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث روایت کی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

من زار قبری وجبت له شفاعتی. جس نے میری قبر کی زیارت کی اس کے لئے میری شفاعت واجب ہوگئی۔ [1]

(سنن دار قطنی ج ۲ ص ۲۷۸، مجمع الزوائد ج ۴ ص ۲، اتحاف السادۃ المتقین ج ۴ ص ۴۱۷، کنز العمال رقم الحدیث: ۴۲۵۸۳)

عبد الحق نے اس حدیث کو اپنی کتاب ''الاحکام الوسطی اور الصغریٰ'' میں نقل کیا اور اس پر جرح سے خاموشی اختیار کی اور ان دونوں کتابوں میں حدیث کے بارے میں ان کی خاموشی اس کے صحیح ہونے کی دلیل ہے۔

''طبرانی کی معجم کبیر میں ہے کہ'' نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

من جاء نی زائرا لا تعمله حاجة الا زیارتی کان حقا علی ان اکون شفیعا له یوم القیامة. جو شخص میرے پاس زیارت کے لئے آئے اور میری زیارت کے علاوہ اس کا کوئی دوسرا مقصد نہ ہو تو مجھ پر لازم ہے کہ میں قیامت کے دن اس کی شفاعت کروں۔

(اتحاف السادۃ المتقین ج ۴ ص ۴۱۶، مجمع الزوائد ج ۴ ص ۲، المعجم ج ۱۲ ص ۲۹۱، الدر المنثور ج ا ص ۲۳۷، کنز العمال رقم الحدیث: ۳۴۹۲۸)

اس حدیث کو ابن السکن نے صحیح قرار دیا۔

---

[1] امام زرقانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ اسے میری خصوصی شفاعت حاصل ہوگی جو کسی دوسرے کو حاصل نہ ہوگی اور یہ اس کے عظیم عمل کی مناسبت سے ہے اور اس کی صورت نعمتوں کا اضافہ یا اس دن کے خوف میں کمی یا حساب کے بغیر جنت میں داخل ہونا یا درجات کی بلندی وغیرہ ہے۔ (زرقانی ج ۸ ص ۲۹۸)

نبی اکرم ﷺ سے یوں بھی مروی ہے:

من وجد سعة ولم يفد الي فقد جفاني. — جو شخص طاقت حاصل ہونے کے باوجود میری طرف نہ آئے اس نے مجھ پر ظلم کیا۔

(الدر المنثور ج ۱ ص ۲۳۷ کشف الخفاء ج ۲ ص ۳۳۸-۳۸۲ الدرر المنتثرۃ رقم الحدیث: ۱۵۹)

اس حدیث کو ابن فرحون رحمہ اللہ نے اپنے مناسک میں اور امام غزالی رحمہ اللہ نے "احیاء علوم الدین میں" نقل کیا' عراقی نے اسے ذکر نہیں کیا بلکہ اس حدیث کی طرف اشارہ کیا جسے ابن النجار نے "تاریخ المدینہ میں" ذکر کیا اور وہ اس کے ہم معنیٰ ہے۔

وہ حدیث حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ان الفاظ کے ساتھ مروی ہے۔

ما من احد من امتي له سعة ثم لم يزرني الا وليس له عذر. — میری امت میں کوئی شخص ایسا نہیں جس کو گنجائش حاصل ہو پھر وہ میری زیارت نہ کرے تو اس کے لئے کوئی عذر نہیں (جو پیش کرے بلکہ وہ قابل ملامت ہے)۔

ابن عدی نے "الکامل میں" ابن حبان نے "الضعفاء میں" دارقطنی نے "العلل اور "غرائب مالک میں" اور کچھ دوسرے لوگوں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً روایت کیا (یعنی حضور ﷺ نے فرمایا):

من حج ولم يزرني فقد جفاني. — جس نے حج کیا اور میری زیارت نہ کی اس نے مجھ پر ظلم کیا۔

یہ حدیث صحیح نہیں۔[1]

اگر یہ حدیث ثابت ہو تو آپ کے اس قول "فقد جفاني" پر غور کرو کیونکہ یہ ترک زیارت کے حرام ہونے میں ظاہر ہے اس لئے کہ جفاء اذیت ہے اور اذیت پہنچانا بالاتفاق حرام ہے پس زیارت واجب ہوگی کیونکہ جفا کا ازالہ واجب ہے[2] اور وہ زیارت کے ذریعے ہوگا لہٰذا اس وقت زیارت واجب ہوئی۔ (خلاصہ یہ ہوا کہ) جو شخص آپ کی زیارت پر قادر ہو اور زیارت نہ کرے اس نے آپ پر جفا (ظلم) کیا اور یہ بات آپ کے ہمارے ذمہ حقوق میں سے نہیں ہے (بلکہ آپ کے حقوق میں سے تو یہ ہے کہ آپ سے زیادہ تعلق قائم ہو اور آپ سے محبت کی جائے)۔

حضرت حاطب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

من زارني بعد موتي فكانما زارني في حياتي ومن مات باحد الحرمين بعث من الآمنين. — جس شخص نے میرے وصال کے بعد میری زیارت کی گویا اس نے میری زندگی میں میری زیارت کی اور جو

---

[1] مطلب یہ کہ اس کی سند صحیح نہیں لیکن اس مضمون کی دیگر کئی احادیث اس کی تائید کرتی ہیں۔ ۱۲ ہزاروی

[2] امام زرقانی فرماتے ہیں ہمارے شیخ نے فرمایا اس بات کا جواب یوں بھی دیا جاسکتا ہے کہ ہر اذیت حرام نہیں کیونکہ معمولی اذیت حرام کے دفع کا احتمال رکھتی ہے البتہ مکروہ ہے اور زیادہ مناسب یہ بات ہے کہ یہاں جفاء سے مراد جفا حقیقی نہیں بلکہ جفا کرنے والوں جیسا عمل ہے کیونکہ حضور ﷺ کو اذیت پہنچانا مباح بھی نہیں چہ جائیکہ مکروہ ہو۔ (زرقانی ج ۸ ص ۲۹۸'۲۹۹)

شخص حرمین (حرم مکہ اور حرم مدینہ) میں سے کسی ایک میں فوت ہوا سے امن والے لوگوں میں اٹھایا جائے گا (بشرطیکہ مسلمان ہو)۔

(سنن دار قطنی ج ۲ ص ۲۷۸ اتحاف السادۃ المتقین ج ۴ ص ۴۱۶۔ کشف الخفاء ج ۲ ص ۳۲۷ کنز العمال رقم الحدیث: ۱۲۳۷۲)

اس حدیث کو امام بیہقی رحمہ اللہ نے آل حاطب کے ایک شخص سے روایت کیا جسے حضرت حاطب سے سماعت حاصل نہیں ہے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: کہ میں نے نبی اکرم ﷺ سے سنا آپ فرماتے تھے:

من زار قبری او قال من زارنی کنت له شفیعا و شهیدا. (الترغیب والترہیب ج ۲ ص ۲۲۳)

جس نے میری قبر کی زیارت کی یا آپ نے فرمایا جس نے میری زیارت کی میں اس کے لئے شفاعت کرنے والا اور گواہ ہوں گا۔

اس حدیث کو امام بیہقی رحمہ اللہ نے آل عمر (رضی اللہ عنہ) میں سے ایک شخص سے روایت کیا جس نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے نہیں سنا۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

من زارنی محتسبا الی المدینة کان فی جواری یوم القیامة.

جس نے ثواب کی نیت سے مدینہ طیبہ میں میری زیارت کی وہ قیامت کے دن میری پناہ اور امان میں ہوگا۔

(الدر المنثور ج ۲ ص ۵۵ الترغیب والترہیب ج ۲ ص ۲۲۴)

علامہ زین الدین بن حسین مراغی فرماتے ہیں: ”ہر مسلمان کو یہ عقیدہ رکھنا چاہیے کہ نبی اکرم ﷺ کی زیارت عبادت ہے کیونکہ اس سلسلے میں احادیث آئی ہیں اور ارشاد خداوندی ہے:

وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا○ (النساء: ۶۴)

اور اگر وہ اپنے نفسوں پر ظلم کر بیٹھیں تو آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر اللہ تعالیٰ سے بخشش طلب کریں اور رسول ﷺ بھی ان کے لئے بخشش مانگیں تو وہ اللہ تعالیٰ کو توبہ کرنے والا مہربان پائیں گے۔

کیونکہ نبی اکرم ﷺ کی تعظیم آپ کے وصال سے ختم نہیں ہوئی اور یہ نہ کہا جائے کہ نبی اکرم ﷺ کا ان (لوگوں) کے لئے طلب مغفرت کرنا آپ کی حیات طیبہ کے ساتھ خاص ہے اور زیارت کی یہ صورت نہیں (یعنی وہ اب بھی باقی ہے) کیونکہ اس بات کا جواب بعض محققین نے یوں دیا ہے کہ آیتِ کریمہ میں اس بات پر دلالت ہے کہ اللہ تعالیٰ کو تواب اور رحیم پانا تین باتوں سے مشروط ہے۔

(۱) ان کا حاضر ہونا

(۲) ان لوگوں کا خود بخشش طلب کرنا۔

(۳) رسول ﷺ کا ان کے لئے بخشش طلب کرنا۔

اور نبی اکرم ﷺ کا تمام مومنین (اور مومنات) کے لئے مغفرت طلب کرنا حاصل ہو چکا ہے کیونکہ آپ نے سب کے لئے مغفرت طلب کر لی۔ ارشادِ خداوندی ہے:

وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ. (محمد:۱۹) اپنے خاصوں اور عام مومن مردوں اور عورتوں کے لئے بخشش مانگیں۔

پس جب ان لوگوں کا آنا اور بخشش طلب کرنا پایا جائے گا تو تین امور مکمل ہو جائیں گے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے قبولیت توبہ اور اس کی رحمت کو واجب کرتے ہیں۔ ؎۱

مسلمانوں کا اس بات پر اجماع ہے کہ زیارت قبور مستحب ہے جس طرح امام نووی رحمہ اللہ نے بیان کیا جب کہ ظاہری فرقہ نے اس کو واجب قرار دیا پس نبی اکرم ﷺ کی زیارت عمومی حکم اور خصوصی حکم دونوں کے اعتبار سے مطلوب ہے۔

(عمومی حکم یہ ہے کہ عام قبور کی زیارت مستحب ہے اور خصوصی حکم ان احادیث کی وجہ سے جو آپ کی زیارت کے بارے میں خاص طور پر وارد ہیں اور پہلے گزر چکی ہیں)۔

نیز قبور کی زیارت تعظیم ہے اور نبی اکرم ﷺ کی تعظیم واجب ہے۔ ؎۲

اس لئے بعض علماء نے فرمایا کہ نبی اکرم ﷺ کی زیارت کے سلسلے میں مردوں اور عورتوں کے درمیان کوئی فرق نہیں اگرچہ اجماع کا محل مردوں کے لئے زیارت قبور کا مستحب ہونا ہے اور عورتوں کے بارے میں اختلاف ہے (اجماع نہیں) اور مشہور یہ ہے کہ امام شافعی رحمہ اللہ کے مذہب کے مطابق مکروہ ہے۔ ؎۳

مالکی حضرات میں سے ابن حبیب نے کہا کہ نبی اکرم ﷺ کی قبر شریف کی زیارت اور آپ کی مسجد میں نماز پڑھنا ترک نہ کیا جائے کیونکہ اس میں ایسی رغبت ہے کہ جس سے نہ تم بے نیاز ہو سکتے ہو اور نہ کوئی دوسرا (بے نیاز ہو سکتا ہے)۔

تین مساجد کی زیارت

جو شخص (قبر انور کی) زیارت کی نیت کرتا ہے اسے چاہیے کہ وہ آپ کی مسجد شریف کی زیارت اور اس میں نماز پڑھنے کی نیت بھی کرے کیونکہ یہ (مسجد) ان تین مساجد میں سے ہے کہ صرف ان مساجد کی طرف (زیادہ ثواب کی نیت سے) کجاوے باندھے جاتے ہیں (سفر کیا جاتا ہے) اور جب امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک یہ سب مساجد سے افضل ہے اور تین مساجد کے علاوہ (مساجد) کی طرف سفر کرنے کی فضیلت نہیں کیونکہ شریعت میں یہ حکم (دوسرے مقامات کی

؎۱ مطلب یہ ہوا کہ تین امور میں سے ایک بات حضور ﷺ کی حیات طیبہ میں پائی گئی ہے باقی دو باتیں نہیں پائی گئیں سب مسلمانوں کا وہاں حاضر ہونا اور طلب بخشش کرنا تو آپ کی حیات طیبہ میں نہیں پایا گیا لہٰذا یہ بات آپ کی حیات طیبہ سے خاص نہیں۔ ۱۲ ہزاروی

؎۲ صحابہ کرام کے زمانے میں نبی اکرم ﷺ کی زیارت معروف تھی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بیت المقدس والوں سے صلح کی تو حضرت کعب احبار آئے اور اسلام قبول کیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس پر خوش ہوئے اور فرمایا کیا آپ میرے ساتھ مدینہ طیبہ جائیں گے کہ حضور ﷺ کی قبر کی زیارت کریں اور اس سے نفع اٹھائیں تو انہوں نے کہا جی ہاں۔ (زرقانی ج ۸ ص ۲۹۹)

؎۳ اگر عورتیں تمام قواعد کی پابندی کریں رونا پیٹنا اور شور و شغب نہ کریں تو ان کے لئے بھی زیارت قبور جائز ہے ورنہ نہیں۔ ۱۲ ہزاروی

طرف سفر کی فضیلت کا حکم) نہیں آیا۔ اور اس معاملے میں قیاس کو دخل نہیں کیونکہ کسی جگہ کا شرف صریح حکم سے معلوم ہوتا ہے اور صریح حکم شرعی ان مقامات کے بارے میں آیا ہے دوسرے مقامات کے بارے میں نہیں۔

نذرِ زیارت کا حکم

یہ بات صحیح ثابت ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ (شام سے) اپنا قاصد نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں سلام کے لئے بھیجتے تھے۔ (بیہقی شریف) [1]

پس آپ کی زیارت کے لئے سفر کرنا عمومی دلائل کی بنیاد پر عبادت ہے اور جو شخص آپ کی زیارت کی نذر مانے اس پر زیارت واجب ہو جاتی ہے۔ ہمارے اصحاب (شافعی مسلک والوں) میں سے ابن کج نے اس بات کو ان الفاظ میں بیان کیا فرماتے ہیں: "جب کوئی شخص نبی اکرم ﷺ کی قبر شریف کی زیارت کی نذر مانے تو اس پر اس کا پورا کرنا لازم ہے اس سلسلے میں یہی ایک قول ہے"۔

اور اگر کوئی شخص مسجد اقصیٰ میں نماز کے لئے جانے کی نذر مانے تو ہمارے (شافعی حضرات) کے نزدیک زیادہ صحیح قول کے مطابق اس پر یہ نذر لازم ہو جاتی ہے مالکی اور حنبلی حضرات بھی یہی بات کہتے ہیں لیکن مسجد حرام میں نماز پڑھنے سے اس کی نذر پوری ہو جاتی ہے۔

امام نووی رحمہ اللہ نے اس بات کو صحیح قرار دیا کہ اگر وہ مسجد مدینہ میں نماز پڑھ لے تو بھی اس کی نذر پوری ہو جائے گی وہ فرماتے ہیں امام شافعی رحمہ اللہ نے "البویطی (مختصر البویطی) میں" ذکر کیا ہے۔ حنفی اور حنبلی حضرات بھی یہی کہتے ہیں۔

ابن تیمیہ کا رد

شیخ تقی الدین ابن تیمیہ نے یہاں نہایت قبیح اور عجیب کلام کیا جو نبی اکرم ﷺ کی زیارت شریف کے لئے سفر کو منع کرنے پر مشتمل ہے۔ اور ان کے نزدیک یہ عبادت اور ثواب کا کام نہیں بلکہ اس کی ضد ہے۔ شیخ تقی الدین سبکی رحمہ اللہ نے "شفاء السقام" میں اس کا رد کر کے مومنوں کے سینوں کو ٹھنڈا کیا ہے۔ [2]

---

[1] "شفاء شریف میں ہے" حضرت یزید بن ابو سعید کہتے ہیں میں حضرت عمر بن عبدالعزیز کے پاس آیا جب انہوں نے مجھے رخصت کیا تو فرمایا مجھے تم سے ایک کام ہے جب تم مدینہ طیبہ جاؤ اور نبی اکرم ﷺ کی قبر شریف کی زیارت کرو تو آپ کی خدمت میں میرا سلام عرض کرنا۔ (زرقانی ج ۸ ص ۳۰۰)

[2] شیخ تقی الدین السبکی رحمہ اللہ نے قبر انور شریف کی زیارت پر تفصیلی کلام کیا ہے جو "شفاء السقام فی زیارۃ خیر الانام" میں شرح بسط کے ساتھ مذکور ہے (وہاں مطالعہ کیا جائے) اس ضمن میں وہ شیخ ابن تیمیہ کا رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "ہم قطعی طور پر ابن تیمیہ کے کلام کو باطل قرار دیتے ہیں کیونکہ یہ بات دین اور سلف صالحین کی سیرتوں سے معلوم ہے کہ بعض فوت شدہ صالحین سے برکت حاصل کی جاتی ہے تو انبیاء کرام و مرسلین عظام سے برکت حاصل کرنا کیسے منع ہوگا؟

اور جو شخص یہ دعویٰ کرے کہ انبیاء کرام اور عام لوگوں کی قبریں ایک جیسی ہیں تو اس نے بہت بڑی بات کی ہے ہمارے نزدیک یہ قطعاً باطل اور خطاء ہے بلکہ اس میں نبی اکرم ﷺ کے درجہ کو کم کر کے عام مسلمانوں کے درجہ پر لانا ہے اور یہ یقینی طور پر کفر ہے کیونکہ جو درجہ نبی اکرم ﷺ کے لئے واجب ہے اسے کم کرنا کفر ہے۔ (شفاء السقام ص ۱۳۰)

شیخ ولی الدین عراقی نے نقل کیا کہ ان کے والد ایک سفر میں جو حضرت خلیل اللہ علیہ السلام کے شہر کی طرف تھا' شیخ زین الدین عبدالرحمٰن بن رجب دمشقی کے ہمراہ تھے جب شہر کے قریب پہنچے تو کہنے لگے میں نے مسجد خلیل میں نماز کی نیت کی ہے تاکہ شیخ الحنابلہ ابن تیمیہ کے طریقے کے مطابق حضرت خلیل کی زیارت کی طرف سفر سے بچ جاؤں۔

حضرت ولی الدین عراقی نے کہا میں نے تو حضرت خلیل علیہ السلام کی قبر شریف کی زیارت کی نیت کی ہے پھر میں نے کہا (اے ابن رجب!) تم نے نبی اکرم ﷺ کی مخالفت کی ہے کیونکہ آپ نے فرمایا:

لا تشد الرحال الا الی ثلاثة مساجد. تین مسجدوں کے علاوہ (کسی مسجد کی طرف زیادہ ثواب کی نیت سے) سفر نہ کیا جائے۔

اور تم نے چوتھی مسجد کی طرف سفر کا قصد کیا لیکن میں نے نبی اکرم ﷺ کی اتباع کی ہے کیونکہ آپ نے فرمایا:

زوروا القبور. قبروں کی زیارت کیا کرو۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۰۶' سنن نسائی رقم الباب: ۱۰۰' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۵۷۲' اتحاف السادة المتقین ج ۱۰ ص ۳۵۲' مسند احمد ج ۲ ص ۴۴۱' السنن الکبریٰ ج ۴ ص ۷۰' کشف الخفاء ج ۱ ص ۵۳۴' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۳۴۳' مجمع الزوائد ج ۳ ص ۵۸' کنز العمال رقم الحدیث: ۴۲۵۵۲)

تو کیا آپ نے یہ بات فرمائی تھی کہ "سوائے انبیاء کرام کی قبروں کے" (یعنی انبیاء کرام کی قبروں کی استثناء کی تھی) فرماتے ہیں وہ (ابن رجب) حیران رہ گئے۔

زیارت کا شوق

جو شخص زیارتِ نبوی کا ارادہ رکھتا ہو اسے چاہیے کہ راستے میں نبی اکرم ﷺ پر بکثرت درود شریف پڑھے اور جب اس کی نگاہ مدینہ طیبہ کی نشانیوں اور ان چیزوں پر پڑے جن سے مدینہ طیبہ کی پہچان ہوتی ہے تو بار بار صلوٰۃ وسلام پڑھے۔ اور اللہ تعالیٰ سے سوال کرے کہ وہ اسے دونوں جہانوں میں آپ کی زیارت سے نفع اور سعادت عطا فرمائے۔ اسے چاہیے کہ غسل کرے اور صاف ستھرے کپڑے پہن کر پیدل روتے ہوئے چلے۔ جب عبدالقیس کے وفد نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا تو اپنے آپ کو سواریوں سے گرا دیا اور ان کو نہ بٹھایا بلکہ آپ کی طرف دوڑ پڑے لیکن نبی اکرم ﷺ نے ان پر اعتراض نہیں کیا۔[1]

حضرت قاضی عیاض رحمہ اللہ نے "الشفاء" میں جو کچھ ذکر کیا ہے ہم نے اسے روایت کیا کہ ابوالفضل جوہری[2] جب زیارت کی نیت سے مدینہ طیبہ میں داخل ہوئے اور وہاں کے مکانات کے قریب ہوئے تو ننگے پاؤں روتے ہوئے

---

[1] البتہ حضرت اشج نے سواری بٹھائی اور لباس تبدیل کر کے حاضر خدمت ہوئے تو حضور ﷺ نے ان کے عمل کو پسند فرمایا اور ارشاد فرمایا: کہ تم میں دو خصلتیں ایسی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو پسند ہیں بردباری اور تحمل۔

[2] تاریخ اندلس کے مطابق ابوالفضل جوہری کا نام عبداللہ بن حکم ترمذی اندلسی ہے' ان کے پاس دو وزارتیں تھیں اور علم وفضل کے اعتبار سے عظیم شخصیت تھے ادب' قرأت اور حدیث کے بہت بڑے عالم تھے' شعر اور نثر دونوں میں بلند مقام رکھتے تھے انہوں نے شہادت کا مقام پایا۔ (زرقانی ج ۸ ص ۳۰۱)

چلے اور یہ اشعار پڑھے:

ولما راينا رسم من لم يدع لنا   فؤادا لعرفان الرسوم ولا ليا
نزلنا عن الاكوار نمشی كرامة   لمن بان عنه ان نلم به ركبا

"اور جب ہم نے ان کے آثار کو دیکھا جنہوں نے ہمارے دل اور عقل کو باقی نہ چھوڑا کہ آثار کو پہچانیں۔

تو ہم کجاووں سے اتر گئے اور اس ذات کا احترام کرتے ہوئے پیدل چلنے لگے جس سے یہ بات بعید ہے کہ ہم سواری کی حالت میں اس کی زیارت کریں (یعنی اس کے ادب کے خلاف ہے)"۔

اور مجھے بتایا گیا ابو عبداللہ بن رشید نے کہا جب ہم ۶۸۴ھ میں مدینہ طیبہ آئے تو میرے ساتھ میرا دوست وزیر عبداللہ بن ابی القاسم الحکیم بھی تھا۔ (الاعلام ج ۶ ص ۱۹۲ الدرر الکامنہ ج ۳ ص ۴۹۵ ازھار الریاض ج ۲ ص ۳۴۰)

اور اس کی آنکھ میں تکلیف تھی جب ہم ذوالحلیفہ مقام پر پہنچے تو سواریوں سے اتر گئے اور مزار شریف کے قرب کا شوق مضبوط ہو گیا تو ابو عبداللہ بن ابی القاسم نے اتر کر ان آثار مبارکہ کی طرف ثواب کی نیت سے جلدی جلدی پیدل چلنا شروع کر دیا اور اس ذات مقدسہ کی عظمت کو پیش نظر رکھا جو وہاں تشریف لائے تھے تو انہوں نے آنکھ کی تکلیف سے شفاء محسوس کی تو اس حال کا وصف (وہاں تشریف لانے والی شخصیت کے حوالے سے) یوں بیان کیا:

ولما راينا من ربوع حبيبنا   بيثرب اعلاما اثرن لنا الحبا
وبالترب منها اذ كحلنا جفوننا   شفينا فلا باسا نخاف ولا كربا
وحين تبدى للعيون جمالها   ومن بعدها عنا اذيلت لنا قربا
نزلنا عن الاكوار لمشى كرامة   لمن حل فيها ان نلم به ركبا
نسح سجال الدمع فی عرصاته   ونلثم من حب لواطئه التربا
وان بقائی دونه لخساره   ولو ان كفی تملك الشرق والغربا
فيا عجبا ممن يحب بزعمه   يقيم مع الدعوى ويستعمل الكذبا
وزلات مثلی لا تعدد كثرة   وبعدی عن المختار اعظمها ذنبا

"اور جب ہم نے یثرب میں اپنے محبوب کے گھر کی علامات کو دیکھا تو ان علامات نے ہمیں محبت سے سرشار کر دیا۔

جب ہم نے اس سرزمین کی خاک پاک کو اپنی پلکوں کا سرمہ بنایا تو ہمیں شفاء حاصل ہوئی اب ہمیں کسی سختی اور تکلیف کا خوف نہیں۔

اور جب ان علامات کا جمال ہماری آنکھوں کے سامنے آتا ہے تو ہم سے دور ہونے کے باوجود ہمارے لئے قرب کو کھینچ لاتا ہے۔

ہم سواریوں سے اتر کر اس ذات کی عزت واحترام میں پیدل چلنے لگے جو وہاں مدفون ہیں کہ سواری کی حالت میں ہم گناہ گار نہ ہو جائیں۔

ہم اس کے صحن میں خون کے ڈول بہاتے ہیں اور اس کے قدوم میمنت لزوم کی وجہ سے مٹی کو بوسے دیتے ہیں۔

اس کے بغیر میرا باقی رہنا خسارہ ونقصان ہے اگر چہ میری ہتھیلی میں مشرق ومغرب ہی کیوں نہ ہو۔ اس پر تعجب ہے جو اپنے خیال میں محبت کرتا ہے اور دعویٰ کے باوجود زندہ ہے اور جھوٹ بولتا ہے۔

اور میرے جیسے لوگوں کی لغزشیں کثرت کی وجہ سے شمار میں نہیں آتیں اور مختار ذات سے میری دوری بہت بڑا گناہ ہے"۔

اور جب میں نے ربیع الثانی ۸۹۲ھ میں زیارت کے قصد سے سفر کیا اور صبح کے وقت ہمارے سامنے وہ پہاڑ آیا جو روحوں کو خوش کرنے والا اور مزار شریف کے قرب کی خوشخبری دینے والا ہے (جبل احد مراد ہے) وہ سب سے زیادہ شرف والے شہر میں ہے' زیارت کرنے والے اس کی طرف دوڑ پڑے اور اس کے اوپر چڑھ گئے کیونکہ وہ ان آثار مبارکہ کی زیارت کے لئے جلدی کر رہے تھے (اور ان انوار کو دیکھ کر فائدہ حاصل کرنا چاہتے تھے) تو انوار نبوی کی روشنی چمکی اور معارف محمدیہ کی باد نسیم چل پڑی پس ہم نے اپنے آپ کو اچھا پایا اور ہمیں رشک آیا کہ ہم مخلوق میں سے سب سے بہتر شخصیت کے دیار پاک کے نشانات کو دیکھ رہے ہیں تو میں نے یہ اشعار کہے:

الاح برق یغتدی ویروح ام النور من ارض الحجاز یلوح
وریح الصبا هبت بطیب عرفهم ام الروض فی وجه الصباح یفوح
اذا ریح ذاک الحی هب فانها حیاة لمن یغدو لها ویروح
ترفق بنا یا حادی العیس والتفت فللنور بین الوادیین وضوح
فما هذه الا دیار محمد وذاک سناها یغتدی ویروح
والا فما للرکب هاج اشتیاقهم فکل من الشوق الشدید یصیح
وانت مطایا الرکب حتی کانها حمام علی قضب الاراک تنوح
وقد مدت الاعناق شوقا وطرفها الی النور من تلک الدیار لموح
رأت دار من تهوی فزاد اشتیاقها وملمعها فی الوجنتین سفوح
اذا العیس باحت بالغرام ولم تطق خفاء فما للصب لیس یبوح

"کیا یہ بجلی کی چمک ہے جو صبح وشام چمکتی ہے یا سرزمین حجاز مقدس سے ایک نور چمکتا ہے؟

باد صبا نے ان کی خوشبو بکھیری ہے یا صبح کے چہرے پر بہار باغ کی خوشبو بکھر رہی ہے۔

جب اس قبیلے کی ہوا چلی تو وہ ان لوگوں کے لئے حیات ہے جو اسے صبح وشام حاصل کرتے ہیں؟

اے بھورے رنگ کے اونٹ کے حدی خوان! ہمارے ساتھ نرمی کا سلوک کر اور متوجہ ہو کہ دو وادیوں کے درمیان نہایت واضح روشنی ہے۔

یہ تو حضرت محمد ﷺ کا دیار پاک ہے اور یہ اس کی صبح وشام چمکنے والی روشنی ہے ورنہ سواریوں کا شوق حرکت میں نہ آتا۔ ہر ایک سخت شوق سے چلا رہا ہے۔

سواروں کی سواریاں رو رہی ہے گویا وہ پیلو کی شاخ کبوتری ہے جو نوحہ کر رہی ہے۔

انہوں نے شوق میں اپنی گردن کو بڑھایا اور ان کا کنارہ اس نور کی طرف تھا جو اس دیار پاک کی جانب سے چمک رہا تھا۔ انہوں نے اپنے محبوب کے دیار پاک کو دیکھا تو ان کا شوق بڑھ گیا اور ان کے رخساروں پر آنسو بہنے لگے۔

جب اونٹ نے عشق کو ظاہر کر دیا اور وہ اسے چھپا نہ سکا گو وہ کو کیا ہوا وہ کیوں ظاہر نہیں کرتی؟''

اور جب ہم مدینہ طیبہ کے مکانات اور علامات کے قریب ہوئے اور مدینہ طیبہ کے بلند مقامات اور ٹیلوں کے قریب پہنچے تو ان کی کلیوں کی لطیف خوشبو کو سونگھا اور اس کے انوار کی چمک ہماری آنکھوں کے سامنے ظاہر ہوئی نیز عطیات ایک دوسرے کے پیچھے آنے لگے اور قوم سواریوں سے اتر گئی تو میں نے بطور تمثیل یہ اشعار پڑھے:

اتیتک زائرا وودت انی جعلت سواد عینی امتطیہ

ومالی لا اسیر علی الماقی الی قبر رسول اللہ فیہ

''میں زیارت کے قصد سے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں' میں چاہتا ہوں کہ اپنی آنکھ کی سیاہی کو اپنی سواری بناؤں۔

اور مجھے کیا ہے کہ میں آنکھ کے کناروں پر چل کر اس قبر کی طرف نہ جاؤں جس میں اللہ کے رسول ﷺ تشریف فرما ہیں''۔

اور جب میری نگاہ قبر شریف اور بلند مرتبہ مسجد پر پڑی تو خوشی سے آنسو کی جھڑی لگ گئی حتیٰ کہ بعض (آنسو) خاک پاک اور دیواروں تک پہنچ گئے اور میں نے کہا:

ایھا المغرم المشوق ھنینا ما انا لوک من لذیذ التلاق

قل لعینیک تھملان سرورا طالما اسعداک یوم الفراق

واجمع الوجد والسرور ابتھاجا وجمیع الاشجان والاشواق

ومر العین ان تفیض انھمالا وتوالی بد معھا المھراق

ھذہ دارھم وانت محب ما بقاء الدموع فی الاماق

''اے دردمندان عشق اور مشتاقان زیارت! تمہیں محبوب کی طرف سے عنایت ہونے والی ملاقات کی لذتیں مبارک اور خوشگوار ہوں۔

اپنی دونوں آنکھوں سے کہو (وصال پر) خوشی کے آنسو بہاؤ جس طرح (محبوب سے) جدائی کے دنوں میں انہوں نے پیہم آنسو بہا کر تمہاری بہت دفعہ مدد کی ہے۔

سارے دردوں اور شوقوں نے اکٹھے ہو کر آج غم اور خوشی کی ایک عجیب و غریب کیفیت پیدا کر دی ہے (کیونکہ وہ صورت حال کچھ اسی طرح ہے۔

چند کلیاں نشاط کی چن کر میں محو یاس رہتا ہے تجھ سے ملنا خوشی کی بات سہی تجھ سے مل کر اداس رہتا ہوں)۔

اپنی چشم بے چین کو امر کر دو آنسوؤں کے چشمے جاری کر دیں اور لگاتار بہنے والے اشکوں کے ساتھ اشک بار ہیں۔

تمہارے سامنے ہوں دیار محبوب کے درود یوار اور تم ہو عاشق دل فگار پھر آنسوؤں کا چشم خانہ میں باقی رہنا کس کار؟''

اور میں نے یہ بھی کہا:

وکان ما کان مما لست اذکرہ　　　فظن خیرا ولا تسال عن الخیر

''اور ہوا جو کچھ ہوا میں اس کا ذکر نہیں کروں گا پس بہتر گمان کرو اور بھلائی کے بارے میں نہ پوچھو''۔

کچھ آدابِ زیارت

اور زیارت سے پہلے دو رکعت نماز (تحیۃ المسجد) مستحب ہے اور یہ اس وقت ہے جب وہ مواجہہ شریف کی طرف سے نہ گزرے (کیونکہ اس صورت میں) تحیۃ المسجد سے پہلے زیارت مستحب ہے ''تحقیق النصرہ'' (تاریخ دار الہجرت میں) فرمایا یہ اچھا استدراک ہے (استثناء ہے) یہ بات ہمارے بعض شیوخ نے بیان فرمائی ہے۔

ابن فرحون کے ''منسک'' میں ہے کہ اگر تم کہو کہ مسجد کا شرف واعزاز نبی اکرم ﷺ کی طرف نسبت کی وجہ سے ہے پس مناسب یہ ہے کہ آپ کے پاس ٹھہرنے سے ابتدا کی جائے۔

تو (اس کے جواب میں) میں کہتا ہوں ابن حبیب نے ''کتاب الصلوٰۃ'' کے شروع میں کہا کہ مجھ سے مطرف نے بیان کیا وہ حضرت یحییٰ بن سعید سے اور وہ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں' وہ فرماتے ہیں: کہ میں سفر سے آیا تو رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا کہ آپ کو سلام عرض کروں اور آپ مسجد کے صحن میں تھے آپ نے پوچھا تم نے مسجد میں داخل ہونے کے بعد نماز پڑھی ہے؟ میں نے عرض کیا ''نہیں'' فرمایا جاؤ اور مسجد میں داخل ہو کر اس میں نماز پڑھو پھر آکر مجھے سلام کرو۔

ابن فرحون نے کہا کہ بعض حضرات نے نماز پر زیارت کو مقدم کرنے کی اجازت دی ہے اور دونوں طرح گنجائش ہے اور شاید ان لوگوں کو یہ حدیث نہ پہنچی ہو۔ واللہ اعلم

اور زائر کو چاہیے کہ جس قدر ممکن ہو خشوع سے کام لے اور سلام پیش کرتے ہوئے بلند آواز اور بالکل آہستہ آواز کے درمیان والی صورت اختیار کرے۔

''صحیح بخاری میں ہے کہ'' حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اہل طائف میں سے دو آدمیوں سے فرمایا اگر تم اس شہر کے ہوتے تو میں تمہیں سزا دیتا تم رسول اللہ ﷺ کی مسجد میں اپنی آوازیں بلند کرتے ہو۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ کی حیات طیبہ میں اور وصال کے بعد دونوں صورتوں میں آپ کے سامنے آواز بلند کرنا مناسب نہیں اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ وہ مسجد نبوی کے گرد بعض مکانات میں کیل گاڑنے کی آواز سنتیں تو ان کو پیغام بھیجتیں کہ رسول اللہ ﷺ کو اذیت نہ دو۔

اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اپنے گھر کے دروازوں کا کام مصانع (مدینہ طیبہ میں ایک جگہ کا نام) میں کرتے

تا کہ حضور ﷺ کو تکلیف نہ پہنچے۔

یہ بات ابن زبالہ نے نقل کی ہے۔ تو نبی اکرم ﷺ کا ادب اسی طرح واجب ہے جس طرح آپ کی (ظاہری) حیات طیبہ میں ہوتا (کیونکہ آپ زندہ ہیں اذان واقامت کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں۔ زرقانی ج ۸ ص ۳۰۴)۔

اور زائر کو چاہیے کہ قبر شریف کی طرف قبلہ کی جانب سے جائے اور اگر حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کے قدموں کی طرف سے آئے تو اس میں ادب زیادہ ہے بنسبت آپ کے سر انور کی طرف سے آنے کے اور قبلہ کی طرف پیٹھ کر کے آپ کے مواجہہ شریف کی طرف رخ کر کے کھڑا ہو یعنی دیوار میں لگے ہوئے سنگ مرمر میں نصب چاندی کے کیل کے مقابل ہو۔

اور آج کل بڑی قندیل کا اعتبار نہیں کیونکہ اب وہاں بہت سی قندیلیں ہیں (تابعین کے زمانے میں اس کا اعتبار تھا)۔

ایک روایت میں ہے کہ جب ابوجعفر منصور عباسی نے حضرت امام مالک رحمہ اللہ سے پوچھا اے ابوعبداللہ! کیا میں رسول اللہ ﷺ کی طرف رخ کر کے دعا مانگوں یا قبلہ رخ ہو کر دعا مانگوں؟ تو حضرت امام مالک رحمہ اللہ نے اس سے فرمایا اپنا چہرہ حضور ﷺ سے نہ پھیرو کیونکہ آپ قیامت کے دن بارگاہ خداوندی میں تمہارے اور تمہارے باپ حضرت آدم علیہ السلام کا وسیلہ ہوں گے (بلکہ تم آپ ﷺ کی طرف رخ کر کے آپ کی شفاعت طلب کرو اللہ تعالیٰ آپ کی شفاعت کو قبول فرمائے گا)۔[1]

لیکن میں نے دیکھا کہ شیخ تقی الدین ابن تیمیہ کی اپنی (تصنیف) ''منسک میں'' اس کی طرف منسوب ہے کہ یہ حکایت امام مالک پر افتراء ہے اور قبر شریف کے پاس کھڑا ہونا بدعت ہے۔[2]

ابن تیمیہ نے کہا کہ کسی نے وہاں کھڑے ہو کر دعا نہیں مانگی بلکہ وہ قبلہ رخ ہوتے اور آپ کی مسجد شریف میں دعا مانگتے تھے ابن تیمیہ نے کہا کہ امام مالک اس عمل کو مکروہ جاننے والے بڑے ائمہ میں سے تھے۔[3]

---

[1] آج کل سعودیہ میں نجدی حکومت ہے ان کے کارندے جو روضۂ رسول ﷺ پر متعین ہیں مسلمانوں کو مجبور کرتے ہیں کہ وہ سرکار دو عالم کی طرف پیٹھ کر کے قبلہ رخ ہو کر دعا مانگیں یہ بے ادبی کی انتہا ہے اللہ تعالیٰ انہیں ہدایت عطا فرمائے آمین بجاہ نبیہ الکریم علیہ التحیۃ والتسلیم ۔۱۲ ہزاروی

[2] ابن تیمیہ اور اس کے پیروکاروں دیوبندیوں اور وہابیوں نے ہر اچھے کام کو بدعت قرار دے کر امت مسلمہ میں انتشار پھیلایا اور بات بات پر مسلمانوں کو بدعتی اور مشرک قرار دیا جس کی وجہ سے آج امت مسلمہ اختلاف وانتشار کا شکار ہے اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو ہدایت عطا فرمائے۔ آمین ۔۱۲ ہزاروی

[3] امام زرقانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ابن تیمیہ نے اسی طرح کہا لیکن یہ خطائے قبیح ہے کیونکہ مالکی کتب اس بات سے بھری پڑی ہیں کہ قبر انور کی طرف رخ کر کے اور قبلہ کی طرف پیٹھ کرتے ہوئے مواجہہ شریف کے سامنے دعا مانگنا مستحب ہے ابوالحسن القابسی ابوبکر بن عبدالرحمٰن اور علامہ خلیل رحمہم اللہ نے اپنی کتب ''مناسک'' میں واضح الفاظ میں بیان کیا اور ''الشفاء میں'' بواسطہ ابن وہب حضرت امام مالک رحمہ اللہ سے نقل کیا وہ فرماتے ہیں:
جب نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں سلام پیش کرے اور دعا مانگے تو یوں کھڑا ہو کہ اس کا چہرہ قبر انور کی طرف ہو قبلہ شریف کی طرف نہ ہو قریب ہو کر سلام عرض کرے لیکن قبر شریف کو ہاتھ نہ لگائے امام شافعی اور جمہور بھی اسی طرف گئے ہیں اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے جو منقول ہے کہ قبلہ رخ ہو تو ابن ہمام فرماتے ہیں یہ مردود ہے کیونکہ حدیث شریف میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں سنت یہ ہے کہ قبر شریف کی طرف منہ کرے اور پیٹھ قبلہ کی طرف کرے اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مذہب بھی یہی ہے اور یہی صحیح بات ہے۔ (ملخصاً زرقانی ج ۸ ص ۳۰۵)

اور زائر کو چاہیے کہ چار قدم کے فاصلے پر کھڑا ہو اور ادب' خشوع اور تواضع کو لازم پکڑے' مقام ہیبت میں آنکھوں کو جھکائے جس طرح آپ کی حیات طیبہ میں کیا جاتا تھا اور یہ عقیدہ رکھے کہ نبی اکرم ﷺ کو اس بات کا علم ہے کہ وہ آپ کے سامنے کھڑا ہے اور آپ اس کا سلام سن رہے ہیں جس طرح آپ کی حیات طیبہ میں ہوتا تھا کیونکہ امت کو دیکھنے اور ان کے احوال' عزائم اور قلبی خیالات کی معرفت کے سلسلے میں آپ کے وصال اور حیات میں کوئی فرق نہیں اور یہ سب کچھ (اللہ تعالیٰ کے مطلع کرنے سے) آپ پر روشن ہے' اس میں کوئی پوشیدگی نہیں۔

سوال: یہ صفات تو اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہیں؟

جواب: جو کامل مومن عالم برزخ کی طرف منتقل ہو جاتا ہے وہ عام طور پر زندہ لوگوں کے احوال کو جانتا ہے اور اس سلسلے میں بہت سے واقعات کتب میں مذکور ہیں۔[1]

حضرت ابن مبارک رحمہ اللہ نے حضرت سعید بن مسیتب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ:

لیس من یوم الا ویعرض علی النبی ﷺ اعمال امتہ غدوۃ و عشیۃ فیعرفھم بسیماھم واعمالھم فلذلک یشھد علیھم.

ہر دن نبی اکرم ﷺ پر آپ کی امت کے اعمال صبح اور شام پیش کئے جاتے ہیں پس آپ ان کو ان کی علامات اور اعمال سے پہچانیں گے تو اسی لئے ان پر گواہی دیں گے۔

زائر کو چاہیے کہ نبی اکرم ﷺ کے چہرۂ انور کو ذہن میں رکھے اور دل میں آپ کے رتبہ کا جلال' بلند مرتبے اور عظیم حرمت کو حاضر کرے' اکابر صحابہ کرام آپ کی تعظیم کی وجہ سے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو عظمت عطا فرمائی اس طرح خطاب کرتے تھے جس طرح کسی رازدار سے بات کی جاتی ہے۔

ابن نجار نے روایت کیا کہ ایک عورت نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سوال کیا کہ وہ اسے نبی اکرم ﷺ کی قبر شریف دکھائیں' ام المومنین نے جب قبر انور سے پردہ ہٹایا تو وہ عورت رونے لگی حتیٰ کہ انتقال کر گئی۔

ابو الفضائل حموی جو حجرۂ مقدسہ کے خدام میں سے ہیں' نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے زیارت کرنے والے شیوخ میں سے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ حجرۂ شریف کے دروازے پر آیا اور اپنا سر چوکھٹ کی طرف جھکا دیا' لوگوں نے اسے حرکت دی تو وہ فوت ہو چکا تھا اور وہ (ابو الفضائل حموی) ان لوگوں میں شامل ہیں جو اس کے جنازہ میں حاضر تھے۔

نبی اکرم ﷺ کی بارگاہ میں سلام پیش کرنے کے لئے الفاظ

پھر زیارت کرنے والے کا دل حاضر ہو' آنکھیں جھکی ہوئی اور آواز پست ہو نیز اعضاء وغیرہ پر سکون ہوں اور اسی حالت میں کہے:

---

[1] اللہ تعالیٰ کے بتانے سے یہ علم حاصل ہوتا ہے' جس طرح حدیث شریف میں ہے کہ اعمال اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ہر جمعرات اور سوموار کے دن پیش کئے جاتے ہیں اور انبیاء کرام اور آباء واجداد مرد و عورتوں پر جمعہ کے دن پیش ہوتے ہیں تو وہ اپنی نیکیوں پر خوش ہوتے ہیں اور ان کے چہرے کی سفیدی اور چمک بڑھ جاتی ہے پس اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور اپنے فوت شدہ لوگوں کو اذیت نہ پہنچاؤ۔ (زرقانی ج ۸ ص ۳۰۵)

السلام علیک یا رسول اللہ' السلام علیک یا نبی اللہ' السلام علیک یا حبیب اللہ' السلام علیک یا خیرۃ اللہ' السلام علیک یا صفوۃ اللہ' السلام علیک یا سید المرسلین' وخاتم النبیین' السلام علیک یا قائد الغر المحجلین' السلام علیک وعلی اھل بیتک الطیبین الطاھرین' السلام علیک وعلی ازواجک الطاھرات امھات المومنین' السلام علیک وعلی اصحابک اجمعین' السلام علیک وعلی سائر الانبیاء وسائر عباد اللہ الصالحین' جزاک اللہ (عنا) یا رسول اللہ ﷺ افضل ما جازی نبیا ورسولا عن امتہ' وصلی اللہ علیک کلما ذکرک الذاکرون' وغفل عن ذکرک الغافلون' اشھد ان لا الہ الا اللہ واشھد انک عبدہ ورسولہ وامینہ' وخیرتہ من خلقہ' واشھد انک قد بلغت الرسالۃ وادیت الامانۃ ونصحت الامۃ وجاھدت فی اللہ حق جھادہ۔

اے اللہ کے رسول! آپ پر سلام' اے اللہ کے نبی! آپ پر سلام' اے اللہ کے حبیب! آپ پر سلام' اے اللہ کی مخلوق میں سے بہترین! آپ پر سلام' اے اللہ کے منتخب بندے! آپ پر سلام' اے رسولوں کے سردار! آپ پر سلام' اے سب سے آخری نبی! آپ پر سلام' اے چمکتے اعضاء والوں کے قائد! آپ پر سلام' آپ پر سلام ہو اور آپ کے پاکیزہ اہلِ بیت پر سلام ہو' آپ کی ازواج مطہرات مؤمنوں کی ماؤں پر سلام ہو' آپ پر اور آپ کے تمام صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) پر سلام ہو' آپ پر اور تمام انبیاء کرام اور اللہ تعالیٰ کے تمام نیک بندوں پر سلام ہو۔ یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ آپ کو (ہماری طرف سے) اس سے افضل جزا عطا کرے جو کسی نبی اور رسول کو اس کی امت کی طرف سے جزا عطا کی ہے اور آپ پر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو جب بھی یاد کرنے والے آپ کو یاد کریں اور جب غافل آپ کے ذکر سے غافل ہوں میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ بے شک آپ اس کے بندے' اس کے رسول اور اس کے امین ہیں اور اس کی مخلوق میں سے سب سے بہتر ہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ نے اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچا دیا' امانت ادا کر دی امت کی خیر خواہی کی اور اللہ تعالیٰ کے راستے میں اس طرح جہاد کیا جس طرح اس (جہاد) کا حق ہے۔

اگر کسی شخص کے پاس ان کلمات کے ساتھ سلام پیش کرنے کے لئے وقت نہ ہو یا اسے یہ کلمات یاد نہ ہوں تو جو کچھ آسان ہو یا جس سے غرض حاصل ہو وہی کلمات کہہ دے۔

"التحفہ (ابن عساکر کی کتاب تحفۃ الزائر) میں ہے کہ" حضرت ابن عمر اور دیگر اسلاف رضی اللہ عنہم اس عبارت میں نہایت اختصار سے کام لیتے تھے۔

امام دارالہجرہ حضرت مالک بن انس رحمہ اللہ سے مروی ہے اور تمہارے لئے اس خبر کی شان میں اتنا ہی کافی ہے۔

حضرت (عبداللہ) ابن وہب رحمہ اللہ ان سے روایت کرتے ہیں کہ (مسلمان یا زائر) یوں کہے" السلام علیک ایھا

النبی ورحمة الله وبرکاته اے اللہ کے نبی آپ پر سلام ہو اور اللہ تعالیٰ کی رحمت و برکت ہو"۔ [1]

حضرت نافع' حضرت ابن عمر (رضی اللہ عنہم) سے روایت کرتے ہیں کہ وہ جب بھی سفر سے واپس آتے تو مسجد شریف میں داخل ہوتے پھر قبر انور پر حاضر ہوتے اور یوں کہتے:

السلام علیک یا رسول الله السلام علیک یا ابا بکر السلام علیک یا ابتاه.

اے اللہ کے رسول! آپ پر سلام ہو' اے ابوبکر رضی اللہ عنہ! آپ پر سلام ہو' اے ابا جان! (حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ) آپ پر سلام ہو۔

اور اسے چاہیے کہ دعا مانگے لیکن اس میں قافیے ملانے کا تکلف نہ کرے کیونکہ اس سے خشوع وخضوع میں خلل واقع ہوتا ہے۔

ایک جماعت جن میں امام ابوالنصر بن صباغ (یا ابومنصور صباغ) بھی شامل ہیں' "الشامل" (کتاب) میں حضرت عتبی سے مشہور حکایت نقل کرتے ہیں۔ (الاعلام ج ۴ص ۱۰' وفیات الاعیان ج ۱ص ۳۰۳' طبقات الشافعیہ ج ۳ص ۲۳۰' نکت الھمیان رقم الحدیث: ۱۹۳' مفتاح السعادۃ ج ۲ص ۱۸۵' النجوم الزاھرۃ ج ۵ص ۱۱۹' مراۃ الجنان ج ۳ص ۱۲۲' مختصر دول الاسلام ج ۲ص ۵' شذرات الذھب ج ۳ص ۳۵۵' الجواہر المضیئہ ج ۱ص ۳۱۶' کشف الظنون رقم الحدیث: ۱۰۳-۳۸۹-۱۰۲۵)

حضرت عتبی کا اسم گرامی محمد بن عبید اللہ بن عمرو بن معاویہ بن عمرو بن عتبہ بن ابوسفیان صخر بن حرب ہے اور ۲۲۸ھ میں ان کا انتقال ہوا' ابن نجار' ابن عساکر اور ابن جوزی نے "مثیر الغرام الساکن" میں حضرت محمد بن حرب الہلالی سے روایت کرتے ہوئے ذکر کیا' فرماتے ہیں: میں نبی اکرم ﷺ کی قبر انور کے پاس آیا' زیارت کی اور اس کے سامنے بیٹھ گیا تو ایک دیہاتی آیا جس نے زیارت کرنے کے بعد کہا: (کشف الظنون ج ۱ص ۱۵۸۹)

یا خیر الرسل' ان الله انزل علیک کتابا صادقا' قال فیه ﴿ولو انهم اذ ظلموا انفسهم جاؤوک فاستغفروا الله واستغفر لهم الرسول لوجدوا الله توابا رحیما﴾ وقد جئتک مستغفرا من ذنبی مستشفعا بک الی ربی.

اے سب رسولوں میں سے بہتر! آپ پر اللہ تعالیٰ نے سچی کتاب نازل فرمائی اور اس میں فرمایا: "اور اگر وہ اپنے نفسوں پر ظلم کر بیٹھیں تو آپ کے پاس حاضر ہوں پس اللہ تعالیٰ سے بخشش مانگیں اور رسول ﷺ بھی ان کی سفارش فرمائیں تو اللہ تعالیٰ کو بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں گے" اور میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں اپنے گناہوں کی بخشش طلب کرتا ہوں اور اپنے رب کے ہاں آپ کو اپنا شفیع بناتا ہوں۔

پھر اس نے یہ شعر پڑھے:

یا خیر من دفنت بالقاع اعظمه فطاب من طیبهن القاع والاکم
نفسی الفداء لقبر انت ساکنه فیه العفاف وفیه الجود والکرم

[1] امام مالک نے "المبسوط میں" مزید اضافہ فرمایا کہ نبی اکرم ﷺ پر سلام کے بعد حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما پر بھی سلام پیش کرے۔ (زرقانی ج ۸ص ۳۰۶)

"اے وہ بہترین ذات جس کا جسم اقدس نرم زمین میں مدفون ہے اور اس کی خوشبو سے پست زمین اور ٹیلے منور ہیں۔

میری جان اس قبر پر فدا ہو جس میں آپ تشریف فرما ہیں اس میں پاک دامنی اور جود و کرم ہے"۔ [1]

ایک اعرابی نبی اکرم ﷺ کی قبر شریف پر کھڑا ہوا تو اس نے یوں کہا:

اللھم انک امرت بعتق العبید وھذا حبیبک وانا عبدک فاعتقنی من النار علی قبر حبیبک.

یا اللہ! تو نے غلام آزاد کرنے کا حکم دیا اور یہ تیرے محبوب ہیں جب کہ میں تیرا بندہ ہوں پس اپنے محبوب کی قبر انور پر مجھے آزاد کردے۔

تو ایک غیبی آواز والے نے آواز دی:

یا ھذا تسئل العتق لک وحدک ھلا سألت لجمیع الخلق اذھب فقد اعتقناک من النار.

اے فلاں! تو نے صرف اپنے لئے آزادی طلب کی تو نے تمام مخلوق کے لئے سوال کیوں نہ کیا جا ہم نے تجھے جہنم سے آزاد کردیا۔

ان الملوک اذا شابت عبیدھم فی رقھم اعتقوھم عتق ابرار (احرار)

وانت یا سیدی اولی بذا کرما قد شبت فی الرق فاعتقنی من النار

"جب بادشاہوں کے غلام غلامی میں جوان ہوئے تو وہ ان کو نیکوکار لوگوں (یا آزاد لوگوں) کی طرح آزاد کرتے ہیں۔

اور اے میرے سردار آپ اپنے کرم کی وجہ سے اس کا زیادہ حق رکھتے ہیں، میں غلامی میں جوان ہوا ہوں پس مجھے جہنم سے آزاد کردے"۔

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: حضرت حاتم اصم رحمہ اللہ نبی اکرم ﷺ کی قبر شریف پر کھڑے ہوئے تو یوں عرض کیا:

یا رب انا زرنا قبر نبیک فلا تردنا خائبین.

اے میرے رب! ہم تیرے نبی کی قبر پر کھڑے ہوئے ہیں پس ہمیں نامراد نہ لوٹانا۔

تو آواز آئی:

اے فلاں! ہم نے اپنے محبوب (ﷺ) کی قبر انور کی زیارت کی اجازت تمہیں اسی لئے دی کہ تجھے قبول کیا ہے پس تم اور تمہارے زائرین ساتھی یوں واپس جاؤ کہ تمہیں بخش دیا گیا۔

حضرت ابن ابی فدیک فرماتے ہیں: میں نے بعض (صلحاء و علماء) سے ملاقات کی تو ان سے سنا وہ فرماتے تھے ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ جو شخص نبی اکرم ﷺ کی قبر انور کے پاس کھڑا ہو کر یہ آیت کریمہ پڑھے:

[1] راوی کہتے ہیں پھر بخشش طلب کر کے واپس ہوا اور جب مجھے نیند آئی تو میں نے خواب میں نبی اکرم ﷺ کو دیکھا آپ فرما رہے تھے اس اعرابی کے پاس جاؤ اور اسے خوشخبری دو کہ میری شفاعت کے سبب اس کی بخشش ہو گئی ہے میں بیدار ہوا تو اس کی تلاش میں نکلا لیکن اسے نہ پایا۔ (زرقانی ج ۸ ص ۳۰۷)

إِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًاO (الاحزاب:۵٦)

بے شک اللہ اور اس کے فرشتے نبی اکرم (ﷺ) پر درود بھیجتے ہیں اے ایمان والو! تم بھی آپ پر درود اور خوب سلام بھیجو۔

اور پھر ستر مرتبہ کہے:

صلی اللہ علیک یا محمد. اے محمد! آپ پر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو۔

تو ایک فرشتہ اسے آواز دیتا ہے صلی اللہ علیک یا فلان (اے فلاں تجھ پر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو) اس کی کوئی حاجت رد نہیں ہوگی۔

شیخ زین الدین المراغی اور ان کے علاوہ حضرات رحمہم اللہ نے فرمایا۔ بہتر بات یہ ہے کہ "یا رسول اللہ" کہے اگرچہ روایت "یا محمد" (کے الفاظ) کے ساتھ ہے۔[1]

میں (مصنف) نے "لوامع الانوار فی الادعیۃ والاذکار (نامی کتاب) میں" اس کے ساتھ مزید بیان کے ذریعے اس بات کی تنبیہ کی ہے۔

اگر کوئی شخص اسے نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں سلام عرض کرنے کی وصیت کرے تو یوں کہے:

السلام علیک یا رسول اللہ من فلان. یا رسول اللہ! فلاں کی طرف سے آپ پر سلام ہو۔

پھر ایک گز شرعی کا فاصلہ اپنی دائیں طرف پھر جائے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں سلام عرض کرے کیونکہ ان کا سر انور رسول اکرم ﷺ کے کاندھے مبارک کے پاس ہے جس طرح رزین وغیرہ نے یقین کے ساتھ بیان کیا اور اکثر حضرات کا خیال یہی ہے۔ اب یوں کہے:

السلام علیک یا خلیفۃ سید المرسلین السلام علیک یا من اید اللہ بہ یوم الردۃ الدین جزاک اللہ عن الاسلام والمسلمین خیرا اللھم ارض عنہ وارض عنا بہ.

اے تمام رسولوں کے سردار کے خلیفہ! آپ پر سلام ہو' اے وہ ذات جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے اس دن دین کی مدد کی جب کچھ لوگ مرتد ہو گئے تھے' اللہ تعالیٰ آپ کو اسلام اور مسلمانوں کی طرف سے اچھی جزا عطا کرے' یا اللہ! ان سے راضی ہو اور ہماری طرف سے ان کو راضی رکھ۔

پھر ایک گز کے برابر اپنی دائیں جانب پھر کر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں یوں سلام عرض کرے:

السلام علیک یا امیر المومنین السلام علیک یا من اید اللہ بہ الدین جزاک اللہ عن الاسلام والمسلمین خیرا اللھم ارض عنہ وارض عنا بہ.

آپ پر سلام ہو اے مومنوں کے امیر! آپ پر سلام ہو اے وہ ذات جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے دین کی مدد فرمائی' اللہ تعالیٰ آپ کو اسلام اور مسلمانوں کی طرف سے جزا عطا فرمائے' اے اللہ! ان سے راضی ہو اور ہماری طرف سے ان کو راضی کر دے۔

---

[1] حضور ﷺ کی تعظیم کا تقاضا یہی ہے کہ آپ کو اسم گرامی کی بجائے القاب مبارکہ کے ساتھ پکارے۔ ۱۲ ہزاروی

پھر شیخین کی خدمت میں سلام عرض کرنے کے بعد اپنی پہلی جگہ پر رسول ﷺ کے چہرۂ انور کے سامنے آجائے اور اللہ تعالیٰ کی حمد اور بزرگی بیان کرے' نبی اکرم ﷺ کی بارگاہ بے کس پناہ میں ہدیۂ درود بھیجے' بکثرت دعا کرے اور گڑگڑائے اور آپ کی بارگاہ میں تجدید توبہ کرے اور آپ کے سامنے اللہ تعالیٰ سے سوال کرے کہ وہ اس توبہ کو ایسی توبہ بنائے جو نصیحت بن جائے نبی اکرم ﷺ کی خدمت عالیہ میں کثرت سے درود اور سلام بھیجے کیونکہ آپ اسے سنتے ہیں اور اس کا جواب دیتے ہیں۔

سلام کا جواب دینا

امام ابوداؤد نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

ما من مسلم یسلم علی الا رد اللہ علی روحی حتی ارد علیہ السلام.

جو مسلمان مجھ پر درود شریف پڑھتا ہے اللہ تعالیٰ میری روح کو متوجہ کر دیتا ہے حتیٰ کہ میں اس کے سلام کا جواب دیتا ہوں۔

ابن ابی شیبہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا کہ (نبی اکرم ﷺ نے فرمایا):

من صلی علی عند قبری سمعتہ ومن صلی علی نائیا بلغتہ.

جو شخص میری قبر کے پاس مجھ پر درود شریف بھیجے میں اسے سنتا ہوں اور جو آدمی دور سے مجھ پر درود شریف بھیجے وہ مجھ تک پہنچایا جاتا ہے۔

قاضی عیاض رحمہ اللہ نے ''الشفاء'' میں حضرت سلیمان بن سحیم سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں: کہ میں نے خواب میں نبی اکرم ﷺ کی زیارت کی تو عرض کیا یارسول اللہ! یہ لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر سلام عرض کرتے ہیں کیا آپ ان کے سلام کو سمجھتے ہیں؟ فرمایا ہاں اور میں ان کو جواب بھی دیتا ہوں۔

اور اس میں کوئی شک نہیں کہ انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات طیبہ ثابت و معلوم ہے اور جاری ہے اور ہمارے نبی ﷺ ان سب سے افضل ہیں۔ جب یہ صورت ہے تو آپ کی حیات طیبہ ان سب کی زندگی سے زیادہ کامل ہے۔

سوال: اگر کوئی بیمار طبیعت اور گھٹیا سمجھ کا آدمی کہے کہ اگر نبی اکرم ﷺ کی حیات طیبہ جاری ثابت ہے تو روح کے لوٹانے کا کیا مطلب ہے جیسا کہ آپ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ میری روح مجھ پر لوٹا دیتا ہے''۔

جواب: اس بات کا جواب کئی طریقوں پر دیا جاتا ہے۔

(۱) یہ اس بات کی خبر دینا ہے کہ وصف حیات دائمی ہے کیونکہ سلام کا جواب دائمی ہے پس وصف حیات بھی لازم ہوگا تاکہ سلام کا جواب دیا جائے جو لازم ہے اور لازم کا وجود ملزوم یا ملزوم کے ملزوم کے پائے جانے پر واجب ہوتا ہے پس وصف حیات دائمی طور پر ثابت ہوا کیونکہ اس کے ملزوم کا ملزوم دائمی طور پر ثابت ہے اور یہ بات مقصود کو بلاغت کی کامل ترین انواع کے ساتھ ثابت کرنے میں بلیغ عبارات کے بیان کے جادو سے ہے اور فنون براعت میں سے نہایت عمدہ ہے جو نبی اکرم ﷺ کے بلاغت عظمیٰ کے سمندروں میں سے ایک قطرہ ہے۔

(۲) اس سے خاص روحانی توجہ مراد ہے جو بارگاہ نبوی سے عالم دنیا اور خاکی اجسام کے ڈھانچوں کی طرف حاصل ہوتی

ہے۔

اور دائرۂ بشریت کی طرف اترتی ہے حتیٰ کہ اس وقت اسلام کا جواب پایا جاتا ہے اور یہ توجہ عام اور سب کو شامل ہوتی ہے حتیٰ کہ اگر ایک لحہ میں لاکھوں کروڑوں انسان بھی ہوں تو نبوی توجہ اور روحانی التفات (توجہ) ان سب کو شامل ہوتی ہے اور میں (مصنف) نے اس سے وہ کچھ دیکھا ہے جس کو بیان نہیں کر سکتا۔ اور اس شخص کا جواب کتنا اچھا ہے جس سے پوچھا گیا کہ نبی اکرم ﷺ زمین کے مشرقوں اور مغربوں سے سلام کرنے والوں کو ایک آن میں کیسے جواب دیتے ہیں تو اس نے ابوالطیب کے اس قول کے ساتھ جواب دیا:

كالشمس في وسط السماء ونورها يغشى البلاد مشارقا ومغاربا

"جیسے سورج آسمان کے درمیان ہوتا ہے اور اس کی روشنی مشرق و مغرب کے تمام شہروں کو ڈھانپ لیتی ہے"۔

اور اس میں کوئی شک نہیں کہ عالم برزخ میں نبی اکرم ﷺ کا حال فرشتوں کے حال سے افضل و اکمل ہے اور یہ حضرت عزرائیل علیہ السلام ہیں جو ایک وقت میں ایک لاکھ ارواح قبض کرتے ہیں اور ایک روح کا قبض کرنا دوسری روح کو قبض کرنے میں رکاوٹ نہیں بنتا اور اس کے ساتھ وہ عبادتِ خداوندی میں بھی مشغول ہوتے ہیں اور تسبیح وتہلیل کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔

پس ہمارے نبی ﷺ زندہ ہیں' نماز پڑھتے ہیں اور اپنے رب کی عبادت کرتے اور اس کا مشاہدہ کرتے ہیں' انہیں ہمیشہ قربِ خداوندی حاصل ہوتا ہے اور وہ اس کے خطاب کی سماعت سے لذت حاصل کرتے ہیں اور ارشادِ خداوندی: إِنَّكَ مَيِّتٌ وَإِنَّهُم مَّيِّتُونَ ○ (الزمر: ۳۰) بے شک آپ کو انتقال فرمانا ہے اور انہوں نے بھی مرنا ہے۔ کا جواب چوتھے مقصد میں گزر چکا ہے۔[1]

امام دارمی نے حضرت سعید بن عبدالعزیز رحمہ اللہ سے روایت کیا' وہ فرماتے ہیں: جب حرہ کے دن تھے (یزید نے جب مدینہ طیبہ پر حملہ کیا تھا)۔ تو مسجد نبوی میں اذان نہیں ہوتی تھی اور حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ مسجد سے باہر نہیں جاتے تھے اور ان کو نماز کے وقت کی پہچان اس سے حاصل ہوتی جسے وہ نبی اکرم ﷺ کی قبر انور سے سنتے تھے۔

ابن النجار اور ابن زبالہ نے ان الفاظ کے ساتھ نقل کیا کہ حضرت سعید یعنی ابن مسیب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جب نماز ظہر کا وقت ہوا تو میں نے قبر شریف میں اذان سنی اور دو رکعتیں پڑھیں پھر اقامت سنی تو ظہر کی نماز ادا کی پھر ہر نماز کے وقت قبر انور سے اذان و اقامت جاری رہی حتیٰ کہ تین راتیں جو ایام حرہ کی راتیں تھیں' گزر گئیں۔

امام بیہقی وغیرہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت سے نقل کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

الانبياء احياء في قبورهم يصلون. انبیاء کرام اپنی قبروں میں زندہ ہیں' نماز پڑھتے ہیں۔

ایک دوسری روایت میں ہے:

---

[1] امام سبکی نے اس کا جواب یوں دیا کہ نبی اکرم ﷺ کا وصال دائمی نہیں اور وفات کے بعد آپ کو حیات حقیقی حاصل ہو گئی ہے اور اس سے لازم نہیں آتا کہ آپ دنیوی زندگی کی طرح کھانے پینے کے محتاج ہوں۔ (زرقانی ج ۸ ص ۳۱۰)

ان الانبیاء لا یترکون فی قبورهم بعد اربعین لیلة ولکنهم یصلون بین یدی الله حتی ینفخ فی الصور.

انبیاء کرام علیہم السلام کو ان کی قبروں میں چالیس راتوں کے بعد نہیں چھوڑا جاتا مگر وہ اللہ تعالیٰ کے حضور نماز پڑھتے ہیں یہاں تک کہ صور پھونکا جائے گا۔

''صحیح مسلم میں'' اس حدیث کے کئی شواہد ہیں ان میں سے ایک' نبی اکرم ﷺ کا یہ ارشاد گرامی ہے:

مررت بموسی وهو قائم یصلی فی قبره.

میں' حضرت موسیٰ علیہ السلام (کی قبر) کے پاس سے گزرا تو وہ اپنی قبر میں کھڑے نماز پڑھ رہے تھے۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی حدیث جو واقعۂ معراج کے سلسلے میں ہے' اس میں یوں ہے کہ آپ نے آسمانوں میں انبیاء کرام علیہم السلام سے ملاقات کی' انہوں نے آپ سے کلام کیا اور آپ نے ان سے کلام کیا۔

اور میں (مصنف) نے نبی اکرم ﷺ کی عبادت کے ضمن میں حجۃ الوداع کے ذکر میں مزید بھی بیان کیا ہے۔

آپ کے خصائص کریمہ جو معجزات کے بیان اور اسراء و معراج کے بیان میں مذکور ہیں ان میں یہ بات ذکر کی گئی ہے۔

انبیاء کرام علیہم السلام سے یہ نمازیں اور حج اس طریقے پر ادا نہیں ہوتیں کہ وہ ان کے مکلف ہیں بلکہ لذت حاصل کرنے کے طریقے پر ہوتی ہیں اور یہ بھی احتمال ہے کہ عالم برزخ میں ان پر دنیا کا حکم لگایا جائے تاکہ ان کے اعمال زیادہ ہوں اور اجر بھی زیادہ ملے اور یہ سب کچھ مکلف کو خطاب کے طریقے پر نہ ہو۔ اور اللہ تعالیٰ ہی توفیق عطا کرنے والا ہے۔

ارشاد خداوندی ہے:

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ۝

اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کے راستے میں قتل کئے جائیں ان کو مردہ گمان نہ کرو بلکہ وہ زندہ ہیں' اپنے رب کے ہاں رزق دیئے جاتے ہیں۔ (آل عمران:۱۶۹)

جب اس ارشاد خداوندی سے شہید کی حیات ثابت ہے تو نبی اکرم ﷺ کی حیات طیبہ بدرجہ اولیٰ ثابت ہوگی اور جمہور کا عقیدہ یہ ہے کہ شہداء کو حقیقی زندگی حاصل ہوتی ہے اور کیا یہ فقط روح کے لئے ہے یا اس کے ساتھ جسم کے لئے بھی ہے؟ مطلب یہ کہ جسم پرانا اور بوسیدہ نہیں ہوتا تو اس سلسلے میں دو قول ہیں۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے صحیح حدیث میں مروی ہے کہ ان کے والد حضرت عبداللہ بن عمرو اور حضرت عمرو بن جموح رضی اللہ عنہما جو غزوۂ احد میں شہید ہوئے دونوں کو ایک قبر میں دفن کیا گیا حتیٰ کہ سیلاب نے ان کی قبر کو ننگا کر دیا تو ان کو یوں پایا گیا کہ ان میں کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی اور ان میں سے ایک زخمی ہوئے تھے تو انہوں نے اپنے زخم پر ہاتھ رکھا تھا دفن کے وقت وہ اسی حالت میں تھے' ان کے ہاتھ کو زخم سے ہٹایا گیا تو خون جاری ہو گیا پھر وہ ہاتھ پہلے کی طرح اپنی جگہ پر چلا گیا اور اس واقعہ اور غزوۂ احد کے درمیان چھیالیس (۴۶) سال کا عرصہ گزر چکا تھا۔

(طبقات ابن سعد' مؤطا امام مالک)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے ہی مروی ہے وہ شہدائے احد کے بارے میں فرماتے ہیں:

والذی نفسی بیدہ لا یسلم علیھم احد الی یوم القیامۃ الا ردوا علیہ.

اس ذات کی قسم! جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے ان (شہدائے احد) پر قیامت تک جو بھی سلام بھیجے گا وہ اس کو جواب دیں گے۔

اس حدیث کو امام بیہقی رحمہ اللہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔

ابن شہاب (محمد بن مسلم زہری) رحمہ اللہ نے فرمایا: ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اکثروا من الصلوۃ علی فی اللیلۃ الزھراء والیوم الازھر فانھما یودیان عنکم وان الارض لا تاکل اجساد الانبیاء.

روشن رات اور چمکتے دن (جمعہ کے دن اور رات) مجھ پر کثرت سے درود بھیجو یہ تمہارا درود مجھ تک پہنچاتے ہیں اور بے شک زمین انبیاء کرام کے جسموں کو نہیں کھاتی۔ (سنن ابوداؤد، سنن ابن ماجہ)

ابن زبالہ نے حضرت حسن بصری رحمہ اللہ سے نقل کیا کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا "جس سے روح القدس (حضرت جبریل علیہ السلام) کلام کریں تو زمین کو اس کا جسم کھانے کی اجازت نہیں دی جاتی (وحی مراد ہے اور یہ نبوت کا اعزاز ہے)"۔

اور یہ بات ثابت ہے کہ ہمارے نبی ﷺ کا وصال بطور شہید ہوا کیونکہ خیبر کے دن آپ نے اس بکری کے گوشت سے تناول فرمایا جس میں ایسا زہر ملایا گیا تھا جو وقت پر ہلاک کرنے والا تھا حتیٰ کہ اس کی وجہ سے حضرت بشر بن براء رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے اور نبی اکرم ﷺ کا زندہ رہنا بطور معجزہ تھا اور اس زہر کی تکلیف آپ کے وصال تک بار بار لوٹتی تھی اسی لئے آپ نے مرض الموت کے دوران فرمایا جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔

مازالت اکلۃ خیبر تعادنی حتی کان الان قطعت ابھری.

خیبر کا لقمہ (یعنی اس کا اثر) مسلسل میری طرف لوٹتا ہے حتیٰ کہ اب اس نے میری رگوں کو کاٹ دیا۔

"الابھران" وہ دو رگیں جو دل سے نکلتی ہیں اور ان سے شریانیں پھوٹتی ہیں جیسا کہ "صحاح" (لغت کی کتاب) میں ذکر کیا۔

علماء کرام فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے اس طرح نبی اکرم ﷺ کے لئے نبوت اور شہادت دونوں کو جمع کیا۔

زیارت کے بعد دعا کے لئے کہاں کھڑا ہو؟

دعا کے لئے ٹھہرنے کی جگہ میں اختلاف ہے۔ شافعی حضرات فرماتے ہیں مواجہہ شریف کے سامنے کھڑے ہو جیسا کہ میں نے ذکر کیا۔

مالکی حضرات میں سے ابن فرحون نے کہا کہ ہمارے اصحاب (مالکی فقہ والوں) کے درمیان دعا کے لئے ٹھہرنے کی جگہ میں اختلاف ہے "شفاء شریف میں ہے" ابن وہب حضرت امام مالک سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: جب نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں سلام عرض کرے تو دعا کے لئے کھڑا ہو اور اس کا رخ قبر شریف کی طرف ہو قبلہ کی طرف نہ ہو (کیونکہ آپ کی قبر شریف کی طرف پیٹھ کرنا خلاف ادب ہے۔ ۱۲ ہزاروی (زرقانی ج ۸ ص ۳۱۳)۔

خلیفہ منصور نے حضرت امام مالک رحمہ اللہ سے یہ بات پوچھتے ہوئے کہا اے ابو عبداللہ! کیا میں قبلہ رخ ہو کر کھڑا ہو

جاؤں اور دعا مانگوں یا رسول اکرم ﷺ کی طرف رخ کروں؟ حضرت امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا:

نبی اکرم ﷺ سے رخ نہ پھیرو آپ قیامت تک تمہارا وسیلہ ہیں اور تمہارے باپ حضرت آدم علیہ السلام کا وسیلہ ہیں (آدم سے تمام لوگ مراد ہیں)۔

امام مالک رحمہ اللہ نے "المبسوط میں (جو اسماعیل قاضی کی کتاب ہے)" فرمایا:

میں اسے مناسب نہیں سمجھتا کہ قبر انور کے پاس کھڑا ہو کر دعا مانگے بلکہ سلام کر کے آگے چلا جائے۔

ابن فرحون نے کہا شاید یہ اختلاف قول نہیں ہے منصور کو اس بات کا حکم اس لئے دیا کہ اسے علم تھا کہ کیا دعا مانگے اسے نبی اکرم ﷺ کے سامنے دعا مانگنے کے آداب کا بھی علم تھا لہٰذا حضرت امام مالک رحمہ اللہ اس کی جانب سے بے ادبی کا خوف محسوس نہیں کرتے تھے اس لئے یہ فتویٰ دیا۔

اور عام لوگوں کو فتویٰ اس طرح دیا کہ وہ سلام پیش کر کے پھر جائیں تا کہ وہ نبی اکرم ﷺ کے مواجہہ شریف کے سامنے دعا مانگنے اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں آپ کا وسیلہ پیش کرنے کے سلسلے میں کوئی ایسا طریقہ اختیار نہ کریں جو مناسب نہیں۔

یا وہ مکروہ ہو یا حرام ہو۔ کیونکہ لوگوں کے مقاصد اور ان کی پوشیدہ باتیں مختلف ہوتی ہیں اور اکثر لوگ آداب دعا قائم نہیں رکھ سکتے اور نہ ان کی پہچان رکھتے ہیں اسی لئے ان کو سلام پھیرنے کے بعد پھر جانے کا حکم دیا۔

میں (مصنف) نے شیخ تقی الدین ابن تیمیہ کے مناسک میں اس سے منسوب یہ قول دیکھا کہ وہاں حجرۂ مبارکہ کی طرف منہ کر کے دعا نہ کرے نہ اس کی طرف نماز پڑھے اور نہ اسے بوسہ دے کیونکہ یہ باتیں تمام ائمہ کے نزدیک منع ہیں اور امام مالک رحمہ اللہ تمام ائمہ کے مقابلے میں زیادہ کراہیت کے قائل ہیں اور ان سے جو حکایت منقول ہے کہ انہوں نے منصور کو حکم دیا کہ دعا کرتے وقت قبر شریف کی طرف رخ کریں تو یہ امام مالک پر جھوٹ ہے۔ ابن تیمیہ نے اس طرح کہا اور اللہ بہتر جانتا ہے۔[1] (شرح زرقانی ص ۵۸۰ رقم الحاشیہ:۱)

خاک طیبہ کی خوشبو:

امام بوصیری رحمہ اللہ نے "بردۃ المدیح (قصیدہ بردہ شریف) میں" فرمایا:

لا طیب یعدل تربا ضم اعظمہ
طوبی لمنتشق منہ وملتثم

"کوئی خوشبو اس خاک پاک کی برابری نہیں کر سکتی جو حضور ﷺ کے جسم اطہر کو اپنے اندر لئے ہوئے ہے مبارک ہو اس زائر کے لئے جس نے روضۂ اقدس کی خاک کو سونگھا اور بوسہ دیا"۔

"قصیدہ بردہ شریف کے" شارح علامہ ابن مرزوق وغیرہ نے فرمایا:

"گویا انہوں نے خوشبو میں استعمال ہونے والی دو قسموں کی طرف اشارہ کیا کیونکہ اس کا استعمال سونگھنے کے لئے

---

[1] امام زرقانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ بات ابوالحسن علی بن فہر نے اپنی کتاب فضائل مالک میں نقل کی ہے اور اس کی سند میں حافظ ابوالفضل عیاض رحمہ اللہ ہیں جو "الشفاء میں" ایسی سند کے ساتھ نقل کرتے ہیں جس میں کوئی حرج نہیں بلکہ کہا گیا ہے کہ یہ صحیح ہے تو جھوٹ کہاں سے ہوا اس کے راویوں میں کوئی کذاب یا حدیث گھڑنے والا نہیں۔ (زرقانی ج ۸ ص ۳۱۴)

ہوتا ہے اور اس کی طرف اشارہ "المستنشق" سے کیا (کیونکہ استنشاق سونگھنے کو کہتے ہیں) یا خوشبو لگانے کے ذریعے اسے استعمال کیا جاتا ہے اور اس کی طرف اشارہ "ملتثم" کے لفظ سے کیا۔

شارح فرماتے ہیں کم از کم پیشانی اور ناک پر خاک طیبہ لگ سکتی ہے جب آپ کی مسجد شریف میں سجدے کی حالت میں ہو۔ اس سے قبر شریف کو بوسہ دینا مراد نہیں کیونکہ یہ مکروہ ہے۔

زرکشی نے سیرافی سے نقل کیا کہ "طوبی" خوشبو ہے ابن مرزوق نے کہا طوبی 'فعلی کے وزن پر ایک قسم کی خوشبو ہے۔

یہ اس بات پر مبنی ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ آپ کی قبر انور حقیقت حسیہ کے اعتبار سے خوشبو کی اقسام میں سے افضل قسم ہے اور یہ اس لئے کہ حقیقت میں اسی طرح ہے کسی کو اس کا ادراک ہو یا نہ لیکن مؤمن کے عقیدے کے اعتبار سے بات یہ ہے کہ وہ کسی خوشبو کو نبی اکرم ﷺ کی قبر انور کے برابر نہیں جانتا۔

سوال: اگر یہ حقیقی حسی خوشبو ہوتی تو ہر ایک کو اس کا ادراک ہوتا؟

جواب: کسی محل کے ساتھ کوئی معنی قائم ہو تو ہر ایک کے لئے اس کا ادراک ضروری نہیں بلکہ اسی وقت ادراک ہوگا جب شرائط پائی جائیں اور رکاوٹیں دور ہو جائیں اور عدم ادراک 'مدرک (جس کا ادراک ہوتا ہے) کے عدم پر دلالت نہیں کرتا اور دلیل کا نہ پایا جانا مدلول کے منتفی ہونے پر دلیل نہیں ہے' زکام والے شخص کو کستوری کی خوشبو کا ادراک نہیں ہوتا حالانکہ کستوری میں خوشبو موجود ہے اور اس سے اس کی نفی نہیں ہوتی۔

اور جب قبر کا تعلق امور اخرویہ سے ہے تو لازماً اس کا ادراک زندہ لوگوں میں سے انہی لوگوں کو ہوتا ہے جن کے لئے پردہ اٹھ گیا اور وہ مقربین اولیاء کرام ہیں۔

کیونکہ آخرت کا سامان باقی ہے اور جو کچھ دنیا میں ہے وہ فانی ہے اور فانی کو باقی سے نفع حاصل نہیں ہوتا کیونکہ دونوں میں تضاد ہے اور جس شخص کو شریعت اسلامیہ سے ادنیٰ تعلق بھی ہو اسے کوئی شک نہیں کہ نبی اکرم ﷺ کی قبر انور' جنت کے باغات میں سے ایک باغ ہے بلکہ ان میں سے افضل ہے اور جب قبر کی یہ صورت ہے جیسا کہ ہم نے ذکر کیا اور اس قبر انور میں آپ کا جسم اقدس ہے جو سب سے بہترین خوشبو ہے تو اس میں کوئی شک نہیں کہ نبی اکرم ﷺ کی قبر انور کے برابر کوئی خوشبو نہیں۔

اللہ تعالیٰ احمد بن محمد العریف پر رحم فرمائے وہ اپنے قصیدہ میں جس کا آغاز یوں ہے' فرماتے ہیں:

اذا ماحدا الحادی باجمال یثرب [1] فلیت المطایا فوق خدی تعنق

"جب حدی خواں یثرب کے کجاووں کے ساتھ حدی خوانی کرتا ہے پس کاش سواریاں دونوں رخساروں پر خوشبو بکھیریں"۔

پھر کچھ اشعار کے بعد فرمایا:

---

[1] امام زرقانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہاں "باجمال طیبہ" زیادہ مناسب تھا کیونکہ مدینہ طیبہ کو یثرب کہنے سے منع کیا گیا ہے جہاں تک قرآن مجید میں یثرب (یا اہل یثرب) کہنے کا تعلق ہے تو وہ منافقین کی بات نقل کی گئی (زرقانی ج ۸ ص ۳۱۵) اس لئے ہمارے نعت گو اور نعت خواں حضرات کو چاہیے کہ وہ یثرب کا لفظ استعمال نہ کیا کریں۔ ۱۲ ہزاروی

فما عبق الريحان الا وتربها | اجل من الريحان طيبا واعبق

''گل ریحان کی خوشبو اس قدر نہیں پھیلتی جس قدر قبر انور سے خوشبو زیادہ آتی اور پھیلتی ہے''۔

انہوں نے یہ بھی فرمایا:

راحت رکائبهم تبدی روائحها | طيبا فياطيب ذاک الوفد اشباحا
نسيم قبر النبی المصطفى لهم | روض اذا نشروامن ذكره فاحا

''ان کے اونٹوں نے راحت پائی' ان کی خوشبو پھیلتی ہے' اس وفد کی خوشبو کس قدر پھیلی ہوئی ہے۔

برگزیدہ نبی ﷺ کی قبر انور کی بادِ نسیم ان کے لئے ایک پر بہار باغ ہے جب وہ ہوا پھیلے اور ان کے ذکر کی خوشبو پھیلتی ہے''۔

اور شاعر کو اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا کرے' فرماتے ہیں:

فاح الصعيد بجسمه فكانه | روض بنسم بعرفة المتارج
ما جسمه مما يغيره الثرى | والروح منه كالصباح الابلج

''آپ کے جسم اقدس سے مٹی خوشبودار ہوگئی گویا وہ ایک خوشبو بکھرنے والا باغ ہے۔

آپ کا جسم اقدس ایسا نہیں جسے مٹی بدل دے اور آپ کی روح انور روشن صبح کی طرح ہے''۔

نبی اکرم ﷺ کے اس ارشاد گرامی: ''المدينة ينصع طيبها. مدینہ طیبہ کی خوشبو خالص ہے'' کے بارے میں ابن بطال نے کہا کہ یہ مدینہ طیبہ میں رہنے والے مخلص مومن کی مثال بیان کی گئی وہ جو اپنے گھر والوں سے جدا ہوتا ہے اور دشمن کا خوف اسے لازم ہوتا ہے لیکن اس کے باوجود وہ مدینہ طیبہ کی سختیوں کو برداشت کرتا ہے پس جب وہ اپنے نفس کا سودا کر لیتا ہے اور اس بات کا التزام کر لیتا ہے تو اس کی سچائی ظاہر ہو جاتی ہے' ایمان خالص اور مضبوط ہوتا ہے کیونکہ وہ نبی اکرم ﷺ کے قرب اور مدینہ طیبہ میں رہنے والوں کے ساتھ خوشی محسوس کرتا ہے تو یہ اسی طرح ہے جیسے وہاں خوشبو پھیلتی ہے اور اس کی مہک تمام شہروں پر زائد ہوتی ہے یہ ایسی خصوصیت ہے جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کے شہر انور کو خاص فرمایا' اور اس کی خاک مبارک جو نبی اکرم ﷺ کے جسم پاک سے ملی ہوئی ہے' اسے پسندیدہ بنایا۔[1]

حدیث شریف میں ہے:

ان المومن يقبر فی التربة اللتی خلق منها. مومن کی قبر اسی مٹی میں ہوتی ہے جس سے اس کو پیدا کیا گیا۔

لہٰذا مدینہ طیبہ کی خاک مبارک سب سے افضل خاک ہے جس طرح آپ ﷺ تمام انسانوں سے افضل ہیں۔

اسی لئے اس شہر انور میں خوشبو تمام شہروں کے مقابلے میں زیادہ خوشبودار ہوتی ہے۔ واللہ اعلم

---

[1] ایک اعرابی بارگاہِ نبوی میں حاضر ہوا اور اس نے بیعت کا شرف حاصل کیا دوسرے دن وہ آیا تو اسے بخار چڑھا ہوا تھا اس نے کہا بیعت واپس کیجئے تو آپ نے انکار فرمایا تین مرتبہ ایسا ہوا اس وقت آپ نے فرمایا: مدینہ بھٹی کی طرح ہے جو میل کچیل کو پھینک دیتی ہے۔

(زرقانی ج ۸ ص ۳۱۶)

توسل کی بحث

زیارت کرنے والے کو چاہیے کہ دعا' زاری' طلب مدد' طلب شفاعت اور نبی اکرم ﷺ کا وسیلہ کثرت سے اختیار کرے پس جو شخص نبی اکرم ﷺ کی شفاعت طلب کرتا ہے وہ اس لائق ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کیلئے آپ کی شفاعت کو قبول فرمائے۔

جان لو! استغاثہ' مدد طلب کرنے کو کہتے ہیں پس مستغیث (مدد طلب کرنے والا) مستغاث بہ (جس سے مدد طلب کی جائے) سے مطالبہ کرتا ہے کہ اسے' اس سے مدد حاصل ہو پس اس میں کوئی فرق نہیں کہ لفظ استغاثہ استعمال کرے یا توسل یا تشفع یا تجوہ یا توجہ کیونکہ یہ دونوں (التجوہ اور التوجہ) جاہ اور وجاہت سے بنے ہیں اور ان کا معنیٰ قدر و منزلت کی بلندی ہے۔

اور بعض اوقات کسی بلند مرتبہ شخص کو اس سے اعلیٰ کی طرف وسیلہ بنایا جاتا ہے پھر یہ سب کچھ یعنی نبی اکرم ﷺ سے استغاثہ' توسل' تشفع اور توجہ (آپ سے مدد طلب کرنا' آپ کو وسیلہ بنانا' آپ کی شفاعت اور توجہ طلب کرنا) ہر حال میں واقع ہے آپ کی تخلیق سے پہلے اور اس کے بعد آپ کی حیات طیبہ میں دنیا میں اور آپ کے وصال کے بعد عالم برزخ کے زمانے میں دوبارہ زندہ ہونے کے بعد میدانِ قیامت میں (ہر جگہ ثابت ہے) جس طرح ''تحقیق النصرۃ'' اور ''مصباح الظلام'' میں لکھا ہے۔

تخلیق سے پہلے توسل

جہاں تک پہلی حالت (تخلیق سے پہلے) کا تعلق ہے تو تجھے وہ بات کافی ہے جو مقصد اول میں ذکر کی ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کو جب جنت سے اتارا گیا تو آپ نے نبی اکرم ﷺ کا وسیلہ اختیار کیا اور اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام سے فرمایا:

یا ادم لو تشفعت الینا بمحمد فی اھل السماوات والارض لشفعناک. (رواہ ابن عساکر)

اے آدم! (علیہ السلام) اگر آپ ہماری بارگاہ میں حضرت محمد ﷺ کا وسیلہ تمام آسمانوں اور زمین والوں کے لئے پیش کرتے تو ہم آپ کی سفارش قبول کرتے۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی حدیث سے امام حاکم' امام بیہقی اور دیگر حضرات نے نقل کیا جو یوں ہے:

وان سالتنی بحقه فقد غفرت لک. (بیہقی)

اگر آپ مجھ سے ان (نبی اکرم ﷺ) کے وسیلہ سے سوال کرتے تو میں آپ کو بخش دیتا۔

اللہ تعالیٰ حضرت ابن جابر پر رحم فرمائے انہوں نے فرمایا:

بـه قـد اجـاب الـلـه ادم اذدعـا ونـجـی فـی بـطـن الـسـفـيـنـة نـوح
ومـا ضـرت الـنـار الـخـلـيـل لـنـوره ومـن اجـلـه نـال الـفـداء ذبـيـح

''اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کے وسیلہ سے حضرت آدم علیہ السلام کی دعا کو قبول کیا جب انہوں نے دعا کی اور کشتی میں حضرت نوح علیہ السلام کو نجات دی گئی۔

اور حضرت خلیل اللہ ابراہیم علیہ السلام کو آگ نے نقصان نہ پہنچایا تو یہ بھی نور محمدی کی وجہ سے ہوا اور اسی نور کی وجہ سے ذبیح اللہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی جگہ فدیہ آیا (دنبہ ذبح ہوا)"۔

صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ نبی اکرم ﷺ فرماتے ہیں جب حضرت آدم علیہ السلام سے لغزش ہوئی تو انہوں نے عرض کیا۔ اے میرے رب! میں تجھ سے حضرت محمد (ﷺ) کے وسیلہ سے سوال کرتا ہوں مجھے بخش دے اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے آدم! تم نے حضرت محمد (ﷺ) کو کیسے پہچان لیا حالانکہ میں نے ان کو پیدا نہیں کیا عرض کیا اے میرے رب! جب تو نے مجھے اپنے دست قدرت سے پیدا کیا اور مجھ میں اپنی روح پھونکی تو میں نے سر اٹھا کر دیکھا کہ عرش کے پایوں میں "لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ" لکھا ہوا ہے تو میں نے جان لیا کہ تو اپنے نام کے ساتھ صرف اس ذات کو ملاتا ہے جو تجھے مخلوق میں سے سب سے زیادہ محبوب ہو اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے آدم! تو نے سچ کہا بے شک وہ مجھے میری مخلوق میں سے سب سے زیادہ محبوب ہیں اور جب تو نے ان کے وسیلہ سے مجھ سے سوال کیا ہے تو میں نے تمہیں بخش دیا اور اگر حضرت محمد (ﷺ) نہ ہوتے تو میں تمہیں بھی پیدا نہ کرتا۔ یہ روایت طبری نے نقل کی ہے (مقصد اول میں یوں ہے کہ اسے امام طبرانی نے نقل کیا)۔

اس میں یہ بھی اضافہ ہے کہ وہ تمہاری اولاد میں سے سب سے آخری نبی ہیں۔

تخلیق کے بعد توسل

نبی اکرم ﷺ کی تخلیق کے بعد آپ کی حیات طیبہ میں توسل کی مثال یہ ہے کہ قحط کے وقت اور بارشیں نہ ہونے کی صورت میں آپ کا وسیلہ پیش کیا گیا اسی طرح بھوک وغیرہ کی حالت میں آپ سے استغاثہ کیا گیا۔ معجزات کے بیان میں اور عبادات کے بیان میں طلب بارش کے ذکر میں یہ مثالیں ذکر کی گئی ہیں اور اسی سلسلے میں مصیبت زدہ لوگوں کا آپ کے وسیلہ سے دعا کرنا ہے۔

اور تجھے وہ روایت کافی ہے جسے امام نسائی اور امام ترمذی نے حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ سے نقل کیا کہ ایک نابینا شخص نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے عرض کیا آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ وہ مجھے عافیت عطا فرمائے' راوی فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ نے اسے حکم دیا کہ وہ اچھی طرح وضو کرے اور یہ دعا مانگے:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْاَلُکَ وَاَتَوَجَّہُ اِلَیْکَ بِنَبِیِّکَ مُحَمَّدٍ نَبِیِّ الرَّحْمَۃِ یَا مُحَمَّدُ اِنِّیْ اَتَوَجَّہُ بِکَ اِلٰی رَبِّکَ فِیْ حَاجَتِیْ لِتُقْضٰی اَللّٰھُمَّ شَفِّعْہُ فِیَّ۔

یا اللہ! میں تجھ سے تیرے نبی محمد (ﷺ) جو نبی رحمت ہیں کے وسیلہ سے سوال کرتا ہوں اور تیری طرف متوجہ ہوتا ہوں اے محمد! (ﷺ) میں آپ کے وسیلہ سے آپ کے رب کی طرف اپنی حاجت میں متوجہ ہوں کہ اسے پورا کیا جائے۔ یا اللہ! میرے حق میں ان کی شفاعت قبول فرما۔

اس حدیث کو امام بیہقی نے صحیح قرار دیا اور یہ اضافہ کیا کہ جب وہ نابینا کھڑا ہوا تو اس کی بینائی بحال ہو چکی تھی۔ [1]

---

[1] اس حدیث میں جہاں توسل کا ذکر ہے وہاں نبی اکرم ﷺ کو لفظ "یا" کے ساتھ پکارنا بھی ثابت ہے اور یہ بات حضور ﷺ کے وصال کے بعد بھی ثابت ہے' حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ایک شخص نے اسی طرح دعا مانگی اور آج بھی مانگی جا سکتی ہے۔ ۱۲ ہزاروی

وصال کے بعد توسل

نبی اکرم ﷺ کے وصال کے بعد برزخ میں آپ سے توسل تو اس قدر ہے کہ شمار سے باہر ہے یا تلاش کے بعد اس کا ادراک ہو سکتا ہے۔

شیخ ابو عبداللہ بن نعمان رحمہ اللہ (محمد بن موسیٰ بن نعمان متوفی ۶۸۳ھ) [1] نے ان میں سے کچھ واقعات اپنی کتاب ''مصباح الظلام فی المستغیثین بخیر الانام میں'' ذکر کئے ہیں۔

میں (مصنف) ایسا بیمار ہوا کہ طبیب اس کے علاج سے عاجز آ گئے اور مجھے یہ بیماری کئی سال رہی پس میں نے ۲۸ جمادی الاولیٰ ۸۹۳ھ میں مکہ مکرمہ میں اللہ تعالیٰ اس مقدس شہر کی عزت کو مزید بڑھائے اور مجھے دوبارہ عافیت کے ساتھ کسی مشقت کے بغیر اس شہر میں لا کر مجھ پر احسان فرمائے' نبی اکرم ﷺ کے وسیلہ سے مدد طلب کی [2] میں سویا ہوا تھا کہ ایک شخص آیا جس کے پاس کاغذ تھا جس میں لکھا ہوا تھا۔ ''یہ دوا احمد بن قسطلانی کی بیماری کے لئے اذن نبوی کے بعد دربار عالیہ سے آئی ہے'' پھر میں بیدار ہوا اللہ کی قسم! میں اس بیماری میں کچھ نہیں پاتا تھا اور مجھے نبی اکرم ﷺ کی برکت سے شفاء حاصل ہو گئی۔

اسی طرح ۸۸۵ھ میں' میں مکہ مکرمہ کے راستے میں تھا اور زیارت شریفہ سے واپس مصر کی طرف جا رہا تھا کہ ہماری خادمہ ''غزال الحبشیہ'' کے سر میں درد ہو گیا اور کئی دن رہا میں نے نبی اکرم ﷺ کے وسیلہ سے اس کی صحت یابی کے لئے دعا مانگی تو ایک آنے والا میرے پاس خواب میں آیا اور اس کے ساتھ ایک جن تھا جو اس عورت کو پچھاڑنے والا (قابو کرنے والا) تھا۔ اس نے کہا اسے نبی اکرم ﷺ نے آپ کے پاس بھیجا ہے تو میں نے اسے مخاطب کر کے اس سے قسم لی کہ وہ آئندہ اس کے پاس نہ آئے پھر میں بیدار ہوا تو اس خاتون کو کوئی بیماری نہ تھی گویا اسے رسی سے کھول دیا گیا ہو' وہ اس سے عافیت میں رہی حتیٰ کہ میں مکہ مکرمہ میں ۸۹۴ھ میں اس سے جدا ہوا' والحمد للہ رب العالمین۔

میدانِ قیامت میں شفاعت

قیامت کے میدان میں نبی اکرم ﷺ کا وسیلہ اختیار کرنا ان باتوں میں سے ہے جن پر اجماع ہے اور حدیث شفاعت تواتر سے ثابت ہے۔

تو اے طالب (طالب خیر) تجھ پر وہ سعادت حاصل کرنا لازم ہے جو غیب اور شہادت دونوں صورتوں میں حسن حال تک پہنچاتی ہے اور یہ سعادت نبی اکرم ﷺ کی مہربانی اور کرم کا دامن تھامنے اور آپ کی نعمتوں کے دستر خوانوں پر طفیلی بن کر پہنچنے سے آپ کے شریف مرتبہ سے توسل اور بلند قدر کو شفیع بنانے سے حاصل ہوتی ہے' بلند مراتب کو پانے اور مقصود

[1] (الاعلام ج ۷ ص ۱۱۸' ہدیۃ العارفین ج ۲ ص ۱۳۴' کشف الظنون ج ۲ ص ۱۷۰۶' ایضاح المکنون ج ۲ ص ۴۸۸' معجم المؤلفین ج ۱۲ ص ۶۸)

[2] ''مواہب اللدنیہ کے'' محقق صالح احمد الشامی نے حضور ﷺ سے استغاثہ کو مردود قرار دیا اور معاذ اللہ مصنف کو جھوٹا قرار دیا' یہ نجدی ذہن ہے جو علم سے بے بہرہ ہے حالانکہ حضور ﷺ کے وسیلہ سے استغاثہ اور بات ہے اور آپ سے یوں استغاثہ کرنا جس طرح اللہ تعالیٰ سے کیا جاتا ہے الگ بات ہے اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو ہدایت دے۔ ۱۲ ہزاروی

کے حصول کے لئے آپ ﷺ وسیلہ ہیں' پریشانی اور اضطراب کے دن تمام رسل عظام کے لئے آپ ہی فریادگاہ ہیں تم پر کوئی مصیبت نازل ہو تو آپ ﷺ کو سامنے رکھو' اور قرب و منازل کے حصول میں بھی آپ کو ہی اپنا امام بناؤ اس طرح تم مقصود کی انتہاء تک کامیابی حاصل کرو گے اور اس ذات کی رضا حاصل کرو گے' جس کے علم میں ہر چیز شامل ہے جب تک مدینہ طیبہ میں رہو' حسب طاقت مختلف قسم کی قربتیں حاصل کرنے کی کوشش کرو اور طلب کے ناخنوں سے سعادتوں کے دروازے مسلسل کھٹکھٹاتے رہو' عبادات کی سیڑھیاں طے کرتے رہو اور مرادوں کے خیموں میں داخل ہو جاؤ۔

تمتع ان ظفرت بنیل قرب | وحصل ما استطعت من ادخار
فها انا قد ابحت لکم عطائی | وها قد صرت عندی فی جواری
فخذ ما شئت من کرم وجود | ونل ما شئت من نعم غزار
فقد وسعت ابواب التدانی | وقد قربت للزوار داری
فمتع ناظریک فها جمالی | تجلی للقلوب بلا استتار

''اگر تم قرب کے حصول میں کامیاب ہو جاؤ تو نفع اٹھاؤ اور جس قدر ممکن ہو ذخیرہ بناؤ۔
آؤ میں نے تمہارے لئے اپنی عطا کو مباح کر دیا اور آؤ تم میرے پاس میرے پڑوس میں ہو۔
کرم وجود سے جو چاہو لے لو اور وسیع و عریض نعمتوں میں سے جو چاہو لو۔
قرب کے دروازے وسیع ہیں اور ملاقات کرنے والوں کے لئے میرا گھر قریب ہے۔
دونوں آنکھوں کے ذریعے نفع اٹھاؤ یہ میرا جمال ہے اور دلوں کے لئے تجلی کسی پردے کے بغیر ہے''۔

ریاض الجنۃ کی بحث

نبی اکرم ﷺ کی مسجد مکرم میں فرض اور نفل نمازوں کی پابندی کرو خاص طور پر روضہ شریفہ جس کے بارے میں ثابت ہے کہ وہ جنت کے باغات میں سے ایک باغ ہے۔ (جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے)۔ (صحیح مسلم) [1]

ابن ابی جمرہ نے کہا اس کا معنی یہ ہے کہ (زمین کا) یہ ٹکڑا لعینہٖ جنت میں منتقل ہو جائے گا پس یہ ''روضۃ من ریاض الجنۃ'' ہے یہ بھی احتمال ہے کہ اس سے مراد یہ ہو کہ اس جگہ عمل کرنے والے کے لئے جنت کا باغ واجب ہو جاتا ہے وہ فرماتے ہیں زیادہ ظاہر یہ ہے کہ دونوں صورتوں کو جمع کیا جائے مطلب یہ ہے کہ یہ احتمال بھی ہو کہ یہ جنت میں منتقل ہو گا اور یہ بھی کہ اس میں عمل کرنے والے کے لئے جنت میں ایک باغ واجب ہو جاتا ہے۔

وہ فرماتے ہیں دونوں وجوں کے لئے نظری اور قیاسی دلیل موجود ہے جو اس احتمال کو پکا کرتی ہے۔

اس پر دلیل کہ اس جگہ عمل کرنے والے کے لئے جنت واجب ہو جاتی ہے' یہ ہے کہ جب نبی اکرم ﷺ کی مسجد شریف میں نماز کا ثواب دیگر مساجد کے مقابلے میں ایک ہزار کے برابر ملتا ہے تو اس ٹکڑے کو دیگر حصوں پر فضیلت حاصل ہے' جس طرح مسجد شریف کو دوسرے مقام پر زیادہ فضیلت حاصل ہے۔

اور اس کے بعینہٖ جنت میں جانے اور منبر کے حوض پر ہونے کی دلیل یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ

[1] نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ''ما بین بیتی و منبری روضۃ من ریاض الجنۃ ومنبری علی حوضی'' میرے حجرہ مبارکہ اور میرے منبر کے درمیان جنت کے باغات میں سے ایک باغ ہے اور میرا منبر میرے حوض پر ہے۔

ستون (جس کے ساتھ کھڑے ہو کر آپ خطبہ ارشاد فرماتے تھے) جنت میں جائے گا اور یہ ستون مسجد کے اس حصے میں (مدفون) ہے تو ستون کے لئے جنت واجب کرنے کی علت ہی اس حصے کے جنت میں جانے کی علت ہے اور دونوں کے لیے برابر ہے جیسا کہ اس کے بعد میں ذکر کروں گا۔

اور جس ذات والا صفات نے اس (ستون) کے بارے میں خبر دی ہے اس نے اس (روضہ) کے بارے میں خبر دی ہے پس سب سے کامل طریقے پر محمول کرنا مناسب ہے اور وہ دونوں احتمالوں کو جمع کرنا ہے کیونکہ شرعی قواعد سے ثابت ہے کہ اس مبارک جگہ کا ہمارے لئے فائدہ اور اس کے بارے میں ہمیں خبر دیئے جانے کا فائدہ یہی ہے کہ اس کو عبادت کے ساتھ آباد کیا جائے کیونکہ اس میں ثواب زیادہ ہے اسی طرح مبارک دنوں کا مسئلہ بھی ہے اس بنیاد پر یہ جگہ آج بھی جنت کا ایک باغ ہے اور اسی طرح باغ کی صورت میں اپنی جگہ واپس چلا جائے گا اور اس جگہ عبادت کرنے والے کے لئے جنت میں باغ ہوگا اور یہ بات دو وجہ سے زیادہ ظاہر ہے ایک یہ کہ نبی اکرم ﷺ کا مقام بلند ہے اور جب اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جنت کا پتھر دے کر خصوصیت عطا فرمائی تو اپنے حبیب ﷺ کو جنت کا باغ عطا فرمانے کے ساتھ خاص کیا (یہ دوسری وجہ ہے)۔

یہاں ایک اور بحث ہے وہ یہ کہ (مسجد شریف کے) تمام حصوں کے درمیان میں اسے "روضة من ریاض الجنة" قرار دینے کے لئے کیوں منتخب کیا؟

اگر ہم کہیں کہ یہ امر ربی ہے (ہمیں اس کی حکمت معلوم نہیں) تو کوئی بحث نہیں اور اگر کہیں کہ اس کی کوئی حکمت ہے تو اس میں بحث کی ضرورت ہوگی۔

زیادہ ظاہر یہ ہے کہ اس میں حکمت ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علم میں یہ بات پہلے سے موجود ہے کہ اس نے نبی اکرم ﷺ کو اپنی تمام مخلوق پر فضیلت عطا فرمائی اور تمام مخلوقات میں سے جس چیز کا آپ سے تعلق ہوا سے اپنی جنس پر فضیلت حاصل ہوگی جس طرح تمام امور میں یہ بات تلاش کی جا سکتی ہے آپ کے ظہور سے وفات تک جاہلیت اور اسلام میں ہر جگہ یہی بات ہے اس میں وہ بات بھی شامل ہے جو آپ کی والدہ ماجدہ کو شان ملی اور نہایت جاہلیت کے دور میں آپ کے وجود مسعود کی وجہ سے ان کو برکات حاصل ہوئیں جیسا کہ (کتب میں) مذکور و معلوم ہے۔

اسی طرح حضرت حلیمہ سعدیہ کا معاملہ ہے حتیٰ کہ ان کی دراز گوش اور وہ مقام جہاں دراز گوش قدم رکھتی وہ جگہ اسی وقت سرسبز ہو جاتی (کیونکہ آپ اس پر سوار تھے) اور یہ سب باتیں معروف ہیں۔

نبی اکرم ﷺ جہاں چلتے وہاں ہر قسم کی برکات ظاہر ہوتیں اور جہاں اپنے دست مبارک رکھتے وہاں ہر قسم کی خیرات و برکات کا ظہور ہوتا اور یہ ظہور حسی طور پر بھی ہوتا ہے اور معنوی اعتبار سے بھی جیسا کہ منقول و معروف ہے۔

اور جب قادر ذات (اللہ تعالیٰ) نے چاہا کہ حضور ﷺ کے لئے ایک گھر ضروری ہے اور اس کے لیے منبر ضروری ہے اور نبی اکرم ﷺ کا حجرۂ انور اور منبر شریف کے درمیان بار بار آنا جانا ضروری تھا تو ان دونوں کے علاوہ کو جو عزت عطا ہوئی کہ جب اس کا تعلق براہ راست آپ سے قائم ہوتا کسی حیوان کے واسطے سے ہوتا یا اس کے علاوہ کوئی صورت ہوتی تو خیر و برکت حاصل ہوتی تو اس مقام کا کیا حال ہوگا؟ جہاں آپ کا آنا جانا بکثرت تھا آپ زندگی بھر ایک دن میں کئی مرتبہ وہاں تشریف لے جاتے ہجرت سے وصال تک یہ سلسلہ جاری رہا پس اس روضہ مبارکہ کی جنس سے اس کے لئے

رفعت کا کوئی ایسا وصف باقی نہ رہا جو ہمارے بیان کردہ وصف سے اعلیٰ ہو وہ یہ کہ یہ جنت سے ہے اور اسی کی طرف لوٹ کر جائے گا اور ابھی تک اس کا تعلق جنت سے ہی ہے اور اس میں عمل کرنے والے کے لئے اس کی مثل (جنت) ہے اور اگر کوئی ایسا مرتبہ ہوتا جو اس دنیا میں اس سے بلند ہوتا تو اس کے لئے اس سے بھی اعلیٰ مرتبہ ہوتا جس کا ذکر ہم نے اس کی جنس سے کیا ہے۔

اگر کوئی ناسمجھ شخص یوں استدلال کرے کہ اس طرح تو یہ کمال پورے مدینہ طیبہ کو حاصل ہونا چاہیے کیونکہ نبی اکرم ﷺ بار ہا اپنے مبارک قدموں سے اس پر چلے ہیں۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ مدینہ طیبہ کو جو فضیلت حاصل ہے وہ اس شہر کے غیر کو حاصل نہیں ہے کہ اس کی خاک پاک شفاء ہے جس طرح کہ نبی اکرم ﷺ نے اس بات کی خبر دی ہے (پہلے گزر چکا ہے) اور یہ مبارک ٹکڑا بھی اس فضیلت میں شامل ہے۔

مدینہ طیبہ میں دجال کا داخلہ ممنوع ہے اور یہ شہر اس کے بڑے بڑے فتنوں سے محفوظ رہے گا اور قیامت کے دن نبی اکرم ﷺ مدینہ طیبہ والوں کے لئے پہلے شفاعت فرمائیں گے اور اس میں جو بیماری اور بخار وغیرہ تھا وہ اٹھالیا گیا ہے۔

اس شہر مقدس کے کھانے' مشروب اور تمام چیزوں میں برکت رکھی گئی ہے اور ریاض الجنۃ کی فضیلت اس وجہ سے بھی ہے جس کی طرف ہم نے پہلے اشارہ کیا کہ سرکار دو عالم ﷺ مسجد نبوی میں' شہر کے دوسرے حصوں کے مقابلے میں زیادہ آتے جاتے تھے اور منبر شریف اور حجرۂ مبارکہ کے درمیان باقی مسجد کے مقابلے میں زیادہ آنا جانا تھا۔

پس اعتراض کی وجہ سے بحث مزید مؤکد (ضروری) ہوگئی کیونکہ برکت کا حصول آپ کے مبارک قدموں کے بار بار اٹھنے کی مناسبت سے ہے اور اس بلند و بالا روح مبارک کی وجہ سے ہے جو صرف ایسے شخص پر مخفی ہو سکتا ہے جو راہ راست سے بھٹک چکا ہو۔ اور بصیرت کے اعتبار سے اندھا ہو پس مدینہ طیبہ تمام شہروں سے زیادہ مرتبہ والا شہر ہے اور مسجد نبوی تمام مساجد سے رفیع المرتبت ہے اور ریاض الجنۃ (مسجد کے) تمام حصوں سے زیادہ رفعت کا حامل ہے یہ بات معلوم ہے اور ایسی دلیل ہے جو ظاہر موجود ہے۔ ابن ابی جمرہ کا کلام مکمل ہوا۔

خطابی فرماتے ہیں اس حدیث کا مقصد مدینہ طیبہ میں رہائش پذیر ہونے کی ترغیب ہے اور جو شخص مدینہ طیبہ کی مسجد میں اللہ تعالیٰ کے ذکر کو لازم پکڑے تو یہ اس بات کا سبب ہے کہ وہ جنت کے باغات میں سے ایک باغ کی طرف لوٹے گا اور قیامت کے دن اسے حوض کوثر سے سیراب کیا جائے گا۔ خطابی کا قول ختم ہوا۔

معجزات کے بیان میں خصائص کے ذکر کے ضمن میں اس سے زیادہ گفتگو ہو چکی ہے۔

مکہ مکرمہ افضل ہے یا مدینہ طیبہ؟

"صحیح مسلم میں" حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی ایک حدیث ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

صلاۃ فی مسجدی ھذا افضل من الف صلاۃ فیما سواہ الا المسجد الحرام۔

میری اس مسجد میں ایک نماز دوسری مساجد کی ایک ہزار نماز سے افضل ہے سوائے مسجد حرام کے۔

(صحیح بخاری و مسلم)

اس استثناء سے کیا مراد ہے تو اس سلسلے میں علماء کرام کا اسی طرح اختلاف ہے جس طرح اس بات میں اختلاف ہے کہ مکہ مکرمہ افضل ہے یا مدینہ طیبہ؟

حضرت سفیان بن عیینہ اور امام شافعی رحمہما اللہ کے نزدیک نیز امام احمد رحمہ اللہ سے دو روایتوں میں سے صحیح روایت کے مطابق' نیز ابن وہب' مطرف اور ابن حبیب تینوں مالکی فقہ سے تعلق رکھتے ہیں' کے نزدیک اور ساجی نے حضرت عطاء بن ابی رباح سے نقل کیا علاوہ ازیں مکی اور مدنی حضرات کے نزدیک' نیز ابن عبدالبر نے حضرت عمر فاروق' حضرت علی المرتضیٰ' حضرت ابن مسعود' حضرت ابودرداء' حضرت جابر' حضرت ابن زبیر اور حضرت قتادہ رضی اللہ عنہم اور جمہور علماء کے نزدیک مکہ مکرمہ مدینہ طیبہ سے افضل ہے اور مکہ مکرمہ کی مسجد' مدینہ طیبہ کی مسجد سے افضل ہے کیونکہ بعض مکانات دوسرے مکانات سے عبادت کی وجہ سے زیادہ شرف رکھتے ہیں کہ ان مقامات میں عبادت کو ترجیح ہوتی ہے۔

ابن عبدالبر نے نقل کیا کہ حضرت امام مالک رحمہا اللہ سے ایسی بات مروی ہے جو اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ مکہ مکرمہ تمام زمین سے افضل ہے (وہ فرماتے ہیں) لیکن امام مالک کے شاگردوں سے ان کا مذہب یوں مشہور ہے کہ مدینہ طیبہ کو فضیلت حاصل ہے۔

امام مالک فرماتے ہیں مدینہ طیبہ اور اس کی مسجد افضل ہے (اکثر اہل مدینہ' حضرت عمر بن خطاب اور ایک جماعت کا قول بھی یہی ہے۔۱۲ ہزاروی (زرقانی ج ۸ص ۳۲۲)

ہمارے اصحاب (شافعی حضرات) نے مکہ مکرمہ کی فضیلت پر جو استدلال کیا ہے اس میں حضرت عبداللہ بن الحمراء (فتح مکہ کے دن اسلام قبول کیا) رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے انہوں نے نبی اکرم ﷺ سے سنا آپ اپنی سواری پر ٹھہرے ہوئے فرما رہے تھے: (الکاشف ج ۲ص ۹۷' الاصابہ ج ۴ص ۱۰۵)

واللہ انک لخیر ارض اللہ واحبھا الی اللہ ولو لا انی اخرجت منک ما خرجت.	اللہ کی قسم! تو اللہ تعالیٰ کی بہترین اور محبوب ترین زمین ہے اور اگر مجھے تیرے اندر سے نکلنے پر مجبور نہ کیا جاتا تو میں نہ نکلتا۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۹۲۵' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۱۰۸' المستدرک ج ۳ص ۷' مسند احمد ج ۴ص ۳۰۵' سنن دارمی ج ۲ص ۲۳۹' التمہید ج ۲ص ۲۸۸' الدر المنثور ج ۱ص ۱۲۳' اتحاف السادۃ المتقین ج ۴ص ۲۸۳' کنز العمال رقم الحدیث: ۳۴۲۰۶)

امام ترمذی نے فرمایا یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

ابن عبدالبر نے کہا کہ یہ حدیث نبی اکرم ﷺ سے مروی سب سے زیادہ صحیح روایت ہے اور فرمایا کہ یہ محل اختلاف میں قطعی فیصلہ ہے۔[1]

امام شافعی اور جمہور کے نزدیک اس کا یعنی حدیث کا معنی یہ ہے کہ مسجد حرام کے علاوہ' کیونکہ اس میں نماز پڑھنا میری مسجد (مسجد نبوی) میں نماز سے افضل ہے۔

[1] امام زرقانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ بات اس وقت قطعی ہوتی جب مدینہ طیبہ کو فضیلت حاصل ہونے کے بعد آپ یہ بات فرماتے لیکن جب یہ بات پہلے فرمائی تو اس وقت تقابل ہی نہیں تھا (لہٰذا مدینہ طیبہ کے مقابلے میں فضیلت کے لئے قطعی نہ ہوئی)۔ (زرقانی ج ۸ص ۳۲۲)

امام مالک اوران کے موافق حضرات کے نزدیک معنیٰ یہ ہے کہ مسجد حرام کے علاوہ کیونکہ میری مسجد میں باقی مساجد کے مقابلے میں ایک ہزار نماز کا ثواب ملتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

صلاۃ فی مسجدی ھذا افضل من الف صلاۃ فیما سواہ من المساجد الا المسجد الحرام وصلاۃ فی المسجد الحرام افضل من مائۃ صلاۃ فی ھذا .

میری اس مسجد میں ایک نماز دوسری مساجد میں ایک ہزار نمازوں سے افضل ہے سوائے مسجد حرام کے' اور مسجد حرام میں ایک نماز اس میں ایک سو نماز سے افضل ہے۔

اس حدیث کو امام احمد نے اور ابن خزیمہ نیز ابن حبان نے اپنی اپنی صحیح میں نقل کیا اور انہوں نے یہ اضافہ کیا یعنی ''فی مسجد المدینۃ'' (ھذا سے مراد مسجد نبوی ہے)۔

اور امام بزار نے بھی نقل کیا اور ان کے الفاظ یہ ہیں۔

صلاۃ فی مسجدی ھذا افضل من الف صلاۃ فیما سواہ الا المسجد الحرام فانہ یزید علیہ مائۃ.

میری اس مسجد میں ایک نماز دوسری مساجد میں ایک ہزار نمازوں سے افضل ہے سوائے مسجد حرام کے کہ وہ ایک سو درجہ زیادہ ہے۔

امام ترمذی نے فرمایا اس کی سند بھی صحیح ہے۔

مالکی حضرات نے جن روایات سے استدلال کیا ہے ان میں وہ روایت بھی ہے جسے ابن حبیب نے ''الواضحہ'' میں ذکر کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

صلاۃ فی مسجدی کالف صلاۃ فیما سواہ وجمعۃ فی مسجدی کالف جمعۃ فیما سواہ ورمضان فی مسجدی کالف رمضان فیما سواہ. (بیہقی)

میری مسجد میں ایک نماز اس کے علاوہ (مساجد) میں ایک ہزار نمازوں کی طرح ہے اور اس میں ایک جمعہ دوسری مساجد میں ایک ہزار جمعہ کی طرح ہے اور اس میں ایک رمضان (گزارنا) اس کے علاوہ میں ایک ہزار رمضان جیسا ہے۔

حضرت عمر بن خطاب اور بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اکثر مدنی حضرات کا مذہب جیسا کہ قاضی عیاض نے ذکر کیا' یہ ہے کہ مدینہ طیبہ افضل ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ سے مروی دو روایتوں میں سے ایک روایت یہی ہے۔

اور اس بات پر اجماع ہے کہ وہ جگہ جس کے ساتھ نبی اکرم ﷺ کے اعضائے مبارکہ ملے ہوئے ہیں وہ زمین کے تمام حصوں سے افضل ہے حتیٰ کہ کعبہ شریف والی جگہ سے بھی افضل ہے۔ جس طرح ابن عساکر' الباجی اور قاضی عیاض رحمہم اللہ نے فرمایا۔ بلکہ تاج سبکی نے بھی یہ اجماع نقل کیا جیسا کہ سید سمھودی (ابوالحسن علی بن عبداللہ بن احمد الحسنی الشافعی' متوفی ۹۱۱ھ)[1] نے ''فضائل المدینہ میں'' ذکر کیا وہ ابن عقیل حنبلی سے روایت کرتے ہیں کہ یہ جگہ عرش سے بھی افضل ہے اور

[1] (الاعلام ج ۴ ص ۳۰۷' معجم المطبوعات رقم الحدیث: ۱۰۵۲' الضوء اللامع ج ۵ ص ۲۴۵)

فاکہانی نے واضح الفاظ میں فرمایا کہ اسے (ساتوں) آسمانوں پر بھی فضیلت حاصل ہے' ان کے الفاظ اس طرح ہیں:
"میں کہتا ہوں کہ یہ آسمانوں کے تمام حصوں سے بھی افضل ہے" اور میں نے کسی کو اس پر اعتراض کرتے ہوئے نہیں دیکھا اور میرا عقیدہ یہ ہے کہ اگر اس بات کو علمائے امت کے سامنے پیش کیا جائے تو وہ اس میں اختلاف نہیں کریں گے اور روایات میں آیا ہے کہ آسمانوں کو آپ کے مبارک قدموں کے لگنے سے فضیلت حاصل ہوتی ہے بلکہ اگر کوئی شخص کہے کہ زمین کے تمام ٹکڑے' آسمان کے تمام حصوں سے افضل ہیں کیونکہ نبی اکرم ﷺ یہاں تشریف فرما ہیں تو یہ بات عقل سے دور نہیں بلکہ میرے نزدیک یہ بات ظاہر و متعین ہے۔ فاکہانی کا کلام مکمل ہوا۔

بعض حضرات نے زمین کی آسمان پر فضیلت اکثر حضرات سے نقل کی ہے کیونکہ انبیاء کرام اسی سے پیدا ہوئے اور اسی میں مدفون ہوئے لیکن امام نووی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ جمہور کے نزدیک آسمان کو زمین پر فضیلت حاصل ہے یعنی اس جگہ کے علاوہ جس کے ساتھ نبی اکرم ﷺ کے اعضاء شریف متصل ہیں۔

جس جگہ سے نبی اکرم ﷺ کا جسم اقدس متصل ہے اس کی دیگر زمین پر فضیلت پر جو اجماع ذکر کیا گیا ہے اس پر اعتراض کیا گیا ہے اور اس اعتراض کو شیخ عزالدین ابن عبدالسلام کے قول سے تائید حاصل ہے انہوں نے بعض جگہوں کی دوسری بعض جگہوں پر فضیلت کے حوالے سے کہا ہے کہ تمام جگہیں اور تمام وقت باہم مساوی ہیں اور فضیلت اس چیز کی وجہ سے ہوتی ہے جو ان (وقت اور جگہ) میں واقع ہو۔ ان صفات کی وجہ سے نہیں جو ان کے ساتھ قائم ہیں۔

وہ فرماتے ہیں ان دونوں (جگہ اور وقت) کی فضیلت اللہ تعالیٰ کے اس فضل و کرم کی طرف لوٹتی ہے جو اللہ تعالیٰ ان میں بندوں کو عطا کرتا ہے اور ان میں جو فضیلت ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان میں عمل کرنے والوں کے اجر کی فضیلت کے ذریعے اپنے بندوں پر جود و کرم فرماتا ہے۔

(گویا معترض کے نزدیک فضیلت' عمل کی وجہ سے ہے' کسی شخصیت کی وجہ سے نہیں۔ ۱۲ ہزاروی)۔

لیکن شیخ تقی الدین سبکی نے اس کا تعاقب کیا جس کا خلاصہ یہ ہے کہ شیخ عزالدین کے قول سے اس بات کی نفی نہیں ہوتی کہ (عمل کے علاوہ) کسی اور وجہ سے فضیلت حاصل ہو اگرچہ وہاں عمل نہ ہو۔

کیونکہ نبی اکرم ﷺ کی قبر انور پر رحمت' رضائے الٰہی اور فرشتے اترتے ہیں اور اس (قبر انور) اور اس میں محو استراحت شخصیت کے لئے اللہ تعالیٰ کے ہاں اس قدر محبت ہے کہ عقلیں اس کا ادراک کرنے سے عاجز ہیں اور یہ مقام کسی دوسری جگہ کو حاصل نہیں ہے تو وہ مقام کس طرح افضل نہیں ہوگا اور یہ مقام کسی دوسری جگہ کو حاصل نہیں ہے اور یہ مقام ہمارے لئے عمل کی وجہ نہیں ہے کیونکہ یہ مسجد نہیں ہے اور نہ اس کے لئے مسجد کا حکم ہے بلکہ اس کا استحقاق تو صرف نبی اکرم ﷺ کے لئے ہے۔

نیز اس (قبر انور) میں اعمال کا بڑھنا اس اعتبار سے ہے کہ نبی اکرم ﷺ زندہ ہیں جیسا کہ یہ بات ثابت ہے اور آپ کے اعمال اس میں اس قدر بڑھتے ہیں جو ہر ایک سے زیادہ ہیں پس اعمال کا بڑھنا ہمارے اعمال سے مختص نہیں ہے۔

شیخ تقی الدین سبکی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جس شخص کو یہ بات سمجھ آگئی اس کا سینہ اس بات کے لئے کھل جائے گا جو قاضی عیاض رحمہ اللہ نے فرمائی ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے اعضائے مبارکہ جس مقام سے ملے ہوئے ہیں اسے دو وجہ سے فضیلت حاصل ہے ایک بات وہ جو کہی گئی کہ ہر شخص اس جگہ دفن ہوتا ہے جس سے پیدا ہوتا ہے اور دوسری وجہ یہ ہے

کہ اس پر فرشتے اور برکات نازل ہوتی ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کی (خاص) توجہ کا مرکز ہے اور ہم یہ بات تسلیم نہیں کرتے کہ کسی جگہ کو اس کی ذات کی وجہ سے فضیلت حاصل ہوتی ہے بلکہ اس فضیلت کا سبب وہ ذات ہوتی ہے جو وہاں اترتی ہے۔

شیخ تقی الدین سبکی کا قول ختم ہوا۔

حضرت ابو یعلیٰ نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں: کہ میں نے رسول اکرم ﷺ سے سنا آپ فرماتے تھے:

لا یقبض النبی الا فی احب الامکنة الیه. ہر نبی کی روح اس جگہ قبض کی جاتی ہے جو جگہ اسے سب سے زیادہ پسند ہو۔

اور اس میں شک نہیں کہ جو جگہ نبی اکرم ﷺ کو سب سے زیادہ پسند ہے وہ آپ کے رب کو بھی سب سے زیادہ پسند ہے کیونکہ آپ کی محبت آپ کے رب عزوجل کی محبت کے تابع ہے اور جو چیز اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کو سب سے زیادہ پسند ہو وہ کیسے افضل نہیں ہوگی؟

اور نبی اکرم ﷺ نے یوں دعا مانگی:

اَللّٰھُمَّ اِنَّ اِبْرَاھِیْمَ دَعَاکَ لِمَکَّةَ وَاِنِّیْ اَدْعُوْکَ لِلْمَدِیْنَةِ بِمِثْلِ مَا دَعَاکَ اِبْرَاھِیْمُ لِمَکَّةَ وَمِثْلَهٗ مَعَهٗ. (صحیح مسلم موطا امام مالک) یا اللہ! بے شک حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تجھ سے مکہ مکرمہ کے لیے دعا مانگی اور میں تجھ سے مدینہ طیبہ کے لئے اس کی مثل جو ابراہیم علیہ السلام نے مکہ مکرمہ کے لئے دعا کی اور اسی کے ساتھ اس کی مثل کی دعا کرتا ہوں۔

اور اس میں شک نہیں کہ نبی اکرم ﷺ کی دعا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا سے افضل ہے کیونکہ دعا کی فضیلت دعا کرنے والے کی فضیلت کی قدر کے اعتبار سے ہوتی ہے اور صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے یوں دعا مانگی:

اَللّٰھُمَّ حَبِّبْ اِلَیْنَا الْمَدِیْنَةَ کَحُبِّنَا مَکَّةَ اَوْ اَشَدَّ. یا اللہ! ہمارے لئے مدینہ طیبہ کو محبوب بنا دے جس طرح ہم مکہ مکرمہ سے محبت کرتے ہیں یا اس سے بھی زیادہ۔

(مسند احمد ج ۶ ص ۵۶' موطا امام مالک رقم الحدیث: ۸۹۱' السنن الکبریٰ ج ۳ ص ۳۳۲' مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۲۷۳۳' الترغیب والترہیب ج ۲ ص ۲۲۶' جمع الجوامع رقم الحدیث: ۹۹۶۰' اتحاف السادۃ المتقین ج ۶ ص ۴۷۹' کنز العمال رقم الحدیث: ۳۴۸۸۱_۳۸۱۵۹)

ایک روایت میں (لفظ "او" کی بجائے) "بل اشد" (بلکہ زیادہ) کے الفاظ ہیں۔ اور نبی اکرم ﷺ کی دعا قبول ہوئی حتیٰ کہ آپ مدینہ طیبہ کی محبت میں جب اس شہر کو دیکھتے تو اپنی سواری کو حرکت دیتے۔

امام حاکم نے روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے یوں دعا کی:

اَللّٰهُمَّ اِنَّکَ اَخْرَجْتَنِیْ مِنْ اَحَبِّ الْبِقَاعِ اِلَیَّ فَاَسْکِنِّیْ فِیْ اَحَبِّ الْبِقَاعِ اِلَیْکَ.

یا اللہ! تو نے مجھے اس جگہ سے ہجرت کا حکم دیا جو مجھے تمام جگہوں سے زیادہ محبوب ہے پس مجھے ایسی جگہ ٹھہرا جو تجھے سب سے زیادہ محبوب ہے۔

(المستدرک ج ۳ ص ۳' جمع الجوامع رقم الحدیث: ۹۹۶۹' دلائل النبوۃ ج ۲ ص ۲۴۳)

یعنی ایسی جگہ سکونت عطا فرما جسے تو اسی طرح (فضیلت والی) بنا دے پس اس میں دو محبتیں جمع ہو جاتی ہیں۔ کہا گیا ہے کہ ابن عبدالبر نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا اور اگر اس کی صحت کو تسلیم کیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ مکہ مکرمہ کے بعد یہ (مدینہ طیبہ) تیرے نزدیک محبوب ترین شہر ہے کیونکہ حدیث شریف میں ہے:

ان مكة خير بلاد الله.

مکہ مکرمہ اللہ تعالیٰ کے شہروں میں سے سب سے بہتر شہر ہے۔

اور ایک روایت میں ہے:

احب ارض الله الى الله.

اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کی زمین میں سے سب سے زیادہ پسندیدہ ہے۔

نیز مسجد مکہ (مسجد حرام) میں ثواب کے زیادہ ہونے کی وجہ سے بھی اس کو فضیلت حاصل ہے۔

علامہ سید سمہودی نے اس کا رد کرتے ہوئے فرمایا کہ جو کچھ ذکر کیا گیا ہے وہ اسے ظاہر سے پھیرنے کا تقاضا نہیں کرتا کیونکہ اس سے مقصود دار ہجرت نبوی کے لئے دعا کرنا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے بھی اسی طرح کر دے اور حدیث "ان مكة خير بلاد الله" مدینہ طیبہ کی فضیلت ثابت ہونے سے پہلے ابتدائی مرحلے پر محمول ہے جب دین کو غلبہ حاصل نہ ہوا اور نہ ہی شہر فتح ہوئے بلکہ ابھی مکہ مکرمہ بھی فتح نہیں ہوا تھا۔

اس وقت مکہ مکرمہ کو جو فضیلت ملی وہ کسی دوسرے شہر کو حاصل نہ ہوئی پس آپ کی دعا کی قبولیت ظاہر ہوئی اور اسے سب سے زیادہ محبوبیت مطلقاً حاصل ہوئی اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ پر مدینہ طیبہ میں ٹھہرنا لازم قرار دیا اور حضور ﷺ نے اس شہر میں سکونت پذیر ہونے اور وہاں فوت ہونے کی ترغیب دی پس یہ کیسے افضل نہ ہوگا؟

علامہ سید سمہودی فرماتے ہیں جہاں تک زیادہ ثواب کا تعلق ہے تو فضیلت کے اسباب اسی بات میں منحصر نہیں عرفات کی طرف جانے کے لئے منیٰ میں پانچ نمازیں پڑھنا مسجد حرام میں پڑھنے سے افضل ہے اگرچہ ان کے ثواب میں اضافہ نہیں ہے۔

کیونکہ (نبی اکرم ﷺ کی) اتباع میں فضیلت ہے جو ثواب سے زائد ہے اور ہمارا مذہب (شافعی مذہب) یہ ہے کہ جگہ کی فضیلت کے ساتھ نفل نماز کو فضیلت حاصل ہوتی ہے۔

اسی لئے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مسجد مکہ مکرمہ میں نماز کا ثواب زیادہ ہے حالانکہ وہ مدینہ طیبہ کی فضیلت کے قائل ہیں اور جو شخص آپ کے اس قول سے کہ مسجد حرام میں نماز کا ثواب زیادہ ہے' مکہ مکرمہ کی فضیلت ثابت کرتا ہے اس کا قول درست نہیں ہے۔

کیونکہ آپ کی غرض یہ تھی کہ مفضول (مسجد حرام) کو ایسی فضیلت حاصل ہے جو زیادہ فضیلت والے شہر (کی مسجد)

کو حاصل نہیں ہے اس کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی ہے کہ نبی اکرم ﷺ کا مدینہ طیبہ میں مکہ مکرمہ سے زیادہ برکت کی دعا کرنا امور دینیہ کو بھی شامل ہے اور بعض اوقات قلیل عدد میں اتنی برکت ہوتی ہے کہ اس کا نفع کثیر سے زیادہ ہو جاتا ہے اس لئے اس ضابطے کو مدینہ طیبہ کی فضیلت کے لئے دلیل بنایا جاتا ہے۔

اور اگر ثواب کے بڑھنے سے فقط کعبہ مراد ہو تو جواب یہ ہوگا کہ یہ گفتگو کعبہ شریف کے علاوہ مقامات کے بارے میں ہے پس اس کی فضیلت کے بارے میں وارد احادیث میں سے کسی کا رد نہ ہوگا اور نہ مکہ مکرمہ کے ان مقامات کی فضیلت کا رد ہوگا جن سے احکام حج کا تعلق ہے کیونکہ ان سے حج کا تعلق ہے اسی لئے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ بن عیاش مخزومی رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ تم مکہ مکرمہ کو مدینہ طیبہ سے بہتر قرار دیتے ہو؟ انہوں نے عرض کیا یہ اللہ تعالیٰ کا حرم اور امن کی جگہ ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ کا گھر ہے' حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں اللہ تعالیٰ کے حرم اور اس کے گھر کے بارے میں کوئی بات نہیں کہتا پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنا پہلا قول دہرایا تو حضرت عبد اللہ بن عیاش نے اپنا جواب دہرایا تو آپ نے پھر فرمایا میں اللہ تعالیٰ کے حرم اور اس کے گھر کے بارے میں کوئی بات نہیں کہتا' حضرت عبداللہ بن عیاش کو اشارہ کیا گیا تو وہ واپس چلے گئے۔

مدینہ طیبہ کو عمرہ کا عوض عطا کیا گیا جیسا کہ صحیح حدیث میں مسجد قباء کی حاضری کے بارے میں ہے (کہ اس کی زیارت کرنے اور وہاں نفل پڑھنے سے عمرہ کا ثواب ملتا ہے۔ مرفوع حدیث میں ہے کہ مسجد قباء میں نماز عمرہ کی طرح ہے)۔

اور حج کی جگہ روضۂ رسول اور مسجد نبوی کی زیارت کو رکھا گیا ہے۔ نبوت کے بعد مدینہ طیبہ میں رسول اکرم ﷺ کی اقامت اگرچہ مکہ مکرمہ کے مقابلے میں کم ہے لیکن یہ دین کے اعزاز اور اظہار کا سبب ہے اکثر فرائض کا نزول اور دین کی تکمیل بھی یہیں ہوئی حتیٰ کہ حضرت جبریل علیہ السلام کی آمد و رفت یہاں زیادہ ہوئی پھر قیامت کے قائم ہونے تک رسول اکرم ﷺ یہاں تشریف فرما ہیں اسی لئے حضرت امام مالک رحمہ اللہ سے پوچھا گیا آپ کے نزدیک ان میں سے یعنی مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ میں سے کس جگہ ٹھہرنا زیادہ پسندیدہ ہے تو انہوں نے فرمایا یہاں (مدینہ طیبہ) میں (ٹھہرنا زیادہ پسند ہے) اور میں مدینہ طیبہ کو کیسے اختیار نہ کروں حالانکہ یہاں کوئی ایسا راستہ نہیں جس پر حضور ﷺ نہ چلے ہوں اور رب العالمین کی طرف سے حضرت جبریل علیہ السلام ایک ساعت سے بھی کم وقت میں یہاں اترتے ہیں۔

امام طبرانی نے یہ حدیث روایت کی ہے:

المدينة خير من مكة. — مدینہ طیبہ' مکہ مکرمہ سے افضل ہے۔

اور جندی کی روایت میں "افضل من مكة" کے الفاظ ہیں۔ اس روایت میں محمد بن عبدالرحمٰن الرداد (راوی) ہے جسے ابن حبان نے ثقہ (قابل اعتماد) راویوں میں شمار کیا ہے اور فرمایا کہ اس سے خطا بھی ہو جاتی تھی' ابوزرعہ (رازی حافظ عبید اللہ بن عبدالکریم) نے فرمایا کہ اس میں ڈھیلا پن تھا۔ ابن عدی نے کہا اس کی روایت غیر محفوظ ہے اور ابو حاتم نے کہا یہ قوی نہیں ہے۔

"صحیح بخاری و مسلم میں" حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

امرت بقرية تاكل القرى يقولون — مجھے ایسی بستی کا حکم دیا جو تمام بستیوں کو کھا جاتی ہے

یثرب[1] وھی المدینة تنفی الناس کما ینفی الکیر خبث الحدید. (بعض منافق لوگ) اسے یثرب کہتے ہیں اور یہ مدینہ ہے یہ (خبیث) لوگوں کو اس طرح باہر پھینکتا ہے، جس طرح بھٹی لوہے کی میل کچیل کو پھینکتی ہے۔[2]

مطلب یہ ہے کہ مجھے اس شہر کی طرف ہجرت کا حکم دیا اگر یہ بات آپ نے مکہ مکرمہ میں فرمائی ہو اور اگر مدینہ طیبہ میں یہ بات فرمائی تو اس کا مطلب یہ ہے کہ مجھے اس شہر میں ٹھہرنے کا حکم دیا۔

قاضی عبدالوہاب نے فرمایا کہ آپ کے ارشاد گرامی "تاکل القری" کا معنی یہی ہے کہ اس کی فضیلت کو دوسرے شہروں پر ترجیح ہے اور ان کے مقابلے میں اس کی فضیلت زیادہ ہے۔

ابن منیر نے کہا یہ بھی احتمال ہے کہ اس شہر کی فضیلت کا دوسرے شہروں کی فضیلت پر غلبہ مراد ہو مطلب یہ ہے کہ فضائل اس کے عظیم فضل کے پہلو میں کمزور پڑ گئے حتیٰ کہ معدوم ہو گئے اور یہ بات مکہ مکرمہ کو "ام القری" (تمام بستیوں کی ماں) کہنے سے زیادہ بلیغ ہے کیونکہ ماں کی موجودگی میں وہ لوگ مٹ نہیں جاتے جن کی وہ ماں ہے پس اسے ماں ہونے کا حق حاصل ہوتا ہے۔[3]

یہ بھی احتمال ہے کہ اس کے رہنے والوں کا دوسری بستیوں پر غلبہ مراد ہو اور زیادہ قریب یہ ہے کہ دونوں پر محمول کیا جائے کیونکہ جس غرض کے لئے کلام چلایا گیا اس میں یہ زیادہ پہنچنے والا ہے۔ سید سمھودی کا کلام مکمل ہوا۔

مصنف کی رائے

میں (مصنف) نے مدینہ طیبہ کی مکہ مکرمہ پر فضیلت کو زیادہ طوالت سے بیان کیا اگرچہ ہمارے امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک مکہ مکرمہ کو فضیلت حاصل ہے کیونکہ ہر نفس کی خواہش اور جھکاؤ اس جگہ کی طرف ہوتا ہے جہاں اس کا محبوب موجود ہو۔

علی لربع العامریة وقفة لیملی علی الشوق والدمع کاتب
ومن مذهبی حب الدیار لاهلها وللناس فیما یعشقون مذاهب

"عامریہ کے گھر (یا محلے) میں ٹھہرنا مجھ پر لازم ہے تاکہ لکھنے والا میرے شوق اور آنسوؤں کو تحریر میں لائے، میرا مذہب یہ ہے کہ گھر والوں کی وجہ سے گھروں سے محبت کی جائے اور لوگوں کے لیے ان کے عشق میں مختلف مذاہب (راستے) ہیں"۔

علاوہ ازیں قلم کے لئے مدینہ طیبہ کی فضیلت کی مختلف جہات میں وسیع میدان اور جامع گفتگو ہے لیکن اختصار کی طرف

---

[1] مدینہ طیبہ کا پرانا نام یثرب ہے نبی اکرم ﷺ نے اسے مدینہ طیبہ قرار دیا لہٰذا اب اسے یثرب کہنا جائز نہیں۔

[2] امام زرقانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ کے وصال کے بعد حضرت معاذ حضرت ابوعبیدہ اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہم ایک جماعت کے ساتھ مدینہ طیبہ سے باہر تشریف لے گئے پھر حضرت علی المرتضیٰ حضرت طلحہ حضرت زبیر اور حضرت عمار رضی اللہ عنہم تشریف لے گئے حالانکہ وہ نہایت پاکیزہ مخلوق تھے لہٰذا اس حدیث میں خاص لوگ اور خاص وقت مراد ہے۔ (زرقانی ج ۸ ص ۳۲۸)

[3] مطلب یہ کہ مکہ مکرمہ کے لئے ام القریٰ کا لفظ ہے یعنی یہ شہر تمام بستیوں کی ماں ہے اور ماں کی موجودگی میں اولاد معدوم نہیں ہوتی جب مدینہ طیبہ کے بارے میں فرمایا کہ یہ بستیوں کو کھا جاتی ہے گویا وہ معدوم ہو گئیں اور اس کے مقابلے میں ان کی فضیلت باقی نہ رہی اس لئے مدینہ طیبہ کے بارے میں جو کچھ فرمایا وہ زیادہ بلیغ ہے۔ ۱۲ ہزاروی

رغبت اس کے بچھونے کے کناروں کو لپیٹ رہی ہے اور یہ زیادہ کلام کا خوف اس کی طوالت اور اضافہ سے پھیرتا ہے۔

عارف ابن ابی جمرہ رحمہ اللہ نے اس حدیث سے جو "صحیح بخاری میں" مروی ہے مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ کی فضیلت میں مساوات کا اجتہاد کیا ہے۔ حدیث یوں ہے:

لیس من بلد الا سیطؤہ الدجال الا مکۃ والمدینۃ.

کوئی شہر ایسا نہیں جس میں دجال نہ چلے سوائے مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ کے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۲۳' مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۲۷۴۲' تفسیر قرطبی ج ۴ ص ۸۹' کنز العمال رقم الحدیث: ۳۴۸۵۸)

اس حدیث کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ فضیلت میں دونوں شہر مساوی ہیں کیونکہ دجال ان دونوں کے علاوہ تمام زمین کو روندے گا پس یہ بات فضیلت میں ان کی برابری پر دلالت کرتی ہے وہ فرماتے ہیں قیاس کے اعتبار سے بھی کئی وجوہ اس بات کی تائید کرتی ہیں۔

کیونکہ مدینہ طیبہ کو اگر نبی اکرم ﷺ کے مدفن ہونے اور وہاں آپ کے ٹھہرنے اور آپ کی مسجد شریف کی خصوصیت حاصل ہے تو مکہ مکرمہ کو آپ کی ولادت مبارکہ اور بعثت کی خصوصیت حاصل ہے یہ شہر آپ کا قبلہ ہے پس آپ کی ذات کریمہ مبارکہ کے سورج کا مطلع مکہ مکرمہ اور مغرب مدینہ طیبہ ہے اور مشہور قول کے مطابق اعلان نبوت کے بعد آپ کا مکہ مکرمہ میں قیام مدینہ طیبہ میں قیام کی مثل ہے کہ ان دونوں میں آپ نے دس دس سال قیام فرمایا انہوں نے اسی طرح فرمایا۔[1]

مدینہ طیبہ میں سکونت اختیار کرنے کی ترغیب

امام مسلم نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث نقل کی ہے:

یاتی علی الناس زمان یدعو الرجل ابن عمہ و قریبہ ھلم الی الرخاء والمدینۃ خیر لھم لو کانوا یعلمون والذی نفسی بیدہ لا یخرج احد رغبۃ عنہ الا اخلف اللہ فیھا خیرا منہ.

لوگوں پر ایک زمانہ آئے گا کہ ایک شخص اپنے چچازاد بھائی اور قریبی رشتہ دار کو بلائے گا کہ خوشحالی کی طرف آؤ اور مدینہ طیبہ ان کے لئے بہتر ہے اگر وہ جانتے اور اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے کوئی شخص اس شہر سے بے رغبت ہو کر نہیں نکلے گا مگر اللہ تعالیٰ اس سے بہتر آدمی کو اس میں لے آئے گا۔

جب تم اس حدیث میں غور کرو گے تو تمہارے لئے ظاہر ہوگا کہ اس میں مدینہ طیبہ سے نکلنے کی مذمت کی خبر دی گئی ہے بلکہ شیخ محب طبری نے ایک قوم سے نقل کیا کہ یہ بات عام ہے ہمیشہ کے لئے ہے اور مطلقاً ہے اور فرمایا کہ یہ مفہوم ظاہر لفظ سے لیا گیا ہے۔

"صحیح مسلم میں" حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

لا یصبر علی لاواء المدینۃ وشدتھا احد

میری امت کا جو شخص مدینہ طیبہ کی بھوک اور سختی پر صبر

[1] نبی اکرم ﷺ اعلان نبوت کے بعد مکہ مکرمہ میں تیرہ سال اور مدینہ طیبہ میں دس سال تشریف فرما رہے لہٰذا اس قول کا مطلب یہ ہے کہ مکہ مکرمہ میں دعوت اسلام کی مدت دس سال تھی کیونکہ پہلے تین سال آپ دعوت الی اللہ کے مامور نہیں تھے۔

من امتی الا کنت لـه شفیعا یوم القیامة او شهیدا۔ کرے گا میں قیامت کے دن اس کا شفیع یا (فرمایا) گواہ ہوں گا۔

''صحیح مسلم میں ہی''حضرت سعید (صحیح یہ ہے کہ ابوسعید ہے) جومہری (نام معلوم نہیں قضاعہ کے ایک قبیلہ مہرہ کی طرف منسوب ہیں) کے آزاد کردہ غلام ہیں' سے مروی ہے کہ وہ حرہ کی راتوں میں (جب یزید نے مدینہ طیبہ پر حملہ کیا) حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اوران سے مدینہ طیبہ سے چلے جانے کے بارے میں مشورہ کیا' وہاں کی مہنگائی اوراپنے اہل وعیال کی کثرت کی شکایت کی انہیں بتایا کہ وہ مدینہ طیبہ کی مشقت اوراس کی بھوک پر صبر نہیں کرسکتے تو حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے فرمایا تجھ پر افسوس ہے میں تجھے اس بات کی اجازت نہیں دوں گا' میں نے نبی اکرم ﷺ سے سنا آپ نے فرمایا:

لا یصبر احد لأوائها الا کنت له شفیعا او شهیدا یوم القیامة۔ جو شخص مدینہ طیبہ کی بھوک اور سختی پر صبر کرے گا میں قیامت کے دن اس کا شفیع یا (فرمایا) گواہ ہوں گا۔

''اللاواء'' مد کے ساتھ ہے' شدت اور بھوک کو کہتے ہیں۔

اور (الا کنت له شفیعا او شهیدا) میں لفظ''او''کے بارے میں ظاہر بات یہی ہے کہ یہ شک کے لئے نہیں ہے کیونکہ اس حدیث کو حضرت جابر بن عبداللہ' حضرت سعد بن ابی وقاص' حضرت ابن عمر' حضرت ابوسعید' حضرت ابوہریرہ' حضرت اسماء بنت عمیس اور حضرت صفیہ بنت ابوعبید رضی اللہ عنہم نے انہی الفاظ کے ساتھ روایت کیا اوران سب کا یا ان کے راویوں کا شک پر اتفاق یا ایک لفظ پر متفق ہونا عقل سے بعید ہے بلکہ زیادہ ظاہر یہ ہے کہ یہ لفظ خود سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے۔

لفظ''او''تقسیم کے لئے ہوگا' آپ بعض اہل مدینہ کے لئے شہید (گواہ) اور باقی لوگوں کے لئے شفیع ہوں گے یا تو گناہ گاروں کے لئے شفیع اور اطاعت گزار لوگوں کے لئے شہید ہوں گے یا جو آپ کی حیات طیبہ میں انتقال کر گیا اس کے لئے گواہ اور جو آپ کے بعد فوت ہوا اس کے لئے شفیع ہوں گے' یا اس کے علاوہ کوئی مفہوم ہوگا۔

اور یہ خصوصیت اس شفاعت سے زائد ہے جو قیامت کے دن گناہ گاروں یا سب لوگوں کے لئے ہوگی اور اس شہادت سے بھی زائد ہے جو شہادت تمام امتوں پر ہوگی پس اس خصوصیت کی وجہ سے ان (اہل مدینہ) کو بلند مرتبہ اور زائد مقام اور رفعت حاصل ہوگی۔

اور جب ہم لفظ''او''کو شک کے لئے کہیں گے تو اگر صحیح لفظ''شھیـــدا''ہے تو اعتراض دور ہو جائے گا کیونکہ یہ اس شفاعت سے زائد ہے جو ان کے غیر کے لئے رکھی گئی ہے اور صحیح لفظ شفیعا ہے تو اہل مدینہ کے ساتھ اس شفاعت کا خاص ہونا جب کہ اس میں تمام امت کے لئے عموم بھی ہے اور سب کے لئے شفاعت رکھی گئی ہے' اس اعتبار سے ہے کہ یہ شفاعت' عمومی شفاعت کے علاوہ ہے اور اہل مدینہ کے لئے یہ شفاعت درجات کے اضافہ یا حساب کی تخفیف کے اعتبار سے ہے یا جو کچھ اللہ تعالیٰ چاہے یا یہ کہ قیامت کے دن ان کو طرح طرح کے اعزازات حاصل ہوں گے کیونکہ وہ منبروں پر یا عرش کے سائے میں ہوں گے یا ان کو جنت میں جلدی لے جایا جائے گا یا اس کے علاوہ خاص اعزازات حاصل ہوں گے۔

اور وہ شخص جو زمین اور آسمانوں والوں کے سردار سے فائدہ اٹھانا چاہتا ہے نیز جس بڑے ثواب اور بھاری عطیات

کا وعدہ کیا گیا اسے حاصل کرنے اور آپ کی شفاعت وشہادت کے وعدہ کو پورا کرنے اور زندگی وموت میں مقصود کو حاصل کرنے کی خواہش رکھتا ہے وہ کیسے مشقتیں برداشت نہیں کرے گا اور مدینہ طیبہ کی شدت اور بھوک کم کس قدر ہوگی اور اس کی مشقت اور آزمائش کب تک رہے گی؟ اے مخاطب! اگر تو غور کرے تو تجھے ایسے شہر ملیں گے جن میں شدت اور زندگی کی تنگی اس کی مثل یا اس سے بھی زیادہ سخت پائے گا حالانکہ وہاں کے رہنے والے وہاں مقیم ہیں جب کہ ان میں بعض لوگ وہاں سے منتقل ہونے پر قادر ہوتے ہیں لیکن منتقل نہیں ہوتے' کوچ کر سکتے ہیں لیکن کوچ نہیں کرتے بلکہ وہ وہاں سے کوچ کرنے اور منتقل ہونے پر قادر ہونے کے باوجود اپنے وطن کو ترجیح دیتے ہیں۔

علاوہ ازیں مدینہ طیبہ میں اگرچہ بعض اوقات گزرانِ زندگی تنگ ہوتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے بعض اہل مدینہ کو کشادگی عطا فرمائی ہے حتیٰ کہ ہمارے بعض دوست جو دوسرے علاقوں کے رہنے والے ہیں انہوں نے مدینہ طیبہ میں سکونت اختیار کی اور وہاں ان کی حالت بہتر ہوگئی اور ان کا دل وہاں مطمئن ہے جب کہ دوسرے شہروں میں یہ کیفیت نہیں پاتے۔

اگر اللہ تعالیٰ کسی شخص کو وہاں یہ خوشحالی عطا کردے تو ٹھیک ہے ورنہ مومن کے لئے صبر کرنا زیادہ بہتر ہے۔

پس جس کو اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرماتا ہے اسے وہاں ٹھہرنے پر صبر عطا کرتا ہے اگرچہ انگارے سے بھی زیادہ گرم پر ہو پس وہ اس کے گلے کو پکڑنے والی کڑواہٹ کا گھونٹ پیتا ہے اور اس کی مشقت کو برداشت کر کے دنیا اور اس کی آزمائش سے محفوظ رہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث روایت کی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

ان الایمان لیأرز الی المدینة کما تأرز الحیة الی جحرھا. بے شک ایمان مدینہ طیبہ کی طرف اس طرح سکڑ جائے گا جس طرح سانپ اپنے بل کی طرف سکڑ جاتا ہے۔

مطلب یہ کہ وہ سکڑ کر اور باہم مل کر اس میں پناہ لیتا ہے حالانکہ مدینہ طیبہ ایمان کے پھیلنے میں اصل ہے پس ہر زمانے میں ہر مومن کے دل میں اس کی طرف جانے کی رغبت ہوتی ہے[1] کیونکہ وہاں ٹھہرنے والی ذات والاصفات (نبی اکرم ﷺ) کی محبت اس کا باعث ہے پس وہاں مقیم ذات کی وجہ سے اعزاز حاصل ہے اگرچہ ان میں سے بعض کے بارے میں کہا گیا جو کہا گیا پس انہوں نے اس حبیب جلیل کے پڑوسی ہونے کا شرف حاصل کیا تو ان کے لئے حضور ﷺ کے پڑوسی ہونے کا حق ثابت ہے اگرچہ ان کی خطائیں بہت بڑی ہوں لہٰذا ان سے پڑوسی ہونے کا نام سلب نہیں ہوگا اور نبی اکرم ﷺ نے اس حق کو عموم کے طریقے پر بیان فرمایا۔ آپ نے ارشاد فرمایا:

مازال جبریل یوصینی بالجار. حضرت جبریل علیہ السلام مجھے مسلسل پڑوسی کے بارے میں خیر خواہی کا کہتے رہے۔

تو آپ نے کسی پڑوسی کی تخصیص نہیں فرمائی اگر کوئی استدلال کرنے والا وہاں رہنے والے بعض اہل سنت پر بدعت اختیار کرنے اور اتباعِ رسول ﷺ کو چھوڑنے کا الزام لگائے تو اگر کسی شخص میں یہ بات ثابت بھی ہو جائے تو اس کا اکرام

[1] حافظ (ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ) فرماتے ہیں: نبی اکرم ﷺ کے زمانے میں لوگ آپ سے سیکھنے کے لئے جاتے تھے صحابہ کرام تابعین اور تبع تابعین کے زمانے میں ان کی سیرتوں کی اقتداء کی خاطر اور ان کے بعد نبی اکرم ﷺ کی قبر انور کی زیارت' مسجد نبوی میں نماز پڑھنے اور آپ کے آثار مبارکہ نیز صحابہ کرام کے آثار سے برکت حاصل کرنے جاتے ہیں۔ (زرقانی ج ۸ ص ۳۳۱)

ترک نہیں کیا جائے گا اور نہ اس کے احترام میں کوئی کمی آئے گی کیونکہ وہ پڑوسی ہونے کے حکم سے خارج نہیں ہوتا اگرچہ ظلم کرے اور نہ ہی اس سے اس شہر میں رہنے کا شرف زائل ہوتا ہے۔ جس طریقے پر بھی پھر جائے بلکہ امید ہے کہ اس کا خاتمہ بھلائی کے ساتھ ہو اور اسے اس ظاہری قرب کے ساتھ ساتھ معنوی (باطنی) قرب بھی حاصل ہو جائے۔

فیا ساکنی اکناف طیبۃ کلکم — الی القلب من اجل الحبیب حبیب

''اے مدینہ طیبہ کے اطراف واکناف میں رہنے والو! تم سب حبیب کریم ﷺ کی وجہ سے دل میں محبوب ہو''۔

اور اللہ تعالیٰ ابن جابر کو جزا عطا کرے کیا خوب کہا:

هناؤكم يا اهل طيبة قد حقا — فبالقرب من خير الورى حزتم السبقا
فلا يتحرك ساكن منكم الى — سواها وان جار الزمان وان شقا
فكم ملك رام الوصول لمثل ما — وصلتم فلم يقدر ولو ملك الخلقا
فبشراكم نلتم عناية ربكم — فها انتم فى بحر نعمته غرقى
ترون رسول الله فى كل ساعة — ومن يره فهو السعيد به حقا
متى جئتم لا يغلق الباب دونكم — وباب ذوى الاحسان لا يقبل الغلقا
فيسمع شكواكم ويكشف ضركم — ولا يمنع الاحسان حرا ولا رقا
بطيبة مثواكم واكرم مرسل — يلاحظكم فالدهر يجرى لكم وفقا
وكم من نعمة لله فيها عليكم — فشكرا ونعم الله بالشكر تستبقى
امنتم من الدجال فيها فحولها — ملائكة يحمون من دونها الطرقا
كذاك من الطاعون انتم بمأمن — فوجه الليالى لا يزال لكم طلقا
فلا تنظروا الا لوجه حبيبكم — وان جاءت الدنيا ومرت فلا فرقا
حياة وموتا تحت رحماه انتم — وحشرا فستر الجاه فوقكم ملقى
فيا راحلا عنها لدنيا تريدها — اتطلب ما يفنى وتترك ما يبقى
اتخرج عن حوز النبى وحرزه — الى غيره تسفيه مثلك قد حقا
لئن سرت تبغى من كريم اعانة — فاكرم من خير البرية ما تلقى
هو الرزق مقسوم فليس بزائد — ولو سرت حتى كدت تخرق الأفقا
فكم قاعد قد وسع الله رزقه — ومرتحل قد ضاق بين الورى رزقا
فعش فى حمى خير الانام ومت به — اذا كنت فى الدارين تطلب ان ترقا
اذا قمت فيما بين قبر و منبر — بطيبة فاعرف ان منزلك الارقى
لقد اسعد الرحمن جار محمد — ومن جار فى ترحاله فهو الاشقى

''اے مدینہ طیبہ کے رہنے والو! تمہیں مبارک ہو یقیناً تم حضور خیر الوری علیہ التحیۃ والثناء کے قرب اور

ہمسائیگی کی وجہ سے سبقت پانے والے ہو۔

تم میں سے کوئی شخص مدینہ طیبہ کی سکونت کو چھوڑ کر اس کے سوا کسی اور طرف نہ جائے اگرچہ زمانہ تم پر سختی کرے اور ظلم ڈھائے۔

بہت سے بادشاہوں نے اس سعادت کو پانے کی ٹھانی جو تمہیں میسر ہے آسانی مگر بنی نہ کہانی اگرچہ ساری مخلوق پر ان کی تھی حکمرانی۔

تمہیں بشارت ہو کہ تم پر تمہارے رب کی ہے عنائیت و مہربانی اور سنو! اور سنو تمہارے آنگن میں اس کی نعمتوں کے سمندر کی ہے روانی بایں فراوانی۔

تم اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ کی ہر گھڑی زیارت کرتے رہو اور حقیقت میں سعادت مند اور خوش بخت تو وہ شخص ہے جس نے آپ ﷺ کو دیکھا۔

تم جب بھی آؤ ان کا دروازہ تم پر بند نہیں ہوتا اور سخیوں کا دروازہ بند ہو یہ ان کی شان کے لائق نہیں ہوتا۔

تمہاری شکایت سنی جاتی ہے تم سے ضرر کو دور کیا جاتا ہے' آپ کے احسانات کو کسی بھی آزاد اور غلام پر روکا نہیں جاتا۔

تمہاری منزل طیبہ میں ہے' رسول مکرم ﷺ تمہارے نگہبان ہیں' زمانہ تمہارے موافق ہو کر چلتا ہے۔

مدینہ طیبہ میں رہتے ہوئے اللہ تعالیٰ کا تم پر کس قدر انعام اور احسان ہے سو اس کا شکر ادا کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے سے اس کا انعام برقرار رہتا ہے اور نعمتوں میں اضافہ ہوتا ہے۔

مدینہ طیبہ میں رہنے کی وجہ سے تم دجال سے محفوظ ہو کیونکہ مدینہ طیبہ کے اردگرد اور اس کے راستوں پر فرشتوں کا پہرہ لگا ہوا ہے۔

اسی طرح تم طاعون کی وباء سے بھی امن میں ہو تمہارے لیے زمانے کا رخ ہمیشہ خوش گوار ہوتا ہے۔

تم اپنے محبوب کے چہرے کے سوا کسی کی طرف نہ دیکھو اگر (تمہارے سامنے) ساری دنیا بھی آئے اور گزر جائے مگر تمہاری محبت میں کوئی فرق نہیں آنا چاہیے۔

زندگی میں اور مرنے کے بعد بھی تم ان کے سایہ میں رہے اور حشر میں بھی وہ اپنے جاہ و مرتبہ اور شان کے مطابق تم پر پردہ ڈالیں گے۔

اے مدینہ طیبہ سے دنیا کا ارادہ کر کے کہیں اور کوچ کر جانے والے شخص! کیا باقی رہنے والی چیز کو چھوڑ کر فانی کو طلب کرتا ہے؟

اے نبی ﷺ کی پناہ اور حفاظت سے نکل کر غیر کی طرف جانے والے شخص! حقیقت یہ ہے کہ نادان تمہارے اپنے ہی ہوتے ہیں (خدا لگتی کہوں) عقل سے پیدل تیرے اپنی ہی ہوتے ہیں۔

اگر تم کسی سخی سے مدد مانگنے چلے ہو تو یاد رکھو بہترین مخلوق (ﷺ) سے بڑا سخی تمہیں کوئی نہیں ملے گا۔

(اور پھر دوسری بات یہ ہے کہ) تمہارا رزق تو وہی ہے جو تمہاری قسمت میں لکھ دیا وہ تو بڑھنے سے رہا اگرچہ گھومتے گھومتے تم آسمان تک کو پھاڑ کر دیکھ آؤ۔

بہت سارے لوگ ایک جگہ (صبر وقناعت کے ساتھ مستقل مزاج ہو کر) بیٹھے (کام کرتے) رہتے ہیں اور بلاشبہ اللہ کریم ان کو وسیع رزق عطا کرتا ہے اور بہت سے لوگ دنیا بھر کی خاک چھانتے پھرتے ہیں پھر بھی تنگدست کے تنگدست ہی رہتے ہیں۔

اگر تم دنیا اور آخرت میں بلند مقام کے خواستگار ہو تو اپنا جینا اور مرنا حضور علیہ السلام کی سیرت کے مطابق کر لو (ورنہ ٹھوکریں کھاتے پھرو گے)۔

مدینہ طیبہ میں جب تم حضور علیہ السلام کی قبر انور اور منبر شریف کے درمیان کھڑے ہو تو جان لو کہ تمہاری منزل سب سے اونچی ہے۔

اللہ تعالیٰ کے نزدیک محمد مصطفیٰ علیہ السلام کے قرب وجوار میں رہنے والا شخص سعید ہے اور جو وہاں سے اپنے کوچ کرنے میں ظلم اور بے وفائی کرنے والا ہے وہ شقی اور بدنصیب ہے (یا جو شخص حج میں آپ کے روضۂ مبارکہ کی زیارت کے لیے شدرحال نہ کر کے آپ کے ساتھ جور و جفا کرتا ہے وہ بڑا بدبخت اور شقی ہے)"۔

امام ترمذی' ابن ماجہ اور ابن حبان نے اپنی صحیح میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث سے نقل کیا کہ نبی اکرم علیہ السلام نے فرمایا:

من استطاع منکم ان یموت بالمدینة فلیمت بھا فانی اشفع لمن یموت بھا.

تم میں سے جس شخص کو مدینہ طیبہ میں فوت ہونے کی طاقت ہو تو وہاں فوت ہو کیونکہ میں ان لوگوں کی شفاعت کروں گا جو وہاں فوت ہوں گے۔

اس حدیث کو امام طبرانی نے "الکبیر میں" سبیعہ اسلمیہ کی حدیث سے روایت کیا۔

"صحیح بخاری میں" حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے مروی ہے کہ نبی اکرم علیہ السلام نے فرمایا:

لا یدخل المدینة الدجال ولا الطاعون. مدینہ طیبہ میں دجال اور طاعون داخل نہیں ہو سکتا۔

"صحیح بخاری میں" حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے مروی ہے کہ نبی اکرم علیہ السلام نے فرمایا:

لا یدخل المدینة رعب المسیح الدجال لھا یومئذ سبعة ابواب علی کل باب ملکان.

مدینہ طیبہ میں مسیح دجال کا خوف داخل نہیں ہوگا' اس دن مدینہ طیبہ کے سات دروازے ہوں گے' ہر دروازے پر دو فرشتے ہوں گے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۸۷۹)

"فتح الباری میں فرمایا کہ" مدینہ طیبہ میں طاعون کے داخل نہ ہونے والی بات مشکل ہے کیونکہ یہ تو شہادت ہے اور اسے کیسے دجال کے ساتھ ملا کر دونوں کے عدم دخول کے ساتھ مدینہ طیبہ کی تعریف کی گئی ہے۔

اس کا جواب یوں دیا گیا ہے کہ ذاتی طور پر طاعون' شہادت سے موصوف نہیں بلکہ مراد یہ ہے کہ شہادت کا درجہ اس پر مرتب ہوتا ہے اور اس سے پیدا ہوتا ہے کیونکہ یہ اس کا سبب ہے جب وہ بات ذہن میں حاضر ہو جو آٹھویں مقصد میں گزری ہے کہ یہ شیطان کی طرف سے پہنچنے والی ٹھیس ہے تو مدینہ طیبہ میں اس کے داخل نہ ہونے سے اس مقدس شہر کی مدح اچھی قرار پائے گی کیونکہ اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ کافر جن اور شیطان مدینہ طیبہ میں داخل ہونے سے روک دیئے گئے ہیں اور جس کے اس میں داخل ہونے پر اتفاق ہے وہ ان میں کسی کو ٹھیس نہیں پہنچا سکتا۔

امام قرطبی نے "المفہم" میں اس کا جواب دیتے ہوئے فرمایا اس کا معنی یہ ہے کہ طاعون جس طرح دوسرے شہروں میں داخل ہوتا ہے اس طرح اس میں داخل نہیں ہوگا جیسے عمواس میں طاعون اور جارف میں داخل ہوا۔[1]

امام قرطبی کے اس قول کا تقاضا یہ ہے کہ کسی نہ کسی صورت میں طاعون وہاں داخل ہوگا حالانکہ یہ بات نہیں ہے ابن قتیبہ نے "المعارف" میں یقینی طور پر کہا اور ایک جماعت نے جن میں شیخ محی الدین نووی رحمہ اللہ بھی ہیں انہوں نے "الاذکار" میں ان کی اتباع کی کہ مدینہ طیبہ اور مکہ مکرمہ میں کبھی بھی طاعون داخل نہیں ہوگا لیکن ایک جماعت نے نقل کیا کہ ۷۴۹ھ میں مکہ مکرمہ میں طاعون کی بیماری آئی بخلاف مدینہ طیبہ کے کہ کسی نے بھی یہ بات ذکر نہیں کی کہ وہاں کبھی طاعون آیا ہو۔

بعض حضرات نے اس کا جواب یوں دیا کہ نبی اکرم ﷺ نے ان لوگوں کو طاعون کی جگہ بخار دے دیا (یعنی شہادت کا ثواب بخار کے باعث ملے گا) کیونکہ طاعون کبھی کبھی آتا ہے اور بخار کا تکرار ہر وقت ہوتا ہے پس اجر میں برابر ہو گئے۔ اور (مدینہ طیبہ میں) طاعون کے داخل نہ ہونے کا مقصد (شہادت) حاصل ہو گیا۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں میرے لئے امام احمد کی روایت کو ذہن میں رکھتے ہوئے ایک جواب ظاہر ہوا وہ روایت جو ابو عسیب سے مروی ہے (عسیب بروزن عظیم ہے) وہ مرفوعاً روایت کرتے ہیں (کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا): جبریل علیہ السلام میرے پاس طاعون اور بخار کو لے کر آئے تو میں نے بخار کو مدینہ طیبہ میں روک دیا اور طاعون کو شام کی طرف بھیج دیا۔

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں اس میں حکمت یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ جب مدینہ طیبہ تشریف لائے تو آپ کے صحابہ کرام کی تعداد بھی کم تھی اور مدد بھی زیادہ نہ تھی اور مدینہ طیبہ (پہلے) وباء والا شہر تھا جس طرح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے پھر نبی اکرم ﷺ کو دو باتوں میں اختیار دیا کہ ان میں سے ہر ایک پر بہت بڑا ثواب حاصل ہوگا پس آپ نے اس وقت بخار کو اختیار کیا کیونکہ عام طور پر اس سے موت کم واقع ہوتی ہے بخلاف طاعون کے (کہ اس سے موت زیادہ واقع ہوتی ہے) پھر جب جہاد کی ضرورت پڑی اور آپ کو جہاد کی اجازت دی گئی اور بخار کے برقرار رہنے سے ان لوگوں کے جسم کمزور ہونے کا خدشہ تھا جن سے جہاد کے لئے قوت حاصل ہو سکتی تھی تو آپ نے بخار کو مدینہ طیبہ سے جحفہ کی طرف منتقل کرنے کی دعا کی تو مدینہ طیبہ اللہ تعالیٰ کے تمام شہروں میں سے صحیح ترین شہر ہو گیا جب کہ پہلے اس کے برعکس تھا پھر اس وقت جب طاعون سے شہادت کا سلسلہ ختم ہوا تو اللہ تعالیٰ کے راستے میں قتل ہونے کے ذریعے شہادت کا مرتبہ حاصل ہوتا اور جس کے لئے یہ صورت نہ ہوتی تو اسے بخار ہو جاتا جو مؤمن کا آگ سے حصہ ہے۔

پھر یہ سلسلہ مدینہ طیبہ میں جاری رہا تاکہ یہ شہر دوسرے شہروں سے ممتاز ہو کیونکہ نبی اکرم ﷺ کی دعا کی قبولیت متحقق ہوئی اور اس طویل مدت میں آپ کی خبر کی تصدیق کی بنیاد پر یہ معجزہ ظاہر ہوا پس مدینہ طیبہ میں طاعون کا داخل نہ ہونا اس شہر کی خصوصیات اور دعائے رسول ﷺ کی صحت کے لوازمات میں سے ہے۔

بعض حضرات نے فرمایا کہ یہ معجزات محمدیہ میں سے ہے کیونکہ طبیب حضرات تمام کے تمام طاعون کو کسی شہر بلکہ کسی

---

[1] عمواس ایک بستی ہے جو رملہ اور بیت المقدس کے درمیان واقع ہے وہاں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ۱۸ھ میں طاعون ظاہر ہوا اور جارف موت کا واقع ہونا چونکہ اس سے زیادہ اموات واقع ہوئیں اس لئے اسے جارف کہا گیا اور یہ ۶۹ھ کا واقع ہے۔

بستی سے دور کرنے سے عاجز آ گئے اور ان طویل زمانوں میں طاعون مدینہ طیبہ سے دور رہا۔ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ کی عبارت تلخیص کے ساتھ مکمل ہوئی۔

مدینہ طیبہ کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس کی غبار مبارک کوڑھ اور سفید داغ کی بیماریوں بلکہ ہر بیماری سے شفاء ہے جس طرح رزین عبدری نے اپنی جامع میں حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی حدیث سے روایت کیا اور ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث میں یہ اضافہ ہے کہ اس کی عجوہ کھجور زہر سے شفاء ہے امام بغوی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا کہ ''لنبؤنهم فی الدنیا حسنة'' (النحل: ۴۱) (ہم ان کو دنیا میں اچھا ٹھکانہ دیں گے) سے مدینہ طیبہ مراد ہے۔

ابن نجار نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے تعلیقاً روایت کیا: وہ فرماتی ہیں:

کل البلاد افتتحت بالسیف وافتتحت المدینة بالقرآن. ہر شہر تلوار کے زور پر فتح ہوا اور مدینہ طیبہ قرآن کے ذریعے فتح ہوا۔

طبرانی نے ''الاوسط میں'' ایسی سند کے ساتھ جس میں کوئی حرج نہیں' حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا وہ مرفوعاً روایت کرتے ہیں (یعنی نبی اکرم ﷺ نے فرمایا):

المدینة قبة الاسلام و دار الایمان وارض الهجرة ومثوی الحلال والحرام. مدینہ طیبہ اسلام کا خیمہ' ایمان کا گھر' سرزمین ہجرت اور حلال وحرام کا مرکز ہے۔

خلاصہ یہ کہ تمام مدینہ' اس کی خاک' راستے' گلیاں' مکانات اور مضافات کو نبی اکرم ﷺ کی برکت حاصل ہے اور وہ لوگ نبی اکرم ﷺ کے ان کے گھروں میں داخل ہونے سے برکت حاصل کرتے تھے اور آپ کو اپنے گھروں میں تشریف لا کر ان میں نماز پڑھنے کی دعوت دیتے تھے اسی لئے حضرت مالک رحمہ اللہ مدینہ طیبہ میں سواری پر سوار نہیں ہوتے تھے' انہوں نے فرمایا:

لا اطأ بحافر دابة فی عراص کان ﷺ یمشی فیها بقدمیه ﷺ. میں جانور کے کھروں سے اس ارض پاک کو نہیں روندوں گا جس میں نبی اکرم ﷺ کے قدم مبارک لگے ہیں۔

مسجد قباء اور دیگر زیارت گاہوں کی زیارت

اور اسے (زیارت کرنے والے کو) چاہیے کہ مسجد قباء میں نماز اور زیارت کے لئے حاضر ہو' نبی اکرم ﷺ سواری پر اور پیدل (بھی) اس کی زیارت کے لئے تشریف لے جاتے تھے۔

''صحیح مسلم کی'' ایک روایت میں ''یزود'' کی بجائے یاتی (تشریف لاتے) کا لفظ ہے پس آپ وہاں دو رکعتیں پڑھتے تھے۔

''صحیح مسلم میں ہی'' منقول ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما ہر ہفتے کے دن حاضر ہوتے اور فرماتے تھے۔ کہ میں نے نبی اکرم ﷺ کو دیکھا آپ ہر ہفتہ کے دن یہاں تشریف لاتے تھے۔

امام ترمذی' امام ابن ماجہ اور امام بیہقی نے حضرت اسید بن ظہیر انصاری رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا (یعنی نبی

اکرم ﷺ نے فرمایا):

صلاۃ فی مسجد قباء کعمرۃ. مسجد قباء میں نماز پڑھنا عمرہ کی طرح ہے۔

امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ حدیث حسن غریب ہے۔

اور منذری فرماتے ہیں: ہم حضرت اسید رضی اللہ عنہ کے لئے اس حدیث کے علاوہ کوئی صحیح حدیث نہیں جانتے۔

امام احمد اور امام ابن ماجہ نے اس حدیث کو حضرت سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ سے ان الفاظ کے ساتھ ذکر کیا:

من تطھر فی بیتہ ثم اتی مسجد قباء فصلی فیہ صلاۃ کان لہ کاجر عمرۃ. جو شخص اپنے گھر میں وضو کرے پھر مسجد قباء میں آ کر نماز پڑھے اس کے لئے عمرہ جیسا ثواب ہے۔

امام حاکم نے اسے صحیح قرار دیا۔

اور چاہیے کہ نبی اکرم ﷺ کی زیارت کے بعد مدینہ طیبہ میں موجود دیگر زیارتوں اور آثار مبارکہ نیز ان مساجد کا قصد کرے جن میں نبی اکرم ﷺ نے نماز پڑھی یہ عمل نبی اکرم ﷺ کی برکت حاصل کرنے کے لئے کرے اور جنت البقیع کی طرف نکلے تاکہ وہاں مدفون حضرات کی زیارت کرے کیونکہ اکثر صحابہ کرام جو نبی اکرم ﷺ کی حیات طیبہ میں اور اس کے بعد مدینہ طیبہ میں فوت ہوئے وہ جنت البقیع میں مدفون ہیں اسی طرح اہل بیت اور تابعین میں سے بڑی بڑی شخصیات بھی وہاں مدفون ہیں۔

حضرت امام مالک رحمہ اللہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: کہ صحابہ کرام میں سے مدینہ طیبہ میں انتقال کرنے والے دس ہزار ہیں اور اسی طرح حضرت خدیجۃ الکبریٰ اور حضرت میمونہ رضی اللہ عنہما کے علاوہ دیگر تمام امہات المؤمنین جنت البقیع میں مدفون ہیں ام المؤمنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا مکہ مکرمہ میں اور حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا مقام سرف میں مدفون ہیں۔ [1]

نبی اکرم ﷺ رات کے آخر میں بقیع کی طرف تشریف لے جاتے اور فرماتے:

السلام علیکم دار قوم مومنین. [2] اے مؤمن قوم کے گھر (والو) تم پر سلامتی ہو۔

علامہ ابن الحاج نے "المدخل میں" فرمایا کہ ہمارے علماء کرام نے نفلی طواف اور نفلی نماز کے حوالے سے آفاقی (مکہ مکرمہ کے باہر سے آنے والے) اور مقیم میں فرق کیا ہے وہ فرماتے ہیں آفاقی کے حق میں طواف افضل ہے اور مقیم کے حق

---

[1] مقام سرف جسے آج کل نواریہ کہا جاتا ہے' مکہ مکرمہ سے کچھ فاصلہ پر شارع مدینہ پر واقع ہے ۱۹۹۲ء میں راقم کو حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے مزار شریف پر حاضری کا شرف حاصل ہوا اور مغرب کی نماز حضرت علامہ صاحبزادہ سید ارشد سعید کاظمی مدظلہ کی امامت میں قبر انور کے قریب ادا کی وللہ الحمد۔ ۱۲ ہزاروی

[2] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں جس دن نبی اکرم ﷺ کی ان کے ہاں باری ہوتی تو آپ رات کے وقت بقیع کی طرف تشریف لے جاتے اور یہ کلمات فرماتے:

السلام علیکم دار قوم مومنین وانا کم ما توعدون غدا مؤجلون وانا ان شاء اللہ بکم لاحقون اللھم اغفر لاھل بقیع الغرقد. (زرقانی ج ۸ ص ۳۲۸) اے مؤمنین کے قبرستان والو! تم پر سلام ہو کل تمہارے پاس وہ آئے گا جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تمہیں وقت دیا گیا اور ان شاء اللہ ہم بھی تم سے ملنے والے ہیں یا اللہ! بقیع غرقد والوں کو بخش دے۔

میں نفل پڑھنا افضل ہے اور ہم بھی افضل راہ کے درپے ہیں پس جو شخص مقیم ہو وہ اہل بقیع کی زیارت کے لئے جائے اور جو مسافر ہو وہ نبی اکرم ﷺ کی زیارت سے فائدہ حاصل کرے۔

عارف ابن ابی جمرہ سے منقول ہے کہ جب وہ مسجد نبوی میں داخل ہوئے تو سوائے نماز (میں بیٹھنے) کے نہ بیٹھے اور مسلسل بارگاہ میں کھڑے رہے ان کے دل میں بقیع کی طرف جانے کا خیال پیدا ہوا تو اپنے آپ سے کہنے لگے میں کدھر جا رہا ہوں یہ اللہ تعالیٰ کا دروازہ مانگنے والوں' طلب کرنے والوں اور ٹوٹے دلوں والے لوگوں کے لئے کھلا ہے۔

حضرت ابن نجار (محمد بن محمود البغدادی رحمہ اللہ) سے مرفوعاً مروی ہے' فرماتے ہیں: دو قبرستان' آسمان والوں کے لئے روشنی کا باعث ہیں' جس طرح دنیا والوں کو سورج اور چاند روشن کرتے ہیں ایک بقیع الغرقد اور دوسرا قبرستان عسقلان (فلسطین کے ایک شہر) میں ہے۔

حضرت کعب احبار رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' فرماتے ہیں: ہم نے اس (مدینہ طیبہ کے قبرستان) کا ذکر تورات میں یوں پایا:

کقبة محفوفة بالنخیل موکل بھا ملائکة کلما امتلأت اخذوھا مکفوھا فی الجنة.

یہ ایک بلند جگہ ہے جس کے اردگرد کھجوروں کے درخت ہیں اور یہاں فرشتے مقرر ہیں' جب یہ بھر جاتا ہے تو فرشتے اسے لے کر جنت میں ڈال دیتے ہیں۔

ابو حاتم نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث نقل کی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا سب سے پہلے میری قبر مبارک سے زمین شق ہوگی پھر حضرت ابوبکر صدیق اور پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما (کی قبروں) سے پھر میں جنت البقیع میں آؤں گا تو وہ میرے ساتھ جمع ہوں گے پھر میں اہل مکہ کا انتظار کروں گا حتیٰ کہ وہ حرمین کے درمیان جمع ہوں گے۔ (امام ترمذی نے فرمایا یہ حدیث حسن ہے)۔

فصل نمبر ۳

امور آخرت میں فضیلت

اس فصل کے مضمون کا اجمالی خاکہ اس طرح ہے۔

نبی اکرم ﷺ کو آخرت میں (مختلف باتوں میں) اولیت کی فضیلت کا حصول' مزید عزت و تکریم کے جامع امور' بلند درجات پر فائز ہونا' شفاعت اور مقام محمود کے ساتھ آپ کی تعریف' اولین و آخرین سے آپ کی حالت کا قابلِ رشک ہونا' تمام انبیاء و مرسلین میں آپ کا تنہا قائد ہونا اور جنات عدن میں سعادت کے مدارج پر ترقی اور یوم مزید (جمعہ کے دن) جنت میں اعلیٰ مقام پر فائز اور اللہ تعالیٰ کی زیارت سے متمتع ہونا۔

جان لو! جس طرح اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی ﷺ کو ابتداء میں فضیلت عطا فرمائی ہے یعنی تخلیق میں تمام انبیاء کرام سے پہلے رکھا اور جب سب انسانوں کو چیونٹیوں کی طرح آدم علیہ السلام کی پشت سے نکال کر پوچھا گیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ (الاعراف: ۱۷۲) تو سب سے پہلے آپ نے جواب دیا (بلیٰ ہاں کیوں نہیں!) تو لوٹنے کی صورت میں بھی

کمال فضائل کا اختتام آپ پر کیا چنانچہ سب سے پہلے آپ کی قبر انور شق ہوگی اور سب سے پہلے شفاعت کرنے والے اور جن کی شفاعت سب سے پہلے قبول ہوگی وہ آپ ہی کی ذات کریمہ ہے اور سب سے پہلے سجدے کی اجازت بھی آپ کو ہی عطا ہوگی سب سے پہلے رب العالمین کی زیارت کرنے والے بھی آپ ہی ہوں گے۔

اور اس وقت تمام مخلوق اس کو دیکھنے سے پردے میں ہوگی' آپ ہی وہ نبی ہیں جن کی امت کے درمیان سب سے پہلے فیصلہ ہوگا اور سب سے پہلے آپ کی امت کو پل صراط پر جانے کی اجازت ہوگی' آپ ہی جنت میں سب سے پہلے داخل ہوں گے اور آپ کی امت تمام امتوں سے پہلے جنت میں داخل ہوگی اور آپ کو مزید عمدہ تحفے اور نفیس عمدہ مال مزید عطا فرمائے گا جن کی کوئی حد نہیں اور وہ شمار سے باہر ہیں۔

اسی فضیلت میں سے یہ بات بھی ہے کہ آپ کو سواری کی حالت میں اٹھایا جائے گا' مقام محمود آپ کے لئے خاص ہے نیز لواء الحمد (تعریف کا جھنڈا) جس کے نیچے حضرت آدم علیہ السلام اور ان کے علاوہ تمام انبیاء کرام ہوں گے آپ کے ہاتھ میں ہوگا آپ کو یہ خصوصیت بھی حاصل ہے کہ آپ عرش کے سامنے بارگاہ خداوندی میں سجدہ ریز ہوں گے اور آپ کے سجدہ میں اللہ تعالیٰ کے لئے حمد و ثنا کے وہ دروازے کھولے جائیں گے جو آپ سے پہلے اور بعد کسی کے لئے نہیں کھولے گئے یہ آپ کا اعزاز و احترام ہوگا۔ نیز اللہ تعالیٰ آپ سے یوں کلام فرمائے گا:

یا محمد ! ارفع راسک وقل تسمع وسل تعط واشفع تشفع.

اے محمد ! ﷺ اپنا سر اٹھایئے اور کہیں آپ کی بات سنی جائے گی' مانگیں آپ کو عطا کیا جائے گا اور شفاعت کریں آپ کی شفاعت قبول ہوگی۔

اللہ تعالیٰ کی زیارت کرنے کے علاوہ اس سے بڑا کوئی اعزاز نہیں۔

آپ کے فضائل میں سے یہ بھی ہے کہ آپ بار بار شفاعت فرمائیں گے دوسرا اور تیسرا سجدہ نیز بار بار اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء جو اللہ تعالیٰ آپ پر کھول دے گا' بھی آپ کی خصوصیت ہے۔

اسی طرح ہر سجدے میں اللہ تعالیٰ کا آپ سے یوں کلام کرنا کہ اے محمد ! اپنا سر اٹھائیں اور کہیں سنا جائے گا اور شفاعت کریں آپ کی شفاعت قبول کی جائے گی آپ کا یہ فعل ایسی ذات کا فعل ہے جسے اپنے رب کے سامنے لایا گیا وہ اس کے ہاں مکرم اور بلند مرتبہ ہے اور اللہ تعالیٰ ان سے محبت فرماتا ہے اور یہ سب کچھ آپ کے اعزاز و اکرام اور تعظیم کی وجہ سے ہے۔

آپ کی خصوصیات میں سے یہ بھی ہے کہ آپ عرش کی دائیں جانب کھڑے ہوں گے اور آپ کے علاوہ کوئی بھی اس مقام پر کھڑا نہیں ہوگا وہاں پہلے اور پچھلے آپ پر رشک کریں گے انبیاء کرام اور ان کی امتوں کے درمیان آپ کی گواہی ہوگی' وہ آپ کے پاس آ کر آپ سے شفاعت کا سوال کریں گے تاکہ ان کو ان کے غم' پسینے اور زیادہ دیر کھڑے ہونے (انتظارِ حساب) سے راحت ملے اور آپ ان لوگوں کی شفاعت بھی فرمائیں گے جن کو جہنم میں لے جانے کا حکم ہو چکا ہوگا۔

نبی اکرم ﷺ کی خصوصیات میں سے ایک خصوصیت حوض کوثر ہے کہ میدان قیامت میں اس سے زیادہ برتن کہیں

نہیں ہوں گے نیز تمام مؤمن صرف آپ کی شفاعت سے جنت میں داخل ہوں گے۔

آپ کی خصوصیات میں سے ایک یہ ہے کہ آپ کچھ لوگوں کے درجات کی بلندی کے لئے سفارش کریں گے جن تک وہ اپنے اعمال کے ذریعے نہیں پہنچ سکتے' رسول اکرم ﷺ صاحب وسیلہ ہیں اور وسیلہ جنت میں اعلیٰ درجہ ہے اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ تمام اولین وآخرین اور فرشتوں کے سامنے آپ کی عزت واحترام اور تعظیم وتکریم کو ظاہر فرمائے گا۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ بہت بڑے فضل والا ہے۔

سب سے پہلے نبی اکرم ﷺ کی قبر انور کھلے گی

نبی اکرم ﷺ کی یہ فضیلت کہ سب سے پہلے آپ کی قبر انور کھلے گی تو اس سلسلے میں امام مسلم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

انا سید ولد آدم یوم القیامة وانا اول من ینشق عنه القبر واول شافع واول مشفع.

میں قیامت کے دن تمام اولادِ آدم علیہ السلام کا سردار ہوں گا اور میں وہ ہوں کہ سب سے پہلے جس کی قبر کھولی جائے گی اور سب سے پہلے شفاعت کرنے والا اور جس کی شفاعت سب سے پہلے قبول ہوگی (میں ہوں)۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' فرماتے ہیں: کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

انا سید ولد آدم یوم القیامة ولا فخر و بیدی لواء الحمد ولا فخر وما من بنی ادم فمن سواه الا تحت لوائی وانا اول من تنشق عنه الارض ولا فخر. (جامع ترمذی)

میں قیامت کے دن اولادِ آدم کا سردار ہوں گا اور مجھے اس پر فخر نہیں اور میرے ہاتھ میں حمد کا جھنڈا ہوگا اور اس پر فخر نہیں اور آدم علیہ السلام اور ان کے علاوہ سب نبی میرے جھنڈے کے نیچے ہوں گے اور میں ہی وہ ہوں جس سے زمین (قبر) سب سے پہلے کھولی جائے گی اور مجھے اس پر فخر نہیں۔

(مطلب یہ کہ میں بطور شکر یہ بات کرتا ہوں' تکبر یا فخر کے طور پر نہیں کہتا)۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے' فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

سب سے پہلے مجھ سے زمین کھلے گی پھر حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما سے (زمین کھلے گی) پھر میں بقیع والوں کے پاس آؤں گا تو وہ میرے ساتھ اکٹھے ہوں گے پھر میں اہل مکہ کا انتظار کروں گا حتیٰ کہ ہم حرمین کے درمیان جمع ہوں گے۔ امام ترمذی نے فرمایا یہ حدیث حسن صحیح ہے اس کو ابو حاتم نے روایت کیا اور (احشر بین الحرمین کی بجائے) نحشر (جمع کا صیغہ) ذکر کیا اور یہ حدیث پہلے گزر چکی ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: لوگ بے ہوش ہوں گے جب وہ بے ہوش ہوں گے تو سب سے پہلے میں کھڑا ہوں گا تو (دیکھوں گا کہ) حضرت موسیٰ علیہ السلام عرش کو پکڑے ہوں گے تو مجھے معلوم نہیں کہ وہ بھی بے ہوش ہونے والوں میں سے ہیں (یا نہیں)۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۵۱۸)

ایک روایت میں ہے کہ سب سے پہلے مجھے افاقہ ہوگا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام عرش کا کنارہ پکڑے ہوں گے پس مجھے معلوم نہیں کہ آیا وہ بے ہوش ہونے والوں میں سے ہوں گے اور مجھ سے پہلے ان کو افاقہ ہوا یا وہ ان میں سے ہوں گے جن کو اللہ تعالیٰ نے اس بے ہوشی سے مستثنیٰ کیا؟ (صحیح البخاری رقم الحدیث:۶۵۱۷)

اس بے ہوشی (الصعق) سے وہ غشی مراد ہے جو اس شخص کو لاحق ہوتی ہے جو کوئی آواز سنتا ہے یا کسی چیز کو دیکھتا ہے تو گھبرا جاتا ہے۔

اس روایت کے دونوں طریقوں میں افاقہ کا مقام بیان کیا کہ کس بے ہوشی سے واقع ہوگا اور حضرت شعبی کی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت جو سورۂ زمر کی تفسیر میں ہے اس میں یوں ہے:

انی اول من یرفع راسہ بعد النفخۃ الاخیرۃ. (آیت:۶۸' صحیح البخاری رقم الحدیث:۴۸۱۳)

میں سب سے پہلا شخص ہوں گا جو دوسری مرتبہ صور پھونکے جانے پر سر اٹھائے گا۔

اور آپ کے اس ارشاد گرامی سے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ان لوگوں میں سے ہوں جن کو اللہ تعالیٰ نے مستثنیٰ قرار دیا یہ آیت مراد ہے:

فَفَزِعَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ. (النمل:۸۷)

تو گھبرا جائیں گے جتنے آسمانوں میں ہیں اور جتنے زمین میں ہیں مگر جسے اللہ تعالیٰ چاہے۔

تمام مخلوق کے بے ہوش ہونے پر اعتراض ہوتا ہے کیونکہ مردوں کو احساس نہیں ہوتا۔

تو (جواب میں) کہا گیا مراد یہ ہے کہ وہ لوگ بے ہوش ہوں گے جو زندہ ہوں گے اور مرنے والوں کی استثناء ہے جو ''الا من شاء اللہ'' میں بیان کی گئی۔ یعنی جو لوگ اس سے پہلے فوت ہو گئے وہ بے ہوش نہیں ہوں گے۔

امام قرطبی اسی طرف مائل ہوئے ہیں اور حدیث شریف میں جو آتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ان لوگوں میں سے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے مستثنیٰ قرار دیا تو وہ اس کے خلاف نہیں کیونکہ انبیاء کرام علیہم السلام اللہ تعالیٰ کے ہاں زندہ ہیں۔

قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس بات کا احتمال ہے کہ اس سے مراد قبروں سے اٹھنے کے بعد اس گھبراہٹ کی بے ہوشی ہو جب آسمان اور زمین پھٹ جائیں گے۔

امام قرطبی نے اس کا رد کرتے ہوئے فرمایا: کہ نبی اکرم ﷺ نے واضح الفاظ میں بیان فرمایا کہ آپ قبر انور سے نکلنے کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات کریں گے تو وہ عرش کو پکڑے ہوں گے تو یہ اس وقت کی بات ہے جب قبروں سے نکلنے کے لئے صور پھونکا جائے گا۔

ابن مردویہ نے حضرت ابوسلمہ کی جو روایت نقل کی ہے اس میں اس طرح ہے کہ قیامت کے دن سب سے پہلے مجھ سے زمین (قبر مبارک) شق ہوگی پس میں کھڑا ہو کر اپنے سر سے مٹی جھاڑوں گا اور عرش کے پائے کے پاس آؤں گا تو وہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کھڑا پاؤں گا پس مجھے معلوم نہیں کہ انہوں نے اپنے سر سے مٹی پہلے جھاڑی یا وہ ان لوگوں میں سے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے مستثنیٰ قرار دیا۔

مستثنیٰ کون لوگ ہیں؟

اس سلسلے میں اختلاف ہے کہ مستثنیٰ کون لوگ ہوں گے؟ تو اس ضمن میں دس اقوال ہیں۔

کہا گیا ہے کہ اس سے فرشتے مراد ہیں اور یہ بھی کہا گیا کہ اس سے انبیاء کرام علیہم السلام مراد ہیں۔

امام بیہقی رحمہ اللہ نے حدیث کی تاویل کرتے ہوئے یہ بات کہی جب اس بات کو جائز قرار دیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ان لوگوں میں سے ہوں جن کو اللہ تعالیٰ نے مستثنیٰ قرار دیا وہ فرماتے ہیں: میرے نزدیک اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ' شہداء کی طرح زندہ ہیں پس جب پہلی بار صور پھونکا جائے گا تو وہ بے ہوش ہو جائیں گے پھر یہ تمام معانی کے اعتبار سے موت نہیں ہوگی بلکہ محض شعور کا چلا جانا ہوگا۔

ایک قول کے مطابق اس سے شہداء مراد ہیں' حلیمی نے اسی بات کو اختیار کیا اور فرمایا یہ بات حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ۝ (آل عمران:۱۶۹) بلکہ وہ زندہ ہیں' اپنے رب کے ہاں ان کو رزق دیا جاتا ہے۔

انہوں نے دوسرے اقوال کو ضعیف قرار دیا۔

''المفہم'' کے مصنف حضرت ابوالعباس قرطبی فرماتے ہیں صحیح یہ ہے کہ ان لوگوں کی تعیین میں کوئی صحیح خبر نہیں ہے اور تمام اقوال کا احتمال ہے۔

لیکن ان کے شاگرد (ابوعبداللہ بن محمد بن احمد بن ابی بکر بن فرج متوفی ۶۹۱ھ) نے ''التذکرہ میں'' اس کا رد کرتے ہوئے فرمایا کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں آیا ہے کہ اس سے شہداء مراد ہیں اور یہی صحیح ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے حضرت جبریل علیہ السلام سے اس آیت کے بارے میں سوال کیا جس میں ان لوگوں کا ذکر ہے جن کو اللہ تعالیٰ بے ہوش کرنا نہیں چاہے گا[1] تو انہوں نے فرمایا وہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں شہید ہونے والے لوگ ہیں۔ اس روایت کو امام حاکم نے صحیح قرار دیا ہے۔

یہ بھی کہا گیا کہ اس سے عرش کو اٹھانے والے فرشتے (اور) حضرت جبریل' حضرت میکائیل اور ملک الموت علیہم السلام مراد ہیں پھر وہ فوت ہو جائیں گے اور ان میں سے سب سے آخر میں فوت ہونے والے حضرت ملک الموت (عزرائیل علیہ السلام) ہیں' ایک قول یہ ہے کہ ان سے حورعین اور جنت میں جانے والے بچے مراد ہیں۔

اس پر یہ اعتراض ہوا کہ عرش کو اٹھانے والے آسمانوں اور زمین میں رہنے والے نہیں ہیں کیونکہ عرش' تمام آسمانوں سے اوپر ہے نیز حضرت جبریل' میکائیل اور ملک الموت صف بستہ (نماز' اطاعت اور منازل خدمت میں مشغول) تسبیح کرنے والوں میں سے ہیں اور حورعین اور بچے جنت میں ہوں گے اور یہ آسمانوں سے اوپر اور عرش کے نیچے ہے اور یہ تنہا ایسا عالم ہے جو باقی رہنے کے لئے پیدا کیا گیا تو اس میں شک نہیں کہ یہ ان سے الگ ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے فنا کے لئے پیدا کیا۔

---

[1] آیت کریمہ یہ ہے ''فصعق من فی السماوات ومن فی الارض الا من شاء اللہ''۔

پھر احادیث میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ عرش کو اٹھانے والے فرشتوں' ملک الموت اور میکائیل علیہم السلام کو موت دے گا پھر ان کو زندہ کرے گا اور جنت والوں کے بارے میں کوئی خبر نہیں آئی اور زیادہ ظاہر یہی ہے کہ وہ ہمیشہ رہنے کی جگہ ہے پس جو شخص اس میں داخل ہوگا اسے کبھی موت نہیں آئے گی حالانکہ وہ موت کے قابل ہے تو جسے اس (جنت) میں پیدا کیا گیا وہ زیادہ حق رکھتا ہے کہ اسے کبھی موت نہ آئے۔

سوال: ارشاد خداوندی: کل شی هالک. (القصص: ۸۸) ہر چیز ہلاک ہونے والی ہے'' اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ خود جنت بھی فنا ہو جائے گی پھر قیامت کے دن اسے لوٹایا جائے گا اور حور عین بھی مر جائیں گی پھر ان کو زندہ کیا جائے گا؟

جواب: اس بات کا احتمال ہے کہ ''کل شی هالک'' کا معنیٰ یہ کہ وہ (ہر شے) ہلاکت کے قابل ہے پس اگر اللہ تعالیٰ چاہے گا تو اسے ہلاک کرے گا مگر اللہ سبحانہ وتعالیٰ قدیم ہے اور قدیم کے لئے فنا ہونا ممکن نہیں۔ ''تذکرۃ القرطبی سے'' خلاصہ مکمل ہوا۔

حور عین کے فوت نہ ہونے کی تائید ان کے اس قول سے ہوتی ہے کہ:

نحن الخالدات فلا نموت. ہم ہمیشہ رہنے والی ہیں پس ہم نہیں مریں گی۔

جیسا کہ حدیث میں آیا ہے۔

یہ نہ کہا جائے کہ ان کے اس قول سے قیامت کے بعد ہمیشہ رہنا مراد ہے کیونکہ اس میں کوئی خصوصیت نہیں اور مشترکہ اوصاف میں ایک دوسرے پر فخر نہیں کیا جاسکتا۔

ابو شیخ بن حبان کی کتاب ''العظمۃ'' میں حضرت وہب بن منبہ کے طریق سے ان کا اپنا قول مروی ہے' وہ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے صور کو سفید موتیوں سے شیشے کی طرح صاف پیدا فرمایا پھر عرش سے فرمایا صور کو لے لو'' تو وہ اس کے ساتھ لٹک گیا پھر فرمایا ''ہو جا'' تو حضرت اسرافیل علیہ السلام پیدا ہو گئے انہیں حکم دیا کہ وہ صور کو لے لیں اور اس میں ہر پیدا شدہ روح اور سانس لینے والے نفس کی تعداد کے مطابق سوراخ تھے پھر آگے حدیث ذکر کی جس میں یوں ہے کہ پھر تمام روحوں کو صور میں جمع کیا اس کے بعد حضرت اسرافیل علیہ السلام کو حکم دیا تو انہوں نے اس میں پھونک ماری تو ہر روح اپنے جسم میں داخل ہو گئی تو اس صورت میں پہلے پھونک واقع ہوئی تا کہ یہ پھونک روحوں کو جسموں سے ملا دے تو پھونکنے کی صور کی طرف نسبت جو سینگ ہے' حقیقی اضافت ہے اور صورتوں کی طرف جو جسم ہیں' مجازی نسبت ہے (یعنی جسموں میں روح پھونکنا مجازی ہے)۔

''صحیح مسلم میں'' حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً مروی ہے:

ثم ینفخ فی الصور فلا یسمع احد الا اصغی لیتا ورفع لیتا ثم یرسل الله مطرا کانه الطل منه اجساد الناس ثم ینفخ فیه اخری فاذا هم قیام ینظرون.

پھر صور پھونکا جائے گا تو اسے جو بھی سنے گا گردن کی ایک جانب جھکا دے گا ایک اٹھا لے گا پھر اللہ تعالیٰ بارش بھیجے گا گویا وہ اوس ہے اس سے لوگوں کے جسم پیدا ہوں گے پھر ان میں دوبارہ پھونکا جائے گا تو وہ کھڑے ہو کر دیکھیں گے۔

"اللیت" لام کے نیچے زیر ہے اس کے بعد یاء اور اس کے بعد تاء ہے' گردن کی ایک جانب کو کہتے ہیں اور یہ دو جانبیں ہیں۔

"اصغی" مائل کر دیا (جھکا دیا)۔

امام بیہقی نے قوی سند کے ساتھ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے موقوفاً (یعنی ان کا قول) روایت کیا فرماتے ہیں:

پھر صور پھونکنے والا فرشتہ آسمان و زمین کے درمیان کھڑا ہوگا اور اس میں پھونکے گا اور صور "سینگ" ہے تو آسمان و زمین میں اللہ تعالیٰ کی تمام مخلوق مر جائے گی مگر جسے تمہارا رب چاہے پھر دونوں مرتبہ پھونکنے کے درمیان اتنا وقت ہوگا جتنا اللہ تعالیٰ چاہے گا۔

ابن مبارک نے "کتاب الرقاق میں" حضرت حسن (بصری) رحمہ اللہ کی مرسل روایت نقل کی ہے کہ دونوں بار صور پھونکنے کے درمیان چالیس سال کا عرصہ ہوگا پہلی بار پھونکنے سے ہر زندہ مر جائے گا اور دوسری بار پھونکنے سے اللہ تعالیٰ ہر مردہ کو زندہ فرمائے گا۔ ابن مردویہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس کی مثل حدیث روایت کی اور یہ ضعیف ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' فرماتے ہیں: کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

انا اول الناس خروجا اذا بعثوا وانا قائدهم اذا وفدوا وانا خطيبهم اذا انصتوا وانا مستشفعهم اذا حبسوا وانا مبشرهم اذا ايسوا الكرامة والمفاتيح يومئذ بيدی ولواء الحمد يومئذ بيدی وانا اكرم ولد آدم علی ربی يطوف علی الف خادم كانهم بيض مكنون او لؤلؤ منثور.

میں لوگوں میں سے سب سے پہلے باہر آنے والا ہوں گا جب ان کو اٹھایا جائے گا' میں ان کا قائد ہوں گا جب وہ بارگاہ خداوندی میں حاضر ہوں گے' میں ان کا خطیب ہوں گا جب وہ خاموش ہوں گے' میں ان کی سفارش کرنے والا ہوں گا جب ان کو روکا جائے گا اور میں ان کو خوشخبری دینے والا ہوں گا جب وہ ناامید ہوں گے' اس دن کرامت اور چابیاں میرے ہاتھ میں ہوں گی اور حمد کا جھنڈا اس دن میرے ہاتھ میں ہوگا اور میں اپنے رب کے ہاں تمام اولاد آدم سے زیادہ معزز ہوں گا' مجھ پر ایک ہزار خادم چکر لگائیں گے گویا وہ سفید چھپے ہوئے یا بکھرے ہوئے موتی ہیں۔

امام ترمذی نے اسے حدیث غریب قرار دیا۔

آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ میں ان کا امام ہوں گا کیونکہ آخرت کا گھر (عمل کی) تکلیف کا گھر نہیں ہے۔

ایک حدیث جسے "حادی الارواح" کے مصنف (ابن قیم) نے نقل کیا اس میں اس طرح آیا ہے کہ قیامت کے دن رسول اکرم ﷺ کو اس طرح اٹھایا جائے گا کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ آپ کے سامنے اذان دیں گے۔

(حافظ محب الدین المکی) طبری کی کتاب "ذخائر العقبیٰ" میں جسے انہوں نے حافظ سلفی (علامہ الناقد الذین احمد بن محمد بن ابراہیم اصفہانی) کی تخریج کی طرف منسوب کیا ہے' حضرت ابو ہریرہ کی حدیث سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: انبیاء کرام جانوروں پر سوار اٹھائے جائیں گے اور حضرت صالح علیہ السلام اپنی اونٹنی پر اٹھائے جائیں

گے حضرت فاطمہ (رضی اللہ عنہا) کے صاحبزادے (حسنین کریمین) میری اونٹنیوں العضباء اور القصواء پر اٹھائے جائیں گے اور مجھے براق پر اٹھایا جائے گا' اس کا قدم نگاہ کے آخر کنارے کے پاس ہوگا اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو جنتی اونٹنیوں میں سے ایک اونٹنی پر اٹھایا جائے گا۔

امام طبرانی اور حاکم نے ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا کہ انبیاء کرام کو جانوروں پر اٹھایا جائے گا اور مجھے براق پر اٹھایا جائے گا' حضرت بلال (رضی اللہ عنہ) کو جنتی اونٹنیوں میں سے ایک اونٹنی پر اٹھایا جائے گا تو وہ خالص اذان دیں گے (کوئی مخالفت کرنے والا نہ ہوگا) اور سچی شہادت دیں گے حتیٰ کہ جب وہ "اشهد ان محمدا رسول الله" کہیں گے تو پہلے اور پچھلے تمام مؤمن شہادت دیں گے۔

ابن زنجویہ نے "فضائل الاعمال میں" حضرت کثیر بن مرہ حضرمی سے روایت کیا' وہ فرماتے ہیں: کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی کو اٹھایا جائے گا تو وہ اپنی قبر کے پاس اس پر سوار ہوں گے حتیٰ کہ وہ آپ کو میدان محشر میں لائے گی اور میں براق پر سوار ہوں گا اور اس دن یہ میری خصوصیت ہوگی کسی دوسرے نبی کے لئے ایسا نہیں ہوگا اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ جنت کی اونٹنیوں میں سے ایک اونٹنی پر سوار ہوں گے اور اس کی پیٹھ پر سچی اذان دیں گے جب انبیاء کرام اور ان کی امتیں "اشهد ان محمدا رسول الله" کے الفاظ سنیں گی تو کہیں گے ہم بھی اس بات کی شہادت دیتے ہیں۔

شیخ زین الدین مراغی نے ابن نجار کی طرف نسبت کرتے ہوئے ذکر کیا انہوں نے "تاریخ مدینہ (الدرر الثمینہ) میں" حضرت کعب احبار سے نقل کیا اور قرطبی نے "التذکرہ میں" ذکر کیا نیز ابن ابی الدنیا نے بھی حضرت کعب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئے تو رسول اکرم ﷺ کا تذکرہ ہوا' حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہر صبح جو طلوع ہوتی ہے ستر ہزار فرشتے اترتے ہیں جو قبر انور کو گھیر لیتے ہیں (اس کا طواف کرتے ہیں) اور اپنے پروں کو بچھاتے ہیں وہ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں ہدیۂ درود پیش کرتے ہیں حتیٰ کہ جب شام ہوتی ہے تو وہ اوپر چلے جاتے ہیں اور ستر ہزار فرشتے اترتے ہیں جو قبر انور کو گھیر لیتے ہیں اور اپنے پروں کو بچھاتے ہیں اور نبی اکرم ﷺ پر درود بھیجتے ہیں' ستر ہزار فرشتے رات کے وقت اور ستر ہزار فرشتے دن کے وقت (حاضر ہو کر درود شریف پڑھتے ہیں)۔

حتیٰ کہ جب زمین پھٹ جائے گی (قبر انور کھلے گی) تو آپ ستر ہزار فرشتوں کے درمیان باہر تشریف لائیں گے وہ نبی اکرم ﷺ کی تعظیم کریں گے۔ [1]

حکیم ترمذی نے "نوادر الاصول میں" حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث سے نقل کیا وہ فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ باہر تشریف لائے تو آپ کی دائیں جانب حضرت ابوبکر صدیق اور بائیں جانب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ تھے' آپ نے فرمایا: قیامت کے دن ہم اسی طرح اٹھائے جائیں گے۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۶۳۹' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۹۹' المستدرک ج ۳ ص ۶۸' مجمع الزوائد ج ۹ ص ۵۳' مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۶۰۵۴' کنز العمال رقم الحدیث: ۳۶۱۳۰_۳۸۹۱۲)

[1] امام زرقانی فرماتے ہیں یہ روایت کسی اور نے نقل نہیں کی شاید حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے پہلی کتابوں سے خبر دی ہے۔

(زرقانی ج ۸ ص ۲۴۹)

قیامت کے دن سب سے پہلے کسے لباس پہنایا جائے گا؟

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:
مجھے جنتی جوڑوں میں سے ایک جوڑا پہنایا جائے گا پھر میں عرش کی دائیں جانب کھڑا ہوں گا' مخلوق میں سے میرے علاوہ کوئی بھی اس جگہ کھڑا نہیں ہوگا۔

''جامع الاصول کی'' ایک روایت میں حضرت امام ترمذی رحمہ اللہ سے ہی مروی ہے (کہ حضور ﷺ نے فرمایا):
انا اول من تنشق عنه الارض فاكسى. میں سب سے پہلا شخص ہوں جس سے زمین پھٹے گی پس مجھے لباس پہنایا جائے گا۔

حضرت کعب رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ سبز جوڑا پہنایا جائے گا۔

''صحیح بخاری میں'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث سے نبی اکرم ﷺ سے مروی ہے' آپ فرماتے ہیں:
تحشرون حفاة عراة غرلا (كما بدأنا اول خلق نعيده) وان اول الخلائق يكسى يوم القيامة ابراهيم. (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۳۴۷) تم قیامت کے دن ننگے پاؤں' ننگے جسم' ختنہ شدہ اٹھائے جاؤ گے (قرآن مجید میں ہے) جس طرح ہم نے تخلیق کے آغاز میں ابتدا کی (اس طرح) ہم لوٹائیں گے) اور مخلوق میں سے سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو لباس پہنایا جائے گا۔

امام بیہقی نے اس حدیث کو روایت کرتے ہوئے یہ اضافہ نقل کیا۔
سب سے پہلے جنتی لباس حضرت ابراہیم علیہ السلام کو پہنایا جائے گا' ان کو جنت کا جوڑا پہنایا جائے گا اور ایک کرسی لائی جائے گی جسے عرش کی دائیں جانب رکھا جائے گا پھر مجھے لا کر جنتی جوڑا پہنایا جائے گا جو کسی دوسرے انسان کے لئے نہیں ہوسکتا۔

اس حدیث میں یہ بھی ہے کہ نبی اکرم ﷺ عرش کی دائیں جانب کرسی پر تشریف فرما ہوں گے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو پہلے لباس پہنانے سے یہ بات لازم نہیں آتی کہ وہ ہمارے نبی ﷺ سے افضل ہوں کیونکہ اس بات کا احتمال ہے کہ آپ قبر انور سے اسی لباس میں باہر تشریف لائیں گے جس میں آپ کا انتقال ہوا اور اس دن آپ کو جو جوڑا پہنایا جائے گا وہ احترام و اکرام کا جوڑا ہوگا اس کا قرینہ یہ ہے کہ آپ کو عرش کے پائے کے پاس بٹھایا جائے گا پس لباس کے سلسلے میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولیت باقی مخلوق کی نسبت سے ہوگی۔

حلیمی نے اس کا جواب اس طرح دیا ہے کہ پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جوڑا پہنایا جائے گا پھر ہمارے نبی کریم ﷺ کو پہنایا جائے گا کیونکہ حدیث کے ظاہر سے یہی معلوم ہوتا ہے لیکن ہمارے نبی ﷺ کا جوڑا اعلیٰ اور زیادہ کامل ہوگا پس اولیت کی کمی کو اس کی نفاست کے ذریعے پورا کیا جائے گا۔

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کی حدیث جسے امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے نقل کیا اور ابن حبان نے اسے صحیح قرار دیا کہ جب آپ کے وصال کا وقت ہوا تو انہوں نے نئے کپڑے پہنے اور فرمایا میں نے رسول اکرم ﷺ سے سنا ہے' آپ

فرماتے تھے: کہ میت کو انہی کپڑوں سے اٹھایا جائے گا جن میں وہ فوت ہوا۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۱۱۴، المستدرک ج ۱ص ۳۴۰، جمع الجوامع رقم الحدیث: ۵۹۵۷، السنن الکبریٰ ج ۳ص ۳۸۴، مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۶۲۰۳، کنز العمال رقم الحدیث: ۴۲۲۵۱)

حارث بن ابی اسامہ اور احمد بن منیع کے نزدیک یہ الفاظ ہیں کہ ان کو ان کے کفنوں میں اٹھایا جائے گا اور وہ ان کفنوں میں ایک دوسرے سے ملاقات کریں گے (اس حدیث کو حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا اور اس کی سند عمدہ ہے' زرقانی ج ۸ص ۳۵۱)

اس حدیث "اور صحیح بخاری کی حدیث" (کہ تمہیں ننگے پاؤں' ننگے جسم اٹھایا جائے گا) کو یوں جمع کیا جاسکتا ہے کہ بعض کو ننگے جسم اور بعض کو لباس پہنا ہوا اٹھایا جائے گا یا سب کو ننگے جسم اٹھایا جائے گا پھر انبیاء کرام علیہم السلام کو لباس پہنایا جائے گا اور سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو لباس پہنایا جائے گا یا وہ قبروں سے اس لباس میں نکلیں گے جس میں ان کا انتقال ہوا پھر ابتدائے حشر میں ان سے وہ لباس گر جائے گا تو وہ ننگے جسم جمع ہوں گے پھر سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو لباس پہنایا جائے گا۔

بعض حضرات نے حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کی حدیث کو شہداء پر محمول کیا ہے پس حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ نے اسے شہداء کے بارے میں سنا اور عام لوگوں پر محمول کر دیا۔

طبری نے "الریاض النضرہ میں" ایک حدیث نقل کی ہے اور اس کی نسبت امام احمد کی طرف کی انہوں نے مناقب میں محدوج بن زید ہذلی سے روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

اے علی! کیا تم نہیں جانتے کہ قیامت کے دن سب سے پہلے مجھے بلایا جائے گا پس میں عرش کی دائیں جانب اس (عرش) کے سائے میں کھڑا ہوں گا پھر انبیاء کرام علیہم السلام کو بلایا جائے گا وہ ایک دوسرے کے پیچھے آئیں گے پس وہ عرش کی دائیں جانب کھڑے ہوں گے اور ان کو جنت کے جوڑوں میں سے سبز جوڑے پہنائے جائیں گے۔

سنو! میری امت سب امتوں میں سے پہلی امت ہے جن کا قیامت کے دن حساب ہوگا پھر (اے علی! رضی اللہ عنہ) تمہیں خوشخبری ہو سب سے پہلے تمہیں بلایا جائے گا اور تمہیں میرا جھنڈا دیا جائے گا اور وہ لواء الحمد (حمد کا جھنڈا) ہے تو تمہیں اسے لے کر (عرش کے) کناروں پر کھڑے حضرات کے درمیان چلو گے' حضرت آدم علیہ السلام اور اللہ تعالیٰ کی تمام مخلوق میرے جھنڈے کے سائے میں ہوگی اور اس کی لمبائی ایک ہزار چھ سو سال کی مسافت (کے برابر) ہوگی اس سے کنارے پر لگے ہوئے دندانے سرخ یاقوت کے ہوں گے۔ اس کی مٹھی سفید چاندی کی ہوگی اس کا پچھلا حصہ سبز موتی ہوگا' اس کی تین نورانی مینڈھیاں ہوں گی ایک مینڈھی مشرق میں دوسری مغرب میں اور تیسری دنیا کے درمیان میں ہوگی اس پر تین سطروں میں تحریر ہوگی۔

ایک پر "بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ" دوسری پر "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ" اور تیسری پر "لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ" لکھا ہوگا۔

ہر سطر کی لمبائی ایک ہزار سال (کی مسافت) ہوگی اور اس کی چوڑائی بھی ایک ہزار سال (کی مسافت) ہوگی۔

(اے علی رضی اللہ عنہ!) تم وہ جھنڈا لے کر چلو گے' حضرت حسن رضی اللہ عنہ تمہاری دائیں جانب اور حضرت حسین

رضی اللہ عنہ تمہاری بائیں جانب ہوں گے حتیٰ کہ تم عرش کے سائے میں میرے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے درمیان کھڑے ہوگے پھر تمہیں جنتی جوڑا پہنایا جائے گا۔

ابن سبع نے ''الخصائص میں'' ان الفاظ کے ساتھ نقل کیا کہ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم ﷺ سے لواء الحمد کی صفت کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا اس کی لمبائی (آگے وہی بات ہے جو پہلے گزر چکی ہے)۔

حافظ قطب الدین حلبی فرماتے ہیں جیسا کہ ان سے محب بن ہمام نے نقل کیا کہ یہ موضوع حدیث ہے اس کا من گھڑت ہونا واضح ہے وہ فرماتے ہیں لواء الحمد کی حقیقت کو اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔[1]

لواء الحمد

''ترمذی شریف میں'' حسن سند کے ساتھ حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کی حدیث مروی ہے وہ فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

انا سید ولد ادم یوم القیامۃ ولا فخر وبیدی لواء الحمد ولا فخر وما من نبی آدم فمن سواہ الا تحت لوائی۔

میں قیامت کے دن اولادِ آدم کا سردار ہوں گا اور (اس پر مجھے) فخر نہیں اور میرے ہاتھ میں حمد کا جھنڈا ہوگا اور (اس پر مجھے) فخر نہیں اور حضرت آدم علیہ السلام اور ان کے علاوہ تمام نبی میرے جھنڈے کے نیچے ہوں گے۔

''لواء'' جھنڈے کو کہتے ہیں (جسے عربی میں رایۃ کہا جاتا ہے) اور ان لوگوں (عربوں) کے عرف میں یہ جھنڈا لشکر کے قائد اور رئیس کے پاس ہوتا ہے اور یہ بھی احتمال ہے کہ اس کی اجازت سے کسی دوسرے کے ہاتھ میں ہو اور وہ اس کے تابع ہو اس کے حرکت کرنے سے حرکت کرے وہ جدھر جھکے ادھر ہی یہ بھی جھکے یہ مطلب نہیں کہ وہ خود اسے اپنے ہاتھ میں اٹھائے کیونکہ یہ حالت زیادہ شرف والی ہے (کہ اس کے حکم سے دوسرے کے ہاتھ میں ہو)۔

اہل عرب کے ہاں لڑائیوں میں اس کا استعمال اس طرح ہوتا تھا کہ وہ لشکر رئیس اسے خود اٹھاتا اور اس کی وجہ سے لڑنے میں رکاوٹ نہیں ہوتی تھی بلکہ وہ اسے اٹھائے ہوئے شدت سے لڑتا تھا اسی لئے ہر ایک اسے اٹھانے کے لائق نہیں ہوتا تھا بلکہ وہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ جیسے لوگ ہوتے تھے جیسا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

لا عطین الرایۃ غدا رجلا یحب اللہ ورسولہ ویحبہ اللہ ورسولہ۔

کل میں ایسے شخص کو جھنڈا دوں گا جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول اس سے محبت کرتا ہے۔

(مسند احمد ج ۱ص ۹۹' السنن الکبریٰ ج ۶ص ۳۶۲' المعجم الکبیر ج ۱۸ص ۲۳۷' مجمع الزوائد ج ۹ص ۱۲۴' اتحاف السادۃ المتقین

---

[1] امام زرقانی فرماتے ہیں: اس حدیث کی تخریج کرنے والے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے مقام میں کوئی فرق نہیں پڑتا کیونکہ محدثین جب سند کے ساتھ حدیث ذکر کرتے ہیں تو ان کی ذمہ داری ختم ہو جاتی ہے۔ (زرقانی ج ۸ص ۳۵۲)

ج ۱ص ۱۰۶' دلائل النبوۃ ج ۳ص ۲۰۹' حلیۃ الاولیاء ج ۴ص ۳۵۶)

لواء کی نسبت "الحمد" کی طرف کی گئی اور حمد اللہ تعالیٰ کی ایسی تعریف ہے جو اس کے شایان شان ہے (تو یہ اضافت اس لئے ہے) کہ میدان قیامت میں یہ نبی اکرم ﷺ کا ہی منصب ہے' دوسرے انبیاء کرام کا نہیں (اور وہ منصب مقام محمود ہے جو نبی اکرم ﷺ کے ساتھ خاص ہے)۔

صفتِ حشر

لوگوں کے اٹھنے (حشر) کی ہیئت وصورت میں اختلاف ہے "صحیح بخاری میں" حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' فرماتے ہیں: کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا لوگوں کا حشر تین طریقوں پر ہوگا:

یحشر الناس علی ثلاث طرائق راغبین وراهبین' واثنان علی بعیر' وثلاثة علی بعیر واربعة علی بعیر' وعشرة علی بعیر' ویحشر بقیتهم النار' تقیل معهم حیث قالوا' وتبیت معهم حیث باتوا' وتصبح معهم حیث اصبحوا' وتمسی معهم حیث امسوا.

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۵۲۲)

(۱) رغبت کرنے والے ڈرنے والے (۲) ایک اونٹ پر دو' ایک اونٹ پر تین' ایک اونٹ پر چار' ایک اونٹ پر دس (۳) باقی لوگوں کو آگ جمع کرے گی وہ جہاں دوپہر کو قیلولہ کریں گے وہ ان کے ساتھ ہوگی جہاں رات گزاریں گے وہ رات کو ان کے ساتھ ہوگی وہ ان کے ساتھ صبح کرے گی جہاں وہ صبح کریں گے اور ان کے ساتھ شام کرے گی جہاں وہ شام کریں گے۔ [1]

حلیمی اس بات کی طرف مائل ہوئے ہیں کہ یہ حشر قبروں سے نکلتے وقت کا ہے' امام غزالی نے بھی اسی بات کو قطعی قرار دیا اور کہا گیا ہے کہ وہ قبروں سے اس مذکورہ وصف کے ساتھ نکلیں گے جو امام بخاری ومسلم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث سے ذکر کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

انکم محشورون حفاة عراة غرلا.

بے شک تم ننگے پاؤں' ننگے جسم اور ختنہ شدہ اٹھائے جاؤ گے۔

پھر آپ نے یہ آیت پڑھی:

كَمَا بَدَأْنَا أَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيدُهُ وَعْدًا عَلَيْنَا إِنَّا كُنَّا فَاعِلِينَ ۞ (الانبیاء: ۱۰۴)

جیسا کہ ہم نے آغاز تخلیق میں تمہیں پیدا کیا اسی طرح لوٹائیں گے یہ ہمارا وعدہ ہے بے شک ہم کرنے والے ہیں۔

پھر وہاں سے ان کی حالت میدان قیامت کی طرف مختلف ہوگی جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے:

---

[1] امام زرقانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس سے دنیا کی آگ مراد ہے' آخرت کی آگ مراد نہیں اور "صحیح مسلم میں" ایک حدیث جس میں آخرت کی نشانیاں بیان کی گئی ہیں مثلاً سورج کا مغرب سے طلوع ہونا وغیرہ اس میں فرمایا کہ آخر میں ایک آگ عدن کے کنویں سے نکلے گی جو لوگوں کو میدان محشر کی طرف ہانکے گی۔ (زرقانی ج ۸ص ۳۵۴)

ويحشر الكافر على وجهه قال رجل يا رسول الله كيف يحشر على وجهه؟ قال اليس الذى امشاه على الرجلين فى الدنيا قادر على ان يمشيه على وجهه يوم القيامة.

(صحیح بخاری ومسلم)

اور کافر کو چہرے کے بل لے جایا جائے گا' ایک شخص نے عرض کیا یارسول اللہ! اسے چہرے کے بل کیسے لے جایا جائے گا؟ فرمایا کیا وہ ذات جو دنیا میں دو پاؤں پر چلاتی ہے وہ قیامت کے دن اسے چہرے کے بل چلانے پر قادر نہیں؟

''سنن نسائی میں'' حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے (نبی اکرم علیہ السلام نے فرمایا):

ان الناس يحشرون على ثلاثة افواج فوجا راكبين طاعمين كاسين وفوجا تسحبهم الملائكة على وجوههم وفوجا يمشون ويسعون. (المستدرک' مسند احمد' بیہقی)

لوگ تین جماعتوں کی صورتوں میں اٹھائے جائیں گے ایک جماعت سوار' کھانے اور پہننے والے ہوں گے اور دوسری جماعت کو فرشتے چہروں کے بل گھسیٹتے ہوں گے اور ایک گروہ پیدل ہوگا' دوڑتے ہوں گے۔

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے مروی مرفوع حدیث میں ہے:

يحشر الناس يوم القيامة على ارض بيضاء عفراء كقرصة النقى ليس فيها علم لاحد.

(صحیح بخاری ومسلم)

لوگوں کو خالص سفید زمین پر جمع کیا جائے گا جیسے (سفید) خالص روٹی ہوتی ہے اس میں (مکانات وغیرہ کا) کوئی نشان نہیں ہوگا۔

امام حاکم نے حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا (کہ نبی اکرم علیہ السلام نے فرمایا):

قیامت کے دن سورج لوگوں کے قریب آ جائے گا تو لوگ پسینے میں مبتلا ہوں گے پس ان میں سے بعض کی نصف پنڈلی تک پہنچے گا اور ان میں سے بعض کے گھٹنوں تک پہنچے گا' بعض کی رانوں تک اور بعض کی ازار بند کی جگہ تک پہنچے گا' ان میں سے بعض کے کاندھوں تک پہنچے گا اور بعض کے منہ تک پہنچ جائے گا آپ نے اپنے مبارک ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے بتایا کہ اس کے منہ میں لگام ڈال دے گا اور ان میں سے کچھ لوگ اپنے پسینے میں غوطہ زن ہوں گے اور وہ اپنے ہاتھ سر پر رکھ لیں گے۔ (مسند احمد ج ۴ ص ۱۵۷' المستدرک ج ۴ ص ۵۷۱' مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۳۳۵' اتحاف السادۃ المتقین ج ۱۰ ص ۴۵۸' الترغیب والترہیب ج ۴ ص ۳۸۹' المغنی ج ۴ ص ۴۸۹' کنز العمال رقم الحدیث: ۳۸۹۲۶)

''صحیح مسلم میں'' اس کی شاہد حدیث حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور وہ مکمل نہیں ہے اس میں ہے کہ قیامت کے دن سورج مخلوق کے قریب ہوگا حتیٰ کہ ان سے ایک میل کی مقدار میں ہوگا پس لوگ اپنے اپنے اعمال کے مطابق پسینے میں شرابور ہوں گے۔

یہ حدیث اس بات میں ظاہر ہے کہ پسینے کے ان تک پہنچنے میں وہ برابر ہوں گے لیکن ان کو کتنا کتنا پسینہ آئے گا اس سلسلے میں فرق ہوگا۔

سوال: سورج کی جگہ آسمان ہے اور ارشاد خداوندی ہے:

يَوْمَ نَطْوِى السَّمَآءَ كَطَيِّ السِّجِلِّ

جس دن ہم آسمان کو لپیٹ دیں گے جیسے سجل فرشتہ

لِلْكُتُبِ. (الانبیاء:۱۰۴) نامہ اعمال کو لپیٹتا ہے۔

اور "السماء" پر الف لام جنس کے لئے ہے اس کی دلیل یہ آیت ہے:

وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌۢ بِيَمِيْنِهٖ. (الزمر:۶۷) اور اس کی قدرت سے سب آسمان لپیٹ دیئے جائیں گے۔

تو دونوں روایتوں کو کیسے جمع کیا جائے گا؟

(مطلب یہ کہ تمام آسمان لپیٹ دیئے جائیں گے تو سورج کہاں ہوگا؟)۔

جواب: یہ بھی ہو سکتا ہے کہ میدان محشر میں سورج خود بخود قائم ہو اور لوگوں کے قریب ہوتا کہ اس کی دہشت اور سختی قوی ہو اللہ تعالیٰ ہمیں ہر ناپسندیدہ بات سے بچائے۔

ابن ابی جمرہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں حدیث کے ظاہر کا تقاضا ہے کہ یہ سب لوگوں کو شامل ہے لیکن دوسری احادیث اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ یہ بعض کے ساتھ مخصوص ہے اور وہ تعداد میں زیادہ ہیں' انبیاء کرام' شہداء عظام اور جن کو اللہ تعالیٰ چاہے وہ اس (پسینے) سے مستثنیٰ ہیں بس سب سے زیادہ سخت پسینہ کفار کے لئے ہے پھر کبیرہ گناہوں کے مرتکبین کے لئے اور پھر ان کے بعد والے لوگ ہیں۔

ابو یعلیٰ نے حدیث نقل کی اور ابن حبان نے اسے صحیح قرار دیا

حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے وہ نبی اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں' آپ نے فرمایا:

يَوْمَ يَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ. (المطففین:۶) جس دن لوگ تمام جہانوں کے پروردگار کے سامنے کھڑے ہوں گے۔

آپ نے فرمایا اس کی مقدار نصف دن پچاس ہزار سال کے برابر ہوگا پس وہ مومنوں پر آسان ہوگا گویا سورج طلوع ہونے سے غروب ہونے تک ہے۔

امام احمد اور ابن حبان نے حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے اس کی مثل روایت کی ہے۔

(قیامت کے دن) اٹھنے کے بارے میں امام بیہقی رحمہ اللہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا' فرماتے ہیں لوگوں کو اٹھایا جائے گا تو چالیس سال کھڑے رہیں گے ان کی آنکھیں آسمان کی طرف (اوپر کی طرف) اٹھی ہوں گی پس سخت تکلیف کی وجہ سے پسینہ ان کو لگام ڈال دے گا۔ (البعث والنشور ص ۳۳۹)

"صحیح بخاری میں" حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ہے وہ نبی اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ قیامت کے دن لوگ پسینے میں مبتلا ہوں گے حتیٰ کہ ان کا پسینہ زمین میں ستر گز تک چلا جائے گا اور ان کو پسینے نے لگام ڈالی ہوگی حتیٰ کہ ان کے کانوں تک پہنچ جائے گا۔

امام بیہقی رحمہ اللہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ جب لوگوں کو اٹھایا جائے گا تو وہ چالیس سال وہاں کھڑے ہوں گے کہ ان کی نگاہیں آسمان کی طرف (اوپر کی طرف) اٹھی ہوں گی (ان کا رب) ان سے کلام نہیں فرمائے گا اور سورج ان کے سروں پر ہوگا حتیٰ کہ پسینے نے ان سب کو ان میں سے نیکوں اور بروں (سب کو) لگام ڈالی ہو گی۔

امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کی حدیث نقل کی ہے کہ مؤمن سے (وہاں) ٹھہرنے میں تخفیف ہو گی حتیٰ کہ فرض نماز کی طرح (ٹھہرنا) ہوگا۔ اس کی سند حسن ہے۔

طبرانی نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ وہ دن مؤمن کے لئے دن کی ایک گھڑی سے بھی چھوٹا ہوگا۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ کافر کو پسینہ لگام ڈالے گا۔ اس حدیث کو امام بیہقی نے قیامت کے اٹھنے کے بیان میں حسن سند کے ساتھ روایت کیا وہ فرماتے ہیں اس دن لوگوں کی تکالیف سخت ہوں گی حتیٰ کہ پسینہ کافر کو لگام ڈال دے گا' ان سے پوچھا گیا مومن کہاں ہوں گے؟ فرمایا سونے کی کرسی پر ہوں گے اور ان پر بادل سایہ کریں گے۔

ایک قوی سند کے ساتھ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' فرماتے ہیں قیامت کے دن سورج لوگوں کے سروں پر ہوگا اور ان کے اعمال ان پر سایہ کریں گے۔ (بیہقی)

ابن المبارک نے "الزھد" میں اور ابن ابی شیبہ نے "المصنف" میں ایک عمدہ سند کے ساتھ نقل کیا۔ لفاظ ابن ابی شیبہ کے ہیں وہ حضرت سلمان سے روایت کرتے ہیں کہ قیامت کے دن سورج کو دس سال کی گرمی دی جائے گی پھر وہ سر کی کھوپڑی کے قریب ہوگا حتیٰ کہ دو کمانوں کا فاصلہ رہ جائے گا تو ان کو پسینہ آئے گا حتیٰ کہ پسینہ زمین میں قد کے برابر نکلے گا پھر اوپر کو چڑھے گا حتیٰ کہ انسان غرغرہ کرے گا۔ ابن مبارک نے اپنی روایت میں اضافہ کیا کہ اس دن اس کی گرمی کسی مؤمن مرد اور مؤمنہ عورت کو تکلیف نہیں دے گی۔

قرطبی فرماتے ہیں اس سے کامل ایمان والے لوگ مراد ہیں کیونکہ حضرت مقداد رضی اللہ عنہ اور دوسرے حضرات کی حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ ان کے اعمال کے اعتبار سے ان میں تفاوت ہوگا۔

ابویعلیٰ کی ایک روایت ہے جسے ابن حبان نے صحیح قرار دیا کہ قیامت کے دن ایک شخص کو پسینہ لگام ڈالے گا حتیٰ کہ وہ کہے گا اے میرے رب! مجھے (اس سے) راحت عطا فرما اگرچہ جہنم کی طرف لے جانے کی صورت میں ہو۔

یہ اس بات کی وضاحت ہے کہ سب کچھ میدان قیامت میں ہوگا۔

میدان محشر میں کھڑا ہونا نہایت سخت ہوگا

جو شخص اس مذکورہ حالت پر غور کرے گا وہ اس میں (پائی جانے والی) بڑی پریشانی (اور خوف) کو پہچان لے گا وہ اس طرح کہ آگ میدان قیامت کی زمین کو گھیر لے گی اور سورج ایک میل کی مقدار سروں کے قریب ہوگا تو زمین کی تپش کی کیا کیفیت ہوگی اور وہ کس قدر پسینہ دیکھیں گے اور اس کے ساتھ ساتھ یہ کہ ہر شخص اپنے دو قدموں کی مقدار جگہ پائے گا پس ان لوگوں کی حالت کیا ہوگی جب ان کو پسینہ آیا ہوا ہوگا اور پاؤں بھی پھیلائے ہوں گے یہ ان باتوں میں سے ہے جو عقلوں کو حیران کر دیتی ہیں اور عظیم قدرت پر دلالت کرتی اور آخرت پر ایمان کا تقاضا کرتی ہیں نیز یہ کہ اس میں عقل کا کوئی دخل نہیں اور عقل' قیاس اور عرف و عادت کے حوالے سے اس پر کوئی اعتراض نہیں ہوسکتا یہ بات تو بس قبول ہی کی جا سکتی ہے۔

اللہ تعالیٰ تم پر رحم فرمائے اس بھیڑ' میل جول اور انسانوں اور جنوں کے اجتماع کو دیکھو پھر ان کے ساتھ تمام اقسام

کے حیوانات کا جمع ہونا ان کی بھیڑ ایک دوسرے کو دور کرنا اور مل جانا اور سورج کا ان کے قریب ہونا تو ان کی گرمی کا زیادہ ہونا حالانکہ وہاں صرف تیرے رب کے عرش کا سایہ ہوگا تو غور کرو تم آگے کیا بھیج رہے ہو پھر اس کے ساتھ ساتھ لوگوں کی بھیڑ اور دلوں کے جلنے کی وجہ سے سختی کی گرمی ہوگی کیونکہ ان کو مصائب نے ڈھانپ رکھا ہوگا۔

حوض شریف

اس میں کوئی شک نہیں کہ اس دن یہ صورت حال سخت پیاس اور لپٹ (تپش) کا سبب ہوگی اور اس جگہ پانی موجودات میں سے سب سے نایاب اور گم شدہ چیزوں میں سے سب سے بڑی چیز ہوگا۔

اور صاحب مقام محمود (نبی اکرم ﷺ) کے حوض شریف کے علاوہ کوئی گھاٹ نہیں ہوگا اور وہاں آپ کی فضیلت اور شرف میں اضافہ ہوگا آپ کی امت کے لیے اس کے سوا کوئی گھاٹ نہیں ہوگا اور ان کے جگر اسی سے ٹھنڈے ہوں گے پس اس کا ایک گھونٹ پیاسے کو سیراب کر دے گا جیسا کہ حدیث میں آیا ہے' اسی کے ذریعے پیاس سے شفایابی ہوگی اس سے تمام بیماریاں دور ہوں گی پس اسے پینے والا پیاسا نہیں ہوگا اور اس کے بعد کبھی بیمار نہیں ہوگا۔

امام بزار نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث نقل کی ہے کہ جو شخص اس سے یعنی حوض سے ایک گھونٹ پیئے گا وہ کبھی بھی پیاسا نہیں ہوگا اور جو اس سے نہیں پیئے گا وہ کبھی سیراب نہیں ہوگا۔ امام احمد اور ابن حبان نے حضرت ابوامامہ کی روایت نقل کی ہے جس میں یہ اضافہ ہے کہ اس کا چہرہ کبھی سیاہ نہیں ہوگا۔

''جامع ترمذی میں'' حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جسے حاکم نے صحیح قرار دیا کہ اس پر آنے والے اکثر لوگ فقراء مہاجرین ہوں گے۔

''صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں'' حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

حوضی مسیرة شهر ماؤه ابیض من اللبن وریحه اطیب من المسک وکیزانه کنجوم السماء من شرب منه شربة لا یظمأ ابدا۔

میرا حوض ایک مہینہ کی مسافت (کے برابر) ہے' اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید اور کستوری سے زیادہ خوشبودار ہے' اس کے لوٹے آسمان کے ستاروں کی طرح (زیادہ) ہیں جو اس سے پیئے گا وہ کبھی بھی پیاسا نہ ہوگا۔

قرطبی نے ''التذکرہ'' میں فرمایا کہ ''القوت'' کے مصنف وغیرہ اس طرف گئے ہیں کہ حوض' پل صراط کے بعد ہوگا اور دوسرے حضرات کا خیال اس کے برعکس ہے اور صحیح یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے لئے دو حوض ہوں گے ایک صراط سے پہلے موقف میں (جہاں سب ٹھہریں گے) اور دوسرا جنت کے اندر ہوگا اور دونوں کو کوثر کہا جاتا ہے۔

شیخ الحفاظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے اس بات کو رد کرتے ہوئے فرمایا کہ کوثر' جنت میں ایک نہر ہے اور اس کا پانی حوض میں گرتا ہے اسے حوض کوثر کہا جاتا ہے کیونکہ پانی وہاں سے آتا ہے تو قرطبی کے کلام میں زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاتا ہے کہ حوض صراط سے پہلے ہوگا کیونکہ لوگ موقف سے پیاسے لوٹیں گے تو مومن حوض پر آئیں گے اور کافر یہ کہتے ہوئے کہ اے رب! ہم پیاسے ہیں' آگ میں گر جائیں گے پس ان کے سامنے جہنم کو اس طرح اٹھایا جائے گا کہ وہ سراب ہے

(پانی نظر آتا ہے لیکن پانی نہیں ہوتا) پس ان سے کہا جائے گا کیا تم اس میں داخل نہیں ہوتے تو وہ اس کو پانی خیال کریں گے اور اس میں گر جائیں گے۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی روایت میں جسے امام مسلم رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے یوں آیا ہے:

ان الحوض یشخب فیه میزابان من الجنة. حوض میں جنت سے دو پرنالے گرتے ہیں۔

یہ حدیث امام قرطبی کے خلاف دلیل ہے ان کے حق میں نہیں کیونکہ صراط جہنم کا پل ہے اور وہ موقف اور جنت کے درمیان ہے اور مومن جنت میں جانے کے لئے اس کے اوپر سے گزریں گے اور اگر حوض پل صراط سے پہلے ہوتا تو جہنم اس کے اور اس پانی کے درمیان حائل ہو جاتا جو کوثر (نہر) سے حوض میں گرتا ہے اور حدیث کا ظاہر یہ بتاتا ہے کہ حوض جنت کے ایک پہلو میں ہے تاکہ اس میں اس نہر کا پانی گرے جو جنت کے اندر ہے۔

قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں: کہ حدیث شریف میں جو آیا ہے کہ:

من شرب منه لم یظمأ بعدها ابدا جو شخص اس سے پیئے گا وہ اس کے بعد کبھی بھی پیاسا نہ ہوگا۔

تو اس حدیث کا ظاہر اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اس سے پینا حساب اور جہنم سے نجات کے بعد ہوگا کیونکہ جو شخص (اس کے بعد) پیاسا نہیں ہوگا اس کا ظاہر حال یہ ہے کہ اسے جہنم میں عذاب نہ ہو لیکن یہ بھی احتمال ہے کہ ان میں سے جن لوگوں کے لئے عذاب مقدر ہو چکا ہے پیاس کے ذریعے ان کو عذاب نہیں ہوگا بلکہ اس کے علاوہ ہوگا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: کہ میں نے نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ قیامت کے دن میری شفاعت فرمائیں تو آپ نے فرمایا ان شاء اللہ میں ایسا کروں گا میں نے عرض کیا میں آپ کو کہاں تلاش کروں؟ فرمایا: پہلے مجھے پل صراط پر ڈھونڈنا میں نے عرض کیا اگر پل صراط پر میں آپ کو نہ پاؤں؟ فرمایا پھر مجھے میزان کے پاس تلاش کرنا میں نے عرض کیا اگر میزان کے پاس بھی آپ سے ملاقات نہ ہو تو؟ فرمایا حوض کے پاس تلاش کرنا کیونکہ میں ان تین جگہوں سے تجاوز نہیں کروں گا۔ اس حدیث کو امام ترمذی نے روایت کیا اور فرمایا یہ حدیث حسن غریب ہے۔

امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث روایت کی ہے جس میں یوں آیا ہے: پھر مجھے میرا لباس دیا جائے گا جسے میں پہنوں گا پس میں عرش کی دائیں جانب کھڑا ہوں گا جہاں کوئی دوسرا کھڑا نہیں ہوگا تو پہلے اور پچھلے سب مجھ پر رشک کریں گے اور فرمایا ان کے لئے کوثر سے حوض تک کھولا جائے گا۔

"صحیح بخاری میں مروی" حضرت ابن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ حوض ایک مہینے کی مسافت (کے برابر) ہے۔

"صحیح مسلم میں" اسی سند کے ساتھ یہ اضافہ ہے کہ اس کے زاویے برابر ہیں (اس کی لمبائی چوڑائی کی طرح ہے)۔

جیسا کہ "فتح الباری میں" فرمایا یہ اضافہ ان لوگوں کی تاویل کو رد کرتا ہے جنہوں نے حوض کی مسافت کی مقدار سے متعلق مختلف احادیث کو جمع کرتے ہوئے عرض اور طول کے درمیان اختلاف ذکر کیا ہے۔

''سنن ابن ماجہ میں'' حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے مرفوع حدیث مروی ہے جس میں فرمایا کہ میرا ایک حوض ہے جو کعبہ اور بیت المقدس کے درمیان ہے۔

(اتحاف السادۃ المتقین ج ۱۰ص ۵۰۲'مجمع الزوائد ج ۱۰ص ۳۶۵'مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۳ص ۱۴۶)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث جو طبرانی نے اور ابن حبان نے اپنی صحیح میں نقل کی ہے اس میں یوں آیا ہے:

ما بین ناحیتی حوضی کما بین ایلۃ وصنعاء مسیرۃ شھر عرضہ کطولہ.

حوض کے دونوں کناروں کے درمیان ایلہ اور صنعا کے درمیان جتنا فاصلہ ہے وہ ایک مہینے کی مسافت ہے اس کی چوڑائی اس کی لمبائی جیسی ہے۔

امام بخاری اور امام مسلم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے جو حدیث روایت کی ہے اس میں ''کما بین صنعاء والمدینۃ'' کے الفاظ ہیں (صنعاء اور مدینہ کے درمیان)۔

حضرت عتبہ بن عبد السلمی کی روایت جسے ابن حبان نے اپنی صحیح میں نقل کیا اس میں ''کما بین صنعاء الی بصری'' کے الفاظ ہیں (صنعاء اور بصریٰ کے درمیان جتنا فاصلہ ہے)۔

طبرانی میں حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ کی حدیث مروی ہے جس میں عدن اور عمان کے درمیان فاصلہ کا ذکر ہے عمان کی عین پر پیش ہے اور میم غیر مشدد ہے۔

ابن اثیر نے ''النہایہ میں'' حوض والی حدیث ذکر کرتے ہوئے ذکر کیا کہ حضور ﷺ نے فرمایا اس کی چوڑائی میرے اس مقام سے عمان تک ہے' عمان میں عین پر زبر اور میم مشدد ہے یہ بلقاء کی زمین میں شام کا ایک پرانا شہر ہے اور جو عُمان پیش اور میم غیر مشدد کے ساتھ ہے وہ بحرین کے ایک کنارے پر ہے۔

یہ تمام مسافتیں ایک دوسرے کے قریب ہیں اور بعض نے خیال کیا کہ اس میں اضطراب واقع ہوا حالانکہ ایسی بات نہیں ہے۔

امام نووی رحمہ اللہ نے اس کا جواب یوں دیا ہے کہ قلیل مسافت میں ایسی کوئی بات نہیں جو کثیر مسافت کو رد کرتی ہو پس زیادہ مسافت صحیح حدیث سے ثابت ہے لہٰذا کوئی تعارض نہیں۔

اس کا خلاصہ اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ آپ نے پہلے کم مسافت کی خبر دی پھر طویل مسافت کا علم ہوا تو آپ نے اس بات کی خبر دی جس کا اللہ تعالیٰ نے تدریجاً آپ کو علم عطا فرما کر فضل فرمایا پس جس میں زیادہ مسافت ہے اس پر اعتماد ہوگا۔

سوال: کیا وہاں ہر نبی کے لئے حوض ہوگا جس پر وہ کھڑے ہوں گے جس طرح ہمارے نبی ﷺ کے لئے ہے؟

جواب: مشہور بات یہ ہے کہ یہ بات ہمارے نبی ﷺ کے ساتھ خاص ہے' قرطبی نے ''المفہم'' میں فرمایا جو کچھ مکلف پر واجب ہے کہ اسے جانے اور اس کی تصدیق کرے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی ﷺ کو اس حوض کی خصوصیت عطا فرمائی جس کے نام' وصف اور مشروب کو ان صحیح مشہور احادیث میں واضح الفاظ میں بیان کیا گیا جن کے مجموعہ سے قطعی علم حاصل ہوتا ہے جو تیس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے زیادہ سے مروی ہیں ان میں سے جو صحیح بخاری و مسلم میں ہیں وہ بیس

سے زائد ہیں (صحیح بخاری میں انیس اور صحیح مسلم میں سترہ ہیں اور اکثر پر دونوں کا اتفاق ہے) ان دونوں کتب کے علاوہ میں باقی احادیث ہیں (جو ان تیس سے زائد ہیں) جس طرح اس کی نقل صحیح ہے اور اس کے راوی مشہور ہیں پھر ان مذکورہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ان کی مثل تابعین نے اسے روایت کیا اور ان کے بعد ان کے دوگنا سے بھی دوگنا لوگوں نے روایت کیا اور یہ سلسلہ اسی طرح جاری ہے اور اس کے ثبوت پر اہل سنت کے سلف وخلف سب کا اتفاق ہے۔

لیکن امام ترمذی رحمہ اللہ نے حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوع حدیث روایت کی ہے جس میں ارشاد فرمایا:

ان لکل نبی حوضا.

بے شک ہر نبی کے لئے ایک حوض ہے۔

اور انہوں نے اشارہ کیا کہ اس حدیث کے وصل اور ارسال میں اختلاف ہے اور مرسل روایت زیادہ صحیح ہے۔ مرسل حدیث کو ابن ابی الدنیا نے صحیح سند کے ساتھ حسن (بصری) رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے وہ فرماتے ہیں: کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

ان لکل نبی حوضا وهو قائم علي حوضه بيده عصا يدعو من عرف من امته الا وانهم يتباهون ايهم اكثر تبعا واني لارجو ان اكون اكثرهم تبعا.

بے شک ہر نبی کا ایک حوض ہے اور وہ اپنے حوض پر کھڑے ہوں گے ان کے ہاتھ میں لاٹھی ہوگی اور وہ اپنی امت میں سے جسے پہچانیں گے ان کو بلائیں گے سنو! بے شک وہ ایک دوسرے پر فخر کریں گے کہ ان میں سے کس کی اتباع کرنے والے زیادہ ہیں اور مجھے امید ہے کہ میری اتباع کرنے والے سب سے زیادہ ہوں گا۔

امام طبرانی نے ایک دوسری سند سے حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ سے موصولاً مرفوعاً اس کی مثل نقل کیا لیکن اس کی سند میں کمزوری ہے۔

ابن ابی الدنیا نے ہی حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً نقل کیا کہ ہر نبی اپنی امت کو پکارے گا اور ہر نبی کا حوض ہوگا ان میں سے کسی کے پاس ایک جماعت آئے گی (فئام فرمایا) کسی کے پاس اس کے رشتہ دار آئیں گے اور ان میں سے کسی کے پاس ایک آئے گا اور ان میں سے کسی کے پاس دو آئیں گے اور ان میں سے کسی کے پاس کوئی بھی نہیں آئے گا اور قیامت کے دن میری اتباع کرنے والے زیادہ ہوں گے۔ اس حدیث کی سند میں کمزوری ہے۔

پس اگر یہ ثابت ہو تو کوثر جس سے حوض میں پانی آئے گا ہمارے نبی ﷺ کے ساتھ خاص ہے کیونکہ کسی دوسرے کے لئے اس کی مثل منقول نہیں ہے اور سورۃ الکوثر میں اس کے ذریعے آپ پر احسان واقع ہوا۔

ارشاد خداوندی ہے:

إِنَّا أَعْطَيْنَاكَ الْكَوْثَرَ.

ہم نے آپ کو کوثر عطا کی۔

(فتح الباری ج۱۱ص۵۷۰رقم الحدیث:۶۵۷۵)

اور فئام لوگوں کی ایک جماعت کو کہتے ہیں اور اس کا واحد کوئی لفظ نہیں اور عام لوگ یاء کے ساتھ "فیام" (ہمزہ کے بغیر) پڑھتے ہیں۔ یہ صحاح میں لکھا ہے۔

امام مسلم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث روایت کی ہے جس میں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

ترد علی امتی الحوض وانا اذود الناس عنه كما يذود الرجل عن ابله قالوا يا رسول الله تعرفنا؟ قال نعم لكم سيما ليست لاحد غيركم تردون على غرا محجلين من آثار الوضوء.

میری امت حوض پر میرے پاس آئے گی اور میں لوگوں کو اس سے دور کروں گا جس طرح کوئی شخص اپنے اونٹوں سے دور کرتا ہے صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا آپ ہمیں پہچان لیں گے؟ فرمایا ہاں تمہاری ایک نشانی ہوگی جو کسی دوسرے کی نہیں ہوگا تم میرے پاس آ ؤ گے تو وضو کے نشانات سے تمہارے اعضاء چمکتے ہوں گے۔

محدثین کرام نے فرمایا اس کو دور کرنے میں حکمت یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ ارادہ فرمائیں گے کہ ہر ایک کو اس کے نبی کے حوض کے پاس جانے کی رہنمائی فرمائیں جیسا کہ پہلے گزرا کہ ہر نبی کا حوض ہوگا تو یہ نبی اکرم ﷺ کے انصاف میں سے اور اپنے نبی بھائیوں کی رعایت سے ہوگا۔ یہ مطلب نہیں کہ پانی کے ذریعے ان سے بخل کرتے ہوئے ان کو دور کریں گے۔

اور یہ احتمال بھی ہے کہ اس کو دور فرمائیں گے جو حوض سے پینے کا مستحق نہیں ہے۔ واللہ اعلم

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: میرے حوض کے چار کنارے ہوں گے پہلا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں دوسرا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پاس تیسرا حضرت عثمان غنی ذوالنورین رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں اور چوتھا حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں ہوگا۔

پس جو شخص حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے محبت کرتا ہے لیکن حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے بغض رکھتا ہے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اسے نہیں پلائیں گے اور جو آدمی حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ سے محبت کا دعوی کرتا ہے لیکن حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے دشمنی رکھتا ہے اسے حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ نہیں پلائیں گے۔

اس روایت کو ابوسعد نے "شرف النبوة" میں اور غیلانی (ابوطالب بن غیلان) نے نقل کیا ہے۔ واللہ اعلم

(کشف الظنون ج ۲ ص ۱۰۴۵)

شفاعت اور مقام محمود

نبی اکرم ﷺ کو شفاعت اور مقام محمود کے ذریعے جو فضیلت دی گئی ہے اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

عَسٰٓی اَنْ یَّبْعَثَکَ رَبُّکَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا. (الاسراء:۷۹)

قریب ہے کہ آپ کا رب آپ کو مقامِ محمود پر فائز فرمائے۔

مفسرین کا اتفاق ہے کہ کلمہ "عسی" اللہ تعالیٰ کی طرف سے واجب ہوتا ہے (لازم ہوتا ہے) اہل معانی فرماتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ لفظ عسی 'طمع دینے کا فائدہ دیتا ہے اور جو شخص کسی انسان کو طمع دے کر محروم کرے تو یہ بات باعث عار (شرمندگی) ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی شان اس سے بلند ہے کہ وہ کسی کو کسی چیز کا طمع دے کر پھر اسے وہ چیز نہ دے۔

مقام محمود کیا ہے؟

مقام محمود کی تفسیر میں چند اقوال ہیں۔

(۱) اس سے شفاعت مراد ہے۔ واحدی نے کہا اس بات پر تمام مفسرین کا اجماع ہے کہ یہ مقام شفاعت ہے جیسا کہ نبی اکرم ﷺ نے اس آیت کے بارے میں فرمایا (جو گذر چکی ہے) کہ یہ وہ مقام ہے جس میں میں اپنی امت کی شفاعت کروں گا۔

امام ابن خطیب نے کہا کہ لفظ میں اس بات کی طرف اشارہ ملتا ہے کیونکہ انسان اس وقت محمود ہوتا ہے جب کوئی تعریف کرنے والا اس کی تعریف کرے اور تعریف کسی انعام پر ہوتی ہے تو یہ مقام محمود اس لئے مقام محمود ہے جب اس میں نبی اکرم ﷺ ایک جماعت پر انعام فرمائیں اور وہ اس انعام پر آپ کی تعریف کریں۔

اور وہ انعام تبلیغ دین اور احکام شرع کی ان کو تعلیم دینا نہیں ہے کیونکہ وہ تو اس وقت بھی حاصل ہے اور ارشاد خداوندی:

عَسٰٓى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا ۝ عنقریب آپ کا رب آپ کو مقام محمود پر فائز فرمائے گا۔ (الاسراء: ۷۹)

اس بات پر دلالت ہے کہ اس مقام پر نبی اکرم ﷺ کی تعریف نہایت عظیم اور کامل ہوگی اور یہ بات معلوم ہے کہ کسی انسان کی تعریف اس کی کوشش پر جو عقاب سے نجات کے سلسلے میں ہو اس کوشش سے بڑی ہوتی ہے جو ایسے ثواب کے اضافہ کے لئے ہو جس کی حاجت نہیں ہوتی کیونکہ انسان کو بڑی بڑی تکالیف اپنے نفس سے ازالہ کی ضرورت ان منافع کے حصول سے زیادہ ہوتی ہے جن کو حاصل کرنے کی حاجت نہیں ہوتی۔

اور جب یہ بات ثابت ہوگئی تو واجب ہے کہ اس (مذکورہ بالا) آیت سے عذاب کو ساقط کرنے کے لئے شفاعت مراد ہو جیسا کہ اہل سنت کا مذہب ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ آیت میں اس بات کی طرف قوی اشارہ پایا جاتا ہے (کیونکہ مستقبل میں ایک چیز کے حصول کا وعدہ ہے)۔ پھر اس معنی کو ثابت کرنے کے سلسلے میں صحیح احادیث بھی آئی ہیں جیسا کہ "صحیح بخاری میں" حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے کہ نبی اکرم ﷺ سے مقام محمود کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: یہ شفاعت ہے۔

"صحیح بخاری میں" ان ہی سے مروی ایک اور روایت ہے فرماتے ہیں: رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

قیامت کے دن لوگ گھٹنوں کے بل بیٹھے ہوں گے اور ہر امت اپنے نبی کے پیچھے ہوگی وہ کہیں گے اے فلاں! ہماری شفاعت کیجئے حتیٰ کہ شفاعت مجھ تک پہنچے گی تو یہ مقام محمود ہے۔

جب یہ بات ثابت ہوگئی تو لفظ (مقام محمود) کو اس پر محمول کرنا واجب ہے اس قول کی تاکید و تائید اس مشہور دعا سے بھی ہوتی ہے (جو اذان سننے کے بعد مانگی جاتی ہے) جس میں "وابعثہ مقاما محمودا" کے الفاظ ہیں وہ مقام محمود جس پر پہلے اور پچھلے رشک کریں گے۔[1]

---

[1] حدیث شریف میں ہے کہ جو شخص اذان سن کر یہ دعا مانگے قیامت کے دن اس کے لئے میری شفاعت جائز ہوجائے گی اَللّٰھُمَّ رَبَّ ھٰذِہِ الدَّعْوَۃِ التَّامَّۃِ وَالصَّلٰوۃِ الْقَائِمَۃِ اٰتِ مُحَمَّدَا نِ الْوَسِیْلَۃَ وَالْفَضِیْلَۃَ وَابْعَثْہُ مَقَامًا مَّحْمُوْدَا نِ الَّذِیْ وَعَدْتَّہٗ. (زرقانی ج ۸ ص ۳۶۶)

لفظ "مقاما" ظرف ہونے کی وجہ سے منصوب ہے یعنی قیامت کے دن آپ کو اٹھانا اور مقام محمود پر فائز کرنا یا یہ مفعول بہ ہے اور "وابعثه" "اقمه" کے معنی کو شامل ہے (زیادہ مناسب یہ ہے کہ یہ مفعول مطلق ہے)۔

یہ بھی ہوسکتا ہے کہ حال کے بعد حال ہو یعنی آپ کو اٹھانا اس حال میں کہ آپ ایک (عظیم) مقام والے ہوں۔

طیبی نے کہا (لفظ مقاما کو) نکرہ لایا گیا کیونکہ یہ تعظیم کے لئے ہے یعنی ایسا مقام جہاں ہر انسان کی طرف سے تعریف کی جائے۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں جو روایت نکرہ کے ساتھ آئی ہے اور وہ قرآنی لفظ کی حکایت ہے (قرآن مجید میں لفظ "مقاما" نکرہ ہے) تو اس پر اعتراض ہوتا ہے کہ بعینہ یہ روایت امام نسائی کے نزدیک معرفہ کے طور پر آئی ہے۔

ابن جوزی نے کہا اکثر حضرات کا یہی خیال ہے کہ مقام محمود سے شفاعت مراد ہے اور امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ نے اس پر اجماع نقل کیا۔

دوسرا قول

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ تمام لوگوں کو زمین کے ایک حصے میں جمع فرمائے گا تو کوئی نفس کلام نہیں کرے گا سب سے پہلے نبی اکرم ﷺ کو بلایا جائے گا تو آپ فرمائیں گے:

لبیک وسعدیک والخیر بیدیک والشر لیس الیک والمهتدی من هدیت وعبدک بین یدیک وبک والیک ولا ملجا منک الا الیک تبارکت وتعالیت سبحانک رب البیت.

میں حاضر ہوں اور تمام بھلائی تیرے قبضے میں ہے اور برائی تیری طرف منسوب نہیں ہوسکتی' ہدایت یافتہ وہی ہے جس کو تو نے ہدایت دی اور تیرا بندہ تیرے سامنے تیرے ساتھ اور تیری طرف (متوجہ) ہے' تیرے عذاب سے پناہ بھی تیرے ہاں ملتی ہے' تو برکت والا ہے اور بلند ہے اے خانہ کعبہ کے رب! تو پاک ہے۔

وہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کے قول "عَسٰٓى اَنْ یَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا" سے یہی مراد ہے اسے طبرانی نے نقل کیا ہے۔ (سنن نسائی' المستدرک)

ابن مندہ نے کہا کہ یہ وہ حدیث ہے کہ اس کی سند کی صحت اور راویوں کے ثقہ ہونے پر اتفاق ہے۔

امام رازی فرماتے ہیں پہلا قول زیادہ مناسب ہے کیونکہ شفاعت کے سلسلے میں آپ کی کوشش لوگوں کے لئے آپ کی تعریف کا باعث ہوگی پس آپ محمود ہوں گے اور وہ جو دعا کا ذکر کیا گیا تو اس کا فائدہ صرف ثواب کی صورت میں ہوگا حمد کے طور پر نہیں۔

سوال: اگر کہا جائے کہ یہ بات جائز کیوں نہیں کہ اللہ تعالیٰ آپ کے اس قول پر آپ کی تعریف کرے گا؟

جواب: یہ اس لئے جائز نہیں کہ لغت میں مذکورہ ثناء (حمد) فقط انعام کے مقابلے میں ہوتی ہے اگرچہ لفظ حمد اس معنیٰ کے علاوہ بھی استعمال ہوا ہے لیکن وہ بطور مجاز ہے۔

تیسرا قول

ایسا مقام مراد ہے کہ جس میں آپ کا انجام قابل تعریف ہو اور یہ بھی اس وجہ سے ضعیف ہے جو ہم نے ذکر کی (یعنی انعام کے مقابلے میں حمد کا پایا جانا)۔

چوتھا قول

کہا گیا ہے کہ اس سے مراد آپ کا عرش پر بیٹھنا ہے اور یہ بھی کہا گیا کہ کرسی پر بیٹھنا مراد ہے۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نبی اکرم ﷺ کو عرش پر (کرسی پر) بٹھائے گا۔ حضرت مجاہد سے مروی ہے فرماتے ہیں اپنے ساتھ عرش پر بٹھائے گا۔

واحدی نے کہا یہ قول نہایت گھٹیا' نامانوس اور برا ہے اور قرآن مجید کی نص اس وضاحت کے فساد کا اعلان کرتی ہے اور اس (فساد) پر کئی وجوہ سے دلالت پائی جاتی ہے۔

(۱) بعث (اٹھانا) اجلاس (بٹھانے) کی ضد ہے' کہا جاتا ہے:

''بعثت البارک و القاعد فانبعث میں نے بیٹھے ہوئے اونٹ کو اٹھایا تو وہ اٹھ گیا'' اور کہا جاتا ہے' بعث اللہ المیت اللہ تعالیٰ نے میت کو قبر سے اٹھایا''۔ لہٰذا' بعث'' کی تفسیر' اجلاس'' (بٹھانے) سے کرنا ضد کی ضد کے ساتھ تفسیر ہے' جو فاسد ہے۔

(۲) اس سے یہ بات لازم آتی ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ عرش پر یوں بیٹھا ہو کہ نبی اکرم ﷺ اس کے پاس بیٹھے ہوں تو اس سے اللہ تعالیٰ کا کسی حد اور انتہا میں ہونا ثابت ہو اور جو اس طرح ہو وہ حادث ہوتا ہے (اور اللہ تعالیٰ قدیم ہے) اللہ تعالیٰ اس سے بہت بلند بڑا ہے۔

(۳) اللہ تعالیٰ نے' مقاما محمودا'' فرمایا' مقعدا'' نہیں فرمایا اور مقام کھڑے ہونے کی جگہ ہوتی ہے' بیٹھنے کی جگہ نہیں۔

(۴) جب کہا جاتا ہے' السلطان بعث فلانا'' (بادشاہ نے فلاں کو بھیجا) تو اس سے یہ بات سمجھی جاتی ہے کہ اس نے اسے قوم کی طرف ان کے مشکل کاموں کی اصلاح کے لئے بھیجا ہے اور اس سے یہ بات سمجھی نہیں جاتی کہ اس نے اسے اپنے ساتھ بٹھایا پس ثابت ہوا کہ یہ قول ساقط ہے اس کی طرف وہی مائل ہو سکتا ہے جس کی عقل کم ہو اور دین سے خالی ہو۔

دوسرے قول کا رد یوں کیا گیا کہ اللہ تعالیٰ عرش پر کسی کیفیت کے بغیر جلوہ فرما ہوتا ہے جیسا کہ اس نے خود اپنے بارے میں خبر دی ہے اور نبی اکرم ﷺ کو عرش پر بٹھانا آپ کے لئے صفتِ ربوبیت ثابت کرنا یا آپ کو صفتِ عبودیت سے نکالنا نہیں ہے بلکہ آپ کے مقام کی بلندی اور مخلوق پر آپ کا اعزاز و اکرام ہے۔

اور یہ جو' معہ'' کا لفظ ہے تو یہ اسی طرح ہے جیسے' اِنَّ الَّذِیْنَ عِنْدَ رَبِّکَ'' (الاعراف:۲۰۶) میں ہے (بے شک وہ لوگ جو تیرے رب کے پاس ہیں) اور' رَبِّ ابْنِ لِیْ عِنْدَکَ بَیْتًا فِی الْجَنَّةِ'' (التحریم:۱۱) (اے میرے رب! میرے لئے اپنے ہاں جنت میں گھر بنا دے)۔

تو یہ اور اس قسم کی مثالیں رتبہ مقام حصہ اور بلند درجہ کی طرف لوٹتے ہیں (مطلب یہ کہ لفظ عند سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ جسمانی قرب مراد نہیں بلکہ مقام محمود کی بلندی و مرتبہ مراد ہوتی ہے)۔

شیخ الاسلام ابوالفضل عسقلانی رحمہ اللہ نے فرمایا حضرت مجاہد کا یہ قول کہ اللہ تعالیٰ آپ کو اپنے ساتھ عرش پر بٹھائے گا اس کو نہ تو نقل کی جہت سے رد کیا جاسکتا ہے اور نہ ہی نظر و فکر کی جہت سے۔

اور ابن عطیہ نے کہا یہ اسی طرح ہے جب اس بات پر محمول کیا جائے جو اللہ تعالیٰ کے لائق ہے اور واحدی نے اس قول کو رد کرنے میں مبالغہ سے کام لیا' نقاش نے امام ابوداؤد (سنن ابوداؤد کے مؤلف) سے نقل کیا کہ انہوں نے فرمایا جو اس کا انکار کرے اس پر تہمت ہے۔ ثعلبی نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے اور ابوالشیخ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا وہ فرماتے ہیں کہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ قیامت کے دن رب کی کرسی پر رب کے سامنے تشریف فرما ہوں گے تو یہ بھی احتمال ہے کہ اضافت تشریفی ہو (اللہ تعالیٰ کی طرف کرسی کی نسبت اس کے شرف کی وجہ سے ہو) پس جو کچھ حضرت مجاہد وغیرہ سے منقول ہے اسے اس بات پر محمول کیا جائے گا اور یہ بھی احتمال ہے کہ مقام محمود سے شفاعت مراد ہو جیسا کہ مشہور ہے اور بٹھانے سے مقام و مرتبہ مراد ہو جسے وسیلہ سے تعبیر کیا گیا اسی طرح بعض حضرات نے فرمایا اور یہ بھی احتمال ہے کہ بٹھانے سے مراد شفاعت کی اجازت دینا ہو۔

ارشاد خداوندی میں جو "محمود" ہے تو اس حمد کے فاعل میں اختلاف ہے' اکثر حضرات کا خیال ہے کہ میدان محشر والے مراد ہیں اور یہ بھی کہا گیا کہ نبی اکرم ﷺ مراد ہیں کہ آپ رات کے وقت تہجد پڑھنے کے انجام پر حمد کریں گے۔ لیکن پہلی بات کو زیادہ ترجیح ہے کیونکہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ان الفاظ کے ساتھ ثابت ہے "**مقاما محمودا یحمده اهل الجمع کلهم** مقام محمود جہاں تمام اہل محشر آپ کی تعریف کریں گے"۔

یہ بھی جائز ہے کہ اس سے زیادہ عام مراد ہو یعنی وہ مقام کہ جہاں وہ تمام لوگ آپ کی تعریف کریں گے جو وہاں کھڑے ہوں گے اور جو آپ کو پہچانیں گے اور یہ مختلف قسم کے اعزازات کے لئے مطلق ہے' حمد کے ذریعے حاصل ہوں گے۔ ابوحیان نے اسے اچھا قرار دیا اور اس کی تائید اس طرح کی کہ نکرہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ مخصوص مقام مراد ہیں۔

سوال: جب ہم مشہور قول کی بات کرتے ہیں کہ مقام محمود سے شفاعت مراد ہے تو یہ کونسی شفاعت ہے؟

جواب: مقام محمود میں شفاعت کے بارے میں جو احادیث آتی ہیں تو یہ شفاعت دو قسم کی ہے' پہلی قسم عام شفاعت ہے جو فیصلے کے بارے میں ہے اور دوسری شفاعت گناہ گاروں کو جہنم سے نکالنے کے بارے میں ہوگی لیکن نتیجہ کے اعتبار سے یہ تمام قول شفاعت عظمیٰ عامہ کی طرف لوٹتے ہیں کیونکہ آپ کو لواء الحمد کا دیا جانا اور آپ کا اپنے رب کی تعریف کرنا اور اس کے سامنے کلام کرنا اور اس کا کرسی پر بیٹھنا یہ سب اس مقام محمود کی صفات ہیں جس میں آپ اس لئے شفاعت کریں گے کہ لوگوں کے درمیان فیصلہ ہو جائے۔

جہاں تک گناہ گاروں کو جہنم سے نکالنے کا تعلق ہے تو وہ اس شفاعت کے توابع میں سے ہے اور بعض معتزلہ اور خارجیوں نے گناہ گاروں کو جہنم سے نکالنے کے سلسلے میں شفاعت کا انکار کیا اور اس آیت کریمہ سے استدلال کیا ہے:

فَمَا تَنۡفَعُهُمۡ شَفَاعَةُ الشّٰفِعِيۡنَ. (المدثر:۴۸) پس ان کو سفارش کرنے والوں کی سفارش فائدہ نہیں

دے گی۔

نیز ارشادِ خداوندی ہے:

مَا لِلظّٰلِمِیْنَ مِنْ حَمِیْمٍ وَّلَا شَفِیْعٍ یُّطَاعُ۔ (الغافر:۱۸) ظالموں کے لئے کوئی گہرا دوست اور سفارشی نہیں ہو گا جس کی بات مانی جائے۔

اہل سنت کی طرف سے اس کا جواب اس طرح دیا گیا ہے کہ یہ آیات کفار کے بارے میں ہیں۔ قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں اہل سنت کا مذہب یہ ہے کہ شفاعت عقلی طور پر بھی جائز ہے اور اس کا ثبوت (اور اس کو ماننا) نقلی دلائل سے ثابت ہے کیونکہ واضح ارشادِ خداوندی ہے:

یَوْمَئِذٍ لَّا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَرَضِیَ لَهٗ قَوْلًاO (طٰہٰ:۱۰۹) اس دن شفاعت صرف ان لوگوں کو فائدہ دے گی جن کے لئے رحمٰن کی اجازت ہوگی اور وہ ان کی بات کو پسند کرے گا۔

اور ارشادِ خداوندی ہے:

وَلَا یَشْفَعُوْنَ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰی۔ (الانبیاء:۲۸) اور وہ شفاعت نہیں کریں گے مگر ان کے لئے جن کے لئے وہ پسند فرمائے۔

اور ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

عَسٰٓی اَنْ یَّبْعَثَکَ رَبُّکَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًاO (الاسراء:۷۹) عنقریب آپ کا رب آپ کو مقام محمود پر فائز فرمائے گا۔

اور اکثر نے اس کی تشریح شفاعت کے ساتھ کی ہے جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا ہے اور آخرت میں گناہ گار مومنوں کی شفاعت کے صحیح ہونے کے بارے میں اس قدر روایات آئی ہیں کہ ان کا مجموعہ تواتر کو پہنچتا ہے۔

حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے فرماتی ہیں: کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

اریت ما تلقی امتی من بعدی وسفک بعضهم دماء بعض وسبق لهم من الله ما سبق للامم قبلهم فسالت الله ان یوتینی فیهم شفاعة یوم القیامة ففعل. (المستدرک للبیہقی)

مجھے دکھایا گیا جو میرے بعد میری امت نے کرنا تھا اور ان میں سے بعض کا دوسرے بعض کا خون بہانا اور ان کے بارے میں فیصلہ ہوگیا جو ان سے پہلی امتوں کے بارے میں ہوا تھا تو میں نے اللہ تعالیٰ سے سوال کیا کہ وہ مجھے ان کے لئے قیامت کے دن شفاعت کا اختیار دے تو اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے:

لکل نبی دعوة مستجابة یدعو بها وارید ان اختبی دعوتی شفاعة لامتی فی الاخرة.

ہر نبی کی ایک ایسی دعا ہے جسے (خصوصی طور پر) شرف قبولیت حاصل ہے اور انہوں نے وہ دعا مانگ لی اور

میں چاہتا ہوں کہ میں اپنی دعا کو آخرت میں اپنی امت کی سفارش کے لئے محفوظ (چھپا کر) رکھوں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا: میں نے اپنی دعا کو اپنی امت کی شفاعت کے لئے خاص کر دیا۔ (صحیح مسلم)

تو یہ آپ کی ہم پر مزید شفقت ہے اور اچھا تصرف ہے کہ وہ دعا جو (خاص طور پر) قبول ہونے والی ہے اسے ہماری ضرورتوں کے اہم اوقات کے لئے کر دیا پس اللہ تعالیٰ آپ کو ہماری طرف سے اچھی جزا عطا فرمائے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں:

میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! شفاعت کے بارے میں آپ پر کیا حکم آیا ہے؟ فرمایا: میری شفاعت اس شخص کے بارے میں ہوگی جس نے خلوص کے ساتھ کہ اس کا دل اس کی زبان کی تصدیق کرے' یہ شہادت دی کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ (مسند احمد ج ۲ ص ۳۰۷' موارد الظمآن رقم الحدیث: ۲۵۹۳' الترغیب والترہیب ج ۴ ص ۴۳۷)

حضرت ابو زرعہ' حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں: کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

میں قیامت کے دن تمام لوگوں کا سردار ہوں گا تم جانتے ہو یہ کس وجہ سے ہوگا؟ اللہ تعالیٰ پہلوں اور پچھلوں کو ایک جگہ جمع کرے گا کہ دیکھنے والا ان کو دیکھے گا اور پکارنے والے کی پکار کو وہ سنیں گے اور سورج قریب ہوگا تو لوگ غم اور تکلیف میں اس قدر مبتلا ہوں گے کہ اس کی طاقت نہیں رکھیں گے اور نہ اسے برداشت کر سکیں گے پس لوگ (آپس میں) کہیں گے کیا تم نہیں دیکھتے کہ تم کس مصیبت میں مبتلا ہو اور تم کہاں تک پہنچ گئے؟ کیا تم کسی ایک شخص کو نہیں دیکھتے جو تمہارے رب کے ہاں تمہاری شفاعت کرے؟ تو کچھ لوگ دوسرے بعض سے کہیں گے تمہارے باپ آدم (علیہ السلام) ہیں پس وہ ان کے پاس جا کر کہیں گے اے آدم! اے انسانوں کے باپ! اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے دست قدرت سے پیدا فرمایا اور آپ میں اپنی روح پھونکی' فرشتوں کو حکم دیا کہ آپ کو سجدہ کریں اور آپ کو جنت میں ٹھہرایا کیا آپ ہمارے لئے اپنے رب کے ہاں سفارش نہیں کریں گے کیا آپ نہیں دیکھتے کہ ہم کس مصیبت میں ہیں اور ہمیں کس قدر مصیبت پہنچی ہے؟

وہ فرمائیں گے آج میرا رب اس قدر غضب میں ہے کہ اس سے پہلے اتنا غضب نہیں فرمایا اور نہ اس کے بعد اس طرح غضب فرمائے گا اس نے مجھے درخت (کے قریب جانے) سے منع کیا تو مجھ سے حکم عدولی ہوگئی (بظاہر حکم عدولی ہے ورنہ آپ درخت کے قریب نہیں گئے تھے' شیطان نے پھل لا کر دیا تھا) مجھے اپنے نفس کی فکر ہے (تین مرتبہ فرمائیں گے) میرے علاوہ کسی کے پاس جاؤ حضرت نوح (علیہ السلام) کے پاس جاؤ پس وہ حضرت نوح علیہ السلام کے پاس جا کر عرض کریں گے اے نوح علیہ السلام! آپ زمین والوں کی طرف پہلے رسول ہیں اور اللہ تعالیٰ نے آپ کا نام "شکر گزار بندہ" رکھا ہے کیا آپ نہیں دیکھتے ہم کس مصیبت میں مبتلا ہیں اور ہمیں کس قدر تکلیف پہنچی ہے کیا آپ ہمارے لئے اپنے رب کے ہاں شفاعت نہیں کرتے؟

وہ فرمائیں گے میرے رب نے آج وہ غضب فرمایا کہ اس سے پہلے کبھی نہیں فرمایا اور نہ اس کے بعد اس طرح غضب فرمائے گا مجھے ایک (خاص مقبول) دعا دی گئی تھی میں نے وہ اپنی قوم کے خلاف مانگ لی مجھے اپنے نفس کی فکر ہے

تین بار فرمائیں گے۔ میرے علاوہ کسی اور کے پاس جاؤ حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کے پاس جاؤ چنانچہ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس جائیں گے اور کہیں گے آپ اللہ کے نبی اور زمین والوں میں سے اس کے خلیل ہیں اپنے رب کے ہاں ہماری سفارش کیجئے کیا آپ نہیں دیکھتے کہ ہم کس پریشانی میں مبتلا ہیں؟

وہ ان سے فرمائیں گے میرے رب نے آج وہ غضب فرمایا کہ اس کی مثل نہ اس سے پہلے فرمایا اور نہ اس کے بعد ایسا غضب فرمائے گا۔ میں نے تین بار بظاہر خلاف واقعہ بات کہی ہے آپ ان تین باتوں کا ذکر کریں گے۔ [1] مجھے اپنے نفس کی فکر ہے (تین بار فرمائیں گے) میرے علاوہ کسی اور کے پاس جاؤ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ پس وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس جائیں گے اور کہیں گے اے موسیٰ علیہ السلام! آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اس نے اپنی رسالت اور کلام کے ساتھ آپ کو لوگوں پر فضیلت عطا کی کیا آپ نہیں دیکھتے ہم کس پریشانی میں مبتلا ہیں آپ اپنے رب کے ہاں ہماری شفاعت فرمائیں۔

وہ فرمائیں گے بے شک میرے رب نے آج وہ غضب فرمایا کہ اس سے پہلے ایسا غضب نہیں فرمایا اور نہ اس کے بعد اس طرح غضب فرمائے گا اور میں نے ایک شخص کو قتل کیا حالانکہ مجھے اس کو قتل کرنے کا حکم نہیں دیا گیا تھا۔ [2]

مجھے اپنے نفس کی فکر ہے (تین بار فرمائیں گے) تم میرے علاوہ کسی کی طرف جاؤ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف جاؤ پس وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جائیں گے اور کہیں گے اے عیسیٰ! (علیہ السلام) آپ اللہ تعالیٰ کے رسول اور اس کا کلمہ ہیں جو اس نے حضرت مریم علیہا السلام کی طرف ڈالا اور اس کی طرف سے روح ہیں آپ نے پنگھوڑے میں گفتگو کی کیا آپ نہیں دیکھتے کہ ہم کس پریشانی میں مبتلا ہیں آپ اپنے رب کے ہاں ہماری شفاعت کیجئے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرمائیں گے بے شک آج میرے رب نے وہ غضب فرمایا کہ نہ اس سے پہلے ایسا غضب فرمایا نہ اس کے بعد اس طرح کا غضب فرمائے گا۔

اور وہ کسی گناہ کو ذکر نہیں کریں گے (فرمائیں گے) مجھے اپنی فکر ہے (تین بار فرمائیں گے) میرے علاوہ کسی کے پاس جاؤ حضرت محمد ﷺ کے پاس جاؤ چنانچہ وہ حضرت محمد ﷺ کے پاس حاضر ہو کر کہیں گے اے محمد! ﷺ آپ اللہ تعالیٰ کے رسول اور آخری نبی ہیں اللہ تعالیٰ نے آپ کے توسل سے آپ کے پہلوں اور پچھلوں کے گناہ بخش دیئے کیا آپ نہیں دیکھتے ہم کس مصیبت میں ہیں اپنے رب کے ہاں ہماری سفارش فرمائیں۔

(نبی اکرم ﷺ فرماتے ہیں:) پس میں جاؤں گا اور عرش کے نیچے جا کر اپنے رب کے ہاں سجدہ ریز ہو جاؤں گا۔

---

[1] حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تین باتیں ایسی فرمائی تھیں جو بظاہر جھوٹ معلوم ہوتا ہے لیکن حقیقت میں جھوٹ نہیں جب بتوں کو توڑا تو بڑے بت کے بارے میں فرمایا "بل فعله کبیرهم بلکہ ان میں سے بڑے نے کیا" (حالانکہ آپ نے خود کیا) جب وہ لوگ میلے پر جا رہے تھے تو آپ نے فرمایا "انی سقیم میں بیمار ہوں" اور ظالم بادشاہ کے سامنے تشریف لے گئے تو حضرت سارہ سے فرمایا تم کہنا یہ میرے بھائی ہیں تو ان سب سے اصل مفہوم مراد نہیں۔ کبیرهم پر عطف ہو تب اعتراض ہے اور فعله پر عطف ہو تو اعتراض نہیں ہوتا آپ کا مقصد یہ تھا کہ جو بڑا ہے اور وہ آپ خود تھے۔ بیماری سے مراد یہ کہ میں تمہارے عقیدے سے متفق نہیں اور بہن سے دین کے اعتبار سے بہن مراد ہے کیونکہ بادشاہ ظالم تھا۔ لہٰذا یہ حقیقتاً جھوٹ نہیں۔ ۱۲ ہزاروی

[2] حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک قبطی کو تھپڑ مارا جو اسرائیلی کو مار رہا تھا تو وہ قبطی مر گیا۔ ۱۲ ہزاروی

پھر اللہ تعالیٰ مجھ پر اپنی تعریفوں اور اچھی ثناء سے وہ باتیں ظاہر کرے گا جو مجھ سے پہلے کسی پر ظاہر نہیں کیں پھر کہا جائے گا اے محمد! ﷺ اپنا سر مبارک اٹھائیں سوال کریں آپ کو عطا کیا جائے گا اور سفارش کریں آپ کی شفاعت قبول کی جائے گی پس میں اپنا سر اٹھا کر کہوں گا اے میرے رب! میری امت کو بخش دے اے میرے رب! میری امت کو بخش دے پس کہا جائے گا اے محمد! اپنی امت میں سے جس کو چاہیں کسی حساب کے بغیر جنت کے دروازوں میں سے دائیں دروازوں سے داخل کر دیں اور دوسرے دروازوں میں وہ دوسرے لوگوں کے ساتھ شریک ہوں گے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۳۲۷' صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۳۴۰-۴۷۱۲)

سوال: "فتح الباری میں فرمایا کہ "حضرت نوح علیہ السلام سے یہ کہنا کہ "آپ زمین والوں میں سے سب سے پہلے رسول ہیں" تو حضرت آدم علیہ السلام نبی' مرسل ہیں اسی طرح حضرت شیث اور حضرت ادریس علیہ السلام بھی (نبی) مرسل ہیں) اور وہ حضرت نوح علیہ السلام سے پہلے ہیں؟

جواب: (اس اعتراض کے) جوابات کا خلاصہ یہ ہے کہ اولیت' زمین والوں کے ساتھ مقید ہے کیونکہ حضرت آدم علیہ السلام اور ان کے ساتھ جن کا ذکر کیا گیا ہے وہ زمین والوں کی طرف نہیں بھیجے گئے یا یہ کہ وہ تینوں نبی تھے' رسول نہیں تھے حضرت آدم علیہ السلام کے بارے میں ابن بطال کا رجحان اسی بات کی طرف ہے۔

لیکن قاضی عیاض رحمہ اللہ نے اس پر حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی حدیث سے اعتراض کیا جسے ابن حبان نے صحیح قرار دیا اور وہ صریح کی طرح کہ وہ (آدم علیہ السلام) مرسل تھے اور اس حدیث میں حضرت شیث علیہ السلام پر صحیفے اتارنے کا واضح ذکر ہے اور وہ ارسال کی علامات میں سے ہے اور حضرت ادریس علیہ السلام کے بارے میں ایک جماعت اس بات کی طرف گئی ہے کہ آپ بنی اسرائیل میں سے تھے۔

ایک جواب یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی رسالت ان کے بیٹوں کی طرف تھی اور وہ توحید پر تھے مقصد یہ تھا کہ ان کو اپنی شریعت کی تعلیم دیں اور حضرت نوح علیہ السلام کی رسالت کافروں کی طرف تھی کہ ان کو توحید کی دعوت دیں۔

امام غزالی رحمہ اللہ نے "کشف علوم الاخرہ میں" ذکر کیا ہے کہ میدان محشر والوں کا حضرت آدم علیہ السلام کے پاس اور پھر حضرت نوح علیہ السلام کے پاس حاضر ہونے کے درمیان ایک ہزار سال کا وقفہ ہوگا اسی طرح ہر دو نبیوں کے درمیان حتیٰ کہ ہمارے نبی ﷺ تک پہنچنے میں بھی یہ وقفہ ہوگا۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں مجھے اس سلسلے میں کسی اصل پر آگاہی نہیں ہوئی اور اس کتاب میں اکثر احادیث بے اصل ہیں لہٰذا ان میں سے کسی بات سے دھوکا نہیں کھانا چاہیے۔ [1]

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا:

لست بصاحب ذاک انما کنت خلیلا من وراء وراء. میں اس منصب کے لائق نہیں ہوں' یہ مقام بہت پیچھے ہے۔

---

[1] امام بدرالدین عینی نے اس بات پر تنقید کی ہے کہ امام عسقلانی نے جو کچھ فرمایا ہے یہ حضرت امام غزالی رحمہ اللہ کی شان کے مناسب نہیں اور کسی بات پر عدم آگاہی سے یہ لازم نہیں آتا کہ دوسروں کو بھی اس سے آگاہی نہ ہو۔ (زرقانی ج ۸ ص ۳۷۴)

دونوں (وراء وراء) میں ہمزہ پر زبر ہے اور تنوین نہیں ہے۔

اور اضافت نہ ہونے کی وجہ سے دونوں مبنی بر ضم بھی ہو سکتے ہیں۔ جیسے ''من قبل'' اور ''من بعد'' اضافت سے منقطع ہونے کی وجہ سے ان پر ضمہ ہے۔ اس بات کو ابوالبقاء نے اختیار کیا۔

اخفش نے کہا کہ کہا جاتا ہے ''لقیتہ من وراء'' ضمہ کے ساتھ ہے اور شاعر نے کہا:

اذا انا لم اومن علیک ولم یکن   لقاؤک الا من وراء وراء

''جب میں تجھ سے بے خوف نہ ہوں اور تمہاری ملاقات نہ ہو مگر فلاں فلاں کے بعد''۔

ان دونوں (وراء وراء) پر نصب اور تنوین بھی جائز ہے اور عمدہ ہے۔

ابوعبداللہ الابی (محمد بن خلفہ بن عمر المالکی محدث حافظ فقیہہ ناظم مفسر متوفی ۸۲۷ھ) نے کہا: (الاعلام ج ۶ ص ۱۱۵ البدر الطالع ج ۲ ص ۱۶۹ نیل الابتہاج رقم الحدیث: ۴۸۷ شجرۃ النور ج ۱ ص ۲۴۴ معجم المطبوعات رقم الحدیث: ۳۶۳ کشف الظنون ج ۱ ص ۵۵۷۔۱۲۵۶)

اس کا معنیٰ یہ ہے کہ میں قریب کرنے اور رہنمائی کرنے میں حبیب کی طرح نہ تھا۔ کہا گیا ہے کہ اس کی مراد یہ ہے کہ مجھے جو فضیلت دی گئی وہ حضرت جبریل علیہ السلام کے واسطہ سے تھی تم حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ جن سے اللہ تعالیٰ نے بلاواسطہ کلام کیا۔

لفظ وراء کا تکرار ہمارے نبی ﷺ کی طرف اشارہ ہے کیونکہ آپ کو دیدار خداوندی اور کلام الٰہی کی سماعت بلاواسطہ حاصل ہوئی گویا انہوں نے فرمایا میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد ہوں اور وہ حضرت محمد ﷺ کے بعد ہیں اس سلسلے میں مزید گفتگو خصائص کے بیان میں ہو چکی ہے۔

اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بظاہر خلاف واقعہ تین باتوں کا ذکر کیا تو امام بیضاوی نے فرمایا کہ یہ کلام کے اشارات سے ہے لیکن جب ظاہر میں جھوٹ کی صورت تھی تو آپ نے یہ خوف محسوس کیا کہ آپ شفاعت نہیں کر سکیں گے کیونکہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی پہچان زیادہ رکھتا ہے اور اس کو اس کے ہاں زیادہ قرب حاصل ہوتا ہے وہ زیادہ ڈرتا ہے۔

اور یہ فرمانا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کسی گناہ کا ذکر نہیں کریں گے تو ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث میں جسے امام احمد اور امام نسائی نے ذکر کیا ہے یوں آیا ہے کہ (وہ فرمائیں گے) مجھے اللہ تعالیٰ کے سوا معبود قرار دیا گیا۔

حضرت نضر بن انس رضی اللہ عنہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ وہ فرماتے ہیں مجھ سے اللہ کے نبی ﷺ نے بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: کہ میں پل صراط کے پاس کھڑا اپنی امت کا انتظار کروں گا کہ اچانک حضرت عیسیٰ علیہ السلام آئیں گے اور کہیں گے اے محمد! (ﷺ) یہ انبیاء کرام آپ کے پاس آئے ہیں اور آپ سے سوال کرتے ہیں کہ آپ اللہ تعالیٰ سے دعا مانگیں وہ تمام امتوں کے اجتماع کو جس طرف چاہے بکھیر دے کیونکہ وہ سخت مشکل میں ہیں۔

تو ان روایات سے نبی اکرم ﷺ کے اس وقت کھڑے ہونے کا مقام متعین ہوا اور یہ سب کچھ جو وہاں کھڑے ہونے والوں کا کلام بیان ہوا کفار کے جہنم میں گرنے کے بعد پل صراط کے پاس ہوگا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہی ہمارے نبی ﷺ کو خطاب کریں گے اور یہ کہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام آپ سے اس سلسلے میں سوال کریں گے۔

ابن ابی شیبہ نے حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کی جو حدیث نقل کی ہے اس میں یوں ہے کہ وہ سب حضرت محمد

(ﷺ) کے پاس آ کر کہیں گے اے اللہ کے نبی! اللہ تعالیٰ نے (ہر بھلائی کا دروازہ) آپ کے ذریعے کھولا اور آپ پر (سلسلۂ نبوت) ختم کیا' آپ کے سبب سے اگلوں پچھلوں کے گناہ بخش دیئے اور آپ اس مقام پر تشریف لائے' آپ دیکھ رہے ہیں کہ ہم کس پریشانی میں ہیں؟ پس ہمارے لئے ہمارے رب کے ہاں سفارش کیجئے تو آپ فرمائیں گے میں تمہارا صاحب ہوں (اسی کام کے لیے متعین ہوں) تو آپ' لوگوں کے درمیان سے نکل کر جنت کے دروازے تک پہنچ جائیں گے۔

سوال: نبی اکرم ﷺ کا وہاں سے جنت کی طرف منتقل ہونے میں کیا حکمت ہے؟

جواب: میدان محشر جب پیشی اور حساب کا مقام ہے تو وہ خوف اور ڈر کی جگہ ہے اور شفاعت کرنے والوں کے لئے مناسب ہے کہ عزت واکرام کے مقام پر کھڑے ہوں۔

ابویعلیٰ نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے مرفوع حدیث نقل کی ہے (کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:) پس میں اللہ تعالیٰ کے لیے سجدہ کروں گا کہ وہ اس کی وجہ سے مجھ سے راضی ہوگا اور میں اس کی مدح کروں گا کہ وہ اس کے باعث مجھ سے راضی ہوگا۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام آپ کی طرف آئیں گے تو آپ سجدہ ریز ہو جائیں گے اور یہ (دنیا کے) ایک ہفتہ کے برابر ہوگا پس کہا جائے گا اے محمد! ﷺ اپنا سر انور اٹھایئے۔
(عند ابی عوانہ)

حضرت نضر بن انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ جبریل علیہ السلام کی طرف وحی فرمائے گا کہ حضرت محمد ﷺ کے پاس جا کر ان سے کہیں کہ اپنے سر انور اٹھا لیجئے۔

اس بنیاد پر معنی یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ حضرت جبریل علیہ السلام کی زبان سے مجھ سے فرمائے گا اور ظاہر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو سجدے سے پہلے' اس کے بعد اور اس کے اندر اپنی حمد کرنے کا الہام فرمائے گا اور ہر مقام پر اس کے مناسب ہوگا' کیونکہ ایک روایت میں آیا ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑا ہوں گا تو وہ ایسی تعریفیں میرے دل میں ڈالے گا جن پر میں قادر نہیں ہوں گا پھر میں سجدے میں چلا جاؤں گا۔ (صحیح بخاری ومسلم)

اور ''صحیح بخاری کی'' ایک روایت میں ہے کہ میں اپنا سر اٹھاؤں گا اور اپنے رب کی تعریف کروں گا جو مجھے سکھائے گا۔

''صحیح بخاری ومسلم میں'' حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں عرش کے نیچے آ کر اپنے رب کے حضور سجدہ ریز ہو جاؤں گا پھر اللہ تعالیٰ مجھ پر اپنی تعریف اور اچھی ثناء سے ایسی باتیں ظاہر کرے گا جو مجھ سے پہلے کسی کے لئے نہیں کھولیں پھر کہا جائے گا اے محمد! (ﷺ) اپنا سر انور اٹھایئے۔

''صحیح بخاری کی'' ایک روایت میں حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے جسے وہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا پھر میں شفاعت کروں گا تو میرے لئے ایک حد واضح ہوگی پھر ان کو جہنم سے نکال کر جنت میں داخل کروں گا۔

طیبی فرماتے ہیں مطلب یہ ہے کہ میرے لئے شفاعت کے طریقوں میں سے ایک طریقہ بیان کیا جائے گا میں اس پر ٹھہر جاؤں گا اور اس سے تجاوز نہیں کروں گا مثلاً وہ فرمائے گا میں نے ان لوگوں کے بارے میں آپ کی شفاعت قبول کی جنہوں نے جماعت میں کوتاہی کی پھر جنہوں نے نماز میں کوتاہی کی پھر ان کے بارے میں جو شراب پیتے تھے پھر زنا کار لوگوں کے بارے میں اسی طریقے پر ہوتا رہے گا۔

جس بات پر احادیث کا سیاق دلالت کرتا ہے وہ یہ ہے کہ اس (جہنم) سے نکالے جانے والوں کے اعمال صالحہ میں مراتب کی وضاحت ہوتی ہے۔ جس طرح امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت یحییٰ قطان کے واسطہ سے حضرت سعید بن عروبہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔

امام احمد نے حضرت ثابت رضی اللہ عنہ کی روایت میں نقل کیا کہ (حضور علیہ السلام نے فرمایا:) میں کہوں گا اے میرے رب! میری امت' میری امت' تو وہ فرمائے گا آپ ہر اس شخص کو نکال لیں جس کے دل میں جو کے برابر (بھی ایمان) ہے۔ حضرت سلمان کی روایت میں ہے کہ آپ ہر اس شخص کی شفاعت فرمائیں گے جس کے دل میں گندم کے دانے کے برابر (ایمان) ہوگا پھر جو کے برابر اور پھر رائی کے برابر' تو یہ مقام محمود ہے۔

"صحیح مسلم میں" حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے:

ارجعوا فمن وجدتم فی قلبہ مثقال دینار من خیر.

واپس جاؤ پس جس کے دل میں دینار کے برابر نیکی پاؤ (اسے میری رحمت سے جنت میں داخل کرو)۔

قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں: کہا گیا ہے کہ خیر کا معنیٰ ایمان کے ساتھ یقین ہے۔

اور "صحیح بخاری میں" حضرت انس رضی اللہ عنہ کا جو قول ہے کہ "ان کو جہنم سے نکال لیں" تو داؤدی نے کہا اس حدیث کے راوی نے ایسی چیز پر سواری کی جس کی کوئی اصل نہیں۔ اس لئے کہ حدیث کے شروع میں میدان محشر کی سختی سے آرام پانے کے لئے شفاعت کا ذکر ہے اور اس کے آخر میں جہنم سے نکالنے کی شفاعت کا ذکر ہے یعنی یہ میدان محشر سے پھرنے' پل صراط پر سے گزرنے اور اس حالت میں جہنم میں گرنے والوں کے گرنے کے بعد ہوگا پھر اس کے بعد (جہنم سے) نکالنے کے لیے شفاعت ہوگی اور یہ مضبوط اعتراض ہے۔

امام نووی رحمہ اللہ نے اور اس سے پہلے قاضی عیاض رحمہ اللہ نے اس کا جواب یوں دیا ہے کہ حضرت حذیفہ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے پس وہ حضرت محمد علیہ السلام کے پاس آئیں گے اور آپ کھڑے ہوں گے اور آپ کو شفاعت کی اجازت دی جائے گی اور آپ کے ساتھ امانت اور رحم کو بھیجا جائے گا تو وہ دونوں پل صراط کے دونوں پہلوؤں میں دائیں بائیں کھڑے ہوں گے یعنی پل صراط کی دونوں جانب (کھڑے ہوں گے)۔

قاضی عیاض رحمہ اللہ نے فرمایا یہ کلام کی تفصیل ہے۔

کیونکہ میدان محشر میں جس شفاعت کے لئے لوگ مجبور ہوں گے وہ وہاں ٹھہرنے کی پریشانی سے لوگوں کے آرام پانے کے لئے ہوگی پھر (جہنم سے) نکالنے کے لئے شفاعت ہوگی۔

امانت اور رحم کے (پل صراط کے دونوں طرف) کھڑا ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ان دونوں کی عظمتِ شان اور بڑائی

(بعض نسخوں میں خوف کا لفظ ہے) کی وجہ سے بندوں پر ان کی رعایت حق کے سلسلے میں جو کچھ لازم ہے ان کو امین اور خائن' صلہ رحمی کرنے والے اور قطع تعلق کرنے والے کے لئے کھڑا کیا جائے گا پس یہ اہل حق کی طرف سے لڑیں گے اور جھوٹوں کے خلاف گواہی دیں گے۔

میدان محشر میں جو کچھ ہوگا اس کی ترتیب

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں میدان محشر میں جمع ہونے کے ذکر کے بعد کے بارے میں آیا ہے کہ ہر امت کو اس کے پیچھے چلنے کا حکم ہوگا جس کی وہ پوجا کرتی تھی پھر منافقوں کو مؤمنوں سے جدا کیا جائے گا پھر پل صراط کو رکھنے اور اس پر سے گزرنے کے بعد شفاعت ہوگی تو گویا ہر امت کو اپنے معبود کے پیچھے چلنے کا حکم سب سے پہلا فیصلہ ہوگا اور پھر محشر کی تکلیف سے راحت دی جائے گی۔

اس طریقے پر احادیث کے مضامین کو جمع اور ان کے معانی کو ترتیب دی جاسکتی ہے۔

پس ظاہر ہوا کہ پہلی شفاعت مخلوق کے درمیان فیصلہ کے لئے ہوگی اور ان لوگوں کے لئے شفاعت جو جہنم میں گرنے کے بعد نکالے جائیں گے' بعد میں ہوگی' اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہونا' میزان اور صحیفوں کا اڑنا اسی جگہ ہوگا پھر آواز دی جائے گی کہ ہر امت اسے تلاش کرے جس کی وہ پوجا کرتے تھے پس کافر آگ میں گریں گے پھر مؤمنوں اور منافقوں کے درمیان سجدے کے ذریعے امتحان ہوگا جب کشفِ ساق ہوگا (اس کا مطلب اللہ تعالیٰ جانتا ہے) پھر پل صراط رکھنے اور اس پر گزرنے کا حکم ہوگا تو منافقین کا نور بجھ جائے گا تو وہ بھی آگ میں گر جائیں گے اور مومن اس پر سے گزر کر جنت میں جائیں گے' گناہ گاروں میں سے بعض گر جائیں گے اور جو نجات پائیں گے ان کو پل کے پاس کھڑا کیا جائے گا تاکہ ان کے درمیان حساب وکتاب ہو پھر وہ جنت میں داخل ہوں گے۔

نبی اکرم ﷺ کی شفاعت کی اقسام

امام نووی رحمہ اللہ نے اور ان سے پہلے قاضی عیاض رحمہ اللہ نے فرمایا کہ شفاعت کی پانچ اقسام ہیں:

(۱) میدان محشر کی پریشانی سے آرام پہنچانے کے لئے۔

(۲) ایک جماعت کو حساب کے بغیر جنت میں داخل کرنے کے لئے۔

(۳) ایک جماعت جن کا محاسبہ ہوا اور وہ عذاب کے مستحق ہوئے ان کو عذاب سے بچانے کے لئے۔

(۴) جو نافرمان لوگ جہنم میں داخل کیے گئے ان کو نکالنے کے لئے۔

(۵) درجات کی بلندی کے لئے۔

پہلی شفاعت

یہ شفاعت لوگوں کو میدان محشر کی پریشانی سے راحت پہنچانے کے لئے ہوگی اس پر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اور دیگر حضرات کی حدیث جو پہلے گزر چکی ہے دلالت کرتی ہے اور ''صحیح بخاری میں'' حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث مروی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں:

اللہ تعالیٰ قیامت کے دن لوگوں کو جمع کرے گا تو وہ کہیں گے اگر ہم اپنے رب کے ہاں شفاعت پیش کریں حتیٰ کہ وہ ہمیں اس مقام سے راحت عطا فرمائے (تو اچھا ہے) پس وہ حضرت آدم علیہ السلام کے پاس حاضر ہو کر عرض کریں گے آپ وہ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے دست قدرت سے پیدا کیا اور آپ میں اپنی روح پھونکی' اور فرشتوں کو حکم دیا کہ وہ آپ کو سجدہ کریں تو آپ اپنے رب کے ہاں ہماری شفاعت فرمائیں وہ فرمائیں گے میرا یہ منصب نہیں اور وہ اپنی لغزش کا ذکر کریں گے (اور فرمائیں گے) حضرت نوح علیہ السلام کے پاس جاؤ۔

نبی اکرم ﷺ نے ایک ایک نبی کے پاس جانے کا ذکر کیا یہاں تک کہ فرمایا وہ میرے پاس آئیں گے تو میں اپنے رب سے اجازت طلب کروں گا جب میں اسے دیکھوں گا تو سجدہ میں چلا جاؤں گا' اللہ تعالیٰ جب تک چاہے گا مجھے اس حالت پر رکھے گا پھر مجھے کہا جائے گا اپنا سر اٹھائیں' سوال کریں آپ کو عطا کیا جائے گا اور کہیں آپ کی بات سنی جائے گی' شفاعت کریں آپ کی شفاعت قبول کی جائے گی۔

پس میں اپنا سر اٹھاؤں گا اور اپنے رب کی تعریف کروں گا جس کی (وہ) مجھے تعلیم دے گا۔

دوسری شفاعت

ایک جماعت کو حساب کے بغیر جنت میں داخل کرنا' اس بات پر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کا آخری حصہ دلالت کرتا ہے' جو صحیح بخاری و مسلم میں ہے' اور پہلے ذکر کی گئی ہے کہ آپ نے فرمایا: میں اپنا سر اٹھاؤں گا اور کہوں گا اے میرے رب! میری امت (کو بخش دے) اے میرے رب! میری امت (کو بخش دے) تو کہا جائے گا اے محمد! (ﷺ) اپنی امت میں سے ان لوگوں کو جن پر کوئی حساب نہیں' جنت کے دروازوں میں سے درمیانے دروازے سے داخل کریں۔

ابو حامد (غزالی رحمہ اللہ) فرماتے ہیں: ستر ہزار وہ ہوں گے جو حساب کے بغیر جنت میں جائیں گے' ان کے لئے میزان اٹھایا نہیں جائے گا اور نہ وہ اعمال نامے (صحیفے) لیں گے اور یہ صحیفے اس طرح ہوں گے کہ وہ برأت نامے ہوں گے اور ان پر لکھا ہوگا:

لا الہ الا اللہ' ھذہ براۃ فلان ابن فلان قد غفرلہ وسعد سعادۃ لا شقاء بعدھا ابدا۔

اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں یہ فلاں بن فلاں کی برأت ہے' اسے بخش دیا گیا اور ایسی سعادت مندی عطا کی گئی کہ اس کے بعد کبھی بد بخت نہیں ہوگا تو وہ اس مقام سے زیادہ سرور والی کسی چیز سے نہیں گزرے گا۔

تیسری شفاعت

وہ جماعت جن کا حساب ہو گیا ان کو عذاب سے بچانے کے لئے شفاعت ہو گی اور یہ بات حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث میں ہے جو امام مسلم نے نقل کی ہے کہ تمہارے نبی ﷺ پل صراط پر: "رب سلم سلم. اے رب! لے بچائے" فرما رہے ہوں گے۔

چوتھی شفاعت

جو گناہ گار جہنم میں داخل ہوں گے ان کو نکالنے کے لئے شفاعت ہوگی اس کے دلائل بے شمار ہیں۔ امام بخاری رحمہ
اللہ نے حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا کہ ایک جماعت حضرت محمد ﷺ کی شفاعت سے جہنم
سے نکلے گی پس وہ جنت میں داخل ہوں گے اور ان کو جہنمی کہا جائے گا۔[1]

پانچویں شفاعت

یہ شفاعت درجات کی بلندی کے لئے ہوگی۔ امام نووی رحمہ اللہ نے "الروضہ" میں فرمایا کہ یہ نبی اکرم ﷺ کے
خصائص میں سے ہے اور انہوں نے اس پر کوئی دلیل ذکر نہیں کی۔ واللہ اعلم

حضرت قاضی عیاض رحمہ اللہ نے شفاعت کی چھٹی قسم بھی ذکر کی ہے اور یہ شفاعت وہ ہے جو نبی اکرم ﷺ نے
اپنے چچا ابو طالب کے لئے ان کے عذاب میں تخفیف کے لئے فرمائی ہے' جیسا کہ صحیح حدیث میں ثابت ہے حضرت عباس
رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ ابو طالب آپ کی حفاظت کرتے' آپ کی مدد کرتے اور آپ
کے لئے (دوسروں پر) غضبناک ہوتے تھے کیا اس کا ان کو فائدہ ہوا؟ آپ نے فرمایا ہاں میں نے ان کو جہنم (کی آگ)
میں غوطہ زن پایا تو ان کو یہاں تک لے آیا کہ عذاب ان کے ٹخنوں تک ہے۔

صحیح حدیث میں حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ کی سند سے یہ بھی مروی ہے کہ آپ نے فرمایا شاید قیامت کے دن ان کو
میری شفاعت فائدہ دے تو وہ جہنم میں کم عذاب میں ہوں گے جو ان کے ٹخنوں تک ہوگا جس سے ان کا دماغ کھول جائے
گا۔

بعض حضرات نے ساتویں شفاعت کا اضافہ کیا ہے اور یہ شفاعت اہل مدینہ کے لئے ہوگی۔ حضرت سعد رضی اللہ
عنہ سے مرفوعاً مروی ہے کہ جو شخص مدینہ طیبہ کی سختیاں برداشت کرے گا میں اس کے لئے قیامت کے دن گواہ یا (فرمایا)
شفاعت کرنے والا ہوں گا۔

اس پر حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے اعتراض کیا کہ شفاعت کا تعلق پہلی پانچ قسموں میں سے کسی ایک سے ہی
ہے' اس سے باہر نہیں۔

نیز اگر اس طرح شمار کرنے لگیں تو عبد الملک بن عباد کی حدیث بھی شمار کی جائے وہ فرماتے ہیں میں نے نبی اکرم
ﷺ سے سنا آپ فرماتے تھے: سب سے پہلے میں اہل مدینہ کی شفاعت کروں گا پھر اہل مکہ کے لئے اور پھر طائف
والوں کے لئے' اس حدیث کو امام بزار نے نقل کیا۔

دوسری شفاعت اس کے لئے ہے جو آپ کی قبر شریف کی زیارت کرے اور ایک شفاعت اس کے لئے جو مؤذن کی

[1] "صحیح بخاری میں ہے" حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے کہ جہنم سے ایک جماعت نکالی جائے گی اور وہ جل چکے ہوں گے پھر ان
کو جنت میں داخل کیا جائے گا اور جنتی لوگ ان کو جہنمی کے نام سے پکاریں گے" طبرانی میں یہ اضافہ ہے کہ "ان کے چہروں کی سیاہی کی وجہ
سے اس نام سے پکاریں گے وہ کہیں گے اے ہمارے رب! ہم سے اس نام کو زائل کر دے تو اللہ تعالیٰ ان کو حکم دے گا پس وہ جنت کی نہر میں
[illegible]

سلسلے میں نبی اکرم ﷺ سے یہ الفاظ منقول ہیں کہ آپ نے فرمایا "یا رب امتی امتی" پس ان کے لئے دعا فرمائیں گے تو قبول ہوگی اور دوسرے اس سلسلے میں ان کے تابع ہوں گے۔

یہ بھی احتمال ہے کہ دوسری شفاعت مراد ہو یعنی جس کے ذریعے ایک جماعت حساب کے بغیر جنت میں داخل ہوگی اور یہ اس امت کے ساتھ خاص ہے اس سلسلے میں حدیث میں آیا ہے رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

یدخل من امتی الجنة سبعون الفا بغیر حساب. (صحیح بخاری و مسلم)

میری امت میں سے ستر ہزار افراد حساب کے بغیر جنت میں داخل ہوں گے۔

اور یہ بات باقی امتوں کے بارے میں منقول نہیں ہے۔

یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس سے مطلق شفاعت مراد ہو جو پانچوں شفاعتوں میں مشترک ہے اور دوسری امتوں کا ان سب میں یا بعض میں اس امت کے ساتھ شریک ہونا اس بات کے منافی نہیں کہ نبی اکرم ﷺ کی آخری دعا آپ کی امت کی شفاعت کے لئے ہو ممکن ہے آپ دوسری امتوں کے لوگوں کے لئے شفاعت نہ فرمائیں بلکہ ان کے لئے خود ان کے اپنے انبیاء کرام علیہم السلام شفاعت کریں۔

یہ بھی ہوسکتا ہے کہ دوسروں کے لئے شفاعت ضمنی طور پر ہو جس طرح شفاعت عظمیٰ کے سلسلے میں پہلے ذکر ہو چکا ہے۔ واللہ اعلم

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

انی لارجو ان اشفع یوم القیامة عدد ما فی الارض من شجرة ومدرة. (مسند احمد)

مجھے امید ہے کہ میں قیامت کے دن زمین میں پائے جانے والے درختوں اور ڈھیلوں کی گنتی کے برابر (لوگوں) کی شفاعت کروں گا۔

حساب اور جزاء

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

نحن آخر الامم و اول من یحاسب یقال این الامة الامیة ونبیها فنحن الاخرون الاولون. (سنن ابن ماجہ)

ہم تمام امتوں کے آخری ہیں اور سب سے پہلے ہمارا (اس امت کا) حساب ہوگا کہا جائے گا (کسی سے نہ پڑھے ہوئے نبی کی امت) امی امت اور اس کے نبی کہاں ہیں؟ پس ہم سب سے آخر (اور) سب سے پہلے ہیں۔

ابوداؤد طیالسی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً روایت کیا کہ جب اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کے درمیان فیصلے کا ارادہ فرمائے گا تو ایک ندا کرنے والا اعلان کرے گا حضرت محمد ﷺ اور آپ کی امت کہاں ہے؟ پس میں کھڑا ہوں گا اور میری امت میرے پیچھے پیچھے آئے گی اور وضو کے اثر سے ان کے اعضاء چمکتے ہوئے روشن ہوں گے۔

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: ہم سب سے پچھلے سب سے پہلے ہیں اور سب سے پہلے ہمارا حساب ہوگا اور باقی امتیں ہمارے راستے سے ہٹ جائیں گی اور وہ کہیں گے قریب تھا کہ یہ امت سب کے سب نبی ہوتے۔

اور صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ لوگوں کے درمیان سب سے پہلے خون (قتل) کا حساب ہوگا۔
''سنن نسائی میں'' مرفوعاً مروی ہے:

اول ما یحاسب علیه العبد الصلاة واول ما یقضی بین الناس فی الدماء.
سب سے پہلے بندے سے نماز کا حساب ہوگا اور سب سے پہلے لوگوں کے درمیان خونوں کا فیصلہ ہوگا۔

''صحیح بخاری میں'' حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں:
سب سے پہلے میں رحمٰن کے سامنے مقدمہ پیش کروں گا ان کی مراد وہ واقعہ ہے جب (بدر کے میدان میں) آپ کو اور آپ کے دو ساتھیوں (مطلب یہ کہ) تینوں کو لڑنے کی دعوت دی گئی۔ [1]
حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ان کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی:

هٰذٰنِ خَصْمٰنِ اخْتَصَمُوْا فِیْ رَبِّهِمْ (الحج:١٩)
یہ دو فریق ہیں جو اپنے رب (کے دین) کے بارے میں جھگڑے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:
قیامت کے دن بندے کے قدم اپنی جگہ سے نہیں ہٹیں گے حتیٰ کہ اس سے چار کاموں کے بارے میں سوال کیا جائے۔ (۱) اس کی عمر کے بارے میں کہ کہاں خرچ کی (۲) اس کے علم کے بارے میں کہ اس میں کیا عمل کیا (۳) اس کے مال کے بارے میں کہ اسے کہاں سے کمایا اور کہاں خرچ کیا (۴) اور اس کے جسم کے بارے میں کہ اسے کس کام میں فنا کیا؟ اس حدیث کو ترمذی نے روایت کیا اور فرمایا یہ حسن صحیح ہے۔
''صحیح بخاری میں'' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

من نوقش الحساب عذب.
جس سے حساب میں چھان بین ہوئی اسے عذاب دیا گیا۔

(مطلب یہ ہے کہ حساب مکمل چھان بین کے ساتھ ہوا کسی قسم کی رعایت اور چشم پوشی نہ ہوئی تو یہ بھی عذاب ہے۔ ۱۲ ہزاروی)۔

امام بزار رحمہ اللہ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے اور انہوں نے نبی اکرم ﷺ سے روایت کیا آپ نے فرمایا: قیامت کے دن انسان کے لئے تین قسم کے نامۂ اعمال نکالے جائیں گے ایک وہ نامۂ اعمال ہوگا جس میں نیک اعمال ہوں گے دوسرا وہ جس میں گناہ ہوں گے اور تیسرا وہ جس میں اس پر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا ذکر ہوگا تو اللہ تعالیٰ سب سے چھوٹی نعمت سے فرمائے گا۔ راوی فرماتے ہیں: میرا خیال ہے کہ آپ نے فرمایا نعمتوں کے رجسٹر میں سے (سب سے چھوٹی نعمت سے فرمائے گا) اس کے نیک اعمال سے اپنی قیمت وصول کرلو پس وہ (نعمت) اس کے نیک اعمال کو گھیر لے گی اور کہے گی مجھے تیری عزت کی قسم! میری قیمت پوری نہیں ہوئی جبکہ گناہ اور دیگر نعمتیں ابھی باقی ہوں گی اور

[1] میدان بدر میں کفار کی طرف سے شیبہ بن ربیعہ اس کا بھائی عتبہ بن ربیعہ اور اس کا بیٹا ولید بن عتبہ نکلے اور ان کے مقابلے میں حضرت علی المرتضیٰ حضرت حمزہ اور حضرت عبیدہ بن حارث مطلبی رضی اللہ عنہم میدان میں آئے۔ ۱۲ ہزاروی

نیک اعمال چلے جائیں گے تو اللہ تعالیٰ اپنے بندے پر رحم کا ارادہ فرمائے گا اور ارشاد فرمائے گا:

اے میرے بندے! میں نے تیرے لئے تیری نیکیوں کو دوگنا کر دیا اور تیرے گناہوں کو معاف کر دیا' راوی فرماتے ہیں: میرا خیال ہے کہ فرمایا میں نے اپنی نعمتیں تجھے ہبہ کر دیں۔

امام احمد رحمہ اللہ نے حسن سند کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ سے روایت کیا' وہ فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

قیامت کے دن ہر چیز کا بدلہ دیا جائے گا حتیٰ کہ دو بکریاں جنہوں نے ایک دوسرے کو سینگ مارے۔[1]

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے (فرماتے ہیں) اس دوران کہ رسول اکرم ﷺ تشریف فرما تھے جب ہم نے دیکھا کہ آپ مسکرا پڑے حتیٰ کہ آپ کے سامنے کے دانت مبارک ظاہر ہوئے' حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یارسول اللہ! آپ کی بات پر مسکرائے میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں؟ آپ نے فرمایا: میری امت کے دو آدمیوں کا مقدمہ رب العزت کے سامنے پیش ہوا تو ان میں سے ایک نے کہا اے میرے رب! میرے (اس) بھائی سے میرا حق لے لے' تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا تو اپنے بھائی سے کیا سلوک کرے گا جب کہ اس کی نیکیوں میں سے کچھ نہیں بچا اس نے عرض کیا اے میرے رب! میرے (گناہوں کے) بوجھ اس پر ڈال دے' نبی اکرم ﷺ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور آپ رو رہے تھے پھر فرمایا بے شک یہ بہت بڑا دن ہو گا' لوگ محتاج ہوں گے کہ ان سے ان کے بوجھ اٹھائے جائیں۔

پھر اللہ تعالیٰ نے مطالبہ کرنے والے سے فرمایا آنکھ اٹھا کر دیکھو۔ اس نے عرض کیا اے میرے رب! میں سونے اور چاندی کے شہر دیکھ رہا ہوں جن پر موتی جڑے ہوئے ہیں یہ کس نبی کے لئے ہیں؟ یا کس صدیق کے لئے ہیں؟ یا کس شہید کے لئے ہیں؟

اللہ تعالیٰ نے فرمایا جو اس کی قیمت ادا کرے اس نے عرض کیا اے میرے رب! اس کی قیمت کس کے پاس ہو گی؟ فرمایا تیرے پاس' پوچھا کس طرح؟ فرمایا اپنے بھائی کو معاف کرنے کے ذریعے (تم اس کی قیمت ادا کر سکتے ہو) اس نے کہا اے میرے رب! میں نے اس کو معاف کر دیا اللہ تعالیٰ نے فرمایا اپنے بھائی کا ہاتھ پکڑ کر اس کو جنت میں لے جاؤ اس وقت نبی اکرم ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور باہم صلح رکھو بے شک اللہ تعالیٰ (قیامت کے دن) مسلمانوں کے درمیان صلح کرائے گا۔

اس حدیث کو امام حاکم اور بیہقی نے قیامت کے دن اٹھنے کی بحث میں ذکر کیا۔

یہ دونوں عباد بن ابی شیبہ حبطی سے اور وہ حضرت سعید بن انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں امام حاکم نے فرمایا اس کی سند صحیح ہے انہوں نے اسی طرح فرمایا۔

---

[1] یہ عدل کے تقاضے پورے کرنے کے لئے ہو گا پھر ان جانوروں کو مٹی کر دیا جائے گا' حضرت امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ تمام مخلوق انسان اور جانور وغیرہ میدان محشر میں جمع کئے جائیں گے اور انصاف کا عمل ہو گا حتیٰ کہ بے سینگ بکری کا بدلہ سینگ والی بکری سے لیا جائے گا پھر ان کو مٹی کر دیا جائے گا اور یہی وقت ہے جب کافر کہے گا "یلیتنی کنت ترابا کاش میں مٹی ہو جاتا"۔ (زرقانی ج ۸ ص ۳۶۵)

منقول ہے کہ اگر کسی شخص کو ستر انبیاء کرام کے (ثواب کے) برابر ثواب ہو اور اس پر کسی شخص کا نصف دانق (درہم کا چھٹا حصہ دانق ہے) کا دعویٰ ہو تو وہ جنت میں نہیں جائے گا حتیٰ کہ اس کا مدمقابل راضی ہو جائے اور کہا گیا ہے کہ ایک دانق کے بدلے سات سو مقبول نمازیں لے کر اس کے مدعی کو دی جائیں گی یہ بات امام قشیری نے ''التحبیر'' میں ذکر کی ہے۔

حساب کا کام مکمل ہونے کے بعد اعمال کا وزن ہوگا کیونکہ وزن جزا کے لئے ہوگا پس مناسب ہے کہ محاسبہ کے بعد ہو کیونکہ وہ اعمال کا اندازہ کرنے کے لئے ہوگا اور وزن ان کی مقدار ظاہر کرنے کے لئے تاکہ جزاء اس کے حساب سے ہو۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب (قرآن مجید) میں میزان کا ذکر جمع کے صیغے سے کیا ہے جب کہ حدیث میں مفرد اور جمع دونوں طرح آیا ہے تو کہا گیا کہ واحد لفظ والی صورت اس بات پر محمول ہے کہ جنس مراد ہے اس طرح دونوں کلام جمع ہوں گے بعض حضرات نے کہا یہ بھی احتمال ہے کہ (میزان کا) متعدد ہونا اعمال کے متعدد ہونے کی وجہ سے ہو تو وہاں ایک عمل کرنے والے کے لئے کئی میزان ہوں گے' ہر میزان میں اس کے اعمال میں سے ایک قسم کے اعمال تولے جائیں گے۔

ایک جماعت اس طرف گئی ہے کہ صرف ایک میزان ہوگا جس میں سب کے اعمال تولے جائیں گے' آیت کریمہ میں جمع کا صیغہ اس کی عظمت کے لئے آیا ہے' حقیقتِ عدد مراد نہیں اور یہ اللہ تعالیٰ کے اس قول کی مثل ہے:

كَذَّبَتْ قَوْمُ نُوحٍ الْمُرْسَلِينَ ۝ (الشعراء: ۱۰۵) حضرت نوح (علیہ السلام) کی قوم نے رسولوں کو جھٹلایا۔

(حضرت نوح علیہ السلام کے لئے جمع کا صیغہ (مرسلین) عظمت کے پیش نظر ہے) مراد ایک رسول ہیں اسی توجیہ پر اعتماد ہے اور اکثر حضرات کا یہی قول ہے۔

میزان رکھنے کی کیفیت میں اختلاف ہے۔ اکثر روایات میں یوں آیا ہے کہ جنت' عرش کے دائیں جانب اور جہنم عرش کے بائیں طرف رکھی جائے گی پھر میزان کو لا کر اللہ تعالیٰ کے سامنے نصب کیا جائے گا۔

پس نیکیوں کا پلڑا جنت کے مقابل اور گناہوں کا پلڑا جہنم کے مقابل رکھا جائے گا۔ اس روایت کو حکیم ترمذی نے ''نوادر الاصول'' میں ذکر کیا ہے۔

جس چیز کا وزن کیا جائے گا اس میں بھی اختلاف ہے۔

بعض حضرات نے کہا کہ اعمال کو ذاتی طور پر تولا جائے گا اور یہ اگرچہ عرض ہیں (جوہر یعنی جسم نہیں ہیں) مگر قیامت کے دن ان کو مجسم کر کے وزن کیا جائے گا۔

اور بعض حضرات نے کہا کہ اعمال کے صحیفے (رجسٹر) تولے جائیں گے اور اس پر حدیث بطاقہ جو مشہور ہے' دلالت کرتی ہے اور اسے امام ترمذی رحمہ اللہ نے حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً روایت کیا ہے (نبی اکرم ﷺ نے فرمایا):

اللہ تعالیٰ قیامت کے دن میری امت میں سے ایک شخص کو مخلوق کے سامنے لائے گا اور اس پر ننانوے رجسٹر کھولے گا ہر رجسٹر حد نگاہ تک ہوگا پھر فرمائے گا کیا تو اس میں سے کسی چیز کا انکار کرتا ہے؟ کیا میرے محافظ لکھنے والے فرشتوں نے تجھ

پر کوئی ظلم کیا؟ وہ عرض کرے گا نہیں یارب! اللہ تعالیٰ فرمائے گا تجھے کوئی عذر ہے؟ وہ کہے گا نہیں؟ اے میرے رب! تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا ہاں ہمارے پاس تیری ایک نیکی ہے اور آج تجھ پر کوئی ظلم نہ ہوگا پس ایک پرچی نکالی جائے گی جس میں لکھا ہوگا "اشهد ان لا الہ الا اللہ وان محمدا عبدہ رسولہ" پھر فرمائے گا اس کے وزن کے پاس حاضر ہوتو وہ کہے گا اے میرے رب! ان (بڑے بڑے) رجسٹروں کے سامنے اس پرچی کی کیا حیثیت ہے؟

اللہ تعالیٰ فرمائے گا آج تجھ پر کوئی ظلم نہیں ہوگا' حضور ﷺ نے فرمایا ایک پلڑے میں وہ رجسٹر رکھے جائیں گے اور دوسرے پلڑے میں وہ پرچی رکھی جائے گی آپ فرماتے ہیں ان رجسٹروں کا وزن کم اور پرچی کا وزن زیادہ ہوگا پس اللہ تعالیٰ کے نام کے مقابلے میں کوئی چیز بھاری نہیں ہوتی۔ (سنن ترمذی' سنن ابن ماجہ' ابن حبان' المستدرک' البیہقی)

سوال: میزان کی شان یہ ہے کہ اس کے ایک پلڑے میں ایک چیز رکھی جائے گی اور دوسرے میں دوسری چیز' پس ایک پلڑے میں نیکیاں رکھی جائیں گی اور دوسرے میں گناہ' اور توحید کے مقابلے میں کفر ہوتا ہے اور یہ بات محال ہے کہ ایک بندہ کفر اور ایمان دونوں کو اکٹھا لائے حتیٰ کہ ایک میں ایمان اور دوسرے میں کفر رکھا جائے؟

جواب: حکیم ترمذی نے اس کا جواب یوں دیا ہے کہ میزان کے ایک پلڑے میں شہادت توحید رکھنا مراد نہیں بلکہ مقصد یہ ہے کہ اس کلمہ پر جو نیکی مرتب ہوتی ہے وہ باقی تمام نیکیوں کے ساتھ رکھی جائے گی ان کے اس قول پر حدیث شریف کے یہ الفاظ دلالت کرتے ہیں:

بلی ان لک عندنا حسنة. ہاں تیرے لئے ہمارے ہاں ایک نیکی ہے۔

یہ نہیں فرمایا کہ تمہارے لئے ہمارے ہاں ایمان ہے۔

نبی اکرم ﷺ سے "لا الہ الا اللہ" کے بارے میں پوچھا گیا کہ کیا یہ نیکیوں میں سے ہے؟ تو آپ نے فرمایا یہ نیکیوں میں سے سب سے بڑی نیکی ہے۔ اس حدیث کو امام بیہقی وغیرہ نے نقل کیا ہے۔

اور جس طرح قرطبی نے "التذکرہ" میں کہا ہے یہ بھی جائز ہے کہ دنیا میں اس کا یہ آخری کلام ہو جس طرح حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

من کان اخر کلامه لا اله الا الله دخل الجنة. (مسند احمد' سنن ابوداؤد' المستدرک) جس آدمی کا آخری کلام "لا الہ الا اللہ" ہو وہ جنت میں داخل ہوگا۔

حضرت قشیری کی "التحبیر" میں ہے کہ بعض حضرات سے خواب میں پوچھا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے ساتھ کیا سلوک کیا؟ جواب دیا میری نیکیوں کا وزن کیا تو برائیاں نیکیوں پر غالب آ گئیں پس ایک تھیلی نیکیوں کے پلڑے میں گری جس سے وہ بھاری ہوگئیں' تھیلی کھولی گئی تو اس میں مٹی کی ایک مٹھی تھی جو میں نے ایک مسلمان کی قبر پر ڈالی تھی۔

ایک حدیث شریف میں ہے کہ جب مؤمن کی نیکیوں والا پلڑا ہلکا ہوگا تو نبی اکرم ﷺ ایک پرچی نکالیں گے جو (انگلی کے) پورے جیسی ہوگی اسے میزان کے اس پلڑے میں ڈالیں گے جس میں نیکیاں ہوں گی تو نیکیاں زیادہ ہو جائیں گی۔ وہ مؤمن بندہ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں عرض کرے گا میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں آپ کا چہرہ انور کس قدر حسین اور آپ کا اخلاق کتنا اچھا ہے' آپ کون ہیں؟ آپ فرمائیں گے: میں تیرا نبی محمد ﷺ ہوں اور یہ تیرا درود شریف ہے جو تو نے مجھ پر بھیجا تھا اور جس وقت تجھے زیادہ حاجت ہے میں نے اس کا بدلہ دیا۔ (ابن ابی الدنیا)

امام غزالی رحمہ اللہ نے ذکر کیا کہ قیامت کے دن ایک شخص کو لایا جائے گا تو وہ کوئی ایسی نیکی نہیں پائے گا جس کے ذریعے اس کا (نیکیوں کا) پلڑا بھاری ہو اور دونوں پلڑے برابر ہوں گے' اللہ تعالیٰ اپنی خاص رحمت کے تحت اس سے فرمائے گا لوگوں میں جا کر کسی ایسے شخص کو تلاش کرو جو تمہیں نیکی دے اور اس کے ذریعے میں تجھے جنت میں داخل کروں تو وہ کسی ایسے شخص کو نہیں پائے گا جس سے اس سلسلے میں بات کرے مگر وہ یہی جواب دے گا کہ میں تجھ سے بھی زیادہ حاجت مند ہوں پس وہ مایوس ہو جائے گا تو ایک شخص اس سے کہے گا میں نے اللہ تعالیٰ سے ملاقات کی اور میرے نامۂ اعمال میں صرف ایک نیکی ہے اور میں خیال نہیں کرتا کہ وہ مجھے کچھ فائدہ دے گی یہ میری طرف سے بطور تحفہ قبول کر وہ اسے لے کر خوشی خوشی جائے گا تو اللہ تعالیٰ اس سے پوچھے گا تیرا کیا بنا حالانکہ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے وہ کہے گا اے میرے رب! میرا معاملہ اس طرح اس طرح حل ہوا' راوی کہتے ہیں پس اللہ تعالیٰ اس کے اس ساتھی کو جس نے اسے نیکی دی ہوگی آواز دے گا اور فرمائے گا: میرا کرم تیرے کرم سے زیادہ وسیع ہے اپنے بھائی کا ہاتھ پکڑو اور دونوں جنت میں چلے جاؤ۔

اسی طرح ایک دوسرے آدمی کے میزان کے دونوں پلڑے برابر ہوں گے تو اللہ تعالیٰ اس سے فرمائے گا: تو نہ جنتی ہے اور نہ جہنمی' تو ایک فرشتہ کاغذ لے کر آئے گا اور اس کو میزان میں رکھ دے گا اس میں لفظ ''اف'' لکھا ہوگا تو گناہوں کا پلڑا نیکیوں کے پلڑے پر غالب آ جائے گا کیونکہ یہ نافرمانی کا کلمہ ہے اسے جہنم کی طرف لے جانے کا حکم ہوگا تو وہ اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹانے کا مطالبہ کرے گا تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا اس کو واپس کرو' اللہ تعالیٰ اس سے فرمائے گا اے نافرمان بندے! تو واپسی کا مطالبہ کیوں کرتا ہے؟ وہ کہے گا اے میرے معبود! میں جہنم کی طرف جا رہا ہوں اور میں اپنے باپ کا نافرمان ہوں اور وہ بھی میری طرح جہنم کی طرف جا رہا ہے تو اس کا عذاب بھی مجھے دے اور اس کو اس سے بچا لے۔

راوی کہتے ہیں اس پر اللہ تعالیٰ ان دونوں سے راضی ہو جائے گا اور فرمائے گا تو نے دنیا میں اس کی نافرمانی کی اور آخرت میں اس سے نیکی کر رہا ہے' اس کا ہاتھ پکڑ کر جنت کی طرف لے جا۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ قیامت کے دن میزان کی ذمہ داری حضرت جبریل علیہ السلام کے پاس ہوگی اور قیامت کے دن وہی اعمال کا وزن کریں گے۔

پلڑے کے وزنی اور ہلکا ہونے کی کیفیت میں بھی اختلاف ہے بعض حضرات نے کہا آخرت میں بھاری پلڑا اوپر کو اٹھے گا اور یہ دنیوی معاملے کے برعکس ہوگا اور اس پر یہ آیت گواہ ہے:

اِلَیۡهِ یَصۡعَدُ الۡکَلِمُ الطَّیِّبُ. (الفاطر: ١٠) اچھے کلمات اسی کی طرف اٹھتے ہیں۔

زرکشی فرماتے ہیں: یہ بات غریب (غیر مشہور) ہے اور یہ اس آیت سے ٹکراتی ہے: [1]

فَاَمَّا مَنۡ ثَقُلَتۡ مَوَازِیۡنُهٗ فَهُوَ فِیۡ عِیۡشَةٍ رَّاضِیَةٍ (القارعہ: ٧) اور جس کے اوزان بھاری ہوں گے تو وہ اچھی زندگی میں ہوگا۔

اور کیا تمام اعمال تولے جائیں گے یا صرف ان کے خاتمہ کا وزن ہوگا تو حضرت وہب بن منبہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے وہ فرماتے ہیں اعمال میں سے ان کے خاتموں کا وزن ہوگا انہوں نے نبی اکرم ﷺ کے اس ارشاد گرامی سے استدلال کیا ہے:

---

[1] قرآن مجید لغت عرب میں نازل ہوا اور اہل عرب کے ہاں بھاری پلڑا نیچے کو جھکتا ہے۔ زرقانی ج ٨ ص ٣٨٩

انما الاعمال بخواتیمھا. اعمال کا دارومدار ان کے خاتمہ پر ہے۔
(صحیح البخاری رقم الحدیث:۲۶۰۷)

حافظ ابونعیم نے حضرت نافع سے اور انہوں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

من قضی لاخیہ حاجۃ کنت واقفا عند میزانہ فان رجح والا شفعت لہ. جس نے اپنے (مسلمان) بھائی کی حاجت کو پورا کیا میں اس کے میزان کے پاس کھڑا ہوں گا اگر وہ (نیکیوں کا پلڑا) بھاری ہوا تو ٹھیک ورنہ میں اس کی شفاعت کروں گا۔

پل صراط سے گزرنا

بعض اہل علم نے کہا ہے جو امام قرطبی نے ''التذکرہ میں'' نقل کیا کہ کوئی شخص پل صراط کو عبور نہیں کر سکے گا حتیٰ کہ سات پلوں پر سوال ہوگا پہلے پل پر اللہ تعالیٰ پر ایمان کے بارے میں سوال ہوگا اور وہ توحید خداوندی کی شہادت ہے اگر خلوص کے ساتھ اس نے یہ شہادت دی ہوگی تو گزر جائے گا پھر دوسرے پل پر نماز کے بارے میں سوال ہوگا اگر اس نے نماز مکمل طور پر ادا کی ہوگی تو گزر جائیگا پھر تیسرے پل پر ماہ رمضان کے روزوں کے بارے میں سوال ہوگا اگر اس نے اچھی طرح رکھے ہوں گے تو پار ہو جائے گا پھر چوتھے پل پر زکوٰۃ کے بارے میں سوال ہوگا اگر مکمل طور پر ادا کی ہوگی تو پل کو عبور کرے گا پھر پانچویں پل پر حج اور عمرہ کا سوال ہوگا اگر اس نے ان دونوں کو اچھی طرح ادا کیا ہوگا تو گزر جائے گا پھر چھٹے پل پر غسل اور وضو کے بارے میں سوال ہوگا اگر ان کو ٹھیک طریقے پر کیا ہوگا تو گزر جائے گا پھر ساتویں پل پر سوال ہوگا اور اس سے زیادہ مشکل پل نہیں ہوگا اس پر لوگوں پر کی گئی زیادتیوں (اور ان کے حقوق) کا سوال ہوگا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ نبی اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ پل صراط جہنم کی پیٹھ پر قائم کیا جائے گا میں اور میری امت اس پر سب سے پہلے گزرنے والے ہوں گے اور اس دن صرف رسل عظام کلام کریں گے اور رسولوں کی پکار یہ ہوگی ''اللھم سلم سلم یا اللہ! سلامتی سے گزار دے'' اور جہنم میں کنڈے ہوں گے جو سعدان (درخت) کے کانٹوں کی طرح ہوں گے البتہ وہ کتنے بڑے ہوں گے یہ اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے تو وہ لوگوں کو ان کے اعمال کے مطابق پکڑیں گے ان میں سے بعض اپنے عمل کے مطابق ہلاک ہوں گے اور بعض کے اعضاء رائی کے دانے کی طرح ہو جائیں گے پھر نجات پائیں گے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث:۶۵۷۳)

''صحیح مسلم میں'' حضرت حذیفہ اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ تمہارے نبی ﷺ پل صراط پر کھڑے ''رب سلم سلم'' پکارتے ہوں گے حتیٰ کہ بندوں کے اعمال (نجات دینے سے) عاجز ہو جائیں گے اور یہاں تک کہ ایک مرد آئے گا اور وہ آہستہ آہستہ چل سکے گا اور فرمایا کہ پل صراط کے دونوں کناروں پر کنڈے ہوں گے جو لٹکے ہوئے ہوں گے اور ان کو حکم ہوگا تو گزرنے والے کو پکڑیں گے پس جس کو خراشیں آئیں گی وہ نجات پائے گا اور جس کو بیڑیاں ڈالی جائیں گی وہ جہنم میں جائے گا۔

اور یہ کنڈے وہ خواہشات ہیں جن کی طرف حدیث میں اشارہ کیا گیا ہے کہ جہنم کو ''خواہشات کے ساتھ گھیرا گیا

ہے"پس خواہشات جہنم کے کناروں پر رکھی گئی ہیں تو جو شہوت کی طرف بڑھے گا وہ جہنم میں گرے گا۔ یہ بات ابن عربی نے کہی ہے۔

یہ جو کہا گیا کہ جس کو خراش آئے گی (آخر تک) تو پل صراط پر گزرنے والے تین قسم کے لوگ ہوں گے ایک وہ جو کسی خراش کے بغیر نجات پائیں گے دوسرے وہ جو پہلے مرحلے میں ہلاک ہوں گے اور تیسری قسم ان لوگوں کی ہے جو درمیان میں ہیں یعنی پہلے تکلیف پہنچے گی پھر نجات پائیں گے۔

"جامع ترمذی میں" حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث منقول ہے کہ پل صراط پر مؤمنوں کی نشانی "رب سلم سلم" کے الفاظ ہوں گے اور مؤمنوں کا شعار ہونے سے لازم نہیں آتا کہ وہ خود یہ کلمات کہیں گے بلکہ رسل عظام یہ کلمات کہیں گے وہ اہل ایمان کے لئے سلامتی کی دعا مانگیں گے تو اسے ان کا شعار کہا جائے گا۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ ان کو ان کے اعمال کے مطابق نور عطا کیا جائے گا پس ان میں سے بعض کو ان کا نور بہت بڑے پہاڑ کی طرح دیا جائے گا جو ان کے سامنے دوڑے گا۔

اس حدیث میں یہ بھی ہے کہ وہ اپنے نور کے حساب سے گزریں گے' ان میں سے بعض پلک جھپکنے کی مقدار میں گزریں گے' بعض بجلی کی طرح گزریں گے' بعض بادلوں کی طرح گزریں گے' کچھ ستاروں کے ٹوٹنے کی طرح گزریں گے کچھ ہوا کی طرح گزریں گے اور کچھ تیز رفتار سواروں کی طرح اور کچھ تیز رفتار آدمی کی طرح گزریں گے حتیٰ کہ وہ شخص جس کو پاؤں کے اوپر نور دیا جائے گا وہ اپنے چہرے' ہاتھوں اور پاؤں پر چلیں گے' کوئی ہاتھ کھینچ لیا جائے گا' کوئی لٹک جائے گا کوئی پاؤں کھینچ لیا جائے گا اور کوئی لٹک جائے گا اور اس کے کناروں کو آگ پہنچے گی اسی طرح ہوتا رہے گا حتیٰ کہ وہ نجات پائے گا پس جب نجات پائے گا تو وہاں کھڑا ہو کر کہے گا:

اللہ تعالیٰ کے لیے تمام تعریفیں ہیں جس نے وہ کچھ عطا کیا جو کسی کو نہیں دیا کہ مجھے یہ کچھ دیکھنے کے بعد نجات دی۔

امام مسلم رحمہ اللہ نے روایت کیا کہ حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ پل صراط تلوار سے زیادہ تیز اور بال سے زیادہ باریک ہوگا۔

اسی سند سے ابن مندہ سے مروی ہے حضرت سعید بن (ابی) ہلال نے فرمایا' اور امام بیہقی نے اسے حضرت انس رضی اللہ عنہ کے واسطہ سے نبی اکرم ﷺ تک سند کو پہنچایا ہے اور اسے قطعی قرار دیا لیکن اس کی سند میں کچھ کمزوری ہے۔

ابن مبارک نے عبید بن عمیر کی مرسل روایت سے نقل کیا کہ پل صراط تلوار کی طرح ہوگا اور اس کے دونوں جانب کنڈے ہوں گے۔

(اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے) وہ ایک کنڈے سے ربیعہ اور مضر قبیلے سے زیادہ افراد کو پکڑے گا۔ ابن ابی الدنیا نے اسے اسی سند سے ذکر کیا اور اس میں یہ بھی ہے کہ اس کے دونوں کناروں پر فرشتے ہوں گے جو"رب سلم سلم" کہیں گے۔

حضرت فضیل بن عیاض رحمہ اللہ سے مروی ہے' فرماتے ہیں:

ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ پل صراط کی مسافت پندرہ ہزار سال کی ہے' پانچ ہزار سال اوپر چڑھنے' پانچ ہزار سال نیچے اترنے اور پانچ ہزار سال ٹھہرنے کے' پل صراط بال سے زیادہ باریک اور تلوار سے زیادہ تیز ہوگا اور جہنم کی پشت پر ہوگا اس

سے وہ شخص گزر جائے گا جو خوف خداوندی کی وجہ سے کمزور ہوا۔ ابن عساکر نے اسے اپنے ترجمہ میں ذکر کیا اور ''فتح الباری میں'' فرمایا یہ حدیث معضل ہے' ثابت نہیں۔ (سند سے دو راوی متواتر چھوڑے گئے ہوں وہ حدیث معضل کہلاتی ہے)

حضرت سعید بن ابی ہلال فرماتے ہیں: ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ پل صراط بعض لوگوں کے لئے بال سے زیادہ باریک ہوگا اور بعض لوگوں کے لئے کشادہ وادی کی طرح ہوگا یہ حدیث ابن مبارک نے روایت کی اور یہ مرسل یا معضل ہے۔

بعض حضرات اس طرف گئے ہیں کہ ارشاد خداوندی: ''وان منکم الا واردھا (المریم:۷۱) اس (پل صراط) سے ہر ایک کو گزرنا ہے'' سے مراد پل صراط سے گزرنا ہے کیونکہ وہ جہنم کے اوپر بچھایا گیا ہے۔ ابن عساکر نے حضرت ابن عباس' ابن مسعود اور کعب احبار رضی اللہ عنہم سے روایت کیا' وہ فرماتے ہیں: ورود سے مراد پل صراط سے گزرنا ہے اور ایک قول یہ ہے کہ ورود سے داخل ہونا مراد ہے۔

حضرت ابوسمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ورود کے بارے میں ہمارے درمیان اختلاف ہوا ہم میں سے بعض نے کہا کہ اس (جہنم) میں کوئی مومن داخل نہیں ہوگا اور کچھ نے کہا کہ سب لوگ داخل ہوں گے پھر اللہ تعالیٰ ان کو نجات دے گا جنہوں نے تقویٰ اختیار کیا پس میں نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے ملاقات کی تو ان سے عرض کیا کہ ورود کے بارے میں ہمارے درمیان اختلاف ہو گیا ہے انہوں نے فرمایا سب لوگ داخل ہوں گے میں نے عرض کیا ہمارا اس بارے میں اختلاف ہے ہم میں سے بعض کہتے ہیں اس میں کوئی مومن داخل نہیں ہوگا اور بعض حضرات کہتے ہیں اس میں سب لوگ داخل ہوں گے انہوں نے اپنی انگلیوں کو کانوں کی طرف جھکایا اور فرمایا یہ بہرے ہو جائیں اگر میں نے نبی اکرم ﷺ سے نہ سنا ہو تا کہ آپ نے فرمایا: ''ورود'' سے ''دخول'' مراد ہے ہر نیک اور بد اس میں داخل ہوگا پس یہ مومنوں پر ٹھنڈک اور سلامتی ہوگی جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام پر ہوئی تھی حتیٰ کہ آپ کے لئے یا فرمایا جہنم کے لئے ان کی ٹھنڈک سے سخت چیخ و پکار ہوگی پھر اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو نجات دے گا جو متقی ہیں (مومن ہیں) اور ظالموں کو اس میں گھٹنوں کے بل چھوڑ دے گا۔

امام احمد اور امام بیہقی نے اسے عمدہ سند کے ساتھ روایت کیا۔

ابن جوزی نے مرفوع روایت نقل کی جیسا کہ قرطبی نے ''التذکرہ'' میں ذکر کیا کہ پل صراط سے پھسلنے والے بہت لوگ ہوں گے اور اس سے زیادہ پھسلنے والی عورتیں ہوں گی فرمایا جب لوگ پل صراط کے دونوں کناروں پر ہوں گے تو عرش کے نیچے سے ایک فرشتہ آواز دے گا اے اللہ کی مخلوق! پل صراط سے گزر جاؤ اور تم میں سے ہر نافرمان ظالم کو ٹھہرنا چاہیے۔

تو اے قیامت! تیرا خوف کتنا بڑا اور گرمی کتنی سخت ہے؟

جو شخص دنیا میں کمزور ہوگا اور وہ اس کی طرف بڑھے گا اور جو عظمت و قدر والا ہوگا وہ پیچھے ہٹے گا پھر اس کے بعد سب کو پل صراط پر اپنے اپنے اعمال کے مطابق گزرنے کی اجازت دی جائے گی جب نبی اکرم ﷺ کی امت پر پل صراط کا معاملہ سخت ہوگا تو وہ آواز دیں گے اے محمد! ﷺ اے محمد! ﷺ۔ تو نبی اکرم ﷺ ان پر سخت خوف کھاتے ہوئے جلدی کریں گے اور حضرت جبریل علیہ السلام نے آپ کو پیچھے سے پکڑ رکھا ہوگا آپ بلند آواز سے پکاریں گے اے میرے

رب! میری امت کو بچائے میری امت کو بچائے' آج میں اپنے اور اپنی بیٹی فاطمہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں سوال نہیں کرتا۔

فرشتے پل صراط کی دائیں اور بائیں جانب کھڑے "یا رب سلم" (اے اللہ! سلامتی سے گزار دے) کی صدا بلند کر رہے ہوں گے اس وقت سخت خوف ناک منظر ہوگا اور بہت زیادہ خوف ہوگا' گناہ گار دائیں اور بائیں طرف سے گر رہے ہوں گے اور زبانیہ فرشتے (جو جہنم میں دھکیلنے والے ہوں گے) بیڑیوں اور طوقوں سے ان کا استقبال کریں گے اور ان کو آواز دیں گے کیا تمہیں گناہوں کے ارتکاب سے روکا نہیں گیا تھا' کیا تمہیں پوری طرح ڈرایا نہیں گیا تھا' کیا تمہارے پاس مختار نبی ﷺ نہیں آئے تھے؟ یہ بات ابن جوزی نے اپنی کتاب "روضۃ المشتاق" میں ذکر کی ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں نبی اکرم ﷺ سے مروی ہے' آپ نے فرمایا:

من احسن الصدقة فی الدنیا مر علی الصراط. حلیۃ الاولیاء

جو شخص دنیا میں اچھا صدقہ دے گا (حلال کمائی سے مستحق کو دے گا) وہ پل صراط سے گزر جائے گا۔

ایک حدیث شریف میں ہے:

من یکن المسجد بیته ضمن الله له بالروح والرحمة و الجواز علی الصراط الی الجنة. (مسند بزار)

جو شخص مسجد سے اپنا تعلق قائم کرتا ہے (گویا وہ اس کا گھر ہے) اللہ تعالیٰ اس کو راحت و رحمت اور پل صراط سے گزرنے کی ضمانت دیتا ہے۔

امام قرطبی نے حضرت ابن مبارک سے اور انہوں نے حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ جب قیامت کا دن ہوگا تو اللہ تعالیٰ ایک ایک نبی اور ایک ایک امت کو جمع کرے گا اور جہنم کے اوپر پل نصب کیا جائے گا اور آواز دی جائے گی حضرت احمد ﷺ اور آپ کی امت کہاں ہے؟

پس نبی اکرم ﷺ کھڑے ہوں گے اور آپ کے پیچھے آپ کی امت ہوگی ان میں سے نیک اور بدکار سب ہوں گے حتیٰ کہ جب وہ پل صراط پر ہوں گے تو اللہ تعالیٰ آپ کے دشمنوں کی بینائی کو لے لے گا (ختم کر دے گا) اور وہ دائیں بائیں گریں گے اور نبی اکرم ﷺ اور آپ کے ساتھ نیک لوگ گزر جائیں گے' ان سے فرشتوں کی ملاقات ہوگی اور وہ ان کو راستہ دکھائیں گے کہ آپ کے دائیں طرف ہے اور بائیں جانب ہے حتیٰ کہ آپ اپنے رب کے پاس پہنچیں گے تو آپ کے لئے عرش کی دائیں جانب ایک کرسی رکھی جائے گی پھر آپ کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام آئیں گے ان کا راستہ بھی آپ کے راستے کی مثل ہوگا اور ان کی امت کے نیک و بد سب ان کے پیچھے ہوں گے جب وہ پل صراط پر ہوں گے تو اللہ تعالیٰ ان کے دشمنوں کی بینائی لے لے گا اور وہ دائیں بائیں گریں گے۔

دو پل صراط

جان لو کہ آخرت میں دو پل صراط ہیں' ان میں سے تمام اہل محشر کی گزرگاہ نہ ہوگی سوائے ان لوگوں کے جو حساب کے بغیر جنت میں جائیں گے یا جہنم کی کوئی جانب اسے اچک لے جب کچھ لوگ بڑے پل سے نجات پائیں گے تو وہ دوسرے پل پر روک کے جائیں گے اور ان میں سے کوئی بھی جہنم کی طرف نہیں لوٹایا جائے گا اگر اللہ تعالیٰ چاہے' کیونکہ انہوں

نے پہلے پل کو جو جہنم کی پشت پر نصب ہوگا' عبور کر لیا ہوگا۔

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

مؤمن جہنم سے نجات پائیں گے تو ان کو جنت و جہنم کے درمیان ایک پل پر روک لیا جائے گا اور انہوں نے دنیا میں جو ایک دوسرے کا حق مارا ہوگا اس کا حساب لیا جائے گا حتیٰ کہ جب وہ پاک صاف ہو جائیں گے تو ان کو جنت میں جانے کی اجازت ہوگی' اور اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں محمد ﷺ کی جان ہے کہ ان میں سے ایک (مطلب یہ کہ ہر ایک) کو جنت میں اپنے گھر کے راستے کا دنیا کے مقابلے میں زیادہ علم ہوگا۔ (صحیح بخاری)

جنت میں سب سے پہلے نبی اکرم ﷺ داخل ہوں گے

نبی اکرم ﷺ کی یہ فضیلت کہ سب سے پہلے جنت کا دروازہ آپ کھٹکھٹائیں گے اور آپ ہی سب سے پہلے جنت میں داخل ہوں گے تو اس سلسلے میں ''صحیح مسلم میں'' حضرت مختار بن فلفل کی روایت ہے وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

انا اکثر الناس تبعا یوم القیامۃ وانا اول من یقرع باب الجنۃ.

قیامت کے دن میری اتباع کرنے والے زیادہ ہوں گے اور سب سے پہلے میں ہی جنت کا دروازہ کھٹکھٹاؤں گا۔

''صحیح مسلم میں ہی'' حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

میں قیامت کے دن جنت کے دروازے پر آؤں گا اور دروازہ کھولنے کا کہوں گا تو خازن (فرشتہ) کہے گا آپ کون ہیں؟ تو میں کہوں گا میں محمد ﷺ ہوں وہ پوچھے گا آپ کے بارے میں مجھے حکم دیا گیا' میں آپ سے پہلے کسی کے لئے نہیں کھولوں گا۔

امام طبرانی نے بھی اس حدیث کو روایت کیا اور اس میں یہ اضافہ نقل کیا کہ خازن (رضوان فرشتہ) کھڑا ہو کر کہے گا میں آپ سے پہلے کسی کے لئے نہیں کھولوں گا اور نہ آپ کے بعد کسی کے لئے کھڑا ہوں گا۔

پس خازن (فرشتے) کا آپ کے لئے کھڑا ہونے میں آپ کی فضیلت اور مرتبے کا اظہار ہے اور یہ کہ وہ آپ کے بعد کسی کی خدمت میں کھڑا نہیں ہوگا بلکہ جنت کے باقی خازن (فرشتے) اس خازن (رضوان) کی خدمت میں کھڑے ہوں گے اور وہ ان پر بادشاہ کی طرح ہوگا۔ اور اسے اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص بندے اور رسول حضرت محمد ﷺ کی خدمت میں کھڑا کیا۔

حضرت سہیل بن ابی صالح' حضرت زیادہ مہری سے اور وہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: سب سے پہلے جنت کا حلقہ (کنڈا) پکڑنے والا میں ہی ہوں گا اور مجھے اس پر کوئی فخر نہیں۔

یہ حدیث ''مسند فردوس'' میں بھی ہے لیکن حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث سے ہے۔

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' فرماتے ہیں: کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

انا سید ولد ادم یوم القیامۃ ولا فخر

میں قیامت کے دن اولادِ آدم کا سردار ہوں گا اور اس

وبیدی لواء الحمد یوم القیامة ولا فخر وما من نبی ادم فمن سواہ الا تحت لوائی وانا اول من تنشق عنه الارض ولا فخر.

پر مجھے فخر نہیں اور قیامت کے دن میرے ہاتھ میں حمد کا جھنڈا ہوگا اور مجھے اس پر فخر نہیں اور ہر نبی حضرت آدم علیہ السلام اور ان کے علاوہ میرے جھنڈے کے نیچے ہوں گے اور سب سے پہلے میرے لئے زمین کھلے گی (قبر شریف مراد ہے) اور مجھے اس پر فخر نہیں۔

آپ نے یہ بھی فرمایا: کہ لوگوں کو تین بار گھبراہٹ ہوگی تو وہ آدم علیہ السلام کے پاس آئیں گے۔ آگے حدیث ذکر کرنے کے بعد فرمایا: پس وہ میرے پاس آئیں گے اور میں ان کے ساتھ چلوں گا۔

ابن جدعان کہتے ہیں حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا گویا میں نبی اکرم ﷺ کی طرف دیکھ رہا ہوں' آپ نے فرمایا میں جنت کا کنڈا پکڑ کر کھٹکھٹاؤں گا تو پوچھا جائے گا یہ کون ہے؟ کہا جائے گا محمد ﷺ ہیں پس وہ میرے لئے دروازہ کھولیں گے اور مجھے خوش آمدید کہیں گے پس میں سجدے میں گر جاؤں گا تو اللہ تعالیٰ مجھے ثناء اور حمد (کے کلمات) الہام فرمائے گا اور کہا جائے گا اپنا سر مبارک اٹھائیں۔ اس حدیث کو امام ترمذی نے روایت کیا اور فرمایا یہ حدیث حسن ہے۔

حضرت سلمان کی حدیث میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ دروازے کی کنڈی پکڑیں گے اور وہ سونے کی ہوگی پس آپ دروازہ کھٹکھٹائیں گے تو کہا جائے گا یہ کون ہے؟ تو آپ فرمائیں گے محمد ﷺ پس آپ کے لئے دروازہ کھولا جائے گا۔

صور پھونکنے سے متعلق حدیث میں ہے کہ جب مؤمن جنت کے دروازے پر پہنچ جائیں گے تو باہم مشورہ کریں گے کہ ان کے لئے داخلہ کی اجازت کون لے گا پس حضرت آدم علیہ السلام کا ارادہ کریں گے پھر نوح علیہ السلام' پھر ابراہیم علیہ السلام پھر موسیٰ علیہ السلام پھر عیسیٰ علیہ السلام اور پھر حضرت محمد ﷺ کا قصد کریں گے جس طرح وہ میدان محشر میں فیصلے کے لئے اللہ تعالیٰ کے ہاں سفارش پیش کرنے کے سلسلے میں کریں گے تاکہ ہمارے نبی حضرت محمد ﷺ کا باقی تمام انسانوں پر شرف اور بزرگی ہر جگہ ظاہر ہو۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے (نبی اکرم ﷺ نے فرمایا):

سب سے پہلے میں جنت کا دروازہ کھٹکھٹاؤں گا البتہ ایک عورت میرے ساتھ آگے بڑھنے میں جلدی کرے گی تو میں اس سے کہوں گا تجھے کیا ہوا اور تو کون ہے؟ وہ کہے گی میں ایک عورت ہوں جو یتیموں کی پرورش کے لئے وقف ہوگئی (بیوہ ہوگئی اور اپنے یتیم بچوں کی پرورش کرتی رہی دوسری شادی نہ کی)۔

اس حدیث کو ابویعلیٰ نے روایت کیا اور اس کے راویوں میں کوئی خرابی نہیں۔

منذری نے کہا اس کی سند حسن ہے ان شاء اللہ۔

حدیث میں "تبعادرنی" کا لفظ آیا ہے یعنی (وہ عورت) میرے ساتھ داخل ہوگی یا میرے پیچھے پیچھے داخل ہوگی اس مفہوم پر یہ حدیث دلالت کرتی ہے (آپ نے فرمایا):

انا و کافل الیتیم فی الجنة هکذا.

میں اور یتیم کی کفالت کرنے والا جنت میں اس طرح ہوں گے۔

اس حدیث کو امام بخاری رحمہ اللہ نے روایت کیا۔

ابن بطال نے کہا کہ جو شخص اس حدیث کو سنے اس پر لازم ہے کہ اس پر عمل کرے تا کہ جنت میں نبی اکرم ﷺ کی رفاقت حاصل کر سکے اور جنت میں اس سے بہتر کوئی درجہ نہیں۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۰۰۵)

یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس سے جنت میں داخل ہونے کی صورت میں قرب مراد ہو جس طرح پہلی حدیث میں ہے۔

تشبیہ کی وجہ یہ ہے کہ نبی کی شان سے یہ ہے کہ ان کو ایسی قوم کی طرف بھیجا جاتا ہے جو اپنے دین کے معاملے کو نہیں سمجھتے پس وہ ان کے کفیل اور مرشد ہوتے ہیں اسی طرح یتیم کی کفالت کرنے والا اس (بچے) کی کفالت کرتا ہے جسے اپنے دین کی سمجھ نہیں ہوتی بلکہ دنیوی معاملات کی سمجھ بھی نہیں رکھتا اور وہ اسے تعلیم دیتا اور اچھی تربیت کرتا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ کے کچھ صحابہ کرام بیٹھے ہوئے آپ کا انتظار کر رہے تھے تو نبی اکرم ﷺ باہر تشریف لائے حتیٰ کہ جب ان کے قریب ہوئے تو ان کو باہم گفتگو کرتے ہوئے سنا ان میں سے بعض نے کہا تعجب کی بات ہے اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق میں سے خلیل بنایا حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خلیل بنایا دوسرے صحابی نے فرمایا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کلام سے زیادہ تعجب خیز بات کیا ہو سکتی ہے؟ اللہ تعالیٰ نے ان سے کلام فرمایا ایک اور صحابی نے فرمایا حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کی روح ہیں ایک دوسرے صحابی نے فرمایا کہ حضرت آدم علیہ السلام کو منتخب فرمایا۔

نبی اکرم ﷺ تشریف لائے تو ان کو سلام کیا اور فرمایا میں نے تمہارے کلام اور تعجب کرنے کو سنا اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خلیل بنایا اور وہ اسی طرح ہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا اور وہ (واقعی) اسی طرح ہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اپنی روح قرار دیا اور وہ اسی طرح ہیں حضرت آدم علیہ السلام کو چن لیا اور ان کی یہی شان ہے (لیکن) سنو! میں اللہ تعالیٰ کا حبیب ہوں اور اس پر میں تکبر نہیں کرتا اور میں قیامت کے دن حمد کا جھنڈا اٹھانے والا ہوں گا اور اس پر فخر نہیں اور سب سے پہلے میں شفاعت کروں گا اور سب سے پہلے میری شفاعت قبول ہو گی اور اس پر مجھے فخر نہیں سب سے پہلے جنت کی کنڈی میں کھٹکھٹاؤں گا تو اللہ تعالیٰ میرے لئے دروازہ کھولے گا (اس کے حکم سے کھولا جائے گا) اور مجھے داخل کرے گا اور میرے ساتھ فقیر مومن ہوں گے اور مجھے اس پر فخر نہیں اور میں پہلے اور پچھلے سب سے زیادہ معزز ہوں اور مجھے فخر نہیں۔ (جامع ترمذی)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

جب لوگوں کو اٹھایا جائے گا تو میں سب سے پہلے (قبر سے) نکلنے والا ہوں گا اور میں ان کا خطیب ہوں گا جب وہ خاموش ہوں گے اور میں ان کا قائد ہوں گا جب وہ اپنے رب کے حضور حاضر ہوں گے اور میں ان کی سفارش کرنے والا ہوں گا جب وہ روکے جائیں گے اور میں ان کو خوشخبری دینے والا ہوں گا جب وہ ناامید ہوں گے حمد کا جھنڈا میرے ہاتھ میں ہو گا اور جنت کی چابیاں اس دن میرے ہاتھ میں ہوں گی اور میں اپنے رب کے ہاں تمام اولادِ آدم سے زیادہ معزز و محترم ہوں گا اور مجھے اس پر فخر نہیں اور میرے گرد ایک ہزار خادم چکر لگائیں گے گویا وہ محفوظ کئے ہوئے موتی ہیں۔

اس حدیث کو امام ترمذی اور امام بیہقی نے روایت کیا اور الفاظ ان کے ہیں۔

جنت میں سب سے پہلے نبی اکرم ﷺ کی امت داخل ہوگی

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' فرماتے ہیں: کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

نحن الاخرون الاولون یوم القیامة ونحن اول من یدخل الجنة. صحیح مسلم

ہم (دنیا میں) سب سے آخر (اور) قیامت کے دن سب سے پہلے ہوں گے اور سب سے پہلے جنت میں ہم ہی داخل ہوں گے۔

انہی سے مروی ہے فرماتے ہیں: وہ حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں' آپ نے فرمایا:

نحن الاخرون الاولون یوم القیامة ونحن اول الناس دخولا الجنة. (صحیح مسلم)

ہم سب سے آخر ہیں (لیکن) قیامت کے دن سب سے پہلے ہوں گے اور جنت میں سب لوگوں سے پہلے ہم ہی داخل ہوں گے۔

تو یہ امت زمین (قبروں) سے نکلنے میں تمام امتوں سے پہلے' میدان محشر میں سب سے بلند مقام میں' سب سے سبقت کرنے والی' عرش کے سائے کی طرف سب سے آگے' فیصلے میں سبقت کرنے والی' پل صراط سے گزرنے میں سب سے پہلے' جنت میں داخل ہونے کے اعتبار سے سب سے آگے ہوگی اور جنت میں سب سے زیادہ یہی امت ہوگی۔

حضرت عبداللہ بن امام احمد رحمہما اللہ نے حضرت ابو ہریرہ کی حدیث سے نقل کیا کہ جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی:

ثُلَّةٌ مِّنَ الْأَوَّلِينَ ۝ وَثُلَّةٌ مِّنَ الْآخِرِينَ ۝ (الواقعہ: ۳۹۔۴۰)

اگلوں میں سے ایک گروہ اور پچھلوں میں سے ایک گروہ۔

تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: تم اہل جنت کا تیسرا حصہ ہو تم اہل جنت کا نصف ہو تم اہل جنت کا دو تہائی ہو۔[1]

امام طبرانی فرماتے ہیں: اس حدیث کو مرفوع نقل کرنے میں حضرت ابن مبارک تنہا ہیں وہ حضرت ثوری سے نقل کرتے ہیں۔

حضرت بہز بن حکیم کی حدیث میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

اهل الجنة عشرون ومائة صف انتم منها ثمانون.

اہل جنت کی ایک سو بیس صفیں ہوں گی ان میں سے تمہاری اسی (۸۰) صفیں ہوں گی۔

(مسند احمد ج ۵ ص ۳۴۷' ۳۵۵' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۱ ص ۴۷۱' الکامل ج ۷ ص ۲۶۶۱' مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۴۰۳)

امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن قرار دیا۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

---

[1] امام زرقانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس بات کا احتمال ہے کہ شروع میں آپ سمجھے ہوں کہ جنتیوں کا تہائی حصہ آپ کی امت ہے اور پہلوں کی کثرت کو دیکھتے ہوئے آپ یہ بات سمجھے پھر دیکھا کہ اصل تو مساوات ہے تو نصف کا قول فرمایا پھر وحی یا الہام کے ذریعے بتایا کہ دو تہائی ہیں۔ (زرقانی ج ۸ ص ۳۰۰)

ان الجنة حرمت على الانبياء كلهم حتى ادخلها وحرمت علىٰ الامم حتى تدخلها امتي.

جنت تمام انبیاء کرام علیہم السلام پر حرام ہو گی حتیٰ کہ میں اس میں داخل ہو جاؤں اور تمام امتوں پر حرام رہے گی حتیٰ کہ میری امت اس میں داخل ہو جائے۔

امام دارقطنی فرماتے ہیں یہ حدیث حضرت زہری سے مروی غریب ہے۔

سوال: تم اس حدیث کے بارے میں کیا کہو گے جسے امام ترمذی نے حضرت بریدہ بن حصیب رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہوئے صحیح قرار دیا کہ ایک صبح رسول اکرم ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو بلایا اور فرمایا اے بلال! تم کس وجہ سے جنت میں مجھ سے سبقت کر گئے میں جنت میں داخل ہوا تو میں نے اپنے آگے تمہاری آواز سنی۔

جواب: ابن قیم نے اس کا جواب اس طرح دیا ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا آگے ہونا اس وجہ سے ہے کہ وہ اذان کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی طرف پہلے بلاتے تھے اور ان کی اذان نبی اکرم ﷺ کے سامنے ہوتی تھی پس ان کا دخول آپ سے پہلے اسی طرح ہو گا جس طرح خادم اور محافظ پہلے داخل ہوتا ہے۔

اور ایک حدیث میں مروی ہے کہ قیامت کے دن نبی اکرم ﷺ کو اٹھایا جائے گا تو حضرت بلال آپ کے سامنے اذان دیں گے تو نبی اکرم ﷺ کے اعزاز واحترام اور آپ کے شرف وفضیلت کے لئے آگے ہوں گے یہ مطلب نہیں کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو آپ سے سبقت حاصل ہے۔[1]

ابن ابی شیبہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے نقل کیا وہ فرماتے ہیں: کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا حضرت جبریل (علیہ السلام) میرے پاس آئے تو انہوں نے میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے وہ دروازہ دکھایا جس سے میری امت داخل ہو گی' حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! مجھے یہ بات پسند تھی کہ میں بھی آپ کے ساتھ ہوتا حتیٰ کہ اسے دیکھتا' رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: اے ابو بکر! میری امت میں سے سب سے پہلے تم جنت میں داخل ہو گے۔ امام حاکم نے اسے صحیح قرار دیا۔

اس حدیث میں اس بات پر دلالت پائی جاتی ہے کہ اس امت کے لئے ایک خاص دروازہ ہو گا جس سے یہ داخل ہوں گے دوسری امتیں اس میں سے داخل نہیں ہوں گی۔

سوال: نبی اکرم ﷺ جنت کے کس دروازے سے داخل ہوں گے؟

جواب: حکیم ترمذی نے جنت کے دروازوں کا ذکر کیا ہے جس طرح ان سے امام قرطبی نے ''التذکرہ'' میں ذکر کیا تو اس میں حضرت محمد ﷺ کے دروازے کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا وہ باب الرحمۃ ہے اور یہی ''باب التوبہ'' ہے۔

جنت اور اس کے دروازوں کے نام

سوال: جنت کے دروازے کتنے ہیں؟

[1] امام زرقانی فرماتے ہیں ابن قیم کے اس جواب کو رد کیا گیا کیونکہ اگر خادم والی بات ہوتی تو حضور ﷺ یہ نہ فرماتے کہ تم مجھ سے کیسے سبقت لے گئے تو نبی اکرم ﷺ کو حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی مثالی صورت دکھا کر کہ وہ آگے جا رہے ہیں اس بات کی طرف اشارہ کیا کہ وہ اسلام میں سبقت اور راہ خدا میں مشقتیں برداشت کرنے کی وجہ سے جنت میں داخلہ کے مستحق ہوئے۔ (زرقانی ج ۸ ص ۳۰۱)

جواب: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث جسے امام بخاری اور امام مسلم نے نقل کیا ہے اس میں یوں آیا ہے:

جو شخص ایک قسم کی دو چیزیں اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرے گا اسے جنت کے تمام دروازوں سے بلایا جائے گا اے اللہ کے بندے! یہ اچھا ہے پس جو نمازیوں میں سے ہوگا اس کو نماز کے دروازے سے بلایا جائے گا' جو اہل جہاد سے ہوگا اس کو جہاد کے دروازے سے بلایا جائے گا' جو صدقہ دینے والوں میں سے ہوگا اس کو صدقہ کے دروازے سے بلایا جائے گا اور جو روزہ داروں سے ہوگا اس کو باب الریان سے بلایا جائے گا۔

امام ترمذی نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی حدیث سے نقل کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

ما منکم من احد یتوضا فیسبغ الوضوء ثم قال اشھد ان لا الہ الا اللہ وان محمدا عبدہ ورسولہ الا فتحت لہ من ابواب الجنۃ الثمانیہ.

تم میں سے جو شخص کامل وضو کر کے کلمہ شہادت پڑھے تو اس کے لئے جنت کے دروازوں میں سے آٹھ دروازے کھولے جائیں گے۔

لفظ "من" کا اضافہ ہے (جس میں بعض دروازوں کی طرف اشارہ ہے)۔

امام قرطبی فرماتے ہیں یہ اس بات پر دلالت ہے کہ جنت کے دروازے آٹھ سے زیادہ ہیں وہ فرماتے ہیں ان کی تعداد تیرہ ہے اسی طرح کہا ہے۔ (مطلب یہ کہ ہمیں معلوم نہیں لیکن اسی طرح کہا گیا ہے)۔

سوال: نبی اکرم ﷺ کس جنت میں رہیں گے؟

جواب: جان لو! اللہ تعالیٰ مجھے اور تمہیں جنت الفردوس میں اپنی ذات والا صفات کی زیارت سے متمتع فرمائے' اللہ تعالیٰ نے جنتوں میں سے اپنے لئے ایک جنت کا انتخاب فرمایا (کہ اس کے نیک بندے اس میں رہیں) اور اس کو عرش کے قرب کے ساتھ خاص کیا اس (کے درختوں) کو اپنے دست قدرت سے گاڑھا اور یہ تمام جنتوں کی سردار ہے اور اللہ تعالیٰ ہر نوع میں سے اس کے اعلیٰ و افضل کو مختار فرماتا ہے' جس طرح فرشتوں میں سے جبریل علیہ السلام کو اور انسانوں میں سے حضرت محمد ﷺ کو مختار بنایا اور تمہارا رب جسے چاہے پیدا فرمائے اور مختار قرار دے۔

"طبرانی شریف میں" حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ہے' فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

جب رات کی آخری تین گھڑیاں باقی رہتی ہیں تو اللہ تعالیٰ (اپنی شایان شان) نزول فرماتا ہے ان میں سے پہلی ساعت میں اس کتاب میں نظر فرماتا ہے جسے اس کے علاوہ کوئی نہیں دیکھتا پس اللہ تعالیٰ جو چاہے مٹا دیتا ہے اور جو چاہے باقی رکھتا ہے پھر دوسری ساعت میں جنت عدن کی طرف نظر فرماتا ہے جس میں وہ رہتا ہے (مطلب یہ کہ اس جنت کو اس کے ساتھ خاص نسبت ہے' سکونت مراد نہیں) اس کے ساتھ اس میں انبیاء کرام' شہداء' صالحین اور صدیقین کے علاوہ کوئی نہیں ہوگا۔

اس حدیث میں یہ بھی ہے کہ اس کو کسی نے نہیں دیکھا نہ کسی انسان کے دل میں اس کا خیال آیا پھر رات کی آخری ساعت میں نزول فرما کر ارشاد فرماتا ہے:

ہے کوئی بخشش طلب کرنے والا جو مجھ سے بخشش مانگے تو میں اس کو بخش دوں' ہے کوئی مانگنے والا جو مجھ سے مانگے تو میں اس کو عطا کروں' ہے کوئی پکارنے والا جو مجھے پکارے تو میں اس کی پکار کو قبول کروں' طلوع فجر تک یہ سلسلہ جاری رہتا ہے۔

ابوالشیخ نے شمر بن عطیہ سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے جنت الفردوس کو اپنے دست قدرت سے پیدا فرمایا اور وہ اسے ہر دن پانچ مرتبہ کھولتا ہے اور فرماتا ہے میرے دوستوں کے لئے تیری خوشبو زیادہ ہو جائے اور میرے دوستوں کے لئے تیرا حسن بڑھ جائے۔

تو اس (ربانی) عنایت میں غور کرو کس طرح جنت کو اپنے دست قدرت سے ان لوگوں کے لئے بنایا جن کو اپنے دستِ قدرت سے پیدا فرمایا وہ لوگ جن کا اہتمام و شرف مخلوق میں سے سب سے افضل ہے تاکہ اس مخلوق کی فضیلت اور شرف ظاہر ہو جس کو اپنے دست قدرت سے پیدا فرمایا اور وہ دوسروں سے ممتاز ہو جائیں۔

امام دارمی نے حضرت عبداللہ بن حارث رضی اللہ عنہ سے روایت کیا' وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے تین چیزوں کو اپنے دست قدرت سے پیدا فرمایا:

حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق اپنے دست قدرت سے فرمائی' تورات کو اپنے دست قدرت سے لکھا اور جنت الفردوس کو اپنے دست قدرت سے قائم کیا۔ پھر فرمایا مجھے اپنی عزت و جلال کی قسم! اس جنت میں کوئی عادی شرابی اور دیوث (بے غیرت) داخل نہیں ہوگا۔ اس روایت میں ابو معشر نجیح بن عبدالکریم راوی ہے جس کے بارے میں کلام کیا گیا ہے۔

امام دارمی نے ہی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ اللہ تعالیٰ نے چار چیزوں کو اپنے دست قدرت سے پیدا فرمایا' عرش' قلم' جنت عدن اور آدم علیہ السلام۔ پھر تمام مخلوق سے فرمایا ہو جا تو وہ ہو گئی۔

امام دارمی ہی حضرت میسرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق میں سے تین چیزوں کے علاوہ کسی کو اپنا دست مبارک نہیں لگایا' حضرت آدم علیہ السلام کو اپنے دستِ قدرت سے پیدا فرمایا' تورات کو اپنے دستِ قدرت سے لکھا اور جنت عدن کو اپنے دستِ قدرت سے گاڑھا (بنایا)۔

پس جنت عدن' تمام جنتوں سے اعلیٰ اور ان میں سے افضل ہے اور یہ درمیان والی جنت ہے اس میں وہ ٹیلہ ہے جس سے اللہ تعالیٰ کا دیدار ہوگا اور اس پر آٹھ دیواریں ہیں ہر دو دیواروں کے درمیان باغ ہے اور جنت عدن سے ملی ہوئی جنت' جنت فردوس ہے' جس کا لغوی معنیٰ باغ ہے۔

یہ جنت درمیان والی جنت ہے جو جنت عدن کے علاوہ اور اس سے افضل ہے پھر جنت الخلد ہے پھر جنت النعیم اور پھر جنت الماویٰ ہے اور یہ وہ جنت ہے جو حضرت جبریل علیہ السلام اور دیگر فرشتوں کا ٹھکانہ ہے۔

حضرت مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں: شہداء کی ارواح اس میں ٹھکانہ بناتی ہیں پھر دار السلام میں جاتی ہیں کیونکہ وہ ہر مکروہ (ناپسندیدہ) بات سے سلامتی کا گھر ہے پھر دار المقامہ ہے۔

جان لو! صفات کے اعتبار سے جنت کے کئی نام ہیں لیکن ذاتی حوالے سے ایک ہی نام ہے اور اس اعتبار سے وہ نام ایک دوسرے کے مترادف ہیں لیکن صفات کے اعتبار سے الگ الگ ہیں۔

پس جنت عام نام ہے جو ان تمام ذوات کو اور ان میں جو طرح طرح کی نعمتیں' سرور اور آنکھوں کی ٹھنڈک ہے سب کو شامل ہے اور یہ نام ستر (پوشیدگی) سے مشتق ہے اور اسی وجہ سے باغ کو جنت کہا جاتا ہے کیونکہ اس میں داخل ہونے والا درختوں میں ڈھانپا جاتا ہے۔ اور جنتیں بہت زیادہ ہیں جیسا کہ حضرت حارثہ کے بدر میں شہید ہونے کے موقع پر ان

کی والدہ نے عرض کیا یارسول اللہ! کیا مجھے حضرت حارثہ کے بارے میں نہیں بتاتے اگر وہ جنت میں ہیں تو میں صبر کروں اور اگر وہ اس کے علاوہ ہیں تو ان پر رونے کی کوشش کروں۔

آپ نے فرمایا: اے ام حارثہ! جنت میں بے شمار جنتیں ہیں اور تمہارا بیٹا فردوس اعلیٰ کو پا چکا ہے اور ارشاد خداوندی ہے:

وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ ○ (الرحمٰن:۴۶) اور جسے اپنے رب کے حضور کھڑا ہونے کا ڈر ہو اس کے لئے دو جنتیں ہیں۔

آپ نے ان دونوں کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا:

وَمِنْ دُوْنِهِمَا جَنَّتٰنِ ○ (الرحمٰن:۶۲) اور ان کے علاوہ دو جنتیں اور ہیں۔

یعنی یہ چار جنتیں ہیں اور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ ان دونوں کے برتن اور جو کچھ ان میں ہے' چاندی کا ہے اور دو جنتیں ایسی ہیں کہ ان کے برتن اور ان میں جو کچھ ہے وہ سونے کا ہے۔ اس حدیث کو امام بخاری و مسلم نے حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی حدیث سے نقل کیا۔

جنت میں داخل ہونے کے لئے عمل کا اثر

بعض حضرات نے جنت میں داخل ہونے والوں کے اعتبار سے جنتوں کو تین اقسام میں تقسیم کیا ہے۔

(۱) اختصاص الٰہی (یعنی وہ جنت جو اللہ کے ساتھ ہے) اس جنت میں وہ بچے داخل ہوں گے جو بلوغت کی عمر کو نہیں پہنچے اور زمانۂ فترت (جس دور میں کوئی نبی نہیں آئے) کے لوگ اور وہ جن تک کسی رسول کی دعوت نہیں پہنچی اسی جنت میں جائیں گے۔

(۲) دوسری جنت' جنت میراث ہے اس کو ہر وہ مؤمن جو جنت میں جائے گا' حاصل کرے گا اور یہ مقامات وہ ہیں جو جہنمیوں کے لئے مقرر تھے اگر وہ جنت میں جاتے تو ان مقامات میں داخل ہوتے۔

(۳) تیسری جنت' اعمال کی جنت ہے' جس میں لوگ اپنے اپنے اعمال کی وجہ سے اتریں گے اور جو شخص فضیلت کی مختلف وجوہ کی وجہ سے دوسروں سے افضل ہوگا اس کے لئے جنت میں زیادہ مقام ہوگا اور برابر ہے کہ وہ فاضل بفضول سے کم درجہ ہو یا نہ ہو۔ البتہ اس مقام پر اس کی فضیلت اس حالت کی وجہ سے ہوگی ہر عمل کے لئے جنت ہے اور ان کے درمیان فضیلت ان کے احوال کے تقاضے کے مطابق ہوگی۔

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: اے بلال! تم کس وجہ سے جنت کی طرف جانے میں مجھ سے آگے نکل گئے (یہ حدیث گزر چکی ہے)۔

پس معلوم ہوا کہ یہ مخصوص جنت ہے تو ہر فرض' نفل' اچھا کام کرنے اور برے کام کو چھوڑنے کے لئے مخصوص جنت اور خاص نعمت ہے جسے اس میں داخل ہونے والا پائے گا اور بعض اوقات ایک زمانے میں ایک آدمی عبادات میں سے کئی اعمال کو جمع کر لیتا ہے تو ایک ہی زمانے میں مختلف وجوہ سے اسے اجر دیا جاتا ہے پس وہ اپنے غیر سے' جس میں وہ اعمال نہیں ہوتے' افضل ہو جاتا ہے۔

پس یہ بات واضح ہوگئی کہ جنتوں میں منازل اور درجات کا حصول اعمال کی بنیاد پر ہوگا جہاں تک داخل ہونے کا تعلق ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ہوگا جس طرح ''صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں'' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

لن یدخل احد الجنة بعمله قالوا ولا انت یا رسول الله؟ قال ولا انا الا ان تغمدنی الله برحمته.

کوئی شخص بھی اپنے عمل کی وجہ سے جنت میں نہیں جائے گا' صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ بھی نہیں؟ فرمایا میں بھی نہیں مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ مجھے اپنی رحمت سے ڈھانپ لے۔

یعنی اپنی رحمت کے لباس اور پردے میں کرلے یہ لفظ غمد السیف سے بنا ہے اور غمد اس کے غلاف کو کہتے ہیں۔

امام احمد رحمہ اللہ نے حسن سند کے ساتھ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

کوئی شخص جنت میں اللہ تعالیٰ کی رحمت کے بغیر نہیں جائے گا' صحابہ کرام نے عرض کیا اور یا رسول اللہ! آپ بھی نہیں؟ فرمایا میں بھی نہیں مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ مجھے اپنی رحمت سے ڈھانپ لے اور آپ نے دستِ مبارک سے سر کے اوپر کی طرف اشارہ فرمایا یعنی جنت میں داخلہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ہوگا اور بندے کا عمل اس میں داخل ہونے کا مستقل سبب نہیں اگرچہ وہ سبب قرار پاتا ہے اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اعمال کی بنیاد پر جنت میں داخلہ کا ثبوت ان الفاظ میں ذکر فرمایا:

وَتِلْكَ الْجَنَّةُ أُورِثْتُمُوهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ○ (الزخرف:۷۲)

اور تمہیں تمہارے اعمال کی وجہ سے اس جنت کا مالک بنایا گیا۔

اور نبی اکرم ﷺ نے اعمال کی وجہ سے جنت میں داخلے کی نفی کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

لن یدخل احد منکم الجنة بعمله.

تم میں سے کوئی شخص ہرگز اپنے عمل کے ذریعے جنت میں نہیں جائے گا۔

لیکن دونوں میں کوئی اختلاف نہیں جیسا کہ سفیان وغیرہ نے ذکر کیا' انہوں نے فرمایا:

اسلاف کہا کرتے تھے کہ جہنم سے نجات اللہ تعالیٰ کے معاف کرنے سے حاصل ہوگی اور جنت میں داخلہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ہوگا جبکہ منازل و درجات کی تقسیم اعمال کی بنیاد پر ہوگی اس پر حضرت ابوہریرہ کی حدیث دلالت کرتی ہے فرماتے ہیں:

ان اهل الجنة اذا دخلوها نزلوا فیها بفضل اعمالهم. (جامع ترمذی)

اہل جنت' جب جنت میں داخل ہوں گے تو وہ وہاں اپنے اعمال کی فضیلت کے اعتبار سے اتریں گے۔

ابن بطال نے کہا آیت کا محل یہ ہے کہ جنت میں منازل کا حصول اعمال کی بنیاد پر ہوگا کیونکہ جنت کے درجات اعمال کے اختلاف کے اعتبار سے مختلف ہیں اور حدیث کا محل جنت میں داخل ہونا اور اس میں ہمیشہ رہنا ہے پھر انہوں نے اس پر اس آیت کریمہ کے ذریعے اعتراض کیا:

سَلَامٌ عَلَيْكُمُ ادْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ

تم پر سلامتی ہو' اپنے اعمال کے باعث جنت میں

تَعْمَلُوْنَ۝ (النحل:۳۲) داخل ہو جاؤ۔

اس آیت کریمہ میں واضح طور پر بتایا کہ جنت میں داخلہ بھی اعمال کی بنیاد پر ہوگا تو اس کا جواب یوں دیا کہ لفظ مجمل ہے اور اس کو حدیث شریف نے بیان کیا۔

تقدیر عبارت یوں ہے "ادخلوا منازل الجنة وقصورها بما كنتم تعملون جنت کی منازل اور اس کے محلات میں اپنے اعمال کی وجہ سے داخل ہو جاؤ" اس سے اصل داخلہ مراد نہیں۔ (ابن بطال نے) پھر فرمایا یہ بھی جائز ہے کہ حدیث شریف آیت کی تفسیر کرتی ہو۔ تقدیر عبارت یوں ہوگی "ادخلوها بما كنتم تعملون مع رحمة الله لكم وتفضله جنت میں اپنے اعمال کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی رحمت وفضل کے ساتھ داخل ہو جاؤ"۔ کیونکہ جنت کی منازل کی تقسیم اللہ تعالیٰ کی رحمت کے ساتھ ہوگی اسی طرح جنت میں اصل داخلہ بھی اس کی رحمت سے ہوگا کہ وہ عمل کرنے والوں کو اس بات کا الہام کرتا ہے جس کی وجہ سے وہ اسے پاتے ہیں' اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو جو اجر بھی عطا کرتا ہے وہ اس کی رحمت وفضل سے خالی نہیں' اللہ تعالیٰ نے شروع میں ان کو پیدا کرنے' پھر ان کو رزق عطا کرنے اور پھر ان کو تعلیم دینے کے ذریعے بھی فضل فرمایا۔

حضرت قاضی عیاض رحمہ اللہ نے اسی بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ عمل کی توفیق بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ہے اسی طرح اپنی اطاعت کے لئے ہدایت بھی وہی عطا کرتا ہے' عمل کرنے والا ان میں سے کسی چیز کا استحقاق اپنے عمل سے حاصل نہیں کرتا بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کے فضل اور رحمت سے ہوتا ہے۔

دوسرے حضرات نے فرمایا: کہ جو کچھ حدیث اور آیت کریمہ میں ہے وہ ایک دوسرے کی نفی نہیں کرتے کیونکہ جس باء کے ذریعے داخلہ ثابت کیا گیا وہ "باء" کے لئے ہے جس پر وہ داخل ہوتی ہے وہ دوسری بات کے لئے سبب ہوتی ہے اگرچہ وہ اس کے حصول کے لئے مستقل (سبب) نہ ہو۔

اور وہ "باء" جو داخلے کی نفی کرتی ہے وہ معاوضہ کی "باء" ہے جس میں ایک بات دوسری کے لئے عوض (اور بدلہ) بنتی ہے جیسے (کہا جاتا ہے) "اشتريت منه بكذا میں نے اس سے فلاں چیز کو فلاں چیز کے عوض خریدا"۔

تو بتایا کہ جنت میں داخل ہونا کسی شخص کے عمل کے مقابلے میں نہیں اور اگر اللہ تعالیٰ کی اپنے بندے پر رحمت نہ ہو تو وہ اسے جنت میں داخل نہ کرے کیونکہ محض عمل چاہے وہ انتہا کو پہنچ جائے' جنت کو واجب نہیں کرتا اور نہ اس کا عوض ہو سکتا ہے کیونکہ اگر عمل اس طریقے پر بھی ہو جس کو اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے تب بھی اللہ تعالیٰ کی نعمت کا بدلہ نہیں ہو سکتا بلکہ تمام اعمال اللہ تعالیٰ کی ایک نعمت کے برابر بھی نہیں ہو سکتے پس اگر وہ اپنے حق کا مطالبہ کرے تو اس پر اس نعمت کا شکر باقی ہے جسے ادا نہ کر سکے اسی لئے اگر وہ تمام آسمانوں اور زمین والوں کو عذاب دے تو اس میں وہ ظلم کرنے والا نہ ہوگا اور اگر وہ ان سب پر رحم فرمائے تو اس کی رحمت ان کے اعمال سے بہتر ہوگی جس طرح حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے جسے امام ابوداؤد اور امام ابن ماجہ نے نقل کیا۔[1]

یہ جبریہ فرقے کے لئے واضح بیان ہے جو حکمت وتعلیل کی نفی کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ عبادت کرنے پر انسان مجبور

[1] حدیث شریف اس طرح ہے "اگر اللہ تعالیٰ تمام آسمانوں والوں اور تمام زمین والوں کو عذاب دے تو وہ ان پر ظلم کرنے والا نہ ہوگا اور گر وہ ان پر رحم کرے تو وہ ان کے اعمال سے بہتر ہے"۔

ہے وہ محض امر کا پابند ہے اور یہ دنیا اور آخرت میں کسی سعادت کا باعث نہیں اور نہ ہی اعتقاد رکھنے والوں کے لئے نجات کا ذریعہ ہے نیز آگ' جلانے کا سبب اور پانی سیراب کرنے اور ٹھنڈا کرنے کا سبب نہیں ہے۔

اور قدریہ فرقے کا بھی رد ہے جو حکمت و تعلیل میں سے ایک نوع کی نفی کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ عبادات اسی لئے رکھی گئی ہیں کہ بندہ جو ثواب اور نعمت حاصل کرتا ہے اس کی قیمت بنیں یہ اسی طرح ہے جس طرح مزدور اجرت حاصل کرتا ہے ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو عمل کا بدلہ بنایا ہے جس طرح ارشاد خداوندی ہے:

اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ O — اپنے عمل کے بدلے میں جنت میں داخل ہو جاؤ۔

(النحل: ۳۲)

اور نبی اکرم ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے نقل کرتے ہوئے ذکر فرمایا:

یا عبادی انما ھی اعمالکم احصیھا لکم ثم او فیکم ایاھا. — اے میرے بندو! یہ تمہارے اعمال ہیں جن کو میں تمہارے لئے شمار کرتا ہوں پھر تمہیں ان کا پورا پورا بدلہ دوں گا۔

یہ دونوں گروہ ایک دوسرے سے سخت مقابلہ کرتے ہیں اور ان کے درمیان بہت بڑا فرق ہے جب جبریہ فرقہ نے اعمال کو جزاء سے بالکل نہیں ملایا اور قدریہ [1] نے محض اعمال کو جزاء کا سبب اور اسے اس کی قیمت قرار دیا۔ یہ دونوں گروہ ظالم ہیں اور صراط مستقیم جس پر اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو پیدا کیا ہے اس کے رسولوں نے اسے پیش کیا اور اس مقصد کے لئے کتب نازل ہوئیں یہ دونوں فرقے اس (صراط مستقیم) سے منحرف ہیں۔

صراط مستقیم یہ ہے کہ اعمال ایسے اسباب ہیں جو ثواب و عذاب کی طرف پہنچاتے ہیں اور ان (ثواب و عذاب) کا تقاضا اسی طرح کرتے ہیں جس طرح تمام اسباب اپنے مسببات کو چاہتے ہیں نیز یہ کہ اعمالِ صالحہ اللہ تعالیٰ کی توفیق' اس کے احسان اور بندے پر اس کی طرف سے کرم کی صورت میں حاصل ہوتے ہیں' اگر اللہ تعالیٰ اس کی مدد کرے اور اسے اعمال صالحہ کی توفیق دے نیز اس میں اعمال کا ارادہ اور ان پر قدرت کو پیدا فرمائے اس کے دل میں ان کی محبت ڈالے اور مزین کرے نیز برے اعمال کو اس کے لئے ناپسندیدہ قرار دے اس کے باوجود یہ جزاء و سزا کی قیمت نہیں بلکہ ان کی انتہا یہ ہے کہ اگر یہ اعمال بارگاہِ خداوندی میں قبول ہو جائیں تو یہ اس کا شکر ادا کرنا ہے۔

اسی لئے نبی اکرم ﷺ نے جنت میں داخلے کو عمل سے جوڑنے کی نفی فرمائی اور قدریہ کا رد فرمایا جو کہتے ہیں کہ جزاء محض اعمال کا بدلہ اور اس کی قیمت ہے اور اللہ تعالیٰ نے جنت میں داخلے کے لئے عمل کو سبب قرار دے کر جبریہ فرقے کا رد کیا جو اعمال اور جزاء کے درمیان کسی تعلق کے قائل نہیں ہیں پس واضح ہوا کہ ان دونوں کے درمیان کوئی اختلاف نہیں کیونکہ نفی اور اثبات ایک ہی بات پر وارد نہیں ہوئے نفی اس بات کی ہے کہ محض عمل سے جنت کا مستحق نہیں ہو سکتا اور اعمال' جزاء کی قیمت اور عوض نہیں اس طرح قدریہ فرقے کا رد کیا اور جو بات ثابت ہے وہ عمل کے سبب جنت میں داخل ہونا ہے اور یہ جبریہ کا رد ہے اور اللہ تعالیٰ سیدھے راستے کی ہدایت دیتا ہے۔

حافظ شیخ الاسلام ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں حدیث کو اس بات پر محمول کیا جائے کہ عمل محض عمل ہونے کے اعتبار

[1] جبریہ وہ فرقہ ہے جو کہتا ہے کہ انسان جمادات کی طرح ہیں' ان کو کوئی اختیار نہیں اور قدریہ فرقہ بندوں کو خود اپنے افعال کا خالق مانتا ہے اور یہ دونوں غلطی پر ہیں اہل سنت کے نزدیک بندہ محض مجبور بھی نہیں بلکہ مختار نہیں اور اپنے افعال کا' کاسب ہے' خالق نہیں۔ ۱۲ ہزاروی

سے عامل کو جنت میں داخل ہونے کا فائدہ نہیں دیتا جب تک وہ مقبول نہ ہو اور جب بات یہ ہے تو قبولیت کا اختیار اللہ تعالیٰ کے پاس ہے اور جس کا عمل قبول ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ہوتا ہے اسی بنیاد پر فرمایا:

اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ○ اپنے اعمال کی وجہ سے جنت میں داخل ہو جاؤ۔

(النحل: ۳۲)

یعنی تم جو مقبول عمل کرتے ہو (اس کے باعث جنت میں داخل ہو جاؤ) اور اس صورت میں ''باء'' کا مصاحبت یا الصاق یا مقابلہ کے لئے ہونے میں کوئی نقصان نہیں اور اس اعتبار سے اس کا سببیت کے لئے ہونا لازم نہیں آتا۔

امام ابن حجر فرماتے ہیں پھر میں نے دیکھا کہ امام نووی رحمہ اللہ نے اعمال کی بنیاد پر جنت میں داخل ہونے کو قطعی قرار دیا اور آیت کریمہ اور حدیث کو یوں جمع کیا کہ اعمال کی توفیق اور ہدایت ان میں اخلاص سے حاصل ہوتی ہے اور اعمال کی قبولیت اللہ تعالیٰ کی رحمت اور فضل سے ہوتی ہے پس یہ بات صحیح ہے کہ محض عمل کی وجہ سے جنت میں داخلہ نہیں ہو گا اور حدیث کی مراد بھی یہی ہے اور یہ بھی صحیح ہے کہ عمل کے سبب سے داخل ہوگا اور وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے۔

امام دارقطنی نے حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

نعم الرجل انا لشرار امتی فقالوا کیف انت لخیارها فقال اما خیارها فیدخلون الجنة باعمالهم واما شرار امتی فیدخلون الجنة بشفاعتی.

میں اپنی امت کے برے لوگوں کے لئے اچھا مرد ہوں' صحابہ کرام نے عرض کیا آپ امت کے اچھے لوگوں کے لئے کیسے ہیں؟ فرمایا: امت کے اچھے لوگ اپنے اعمال کے سبب جنت میں جائیں گے لیکن میری امت کے برے لوگ میری شفاعت سے جنت میں داخل ہوں گے۔

اس کو عبدالحق نے ''العاقبہ'' میں ذکر کیا۔

کوثر کے ساتھ آپ ﷺ کی فضیلت

نبی اکرم ﷺ کو جنت میں کوثر کی فضیلت بھی حاصل ہوگی۔ لفظ کوثر ''فَوْعَلْ'' کے وزن پر ہے اور اس کا معنی کثرت ہے۔ ایک بہت بڑی نہر کو کوثر کہا گیا کیونکہ اس کا پانی اور برتن زیادہ ہوں گے اور اس کی قدر و منزلت اور بھلائی بہت بڑی ہوگی۔

''الکوثر'' کی تفسیر میں مفسرین نے دس سے زیادہ اقوال نقل کئے ہیں ان میں سے اکثر کا ذکر ہم نے اس کتاب کے چھٹے مقصد میں کیا ہے پہلا قول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اس سے عمومی طور پر خیرِ کثیر مراد ہے لیکن چونکہ نبی اکرم ﷺ کے الفاظ مبارکہ سے اس کی نہر سے تخصیص ثابت ہے لہٰذا اس سے رجوع نہیں ہو سکتا۔

امام مسلم' ابوداؤد اور نسائی رحمہم اللہ نے محمد بن فضیل اور علی بن مسہر کے طریق سے نقل کیا وہ دونوں حضرت مختار بن فلفل سے اور وہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں' الفاظ امام مسلم کے ہیں فرماتے ہیں:

نبی اکرم ﷺ ہمارے درمیان تشریف فرما تھے کہ آپ نے کچھ دیر اونگھنے کے بعد تبسم فرماتے ہوئے سرِ انور اٹھایا ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! مسکرانے کی کیا وجہ ہے؟ آپ نے فرمایا: ابھی مجھ پر ایک سورت نازل ہوئی ہے پھر آپ نے

پڑھا:

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ
اللہ کے نام سے شروع جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

اِنَّاۤ اَعۡطَيۡنٰكَ الۡكَوۡثَرَؕ۝ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانۡحَرۡؕ۝ اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الۡاَبۡتَرُ۝ (الکوثر: ۱۔۳)
بے شک ہم نے آپ کو خیر کثیر عطا کیا' پس اپنے رب کے لیے نماز پڑھیں اور قربانی دیں' بے شک آپ کا دشمن ہی نامراد ہوگا۔

پھر فرمایا تم جانتے ہو کوثر کیا ہے؟ ہم نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول ﷺ بہتر جانتے ہیں آپ نے فرمایا یہ ایک نہر ہے جس کا میرے رب عزوجل نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے۔

لیکن اس میں کوثر کا اطلاق حوض پر ہے اور "صحیح بخاری میں" واضح الفاظ میں آیا ہے کہ کوثر وہ نہر ہے جو حوض میں گرتی ہے۔

اور امام احمد کے نزدیک یوں ہے کہ نہر کوثر' حوض کی طرف کھلتی ہے۔

امام مسلم کے نزدیک یوں ہے:

یغت فیه یعنی الحوض میزابان یمدانه من الجنة احدهما من ذهب والاخر من ورق.
اس حوض میں دو پرنالے گرتے ہیں جو جنت سے کھینچے گئے ہیں ان میں سے ایک سونے کا ہے اور دوسرا چاندی کا۔

یغت غین کے ساتھ ہے یعنی گرتے ہیں۔

"صحیح بخاری میں" حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے ہے وہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں: جب نبی اکرم ﷺ کو آسمان کی طرف معراج کرایا گیا تو آپ فرماتے ہیں میں ایک نہر پر تھا جس کو موتیوں کے گنبدوں نے گھیر رکھا تھا میں نے کہا اے جبریل یہ کیا ہے؟ انہوں نے فرمایا یہ کوثر ہے۔

ابن جریر نے حضرت شریک بن ابی نمر سے روایت کیا' وہ فرماتے ہیں: کہ میں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے سنا وہ ہم سے بیان کرتے ہیں فرماتے ہیں جب نبی اکرم ﷺ کو معراج شریف کرایا گیا اور حضرت جبریل علیہ السلام آپ کو لے کر چلے تو وہاں ایک نہر تھی جس پر موتیوں اور زبرجد کا محل تھا آپ اس کی مٹی کی خوشبو سونگھنے لگے تو وہ کستوری تھی آپ نے پوچھا اے جبریل! یہ نہر کیسی ہے؟ انہوں نے عرض کیا یہ کوثر ہے جو آپ کے رب نے آپ کے لئے پوشیدہ (اور محفوظ) رکھا ہے۔

امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ! کوثر کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: جنت میں ایک نہر ہے جو میرے رب نے مجھے عطا کی ہے وہ (اس کا پانی) دودھ سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ میٹھا ہے۔

حضرت ابوعبیدہ فرماتے ہیں: میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اللہ تعالیٰ کے قول "انا اعطینک الکوثر" کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا:

نهر اعطيه نبيكم شاطئاه عليه در مجوف انيته كعدد النجوم.

وہ ایک نہر ہے جو تمہارے نبی ﷺ کو دی گئی ہے اس کے کناروں پر ایسے موتی ہیں جو اندر سے خالی ہیں اور اس کے برتن ستاروں کی تعداد کے برابر ہیں۔

''شاطئاه'' یعنی اس کے کنارے ''در مجوف'' وہ قبے جو اس کے کنارے پر ہیں۔

امام نسائی نے ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا کہ ام المؤمنین نے فرمایا:

نهر فی بطنان الجنة قلت وما بطنان الجنة قالت وسطها حافتاه قصور اللؤلؤ والياقوت ترابه المسک وحصباؤه اللؤلؤ والياقوت.

وہ نہر جنت کے بطنان میں ہے' میں نے پوچھا بطنان کیا ہے؟ فرمایا: اس کا درمیان' اس کے کناروں پر موتیوں اور یاقوت کے محلات ہیں' اس کی مٹی کستوری اور اس کی ریت موتی اور یاقوت ہیں۔

بطنان۔ باء پر پیش ہے اس کے بعد طا ساکن اور آخر میں نون ہے۔

وسطا۔ میں ''سین'' پر زبر ہے اس سے مراد اس کا اعلیٰ اور قدر کے اعتبار سے بلند حصہ ہے اور وہ درمیان والا حصہ ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے' فرماتے ہیں: کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: کوثر' جنت میں ایک نہر ہے جس کے کنارے سونے کے ہیں اور پانی موتیوں پر جاری ہے اور اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ میٹھا ہے۔

اس حدیث کو امام احمد اور امام ابن ماجہ نے روایت کیا اور امام ترمذی نے فرمایا یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے وہ ''انا اعطیناک الکوثر'' کے بارے میں فرماتے ہیں کہ وہ جنت میں ایک نہر ہے جس کی گہرائی ستر ہزار فرسخ ہے (فرسخ تقریباً آٹھ کلومیٹر کے برابر ہوتا ہے) اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ میٹھا ہے' اس کے کناروں پر موتی زبرجد اور یاقوت ہیں اللہ تعالیٰ نے اسے دیگر انبیاء سے پہلے نبی اکرم ﷺ کے لئے خاص کیا۔ اس حدیث کو ابن ابی الدنیا نے روایت کیا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ سے پوچھا گیا کہ کوثر کیا ہے؟ تو آپ نے فرمایا:

ایک نہر ہے جو اللہ تعالیٰ نے مجھے عطا فرمائی ہے (یعنی جنت میں) وہ (اس کا پانی) دودھ سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ میٹھا ہے' اس میں پرندے ہیں جن کی گردنیں اونٹ کی گردن جیسی ہیں (اعناق البخت فرمایا یا اعناق الجزر) (بخت ایک خاص قسم کا اونٹ اور جزر جیم پر پیش اور اس کے بعد زاء ہے جزور کی جمع ہے اونٹ کو کہتے ہیں)۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یہ بہت اچھے ہیں تو حضور ﷺ نے فرمایا ان کو کھانے والے ان سے بھی عمدہ ہیں۔ اس حدیث کو امام ترمذی رحمہ اللہ نے روایت کیا اور فرمایا یہ حدیث حسن ہے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: کوثر سے متعلق احادیث تواتر کے ساتھ مروی ہیں یعنی ان کے طرق روایت اکثر ائمہ حدیث کے نزدیک قطعیت کا فائدہ دیتے ہیں۔ اسی طرح حوض سے متعلق احادیث ہیں وہ فرماتے ہیں اسی طرح حضرت انس اور العالیہ' مجاہد اور متعدد اسلاف سے مروی ہے کہ کوثر' جنت میں ایک نہر ہے۔

وسیلہ کے ساتھ نبی اکرم ﷺ کی فضیلت

نبی اکرم ﷺ کو جنت میں وسیلہ' بلند درجہ اور فضیلت کا جو اعزاز حاصل ہوگا تو حضرت امام مسلم رحمہ اللہ نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

جب تم مؤذن سے (اذان) سنو تو اس کی مثل کہو جو وہ کہتا ہے پھر مجھ پر درود شریف پڑھو جو آدمی مجھ پر ایک مرتبہ درود بھیجتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے بدلے اس پر دس رحمتیں نازل کرتا ہے پھر اللہ تعالیٰ سے میرے لئے وسیلہ کا سوال کرو کیونکہ وہ جنت میں ایک مرتبہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے بندوں میں سے ایک بندے کے مناسب ہے اور مجھے امید ہے کہ وہ میں ہی ہوں پس جس نے میرے لئے وسیلہ کا سوال کیا اس کے لئے میری شفاعت جائز ہوگی۔

عمادالدین ابن کثیر نے کہا کہ وسیلہ جنت میں اعلیٰ مقام کے اوپر ایک جھنڈا ہے اور وہ جنت میں نبی اکرم ﷺ کی منزل اور مقام ہے اور جنت کے مکانات میں سے یہ عرش کے زیادہ قریب ہے۔

دوسرے حضرات نے فرمایا: وسیلہ "فعیلة" کے وزن پر ہے "وسل الیه" سے بنا ہے جب تقرب ہوتا ہے تو یہ لفظ کہا جاتا ہے مثلاً کہا جاتا ہے "توسلت" یعنی "تقربت" میں قریب ہوا" اور بلند مرتبہ پر بھی بولا جاتا ہے جس طرح اس حدیث میں فرمایا تو یہ جنت میں ایک مرتبہ ہے اور اس کو پہلے معنیٰ کی طرف بھی لوٹایا جاسکتا ہے کیونکہ اس مقام تک پہنچنے والا اللہ تعالیٰ کے قریب ہوتا ہے پس یہ اس قربت (عبادت) کی طرح ہے جس کے ذریعے قرب حاصل ہوتا ہے۔

اور جب نبی اکرم ﷺ مخلوق میں سے اللہ تعالیٰ کے سب سے بڑے عبادت گزار ہیں' اس کی معرفت سب سے زیادہ رکھتے ہیں' سب سے زیادہ خشیت اور سب سے بڑی محبت کے حامل ہیں تو آپ کا مقام و مرتبہ اللہ تعالیٰ کے زیادہ قریب ہے اور یہ جنت کا اعلیٰ درجہ ہے اور آپ نے اپنی امت کو حکم دیا کہ اس کا سوال کریں تاکہ وہ اس دعا کے ذریعے قرب اور ایمان میں اضافہ حاصل کریں۔

علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ نے اس مرتبہ کے لئے کچھ اسباب رکھے ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ آپ کی امت اس مقصد کے لئے دعا کرے کیونکہ انہوں نے آپ کے ہاتھوں سے ہدایت و ایمان کی دولت حاصل کی ہے۔

فضیلت ایک ایسا مرتبہ ہے جو تمام مخلوق سے زائد ہے اور یہ بھی احتمال ہے کہ کوئی دوسرا مقام و مرتبہ ہو یا وسیلہ کی تفسیر ہو۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' فرماتے ہیں: کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

الوسيله درجة عند الله عزوجل ليس فوقها درجة فلوا الله لى الوسيلة. (مسند احمد)	وسیلہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ایک درجہ ہے جس سے اوپر کوئی درجہ نہیں پس اللہ تعالیٰ سے میرے لئے وسیلہ کا سوال کرو۔

ابن ابی الدنیا نے ذکر کیا کہ حضور ﷺ نے فرمایا: وسیلہ ایک درجہ ہے' جنت میں اس سے اعلیٰ کوئی درجہ نہیں پس اللہ تعالیٰ سے سوال کرو کہ وہ مخلوق کی موجودگی میں مجھے عطا فرمائے۔[1]

[1] اذان کے بعد اس دعا کی تخصیص کیوں ہے تو اس سلسلے میں امام زرقانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: کہ جب حضور ﷺ کی ہدایت کے مطابق مؤذن نماز کی طرف بلاتا ہے اور نماز قرب خداوندی کا ذریعہ اور مؤمنوں کی معراج ہے جو بندوں پر احسان خداوندی ہے تو وسیلہ جو قرب خداوندی کا دوسرا نام ہے اس کے لئے دعا کا حکم دیا تاکہ جیسا عمل ہے اسی قسم کی جزا بھی ہو۔ (زرقانی ج ۸ ص ۳۱۲)

ابن مردویہ نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا وہ نبی اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ سے سوال کرو تو میرے لئے وسیلہ کا سوال کرو صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ کے ساتھ کون ٹھہرے گا؟ فرمایا حضرت علی المرتضیٰ' فاطمہ' حسن اور حسین رضی اللہ عنہم۔

لیکن حافظ عماد الدین بن کثیر نے کہا کہ یہ حدیث اس سند سے نہایت غریب اور منکر ہے۔

ابن ابی حاتم نے بھی حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے روایت کیا کہ انہوں نے کوفہ میں منبر پر فرمایا:

اے لوگو! جنت میں دو موتی ہیں ایک سفید اور دوسرا زرد' سفید موتی عرش کی جانب بلند ہے اور مقام محمود سفید موتی سے ہے یہ ستر ہزار کمرے ہیں ان میں سے ہر ایک کمرہ تین میل ہے اور اس کے کمروں' دروازوں' خاندانوں اور وہاں کے رہنے والوں کی اصل ایک ہے اور اس کا نام وسیلہ ہے۔

یہ (وسیلہ) حضرت محمد ﷺ اور آپ کے اہل بیت کے لئے ہے۔ زرد رنگ کا موتی بھی اسی طرح ہے اور یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور آپ کے اہل بیت کے لئے ہے۔

یہ روایت بھی غریب ہے جیسا کہ حافظ ابن کثیر نے اس سے آگاہ کیا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے وہ ارشادِ خداوندی: ''ولسوف یعطیک ربک فترضی. (الضحیٰ:۵) اور عنقریب آپ کا رب آپ کو عطا کرے گا تو آپ راضی ہو جائیں گے'' کی تفسیر میں فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ آپ کو جنت میں ایک ہزار محلات عطا فرمائے گا' ہر محل میں آپ کے شایانِ شان ازواج اور خادم ہوں گے۔

اس حدیث کو ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا اور اس قسم کی بات اسی وقت کہی جاتی ہے جب سنی ہو پس یہ مرفوع حدیث کے حکم میں ہے (حضور ﷺ کا ارشاد گرامی ہے)۔

خاتمہ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ایک شخص نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ مجھے میری ذات سے بھی زیادہ محبوب ہیں آپ مجھے سب گھر والوں سے بھی زیادہ محبوب ہیں مجھے آپ سے اپنی اولاد سے بھی زیادہ محبت ہے میں گھر میں آپ کا ذکر کرتا ہوں لیکن جب تک حاضر ہو کر آپ کی زیارت نہ کروں مجھ سے صبر نہیں ہو سکتا۔[1]

اور جب میں اپنی موت اور آپ کے وصال کو یاد کرتا ہوں تو یہ جان کر کہ آپ جنت میں جانے کے بعد انبیاء کرام کے ساتھ بلند مقام پر ہوں گے تو مجھے یہ خوف لاحق ہوتا ہے کہ میں جنت میں جا کر آپ کی زیارت نہیں کر سکوں گا۔

نبی اکرم ﷺ نے اسے کوئی جواب نہ دیا حتیٰ کہ حضرت جبریل علیہ السلام یہ آیت کریمہ لے کر اترے:

---

[1] اس روایت سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ نبی اکرم ﷺ سے سب سے زیادہ محبت ہی ایمان کی علامت ہے اور اسی محبت کو ایک اور حدیث میں ایمان کی چاشنی قرار دیا گیا لہٰذا مسلمان پر لازم ہے کہ آپ ﷺ سے محبت کرے اور اس کی محبت کا تقاضا یہ ہے کہ آپ کا ذکر کرے محافل میلاد کا انعقاد کرے اور آپ کی سیرت طیبہ پر عمل پیرا اور اطاعتِ رسول ﷺ کا عملی مظاہرہ بھی کرے۔ ۱۲ ہزاروی

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا○ (النساء:٦٩)

اور جو اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانے تو اسے ان کا ساتھ ملے گا جن پر اللہ نے فضل کیا یعنی انبیاء اور صدیق اور شہید اور نیک لوگ یہ کیا ہی اچھے ساتھی ہیں۔

اس حدیث کو ابو نعیم نے روایت کیا۔

حافظ ابو عبد اللہ مقدسی نے کہا میں اس حدیث کی سند میں کوئی حرج نہیں سمجھتا" حادی الارواح (الی دیار الافراح) میں" اسی طرح نقل کیا۔

امام بغوی رحمہ اللہ نے "معالم التنزیل" میں ان الفاظ میں ذکر کیا۔

کہ یہ آیت کریمہ نبی اکرم ﷺ کے غلام حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی وہ نبی اکرم ﷺ سے بہت زیادہ محبت کرتے تھے اور آپ (کو دیکھنے) سے صبر بہت کم کرتے تھے ایک دن حاضر خدمت ہوئے تو رنگ بدلا ہوا تھا یعنی چہرے پر غم کے آثار تھے نبی اکرم ﷺ نے ان سے پوچھا آپ کا رنگ کیوں بدل گیا ہے؟ عرض کیا یا رسول اللہ! مجھے کوئی درد یا بیماری نہیں ہے لیکن جب میں آپ کی زیارت نہیں کر سکتا تو مجھے سخت وحشت ہوتی ہے حتیٰ کہ آپ سے ملاقات کرلوں پھر انہوں نے آخرت کا ذکر کرتے ہوئے کہا مجھے ڈر ہے کہ میں (آخرت میں) آپ کو دیکھ نہ سکوں کیونکہ آپ تو انبیاء کرام کے ساتھ بلند مقام پر ہوں گے اور میں اگر جنت میں چلا بھی گیا تو آپ سے نچلے درجہ میں ہوں گا اور جنت میں نہ جا سکا تو آپ کو کبھی بھی دیکھ نہیں سکوں گا۔ اس پر یہ (مندرجہ بالا) آیت کریمہ نازل ہوئی۔

(تفسیر البغوی ج اص ۳۵۸ تفسیر سورۃ النساء آیت:٦٩)

ابن ظفر نے "ینبوع الحیاۃ" میں اسی طرح ذکر کیا لیکن فرمایا کہ وہ شخص حضرت عبد اللہ بن زید انصاری ہیں جنہوں نے خواب میں اذان کا واقعہ دیکھا تھا۔

اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ کی اطاعت کرنے والے کا انبیاء کرام اور صدیقین کے ساتھ ہونا اس اعتبار سے نہیں کہ وہ سب ایک درجہ میں ہوں گے کیونکہ اس سے فاضل و مفضول کا ایک درجہ میں ہونا لازم آتا ہے اور یہ جائز نہیں۔ بلکہ اس سے جنت میں اس طرح ہونا مراد ہے کہ ان میں سے ہر ایک دوسرے کو دیکھ لے اگر چہ مکان دور ہو۔ کیونکہ جب پردہ ہٹ جائے گا تو وہ ایک دوسرے کو دیکھ لیں گے جب وہ زیارت اور ملاقات کا ارادہ کریں گے تو اس پر قادر ہوں گے پس اس معیت (ساتھ ہونے) سے یہی مراد ہے۔

"صحیح بخاری و مسلم میں" حضرت انس رضی اللہ کی حدیث سے ثابت ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ! قیامت کب ہوگی؟ آپ نے فرمایا تم نے اس کے لئے کیا تیاری کی ہے؟ عرض کیا کچھ بھی نہیں البتہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت کرتا ہوں آپ نے فرمایا تم اس کے ساتھ ہو گے جس سے محبت کرتے ہو۔

حضرت انس رضی اللہ فرماتے ہیں: ہم نبی اکرم ﷺ کے اس ارشاد گرامی پر کہ تم جس سے محبت کرو گے اسی کے ساتھ ہو گے جس قدر خوش ہوئے اس قدر کسی بات پر خوش نہیں ہوئے حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نبی اکرم ﷺ حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما سے محبت کرتا ہوں اور مجھے امید ہے کہ میں ان سے محبت کی وجہ سے ان

کے ساتھ ہوں گا۔

حدیث قدسی جسے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے روایت کیا اور طبرانی نے غریب سند کے ساتھ نقل کیا' میں آیا ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

بندہ فرائض کی ادائیگی کے ذریعے جو قرب حاصل کرتا ہے اس کے علاوہ نہیں کرتا اور وہ نوافل کے ذریعے میرا قرب حاصل کرتا ہے حتیٰ کہ میں اس سے محبت کرتا ہوں (طویل حدیث ہے اور معروف ہے)۔

اس میں ''صحیح بخاری کی'' حدیث سے یہ بات زائد بھی ہے کہ وہ میرے دوستوں اور خاص بندوں میں ہو جاتا ہے اور وہ جنت میں انبیاء کرام' صدیقین اور شہداء کے ساتھ میرے پڑوس (خصوصی قرب) میں ہوگا۔

تو محبت کرنے والوں کا شرف اور ان پر نعمت کس قدر ہے؟ محبّ' جنت میں اعلیٰ درجات کی طرف ترقی کرے گا حتیٰ کہ اسے یوں دیکھا جائے گا جس طرح آسمانوں کے افق میں باقی رہنے والے ستارے کو دیکھا جاتا ہے اور اس کی وجہ یہ ہو گی کہ اس کا درجہ بلند ہوگا' اس کا مقام اس کے محبوب کے قریب اور اس کے ساتھ ہوگا کیونکہ ہر شخص اپنے محبوب کے ساتھ ہوتا ہے اور ہر عمل کی جزاء ہے اور محبت کی جزا محبت اور محبوب کا وصل و قرب ہے۔

ایک عورت جو (گناہوں کے ذریعے) اپنے نفس پر زیادتی کرنے والی تھی' مرنے کے بعد اسے کسی نے خواب میں دیکھا تو پوچھا گیا اللہ تعالیٰ نے تیرے ساتھ کیا سلوک کیا؟ اس نے کہا مجھے بخش دیا پوچھا گیا کیوں؟ اس نے کہا اس لئے کہ مجھے رسول اللہ ﷺ سے محبت تھی اور میں آپ کی زیارت کی خواہش رکھتی تھی تو آواز دی گئی جو شخص ہمارے محبوب ﷺ کو دیکھنا چاہتا ہے' ہمیں حیا آتا ہے کہ ہم اسے عذاب دے کر ذلیل کریں بلکہ ہم حضور ﷺ اور آپ سے محبت کرنے والوں کو اکٹھا کریں گے۔

اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد گرامی پر غور کرو:

طُوْبٰى لَهُمْ وَحُسْنُ مَاٰبٍ ۝ (الرعد:۲۹) ان کے لئے طوبیٰ اور اچھا ٹھکانہ ہے۔

طوبیٰ ایک درخت کا نام ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے دست قدرت سے لگایا جس سے زیورات اور قیمتی جوڑے اُگتے ہیں اور اس کی شاخیں جنت کی دیواروں کے باہر سے دکھائی دیتی ہیں' اس کی اصل نبی اکرم ﷺ کے مکان میں ہے اور ہر مؤمن کے گھر میں اس کی ایک ٹہنی ہے پس ہر جنت میں طوبیٰ درخت کا کچھ نہ کچھ حصہ ہے تاکہ حضور ﷺ ہر نعمت کا مرکز ہوں اور ہر ولی کو آپ ﷺ سے حصہ حاصل ہو اور نبی اکرم ﷺ نے جنت کو بھر دیا پس ہر ولی کو جنت میں جو نعمت حاصل ہو گی نبی اکرم ﷺ کو وہ نعمت ضرور حاصل ہو گی کیونکہ ولی جس نعمت تک پہنچتا ہے نبی اکرم ﷺ کی اتباع کی وجہ سے اسے حاصل کرتا ہے۔ اسی لئے اس کے حصول نعمت میں سر نبوت قائم ہوتا ہے اسی طرح ابلیس نے جہنم کو بھر دیا لہٰذا کسی بھی جہنمی کو جو عذاب ہوتا ہے تو اس کو پہنچنے والے عذاب میں ابلیس' لعین کا حصہ ہوتا اور وہ اس میں شریک ہوتا ہے۔

ابو حیان کی تفسیر ''البحر'' میں ارشاد خداوندی:

عَيْنًا يَّشْرَبُ بِهَا عِبَادُ اللّٰهِ يُفَجِّرُوْنَهَا تَفْجِيْرًا. (الدھر:٦) ایک چشمہ ہے جس میں سے اللہ کے نہایت خاص بندے پئیں گے' اپنے محلوں میں اسے جہاں چاہیں بہا کر لے جائیں گے۔

کی تفسیر کے سلسلے میں کہا گیا کہ یہ رسول اکرم ﷺ کے مکان کا چشمہ ہے جس سے انبیاء کرام اور مؤمنین کے مکانات کی طرف چشمے پھوٹتے ہیں جب تمہیں یہ بات معلوم ہو گئی تو جان لو کہ جنت کی سب سے بڑی اور سب سے کامل نعمت اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی زیارت کے ذریعے نفع حاصل کرنا اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے قرب سے آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچانا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کا شرف حاصل کرنا ہے جو جنتوں اور ان کی نعمتوں سے بڑی نعمت ہے جیسا کہ ارشادِ خداوندی ہے:

وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ. (التوبہ: ۷۲) اور اللہ تعالیٰ کی رضا سب سے بڑی (نعمت ہے)۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ معاملہ اس سے بھی بڑا ہے جو کسی دل میں کھٹکتا ہے یا خیال میں گردش کرتا ہے خصوصاً جب محبت کرنے والوں کو انس کے باغ اور دربارِ عالی میں اپنے محبوب کی معیت حاصل ہوگی جو ان کے مطلوب کی غایت ہے پس کون سی نعمت' کون سی لذت' کون سی آنکھوں کی ٹھنڈک اور کون سی کامیابی اس معیت' اس کی لذت اور اس کے ذریعے آنکھوں کی ٹھنڈک کے برابر ہو سکتی ہے اور کیا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی معیت کے ذریعے آنکھوں کو حاصل ہونے والی ٹھنڈک کی نعمت سے بڑھ کر کوئی نعمت ہو سکتی ہے اللہ کی قسم! کوئی چیز اس حاضری سے زیادہ کامل' زیادہ خوبصورت' زیادہ روشن' زیادہ میٹھی' زیادہ بلند و بالا اور زیادہ قیمتی نہیں ہے جس میں محب اپنے احباب کے ساتھ عزت و اکرام کے مقامات میں جمع ہوگا اور جب ان کے لئے ان کا محبوب اور ان کا معبود جو سچا معبود ہے ایک حجاب کے پیچھے اپنے جمیل لطیف اسم میں روشن ہوگا۔ پس ان پر اس نور کا فیضان ہوگا جو ان کی ذاتوں میں چلے گا تو وہ اللہ تعالیٰ کے جمال کو دیکھ کر حیران ہوں گے اور اسی جمال اقدس کے نور سے ان کی ذوات روشن ہوں گی اور یہ اس رسول ﷺ کے سامنے ہوگا جو سب سے بڑے سردار ہیں۔

اللہ تعالیٰ جل جلالہ فرمائے گا اے میرے بندو! تم پر سلام ہو' اے میرے اہل محبت تمہیں خوش آمدید' تم امن والے مؤمن ہو آج تم پر کوئی خوف نہیں ہوگا اور نہ تم غمگین ہو گے تم میرے دوست' مقرب اور احباب ہو' میں ہی اللہ' جواد' غنی ہوں اور یہ میرے گھر ہیں کہ میں نے اس میں تمہیں ٹھہرایا ہے اور یہ میری جنت ہے جو میں نے تمہیں عطا کی ہے اور یہ میرا ہاتھ ہے جو تم پر کھلا ہے اور میں تمہارا رب ہوں' تمہاری طرف دیکھتا ہوں اور اپنی نظر (رحمت) کو تم سے پھیرتا نہیں' میں تمہارا ہمنشین ہوں اور تمہیں مجھ سے انس حاصل ہوتا ہے' اپنی حاجات میرے سامنے پیش کرو تو وہ کہیں گے اے ہمارے رب! ہماری حاجات یہ ہیں کہ ہم تیری ذات کریمہ کی زیارت کریں اور تو ہم پر راضی ہو تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا: یہ میرا چہرہ پاک (ذات پاک) ہے پس اسے دیکھ کر خوش ہو جاؤ بے شک میں تم سے راضی ہوں پھر وہ حجاب اٹھا کر ان کے سامنے تجلی فرمائے گا تو وہ سجدے میں گر جائیں گے تو اللہ تعالیٰ ان سے فرمائے گا اپنے سروں کو اٹھاؤ اے میرے بندو! یہ سجدے کی جگہ نہیں میں نے تمہیں صرف اس لئے بلایا ہے کہ تم میری زیارت سے نفع حاصل کرو اے میرے بندو! میں تم سے راضی ہوں پس تم پر کبھی بھی ناراض نہیں ہوں گا۔

یہ کلمہ کس قدر شیریں اور یہ خوشخبری کتنی لذیذ ہوگی اس وقت وہ کہیں گے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْٓ اَذْهَبَ عَنَّا الْحَزَنَ وَاَحَلَّنَا دَارَ الْمُقَامَةِ مِنْ فَضْلِهٖ لَا يَمَسُّنَا فِيْهَا نَصَبٌ وَّلَا تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے ہم سے غم کو دور کیا اور اپنے فضل سے ہمیشہ رہنے کے گھر میں اتارا

يَمَسُّنَا فِيهَا لُغُوبٌ اِنَّ رَبَّنَا لَغَفُورٌ شَكُورٌ۔ اس میں نہ کوئی تھکاوٹ ہے بے شک ہمارا رب بخشنے والا (عبادات کو) قبول کرنے والا ہے۔

یہ اس بات پر دلالت ہے کہ جنت میں تمام عبادات زائل ہو جائیں گی البتہ شکر حمد تسبیح اور تہلیل (لا الہ الا اللہ پڑھنا) زائل نہیں ہوگی اور صحیح حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ ان کو الہام ہوگا جس طرح سانس لیا جاتا ہے (تسبیح وتہلیل بلا تکلف ہوگی)۔

جس طرح ''صحیح مسلم میں'' حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:
اہل جنت اس میں کھائیں گے اور پئیں گے نہ ان کو ریٹھ آئے گی اور نہ پیشاب کریں گے اور ان کا یہ کھانا ڈکار اور کستوری کی طرح پسینہ ہوگا۔

ان کو تسبیح اور حمد کا الہام ہوگا جس طرح سانس کا ہوتا ہے مطلب یہ کہ ان کی تسبیح وتہلیل سانسوں کے ساتھ چلے گی اس میں تکلف وغیرہ نہیں ہوگا' یہ آسانی اور الہام کے طریقے سے ہوگا تشبیہ کی وجہ یہ ہے کہ انسان کا سانس لینا ضروری ہے اور اس میں کسی قسم کا تکلف اور مشقت نہیں ہوتی اسی طرح اہل جنت کی زبانوں پر اللہ تعالیٰ کا ذکر جاری ہوگا۔

اس میں راز یہ ہے کہ ان کے دل اللہ تعالیٰ کی معرفت سے روشن ہوں گے اور ان کی آنکھوں کو اس کی زیارت سے نفع حاصل ہوگا۔

اس کی وسیع نعمتوں نے ان کو ڈھانپ رکھا ہوگا اور ان کے دل اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس کی دوستی سے بھرے ہوئے ہوں گے تو ان کی زبانیں اس کے ذکر سے ملی ہوں گی' اللہ تعالیٰ نے اس سلسلے میں ان کا معاملہ قرآن مجید میں اس طرح بیان فرمایا:

وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي صَدَقَنَا وَعْدَهُ وَاَوْرَثَنَا الْاَرْضَ نَتَبَوَّاُ مِنَ الْجَنَّةِ حَيْثُ نَشَاءُ فَنِعْمَ اَجْرُ الْعَامِلِينَ ○ (الزمر:۷۴)

اور وہ کہیں گے سب خوبیاں اللہ کو جس نے اپنا وعدہ ہم سے سچا کیا اور ہمیں اس زمین کا وارث بنایا کہ ہم جنت میں رہیں جہاں چاہیں تو کیا ہی اچھا ثواب (اچھے) کام کرنے والوں کا۔

اور ارشاد فرمایا:

دَعْوَاهُمْ فِيهَا سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَتَحِيَّتُهُمْ فِيهَا سَلَامٌ وَاٰخِرُ دَعْوَاهُمْ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ○ (یونس:۱۰)

ان کی دعا اس میں یہ ہوگی کہ اللہ تجھے پاکی ہے اور ان کے ملتے وقت خوشی کا پہلا بول سلام ہے اور ان کی دعا کا خاتمہ یہ ہے کہ سب خوبیاں اللہ تعالیٰ کے لیے جو تمام جہانوں کا رب ہے۔

اور اللہ تعالیٰ کی رحمت ہمارے سردار حضرت محمد ﷺ اور آپ کی آل واصحاب پر ہو اور بہت زیادہ خوب خوب سلام ہو۔

اس (المواہب اللدنیہ) کے مؤلف اور جامع احمد بن خطیب القسطلانی' اللہ تعالیٰ اپنے کرم کے مطابق ان سے معاملہ کرے' فرماتے ہیں: اس (المواہب اللدنیہ) کا یہ آخری حصہ ہے جس کے ساتھ قلم مدد جاری ہوئی۔ اور اسے محمدی

عطیات سے فیض کے ہاتھ نے تحریر کیا یہ اگرچہ زیادہ ہے لیکن اس کے بلند و بالا شرف کے پہلو میں قلیل ہے اور اس چیز میں سے آسان ہے جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے اپنے ثابت فضل کے ساتھ اعزاز بخشا' اور اللہ تعالیٰ نے اپنے عطیات سے جو عطیہ عطا فرمایا۔ اور باعث فخر امور میں سے جو شرف عطا فرمایا اس کی تلاش کریں تو اس کا تھوڑا سا حصہ بھی رجسٹروں میں نہ آسکے' اس کے مقصود کے سامنے قلم بے کار ہو گئے' دواتیں خشک ہو گئیں اور اس کو جمع کرنے سے کتابیں تنگ ہو گئیں نیز اس کو اٹھانے سے عمدہ اونٹ عاجز آ گئے:-

وعلى تفنن واصفيه لحسنه يفنى الزمان وفيه مالم يوصف

(الدیوان ص ۹۱)

''باوجود اس کے کہ اس کا حسن بیان کرنے والے مختلف اقسام پر مشتمل ہوں' زمانہ ختم ہو جائے گا اور اس میں ایسی بات ہے جس کا وصف بیان نہ ہو سکے''۔

میں بارگاہ خداوندی میں فریاد کناں ہوں کہ اس کتاب کو خالص اپنی رضا کے لئے کر دے' اس کو ریاکاری کے ہر سبب اور بڑائی کی دعوت دینے والے ہر امر سے محفوظ رکھے اور اس کے ذریعے مسلمان' مردوں اور عورتوں کو زندگی میں اور موت کے بعد نفع دے' میں ہر اس فاضل سے سوال کرتا ہوں جو اس پر آگاہ ہو اور اللہ تعالیٰ نے اس کی بصیرت کو روشن کیا اور اس کے دل کو فطرتاً انصاف پر رکھا کہ وہ اپنی بردباری سے میری لغزشوں کی اصلاح کرے اور اپنے فضل کو میری خطاؤں کے لئے سد راہ بنائے' کریم لوگ خطاؤں کو معاف کرتے اور عذر قبول کرتے ہیں' خصوصاً میرے جیسے شخص کا عذر کہ اس عمل میں اس کی ہمت کم ہے اور اس کے پاس جو معمولی پونجی ہے بازار میں اس کی مانگ نہیں' کمینی دنیا کے مشاغل اور بدنی عوارض میں مبتلا ہے اور اس نے وہ بوجھ اٹھائے ہیں کہ اگر رضویٰ (مدینہ طیبہ کا پہاڑ) اسے اٹھاتا تو وہ جھک جاتا۔

یا وہ بوجھ کوہ ثبیر (منیٰ کا ایک پہاڑ) پر اتارا جاتا تو وہ ڈر کر پھٹ جاتا لیکن میں نے اس غفلت کے موقع پر جو لوگوں کو سخت اندھیرے میں ہوتی ہے اور وہ رات جب چوروں کے ڈر سے کوئی شخص گھر سے نہیں نکلتا میں نے اس کو شروع کیا اور مشاغل کے ہاتھوں سے چوری کیا اور رات کا وقت چور کا مددگار ہوتا ہے میں نے معانی کے تالوں کو (علامہ ابن حجر عسقلانی کی شرح بخاری) ''فتح الباری کی'' چابیوں سے کھولا اور میں نے علوم کے خزانوں کے مطالب سے عمدہ موتی نکالنے میں اللہ تعالیٰ کی حمد کرتا ہوں کہ اس نے مجھ پر انعام فرمایا' الہام کیا اور جو کچھ میں نہیں جانتا تھا اس کا علم عطا فرمایا' میں درود و سلام بھیجتا ہوں اللہ تعالیٰ کے رسول حضرت محمد ﷺ پر جو تمام انبیاء کرام میں سے زیادہ شرف والے اور تبلیغ نبوت میں افضل ہیں اور آپ کے آل و اصحاب اور آپ کے خلفاء کرام پر ایسی رحمت جو دائمی ہو اور اس کی کوئی انتہا نہ ہو۔

اور میں اللہ تعالیٰ سے ہی سوال کرتا ہوں کہ وہ اس کتاب سے نسل در نسل کو نفع عطا فرمائے اور اللہ تعالیٰ ہمیں کافی اور بہترین کارساز ہے۔

میں اپنے آپ کو' اپنے دین کو اور اپنے اعمال کے خاتمہ کو میرے رب نے مجھ پر جو انعام کیا اور اس کتاب کو سپرد خدا کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ سے سوال کرتا ہوں کہ وہ اس سے مسلمانوں کو نفع پہنچائے اور مجھے اور میرے احباب کو نہایت اچھے اور مکمل طریقے پر حرمین طیبین کی طرف واپس لے جائے' مجھے وہاں عافیت کے ساتھ کسی مشقت کے بغیر ٹھہرائے' اپنی فرمانبرداری میں میری زندگی کو لمبا کرے اور اپنی عافیت کا لباس پہنائے' میرے لئے اور تمام مسلمانوں کے لئے دنیا اور

آخرت دونوں کی بھلائی کو جمع کرے اور مجھ سے دنیا اور آخرت کے نقصان کو دور کردے' مجھے اپنے رسول ﷺ کے شہر مقدس میں وفات کا شرف عطا کرے اور اپنی رضا کے ساتھ ساتھ مدد محمدی عطا کرے جس طرح یہ عطیہ اپنے نیک بندوں کو عطا کیا ہے۔

(یہ سوال بھی کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ) ہمیں اپنے دیدار کی لذت سے نفع بخش فرمائے اور کسی قسم کا عذاب نہ دے کیونکہ جب کوئی چیز اس کے سپرد ہو جاتی ہے تو وہ اس کی حفاظت فرماتا ہے۔

تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو وحدہ لاشریک ہے اور اللہ تعالیٰ کی رحمت اور سلام ہمارے سردار حضرت محمد (ﷺ) اور آپ کے آل واصحاب پر ہو۔

اس کتاب کے مؤلف رحمہ اللہ نے فرمایا کہ نسخہ مبارکہ جوان شاء اللہ نفع بخش ہوگا' کی کتابت ۱۵ شعبان المکرم ۸۹۹ھ میں مکمل ہوئی اور مسودہ مذکورہ کی ابتدا محرم الحرام ۸۹۹ھ میں اس وقت ہوئی جب حاجیوں کے ساتھ مکہ مکرمہ سے میری واپسی کے دو دن ہو چکے تھے۔ اللہ تعالیٰ کے لئے سب تعریفیں ہیں جو وحدہ لاشریک ہے اور ہمارے سردار حضرت محمد (ﷺ) اور آپ کے آل واصحاب (رضی اللہ عنہم) پر رحمت وسلام ہو۔ آمین

الحمد للہ! آج مورخہ ۱۱ ذوالحجہ ۱۴۲۲ھ/۲۴ فروری ۲۰۰۲ء بروز اتوار سہ پہر چار بج کر چونتیس منٹ پر یہ ترجمہ مکمل ہوا۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اس عظیم کتاب کے مؤلف علامہ قسطلانی' اس کے شارح علامہ زرقانی اور تمام اکابر ملتِ اسلامیہ کی قبور پر کروڑوں رحمتیں نازل فرمائے' اس ترجمہ کو عوام الناس کے لیے نفع بخش اور مترجم (محمد صدیق ہزاروی) کے لیے باعث اجر وثواب اور ذریعۂ نجات بنائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین علیہ التحیۃ والتسلیم۔

محمد صدیق ہزاروی

جامعہ نظامیہ رضویہ' لاہور